فتاویٰ نعیمیہ

Contents

Fatawa Naeemia 1 (1e) 2
Fatawa Naeemia 2 164
Fatawa Naeemia 3 655
Fatawa Naeemia 4 1150
Fatawa Naeemia 5 1750

1

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ آفاق فتاوی

ہمدانی ذخیرہ کتب

فتاوی نعیمیہ

اِدارہ کُتبِ اِسلامیہ گجرات

الحمد للہ کہ مجموعہ مسائل دینیہ مدلل بدلائل یقینیہ!

مسمّٰی بہ

فتاوٰی نعیمیہ

جس میں

حضرت مولانا الحاج حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ معرکۃ الآرا

فتاوٰی جمع کر دیئے گئے ہیں۔ جن کی موجودہ

زمانہ میں اشد ضرورت ہے

○

مؤلفہ

حافظ محمد عارف فارسی ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات

○

ناشر

ادارہ کُتبِ اسلامیہ

بچوک پاکستان

گجرات

نام کتاب ـــــ فتاویٰ نعیمیہ (مفتی احمد یار خان نعیمیؒ)

مؤلفہ ـــــ حافظ محمد عارف صاحب فارسی ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات

صفحات ـــــ ۱۶۰/-

ناشر ـــــ ادارہ کتب اسلامیہ

پرنٹرز ـــــ پیر بھائی پرنٹرز۔ لاہور

تعداد ـــــ ایک ہزار

ملنے کا پتہ ، مکتبہ اسلامیہ۔ ۴۰۔ اردو بازار۔ لاہور

عرضِ ناشر

السلام علیکم! حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہورِ عالم "فتاویٰ نعیمیہ" آپ کے سامنے ہے یہ کتاب تقریباً ۲۵ برس قبل شائع ہوئی تھی پھر اس کے بعد گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے اس کی اشاعت معرضِ عمل میں نہ آسکی اب ایک طویل عرصہ کے بعد نئی کتابت کروا کے انتہائی دلکش انداز میں پورے اہتمام کے ساتھ شائع کر کے تشنگانِ علم کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے حضرت حکیم الامت کے "فتاوے" عالم اسلام میں جو اہمیت اور مقام رکھتے ہیں وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور ضرورت تھی کہ "فتاویٰ نعیمیہ" کو بہر صورت شائع کیا جائے اللہ رب العزت کے فضل و کرم سرکارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نظرِ رحمت کے صدقہ ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ آپ حضرات فتاویٰ کی اہمیت کے ساتھ ساتھ کتاب کو ظاہراً بھی خوبصورت پائیں گے یقیناً آپ کے جمالیاتی ذوق کی تسکین بھی ہو گی انشاء اللہ

دعا فرمائیے اللہ بزرگ و برتر اسے ہمارے لئے وسیلۂ بخشش بنائے۔ آمین والسلام

افتخار احمد خاں مفتی

مکتبہ اسلامیہ۔ لاہور

بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمالِہٖ

کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمالِہٖ

حَسُنَت جَمیعُ خِصالِہٖ

صَلُّوا عَلَیہِ وَآلِہٖ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلام شیخ سعدی

کتبہٗ گوہر قلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی خُصُوصًا عَلٰی سَیِّدِ الاَنبِیَاءِ مُحَمَّدٍ المُصطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِین

موجودہ زمانہ میں مبارک ہیں وہ ہستیاں جن کی ذات جن کی زبان جن کے قلم مشعلِ راہ ہدایت ہیں اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جو ان ہستیوں سے وابستہ رہ کر موجودہ زہریلی ہواؤں اور تاریکیوں سے محفوظ ہیں۔ کیوں کہ آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں۔ وہ نہایت ہی خطرناک زمانہ ہے۔ کفر والحاد، بے دینی کی ایسی تیز آندھیاں چل رہی ہیں کہ ان سے خرمن ایمان سخت خطرے میں ہے۔

سرزمین گجرات خوش قسمت خطہ ہے کہ ہمیشہ سے یہ صوفیاء وعلماء کا مرکز رہا اور حضرت مولانا الحاج حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی کا وجود اہل سنت کے لئے خدا کی رحمت اور اہل گجرات کے لئے باعثِ فخر ہے۔ مفتی صاحب چار کام انجام دے رہے ہیں۔ درسِ قرآن کریم۔ تدریس۔ فتاویٰ۔ وعظ۔ درس اور وعظ کا کچھ حصہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا۔ کہ تفسیر نعیمی کے تین پارے آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اسی طرح مواعظ نعیمیہ کی دو جلدیں آپ کے مطالعہ سے گذر چکی ہوں گی۔ مجھے عرصہ سے فکر تھی کہ حضرت کے فتاویٰ بھی شائع ہو جاویں۔ مگر ہر کام کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ موقع نہ ملا۔ ادھر دشواری یہ پیش آگئی۔ کہ تمام فتاوے لکھے نہ گئے۔ سالانہ سینکڑوں فتوے جاری ہوتے ہیں۔ مگر صرف دو چار قلم بند ہوتے ہیں۔ پھر ان جمع شدہ فتوؤں کا ایک بھاری ذخیرہ چاٹگام (بنگال) کے ایک صاحب نے ایسا پسند فرمایا۔ کہ اسے لے کر خود غائب ہو گئے۔ پھر دوبارہ جو ذخیرہ جمع ہوا اس کا ایک حصہ ایک صاحب نے چھپوانے کیلئے لیا اور گم کر دیا۔ اس سے ہمت ٹوٹ گئی۔

بڑے فتاویٰ جو رسالہ کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ وہ ضرورت زمانہ کو محسوس کرتے ہوئے علیحدہ علیحدہ کتابی شکل میں چھپوا دیئے گئے۔ چنانچہ سلطنتِ[۱] مصطفٰے[۲]۔ قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء[۳]۔ رسالہ بیس رکعت تراویح۔ رسالہ یکدم تین طلاق۔ رحمتِ[۴] خدا بوسیلہ اولیاء اللہ۔ ایک اسلام وغیرہ

اسی فتاوے کے حصے ہیں۔ جو کتابی شکل میں چھپ کر آپ تک پہنچ چکے۔ اتفاقاً ایک فہرست میں فتاوی نعیمیہ کا اشتہار چھپ گیا۔ خلقت نے تقاضوں سے ہمیں سخت پریشان کر دیا کہ فتاوی نعیمیہ بھیجو۔ بعض صاحبوں نے قیمت پیشگی بھیج دی۔ اس لئے مجبوراً فتاوی جس حال میں تھا اسی طرح بے ترتیب شائع کیا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں اور فتوے زیادہ کر کے ترتیب وار شائع ہوگا۔ ناظرین انتظار اور دعا فرمادیں۔

محمد عارف

فارسی ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات

خطبۂ جمعہ کا حکم

فتوی نمبر ۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں کے پیش امام صاحب سے پہلے ہی لوگوں کو شکایت تھی کہ خطبہ بہت طویل پڑھتے ہیں۔ اب انہوں نے نیا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ خطبہ سے پیشتر اُردو زبان میں مضمون خطبہ کے علاوہ دوسری تقریریں شامل کر کے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لوگوں نے محسوس کیا ہے کہ ان تقریروں میں علماء پر چوٹ طنزیہ جملے ذاتی جذبات کا بھی شمول ہے۔ ان تقریروں کے بعد اذان ثانی ہو کر خطبہ شروع کیا۔ مقتدیوں میں اس کا چرچا ہوا۔ یہاں لوگ اکثر نماز جمعہ کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ اس لئے یہ تاخیر ان کو زیادہ گراں پڑتی ہے۔ متولی اس سے منع کرتے ہیں کہ یا تو بعد عشاء یا بعد جمعہ یہ مضمون بیان کرو تاکہ نمازیوں پر بار نہ ہو۔ آیا یہ منع کرنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

عبدالرزاق مدرسہ محمدیہ راندیریہ رنگون

الجواب

بعون الملک العلام الوھاب۔ امام صاحب کو متولیان مذکورہ کا ان امور سے روک دینا بالکل درست ہے بلکہ ضروری ہے۔ کیوں کہ امام صاحب کا یہ طریقہ خلاف شرع ہے۔ خلاف

شرع امور سے روکنا بہت ضروری ہے۔ خطبہ نماز سے بڑھا دینا مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے۔ اِن طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبۃ سنۃ من فقہۃ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ (مسلم) عالمگیری میں ہے۔ الرابع عشر تخفیف الخطبتین بقدر سورۃ من طوال المفصل و یکرہ التطویل۔ خصوصاً جبکہ مسلمان طوالت سے گھبراتے ہوں۔ واعظ اور ناصح کو ضرور ہے کہ مسلمانوں کی رغبت کا خیال رکھے۔ اتنا دراز وعظ نہ کہے۔ کہ مسلمان گھبرا جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ لاتمل الناس ھذا القرآن (بخاری) لوگوں کو اس قرآن سے گھبرانہ دے یعنی اتنا وعظ نہ کہو کہ لوگ گھبرا جائیں۔ وعظ میں نرمی اور تلطف کا بہت لحاظ رہنا چاہیئے۔ کذافی الھندیۃ۔ لہٰذا امام صاحب کا یہ طریقہ کہ خطبہ طویل کریں۔ نیز لوگوں کو گھبرا دیں۔ نیز وعظ میں غیظ و غضب سے کام لیں۔ تمام کے تمام خلاف شرع ہیں ان کو خود ہی اس سے احتیاط کرنا چاہیئے۔ اگر خود احتیاط نہ کریں تو ان کو روک دینا چاہیئے۔ نیز خطبہ اردو یا کسی اور زبان میں عربی کے سوا درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

احوج الناس الیٰ حبیب الرحمٰن

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

۱۹ ذی الحجہ یوم جمعہ مبارکہ ۱۳۵۶ھ

فتویٰ نمبر ۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسا مدرسہ قائم کرنا جس میں دینی علوم سکھائے جائیں انگریزی تعلیم نیز صنعت و حرفت و تجارت درستی معاشرت و اخلاق کی تعلیم کا معیار بھی مقرر کیا جائے اور مغربی تہذیب و تمدن سے بچا کر طالب علم کو ایسا بنایا جاوے کہ دیسی اور دیس کا مداح ہو جائز ہے یا نہیں۔ جواب تسلی بخش ہو۔

محمد اکرم عمری مجددی

مہتمم مدرسہ ارشاد العلوم رامپور ریاست

الجواب

بعون الملک العلام الوہاب۔ بقدرِ ضرورت علم سیکھنا سخت ضروری ہے۔ ضرورت دنیاوی دینی دونوں کو شامل ہے۔ یعنی دنیاوی و دینی ضروریات جس قدر علم سے پوری ہوں۔ سیکھنا ضروری ہے۔ رد المحتار میں ہے۔ فیتناول ما هو دینی کصلوٰۃ الجنازۃ وکالصنائع المحتاج الیها۔ اسی مقام پر ہے۔ واما فرض الکفایۃ فی العلم فهو کل علم لا یستغنی عنه فی قوام امور الدنیا کالطب والحساب الی ان قال واصول الصناعات والفلاحۃ کالحیاکۃ والسیاسۃ والحجامۃ۔ علم دین تو ہر مسلمان پر سیکھنا بقدرِ ضرورت فرض عین ہے۔ انگریزی بھی فی زمانہ ضروری ہو گئی کہ اس سے بہت سی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ صنعت وحرفت بھی اشد ضروری چیزیں ہیں۔ کہ کسب حلال کا حدیث میں تاکیداً حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ مرقات میں اسی کے ماتحت ہے۔ اذ کسب الحلال اصل الورع واساس التقوٰی۔ نیز حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ قیل یا رسول اللہ ای الکسب اطیب قال عمل الرجل وکل بیع مبرور۔ غرضیکہ حلال صنعتیں اور جائز پیشے ضروریات زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی پیشہ بغیر سیکھے نہیں آتا۔ اس لئے اس کا سیکھنا بھی ضروری۔ لہٰذا ایسی درسگاہ جس میں علوم دینیہ اور علم انگریزی وصنعت وحرفت کی تعلیم ہو۔ بہت ہی اچھی ہے اور قائم کرنے والا بہت اجر کا مستحق ہے۔ تعلیم انگریزی میں اس بات کا لحاظ رہے کہ طالب علم صاحب دین بنے۔ علی العموم انگریزی دان حضرات میں انگریزیت سرایت کرجاتی ہے کہ وہ دین سے اجنبی تو کیا دین اور اہل دین کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اور جو نقصان کفار نہ پہنچا سکیں۔ یہ نادان دوست پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ صورت ہوئی۔ تو سخت حرام اور اس کی معاونت کرنے والا مجرم ہوگا۔ اگر دین کا صحیح جذبہ رکھتے ہوئے انگریزی تعلیم حاصل کی جاوے۔ تو انگریزی داں، دین کو اس سے بہت فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس طرح صنعت وحرفت والا اپنی ضروریات میں دوسروں کا دستِ نگر نہ ہوگا۔ واللہ اعلم وعلمه عزّ اسمه اتم واحکم

احمد یار خاں نعیمی اشرفی غفی عنہ

۱۹ ذی الحجہ یوم جمعۃ المبارک ۱۳۵۶ھ

فتویٰ نمبر ۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کے نکاح میں لڑکے والے سے کہا کہ مہر کے علاوہ بغیر قرض اگر آپ اس شرط پر روپیہ دیں گے تو میں برات کو کھانا کھلا سکتا ہوں ورنہ نہیں۔ یہ روپیہ لینا جائز ہے یا حرام؟

محمد حسین چاٹگام
۲۵ رذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

الجواب

بعون الملك العلام الوهاب :۔ یہ سوال ناجائز ہے ۔ اس لئے کہ اگر روپیہ کی شرط پر نکاح کرتا ہے کہ بغیر اس کے ادا کئے نکاح ہی نہ کرے ۔ تب تو یہ رشوت ہے اور رشوت لینا حرام ہے۔ درمختار میں ہے۔ اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة۔ ردالمحتار میں ہے وكذا الولى ان يزوجها فللزوج الاسترداد قائما اوهالكا لانه رشوة۔ اور اگر یہ روپیہ شرط نکاح نہیں ہے بلکہ ویسے دعوت کے لئے مانگتا ہے تو سوال ہے اور مہمانوں کی دعوت اتنی ضروری نہیں کہ اس کے لئے سوال جائز ہو۔ حدیث پاک میں ہے۔ ان المسألة لا تحل الا لاحد ثلثة رجل تحمل حمالة فحلت له المسئلة۔ حتی يصيبها ثم يمسك ورجل اصابته جائحة اوحاجة الحديث : فرق دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو شوہر روپیہ واپس لے سکتا ہے کما ذکرنا اور دوسری صورت میں واپس نہیں کر سکتا کہ یہ ایک ہدیہ تھا ۔ اگرچہ اس کا مانگنا ناجائز تھا۔ ہاں اگر عرف اس پر قائم ہو کر لڑکے والے بطور خود لڑکی والے کے یہاں کچھ روپیہ وغیرہ دوسری چیز ہدیۃً شادی کے پہلے یا بعد بھیجتے ہوں تو درست ہے کہ ہدایہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وكذا ما يعطيها من ذلك او من دراهم ودنانير صبيحة ليلة العروس فان كن ذلك تعورف فى زماننا كونه هدية ۔ والله اعلم۔

احوج الناس الی حبیب الرحمٰن
احمد یار خاں نعیمی اشرفی
۱۵ ذی الحجہ یوم پنجشنبہ ۱۳۵۶ھ

فتویٰ نمبر ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کا صحیح وزن اسی روپیہ سیر سے کیا ہے۔ یا سکہ رائج الوقت سے کتنے روپیہ بھر ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

صاع ۴ مُد یعنی ۴ من عربی کا ہوتا ہے اور ایک مُد دو رطل کا اور رطل بیس استار کا اور ایک استار ۴ مثقال کا اور ایک مثقال ۴ ماشہ کا اس حساب سے صاع ۲۹۲ روپے بھر کا ہوا۔ جس کے ۸۰ کے سیر سے تین سیر ۱ چھٹانک ۲ روپیہ بھر کا ہوا۔ عالمگیری میں ہے۔ والصاع ثمانیۃ ارطال بالبغدادی والرطل البغدادی عشرون استارا الاستار اربعۃ مثاقیل و نصف۔ ردالمحتار میں ہے۔ اعلم ان الصاع اربعۃ امداد۔ والمد رطلان وبالاستار اربعون والاستار بکسر الھمزۃ بالمثاقیل اربعۃ و نصف ہمارے اس حساب سے رطل بغدادی ۳۶ روپیہ چند ماشہ بھر ہوا اور رطل کا صاع ہوتا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ رطل چالیس روپے بھر کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے صاع ۳۲۰ روپیہ بھر کا ہوا۔ جو کہ ۸۰ سیر سے ۴ سیر ہوا۔ لیکن یہ بات صرف مشہور ہی ہے نہ کہ تحقیقی۔

خیال رہے کہ صاع کے وزن میں اُردیا مسور کا اعتبار ہے کہ ان کا وزن گھٹتا بڑھتا نہیں۔ جب گیہوں یا جو سے حساب لگایا جائے گا۔ تو ایک صاع میں وزنی گیہوں زیادہ سمائیں گے اور ہلکے کم اسی لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے صاع کا وزن احتیاطاً و تحقیقاً ۳۵۱ روپیہ بھر تجویز فرمایا ہے کہ وزنی سے وزنی گیہوں ایک صاع میں اتنا ہی آسکے گا۔ اس صورت میں زیادہ تو ادا ہو جائیگا مگر کم نہ ہوگا۔ اس لئے مسلمانوں کو اسی پر عمل چاہیئے ردالمحتار میں ہے۔ بناء علی تقدیر الصاع

بالماش او العدس اما علی تقدیرہ بالحنطة او الشعیر وهو الاحوط فیزید نصف الصاع علی ذالک فالاحوط اخراج ربع مد شامی علی التمام من الحنطة الجیدة -
اس تقدیر پر صاع بحساب اسی روپیہ کے چار سیر ۶ چھٹانک ۱ روپیہ بھر ہوگا - اسی حساب سے فطرہ نصف صاع گیہوں دیا جائے یعنی ۲ سیر ۳ چھٹانک ۵ ۷ روپیہ اٹھنی بھر - واللہ اعلم -

احمد یار خاں نعیمی عفی عنہ

فتوی نمبر ۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ درود پاک میں آل سے مراد اولاد پاک و ازواج مطہرات و صحابہ کرام و جملہ مومنین ہیں یا صرف اہل بیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم - نیز یہ بھی تحریر فرمایا جائے کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور تمام ازواج مطہرات داخل ہیں کہ نہیں - بینوا وتوجروا -

الجواب

لفظ آل کی مراد میں اختلاف ہے - بعض کہتے ہیں کہ آل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک ہے - اور بعض کے نزدیک آل سے مراد اہل وعیال یعنی اولاد پاک و ازواج مطہرات ہیں - بعض کا قول ہے کہ ہر متقی آل ہے - اور بعض کے نزدیک ہر مومن آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں - قرآن کریم نے فرعون کے متبعین کو آل فرعون فرمایا ہے - اشعۃ اللمعات میں ہے - آل رجل، اہل وعیال وے را گویند وبمعنی اتباع نیز آمدہ وظاہر آنست کہ مراد در حدیث بمعنی اتباع باشد و بعض آل را تفسیر باہل بیت کنند بمعنی کسے کہ صدقہ برا و حرام است + حاشیہ مشکوۃ میں ہے - اختلفوا فی الآل من هم قیل من حرمت علیه الزکوٰة کبنی هاشم و بنی المطلب والفاطمة والحسن والحسین وعلی وقیل کل مومن فی آله صلی الله علیه وسلم وقال الشیخ عبد الحق ان ازواجه صلی الله علیه وسلم داخلة فی هذا الخطاب وآل ایضاً یجئ بمعنی الاتباع وبهذا

کرد مالکی و وجہ النووی فی شرح المسلم بہتریہ
المعنی ورد الی کل مومن ومال الیہ مالک و وجہ النووی فی شرح المسلم بہتریہ
ہے کہ درودپاک میں آل سے مراد عامہ مسلمین لئے جاویں کہ یہ معنی سب کو شامل ہے اور رحمت
الٰہی بھی شامل۔ ہم بلاوجہ تخصیصات واسعًا کے کیوں مصداق بنیں۔ صحیح یہ ہی ہے کہ اہل بیت رسول اللہ
حضور کی اولاد پاک وازواج مطہرات کو کہتے ہیں۔ کیوں کہ اہل بیت کے لغوی معنی ہیں گھر والے۔ اور
گھر دو طرح کے ہیں۔ خانہ ولادت۔ وخانہ سکون۔ اولاد خانہ ولادت والے ہیں اور ازواج خانہ سکونت
والے۔ اور بیت اس جگہ مطلق ہے۔ تو حضور کی اولاد پاک یعنی فاطمہ زہرا، حسنین کریمین ودیگر
اولاد پاک نیز حضرت علی وازواج مطہرات رضی اللہ عنہم اجمعین سب ہی مراد ہوں گے۔
اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ آیت إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ
أَهْلَ الْبَيْتِ کے متعلق فرماتے ہیں کہ "وحق آنست کہ ازواج مطہرات نیز داخل ایں خطاب
اند زیراکہ سوق آیہ قرآنیہ منادی است بدخول"۔ مرقاۃ المفاتیح میں حدیث عترتی واھل بیتی
کے ماتحت ہے۔ اراد بذالک نسلہ وعصابۃ الادنین وازواجہ۔ اشعۃ اللمعات
میں ہے۔ فخر رازی گفتہ کہ اولیٰ آنست کہ گفتہ شود اہل بیت ازواج اولاد آنحضرت اندہ قرآن کریم
کی ایک سورۃ کا نام آل عمران ہے اس سورت میں عمران کی بیوی حنہ اور بیٹی مریم دونوں ہی کا قصہ
مذکور ہے۔ معلوم ہوا کہ لفظ آل بیوی واولاد کو شامل ہے۔ واللہ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ہر سال ماہ محرم میں تعزیہ بناتا ہے اور
کبھی امامت بھی کرتا ہے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تم تعزیہ بنانا چھوڑ دو۔ وہ کہتا ہے۔ کہ میں صناع
ہوں۔ اپنی صنعت دکھاتا ہوں۔ تعزیہ نہیں بناتا ہوں تو کیا یہ عذر صحیح ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے
نماز درست ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر تعزیہ میں جاندار کی تصویر نہ ہو۔ بلکہ صرف روضہ مطہرہ امام الشہداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نقشہ ہو تو اس کا بنانا درست ہے۔ کیوں کہ جاندار کی تصویر بنانا شرعاً حرام ہے۔ اور غیر جاندار کی مباح۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمائی۔ کہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل له بکل صورۃ صورھا نفسا فیعذبه فی جهنم قال ابن عباس فان کنت لابد فاعلا فاصنع الشجرۃ وما لا روح فیه۔ رد المحتار میں ہے۔ الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان فصنعته حرام بکل حال۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر جاندار کا نقشہ بنانا درست ہے۔ لہٰذا شخص مذکور اگر ایسا تعزیہ بناتا ہو۔ جس میں کوئی تصویر نہ ہو تو جائز ہے اور اس کے پیچھے نماز بھی درست۔ ورنہ نہیں۔ تعزیہ بنانا اور چیز ہے اور تعزیہ داری کچھ اور۔ تعزیہ داری میں چونکہ باجہ کھیل کود اور فضول خرچی ہوتی ہے اس لئے حرام ہے۔ اور چونکہ تعزیہ بنانا ان باتوں سے خالی ہے۔ اس لئے جائز ہے۔ مروج تعزیہ داری حرام ہے۔ اور صرف نقشہ بنانا جائز

واللہ اعلم

احمد یار خاں

فتویٰ نمبر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سرائے بیگم کی مسجد میں اب تک نمازی بہت ہی کم آتے تھے۔ اب دو ہفتہ سے نوجوانان محلہ نے اس کی کوشش کی کہ جو بالغ ہو اس کو نماز میں شرکت ضرور کرنا چاہیئے۔ اس قسم کی پنچایت کی ہے۔ لہٰذا ہر نماز پنجگانہ کے بعد باہر دروازہ مسجد پر نعرۂ تکبیر بلند آواز سے لگاتے ہیں۔ تاکہ نمازیوں میں نماز کا ذوق پیدا ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ صبح و عشاء کی نماز کے لئے صلوٰۃ وسلام سے لوگوں کو بیدار کرتے ہیں۔ درمیان میں تکبیر کہتے جاتے ہیں۔ نیز بعض حضرات پیش امام بعد فرائض پنجگانہ کے قدرے بلند آواز سے کلمہ طیبہ تین بار مع مقتدیوں کے پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ پڑھنا منع ہے تین وجہوں سے۔ اوّل یہ کہ بدعت ہے۔ دوسرے یہ کہ ذکر بالجہر ہے جو ممنوع ہے۔ تیسرے اس سے دعا طویل ہو جاتی ہے جو منع ہے یہ دلائل درست ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ تمام کام جائز ہیں ۔ نعرۂ تکبیر بلند آواز سے کہنا تو جائز ہے کہ یہ ذکر الٰہی ہے اور جب نماز کا ذوق پیدا کرنے کے لئے ہو تو اور بھی بہتر ہے قرآن کریم میں ہے ۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۔ اس آیت کریمہ میں ہر حال میں ذکر الٰہی کا حکم دیا گیا ۔ نماز سے پہلے یا نماز کے بعد کی قید نہیں اس تکبیر کو روکنا ایک خیر کو روکنا ہے ۔ جو بالکل غیر مناسب ہے ۔ ردالمحتار میں ہے ۔ قِيْلَ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ يَنْبَغِيْ لِاَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغَيْرِهَا اَنْ يُّكَبِّرُوْا اَيَّامَ الْعَشْرِ فِي الْاَسْوَاقِ وَالْمَسَاجِدِ قَالَ نَعَمْ قَالَ الْفَقِيْهُ اَبُوْجَعْفَرٍ وَالَّذِيْ عِنْدِيْ اَنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ ان تمنع العامۃ عَنْهُ لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرِ وَبِهٖ نَاخُذُ ۔ (باب صلوٰۃ العیدین) نیز نماز کے لئے صلوٰۃ و سلام سے بیدار کرنا بہت بہتر کام ہے کہ درود و سلام خود بہت عمدہ کام ہے ۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ پھر اس میں نماز کی اطلاع جسے تثویب کہتے ہیں نہایت بہتر کام ردالمحتار میں ہے ۔ احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ما تعارفوا فی جمیع الصلوٰت سوی المغرب وما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن اطلاع نماز کے لئے کوئی خاص الفاظ شرعاً مقرر نہیں جن کے سواء سے تثویب نہ ہو ۔ بلکہ جو اہل عرف مقرر کرلیں ۔ ان ہی سے تثویب ہے لہٰذا ان لوگوں نے جب صلوٰۃ وسلام کو اطلاع کے لئے مقرر کرلیا ۔ تو یہی تثویب ہوگئی ۔ ردالمحتار میں ہے ۔ کتنحنح او قامت قامت او الصلوٰۃ الصلوٰۃ ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذالك جاز ۔ اسی طرح بعد فرائض پنجگانہ کلمہ طیبہ بطریقہ مذکورہ پڑھنا جائز ہے ۔ اس کی اصل سنت سے ثابت ہے اس سے منع کرنا جہالت ہے ۔ ان تینوں اعتراضات کی بنا وہم باطل پر ہے ۔ یہ کس طرح بدعت ہو سکتا ہے ۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت فرمایا ۔ کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر ۔ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بعد فرائض باجماعت اس قدر آواز سے تکبیر فرماتے تھے جس سے اطراف کے گھر والوں کو ختم نماز کی خبر ہو جاتی تھی ۔ نیز ذکر بالجہر مطلقاً ممنوع نہیں قرآن کریم میں فرمایا گیا ۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا یعنی جیسے تم موقع حج پر مجمعوں میں اپنے خاندان کے مناقب گایا کرتے ہو اس طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ خدا کا ذکر کیا کرو ۔ حدیث پاک میں وارد ہوا وان ذکرنی فی ملاٍ ذکرته فی ملاٍ خیر منه متفق علیه جس سے صاف

معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بہتر ہے۔ البتہ اگر ذکر بالجہر میں ریا کا خوف یا نمازی یا سونے والے کو تکلیف ہو تو آہستہ بہتر ہے۔ اسی توجیہ پر آیت اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً۔ اور حدیث خیر الذکر الخفی وغیرہ محمول ہوں گی۔ ورنہ بالجہر ہی افضل ہے۔ کہ اس سے بہت سے فائدے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس سے قلب زندہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو ذکر کی رغبت ہوتی ہے اور شیطان دفع ہوتے ہیں۔ ردالمحتار میں ذکر بالجہر والخفی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ لانہ حیث خیف الریا او تاذی المسلمین او النیام فان خلا مما ذکر فقال بعض اهل العلم ان الجهر افضل لانه اکثر عملا ولتعدی الفائدة الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر ویطرد النوم ویزید النشاط: اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او نائم۔ اگر ذکر بالجہر مطلقاً منع ہو تو نماز میں قراۃ بالجہر (اذان وتکبیر تلبیہ حج تمام اس قسم کے اذکار منع ہو جائیں گے کہ یہ سب ذکر بالجہر ہیں نیز یہ کہنا کہ دعا دراز ہو جاتی ہے۔ غلطی ہے۔ ذکر کی ہوئی حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد تکبیر فرماتے تھے۔ نیز مسلم وبخاری کی روایت ہے۔ کان یقول صلی الله علیه وسلم فی دبر کل صلوٰة مکتوبة لا اله الا الله وحده لا شریک له الخ ہاں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کہ اذا سلم لم یقعد مقدار ما یقول اللّٰهم انت السلام ومنك السلام الخ نیز درمختار کا یہ مسئلہ کہ یکرہ تاخیر السنة الا بقدر اللّٰهم انت السلام الخ سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان میں بجز ان کلمات کے زیادہ توقف نہ کرے۔ ورنہ مکروہ ہوگا۔ لیکن اس سے یہ مقصد نہیں کہ مطلقاً زیادتی کرنا مکروہ ہے۔ اگرچہ دو چار الفاظ ہی کی ہو بلکہ زیادہ دیر لگانا منع ہے۔ اور لمبی چوڑی دعائیں اور اذکار۔ ورنہ احادیث میں تعارض واقع ہوگا۔ شامی میں ہے۔ وقول عائشة بهذا لا یفید انه کان یقول بذلك بعینه بل کان یقعد مقدار ما یسعه ونحوه من القول تقریبا فلا ینافی ما فی الصحیحین من انه صلی الله علیه وسلم کان یقول فی دبر کل صلوٰة مکتوبة لا اله الا الله الخ لہٰذا یہ تمام امور جائز بلکہ بہتر ہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی لڑکی اور عمرو کا لڑکا ان دونوں میں ناجائز تعلق پیدا ہوا۔ جس سے لڑکی حاملہ ہوگئی۔ چھ ماہ کے بعد فریقین کے والدین کو خبر ہوئی۔ نیز لڑکی حاملہ ہونے کی خبر ہوئی۔ والدین موجودہ حالت میں اس لڑکے کی شادی اس مذکورہ لڑکی سے کر سکتے ہیں یا نہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب

یہ نکاح بھی جائز ہے اور بعد نکاح وطی بھی درست۔ اس لئے کہ یہ حمل زنا ہے۔ اس کی موجودگی میں نکاح جائز ہوتا ہے۔ ہاں اگر زانی کے سوا کسی اور سے نکاح ہوتا تو نکاح تو درست ہوتا مگر وطی جائز نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ نکاح خود زانی سے ہوگا ہے لہٰذا بعد نکاح وطی بھی درست ہے۔ درالمختار میں ہے۔ وصح نکاح حبلی من زنا لاحبلی من غیرہ وان حرم وطؤها ودواعیه حتی تضع۔ اسی ردالمحتار میں ہے۔ لو نکحها الزانی حل له وطؤها عالمگیری میں ہے وقال ابوحنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ یجوز ان یتزوج امرأة حاملة من الزنا ولا یطؤها حتی یضع وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأة قد زنی هو بها وظهر بها حبل فالنکاح جائز عند الکل وله ان یطأها عند الکل۔

واللہ تعالیٰ اعلم

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جو اپاہج اور نابینا ہے۔ ہر طرح کی تکلیف میں مبتلا ہے۔ تو اس سے کونسی نافرمانی ہوئی ہے۔ جس کی یہ سزا ہے آریہ کہتا ہے کہ اس لڑکے نے پہلی جون میں قصور کئے تھے جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ اس پر مسئلہ تقدیر پیش کیا گیا۔ مگر وہ نہیں مانتا۔ اس کا جواب کیا ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

آریہ جس کا دعوے ہے کہ ہر جاندار موجودہ زندگی سے پیشتر دوسری زندگی میں تھا اس پر اس دعویٰ کی دلیل لانا ضروری ہے رجب تک کہ پچھلی جون دلیل سے ثابت نہ کرے۔ تو موجودہ تکالیف کو اس کی سزا کس طرح کہہ سکتا ہے۔ آریہ کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا اس کا دعوے محض باطل ہے۔ آریہ کا دعوئے تناسخ قدم عالم پر موقوف ہے اور قدم عالم کا خود ہی ثبوت نہیں۔ تو تناسخ کا قدم کس سطح پر جمے گا اور اگر حسب عقیدہ آریہ کے عالم کو قدیم فرض کیا جائے اور ارواح و مادہ کو انادی یا قدیم مان لیا جائے تو صانع کا وجود (ایشور کی ہستی) کے ثبوت پر کیا دلیل ہوگی۔ بلکہ ایشور کا وجود محض وہمی ہو جائے گا۔ نیز جب روح و مادہ قدیم تو یہ تینوں یعنی ایشور روح و مادہ باہم مساوات رکھتے ہیں۔ تو ایشور کی ان پر حکومت کیسی؟ اور ایشور کیوں ان کا حاکم بن بیٹھا اور اپنی مرضی کے خلاف کرنے پر روح و مادہ کو جواس سے مستغنی ہے۔ مجرم کیوں قرار دیتا ہے۔ اور اگر بے وجہ حکومت کرتا ہے تو ظالم ہے۔ نیز آواگون ماننے کی تقدیر پر انقلاب حقیقت جو کہ محال ہے لازم آئے گا۔ یعنی ایک روح جب جسم انسانی میں تھی تو وہ ناطقہ تھی۔ بعد میں وہی روح جو جسم حماری میں آگئی۔ ناہقہ بن گئی۔ وھو محال۔ نیز روح کو اجسام ملنا اعمال پر موقوف پر ہے۔ اور اعمال بغیر جسم نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا دَور لازم آئے گا۔ نیز اس تقدیر پر خدائے پاک محض مجبور رہو گا نہ کہ فاعل مختار کہ روح اور مادہ جب خالی ہوں اور مادہ روح کے اعمال کے مطابق ہو تو اس میں خلط کر دے۔ ورنہ نہیں۔ حالانکہ ہم کو اپنی مملوکات میں ہر طرح کا اختیار رہوتا ہے۔

دوم تکلیف و مشقت کے سزا میں منحصر ہونے پر کون سی دلیل ہے۔ کیا ضروری ہے۔ کہ ہر تکلیف سزا ہی ہو۔ محنتوں کے اسباب کبھی وجوہ سابقہ ہوتے ہیں اور کبھی مصالح لاحقہ ایک بچہ کو مکتب بھیجتے ہیں۔ اور دن بھر پابند کر کے پڑھنے کی محنت ڈالتے ہیں۔ اس کو آزادی اور لذات دنیا سے محروم کر دیتے ہیں۔ یہ تمام باتیں مشفق ماں باپ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ تو کون عاقل کہے گا کہ یہ اس کے گذشتہ گناہوں کا بدلہ ہیں۔ بلکہ حقیقت میں وہ آنے والی زندگی کی راحت کا پیش خیمہ ہیں۔ اسی طرح کسان دن بھر دھوپ میں جلتا ہے قیدیوں کی طرح بلکہ اُن سے بھی زیادہ مشقتیں کرتا ہے یہ کس جرم کی سزا ہے۔ علاوہ ازیں وید میں دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے اگر وید خدا کی کتاب ہے۔ تو تناسخ باطل ہو گیا۔ کیونکہ جب راحت و تکلیف کا مدار نیک و بد اعمال پر ہوا تو پرارتھنا (دعا) ایک لاحاصل چیز رہ گئی اور اگر پرارتھنا کام کی چیز ہے تو تناسخ باطل۔ نیز سب سے اچھے لوگ جیسے وہ لوگ جن پر وید اُترا۔ ان کو دُنیا میں ایسی جزا ملنی چاہیئے تھی کہ اس میں کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ حالانکہ دنیا

میں ایسی زندگی کسی کی نہیں۔ جو خالص عیش کی ہو۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر عورتیں شلوار پہنتی ہیں۔ جس کی موری چوڑی ہوتی ہے۔ کہ پاؤں اٹھاتے وقت پنڈلی کھل جاتی ہے۔ آیا اس طرح کی شلوار جائز ہے یا کہ نہیں اور عورت کی پنڈلی کا کیا حکم ہے؟

الجواب

عورت کی پنڈلی ستر عورت ہے۔ جس کا چھپانا نماز و خارج نماز واجب ہے۔ حتّٰی کہ تنہائی میں بھی بلا ضرورت کھولنا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے۔ ووجوبه عام ولو فی الخلوۃ علی الصحیح الا لغرض صحیح۔ ردالمحتار میں ہے۔ ای اذا کان خارج الصلوۃ یجب الستر بحضرۃ الناس اجماعاً وفی الخلوۃ علی الصحیح۔ لہٰذا شلوار پہننے میں عورت کو چاہیئے کہ یا تو پائچہ کی موری تنگ رکھے یا بہت زیادہ خیال رکھے کہ پنڈلی کھلنے نہ پائے ورنہ گنہگار ہوگی۔ شلوار سے اگر یہ نقص دور کر دیا جائے تو دیگر ان تنگ چمٹے ہوئے زنانہ پائجاموں سے بہتر ہے۔ جن میں بدن کا حجم معلوم ہوتا ہے کہ وہ پائجامہ پوری طرح ستر کا فائدہ نہیں دیتے اور ان پائجاموں پر سے بھی اجنبی شخص کو عورت کا حجم دیکھنا حرام ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ رویۃ الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعۃ ولو کثیفا لا تری البشرۃ منه۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کا غیر مرد کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جنگلی کبوتر کھانا حلال ہے یا حرام؟ اور ان کا شکار جائز ہے یا نہیں۔ نیز بے نمازی کو گھر میں رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جس طرح مرد کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح عورت کو جائز نہیں کہ وہ اجنبی مرد کو دیکھے۔ فانه لا امن فی الزمان من الفتن امام احمد و ترمذی و ابوداؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے روایت کیا۔ جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰے عنہ سے پردہ کا حکم فرمایا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی

کہ وہ نابینا ہیں۔ ہمیں دیکھتے نہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم بھی انہیں نہیں دیکھتیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللہ الیس ھو اعمیٰ لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ) اس حدیث کی شرح میں علامہ علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔ قیل فیہ تحریم نظر المرأۃ الاجنبی مطلقاً و بعض خص خوف الفتنۃ علیھا۔ لہٰذا عورت کو جائز نہیں کہ اجنبی مرد کو دیکھے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ کبوتر خواہ جنگلی ہو یا پالتو حلال ہے اور اس کا شکار جائز۔ پرندے وہ حرام ہیں جو پنجہ سے شکار کرتے ہوں اور کبوتر ایسا نہیں ہے۔ درمختار میں ہے۔ لا یحل ذوناب یصید بنابہ او مخلب یصید بمخلبہ ای ظفرہ فخرج نحو الحمامۃ۔ واللہ اعلم۔

۳۔ اگر غالب گمان یہ ہو کہ بے نمازی کو گھر سے علیحدہ کرنے سے اس کو نصیحت ہوگی۔ اور وہ نماز کا پابند ہو جائے گا۔ تب تو ضرور بالضرور اس کو علیحدہ کر دیا جائے اور اگر خیال ہو کہ گھر میں رکھنے سے ممکن ہے کہ ہم لوگوں کی صحبت سے نماز کا پابند ہو جائے گا اور گھر سے نکال دینے میں آزاد ہو کر اور زیادہ حالت تباہ ہو جائے گی تو نہ نکالا جائے اور برابر نرمی و مہربانی سے نماز کی ہدایت اسی طرح جاری رہے کہ اس کی طبیعت میں ضد پیدا نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۱۲

کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر عورت پوڈر کلپ سرخی وغیرہ لگا کر نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں اور شریعت نے اس کو حلال کیا ہے یا حرام؟

الجواب

اگر مذکورہ چیزیں ناپاک ہیں۔ تو ان کا جسم پر لگانا ہی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ نماز میں جس میں جسم تو کیا کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اگر پاک ہیں تو اگر یہ چیزیں چہرے کی رنگت ہیئت کو بدلتی ہیں تو اس کا استعمال مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ مُثلہ ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔ حتیٰ کہ تیمم کرنے والے کو حکم دیا گیا کہ وہ مٹی کو چہرے پر اس طرح نہ لگائے کہ جس سے ہیئت چہرہ متغیر ہو جائے درمختار میں ہے۔ لکن لا ینبغی التیمم بہ قبل خوف وقت لئلا یصیر مثلۃ بلاضرورۃ

ردالمحتار میں ہے کہ لایتلطخ بوجھہ فیصیر مثلۃ اور اگر اس سے چہرے کی رنگت وہیئت میں کوئی فرق نہیں آتا تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان کی خوشبو وغیرہ اجنبی مرد کو محسوس نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین و مفتیانِ کبار اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے یا نہیں۔ اذان ثانی جمعہ بھی اس میں داخل ہے یا نہیں۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں یہ اذان کہاں ہوتی تھی۔ اگر قیام مؤذن کے لئے مشرقی دیوار میں دروازہ کے جانب شمالی طاق بنا دیا جائے جس میں اذان ہو۔ جیسا کہ سید حضرت مولانا مولوی حافظ محمد نعیم الدین صاحب ناظم انجمن اہل سنت مدظلہ العالی نے مسجد و مدرسہ انجمن بنایا۔ یہ مطابق سنت ہے یا نہیں۔ اور دیوار مسجد سے خارج ہے یا نہیں۔ اگر یہی مطابق سنت ہے تو رسم ورواج پر چلنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ہر اذان خواہ جمعہ کی ثانی ہو یا اول یا اذان پنج وقتہ ہو۔ خارج مسجد ہونی چاہیئے۔ مسجد میں مکروہ ہے عالمگیری میں ہے۔ وینبغی ان یؤذن علی ماذنتہ او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ یہ حکم تمام نمازوں کے لئے ہے۔ ہاں اس اذان اور دیگر اذانوں میں اتنا فرق ہے کہ یہ اذان بالکل خطیب کے سامنے ہو۔ کما ھو مصرح فی عامۃ کتب الفقہ۔ ابو داؤد جلد اول میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الباب۔ حضور کے زمانہ اقدس و زمانہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں یہ اذان دروازہ مسجد پر جو منبر کے مقابل ہے ہوتی تھی۔ جب اس اذان کا خارج مسجد ہونا احادیث سے ثابت اور مسجد میں اذان مکروہ تو اس کے مقابل عوام کے رسم و رواج پر چلنا جہل و غلط ہے اور یہ مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ واللہ اعلم۔

عمارت مسجد میں تبدیل یا تغیر صرف بنائے مسجد یا ضرورت شدید کے لئے چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ کسی اور مقصد کے لئے نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اذان کے لئے دیوار مسجد میں طاق بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ تبدیل دیوار مسجد کی مصلحت کے لئے نہیں بحر کتاب الوقف میں ہے کرہ احداث الطاقات فی المسجد۔ اسی بحر کتاب الوقف میں ہے۔ لیس للمدرس فی المسجد ان یجعل

من بیته بابًا الی المسجد وان جعل ادی ضمان نقصان الجدار۔ مسجد میں بغیر نفع درخت لگانا بھی منع ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ویکرہ غرس الشجر فی المسجد الا ان یکون فیہ للمسجد۔ درمختار میں ہے۔ ویکرہ غرس الاشجار الا لنفع لتقلیل نز وتکون للمسجد حضرت قبلہ عالم سیدی حضور صدر الا فاضل دامت برکاتہم العالیۃ نے تعمیر مسجد ہی کے وقت اس شرقی دیوار میں طاق اذان کی نیت سے رکھا تھا۔ یہ کسی عمارت کی تغیر نہیں۔ اسی طرح جتنی مسجدیں بنائی جاویں۔ اور ان میں بوقت بنا اذان کی جگہ بشکل طاق بنادی جاوے تو جائز ہے اور اس میں اذان درست ہے کہ یہ اذان مسجد میں نہیں ہے اور نہ طاق میں تغیر بنا ہے۔ بعد تکمیل طاق بنانا بغیر ضرورت مجوزہ ناجائز ہے۔ اگر کسی مسجد کے بناتے وقت دیوار مسجد یا سقف پر امام کے لئے مکان بنادیا۔ یا زیریں حصہ میں منافع مسجد کے لئے تہ خانہ بنایا تو جائز ہے۔ اور بن چکنے کے بعد بنانا ناجائز۔ بحر الرائق میں ہے ضمن بنی بیتًا علی جدار المسجد وجب ھدمہ۔ اسی بحر میں ہے۔ لو بنی بیتًا علی سطح المسجد یکن للامام فانہ لایضر فی کونہ مسجدًا لانہ من المصالح فان قلت لو جعل مسجدًا ثم اراد ان یبنی فوقہ بیتًا للامام وغیرہ حل ذلک ان کان بناہ حلی بینہ وبین الناس ثم جاء بعد ذلک لا یترکہ واذا قال عنیت ذالک فانہ لا یصدق فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۱۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے چوری کی جس کا وہ خود اقبالی ہے اب اگر زید امام ہے۔ تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور زید امامت کے لائق ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ چوری ایسی ہے جس پر شرعًا چوری کی تعریف صادق آتی ہے اور اس سے اب تک وہ شخص تائب نہیں ہوا۔ تو فاسق ہے۔ اس کو امام بنانا مکروہ۔ رد المحتار میں ہے۔ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربوا ونحو ذالک بحر میں ہے۔ وکراہ امامۃ العبد والاعرابی والفاسق۔ درمختار میں ہے ویکرہ امامۃ عبد واعرابی وفاسق۔

فتویٰ نمبر ۱۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیعہ نے اپنے کو سُنّی المذہب ظاہر کر کے ایک سُنّی لڑکی سے دھوکہ دے کر نکاح کر لیا۔ اور اپنے گھرے جا کر بطریق شیعہ نکاح کیا مگر خفیہ جب ماہ محرم آیا۔ تو لڑکی کو تبرہ پر مجبور کیا۔ انکار پر لڑکی کو سخت مارا پیٹا لڑکی نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مجبوراً میکہ پہنچا دیا اور یہاں آ کر لڑکا پیدا ہو گیا۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ آیا نکاح درست ہوا یا نہیں۔ اگر نہیں تو بغیر طلاق دوسرے شخص سے نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب

تبرائی رافضی مرتد ہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ ویجب اکفار الروافض الیٰ ان قال وھٰؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین۔ اور مرتد کے ساتھ نکاح باطل محض ہے۔ عالمگیری احکام المرتدین میں ہے۔ ومنها ما هو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز له ان یتزوج امرأة مسلمة ولا مرتدة ولا ذمیة۔ درمختار میں ہے۔ ویبطل منه اتفاقاً النکاح والذبیحة والصید والشهادة والارث لہٰذا یہ نکاح درست نہیں ہوا۔ اور جب نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کی کیا حاجت۔ مگر مناسب یہ ہے کہ عورت اس رافضی کو نوٹس دے کہ میں سُنّی المذہب ہوں۔ تو نے سُنّی بن کر مجھے دھوکہ دے کر نکاح کیا۔ بعد میں مجھے رفض پر مجبور کیا اور ایذائیں دیں۔ چونکہ تو تبرائی، رافضی ہے۔ اس لئے میرا نکاح تیرے ساتھ مذہب اہل سنّت کی رُو سے صحیح نہیں ہُوا۔ لہٰذا میرا تیرا کوئی تعلق نہیں۔ میں اپنی مرضی سے جہاں چاہوں گی نکاح کروں گی۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۱۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں۔

۱۔ صحت نماز جنازہ کی کیا شرائط ہیں؟

۲۔ تلویث کا احتمال نہ ہو تو مسجد کے برآمدے میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۳ عام راستہ پرجہاں لوگوں کی ہر وقت آمدورفت رہتی ہو۔ اور نجس ہونے کی صورت میں جوتے پہن کر نماز جنازہ پڑھنا از روئے شریعت کیسا ہے۔ بیّنوا توجروا۔

از رنگون برما

الجواب

صحت نماز جنازہ کی کل چھ شرطیں ہیں۔ میت کا اسلام۔ میت کی طہارت۔ میت کا نمازی کے سامنے رکھا ہوا ہونا۔ یعنی کندھوں یا سواری پر نہ ہونا۔ جنازہ کا موجود ہونا۔ امام کا بالغ ہونا۔ درمختار میں ہے۔ وشرطها ستة، اسلام المیت وطهارته وبلوغ الامام وشرطها ایضاً حضوره ووضعه وكونه امام المصلی۔

۲ نماز جنازہ مسجد جماعت میں مطلقاً مکروہ ہے خواہ تلویث کا احتمال ہو یا نہ۔ حتّٰی کہ اگر میت خارج مسجد اور نمازی مسجد میں ہوں جب بھی مکروہ ہے درمختار میں ہے۔ وكرهت تحريماً فی مسجد جماعة هوای المیت فیه واختلف فی الخارجیة والمختار الكراهة مطلقاً بناءً علی ان المسجد بنیت للمكتوبة وتوابعها۔

۳ عام راستہ پر نماز جنازہ مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وتكره فی الشارع وارض الناس۔ اور اگر نجس زمین پر جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھی تو نہ ہوئی اور اگر جوتا اتار کر اس پر کھڑا ہوگیا تو ہوگئی۔ اس لئے پہلی صورت میں جوتا لباس مصلّی ہے۔ ردالمحتار میں تعریف لباس اس طرح فرمائی ہے۔ مالا یلبس البدن فدخل القلنسوة والخف والنعل اور لباس نجاست اور مصلّی کے درمیان آڑ نہیں بن سکتا کہ بدن کے تابع ہے اور جب اتار دیا تو علیحدہ چیز ہوگئی۔ اور علیحدہ چیز نجاست سے آڑ ہو سکتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ علمت مما قدمناه عن الفتح عدم اعتبار هم الحائل المتصل حائلاً لتبعیة المصلّی ولذا لوقام علی النجاسته وهو لابس خفالم تصح صلوته۔ ہندیہ میں ہے۔ ولو خلع نعلیه وقام علیهما جاز سواء كان مایلی الارض منه نجساً او طاهراً اذا كان مایلی القدم طاهراً۔

واللّٰه اعلم وعلمه عزاسمه اتم واحكم

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عمارت مدرسہ اسلامیہ کی جو تختہ اراضی موقوفہ پر (بذریعہ دستاویز رجسٹری شدہ مدرسہ و تعلیم اسلامی کے لئے وقف کی گئی ہے) مقامی و غیر مقامی عامۃ المسلمین کے چندہ سے تعمیر یا توسیع کرائی گئی ہو۔ اور خالص مقصد تعمیر اس کا عربی و اسلامی تعلیم کے لئے ہو۔

۱۔ ایسی عمارت جو اراضی موقوفہ پر تعمیر یا توسیع یا ترمیم چندہ عام سے کرائی گئی ہو۔ از روئے قانون شریعت مقدسہ تعریف و حدود وقف میں شمار کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۲۔ اگر کوئی مسلمان جس نے مہتمم اور تنخواہ دار لازم ہونے کی حیثیت سے چندہ فراہم کر کے عمارت تعمیر کرائی ہو۔ اس کو اپنی ذاتی جد و جہد کی طرف مخصوص و محدود کر کے اپنے کو اس کا بانی اور اس کے نظم و نسق کا مالک و مختار قرار دے اور بصورت مقصد تعلیم فوت ہونے کے عامۃ المسلمین کی مداخلت اور وقف کی مخالفت میں حاکم وقت کے سامنے بصورت انکار وقف اپنا بیان داخل کرے۔ تو وہ از راہ شرع شریف غاصب کے حکم میں آسکتا ہے یا نہیں؟

۳۔ اصطلاح شریعت میں قطع نظر وقف و غصب کے کوئی تیسری صورت بھی حقوق اراضی و عمارت کی مسلمانوں کے لئے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا جزاکم اللہ خیراً

(الاہلی)

الجواب

عمارت مذکورہ وقف ہوگئی۔ کیوں کہ کسی وقف میں اضافہ یا توسیع کے لئے چندہ طلب کیا جاتا ہے۔ تو ہر شخص اس کے معنی یہی سمجھتا ہے کہ یہ اضافہ وقف میں شامل ہوگا اور دینے والا اسی نیت سے دیتا ہے۔ یہی معروف ہے۔ والثابت بالعرف کالثابت بالنص کما فی الرد المحتار اسی ردالمحتار میں ہے۔ العادۃ محکمۃ ان الفاظ الواقفین تبنی علیٰ عرفھم۔

۲۔ سوال اوّل کے جواب میں معلوم ہوچکا۔ کہ وقف میں جو اضافات کئے جاتے ہیں وہ اصل

وقف کے حکم میں ہوتے ہیں۔ چندہ جمع کرنے والے اس کے مالک نہیں ہو جاتے۔ کہ مالکانہ تصرف ان کے لئے روا ہو سکیں۔ حتی کہ اگر متولی اپنے مال خاص سے بھی وقف میں کوئی اضافہ کرے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ خواہ اس نے یہ اضافہ بہ نیت وقف کیا ہو۔ یا بغیر نیت وقف۔ بجز اس کے کہ اضافہ کے وقت اپنے لئے نیت کی ہو۔ اور اسی وقت اس پر گواہ بھی کر لئے ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ تو وہ مال وقف ہے۔ ہندیہ میں ہے۔ متولی وقف بناء فی عرصة الوقف فهو للوقف ان بناه من مال الوقف او من مال نفسه ونواه للوقف اولم ينو شيئا وان بناه لنفسه واشهد عليه كان له والله اعلم وعلمه عزاسمه اتم واحكم۔

فتویٰ نمبر ۱۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن کریم میں قسم جگہ جگہ کیوں ارشاد ہوئی ہے۔ کیا خدائے قدوس کے فرمان کا بغیر قسم کے اعتبار نہ تھا۔

۲۔ شیعہ لوگ خرگوش کو حرام کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس کی مادہ کو حیض آتا ہے۔ کیا اہل سنت کے پاس کوئی دلیل ہے۔ جس سے اس کو کھا جاتے ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

از ضلع حصار

الجواب

قرآن کریم میں جو قسمیں یاد فرمائی گئی ہیں۔ ان میں بہت سی حکمتیں ہیں اولاً یہ کہ قرآن کریم زبان عرب میں نازل ہوا۔ اور اثبات مطالب میں حلف کا طریقہ عرب میں مروج ہے۔ امام فخر الدین رازی نے فرمایا۔ والقرآن انزل بلغة العرب واثبات المطالب بالحلف واليمين مالوفة عند العرب نیز جھوٹی قسموں سے عرب بہت ڈرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ جھوٹی قسمیں کھانے والا ضرور برباد ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں قسمیں ذکر فرمائیں۔ اور دین اسلام برابر ترقی میں رہا۔ یہ عرب کے لئے دلیل ہے کہ یہ مضمون صحیح ہے۔ ورنہ خود تمہارے اعتقاد کے بموجب قسموں کے مؤکد کرنے

کے بعد اس کا رواج روز بروز کیسے بڑھتا رہا۔ نیز قرآن میں قسم فرمانے میں مقسم بہ کی ایک گونہ عزت افزائی بھی ہے۔ کہ یہ اشیاء عند اللہ ایسی معظم ہیں کہ ان کی قسم فرمائی گئی۔ ان کے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کو اسلاف کرام نے اپنی تصانیف میں بیان فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قسموں کا قرآن کریم میں ذکر فرمانا مومنین کے رفع شکوک کے لئے نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور حکمتیں ہیں۔

۲۔ خرگوش حلال ہے۔ صحابہ کرام نے اس کا شکار کیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے گوشت کا ہدیہ قبول فرمایا اور صحابہ کرام کو اس کے کھانے کا حکم دیا۔ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ قال انفجنا ارنبا بمر الظهران فاخذتها فاتيت بها ابا طلحة فذبحها وبعث الى رسول الله صلى الله عليه وسلم بوركها وفخذيها فقبله۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ پس معلوم شد کہ خرگوش کہ آں را ارنب گویند حلال است ودر ہدایہ گفتہ است کہ لاباس باکل الارنب زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقتیکہ بہدیہ فرستادہ شدند خوردی امر کرد صحاب را بخوردن آں۔ درمختار میں ہے۔ وحل غراب الذرع والارنب والعقعق۔ بحر میں ہے۔ وحل الارنب لانه عليه الصلوٰة والسلام امر اصحابه ان ياكلوه حين اهدى اليه مشويا ولانه ليس من السباع ولا ياكل الجيف فاشبه الظبی۔ جب احادیث صریحہ سے اس کی حلت ثابت ہوگئی۔ تو حیض آنے یاد آنے کا ذکر ہی بیکار ہے۔ وساوس شیطانیہ کے دفع کرنے کے لئے یہ عمل بہت مجرب ہے۔

۳۔ درود شریف ۷ بار۔ استغفار ۱۱ بار۔ کلمہ شہادت ۱۰۱ بار۔ آخر میں درود شریف ۱۱ بار۔ یہ سب تصور معنی کے ساتھ پڑھے جائیں۔ بتوفیقہ تعالٰی اوہام شیطانیہ سے نجات ہوگی۔

فتوی نمبر ۱۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبر پر جاکر فاتحہ پڑھنا۔ کسی کے نام پر جانور پالنا۔ قبر چومنا۔ پھول چڑھانا۔ اذان میں انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب

یہ امور مسئولہ مستحب اور حدیث سے ثابت ہیں۔ فاتحہ میں تلاوت قرآن اور صدقہ یا ہدیہ کا ایصال ثواب ہے۔ یہ مسلمان کا مضبوط عقیدہ ہے۔ جس پر بکثرت نصوص شرعیہ ناطق ہیں۔ صدقات کو مزارات پر لے جانے سے وہاں پر خدام و فقراء کو دینا مقصود ہے جو صاحب قبر سے مناسبت رکھتے ہیں۔ خواہ ان صدقات کو فاتحہ پڑھنے کے بعد لے جائیں یا وہاں لے جاکر فاتحہ پڑھیں یا بربنائے حسن اعتقاد مجاورین مزار سے فاتحہ پڑھادیں بہر حال وہاں کے مجاورین کے لئے صدقات لے جانے پر اعتراض نہیں۔ کیوں کہ اہل حاجت و استحقاق کی طرف صدقات و ہدایا کی نقل شریعت نے ممنوع نہیں فرمائی۔ بلکہ میت کے ساتھ مناسبت رکھنے والوں کے پاس صدقات کا بھیجنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے ثابت ہے۔ حضرت ام المومنین خدیجہ الکبرٰی رضی اللہ تعالے عنہا کی وفات کے بعد آپ اکثر بکری ذبح فرماتے اور اس کا گوشت ان پاک بیویوں کے پاس بھیج دیتے۔ جو حضرت خدیجہ الکبرٰی رضی اللہ تعالے عنہا کی خدمت میں حاضر رہا کرتی تھیں۔ مسلم و بخاری میں ہے۔ وربما ذبح الشاۃ ثم یقطعها اعضاء ثم یبعثها فی صدائق خدیجۃ۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اس قسم کا کھانا ان لوگوں کو بہتر ہے۔ جس سے میت کو محبت و انسیت ہو۔ یہی قبر پر لے جانے کا مقصد ہے۔

۲۔ سائل کے سوال میں کسی بزرگ کے نام کا جانور چھوڑا جاتا ہے۔ اولاً تو چھوڑا جانا ایسا لفظ ہے جو کوئی مسلمان کسی جانور کے لئے ایسا لفظ بولتے ہی نہیں۔ یہ وہابیہ کی خاص ایجاد ہے۔ ہندو جس جانور کو بتوں کی طرف نسبت کرکے آزاد کر دیتے ہیں کہ نہ اسے کوئی ذبح کر سکتا ہے۔ نہ مار سکتا ہے نہ اپنے کھیت میں سے باہر نکال سکتا ہے۔ اور یہ ان کا طریقہ عبادت ہے۔ اس جانور کے متعلق کہتے کہ یہ جانور فلاں بت کے نام پر چھوڑا ہوا ہے۔ معاذ اللہ کوئی مسلمان یہ نیت کرکے نہیں چھوڑتا بلکہ وہ تو کوئی جانور اس لئے پالتا ہے۔ کہ تاریخ مقررہ پر اس کو ذبح کرکے کھانا پکاکر فلاں بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کرے گا۔ اور مسلمانوں میں اس کو تقسیم کرے گا۔ اس طرح اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا اس پر بزرگان دین کا فاتحہ کرنا جائز اور یہ ذبیحہ درست ہے۔ اس کا گوشت حلال و طیب ہے۔ کیوں کہ جب خدا کے نام پر ذبح کیا گیا۔ تو حلال ہوا۔ ذبح سے پہلے اس کو کسی کی طرف نسبت کرنا اس کو حرام نہیں کر سکتا۔ ورنہ دنیا میں کوئی جانور بھی حلال نہیں ہوگا۔ کیوں کہ عام طور پر جانور

کو ملک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ زید کی گائے۔ عمر کی بکری۔ خدا بخش کا اونٹ کہتے ہیں۔ اسی طرح عقیقہ کی بکری۔ قربانی کی گائے عام طور پر بولا جاتا ہے۔ کیا یہ تمام جانور حرام ہوں گے۔ ہرگز نہیں۔ درمختار میں ہے۔ وان ذکر مع اسمہ تعالٰی غیرہ فان وصل کرہ وان فصل صورۃً ومعناً کدعاء قبل اضجاع والدعاء قبل التسمیۃ او بعد الذبح لاباس بہ تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ وما اھل بہ لغیرہ معناہ ذبح بہ الاسم لغیر اللہ وقت الذبح۔ اسی تفسیر میں ہے۔ وان ذکر مفصولا بان یقول قبل التسمیۃ وقبل ان تضجع الذبیحۃ او بعد لاباس بہ من ھھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیہ وقت الذبح وان کانوا ینذرون بہ۔ اس میں صاف تصریح ہوگئی کہ اولیاء کی منت کرکے ان کے نام پر جو جانور پالا گیا اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا وہ جائز ہے۔

۳ عوام کے لئے یہی بہتر ہے کہ قبر کو نہ چومیں۔ عالمگیری میں ہے۔ ولا یمسح القبر ولا یقبلہ فان ذلک من عادۃ النصارٰی ولا باس بالتقبیل قبر والدیہ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ ومسح نہ کند قبر را و بوسہ نہ دہد آں را و مُنحنی نشود و در روئے خاک نہ مالد ایں عادت نصارٰی است۔

پھول اور چادر بزرگان دین کے مزار پر ڈالنا جائز ہے۔ پھول تو اس لئے کہ وہ ایک تر چیز ہے۔ جس کی تسبیح وتہلیل سے صاحب قبر کو راحت حاصل ہوگی اور زائرین کو خوشبو۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو قبروں پر ایک شاخ کے ٹکڑے کرکے نصب فرمادیئے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں گے خداوند تعالٰی مدفون پر تخفیف فرمائے گا۔ رواہ ابوداؤد عن ابن عباس۔ ردالمحتار میں ہے۔ وورد فی الحدیث وضع ذلک للاتباع ویقاس علیہ ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الاٰس ونحوہ۔ عالمگیری میں ہے۔ وضع الورود والریاحین علی القبور حسن وان تصدق بقیمۃ الورود کان احسن۔ اور چادر اس لئے کہ اس سے صاحب قبر کی عظمت ووقار مخلوق کے قلب میں پیدا ہوتی ہے۔ نیز اس سے عوام پہچان لیتے ہیں اور جو ادب واحترام اولیاء کا ہے۔ اس کا لحاظ رکھتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ کرہ بعض الفقہاء وضع الستور والعمائم والثیاب علی القبور الصالحین ولکن نقول اذا قصد بہ التعظیم فی عیون العامۃ حتٰی لا یحتقروا صاحب القبر کطلب الخشوع والادب للغافلین الزائرین فھو جائز لان الاعمال بالنیات۔

۴ اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں سے لگانا مستحب ہے۔

اس کے دینی و دنیاوی فائدے روایات میں مروی ہیں۔ جو شخص اس کا عامل ہو۔ انشاء اللہ امراض چشم سے محفوظ رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اس کے شفیع ہوں گے۔ ردالمحتار میں ہے۔ ثم یقول اللّٰھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائدا الی الجنۃ۔ اس کی پوری تحقیق رسالہ مبارکہ منیر العینین میں اور دیگر کتب علمائے اہل سنت میں دیکھو۔ نیز اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مؤذن اذان میں اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللہ ایکبر کہتا ہے۔ یعنی اخیر جزء میں ایکبر کہتا ہے۔ اس صورت میں اذان صحیح و درست ہوگی یا نہیں؟ اگر نہ ہوگی تو اس میں گناہ بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیا؟

۲ نیز اقامت میں اشھد ان لا الٰہ الا اشھد ان لا الٰہ الا کہتا ہے اور لفظ اللہ چھوڑ دیتا ہے یہ اقامت صحیح ہے یا نہیں۔ باوجود اس کے اسے تاکید بھی کی جاتی ہے کہ اذان کے الفاظ صحیح کرو اور پورے الفاظ ادا کرو۔ مگر وہ لاپرواہ ہے اور بے اعتنائی سے کام لیتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں۔ اور ایسے شخص کی شہادت معتبر ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

از مراد آباد

الجواب

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن اذان صحیح دینے پر قادر ہے۔ کہ پہلی بار تو اللہ اکبر کہتا ہے اور دوسری بار میں ایکبر یعنی الحان کے لئے ی اکبر میں زیادہ کرتا ہے۔ اس میں کلمات اذان کو بگاڑنا ہے جو سخت منع ہے۔ درمختار میں ہے۔ فلا یقول اٰللہ اکبر لانہ استفھام وانہ لحن شرعی۔ اسی میں ہے۔ ولا لحن فیہ ای تغن بغیر کلماتہ۔ ردالمحتار میں ہے۔ ای بزیادۃ حرکۃ

الحرف او مد او غیرھا بحر میں ہے۔ التلحین ھو اخراج الحروف عما یجوز له فی الاداء من تنقیص فی الحروف او من کیفیاتھا او زیادۃ شیٔ منھا۔ عالمگیری میں ہے۔ ویکرہ التلحین وھو التغن بحیث یودی الی تغیر کلماته۔ لہٰذا اس مؤذن کو ہدایت کرنا چاہیئے کہ اذان درست دے۔ اگر وہ نہالش پر بھی نہ مانے تو دوسرا درست خوان مؤذن رکھنا چاہیئے۔ لیکن چونکہ پورے کلمات اذان ادا ہو گئے اور مقصد اذان یعنی دعوت نماز حاصل ہوگیا۔ اور کوئی اور موجب اعادہ پایا نہیں گیا۔ لہٰذا اذان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ردالمختار میں ہے۔ المقصود الاعلی من الاذان شرع الاعلام بدخول اوقات الصلوٰۃ۔ کلمات تکبیر چونکہ پورے ادا نہیں ہوئے۔ بعض کلمات رہ گئے۔ لہٰذا اس تکبیر کا اعادہ ضروری ہے۔ درمختار میں ہے۔ یجب استکمالھما لموت مؤذن وغشیه وخرسه وحصرہ۔ ردالمحتار میں ہے۔ المراد انه اذا عرض للمؤذن مایمنعه من الاتمام۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں :-

۱۔ عورت کی صحت کی خرابی یا کثرت اولاد کے خوف سے مانع حمل ادویہ یا تراکیب کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟

۲۔ مرد یا عورت کی طرف سے ضبط تولید کی کوشش کرنا شرعاً کیسا ہے؟

۳۔ مسلمان دوا فروشوں کو اس قسم کی ادویہ وغیرہ فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ اس امر کا احتمال موجود ہے کہ پچہتر فی صدی خریدار ناجائز طور پر ان ادویہ کو استعمال کرنے کے مرتکب ہوں گے۔

از مراد آباد

الجواب

۱۔ کثرت اولاد خدائے قدوس کی نعمت ہے۔ جب تک کہ اس سے کوئی ضرر ناقابل برداشت متصور

نہ ہو۔ اس وقت تک اس کو روکنا ناشکری ہے۔ البتہ اگر صحت حمل کے قابل نہ ہو۔ تو ایسی دواؤں سے استقرار روک سکتے ہیں۔ جن سے قابلیت حمل بالکل نہ جاتی رہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ عزل کی طرح حمل کو روکنے کی ایک تدبیر ہے۔ اور عزل تو بہ اجازت زوجہ جائز ہے۔ لہٰذا یہ بھی جائز۔ ابن ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کیا۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عزل المرأۃ الا باذنہا درمختار میں ہے۔ ولا یعزل عن المرأۃ لکن فی الخانیۃ انہ یباح فی زماننا لفساد الزمان عزل کے معنی ہیں انزال خارج کرنا۔

۲۔ ضرورت شدیدہ کی صورت میں اسقاط حمل جائز ہے۔ جبکہ حمل چار ماہ سے کم ہو۔ بلا ضرورت سخت جرم ہے اور چار ماہ کے بعد چونکہ بچہ میں جان پڑ جاتی ہے۔ اس لئے اس کو ساقط کرنے میں اضاعۃ روح کا جرم ہوگا۔ بجز اس کے عورت کی جان خطرہ میں ہو۔ اور بجز اسقاط کوئی صورت اس کی جان بری کی نہ ہو۔ درمختار میں ہے۔ قالوا یباح اسقاط الولد قبل اربعۃ اشہر ولو بلا اذن الزوج۔ شامی میں ہے۔ قال ابن وھبان فاباحۃ الاسقاط محمولۃ علی حالۃ العذر اسی ردالمحتار میں ہے ومن الاعذار ان ینقطع لبنھا ولیس لاب الصبی ما یستاجر بہ الظئر و تخاف ھلاک الولد درمختار کتاب الکراہیۃ میں ہے۔ وجاز لعذر حین لا یتصور

۳۔ ضبط تولید اگر رحم کو خارج کر کے یا رحم کو بیکار کر کے ہو تو ناجائز ہے کہ اس میں عضو کو معطل کرنا ہے۔ اسی وجہ سے مرد کو خصی کرنا یا خصی ہونا حرام ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کی اجازت چاہی۔ فرمایا گیا۔ یا اباھریرۃ جف القلم بما انت لاق فاختص علی ذالک اوذر۔ اس کے ماتحت مرقات میں ہے۔ لیس ھذا اذنا فی الاختصاص بل توبیخ ولوم علی الاستیذان فی قطع عضو بلا فائدۃ۔ درمختار میں ہے۔ اما خصاء الآدمی فحرام۔ اور اگر ضبط تولید اس طرح نہیں بلکہ صرف رحم کا منہ بند کر کے عارضی طور حمل کو روک دیا جائے یا کسی خاص تدبیر سے نطفہ کو قائم نہ ہونے دیا جاتا ہو تو ضرورۃً جائز ہے۔ صرف اولاد سے بچنے کے لئے ایسا کرنا ناشکری ہے۔ اور بیکار بھی ہے کہ جو روح آنے والی ہے۔ وہ تو آ کر رہے گی۔ کما فی الحدیث۔ ردالمحتار میں ہے یجوز لھا سد فم رحمھا کما تفعلہ النساء۔

اس قسم کی دواؤں کا فروخت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ان کے لئے مصرف حلال موجود ہے اب جو اسے مصرف حرام پر استعمال کرے گا۔ تو وہ خود گنہگار ہوگا۔ نیز خود ان دواؤں سے معصیت قائم نہیں جن سے خود معصیت ہو۔ ان کی بیع ممنوع ہے۔ درمختار میں ہے۔ یجوز بیع عصیر عنب ممن

یعلم انہ یتخذہ خمراً لان المعصیۃ لا تقوم بعینہ بحر میں ہے۔ وجاز بیع العصیر من خمار لان المعصیۃ لا تقوم بعینہ بل بعد تغییر بخلاف بیع السلاح من اہل الفتنۃ لان المعصیۃ تقوم بعینہ خلاصہ یہ کہ جس سے بلاواسطہ گناہ کیا جاوے اس کی بیع حرام ہے۔ جیسے شراب کی تجارت اور جس سے بالواسطہ گناہ کیا جاوے اس کی بیع جائز ہے۔ جیسے شیرہ انگور کی بیع کہ اگرچہ اس سے شراب بن سکتی ہے۔ مگر اس کی تجارت حلال ہے۔ اسی لئے رنڈی کو کرایہ پر مکان دینا حلال ہے۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے کل چھ بیٹے ہیں۔ لیکن اس نے صرف ایک بیٹے کو ساری جائداد اور جملہ کاروبار اور سب حقوق سپرد کر دیئے ہیں۔ باقی پانچ بیٹے حقوق سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ شرع شریف میں یہ بیٹے اس شخص کی جائداد وغیرہ کے حقدار ہیں یا نہیں اور وہ اپنا حق حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ از کراچی

الجواب

سوال سے معلوم نہ ہوا کہ شخص مذکور نے اپنے فرزند مذکور کو جائیداد و دیگر املاک باقاعدہ ہبہ کر دیئے یا صرف انتظام اس کے سپرد کیا اور اس کو منتظم کار بنا دیا۔ اگر ہبہ کر دیئے ہیں تو یہ ہبہ صحت کی حالت میں ہوا ہے یا مرض الموت کی حالت میں۔ ان تینوں صورتوں کے الگ الگ احکام ہیں۔ اگر صرف انتظامی معاملات کا ایک بیٹے کو مختار کیا گیا تو اس سے باقی بیٹے محروم نہ ہوں گے۔ اس کے انتقال کے بعد تمام بیٹے بطریق مساوی اپنا حصہ لیں گے۔ اگر ہبہ ہے لیکن مرض الموت کی حالت میں۔ تو بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ مرض الموت کا ہبہ وصیت ہے۔ درمختار میں ہے۔ وھبۃ مقعد و مفلوج واشل ومسلول من کل مالہ ان طالت مدتہ ولم یخف موتہ منہ والا فمن ثلثہ۔ اور وارث کو وصیت جائز نہیں۔ حدیث میں ہے۔ لا وصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ۔ درمختار میں ہے

ولا لوارثہ - اور اگر بحالتِ صحت باقاعدہ ہبہ کر دیا ہے - تو اس کا یہ ہبہ درست ہے - کیونکہ یہ اپنے مال کا مالک ہے جس کو چاہے دے - لہذا باقی کے کچھ نہیں پا سکتے - لیکن اگر باقی پانچ بیٹوں کی نافرمانی کی وجہ سے والد نے ایسا کیا - تو اگر والد زندہ ہے - تو ان کو چاہیے - کہ والد کو بہت جلد راضی کر لیں - تاکہ وبال آخرۃ سے بچیں - اور اگر بلاقصور والد نے محروم کر دیا ہے - تو اگرچہ اس کا عمل شرعًا نافذ ہوا لیکن وہ عنداللہ سخت گنہگار ہوا - حدیث شریف میں اولاد کے درمیان مساوات کرنے کا سخت حکم ہے - مسلم و بخاری نے حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی قال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم - ردالمحتار میں ہے - ولو وھب شیئًا لاولادہ فی الصحۃ واراد تفضیل البعض علی البعض روی عن ابی حنیفۃ لاباس بہ اذا کانت تفضیل لزیادۃ فضل فی الدین وان کانوا سواء یکرہ - درمختار کتاب الھبۃ میں ہے وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم - البتہ اگر اولاد میں سے بعض کو ان کے دینی فضل کی وجہ سے کچھ زیادہ دے - تو حضرت امام صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک جائز ہے - کما ھو ظھر من العبارۃ المنقولۃ من ردالمحتار - واللہ اعلم -

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و محققان شرع متین مسائل مصرحہ ذیل کے متعلق :-

۱ - سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ میں من کل الوجوہ کون افضل ہے ؟

۲ - اگر کوئی شخص فضائل اختصاص کے اعتبار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ پر ترجیح اور فضیلت دے - تو علمائے احناف کے نزدیک اس کا ایمان صحیح ہے اور اُس کی امامت جائز ہے - یا نہیں ؟

۳ - روافض (تبرائی) کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا - مناکحت کرنا - اس کی مجالس میں شریک ہونا مجلس پڑھنا اور روافض کو سید سمجھ کر اُن کو قابل احترام سمجھنا کیسا ہے ؟

ع۴ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کو زید بُرا کہتا ہے۔ اور آپ کی شان میں رضی اللہ تعالٰے عنہ کہنے سے منع کرتا ہے۔ اور بُرا جانتا ہے۔ لہذا ایسے اعتقاد کے ہوتے ہوئے زید سنی المذہب حنفی ہو سکتا ہے۔ یا نہیں؟

ع۵ زید اپنے آپ کو عالم کہتا ہے۔ اکثر میلاد شریف وغیرہ بیان کرتا ہے۔ اور بزعم خود تعزیہ داری ونوحہ ومرثیہ خوانی کی بابت کلام مجید سے ثابت ہونا تبلاتا ہے اور اپنے بیان میں تعزیہ داری کی ترغیب دیتا ہے۔ اور شیعوں کے ماتم میں خود بھی شریک ہو کر ماتم کرتا ہے اور تعزیہ وعَلم کی تعظیم کرتا ہے۔ ایسے شخص کا بیان سُننا چاہیئے یا نہیں؟ اور مذہب حقہ زید کے بارے میں کیا حکم دیتا ہے؟

ع۶ زید ایک شیعہ کو قطب متصرف سمجھتا ہے اور اس کے کمالات وکرامات بیان کرکے لوگوں کو اس کا معتقد بناتا ہے۔ لہذا زید کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور کیا کوئی شیعہ (تبرائی) قطب متصرف ہو سکتا ہے؟

از بریلی

ع۷ سوالات ۱ لغایت ۶ کا اعتقاد رکھنے والا قابل امامت ہے یا نہیں؟

الجواب

ع۱ علمائے ملت اس پر متفق ہیں کہ مطلقاً افضل البشر بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ ہیں۔ پھر حضرت فاروق۔ پھر حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہم اجمعین۔ صواعق محرقہ میں ہے۔ اعلم ان الذی اطبق علیہ عظماء الملۃ وعلماء الامۃ ان افضل ھذہ الامۃ ابو بکر الصدیق ثم عمر الخ ومثلہ فی شرح العقائد۔ من کل الوجوہ افضلیت کا سوال ہی بے جا ہے۔ اعتبار افضلیت مطلقہ کا ہے۔ اور عند الاطلاق وہی مراد ہوتی ہے۔ ان حضرات میں سے ہر ایک کو خدا تعالٰے نے فضائل مخصوصہ عطا فرمائے ہیں۔ اور وہ فضیلت مطلقہ کے منافی نہیں۔

ع۲ اگر وہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ کی افضلیت مطلقہ کا قائل ہوتے ہوئے محض خصوصیات حضرت علی یا دیگر صحابہ کے ذکر کرتا ہے۔ رضی اللہ تعالٰے عنہم اجمعین۔ تو اس سے نہ ایمان میں خلل آتا ہے۔ نہ اُس کی امامت ناجائز۔ کہ تمام صحابہ کرام کسی نہ کسی خصوصیت میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ مثلاً امانت خاصہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور صرف ایک شہادت کا نصاب ہونا حضرت ابی خزیمہ کی۔ اور قرآن کریم میں اسم خاص کے ساتھ ذکر ہونا حضرت زید کی خصوصیات سے ہیں۔ یہ فضائل مخصوصہ جو خدا نے ان حضرات کو عطا فرمائے۔ کوئی دیندار مسلمان

کس طرح انکار کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسے خصوصیات کو بیان کر کے مطلقاً کسی ایک صحابی کی فضیلت دوسرے کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ دھوکہ دے رہا ہے اور اپنے باطل مذہب کی ترویج لیکن اگر قائل حضرت مولا علی مرتضےٰ کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ پر ہر طرح ترجیح دیتا ہے۔ تو گمراہ ہے۔ کہ عقیدہ اہل اسلام کے خلاف ہے۔ اسی صواعق میں ہے۔ فانہ کان یقول ابوبکر خیر و علی افضل فلان اراد ان خیریۃ ابوبکر من بعض الوجوہ وافضلیۃ علی من وجہ آخر لم یکن ذالک فی محل الخلاف والحاصل ان المفضول قد توجد فیہ مزیۃ بل مزایا لا توجد فی الفاضل فان اراد شیخ الخطابی ذالک وان ابابکر افضل مطلقاً الا ان علیا وجدت فیہ مزایالم توجد فی ابی بکر فکلامہ صحیح۔

۲ تبرائی روافض مرتد ہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ ویجب اکفار الروافض۔ اسی میں ہے۔ وھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کفار کے ساتھ محبت وتعلقات رکھنا ناجائز ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ الآیۃ نیز ارشاد فرماتا ہے۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَاءَهُمْ الآیۃ۔ لہٰذا روافض سے روابط ومحبت جائز نہیں۔ اور ان سے نکاح درست نہیں۔ محض زنا ہوگا۔ رد المحتار، عالمگیری بحر میں ہے۔ رافضی مدعی سیادت ہرگز سید نہیں۔ اس لئے کہ وہ مرتد ہے۔ اور خدا کا دشمن۔ اگر اسی مذہب رفض پر مرگیا۔ تو جہنم کے اسفل السافلین میں اس کا ٹھکانا ہوگا۔ سیادت اور خلود فی النار کا اجتماع کیسا؟ سید وہ مسلمان ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہو۔ روافض تو مسلمان ہی نہیں۔ سید کیسے؟ نوح علیہ السلام کے بیٹے کے متعلق فرمایا گیا۔ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ۔

۳ زید گمراہ محض ہے۔ کسی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بھی عداوت رکھنا حقیقتاً حضور سے عداوت ہے۔ اور قرآن کریم کی مخالفت کرنا ہے۔ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بہت فضائل ہیں۔ وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو بڑی افضلیت ہے۔ اور حضور کے کاتب وصاحب اسرار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخ الزوج ہیں۔ مجتہد صحابی ہیں۔ کما قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کما فی البخاری۔ انہی کے متعلق حضور نے دعا فرمائی اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا۔ انہی کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ

تعالٰی عنہ نے فرمایا۔ معاویة فی الجنة۔ تمام ازواج واہل بیت رسالت نے ان کی توقیر فرمائی۔
ان کے مخلصانہ ہدایا قبول فرمائے۔ ان کی شان میں گستاخی کرنے والا بے ادب بدنصیب ہے۔
ان کے اسم شریف کے ساتھ رضی اللہ تعالٰے عنہ ضرور کہنا چاہیئے۔ کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔
رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی۔

۵ زید جولیڈے کو عالم کہتا ہے اور میلاد شریف پڑھتا ہے۔ اگر وہ علم رکھتا ہے تو اسے عالم کہنا غلطی نہیں اور میلاد شریف پڑھنا امر نیک ہے۔ رب کی اطاعت پر مشتمل ہے۔ سبب برکت علاقہ محبت رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ نشانی ایمان ہے۔ رہی تعزیہ داری اور نوحہ جن کو قرآن پاک سے ثابت بتاتا ہے۔ اس کے لئے خود اس کا بیان سائل کو پیش کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس کی صحت اور عدم صحت پر حکم دیا جاسکے۔ رہا مجلس روافض میں شرکت اور ان کے ساتھ ماتم کرنا یہ دونوں امر ممنوع اور شرعاً ناجائز ہیں۔ ان سے توبہ لازم ہے۔ زید کو امام نہ بنایا جائے۔ تاوقتیکہ ماتم وغیرہ سے توبہ نہ کرے۔

۶ اگر وہ رافضی (تبرائی) ہے۔ اور کفریہ عقائد رکھتا ہے۔ تو اس کو قطب کیا مومن کہنا بھی درست نہیں۔ اگر زید اس کے کفریات پر مطلع نہ ہو۔ تو اس کی یہ مدح سرائی اور بدمذہب کی ثنا وصف حرام ہے اگر زید اس رافضی کے عقائد کفریہ پر مطلع بھی ہو اور باوجود اس کے اس کو مومن ہی کہے تو خود زید بھی اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ من شك فی عذابه وكفره فقد كفر۔ عام کتب۔ کوئی رافضی کبھی قطب اور ولی نہیں ہوسکتا خواہ تبرائی ہو یا غیر تبرائی۔ دونوں نام کے مومن ہیں۔ حقیقت میں دشمن اسلام اور ولایت متقی مسلمان ہی کو حاصل ہوسکتی ہے۔ اِنْ اَوْلِیَاءُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔

۷ تفاصیل بیان کردی گئیں مطالعہ کرو۔ واللہ اعلم وعلمه عز اسمه اتم واحکم۔

فتوی نمبر ۲۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک واعظ ہے۔ اکثر عورتوں کو اپنے سامنے بلا پردہ بٹھا وعظ کہا کرتا ہے اور منع کرنے پر احادیث پیش کرتا ہے۔ کہ حدیث سے ثابت ہے کہ عورتیں عیدگاہ اور نمازوں میں جایا کرتی تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب پاک خطبہ عید سے فراغت پاکر

مجمع زناں میں تشریف لے جاتے تھے - حالانکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے ہمراہ ہوتے تھے اور آپ ان کو صدقہ کی رغبت دیتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورتوں کا مردوں کے سامنے منہ کھول کر واعظ کے سامنے آنا جائز ہے - نیز آیت پیش کرتا ہے - وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ اور کہتا ہے کہ اجنبی عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولنا جائز ہے باقی جسم کا چھپانا واجب یہی پردے کے معنی ہیں - فقہا کے اقوال پیش کرتا ہے - جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا چہرہ اور پہنچوں ہاتھ ستر نہیں - اس کے تمام دلائل کتابی شکل میں حاضر خدمت ہیں - ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمائیں - کہ آیا زید کا قول صحیح ہے یا نہیں - اگر نہیں تو ان دلائل کا کیا جواب ہے - بیّنوا توجروا -

الجواب

اجنبی مرد کا بے پردہ عورتوں کو اپنے سامنے جمع کر کے وعظ کہنا ناجائز ہے - تین وجہوں سے اولاً تو اس لئے کہ عورتوں کا وعظ سننے کے لئے بے پردہ گھروں سے نکلنا منع ہے - دوسرے اس لئے کہ اجنبی مرد کا عورتوں کا دیکھنا ناجائز - تیسرے اس لئے کہ ان عورتوں کا اجنبی مرد واعظ پر نظر ڈالنا غیر درست - قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے - وقرن فی بیوتکن اے نبی کی عورتو اپنے گھر میں رہو تفسیرات احمدیہ میں ہے - ای قرن فی بیوتکن لا تخرجن منها والزمن الاقامة فيها - یہ خطاب اگرچہ ازواج مطہرات سے ہے - لیکن اس کا حکم عام عورتوں کے لئے بھی ہے - جیسا کہ اس آیت میں ہے - اقمن الصلوٰة وآتين الزكوٰة واطعن الله ورسوله - اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو سوائے ان سات ضرورت شرعیہ کے جن کی تفصیل فقہا نے فرمائی ہے گھر سے نکلنا جائز نہیں اور شرکت مجلس وعظ ان سات ضرورت شرعیہ میں سے نہیں - درمختار میں ہے - ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به لفساد الزمان جب جماعت نماز کے لئے جو اہم ترین عبادت ہے گھر سے نکلنا عورتوں کا جائز نہ ہوا تو مجلس وعظ میں شرکت کرنے کے لئے کیوں کر جائز ہوگا - بحر الرائق میں ہے - ولا یحضرن الجماعة لقوله تعالیٰ وقرن فی بیوتکن : وقال (صلی الله علیه وسلم) صلوٰتها فی قعر بيتها افضل من صلوٰتها فی صحن دارها الخ اسی میں ہے ومتى كره حضور المسجد الصلوٰة فلان يكره حضورها مجالس الوعظ خصوصاً عند هؤلاء الجهال الذين حلوا بحلية العلماء اولیٰ - اسی میں ہے يجوز للخروج ان یاذن لها بالخروج الى سبعة مواضع

زیارۃ الوالدین وعیادتهما وتعزیتهما وزیارۃ المحارم فان کانت قابلۃ اوغاسلۃ اوکان لها علی اخرها حق تخرج بالاذن وبغیر الاذن والحج علی هذا ۔ باب الامامۃ) عالمگیری میں ہے وکرہ لهن حضور الجماعۃ والفتوی الیوم علی الکراهۃ فی کل الصلوٰۃ لظهور الفساد ۔ دیکھو ہمارے فقہاء کس شدومد سے عورتوں کو مجلس وعظ میں شرکت کے لئے نکلنے کو منع فرما رہے ہیں۔ اگرچہ عورت پردہ کے ساتھ برقع اوڑھ کر ہی شرکت کرے۔ جب بھی خلاف احتیاط ہے۔ چہ جائیکہ بے حجاب شرکت کرے۔ رہی وہ احادیث جو مستدل مجوز نے اپنی تائید میں پیش کی ہیں۔ اُن سے اُس کا مدعٰی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اولاً تو زمانہ اقدس میں عورتوں کا عید و مجالس وعظ میں شرکت ضرورتاً تھا کہ وہ وقت تبلیغ احکام شرعیہ کا تھا۔ عورتیں اگر ان مجالس میں شرکت نہ کرتیں تو اپنے متعلق احکام شرعیہ کس طرح معلوم کر سکتی تھیں۔ وہ زمانہ بھی نہایت پاکبازی دینداری کا تھا۔ پھر بھی پردہ کے اہتمام سے اس طرح معلوم کر سکتی تھیں۔ کہ کوئی ان کو پہچان نہ سکتا تھا۔ چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرت ام المومنین محبوبہ محبوب رب العالمین صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کی۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصلی الصبح فتنصرف النساء متلفعات بمروطهن ما یعرفن من الغلس۔ اس خیر و برکت کے زمانہ میں اس قدر سخت ضرورت کی وجہ سے اتنی احتیاطوں کے ساتھ عورتوں کے مجالس وعظ میں شرکت کرنے پر اس زمانہ شر و فساد کو قیاس کرنا جبکہ ایسی ضرورت بھی نہ ہو خصوصاً بے پردگی کے ساتھ محض قیاس مع الفارق ہے۔ امیر المومنین غیظ المنافقین فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عورتوں کو مجالس وعظ و جماعاتِ نماز سے ایک دم روک دیا۔ عورتوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی خدمت میں شکایت کی۔ کہ ہم کو فاروق اس امر خیر سے روک رہے ہیں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ روکا۔ تو انہوں نے جواب دیا لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای ما احدث النساء بعدہ لمنعهن کما منعت نساء بنی اسرائیل (بخاری باب خروج النساء الی المساجد باللیل) رد المحتار میں اسی حدیث کو نقل فرما کر فرماتے ہیں۔ وهذا فی نساء زمانها فما ظنک بنساء زماننا یعنی یہ ممانعت تو اس پاک زمانہ (خیر القرون) میں تھی۔ تو اس زمانہ شر و فتن کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ فقیر کی یہ مختصر تحریر ان تمام اوہام کو دفع کرنے کے لئے بفضلہ تعالےٰ کافی ہے۔ جو مستدل کو ان عبارات منقولہ سے پیدا ہو گئے۔

دوم اجنبی عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا جائز ہے۔ قال اللہ تعالےٰ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ امام احمد و ترمذی و ابو داؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کیا۔ جس میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا انہوں نے عرض کیا۔ وہ تو نابینا ہیں۔ ہمیں تو دیکھتے نہیں تو ارشاد فرمایا کہ تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم بھی انہیں نہیں دیکھتیں مشکوٰۃ باب النظر الی الخطوبۃ کتاب النکاح قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللہ الیس ھو اعمیٰ لایبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیا وان انتما الستما تبصرانہ۔ اسی حدیث کی شرح میں مرقات میں ہے۔ قیل فیہ تحریم نظر المرأۃ الی الاجنبی مطلقا و بعض خصہ بحالِ خوف الفتنۃ علیھا۔ شیخ عبدالحق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اشعۃ اللمعات میں حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔ واستدلال کردہ اند بعضے بر جواز نظر امراۃ بر اجنبی اگر وی نمی بیند اور اوقول صحیح کہ جمہور بر آنند کہ حرام است از جہت قول حق سبحانہٗ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ۔ واز جہت حدیث ام سلمہ افعمیا وان انتما۔ شرح باب العدۃ ردالمحتار میں ہے۔ وجہ الفرق کما فی الھدایۃ ان الشھوۃ علیھن غالبۃ وھو کالمتحقق اعتبارًا

سوئم۔ اجنبی مرد کا اجنبیہ عورت کو دیکھنا حرام ہے نہ اس لئے کہ اس کا چہرہ ستر عورت ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس میں خوف فتنہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْــَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔ یہ آیت بھی ازواج مطہرات کی شان میں ہے لیکن حکم عام ہے تفسیرات احمدیہ میں ہے لان موردہٗ وان کان خاصًا فی حق ازواج رسول اللہ صلّی اللہ وسلم لکن الحکم عام لکل من المؤمنات فیفھم منہ ان یحتجب جمیع النساء من الرجال ولایبدین انفسھن علیھم قرآن کریم میں ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ بیہقی نے حضرت حسن سے روایت کی بلغنی ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم قال لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ اللہ لعنت کرے دیکھنے والے پر اور اس عورت پر جسے دیکھے۔ مسلم و بخاری نے حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کیا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یا رسول اللہ ارایت الحمو قال الحمو الموت۔ امام مسلم نے حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری۔

ان آیات قرآنیہ واحادیث سے ثابت ہوا کہ اجنبیہ کو اجنبی سے پردہ کرنا ضروری ہے رہی وہ آیت واحادیث جو مستدل جواز نے پیش کیں۔ وہ اس کے کلام کی تائید نہیں کرتیں۔ آیت تو اس لئے کہ

اس میں لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ ہے۔ اس سے استدلال ہے اور یہ استدلال فاسد ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ آیت میں مواضع زینت کے اظہار کی عورت کو اجازت دی گئی ہے۔ کیوں کہ اس کے ہر وقت چھپانے میں حرج عظیم ہے۔ اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ مرد کو بھی اس کا دیکھنا جائز ہو۔ یہاں فعل عورت (کشف) کا ذکر ہے۔ نظر جو فعل مرد ہے۔ وہ کس طرح جائز ہوگا تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ فالمذکور فی الآیة ماهو من جانب المرأة دون ماهو من جانب الناظر واین هذا من ذلك۔

دوم اس لئے کہ آیت میں یہ ذکر نہیں کہ محض نماز کے لئے یہ حکم ہے یا خارج نماز کے لئے بھی یا ضرورت کے موقعہ پر یہ حکم ہے یا کہ بلا ضرورت بھی تنہائی کی حالت میں یہ حکم ہے۔ یا اجانب کے سامنے بھی۔ تفسیرات احمدیہ نے بحوالہ بیضاوی فرمایا والاظهر ان هذا فی الصلوٰة فان کل بدن المرأة عورة لایحل لغیر الزوج والمحرم النظر الی شیئ منها الا لضرورة کالمعالجة وتحمل الشهادة هذا کلامه ولایخفی حسنه۔ اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے اور مفسرین کے اس قدر اختلاف کے باوجود استدلال کس طرح درست ہوگا۔ رہی وہ احادیث ان سے بھی استدلال تام نہیں۔ کہ ان احادیث سے عورتوں کا صرف عید وغیرہ کے موقعوں پر نماز میں یا مجالس وعظ میں آنا ثابت ہے۔ جس کا جواب ہم اوپر دے چکے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بے پردہ ہی ہوتی تھیں۔ اور مدعا یہی ہے اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بے پردہ بھی حاضر ہوئیں۔ تو ہم دوسروں کو حضور کی ذات کریمہ پر کس طرح قیاس کر سکتے ہیں۔ تمام جہان کی عورتیں حضور کی لونڈیاں ہیں بلکہ اس سے بھی کم قرآن کریم فرماتا ہے۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور کی ولایت ولی اقرب حتی کہ اپنے نفس کی ولایت سے بھی قوی تر ہے لہذا حضور پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ نہیں۔ ہم نے وہ احادیث بعونہٖ تعالےٰ پیش کر دیں۔ جو صراحتہً پردہ کو واجب کر رہی ہیں۔ رہے اقوال فقہاء اولاً تو اس میں خود ہمارے فقہا کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم اوپر حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال تفسیرات احمدیہ سے پیش کر چکے ہیں۔ جن فقہا نے جواز کا حکم دیا ہے۔ وہ شہوت نہ ہونے کی شرط پر موقوف ہے۔ پھر بھی بلا ضرورت مکروہ فرماتے ہیں۔ رد المحتار میں ہے۔ وفی شرح الکرخی النظر الی وجه اجنبیة المرأة لیس بحرام ولکنه یکره بغیر حاجة وظاهره الکراهة ولو بلا شهوة۔ اس زمانہ کے لئے مطلقاً منع فرماتے ہیں۔ درمختار میں ہے۔ محل النظر مقید بعدم الشهوة والا فحرام وهذا فی زمانهم واما فی زماننا فمنع من الشابة۔ ردالمحتار میں ہے لا لانه عورة بل لخوف الفتنة کما قدمه فی شروط

الصلوٰۃ۔ اسی درمختار باب الستر میں ہے۔ وتمنع المرأۃ الشابۃ من کشف الوجہ بین رجال لالانہ عورۃ بل لخوف الفتنۃ۔ ردالمحتار میں ہے۔ لانہ مع الکشف قد یقع النظر الیہا لشہوۃ۔خوف فتنہ کا اتنا لحاظ کیا گیا ہے کہ صالحہ عورت کو فاسقہ بازار میں پھرنے والیوں کے سامنے یا کافرہ عورتوں کے سامنے بے پردہ آنا منع ہے۔اسی ردالمحتار میں ہے۔ ولا ینبغی للمرأۃ الصالحۃ ان تنظر الیہا المرأۃ الفاجرۃ۔ درمختار میں ہے والذمیۃ کالرجل الاجنبی فی الاصح فلا تنظر الی بدن المسلمۃ۔ بحر میں ہے۔ قال مشائخنا تمنع المرأۃ الشابۃ من کشف وجہہا بین الرجال فی زماننا للفتنۃ۔ لہذا واعظین کو بہت جلد اس رسم کو مٹانا چاہیئے۔ ان میں تبلیغ یا تو بذریعہ کتب و رسائل کی جائے یا ذی علم عورتیں غیر ذی علم عورتوں کو احکام سکھا دیں یا نہایت پردہ کے ساتھ واعظ سے بالکل علیحدہ ایک عمارت یا بڑے پردہ کی آڑ لے کر وعظ و احکام سُنیں۔ مگر اس تیسری صورت میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟ اس میں یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ مل کر ایک انجمن قائم کرتے ہیں اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کچھ رقم جمع کراتا رہتا ہے۔ اور یہ طے ہو جاتا ہے کہ اتنے زمانہ تک یہ رقم جمع کراتا رہے گا اور اس کے بعد اتنا روپیہ انجمن سے حاصل کرلے گا۔ اب اگر ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ تو انجمن کو وہ تمام رقم ادا کرنی پڑے گی جو طے ہو چکی ہے۔ مثلاً اگر دس ہزار کا بیمہ کیا۔ اور بیس روپیہ ماہوار ادا کرنے کا تاحین حیات اقرار کیا۔ اب اس کا ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد انتقال ہو گیا۔ تو بھی انجمن کو دس ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ اور اگر سو برس تک زندہ رہ کر مرا تو بھی اتنا ہی روپیہ۔ اس میں بہت سے فائدے ہیں:

(۱) تھوڑی تھوڑی رقم جاتی ہے اور اکٹھی رقم آتی ہے۔

(۲) روپیہ محفوظ رہتا ہے اور اپنی اولاد کی طرف سے بے فکری رہتی ہے۔

ایسا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو وہ شرکت ہے یا امانت اور اگر ناجائز ہے۔ تو کیوں؟ بینوا توجروا۔

از اجمیر شریف

الجواب

اگر یہ بیمہ کمپنی خالص کفار کی ہے۔ اور بعد بیمہ اہل کمپنی اس شخص کو سفر حج یا دیگر احکام شرعیہ سے نہیں روکتے اور مسلمان کے نقصان کا قوی اندیشہ نہ ہو۔ تو بیمہ کرانا جائز ہے۔ جو فائدہ اس بیمہ کے ذریعہ بیمہ کرنے والا حاصل کرے وہ حلال ہے کہ یہ عقد یا تو عقد ربوٰ ہے یا عقد قمار ربوٰ۔ تو اس لئے کہ جو رقم بیمہ والے سے کمپنی لیتی ہے۔ وہ یا تو بطور قرض لیتی ہے یا بطور بیع اور دونوں صورتوں میں بیمہ کرنے والا رقم بھی واپس لیتا ہے اور وہ منافع بھی حاصل کرتا ہے جو سائل نے بیان کئے۔ لہٰذا یہ ربوٰ ہوا۔ بصورت قرض تو اس لئے کہ کل قرض جر نفعا فھو ربوٰ۔ اور بصورت بیع اس لئے کہ یہ منافع خالی عن العوض ہے۔ لہٰذا ربوٰ ہے۔ بحر میں ہے فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال درمختار میں ہے۔ ھو فضل خال عن العوض مشروط لاحدھما فی المعاوضۃ۔ نیز اسی درمختار میں ہے۔ فدخل ربوٰ النسیئۃ والبیوع فکلھا من الرباء۔ قمار اس لئے کہ قمار میں ایجاب مال علی شرط الغلبۃ ہوتا ہے۔ (قاموس) اسی میں ہے کہ اگر صاحب بیمہ کی زندگی دراز ہوئی تو کمپنی کا غلبہ ہوا کہ اس کے پاس رقم زیادہ پہنچی۔ اور اگر اس کی عمر کم ہوئی تو اس کو نفع ہوا کہ رقم کم پہنچی اور زیادہ ہاتھ آئی اور تمامی عقود فاسدہ خواہ بیع بالشرط ہو یا ربوا یا قمار۔ ان کے ذریعہ کفار حربیہ سے اگر مسلمان کو نفع ہو تو جائز ہے اور اگر کفار کو ہو تو ناجائز۔ بحر میں ہے۔ ای لا ربوا بینھما فی دار الحرب عندھما خلافا لابی یوسف وفی البنایۃ وکذا اذا باع خمرا وخنزیرا او میتۃ او قامرھم واخذ المال کل ذلک یحل له۔ اسی میں ہے لا یخفی انه انما اقتضی حل مباشرۃ العقد اذا کان الزیادۃ ینالھا المسلم۔ درمختار میں ہے۔ ولا بین حربی ومسلم لان ماله ثمه مباح فیحل برضاه مطلقا بلا عذر۔ ردالمحتار میں ہے۔ حتی لو باعھم درھما بدرھمین او باعھم میتۃ بدراھم او اخذ مالا منھم بطریق القمار۔ ما اذا حصلت الزیادۃ للمسلم۔ اور شرعاً یہ عقد عقدِ شرکت نہیں کہ شرکت میں مال شرکت تو متعین و معلوم ہونا چاہئے اور مال ادا غیر متعین غیر معلوم ہونا چاہیئے۔ شرکت میں خبر نہیں ہوتی کہ نفع ہو یا نقصان۔ اور اگر نفع ہو تو کتنا اور اگر نقصان ہو تو کس قدر مگر یہاں معاملہ برعکس ہے کہ جو رقم بیمہ والے کو ملے گی۔ وہ تو معلوم ہے۔ مگر جو رقم کمپنی کو حاصل ہوگی وہ مجہول ہے کہ بروقت شرکت کسی کو خبر نہیں کہ اس شخص سے کتنا روپیہ وصول ہوگا اگر موت جلد واقع ہوگئی۔ تو روپیہ کم وصول ہوا۔ برصورت دیگر زیادہ۔ اگر اس شخص نے بغرض شرکت بھی روپیہ

دیا ہو تب بھی شرکت فاسدہ ہے کیونکہ مقرر کر دیا گیا ہے کہ اتنا روپیہ واپس لوں گا اور شرکت فاسدہ قرض بن جاتی ہے۔ درمختار میں ہے۔ وتفسد باشتراط دراہم مسماۃ من الربح لاحدہما لقطع الشرکۃ۔ ردالمحتار میں ہے وذالک یقطعہا فتخرج الی القرض او الی البضاعۃ۔ اور نفع امانت ہے۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۲۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں کے اوقاف میں کسی حاکم یا غیر حاکم کو یہ اختیار ہے یا نہیں کردہ شرائط واقف کے خلاف کوئی کاروائی وقف میں کرے یا واقف کے مقرر کردہ متولی کو متولی ہوتے ہوئے معزول کر کے کوئی کمیٹی مقرر کریں جسے وقف کے انتظامات سپرد ہوں اگر نہیں تو یہ زبردستی مداخلت فی الدین ہے یا نہیں؟

۲۔ وقف جائداد کے سابق مقرر کردہ لگان میں کمی کر دینا جس سے آمدنی کم ہو جائے جائز ہے یا نہیں؟ نیز وقف کی آمدنی میں سے ایک بڑی رقم لے کر قائم کردہ نیا دفتر یا کمیٹی یا بورڈ پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وقف کی آمدنی سے چندہ یا ٹیکس لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

از جمنہ

الجواب

۱: شرائط واقف کی مخالفت شرعاً جائز نہیں۔ حتی کہ سلطان اسلام اور قاضی وغیرہ کسی کو درست نہیں۔ چہ جائیکہ غیر مسلم حکومت کو۔ واقف کی شرطیں نصوص شرعیہ کی طرح شرط واجب العمل ہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ ما خالف شرط الواقف فہو مخالف النص وہو حکم لادلیل علیہ وہو موافق لقول مشائخنا کغیرہم شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعہ۔ درمختار میں ہے۔ شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفہوم والدلالۃ ووجوب العمل بہ۔ واقف نے جس کو متولی قرار دیا اسے قاضی یا حکومت اپنی رائے سے معزول نہیں کر سکتے۔ نیز اگر متولی سابق جس کسی کو اپنا قائم مقام کر کے انتقال کر گیا ہو تو اس کے بھی معزول کرنے کا حکومت یا کسی اور کو حق نہیں۔ اگر حکومت کسی کو متولی کر بھی دے تب بھی اس کی تولیت شرعاً جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر واقف نے کسی کی نسل کے لئے تولیت نامزد کر دی تو اس نسل میں رہے گی۔ حکومت یا کسی کو اس سے تولیت نکالنا جائز نہیں ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ اذا مات المتولی المشروط لہ بعد الواقف فالقاضی ینصب غیرہ وشرط فی المجتبیٰ ان لایکون المتولی اوصی لآخر عند موتہ فان اوصی لاینصب القاضی۔ عالمگیری میں ہے۔ شرط الواقف ان یکون المتولی من اولادہ واولاد اولادہ ہل للقاضی ان یولی غیرہ بلاخیانۃ ولو ولاہ ہل یکون متولیا قال الشیخ الاسلام برہان الدین لا۔ لہذا مسلمانوں کے اوقاف میں خلاف منشا واقفین تصرف کرنا یا متولی

مقرر کو تولیت سے علیحدہ کرنا ناجائز اور مداخلت فی الدین ہے۔

۲۔ تحقیقات اوقاف کے دفاتر کے مصارف بورڈ یا کمیٹی کے اخراجات بذریعہ ٹیکس یا چندہ وقف سے وصول کرنا جائز ہے۔ واقف نے وقف کے جو مصارف مقرر کر دیئے ہیں۔ ان کے سوا دوسرے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں وقف کے سابق لگان میں کمی کرنے سے وقف کا نقصان ہے اور جو چیز بھی وقف کو مضر ہے ناجائز ہے۔

ردّ فتویٰ نمبر ۲۷ مولوی کفایت اللہ

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہِ الکریم

مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ جو مفتی کفایت اللہ کی تصحیح سے طرق ایصال ثواب تیجہ دسواں بیسواں چالیسواں سہ ماہی برسی وغیرہ کے متعلق تحریر کیا گیا ہے۔ بالکل غلط و باطل ہے۔ اس میں مفتی نے لکھا ہے کہ ان میں سے کوئی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ تابعین تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اس سے مفتی کی کیا مراد ہے۔ آیا یہ کہ ان امور کی اصل ثابت نہیں یا کہ ہیئات ثابت نہیں۔ بہ تقدیر اول غلط کہ ان تمام امور کی اصل طاعات سے ایصال ثواب کرنا ہے۔ اور بالیقین قولاً و فعلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور عقائد اہل سنت میں سے ہے۔ شرح عقائد میں ہے۔ وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتھم ای صدقۃ الاحیاء عنھم ای عن الاموات نفع لھم ای للاموات۔ اور احادیث کثیرہ سے ایصال ثواب ثابت ہے۔ اس کو یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ صحابہ کرام نہ تابعین نہ تبع تابعین اجمعین سے نہ آئمہ مجتہدین سے کذب محض اور افترا خالص اور بہتان ہے۔ دنیا میں ایسا مفتی بھی موجود ہے جس کو یہ خبر نہیں کہ ایصال ثواب خود حضور سے ثابت ہے۔ حضور کے اصحاب واتباع کا معمول ہے یہ علم اور فتوے نویسی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ ہیئات ثابت نہیں تو اس پر دلیل شرعی قائم کرنی ہوگی کہ کسی چیز کی مشروعیت کے لئے اس کے جملہ خصوصیات و ہیئات کا اثبات بھی ضروری ہے۔ ایسا ہو تو قرآن کے اعراب اس کے پارے منزلیں رکوع وغیرہ مقرر کرنا اور کتب احادیث جمع کرنا اور ضبط احوال رواۃ یہ سب بدعت ہوں گے تدوین علوم دینیہ و تفاسیر قرآن و مدارس اسلامیہ سب ممنوع ہو جائیں گے کہ یہ امور مع اپنی خصوصیات و ہیئات کے زمانہ اقدس میں ثابت ہی نہیں۔ لہٰذا کسی شق پر بھی مفتی کا کلام صحیح نہیں۔ اس کے بعد مفتی نے لکھا ہے کہ جو چیز خود یا اپنی مثال اور نظیر کے ساتھ خیر القرون میں کسی وقت نہ پائی جائے۔ اس کو حکم شرعی سمجھا جائے۔ وہ بدعت اور قابل ترک ہے۔ اور اس کا مرتکب گنہگار ہے۔ مفتی صاحب مثل و نظیر سے کیا مراد لیتے ہیں۔ یہی کہ اس شے کی ہُو بہو نقل خیر القرون میں نہ ہو۔ تب تو ان کی فتوے نویسی

بھی بدعت کہ اس طرح کا فتویٰ دیا۔ مہر یہ لگا نا خیر القرون میں کہا تھا۔ مدرسہ امینیہ ہی بدعت۔ ایسے مدرسہ ان خصوصیات و ہیئات کے ساتھ خیر القرون میں کب پائے گئے تھے۔ اور اگر یہ خصوصیات ملحوظ نہیں تو ایصال ثواب بیشک پایا گیا تھا۔ ہندوستان میں سبیل لگائی جاتی ہے۔ شربت اور پانی پلایا جاتا ہے زمانہ نبوی میں کنواں بنا کر ایصال ثواب کیا گیا تھا۔ اس صورت میں امور مذکورہ کو بدعت قرار دینا جہل اور باطل ہے۔ پھر بدعت میں خیر القرون کی قید کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ خیر القرون میں اگر کوئی امر حادث ہو۔ خواہ کیسا ہی ہو بدعت ہو ہی نہیں سکتا یہ کہیئے تو رفض و خروج کچھ بھی بدعت نہ ہو اور روافض و خوارج اہل بدعت نہ ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں زمانہ تابعین میں پیدا ہو چکی تھیں۔ مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ اس کو حکم شریعت سمجھا جائے۔ اس سے ان کی کیا مراد ہے آیا یہ کہ اس کو مباح سمجھا جائے۔ رخصت سمجھا جائے جب بھی حکم شرعی کا صدق اس پر ہو گیا یا یہ کہ اس کو ان خصوصیات و ہیئات کے ساتھ مطلوب اور مامور سمجھا جائے۔ یہ معنی کبھی مفتی صاحب کے تصور میں بھی نہ آئے ہوں گے لفظ لکھتے ہیں اور معنی نہیں سمجھتے۔ اس کی تو مفتی صاحب کو تکلیف دیجئے کہ وہ حکم شرعی سمجھنے کا مقصد بیان کرے مگر اس کا یہ حکم اس کے سارے فتوے کو باطل کرتا ہے کیونکہ مفتی نے اس کے اوپر لکھا ہے کہ تمام رسومات بعد کے لوگوں کے اختراعات ہیں۔ تو جو چیز بقول مفتی رسوم میں داخل ہے اور اس کے عامل اس کو رسوم سمجھ کر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ حکم شرعی نہیں سمجھی گئی۔ لہٰذا مفتی کے نزدیک بھی بدعت نہیں ہوئی اور مفتی کا اس کو بدعت اور قابل ترک اور اس کے مرتکب کو گنہگار کہنا غلط اور باطل ہوا۔ اور ایسے باطل حکم کو جو اپنے دل سے گھڑا ہو۔ بصورتِ فتویٰ لکھ کر یہ ظاہر کرنا کہ یہ حکم شرعی ہے۔ ایسی بدعت سیئہ ہے۔ جس پر اس مفتی کی تعریف پوری صادق آتی ہے۔ آخر میں مفتی صاحب نے لکھا ہے۔ لہٰذا یہ تمام رسوم بدعات ہیں۔ اور ان کا ترک کرنا اور ان کے ترک کروانے میں کوشش ہر مسلمان پر لازم ہے۔ بحمد اللہ خوب واضح ہو چکا کہ امور مذکورہ ثابت الاصل ہیں۔ ان کے بدعت ہونے کا حکم باطل ہے۔ پھر ان کے ترک کرنے اور کرانے کی کوشش کرنا منع خیر ہے۔ آگے جو حدیثیں لکھی ہیں۔ من احدث فی امرنا الحدیث اور کل بدعۃ ضلالۃ الحدیث اور ومن رای منکرا الحدیث ان کے معانی مفتی صاحب سمجھے یا نہ سمجھے مگر کانگریس کا اتباع اور اس کی ہر امر میں موافقت اور اپنی زندگی کو کانگریسی طواغیت کے اشارہ ابرو پر نثار کر ڈالنا۔ یہ تمام چیزیں مفتی صاحب کی نظر میں ان احادیث میں سے کسی حدیث کا مصداق نہیں بنتیں۔ اللہ تعالیٰ حق کہنے حق بولنے حق ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین برحمتہ و هو ارحم الرحمن۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔

۱ کسی کافر کے ہاتھ مسلمان کا ذبح کیا ہوا گوشت بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً مرادآباد سے رامپور کسی دوست کے پاس کسی کافر غیر کتابی کے ہمراہ گوشت بھیجا جائے اور مسلمان ہمراہ نہ ہو؟

۲ یا ایسا شکار مع پوست و پر کے بھیجا جائے کہ جس کا مثل ملنا بہت دشوار ہے؛

۳ پکا ہوا سالن یا حلوہ مٹھائی وغیرہ بھیجنے کا کیا حکم ہے؛

۴ اگر کسی نے بھیجدیا تو اس کو کیا کیا جائے گا؟ بینوا بالکتاب وتوجروا الیٰ یوم الحساب

الجواب

گوشت و دیگر اشیاء کافر کے ہاتھ ہدیۃً بھیجنا جائز ہے اور جس کے پاس بھیجا گیا۔ اس کا ان چیزوں کو کھانا حلال اس لئے کہ کافر کا یہ کہنا کہ یہ تمہارے دوست کا بھیجا ہوا ہدیہ ہے معاملات کی ایک خبر ہے اور معاملات میں خبر کفار معتبر ہے۔ در مختار میں ہے ویقبل قول الکافر ولو مجوسیا قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل اوقال اشتریتہ من مجوسی فیحرم واصلہ ان خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات شامی میں ہے۔ ان قولہ شریتہ من المعاملات وثبوت الحل والحرمۃ فیہ ضمنی فلما قبل قولہ فی الشراء ثبت مافی ضمنہ۔ ہاں کافر سے گوشت خریدنا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ یہی کہے کہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے۔ اس لئے یہ بات دیانات کی ہے جو کہ کافر سے مسموع نہیں۔ لہٰذا اس میں اور پہلی صورت میں فرق ہے کما ثبت بالعبارۃ المذکورۃ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم۔

فتویٰ نمبر ۲۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چلتی ہوئی ریل میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ۲ اگر وقت نماز جا رہا ہے اور ریل کے رکنے کی توقع بھی نہیں یا ریل رکتی تو ہے لیکن اتنی کم مدت کہ اس وقت میں فرض ادا ہونا ممکن نہیں ہے نیز اگر کسی نے پڑھ لی تو کیا کیا جائے گا؟ ۳ مسافر کا کام اتنا ضروری ہے کہ اگر دوسری گاڑی سے جاتا ہے تو مقصود سفر ہی فوت ہوا جاتا ہے یا دوسری گاڑی جاتی ہے۔ یا کام غیر ضروری ہے

شرعی سیر کرنے جا رہا ہے۔ تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔ ۴۔ اس مسئلہ کو کشتی پر قیاس کرنے میں کونسی قباحت ہے؟
۵۔ اس مسئلہ کو قافلہ کے مسئلہ پر قیاس کریں گے یعنی جیسے وہاں چلتے اونٹ پر نماز جائز ہے۔ یہاں جائز ہوگا یا نہیں؟

بسم اللہ

الجواب

۱۔ نماز فرض، واجب اور سنت فجر چلتی ہوئی گاڑی میں ناجائز ہے۔ اور نفل و دیگر سنن جائز۔ اس لئے کہ فرائض وغیرہ میں جگہ کا ایک رہنا اور قبلہ کو نمازی کا منہ ہونا شرط ہے۔ اور چلتی ہوئی ریل اور دیگر سواریوں میں یہ دونوں باتیں مفقود ہیں۔ لہٰذا کسی چلتی ہوئی سواری پر یہ نمازیں جائز نہیں۔ بجز کشتی و جہاز کے۔ درمختار میں ہے۔ ولو صلی علی دابة فی شق محمل وھو یقدر علی النزول لا تجوز الصلوٰۃ علیھا و ھذا کلہ فی الفرض والواجب بانواعہ و سنة الفجر واما فی النفل فتجوز علی المحمل والعجلة مطلقاً۔ درمختار میں ہے۔ والحاصل ان کلا من اتحاد المکان واستقبال القبلة شرط فی الصلوٰۃ غیر النافلة۔ عالمگیری میں ہے۔ ولا تجوز المکتوبة علی الدابة الا من عذر و کذا الواجبات مثل الوتر والمنذور۔ شامی میں ہے۔ اذا کانت العجلة علی الارض ولم یکن شیٔ منھا علی الدابة وانما لھا حبل تجرھا الدابة بہ تصح الصلوٰۃ علیھا لو کانت سائرة فی ھذہ الحالة لا تصح الصلوٰۃ علیھا بلا عذر (ملخصاً)

۲۔ اس صورت میں آخر وقت تک ریل کے رکنے کا انتظار کرے۔ جب وقت جاتا دیکھے تو پڑھ لے اور بعد میں بوقت موقع قضا کرے کہ ریل کا کم ٹھہرنا ان اعذار میں سے نہیں۔ جن سے نماز سواری پر جائز ہوتی ہے۔

۳۔ اس کا جواب اوپر گذر گیا۔

۴۔ اس مجبوری سے سفر غیر ضروری منع نہ ہوں گے کیونکہ نماز کی صورتیں اس میں ممکن ہیں۔ کما لا یمنع من الجماع فاقد الماء کشتی پر ریل کا قیاس صحیح نہیں کہ وہ پانی پر چلتی ہے اور ریل زمین پر اور کشتی بھی اگر کنارہ پر کھڑی ہو اور اترنا ممکن ہو تو کشتی میں بھی یہ نمازیں جائز نہیں۔ عالمگیری میں ہے۔ وان لم تکن مستقرة وتمکنہ الخروج عنھا لم تجز الصلوٰۃ فیھا۔

۵۔ اونٹ کا حکم بھی یہی ہے۔ کہ نفل نماز اس پر جائز ہے۔ اور فرض وغیرہ ممنوع بلکہ اونٹ تو اگر کھڑا ہو جب بھی اس پر فرض وغیرہ نمازیں جائز نہیں۔ بخلاف ریل اور دیگر چار پہیوں والی گاڑی کے کہ اگر کھڑی ہوں تو ان پر نماز جائز کہ یہ مثل تخت کے ہیں۔ لہٰذا ان کا اونٹ پر قیاس کیا؟ اور قیاس سے کیا فائدہ؟

فتویٰ نمبر ۳۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھ کو ۳۱ روپیہ سرکار سے پنشن ملتی ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ اپنی پنشن میں سے دس روپیہ سرکار کے ہاتھ فروخت کردوں۔ اس کی قیمت اپنے لڑکے کی شادی میں خرچ کروں از روئے شرع اب جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

پنشن گورنمنٹ کی طرف سے ایک انعام ہے جو گورنمنٹ کی طرف سے کارگزار ملازموں کو دیا جاتا ہے۔ کل پنشن یا بعض کے بدلہ میں نقد روپیہ لینا حقیقت میں انعام کے عوض دوسرا انعام لینا ہے۔ گویا تبدیل انعام بالانعام ہے۔ نہ یہ بیع ہے اور نہ رشوت لہذا اس میں کوئی قباحت نہیں۔ کما فی العریۃ فانہا مبادلۃ بہبۃ یا زیادہ سے زیادہ ایک حق (پنشن) بعوض چھوڑنا ہے اور حقوق نافع بعوض مال چھوڑنا جائز ہیں للعرف بخلاف حقوق دافع ضرر کے۔ در مختار میں ہے۔ فیفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال شامی میں ہے یجوز اخذ العوض علی وجہ الاسقاط للحق۔ اسی میں ہے ھٰذا احق جعلہ لدفع الضرر وذالک حق فیہ صلۃ فلاجامع بینہما فافترقا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے۔ قد تعارف الفقہا بقاہرۃ النزول عن الوظائف بمال یعطی لصاحبہا وتعارفوا ذالک فینبغی الجواز۔ بہرحال یہ عمل جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۳۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صحیح تاریخ ولادت باسعادت کیا ہے۔ آیا یکم ربیع الاول یا ۹ یا ۱۲۔ علامہ شبلی مرحوم نے ۱۲ ربیع الاول سے انکار کیا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے ۹ ربیع الاول کو ترجیح دی ہے۔ اس میں ترجیح کس تاریخ کو ہے اور کس پر اتفاق ہے۔

الجواب

تمام اہل سیر و تاریخ اس پر متفق ہیں۔ کہ روز ولادت باسعادت دوشنبہ مبارکہ ہے۔ اختلاف تین چیزوں میں ہے۔ اولاً یہ کہ سال کون سا تھا۔ دوم یہ کہ مہینہ کیا تھا۔ سوم یہ کہ تاریخ کیا تھی۔ سال کے بارے میں اصح یہ ہے کہ وہ سال فیل تھا۔ لاکت اصحاب فیل سے پچپن دن کے بعد ولادت مبارکہ ہوئی۔ لہذا اپریل ۵۷۰ء صحیح۔ مہینہ کے بارے میں چھ قول ہیں۔ محرم۔ صفر۔ ربیع الآخر۔ رجب۔ رمضان۔ لیکن صحیح ربیع الاول ہے۔

تاریخ کی بابت سات قول ہیں۔ ۲-۸-۱۰-۱۲-۱۷-۱۸-۲۲- ان سب میں مشہور تر اور معمول بہ قول بارہ کا ہے۔ لہٰذا قابل عمل و قبول یہ قول ہے کہ ولادت مبارکہ ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ مطابق اپریل ۵۷۰ء بوقت صبح صادق ہوئی اور اسی پر اہل عرب و عجم کا اتفاق ہے۔ اور اہل تاریخ اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ حرمین شریفین میں اسی تاریخ میں محفل میلاد شریف کا انعقاد ہوتا ہے۔ اور اسی تاریخ میں اہل مکہ مکرمہ مولد پاک مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ مدارج میں فرماتے ہیں۔ کہ مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود و دروازدہم ربیع الاول بود بعضے گفتہ اند کہ بدو شب کہ گذشتہ بعض ہشت شب کہ گذشتہ و نزد بعضے دہ آمدہ و قول اول اشہر و اکثر است و عمل اہل مکہ بر ایں ست در زیارت کردن ایشاں موضع ولادت دریں شب و خواندن مولود۔ مواہب و زرقانی میں ہے فقیل ولد للیلتین خلتا منہ وقیل لثمان خلت منہ وقیل اثناعشر من ربیع الاول وعلیہ عمل اھل مکۃ قدیما وحدیثا فی زیارتھم موضع مولدہ فی ھٰذا الوقت ای ثانی عشر ربیع الاول وقیل لسبع عشرۃ ربیع الاول وقیل ثمان عشرۃ والمشھور انہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وھو قول محمد ابن اسحٰق وغیرہ قال ابن کثیر وھو المشھور عند الجمھور وبالغ ابن الجوزی وابن الجزار فنقلا فیہ الاجماع وھو الذی علیہ العمل تاریخ ترجمہ ابن خلدون سوم صفحہ ۷ میں ہے۔ جمہور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ عبداللہ ابن عبدالمطلب کے انتقال کے چند مہینے بعد بارہویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے برس پچپن روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اس میں حاشیہ پر ہے۔ عام الفیل ۵۷۰ء کے مطابق ہے۔ اسی میں حاشیہ پر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی تھی۔ غرض قابل اعتماد و مشہور ترین روایت یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول دوشنبہ صبح صادق ہوئی۔ ۹ ربیع الاول کا کسی نے قول نہیں کیا۔ جبکہ اوپر کی روایتوں سے معلوم ہوا۔ مولوی منظور صاحب کا ۹ کو ترجیح دینا جہالت ہے۔ جب ۹ کا قول ہی نہیں تو ترجیح کیسی؟ زیادہ تحقیق اعلیٰحضرت قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ نطق الہلال میں دیکھو۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۳۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جدید طریقہ فوٹوگرافی سے جاندار کی تصویر کھینچنا یا کھچوانا جائز ہے یا ناجائز۔ اگر جائز ہے تو کیوں؟ اور ناجائز ہے تو کیوں؟ اور اگر ناجائز ہے تو شرعاً کھینچنے اور کھچوانے والے کا کیا حکم ہے۔ اور ضرورت شدیدہ میں جیسے پاسپورٹ وغیرہ کے موقعہ پر یہ فوٹو کھچوانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جاندار کی تصویر کھینچنا یا کھچوانا مطلقاً ناجائز ہے۔ خواہ قلم سے کھینچی جائے یا فوٹو سے لی جائے یا مٹی لوہے پتھر وغیرہ کی بنائی جائے۔ مسلم و بخاری نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرمائی۔ ان اصحاب ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم۔ انہی بخاری و مسلم نے روایت کیا اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یضاھئون بخلق اللہ۔ نیز انہی بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی۔ اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔ بخاری میں ہے۔ من صور صورۃ عذب بہ۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ فان کنت لابد فاعلا فاصنع الشجر و ما لا روح فیہ۔ در مختار میں ہے۔ ھذا کلہ فی اقتناء الصورۃ اما فعل التصویر فھو غیر جائز مطلقا لانہ مضاھاۃ بخلق اللہ۔

ان احادیث و عبارات فقہیہ سے معلوم ہوا کہ جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً ناجائز ہے۔ بنانے والا سخت گنہگار ہے اور مستحق عذاب۔ فوٹو کو آئینہ کی صورت پر اس لئے قیاس کرنا کہ ان دونوں میں صورت خود بخود چھپ جاتی ہے اور فوٹو گرافر اس میں کوئی عمل نہیں کرتا غلطی ہے اس لئے کہ ان دونوں میں چند وجہوں سے فرق ہے۔ اولاً آئینہ میں صورت لینے سے وہ تصویر مقصود نہیں بلکہ اپنے چہرہ کے نقائص و عیوب یا خوبیاں معلوم کرکے نقائص کو دور کرنا ہے۔ لہذا اس کو تصویر سازی کہنا ہی بے جا ہے۔ بخلاف فوٹو کے کہ اس میں صورت ہی مقصود ہے۔ دوم آئینہ کی صورت کو بقا نہیں۔ جہاں مقابل سے ہٹایا۔ صورت غائب ہوگئی۔ فوٹو کی صورت باقی ہے اور باقی رہنے والی صورت کشی حرام ہے۔ سوم اگرچہ فوٹو میں صورت خود بخود آتی ہے۔ لیکن اس کو باقی رکھنے کے لئے عمل کیا جاتا ہے اس کو صاف کیا جاتا ہے۔ جو کہ ہمارے فعل ہیں۔ چہارم۔ فوٹو کے یا تصویر کے حرام ہونے میں حکمت یہ ہے کہ مشرکین اس کی پرستش کرتے ہیں۔ لہذا ان کا بنانا منع کر دیا گیا اور چونکہ غیر جاندار کی پرستش نہیں ہوتی۔ اس کی اجازت دی گئی۔ فوٹو اور قلمی تصویر کی یکساں پرستش کی جاتی ہے بلکہ فی زمانہ مشرکین فوٹو ہی کی زیادہ پرستش کرتے ہیں۔ آئینہ کی صورت نیز دھوپ یا چاندنی کا سایہ پوجا نہیں جاتا لہذا فوٹو حرام ہے کہ اس میں حکمت ممانعت موجود ہے۔ اور آئینہ وغیرہ میں صورت دیکھنا جائز کہ اس میں علت حرمت مفقود۔ اسی لئے پیپل کے درخت یا آفتاب یا چاند یا آگ کی تصویر حرام نہیں۔ کہ اگرچہ یہ تمام چیزیں پوجی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کی اصل کی پرستش ہے۔ لیکن ان کی تصویر کی پرستش نہیں۔ اگر جاندار تصویر کا سر غائب کر دیا گیا تو اب اس کا رکھنا مضر نہیں۔ نیز اگر جاندار کے صرف جسم کی تصویر قلم سے بنائی سر نہ بنایا تو جائز اور صرف سر و چہرہ کا نقشہ بنایا تو حرام کہ صرف سر و چہرہ کی پرستش ہے۔ صرف جسم کی نہیں۔ رد المختار میں مقطوعۃ الراس کے تحت میں ہے۔ لانھا لا تعبد بدون الراس عادۃ و قید بالراس لانہ لا اعتبار بازالۃ الحاجبین او العینین

لانہ تعبد بدونہما۔ اسی شامی میں ہے۔فان قیل عبد الشمس والقمر والکواکب والشجرۃ الخضراء قلنا علینہ لاتمثالہ۔پنجم تصویر کی ممانعت نص سے ثابت ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارکہ کو آئینہ میں ملاحظہ فرمانا بھی نص سے ثابت ہے۔ کما فی الحدیث لہٰذا پانی اور آئینہ کی شکل کا جواز تو نص میں آگیا۔فوٹو کے جواز کے لئے کون سی نص ہے۔لہٰذا یہ تصویر ہی کے حکم میں داخل رہے گا۔تصویر کھینچنے والے کے احکام مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوگئے۔کہ ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ وہ شریعت کے بڑے مجرم ہیں۔ان سے قیامت میں کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں جان ڈالو۔یہ لوگ مرتکب حرام ہیں۔تاوقتیکہ اس سے تائب نہ ہوں۔ان کو امام نہ بنایا جائے۔نیز تصویر کھچوانا بھی اسی جرم میں داخل ہے۔لانہ اعانتہ علی المعصیۃ ورضاء بہ۔اور ضرورت شرعیہ کے موقع پر تو ہر جگہ مستثنیٰ رہتے ہیں کہ۔الضرورات تبیح المحظورات۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۳۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ ذیل کی آیات کی تحریر کردہ تفسیر درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

والشمس وضحٰھا ۝ والقمر اذا تلٰھا ۝ قسم ہے اس رخ انور کی جس کا فیض خاص وعام ہے۔قسم ہے اس رخ جمال کی جس کی شیدا ہر جان ہے۔یاایھا المزمل ۝ اے سایہ رحمت رکھنے والے سارے جہان پر (کمبل کی صورت میں) یاایھا المدثر ۝ اے سایہ رحمت رکھنے والے اسلام پر (چادر کی صورت میں) الٓمٓ ۝ الف اللہ۔لام جبریل میم محمد۔

الجواب

توجیہات مذکورہ ان آیات کی تفسیر نہیں ہے بلکہ تاویلیں ہیں۔ان میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔بالکل درست اور صحیح ہیں۔اس قسم کی تاویلیں اور توجیہیں مفسرین کرام کرتے ہیں۔تفسیرات احمدیہ میں ہے:۔

فقالوا مثلا فی الٓمٓ الف اللہ ولام جبریل ومیم محمد یعنی ارسل اللہ جبریل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالقرآن او الف انا واللام اللہ والمیم اعلم یعنی انا اللہ اعلم۔اسی طرح روح البیان میں والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ کی توجیہہ یہ بھی کی ہے۔یا اشارت ست بروشنی روئے حضرت مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وکنایت ست از سیاہی موئے وے صلی اللہ علیہ وسلم۔

والضحیٰ رمزے زروے ہمچو ماہ مصطفےٰ معنی واللیل گیسوئے سیاہ مصطفےٰ!!!

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں دو طالب علم قیام پذیر ہیں اور مسجد مذکورہ میں ایک جو ہے جوان کو رہنے کے لئے دیا گیا ہے۔ اور طالب علمان مذکورہ کے پاس دو دو چارپائیاں ہیں جن کو کبھی اندر اور کبھی باہر بچھا لیتے ہیں اب ان چارپائیوں کو انہوں نے مسجد کے اندر بچھانا شروع کیا ہے اور لالٹین میں مٹی کا تیل پڑا ہوتا ہے۔ اس کو رکھ کر اخبار بینی کرتے ہیں یہ فعل ان کا جائز ہے یا ناجائز اور ان کے اس فعل سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے یا نہ؟

از مغلپورہ۔

الجواب

مسجدیں نماز و عبادت کے لئے ہیں۔ ان میں کوئی دنیاوی کام بلا ضرورت جائز نہیں اور اگر ضرورتاً کسی کام کی اجازت دی جائے گی تو بقدرِ ضرورت۔ نیز اس کا ادب و احترام بہت ضروری ہے اولاً مسجد میں سونا مسافر اور معتکف کے سوا کسی کو جائز نہیں ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویکرہ اکل ونوم الا المعتکف وغریب طلباء اگر پردیسی ہوں اور دوسری جگہ سونے کا انتظام نہ ہو سکے۔ تو ان کو مسجد میں سونا جائز ہے۔ لیکن چارپائی بچھانا ضرورت سے زائد کام ہے اور مسجد کے ادب کے خلاف۔ اس لئے جائز نہیں۔ اگر کوئی مسجد میں میز وکرسی لگائے تو ضرور اسے روکا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ فعل ادب مسجد کے خلاف ہے۔ اسی طرح چارپائی کا بچھانا بھی آدابِ مسجد کے خلاف ہے۔ لہٰذا منع کیا جائے گا۔ اسی طرح مسجد میں مٹی کا تیل جلانا بھی جائز نہیں کہ مٹی کا تیل بدبودار چیز ہے۔ مسجد میں لانا جائز نہیں۔ لہسن و پیاز کچی کھا کر جس کی منہ سے بو آتی ہو مسجد میں آنا منع ہے شامی میں ہے۔ الحدیث الصحیح فی النھی عن قربان اکل ثوم والبصل المسجد۔ اسی میں ہے۔ ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل ما لہ رائحۃ کریھۃ ماکولا وغیر ماکول۔ ہاں اگر کسی صورت سے مٹی کے تیل کی بدبو اڑا دی جائے یا اس طرح لیمپ وغیرہ میں بند کیا جائے کہ اس کی بدبو ظاہر نہ ہو تو جائز ہے۔ مسجد میں اخبار بینی اگر دینی ضرورت کی وجہ سے ہو تو جائز ہے ورنہ منع کہ یہ دنیاوی فعل ہے۔ جیسے دنیا کی باتیں مسجد میں کرنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی منع۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حج لائن پر جو جہاز چلتے ہیں وہ سندھیا کمپنی کے ہیں یہ ایک ہندو کمپنی ہے اور اس نے جدہ میں اپنا دفتر قائم کیا ہے۔ زمانہ حج میں اس کے دفتر مکہ مکرمہ اور منیٰ وغیرہ میں بھی ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کی اسلام دشمنی جس حد پر پہنچ چکی ہے وہ ظاہر ہے کہ انہیں مسلمانوں کی کسی تباہی پر

ان کے ناپاک زبانوں سے ان کی زبانوں سے مشغول ہیں۔ سرگرم کوششوں میں مشغول ہیں کو برباد کرنے کی سرگرم کوششوں میں مسلمانوں کو برباد کرنے کی سرگرم کوششوں میں مشغول ہیں۔ ان کی زبانوں سے ان کے ناپاک

ارادوں کا اظہار بھی ہو چکا ہے۔ کہ معاذ اللہ کعبہ معظمہ پر آدم کا جھنڈا گاڑیں گے۔ اور اپنے دین باطل کی تبلیغ کریں گے۔ عدن بھی

ہندو پہنچ چکے ہیں۔ اور ان کی ساہوکاری وہاں کے مسلمانوں کا اسی طرح شکار کر رہی ہے۔ جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کو برباد کر

چکی ہے۔ عراق میں بھی ہندو پہنچ گئے ہیں۔ اور اپنے دین باطل کی دھن میں ہیں۔ ان حالات میں اندیشہ ہے کہ اگر سندھیا کمپنی کے

جہازوں میں حاجی سفر کرتے رہے اور جلد ان کا استقرار بن گیا تو غریب عرب ان کی ساہوکاری سے بہت جلد تباہ ہو جائیں گے اور

ان کی املاک و اراضی اور بلاد مقدسہ کی زمینیں ان کے قبضہ میں آجائیں گی۔ اور جس طرح فلسطین میں یہودیوں کی آبادی عربوں کے

لئے تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔ اس سے بدرجہا زیادہ مصیبت حجاز کی سرزمین میں رونما ہوگی۔ ان خطرات کے پیش نظر مسلمانوں

کو مدینۃ الہند وغیرہ سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاد عرب خصوصاً حجاز مقدس کی سرزمین پاک زادھا اللہ تعالیٰ عزۃ وعظمۃ وصانھا عن کل فتنۃ وحفظ اھلھا من شر کل ماکر وکائد بجاہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و مشرکین سے محفوظ رکھنا اور ان کی دست برد سے بچانا بہت اہم ہے اور اہم واجبات میں سے ہے۔ کیونکہ کفار و مشرکین نجس ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ انما المشرکون نجس اور ملک عرب خصوصاً حجاز مقدس پاک اور مرکز اسلام ہے۔ ان نجس لوگوں کے خطرۂ تسلط سے اس سرزمین کو بچانا بہت اہم ہے۔ نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری عہد مبارک میں خطۂ عرب کو کفار و مشرکین سے پاک کرنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ صحیح مسلم و صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ لما اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب۔ اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی مات فیہ لایجتمع دینان فی جزیرۃ العرب۔ اسی طرح سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مؤطا میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت کی۔ بلغنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبقین دینان بجزیرۃ العرب۔ مسلم نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاخرجن الیہود و النصریٰ من جزیرۃ العرب حتیٰ لا ادع فیھا الا مسلماً۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین سے جزیرہ عرب کو پاک کرنے کا تاکیدی حکم دیا۔ اسی فرمان عالی شان پر عمل کرتے ہوئے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلاد عرب سے تمام کفار کو

نکال دیا حتیٰ کہ ملک عرب میں صرف مسلمان ہی رہے۔ مؤطا امام محمد میں ہے۔ فاخرج عمر من لم یکن مسلماً من جزیرۃ العرب بھذا الحدیث۔ فتح القدیر میں ہے۔ قال ابن شھاب ففحص عمر ذالک حتیٰ اتاہ الیقین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب فاجلی یھود خیبر واجلی یھود نجران وفدک یہاں تک کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار تاجروں کو بھی مدینہ منورہ میں تین دن سے زائد ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ اسی مؤطا میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ ان عمر ضرب للنصاریٰ والیھود والمجوس بالمدینۃ اقامۃ ثلث لیال یتسوقون ویقضون حوائجھم ولم یکن احد منھم یقیم بعد ذالک درمختار میں ہے ویمنعون من استیطان مکۃ والمدینۃ لانھما من ارض العرب قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یجتمع فی العرب دینان ولو دخل للتجارۃ جاز ولا یطیل۔ ردالمحتار میں ہے۔ افاد ان الحکم غیر مقصود علی مکۃ والمدینۃ بل جزیرۃ العرب کلھا کذالک۔ بحرالرائق میں ہے۔ وفی ارض العرب یمنعون من ذالک فی امصارھا وقرائھا لقولہ علیہ السلام لا تجتمع دینان فی جزیرۃ العرب وشمل کلامہ المواضع کلھا۔ اسی بحر میں ہے۔ وفی التتارخانیۃ یمکنون من المقام فی دار الاسلام۔ وبہ روایت عامۃ الکتب۔ الا ان یکون من امصار العرب وارض الحجاز۔

ان احادیث صحیحہ وعمل صحابہ کرام وعبارت فقہائے کرام سے کالشمس والامس یقینی طور پر معلوم ہوا کہ ملک عرب کو کفار ومشرکین سے محفوظ رکھنا شرعاً بہت ضروری ہے۔ اگر وہاں پہلے سے آباد ہوں تو ان کو نکالنا مسلمانوں پر واجب ہے چہ جائیکہ ان کے پہنچنے کے اسباب کو تقویت دینا اور اس کا ذریعہ بننا۔ اب چونکہ سندھیا کمپنی کے جہازات سے حاجیوں کو سفر کرنے میں وہ زبردست خطرات موجود ہیں۔ جو مستفتی نے بیان کئے۔ اس لئے مسلمانوں کو کسی طرح درست نہیں کہ اس میں سفر کر کے اس کمپنی کو تقویت دیں۔ اور مشرکین کو عرب میں قدم جمانے اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے جال پھیلانے میں ممد ومعاون ثابت ہوں۔ جب کہ ہم اپنی ذاتی جائیداد واملاک کو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر کوشش عمل میں لاتے ہیں۔ تو حجاز مقدس کی زمین پاک کی حفاظت اور اس کو خطرات سے بچانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے لئے ہمارے اہم فرائض میں سے ہے اس میں کوتاہی کرنا اور تغافل برتنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ نہ قرین عقل ودانش ہے۔

سندھیا کمپنی کے جہازات سے یا جس سے یہ خطرات ہوں سفر قطعاً ترک کر دینا چاہئیے۔ اگرچہ اس میں بہ نسبت اور جہازوں کے زیادہ آسائش بھی ہو۔ کیونکہ اپنی آسائش کی غرض سے سرزمین مقدس کے لئے خطرات کو گوارا نہیں کیا

جاسکتا۔ اگر مسلمانوں نے سندھیا کمپنی کے جہازات میں سفر ترک نہ کیا اور اس کو طاقت پہنچاتے رہے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ انہوں نے خود سرزمین پاک میں ہندوؤں کے قدم جمائے اور انہیں تبلیغ کفر و تخریب بقعہ پاک پر مدد دی۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

ان حالات میں مناسب تو یہ ہے کہ مسلمان اپنی جہاز کمپنی قائم کر کے اس میں سفر کریں۔ کہ اس عمل سے خطرات سے بھی امن ہوگا اور ایک مفید تجارت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے گی جس وقت تک اپنی جہاز کمپنی تیار نہ ہو اس وقت تک مغل لائن سے سفر کریں تاکہ سندھیا کمپنی ناکام ہو اور ہندوؤں کے منصوبوں کو وجود میں آنے کا موقع نہ ملے۔۔۔ ماریسن کمپنی میں بھی اگرچہ غلبہ نصاری کا ہے۔ اور مسلمانوں کے حصے بہ نسبت ان کے کم ہیں۔ لیکن یہ کمپنی مدت سے کام کر رہی ہے اور ایک زمانہ کے تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے تجارتی منافعوں کے علاوہ اس طرف نظر نہیں ڈالتی۔ جو ہندوؤں کا مطمح نظر ہے۔ اور خطرات اور اندیشہ سندھیا کمپنی سے ہیں۔ اس کے وجوہ ماریسن کمپنی سے نہیں پائے جاتے لہٰذا بقاعدہ اذا ابتلیت ببلیتین فاختر اھونھما بحالت موجودہ سفر حج ماریسن کمپنی میں کیا جائے اور اور مسلمانوں کو سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے سے بکوشش روکا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتوی نمبر ۳۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں گرمیوں کے موسم میں عام طور پر لوگ مساجد کی چھتوں پر چڑھ کر نماز پڑھتے ہیں اور جماعت ہوتی ہے۔ کیا مسجدوں کی چھت پر نماز کے لئے چڑھنا بلاکراہت جائز ہے؟ اور گرمی اس کے لئے عذر ہو سکتی ہے۔ بعض لوگ اس مسئلہ میں ضد کرتے ہیں۔ اس لئے کتاب کا حوالہ مع عبارت تحریر فرمایئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر مسجد کے بالائی حصہ پر عمارت نہ ہو اور چھت محض سقف مسجد ہو۔ تو اس پر بلاضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں مسجد کی بے ادبی ہے۔ زیریں حصہ مسجد میں گرمی ہونا عذر نہیں۔ ہاں اگر اس حصہ میں گنجائش نہ رہی اور آدمی زیادہ ہیں تو چڑھنا جائز ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں بحث تراویح میں ہے۔ وکذا الوصلی علی سطح المسجد فی شدۃ الحرای یکرہ لقولہ تعالیٰ قل نار جہنم اشد حرا لو کانوا یفقھون کبیری میں منیہ سے نقل کیا۔ امام یصلی التراویح علی سطح المسجد اختلف فی

کراہیتہ والاولیٰ ان لا یصلی علیہ عند العذر فکیف بغیرہ عالمگیری کتاب الکراہیت میں ہے۔ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلو فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ۔

درمختار میں ہے۔ ثم رأیت القہستانی نقل عن المنیۃ کراھۃ الصعود علی سطح المسجد ویلزمہ کراھۃ الصلوٰۃ ایضا فوقہ: شامی کتاب الصلوٰۃ آداب المسجد۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ مسجد کی چھت پر چڑھنا اسی لئے مکروہ ہے کہ اس میں مسجد کی بے ادبی ہے۔ ضرورت شدیدہ کے وقت الضرورات تبیح المحظورات: کی بنا پر جائز ہوگا گرمی سے بچنا راحت حاصل کرنا ہے۔ یہ وہ ضرورت نہیں جس سے ایک ممنوع شے کو مباح کیا جا سکے۔ لہٰذا گرمی سے بچنے کے لئے چڑھنا ممنوع ہے۔ اور اگر چھت کی مرمت وغیرہ کرنا ہے یا کہ مسجد میں نماز کی جگہ بالکل نہ رہی۔ تو جائز ہے۔ کراہت اسی صورت میں ہے۔ جب کہ مسجد کی چھت پر کوئی عمارت نہ ہو۔ کیونکہ اب وہ جگہ محض چھت ہے۔ لہٰذا اس پر چھت کے احکام جاری ہوں گے۔ اور بصورت دیگر وہ جگہ اوپر کی عمارت کا صحن وغیرہ ہے۔ اس لئے اس جگہ پر جانا محض چھت پر جانا نہیں بلکہ بالائی منزل کے صحن وغیرہ میں جانا ہے۔ لہٰذا جائز ہے۔ اس لئے کہ از تحت الثریٰ تا سماء مسجد مسجد ہے درمختار لانہ مسجد الی عنان السماء۔ اس کے باوجود مسجد کے نیچے تہ خانہ مصالح مسجد کے لئے اور اوپر اس کے بالاخانہ یا امام کے رہنے کے وقت تعمیر مسجد مکان بنانا جائز ہے۔ بحر میں کتاب الوقف میں احکام المسجد میں ہے بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفاً لمصالح المسجد فانہ یجوز۔ اسی مقام پر ہے۔ لو بنی بیتا علیٰ سطح المسجد یسکن الامام فانہ لا یضر لکونہ مسجد الانہ من المصالح اسی میں ہے اذا بنی مسجدا و بنی غرفۃ وھو فی یدہ فلہ ذالک۔ درمختار میں ہے۔ واذا جعل تحتہ سردابا لمصالحہ جاز لمسجد القدس۔ اسی میں ہے۔ لو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح۔ رد المحتار میں ہے۔ بخلاف ما اذا کان السرداب و العلو موقوفاً لمصالح المسجد بنو کسرداب بیت المقدس۔ تو اب اگر مطلقاً سطح مسجد پر چڑھنا ہر حال میں مکروہ ہو تو تہ خانہ والی کے فرش پر آنا منع ہوگا۔ کہ یہ جگہ تہ خانہ کی چھت ہے۔ اور امام کو اس رہنے کے مکان میں جانا منع ہوگا کہ یہ جگہ سقف مسجد ہے۔ حالانکہ یہ دونوں امور جائز۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مسجد کی خالی چھت پر چڑھنا منع اور اگر اوپر عمارت ہو تو جائز۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتوی نمبر ۳۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے سسر سے بیوی کی رخصتی مانگی سسر نے کہا کہ دو مہینے کے بعد رخصتی ملے گی۔ رخصتی مانگنے والا نشہ میں تھا۔ ایک دوسرے شخص سے اس نے کہا کہ ہم نے جواب دے دیا۔ میری چیز دلوا دیجئے۔ اس کے بعد ہی پھر اس نے اپنے سسر سے کہا کہ میری چیز دے دیجئے۔ ہم نے طلاق دے دیا۔ اس کے بعد اس نے ایک خط لکھا مجھ کو کہ ہم نے اپنی بیوی کو نشہ میں طلاق دے دیا ہے۔ اب ہم رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے دریافت کرتے ہیں کہ صورت مسئولہ میں طلاق ہوا یا نہیں۔ اگر ہوا تو رجوع ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر رجوع ہو سکتا ہے۔ تو اس کی کیا ترکیب ہے۔ مفصل لکھیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں ایک طلاق واقع ہو گئی۔ کہ نشہ والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وفی التتارخانیہ طلاق السکران واقع اذا سکر من الخمر والنبیذ وھو مذھب اصحابنا۔ اب اگر اس کی عورت پہلے اپنے شوہر کے پاس رہ چکی ہے تو طلاق رجعی واقع ہوئی کہ عدت کے اندر اندر اگر چاہے بغیر دوبارہ نکاح کئے ہوئے رجوع کر سکتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ ان الصریح نوعان صریح رجعی صریح بائن فالاول ان یکون بحروف الطلاق بعد الدخول۔ رجوع کرنے کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ منہ سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا اپنی بیوی سے اور بہتر یہ ہے کہ اس پر گواہ بنائے اور بی بی کو خبر بھیجدے۔ درمختار میں ہے۔ ھی استدامۃ الملک فی العدۃ بنحو راجعتک وردتک الی ان قال وندب اعلامھا وندب الاشھاد بعدلین۔ ردالمحتار میں ہے۔ فالسنی ان یراجعھا بالقول ویشھد علی راجعتھا ویعلمھا۔ لیکن اگر وہ بی بی اس شوہر کے بالکل نہیں آئی۔ صرف نکاح ہی ہوا ہے یا آئی تھی مگر طلاق دیئے ہوئے بہت دن ہو گئے کہ عورت کی عدت گذر گئی۔ تو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ اگر عورت اس مرد کے پاس آچکی ہے اور طلاق کو دیئے ہوئے اتنا عرصہ نہیں گذرا کہ جس میں عدت گذر جائے تو رجوع کر سکتا ہے رجوع کے لئے اتنا منہ سے کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اپنی اس بیوی سے رجوع کیا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:۔

(۱) عشرہ محرم میں تعزیہ داری جو کہ ہندوستان میں رائج ہے جس میں ضریح وعلم و ماتم و نوحہ وغیرہ ہوتا ہے۔ اہلسنت کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۲) شریعت مطہرہ نے عشرہ محرم کس طرح گزارنے کا حکم دیا ہے؟

(۳) کیا شوکت اسلام کے لئے تعزیہ داری جائز ہے؟

(۴) اس کی اصلیت کیا ہے اور ابتدا کیونکر اس ملک میں ہوئی؟

الجواب

فی زمانہ مروجہ تعزیہ داری بہت سے محرمات اور خرافات پر مشتمل ہے اس لئے یہ مروجہ تعزیہ داری ناجائز ہے۔

(۱) اکثر تعزیوں میں جاندار براق اور پری وغیرہ کی تصاویر ہوتی ہیں اور تصویر بنانا اور تصویر کو حرمت واحترام سے رکھنا دونوں ناجائز ہیں۔ بخاری ومسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمائی۔ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صورۃ صورھا نفسا فیعذبہ فی جہنم۔ انتہی بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت فرمایا۔ ان اصحاب ہذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لہم احیوا ما خلقتم۔ انتہی بخاری ومسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا۔ اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔ فان کنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر ومالا روح فیہ
ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تصویر سازی سخت حرام اور باعث عذاب الٰہی ہے۔ نیز بخاری ومسلم میں سیدنا ابوطلحہ سے روایت کیا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا تصاویر۔ نیز سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یترک فی بیتہ شیئا فیہ تصاویر الا نقضہ ان روایات سے معلوم ہوا کہ تصویر رکھنا (شوقیہ یا بعزت واحترام) منع ہے۔

(۲) بہت پیسہ خرچ کر کے تعزیہ بنایا جاتا ہے۔ پھر اس کو توڑ پھوڑ کر دفن کر دیا جاتا ہے جو مال کا ضائع کرنا ہے اور اسراف ہے جو حرام ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا۔

وقال نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قیل وقال امراً وکثرۃ السوال واضاعۃ المال۔ (۳) بہت سی جگہ تعزیہ کے ساتھ سینہ کوبی اور نوحہ ہوتے ہیں جو سخت غضب الٰہی کا باعث اور بدترین جرم ہے۔ ابوداؤد میں سیدنا ابوسعید خدری سے روایت کیا۔ لعن رسول اللہ صلی علیہ وسلم النائحۃ و المستمعۃ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والوں اور نوحہ کو (بہ رضا) سننے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم و بخاری نے روایت کی۔ لیس منامن ضرب الخدود وشق الجیوب ودعابدعوی الجاھلیۃ۔ ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تتبع جنازۃ معھارانۃ۔ نیز نوحہ اور دیگر طریقہ سے اظہار بے صبری کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم تو فرماتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ نیز فرماتا ہے۔ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ قرآن پاک تو مصیبت کے وقت صبر اور نماز کا حکم دے اور ہم بے صبری کا اظہار کریں۔

(۴) تعزیہ کے ساتھ باجے گانے ہوتے ہیں۔ اور باجہ بجز چند موقعوں کے دوسری جگہ حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ مع کل مزمار شیطن نیز درمختار میں ہے۔ استماع صوت الملاھی کضرب القصب ونحوہ حرام لقولہ علیہ السلام استماع الملاھی معصیۃ والجلوس علیھا فسق وتلذذبھا کفر ای بالنعمۃ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں صوت اللھو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات۔ یعنی گانے باجے کی آواز دل میں نفاق پیدا کرتی ہے۔

(**نوٹ**) اگر غور کیا جائے تو تعزیہ مروجہ یزیدیوں کے فعل کی نقل اور ایک طرح کی اظہار خوشی ہے۔ اس لئے کہ یزیدیوں نے سیدالشہداء شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر شہر بہ شہر پھرایا۔ اس کی نقل یہ اتاری گئی کہ علم بنا کر اس کو گشت کرایا گیا۔ یزیدیوں نے اس اپنی ظاہری فتح کی خوشی میں اچھل کود اور دیگر خرافات کام کئے۔ ان جہلا یا بے دینوں نے ماتم کے نام سے اچھل کود کر ان کی نقل آتاری۔ غرضیکہ یہ طریقہ اظہار غم کا عقلاً و نقلاً کسی طرح درست نہیں۔ حقیقت میں اگر یہ اظہار غم کا طریقہ ہوتا۔ تو ہم سے زیادہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر پسماندگان اہل بیت کو صدمہ و غم ہوا۔ ان سے ضرور منقول ہوتا۔ حالانکہ کہیں ثابت نہیں۔ کہ ان حضرات نے کسی طرح کھیل کود اور باجے بجا کر شہروں میں گشت کیا ہو۔ بہر حال یہ فعل یزید کی نقل ہے۔ نہ کہ فعل سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا۔ روافض جو کہ حقیقت میں قاتلین سیدنا امام حسین علیہ السلام ہیں۔ اور یزیدیوں کی یادگار اگرچہ تقیہ

کر کے اپنے کو محب اہل بیت کہتے ہوں۔ وہ فتح یزید کی خوشی میں ان افعال شنیعہ کے مرتکب ہوں تو ہوں۔ ایک سنی غلام اہل بیت وصحابہ کرام کس طرح ان افعال کا مرتکب ہو کر یزیدیوں میں شامل ہو سکتا ہے۔

(۲) عشرۂ محرم میں عبادات کی کثرت کریں۔ خدا تعالیٰ توفیق دے تو پورے دس دن نہیں تو کم از کم نویں و دسویں کو روزہ رکھیں۔ اس زمانہ میں ذکر سید الشہداء کی مجالس منعقد کر کے صحیح روایات واقعہ کربلا پڑھیں کہ صالحین کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ بکثرت سبیلیں لگائیں۔ کھچڑا ملیدہ وغیرہ بنا کر حضرت سید الشہداء کی جناب میں ایصال ثواب کریں۔ کثرت سے صدقہ وخیرات کر کے ان کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچائیں۔

(۳) دور حاضر میں مصلحت یہ ہے کہ تعزیہ داری سے مذکورہ بالا محرمات اور افعال شنیعہ کو نکال دیا جائے۔ اور اصل جلوس باقی رکھا جائے۔ کیونکہ اس اجتماع سے اور خصوصاً بنوٹ وغیرہ دیگر ہنر کے اظہار سے کفار کے قلوب پر مسلمانوں کی ہیبت اور اسلام کی شان وشوکت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر تعزیہ داری میں سے وہ امور جو اوپر مذکور ہوئے۔ نکال دیئے جائیں اور صرف روضہ پاک کا نقشہ بنایا جائے تو اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے ثابت ہوا۔ بلکہ اس کا رکھنا باعث برکت ہے۔

(۴) ایک تاریخی سوال ہے۔ جس کا تعلق فتویٰ سے نہیں۔ مشہور یہ ہے کہ تیمور لنگ کے زمانے سے اس کی ابتداء ہوئی۔

فتویٰ نمبر ۳۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ خدا فرما چکا قرآن کے اندر میرے محتاج ہیں پیرو پیغمبر۔ بکر نے روک دیا کہ کلمہ کفریہ ہے۔ عام مجلس میں سنا گمراہ کرتا ہے قرآن پاک میں محتاج کا لفظ پیرو پیغمبروں کے واسطے مخصوص کہیں نہیں آیا۔ بلکہ خطاب کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ محتاج کا لفظ نہایت گستاخانہ ہے۔ باقی ہر مخلوق خدا کی محتاج ہے۔

(۱) کیا زید اپنے عقیدہ اور قول میں سچا ہے؟ اور کوئی آیت قرآن پاک میں ہے؟ جس کا ترجمہ یہی ہو۔ میرے محتاج ہیں پیرو پیغمبر۔

(۲) کیا بکر اپنے قول وعقیدہ میں سچا ہے اور محتاج کا کلمہ کفریہ ہے؟ اور قرآن پاک میں کس آیت کے ترجمہ میں محتاج کا لفظ ہے۔ مدلل جواب عطا فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔

از ردولی شریف ضلع بارہ بنکی

الجواب

زید بے قید اپنے قول میں کاذب محض ہے۔ قرآن کریم پر بہتان باندھا ہے۔ حدیث پاک میں ہے ــــ

من کذب علیّ متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار۔ جو شخص کسی ایسی بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے جو حضور نے نہ فرمائی ہو وہ جہنمی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حدیث گھڑنا گناہ ہے۔ زید ایک غلط بات گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ نہ تو قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں جو زید کہتا ہے اس لئے کہ خاص پیر و پیغمبر کے ذکر کے ساتھ محتاج ہونا قرآن کریم میں مذکور نہیں اور نہ جس مقصد سے زید کہتا ہے۔ وہ مقصد قرآن سے حاصل۔ اس لئے کہ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے۔ کہ تمام مخلوق خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے خدا کے نیاز مند ہیں۔ کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں۔ اس مقصد کو آیت اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ میں بیان فرمایا گیا۔ یعنی شان بندگی میں تم سب کے سب خدا کے نیاز مند ہو۔ لیکن زید اس مقصد سے نہیں کہتا۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی خدا داد قدرت و ملکیت و حاجت روائی خلق کا انکار کرے اور ان کو اپنی طرح کا محتاج اور مجبور محض بندہ بتائے اور ان سے مرادیں مانگنے کو روکے۔ جیسے اگلے شعر میں اس طرح کہا ہے ؎

وہ کیا شے ہے نہیں ملتی خدا سے ✲ جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

اور جیسے اس کے پیشوا اسمٰعیل نے تقویۃ الایمان میں کہا۔ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ ایک چیز کا بھی مالک و مختار نہیں۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ انبیاء کی اپنے بھائی کی سی عظمت کرے۔ یہ مضمون نہ قرآن میں ہے نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم تو انبیاء کرام کی عظمت اور خداداد قدرت اور ملکیت کے خطبے فرما رہا ہے۔ اور ہم کو بتا رہا ہے کہ تم سب انبیاء کرام کے محتاج ہو ان کی عظمت اور ان کو اپنا مثل نہ سمجھنے کو داخل فی الدین قرار دے رہا ہے۔ اس صورت میں اگر وہ ہماری طرح محتاج ہیں تو آیات قرآنیہ میں تعارض ہوگا۔ اور ہم اور وہ مرتبہ میں برابر ہو جائیں گے۔ قرآن کریم حضرت موسٰی علیہ السلام کے لئے ارشاد فرماتا ہے۔ وَکَانَ عِنۡدَ اللّٰہِ وَجِیۡھًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتا ہے۔ اَغۡنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ مِنۡ فَضۡلِہٖ۔ اللہ و رسول نے ان کو اپنے فضل سے مالدار کر دیا۔ معلوم ہوا کہ رسول ایسے غنی ہیں کہ اشارہ چشم میں لوگوں کو غنی فرما دیتے ہیں۔ فرماتا ہے۔ وَلَوۡ اَنَّھُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَھُمۡ جَآءُوۡکَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰہَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَھُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجرم و گنہگار اپنی مغفرت میں حضور کے محتاج ہیں کہ شفاعت فرما دیں تو گناہ معاف ہوں۔ غرضکہ ہر طرح ثابت ہوتا ہے۔ کہ تمام عالم انبیاء کا محتاج ہے اور انبیاء تمام مخلوق کے محتاج الیہ۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی۔ آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ فرماتا ہے۔ قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡھِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبۡلَۃً تَرۡضٰھَا۔ ہم آپ کے چہرہ انور کے آسمان کی طرف اٹھنے کو دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں۔ جسے آپ چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو مرضی محبوب ہوتی ہے۔ وہ امر الٰہی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ زید کا قول محض باطل اور توہین انبیاء پر مشتمل ہے اور بکر کا اعتراض نہایت حق اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فتویٰ نمبر ۴۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نماز کا پابند نہیں بلکہ نماز قضا کر دیتا ہے اور مقتدیوں کو یہ معلوم نہیں لیکن عمرو کے علم میں ہے۔ زید جمعہ کی نماز پڑھانے جایا کرتا ہے۔ تو اس صورت میں عمرو مقتدیوں کو اس کی حالت سے مطلع کر دے یا نہیں؟

(۲) زید کے ہاتھ پر چوٹ لگی ہے جس سے کان تک ہاتھ نہیں پہنچتا تو زید کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

از مراد آباد

الجواب

جو شخص مذکور امام کے اس عیب سے واقف ہو۔ وہ ایسے شخص کو اپنا امام نہ بنائے کہ یہ شخص تارک صلوٰۃ فاسق ہے۔ اور فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویکرہ تنزیھا امامۃ عبد واعرابی وفاسق۔ لیکن جو لوگ کہ اس امام کے اس عیب سے واقف نہ ہوں۔ ان پر اس کے فسق کو ہرگز ظاہر نہ کرے کہ یہ غیبت ہے اور مسلمان کی غیبت کرنا اور کسی مسلمان کے عیب ظاہر کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا۔ درمختار میں ہے۔ وکما تکون الغیبۃ باللسان تکون بالفعل وکل ما یفهم منه المقصود فهو داخل فی الغیبۃ وهو حرام ملخصا جو لوگ امام مذکور کے اس فسق سے واقف نہ ہوں۔ ان کی نماز بلا کراہت اس کے پیچھے جائز ہے۔ لانه لیس بفاسق معلن۔ ہاں اس فاسق امام کو خفیہ تنبیہ کرے کہ تم اس گناہ سے باز آؤ ورنہ تمہارے عیب ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ ممکن ہے کہ وہ اس خوف سے اپنے گناہ سے توبہ کرلے کہ یہ فاسق کو فسق سے روکنے کی ایک مؤثر تدبیر ہے جس کا ہاتھ ٹوٹا ہوا ہو۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے اگر لوگ کراہت کرتے ہوں تو اس کو امام نہ بنانا چاہیئے۔ اور اگر لوگ راضی ہوں تو اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔ شامی میں ہے۔ ومن له ید واحدة فتاوی الصوفیة عن التحفة والظاهر ان العلة النفرة: واللہ تعالیٰ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض مقامات میں پشت مسجد میں دروازہ کھول کر دروازہ کے سامنے چبوترہ بنا کر جنازہ چبوترہ پر رکھا جاتا ہے اور امام و مقتدی مسجد میں کھڑے ہو کر نماز جنازہ ادا کرتے ہیں۔ آیا اس

طریقہ پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو بلا کراہت یا بکراہت۔ از بچھرایوں (مراد آباد)

الجواب

مسجد جماعت میں بلا مجبوری نماز جنازہ پڑھنا ہر طرح مکروہ ہے۔ خواہ جنازہ مسجد سے باہر ہو۔ اور کل یا بعض نمازی مسجد میں یا جنازہ مسجد میں ہو اور نمازی کل خواہ بعض مسجد سے باہر ہوں یا جنازہ اور نمازی دونوں مسجد میں ہوں۔ بہر حال نماز جنازہ مسجد جماعت میں مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ وصلوٰۃ الجنازۃ فی المسجد الذی تقام فیہ الجماعۃ مکروھۃ سواء کان المیت والقوم فی المسجد اوکان المیت خارج المسجد و القوم فی المسجد اوکان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقی فی المسجد اوالمیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد وھو المختار ولا تکرہ بعذر المطر ونحوھا۔ در مختار میں ہے۔ وکرھت فی مسجد جماعۃ ھو ای المیت فیہ وحدہ اومع القوم واختلف فی الخارجۃ عن المسجد وحدہٗ او مع بعض القوم والمختار الکراھۃ مطلقاً۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان غفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان سلطان جمعہ کی ادائیگی کے لئے ضروری شرائط میں سے ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ موجودہ زمانہ میں جب کہ مسلم سلطان یا اس کا نائب نہیں اور مصر کی تعریف میں بھی اختلاف ہے۔ جمعہ پڑھتے ہیں۔ وہ بعد جمعہ ظہر ادا کریں یا نہ۔ اور اگر ادا کریں۔ تو نیت مستحب سے ادا کریں۔ یا نیت واجب سے۔ اور اگر مستحب ہو۔ تو تمام لوگ ادا کریں یا خاص خاص۔ از لویریوالا (گوجرانوالہ)

الجواب

صحت جمعہ کے لئے سلطان اسلام وغیرہ کی موجودگی شرط نہیں۔ بلکہ کسی مسجد میں اگر جمعہ قائم کرنا ہو۔ تو اس کے لئے حاکم والی مسلمان کی اجازت لینا ضروری ہے۔ خواہ وہ والی بادشاہ اسلام ہو یا بادشاہ کا کوئی مقرر کردہ حاکم یا بصورت بادشاہ اسلام کے نہ ہونے کے مسلمان کسی کو والی مان لیں۔ در مختار میں۔ والثانی السلطان او مامور باقامتھا۔ رد المحتار میں ہے۔ فلو کان الولاۃ کفاراً یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین۔ بحر میں ہے۔ ان اذن السلطان او نائبہ انما ھو شرط لاقامتھا عند بناء المسجد ثم بعد ذالک لا یشترط الاذن لکل۔ عالمگیری میں ہے۔ بلاد علیھا ولاۃ کفاراً یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی

المسلمین۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اقامت جمعہ کے لئے اذن والی اسلام ضروری ہے۔ صحت جمعہ کے لئے والی اسلام کی موجودگی ضروری نہیں۔ لہٰذا فی زمانہ ہندوستان میں نماز جمعہ جائز ہے۔ مگر اس کا خیال رہے کہ جب کسی مسجد میں جمعہ قائم کرنا ہو تو وہاں کے کسی ایسے عالم سے اجازت حاصل کر لیں۔ جس کو مسلمان اپنا پیشوا مانتے ہوں۔ آج کل جو رواج ہو گیا ہے کہ مسجدیں اور ان میں بلا اجازت جمعہ شروع کر دیا۔ بالکل خلاف شرع ہے۔ بزازیہ میں ہے۔ ولو اجتمع العامة على تقديم رجل لم يامره القاضي ولا خليفة الميت لم يجز ولم يكن جمعة وان لم يكن ثم قاضي ولا خليفة الميت فاجتمع العامة على تقديم رجل جاز لمكان الضرورة۔

(۲) احتیاط اس میں ہے کہ فی زمانہ جہال کو ظہر احتیاطی کا حکم نہ دیا جائے۔ کہ اس سے فریضہ جمعہ میں شک کریں گے۔ اور فتنہ ہوگا۔ صرف اہل علم حضرات جن سے یہ اندیشہ نہیں وہ بعد نماز جمعہ چار رکعت بہ نیت ظہر پڑھ لیا کریں۔ بحر میں ہے۔ حتّٰی وقع انی افتیت مرارا بعدم صلوتها خوفا على اعتقاد الجهلة بانها الفرض وان الجمعة ليست بفرض۔ شامی میں ہے۔ نعم ان ادى الى مفسدة لا تفعل جهارا والكلام عند عدمها ولذا قال المقدسي نحن لا نامر بذلك امثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم۔ اسی میں ہے۔ فقد ثبت انه ينبغي الاتيان بهذا لاربع بعد الجمعة۔

(۳) اگر کسی جگہ شرائط جمعہ پائے جانے میں شک ہو۔ تو بہ نیت واجب یہ رکعتیں پڑھے اور اگر بلا دلیل صرف وہم ہی ہو۔ تو بہ نیت مستحب۔ شامی میں ہے۔ ذكر ابن الشحنة عن جده التصريح بالندب بينبغي ان يكون عند مجرد التوهم اما عند قيام الشك والاشتباه في صحة الجمعة فالظاهر الوجوب۔ بصورت وجوب یہ چار رکعتیں سنت جمعہ کے قائم مقام نہ ہوں گی۔ اور بصورت استحباب ہو جائے گی۔ رد المحتار میں ہے۔ وبه يعلم انها هل تجزي عن السنة ام لا فعند قيام الشك لا وعند عدمه نعم۔ مصر کی تعریف میں اختلاف ہے۔ وجوب جمعہ میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ تعریف مفتیٰ بہ یہ ہے کہ جس جگہ کوچہ بازار ہوں اور ضروریات کی چیزیں ملتی ہوں اور وہاں کوئی مجسٹریٹ یا تحصیلدار حاکم رہتا ہو۔ وہ مصر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ۔

فتوی نمبر ۴۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کلمہ کفر اور سجدہ بت کی وجہ سے مرتد ہو گیا تھا اور کچھ عرصہ

تک اسی ارتداد پر قائم رہا۔ بعد برادری کی سختی اور سمجھانے پر بتوں کو پوجنے سے توبہ کی اور مسلمان ہو گیا اب مسلمان ہونے پر وہ شخص اپنی بیوی کو جس نے اس کے مرتد ہو جانے پر اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ زبردستی لانا چاہتا ہے۔ تو کیا وہ شخص عند الشرع اس عورت کو زبردستی اپنے مکان پر واپس لا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ عورت اب اس کے مکان پر جانے سے قطعی انکار کرتی ہے۔ اور کیا ایسی صورت میں وہ عورت جو عاقلہ بالغہ ہے اپنے اختیار سے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ مہربانی فرما کر جواب شرح اور واضح بحوالہ کتب احادیث و فقہ عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ فقط۔

الجواب

صورت مسئولہ میں شخص مذکورہ کا نکاح اس کے مرتد ہوتے ہی ختم ہو گیا۔ اب اس کی بیوی بعد عدت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ شخص مذکورہ اسلام لانے پر عورت مذکورہ کو اپنے سے نکاح کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور بغیر اذن عورت اس سے نکاح درست نہیں۔ بحر الرائق میں ہے۔ وارتداد احدھما فسخ فی الحال یعنی لا یتوقف علی مضی ثلثۃ قروء فی المدخول بہا و لا علی قضاء القاضی۔ عالمگیری میں ہے۔ ارتداد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقۃ بغیر طلاق فی الحال قبل الدخول و بعدہٗ در مختار میں ہے۔ وارتداد احدھما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ سنیہ کا عقد اس کے والد خالد نے لاعلمی کی وجہ سے زید دیوبندی سے کر دیا۔ معلوم ہونے پر عقد فاسد ہے یا نہیں؟ مع ادلہ جواب مرحمت فرمائیں۔

(۲) اگر دیوبندی سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر دے تو کیا جواب دے۔

از مدرسہ سبحانیہ مراد آباد

(ب) دیوبندی کو سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟ مع ادلہ جواب ارسال فرمائیں۔

الجواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے یا توہین کرنے والوں کو ان کی توہین پر مطلع ہو کر مسلمان جاننے والے دیوبندی مرتد ہیں۔ در مختار میں ہے۔ والکافر بسب نبیا من الانبیا الی ان قال ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر۔ عالمگیری میں ہے۔ محمد درویشک بود او قال جامہ پیغمبر ریمناک بود او قال کان

طویل الظفر فقد قیل یکفر مطلقا وقد قیل یکفر اذا قال علی وجه الاهانة - اور مرتد کا نکاح عالم میں کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ نہ مسلمان سے نہ کافر سے نہ اپنے مثل مرتد سے لہٰذا وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا عالمگیری میں احکام المرتدین میں ہے۔ ومنها ما هو باطل بالاتفاق نحو النكاح فلا يجوز له ان يتزوج امرأة مسلمة ولا مرتدة ولا ذمية - درمختار میں ہے۔ ويبطل منه اتفاقا النكاح والذبيحة الخ

(۲) کفار کے اسلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ اور اگر جواب دے تو وعلیک کہہ دے۔ اس سے زیادہ نہ کرے درمختار میں ہے۔ ولو سلم يهودى او نصرانى او مجوسى على مسلم فلا باس بالرد ولكن لا يزيد على قوله وعليك - یہ تو کافر اصلی کا حکم ہے۔ وہابیہ مرتدین کے احکام بہت سخت ہیں۔ ان کو بلا ضرورت جواب سلام دینا جائز نہیں اور ضرورت درپیش ہو۔ تو وعلیك کہا جائے۔ اسی طرح کفار کو سلام بلا ضرورت جائز نہیں۔ اگر ضرورت درپیش ہو۔ تو السلام علی من اتبع الهدیٰ کہہ دے۔ درمختار میں ہے۔ ويسلم المسلم على اهل الذمة لو له حاجة اليه والا كره. شامی میں ہے اذا سلم على اهل الذمة فليقل السلام على من اتبع الهدىٰ وكذالك يكتب اليهم. بلا ضرورت انہیں سلام ناجائز اور تعظیماً سلام کرنا سخت جرم ہے۔ معاذ اللہ کما فی الدر المختار والهندیہ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔

(۱) کہ ایک شادی ہونے والی ہے جس میں لڑکے والا باجہ وغیرہ کو منع کرتا ہے۔ اور بیٹی والا بغیر باجہ کے شادی نہیں کرتا۔ تو بتاؤ کیا ہونا چاہیئے۔ نقارہ یا دف بجانا جائز ہے یا نہیں؟ یا نعت خوانی سے گشت۔

(۲) دولہا کے سر گگنا یا مہندی لگانا۔ دولہا کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا کوئی نقصان تو نہیں ہے۔ یا برات سے ایک دن پہلے جو مردوں کی فاتحہ ہوتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں یا حضرت بی بی کی فاتحہ جس کو کونڈا بولتے ہیں ناجائز ہے یا نہیں۔ یا عورتیں شادی سے پہلے ڈھول بجاتی اور گاتی ہیں۔ اس کی بجائے نقارہ بجانا کوئی نقصان تو نہیں؟ یا رات کو عورتوں کا گانے کے بجائے میلاد کرانا جائز ہے یا نہیں۔

(۳) جو رسمیں سسرال میں دولہا کے ساتھ برتی جاتی ہیں۔ اس کا گناہ کس پر ہوگا۔ اور چوتھی چالا یا سہاگ بیرا دولہے کھلوانا یا چوتھی کھیلی جاتی ہے۔ اس کا کچھ وبال ہے یا نہیں؟ یا پہلی شب کو دولہا دولہن کو الگ سلاتے ہیں۔ یہ بڑی بے حیائی

کی بات ہے۔ اگر دولہا شرم کی وجہ سے اس رات کو نہ سوئے تو دولہن کی طرف سے گناہ تو نہیں؟

(۴) یہاں وہابیوں سے جھگڑا ہو رہا ہے۔ تعزیہ داری کے معاملہ میں اور اشتہار بھی عشرہ کے بارے میں لگاتے ہیں۔ اور اس میں سنی وہابی مولویوں کے نام بھی ہیں اور تعزیہ داری حرام کھچڑا حرام شربت کرنا حرام، ڈھول بجانا حرام، ماتم کرنا حرام، مہندی لگانا، تعزیہ پہ فاتحہ دلانا حرام۔ تو یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں۔ فقط۔ از مراد آباد

الجواب

(۱) اعلان نکاح کے لئے وقت نکاح دف ونقارہ وغیرہ کو ٹنا پیٹنا جائز ہے۔ بشرطیکہ لہو ولعب سے خالی ہو۔ امام احمد و ترمذی ونسائی وابن ماجہ نے محمد ابن حاجب جمحی سے روایت کی۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فصل ما بین الحلال والحرام الصوت والدف۔ نیز ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا ھذا النکاح واجعلوھا فی المسجد واضربوا علیہ بالدفوف۔ نیز ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا ھذا النکاح واجعلوھا فی المسجد واضربوا علیہ بالدفوف۔ نیز رد المحتار میں ہے۔ وعن الحسن لاباس بالدف فی العرس یشتھر۔ نیز اسی شامی کتاب النکاح میں ہے۔ ضرب الدف فی العرس مختلف فیہ وکذا اختلفوا فی الغناء فی العرس والولیمۃ فمنھم من قال بعدم کراھۃ بضرب الدف کذا فی بحر الرائق۔ غرضیکہ بکثرت احادیث وتصریحات فقہاء سے اعلان نکاح کے لئے دف پیٹنا جائز ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس شرط سے کہ اس سے لہو ولعب مقصود نہ ہو۔ صرف اعلان نکاح کا مقصد ہو۔ لہٰذا شرط یہ ہے کہ دف جھانج سے خالی ہو اور اس کو باقاعدہ گت کے ساتھ نہ بجایا جائے۔ صرف لکڑی وغیرہ سے بلا لحاظ گت پیٹ دیا جائے۔ عالمگیری کتاب الکراہتہ میں ہے۔ وسئل ابو یوسف عن الدف اتکرہ فی غیر العرس بان تضرب المرأۃ فی غیر فسق للصبی قال لا اکرہ۔ واما الذی یجئ منہ اللعب الفاحش للغناء فانی اکرھہ۔ رد المحتار میں ہے۔ لاباس بالدف فی العرس تشتھر وفی السراجیۃ ھذا اذا لم یکن لہ جلاجل ولم یضرب علی ھیئۃ اضطراب بحر کتاب النکاح میں ہے۔ وفی الذخیرۃ ضرب الدف فی العرس مختلف فیہ ومحلہ مالا جلاجل لہ اما مالہ جلاجل فمکروہ۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں حدیث یضربن بالدف کے تحت میں ہے۔ وکان دفھن غیر مصحوب جلاجل فیہ دلیل علی جواز ضرب الدف عند النکاح والزفاف للاعلان اما مافیہ

جلاجل فینبغی ان یکون مکروھا بالاتفاق۔ اسی لئے باجوں کی حرمت بیان فرماتے وقت فقہاء امیر یا ملاہی فرماتے ہیں۔ در مختار میں ہے۔ استماع صوت الملاھی حرام۔ اسی میں ہے۔ استماع الملاھی معصیۃ والجلوس علیھا فسق۔ اور اس موقعہ پر ضرب دف کا اطلاق نہیں فرماتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گت کے ساتھ دف بجانا لہو کی نیت سے ملاہی میں داخل ہو کر حرام ہے اور بغیر گت اعلان کے لئے دف وغیرہ پیٹنا جائز ہے۔ اسی طریقہ سے احادیث مخالفت مزامیر اور اعلان بالدف وغیرہ کے جائز ہونے میں تطبیق کی جاوے گی ردالمحتار میں ہے۔ وھذا یفید ان آلۃ اللھو لیست محرمۃ لنفسھا بل یقصد اللھو منھا الاتری ان ضرب تلک الآلۃ بعینھا حل تارۃ وحرم اخری باختلاف النیۃ والامور بمقاصدھا۔ شادی بیاہ عید وغیرہ خوشی کے موقعوں پر اگر بچیاں یا لونڈیاں دف بجائیں اور مباح گیت گائیں تو مضائقہ نہیں۔ کہ احادیث صحیحہ میں بچیوں کا دف بجانا عید اور سرور نکاح میں ثابت ہے۔ ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی شادی کا بیان فرماتے ہوئے فرماتی ہیں۔ فجعلت جویریات یضربن بالدف ویندبن من قتل باباتی مرقات میں اس کے ماتحت ہے۔ قولہ جویریات قیل تلک البنات لم تکن بالغات حد الشھوۃ۔ بحر میں ہے۔ لاباس بضرب فی العرس وفی الذخیرۃ لاباس بالغناء فی الاعیاد لیکن یہ دف اور گیت مردوں اور شریف بالغ عورتوں کو ممنوع ہے۔ ردالمحتار کتاب الشہادات میں ہے۔ جواز ضرب الدف منہ خاص بالنساء لما فی البحر عن المعراج بعد ما ذکر انہ مباح فی النکاح وما فی معناہ من حادث سرور قال وھو مکروہ للرجال علی کل حال للتشبہ بالنساء اسی طرح بیاہ شادی کے موقعوں پر بطریقہ مروجہ عورتیں گاتی بجاتی ہیں۔ یہ رسم سخت حرام اور بہت سے محرمات پر مشتمل ہے۔ عورتوں کی آواز اجنبی مرد سنیں۔ یہ حرام جس پر احادیث کثیرہ واقوال فقہاء شاہد ہیں۔ دوم جو گیت گائے جاتے ہیں ان میں شہوت انگیز مضمون اور نیز بے حیائی کے اشعار ہوتے ہیں۔ لڑکوں والے کہتے ہیں کہ باجہ وغیرہ دیگر محرمات کا ارتکاب کرے۔ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کو ناراض نہ کرے۔ درمختار میں ہے لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ اس کو سمجھا دے سمجھ جائے تو خیر ورنہ خداوند قدوس اس سے بہتر لڑکی عطا فرمائے گا۔ بلکہ حالت زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ فتویٰ ہے۔ کہ اب گانا بجانا ہر حال ناجائز ہے بچیوں کو اجازت نہیں کیونکہ اگر بچیوں کو اجازت دی جائے تو بالغ عورتیں بھی بچیوں کا نام کر کے گائیں گی۔

(۲) پھولوں کا سہرا باندھنا جائز ہے۔ یہ خوشبو کا استعمال ہے اور خوشبو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرغوب تھی۔ فرماتے ہیں۔ حبب الیّ من دنیاکم النساء والطیب۔ سہرے میں صرف پھولوں کو ڈورے میں ڈال لیا گیا ہے تاکہ ہاتھ نہ بگڑے اور ہاتھ میں رہنے سے پھول مرجھا نہ جائیں۔ ہاں نوشہ کے

ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا گنگنا باندھنا یا سنہری لڑیوں والا سہرا باندھنا منع ہے۔ کہ گنگنا اور نلکی والا سہرا شعار کفار ہے اس میں ان سے مشابہت ہے اور مہندی لگانا عورتوں سے مشابہت ہے اور دونوں ممنوع فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فہو منہم رواہ احمد وابوداؤد عن ابن عمر اس کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔ ان شبہ نفسہ بالکفار فی اللباس وغیرہ او بالفساق والفجار قال الطیبی ھٰذا عام فی الخلق والخلق قلت بل الشعار ھو المراد بالتشبہ لاغیر۔ ردالمحتار میں ہے۔ وخضاب شعر لحیۃ لا یدیہ ورجلیہ فانہ مکروہ للتشبہ بالنساء۔

(۳) چوتھی وغیرہ دیگر رسوم مروجہ بہت سے حرام کاموں پر مشتمل ہے۔ یہ رسم ادا کرنے والیاں نوشہ اور تمام خبر کا جو اس سے راضی ہوں اور جو اس کے روکنے پر قادر ہو کر باقاعدہ نہ روکیں وہ سب گنہگار ہیں کہ بقدر طاقت امر بالمعروف واجب ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر۔ سرکار فرماتے ہیں۔ من رای منکم منکر فلیغیر بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فمن لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان۔ جس شخص کو خبر ہو کر وہاں یہ رسوم ہوں گی۔ وہاں شرکت نہ کرے اور وہاں پہنچنے کے بعد یہ خرافات شروع ہوں تو وہاں سے اٹھ آوے قرآن کریم فرماتا ہے۔ فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظالمین۔ درمختار میں ہے۔ فلو علی المائدۃ لا ینبغی ان یقعد بل یخرج معرضا۔ اسی میں ہے فان قدر علی المنع فعل وان لم یقدر خرج ولم یقعد لان فیہ شین الدین ملخصاً۔

(۴) دولہا دلہن کو علیحدہ جگہ دینا اگر لغویات اور رسم بیہودہ سے خالی ہو تو جائز ہے کہ احادیث سے ثابت ہے درمختار میں ہے۔ وھل یکرہ الزفاف المختار لا اذا لم یشتمل علی مفسدۃ دینیۃ ردالمحتار میں ہے۔ الزفاف اھداء المرأۃ ھھنا اجتماع النساء کذٰلک فانہ لازم لہ عرفاً۔ اسی میں ہے۔ مستند لا بمار واہ عن عائشۃ قالت رفعنا امراۃ من الانصار الخ ردالمحتار شروع کتاب النکاح میں ہے۔ واختلفو فی کراھیۃ الزفاف والمختار انہ لا یکرہ الا اذا اشتمل علی مفسدۃ دینیۃ۔

(۵) مروجہ تعزیہ داری جو باجا ماتم فضول خرچی تصاویر جاندار پر مشتمل ہے ناجائز ہے۔ فی زمانہ بہتر یہ ہے کہ ان محرمات کو اس میں سے نکال دیا جائے۔ اور نفس جلوس باقی رکھا جائے۔ کہ اس سے مشرکین پر رعب طاری ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ میں بنوٹ وغیرہ کے اکھاڑے ضرور ہوں کہ یہ تیاری جہاد کا اظہار اور کفار کو مرعوب کرنے میں معاون ہے۔

کھچڑا یا شربت پر فاتحہ کرنا سبیل لگانا بہت اچھی چیزیں ہیں۔ کہ اس میں صدقات وخیرات کا ایصال ثواب ہے۔ اور اسلام کے عقائد میں سے ہے کہ صدقات وعبادات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ کمافی شرح العقائد وغیرہ اس کا انکار دشمنی بزرگانِ دین پر مبنی ہے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں اپنے خیال میں قریب آٹھ نو برس سے عیسائی مذہب کو اچھا خیال کرتی تھی۔ جب گھر والوں کو معلوم ہوا کہ یہ عیسائی مذہب پسند کرتی ہے اور عیسائی ہوا چاہتی ہے۔ تو انہوں نے میرا نکاح جبریہ ایک بدمعاش کے ساتھ کر دیا۔ اور مجھ کو گھر میں سے باہر کسی عزیز کے ہاں تک جانے نہ دیا۔ بھائی بجاد ح نے ایک جا تو دکھا کر ایک کاپی پر دستخط کرائے۔ جب میرا موقعہ ہوا تو میں بھی گرجا جا کر عیسائی ہو گئی۔ اب میں عیسائی ہوں۔ لہٰذا اب میرا نکاح جو کہ بھائی اور بجاد ح وغیرہ نے پڑھایا تھا۔ وہ بحالت عیسائی باقی رہا یا نہیں۔ اب اس وقت میری عمر تقریباً ۲۲-۲۳ برس کی ہے۔ بینوا توجروا۔

از قدسیہ بیگم میگوا ین عیسائی مراد آباد

الجواب

سائلہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے۔ اس کے ارتداد عیسائی ہو جانے سے نکاح نہیں اٹھا اور وہ آزاد نہیں ہوئی۔ اس کا یہ بیان کہ بھائی نے بجبر اس سے رضا حاصل کی تھی۔ یا نکاح بحالت عیسائیت ہوا قطعاً معتبر نہیں۔ کیونکہ رسوم شادی سہرا بندھوانا، مہندی لگانا، دلہن بننا، عروسی جوڑا پہننا، دولہا کے یہاں کے آئے کپڑے پہننا۔ اس کے یہاں کے زیور پہننا، رخصتی کے وقت ڈولے میں بیٹھنا۔ شوہر کے یہاں جانا، اس کے ساتھ خلوت اور تمکین یہ سب دلالت رضا ہیں۔ اور اس کے بیان کی تکذیب عالمگیری میں ہے۔ وکذا ان مکنت الزوج من نفسها بعد ما زوجها الولی فهو رضاو کذا لو طالبت بصداقها بعد العلم فهو رضا۔ اسی میں ہے وکما یتحقق رضاها بالقول یتحقق بالدلالة کطلب مهرها و نفقتها وتمکینها من الوطوء۔ درمختار میں ہے۔ رضاهی یکون دلالة کما ذکره بقوله وما فی معناه فی فعل یدل علی الرضا کطلب مهرها و نفقتها و تمکینها من الوطوء و دخوله بها رضاها۔ رخصتی کے وقت بالعموم مجمع ہوتا ہے۔ رشتہ دار موجود ہوتے ہیں۔ تمام مراسم کی ادا ان کے سامنے ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک رسم کے وقت چھری چاقو اس کے سینہ پر رکھا گیا ہو اور قتل کی آمادگی کی گئی ہو۔ اگر رخصتی کے وقت رسوم میں سے کوئی رسم بھی بغیر جبر کے عمل میں آگئی۔ اس سے رضا ثابت ہے۔ پھر شوہر کے یہاں جانا رہنا خلوتیں تمکین اور آمد و رفت کا ہونا سب اسی رضا کی تاکیدات ہیں۔ ان حالات میں رضا کا انکار کرنا کذب محض ہے۔ اسی طرح وقت نکاح عیسائی

ہونے کا بیان ابطال نکاح میں موثر نہیں۔ کفر کا یہ اقرار اس کو اپنے ماں باپ اور ہر مورث کے ترکہ سے تو محروم کر دے گا لیکن نکاح پر اثر انداز نہ ہوگا۔ کیونکہ جس اقرار سے غیر کا ضرر ہوتا ہو وہ اقرار غیر کے حق میں معتبر نہیں در مختار میں ہے۔ الاصل ان اقرار الانسان علی نفسہ حجۃ لا علی غیرہ کتاب الاقرار شامی میں ہے۔ بخلاف ما اذا اقرت بالرد۔ معلوم ہوا کہ ردت کے اقرار سے نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو عورت شوہر سے ناراض ہو وہ ایک ایسی جھوٹی بات بنا کر نکاح سے باہر ہو جایا کرے۔ شریعت نے ان حیلہ سازیوں کا موقع نہیں دیا۔ اسی طرح بعد نکاح گرجا میں جا کر عیسائی بننے سے بھی عورت نکاح سے باہر نہیں ہوتی کہ عورت کے ارتداد سے نکاح نہیں فسخ ہوتا۔ اسی طرح باقی رہتا ہے۔ در مختار میں ہے۔ وافتی مشائخ بلخ بعدم الفرقۃ بردتہا زجراً۔ بحر الرائق میں ہے۔ و بعض مشائخ بلخ و مشائخ سمرقند افتوا بعدم الفرقۃ بردتہا حسما لباب المعصیۃ و الحیلۃ للخلاص منہ۔ قاضی خاں میں ہے۔ منکوحۃ ارتدت والعیاذ باللہ حکی عن ابی القاسم الصفار انہا لا تقع الفرقۃ بینہما حتی لا تصل الی مقصودہا انتہی و الذین قالوا بالفرقۃ بارتدادہا قالوا لا یجوز لہا النکاح بزوج اٰخر بل تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح بالزوج الاول وعلی القاضی تجدید نکاحہا بزوجہا الاول رضیت بذالک النکاح ام لا۔ قال فی الدر المختار تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجراً لہا وعلیہا الفتویٰ۔ وقال فی الرد المحتار فلکل قاض ان یجددہ بمہر یسیر رضیت ام لا وتمنع من التزوج بغیرہ بعد اسلامہا۔ وفی الخانیۃ وفی الروایات الظاہرۃ تقع الفرقۃ وتجبس المرأۃ حتی تسلم ویجدد النکاح سدا لہذا الباب علیہا۔ بہر حال عورت اپنے شوہر کے نکاح میں ہے اور وہ اس کو اپنے پاس رہنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے نکاح سے نکلنے کے لئے ارتداد اختیار کرنا کیسی ناعاقبت اندیشی اور بد عقلی ہے۔ شوہر سے آزادی حاصل کرنے کے لئے شریعت کی بتائی ہوئی راہیں اختیار کی جا سکتی تھیں۔ لیکن کفر جیسی ملعون خبیث مصیبت کو گوارا کرنا انتہا درجہ کی بد نصیبی ہے۔ یہ تمام اس صورت میں تھی کہ لڑکی کی رخصت ہو چکی ہو۔ اگر رخصت نہ ہوئی ہو تو بھی نکاح ہو گیا۔ کہ بالاکراہ نکاح درست ہوتا ہے شامی کتاب الاکراہ میں ہے۔ وصح نکاحہ وطلاقہ۔ اسی شامی کتاب النکاح میں ہے۔ حقیقۃ الرضا غیر مشروطۃ فی النکاح الصحۃ مع الاکراہ والہزل۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان نعیمی عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں۔

(۱) بعض لوگ مالدار ہیں۔ غریبوں کو بازاری نرخ سے زیادہ قیمت پر غلہ دیتا ہے مثلاً چاول وغیرہ کا بازاری نرخ ایک روپیہ کا سولہ سترہ سیر ہے۔ تو غریبوں کو روپیہ میں گیارہ بارہ سیر کے نرخ سے ادھار دیتے ہیں۔ اور قیمت اس ماہ اگہن و پوس میں لیتے ہیں۔ یا اس روپیہ کا فصل دھان کے وقت روپیہ کا چھ سات پسیری کے نرخ سے لیتے ہیں یا نہیں تو جو نرخ اس وقت بازار کا ہوتا ہے۔ اس نرخ سے لیتے ہیں۔ اس کو عرف میں لگانی کہتے ہیں۔ یہ لگانی غلہ چاول وغیرہ کی ماہ اساڑھ و ساون میں ہوتی ہے اور ماہ اگہن و پوس میں وصول پالی۔ از روئے شرع یہ لگانی یا فروخت کی حسب ذیل شرائط مذکورہ بالا جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتب معتبر تحریر فرمایا جائے۔

(۲) روپیہ دینا اس شرط پر کہ فصل کے وقت میں فلاں غلہ اتنے من یا پسیری لیں گے۔ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اس ملک میں کوئی شخص پیسہ روپیہ آنہ دو آنہ یعنی خردا غلہ خریدنے والا ہوتا ہے جس کو یہاں غلہ لبا بہنے والا کہتے ہیں اس کا سیر سیر مروجہ سے کچھ بڑا ہوتا ہے و نیز بازاری نرخ سے کچھ زائد غلہ خرید کرتا ہے۔ اب زید جو کہ تجارت کرتا ہے ان کا یہ دستور ہے کہ جو شخص غلہ لے کر سودا خرید کرنے آتا ہے تو غلہ کو وہی لبا بہنے والا سیر اور نرخ سے لیتے ہیں۔ اور اپنا سودا سیر مروجہ سے دیتے ہیں۔ یہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

(۴) میوہ کو درخت پر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ بائع بیع کرے اور مشتری میوہ کو فوراً توڑ ڈالے تو جائز ہے۔ یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کوئی صورت جواز کی ہو۔ تو بحوالہ کتب احادیث و فقہ تحریر فرمائیے اگر شرعاً یہ بیع ناجائز ہے۔ تو اس میں گنہگار فقط بائع ہوگا۔ یا مشتری بائع دونوں۔ اس زمانہ میں آم و لیچی وغیرہ اکثر درخت پر فروخت ہوتا ہے جس کو ہر خاص و عام خرید کر کھاتے ہیں۔ یہ کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۵) فصل دھان و گیہوں وغیرہ جب تیار ہوتا ہے۔ تو اس کو مزدور لوگ کاٹتے ہیں۔ اور اپنی مزدوری کاٹی ہوئی شے میں سے ہی یعنی اپنے کاٹے ہوئے شے کو فلاں حصہ قائم کر کے ایک حصہ اپنی مزدوری کا لیتے ہیں۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بعض لوگ ناجائز کہتے ہیں۔ لہٰذا جواب بالصواب تحریر فرمایئے۔

(۶) تالاب کے اندر مچھلی فروخت کرنا کیسا ہے۔ اگر شرعاً ناجائز ہے تو کوئی شرعی صورت جواز کی ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(۷) (سکہ نوٹ) کا ادھار فروخت کرنا مثلاً ایک نوٹ جو کہ پانچ روپیہ کا ہے۔ اس کو سات آٹھ روپیہ میں ادھار فروخت کرنا اور روپیہ دو تین ماہ کے بعد لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر زید روپیہ کے عوض میں یہ بیع کرتا ہے اور بازاری نرخ مشتری و بائع کو معلوم ہے تو جائز ہے۔ کہ جس نرخ پر بائع مشتری کی رضامندی ہو جائے۔ اس پر بیع جائز ہوتی ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ ہاں ضروری ہے کہ بازاری نرخ بائع نے غلط نہ بتایا ہو۔ اور اگر غلہ کے عوض ادھار بیع ہے تو حرام کہ سود ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والبر بالبر والشعیر بالشعیر یداً بید من زاد او استزاد فقد اربیٰ رواہ مسلم عن ابی سعید الخدری۔ درمختار میں ہے۔ ان وجد احدھا حل الفضل وحرم النسأ رد المحتار باب الربوا میں ہے۔ وساء والموزونات غیر النقد لایجوز ان تسلم فی الموزونات وان اختلف اجناسھا کاسلام حدید فی دھن وزیت فی حبن۔ اور اگر بعوض روپیہ ادھار فروخت کیا۔ پھر اس قرض روپیہ سے بطریق سلم اس غریب سے دھان وغیرہ خرید اتو بھی منع ہے۔ کہ سلم میں وقت عقد روپیہ دینا شرط ہے۔

درمختار میں ہے۔ فان اسلم مائۃ درھم فی کر بر مائۃ دیناً علیہ ای علی المسلم الیہ ومائۃ نقد او افترقا فالسلم فی الدین باطل۔

(۲) غلہ کی کٹوتی جس کو بیع سلم کہتے ہیں جائز ہے۔ مگر سولہ شرطوں سے جن کا مآل یہ ہے۔ کہ بروقت بیع عقد تام ہو اور قیمت فوراً عقد کے وقت ادا کی جائے۔ اور بیع میں کوئی جھگڑے کی بات باقی نہ رہ جائے۔ اسی لئے غلہ کا نام غلہ کی قسم غلہ کا نرخ غلہ کس جگہ دے گا۔ وصولی کا وقت سب مقرر ہو جاتا ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ واما الذی یرجع الی البدل فستۃ عشر ستۃ فی راس المال وعشر فی المسلم فیہ۔

(۳) اگر بائع کے علم میں یہ بات لائی گئی ہو کہ تجھ سے غلہ اس سیر سے خریدتا ہوں۔ اور اس کے عوض سودا اس سیر سے دیا جائے گا اور وہ اس پر راضی ہو گیا۔ تو جائز ہے۔ غرضیکہ اگر کسی قدر دھوکا دیا گیا ہے تو بیع درست نہ ہوئی اور اگر تمام باتیں صاف طور پر ظاہر کر دی گئی ہوں تو جائز۔ قرآن کریم میں ہے۔ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔

(۴) اگر اس شرط سے درخت کے پھل خریدے کہ پکنے کے وقت تک نہ توڑے گا۔ تو بہرحال بیع فاسد ہوئی۔ اگر یہ بیع بالشرط ہے۔ خواہ سب پھل آگئے ہوں یا کچھ آگئے۔ اور کچھ آنے والے ہیں۔ اور خواہ پھل پورے طور پر پکے ہوں یا ابھی چھوٹے پھل۔ درمختار میں ہے۔ وان شرط ترکھا علی الاشجار فسد البیع۔ عالمگیری میں ہے۔ وان باع بشرط الترک لم یصح قیاسا عند ابی حنیفۃ وابی یوسف۔ بحر الرائق میں ہے۔ وان شرط ترکھا علی النخل فسد ای البیع۔ اگر بیع پھل آچکنے کے بعد تو بلا شرط کی تھی۔ مگر بعد بیع بائع کی اجازت سے کچھ روز پھل

درخت پر رہنے دے تو مطلقاً جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ولو اشتراها مطلقاً و ترکها باذن البائع طاب له الفضل۔ درمختار میں ہے۔ قید باشتراط الترک لانه لو اشتراها مطلقاً و ترکها باذن البائع طاب له الزیادة قال رد المحتار هی ما زاد فی ذات البیع وحاصله ان المراد ههنا الزیادة المنتصلة لا المنضمة۔ اگر اس حال میں خریدے ہوں کہ درختوں پر کچھ آئے ہیں۔ کچھ آنے والے ہیں تو بیع ناجائز ہے کہ معدوم کی بیع کو شامل ہے۔ درمختار میں ہے۔ بر زنیعضها دون بعض لا یصح فی ظاهر المذهب شامی میں ہے۔ واطلاق المصنف محمول علیٰ ما اذا باع الموجود والمعدوم۔ ہمارے ملک میں آج کل جو بہار کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ فاسد ہے۔ بعض جگہ تو سالہا سال کی بہار خریدی جاتی ہے۔ اور بعض جگہ پھل آنے سے پیشتر اور عادۃً درختوں کا پھل پکنے تک اپنا استعمال میں رکھنا شرط بیع ہے۔ ان صورتوں میں بیع فاسد ہے کہ اولاً تو یہ بیع معدوم ہے۔ دوسرے بیع بالشرط۔ اس کی بحث رد المحتار میں ہے۔ المعروف عرفاً کالمعروف نصاً وهنا فساد البیع وعدم حل الزیادة۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس قسم کی بیع میں اول جواز کی صورتوں پر عمل کریں جو شریعت نے بتائی ہیں۔ ان میں سہل تر صورت یہی ہے کہ ہری کھیتی خریدی ہے تو خریدنے کے بعد زمین کو مدت معین تک کے لئے کرایہ پر لے لے۔ اور اگر باغ کی بہار خریدی ہے تو بعد بیع باغ کی خدمت نوکری کرے اور تھوڑے پھل مالک کو دے اور باقی پھل اپنی اجرت میں رکھے مثلاً بعد بیع یہ طے کرے کہ باغ کی بہار تیری ہے۔ میں اس کی حفاظت کروں گا پیداوار کا ہزارواں حصہ تیرا اور باقی تمام بحق خدمت میرا۔ تو وقت بیع موجودہ پھل کی تو بیع ہوئی اور جو آئندہ پھل ہوں ان کے لئے معاملہ۔ درمختار میں ہے۔ والحیلة ان یاخذ الشجرة معاملة علیٰ احالة جزء من الف جزء وان یشتری اصول الرطبة والبارنجان واشجار البطیخ ببعض الثمن و یستاجر الارض مدة معلومة۔ اور اگر پھلوں کو کسی نے یہ بیع فاسد خریدا۔ تو وہ بعد قبضہ اس کا مالک ہو گیا۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کرنے والا چرم قربانی فروخت کر کے اس کی قیمت تعمیر مسجد میں لگائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر قربانی والا قربانی کی کھال فروخت کر دے۔ تو اس قیمت کا صدقہ دینا ضروری ہے اور صدقہ میں فقیر کا حصہ معتبر لہٰذا اس کھال کی قیمت مسجد میں خرچ نہیں کر سکتے۔ کہ اس صورت میں قبضہ کون کرے گا۔ عالمگیری کتاب الاضحیہ میں ہے۔

ویتصدق بجلدھا او یعمل منھا نحو غربال۔

فتویٰ نمبر ۴۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ گاؤں میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں بعض لوگ گاؤں میں بھی جائز کہتے ہیں۔ اگر یہ غلط ہے تو کیوں؟

الجواب

نماز جمعہ وعیدین کے لئے شہر یا فناء شہر شرط ہے۔ گاؤں یا جنگل میدان میں جائز نہیں۔ اس پر آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ صریحًا اور افعال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحابہ کرام دال ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع۔ جس سے بطریق اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا۔ جس جگہ بازار ہو اور بیع و شرا ہوتی ہو ظاہر ہے کہ یہ شہر اور بڑے قصبے میں ہی ہوتی ہے۔ لانہ لولم یتحقق البیع فکیف یترک فان ترک الشئ فرع وجودہ۔ تفسیر کبیر میں ہے۔ لان البیع والشراء فی الاسواق غالبًا۔ عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنے اپنے مصنف میں بروایت حارث حضرت علی کرم اللہ وجہہ نقل کیا۔ جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع از عینی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۶۴ واز فتح القدیر۔ قال فی فتح القدیر کفیٰ بقول علی قدوۃ واماما فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۱۶ میں حضرت ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے روایت کیا۔ عن حذیفۃ قال لیس علی اھل القریٰ جمعۃ انما الجمعۃ علی اھل الامصار مثل المدائن۔ بخاری میں باب ہی باندھا ہے۔ کہ باب من این تؤتی الجمعۃ وعلی من تجب وقال عطاء اذا کنت فی قریۃ جامعۃ نودی بالصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فحق علیک ان یشھدھا۔ اسی بخاری میں ہے۔ عن عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان الناس ینتابون یوم الجمعۃ من منازلھم والعوالی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں اہل دیہات باری باری سے مدینہ منورہ جمعہ پڑھنے آتے تھے۔ اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو مدینہ طیبہ آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اپنے اپنے گاؤں میں ادا کیا کرتے۔ اور اگر اہل دیہات پر جمعہ فرض ہوتا تو باری باری سے کیوں آتے۔ سب ہمیشہ ہی آیا کرتے۔ نیز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے قبا میں بروز دو شنبہ تشریف فرما ہوئے اور روایت بخاری دس دن سے زیادہ وہاں قیام فرمایا۔ مگر وہاں جمعہ ادا نہ فرمایا حالانکہ جمعہ ہجرت سے پہلے فرض ہوا مگر ادا بعد ہجرت کیا گیا۔ کہ قبل ہجرت مکہ مکرمہ حکم نہ ہونے کی وجہ سے گاؤں کے حکم میں تھا۔ کہ مدینہ مطہرہ آکر نماز جمعہ ادا کیا کریں۔ ترمذی میں ہے۔ عن ثویر عن رجل من اھل قبا عن ابیہ وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال امرنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نشھد الجمعۃ من قبا

جمعۃ الوداع بروز جمعہ ہوا۔ مگر میدان عرفات میں نہ تو خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ پڑھا نہ اہل مکہ کو حکم دیا۔ صحابہ کرام سے کہیں ثابت نہیں کہ انہوں نے فتوحات کرتے وقت گاؤں میں جمعہ قائم کیا ہو۔ فتح القدیر میں ہے۔ ولھذا لم ینقل عن الصحابۃ حین فتحوا البلاد واشتغلوا بنصب المنابر والجمع الا فی الامصار۔ مؤطا امام مالک میں باب ہے۔ باب الاجمعۃ فی العوالی۔ وموطا امام محمد میں۔ صلوٰۃ العیدین وامر الخطبۃ میں ہے۔ عن ابن شہاب عن ابی عبید مولی ابن ازھر قال شھدت العید مع عثمان فصلی ثم انصرف وقال انہ قد اجتمع لکم فی یومکم ھذا عیدان فمن احب من اھل العالیۃ ان ینتظر الجمعۃ فلینتظرھا ومن احب ان یرجع فقد اذنت لہ۔ یعنی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید کے دن دیہاتی لوگوں سے فرمایا کہ آج دو عیدیں جمعہ و عید جمع ہو گئی ہیں۔ عید تو پڑھ لی۔ جو جمعہ پڑھنا چاہے۔ وہ ٹھہرا رہے۔ جو نہ پڑھنا چاہے وہ گھر واپس جاوے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں۔ ان تمام دلائل سے کالشمس والامس ثابت ہوا کہ جمعہ گاؤں میں ادا نہیں ہو سکتا۔ مخالفین کے پاس بجز دو کمزور دلائل کے اور کوئی دلیل نہیں۔ اول یہ کہ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق عموم ثابت ہے۔ قرآنی عام کو ان اخبار احاد سے خاص نہیں کر سکتے۔ کما ھو مصرح فی الاصول۔ دوم یہ کہ احادیث میں وارد ہے کہ صحابہ کرام نے قری یعنی گاؤں میں جمعہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ ہجرت سے قبل مدینہ منورہ قریہ یعنی گاؤں تھا اور صحابہ نے جمعہ وہاں ادا کیا۔ اس طرح جواثا جو کہ گاؤں ہے۔ بحرین میں وہاں مسجد عبدالقیس میں صحابہ نے جمعہ ادا کیا۔ یہ دونوں دلائل بہت کمزور ہیں۔ اول تو اس لئے کہ قرآن میں جمعہ کے لئے کوئی شرط نہیں۔ تو وقت کی اور جنگل یا آبادی کی بھی قید نہیں۔ لہٰذا لازم آتا ہے۔ کہ نماز جمعہ بروز جمعہ ہر وقت کبھی فجر کے وقت کبھی دوپہر کو کبھی عصر کبھی مغرب کے وقت جنگل اور آبادی ہر جگہ ہوا کرے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں تو ماننا پڑے گا کہ یہ عام مخصوص البعض ہے اور جب کسی قطعی عام میں ایک بار تخصیص قطعی دلیل سے ہو چکی۔ تو آئندہ دلائل ظنیہ سے بھی تخصیص جائز ہے۔ کما ھو فی الاصول۔

دوم یہ کہ آیت مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے۔ کما لا یخفی علی اھل العلم۔ اور مجمل کی تفصیل ظنیات سے جائز ہے۔ جیسا کہ مسح راس میں ہوا۔ سوم مخصص اول خبر احاد نہیں بلکہ عرفات میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ ادا نہ کرنا ان تمام لوگوں نے دیکھا جو اس حج وداع میں شامل تھے اور وہ ایک لاکھ آدمی کے قریب۔ جب اتنے لوگ ایک فعل کو دیکھیں۔ تو وہ خبر احاد کیسی۔ چہارم۔ ہم کہہ چکے کہ وَذَرُوا الْبَيْعَ میں اشارہ اس طرف ہے

کہ جمعہ شہر میں ہو۔ رہی دوسری دلیل وہ اس سے کمزور بلکہ باطل ہے کہ ان مقامات کا گاؤں ہونا ثابت نہیں کہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی عام طور پر ہوتا ہے۔ کہ مکہ مکرمہ کو کہتے ہیں۔ ام القریٰ قرآن پاک میں فرمایا گیا۔ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اس میں مکہ اور طائف کو قریہ کہا گیا اور اگر مان لیں کہ قریہ بمعنی گاؤں اس جگہ بولا گیا ہو تو کیا خبر کہ اس وقت گاؤں تھا ممکن ہے کہ پہلے گاؤں رہا ہو اور بروقت نماز جمعہ شہر بن چکا ہو اس سے بھی چشم پوشی کر لیں تو کیا معلوم کہ خود سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ جمعہ ہوا۔ یا کہ صحابہ کرام کے اجتہاد سے۔ غرضیکہ یہ دلائل کمزور ہیں۔ اصح یہی ہے کہ گاؤں یا جنگل میں جمعہ جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

قبر میں نبی کریم کی زیارت پاک کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت کو نکیرین بروقت سوالات قبر روضہ مطہرہ کی زیارت کراتے ہیں یا شبیہ پاک کی یا خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود ہوتے ہیں اور جو اس کو بعید از عقل سمجھے اس کا کیا حکم ہے؟ نیز جو لوگ دفن نہیں کئے جاتے ان سے کس طرح سوالات ہوتے ہیں۔ جیسے کسی کو جلا دیا گیا یا شیر کھا گیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان سوالات کے بارے میں جو روایت نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ فيقولان ما كنت تقول في هذا الرجل لمحمد مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر یعنی نکیرین میت سے کہتے ہیں کہ تم ان صاحب کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ خود راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (رجل) کی تفسیر میں فرمایا لمحمد یعنی هذا الرجل سے اشارہ ذاتِ کریم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ یعنی هذا الرجل کہ می گویند آنحضرت را میخواہند۔ حدیث پاک کے الفاظ اور خود راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تفسیر سے ظاہر یہی ہے۔ کہ خود سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوتے ہیں۔ نیز محدثین کرام بھی اسی معنی کو زیادہ ارجح قرار دے کر اس کو مژدہ عظیم بتاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث اشعۃ اللمعات میں اسی باب اثبات عذاب القبر کی اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

° یا بہ احضار ذات شریف وے در عیانی بایں طریق کہ در قبر مثالے از حضرت وے صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ساختہ

می باشند" اسی پر اعتماد فرما کر ولولہ عشق سے فرماتے ہیں۔ دریں جا بشارتیست مر مشتاقانِ غمزدہ را کہ اگر بر امید

وارد ے

ایں شادی جان دہند و زندہ در گور روند جائے آں

در ظلمت فراق تو گر جان دہم چہ غم ٭ غم نیست گر زراہ رحمت بر تو ے فتد

صوفیائے کرام و عاشقان عظام بھی اسی بنا پر تمنائے موت کرتے پائے گئے ہیں۔ حاشیہ مشکوۃ میں ہے۔ قیل یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی البشری عظیمۃ۔ قسطلانی علی البخاری جلد ۲ صفحہ ۳۹۰ کتاب الجنائز میں ہے۔ فقیل یکشف للمیت حتیٰ یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بشریٰ عظیمۃ للمومن ان صح۔ معلوم ہوا کہ ظاہر یہی ہے کہ خود سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مشاہدہ میت کو ہوتا ہے۔ کہ اس کے سوا دیگر توجیہوں میں ہذا الرجل کی تاویل کرنی پڑے گی اور مجاز وغیرہ ماننا پڑے گا۔ اور اس توجیہ پر کوئی تاویل کی حاجت نہیں کہ رجل واضح الجسم کو کہتے ہیں۔ جو شخص محض بعید از عقل ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کرے وہ ابھی تک ایمانیات سے بے خبر ہے۔ عجائبات قدرت کی کس کس بات کو اپنی ناقص عقل سے معلوم کرے گا ماں کے پیٹ میں بچہ جب تیار ہوتا ہے۔ فرشتہ اسی جگہ تقدیر لکھ جاتا ہے۔ ماں کو خبر نہیں ہوتی اور ایک ہی فرشتہ ایک ہی وقت میں ہزارہا پیٹوں میں جا کر یہ کام کر آتا ہے۔ ایک ہی منکر نکیر ایک ہی وقت میں تمام دنیا کے مدفونین سے سوال کر لیتے ہیں۔ ایک سونے والا آنکھ لگتے ہی عالم کی سیر کر لیتا ہے۔ جب اٹھا جو جہاں تھا وہیں موجود۔ تو اگر میت کی قبر میں سرکار خود تشریف فرما ہوں یا میت کی آنکھوں سے حجاب اٹھا دیئے جاویں تو اس میں کون سی قباحت ہے۔ جیسے کہ جنت کی کھڑکی قبر میں کھلتی ہے۔ حجاب اٹھا کر اور اگر اس لئے کوئی شخص اس کا انکار کرے کہ بعض محدثین نے اس کے علاوہ بھی قول کئے ہیں۔ وہ انہی کو اختیار کرتا ہے۔ تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۳) عذاب قبر اور سوالات قبر میں جو لفظ قبر بولا جاتا ہے۔ اس سے مراد خاص گڑھا (جس کو ہم قبر کہتے ہیں) نہیں ہے بلکہ مراد عالم برزخ ہے۔ جو دنیا کی زندگی اور قیامت کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ لہٰذا جو شخص اس قبر میں نہ بھی دفن کیا جاوے اس کا جسم جس جگہ بھی ہوگا۔ وہاں ہی روح سے تعلق پیدا کر کے اس سے سوال و جواب اور اس کو عذاب ہوگا۔ حتی کہ اگر میت کو جلا دیا گیا یا شیر کھا گیا یا مچھلیوں نے کھا لیا۔ تو اس کے اجزاء اصلیہ جس کو اجزائے لا تتجزی بھی کہتے ہیں۔ خود ان اجزاء روح کو تعلق دے کر سوال و جواب ہوگا کہ اجزائے لا تتجزی کبھی فنا نہیں ہوتے۔ جسم راکھ ہو گیا یا شیر کا پاخانہ بن گیا۔ مگر وہ اجزاء بحالہا ویسے ہی باقی رہے۔ اسی پر قیامت کے دن جسم بنایا جائے گا۔ اسی آریہ کے آواگون میں اور اس حشر اجساد میں فرق ہو گیا۔ کیونکہ آریوں کے ہاں خود روح بدل جاتی ہے اور ہمارے ہاں نہیں اور آریوں کے ہاں دوسرا جسم پہلے جسم کا بالکل غیر ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں نہیں بلکہ جسم کے اصلی اجزا ان دونوں جسموں میں ایک ہی ہیں۔ اگرچہ ان جسموں کی صورت مختلف ہے۔ اور اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے۔ دیکھو بچپن جوانی بڑھاپے اور ہماری تندرستی میں جسم کی شکلیں

مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن اس سے آدمی نہیں بدل جاتا۔ کیونکہ اس کے اصلی اجزاء وہی ہیں۔ ایسے ہی قیامت میں اسی اجزاء وہی ہوں گے۔ جسم کی شکل بدل جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی میت کو دفن نہ کیا گیا تو اس سے اسی میدان میں سوال و جواب ہوں گے جہاں وہ پڑا ہوا ہے۔ اگر کسی کو تابوت میں ہی رکھ دیا گیا۔ تو تابوت ہی میں اس سے سوال و جواب ہوں گے اگرچہ کسی کو شعور نہ ہو۔ اشعۃ اللمعات باب اثبات عذاب القبر میں ہے: "و مراد بقبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میانِ دنیا و آخرت و تعلق دارد بہر دو مقام نہ آں گورے کہ مردہ در رد رود و در گور کنند کہ بسا مردگاں کہ در آب غرق شوند و در آتش سوختہ گردند و در شکم جانوراں تحلیل روند الا جزو بے ازاں کہ آں را جزو اصل خوانند از اول عمر تا آخر آں باقی ماند ہم بداں جزو روح را متعلق سازد بجا بخشد و عذاب کند و نعمت دہد ملخصاً۔" نیز شرح عقائد نسفی میں ہے۔ حتی ان الغریق فی الماء والماکول فی بطون الحیوانات والمصلوب فی الھواء یعذب وان لم نطلع۔ حاشیہ شرح عقائد میں کنز العباد سے ہے۔ فی الروضۃ فی الباب السادس والعشرون فان قیل ما تقول اذا مات الرجل ولم یدفن ایاما ثم یدفن ھل یسئل فی البیت فنقول اختلف المشائخ فیہ الخ وقال بعضھم یسأل فی البیت فی لیلۃ یصعد الارض حولہ فیصیر کالقبر ویسأل لانہ روی الاخبار انہ یسأل المیت بعد الموت بلا فصل ولو مات رجل فی القریۃ فجعلوہ فی التابوت لیحملوہ الی بلد اخر متی یسئل فی القبر ام فی التابوت قال الفقیہ ابو جعفر البلخی یسأل فی التابوت لانہ کالقبر۔ ان عبارات سے بخوبی وہ امور معلوم ہوئے جو کہ ہم نے بیان کئے۔ واللہ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم۔

احمد یار خان عفی عنہ

حضرت مسیح کے ابن ہونے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۱

علمائے دین کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک عیسائی نے ۲۶ محرم ۱۳۵۹ ہجری / ۱۶ مارچ ۱۹۴۰ء کے اخبار الفضل میں ایک مضمون دیا ہے جس میں اس نے قرآن پاک سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ابن اللہ ہونا اور افضل الرسل ہونا ثابت کیا ہے۔ اور دعویٰ کیا ہے کہ ان دلائل کا کوئی عالم جواب نہیں دے سکتا۔ مہربانی کر کے جوابات ارقام کئے جائیں۔

الجواب

اشتہار مذکورہ فقیر کی نگاہ سے گذرا۔ اس میں محض دھوکہ بازی سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے دلائل تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

دلیل ۵ میں پادری نے لکھا ہے۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ میں مسیح فرماتے ہیں کہ میں ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہوگا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر احمد رسول نے آکر دین مسیح کو جھٹلانا تھا۔ اور مسیح کے خلاف چلنا تھا۔ تو مسیح ایسے رسول کی آمد کی بشارت کیوں کر دے سکتے تھے اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ احمد رسول نے آکر مسیح کے لئے راستہ صاف کرنا تھا اور لوگوں کو بتانا تھا کہ نجات مسیح کے ساتھ ہے۔

جواب:- پادری جی! اسلام نے دین مسیح کو کب جھٹلایا اور اس کی مخالفت کہاں کی۔ اگر اسلام کہتا کہ مسیح جھوٹا تھا یا حضرت مسیح نبی نہیں تو جھٹلانا ہوتا۔ اسلام نے تو دین مسیح کیا تمام آسمانی دینوں کی تصدیق کی اور ان کے لانے والے نبیوں کو برحق فرمایا۔ ہاں ان تمام دینوں کی ایک ایک میعاد تھی کہ جس پر وہ پہنچ کر ختم ہو گئے۔ دین موسوی جس طرح حضرت مسیح کی تشریف آوری سے ختم ہو گیا اسی طرح دین عیسوی دین اسلام سے ختم ہو گیا۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح نے دین موسوی و ابراہیمی کو جھٹلا دیا۔ قاعدہ ہے کہ جب بچہ سکول جاتا ہے تو چھوٹی کلاسوں اور چھوٹے مدرسوں میں تعلیم پاتا ہے جس قدر اس کی علمی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر بڑی کلاسوں اور بڑے مدرس کے پاس پہنچتا ہے تو کیا بڑے مدرس چھوٹے مدرسوں کو جھٹلاتے ہیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ ان کے غیر مکمل کام کو مکمل کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ایم اے بی ٹی پاس کر کے راحت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح انبیائے کرام دنیا کو حسب ضرورت تعلیم دیتے رہے۔ یہاں تک کہ دنیا کے آخری اور کامل معلم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکمل دین لیکر تشریف لائے اور اب مکمل سبق دنیا کو دے گئے۔ کہ اب کسی استاد کی ضرورت نہیں رہی اور فرما دیا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (پارہ: ۶) رہا یہ کہ حضرت مسیح نے تشریف آوری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری کیوں دی۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔ اول تو یہ کہ دنیا نے حضرت مسیح کو جھٹلایا اور دنیا کے اس تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمائی جس سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں ان کی تصدیق ہو گئی۔ دنیا نے ان کو اور ان کی کنواری طیبہ طاہرہ والدہ ماجدہ کو عیب لگایا۔ اس رحمت عالم علیہ السلام نے ان کے دامن عفت سے یہ دھبہ ایسا دور فرمایا کہ جو قرآن پڑھے ان کی طہارت کے گیت گائے اور جس درس توحید کو وہ لائے تھے۔ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ غرضیکہ اس رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی بدولت ان کی رسالت کی تصدیق ان کی والدہ ماجدہ کی پاکدامنی کی تائید ان کی کتاب کی حمایت ان کے کام کی تکمیل ہوئی۔ پھر کیوں نہ خوش ہو کر فرماتے کہ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ اگر قرآن نے اس طرح ان کا چرچا نہ کیا ہوتا تو دنیا ان کے نام سے ناآشنا ہو چکی ہوتی۔ آج دنیا میں ان ہی انبیاء اور کتابوں کا نام روشن ہے جس کو اس آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرما دیا جن کا اسلام نے ذکر نہ کیا ان کے نام بھی بھول جا چکے۔

پادری جی! مسیح کا نام اسلام سے زندہ ہے نہ کہ آپ سے۔ پادری جی نے شاید سوتے میں کہہ دیا کہ احمد رسول نے آ

کہ مسیح کے لئے رستہ صاف کرتا تھا۔ جناب ہوش سنبھالو۔ بادشاہ کے آنے سے پہلے راستہ صاف ہوتا ہے۔ یا گذر چکنے کے بعد اور بادشاہ کی آمد کی خبر اس کے ماتحت لوگ دیتے ہیں یا کہ ماتحت کی خبر بادشاہ۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک بادشاہ کی آمد کی خبر دی اور ان کے لئے راستہ صاف فرمادیا۔ تمام انبیاء نے ان کی تشریف آوری کی خبریں اپنی اُمتوں کو دیں اور ان کی آمد کی دعائیں مانگیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ۔ انہی مکہ والوں میں رسول۔ ان ہی میں پیدا فرما ۔

گن گائیں جن کے انبیاء مانگیں رسل جن کی دُعا ٭ وہ دو جہاں کے ماحصل علی یہی تو ہیں

دوسری دلیل: آپ فرماتے ہیں۔ کَیْفَ تَہْلِکُ اُمَّۃٌ اَنَا اَوَّلُھَا وَعِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اٰخِرُھَا یعنی امت کے شروع میں ہوں اور آخر میں مسیح ابن مریم ہیں۔ وہ تباہ نہیں ہوسکتی۔ دیکھئے کس صفائی سے فرمایا۔ کہ اگرچہ امت کی نجات شروع میں مجھ سے وابستہ ہے مگر آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم ہی نجات کا ذریعہ ہوں گے۔

جواب: پادری جی! یہ اُلٹی گنگا کس طرح بہہ رہی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سینکڑوں برس پہلے گذر چکے ہیں۔ پھر وہ حضور سے بعد میں کیوں ہوگئے۔ افسوس تم نے آنکھ پر پٹی باندھ کر حدیث لکھی۔ سنئے پہلے عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں نبی کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ اب دوبارہ اُمتِ نبی آخر الزماں کی حیثیت سے تشریف آوری ہوگی۔ اور اسلام کے مبلغ کی حیثیت سے۔ جیسے کہ ایک جج کسی بڑے جج کی کچہری میں کسی مقدمہ کی گواہی دینے جائے۔ تو اگرچہ وہ اپنی کچہری میں جج ہے۔ مگر یہاں اس بڑے جج کا گواہ اور اس جج کا ماتحت۔ سبحان اللہ اس امت مرحوم کا کیا رتبہ ہے کہ ایک نبی معظم اس کی اُمت کا فرد ہے۔ اس حدیث میں یہ ہی ہے۔

تیسری دلیل: چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان گوناگوں مصائب میں گرفتار ہیں اور دنیا میں ہر لحاظ سے گر رہے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہی ہے کہ جناب مسیح کو مسلمان قبول کر کے دین مسیحی میں داخل نہیں ہوتے۔

جواب: مسلمانوں کی پستی اور کمزوری صرف اس لئے ہے کہ وہ اسلام پر پوری طرح قائم نہ رہے۔ ورنہ جب تک مسلمان پختہ تھے۔ تب تک انہوں نے یہودی عیسائی مشرکین وغیرہم تمام کو اپنا غلام بنالیا۔ پادری صاحب پچھلی لڑائیاں بھول گئے کیا قادسیہ اور یرموک کے میدان آپ کو یاد نہ رہے کہ جہاں عیسائی ۷ لاکھ اور مسلمان صرف چالیس ہزار تھے۔ مگر عیسائیوں کو وہ مار پڑی کہ آپ اب بھی جانتے ہوں گے۔ اور آپ کا سر اب تک یاد کرتا ہوگا۔ مسلمانوں نے روم و ایران بلکہ تمام دنیا پر صدہا برس تک نہایت شان و شکوہ سے حکومت کی۔ ابھی سو رہے ہیں۔ مگر سمجھ لو کہ یہ سوئے ہوئے شیر ہیں۔ اچھا اگر ہم مان لیں کہ عیسائیت سے عزت ملتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ اینگلو انڈین کی انگریز عیسائیوں کے سامنے موچی کے برابر بھی عزت نہیں۔ امریکہ والے اپنی خیرات سے پندرہ بیس روپیہ ماہانہ ان کو تنخواہ دیتے ہیں جس سے بمشکل تمام ان کی گذران ہوتی ہے۔ نہ پاؤں میں جوتے نہ سر پر ٹوپی نہ بدن پر عمدہ کپڑے۔ ان کا گرجا علیحدہ ان کا قبرستان علیحدہ۔ کیوں صاحب مسیحی تو یہ بھی ہیں

انہیں کیوں نہ عزت ملی ۔ آؤ اسلام کی آغوش میں تو عزت بھی پاؤ گے اور ہدایت بھی۔

چوتھی دلیل: جب کوئی نبی زندہ آسمان پر نہ گیا اور خدا نے اس قابل نہ سمجھا کہ دوبارہ آکر اُمت محمدیہ کی اصلاح کرے اور اس عظیم الشان کام کو کرنے کے لئے صرف مسیح کو ہی منتخب کیا۔ تو مسیح کی فضیلت میں کیا کمی رہ گئی۔

جواب: میں ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ بادشاہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک سپہ سالار کو سردار لشکر بنا کر بھیجا مگر دشمن اس سے نہ دبا۔ بلکہ اس کے قتل کی تیاری کی۔ لہذا بادشاہ نے اسے واپس بلالیا اور دوسرا سپہ سالار بھیجا جس نے تمام دشمنوں کو مغلوب کرلیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر حکم دیا کہ چونکہ تم دشمن پر غالب آگئے اور دنیا تم کو مان گئی۔ لہٰذا تم وہاں ہی رہو اور جہاد کئے جاؤ۔ خوب حکمرانی کرو۔ پھر پہلے کو دوسرے کا ماتحت بنا کر بھیجا۔ ان دونوں میں کون سپہ سالار بڑے رتبہ والا ہے۔ ہر عقلمند کہے گا۔ کہ دوسرا۔ جناب مسیح علیہ السلام کے یہودی ایسے دشمن ہوئے کہ ان کو قتل کرنے کے ارادے سے قید کردیا۔ اس وقت مدد الٰہی نے ان کی دستگیری کی اور ان کو آسمان پر بلالیا۔ برخلاف اس کے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ بغیر دنیاوی سامان اور شوکت کے ساری دنیا سے مقابلہ کیا صرف ۲۳ سال کی تھوڑی مدت میں عالم کی ہوا بدل دی۔ پیغام الٰہی پہنچا رہا۔ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۔ اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ اور ان پر خوب سختی کرو۔ کہیئے جو کفار سے تنگ آکر تارک الدنیا ہو جائے اور جو ان میں رہ کر ان کی اصلاح کرے۔ ان میں کون افضل ہے؟ رہا آسمان پر جانا رہنا۔ اس میں کوئی ایسی خاص افضلیت نہیں کہ صرف اس کی وجہ سے تمام انبیاء سے افضل کہا جائے حضرت ادریس علیہ السلام تو حضرت مسیح سے بھی اوپر ساتویں آسمان پر بلکہ بہشت میں تشریف فرما ہیں۔ ملائکہ۔ چاند سارے سورج آسمان پر ہی ہیں۔ کیا پادری صاحب ان سب کو حضرت مسیح سے افضل جانیں گے۔ ہاں آسمان پر بلایا جانا۔ وہاں کی سیر کرانا کہ خدائے قدوس کی مہمانی ہو۔ ملائکہ زمین پر لینے کو آئیں۔ تمام جنت دوزخ عرش و کرسی کی سیر کرائی جائے۔ راز و نیاز ہو۔ اس جانے میں اور اس جانے میں بڑا فرق ہے۔ حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح معراج میں بلایا گیا۔

پانچویں دلیل: ہم مسیح کو خدا کا بیٹا کیوں نہ مانیں جب قرآن کہتا ہے کہ خدا ہی حی وقیوم ہے یعنی زندہ اور غیر متغیر ہے۔ مگر مسیح دو ہزار سال سے زندہ اور غیر متغیر آسمان پر بیٹھا ہے۔ لہٰذا وہ بھی خدا یا خدا کا بیٹا ہے۔

جواب: پادری جی ۔ یہ تو خوب کہا کہ جس کی عمر بڑی ہو اور آسمان پر بیٹھا رہتا ہو۔ وہ خدا کا بیٹا۔ تو سارے فرشتے خدا کے بیٹے چاند سورج۔ حضرت ادریس علیہ السلام خدا کے بیٹے بتاؤ تو خدا کے کتنے بیٹے ہیں۔ اور کس کس بیوی سے پیدا ہوئے اور تمہارے خدا کا نکاح کتنی جگہ ہوا۔ کہاں کہاں خدا کی سسرال ہوئی۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اگر اوپر رہنے میں افضلیت ہوا کرے۔ تو دریا میں حباب اوپر اور موتی نیچے ہے۔ ہر

بلکہ چیز ادپر اور وزنی چیز نیچے رہتی ہے۔ توکیا موتی سے حباب افضل ہوتا ہے۔ ؏
حباب بر سر آب و گہرتہ دریاست۔ حضرت مسیح علیہ السلام صرف ڈیڑھ دن آسمان پہ قیام فرمائیں
گے۔ جو یہاں کے صد ہا سال ہوئے۔ اس زمانہ میں جب وہ اس دنیا میں قیام فرما نہ ہوئے تو وہ
زمانہ عمر قرار نہ پائے گا۔ اور اگر مان بھی لیں تو کیا ضروری ہے۔ ہر بڑی عمر والا چھوٹی عمر
والے سے ہر طرح افضل ہوا۔ اگر باپ کی عمر پچاس سال اور بیٹے کی سو سال ہو تو کیا بیٹا
باپ سے افضل ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ۳۳ سال دنیا میں قیام فرمایا۔ اور حضرت نوح
علیہ السلام نے ساڑھے پندرہ سو برس۔ تو کیا حضرت نوح کو تم عیسیٰ علیہ السلام سے افضل
مطلق مانو گے۔ سانپ۔ گدھ اور بعض درختوں کی عمریں انسان سے بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ تو کیا
یہ چیزیں انسان سے افضل ہیں ہرگز نہیں۔

چھٹی دلیل:۔ خدا کے سوا کسی انسان کی کیا مجال ہے کہ وہ مردے زندہ کرے
آدم سے لے کر اب تک کسی نے ایسا نہ کیا۔ لیکن ایک ہستی ایسی پائی جاتی ہے جس نے مردے
زندہ کئے۔ وہ ہمارے منجی خداوند مسیح ہیں۔ اب آپ کے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو یہ تسلیم کریں
کہ قرآن کی یہ آیت درست نہیں۔ کہ خدا ہی مردے زندہ کرتا ہے یا یہ مانیں کہ مسیح خدا کا بیٹا
ہے۔ کیونکہ بیٹا باپ سے جدا نہیں۔

جواب:۔ پادری جی! معجزوں کا کون منکر ہو سکتا ہے۔ بے شک جناب مسیح علیہ السلام نے
مردے زندہ کئے۔ لیکن معجزے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کام خدا کی طرف سے نبی کے ہاتھ پر
ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا۔ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ یعنی میں خدا کے حکم سے مردے
زندہ کرتا ہوں۔ ان معجزات سے کوئی بھی نبی خدا کا بیٹا نہ بنا۔ آپ کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ آدم
سے لے کر اب تک کسی نبی اور ولی نے مردے زندہ نہ کئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل
کے ایک شخص مردے کو گائے کے کچھ اعضاء مار کر زندہ فرمایا اور ان کا یہ معجزہ تو مشہور ہی ہے۔
کہ لاٹھی کو زندہ سانپ بنا دیتے تھے۔ طور پہ ستر آدمی زندہ کئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
۴ پرندوں کو ذبح فرما کر زندہ فرمایا۔ جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ
سَعْيًا۔ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردے زندہ کئے چنانچہ حجۃ الوداع میں اپنے والدین
ماجدین کو زندہ فرما کر انہیں اسلام کی تلقین فرمائی۔ دیکھو شامی۔
اسی طرح حضرت جابر کے دو بچوں کو زندہ فرما کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ جن میں سے ایک
کو دوسرے نے ذبح کر دیا تھا۔ اور دوسرا چھت سے گر کر فوت ہو چکا تھا۔ ان کے صحابہ کرام

سنے ان کا نام لے کر مردے زندہ کئے۔ چنانچہ ایک انصاری نابینا بڑھیا نے اپنے بیٹے کو آپ کا نام لے کر زندہ کیا۔ دیکھو شرح قصیدہ بردہ للخرپوتی کی اس شعر کی شرح ؎

لَوْ نَاسَبَتْ قَدْرَهُ آيَاتُهُ عِظَمًا   أَحْيَا اسْمُهُ حِيْنَ يُدْعَى دَارِسَ الرِّمَمِ

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

وَسَأَلْتَ رَبَّكَ فِي ابْنِ جَابِرٍ بَعْدَمَا   أَنْ مَاتَ أَحْيَاهُ وَقَدْ أَرْضَاكَ

ان کی اُمت کے اولیاء نے ہزارہا مردے زندہ کئے جیسے حضور شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ اگرچہ آپ ان باتوں کو نہ مانیں۔ مگر چونکہ آپ نے ہم کو ہمارے مذہب سے الزام دیا۔ اس لئے یہ جواب دیا گیا۔

اور سنئے حضرت اسرافیل صور پھونک کر تمام مردوں کو زندہ کریں گے حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنے مرے ہوئے گدھے کو سو برس کے بعد زندہ فرمایا آپ شاید ان سب کو خدا کا بیٹا مانیں گے۔ العیاذ باللہ۔ پادری جی! یہ خوب کہہ گئے کہ باپ بیٹا جدا نہیں۔ تو جو خدا کا حال وہ بیٹے کا حال وہ خدا کا تو عیسائی مذہب پر تو یہودیوں نے حضرت مسیح کو سولی دیدی تو کیا عیسائیوں کے خدا کو بھی یہودیوں نے سولی دیدی۔ اگر ایسا ہے تو ایسے مجبور اور مظلوم خدا کو ہمارا دور ہی سے سلام جو کہ یہودیوں سے بھی کمزور ہو۔

ساتویں دلیل :- آدم سے رسول عربی تک کسی نے کچھ بھی پیدا نہ کیا۔ لیکن یہاں بھی مسیح کی امتیازی شان موجود ہے چنانچہ سورۂ آل عمران میں لکھا ہے۔ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا ۔ اب یا تو یہ کہو کہ قرآن کی یہ آیت صحیح نہیں کہ صرف خدا ہی خالق ہے۔ یا یہ تسلیم کرو کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے اور باقی نبیوں سے افضل۔

جواب :- پادری جی! تم نے دھوکہ دینے کو آیت صحیح پوری نہ لکھی اور ترجمہ بھی غلط کیا۔ سنئے! آیت پوری یہ ہے۔ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ ۔ یعنی میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ وہ پھونک مارنے سے خدا کے حکم سے فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اور زندہ کرتا ہوں مردے کو خدا کے حکم سے (آل عمران) اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ مردے زندہ کرنا بیماروں کو اچھا کرنا اور تمام معجزات دکھانا خدا کے حکم سے تھا۔ اَخْلُقُ کے معنی اس جگہ بنانے کے ہیں۔ نہ کہ پیدا کرنے کے ورنہ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ کا لفظ بیکار رہے گا۔ یعنی میں پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ قرآن پاک میں خلق کا لفظ بنانے کے لئے اور جگہ بھی بولا گیا ہے۔ کفار سے خطاب کر کے فرمایا گیا وتخلقون افکا۔ (عنکبوت) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کو پکار کر زندہ فرمایا۔

ماں کے پیٹ میں فرشتہ ہی بی کرتا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کے بطن میں اسی طرح پھونک مار کر خود مسیح کو بنایا۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کا جسم بنایا۔ شاید ان سب کو آپ خدا کا بیٹا تسلیم کریں۔ سبحان اللہ! اتنی سی قابلیت اور علم میں مسلمانوں سے الجھ بیٹھے۔

آٹھویں دلیل:۔ قرآن مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہتا ہے۔ زمین پر آپ کا کوئی باپ نہ تھا۔ اور نہ آپ انسانی نطفہ سے پیدا ہوئے، اور یہی وجہ ہے کہ آپ پر موت قبضہ نہ کر سکی؟

جواب:۔ پادری جی! اور بھی تعجب کی بات سنیئے کہ میں اور آپ بھی روح اللہ ہیں یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی روح۔ ہر چیز اللہ نے بنائی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ خلاف عادت طریقہ سے بغیر واسطہ باپ پیدا ہوئے۔ ان کی عزت بڑھانے کے لئے روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا۔ یعنی بغیر واسطہ باپ، اللہ کی پیدا کی ہوئی روح۔ جیسے کہ آپ گرجا کو کہتے ہیں بیت اللہ۔ کیا خدا اس میں رہتا ہے؟ نہیں بلکہ مطلب یہ کہ کسی انسان کا اس پر دعویٰ ملکیت نہیں اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ہو۔ تو حضرت آدم و حوا بدرجہ اولیٰ خدا کا بیٹا اور بیٹی ہوں گے۔ اور تمام فرشتے خدا کی اولاد۔ یہ سب بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے۔ غرضیکہ یہ تمام باتیں لغو اور بے بنیاد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

احمد یار خاں عفی عنہ

قرآن کریم کو ہندی رسم الخط میں لکھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید غلام بھیک نیرنگ نے ایک تجویز پیش کی ہے کہ قرآن کو ہندی رسم الخط میں چھاپا جائے تاکہ اس سے دیگر اقوام ہند میں تبلیغ کا کام ہو سکے آیا جائز ہے یا نہیں؟ نیز عرض یہ ہے کہ قرآن کی تحریر کی آیات قرآنیہ سے مشق جائز ہے یا نہیں؟ اور حمائلیں وغیرہ چھاپنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

خدائے پاک میر صاحب کے حال پر رحم فرمائے۔ ان کو اس بڑھاپے میں جو سوجھتی ہے وہ نرالے پر فتن میں ابھی عورتوں کو طلاق کا حق دلوایا اور برعکس نام نہند زنگی کا فور نام رکھا خلع بل اب یہ نئی سوجھی۔ خدائے پاک فرماتا ہے۔ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ اس آیت میں حافظوں کو مطلق ارشاد فرمایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم تلاوۃً وکتابۃً ہر طرح محفوظ ہے جس طرح اس کی عبارت بدلنا جائز نہیں اور وہ

قرآن نہ ہوگا۔ اسی طرح اس کا رسم الخط بھی بدلنا جائز نہیں کہ وہ قرآن کی تحریر نہ ہوگی۔ ہندی یا انگریزی تو دور کا سوال ہے یہاں تو خط نستعلیق میں قرآن لکھنا منع ہے۔ نسخ میں ہی لکھا جائے گا۔ اور نسخ میں اسی طرح اسی روش سے جس طرح منقول ہوتا چلا آرہا ہے۔ اگرچہ اب ہماری رسم الخط اس کے خلاف ہوگئی ہو۔ بسم اللہ کا سین دراز ہی کرکے لکھا جائے گا۔ لنسفعاً تنوین ہی سے لکھا جائے گا۔ نہ کہ نون خفیفہ سے بئس الاسم الفسوق۔ لام الف سے لکھا جائے گا اگرچہ پڑھنے میں حرف لام آتا ہے۔ غرضیکہ طریقہ تحریر بھی سلف عثمانی کے موافق ہوگا۔ اتقان جلد دوم صفحہ ۱۷۱ میں کتابۃ القرآن کے ذکر میں ہے۔ وھل یجوز غیر عربی الاقرب المنع کما تحرم قرأته بغیر لسان العربی لقولھم القلم احدی اللسانین وقد قال تعالیٰ بلسان عربی مبین۔ اسی میں صفحہ ۱۶۷ پر ہے وقال الامام احمد یحرم مخالفة خط مصحف عثمان فی واو ویاء اوالف وغیر ذالک اسی صفحہ پر ہے۔ قال البیھقی فی شعب الایمان من یکتب مصحفا فینبغی ان یحافظ علی الھجاء الذی کتبوا به تلك المصاحف ولا یخالفھم فیه ولا یغیره مما کتبوہ شیئاً فانھم کانوا اکثر علما واصدق قلبا ولسانا واعظم امانة منا فلا ینبغی ان نظن بانفسنا استدراکا علیھم اتقان جلد دوم صفحہ ۱۶۷ نوع فی مرسوم الخط میں ہے سئل مالك ھل یکتب المصحف علی ما احدثه الناس من الھجاء فقال لا الا علی الکتبة الاولیٰ اسی صفحہ ۱۷۰ میں ہے عن ابن سیرین انه کان یکرہ ان تمد الباء الی المیم حتی تکتب السین۔ ان عبارات سے بالکل ظاہر و باہر ہوگیا کہ قرآن کریم کی تحریر عربی خط میں ہی ہوگی اور وہ بھی موافق مصحف عثمانی خواہ آج کل کی رسم الخط اس کی موافقت کرے یا نہ کرے۔ جبکہ رسم الخط قرآن میں اس قدر پابندی ہے تو ہندی یا انگریزی رسم الخط میں قرآن لکھنا تو صریح تحریف ہے کہ اولاً تو اوپر ذکر کی ہوئی پابندیوں کے خلاف ہے۔ دوم سین۔ صاد۔ ثاء میں اسی طرح ق اور ک میں ز۔ ذ۔ ظ میں فرق بالکل نہ ہوسکے گا۔ مثلاً ظاہر کے معنی ہیں ظاہر اور زاہر کے معنی ہیں چمکدار یا تروتازہ اب اگر ہندی میں آپ نے जाहिर یا انگریزی میں ZAHIR لکھا تو کیسے معلوم ہوا کہ ظاہر ہے یا زاہر اسی طرح تاہر اور طاہر دوم یہ قدیر اور قادر اور دونوں انگریزی اور ہندی میں ایسے لکھے جاتے ہیں कादिर QADIR بتائیے قادر اور قدیر۔ سامع اور سمیع۔ عالم اور علیم میں کس طرح فرق رہے گا۔ غرضیکہ اوصاف الفاظ تو درکنار۔ خود حروف ہی منقلب ہوجائیں گے۔ اور معنی ہی ختم۔ میر صاحب قبر میں جانے کو ہیں۔ کیا یہ اعمال منکر نکیر کو دکھائیں گے۔ اب قرآن کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔ بعض علماء تو قرآن میں رکوع اور نقاط اعرابی اور آیات اور اسماء سور

لکھنے کے بھی خلاف رہے مگر یہ محسوس کر کے کہ ان کے بغیر لوگ قرآن صحیح نہ پڑھ سکیں گے۔ اور ان سے قرآن غیر قرآن سے مشتبہ نہیں ہوتا اور دلالات قرأۃ میں اس لئے جائز رکھا گیا۔ اسی اختلاف کو صاحب اتقان بیان فرما کر فرماتے ہیں۔ واما النقط فیجوز لانہ لیس لہ صورۃ فیتوھم لاجلھا لیس بقرآن قرآنا۔ جب اعراب قرآنیہ میں یہ صورت ہے تو مسخ قرآن کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ خدا ہدایت نصیب فرمائے آمین۔

احمد یار خاں عفی عنہ

بوقت نکاح خاوند کی شرائط لکھنے اور پورا نہ کرنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۳

علمائے دین وہادیان شرع متین مسئلہ ذیل میں از روئے شرع شریف کیا فرماتے ہیں۔ زید کی شادی ہندہ سے بہ تحریر ایں شرائط ہوئی۔

(۱) مہر عند المطلب ۵۰۰ ادا کیا جائے گا۔ (۲) نان ونفقہ کا کفیل رہوں گا۔

(۳) زوجہ کی دلجوئی رکھوں گا۔ (۴) چکی وغیرہ پیسنے پر مجبور نہ کروں گا۔

(۵) بصورت انقلاب ناچاقی دس روپے ماہوار گذارے کے لئے دیا کروں گا۔

(۶) بوجوہات مجبوری زوجہ کو تفویض طلاق کا بھی اختیار رہے۔ مولوی سید احمد شاہ از لاہور

(۷) جو ظروف خانہ داری اور زیور طلائی ونقرئی میری جانب سے زوجہ کو دیئے گئے ہیں۔ وہ ملکیت زوجہ ہوں گے۔ قبل از نکاح وارثان زوج نے حلفی قول سے اطمینان دلایا کہ زوج پٹواری ملازم ہے اور انگریزی دسویں جماعت پاس ہے۔ بعد نکاح جو زیور نکاح میں چڑھائے گئے۔ وہ عاریتہً تھے۔ جو کہ دوسرے ہی دن اتار لئے گئے۔ اور ثابت ہوا کہ نہ تو زوج دسویں جماعت پاس ہے اور نہ پٹواری ہے۔ بلکہ جنگل میں مویشی چراتا ہے۔ ایسی صورت میں زوجہ کو یہ اختیارات کام میں لانے کا اختیار ہے یا نہیں۔ کیونکہ وارثانِ زوج کی غلط بیانی اور دھوکہ دہی پورے طور پر ثابت ہے۔

الجواب

صورت مذکورہ میں عورت کو طلاق لینے کا حق نہیں۔ جب تک کہ شوہر اپنی طرف سے طلاق نہ دے۔ تب تک وہ نکاح سے خارج نہیں ہوگی۔ اولاً تو اس لئے کہ سائل کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شرائط مذکورہ پہلے طے کر کے پھر ایجاب وقبول ہوا یعنی شرائط نکاح سے پہلے طے ہوئیں لہٰذا یہ نکاح بالشرط ہوا۔ اور نکاح بالشرط میں نکاح صحیح اور

شرائط فاسدہ فاسد رہتی ہیں۔ در مختار میں قبیل باب الولی میں ہے۔ ولکن لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد وانما یبطل الشرط دونہ ولکن لو کان النکاح معلقاً علی ھذہ الشرط لم ینعقد النکاح کما ھو مصرح فی ھذا المقام۔ نیز نکاح سے قبل زوج خود ہی طلاق دینے کا مالک نہ تھا۔ تو جس کا خود مالک نہ ہو اس کا دوسرے کو کس طرح مالک کر سکتا ہے۔ فان التملیک یتفرع علی الملک۔ ہاں اگر زوجہ کی طرف سے ایجاب بشرط تملیک طلاق ہو تو تفویض درست ہے۔ در مختار باب الامر بالید میں ہے۔ نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح۔ اس کے ماتحت رد المحتار میں ہے۔ مقید بما اذا ابتدأت المرأۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید فقال الزوج قبلت اما بدأ الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدھا۔

دوم اس لئے کہ تحریر یہ ہے کہ بوجوہات مجبوری زوجہ کو تفویض طلاق کا اختیار بھی ہے اس عبارت میں مجبوری کی بنا پر طلاق کی تفویض کا اختیار دیا گیا ہے اور مجبوریوں کی تفصیل بالکل نہیں کی گئی کہ کس قسم کی مجبوری۔ اور ظاہر ہے کہ شوہر کا انگریزی دسویں جماعت پاس نہ ہونا یا پٹواری نہ ہونا یا زیورات کا عاریۃً ہونا ایسی مجبوری نہیں جس سے طلاق حاصل کی جاوے۔ اور نکاح جیسی نعمت کو خیر باد کہا جاوے۔ زیور کے بغیر زندگی بے تکلف گذاری جا سکتی ہے۔

سوم لکھا گیا ہے کہ تفویض طلاق کا بھی اختیار ہے اس میں طلاق کا اختیار نہ دیا گیا بلکہ تفویض طلاق کا اور یہ الفاظ اختیار طلاق کے نہیں کہ اختیار کے لئے الفاظ خاص ہیں۔ در مختار باب تفویض للطلاق میں ہے۔ والفاظ التفویض ثلثۃ تخییر وامر بید ومشیۃ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ بوجوہ ثلثہ مذکورہ بالا عورت کو طلاق لینے کا حق نہیں۔ واللہ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

خیار بلوغ کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کے والدین بحالت شیر خوارگی فوت ہو گئے۔ اور پانچ سال کی عمر میں اس کی نانی نے اس کا نکاح کر دیا۔ بالغ ہوتے ہی لڑکی نے نکاح کو نامنظور کر دیا اور کہا کہ نہ میرا نکاح ہوا اور نہ مجھے منظور۔ نہ مجھے خبر۔ حکام وقت سے اجازت نکاح ثانی ہو گئی اور انہوں نے نکاح اول فسخ کر دیا اب شرعاً اس کا نکاح ثانی درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

از گجرات

الجواب

صورت مسئولہ میں چونکہ نابالغہ کا نکاح نانی نے کیا ہے۔ اس لئے لڑکی کو خیار بلوغ ملے گا۔ اور بالغہ ہوتے ہی فسخ کرسکے گی۔ ہدایہ میں ہے۔ وان زوجها غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ باب الاولیاء والاکفاء لیکن اس فسخ کے لئے قضائے قاضی ضروری ہے۔ کنز میں ہے۔ ولهما الفسخ بالبلوغ فی غیر الاب والجد بشرط القضاء۔ چونکہ اس زمانہ میں شرعی سلطانی قاضی نہیں۔ اس لئے کسی ایسے احکام کے لئے وہی قاضی ہیں۔ کچہری کے حکام کا حکم اس بارے میں نافذ نہیں۔ کہ ان میں سے اکثر غیر مسلم ہیں اور جو مسلم ہیں وہ قانون انگریزی کے پابند ہیں۔ شرعی احکام نافذ نہیں کرسکتے۔ لہٰذا اس صورت میں عالم مذکور کو ہی بعض امور میں قاضی مانا جائے گا۔ شامی کتاب الجہاد (فیما یصیر دار الاسلام دار حرب) میں ہے۔ واما فی بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد ویصیر القاضی بتراضی المسلمین۔ اسی شامی کتاب القضا میں ہے۔ واذا لم یکن سلطن والامن یجوز التقلد منه یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا ویکون هو الذی یقضی بینهم۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ صورت مذکورہ میں اگر لڑکی نے بالغ ہوتے ہی بلا تامل فسخ نکاح کر دیا تو کسی باثر عالم دین سے حکم فسخ لے کر اور حاکم وقت سے جاری کرا کر اور جگہ نکاح کرسکتی ہے واللہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

دوسرے قومے میں ہاتھ چھوڑ کر دعا مانگنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۵

بخدمت شریف جناب مولانا صاحب السلام علیکم۔ واضح رائے عالی ہو کہ جامع مسجد کالری دروازہ گجرات میں سید عنایت اللہ شاہ نے جدید طریقہ سے صبح کی نماز فرض شروع کر دی ہے یعنی دوسرے قومے میں ہاتھ چھوڑ کر دعا مانگنی بعدہٗ سجدہ کرنا۔ آپ اس کے جواب میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ مجھے تحریری بحوالہ کتب عنایت فرمادیں والسلام

الجواب

زمانہ موجودہ میں کسی نماز کے قومہ میں کوئی دعا خواہ قنوت نازلہ ہو یا کچھ اور پڑھنا منع ہے کہ اس سے تاخیر سجدہ لازم آتی ہے۔ سوائے وتر۔ اور کسی نماز میں دعائے قنوت جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ ولا یقنت

فی صلوٰۃ غیرھا۔ اسی میں ہے۔ ولھما انہ منسوخ۔ باب الوتر۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قنوت نازلہ پڑھنا ثابت ہے وہ منسوخ ہے۔ کہ صرف ایک ماہ حضور نے پڑھی پھر چھوڑ دی چنانچہ مسلم اور بخاری میں ہے۔ کان اذا اراد ان یدعوا علی احداً ویدعو لاحد قنت بعد الرکوع حتی انزل اللہ لیس لک من الامر شیٔ۔ نیز ابوداؤد ونسائی میں ہے۔ قلت شھراً ثم ترکہ۔ مشکوۃ باب القنوت۔ ان دونوں روائتوں سے معلوم ہوا کہ فجر کے فرضوں میں بعد رکوع دعا پڑھنا منسوخ ہے۔ اور قرآن کریم کی اس آیت سے منسوخ ہے۔ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ "خواندن ایں قنوت در نماز صبح نمود و در نماز صبح کہ قنوت خواندہ اند دریں قضیہ بود منقطع نہ کہ دائمی" اسی اشعۃ اللمعات میں ہے۔ "نیست قنوت نہ در نماز صبح و نہ غیر آں جز و تر" یعنی وتر کے سوا کسی نماز میں دعاء قنوت نہیں ہے۔ ابن ماجہ و ترمذی میں ہے۔ وعن ابی مالک الاشجعی قال قلت لابی انک قد صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان وعلی ھھنا بالکوفۃ نحوا من خمس سنین اکانوا یقنتون قال ای بنی محدث۔ یعنی ابو مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق و فاروق وعثمان غنی وحیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی۔ کیا یہ لوگ نماز صبح میں دعا قنوت پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بیٹے یہ بدعت ہے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ قومہ فجر میں کسی قسم کی دعا پڑھنا منع ہے۔ نیز اس میں فرض یعنی سجدے کی تاخیر ہے۔ یہاں تک کہ جماعت میں امام کہے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ تو مقتدی کہے ربنا لک الحمد۔ امام ربنا لک الحمد نہ کہے۔ جب امام کو ربنا لک الحمد کہنا بھی نہ چاہیئے۔ تو اتنی لمبی دعائیں پڑھ کر سجدے میں تاخیر کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ ھدایہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے۔ یقول المؤتم ربنا لک الحمد ولا یقولھا الامام ہاں حنیفہ کے یہاں یہ حکم ہے کہ جب اسلام یا عامۃ المسلمین پر کوئی آفت آئے تو قنوت نازلہ پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں جیسا کہ شامی وغیرہ میں موجود ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس زمانہ میں اسلام یا عامۃ المسلمین پر کون سی ایسی آفت آن پڑی ہے جو چھ ماہ یا ایک سال پیشتر نہ تھی۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ عمر وعثمان وعلی وحسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شہادت ہوئی۔ اتنا بڑا واقعہ کربلا ہوا۔ مگر کہیں ان حضرات نے ایسے موقعوں پر قنوت نازلہ نماز صبح میں نہیں پڑھی۔ اب واقعہ کربلا سے بڑھ کر کون سا واقعہ ہو رہا ہے۔ جس کے لئے یہ دعا پڑھی جا رہی ہے کسی کا جیل میں ہو آنا یا حکومت کا کسی کے خلاف ہو جانا واقعہ ہائلہ اسلام نہیں ہے۔ ہاں ہندوستان میں وہابی غیر مقلد یہ دعا پڑھتے ہیں۔ شاید دیوبندی جو کہ حقیقۃً غیر مقلد ہیں اور صرف مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے حنفی شکل ظاہر کرتے ہیں۔ وہ بھی پڑھتے ہوں غرضیکہ یہ قنوت نازلہ نماز

فجر وغیرہ میں پڑھنا منع ہے ۔ عامہ کتب فقہ میں اس کی ممانعت موجود ہے ۔ مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیئے اور آفت ناگہانی کے لئے قنوت چند روز پڑھی جائے نہ کہ ہمیشہ ۔ جیسے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ پڑھی ۔ اور جیسے کہ استسقاء کہ صرف تین دن پڑھی جاتی ہے نہ کہ بارش کے آنے تک ۔ پھر بھی بہتر یہی ہے کہ نماز سے خارج پڑھیں ۔ اگر ایسے نازک موقعہ پر نماز فجر میں پڑھیں تو اگرچہ بہتر نہیں مگر جائز ہوگی ۔

احمد یار خان عفی عنہ

حرمت اور غیر حرمت والی عورتوں کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۶

علمائے دین اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں کہ محرمات عورتوں کے پہچاننے کا کیا قاعدہ ہے ؟ اور ذی رحم محرم اور حرام عورت میں کچھ فرق ہے یا نہیں ؟ اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک عورت کبھی حرام اور کبھی حلال ہو ۔ یا حرام ہمیشہ حرام رہے گی اور حلال ہمیشہ حلال اور عورتوں کی تحریم میں کیا مصلحت ہے ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب

عورتوں کی حرمت دو طرح کی ہے ۔ اصلی اور عارضی ۔ اصلی یہ ہے کہ عورت اصل سے ہی حرام ہو ۔ اور عارضی وہ ہے کہ کسی وجہ نے عورت کو حرام کر دیا ۔ ورنہ بذاتہ وہ حلال تھی ۔ عارضی حرمت پھر دو طرح کی ہے لازم اور غیر لازم لازم وہ جو اب کبھی حلال نہیں ہو سکتی اور غیر لازم وہ کہ اگر یہ عارضہ اٹھ جائے ۔ تو عورت حلال ہو جائے ۔ عارضی غیر لازم کی کل چار صورتیں ہیں ۔

۱۔ عورت کا مشرکہ یا مجوسیہ ہونا کہ اگر آج مسلمان ہو جائے ۔ تو اس سے نکاح جائز ہے ۔

۲۔ اجنبیہ عورت کا منکوحہ غیر ہونا کہ اگر اس کا شوہر مر جائے یا طلاق دیدے تو حلال ہے ۔

۳۔ اس کی بہن پھوپھی یا خالہ یا بھانجی یا بھتیجی کا اپنے نکاح میں چار عورتوں کا ہونا اس کی موجودگی میں ان سے نکاح نا جائز ہے ۔ لیکن اگر اس کو طلاق دیدی یا مر گئی ۔ تو ان سے نکاح جائز ہے ۔

۴۔ کسی مرد کے نکاح میں چار عورتوں کا ہونا تمام عورتوں کے نکاح کو حرام کرتا ہے ۔ مگر اگر ان چاروں میں سے ایک بھی مر جائے تو فوراً ہی اور ایک کو طلاق دے دی ۔ تو عدت کے بعد دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے ۔ حرمت لازمہ کی چند صورتیں ہیں ۔

۱۔ دادا باپ کا اس عورت سے نکاح وطی یا مس بشہوت کرنا اولاد پر ہمیشہ کے لئے عورت کو حرام

کر دے گا۔

۲۔ کسی کی بیٹی سے نکاح یا وطی کر لینا۔

۳۔ کسی کی ماں سے نکاح کر لینا اور وطی کرنا کہ ان سے حرمت دائمی یعنی عارضی لازمی ثابت ہوگی۔

۴۔ اپنے بیٹے کا کسی عورت سے نکاح یا وطی کر لینا وغیرہ۔ حرمت اصلیہ اور لازمہ کی کل تین وجہیں ہیں۔ نسب۔ مصاہرت۔ رضاعت۔ نسب کی کل چار عورتیں محرم ہیں۔ اپنے اصول اپنے فروع۔ اصول قریبہ کے فروع۔ اصول بعیدہ کے فروع قریبہ باقی تمام حلال۔ مصاہرت سے کل دو صورتیں محرم ہیں۔ بیوی کے اصول اور اس کے فروع۔ اپنی رضاعی ماں کے اصول اور فروع اسی طرح رضاعی باپ کے تمام اصول و فروع مثل نسب کے حرام ہیں۔ یعنی چار جہتوں سے حرمت آئے گی۔ مگر رضاعت میں شرط ہے۔ کہ ڈھائی سال کی عمر میں منہ کے راستہ سے عورت کا دودھ بچہ کے پیٹ میں پہنچے خواہ عورت مردہ ہو یا زندہ اگر دودھ کا مکھن یا لسی یا بالائی پیٹ میں گئی۔ یا پاخانہ پیشاب کے مقام یا ناک کان سے پیٹ میں گیا۔ تو اس سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ نسب کی جہت سے جو عورتیں حرام ہیں ان کو رحم اور محرم کہتے ہیں۔ یعنی ان سے رحمی رشتہ بھی حاصل ہے اور محرمیت بھی۔ اس کے علاوہ اور جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہوں۔ وہ محرم تو ہیں۔ مگر ذی رحم نہیں۔ ذی رحم محرم سے پردہ واجب نہیں اور اس کے ساتھ سفر اور خلوت جائز اور محرم غیر ذی رحم سے پردہ تو واجب نہیں۔ مگر ان سے خلوت اور ان کے ساتھ سفر جائز نہیں۔

عورتوں کی تحریم میں چند مصلحتیں ہیں۔ اولاً تو محرمات سے نکاح عقلاً بے غیرتی ہے کہ کفار بھی اس کو روا نہیں رکھتے اور بعض جانور بھی ماں وغیرہ سے بچتے ہیں۔ دوم یہ کہ ماں مخدومہ ہے اور بہن مساوی حقوق والی۔ اگر ان سے نکاح ہو۔ تو بیوی خادمہ ہوتی ہے اور مخدومہ یا مساویہ کو خادم بنانا ناجائز ہے۔ اسی لئے شوہر سے غلاموں کی طرح خدمت لینا عورت کو جائز نہیں۔ نیز باپ اور ماں کو نوکر رکھ کر مثل نوکروں کے کام لینا منع ہے۔ نیز اب جو ایسے نکاح سے بچہ ہو۔ اس کا بھائی کہا جاوے یا بیٹا یا بھانجا۔ ماں اور بہن کے پیٹ ہونے کی حیثیت سے تو چاہیئے کہ اس کو بھائی یا بھانجا کہا جاوے اور نطفہ اپنا ہونے کی حیثیت سے اس کو بیٹا کہا جاوے۔ اگر منکوحہ ماں مر جائے تو اس کے مال سے شوہر کی میراث حاصل کرلے۔ یا بیٹے کی اور اگر خود مر جائے۔ تو ماں بیوی ہونے کی میراث لے یا ماں ہونے کی معاذ اللہ! غرضکہ بہت سی قباحتیں لازم ہیں۔ ذی رحم اور محرم کے کچھ خصوصیات اور بھی ہیں اپنی ملکیت میں آنے پر آزاد ہونا۔ عاجز اور فقیر کا نفقہ

اپنے پر واجب ہونا اور ایسے صغیرین غلاموں کی بیع میں تفریق منع ہونا۔ نیز ان سے ہبہ واپس نہ کر سکنا۔ دیکھو پوری بحث روح البیان تفسیر وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ میں۔

احمد یار خان عفی عنہ

تقلید شخصی کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تقلید شخصی کرنا کیسا ہے۔ غیر مقلد تقلید پر چند طرح اعتراض کرتے ہیں

۱۔ اولاً تو یہ کہ اگر تقلید ضروری ہوتی تو صحابہ کرام ضرور کرتے حالانکہ کوئی کسی کا مقلد نہیں؟

۲۔ دوم قرآن حدیث کافی راہبر ہیں۔ پھر تقلید کی کیا ضرورت؟

۳۔ سوم یہ کہ قرآن نے تقلید کرنے والوں کی مذمت کی قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ مصطفےٰ علیہ السلام سیدھی راہ ہے اور دیگر راہ ٹیڑھے۔ نیز کہتے ہیں ؎

دین حق را چار مذہب ساختند ؛ فتنہ در دینِ نبی انداختند

از گوجرہ

ان دلائل کے جوابات مع دلائل اور بہتر ہو کہ قرآن و حدیث سے ہی دیئے جاویں۔ بینوا توجروا

الجواب

اس قسم کے شبہات کے جوابات کے لئے چند امور ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔ پھر جواب آسان ہے۔ تقلید کسے کہتے ہیں۔ تقلید کتنی قسم کی ہے۔ کون سی تقلید ضروری ہے۔ کون سی ممنوع۔ تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں؟

۱۔ تقلید کی تعریف ہے کسی کے قول و فعل کی پیروی کرنا۔ یا کسی کے قول و فعل کو دلیل بنانا بغیر دلائل شرعیہ میں نظر کئے اور لغوی معنے ہیں گلے میں ہار ڈالنا۔ یہ بھی اطاعت پر دلالت کرتا ہے۔ شرح مختصر المنار میں ہے۔ التقليد اتباع الرجل غيره فيما سمعه يقول او في فعله على زعم انه محقق بلا نظر في الدليل۔ منقول از حاشیہ حسامی باب متابعۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۸۶۔ اس تعریف سے اطاعت خدا و رسول نکل گئی۔ کیونکہ ان کے کلام اور افعال خود دلیل شرعی ہیں۔ اور تقلید میں قید

ہے کہ نظر فی الدلیل نہ کرے ۔ اسی لئے ہم حضور علیہ السلام کے اُمتی ہیں ۔ مقلد نہیں ۔ مقلد تو ائمہ مجتہدین کے ہیں

مسئلہ۲ تقلید دو قسم کی ۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی ۔ تقلید شرعی تو امور شرعیہ میں کسی کی اتباع کرنا ہے ۔ غیر شرعی علاوہ امور شرعیہ کے دوسرے امور میں کسی کی پیروی کرنا جیسے مسائل طب میں بو علی سینا کی اتباع کریں ۔ تقلید شرعی کی پھر دو صورتیں ہیں ۔ مخالف اور غیر مخالف شریعت

مسئلہ۳ تقلید غیر شرعی جو مخالف شریعت نہ ہو جائز ہے جیسے کہ صناعات اور طب میں کسی خاص یا عام متقدمین کی پیروی اور جو مخالف شریعت ہو وہ حرام ہے قرآن کریم فرماتا ہے ۔ وَلَا تَتَّبِعٰنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ نیز فرماتا ہے ۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا نیز فرماتا ہے وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۔ اور اسی قسم کی دوسری آیات اسی تقلید کے بارے میں آئیں ۔ یہی مراد اس آیت سے ہے جو وہابیہ نے پیش کی ۔ کفار مقابل انبیاء اپنے آباء و اجداد کی تقلید مقدم رکھتے تھے ۔ وہ یقیناً جرم اور کفر تھا ۔ چنانچہ پوری آیت یہ ہے ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ نیز فرمایا گیا ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا رہی تقلید شرعی اس کا قرآن کریم میں جگہ جگہ حکم ہے فرماتا ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۔ اتباع صحابہ ضروری ہوئی ۔ نیز فرماتا ہے ۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔ یہاں اولی الامر سے مراد مجتہدین ہیں ۔ نہ فقط سلاطین ۔ کیونکہ اس کا عطف الرسول پر ہے اور معطوف ۔ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے ۔ نبی کی تابعداری قول و فعل ہر طرح واجب ہے مگر سلطان کی اطاعت ہر طرح واجب نہیں ۔ لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق تو لا محالہ تقلید شرعی مراد ہے ۔ نیز دارمی باب الاقتدا بالعلماء میں ہے ۔ اخبرنا يعلى قال ثنا عبد الملك عن عطاء اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم قالوا اولو العلم والفقه ۔ نیز قرآن کریم فرماتا ہے ۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ خازن میں ہے فاسئلوا المؤمنين العالمين من اهل القرآن ۔ درمنثور میں اسی آیت کے تحت ہے ۔ اخرج ابن مردويه عن انس انی سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الرجل يصلی و يصوم و يحج و يغزو وانه لمنافق قيل يا رسول الله بما ذا دخل عليه النفاق قال لطعنه على امامه وامامه من قال الله فی كتابه فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ جماعت مجتہدین کا ذکر کیجئے ۔ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ

يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۔ نیز فرماتا ہے۔ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ مسلم جلد اول صفحہ ۵۴ ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ قلنا لمن قال للہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم ۔ امام نووی فرماتے ہیں۔ ان من نصیحتھم قبول ما رووہ وتقلیدھم فی الاحکام۔

۷ دلائل شرعیہ مجتہدین کے لئے چار ہیں۔ قرآن کریم ۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجماع امّت ۔ قیاس مجتہد ان سب کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے۔ قرآن وحدیث واجماع امت تو مستقل دلیل ہیں اور قیاس ان سے مستنبط اور ان کے احکام کا مظہر ہے۔ قرآنی فرقہ کا صرف قرآن کو دلیل ماننا اس آیت سے ہے۔ کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اور فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۔ مگر یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ نیز فرماتا ہے۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ نیز فرماتا ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ جن سے معلوم ہوا کہ اطاعت پیغمبر بھی ضروری اور لازم ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ میں حکم حقیقی مراد ہے جیسے کہ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ میں ملک حقیقی مراد ہے۔ کہ دوسرے بھی مالک مجازی ہیں۔ اسی طرح فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ میں احادیث کفار جو مقابل قرآن ہیں مراد ہیں نہ کہ حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اسی طرح وہابی غیر مقلد صرف قرآن وحدیث کو دلیل شرعی مانتے ہیں۔ اجماع اور قیاس سے منکر ہیں۔ یہ بھی باطل ہے۔ اجماع کے متعلق قرآن فرماتا ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ۝ نیز حدیث پاک میں آتا ہے۔ اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار ۔ نیز حدیث میں ہے ما راٰہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن ۔ مشکوٰۃ ۔ نیز خلافت صدیقی وفاروقی اجماع اُمّت سے ثابت ہوئی اب جو ان کی خلافت کا منکر ہے کافر ہے۔ حالانکہ ان خلافتوں پر کوئی صریح آیت یا حدیث متواتر نہیں آئی ۔ نیز سرکار فرماتے ہیں کہ جماعت مسلمین کو پکڑے رہو ۔ بھیڑیا گلے سے علیحدہ بکری کو کھاتا ہے ۔ وہابی قیاس کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ قیاس ظنی چیز ہے اور ظن کو قرآن میں گناہ کہا گیا ہے۔ کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۔ نیز قرآن وحدیث میں کیا چیز نہیں جو قیاس کی ضرورت پڑی ؟

ہوتے ہوئے مصطفےٰ کی گفتار ٭ مت مان کسی کا قول و کردار

یہ بھی باطل محض ہے۔ قیاس کا حکم قرآن میں دیا گیا۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام نے قیاس فرمائے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔ کفار کے احوال سن کر اپنے کو قیاس کرنا کہ اگر ہم بھی ان کی طرح ہوئے تو ہمارے بھی یہی حال ہوں گے۔ قیاس ہے بخاری میں ایک باب ہے باب من شبه اصلا معلوما باصل مبین قد بین الله حکمها لیفهم السائل۔ اسی میں نقل کیا۔ ان امرأة جاءت الی النبی صلی الله علیه وسلم فقالت ان امی نذرت ان تحج فماتت أفأحج عنها قال نعم حجی عنها ارایت لو کان علی امك دین اکنت تقضیه قالت نعم قال اقضوا الذی له فان الله احق بالقضاء۔ ابو داؤد جلد دوم صفحہ ۱۴۹ اور ترمذی و دارمی میں ہے کہ جب حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھیجا۔ تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے معاذ نے آخر میں فرمایا۔ قال اجتهد برائی فلا الو قال فضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم علی صدره وقال الحمد لله الذی وافق رسول رسوله مما یرضی به رسول الله۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیاس فرما کر اس عورت کو مہر مثل دلوایا جو بغیر مہر نکاح میں آئی تھی اور شوہر مرگیا تھا۔ دیکھو نسائی جلد دوم صفحہ ۸۸۔

۲۔ جس ظن کی قرآن کریم میں برائی آئی ہے۔ وہ بمعنی بدگمانی کرنا ہے مسلمان پر۔ اس لئے آگے ذکر ہے۔ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا۔ نیز قرآن نے بعض ظن کو برا نہ کہا۔ بلکہ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ فرمایا۔ بے شک وہ ظن برا ہے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو۔

۳۔ قرآن وحدیث میں ہر چیز ہے۔ مگر اس سے نکالنے کے لئے قیاس کی ضرورت ہے۔ سمندر میں موتی ہے کتب طب میں طبی نسخے ہیں۔ مگر نکالنے کے لئے غوطہ خور اور طبیب کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح قیاس کی ضرورت ہے یہی تو چکڑالوی کہتا ہے۔ کہ قرآن میں سب ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔ جیسے قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے۔ ویسے ہی حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کی ضرورت ہے۔ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت۔ اگر قیاس و اجماع معتبر نہ ہوں تو عورت سے اغلام کرنا کی حرمت مزنیہ کی ماں کی حرمت کہاں سے ثابت ہوگی۔ ہزاروں مسائل قیاسیہ ہیں۔ جیسے کہ ریل میں نماز وغیرہ سب کا راستہ بند ہو جائے گا۔ جب یہ چاروں باتیں حل ہوگئیں تو جواب بالکل واضح ہے۔

۱۔ صحابہ کرام کو تقلید کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ توفیقِ صحبتِ مصطفےٰ علیہ السلام کی وجہ سے مخلوق کے امام اور متبوع اور مقتدا ہیں۔ تقلید کی ضرورت ہم جیسے ناقص علم والوں کو ہے نہ کہ مجتہدین کو۔ حدیث میں ہے۔ اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم نیز فرمایا گیا کہ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء

الراشدین۔ یہ تو ایسا ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ ہم تو کسی کے اُمتی نہیں کیونکہ ہمارے نبی کسی کے اُمتی نہیں۔ تو کہا جائے گا کہ بے وقوف غیر نبی اُمتی ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام تو نبی الانبیاء ہیں۔ اسی طرح غیر مجتہد مقلد ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تو مجتہد اور امام ہیں۔

۲۔ قرآن و حدیث بے شک کافی ہیں۔ مگر جب ان سے استنباط مسائل کی طاقت ہو۔ قرآن حفظ کے لئے آسان ہے نہ کہ اجتہاد کے لئے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ میں حفظ ہی مراد ہے

۳۔ کا جواب معلوم ہوگیا۔

۴۔ چوتھا سوال یہ دھوکہ ہے۔ یہ چار راستے حضور علیہ السلام کے راستہ سے علیحدہ نہیں۔ بلکہ ایک جھیل سے نکلے ہوئے چار دریا ہیں ؎

چار رسل فرشتہ چار چار کتب ہیں دین چار ⁂ سلسلے دونو چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب خاک و باد سب کا انہی سے ہے ثبات ⁂ چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

ورنہ پھر تو غیر مقلد بھی ایک پانچواں سوار علیحدہ فرقہ ہے ان کی جماعتیں ثنائی اور غزنوی سب بیدین ہوئیں ؎

مسجد دو خشت علیحدہ ساختند ⁂ فتنہ در دیں نبی انداختند

لطیفہ

وہابیہ زمانہ ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ مقلد کہتے ہیں کہ چاروں مذہب حق ہیں۔ اولاً تو یہ ممکن نہیں امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک امام کے پیچھے قرأۃ مکروہ تحریمی ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک واجب یہ کیسے ممکن ہے کہ قرأۃ خلف الامام واجب بھی ہو مکروہ تحریمی بھی۔ ثانیاً یہ مان بھی لیا جائے۔ تو پھر امام کی پیروی چاہیئے۔ یعنی کسی مسئلہ میں حنفی کی اور کسی میں شافعی مالکی وغیرہ کی۔ یہ بھی محض دھوکہ ہے۔ چاروں مذہب کے حق ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں۔ کہ سب مطابق واقعہ ہیں۔ یہ تو غیر ممکن ہے۔ بلکہ حق کے یہ معنی ہیں کہ کسی کی گرفت عنداللہ نہیں۔ مجتہد اگر غلطی کرے تب بھی ثواب پاتا ہے۔ ان چاروں میں سے جو کوئی مطابق واقعہ نہ ہو عنداللہ مغفور ہے۔ حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قتال واقعہ ہوا۔ اسی طرح صدیقۃ الکبریٰ اور مولیٰ علی رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جنگ ہوئی۔ کیا معاذ اللہ ان میں سے کسی کو باطل پر یا فسق پر مانا جا سکتا ہے۔ الصحابۃ کلھم عدول بلکہ دونوں فریقوں کو حق پر مانا جائے گا۔ اس معنی سے کہ کوئی بھی معذب نہیں۔ کیونکہ خطا اجتہادی ہے اسی طرح صحابہ کرام کے اختلاف جس کے بارے میں کہا گیا بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ نیز جنگل میں قبلہ کی خبر نہ ہوئی۔ تحری کر کے چار رکعت چار سمتوں میں پڑھی۔ چاروں رکعتیں ہوگئیں۔ اگرچہ قبلہ ایک ہی طرف ہے مگر خطا اجتہادی معاف ہے۔ رہا

یہ قول کہ ایک کی تقلید کیوں کرتے ہیں۔ اس کی چند وجہ ہیں۔ اولاً یہ کہ مسلم نولکشوری جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ میں روایت ہے کہ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں۔ من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم اویفرق جماعتکم فاقتلوہ اس میں مراد محض دنیاوی احکام نہیں۔ بلکہ دینی احکام بھی ہیں اور یہ مجتہدین بھی ہیں۔ کیونکہ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ خود مسلم نے کتاب الامارات میں۔ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی معصیۃ منعقد کیا۔ بہرحال اس حدیث سے ثابت ہے کہ ایک امام کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ افضل واعلم کے ہوتے مفضول کی تقلید جائز نہیں حدیث میں ہے۔ من تولی امر المسلمین شیئاً فاستعمل علیھم رجلا ویعلم ان منھم من ھو اولی بذالک واعلم منہ بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ فقد خان اللہ ورسولہ وجماعۃ المسلمین فتح القدیر وغیرہ مسلم جلد اول صفحہ ۵۴ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ قلنا لمن قال للہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم۔ اس جگہ نووی میں ہے۔ ان من نصیحتھم قبول مارووہ وتقلیدھم فی الاحکام۔ بخاری میں ہے۔ اذا اسند الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ سیدنا ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا۔ لاتسئلونی مادام ھذا الحبر فیکم۔ ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۸ جس کی ہم اب تقلید کر رہے ہیں اس کو افضل سمجھ کر کر رہے ہیں تو دوسرے کا مسئلہ لیا وہ کیوں؟

تقلید کا حکم تحری کا سا ہے کہ ایک تحری کسی دلیل پر مبنی ہو۔ تو جب تک تحری یا دلیل نہ بدلے اس کو چھوڑنا جائز نہیں۔ اگر کوئی جنگل میں ہو جہاں قبلہ مشتبہ ہو اسی نیت سے نماز پڑھے کہ چار رکعتیں چار طرف پڑھوں گا۔ نماز نہ ہوگی۔ نیز ایسا شخص متبع ہوا ہے کہ جس میں اپنی آسانی دیکھتا ہے اسی کی پیروی کرتا ہے۔ نیز اس میں تلفیق لازم آتی ہے۔ جس کی تفصیل شامی میں ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

نبی کریم کے چار یار کے مراتب کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرا عقیدہ ہے کہ بعد نبی کے حضرت علی امیر المومنین کی شان سب خلقت سے زیادہ ہے اور خصوصاً اصحاب ثلاثہ سے۔ میں بارہ اماموں کو امام معصومین مانتا ہوں۔ ان تمام کی شان بھی اصحاب ثلاثہ سے زیادہ سمجھتا ہوں اور ان کی عزت کرتا ہوں۔ مگر ان کو امام حق نہیں جانتا۔ اور نہ ہی بارہ امام

معصومین کے برابر۔ کیا میں اہل سنت والجماعت ہو سکتا ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جس کا یہ عقیدہ ہو وہ مرتد کافر اور اسلام سے خارج ہے پکا تبرائی رافضی ہے اور یہ جو کہتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی شان بھی بہت زیادہ سمجھتا ہوں محض اس کا تقیہ ہے۔ جب ان اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو حق نہیں سمجھتا۔ تو ان کو معاذ اللہ خائن اور غاصب مانتا ہے۔ کیا خائن اور غاصب آدمی شان دار ہو سکتا ہے۔ ہر گز نہیں۔ یہ کلمات صرف اہل اسلام کو پھسلانے کے لئے کہہ رہا ہے۔ حضرت صدیق و فاروق کی خلافت کو تسلیم نہ کرنے والا کافر مطلق ہے کیونکہ ان کی خلافت اجماعی قطعی ہے۔ حضرات اہل بیت عظام و تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو تسلیم کیا۔ اگر ان خلافتوں میں ذرہ برابر باطل کا شائبہ بھی ہوتا تو ذوالفقار حیدری اس طرح میان سے نکل آتی جس طرح کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نکلی اور دستِ حسین ان کی بیعت سے علیحدہ رہتے۔ جس طرح کہ یزید پلید کی بیعت سے۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تقیہ کا الزام لگانا اس ذات کریم کے ساتھ انتہا درجہ کی دشمنی کا ثبوت ہے۔ کیونکہ تقیہ مذکورہ یا تو بزدل کرے گا یا محض منافق۔ میدانِ کربلا میں باوجود اس قدر دشواریوں کے حضرت امام مظلوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقیہ نہ فرمانا اس عقیدہ کی جڑ کاٹتا ہے۔ نیز سوائے انبیائے کرام اور ملائکہ کے کسی کو معصوم ماننا بھی گمراہی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ اس سے ثابت ہے کہ حضرات اہل بیت معصوم نہیں۔ مغفور ہیں۔ معصوم تو وہ جس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہو سکے۔ اگر ان میں کوئی خطا تھی ہی نہیں تو رجس کو دور کرنے کے کیا معنی۔ دور وہ چیز کی جاتی ہے جو موجود ہو اور اگر یہ آیت عصمت ثابت کرتی ہے تو ازواج مطہرات بھی معصوم ہو جائیں۔ کہ وہ اہل بیت سکونت ہیں اور اس آیت میں نیز اصحاب بدر کے بارے میں فرمایا گیا۔ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْسَ الشَّيْطَانِ۔ یہاں بھی پلیدی دفع کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ لہٰذا ان کو معصوم ماننا لازم آئے گا۔ غرضیکہ یہ عقیدہ بھی باطل محض ہے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل ماننا گمراہی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت صدیق کو اپنا جانشین یعنی امام نماز مقرر فرمایا کہ جس جگہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہوں۔ وہاں کسی کو امامت کا حق نہیں۔ ظاہر ہے کہ امام افضل کو بنایا جاتا ہے جس سے افضلیت صدیق بخوبی واضح ہوئی۔ واللہ و رسولہ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

مصیبت میں غیر اللہ کو پکارنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مخالفین کہتے ہیں کہ غائبانہ حالات میں یا مصیبت اور تکلیف کے وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو امداد کے لئے پکارنا شرک ہے اور تم لوگ اپنے پیر کو پکارتے ہو۔ لہٰذا مشرک ہو۔ آیات یہ پیش کرتا ہے۔ وادعوہ مخلصین لہ الدین ۝ ولا تدع من دون اللہ۔ اغیر اللہ تدعون۔ آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔

الجواب

مصیبت و تکلیف کے وقت اولیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور ان سے مدد چاہنا شرعاً جائز ہے۔ ان کی مدد درحقیقت خدائے قدوس کی ہی مدد ہے۔ کیونکہ یہ حضرات عون الٰہی کے مظہر ہیں۔ آیات مذکورہ میں مخالفین نے دھوکا دیا۔ ان آیات میں لا تدعوا بمعنی لا تعبدوا ہے۔ اسی پر مفسرین کا اتفاق ہے یعنی خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور کوئی مسلمان کسی غیر خدا کی عبادت نہیں کرتا۔ اگر کسی کو پکارنا شرک ہے تو نماز میں التحیات میں السلام علیک ایھا النبی کیوں پڑھا جاتا ہے۔ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو نماز حاجت کے بعد اس دعا کی تعلیم فرمائی۔ یا رسول اللہ انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی (ابن ماجہ) تمام صحابہ کرام حضور علیہ السلام کو پکارا کرتے تھے۔ نیز مولانا جامی فرماتے ہیں۔ ترحم یا رسول اللہ ترحم۔ امام البوصیری فرماتے ہیں ؎

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ ۔۔۔ سواك عند حلول الحادث العمم

خود مخالفین کے سردار مولوی قاسم صاحب نے لکھا ہے۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا ۔۔۔ نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

نیز اگر غیر خدا کو پکارنا شرک ہے۔ تو ماں باپ بھائی اولاد نوکر چاکر زندہ مردہ سب ہی کو پکارنا شرک ہوگا کیونکہ یہ سب ہی غیر خدا ہیں۔ خدائے پاک فرماتا ہے یاایھا الذین امنوا۔ یاایھا الناس۔ یاایھا النبی۔ یاعیسیٰ۔ یاموسیٰ۔ وغیرہ تو خدا پر کیا حکم لگے گا۔ پھر ہر آدمی اپنے نوکر چاکر ماں باپ کو پکارتا ہی ہے۔ رہا غیر خدا سے مدد مانگنا تو خود خدا فرماتا ہے۔ اعینونی بقوۃ فرماتا ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم فرماتا ہے وتعاونوا علی البر والتقوی۔ فرماتا ہے۔ یاایھا الذین امنوا

اَسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ۔ ان تمام میں غیر خدا سے ہی مدد طلب کی گئی ہے ۔ یا اس کا حکم دیا گیا ہے ۔ نیز فرماتا ہے ۔ اَغْنَاھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَا اٰتَاھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فرماتا ہے ۔ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ ۔ فرماتا ہے ۔ مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں ۔ اللہ معطی وانا قاسم ۔ حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے عرض کی اسئلک مرافقتک فی الجنۃ دیکھو مشکوٰۃ باب السجود ۔ نیز فرماتے ہیں ۔ واوتیت مفاتیح خزائن الارض ۔ غرضیکہ آیات واحادیث میں اختیارات مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ثبوت ہے صاحب اختیار سے مانگنا برا نہیں لہٰذا مسلمانوں کو اس بنا پر مشرک کہنا سخت بے دینی ہے ۔ اس کے لئے فقیر کی کتاب جاء الحق کا بغور مطالعہ کرو ۔ واللہ ورسولہٗ اعلم ۔

احمد یار خان عفی عنہ

مرزائی اور مسلمان جج کے فسخ کئے ہوئے نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ٦٠

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی عبدالرحیم کا نکاح مسماۃ رابعہ بی بی سے ہوا مسماۃ مذکور گیارہ سال تک اس شوہر کے نکاح میں رہی ۔ ایک لڑکی بھی اس سے پیدا ہوئی پھر کچھ ناچاقی ہو گئی اور مسماۃ کے والد مستری فضل الٰہی نے درخواست فسخ نکاح کچہری میں دے کر نکاح فسخ کرا لیا ۔ حافظ محمد عالم و عنایت شاہ صاحبان نے فتویٰ دے دیا کہ اگر حاکم جج مسلمان تھا تو نکاح اول فسخ ہو گیا ۔ لوگوں نے قسم کھا کر کہا کہ جج مسلمان تھا ۔ لہٰذا بعد عدت رابعہ کا دوسرا نکاح کر دیا گیا ۔ جس نکاح کو دس ماہ ہو چکے اب بعد میں معلوم ہوا کہ جج مرزائی تھا ۔ اب وہ علماء بھی کہتے ہیں کہ چونکہ جج مسلمان نہیں تھا ۔ اس لئے نکاح اول فسخ نہیں ہوا تھا ۔ اور یہ نکاح ثانی درست نہیں ہوا ۔ لہٰذا گذارش ہے کہ از روئے شریعت فرمایا جاوے کہ ان نکاح کنندگان اور جھوٹی قسم کھانے والوں کا کیا حکم ہے ۔

الجواب

صورت مذکورہ میں مسماۃ رابعہ بی بی کا نکاح ثانی باطل ہے اور اس کا نکاح پہلا بدستور قائم ہے ۔ تاوقتیکہ پہلا شوہر طلاق نہ دے اس کا دوسرا نکاح درست نہیں ہو سکتا ۔ اور اس دوسرے شوہر کے پاس رابعہ کا رہنا سہنا سب ناجائز ہے ۔ نیز حافظ محمد عالم اور مولوی عنایت شاہ صاحبان کا یہ فتویٰ محض غلط ہے ۔ ان ہر دو صاحبان کو لازم ہے کہ بغیر علم تام فتویٰ نہ دیا کریں اس لئے کہ جن بعض خاص صورتوں میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے اس میں قاضی اسلام کا فیصلہ ضروری ہے ۔ خصوصاً جبکہ دوسرے

مذہب شافعی وغیرہ پر عمل کیا ہو۔ وہاں تو اس کی اشد ضرورت ہے اور موجودہ زمانہ کے حکومت انگلشیہ کے جج خواہ مسلمان ہوں یا کافر۔ مرزائی وغیرہ مرتد ہوں یا کوئی اور قاضی اسلام نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ان کو ان اسلامی فیصلوں کا شرعاً حق حاصل ہے۔ جن میں تقضائے قاضی ضروری ہے۔ ان ہر دو مفتیان نے یہ سمجھا ہے کہ جو بھی حاکم جج مسلمان ہو وہ قاضی ہے۔ یہ درست نہیں شریعت میں قاضی وہ کہلاتا ہے کہ جو مسلمانوں میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ عالمگیری کتاب آداب القاضی میں ہے۔ و ادب القاضی التزامه لما ندب اليه الشرع من بسط العدل ودفع الظلم وترك الميل والمحافظة على حدود الشرع والجرى على سنن السنة۔ اسی عالمگیری باب الجمعة میں ہے۔ والمصر فى ظاهر الرواية الموضع الذى فيه مفت وقاض يقيم الحدود وينفذ الاحكام۔ درمختار باب الجمعة میں ہے۔ انه كل موضع له امير وقاض يقدر على اقامة الحدود۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ افرد الضمير لعوده الى القاضى لان ذالك وظيفة۔ درمختار کتاب آداب القاضی میں ہے۔ ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافراً الا اذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم ولو فقدوا والٍ بغلبة الكفار وجب على المسلمين تعيين والٍ وامام للجمعة اس کے تحت میں ہے۔ لكن اذا ولى الكافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلاشبهة ان عبارات سے معلوم ہوا کہ قاضی وہ مسلمان شخص ہے جس کو حدود شرعیہ جاری کرنے اور احکام شریعت نافذ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ مقرر کرنے والا خواہ سلطان اسلامی ہو یا کافر۔ بادشاہ یا عامة المسلمین۔ البتہ عامة المسلمین کا مقرر کیا ہوا قاضی شرعی سزائیں رجم و قطع ید وغیرہ نہیں جاری کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کو حکومت حاصل نہیں۔ صرف اقامت عیدین و جمعہ وغیرہ۔ وہ احکام جاری کر سکتا ہے۔ جن میں حکومت کی ضرورت نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ جج وغیرہ حکام خواہ مسلمان ہوں یا کفار آیا اسلامی قانون جاری کرنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ یا انگریزی حکومت کے قوانین۔ بالکل ظاہر ہے کہ ان کا تقرر انگریزی حکومت کے قوانین جاری کرنے کے لئے ہے۔ جو بھی حاکم آئے گا ان ہی قوانین کے مطابق فیصلہ کرے گا جو تعزیرات ہند وغیرہ میں نمبردار لکھے ہیں۔ نہ وہ قوانین جو ہدایہ و شامی وغیرہ میں ہیں۔ اسی لئے ان کو تعزیرات ہند کا ازبر یاد ہونا ازبس ضروری ہے اور اس کی سند ان کو لازم ہے۔ شامی و عالمگیری و ہدایہ وغیرہ سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ اور نہ اس پر ان کی ملازمت موقوف۔ اور اگر کسی قانون اسلامی کو حکومت انگلشیہ نے منظور کر کے اپنا قانون بنایا ہے۔ تو اب جج صاحب اس لئے اس قانون کو جاری کریں گے۔ کہ یہ تعزیرات ہند کا جزو بن چکا۔ نہ اس لئے کہ یہ اسلامی قانون ہے۔ ورنہ دوسرے اسلامی قوانین رجم وغیرہ کیوں نہیں جاری کرتے۔ بہر حال یہ حکام قاضی اسلام نہیں۔ اور ان کو ان قوانین کے جاری کرنے کا کوئی حق

نہیں - ان کا اجرا قاضی اسلام پر موقوف ہے - جیسے کہ فسخ نکاح وغیرہ لہذا یہ نکاح ثانی بالکل باطل ہے اور اس کا گناہ جس طرح دولہا پر ہے ویسے ہی اولیا پر ہے - اسی طرح ان ہر دو مولوی صاحبان پر بھی ہے - واللہ اعلم

احمد یار خان غفرلہ

آٹھ رکعت اور بیس رکعت تراویح کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ بخاری شریف اور مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ تراویح پڑھتے تھے - چنانچہ بخاری میں ہے کہ کسی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ - کیف کان صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان تو آپ نے جواب دیا - ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ - تو سوال یہ ہے کہ تراویح کتنی رکعت پڑھی جائے - بینوا توجروا -

الجواب

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے - بعونہٖ تعالیٰ اولاً اس کے دلائل بیان کروں گا - پھر مخالفین کے جوابات بیس رکعت تراویح پڑھنے کے چار دلائل ہیں ایک روایات اور تین عقلی اشارات - اولاً عقلی دلائل مختصر عرض کروں پھر روایات بیان کرتا ہوں - رب تعالیٰ قبول فرمائے -

۱- تراویح جمع ہے ترویحہ کی اور ترویحہ کے معنی ہیں راحت دینا تو تراویح میں چار رکعت پر جو کسی قدر بیٹھتے ہیں آرام کے لئے اس کو ترویحہ کہتے ہیں - اور چونکہ اس نماز میں استراحت کئی بار ہوتی ہے - اس لئے نماز کا نام تراویح یعنی راحتوں کا مجموعہ ہوا تو اگر تراویح فقط آٹھ رکعت ہوتیں تو ان کے درمیان صرف ایک ترویحہ ہوتا - اس کا نام تراویح نہ ہونا چاہیئے تھا کیونکہ تراویح جمع ہے اور جمع کم سے کم تین پر بولی جاتی ہے - ماننا پڑے گا کہ تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ ہے - گویا تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی تردید کرتا ہے -

۲- قرآن پاک میں جو رکوع بنے ہیں اس کا مطلب کیا ہے - رکوع تو جھکنے کو کہتے ہیں پھر قرآن کے حصوں کو رکوع کیوں کہا گیا - یہ وجہ ہے کہ عہد عثمانی میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے - اتنے حصے کا نام رکوع رکھ دیا گیا - یعنی اس قدر پڑھ کر رکوع ہوا - اور آپ روزانہ بیس رکعت تراویح میں بیس رکوع پڑھتے اور ستائیسویں رمضان کو قرآن ختم کر دیتے کل رکوع ۵۴۰ ہوئے اب بھی قرآن میں رکوع ۵۵۸ ہیں - یعنی بعض رکعات میں چھوٹی سورتیں چار پڑھیں اس سے دو دو رکوع فی رکعت ہو گئے - اگر تراویح آٹھ رکعت

ہوتیں ۔ تو قرآن کے رکوع ۲۱۶ ہونے چاہیئے تھے ۔ قرآن کے رکوع کی تعداد نے بتادیا کہ تراویح آٹھ رکعت نہیں

۳ مسلمان روزانہ بیس رکعت فرض و واجب ادا کرتا ہے یعنی ۱۷ فرائض اور تین وتر واجب اور رمضان میں رب تعالیٰ نے ان بیس رکعت کی تکمیل کے لئے اور بیس رکعت تراویح مقرر فرمادیں آٹھ رکعات بیس رکعات کی تکمیل کیونکر کر سکتی ہیں ۔ ہر رکعت کی ایک رکعت تراویح تکمیل کرے گی ۔ یہ تین دلائل عقلی ہیں ۔ دلیل نقلی ملاحظہ ہو

۴ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اور صحابہ کرام کا اسی بیس رکعت پر اجماع رہا ۔ مؤطا امام مالک میں ہے ۔ عن السائب ابن یزید انہ قال کنا نقوم فی عہد عمر بعشرین رکعۃ والوتر رواہ البیہقی فی المعرفۃ باسناد صحیح ۔ ابن منیع میں ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے ۔ فصلی بہم عشرین رکعۃ ۔ بیہقی میں ہے ۔ عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ ۔ ابن ابی شیبہ نے اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے اور عبداللہ ابن حمید نے اور بغوی نے روایت فرمایا ۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر بیہقی نے روایت فرمایا ۔ وعن شیرمۃ بن مشکل وکان من اصحاب علی انہ کان یؤمہم فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعات ۔ اسی بیہقی نے روایت فرمایا ۔ وعن ابی عبد الرحمٰن السلمی ان علیاً دعا القراء فی رمضان فامر رجلا یصلی الناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتر بہم ۔ اسی بیہقی باسناد صحیح نقل فرمایا ۔ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ ۔ ماخوذ از صحیح البخاری باب کم یقرء فی التراویح ۔ یہ تو صحابہ کرام کی روایات تھیں اب علمائے امت کے اقوال ملاحظہ ہوں ۔

ترمذی شریف مطبع مجتبائی صفحہ ۹۹ ابواب الصوم باب ما جآء فی قیام شہر رمضان میں ہے ۔ واکثر اہل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری وابن مبارک و الشافعی وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ

فتح الملہم شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے ۔ روی محمد بن نصر من طریق عطاء قال ادرکتہم یصلون عشرین رکعۃ وثلث رکعات الوتر وفی الباب آثار کثیرۃ اخرجہا ابن ابی شیبۃ وقال ابن قدامۃ وھذا کالاجماع ۔ عمدۃ القاری شرح بخاری ۔

جلد پنجم صفحہ ۳۵۷ میں ہے۔ وروی الحارث ابن عبد الرحمٰن بن ابی ذیاب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عھد ابن عمر بثلث وعشرین رکعۃ قال ابن عبد اللہ ھذا المحمول علی ان الثلث للوتر۔ اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے۔ کان عبد اللہ ابن مسعود یصلی لنا فی شھر رمضان فینصرف وعلیہ لیل وقال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ۔ اسی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۷ میں ہے۔ قال ابن عبد البر وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقھاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ۔ ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا فصار اجماعاً لما روی البیھقی باسناد صحیح انھم کانوا یقیمون علی عھد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمان وعلی۔ مولوی عبد الحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ ۱۸۲ میں علامہ ابن حجر مکی ہیتمی کا قول نقل فرمایا۔ اجمع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۷ میں ہے۔ واما القائلون بہ من التابعین فشیر بن شکل وابن ابی ملیکۃ والحارث الھمدانی وعطاء ابن ابی رباح وابو البختری و سعید ابن ابی الحسن البصری اخو الحسن وعبد الرحمٰن ابن ابی بکر وعمران العبدی۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین وفقہاء و محدثین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے کسی نے آٹھ تراویح پڑھی نہ اس کا حکم دیا۔

دوسرا باب

مخالفین کے پاس حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان اور مؤطا امام مالک اور قیام اللیل مصنفہ امام مروزی سے ثابت ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ جس سے ثابت ہے کہ آٹھ رکعت تراویح ہے اور باقی وتر۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں۔ اول تو یہ کہ حدیث مضطرب ہے اس لئے کہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں۔ موطا میں ان سے گیارہ کی روایت ہے۔ محمد ابن مروزی نے انہی محمد بن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی۔ اور محدث عبد الرزاق نے انہی محمد بن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعات نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر۔ ایک ہی راوی کے

بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے۔ اس کو اضطراب کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام روایات ناقابل قبول ہیں۔ اس سے استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تراویح تو آٹھ رکعت ہوں اور وتر تین رکعت کیجئے، آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں۔ آپ کے قول پر تو ۹ رکعتیں ہونی چاہئیں۔ کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول اور نصف غیر مقبول۔ تیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اولاً آٹھ رکعت پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ پھر بارہ کا۔ پھر آخر میں بیس پر قرار ہوا۔ اس لئے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں اسی سائل کی پیش کردہ حدیث کے بعد ہے۔ وکان القاری یقرء سورۃ البقر فی ثمان رکعات واذاقام بھافی ثنتی عشرۃ رای الناس انہ قد خفف۔ اسی حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔ نعم ثبت العشرون فی زمن عمر وفی المؤطا روایۃ باحدی عشرۃ رکعۃ وجمیع بینھما بانہ وقع اولا ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی ہیں۔ ہمیشہ پڑھنا باقاعدہ جماعت سے پڑھنا بیس رکعت پڑھنا۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے نہ تو بیس رکعت پڑھیں اور نہ ہمیشہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کرنے کا حکم دیا۔ تو اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو غالباً عمل ہو گیا۔ مگر سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا۔ اور اگر بیس رکعت پڑھی جائیں تو دونوں سنتوں پر عمل ہو گیا۔ کیونکہ بیس میں آٹھ آجاتی ہیں۔ آٹھ میں بیس نہیں آتیں۔ اور حدیث میں ہے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ یہاں دلو جمع کے دئیے ہے تو جس طرح تم تراویح ہمیشہ پڑھتے ہو اور باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں امور حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں بلکہ سنت فاروقی ہیں۔ اس طرح بیس رکعت پڑھو جو کہ سنت فاروقی ہیں۔

(۲) بخاری میں ہے کہ ابو سلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو آپ نے جواب دیا۔ ماکان رسول اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احد عشرۃ رکعۃ۔ جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام نے تراویح آٹھ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ لہٰذا بیس رکعات پڑھنا آٹھ کی سنت کو مٹانے والی اور بدعت سیئہ ہے۔

جواب: اس روایت میں تراویح کا ذکر نہیں بلکہ اس میں تہجد کا ذکر ہے اور اس جگہ تہجد ہی کی نماز مراد ہے۔ اس کے چند دلائل ہیں۔ اولاً یہ کہ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ رمضان اور غیر رمضان میں کبھی بھی آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کیونکہ تراویح صرف رمضان میں ہوتی ہے دوسرے یہ کہ ترمذی نے اسی حدیث کے لئے باب باندھا ہے۔ باب ماجاء فی وصف صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل۔ معلوم ہوا کہ یہ صلوٰۃ اللیل ہے نہ کہ صلوٰۃ رمضان۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ فقلت یا رسول اللہ تنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی جس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام رکعات سو کر اٹھ کر ادا فرماتے تھے اور وتر بھی اس کے ساتھ پڑھتے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ حضور نے ہم لوگوں کو تو حکم دیا ہے کہ وتر پڑھ کر سویا کرو اور خود سو کر وتر مع تہجد ادا فرماتے ہیں۔ تو جواب ملا کہ چونکہ ہم کو بیدار ہو جانے پر پورا اعتماد ہے اس لئے یہ عمل ہے اور جس کو بیدار ہونے پر اعتماد نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور ظاہر ہے کہ تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سو کر اٹھ کر پڑھتے ہیں۔ چنانچہ مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۰۰۰ ہم میں حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ "تحقیق آنست کہ صلوٰۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز معتاد او بود یازدہ رکعت کہ دائم در تہجد ے گذارد چنانچہ معلوم می گردد"۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آٹھ رکعت پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھی اور بیس پڑھنا بدعت سیئہ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعات کیوں اختیار فرمائیں اور ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و دیگر صحابہ نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی۔ معاذ اللہ ان تمام صحابہ کرام پر تم کیا فتویٰ لگاؤ گے؟ نیز آج تمام مخالفین پورے ماہ رمضان تراویح باجماعت پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کا یہ فعل بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ حضور علیہ السلام نے آٹھ رکعت پڑھی ہیں۔ تو صرف تین روز پڑھی ہیں۔ اب تین دن زیادتی کر کے تمام ماہ جماعت سے پڑھنا اس سنت کا ترک ہے اور بدعت سیئہ ہے۔ نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہے کہ اہل مدینہ کا عمل اکتالیس تراویح پر ہے اور اہل مکہ کا بیس پر اور بڑے بڑے آئمہ دین اکتالیس یا بیس پر عامل رہے تو بتاؤ کہ یہ لوگ بدعتی ہوئے یا نہیں؟ اور ان سے حدیث لینا کیسا ہے؟ کیونکہ بدعتی فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی روایت غیر معتبر ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اہل مکہ و مدینہ میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت پر عامل نہیں۔ کوئی بیس پر ہے کوئی اکتالیس پر۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئیں۔ تو تین رکعت وتر ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ بنیں گے۔ پھر وتر تین کیوں نہیں پڑھتے؟ کیا بعض حدیث پر ایمان ہے بعض پر نہیں۔ حق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کسی حدیث سے نہیں ملتی۔ کیونکہ جہاں قیام رمضان کا ذکر ہے وہاں تعداد رکعات سے سکوت ہے اور جن احادیث میں گیارہ رکعات ہیں۔ وہاں مراد تہجد ہے۔ ایسی صاف حدیث پیش کرو جس میں آٹھ تراویح کی تصریح ہو ایسی حدیث نہ ملی ہے نہ ملے گی۔ اور بیس رکعات کی تصریح متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

کسی اُمتی کو رشک انبیاء کہنے کا حکم فتویٰ نمبر ۶۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شعر کے بارے میں کہ

نائبِ مصطفےٰ دریں کشور ÷ رشکِ پیغمبراں معین الدین

کیا کسی اُمتی پر رشکِ پیغمبراں کا اطلاق درست ہے؟ ایک صاحب نے نعت خواں کو اس شعر پڑھنے سے روک دیا۔ ان کا یہ فعل کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مذکورہ بالا شعر بالکل درست ہے اس سے روکنا جہالت ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اس آیت میں اولیاء اللہ سے انبیاء اللہ نہیں جس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں انبیائے کرام کو بھی خوف ہوگا۔ مگر اولیاء اللہ بے خوف۔ ہاں فرق یہ ہے کہ گنہگاروں کو اپنی جان کا خوف ہوگا۔ اور انبیائے کرام کو جہاں کا۔ کہ ہمارے گنہگار امتی کہیں جہنم میں نہ پہنچ جائیں۔ رہے حضرات اولیاء انہیں نہ اپنا کھٹکا نہ دوسروں کا خوف۔ کیونکہ یہ اپنے متوسلین کو بارگاہِ نبوت تک پہنچا کر بے خوف و مطمئن ہو چکے۔ ان کے اس چین و آرام کو دیکھ کر حضرات انبیاء کرام ان پر غبطہ فرمائیں گے۔ جیسے کہ فقیر بے نوا کی آزادانہ زندگی پر بادشاہ غبطہ کرے۔ اس غبطہ سے فقیر بادشاہ سے بڑھ نہیں گیا۔ فقیر تو فقیر ہی ہے۔ اور بادشاہ بادشاہ۔ مگر غبطہ درست ہو گیا اس طرح اولیاء اللہ معاذ اللہ نہ تو نبی کے برابر ہو گئے نہ بڑھ گئے۔ مگر غبطہ درست ہو گیا اور غبطہ ہی کا ترجمہ ہے رشک۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جو ابوداؤد اور بیہقی شعب الایمان اور شرح سنہ میں ہے۔ ان من عباد اللہ لاناسًا ما ھم بانبیاء ولا شھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء۔ پھر حضور علیہ السلام نے ہی وجہ ارشاد فرمائی لا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس وقرء ھذہ الآیۃ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ مشکوٰۃ کتاب الادب باب الحب فی اللہ) ترمذی شریف ابواب الزھد باب الحب فی اللہ۔ میں حدیث قدسی نقل فرمائی قال اللہ عزّ وجل اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِیْ جَلَالِیْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ یَّغْبِطُهُمُ النَّبِیُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ غرضیکہ یہ شعر نہایت صحیح ہے۔ اس کا مضمون قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کی زیادہ تفصیل ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ واللہ اعلم

احمد یار خان عفی اللہ

حاملہ گائے کی قربانی کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے حاملہ کی قربانی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قریب ولادت جانور کا ذبح کرنا مکروہ ہے خواہ قربانی میں ذبح کرے یا کسی اور موقعہ پر۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک ماں کا ذبح اس کے بچہ کا ذبحہ نہیں۔ لہٰذا اس صورت میں گویا بچہ کو ضائع کرنا ہے مگر صاحبین کے نزدیک چونکہ ماں کا ذبح، بچہ کا ذبح ہے اس صورت میں بچہ کی بربادی نہیں لہٰذا بلا کراہت جائز ہے۔ غرضیکہ بچہ میں جان پڑ جانے سے پہلے تو حاملہ جانور کا ذبح سب کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ مگر جان پڑ جانے کے بعد امام صاحب کے نزدیک بالکراہت جائز ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک بلا کراہت جائز یہ بھی خیال رہے کہ اس کراہت سے کراہت تنزیہی مراد ہے جیسے کہ دلیل سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا قربانی ہو جائیگی۔ یہ بھی خیال رہے کہ امام صاحب کے نزدیک قریب ولادت جانور کا ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ گوشت بلا کراہت جائز ہے عالمگیری باب الذبائح میں ہے۔ شاة او بقرة اشرفت علی الولادة قالوا یکرہ ذبحہا لان فیہ تضییع الولد وھذا قول ابی حنیفۃ لان عندہ جنین لا یتزکی بزکوٰۃ الام کذا فی فتاوی قاضی خان۔ خیال رہے کہ یہ مسئلہ عالمگیری نے فتاوی قاضی خاں سے لیا اور قاضی خاں قول ضعیف میں قالوا فرماتے ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

تحریری طلاق کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کو یہ تحریر لکھ کر بھیجی کہ میں نے فاطمہ بی بی کو طلاق دے دی۔ نیچے اپنے دستخط کر دیئے۔ طلاق ہو گئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ (از گجرات)

الجواب

اگر شوہر نے بہ نیت طلاق یہ عبارت لکھی ہے تو طلاق رجعی واقع ہو گئی۔ ورنہ نہیں کیونکہ جو طلاق بغیر القاب آداب ویسے ہی لکھ دی جاوے وہ نیت پر موقوف ہے عالمگیری باب کتابۃ الطلاق میں ہے۔ وان کانت مستبینۃ لکن غیر مرسومۃ ان نوی الطلاق یقع والا فلا اور مرسومہ کی شرح عالمگیری میں اسی جگہ یوں فرمائی۔ ونعنی بالمرسومۃ ان یکون مصدرا ومعنونا مثل مایکتب الی الغائب۔ ہاں جو باقاعدہ القاب وآداب کے ساتھ طلاق لکھی جائے۔ وہ بہر حال ہو جائے گی نیت ہو یا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

والد کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ماں نے نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا۔ لڑکی نے بالغہ ہوتے ہی نکاح فسخ کر دیا جس پر دو گواہ بھی بنالئے نکاح فسخ ہوا یا نہیں۔ اور اب یہ لڑکی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں نکاح ٹوٹ گیا کیونکہ باپ دادا کے سوا جو بھی نابالغ کا نکاح کرادے وہ نکاح بوقت بلوغ فسخ ہو سکتا ہے۔ عالمگیری باب اول میں ہے۔ فان زوجهما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ۔ مگر حکومت کا فیصلہ ضروری ہے۔ اسی عالمگیری میں اسی جگہ ہے۔ ويشترط فيه القضاء بخلاف خيار العتق۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۶

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ حق تعالیٰ کو اللہ میاں کہہ سکتے ہیں۔ یا نہیں؟ ایک آدمی کہتا ہے کہ خدا کو میاں کہنے میں کچھ حرج نہیں۔ ہر طرح جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

از بنگلور

الجواب

اردو زبان میں اللہ تعالےٰ کو میاں نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اردو میں میاں مالک کو بھی کہتے ہیں اور شوہر کو بھی۔ شوہر کے معنی حق تعالیٰ کی شان کے خلاف ہیں۔ وہ نہ میاں ہے نہ بیوی۔ جس لفظ میں اچھے برے دونوں طرح کے معانی ہوں۔ اس کا استعمال حق تعالیٰ کے لئے نہیں کرنا چاہیئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى جس سے معلوم ہوا کہ خدائے پاک کے اسمائے اچھے ہونے چاہئیں۔ قبیح معنی والے نام اس کے لئے استعمال نہیں ہو سکتے۔ رب کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لفظ راعنا بولنے سے روکا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے دو معنی ہیں ایک اچھے دوسرے برے فرمایا گیا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا۔ جب بارگاہ نبوی میں ایسے

مشترک لفظ کا استعمال جائز نہیں جس میں قبیح معنی کا بھی احتمال ہو۔ تو بارگاہ الٰہی کیسی ارفع و اعلیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

مسجد کے صحن میں غسل خانہ بنانے کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کا صحن جس میں ہمیشہ نماز ہوتی رہتی ہے۔ باجماعت بھی اور بلا جماعت بھی۔ اس صحن میں غسل خانہ اور وضو کی جگہ بنا دینا جائز ہے یا ناجائز؟ بحوالہ کتاب بیان فرمایا جاوے۔ غلام رسول گجرات

الجواب

جو جگہ داخل مسجد بن چکی اب وہ خارج مسجد نہیں ہو سکتی۔ نہ وہاں غسل خانہ بنے نہ وضو خانہ نہ مسجد کی دوکان۔ نہ امام یا مؤذن کا حجرہ۔ مسجدیت مکمل ہونے کے بعد یہ کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس جگہ کا احترام فرض ہو چکا کہ نہ یہاں جنبی شخص آ سکے۔ نہ حیض و نفاس والی عورت۔ مگر جب یہاں غسل وغیرہ بن جاوے گا۔ تو یہ احترام ناممکن ہوگا۔ مسجد کی حرمت قیامت تک باقی ہے۔ عالمگیری کتاب الوقف میں ہے۔ قیم المسجد لا یجوز ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا او مسکنًا تسقط حرمتہٗ وھٰذا لا یجوز۔ درمختار۔ باب الوقف میں ہے۔ لو بنی فوقہ بیتًا للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تم المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذالک لم یصدق فاذا کان ھٰذا فی الوقف فکیف بغیرہٖ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اس صحن مسجد میں خود واقف بھی غسل خانہ وغیرہ نہیں بنا سکتا۔ چہ جائیکہ دوسرے لوگ۔ اور اگر غسل خانہ وغیرہ بن بھی گیا ہو۔ تو اس کا گرا دینا واجب ہے۔ اسی جگہ رد المحتار میں ہے۔ وبھٰذا علم ایضا حرمۃ احداث الخلوات فی المساجد کالتی فی رواق المسجد الاموی۔ ولا سیما ما یترتب علیٰ ذالک من تقذیر المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوہٖ۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

خاتم النبیین کے معنی اور تفسیر

فتویٰ نمبر ۶۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان حسب ذیل مسائل کے بارے میں۔

(۱) خاتم النبیین کے معنی اور تفسیر ختم اللہ کے معنی اور تفسیر۔

(۲) کیا الہام سچ ہے، اور کس شخص کا الہام مانا جاتا ہے؟

(۳) کیا مرزا صاحب نے کسی دوسرے استاد سے تعلیم حاصل کی یا اللہ کی رحمت سے تعلیم یافتہ ہی پیدا ہوئے ہیں؟

(۴) کیا کوئی نبی بعد نبوت یا قبل از موت کسی غیر مسلم بادشاہ کی حکومت میں رہا ہے؟ یا رہ سکتا ہے؟

(۵) انبیائے کرام کو معجزے کس قسم کے دیئے گئے۔ اور مرزا صاحب کو نی زمانہ کیسے معجزے ملنا چاہیئے تھے؟

(۶) کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا گئے۔ اگر زندہ ہیں تو کہاں پر ہیں۔ اگر وفات پا گئے ہیں تو مزار کہاں ہے۔ اگر آسمان پر گئے ہیں تو کیسے گئے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

۱۔ خاتم ختم سے بنا ہے۔ ختم کے لغوی معنی مہر لگانا ہے۔ اسی لئے مہر کو خاتم کہا جاتا ہے چونکہ مہر بھی مضمون کے آخر میں لگتی ہے جس کے بعد کوئی مضمون نہیں لکھا جاتا۔ اور پارسلوں وغیرہ پر بند کرنے کے بعد مہر لگائی جاتی ہے۔ تاکہ اب نہ اس میں سے کچھ نکل سکے نہ داخل ہو سکے۔ اسی لئے عرف میں ختم تمام ہونے کو کہتے ہیں۔ خاتم النبیین میں یہی عرفی معنی مراد ہیں۔ جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کرنا ہے۔ صَلُّوْا عَلَيْهِ مگر اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ میں صلوٰۃ سے عرفی معنے یعنی نماز مراد لئے گئے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کی یہی تفسیر فرمائی کہ ارشاد فرمایا۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ جیسے لا الٰہ میں ہر سچے جھوٹے ظلی خدا کی نفی ہو گی۔ ایسے ہی لا نبیّ میں اصلی ظلی بروزی مراتی مذاقی نبی کی نفی ہے کہ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں بن سکتا۔ ختم اللہ میں ختم لغوی معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی کہ اب ان میں ہدایت داخل نہیں ہو سکتی۔

۲۔ حضور علیہ السلام کی اُمت کے اولیاء کے لئے الہام برحق ہے بے شک اللہ کے پیارے بندوں کو الہام ربانی ہوتے ہیں۔ مگر الہام جب ہی قبول ہو گا۔ جبکہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔ اگر خلاف شرع ہے تو وہ وسوسہ شیطانی ہے نہ کہ الہام ربانی۔ یہ تو الہام کی کسوٹی ہے۔ کیونکہ شریعت کا برحق ہونا یقینی ہے۔ اور ہمارے خیالات کی حقانیت یقینی نہیں۔ نیز الہام یا خواب متقی پرہیزگار مسلمان کا زیادہ معتبر ہے۔ جتنا تقویٰ کامل ہو گا۔ اتنا ہی اس کا دل شیطانی اثر سے زیادہ محفوظ رہیگا۔

۳۔ مرزا صاحب آنجہانی سنا گیا ہے کہ مڈل پاس اور انٹرنس فیل تھے۔ وہ اولاً چنگی میں کلرک رہے۔ گذر اوقات مشکل تھی۔ دنیاوی ضروریات نے انہیں دعویٰ نبوت پر مجبور کیا۔ عربی میں کس کے شاگرد تھے۔ مجھے پورا پتہ نہیں۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ علوم عربیہ میں نہایت ناقابل تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مایہ ناز کتاب لکھی۔ خطبہ الہامیہ۔ اور اس کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ سماوی عبارت ہے میری نہیں اور اس میں نہ کوئی غلطی ہے اور نہ اس کے مثل کوئی کلام ہو سکتا ہے۔ اور اس کے متعلق حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں تقریباً دو سو فاش غلطیاں نکالیں۔ اور ثابت فرمایا کہ مرزا جی نے عربی

ادب کی کتابوں سے عبارتیں چرائیں ہیں۔ جو عبارتیں سبعہ معلقہ وغیرہ کی ہیں۔ وہ تو صحیح ہیں۔ باقی سب غلط ہیں۔ اس کے لئے کتاب سیف چشتیائی مصنفہ پیر مہر علی شاہ صاحب دیکھو۔

۴ کوئی پیغمبر کسی کافر بادشاہ کی رعایا اور غلام بن کر نہ رہا یا تو نبی ایسی قوم میں آئے جس میں باقاعدہ سلطنت تھی ہی نہیں جیسے لوط علیہ السلام اور کسی کافر بادشاہ کے ملک میں پیدا ہوئے تو اولاً انہوں نے وہاں سے ہجرت کی اور پھر بادشاہ کا مقابلہ فرما کر اس کی سلطنت کو پاش پاش کر دیا۔ جیسے ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام۔ غرضیکہ کافر بادشاہ سے مقابلہ فرمایا ہے۔ ماتحتی کسی نے نہیں کی۔ سوائے ہمارے مرزا جی کے۔ ان کے الہام حکام وقت کی رضا کے ماتحت ہوتے رہے۔

۵ ہر پیغمبر کو خصوصیت سے ایسے معجزے ضرور ملے جس کا ان کے زمانہ میں زور تھا۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا عروج تھا۔ جالینوس موجود تھا۔ تو آپ کو مردہ زندہ کرنے اور کوڑھیوں کو اچھا کرنے کا معجزہ خصوصیت سے ملا اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا۔ تو آپ کو عصا دیا گیا۔ ہمارے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں لوگوں کو کلام پر ناز تھا اور فصاحت اور بلاغت پر گھمنڈ تھا تو حضور کو قرآن کا معجزہ ملا۔ لہٰذا مرزا جی کے زمانہ میں چونکہ ایجادات اور سائنس کا زور تھا۔ ضروری تھا کہ انہیں اسی قسم کا ایسا معجزہ ملتا جو تمام ایجادات پر غالب رہتا۔

۶ عیسیٰ علیہ السلام اسی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ تشریف لے گئے۔ جس کا ثبوت قرآنی آیات اور صدہا احادیث نبویہ سے ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے قرب خاص کی طرف اٹھا لیا جب رفع کا مفعول جسم ہوتا ہے۔ تو اس میں مکانی اٹھانا مراد ہوتا ہے۔ جیسے وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ یا جیسے يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وغیرہ۔

۷ عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر فرشتوں کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور فرشتوں کی طرح ذکر الٰہی ان کی غذا ہے اب وہ ظاہری غذا سے بے نیاز ہیں۔ کما فی الاحادیث۔

۸ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جو بھی صابر شاکر متقی پرہیزگار ہو جائے وہ نبی ہی ہو جائے گا۔ معنی ظاہر یہ ہیں کہ وہ قیامت میں نبیوں صدیقوں شہیدوں کے ساتھ اٹھے گا۔ ساتھ ہونا اور چیز ہے اور نبی بن جانا دوسری چیز۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ٥ رب تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ اس سے نہ تو اللہ صابر ہو جاتا ہے اور نہ صابر خدا بن جاوے۔ بلکہ رحمت الٰہی صابروں کے شامل حال ہوتی ہے۔

آپ فتنہ مرزائیت سے بچنے کے لئے کتاب پاکٹ بک محمدیہ کا مطالعہ کیا کریں۔ جو پاکٹ بک احمدیہ کے جواب میں لکھی گئی۔ نیز سیف چشتیائی اور شمس الہدایت کا مطالعہ کیا کریں۔ یہ کتب گولڑہ شریف سے ملیں گی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے لئے ہماری تفسیر نعیمی تیسرے پارے کا مطالعہ کریں۔ اور مرزائیوں کی صحبت سے بچیں ٥

تاتوانی دُور شو از یار بد ✧ یار بد بد تر بود از مار بد

مار بد بر تن ہمی بر جاں زند ✧ یار بد بر دین و بر ایماں زند

نکتہ:- مرزا صاحب کے صدہا الہام و پیشگوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔ انہوں نے بڑے زور و شور سے دعویٰ کیا تھا کہ محمدی بیگم سے میرا نکاح ہوگا۔ مگر کوشش کرتے کرتے تھک گئے اور محمدی بیگم نکاح میں نہ آئی۔ اعلان کیا تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اگر جھوٹے ہوں تو میری موجودگی میں وہ مر جائیں گے۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو ان کی موجودگی میں میں مروں گا۔ مرزا جی نے اعلان کیا تھا کہ سخت زلزلہ عنقریب آوے گا۔ اپنی امت کو شہر سے نکال کر جنگل میں ڈالا۔ ایک ماہ وہاں قیام کیا۔ مگر زلزلہ وغیرہ کچھ نہ آیا۔ اور پھر چپکے سے گھر آ بیٹھے۔ ایسے صدہا واقعات آپ کو ہماری کتب محمدیہ میں ملیں گے۔

احمد یار خاں عفی عنہ

بیوہ کے عدّت میں زنا سے حاملہ ہونے کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیوہ عدت وفات میں زنا سے حاملہ ہوگئی جس کی وہ خود اقراری ہے تو اس کی عدت کیا ہوگی۔ وضع حمل یا کچھ اور۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں اس کی عدت وہ چار ماہ دس دن ہے۔ جسے وہ گذار رہی ہے۔ اس حمل کی وضع کا اعتبار نہیں۔ وہ معتدہ طلاق کے لئے ہے۔ جو عورت عدت طلاق میں حاملہ ہو جاوے اس کی عدت وضع حمل ہے عالمگیری کتاب العدۃ میں مطلقہ کے بارے میں ہے۔ وعدۃ الحامل ان تضع حملها كذا في الكافي سواء كانت حاملاً وقت وجوب العدة او حبلت بعد وجوب العدة كذا في فتاوى قاضي خان۔ مگر عدت وفات میں بعد وجوب عدت جو حمل قائم ہو۔ اس کا اعتبار نہیں۔ یہ ہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے اسی عالمگیری میں اسی جگہ ہے۔ ولو حدث الحمل في العدة بعد الموت ذكر الكرخي انه يتعلق بانقضاء العدة والصحيح انه لا يتعلق: اما اذا حدث بعد موته فلا يتعلق بلا خلاف كذا في العتابية: شامی باب العدۃ میں ہے۔ واعلم ان المعتدة لو حملت في عدتها ذكر الكرخي ان عدتها وضع الحمل ولم يفصل والذي ذكره محمد ان هذا في عدة الطلاق اما في عدة الوفات فلا تتغير بالحمل وهو الصحيح كذا في

البدائع خلاصہ یہ ہے کہ اس عورت کی عدت وہی چار ماہ دس دن ہے جسے گذار کر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے مگر دوسرے شوہر کو لازم ہے کہ وضع حمل سے پہلے اس سے صحبت نہ کرے۔ ہر حاملہ بالزنا کا یہی حکم ہے کہ اس سے نکاح درست ہے مگر صحبت منع۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

ابلیس کی بیوی اور اولاد کا بیان

فتویٰ نمبر ۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیطان کی اولاد ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی بیوی کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیطان کی اولاد نہیں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ از یو۔ پی

الجواب

اس کے متعلق مجھے تین قول ملے۔ ایک یہ ہے کہ شیطان لاولد ہے۔ اس کے کوئی اولاد نہیں۔ کیونکہ وہ فرشتوں کی قسم سے ہے اور فرشتے اولاد سے پاک ہیں۔ نیز اولاد بقائے نسل کے لئے ہوتی ہے اور جو خود ہی قیامت تک زندہ رہے اسے نسل کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھو چاند۔ تارے۔ سورج وغیرہ کے نسل نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ شیطان کے نسل ہے اور وہ صاحب اولاد ہے۔ کیونکہ وہ جن کی قسم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ۔ اور جن وانس کے نسل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے نسل ہے بلکہ شیطان جنات کا باپ ہے جیسے آدم علیہ السلام انسان کے ــــــــ کان ابا الجن۔ نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ (سورہ کہف) اس آیت میں شیطان کے لئے ذریت ثابت کی گئی ہے۔ اور ذریت اولاد ہی تو ہوتی ہے۔ بلاوجہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنے لینا درست نہیں۔ اسی آیت کے ماتحت تفسیر جلالین میں ہے۔ وابلیس ھو ابوالجن فلہ ذریۃ ذکرت بعد الملئکۃ و ذریۃ لھم۔
چونکہ نوع جنات کے لئے موت ہے۔ لہٰذا اس کی نسل بھی ضروری ہے۔ ابلیس کو شخصی طور پر دراز عمر دی گئی اس کا لحاظ نہیں۔ انسان میں بھی خضر و ادریس علیہما السلام تاقیامت زندہ رہیں گے مگر ان کے اولاد ہوئی۔ غرضیکہ شیطان کے نسل اور اولاد ہے۔ پھر ان میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ابلیس کی بیوی ہے اسی سے اولاد ہے بعض فرماتے ہیں کہ نہیں۔ بلکہ اس کے ران میں نر کا عضو ہے اور دوسرے میں مادہ کا خود اپنے سے صحبت کرتا ہے اور خود ہی حاملہ ہو کر انڈے دیتا ہے۔ جس سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ شرح قصیدہ بردہ خرپوتی میں اس شعر۔

وخالف النفس والشیطٰن واعصہما ۔۔۔ وان ھما محضاک النصح فاتھم

قیل ان الشیطن فی بحر الکلام کی شرح میں فرماتے ہیں۔ فان قیل هل للشیطن نسل قال ابو المعین النسفی مع الآخر ذکراً فیجامع فرجاً وفی فخذیه فی احد الخبران وفی الولد منها ویخرج یبیض فیخرج دبره فی ذنبه یدخل وقیل شاذة روایة وهذه الولد منه فیخرج نفسه شیطان کے اولاد ہے۔ ثابت ہوا کہ الاول هو فالصحیح صحیح غیر وهذا الولد منه تفسیر صاوی حاشیہ جلالین میں زیر آیت اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗ سورہ کہف کی تفسیر میں ہے کہ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ابلیس کے چند قسم کی اولاد ہے۔ ایک قسم کا نام لاقس اور ولہان ہے۔ ان کا کام وضو اور نماز میں وسوسہ ڈالنا ہے ایک قسم کا نام ذرہ لقب زلنبور ہے۔ یہ بازاروں میں پھرتی رہتی ہے لوگوں سے جھوٹی خرید و فروخت کراتی ہے ایک کا نام تبر ہے۔ وہ لوگوں سے میت پر نوحہ کراتی ہے۔ بال نچواتی ہے اور منہ پر تھپڑ لگواتی ہے ایک کا نام اعور ہے یہ زنا کراتی ہے کہ مرد کے احلیل اور عورت کے فرج میں جوش پیدا کرتی ہے۔ ایک کا نام مطروس ہے۔ جو جھوٹی خبریں پھیلاتی ہے۔ ایک کا نام درسم ہے۔ یہ اس شخص کے ساتھ گھر میں گھس جاتی ہے جو بغیر بسم اللہ پڑھے گھر میں داخل ہو۔ حدیث پاک میں وارد ہوا کہ ایک قسم کا نام خنزب ہے۔ ایک قسم کا نام قرین ہے۔ جو ہر شخص کے ساتھ رہتا ہے۔ اسی تفسیر صاوی میں اسی جگہ ہے۔ کہ کسی نے امام شعبی سے پوچھا کہ کیا ابلیس کی بیوی ہے؟ اگر ہے تو اس کا نام کیا ہے تو آپ نے فرمایا۔ ان ذالک عرس لم اشهده۔ اس کی شادی میں مجھے شرکت کا موقعہ نہیں ملا۔ مجھے خبر نہیں کہ بیوی کا نام کیا ہے اسی جگہ فرماتے ہیں۔ قال مجاهد ان ابلیس ادخل فرجه فی فرج نفسه فباض خمس بیضات فهذه اصل ذریته وقیل ان الله خلق له فی فخذه الیمنی ذکراً و فی فخذه الیسری فرجاً فهو ینکح هذا بهذا فیخرج له کل یوم عشر بیضات یخرج من کل بیضة سبعون شیطاناً وشیطانة فهو یفرح ویطیر۔ یعنی رب تعالیٰ نے اس کی داہنی ران میں نر کا عضو اور بائیں میں مادہ کا عضو پیدا کر دیا ہے۔ وہ خود ہی اپنے سے صحبت کرتا ہے جس سے روزانہ دس انڈے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر انڈے سے ستر نر و مادہ شیاطین پیدا ہوتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیطان کے اولاد ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے بیوی کوئی نہیں۔ وہ خود ہی نر ہے اور خود ہی مادہ اللہ کی قدرت سے یہ بات بعید بھی نہیں ہے۔ انسانوں میں بعض خنثیٰ مشکل ہوتے ہیں۔ جن کے عورت و مرد دونوں کے عضو ہوتے ہیں۔ دونوں سے پیشاب بھی آتا ہے۔ ہاں ان سے نسل نہیں چلتی۔ اس پر نہ مرد کے احکام جاری ہوتے ہیں نہ عورت کے۔ چنانچہ خنثیٰ مشکل جماعت نماز میں مردوں سے پیچھے اور عورتوں سے آگے کھڑا ہو اور جب مر جاوے تو اسے کوئی غسل نہ دے بلکہ تیمم کرا کے نماز پڑھ کر دفن کر دیا جائے۔ رب تعالیٰ جب انسانوں میں ایسے لوگ پیدا فرما دیتا ہے۔ تو اگر شیطان میں یہ ہی ہو تو کیا بعید ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ دینی ضروریات میں سے نہیں۔ لہٰذا اس سے بحث نہ کی جائے۔

احمد یار خان عفی عنہ

مسخ شدہ کی بیوی کا حکم

فتویٰ نمبر ۱۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مرد کی صورت مسخ ہو جاوے اس کی بیوی کیا کرے آیا نکاح میں رہے گی یا نہیں اگر نہ رہے گی تو عدت گزارے گی یا نہیں۔ اگر گزارے گی تو عدت طلاق یا عدت وفات بینوا توجروا

اسد الحق جہلم۔

الجواب

مسخ کی کل تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان پتھر لکڑی وغیرہ بن جاوے جیسے اساف و نائلہ کا حال ہوا۔ دوسرے یہ کہ کتا۔ گدھا۔ بندر وغیرہ ہو جاوے۔ جیسے سبت والوں کا حال ہوا۔ تیسرے یہ کہ ممسوخ انسان ہی رہے۔ مگر اس کی شکل بگڑ جاوے۔ گورا تھا کالا ہو جاوے وغیرہ۔ آخری صورت میں نکاح برقرار رہے گا۔ اگر ممسوخ مومن ہو اور بدعملی کی وجہ سے شکل بگڑ گئی ہو۔ پہلی دونوں صورتوں میں نکاح جاتا رہے گا۔ پتھر ہو جانے کی صورت میں عورت عدت وفات گذارے گی۔ کیونکہ اس کا شوہر مر گیا۔ پتھر ہو کر بے جان ہو گیا قبر میں بھی انسان مٹی ہو جاتا ہے اور جانور بن جانے کی صورت میں اس کی عورت عدت طلاق یعنی تین حیض گذارے گی۔ کیونکہ جن وجوہ سے نکاح حرام ہوتا ہے اگر وہ وجوہ بعد نکاح پائی جائیں تو نکاح کو باطل کر دیں گی اور اس صورت میں عورت پر عدت طلاق واجب ہو گی۔ مثلاً مزنیہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہے۔ اگر کوئی اپنی ساس سے زنا کرے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور عدت طلاق گذارے گی۔ کیونکہ اب وہ مزنیہ کی بیٹی بن گئی۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا۔ تو سمجھ لو کہ غیر جنس سے نکاح درست نہیں۔ انسان کا نکاح صرف انسان سے ہی ہو سکتا ہے۔ جن پری۔ دیو۔ بھوت اور بکری وغیرہ سے نہیں ہو سکتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں اور جن وغیرہ انسان کی ہم جنس نہیں۔ نیز فرماتا ہے۔ فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ نساء عورت کو کہتے ہیں۔ جن و حیوانات کی مادہ نساء نہیں کہلاتیں۔ اگر غیر سے نکاح جائز ہوتا تو آدم علیہ السلام کے لئے ان کی ہم جنس حوا نہ پیدا کی جاتی۔ بلکہ کسی جن مادہ سے ان کا نکاح کرا دیا جاتا درمختار کتاب النکاح کے شروع میں ہے۔ فخرج الذکر والخنثیٰ المشکل والوثنیۃ والجنۃ وانسان الماء لاختلاف الجنس۔ معلوم ہوا کہ مرد کا نکاح مرد یا خنثیٰ مشکل یا جن یا دریائی انسان سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جن وغیرہ غیر جنس ہیں اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے۔ لا یصح نکاح آدمی جنیۃ کعکسہ لا

خلاف الجنس فکانوا کبقیۃ الحیوانات۔ معلوم ہوا کہ جیسے انسان کا نکاح بکری کتے وغیرہ حیوانات سے نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی جن سے بھی نہیں ہو سکتا۔ رد المحتار میں ہے۔ ولان الجن یتشکلون بصور شتی فقد یکون ذکرا ویتشکل بشکل انثی۔ یعنی جن سے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ مختلف شکل اختیار کر سکتے ہیں لہٰذا جس جن عورت سے نکاح کیا جائے اگر وہ مرد بن جائے تو نکاح کیسے باقی رہے گا بہر حال یہ واضح ہو گیا کہ جن سے انسان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت علی نے جناتنی سے نکاح کیا۔ محض باطل ہے۔ اسی طرح حضرت سلیمان کا نکاح بلقیس سے ہوا۔ صحیح یہ ہے کہ بلقیس انسان تھی نہ کہ جن۔ اور اگر جن بھی ہو تو شریعت سلیمانی میں شاید غیر جنس سے نکاح حلال ہو۔ جیسے شریعت آدم علیہ السلام میں بہن سے نکاح حلال تھا یا جیسے جنت میں حوروں سے نکاح ہوگا۔ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۔ حالانکہ حوریں حضرت آدم کی اولاد نہیں۔ کیونکہ وہ آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں۔ ان کی پیدائش نور سے ہے۔ مگر چونکہ وہ عالم دوسرا ہے۔ وہاں کے احکام بھی جداگانہ۔ اس عالم کے احکام اس عالم پر جاری نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے جو حضرات قیامت سے پہلے جنت میں گئے یا وہاں رہے وہ حوروں سے الگ رہے۔ حضرت آدم جنت میں تمام چیزیں استعمال فرماتے رہے۔ سوائے حوروں کے حضور علیہ السلام معراج میں حضرت ادریس علیہ السلام اپنی حیات میں جنت میں تشریف لے گئے۔ مگر قبل قیامت حوروں سے بے تعلق رہے۔ بہر حال اسلام کا حکم یہ ہے کہ غیر جنس سے نکاح حرام ہے۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو چکا کہ غیر جنس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ تو جو کوئی بعد نکاح غیر جنس بن جاوے اس کا نکاح فسخ ہو جاوے گا۔ جیسا کہ ہمارے بیان کئے ہوئے قاعدے سے معلوم ہوا۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ اگر شوہر یا عورت مسخ ہو کر انسان ہی رہے تو نکاح قائم ہے اگر مرد پتھر بن گیا۔ تو عورت عدت وفات گذارے گی۔ اگر جانور کی شکل میں تبدیل ہو گیا تو عدت طلاق۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند ربی فی کتاب لا یضل ربی ولا ینسی فاللّٰہ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

سانسی کی نو مسلم بیوی کے اپنے اسی خاوند کے پاس ہونے کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت سانسی مذہب رکھنے والی مسلمان ہو گئی اس کا شوہر سانسی ہی رہا اب اس کا شوہر اسے اپنے گھر لیتا ہے یا اس صورت میں عورت اس کے پاس جائے یا نہ جائے؟ میاں غلام محی الدین سفارش کرتے ہیں کہ بھیج دو۔ کیونکہ اس کا نکاح باقی ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں یہ نو مسلمہ عورت اپنے پہلے سابقہ شوہر پر حرام ہوگئی اب جب تک اس کا شوہر سابقہ رہے۔ اس عورت کا اس کے پاس جانا اور اس سے وطی کرنا حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ عورت کو اس کافر شوہر کے پاس ہرگز نہ جانے دیں۔ ہاں یہ عورت فی الحال دوسرا نکاح نہیں کرسکتی بلکہ چاہیے کہ اس کے سابقہ شوہر کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ اس سے کہا جائے کہ تو بھی مسلمان ہو جا اگر وہ مسلمان ہو جاوے۔ تب تو اسی کی ہی بیوی رہے گی اور اگر شوہر انکار کرے یا خاموش رہے تو حاکم سے فیصلہ کرا کر دوسرا نکاح کرے۔ در مختار باب نکاح الکافر میں ہے۔ واذا اسلم احد الزوجین عرض الاسلام علی الاٰخر فان اسلم فبها والا بان ابی اوسکت فرق بینهما۔ اسی کے ماتحت شامی میں ہے۔ مالم یفرق القاضی فهی زوجته حتّٰی مات الزوج قبل ان تسلم امرأته الکافرة وجب لها المهر۔ واللّٰه اعلم۔ **احمد یار خان**

صرف تہبند سے نماز پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں:

بعض لوگ باوجود کپڑے ہونے کے صرف تہبند باندھ کر بغیر کرتہ پہنے ننگے بدن نماز پڑھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کراہت سے یا بلا کراہت؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صرف تہبند باندھ کر کھلے بدن نماز پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا چنانچہ مسلم، بخاری کتاب الصلوٰۃ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا لا یصلی الرجل فی الثوب الواحد لیس علی عاتقه منه شیٔ۔ یعنی کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ اسی لئے امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک فرض نماز میں کندھا ڈھکنا فرض ہے اور ہمارے احناف کے نزدیک سنت۔ چنانچہ درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے۔ وشرط احمد ستر احد منکبیه ایضاً۔ اسی کی شرح میں شامی میں فرماتے ہیں۔ هو شرط عنده فی صلوٰة الفرض وعندنا ستر المنکبین مستحب غرضکہ کھلے کندھے نماز پڑھنا خلاف سنت ہے اور اگر سستی ہے تو زیادہ برا۔ عالمگیری باب شروط الصلوٰۃ میں ہے۔

والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلثۃ اثواب قمیص و ازار و عمامۃ اما لو صلی فی ثوب واحد متوشحا بہ تجوز صلوٰۃ من غیر کراھۃ وان صلی فی ازار واحد یجوز و یکرہ خلاصہ فتویٰ یہ ہے کہ صرف ایک تہبند میں کھلے کندھے نماز پڑھنا مکروہ، اور خلاف سنت ہے جن صحابہ کرام نے صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے انہوں نے اس سے تمام جسم ڈھک لیا تھا یا مجبوراً پڑھی۔ کہ ان کے پاس قمیص موجود نہ تھی۔ اگر بلاضرورت بھی پڑھی تو وہ صحابی کا فعل ہے اور ہماری ذکر کی ہوئی حدیث میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ہے اور ظاہر ہے کہ دلیل اباحت پر دلیل حرمت کو اور فعل پر قول کو ترجیح ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

رمضان میں عشاء کے فرض بغیر جماعت پڑھنے سے وتر جماعت سے پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص عشاء کے فرض بغیر جماعت کے تنہا پڑھے تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جو کوئی عشاء کے فرض بغیر جماعت علیحدہ پڑھے وہ تراویح تو جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ مگر وتر جماعت سے نہیں پڑھ سکتا۔ علیحدہ پڑھے گا۔ شامی باب التراویح میں ہے۔ ثم رایت القھستانی ذکر تصحیح ماذکرہ المصنف ثم قال لکنہ اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر الخ اور اگر فرض کی بالکل جماعت ہی نہ ہوئی ہو۔ بلکہ سب نے علیحدہ علیحدہ پڑھے ہوں تو وہ تراویح بھی جماعت سے نہیں پڑھ سکتے۔ درمختار میں اسی جگہ ہے۔ ولو ترک الجماعۃ فی الفرض لم یصلوا التراویح جماعۃ۔
واللہ اعلم۔

احمد یار خاں

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ بچہ کے پیچھے بالغ لوگ تراویح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض کا خیال ہے کہ اگر عشاء کے فرض اور وتر بالغ پڑھا دے اور تراویح نابالغ تو جائز ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نابالغ بچہ کے پیچھے کوئی نماز جائز نہیں۔ فرض ہو یا وتر۔ تراویح ہو یا نماز عید نماز خسوف وکسوف ہو یا استسقاء غرضیکہ فرض واجب نفل ہر نماز نابالغ کے پیچھے ناجائز ہے بالغوں کی امامت بالغ ہی کر سکتا ہے۔ ہاں بچہ بچوں کی امامت کر سکتا ہے۔ صرف علمائے بلخ نے تراویح ودیگر نوافل میں بچوں کی امامت جائز قرار دی ہے مگر یہ قول مرجوح اور ناقابل قبول! اور غیر مفتی بہ ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ ناجائز ہے۔ یہی صحیح ہے اسی پر فتوی واعتماد ہے۔

عالمگیری کتاب الصلوٰت باب الامامۃ میں ہے۔ وعلی قول ائمۃ بلخ یصح الاقتداء بالصبیان فی التراویح والسنن المطلقۃ کذا فی فتاوی قاضی خان والمختار انہ لا یجوز فی الصلوات کلہا کذا فی الھدایۃ وھو الاصح ھکذا فی المحیط: اسی طرح دُرِ مختار باب الامامۃ میں ہے۔ ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ وخنثیٰ وصبی مطلقا ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بچہ امامت کے حق میں مثل عورت یا خنثیٰ کے ہے۔ کہ جیسے عورت وخنثیٰ کسی نماز میں مرد کی امامت کے قابل نہیں ایسے ہی نابالغ بچہ بھی۔ اسی کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال فی الھدایۃ وفی التراویح والسنن المطلقۃ جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا والمختار انہ لا یجوز فی الصلوٰۃ کلہا والمراد بالسنن الرواتب والعید فی احد الروایتین وکذا الوتر والکسوفان والاستسقاء (فتح) شامی نے تصریح فرمادی کہ نفل وفرض سنت وواجب کسی نماز میں نابالغ بچہ بالغوں کی جماعت نہیں کر سکتا۔ ہدایہ باب الامامت میں ہے۔ ولا یجوز للرجال ان یقتدوا بامرأۃ او صبی وفی التراویح والسنن المطلقۃ جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا والمختار انہ لا یجوز فی الصلوٰۃ کلہا لان نفل الصبی دون نفل البالغ حیث لا یلزمہ القضاء بالافساد بالاجماع ولا یبنی القوی علی الضعیف۔ غرضیکہ کسی نماز میں نابالغ بچہ بالغوں کی امامت نہیں کر سکتا۔ عقل کا بھی تقاضا یہی ہے کہ یہ امامت ناجائز ہو۔ اولاً اس لئے کہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ کوئی نماز ضعیف کے پیچھے نہیں ہو سکتی کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ضمن میں ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قوی ضعیف کو اپنے دامن میں لے سکتا ہے۔ نہ کہ ضعیف قوی کو اسی لئے فرض والے کی نماز نفل والے کے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ بالغ کی نفل شروع کرتے ہی واجب بن جاتی ہے۔ اور اگر توڑ دے تو قضا کرنی پڑے۔ نابالغ کا یہ حال نہیں۔ اگر وہ نماز شروع کر کے توڑ دے تو قضا واجب نہیں۔ اگر بالغ نابالغ کے پیچھے نفلاً پڑھے، تو گویا واجب نفل کے پیچھے ادا کر رہا ہے اور یہ شرعی قاعدے کے خلاف ہے۔ نیز جماعت میں بچوں کو بالغوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیئے مردوں کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اولاً مرد صف

باندھیں پھر بچے پھر خنثی پھر عورتیں۔ جب بچوں کو مردوں کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے تو انہیں امام بن کر آگے کھڑا ہونا کیونکر جائز ہوگا۔ حدیث شریف میں عورتوں کے بارے میں ارشاد ہوا۔ (اخروهن من حيث اخرهن الله چونکہ اللہ تعالی نے انہیں پیچھے رکھا ہے تم بھی انہیں پیچھے رکھو کہ نماز میں نہ تو مردوں کے برابر کھڑا ہونے دو۔ نہ امام بناکر آگے کھڑا کر دو۔ علمائے بلخ کا یہ قول قواعد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ اگر امام بھول کر پانچویں رکعت میں کھڑا ہو جائے اور اس رکعت میں اگر کوئی جماعت سے ملے تو بالاتفاق یہ شخص جماعت میں شریک ہوگیا حالانکہ امام کی یہ رکعت نفل ہے اور اس مقتدی کی فرض۔ اسی کو صلوٰۃ مظنونہ کہتے ہیں۔ جب اس رکعت میں فرض ادا اقتداء کرسکتا ہے تو بچہ کے پیچھے بھی بالغ کی نماز ہوسکتی ہے۔ مگر اس دلیل پر دو طرح حرج ہے ایک یہ کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ رکعت مظنونہ واجب الادا ہو جاتی ہے۔ اس کے توڑنے پر قضا واجب لہٰذا اس کے نفل ہونے پر اجماع نہ رہا۔ بخلاف بچہ کے کہ اس کی نماز کے غیر واجب ہونے پر اجماع ہے۔ دیکھو ہدایہ میں مقام امامت۔ لہٰذا بچہ کی نماز اس پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اختلاف مجتہدین سے مسئلہ میں وسعت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ پھر تو مشائخ بلخ کو چاہیئے کہ بچہ کے پیچھے بالغ کی فرض نماز بھی جائز رکھیں کیونکہ رکعت مظنونہ میں فرض کی اقتداء درست ہے۔ عجیب بات ہے کہ مقیس علیہ میں فرض کی اقتداء ہو رہی ہے اور مقیس میں آپ نفل کی قید لگاتے ہیں۔ بہرحال بقاعدہ حنفیہ نابالغ بچہ کے پیچھے بالغ کی کوئی نماز جائز نہیں)۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

جنگی قیدی نومسلم عورتوں سے نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ مشرکہ عورتیں گرفتار ہو کر دارالسلام میں لائی جارہی ہیں۔ غازی انہیں فروخت کر جاتے ہیں۔ بعد میں وہ بخوبی مسلمان ہو جاتی ہیں۔ ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو آیا ان پر اپنے پہلے نکاح کی عدت لازم ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ان عورتوں سے جو اپنے شوہر سے حاملہ ہوں ان سے فی الحال نکاح نہیں ہوسکتا۔ وضع حمل کا انتظار ضروری ہے۔ اور جو غیر حاملہ ہوں خواہ کنواری ہوں یا شادی شدہ ان سے فوراً نکاح بھی درست ہے اور جماع بھی۔ بخاری شریف جلد اول کتاب الجهاد باب۔ باب غزا الصبی للخدمة میں ہے۔ فلما فتح الله عليه

الحصن ذکر لہ جمال صفیۃ بنت حیی بن اخطب وقد قتل زوجها وکانت عروساً فاصطفاها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ فخرج بها حتّٰی اذا بلغنا سد الصهبا حلت وبنی بها ثم صنع حیساء فکانت تلك ولیمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صفیۃ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت صفیہ جنگ میں گرفتار ہو کر آئیں شادی شدہ تھیں۔ مگر فوراً ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے مشرف ہوئیں اور راستہ میں زفاف بھی ہوا۔ عدت وغیرہ کچھ نہ گزاری گئی۔ درمختار باب العدۃ میں ہے۔ وکذا لاتعتد مسبیۃ افترقت بتبائن الدارین لان العدۃ حیث وجبت انما وجبت حقا للعباد والحربی ملحق بالجماد الا الحامل فلا یصح تزوجها لا لانها معتدۃ بل لان فی بطنها ولداً ثابت النسب ثوبیۃ خرجت الینا مسلمۃ او ذمیۃ او مستامنۃ ثم اسلمت وصارت ذمیۃ الا الحامل۔ خلاصہ یہ ہے کہ کافر قیدی عورتیں غیر حاملہ سے نکاح اور صحبت فوراً درست ہے حاملہ سے فی الحال درست نہیں۔ کفار کا آپس کا نکاح شرعاً درست ہے اسی لئے قرآن کریم نے ام جمیلہ کو ابولہب کی بیوی فرمایا۔ وامرأتہ حمالۃ الحطب۔ اسی لئے ان کے بچے حلال ہیں کہ باپ کی میراث پائیں گے۔ اگر زوجین اسلام قبول کرلیں تو نئے نکاح کی ضرورت نہیں مگر زوال نکاح سے مسلمان پر عدت لازم نہیں کہ وہ نکاح قابل احترام نہیں اور نہ کافر شوہر صاحب استحقاق۔

احمد یار خاں عفی عنہ

مدارس کے چندہ سے مزدوروں کو اُجرت دینے کا بیان

فتویٰ نمبر ۷۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر مدارس اسلامیہ میں چندہ وصول کرنے والوں کی اُجرت اسی چندہ کی رقم سے نصف یا تہائی یا چوتھائی کی شرح پر دی جاتی ہے۔ حالانکہ چندہ میں آئی ہوئی رقم صدقات فطرات زکوٰۃ وغیرہ بھی ہوتی ہے۔ جس کی پوری مقدار مدرسہ میں پہنچنی چاہیئے۔ کیونکہ چندہ دینے والا اس پر راضی نہیں کہ اس کے دیئے ہوئے کا کوئی حصہ یہ سفیر حق سفارت میں وضع کرے اور اگر مہتمم مدرسہ سفیر سے یہ بھی کہہ دے کہ تم جس قدر چندہ وصول کرو گے اس کی مقدار کا نصف یا تہائی مدرسہ کے فنڈ سے دیا جائے گا۔ تب بھی اگرچہ وہ سفیر چندہ مدرسہ میں دے دے اور اس کی مقدار کا ایک حصہ مہتمم مدرسہ سے مدرسہ میں سے لے تب بھی اُجرت مجہول رہی۔ حالانکہ کام واُجرت دونوں معین ہونے ضروری ہیں اگر اُجرت مجہول رہی تو اجارہ فاسدہ ہوگا۔ جیسے کہ عالمگیری جلد ثالث کے پندرھویں باب کی

تیسری فصل کے مسائل میں مذکور ہے حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک بھی یہی تھا کہ چندہ کی مقدار کا کوئی حصہ کرنا ناجائز ہے اور اجارہ کو فاسد کر دیتا ہے اور غالباً مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب دامت برکاتہم بھی اپنے مدرسہ کے چندہ کرنے والوں کی تنخواہ ہی مقرر فرماتے ہیں اور اس قسم کے مذکورہ بالا اجارہ کو فاسد فرماتے ہیں لیکن محصلین چندہ کے بارے میں تجربات شاہد ہیں کہ وہ مقرر کرنے میں دل سے کام کرتے ہیں۔ اور اس طرح مہتممان مدرسہ بھی بے فکر رہتے ہیں اور تنخواہ دار سفیر تو محض مہینہ پورا کرتے ہیں۔ اسی مجبوری کو دیکھ کر اکثر مدارس اسلامیہ کے منتظمین نے تنخواہ دار سفراء کی اُجرت بجائے تنخواہ کے چندہ کا ہی ایک حصہ تہائی یا نصف وغیرہ مقرر کر دیا۔ اس کو جائز سمجھا جائے جیسے کہ کتاب کے پندرھویں باب کی تیسری فصل میں ہے۔ دفع غزلاً الی حائك لينسجه بالنصف فالثوب لصاحب الغزل ومشائخ بلخ يجوز واهذا الاجارة لمكان الضرورة والتعامل۔ حضور کی خدمت میں استدعا ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق دقیق سے مطلع فرمائیں تاکہ منتظمین مدرسہ و سفراء محصلین کے لئے اس کو اخباروں میں شائع کرا دیا جائے۔

بینوا توجروا۔

الجواب

سفیر مدرسہ کی اجرت چندہ کے نصف یا چہارم سے مقرر کرنا جائز ہے۔ شرعاً ممنوع نہیں لیکن اس میں اتنی احتیاط کی جائے کہ سفیر صدقات واجبہ کی رقم دوسرے صدقات میں مخلوط نہ کرے اور وہ رقم بعینہٖ مہتمم مدرسہ کے حوالہ کر دے۔ اس کے چہارم یا نصف کے بقدر دوسرے مال سے لے لے۔ یہ احتیاط جب ہے کہ جب سفیر غنی یا ہاشمی ہو اور مصرف زکوٰۃ نہ ہو لیکن اگر خود مصرف زکوٰۃ ہے تو اس احتیاط کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ مدرسہ کے طلباء اور مدرسین اور خدام کے سارے مصارف مدرسہ کے ہی مصارف ہیں ان میں سے کسی میں خرچ کرنا مدرسہ پر ہی خرچ کرنا ہے۔ لہٰذا دینے والوں کا اس سے ناراض ہونا بیکار ہے نیز یہ اجرت وصول چندہ کی ہے۔ لہٰذا یہ سفیر مثل عامل زکوٰۃ ہے۔ در مختار میں ہے او عامل نعم الساعی والعاشر فيعطى ولو غنى لا هاشمى لانه فرغ نفسه لهذا العمل كابن السبيل۔ رد المحتار میں ہاشمی عامل کے بارے میں فرمایا۔ ما ذكره هنا صريح فى عدم حل الاخذ مما جمعه من الصدقة لا من غيره فلا دليل على عدم صحة توليته عاملا اذا رزق غيرها نیز عالمگیری باب المصارف میں عامل کے متعلق ہے۔ فان عمل الهاشمى عليها ورزق من غيرها لاباس به هكذا فى الخلاصة۔ صاف معلوم ہوا کہ اگر غیر مصرف زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا عامل مقرر کر دیا جائے اور تنخواہ دوسرے پیسہ سے دی جائے تو جائز ہے۔ جہالت اجرت کا سوال بھی درست نہیں کیونکہ اجارہ اور بیع میں وہی جہالت فساد عقد کا باعث ہے جس سے جھگڑا پیدا ہو۔ ورنہ مطلق جہالت عقد کی مفسد نہیں۔ در مختار شروع کتاب الاجارہ میں ہے۔

وشرطها کون الاجارۃ والمنفعۃ معلومتین لان جہالتہما تفضی الی المنازعۃ نیز ہدایہ جلد ثالث باب خیار رؤیت میں ہے۔ ولان الجہالۃ لعدم الرؤیۃ لا تفضی الی المنازعۃ۔ چونکہ نصف و ربع اجرت مقرر کرنا باعث منازعت نہیں۔ لہٰذا جائز ہے۔ اسی لئے کھیت کی زمین کا نصف یا چوتھائی پیداوار پر اجارہ جائز ہے۔ ورنہ سفیر کو تنخواہ پر رکھنا بھی ناجائز ہونا چاہیئے کیونکہ اس کا عمل مجہول ہے۔ نہ معلوم کہ مہینہ میں کتنا سفر کرے گا یا کتنا چندہ وصول کرے گا۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اجیر کی اجرت اس کے عمل سے دینا ناجائز ہے۔ اسی لئے چکی والا کو پسائی میں آٹا دینا منع ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شئے میں عمل کرنے اور عمل سے اس شئے کے حاصل ہونے میں بڑا فرق ہے۔ چندہ کا پیسہ سفیر کی کوشش سے حاصل ہوا۔ سفیر نے اس پیسہ میں کوئی عمل نہیں کیا ہے۔ لہٰذا چندہ سے سفیر کو اجرت دینا جائز ہے۔ اور آٹے سے پسائی کی اجرت اور کپڑے سے بنوائی کی اجرت دینا منع۔ چندہ کھیت کی پیداوار کی طرح ہے۔ جس سے مزارع کو اجرت دینا جائز ہے۔ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کی ممانعت میری نظر سے نہیں گذری۔ اور نہ وجہ ممانعت سمجھ آئی۔ میرے قیام دھوراجی کے زمانہ میں مدرسہ منظر اسلام بریلی کے سفیر وہاں پہنچا کرتے تھے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ یہ حضرات چہارم چندہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فاتحہ اور ختم شریف کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے جلالپور جٹاں میں ایک مہاجر مولوی صاحب ہیں وہ حسب ذیل باتیں کرتے ہیں:۔

(۱) کھانے پر ختم دلوانا حرام ہے۔

(۲) میت کے لئے تین دن ماتم پرسی کے لئے بیٹھنا حرام ہے۔

(۳) بعد نماز جنازہ کے دعا کرنا حرام ہے۔

(۴) محفل میلاد شریف گیارھویں وغیرہ عرس بزرگان حرام ہے کیونکہ یہ چیزیں زمانہ پاک نبوی میں نہ تھیں لہٰذا بدعت ہیں اور بدعت حرام ہے۔

(۵) زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے نہ ہوا۔ اس کے ثبوت میں نہ آیت قرآنی ہے نہ کوئی صحیح حدیث وہ بدچلن اور فاحشہ عورت تھی پاس کا یوسف علیہ السلام کی بیوی ماننا شان نبوت کے خلاف ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَ

الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ۔

(٦) یوسف علیہ السلام کے بھائی بڑے گنہگار جھوٹے فریبی تھے۔ ان کی تعظیم کرنا گناہ ہے براہ مہربانی فرمایا جاوے کہ آیا یہ اعتقاد درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مولوی مذکور کے یہ تمام مسائل غلط اور بے بنیاد ہیں۔ ختم۔ فاتحہ۔ دُعا بعد نماز جنازہ وغیرہ کار خیر ہیں۔ ان کے کرنے والا مستحق ثواب ہے۔ ان مسائل کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ میں دو قاعدے عرض کرتا ہوں پہلے قاعدے سے ان چار مسائل کا فیصلہ خود بخود ہو جاوے گا۔ اور دوسرے قاعدے سے انشاء اللہ آخری مسئلے خود بخود حل ہو جائیں گے۔ حرام و حلال جاننے کے لئے ایک قاعدہ ضرور خیال میں رکھنا چاہیئے۔ وہ یہ کہ حرام یا ناجائز کام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا۔ اور اس سے منع فرمایا۔ حلال وہ کام ہے۔ جو اللہ و رسول نے منع نہ فرمایا ہو یا تو اس طرح کہ ان کے حلال ہونے کا ذکر فرمایا ہو یا اس طرح کہ ان سے سکوت ہو۔ ان کا ذکر ہی نہ فرمایا ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا۔ معلوم ہوا کہ جو باتیں اللہ کے رسول نے ذکر نہ فرمائیں وہ معاف ہیں۔ مشکوٰۃ شریف جلد دوم کتاب الاطعمہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الحلال ما احل الله والحرام ماحرم الله وما سکت عنه فهو معفو: حلال وہ جسے اللہ تعالیٰ نے حلال فرما دیا۔ حرام وہ جسے رب تعالیٰ نے حرام فرما دیا اور جس سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔ شامی عالمگیری وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے۔ کہ الاصل فی الاشیاء الاباحة۔ ہر چیز اصل میں مباح ہے۔ ممانعت سے حرام ہوگی۔ جیسے کوئی چیز بغیر امر کے واجب نہیں ہو سکتی۔ ایسے ہی بغیر ممانعت کے حرام نہیں ہو سکتی۔ اب جو شخص گیارھویں وغیرہ کسی چیز کو حرام کہے۔ اس سے مطالبہ کرو۔ کہ دکھاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہاں منع فرمایا ہے یہ کہنا کہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو وہ حرام ہے۔ یہ قاعدہ بالکل غلط ہے۔ چھ کلمے ایمان مجمل۔ ایمان مفصل۔ قرآن شریف کے تیس پارے۔ پورا علم حدیث یعنی اسناد کی جرح اور حدیث کے اقسام ضعیف۔ حسن۔ صحیح۔ مفصل۔ مدلس وغیرہ ان کے احکام کہ ضعیف سے حسن اعلیٰ ہے۔ حسن سے صحیح قوی ہے پورا علم فقہ اور اس کی اصطلاحیں۔ علم اصول فقہ۔ اصول حدیث۔ اسلامی مدرسے۔ وہاں کا نصاب۔ دستار بندی سند لے کر مولوی بننا۔ شریعت کے چاروں سلسلے حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ طریقت کے سلسلے قادری۔ چشتی۔ نقشبندی سہروردی وغیرہ۔ ان میں کوئی چیز زمانہ نبوی میں نہ تھی۔ نقشبندی اور چشتی فارسی الفاظ ہیں۔ ان چیزوں کو تمام دنیا محض جائز ہی نہیں بلکہ ضروری مانتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی شے کا زمانہ نبوی کے بعد ایجاد ہونا حرام کا سبب نہیں۔ نیز فاتحہ وغیرہ میں

دو عبادتوں کا جمع کرنا ہے۔ یعنی تلاوت قرآن اور صدقہ۔ جب یہ دونوں عبادتیں علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو جمع ہو کر مزید حلال ہیں۔ حلال چیزوں کا مجموعہ حلال ہی ہوتا ہے۔ جیسے بریانی۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے ثبوت کے لئے ہر جگہ نص قرآنی یا صحیح حدیث کی ہی ضرورت نہیں ثبوت کے ذریعہ چار ہیں۔ وحی۔ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حواس، دلالت عقلی۔ آخرت کے معاملات وحی یا قول رسول سے ثابت ہیں۔ مکہ معظمہ کا ثبوت ہمیں مشاہدہ سے ہوا۔ رب تعالیٰ کی ذات اس کی واحدانیت عقل سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اسی لئے جسے تبلیغ رسول نہ پہنچے۔ اسے بھی توحید پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ففی کل شیئ لہ اٰیۃ تدل علی انہ واحد۔ بلکہ علامہ شامی نے کتاب الشہادت میں فرمایا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں۔ جن میں صرف شہرت یا علامت سے بھی گواہی دی جا سکتی ہے جیسے نسب نکاح اوقات تبرکات۔ کسی کا سید مشہور ہونا۔ یا کسی پردیسی کا اپنے بال بچوں کو لے کر مثل زن و شوہر رہنا بسنا۔ اس سے سید ہونے یا اس کے نکاح کے علامات ہیں۔ اسی طرح کسی عمارت کے مینارے و گنبد ہونا اس کے مسجد ہونے کی علامت ہے اگرچہ ہمیں واقف کی خبر نہ وقف کی۔ بلکہ اس علامت پر ہم اس کے مسجد ہونے کی گواہی دے سکتے ہیں۔ ملا علی قاری نے ملک متقسط میں لکھا کہ حاجی ہر اس مقام کی زیارت کرے جس کی زیارت عام مسلمان کرتے ہوں۔ ثبوت کے درپے نہ ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ مسلمان رب تعالیٰ کے گواہ ہیں اسی لئے عام مسلمان جسے ولی اللہ کہیں۔ وہ واقعی رب کا ولی ہوتا ہے۔ جیسے حضور غوث پاک یا خواجہ اجمیری قدس سرہٗ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انتم شہداء اللہ فی الارض۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھ لو۔ کہ حضرت زلیخا کا نکاح یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایک تاریخی واقعہ ہے جو مسلمانوں میں عام طور سے مشہور رہا ہے۔ علماء صوفیاء محدثین مفسرین نے بیان فرمایا۔ جیسے تفسیر جلالین و کبیر و مدارک وغیرہ میں علامہ جلال الدین سیوطی و فخر الدین رازی وغیرہم نے بیان فرمایا۔ اتنی شہرت اتنے اکابر کا بیان کرنا اس تاریخی واقعہ کے ثبوت کے لئے کافی ہے جو اس کا انکار کرے۔ وہ کوئی نفی کی حدیث پیش کرے۔ در مختار کتاب الشہادۃ میں ہے۔ ولا یشہد احد مما لم یعاینہ بالاجماع الا فی عشرۃ علی ما فی شرح الوہبانیۃ منہا العتق والولاء عند الثانی والمہر علی الاصح بزازیہ والنسب والموت والنکاح والدخول بزوجتہ و لایۃ القاضی واصل الوقف وقیل وشرائطہ علی المختار کما مر فی باب فلہ الشہادۃ بذالک اذا اخبرہ بہا بہذا الاشیاء من یصح یثق الشاہد بہ من خبر جماعۃ لا یتصور تواطؤہم علی الکذب بلاشرط عدالۃ وشہادۃ عدلین۔

جب محض نکاح پر نکاح کے احکام وراثت و مہر وغیرہ جاری ہو جاتے ہیں۔ تو حضرت زلیخا کے نکاح پر تو ہمیں

کوئی احکام بھی جاری نہیں کرتا ہے۔ وہ بدرجہ اولیٰ ان خبروں سے ثابت ہونا چاہیے۔ حضرت زلیخا نہ فاحشہ تھیں نہ بدچلن قرآن کریم نے ان کے متعلق صرف اتنا بیان فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ۔ حضرت زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کیا۔ قصد زنا نہیں۔ نہ اس پر احکام زنا جاری ہوں۔ اور یہ قصد بھی حسن یوسف پر دارفتہ ہونے کی وجہ سے ہوا جیسے مصری عورتوں نے اس جمال یوسفی کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ جیسے وہ عورتیں معذور تھیں۔ ایسے ہی حضرت زلیخا نے وارفتگی اور بے خودی کی حالت میں یہ کیا۔ پھر قرآن کریم نے حضرت زلیخا کی سچی توبہ کا ذکر بھی فرمایا ہے کہ زلیخا نے کہا۔ اَلْاٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ اب حق ظاہر ہو گیا میں نے ہی انہیں رغبت دی تھی اور اپنے جرم کا اقرار کر رہی ہے۔ تو جتنے گناہ حضرت زلیخا سے ہوئے۔ وہ سب اس توبہ سے معاف ہو گئے۔ تعجب ہے کہ رب تعالیٰ تو ان کی توبہ کا اعلان کرے اور یہ گستاخ انہیں فاحشہ ہی کہے جاویں۔ نیز حضرت زلیخا نے یوسف علیہ السلام پر بہت سے احسانات کئے۔ ان پر اپنی جان و مال نثار کیا۔ ایسی ایسی محسنہ کو گالیاں دینا اپنی آخرت برباد کرنا ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

جبری نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو مجبور کر کے اسلحہ دکھا کر اس کی نابالغہ لڑکی کا نکاح عمرو سے کرا دیا گیا۔ لڑکی نے بالغ ہوتے ہی ——— خون دیکھتے ہی نکاح فسخ کر دیا تو نکاح جبری صحیح ہوا یا نہیں؟ اگر صحیح ہوا تو فسخ ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر صغیرہ کا ولی جبراً صغیرہ کا نکاح کفو میں کر دے یا خود کبیرہ اپنے کفو میں کر دے تو نکاح درست ہے اور اگر غیر کفو میں کرے تو نکاح درست نہیں۔ حاکم علیحدگی کا حکم دے دے گا۔ شامی شروع کتاب النکاح میں ہے۔ زوجها اولیاءها مکرهین فالنکاح جائز و یقول القاضی للزوج ان شئت اتمم لها مهر مثلها والا فرق بينهما ان كان كفوا لها والا فرق بينهما ولا شئ لها۔ باپ دادا اگر صغیرہ کا نکاح کر دیں تو وہ بالغ ہو کر نہیں ٹوٹ سکتا۔ ہاں اگر ان کے متعلق مشہور ہو کر وہ رشوت یا بے پرواہی سے نامناسب جگہ اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دیتے ہیں یا انہوں نے دیوانگی یا بے ہوشی کی حالت میں نکاح غلط جگہ کیا ہو۔ تو صغیرہ بالغہ ہو کر نکاح فسخ کر سکے گی۔ شامی باب الاولیاء میں ہے۔ ولزم النکاح ولو بغبن فاحش

او بغیر کفو ان کان الولی المزوج ابا او جدا لم یعرف منهما سوء الاختیار مجانۃ وفسقا وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران فزوجها من فاسق او شریر او فقیر او ذی حرفۃ دنیئۃ لظهور سوء اختیارہ۔ اگر باپ دادا پہلے سے اس کام میں مشہور ہوں کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح بے پرواہی یا رشوت وغیرہ سے غیر کفو میں کر دیتے ہوں۔ تب لڑکی فسخ کر سکے گی ورنہ نہیں۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ والحاصل ان المانع هو کون الاب مشهور السوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشهورا بذالک ثم زوج بنتہ من فاسق صح۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

پاگل خاوند سے طلاق لینے کا بیان

فتویٰ نمبر ۸۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا شوہر گیارہ برس سے پاگل ہے۔ کسی وقت ہوش میں نہیں آتا۔ اب اس کے طلاق کی کیا صورت ہے؟ کسی امام کے مذہب پر اسے نکاح سے علیحدگی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

بہتر یہ ہے کہ عورت صبر کرے۔ بعض علماء نے حسب ذیل شرائط کے ماتحت عورت کو فسخ نکاح کی اجازت دی ہے۔ دیکھو رسالہ الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ

۱۔ عورت کی طرف سے جنون پر رضامندی نہ پائی جاوے اگر نکاح سے پہلے جنون کا پتہ تھا اس کے باوجود نکاح کیا تو فسخ کا اختیار نہیں۔ اگر نکاح کے بعد جنون یا خبر جنون ہوئی تو کبھی عورت نے رضامندی ظاہر نہ کی ہو۔ اگر ایک بار بھی رضامندی ظاہر کر دی تو خیار گیا۔

۲۔ جنون کا پتہ لگنے کے بعد عورت نے اپنے اختیار سے مرد کو جماع یا دواعی جماع کا موقعہ نہ دیا ہو اور اگر کبھی موقع بخوشی دیا تو فسخ کا اختیار گیا۔

نوٹ ضروری، اگر معمولی جنون تھا عورت نے شوہر کو جماع کا موقعہ بخوشی دے دیا۔ پھر بعد میں جنون ترقی کر گیا تو بھی عورت کو فسخ کا اختیار ہوگا۔ کیونکہ جس جنون سے عورت راضی ہوئی وہ اور نوعیت کا تھا۔ یہ دوسری نوعیت کا ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

سورتوں کی ترتیب اور سورۃ چھوڑنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۸۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام پہلی رکعت میں اذا جاء اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ دوسرا امام خلاف ترتیب سورتیں پڑھتا ہے۔ مثلاً پہلی میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ دوسری میں اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

۱۔ دو رکعتوں کی سورتوں میں یا تو چند چھوٹی سورتوں کا فاصلہ چاہیے۔ یا ایک بڑی سورت کا اور اذا جاء اور قُلْ هو اللہ کے درمیان تبت یدا ہے جو چھوٹی سورت ہے لہٰذا ایک چھوٹی سورۃ کا فاصلہ کرکے ہے لہٰذا اس طرح پڑھنا مکروہ ہے۔ در مختار باب القرأت میں ہے ــ ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ۔ عالمگیری باب القرأۃ میں ہے ۔ واذا جمع بین سورتین بینہما سور او سورۃ واحدۃ فی رکعۃ واحدۃ یکرہ واما فی الرکعتین ان کان بینہما سور یکرہ وان کان بینہما سورۃ واحدۃ قال بعضہم یکرہ و قال بعضہم ان کانت السورۃ طویلۃ لا یکرہ ھکذا فی المحیط کما اذا کان بینہما سورتان قصیرتان واللہ ورسولہ اعلم۔

۲۔ فرض نماز میں قرآن کی سورتیں ترتیب قرآن کے مطابق پڑھنا واجب ہے اگر عمداً خلاف ترتیب پڑھی جاویں تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ جس کا لوٹانا ضروری ہوگا۔ در مختار باب القرأۃ میں ہے ۔ ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسا الا اذا ختم فیقرأ من البقرۃ ۔ اس کے حاشیہ رد المحتار میں اسی جگہ ہے۔ بان یقرء فی الثانیۃ اعلیٰ مما قرء فی الاولیٰ لان ترتیب السور فی القرأۃ من واجبات التلاوۃ وانما جوز للصغار تسہیلاً لضرورۃ التعلیم۔ اسی طرح عالمگیری باب القرأۃ میں ہے۔ واذا قرء فی رکعۃ سورۃ وفی الرکعۃ الاخری او فی تلک الرکعۃ سورۃ فوق تلک السورۃ یکرہ ۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز میں ترتیب قرآن کا لحاظ واجب ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم

احمد یار خاں نعیمی

غائب خاوند کے موت کی خبر پر بیوی کا دوسری جگہ نکاح کرنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں۔

۱۔ ایک عورت کا خاوند غائب ہے۔ کسی طرح اس کی موت کی خبر آئی۔ آیا اس خبر پر وہ عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ کیا وہ نوے سال پورے کرے۔ یونہی کوئی اجنبی عورت کہہ دے کہ میرا خاوند مارا گیا یا مجھے طلاق دے چکا ہے۔ آیا اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ پاکستان بنتے وقت جو انقلاب ہوا اس وقت بعض مہاجرین سکھوں میں گھرے ہوئے دیکھے گئے مگر انہیں مرتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ آیا وہ مفقود کے حکم میں ہیں یا ان کی بیویاں دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ جو جنگ جرمن میں گئے اور لاپتہ ہو گئے۔ ان کی عورتیں کیا کریں؟

۳۔ بعض جنگ جرمن میں جانے والے لاپتہ سپاہیوں کے متعلق دفتر سے اطلاع ملی کہ سنا گیا ہے وہ مارا گیا۔ اس خبر پر اعتماد کر کے ان کی بیویاں نکاح کر سکتی ہیں۔ ان مسائل کی اس وقت سخت ضرورت در پیش ہے اس مشکل کو حل کیا جائے۔

الجواب

۱۔ صورت مذکورہ میں اگر موت کی خبر دینے والا فاسق فاجر نہ ہو۔ بلکہ نیک متقی آدمی ہو جس کی خبر قابل اعتبار ہو۔ تو عورت مذکورہ اپنا نکاح دوسری جگہ کر سکتی ہے کیونکہ اس خبر سے وہ شخص مفقود نہ رہا۔ مفقود تو وہ ہے۔ جس کی کسی طرح کی خبر نہ ملے بلکہ یہ غائب ہوا۔ اور غائب کے اور احکام ہیں۔ مفقود کے کچھ اور۔ درمختار باب العدۃ میں ہے۔

اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات اوطلقها ثلاثا او اتاها منه كتاب على ثقة بالطلاق ان اكبر رأيها انه حق فلا باس ان تعتد وتتزوج وكذا لو قالت امرأة لرجل طلقني زوجي وانقضت عدتي لا باس ان ينكحها۔ اسی طرح اگر اجنبی عورت بیان کرے کہ میرا خاوند مر گیا۔ میری عدت بھی پوری ہو چکی تو اس کا اعتبار کرنا درست ہے اور نکاح جائز ہے جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوا۔

۲۔ ایسے لوگ بے شک مفقود تو ہیں۔ مگر ہر مفقود کا حکم یکساں نہیں۔ جو آدمی ایسی آفت میں گرفتار ہو کر لاپتہ ہو جائے اس کے لئے اتنی دراز مدت انتظار کرنا ضروری نہیں۔ اس کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ شخص قوم کا بڑا آدمی تھا۔ جیسے بادشاہ یا وزیر یا کوئی بڑا آدمی جس کی زندگی مشتہر ہو جاتی ہے اس کے لئے تھوڑے دن انتظار کیا جائے اور جو غیر معروف

وتک میں ان کے لئے اس قدر انتظار کر لیا جاوے۔ جس سے غالب گمان ہو جاوے کہ وہ مر گیا ہوگا۔ پھر اس کی بیوی اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ نوے سال کی عمر اس مفقود کے لئے ہے جو ویسے ہی گھر سے لاپتہ ہو گیا ہو۔ چنانچہ شامی کتاب المفقود میں ہے۔ واذا فقد فی مہلکۃ فموتہ غالب فیحکم بہ کما اذا فقد فی وقت الملاقات مع العدو او مع قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب ھلاکہ او کان سفرہ فی البحر وما اشبہ ذالک حکم بموتہ لانہ الغالب فی ھذہ الحالات۔ اسی شامی میں اسی مقام پر ہے۔ لکن لایخفی انہ لابُدَّ من مضی مدۃ طویلۃ حتّٰی یغلب علی الظن موتہ لا بمجرد فقدہ عنہ ملاقاتہ العدو او سفر البحر الا اذا کان ملکا عظیما فانہ اذا بقی حیا تشتہر حیاتہ۔ غرضکہ دشمن یا چوروں میں پھنس کر لاپتہ ہونے والا ایسے ہی مہلک بیماری کا لاپتہ مریض اور سمندر کا مسافر وغیرہ سب کا یہی حکم ہے کہ اس میں غلبہ ظن کا اعتبار ہے۔

۳ اس صورت میں اگر فوجی دفتر سے کوئی پرہیز گار مسلمان کہے کہ میں نے سنا ہے کہ فلاں مارا گیا۔ تو اس کی بات قابل اعتبار ہے۔ عورت دوسرے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ بعد میں اگر بہت سے لوگ بھی کہیں کہ وہ زندہ ہے کسی کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق باب العدۃ میں ہے۔ قال رجل لامرأۃ سمعت ان زوجک مات لھا ان تتزوج ان کان المخبر عدلا فان تزوجت باخر والخبرھا جماعۃ بانہ حی ان صدقت الاول صح النکاح کذا فی فتاوی النسفی۔ اور اس جنگ میں گئے ہوئے لوگ جو کہ دشمن میں گھر کر لاپتہ ہوئے ہیں۔ اس لئے اب وہ وفات پا چکے ہیں۔ اگر کوئی خبر نہ بھی دے جب بھی ان کی بیویاں اپنا نکاح کر سکتی ہیں۔ جیسے کہ دوسرے جواب سے معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

نکاح فاسد و باطل کا فرق

فتویٰ نمبر ۸۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) نکاح فاسد و باطل میں کیا فرق ہے۔ اور ان کے احکام کیا ہیں؟

(۲) اور اگر حلالہ کی صورت میں نکاح فاسد کر دیا گیا۔ تو حلالہ درست ہوا یا نہیں۔

الجواب

۱ جس نکاح کے جواز میں علمائے امت کا اختلاف ہو۔ وہ نکاح فاسد ہے اور جس کے فساد میں اتفاق ہو۔ وہ نکاح باطل ہے۔ اور جس کے جواز میں اتفاق ہو وہ نکاح صحیح ہے لہذا بغیر گواہ کے نکاح یا دوسرے کی عدت میں نکاح

کی وجہ سے یا دو بہنوں سے نکاح یا ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح یا چار بیویوں میں سے ایک کی عدت میں پانچویں سے نکاح۔ حرہ کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح۔ یہ تمام نکاح فاسد ہیں۔ شامی جلد دوم باب نکاح الفاسد میں ہے۔ ان کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شھود فالدخول فیہ موجب العدۃ۔ اسی جگہ در مختار میں ہے۔ وھو الذی فقد شرطھا من شرائط الصحۃ کشھود اس کشہود کی شرح میں علامہ شامی نے فرمایا۔ ومثلہ تزوج الاختین معاً و نکاح الاخت فی عدۃ الاخت و نکاح المعتدۃ والخامسۃ فی عدۃ الرابعۃ والامۃ علی الحرۃ۔ اور نکاح باطل وہ ہے جس کی حرمت میں تمام علماء کا اتفاق ہو۔ جیسے جان بوجھ کر دوسرے کی عدت میں نکاح کر لینا یا محرمات سے نکاح یا منکوحہ غیر سے نکاح: شامی میں اسی جگہ ہے۔ واما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انھا للغیر ولھذا یجب الحد مع العلم بالحرمۃ لانہ زنا۔ یہ فرق خیال میں رہے۔ غرضکہ اگر عورت یا مرد محل نکاح نہیں ہے جیسے محرمہ یا منکوحہ غیر یا مشرکہ تب تو نکاح باطل ہے اور اگر عورت تو محل نکاح ہے مگر کوئی شرط نکاح مفقود ہے۔ تب نکاح فاسد اسی طرح اگر محل نکاح نہ ہو۔ جیسے مسلمہ کے لئے کافر یا مرتد مرد تب بھی نکاح باطل ہے۔ ان دونوں کے احکام میں فرق یہ ہے کہ نکاح فاسد میں وطی کے بعد عدت اور مہر مثل لازم ہوگا۔ اس سے نسب ثابت ہوگا۔ اس میں عورت مرد ہر ایک کو فسخ کا اختیار رہوگا۔ اور اگر مرد و عورت حرام سمجھ کر یہ نکاح کریں تو ان پر حد ہے اور باقی ثبوت نسب عدت۔ مہر وغیرہ کچھ نہیں۔ کیونکہ یہ زنا ہی ہے۔ در مختار باب العدۃ میں ہے۔ ھی تربص یلزم المرأۃ عند زوال النکاح فلا عدۃ لزنا او شبہ کنکاح فاسد و مزفوفۃ لغیر زوجھا۔ اسی جگہ شامی میں ہے۔ لو تزوج امرأۃ الغیر ودخل بھا عالما بذالک لا یحرم علی الزوج وطأھا لانہ زنا در مختار باب نکاح الفاسد میں ہے۔ ویجب مھر المثل فی النکاح الفاسد بالوطی لا بالخلوۃ ولم یزد علی المسمی ویثبت لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا تجب العدۃ بعد الوطی لا الخلوۃ من وقت التفریق ویثبت النسب۔

۲۔ نکاح فاسد سے حلالہ درست نہیں۔ حلالہ میں شرط یہ ہے کہ دوسرا زوج نکاح صحیح کر کے صحبت کرے تب حلالہ درست ہوگا۔ در مختار باب الرجعۃ میں ہے۔ ولا ینکح مطلقۃ بھا ای بالثلث لو حرۃ و ثنتین لو امۃ حتی یطأھا غیرہ بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف وتمضی عدۃ۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

خیار بلوغ کے فسخ میں حاکم کے فیصلہ کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خیار بلوغ کی صورت میں لڑکی کا صرف فسخ کرنا کافی ہے یا حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہے۔ اگر حاکم کے فیصلے کی ضرورت ہو تو اگر لڑکی نے نکاح فسخ کر دیا مگر ابھی حاکم نے فیصلہ نہیں کیا ہے۔ تو کیا نکاح باقی ہے اور عورت مرد کو حلال ہے اور زوجین میں سے ایک دوسرے کی میراث کا مستحق ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

خیار بلوغ کی صورت میں لڑکی کے نکاح فسخ کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ نکاح حاکم کے فیصلہ سے ٹوٹے گا۔ البتہ فسخ کر دینے سے فسخ نکاح کا استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا لڑکی کے انکار کرنے کے بعد حاکم کے فیصلے سے پہلے نکاح بدستور باقی رہتا ہے کہ صحبت بھی جائز اور توارث بھی جاری۔ عالمگیری باب الاولیاء میں ہے۔ وان زوجها غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ ویشترط فیه القضا بخلاف خیار العتق فان اختار الصغیر والصغیرة بعد البلوغ فلم یفرق القاضی بینهما حتی مات احدهما توارثا ویحل للزوج ان یطأها ما لم یفرق القاضی بینهما۔

طلاق نامے میں ایک سال پیشتر کی تحریر کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل بعض لوگ طلاق نامہ میں لکھتے ہیں کہ میں ایک سال پہلے طلاق دے چکا ہوں۔ مگر باقاعدہ تحریر آج کر رہا ہوں اس صورت میں طلاق نامہ کی تحریر کے بعد عدت لازم ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں طلاق نامہ کی تحریر کے وقت سے ہی طلاق مانی جاوے گی۔ اور اس ہی وقت سے عدت شروع ہوگی اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس میں تہمت ہے کہ شاید عدت سے بچنے کے لئے یہ حیلہ کیا ہو۔ اگر عورت تصدیق بھی کر دے کہ واقعی مجھے فلاں زمانہ میں ہی طلاق دی تھی۔ جب بھی حکم یہی ہے۔ درمختار باب العدۃ میں ہے۔ لو اقر

بطلاقها منذ زمان ماض فان الفتوی انها من وقت الاقرار نفیا التهمة المواضعة لکن ان کذبته فی الاسناد او قالت لا ادری وجبت العدة من وقت الاقرار ولها النفقة و السکنی وان صدقته فکذالک غیر انه لا نفقة ولا کسوة ولا سکنی لها۔ اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ ای سواء صدقته او کذبته ام قالت لا ادری مگر منکر اقرار طلاق کی صورت میں اگر عورت تصدیق کر دے تب عدت تو واجب رہے گی مگر نفقہ لازم نہ رہے گا۔ اور اگر تکذیب کرے تو عدت بھی لازم اور نفقہ بھی واجب۔ ہاں اگر مقر اعلیٰ درجہ کا متقی پرہیزگار ہو جس پر جھوٹ بولنے کا گمان نہ ہو سکے تو اس کا اقرار معتبر ہوگا اور اب عدت علیحدہ کرنی لازم نہ ہوگی۔ اسی جگہ شامی میں ہے۔ وفی الفتح ان فتوی المتاخرین مخالفة للائمة الاربعة وجمهور الصحابة والتابعین وحیث کانت فی لغتهم للتهمة فینبغی ان یتحری به محالها والناس الذین هم مظانها۔ اور اگر عورت مقر کے پاس ہی اب تک رہی ہو تب تو ظاہر ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ ورنہ اس نے اب تک عورت کو اپنے پاس کیوں رکھا اور طلاق چھپائی کیوں۔ اور جھوٹے فاسق کی خبر ناقابل قبول ہے۔ شامی نے اسی جگہ فرمایا۔ زجرا له حیث کتم طلاقها وهو المختار۔ واللہ ورسولہ اعلم

احمد یار خاں غفی عنہ

ماہ رمضان مبارک میں علانیہ کھانے پینے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض مسلمان رمضان شریف میں بلا عذر بازاروں میں علانیہ کھاتے پیتے ہیں۔ ان کی سزا اسلام نے کیا مقرر فرمائی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ایسے لوگ یا تو روزے کی فرضیت کے منکر ہیں۔ یا دین کا مذاق اڑاتے اور شعار اسلامی یعنی ماہ رمضان مبارک کی توہین کرتے ہیں ان کے متعلق علمائے کرام اور آئمہ دین کا اتفاق ہے کہ قتل کر دیئے جاویں۔ بعض گناہ جو دین کی توہین کا موجب ہوں ان کا یہی حکم ہے۔ در مختار کتاب الصوم بحث کفارہ میں ہے۔ ولو اکل عمدا شهرة بلا عذر یقتل وتمامة فی شرح الوهبانیة۔ اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال فی الوهبانیة ؎

ولو اکل الانسان عمدا او شهرة ٭ ولا عذر فیه قیل بالقتل یؤمر

قال الشرنبلالی صورتها تعمد من لا عذر له الاکل جهارا یقتل لانه مستهزئ بالدین او منکر لما ثبت منه بالضرورة ولاخلاف فی حل قتله والامر به فتعبیر المؤلف

بقبیل لیس بلازم للنصف: بلکہ رمضان شریف کا ادب تو یہ ہے کہ معذور بھی چھپ کر کھائے پئے۔ لیکن یہ قتل حکومت اسلامیہ کا فرض ہے۔ ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں جیسے قصاص اور زنا۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

غیر کفو میں نکاح کرنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بالغ لڑکی نے اپنا نکاح بغیر ماں باپ کی اجازت کے ایسی ہلکی قوم میں کر لیا جس سے اس قبیلہ کا نکاح کبھی نہیں ہوتا۔ بلکہ لڑکی والے اس قوم میں لڑکی دینا اپنی سخت ذلت و رسوائی محسوس کرتے ہیں۔ جب ماں باپ کو خبر ہوئی تو انہوں نے فوراً اس نکاح سے اپنی ناراضگی ظاہر کی۔ فرمایا جاوے کہ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس لڑکی پر عدت واجب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں صحیح یہ ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوا کیونکہ اگر بالغ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کے لئے اذن ولی شرط ہے ورنہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ در مختار باب الولی کتاب النکاح میں ہے۔ فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضا ولی و یروی للولی الاعتراض فی غیر الکفو فیفسخہ القاضی مالم تلد و یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان۔ اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ وقال شمس الائمۃ وھذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامۃ قاسم۔ اگر اس نکاح کے بعد صحبت ہوگئی ہے تو عدت ہے ورنہ نہیں۔ واللہ و رسولہ اعلم

احمد یار خاں عفی عنہ

بغیر ماتم کے فقط تعزیہ بنانے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسا تعزیہ جس میں نہ دُلدل ہو نہ کوئی قبر نہ اس کی پوجا ہو بلکہ محض یادگار حسین رضی اللہ عنہ منانے کے لئے بعض ارباب محبت امام عالی مقام کے روضہ کا نقشہ بنا کر تیار کریں اور زیارت کریں یا دو تعزیہ

کو کندھوں پر اٹھا کر گلی کوچوں میں لئے پھریں۔ ایسا تعزیہ نکالنا حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا حلال۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مذکورہ تعزیہ جس میں مذکورہ بالا محرمات نہ ہوں بنانا حلال ہے کیونکہ یہ محض غیر جاندار چیز کا نقشہ ہے جیسے مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ کے نقشے مگر مروجہ تعزیہ داری حرام ہے حسب ذیل وجوہ سے۔

۱۔ یہ تعزیہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ کا صحیح نقشہ نہیں۔ نہ تو تعزیہ بنانے والوں نے کربلا معلیٰ جاکر وہاں کا روضہ دیکھا ہے اور نہ وہاں کا صحیح نقشہ دیکھ کر اس کی نقل کی ہے بلکہ ہر تعزیہ دار علیحدہ فیشن کا تعزیہ بناتا ہے۔ اب اس غلط اور جعلی نقشہ کو سید الشہداء کے روضہ کی تصویر سمجھ کر اس کی تعظیم کرنا حرام ہے۔ جس درخت کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان لی تھی۔ وہ اصل درخت تو گم ہوگیا تھا۔ لوگوں نے غلطی سے دوسرے درخت کی زیارت کرنا شروع کردی۔ یہ سمجھ کر کہ یہ وہی بیعت والا درخت ہے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ درخت کٹوا دیا تاکہ غلط فہمی دور ہو۔ وہ بھی غلط چیز کی ہی زیارت کرتے تھے۔ اور موجودہ جاہل مسلمان بھی غلط نقشہ کی زیارت و تعظیم کرتے ہیں یہ بھی اسی طرح واجب الہلاک ہے۔

۲۔ اس تاریخ میں مروجہ جلوس نکالنا یزیدیوں کی نقل ہے۔ کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے سر اور باقی قیدی اہل بیت کا جلوس نکالا۔ یہ مسلمان ان کی نقل کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منھم۔ عاشورہ کے دن کی عبادت روزہ اور صدقہ وخیرات ہے۔ نہ کہ مروجہ ناچ کود۔

۳۔ تعزیہ بنا کر اسے دفن کر دینا مال برباد کرنا ہے۔ جو حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کلوا واشربوا ولا تسرفوا ان اللہ لا یحب المسرفین ۝

۴۔ اس غلط نقشہ کا جلوس نکالنا اسے کندھوں پر اٹھائے پھرنا بازاروں میں گشت لگانا فعل لغو ہے۔ نہ اس میں دینی نفع ہے نہ دنیاوی فائدہ۔ یہ بھی حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ھم عن اللغو معرضون۔ حدیث شریف میں ہے۔ کل لھو حرام الا ثلثۃ۔

۵۔ یہ فعل موجودہ روافض کی نقل ہے۔ کفار مرتدین کی نقل اتارنا بھی حرام ہے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یادگار یہ کھیل کود نہیں بلکہ ان کی یادگار پابندی نماز اس دن روزہ صدقہ خیرات ہے۔ اور آج کل پاکستان میں تیاریٔ جہاد کرنا اور اب ووٹ کے موقعہ پر نا اہلوں کو ووٹ نہ دینا ان کی بڑی یادگار ہے کہ اس جناب نے سر دے دیا مگر یزید نا اہل کو ووٹ نہ دیا۔ امام حسین علیہ السلام کی ذات عالی ایسی واہیات یادگاروں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

ہاں اگر صحیح نقشہ تیار کیا جاوے۔ جس کی زیارت کی جاوے اسے دفن نہ کیا جاوے بلکہ محفوظ رکھا جاوے بلاشبہ جائز ہے بلکہ سنت انبیاء ہے۔ طالوت بادشاہ کے پاس تابوت سکینہ رب تعالیٰ نے بھیجا جس میں گذشتہ انبیاء کرام

سے تبرکات اور آئندہ پیغمبروں کی تصاویر اور ان کے مکانوں کے نقشے جس کی تعظیم و توقیر کرائی گئی۔ اس کی برکت سے فتح حاصل کی گئی۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۸۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کی بیٹی زید کے نکاح میں تھی پہلے تو زن و شوہر کا اتفاق رہا۔ پھر ان میں نا اتفاقی ہو گئی۔ عمرو نے زید کو بہانے سے بلا کر اندر بند کر کے چند آدمیوں کو مارنے کے لئے بلا لیا اور کہا کہ یا تو میری بیٹی کو طلاق لکھ دو۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھوؤ۔ زید نے بے بسی کی حالت میں طلاق تحریر کر دی فرمایا جائے طلاق ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں اگر زید نے منہ سے طلاق کے لفظ نہ بولے ہوں۔ صرف تحریر کر دی ہو۔ تو طلاق نہ ہوئی۔ وہ عورت بدستور زید کے نکاح میں ہے۔ عالمگیری کتاب الطلاق باب الکنایات فصل طلاق بالکتابت میں ہے۔ رجل اکرہ بالضرب والحبس علیٰ ان یکتب طلاق امرأتہ فلانۃ بنت فلان فکتب امرأتہ فلانۃ بنت فلان طالق لا تطلق امرأتہ کذا فی فتاوی قاضی خان۔ اور چاہیے بھی یہ کہ طلاق نہ ہو فان الطلاق بالخبر یصح خلافاً القیاس للحدیث ثلثۃ جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والاعتاق اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم وکل نص مخالف للقیاس یقتصر علی مورده فھذا الحدیث یقتصر علیٰ تطلیقہ بالکلام ولا تتعدی الی الکتابۃ۔ اسی لئے اگر جبراً طلاق کا اقرار کرایا گیا۔ تو معتبر نہیں حالانکہ بحالت خوشی اقرار طلاق بھی طلاق ہے اسی عالمگیری من یقع طلاق میں ہے۔ واجمعوا علی انہ لو اکرہ علی الاقرار بالطلاق لا ینفذ اقرارہ لیکن اگر زوج نے تحریر کے ساتھ طلاق منہ سے بولی ہے تو طلاق ہو گئی۔ کیونکہ جبریہ طلاق زبانی ہو جاتی ہے۔ عالمگیری باب من یقع طلاقہ میں ہے۔ یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا او عبداً طائعاً او مکرھا وطلاق اللاعب والھازل بہ واقع۔

فتویٰ نمبر ۹۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خدا کے سوا کسی مخلوق کی نذر ماننا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب

نذر کے دو معنی ہیں شرعی اور عرفی۔ نذر شرعی کے معنے ہیں غیر ضروری عبادت کو اپنے پر ضروری کر لینا اور نذر عرفی کے معنی ہیں نذرانہ۔ ہدیہ یا پیشکش۔ نذر شرعی خدا کے سوا کسی کی ماننا شرک ہے اور نذر عرفی جائز ہے۔ نذر شرعی کی تین شرطیں ہیں۔ نذر عبادت کی ہو۔ وہ عبادت خود بخود واجب نہ ہو۔ وہ عبادت خود واجب کے جنس کی ہو۔ لہٰذا کپڑے پہننے سر منڈانے کی نذر درست نہیں۔ کیونکہ یہ کام عبادت نہیں۔ روزہ رمضان اور نماز ظہر کی نذر درست نہیں کیونکہ یہ چیزیں ویسے ہی واجب ہیں۔ وضو و غسل کی نذر درست نہیں کیونکہ اس کی جنس خود واجب نہیں بلکہ نماز کے لئے واجب ہے۔ اس نذر کا حکم ہے کہ اس کا ادا کرنا فرض ہوگا۔ اور اگر صدقہ وغیرہ کی نذر ہو۔ تو اسے وہ ہی کھا سکے گا۔ جو زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولیوفوا نذورھم۔ قرآن کریم میں اسی نذر کا تذکرہ ہے۔ لیکن دوسری قسم کی نذر یعنی نذرانہ و ہدیہ۔ یہ اولیاء اللہ کے لئے ہو سکتی ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب النذر میں ہے۔ کہ ایک بی بی نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ انی نذرت ان اضرب علی راسک بالدف قال اوفی بنذرک میں نے نذر مانی ہے کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں۔ فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔ اسی مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض غزووں میں تشریف لے گئے۔ جب واپس تشریف لائے۔ تو جاءت جاریۃ سوداء فقالت یا رسول اللہ انی کنت نذرت ان ردک اللہ صالحا ان اضرب بین یدیک بالدف واتغنی فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کنت نذرت فاضربی والا فلا۔ ایک لونڈی حبشہ حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ حضور خیریت سے واپس تشریف لائیں تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں۔ فرمایا اگر نذر مانی ہو تو پوری کر ورنہ نہیں۔ دیکھو ان دونوں حدیثوں میں لفظ نذر موجود ہے۔ لیکن یہاں نذر شرعی نہیں یعنی نذر عرفی یعنی ہدیہ و نذرانہ ہے۔ کیونکہ دف بجانا اور گانا عبادت نہیں بلکہ اس میں اپنی عقیدت اور حضور کی سلامتی پر فرح و سرور کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ پہلی حدیث کی شرح میں لمعات میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ ان ضرب الدف وان لم یکن من القربات التی وجب علی الناذر الوفاء بھا بل من المباحات کاکل الاطعمۃ اللذیذۃ لکنہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بالوفاء نظراً الی مقصدھا الصحیح الذی ھو اظہار الفرح والسرور بقدومہ صلی اللہ علیہ وسلم غانما مظفراً علی الاعداء۔ حضرت مولانا احمد جیون تفسیرات احمدیہ میں زیر آیت۔ وما اھل بہ لغیر اللہ فرماتے ہیں فبذالک علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب ملخصاً: یعنی معلوم ہوا کہ جس گائے کی نذر اولیاء اللہ کے لئے مانی جاتی ہے سو وہ حلال و طیب ہے۔ یہاں بھی نذر سے مراد نذر عرفی ہے نہ کہ شرعی۔ فتاوٰی رشیدیہ جلد اول صفحہ ۵۴ میں مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں اور جو اموات اولیاء کی نذر ہے تو اس کے

اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے" اور جو نذر بمعنی تقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے
شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذور میں فرماتے ہیں" نذر کہ این جا مستعمل مے شود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش
بزرگان مے برند نذر و نیاز مے گویند" غرضکہ لفظ نذر کے دو معنے ہیں۔ شرعی اور عرفی۔ پہلے معنی سے نذر خدا کے سوا کسی کے لئے
نہیں ہو سکتی اور دوسرے معنی سے ہو سکتی ہے۔ جیسے لفظ طواف کے دو معنی ہیں۔ شرعی اور عرفی۔ شرعی معنی عبادت مخصوصہ ہیں۔ رب
تعالٰی فرماتا ہے۔ فلیطوفوا بالبیت العتیق اور فرماتا ہے۔ ان طہرا بیتی للطائفین والعٰکفین والرکع
السجود۔ ان آیات میں طواف کے شرعی معنی ہیں۔ یعنی بہ نیت عبادت کعبہ کے آس پاس گھومنا پھر قرآن شریف میں ہے
ویطوف علیہم غلمان لھم کانھم لؤلؤ مکنون۔ فرمایا ویطاف علیہم بکاس من معین: فرماتا
ہے۔ یطوفون بینھا وبین حمیم اٰن: سرکار فرماتے ہیں بلی کے بارے میں۔ من الطوافین علیکم
والطوافات: ان آیات و احادیث میں طواف عرفی یعنی آنا جانا گھومنا پھرنا مراد ہے۔ ایسے ہی شرعی قسم صرف اللہ تعالٰے
کی ہو سکتی ہے جس پر کفارہ کے احکام مرتب ہوں۔ لیکن قسم عرفی جس سے کلام کی مضبوطی ہو۔ وہ غیر خدا کی بھی ہو سکتی ہے
جیسے وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ۔ اس نذر عرفی کا حکم یہ ہے کہ نہ وہ واجب ہوتی ہے اور نہ اس کے خیرات میں کوئی پابندی
ہر امیر و غریب کھا سکتا ہے۔ ہاں پہلی نذر شرعی میں اگر کوئی خاص جماعت مقرر کر دی جائے تو جائز ہے۔ مثلاً کہہ دے کہ خدایا
اگر میرا کام ہو گیا تو میں تیرے نام پر نذر دوں گا اور وہ صدقہ فلاں بزرگ کے مجاوروں کو کھلاؤں گا تو جائز ہے۔ شامی نے
کتاب الصوم بحث نذر اموات میں فرمایا۔ ان تکون صیغۃ النذر للہ تعالٰی للتقرب الیہ ویکون
ذکر الشیخ مرادا بہ فقراءہ

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ اپنی نذر میں کسی جگہ یا کسی وقت کی پابندی لگا دیتے ہیں۔ کہ فلاں
جگہ صدقہ کروں گا۔ یا فلاں دن دیگ پکاؤں گا۔ یہ تعین جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب

کسی عبادت وغیرہ کے لئے وقت یا جگہ مقرر کرنے کی تین وجہیں ہیں۔ دو جائز و مستحب ہیں اور ایک ناجائز۔

۱۔ محض اہتمام کے لئے دن یا جگہ مقرر کرنا تاکہ لوگوں کے اجتماع میں آسانی ہو جاوے۔ اور یہ کام اچھی طرح انجام
کو پہنچے۔ کیونکہ جب تک جگہ اور وقت مقرر نہ ہو۔ لوگ جمع نہیں ہو سکتے اور انتظام اچھی طرح نہیں ہو سکتا۔ یہ جائز ہے
جیسے شادی عقیقہ۔ ولیمہ کی تاریخیں مقرر کرنا یا جماعت نماز کے لئے گھنٹے منٹ اور مدارس کے لئے تعطیل وغیرہ مقرر کرنا۔

۲۔ اس دن یا اس جگہ کو کسی بزرگ سے نسبت ہو۔ اس کو متبرک سمجھ کر مقرر کرنا۔ یہ بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔ اس کی اصل

ہے کہ رمضان اور شب قدر بعض عبادات کے لئے اس لئے مقرر ہے کہ اس میں نزول قرآن کی ابتداء ہوئی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ اور فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ جمعہ کا دن عبادت کے لئے اس لئے مقرر ہوا کہ اس دن بہت سے پیغمبروں کو خاص نعمتوں سے نوازا گیا۔ حج کے لئے جگہ مقرر، قربانی کی تاریخ مقرر۔ ان ہی حکمتوں سے ہوئیں۔ مشکوٰۃ شریف باب صوم النفل میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دوشنبہ کے روزے کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ فیہ ولدتُ وفیہ انزل علیَّ۔ اس دن ہم پیدا ہوئے اور اس دن قرآن شریف نازل ہوا۔ نیز اسی باب میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے یہودیوں سے دریافت فرمایا۔ کہ تم عاشورہ کو روزہ کیوں رکھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس تاریخ کو رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی تھی۔ کہ اسے غرق کیا تھا۔ اس خوشی میں ہم روزہ رکھتے ہیں۔ فرمایا نحن احق بموسیٰ منکم۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ فصام وامر بصیامہ۔ خود بھی اس کا روزہ رکھا اور امت کو بھی حکم دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا۔ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ: خدایا ہم پر آسمان سے دسترخوان اتار تاکہ دسترخوان کے اترنے کا دن ہمارے اگلوں پچھلوں کے لئے عید کا دن بن جاوے دیکھو ان تاریخوں اور دنوں کو کسی صالح سے یا کسی اعلیٰ چیز سے نسبت ہو گئی۔ تو تا قیامت یہ تاریخیں کسی خاص عبادت کے لئے مخصوص ہو گئیں۔ لہٰذا اگر کسی تاریخ میں کسی بزرگ کا وصال ہوا ہو اس تاریخ پر اس کی فاتحہ کرنا یہ سمجھ کر کہ یہ تاریخ ان کے وصال یار کی تاریخ ہے۔ تو جائز اور مستحب ہے۔ شامی جلد اول باب زیارۃ القبور میں ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی قبور الشہداء باحد علیٰ راس کل حول۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے یعنی ان کی شہادت کی تاریخ پر۔ غرضکہ تقرر اور تعین اگر اس لئے ہو تو بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔

(۳) کسی دن یا جگہ کو اس لئے مقرر کرنا کہ اسے بتوں یا کفار سے نسبت ہو۔ یہ حرام ہے کہ اس میں بت کی تعظیم ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ مولیٰ اگر میرا یہ کام ہو گیا۔ تو میں دیوالی کے دن خیرات کروں گا۔ یا فلاں مندر پر جا کر صدقہ کر دے گا۔ یہ سمجھتا ہو کہ یہ دن یا یہ جگہ بڑی متبرک ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب النذور میں ہے کہ ایک شخص نے منت مانی کہ میں بوانہ میں اونٹ قربانی کروں گا اور مسئلہ حضور سے دریافت کیا تو سوال فرمایا۔ ھل کان فیھا وثن من اوثان الجاھلیۃ یعبد قالوا لا قال فھل کان فیھا عید من اعیادھم قالوا لا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوف بنذرك۔ کیا بوانہ میں کوئی بت تھا جس کی پوجا ہوتی ہو۔ عرض کیا نہیں فرمایا وہاں کفار کا کوئی میلہ لگتا تھا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر یعنی وہاں جا کر اونٹ ذبح کر۔ پتہ چلا کہ اگر جگہ یا تاریخ کے تقرر کی وجہ بت کی عظمت ہو تو حرام ہے۔

فتویٰ نمبر ۹۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ کسی غیر معین عبادت کو معین کرنا حرام ہے۔ کیونکہ اس میں شریعت پر زیادتی ہے۔ مثلاً ایصال ثواب جب چاہو کر لو تو جائز ہے۔ لیکن اس کے لئے دن یا تاریخ مقرر کرنا کہ گیارہویں یا بارہویں تاریخ کو ہی کریں گے۔ یہ حرام ہے۔ دلیل یہ دیتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روزے سے منع فرمایا۔ دیکھو مشکوٰۃ باب صوم النفل۔ فقہاء بھی فرماتے ہیں کہ جمعہ کا روزہ مکروہ ہے۔ دیکھو جمعہ افضل دن ہے مگر دیگر ایام سے اس کو خاص کر کے روزہ رکھنا مکروہ قرار دیا گیا۔ اس تعیین کے لئے سنی جو احادیث یا قرآنی آیات پیش کرتے ہیں اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ شارع علیہ السلام کی طرف سے تعیین ہے۔ تم کیسے تعیین کر سکتے ہو۔ اس کا جواب کیا ہے۔

الجواب

زید بالکل جاہل اور شرعی احکام سے بے خبر ہے۔ کسی چیز کو بغیر قطعی ممانعت کے حرام نہیں کہہ سکتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عبادت غیر معین تو جائز ہو اور معین کرتے ہی اس میں حرمت آجائے۔ کیا تعیین بھی کوئی زہر ہے۔ جس کے شامل ہو جانے سے اچھی چیز حرام ہو جاوے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ تمام یادگاریں منانا حرام ہو جائیں۔ حالانکہ تمام اُمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزرگوں کی یادگاریں تاریخ مقررہ پر کرتی رہی اور کرتی ہے۔ پاکستان بننے کی تاریخ ۱۴ اگست کو خوشی منائی جاتی ہے۔ ۲۵ دسمبر کو جناح صاحب کا جنم دن منایا جاتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ما راٰہ المومنون حسناً فھو عند اللہ حسن۔ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ زید نے صرف دو وہم پیش کئے ہیں۔ ایک یہ کہ تعیین میں شریعت پر زیادتی ہے دوسرے جمعہ کا روزہ منع ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ شریعت میں زیادتی جب کہی جا سکتی تھی۔ جب کسی کا خیال یہ ہوتا کہ اس تاریخ میں یہ عبادت کرنا فرض ہے اور دوسری تاریخوں میں حرام ہے۔ چونکہ فرائض و محرمات نوعاً و شخصاً مقرر ہو چکے ہیں۔ اس میں زیادتی کمی نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی یہ بھی سمجھے تب بھی اس کا یہ خیال غلط ہوگا۔ فاتحہ پھر بھی حلال رہے گی۔ اگر کوئی شخص گائے کا گوشت فرض سمجھ کر کھائے تو وہ گوشت حرام نہ ہو جائے گا۔ ہاں اس کا یہ عقیدہ غلط ہوگا۔ اگر کوئی شخص جمعہ کی اذان کے بعد فروخت کرے تو اگرچہ اس کا یہ کام حرام ہے مگر چیز حلال رہے گی۔ اسی طرح یہ بھی ہے بلکہ زید کا تعیین کو حرام کہنا یہ شریعت میں زیادتی ہے رہا زید کا دوسرا قول کہ حضور علیہ السلام نے جمعہ کے روزے کی ممانعت فرمائی۔ اس کی وجہ تعیین نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس کی چار وجہ بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ یہ دن نماز جمعہ و غسل و زیارت قبور کا ہے۔ روزے کی وجہ سے ان کاموں میں دشواری ہوگی۔ اس لئے نہ رکھے جیسے حاجی کے لئے عرفہ کا روزہ مکروہ ہے کیونکہ یہ دن اس کے کام کا دن ہے دوسروں کے لئے مستحب ہے کیونکہ انہیں کوئی کام

نہیں نیز حاجی پر نماز عید نہیں کیونکہ وہ دیگر کاموں میں مشغول ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کو یہود و نصاریٰ سے مشابہت کہ وہ اپنے ہفتہ و اتوار کو روزہ رکھتے ہیں۔ اور دن نہیں رکھتے۔ تیسرے وجوب کے اعتقاد سے یہ روزہ رکھنا مکروہ ہے کہ کوئی اس دن کا واجب سمجھ کر رکھے۔ چوتھے اس لئے کہ جمعہ کا دن ہفتہ کی عید ہے تو عید کے دن کھاؤ پیؤ روزہ کیوں رکھتے ہو۔ چنانچہ دار قطنی کی روایت میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کا دن عید کا دن ہے۔ اسے روزے کا دن نہ بناؤ۔ اگر جمعہ کا روزہ تعیین اور تخصیص کی وجہ سے مکروہ ہو تو دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ سرکار فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم لا تختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومه احدکم (مسلم) تم جمعہ کو روزے سے خاص نہ کرو۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی تاریخ میں روزہ رکھتا ہو اور اس تاریخ کو جمعہ آجاوے تو رکھ لے۔ کہیئے تعیین کی تو اجازت دے دی گئی کہ کوئی گیارہویں یا بارہویں کے روزے کا عادی ہو اور مقرر کردہ تاریخوں میں جمعہ آجاوے تو روزہ رکھ سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ لا یصوم احدکم یوم الجمعة الا یصوم قبله او یصوم بعده۔ متفق علیہ۔ کوئی شخص صرف جمعہ کا روزہ نہ رکھے بلکہ اس کے ساتھ آگے پیچھے ایک دن کا روزہ اور بھی رکھ لے۔ غرضکہ یا تو اس تعیین سے عقیدے کا تعین مراد ہے۔ یا تشبیہ یہود سے بچنا۔ دوشنبہ کے روزے کی اجازت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا وجہ نہ دی۔ بلکہ وجہ بیان فرمادی کہ چونکہ اس دن ہماری ولادت اور ابتداء وحی ہے۔ لہٰذا روزہ رکھو۔ اور جن احکام شرعیہ کی وجہ خود شارع علیہ السلام بیان فرمادیں تو وہ احکام ہر اس جگہ پائے جائیں گے۔ جہاں وہ وجہ پائی جائے۔ جیسے حیض میں صحبت حرام ہے کیوں؟ پلیدی کی وجہ سے۔ لہٰذا نفاس میں بھی حرام ہے۔ لہٰذا دوشنبہ کا روزہ اس لئے مستحب ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہے۔ تو بارہویں ربیع الاوّل اور گیارہویں ربیع الثانی کا روزہ بھی اس لئے مستحب ہے کہ یہ دن اللہ کے مقبولوں کی طرف منسوب ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مصیبت کے موقعہ پر نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھے تو اس سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صحیح یہ ہے کہ قنوت نازلہ مصیبت کے وقت صرف نماز فجر میں بعد رکوع جائز ہے۔ مگر خلاف اولیٰ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ نماز کے بعد پڑھی جاوے تاکہ خلاف اولیٰ سے بچ جاوے۔ فجر کے سوا یہ قنوت کسی اور نماز میں جائز نہیں۔ اگر کوئی پڑھے گا تو فاسد

ہو گی۔ اور اعادہ ضروری ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چند روز پڑھی پھر ترک فرمادی۔ بعض صحابہ کرام کے نزدیک یہ اس لئے تھا کہ اب ضرورت نہ رہی تھی اور بعض صحابہ کرام کے نزدیک یہ قنوت اس آیت سے منسوخ ہے۔ لیس لک من الامر شیء۔ انہی صحابہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں سخت اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ کے زمانہ میں قنوت پڑھتے تھے۔ طحاوی شریف صفحہ ۱۴۷ میں ہے۔ کان عمر اذا حارب قنت واذا لم یحارب لم یقنت۔ اسی مقام میں طحاوی شریف میں ہے انما نسخ عنده الدعاء فی حال عدم القتال۔ اور صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے ہیں۔ چنانچہ ابو مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بدعت فرمایا اور فرمایا کہ خلفائے راشدین نہ پڑھتے تھے۔ دیکھو نسائی شریف جلد اول صفحہ ۱۲۲۔ اسی وجہ سے فقہاء میں بڑا اختلاف رہا۔ احناف کے نزدیک جائز ہے۔ مگر بہتر نہیں چنانچہ طحاوی شریف میں صفحہ ۱۲۹ میں ہے۔ فثبت بما ذکرنا انه لا ینبغی القنوت فی الفجر فی حال حرب ولا غیره قیاسًا ونظرًا علی ما ذکرنا من ذالک وهذا قول ابی حنیفة و ابی یوسف ومحمد۔ مولانا بحر العلوم رسائل ارکان صفحہ ۱۲۰ میں فرماتے ہیں۔ وعندنا لیس مشروعًا فی الصلوٰة المکتوبة وهو الاشبه بالصواب۔ تفسیرات احمدیہ طبع کلکتہ صفحہ ۱۲۵ میں ہے۔ دعا القنوت عندنا انما یجب فی صلوٰة الوتر خاصة ولا یجوز فی صلوٰة الفجر اصلاً۔ فتاویٰ عالمگیری کتاب الصلوٰة صفحہ ۱۲۵ میں ہے۔ ولا یقنت فی غیر الوتر کذا فی المتون شرح سفر السعادة صفحہ ۱۱ لمعات میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ نزد امام ابو حنیفہ قنوت در نماز فجر اصلا نیست وقنوت آنحضرت مخصوص بودے بود صلی اللہ علیہ وسلم ودر قضا یا مخصوص بود بعد ازاں ترک کرد۔ یعنی امام حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نماز فجر میں قنوت ہرگز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قنوت پڑھنا یہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا کہ خاص ضرورت پر پڑھی اور پھر چھوڑ دیا۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی جاوے نہ مصیبت میں اور نہ ویسے ہی۔ کیونکہ یہ منسوخ ہے اور بعض حنفی فقہاء فرماتے ہیں کہ مصیبت کے موقعہ پر فجر میں اب بھی قنوت پڑھ سکتے ہیں۔ چنانچہ رد المحتار جلد اول مطلب قنوت نازلہ میں فرماتے ہیں ان قنوت النازلة عندنا مختص بصلوٰة الفجر دون غیرها من الصلوٰة الجهریة والسریة یعنی ہمارے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر سے خاص ہے۔ اس کے علاوہ کسی نماز میں جائز نہیں۔ نہ جہری میں نہ سری میں۔ طحاوی علی الدر المختار جلد اول صفحہ ۲۰۳ میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت للبلیة فی صلوٰة الفجر۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ فهذا صریح فی تخصیص القنوت للنوازل بالفجر۔ یعنی مصیبت کے موقعہ پر صرف فجر میں قنوت پڑھی جائے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز میں قنوت نازلہ مصیبت کے موقعہ پر پڑھنا جائز ہے۔ بہرحال فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ نماز فجر کے بعد پڑھے۔ اور اگر فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھے تو جائز ہے۔ مگر بہتر نہیں۔ لیکن اور نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہوگی۔ کیونکہ رکوع کے بعد فوراً سجدہ واجب ہے۔ اگر بقدر ادائے رکن یعنی

بقدر ایک تسبیح دیر کی گئی ۔ تو واجب کا ترک لازم آیا۔ اور واجب کا ترک اگر بھول سے ہو تو سجدہ سہو واجب ہے اگر عمداً ہو تو نماز کا لوٹنا ضروری ہے طحطاوی علی الدر مختار صفحہ ۲۱۱ میں ہے۔ لو اطال قیام الرکوع او الرفع بین السجدتین اکثر من تسبیحۃ ساھیا یلزمہ سجود السھو۔ یعنی اگر رکوع کے بعد کا قیام یا سجدوں کے درمیان بیٹھنا ایک تسبیح کی قدر زیادہ کر دیا بھول کر تو سجدہ سہو واجب ہے رد المحتار جلد اول صفحہ ۵۱۹ میں ہے۔ والعمد لا یجبرہ سجود السھو بل تلزم فیہ الاعادۃ۔ یعنی عمداً واجب کے چھوڑنے میں سجدہ سہو کافی نہیں بلکہ نماز کا لوٹانا واجب ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ بحر الرائق نے شرح نقایہ کی عبارت بحوالہ غایہ یہ نقل فرمائی قنت الامام فی صلوٰۃ الجھر وھو قول الثوری واحمد یعنی امام جہری نماز میں قنوت پڑھے یہ امام ثوری اور احمد کا قول ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی بحر الرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں بحر کے اس قول کے ماتحت فرماتے ہیں۔ ولعلہ محرف عن الفجر وقد وجدتہ بھذا اللفظ فی حواشی مسکین وکذا فی الاشباہ۔ نیز طحطاوی علی الدر مختار میں جلد اول صفحہ ۲۸۳ میں ہے۔ والذی یظھر لی ان قولہ فی البحر وان نزل المسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الجھر تحریف من النساخ وصوابہ الفجر۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں صفحہ ۲۲ میں ہے۔

الذی فی البحر عن الشمنی فی شرح النقایۃ معزیا للغایۃ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت فی صلوٰۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد۔ الاشباہ والنظائر صفحہ ۵۸۳ میں ہے صرح فی الغایۃ و مفادہ الشمنی الیھا بانہ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد۔ دلائل واضحہ سے ثابت ہو گیا کہ صرف نماز فجر میں مصیبت کے وقت قنوت جائز ہے۔ مگر خلاف اولیٰ ہے اور کسی نماز میں جائز نہیں۔ اگر اس کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کے فتویٰ قنوت نازلہ میں مطالعہ کرے۔ یہ فتویٰ وہاں سے ماخوذ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں ایسے ہی ریڈیو پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ریڈیو پر نماز پڑھانا دور کے لوگوں کو ناجائز ہے۔ کیونکہ امام اور مقتدی کی جگہ ایک ہونا ضروری ہے۔

اور مقتدی زیادہ ہوں اور صفیں بہت ہوں تو ضروری ہے کہ امام سے لے کر اخیر صف تک صفیں متصل ہوں۔ بیچ میں فاصلہ کثیر نہ ہو۔ اور جب امام کراچی میں ہے اور مقتدی لاہور میں اور وہاں سے اس کی اقتدا کر رہا ہے تو مکان ایک نہ رہا۔ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے میں چند قباحتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں قرأت قدر ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے ہوتی ہے اور یہ مکروہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سبیلاً۔ نہ نماز میں زیادہ چیخ کر تلاوت کرو۔ نہ بہت ہی آہستہ کہ مقتدی نہ سن سکیں بلکہ درمیانی آواز رکھو اور لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے میں تلاوت کی آواز بہت دور تک جاتی ہے۔ جو کہ مقتدیوں کی حاجت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا مکروہ ہے اسی لئے جب مقتدی تھوڑے ہوں تو امام کو زیادہ چیخ کر نماز پڑھانا بلا ضرورت مکبر مقرر کرنا یا اگر زیادہ صفیں ہوں تو جہاں تک امام کی تکبیروں کی آواز پہنچ رہی ہو وہاں مکبر کھڑا کر دینا یا جہاں پہلے مکبر کی آواز پہنچ رہی ہو وہاں دوسرا مکبر کھڑا کر دینا یہ سب مکروہ ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ لاؤڈ سپیکر میں یہ بھی شبہ ہے کہ جو آواز یونٹ سے نکلتی ہے وہ امام کی اپنی آواز نہیں بلکہ صدائے باز گشت ہے۔ جیسے گنبد یا جنگل کی آواز اگر یہ ہے تو اس پر نماز کی حرکتیں کرنا زیادہ بُرا ہے۔

۳۔ یہ کہ اس میں سنت کا ترک ہے۔ یعنی سنت یہ ہے کہ نماز میں مکبر کھڑے کئے جاویں اور لاؤڈ سپیکر میں اس کو بند کر کے آلہ استعمال کرتا ہے۔ اور جو شے رافع سنت ہو۔ وہ بدعت سیئہ ہے۔ بہر حال لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانا بہتر نہیں۔ باقی لاؤڈ سپیکر پر اذان خطبہ۔ وعظ وغیرہ سب بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ نماز میں وہ پابندیاں ہیں جو اور جگہ نہیں

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۵

علمائے دین حسب ذیل مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی کونسی قوی دلیل ہے؟ بخاری شریف میں ہے۔ لا صلوٰة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب۔ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ حنفیہ کے پاس اس حدیث کے سواء اور کوئی حدیث نہیں کہ من كان له امام فقراءة الامام قراءة له۔ یعنی جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اسکی قرأت ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ تو چاہیئے کہ پہلی حدیث کو ترجیح ہو کیونکہ دوسری حدیث صرف امام اعظم سے مروی ہے۔ اور امام اعظم کو حدیث نہیں آتی تھی۔ اس لئے ان سے روایات بہت کم ہیں۔ نیز اس پر دار قطنی نے جرح کی ہے۔

الجواب

امام کے پیچھے مقتدی کو قرأۃ کرنا حنفیوں کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ جس پر قرآن کریم احادیث صحیحہ صحابہ کرام

کے اقوال و اعمال گواہ ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ اس آیت میں تلاوت قرآن کریم کے وقت دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اس وقت خاموش رہنا اور کان لگا کر سننا۔ اور یہ حکم مطلق تلاوت کا ہے۔ لہٰذا تلاوت امام بھی بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس تلاوت سے مراد صرف جمعہ کا خطبہ ہے۔ وہ درست نہیں کہتے، چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ آیت مکیہ ہے اور خطبہ کی فرضیت مدنی ہے لہٰذا اس آیت کے نزول کے وقت خطبہ تھا ہی نہیں دیکھو تفسیر خازن۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ مان لیا جاوے تب بھی یہ حکم خطبہ پر محدود نہ ہوگا۔ بلکہ خطبہ نماز سب کو شامل رہے گا تاکہ عام میں بلاوجہ تخصیص نہ ہو جاوے بلکہ خطبہ اسی لئے اس آیت میں داخل ہے کہ اس میں تلاوت قرآن ہوتی ہے۔ تو نماز بھی اسی وجہ سے اس آیت میں داخل رہے گی۔ تیسرے یہ کہ خطبہ میں تلاوت قرآن سنت ہے۔ فرض نہیں اور نماز میں تلاوتِ قرآن فرض ہے۔ لہٰذا بمقابلہ خطبہ کے نماز کا اس آیت میں داخل ہونا قوی تر ہے۔ چوتھے اس لئے کہ آیات میں نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ سے ثابت ہے۔ تو آیت اگرچہ خطبہ کے لئے آئی ہو۔ مگر چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں۔ لہٰذا نماز کو بھی شامل ہوگی۔ اس آیت کا عموم دیکھ کر علماء نے حکم دیا کہ خارج نماز بھی تلاوت قرآن کے وقت خاموشی اور سننا فرض کفایہ ہے کیونکہ آیت عام ہے طلباء کی تعلیم کا حکم اس سے خارج ہے کیونکہ وہاں تلاوت نہیں ہوتی تعلیم ہوتی ہے۔ اسی لئے تلاوت کے وقت اَعُوْذُ پڑھنا ضروری ہے۔ تعلم کے وقت منع (شامی) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نماز میں کلام کرنے سے روکا گیا ہے۔ نہ کہ سورہ فاتحہ سے۔ مگر یہ بھی غلط ہے۔ کہ نماز میں کلام کرنا اس آیت سے منسوخ ہوا ہے۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔ جیسا کہ مسلم باب نسخ الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری باب العمل فی الصلوٰۃ میں ہے اسی پر سارے مفسرین کا اتفاق ہے۔ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آیت کی یہی تفسیر ثابت ہے۔ اور قرآن کی تفسیر جو حدیث کرے۔ وہ دیگر تفاسیر سے قوی ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اس آیت سے نماز میں کلام کرنا منسوخ ہے تو وہ بھی اسی لئے منع ہے کہ اس سے قرآن سننے میں خرابی ہوگی۔ لہٰذا اس وجہ سے نماز میں قرأت بھی منع ہوگی (تفسیرات احمدیہ) کیونکہ سورہ فاتحہ پڑھنے سے قرآن سننے میں فرق پڑے گا۔

احادیث: مسلم شریف باب التشہد میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعل الامام لیؤتم بہ فاذا اکبر فکبروا واذا قرء فانصتوا۔ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔ کبیری نے بروایت صحیح بشرط شیخین حضرت جابر ابن عبد اللہ و عبد اللہ ابن مسعود وغیرہم سے مختلف اسنادوں سے نقل فرمایا کہ قرأۃ الامام لہ قرأۃ: امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے اگر اس قسم کی اور بہت سی احادیث مختلف اسناد سے دیکھنا ہوں تو مؤطا امام محمد اور طحاوی دیکھو اکثر صحابہ کرام کا بھی یہی قول ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ اسے امام کی قرأت کافی ہے۔ خود یہی عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے۔ قاسم بن محمد انہیں حضرات میں سے ہیں جو امام کے پیچھے قرأت

نہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نماز میں خاموشی اختیار کرو۔ کیونکہ نماز میں مشغولیت ہے (امام کی قرأت سننا) امام کی قرأت کافی ہے یہ ہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے۔ حضرت علقمہ بن قیس فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے قرأت کرے میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں آگ بھر دوں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کاش امام کے پیچھے قرآن پڑھنے والے کے منہ میں انگارا ہوتا۔ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ تمام روائتیں اور اس کے علاوہ بہت سی روایات مع اسناد مؤطا امام محمد اور طحاوی شریف میں ملاحظہ کرو۔ عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے وہ غلطی کرتا ہے۔ دیکھو فتح القدیر۔ غرضکہ صحابہ کرام کے اقوال بے شمار ہیں۔ اسی لئے شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب القرأت میں تفسیر کافی سے نقل فرمایا کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کی ممانعت اسّی صحابہ کرام سے منقول ہے جن میں علی المرتضیٰ اور عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں اور محدثین نے ان اسّی کے نام بھی جمع فرمائے۔ عقل کا بھی تقاضا یہ ہے کہ مقتدی پر قرأت واجب نہ ہو چند وجوہ سے ایک یہ کہ نماز میں جیسے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ ویسے ہی سورۃ ملانا بھی ضروری ہے اور سورۃ ملانا تو مقتدی پر لازم نہیں بلکہ اس میں امام کی قرأت کافی ہے ایسے ہی سورت فاتحہ میں امام کی قرأت کافی ہونی چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص رکوع میں امام کے ساتھ ملے اسے رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہوتی۔ تو رکوع ملنے سے رکعت نہ ملتی۔ جیسے کہ تکبیر تحریمہ یا قیام یا رکوع نہ ملنے سے رکعت نہ ملتی۔ اگر کوئی مقتدی رکوع میں شرکت کرتے وقت تکبیر تحریمہ نہ کہے۔ یا سیدھا رکوع میں چلا جائے اور بقصد تکبیر تحریمہ قیام نہ کرے تو رکعت نہیں پاتا۔ معلوم ہوا کہ اس مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہوگی۔ تو چاہیئے کہ دوسرے مقتدیوں کے لئے بھی امام کی قرأت کافی ہو۔ تیسرے یہ کہ بادشاہ کے دربار میں شاہی آداب سب بجالاتے ہیں۔ اس کو سلام مجرا سب ہی عرض کرتے ہیں۔ مگر اس سے کلام صرف وفد کا امیر کرتا ہے ہر شخص کا بولنا بے ادبی میں شمار ہے۔ اسی طرح جماعت کی حالت میں مسلمانوں کا وفد رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو نماز کے افعال جو آداب شاہی ہیں سب بجالادیں۔ سبحان و رکوع و سجود کی تسبیحیں التحیات وغیرہ سب پڑھیں۔ کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے۔ رہی مخالفوں کی پیش کردہ حدیث یعنی لاصلوٰۃ الخ جو بخاری نے روایت کی۔ ان جیسی تمام احادیث میں چند طرح گفتگو ہے ایک یہ کہ یہ حدیث دو طرح قرآن کے خلاف ہے ایک اس طرح کہ قرآن شریف امام کی قرأت کے وقت خاموش رہنے اور کان لگا کر سننے کا حکم دے رہا ہے۔ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اور یہ حدیث اس وقت قراۃ کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنا نماز میں فرض ہے جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ مگر قرآن شریف فرماتا ہے کہ قرآن کا جو حصہ بھی آسانی سے پڑھ لیا جائے۔ نماز ادا ہو جائیگی۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ جس قدر قرآن آسان ہو وہ نماز میں پڑھ لو لہٰذا اب اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں کہ جس سے قرآن و حدیث میں اتفاق ہو جائے

اور مخالفت نہ رہے۔ اور وہ اس طرح کہ لاصلوٰۃ کے معنی یہ کئے جاویں کہ نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے نہیں ہوتی یعنی کامل نہیں ہوتی۔ یعنی مطلق قرأۃ قرآن تو فرض ہو اور سورۃ فاتحہ واجب رہے۔ جیسے دوسری روایت میں ہے۔ کہ لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد۔ جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز گھر میں نہیں ہوتی۔ یعنی کامل نہیں ہوتی۔ اب فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ والی آیت اور اس حدیث میں مخالفت نہ رہی دوسرے لم یقرء بفاتحۃ الکتاب میں قرأت حکمی اور حقیقی عام قرأۃ مراد ہو یعنی اگر امام قرأت کرے اور مقتدی کی بھی قرأت حکمی ہو گئی۔ اب اس حدیث پر عمل بھی ہو گیا اور وہ خاموش بھی رہا۔ لہٰذا قرآن پر بھی عمل ہو گیا۔ دوسرے یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے۔ فاذا قرء فانصتوا لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں اسی طرح اجتماع کر لینا ضروری ہے۔ تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث مقتدی کے حق میں ظاہر ہے نص نہیں اور ہماری پیش کردہ حدیث فاذا قرء فانصتوا مقتدی کے حق میں نص ہے۔ یعنی مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا بطور ظاہر ضروری ہے اور بطریق نص منع ہے اور جب ظاہر و نص کا تعارض ہو تو نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حدیث مقتدی کے لئے وارد ہوئی ہے۔ چوتھے اس طرح کہ لاصلوٰۃ کی حدیث عام مخصوص البعض ہے۔ جس سے مقتدی نکالا گیا ہے اور منفرد باقی رکھا گیا ہے اور اس کی مخصص ہماری پیش کردہ احادیث ہیں چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں لمن لم یقرء کے من سے مراد منفرد ہے اور حدیث اس کے بارے میں ہے جو اکیلے نماز پڑھے۔ اس لئے تفسیرات احمدیہ اور احکام القرآن میں بحوالہ مؤطا امام مالک کے اس حدیث کو اس طرح نقل فرمایا۔ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب والسورۃ یعنی بغیر سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ کے نماز نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ مقتدی پر دوسری سورۃ پڑھنا واجب نہیں اسی طرح سورۃ فاتحہ پڑھنا بھی واجب نہیں ہے تو جیسے یہ حدیث منفرد کے حق میں ہے۔ ایسے تمہاری پیش کردہ حدیث بھی منفرد ہی کے لئے ہونی چاہیئے بہر حال اس حدیث سے تمہارا استدلال غلط ہے کیونکہ اس میں اس قدر احتمالات موجود ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث قرأۃ الامام لہ قرأۃ ضعیف ہے اور ضعیف حدیث سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری پیش کردہ یہ حدیث بہت سی اسناد سے مروی ہے۔ دیکھو طحاوی شریف اور ایک اسناد کے ضعیف ہونے سے متن حدیث ضعیف نہیں ہو جاتا (نخبۃ الفکر) اس کی تمام اسنادیں ضعیف نہیں دوسرے یہ کہ اگر حدیث چند اسنادوں سے مروی ہو اور وہ ساری اسنادیں ضعیف ہوں تو زیادتی اسناد کی وجہ سے متن حدیث ضعیف نہیں رہتا۔ بلکہ حسن بن جاتا ہے اور حسن سے دلیل پکڑنا جائز ہے۔ (شامی) تیسرے یہ کہ کسی اسناد میں مجہول جرح حنفیہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ اگر کوئی محدث فرمادیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو اس سے حدیث ضعیف نہیں ہو جاتی۔ جب تک کہ محدث یہ نہ فرمادیں کہ اس اسناد کا فلاں راوی ضعیف ہے اور راوی کے ضعف کی یہ وجہ ہے۔ چوتھے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہ ہم کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ امام ابو حنیفہ تک صحیح پہنچی تھی۔ چونکہ امام صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب تھا۔ اس لئے اس وقت احادیث کم ضعیف ہوتی تھیں۔ بعد میں اسناد میں ضعیف راوی شامل ہوتے گئے۔ اسنادیں ضعیف ہوتی گئیں۔ لہٰذا بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہیں پانچویں یہ کہ اگر ضعیف حدیث کو کوئی بڑا محدث یا فقیہ قبول فرمالیں تو وہ حدیث حسن بن جاتی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کسی حدیث کو قبول فرمانا اس کے حسن ہونے کی دلیل ہے۔ دیکھو اصول حدیث۔ چھٹے یہ کہ اگر یہ حدیث قرأۃ الامام لہ قرأۃ ضعیف بھی ہو۔ تب تمہیں مفید نہیں کیونکہ حدیث واذا قرأ فانصتوا مسلم کی روایت ہے اور بالکل صحیح ہے۔ نیز قرآن شریف سے اس کی تائید ہے۔ بہر حال امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے اور خاموش رہنا واجب۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جہری میں سورہ فاتحہ ختم ہونے پر امام اور مقتدیوں کو آمین آہستہ کہنا چاہئے یا بلند آواز سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے کہنا چاہیئے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کہتے تھے۔ روایات میں ہے۔ مد بھا صوتہ۔ نیز صحابہ کرام اتنی بلند آواز سے آمین کہتے تھے کہ مسجد میں شور مچ جاتا تھا۔ کیا یہ روایات درست ہیں۔ اگر درست تو ان کا جواب کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز میں آمین امام و مقتدی دونوں کو آہستہ کہنا چاہیئے زور سے آمین کہنا خلاف سنت بلکہ مکروہ ہے۔ دلائل یہ ہیں۔

(۱) آمین قرآن شریف کا لفظ نہیں ہے بلکہ دعا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ یا اللہ قبول فرما اس پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ آمین دعا ہے۔ اسی لئے اسے قرآن شریف میں لکھا نہ گیا۔ نیز ایک موقعہ پر موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ فرعون ہلاک ہو جاوے اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ رب تعالیٰ نے ان دونوں کی دعا قبول فرمایا۔ ارشاد ہوا۔ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا۔ اللہ نے تم دونوں کی دعائیں قبول کرلیں۔ حضرت ہارون کی دعا کیا تھی۔ یہ ہی آمین۔ معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے اور دعا آہستہ مانگنا چاہیئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً۔ اپنے رب سے آہستگی اور زاری سے دعا مانگو۔ نیز فرماتا ہے۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ لوگ آپ سے میرے بارے میں جب پوچھیں۔ تو ان سے فرمادو کہ میں قریب ہوں۔ دعا مانگنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہوں جب وہ دعا کرتے ہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ دعا مانگنے والے کو چیخنے کی زحمت گوارا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چپکے سے دعا مانگو۔ لہٰذا آمین بھی چپکے سے کہو۔

(۲) مشکوٰۃ شریف باب القرأۃ فی الصلوٰۃ میں ہے۔ اذا قال الامام ولا الضآلین فقولوا آمین فانہ

من وافق قولہ قول الملئکۃ غفرلہ ماتقدم من ذنبہ (بخاری شریف) جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتہ کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ جب معاف ہوں گے۔ جب ہماری آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہوگی اور فرشتے تو آمین آہستہ کہتے ہیں جو ہم کو نہیں سنائی دیتی تو ہم کو بھی آہستہ ہی آمین کہنی چاہیئے۔ ورنہ فرشتوں کی مخالفت ہوگی۔ خیال رہے کہ یہاں وقت کی موافقت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتوں کی آمین کا وقت تو یہی ہے۔ کیفیت میں موافقت مراد ہے یعنی آہستہ ہو۔

(۳) امام احمد ابو داؤد۔ طبرانی اور دار قطنی نے اپنی سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت وائل ابن حجر نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور نے سورہ فاتحہ ختم فرمائی تو آمین کہا۔ واخفی بہا صوتہ اور آہستہ آواز سے آمین کہا۔

(۴) طبرانی نے تہذیب میں اور طحاوی نے اور ابن جریر نے اور ابو حفص بن شاہین نے حضرت ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں نہ تو بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔

(۵) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے آثار میں اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چار چیزوں کو امام آہستہ کہے۔ اعوذ۔ بسم اللہ۔ سبحان۔ آمین۔

(۶) طبرانی نے کبیر میں ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں اعوذ۔ بسم اللہ۔ آمین بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔

(۷) عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابو معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ۔ بسم اللہ۔ آمین اور ربنا لک الحمد۔

(۸) یہ ہی حدیث منتخب کنز العمال میں ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

(۹) ابو داؤد۔ ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ پڑھا اور آمین فرمایا وخفض بہا صوتہ۔ آمین میں اپنی آواز شریف پست رکھی۔

(۱۰) بیہقی نے ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ سیدنا عبد اللہ فرماتے ہیں۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے بسم اللہ۔ ربنا لک الحمد۔ آمین اور اعوذ باللہ

(۱۱) دارمی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ جب قاری کہتا ہے ولا الضالین تو آسمان کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں جس کی آمین ان کی آمین کے موافق ہوگی اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ ان احادیث کی پوری تحقیق صحیح البہاری میں ملاحظہ کریں۔

عقلی دلیل: نماز کی ساری دعائیں۔ دعائے قنوت۔ دعائے ماثورہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں چونکہ آمین بھی ایک دعا ہے چاہیے کہ یہ بھی آہستہ کہی جاوے۔ نیز نماز میں سوا تکبیروں اور تلاوت کے کوئی ذکر بلند آواز سے نہیں کرتے اور آمین بھی ان کے علاوہ ہے۔ چاہیے کہ یہ بھی آہستہ کہی جاوے۔ **معترض** کی پیش کردہ حدیثوں میں چند طرح گفتگو ہے ایک یہ کہ آمین بالجہر کے مقابل قرآن کی آیت ہے کہ قرآن دعا آہستہ مانگنے کا حکم دے رہا ہے اور یہ احادیث بلند آواز سے آمین کہنے کا حکم دے رہی ہیں لہذا قرآن کو ترجیح ہونی چاہیے۔

دوسرے یہ کہ جب احادیث کی چھان بین کی جاوے تو آمین بالجہر کی احادیث میں صرف وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث صحیح ہے۔ جس میں ہے مد بہا صوتہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بلند آواز سے آمین فرماتے تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ آواز کھینچ کر آمین کے الف اور میم کی مد سے ادا فرماتے تھے۔ کیونکہ اس میں لفظ صوت ہے اور صوت آہستہ و بلند ہر طرح کی آواز کو کہتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ انہی وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں صراحۃً آچکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آمین فرماتے تھے تو یقیناً اس روایت میں بھی صوت سے آہستہ آواز ہی مراد ہونی چاہیے تاکہ ایک راوی کی روایتیں متعارض نہ ہوں۔

چوتھے یہ کہ جن روایتوں میں جہر کے الفاظ منقول ہیں اولاً تو وہ اسناد کے اعتبار سے صحیح نہیں دوم ان کے راویوں نے روایت بالمعنی کی ہے یعنی مد بہا صوتہ کا جہر سے کر دیا ہے اور صوت کے معنی وہ ہیں جو ہم نے عرض کر دیئے۔

پانچویں یہ کہ جب حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس سے حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یہاں آواز سے آمین کہنے کی حدیثیں قیاس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا اور آہستہ آمین کہنے کی حدیثیں قیاس کے مطابق۔ لہذا آہستہ کی احادیث کو ترجیح ہے۔

چھٹے یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قرآن سے ترجیح پا رہی ہیں۔ لہذا ان پر عمل کرنا بہتر ہے۔

ساتویں یہ کہ ہو سکتا ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنے کی حدیثیں منسوخ ہوں اور آہستہ کہنے والی حدیثیں ناسخ لہذا یہ ہی قابل عمل ہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بزرگان دین وفات کے بعد زندوں کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نہیں کر سکتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللہ کے پیارے بندے اپنی زندگی میں اور بعد وفات کے خلق کی مدد فرماتے ہیں بلکہ ان کے تبرکات اور ان کے

نام سے مخلوق کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ اب بھی حضور کے نام سے کافر مومن بنتا ہے حضور کے ذریعہ سے رب تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور گناہ بخشتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ اگر یہ مجرم اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آجاویں اور رب سے معافی چاہیں اور اے محبوب تم بھی ان کی شفاعت کرو تو یہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے۔ اس آیت میں زندگی شریف یا بعد وفات کی قید نہیں ہے۔ ہر وقت حضور کی بارگاہ میں جسمانی یا قلبی حاضری ضروری ہے۔ اسی لئے اب بھی فقہا فرماتے ہیں کہ روضۂ انور پر جو حاضر ہو تو یہ آیت پڑھے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام نے حضور کی معراج کی رات پچاس نمازوں کی پانچ کرا دیں (بخاری ومسلم) حالانکہ حضور کی معراج کے وقت موسیٰ علیہ السلام کو وفات پائے سینکڑوں سال ہو گئے تھے۔ جب بنی اسرائیل قوم جالوت سے لڑنے کے لئے گئے۔ تو رب نے انہیں ایک صندوق عطا فرمایا جسے تابوت سکینہ کہا جاتا ہے۔ اس میں کیا تھا۔ قرآن فرماتا ہے۔ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔۔ اس میں موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے تبرکات نعلین شریف عمامہ شریف وغیرہ تھا۔ اس کے ذریعہ یہ لوگ دشمن پر فتح پاتے تھے۔ یہ تو وفات یافتہ بزرگوں کے تبرکات سے مدد لینا ہے۔ مشکوٰۃ باب الکرامات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زمانہ میں قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے آپ سے بارش کی دعا کے لئے کہا تو فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کی چھت توڑ دو۔ تاکہ قبر شریف اور آسمان میں آڑ نہ رہے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور فوراً بارش آئی غرضکہ وفات یافتہ بزرگوں کی مدد کا مسئلہ نہایت ظاہر ہے۔ اس کی تحقیق دیکھنا ہو تو ہماری کتاب رحمت خدا بوسیلہ اولیاء میں دیکھو۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ملک میں بعض لوگ زمین گروی رکھ دیتے ہیں۔ قرض خواہ زمین کی پیداوار کھاتا رہتا ہے۔ پھر مقروض حسب موقعہ پورا قرض ادا کر کے زمین واپس لے لیتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ خالص سود ہے کیونکہ قرض خواہ اپنا قرض تو پورا وصول کرے گا باقی جو منافع زمین کا کھاتا رہا یہ قرض پر زیادہ ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ کل قرض جر نفعًا فھو ربوا۔ جو قرض نفع دے وہ سود ہے۔ قرض خواہ جو کسی کی چیز گروی رکھے اس کی آمدنی بالکل نہیں کھا سکتا۔ بلکہ آمدنی بھی امانتاً اپنے پاس رکھے گا اور ادائے قرض کے وقت وہ چیز اور یہ آمدنی کا روپیہ سارا واپس کرے گا۔ دیکھو شامی و عالمگیری۔ اس کے لئے ایسا کرنا چاہیئے کہ حاجت مند قرض نہ لے اور زمین گروی نہ کرے بلکہ زمین کی بیع کر دے اور اس کی قیمت لے لے۔ لیکن بیعنامہ رجسٹری ہو جانے کے فوراً بعد خریدار کی طرف سے یہ اقرار نامہ رجسٹری کرالے کہ

میں اقرار کرتا ہوں کہ جس وقت یہ شخص (بائع) چاہے گا۔ میں اس زمین کو اتنی قیمت میں اس کے ہاتھ فروخت کر دوں گا۔ یہ بیع وفا کی ایک قسم ہے یہ بالکل جائز ہے اور اب جو زمین کی آمدنی یہ شخص کھائے گا وہ حلال ہوگی کیونکہ یہ زمین اس کی اپنی ہو چکی۔ جن فقہائے نے بیع وفا کو ناجائز فرمایا ہے۔ وہ اس صورت میں ہے جبکہ واپسی کی شرط بیع میں داخل ہو۔ کیونکہ بیع بالشرط فاسد ہوتی ہے۔ یہاں واپسی کی پابندی بیع کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ علیحدہ اقرار نامہ ہے جیسے کوئی شخص باغ کی بہار خرید کر بعد میں درخت کرایہ پر لے اور بہار کے ختم ہونے تک درختوں سے فائدہ اٹھائے تو جائز ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو چاند کا اعلان ریڈیو[۱] پر ہو جاتا ہے یا تار[۲] یا خطوط[۳] آجاتے ہیں یا ٹیلیفون[۴] پر کسی سے دریافت کر لیتے ہیں یا ریل[۵] سے گزرتا ہوا مسافر کہہ جاتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ یا ٹیلیویژن پر اعلان ہو جاوے جس میں بولنے والے کی تصویر بھی سننے والے کے سامنے آجاتی ہے یا اخبار میں شائع ہو جاتا ہے۔ کیا ان صورتوں میں چاند مان لیا جاوے گا اور اس اعلان پر روزہ یا عید کئے جا سکتے ہیں۔ جواب دلائل سے مزین ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل نے جن سات چیزوں کا ذکر کیا چاند میں ان میں سے کسی چیز کا اعتبار نہیں اور ان سے چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔ نہ شرعی احکام اس پر مرتب ہوں گے کیونکہ چاند کے ثبوت کے لئے یا خبر کی ضرورت ہے یا شرعی گواہی کی۔ اور خبر کی تصدیق شرعی لازم ہے اور گواہی میں وہ تمام شرطیں درکار ہیں جن کی شریعت نے قید لگائی ہے قرآن کریم خبر کے بارے میں فرماتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا۔ اے مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی سامنے آکر بھی خبر دے تب بھی تحقیق ضروری ہے۔ ریڈیو خط۔ اخبار وغیرہ میں یہ پتہ نہیں لگتا کہ کون خبر دے رہا ہے۔ پھر اس کو کیسے مانا جاوے۔ گواہی کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ واشهدوا ذوی عدل منکم۔ اپنے میں سے دو عادلوں صالحوں کو گواہ بناؤ۔ فرماتا ہے۔ فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان ممن ترضون من الشهداء اگر دو مرد گواہ نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بناؤ جن کے تقویٰ اور پرہیزگاری سے تم راضی ہو۔ معلوم ہوا کہ گواہی میں عدد کی بھی ضرورت ہے اور تقویٰ کی بھی قید۔ اخبار ریڈیو میں یہ شرطیں گم ہیں لہٰذا ان کا اعتبار کیسا۔ چونکہ آج کل اس مسئلہ کی بہت ضرورت ہے لہٰذا ہم کچھ تفصیل وار ان کی تمام صورتیں عرض کئے دیتے ہیں۔

(۱) چاند کی خبر: شعبان کی ۲۹ تاریخ کو اگر مطلع صاف نہ ہو تو ایک ہی شخص کا رمضان کے چاند کی خبر دینا کافی ہے۔ بشرطیکہ وہ شخص بظاہر فاسق و بدکار نہ ہو۔ خواہ عورت کہہ دے یا مرد کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ یہ خبر صرف رمضان

کے چاند میں قبول ہوگی جبکہ مطلع گرد آلود نہ ہو رمضان کے علاوہ دیگر چاندوں میں گرد و غبار کی صورت میں دو عادلوں کی گواہی درکار ہے اور اگر مطلع صاف ہو تو ہر چاند کے لئے اتنی بڑی جماعت درکار ہے جن کا جھوٹا ہونا عقلاً مشکل معلوم ہو۔ چنانچہ ملتقی الابحر میں ہے۔ وقبل فی ھلال رمضان خبر عدل ولو عبداً او انثیٰ او محدوداً فی قذف تاب ولا یشترط لفظ الشھادۃ وفی ھلال الفطر وذی الحجۃ لشھادۃ حرین او حر وحرتین بشرط العدالۃ ولفظ الشھادۃ۔ عالمگیری میں ہے۔ ان کان فی السماء علۃ فشھادۃ الواحد علی ھلال رمضان مقبولۃ اذا کان عدلا مسلما عاقلا بالغا حرا کان او عبداً۔ درمختار میں ہے۔ وقبل بلا علۃ جمع عظیم یقع العلم الشرعی وھو غلبۃ الظن۔

چاند کی شہرت: اس سے بھی چاند ہے۔ اسے فقہ میں خبر مستفیض کہتے ہیں اس خبر مستفیض کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی شہر سے ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی آوے اور کہے کہ فلاں شہر میں عام طور پر لوگ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے چاند دیکھ لیا۔ اس سے بھی چاند کا ثبوت ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ نعم لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخریٰ لزمھم علی الصحیح من المذھب۔ مجمع الانہر میں ہے۔ الصحیح من مذھب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض فی بلدۃ اخریٰ وتحقق یلزمھم حکم تلک البلدۃ۔ اس کو خواہ خبر متواتر کہو یا خبر شہور کہو قبول ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ ہم سے بیان کرنے والی پوری جماعت ہو۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شہر سے بڑی جماعت آکر کہے فلاں شہر یا وہاں کے حاکم شرع یا فلاں مفتی نے چاند کی گواہی لے کر عید کا فتویٰ دے دیا۔ یا وہاں فلاں دن روزہ ہوا یا عید ہوگی۔ اس صورت میں بھی چاند کا ثبوت ہو جاوے گا۔ اور اس شہر والوں کو بھی ماننا پڑے گا شامی کتاب الصوم میں ہے۔ قال الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی فی تلک البلدۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اھل تلک البلدۃ انھم صاموا عن رؤیۃ۔ اس صورت میں بھی شرط یہ ہی ہے کہ جماعت کثیرہ ہم سے آکر کہے اخبار یا ریڈیو جماعت کثیرہ نہیں۔ غرضیکہ ریڈیو۔ اخبار۔ تار وغیرہ کی خبریں شرعاً قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان میں قبول کی شرعی شرطیں موجود نہیں۔

چاند کی گواہی: شریعت میں اس گواہی کی چند شرطیں ہیں۔ کہ اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو گواہی قبول نہیں اوّل گواہ کا مسلمان ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) بینا ہونا (۴) بولنے والا ہونا (۵) عادل یعنی نیک و صالح ہونا (۶) قاضی اور گواہ کا ایک جگہ ہونا (۷) عاقل ہونا (۸) مشہود بہ کو دیکھنا (۹) لفظ اشہد کا بولنا (۱۰) نصاب شہادت کا پورا ہونا۔ ان شرطوں میں سے اگر کوئی شرط نہ پائی جاوے۔ تو گواہی شرعاً معتبر نہیں۔ ترمذی شریف میں ہے۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجوز شھادۃ خائن ولا خائنۃ ولا مجلود حدا ولا ذی غمر علی اخیہ ولا ظنین فی ولاء ولا قرابۃ ولا القانع مع اھل البیت (مشکوٰۃ باب الشھادۃ) اسیطرح ابوداؤد شریف میں ہے وہاں اتنی اور زیادتی ہے ولا

زمانٍ ولا ثمانیۃ (مشکوٰۃ) شامی باب الشہادت میں ہے گواہی کے شرائط میں فرماتے ہیں۔ فہی الحریۃ والبصر والنطق والعدالۃ وان لا یکون محدوداً فی قذف وان لا یجر الشاہد الی نفسہ مغنماً۔ عینی شرح کنز الدقائق میں ہے شرط لکل ایضاً العدالۃ لانہا ہی المعینۃ الصدق قال اللہ تعالیٰ واشہدوا ذوی عدل منکم وقال اللہ تعالیٰ ممن ترضون من الشہداء والعدل وہو المرضیٰ وہی شرط لزوم العمل للشہادۃ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اما رکنہا فلفظ اشہد بمعنی الخبر دون القسم۔ قدوری میں ہے۔ فان لم یذکر الشاہد لفظۃ الشہادۃ وقال اعلم او اتیقن لم تقبل شہادتہ۔ عالمگیری وشامی میں ہے۔ والعدد فی الشہادۃ فیما یطلع علیہ الرجال واتفاق الشاہدین ملخصاً۔

غرضکہ گواہی میں ان دس شرطوں کی ضرورت ہے اور ریڈیو پر بولنے والا نہ تو گواہی کا لفظ بولتا ہے اور نہ متقی صالح ہونا اس کا یقینی ہے کیونکہ ہم کو تو دکھائی ہی نہیں دیتا کون بول رہا ہے۔ نہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے۔ قاضی صاحب پشاور میں ہے اور ریڈیو والا کراچی میں۔ نہ وہاں گواہی کا نصاب ہے نہ وہ کہتا ہے کہ میں نے چاند خود دیکھا۔ بلکہ صرف خبر دیتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ لہٰذا ریڈیو کا اعلان قابل عمل خبر معتبر کی شرطیں ہم پہلے عرض کر چکے۔

گواہی کے اقسام: گواہی کی تین قسمیں ہیں۔ ایک اصل واقعہ کی گواہی۔ دوسرے گواہی پر گواہی۔ تیسرے قاضی کے فیصلہ کی گواہی۔ یعنی شہادت علی القضاء۔

واقعہ کی گواہی میں تو وہ شرائط ہیں جو اوپر بیان کی گئیں۔ اور گواہی پر گواہی کی شرط یہ بھی ہے کہ جب گواہ نے خود تو چاند نہیں دیکھا مگر دو آدمیوں عادلوں نے ان کے سامنے گواہی دی ہو اور انہیں اپنی گواہی پر گواہ کیا ہو۔ یہ دونوں قاضی کی مجلس میں آکر اس طرح گواہی دیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں نے انتیس ۲۹ تاریخ کا چاند دیکھا۔ اور ہر ایک نے ہمیں اپنی اپنی گواہی پر گواہ بنایا۔ اس سے بھی چاند کا ثبوت ہو جاوے گا۔ چنانچہ تنویر الابصار میں ہے۔ الشہادۃ علی الشہادۃ مقبولۃ وان کثرت وکیفیتہا ان یقول الاصل مخاطب للفرع اشہد علی شہادتی انی اشہد بکذا ویقول الفرع اشہد ان فلاناً اشہدنی علی شہادتہ بکذا او قال لی اشہد علی شہادتی بذالک (ملخصاً) فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وینبغی ان یذکر الفرع اسم الشاہد الاصل واسم ابیہ واسم جدہ حتی لو ترک ذالک فالقاضی لا یقبل شہادتہما کذا فی الذخیرۃ۔

شہادۃ علی القضاء میں شرط یہ ہے کہ کسی شہر کے مفتی و قاضی کے پاس عادل گواہ آکر یہ گواہی دیں۔ کہ فلاں شہر کے مفتی یا قاضی کے پاس ہماری موجودگی میں دو عادل گواہ آئے اور انہوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ان

مفتی صاحب نے ان کی گواہی سے چاند کا حکم فرما دیا۔ اب اس شہر کے مفتی صاحب بھی اس گواہی قضا پر چاند کا فتوے دے سکتے ہیں مجمع الانہر میں ہے۔ قالوا لو رای اھل المغرب ھلال رمضان یجب برؤیتھم علی اھل المشرق اذا ثبت عندھم بطریق یوجب کما لو شھد واعند قاض لم یر اھل بلدہ علی ان قاضی بلد کذا شھد عندہ شاھدان برؤیۃ الھلال فی لیلۃ کذا وقضی القاضی بشھادتھما جاز لھذا القاضی ان یقضی بشھادتھما لان قضاء القاضی حجۃ وقد شھدا بہ۔ اور ظاہر ہے کہ ریڈیو میں یہ بھی صورت نہیں ہے۔ وہ محض ایک خبر دیتا ہے اگر یہ ہی دو آدمی یہ کہیں کہ فلاں جگہ کے قاضی کے سامنے گواہیاں گذریں اور قاضی صاحب نے چاند کا حکم دے دیا مگر ہم گواہیوں کے وقت موجود نہ تھے۔ تو یہ گواہی اس دوسرے قاضی یا مفتی کے لئے کافی نہیں اور نہ ہی یہ قاضی چاند کا حکم دے سکتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ نعم الشھادۃ بقضاء القاضی صحیحۃ وان لم یشھدھا القاضی علیہ وقیدہ ابو یوسف بمجلس القضاء وھو الاحوط ذکرہ فی الخلاصۃ۔

چاند کی افواہ: اگر شہر میں یہ خبر اڑ گئی کہ چاند ہو گیا۔ مگر جس سے پوچھو وہ یہ ہی کہتا ہے کہ سنا ہے کہ چاند ہو گیا۔ دیکھنے والے کا پتہ نہیں چلتا۔ وہاں کوئی مفتی نہیں ہے یا اگر ہے تو لوگ اس کی بات مانتے نہیں خواہ مخواہ نقارہ یا گولا چلا دیتے ہیں۔ تو اس سے چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔ چنانچہ شامی میں ہے مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعۃ فمثل ھذا لا ینبغی ان یسمع فضلا ان یثبت (ملخصا)

اخبار، خطوط، ٹیلیفون، تار، ریڈیو وغیرہ: اگر اخبار میں کسی مہینہ کی انتیس ۲۹ تاریخ کے حساب سے تاریخیں پڑھی ہوں۔ یا یہ خبر شائع ہوئی ہو کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ تو اس سے چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔ اولاً تو اخباری خبریں بسا اوقات گپ نکلتی ہیں اور اگر یہ خبر درست بھی ہو تو بھی بغیر تحقیق قابل قبول نہیں۔ چنانچہ شامی میں ہے: فانھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم۔

اسی طرح کہیں سے خط آجاتا ہے کہ یہاں چاند ہو گیا۔ معتبر نہیں۔ کیونکہ الخط شبہ الخط فلم یحصل العلم۔ ایک خط دوسرے خط سے مل جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے علم حاصل نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ لا یعمل بالخط، الاشباہ والنظائر میں ہے لا یعتمد علی الخط ولا یعمل بہ۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے۔ والخط یشبہ الخط۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ الکتاب قد یفتعل ویزور الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم۔ قاضی خاں میں ہے۔ القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ والاقرار۔ اما الصک لا یصلح حجۃ لانما الخط یشبہ الخط۔ غرضکہ فقہاء کے نزدیک خط، مہر، تحریر پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے تار اور ٹیلیفون تو بالکل ہی قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان میں نہ بولنے

والا سامنے ہوتا ہے نہ اس کی تحریر نہ معلوم کون بول رہا ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ ولوسمع من وراء الحجاب لا یجوز ان یشھد ولو فسر للقاضی لا یقبلہ لان النغمۃ تشبہ النغمۃ فلم یحصل العلم معلوم ہوا کہ جہاں گواہ پردے کے پیچھے ہو تو گواہی معتبر نہیں۔ کیونکہ ایک آواز دوسری آواز سے بھی مل جاتی ہے عالمگیری میں ہے۔ ولوسمع من وراء الحجاب لا یسعہ ان یشھد لاحتمال ان یکون غیرہ اذا النغمۃ تشبہ النغمۃ۔

ریڈیو: جو خرابیاں اور دشواریاں تار و ٹیلیفون میں ہیں۔ اس سے زیادہ دشواری ریڈیو میں موجود ہے۔ کیونکہ ریڈیو میں بھی خبر نہیں ہوتی کہ بولنے والا کون ہے۔ مسلمان ہے یا کافر۔ مسلمان ہے تو فاسق ہے یا عادل اور اس نے کس ذریعہ سے یہ خبر حاصل کی۔ اس کے علاوہ تار و ٹیلیفون پر سوال پر جواب بھی کر سکتے ہیں۔ مگر ریڈیو پر کچھ نہیں کر سکتے۔ تار ٹیلیفون ہر قصبہ و گاؤں میں پہنچ سکتا ہے۔ مگر ریڈیو ہر جگہ نہیں سنا جاتا۔ تار ٹیلیفون ہر جگہ سے دیا جا سکتا ہے مگر ریڈیو کی اطلاع ہر جگہ سے نہیں دی جا سکتی۔

غرضکہ یہ نئے آلات خبر رسانی میں تو کام آ سکتے ہیں۔ مگر شرعی شہادتوں میں معتبر نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے آج کچہریوں کے مقدمے ریڈیو یا تار یا ٹیلیفون کی خبروں پر فیصلے نہیں ہوتے۔ بلکہ گواہ کچہری میں بلائے جاتے ہیں۔ اور باقاعدہ گواہی لی جاتی ہے پھر فیصلہ ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ جب دنیاوی جھگڑوں کے فیصلے ریڈیو وغیرہ سے نہیں ہوتے تو دینی امور جن میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ وہاں یہ خبریں کیسے معتبر ہو سکتی ہیں۔

ہاں اگر کوئی صحیح العقیدہ سنی عالم حکومت کی طرف سے چاند کی تحقیق پر مقرر ہو تو وہ شرعی گواہی لے کر اپنے آپ یا اپنے کسی وکیل کے ذریعہ ریڈیو پر اپنے فیصلہ کا اعلان کرے کہ میں نے یہ تحقیق کر کے فیصلہ کیا ہے تو شاید معتبر ہو جائے۔ جیسے نقارہ اور گولہ کی آواز سن کر یا شہر کا چراغاں دیکھ کر آس پاس کے لوگ چاند مان لیں۔ چنانچہ رد المحتار میں ہے۔ قلت الظاھر انہ یلزم اھل القری الصوم بسماع المدافع او رؤیۃ القنادیل فی المصر لانہ علامۃ ظاھرۃ تفید غلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل کما صرحوا بہ واحتمال کون ذالک لغیر رمضان بعید اذ لا یفعل مثل ذالک عادۃ فی لیلۃ الشك الا لثبوت رمضان۔

لیکن ظاہر ہے کہ اب تک حکومت کی طرف سے نہ اس چیز کا اہتمام ہوا ہے اور نہ آئندہ ہونے کی اُمید ہے۔ اور اگر اہتمام کر بھی لیا گیا تو یہ صورت باقی نہ رہے گی کہ وہاں عالم کبھی مرزائی مقرر ہوگا۔ کبھی وہابی۔ کبھی چکڑالوی۔ پھر وہ عالم نہ معلوم کس طرح گواہی لے اور کس کی گواہی لے کر اعلان کرائے لہٰذا ریڈیو سے اعلان کا کوئی اعتبار نہیں۔

نوٹ ضروری: نہ معلوم موجودہ مسلمانوں کو چاند کا اتنا شوق کیوں پیدا ہو گیا ہے ہم کو شریعت نے اس کا مکلف نہیں کیا کہ ایسی مصیبتیں اٹھا کر خواہ مخواہ چاند مانیں اور عید و رمضان منائیں۔ ہم کو تو ہمارے آقا و مولیٰ حضور مصطفےٰ صلی اللہ

علیہ وسلم نے نہایت آسان حکم دیا کہ ان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین - اگر چاند مشتبہ ہو جاوے تو تیس دن کی گنتی پوری کر لو - اس گنتی پوری کرنے میں نہ کچھ شک ہے نہ مصیبت لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے موقعہ پر رمضان کے تیس دن پورے کر لیا کریں۔

خاتمہ : بعض لوگ جنتری کا بڑا اعتبار کرتے ہیں اور بعض لوگ چاند کو چھوٹا بڑا دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ چاند کل کا ہے یہ دونوں چیزیں غیر معتبر ہیں، چاند کا ثبوت جنتری سے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے روایت ضروری ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ وھل یرجع الی قول اھل الخبرۃ العدول ممن یعرف علم النجوم الصحیح انہ لا یقبل۔ طحطاوی میں ہے وقولہ لیس بموجب شرعاً فطراً ولا صوماً۔ مراقی الفلاح میں ہے۔ وقول اھل التوقیت لیس بموجب۔ مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر میں ہے۔ لا یلتفت الی قول المنجمین، شامی میں ہے۔ لا یعتبر قولھم بالاجماع ولا یجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ۔ درمختار میں ہے۔ لا عبرۃ لقول الموقتین ولو عدولاً علی المذھب: اسی طرح چاند بڑا ہونے کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ من اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ (طبرانی) اسی طبرانی میں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے من اقتراب الساعۃ ان یری الھلال لیلاً فیقال للیلتین۔ یعنی قرب قیامت کی علامات سے چاند کا بڑا ہو جانا ہے کہ ایک رات کے چاند کو کہا جاوے گا کہ یہ دو راتوں کا ہے۔ بہر حال سوا، رؤیت یا گواہی یا خبر شائع کے اور کسی چیز سے چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

واللہ ورسولہ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد وآلہ
اصحابہ اجمعین ۰

احمد یار خان عفی عنہ

حکیم الامت شیخ التفسیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

کا ترجمہ

مشکوٰۃ شریف

(کامل)

دو جلدیں

عنقریب پورے اہتمام کے ساتھ منظرِ عام پر آرہا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

سلام

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام — شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود — گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

شہر یارِ ارم تاجدارِ حرم — نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

شبِ اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود — نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود — فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر — نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

جس کے زیرِ لوا آدم و من سوا — اس سزائے سیادت پہ لاکھوں سلام

عرش تا فرش ہے جس کے زیرِ نگیں — اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں — شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور — بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

2

العطایا الاحمدیہ

فی

فتاوٰی نعیمیہ

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خاں نعیمی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ۔ کراچی ۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

مجموعہ

العطایا الاحمدیہ فی فتاوی نعیمیہ

سنہ ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء

جلد دوم

مصنفہ
مفتی دار العلوم غوثیہ نعیمیہ و شیخ الحدیث
صاحبزادہ اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

ملنے کا پتہ نعیمی کتب خانہ گجرات

ناشر ضیاء القرآن پبلیکیشنز ۹ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
فون: ۷۲۲۵۰۸۵-۷۲۲۱۹۵۳

فہرست مضامین العطایا الاحمدیہ جلد دوم

نمبر شمار	نمبر سوالات	نام مضامین	صفحہ نمبر
۱		فہرست مضامین	
		کتاب الحظر والاباحۃ	۵
۲	سوال ع ۱	انگریزی طرز کے کپڑے پہننے اور عورتوں کو لکھنا سکھانے کا بیان	۵
۳	سوال ع ۲	پیتل تانبے کی چین کا حکم اور احکام شریعت کتاب پر تحقیقی تبصرہ	۱۳
۴	سوال ع ۳	قوالی کا بیان۔ علامہ کاظمی صاحب ملتانی کی کتاب مزیلۃ النزاع کی مکمل تردید	۲۲ ۳۱
۵	سوال ع ۴	فال نکالنے کا بیان اور شرعی حکم	۷۷
۶	سوال ع ۵	امام مسجد کو نامردی کا علاج کرنے کا حکم	۷۹
۷	سوال ع ۶	سلام بھیجنے کے طریقے اور علی علیہ السلام کہنا سخت منع ہے	۸۳
۸	سوال ع ۷	غلام یٰسین نام رکھنے کا حکم اور مسلمانوں کو کون سے نام رکھنا جائز کون سے منع	۹۱
۹	سوال ع ۸	داڑھی مبارک اسلام کا عظیم الشان شعار ہے	۹۸
۱۰	سوال ع ۹	سید اور بنی ہاشم کون ہیں بلوچ حضرت حمزہ کی اولاد نہیں	۱۱۶
۱۱	سوال ع ۱۰	حضرت حمزہ کی نسل کا بیان	۱۲۷
۱۲	سوال ع ۱۱	مقتدی کو سورتِ فاتحہ پڑھنا منع ہے	۱۲۹
۱۳	سوال ع ۱۲	بیعت کرنے کا صحیح اور غلط رواج	۱۴۲
۱۴	سوال ع ۱۳	نطفۂ حیوانات کا ٹیکہ ولادت کے لیئے لگانے کا حکم	۱۴۴
۱۵		کتاب الایمان	۱۵۶
۱۶	سوال ع ۱۴	درودِ خضری کیلئے انبیاءِ کرام اور ملائکہ کا درود شریف	۱۵۷
۱۷	سوال ع ۱۵	موجودہ طریقے پر صلوٰۃ وسلام کب سے شروع ہوا	۱۶۱
۱۸	سوال ع ۱۶	یا محمد یا رسول اللہ کہنے کا حکم	۱۶۹

نمبر شمار	نمبر سوالات	نام مضامین	صفحہ نمبر
۱۹	سوال ۱۷	نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کسطرح منتقل ہوا	۱۸۳
۲۰	سوال ۱۸	کافر کی قسمیں اور مرزائیوں کو کیوں اقلیت قرار دیا گیا	۱۹۲
۲۱		کتاب الجنایات	۱۹۴
۲۲	سوال ۱۹	مجرموں اور ان کی سزاؤں کا بیان اور ناسخ منسوخ آیتوں کی فہرست	۱۹۴
۲۳	سوال ۲۰	ناجائز کھیل اور لواطت شدہ گناہ تعزیری جرم ہیں	۲۵۰
۲۴	سوال ۲۱	سادات کے ادب کا بیان	۲۵۰
۲۵		کتاب العقائد	۲۵۸
۲۶	سوال ۲۲	اہل سنت کو بریلوی کہنے کا بیان	۲۵۸
۲۷	سوال ۲۳	گردش زمین کے سائنسی عقیدے کی تردید	۲۷۲
۲۸	سوال ۲۴	چاند پر راکٹ جانے کا بیان اور عقیدہ	۲۸۱
۲۹	سوال ۲۵	آسمان اور فلک میں فرق کیا ہے	۲۸۲
۳۰	سوال ۲۶	رعد اور برق کی کیا حقیقت ہے	۲۸۴
۳۱	سوال ۲۷	سات زمینوں کی کیفیت کیا ہے	۲۸۵
۳۲	سوال ۲۸	ہندوؤں اور دیگر مشرکین کی مذہبی کتب کے بارے میں تحقیقی بیان	۲۸۷
۳۳	سوال ۲۹	کشش زمین کے سائنسی عقیدے کی تردید	۲۸۹
۳۴	سوال ۳۰	کسی ولی کو نبی سے بڑھانے کا کفریہ عقیدہ	۲۹۲
۳۵	سوال ۳۱	حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے کا بیان	۲۹۶
۳۶	سوال ۳۲	حضرت شاہ دولہ دریائی کی ڈوبی برات کا واقعہ اور غوث پاک کی کرامت	۲۹۹
۳۷	سوال ۳۳	وہابیوں کے اہل سنت پر چھ اعتراض اور ان کے مدلل جواب	۳۰۷
۳۸	سوال ۳۴	مسئلہ قدرت کذب انبیاء پر سعیدی نعیمی تحریری مناظرے کی مکمل روئداد	۳۴۲
۳۹		کتاب العلم	۳۷۱
۴۰	سوال ۳۵	بیٹیوں کو میراث اور جہیز دینے کا حکم	۳۷۱
۴۱	سوال ۳۶	انبیاء کرام کسی مخلوق کے شاگرد نہیں ہوتے۔	۳۷۹

نمبر شمار	نمبر سوالات	نام مضامین	صفحہ نمبر
۴۲	سوال ۳۷	سجدۂ تلاوت کرنے کا طریقہ۔ اور سجدے کرنے واجب ہیں سجدوں کی تعداد	۳۸۵
۴۳	سوال ۳۸	قرآن کریم کے قریب قیامت اٹھائے جانے کا بیان	۳۰۷
۴۴	سوال ۳۹	قرآن مجید کو غلط اور صحیح پڑھنے کا بیان	۳۹۴
۴۵	سوال ۴۰	ما دون اور ما فوق الاسباب کے معنی	۳۹۹
۴۶		کتاب التاریخ	
۴۷	سوال ۴۱	حضرت قتادہ تابعی اور امام اعظم کا ایک مسئلے میں مناظرے کی تحقیق	۴۰۷
۴۸	سوال ۴۲	سنِ عیسوی اور سنِ ہجری کا بیان اور ان کی ابتدائی عمریں	۴۱۲
۴۹	سوال ۴۳	لیلیٰ مجنوں کے تاریخی حالات	۴۱۷
۵۰		کتاب الفرائض	
۵۱	سوال ۴۴	علم میراث	۴۲۴
۵۲		کتاب الآداب	//
۵۳	سوال ۴۵	آداب المفتی فن تصنیف کی گہرائیاں	
۵۴	سوال ۴۶	تمام کتب الٰہی کلام اللہ معتزلہ فرقہ کا رد	
۵۵	سوال ۴۷	مجدد کون ہو سکتا ہے اور ہر صدی کے مجدد کا نام	
۵۶		عرض آخر	

ختم شد

نام کتاب: العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ جلد دوم

مصنف: صاحبزادہ اقتدار احمد خان بدایونی نعیمی قادری

کاتب: راجہ محمد صدیق خوشنویس کیلانی

اشاعت: تیسری بار، تعداد ایک ہزار

ناشر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

کمپیوٹر کوڈ: 1Z101

قیمت: -/300 روپے

ملنے کا پتہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔ فون: 7221953

کتاب الحظر والاباحۃ

انگریزی وضع کے کپڑے پہننے کا حکم اور عورتوں کو لکھنا سکھانے کا بیان

سوال نمبر ۱ :- حضرت والا محترم ایک استفتاء حاضر خدمت ہے۔ بعض لوگ عوام الناس آج کل نئی روشنی کے زیر اثر ہیں۔ ان کو سمجھانا ہم سب کے لیئے اشد ضروری ہے۔ مندرجہ ذیل ہر دو سوالات میں ان کو علماء اہلسنت سے اختلاف ہے۔ آپ کی تحریر بھی اُن کے سمجھانے میں بہت زیادہ معاون ثابت ہو گی۔ دلائل اور مضمون کی طوالت کی چنداں ضرورت نہیں صرف آپ کے چند الفاظ ہی سند کے لیئے کافی ہیں۔ اہلسنت کو آپ کی ذات پر مکمل اعتماد ہے۔ فقط والسلام

منتظر جواب :- ابوداؤد محمد صادق غفر لہٗ، گوجرانوالہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں ۱ بکر کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے کہ انگریزی وضع کے کپڑے پہننا سخت حرام اشد حرام ہے، ان کو پہن کر نماز مکروہ تحریمی۔ مگر زید کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ ایک وقتی فتوےٰ تھا۔ ہمارے زمانے میں اس کی کیفیت بدل گئی ہے اور علت بھی بدل گئی ہے۔ اور ان کپڑوں کا عام رواج ہو گیا۔ اس لیئے عموم بلویٰ کی وجہ سے کوٹ پتلون، ٹائی، ہیٹ وغیرہ کا پہننا جائز و مباح ہے۔ اور نماز ان کے ساتھ ہرگز ہرگز مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ فرمایا جائے کہ زید کا یہ قول درست ہے یا نہیں۔ اور انگریزی لباس کوٹ پتلون ٹائی ہیٹ وغیرہ پہننے کا شرعی کیا حکم ہے۔ ؟ ۲ بکر کہتا ہے اعلیٰ حضرت کا قول ہے کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً ممنوع ہے۔ و سنتِ نصاریٰ و فتح باب ہزاراں فتنہ و مستانِ سرشعار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ جس کے مفاسد شدیدہ پر تجارب عدیدہ شاہد ہیں۔ متعدد حدیثیں اس سے ممانعت میں وارد ہیں۔ مگر زید کہتا ہے کہ لڑکیوں کو لکھنا سکھانا جائز ہے۔ حدیث لَا تُعَلِّمُوْهُنَّ الْكِتَابَةَ۔ ضعیف موضوع ہے۔ اور تعلیم کتابت کی ممانعت پر مبنی اعلےٰ حضرت کا فتوےٰ محض احتیاط پر مبنی ہے۔ فرمایا جائے کہ کیا شرعاً زید کا قول درست ہے ؟ اور لڑکیوں کو لکھنا سکھانا ممنوع ہے۔ یا غیر ممنوع۔

بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا

(جناب محترم قبلہ مفتی ابوداؤد محمد صادق خطیب زینت المساجد گوجرانوالہ) ۲/۱۱/۲

الجواب بعون العلام الوھاب

ع ۱ قانونِ شریعت کے مطابق ہر مسلمان عورت و مرد کو ہر وہ چیز استعمال کرنی منع ہے جس سے اسلام کی کسی عبادت یا فروع و اصول کے ادا کرنے میں رکاوٹ ہوتی ہو، یا کفار کی عبادت یا مذہبی مشابہت کا اظہار ہوتا ہو سی طرح جو چیز کفار کی دینی نشانی بن چکی ہو اگرچہ وہ پہننے استعمال کرنے میں آتی ہو مسلمان کو اس کا استعمال سخت مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ مشابہت کفار و نصاریٰ ہے۔ اور کفار سے دینی مشابہت مکروہ تحریمی ہے۔ چنانچہ صاحب ردّ المحتار فرماتے ہیں۔ جلد اول ص۵۹۸ فَكَرَاهَتُهُ لِلتَّشَبُّهِ بِاَهْلِ الْكِتَابِ فَهُوَ مَكْرُوْهٌ مُطْلَقًا۔ یعنی ہر حال میں یہود و نصاریٰ کی دینی مشابہت مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص دنیا میں جس قوم کے ساتھ مشابہت رکھے گا۔ کل قیامت میں انہی میں شمار ہوگا۔ چنانچہ درمنثورہ ص۲۰۴ پر امام جلال الدین سیوطی ابوداؤد کی حدیث نقل فرماتے ہیں:۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ امام عبدالرؤف مناوی نے اس کو اپنی کتاب کنوز الحقائق میں حسن کہا ہے، بر ص۱۲۰۔ اس لیے انگریزی لباس میں سے ہیٹ۔ پتلون۔ ٹائی پہننا مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے کہ ہیٹ پہن کر مسلمان نماز نہیں پڑھ سکتا۔ تو یہ نماز کی رکاوٹ بنتا ہے اس لیے ناجائز ہوا کیونکہ ہیٹ پہننے والا مسلمان جب نماز پڑھے گا تو ہیٹ یا خود گر جائے گا یا بوقت سجدہ اُتار نا پڑے گا اور ننگے سر نماز بھی ناجائز ہے۔ چنانچہ عالمگیری جلد اول ص۱۰۶ پر ہے۔ وَتُكْرَهُ الصَّلٰوةُ حَاسِرًا رَأْسَهٗ۔ پس چونکہ ہیٹ سجدے کی رکاوٹ ہے اس لیے ہر حال میں منع ہے۔ کیونکہ فقہاء عظام فرماتے ہیں کہ مسلمان کو ہر وقت ایسا لباس پہننا چاہیے جس سے بآسانی نماز ادا ہو سکے۔ انگریز قوم ایسی خبیث اور متعصب اور دشمن اسلام ہے کہ اس نے ہر موقع پر اپنی اکثر بناوٹ اور ساخت میں اسلام دشمنی کا ظاہر و پوشیدہ ثبوت دیا۔ چنانچہ دیکھ لو کہ اس کے وضع کردہ لباس میں کتنی اسلام دشمنی موجود ہے۔ اسلام کا واضح قانون ہے کہ نماز میں کپڑا لپیٹنا اور پائنچے یا آستین چڑھانا مکروہ ہے۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ وغیرہ میں ص۱۰۶ پر مرقوم ہے:۔ وَلَوْ صَلّٰى رَافِعًا كُمَّيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ كُرِهَ۔ علامہ شامی نے فرمایا وَكَفُّ الثَّوْبِ مَكْرُوْهٌ تَحْرِيْمًا۔ انگریز قوم نے مسلمانوں کی نماز خراب کرنے کے لیے پتلون ایجاد کی۔ جس کے پائنچے اٹھے ہوتے ہیں۔ اسلام کا دوسرا قانون ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔ چنانچہ روایت ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَوْلِ قَائِمًا مسلمان کو اس طریقے سے ہٹانے کے لیے پتلون ایجاد کی جس کو پہن کر پیشاب کرنا سخت ترین مشکل ہے۔ پس چونکہ پتلون پہن کر خلاف اسلام کام سرزد ہوتے ہیں لہٰذا مسلمان کو پہننا مکروہ

اسلام کا تیسرا قانون حیاتِ مسیح ہے۔ عیسائی مذہب میں حضرت عیسیٰ کی سولی کی موت ہے۔ اس لیے صلیب کو انھوں نے اپنا دینی شعار بنالیا۔ ہر جگہ انگریزوں نے صلیب کا نشان برقرار رکھا۔ یہاں تک کہ صلیب کو سجدہ کرتے ہیں۔ سینے پر صلیب بنانا ان کی بہت بڑی عبادت ہے، ٹائی اسی مقصد کے لیے ایجاد کی۔ ٹائی صلیب کا نقشہ ہے ٹائی مثل بت کے ہے۔ جو مسلمان ٹائی باندھتا ہے وہ ظاہر ظہور اسلام کے اس قانون کی مخالفت، اور عیسائیت کی تائید کرتا ہے۔ اسی لیے ٹائی باندھنا اشد مکروہ تحریمی، مکروہ تحریمی حرام کے درجے میں ہوتا ہے۔ چنانچہ شرح درمختار جلد اوّل میں ارشاد ہے بر ص۱۲۲ مَکْرُوْهٌ وَهُوَ مِثْلًا الْمَحْبُوْبِ قَدْ يُطْلَقُ عَلَى الْحَرَامِ (الخ) وَعَلَى الْمَكْرُوْهِ تَحْرِيْمًا وَهُوَ مَا كَانَ إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبَ وَيُسَمِّيْهِ مُحَمَّدٌ حَرَامًا ظَنِّيًّا ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ ہیٹ ٹائی پتلون مسلمان کو پہننا مکروہ تحریمی ہے یعنی حرام ہے۔ اور مکروہ تحریمی کے ساتھ نماز پڑھنا واجب الاعادہ ہے۔ چنانچہ شامی شریف جلد اوّل صفحہ نمبر ص۴۲۵ میں ہے۔ كُلُّ صَلٰوةٍ أُدِّيَتْ مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيْمِ تَجِبُ إِعَادَتُهَا اگرچہ اس سے گناہ صغیرہ لازم آتا ہے۔ لیکن پھر بھی تمام مسلمانوں کو اس سے بچنا لازم اشد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے مندرجہ بالا فتوے صادر فرمایا۔ زید کا قول قطعاً غلط ہے کہ اعلیٰ حضرت کا فتوے وقتی ہے۔ زید کا یہ قول بھی نری غلطی ہے کہ ہمارے زمانے میں اس کی کیفیت بدل گئی ہے۔ زید کا کونسا زمانہ ہے سب اعلیٰ حضرت کا زمانہ ہے کیونکہ اعلیٰ حضرت مجددِ وقت ہیں عند الزید بھی مسلم ہے۔ اور علامہ شاذلی اپنی کتاب سیر السلوک ص۲۰۸ پر "دہر" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی کا زمانہ اس وقت تک رہتا ہے جب تک اس علاقے میں دوسرا نبی تشریف نہ لے آئے اگرچہ وصال ہو جائے اور مرسل کا زمانہ دوسرے مرسل کے آنے تک ہے اگرچہ مرسل کا انتقال ہو جائے۔ اسی لیے حضرتِ مسیح کا زمانہ نبی کریم کی ولادت تک وسیع ہے۔ اور نبی کریم کا زمانہ تاقیامت اور مجدد کا زمانہ دوسرے مجدد تک۔ پس ثابت ہوا کہ اب تک اعلیٰ حضرت ہی کا زمانہ ہے۔ ان حضرات کی وفات سے ان کا زمانہ نہیں بدلتا۔ چنانچہ علامہ شامی جلد سوم ص۳۲۷ میں فرماتے ہیں۔ اَنَّ رِسَالَتَهٗ بَاقِيَةٌ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور بقار کی وجہ یہ بھی ہے کہ لَا رَسُوْلَ بَعْدَهٗ جس طرح ایک آن رسالت سے خالی نہیں۔ اسی طرح ایک آن مجدد سے خالی نہیں ہوتی۔ زید کس طرح کہہ سکتا ہے کہ پتلون وغیرہ کی کیفیت بدل گئی اب بھی وہی کیفیتِ گناہ ہیٹ ٹائی پتلون میں موجود ہے۔ لہٰذا اب بھی کراہت اسی طرح موجود ہے۔ عموم بلوی صرف ان چیزوں میں معتبر ہے جو ضروریاتِ زندگی میں شامل ہو جائیں اور اس سے ضروریاتِ دین پر بھی برا اثر نہ پڑے۔ چنانچہ عقود رسم المفتی ص۳۹ پر ہے۔ فَلَا تَغَيَّرَتْ أَحْكَامُهَا لِتَغَيُّرِ الزَّمَانِ إِمَّا لِلضَّرُوْرَةِ وَإِمَّا لِلْعُرْفِ وَإِمَّا لِقَرَائِنِ الْأَحْوَالِ۔ یعنی یہ ٹھیک ہے کہ مرورِ زمانہ سے بوجہ تغیرِ حالات فروعی احکام بدل جاتے ہیں۔ لیکن صرف ضروریاتِ زندگی نہ کہ وہ احکام جو دین سے مخالف ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

فھٰذا کُلُّہٗ صریحٌ فیما قلنا مِنَ الْعَمَلِ بِالْعُرْفِ مالم یُخالِفِ الشَّرْعَ۔ فَلَا بُدَّ لِلْمُفْتِی وَالْقَاضِی بَلْ وَالْمُجْتَہِدِ مِنْ مَعْرِفَۃِ اَحْوَالِ النَّاسِ وَقَدْ قَالُوْا مَنْ جَہِلَ بِاَھْلِ زَمَانِہٖ فَھُوَ جَاھِلٌ۔ یعنی جس کام سے کوئی شرعی قانون بدلتا ہو۔ اس کو کرنا خلاف شرع کام کہلائے گا جو گناہ ہے۔ لیکن جس کے کرنے سے شریعت کے اصول و فروع پر اثر نہیں پڑتا وہ حکم اگرچہ کسی صورت میں منع بھی ہو مگر زمانے کے تغیر سے بدل جائے گا جیسے ضرورۃً فوٹو کھنچوانا کہ اگرچہ منع تھا مگر اب ضرورۃً جائز ہے بلا ضرورت فوٹو بنوانا حرام ہیٹ پتلون کے استعمال میں سراسر شریعت کی مخالفت ہے۔ ان کی کراہت کی علت بھی یہی ہے۔ علت اب بھی موجود لہٰذا کراہت بھی موجود۔ کیا زید پسند کرتا ہے مسلمان پتلون کے لوازم کھڑے ہو کر پیشاب کریں اور ٹائی جیسی شرکیہ چیز کو مسلمانوں کے سینے پر لٹکایا جائے۔ اعلیٰ حضرت کا فتوائے یہی حکم دے رہا ہے اور اسی علت کی بنا پر ہے لہٰذا اب بھی قابلِ اجراء ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ علمائے اہل سنت کے نزدیک جاری و ساری ہے کہ شرعًا ٹائی ہیٹ، پتلون قطعًا مکروہ تحریمی ہیں۔ زید اس کی مخالفت میں سخت غلطی پر ہے۔ ہاں انگریز کے بنے ہوئے کوٹ جسٹر۔ گون۔ واسکٹ۔ جرسی وغیرہ یا جو اس قسم کی اشیاء انگریزی ملکوں سے آئیں اُن کا استعمال بلا کراہت ہر مسلمان کو جائز ہے۔ کیونکہ ان میں وجہ کراہت کوئی نہیں۔ اور شرعی مسئلہ ہے کہ فساق کے کپڑے پہننے جائز ہیں چنانچہ درمختار جلد اول ص۲۲۴ پر ہے:۔ قَالَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ تُکْرَہُ الصَّلٰوۃُ فِیْ ثِیَابِ الْفَسَقَۃِ۔ وَالْاَصَحُّ اَنَّہٗ لَا یُکْرَہُ لِاَنَّہٗ لَمْ یُکْرَہْ مِنْ ثِیَابِ اَھْلِ الذِّمَّۃِ اِلَّا السَّرَاوِیْلُ مَعَ اِسْتِحْلَالِھِمُ الْخَمْرَ۔ فَھٰذَا اَوْلٰی۔ پس ثابت ہوا کہ کوٹ وغیرہ جائز ہیں اگرچہ اس کو پہن کر نصاریٰ سے مشابہت ہو جاتی ہے مگر یہ مشابہت مضر نہیں۔ مشابہت دو قسم کی ہے ع۱ مشابہت فی الدین ع۲ مشابہت فی الدنیا یہود و نصاریٰ بلکہ تمام کافروں سے مشابہت فی الدین جیسی کہ اوپر بیان کی گئی منع ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے۔ اَلتَّشَبُّہُ بِاَھْلِ الْکِتَابِ فَھُوَ مَکْرُوْہٌ مُطْلَقًا۔ اسی تشبیہ کی برائی حدیث پاک میں ان الفاظ سے آئی ہے لَتَرْکَبُنَّ سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ: مشکوٰۃ شریف ص۴۶۵ کتاب الفتن۔ اسی مشابہت کو اعلیٰ حضرت نے حرام قرار دیتے ہوئے مذکورہ فی السوال فتوائے صادر فرمایا اسی لیے اعلیٰ حضرت نے انگریزی لباس میں انگریزی وضع کی قید لگا دی کیونکہ لفظ وضع سے مراد لباس ہے جس سے نصرانیت کا ظہور ہوتا ہے اور وہ وہی پتلون وغیرہ ہیں دوسری قسم مشابہت فی الدنیا یہ جائز ہے جس میں کفار کے دین کو کوئی دخل نہ ہو نہ ہی اسلامی مسائل کی خلاف ورزی ہو وہ مشابہت دنیاوی ہے۔ سب فقہائے کرام اس کو جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ ردالمحتار جلد اول ص۵۸۳ پر ہے:۔ فَاِنَّ التَّشَبُّہَ بِھِمْ لَا یُکْرَہُ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ بَلْ فِی الْمَذْمُوْمِ اور ص۶۰۶ پر ہے وَیُکْرَہُ التَّشَبُّہُ بِھِمْ فِی الْمَذْمُوْمِ وَاِنْ لَمْ یَقْصُدْ۔ یعنی صرف شرعًا بری چیزوں میں انگریزوں یہودیوں سے مشابہت منع ہے

اسی لیے علمائے متاخرین ہندوؤں کی ٹوپی دھوتی کو جائز مانتے ہیں اور سکھوں کی پگڑی کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان گاندھی مارکہ کپڑے کی ٹوپی پہنے تو جائز ہے اور سکھوں جیسی پگڑی باندھے تو گناہ ہے خود نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دفعہ راہبوں جیسی جوتی پہنی۔ چنانچہ حضرت ہشام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِيْ لَهَا شَعْرٌ مِنْ لِبَاسِ الرُّهْبَانِ: ثابت ہوا کہ عام حالات میں کفار سے دنیاوی مشابہت جائز ہے۔ ہاں ہنگامی حالات میں ہر قسم کی مخالفت حرام و نقصان دہ ہے۔ اسی طرح جہاں کافر و مسلم مخلوط رہتے ہوں۔ یہاں تک کہ روافض و دیگر فرقوں کی خصوصی مشابہت سے بچنا بھی مستحب ہے۔ چنانچہ شامی کا ارشاد ہے: لَمَّا كَانُوْا مُخْتَلِطِيْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَمْيِيْزِهِمْ عَنَّا وَيُمَيِّزُ فِيْ لِبَاسِهِمْ وَهَيْئَتِهِ جلد ثالث صـ ۲۷۷ - جلد پنجم صـ ۲۱۶ پر اِلَّا اَنَّهٗ مِنْ شِعَارِ الرَّوَافِضِ فَيَجِبُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ۔ مرزائی، وہابی، شیعہ کسی کے شعاری مشابہت جائز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہیٹ، ٹائی، پتلون کا استعمال مسلمان مرد و عورت کو سخت مکروہ تحریمی اور کوٹ وغیرہ بلاکراہت جائز ہیں۔ زید کو اپنی غلطی سے رجوع کرنا چاہیئے:۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

(ع ۲) شریعتِ اسلامیہ کے قانونِ طیبہ طاہرہ ذی الحکمت کے مطابق علی العموم عورتوں کو کتابت سکھانا مکروہ تنزیہی ہے یعنی ہر زمانے کی ہر قسم کی عام عورتوں کو تعلیم کتابت مکروہ تنزیہی ہے چنانچہ بیہقی شریف جلد چہارم میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح منقول ہے:۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُنْزِلُوْهُنَّ فِي الْغُرَفِ وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ الْكِتَابَةَ وَعَلِّمُوْهُنَّ الْغَزْلَ وَسُوْرَةَ النُّوْرِ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔ اس حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ عورتوں کا لکھنا سیکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اس لیے کہ لفظ لَا تُعَلِّمُوْا اور لفظ عَلِّمُوْا بحث فعل نہی اور بحث امر کے صیغے ہیں۔ اور دونوں قواعدِ اصول کے مطابق مشترک فی الاحکام ہیں۔ چنانچہ علمائے اصول فرماتے ہیں کہ امر سولہ معنے کے لیئے آتا ہے ع۱ وجوب ع۲ ندب۔ ع۳ تادیب ع۴ ارشاد ع۵ اباحت ع۶ تہدید ع۷ امتنان ع۸ اکرام ع۹ تعجیز ع۱۰ تسخیر ع۱۱ اہانت ع۱۲ تسویتہ ع۱۳ دعا ع۱۴ تمنا ع۱۵ اعتقاد ع۱۶ تکوین۔ جس طرح امر مطلق مندرجہ سولہ قسم کا ہے اسی طرح نہی بھی آٹھ معنیٰ میں مشترک ہے ع۱ حرمت ع۲ کراہت ع۳ تنزیہ ع۴ تحقیر ع۵ بیانِ عاقبتہ ع۶ ارشاد ع۷ شفقتہ ع۸ یاس۔ امر کے اصلی معنیٰ وجوب اور نہی کے اصلی معنیٰ حرمت کے ہیں لیکن کوئی قرینہ دلالت کرے تو دوسرے معنیٰ ہی مراد لیے جاتے ہیں۔ هٰكَذَا فِي التَّوْضِيْحِ عَلٰى صَحِيْفَةٍ

۴۲ بِهٰذَا الْعِبَادَتِ۔ قَدْ یَکُوْنُ لِغَیْرِہٖ بِمَعُوْنَتِ الْقَرَائِنِ:۔ اور یہ قانون مشہور ہے کہ جب ایک عبارت میں امر و نہی استعمال ہوں گے تو ایک ہی درجے کے ہوں گے ھٰکَذَا فِیْ کُتُبِ الْاُصُوْلِ امر کا ادنیٰ درجہ مستحب ہے اور نہی کا ادنیٰ درجہ کراہتِ تنزیہی ہے۔ لہٰذا مندرجہ حدیث شریف میں چونکہ فقہائے اسلام کے نزدیک عَلِّمُوْهُنَّ کا لفظ استحباب کے لیئے ہے اس لیئے لَا تُعَلِّمُوْهُنَّ بھی اپنے ادنیٰ درجے کراہت تنزیہی پر ہو گی۔ اس قاعدے سے ثابت ہوا کہ علی العموم ہر عورت کو کتابت سیکھنا مکروہ ہے۔ چنانچہ فتاویٰ حدیثیہ صـ۶۲ پر ہے:۔ اَنَّ النَّهْیَ عَنْهُ تَنْزِیْهًا لِمَا تَقَرَّرَ مِنَ الْمَفَاسِدِ الْمُتَرَتِّبَةِ عَلَیْهِ۔ مکروہ تنزیہی اس لیئے ہے کہ پیش کردہ روایت کا قرینہ وجوب یا حرمت کو ثابت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قرینہ کراہت تنزیہی کو ثابت کر رہا ہے اس لیئے کہ حقوق تین قسم کے ہیں۔ ۱ حق العبد ۲ حق اللہ ۳ حق النفس۔ حق النفس میں امر اور نہی ادنیٰ درجے پر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ شکار کھیلنے کا امر۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان لَا تَمْشِ فِیْ نَعْلٍ وَّاحِدٍ:۔ پس حق النفس اور حق العبد کراہت تنزیہی کا قرینہ ہیں۔ چنانچہ کتاب التوضیح صـ۲۸۴ پر ہے لِاَنَّ النَّدْبَ وَالْاِبَاحَةَ (الخ) اِنَّمَا شُرِعَ حَقًّا لِلْعَبْدِ کتابت سیکھنا حق النفس ہے کہ مردوں کے لیئے بالکل جائز ہے اور عورتوں کے لیئے مکروہ تنزیہی۔ چنانچہ فتاویٰ حدیثیہ صـ۶۲ پر ہے:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ حَقِّ الْوَلَدِ عَلٰى وَالِدِهٖ اَنْ یُّعَلِّمَهُ الْکِتَابَةَ:۔ ضمیر مذکر سے پتہ لگا کہ کتابت سیکھنا صرف مردوں کا کام ہے اور عورتوں کو منع۔ کیوں کہ جس طرح مرد کو عورتوں جیسے کام منع ہیں اسی طرح عورتوں کو مردوں جیسے کام منع ہیں۔ چنانچہ شامی شریف نے ارشاد فرمایا۔ لَا یَجُوْزُ لِلنِّسَآءِ التَّشَبُّهُ بِالرِّجَالِ۔ اور چونکہ قاعدہ شرعی ہے کہ جس کام میں احتمالِ گناہ ہو وہ مکروہ تنزیہی اور جس میں گناہِ صغیر لازم ہو وہ مکروہ تحریمی۔ چنانچہ شامی علی درمختار صفحہ نمبر صـ۲۵۴ پر ہے:۔ بِاَنَّ کُلَّ مَکْرُوْهٍ تَحْرِیْمًا مِنَ الصَّغَائِرِ:۔ اور جس کام سے گناہِ کبیرہ لازم آتا ہے وہ حرام ہے پس کتابتِ زنان چونکہ گناہِ صغیرہ و کبیرہ کا احتمال رکھتی ہے لہٰذا تنزیہًا ممنوع۔ اس لیئے اعلیٰ حضرت نے اس کو ممنوع فرمایا۔ یہ ممانعت اختیاطًا نہیں بلکہ تمام عورتوں کو ہر وقت ہر دور میں مکروہ تنزیہی ہے۔ اس لیئے کہ امر مطلق اور نہی مطلق زمانے کے تغیر سے تبدیل نہیں ہوتی۔ ہاں امر موقت اور نہی موقت تبدیل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتاب توضیح تلویح صـ۲۲۶ پر ہے باب فَاِنْ کَانَ الْاَمْرُ مُطْلَقًا یَجِبُ فِیْهِ الْمُدَاوَمَةُ:۔ یہ ممانعتِ کتابت کی حدیث نہی مطلق ہے۔ پس جب تک وجہ کراہت باقی نہی باقی۔ زید کا یہ قول بھی غلط ہے کہ یہ حدیث لَا تُعَلِّمُوْهُنَّ ضعیف ہے قطعًا غلط ہے۔ اس بارے میں بہت غیر محقق معلوم ہوتا ہے۔ یہ حدیث شریف بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ میں نے بیہقی کی روایت کے الفاظ نقل کیئے ہیں وہاں یہ الفاظ بھی موجود ہیں ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔ اور فتاویٰ حدیثیہ

صفحہ نمبر ۶۲ پر ہے:۔ رَوَاہُ الْحَاکِمُ وَ صَحَّحَہُ الْبَیْہَقِیُّ :۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب مراۃ۔ حصہ ششم، غیر مطبوعہ میں اس حدیث کو صحیح فرماتے ہیں۔ اور تمام محدثین و مفسرین ممانعتِ کتابتِ نسواں کی دلیل میں اسی حدیث پاک کو پیش کرتے ہیں۔ تفسیر صاوی جلد سوم صـ۱۰۵ پر اور تفسیر روح البیان صـ۱۱۳ پر، روح المعانی پ۱۸ صـ۱۴۷ پر اسی حدیث کو سند بناتے ہیں۔ کسی شخص نے اس کو ضعیف نہ کہا۔ نہ کسی نے اس کو موضوع کہا۔ زید کے پاس موضوع ہونے کی کیا دلیل ہے کیسے ہو سکتا ہے کہ جس حدیث سے فقہائے امت کراہتِ تنزیہی جیسا قانون مستنبط کریں وہ ضعیف ہو یا موضوع۔ صحیح روایت کا موضوع ہونا محال ہے لیکن اگر بغرضِ امکان ضعیف ہو بھی تو کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک ہی حدیث پاک بیک وقت مختلف اسناد سے صحیح و ضعیف ہو سکتی ہے اور صحت کی وجہ سے قابلِ قبول ہے۔ اسی طرح شارحین فرماتے ہیں:۔ ھٰکَذَا قَالَ حَکِیْمُ الْاُمَّۃِ کَاشِفُ الْغُمَّۃِ فِیْ مُصَنَّفِہٖ جَاءَ الْحَقُّ:۔

پس ثابت ہوا کہ علی العموم مطلقاً عورتوں کو لکھنا سکھانا منع ہے۔ اور ممانعت کراہت تنزیہی ہے یہی مراد اعلیٰ حضرت کے فتوے کی ہے۔ کیونکہ لفظ ممنوع مشترک ہے ہر دو کراہیت کو مگر ممانعت تنزیہی۔ تَرْکُہٗ اَوْلٰی کے معنیٰ میں مکروہ تنزیہی بھی صحیح مذہب میں ناجائز ہے۔ اسی لیے صاحبِ توضیح ان لوگوں کے مسلک کو غیر صحیح قرار دیتے ہیں۔ جنہوں نے مکروہ تنزیہی کو جائز کے زمرے میں داخل مانا ہے۔ چنانچہ توضیح صفحہ نمبر صـ۲۷ پر ہے:۔ وَھٰذَا لَا یَصِحُّ عَلٰی رَاْیِھِمَا وَھُوَ اَنَّ مَا یَکُوْنُ تَرْکُہٗ اَوْلٰی مِنْ فِعْلِہٖ (الخ) لٰکِنْ یُثَابُ تَارِکُہٗ اَدْنٰی ثَوَابٍ:۔ یہ ناجائز ادنیٰ درجہ کا ہے۔ اسی ادنیٰ ہونے کی وجہ سے بعض نے مکروہ تنزیہی کو جائز مانا ہے۔ جیسا کہ شامی میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ علی العموم عورت کو لکھنا سیکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ مگر علی الخصوص کتابتِ نساء جائز ہے یعنی وہ متقیہ زاہدہ عابدہ عورتیں جن کے گناہِ متصورہ کا احتمال نہیں اور جن کی کتابت سے گناہ متصورہ محتملہ متوہمہ کا شائبہ بھی نہ ہو۔ ان کے لیے یہ علمِ کتابت بالکل جائز ہے۔ چنانچہ طحاوی شریف صـ۳۸۸ جلد دوم، ابوداؤد شریف صفحہ نمبر صـ۵۴۲ جلد دوم مشکوٰۃ شریف جلد دوم صفحہ نمبر صـ۳۹۰ پر اس طرح حدیث پاک مرقوم ہے:۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاھِیْمُ (الخ) عَنْ شِفَاءَ بِنْتِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَ حَفْصَۃَ۔

فَقَالَ لِیْ اَلَا تُعَلِّمِیْنَ هٰذِهٖ رُقْیَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِیْهَا الْكِتَابَةَ :- یعنی حضرت شفاء رضی اللہ تعالٰی عنہا نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خادمہ فرماتی ہیں کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو میں کتابت سکھا رہی تھی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو علم تعویز اور گھریلو طریقے سکھاؤ۔ علامہ خطابی نے فرمایا کہ عورت کو کتابت سیکھنا جائز ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف جلد چہارم صفحہ نمبر ص۵۱۳ پر ہے:- قُلْتُ يُحْتَمَلُ اَنْ يَّكُوْنَ جَائِزًا لِلسَّلَفِ دُوْنَ الْخَلَفِ لِفَسَادِ النِّسْوَانِ فِیْ هٰذَا الزَّمَانِ :-

اشعتہ اللمعات جلد سوم صفحہ نمبر ص۶۵۶ :- پرہے

دازین حدیث جوازِ آں مفہوم گردد

ونہی از کتابت محمول برنساءِ عامہ است

کہ خوفِ فتنہ در آنجا متصور است و اینجا چنیں نیست

فتوائے حدیثیہ ص۶۲ پر اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ؂ وَاِنَّمَا فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى جَوَازِ تَعْلِيْمِهِنَّ الْكِتَابَةَ :- ان تمام دلائلِ ظاہرہ و براہینِ باہرہ سے ثابت ہوا کہ علی الخصوص عورتوں کو کتابت جائز علی العموم مکروہ تنزیہی۔ مگر مکروہ تنزیہی بھی اس وقت تک رہے گا۔ جب تک صرف فتنہ وگناہ کا اندیشہ ہو۔ لیکن جس عورت یا جس تعلیم گاہ اسکول و کالج یا جس دور میں ارتکاب گناہ کا یقین یا تجربہ ہو تو قانونِ شرعیہ معینہ کے تحت مکروہ تنزیہی کا حکم بدل کر مکروہ تحریمی یا حرام ہو جائے گا۔ جیسا کہ آج کل بہت سی لڑکیاں صرف کتابت کے ذریعے نامۂ و پیام وعشق بازی وارتکاب افعال حرام وخبیثہ میں مبتلا ہیں۔ ؂ هٰكَذَا قَالَ عَلَّامَة شَامِیْ فِیْ كِتَابِهٖ عُقُوْدِ رَسْمِ الْمُفْتِیْ :-

خلاصہ یہ کہ کتابتِ نسواں کے تین حکم اگر اندیشۂ گناہ مطلق ہو تو منع تنزیہی اگر یقین یا صدور گناہ صغیرہ ہو تو مکروہ تحریمی۔ اگر گناہ کبیرہ سرزد ہونے کا یقین ہو تو کتابت سکھانا حرام۔ لہٰذا عام عورت کو کتابت سکھانا مکروہ تنزیہی سکھانے والا گنہگار۔ متقیہ عابدہ عالمہ زاہدہ کو کتابت سکھانا جائز اور فاحشہ بدکارہ بدچلن کو حرام۔ جس عورت کا ماحول خراب ہو، اس کو کتابت سکھانا مکروہ تحریمی

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

کتبہ

پیتل، تانبے کی کلائی چین باندھنے کا حکم اور احکام شریعت کتب پر تحقیقی تبصرہ

سوال نمبر ۲۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ۱۔ گھڑی کا چین کلائی پر باندھنا لوہے، پیتل کی ہو یا تانبے کی جائز ہے یا حرام؟ زید کہتا ہے کہ رضوی مسلک میں چین باندھنا خواہ لوہے کی ہو یا پیتل کی یا تانبے کی حرام چنانچہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی اور صدر الشریعت مولینا امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت، سید ابوالبرکات صاحب، مفتی اعجاز ولی صاحب وغیرہ علمائے کرام کلائی والی چین لوہے، پیتل، تانبے کی حرام جانتے ہیں۔ اس لیئے زید کے نزدیک بھی کلائی پر اس طرح کا چین باندھنا بالکل حرام ہے اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا حرام۔ فرمایا جائے کہ زید کا قول درست ہے یا غلط؟ ۲۔ چند دن ہوئے ہم نے ایک رسالہ میں ایک مضمون پڑھا جس میں کوکب صاحب کی لکھی ہوئی کتاب حیاتِ سالک پر کچھ تنقیدیں تھیں۔ قابلِ فہم بات یہ ہے کہ کوکب صاحب حضرت حکیم الامت کی طرف ایک ایسی بات منسوب کرتے ہیں جس کا ذکر اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ فرمایا جائے کہ کوکب صاحب کا یہ قول درست ہے کہ احکامِ شریعت اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں۔ اور اس کے سب مسائل قابلِ غور ہیں، اور سب مسائل قابلِ عمل بغیر تحقیق نہیں، کیا واقعی یہ درست ہیں۔ جہاں تک حضرت حکیم الامت کے حکم کا تعلق ہے۔ کس شخص میں جرأت ہے جو دم مار سکے بڑے بڑے صاحبِ علم اور مخالفین آپ کے مقابلِ قلم اٹھاتے ہوئے تھراتے ہیں۔ کس میں جرأت ہے کہ آپ کے فرمودات کی تردید کر سکے۔ حضرت حکیم الامت کی وہ شخصیت ہے کہ ایک دفعہ ان کے بارے میں میرے پیر و مرشد امیر ملت محدث علی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مجلس میں دورانِ گفتگو فرمایا تھا کہ مفتی احمد یار خاں کے علمی مقام کو کون پہچان سکتا ہے۔ مولینا احمد رضا خان کے بعد ہماری جماعت میں ان کا کوئی مثل نہیں۔ اس لیئے سوال صرف یہ ہے کہ کیا کوکب صاحب کی یہ بات درست ہے۔ کیا حضرت حکیم الامت نے احکامِ شریعت کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے اور کیا احکام شریعت میں یہ درج ہے کہ گھڑی کی چین لوہے وغیرہ دھات سے بنی ہوئی، کلائی پر باندھنا حرام ہے؟ اور کیا احکام شریعت کے بعض مسائل قابلِ عمل نہیں ہیں؟ اگر کچھ بعض ایسے مسائل ہیں تو ہمیں ان سے آگاہ کیا جائے اور یہ بھی فرمایا جائے کہ کوکب صاحب کی نسبت کرنا درست ہے یا نہیں۔ اگر حکیم الامت نے واقعی ارشاد فرمایا ہو تو اس کی وضاحت فرمائیں تاکہ پورا پورا فائدہ حاصل ہو۔ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ اور خاص طور پر امیر ملت کے عقیدت مندوں کا عقیدہ حضرت حکیم الامت کے متعلق ویسا ہے جو اعلیٰ حضرت کے متعلق ہے۔ حضرت حکیم الامت کی ذات بھی اہلِ سنت کا ایک عظیم سرمایہ تھا

میری طرف سے مؤدبانہ عاجزانہ سلامِ نیاز مندانہ مزارِ مقدس پر عرض کیا جائے اور استفتاء کا جواب جلد از جلد ارسال فرمایا جائے۔

مؤرخہ ۱۱/۷/۱۲ صوفی عبداللطیف جماعتی ملیرٹی نزد ٹیکی ۱۴

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابْ

آپ کا استفتاءِ گرامی دو سوالوں پر مشتمل ہے جن کا علیحدہ علیحدہ جواب حاضر کیا جا رہا ہے۔

(۱) زید کا قول سراسر غلط ہے۔ ہرگز ہرگز رضوی مسلک یہ نہیں ہے بلکہ اعلیٰ حضرت نے بھی کسی جگہ گھڑی کی چین جو کلائی پر باندھی جاتی ہے کو حرام نہ فرمایا۔ نہ احکامِ شریعت میں اس کی حرمت ثابت ہے۔ حضرت قبلہ سید ابوالبرکات صاحب سے میری گفتگو اس مسئلہ پر ہوئی انھوں نے فرمایا کہ اب تک مجھ کو اس کی حرمت کی دلیل نہ ملی حضرت قبلہ مفتی اعجاز ولی خان صاحب سے بھی میری گفتگو ہوئی وہ اگرچہ اس کی حرمت کے قائل ہیں مگر اس مسئلہ میں مزید گفتگو یا مکالمہ کرنے کو تیار نہیں نہ انھوں نے میرے سامنے حرمت کی دلیل پیش کی۔ جس سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ ان کے پاس حرمت کی کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے۔ ہاں بہارِ شریعت جلد ۱۶ ص ۵۱ پر گھڑی چین کی حرمت لکھی ہے مگر وہ قول بھی مفتیٰ بہ نہیں اور کوئی محقق مفتیِ اسلام اس پر فتویٰ شرعی جاری نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ صاحبِ بہارِ شریعت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس قول پر کوئی دلیل یا حوالہ پیش نہ فرمایا نہ نقلاً نہ عقلاً نہ قیاساً نہ اجماعاً۔ فقہائے کرام کے نزدیک ہر وہ قول غیر مفتیٰ بہ ہے جو بغیر دلیل نقل کر دیا جائے ایسے قول پر اس وقت تک فتویٰ دینا جائز نہیں جب تک مفتیِ دین خود اپنی تحقیق اس کی تائید میں حاصل نہ کر لے۔ چنانچہ کتاب عقود رسم المفتی ص ۵ پر ہے۔ وَمِنَ الْكُتُبِ الْغَرِيبَةِ الخ۔ اَوْ لِنَقْلِ الْاَقْوَالِ الضَّعِيفَةِ (الخ) اَوْ لِلْاِخْتِصَارِ۔ قَالَ شَيْخُنَا صَالِحُ الْجِينِيُّ اَنَّهُ لَا يَجُوزُ الْاِفْتَاءُ مِنْ هٰذِهِ الْكُتُبِ اِلَّا اِذَا عُلِمَ الْمَنْقُوْلُ عَنْهُ وَالْاِطِّلَاعُ عَلٰى مَاٰخِذِهَا هٰكَذَا سَمِعْتُهُ مِنْهُ وَهُوَ عَلَّامَةٌ فِي الْفِقْهِ مَشْهُوْرٌ۔ پس چونکہ بہارِ شریعت میں بلا دلیل حرام کہا گیا ہے۔ اس لئے محققین علماء کے نزدیک ہرگز معتبر نہیں۔ بعض رضوی علماء اس بہارِ شریعت کے قول کی بنا پر ہی کلائی کی لوہے پیتل تانبے والی چین کو حرام کہہ دیتے ہیں ورنہ حرمت کی دلیل آج تک انھوں نے بھی پیش نہ فرمائی۔ زید کا رضوی مسلک کی طرف اسبات کو منسوب کرنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ لفظ مسلک کے معنی ہیں راستہ۔ چنانچہ لغاتِ کشوری ص ۴۵۹ پر ہے۔ مسالک جمع مسلک کی راستے راہیں اور ص ۴۶۴ پر ہے مسلک، راہ، راستہ۔ اور لغۃ المنجد ص ۳۵۸ پر ہے۔ السلک، الطریق۔ ج مسالک۔ لفظ مسلک کا اصطلاحی و منقول شرعی معنی ہیں شریعت و طریقت کا راستہ۔ اور مسالکِ شریعت و طریقت ہر دو صرف چار چار ہیں۔ اور چہار میں سے رضویت کوئی مسلک نہیں۔ ہاں رضویت صرف ایک نسبت ہو سکتی ہے۔ شرعی نسبت۔ استادی شاگردی اور روحانی نسبت،

پیری مریدی. شرعی نسبت کے لحاظ سے تمام شاگرد بالواسطہ یا بلاواسطہ رضوی ہیں، اور رُوحانی نسبت سے تمام مریدین بلاواسطہ یا بالواسطہ رضوی ہیں۔ اعلیٰ حضرت سے ایک نسبت عقیدتاً ہے۔ اس اعتبار سے ہر اہلسنت بریلوی ہے۔ لہٰذا کسی قول کو رضوی کہنا سراسر نادانی ہے، اور نئے فساد کا دروازہ کھولنا ہے نسبت عقیدہ کے اعتبار سے تمام اہلسنت علماء بریلوی ہیں، باوجود اس کے پھر بھی بہت سے علماء اکابرین اور ہمعصر، گھڑی کی کلائی والی ہر قسم کی چین کو مطلق جائز سمجھتے ہیں خواہ لوہے کی ہو یا پیتل تانبے کی چنانچہ اکابرین علماء میں حضرت قبلہ مولٰینا نور اللہ صاحب نعیمی، حضرت قبلہ مفتی محمد حسین نعیمی. محقق اہلِ سُنت مولینا علی محمد صاحب بندیال، علامہ احمد حسن نوری. سید صاحب قبلہ، علامہ محمود رضوی. محقق عالمِ دین حضرت مولینا حافظ سید علی صاحب گجراتی، شیخ المشائخ حضرت حکیم الامت. غرضیکہ جمہور علماء گھڑی کی چین کی حلت کے قائل ہیں۔ اس کی حرمت پر کوئی شرعی دلیل نہیں۔ ہاں اس کی حلت اور جواز پر بہت سے دلائل موجود ہیں۔ شریعت کے اصولی اور نقلی قواعد سے بھی اس کی حلت ہی ثابت ہے۔ **دلیل ۱** ، علمائے اصول فقہ فرماتے ہیں۔ اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃُ (از نور الانوار ص ۱۱۲) یعنی ہر چیز اصل میں حلال ہے جائز ہے جبتک کہ اس پر حرمت کی دلیل نہ قائم ہو۔ اس قاعدہ کلیہ کی بناء پر حرمت کی دلیل پیش کرنی لازم ہے نہ کہ حلت کی۔ لہٰذا جو لوگ کلائی کی چین کو حرام کہتے ہیں وہ یا نصِ قطعی یا قیاس کی دلیل پیش کریں۔ وہ حضرات شاید اپنے قیاس میں یہ دلیل پیش کردیں کہ لوہے پیتل وغیرہ کی چین میں زینت ہے اور زینت مرد کو حرام ہے لہٰذا چین باندھنی حرام. یا شاید یہ کہہ دیں کہ پیتل لوہے تانبے کا زیور عورت و مرد کو حرام ہے۔ چونکہ چین بھی زیور میں داخل ہے۔ لہٰذا حرام. یا شاید یہ کہہ دیں کہ لوہے پیتل کی چین میں فضول خرچی ہے اور فضول خرچی حرام لہٰذا یہ چین بھی حرام. مگر یہ تینوں قیاس بالکل غلط ہیں۔ کیونکہ قیاس کرنا آسان نہیں۔ اور یہ تینوں قیاس مقیس علیہ سے کسی طرح بھی موافق نہیں۔ خیال رہے کہ اسلام میں دو چیزیں انتہائی مشکل ہیں ۱ کسی کو کافر ثابت کرنا ۲ حرام کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام و فقہائے عظام نے ان دونوں موقعوں پر بے شمار قیود و ضوابط و شرائط و پابندیاں مرتب کیں چنانچہ شامی جلد سوم ص ۲۹۳ پر ہے۔ اِذَا کَانَ فِی الْمَسْئَلَۃِ وُجُوْہٌ تُوْجِبُ الْکُفْرَ وَوَجْہٌ وَاحِدٌ یَمْنَعُہٗ فَعَلَی الْمُفْتِیْ اَنْ یَّمِیْلَ اِلَی الْوَجْہِ الَّذِیْ یَمْنَعُ التَّکْفِیْرَ ۔ ترجمہ ،۔ اگر کسی کے قول میں بہت صورتیں کفر کی ہوں فقط ایک اسلام کی تو اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگاؤ مگر جسطرح کہ دیوبندیوں وہابیوں نے ہر مسلمان کو کافر کہنا بہت آسان سمجھ لیا ہے اسی طرح ہمارے بعض رضوی بھائیوں نے حرام کرنے کو بہت آسان سمجھ رکھا ہے حالانکہ قیاساً کسی شئ کو حرام کرنے کیلئے مقیس اور مقیس علیہ میں گیارہ اشیاء کی مطابقت ضروری ہے جن میں چار شرطیں. چار رکن اور قیاس کی لغوی تفسیر اور شرعی تفسیر اور قیاس کا حکم. مگر مندرجہ بالا قیاسات میں ان میں سے کسی چیز کا لحاظ نہ رکھا گیا۔ اور مزید تعجب یہ ہے کہ رضوی حضرات میں بھی بعض اسکو حرام کہتے ہیں۔ بعض مکروہ تحریمی بعض مکروہ تنزیہی۔ اور دلیل کسی کے پاس نہیں۔ پہلا قیاس اس لئے غلط ہے کہ مرد کو مطلقاً زینت

حرام نہیں بلکہ انسانی مستعملہ اشیاء کا استعمال چار طریقوں پر ہوتا ہے ۱ برائے زینتِ محضہ یہ چیزیں صرف عورت کیلئے جائز ہیں مرد کے لئے ناجائز۔ اس کو زیور اور سنگھار کہا جاتا ہے چنانچہ علامہ شامی اپنی کتاب ردالمحتار جلد سوم ص ۳۰۹ پر فرماتے ہیں اَقُوْلُ فِیْهِ نَظَرٌ لِاَنَّ الْحُلِیَّ کَمَا فِی الْقَامُوْسِ مَا یُتَزَیَّنُ بِهٖ ۔ یعنی ہر وہ چیز جس سے زینتِ محضہ حاصل ہو وہ زیور ہے۔ لہٰذا ریشم سونا چاندی سے چونکہ صرف زینت مقصود ہے اس لئے مرد کو حرام۔ اگر یہی چیزیں ضرورت کے لئے استعمال ہوں تو مرد کے لئے جائز جیسے بوقتِ جنگ ریشم اور سونے کی ناک و دانت ضرورتاً لگائی گئی تو جائز جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں حدیث وارد ہے اسی لئے عالمگیری میں ارشاد ہے کہ سیاہ سرمہ اور کاجل بلاضرورت مرد کو لگانا ناجائز ہے۔ کہ زینتِ محضہ ہے چنانچہ ارشاد ص ۳۵۹ وَیُکْرَہُ الْکُحْلُ الْاَسْوَدُ بِالْاِتِّفَاقِ اِذَا قَصَدَ بِهِ الزِّیْنَةَ اسی طرح صاحبِ بہارِ شریعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب جلد ۱۶ ص ۴۸ پر ارشاد فرمایا کاجل بقصدِ زینت مرد کو لگانا حرام ہے۔ زینت مقصود نہ ہو تو کراہت نہیں۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ زینتِ محضہ مرد کو حرام۔ زینتِ محضہ وہ ہے جہاں صرف زینت ہی مقصود ہو، ضرورت نہ ہو، استعمال کرنے کی دوسری قسم زینت مع ضرورت، یہ مرد عورت دونوں کو شرعاً جائز ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ استعمال کرنے والا یا تو بوقتِ استعمال صرف ضرورت کا ارادہ کرے زینت خود بخود ہو جائے۔ جیسے آنکھوں کی گرمی دور کرنے کیلئے کاجل لگانا یا بوقتِ جہاد ریشم پہننا یا دانتوں کی بیماری دور کرنے کیلئے سونے کا دانت لگانا وغیرہ وغیرہ۔ یا مرد بوقتِ استعمال زینت اور ضرورت دونوں کا ارادہ کرے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (الخ) پارہ ۸ ربع۔ سرمہ، تیل، خوشبو، اچھا قیمتی لباس، خوبصورت جوتا، سونے کے بٹن، چاندی کی انگوٹھی، بہترین عمامہ، ٹوپی سب مرد کو جائز ہیں، کیونکہ زینت مع ضرورت ہیں اگرچہ ان میں زینت ہے مگر یہ چیزیں زیور نہیں۔ اس لئے کہ زیور وہ ہوتا ہے جس میں ضرورت قطعاً نہ ہو محض زینت ہو۔ تیسری قسم استعمال کرنے کی ضرورتِ محضہ۔ یہ بھی مرد و زن ہر دو کو جائز ہیں۔ جیسے تمام ضروریاتِ زندگی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ رب العزت ہے خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ استعمال کی چوتھی قسم نہ زینت نہ ضرورت، یہ تمام مرد و زن کو بالاتفاق حرام ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۔ اور ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ جیسے تمام عیاشی کے سامان۔ پس ثابت ہوا کہ دنیاوی استعمال کے فقط چار طریقے ہی ہیں۔ ۱ زینتِ محضہ ۲ ضرورتِ محضہ ۳ زینت مع ضرورت ۴ نہ زینت نہ ضرورت۔ اسی طرح اعلیٰحضرت نے بھی عطایا قدیر ص ۳۳ پر استعمال کے چار درجے فرمائے۔ گھڑی کی چین مذکورہ ۳ میں شامل ہے۔ یعنی اس میں زینت بھی ہے اور یہ چین ضروریاتِ زندگی میں شامل ہے کہ اس میں گھڑی کی حفاظت ہے۔ چمڑے اور کپڑے کی چین میں وہ بات نہیں۔ اس کو گرہ کٹ کاٹ لیتا ہے۔

جیسا کہ متعدد مسافروں کو سابقہ پڑا۔ گھڑی باندھنے میں آسانی ہے۔ دوسری چین کئی دفعہ باندھتے وقت گر جاتی ہے جس سے گھڑی کو شدید نقصان پہنچ کر سینکڑوں کا نقصان ہو جاتا ہے۔ خود گھڑی لوہے پیتل تانبے کی بالاتفاق جائز ہے (یا للعجب) اور جائز کی حفاظت واجب ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فقہاء کرام ہے۔ یَجِبُ حِفَاظَتُ اَمْوَالِ الْحَلَالِ تفسیر کبیر زیر آیت لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بِالْبَاطِلِ اسی طرح مرقوم ہے۔ سونے چاندی کی گھڑی بالاتفاق مرد وزن پر حرام ہے۔ معلوم ہوا کہ گھڑی اور چین دونوں زیور نہیں ورنہ صرف گھڑی بھی مرد کو حرام ہوتی۔ جس طرح صرف ٹیکہ دھاگے سے پرو کر ماتھے پر باندھنا مرد کو مطلقاً دھات سے حرام اتفاقاً ہے۔ جب صرف لوہے کا ٹیکہ حرام ہے بوجہ زیور کے۔ تو صرف گھڑی بھی حرام ہونی چاہیئے۔ یہ کیا منطق ہے کہ چین حرام اور گھڑی جائز۔ اگر زیور ہے تو کُل زیور نہیں تو کُل۔ صرف ضد بازی سے کام نہیں چلے گا۔ دلیل سے منواؤ ہم ماننے کیلئے تیار ہیں۔ ورنہ جانِ برادر شریعت تمہارے گھر کی چیز نہیں کہ جس طرح چاہو توڑ مروڑ لو۔ مرد کے لئے مطلق طور پر صرف سونا چاندی حرام ہے۔ وہ بھی خلافِ قیاس حرام۔ مطابق قیاس سونا و چاندی کا استعمال بھی حرام نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ اس آیت کے ماتحت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ تفسیر کبیر جلد چہارم ص۲۹۵ پر اِنَّهٗ یَتَنَاوَلُ جَمِیْعَ اَنْوَاعِ الزِّیْنَةِ فَیَدْخُلُ تَحْتَ الزِّیْنَةِ جَمِیْعُ اَنْوَاعِ التَّزْیِیْنِ ص۲۹۶ پر ارشاد ہے۔ وَیَدْخُلُ تَحْتَهَا اَیْضًا اَنْوَاعُ الْحُلِیِّ لِاَنَّ کُلَّ ذَالِکَ زِیْنَةٌ وَلَوْلَا النَّصُّ الْوَارِدُ فِیْ تَحْرِیْمِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْاِبْرِیْسَمِ عَلَی الرِّجَالِ لَکَانَ ذَالِکَ دَاخِلًا تَحْتَ هٰذَا الْعُمُوْمِ حدیث پاک سنن دارمی میں مرقوم ہے کہ نبی کریم نے حضرت عثمانؓ کو تارکِ دنیا کے لباس میں دیکھ کر ایک دفعہ فرمایا اے عثمانؓ زینت ہماری سنت ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عُثْمَانُ لَا تَرْغَبْ عَنْ سُنَّتِیْ فَاِنَّ مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ وَمَاتَ قَبْلَ اَنْ یَّتُوْبَ صَرَفَتِ الْمَلٰئِکَةُ وَجْهَهٗ عَنْ حَوْضِیْ۔ اس کی شرح میں علامہ رازی فرماتے ہیں۔ وَاعْلَمْ اَنَّ هٰذَا الْحَدِیْثَ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ هٰذِهِ الشَّرِیْعَةَ الْکَامِلَةَ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّ جَمِیْعَ اَنْوَاعِ الزِّیْنَةِ مُبَاحٌ مَاذُوْنٌ فِیْهِ اِلَّا مَا خَصَّهُ الدَّلِیْلُ مُقْتَضٰی هٰذِهِ الْاٰیَةِ اَنَّ کُلَّ مَا تَزَیَّنَ الْاِنْسَانُ بِهٖ وَجَبَ اَنْ یَّکُوْنَ حَلَالًا۔ وَحَلَّ کُلُّ الْمَنَافِعِ ص۲۹۶

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ سونے چاندی کا زیور خلافِ قیاس حرام ہے۔ خلافِ قیاس کی تعریف یہ ہے کہ منصوص قطعی پر بتمام شرائط کسی غیر منصوص حکم کو ڈھالا جائے۔ اس غیر منصوص قیاسی حکم کے خلاف بھی کوئی اس کی حرمت یا جواز میں نص نہ آجائے۔ اسی طرح شامی جلد اول ص۲۰۲ پر ہے اَلْاِسْتِحْسَانُ کَمَا قَالَ الْکَرْخِیُّ قَطْعُ الْمَسْئَلَةِ عَنْ نَظَائِرِهَا لِمَا هُوَ اَقْوٰی وَذَالِکَ الْاَقْوٰی هُوَ دَلِیْلٌ یُقَابِلُ الْقِیَاسَ الْجَلِیَّ الَّذِیْ تَسْبِقُ اِلَیْهِ اَفْهَامُ الْمُجْتَهِدِیْنَ۔ یعنی خلافِ قیاس مسئلہ قیاسی مسئلے سے قوی ہوتا ہے قیاس جلی علمائے مجتہدین کے مفہومات کو کہتے ہیں۔ اس

کے خلاف جو مسئلہ بھی قرآن یا حدیث میں آئے گا وہ خلافِ قیاس ہوگا۔ مثلاً نور الانوار صـ۲۴۷ پر مرقوم ہے جس طرح بیع سلم۔ قیاس چاہتا ہے کہ بیع سلم ناجائز ہونی چاہیئے۔ کیونکہ حدیثِ پاک میں ارشاد ہے کہ: عَنْ حَکِیْمِ ابْنِ حَزَامٍ رض قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ اَبِیْعَ مَا لَیْسَ عِنْدِیْ۔ مشکوٰۃ شریف جلد اوّل صـ۲۴۸ یعنی معدوم کی بیع منع ہے۔ اس پر قیاس کیا بیع سلم کو تو وہ بھی ناجائز ہونی چاہیئے۔ لیکن صراحتاً دوسری حدیث پاک میں بیع سلم کو جائز فرمایا لہٰذا قیاس کے خلاف جائز ہوئی۔ اسی طرح سونے چاندی کا زیور بوجہ زینت قیاس چاہتا ہے کہ مرد کو حلال ہو۔ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ اور ارشاد ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ مگر چونکہ صراحتاً حدیث پاک سے حرمت ثابت ہے۔ لہٰذا خلافِ قیاس سونے چاندی کا زیور مرد کو حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حرمت کی وجہ سے پیتل تانبہ، لوہا وغیرہ کے زیور مرد کو حرام نہیں ہوئے بلکہ ان زیوروں کی حرمت دیگر احادیث سے ہے۔ اسی لیئے لوہے کی زرہ اور جنگی لباس پہننا جائز ہے۔ سونے چاندی کا منع کیونکہ خلافِ قیاس ہے اپنے مورد پر ہی رہتا ہے۔ خلافِ قیاس شریعت میں چار قسم کا ہے۔ چنانچہ علماءِ اصول فرماتے ہیں وَالْاِسْتِحْسَانُ یَکُوْنُ بِالْاَثَرِ وَالْاِجْمَاعِ وَالضَّرُوْرَۃِ وَالْقِیَاسِ الْخَفِیِّ۔ نور الانوار صـ۲۴۷۔ یہ سونے چاندی کی حرمت خلافِ قیاس اثری ہے۔ اس لیے اس پر گھڑی کی چین کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ خلافِ قیاس پر کسی کو قیاس کرنا منع ہے۔ ھٰکَذَا قَالَ اَبِیْ حَکِیْمُ الْاُمَّۃِ کَاشِفُ الْغُمَّۃِ فِیْ فَتَاوٰہ۔ اس تمام گفتگو سے ثابت ہوا کہ پیتل تانبہ لوہے کی چین بالکل حرام نہیں۔ جو لوگ اس کو اندھا دھند حرام کہہ دیتے ہیں وہ بہت غلطی پر ہیں۔ عُقلاء کو چاہیئے کہ ان کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ چین مذکورہ عورت و مرد دونوں کو بالکل جائز بلا کراہت ہے۔ ہاں سونے کی چین ہو، یا چاندی کی۔ عورت و مرد دونوں کو حرام ہے۔ اسی طرح سونے کی صرف گھڑی مرد و عورت دونوں کو حرام ہے۔ کیونکہ چین زیور نہیں بلکہ مستعملہ چیز ہے۔

جوازِ چین مذکورہ کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:۔

دلیل ۱:۔ جمہور علمائے کرام کا عمل مبارک بھی اجماعِ امت میں شامل ہے۔ گھڑی کی چین کے متعلق سیدی ابو البرکات قبلۂ عالم پیر طریقت کا ارشاد قول گزر گیا کہ آپ جواز کے قائل ہیں۔ ۱۰/۹/۷۶ء کو فخرِ اہلسنت غزالیٔ زمان حضرت قبلہ علامہ کاظمی صاحب سے میں نے سوال کیا جبکہ وہ گجرات تشریف لائے تھے تو آپ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ یہ لوگ خواہ مخواہ ضد باندھ لیتے ہیں۔ حقیقت دیکھی جائے تو پیتل لوہے کی چین کے حرام ہونے کی دلیل تو درکنار کراہت کی بھی کوئی دلیل نہیں :۔ حضرت حکیم الامت کو اخیر زمانے میں میں نے خود چند دن لوہے کی چین باندھے دیکھا۔ محققین کے نزدیک عمل اور قول میں نسبت عام خاص مطلق ہے کہ ہر قول مثل عمل کے ہے مگر ہر عمل مثل قول کے نہیں۔ محدثین کا ارشاد ہے۔ اَلْقَوْلُ مِثْلُ الْعَمَلِ سند کے لیئے ان تین علمائے عظام کا قول و عمل کافی ہے۔ کیونکہ یہ حضرات رأسُ العلماء ہیں۔ انکا قول قولِ

جمہور ہے۔ جس طرح کے راس سے سارا جسم مراد ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود ہمعصر علماءِ محققین کے اقوال و عمل ظاہر و باہر ہیں۔ میرے استادِ محترم اخی معظم قبلہ مفتی مختار احمد صاحب بھی جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ان حضرات کا قول و عمل اہلِ اصول کے نزدیک شریعتِ پاک کی دلیل ہے۔ چنانچہ نور الانوار ص۹ پر ہے وَتَعَامُلُ النَّاسِ مُلْحَقٌ بِالْاِجْمَاعِ ۔ یعنی لوگوں کا کسی چیز پر عامل ہوجانا جواز کی دلیل ہے۔ اور اجماعِ امت میں شامل ہے۔ لوگوں سے کون سے لوگ مراد ہیں۔ اِسکی وضاحت خود مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں علیٰ ۔ اَنَّ الْمُسْتَحَبَّ مَا اَحَبَّهُ الْعُلَمَاءُ یعنی علمائے کرام کا کسی کو محبوب رکھنا شئی کو مستحب بنا دیتا ہے۔ پس گھڑی کی چین مذکورہ بالا جمہور علماء کے نزدیک محبوب ہے، لہذا باندھنا مستحب ہوا۔ دلیل ۲ ۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مصنفہ اَلطَّیِّبُ الْوَجِیْز میں ارشاد فرماتے ہیں ص۱۴ مطبوعہ حسنی پریس بریلی۔ "اگر پہننے کے مشابہ نہ ٹھہرے تو نہ اس میں حرج نہ نماز میں کراہت"۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اسی طرف ناظر کہ یہ پہننے کے مشابہ نہیں۔ مگر فقیر کو اس میں تامّل ہے۔ اور وہ خود بھی اس پر جزم نہیں رکھتے اور اُسے لکھ کر تامّل کا حکم فرماتے ہیں۔ تو بہتر اس سے احتراز ہی ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ اس عبارت سے بالوضاحت ثابت ہوا کہ چین باندھنا نہ حرام نہ مکروہ تحریمی۔ بلکہ اعلیٰحضرت کے نزدیک خلاف بہتر ہے۔ بہتر بمعنی مندوب ہے۔ لفظ مندوب و مستحب مرادف میں پس مجدد صاحب علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد کہ بہتر اس سے احتراز ہی ہے۔ یعنی مستحب اس سے احتراز ہی ہے اور قانونِ شریعت میں ترکِ مندوب و مستحب مکروہ تنزیہی بھی نہیں چہ جائیکہ حرام ہو۔ چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں فَاَمَّا الْمُسْتَحَبُّ وَالْمَنْدُوْبُ فَیَنْبَغِیْ اَنْ لَّا یُکْرَہَ تَرْکُهٗ اَصْلًا (الخ) فَلَمْ یَلْزَمْ مِنْ تَرْکِ الْمُسْتَحَبِّ ثُبُوْتُ الْکَرَاهَةِ۔ (ردّ المحتار جلد اول ص۶۱۱) ثابت ہوا کہ گھڑی کی چین باندھنا بلا کراہت اعلیٰ حضرت کے نزدیک جائز ہے۔ ہاں بوجہ گمانِ تشبّہ احتراز بہتر ہے۔ بعض رضوی حضرات بہتر بمعنی اولیٰ کرتے ہیں اور اولیٰ بمعنی واجب لاتے ہیں۔ اور دلیل میں اعلیٰ حضرت مجدد ملت کا قولِ طیبہ پیش کرتے ہیں کہ آپ نے فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص۸۴۸ حاشیہ ف۲ پر فرمایا۔ قَدْ یُطْلَقُ الْاَوْلٰی عَلَی الْوَاجِبِ بَلْ عَلَی الْفَرْضِ۔ یہ دلیل انتہائی کمزور ہے۔ بلکہ اپنے پیش کنندہ کے غیر محقق ہونے پر دال ہے۔ اس کی وجہ کمزوری دو طریق پر ہے ۱۔ وجہ الزامی۔ اسی صفحہ پر حاشیہ ف۳ وجوب کے معنیٰ بھی دو کئے گئے ہیں۔ تاکید اور مجرّد ثبوت۔ چنانچہ ارشاد ہے قَدْ یُطْلَقُ الْوُجُوْبُ بِمَعْنَی التَّاکِیْدِ بَلْ مُجَرَّدِ الثُّبُوْتِ ۔ تو کیا کوئی رضوی کسی واجب کو سنتِ مؤکدہ کہہ سکتا ہے۔ اور کیا اعلیٰ حضرت کے اس قول کے مطابق وتر یا عیدین کو بجائے واجب سنت مؤکدہ کہہ سکتا ہے۔ جس طرح واجب سے مؤکدہ مراد ہوسکتی ہے مگر کسی قرینے سے اسی طرح اولیٰ سے واجب مراد ہوسکتا ہے مگر کسی قرینے سے ۲۔ وجہ تحقیقی یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا قَدْ یُطْلَقُ اور حرف قَدْ عِنْدَ النُّحَاةِ لِلتَّقْلِیْلِ ۔ تو مطلب یہ ہوا کہ بہت کم ایسا ہوتا

ہے کہ لفظِ اولیٰ واجب یا فرض کے معنیٰ میں ہو۔ واضح رہے کہ لفظِ اولیٰ مشترک ہے اس کے چھ معنیٰ ہیں۔ ایک معنیٰ حقیقی باقی معنیٰ مجازی۔ حقیقی معنیٰ یہ ہیں کہ اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نے ارشاد فرمایا جلد اوّل صـ٢١١ فَكُلُّ مَكْرُوْهٍ تَنْزِيْهًا خِلَافُ الْاَوْلٰى اَذَانُ صَبِيٍّ مُرَاهِقٍ مَكْرُوْهٌ تَنْزِيْهًا لِاَنَّ غَيْرَهُمْ اَوْلٰى مِنْهُمْ ۔ اشارۃً ثابت ہوا کہ خلافِ اولیٰ مکروہ تنزیہی ہے عقود رسم المفتی صـ٢٩ پر ارشاد ہے وَظَاهِرُ كَلَامِ فَخْرِ الْاِسْلَامِ اَنَّهٗ الْاَوْلَوِيَّةُ حَتّٰى يَجُوْزَ الْعَمَلُ بِهٖ یعنی فخر الاسلام کے نزدیک قولِ راجح پر عمل کرنا اولیٰ مگر مرجوح پر عمل بھی جائز ہے یہاں اولیٰ بمعنی مستحب ثابت ہوئے اولیٰ کے تیسرے معنیٰ مندوب۔ چنانچہ شامی میں ہے وَلَا شَكَّ اَنَّ تَرْكَ الْمَنْدُوْبِ وَالْمُسْتَحَبِّ خِلَافُ الْاَوْلٰى ۔ اولیٰ کے چوتھے معنیٰ قریب چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ اور حدیثِ پاک میں آتا ہے۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسٰى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ بخاری شریف جلد اوّل صـ٤٩ اور مشکوٰۃ شریف صـ٨٦ پر ہے عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)۔ اولیٰ کے پانچویں معنیٰ اور چھٹے معنیٰ وہ ہی ہیں جو اعلیٰ حضرت نے بلفظ قَدْ يُطْلَقُ سے ارشاد فرمائے۔ ثابت ہوا کہ اولیٰ لفظِ مشترک ہے۔ حقیقی معنیٰ ہوتے ہوئے بغیر قرینے مجازی معنیٰ مراد لینا اہلِ اصول کے نزدیک غلط ہے۔ پس کتنی جلد بازی ہے کہ بلا سوچے سمجھے اپنی بات رکھنے کیلئے اعلیٰحضرت کے کلام پاک کی تحریف کرتے ہوئے بہتر کے معنیٰ اولیٰ کیسے جائیں اور اولیٰ کو وجوب میں ڈھال دیا جائے۔ بہتر کا لفظ ہماری اصطلاح میں مستحب کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ رضوی بزرگ نے اپنی اصطلاح پر بھی غور نہ فرمایا اَمَا اَجْعَلُكَ عَنْ لِسَانِ قَوْمِكَ اصطلاحاً کلامِ امام علیہ الرحمۃ کا مفہوم وہی ہے جیسے فقہاء فرماتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ کی صبح صاحبِ قربانی قبل قربانی کوئی چیز کھا سکتا ہے مگر بہتر اس سے احتراز ہی ہے۔ بعینہٖ یہی مقصودِ کلامِ امام سے ہے کہ گھڑی کی مذکورہ چین جائز ہے نہ حرام نہ مکروہ مگر بہتر اس سے احتراز ہی ہے فقط ایک شبہ کے گمان پر۔ واضح رہے کہ احتراز و ترک عند البعض مرادف ہیں۔ احتراز کی تین قسمیں ہیں ١۔ احترازِ لازم ٢۔ احتراز بہتر ٣۔ احترازِ جائز۔ حرام چیز سے احتراز لازم ہے چنانچہ خود اعلیٰ حضرت نے اپنے ملفوظ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کراچی جلد سوم صـ١٥ پر فرمایا۔ عرض، اگر وہابی سے نکاح پڑھا جائے تو ہو جائے گا یا نہیں۔ ارشاد، چونکہ وہابی سے پڑھوانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے جو حرام ہے لہٰذا احتراز لازم ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر گھڑی کی چین باندھنا حرام ہوتا تو اعلیٰحضرت بہتر اس سے احتراز نہ فرماتے بلکہ فرماتے کہ لازم اس سے احتراز ہی ہے۔ جس طرح صاحبِ قربانی بقرعید کا چاند دیکھ کر بال ناخن کٹا سکتا ہے مگر بہتر اس سے احتراز ہی ہے۔ فقط ایک مشابہت کے خیال کی بناء پر ٣۔ قانونِ شریعت کے مطابق ضرورتِ مطلقہ کے وقت وہ چیز بھی جائز ہو جاتی ہے جس کو قیاسِ مجتہدین و علمائے کرام نے حرام بل اشد حرام کیا ہو چنانچہ

نور الانوار صـ۲۴۷ پر ہے وَتَطْهِيْرُ الْأَوَانِيْ مِثَالٌ لِلْاِسْتِحْسَانِ بِالضَّرُوْرَةِ اَنَّ الْقِيَاسَ يَقْتَضِيْ عَدَمَ تَطْهِيْرِهَا اِذَا تَنَجَّسَتْ لِاَنَّهُ لَا يُمْكِنُ عَصْرُهَا حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْهَا النَّجَاسَةُ - لٰكِنْ اسْتَحْسَنَّا فِيْ تَطْهِيْرِهَا بِضَرُوْرَةِ الْاِبْتِلَاءِ بِهَا - وَالْحَرَجُ فِيْ تَنَجُّسِهَا ـ
یعنی ناپاک برتن کا پانی سے دھل کر پاک ہو جانا قیاس کے خلاف ہے۔ کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ناپاک شئے سے پاک لگا تو خود ناپاک ہو گیا (فکد نجاستہ) اور برتن نچوڑا نہیں جا سکتا کہ اس سے پانی نکالا جائے تو برتن موصوف بجائے پاک ہونے کے بدرجۂ اتم ناپاک ہو گیا اور ناپاک شئے کا کھانے پینے وغیرہ کے لئے استعمال کرنا اشد حرام ہے۔ مگر دنیوی حاجت کیلئے اتنے بڑے قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔ یہ قیاس نہ آیتِ قرآنی کی وجہ سے چھوڑا نہ حدیثِ پاک کی وجہ سے۔ نہ قول مجتہد فی الاصول۔ نہ قیاسِ خفی کی وجہ سے بلکہ محض دنیوی ضروریاتِ زندگی کی وجہ سے۔ ثابت ہوا کہ ضرورتِ دنیاوی کی وجہ سے قیاساً حرام چیز کا استعمال کرنا بھی جائز بلکہ لازم ہے اور قیاس یکسر چھوڑ دیا جائے گا۔ تو اعلیٰحضرت کا قیاس فقط احتراز مستحب کا ہی ہے یہ بھی گھڑی کی حفاظت اور گرہ کٹوں کی زد سے بچانے کیلئے چھوڑا جائے گا بلکہ خود اعلیٰحضرت بھی اگر اس کسمپرسی کے دور کو دیکھتے تو اپنے قیاسِ احتراز سے احتراز فرما لیتے۔ میں عالمِ اہلسنت ہونے کی حیثیت سے اعلیٰحضرت کا نائب ہوں۔ نائب کا کام اصل کا ہی کام ہے۔ پس میرا ان دلائل کے ماتحت گھڑی کی چین از قسم تانبہ پیتل لوہا سٹیل رولڈ گولڈ کو جائز قرار دینا اعلیٰحضرت ہی کا جائز فرمانا ہے۔ لہٰذا کسی رضوی بھائی کو حق نہیں پہنچتا کہ بغیر دلائل و تحقیق اس فتویٰ کی محض ضد سے تردید کرے۔ ہاں اس سے زیادہ مضبوط دلائل و تحقیق کی بناء پر تردید جائز ہے کہ بَحْثُ الْحَقِّ لِحِكْمَتِهٖ۔

دلیل ۴۷: علامہ سید محمد امین معروف ابن عابدین شامی جو اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روحانی استادِ محترم ہیں۔ جیسا کہ خود اعلیٰحضرت مولٰینا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سے ثابت ہے چنانچہ ماہنامہ رضائے مصطفےٰ صـ۱۶ نمبر اعلیحضرت صفر کا مہینہ ۱۳۹۳ھ پر خود اعلیحضرت کا ارشاد منقول ہے۔ فرمایا کہ میں نے فقہ علامہ شامی سے سیکھا۔ بحمدہٖ تعالیٰ علامہ شامی کا مقام اس وقت فقہ میں بہت بلند ہے۔ آپ کا درجہ مجتہدین فی التصحیح کی صف میں ہے۔ آپ کے نزدیک بھی گھڑی کی چین مذکورہ باندھنا حرام نہیں چنانچہ شامی جلد پنجم صـ۲۳۱ پر ارشاد ہے۔ يَعْنِيْ اَلْكَلَامُ فِيْ بَنْدِ السَّاعَةِ الَّذِيْ تَرْبِطُ بِهٖ وَيُعَلِّقُهُ الرَّجُلُ بِزِرِّ ثَوْبِهٖ وَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ كَبَنْدِ السُّبْحَةِ الَّذِيْ تَرْبِطُ بِهٖ يَتَأَمَّلْ۔ یعنی وہ چین جس سے گھڑی باندھی جاتی ہے۔ اور معلّق کی جاتی ہے۔ وہ چین مثل تسبیح کے ڈورے کے ہے۔ کہ جس طرح تسبیح کا ڈورا ریشمی ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر چین کلائی والی ریشم کی ہو تو وہ بھی جائز ہے۔ خیال رہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں ریشم صرف پہننا حرام ہے۔ باقی ہر طرح استعمال جائز ہے۔ ریشم کے رومال میں مٹھائی رکھ کر کھا سکتا ہے۔ اس کے مصلے پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ تو اس کی چین بھی بدرجۂ اولیٰ باندھ سکتا ہے۔ اسی لئے اس کو علامہ شامی نے تسبیح کی چین سے مشابہ کیا اور تسبیح کی ڈوری چین تو جائز۔ چنانچہ

شامی جلد پنجم صـ۲۳۱ پر مرقوم ہے قُلْتُ وَمِنْهُ يُعْلَمُ حُكْمُ مَا كَثُرَ السُّؤَالُ عَنْهُ مِنْ بَنْدِ السُّبْحَةِ فَلْيُحْفَظْ ثابت ہوا کہ اگر وہی ریشم کی چین والی تسبیح اگر کوئی گلے میں ڈالے یا کلائی پر لپیٹے تو جائز ہو گا۔ اسی طرح پیتل تانبے کی چین بھی کلائی پر جائز ہو گی نہ حرام نہ مکروہ تحریمی۔ بعض حضرات یہ کہہ سکتے ہیں کہ علامہ شامی اور اعلیحضرت کا فرمان گھڑی کی جیبی زنجیر کے متعلق ہے نہ کہ کلائی چین کے متعلق تو اُن کے اقوال کو حلت چین متنازعہ فیہ پر دلیل کس طرح بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے دو طرح جواب ہو سکتے ہیں ۱۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر تو آپ کا مدعا بھی حاصل نہ ہوا اور اعلیحضرت کے قولِ طیبہ کو حرمت پر بھی دلیل نہیں بنا سکتے اور کوئی رضوی ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ اعلیحضرت نے مذکورہ کلائی چین کو حرام کہا ہے۔ یا احتراز کا حکم دیا ہے۔ اور نہ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت حصہ سوم صـ۱۹ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کی کی عبارت پیش کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی جیبی چین کے متعلق ہے۔ پس اس طریقے پر کہیں ثابت نہیں کہ اعلیٰ حضرت نے کلائی کی چین کو حرام کہا ہو نہ ہی احکام شریعت حصہ دوم ملفوظ ۶۲ کو سند میں پیش کیا جا سکتا ہے کہ وہ بھی گھڑی کی زنجیر کے متعلق ہے نہ کہ چین کے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ علامہ شامی کے اقوال طیبہ طاہرہ کا دارو مدار پہننے اور نہ پہننے پر ہے۔ لہذا جو چیز بھی پہننے میں آئے گی اس کی حرمت ظاہر ہو گی۔ اعلیحضرت کے اقوال بھی اسی پر دال ہیں اور آپ بھی چین کو پہننا نہیں مانتے بلکہ ایک شبہہ ہے تو چونکہ ہر دو بزرگ پہننے، نہ پہننے پر حرمت و حلت کا مدار رکھتے ہیں اور یہ پہننا ظاہر ہے کہ جیبی گھڑی کی زنجیر میں قطعاً نہیں ہو سکتا۔ اس میں تامل بیکار۔ پس ثابت ہوا کہ چین ہی مراد ہے۔ اور وہی پہننے کے قریب ہو سکتی ہے۔ اسی میں تامل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الطیب الوجیز کے سوال میں گھڑی کی چین کے متعلق ہی گفتگو ہے۔ اور اعلیحضرت نے اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ شامی کی عبارت پیش کی ہے۔ جب سوال میں زنجیر کا ذکر نہیں تو جواب میں زنجیر کا ذکر کیوں۔ ثابت ہوا کہ ہر دو حکم میں برابر ہیں۔ اور تامل تحقیق کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اس سے حرمت ثابت نہیں ہو سکتی۔ پس اِن دلائلِ قاہرہ و براہینِ باہرہ سے ثابت ہوا کہ کلائی کی مذکورہ چین بالکل حلال و جائز ہے۔ علامہ شامی نے جائز قرار دیا اور اعلیحضرت نے کہیں حرام نہ فرمایا۔

سائل محترم کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے۔ آپ کے سوال کے بعد میں نے احکام شریعت مطبوعہ نعیمی کتب خانہ ہر حصص کا بغور مطالعہ کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ واقعتاً یہ کتاب اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں بلکہ از قسم ملفوظات ہیں جن کو ایک جگہ تحریر میں لایا گیا۔ لہذا اس کو ملفوظاتِ اعلیحضرت تو کہہ سکتے ہیں مگر اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی صف میں اس کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔ عربی زبان میں کسی کلام کو لکھنے کیلئے سات الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ۱۔ تحریر ۲۔ تصنیف ۳۔ تالیف ۴۔ تشریح ۵۔ تفسیر ۶۔ کتابت ۷۔ ترقیم۔ یہ چھ سات الفاظ اگرچہ اردو میں ان سب کا ترجمہ لکھنا ہی کیا جائے گا مگر عربی لغت میں ان میں عظیم تفریق

ہیں۔ چنانچہ ۱۔ تحریر کے معنیٰ ہیں خوشخط لکھنا لکھنے والا خواہ عالم ہو یا غیر عالم سمجھ کر لکھے یا بغیر سمجھے اپنا کلام ہو یا غیر کا۔ چنانچہ لغات منجد صـ۱۱۹ پر ہے حَرَّرَ الکِتَابَ حَسَّنَہٗ وَاَصْلَحَہٗ۔ ھٰکَذَا فِیْ لُغَاتِ کشوری۔

۲۔ تصنیف وہ عبارت جو ذہنی خیالات کو ترتیب دے کر زیرِ قلم لائی جائے خواہ اپنے ہاتھ سے لکھے یا لفظ بہ لفظ اپنے سامنے لکھوائے۔ چنانچہ لغاتِ قلوس اور منجد صـ۴۵۲ پر ہے صَنَّفَ۔ الکِتَابَ۔ اَلَّفَہٗ وَرَتَّبَہٗ۔

۳۔ تالیف مختلف مضامین کو ایک جگہ جمع کر دینا۔ اپنے خیال کا یا اپنے الفاظ کا اس میں دخل نہ ہو دوسروں کی عبارات ایک جگہ ترتیب وار جمع کرنا یا کسی کے لفظ سُن کر اُسی ترتیب سے لکھنا جس طرح اس نے بولے تھے۔ اپنی ذہنی یادداشت سے اس کو ایک جگہ جمع کر دینا۔ اپنی عبارت کا اس میں دخل نہ ہو۔ دوسروں کی عبارات ایک جگہ جمع کر کے لکھنا۔ چنانچہ لغات کشوری صـ۹۱ و پر المنجد صـ۱۳ پر اَلَّفَ الکِتَابَ جَمَعَہٗ وَصَلَ بَعْضَہٗ بِبَعْضٍ۔ لغات حمیری صـ۱۰ اَلْمُؤَلِّفُ رَجُلٌ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَسَائِلَ الکُتُبِ المُخْتَلِفَۃِ اَوِ الْاَلْفَاظَ الرِّجَالِ المُخْتَلِفَۃِ عَلَی التَّرْتِیْبِ۔

۴۔ تشریح۔ کوئی عالم کسی دوسرے شخص کے کلام کی پوری وضاحت کرے اور پوشیدہ مسئلہ اس طرح کھول کر صاف صاف لکھے کہ پوشیدگی دور ہو جائے۔ اور علم کے زور سے اپنے ہی لفظوں کو لکھے۔ چنانچہ منجد عربی صـ۳۹۲ پر ہے۔ شَرَحَ۔ شَرْحًا۔ اَلْمَسْئَلَۃَ کَشَفَ غَامِضَھَا وَبَیَّنَھَا۔ اَلْکَلَامَ فَھِمَہٗ۔ لغاتِ کشوری صـ۱۰۱ پر ہے۔ تشریح عربی لفظ ہے۔ اس کے معنیٰ شرح کرنا۔ کھولنا۔ کُل حال بیان کرنا۔

۵۔ تفسیر۔ رب تعالیٰ کے کلام کے مطالب بیان کرنا اور مختلف قواعدِ عقلیہ و فرموداتِ نقلیہ کے مطابق کوئی عالم اپنے لفظوں میں حروفِ قرآنِ کریم کی وضاحت کرے۔ چنانچہ لغات کشوری صـ۱۰۹ پر ہے۔ تفسیر۔ بیان کرنا۔ اور کلامِ خدا کی شرح کرنا۔ المنجد صـ۶۱۳ فَسَّرَ الْاَمْرَ اَوْضَحَہٗ وَبَیَّنَہٗ

۶۔ کتابت۔ کسی جگہ کوئی شخص اپنے ہاتھ یا قلم سے حروفِ ہجاء مفرد یا مرکب کے نقوش بنائے۔ چنانچہ المنجد صـ۱۷۱ اور تاج العروس صـ۱۰۰۰ پر ہے۔ کَتَبَ الکِتَابَ صَوَّرَ فِیْہِ اللَّفْظَ بِحُرُوْفِ الْھِجَاءِ اس کے معنیٰ مضبوط نقش ڈالنا بھی جیسے پتھر پر یا پکی سیاہی سے کاغذ پر جو مٹ نہ سکے۔ اسی لئے فرض کو بھی مکتوب کہا گیا ہے کہ وہ حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔

۷۔ ترقیم کے معنیٰ لکھنا۔ چنانچہ لغاتِ کشوری صـ۹۸ پر ہے۔ ترقیم۔ ع۔ لکھنا۔ رقم کرنا۔ یعنی لکھنے میں زبان کی طرز کا خیال رکھنا۔ عربی لکھنی ہو تو مکمل زیر زبر۔ پیش۔ شَدّ۔ مَدّ لگا کر خوبصورت بنا کر لکھا جائے۔ خواہ کسی کا مضمون ہو یا اپنا۔ چنانچہ منجد صـ۲۷۸ پر رَقَمَ کَتَبَ الکِتَابَ بَیَّنَہٗ وَاَعْجَمَہٗ بِوَضْعِ النُّقَطِ وَالحَرَکَاتِ وَغَیْرِ ذَالِکَ

صاحبِ تحریر محرّر کہلاتا ہے۔ اور صاحبِ تصنیف مصنّف کہلاتا ہے اور صاحبِ تالیف مؤلف کہلاتا ہے تشریح کرنے والا شارح کہلاتا ہے۔ تفسیر والے کو مفسّر کہا جاتا ہے۔ صاحبِ کتابت کو کاتب صاحبِ ترقیم کا نام راقم ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اعلیٰ حضرت اپنے تمام ملفوظات کے نہ محرّر ہیں نہ مصنّف نہ مؤلّف ہو سکتے

ہیں نہ شارح نہ مفسر کہلا سکتے ہیں نہ کاتب نہ راقم الحروف۔ کیونکہ اِن الفاظِ مذکورہ کی نسبتیں جدا گانہ ہیں، چنانچہ لفظ تحریر، ترقیم، کتابت و تصنیف میں نسبت تساوی ہے۔ اور تصنیف تالیف، تشریح میں نسبت تباین ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی کلام کتابت بھی ہو تحریر بھی ہو ترقیم۔ اور تصنیف بھی یا ایک ہی عبارت کا ایک شخص محرّر ہو، دوسرا کاتب تیسرا راقم۔ چوتھا مصنّف یا ایک ہی شخص محرّر بھی ہو، کاتب بھی، راقم بھی، مصنّف بھی۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی عبارت کا ایک ہی شخص مصنّف مؤلِف اور شارح بھی ہو۔ یا ایک شخص مصنّف ہو، اور دوسرا مؤلّف تیسرا شارح ہو۔ جب یہ بات واضح ہو گئی تو اب سمجھنا چاہیئے کہ اعلیحضرت کسی ملفوظات کے مصنّف و مؤلف نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ آپ محض لافظ ہیں خواہ وہ احکام شریعت ہو۔ یا مجموعۂ ملفوظات چار حصے بلکہ آپ تو محرر کاتب راقم بھی نہیں۔ جس طرح کہ تمام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہ نبی کریم رؤف الرحیم کسی حدیث مبارک کے مصنّف، مؤلِف، شارِح یا محرِّر راقِم وغیرہ نہیں اسی طرح احکام شریعت وغیرہ اعلیحضرت کی تالیف و تصنیف وغیرہ نہیں۔ بلکہ احکامِ شریعت کا مؤلف سید شوکت علی ہے۔ اس کو مخالفوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ رسالہ فیض رضا صـ۱۷ اکتوبر نومبر ۱۹۷۲ء پر اس طرح درج ہے۔ احکام شریعت ضرور امام اہلِ سنّت اعلیحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ اس کے جامع سید شوکت علی صاحب ہیں (الخ) اور یہی رسالہ ماہِ اگست ۱۹۷۲ء سید شوکت علی کو مؤلِف احکام شریعت کا لقب دیتا ہے۔ اسی طرح تمام مکتبوں کی فہرستیں بھی ان کو مؤلِف احکام شریعت کہتے ہیں۔ اور دیگر ملفوظات کے مؤلف مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب (مفتیٔ اعظم ہند) ہیں۔ شاید کوئی لاڈلا بیوقوف یہ بھی کہہ دے کہ احکامِ شریعت اس لئے اعلیحضرت کی تصنیف ہے کہ وہ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ فتویٰ بھی ملفوظ ہو سکتا ہے فتوے کیلئے تحریر یا تصنیف وغیرہ شرط نہیں۔ جس طرح کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلَالَةِ مندرجہ تمام دلائل سے بالوضاحت ثابت ہو گیا کہ احکامِ شریعت اور حضرت قبلۂ عالم مفتیٔ اعظم کی مذکورہ تالیف اعلیحضرت کے محض ملفوظات ہیں۔ اور ملفوظات کیلئے قاعدۂ کلیہ مسلّمہ ہے کہ جو ملفوظات اپنے کانوں سے نہ سنے ہوں بلکہ کسی واسطے سے مسموع ہوں۔ وہ تمام کلام محققین مجتہدین علماء فقہاء کے نزدیک قابلِ غور ہوتے ہیں اگرچہ وہ ملفوظ عالِم کے ہوں۔ یا مجتہد کے یا ولی اللہ غوث قطب کے بلکہ صحابی بلکہ نبی۔ یا خود داتائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ملفوظ ہوں۔ چنانچہ دیکھئے علامہ ابن جوزی کی کتاب اصولِ حدیث صـ۱۷۲۔ یہی وجہ ہے کہ محدّثین کرام۔ احادیث رسول اللہ میں خوب غور وخوض کر کے ملفوظاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اڑتیس ۳۸ اقسام فرماتے ہیں۔ اور خبرِ واحد کو ہر مقام پر اس حد تک قابلِ غور بناتے ہیں کہ قیاسِ مجتہد کے مقابل ترک کر دیتے ہیں۔ فرمایئے اگر ملفوظات قابلِ غور نہ ہوتے تو حدیث پاک کی اتنی قسمیں کیوں ہو جاتیں جب نبی کریم

کے ملفوظاتِ مقدسہ کو محدثین قابلِ غور فرماتے ہیں تو اعلیٰحضرت کے ملفوظ کیوں قابلِ غور نہ ہوں گے اور ان کو قابلِ غور کہنے سے کون سی قیامت ڈھ جائے گی حالانکہ احکامِ شریعت وغیرہ ملفوظات بھی کئی واسطوں سے مسموع ہیں۔ صحابہ کرام اور محدثین بھی اُن ہی احادیث میں جرح کرتے ہیں جو خود آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ طیبہ سے نہ سنیں ہوں۔ ورنہ جو ملفوظِ پاک خود پیارے آقا کی زبان مبارک سے سنے ہوں وہ تو قرآنِ پاک کا درجہ رکھتے ہیں اسی کو حدیثِ متواتر کہتے ہیں۔ بلا تشبیہ یوں ہی سمجھ لو کہ جو باتیں مولانا احمد رضا خاں علیہ رحمۃ کے دہانِ مبارک سے سنیں وہ بدرجۂ اتم قابلِ غور ہوں گی اور کوئی محقق اُن کے مطابق بغیر تحقیق فتویٰ نہیں دے سکتا۔ بلکہ جب کسی دوسرے مصنف محقق کی کتاب یا علماء متبحر کے قیاس میں اُس کا خلاف ہو گا۔ تو ملفوظ کو ترک کر دیا جائے گا اور دیگر تصنیف یا قیاس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ یہ میرا ہی قول نہیں بلکہ خود ملفوظات اعلیٰحضرت کے مؤلف مولانا مصطفیٰ رضا خان کا بھی یہ عمل ہے۔ چنانچہ اپنے مؤلفہ میں بہت جگہ اصل ملفوظات کو غیر معتبر غیر مفتابہ قرار دیتے ہوئے ملفوظ کی اشارۃً تردید کرتے ہیں یہ وہی ملفوظ ہیں جو خود اپنے کانوں سے مجلسِ اعلیٰحضرت میں نہ سنے۔ بلکہ کسی کی روایت نقل کی اور کسی کی زبانی یہ سُنا کہ اعلیٰحضرت نے اس طرح فرمایا تو اس پر مفتیٔ اعظم مؤلف نے غور کیا جب اس کو خلاف نقل پایا تو تردید کر دی جیسا کہ آگے بیان کروں گا واللہ اعلم بالصواب۔ مسئلہ یہیں پر واضح ہو جاتا ہے مگر سائل کے سوال کے مطابق اُن مسائل کی نشاندہی ضروری ہے۔ جو قابلِ غور ہیں اور سائل نے اگرچہ صرف احکامِ شریعت کے متعلق سوال کیا ہے۔ مگر میری نظر میں چونکہ احکامِ شریعت اور دیگر ملفوظات ایک ہی درجے کے ہیں اس لئے سب پر نشان دہی کی جاتی ہے دیگر ملفوظات چونکہ مفتیٔ اعظم کی ہی تالیف ہے اور انھوں نے خود تالیف کرتے ہوئے تحقیق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اسلئے اِن میں خود حضرت مؤلف کی ہی تنقیدات پیش کروں گا۔ اور احکامِ شریعت کا مؤلف سید شوکت علی ایک غیر عالم شخص تھا اس لئے اس پر میں اپنی تنقید درج کروں گا۔ خیال رہے کہ ملفوظات ایک آدمی جمع نہیں کرتا بلکہ جب کسی کی باتیں تالیف کرنے کا ارادہ ہوتا ہے تو یہ مرید بہت سے احباب کی ڈیوٹی لگا دیتا ہے کہ جب کبھی فلاں بزرگ کسی جگہ کوئی بات از قسم مسائل وغیرہ بات کریں تو وہ بات مجھ کو بتا دو۔ پس یہ احباب تمام گفتگو لکھ کر یا زبانی مؤلف کو پہنچاتے رہتے ہیں۔ مؤلف اگر خود عالم ہو تو چھان بین اور تحقیق کر کے اپنے پاس گفتگو جمع کرتا رہتا ہے اگر غیر عالم ہو تو بغیر تحقیق جمع کرتا رہتا ہے۔ اب مؤلف کے پاس اس بزرگ کی کچھ خود مسموعی اور کچھ بالواسطہ مسموعی باتیں جمع ہو جاتی ہیں جن کو شائع کر دیا جاتا ہے۔ یہ تجربہ شدہ بات ہے۔ اسی طرح خود میں نے بھی حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ جمع کئے ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں۔ اور اسی طرح اعلیٰحضرت کے ملفوظات جمع ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ملفوظات کو جمع کرنے والے بہت احباب ہیں۔ ۱؎ مفتیٔ اعظم مصطفیٰ رضا خان۔

۲ سید شوکت علی ۲ سید ایوب شاہ صاحب، ان کی زیارت سے میں بھی مشرف ہوا ہوں اور میرے استفسار پر انھوں نے فرمایا بھی تھا کہ میں اعلیحضرت کے پیٹھ پیچھے بیٹھ کر آپ کی باتیں لکھا کرتا تھا۔ ادب کی وجہ سے۔ اور مجلس کی تمام گفتگو زیرِ تحریر لایا کرتا تھا۔ اور بھی بہت سے احباب جامع ملفوظ ہوں گے۔ یہ ملاقات لائلپور میں شیخ الحدیث کے اس آخری جلسے میں ہوئی تھی جس میں شیخ الحدیث علیہ الرحمتہ نے صاحبزادہ فضلِ رسول کے سر پر خلافت وکفالت ونیابت کی دستار باندھی تھی۔ مؤلف ملفوظ اگر عالمِ دین ہو اور عدل وانصاف سے محققانہ حیثیت سے تالیف کرے، تو اس کے مؤلفہ ملفوظات قابلِ غور نہیں رہتے کیونکہ یا تو مؤلف خود ہی بالواسطہ مسموع ناقابلِ عمل ملفوظ کاٹ دیتا ہے یا اس کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ جس طرح بہت جگہ مفتیٔ اعظم نے کیا۔ پس نتیجہ نکلا کہ قابلِ غور وہ مسائل ہوتے ہیں۔ جو غیر عالم نے اعلیحضرت وغیرہ سے سنے۔ کچھ بھولا کچھ یاد رکھا۔ کچھ کمی کچھ زیادتی سے درج کر دیا۔ اس چشم پوشی کی وجہ سے مسئلہ قابلِ غور اور بغیر تحقیق ناقابلِ عمل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ تحقیق بھی علماءِ متبحرّین کا کام ہے۔ نہ کہ عوام کا۔ عوام کو حق نہیں پہنچتا کہ بلاوجہ کسی کی تالیف کو ہدفِ تنقید بنائیں یا کسی علماء کے قول کے مقابل اِس ہی ملفوظ پر اَڑ جائیں بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ احکامِ شریعت کی وہ عبارت جو قابلِ غور ہے اعلیحضرت کی ہے ہی نہیں۔ یا تو خود ساختہ ہے یا کچھ زیادتی کمی ہوئی ہے مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر کچھ عباراتِ ملفوظات درج کی جاتی ہیں۔ ۱ احکامِ شریعت دوم سوال ۸ کا وٹ پر لکھا ہے کہ نبی کریم کا عرشِ اعظم پر مع نعلین مبارک حاضری کے متعلق بلا دلائل انکار لکھا ہے۔ اگر یہ انکار اعلیحضرت کی تصنیف میں ہوتا تو یقیناً با دلائل ہوتا۔ پھر کسی کو غور کی حاجت نہ تھی۔ ملفوظی ہونے کی وجہ سے قابلِ غور ہے۔ بعد غور معلوم ہوا کہ تمام اکابرِ امت فرماتے ہیں۔ کہ حضرتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر گئے تو مع نعلین گئے چنانچہ حضرت امیر خسرو جو مجدد الف ثانی کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ اپنے قصیدۂ معراج میں فرماتے ہیں ؎

نعلین پائے ادر ابر عرش گو نگاہ کن ‌ ‌ جاہل کہ در نیابد معنیٔ استوارا

۲ نادر المعراج صـ۲۸ پر شیخ العالم اکبرآبادی فرماتے ہیں۔ لطیفۂ ششم۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام را در وادیٔ مقدس امر فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ شد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم را بر فوقِ عرش نہی آور کہ لَا تَخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۳ تفسیر روح البیان صـ۲۷ جلد پنجم میں ہے وَقِيلَ لِلْحَبِيبِ تَقَدَّمْ عَلَى بِسَاطِ الْعَرْشِ بِنَعْلَيْكَ لِيَتَشَرَّفَ الْعَرْشُ بِغُبَارِ نِعَالِ قَدَمَيْكَ (الخ)

۴ دُرَّۃُ التَّاج صـ۸۷ پر لکھا ہے کہ امام ابن ابی جمرہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرشِ اعظم پر مع نعلین پاک پہنے ہوئے پہنچے۔ ۵ جواہر البحار جلد سوم صـ۴۳ پر خود مصنف شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی اسی مسلک کی تائید فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک شعر میں فرماتے ہیں۔ ؎

عَلٰی رَاْسِ هٰذَا الْکَوْنِ نَعْلُ مُحَمَّدٍ عَلَتْ فَجَمِیْعُ الْخَلْقِ تَحْتَ ظِلَالِهٖ
لَدَی الطُّوْرِ مُوْسٰی نُوْدِیَ اِخْلَعْ وَاَحْمَدُ عَلَی الْعَرْشِ لَمْ یُؤْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِهٖ

اگرچہ شیخ نبہانی اِن صفحات پر اس واقعے سے متعلق بعض علماء کی کچھ تنقیدات پیش کرتے ہیں مگر اپنا مسلک تائید پر ہی راغب ہے۔ علاّمہ قزوینی اس کی تردید فرماتے ہیں مگر میرے نزدیک اُن کی تردید دو وجہ سے معتبر نہیں ایک یہ کہ، علاّمہ قزوینی عرشِ اعظم تک پہنچنے کا ہی سرے سے انکار کرتے ہیں حالانکہ تمام علمائے محققین بدلائل قاہرہ ثابت کرتے ہیں کہ نبی کریم عرشِ اعظم پر تشریف فرما ہوئے اور اس سے بھی آگے لامکان پر حاضر ہوئے۔ خود اعلیٰحضرت کا مسلک بھی یہی ہے۔ چنانچہ اپنے مشہورِ زمانہ بے مثال نعتیہ سلام میں ارشاد فرماتے ہیں۔

عرش کی زیب و زینت پہ عرشی دُرود فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام

اور بھی بہت سے اشعار میں عرش اعظم تک پہنچنے کو ثابت فرماتے ہیں۔ علاّمہ قزوینی کی پہلی بات کو اگر صحیح کہا جائے تو دوسری کو بھی صحیح ماننا پڑے گا۔ کیونکہ وہ نعلین پاک کا بدیں وجہ انکار کرتے ہیں کہ آپ نبی کریم کے عرش تک پہنچنے کے ہی قائل نہیں جیساکہ شیخ علی الجھوری اپنی کتاب نور الوہاج میں فرماتے ہیں۔ مگر علاّمہ قزوینی کی دوسری بات تو غلط لہٰذا پہلی بھی غلط۔ دوسری وجہ غیر معتبر ہونے کی یہ ہے۔ واقعہ معراج اسرارِ الٰہیہ میں ہے اور اسرار پر صوفیاء کو مطلع فرمایا جاتا ہے۔ تو جس طرح علم کی بات میں علماء کا اعتبار ہوگا۔ فقہ میں فقہاء، نحو میں نحوی، فلسفے میں فلاسفہ۔ حدیث کی صحت میں محدثین، منطق میں منطقی۔ سائنس میں سائنس دان کے اقوال قابلِ اعتبار و ترجیح ہوتے ہیں۔ اسی طرح اسرارِ الٰہیہ میں صوفیاء کی بات معتبر ہوگی نہ کہ علاّمہ قزوینی و دیگر فلاسفہ کی۔ اسرارِ الٰہیہ میں علماء و محدثین کی بات بھی صوفیاء کے مقابل غیر معتبر ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ میں تمام علمائے متقدمین کلمات سے مراد رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا (الخ) لیتے ہیں مگر صوفیاء وسیلۂ نامِ اقدس مراد لیتے ہیں لہٰذا فتویٰ اسی پر ہے کہ وسیلۂ نامِ اقدس سے توبہ قبول ہوئی۔ کیونکہ یہ وسیلہ بھی اسرارِ الٰہیہ میں سے ہے جس کا علم بجز صوفیاء کے کسی کو نہیں۔ علماء و محدثین اس دریا کی لہروں سے بے خبر ہیں۔ پتہ لگا کہ اسرار میں صوفی کی بات معتبر ہے حالانکہ محدثین فرماتے ہیں کہ صوفی کی روایت معتبر نہیں۔ وجہ وہی جو اوپر بیان کی گئی۔ اسی طرح مفسرین والنجم کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ نبی کریم نے حضرت جبریلؑ کو دیکھا مگر صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا اہلِ علم حضرات صوفیاء کی بات تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت جبریلؑ کو دیکھنا کیا کمال ہے۔ نبی کا امتی کو دیکھنا کمال نہیں بلکہ امتی کا نبی کی زیارت کمال ہے۔ حضرت جبریلؑ ہر وقت نبی کریم کے دیدار کے متمنی رہتے ہیں اور یہ ان کا کمال ہے۔ پس اگرچہ علاّمہ قزوینی جیسے فلسفی و منطقی عالم۔ نعلین پاک پہن کر عرش اعظم پر جانے کا انکار کریں مگر محققین کے نزدیک صوفیاء کی بات معتبر ہوگی۔ اکابر علماء بھی مذکورہ حدیث لَا تَخْلَعْ نَعْلَيْكَ کا انکار

نہیں کرتے۔ بلکہ حدیث کو صحیح مانتے ہوئے نعلین میں تاویل کر لیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ نعلین سے مراد لباسِ بشری ہے۔ مگر یہ محض تاویل ہے۔ اصل یہی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اصطلاحی عرفی نعلین پاک کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے۔ احکام شریعت کی عبارت عقلاً بھی درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ جب سفر معراج کی ابتداء ہوئی تو کیا نبی کریم ننگے پیر براق پر سوار ہوئے۔ اس کا بھی ثبوت ہونا چاہیئے۔ اخلاقی طور پر ظاہر ہے کہ نعلین پاک پہن کر ہی روانگی ہوئی ہوگی۔ پس سارے سفر میں کہیں بھی نعلین اتارنے کا ذکر نہیں۔ لَا تَخْلَعْ نَعْلَيْكَ تو کئی کتب معتبرہ سے منقول ہے۔ مگر فَاخْلَعْ والی حدیث کہیں بھی مرقوم نہیں منکرین بھی صرف انکار کرتے ہیں وجہ انکار نہیں بتاتے۔ ع۲ ایک مرتبہ علامہ کاظمی صاحب اور حکیم الامت تشریف فرما تھے۔ میرے علاوہ اور بہت سے عوام حاضر تھے۔ علم دیابنہ و وہابیہ کی بات شروع تھی۔ دورانِ گفتگو حضرت قبلہ علامہ کاظمی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ فخر الشعراء محمد اعظم چشتی نے نعت پڑھی جلسہ مخلوط تھا بسلسلہ ختم نبوت پنجابی نعت کا پہلا شعر اس طرح تھا ؎

محمد پیارا بڑی شان والا
سنے جوڑے عرشاں تے چڑھ جان والا

وہاں مولوی عنایت اللہ شاہ بخاری بھی جلسے میں موجود تھے۔ معترض ہوئے کہ یہ غلط ہے۔ محمد اعظم صاحب نے کہا کہ مع نعلین جانے کا تو میں نے ذکر کیا ہے اتارنے کا آپ ثبوت پیش کریں اس پر ایسے خاموش ہوئے کہ اپنا منہ ہی پھیر لیا۔ پھر علامہ صاحب نے کہا کہ بحمد اللہ ہمارے تو نعت خوان بھی اکابر وہابیہ کی زبان بندی کر دیتے ہیں۔ قُلْتُ۔ اس واقعے سے دو باتیں معلوم ہوئیں ۱۔ علامہ کاظمی اور حکیم الامت جیسے محققین عرفاء نے واقعے کو بیان کر کے سن کر بھی تردید نہ کی نہ اعظم چشتی صاحب کی بات کو غلط کہا۔ ۲۔ وہابی حضرات جیسے منکرین کے پاس بھی اس واقعے کے انکار پر دلیل نہیں شرح بردہ۔ شیخ زادہ علی خرپوتی ص۱۱ پر ہے۔ اَنَّهٗ عليه السلام اَرَادَ اَنْ يَخْلَعَ نَعْلَيْكَ فَسَمِعَ مِنْ اَنِيْنِ الْعَرْشِ اَنْ لَا تَخْلَعْ يَا حَبِيْبَ اللهِ۔ (الخ)۔ ترجمہ وہی جو اوپر گذرا۔

احکام شریعت کا دوسرا قابل غور مسئلہ ۔۔ احکام شریعت جلد سوم مسئلہ ۱۳ کا جواب اس طرح لکھا ہے (۱) وتر ہو جانے میں شبہ نہیں۔ ہاں مکروہ ہے بقولِ شامی۔ اَمَّا لَوْ صَلَّاهَا جَمَاعَةً مَعَ غَيْرِهٖ ثُمَّ صَلَّى الْوِتْرَ مَعَهٗ لَا كَرَاهَةَ۔ سوال یہ تھا۔ ۱۔ جس نے فرض عشاء باجماعت نہیں پڑھی اور وتر کی جماعت میں شریک ہو گیا اس کے یہ وتر سرے سے ہوئے ہی نہیں یا ہوئے مگر مکروہ (الخ) جواب درست ہے مگر دلیل بے محل ہے۔ یعنی سوال و جواب گندم اور دلیل جو۔ سائل تو پوچھ رہا ہے کہ وتر ہوئے یا مکروہ ہوئے۔ جواب کی دلیل کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ اگر اس نے عشاء کی نماز غیر کے ساتھ پڑھی باجماعت۔ پھر وتر اس کے ساتھ باجماعت پڑھے تو کراہت نہیں ہوگی۔ بھلا اتنی بڑی بھول اعلیٰحضرت کر سکتے تھے۔ غالباً یہ بھول مؤلف سے ہوئی۔ اسی طرح ملفوظات ص۲ جلد سوم مطبوعہ مدینہ پبلشنگ پر ہے۔ ارشاد توریت مقدس سے بہت بیشتر کا ہے (الخ) یعنی

خضر علیہ السلام کا واقعہ نزولِ توریت سے بہت پہلے کا ہے۔ حالانکہ یہ قول احادیثِ صحیحہ تاریخ اور تفاسیر کے قطعاً خلاف ہے۔ کیا اتنی سخت غلطی اعلیحضرت کر سکتے تھے۔ حاشا ہرگز نہیں۔ مؤلف مصطفےٰ رضا خان مدظلہ نے یہ قول کسی سے سنا تو فوراً اس پر زبردست تنقید کی۔ حاشیہ پر فرماتے ہیں ۱؎ میرے خیال میں پیشتر کی جگہ بعد ہونا چاہیئے۔ جیساکہ بخاری شریف کی حدیث اِنَّکَ مَعَلیٰ اِسۡطِیۡعُ ۔ تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ قَامَ مُوۡسٰی خَطِیۡبًا فِیۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآئِیۡلَ اور مفسرین فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے تمام تبلیغ و خطابات بعد توریت فرمائے۔ حضرت مفتیٔ اعظم نے کس طرح بلاجھجک ملفوظِ اعلیحضرت کی بادلائل تردید کر دی۔ اسلیئے کہ انھوں نے یہ نحو اعلیحضرت سے نہ سنا بلکہ کسی نے سنایا تو یقیناً کچھ زیادتی کمی کر کے مسئلہ کو قابلِ غور بنا دیا۔ اسی طرح ملفوظ حصہ چہارم صہ پر ہے۔ عرض: عورت سے اگر کلمۂ کفر نکل جائے تو نکاح ٹوٹے گا یا نہیں (الخ) ارشاد: ہاں عملاً باصل المذہب یہی ہے کہ نکاح فی الحال فسخ ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ جمہور فقہا کے خلاف ہے۔ اس کے مطابق کوئی عالم فتویٰ نہیں دے سکتا۔ اگر اس قول کو کلیتاً ملفوظِ اعلیحضرت تسلیم کیا جائے تو اعلیحضرت کی توہین ہو گی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اعلیحضرت نے ایسے غیر مقبول مسئلے بتائے ہوں۔ یقیناً یہی کہنا پڑے گا کہ سنتے وقت سامع کو غلطی ہوئی جس سے یہ مسئلہ قابلِ غور ہو گیا۔ اور جب مفتیٔ اعظم نے اس پر غور فرمایا تو فوراً اس کی تردید کر دی چنانچہ حاشیہ ۱؎ پر ارشاد فرمایا۔ اور فتویٰ اس پر ہے کہ ارتدادِ زن سے عورت نکاح سے نہیں نکلتی (الخ) یعنی اوپر متن والا مسئلہ غیر مفتا بہ ہے۔ ثابت ہوا کہ تمام ملفوظات صرف میرے نزدیک ہی قابلِ غور نہیں بلکہ مفتیٔ اعظم ہند کے نزدیک بھی قابلِ غور۔ بعد غور جو غلط نظر آتا ہے اس کی تردید کر دیتے ہیں جو صحیح ہوتا ہے اس کی عدم تنقید بھی تائید ہے۔ ملفوظ حصہ چہارم ص۲۵ پر بہت زبردست چشم پوشی ہو گئی۔ عرض: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خَتَمَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ تو بعض انبیاء شہید کیوں ہوئے۔ ارشاد: رسولوں میں سے کون شہید کیا گیا۔ انبیاء البتہ شہید کیئے گئے۔ رسول کوئی شہید نہ ہوا یَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ ۔ فرمایا گیا نہ کہ یَقۡتُلُوۡنَ الرَّسُوۡلَ الخ۔ اس میں چند زبردست غلطیاں ہیں جو یقیناً اعلیحضرت کی جانب سے نہیں بلکہ اُن جامعین کی طرف سے ہے جو مابین مؤلف ولافظ رابطہ ہیں۔ غلطی ۱؎: سائل نے جو آیت پیش کی وہ ہے اصل میں کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ ۔ مگر سائل نے خَتَمَ اللّٰہُ کہا۔ اعلیحضرت نے یقیناً پہلے غلطی نکالی ہو گی لیکن سامع نے کوئی توجہ نہ دی۔ حضرت مؤلف نے بھی کوئی توجہ نہ کی اور اسی طرح اب تک غلط چھپتا رہا۔ غلطی ۲؎: لَاَغۡلِبَنَّ کا معنیٰ وہ نہیں جو ملفوظ میں مرقوم کر دیئے گئے کہ یہ منشاءِ کلام کے خلاف ہے اور تمام تفاسیر کے بھی خلاف اور دیگر آیات کے بھی خلاف۔ کیونکہ بہت جگہ ایسی آیات موجود ہیں جن میں رسل کی شہادت کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰۤی اَنۡفُسُكُمُ اسۡتَكۡبَرۡتُمۡ فَفَرِيۡقًا كَذَّبۡتُمۡ وَفَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ ۔ اسی طرح غائب کی ضمیر سے ایک آیت سورۃ

مائدہ میں بھی ہے۔ اب یہی کہنا پڑے گا کہ ملفوظات خواہ احکامِ شریعت کی شکل میں ہوں یا دیگر سب قابلِ غور ہیں۔ چنانچہ اِس ملفوظ کی تردید بھی خود حضرت مؤلف کی تحریر سے ثابت ہے۔ چنانچہ ص۲۵ حاشیہ پر ارشاد ہے ع۵ اور شہید ہو جانا مغلوبی نہیں غلبہ سے مراد غلبۂ حجت ہے۔ یہ چند اقتباسات صرف اس لئے کئے تاکہ لوگوں کی غلطیوں سے اعلیٰحضرت کی ذاتِ والاصفات کو ملوث نہ کیا جائے۔ نہ کسی دیوبندی وہابی کو زبانِ طعن دراز کرنے کا موقعہ ملے۔ اگر معاذ اللہ احکامِ شریعت وغیرہ تمام ملفوظات کو اعلیٰحضرت کی تصنیف مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اعلیٰحضرت نے غلطیاں کی ہیں اور کہنا پڑے گا کہ اعلیٰحضرت کو ان آیات کا مطلب نہ آتا تھا۔ مگر مفتیٔ اعظم جانتے تھے یہ سراسر گستاخی ہے۔ پس دلائلِ قاہرہ و براہینِ باہرہ سے ثابت ہوا کہ احکامِ شریعت وغیرہ ملفوظات اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں۔ ملفوظات کے بعض مسائل اعلیٰ حضرت کے بہت سے مصنفہ مسائل کے بھی خلاف ہیں۔ مثلاً ملفوظات اوّل ص۴۲ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ۔ عرض: اس شخص پر جو قصاص میں قتل کیا گیا نماز پڑھی جائے؟

ارشاد۔ ہاں خودکشی کرنے والے اور اپنے ماں باپ کو قتل کرنے والے اور باغی ڈاکو کہ ڈاکے کے دوران لڑائی میں مارا گیا۔ ان کے جنازے کی نماز نہیں۔ یہ کتنا غلط مسئلہ ہے۔ اس کی تردید فتاویٰ افریقہ ص۵۲ سوال ۲۹ ایک شخص مرد یا عورت مسلمان ہے اور اُس نے اپنے ہاتھ سے گلا کاٹ دیا یا پھانسی کھا کر حرام موت مرگیا۔ اب اس صورت میں اس کے جنازے کی نماز پڑھنا اور مسلمان مقابر میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں۔ زید کہتا ہے نہیں (الخ) الجواب زید کا قول صحیح نہیں۔ فتویٰ اس پر ہے کہ اس کے جنازے کی نماز پڑھی جائے گی اور زید کا کہنا کہ مقابر مسلمین میں دفن نہ کیا جائے محض باطل ہے اور اپنے جی سے حکم گھڑنا ہے۔ درِّ مختار میں ہے۔ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ عَمَدًا يُغْسَلُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ وَبِهٖ الخ۔ یہ تھیں بطورِ نمونہ چند چشم پوشیاں جنکی بناء پر احکامِ شریعت وغیرہ ملفوظات کی عبارات قابلِ غور ہوئیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

اقتدار احمد خاں

قوالی کا بیان

سوال ۳

کیا فرماتے ہیں : علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اولیاء اللہ کے مزار پر کنجریوں اور بھانڈوں کا گانا بجانا اور ڈھول بجانا اور ناچنا کودنا۔ ریڈیو کا گیت گانا، فلمی گانے پڑھنے اور قوالوں کا فحش گیت گانا یا ڈھول وغیرہ پر نعت خوانی کرنا سازوں کے ساتھ، کسی بھی جگہ عام لوگوں کے جلسوں میں قوالی کرنا یا عورتوں سے گیت سننا جائز ہے یا شرعاً حرام ہے؟ چند دن پیشتر ہمارے علاقے ڈیرہ نواب صاحب میں ملتان کے کسی شخص کی طرف سے ایک چھوٹا سا پمفلٹ مفت تقسیم کیا جا رہا تھا جس کے پہلے صفحہ پر مصنف کے نام کی جگہ بہاولپور یونیورسٹی کے ہیڈ مولینا شیخ الحدیث علامہ کاظمی صاحب کا نام درج تھا۔ جس سے یہاں کے علمی حلقے میں بہت تشویش پائی جاتی ہے۔ کیونکہ سوائے چند صوفیوں کے کوئی بھی موجودہ قوالی کو جائز نہیں کہتا۔ اس کتاب سے بہت فتنہ پڑ گیا ہے یہاں کے تمام احباب نے آپ ہی کی طرف رجوع کیا ہے۔ تاکہ اس پمفلٹ کے جھوٹ یا سچائی کا پتہ چلے پمفلٹ بھی حاضرِ خدمت کیا جا رہا ہے۔ بالوضاحت جواب ارشاد فرمایا جائے۔ کہ کیا قوالی سننا عبادت لازمہ ہے یا مستحبہ یا مکروہ وحرام وغیرہ ہے؟

السائل :- مولوی محبوب عالم خطیب ڈیرہ نواب صاحب و دستخط اہالیانِ شہر

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

اَلْجَوَاب

گرامی نامہ تشریف لایا اور پمفلٹ بھی دستیاب ہوا۔ بغور مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یا تو کسی دلدادۂ لہو ولعب نے حضرت غزالی زماں کا نام استعمال کیا ہے اور یا ان کے مکتوب میں کچھ خیانتیں کر کے مطبوع کا جامہ پہنایا ہے۔ میں نے اس پمفلٹ میں بہت سی علمی غلطیاں پائیں اور یہ غلطیاں نسیاً نہیں بلکہ عمداً صرف اپنے مسلک کو بچانے کے لیے کی گئیں۔ یہ امر مسلّم ہے کہ ہر شخص کو اپنے مسلک کے اظہار و ثبوت کا پورا اختیار ہے۔ لیکن اس کتاب میں اس اختیار سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے، پیش کردہ روایات کے خود ساختہ مطلب بیان کیے گئے، نحوی قاعدے بلاوجہ اپنی مرضی کے مطابق استعمال کیے گئے۔ بہت جگہ بغیر دلیل مطلق کو مقید بنایا گیا ہے

اگرچہ اس کمزور کتاب کا جواب دینا کچھ ضروری نہ تھا، مگر آپ کے پیہم اصرار پر کچھ نشاندہی ضرور کروں گا۔ اوّلاً یہ خیال رہے کہ ہمارے عرف میں گانا بجانا اگر فحش اور عریاں الفاظ سے ہو تو اس کو ناچ گانا کہا جاتا ہے، اگر گانا بجانا مہذب ہو، تو اس کو قوالی کہا جاتا ہے، اصطلاحِ شریعت میں عورت کا غیر مردوں کے سامنے کچھ گانا اگرچہ مہذب کلام ہو، عریاں کہلاتا ہے، اور اس کو غنا بھی کہا جاتا ہے، چنانچہ فخر الدین زرّادی اپنی کتاب اصول سماع، میں فرماتے ہیں:۔ وَالسَّمَاعُ دُوْنَ الْغِنَاءِ لِاَنَّهُ اِسْتِمَاعُ الْاَشْعَارِ الَّتِیْ تَکُوْنُ فِیْ ذِکْرِ الْغَوَانِیْ مَعَ حُسْنِ الصَّوْتِ وَالْغَوَانِیْ هِیَ النِّسَاءُ اسی طرح قوۃ القلوب میں ابو طالب مکی فرماتے ہیں:۔ ان الاغانی ما نشبهت به النساء (محولہ اصول سماع اوّل ص۶):۔ لیکن علامہ شامی غنا کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:۔ وَالْوَجْهُ اَنَّ اِسْمَ مُغَنِّیَةٍ وَمُغَنٍّ اِنَّمَا هُوَ فِی الْعُرْفِ لِمَنْ کَانَ الْغِنَاءُ حِرْفَتَهُ الَّتِیْ یَکْتَسِبُ بِهَا الْمَالَ وَهُوَ حَرَامٌ:۔ پس علامہ زرادی کی تعریف لغوی ہے اور یہ عرفی۔ یہ اسلام میں متفقاً حرام ہے۔ لیکن اس پمفلٹ کتاب مسمّٰی رمزیۃ النزاع اثبات السماع" میں اگرچہ مصنف صرف مروجہ قوالی کے ہی حلت کے درپے ہے مگر پیش کردہ مطلب و دلائل سے از خود کلام عریاں بھی جائز بلکہ عبادت ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیئے کہ جن روایات کے خود ساختہ مطلب بیان کرکے فاضل مصنف قوالی مروجہ کو جائز ثابت کرتا ہے۔ ان سے قوالی تو بعد میں ثابت ہوگی، مگر پہلے عریاں کلام، ناچ گانا۔ بھانڈ، مراثی کے فحش کلام ثابت ہوں گے۔ اور سب اوباش لوگ اسی کتاب کو دلیل اور ڈھال بنائیں گے غرضیکہ اس کتاب سے مزید فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ اگر یہ کتاب اس طرح برسرِ عام شائع نہ ہوتی اور ہر کس و ناکس کو تحفۃً نہ دی جاتی جیسا کہ آپ کے استفتاء سے ظاہر ہے، تو میں اس پر قلم اٹھانا ضیاعِ وقت ہی سمجھتا، اور شاید آپ کے اصرار پیہم کو بھی نظر انداز کر دیتا۔ مگر مذکورہ حالات میں جب کہ اس کتاب کے ذریعہ صحابہ کرام کی توہین کی جا رہی ہے اور عیسائیت و یہودیت کے شعار طبلہ، سارنگی کو سنتِ صحابہؓ کہا جا رہا ہے:۔ (العیاذ باللہ) اور ہندوؤں مشرکوں کے مروجہ جھانجھ و مزامیر کو اسلامی تہذیب ثابت کیا جا رہا ہے اپنے نفس امّارہ کی خاطر اسلام کا تصور اغیار کے سامنے وہی پیش کیا جا رہا ہے، جو نصاریٰ اور سکھوں، ہندوؤں نے اپنے دینوں کا پیش کیا فاضل مصنف نے شائع کرتے وقت یہ نہ سوچا کہ اغیار کی نئی نسل کے سامنے جب یہ کتاب جائے گی تو ان کے سامنے اسلام کا کیا نقشہ ابھرے گا۔ اور صحابہ کرام کے متعلق کیا تصور کریں گے۔ اگر حضرت مصنف اور لواحقین کا یہی عقیدہ تھا تو ہر شخص پر ٹھونسنے کی کیا ضرورت تھی، اور شائع کرنے کی کیا حاجت؟ آپ کے حکم کی بنا پر ان وجوہ سے مکتوب گرامی کا جواب بشکلِ فتوے ارسال کر رہا ہوں، پہلی سطور میں حرمتِ قوالی کے دلائل، بعدہٗ اس پمفلٹ کے اغلاط کی نشاندہی۔ ۳۵۷۳

الجواب بعون العلام الوہاب

صوفیاء کی اصطلاح میں جس کو سماع کہا جاتا ہے۔ ہمارے عرف میں اس کی دو قسمیں ہیں:۔ پہلی قسم:۔ نعت خوانی ۲ قوالی۔ نعت خوانی کی تعریف یہ ہے کہ بغیر طبلہ، سارنگی، مزامیر وغیرہ کسی محفل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم یا رب تعالیٰ یا اولیاء، علماء، فقہاء، یا صحابہ اہل بیت، اکابرین امت کا ذکر پاک بطریقہ نظم اشعار کیا جائے، خواہ اکیلا آدمی یا چند مل کر۔ قوالی کی تعریف یہ ہے کہ یہی سب کچھ ڈھول طبلہ سارنگی سے کی جائے۔ نعت خوانی میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں، سب جائز مانتے ہیں، قوالی میں اختلاف ہے، میری گفتگو قوالی کے بارے میں ہوگی کہ وہی متنازعہ فیہ ہے۔ سماع یعنی قوالی کا رواج مسلمانوں میں دور تبع تابعین کے بعد شروع ہوا۔ اس وقت بھی صحیح اور غلط قسم کی قوالیاں تھیں، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء صوفیاء نے اپنی مکتوبات میں جائز لکھا، اور بعض نے قطعًا ناجائز وحرام۔ جس نے حرام کہا وہ بھی صحیح، جس نے جائز کہا اس نے صحیح قوالی کو جائز کہا۔ اس زمانے کے اختلاف سے ہم کسی کو برا نہیں کہہ سکتے۔ مگر آج کل سب قوالیاں غلط ہیں صحیح قوالی وہ ہے جس میں علماء کی بیان کردہ سات شرطیں موجود ہوں۔ غلط وہ ہے، جس میں ان شرائط سے ایک بھی نہ ہو۔ آج کل قوالی میں ساری شرطیں تو در کنار ایک شرط بھی نہیں ہے تو ان متقدمین کے حوالے موجودہ قوالی کے حق میں پیش کرنا سراسر نادانی ہے، پیش نظر رسلہ مزیل النزاع رسالے میں قوالی کی تقسیم کئے بغیر مطلقًا قوالی کو جائز کہا ہے، جس سے ان علماء فقہاء کی گستاخی ہے جنہوں نے قوالی کو ناجائز قرار دیا۔ اور صحیح قوالی کے جواز کے قائل متقدمین کے اقوال طیبہ کو آڑ بنانا بھی ان کی توہین ہے کہ غلط کے یہ بھی خلاف تھے، ہمارے زمانے میں شریعت کے رو سے مطلقًا قوالی، گانا۔ بجانا، ڈھول، ناچنا کودنا سب قطعًا حرام ہیں۔ قوالی خواہ نعت کی ہو یا فلمی گانوں کی، بلکہ طبلہ پر نعت پڑھنا زیادہ حرام ہے:۔ کیونکہ آقائے دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی ہے کہ آپ کا نام پاک ڈھول باجے کے ساتھ لیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق ڈھول باجہ کھیل کود میں شمار ہے، اور اسلام میں بجز چند کھیلوں کے سب باطل وحرام ہیں، چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہے۔ کُلُّ لَہْوٍ بَاطِلٌ اِلَّا ثَلَاثٌ۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری لاہوری در کشف المحجوب ص ۳۱۷ پر فرماتے ہیں کہ:۔ طبلہ۔ مزامیر وغیرہ سب سے پہلے ابلیس لعین نے حضرت داؤد علیہ السلام کے مقابلے میں پیدا کیا اس سے پہلے کوئی ڈھول، طبلہ وغیرہ نہ تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔ "ابلیس را اضطراب طبعی قوت گرفت (الخ)۔ ونائے وطنبور بساخت واندر برابر مجلس سماع داؤد علیہ السلام مجلسے فرو گسترانید (الخ) آن گروہ کہ از اہل شقاوت بودند بمزامیر ابلیس مائل شدند۔ آقائے علی ہجویر کی اس عبارتِ مقدسہ سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔ ۱۔ ڈھول

باجے وغیرہ کی تاریخ۔ اور نمبر ۲: اس کا موجد ابلیس ہے۔ جس طرح سائل نے میرے پاس ایک عالم کا رسالہ جواز قوالی میں بھیجا ہے، اسی طرح ایک عالم نے داتا گنج بخش کی خدمتِ عالیہ میں بھی عرض کیا تھا، کہ میں حلّتِ قوالی پر ایک کتاب لکھنے والا ہوں تو گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو فرمایا تھا۔ کہ اے خواجہ امام آپ ایسی چیز کو حلال کریں گے۔ جو تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ چنانچہ "کشف المحجوب ص۳۱۶ پر ارشاد ہے کہ "خواجہ امام لہوے راکہ اصل ہمہ فسقہا است حلال کرد" ثابت ہوا کہ قوالی داتا صاحبؒ کی نظر میں سب سے بڑا گناہ بلکہ اصل گناہ ہے، آپ متعدد جگہ قوالی کو حرام فرماتے ہیں:۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قوالی کو حرام فرماتے ہیں، اور قوالی کو گناہ کبیرہ میں شمار فرماتے ہیں چنانچہ احیاء العلوم ص۱۵۱ پر امام غزالی رح قاضی ابو الطیب طبری کا قول نقل فرماتے ہیں۔ وَاَمَّا اَبُوْحَنِیْفَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَاِنَّہٗ کَانَ یُکْرِہُ ذٰلِکَ وَیَجْعَلُ سِمَاعَ الْغِنَاءِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَکَذٰلِکَ سَائِرُ اَھْلِ الْکُوْفَۃِ سُفْیَانُ الثَّوْرِیْ وَحَمَّادٌ وَاِبْرَاھِیْمُ رح وَالشَّعْبِیُّ رح وَغَیْرُھُمْ (الخ) ثابت ہوا کہ حنفی مسلک میں مروّجہ قوالی حرام ہے۔ اگرچہ امام مالک وغیرہ مجتہدینِ کرام کے نزدیک بھی قوالی مذکورہ حرام ہے، مگر چونکہ سائل و مدعٰی علیہ و مفتی و مستفتی سب حنفی ہیں اس لیے قولِ امام رح ہی حجت ہے، خود امام غزالی رح جس قوالی کے حق میں ہیں آج کل وہ قوّالی نہیں۔ امام غزالی رح نے حلّتِ قوالی میں بہت اقوال ذکر فرمائے ہیں، مگر امام اعظم رح کے بارے میں وہ بھی کوئی دلیلِ حلّت پیش نہ کر سکے۔ اور علّامہ امام غزالی رح کا قول امامِ اعظم کے قول کے مقابل غیر معتبر ہے لہٰذا عند الاحناف حجت نہیں ہے۔ مسلک حنفی کی کتاب فتاوٰے عالمگیری جلد پنجم ص۲۵۲ پر ہے:۔ قَالَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلسَّمَاعُ وَالْقَوْلُ وَالرَّقْصُ الَّذِیْ یَفْعَلُہُ الْمُتَصَوِّفَۃُ فِیْ زَمَانِنَا حَرَامٌ لَا یَجُوْزُ الْقَصْدُ اِلَیْہِ وَالْجُلُوْسُ عَلَیْہِ وَالْغِنَاءُ وَالْمَزَامِیْرُ سَوَاءٌ:۔ یعنی مروّجہ قوالیاں حرام اور مزامیر وغیرہ بھی حرام ہیں، کچھ جاہل صوفی اس کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں:۔ فتاوٰے ہندیہ میں ہے۔ وَجَوَّزَہٗ اَھْلُ التَّصَوُّفِ:" لیکن چونکہ حلّت و حرمت قانونِ شرعی ہے، اربعۃ تفاسیر جلد سوم صفحہ نمبر ص۵۹۹ پر ہے:۔ اِنَّ مَذْھَبَ اَھْلِ السُّنَّۃِ اِنَّہٗ لَا یُثْبَتُ بِالْعَقْلِ ثَوَابٌ وَلَا عِقَابٌ وَلَا اِیْجَابٌ وَلَا تَحْرِیْمٌ وَلَا غَیْرُ ذٰلِکَ مِنْ اَنْوَاعِ التَّکْلِیْفِ وَلَا یُثْبَتُ ھٰذِہِ الْاَشْیَاءُ کُلُّھَا وَلَا غَیْرُھَا اِلَّا بِالشَّرْعِ:۔ اس لیے یہاں علماء فقہاء کی بات معتبر ہو گی نہ کہ صوفیاء کی۔ امام اعظم رح کا فتوٰے، فتاوٰی قاضیخان جلد سوم صفحہ نمبر ص۴۰۶ پر ہے۔ اَمَّا اِسْتِمَاعُ صَوْتِ الْمَلَاھِیْ کَالضَّرْبِ وَالْقَضِیْبِ وَغَیْرِ ذٰلِکَ حَرَامٌ وَمَعْصِیَۃٌ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اِسْتِمَاعُ الْمَلَاھِیْ مَعْصِیَۃٌ وَالْجُلُوْسُ عَلَیْھَا فُسُوْقٌ وَالتَّلَذُّذُ بِھَا مِنَ الْکُفْرِ (الخ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ڈھول باجے کی آواز سننا حرام ہے۔ اور کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ اس حدیث پاک میں لفظ ملاہی کا ترجمہ مطلق طور پر علّامہ قاضیخان نے

قوالی مروجہ کیا ہے، اب کس کو بولنے کی جرأت ہے۔ اسی طرح فتاوٰی بزازیہ جلد سوم صہ ۳۵۹ پر ہے، علامہ ابن بزاز فرماتے ہیں، کہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قوالی سے متعلق یہ فرمانا وَالتَّلَذُّذُ بِهَا كُفْرٌ اس کا مطلب ہے ناشکری نعمت، یعنی قوالی سننے والا اور سنانے والا دونوں اس لیئے فاسق ہیں۔ کہ انہوں نے اپنے اعضاء کو مقصد خلقت کے خلاف استعمال کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔ فَصَرْفُ الْجَوَارِحِ إِلَى غَيْرِ مَا خُلِقَ لِأَجْلِهِ كُفْرٌ بِالنِّعْمَةِ ثابت ہوا کہ ڈھول باجے کے لیئے انسان پیدا نہ کیا گیا، لہٰذا گناہ ہے، کتنی زیادتی ہے کہ ایسے سخت ترین گناہ میں صحابہ و اہلبیت جیسی پاک ہستیوں کو ملوث کیا جائے۔ (نعوذ باللہ منہ) میں سمجھتا ہوں یہ تمام پیش کردہ دلائل بالکل صاف ظاہر حرمت کو ثابت کرتے ہیں، کسی ایچ پیچ، یا منطقی فلسفی الجھنوں کی چنداں ضرورت نہیں۔ زہد خارجی، زہد ذہنی کے جھگڑوں میں پڑنے کی ضرورت ہے۔ بخلاف ہمارے فاضل مصنف صاحب کے محررہ رسالے کے کہ اس میں حلت قوالی ثابت کرنے کے لیئے بہت منطقی فلسفی تانے بانے بنانے پڑے، اور کشتی استدلال کو نحوی صرفی پتوار پر چڑھانا پڑا، حالانکہ یہ سب کچھ تار عنکبوت سے زیادہ نہیں، جیسا کہ آگے چل کر آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنی کتاب ردّ المحتار جلد پنجم صفحہ نمبر صہ ۲۲۵ پر ارشاد فرماتے ہیں۔ عَنِ الْقُرْطُبِيِّ إِجْمَاعُ الْأَئِمَّةِ عَلَى حُرْمَةِ هَذَا الْغِنَاءِ وَضَرْبِ الْقَضِيْبِ وَالرَّقْصِ:۔ یعنی تمام امام مجتہدین متفقہ طور پر مروجہ قوالی کو حرام کہتے ہیں، غور تو کیجئے کہ علامہ شامی تو کہیں کہ قوالی متفقہ طور پر حرام مگر ہمارے یہ مصنف صاحب ائمہ کرام کو بھی اپنے ساتھ ملوث کرنے کی بیجا کوشش کر رہے ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ کی تصنیف فقہ اکبر کے شارح ملا علی قاری صہ ۲۰۵ پر فرماتے ہیں:۔ وَفِي الْخُلَاصَةِ مَنْ قَرَءَ الْقُرْآنَ عَلَى ضَرْبِ الدُّفِّ وَالْقَضِيْبِ يَكْفُرُ وَيَقْرُبُ مِنْهُ ضَرْبُ الدُّفِّ وَالْقَضِيْبِ مَعَ ذِكْرِ اللهِ تَعَالَى وَنَعْتِ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذَا التَّصْفِيْقُ عَلَى الذِّكْرِ (الخ) اور در مختار صہ ۶۹۲ پر علامہ علاؤ الدین حصکفی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول نقل فرماتے ہیں:۔ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَصَوْتُ اللَّهْوِ وَالْغِنَاءِ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ النَّبَاتَ۔ یعنی صحابی رسول کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک کتنا شدید ہے۔ منافقت دو قسم کی ہے ۱۔ نفاق شرعی، جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے ۲۔ نفاق حکمی، جس کا بہت جگہ ذکر حدیث پاک میں ہے۔ یہاں نفاق حکمی مراد ہے۔ یہ بات واقعی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ جو شخص خواہ پیر ہو یا مرید قوالی سن سن کر منافقانہ عادات اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ زبان سے مسلمان اور متبع سنت ہونے کا دعوے دار ہوتا ہے۔ مگر دل میں کفار کے طور طریقوں سے شکل و صورت، ڈھول باجے سے محبت ہوتی ہے، اسی کا نام منافقت ہے۔ تاریخ انڈونیشیا صہ ۲۹۹ پر لکھا ہے کہ (۵) چونکہ ہندوؤں اور

بدھوؤں میں عام طور پر گانے بجانے کا رواج تھا بلکہ وہ اس کو اپنی ایک بڑی عبادت سمجھتے تھے، لہٰذا صوفیائے کرام نے بھی انہیں دعوتِ اسلامی دینے کے لیے جمع کرنے کا اسی کو ایک کامیاب طریقہ سمجھا۔ اور ہندوستان کے موجودہ چشتیہ طریقے کے انداز سے قوالی شروع کر دی، ثابت ہوا کہ ڈھول باجے پر عوام کے سامنے قوالی ہندوؤں اور دیگر کفار کا طریقہ اور ان کی ایک عبادت ہے۔ کتنی بدنصیبی کا دور ہے کہ مسلمانوں کے علماء بھی اس کو عبادت اور سنتِ سلفاء ثابت کرنے کی خاطر خطرناک کوشش کر رہے ہیں، چشتیہ اکابرین نے تو اس کو فقط بطور حیلہ استعمال کیا۔ جس طرح کہ دوائی بیمار کو کھلائی جاتی ہے کہ اس سے شفا حاصل ہو۔ یا جال پرندے کے لیے لگایا جاتا ہے کہ قریب آئے۔ یا بھاگتے ہوئے جانور کو گھاس دکھایا جاتا ہے۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ قوالی حرام بلکہ فی زمانہ اشد حرام ہے۔ محققین کے نزدیک قوالی وہ حرام اور میٹھی دوائی ہے جو سخت مجبوری کے وقت مرشدِ برحق (جو دنیائے تصوف کا طبیب حاذق ہے) کے مشورے سے بیمارِ عشق کو دی جاتی ہے۔ اِس بیمار کی تین نشانیاں ہیں ۱ تین دن بھوکا پیاسا رکھا جائے، پھر ایک طرف کھانا پانی اور دوسری طرف قوالی، تو کھانے کی پرواہ نہ کرے، قوالی کی طرف دوڑے ۲ وجد حقیقی ہو، کہ اگر زنانِ مصر کی طرح انگلیاں بھی کاٹ دی جائیں، تو معشوق سے دھیان نہ ہٹے۔ ۳ شریعت کے کسی کام سے غافل نہ ہو۔ جب ایسا بیمارِ عشق ہو گا تب اُسکو سماع کی دوائی دی جائے گی، تاکہ اُس کو لذتِ ذکرِ یار سے وصالِ یار کا مزہ آئے چنانچہ عرب کہتا ہے۔ ذِکْرُ الْمَحْبُوْبِ كَوَصْلِهٖ، اور عشق کی تڑپ میں کچھ سکون ہو۔ مگر چونکہ میٹھی دوائی تندرست نادان بچے بھی پینا چاہتے ہیں، اور پینے کی ضد کرتے ہیں، اِس لیے عقلمند ڈاکٹر اور طبیب دوائی کو بڑے خفیہ طریقے پر رکھتے ہیں اور عزیزوں، نااہلوں سے بچاتے ہیں، کیونکہ تندرست یا اس دوائی والی بیماری میں نہ مبتلا شخص جب اس دوائی کو استعمال کرتا ہے تو دیگر طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، جیسا کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو شخص اپنی مرضی یا نیم حکیم کے مشورے سے دوائیاں کھاتا رہتا ہے۔ وہ ہزاروں بیماریوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بیمارِ عشقِ معرفت نہ ہو، اور قوالی سنے تو منافقت، غفلت، فسق، گمراہی ہزاروں بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے کہ ہزاروں فسق اور بدمعاشیاں انہی قوالیوں کے ذریعے ہو رہے ہیں تو جو شخص علی الاعلان ہر شخص کو قوالی سننے کی دعوت دے رہا ہے، وہ درحقیقت بحیثیت نیم حکیم کے خطرۂ جان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے قوالی کی حرمت تو بالکل صاف اور واضح الفاظ میں با دلائل بیان کی۔ مگر اس کی حلت بڑی قیود اور شرائط کے ساتھ صرف بیمارِ عشق جیسے حضرات کو بقدرِ ضرورت دی۔ جس طرح اسلام نے مردار، شراب وغیرہ کی حرمت بڑے واضح اور بلند الفاظ میں بیان کی مگر بھوک سے مرتے ہوئے شخص کے لیے بڑی قیود کے ساتھ استعمال کی اجازت دی۔ اسی لیے علامہ شامی فرماتے ہیں۔ کہ قوالی سننے کے لیے چھ شرطیں ہیں، وہ بھی اس لیے کہ قوالی بطور دوائی ہے، چنانچہ شامی شریف جلد پنجم صہ ۲۵۶

پر ہے :- وَ اِحْتَاجَ اِلٰی ذٰلِكَ اِحْتِیَاجُ الْمَرِیْضِ اِلَی الدَّوَاءِ وَلَهٗ شَرَائِطُ سِتَّةٌ (عا) اَنْ لَّا یَکُوْنَ فِیْهِمْ اَمْرَدُ وَ اَنْ تَکُوْنَ جَمَاعَتُهُمْ مِنْ جِنْسِهِمْ (۳) وَاَنْ تَکُوْنَ نِیَّةُ الْقَوَّالِ الْاِخْلَاصُ لَا اَخْذُ الْاُجْرَةِ وَالطَّعَامِ (۴) وَاَنْ لَّا یَجْتَمِعُوْا لِاَجْلِ الطَّعَامِ اَوْفُتُوْحٍ (۵) وَاَنْ لَّا یَقُوْمُوْا اِلَّا مَغْلُوْبِیْنَ (۶) وَاَنْ لَّا یَظْهَرُوْا وَجْدًا اِلَّا صَادِقِیْنَ - وَالْحَاصِلُ اَنَّهٗ لَا رُخْصَةَ فِی السَّمَاعِ فِیْ زَمَانِنَا لِاَنَّ الْجُنَیْدَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی تَابَ عَنِ السَّمَاعِ فِیْ زَمَانِهٖ :- یعنی حضرت جنید رحؒ نے بھی سماع سے توبہ کر لی، اور اسی طرح شیخ سعدی رحؒ گلستان میں اپنی توبہ کا ذکر فرماتے ہیں، ایک جگہ علامہ شامی جلد پنجم ص۲۰۶ پر فرماتے ہیں۔ وَ اِنْ کَانَ السَّمَاعُ غِنَاءً فَهُوَ حَرَامٌ بِاِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ وَمَنْ اَبَاحَهٗ مِنَ الصُّوْفِیَّةِ فَلِمَنْ تَخَلّٰی عَنِ اللَّهْوِ وَ تَحَلّٰی بِالتَّقْوٰی - یہ تھے وہ دلائل جن سے قوالی کی حرمت مطلقاً ثابت ہوتی ہے، اب اس رسالے کی کمزوریاں ملاحظہ ہوں۔ اس کتاب کی غلطیاں بعض مقام پر تحال۔ اَقُوْلُ سے بیان ہوں گی۔ آج تک میری نظر سے جتنے رسائل فِی بیانِ حِلّتِ قوّالی گزرے ہیں خواہ عربی خواہ اردو اس میں یہ کمزوری شدت سے موجود ہے، (عا) دلائل میں بالکل من گھڑت خودساختہ احادیث پیش کرتے ہیں۔ اسی لیے حوالہ بھی نہیں دیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب بیانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ (ع۲) حلّت میں کوئی صاف واضح روایت نہیں لاتے۔ ایچ پیچ کرتے ہیں۔ (ع۳) اوّل صفحات میں جس چیز کو اپنے ہی قلم سے حرام کہتے ہیں بعد میں اسی کو حلال اور عبادت کے درجہ پر پہنچا کر تائید میں قواعد علوم کے سہارے ڈھونڈتے ہیں۔ یہ کمزوریاں صرف اسی پمفلٹ میں نہیں ہیں بلکہ اس سے پہلے علامہ زرّادی وغیرہ کے مصنّفات میں بھی ہیں۔ جس سے اس مسلک کی لغویت بدرجۂ اتم ثابت ہے۔ میں نے صرف ان ہی دلائل کو پیش کر کے حرمت ثابت کی ہے، جس میں تاویل یا اصطلاح یا اشارے کی حاجت نہیں، ورنہ ایسے دلائل حرمت کے میرے پاس قرآن و حدیث کے بیشمار ہیں، جن کے ذریعہ کچی تاویلات سے حرمت ثابت ہو رہی ہے۔ اس کتاب کی غلطی (عا) صفحہ نمبر ا اور صفحہ نمبر ۳ پر دو شعر لکھے ہیں :-

شعر

واعظ بطعنِ بادہ پرستاں زبان کشاد

یارب تو ئی پناہِ مَن از شرِّ آں سفیہہ

ترجمہ :- عالم دین نے شراب کے پجاریوں کے طعنے میں زبان کھولی۔ اے رب اس ذلیل بے وقوف عالم سے مجھ کو پناہ میں رکھنا۔ اس شعر میں علمائے کرام کے لیئے وہی لفظ استعمال کیا گیا ہے جو قرآن کریم میں کافروں کے لیئے استعمال کیا گیا اور کافروں نے مومنوں کے لیئے بولا۔ دوسرا شعر :-

منع سماع و نغمہ نے می کند فقیہ
بیچارہ پے نہ برد بر سر نغمت فیہ

ترجمہ :۔ فقیہ اسلام سماع اور طبلے کی آواز سے منع کرتا ہے ۔ بے وقوف نادان نغمت فیہ کے راز تک نہ پہنچا ۔ لفظ بے چارہ اردو زبان میں، کم عقل، مجبور اور بے وقوف کو کہتے ہیں ۔ دیکھئے لغات المنجم (ص ۱۵۴) یہ شعر کسی عارف جامی نقشبندی کی طرف منسوب ہے ۔ حالانکہ نقشبندی حضرات (آدام اللہ فیوضہم) تو قوالی کی لغویت سے سخت متنفر ہیں ۔ اور ان کے جدِ اعلیٰ خواجہ صاحب ہی سماع و نغمہ سے منع فرماتے ہیں ۔ اگر یہ شعر کسی نقشبندی کا ہی ہے تو گویا اس نے اپنے خواجہ صاحب کو ہی برا بھلا کہا ۔ (العیاذ باللہ) ان دونوں شعروں میں ایک شرعی مسئلہ بتانے پر علماء فقہاء کی توہین و گستاخی کی، گویا کہ فاضل مصنف کے نزدیک ڈوم، مراثی، طبلچی اور بازاری بھانڈ تو ذی علم اور صاحبِ عقل ہیں ۔ اور نغمت فیہ کے اسرار سے واقف ہیں، مگر علماء کرام جو شانِ اسلام ہیں، وہ ان سے بھی گھٹیا درجہ کیا ایسا بیہودہ رسالہ "مزیلۃ النزاع" ہو سکتا ہے، بلکہ "مزیدۃ النزاع والفتن" علماء کی گستاخی کفر ہے ۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر ص ۲۱۳ پر ہے مَنْ اَبْغَضَ عَالِمًا مِنْ غَیْرِ سَبَبٍ ظَاهِرٍ خِیْفَ عَلَیْهِ الْکُفْرُ (اَیْ بِسَبَبٍ دُنْیَوِیٍّ) فَیَکُوْنُ بُغْضُهٗ لِعِلْمِ الشَّرِیْعَةِ لِاَنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ ۔ اور واعظ بھی علماء ہی ہیں ۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر ص ۲۱۴ پر ہے ۔ لِاَنَّ الْمُذَکِّرَ وَاعِظٌ وَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْعُلَمَاءِ وَخَلِیْفَةُ الْاَنْبِیَاءِ ۔ اپنی کتاب "مقال العرفا" میں اعلیٰحضرت کے والد معظم قبلۂ عالم امیر ملت مولانا نقی علی خان اپنی کتاب فضل العلم میں، امام بغوی معالم التنزیل میں ۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی تالیف جامع الصغیر جلد دوم (ص ۷۰) پر حدیث پاک فرماتے ہیں ۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقِیْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ (هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ) :۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فقہائے کرام کی تعریف فرمائیں، اور یہ مصنف ان کو بے وقوف و بے چارہ کہے، صَدَقَ الْعَرَبُ ذَمُّ الشَّیْءِ مَدْحُ ضِدِّهٖ ۔ علم کی ضد جہالت ہے تو عالم کی ضد ابلیس ہے ۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ کون سے اسرار الٰہیہ ہیں جو بھانڈ مراثیوں کے طبلے سارنگیوں سے معلوم ہوتے ہیں ۔ اور بے علم، جاہل قوال کی طبلے کی تھاپ سے کون سے نغمت فیہ کے بھید ظاہر ہوتے ہیں ۔ اور ان قوالیوں سے کتنے غوث و قطب بنتے ہیں، حالانکہ غوثِ اعظم پیرِ پیران فرماتے ہیں " دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا ولایت تو علم کے دروازے سے عطا ہوتی ہے چشتیہ اکابرین بھی قوالی کو اتنی اہمیت کا درجہ نہیں دیتے جتنی فاضل مصنف نے دی ۔ دیدہ دلیری تو دیکھئے ۔ سیدنا ابن مسعودؓ امام اعظمؒ علامہ شامی جیسے تمام فقہاء اسلام کو سفیہ کہہ دیا ۔ (نعوذ باللہ من ذلک) ۔ اسی ص ۳ پر حضرت کاظمی صاحب قبلہ کا نام استعمال کرتے ہوئے بمع القاب لکھتے ہیں ۔ مَظْهَرِ اعلیٰ حضرت :۔ یہ لقب علامہ صاحب قبلہ کے بیٹے میں کر

نزدیک مسلّم ہے، اور حقیقت بھی ہے مگر اعلیحضرت اپنے ملفوظات اور اپنی کتاب مسائل سماع میں قوالی مروّجہ کو حرام فرماتے ہیں۔ چنانچہ ملفوظات مطبوعات اوّل صا۱ پر ہے، عرض کیا یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبر شریف میں ننگے سر کھڑے ہوئے گانے والوں پر لعنت فرما رہے تھے۔ ارشاد۔ یہ واقعہ حضرت خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ (الخ) اب تو لوگوں نے بہت اختراع کر لیے ہیں۔ (الخ) حالانکہ اس وقت بارگاہوں میں مزامیر بھی نہ تھے (الخ) اور ملفوظات سوم ص۶ پر ہے، عرض۔ گراموفون کا کیا حکم ہے:۔ ارشاد۔ بعض باتوں میں اصل کا حکم ہے بعض میں نہیں، (الخ) اور گانے میں اصل کا حکم ہے، اگر اصل جائز یہ بھی جائز، اگر اصل حرام یہ بھی حرام، مثلاً عورت و امرد کی آواز نہ ہو مزامیر کی آواز نہ ہو، اشعار خلاف شرع نہ ہوں تو جائز ہے ورنہ (ان میں سے ایک چیز بھی ہوئی تو) نہیں۔ غور فرمایئے کہ اعلیٰ حضرت کے نزدیک تو مزامیر حرام ہیں، تو بھلا مظہر اعلیحضرت کے نزدیک کیسے جائز بلکہ عبادت ضروریہ ہو سکتی ہے، ورنہ مظہریت کیسے ہو سکتی ہے، کہ یہ اسم ظرف کا صیغہ ہے۔ مظہر میں ظاہر ہی کا تسلّط ہوتا ہے۔ مظہر کا اپنا نہیں ہوتا۔ اس کتاب کے ص۹ پر لکھا ہے:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ۔ اقولُ فاضل مصنّف نے اس حدیث سے گانا باجا ثابت کیا ہے، یہ بہت بڑی چشم پوشی ہے، اس لیے کہ لفظ غنا مشترک اور مشترک کے لیے تعیینِ معنے بغیر قرینہ جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ شارحین نے اس میں بہت تاویلیں کی ہیں بعض فرماتے ہیں، اس کا معنے اچھی آواز، بعض کہتے ہیں اس کا معنے تجوید، بعض فرماتے ہیں اس کا معنے مخلوق سے بے نیازی۔ چنانچہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دوم ص۶۰۹ پر ہے مَعْنَاهُ اَلْاِسْتِغْنَاءُ عَنِ النَّاسِ۔ قاعدہ کلیّہ ہے کہ جب کسی روایت کے معنی میں بہت سے قول ہوں۔ تو ترجیح قرینے کو ہوتی ہے۔ یہاں قرینہ مِنَّا والی سخت وعید ہے۔ ہمیشہ وعید اس چیز پر وارد ہوتی ہے، جس میں موعود اس کو فعل یا ترک کا اختیار ہو۔ یہ سب جانتے ہیں کہ سریلی آواز انسانی اختیار سے باہر ہے۔ حالانکہ غناءِ صوفیانہ سریلی آواز سے ہوتا ہے۔ جب یہ کسی کے اختیار میں ہی نہیں تو اتنی سخت وعید کیسے ہو سکتی ہے۔ ثابت ہوا کہ یہاں استغناء مراد ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت بھی اسی کو ثابت کر رہی ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ آخر میں اسی جواب کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔ (قال) مفسّرین کے نزدیک غناءِ صوفیہ مراد نہیں۔ (اقول) غلط ہے، مفسرین و فقہاء کے نزدیک صوفیانہ غنا جو مزامیر کے ساتھ ہو وہی حرام ہے، جس طرح کہ پہلے فتاوٰے عالمگیری جلد پنجم ص۲۵۲ کا قول نقل کر دیا گیا۔ اور اشعۃ اللمعات جلد دوم ص۲۰۰ پر اس طرح فرماتے ہیں کہ جو شخص مذکورہ بالا حدیث سے موسیقی ثابت کرے یا اس کا جواز مانے، وہ مکروہ کا مرتکب ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔ اَمَّا التَّکَلُّفُ بِرِعَایَةِ الْمُوْسِیْقِیْ فَمَکْرُوْهٌ۔ پس واضح ثابت ہوا کہ اس حدیث پاک سے دلیلِ جواز پیدا کرنا

فعل مکروہ ہے، اور فقہائے کرام جب کبھی مطلق مکروہ فرماتے ہیں، تو مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے، جس طرح کہ فتاوٰی فتح القدیر اور شامی میں ہے، اور مکروہ تحریمی حرام کے درجہ میں ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں (جلد اوّل صفحہ نمبر ۱۲۲)
وَعَلَى الْمَكْرُوْهِ تَحْرِيْمًا وَهُوَ مَا كَانَ إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ وَيُسَمِّيْهِ مُحَمَّدٌ حَرَامًا ظَنِّيًّا۔ جب تغنّا کی تاویل موسیقی سے حرام ہے تو خود موسیقی کیوں نہ حرام ہوگی۔ فاضل مصنف اسی صفحہ ۹ پر ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں۔ یَا عَائِشَةُ أَلَا تُغَنِّيْنَ فَإِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ يُحِبُّوْنَ الْغِنَاءَ اس سے ہی تمام چشتی حضرات اور یہ مصنف ڈھول باجے قوالی مروجہ کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ **اقول**۔ اس حدیث پاک میں محدثین کرام بہت احتمال بیان فرماتے ہیں اور ان تمام احتمالات میں کسی جگہ بھی قوالی اور ڈھول باجے کا ثبوت ظاہر نہیں ہوتا۔ صاحب مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد سوم صفحہ نمبر ۴۲۶ پر اسی کی شرح میں فرماتے ہیں۔
قَالَ التُّوْرِبِشْتِيُّ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُوْنَ عَلَى خِطَابِ الْغَيْبَةِ بِجَمَاعَةِ النِّسَاءِ وَالْمُرَادُ مِنْهُنَّ مَنْ تَبِعَهَا فِيْ ذٰلِكَ مِنَ الْإِمَاءِ وَالسَّفَلَةِ فَإِنَّ الْحَرَائِرَ يَسْتَنْكِفْنَ مِنْ ذٰلِكَ یعنی یہ کام لونڈیوں اور کمینوں کا ہے
۲ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس میں صرف غنا کی لفظاً اجازت ہے، نہ ڈھول وغیرہ کی۔ تیسرا احتمال یہ ہے، جو سب سے صحیح بھی ہے، کہ یہ لفظ اَلَا تُغَنِّيْنَ پیا استفہام انکاری ہے، یعنی کہیں تم نے گانے والیوں کو برات کے ساتھ تو نہیں بھیج دیا۔ یا ترجمہ یہ ہے کہ اے عائشہ صدیقہ انصار کے رواج کے مطابق اس بارات میں عورتوں نے نغمہ بازی تو نہیں کی، اس سے ثابت ہوا کہ یہ نفرت کے لیے ہے نہ کہ اجازت یا اباحت کے لیے عقلاء کے نزدیک یہی احتمال زیادہ صحیح ہوگا، ورنہ اگر مصنف کا مطلب ہی صحیح تسلیم کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رنڈیوں کنجریوں غیر عورتوں مراثیوں خسروں کے ناچ گانے کی مکمل اجازت دے دی۔ (معاذ اللہ) بتائیے کیا اتنے احتمالات والی حدیث شریف سے حرام قوالی کا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ حالانکہ دلیل ظنی سے حلت حرمت قطعی ثابت نہیں ہو سکتی، اصول حدیث کے نزدیک زیادہ احتمالات ظنی بنا دیتے ہیں۔ دیکھو خطبہ بخاری جلد اوّل۔ اس حدیث پاک کے توصیغے میں بھی احتمال ہیں۔ فاضل مصنف کے نزدیک اس کا فاعل تو عائشہ صدیقہ ہیں مگر یہ ٹھیک نہیں، کیونکہ تمام شارحین اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضی نغمہ سازی نہیں جانتی تھیں۔ نہ ان کو کسی نے سکھایا۔ حالانکہ نغمہ، گانا بڑی محنت اور سیکھنے سکھانے اور مشق کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے کام کا حکم کیوں دیا۔ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ہر شخص کا کام نغمہ گانا نہیں۔ اگر میری اس بات کا انکار ہے تو ثابت کرو کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی کسی محفل میں معاذ اللہ عائشہ رضی صدیقہ نے گانا گایا ہو۔ آگے چل کر لکھا ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ مطلق غنا حرام نہیں ہے۔

اقول - جی ہاں مگر یہ بھی ثابت ہوا کہ مطلق جائز بھی نہیں اور وہ بھی مرفقہ غنا - قوالی اس سے بالکل ثابت نہیں ہوتی - فاضل مصنف ص۵ پر فرماتے ہیں، لَھْوَ الْحَدِیْث کی لفظی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں - کہ لھو کھیل کو کہتے ہیں اور حدیث بات کو (الخ) **اقول** - یہ ایسی بیہودہ بات ہے کہ کوئی بھی عقل اس کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں - قواعد قرآنیہ کے مطابق لہو الحدیث بہر حال باطل محض ہے اور اس نسبت سے ہی باطل ہوئے انفرادی طور پر ہر حدیث باطل نہیں - مگر لہو باطل ہے - یہی وجہ ہے کہ اگر نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم اِلَّا سے استثناء نہ فرماتے تو وہ تین بھی کُل کے تحت داخل تھے - استثناء سے صرف تین لہو خارج ہوئے - پس باقی تمام بطلان میں شامل - واضح رہے کہ یہ اِلَّا نسخ یا فسخ نہیں - جو کچھ آپ نے، بلکہ استثناء ہے - اب مدعی کے لیئے کچھ گنجائش باقی نہ رہی، پس آیت میں لہو الحدیث مطلق ہے - لِیُضِلَّ اس کی قید یا صفت نہیں بلکہ علتِ اِشتِرا ہے، اور خریدار کے خریدنے کی وجہ جیسے کوئی کہے، زید نے شراب خریدی تاکہ بیچے تو بیچنا شراب کی قید یا صفت نہیں بلکہ علتِ غائی ہے - اسی طرح لِیُضِلَّ بھی لہو الحدیث کے خریدنے کی علت اور وجہ ہے، نہ کہ لہو الحدیث کی قید - جیسا کہ مصنف نے دھوکا دیا ہے:- نحوی قاعدے سے بھی لِیُضِلَّ قید نہیں ہو سکتا، کیونکہ قید دو قسم کی ہے، ۱ اضافت، جیسے زید کا گھر - ۲ صفتیت جیسے شریف آدمی - یہاں لِیُضِلَّ میں یہ دونوں باتیں نہیں لہٰذا ثابت ہوا - کہ لہو الحدیث مطلق حرام ہیں - اس لیئے کہ حلال کی نسبت حرام کی طرف کُل کو حرام بنا دیتی ہے - لہو کُل حرام اور اور حدیث کل حرام نہیں - لیکن جب اس حلال کی نسبت ہوئی لہو کی طرف تو وہ بھی کُل حرام، جہاں جہاں نسبت باقی - وہاں حرمت باقی - ص۱۱ پر جواب ۶ میں لکھتے ہیں کہ جو شئی موجود مرئی اور مال شرعی نہ ہو اس کی خرید و فروخت کسی طرح معقول و مقصود نہیں ہو سکتی - **اقول** - یہ قاعدہ اصطلاحاتِ قرآنیہ کے خلاف ہے - باری تعالیٰ فرماتا ہے :- اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی (الخ) یعنی یہ لوگ ایسے ہیں - کہ انہوں نے گمراہی کو خرید لیا - تفسیر صاوی میں ہے :- اَلْمُرَادُ بِالضَّلَالَۃِ اَلْکُفْرُ :- گمراہی سے مراد کفر ہے، حالانکہ کفر نہ مرئی شئی ہے نہ مال شرعی - مگر پھر بھی اشترا کا لفظ اس کے لیئے استعمال ہوا - فقہاء کی اصطلاح میں اشترا کے لیئے تین چیزیں ہونی ضروری ہیں، ۱ دکھائی دینے والی چیز - ۲، مال - ۳، غیر کی ملکیت - لیکن رب تعالیٰ فرماتا ہے - اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ (الخ) - حالانکہ رب تعالیٰ خود ہی ہر چیز کا مالک ہے - قانون کے مطابق مالک مشتری نہیں ہو سکتا - پتہ لگا کہ قرآن کریم بہت موقعوں پر لغت کے معنیٰ پر حکم جاری فرماتا ہے - اسی طرح لہو الحدیث میں - اسی لیئے مفسرین نے یہاں غناء لہو مراد لے لیا

اور موجودہ قوالیاں چونکہ غنا و لہو ہیں، اس لیے حرام۔ مصنف کا جواب نمبر ۲ بالکل غلط ہے، حرمت کے لیے یہ قاعدہ بھی کلیہ نہیں ہے، نہی کی یہ تعریف بھی اس جگہ درست نہیں، کیونکہ یہ نحوی تعریف اور یہ لفظی تعریف ہے۔ نہ یہ منحصر ہے، نہ معنوی۔ دیکھیے لہو الحدیث کا خریدنا اس آیت سے حرام ثابت ہو رہا ہے مگر لفظ نہی کا لَا تَفْعَلْ کی شکل کہیں نہیں آئی۔ مصنف کا یہ استدلال صرف ناسمجھی کی بنا پر ہے، ورنہ کل کو کوئی کہہ دے گا کہ زنا حرام نہیں، کیونکہ قرآن کریم میں لَا تَزْنُوْا کا صیغہ نہیں آیا۔ کوئی دوسرا کہتا پھرے گا، خون، خنزیر، کتا، بلا حرام نہیں، کہ اس کے لیے بھی لَا تَفْعَلْ کی نہی نہیں آئی۔ **جواب:** یہ بھی احمقانہ ہے، کیونکہ خود لہوِ حدیث کو حرام مانتے ہو یا نہیں، مراد خواہ کچھ بھی ہو۔ اس کی حرمت سے انکار مجال نہیں، اگر تسلیم ہے تو ظنیت کہاں گئی۔ مفسرین کا اختلاف اگرچہ الفاظ و اشیاء میں ہے مگر مقصود میں نہیں، مقصود سب کا ایک ہی ہے، اللہ سے غافل کرے، اور موجودہ قوالیاں، ڈھول باجہ بدرجۂ اتم غافل کرتی ہیں۔ ورنہ شیطان کا فر کو یہ نہ بتاتا، اور کفار یہ راستہ اختیار نہ کرتے۔ ص۱۶ پر ارشاد ہے۔ **اعتراض:** عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَلْغِنَاءُ۔ **اقول۔** یہاں مصنف نے الفاظِ روایت میں غلطی کی۔ صحیح روایت اس طرح ہے: صَوْتُ اللَّهْوِ وَالْغِنَاءِ (الخ) آگے لکھا ہے، **جواب۔** حدیث پاک میں ہے: اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ وَّلَا يُنَجِّسُهٗ شَيْءٌ۔ ثابت ہوا کہ ہر پانی مراد نہیں۔ اسی طرح الغنا سے ہر غنا مراد نہیں، بلکہ وہ غنا جو لہو و لعب پر ہو، وہ صوتِ شیطان ہے، ایسی غنا کو ہم بھی ناجائز اور حرام کہتے ہیں۔ پس مطلق غنا کی حرمت ثابت نہ ہوئی۔ **اقول:** مصنف صاحب نے یہاں خوب دھوکا کھایا ہے، اور سخت ترین نحوی غلطی کی ہے اس جواب میں آپ نے عجیب قیاس فرمایا ہے۔ آپ کا مقیس الغنا کا لفظ ہے۔ اور مقیس علیہ الماء کا لفظ حالانکہ یہ قیاس بالکل غلط ہے۔ مصنف کا قیاس الف لام کی وجہ سے ہے، وہ سمجھے شاید دونوں جگہ الف لام عہدی ہے۔ یہ ان کی کج فہمی ہے۔ کیونکہ الف لام کے تعین کے لیے بھی کوئی قرینہ یا دلیل چاہیے میری تحقیق کے نزدیک لفظ اَلْغِنَا میں الف لام استغراقی ہے کیونکہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ غنا کو تشبیہ دے رہے ہیں اَلْمَاءُ سے، یعنی جس طرح پانی گھاس اگاتا ہے اس طرح غنا کی نغمہ بازی نفاق اگاتی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہر قسم کا پانی گھاس اگاتا ہے، اور یہاں لفظ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ میں الف لام استغراقی ہے۔ اور نحوی قانون ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ لفظاً بھی ایک طرح کا ہونا چاہیے۔ تو جس طرح کا الف لام الماء میں اسی طرح الغناء میں بھی ہونا ضروری ہے۔ مصنف نے اس کو قیاس دوسری حدیث پر کیا۔ وہاں واقعی الف لام عہدی ہے، کیونکہ وہاں پہلے بیر بضاعہ کا ذکر موجود ہے اسی پانی کے متعلق سوال ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف کی پوری حدیث پاک سے ثابت ہے۔ حدیث

کے سوال نے پانی کو مخصوص کر دیا۔ یہاں لفظ الغنا میں کس چیز نے غنا کو مخصوص کیا۔ پس ثابت ہوا کہ قیاس غلط ہے اور عام غنا کی صفت ہے کہ نفاق پیدا کرتا ہے، لہٰذا عام غنا حرام، ہاں خاص غنا جس میں فقہاء کے قیود موجود ہوں، صرف وہی جائز ہیں، بغیر دلیل یہ کہہ دینا کہ یہاں الف لام فلاں ہے قابل قبول نہیں۔ الف لام کے تعین کے لیے قانونی دلیل دینی چاہیے۔ مصنف نے بہت جگہ آگے چل کر بھی اس طرح زیادتیاں کی ہیں ص۱۶ کے دوسرے اعتراض کا جواب بھی بہت غلط ہے، اعتراض کی حدیث پاک یہ ہے۔ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي طَرِيقٍ فَسَمِعَ مِزْمَارًا فَوَضَعَ أُصْبُعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ وَنَاءَ عَنِ الطَّرِيقِ إِلَى الْجَانِبِ الْآخَرِ ثُمَّ قَالَ لِي بَعْدَ يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا۔ قُلْتُ لَا فَرَفَعَ أُصْبُعَيْهِ مِنْ أُذُنَيْهِ۔ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ يَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ قَالَ نَافِعٌ وَكُنْتُ إِذْ ذَاكَ صَغِيرًا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ (مشکوٰۃ شریف ص۴۱۱)

دیکھیے کتنی صاف اور واضح دلیل ہے، کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ حضرت نافع کسی راستے پر جارہے تھے، ایک شخص (یقیناً کوئی یہودی ہوگا) ڈھول وغیرہ بجا رہا تھا، تو آپ نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور وہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار فرمایا۔ جب بہت دور چلے گئے تو نافع سے پوچھا، کہ کیا آواز آرہی ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا نہیں۔ تو آپ نے کانوں سے انگلیاں نکالیں اور فرمایا میں بھی اسی طرح ایک دفعہ آقائے دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، تو آپ نے بانسری بجنے کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں ڈال لیں، اور راستے سے دور جا کر مجھ سے پوچھا، کہ کیا آواز آرہی ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، تو آپ نے انگلیاں مبارکہ نکال لیں۔ حضرت نافع فرماتے ہیں۔ کہ مجھ کو اس کام کا حکم نہ دیا۔ کیونکہ میں اس وقت بچہ تھا۔ (مکلّف نہ تھا) یہ ایسی حدیث ہے کہ جس کا ہر لفظ واضح اور ظاہر ہے، کسی تاویل، تحریف، ایچ پیچ کی ضرورت نہیں۔ مگر شیطان ابلیس کی خباثت کو کیا کہیں، کہ بے چارے مصنف کو کس راستے پر ڈال دیا۔ اور ایسی ایسی تحریفیں اور خود ساختہ باتیں کرائیں کہ (الامان الحفیظ)۔ مصنف نے اس کے جواب میں اوّلاً دو خیانتیں کی ہیں۔ ۱ عربی عبارت درج نہ کی یہ میں نے لکھی ہے۔ ۲ حدیث پاک کے آخری الفاظ کا ذکر تک نہ کیا۔ حالانکہ ان ہی لفظوں میں مصنف کے تمام خود ساختہ بیہودہ احتمالات کا مکمل جواب ہے۔ پھر جواب دیتے ہوئے کیسی قلابازیاں کھاتے ہیں، اور قادیانی مار کر تاویلیں کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ شاید اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے کان بند کر دیئے تھے کہ آپ پر اس وقت وحی نازل ہو رہی تھی۔ **۱ قول** :- اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، وحی کے نزول کا خاص طریقہ ہوتا تھا۔ جس کا ذکر حدیث پاک میں موجود ہے۔ کہ آپ پر غشی طاری ہو جاتی تھی، اور آپ خلوت میں تشریف لے جاتے تھے، اور بیٹھ جاتے یا لیٹ جاتے تھے۔ چنانچہ دیکھیے مشکوٰۃ شریف باب بدء الوحی صفحہ ۵۲۲ ابن ہشام کی روایت۔ اور پھر یہ آواز تو مخل تھی خود نبی کریم کا اپنا کلام سوال حضرت عبد اللہ سے اور حضرت عبد اللہ کا جواب، اور راستہ چلتے دوسرے لوگوں کا شور و غل کیا مخل نہ ہوا، حالانکہ جب کوئی شخص کسی چیز کے متعلق سوچ رہا ہو، تو اپنا کلام اور بازاری شور بھی مخل ہو جاتا ہے، اور وحی کے نزول کے ثبوت میں بھی مصنف کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بہت ممکن ہے کے لفظ سے اپنا اختراع ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ مصنف دوسری دلیل پیش کرتے ہیں۔ کہ اگر مزمار کی آواز حرام تھی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بجانے والے کو کیوں نہ روکا، اور ابن عمر کو کان بند کرنے کا حکم کیوں نہ دیا۔ ثابت ہوا کہ مزمار کی آواز سننا حلال ہے :- **۱ قول** :- بلکہ بجانا اور ڈوم، مراثی، بھانڈ بننا بھی حلال و سنتِ اسلام ہوا۔ مصنف کو چاہیئے کہ خود بھی گلے میں ڈھول ڈال لے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف عمداً ایسی کچی باتیں کر رہا ہے :- ورنہ ایسی صاف حدیث میں اس طرح کی غلطیاں کرنا کیا معنیٰ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بجانے والے کو نہ روکنا یقیناً اس لیے ہے کہ وہ مراثی کافر تھا، اور کافر اگر شراب بھی پیئے، تو نہ روکا جائے گا۔ لہٰذا نہ روکنے سے حلت ثابت نہ ہوئی۔ اور حضرت ابن عمر کو حکم نہ دینا اس کی وجہ خود حضرت نافع نے بتا دی، جس سے عمداً کترا کر مصنف صاحب گذر گئے، کہ ابن عمر نے مجھ کو کان بند کرنے کا حکم میری نابالغی کی وجہ سے نہ دیا۔ یہی وجہ اُس وقت تھی کہ ابن عمر بھی اس وقت چھوٹے تھے۔ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ کا لفظ اشارۃً بتا رہا ہے کہ جس طرح نافع کو بوجہ بچپن حکم نہ دیا اسی طرح ابن عمر کو بھی نابالغی کی وجہ سے حکم نہ دیا۔ یہی وجہ صاحب مرقات نے بیان فرمائی، چنانچہ دیکھیے مرقاۃ جلد چہارم صفحہ ۴۲ پر۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اس لیئے کہ لڑکے کی مدت بلوغ پندرہ سال ہے، جب کہ حضرتِ ابن عمر جنگِ احد کے وقت چودہ سال کے تھے۔ چنانچہ اکمال لصاحب مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۱ پر ہے :- اَنَّہٗ اِسْتَصْغَرَ یَوْمَ بَدْرٍ۔ وَرُوِیَ اَنَّہٗ رَدَّہٗ یَوْمَ اُحُدٍ لِاَنَّہٗ کَانَ لَہٗ اَرْبَعَ عَشَرَۃَ سَنَۃً :- اسی طرح تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۱۲ علیٰ اربع تفاسیر جلد دوم صفحہ ۱۲ پر صحیحین کی روایت میں خود ابن عمر کا قول نقل فرما رہے ہیں (الخ) پس واضح ثابت ہوا کہ قوالی، مزمار، ڈھول، باجہ سب حرام ہیں۔ ورنہ کیا بات ہے کہ اس وقت ابن عمر کانوں میں انگلیاں نہیں ڈالتے، مگر آج اپنے کان بند کر رہے ہیں، کیا معاذ اللہ ان پر بھی وحی ہو رہی تھی۔ صفحہ ۱۸ پر اَلْغِنَاءُ حَرَامٌ وَتَلَذُّذٌ بِہَا کُفْرٌ (الخ) :- والی حدیث کی صحت کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث مرقاۃ جلد چہارم صفحہ ۴۲ پر، اور فتاویٰ قاضیخان جلد سوم صفحہ ۴۲۶ پر، اور فتاویٰ بزازیہ جلد سوم صفحہ ۳۵۹ پر بلا تنقید نقل فرما کر حرمتِ قوالی پر استدلال کرتے ہیں۔ کیا یہ تمام شارحین و فقہاء غلط ہیں اور اکیلا مصنف صحیح ہے الفاظ حدیث میں تغایر ہو سکتا ہے۔ مگر معنیً مضمون بالکل درست ہے۔ یہاں تک

کہ ابوداؤد کے محشی اور ہدایہ شریف کے محشی علیہما الرحمۃ نے بھی اسی حدیث سے حرمت قوالی پر دلیل لی ہے۔ مصنف کے نزدیک یہ حدیث پاک دو وجہ سے غیر صحیح ہے۔ ع۱ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث :- قَالَ اَنْكَحَتْ عَائِشَةُ ذَاتَ قَرَابَتِهَا (الخ) **اقول** :- اس حدیث پاک سے بھی موجودہ قوالیاں حلال ثابت نہیں ہوتیں، نہ مطلقاً غناء کی حلت ثابت ہوتی ہے۔ اور پھر یہ حدیث مفصل نہیں بلکہ مجمل، کہ لفظ "لَوْ" کا جواب پوشیدہ ہے۔ اور مجمل حدیث سے حلت ثابت نہیں ہو سکتی۔ دوسری جرح یہ بھی اس حدیث پر ہو سکتی ہے، کہ "اَتَيْنَاكُمْ اَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ" اس نغمے میں عورتوں کا اور کنواری لڑکیوں کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ اس گانے کا اگلا شعر ہے۔ لَوْلَا الْحِنْطَةُ الْحَمْرَاءُ لَمْ تَسْمَنْ عَذَارَاكُمْ۔ (ترجمہ) :- کہ اگر سرخ گندم نہ ہوتی، تو تمہاری کنواری لڑکیاں موٹی تازی سرخ سفید نہ ہوتیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے نفسانی ہیجان کے شعر ہیں۔ یہ گانا زمانۂ جاہلیت کے گانوں میں سے ایک گانا ہے۔ آج کل کے فلمی گانوں اور اس میں کچھ فرق نہیں۔ کیا مصنف نے اس حدیث کو مرفوع کہہ دیا، حالانکہ شارحین اس کو موضوع کہتے ہیں، ورنہ کوئی فلمی گانا بھی حرام نہ رہے گا۔ **دوسری وجہ** مصنف کے نزدیک اَلْغِنَاءُ حَرَامٌ والی روایت اس وجہ سے بھی غلط ہے، کہ اس میں پہلے یہ ہے :- وَالتَّلَذُّذُ بِهَا كُفْرٌ اور بعد میں ہے وَالْجُلُوْسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ۔ مصنف کی عقل نے جوش مارا کہ کفر پہلے اور فسق بعد میں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے، فسق پہلے ہوتا ہے کفر بعد میں، لہٰذا روایت غلط۔ **اقول** :- کیسی افسوسناک جرأت ہے جو عالم کی شان کے خلاف ہے، اسی گھمنڈ پر علامہ کاظمی جیسے محقق و مفکر اسلام کا نام استعمال کیا ہے :- میں قبلہ کاظمی صاحب کی شخصیت علیہ سے باخبر ہوں، ایسی بیگانہ حرکتیں وہ نہیں کر سکتے۔ مصنف نے چکڑالویوں کی طرح حدیث پاک کی گستاخی کی، اور الفاظِ طیبہ طاہرہ کو بے ڈھنگی کہا۔ مصنف کو توبہ کرنی چاہیئے، مصنف نے کفر اور فسق کی جو بحث کی ہے، اس طریقے سے مصنف کی کم عقلی بے تحقیقی ثابت ہوتی ہے :- ع۱ مصنف نے کہا چونکہ کُفْرٌ پہلے ہے اور فِسْقٌ بعد میں اس لیئے یہ حدیث غلط ہے۔ (معاذ اللہ) حالانکہ اصول فقہ کا اوّل طالب علم شاگرد بھی جانتا ہے کہ واؤ ترتیب کے لیئے نہیں آتی، بلکہ صرف جمع کے لیئے آتی ہے۔

اس لیئے حنفی فقہاء وضو میں ترتیب واجب نہیں مانتے، جب کہ شافعی حضرات روشِ کلام سے وجوبِ ترتیب کے قائل ہیں آن کے جواب میں ہم اسی قانون کو پیش کرتے ہیں کہ واؤ ترتیب کے لیئے نہیں۔ اگر مصنف علام کے نزدیک تردیدِ حدیث کا یہی استدلال ہے۔ اور اسی کج فہمی کی بنا پر حدیث پاک کی عبارت کو بے ڈھنگا کہہ کر شیوہ ادبی کے مرتکب ہوئے تو کل قرآن مجید کی عبارت کا بھی انکار کر دینا۔ اور آیتِ کریمہ کو بھی غیر صحیح قرار دیتے ہوئے، بے ڈھنگا کہہ دینا۔ (معاذ اللہ) دیکھو قرآن کریم پارہ سوم میں ارشاد ہوتا ہے :- يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ :- اللہ تعالیٰ

نے سجدہ کا ذکر پہلے فرمایا، رکوع کا بعد میں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ رکوع پہلے ہوتا ہے سجدہ بعد میں۔ دیکھئے ہمارے مصنف صاحب کیا فتوے لگاتے ہیں اس آیت پر تمام مفسرین اس آیت کے تحت یہی فرماتے ہیں کہ واؤ ترتیب کے لیے نہیں اگرچہ بعض مفسرین نے صرف اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ شاید بنی اسرائیل میں سجدہ پہلے ہوگا، مگر میری تحقیق کے نزدیک یہ اندیشہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام کی نمازیں بطریقہ ترتیب بالکل ایک جیسی تھیں، صرف الفاظ اور سجدہ کے اعضا کا فرق تھا۔ اسی لیے تفسیر روح البیان اور تفسیر نعیمی پارہ اوّل اور تفسیر صاوی شریف نے فرمایا کہ یہ پانچ نمازیں پانچ پیغمبروں کی یادگاریں ہیں۔ چنانچہ نمازِ مغرب حضرت ایوب علیہ السلام اور نمازِ فجر حضرت آدم علیہ السلام کی نماز ہے۔ اسی لیے نمازِ اسراء میں سب انبیاء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، مگر کسی کو ترتیبِ نماز سکھانی نہیں پڑی۔ معراج کی روانگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بحالتِ قیام نماز پڑھتے دیکھا، ثابت ہوا کہ سابقہ انبیاء کی نمازوں کی ترتیب قیام وغیرہ بالکل اسلامی موجودہ نماز کی طرح تھا۔ اور رکوع پہلے ہی تھا، سجدہ بعد میں، مگر آیت میں سجدہ کا ذکر پہلے رکوع کا بعد میں۔ پس جب یہ آیت قابلِ اعتراض نہیں، تو مذکورہ حدیث پر کون اعتراض کر سکتا ہے۔ اور جو آیت کا جواب ہوگا، وہی یہاں بھی۔ ہاں ہمارے سجدے اور سابقہ دینوں کے سجدے کے اعضا اور طریقِ ادا میں قدرے فرق تھا۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ۔ (الخ) (یعنی سات اعضا پر سجدے کا حکم صرف مجھ کو دیا گیا ہے، نہ کہ پہلے دینوں میں۔)۔ اگر اس کے باوجود ہمارے مصنف اپنی ضد پر قائم رہتے ہوئے حدیث کا انکار ہی کیے جائیں، تو میں عرض کروں گا کہ کفر کا معنیٰ وہ نہیں جو آپ نے سمجھا۔ بلکہ کفر بمعنے ناشکری ہے، جیسے کہ فتاوٰی بزازیہ جلد سوم ص ۲۵۹ کی عبارت پہلے ذکر کی گئی، اور ناشکری بھی گناہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مصنف صاحب فتاوٰی بزازیہ کی بات نہ مانیں، تو ہم عرض کریں گے کہ فسق دو قسم کا ہے ۱۔ فسق عملی، ۲۔ فسق اعتقادی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ تمام مفسرین کے نزدیک اس آیت میں فاسق اعتقادی مراد ہے نہ کہ عملی۔ تو اسی طرح مذکورہ حدیث پاک کے آخری جملے وَالْجُلُوْسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ میں بھی فسق اعتقادی مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ قوالی کو اچھا سمجھتے ہوئے اس میں بیٹھنا فسق اعتقادی یعنی کفر ہے۔ مندرجہ بالا آیت کریمہ میں فسق اعتقادی مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ اسی قسم کی دو آیتیں اسی رکوع میں ایک ہی موقعے پر نازل ہوئیں۔ وہاں بھی ایک ہی حکم سناتے ہوئے پہلے کفر کا ذکر کیا۔ پھر ظلم کا، پھر فسق کا۔ مصنف کو چاہیے کہ وہاں بھی کہہ دیں کہ معاذ اللہ یہ ترتیب بے ڈھنگی ہے کہ پہلے کفر کا ذکر بعد میں فسق کا۔ آیات اس طرح ہیں۔ ۱:۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ؀ ۲ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ؀ ۳ ایک ہی بات ایک ہی حکم، مگر جزا میں تین لفظ، ۱ کفر، ۲ ظلم، ۳ فسق۔ اگر مصنف کی ناسمجھی کی طرح تینوں میں فرق کیا جائے، کتنا بڑا اعتراض پڑ جائے گا۔ مگر ذی عقل محقق ان کو ایک ہی درجہ کفر میں رکھتے ہیں۔ تاکہ کلام الٰہی پر اعتراض نہ پڑے، اسی طرح یہاں حدیث میں بھی فسق اور کفر ایک ہی درجے میں ہے یہ تمام گفتگو اس صورت میں تھی، جب حدیث پاک کی عبارت اس طرح ہو کہ :- اَلْغِنَاءُ حَرَامٌ وَالتَّلَذُّذُ بِهَا كُفْرٌ وَالْجُلُوْسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ، جیسا کہ مصنف کتاب ہذا نے لکھا، مگر فتاویٰ قاضی خان جلد سوم ص۴۰۶ اور ابوداؤد کے حاشیے ص۶۷۴ اور ہدایہ آخرین ص۴۵۳ پر حدیث پاک اس طرح ہے :- اِسْتِمَاعُ الْمَلَاهِيْ مَعْصِيَةٌ وَالْجُلُوْسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ وَالتَّلَذُّذُ بِهَا مِنَ الْكُفْرِ :- بروایت ابی ہریرۃؓ۔ اب کوئی اندیشہ ہی نہیں رہتا۔ اور مصنف کی عذر داری بھی ختم ہو جاتی ہے، ص۲۰ پر ایک حدیث کا انکار کرتے ہیں کہ یہ روایت :- عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُهِيْتُكُمْ عَنْ صَوْتَيْنِ اَحْمَقَيْنِ (الخ) غلط ہے بے چارے مصنف شاید کتب پر بھی نظر نہیں رکھتے، یہ حدیث صاحب تفسیر درِ منثور نے اپنے استدلال میں نقل فرمائی ہے، مگر کچھ لفظوں کے تغیر سے۔ چنانچہ تفسیر درِ منثور جلد پنجم صفحہ نمبر ص۱۶۰ پر ہے :- وَاَخْرَجَ ابْنُ اَبِي الدُّنْيَا عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا نُهِيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ اَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ صَوْتٌ عِنْدَ نَغْمَةٍ لَهْوٍ وَّلَعِبٍ وَمَزَامِيْرَ وَصَوْتٌ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ :- ظاہر بات ہے کہ ہمارے مصنف صاحب سے صاحبِ درِ منثور زیادہ محقق ہے پھر حیرانگی کی بات یہ ہے کہ اس مذکورہ روایت کی تردید میں ایک ایسی لایعنی اور بیسرو پا بات فرما رہے ہیں۔ جس کا کسی قانون کی کتاب میں ثبوت نہیں فرماتے ہیں کہ یہاں نُهِيْتُكُمْ کا لفظ ہے، جو ماضی کا صیغہ ہے۔ اور ماضی کے صیغہ سے کسی چیز کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے، کہ ایک چیز سے ماضی کے زمانے میں منع فرمایا ہو، اور مستقبل میں اس کی اجازت دے دی ہو۔ **اقول** :- مصنف نے اپنی ضد پالنے کے لیئے کیسا عجیب قاعدہ گھر بیٹھے بنا لیا، اور سمجھا کہ شاید شریعت کے قاعدے ان کے گھر کے غلام ہیں کہ جس طرح چاہو، توڑ مروڑ لو (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ) مصنف کی اس بات پر چار طرح تنقید ہے۔ ۱ :- یہ قانون کہاں لکھا ہے کہ ماضی کے صیغے سے حرمت ثابت نہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں حلت و حرمت کے حکم بیشتر ماضی کے صیغہ سے ہی ہیں، خواہ ماضی مجہول ہو، جیسے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (الخ) :- خواہ ماضی استمراری ہو۔ چنانچہ جامع صغیر جلد دوم ص۱۱۴ پر ہے، طبرانی کی صحیح حدیث منقول ہے :- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ يَنْهٰى عَنِ التَّبَتُّلِ نَهْيًا شَدِيْدًا :- دیکھو تبتل ماضی کے صیغے سے

حرام ہوا۔ اور اب تک حرام ہے، کہ فرمایا:۔ لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ ۔ خواہ ماضی معروف کے صیغے سے ہو، مثلاً اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ اور تفسیر روح البیان جلد ہفتم صفحہ نمبر ص۶۷ پر ہے:۔ نَھَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْتِ الْمُغَنِّیَۃِ:۔ اور جامع صغیر لجلال الدین سیوطی جلد دوم صفحہ نمبر ص۱۹۲ پر ہے:۔ نَھٰی عَنْ صَوْمِ یَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ، مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ عَنْ عُمَرَ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ:۔ یہاں بھی ماضی کا صیغہ ہے اور عید کے دن کے روزے کو حرام کر رہا ہے۔ اور اس کا نسخ محال ہے۔ تفسیر روح المعانی گیارہویں جلد ص۷۹ پر ہے:۔ وَمَا تَرَکْتُ شَیْئًا یُقَرِّبُکُمْ مِنَ النَّارِ وَیُبَاعِدُکُمْ عَنِ الْجَنَّۃِ اِلَّا نَھَیْتُکُمْ عَنْہُ یعنی جنت سے دور کرنے والی اور جہنم کے قریب لانے والی تمام باتوں سے میں نے تم کو منع کر دیا۔ یہاں نھیتکم ماضی کا صیغہ ہے، اور ظاہر بات ہے کہ جو چیز جہنم کے قریب کرے وہ حرام ہے۔ اور حرمت ثابت ہوئی:۔ نھیتکم کے صیغے سے مصنف کو کس نے اختیار دیا ہے کہ دل سے حرمت و حلت کے قاعدے بناتے رہیں:۔

دوسری تنقید:۔ یہ قاعدہ تو پھر حلت پر بھی جاری ہو جائے گا، کہ جس طرح بہت سی چیزیں پہلے حرام ہوئیں، پھر حلال ہو گئیں، اسی طرح بہت سی پہلے حلال ہوئیں، پھر حرام۔ تو چاہیئے کہ مصنف کے نزدیک ماضی صیغے سے نہ کوئی چیز حلال ہو، نہ فرض نہ واجب۔ اور جتنی چیزیں بصیغۂ ماضی قرآن و حدیث میں حلال اور فرض و واجب ہیں، سب کا انکار کر دو۔ اسی طرح قوالی کے علاوہ جتنی چیزیں ماضی کے صیغے سے حرام ہوئی ہیں۔ ان کا بھی انکار کر دو۔ **تیسری تنقید**:۔ مصنف صاحب نے بصیغۂ ماضی حرمت کا انکار اس لیئے کیا ہے کہ ہو سکتا ہے، مستقبل میں یہ حکم یہ نہی منسوخ ہو گئی ہو۔ جیسا کہ ان کی مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے:۔ **اقول**۔ ہو سکتا ہے، یہ احتمال تو فعل حال کے صیغے میں بھی ہے، اس لیئے کہ وہ حرمتیں جو فعل حال کے صیغے سے ہوئیں وہ بھی کئی مرتبہ منسوخ ہو گئیں۔ پس لازم آیا کہ مصنف کے نزدیک نہ ماضی کے صیغہ سے حرمت ثابت نہ حال کے، رہ گیا مستقبل تو وہ خبر ہے، حکم بن سکتا ہی نہیں۔ اور حلت و حرمت حکم ہیں نہ کہ خبر۔ چلو چھٹی ملی نہ کوئی حلال، نہ کوئی حرام۔ واضح رہے کہ اسلام میں پانچ طرح حلت و حرمت ماضی کے ہی صیغے سے ثابت ہوتی ہے، جیسے اوپر ثابت ہوا ۲۔ جیسے کہ یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ ۳۔ امر جیسے:۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اجْتَنِبُوا الْکَبَائِرَ ۴۔ نہی جیسے لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا ۵۔ اِیَّاکَ وَاِیَّاکُمْ وغیرہ جیسے اِیَّاکَ وَاَنْ تَظُنَّ:۔ اس رسالے کا یہ بیہودہ قاعدہ ناقابل قبول ہے، اسی ص۲۰ پر دوسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ **قال**:۔ اس حدیث میں تین چیزیں بیان فرمائیں۔ حر۔ والحریر۔ معازف، جو لغت

عربی میں مطلق شرم گاہ یا عورت کی شرم گاہ کو کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو المنجد ص ۵۲۵ العزف، صَوْتُ الدَّفِّ۔ اقول بعض کے نزدیک پیش سے ہے۔ دُف۔ مگر صحیح یہ ہے، استعمال دونوں طرح ہے، اور بہتر ہے کہ دف بالفتح استعمال کیا جائے۔ کیونکہ بزرگانِ دین اور علماء ادب کے نزدیک کثرتِ استعمال بالفتح ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی گلستان شریف میں ص ۱۰۷ پر قوالی کی برائی میں ہی فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔ درمے در کفِ نبودہ است وقراضہ در دَفْ لفظِ کَفْ متفقاً مفتوح الکاف، اسی مناسبت سے لفظِ دَفْ بھی یہاں مفتوح الدال ہے۔ **ثمّ اقول**:۔ ہمارے مصنف صاحب نے پہلی دفعہ اپنے دعوے پر حوالہ پیش کرنے کی جرأت فرمائی، مگر ایسا اندھا کہ اپنے ہی دعوے کو چکنا چور کر دیا۔ نہ معلوم آنکھیں بند کر کے تحریر کی ہے، یا شاید کسی قوالی سے حالتِ سکر پیدا ہو گئی ہو گی۔ دعوٰے تو ہے کہ معازف شرم گاہ کو کہتے ہیں، مگر دلیل لا ہے کہ معازف دَف کی آواز کو کہتے ہیں۔ یہ تو اسی طرح ہے، کہ ہمارا ایک طالب علم جب پہلی دفعہ تقریر کرنے لگا، تو کہتا ہے، کہ مسلمانو! نماز پڑھو۔ کیونکہ رب فرماتا ہے:۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ کیسی عجیب دلیل ہے۔ شاید ہمارے مصنف بھی پہلی دفعہ تصنیف کر رہے ہیں۔ ص ۲۱ ص ۲۲ ص ۲۳ پر حلتِ غنا پر استدلال کرتے ہوئے پانچ روایتیں نقل فرماتے ہیں، اور غلط تشریح کر کے اپنا مطلب نکالتے ہیں۔ اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ چنانچہ پہلی حدیث یہ ہے:۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ فِي اَيَّامِ مِنًى تُدَفِّفَانِ وَتُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْاَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ وَالنَّبِيُّ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهٖ فَانْتَهَرَهُمَا اَبُوْ بَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا اَبَا بَكْرٍ فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ یہ ہے ان کی مایۂ ناز دلیل جس پر فخر کرتے ہوئے ہر ڈھول ہر قوالی، ہر کنجر بازی، بھانڈ، مراثی، طبلے، سارنگی اور ہر بدمعاشی کو جائز کہتے ہیں۔ حالانکہ اس حدیث پاک سے موجودہ قوالیوں پر دلیل لینا سخت گمراہی ہے:۔ اس کی شرح میں شارحین فرماتے ہیں کہ یہ کام چھوٹی بچیوں کا تھا، جو شرعی احکام کی مکلف نہیں، تو میں کیونکہ شریعت اسلامیہ میں نابالغ یا نابالغہ پر کوئی حکم جاری نہیں ہوتا دیکھو بڑی عورتوں کو گڑیاں کھیلنا حرام ہے۔ مگر بچیوں کے لیے جائز ہے۔ بڑی عورتوں بڑوں کے لیے ترک نماز حرام مگر نابالغوں کے لیے جائز۔ اس حدیث پاک میں لفظِ جاریتان موجود ہے کہ یہ کام جاریتان کر رہی تھیں نہ کہ بڑی عورتیں۔ کیونکہ جاریہ عربی لغت میں نابالغہ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ لغت کی مشہور کتاب مجمع البحار جلد اول ص ۱۹۱ پر طیبی شرح مشکوٰۃ کے حوالے سے فرماتے ہیں۔ اَلْجَارِيَةُ مِنَ النِّسَاءِ مَنْ لَّمْ تَبْلُغْ۔ اور المنجد ص ۸۶ پر ہے:۔ اَلْجَارِيَةُ (مؤنث) اَلْجَارِيْ (الصَّبِيَّةُ) (المخ) لغات کشوری ص ۱۲۷، جاریۃ، چھوٹی بیٹی غرضیکہ ہر کتب لغت میں جاریہ نابالغہ کو کہتے ہیں۔ اور نابالغہ کو جاریہ کہتے بھی اس لیے ہیں، کہ اس پر کوئی شرعی پابندی نہیں ہوتی، بلکہ کسی کام سے گناہ گار نہیں ہوتی۔ یہی مسئلہ سمجھانے کے لیے حضرت صدیق اکبر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اس حدیث پاک کو صحیح سمجھنے کے لیے تین باتیں

قابل غور ہیں۔ ع ا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھ کر کیوں لیٹے ع ۲ صدیق اکبر نے منع کیوں فرمایا وہ خود تو صاحبِ شرع تھے نہیں، نہ اپنے پاس سے کوئی شرعی قانون بنا سکتے تھے۔ ع ۳ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کیوں روکا۔ اور کیوں فرمایا:۔ دَعْهُمَا۔ اگر انسان کی عقل درست ہو اور صحیح عقل سے سوچا جائے، تو اس حدیث پاک سے حرمتِ قوالی ہی ظاہر ہو رہی ہے۔ ع ا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اس لیئے اوڑھی، تاکہ یہ مسئلہ ثابت ہو جائے کہ اس سے بے رغبتی ہی کرنی بہتر ہے، اگرچہ بصورتِ جائز بھی ہو اور کسی بالغ کو اس سے دلچسپی نہ ہونی چاہیئے۔ چنانچہ روح المعانی۔ ج ۲۱ ص ۶۷ پر ہے:۔ وَمَعَ هٰذَا اَشَارَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْتِفَافِهٖ بِثَوْبِهٖ وَتَحْوِیْلِ وَجْهِهِ الشَّرِیْفِ اِلٰی اَنَّ الْاِعْرَاضَ عَنْ ذٰلِكَ اَوْلٰی۔ ان بچیوں کا ڈھول بجانا اور گانا لذّت آمیز نہ تھا، بلکہ محض دل بہلاوا تھا۔ چنانچہ ام المومنین۔ حضرت عائشہ صدیقہ خود فرماتی ہیں:۔ قَالَتْ لَیْسَتَا بِمُغَنِّیَتَیْنِ (هٰكذا فی تفسیر روح المعانی جلد ۲۱ صفحہ نمبر ۶۷) اور غنا اونچی آواز اور ترنم کو کہتے ہیں، جو بہت مشق اور شاگردی سے حاصل ہوتی ہے:۔ چنانچہ روح المعانی جلد ۲۱ میں ہے:۔ لِاَنَّ الْغِنَاءَ یُطْلَقُ عَلٰی رَفْعِ الصَّوْتِ وَعَلَی التَّرَنُّمِ (الخ) بچیوں کی آواز میں ترنم نہیں۔ اور لذّت ترنم سے پیدا ہوتی ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ عرفی غنا نہیں، حضرت صدیقہ کا سننا توجہ سے نہ تھا، نہ لذّت لینا تھا، بخلاف موجودہ قوّالی کے کہ وہ صرف لذّتِ نفسانی کے لیئے سنی جاتی ہے۔ اس لیئے حرام ہے۔ ع ۲ :۔ حضرت صدیق اکبر کا منع کرنا اس لیئے تھا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے بہت دفعہ سنا تھا، کہ، ڈھول، باجہ، طبلہ، سارنگی، مزمار، جلاجل دف وغیرہ مردوں عورتوں کے لیئے حرام ہے اور متعدد احادیث اُن کے کانوں نے اِس بارے میں سنی تھیں، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے سُنا، کہ:۔ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ هُدًی وَّرَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَاَمَرَنِیْ بِمَحْوِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِیْرِ (الخ):۔ اور کبھی اس زبانِ الٰہیہ سے یہ کلام بھی سُنا:۔ بُعِثْتُ لِکَسْرِ الْمَزَامِیْرِ وَقَتْلِ الْخِنْزِیْرِ۔ (از تفسیر روح البیان جلد ہفتم ص ۶۷) ان فرمودات کی وجہ سے آپ نے بچیوں کے گانے بجانے کو بھی حرام سمجھا۔ اسی لیئے اس کو مزمار شیطان بھی فرمایا۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے، (از روح المعانی جلد اوّل صفحہ نمبر ص ۶۷ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اوڑھی تھی۔ صدیق اکبر سمجھے کہ حضورِ اقدس نیند میں ہیں، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوتے تو ابوبکر صدیق کبھی نہ روکتے اور قیامت تک یہ مسئلہ ہم کو معلوم نہ ہوتا، کہ بچیوں کا ویسے سیدھا سادا گانا غنا اور قوّالی نہیں، بلکہ دل بہلاوا ہے جس سے بڑوں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ حرام نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان:۔ جَارِیَتَانِ تُغَنِّیَانِ بمعنی عرفی غنا نہیں، بلکہ لغوی غنا یعنی اشعار پڑھنا ورنہ لَیْسَتَا بِمُغَنِّیَتَیْنِ نہ فرماتیں۔

عـ۳ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا، کہ اے ابو بکر! چھوڑ دو، کہ یہ عید کا دن ہے، اس نے واضح کر دیا، کہ عید کا دن بچوں کے دل بہلاوے کا دن ہوتا ہے۔ ان کو اپنا دل بہلانے دو، ان پر شرعی احکام نہیں کہ یہ حرام ہو، تم اس سے بے رغبت ہو جاؤ، جس طرح میں بے رغبت ہوں۔ یہ تھی اس حدیث پاک کی سچی باحوالہ تشریح۔ مگر کتنی افسوسناک جہالت ہے کہ اس کو دلیل بنا کر ہر بھانڈ، مراثی، طبلچی قوال کو قوالی جیسے فعل حرام کے لیے کھلی چھٹی دی جائے۔

دوسری روایت:- عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ حِيْنَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلٰى فِرَاشِيْ كَمَجْلِسِكَ مِنِّيْ فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَّنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ -(الخ):- اس پر بھی مصنف صاحب نے بہت بے پر کی ہانکی ہیں، اور قوالی زنان و مرداں پر دلیل لی ہے۔ حالانکہ یہاں بھی لفظِ جویریات موجود ہے۔ جو بتا رہا ہے کہ یہ بھی بچیوں کا فعل ہے، جو شریعت کی مکلف نہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سننا نغموں کی یا ترنم کی لذت کی وجہ سے نہیں، بلکہ بچوں کی زبان سے ہر چیز پیاری لگتی ہے۔ یہاں تک کہ بچہ گالی دے تو بھی اس کو مارا پیٹا نہیں جاتا۔ بلکہ بڑے بوڑھے سن کر ہنستے ہیں۔ حالانکہ یہی گالی بڑے کے لیے بولنا حرام ہے، گالی پر شرعی تعزیر واجب ہوتی ہے، دیکھو کتب فقہ۔ بچے مرفوع القلم ہوتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، کہ ایک دفعہ انوار العلوم کے جلسے میں، میں نے اپنے والدِ محترم کے ہمراہ شرکت کی، علامہ کاظمی صاحب قبلہ ہم کو اپنے گھر لے گئے۔ دورانِ مجلس علامہ صاحب کا پوتا، یا نواسہ مردانے میں تشریف لایا۔ غالباً کسی نے اس کو چھیڑ دیا۔ جس پر اس نے سخت ترین گالی دی، توتلی زبان سے گالی تھی۔ سب علماء ہنس پڑے، غالباً گالی کھانے کے لیے ہی چھیڑا ہوگا۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ گالی دینا سب کے لیے جائز ہے۔ کسی عالم نے اس بچے پر حرام کا فتوے نہ لگایا بچوں کی حرکتیں نہ حرام ہوتی ہیں نہ گناہ۔ بچگانہ فعل کو نہ روکنا دلیلِ قوالی نہیں بن سکتی۔ یہی ڈھول جب بچیاں بجاتی ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں کہتے۔ لیکن اسی ڈھول کی آواز جب کسی بڑے آدمی سے سنتے ہیں، تو کان مبارک بند کر لیتے ہیں۔ یہ فرق کیوں؟ صرف اسی لیے کہ ڈھول مطلقاً حرام ہے خواہ کافر بجائے یا مسلمان۔ عورت بجائے یا مرد، جب کہ ترنم سے بجائے مگر بچہ غیر مکلف، اس کا وہ فعل بھی حرام نہیں۔ جو دوسروں کے لیے ہر حالت میں حرام۔ مصنف صاحب افسوس ہے کہ بچوں کی حرکات پر اپنے دین کی بنیاد رکھتے ہو۔ کسی بڑے کی سند پیش کرو۔ مصنف کی پیش کردہ تیسری

حدیث:- عَنْ عَائِشَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلِنُوْا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۲)

اس حدیث پر بھی، مصنف نے دلیل لی ہے، کہ مطلقاً قوالی جائز ہے۔ **اقول**:۔ یہ محض مصنف علامہ مدظلہ کی نادانی کم تحقیق ہے۔ میری تحقیق کے مطابق اس حدیث سے دف بجانے کا ثبوت، اور قوالی کی حلت ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس روایت سے بھی پچھلی روایات کی طرح حرمتِ قوالی ہی ثابت ہوتی ہے، اس کی تین وجوہ ہیں، ع۱ اس حدیثِ پاک کا پہلا جملہ بالکل درست ہے، اور سنداً، گویا حدیث پاک کے الفاظ صرف اتنے ہیں، اَعْلِنُوا النِّکَاحَ۔ اور ایک روایت میں پوری حدیث اس طرح صحیح ہے:۔ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْلِنُوا النِّکَاحَ:۔ وَاجْعَلُوْہُ فِی الْمَسَاجِدِ:۔ لیکن اگلا جملہ وَاضْرِبُوْا عَلَیْہِ بِالدُّفُوْفِ یہ ضعیف ہے اس کو نبی کریم کا حکم کہنا ہرگز درست نہیں۔ چنانچہ بلوغ المرام صـ۲۰۴ پر ہے:۔ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ اَبِیْہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَعْلِنُوا النِّکَاحَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَصَحَّحَہُ الْحَاکِمُ:۔ اور اس کے حاشیہ پر ہے وَرَوَاہُ اِبْنُ مَاجَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ وَفِیْہِ زِیَادَۃٌ وَاضْرِبُوْا عَلَیْہِ بِالْغِرْبَالِ وَھُوَ عِنْدَ التِّرْمِذِیْ بِلَفْظِ بِالدَّفِ۔ قَالَ الْحَافِظُ فِی الْفَتْحِ، سَنَدُہٗ ضَعِیْفٌ:۔ ثابت ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہے، اور اس کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے، کہ اس کی سند میں ایک راوی عیسٰے بن میمون ہیں، جو ضعیف ہے۔ اور بیہقی نے فرمایا کہ اس کا ایک راوی خالد بن ایاس سے منکر الحدیث نے فرمایا، وَاجْعَلُوْہُ فِی الْمَسَاجِدِ والی روایت بھی غریب ہے۔ احمد نے فرمایا اس قسم کی روایات بہت سی مرقوم ہیں جس سے دف کے بجانے کی اجازت ملتی ہے۔ مگر سب کی سب غیر صحیح ہیں، اور سب میں کچھ نہ کچھ گفتگو ہے، یہ سب عبارت شرح الحدیث کی مشہور کتاب سبل السلام جلد سوم صـ۱۱۴ سے نقل ہے، چنانچہ ارشاد ہے:۔ وَفِیْ رِوَایَۃِ عِیْسَی ابْنُ مَیْمُوْنٍ ضَعِیْفٌ کَمَا قَالَ التِّرْمِذِیُّ وَاَخْرَجَہُ اِبْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْھَقِیْ وَفِیْ اَسْنَادِہٖ خَالِدُ بْنُ اِیَاسٍ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ (الخ) ع۲ اس حدیث میں ارشاد ہے، وَاضْرِبُوْا عَلَیْھِمْ بِالدُّفُوْفِ لفظ اِضْرِبُوْا مطرد کے باب دوم ضَرَبَ یَضْرِبُ کا امر نہیں، بلکہ باب افعال کا امر ہے اور ضَرْبٌ بمعنیٰ اِضْرَابٌ اور اس میں مذکر مردوں کو بجانے کا حکم نہیں، بلکہ چھوٹی بچیوں سے بجوانے کا اختیار ہے۔ اور یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اَعْلِنُوْا یعنی نکاح کا اعلان ہونے دو، خود اعلان نہ کرو، بلکہ کرواؤ۔ یعنی خوب شور و غل جو بچے ایسے موقعوں پر مچاتے ہیں، مچاتے دو۔ اور بچیاں اگر دف ڈیرہ یا پیپا پے کر بجانے بیٹھ جائیں، تو ان کو نہ روکو، بلکہ کہو خوب بجاؤ۔ تاکہ

تاکہ اگر کبھی کوئی جھگڑا پیدا ہو، تو بستی کے لوگ گواہی دے سکیں۔ چنانچہ بلوغ المرام صـ۲۰۳ پر ہے :۔ وَهٰذَا اِنَّمَا هُوَ لَهْوُ الْفَتَيَاتِ وَغِنَاءُ صُوَيْحِبَاتِ الْعَرُوْسِ لَا مَا عَلَيْهِ عَامَّةُ الْيَوْمِ مِنْ اِحْضَارِ نِسَاءٍ فَاجِرَاتٍ مُحْتَرِفَاتِ اللَّهْوِ وَالْفُسُوْقِ :۔ یعنی حدیث پاک میں دلہن کی سہیلیوں اور چھوٹی بچیوں کا دف بجانا اور گیت گانا مراد ہے، نہ کہ قوالوں، بھانڈ، مراثیوں اور رنڈیوں کے گانے باجے۔ تاکہ کوئی شخص حرام کا مرتکب بھی نہ ہو، اور اعلان بھی ہو جائے مقصود اعلان ہے نہ کہ دف۔ لہٰذا اگر کسی اور طریقے سے اعلان اچھی طرح ہو سکے تو دف کی حاجت نہ رہے گی میرے نزدیک فی زمانہ سب سے اچھا اور مؤثر اعلان دولہا کا سہرا ہے کہ اس کو باندھ کر پوچھنے کی بھی حاجت نہیں ہوتی، کہ یہ کیا ہو رہا ہے، پھولوں کے ہار، ڈھول، دف وغیرہ ایسا اعلان نہیں ہوتا، جیسا کہ سہرے میں، کیونکہ ہار وغیرہ تو نکاح کے علاوہ اور دولہا کے علاوہ بھی پہن لیئے جاتے ہیں اور ڈھول باجہ نکاح کے علاوہ بھی بجائے جاتے ہیں، مگر سہرا صرف نکاح اور دولہا کے لیئے مخصوص ہے۔ ہر شخص گواہی دے سکتا ہے کہ ہم نے اس کو فلاں دن سہرا باندھے دیکھا ہے۔ اس لیئے بجائے ڈھول باجہ بجانے کے سہرے کو رواج دیا جائے تو بہتر ہے، پھولوں کا سہرا حرام بھی نہیں، اور اعلان بھی بہترین ہے۔ وہابیوں کو اس سے منع نہ کرنا چاہیئے :۔ بہر حال اِس حدیث میں قوالی کا ثبوت نہیں، بلکہ بچیوں کا گانا بجانا مراد ہے، اگر یہاں :۔ فَاضْرِبُوْا بمعنے ضرب بجانا ہے، اور اس میں مذکر مردوں کو خطاب ہے جیسا کہ مصنف نے اس رسالے کے صـ۲۵ پر لکھا ہے، تو اوّلاً لازم آتا ہے کہ ہر نکاح کے موقعہ پر دولہا اور دولہا کا باپ، بھائی، چچا، تایا، خود ڈھول باجہ، طبلہ، وغیرہ لے کر بجائیں، اور مصنف صاحب کے صاحبزادے کی اگر شادی نکاح ہو، تو مصنف صاحب خود طبلہ ڈھول اپنے گلے میں ڈالیں، اور مسجد کے محراب ممبر میں کھڑے ہو کر (العیاذ باللہ)۔ خوب بجائیں :۔ دوم :۔ اس حدیث کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف قوالی ہی جائز نہ ہو بلکہ تمام رنڈیوں کا بلانا، مراثیوں کا آنا مروجہ برات بجانے والے جو سڑکوں پر بجاتے پھرتے ہیں، سب جائز بلکہ مصنف کے نزدیک واجب ہونے چاہئیں۔ کیسی عقل ماری گئی ہے۔ حالانکہ سب علمائے کرام آج تک اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ پس ماننا پڑے گا کہ یہ روایت بالکل موضوع ہے، صرف اتنی روایت درست ہے :۔ اَعْلِنُوْا النِّكَاحَ باقی لفظ کسی نفس پرست نے اپنے پاس سے ملائے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ثابت ہوا، اگر فرضاً تصوّر بھی کر و تو مطلب یہ ہی ہو گا کہ یہاں بچیوں کا گانا باجا مراد۔ کیونکہ لفظ فَاضْرِبُوْا باب افعال کا امر ہے اور باب افعال کی آٹھ خصوصیات ہیں۔ پہلی خصوصیت لازم کو متعدی کرنا۔ چنانچہ مجموعہ پنج گنج صـ۲۷ پر ہے، وخاصیت باب افعال ہشت چیز است (۱) تعدیہ (الخ) اور متعدّی میں کام کا کروانا پایا جاتا ہے۔ تو ترجمہ یہ ہوا کہ تم دف بجواؤ

جس کے بجانے سے حرمت لازم نہ آئے۔ وہ کون ہیں، بالغ مرد و عورت نہیں بلکہ بچیاں۔ ورنہ ان احادیث کا تعارض پیدا ہوگا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دف سے منع فرمایا۔ چنانچہ جامع صغیر جلد دوم ص۱۹۳ پر ہے:۔ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ ضَرْبِ الدَّفِّ وَلَعِبِ الصَّنْجِ وَضَرْبِ الزَّمَّارَۃِ۔ اور کتاب کنوز الحقائق جلد دوم صفحہ نمبر ص۱۴۲ پر ہے:۔ نَھٰی عَنْ ضَرْبِ الدَّفِّ وَلَعِبِ الصَّنْجِ (الخ) رواہ الخطیب:۔ اور تفسیر روح البیان جلد ہفتم صفحہ نمبر ص۶۷ پر ہے:۔ نَھَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْتِ الْمُغَنِّیَۃِ:۔ جب احادیث میں تعارض معلوم ہوتا ہو، تو ذی عقل علماء کا کام ہے کہ اس طرح شرح کریں جس سے ہر دو پر عمل ہو سکے۔ چنانچہ یہاں اسی طرح کرنا لازم ہے، کہ پہلی روایت میں اگر درست ثابت ہو جائے، تو مطلب ہے بچیوں کا دف بجانا اور ان روایات میں ممانعت ہے بالغوں کو۔ مصنف کی پیش کردہ چوتھی روایت:۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبِ الْجُمَحِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْفَصْلُ مَا بَیْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الصَّوْتُ وَالدَّفُّ فِی النِّکَاحِ (مشکوٰۃ شریف) ظاہری نگاہ سے اس کا جواب یہی ہے، کہ یہ دف بھی وہی ہے، جو پہلے بیان کر دیا، یعنی بچیوں کا شور و غل اور دف اسی لیے یہاں لفظ صوت ارشاد ہوا۔ مگر مصنف کو ان تفکرات کی ضرورت کیا ہے۔ وہ تو بس بیہودہ قوالیوں کی حلت کے پیچھے لگے ہیں دلیل بنے نہ بنے اُن کو کیا۔ یہ تو اس روایت کے بارے میں سرسری گفتگو تھی۔ لیکن اگر ذرا تحقیق کی گہرائیوں میں جاکر دیکھو، تو واضح ہوتا ہے کہ یہ حدیث بھی مصنف کی دلیل نہیں بن سکتی نہ ہی حلت و حرمت کے درمیان تمیز ہے نہ ہی حلت کو ظاہر کرنے والی، بلکہ اگر یہ روایت اسناداً صحیح بھی ہو تب بھی فقط یہ ایک مشابہت رواجیہ ہے، یعنی اکثر غلط اور حرام نکاح خفیہ ہوتا ہے، جائز نکاح دھوم دھام سے تو یہ روایت بطور جملہ خبریہ ہے نہ کہ انشائیہ۔ اور علم اصول کے مطابق جملہ خبریہ سے اصلاً حکم یا قانون یا وجوب یا تمیز ثابت نہیں ہوتی:۔ اگرچہ بعض جملہ خبریہ سے بوقت قرینہ حکم بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ جس کی امثلہ متعددہ قرآن مجید میں بھی موجود ہیں، مگر اصلیت کے خلاف۔ یہ تھی اس روایت کی تشریح۔ اب ذرا محدثانہ جرح بھی ملاحظہ ہو:۔ چنانچہ شروح اربعہ ترمذی جلد دوم ص۳۵۲ پر ہے:۔ وَفِی الْبَابِ عَنْ عَائِشَۃَ اَخْرَجَہُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْہِ رَاوٍ ضَعِیْفٌ۔ یعنی یہ روایت ضعیف ہے کہ اس میں بھی ایک راوی ضعیف ہے۔ جامع صغیر جلد دوم ص۷۵ پر اس کو صحیح کہا ہے، احمد نے اس کو حسن کہا ہے، مگر ان تمام اقوال کے باوجود یہ قابل حکم نہیں کہ اس کے راوی محمد بن حاطب بن حارث بن معمر جمحی، نابالغ صحابی ہیں۔ ص۳۵۲ شروح اربعہ ترمذی جلد دوم میں ہے۔ محمد بن حاطب (الخ) اختلاف است در کنیت وے صحابی صغیر است

اور ص ۲۵۳ پر ہے۔ وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاطِبٍ قَدْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غُلَامٌ صَغِيْرٌ ۔ اسی طرح ترمذی شریف ص ۱۲۹ جلد اول میں ہے۔ اور اصولِ حدیث کے مطابق جس طرح کافر کی روایت عدم تقابل کے وقت معتبر ہے۔ اور جب صحابی کی روایت سے مقابلہ ہو جائے۔ تو مردود۔ اسی طرح نابالغ کی روایت جب کسی بالغ ثقہ کی روایت کے مقابل نہ ہو۔ تو معتبر جیسے امام حسن اور امام حسین ابن عباس وغیرہم کی روایات کیونکہ یہ بھی نابالغ صحابی تھے اور ان کی روایات معتبر۔ لیکن جب کسی نابالغ کی روایت بالغ کی روایت کے مقابل ہو جائے۔ تو غیر معتبر جیسے کہ تمام محققین کے نزدیک عدمِ رویت باری تعالیٰ اور معراج میں دیدارِ الٰہی نہ ہونے کی روایت صرف اس لیئے ناقابل قبول ہے۔ کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں۔ جو معراج کے وقت نابالغ تھیں، اور تمام صحابہ بالغین کے مقابل ہے۔ هٰكَذَا قَالَ أُسْتَاذِيْ سَيِّدِيْ سَنَدِيْ حَكِيْمُ الْأُمَّةِ أَبِيْ مُفْتِيْ أَحْمَدْ يَارْ خَانْ فِيْ شَرْحِهِ مرآۃ چونکہ محمد بن حاطب بھی نابالغ راوی ہیں اور تمام اکابر صحابہ دف کی ممانعت کی روایت فرماتے ہیں جیسا کہ پہلے ثابت کیا گیا۔ حیرت ہے کہ مصنف صاحب نے اپنے رسالے میں حضرت عائشہ صدیقہ کی، بچیوں والی روایت تو پیش کر دی، مگر انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ روایت پیش نہ کی جو دُرِّ منثور جلد پنجم صفحہ نمبر ۱۵۹ پر درج ہے۔ عَنْ اِبْنِ مَرْدَوِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ الْقَيْنَةَ وَبَيْعَهَا وَثَمَنَهَا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے گانے والیوں کے گانے کو حرام کر دیا (الخ) اب واضح ہو گیا کہ ان احادیث سے حلتِ قوالی کی دلیل لینا سخت غلطی ہے چنانچہ مصنف کی اسی پیش کردہ روایت کے متعلق علامہ محدث بیہقی فرماتے ہیں۔ قَالَ بَيْهَقِيْ فِيْ سُنَنِهِ ذَهَبَ بَعْضُ النَّاسِ بِهِ أَنَّ السَّمَاعَ وَهُوَ خَطَاءٌ (شرح الربعہ ترمذی جلد دوم ص ۲۵۲) حیرت ہے کہ مصنف نے اس روایت سے دف اور طبلے، سارنگی کو حرام اور حلال کے لیئے تمیز سمجھ لیا۔ کتنی خطرناک حماقت ہے، اگر اس کو حقیقت سمجھ لیا جائے، تو لازم آئے گا۔ کہ جس نکاح میں دف نہ ہو وہ حرام ہو، اگرچہ شریعت کی ساری باتیں ہوں۔ اور پھر آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام نکاح مبارکہ میں اور حضرت فاطمہ زہرا کے نکاح پاک میں قطعاً دف کا ثبوت نہیں ملتا۔ مصنف ان پر کیا فتوےٰ لگائے گا۔ کیا قوالی کی خاطر دین سے بھی ہاتھ دھونا ہے، مصنف کو میرا مشورہ ہے کہ ایسے غلط رسالے اور عقیدے سے جلد از جلد توبہ کریں۔ مصنف نے لفظ فصل پر بھی غور نہ کیا، اور آنکھیں بند کر کے دلیل بنا ڈالی۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے، آمین۔ پانچویں پیش کردہ روایت ہے۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالَ كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَکُمُ اللّٰہُ بِھِمَا خَیْرًا مِنْھُمَا یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ص۱۲۶) قوالی کے رسالے میں مصنف کا اس حدیث کو پیش کرنا مصنف کی نیت کا پتہ دیتا ہے کہ قوالی کی آڑ میں مصنف مذکور ہر فحاشی ہندوانہ رسومات سینما، جوئے بازی ہولی، دیوالی، آتش بازی، بھنگڑا، ڈھول، رنڈی، تمام جہالت کی باتوں کو عوام میں جاری کرنے کے خواہشمند ہیں، کہ لکھتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ حضور نے اہل مدینہ کو لہو ولعب سے منع نہیں فرمایا، بلکہ اس کا وقت بدل دیا۔ **اقول** ۔ حالانکہ روایت مذکورہ میں ہے، کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں کھیلا کرتے تھے، اور جاہلیت کے کھیل وہی تھے جو چند اوپر مذکور ہوئے۔ ھٰکَذَا قَالَ حَکِیْمُ الْاُمَّۃِ کَاشِفُ الْغُمَّۃِ اِمَامُ الْاُمَّۃِ فِیْ مُصَنَّفِہٖ مراۃ جلد اوّل فی شرح ھذا الحدیث۔ دورِ جاہلیت دورِ کفر تھا۔ اب بھی عیسائی اور ہندو اپنی خوشیوں اور عیدوں بڑے دنوں میں یہی کام کرتے ہیں۔ تو گویا مصنف کے نزدیک معاذاللہ ان سب کاموں کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ صرف وقت بدلا۔ استغفراللہ کتنی کم نظری ہے۔ مصنف کے مذہب میں سب ہندوانہ کافرانہ رسومات جائز ہیں، اور مصنف چاہتے ہیں، اسلام کی پاکیزہ عبادات چھوڑ کر اپنی خوشیوں کو ہندوؤں، عیسائیوں کی طرح مناؤ۔ یہ ہندو نوازی نہیں، تو اور کیا ہے؟ سچ فرمایا نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانے میں علم اٹھ جائے گا۔ جاہل مفتی ہوں گے، جہالت کے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے، اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ حیرت اس بات کی ہے، کہ ص۲۱ پر خود یہ حضرت لہو ولعب کو مطلق طور پر حرام بھی لکھ رہے ہیں، مگر یہاں اس روایت کی تحریف کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مصنف کا یہ مذکورہ احتمال اگرچہ کتاب سبیل السلام جلد دوم ص۷ پر بھی لکھا ہے مگر یہ سب بالکل غلط گمراہ کن حدیثِ رسول اللہ کی تحریف اور مقاصدِ فرمانِ نبوت کو فوت کرنا ہے۔ اس کی صحیح اور سچی عین مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق شرح ملاحظہ ہو:۔ **اقول**:۔ اسلام نے وہی چیزیں تبدیل کی ہیں، جو معاشرے یا عقائد کے لحاظ سے بری تھیں۔ اس صحیح روایت میں ایک لفظ ہے:۔ قَدْ اَبْدَلَکُمُ اللّٰہُ بِھِمَا خَیْرًا۔ جس کا ترجمہ ہے، اللہ تعالےٰ نے ان دونوں دنوں کو خیر سے تبدیل کر دیا۔ ہر ذی عقل جانتا ہے کہ وقت اور دن بنفسہٖ نہ اچھے ہیں۔ نہ برے۔ ان کو تبدیل کرنے کی وجہ کیا ہے۔ بنظرِ عمیق سے یہی ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ لہو ولعب جو کافر لوگ ان دنوں میں کیا کرتے تھے۔ وہ برے ہیں۔ کیونکہ لہو ولعب حرام لِعَیْنِہٖ ہیں، جیسا کہ مصنف مذکور کو خود بھی آگے چل کر تسلیم ہے، خود دنوں میں کوئی عیب نہیں۔ ان دنوں کی کسی کافر سے نسبت نہیں۔ اہل عقائد کے نزدیک دِنوں کی اچھائی برائی دو وجہ سے ہے، ۱ اس میں کوئی اچھا یا برا کام مروج ہو جائے۔ ۲ اس کی

کسی اچھے یا بُرے شخص سے نسبت ہو جائے۔ جن دو دنوں کا اس حدیث پاک میں ذکر ہے، وہ تمام شارحین کے نزدیک نیروز و مہرجان ہیں۔ ان میں کافر لوگ عید مناتے ہیں، یہ دو موسموں کے ابتدائی دن ہیں۔ بذاتِ خود یہ دن بُرے نہیں، بلکہ کافروں کے لہو و لعب سے مروّج ہیں، اس لیے ان کو منانا یعنی ان میں خوشی منانا، اور اچھے اچھے کھانے پکانا، اور بوجہ دن کے تحفے بھیجنے کفر کی حد تک بُرے ہیں۔ اور یہ کام اگرچہ ویسے جائز ہیں۔ مگر اس دن کی نیت سے حرام لغیرہ چنانچہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دوم صفحہ ۲۵۲ پر ہے:۔ مَنْ اَهْدٰى فِي النَّيْرُوْزِ بَيْضَةً اِلٰى مُشْرِكٍ تَعْظِيْمًا لِلْيَوْمِ فَقَدْ كَفَرَ بِاللهِ تَعَالٰى۔ (الخ) مقام غور ہے کہ یہ دن کافروں کی عید کیوں بنیں، نہ اس دن میں کوئی پنڈت، پادری گرو پیدا ہوا، نہ کوئی دیوتا آیا، صرف یہی وجہ ہے کہ اس دن نیا سال کی ابتدا ہوئی، تو کافروں نے اس کو عید بنا لیا اور نام ہوا نیروز، موسم بہار شروع ہوا، تو کفار نے اس کو خوشی کا دن بنا لیا، نام ہو گیا مہرجان۔ اور کافروں کی عید بجز کھیل کود کے کچھ نہیں۔ اور کھیل کود تو شریعت مطہرہ میں حرام۔ لہٰذا یہ دن منانے حرام، پس ثابت ہوا کہ لہو و لعب حرام لعینہٖ اور یہ دن منانے حرام لغیرہ۔ اسی لیے حدیث پاک مذکورہ میں ہے:۔ اَبْدَلَكُمُ اللهُ بِهِمَا خَيْرًا:۔ لفظِ خیر مشترک ہے، اس کے تیرہ معنے مجمع البحار جلد دوم صفحہ ۲۷ پر مذکور ہیں اصول کے مطابق ہر مشترک میں ایک حقیقی معنیٰ ہوتا ہے، باقی عارضی۔ خیر کے اصلی معنے ہیں۔ نیکی۔ اور نیکی وہ ہوتی ہے۔ جو خدا تک پہنچائے اور شارحین و مفسرین کے نزدیک لہو و لعب وہ ہے، جو خدا تعالیٰ سے غفلت پیدا کرے۔ اللہ سے غافل کر دے۔ چنانچہ۔ اس ترتیب سے خیر کا ضد لہو و لعب ہوا، اور تبدیل کا معنے ہوا کہ اللہ نے لہو و لعب کو حرام کر کے خیر یعنی نیکی کو جائز اور محبوب رکھا۔ اور دن اس لیے تبدیل ہوئے کہ ذریعہ گناہ بنائے گئے۔ جس طرح شراب کو حرام کیا گیا اصلاً مگر اس کے مستعمل برتن بھی حرام کر دیے گئے، کہ وہ ذریعہ تھے، اس لیے لفظِ خیر کے بعد اس روایت صحیحہ میں مِنْهُمَا آیا۔ صاحب مرقاۃ نے یہاں مِنْ بمعنیٰ فی کیا ہے۔ صفحہ ۲۵۲ جلد دوم پر ارشاد ہے:۔ (منهما) اى فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ:۔ دنیا و آخرت میں صرف نیکی ہی فائدہ مند ہے۔ لہو و لعب میں آخرت کا بالکل فائدہ نہیں، چنانچہ اہل لغت کی کتاب مجمع البحار جلد دوم صفحہ ۱۲ پر ہے۔ اَللَّعْبُ مَا لَا نَفْعَ فِيْهِ۔ اور ان دو دنوں میں سوائے کھیل کود کے اور کوئی کام نہیں ہوتا، اس لیے شارحین فرماتے ہیں کہ یہ خیر بمعنیٰ اسم تفضیل نہیں۔ اِذْ لَا خَيْرَ يَتَحَقَّقُ فِيْ هٰذَيْنِ يَوْمَيْنِ:۔ تو منشاءِ حدیث یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تمہارا کام لہو و لعب نہیں، بلکہ نیکیاں کرنا کھیل کود تو دورِ جاہلیت اور کفار کا کام ہے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے کام تبدیل کر دیے، اور ان کی وجہ سے دن تک تبدیل کر دیے۔ کیونکہ جو چیز اشد حرام ہیں، تو اُن کے مروّجہ دن بھی حرام ہو گئے۔ تاکہ مثل شراب شدّتِ حرمت ثابت ہو۔ مگر مرتکبِ لہو پر حدِ شرعی نہیں، ہاں تعزیر ہے "جس طرح آکلِ سود پر حدِ شرعی نہیں تعزیر ہے" لہٰذا یہ روایت

تو لہو ولعب پر حرمت کی دلیل ہے، جیسا کہ اشعۃ اللمعات جلد اول صـ۶۴۳ پر ہے اور حاشیہ ابوداؤد صـ۱۶۱ پر ہے مگر ہمارے مصنف کی عقل نے الٹا ہی فیصلہ کیا۔ ورنہ بتاؤ کس صحابی نے کس عید پر کونسا کھیل کھیلا، اور کیا اسلام میں ہر عید پر نماز اور ذکر اللہ واجب نہیں، اور اگر معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دن تبدیل کیا۔ اور دورِ جاہلیت کے کافرانہ کھیلوں کو جائز رکھا، تو کافر اور مسلمان کی عید میں کیا فرق، اور خیر کے کیا معنی! پھر معاذ اللہ صحابہ کرام کی زندگی اور دَورِ جاہلیت کی زندگی میں کیا فرق۔ اور کیا آریوں کا یہ اعتراض مصنف کو تسلیم ہے کہ مسلمانوں کے نبی کو اپنی جماعت کے علاوہ دوسرے لوگوں سے صرف ضد تھی۔ اور دوسرے لوگوں کی چیزوں اور لوگوں سے صرف ذاتی نفرت تھی۔ (معاذ اللہ) اور کیا یہ سوال مصنف کی مکتوبہ تحریر سے وارد نہیں ہوتا۔ حاشا حاشا میرے آقا میرے مولا نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو دَورِ جاہلیت کی سیہ کاریوں سے بچا کر اللہ کی رضا پر چلانے والے تھے۔ اور لہو ولعب جیسے فتنے اور عارضی لغو خوشی اور دل مردہ کرنے والے افعال سے بچا کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سچی فرحت وخوشی وحیاتِ قلبی عطا فرمانے والے۔ خیال رہے کہ کتا گوشت کھا کر ہی پلتا ہے، اور بکری گھاس کھا کر ہی۔ اس کے عکس میں موت ہے۔ اسی طرح کافر لہو ولعب سے پرورش پاتا ہے، مومن ذکر اللہ سے۔ ریل گاڑی لائن پر دوڑ سکتی ہے، اور ٹرک وغیرہ سڑک پر ہی۔ اس کے عکس میں ہلاکت ہے اسی طرح مومن اللہ کے راستے پر چل سکتا ہے جو ذکر اللہ اور عباداتِ اسلامیہ ہیں اور کافر شیطان کے ہی راستے پر چل سکتا ہے، جو لہو ولعب، طبلہ، سارنگی وغیرہ ہے۔ مصنف چاہتے ہیں، کہ بکری کو کتے کی خوراک کھلائی جائے، ریل کو سڑک پر دوڑایا جائے، اور مومن کو لہو ولعب، طبلہ، سارنگی میں مشغول کر کے دین وایمان برباد کیا جائے (خدا مصنف کو ہدایت دے)۔ اسی صـ۲۲ پر لکھتے ہیں۔ کہ سیاہ رنگ کی حبشی لڑکی نے منت مانی تھی۔ کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ سے واپسی ہوگی تو دف بجاؤں گی۔ نبی کریم نے منت پوری کرنے کی اجازت دے دی، تو اس نے نبی کریم کے سامنے دف بجایا۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ قوالی اور دف جائز ہے۔

اقول :۔ مصنف نے اس حدیث کے الفاظ تحریر نہ فرمائے، اس کے الفاظ اس طرح ہیں (مشکوٰۃ صـ۵۵۹)،

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ مَغَازِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ جَاءَتْ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ كُنْتُ نَذَرْتُ اِنْ رَدَّكَ اللّٰهُ صَالِحًا اَنْ اَضْرِبَ بَيْنَ يَدَيْكَ بِالدُّفِّ وَاَتَغَنّٰى فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِيْ وَاِلَّا فَلَا (الخ) بالکل اسی واقعہ کو صاحب مشکوٰۃ شریف باب النذر صفحہ نمبر صـ۲۹۸ پر بھی نقل فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ اِمْرَاَةً قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ نَذَرْتُ اَنْ اَضْرِبَ عَلٰی رَاْسِكَ بِالدُّفِّ قَالَ اَوْفِیْ بِنَذْرِكِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ۔ اس روایت کو ہمارے مصنف صاحب نے بھی مذکورہ رسالے کے صـ۲۲ پر بالفاظ اردو نقل کیا ہے اور لفظ امرأۃٌ سے بالغہ عورتوں کی قوالی کرنے پر استدلال کیا ہے۔ یہ مصنف مذکور کی عظیم نادانی ہے۔ گویا کہ مصنف اِن دو روایت کو دو علیحدہ واقعے تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ باطل محض ہے۔ حق یہ ہے کہ ایک ہی دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا۔ کہ ایک حبشی بچی نے دف بجانے کی منت مانی تھی، مگر ایک راوی نے جاریۃٌ فرما دیا۔ اور ایک راوی نے اِمرأۃٌ میرے نزدیک یہ ہی متحقق اور درست ہے، اس کی چند وجہیں ہیں:۔ عـ۱ میری تحقیق کی کسی شارح نے تردید نہیں کی، بلکہ بایں الفاظ تائید فرماتے ہیں۔ کہ ہر دو روایات کی شرح میں یہی کہتے ہیں، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوے میں تشریف لے گئے تھے۔ تو سلامتی سے واپسی کے لیے منت مانی تھی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ابوداود کو صـ۴۲۹۔ اور مرقات شرح مشکوٰۃ باب النذور در باب مناقبِ عمرؓ ان ہی روایتوں کی شرح، اور تمام شارحین ہر دو روایات میں فرماتے ہیں، کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ غزوہ کونسا تھا۔ دیکھو مرآۃ شرح، مشکوٰۃ باب النذر۔ دوسری روایت کی شرح۔ عـ۲:۔ مصنف کے پاس یہ ثابت کرنے کی کوئی دلیل نہیں کہ یہ دونوں نذریں علیحدہ واقعے ہیں۔ اور کہ یہ دو عورتوں نے یکے بعد دیگرے علیحدہ علیحدہ منت مانی تھی۔ اگر کوئی دلیل ہوتی۔ تو ضرور رسالہ ہذا میں درج ہوتی۔ :۔ عـ۳ اگر یہ دو واقعے ہوتے تو صاحب مشکوٰۃ مناقب عمرؓ والی مذکورہ روایت کو باب النذر میں بھی ذکر فرماتے، کیونکہ اس میں بھی منت کا ذکر ہے۔ چونکہ واقع ایک ہی تھا ہے صرف راویوں کے اختلاف کے ساتھ دونوں بابوں میں ذکر کر دیا عـ۴:۔ مشکوٰۃ شریف نے دوسری روایت کا حوالہ ابوداود سے دیا۔ حالانکہ مشکوٰۃ اور ابوداود کے الفاظ میں بہت تغیر ہے مشکوٰۃ شریف میں یہ عبارت نہیں ہے۔ اَنَّ اِمْرَاَةً اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ مگر یہ عبارت ابوداود میں ہے۔ اسی طرح صاحبِ مشکوٰۃ نے اپنی روایت کو اَوْفِیْ بِنَذْرِكِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ:۔ پر ختم کر دیا۔ اور زیادتی کو رزین کی طرف منسوب کیا۔ مگر ابوداود شریف نے آگے دراز روایت فرمائی۔ جب دو کتابوں میں اتنا تغیر ہو سکتا ہے۔ تو دو روایوں کی عبارت میں لفظ جَارِیَةٌ اور اِمْرَاَۃٌ کا تبدل ہو گیا تو کیا مضائقہ۔ اور جب دو کتابوں کے تغیر کے باوجود روایت ایک ہی رہی، جیسا کہ رواۃ ابوداود کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے۔ تو اِمْرَاَۃٌ اور جَارِیَةٌ، کی تبدیلی کے باوجود بھی واقعہ اور منت ماننے والی ایک ہی روایت ہے۔ عـ۵:۔ یہی حدیث پاک کتاب جمع الفوائد جلد اوّل صـ۲۱۴ پر اس طرح نقل فرمائی

(عمرو بن شعیب) عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ امْرَءَةً قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ نَذَرْتُ اِذَا انْصَرَفْتَ مِنْ غَزْوَتِكَ هٰذِهٖ سَالِمًا غَانِمًا اَنْ اَضْرِبَ عَلٰی رَأْسِكَ بِالدُّفِّ فَقَالَ اِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاَوْفِیْ بِنَذْرِكِ وَاِلَّا فَلَا هِیَ لِاَبِیْ دَاؤٗدَ۔ دیکھئے اس روایت کے راوی عمرو بن شعیب ہی ہیں، یہاں بھی امرأۃ ہے، مگر اس کے الفاظ جاریۃ والی مناقب عمرؓ کی حدیث سے کتنے موافق ہیں۔ ان پانچوں دلائل سے ثابت ہوا، کہ روائتیں اگرچہ مختلف ہیں۔ مگر واقعہ ایک ہی ہے۔ اور منت ماننے والی وہی نا بالغہ بچی ہے۔ نہ کہ جوان عورت۔ اب یہ سمجھنے کی بات ہے کہ حضرت بریدہ نے لفظِ جاریہ کیوں کہا۔ اور حضرت عمرو بن شعیب نے امرأۃ کیوں کہا۔ اور ہم لوگ کیا مراد لیں۔ تو یاد رکھیئے، کہ اصل منت ماننے والی چھوٹی بچی ہی تھی، جو قریب بلوغ تو ہو سکتی ہے لیکن بالغہ، جوان یا بوڑھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ لفظِ جاریۃ صرف نا بالغہ کو ہی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ کتب لغت مجمع البحار وغیرہ کے حوالے سے پہلے ثابت کر دیا۔ مگر لفظ امرأۃ ہر مؤنث انسان کے لیئے عام ہے۔ مصنف کا یہ قول غلط ہے کہ امرأۃ صرف بالغہ کو کہتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے بلا دلائل ص۲۲ پر لکھا ہے۔ اسی طرح لفظِ نسوۃ بھی ہر مؤنث کے لیئے عام ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں امرأۃ اور نسوۃ ہر عورت پر بول سکتے ہیں، کیونکہ عربی زبان میں مؤنث انسانی کے لیئے کل سترہ الفاظ ہیں۔

(۱) صَبِیَّةٌ (۲) صَغِیْرَةٌ (۳) جَارِیَةٌ (۴) مُرَاهِقَةٌ (۵) طِفْلَةٌ (۶) وَلِیْدَةٌ (۷) كَاعِبٌ (۸) نَاهِدٌ (۹) مُعْصِرَةٌ (۱۰) شَابَّةٌ (۱۱) سَلْفَةٌ (۱۲) عَجُوْزَةٌ (۱۳) عَوَانٌ (۱۴) نَصَفَةٌ (۱۵) اِمْرَأَةٌ (۱۶) نِسْوَةٌ (۱۷) كَبِیْرَةٌ۔ لفظِ اِمْرَأَةٌ اور نِسْوَةٌ عام ہے، ہر عورت کو کہا جا سکتا ہے، چھوٹی ہو یا بڑی۔ بالغہ ہو یا نا بالغہ، اور لفظِ کبیرہ ہر بالغہ عورت کو کہا جاتا ہے، باقی لفظ عمر کے لحاظ سے علی الترتیب ہیں۔ امرأۃ واحد ہے، اس کی جمع نسائ (دیکھو تفسیر نعیمی جلد چہارم ص۴۴۴ اور اللغتہ اردو عربی مؤلفہ و مرتبہ خلیل الرحمٰن نعمانی بریلوی ص۷۸۳) تمام تفاسیر و کتب فقہ سے ثابت ہے کہ لفظ اِمْرَأَةٌ وَنِسَاءٌ چھوٹی بچی کو کہہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ تفسیر صاوی جلد اول ص۱۷۸ پر ہے (قَوْلُهٗ بَیْنَ النِّسَاءِ) ای الیتامٰی۔ یہاں نساء سے یتیمہ بچیاں مراد لی ہیں۔ اور یتیمی بلوغت سے پہلے ہوتی ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد چہارم صفحہ نمبر ص۱۷ پر ہے:۔ لٰكِنَّ الشَّارِعَ عليه وَكَذَا الْعُرْفُ خَصَّصَهٗ بِالصِّغَارِ:۔ اسی طرح المنجد ص۱۰۲۶ پر ہے اور اسی طرح اربعہ تفاسیر جلد دوم ص۵ پر ہے۔ ثابت ہوا کہ لفظِ نساء چھوٹی بچیوں کو کہہ سکتے ہیں۔ جب جمع عام ہے تو اس کا واحد لفظ اِمْرَأَةٌ بھی عام ہے۔ چنانچہ فتاوٰی فتح القدیر جلد سوم ص۱۷ پر ہے:۔ وَاِنْ عَلِمْتَ بِاَنَّ الصَّغِیْرَةَ اِمْرَأَتُهٗ۔ یہاں بھی لفظِ امرأۃ چھوٹی بچی کو کہا گیا ہے شرح عنایہ

علی ہدایہ جلد دوم ص۱۷ پر ہے :۔ رَاجِعٌ اِلَی الْمَرْأَۃِ الْکَبِیْرَۃِ دُوْنَ مَرْأَۃِ الصَّغِیْرَۃِ :۔ یہاں بھی لفظ امرأۃ چھوٹی نابالغہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ فقہاء کرام کے نزدیک نابالغہ بیوی کو امرأۃ صغیرۃ کہتے ہیں۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری جلد اول ص۳۴۵ پر ہے :۔ وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ صَغِیْرَۃً وَکَبِیْرَۃً فَاَرْضَعَتِ الْکَبِیْرَۃُ اِمْرَأَۃً صَغِیْرَۃً حَرُمَتَا عَلَی الزَّوْجِ۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ چھوٹی نابالغہ بچی کو امرأۃ کہہ سکتے ہیں۔ امرأۃ یتیمۃ کا لفظ تو عام مستعمل ہے بخلاف لفظ جاریۃ کہ وہ صرف نابالغہ کو ہی کہتے ہیں، جیسے کہ پہلے مجمع البحار کے حوالے سے ثابت کیا گیا۔ پس لازم آیا کہ امرأۃ کہہ کر جاریۃ مراد لے سکتے ہیں مگر جاریۃ کہہ کر امرأۃ مراد نہیں لے سکتے ان ہر دو روایات میں سے اول میں جاریۃ ہے دوم میں امرأۃ تو یہی کہا جائے گا کہ روایت ثانیہ کے راوی عمرو بن شعیب کی مراد چھوٹی بچی ہی ہے نہ کہ کبیرہ، مگر لفظ عمومی استعمال فرمایا۔ اور نتیجہ نکلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹی بچی کو ہی دف بجانے کی اجازت دی تھی۔ کیونکہ بوجہ نابالغی اس کے لیے جائز تھا۔ مصنف کی کتنی چشم پوشی ہے، کہ صرف اپنا غلط عقیدہ بچانے کے لیے مفسرین اہل لغت، فقہاء اسلام کے خلاف توڑ موڑ کر رہے ہیں :۔

ص۲۵ پر فرماتے ہیں کہ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ صرف حضرت عمر رض کی شان میں ہے، کیسی عجیب لغزش ہے، کہ تمام مفسرین فرماتے ہیں۔ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ تمام صحابہؓ کی شان میں ہے جن میں صدیق اکبر علی مرتضٰے وغیرہ سب شامل ہیں۔ مصنف نے لفظ کفار نہ دیکھا، گیا وہ بچی معاذ اللہ کافرہ تھی۔ کیا مصنف نے لفظ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ نہ دیکھا۔ خیال رہے کہ اس روایت اور اس جیسی دوسری روایات میں جہاں بھی لفظ شیطان آیا ہے، وہاں گناہگار یا کافر مراد نہیں، بلکہ شریر اور شرارتی مراد ہیں۔ بچوں کو شیطان کہنا بھی اسی معنٰے میں ہوتا ہے، جن فقہاء نے کسی کو شیطان کہنے سے منع فرمایا ہے، وہاں بمعنٰی فسادی، فتنہ پرور اور ملعون ہوتا ہے ۔ غصے والے لوگوں سے بچے گھبراتے ہیں، نہ کہ حلیم الطبع سے۔ ص۲۸ پر فرماتے ہیں، کہ ایک حبشی عورت ناچتی گاتی ہے۔ یہ ناچ گانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دیکھا، اور عائشہؓ صدیقہ کو بھی دکھایا۔ ثابت ہوا کہ قوالی جائز ہے :۔

اقول :۔ سُبْحَانَ اللّٰہ! کیا اچھا استدلال ہے، واہ ری کوتاہ بینی و کم نظری اس روایت میں مصنف صاحب نے عورت کا لفظ اپنے پاس سے شامل کر لیا ہے، حالانکہ حدیث پاک میں عورت کا لفظ موجود نہیں مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث پاک ص۵۵۸ پر اس طرح مرقوم ہے :۔ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

جَالِسًا فَسَمِعْنَا لَغَطًا وَصَوْتَ صِبْيَانٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَبْشِيَّةٌ تَزْفِنُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهَا (الخ) ترجمہ:۔ روایت ہے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے کہ نبی کریم علیہ السلام گھر تشریف فرما تھے، کہ ہم نے گلی میں بچوں کی آوازیں اور شور و غل سنا:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ایک حبشیہ اچھل کود کر رہی ہے، اور بچوں نے تماشا بنا یا ہوا ہے، (الخ) اس روایت میں تین لفظ قابل غور ہیں، ۱ لغطًا۔ ۲ صبیان۔ ۳ حبشیہ۔ یعنی یہ کوئی بڑوں کا کام نہ تھا۔ بلکہ بچے شور و غل اور اچھل کود کر رہے تھے، لفظ حبشیہ کی مراد مشکوٰۃ شریف میں اسی جگہ بین السطور جاریہ لی گئی ہے، اور حوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ کا ہے۔ پتہ لگا، کہ وہ ناچنے کودنے والی بھی بچی تھی، اور بچوں پر شرعی احکام نافذ نہیں ہوتے۔ مصنف چاہتے ہیں کہ بڑی بالغ عورتوں کا ناچنا بھی جائز ثابت ہو۔ اور اپنے اس گمراہ کن عقیدے کے لیے صحابیات کو ملوث کرنا چاہتے ہیں۔ (معاذ اللہ) مصنف نے آنکھیں بند کر کے لکھ دیا، اور ذرا غور نہ کیا کہ یہ کہاں تک گستاخی ہے۔ اگر مصنف بالغہ عورت ہی مراد لینا چاہتے ہیں، اور بطور جواز یہ روایت پیش کی ہے تو کیا مصنف اب خود اپنے گھر سے کسی شریف زادی بالغہ کو بازار میں اس کام کی اجازت دے دیں گے۔ مصنف صاحب کا حافظہ بھی کمزور معلوم ہوتا ہے۔ دیکھئے ص۳۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ لہو و لعب ہر وقت جائز ہے۔ یہاں مطلقًا لہو و لعب (کھیل تماشہ) کو جائز مانا۔ ص۳۱ پر لکھتے ہیں کہ لہو و لعب ہی نفس امارہ کی حرکت کا باعث اور وہی حرام۔ صوفیائے کرام کے غنا۔ نہ وہ حقیقتًا لہو و لعب میں داخل نہ حرام۔ صَدَقَ الشَّيْخُ السَّعْدِيُّ:۔

"دروغ گو را حافظہ نہ باشد"

ص۳۲ پر ایک اعتراض بایں الفاظ نقل فرماتے ہیں:۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيْعُوا الْمُغَنِّيَاتِ (الخ):۔ یہ ترمذی شریف کی روایت ہے اس کا جواب دیتے ہیں:۔ اَلْمُغَنِّيَاتُ پر الف لام عہد کا ہے جس سے مراد خاص مغنیات ہیں

اقول:۔ معلوم ہوتا ہے مصنف صاحب کو نحوی قاعدے بھی بھول رہے ہیں:۔ نحوی قاعدہ ہے کہ الف لام عہد ذہنی ہو یا خارجی، قرینے سے ثابت ہوتے ہیں، اگر قرینہ ہو تو مراد ہوں گے اگر الف لام عہدی کے لیے قرینہ نہ ہو تو الف لام استغراقی ہی مراد ہوتا ہے:۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد ہشتم صفحہ نمبر ۸۹ پر ہے:۔ إِذْ قَدْ تَقَرَّرَ فِي عِلْمِ الْأُصُوْلِ أَنَّ الْمُعَرَّفَ بِاللَّامِ إِذَا لَمْ تَكُنْ لِلْعَهْدِ الْخَارِجِيِّ فَهُوَ لِلْاِسْتِغْرَاقِ

یعنی اصولِ نحو: کا قاعدہ ہے جب الف لام عہد خارجی نہ ہو تو استغراقی ہوتا ہے اور یہ نہ ہونا بھی قرینہ ظاہری نہ ہونے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی صفحہ پر آگے فرماتے ہیں۔ وَلَمْ يَظْهَرْ هُنَاكَ مَعْهُودٌ خَارِجِيٌّ فَهِيَ لِلْاِسْتِغْرَاقِ :۔ یعنی چونکہ یہاں الف لام عہدی کا قرینہ ثابت نہ ہوا اس لیے استغراقی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ الف لام عہدی بغیر قرینے کے مراد نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر استغراقی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ عہدی نہ ہو۔ مصنف صاحب کی اپنی اختراع ہے جو یہاں بلا قرینہ اپنی بات پالنے کے لیے الف لام عہدی بنا رہے ہیں اور مصنف صاحب کا اس حدیثِ پاک کو ضعیف کہنا بھی درست نہیں۔ دو وجہ سے :۔ (۱) اس روایت کو لفظاً تو بوجہ راوی مذکور کے ضعیف کہا جا سکتا ہے مگر معنیً یہ حدیث ضعیف نہیں کیونکہ الفاظ کے کچھ تغیر سے یہی روایت درِ منثور نے بھی نقل کی ہے۔ چنانچہ تفسیر درِ منثور جلد پنجم صفحہ نمبر ص ۱۵۹ پر ہے :۔ عَنِ ابْنِ مَرْدَوَيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ الْقَيْنَةَ وَبَيْعَهَا وَثَمَنَهَا (الخ) ترمذی شریف میں بھی روایت اس طرح شروع کی ہے :۔ عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيْعُوا الْقَيْنَاتِ (الخ) مصنف نے بحوالہ ترمذی اس روایت میں بجائے اس لفظ کے، بلا وجہ لَا تَبِيْعُوا الْمُغَنِّيَاتِ کر دیا۔ یہ مصنف کی غلطی ہے۔ درِ منثور کی روایت میں علی بن یزید راوی نہیں۔ معنیً یہ دونوں روایات ایک ہیں۔ اور محدثین کے نزدیک لفظی ضعف حکم نہیں بدلتا۔ (۲) مصنف مذکور کے نزدیک اس روایت کے ضعف کی دلیل محض یہ ہے کہ علی بن یزید راوی ضعیف ہے۔ حالانکہ علامہ ترمذی بذاتِ خود اس کے ضعف پر جزم نہیں رکھتے بلکہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے ایسا کہا ہے کہ علی راوی ضعیف ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف جلد اول ص ۱۵۴ پر ہے :۔ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ فِىْ عَلِىِّ بْنِ يَزِيْدَ وَضَعَّفَهُ :۔ قواعدِ حدیث و اصطلاحاتِ محدثین کے لحاظ سے لفظِ بعض اور قَالَ بَعْضٌ۔ قِيْلَ۔ يُقَالُ۔ بَعْضُهُمْ وَغَيْرُهُمْ سب الفاظ تمریض ہیں۔ اور لفظِ تمریض سے ضعف ثابت نہیں ہوتا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تقریب التہذیب میں ص ۱۸۷ پر علی بن یزید راوی کو مستور لکھا ہے۔ پس ضعف حتماً ثابت نہیں ہوتا۔ ثابت ہوا کہ گانا بجانا ہر طرح کی قوالی حرام ہے۔ اگر فرضاً علی بن یزید کو ضعیف بھی مان لو تو فرق صرف اتنا پڑتا ہے کہ الفاظ میں کچھ تبدیلی ہو گئی۔ مگر مقصد نہیں بدلا۔ اس ضعف کا کچھ حرج نہیں۔ ص ۳۴ پر لکھا ہے کہ يَا عَائِشَةُ اَلَا تُغَنِّيْنَ اے عائشہ رضی اللہ عنہا تم گاتی نہیں؟ سرکار نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو غنا کا حکم دیا۔ **اقول** :۔ بالکل غلط ہے۔ یہ صیغہ واحد مونث حاضر نہیں۔ نہ ہی اس کا فاعل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جیسا کہ میں

نے پہلے تشریح کر دی ص۳۵ پر بھی مصنف نے بحوالہ عوارف المعارف وہی حدیث نقل کی جو ایک بچی کے منت ماننے اور دف بجانے کی ہے۔ اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ یہ بچوں کا کام ہے بوجہ غیر مکلفہ کے جائز ہے۔ ص۳۶ پر اسی عوارف المعارف کے حوالے سے روایت نقل فرماتے ہیں عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ دَخَلَ عَلٰی اَخِیْہِ بَرَاءِ بْنِ مَالِكٍ ھُوَ كَانَ یَتَغَنّٰی۔ مصنف صاحب اس روایت کو بھی قوالی کی دلیل بناتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی دلیل نہیں بن سکتی دو وجہ سے :۔ (۱) یہ روایت مجہول ہے کہ کسی نے اس کی اسناد کا ذکر نہیں کیا۔ فقہائے کرام کے نزدیک روایت مجہولہ کسی دعوے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ (۲) اس سے نعت خوانی کا ثبوت تو ہو سکتا ہے مگر قوالی کا نہیں اس لیئے کہ كَانَ یَتَغَنّٰی واحد کا صیغہ ہے اور مزامیر کا ذکر نہیں بس وہ ایسا ہی ہے جیسے آج کل کی نعت خوانی اور یہ بالکل متفق علیہ جائز ہے۔ آگے چل کر اسی صفحہ پر مصنف بیان الفقہ کے حوالے سے سیر کبیر کی ایک روایت پیش کرتے ہیں :۔ عَنْ عُثْمَانَ كَانَتَا عِنْدَہٗ جَارِیَتَانِ تَغَنِّیَانِ فَلَمَّا كَانَ وَقْتَ السَّحَرِ قَالَ دَعِیْنَ ھٰذَا وَقْتُ الْاِسْتِغْفَارِ خود ہی اسکا ترجمہ کرتے ہیں بے شک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس دو لڑکیاں تھیں جو گاتی تھیں پس جب سحر کا وقت ہوتا تو آپ فرماتے اب گانا بند کرو، یہ وقت استغفار کا ہے۔ **اقول**:۔ مصنف اس سے بھی۔ قوالی کی حلت ثابت کر رہے ہیں کتنی زیادتی ہے۔ حالانکہ یہ روایت بھی پانچ وجہ سے نا قابلِ قبول ہے،

نمبر ۱ سیر کبیر میں یہ روایت نہیں ہے۔ (۲) اس روایت میں عَنْ عُثْمَانَ ہے۔ علم اسماء الرجال کے مطابق دیگر کتبِ احادیث کا تو ذکر ہی نہیں۔ صرف صحیحین میں تیرہ آدمی عثمان نامی ہیں۔ پتہ نہیں یہاں کون سا شخص مراد ہے جو گانے کا اتنا شوقین تھا کہ روز رات کو ساری رات عورتوں کے گانے سنتا رہتا تھا۔ بھلا حضرت عثمان ابن عفان ایسا کر سکتے تھے جن کی ساری رات تہجد اور استغفار میں گزرتی تھی۔ جو دن کے صائم صائم رات کے عابد زاہد۔ چنانچہ تاریخ طبری ص۲۰۲ پر ہے :۔ فَصْلٌ فِیْ زُھْدِہٖ۔ كَانَ یَبِیْتُ فِی الصَّلٰوۃِ وَمَرَّۃً كَانَ یَخْتِمُ قُرْاٰنًا فِیْ رَكْعَۃٍ وَاحِدَۃٍ وَكَانَ یَصُوْمُ فِی الْاَیَّامِ۔ کسی تاریخ نے مصنف کی اس روایت کا ذکر نہیں کیا۔ (۳) یہ حضرت عثمان پر بہت بڑا بہتان اور جناب کی شانِ اقدس میں گستاخی ہے۔ کیونکہ خود حضرت عثمان غنی کا فرمان ہے کہ میں گانے سے نفرت کرتا ہوں۔ اور نہ کبھی تمنا کی اور نہ دایاں ہاتھ ذکر کو لگایا جب سے بیعت کی۔ چنانچہ تفسیرات احمدیہ جلد اول صفحہ نمبر ص۲۲۴ پر ہے :۔ وَھٰذَا قَوْلُ الصَّحَابَۃِ دَالَّۃٌ عَلٰی حُرْمَۃٍ مُطْلَقًا قَالَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ

مَا تَغَنَّیْتُ وَلَا تَمَنَّیْتُ وَلَا مَسَسْتُ ذَکَرِیْ بِیَمِیْنِیْ مُنْذُ بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ یہاں بَایَعْتُ کا لفظ بھی بتا رہا ہے کہ یہ عثمان غنی ہیں۔ یہ حدیث مشہور ہے مگر مصنف کی روایت میں لفظِ عثمان سے عثمانِ غنی ثابت کرنا مصنف کی ذمہ داری ہے (۴) اس روایت میں لفظ کَانَ ہے جو ماضی استمراری بناتا ہے اور ماضی استمراری۔ دوام و استمرار کو چاہتا ہے اور مطلب یہ بنتا ہے کہ ہمیشہ ہی ایسا گانا رہتا تھا۔ یہ سراسر عثمانِ غنی کے بارے میں جھوٹ اور گستاخی ہے (۵) اس روایت میں لفظ دَعِیْنَ جمع مؤنث غائب ہے۔ حالانکہ عورتیں دو تھیں۔ دو کے لیے جمع غائب کا استعمال خلافِ قانون ہے۔ اگر بحث فعل امر ہو تب بھی دعین جمع نہ چاہیے بلکہ تثنیہ حاضر مؤنث ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ روایت غلط ہے۔ یہاں تک مصنف نے احادیث سے استدلال کیا جس کا جواب دے دیا گیا۔ اگلے صفحات میں مصنف فقہاء کرام کو بھی اس برے کام میں ملوث کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ فقہائے اسلام جو زینتِ ایمان ہیں سب کے سب متفقہ طور پر قوالی کے منکر ہیں۔ چنانچہ مدارج النبوت جلد اوّل صفحہ ۴۴۳ پر ہے ؎

در ینجا سہ طریق است یکی مذہب فقہاء است وایشاں انکار میکنند

اور کیوں نہ انکار کریں جب کہ آئمہ اربعہ اجماعی طور پر قوالی کو حرام کہتے ہیں اور انہیں مجتہدین کا اتفاق اجماعِ امت ہے۔ چنانچہ توضیح تلویح علم اصول۔ عقودِ رسم المفتی۔ اور تفسیرات احمدیہ جلد اول صفحہ ۱۸۲ پر ہے:۔ وَاَهْلُ الْاِجْمَاعِ مَنْ کَانَ مُجْتَهِدًا (الخ) اور اجماعِ امت حُجَّةٌ قَطْعِيَّةٌ ہے۔ جس کا انکار کفر ہے۔ چنانچہ تفسیراتِ احمدیہ میں ارشاد ہے:۔ فَيَكُوْنُ الْاِجْمَاعُ حُجَّةً قَطْعِيَّةً يُكَفَّرُ جَاحِدُهٗ (الخ) امام اعظم کا مسلک قاضی طبری نے ارشاد فرمایا کہ اَمَّا اَبُوْحَنِيْفَةَ فَاِنَّهٗ كَانَ يَكْرَهُ ذٰلِكَ وَيَجْعَلُ سَمَاعَ الْغِنَاءِ مِنَ الذُّنُوْبِ یہ پہلے بیان کر دی گئی۔ ثابت ہوا کہ امام اعظم کے نزدیک قوالی حرام ہے۔ ۲۔ ہدایہ جلد چہارم صفحہ نمبر ۴۵۳ پر ارشاد ہے:۔ قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ اُبْتُلِيْتُ بِهٰذَا مَرَّةً فَصَبَرْتُ:۔ یعنی امام اعظم فرماتے ہیں کہ اسی طرح ایک دفعہ میں ایک ایسے کھانے کی دعوت میں پھنس گیا جس میں قوالی اور گانے باجے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مصنف نے بھی اس عبارت کو بطورِ اعتراض ذکر کر کے عجیب نادانی سے صفحہ ۳۶ پر جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہ دعوتِ ولیمہ میں کو خر میں بلائے ہوئے تشریف لے گئے۔ اتفاق سے وہاں سرود دیعنی گانا ہو رہا تھا (الخ) استغفراللہ مصنف نے امام اعظم کی کتنی گستاخی کی ہے۔ صحیح واقعہ یہ ہے کہ امام اعظم سے کسی نے کھانے کے متعلق سوال کیا کہ اگر کوئی دعوت میں مدعو ہو تو کیا کرے۔ جب کہ وہاں قوالی جیسے گناہ یا

ڈھول باجے کا بھی صاحب دعوت نے انتظام کیا ہو تو امام صاحب نے جواب میں فرمایا کہ ایسی ہی دعوت میں ایک دفعہ میں بھی مدعو تھا۔ میں پھنس گیا تھا تو میں واپس نہ آیا بلکہ صبر کیا۔ تمام فقہاء فرماتے ہیں کہ وہاں گانا باجا ہو نہیں رہا تھا بلکہ صاحب خانہ نے باہر کہیں یہ انتظام کیا تھا اس لیئے دسترخوان پر بیٹھے ہوئے گناہ گار نہ ہوئے اسی لیئے امام اعظمؒ نے لفظ اُبْتُلِيتُ فرمایا نہ کہ اُسْمِعْتُ اور قیامت تک کے لیئے مسئلہ بتا دیا کہ اگر کسی دعوت میں مدعو ہو اور وہاں گانا۔ باجا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر گانا دسترخوان پر ہو اور وہ شخص منع کرنے پر قادر نہ ہو تو اٹھ کر چلا آئے اور دعوت چھوڑ دے ورنہ منع کرے اور اگر دسترخوان پر یہ گناہ نہ ہو تو صبر کرے اور دعوت کھالے۔ یہی صورت امام اعظمؒ کے ساتھ پیش آئی۔ چنانچہ ہدایہ شریف جلد چہارم ص۴۵۳ پر ہے :- وَالْمَحْكِيُّ عَنْ اَبِي حَنِيْفَةَ فِي الْكِتَابِ كَانَ قَبْلَ اَنْ يَّصِيْرَ مُقْتَدىً وَلَوْ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى الْمَائِدَةِ لَا يَنْبَغِي اَنْ يَّقْعُدَ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مُقْتَدِىً اگر ہدایہ کا یہ قول مصنف صاحب تسلیم نہ کریں تو اس کا کیا جواب ہے کہ سائل کے سوال میں لعب و غناء دونوں کا ذکر ہے اور دونوں کا جواب امام اعظم نے دیا ہے حالانکہ مصنف صاحب کے نزدیک بھی لعب حرام ہے۔ جیسے کہ اسی رسالے کے ص۳۱ پر درج ہے کیا تو مصنف نے ہدایہ شریف یاد نہ رکھا اور یا غفلت برتی بیچارے مصنف تو کہتے ہیں کہ اس جواب امام سے تو غناء کا جواز ثابت ہوتا ہے مگر صاحب ہدایہ علامہ۔ اپنی تصنیف ہدایہ جلد چہارم ص۴۵۳ پر فرماتے ہیں :- وَدَلَّتِ الْمَسْأَلَةُ عَلٰى اَنَّ الْمَلَاهِيَ كُلَّهَا حَرَامٌ حَتَّى التَّغَنِّيَ بِضَرْبِ الْقَضِيْبِ وَكَذَا قَوْلُ اَبِي حَنِيْفَةَ ؒ اُبْتُلِيتُ لِاَنَّ الْاِبْتِلَاءَ بِالْمُحَرَّمِ يَكُوْنُ ۔ **ترجمہ** : امام اعظمؒ کے اس مسئلے نے ثابت کر دیا کہ ہر وہ غناء حرام ہے جو قوالی کی طرح طبلے سارنگی وغیرہ سے ہو"۔ اور اسی طرح امام صاحبؒ کا لفظ اُبْتُلِيتُ بھی حرمت قوالی بتا رہا ہے کیونکہ ابتلاء حرام ہی میں ہوتا ہے نہ کہ حلال میں۔ دیکھا آپ نے صاحب ہدایہ نے مصنف کے عقیدۂ باطلہ کی کس طرح دھجیاں بکھیر دیں۔ اور صاحب ہدایہ وہ شخصیت ہیں کہ مصنف صاحب بیچارے کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔ خود علامہ کاظمی جیسے بزرگ اکابردین بھی اُن کے دروازے کے خوشہ چین ہیں۔ اور اُن کے ٹکڑوں کے گدا کی حیثیت میں مصنف صاحب ص۳۷ پر فرماتے ہیں۔ لفظِ ابتلاء سے حرمت پر استدلال منع ہے۔ کیونکہ امام اعظمؒ نے قاضی بننے کے لیئے بھی ابتلاء کا لفظ فرمایا تو کیا قاضی بننا حرام ہے :-

اقول :- ہاں حرام ہے۔ جب کہ حکومت ظالم ہو۔ چنانچہ فقہائے کرام فرماتے ہیں۔ ظالم بادشاہ کا قاضی بننا حرام ہے کہ اگر فیصلہ بادشاہ کے خلاف کرے تو جان کی

ہلاکت اور اگر اسلام کے خلاف کرے تو ایمان کی ہلاکت۔ اور جان کر بلا فائدہ اپنے کو ہلاکت میں دینا حرام ہے۔ اس لیے حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ امارت کی تمنا نہ کرو۔ وہاں یہ ہی قضاء مراد ہے جو حرام اور امام اعظم کا لفظِ ابتلاء قضا کے لیے فرمانا۔ حرام قضاء کی طرف ہی اشارہ ہے لیکن عادل بادشاہ کا قاضی بننا بالکل جائز ہے بلکہ کئی موقعوں پر واجب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے خود حکومت کی ذمہ داری سنبھالنے کی درخواست پیش کی۔ حدیث پاک اور امام اعظم کے قول میں حرام قضاء کا ذکر ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے فرمود میں حلال کا۔ بعض موقعوں پر تو مرد کے لیے نکاح بھی حرام ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بلغۃ السالک ص ۲۷۳ جلد اوّل میں ہے :۔ وَقَدْ يَحْرُمُ اِنْ لَمْ يَخْشَ الزِّنَا وَاَدّٰى اِلٰى حَرَامٍ مِنْ نَفْقَةٍ اَوْ اِضْرَارٍ اَوْ اِلٰى تَرْكِ وَاجِبٍ (الخ) (۱) پس ثابت ہوا کہ امام اعظم کے نزدیک قوالی حرام ہے اور ابتلاء کے الفاظ فعل حرام کے لیے مستعمل ہیں۔ (۲) امام مالک کے نزدیک بھی قوالی حرام ہے۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد ہفتم ص ۶۷ پر ہے :۔ قَالَ الْاِمَامُ الْمَالِكُ اِذَا اشْتَرٰى جَارِيَةً فَوَجَدَهَا مُغَنِّيَةً فَلَهُ اَنْ يَرُدَّهَا بِهٰذَا الْعَيْبِ۔ قَالَ فِي فِقْهِهٖ۔ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الرَّجُلِ الْمُغَنِّيْ۔ (الخ) اور فتاوٰے مالکیہ بلغۃ السالک جلد دوم ص ۵۲ باب خیار عیب (وخصائی) بِالْعَبْدِ فَهُوَ عَيْبٌ وَاِنْ زَادَ فِيْ ثَمَنِ الرَّقِيْقِ لِاَنَّهُ مَنْفَعَةٌ غَيْرُ شَرْعِيَّةٍ۔ كَغِنَاءِ الْاَمَةِ۔ یعنی غلام کا خصی ہونا شریعت کے خلاف اس طرح عیب ہے جیسے لونڈی کا گانا بجانا شریعتِ پاک کے خلاف عیب ہے۔ کتنا واضح ثابت ہوا کہ امام مالک کے نزدیک قوالی حرام ہے۔ (۳) امام شافعی کے نزدیک بھی قوالی حرام ہے۔ چنانچہ فتاوٰے شافعی حاشیہ ابراہیم بیجوری جلد ص ۲۹۷ پر ہے :۔ فَيَخْرُجُ بِهٖ غَيْرُ الْمُبَاحَةِ كَمَنْفَعَةِ اٰلَةِ الْمَلَاهِيْ۔ فقہائے کرام کی اصطلاح میں ہمیشہ آلاتِ ملاہی اور آلاتِ لہو سے یہی ڈھول باجے مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی ہدایہ کے حوالے جلد پنجم ص ۳۰۵ پر فرماتے ہیں :۔ اٰلَاتُ اللَّهْوِ كَالطُّنْبُوْرِ قَالَ فِي الْبَحْرِ هُوَ يَقْتَضِيْ اَنْ يُفْتٰى بِقَوْلِهِمَا لِاَنَّ الْفَتْوٰى عَلٰى قَوْلِهِمَا فِيْ عَدَمِ الضَّمَانِ بِكَسْرِ الْمَعَازِفِ باجہ مزامیر چونکہ حرام شے ہیں اس لیے توڑنے پر شرعی ضمان نہیں۔ (ای المزامیر) یعنی مزامیر وغیرہ غیر مباح چیزیں ہیں۔ (۴) یہی مسلک امام احمد بن حنبل کا ہے۔ (فَانْظُرْ فِيْ فَتَاوَاهُ) ثابت ہوا کہ اجماعِ اُمت سے حرمتِ قوالی ثابت ہے۔ اور مزامیر وغیرہ لغویات پر اجماعِ اُمت ہو چکا ہے کہ حرام قطعی ہیں۔ یہ صرف میں ہی نہیں کہتا بلکہ علامہ شامی اپنے فتاوٰے ص ۴۲۵ اور ص ۳۰۶ جلد پنجم میں بھی فرماتے ہیں کہ اس کی حرمت پر اجماعِ اُمت ہے۔ جیسا کہ پہلے ہم نے

شامی کی عبارت پیش کر دی۔ مسلم شریف جلد اول ص۲۹۱ پر ارشاد ہے :۔ وَحَرَّمَهُ اَبُوْحَنِیْفَةَ وَاَهْلُ الْعِرَاقِ وَمَذْهَبُ الشَّافِعِیِّ كَرَاهَتُهٗ وَهُوَ الْمَشْهُوْرُ مِنْ مَذْهَبِ مَالِكٍ۔ یعنی امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک قوالی مکروہ ہے۔ اور عند الفقہاء جب مکروہ مطلق ہو تو کراہت تحریمی ہی مراد ہوتی ہے چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر اور کبیری شرح منیہ ص۵۷۵ پر ہے :۔ فَاِنَّ اِطْلَاقَ الْكَرَاهَةِ یُفِیْدُ كَرَاهَةَ التَّحْرِیْمِ اور مکروہ تحریمی بدرجۂ حرام ہے۔ مدارج النبوت میں بھی یہی اشارہ ہے اور قانون اسلامیہ کے مطابق۔ اجماع امت حجۂ قطعیہ ہے، جیسا کہ ابھی تفسیرات احمدیہ کی عبارت پیش کی۔ اور حجۂ قطعیہ سے حرمت قطعیہ ثابت ہو جاتی ہے۔ ثابت ہوا کہ قوالی حرام قطعی ہے۔ مصنف صاحب بھی احیاء العلوم کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں کہ امام شافعی کی روایت میں دف مع جلاجل بجانا جائز ہے۔ احیاء العلوم کی یہ عبارت میری نظر سے نہ گزری۔ مصنف ص۲۷ پر فرماتے ہیں۔ سُئِلَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رح وَسُفْیَانُ ثَوْرِیْ رح عَنِ الْغِنَاءِ فَقَالَا لَیْسَ مِنْ كَبَائِرَ وَلَا مِنَ الصَّغَائِرِ (بحوالہ تذکرۂ احمدیہ) ہم پہلے صفحات پر طبری کی عبارت پیش کر چکے ہیں کہ اَمَّا اَبُوْحَنِیْفَةَ رض كَانَ یَكْرَهُ ذٰلِكَ وَیَجْعَلُ سِمَاعَ الْغِنَاءِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَكَذٰلِكَ سَائِرُ اَهْلِ الْكُوْفَةِ سُفْیَانُ ثَوْرِیْ وَحَمَّادٌ وَاِبْرَاهِیْمُ (الخ) دیکھئے! دونوں عبارات میں کتنا تعارض۔ تفسیرات احمدیہ ص۲۲۵ پر ارشاد ہے۔ کہ حلت اور حرمت کی دو طرفہ دلیلیں ملتی ہوں تو حرمت کی دلیل معتبر ہو گی۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :۔ وَاِذَا نَظَرْتَ اِلٰی مَا یَلِیْقُ الْاُصُوْلِ یُوْجِبُ حُرْمَتَهٗ اَحَدُهُمَا اَنَّهٗ اِذَا تَعَارَضَ الْمُبِیْحُ وَالْمُحَرِّمُ كَانَ الْعَمَلُ بِالْمُحَرِّمِ اَوْلٰی۔ آگے چل کر مصنف صاحب اقوال صوفیاء ذکر فرماتے ہیں جس میں مصنف بہت جگہ زیادتی بھی کر جاتے ہیں (اللہ ہدایت دے) چنانچہ ص۳ پر فرماتے ہیں کہ مدارج النبوت باب التغنی جلد اول میں ہے۔ "امام اعظم کے ہمسایہ میں ایک (مراثی) عمر نامی تھا۔ وہ ہر رات کو آلات کے ساتھ غنا کرتا تھا۔

اقول یہ مصنف کی زیادتی ہے۔ مدارج النبوت باب التغنی میں آلات کا ذکر نہیں صرف جلد اول ص۴۴۵ پر یہ ہے کہ وہ ہر رات غناء کرتا تھا۔ چنانچہ عبارت اس طرح ہے۔

"ونقل کردہ اند کہ امام ابوحنیفہ را ہمسایہ بود کہ ہر شب برمیخاست وتغنی میکرد (الخ)

یہاں کہیں بھی مزامیر کا نام تک نہیں۔ ترجمہ۔ یہ کہ امام صاحب کا ایک ہمسایہ تھا جو کہ ہر رات گانے گایا کرتا تھا۔ مصنف نے اپنے پاس سے آلات کا نام لے کر کتنی بڑی خیانت کی ہے واضح رہے کہ مدارج کے مصنف شیخ عبد الحق محدث دہلوی نہ فقہاء میں شامل نہ صوفیاء میں

بلکہ آپ محدثین میں ہیں۔ شریعت کی دلیل نہ صوفی کا قول ہے نہ محدث کا۔ بلکہ اسرار میں صوفی کی بات معتبر احادیث میں محدث کی احکام میں فقہاء کی اس تقسیم کو قائم رکھو گے تو فتنہ ختم ہو گا اور پھر حضرت محدث دہلوی نے قوالی کے بارے اپنا کوئی حکم نافذ نہیں کیا بلکہ جس طرح دو بیٹے جھگڑا کریں تو باپ اپنی حکمتِ عملی سے کچھ ایک کی کچھ دوسرے کی تائید کر کے صلح کرا دیتا ہے۔ اسی طرح حضرت شیخ نے فقہاء اور صوفیاء میں اس طرح صلح کرائی کہ فقہاء کو کچھ سختی سے منع فرمایا اور صوفیاء کو حکم دیا کہ تم اپنی قوالیاں درست کر لو۔ جو حکایت و دلائل و عبارات شیخ علیہ الرحمتہ نے نقل فرمائے وہ سب ایک کتاب غیر معتبر سے نقل فرما دیئے۔ خود تحقیق نہیں کی اس کتاب کا نام (تذکرہ) ہے اور شیخ نے مصنف کو صاحبِ تذکرہ کے لقب سے متعدد جگہ یاد کیا۔ اور یہ کتاب محققین کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں۔ خود حضرت شیخ بھی اس پر کامل جزم نہیں رکھتے۔ خود بعض جگہ فرماتے ہیں کہ ایں روایت بے توثیق قبول نتواں کرد چہ از حدِ خود تجاوز نمودہ است۔ ثابت ہوا کہ جاہل صوفیوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ اپنی بات منوانے کے لیئے خیانتیں بھی کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ اس رسالے کے مصنف نے کیا اور جھوٹی من گھڑت حکایات بھی بنا لیتے ہیں۔ جیسا کہ مدارج نے ثابت کیا۔ اس لیئے محدثین کے نزدیک صوفی روایت معتبر نہیں۔ دیکھو اصولِ حدیث کی کتاب مصنف صاحب ص۴۱ پر لکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ ابو یوسف سے منقول ہے کہ وہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد تھے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حسن علیہ السلام کہنا یا تو کاتب کی غلطی ہے یا مصنف نے خود لکھا ہے اگر خود لکھا تو ثابت ہوا کہ مصنف اس بات سے بےخبر ہیں کہ یہ رافضیوں شیعوں کا ہی طریقہ ہے۔ اہلِ سنت کے نزدیک بجز انبیاء و ملائکہ کسی کو علیہ السلام کہنا جائز نہیں۔ چنانچہ مسلم شریف جلد اوّل ص۱۸ وَكَذَالِكَ يُكْتَبُ عِنْدَ ذِكْرِ النَّبِيِّ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَكَذَالِكَ يَتَرَضّٰى۔ قَالَ۔ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ۔ یعنی صحابہ کرام کو صرف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جائے۔ درِ مختار جلد پنجم ص۲۴۹ پر فرماتے ہیں:۔ وَكَذَا لَا يُصَلِّيْ عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا عَلَى النَّبِيِّ۔ اَيْ اِسْتِقْلَالًا۔ یعنی انبیاء کرام کے سوا کسی اور پر درود بھیجنا منع ہے۔ لفظ عَلَيْهِ السَّلَامُ بھی درود شریف کے درجے میں ہے۔ اسی لیئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر صرف علیہ السلام کہہ دینا وجوب کو ادا کر دیتا ہے۔ بہت جگہ صرف فرشتوں کے لیئے اور انبیاء کرام کے لیئے علیہ السلام کہنا کافی ہوتا ہے۔ کیونکہ علیہ السلام کا لفظ حقیقتاً درود شریف کے لیئے مختص ہے چنانچہ تفسیر روح البیان جلد ہفتم صفحہ نمبر ص۲۲۸ پر ہے:۔ وَاَمَّا السَّلَامُ فَهُوَ فِيْ

مَعْنَی الصَّلَاۃِ۔ صحابہ کرام کو رحمۃ اللہ علیہ بھی نہ کہا جائے۔ چنانچہ نسیم الریاض جلد سوم صفحہ نمبر ۴۹۲ پر ہے:۔ لَا یُقَالُ لِلصَّحَابَۃِ رَحِمَہُ اللہُ بَلْ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ :۔ امام حسنؓ بھی صحابی ہیں ان کو بھی علیہ السلام کہنا جائز نہیں۔ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے کہ وہ انبیاء کے مخصوص لفظ بھی صحابہ واہل بیت کے لیئے استعمال کر دیتے ہیں اور شیعوں کی علامات سے بچنا لازم ہے۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد ہفتم صفحہ نمبر ۲۲۸ پر ہے:۔ لَا یُقَالُ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ۔ لِتَادِیَتِہٖ اِلَی اِتِّھَامٍ بِالرَّفْضِ۔ یعنی غیر نبی کو اَللّٰھُمَّ صَلِّ وغیرہ نہ کہو۔ تاکہ تم کو شیعہ ہونے کی تہمت نہ دی جائے۔ آگے فرمایا وَ قَدْ نُھِیْنَا عَنْ شِعَارِھِمْ یہی وجہ ہے:۔ کہ علیہ السلام بھی کسی غیر نبی غیر ملک کو کہنا منع ہے۔ چنانچہ شیخ اسماعیل حقی فرماتے ہیں صفحہ نمبر ۲۲۸ پر:۔ وَ اَمَّا السَّلَامُ فَھُوَ فِیْ مَعْنَی الصَّلَاۃِ فَلَا یُسْتَعْمَلُ لِلْغَائِبِ وَلَا یُفْرَدُ بِہٖ غَیْرُ الْاَنْبِیَاءِ فَلَا یُقَالُ۔ عَلِیٌّ علیہ السلام۔ کَمَا تَقُوْلُ الرَّوَافِضُ وَتَکْتُبُہٗ۔ اسی طرح فتاوٰے کبیری شرح منیہ ص۳ پر ہے مدلل اور بالتحقیق ثابت ہو گیا کہ اہل سنت کے نزدیک حسن علیہ السلام کہنا سخت ناجائز ہے۔ مصنف یا تو در پردہ شیعہ ہے اور یا غیر عالم ہے اور یا کاتب کی غلطی ہے۔ مصنف نے اسی ص۴۱ پر جنید بغدادیؒ کی توبہ از قوالی کا جواب دیتے ہوئے خواجہ ابو یوسف کا ایک قول نقل کیا ہے کہ جنید بغدادی نے اس لیئے توبہ کی کہ قوالی سے ان کو وجد آتا تھا اور سخت صدمات آتے تھے۔ اس لیئے توبہ تھی نہ کہ قوالی کی حرمت کی وجہ سے۔ اقول۔ مصنف صاحب یا خواجہ یوسف کا منسوب ابو بکر شبلی کا اپنا اختراعی احتمال ہے۔ اس طرح تو ہر شخص اپنا اپنا خیال ظاہر کر سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نے ردالمحتار جلد پنجم ص۲۰۹ پر معصیت اور حرمت ہی احتمال ظاہر کیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہی حق ہے تین وجہ سے۔

نمبر ۱:۔ کیونکہ روایت ہے:۔ تَابَ جُنَیْدٌ عَنِ السَّمَاعِ۔ حضرت جنید نے قوالی سے توبہ کی۔ اور باعتبار منقول عرفی کے توبہ گناہ ہی سے ہوتی ہے:۔ ۲۔ ابو بکر شبلی کا احتمال غلط ہے اس لیئے کہ صدمات دو قسم کے ہو سکتے ہیں یا دینی کہ اس وجد سے فرائض میں کوتاہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ مصنف نے خود بھی شک ظاہر کیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو وجد حرام اور غیر شرعی ہے:۔ کیا معاذ اللہ جنید بغدادی توبہ سے پہلے اتنے عرصے حرام کام میں مبتلا رہے اور فرائض میں کوتاہی کرتے رہے جو اشد حرام ہے۔ صوفیاء عظام کے نزدیک سچا وجد وہ ہے جو نماز کو نہ روکے جیسا کہ اعلیحضرت نے ملفوظات میں اور خود مصنف نے ص۴۳ پر بیان کیا تو کیا مصنف کے نزدیک حضرت جنید کا وجد جھوٹا تھا جو دیگر عبادات میں فرق کرتا اور یا یہ صدمہ دنیوی تھا کہ وجد سے ہاتھ پیر میں چوٹ آجاتی تھی۔ زخم آتے تھے۔ اگر یہ بات ہو تو معاذ اللہ مصنف نے

حضرت جنیدؒ کی گستاخی کی ۔ کہ حضرت جنید جیسے ولی کامل کو بزدلوں کے زمرے میں شامل کر رہے ہیں کہ جب عشقِ الٰہیہ میں منصورؒ نے پتھر برداشت کیے سولی قبول کی ۔ عشق کی لذت سے دست بردار نہ ہوئے ۔ شمس تبریزی نے کھال کھنچوالی مگر پیچھے نہ ہٹے بڑے بڑے اولیاء تو درکنار مبتدی حضرات کو بھی جب لذتِ عشق کا سرور آتا ہے تو ہاتھ پیر بھی اگر ٹوٹ جائیں پھر بھی اس لذت سے پیچھے نہیں ہٹتے ۔ اگر قوالیوں سے وجد اور عشقِ الٰہی حاصل ہوتا تو کیا جنید علیہ الرحمتہ نے عشقِ الٰہیہ کے راستے سے توبہ کر لی ۔ حضرت جنیدؒ کی بارگاہ میں ابوبکر شبلی یا مصنف کی کتنی بڑی زیادتی اور گستاخی ہے ، بلکہ توبہ کا مقصد یہ ہے ۔ کہ شروع ہی سے حضرت جنیدؒ نے قوالی کو برا سمجھا جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم نے فرمایا اَنَا اَوَّلُ التَّائِبِیْن ۔ مقصد یہ ہے کہ شروع سے پرہیز ۔ یا مراد ہے ۔ کہ حضرتِ جنیدؒ نے اسرارِ الٰہیہ کے جس مقصد کے لیئے ایک دو دفعہ قوالی سنی وہ تو حاصل نہ ہوا بخلاف اس کے اغیار نے حضرت جنیدؒ کے قوالی سننے سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور حرام قوالیوں میں مشغول ہو گئے اور اپنے اِس فعل حرام کے لیئے دلیل حضرت جنید کو بنا لیتے تھے ۔ جیسا کہ مصنف مذکور اپنی حرام قوالیوں کے لیئے ، امام غزالی محدث دہلوی جیسے اکابرین کو دلیل بنا رہے ہیں ۔ حالانکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی ۔ موجودہ قوالیاں اور موجودہ قوالوں کو دیکھ لیتے تو جنید بغدادیؒ کی طرح توبہ کر لیتے ۔ مصنف مذکور صـ۴۲ پر سفینۃ الاولیاء کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا واقعہ لکھتے ہیں کہ آپ ہمیشہ وجد و سماع کا وعظ فرمایا کرتے ۔

اقول :۔ مصنف صاحب کی دلیری دیکھئے کہ سفینہ الاولیاء صـ۱۲۲ پر ہے ۔ حضرت شیخ کی مجالس میں وعظ و تلقین کے سلسلے بھی جاری تھے ۔ صاحبِ سفینۃ الاولیاء پھر لکھتے ہیں کہ سماع کے جملہ آداب کیا تھے ۔ وہی جس کا ذکر اعلیحضرت رحمتہ اللہ تعالےٰ علیہ ملفوظات حصہ اوّل صـ۱۰۱ پر فرماتے ہیں (عرض) کیا یہ روایت صحیح ہے ۔ کہ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قبر شریف میں ننگے سر کھڑے گانے والوں پر لعنت فرما رہے تھے (ارشاد) یہ واقعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ہے ۔ اب تو لوگوں نے بہت اختراع کر لیئے ہیں ۔ اس وقت تو بارگاہوں پر مزامیر بھی نہ تھے ۔ سبحان اللہ یہ ہیں جملہ آداب ۔ یعنی بغیر مزامیر سماع کو ہماری اصطلاح میں نعت خوانی کہا جاتا ہے ۔ مصنف صـ۴۲ پر حضرت مودود چشتی کا خود ساختہ واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے جب مودود صاحب بخارا تشریف لائے تو حاسدین علماءِ بخارا مسئلہ سماع میں بحث کے لیئے جمع ہو گئے ۔

اقول :۔ مصنف کو ذرا خیال نہیں کہ علمائے اسلام۔ جو اسلام کے نیر تاباں بلکہ رونق اسلام ہیں۔ ان کو صرف ایک مسئلے کی تحقیق و بحث کرنے کی بنا پر۔ حسد جیسی حرام چیز کی تہمت لگا کر گستاخی کا ارتکاب کر رہے ہیں مصنف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے علمائے کرام کے دم سے ہی اسلام کی بہاریں ہیں بلکہ صوفیاء کا وجود بھی علمائے اہل سنت کے دم قدم سے ہے جہاں کے عالم گمراہ ہوگئے وہاں کی عورتوں نے صوفی بننے چھوڑ دیئے۔ دیکھو دیوبند وہاں کوئی صوفی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں کے عالم بگڑ گئے۔ اور شرعی مسئلے کے مقابل کرامت دکھانا یہ بڑی جہالت ہے خواجہ صاحب کو حلت کی دلیل دینی چاہیئے تھی۔ ثابت ہوا کہ یہ سب مصنف کی اپنی اختراع ہے ورنہ یاد رکھو اولیاء اللہ کو کرامات اس لیئے نہیں دی جاتی کرہ شعبدے دکھا کر اپنا قائل کرتا پھرے اور مسائل شرعیہ کا مقابلہ کرے بلکہ اس لیئے کہ جادو اور کفر کا مقابلہ کرے۔ اور پھر یہ حکایت خزینۃ الاولیاء میں ہے بھی نہیں۔ مصنف صاحب اپنے رسالہ مزیلۃ النزاع صـ۴۳ پر فرماتے ہیں کہ شیخ ابو احمد نامی کسی من گھڑت شخص کے ساتھ علماء حاسدین نے مسئلہ غناء پر مناظرہ شروع کیا۔ تو آپ نے اپنی کرامت سے اپنے جاہل خادم کو علماء کا علم سلب کر کے دے دیا اور جاہل خادم کو تمام علوم کا عالم بنا دیا۔

اقول :۔ مصنف نے اس کا کوئی حوالہ نہ دیا۔ کتنی لغو اور واہیات بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی عقل ماری گئی ہے۔ اگر کرامت سے علم آیا کرتا تو امام اعظم، غوث پاک اور شیخ سعدی، امام غزالیؒ وغیرہ اولیائے کاملین کو استادوں کے پاس جانے کی ضرورت نہ تھی۔ نہ غوث پاک جیسی سردار اولیاء ہستی مدرسہ نظامیہ میں علمائے کرام سے درس لیتی۔ اور پھر ابو احمد کو خود تو علم آیا نہیں خادم کو علم دیدیا۔ گویا کہ خود جاہل رہا۔ خادم عالم بن گیا۔ اور یہاں تو صرف ایک بحث کا معاملہ ہے۔ حضرت منصور کو تو علمائے حق نے سولی پر چڑھا دیا۔ انھوں نے اپنی کرامت سے کیوں نہ علم سلب کیا اور خود مصنف نے جو کچھ حاصل کیا ہے۔ کہاں سے حاصل کیا ان کو کسی صوفی نے آن کی آن میں کیوں نہ عالم بنا دیا۔ دنیا بھر کے تمام علماء نے بھی اساتذہ کی جوتیاں سیدھی کر کے ہی علم حاصل کیا۔ سب علمائے کرام اسی طرح عمریں صرف کر کے ماریں کھا کر ایڑیاں رگڑ کر ہی عالم بنتے ہیں۔ کسی کو ابو احمد جیسا صوفی نہیں ملتا بڑے بڑے اولیاء اللہ کے صاحبزادگان بھی علماء کرام کی جوتیاں سیدھی کر کے ہی علم کی دولت حاصل کرتے ہیں۔ ان کو کرامت سے کیوں نہیں عالم بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حکایات بالکل جھوٹ ہیں صـ۴۵ پر خواجہ نقشبند کے متعلق یہ منقولہ منسوب کیا ہے کہ "نہ انکار میکنم و نہ اقرار میکنم۔ حالانکہ یہ مجدد صاحب کا فرمودہ ہے۔ مصنف نے صـ۴۷ پر ایسی بات لکھی جو ایک جنتی مسلمان عالم کے لیئے قطعاً جائز نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے، حضرت خضر کو غیر نبی ولی تصور کرتے ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم کم اور حضرت خضر علیہ السلام کا علم زیادہ مانتے ہیں۔ اور معاذ اللہ

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شاگردوں کا درجہ دیتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ "اہل اللہ کے رازوں کو سمجھنا انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ کے لیئے مشکل ہے"۔ (استغفر اللہ، نعوذ باللہ من ھذا القول المردود والملعون)
ایسی ہی جہالت کی باتیں ہیں جن سے نئے نئے فرقے جنم لیتے ہیں۔ قاسم نانوتوی دیوبندی نے خاتم النبیین کا ترجمہ غلط کیا تو مرزائیت نے جنم لیا۔ اور جب جاہل صوفیوں نے ایسے فقرے لکھنے اور چھاپنے شروع کر دیئے تو نہ معلوم کون سا بے دین فرقہ سر ابھارے جو معاذ اللہ صاف طور پر اولیاء اللہ کو یا بے دین صوفیوں کو انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ درجہ دے دیں خدارا کچھ تو خیال کرو قوم پہلے ہی ایسے فقروں سے بہت گمراہ ہو چکی ہے۔ مزید لغو بیہودہ رسائل کو چھاپ کر ان کو جہنمی نہ بناؤ نہ خود جہنمی بنو۔ مسلمانوں حاشا حاشا کسی اہلسنت کا یہ عقیدہ نہیں نہ یہ قول اہلسنت کے علماء کا ہے۔ یہ کسی جاہل صوفی کا ہے۔ اہلسنت کا مسلک واضح ہے کوئی امتی خواہ کسی نبی کا ہو۔ غوث ہو یا قطب، عالم یا مجتہد کسی نبی محترم سے کسی علم میں زیادہ نہیں ہو سکتا بلکہ گرد راہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ یہ اولیاء تو انبیاء کرام کے گرد راہ کے ذرے ہیں۔ اللہ کریم کی بارگاہ میں جو شان انبیاء کرام کا ہے کسی کا نہیں۔ انبیاء کرام گویا آفتاب ہیں تو اولیائے عظام ان کے چمکتے دمکتے ذرے۔ ولیوں عالموں کو جو کچھ ملتا ہے انبیاء کے در کی گدا ہوتی ہے خواہ جنید بغدادی ہوں یا ان کے مرید اولیاء کے سردار حضور غوث پاک ہوں۔ اہل اللہ کون ہے؟ اہل اللہ تو یہ ہی انبیاء کرام ہیں مصنف جن کو اہل اللہ سمجھ رہا ہے وہ انبیاء کرام جیسی اہل اللہ ہستیوں کے غلاموں کے غلام ہیں۔ اولیاء اللہ تو خدا تک پہنچ ہی نہیں سکتے جب تک انبیائے عظام کے قدم سے وابستہ نہ ہوں۔ رب تعالیٰ اپنے سب راز انبیاء کرام کو درجہ بدرجہ بتاتا ہے۔ پھر انبیاء کی خوشہ چینی سے اولیاء اللہ کو اس بحر بیکنار کا قطرہ میسر ہوتا ہے۔ مصنف حضرت خضر علیہ السلام کے جس واقعے سے دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ وہ انبیاء کرام کا آپس کا ایک مخصوص واقعہ ہے۔ یاد رکھو کہ حق یہ ہے کہ خضر علیہ السلام بھی نبی ہیں جن لوگوں نے آپ کو ولی کہا ہے وہ بالکل غلط اور لغو ہے۔ ان کے دلائل بیہودہ ہیں مصنف صاحب ایک باطل قول کا سہارا لے کر صرف جاہل صوفیوں کو حضرت خضر کی صف میں شامل کر کے نبوت سے ٹکرانا چاہتے ہیں اور پیروں کی دکانداری کے لیئے ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں مصنف کی انہیں باتوں کا سہارا لے کر پیر پرست فقراء کا ٹولہ قرآن و حدیث شریعت و علماء کرام کے متعلق بڑی بڑی گستاخی آمیز باتیں کہہ دیتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کا مقام تو بہت بلند ہے۔ حضرت خضر کا علم تو حضرت ہارون علیہ السلام کے برابر بھی نہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی رسول اور مرسل ہیں حضرت ہارون نبی اور رسول ہیں اور حضرت خضر صرف نبی ہیں۔ قرآن مجید کا یہ واقعہ محض ایک مخصوص چیز کا اظہار کرنے کے لیئے ہے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم حضرت خضر سے کہیں زیادہ ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ احمد اپنی تفسیر صاوی جلد سوم صفحہ ۱۸ پر فرماتے ہیں وَھٰذَا مِنْ بَابِ عِتَابِ الْاَحْبَابِ تَادِیْبًا لِمُوْسٰی وَ اِلَّا فَالْوَاقِعُ اَنَّ مُوْسٰی اَعْلَمُ مِنَ الْخِضَرِ یعنی

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو محبت کا عتاب فرمایا صرف اس چیز کا اب دینے کیلئے آپ نے علم کی زیادتی کو اتنا کہہ کر اپنی طرف کیوں منسوب کیا چاہیئے تھا کہ رب تعالیٰ کی طرف منسوب فرماتے۔ ایک آزمائش تھی کہ حضرت خضر کے پاس بھیجا۔ ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے بہت زیادہ عالم ہیں یہ ایک امتحان تھا اسلئے حضرت موسیٰ باوجود نبی (غیب دان) ہونے کے مچھلی کا ڈوبنا بھی اپنے علم غیب سے اس وقت نہ جان سکے اور پھر حضرت خضر کے چلا کر تو بہت سی غیب کی خبریں دے رہے ہیں مگر یہاں حضرت موسیٰ کو پہچانا بھی نہیں۔ جیسا کہ روایتوں سے ثابت ہے حالانکہ حضرت موسیٰ نے بغیر پہلے دیکھے ہوئے باوجود اجنبیت کے اپنے علم غیب سے حضرت خضر کو پہچان لیا مگر آگے کے مکاشفات محو کر دیئے گئے صرف امتحان کیلئے اور جو باتیں حضرت خضر نے بتائیں وہ کوئی اسرار طریقت یا معرفت کے راز نہ تھے جس کو اہل اللہ کے راز کہہ کر حضرت کلیم کی گستاخی کی جائے، بلکہ غیب اور کشف کی چند خبریں تھیں منشاء باری تعالیٰ یہ تھا کہ اے میرے پیارے کلیم اگرچہ آپ کو علم غیب و کشف دیئے گئے مگر اتنے علم کو انتہائے علم نہ سمجھنا بلکہ بہت کشف اور غیب ایسے بھی ہیں جو آپ کو نہیں دیئے گئے [illegible] طرح بہت سے وہ غیب جو موسیٰ علیہ السلام کو ملے۔ وہ حضرت خضر علیہ السلام کو نہ ملے۔ جب یہ بات ربّ نے ذہن نشین کرا دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس بلا لیا۔ نہ کچھ مزید دیکھا نہ کچھ سیکھا نہ شاگردی کی نہ استادی مصنف مذکور اس واقعے سے اور ہی ناجائز فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ص۴۲ پر لکھتے ہیں اس لیئے آخر تک سے خائف ہو کر اہل تصوف کی شان میں بے ادبی سے بچنا چاہیے۔ اقول یعنی صحابہ کی گستاخی ہو تو کوئی بات نہیں۔ حضرت موسیٰ کی بے ادبی ہوتی ہے تو ہو قرآن و حدیث کی تحریف بیشک ہوتی ہے مگر اہل تصوف کی نگاہوں میں بے ادبی نہ ہونے پائے واہ ری پیر پرستی و باطل نوازی اور داہ ری قوالی کی چسک۔ آگے فرماتے ہیں۔ یعنی جن حضرات کیلئے غنا کو جائز لکھا ہے وہ وہی ہیں جو صحیح معنی میں اس کے اہل ہوں الخ (اقول) مصنف صاحب اب آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اہل اور نااہل کی قیدیں لگائیں۔ جبکہ پہلا اپنے استدلال میں قرآن و سنت کو توڑ مروڑ کر مطلقاً قوالی ہر شخص کے لیئے بر سر عام سڑکوں اور گلیوں پر جائز کر دی۔ ص۴۸ پر مصنف صاحب، غالباً خود اپنے استدلالات کی کمزوری بھانپ گئے اسلیئے فرماتے ہیں کہ کہیں کوئی میری اس کمزوری کو تحریر میں لا کر شائع نہ کر دے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ قال۔ اگر کسی صاحب کو میرے خیالات کے ساتھ اختلاف ہو تو وہ قبل اس کے کہ بہ جواب میں نوک قلم کو جنبش دیں۔ اپنے تمام اعتراضات اور جملہ شکوک و شبہات سے مجھ کو مطلع فرمادیں:۔ اقول:۔ کیوں صاحب جب آپ نے یہ رسالہ لکھا اور احادیث کو توڑ مروڑا اور غلط حوالے تحریر کرنے کے لیئے نوک قلم کو جنبش دینے کی نیت فرمائی تو کیا کسی ذی علم یا علماء اہلسنت ذی عقل حضرات سے اپنے شکوک و شبہات بیان کرنے کی زحمت گوارہ فرمائی تھیں۔ ہو سکتا تھا کہ اگر آپ ایسا کرتے تو وہی آپ کی پوری تسلی کر دیتے اور ایسی فتنہ انگیز تحریر کی چنداں ضرورت نہ ہوتی۔ بعد میں جو آپ خفیہ رجوع کرنے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ پہلے ہی سوچ لیا ہوتا" پیش از آنکہ چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"! حضرت مصنف اپنے رسالے مزیلۃ النزاع کے ص۲۸-۲۹ پر لکھتے ہیں تکملہ بحر الرائق کا حوالہ دیتے ہوئے :۔ اَلْغِنَاءُ وَالرَّقْصُ وَسَمَاعُ الْقَصَبِ لِلشَّرِيْعَةِ لَا اللَّهْوِ فَلَيْسَ فِيْهِ اِخْتِلَافُ الْفُقَهَاءِ وَهٰكَذَا اُجْرَةُ الْمُغَنِّيْ بِلَا شَرْطٍ حَلَالٌ۔ (تکملہ بحر الرائق وفتاوٰے ابی اللیث) یہ عبارت تکملہ بحر الرائق میں قطعاً نہیں ہے۔ بلکہ ص۲۰ تکملہ بحر جلد ہشتم میں وَيُكْرَهُ اِسْتِمَاعُ صَوْتِ اللَّهْوِ وَالضَّرْبِ بِهٖ وَالْوَاجِبُ عَلَى الْاِنْسَانِ اَنْ يَّجْتَهِدَ مَا اَمْكَنَ حَتّٰى لَا يَسْمَعَ۔ مصنف نے کتنی زیادتی سے کام لیا۔ اور بحر الرائق کا غلط نام استعمال کر کے کوئی ایمانی کام نہیں کیا

فتاویٰ ابی اللیث میں فرض محال اگر یہ عبارت ہے تو غلط ہے۔ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ناچ گانے کی حلت میں اختلاف نہیں۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔ ابھی تحقیق سے ثابت کر چکا ہوں کہ اختلاف ہے، بلکہ اکثریت اس کی حرمت پر ہے جیسا کہ مدارج اور شامی کے حوالے درج کر دیئے گئے۔ مصنف مذکور کی یہ زیادتیاں تھیں جس میں کسی قسم کی گنجائش نہیں ورنہ حقیقت دیکھی جائے تو سب کتاب مذکور ہی غلط ہے اور قابلِ تو بہ ور جوع اگر اب بھی مصنف صاحب رجوع نہ کریں تو حسبنا اللہ اللہ المستعان۔

خلاصۂ کلام:۔ قوالی نہ سنّتِ نبی کریم ہے نہ سنتِ صحابہ نہ تابعین۔ نہ شعارِ اسلام نہ عبادتِ لعینہٖ نہ ریاضت عمومیہ نہ زہد نہ تقوٰی۔ بلکہ قوالی بدعت ہے جو اہل کے لیے مستحسنہ ہے اور نااہل کے لیے بدعتِ سیئہ۔ اہل وہی ہے جو فقہاء کی بیان کردہ چھ شرطیں اپنے میں پیدا کرے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ میں ابھی اسی رسالے کی تردید میں مشغول تھا کہ مجھ کو ایک صاحب نے حضرتِ قبلۂ عالم جناب علامہ مولانا عطا محمد صاحب بندیالوی کا رسالہ مسئلہ قوالی کی شرعی حیثیت پیش کیا اور مجھے جواب کے لیے کہا۔ میں نے سرسری طور پر مطالعہ کیا کہ شاید کوئی دلیل کارآمد نظر آئے مگر اس میں بھی وہی چشم پوشیاں ہیں جن کی وضاحت و تردید کر دی گئی۔ زبانی طور پر سمجھا دیا گیا۔ تحریری جواب کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ وقت کا ضیاع ہے۔ علامہ بندیالوی مدظلہ اگرچہ منطق کے بحرِ بیکراں کے عظیم تیراک ہیں اور دریاءِ فلسفہ کے شناور ہیں۔ اگر آپ کو معقولات کا استادِ کامل یا فلسفے کا امام کہا جائے تو بے جا نہ کہا جائے گا۔ بلکہ یہ حقیقتِ مسلّم ہے۔ ہم جیسے اصاغر علامہ بندیالوی کے گلستانِ منطق کے خوشہ چین ہیں اور فلسفے میں بڑے بڑے استادان ہی کے کاسہ لیس ہیں۔ مگر فقہ اسلامیہ میں پیرِ طریقت سید قبلہ ابوالبرکات اور شیخ الحدیث مولانا سردار احمد صاحب کا ہی مقام ہے۔ امام فقہ کا لقب تو امام اہلسنت اعلیحضرت اور صدر الافاضل مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ہی زیبا ہے۔ علامہ بندیالوی کا قول منطق اور فلسفہ میں تو حجت ہو سکتا ہے مگر فقہ میں ان کا قول قابلِ حجت نہیں۔ حضرت قبلہ بندیالوی مدظلہ کے رسالے کی صرف دو باتوں کا ذکر کرتا ہوں کہ جس سے رسالے کی کمزوریوں کا بخوبی علم ہو جائے گا۔

نمبر ۱:۔ رسالہ ہٰذا کی ابتداء ص ۱۵ سے ہوتی ہے۔ اسی ص ۱۵ پر چار مقدمہ درج ہیں پہلا مقدمہ میں فرماتے ہیں۔ حرمت کے لیے دلیل قطعی ضروری ہے۔ دلیل ظنی سے ثابت نہیں ہوتی۔ اور خبرِ واحد مفیدِ ظن ہے۔ یہ ہے پہلا مقدمہ۔ جواب۔ کاش مصنف محترم لکھتے وقت فقیہ اور اصولِ فقہ کی کتاب پڑھ لیتے۔ کم از کم اس مقدمے کو لکھنے سے پہلے علامہ شامی کی کتب اور تلویح توضیح کا ہی مطالعہ فرما لیتے تو ایسی خطاءِ مطلقہ کا صدور نہ ہوتا۔ قانونِ شریعت کے مطابق حرام دو قسم کا ہے ۱ حرام قطعی ۲ حرام ظنی۔ حرام قطعی جو دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ حرام ظنی جو دلیل ظنی سے ثابت ہو اسی کو مکروہ تحریمی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ شامی ردّ المحتار جلد اول صفحہ نمبر ۱۲۲

پر فرماتے ہیں۔ وَعَلَى الْمَكْرُوْهِ تَحْرِيْمًا وَهُوَمَا كَانَ اِلَى الْحَرَامِ اَقْرَبُ وَيُسَمِّيْهِ مُحَمَّدٌ حَرَامًا ظَنِّيًّا۔ تلویح توضیح صلہ ۲۷ پر ہے۔ وَالتَّحْرِيْمُ عِنْدَهٗ قِسْمٌ مِّنَ الْحَرَامِ (الخ) (حاشیہ) اور حرام ظنی دلیل ظنی سے ثابت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ تلویح شرح توضیح صلہ ۲۷ پر ہے۔ وَبِدَلِيْلٍ ظَنِّيٍّ مَكْرُوْهٌ كَرَاهَةَ التَّحْرِيْمِ اور چونکہ خبرِ واحد ظن کو مفید جیسا کہ مصنف محترم کو تسلیم۔ لہٰذا خبرِ واحد دلیل ظنی ہوئی جس سے حرمت ثابت ہے۔ پس خبرِ واحد سے بھی حرمتِ قوالی ثابت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ قوالی کی حرمت میں تو دلائلِ قطعیہ بھی بیان کر دیئے گئے۔

دوسرا مقدمہ:۔ فرماتے ہیں رر کسی چیز کے شرائط مقرر کرنا شارع جَلَّ جَلَالُہٗ یا شارع عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کا حق ہے،، ہم اپنے طور پر حلال اور حرام شرائط مقرر کرنے کا ہرگز حق نہیں رکھتے۔ شرائط دو قسم کی ہے ۱ شرائط اولویۃ ۲ شرائطِ جواز۔ کتبِ فقہار کی شرائط، شرائطِ اولویت ہیں:۔ نہ کہ شرائطِ جواز۔ **جواب**:۔ علامہ صاحب کی یہ تینوں باتیں خود ساختہ اور لغو ہیں۔ پہلی بات رکسی چیز کے شرائط مقرر کرنا (الخ) شارع جَلَّ جَلَالُہٗ۔ یہ اصطلاح فقہار علمار کے خلاف ہے سب آئمہ۔ لفظ شارع حضور علیہ السلام کے لیئے ہی استعمال کرتے ہیں۔ شارع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے۔ آئمہ مجتہدین بھی حلت و حرمت کی شرطیں لگا سکتے ہیں اس لیئے فقہائے کرام نے خاوند کے لیئے نکاح میں بھی چند شرطیں لگائیں اور فرمایا کہ اگر وہ شرطیں۔ نہ پائی جائیں تو نکاح کرنا بھی حرام ہو جائے جیسا کہ پہلے سبل السلام شرح بلوغ المرام کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اور جس طرح شریعت کی دلیل قرآن و حدیث ہے اسی طرح اجماعِ امت اور قیاس بھی۔ مجتہد اپنے قیاس سے حلت و حرمت کے لیئے شرطیں لگا سکتا ہے۔ ہاں ما و شما واقعی اِس چیز کے مجاز نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ نکاح کے لیئے تو کسی نہ کسی آیت سے اشارہ ملتا ہوگا اس اشارہ سے شرطیں لگیں۔ تو میں کہوں گا کہ فقہائے امت جو کچھ بھی فرماتے ہیں اپنی طرف سے بالکل کچھ نہیں ہوتا ہر جگہ کسی اشارۃ النص یا عبارت النص یا دلالۃ النص یا اقتضاء النص سے ہی بات کرتے ہیں۔ اسی طرح حرمتِ قوالی عام ہے مگر حلت کے لیئے شرائط کسی نص سے ہی ہے۔ یہ مذکورہ قاعدہ مصنف نے اپنے گھر سے بنا لیا۔ دوسری بات بھی غلط ہے کیونکہ درباب قوالی منقول شرائط میں سے کوئی شرطِ اولویّت نہیں۔ تیسری بات بھی حقیقت کے خلاف ہے۔ کیونکہ علامہ شامی حلتِ قوالی کی شرائط بیان کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں۔ شامی جلد پنجم صلہ ۳۰۶ وَالْحَاصِلُ اَنَّهٗ لَا رُخْصَةَ فِي السَّمَاعِ فِيْ زَمَانِنَا یعنی ان شرطوں کے نہ ہونے کی وجہ سے قوالی کرنے اور سننے کی اجازت ہی نہیں۔ ثابت ہوا کہ شرائط جواز ہیں نہ کہ اولویت۔ یہ تھیں علامہ بندیالوی کے رسالے کی کچھ چشم پوشیاں۔ مجھ کو حیرانگی اور افسوس ہے کہ میرے اکابر کو کیا ہو گیا جو ایسی کچی باتیں کرتے ہیں

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

کتبہ

فال نکالنے کا بیان اور شرعی حکم

سوال نمبر ۴۲ :- فال نکالنا اور نکلوانا کیسا ہے۔ جائز ہے یا نہیں اور علم جفر اور علم ابجد کی کیا حقیقت ہے اور ہر ایک کا کیا حکم ہے جائز ہے یا نہیں اور اُن کا ثبوت قرآن حدیث میں ہے یا نہیں قرآنی آیت کا متن نقل کیا جائے۔ ۲۔ :خواب کی کیا حقیقت ہے کیا دن میں جو انسان خیالات اور تصورات کرتا ہے خواب میں وہی آجاتے ہیں۔ اور کیا انسان کی روح نکل جاتی ہے۔ سیر کے لیئے۔ اور کیا قرآن و حدیث میں اس کا کوئی ثبوت ہے۔ وہ آیت یا حدیث کا متن نقل کیا جائے :- (فقط والسلام نور محمد ٹنڈو الھیار حیدر آباد سندھ)؛

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابْ ؕ

الجواب

۱:۔ شریعت میں فال نکلانا قطعاً حرام ہے۔ اس کو عربی میں کہانت کہتے ہیں اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہانت کرنے والا اور کروانے والا دونوں ملعون ہیں۔ اور کاہن کی اجرت حرام ہے چنانچہ ارشاد ہوا :- اَلْکَاهِنُ وَالْمَکْهُوْنُ وَالْوَاشِمَةُ وَالْمُتَوَشِّمَةُ مَلْعُوْنٌ ایک جگہ یہ ارشاد فرمایا۔ کہ کاہنوں کے پاس مت جاؤ۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے :- صفحہ نمبر ۳۹۲ پر عَنْ مُعٰوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ . :- ۲) فال نکالنے اور فال لینے میں فرق ہے۔ فال نکالنا مطلقاً حرام ہے اور ناجائز ہے۔ جیسے کہ اوپر ثابت کیا گیا ہے۔ فال لینا جس کو عربی میں فال ہی کہتے ہیں۔ یہ اچھی باتوں میں جائز ہے اور بُری باتوں میں ناجائز چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ارشاد ہوا۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا طِيَرَةَ وَخَيْرُهَا الْفَالُ قَالُوْا وَمَا الْفَالُ قَالَ الْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا اَحَدُكُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؕ علم نجوم دو قسم کا ہے۔ ایک جائز اور دوسرا ناجائز۔ اگر حساب وکتاب کے لیئے علم نجوم سیکھا جائے جیسے تاریخ بتانا یا جنتری بنانا تو جائز ہے۔ اور اگر خفیہ باتیں یا پیشین گوئی والا نجوم سیکھا۔ تو ناجائز ہے۔ کیونکہ ایسے نجومیوں کی اکثر باتیں جھوٹی ہوتی

ہیں۔ اور جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ اسی نجوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو سے تشبیہ دیتے ہوئے گناہ فرمایا :۔
چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ارشاد ہوا ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِنَ النُّجُوْمِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ ۔ علم جفر سیکھنا بالکل جائز ہے۔ اس کے موجد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف اور مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۳۹۲ میں ہے۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ ابْنِ الْحَكَمِ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَالِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔
علم ابجد کوئی مستقل علم نہیں ہے۔ بلکہ آٹھ لفظ ہیں۔ کہ جن سے ہر حرف کے نمبر ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ اور ان کے عدد علم جفر۔ وظائف۔ تعویز۔ علم حساب اور تاریخ نکالنے کے علم میں کام آتے ہیں :۔ (۲) بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابُ
علمائے محققین کے نزدیک خواب چند قسم کے ہیں (۱) خواب الہامی (۲) خواب وحی (۳) خواب اضطرابی (۴) خواب تخیلی (۵) خواب وہمی (۶) خواب تحقیقی۔ پہلی خواب صرف اولیاء اللہ کو نظر آتی ہے :۔ دوسری خواب انبیاء کرام کو مشاہدہ ہوتا ہے۔ تیسری خواب ہر پریشانی والے شخص کو ہیبت ناک شکل میں نظر آتی ہے۔ چوتھی خواب دن کے پراگندہ خیالات نظر آتے ہیں۔ جن کا اثر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پانچویں خواب اکثر اُن لوگوں کو آتی ہے۔ جو غلط وظائف کرتے ہیں۔ یا جن کو مالیخولیا والی بیماری ہو یا بچہ ڈرنے والا ہو۔ یا حاملہ عورت کو چھٹی خواب ہر شخص کو آئندہ گذشتہ کے واقعات کے بتانے کے لیے آتی ہیں۔ علمائے تعبیر انہی خوابوں تعبیر بتاتے ہیں۔ انسان کے جسم میں اللہ رب العزت نے دو قسم کی روحیں پیدا فرمائی ہیں۔ (۱) رُوحِ سلطانی (۲) روحِ سیلانی :۔ پہلی رُوح جب نکلتی ہے۔ تو انسان مر جاتا ہے۔ دوسری روح جب نکلتی ہے۔ تو خواب میں نکلتی ہے۔ مگر جسم سے تعلق پورا پورا رکھتی ہے۔ اسی لیے جب جگایا جاتا ہے۔ تو فوراً جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ رُوح سریانی یا سیلانی نکل کر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو جائے تو خواب وحی ہے۔ اگر بھٹکتی پھرے۔ تو خواب تخیلی نظر آتی ہے۔ اگر جنات کے پاس پہنچ جائے۔ تو وہمی ہے۔ اگر کسی چیز میں مبتلا ہو جائے۔ تو خواب تحقیقی نظر آتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے بدن میں دو روحیں پیدا فرمائیں۔ ایک روح کو نکال کر موت دیتا ہے۔ اور دوسری کو خواب میں نکالتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ (پارہ ۲۴ ع ۲ آیت ۱۱ رکوع پہلا) :۔ واللہ ورسولہ اعلم

کتبہ

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

امام مسجد کو نامردی کا علاج حکیم بن کر کرنے کا حکم

سوال نمبر ۵:۔ نامردی وغیرہ مرضوں کا علاج کرنے والے کو امام بنانے کا کیا حکم ہے۔

کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے خطیب اور امام فنِ حکمت سے واقف ہیں۔ کبھی کبھی اپنی ڈیوٹی کے علاوہ حسبِ ضرورت حکمت کا کام کر لیا کرتے ہیں۔ اور اکثر ان کے پاس نامردی کے مریض آتے ہیں۔ یہ حکیم صاحب کمزوریٔ عضوِ تناسل کے مریض کو اس کے علاج کے لیئے عضوِ تناسل کو برانگیختہ کر کے منی کا اخراج کر کے اس کا مناسب علاج کیا کرتے ہیں۔ بروئے شہادتِ مخالفین یہ کام عادتاً یا علتاً کیا ہے۔ اب اس نے شکایت ہونے پر اپنے مرشد کے سامنے اس فعل کی مکمل توبہ کر لی۔ کہ آئندہ ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ فرمایا جائے اگر کیا ایسے شخص کو امام یا خطیب بنانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اس کے مرشد صاحب نے اس کی توبہ کے بعد اس کی امامت جائز قرار دی ہے۔ مگر بستی والوں نے اس اجازت کو منظور نہ کیا۔ اور آپ کے فتوے پر ہی عمل کیا جائے گا۔ لہٰذا بہت جلد فتوٰے عطا فرمایا جائے۔ اگر حضرت حکیم الامت جواب فرمائیں۔ تو کسی حوالے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف آپ کی مہر اور دستخط ہی کافی ہیں:۔

سائل:۔ مولوی ملک قاسم مدرس کراڑی کوٹ۔ ضلع گجرات

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

ایسے شخص کو امامت سے فوراً علیحدہ کر دیا جائے۔ اس کے پیچھے اس وقت تک نماز نہ پڑھی جائے جب تک یہ شخص صرف لوجہ اللہ سچی توبہ نہ کرے۔ ابھی اس نے صرف اس لیئے توبہ کی ہے۔ کہ امامت باقی رہے۔ جو شخص قانونِ شریعت کے مطابق امام بننا چاہتا ہے۔ اس کو شرعی پابندیوں کا پورا پورا خیال رکھنا لازم ہے۔ امام کی امامت و خطابت اسلام کا بہت اونچا عہدہ ہے۔ کہ جس کے لیئے شریعت میں چند بہت ضروری شرطیں ہیں۔ جن کا موجود ہونا ہر امام میں ضروری ہیں:۔

احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور فقہاء کی تشریحات سے مندرجہ ذیل شرطوں کا ہر امام میں ہونا لازمی ہیں:۔

نمبر ۱:۔ وہ شخص جس کو قوم اپنا امام بنانا چاہتی ہے۔ سب سے زیادہ عالم ہو (۲) قاری ہو۔ (۳) خاندان میں سب سے اونچا ہو (۴) سب سے زیادہ بزرگ ہو (۵) متقی ہو۔ (۶) وجیہ ہو (۷) ہر ایسے کام سے بچے جس سے وہ قوم میں ذلیل تصور کیا جائے (۸) بداخلاق نہ ہو (۹) بازاری آدمی نہ ہو (۱۰) امام کے خیالات و توجہ الی اللہ زیادہ ہونی چاہیئے۔ نہ کہ الی الدنیا (۱۱) وہ شخص بد معاش نہ ہو۔ (۱۲) حرامی نہ ہو۔ (۱۳) فاسق اور فاجر نہ ہو۔ (۱۴) کسی کا نوکر، خادم، ملازم، کمّی نہ ہو۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل صفحہ نمبر ۸۳ پر ہے کہ اَلْاَوْلٰی بِالْاِمَامَۃِ اَعْلَمُھُمْ بِاَحْکَامِ الصَّلٰوۃِ وَیَجْتَنِبُ الْفَوَاحِشَ الظَّاھِرَۃَ۔ فَاِنْ تَسَاوَوْا فَاَوْرَعُھُمْ۔ یہ تمام شرائط جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔ وہ ظاہراً، کنایتاً عالمگیری میں اس جگہ موجود ہے ان میں سے بعض کام اگرچہ عوام کے لیئے جائز ہیں۔ لیکن علماء کے لیئے منع ہیں۔ شریعت میں بعض کھیل جائز ہیں مگر علماء اور داڑھی والے حضرات کو وہ بھی منع ہیں۔ کیونکہ اس سے خصوصیات اور رعب شریعت جاتا رہتا ہے چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب احکام القرآن صفحہ نمبر ۴۲۸ پر جلد اوّل میں لکھا کہ:۔ وَاِنَّہٗ یَنْبَغِیْ لِذِی الْعَقْلِ اَنْ تَنْھَاہُ اللِّحْیَۃُ وَالشَّیْبُ عَنِ الْبَاطِلِ۔ وَقَدْ قَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ لِاَسْلَمَ فِیْ شَیْءٍ اَمَا تَنْھَاکَ لِحْیَتُکَ ھٰذِہٖ قَالَ اَسْلَمُ فَکَفَفْتُ زَمَانًا (ترجمہ):۔ اور بے شک لائق ہے۔ علماء و عقلاء کے لیئے یہ کہ منع رکھے ان کو داڑھی اور بڑھاپا باطل کاموں سے اور حضرت فاروق نے ایک شخص حضرت اسلم سے فرمایا۔ کسی باطل کھیل میں مشغول دیکھ کر کیا تم کو تمہاری داڑھی نے اس کام سے منع نہ کیا۔ اسلم فرماتے ہیں۔ کہ پھر میں اس سے بالکل رک گیا۔ تمام عمر۔ ثابت ہوا۔ کہ بعض کام اگرچہ عوام الناس کے لیئے بھی جائز ہوں۔ مگر قوم کے پیر و مرشد اور امام کے لیئے ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ جیسے مردے نہلانا اگرچہ جائز بلکہ سنت صحابہ ہے۔ مگر پنجاب کے علاقے میں یہ کام علماء اور امام کے لیئے جائز نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص مردے نہلاتا ہوگا۔ تو اس کو امام مقرر کرنا منع ہے یہ سب کام کیوں ہیں۔ تاکہ قوم کے دل میں امام کا سب سے زیادہ اونچا اور باعزت مقام رہے۔ اور امام کا دل ہر چیز سے ہٹ کر فقط نماز اور مسائل نماز میں لگا رہے۔ اور اللہ کی ذات میں مشغول رہے۔ نامردی کا علاج کرنا اگرچہ بہت بڑی نیکی اور خدمت خلق ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک بیماری ہے اور بیماری کا علاج کار ثواب ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کتاب الطب فصل ثانی میں ہے۔ کہ عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ شَرِیْکٍ قَالَ قَالُوْا۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَفَنَتَدَاوٰی۔ قَالَ نَعَمْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَمْ یُصْلِحْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَہٗ دَوَاءً۔ نامردی بھی ایک سخت ترین بیماری ہے۔ اس کا علاج کرانا بھی واجب ہے۔ اسی طرح عالمگیری جلد اوّل

صفحہ نمبر ۲۰۵ پر ہے۔ اب اگر مسلمان حکیم یہ علاج نہ کرے۔ تو ہم غیروں کے محتاج ہوئے اور اس علاج کے لیے
جو ہمدردی ایک مسلمان ڈاکٹر کو ہو سکتی ہے۔ وہ غیر مسلم کو قطعاً نہیں ہو سکتی۔ بلکہ غیر مسلم تو نسلِ مسلمانی کے ختم ہونے
سے خوش ہیں۔ وہ کب چاہیں گے۔ کہ ایک نامرد مسلمان علاج سے مرد بن کر مسلمانوں کی نسل کو بڑھائے۔ نامرد
کو مرد بنانا اور نسلِ مسلمانی کو بڑھانا اگرچہ بہت عظیم خدمت ہے کو خود آقائے دو عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
نے ارشاد فرمایا۔ اِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ (روح البیان جلد ۴ صفحہ نمبر ۶۷)
بیشک میں تمہاری وجہ سے امتوں پر کثرت سے جانے والا ہوں۔ اس روایت سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے
مسلمان کو صاحب اولاد ہونا واجب ہے۔ پس جو اس بیماری میں مبتلا ہو۔ وہ ضرور کسی مسلمان طبیب سے
علاج کرائے۔ لیکن نماز کے امام کے لیے یہ کام جائز نہیں۔ دیکھو گھوڑی کو گدھے سے وطی کرانا جائز ہے۔
چنانچہ فتاویٰ درِ مختار جلد پنجم صـ۲۴۲ پر ہے:۔ وَجَازَ خِصَاءُ الْبَهَائِمِ وَاِنْزَاءُ الْحَمِيْرِ
عَلَى الْخَيْلِ كَعَكْسِهِ (الخ) ۵ یعنی جانوروں کو خصی کرانا اور گھوڑی پر گھوڑے کی بجائے گدھا
چڑھانا۔ تاکہ خچر پیدا ہو شرعاً یہ کام بالکل جائز ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن پاک نے خچر کی تعریف کی
ہے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر سواری کی ہے۔ مگر علماء کرام اور صلحاء کے لیے جائز نہیں۔ کہ
یہ کام کرائیں یا نزدیک کھڑے ہوں۔ کیونکہ یہ کام فحش ہے۔ بہت سے فحاشی کے کام عوام کے لیے جائز ہوتے
ہیں۔ لیکن علماء کے لیے منع، جیسے کہ جانوروں کو نیا کرانا، اسی لیے آقائے دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ
نے خود اپنے اور اہل بیت کے لیے اس کام سے خصوصی طور پر ممانعت فرمائی۔ چنانچہ ترمذی شریف صفحہ نمبر
۲۰۳ پر ہے۔ اور مشکوٰۃ شریف کتاب الجہاد صـ۳۳۲ پر ہے:۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ ثَنَا
اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ ثَنَا مُوْسَى بْنُ سَالِمٍ اَبُوْ جَهْضَمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ
بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ
عَبْدًا مَامُوْرًا مَا اخْتَصَّنَا دُوْنَ النَّاسِ بِشَيْءٍ اِلَّا بِثَلٰثٍ اَمَرَنَا اَنْ نُّسْبِغَ الْوُضُوْءَ وَاَنْ
لَا نَاْكُلَ الصَّدَقَةَ وَاَنْ لَّا نُنْزِيَ حِمَارًا عَلٰى فَرَسٍ ط (ترجمہ):۔ حضرت ابن عباس
سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ کہ آقاء دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکموں کے امین بندے تھے۔ نبی کریم
نے عام لوگوں کے سوا ہم کو کسی خاص چیز کا حکم نہ دیا۔ بجز تین چیزوں کے۔ کہ حکم دیا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم
اہل بیت کو ایک یہ کہ اچھی طرح اور پورا وضو کریں۔ اور یہ کہ صدقہ نہ کھائیں۔ اور یہ کہ ہم اہل بیت گدھوں کو نہ چڑھائیں
گھوڑیوں پر۔ اس کو نسائی نے بھی روایت کیا۔ یہی روایت حضرت علی سے بھی مروی ہے۔ اس حدیث پاک سے ثابت
ہوا۔ کہ بعض کام ایسے ہوتے ہیں۔ جو عوام کو جائز ہوتے ہیں۔ مگر معززینِ اسلام کو منع ہیں۔ موجودہ زمانے میں سب سے زیادہ

معززاور قابلِ تعظیم حضرات علمائے کرام اور مساجد کے امام ہیں۔ کہ انہیں سے دین کی عزت ہے۔ حضرت حکیم الامت نے تو ایک امام مسجد کو اس کی امامت سے صرف اور صرف اس لیئے علیحدہ فرما دیا۔ کہ ترازو سے تولنے والے سودے کی دکان ڈالی تھی۔ موجودہ دور میں، دکان دار خیانت کرنے سے نہیں بچتا۔ اور پھر وہ عوامی آدمی بن جاتا ہے۔ شانِ امامت باقی نہیں رہتی۔ علماءِ امت ہی کے لیئے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ ط (جامع الصغیر جلد اول صفحہ نمبر عشر) ترجمہ تہمت کی جگہوں سے بھی بچو۔ یعنی جس کام یا جس جگہ سے عزت اور وقار میں فرق پڑتا ہو۔ اِس سے بچو۔ لہٰذا کیسی بری بات ہے۔ کہ لوگ اور مقتدی تو معززین اور معاشرے میں باعزت اور اونچا مقام رکھتے ہیں۔ اور امام جس کو سرداری کے لیئے منتخب کیا وہ قوم کا نیچ یا کمی یا قوم کا مزدور رہو۔ اس میں پیارے آقا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مصلّٰے کی توہین ہے۔ نفسیاتی بات ہے۔ کہ انسان جو کام کرتا ہوگا۔ ہر وقت یا اکثر وقت اسی کے خیالات میں منہمک اور مشغول رہے گا۔ تو کیسی بری بات ہے۔ کہ نماز کے مصلّٰی پر کھڑا ہوکر امام نامردوں کو مردمی طاقت کے خیالات میں اور لوگوں کے آلاتِ تناسل کے تصورات میں ہی مشغول ہو لہٰذا اِس فتوٰے شرعی کے بموجب فوراً اِس حکیم شخص کو امامت سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اللہ کے نزدیک وہ شخص بہت پیارا ہے۔ جو دنیا و آخرت میں وجیہہ ہو۔ وجیہہ وہ شخص ہے۔ جو ہر ظاہری بات سے پاک اور صاف ہو۔ اور جس کی رب تعالیٰ کی بارگاہِ کریمہ میں بات مانی جاتی ہو۔ اسی لیئے حضرتِ مسیح علیہ السلام کی شان میں باری تعالیٰ ربّ العزت نے ایک جگہ فرمایا:۔ اِسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ط اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ط یعنی اللہ کی بارگاہ میں اُن کی بات مانی جاتی ہے اور ہر برے کام سے بچنے والے۔ اگرچہ سب انبیاء کی شان یہی ہے۔ مگر چونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو یہودی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اور اُن کی اس معجزانہ پیدائش پر طعن کرتے تھے۔ اس لیئے خصوصی طور پر اُن کے لیئے یہ لفظ ارشاد ہوا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ آخر زمانہ امتِ مصطفٰے کے امام و پیشوا بننے والے تھے۔ اور پیشوا کا وجیہہ ہونا ضروری ہے۔ اس لیئے یہ فرمایا گیا۔ اور قانون بنایا گیا۔ کہ ہر امام کو وجیہہ ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ اور ذلیل کاموں سے بچنا ضروری ہے اسی لیئے قوم کے سامنے مسجد کی صفائی کرنا یا وضو گاہ کی نالی صاف کرنا امام مسجد کو جائز نہیں۔ حالانکہ مسجد کی صفائی عین عبادت ہے۔ یہ تمام گفتگو مقرر شدہ امام میں ہے۔ لیکن وقتی طور پر ہر وہ شخص امام نماز ہو سکتا ہے۔ جو داڑھی والا ہو۔ اور چار انگل پوری داڑھی ہو۔ نہ کم ہو اور نہ اس سے زیادہ اور ظاہراً کوئی گناہ نماز میں اس کے ساتھ نہ ہو:۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ط

سلام بھیجنے کے کتنے طریقے اور علی علیہ السلام کہنا سخت منع ہے۔

سوال نمبر ۲۶ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دربار رسالت میں سلام کا ہدیہ پیش کیا۔ لیکن آخر میں یہ شعر بھی پڑھا۔

یعنی وہ اعلیٰ حضرت بریلی کے شاہ
اس مجددِ ملت پہ لاکھوں سلام

تو بکر جو خود کو اہلسنت نقشبندی کہلاتا ہے۔ کہنے لگا کہ کسی امتی پر سلام و درود پڑھنا شرعاً منع ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ زید کہتا ہے۔ کہ اکابر دیوبند کی تکفیر کرنا لازم ہے۔ خود بھی خاص دیوبندیوں کو کافر کہتا ہے مگر یہی بکر کہتا ہے۔ کہ دیوبندی بھی آخر کلمہ گو ہیں مسلمان ہیں۔ ان کو کافر نہیں کہنا چاہیئے۔ زید کہتا ہے۔ کہ دیوبندی کے پیچھے اہل سنت کی نماز جائز نہیں۔ بکر کہتا ہے۔ جائز ہے۔ چند دنوں سے یہاں ان تین چار باتوں میں جھگڑا چل رہا ہے۔ تمام بستی والوں کی متفقہ رائے سے آپ کو استفتا حاضر کیا جا رہا ہے براہِ کرم جلد از جلد اپنی رائے عالیہ سے نوازا جائے۔ تاکہ مسئلہ صاف ہو۔

سائل :۔ فقیر محمد نقشبندی مجددی پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ۔ مورخہ: ۲۳ مارچ ۱۹۷۰ء

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ط

سوال مذکورہ میں بکر کا قول قطعاً غلط ہے۔ دراصل بکر وہابی ہے اور اپنے بڑوں کی طرح خود کو چھپا رہا ہے۔ محض اہل سنت کو دھوکا دینے کے لیئے اس کو اعلیٰ حضرت کے سلام پر اعتراض سوجھا مگر اکابر دیوبند کی بے ادب عبارات کیوں نظر نہ آئیں۔ وہابی حضرات نے رب تعالیٰ کو جھوٹ کا الزام لگایا (براہین قاطعہ) بلغۃ الحیران کے ص ۵ پر حسین علی دیوبندی نے معتزلہ کی طرف نسبت کر کے اللہ تعالیٰ کو بے علم کہا اور اس عقیدے کی مضبوطی بیان کر کے تائید کی حالانکہ معتزلہ کا یہ عقیدہ نہیں خود عقیدہ بنا لیا اور تائید کر دی معاذ اللہ وہ یاد نہیں آتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی کے یہ دشمن۔ یا رسول اللہ کے نعرے سے ان کو تکلیف ختم نبوت جلسوں میں تاجدارِ ختم نبوت زندہ باد کے نعرے سے ان کو درد پڑتا ہے۔ سنیوں کے اس

نعرے کے مقابل انھوں نے تاج و تختِ ختمِ نبوّت زندہ باد کا نعرہ مقرر کیا۔ گویا کہ تاج و تخت کو زندہ باد کہہ لو مگر نبیِ کریم صَلّی اللہ تعَالیٰ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کو زندہ نہ کہنے دو۔ نہ کہو۔ یہ ہیں ان بدنصیبوں کی حرکتیں سلام پڑھنے سے جلتے ہیں یہ گستاخیاں بکر کو یاد نہیں۔ صرف کلمہ گوئی کو کیا کرے گا۔ جب کلمے والے اللہ اور رسول سے ہی محبت نہیں۔ یہاں تو بکر نے صرف مذکورہ شعر کا انکار کیا ہے۔ اور امتی کو سلام کرنے سے انکار کیا ہے۔ لیکن اس کے دوسرے وہابی ساتھی تو نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالےٰ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ۔ پر سلام پڑھنے سے بھی منکر ہیں۔ بکر کا خود کو اہلِ سنّت نقشبندی کہنا مزید اُس کی وہابیت پر دال ہے۔ کیونکہ آج کل وہابی زیادہ تر نقشبندی بن جاتے ہیں۔ اِس بہانے سے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعت خوانی اور جہراً درود شریف سے منع کرتے ہیں۔ اور اِس گستاخی کا اُن کو موقعہ مل جاتا ہے۔ اِس لیئے کہ طریقت کا پہلا راستہ نقشبندیت ہے۔ وہ ذکرِ خفی سے مدارج طے کراتے ہیں اِس راستے کے سالک کو ذکرِ جہری سے منع کرتے ہیں۔ یہ اُن کا اپنا طریقۂ تدریس ہے۔ اور تصوّف کے طالب کو وہ اس طرح باطنی طور پر درسِ معرفت سے نوازتے ہیں۔ وہابی لوگ نعتِ حبیب و ذکرِ رسولِ کریمؐ کے دشمن ہیں وہ جب غلامانِ حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مساجد میں جوشِ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلِہٖ وَسَلَّمْ میں نعت خوانی کرتے دیکھتے۔ تو جل جاتے ہیں منع کرتے ہیں تو دھتکارے جاتے۔ وہابیت کا خطاب پاتے۔ کسی جگہ زیادہ جوش دکھاتے تو اہلِ سنت کے شہابِ ثاقب سے رجیم ہوتے۔ آخر بےچارے تھکے ہارے فریب کاری کے دھندے میں مشغول ہوئے۔ تو کوئی لبادہ ہاتھ نہ آیا۔ جستجوئے بسیار کے بعد لبادہ نقشبندیت ہی ہاتھ لگا۔ کہ اسی میں ذکرِ جہری کی ممانعت ہے۔ وہ عرفاءِ کرام تو صرف مبتدیوں کو ذکرِ جہری سے روکتے ہیں۔ مگر ان روسیاؤں کو تو بہانہ کی تلاش تھی ایک باڑ کی آڑ تھی۔ ہر شخص کو ذکرِ جہری بھی صرف وہ منع جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔ ورنہ اپنے مولوی کی گلا پھاڑ تقریر جائز اور ٹکے کے مولوی کو زندہ باد کہنا جائز ہے۔ بس نعت خوانی روکنے کے لیئے یہ لوگ نقشبندی بنے۔ اور اِس جال کا تانا۔ بانا سب سے پہلے اشرف علی تھانوی صاحب نے تیار کیا۔ اور دیوبند فیکٹری میں بنا جاتا رہا۔ لہٰذا اِس کے نقشبندی ہونے سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اس لیئے حضرت حکیم الامت فرمایا کرتے ہیں۔ کہ قادری، چشتی، سہروردی مشائخ کی چھان بین نہ کرو۔ مگر جب کوئی نقشبندی کا دعوےدار ہو۔ تو فوراً اِس کی نسبت اور سلسلہ دیکھو۔ اشرف علی وغیرہ کے گستاخانہ کلام کی بابت گفتگو چھیڑ دو۔ اور اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمت کا تذکرہ شروع کردو۔ انشاء اللہ تعالیٰ فوراً کھوٹا اور کھرا نکھر جائے گا۔ گویا کہ اعلیٰ حضرت کا ذکر مثلِ تیزاب ہے۔ جو فی زمانہ کھوٹے کھرے سونے کو ایک دم ظاہر کر دیتا ہے سوالِ مذکورہ

یں جس شعر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ بالکل جائز ہے۔ اس لیے کہ سلام میں سلام پانچ طریقے سے ہیں۔

پہلا:- یہ کہ کسی کو حاضر کے صیغے سے سلام کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ کسی کو دور سے سلام پہنچایا جائے جیسے کہ میرا فلاں کو سلام کہہ دینا۔ پہلے کی مثال جیسے کہ السلام علیکم۔ (۳) اپنے آپ کو سلام کرنا۔ جیسے کہ السلام علینا (۴) طریقہ یہ ہے۔ کہ کسی غائب کا نام لے کر اس کو سلام کرنا۔ جیسے فلاں شخص پر سلام ہو۔ مثلاً زید کو سلام ہو، ان چار صورتوں سے ہر شخص کو سلام کرنا جائز ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں اس کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ قرآن و حدیث اور اقوالِ فقہا سے اس کے بے شمار ثبوت ہیں۔ پہلی صورت کا سلام کرنا اس کا حکم حدیث پاک نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے مسلمانوں جب تم ایک دوسرے سے ملو۔ تو آپس میں سلام کرو چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب السلام ص۳۹۷ پر ہے:- وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یُسَلِّمُ الصَّغِیْرُ عَلَی الْکَبِیْرِ وَالْمَارُّ عَلَی الْقَاعِدِ وَالْقَلِیْلُ عَلَی الْکَثِیْرِ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ط (ترجمہ):- حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا آقائے دو عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر چھوٹے بڑے کو سلام کرے۔ اور اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، اور تھوڑے لوگ بہت لوگوں کو سلام کریں (بخاری) ہم دن رات ایک دوسرے کو سلام بوقتِ ملاقات کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں السلام علیکم التحیات میں دن میں کئی مرتبہ کہا جاتا ہے:- اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ ط جنت میں فرشتے جنتیوں کو سلام کریں گے:- سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خَالِدِیْنَ ط (ترجمہ) اے جنتیو تم پر سلام ہو۔ مبارک ہو تمہیں۔ ہمیشہ جنت میں داخل رہو۔ میدان محشر میں بعد حساب کتاب جنتیوں سے کہا جائے گا:- سَلَامٌ عَلَیْکُمْ اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ ط تم پر سلام ہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ کہ جب کوئی شخص قبرستان میں جائے۔ تو اُن الفاظ سے قبر والوں کو سلام کرے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ ط (ترجمہ):- اے مومنوں مسلمانوں تم پر سلام ہو۔ خود آقائے دو عالم نبی حضورِ اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو رب کریم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب تمہارے پاس مومن حاضر ہوں قیامت تک تو اے پیارے حبیب اُن کو سلام فرماؤ۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔ سورت انعام آیت نمبر ۵۴:- وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ ط (ترجمہ):- جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں۔ ہماری آیتوں پر تو انہیں فرمایئے:- سَلَامٌ عَلَیْکُمْ۔ اس آیتِ مطلقہ سے ثابت ہوا۔ کہ قیامت تک

کوئی بھی کہیں سے مومن میرے آقا کی بارگاہِ عالیہ میں ادب واحترام سے حاضر ہو۔ تو نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ و اٰلہ وسلم اس کو جانتے اور اس پر سلام بھیجتے ہیں۔ ان تمام دلائل سے ہر مسلمان کو سلام کرنا ثابت ہوا۔ پس لازم آیا۔ کہ ضمیر حاضر سے نبی غیر نبی ہر ایک پر سلام پڑھنا جائز ہے تو جس طرح یَا نَبِیُّ سَلَامٌ عَلَیْکَ کہنا درست ہے۔ اسی طرح آپا جی سلام علیکم کہنا بھی جائز ہے۔ سلام کا دوسرا طریقہ بھی عام مروج ہے۔ درست ہے شریعت میں اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ ہم دن رات خطوں میں لکھتے رہتے ہیں۔ کہ ہمارا سلام تمام بزرگوں کو عرض کرنا۔ اور تیسری نوعیت کا سلام ہم ہر نماز میں اَلتَّحِیَاتُ پڑھتے وقت پڑھتے ہیں۔ چنانچہ التحیات کے الفاظ ہیں۔: اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ ؕ (ترجمہ):۔ ہم پر سلام ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا۔: وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ ؕ (ترجمہ) مجھ پر سلام ہو۔ جس دن میں پیدا کیا گیا۔ یہاں بھی نبی غیر نبی سب پر اس طریقہ سے سلام کرنا جائز ثابت ہوا چوتھا طریقہ کہ بندوں کا نام ذاتی یا صفاتی لے کر ان کو سلام کیا جائے۔ یہ بھی شرعًا جائز بلکہ قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالےٰ ہے سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۴۷ میں ہے:۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (ترجمہ)۔ اور تمام ہدایت کے متبعوں پر سلام ہو۔ لفظ مُتَّبِعُ ہدایت۔ مسلمانوں کا صفاتی نام ہے۔ جو صرف مومنوں کی خصوصیت ہے۔ یہاں صفاتی نام لے کر بطریقۂ غائب سلام بھیجا گیا۔ جس سے ثابت ہوا۔ کہ غیر نبی مسلمانوں کو بحالتِ غیر موجودگی اُس کا نام لے کر سلام بھیجنا جائز ہے۔ دوسری آیت پاک میں اس سے بھی زیادہ وضاحت فرمائی گئی۔ چنانچہ سورۃ نمل آیت نمبر ۵۹ میں ہے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ؕ اے پیارے نبی فرما دو حمدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اور سلام اُن لوگوں پر ہے۔ جو اُس کے وہ بندے ہیں۔ جن کو اس نے چن لیا۔ جس طرح کہ حدیث قرآن نے مسلمانوں کو عملی اور اعتقادی صفاتی دو نام عطا فرمائے۔ ایک مومن اور دوسرا نام اہل سنت والجماعت اسی طرح لفظ عِبَادُ اللّٰہِ یا عَبْدُہٗ۔ تمام مسلمانوں کے صفاتی نام ہیں۔ تو یہاں آیت میں مسلمانوں کا صفاتی نام لے کر اُن پر سلام بھیجا جا رہا ہے اس سے بھی ثابت ہوا۔ کہ نام لے کر سلام پڑھنا شرعًا بالکل جائز ہے مذکورہ فی السوال شعر میں سلام بھیجنے کا یہی چوتھا طریقہ استعمال کیا گیا ہے۔ جو بحکم قرآنی بالکل جائز ہے۔ پس جس طرح یہ جائز ہے۔ کہ عبداللہ پر سلام ہو۔ یہ بھی جائز ہے۔ کہ کہا جائے:۔ زید پر سلام ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے۔ کہ کہا جائے والد پر سلام اور یہ بھی جائز ہے۔ کہ کہا جائے۔ اعلیٰ حضرت پر سلام ہو۔ اور جب ایک سلام جائز ہوا۔ تو

شرعاً لاکھوں سلام بھیجنے بھی جائز ہیں۔ اِن تمام دلائل سے ثابت ہوا۔ کہ مذکورہ شعر بالکل جائز ہے۔ اور پڑھنا کارِ ثواب ہے۔ بکر کا اِس پر اعتراض اس کی نادانی ہے۔ سلام کرنے کا پانچواں طریقہ یہ ہے۔ کہ غائب کی ضمیر سے کسی کو سلام کیا جائے۔ اور اس کا نام پہلے لیا جائے۔ جیسے کہ یہ کہنا۔ کہ زید اِس پر سلام ہو۔ یا یہ کہنا کہ مولانا ان پر سلام ہو۔ یا زبان عربی میں کہنا۔ کہ زید علیہ السلام۔ یا مولوی علیہ السلام جیسا کہ شیعہ روافض حضرت علی اور امامین کریمین امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو علیہ السلام کہتے۔ اور اُن کی ضد میں خارجی لوگ یا بیوقوف سنی مسلمان کہہ دیتے ہیں۔ صدیق علیہ السلام، عمر علیہ السلام، علی علیہ السلام، حسین علیہ السلام۔ یہ سب منع ہیں۔ بلکہ نا جائز و حرام ہیں۔ اس لیئے کہ لفظ علیہ السلام عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ :۔ صرف معصومین کے لیئے خاص ہیں۔ اگرچہ ترجمے کے لحاظ سے اُن میں عمومیت ہے۔ مگر منقول شرعی سے یہ مخصوص ہو گئے۔ جیسے کہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نبی کریم کے لیئے اور جَلَّ جَلَالُہٗ اللہ کریم کے لیئے مخصوص ہیں :۔ بطورِ منقول شرعی اور معصوم متفقہ طور پر صرف انبیاء کرام اور ملائکہ عظام ہیں۔ اِس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں بجز روافض کے کہ وہ اہل بیت اور پنجتن اور بارہ ائمہ کو بھی معصوم مانتے ہیں۔ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ خود ان کی معتبر کتب میں بھی اِس کا ثبوت نہیں ملتا۔ قانونِ شریعت میں مستقل طور پر کسی انسان کو علیہ السلام کہنا منع ہے۔ بجز انبیاء کرام۔ ہاں بالتبع جائز ہے۔ چنانچہ شرح شفاء جلد سوم صفحہ نمبر ۵۰۹ پر ہے :۔ کہ يَجِبُ تَخْصِيْصُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ بِالصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِيْمِ وَلَا يُشَارِكُ فِيْهِ سِوَاهُمْ ط (ترجمہ)۔ واجب ہے :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کو صلوٰۃ و سلام سے خاص کرنا اور نہ شریک کیا جائے اس علیہ السلام میں بجز انبیاء کسی کو۔ امام نووی شرح مسلم جلد اول صفحہ نمبر ۱۷۶ اور ۲۴۶ پر فرماتے ہیں۔ کہ قَالَ الشَّيْخُ اَبُوْ مُحَمَّدٍ الْجُوَيْنِيُّ۔ وَالسَّلَامُ فِيْ مَعْنَى الصَّلٰوةِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَرَنَ بَيْنَهُمَا فَلَا يُفْرَدُ بِهٖ غَائِبٌ۔ غَيْرُ الْاَنْبِيَاءِ۔ فَلَا يُقَالُ ذَالِكَ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعَلِيٌّ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَاِنَّمَا يُقَالُ ذَالِكَ خِطَابًا لِلْاَحْيَاءِ وَالْاَمْوَاتِ فَيُقَالُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ط شیخ ابو جوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا۔ کہ سلام مثل درود شریف کے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیتِ درود میں۔ سلام کو درود سے ملایا ہے۔ پس بجز انبیاء کرام کسی غائب پر غائب ضمیر سے سلام نہیں پڑھ سکتے۔ تو نہ کہا جائے۔ ابوبکر اور عمر و علی علیہم السلام ہاں۔ حاضر کی ضمیر سے زندہ مردہ کو سلام کرنا جائز ہے۔ اس لیئے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ شامی جلد پنجم ص ۵۲۳ پر ہے :۔ وَ اَمَّا السَّلَامُ فَنَقَلَ اللَّقَانِيْ

فِیْ شَرْحِ جَوْهَرَةِ التَّوْحِیْدِ۔ عَنِ الْاِمَامِ اَنَّهٗ فِیْ مَعْنَى الصَّلٰوةِ فَلَا یُسْتَعْمَلُ فِی الْغَائِبِ وَلَا یُفْرَدُ بِهٖ غَیْرُ الْاَنْبِیَاءِ فَلَا یُقَالُ عَلِیٌّ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ وَسَوَاءٌ فِیْ هٰذَا الْاَحْیَاءُ وَالْاَمْوَاتُ اِلَّا فِی الْحَاضِرِ۔ (ترجمہ) :۔ امام لقانی اپنی شرح جوہر توحید میں نقل کرتے ہیں۔ امام جوینی سے کہ سلام مثل صلوٰۃ کے ہے۔ لہٰذا غیر نبی کے لیئے غائب کی ضمیر سے سلام کو استعمال نہ کرو۔ خواہ غائب زندہ ہو۔ یا فوت شدہ۔ ہاں۔ حاضر کی ضمیر سے سلام کرنا زندہ مردہ غیر نبی کو بھی جائز ہے۔ اسی طرح حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی نے اپنی شان حبیب الرحمٰن کتاب میں حوالہ عالمگیری کتاب الکراہیۃ صفحہ نمبر ص۱۹۱ پر ارشاد فرمایا۔ مستقلاً کسی غیر نبی پر درود شریف یا صرف سلام بھیجنا بصیغہ غائب منع ہے۔ نہ امام حسین علیہ السلام کہنا جائز ہے۔ نہ۔ امام حسین صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہٖ وسلم کہنا جائز۔ اسی طرح علامہ اسمٰعیل حقی صاحب روح البیان اپنی تفسیر جلد ہشتم ص۲۲۸ پر فرماتے ہیں :۔ وَاَمَّا السَّلَامُ فَهُوَ فِیْ مَعْنَى الصَّلٰوةِ فَلَا تُسْتَعْمَلُ لِلْغَائِبِ فَلَا یُفْرَدُ بِهٖ غَیْرُ الْاَنْبِیَاءِ فَلَا یُقَالُ عَلِیٌّ عَلَیْهِ السَّلَامُ كَمَا تَقُوْلُ الرَّوَافِضُ وَتَكْتُبُهٗ وَسَوَاءٌ فِیْ هٰذَا الْاَحْیَاءُ وَالْاَمْوَاتُ۔ (ترجمہ) اور لیکن سلام پس وہ صلوات کے ہم معنٰی ہے۔ پس نہ استعمال کیا جائے غائب کے لیئے نہ اکیلے غیر نبی کے لیئے بضمیر غائب بولا جائے۔ پس نہ کہا جائے۔ علی علیہ السلام جس طرح رافضی کہتے ہیں اور لکھتے ہیں اور اس حکم میں زندہ مردہ برابر ہے۔ اشعۃ اللمعات جلد اوّل صفحہ نمبر ص۴۲۴ پر ہے :۔ مختار نزدِ جمہور آنست کہ صلوٰۃ وسلام مخصوص است با نبیاءِ کرام و مشارکت نیست با ایشاں جز ایشاں دراں۔ بلکہ ذکر کردہ شود بمغفرت ورحمت ورضوان ونقل کردہ است۔ طیبی کہ آں خلافِ اولیٰ است وبعض گفتہ اند حرام است۔ یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی ٭ ترجمہ :۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ ہی حق ہے۔ کہ صلوٰۃ وسلام انبیاء سے خاص ہے۔ کسی اور کے لیئے جائز نہیں۔ بلکہ اُن کے لیئے صرف غُفِرَ لَهٗ اور رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اور رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ کا لفظ ہی منقول ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا۔ کہ غیر نبی کو علیہ السلام کہنا خلافِ اولیٰ ہے۔ اور بعض محققین نے فرمایا۔ کہ حرام ہے۔ بعض نے مکروہ تحریمی اور بعض نے تنزیہی کا حکم لگایا۔ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد دوم صفحہ نمبر ص۵ پر ہے :۔ اَلصَّحِیْحُ اَنَّ الصَّلٰوةَ عَلٰى غَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ اِبْتِدَاءً مَكْرُوْهَةٌ كَرَاهَةَ تَنْزِیْهِیَّةٍ۔ (ترجمہ) :۔ صحیح یہ ہے کہ بے شک درود شریف غیر انبیاء پر ابتداءً مکروہ تنزیہی ہے۔ اور چونکہ سلام بھی مثل درود ہے۔ جیسا کہ پہلے ثابت کر دیا گیا۔ اور خود مرقات نے بھی آگے یہی لکھا ہے۔ لہٰذا دونوں مکروہ۔ اِن دلائل

اور حوالوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاءِ کرام کے سوا کسی اور انسانوں کو علیہ السلام وغیرہ کہنا سخت حرام ہے یا مکروہ ہے۔ لیکن فرشتے اگرچہ نبی نہیں۔ مگر اُن کو علیہ السلام کہنا جائز ہے۔ جن بزرگوں نے یہ فرمایا۔ کہ مَا یُفْرَدُ بِهٖ غَیْرُ الْاَنْبِیَاءِ ط یا فرمایا۔ مخصوص است با نبیاء۔ یعنی علیہ السلام کہنا انبیاءِ کرام سے مخصوص ہے۔ یہ خصوصیت حصر اضافی ہے۔ اِس لیئے کہ یہاں صرف دیگر انسانوں کو نکالنا مقصود ہے لہٰذا ملائکہ اس سے خارج نہ ہوں گے ورنہ اُن پہلی عبارات سے تقابل و تعارض لازم آئے گا۔ جن میں انبیاءِ کرام کے ساتھ فرشتوں کا ذکر بھی ہے۔ جیسا کہ مُلّا علی قاری مرقات دوم صفحہ نمبر ۵ پر فرماتے ہیں۔ اَلسَّلَامُ کَالصَّلٰوةِ یَعْنِیْ لَا یَجُوْزُ عَلٰی غَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمَلٰئِکَةِ اِلَّا تَبَعًا ط (ترجمہ)۔ سلام مثل صلوٰۃ کے ہے۔ یعنی غیر انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ پر سلام جائز نہیں۔ مگر ساتھ ملا کر۔ اور بہارِ شریعت حصہ شانزدہم صفحہ نمبر ۹۲ پر ہے۔ مسئلہ کسی کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا یہ انبیاء و ملائکہ کے ساتھ خاص ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام و جبرائیل علیہ السلام۔ کسی دوسرے کے نام کے ساتھ نہ کہا جائے۔ (الخ) اِن تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ جبرائیل علیہ السلام کہنا تو جائز ہوا۔ لیکن علی علیہ السلام۔ صدیق اکبر علیہ السلام کہنا منع ہے۔ ہمارے بعض بزرگوں نے اس بات سے یہ دلیل بھی لی ہے۔ کہ اس بناء پر حضرت جبرائیل کا درجہ حضرت صدیق اکبر سے زیادہ ہے۔ مگر یہ دلیل کمزور ہے۔ کیونکہ پھر تو تمام ملائکہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت جبرائیل کی تخصیص نہ رہے گی۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ نہ ہی وہ صاحب خود۔ اِن عباراتِ مندرجہ سے بطریقِ احسن ثابت ہو گیا کہ علیحدہ اور مستقل طور پر کسی کو علیہ السلام کہنا ناجائز ہے۔ ہاں انبیاءِ کرام کے ساتھ ملا کر غیر نبی کو بھی درود شریف یا سلام میں شامل کر سکتے ہیں چنانچہ قاضی ثناء اللہ عثمانی مظہری۔ سورۃِ احزاب کی تفسیر میں صفحہ نمبر ۴۱۲ پر لکھتے ہیں:۔ هَلْ یَجُوْزُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی غَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ وَالصَّحِیْحُ اَنَّهٗ یَجُوْزُ تَبَعًا وَیُکْرَهُ اِسْتِقْلَالًا لِاِخْتِصَاصِهٖ بِالْاَنْبِیَاءِ عُرْفًا ط (ترجمہ):۔ کیا جائز ہے نبی پر درود یا سلام بھیجنا؟ اور صحیح یہ ہے۔ کہ بے شک ساتھ ملا کر جائز ہے۔ علیحدہ مکروہ ہے۔ بوجہ صلوٰۃ و سلام کے خاص ہونے کے انبیاءِ کرام سے منقول عرفی میں۔ اسی طرح نبراس علی شرح عقائد صفحہ نمبر ۵۰ پر ہے:۔ لَا یَجُوْزُ التَّصْلِیَةُ وَالتَّسْلِیْمُ عَلٰی غَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ اِسْتِقْلَالًا عِنْدَ الْمُحَقِّقِیْنَ مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ خِلَافًا لِلرَّوَافِضِ (ترجمہ):۔ انبیاءِ کرام کے علاوہ کسی بھی مسلمان پر علیحدہ مستقل طور پر درود شریف

یا سلام بھیجنا منع ہے۔ محقق علماء اہل سنت کے نزدیک بخلاف شیعوں کے۔ قبلۂ عالم حضرت حکیم الامت کے فرمود میں لفظِ مستقل اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لفظ تبعًا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل کرنا جائز ہے۔ دیکھو نماز میں اور ہر درود شریف میں وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ پڑھا جاتا ہے۔ یہ جائز ہے۔ کیونکہ تبعًا ہے۔ حالانکہ اہل بیت اور صحابہ کرام سب غیر نبی ہیں۔ ان تمام دلائل سے بخوبی واضح ہو گیا۔ کہ درود شریف میں بھی تبعًا ہر امتی کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ تو سلام میں بدرجہ اولیٰ جائز ہو گا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام میں اعلیٰ حضرت پر بھی تبعًا سلام جائز ہوا۔ اگرچہ آپ غلام اور امتی ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ لفظ علیہ السلام کسی صحابی یا اہل بیت کے لیئے استعمال کرنا قطعًا جائز نہیں۔ اس کی بیماری عام طور پر شیعوں کو ہے۔ اور جاہل سنی مقررین میں بھی پائی جاتی ہے۔ عقلًا بھی یہ چیز منع ہونی چاہیئے۔ کیونکہ قرآن حدیث کے علاوہ عام رواج میں بھی بعض الفاظ ایسے مخصوص ہو جاتے ہیں۔ جن کا ترجمہ اگرچہ عام ہو مگر ہر ایک کے لیئے مستعمل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلی شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المعتمد والمستند صفحہ نمبر ۱۴۹ پر ارشاد فرماتے ہیں:۔ اَلْعُرْفُ یَخُصُّ بَعْضَ الْمَکْلِمَاتِ بِبَعْضِ الْحَالَاتِ وَالتَّجَاوُزُ عَنْہُ یُعَدُّ سُوْءُ الْاَدَبِ فَلَا یُقَالُ اَبُوْ بَکْرٍ غُفِرَلَہٗ اَوْ عَلِیُّ الْمُرْتَضٰی عَفَا اللّٰہُ عَنْہُ بَلْ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کَمَا لَا یُقَالُ مُوْسٰی وَعِیْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بَلْ صَلَاۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِمَا کَمَا لَا یُقَالُ نَبِیُّنَا عَزَّوَجَلَّ وَاِنْ کَانَ قَطْعًا عَزِیْزًا (الخ) ترجمہ:۔ عرفِ عام۔ بعض الفاظ کو بعض حالات میں اس طرح خاص کر دیتا ہے کہ اس کو چھوڑنا اور یا اس عرف و رواج سے ہٹنا بے ادبی شمار ہوتا ہے۔ پس نہیں کہا جا سکتا۔ ابوبکر غُفِرَلَہٗ یا علی مرتضٰے عَفَا اللّٰہُ عَنْہُ بلکہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔ کہنا چاہیئے۔ جیسے کہ حضرتِ موسٰی و عیسٰے کو رَضِیَ اللّٰہُ عنہ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ہی کیا جائیگا۔ اور یہ بھی کہنا گناہ ہے۔ کہ ہمارے نبی عزوجل اگرچہ تمام انبیاء کرام عزت و جلال والے ہیں۔ اس دلیل عقلی سے بھی ثابت ہوا۔ کہ کسی غیر نبی شخص کو عَلَیْہِ السَّلَامُ کہنا منع ہے اب اس میں اختلاف ہے۔ کہ یہ ممانعت حرام ہے۔ یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی میرے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور کہنے والا گنہگار ہو گا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

(۲) وہ دیوبندی جو ظاہر ظہور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرتے ہیں:۔ جیسے اشرف علی تھانوی اور خلیل احمد انبیٹھوی اور حسین علی واں بھچراں اور جو سب کچھ سمجھتے ہوئے پھر ان

اچھا سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کے پیچھے نماز قطعاً منع ہے۔ ان کی تکفیر واجب ہے۔ کہ دورِ صحابہ سے لے کر آج تک کسی زمانے میں بھی صرف کلمہ گوئی کافی نہیں سمجھی گئی۔ بارگاہِ رب العزت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کو ہر موقعہ پر زیادہ اہمیت دی گئی۔ دیکھو منافق لوگ کلمہ پڑھتے تھے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ اور غیب کے منکر تھے۔ تو رب نے قرآن کریم میں فرمایا:۔ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ:۔ آج بھی مرزائی قادیانی، چکڑالوی وَغَيْرُهُمْ فِرَقِ باطل۔ سب ہی کلمہ گوئی کر رہے ہیں۔ مگر متفقہ کافر ہیں:۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ؕ

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ

غلام لیسین نام رکھنے کا حکم اور مسلمانوں کو کون سے نام رکھنے جائز ہیں اور کون سے منع؟

سوال نمبر ۷:۔ کیا فرماتے ہیں۔ علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے علاقے کاموں کی۔ ضلع گوجرانوالہ پاکستان کی جامع مسجد میں ایک خطیب مقررہ نے بروز سابقہ جمعہ دورانِ تقریر یہ مسئلہ بیان فرمایا۔ کہ غلام لیسین نام رکھنا منع اور ناجائز ہے۔ کیونکہ لفظ لیسین خدا تعالیٰ کے اسماء میں سے بھی ہے۔ اور غلام کا عربی ترجمہ بیٹا بھی ہے۔ اس طرح غلام لیسین کا ترجمہ ہوگا۔ خدا کا بیٹا:۔ اور یہ کفر ہے۔ اس لیئے یہ نام رکھنا ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں کفر کا شبہ ہے۔ یہ مسئلہ اس سے پہلے کسی نے بیان نہ کیا۔ خود میرا نام بھی غلام لیسین ہے۔ ہم کو آپ کے حکم کا انتظار ہے۔ براہِ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں فتوے عطا فرمایا جائے۔ کہ کیا خطیب صاحب کی بات درست ہے یا نہیں اگر واقعتہً یہ نام رکھنا غلط ہو۔ تو نام تبدیل کر لیا جائے:۔ بَيِّنُوْا وَتُؤْجَرُوْا ؕ

سائل:۔ شیخ غلام لیسین معرفت چشتی اینڈ کمپنی کاموں کی ضلع گوجرانوالہ مورخہ: ۶۸-۸-۱۸

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ؕ

عزیزِ گرامی ابھی ابھی آپ کا خط وصول ہوا۔ اگرچہ جوابات استفتاء دارالافتاء مدرسہ غوثیہ نعیمیہ

سے علی الترتیب جاری کیئے جاتے ہیں۔ اور دُو دن میں ایک فتوٰے مکمّل کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے آپ کا نمبر دُو ماہ بعد تھا۔ مگر قبلہ محترم عبداللطیف صاحب مالِک چشتی اینڈ کمپنی کی معرفت کا وجوبًا احترام کرتے ہوئے ترتیب قانونی کو بوجہ الفت و محبت توڑ کر فوری طور پر آپ کو جواب دیا جا رہا ہے کیونکہ قانون کو محبوبوں کی خاطر توڑ دینا بھی سنتِ الٰہیہ ہے۔ اللہ کریم اپنے انبیاء کی خوشنودی کے لیے موت و حیات جیسے اٹل قانونِ قدرت بھی توڑ دیتا ہے۔ حالانکہ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۵ کی آیتِ کریمہ قانون کی اہمیت کو بخوبی اُجاگر فرما رہی ہے۔ بہر حال معرفت و نسبت، دنیا و آخرت میں بڑی عظیم نعمت ہے خدا جس کو نصیب کرے۔ اگر یہ معرفت نہ ہوتی۔ تو آپ کو یقینًا دُو ماہ تک کُلفتِ انتظار، برداشت کرنا پڑتی۔ آپ کا استفتاء وصول ہوتے ہی جو تحقیق میرے ذہن میں تھی۔ وہ فتوے میں درج کی جا رہی ہے۔ امید ہے۔ زیادہ تحقیق کی ضرورت محسوس نہ فرمائیں گے۔ اگر زیادہ وضاحت اور تحقیق درکار ہوئی تو کچھ وقت خرچ کر کے کتب بینی کی جائیگی۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ دوبارہ استفتاء آنے کی صورت میں۔ مکمّل فتوٰی جاری کیا جائے گا۔

جواب ملاحظہ فرمایئے:

قانونِ شریعت کے مطابق۔ اللہ اور رسول کے اسماءِ طیبہ سے اپنے نام رکھنا بلحاظ جائز و ناجائز ہونے کی چند صورتوں پر مشتمل ہے۔

پہلی صورت: یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے ذاتی نام بغیر اضافت رکھنے قطعًا ناجائز اور گناہ ہے لہٰذا کسی کو جائز نہیں کہ اپنا نام اللہ رکھے یا اللہ تعالیٰ۔ یا کسی اپنے بیٹے کا نام اِلٰہ یا معبود رکھ دے۔ ہاں اضافت کے ساتھ یہ نام رکھنا بالکل جائز ہیں۔ مثلاً عبداللہ یا عبدالمعبود نام رکھنا بالکل جائز ہیں۔

دوسری صورت:۔ یہ ہے۔ کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے مادۂ اشتقاق یا مصدر کی طرف اضافت یا بلا اضافت سے نام رکھنا بھی بالکل ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے۔ مثلاً کسی شخص کا نام عبدالتوحید یا عبدالکرم یا عبدالرزق رکھنا بھی حرام ہے۔ **تیسری صورت:**۔ باری تعالیٰ ربّ العزت کی صفاتِ خصوصیہ میں سے بغیر اضافت نام رکھنا بھی قطعًا منع ہے۔ مثلاً کسی کا نام رب تعالیٰ یا ربُّ العالمین۔ خالق، باری تعالیٰ وغیرہ رکھنا حرام ہے۔ ہاں اضافتِ عبدیّت سے جائز ہے۔ مثلاً عبدالرب عبدالرحمٰن یا عبدالخالق یا شاکر۔ باری اسی طرح رازق بغیر اضافت جائز ہے۔ مگر رزاق کسی بندے کا نام بغیر اضافت رکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ لفظِ رزاق اللہ کریم کی خصوصی صفت ہے۔ چنانچہ تفسیر صاوی جلد سوم صفحہ نمبر ۲۵۱ پر ہے:۔ فَعُلِمَ اَنَّ الْعَبْدَ یُقَالُ لَہٗ الرَّازِقُ بِھٰذَا وَلَا یُقَالُ رَزَّاقٌ

لِاَنَّہٗ مِنْ اَسْمَآءٍ مُخْتَصَّۃٍ بِہٖ تَعَالیٰ ؎ (ترجمہ) :- بندے کو رازق کہنا جائز ہے۔ لیکن رزّاق کہنا گناہ ہے۔ کیونکہ یہ لفظِ رزّاق اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفات میں سے ہے۔ **چوتھی صورت** :- یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ غیر خصوصی کو بلا اضافت یا اضافت سے نام رکھنا۔ یہ بالکل جائز ہے۔ مثلاً عبدالکریم نام رکھنا بھی جائز اور کریم نام رکھنا بھی شرعاً بالکل جائز۔ **پانچویں صورت** :- یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت میں عبدیت اور شاکریت کی نسبت چھوڑ کر۔ ایسے لفظ کی اضافت کی جائے۔ جو یا تو بذاتِ خود گستاخی ہو یا اس میں گستاخی کا شائبہ ہو۔ مثلاً کسی کا نام ابن اللہ یا ابن الرب یا صاحبۃ اللہ یا بنت اللہ رکھنا، حرام قطعی ہے۔ کہ اس میں صراحتاً گستاخی ہے۔ اور اللہ و رسول کی گستاخی کفرِ حقیقی ہے۔ اسی طرح کسی کا نام غلام اللہ یا امراۃُ اللہ یا نساءُ اللہ رکھنا گناہِ کبیرہ ہے۔ کہ یہ الفاظ مشترکُ المعانی ہیں۔ ان میں گستاخی کا احتمال نکلتا ہے۔ اس لیے کہ غلام کا ایک معنیٰ ہے۔ بیٹا اور لفظِ نساءٌ اور امرأۃٌ بیوی کو بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ لغاتِ کشوری صفحہ نمبر ۳۲۷ پر ہے۔ غلام، لڑکا مجازاً، نوکر، بندہ یعنی حقیقی ترجمہ ہے، لڑکا، مجازاً نوکر۔ عبد کو بھی غلام کہہ دیتے ہیں۔ مجمع البحار جلد سوم صفحہ نمبر ۳۶ پر ہے :- اَلْغُلَامُ یُقَالُ لِلصَّبِیِّ مِنْ حِیْنِ الْوِلَادَۃِ اِلَی الْبُلُوْغِ ؎ (ترجمہ) :- لفظِ غلام ہر بچے کو بلوغ تک کہا جاتا ہے۔ فقہاءِ کرام باب النسب میں فرماتے ہیں :- اِمْرَأَۃُ الرَّجُلِ تَلِدُ غُلَامَہٗ اِنْ لَّمْ یُنْکِرْ (ترجمہ) اگر خاوند منکر نہ ہو۔ تو بیوی اپنے خاوند ہی کا بیٹا جنتی ہے۔ یعنی نسب ثابت ہو جاتا ہے قرآنِ کریم میں ارشاد ہے لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ؎ ہر مسلک کا مترجم اس کا ترجمہ یہی کرتا ہے کہ جبرائیل نے کہا۔ میں بخشوں گا۔ اے مریم تجھ کو پاک بیٹا۔ ثابت ہوا۔ کہ غلام کا معنٰے بیٹا بھی ہے :- قرآنِ کریم فرماتا ہے۔ یَا نِسَآءَ النَّبِیِّ ؎ (ترجمہ) :- اے نبی کی بیویو۔ فقہاءِ کرام کتاب الطلاق باب المحرمات میں بہت جگہ ارشاد فرماتے ہیں :- اِمْرَأَۃُ الصَّغِیْرِ ؎ (ترجمہ) :- یعنی نابالغ کی بیوی لہٰذا ان مشترک الفاظ کی نسبتِ اضافت اسمِ باری تعالیٰ کی طرف سخت ترین گناہ ہے یہ پانچ صورتیں وہ تھیں۔ جو اسماءِ ربُّ العزت سے متعلق تھیں اُن میں بعض جائز اور بعض ناجائز مسلمانوں کو چاہیے۔ کہ نام رکھتے وقت ان احتیاطوں کو مدِ نظر رکھیں :- **چھٹی صورت** :- یہ ہے۔ کہ بغیر اضافت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسمِ پاک ذاتی سے۔ اپنا یا۔ اپنے بیٹے کا نام رکھا جائے۔ بالکل جائز ہے۔ بلکہ باعثِ برکت ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام بلا اضافت رکھنا منع ہے۔ مگر نبی پاک کا ذاتی نام اپنے بیٹے رکھنا جائز ہے۔ مثلاً لفظِ احمد یا لفظِ محمد ہر مسلمان اپنا نام رکھ سکتا ہے۔ اضافت ہو یا نہ ہو۔ یہاں بھی اضافت میں یہ شرط ہے۔ کہ گستاخی ظاہری۔

یا معنوی نہ ہو۔ اسی لیئے محمد آلِ حسن نام رکھنا منع ہے۔ کہ لفظِ آل میں صغریت ہے۔ اس کی نسبت لفظِ محمد کی طرف کرنا گناہِ عظیم ہے۔ فقط آلِ حسن نام رکھنا جائز ہے۔ لہٰذا غلام محمد، احمد بخش، عبد المصطفےٰ نام رکھنے بالکل جائز ہیں۔ کیونکہ لفظِ عبد بمعنے مطیع ہے۔ **ساتویں صورت** :- یہ ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی صفت سے بغیر اضافت نام رکھا جائے۔ مثلاً نبی رسول نام رکھنا یا ذاتی اسم مبارک اور صفتِ خصوصی کو ملا کر نام رکھا جائے۔ مثلاً محمد نبی یا نبی احمد یہ سب گناہ ہے کیونکہ لفظِ نبی وغیرہ نبی کریم کی خصوصی صفات ہیں۔ اسی طرح نبی کریم علیہ التحیۃ والثناء کی خصوصی صفت کو اللہ کریم کے ذاتی یا خصوصی نام سے ملا کر نام رکھنا بھی نا جائز ہے۔ مثلاً کسی کا نام نبی اللہ رکھنا۔ یا رسول الرحمٰن رکھنا قطعاً گناہ کبیرہ ہے :- **آٹھویں صورت** :- یہ ہے۔ کہ آقائے دو عالم حضور اقدس صَلَّی اللہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی صفاتِ غیر خصوصیہ سے بلا اضافت نام رکھنا بالکل درست ہے۔ مثلاً کسی کا نام رحیم و رؤف، رحمت، نور وغیرہ رکھنا بالکل جائز ہے۔ اسی طرح ذاتی نام کے ساتھ غیر خصوصی صفت لگا کر نام رکھنا بھی ٹھیک ہے۔ جیسے کہ رؤف احمد، محمد کریم۔ ایسے ہی غیر خصوصی صفت کو باری تعالیٰ کے ذاتی نام سے ملا کر رکھنا بھی جائز ہے۔ مثلاً **حبیب اللہ**، کریم اللہ، شفیق الرحمٰن۔ یہ نام شرعاً جائز ہیں۔ یہ تھیں آٹھ صورتیں جن سے معلوم ہو گیا۔ کہ مسلمان کو اللہ اور رسول کے ناموں سے کون سا نام منتخب کرنا جائز ہے۔ کونسا اپنے لیئے وضع کرنا حرام اور رنا جائز ہے۔ ان تمام شقوں کو سمجھنے کے بعد مسئلہ مذکورہ کا جواب ملاحظہ ہو۔ قانونِ شرعی کے مطابق غلام یٰسین نام رکھنا بالکل جائز ہے۔ اس لئے کہ صحیح تو یہ ہے کہ لفظِ یٰسین آقائے دو عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسم خصوصی ہے۔ چنانچہ تفسیر معانی التنزیل خازن جلد پنجم صفحہ نمبر ۱۹۴ پر سورۃ یٰسین کو شروع ہی اس طرح کیا گیا ہے (سُوْرَۃُ یٰسٓ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ مَکِّیَّۃٌ) ترجمہ :- یٰسین علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی صورت مکی ہے۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ یہ آقائے کائنات محمد مصطفےٰ علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا نام خصوصی ہے۔ تفسیر مدارک علی اربع تفاسیر جلد پنجم صفحہ نمبر ۱۹۵ پر ہے :-

(یٰسٓ) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا مَعْنَاہُ یَا اِنْسَانُ فِیْ لُغَۃِ طَیٍّ وَعَنْ اِبْنِ الْحَنَفِیَّۃِ یَا مُحَمَّدُ لِحَدِیْثٍ اِنَّ اللہَ تَعَالیٰ سَمَّانِیْ فِی الْقُرْاٰنِ بِسَبْعَۃِ اَسْمَآءٍ۔

نمبر ۱ مُحَمَّدٌ ۲ اَحْمَدُ ۳ طٰہٰ ۴ یٰسٓ ۵ اَلْمُزَّمِّلُ ۶ وَالْمُدَّثِّرُ ۷ عَبْدُ اللہِ (ترجمہ) :- حضرت ابن عباس اور عکرمہ اور ضحاک اور حسن اور سفیان بن عیینہ سب اکابر فرماتے ہیں۔ کہ یٰسین کے معنی ہیں۔ یا انسان سعید بن جبیر نے فرمایا۔ کہ اسی طرح

مشہور لغت حبشہ میں ہے۔ اور لفظِ انسان سے قرآن کریم میں نبی کریم ہی خطاب مراد ہوتے ہیں۔ جیسے کہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ میں لفظِ انسان سے کثیر مفسرین کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم ہی مراد ہیں۔

ان عبارات صحابہ سے بھی ثابت ہوا۔ کہ۔ یٰسٓ۔ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصی صفت ہے۔

علماء متقدمین میں حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اپنے ترجمۂ قرآن میں فرماتے ہیں۔ یٰسٓ کا ترجمہ۔ اے سید۔ بوستان صفحہ نمبر ۵ پر فرماتے ہیں شعر

ترا عز لولاک تمکین بس است ثنائے تو طٰہٰ و یٰسٓ بس است

علماء متاخرین میں سے حضرت مولانا اسرار احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔ شعر

ہو کس زباں سے شکر ادا تیرا اے خدا اپنے حبیبِ پاک کو قرآں میں جا بجا

یٰسٓ کہیں پکارا تو طٰہٰ کہیں کہا حٰمٓ، ن اور کہیں وَالشَّمْسِ وَالضُّحیٰ

میں کیا ہوں جو ثنا و صفت آپ کی کروں

تم سب پڑھو درود میں نعتِ نبی کروں

ان فرمودات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ لفظِ یٰسٓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک ہے:۔ دَلَائِلُ الْخَیْرَات، شریف میں صوفی اکمل ولی کامل علامہ محمد جزولی صفحہ نمبر ۱۱۱ پر آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسماءِ حسنہ میں فرماتے ہیں:۔ طٰہٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ۵ یٰسٓ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ۵ حتماً واضح ہوا۔ کہ یہ لفظ مبارک رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسم مبارک ہے۔ بعض نے کہا۔ کہ یہ لفظ متشابہات سے ہے۔ مگر یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ لفظِ یٰسٓ بقولِ اجلہ صحابہ و تابعین مرکبِ ندائی ہے۔ جس کو لفظ متصلہ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابھی ابنِ کثیر کی عبارت سے ثابت کیا گیا۔ اس کا پہلا حرف یا ہے۔ دوسرا سین ہے۔ قبیلہ بنی طے کی عربی لغت میں سین کے معنیٰ ہیں انسان۔ متشابہات وہ حروف ہوتے ہیں۔ جو کسی زبان میں کسی بھی معنیٰ میں مستعمل نہ ہوتے ہوں۔ اور پھر اگر یہ لفظ متشابہات سے ہوتا۔ تو صحابہ کرام کو اس کا معنیٰ و مطلب نکالنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ متشابہات کے پیچھے پڑنا جہلا کا کام ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ ۵ (ترجمہ) متشابہات کا ذاتی علم بجز پروردگارِ عالم کے کسی کو نہیں بڑے بڑے علم والے یہی کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہم ایمان لے آئے۔ اس کے اس منشاء و مقاصد پر۔ مسلک احناف میں وَالرّٰسِخُوْنَ علیحدہ جملہ ہے۔ مگر روافض شیعہ کے نزدیک

اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ کا عطف ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ اگر دونوں کا عطف تسلیم کیا جائے تو یَقُوْلُوْنَ سے دونوں کا تعلقِ فاعلی لازم آئے گا۔ جو صریحاً کفر کی طرف راجع ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ ذاتی طور پر متشابہات کا علم کسی کو نہیں۔ جیسا کہ روح البیان جلد ہفتم صفحہ نمبر ص۳۶۵ پر ہے۔ وَذَهَبَ قَوْمٌ اِلٰی اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمْ یَجْعَلْ لِاَحَدٍ سَبِیْلًا اِلٰی اِدْرَاکِ مَعَانِی الْحُرُوْفِ الْمُقَطَّعَةِ مِنْ اَوَائِلِ السُّوَرِ ۵ :۔ (ترجمہ) وہی جو اوپر گزرا :۔

اور علم عطائی صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اگر لفظ یٰسٓ بھی متشابہ ہوتا۔ تو کسی کو ہمت نہ تھی۔ کہ اس کا مطلب بیان کرتا۔ شوافع بھی اسی عطف کے قائل ہیں بہر حال یہ غلط ہے۔ صاف ظاہر ہوا۔ کہ لفظ یٰسٓ نبی کریم رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ لفظ یٰسٓ قرآنِ کریم کا نام ہے۔ اور بعض کا قول ہے۔ کہ یہ لفظ اللہ تعالےٰ کا نام ہے۔ اسی کو ہمارے خطیب صاحب مذکور نے اپنا مسلک بنایا۔ مگر یہ دونوں قول بھی غلط ہیں۔ اور یہ بات شعورِ ایمانی کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگلی عبارت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہی خطاب ہے۔ اور خطاب سے پہلے ندا فصاحت کے عین مطابق ہے۔ باعتبار لغت یٰسٓ۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام مبارک ہے۔ جیسا کہ لغاتِ کشوری میں صفحہ نمبر ص۵۷۹ پر ہے :۔ اب رہا یہ سوال۔ کہ لفظِ یاسین کا ترجمہ کیا ہے۔ تو لغتِ قبیلہ طے میں اس کا ترجمہ ہے :۔ یا انسان۔ جیسے کہ ابھی اوپر ذکر کیا گیا بیان ہوا مگر اہلِ تحقیق کے نزدیک یہاں اس کا ترجمہ ہے۔ اے کائنات کے سردار۔ چنانچہ تفسیر حسینی پارہ ۲۲ میں یہی لکھا ہے۔ کہ یٰسٓ کے معنی ہیں اے سردار۔ تفسیر روح البیان جلد ہفتم ص۳۶۵ پر ہے۔ حَرْفُ سِیْنٍ اِشَارَۃٌ بِکَلِمَةِ یَا سَیِّدَ الْبَشَرِ اَوْ یَا سَیِّدَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ۵ (ترجمہ) :۔ حرفِ سین سے اس طرف اشارہ ہے۔ کہ اے سید البشر یا اے اوّلین و آخرین کے سردار۔ خود حدیثِ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے۔ کہ آپ ہی کائنات باری عزاسمہ، کے سردار معظم ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ص۵۱۱ پر ہے۔ اور جامع صغیر جلد اوّل صفحہ نمبر ص۱۰۷ پر ہے :۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۵ (ترجمہ) آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ میں اولادِ آدم یعنی انسانوں کا سردار ہوں۔ قیامت کے دن۔ صرف انسانوں کا ذکر اس لیئے ہے۔ کہ انسان سب مخلوق کے سردار قیامت کا ذکر صرف اظہارِ شان کے لیئے ہے۔ کہ اس دن سرداری مجب آب وتاب سے ظاہر ہوگی۔ ورنہ آج بھی سب مخلوق کی سرداری کا سہرا سرور کائنات علیہ السلام کے سر پر ہی ہے۔ اِس لیئے ربّ العزت نے ارشاد فرمایا۔ یٰسٓ۔ اے کائنات کے سردار۔ پس اُن دلائل متعدّدہ سے ثابت ہوا۔ کہ یٰسٓ کا ترجمہ ہے۔ اے سردار۔ اور یہ لفظ آپ کا عظیم صفاتی خصوصی نام ہے۔ روح البیان کے نزدیک لفظِ یٰسٓ مفرد ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔ وَیُؤَیِّدُہٗ اَنَّہٗ یُقَالُ لِاَھْلِ بَیْتِہٖ اٰلِ یٰسٓ ۵ (ترجمہ):۔ اور تائید کرتا ہے۔ اس کی یہ قول کہ کہا جاتا ہے۔ اہلِ بیت کو آلِ یٰسٓ۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ لفظِ یٰسٓ مفرد ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلِہٖ وَسلم کا نام خصوصی ہے۔ تو جس طرح غلام محمد اور غلام نبی نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح غلام یٰسین بھی نام رکھنا جائز ہے۔ وہ جن خطیب صاحب نے غلام یٰسین نام رکھنا ناجائز بتایا ہے۔ وہ کم فہم معلوم ہوتے ہیں۔ ہمیشہ ایسے ناموں سے منع کرنا چاہیئے۔ جو یا تو منحوس ہوں۔ اور یا مشابہ کفر ہوں۔ یا بے معنیٰ ہوں۔ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے نام تبدیل فرما دیا کرتے تھے غلام یٰسین بہت پیارا اور شاندار نام ہے۔ بجائے اس کے کہ مسلمان انگریزوں کی مثل، سویٹی، کیٹی، پروین، لبو۔ ڈبو۔ نام رکھیں۔ بہتر یہ ہے۔ کہ پیارے آقا کی نسبت سے مسلمان بچوں کے نام رکھیں۔ تاکہ نام کی نسبت سے کام وعمل میں برکتیں ہوں۔ لہٰذا غلام یٰسٓ نام رکھنا جائز ہے۔ ہاں چونکہ لفظِ یٰسین نبی کریم کا ذاتی نام نہیں اور نہ ہی غیر خصوصی صفت ہے۔ بلکہ یہ لفظ آپ کی خصوصی صفت ہے۔ اِس لیئے صرف یٰسٓ نام نہ رکھا جائے۔ جیسے کہ پہلے بتادیا۔ کہ کوئی شخص اپنا نام صفتِ خصوصی سے نہیں رکھ سکتا۔ مثلاً نبی یا رسول نام رکھنا منع ہے۔ اسی طرح فقط یٰسین نام رکھنا بھی منع ہے۔ کیونکہ نبی بھی خصوصی صفت اور یٰسٓ بھی خصوصی صفت۔ اور جیسے کہ محمد، نبی یا نبی احمد نام رکھنا منع ہے۔ اور ایسے ہی محمد یٰسٓ نام رکھنا بھی منع ہے۔ صرف غلام یٰسین نام رکھنا جائز ہے:۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ ۵

کتبہ

داڑھی مبارک اسلام کا عظیم الشان شعار ہے

سوال ۸۰: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ دین اسلام میں داڑھی کا کیا مقام ہے۔ اور داڑھی مبارک کی شرعی حد کیا ہے۔ کیا شریعت کی رو سے داڑھی کترانا گناہ ہے یا نہیں۔ اور داڑھی مونڈنا یا منڈانا اچھا ہے یا برا۔ داڑھی کترانے والا، شریعت میں کیا اچھا مقام رکھتا ہے؟ یا مجرمانہ حیثیت۔ احادیث و قرآن میں یا فقہ اسلامی میں داڑھی شریف کے متعلق کیا حکم ہے۔ سنت ہے یا فرض یا واجب۔ ہمارے علاقے میں جماعت اسلامی والے بالکل خشخاش کے برابر داڑھی رکھتے ہیں۔ بلکہ بعض وہ لوگ جنہوں نے پہلے مودودی صاحب کی دیکھا دیکھی بڑی داڑھی رکھی تھی۔ اب انہوں نے بھی بالکل چھوٹی کرا دی۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے مودودی صاحب نے پوری تحقیق کر لی ہے اور ثابت کر دیا ہے۔ کہ داڑھی کی شریعت میں کوئی خاص اہمیت نہیں۔ کوئی رکھے نہ رکھے۔ چھوٹی سے چھوٹی داڑھی بھی اسلامی داڑھی ہے۔ اسلام نے داڑھی کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ مودودی صاحب کی کتاب رسائل و مسائل کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ یہاں مسلمان بزرگوں میں اس بات سے کافی تشویش ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ نوجوانوں کی داڑھیاں رکھائی گئیں مگر اب مودودی اور ان کی پارٹی کے لوگ ایسی زہریلی باتیں کر کے ان نوجوانوں کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی یہ لوگ مصریوں عربیوں کی داڑھی کا حوالہ دیتے ہیں۔ کبھی کسی طرف کی باتیں کرتے ہیں۔ انہوں نے ہم کو باہمی مکالمے یا مناظرے کا اس موضوع پر چیلنج دیا ہے۔ آٹھ دن بعد ہمیں نے ان سے داڑھی کے مسئلے پر مناظرہ کرنا ہے۔ میں سخت فکر مند ہوں۔ میرے پاس فی الحال ٹھوس دلائل نہیں۔ میں آپ سے پورا واقف نہیں۔ البتہ مجھ کو یہاں کے سب بزرگوں نے آپ ہی کا پتہ بتایا۔ لہٰذا آپ جناب کی خدمت اقدس میں یہ سوال نامہ بھیج رہا ہوں۔ مع جوابی لفافہ۔ جلد از جلد جواب ارسال فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں۔ میری فتح آپ کی فتح ہو گی۔ بَیِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا

سائل: آپ کا خادم: اقبال احمد جعفری بہاولپور شہر طالب علم کالج ایم اے اسلامیات

مورخہ: ۱۹۷۳-۹-۱۱

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

عزیز گرامی مجاہد اہل سنت پیاری تحریر وصول ہوئی۔ داڑھی شریف کے متعلق ہمارے مقتدا امام المسلمین تاجدار سنیت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ نے ایک بسوط

کتاب لکھی، جو آپ کو بہت مفید تھی۔ مگر سوئے اتفاق سے وہ اس وقت ہمارے کتب خانہ میں نہیں ورنہ وہی بھیج دی جاتی۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی تحریر کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن آپ کو جلدی کے پیش نظر مختصر دلائل لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ آپ کے خط کے بعد بحیثیت مفتیٔ اسلام ہونے کے اور فتویٰ نویسی کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے میں نے خود رسائل و مسائل کا مطالعہ کیا۔ اور مذکورہ فی السوال مقامات کو بغور دیکھا سوال کی مختصر عبارت سے کہیں بڑھ چڑھ کر نکلیں۔ داڑھی شریف کے متعلق مودودی صاحب کی عبارات موجودہ دور میں نوجوان طبقے کے لئے بہت خطرناک پائیں۔ مودودی صاحب کی اپنی صورت اور پھر ان کی عبارات داڑھی شریف کی مخالفت میں دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ مزید کتب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مودودی اور ان کی پارٹی عقیدۃً ایک وہابی ٹولہ ہے۔ اور عملاً آزاد خیالی ہے۔ جو سراسر منزلِ گمراہی ہے۔ جناب مودودی صاحب کی اپنی داڑھی بالکل شریعت مطہرہ کے مطابق ہے۔ مگر اپنی اس تحریر کے آئینے میں سرسید علی گڑھی کی داڑھی کی طرح محض ایک بہروپ نظر آتا ہے۔ مودودی صاحب کا رسائل و مسائل جلد اول میں یہ کہنا کہ شریعت میں داڑھی کا کوئی مقام یا مقدار نہیں۔ عجب لا علمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ شریعت تو قرآن و حدیث اور اجماعِ اُمت و قیاس کا نام ہے۔ حالانکہ ان تمام میں داڑھی کا پورا مقام و درجہ واضح ہے۔ کیا مودودی صاحب اور ان کا ٹولہ بھی ان ہی اصول اربعہ کو شریعت مانتا ہے۔ اگر ایسا ہی واقعہ ہے تو داڑھی کے متعلق ایسی غیر ذمہ دارانہ تحریر سے ہم سوائے غفلت یا زمانہ سازی کے کیا اندازے لگا سکتے ہیں قانونِ شریعت میں بے شمار آیات و احادیث اور فقہ آئمہ اربعہ سے اور عقلاً نقلاً داڑھی کا ہر طرح ثبوت ملتا ہے۔ جہاں تک دلائلِ لحیہ کا تعلق ہے۔ تو ایک مومن کامل عاشقِ رسول الفت احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں سرسبز و شاداب کے لئے تو شمائلِ ترمذی اور مسلم شریف کی دو روائتیں ہی کافی ہیں۔

چنانچہ شمائلِ ترمذی صفحہ نمبر ۲ پر ہے:۔ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ابْنُ وَكِيعٍ الخ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ خَالِيَ هِنْدَ ابْنَ أَبِي هَالَةَ وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الخ. فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ (الخ) كَثُّ اللِّحْيَةِ ۔ (الخ)۔ ترجمہ:۔ امام عالی مقام حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے ماموں یعنی نبی کریم کے مُتَبَنّیٰ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کے متعلق سوال کیا۔ اور آپ کا کام بھی یہی تھا۔ کہ لوگوں کے سامنے آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شکلِ پاک کے اوصاف ہی بیان کرتے رہتے (کیسی پیاری عبادت ہے جسے اللہ تعالیٰ نصیب کرے) تو میرے پوچھنے پر آپ نے فرمایا

کہ پیارے آقا علیہ التحیۃ والثناء بھرے چہرے والے بارعب جسم شریف والے تھے۔ آپ کا چہرہ مقدسہ اس طرح نور بکھیرتا تھا۔ جس طرح چودھویں رات کا چاند ساری کائنات کو منور کرتا ہے۔ اور گھنی داڑھی شریف تھی۔ مسلم شریف جلد دوم صفحہ نمبر ۲۵۹ پر اس طرح الفاظ ہیں۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔ قَالَ۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَثِیْرُ شَعْرِ اللِّحْیَۃِ ۵ (ترجمہ)

: حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی پاک کے بال مبارک بہت بھرے ہوئے تھے۔ محبِ صادق کے لیئے یہ دو حدیثیں ہی دلائل کثیرہ دبراہینِ عدیدہ ہیں۔ اس لیئے کہ حبیب کو محبوب کی ہر ادا پیاری ہوتی ہے۔ اور مومن کے لیئے سراپا ایمان فخر الاسلام احمد مجتبیٰ کی اداؤں کی نقل ہی عبادتِ عظمیٰ ہے اسی لیئے ربِّ کریم نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ پارہ ۲۱ نمبر ۲۱ آیت ۲۱ ترجمہ: اے دنیا بھر کے مسلمانوں بے شک تمہارے لیئے اللہ کے رسول کے طور طریقوں میں اچھا نمونہ ہے۔ تمام انبیاء کرام خصوصاً آقائے دو عالم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، علیہم اجمعین و علیہم السلام کا کوئی فعل، کوئی عمل، کوئی طریقہ، کسی عادت یا رواج کی بنا پر نہیں ہوتا۔ نہ محض قومی فیشن کی وجہ سے بلکہ حضراتِ انبیاء کے تمام افعالِ طیبہ طاہرہ قانونِ شریعت ہوتا ہے۔ بلکہ نبی کریم کی عادتِ مبارکہ بھی رواجی نہیں شرعی ہے۔ اسی لیئے آپ کے وہ افعال جو محض عادتِ کریمہ سے ظاہر ہوئے۔ مثلاً کدو، شہد اور دودھ پسند فرمانا، ان کو اختیار کرنا بھی ہر مسلمان کے لیئے مستحب ہے۔ اور جو افعال عادتِ کریمہ سے نہیں اُن پر عمل کرنا ہر مومن پر واجب ہے۔ داڑھی انہی میں سے ہے، جیسا کہ آگے ثابت ہوگا۔ توضیح صفحہ نمبر ۳۱۳ پر ہے۔ یَجِبُ عَلَیْنَا اِتِّبَاعُ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ اَفْعَالِہِ الَّتِیْ لَیْسَتْ بِسَھْوٍ وَلَا طَبْعٍ وَلَا مُخْتَصَّۃٍ بِہٖ۔ اور یہ کہنا عین مناسب ہے کہ محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے تمام عمل یہاں تک کہ اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا، سونا، جاگنا ہی اصل دینِ اسلام ہے۔ اگر دین و شریعت سے کردارِ احمد مجتبیٰ کو علیحدہ کر دیا جائے۔ تو دین بے پتوں اور بے جڑ والا درخت ہے۔ احادیث و سنتِ رسول اللہ سے ہی دین کی بہار ہے۔ حدیثوں کو چھوڑ کر دین کچھ بھی نہیں۔ یہ اس لیئے ہے۔ کہ انبیاء کرام صرف وہی کام ادا فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو۔ کیونکہ مقصد بعثتِ انبیاء کرام معاشرے کو درست کرنا اور قومی رواجوں اور فیشنوں کو ختم کرنا ہے۔ دین اور شریعت صرف نماز، روزہ نہیں بلکہ دینِ اسلام، حیاتِ دنیا کے ہر کام پر بالادستی رکھتا ہے۔ نبیِ کریم رؤف و رحیم سب کو اپنے نقشِ قدم پر چلانے کے لیئے تشریف لائے۔ کسی رسم و رواج کو اپنانا شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ ورنہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ غارِ حرا کی نمازیں اور عبادات اور ریاضات کس رواج کے مطابق تھیں۔ اُس ظالم دور میں دریتیم صلی اللہ علیہ وسلم کا

یتیم کا ملجا و ماویٰ داد رس، فریاد رس، مشکل کشا ہونا، صادق الوعد و امین ہونا کس معاشرے سے متعلق تھا۔ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو معاشرے کا لباس تک اختیار نہ فرمایا۔ بلکہ اپنے اور مسلمان کے لیئے شریعت پاک کا علیحدہ لباس مرتب فرمایا (دیکھو کتبِ احادیث میں بابُ لباس النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔
پس ثابت ہوا کہ انبیاء و مرسلین کے تمام افعالِ طیبہ اعمالِ طاہرہ قوم اور اُمت کے لیئے نمونہ ہے۔ نبی کریم کے عادات و خصائل بھی عبادتِ اسلامیہ ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اہمیت و مدارج کے اعتبار سے بعض فرض، بعض واجب، بعض سنتِ مؤکدہ اور غیر مؤکدہ ہوگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کی نقل ہی ایمان بخش قانون ہے۔ وہی مومن کامل ہے۔ جو صورتاً، سیرۃً، ظاہراً، باطناً، اولاً، آخراً، سرکارِ اولین و آخرین کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرے۔ اور نبی کریم کے ہر عمل اور ہر حکم کو خدائے برتر و قہار کا حکم جانے۔ اور یہ سب کچھ عشقِ مصطفےٰ سے حاصل ہوتا ہے۔ ایسی پیاری سمجھ والے کے لیئے تو بس یہ دو روائتیں ہی کافی ہیں مگر فی زمانہ اس طرح بیہودہ گستاخانہ ابن الوقت قسم کی تحریروں نے قوم کے اوباشوں کو گمراہی کی حد تک بے باک کر دیا۔ دینی شرم و حیا مفقود، ایمانی ادب و احترام ختم۔ یہیں پر بس نہیں۔ بلکہ مودودی قسم کے لوگوں کی تحریریں پڑھ کر بعض لوگ اسلام پر دلیر بن گئے۔ کبھی نماز کا مذاق کرتا۔ کبھی نمازیوں کو بُرا سمجھنا۔ کبھی مسجد کی تضحیک۔ کبھی علماء اور امام مساجد پر پھبتیاں کستا۔ کبھی داڑھی کو نشانہ بنانا۔ گویا سیاسی پریکٹس ہے۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا۔ کہ ہندو مشرک بھی مسجدوں کا اس طرح ادب کرتے تھے۔ کہ جب کسی گلی، محلے، میں ڈھول باجے کے ساتھ گذرتے تو مسجد کے پاس خاموش ہو جاتے۔ مگر اس زمانے کا مسلمان دل میں اتنا ادب بھی قائم نہیں رکھتا۔ یہ سب ایسی صحبتوں اور ایسے رسائل کی تربیت کا ہی اثر ہے۔ حمقاء نے اسلامی باتوں کو نقصان دہ کہنا شروع کر دیا۔ ایسی باتیں اسی دَور میں سننے میں آئیں۔ کہ (معاذ اللہ) داڑھی نقصان دہ ہے۔ اور لڑائی کے وقت مار پڑواتی ہے، کہ دشمن اسی کو پکڑ کر مارتا ہے۔ پوچھو بیوقوفوں سے کس نے کہا ہے۔ کہ داڑھی رکھ کر تم لوگوں سے مار کھاتے رہو۔ کیوں ایسے بیہودہ کام کرو۔ کہ لوگ تم کو ماریں۔ اور پھر داڑھی منڈانے والوں کو لوگ ہاتھ پکڑ کر مارتے ہیں۔ تو چاہیئے کہ سارے داڑھی منڈے لوگ اپنے اپنے ہاتھ بھی کٹا دیں کہ یہ بھی نقصان دہ ہیں۔ یاد رکھو کہ داڑھی پکڑ کر کوئی نہیں مارتا کیونکہ داڑھی رکھ کر قدرتاً خود بخود اکثر لوگ مہذب ہو جاتے ہیں بد تہذیبی تو آوارہ مزاجی آزاد خیالی سے آتی ہے۔ مار تو پڑتی ہے ان ریچھ نما سروں اور سر کے ریچھ نما بالوں سے۔ جو اب ایک فیشن بنتا جا رہا ہے۔ ہر مہذب چیز میں نکتہ چینیاں کرنا۔ اور از راہِ دل لگی ہر بات میں ثبوت مانگنا فی زمانہ ایک رواج بن چکا ہے۔ حالانکہ جو زیادہ ثبوت مانگتے پھرتے ہیں۔ وہ عمل بالکل نہیں کرتے۔ لیکن اتمامِ حجت کے لیئے مندرجہ ذیل عبارت میں داڑھی سے متعلق پورے دلائل پیش کیئے جاتے ہیں:-

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ رَؤُفِ الرَّحِیْمِ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ:۔
جاننا چاہیئے۔ کہ مسلمان کی داڑھی اسلام کا نشانِ اعظم ہے۔ از آدم علیہ السلام تا سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر تا حضرت اویس قرنی۔ اسی طرح از حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ تا ایں زمانہ تمام ہادی بزرگ اکابرِ اسلام نے اِس نشانِ اعظم کو اپنے مُقدّس چہروں سے وابستہ رکھا۔ یہ وابستگی بھی داڑھی شریف کی بلندی مقام کی بہت بڑی دلیل ہے قرآن کریم فرماتا ہے:۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ط (پ۱۷ آیت نمبر ۳۲ سورۃ حج):۔ ترجمہ:۔ اور کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے نشانات کی تعظیم اور ادب کرے کیونکہ تعظیم دلوں کا تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نشانات مثل ممنوعہ علاقوں کے ہیں۔ ان میں عقل و خرد کی دست درازیوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ کسی شخص کو اجازت نہیں کہ اللہ اور رسول کے ان شعائر میں اپنی ناقص عقل سے کتر بیونت کو حلال جانے۔ چنانچہ قرآنِ مجید پارہ نمبر ۶ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۲ میں ارشاد باری ہے:۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ:۔ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! نہ حلال کر لینا تم اللہ کے نشانات کو (اپنی دست درازیوں کے لیئے) اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کے تمام اصول و فروع بالکل مقرّر و معیّن ہیں۔ بخلاف دیگر ادیانِ باطلہ کے اُن کا کوئی طریقہ دینی معیّن نہ ہوا۔ ہر دور میں کچھ مدّت معیّنہ کے بعد اُن کے بنائے ہوئے دینی اصول تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہی ان کے بطلان کی ایک بڑی نشانی ہے۔ اسلام کے تمام قوانین کی طرح داڑھی کا حکم بھی بالکل معیّن و محدود ہے۔ حکم شریعت مطہّرہ کے مطابق داڑھی رکھنا فرضِ عین ہے۔ اس لیئے کہ نصِّ قطعی سے ثابت ہے، حدیث پاک کی عبارۃُ النّص اور قرآن کریم کی اقتضاءُ النّص اور دلالت النص و اشارۃُ النّص جیسی نصوصِ عدیدہ داڑھی رکھنے کا بالوضاحت حکم دے رہی ہے۔ قرآن و حدیث کے بحرِ ذخّار میں غوطہ لگانے کے لیئے صرف عقلِ سلیم کی ضرورت ہے۔ حدیث پاک کی کتاب موطا امام مالک جلد دوم صفحہ نمبر ۱۳۱ پر ہے۔ حَدَّثَنِیْ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِاِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَاِعْفَاءِ اللُّحٰی ؕ
ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ پاک صاحبِ لَولاک نے حکم دیا کہ مونچھیں پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ اس حدیثِ پاک کو مسلم شریف جلدِ اوّل صفحہ نمبر ۱۲۹ پر ان الفاظ سے روایت کیا ہے:۔ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللُّحٰی ط:۔
ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مونچھیں گھٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ اس حدیث سے فرضیتِ داڑھی ثابت ہوئی کیونکہ اَعْفُوا امر حاضر کا صیغہ ہے اور امر حقیقۃً واصلاً وجوب کے لیئے ہوتا ہے کسی اور معنی میں لینے کے لیئے قرینہ شرط ہے۔ چنانچہ تلویح علی توضیح صفحہ نمبر ۱۲۱ پر ہے لِاَنَّ الْمُدَّعٰی

اَنَّ الْاَمْرَ الْمُطْلَقَ لِلْوُجُوْبِ وَلَا نِزَاعَ فِیْ اَنَّهٗ قَدْ یَکُوْنُ لِغَیْرِهٖ مَجَازًا اَیْ مَعُوْنَةُ الْقَرَائِنِ ٹ (ترجمہ)
مقصود یہ ہے کہ صیغۂ امر مطلق طور پر وجوب کے ہوتا ہے۔ مجازی معنیٰ میں کسی علامت اور قرینے کی مدد سے ہوگا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ پس چونکہ اس حدیث میں حقیقی معنیٰ یعنی وجوب کو چھوڑنے اور مجازی مراد لینے کا کوئی قرینہ نہیں لہٰذا یہاں وجوب ہی ثابت ہوگا۔ نیز ترکِ داڑھی پر احادیث میں بہت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ جس سے بھی داڑھی رکھنے کی فرضیت ہی ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ابھی آئندہ بیان ہوگا۔ کیونکہ نفرت اور وعید صرف ترکِ فرض پر ہوتا ہے۔ نوافل اور مستحبات کا چھوڑنا لائقِ وعید نہیں۔ جیسا کہ میں نے حرمتِ قوالی کے بیان میں ثابت کر دیا۔ مزید برآں۔ شریعتِ مطہرہ نے داڑھی کی حد بیان فرمائی جیسا کہ ابھی آئندہ بیان ہوگا۔ اور حد صرف فرائض کی ہوتی ہے نوافل وغیرہ کی نہیں نہ استحبابی عبادت کی۔ جیسا کہ آگے ثابت کیا جائے گا۔ اور اصولِ فقہ کا قانون ہے کہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن افعال پاک پر حکم کے دلائل قائم ہو جائیں وہ امت پر بھی واجب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ تلویح صفحہ نمبر ۳۱۱ پر ہے:۔ یَجِبُ عَلَیْنَا اِتِّبَاعُ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ اَفْعَالِهِ الَّتِیْ لَیْسَتْ بِسَهْوٍ وَلَا طَبْعٍ وَلَا مُخْتَصَّةٍ بِهٖ لِلدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلٰی ذٰلِكَ :۔ ترجمہ: ہم تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ نبی کریم رؤف و رحیم کے ان افعال مبارکہ کی اتباع جو نہ آپ سے خاص ہیں۔ نہ سہواً ہوئے نہ عادتاً۔ ان دلائل کی بنا پر جو ان فعلوں پر قائم ہوئے۔ خیال رہے کہ لفظ واجب، فرض و واجب دونوں حکموں کو شامل ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر اس مندرجہ بالا حدیث مبارکہ سے داڑھی رکھنے کی فرضیت بالکل عیاں ہوگئی اور یہ حدیث پاک نصِ قطعی ہے کیونکہ کثرتِ روایات کی بناء پر متواتر کے درجہ میں ہے۔ چنانچہ بیس ۲۰ کتب مشہورہ نے کچھ تغیرِ لفظی کے ساتھ مختلف اسناد سے اسی حدیث کو روایت کیا۔ ۱ مسلم شریف ۲ موطا امام مالک ۳ مسند امام اعظم ۴ مسند احمد بن حنبل ۵ بخاری شریف ۶ ابو داؤد ۷ ترمذی شریف ۸ نسائی شریف ۹ ابن ماجہ شریف ۱۰ طحاوی شریف ۱۱ ابن عدی کامل ۱۲ طبرانی اوسط ۱۳ بیہقی فی شعب الایمان ۱۴ اضیاء صحیحہ ۱۵ ابو نعیم فی الحلیہ ۱۶ طبرانی کبیر ۱۷ خطیب بغدادی ۱۸ ابن سعد ۱۹ جامع الرموزی ۲۰ جامع صغیر ان کتب کے اخراج نے اس حدیث کو متواتر معنوی بنا دیا۔ چنانچہ تدریب الراوی صفحہ نمبر ۳۷۳ پر ہے :۔ کَوْنُ الْمُتَوَاتِرِ مَوْجُوْدًا وُجُوْدَ کَثِیْرَةٍ فِی الْاَحَادِیْثِ اَنَّ الْکُتُبَ الْمَشْهُوْرَةَ الْمُتَدَاوِلَةَ بِاَیْدِیْ اَهْلِ الْعِلْمِ شَرْقًا وَغَرْبًا۔ اِذَا اجْتَمَعَتْ عَلٰی اِخْرَاجِ حَدِیْثٍ وَتَعَدَّدَتْ طُرُقُهٗ تَعَدُّدًا تُحِیْلُ الْعَادَةُ تَوَاطُؤَهُمْ عَلَی الْکَذِبِ :۔ ترجمہ: وہ حدیث بھی متواتر ہے جس کو اتنی زیادہ کتبِ مشہورہ نے مختلف طریقوں سے روایت کیا ہے۔ اس معتبرہ متواترہ حدیث

کے عبارت النص سے ثابت ہوا کہ داڑھی رکھنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ داڑھی کی مطلق فرضیت کو اجماع سے بھی ثابت کیا جائے گا اور فرض مطلق کا منکر شرعاً کافر ہوتا ہے۔ ہاں فرضِ مقید جو اجتہاد سے ثابت ہوتا ہے اس کا منکر کافر نہ ہو گا (کبیری صہ) یہ تھی عبارتُ النص جس سے داڑھی رکھنا فرض ثابت ہوا۔ اب دلالۃ النص اشارۃ النص اور اقتضاءُ النص میں آیاتِ قرآنیہ جن سے داڑھی رکھنے کا واضح ثبوت مل رہا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت یہ ہے:۔ وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ۔ ترجمہ:۔ مردود ہونے کے وقت شیطان نے کہا کہ میں ان بندوں کو گمراہ کروں گا۔ اور ان کو دنیوی امیدوں میں پھنساؤں گا اور ان کو حکم کروں گا۔ کہ جانوروں کے کان کاٹیں۔ اور حکم دوں گا ان کو کہ اللہ کی پیدائش کو بگاڑیں۔ اس آیت کریمہ نے دلالۃً داڑھی کی فضیلت اور فرضیت کو بیان فرمایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جلّ مجدہٗ کی پیدا کی ہوئی اشیا کو بدلنے اور بگاڑنے میں عقلاً و نقلاً داڑھی منڈانا اور کترانا بھی شامل ہے۔ نقلاً تو اس طرح کہ بہت مفسّرین داڑھی منڈانے یا کم کرنے کو تغیرِ خلق اللہ میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی پارہ ۵ سورۃ نساء کی اسی آیت نمبر ۱۲ صفحہ نمبر ۱۵۰ پر فرماتے ہیں:۔ وَخُصَّ مِنْ تَغْيِيْرِ خَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ اَلْخِتَانُ وَالْوَشْمُ لِحَاجَةٍ وَخِضَابُ اللِّحْيَةِ وَقَصُّ مَا زَادَ مِنْهَا عَلَى السُّنَّةِ ؕ (ترجمہ) ترجمہ:۔ تغیرِ خلق اللہ تعالیٰ (جو شیطانی کام ہے) اسی میں خصی کرانا، اور چہرہ گدھوانا کسی بھی ضرورت کے تحت ہو۔ اور داڑھی کو سیاہ خضاب لگانا، داڑھی کو کم کرنا اس سے جو سنت کے مطابق زائد ہو۔ اسی طرح تفسیر نعیمی جلد پنجم صفحہ نمبر ۴۹۴ پر اور تفسیرِ حقانی اردو اسی آیت کے تحت ہے، ثابت ہوا کہ داڑھی منڈانا یا کترانا حرام اور شیطانی امر ہے۔ تغیرِ خلق اللہ کی ایک صورت مثلہ کرنا ہے۔ اور اس آیت سے اس کی حرمت بھی ثابت ہے۔ فقہاءِ امت کے نزدیک داڑھی کٹانا بھی مثلہ ہے۔ چنانچہ ہدایہ شریف جلد اوّل صفحہ نمبر ۲۳۶ پر ہے:۔ وَلِاَنَّ حَلْقَ الشَّعْرِ فِيْ حَقِّهَا مُثْلَةٌ كَحَلْقِ اللِّحْيَةِ فِيْ حَقِّ الرِّجَالِ ؕ (ترجمہ) ترجمہ:۔ احرام سے کھلتے وقت عورتیں اپنے سر نہ منڈائیں کیونکہ جس طرح کہ مردوں کی داڑھی منڈانا مثلہ ہے اسی طرح عورتوں کا سر مونڈنا بھی مثلہ ہے۔ مثلے کی حرمت میں کسی کا اختلاف نہیں۔ مثلہ کہتے ہیں کسی کے چہرے بگاڑنے کو۔ اس لیئے کہ جمال چہرے میں ہی ہوتا ہے۔ اور صحیح تر یہ ہے کہ چہرے کے اعضاء کے علاوہ جسم کے دوسرے اعضاء کا کاٹنا مثلہ نہیں۔ ورنہ چور کے ہاتھ کاٹنے اور ڈاکو کے ہاتھ پیر کاٹنے کی شرعی اسلامی سزا نہ ہوتی حالانکہ مثلہ اسلامی شریعت نے ہی حرام کیا ہے۔ چنانچہ شامی جلد سوم صفحہ نمبر ۱۳۱ پر ہے:۔ ثَبَتَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا اَلنَّهْيُ عَنِ الْمُثْلَةِ ؕ۔ ترجمہ:۔ بخاری و مسلم اور ان کے علاوہ کتبِ حدیث کی روایات سے مثلے کی ممانعت ثابت ہے۔ چہرے کے اعضاء میں سے داڑھی بھی ایک عضو ہے

اس لئے اس کا کاٹنا بھی شرعاً مثلہ ہی بنے گا۔ بخلاف جسم کے دوسرے بالوں کے کہ ان کا کاٹنا مثلہ نہیں کہلاتا نہ کسی حدیث سے ثابت ہے۔ حالانکہ داڑھی کاٹنے کو حدیثِ پاک میں مثلہ فرمایا گیا۔ چنانچہ مجمع البحار جلد سوم نے صفحہ نمبر ۲۷۹ پر نہایہ لابنِ اثیر کے حوالے سے اور جامع صغیر جلد دوم نے صفحہ نمبر ۱۸۲ پر طبرانی کے حوالے سے اور کنوز الحقائق لِامام عبدالرؤف مناوی جلد دوم نے صفحہ نمبر ۱۲۱ پر ابوداؤد کے حوالے سے ایک حدیث نقل فرمائی۔ الفاظ جامع صغیر اور مجمع البحار کے یہ ہیں۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہِ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَثَّلَ بِالشَّعْرِ فَلَیْسَ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ خَلَاقٌ۔ مُثْلَۃُ الشَّعْرِ حَلْقُہٗ مِنَ الْخُدُوْدِ۔ ترجمہ:۔ روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ فرمایا۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو شخص بالوں کا مثلہ کرے۔ اس کے لئے اللہ کے پاس اجر و ثواب کا کچھ حصہ نہیں۔ اور بالوں کا مثلہ چہرے کے بال مونڈنے ہیں۔ رخساروں کے بال داڑھی ہی ہوتی ہے۔ ان ہر سہ کتب مشہورہ کی روایات نے صاف بتادیا کہ داڑھی کا کاٹنا مثلہ ہے اور مثلہ اسلام میں حرام ہے۔ دوسری آیتِ کریمہ جس سے داڑھی رکھنے کا ہر مسلمان کو ثبوت مل رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ؕ:۔ ترجمہ: اور جب رب العزت نے حضرت ابراہیم کو آزمایا۔ کچھ کلمات سے۔ تو آپ نے ان سب کو پورا کر دکھایا (پارہ دوم سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۲۳) اس آیتِ پاک نے بھی دلالۃً داڑھی کی فرضیت کو بیان فرمایا۔ ملتِ ابراہیمی کی پیروی واجب ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ؕ۔ ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرو۔ یہاں اَتَّبِعْ صیغۂ امر بھی وجوب کے معنیٰ میں ہے۔ کیونکہ یہاں کلمات سے مراد مفسرین کرام کے نزدیک وہ دس فطرتیں بھی ہیں جن کا ذکر حدیث شریف میں مذکور ہے۔ ان میں داڑھی رکھنا بھی ایک فطرت ہے۔ ایسا ہی تفسیر روح المعانی نے اس آیت کے ماتحت صفحہ نمبر ۳۷۴ پر فرمایا۔ اس آیت نے دلالۃً ثابت کیا۔ کہ داڑھی فرض ہے۔ کیونکہ کلمات میں داڑھی شامل ہے جس سے پتہ لگا کہ داڑھی ملتِ ابراہیمی ہے۔ اور ہم مسلمانوں پر ملتِ ابراہیمی کی پیروی واجب ہے جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا۔ پھر کسی پیغمبر۔ رسول۔ مرسل علیہم السلام سے داڑھی کم کرانا ثابت نہیں لہٰذا ظاہر ہوا کہ داڑھی رکھنا بھی ایک فطرتِ انبیاء ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں باب المسواک میں صفحہ نمبر ۴۴ پر ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَۃِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْیَۃِ وَالسِّوَاکُ۔ (الخ) ترجمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ فرمایا سرورِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دس چیزیں انسانی فطرت یعنی جبلی عادت میں سے ہیں۔ ان میں سے ایک مونچھیں ہلکی کرانی، دوسری داڑھی بڑھانی، سوم مسواک کرنی وغیرہ وغیرہ ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ شریعت کے حکم کے علاوہ انسانی شرافت کے لئے بھی داڑھی رکھنا ضروری ہے۔
گویا کہ ان دس خصلتوں کے بغیر مسلمانی تو درکنار انسانیت بھی مکمل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان خصائلِ عشرہ کا تمام شریعتوں نے حکم دیا۔ خود قرآنِ کریم، انبیاءِ کرام کی ان ہی جیسی خصائل حمیدہ کا ذکر فرما کر تمام امتِ مسلمہ کو عمل کرنے کا حکم فرما رہا ہے۔ چنانچہ پارہ ہفتم سورۂ انعام آیت نمبر ۹۰ میں ارشاد ہے:۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۔ ترجمہ:۔ یہی وہ انبیاء کرام ہیں جن کو خصوصی طور پر ان تمام خصائل کی اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی۔ تو اے پیارے حبیب میری بات (ہدایت) کو ان انبیائے کرام کے پاس ہے آپ بھی اختیار فرمائے رکھو۔ اور یہ پہلے بتا دیا گیا ہے کہ نبی کریم کے تمام افعالِ طیبہ و اعمالِ طاہرہ محض امت کے لئے ہیں۔ کیونکہ رب کریم نے آپ کو نمونۂ قدرت بنا کر معلمِ کائنات بنایا۔ پس جس طرح اساتذہ کے افعال تعلیمِ تلامذہ ہوتے ہیں۔ بلا تشبیہ یوں ہی سمجھئے کہ درس گاہ کائنات میں سرورِ کائنات کے افعالِ مقدس تعلیمِ امت کے لئے ہی ہیں۔ داڑھی مبارک کا تو بہت ہی اہم حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تو بال اور نہ میں اسلام کی حلت و حرمت پوشیدہ ہے۔ دیکھو ترمذی کتاب الحج صفحہ نمبر ۲۰۰ پر ہے۔ اب کسی شخص کا یہ کہنا کہ داڑھی معاذ اللہ نبی کریم نے عربی رواج کے مطابق رکھی، اس لئے یہ شرعی حکم نہیں۔ ایسی بچے کی بیوقوفی کی بات کے مثل ہوگا۔ جو استاد کو تختۂ سیاہ پر لکھتا دیکھ کر اپنی کاپی یا تختی پر صرف اسلئے نہ لکھے اور اپنے دل میں یہ سمجھ لے کہ استاد کا یہ لکھنا ایک اسکولی رواج یا اس کی اپنی عادت یا ذاتی مذاق ہے جو میرے یا کسی بھی شاگرد کے لئے ضروری نہیں۔ ایسا شاگرد یقیناً قابلِ سزا ہے۔ تو سمجھ لو کہ داڑھی رکھنے کے متعلق ایسا کہنے والا بھی اُخروی تعزیر کا مستحق ہے۔ خیال رہے کہ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ کے ترجمہ کا مطلب وہ نہیں جیسا کہ مولوی ابن تیمیہ وہابی نجدی کے شاگرد ملا علی قاری نے مرقات جلد اول صفحہ نمبر ص۱۳۱ پر لکھا ترجمہ وہی مشہور اور منشاءِ کلام کے مطابق ہے جو ہم نے کیا کہ یہاں
نبی کریم کو انبیاءِ سابقین کی اتباع کا حکم نہیں۔ وہ تو خود نبی کریم کے مقتدی تھے۔ یہاں تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی اقتداء کا حکم ہے اور وہ بھی اقتدا پر قائم رہنے کا کہ قائم ہونے کا کیونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کے نزول سے پہلے بھی ان خصائلِ عشرہ داڑھی وغیرہ پر عامل تھے۔ چنانچہ روح المعانی پارہ ہفتم صفحہ نمبر ۲۱۱ پر ہے:۔ بِاَنَّ الْاَخْذَ بِاُصُوْلِ الدِّيْنِ حَاصِلٌ لَّهٗ قَبْلَ نُزُوْلِ الْاٰيَةِ فَلَا مَعْنٰى لِلْاَمْرِ بِاَخْذِ مَا قَدْ اَخَذَ ۔ قِيْلَ ۔ اَللّٰهُمَّ اِلَّا اَنْ يُّحْمَلَ عَلَى الْاَمْرِ بِالثَّبَاتِ عَلَيْهِ ۔
ترجمہ: اعتراض اس طرح سے بھی ہو سکتا ہے کہ تمام اصولِ دین نماز، روزہ، صبر، شکر، سیرت، صورت، داڑھی وغیرہ پر تو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے سے ہی عامل تھے۔ تو اس قول کا کیا مطلب ہوگا۔

جو پہلے آیت سے لیا گیا۔ پس اس جواب کے سوا چارہ نہیں کہ اس آیت کے امر کا مطلب یہ کہا جائے ۔ کہ اے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم اس اقتداء پر قائم رہیئے ۔ یہ تو دیگر مفسرین کا قول تھا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہو سکتا ہے ۔ اے پیارے نبی ۔ انبیاء عظام کی اس خدائی ہدایت کی اقتداء پر اپنی امتِ مسلمہ کو قائم رکھیئے کیونکہ باب افتعال متعدی بھی ہوتا ہے اِس مطلب سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ داڑھی کا حکم قرآن کریم کی رو سے ہر مسلمان کے لیئے ضروری ہدایت ہے ۔ تیسری آیت پاک جو داڑھی کی فرضیت کے حق میں اشارۃ النص ہے قرآن کریم پارہ نمبر ۳ آیت نمبر ۳۱ سورتِ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۝ ترجمہ: اے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام مسلمانوں سے فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو ۔ اس آیت کریمہ سے تمام امت کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے اور اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اتباع افعال کی ہی ہوتی ہے ۔ داڑھی مبارک رکھنا بھی افعالِ مقدسہ میں شامل ہے ۔ اس لیئے اس میں بھی اتباع نبی کریم رؤف ورحیم شرطِ محبت ہے ۔ خیال رہے کہ اتباع اور اقتداء میں بہت طرح فرق ہے ۔ ایک فرق یہ بھی ہے کہ اتباع کہتے ہیں کسی کی فرمانبرداری کرتے ہوئے بالکل اس کے نقش قدم پر چلنا ۔ نہ ذرہ آگے نہ ذرہ پیچھے نہ دائیں نہ بائیں ۔ مگر اقتداء کہتے ہیں وہ راستہ اختیار کرنا جس پر کوئی کبھی چلا تھا ۔ یا کسی کا حکم ماننا ۔ اسی کو اطاعت بھی کہتے ہیں ۔ مسلمانوں پر اتباع صرف نبی کریم رؤف الرحیم کی واجب ہے ۔ نہ کہ کسی اور کی ۔ اگر کسی نبی کی اتباع کا حکم دیا بھی گیا ہے تو وہ مجازاً ہے ۔ یعنی احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے واسطے سے ۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ۔ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۝ سورۃ نحل آیت نمبر ۱۲۳ پارہ ۱۴ ۝ ۔ ترجمہ: ہم نے بذریعہ اپنے حبیب تیری طرف قرآنی وحی بھیجی کہ دینِ ابراہیمی کی پیروی کر ۔ بعض بزرگوں نے اِتَّبِعْ کا فاعل نبی کریم کو ہی سمجھا ہے ۔ اور ترجیح بھی اسی کی معلوم ہوتی ہے ۔ مگر اُن کے نزدیک اِتباع سے مراد موافقت ہے ۔ اس لیئے کہ سب کائنات نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابع فرمان اور اقتداء میں ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ عزوجل نے صرف متبوع ہی بنا کر بھیجا ۔ لہٰذا یہ آیت بھی اشارۃً داڑھی وغیرہ شعارِ اسلامی کی فرضیت ہی ثابت کر رہی ہے ۔ کیونکہ آپ کے افعالِ مبارکہ کی اتباع شرعاً واجب ہے ۔

جیسا کہ تلویح کی عبارت نے تصریح کر دی ۔ چوتھی آیتِ طیبہ جو داڑھی کے حق میں اقتضاءُ النص کی حیثیت رکھتی ہے ۔ چنانچہ سورۃ طٰہٰ آیت ۹۴ ارشاد باری ۔ حضرتِ ہارون نے حضرت موسیٰ سے فرمایا ۔ یَا ابْنَ اُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ۝ ترجمہ: اے ماں جائے میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑ

اس آیتِ کریمہ نے سب انبیاء کرام کی شکل مبارک کا نقشہ کھینچ دیا کہ اللہ کے نیک بندے اور انبیاء

ومرسلین نے داڑھی مبارک رکھی۔ اور انبیاء کرام کی نقل سیرتاً وصورتاً امت پر واجب ہے۔ اقتضاءً ثابت ہوا کہ ہر مسلمان کے لیئے داڑھی لازمی وضروری ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی درازِ ریش مبارک ثابت کرتی ہے کہ آپ نے داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ اور دیگر انبیاء کرام کے متعلق یہ کہیں ثابت نہیں کہ کسی نے کسی وقت ایک آن کے لیئے داڑھی کٹائی ہو۔ بلکہ حدیث پاک کی دس فطرتوں سے یہی ثابت ہوا کہ سب انبیاء کرام باریش ہی رہے۔ **خلاصہ:** یہ کہ بس کتب مشہورہ والی متواتر احادیث اور قرآنِ کریم کی چار آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان پر داڑھی رکھنا فرض ہے۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ داڑھی سنت ہے۔ یہ قول ہمارے موقف کے خلاف نہیں عام مشہور بھی یہی ہے۔ اس لیئے داڑھی کو سنت کہہ دیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ داڑھی کو فرض بھی کہتے ہیں اور سنت بھی۔ اس لیے کہ سنت کا لفظ پانچ معنیٰ میں مشترک ہے ۱ سنت بمعنیٰ حدیث کی کتاب۔ مثلاً یہ مسئلہ کتاب وسنت کا ہے ۲ سنت بمعنیٰ عمل جیسے فرض، واجب، سنت ۳ سنت بمعنیٰ عادت ہے مثلاً سنۃ اللہ ۴ سنت بمعنیٰ طریقہ ہے۔ جیسے سنتِ خلیل ۵ سنت بمعنیٰ رسم۔ جیسے حدیث پاک میں سنتِ حسنہ اور سنتِ سیئہ کے الفاظ آتے ہیں۔ داڑھی کو سنت کہنا پہلے معنیٰ کے لحاظ سے ہے یعنی سنت سے ثابت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کتنی لمبی داڑھی رکھنی فرض ہے۔ تو یاد رکھو کہ اسلامی قانون کے مطابق صرف ایک مٹھی یعنی چار انگل داڑھی رکھنا فرض ہے۔ نہ اس سے کم جائز اور نہ اس سے زیادہ جائز۔ ایک مٹھی سے کم داڑھی حرام ہے۔ اور ایک مٹھی سے زیادہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس قانون کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔ **پہلی دلیل:** یَابْنَ اُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ؕ ترجمہ۔ اے میری ماں جائے میری داڑھی اور سر نہ پکڑ۔ پکڑی وہ چیز جاتی ہے جو مٹھی کے برابر ہو۔ مٹھی سے کم چیز مٹھی میں نہیں آسکتی۔ ثابت ہوا کہ مٹھی سے کم داڑھی رکھنی سنتِ انبیاء کے خلاف ہے۔ **دوسری دلیل:** خود آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک صرف مٹھی برابر ہوتی رہی۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار جلد اول صفحہ نمبر ۱۵۵ پر ہے اَللِّحْیَۃُ اِذَا کَانَتْ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَھُوَ الْقَبْضَۃُ وَصَرَّحَ فِی النِّھَایَۃِ بِوُجُوْبِ قَطْعِ مَا زَادَ عَلَی الْقَبْضَۃِ ؕ۔ ترجمہ:۔ داڑھی جبکہ ہو سنت کے برابر اور وہ مقدارِ مسنونہ ایک مٹھی ہے۔ اور شرح نہایا علی ہدایہ نے وضاحت فرمائی۔ کہ واجب ہے۔ مٹھی سے زیادہ داڑھی کے بال کاٹ دینا۔ اس کی شرح شامی میں ہے:۔ حَیْثُ قَالَ وَمَا وَرَاءَ ذٰلِکَ یَجِبُ قَطْعُہٗ ھٰکَذَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَاْخُذُ مِنَ اللِّحْیَۃِ مِنْ طُوْلِھَا وَعَرْضِھَا اَوْرَدَہٗ اَبُوْعِیْسٰی یَعْنِیْ تِرْمِذِیْ وَمُقْتَضَاہُ الْاِثْمُ بِتَرْکِہٖ ؕ۔ ترجمہ: نہایہ نے اس طرح تصریح فرمائی ہے۔ کہ مٹھی بھر داڑھی کے علاوہ بال کاٹنا واجب ہیں۔ اسی طرح نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے ثابت ہے کہ آپ اپنی داڑھی مبارک سے لمبائی اور چوڑائی کے بال علیحدہ فرما دیتے تھے۔ اس حدیث کو ابو عیسیٰ ترمذی نے بھی نقل فرمایا۔ اور اس حدیثِ مطہرہ سے اقتضاءً ثابت ہوا کہ مٹھی بھر داڑھی سے زائد بال نہ کاٹنا چھوڑے رکھنا سخت گناہ ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف جلد دوم صفحہ نمبر ۱۰۰ پر یہ ہی محولہ حدیث اس طرح ہے:۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ نا عُمَرُ بْنُ هٰرُوْنَ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهٖ مِنْ عَرْضِهَا وَطُوْلِهَا هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ؎ :۔ ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی ہناد نے ان سے عمر بن ہارون نے کہ روایت ہے اسامہ بن زید سے وہ عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بال لے لیتے تھے اپنی داڑھی مبارک کی لمبائی اور چوڑائی کے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ لفظِ غریب سے کسی شخص کو اعتراض کا حق نہیں پہنچتا تین وجہ سے۔ پہلی وجہ۔ یہ کہ غریب حدیث صحیح حدیث ہی کی قسم ہے چنانچہ مقدمہ مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۶ پر ہے اَلْحَدِيْثُ الصَّحِيْحُ اِنْ كَانَ رَاوِيْهِ وَاحِدًا يُسَمّٰى غَرِيْبًا ؎ ترجمہ: اگر صحیح حدیث کی اسناد میں ایک راوی ہے تو اس کا نام غریب ہوگا۔ قانونِ اصولِ حدیث کے مطابق صحیح حدیث کی چار قسمیں ہیں ۱۔ غریب ۲۔ عزیز ۳۔ مشہور ۴۔ متواتر دوسری وجہ۔ یہ کہ اس حدیث شریف کو بطورِ سند دوسری کتب نے بھی قبول کیا ہے جو اس کی قوت پر دال ہے۔ چنانچہ صاحب مرقات نے مرقات جلد چہارم صفحہ نمبر ۴۶۲ پر اسی حدیث کو دلیل پکڑ کر یہ حکم لکھا کہ:۔ اَللِّحْيَةُ عِنْدَنَا طُوْلُهَا بِقَدْرِ الْقُبْضَةِ وَمَا وَرَاءَ ذٰلِكَ يَجِبُ قَطْعُهٗ ؎ (ترجمہ) :۔ ہمارے نزدیک داڑھی صرف وہ ہے کہ جس کی لمبائی فقط مٹھی بھر ہو۔ اور جو زیادہ ہو اس کا کاٹنا واجب ہے۔ اگرچہ آگے چل کر ملا علی قاری صاحب نے واجب کو بمعنیٰ سنتِ موکدہ کہا ہے۔ مگر یہ غلط اور مضبوط دلیل کے بغیر ہے۔ لہٰذا مجھے تسلیم نہیں۔ کیونکہ اس سے بہت سے فتنوں کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے۔ مشکوٰۃ شریف نے بھی اس حدیث کو صفحہ نمبر ۳۸۱ پر نقل فرمایا۔ بابِ الترجل فصلِ ثانی حدیث نمبر ۳۔ تیسری وجہ یہ کہ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسی فعلِ طیبہ طاہرہ کی بنا پر تمام صحابہ کرام اپنی اپنی داڑھی مقدس کو درازی میں نہ جانے دیتے تھے بلکہ بڑے اہتمام سے ہاتھ کے ذریعہ چار انگل داڑھی ناپ کر زائد بال کاٹ دیتے تھے۔ جیسا کہ دلیلِ سوم میں ثابت ہوگا۔ اس عمل صحابہ سے بھی اس حدیث پاک کی صحت و قوت کا پتہ لگ گیا۔ بہرحال ثابت ہو گیا کہ حدِ شرع مٹھی بھر داڑھی ہے۔

اس سے زیادہ لمبی داڑھی گناہِ کبیرہ ہے۔ تیسری دلیل۔ بخاری شریف جلد دوم صفحہ نمبر ۸۷۵ باب تقلیم الاظفار آخری حدیث میں ہے۔ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا حَجَّ اَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمَا فَضَلَ اَخَذَهٗ :۔

ترجمہ: اجل فقیہہ صحابی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب حج یا عمرہ فرماتے تھے تو اپنی داڑھی

مبارک اپنی مٹھی شریف سے ناپتے تھے تو جو بال زائد از قبضہ ہوتے ان کو کاٹ لیتے تھے۔ ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کے نزدیک بھی داڑھی کی شرعی حیثیت صرف چار انگل تھی۔ لمبی داڑھی کو وہ بھی گناہ سمجھتے تھے۔ یہ تو صرف عبداللہ بن عمر کا فعل ثابت ہوا۔ دیگر صحابہ کرام بھی اسی طرح کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف کے اسی صفحہ نمبر ۸۷۵ پر فتح الباری کا حاشیہ اس طرح ہے ؎ قَوْلُہٗ فَمَا فَضَلَ اَیْ زَادَ عَلَی الْقَبْضَۃِ اَخَذَہٗ بِالْمِقْرَاضِ اَوْنَحْوِہٖ وَرُوِیَ مِثْلُ ذَالِکَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَفَعَلَہٗ عُمَرُ بِرَجُلٍ وَعَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ یُؤْخَذُ مِنْ طُوْلِھَا وَعَرْضِھَا مَا لَمْ یَفْحَشْ ؎۔ ترجمہ۔ حدیث پاک میں راوی کا قول فما فضل کا معنیٰ ہے فما زاد یعنی جو بال زائد ہوتے تھے۔ ان کو کاٹتے تھے۔ قینچی یا اس کی ہم مثل چیز سے۔ اور حضرت ابوہریرہ سے بھی یہی داڑھی مبارک کے زائد بال کاٹنا مروی ہے۔ اور حضرت فاروق اعظم نے تو اپنے دستِ اقدس سے ایک لمبی داڑھی والے شخص کے مٹھی بھر سے زائد بال کاٹ دیئے تھے۔ اور حضرت علی کے خاص تربیت یافتہ خواجہ حسن بصری سے روایت ہے کہ داڑھی کو لمبائی، چوڑائی سے کاٹتے رہنا چاہیئے تاکہ حد سے نہ بڑھے۔ اسی حاشیہ کے اگلے الفاظ ہیں۔ فرمانِ رسول علیہ السلام اُعْفُوا اللُّحٰی اس کاٹنے کے خلاف نہیں۔ کیونکہ یہاں داڑھی کو چھوڑ دینے کا مطلب ہے حد تک چھوڑ دو۔ اور حد کیا ہے یہی مٹھی بھر۔ مطلقاً چھوڑنا مراد نہیں، ورنہ نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور صحابہ کرام کا وہ عمل شریف جو ابھی بیان کیا گیا۔ اس کے خلاف نہ ہوتا اور حضرت ابن عمر کے اس فعل شریف میں راوی کا حج یا عمرے کی قید لگانا اس کے اپنے دیکھنے کی بنا پر ہے۔ ورنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ یا صحابہ کرام میں سے کسی کا مٹھی بھر سے زائد کاٹنا حج یا عمرے سے خاص نہیں۔ ہمیشہ ہی ایسا ہوتا تھا۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں فتح باری نے کہا ہے۔ قُلْتُ الَّذِیْ یَظْھَرُ لِیْ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ لَا یَخُصُّ ھٰذَا التَّخْصِیْصَ بِالنُّسُکِ (الخ) ؎۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں میرے نزدیک اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ابنِ عمر اس فعل کو حج سے خاص نہیں فرماتے ہیں۔ پھر اسی حدیث کو فتح القدیر جلد دوم صفحہ نمبر ۷۷ پر ابوداؤد اور نسائی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ وہاں حج یا عمرے کا ذکر نہیں، چنانچہ کتاب الصوم صفحہ نمبر ۷۷ پر ہے وَرَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ فِیْ کِتَابِ الصَّوْمِ۔ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحَسَنِ (الخ) عَنْ مَرْوَانِ بْنِ سَالِمٍ قَالَ رَاَیْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقْبُضُ عَلٰی لِحْیَتِہٖ۔ (الخ)۔ ترجمہ وہی ہے جو اوپر حدیث میں گذرا۔ یہاں مطلقاً فعل کا ذکر ہے۔ یہی ہمیشہ ہوتا تھا حج کی قید نہیں، حضرت ابوہریرہ سے بھی ایسا ہی ثابت ہے۔ چنانچہ فتح القدیر جلد دوم صفحہ نمبر ۷۷ پر مسند ابی شیبہ کے حوالے سے ہے۔ عن ابی زرعۃ قَالَ کَانَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقْبُضُ عَلٰی لِحْیَتِہٖ فَیَاْخُذُ مَا فَضَلَ عَنِ الْقَبْضَۃِ ؎ ترجمہ۔ پوری سند کے بعد ابی زرعۃ تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

فرمایا انہوں نے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی داڑھی شریف پکڑتے تھے تو جو مٹھی سے زائد ہوتی تھی وہ کاٹ دیتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صرف ایک مٹھی داڑھی شریعت میں جائز ہے۔ زائد بالوں کو کاٹنا واجب ہے جیسے کہ پہلے ثابت کیا گیا ہے۔ چوتھی دلیل یہ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کے علاوہ تمام تابعین کا طریقہ بھی یہی رہا۔ چنانچہ شرح العنایہ جلد دوم صفحہ نمبر ۲۷۶ پر ہے۔ وَيُقْطَعُ مَا وَرَاءَ الْقَبْضَةِ ۔ وَبِهٖ اَخَذَ اَبُو حَنِيْفَةَ وَاَبُو يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمُ اللهُ ۔ ترجمہ اور مٹھی سے زیادہ داڑھی کاٹی جائے اور اسکو اختیار کیا۔ امام اعظم تابعی اور امام یوسف تبع تابعی اور امام محمد تبع تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے۔ اور مرقات شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری نے بحوالہ احیاء العلوم جلد چہارم صفحہ نمبر ۲۶۴ پر فرمایا۔ اِنَّ قَبْضَ الرَّجُلِ عَلٰى لِحْيَتِهٖ وَاَخْذُ مَا تَحْتَ الْقَبْضَةِ فَلَا بَأْسَ بِهٖ وَقَدْ فَعَلَهُ ابْنُ عُمَرَ وَجَمَاعَةٌ مِّنَ التَّابِعِيْنَ وَ اسْتَحْسَنَهُ الشَّعْبِيُّ وَابْنُ سِيْرِيْنَ (الخ) ۔ ترجمہ اگر مسلمان نے اپنی داڑھی کو ناپا اور مٹھی سے نیچے والے بال کاٹ دیئے۔ تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور بے شک حضرت ابن عمر اور تابعین کے بڑے گروہ نے ایسا ہی کیا۔ اور اس کاٹنے کو شعبی اور ابن سیرین نے اچھا جانا۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ اسلامی داڑھی ایک مٹھی بھر ہے نہ اس سے کم نہ زیادہ۔ پانچویں دلیلِ عقلی ہم سب پر بحیثیت مسلمان ہونے کے فرض ہے کہ صرف اور صرف آقائے دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کریں۔ نبی کریم رؤف ورحیم کے اقوال وافعال سے ہٹ کر کسی پیر، فقیر، استاد، عالم، مولوی یا ماں باپ دادا کا راستہ اختیار کرنا۔ سراسر بے دینی وگمراہی ہے۔ خواہ اقوال میں ہو یا کردار میں معاشرے میں ہو یا تہذیب میں۔ شکل وصورت میں ہو یا سیرت واخلاق میں۔ ہمیں صرف اسوۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کو مشعلِ راہ بنانا چاہیئے۔ چونکہ نبی کریم علیہ التحیۃ والسلام نے صرف ایک مٹھی داڑھی رکھی۔ نہ کبھی کم کی اور نہ کبھی زیادہ ہونے دی۔ اسی کی اتباع عام صحابہ کرام اور تابعین، تبع تابعین بلکہ آج تک تمام بزرگانِ اسلام کرتے چلے آئے۔ کسی تاریخ یا روایت سے ثابت نہیں کہ کسی بزرگ کی داڑھی مقدس حدِ شرع سے کم یا زیادہ ہو۔ بلکہ ظاہر کلام سے جس طرح یہ ثابت ہوا کہ لمبی داڑھی کو مٹھی تک کم کرنا واجب ہے۔ اسی طرح ایک مٹھی سے کم کرانا بھی حرام ہے۔ چنانچہ شرح قوت المغتذی برحاشیہ ترمذی جلد دوم صفحہ نمبر ۱۰۰ پر ہے قَالَ الشَّيْخُ فِي اللَّمْعَاتِ وَالظَّاهِرُ مِنْ كَلَامِهِمْ حُرْمَةُ حَلْقِ اللِّحْيَةِ ۔ ترجمہ۔ روایات مطہرات کے ظاہر کلام سے داڑھی منڈانے کی حرمت ہی ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا جو لوگ اپنے پیر یا استاد یا کسی مجذوب فقیر کی دیکھا دیکھی داڑھی مونچھ یا فقط داڑھی لمبی کر لیتے ہیں وہ سخت فاجر فاسق ہیں۔ اسی طرح داڑھی کترانے یا منڈانے والے بھی فاسق معلن ہیں۔ چھٹی دلیلِ عقلی۔ دیگر قوانینِ اسلامیہ کے علاوہ ایک اہم اور ضروری قانون یہ بھی ہے۔ کہ معاشرے کے ہر پہلو میں مسلمان کو کافر ومشرک کی مخالفت کرنی چاہیئے۔ خاص کر علامتی نشانات میں تو

بہت ہی ضروری ہے۔ کہ مسلمان کافر سے ممتاز و متفرق رہے۔ اسی لیئے اکثر احادیث میں خَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ کے کلماتِ طیبات ملتے ہیں۔ مدنی تاجدار شہنشاہ عرب و عجم سلطانِ ارض و سما کی پیاری تعلیمات کو بغور دیکھنے سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ شکل و شباہت، سیرت و صورت، عبادت و ریاضت، لباس و گفتگو، رہن سہن غرض کہ تمام شعبۂ حیات میں مسلمانوں کو کفار و مشرکین سے یکسر علیحدہ رہنے کے سبق سکھائے گئے۔ کہ اس میں قوم کی ترقی کا راز پنہاں ہے۔ تو چونکہ داڑھی بھی بہت بڑا نشان تھا۔ اس لیئے اس میں بھی حد بندی اتنی ہی ضروری تھی۔ جتنی دیگر فرائض ہیں۔ عالمِ کفر کی تہذیب پر جب نگاہ ڈالی جائے تو دیگر رسموں کی طرح داڑھی کی بھی ہر قوم میں مختلف رسم ہے۔ چنانچہ مجوسی بالکل داڑھی مونچھ پر استرا پھیرتے ہیں۔ پارسی دو انگل داڑھی رکھتے ہیں۔ یہودی بہت لمبی داڑھی اور مونچھیں بالکل چھوٹی رکھتے ہیں، ہمارے علاقے کے مرزائی برش مارکہ صرف ٹھوڑی پر مختصر۔ اکثر مذہبی عیسائی بالکل چھوٹی چھوٹی داڑھی رکھتے ہیں۔ انگریز، کفار اور ہندو داڑھی منڈاتے ہیں اور مونچھیں ہندو بڑی رکھتے ہیں انگریز بالکل چھوٹی مختلف نمونوں کی مونچھیں رکھتے۔ اور بدمذہب والے کافر بالکل فارغ البال ہونے کا طریقہ اپنائے ہوئے۔ اور سکھ مونچھیں اور داڑھی دونوں بہت زیادہ لمبی رکھنے کے قائل ہیں۔ ان رسومات کے ہوتے ہوئے لازمی بات تھی کہ مسلمان کی داڑھی ایسے شاندار اور نرالے طریقے سے ہوتی۔ کہ قوم بلحاظ داڑھی بھی سب سے ممتاز نظر آتی۔ اس پیارے غیب دان آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت تک کے سارے حالات سے خبردار ہوتے ہوئے مسلمان کی داڑھی کا ایسا پیارا نقشہ کھینچا۔ کہ حسنِ کائنات سارا اسی میں سمٹا معلوم ہوا اور ملائکہ عرشِ بریں پکار اٹھے :- سُبْحَانَ مَنْ زَیَّنَ الرِّجَالَ بِاللُّحَاءِ وَالنِّسَاءَ بِالْقُرُوْنِ ؎ یہ حدیث کنوز الحقائق حاشیہ جامع صغیر جلد اول بحوالہ مستدرک حاکم صفحہ نمبر ۱۴۲ اور ہدایہ چہارم صفحہ نمبر ۴۸۵ پر ہے۔ ترجمہ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو زینت دی داڑھی مبارک سے اور عورتوں کو سر کے بالوں سے اور چٹیا سے۔ یہ کونسی داڑھی تھی جس سے جمالِ انسانی حاصل ہوا یہ کون سا نقشہ تھا جس سے تسبیحِ ملائکہ کا شور بلند ہوا۔ یہ وہی اور بس وہی نقشۂ جمال تھا جو وَالضُّحٰی کی وجاہت والے مَازَاغ کی پھبن والے نور نے چہرۂ وَالشَّمْس پر ابھار کر اَلَمْ نَشْرَحْ کے سینے پر مزین فرما کر پکارا۔ کہ آؤ اے کائنات والو کدھر بھاگے جانے ہو کس کے نقشِ قدم کے متلاشی ہو :- اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (الخ) ؎ ترجمہ۔ اگر تم اپنے خالق مالک اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میرے نقشِ قدم پر چلو۔ میری سیرت اور میری اسوۂ حسنہ اختیار کرو۔ یہی وہ نقشہ ہے جس میں نہ افراط جائز اور نہ تفریط اسی نقشۂ ریشِ پاک کے ذریعے مسلمان عالمِ کفر و شرک سے فی البدیہہ جدا ہو سکتا ہے۔ اسی لیئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی برابر داڑھی شریف خود بھی اختیار فرمائی اور مسلمانوں کو بھی حکم دیا :- سا تویں دلیل۔ جتنا گناہ اور عذاب داڑھی منڈانے پر ہے اتنا ہی گناہ اور عذاب داڑھی

کترانے پر ہے۔ چنانچہ ہدایہ جلد اول صفحہ نمبر ۲۳ پر ہے:۔ وَلَا یَقُصُّ لِحْیَتَہٗ لِاَنَّہٗ فِیْ مَعْنَی الْحَلْقِ ۔ ؎
ترجمہ۔ کوئی مسلمان داڑھی نہ کترائے اس لیئے کہ داڑھی کترانا بھی منڈانے کی مثل ہے: آٹھویں دلیل۔ چونکہ داڑھی فرائضِ اسلامیہ میں شامل ہے اور ہر فرض ہر لحاظ سے معیّن و مقرّر ہوتا ہے۔ اس لیئے داڑھی کو بھی چار انگل کی طوالت پر مقرر کر دیا۔ اب جس طرح پنج وقتہ رکعات فرائض میں کسی مسلمان، عالم، جاہل، پیر، مرید کو نہ کمی بیشی کا اختیار ہے اور نہ نہ پڑھنے کا۔ بلکہ کمی بیشی کرنے والا بھی عذاب کا مستحق اور نہ پڑھنے والا بھی۔ اسی طرح داڑھی کی حدِ شرعی میں بھی نہ کمی بیشی کا کسی کو اختیار ہے اور نہ نہ رکھنے کا۔ بلکہ تارکِ لحیہ بھی فاسق اور گنہگار اور مٹھی بھر سے کم رکھنے والا بھی فاسق۔ بس ایک مٹھی داڑھی حدِ شرعی ہے۔ خیال رہے کہ مٹھی اور چار انگلیوں کی پیمائش تھوڑی کے نیچے سے شروع ہوگی نہ کہ ہونٹ سے۔ جیسا کہ بعض قاصرِ لحیہ شرارتی لوگ نیچے کے ہونٹ سے ناپ کر دو انگلیوں کو چار انگلی بنا دیتے ہیں چنانچہ فتح الباری شرح بخاری جلد دوم اسی کَانَ ابْنُ عُمَرَ والی سابقہ مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔ کَانَ ابْنُ عُمَرَ یُمْسِکُ مِنْ اَسْفَلِ ذَقْنِہٖ بِاَصَابِعِ الْاَرْبَعَۃِ (الخ) ؎
ترجمہ۔ حضرت ابن عمر اپنی داڑھی مبارک کو تھوڑی کے نیچے سے چار انگل کے ذریعے ناپتے تھے۔ اور فتاویٰ فتح القدیر جلد دوم صفحہ نمبر ۲۳ پر ہے:۔ وَمِنْ لِحْیَتِہٖ مَا ھُوَ اَسْفَلُ مِنَ الذَّقْنِ ؎ ترجمہ اور داڑھی ذقن کے نیچے سے شروع ہے۔ دلیل نہم۔ داڑھی کے منڈانے اور کترانے پر قرآن و حدیث اور فقہ میں عذاب و سزا کی بہت سی دینی، دنیاوی وعیدیں آئی ہیں۔ حالانکہ وعید مستحب یا سنت فعل و حکم پر نہیں آتی۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ہشتم صفحہ نمبر ۸۵ پر ہے:۔ فَاِنَّ تَارِکَ الْوَاجِبِ یَسْتَحِقُّ الْعُقُوْبَۃَ بِالنَّارِ وَتَارِکَ السُّنَّۃِ لَا یَسْتَحِقُّھَا بَلْ یَسْتَحِقُّ حِرْمَانَ الشَّفَاعَۃِ ؎ ترجمہ۔ اور بے شک واجب کا تارک اُخروی عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ اور سنت کا تارک عذاب کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ محرومیِ شفاعت کا مستحق ہے۔ پہلی وعید جو داڑھی منڈانے اور بے تحاشا بڑھانے والے کے لیئے قرآن کریم میں وارد ہوئی سورۂ نساء، آیت نمبر ۱۱۵ پارہ نمبر ۵ پر ہے۔ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ؎ ترجمہ۔ اور کائنات میں جو بھی ہمارے رسول کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ ہدایت اس کے لیئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل سے بالکل ظاہر ہو گئی، اور اتباع کرے مومنوں کے راستے کے علاوہ کی۔ تو دنیاوی عذاب یہ ہے کہ ہم اس کو آزاد چھوڑ دیں گے۔ اور اُخروی عذاب یہ کہ ہم اس کو جہنم میں ڈالیں گے وہ برا ٹھکانہ ہے۔ اس وعید اور جھڑک میں غلط قسم کی داڑھی والے بھی شامل ہیں، دو وجہ سے ۱۔ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ ؎ والی آیت میں ثابت کیا گیا۔ کہ داڑھی رکھنا بھی ہدایت انبیاء ہے اور یہاں بھی تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی۔ کا ہی جملہ ہے اِقْتَدِہْ والی آیت مکّی ہے پہلے نازل ہوئی۔

اور یہ مدنی ہے۔ ثابت ہوا کہ یہاں ہدایت سے مراد ہے وہی ہدایت جس کا وہاں ذکر ہوا۔ اور اس میں تو داڑھی شامل۔ لہٰذا یہاں وعید میں بھی داڑھی غلط کرنے والا شامل ۲۔ داڑھی منڈانا تغیرِ خلق اللہ ہے اور شیطانی امر ہے۔ اسی لیے یہ آیت اور فَلَیُغَیِّرُنَّ والی آیت ایک دم نازل ہوئیں۔ یہ آیت نمبر ۱۱۵ ہے اور وہ آیت نمبر ۱۱۹ ہے۔ جب تغیر میں داڑھی منڈانا شامل ہے تو مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ۔ والی آیت میں بھی داڑھی منڈانے والا شامل ہے:۔ دوسری وعید جو حدیث پاک میں وارد ہوئی۔ چنانچہ طبرانی شریف اور جامع صغیر صفحہ نمبر ۱۸۲ پر ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَثَّلَ بِالشَّعْرِ فَلَیْسَ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ خَلَاقٍ

ترجمہ۔ جو مسلمان بالوں کا مثلہ کرے تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں۔ یعنی اس کے لیے جنت کا انعام نہیں ہے۔ پہلے مجمع البحار کے حوالے سے ثابت کر دیا گیا۔ کہ بالوں کا مثلہ کیا ہے۔ مزید وضاحت سنیئے۔ حاشیہ سراج المنیر جلد سوم صفحہ نمبر ۳۶۲ پر ہے:۔ مَثَّلَ بِالشَّعْرِ اَیْ جَعَلَہٗ مُثْلَۃً بِاَنْ نَتَفَہٗ اَوْحَلَقَہٗ مِنْ نَحْوِ خَدِّہٖ وَالْمُرَادُ اِنَّہٗ شَعْرَ لِحْیَتِہٖ (ترجمہ) ترجمہ۔ بالوں کا مثلہ یہ ہے۔ کہ رخساروں کے بال نوچے یا مونڈے اور مراد اپنی داڑھی کے بالوں کو ختم کرنا ہے۔ قانونِ زینت کے اعتبار سے مثلہ انتہائی ذلت کا سبب ہے۔ اگر کسی کو کانا یا اندھا یا نکٹا کر کے چھوڑ دیا جائے تو یہ اس کی کتنی ذلت ہے۔ اسی طرح پہلے زمانے میں داڑھی مونڈ دینا انتہائی ذلت سمجھی جاتی تھی۔ مگر اب یہی ذلت فیشن بن گئی۔ آئندہ نہ معلوم کیا کیا ہونے والا ہے۔ اگر کسی زمانے میں ناک کٹنا فیشن بن جائے۔ یا اندھا، کانا ہونا زینت میں شمار ہونے لگے۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ایسے ایسے مفکرین و مصنفین اگر پیدا ہوتے رہے۔ تو یہ دن بھی دور نہیں۔ خدا سب کو عقلِ سلیم اور سچی ہدایت نصیب فرمائے۔ بخاری شریف جلد دوم ص۸۰ پر ایک اور حدیث پاک اس طرح ہے وَعَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ الْمُتَشَبِّهِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَآءِ :۔

ترجمہ:۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے۔ ان مردوں پر جو خود کو عورتوں سے مشابہہ کریں۔ اور داڑھی منڈانا بھی مشابہتِ زناں ہے:۔ تیسری وعید جو قانونِ فقہاء کرام میں وارد ہے وہ یہ ہے کہ داڑھی منڈانے یا کترانے یا مٹھی بھر سے زیادہ لمبی رکھنے والے کو قوم کا امام بنانا ناجائز ہے۔ اگر ایسا شخص مصلّٰی امامت پر کھڑا ہو تو اس کو فوراً ہٹا دیا جائے۔ اور اگر اس کے پیچھے کسی نے نماز پڑھ لی ہو تو اس کو لوٹانا واجب ہے۔ یہ حکم اور مصلّٰی سے ہٹایا جانا انتہائی ذلت ہے۔ کیونکہ امامتِ اسلامی دین و دنیا کی انتہائی عزت کا نشان ہے۔ جس سے داڑھی منڈانے والا یکسر محروم ہے۔ اگرچہ عالمِ وقت یا علامۂ زماں یا پیرِ طریقت ہو۔ اس لیئے بے تحاشہ لمبی داڑھی اور چھوٹی داڑھی والا شرعاً فاسق ہے اور فاسق کو ذلیل کرنا واجب ہے۔ اس کو دینی لحاظ سے کوئی درجہ دینا گناہ ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد دوم صفحہ ۲۶۶ پر ہے۔ بِخِلَافِ الْفَاسِقِ فَاِنَّہٗ

اِسْتَظْهَرَ فِی شَرْحِ الْمُنْیَۃِ اَنَّهَا کَرَاهِیَۃٌ لِتَقْرِیْبِهِمْ وَاَنَّ فِی تَقْوِیْمِهِ لِلْاِمَامَۃِ تَعْظِیْمَهٗ وَقَدْ وَجَبَ عَلَیْنَا اِهَانَتُهٗ۔ بَلْ عِنْدَ مَالِكٍ وَرِوَایَۃٌ عَنْ اَحْمَدَ لَا تَصِحُّ الصَّلٰوۃُ خَلْفَهٗ ؕ۔ (ترجمہ) بخلاف فاسق گناہگار کے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ یہی شرح منیہ میں ظاہر کیا۔ تمام فقہاءِ اسلام کے فرمان کی وجہ سے۔ کیونکہ بے نسک فاسق فاجر کو امام بنانے اور مصلیٰ پر آگے کرنے میں اُس کی عزت افزائی ہے۔ حالانکہ ہم مسلمانوں پر واجب ہے اس کی ذِلّت کرنا۔ بلکہ امام مالک کے نزدیک بھی اور ایک روایت امام احمد سے ہے کہ فاسق کے پیچھے بالکل نماز جائز نہیں۔

یہ تھے وہ دلائل جن سے بطریقۂ احسن واتم داڑھی کی فرضیت اور حد شرعی ثابت ہوئی۔ محض اتمامِ حجّت اور آپ کی تسکین خاطر کے لیے یہ مختصر فتویٰ ارسالِ خدمت ہے۔ ورنہ اس کے دلائل اور بھی ہیں۔ یہ شیطانی فعل سب سے پہلے شیطان ابلیس نے قومِ لوط کے بدکاروں کو سکھایا۔ انہوں نے اپنے آپ کو بچہ اور امرد ظاہر کرنے کے لیئے داڑھی اور مونچھ صفائی کرانی شروع کی۔ بعض بڑوں سے سنا گیا ہے کہ بال صفا پاؤڈر بھی انہوں نے ہی ایجاد کیا ہے۔ اور اپنی مونچھوں اور داڑھیوں کے لیئے طرح طرح کی دوائیوں کو ایجاد کیا۔ پھر بعض لوطیوں نے مونچھوں کو کٹانا چھوڑ دیا اور داڑھی بدستور منڈتی رہی۔ ان سے مجوسیوں اور پارسیوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ پھر ان سے ہندوؤں اور ہندوؤں سے مسلمانوں نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد نہم پارہ نمبر ۱۷ صفحہ نمبر ۷۲ سورۃ انبیاء آیت نمبر ۷۵ پر ہے:۔ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَشْرُ خِصَالٍ عَمِلَتْهَا قَوْمُ لُوْطٍ بِهَا اُهْلِکُوْا اِتْیَانُ الرِّجَالِ بَعْضُهُمْ بَعْضًا الخ۔ وَضَرْبُ الدُّفُوْفِ وَشُرْبُ الْخُمُوْرِ وَقَصُّ اللِّحْیَۃِ وَطُوْلُ الشَّارِبِ ط

ترجمہ۔ حسن سے روایت ہے کہ فرمایا سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دس خصلتیں جو قومِ لوط نے کیں اور جن کی وجہ سے وہ ہلاک کیئے گئے وہ یہ ہیں۔ ۱ لواطت کرنا وغیرہ وغیرہ ۲ ڈھول باجہ بجاتے رہنا مثلاً قوالی وغیرہ اور شرابیں پینا۔ ۷ داڑھیاں منڈانا ۸ مونچھیں لمبی کرنا ۹ ریشم مردوں کو پہننا ۱۰ کبوتر بازی۔ بہرحال دلائلِ کثیرہ سے واضح امر ثابت ہو گیا کہ داڑھی مشت بھر رکھنی فرض ہے۔ اور کٹوا کر کم کرنا یا بالکل منڈوانا کفار کا طریقہ اور باعث عذاب۔

قرآن و حدیث کے ان دلائل و احکام اور فقہاءِ امت کے فرمودات کو دیکھ کر اور میرے اس فتوے کو پڑھ کر اگر اب بھی اے مسلمانوں عبرت نہ پکڑو اور عمل نہ کرو۔ تو بتاؤ اب کس چیز کا انتظار ہے۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ لَا یُؤْمِنُوْنَ ؕ

ترجمہ: قرآن پاک جیسے آخری کلام کے بعد اب کس بات پر ایمان لاؤ گے ؟۔ مسئلہ۔ امام مسجد پر امامت کیلیئے اشد لازم ہے کہ چار انگل داڑھی ہو کٹی ہوئی نہ ہو۔ بعض فاسق امام اور حافظ لوگ ماہِ رمضان میں توبہ کر لیتے ہیں کہ ہم آئندہ داڑھی نہ کٹائیں گے اور تراویح پڑھا دیتے ہیں عوام انکی توبہ سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ یہ توبہ غلط ہے اگر سچی توبہ بھی ہو تب بھی جب تک پوری داڑھی نظر نہ آئے امامت نہیں کرا سکتا۔ کیونکہ فسق ظاہر ہے اور توبہ پوشیدہ۔ فاسق کی امامت اسلیئے منع ہے کہ فسق سے اللہ رسول کو ایذا ہے مشکوٰۃ شریف صہ پر ہے کہ نبی کریم نے ایک ایسے امام کو امامت سے

ہٹا دیا جس نے کعبے کی طرف منہ کر کے تھوکا تھا اور نبی کریم کو اس فعل سے دکھ پہنچا تھا تو داڑھی منڈانا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

کتبہ

سیّد اور بنی ہاشم کون ہیں، بلوچ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اولاد نہیں کیونکہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی نسل نہیں چلی، کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ سیّد ہیں

سوال نمبر ۹:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ہماری بستی میں دو شخصوں کا اس مسئلہ پر جھگڑا ہوا کہ زید کہتا ہے کہ حضرت علی سید ہیں اور آپ کی ساری اولاد جو فاطمہ زہرا کے علاوہ دوسری چار بیویوں سے پیدا ہوئی وہ ساری اولاد بھی سید ہے جن کو ہماری اصطلاح میں علوی کہا جاتا ہے:۔ خالد کہتا ہے کہ حضرت علی سید نہیں اور حضرت علی کی علوی اولاد جو امام محمد بن حنفیہ وغیرہ سے چلی وہ بھی سید نہیں سید صرف حضرت امام حسن اور امام حسین کی اولاد کو کہتے ہیں۔ زید بھی اہلسنت ہے اور پیری مریدی کرتا مگر شیعوں سے بھی صحبت رکھتا ہے ہمیں فتوٰے عطا فرمایا جائے کہ کس کی بات درست ہے:۔ کیا حضرت علی اور آپ کی علوی اولاد کو سید مانا جائے یا نہیں براہِ کرم مدلّل فتوٰے عطا فرمایا جائے ہم سب بستی والوں نے متفقہ طور پر آپ کے فتوٰی کے مطابق فیصلہ کرنا ہے، ۲ کیا بلوچی لوگ حضرت حمزہ کی اولاد ہیں

المستفتی محمد اکبر علی نزد گورنمنٹ سکول دولت نگر ضلع گجرات

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابُ

صورتِ مسئولہ میں قانون شریعت کے مطابق زید کا قول غلط ہے خالد صحیح کہتا ہے۔ موجودہ شرعی اصطلاح میں سید صرف حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو اور ان کی تا قیامت اولاد کو کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی صحابی کی اولاد کو سید نہیں کہا جا سکتا خواہ وہ صدیق اکبر کی اولاد ہو یا فاروق اعظم کی۔ عثمانِ غنی کی اولاد ہو یا مولا علی مشکل کشا کی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ زید کا یہ کہنا کہ حضرت علی سید ہیں اور آپ کی اولاد علوی سید ہے۔ قطعاً غلط اور خلافِ حقیقت و درایت و روایت ہے عقلاً نقلاً بھی یہ بات کہیں ثابت نہیں۔ خالد کی یہ بات کہ سادات کی نسل امامین کریمین طیبین طاہرین سے چلی۔ بالکل درست ہے

اور اس کے بہت سے دلائل ہیں۔ ہم نقطہ اہلسنت کے عقائد کو ظاہر و ثابت کرنے کے لیئے مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں میری اس ساری تحریر کا روئے سخن فقط وہ ستی دانشور ہیں جو مزاجِ فہمیدہ رکھتے ہیں۔ یا وہ لوگ ہیں جو ظاہراً تو سنی ہیں مگر مائل برفض ہو چکے ہیں۔ لیکن شیعہ حضرات۔ تو اُن سے خطاب نہیں کہ وہ تو اگر حضرتِ علی کو خدا بھی کہہ دیں تو کیا بعید ہے بلکہ اُن کا ایک فرقہ نصیریہ موجودہ بارہ امامیہ تو علی الاعلان علی رب کا نعرہ لگاتا ہے۔ میری تحقیق کے مطابق کوئی علوی سیّد نہیں ہے۔ نسلِ سادات صرف حسنؓ و حسینؓ سے چلی رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔ اس مسلک پر گیارہ دلائل ہیں :۔

دلیلِ اوّل :۔ یہ باتِ اظہر من الشمس ہے کہ علومِ معقولات علمِ لغت سب پر مقدم ہے۔ بدیں وجہ الفاظِ مشترکہ میں اوّل معنٰے لغوی ہوگا اسی لحاظ و اعتبار پر باقی معنیٰ کا دارو مدار ہے :۔ عربی کے الفاظِ مشترکۃ المعانی اپنے رواج و اصطلاحات و ضروریات کے تحت بنتے چلے جاتے ہیں مگر بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ لغوی معنٰے کی حیثیت بدرجہ اتم قائم ہے اگر تمام جگہ لغت کی جلوہ گری نہ ہو تو الفاظِ مشترکہ سب غلط ہو جائیں لغوی معنٰے کی اسی اصلیت کی وجہ ہے کہ اندھا دھند کوئی شخص بھی مشترک لفظ نہیں بنا سکتا۔ دیکھو عربی میں لفظِ عین کا لغوی معنٰے اصل۔ حقیقت ہے مگر ضرورت کے مطابق اس کو مشترک بنا لیا گیا اور یہ لفظ چار معنٰے میں مشترک ہو گیا ع۱ سورج ع۲ گھٹنا پیر کا۔ ع۳ چشمہ پانی کا ع۴ آنکھ۔ لیکن سب جگہ لغوی ترجمے کا لحاظ قائم ہے چنانچہ سورج کو عین اس لیئے کہا گیا کہ فلکیات میں سب کا نور عارضی عطائی بالواسطہ ہے مگر اس کا نور اصلی ذاتی بلاواسطہ ہے ۲ پیر کے گھٹنے کو عین اس لیئے کہا گیا کہ پیر کی قوت اور رگوں کا اصلی مرکزی مقام یعنی ہیڈ آفس یہی ہے ع۳ چشمے کو عین اس لیئے کہا گیا کہ پانی کا اصل مقام یہی ہے نہر بحر اسی سے بنتی ہیں ع۴ آنکھ کو عین اس لیئے کہا گیا کہ جسم کی معلوماتی قوتوں کا اندرونی بیرونی اصلی مقام یہی ہے کہ جو علم باہر سے اندر جاتا ہے وہ اسی کے ذریعے جاتا ہے۔ کسی شئی کی اصلیت دیکھنے کو معائنہ کرنا کہا جاتا ہے۔ اصل کے مشابہ کو بِعَیْنِہٖ کہا جاتا ہے۔ غرضیکہ ہر جگہ لفظوں پر لغت کی حکومت ہے۔ جب یہ سمجھ لیا تو جان لو کہ لفظِ سیّد کے لغوی معنٰے ہیں۔ مالِکْ۔ سَوْدٌ سے بنا ہے۔ بروزن فَیْعَلٌ۔ سَیْوُدٌ تھا۔ واؤ کو یار بنایا اور یار کا یار میں ادغام کر دیا۔ ہو گیا سیّد۔ ضرورتِ کثیرہ کے تحت اس کو بھی مشترک بنا یا گیا۔ پس یہ دس معنٰے میں مشترک ہوا۔ چنانچہ لغت کی مشہور کتاب مجمع البحار جلد دوم صفحہ نمبر ۱۵۱ پر ہے :۔ وَالسَّیِّدُ یُطْلَقُ عَلَی الرَّبِّ وَالْمَلِكِ وَالشَّرِیْفِ وَالْفَاضِلِ وَالْکَرِیْمِ وَالْحَلِیْمِ وَمُتَحَمِّلِ اَذٰی قَوْمِهٖ وَالزَّوْجِ وَالرَّئِیْسِ وَالْمُقَدَّمِ۔

(ترجمہ) :۔ اور لفظِ سیّد بولا جاتا ہے۔ ع۱ مربی کے لیئے ع۲ مالک کے لیئے :۔ ع۳

شریف آدمی کے لیئے ع۴ لائق کے لیئے ع۵ سردار کے لیئے ع۶ بردبار شخص کے لیئے ع۷ قوم کے وزیر کے لیئے ع۸ خاوند کے لیئے ع۹ کریم وسخی کے لیئے ع۱۰ مقدم شخص یعنی آگے والے شخص کے لیئے :۔ ان دس ۱۰ معنوں میں پہلا لغوی معنیٰ ہے مالک ۔ باقی نو معنٰے اسی مالکیت کی مختلف نوعیتوں کے اعتبار سے مشترک ہو گئے ۔ کیونکہ مربی پرورشی انتظام اور مربوب کا مالک زمانۂ تربیت میں مالک ہوتا ہے ۔ شریف شرافت کا ۔ فاضل فضیلت کا ۔ سردار یعنی رئیس قوم ۔ اپنی قوم کے قانون کا ۔ حلیم حلم کا ۔ وزیر رعایہ کا ۔ خاوند بیوی کا ۔ کریم کرم کا ۔ پیشرو مقتدیوں کا مختلف حیثیتوں سے مالک ہوتا ہے ۔ ثابت ہوا کہ لفظِ سید اہل عرب کے نزدیک مفرد المعنیٰ نہیں بلکہ مشترک المعنیٰ ہے ۔ لہٰذا جب کبھی یہ لفظِ سید ذاتِ باری تعالیٰ کے لیئے استعمال ہوگا تو وہاں لغوی معنٰے مراد ہوں گے یعنی مالک چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۴۱۸ پر ہے باب الفخر فصل ثانی :۔

عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ الشِّخِیْرِ قَالَ اِنْطَلَقْتُ فِیْ وَفْدِ بَنِیْ عَامِرٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَنْتَ سَیِّدُنَا فَقَالَ اَلسَّیِّدُ اللّٰہُ (الخ) ترجمہ :۔ روایت ہے مطرف بن عبد اللہ بن شخیر سے ۔ انھوں نے فرمایا کہ بنی عامر کے ساتھ میں بھی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا کہ تم ہم سب نے عرض کیا کہ آپ ہمارے سید ہیں تو نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ سید اللہ ہے ۔ یہاں سید بمعنیٰ مالک ہے چنانچہ مجمع البحار جلد دوم ص۱۵۱ پر اسی حدیثِ مطہرہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎ فَقَالَ اَلسَّیِّدُ ھُوَ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَوَاصِیَ الْخَلْقِ :۔ (ترجمہ) ! آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو سید کہا اس مقصد سے کہ وہی ہے تمام خلق کی پیشانیوں کا مالک یعنی سب کی گردنوں میں اسی کی ملکیت کی رسی ہے ۔ جب لفظِ سید کی نسبت بیوی کی طرف ہوگی یا بیوی کے ساتھ لفظِ سید کا ذکر ہوگا تو وہاں ۔ سید کے معنیٰ خاوند ہوں گے :۔ چنانچہ حضرتِ زلیخا کے پہلے خاوند عزیز مصر کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے :۔ وَاَلْفَیَا سَیِّدَھَا لَدَا الْبَابِ :۔ ترجمہ :۔ اور پایا ان دونوں نے اس زلیخا کے خاوند کو دروازے کے قریب ۔ یہاں سید بمعنیٰ خاوند ہے ۔ کیونکہ اضافت بیوی کے ساتھ ہے ۔ لیکن جب لفظِ سید کی نسبت اور اضافت کسی قوم یا گروہ یا جماعت کی طرف ہو تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے ۔ سردار ۔ جیسے کہ آقائے دو عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ کہ ابوبکر اور عمر جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں ۔ یعنی جو دنیا میں بڑھاپے کی عمر میں فوت ہوئے ۔ سوائے انبیاء کرام کے ۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۵۶۰ پر ہے

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :۔ اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ

وَرَوَاہُ اِبْنُ مَاجَتَہَ عَنْ عَلِیٍّ ۔ (ترجمہ) - حضرت انسؓ نے فرمایا کہ پیارے آقا نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ بجز انبیاء ومرسلین کے باقی تمام اولین وآخرین کے سردار ہیں ۔ اور جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۰ باب مناقب اہل بیت فصل ثانی ہے ۔ بِاَنَّ فَاطِمَۃَ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَاَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ ۔ ترجمہ بے شک فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنؓ وحسینؓ جنتی جوانوں کے سردار ہیں یا جیسے کہ فرمایا سرور کائنات نے ۔ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ (ترجمہ) :- قوم کا سردار قوم کا خدمت گار ہوتا ہے ۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں اِن تمام جگہ سید بمعنی سردار ہے ۔ قیامت تک ہر قوم کے ہر پیشوا کو سید کہا جا سکتا ہے مگر نسبت اور اضافت کے ساتھ مثلاً ۔ سَیِّدُ الْقَوْمِ ۔ سَیِّدُ الْقُرَیْشِ وغیرہ اور جب لفظِ سید کسی مُلک کی طرف منسوب ہو تو وہاں حاکم یا بادشاہ یا امیر ومنتظم مراد ہوتا ہے ۔ مثلاً اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کو سید الہند کہا جاتا تھا (بحوالہ اورنگ زیب کے خطوط ص ۱۳۱ فارسی) حاکم شہر کو سید البلد کہا جاتا رہا ۔ اور جب لفظِ سید کو ایک یا دو آدمیوں کی طرف نسبت کیا جائے ۔ تو مراد ہوتا ہے ۔ محترم اور کریم ۔ مثلاً یا سَیِّدِیْ ۔ ترجمہ ۔ اے میرے کریم یا اے میرے محترم ۔ یہاں بمعنے سردار نہیں ہو سکتا کیونکہ سرداری ایک شخص کے لیئے نہیں ہوتی بلکہ قوم یا گروہ کے لیئے ہوتی ہے ۔ اور جب لفظِ سید کی نسبت کسی وقت یا زمانے ۔ یا جمادات کی طرف کی جائے تو سیّد کا معنیٰ ہوتا ہے ۔ فاضل یا افضل مثلاً جامع صغیر لامام جلال الدینؒ جلد دوم ص ۳۵ پر آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چند احادیث مروی ہیں :- ۱ سَیِّدُ الْاَدْھَانِ الْبَنَفْسَجُ ۲ سَیِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ اَنْ تَقُوْلَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ ۳ سَیِّدُ الْاَیَّامِ عِنْدَ اللہِ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ ۴ سَیِّدُ الْجِبَالِ الطُّوْرُ سِیْنَاءُ ۵ :- سَیِّدُ الشَّجَرِ السِّدْرُ ۶ سَیِّدُ الْکَلَامِ الْقُرْاٰنُ - ۷ سَیِّدُ اِدَامِکُمُ الْمِلْحُ - :۸ سَیِّدُ الطَّعَامِ اللَّحْمُ ۔ ترجمہ :- ۱ تیلوں کا سید بنفشہ ہے ۲ استغفار کا سید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ ہے ۳ دنوں کا سیّد جمعہ ہے ۴ پہاڑوں کا سیّد طور ہے ۔ ۵ درختوں کا سیّد بیری ہے ۶ کلاموں کا سید قرآن مجید ہے :- ۷ سالنوں کا سید نمک ہے ۸ کھانوں کا سیّد گوشت ہے ان تمام جگہ سید بمعنیٰ افضل ہے ۔ چونکہ یہ لفظِ سید کثیر معنیٰ میں مشترک ہے اس لیئے اس کے استعمال کے لیئے نسبت اضافی بمناسبِ حال شرط ہے ۔ اور جب کسی شخص کو سیّد کہا جائے کسی اضافت سے تو وہاں سرداری یا احترام یا افضیلت مراد ہوتی ہے ۔ لیکن جب بلا اضافت یا اضافتِ کلیہ سے سید کہا جائے تو وہاں نسلی وذاتی سید مراد ہوتا ہے ۔ اور آپ کی نسل سیّد کہلائے گی جس کو اللہ تعالیٰ

یا اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً سید کہا ہو گا۔ **دلیل دوم** :۔ مندرجہ بالا قواعد شریعہ کے تحت یہ ثابت ہو گیا کہ جب سید کا لفظ مضاف ہو کر کسی کے لیے مستعمل ہو تو وہ نسلی سید نہیں ہو گا بلکہ فقط اعزازی سید ہو گا اور اس اعزاز کی بنا پر اس کی اولاد کو سید نہیں کہا جائے گا۔ لیکن جب لفظِ سید مطلق بولا جائے تو منسوب الیہ نسلاً سید ہو گا یعنی وہ اس کی ذات بن جائے گا اور اس بنا پر اس کی آل اولاد کو بھی سید کہا جائے گا۔ اسلامی شریعت میں تمام مخلوقاتِ انسانی میں ذاتاً و نسلاً سید صرف دو پیغمبران عظام ہیں ایک ہمارے آقا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے پیغمبر حضرت یحییٰ علیہ السلام۔ حضرت یحییٰ تو اس لیے کہ قرآن کریم نے ان کو مطلق طور پر سید فرمایا۔ چنانچہ سورۂ آلِ عمران آیت ۳۹ پارہ سوم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔ اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَیِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ (ترجمہ) :۔ (اے ذکریا علیہ السلام) بے شک اللہ تم کو بشارت فرماتا ہے یحییٰ (بیٹے) کی جو اللہ تعالیٰ کے ایک کلمے کی تصدیق کریں گے۔ اور وہ سید ہوں گے۔ اور دائمی عورتوں سے دور رہیں گے اور نیک خاندان میں سے نبی ہوں گے۔ یہاں سیّد ہونے کا مطلب ہے ذاتی نسلی سید۔ اگر حضرت یحییٰ کی اولاد ہوتی تو نسلی سید ہوتے۔ ہمارے اردو مترجمین نے یہاں سید بمعنی سردار لکھا ہے وہ صرف اصطلاحی ترجمے کے لحاظ سے۔ ترجمے کے لیے اس کے سوا کوئی لفظ اردو میں دستیاب نہیں ورنہ سردار کے لیے اضافت شرط ہے۔ اور پھر اگر عقلِ حقیقی اور عشقِ ثباتی کی نظر سے دیکھا جائے تو ہر نبی ولی دنیا کا سردار ہے پھر یہاں خصوصیت سے حضرت یحییٰ کو فقط سید کیوں فرمایا گیا؟ ماننا پڑے گا کہ حضرت یحییٰ کو ذاتی اور نسلی سید بنایا گیا۔ اور چونکہ ہمارے کریم و رحیم آقا ہمہ صفت موصوف نبی ہیں تو جب آپ صفی اللہ کی صفت سے مصطفیٰ ہوئے۔ سدرہ پر پہنچ کر کلیم ہوئے۔ عرش پر پہنچ کر خلیل ہوئے۔ لِیْ مَعَ اللّٰهِ فرما کر روح اللہ ہوئے :۔ غار حرا میں کلمۃ اللہ۔ تو: اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ۔ فرما کر۔ ذاتاً و نسلاً سید ہوئے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۵۱۳ پر ہے :۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (الخ) رَوَاهُ مُسْلِمٌ اور مشکوٰۃ ص۵۱۳ پر یہی حدیث پاک ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے بروایت ترمذی شریف۔ ترجمہ۔ آقائے عالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ قیامت کے دن اس کا ظہور ہو گا۔ اس حدیثِ مبارکہ میں اگرچہ لفظِ سید مضاف ہے مگر چونکہ اضافتِ کلیہ ہے لہٰذا اس سے بھی سیادتِ ذاتی و نسلی ثابت ہوئی۔ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ کی قید کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں اِلٰی پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا۔ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ یعنی میں قیامت تک

سید ہوں۔ اس طرح کہ میری نسل بھی سید ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ ملا علی قاری لکھتے ہیں مرقات جلد پنجم صـ۲۵ پر ہے۔ وَالتَّقْيِيْدُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ مَعَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مَعْنَاهُ اَنَّهٗ يَظْهَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُؤْدَدُهٗ بِلَا مُنَازِعٍ۔ (ترجمہ) یومِ قیامت کی قید کیوں لگائی باوجود اس کے کہ آپ دنیا و آخرت میں تمام انسانوں کے لیے سید ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کا سید ہونا ظاہر ظہور ہو گا بغیر کسی جھگڑے کے۔ گویا کہ بقول مرقات یہاں یَظْهَرُ فعل پوشیدہ ہے اور دراصل تھا۔ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَظْهَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ لہٰذا بات صاف ہو گئی۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نسلاً سید ہیں اور آپ کی ہی اولاد سید ہے۔ کیونکہ آپ نے خود فرمایا۔ اَنَا سَيِّدٌ میں سید ہوں۔ اور آپ نے کیوں فرمایا۔ اس لیے کہ رب کریم نے ارشاد فرمایا۔ يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۔ اکثر مفسرین کے نزدیک لفظ یٰس کا ترجمہ ہے اے سید۔ چنانچہ تراجم خمسہ میں۔ وَلِيٌّ مِنْ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ حضرت شیخ سعدی شیرازی اپنے ترجمۂ قرآن پاک میں لکھتے ہیں۔ ای سید بقرآن حکیم۔ ترجمہ اے سید قرآن حکیم کی قسم تم مرسلوں سے ہو۔ تفسیر خازن علی اربعۃ تفاسیر جلد پنجم صـ۱۹۰ پر ہے:۔ (يٰسٓ) قيل يا سيد البشر۔ (ترجمہ):۔ کہا گیا ہے کہ لفظ یٰس کا ترجمہ ہے اے سب انسانوں کے سید۔ تفسیر مدارک کے صـ۱۹۵ پر ہے:۔ وَقِيْلَ يَا سَيِّدُ۔ ترجمہ۔ فرمایا گیا ہے کہ یٰس کا ترجمہ ہے اے سید۔ تفسیر روح البیان جلد ہفتم صـ۲۶۵ پر ہے۔ حرف يس اشارت بكلمهٔ يا سَيِّدَ الْبَشَرِ يا سَيِّدَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَحَدِيْثِ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ تفسیر ایں حرف بود۔ ترجمہ۔ حرفِ یٰسین نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ اے تمام بشر اور اولین و آخرین تمام کے سید۔ وہ حدیث اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ اسی لفظ کی تفسیر ہے۔ ثابت ہوا کہ رب کریم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سید بنایا۔ اور کائنات میں آپ کا نام سید ہے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں فرمایا کہ یٰس ہمارا نام ہے۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد ہفتم صفحہ نمبر صـ۲۶۵ پر اور تفسیر مدارک علی اربع جلد پنجم صفحہ نمبر صـ۱۹۵ پر ہے:۔ وَفِي الْحَدِيْثِ اِنَّ اللّٰهَ سَمَّانِيْ بِسَبْعَةِ اَسْمَاءٍ مُحَمَّدٌ وَاَحْمَدُ وَطٰهٰ وَيٰسٓ وَالْمُزَّمِّلُ (الخ) ترجمہ۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں میرے سات نام رکھے۔ ۱۔ محمد۔ ۲۔ احمد۔ ۳۔ طٰہٰ۔ ۴۔ یٰس۔ ۵۔ مزمل۔ ۶۔ مدثر۔ ۷۔ عبد اللہ

ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نام یٰس ہے اور یٰس کا معنٰی ہے سید۔ اور چونکہ یہاں لفظ سید مطلق بغیر اضافت آیا لہٰذا آپ بدلیلِ قرآنیہ نسلاً سید ہوئے۔ چونکہ لفظ یٰس نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم پاک ہے اس لیے آپ کی جملہ اولاد کو آلِ یٰس بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ تفسیر روح البیان

جلد ہفتم صفحہ ۳۶۵ اسی طرح لکھا ہے۔ اور تفسیر روح المعانی جلد گیارہویں پارہ بائیسؔ صفحہ نمبر ۲۱۱ پر ہے:۔
وَھُوَ ظَاھِرُ قَوْلِ السَّیِّدِ الْحِمْیَرِیْ۔ شعر

یَا نَفْسُ لَا تَمْحَضِیْ بِالْوُدِّ جَاھِدَۃً
عَلَی الْمَوَدَّۃِ اِلَّا آلَ یَاسِیْنَا۔

(ترجمہ) اے میرے دل کسی کی محبت میں اتنی محنت مشقت نہ کر سوائے آلِ یٰسین کی محبت کے۔ یعنی دنیا میں صرف سیدوں سے پرخلوص محبت لگا۔ کیونکہ وہی محبت کارآمد ہے۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ تمام کائنات میں فقط نبی اکرم ہی اصل سید ہیں۔ اور نسلاً سید آپ ہی ہیں لہٰذا فقط آپ کی نسل ہی سید ہو سکتی ہے:۔

دلیل سوم:۔ جب یہ بات بدلائل ثابت ہو گئی کہ حضور اقدس ہی نسلاً سید ہیں تو یہ بات بھی لازمی ثابت ہے کہ صرف نبی اکرم علیہ التحیۃ والثنا کی اولاد ہی سید ہو سکتی ہے۔ اور آپ کی اولاد ہی قانونِ شریعت میں سید کہلا سکتی ہے۔ شرعی طور پر نبی کریم علیہ السلام کی اولاد حضرتِ امام حسن ؓ اور حضرت امام حسین ؓ سے چلی اور چونکہ یہ دونوں امامین کریمین طیبین طاہرین حضرتِ فاطمہ بتول الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نذکر اولاد ہیں اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک خاتونِ جنت سے چلی۔ چنانچہ۔ خود آقاء کل صلے اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہماری نسل فاطمۃ الزہرا سے چلی۔ چنانچہ مستدرک حاکم جلد سوم صفحہ ۱۶۰ پر ہے:۔ عَنْ مَوْلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَنَا الشَّجَرَۃُ وَفَاطِمَۃُ فَرْعُھَا وَعَلِیٌّ لِقَاحُھَا وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ ثَمَرَتُھَا وَشِیْعَتُنَا وَرَقُھَا (الخ) ! حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے آزاد شدہ غلام روایت کرتے ہیں کہ میں نے خود سنا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ فرماتے ہیں۔ میں درخت ہوں اور فاطمہ زہرا اس کی شاخ ہیں اور علی مرتضٰے اس کی پیوندکاری والی شاخ ہیں (جس کو پنجابی میں داب اردو میں لُقاح کہتے ہیں:۔) اور حسن وحسین اس کے پھل اور ہماری نسل کے تاقیامت گروہ اس کے پتے۔ یہاں شیعہ سے مراد یہ آج کل کے نائی تیلی مراثی نہیں بلکہ نسلِ پاک سادات۔ اگرچہ اس حدیث کا متن شاذ ہے اور اس کے ایک راوی اسحاق وُبری صدوق ہیں جو ضعیف ہوتا ہے۔ مگر معناً حدیث صحیح کے درجہ میں ہے۔ اس روایت سے تین چیزیں ثابت ہوئیں ۱۔ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسل پاک حضرتِ حسن ؓ و حسین ؓ سے چلی اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سید اس لیے آپ کی ہی نسل تاقیامت سید۔ اب ابد تک جو انسان مسلمان امام حسن یا امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی اولاد سے ہو گا فقط وہ ہی سید ہو گا۔ ۲۔ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہے کہ فاطمہ زہرا کو یہ اعزاز نصیب ہوا کہ آپ نسل پاک جنابِ مصطفیٰ کی

امین ہیں آپ بھی سیدہ ہیں۔ کیونکہ والد سید ہو تو بیٹی بیٹا سید ہو۔ لیکن فاطمہ زہرا کی بیٹی حضرت زینب سیدانی نہیں۔
اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے صرف حسن و حسین کو پھل فرمایا۔ ع ۳
یہ کہ خاتونِ جنت فاطمہ بتول الزہرا کو جتنے بھی خصوصی فضائل ملے وہ اسی وجہ سے ملے کہ آپ کے بیٹے حسن و حسین ہوئے۔ جو نسلِ نبی اور آلِ نبی کے ابتدائی پھول و پھل ہیں۔ مثلاً حضرتِ سیدہ کے ہاتھ پاک سے جنت کی خوشبو۔ ع ۲ تمام جانوں کو حضرت عزرائیل قبض کرتے ہیں مگر حضرتِ سیدہ کی روحِ مقدسہ کو خود جناب باری نے قبض فرمایا۔ (روح البیان جلد سوم ص۲۵) ع ۳ میدانِ محشر میں جناب سیدہ طاہرہ کا بصد اہتمام گزر جیسا کہ احادیث و تفاسیر میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار فضائل و مراتب کی وجہ یہی ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ یہ فضائل۔ آقائے موجودات صلے اللہ علیہ وسلم کی دیگر تین صاحبزادیوں کو یہ مراتب حاصل نہ ہوئے۔ حضرت زینب حضرت رقیہ حضرت کلثوم کے تذکرہ میں یہ فضائل منقول نہیں۔ بس وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔ اگر حضرت فاطمہ کی مذکر اولاد نہ ہوتی تو نہ آپ کی اولاد سید ہوتی نہ آپ کو یہ خصوصی فضائل ملتے۔ اسی طرح اگر دوسری کسی صاحبزادی کی بھی مذکر اولاد ہوتی تو وہ بھی سید ہوتی اور اُن کی اولاد جب تک عالم اجسام میں رہتی نسلی سید ہوتی۔ اور اگر فاطمہ زہرا کے دس بیٹے ہوتے تو دس سے ہی سید نسل چلتی۔ مگر چونکہ شجر نبوت کے صرف دو ہی پھل ہوئے اس لیے۔ عالمِ دنیا میں صرف حسنی و حسینی ہی سید ہوئے۔ ہاں البتہ جس طرح فاطمہ زہرا نسلاً سادات ہیں اپنے والد مقدس کی وجہ سے اسی طرح جناب سیدہ زینب۔ جناب سیدہ رقیہ۔ جناب سیدہ کلثوم بھی نسلاً سادات ہیں۔ کیونکہ بناتِ رسول ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنھن اجمعین۔ اسی قانون کے تحت۔ حضرت زینب کی اولاد چونکہ بیٹی ہے اس لیے وہ سید نہیں حضرت زینب کے خاوند اور نبی اکرم کے تیسرے داماد حضرت ابوالعاص۔ اُن کی اولاد میں ایک بیٹا علی بن ابوالعاص بچپن میں فوت ہو گئے۔ اسی طرح۔ حضرتِ سیدہ ام کلثوم زوجہ عثمان غنی کا ایک بیٹا عبداللہ بن عثمان بھی کنوارے فوت ہوئے غرضکہ نواسۂ رسول میں صرف حسن و حسین ہی صاحب نسل کثیرہ ہیں کیونکہ۔ آقائے کائنات غیب دان کل صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ارشاد فرما دیا کہ میرے پھل صرف حسن و حسین ہیں۔ لہٰذا وہ ہی نسل سادات کے نخلِ اوّلین ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی شخص سید نسلی نہیں ہاں سید بمعنے سردار پیشوا امام۔ سب ہی صحابہ کرام ہیں۔ حضرتِ علی شیر خدا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاتونِ جنت کے وصال کے بعد۔ نواسیٔ رسولِ پاک جناب حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ جن کے بطن سے حضرت علی کے چار بیٹے ہوئے ۱ عثمان ع ۲ ابوبکر ع ۳ عمر یہ سب کربلا میں شہید ہوئے۔ اُن کی نسل نہ چلی۔ حضرتِ علی کی چوتھی بیوی حضرت خولہ کے چوتھے بیٹے محمد بن حنفیہ یعنی ابن علی حنفیہ

ان سے حضرت علی کی نسل چلی جس کو علوی کہتے ہیں۔ خلافتِ صدیقی کے دور میں مسیلم کے قبیلے یمامہ سے جنگ ہوئی۔ اس میں ایک قوم بنی حنفیہ تھی اُن کے قیدیوں میں حضرتِ خولہ بنت جعفر بن قیس گرفتار ہو کر آئیں حبشی النسل تھیں حضرتِ علی کو ملیں آپ نے آزاد کر کے ان کی بیوی بنایا یہ بی بی صاحبہ حضرت علی کی چوتھی بیوی ہیں اُن سے چار بیٹے ہوئے سب سے بڑے بیٹے محمد بن حنفیہ ہیں باقی تین کنوارے فوت ہوئے۔ محمد بن حنفی اپنے چھٹے نانا حنیف کی طرف نسبت رکھتے ہیں (از مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ص۶۱۸ مرآۃ ہشتم ص۳۵ اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص۶۵ اور تاریخ اسلام) حضرت علی کی کل نو بیویاں ہوئی ہیں (از اسماء الرجال مشکوٰۃ شریف) - مرقات شرح جلد دوم صفحہ نمبر ص۳۲ پر ہے:- وَاُمَامَہ هِیَ اِبْنَۃُ زَیْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنْتِ اَبِی الْعَاصِ۔ تَزَوَّجَهَا عَلِیٌّ بَعْدَ فَاطِمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ (ترجمہ) :- امامہ بیٹی ہیں سیدہ زینب بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فاطمہ زہرا کے وصال کے بعد امامہ رض سے نکاح فرمایا:-

دلیل چہارم :- دلائل سابقہ سے یہ تو ثابت ہوا کہ اصلِ سید صرف آقائے کائنات ہیں صلی اللہ علیہ وسلم - لیکن آپ کی نسل میں کون سید ہیں تو خود سرکار مقدس کا ارشاد ہے مشکوٰۃ شریف ص۵۶۹ بروایت بخاری شریف - عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ اِلٰی جَنْبِہٖ وَھُوَ یُقْبِلُ عَلَی النَّاسِ مَرَّۃً وَّعَلَیْہِ اُخْرٰی وَیَقُوْلُ اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ - (الخ) ترجمہ ابی بکرہ سے روایت فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ممبر پر تشریف فرما تھے اور حضرت امام حسن آپ کی گود میں تھے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے کبھی پیار سے حسن رض کو دیکھتے اور فرماتے کہ بے شک میرا یہ بیٹا سید ہے۔ اس روایت میں حضرتِ حسن کو بلا قید و اضافت سید کہا گیا ثابت ہوا کہ آپ نسلاً سید ہیں ع۲ یعلیٰ بن مرہ سے روایت ہے بروایت ترمذی شریف (مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۵۷۱ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا - حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاطِ :- (ترجمہ) :- یعلیٰ رض نے کہا کہ فرمایا حبیبِ کردگار صلی اللہ علیہ وسلم نے حسین رض میری نسل سے اور میں حسین رض کی اصل سے ہوں جو حسین رض سے محبت کرے وہ اللہ کا پیارا ہو حسین رض نسلوں میں سے بڑی عظیم نسل والا ہے۔ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ امام عالی مقام کو سبط فرمایا۔ سبط کا لغوی ترجمہ ہے۔ بہت شاخوں والا درخت۔ (لمعات ص۲ شرح مشکوٰۃ) اسبطًا کی تنوین عوضی ہے۔ دراصل تھا سبطی یعنی یہ حسین میری عظیم نسل کا سبط ہے درخت ہے اور جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سید تو حسین بھی سید اور ان کی تمام اولاد بھی سید۔ کیونکہ سید باپ کی اولاد سید ہے۔ تفسیر خازن علی.

اربع جلد اول صفحہ ۲۰۶ پر ہے :- قِيْلَ لِلْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا سِبْطَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :- تفسیر روح المعانی جلد اوّل صفحہ ۲۹۵ پر ہے :- قِيْلَ لِلْحَسَنَيْنِ سِبْطَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :- ہر دو عبارات کا ترجمہ - امامین کریمین طیبین امام حسنؓ امام حسین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل پاک کا سبط کہا گیا۔ بات واضح ہو گئی۔ نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ التحیۃ و الصلوٰۃ کی نسل صرف ان ہی دو سے چلی۔ حضور اقدس کی بڑی صاحبزادی زینب تھیں ان کا نکاح حضرت ابوالعاص سے ان سے چھوٹی۔ حضرتِ رقیہؓ ان کا نکاح حضرت عثمانؓ غنی سے اِن کی وفات کے بعد ان کی چھوٹی بہن بنت رسولِ پاک سیدہ ام کلثوم کا نکاح حضرتِ ذوالنورین سے۔ اُن سے چھوٹی حضرتِ فاطمہ کا نکاح حضرتِ علی سے ہوا مگر بجز حسن و حسین کسی دخترِ پاک سے نسل نہ چلی۔ اس لیئے سبطِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہی ہیں۔ لہٰذا یہی سید ہیں۔ اور نواسے سے نسل چلنا خصوصیت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور پھر دوسری خصوصیت یہ ہوئی کہ حضرتِ علی کی نسل امامین کریمین سے ہی چلی کہ بیک وقت ایک شخص سے دو کی نسل محال ہے۔ بدین وجہ آقائے کل صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ حسن کو سید فرمایا۔ اِن کے علاوہ خلفاءِ راشدین عشرہ مبشرہ کسی صحابی کو مطلقًا بلا اضافت سید نہ فرمایا۔ رہا یہ کہنا کہ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ صدیق و فاروق جنتی بوڑھوں کے سید وہاں بمعنی سردار ہے جیسے کہ پہلے ثابت کیا۔ اس طرح سے سیادتِ نسل ثابت نہیں ہوتی۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے۔ کہ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اور سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ سے بھی سیادتِ نسلیہ ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہاں بھی بوجہ اضافتِ جزئیہ سید بمعنی سردار ہے۔ چاروں صاحبزادیوں امام حسن و حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کی سیادت یعنی سید ہونا آلِ نبی ہونے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ آلِ نبی صرف تین صاحبزادے چار صاحبزادیاں اور حسن و حسین ہیں۔ چنانچہ نسیم الریاض جلد سوم صفحہ ۵۵۸ پر ہے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ۔ وَهُمْ نَسْلُهٗ وَ اَوْلَادُهٗ (الخ)

وَ قِيْلَ اٰلُ الرَّجَالِ وَلَدُهٗ اَيْ نَسْلُهٗ مُطْلَقًا :- ہاں البتہ اہلِ بیت میں ان کے ساتھ امہات المومنین اور حضرت علی بھی شامل ہیں گویا کہ حضرت علی اہلِ بیت میں ہیں آل میں نہیں :-

دلیل پنجم :- مواھب کی شرح زرقانی جلد پنجم صفحہ نمبر صفحہ ۲۸۴ پر ہے :- وَ كُلُّ وُلْدِ اٰدَمَ فَاِنَّ عَصَبَتَهُمْ لِاَبِيْهِمْ مَا خَلَا وُلْدِ فَاطِمَةَ فَاِنِّيْ اَنَا اَبُوْهُمْ وَ عَصَبَتُهُمْ رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْمٍ عَنْ عُمَرَ بِرِجَالٍ ثِقَاتٍ :- ترجمہ :- ہر انسان کا اصل نسب اُن کے باپ سے ہوتا ہے۔ سوائے فاطمہ زہرا کے۔ کیونکہ اولاد فاطمہ کا باپ میں ہوں اور یہ میری نسل ہے اور میں ہی ان کا اصل ہوں اِن ہی الفاظ کی ایک حدیث شریف فقہ کی کتاب ینابیع جلد اول صفحہ نمبر

ص ۲۶۷ پر ہے :- اس سے ثابت ہوا کہ صرف فاطمہ زہرا کی اولاد یعنی امام حسنؓ و امام حسینؓ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی اولاد ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نسلِ پاک چلی۔ اور چونکہ کائنات میں صرف نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نسلی و ذاتی سید ہیں اس لیے آپ کی اولاد کی ذات ہی سید ہوگی۔ اسی طرح ینابیع جلد اوّل ص ۲۶۶ پر ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللہِ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اِنَّ اللہَ عَزَّوَجَلَّ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ کُلِّ نَبِیٍّ فِیْ صُلْبِہٖ وَجَعَلَ ذُرِّیَّتِیْ فِیْ صُلْبِ عَلِیٍّ :- (ترجمہ) روایت ہے حضرت جابر سے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا۔ آقاءِ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت (اولاد) اُن کی اپنی پشت میں رکھی۔ لیکن میری ذریت۔ (اولاد) حضرت علی کی پشت میں رکھی۔ گویا کہ وہ قانون ہے یہ قدرت ہے۔ اور یہ صلبی ذریت سیدہ زینبؓ بنتِ فاطمہؓ اور امام حسنؓ حسینؓ کی شکل میں صلبِ علی سے منتقل ہو کر بواسطہ فاطمۃ الزہرا عالمِ ظہور پر جلوہ افروز ہوئی حیاتِ طیبہ میں ہی ظاہر ہوئی۔ باقی ذریت جو بعد وفاتِ فاطمۃ الزہرا صلبِ علیؓ مرتضٰے سے عالمِ ظہور میں آئی۔ وہ اولادِ علیؓ ہے۔ جس سے نسلِ علیؓ چلی۔ اُس اولاد کا نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے نسبًا کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے اُن کو سید کہنا گناہ ہے۔ کیونکہ یہ نسل تبدیل کرنا ہے اس طرح کہ کسی بھی علوی کو سید کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے علوی والد سے ہٹا کر کسی حسنی یا حسینی شخص کو اس کا باپ قرار دینا ہے۔ یہ سخت گناہ ہے۔ پس جس طرح کوئی غیر سید شخص اپنے کو سید کہہ کر یا کہلوا کر مجرم و گناہ گار ہے۔ اسی طرح علوی شخص اپنے کو سید کہہ کر گناہ گار ہے۔ چنانچہ مسلم شریف جلد اوّل کتاب الایمان باب ۲۷ ص ۵۷ پر ہے

عَنْ سَعْدٍ وَ اَبِیْ بَکْرَۃَ کِلَاھُمَا یَقُوْلُ سَمِعَتْہُ اُذُنَایَ وَوَعَاہُ قَلْبِیْ مُحَمَّدًا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ غَیْرُ اَبِیْہِ فَالْجَنَّۃُ عَلَیْہِ حَرَامٌ (ترجمہ) حضرت ابی بکرہؓ اور سعدؓ سے روایت ہے۔ دونوں فرماتے ہیں کہ میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے تصدیق کی کہ پیارے رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص جانتے بوجھتے اپنے کو دوسرے باپ کی طرف نسبت کرے تو اس پر جنت حرام۔ اسی کے اوپر ایک روایت ہے جس میں ہے کہ وہ کافر ہو گیا۔ اندازہ لگاؤ کہ نسل و نسبت بدلنا کتنا سخت شرعی جرم اور اس کا کتنا بڑا نقصان ہے۔ مگر ہمارے نادان دوست اس کو نہیں سمجھتے۔ میں کہتا ہوں کہ ایک شخص کو خدا نے علوی بنا دیا ہے۔ تو تم اس کو سید بنانے کے پیچھے کیوں پڑ گئے اور کیوں گناہ مول لیا حقیقت تو متغیر ہو نہیں سکتی مگر تم نے اپنا ایمان گڑبڑ کر دیا۔

دلیل ششم :- ! قادر و قیوم باری تعالیٰ جلّ مجدہٗ۔ ہر طرح مختار کل ہے۔

جس طرح چاہے اپنی مخلوق کو پیدا فرمائے۔ جیسے چاہے قانون بنائے۔ جس کو چاہے قانون کے تحت لائے۔ جس کو چاہے قدرت سے نوازے۔ جہاں چاہے نشانِ قدرت کا اظہار فرمائے۔ قانون یہ ہے کہ ہمیشہ باپ سے نسل چلے۔ مگر قدرت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم کی ذریت بنائے۔ آپ کی خاندانی بیٹی حضرت مریم کی طرف سے۔ چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے۔ سورت انعام پ آیت نمبر ۸۴-۸۵ میں ہے وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (۸۴) وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِنَ الصّٰلِحِينَ (۸۵)۔ ترجمہ:۔ اور تحفہ دیا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق اور یعقوب کا ہم نے سب کو قربِ تجلیات کی ہدایت دی اور نوح علیہ السلام کو ابراہیم سے بھی پہلے ہدایت دی تھی۔ اور حضرتِ ابراہیم کی ذریت میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو راہِ قرب کی ہدایت دی ہم اسی طرح نیکوں کو بدلا دیتے ہیں۔ اور ابراہیم کی ذریت (اولاد) میں سے یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو قرب کی ہدایت دی یہ تمام ہی برگزیدہ تھے علیہم السلام۔ یہاں حضرت عیسیٰ کو ذریت ابراہیم فرمایا۔ حالانکہ آپ کا والد کوئی نہیں والدہ سے نسل چلی۔ ثابت ہوا کہ قدرتِ الٰہی میں والدہ سے بھی نسل چل سکتی ہے۔ اور حضرت ابراہیم کی اولاد میں بیٹی کی وجہ سے شامل فرمایا۔ تو جب ذریتِ ابراہیم اور نسل پاک خلیل بیٹی سے چل سکتی ہے۔ پیارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام شانوں سے ہمہ صفت موصوف ہیں آپ کی نسلِ طیبہ طاہرہ بھی بیٹی سے چل سکتی ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ۔ دخترِ پاک سے نسلِ مصطفیٰ چلا کر شان قدرت کا اظہار کیا ہی اس لیئے گیا ہے تاکہ محبوب کی شانِ ارسل ختم الرسل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام انبیاءِ کرام کے معجزات و خصوصیات سے متصف ہو کر تشریف لائے۔ حضرت عیسیٰ کی یہ خصوصیت بھی یہاں آجائے کہ جس طرح خلیل اللہ کی نسل کا ایک حصہ بیٹی سے چلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل بھی آپ کی بیٹی سے چلے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ قدرتِ الٰہی کا نشان نہیں اور جس طرح حضرت ابراہیم کی نسل اور اولاد کی متحملہ مریم کی شرافت علیٰ نساء العٰلمین ہو گئی۔ فاطمہ طیبہ کی شرافت علیٰ نساء العالمین اس سے زیادہ ہو۔ کہ مریم ذریتِ خلیل کی امینہ اور فاطمہؓ ذریتِ حبیب جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امینہ علیہم الصلوٰۃ والسلام اس آیت نے بھی بتایا کہ نسلِ پاک نبی علیہ التحیۃ والثنا صرف خاتونِ جنت سے ہے لہٰذا وہ ہی سید ہے۔ نہ کہ علی و اولادِ علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ **دلیل ہفتم**۔ امام ابن حجر مکی کے مشہور فتاویٰ کبریٰ جلد چہارم ص۹۲ پر ہے۔ لِأَنَّ مِنْ خَصَائِصِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَوْلَادَ بَنَاتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَسِبُونَ إِلَيْهِ۔ لَا يُكَافِئُهُ أَحَدٌ فَلَا يُكَافِئُهُ لِمَنِ انْتَسَبَ إِلَيْهِ خَاصَّةً

وَالعَلوِیُّ مَثَلاً لَیسَ کُفواً لِلشَرِیفَۃِ وَاِن کَانَ مِن بَنِیْ ہَاشِمٍ :۔ ترجمہ :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کہ آپکی بیٹیوں کی اولاد ہی آپ کی اولاد ہے۔ لہٰذا جب کوئی کائنات میں آپ کا ہم کفو یعنی برابر خاندان نہیں تو تا قیامت آپ کی نسل کا بھی کوئی کفو (برابر کا خاندان) نہیں۔ بجز اس کے کہ سید کا کفو سید ہی ہو۔ پس عباسی خاندان اور علوی خاندان بھی سید کا کفو نہیں اگرچہ ہاشمی سب ہیں۔ امام حجر کی عبارت کے اس مسئلۂ کفو میں اگرچہ مجھ کو کچھ کلام ہے اور اس سے متفق ہونا میرے نزدیک کچھ ضروری نہیں تاہم بتانا یہ مقصود ہے کہ امام ابن حجر علیہ الرحمۃ بھی سادات کو علویوں سے علیحدہ کر رہے ہیں۔ اور اقتضاءً ثابت کر رہے ہیں علوی حضرات سید نہیں۔ اسی طرح مولا علی مشکل کشا بھی اگرچہ ہاشمی مطلبی ہیں مگر سید نہیں۔

حیران کن بات۔ یہ ہے کہ یہاں تو ہم صرف مولیٰ علی مشکل کشا کے سید ہونے نہ ہونے کی گفتگو میں ہیں یہ بھی بحمدہ تعالیٰ مخالفوں سے ثابت نہیں ہو رہا۔ لیکن حیرانی تو اس بات کی ہے کہ رافضی شیعہ لوگ اور شیعہ نواز لوگ مولیٰ علی کے لیئے جو عقیدہ بھی بتاتے ہیں قرآن و حدیث سے کہیں ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً انہوں نے کہا کہ حضرت علی بکعبہ ولادت ہیں مگر کہیں ثابت نہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ علی مرتضیٰ بمسجد شہادت ہیں مگر کہیں ثابت نہیں۔ ولادت ہوتی ہے تو اس طرح کہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بحالت طواف درد شروع ہوا تو آپ فوراً اپنے گھر آگئیں۔ وہاں ولادت ہوئی۔ اور شہادت پاک کوفے کی جامع مسجد کے دروازے پر ہوئی۔ امامت علی مرتضیٰ پر تو یہ لوگ ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں یہاں تک حد سے تجاوز کر جاتے ہیں کہ امامتِ علی کو نبوت سے آگے بڑھا دیتے ہیں۔ عقیدۃً و حقیقۃً تو ہم اہلسنت بھی مولیٰ علی مشکل کشا کے امام الاولیاء ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اس عقیدت سے قطعِ نظر اگر تحقیق کے میدان میں آکر دیکھا جائے تو قرآن و حدیث سے کہیں بھی امامتِ علی ثابت نہیں۔ بلکہ نامعلوم اس میں حکمت کیا ہے۔ کہ اللہ رسول نے ہمیشہ علیؓ مرتضیٰ کو امامت سے دور رکھا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر مولیٰ علی کو مدینہ منورہ میں کمزور مسلمانوں کی حفاظت کیلئے چھوڑا۔ امامت عبداللہ ابن مکتوم نابینا صحابی کے سپرد فرمائی اور نماز عصر علی مرتضیٰ کو مقتدی بنایا۔ خود علی مرتضیٰ بھی ہمیشہ امامت سے اس طرح دور رہے کہ اب حضرت علی کے ساتھ لفظِ امام سجتا بھی نہیں۔ جیسے کہ حضرات حسن و حسین کے ساتھ یہ لفظ بالکل سج گیا ہے۔ مثلاً امام حسنؓ وغیرہ۔ اگر کوئی شخص امام علی کہہ بھی دے تو اجنبی سا لگتا ہے۔ قانون شریعت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کے تین طرح تعلق ہیں۔ ۱۔ نسباً ۲۔ سبباً ۳۔ حسباً۔ نسباً یعنی اولاد ہونے کا رشتہ وہ صرف اب تا قیامت امام حسن و حسین کو ہے۔ لہٰذا دنیا میں دو قسم کے ہی سادات ہیں یا حسنی سید مگر یہ بہت کم ہیں۔ یا حسینی سید یہ ماشاء اللہ بہت زیادہ ہیں۔ بعض بزرگ والد اور والدہ ہر دو کی طرف حسنی و حسینی سید ہوتے ہیں اُن کو نجیب الطرفین سید کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ حضرت غوث پاک جیلانی رحمۃ اللہ علیہ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد گیارھویں پارہ نمبر ۲۲

صفحہ نمبر ۲۱۰ پر ہے:۔ فَقَدْ كَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مِنْ اَجِلَّةِ اَهْلِ الْبَيْتِ حَسَنِيًّا مِنْ جِهَةِ الْاَبِ وَحُسَيْنِيًّا مِنْ جِهَةِ الْاُمِّ (ترجمہ یہی ہے) کہ غوث پاک جیلانی والد سے حسنی سید ہیں اور والدہ سے حسینی سید ہیں۔ سببی رشتہ۔ سسرالی تعلق کو کہتے ہیں امامین حسنین کا رشتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی ہے اور یہ نسبی اہل بیت ہیں۔ مولا علی شیر خدا کا رشتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سببی ہے اور آپ سببی اہل بیت ہیں۔ تیسرا رشتہ نبی کریم سے حسبی ہے حسبی رشتہ مذہبی تعلق کو کہتے ہیں۔ یہ رشتہ ہر سچے مخلص مسلمان کو آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے تاقیامت قائم وجاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس رشتے کو قائم ودائم فرماوے۔ آمین یَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ نُوْرِ عَرْشِهٖ وَزِيْنَةِ فَرْشِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَعِتْرَتِهٖ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ۔ دلیل ہشتم۔ جس طرح لفظ سید بلا اضافت قرآن اور حدیث میں سرورِ کل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امام حسن۔ فاطمہ زہرا اور امام حسین کے لیئے ثابت ہے۔ اور جس بنا پر ان آقاؤں کا نسلاً سید ہونا ثابت ہوا۔ اس طرح کی ایک حدیث بھی حضرت علی شیرِ خدا کے لیئے وارد نہیں۔ ہاں بعض بناوٹی روائتیں روافض نے وضع کرلیں جن کا سہارا لے کر نام نہاد سنی ظاہراً اہلسنت درحقیقت تفضیلی شیعہ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سید کہنے لگ گئے اور اس کے بعد علویوں کو سید کہنے کا دروازہ کھولا۔ آخری سطور میں ان روایتوں کی وضاحت کی جائے گی۔ مذکورہ فی سوال پیر صاحب بھی یا تو تفضیلی شیعہ رافضی ہیں یا اُن ہی موضوع روایات کو دیکھ کر دھوکا کھائے ہوئے ہیں۔ بہرحال مخالف کی ان کمزور دلائل کی مکمل تردید بھی ضروری ہے۔ دلیل نہم۔ تمام علماء اہلسنت کا متفقہ عقیدہ ومسلک ہے کہ علوی حضرات سید نہیں اس لیئے کہ جب والد ہی سید نہیں تو اولاد کس طرح سید ہوگی۔ ذات بنانا کوئی کھیل تماشہ نہیں ہے کہ بلا دلائل بنانے لگیں۔ پیشوائے اہل سنت ہمارے مقتدا اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ اپنے فتاویٰ رضویہ جلد دوم باب کفو صفحہ نمبر ۱۱۸ پر فرماتے ہیں کہ سید یعنی آلِ نبی۔ ثابت ہوا کہ سید صرف آل نبی ہی مشہور ومتعارف ہے۔ اور اسی کتاب النکاح بابِ کفایت فتاویٰ رضویہ صفحہ نمبر ۱۲۷ پر ایک مسئلے کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنی صاحبزادی حضرت اُمِ کلثوم کہ بطنِ پاک حضرتِ بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہیں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں دیں اور ان سے حضرت زید بن عمر پیدا ہوئے اور امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نسباً سادات سے نہیں۔ (۲) سیدہ عاقلہ بالغہ اگر ولی رکھتی ہے تو جس کفو سے نکاح کرے گی ہو جائے گا اگرچہ سید نہ ہو۔ مثلاً شیخ صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا علوی یا عباسی (الخ)۔ اعلیٰ حضرت پیشوائے اہل سنت کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہوا کہ علوی سید نہیں اور جب علوی سید نہیں تو حضرت علی بھی سید نہیں۔ یہ دلیل انی ہے۔ کسی بھی اہلِ سنت عالِم نے حضرت علی یا اولادِ علی کو سید نہیں کہا۔ دلیل دہم۔ امام اہلسنت حضرت حکیم الامت مفتیٔ اسلام

حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب الکلام المقبول صفحہ نمبر ۱۸ پر فرماتے ہیں۔
حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ اولاد جو حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے ہے اسے سید کہتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ اولاد جو دوسری بیویوں کے بطن سے ہے اسے علوی کہتے ہیں۔ سید نہیں کہتے ہیں۔ جیسے محمد بن حنفیہ وغیرہم (الخ) اس عبارت سے مسلک اہلسنت صاف ظاہر ہے کہ علوی حضرات نسلاً سیّد نہیں۔ دلیل یازدہم: مسلکِ رفض سے کلام نہیں اُن کی اندھی عقیدت میں تو مولیٰ علی کو رب اور الٰہ بھی کہہ دیا گیا ہے (نعوذ باللہ من ذالک الکفریات) جہاں تک مذہبِ اہلسنت کا تعلق ہے عقل کا بھی تقاضہ ہے کہ بجز اولادِ فاطمہ زہرا طیبہ طاہرہ کوئی بھی سید نہیں چند وجوہ سے ۱ ایک تو یہی قرآن وحدیث کے دلائل جو اوپر بیان ہوئے۔ دوم یہ کہ اگر علوی حضرات بھی نسلی سید ہوں تو آلِ نبی کا امتیازی نشان کیا ہوگا اور اُن کی افضلیت کس طرح ثابت ہوگی۔ اگر مخالف فضیلت نہ مانے برابری مانے تو مولا علی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ماننا پڑے گا۔ حالانکہ یہ کفر صریح ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت علی اور ان کی غیر فاطمی اولاد سید نہیں۔ اور جو لوگ حضرت علی کو نسلی سیّد مانتے ہیں وہ بلا دلیل ہیں۔ صرف جوشِ عقیدت کے تحت ایسی بے مذہبی غلطیاں کرتے ہیں۔ مذکورہ فی السوال پیر صاحب کو چاہیئے کہ ایسے عقیدے سے توبہ و رجوع کریں اور صحیح اہلسنت ہونے کا ثبوت اور عقیدہ اپنائیں۔ کیسا خطرناک وقت آگیا ہے کہ جن مشائخ عظام پر سنیت کو ناز تھا۔ وہ پیشوائی کے بجائے بے راہ روی اختیار کر بیٹھے۔ کھاتے سنیوں کا ہیں۔ چندے اور نذرانے اہلسنت سے چھینتے ہیں پلتے ہیں اہل سنت کے دروازوں سے مگر کوئی صاحبزادہ دیوبندیت کی تبلیغ اور دیوبندیت پھیلانے میں لگ گیا۔ کوئی اپنے مریدوں کو رافضی شیعہ کا گرویدہ بنانے لگ گیا۔ اور نام پھر سنی کا سنی۔

شعر

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ہم محبت نواز سے بھیرویوں۔ بغویوں۔ علی پوریوں کا چرچہ کیا کرتے تھے۔ مگر اب یہ عشق رسول کے مراکز بھی۔ رامپور دیوبند بنایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ہمارے ہیں کسی سے کیا شکایت۔ بس دست بدعا ہوں کہ ان اندھی عقل والوں کو چراغ ہدایت نصیب ہو کہ اپنے اکابر کو دیکھیں۔ دیا اللہ دینِ سنیت کو قائم و مضبوط فرما دامِ تذویر سے بچا۔ اب وہ روایات جن سے سیادتِ علوی غیر فاطمی کے ثبوت کا دھوکہ کھایا جا سکتا ہے۔ ان کا جواب دینا بھی اشد ضروری ہے کہ اتمام حجت ہو۔ پہلی روایت۔ مستدرک حاکم جلد سوم صفحہ نمبر ۱۶۷ پر ہے۔ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَہْلِ الْجَنَّۃِ وَاَبُوْہُمَا خَیْرٌ مِّنْہُمَا۔ ترجمہ۔ امام حسن و امام حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ اور اُن کے والد اُن سے افضل ہیں۔ مخالف اس روایت سے دلیل لے سکتا ہے کہ حضرت علی سیّد ہیں سید سے افضل سید ہی ہو سکتا ہے۔
جواب۔ یہ توجیہہ بالکل غلط ہے چند وجوہ سے اولاً اس لئے کہ اس ساری روایت میں سیادتِ فضیلت

ہی کا ذکر ہے نہ کہ سیادت خاندانی کا۔ کیونکہ یہاں لفظ سید کو مخصوص گروہ جزئی اضافی کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ اس روایت سے تو سیادتِ نسبی امامین کے لیئے بھی ثابت نہیں حالانکہ لفظِ سید اُن کے لیئے صاف مستعمل ہے چہ جائیکہ مولیٰ علی کی نسبی سیادت ثابت ہو۔ دوم اس لیئے کہ یہاں صرف افضلیت کا ذکر ہے یعنی امامین کریمین کی فضیلت یہ ہے کہ وہ جنتی جوانوں کے سردار ہیں اور اُن کے والد کی فضیلت یہ ہے کہ وہ امامین سے افضل ہیں۔ سوم اِس لیئے کہ اس روایت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر کوئی جاہل یہ سمجھ جائے کہ سید سے کوئی افضل نہیں ہو سکتا تو غلط ہے۔ کیونکہ نسبی سیّد ہونا یعنی آلِ رسول ہونا جہان بھر کے خاندانوں پر خاندانی شرافت ضرور ہے مگر افضلیت محض سید ہونے سے وابستہ نہیں۔ اس لیے کہ اسلام میں فضیلت اعمال اور قربِ خداوندی سے ہے۔ پس فرمایا جا رہا ہے کہ علی شیرِ خدا حسن و حسین سے افضل ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں نسبی سید ہیں۔ مگر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نسبی سید نہیں۔ نسبی سید ہونا صرف شرافت کی دلیل ہے۔ خیر اور فضیلت کی دلیل نہیں۔ مسلکِ اہلسنت میں صدیق و فاروق سب سے افضل ہیں اگرچہ نسبی شرافت میں امام حسن و حسین سے کم ہیں۔ اسی طرح ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فضیلت میں تمام صحابیات سے زیادہ ہیں اگرچہ بلحاظ نسبی شرافت کے فاطمہ زہرا سیّدہ رقیہ، سیدہ زینب۔ سیدہ اُمِ کلثوم سے کم ہیں۔ ایسے ہی تا قیامت علماء اولیاء غوث و قطب۔ امام اعظم ذغیرہ غیر سید اکابر۔ فضیلت میں عام نسبی سادات سے زیادہ ہیں مگر نسبی شرافت میں کم ہیں۔ مثلاً ایک سید نسبی بے عمل بلکہ بدعمل جاہل ہو وہ بھی نسبی شرافت میں غیر سید عالِم و زاہد اور عبادت گزار سے اشرف ہے۔ مگر فضیلت میں عالِم و زاہد ہی برتر ہے۔ ہاں البتہ اس شرافتِ نسبی و فضیلتِ علمی و کرامتِ عملی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ نسبی سیّد اگرچہ بدعمل ہو مگر اُس کی گستاخی بے ادبی شرعاً جائز نہ ہو گی۔ جس طرح کہ عالِم اگرچہ بے عمل ہو مگر اس کی گستاخی ناجائز۔ اسی طرح عابد و زاہد اگرچہ بے علم ہو مگر کسی موقعہ پر بھی اس کی گستاخی جائز نہیں۔ فقہاءِ کرام کا یہ فرمان کہ "قَدْ وَجَبَ عَلَيْنَا اِهَانَتُهٗ"۔ (شامی جلد اول ص۶۶) یعنی فاسق کی اہانت واجب ہے۔ وہاں فاسق کے معنیٰ فاسق معلن ہے اور اہانت سے مراد عزت نہ کرنا ہے۔ بہرحال اس روایت کا مقصد اظہارِ افضلیت ہے۔ اس بنا پر "وَاَبُوْهُمَا خَيْرٌ مِّنْهُمَا" کہنا بالکل درست ہے۔ مگر نسبی سیادت کے لیئے یہ دلیل نہیں بن سکتی۔ رہی فضیلت تو شرعی طور پر یہ کہنا بھی جائز ہے۔ وَ اَبُوْ بَكْرٍ خَيْرٌ مِّنْهُمَا وَعُمَرُ خَيْرٌ مِّنْهُمَا۔ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

چوتھی وجہ یہ کہ خود حاکم نے لکھا کہ صحیحین نے اس روایت کو قبول نہیں کیا۔ اور آگے لکھتے ہیں کہ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ بِهٰذِهِ الزِّيَادَةِ۔ ترجمہ۔ یہ حدیث پاک صحیح ہے مگر اس میں زیادتی ہے اِن الفاظ کی یعنی اَبُوْهُمَا خَيْرٌ مِّنْهُمَا۔ کے الفاظ زیادتی اور ملاوٹ ہے۔ لیکن مستدرک حاکم کی اس محدّثانہ جرح کے باوجود میں الفاظ کی صحت کا قائل ہوں۔ دوسری روایت کتاب الاصابہ کے حاشیہ پر مشہور احادیث کی کتاب استیعاب جلدِ سوم

صفحہ نمبر ۳۶ پر ہے شَكَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ لَهَا سَيِّدٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ زَوْجُكِ (ترجمہ) حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے خاوند علی مرتضیٰ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ شکایت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا حضرت سیدہ کو کہ علی سید ہیں دنیا اور آخرت میں تمہارے خاوند۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت علی سید ہیں اور آپ کی اولاد علوی بھی سید ہیں۔ مخالف اپنے گمان میں یہ استدلال کر سکتا ہے۔ جواب۔ مگر یہ گمان قطعاً فاسد ہے۔ اس لیے کہ پہلے ہی قرآن مجید سے ثابت کر دیا ہے کہ جب لفظِ سیّد کا استعمال بیوی کے ساتھ ہو تو وہاں سیّد بمعنیٰ خاوند ہے۔ پس چونکہ فاطمہ زہرا کے لیئے حضرت علی کو سید کہا گیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ روایتِ مقدسہ کا مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ تم علی کی شکایت کر رہی ہو۔ حالانکہ یہ علی دنیا و آخرت میں تمہارے خاوند ہیں۔ یہاں سیّد بمعنیٰ خاوند ہے۔ اِس لیئے اس روایت سے بھی مخالف کا مدّعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ تیسری روایت۔ مستدرک حاکم میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ يَا عَلِيُّ اَنْتَ سَيِّدُ الْعَرَبِ:۔ یعنی اے علی تم عرب کے سیّد ہو۔ یہاں بھی مخالف استدلال کر سکتا ہے کہ ثابت ہوا کہ حضرت علی نسبی سید ہیں۔ جواب۔ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ہم نے پہلے بتا دیا کہ جب لفظِ سیّد اضافت جزئیہ سے مستعمل ہو تو نسبی سیادت ثابت نہیں ہو سکتی۔ پس چونکہ یہاں لفظِ سیّد کو ایک مُلک کی طرف منسوب کیا گیا اس لیئے یہاں سیّد بمعنیٰ حاکم ہے۔ یعنی اے علی تم عرب کے حاکم ہو۔ معلوم ہو گیا کہ اس روایت مبارکہ سے بھی خاندانی سیادت ثابت نہیں ہوتی۔ اور پھر اگر اسی طرح مولا علی کا سیّد ہونا اور اِن کی غیر فاطمی علوی اولاد کا سیّد ہونا بتاؤ گے۔ تو صدیقِ اکبر۔ فاروقِ اعظم۔ اور اِن کی صدیقی۔ فاروقی اولاد تاقیامت کو بھی نسبی سیّد ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ان کے بارے میں ارشادِ مقدسہ ہے۔ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ یہ حضرات جنتی اکابر کے سیّد ہیں۔ جب یہاں نہیں مانتے حالانکہ یہ حدیث ہر طرح صحیح دخبر مشہور اور مسلم بخاری میں ہے۔ تو سیّدُ العرب والی روایت جو کہ محدثین کی جرح میں ضعیف ثابت ہو چکی ہے۔ کا غلط مطلب نکال کر صرف حضرت علی کو سیّد کس طرح کہہ سکتے ہو چنانچہ اس روایت کے بارے موضوعاتِ کبیر صفحہ نمبر ۴۳ کا فیصلہ اس طرح ہے۔ حَدِيْثُ سَيِّدُ الْعَرَبِ عَلِيٌّ (الخ) كُلُّهَا ضَعِيْفَةٌ بَلْ جَنَحَ الذَّهَبِيُّ اِلَى الْحَاكِمِ عَلَيْهَا بِالْوَضْعِ۔ ترجمہ۔ اس قسم کی روائتیں تمام ضعیف ہیں۔ ذہبی نے حاکم کے متعلق پُرزور کہا کہ انہوں نے ایسی روائتیں بنالی ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ان کو صحیح مان کر بھی یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سیّد ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے چوتھی روایت دیلمی کی پیش کی جا سکتی ہے۔ اَنَّ الدَّيْلَمِيَّ رَوَاهُ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلِيٌّ

قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَا يَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَرَفَعَهٗ اِلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ يَا عَلِيُّ اِنَّكَ لَسَيِّدُ الْمُسْلِمِيْنَ وَيَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ - (ترجمہ)۔

امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا مولیٰ علی نے میں یعسوب المومنین ہوں۔ اور اس روایت کو مرفوع کیا نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی یقیناً تم مسلمانوں کے سید اور مومنوں کے یعسوب ہو۔ جواب :- یہ روایت اگرچہ اصول حدیث کے لحاظ سے درست ہے۔ مگر مخالف کا منشا حل نہیں ہوتا۔ اس لیئے کہ لفظ سید کو مطلق نہیں فرمایا گیا بلکہ اضافت کیا گیا۔ لفظِ مُسلمینؔ کی طرف اور اس طرح نسبی سیادت ثابت نہیں ہوتی ورنہ ہر مسلمان اپنے گروہ کا سیّد ہوتا ہے تو وہ بھی نسباً سید کہلانے کا حقدار بن جائے گا۔ اور اس لیئے کہ اس روایت میں لفظِ یعسوب شرح کر رہا ہے لفظِ سید کی۔ یعنی یہاں سیّد بمعنیٰ یعسوب ہے کیونکہ حضرت علی نے خود کو یعسوب کہا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کو سیّد المومنین و یعسوب کہا علی مرتضیٰ نے دونوں الفاظِ القابی کو جمع کر کے اپنے کو یعسوب کہا۔ شیر خدا علی مرتضیٰ کی اس طرز کلامی سے پتہ لگا کہ آپ کے نزدیک یہاں سید بمعنیٰ یعسوب ہے۔ اور لفظ یعسوب کا معنیٰ ہے لشکر کش امیر۔ اس لیئے شہد کی مکھیوں کے سردار کو بھی یعسوب کہا جاتا ہے۔ کہ وہ بھی لشکرِ نحل کو مفید مقام تک ہانکتا ہے۔ پس اس روایت کا مقصد یہ ہے کہ اے علی تم مسلمانوں کو صحیح چلانے والے امیر قافلہ اور لشکرِ مومنین کے قائدِ اعلیٰ ہو۔ خلاصہ یہ کہ حضرتِ نسلی سیّد نہیں لہٰذا آپ کی اولاد علوی نسلاً سیّد نہیں۔ ہاں دنیاء اسلام میں اوّل مقام تمام اقوامِ عالم پر سیّدوں کا ہے۔ پھر صدیقی۔ پھر فاروقی۔ پھر عثمانی پھر علوی حضرات سب پر بلند مقام رکھتے ہیں۔ اور اِن کا بہر صورت سب مسلمانوں پر احترام واجب ہے۔ ہمارے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ علویوں کا درجہ بوجہ بنی ہاشم ہو کر قربِ نبوت حاصل کرنے کے صدیقی و فاروقی سے برتر ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ - اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ- مگر نسبی سیّد ہونے کے لیئے شرطِ اول ہے کہ قرآن مجید میں یا حدیث پاک میں صاف صاف بلا اضافت بلا قید سید کہا گیا ہو۔ حضرت علی کے لیئے کہیں بھی ایسی کوئی صحیح معتبر مبرا دمنزا روایت نہ ملی۔ رہا روایت مقیدہ کا میسّر ہونا تو یہ کوئی دلیلِ نسب نہیں۔ دن رات اہلِ عرب یاسَیِّدِیْ، سَیِّدُنَا، استعمال کرتے ہیں۔ مخالفین نے اپنے مقصد کے حصول کے لیئے یہاں تک دیدہ دلیری کی کہ بناوٹی روایات بھی بنانے سے خوفِ خدا نہ کیا۔ چنانچہ ایسی ہی ایک خود ساختہ عبارت بیان کرتے ہیں کہ ابو بکر ابن مردویہ روایت کرتے ہیں۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ اَنْتَ سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ۔ ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی تم تمام اولادِ آدم کے سیّد ہو۔ اور گستاخ رافضی اس سے دلیل لاتا ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدِ وُلدِ آدم ہو کر خاندانی اور نسبی سیّد ہوئے تو علی بھی خاندانی سیّد ہوئے

جواب۔ یہ روایت کسی سخت غالی شیعہ نے اپنے گھر سے بنالی ہے۔ کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اور یہ عبارت چند وجوہ سے قابلِ نفرت ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ کسی محدث نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ دوسری وجہ یہ کہ اس میں کوئی سند نہیں ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ اس میں دو طریقے سے گستاخی ہے۔ ایک یہ کہ اولادِ آدم علیہ السلام میں انبیاء کرام بھی ہیں۔ تو کیا علیِ مرتضیٰ اُن کے بھی سید ہیں (معاذ اللہ) اور کیا علی رضی اللہ عنہ کا درجہ رسولانِ عظام سے بڑھانے کا کفریہ فتوق ہے۔ دوم یہ کہ اس عبارت سے نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت علی کا درجہ (نعوذ باللہ) نبیِ پاک سے بھی زیادہ ہو جائے۔ اور یہی عقیدہ بہت سے مردودِ دین کا ہے۔ بدبخت ہے وہ پیر یا مرید جو سنی کہلا کر پھر ایسی گستاخ عبارتوں سے دلیل پکڑے اور اندھا دھند بلا سوچے ان عبارتوں کو سینے سے لگائے اور نہ سوچے کہ یہ شیعہ رافضیوں کی بنائی ہوئی بات ہے۔ وہی رافضی نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حضرت علی کو درجہ دیتے ہیں۔ اور اسی کفریہ عقیدے کو پالنے کے لیئے ایسی عبارتیں بناتے رہتے ہیں۔ اہلِ سنت کو ایسی عبارتوں اور ایسوں سے بچنا چاہیئے۔ چوتھی وجہ یہ کہ مستدرک حاکم جلد سوم صفحہ نمبر ۱۲۴ پر ہے:۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ الْمَحْبُوْبِیْ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُعَاذٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْحَفْصٍ عُمَرُ بْنُ حَسَنٍ حَدَّثَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ اَبِیْ بِشْرٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ۔ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیْنَ سَیِّدُ الْعَرَبِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا۔ اَلَسْتَ سَیِّدَ الْعَرَبِ قَالَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَعَلِیٌّ سَیِّدُ الْعَرَبِ۔ (ترجمہ) مذکورہ بالا سند سے ابوالعباس فرماتے ہیں کہ فرمایا آقاءِ دوجہان نے ایک مجلس میں کہ کہاں ہیں عرب کے سردار۔ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا آپ عرب کے سردار نہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اولادِ آدم کا سید ہوں یعنی تمام جہان کا۔ اور علی ملکِ عرب کے حاکم ہیں۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں لہٰذا یہ حدیث مقدسہ بالکل ہر لحاظ سے صحیح ہے۔ اس نے صاف بتایا کہ علی مرتضیٰ سید ولدِ آدم نہیں ہو سکتے۔ ان چار وجوہ سے ثابت ہوا کہ یہ روایت بالکل بناوٹی ہے۔ ورنہ صحیح حدیث کے ساتھ تعارض لازم آئے گا۔ مخالف یہ بھی دلیل دے سکتا ہے کہ چونکہ اہلِ لغت کی بات بھی قابلِ سند ہوتی ہے۔ اس لیئے لغت کی مشہور کتاب لغاتِ کشوری صفحہ نمبر ۳۲۶ پر ہے۔ کہ علوی وہ سید جو مولا علی علیہ السلام سے سوائے بطنِ اطہر حضرت فاطمہ علیہا السلام کے۔ اس عبارت سے بھی ثابت ہوا کہ علوی حضرات سید ہیں۔ اور یہی کتبِ مشہورہ میں بہت سے علوی بزرگوں کے نام کے ساتھ سید کا لفظ لکھا ہوتا ہے۔ مثلاً۔ ایک مشہور بزرگ ہیں جن کا نام سید احمد علوی ہے۔ جواب۔ یہ سب کمزور دلیلیں اور لایعنی باتیں ہیں۔ دینِ اسلام کا قانون۔ قرآن حدیث ہے۔ اس کے بعد اجماعِ امت اور قیاس و اقوال فقہاء ہیں۔ جب ان سے

ثابت نہیں ہوا تو ادھر اُدھر ہاتھ مارتا پھر رہا ہے۔ دیگر اقوال تائید میں تو پیش کئے جا سکتے ہیں مگر مقابلے میں نہیں۔ رہا لغاتِ کشوری کا حوالہ تو دو وجہ سے ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ اہلِ لغت کی کتب میں سے نہیں۔ اہلِ لغت اہلِ زبان کو کہتے ہیں۔ یہ عجمی لوگ تو اہلِ لسان کے ریزہ چین ہوتے ہیں۔ ادھر ادھر کی عربی کتب سے نقمہ چینی کر کے کچھ الفاظ جمع کر لیتے اور اپنی کتاب بنا بیٹھے۔ جہاں دل چاہا اپنی مرضی کا مطلب ٹھونس دیا۔ دوم یہ کہ اس کتاب کا مولف تصدق حسین رضوی خود غالی شیعہ بلکہ ہندو نواز ہے اس کا شیعہ ہونا تو اُس کی سوانح کے علاوہ اُس کی اِس ہی پیش کردہ عبارت سے بخوبی عیاں ہے اور ہندو نواز اور کاسہ لیسی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ ایک ہندو مشرک کو اپنے اسی کتاب کے دیباچہ میں۔ آقاء نامدار۔ آقا ممدوح جیسے پُرعظمت لفظ لکھ کر خود کو سید آلِ رسول بناتے ہوئے ایک ہندو مشرک کی گلی کا کتا اور گدھا کہہ رہا ہے اور اپنی اسی کتاب کا نام تیمناً و تبرکاً آقاءِ نامدار ہندو کے نام نامی سے منسوب کرتا ہے۔ یعنی خبیث ہندو کے نام سے یمن و برکت کے حصول کا دعویدار ہے۔ ایسی بیہودہ حرکات ایک رافضی ہی کر سکتا ہے جن کے دین میں تقیہ جیسے حرکات ہوں۔ رہا یہ کہنا کہ مشہور علوی بزرگوں کے لئے سید کا لفظ استعمال کیا گیا تو یہ غلط ہے۔ علوی بزرگ خود اپنے کو ہمیشہ علوی ہی لکھتے رہے ہیں۔ اگر کوئی دوسرا اُن کو شاہ یا سید کہہ دے تو اس کی اپنی بات ہے جو سند نہیں ہو سکتی۔ اور سید احمد علوی غیر معروف شخصیت ہیں۔ لہٰذا ایسی باتیں دلیل نہیں بن سکتیں۔ پانچویں روایت۔ مستدرک حاکم جلد سوم صفحہ نمبر ۱۲۸ پر اس طرح ایک روایت منقول ہے۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْفَضْلِ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْمُزَكِّيْ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سَلَمٍ حَدَّثَنِيْ حُسَيْنُ بْنُ قَتْبَانِيْ عَنْ اَبِي الْحَسَنِ اَحْمَدُ بْنُ خِضْرٍ شَافِعِيٌّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ ابْنِ اُمَيَّةَ قرشي بِالسَّاقِمِ۔ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ يَحْيٰى بْنِ اِسْحَاقَ حَلْوَانِيٌّ عَنْ اَبِي الْاَزْهَرِ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَلِيٍّ مُزَكِّيْ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ زُهْرِيٍّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ۔ قَالَ نَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عَلِيٍّ فَقَالَ يَا عَلِيُّ اَنْتَ سَيِّدٌ فِي الدُّنْيَا سَيِّدٌ فِي الْاٰخِرِ۔ (ترجمہ) چودہ نفری مسند والی اس روایت کے راوی حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی طرف دیکھا تو فرمایا کہ اے علی تم دنیا اور آخرت میں سید ہو۔ اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ مولا علی اور آپ کی اولاد نسبی سید ہے۔ جواب۔ یہ روایت دو وجہ سے قابلِ استدلال نہیں ہے پہلی وجہ یہ کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ اس کے بارہویں راوی معمر ہیں۔ اسماء الرجال میں ان کا پورا نام معمر بن محمد ہے۔ اور محدثین کے نزدیک غیر ثقہ راوی ہیں (چنانچہ تقریب التہذیب صفحہ نمبر ۳۴۴ پر ہے۔

ترجمہ۔ معمر بن محمد بن عبید اللہ منکر حدیث ہے۔ دسویں درجہ کے کبائر سے ہے۔ دسویں مرتبے کے راوی قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ چنانچہ اسی تقریب کے صفحہ نمبر ۱۰ پر ہے۔

دسویں مرتبے کا راوی وہ ہے جس پر علم حدیث میں بھروسہ نہیں کیا جاتا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں ضعف بھی ہوتا ہے۔ اس جرح سے ثابت ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہے اور ضعیف روایت پر اعتماد نہیں ہوتا۔ نہ اُن سے دلیل پکڑنی جائز ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ۔ اگر اس روایت کو ہر طرح سے درست اور صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی مخالف کا مدّعا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ روایت کا یہ جملہ

بقانون نحو و منطق مرکّب تقییدی ہے۔ کیونکہ فی ظرفیہ تقیید کے لئے آتا ہے۔ اور جہاں حرفِ جر فی ہو تو وہاں اسم ظرف اپنے مظروف کی قید ہوتی ہے۔ چنانچہ منطق کی مشہور کتاب مرقات کے صفحہ نمبر ۱۱ پر ہے

ترجمہ۔ مرکب ناقص چند قسم پر ہے۔ ایک مرکب اضافی اور ایک توصیفی اور ان میں سے تیسری مرکّب تقییدی ہے۔ اس کی مثال جیسے کہ فی الدار۔ یعنی زید گھر میں ہے۔ ثابت ہوا کہ حرفِ فی کی وجہ سے ظرفیہ ثابت ہو جاتی ہے۔ اور ظرف ہمیشہ مظروف کی قید ہوتا ہے۔ جہاں ظرف مظروف ہو وہاں مرکّب تقییدی ہوتا ہے۔ مذکورہ روایت میں بالکل اسی طرح حرف جار نے مظروف اور ظرف کو مرکّب تقییدی بنا دیا۔ پس یہاں لفظ اَنتَ اور لفظ سیّد کا تعلق۔ دنیا اور آخرت سے ہے۔ اور لفظِ سید مظروف ہے فی الدّنیا اور فی الآخرت کا۔ اور یہ جملے ناقصے ایک ہی جملہ تامّہ کی خبر بن گئے۔ لہٰذا سب جملے کا حکم اور معنیٰ مقصد ایک ہوا۔ جو مقصد دوسرے کا ہوگا وہی پہلے کا۔ حکم میں تغیر محال ہے۔ آخرت میں سید ہونے کا مطلب نسبی سیادت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آخرت میں نسب نہیں چلتا نہ اولاد بڑھتی ہے۔ پس لازمی ہے۔ کہ سیّد فی الآخرت کا مطلب یہی ہے کہ اے علی تم آخرت میں سردار ہو۔ سیادت اُخروی صرف سرداری ہو سکتی ہے۔ اور روایت کے جامع مانع الفاظ نے سیادتِ اُخروی کے ساتھ ہی سیادتِ دنیوی کو جوڑا۔ پس یہاں وہی معنیٰ ہو سکتے ہیں یعنی سرداری۔ مطلب یہ ہوا کہ اے علی تم دنیا و آخرت میں سردار ہو۔ لہٰذا مسئلہ صاف ہو گیا۔ اس روایت سے بھی سیادتِ نسبی مراد نہیں ہو سکتی۔ اور مخالف کے ترکش کے تیر سارے خالی ہو گئے۔ اب بحمدہٖ تعالیٰ مخالف کے پاس ایسی کوئی دلیل باقی نہ رہی جس سے علوی بزرگوں کی سیادتِ نسبی ثابت ہو سکے۔ اس فتوئے شرعی کی رو سے علوی حضرات کو نسبی سید ماننا ناجائز ثابت ہوا

کیونکہ جس طرح سادات کو سادات نہ ماننا گناہ ہے اسی طرح غیر سید کو سید بنانا اور کہنا بھی گناہ ہے۔ کہ قاعدہ عہدہ شریعت میں تحت سید آپ کا حرام ہے۔ یہ بات بحمد اللہ تعالیٰ روز روشن کی طرح ہے کہ اہل سنت وجماعت کے پاس اپنے مسلک وعقیدے پر بکثرت دلائل ہیں۔ مگر مخالف اہل سنت اکثر اپنے استدلال میں ضعیف اقوال موضوع روایتیں اور غلط تاویلیں پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں پاتے۔ یہ انصاف کا تقاضہ نہیں کہ پہلے گھر بیٹھے قیاس لگا کے حکم پر ایک عقیدہ بنا لیا پھر اس کے لئے دلائل ڈھونڈتے ہوئے موضوع روایتیں بنانا شروع کر دیں اور اگر کہیں صحیح احادیث مقدسہ کے مطلب و معنی غلط لکھ دیئے۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی آسان شئی ہے کہ ہر ملحد اس کو چھیڑے اور جس طرح چاہے اپنا مقصود پورا کرے۔ یہی وہ روایات ہیں جن کو مخالف اپنا سہارا بنا سکتا تھا ہم نے اصول و حدیث کے قواعد کے مطابق ان کا صحیح مطلب بیان کر دیا تھا جس سے ثابت ہوگیا کہ حضرت علی نسبی سید ہیں نہ اُن کی عورتیں اور اولاد سید ہو سکتی ہے۔ اگر پھر بھی اس تحقیق کو نہ مانو گے تو پھر زمانہ فاروقی۔ صدیقی۔ نسل کو سیادت سے کیسے روک سکو گے۔ اگر جن روایات کی بنا پر تم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علوی خاندان کو نسبی سید کہتے ہو ان سے زیادہ مستند اور صحیح احادیث مبارکہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سید ہونے پر وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ اہل سنت کی عقیدت میں یہ غلط رواج مت ڈالو ورنہ کل ہر شخص خود کو نسبی سید کہے گا تو جو بد ملکہ تم اس کو کسی دلیل سے روک نہ سکو گے۔ کیونکہ سید بمعنی سردار تو تمام صحابہ ہیں۔ اور زیادہ تر سے سید تو حضرت آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام وغیرہ جملہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اس بنا پر ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ میں سید ہوں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں۔ چنانچہ آج کل بھی سید بن کر دین کو کھیل نہ بناؤ۔ سوا بہت بیان تھا غلط اور بے اصل مذہب ہے یہاں کسی کو اس غلطی کرنے کی اجازت نہیں۔ کریں تو تب جا کیا بنا تو پیدا ہی نہ تھا کسی نے حضرت علی کو نسبی سید نہیں کہا نہ علویوں کو سادات میں شامل کیا۔ اب چودھویں صدی کی شیعہ رافضی کی طرف سے یہ پیداوار پھیلائی گئی ہے جو قادری کی سنیوں کے دلوں میں بھی [illegible] ان سب کو ہدایت بھی کچھ عطا فرمائے۔ [illegible]

کتبہ

حضرت حمزہ کی نسل کا بیان

سوال نمبر ۲۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حمزہ کی اولاد ہیں۔ چنانچہ ہم ہاشمی اور سید ہیں۔ فرمایا جائے کیا یہ درست ہے۔ و حضرت حمزہ

کی نسل کون سی ہے۔ بینوا و توجروا۔ سائل محمد خالد پنجابی کوئٹہ۔ بلوچستان مؤرخہ ۲۲ ۴/۱۹۶۲

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ط

الجواب

قانون شریعت کے مطابق ہر شخص کی نسل بیٹے سے چلتی ہے۔ بجز نبی کریم کے کہ آپ کی نسل سادات کرام حضرت فاطمۃ الزہرا بتول خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چلی۔ اور ہر بیٹا اپنے باپ کی نسل ہوتا ہے تاریخ اسلام میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولادِ پاک میں روایات صحیحہ کی رو سے آپ کی ایک صاحبزادی حضرت درہ بنت صحرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر آتا ہے۔ تاریخِ اسلام نے مختصراً اس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کو اولاد حمزہ کا تو لقب دیا جا سکتا ہے۔ مگر اُن کو بنی ہاشم نہیں کہا جا سکتا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ شریعت اور فطرت کے قانون میں ہر بچے کو باپ کی نسل اور ماں کی اولاد کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص لونڈی سے نکاح کرے۔ اور اولاد پیدا ہو۔ تو وہ اولاد باپ کی نسبت سے اس کی ہم قوم ہو گی۔ اور والدہ کی نسبت بوجہ اولادیت وہ لونڈی غلام ہو کر مولیٰ کی ملکیت ہو گی۔ چنانچہ فتاوٰی درمختار جلد سوم صفحہ نمبر ۱۸۸ پر ہے:۔ وَلَا فِي نَسَبٍ حَتّٰى لَوْ نَكَحَ هَاشِمِيٌّ اَمَةً فَوَلَدُهَا هَاشِمِيٌّ كَاَبِيْهِ رَقِيْقٌ كَاُمِّهٖ ط (ترجمہ):۔ بچہ والدہ کے تابع نہیں ہوتا۔ نسب میں یہاں تک کہ اگر ہاشمی سید مرد کسی لونڈی سے نکاح کرے۔ تو اسی لونڈی کی اولاد باپ کی وجہ سے ہاشمی سید کہلائے گی۔ اور ماں کی وجہ سے غلام بنے گی۔ اسلامی قانون میں صرف بارہ چیزوں میں حمل ماں کے تابع ہوتا ہے۔ اور دس چیزوں میں والد کے تابع ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ حضرتِ حمزہ کی نسل نہ چلی۔ اِس لیئے فقہاء کرام سادات ہاشمی کی فہرستِ سلسلہ میں بنی۔ ابی لہب اور بنی حمزہ کا ذکر نہیں کرتے۔ بنی ابی لہب تو بوجہ کفر و عناد کے سادات سے خارج ہے۔ اور بنی حمزہ کا وجود ہی نہیں۔ چنانچہ فتح القدیر جلد دوم صفحہ نمبر ۲۵ پر ہے:۔ وَلَا يُدْفَعُ اِلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ وَهُمْ اٰلُ عَلِيٍّ وَاٰلُ عَبَّاسٍ وَاٰلُ جَعْفَرٍ وَاٰلُ عَقِيْلٍ وَاٰلُ حَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَمَوَالِيْهِمْ ط (ترجمہ):۔ زکوٰۃ نہ دی جاوے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم آلِ علی۔ آلِ عباس۔ آلِ جعفر۔ آلِ عقیل اور آلِ حارث بن عبدالمطلب اور ان کے موالی ہیں۔ اِس فہرست میں آلِ حمزہ کا ذکر تک نہیں۔ پس ثابت ہوا۔ کہ بلوچیوں کا یہ کہنا کہ ہم ہاشمی ہیں۔ کیونکہ حضرتِ حمزہ کی اولاد ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اگر یہ حضرتِ درّہ ہی کی اولاد ہیں تو بھی ہاشمی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ خاندان بیٹے سے چلتا ہے نہ کہ بیٹی سے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

کتبہ

مقتدی کو سورت فاتحہ پڑھنی منع ہے

سوال ۱۴۰ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں۔ ہمارے بستی کا ایک وہابی غیر مقلد دیوبندی مولوی یہ کہتا ہے کہ سورت فاتحہ مقتدی بھی ضرور پڑھے۔ اور کہتا ہے وہ حدیث مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ۔ اس لفظ میں لَہٗ کی ہٗ ضمیر سے امام مراد ہے نہ کہ لفظ مَنْ مقتدی کیوں کہ ضمیر ہمیشہ قریب کے مرجع کی طرف لوٹتی ہے۔ بعید کی طرف لوٹانا غلط ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ اپنی تحقیق سے فتویٰ عطا فرمایا جائے۔

سائل:۔ محمد خالد مقام کوئٹہ بلوچستان ۔ مورخہ: ۲۲-۶-۱۹۹۲

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

مذکورہ فی السوال دیوبندی صاحب نحوی قواعد سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ وہ ایسی بات نہ کہتے جو عقلاً نقلاً ہر طرح سے غلط ہے۔ سوال کی مشہور روایت مبارکہ۔ مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ ط۔ (ترجمہ):۔ وہ نمازی جس کا نماز میں کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس نمازی کی قرأت بن جائے گی۔ اس کو علیحدہ قرأت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس حدیث پاک میں دو دفعہ لفظ لَہٗ مستعمل ہے۔ دونوں میں ضمیر واحد غائب کا مرجع مَنْ کی طرف لوٹ رہا ہے۔ اور لفظ ہٗ سے مراد مقتدی ہے۔ اور یہی منشاءِ کلام ہے اور محدثین و شارحین کے نزدیک بھی یہی مراد ہے۔ چنانچہ طحاوی شریف جلد اول میں صفحہ نمبر ۱۲۷ پر اس حدیث پاک کی شرح اس طرح مذکور ہے:۔ اَخْرَجَ مِنْ ذَالِکَ الْمَامُوْمَ لِقَوْلِہٖ مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ۔ فَجَعَلَ الْمَامُوْمَ فِیْ حُکْمِ مَنْ یَقْرَءُ بِقِرَاءَۃِ اِمَامِہٖ فَکَانَ الْمَامُوْمُ بِذَالِکَ خَارِجًا ط۔ (ترجمہ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز میں قرأت کرنے سے مقتدی کو علیحدہ کر دیا۔ اپنے اس فرمان پاک سے کہ وہ شخص جس کا امام ہو پس امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے پس مقتدی اس بنا پر خارج ہوگیا قرأت سے۔ اسی حدیث پاک کی شرح میں امام محمد رحمتہ اللہ علیہ اپنے مؤطا کے صفحہ نمبر ۹۳ پر فرماتے ہیں:۔ قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ ابْنُ عُمَرَ بْنِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ

نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ كَفَتْهُ قِرَاءَتُهٗ ۔

ترجمہ:۔ فرمایا امام محمد نے خبر دی ہم کو عبید اللہ ابن عمر ابن حفص ابن عاصم ابن فاروق اعظم نے۔ انہوں نے حضرت نافع سے انہوں نے ابن عمر سے کہ فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ اس کو امام کی قرأت ہی کافی ہے۔ ان محدثین کی شرح سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ روایت مذکورہ کا نقطہ ہٗ دونوں جگہ مَنْ کی طرف لوٹ رہا ہے۔ قواعد نحویہ اور علم اصول فقہ کے مطابق بھی یہ ہر دو ضمیر مَنْ کی طرف ہی رجوع کر سکتی ہیں۔ اس لیے کہ اگر لَہٗ کی ضمیر لفظ مَنْ کی طرف نہ لوٹائی جائے تو الفاظ روایت و مفہوم روایت بالکل ہی غلط ہو جائیں گے۔ اگر پہلے لَہٗ کو امام کی طرف پھیرا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل منع ہے۔ کیونکہ ضمیر کبھی پہلے نہیں آ سکتی۔ جیسے کہ کوئی شخص آپ سے کہے کہ وہ آیا تھا۔ اور وہ یہ کہتا تھا۔ کسی کا پہلے نام نہ لے تو آپ کو خاک سمجھ نہ آئے گا۔ اور اس کا یہ سب کلام غلط اور فضول ہو گا۔ اسی طرح اگر حدیث پاک کے پہلے لفظ لَہٗ کی ہٗ ضمیر سے امام مراد لو۔ تو کلام لغو ماننا پڑے گا۔ جو حدیث پاک کے شان میں بڑی گستاخی ہے۔ اور ترجمہ بھی غلط ہو گا۔ کیونکہ ترجمہ یہ ہو گا۔ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ وہ شخص جو کہ ہو اس امام کا امام۔ کیسا غلط ترجمہ ہوا یہ غلط ترجمہ اس لیے کرنا پڑے گا۔ کہ بقول وہابی ہٗ سے مراد امام ہے۔ اور لفظ امام اس کے بعد آ رہا ہے اور لَہٗ کا لام اضافت کے معنی میں ہے۔ نحوی لحاظ سے امام کو مضاف اور ہٗ ضمیر کو مضاف الیہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ حالانکہ ہمیشہ مضاف پہلے ہوتا ہے۔ اور مضاف الیہ بعد میں۔ یہاں اضافت مقلوبی بھی ضمیر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کے لیے دونوں اسم تام ظاہر ہونے شرط ہیں۔ اضافت مقلوبی میں ضمیر نہیں آ سکتی۔ جیسے لفظ محمد دین یعنی محمد کا دین۔ یہاں لفظ محمد مضاف الیہ ہے اور لفظ دین مضاف ہے اور یہ اضافت مقلوبی ہی ہو سکتی ہے کیونکہ مقصد اضافت عام مضاف کو خاص کرنا ہے۔ لفظ محمد تو پہلے ہی خاص ہے کیونکہ کائنات میں بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی محمد نہیں ہاں دین عام ہے کہ دنیا میں بے شمار دین ہیں۔ پس اس مرکب اضافی کو اضافت مقلوبی کر کے دین کو خاص کرنا مقصود ہے۔ اگر یہاں مقلوبی اضافت نہ مانی جائے تو عبارت غلط۔ بلکہ ضمناً گستاخی ہو گی۔ اور ترجمہ ہو گا دین کا محمد۔ تو گویا کہ اور بھی محمد تسلیم ہیں۔ اور یہ وہابیانہ گستاخی ہو گی۔ جیسا کہ مولوی عبد الحی وہابی اپنے فتاوی عبد الحی کے صفحہ نمبر ۵۲ پر لکھتا ہے۔ کہ جہان بہت سے ہیں اور ہر جہان کا نبی علیحدہ ہے۔ آدم علیحدہ موسیٰ علیحدہ ہر جہان کا محمد علیحدہ (مَعَاذَ اللّٰهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ) اور دلیل پکڑتا ہے یہودیوں کی ایک موضوع اسرائیلی روایت سے کہ جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں:۔ اٰدَمٌ كَاٰدَمِنَا وَنَبِيٌّ كَنَبِيِّكُمْ پس ثابت ہوا کہ لَہٗ کی پہلی ضمیر مَنْ کی طرف لوٹ رہی ہے اسی طرح دوسرے لَہٗ کی ضمیر بھی اسی مَنْ کی طرف مرجوع ہے کیونکہ اگر دوسرے لَہٗ کی ضمیر ہٗ کو بقول

دیوبندی مذکور۔ امام کی طرف لوٹائی جائے تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس طریقے سے دوسرے لَہٗ کو حصر کرنا پڑے گا۔ اور اگلی عبادت کا ترجمہ یہ کرنا پڑے گا کہ پس امام کی قرأت امام ہی کی قرأت ہے حالانکہ یہاں حصر جائز نہیں۔ اس لیے کہ حصر کی عربی میں چند صورتیں ہیں ع۱ تکرارِ ضمائر جیسے :۔ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ ط ترجمہ بے شک وہ ہی فسادی ہیں۔ اور اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط (ترجمہ) بے شک تو ہی غالب اور حکمت والا ہے۔ ع۲ مؤخر لفظ کو مقدم کرنے سے بھی حصر پیدا ہوتا ہے۔ جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ ط (ترجمہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ ع۳ حروفِ استثناء سے جیسے مَا قَامَ اِلَّا زَيْدٌ ط ترجمہ۔ نہ کھڑا ہوا مگر زید۔ یعنی زید ہی کھڑا ہوا۔ ان تمام اقسام میں سے کوئی قسم بھی یہاں نہیں ہے۔ نہ حصر اضافی اور نہ حصرِ حقیقی۔ تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ روایت مبارکہ کے دوسرے لفظ لَہٗ کی ضمیر امام کی طرف مرجوع ہو۔ اصولِ فقہ اور علم نحو کے اعتبار سے بھی یہ بات قطعاً غلط ہے کہ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کو امام کی طرف لوٹائی جائے۔ اس لیے کہ اس حدیث پاک کی تمام عبارت جملہ شرطیہ ہے۔ اس کی پہلی جز یعنی مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ ط یہ شرط ہے۔ اور فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ ط یہ جزا ہے۔ حرف فاء جزائیہ ہے۔ قواعد کے مطابق جملہ شرطیہ میں تعلیق شرط ہے۔ یعنی جزا کا شرط پر موقوف ہونا۔ کہ شرط ہو تو جزا ہو۔ اگر شرط نہ ہو تو جزا بھی نہ ہو۔ چنانچہ علم اصول کی کتاب نور الانوار صفحہ ۲۱۴ پر ہے۔ وَالْمُرَادُ بِالشَّرْطِ اَنْ لَا يَصِحَّ الْمَامُوْرُ بِهٖ قَبْلَ وُجُوْدِهٖ وَيَفُوْتُ بِفَوْتِهٖ ط (ترجمہ)۔ اور مراد شرط سے یہ ہے کہ نہ درست ہو حکم دی ہوئی جزاء شرط کے وجود سے پہلے اور جزا ختم ہو جائے شرط کے ختم ہونے سے۔ اس قاعدے کے مطابق اگر لفظ لَہٗ کی ضمیر امام کی طرف لوٹے تو مطلب یہ ہو گا۔ اگر مقتدی ہے تو امام کی ہو جائے۔ ورنہ امام کے قرأت کرنے کے باوجود اس کی قرأت نہ ہو۔ یعنی اگر اکیلے منفرد نماز پڑھ رہا ہے۔ تو کسی بھی نمازی کی قرأت نہ بنے۔ حالانکہ یہ سخت غلط ہے اور سب کے خلاف ہے۔ اس طرح تو لازم آتا ہے کہ صرف امام کی قرأت درست ہے۔ باقی کسی نمازی کی قرأت صحیح نہ ہو۔ نہ مقتدی کی نہ منفرد کی۔ نیز لازم آیا کہ مقتدی کی قرأت کوئی شی نہ بنے تو یہ ہماری دلیل ہی بن جائے گی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ ہٗ ضمیر بھی مقتدی یعنی لفظِ مَنْ کی طرف ہی لوٹ رہی ہے۔ نہ کہ امام کی طرف جیسا کہ وہابی مذکور نے سمجھا۔ اور حدیث پاک کا صحیح مطلب یہ ہے۔ کہ جب کوئی شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو وہ خود قرأت نہ کرے کیونکہ قِرَاءَةُ الْاِمَامِ قِرَاءَةٌ لَّهٗ ط (یہ طحاوی شریف کے الفاظ) امام کی قرأت اس (مقتدی) کی قرأت بن جاتی ہے۔ مگر جو اکیلا نماز پڑھے۔ وہ خود قرأت کرے۔ اور پھر اس حدیث پاک میں لفظ قرأت مطلق ہے۔ جو سورت فاتحہ اور دیگر سورت ہر دو کو شامل ہے۔ حالانکہ غیر مقلد دیوبندی صرف سورت فاتحہ کے پڑھنے کا

مقتدی کو حکم دیتے ہیں۔ دیگر سورت کو وہ بھی منع کرتے ہیں۔ تو پوچھو نا دانوں سے کہ قرأت امام میں کیا صرف فاتحہ ہی امام کی بنے گی۔ باقی قرأت امام کی نہ بنے گی۔ وہ مقتدی کی بن جائے گی۔ بہر حال یہ سب کم عقلی کی باتیں ہیں۔ غیر مقلد وہابی کا یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کہ ضمیر ہمیشہ قریب کی طرف ہی لوٹتی ہے۔ بلکہ نحوی قاعدے کے مطابق ضمیر کا مرجع قریب و بعید ہر طرح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ شرح جامی باب تنازع الفعلین صفحہ نمبر ۱۹ پر ہے وَاَمَّا الضَّمِیْرُ الْمُنْفَصِلُ الْوَاقِعُ بَعْدَ هُمَا نَحْوُ مَا ضَرَبَ وَاَکْرَمَ اِلَّا اَنَا۔ فَفِیْهِ تَنَازُع (الخ) :- ترجمہ اور لیکن ضمیر منفصل جو واقع ہو۔ دو فعلوں کے بعد جیسے کہ نہیں مارا مجھ کو اور تعظیم کی اس نے۔ اس عبارت مثل میں دو فعلوں کے بعد ضمیر اَنَا آرہی ہے۔ نحویوں کے نزدیک یہ دور کے فعل مَا ضَرَبَ کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ اور قریب کی طرف بھی۔ چنانچہ فرّا نحوی کا مذہب ہے۔ وَاَمَّا عَلٰی مَذْهَبِ الفرّاء فَیَعْمَلَانِ مَعًا ؕ (ترجمہ) ۔ اور لیکن فرّاء نحوی کے نزدیک دونوں فعل اس ضمیر پر عمل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر بقول دیوبندی ضمیر ہمیشہ قریب کی طرف ہی لوٹتی۔ تو یہاں لفظ اَنَا مَا ضَرَبَ کی طرف ہرگز نہ جا سکتا۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ پہلا پارہ آیت نمبر ۱۱۳ ﴿وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴾ (ترجمہ) یہودی بولے عیسائی کچھ نہیں۔ اور عیسائی بولے یہودی کچھ نہیں۔ حالانکہ یہ سب اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں۔ اس طرح تو ان لوگوں نے جھگڑے ڈالے تھے۔ جو بالکل کتاب اللہ کو نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے گا۔ ان یہودیوں و نصاریٰ کے درمیان قیامت کے دن اس بارے میں کہ جس میں وہ جھگڑا کرتے تھے۔ یہاں دو قول ہیں :- نمبر ۱ :- مِثْلَ قَوْلِهِمْ (۲) وَاللّٰهُ یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ ؕ ان دونوں جگہ هُمْ ضمیر جمع غائب ہے۔ اور یہ دونوں دور کے مرجع کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ پہلی ضمیر هُمْ اگرچہ قریب کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ مگر تمام مفسرین نے اس کو دور کی طرف لوٹایا ہے۔ اس کا پہلا قریبی مرجع اَلَّذِیْنَ ہو سکتا ہے۔ دوسرا دور کا مرجع یہود و نصاریٰ ہے۔ لیکن علماء محققین نے اس ضمیر کو دور کے مرجع کی طرف لوٹایا۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد اول صفحہ نمبر ۳۶۲ پر ہے :- اَیْ بَیْنَ الْیَهُوْدِ وَالنَّصٰرٰی لَا بَیْنَ الطَّوَائِفِ الثَّلَاثَةِ ؕ ترجمہ۔ یعنی فیصلہ فرمائے گا اللہ جل شانہٗ قیامت کے دن یہود و نصاریٰ کے درمیان۔ اس سے ثابت ہوا کہ ضمیر دور کے مرجع کی طرف جا سکتی ہے۔ اور دیوبندی صاحب نے صرف اپنے مذہب کو بچانے کے لیے آنکھیں بند کر کے اپنے پاس سے ایک قاعدہ بنا لیا۔

تیسری دلیل میں اگر دیوبندی صاحب ضمیر کو قریبی مرجع کی طرف لوٹائیں تو خود اپنے مذہب کے مطابق مشرک ہو جائیں

دیکھو قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ۔ (الخ)۔ اس آیت کریمہ میں لفظ یحیی میں ھُوَ واحد مذکر غائب پوشیدہ ہے۔ جو اس کا فاعل بن رہی ہے۔ اور ھُوَ سے مراد یا لفظِ مَا ہو سکتا ہے۔ یا لفظِ رسول یا لفظِ اللہ۔ قریبی مرجع مَا ہے بعیدی اللہ ہے۔ اگر وہابی صاحب اپنے قاعدے سے قریبی مرجع کی طرف یُحْیِیْ کی ضمیر ھُوَ کو لوٹائیں۔ تو وہابیوں کا شرک ہوگا۔ کیونکہ اب ترجمہ پوری آیت کا اس طرح ہوگا۔ کہ اے ایمان والو فوراً بات مانو اللہ کی اور رسول پاک کی۔ کہ جب بلائیں تم کو اس چیز کے لیے جو تم کو زندہ کرے۔ اور وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ زندگی بخش صرف اللہ ہے۔ مگر یہاں ضمیر کا قریبی مرجع اس چیز کو زندگی بخش بتا رہا ہے۔ لہٰذا وہابی صاحب اگر ضمیر کو اللہ کی طرف پھیرتے ہیں تو یہ قاعدہ خود ساختہ ٹوٹتا ہے۔ کیونکہ ضمیر کا مرجع دور رہ جاتا ہے۔ اور اگر قریبی مرجع بناتے ہیں تو شرکِ وہابیت لازم آتا ہے۔ دونوں طرف موت ہے۔ لیکن بحمدہٖ تعالیٰ اہل سنت والجماعت بریلویوں کا عقیدہ مضبوط ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے ثابت کر دیا۔ کہ قرآن و حدیث اور نبی کریم کے بلانے اور کلمات طیبہ بھی زندگی بخش ہیں۔ جب ان آیات اور اس کے علاوہ اور بہت آیات میں ضمیریں دور کے مرجع کی طرف جا سکتی ہیں۔ تو حدیث پاک میں قِرَأَةُ لَهٗ کی ضمیر بھی مَنْ کی طرف لوٹ سکتی ہے وہابیوں کو چاہیئے کہ اس قریبی مرجع والے قاعدے پر کوئی حدیث سے دلیل پیش کریں۔ اگرچہ نحوی قواعد سے بھی کوئی مضبوط و مرجح دلیل میسر نہیں۔ مگر یہ لوگ جو ہماری تقلیدِ ائمۂ مجتہدین پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ تو ان کی نحوی تقلید کیونکر گوارا کی جائے گی۔ اگر یہ لوگ نحو سے دلائل پیش کریں۔ تو نحویوں کے مقلد ہو کر بقولِ خود شرک فی الرسالت میں مبتلا ہو جائیں۔ خیال رہے کہ شرک فی الرسالت ان لوگوں کا نیا تیار کردہ ماڈل ہے۔ قرآن و حدیث میں اس لفظ کا بھی وجود نہیں ملتا۔ گویا کہ ان کے نزدیک نبی بھی وحدہٗ لاشریک لہٗ ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ رب کریم کی خصوصی صفت ہے۔ شعر

ترسم کہ بکعبہ نرسیدی اے وہابی
کین راہ کہ تو روی بشرکستان است

خلاصۂ کلام یہ کہ مقتدی کو مطلقاً قرأت منع ہے۔ دیگر دلائل عقلیہ و نقلیہ کے علاوہ یہ حکم اس مذکورہ حدیث سے بھی بالوضاحت ثابت ہو گیا۔ اس کے رد میں جو بات بھی وہابی کہتے ہیں وہ محض نادانی سے کہتے ہیں

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سوال ۱۲ بیعت کرنیکا صحیح اور غلط رواج ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے علاقہ میں ایک پیر صاحب جو غوث پاک کی اولاد بنتے ہیں کہتے ہیں تجدید بیعت مرشد کی وفات کے بعد ضروری ہے ۔ اور ایسے مریدوں کو پکڑ پکڑ کر اپنی بیعت کرتے ہیں ۔ اور دوسرے لوگوں کو خوشامد یا جبر سے بیعت کرتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ میں چاروں سلسلوں میں بیعت کر سکتا ہوں لہٰذا جس نے جس سلسلے میں بیعت ہونا ہے وہ میری بیعت کرے ۔ بیعت کے بعد ہر مرید سے گیارہ روپیہ نذرانہ وصول کرتے ہیں ۔ ہماری بستی کے ایک پیر صاحب انکے معاون ہیں ۔ فرمایا جائے کیا یہ کام جائز ہے ۔ مستفسر سائل محمد صدیق بجلی گھر زد مرالہ ہیڈ ورکس گجرات

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

قانون شریعت کے مطابق مذکورہ پیر کے تمام اقوال غلط اور خلاف شریعت وطریقت بلکہ تہذیب کے خلاف ہے ۔ تجدید بیعت صرف اسوقت جائز ہے جب کسی غیر شیخ فاسق جاہل یا بدعقیدہ انسان کی بیعت کی جائے ولی کامل اور عالم دین متقی کی بیعت تاقیامت قائم رہتی ہے کیونکہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ بعد وفات انکی قوت امداد زیادہ ہو جاتی ہے یہی قرآن حدیث سے ثابت ہے ۔ اور ایک شخص کا چار سلسلوں میں بیعت کرنا قطعاً باطل اور گمراہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت وطریقت کے چار چار سلسلے بنائے ہر راستہ جدا ہے ۔ ایک شخص بیک وقت دو راستوں پر نہ چل سکتا ہے نہ چلا سکتا ہے ۔ پیر مرید کی مثال ملاح اور مسافر کی ہے جس طرح ملاح و مسافر بیک وقت ایک کشتی اور ایک ہی راہ چل سکتے ہیں اسی طرح ایک پیر ایک ہی سلسلے میں بیعت کر سکتا ہے ۔ جب ایک شخص حنفی شافعی نہیں ہو سکتا تو قادری چشتی میں بیعت بھی نہیں کر سکتا ۔ ہاں البتہ ایک مرید اپنے پیر کی اجازت سے صرف حصول فیض کیلئے بیعت کسب و بیعت طلب کر سکتا ہے اس لحاظ سے خود کو چشتی قادری کہہ سکتا ہے ۔ مگر ایک پیر دو بیعتیں نہیں کر سکتا ۔ اس کا کہیں ثبوت نہیں ۔ اگر اس طرح بیعت جائز ہوتی تو چار سلسلے کے بزرگوں کی کیا ضرورت رہتی ثابت ہوا کہ یہ اس کی اپنی بناوٹی بات ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیر طریقت کی منزلوں سے بالکل بے خبر ہے اور چار سلسلوں کے فرق کو بالکل نہیں جانتا صرف ہوس زر اور پیری مریدی کا شوق ہے ۔ اللہ ہدایت دے ۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

۲-۲-۷۹

کتبہ

نطفہ و ولادت کا ٹیکہ لگانے کا حکم

سوال نمبر ۱۳ ؛ ۔ محترم جناب واجب الاحترام مولانا مفتی صاحبزادہ اقتدار احمد خان صاحب السلام علیکم خیریت موجود خیریت مطلوب بعدہٗ گزارش ہے کہ میں ایک مسئلہ آپکی خدمت عالیہ میں ارسال کر رہا ہوں آپ براہ کرم اس مسئلہ کا تفصیلاً جواب لکھیں مع دلائل شرعیہ تحریر فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں عین نوازش ۔ کیونکہ بجز آپ کے مجھے اس مسئلے کا حل نہیں مل سکا ۔ اور نہ ہی امید ہے ۔ کہ کسی سے ملے ۔ اس لیئے امید واثق کر کے بحکم خدا تعالےٰ فَاسْئَلُوْا

اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کے تحت آپ کی خدمت میں ارسال ہے آپ انشاء اللہ ذرا جلدی وقت نکال کر جواباً مطلع فرمائیں گے، فقط والسلام۔

آپ کی دعاؤں کا خواستگار قاضی نور حسین معرفت صوفی فضل حسین زمیندار ٹی سٹال نزد ڈاک خانہ سکھو (مندرہ) تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آج کل اس ترقی یافتہ دور میں سائنسی اصول کے ماتحت مادہ جانوروں کو ٹیکہ لگاتے ہیں جس سے مادہ حاملہ ہوتی ہے اور بچے پیدا ہوتے ہیں۔ نامعلوم وہ انجکشن جو لگایا جاتا ہے وہ سائنس کے ذریعے سے کوئی دوائی ایجاد ہوئی ہے یا کہ وہ نر جانور کا نطفہ ہے۔ اگر ڈاکٹروں نے یہ ہی ایجادات کی ہوں کہ کسی طرح سے جانور نر کا نطفہ نکال کر محفوظ کر لیں اور پھر وہ انجکشن لگائیں تو کیا از روئے شریعت یہ طریقہ کار جائز ہے یا ناجائز۔ آپ مکمل فتویٰ عطا فرمائیں عین کرم نوازی ہوگی۔ بَیِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

الجواب

قانون شریعت کے مطابق سوال مذکورہ میں جس وطی اور نطفے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بالکل جائز اور مباح ہے۔ ایسے مادہ جانور کا دودھ بالکل پاک وطیب وحلال ہے اس کا اور اس کے مولودہ بچے کا گوشت بھی بالکل طیب وحلال ہے۔ اس لیے کہ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ یہ نطفہ نر جانور ہی سے لیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ نر جانور کے آلۂ تناسل سے ایک چھوٹی سی پلاسٹک کی ٹیوب اچھی طرح باندھ دی جاتی ہے اور بولی ہوئی مادہ پر اس نر کو چھوڑا جاتا ہے، جب نر مادہ پر کودتا ہے تو اس کا آلۂ تناسل ٹیوب کی وجہ سے فرج مادہ میں نہیں جاتا بلکہ نرم ٹیوب ہی مثل فرج ہو جاتی ہے اور انزال اُسی کے اندر ہوتا ہے۔ جس سے سارا نطفہ ٹیوب میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس ٹیوب کو اتار لیا جاتا ہے۔ پھر لیبارٹری میں لے جا کر اس نطفہ میں اسی نسل کا دو تولہ دودھ ایک مرغی کا انڈا (صرف زردی یا صرف سفیدی) ایک تولہ گلوکوز انگوری علیحدہ اچھی طرح حل کر کے شامل کیا جاتا ہے جس سے مادہ تولید کے جرثومے میدان وسیع پا کر کھل جاتے ہیں اور ان کے گننے میں آسانی رہتی ہے اور یہ انڈے کی زردی (بعض میں صرف سفیدی) ان جرثوموں کی خوراک کا کام بھی دیتی ہے۔ پھر خوردبین کے ذریعے نسلی جرثوموں کی گنتی کے حساب سے اتنی ہی دوسری چھوٹی ٹیوبیں مہیا کر کے ہر ٹیوب میں ایک جرثومہ اور تھوڑا دودھ ملا نطفہ ڈال کر ٹیوب بند کر دی جاتی ہے۔ گویا کہ ایک نطفہ سے چالیس کے قریب جرثومے حاصل کیے جاتے ہیں اور دودھ انڈا نطفے میں شامل کر کے چالیس نطفے بنا لیے جاتے ہیں اور چالیس ٹیوبوں میں بند کر لیے یہ چالیس ٹیکے بن گئے۔ یہاں اتنی بات ضرور خیال میں رہے کہ نطفہ خواہ کسی مقام

پر ہوا اس کی بقا کے لیے ایک مخصوص مقدار کی ٹھنڈک لازمی ہے۔ صنّاعِ کائنات نے نطفے کی حفاظت و بقا و حیات کے لیے مقام و مسکنِ نطفہ کو عجیب نظام برودت سے مبیت کر دیا ہے کہ جسمانی حرارت اور تغیر ازمنہ کا اس پر اثر نہیں گویا کہ حفاظتِ نطفہ کے لیئے جسم انسانی و حیوانی میں ربّ قدیر نے ریفریجیریٹر اور فریج سسٹم قائم فرمایا ہے۔ اس چیز کے تجربات سے موجودہ ڈاکٹروں نے کم سے کم درجہ حرارت قائم کر کے نطفے کے ان ٹیکوں کا حفاظتی انتظام کیا ہے۔ اور وہ نسلی ٹیکے ان سرد ڈبوں میں ایک سال یا اس سے زیادہ عرصے تک صحیح سالم پڑے رہتے ہیں۔ جب کہ جسم حیوانی میں سال ہا سال زندہ قائم رہتے ہیں۔ تولید کا یہ نظام صرف جانوروں میں شرعاً جائز ہے۔ انسانوں میں حرام کیونکہ نسلِ حیوانی ماں یعنی والدہ سے قائم و منسوب ہوتی ہے۔ اور نسلِ انسانی باپ سے۔ جانوروں میں کوئی باپ ہو بچہ حلالی ہوگا کیونکہ والدہ ایک ہے۔ مگر نسلِ انسانی میں ایک معیّن والد ہونا شرطاً اگر باپ غیر معیّن ہو تو بچہ حرامی ہوگا۔ مذہبی تقرر و تعین صرف انسانی باپ کے لیئے انتہ لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں میں یتیم وہ نابالغ ہے جس کا باپ یعنی والد مر جائے اور حیوانوں میں وہ یتیم ہے جس کی والدہ مر جائے چنانچہ تفسیر صاوی جلد اول صفحہ نمبر ۳۹ اور تفسیر روح المعانی اوّل صفحہ نمبر ۳۰۸ پارہ اوّل اور روح البیان جلد اول صفحہ نمبر ۱۷۲ پر ہے۔ وَالْيَتَامٰى جَمْعُ يَتِيْمٍ وَهُوَ الصَّغِيْرُ الَّذِيْ مَاتَ اَبُوْهُ قَبْلَ الْبُلُوْغِ وَمِنَ الْحَيَوَانَاتِ الصَّغِيْرُ الَّذِيْ مَاتَتْ اُمُّهٗ۔ ترجمہ اور لفظِ یتامیٰ یتیم کی جمع ہے اور وہ نابالغ بچہ ہے جس کا باپ مر گیا ہو اور حیوانات میں وہ چھوٹا بچہ جس کی والدہ مر جائے۔ اسی طرح شرح قصیدہ بردہ صفحہ نمبر ۱۹۴ پر ہے۔ پس چونکہ جانوروں میں بچے کا نسب صرف ماں سے چلتا ہے اس لیئے کسی جانور کا نطفہ کسی طریقے سے ڈال دیا جائے وہ جانور مولودہ حلالی مانا جائے گا۔ اور اس کا حکم بالکل دوسرے جانوروں کی طرح ہوگا۔ مگر انسانیت میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے فلاسفۂ اسلامی کی تحقیق کے مطابق انسانی اور حیوانی نطفے میں چند طرح امتیازی فرق ہیں پہلا فرق یہ ہے تمام جاندار مخلوق میں نر انسان کا نطفہ شدید ترین قوّت والا ہے جو سب نطفوں پر قوی ہے۔ اور حیوانات میں مادہ حیوان کا نطفہ شدید تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں میں وطی کی رغبت مرد کی جانب سے ہوتی ہے پہلے مرد راغب ہوتا ہے تب عورت آمادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا کوئی وقت مقرر نہیں جب چاہتا ہے صحبت کرتا ہے اور حمل ٹھہر جاتا ہے لیکن جانوروں میں مادہ کی طرف سے رغبت ہوتی ہے۔ اگر مادہ جانوروں میں وہ رغبت ظاہر ہو تب نر جانور آمادہ ہوتا ہے۔ اگر مادہ میں رغبت پیدا نہ ہو تو نر جانور اس کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور نہ پیچھا کرتا ہے نہ آمادگی ظاہر کرتا ہے۔ بخلاف انسانوں کے۔ چنانچہ مشہور اسلامی فلسفی اور سائنسدان علامہ زکریا ابن محمود قزوینی علیہ الرحمۃ اپنی تصنیف عرائب الموجودات جلد دوم صفحہ نمبر ۹۲ پر لکھتے ہیں (۱) اَلنَّظْمُ الثَّالِثُ فِيْ تَوَلُّدِ الْاِنْسَانِ)

وَمَا فَضَلَ مِنَ الْغِذَاءِ فِی الْهَضْمِ الْاٰخِیْرِ یَبْعَثُ اِلَی النُّخَاعِ اِلَی الْاُنْثَیَیْنِ فَیَسْتَحِلُّ فِیْهِمَا اِلٰی طَبِیْعَةِ الْمَنِیِّ یَدْغَدِغُ وَیَهِیْجُ اِضْطِرَابَ الْقَدَمِ فَلَا یَسْکُنُ اِلَّا بِنَفْضِ تِلْکَ الْمَادَّةِ فَیَکُوْنُ ذَالِکَ سَبَبَ اِجْتِمَاعِ الذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی۔ ترجمہ۔ جب انسان غذا کھاتا ہے تو غذا کلیجی میں تقسیم ہوکر جو باقی بچتی ہے اور آخری ہاضمے سے گزرتی ہے تو بلغمی شکل اختیار کرکے انسانی فوطوں میں چلی جاتی ہے۔ وہاں پہنچ کر منی کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ وہاں وہ منی جوش کھاتی رہتی ہے۔ اور آلۂ تناسل بلکہ سارے جسم میں ہیجان اور آگے بڑھنے کا اضطراب پیدا کر دیتی ہے پس انسان سکون نہیں پاتا مگر اس مادے کے جھڑنے سے پس وہ اضطرابی کیفیت جو مرد میں اس مادے نے پیدا کی سبب بنتی ہے عورت و مرد کی وطی کا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ انسانی مرد کا نطفہ جس رحم میں بھی جائے گا نسل انسانی ہی پیدا کرے گا خواہ عورت کے جسم میں جائے یا بکری گائے بھینس کے رحم میں بخلاف جانور کے کہ جب نر جانور کسی مادہ جانور سے وطی کرے تو نر یا مادہ نر مادہ کی جنس پیدا ہوتی ہے۔ فطرت کا یہ قانون بہت تجربوں سے مشاہدوں میں آچکا ہے۔ ان ہی تجربوں اور مشاہدوں کی بنا پر ہمارے فقہاء کرام و مجتہدینِ عظام نے شرعی قوانین مرتب فرمائے۔ چنانچہ قانونِ شرعی کے مطابق اگر کوئی آدمی مرد کسی بھی جانور مادہ سے صحبت کرے تو جانور کو ذائیدگی سے پہلے ہی ذبح کرکے دفن یا آگ میں جلا دیا جائے گا نہ اس کا گوشت کھایا جائے نہ اس کو زندہ باقی رکھا جائے گا۔ چنانچہ فتاوی درمختار جلد سوم صفحہ نمبر ص ۲۱۳ پر ہے

وَلَا یُحَدُّ بِوَطْئِهٖ بَهِیْمَةً بَلْ یُعَزَّرُ وَتُذْبَحُ ثُمَّ تُحْرَقُ وَیُکْرَهُ الْاِنْتِفَاعُ بِهَا حَیَّةً وَمَیِّتَةً۔

فتاوی عالمگیری جلد سوم صفحہ نمبر ص ۳۶۱ پر ایسا ہی ہے۔ یعنی جو انسان جانور سے وطی کرے خواہ جانور حلالی ہو یا حرامی وطی کرنے والے کو حد نہ لگے گی بلکہ شرعی تعزیر کی سزا دی جائے گی اور جانور ذبح کرکے جلا ڈالا جائے گا اس کا نفع حاصل کرنا زندہ یا مردہ کا مکروہ تحریمی ہے۔ امام اعظم نے فرمایا کہ حلالی جانور ہے تو ذبح کرکے گوشت کھانا جائز ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ مادہ جانور زندہ نہ رہے۔ اس لیے کہ اگر زندہ رہے گا تو ہو سکتا ہے حمل ٹھہر جائے اور اس سے انسانی بچہ پیدا ہو جو خالصتاً حرامی نسل ہوگا۔ اور یہ ذبح مادہ جانور سے وطی کرنے میں ہے کیونکہ وطی میں لفظ بہیمۃ ارشاد ہوا تاء تانیث سے مادہ ہونا ثابت ہوا۔ اگرچہ جمہور کے نزدیک تاء وحدت کی ہے۔ میرے نزدیک صحیح تر یہ ہے کہ تاء تانیث ہے اور قرآن مجید میں تاء تانیث بول کر سب مذکر و مونث اس لیے مراد لیے گئے ہیں کہ اصل جانوروں میں مؤنث ہی ہوتا ہے۔ حلت و حرمت کا بھی مؤنث ہی سے پتہ لگتا ہے۔ مذکر کے پاس کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جو اس کی زندگی میں اس کے حلالی ہونے کو ثابت کرے بخلاف مونث جانور کے کہ اس کا دودھ اس کی حلت و حرمت ثابت کر رہا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے لفظ بہیمۃ مونث ارشاد فرما کر یہ بتا دیا کہ جانوروں میں اصل مادہ جانور ہے اس لیے بچہ ماں کا ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ

مرد اگر جانور سے بھی وطی کرے تو حمل ٹھیرنے کی صورت میں اولاد انسانی ہی ہوتی ہے مشاہدہ بھی سننے میں اسی طرح آیا ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء ۲ جولائی ۲۵ رجب ۱۳۹۸ھ جنگ اخبار راولپنڈی ص ۲ پر اس طرح خبر تھی بکری نے انسانی بچے کو جنم دیا۔ ہیلی کا مقام بھارت یکم جولائی یہاں سے ۳۰ میل دور موضع پڈپور ضلع دھارڈار میں ایک بکری نے انسانی بچے کو جنم دیا ہے جس کے تمام اعضاء حتیٰ کہ انگلیاں بھی بالکل انسانوں کی طرح پیشانی سینہ ہاتھ پاؤں بالکل انسانی بچے جیسے ہیں۔ یہ خبر سب نے پڑھی۔ یہ اس لئے ہوا کہ اس سے کسی آدمی نے وطی کی ہوگی نر پکڑا گیا حمل بن گیا اور پیدا ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے پہلے ہی جانور کے ذبح کر کے نیست و نابود کر دینے کا حکم دے دیا تاکہ نسلِ انسانی خراب نہ ہو۔ بخلاف اس کے کہ اگر کوئی دوسرا جانور مثلاً کتا یا ہرن یا بھیڑیا بکری وغیرہ سے وطی کرے تو بکری کو ذبح نہ کیا جائے گا بلکہ اس کے حمل کو باقی رکھا جائے گا۔ اور وہ اکثر بکری ہی کی نسل سے ہوتا ہے لہٰذا اس کو کھانا جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم صفحہ نمبر ص ۲۹۷ پر ہے فَاِنْ کَانَ مُتَوَلِّدًا مِنَ الْوَحْشِیِّ وَالْاِنْسِیِّ فَالْعِبْرَۃُ لِلْاُمِّ ۔ وَقِیْلَ اِذَا نَزَا ظَبْیٌ عَلٰی شَاۃٍ اَھْلِیَّۃٍ فَاِنْ وَلَدَتْ شَاۃً تَجُوْزُ التَّضْحِیَۃُ (ترجمہ)۔ جب بچہ مولود وحشی اور گھریلو جانور کے ملاپ سے پیدا ہو تو اعتبار ماں کا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جب بھیڑیا گھریلو بکری سے وطی کرے اور بچہ بکری نسل ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ حیوانات میں چوپایہ جانور مادہ میں شہوت زیادہ ہوتی ہے اور نر میں کم۔ لیکن نسلِ انسانی میں عورت میں شہوت کم ہوتی ہے نر مذکر میں زیادہ۔ چنانچہ مشہور طبی کتاب ضیاء الابصار فی حد الباہ مصنف حکیم محمود دہلوی صفحہ نمبر ص ۱۵ پر ہے۔ لِاَنَّ مِزَاجَ الذُّکُوْرِ حَارٌّ یَابِسٌ وَمِزَاجَ الْاِنَاثِ بَارِدٌ رَطْبٌ۔ وَالْبُرُوْدَۃُ یُمِیْتُ الْقُوَّۃَ وَالرُّطُوْبَۃُ مُسْتَرْخِیْ لَھَا فَلِھٰذَا الْوَجْہِ قَلَّتِ الشَّھْوَۃُ۔ ترجمہ اس لئے کہ مرد کا مزاج گرم و خشک ہوتا ہے اور عورتوں کا مزاج ٹھنڈا اور تر ہوتا ہے۔ اور ٹھنڈک قوتِ شہوانیہ کو مردہ کرتی ہے اور تری سست کرتی ہے۔ اسی وجہ سے عورتوں میں شہوت کم ہوتی ہے۔ اور مردوں کی اس شہوانی قوت کا نتیجہ ہے کہ ان کی مونچھیں اور داڑھی ہوتی ہے عورتوں کی نہیں۔ ہمارے فقہاء کرام فرماتے ہیں جو مرد داڑھی رکھے اس کی اولاد داڑھی منڈانے والے مرد کی اولاد سے زیادہ اور مضبوط تر ہوتی ہے۔ قوتِ مردمی انسانی جوہر ہے جس پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے جنتیوں کو یہ قوت بہت زیادہ عطا ہوگی جس کا ذکر قرآن کریم اور احادیث پاک میں متعدد جگہ کنایۃً و عبارۃً موجود ہے۔ انبیاء کرام کو بھی اس قوت کا سب سے زیادہ تحفہ عطا فرمایا گیا۔ اس قوت کے بل بوتے پر مسلمان مومن مقامِ معرفت کی منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خنثیٰ مقامِ علیا پر نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مونچھیں منڈانی بدعت ہیں اور داڑھی منڈانا گناہِ کبیرہ کیونکہ اس سے قوتِ مردمی کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ درمختار جلد پنجم صفحہ نمبر ص ۳۵۸ پر درج ہے۔

وَفِیْہِ حَلْقُ الشَّارِبِ بِدْعَۃٌ۔ (ترجمہ)۔ اور اسی فتاوی مجتبیٰ میں ہے کہ مونچھوں کا منڈانا بدعت ہے تجربے سے ثابت ہے کہ جس عورت کی مونچھیں نکل آتی ہیں اس کی شہوت دوسری عورتوں سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ چوتھا فرق یہ ہے کہ نسلِ انسانی میں مرد کا نطفہ ریڑھ کی ہڈی میں ہوتا ہے اور عورت کا نطفہ پستانوں کے درمیان۔ چنانچہ فتاوی شامی جلد اول صفحہ نمبر ۱۴۸ پر ہے۔ عِنْدَ خُرُوْجِ الْمَنِیِّ مُنْفَصِلٍ عَنْ مَقَرِّہٖ وَھُوَ صُلْبُ الرَّجُلِ وَتَرَائِبُ الْمَرْاَۃِ اَیْ عِظَامُ صَدْرِھَا کَمَا فِی الْکَشَّافِ (ترجمہ)۔ منی کے نکلنے کے وقت جدا ہو کر اپنے ٹھکانے سے اور وہ مرد کی پشت ہے اور عورت کی سینے کی ہڈیاں ہیں اسی طرح کشاف میں ہے۔ جانوروں میں مادہ کی پشت میں نطفہ ہوتا ہے۔ پشت ریڑھ کی ہڈی کا نام ہے ریڑھ کی ہڈی جڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعد موت قریبِ قیامت انہیں ذرات سے انسانی نشوونما ہو گی جو ریڑھ کی ہڈی میں ہوتے ہیں تمام جسم فنا ہو جاتا ہے مگر ان کو نہ مٹی فنا کرے نہ آگ نہ پانی۔ پس جس کا نطفہ اس ہڈی میں ہوگا اسی سے نسل آگے چلے گی۔ مذکر انسان سے انسانی نسل چلتی ہے کہ اس کا نطفہ ریڑھ کی ہڈی میں۔ اور جانور میں یہ نطفہ مادہ کی ریڑھ میں ہے اس لیے حیوانات میں نسل مادہ سے چلتی ہے نہ کہ نر سے۔ خلاصہ یہ کہ جس کی ریڑھ کا نطفہ ہوگا اسی کی نسل مانی جائے گی۔ مذکر حیوانات میں نطفہ ریڑھ میں نہیں ہوتا بلکہ بعض مذکر حیوانات میں نطفہ ہوتا ہی نہیں۔ بعض میں نطفہ مثل ہوا کے بعض جانور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو مذکر کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد نہم صفحہ نمبر ۲۵۵ پر ہے۔ اِنَّ کُلَّ حَیْوَانٍ لَایُخْلَقُ مِنَ النُّطْفَۃِ بَلْ بَعْضُہٗ مِنَ الرِّیْحِ کَالطَّیْرِ فَاِنَّ الْبَیْضَۃَ الْمَخْلُوْقَۃَ مِنْہَا۔ اَلدَّجَاجَۃُ مَخْلُوْقَۃٌ مِنْ رِیْحِ الدِّیْکِ (ترجمہ)۔ بے شک ہر حیوان نہیں پیدا کیا جاتا نطفے سے بلکہ بعض جانور ہوا سے پیدا ہوتے ہیں پس بیشک انڈا اسی ہوا سے پیدا ہوتا ہے۔ مرغی پیدا ہوئی ہے مرغے کی ہوا سے۔ یعنی مرغا یا کوئی بھی پرندہ جب صحبت کرتا ہے تو مادہ جانور میں صرف ہوا جاتی جس سے ایک حرکت پیدا ہوتی ہے اور حرکت کے ذریعے مادہ کی ریڑھ سے بذریعہ اندرونی نالی نطفہ اسی کے رحم میں چلا جاتا ہے۔ سوائے بطخ کے سب جانوروں کا یہی حال ہے۔ کئی دفعہ اس ہوا کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ مرغی مرغے کے بغیر بھی انڈے دیتی رہتی ہے جس کا ہم نے تجربہ کیا ہے کہ بعض مرغیوں کو مرغ سے بالکل جدا رکھا گیا اور اچھی گرم خوراک دی گئی تو اس نے انڈے شروع کر دیئے۔ اسی طرح برساتی کیڑے کیچوے اس کے اندر مذکر مونث دونوں کی قوت ہوتی ہے اس کا علیحدہ مذکر کوئی نہیں ہوتا نہ اس کو مذکر کی حاجت۔ روح البیان جلد دہم نے صفحہ نمبر ۳۹۸ پر فرمایا کہ چونکہ مرد کا نطفہ پیٹھ سے آتا ہے عورت کا سینے سے اس لیئے مرد والد اولاد کے لیے مشقتیں کرتا ہے اور ماں شفقت کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَمِنْ ذَالِکَ یَتَحَمَّلُ الْوَالِدُ مَعُوْنَۃَ الْوَلَدِ وَتَشْتَدُّ رِقَّۃُ الْوَالِدَۃِ وَمُحَبَّتُہَا لِلْوَلَدِ۔ (ترجمہ):۔

ترجمہ وہی ہے جو اوپر گزرا۔ مگر چوپایہ مذکر جانور میں چونکہ نطفہ نہ سینے سے آتا ہے نہ ریڑھ سے اس لیے مذکر حیوان بچے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس تمام گفتگو سے یہ ثابت ہوا کہ جانوروں میں اصل والدہ ہے۔ انسانوں میں اصل والد ہے۔ اس لیئے ایک مادہ میں جتنے بھی مذکر نطفے جائیں اولاد حلالی اور پاک رہے گی بخلاف انسان کے۔ خیال رہے کہ جسم انسان میں پیدائش کے نظام کی تکمیل کے لیے مرد مذکر میں تین چیزیں ہوتی ہیں ۱ نطفہ ۲ منی ۳ مذی۔ ان تینوں کا مقام علیحدہ علیحدہ ہے۔ نطفے کا مقام ریڑھ کی ہڈی ہے اور اس کی ایک باریک نالی دو منہ والی منی کی نالی کے ساتھ جڑی ہوئی آلۂ تناسل تک آتی ہے۔ پھر دو حصوں میں تقسیم ہو کر آلے کے دائیں بائیں متصل ہوتی ہے ایک حصے میں نر جراثیم اور دوسرے حصے سے مادہ جراثیم نکلتے ہیں۔ منی کی نالی اس سے علیحدہ ہو کر ذکر کے بالکل نیچے ہوتی یہ بہت نازک ہوتی اس کے ساتھ بالکل مذی کی نالی ہوتی ہے اور اس سے اوپر پیشاب کی نالی ہوتی منی کی نالی کے ساتھ تین پٹھے ہوتے ہیں جس میں نرمی سختی پیدا ہوتی ہے۔ گویا آلۂ تناسل چار نالیوں اور تین پٹھوں کا مجموعہ ہے۔ اگر دائیں بائیں کی رگیں کاٹ دی جائیں تو پیدائشی جراثیم جس کو نطفہ کہا جاتا ہے بند ہو جاتا ہے۔ پھر اس مرد کی اولاد نہیں ہوتی لیکن منی نکلتی رہتی ہے۔ انسانی عورت کا نطفہ اس کے پستانوں میں ہوتا ہے۔ اسکی بھی دو نالیاں ہوتی ہیں وہ دونوں فرج داخلی سے لوٹ کر پھر رحم میں چلی جاتی ہیں۔ اگر یہ دونوں نالیاں بھی کاٹ دی جائیں تب عورت کے اولاد نہیں ہوتی۔ مرد کا نطفہ لمبے کیڑے کی شکل ہوتا ہے جس کو سائنسی زبان میں جرثومہ کہا جاتا ہے۔ اسی شکل پر مذکر حیوان کا نطفہ ہوتا ہے۔ مادہ خواہ عورت ہو یا گائے بھینس بکری یا کوئی پرندہ یا کیڑے مکوڑے ان کا نطفہ مثل انڈے کے گول ہوتا ہے۔ ہاں مسکن اور جائے رہائش علیحدہ ہوتا ہے کہ عورتوں کے پستانوں کے درمیان پرندہ مونث کی ریڑھ کی درمیانی مقام جہاں انڈوں کا گچھا ہوتا ہے۔ چوپایہ مونث میں ریڑھ کے آخری سرے دم کے پاس۔ مذکر چوپایہ میں مخزنِ منی میں ہی اس کا نطفہ ہوتا ہے ایک صحبت سے مذکر کے نطفے ہزاروں کی تعداد میں نکل آتے ہیں۔ جن میں سے ایک رحم میں چلا جاتا ہے اور باقی ضائع ہو جاتے ہیں۔ مونث کا نطفہ ایک صحبت میں ایک ہی انڈا نکل کر رحم میں آجاتا ہے۔ انسانی عورت کا صحبت کے وقت آتا ہے لیکن دیگر جانوروں کا اس گرمی کی وجہ سے صحبتِ نر سے پہلے ہی رحم میں آجاتا ہے۔ جو گرمی مقررہ وقت میں مادہ حیوان کو پہنچتی ہے۔ جس کو پنجابی میں برلنا کہا جاتا ہے۔ اسی فرق کی بنا پر انسانوں میں بیک دم انزال قیام حمل کے لیے ضروری ہے۔ لیکن جانوروں میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ بدیں وجہ جانوروں میں مصنوعی نسل کشی کارگر ثابت ہوئی کیونکہ مادہ کا نطفہ تو اس کے رحم میں پہلے ہی جا چکا ہے اب صرف مذکر نطفے کی ضرورت ہے خواہ وہ کسی طرح بھی ڈال دیا جائے۔ بخلاف عورت کے کہ اس کو مرد کی صحبت نے گرمی پہنچائی ہے جس سے اس عورت کا نطفہ پستانوں سے منتقل ہو کر رحم میں آئے گا۔ چونکہ طبی ڈاکٹری تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے

کر نر کے ملاپ کے بغیر بھی ٹیکے کے ذریعے مذکر نطفہ رحم میں ڈالنے سے حمل ٹھہر جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے سورۃ نجم۔ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَ الْاُنْثٰی مِنْ نُّطْفَۃٍ اِذَا تُمْنٰی (ترجمہ) پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے جوڑا نر و مادہ نطفے سے جب وہ نطفہ منی کے ساتھ رحم کے اندر ڈالا جائے۔ لفظِ تُمْنٰی بتا رہا ہے کہ صرف وطی ہی سے نطفہ رحم میں نہیں جاتا بلکہ اور بھی بہت سے طریقوں پر نطفہ اندر ڈالا جا سکتا ہے۔ اگر صرف مذکر کی وطی سے ہی نطفہ اندر جاتا ہوتا تو لفظِ تُمْنٰی اور دوسری جگہ مِنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی نہ فرمایا جاتا بلکہ وطی فرمایا جاتا۔ اور میری ذاتی تحقیق کے مطابق یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کسی مصنوعی گرمی کے ذریعے عورت کو گرم کر دیا جائے پھر خاوند کا نطفہ روئی میں لپیٹ کر بیوی کے رحم میں رکھ دیا جائے تو حمل ثابت ہو جائے گا اور بچہ حلالی ہوگا۔ مگر فی الحال یہ بات تجربوں سے عاری ہے اور عبث بھی۔ اگر کسی اور مرد کا یا جانور کا نطفہ عورت کے رحم میں رکھا گیا تو بچہ حرامی ہوگا خواہ انسانی بچہ ہو یا مسخ شدہ۔ دوسری چیز منی ہے۔ منی کا مخزن مذکر انسان یا حیوان کے فوتوں میں ہوتا ہے۔ مونث حیوان کی اور تمام پرندوں کی منی نہیں ہوتی۔ عورت کی منی اس کی فرج داخلی کے پاس ہوتی ہے فم رحم کے قریب۔ منی غذاؤں سے بنتی ہے۔ جب طبی دنیا میں پہنچ کر انسان ذی عقل اپنے نفس میں غور کرتا ہے تو قدرت کے شاہکار دنیا میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اور ورطۂ حیرت میں عاجز رہ جاتا ہے کہ خلاقِ کائنات نے جسم انسانی میں کتنا عظیم کارخانہ قائم فرمایا۔ خود انسان جس نے آسمانوں پر پروازیں شروع کر دیں اپنے اندر نہیں جانتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اسی لئے عقلاءِ کائنات کو حکم دیا جا رہا ہے۔

اے لوگو اپنی ذات میں کیوں غور نہیں کرتے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

عشق و معرفت کی تو وادی ہی جدا ہے۔ خود طلسمِ عقل سے انسان کو اپنے اندر سے بہت کچھ مل جاتا ہے۔ جب انسان غذا کھاتا ہے تو چار مرتبہ نظام ہضم کا ورود ہوتا ہے۔ پہلا مرتبہ ہضمِ فضلہ۔ دوسرا مرتبہ ہضمِ معدہ۔ تیسرا مرتبہ ہضمِ کبدی۔ چوتھا مرتبہ ہضم دموی۔ جب غذا کھائی جاتی ہے تو سیدھی معدہ میں جاتی ہے جہاں اس کے تین حصے ہو جاتے ہیں۔ ایک حصہ فضلہ بن کر دبر سے نکلتا ہے۔ ایک حصہ گردوں کے راستے مثانے میں چلا جاتا ہے جس سے کچھ پیشاب بنتا ہے اور کچھ ودی بن جاتا ہے۔ اور تیسرا حصہ عمدہ کہلاتا ہے یہ عمدہ حصہ کلیجی میں آجاتا ہے جہاں یہ تین حصوں میں پھر تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایک حصہ ریشہ بن جاتا ہے ایک پانی اور ایک خون۔ خیال رہے کہ غذاءِ انسانی حیوانی میں چار عنصر موجود ہوتے ہیں۔ آگ ہوا مٹی پانی۔ پس جس غذا میں جس عنصر کی زیادتی ہوتی ہے وہ غذا اسی نام سے موسوم ہوتی ہے۔ اور اسی عنصر کا اثر جسم انسانی پر خاص طور سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں ترکاری بادی ہے فلاں سرد۔ فلاں خشک فلاں معتدل وغیرہ۔ یہ انہیں عناصر کے غلبے کے نام ہیں۔ پھر اس غذا سے حاصل شدہ پانی گوشت سے لگ جاتا ہے اور ریشہ ہڈیوں سے اور خون دل میں۔ پھر خون کے تین حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ خالص خون جو جسمانی رگوں میں

جاکر جسم کی پرورش کرتا ہے۔ اسی کی صحت پر جسمانی صحت اور موت وحیات وابستہ ہے۔ دوسرا حصہ بلغم جو سینے پر جمع ہوتا ہے اور دماغی ہڈیوں کو پرورش دیتا ہے۔ تیسرا حصہ منی مخزنِ منی جو آئندہ نسلی جراثیم کی ڈیوٹی سنبھالتی ہے۔ غذا کی ساری گرمی اسی میں آجاتی ہے۔ اس کی حدت کی بھاپ سے پسینہ آتا ہے۔ اس کو مذی کہا جاتا ہے۔ یہ ہے قدرت کے کارخانے کا وہ کام جو ہماری غذا سے باری تعالیٰ نے ہمارے اندر تیار فرمائے۔ کون ہے جو اس کے اس شاہکار اور صنعاتِ ہشت کا مقابلہ تو درکنار کما حقہٗ سمجھ ہی سکے۔ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔ پاک ہے وہ ذات جس کے قبضے میں ملک ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یہ ہی وہ غذائیں ہیں جن سے نسلوں کی حفاظت کے لیئے جسمِ انسانی کے باطن کو کارخانۂ قدرت بنا دیا۔ اور اسی حفاظتِ غذا کے لیئے ظاہر میں چار ڈاکٹر مقرر فرمائے۔ پہلا ڈاکٹر ہاتھ کہ جو سرد گرم معلوم کر کے قابلِ برداشت بنا کر آگے روانہ کرتا ہے۔ اِس لیئے اسلام نے ہاتھ سے کھانے کا حکم دیا ہے۔ اور ہاتھوں کو دھونے کا حکم دیا کہ دستی غلاظت سے غذا ملوث نہ ہو۔ دوسرا ڈاکٹر ناک ہے جو سڑے بھسے بدبو خوشبو کا تھرما میٹر ہے۔ اور آگے جانے سے پہلے بتا دیتا ہے کہ یہ کھانا کیسا ہے صحت مند ہے یا مضر۔ تیسرا ڈاکٹر دانت ہے جو منہ میں جاتے ہی فوراً بتا دیتا ہے کہ یہ نوالہ کنکر مٹی والا ہے یا صاف ستھرا۔ پھر آگے بڑھاتا ہے تو چوتھا ڈاکٹر زبان سامنے آجاتی ہے جو کڑواہٹ کھٹاس بدمزگی ظاہر کر کے اندر جانے کی اجازت یا رکاوٹ کرتی ہے۔ قربان جاؤں اس اَحسنُ الخالقین ربِ کریم کے جس نے بلا عوض صرف نطفۂ انسانی اور بقاءِ آدمیت کے لیئے بیرون اتنے ڈاکٹر اور اندرون میں ایسا کارخانہ بنایا۔ یہ تو انسانی تحقیق تھی کہ یہاں عقلِ انسانی کی پہنچ ہے۔ مگر اصل نطفہ کی حقیقت نے تو سب کو ورطۂ حیرت میں ڈالا ہوا ہے۔ نہ فلسفی جان سکا نہ سائنسدان نہ طبیب کی فہم پا سکا نہ ڈاکٹر کی عقل پہنچ سکی نہ اِدراک۔ سب عقلیں دوڑا کر تھک چکے۔ کسی نے کہا کہ نطفہ کاربن کیلشیم اور سوڈیم ان مادوں سے مل کر بنا ہے یہ موجودہ بے وقوف سائنس والوں کی بات ہے۔ بعض قدیم سائنس والوں نے کہا کہ نطفہ ایک کیمیاوی گیس سے پیدا ہوا۔ متقدمین فلاسفہ نے کہا کہ نطفہ ہماری خوردہ غذاؤں اور ماکولات سے بنتا ہے۔ مگر یہ سب اختراعی باتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہی ہے کہ هٰذَا شَيْءٌ لَا يَصِلُ إِلَيْهِ فَهْمُ الْعُقَلَاءِ وَلَا يَعْلَمُوْنَهُ وَإِنَّمَا هُوَ بِقُدْرَةِ اللهِ تَعَالَىٰ وَخَلْقِهِ لَا بِفِعْلِ الطَّبِيْعَةِ (ترجمہ) (اربعہ تفاسیر جلد ششم ص۱۱) یہ نطفہ ایسی چیز ہے کہ جس کی حقیقت میں عقلاء کا فہم نہیں پہنچ سکتا نہ وہ اس کو جانیں، یہ تو اللہ خالق مالک کی عجیب قدرت سے ہی ہے اور اس کی پیدائش ہی ہے نہ کہ طبعی افعال سے۔ منی مذی ودی تو غذاؤں سے بن جاتی ہے مگر نطفہ اصلیہ نومولود بچے کے ساتھ ہی اس کی ریڑھ وغیرہ مسکنوں میں کروڑوں کی تعداد میں اول ہی ودیعت رکھا ہوتا ہے، گویا کہ ہر نومولود بچہ پیدا ہوتے ہی باطنی طور پر کروڑوں بچوں کا باپ اور ماں بنا ہوتا ہے۔ اب جب کہ رحمِ مادر میں دونوں

نطفے والدہ والد کا جمع ہو گئے۔ مذکر کے جراثیم نے مادہ کے بیضہ کو پکڑنے کی کوشش کی اگر وہ مونث کا انڈا چھوٹا ہو تو یہ توڑ کر کھا جائے گا۔ اس طرح لڑکا یعنی نر حمل بنے گا اور اگر انڈا بڑا ہوا تو یہ مذکر جرثومہ اس انڈے میں داخل ہو گا اور حمل مونث پیدا ہو گا۔ تفسیر صاوی جلد چہارم صفحہ نمبر ۲۳ پر ہے۔ فَمَاءُ الرَّجُلِ غَلِيظٌ اَبْيَضُ وَمَاءُ الْمَرْاَةِ رَقِيقٌ اَصْفَرُ فَاَيُّهُمَا عَلَا كَانَ الشَّبَهُ لَهُ وَاِنْ سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ كَانَ الْوَلَدُ ذَكَرًا وَعَكْسُهُ اُنْثٰى وَاِنِ اسْتَوَيَا فَخُنْثٰى مُشْكِلٌ یہ لڑائی چالیس گھنٹے یعنی دو دن اور دو راتیں ہوتی رہتی ہے۔ پھر جس کو میرا رب غلبہ عطا فرمائے یہاں تک کہ لوتھڑا بن جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا پھر باپ کے نطفے سے ہڈی پٹھے اور ماں کے نطفے سے گوشت بال وغیرہ (روح البیان جلد دہم ص۲۶) مگر حیوانات میں اس کا عکس ہوتا ہے۔ نطفہ چونکہ ابتدائی جزئیات میں سے ہے اس لیئے ماں باپ کی نسلیت کا اس پر بہت اثر ہوتا ہے کہ گویے کا بیٹا پیدائشی گویا ہوتا ہے۔ عالم کا بیٹا علم کی طرف راغب ہوتا ہے اور اس کے خیالات بھی عاقلانہ ہوتے ہیں۔ بادشاہ کی اولاد بادشاہی طبیعت ہی رکھتی ہے ذاکر والدین کے نطفے بھی ذاکر ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض پیدائشی اولیاء اللہ کے نطفوں میں ذکر الٰہی کی خوشبو رچ بس گئی۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد پنجم صفحہ نمبر ۵ پر ہے۔ يُحْكٰى اَنَّ بَعْضَ اَهْلِ الرِّيَاضَةِ المحققين مِنْ اَهْلِ التَّوْحِيْدِ الْحَقَّانِيْ كَانَ يُشَمُّ مِنْ فُضْلَاتِهِمْ رَائِحَةُ الْمِسْكِ (الخ) فَرِحْمُ مِنَ النُّطْفَةِ صُوْرَةً وَمِنَ النُّوْرِ مَعْنًى۔ ترجمہ حکایت ہے کہ بعض اولیاء اللہ کے فضلات یعنی نطفوں میں مشک کی خوشبو آتی تھی (الخ) پس وہ ظاہر میں نطفہ ہے باطن میں نور ہوتا ہے۔ علامہ قزوینی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب عجائب مخلوقات دوم میں صفحہ نمبر ۹۲ پر بقراط فلسفی کی تحقیق درج کی ہے۔ اِنْ جَرَتْ مِنْ يَمِيْنِهِ اِلٰى يَمِيْنِهَا كَانَ الْوَلَدُ ذَكَرًا تَامًّا الذُّكُوْرَةِ وَاِنْ جَرَتْ مِنْ يَسَارِهِ اِلٰى يَسَارِهَا كَانَ الْوَلَدُ اُنْثٰى تَامَّ الْاُنُوْثَةِ (الخ) ترجمہ اگر مذکر نطفہ مونث نطفہ کے دائیں سمت سے ملاپ کرے اور اس کو توڑے تو نر پیدا ہوتا ہے۔ مکمل طور پر اور اگر بائیں سمت سے ملاپ کرے تو حمل مونث پیدا ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ سب قدرت کی صناعی ہے جس کو حقیقتاً کوئی نہیں جان سکا۔ کرشمۂ قدرت تو دیکھئے کہ باری تعالیٰ نے رحم کی تھیلی ایسی پیدا فرمائی کہ اس کی حقیقت کو آج اس تحقیقاتی دور میں کوئی نہیں جان سکا۔ ایکسرے سکرین میں انسانی حیوانی جسم کی تمام جزئیات ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مگر رحم کے اندر کا حال سکرین بھی نہیں بتا سکتی۔ چنانچہ خود باری تعالیٰ اپنی خصوصیات میں ارشاد فرماتا ہے۔ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ترجمہ وہ اللہ رحم کے اندر کی چیز کو بھی جانتا ہے۔ خصوصیت سے اسی لیئے ذکر فرمایا کہ اس کی حقیقت کو بھی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ انسانی عقل تو صرف اتنی تجرباتی تحقیق کر سکتی ہے کہ مصنوعی طریقے سے مذکر کا نطفہ رحم میں ڈال دے۔ اور دیگر بہت سی ایجادات کی طرح یہ ایجاد بھی مسلمان عربوں کی ہے۔ جس کا اعتراف خود عیسائی انگریزوں کو ہے۔ چنانچہ وہ مشہور انگریز ڈاکٹر مرایڈ

ویبسٹ اپنی ڈکشنری بلیکس ڈیٹرزی پانچویں ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۵۸۵ دوسرے کالم تیسری سطر میں لکھتا ہے کہ آج سے پانچ سو سال پیشتر مصر کے عرب سائنس دان نے روئی کے ذریعے عربی گھوڑوں کا نطفہ دوسرے ملک بھیجا اور اس کے ذریعے عربی گھوڑوں کی نسل برآمد کی۔ ان سے انگریز ڈاکٹروں نے یہ طریقہ سیکھا اور مزید تحقیق کی۔ یہاں تک کہ آج قریہ قریہ مصنوعی طریقوں سے نسل کشی کی جارہی ہے۔ اور حیوانات میں یہ طریقہ قانونِ شرعیہ کے مطابق بالکل جائز ہے جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا۔ بلکہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر فی زمانہ مفید ہے۔ ہاں انسانوں کو یہ کام قطعاً حرام ہے۔ اگر غیر مرد دیگر انسانوں سے ہو۔ یہ حرمت کافر و مسلمان پر یکساں جاری ہوگی۔ اگر کسی کافرہ عورت کے رحم میں بھی غیر خاوند کا نطفہ گیا تو بچہ قانوناً حرامی متصور ہوگا۔ اور خاوند سے نسب ثابت نہ ہوگا نہ وارث بنے گا نہ مورث۔ جانوروں میں جائز ہے۔ خواہ جانور ماکولی ہو یا غیر ماکولی۔ اس کے چند فائدے۔ پہلا فائدہ اس عمل مصنوعی سے ایک دفعہ میں حاصل کردہ نطفے سے ایک سال تک کئی مادہ جانوروں سے بچے لیئے جا سکتے ہیں۔ جس سے بہت سا خرچ بچنے کے ساتھ بلا مشقت بہت سے مویشی پیدا کیئے جا سکتے ہیں۔ جبکہ مذکر کی وطی سے ایک دفعہ کے نطفے سے صرف ایک بچہ حاصل ہوا باقی نطفہ بیکار دوسرا فائدہ اس نسل کشی سے ایک غریب چرواہا بھی بے شمار جانوروں کا مالک بن سکتا ہے۔ تیسرا فائدہ اس عمل سے غیر ملکی اعلیٰ نسل کے حیوانات گھر بیٹھے حاصل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ عربی گھوڑے۔ ولایت کی گائیں جو اپنے بیشمار دودھ کی وجہ سے پاکستانی فارموں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ چوتھا فائدہ مذکر کے مر جانے یا بیمار ہو جانے کے بعد بھی اس کا نطفہ جمع شدہ لے کر اسکی اعلیٰ نسل حاصل کی جا سکتی ہے۔ پانچواں فائدہ لنگڑے اور بوڑھے مذکر حیوان جو وطی پر قادر نہ ہو اس کی اچھی نسل بھی لی جا سکتی ہے۔ غرضیکہ اگر ذرا سی احتیاط کر کے خالص طریقے سے نطفہ حاصل ہو جائے تو دنیوی لحاظ سے بہت فوائد ہیں اور شریعت کے قانون کے مطابق ہر وہ دنیوی فائدہ جو شریعت اسلامیہ سے نہ ٹکرائے وہ شرعاً بالکل جائز ہے۔ لہٰذا دلائل مندرجہ بالا کے تحت چونکہ اس مصنوعی نسل کشی میں شریعت کی کسی طرح مخالفت نہیں ہوتی بدیں وجہ یہ عمل جائز اور فائدہ مند ہے۔

خلاصہ یہ کہ:۔ قانون شریعت کے مطابق سوال مذکورہ میں جس نطفے اور نسل کشی کے جدید طریقے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بالکل جائز اور مباح بلکہ مفید ہے۔ ایسے مادہ جانور کا دودھ بالکل جائز پاک و حلال ہے اور اس کے مولودہ بچے کا گوشت حلال و طیب ہے۔ ہاں اس طرح نسل کشی انسانوں میں شرعاً قطعاً جائز نہیں۔ بلکہ فعل حرام اور اولاد حرامی ہوگی۔ بجز خود خاوند کے نطفے کے کہ اگر خاوند کا نطفہ روئی یا کپڑے میں لپیٹ کر بیوی کے رحم میں رکھ دیا جائے اور حمل ٹھہر جائے تو نسب ثابت ہوگا اور حمل نو مولودہ بچہ حلالی متصور ہوگا۔ حیوانات و انسانات کی یہ تفریق اس لیئے ہے کہ جانوروں اور انسانوں میں خلقتاً اور شرعاً پانچ طرح فرق ہیں۔

پہلا فرق یہ ہے کہ انسانوں میں نسل دراصل باپ سے چلتی ہے حیوانوں میں ماں سے۔ اسی لیے انسانوں میں یتیم وہ بچہ ہے جس کا باپ مر جائے۔ جانوروں میں یتیم وہ بچہ ہے جس کی ماں مر جائے۔ اور حیوانوں میں بچہ اور حمل والدہ کا اور والدہ کے مالک کا ہوتا ہے۔ مگر انسانوں میں بچہ اور حمل باپ اور باپ والوں کا ہوتا ہے۔ اسی طرح تفسیر صاوی جلد اول ص۳۹ تفسیر روح البیان جلد اول ص۱۲۲ روح المعانی جلد اول ص۱۳۳ پ اول پر ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ تمام جاندار مخلوق میں انسان میں نر اور حیوانات میں مادہ کا نطفہ شدید تر قوت والا ہے اور دوسری طرف عورت کا نطفہ اور مذکر حیوان کا نطفہ غیر قوت والا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں میں وطی کی رغبت مرد کی جانب سے ہوتی ہے اور عورت میں شہوت کم ہے اور مرد میں زیادہ ہے۔ مرد جب چاہتا ہے وطی کر لیتا ہے اور حمل ٹھہر جاتا ہے عورت کو مرد مائل کرتا ہے بخلاف حیوانات کے کہ ان میں مادہ جانور وقت مقررہ پر خود رغبت اور خواہش رکھتی ہے۔ تب مذکر حیوان مائل بصحبت ہوتا ہے۔ اگر مادہ جانور کو خواہش نہ ہو تو مذکر حیوان کبھی بھی وطی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ تجربات نے بھی ثابت کیا ہے اور کتاب فیضاءٔ الابصار فی حدۃ الباہ ص۱۵ پر ہے۔ تیسرا فرق یہ کہ انسانی نطفہ جس رحم میں بھی جائے گا انسانی نسل ہی پیدا ہوگی۔ عورت کے رحم میں جائے یا گائے بھینس بکری کے رحم میں۔ بخلاف جانوروں کے کہ ان کے مذکر کا نطفہ اپنا اثر کم دکھاتا ہے وہاں مادہ کا اثر زیادہ نمودار ہوتا ہے اور اگرچہ کتا یا بھیڑیا بکری سے وطی کرے مگر اکثر بکری کی نسل ہی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح کتب فقہا میں لکھا ہے اور تجربہ و مشاہدہ بھی یہی ہے چنانچہ ۱۹۷۸ء ۷ جولائی جنگ اخبار راولپنڈی ص۲ کالم ۴ پر اسی طرح خبر تھی کہ ہندوستان کے ایک شہر بیجاپور ضلع دھار دار میں ایک بکری نے بالکل انسانی بچہ جنم دیا یہ کسی انسانی وطی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ پہاڑی علاقوں میں اکثر بھیڑیے اور کتے بھی بکریوں سے صحبتیں کر لیتے ہیں مگر بچہ مولود بکری کی ہی نسل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر انسان مرد کسی جانور سے وطی کرے تو فوراً جانور مادہ کو ذبح کر کے دفن کر دو۔ یا جلا کر ختم کر دو تا کہ نسل انسانی حیوان سے پیدا نہ ہو مگر ایک حیوان مذکر دوسری نسل حیوان مادہ سے صحبت کرے تو کوئی سزا نہیں نہ مادہ ذبح کی جائے نہ اس کا بچہ حرام ہو۔ جیسا کہ فتاویٰ شامی اور دیگر کتب فقہا نے لکھا ہے۔ اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم صفحہ نمبر ص۲۹۷ پر ہے۔ چوتھا فرق یہ ہے کہ نسل انسانی میں نطفہ ریڑھ کی ہڈی میں ہے۔ عورت کا نطفہ پستانوں کے پاس سینے کی ہڈیوں میں ہے۔ جانوروں میں مذکر کا نطفہ خصیتین میں مادہ کا نطفہ پشت میں۔ جس کا دوسرا نام ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اسی وجہ سے نسلِ حیوانی مونث والدہ سے چلتی ہے اور انسانی نسل باپ سے چلتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے انسانی بچہ بغیر باپ کے نطفے کے ہرگز نہیں پیدا ہو سکتا۔ بخلاف جانوروں کے کہ بہت سے جانور بغیر مذکر کے پیدا ہو جاتے ہیں بلکہ تمام پرندوں کے نطفے فقط ہوا کی مثل ہوتے ہیں۔ نہ مادہ منویہ ہوتا ہے نہ تذکیری جراثیم نہ جرثومے نہ چیز۔ اور بہت دفعہ مرغی بغیر اپنے مذکر کے انڈے دینا شروع ہو جاتی ہے۔ پانچواں فرق یہ ہے کہ عورت کا نطفہ جو انڈے کی شکل کا بے جان

باریک ترین ذرہ ہوتا ہے وہ مرد کی صحبت اور رگڑ سے اپنے مسکن سے منتقل ہو کر رحم میں آتا ہے۔ صحبت سے پہلے نہیں آتا۔ مگر حیوان مادہ کا جو نطفہ باریک انڈے کی شکل کا ہوتا ہے۔ وہ مونث حیوان کی اپنی گرمی اور شدت سے رحم میں وقت مقررہ پر آجاتا ہے تب مادہ جانور کو خواہش ملاپ پیدا ہوتی ہے اسی لیے حیوانی نسل کشی خواہ مذکر حیوان کی وطی کے ذریعے ہو یا نطفہ نکال کر ٹیکے کے ذریعے یا مسلمانوں کے پرانے طریقے کے مطابق جیسا کہ مصنوعی نسل کشی کا طریقہ سب سے پہلے عرب مسلمانوں نے عربی گھوڑوں کی نسل کشی برآمد کرنے کے لیے مذکر گھوڑے کا نطفہ روئی میں محفوظ کر کے ولایت کی گھوڑیوں میں داخل کیا جس کے نتیجے میں عربی گھوڑے اور گھوڑیاں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ ڈاکٹر انگریز ملٹرابنڈ ویسٹ اپنی ڈکشنری بیکس ریٹرنری کے پانچویں اڈیشن صفحہ نمبر ۵ کا نمبر ۲ سطر ۳ میں لکھتا ہے کہ آج سے پانچ سو سال پیشتر مصر عرب کے مشہور سائنس دان نے روئی کے ذریعے گھوڑے کا نطفہ گھوڑی کے رحم میں ہاتھ سے داخل کیا جس سے حمل ٹھہر گیا۔ مسلمانوں کی اسی ایجاد کو دیکھ کر عیسائیوں نے نئے تجربات کیے اور آج یہاں تک نوبت پہنچی کہ ایک دفعہ کا نطفہ کشید کر کے تقریباً چالیس پچاس ٹیکے بنا کر ایک سال تک کم ترین درجہ حرارت کی فریج میں محفوظ کر کے بوقت ضرورت مادہ گائے بھینس بکری کو لگا کر حاملہ کر دیتے ہیں۔ اور انڈے کی صرف سفیدی تھوڑا گلوکوز تھوڑا اسی نطفے کی نسل کا دودھ ملا کر نطفے کے ہزارہا نسلی جراثیوں کو تقسیم کر کے ایک نطفے سے پچاس ٹیکے بنا لیتے ہیں جو پچاس مؤنثوں کے کام آتے ہیں۔ نطفہ مذکر حیوان کا ہی ہوتا ہے۔ کسی مصنوعی طریقے سے نہیں بنایا جاتا۔ صرف اسی [illegible] مندرجہ بالا انڈے کی سفیدی وغیرہ ملا کر مصنوعی منی بنا لی جاتی ہے تاکہ نطفے کے جراثیم بڑھ کر خوراک حاصل کرتے رہیں۔ اور سال بھر تک ٹیکے میں زندہ رہیں۔ ٹیکہ ایک ربڑ کی چھوٹی ٹیوب کی شکل کا ہوتا ہے۔ جب مادہ جانور بھینس یا گائے بولتی ہے تو اس پر مذکر حیوان اسی نسل کا اسی طرح چھوڑا جاتا ہے کہ اس کے آلہ تناسل پر فرج کی طرح کی ٹیوب باندھ دیتے ہیں۔ جب مذکر حیوان چڑھتا ہے تو اس کا آلہ تناسل مادہ کی فرج میں نہیں جاتا کیونکہ ٹیوب رکاوٹ بنتی ہے۔ وہ سارا نطفہ آلہ تناسل سے نکل کر ٹیوب میں جمع ہو جاتا ہے۔ پھر ٹیوب اتار کر لیبارٹری میں جا کر تقسیم کر کے بہت سے ٹیکے بنائے جاتے ہیں۔ لہٰذا قانونِ شرعی کے مطابق حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔ پس یہ مصنوعی نسل کشی موجودہ مذکورہ بالا طریقے سے بالکل جائز ہے۔

اور چونکہ اس کے بہت سے فائدے ہیں اس لیے بھی جائز ہے۔ کیونکہ شریعت مطہرہ میں ہر وہ چیز جائز ہے جو مفید ہو اور شریعت کے مخالف نہ ہو۔ پس چونکہ یہ طریقۂ نسل کشی [illegible] شریعت اسلامیہ کے کسی طرح مخالف نہیں بلکہ عین مطابق ہیں اس لیئے بالکل جائز ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم

کتبہ

کتاب الایمان

درود خضری کیا ہے؟ انبیاء کرام اور ملائکہ کا درود شریف

سوال نمبر ۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ۱۔ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے "بارِ شادِ اللہ جلّ مجدہٗ" برائے حق مہر سیدتنا حضرت حوّا رضی اللہ عنہا جو درود شریف پڑھا تھا وہ کیا تھا۔ ۲۔ درود شریف خضری کو خضری درود کیوں کہتے ہیں؟ ۳۔ مقدمین و مؤخرین حضرات کے زمانہ کی ابتداء و انتہا نیز ان کی وجہ تسمیہ کی حکمت سے آگاہ فرمائیے۔

محمد یعقوب خطیب جامع مسجد فیضِ مدینہ کاموں کے ضلع گوجرانوالہ

بعونِ العلّامِ الوہّاب

الجواب

(۱) مفسرین کرام اس بارے میں اختلاف فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا وہ مہر کیا تھا جو آپ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت حوّا کو عطا فرمایا بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ مہر سونا چاندی تھا جو آپ جنت سے لے کر آئے۔ اور حضرتِ حوّا کو عطا فرمایا۔ حضرت حوا نے اس کو زمین میں دفن کر دیا۔ وہاں سے اللہ تعالٰے نے اسی سونے چاندی کو اتنا بڑھایا کہ سونے چاندی کی کانیں بن گئیں۔ دنیا میں اس سے پہلے سونا نہیں تھا اسی سونے سے دنیا میں سونے چاندی کی ریل پیل ہو گئی چنانچہ تفسیر در منثور جلد اوّل ص ۵۶ پر علامہ جلال الدین سیوطی عبدالرحمٰن بن ابی بکر مطبوعہ مصر فرماتے ہیں۔ وَاَخْرَجَ اِبْنُ عَسَاکِرٍ مِنْ طَرِیْقِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَّا خَلَقَ الدُّنْیَا لَمْ یَخْلُقْ فِیْھَا ذَھَبًا وَّلَا فِضَّۃً فَلَمَّا اَھْبَطَ... یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ مَنْفَعَۃً لِاَوْلَادِھِمَا مِنْ بَعْدِھِمَا وَجَعَلَ ذٰلِکَ صِدَاقَ اٰدَمَ لِحَوَّآءَ فَلَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّتَزَوَّجَ بِلَا صِدَاقٍ۔ اس روایت کی بنا پر بعض مفسرین حضرتِ حوّا کا مہر جنت کا سونا چاندی بتاتے ہیں اور اسی بناء پر مندرجہ ذیل چند لطائف

مستنبط ہیں :-

نمبر (۱) سب سے پہلے حضرت حوّا نے خزانہ جمع کیا۔ نمبر (۲) سونا چاندی جنت کی دولت ہے اسی لیے قیمتی ہے اور اس کو فنا نہیں۔ (۳) دنیا میں صرف عورت کے لیے سونا چاندی آیا اسی لیے دنیا میں مرد پر حرام ہے (۴) جنت اصل مقام مرد کا ہے عورت صرف اس کے دل بہلاوے کے لیے ہے اس لیئے جنت میں مرد پر جنتی دولت سونا چاندی حلال ہے۔ جیسے کہ سب فقہاء اسلام فرماتے ہیں (۵) :- جنت سے بہت سی چیزیں حضرت آدم علیہ السلام اپنے ساتھ لے کر زمین پر تشریف لائے جس میں حجر اسود تمام غذاؤں کے بیج۔ اور خوشبوؤں کے بیج بھی شامل تھے۔ مگر سونا چاندی حضرت حوّاء لے کر آئیں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا اشارۃ النص سے ثابت ہے۔ اسی لیئے عورتوں کو سونے سے زیادہ پیار ہے۔ (۶) :- چونکہ حضرت حوّا سرزمین عرب میں نازل ہوئیں۔ اس لیے سونے چاندی اسی اطراف میں زیادہ ہیں۔ اور حضرت آدم ہندوستان کی سرزمین میں تشریف لائے اس لیے خوشبویات غذائی پیداوار وغیرہ اسی کشمیر وغیرہ کے علاقہ میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ یہ تمام علماء کرام و محققین و مدققین کے بیان کردہ لطائف تھے۔ اس مندرجہ روایت کی بناء پر۔ مگر جمہور فقہاء و محققین فرماتے ہیں کہ حضرت حوّا کا مہر درود شریف تھا۔ اسی مسلک کی بناء پر بعض علماء نے تفسیر درِ منثور کی بالا روایت کو ضعیف قرار دیا اور ضعف کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ ابن عساکر اس روایت کی سند میں ہے۔ حالانکہ ابن عساکر ضابطہ اور حافظہ کے اعتبار سے تمام محدثین کے نزدیک کمزور ہیں اس لیئے یہ مذکورہ روایت ضعیف ہے۔ درِ منثور کی یہ روایت مسلکِ جمہور کے مطابق نہیں اسی لیئے کسی مفسر نے اس روایت کو اپنی کتب میں نہ لکھا۔ مگر مسلکِ صحیح جمہور بہت سی کتب میں مرقوم ہے۔ چنانچہ حضرت محقق عالم صوفی باصفا علامہ یوسف بن اسماعیل نبھانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب سعادۃ الدارین صـ ۸۸ پر فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام جب نیند سے بیدار ہوئے تو حضرت حوّا کو پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ قَالَ یَا رَبِّ مَا ھِیَ قَالَ حَوَّآءُ قَالَ یَا رَبِّ زَوِّجْنِیْ مِنْھَا قَالَ ھَاتِ مِھْرَھَا قَالَ یَا رَبِّ مَا مِھْرُھَا قَالَ تُصَلِّیْ عَلٰی صَاحِبِ ھٰذَا الْاِسْمِ عَشْرَ مَرَّاتٍ قَالَ یَا رَبِّ اِنْ فَعَلْتُ اَتُزَوِّجُنِیْھَا قَالَ نَعَمْ فَصَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ عَشْرَ مَرَّاتٍ فَکَانَ مِھْرُھَا :- یعنی اللہ تعالیٰ نے دس مرتبہ آدم علیہ السلام سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھوایا۔ تفسیر عزیزی جلد اوّل صـ ۲۲۷ پر ہے حکم رسید کہ دست باو مرساں تا وقتیکہ مہر اُو را ادا نہ کنی (حضرت آدم علیہ السلام) عرض کرد کہ مہر چیست حکم شد (الخ) پس حضرت آدم علیہ السلام

وہ یا محمد و آلِ محمد۔ بس اسی طرح نزہۃ المجالس جلد دوم صفحہ ۱۸۹ پر ہے مگر وہاں تین مرتبہ درود شریف کا ذکر ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ فَقِيْلَ لَهٗ حَتّٰى اَنْ تُؤَدِّيَ مَهْرَهَا قَالَ وَمَا هُوَ قَالَ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ مشہور کتاب طہارت القلوب جلد دوم صفحہ ۱۱۳ فَقَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مَهْ يَا اٰدَمُ فَقَالَ لِمَ وَقَدْ خَلَقَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى لِيْ فَقَالُوْا حَتّٰى تُؤَدِّيَ مَهْرَهَا قَالَ مَا مَهْرُهَا قَالُوْا اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ کتاب مواہبِ لدنیہ جلد اوّل صفحہ ۱۰ پر بھی اسی طرح تین مرتبہ درود شریف مہر حوا کا ذکر ہے۔ لیکن ابن جوزی اپنی کتاب سلوۃ الاحزان میں دس مرتبہ درود شریف کا ذکر فرماتے ہیں۔ تفسیر صاوی پہلی جلد صفحہ ۲۲ پر بھی تین مرتبہ آدم علیہ السلام کے درود شریف پڑھنے کا ذکر ہے۔ بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ جمہور یعنی کثیر فقہاء و محدثین مفسرین محققین کا یہی مسلک ہے کہ حضرتِ حوا کا مہر درود شریف ہی بنا تھا۔ رہا یہ سوال کہ وہ کونسا درود شریف تھا۔ تو اس کے بارے میں کوئی حتمی تعین ثابت نہیں۔ تین قسم کے درود شریف حضرت آدمؑ کی طرف منسوب ہیں۔ ایک درود وہ جو سب سے پہلے حضرتِ آدمؑ نے زندہ ہوتے ہی پڑھا۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد ہفتم صفحہ ۲۲۳ پر ہے۔ وَاَيْضًا لَمَّا خُلِقَ اٰدَمُ سَمَّاهُ اَبَا مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى جَبِيْنِهٖ فَصَلُّوْا عَلَيْهِ۔ وَقِيْلَ۔ اور کتب عملیات سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے الفاظ یہ تھے وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الدَّاعِيْ اِلَى اللّٰهِ الْقَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِي الْفَلَاحِ وَالنَّجَاحِ۔ وقتِ نکاح بطور مہر بھی آپ نے یہی درود شریف پڑھا۔ اس لیے حکم ہے کہ نکاح کے خطبے میں یہ درود شریف ضرور پڑھا جائے۔ چنانچہ روح البیان جلد ہفتم صفحہ ۲۲۲ پر اسی طرح درج ہے۔ بعض محققین نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام وہی درود شریف پڑھا کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو سکھایا۔ حضرت جبرئیل امینؑ کے درود شریف کے یہ الفاظ ہیں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَوَّلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اٰخِرُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ظَاهِرُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَاطِنُ۔ یہ درود شریف خود حضرت جبرئیل امینؑ نے نبی کریم رؤف الرحیم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو سنایا۔ چنانچہ سعادۃ دارین فی صلاۃ سید الکونین علامہ نبہانی جلد اوّل صفحہ ۲۲۷ پر ہے۔ قَالَ جِبْرَئِيْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَمَرَنِيْ اَنْ اُصَلِّيَ عَلَيْكَ هٰكَذَا الخ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ حضرت جبرائیل کا درود شریف یہ ہے اور سابقہ قول سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم بھی یہی پڑھتے تھے۔ مگر بعض کا قول یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کا ایک ہی درود شریف ہے۔ از حضرت آدم تا حضرت مسیح۔ اور خود پروردگار عالم تعلیم فرماتا رہا۔ سعادۃ دارین فی صلاۃ سید الکونین کے صفحہ ۲۲۰ پر لکھا ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ میں کونسا درود شریف پڑھوں تب اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ تعلیم فرمائے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتِمِ الْاَنْبِيَآءِ وَمَعْدِنِ الْـ…

وَمَنْبَعِ الْاَنْوَارِ وَجَمَالِ الْكَوْنَيْنِ ـ وَشَرَفِ الْحَرَمَيْنِ وَسَيِّدِ الثَّقَلَيْنِ الْمَخْصُوْصِ بِقَابَ قَوْسَيْنِ.
یہ تین درود شریف بعض اقوال سے حضرت آدمؑ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ مگر پہلا درود شریف مہروالا درود شریف ہے۔ اور دوسرے درود کا نام حسب ترتیب صلوٰۃ جبرئیلی، صلوٰت موسوی ہے:۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

(۲) درود خضری حضرت خضر علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کا درود شریف ایک ہے مگر چار نبیوں کا صلوٰۃ علیحدہ ہے۔ ۱ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درود شریف چوتھے آسمان پر۔ ۲ ادریس علیہ السلام کا جنت میں قیامت تک علیحدہ درود شریف ہے۔ ۳ الیاس علیہ السلام کا دنیا میں۔ ۴ حضرت خضر علیہ السلام کا۔ کیونکہ یہ چار حضرات قیامت تک اپنے اپنے مقامات پر زندہ ہیں۔ قریب قیامت وفات ہوگی، اس لیے ان کے درود مختلف ہیں۔ درود خضریؑ کے الفاظ یہ ہیں۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ۔ (۳) چونکہ سائل نے اس سوال میں اپنے مسئولہ کا تعین نہیں کیا اس لیے میں پورے مسئلے کی وضاحت کرتا ہوں۔ دینی مدارس میں جتنے علوم عام مروج ہیں، ان میں سے ہر علم کے علماء کی تقسیم اسی طرح ہے کہ بعض علماء کو متقدمین اور بعض کو متاخرین۔ اور ایک عالم جس نے اس علم میں کوئی بہترین ایجاد یا چھانٹ کی ہو وہ اس تقسیم کا حدِ مرکزی بن جاتا ہے۔ تو جو علماء اس حدِ مرکزی سے پہلے ہوں۔ وہ متقدمین کہلاتے ہیں اور جو بعد میں یا ہم زمانہ ہوں وہ متاخرین کہلاتے ہیں۔ یہی اس تقسیم کی وجہ اور وجہ تسمیہ اور ابتداء وانتہا ہے۔ مگر علوم کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ متقدمین ومتاخرین وحدِ مرکزی بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ چنانچہ علم منطق میں امام رازی نے منطق کو اسلام کے سانچے میں ڈھال کر علمائے منطق کے نزدیک مرکزی حیثیت قائم کی اس لیے امام رازی منطق کے حدِ مرکزی کی حیثیت سے ہیں۔ پس جو اس سے پہلے حکماء اور منطقی ہیں ان کو متقدمین کہتے ہیں جو ان کے بعد ہیں وہ متاخرین۔ اسی لیے شرح تہذیب ص ۸ پر ہے۔ كَمَا زَعَمَهُ الْاِمَامُ الرَّازِيُّ وَاخْتَارَ مَذْهَبَ الْقُدَمَاءِ۔ علم نحو کے حدِ مرکزی امام ابن حاجب صاحبِ کافیہ ہیں۔ ان سے پہلے علمائے نحو سیبویہ اخفش وغیرہ نحو کے متقدمین میں ہیں۔ اسی طرح فلسفہ کی چھانٹ امام غزالی نے اس طرح کی کہ فلسفہ جس کو اہلِ اسلام جہلِ مرکب اور زندیقی سے تصور کرتے تھے اور اس کے ورق کو گندگی لگانا جائز سمجھتے تھے۔ اس کو امام غزالی نے اسلام کا آئینہ بنا دیا۔ اس لیے امام شامی کو اس مسئلہ کی تردید کرنا پڑی اور کہنا پڑا کہ منطق اور فلسفہ لکھے ہوئے کاغذ سے استنجا کرنا ناجائز ہے۔ اس لیے امام غزالی فلسفی علماء کی نظر میں حدِ مرکزی ہیں۔ لہٰذا ان سے پہلے فلسفی ارسطو فارابی، بوعلی سینا، جالینوس وغیرہ

فلسفہ کے متقدمین ہیں اور ان کے بعد مولانا روم وغیرہ متاخرین ہیں تصوف میں ابوالحسن علی بن ابراہیم خضری جنہوں نے تصوف کی دقیق گتھیوں کو سلجھایا اور متاخرین کے لیے تصوف کا سخت گیر راستہ آسان کیا اور فلسفے کو تصوف سے روشناس کرایا۔ اس وجہ سے صوفیا کی نظر میں آپ کی ذات حدِ مرکزی ہے۔ آن سے پہلے ابو حفص حداد نیشاپوری اور ابوالحسن نوری وغیرہما متقدمین کہلاتے ہیں۔ اور ان کے بعد داتا گنج بخش، ابوالقاسم قشیری، غوثِ پاک عبدالقادر جیلانی متاخرین کہلاتے ہیں۔ ایسا ہی کشف المحجوب صفحہ ۱۶۱ پر ہے۔ علم فقہ حنفی میں صاحب ہدایہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدِ مرکزی ہیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

موجودہ طریقے پر صلوٰۃ وسلام کب سے شروع ہوا؟

سوال ۱۵۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسائل مندرجہ ذیل میں کہ آج کل مساجد میں مروجہ صلوٰۃ وسلام پر اختلافِ رائے پیدا ہوکر مسلمانوں میں تفریق اور نفرت کا باعث بن رہا ہے ایسے افسوسناک حالات کو دیکھتے ہوئے خود کو مطمئن کرنے صحابہ کرام وائمہ مجتہدین کی ہدایات کی روشنی میں اپنے لیے صحیح راستہ متعین کرنے کی غرض سے چند سوالات مندرجہ ذیل کی شرعی وضاحت چاہتا ہوں جو قرآن وحدیث اور فقہ حنفیہ کی مستند ومعتبر کتب سے مرحمت فرماکر مشکور فرماویں۔ (۱) حنبلی، شافعی، مالکی مذاہب کے علاوہ حنفی مذہب کا ایک گروہ مروجہ صلوٰۃ وسلام (جو چند سالوں سے مساجد میں اجتماعی طور پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے) کے خلاف ہیں۔ سے دین میں زیادتی اور بدعت کہتے ہیں۔ ان کی دلیل میں احادیث وفقہ حنفیہ سے وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ اور وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ قَدْ عَلِمْنَا كَيْفَ هُوَ وغیرہ الفاظ پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ درود وسلام اسی طریقے سے پڑھنا جائز اور ثواب ہے۔ جیساکہ صحابہ کرام نے پڑھا۔ اور آئمہ مجتہدین نے بھی عمل کیا۔ اس کے خلاف بدعت وناجائز ہے کہ صحابہ کے خلاف عمل سے خود شارع علیہ السلام نے منع کیا۔ اور چونکہ طریقہ سے مسلمانوں کی بقیہ نماز قضاء صلوٰۃ تسبیح ودیگر نوافل اور تلاوت قرآن پاک وتسبیحات میں خلل واقع ہوتا ہے۔ جس کی حدیث میں سختی سے یہاں تک ممانعت کی گئی۔ کہ با آواز بلند تلاوت قرآن پاک بھی نہ کی جائے (۲) دوسرا گروہ اسے جائز وضروری سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ قرآن وحدیث کے مطابق یہ جائز ہے اور یہ ضروری ہے۔ لہٰذا

قرآن و حدیث اور فقہہ حنفیہ کی مستند و معتبر کتابوں سے مدلل جواب دے کر دینی اور منصبی فرض ادا کریں :۔

الف :۔ یہ کہ مروجہ صلوٰۃ وسلام مساجد میں کھڑے ہو کر اجتماعی طور پر بلند آواز سے پڑھنا جب کہ دیگر مسلمان اپنی بقیہ نماز، سنت، نوافل یا قضاء نماز، تلاوت قرآن پاک اور تسبیحات میں مشغول ہیں۔ اور ان کے ان مندرجہ بالا امور میں خلل بھی واقع ہو جائز ہے یا نہیں۔ (ب) :۔ اس مروجہ سلام کا پڑھنا فرض ہے یا کہ واجب۔ (ج) :۔ اس کا پڑھنا سنت ہے یا کہ مستحب؟ (د) :۔ اس مروجہ سلام کو ایسی مساجد میں بھی پڑھنا چاہیئے۔ جو کسی ایسے مکتب فکر کے انتظام میں ہوں۔ اور خطیب بھی اسی مکتب فکر کا ہو۔ جو کہ مروجہ صلوٰۃ وسلام کو بدعت و ناجائز سمجھتے ہوں۔ اور اس کے پڑھنے سے انتشار پیدا ہوتا ہو۔ اور نمازیوں میں گروہ بندی کی نوبت آ جائے۔ جب کہ یہ طریقہ صحابہ کرام اور بزرگان سے قرون اولےٰ میں ثابت نہیں۔ (ہ) کیا اپنے مکتب فکر کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیئے کسی دوسرے مکتب فکر کی مسجد پر ناجائز و جبراً قبضہ کرنے کی کوشش کرنا شرعاً جائز ہے۔ جواب قرآن و حدیث اور فقہہ حنفیہ کی مستند اور معتبر کتابوں سے دے کر ممنون فرماویں :۔

والسلام مع اکرام ۔ بَیِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا ؀

سائل :۔ عبدالقیوم ملک سندھ مرکنٹائل بنک ٹنڈو آدم حیدر آباد سندھ ۲/۷۳

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ط

الجواب

جوابات :۔ (۱) مذکورہ فی السوال فرقے کو حنفی کہنا ہی غلط ہے۔ یہ اپنے آپ کو اسی طرح حنفی کہتے ہیں۔ جس طرح یہودی اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے۔ حالانکہ یہودی سابقہ انبیاء کے گستاخ ہیں کہ وَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ط اور یہ فرقہ دیوبندی وہابی اللہ اور رسول اور اولیاء اللہ کے گستاخ ہیں۔ یہودی لوگ حضرت ابراہیم کے عقیدوں کے مخالف تھے۔ اسی طرح یہ فرقہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عقیدوں کے خلاف ہے۔ ان کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے۔ کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ جھوٹ جیسا برا کلام بول سکتا ہے۔ حالانکہ امام اعظم کا عقیدہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ ان کا دوسرا عقیدہ یہ ہے۔ کہ حضور پاک کے بعد اور نبی آ سکتے ہیں۔ اور ختم نبوت کا معنےٰ اصلی نبی ہے۔ دیکھو مولوی قاسم نانوتوی کی کتاب تحذیر الناس۔ حالانکہ امام اعظم ابو حنیفہ ختم نبوت کے قائل ہیں۔ ان کا تیسرا عقیدہ یہ ہے۔ کہ شیطان کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ دیکھو خلیل احمد کی کتاب براہین قاطعہ حالانکہ حنفی مذہب کی شفا شریف میں لکھا ہے کہ جو شخص نبی پاک سے کسی مخلوق کا علم زیادہ مانے وہ کافر ہے۔ یہ تھے ان کے چند گستاخانہ حنفی مذہب اور مسلک کے خلاف عقیدے، ایسے اور بھی کئی عقیدے ان

کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس لیئے اُن کو حنفی کہنا غلط ہے۔ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی پاک کو دور سے پکارنا حرام ہے۔ حالانکہ امام اعظم اپنے عقیدۂ نعمان میں نبی پاک کو دور سے پکار رہے ہیں۔ چنانچہ عرض کرتے ہیں یَاسَیِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُکَ قَاصِدًا الخ بتائیے کہ یہ لوگ حنفی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ جب کہ امام اعظم ابو حنیفہ حضور کو دور سے حاضر و ناظر سمجھ کر ندا کر رہے ہیں۔ سائل لکھتا ہے۔ کہ مروّجہ مشہور صلوٰۃ و سلام چند سالوں سے ہے، لفظ چند اردو زبان میں جمع قلت ہے۔ جس سے آٹھ نو سال مراد ہوتے ہیں۔ اگر سائل کا بھی یہی مراد ہے۔ اور مسجد وہ اپنے پاکستان کی مسجدیں مراد ہیں۔ تب افسوس ہے اور افسوس سے لکھنا پڑتا ہے۔ کہ سائل یا تو جان بوجھ کر ایسی جہالت کی بات کر رہا ہے۔ اور پھر یا سائل بھی اُسی فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔ سائل بخوبی جانتا ہے۔ کہ یہ صلوٰۃ و سلام پاکستان بھر میں سائل کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی رائج اور مشہور تھا۔ پھر سائل کا بلا سوچے اور سمجھے یہ کہہ دینا۔ کہ چند سالوں سے مروّج ہے۔ جہالت اور تعصب نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ اور اگر لفظ چند سے سائل کی مراد سو ڈیڑھ سو سال ہو۔ تو بجا ہے۔ کیونکہ یہ مروّجہ سلام ہندوستان میں آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے شاہ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی نے رائج کیا۔ لاہور اور پنجاب میں تکیہ سادھواں مسجد لاہور سے شاہ مولانا عبدالغفار کشمیری نے آج سے نوّے سال پہلے جاری کیا۔ اور ان علاقوں میں صلوٰۃ و سلام کا اُن چند سالوں سے مروّج ہونا تعجب خیز یا قابلِ ترک نہیں۔ کیونکہ اُن علاقوں میں تو مذہبِ اسلام بھی چند سالوں سے آیا ہے۔ اگر یہ گستاخ دیوبندی صرف اِس لیئے سلام کا انکار کریں۔ کہ یہ مذکورہ چند سالوں سے مروّج ہے۔ تو ہو سکتا ہے۔ کہ آئندہ یہ لوگ اسلام و قرآن کو اس لیئے چھوڑ دیں۔ کہ یہ چیزیں بھی ہمارے علاقوں میں چند سالوں سے مروّج ہیں۔ حالانکہ جس طرح اسلام اور قرآن چودہ سو سال سے دنیا میں موجود ہے اسی طرح صلوٰۃ و سلام بھی نبیِ پاک کی ذات گرامی پر پڑھا گیا۔ اور آپ کی وفات کے بعد مزار مقدس کے پاس صلوٰۃ و سلام مروّجہ مشہور طریقے پر پڑھا جاتا ہے۔ اور آج بھی تمام حاجی صاحبان اسی طرح مل کر اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں۔ فرداً فرداً سب سے پہلے یہ سلام صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا۔ بہت سے لوگوں کو جمع کر کے سب سے پہلے یہ سلام حضرت امام حسین اور اُن کے قافلوں والوں نے کربلا جاتے ہوئے روضۂ پاک پر پڑھا۔ دیکھو شہادت امام حسین کی کتابیں اور ملا کاشفی تبریزی کی کتاب سیر اہل بیت عربی پھر یہ سلام شام کے بادشاہ ناصر صلاح الدین نے اپنے ملک کی تمام مسجدوں میں ۵۸۱ھ میں ہر اذان کے بعد جاری کیا۔ جس کا شہرہ ساری دنیا میں ہوگیا اور یہاں تک کہ مسجد نبوی میں بھی ہر نماز کے بعد اسی طریقے سے مل کر پڑھا جانے لگا۔ جو آج تک جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ جاری رکھے۔ اور منکرین کو ہدایت نصیب ہو۔ چنانچہ فتاویٰ

شامی جلد اول صفحہ نمبر ۳۶۲ پر ہے :۔ اَلتَّسْلِیْمُ بعد الاذان حَدِیْثٌ فِیْ رَبِیْعِ الْاٰخِرِ سَنَةَ سَبْعَ مَائَةٍ وَاحِدٍ وَثَمَانِیْنَ فِیْ عِشَاءِ لَیْلَةِ الْاِثْنَیْنِ (الخ) اور ردّ المحتار جلد اوّل صفحہ نمبر ۳۶۲ پر ہے :۔ اِنَّ اِبْتِدَاءَهٗ اَیْ اِبْتِدَاءُ تَسْلِیْمٍ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ كَانَ فِیْ اَیَّامِ السُّلْطَانِ النَّاصِرِ صَلَاحِ الدِّیْنِ بِاَمْرِهٖ ط (ترجمہ) :۔ یعنی مروّجہ طریقے سے سلام پڑھنے کی ابتداء سلطان ناصر صلاح الدین کے حکم سے ۷۸۱ھ میں ہوئی۔ ثابت ہوا۔ کہ کھڑے ہو کر سب لوگوں کا مل کر سلام پڑھنا جائز ہے۔ حضرت امام حسین نے لوگوں کے ساتھ مل کر اور صدیق اکبر نے علیحدہ سلام کھڑے ہو کر پڑھا۔ جیسا کہ کتب معتبرہ سے ثابت ہے اب بھی جب روضۂ مطہرہ کے پاس سلام ہوتا ہے۔ وہاں کوئی وہابی منع نہیں کرتا۔ (۲) فقہ حنفی کی معتبر کتب فتاوٰی درمختار۔ شامی۔ اور فتاوٰی ردالمحتار وغیرہ میں مدلل ثبوت دیئے گئے۔

الف :۔ سلام کو مسجد میں ہی پڑھنا زیادہ ثواب ہے۔ کیونکہ مسجدیں اسی لیے بنی ہیں۔ مسجد اس لیے نہیں بنی۔ کہ اس میں چیخ چیخ کر دیوبندی مولوی زندہ باد کے نعرے لگائے جائیں۔ یہ مساجد اللہ کے ذکر کے لیے ہیں۔ چنانچہ رب کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے :۔ وَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ ط ع سورۂ نساء پ ۵ (ترجمہ) :۔ جب تم نماز پڑھ چکو۔ تو فوراً کھڑے ہو کر اللہ کا ذکر کیا کرو۔ اور پھر اس کے بعد بیٹھ کر اور لیٹ کر بھی جس طرح موقع ہو ذکر کرو۔ اس آیت میں صاف صاف سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ کھڑے ہو کر نماز کے بعد سلام ہی پڑھا کرتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا ط (ترجمہ) :۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ذکر بنا کر نازل کیا۔ تم سب کائنات کی طرف۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ تعالیٰ کا ہی ذکر ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا ذکر اللہ ہیں۔ یہ کہنا کہ سلام سے نماز و تسبیح میں فرق پڑتا ہے یہ صرف عداوت سے عداوتِ رسول کی بنا پر بہانے بازیاں ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں۔ کہ جب وعظ تقریر کے لیے۔ مسجدوں میں گنجائش نکل آتی ہے جو چار چار گھنٹے ہوتے رہتے ہیں۔ اور کسی دیوبندی وہابی کی نماز و تسبیح خراب نہیں ہوتی۔ تو دس منٹ کے سلام سے کیا پہاڑ گر پڑے گا۔ اللہ کے ذکر بہت سی قسم کے ہیں۔ شریعت نے ہر ذکر کے وقت کو معین کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب نماز ہوتی ہے تو تسبیح نہ پڑھو۔ جب سلام ہوتا ہو۔ تو نماز نہ پڑھو۔ ہر چیز کا

وقت متعین کرو۔ اب جو شخص دیر سے نماز میں آیا۔ تو شرعاً وہ مجرم ہے۔ اس شرعی مجرم کی وجہ سے۔ سلام جیسی بہترین عبادت نہیں چھوڑی جائے گی۔ اور پھر بلند آواز سے ہرگز ہرگز نماز خراب نہیں ہوتی۔ دیکھو بازار کی مسجد میں ہر وقت سخت شور پکار رہتا ہے۔ مگر کوئی بولتا نہیں۔ لوگ نماز پڑھتے ہیں شور مچا رہتا ہے۔ کوئی وہابی شرک بدعت کا فتوے نہیں لگاتا۔ خود باری تعالیٰ رب العزت نے ایام تشریق میں بلند آواز سے فرائض کے فوراً بعد تکبیر پڑھنے کا حکم دیا۔ حالانکہ اس وقت بھی بعد میں ملنے والے اپنی نماز ادا کرتے ہیں۔ کیا رب تعالیٰ کو نمازوں کے خراب ہونے کا خیال نہ تھا۔ ان وہابیوں کے دلوں میں لوگوں کی نمازوں کا زیادہ درد ہے۔ فقط ان کے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی ہے۔ اس لیئے جب ان بدنصیبوں کی نماز خراب ہوتی ہے۔ تو سلام سے ہوتی ہے۔ نہ بازار کے شور و غل سے نماز خراب ہو۔ نہ تکبیرات تشریق سے۔ نہ دیوبندیوں کے مولویوں کے جلسوں اور نعرہائے اور خرافات سے نماز خراب ہو۔ (ب):۔ اس مروجہ مبارک ایمان افروز وہابیت سوز صلوٰۃ وسلام کا پڑھنا واجب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (ترجمہ):۔ اے ایمان والو! میرے نبی پر درود پڑھو۔ اور ذوق شوق جوش خروش سے سلام بھی پڑھو جس طرح آیت مبارکہ میں لفظ صَلُّوْا امر کا صیغہ ہے۔ اسی طرح لفظ سَلِّمُوْا بھی امر ہے۔ علم اصول کے مطابق امر وجوب کے لیئے آتا ہے۔ چنانچہ کتاب اصول فقہ ص۴ پر ہے:۔ اَلْاَصْلُ فِی الْاَمْرِ الْوُجُوْبُ۔ (ترجمہ)۔ یعنی امر کا صیغہ اصل میں ہر چیز کو واجب کرتا ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ سلام پڑھنا بھی واجب اور قانون شریعت کے مطابق سلام کا وہی طریقہ ہے۔ جو مروج اصول پر نبی پاک کو حاضر و ناظر سمجھ کر لفظ یا سے پڑھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت کریمہ میں درود اور سلام کا علیحدہ علیحدہ حکم دیا گیا ہے۔ بندوں کو نہ درود شریف پڑھنے کا طریقہ آتا تھا۔ نہ سلام کا درود بھیجنا رب کا فعل ہے اور سلام پڑھنا صرف مسلمانوں کا فعل ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کا سلام بہت پیارا ہے۔ اس لیئے اس کا طریقہ رب تعالیٰ نے خود بتایا۔ کہ التشہد میں۔ حاضر و ناظر کے صیغہ سے تمام مسلمانوں کو قیامت تک پانچوں وقت اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ کے لفظ سے سلام پڑھوایا گویا یہ رب نے سلام پڑھنے کا طریقہ سکھایا۔ مگر درود شریف پڑھنے کا طریقہ رب تعالیٰ نے نہ بتایا۔ تب صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (سلام پڑھنے کا طریقہ تو آگیا) ہم درود شریف آپ پر کیوں کر اور کیسے پڑھیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درود ابراہیمی سنا کر بتایا۔ پس صرف سلام کا طریقہ رب نے بتایا۔ اور صرف

درود کا طریقہ نبی پاک نے بتایا۔ لہٰذا جو شخص صرف درود پڑھنا چاہتا ہو۔ تو وہ درود ابراہیمی پڑھے۔ اور جو صرف سلام پڑھنا چاہے۔ وہ یا نَبِیُّ سَلَامٌ عَلَیْكَ وغیرہ الفاظ سے پڑھے۔ اور جو دونوں ملا کر پڑھنا چاہے۔ اس کے لیئے فقہاءِ کرام نے اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جیسے الفاظ مقرر فرما دیئے پس ثابت ہوا کہ موجودہ مروّجہ سلام رب کا بتایا ہوا طریقہ ہے جو اس کے خلاف ہے۔ وہ رب کے خلاف ہے۔ اگر سائل یا کسی وہابی کو میری اس تحقیق پر کوئی اعتراض ہو۔ تو میں اس سے یہ ضرور سوال کروں گا۔ کہ کیا وجہ ہے۔ کہ آیت میں تو درود و سلام دونوں کا ذکر ہے۔ کیا وَسَلِّمُوْا کا صیغہ صحابہ کو یاد نہ تھا۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی صرف درود شریف کا ہی طریقہ بتا رہے ہیں۔ حالانکہ رب نے دونوں کا حکم دیا ہے۔ ثابت ہوا کہ سلام پڑھنے کا اصلی طریقہ حاضر ناظر کے صیغہ سے ہی ہے، کیونکہ رب تعالیٰ نے یہی طریقہ بتایا۔ اگر کسی وہابی کو میری یہ بات تسلیم نہ ہو۔ تو میں اُن سے پوچھتا ہوں۔ کہ آپ لوگ آیت کریمہ کے لفظ وَسَلِّمُوْا پر کس طرح عمل کرو گے۔ جب کہ وہابی یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ صرف درود ابراہیمی پڑھنا چاہیئے۔ حالانکہ وہاں سلام کا لفظ تک نہیں۔ اور اگر کوئی وہابی گھبرا کر اپنے مذہب کو توڑتا ہوا یہ کہہ دے۔ کہ ہم اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ پڑھیں گے۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ یہ طریقہ رب نے تو نہیں بتایا۔ نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ پھر تم یہ طریقہ کہاں سے لے آئے۔ میرے یہ سوالات دنیا بھر کے وہابیوں سے ہیں۔ خوب سوچ کر مدلل جواب دیں۔ بہرحال مجبوراً سب دیوبندیوں اور وہابیوں کو ماننا پڑے گا۔ کہ مروّجہ سلام کا طریقہ لفظ یا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا۔ اور پرانا شروعِ اسلام سے ہے نہ کہ چند سالوں سے اگر اپنی جاہلانہ پرانی عادت کے مطابق ضد اور ہٹ دھرمی کریں۔ تو دوسری بات ہے۔ مگر ذی عقل کو میری یہ تحقیق ماننے بغیر چارہ بھی نہیں۔ (ج) بلکہ واجب ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر قرآن پاک اور صحابہ کرام کے اقوال سے ثابت کیا گیا۔ (د) تمام مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔ (ترجمہ) تمام مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اور کوئی سجدہ نہ کرو۔ منتظم لوگ مسجدوں کے مالک نہیں ہیں۔ مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر محلے والے کا اپنے محلے کی مسجد پر پورا حق ہے جس طرح چاہے وہ عبادت کرے۔ ذکر اور اذکار کرے۔ جو لوگ ذکر اللہ کو روکیں۔ وہ کسی مسجد کے منتظم ہونے کے حق دار نہیں۔ بلکہ حکمِ قرآن کے مطابق وہ ظالم ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے۔ جو اللہ کی مسجدوں میں ذکر اذکار سے روکے۔ سلام بھی اللہ اور رسول کا ذکر ہے۔ لہٰذا منع کرنے والا وہابی ظالم ہے۔ صرف نماز پڑھنا ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں! بلکہ اصطلاحِ قرآنیہ میں تو نماز کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔ نہ کہ ذکر قرآن پاک کے نزدیک ذِکرُ اللہ نماز کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ اور یہی وہ سلام پڑھنا تسبیح اور تہلیل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔ وَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ الخ ؕ یعنی نماز کے بعد ذکر کیا کرو۔ پس ثابت ہوا۔ کہ سلام بھی ذکر اللہ ہے۔ ہر اہل محلہ مسلمان کو حق پہنچتا ہے۔ کہ ہر قسم کا ذکر کر سکتا ہے۔ روکنے کو منع کیا جائے گا۔ اگر کوئی منتظم منع کرے۔ تو اس کو مسجد کی انتظامیہ سے نکال دیا جائے منتظم کا کام مسجد کی خدمت اور آبادی کرنا ہے۔ نہ کہ ذکر اللہ سے روکنا۔ اور بربادی کرنا، جب ملک کی منتظم حکومت ملک کو خراب کرنے لگے۔ تو عوام اس کو نکال کر حکومت کا تختہ الٹ دیتے ہیں۔ تو مسجد کے ویران کرنے والے کا بھی تختہ الٹ دیا جائے۔ جس مسجد میں رسول کریم کا نام نہ ہو۔ وہ مسجد ویران ہوتی ہے (۷) انتشار اور فساد ڈالنا تو شریعتِ اسلامیہ میں سخت ترین گناہ ہے۔ مگر یہ دیکھنا ہے۔ کہ فسادی ہے کون۔ اگر کسی شخص کے مکان کو ڈاکو چور ویران کرنا چاہیں۔ اور پولیس ڈاکوؤں سے لڑے۔ ڈاکو پولیس پر حملہ کریں۔ دونوں طرف سے سخت ترین لڑائی ہو۔ تو قانون کس کو مجرم، فسادی کہتا ہے۔ پولیس کو یا چوروں کو مسجدیں سب قانون اسلامیہ کے مطابق اللہ کی ہیں۔ کچھ مخصوص لوگ چور دروازے سے آکر اللہ کا ذکر سلام وغیرہ سے روک کر مسجد اللہ کے گھر کو ویران کرنا چاہیں۔ تو اگر اللہ کے سپاہی اُن کو مسجدوں سے نکال دیں۔ تو قانوناً وہ فسادی نہ ہوں گے۔ بلکہ سلام سے روکنے والے فسادی ہوں گے۔ اسی لیے اسلام میں کفار سے جہاد کو عبادت قرار دیا گیا۔ اور کافروں کے لڑنے کو فساد چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ ؕ بلکہ اگر پولیس چوروں کو نکالے۔ تو مجرم اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے سپاہی اہلِ سنت حضرات ان روکنے والوں کو نہ نکالیں۔ تو مجرم خلاصہ یہ کہ سلام پڑھنا بہت شاندار عبادت اور اللہ کی فرمانبرداری ہے۔ اور شروع اسلام سے مروّج ہے۔ ہاں زمانہ کے اعتبار سے الفاظ اور طریقوں میں تبدیلیاں ترقیاں ہوتی چلی آئی ہیں۔ کیونکہ اسلام مثل ایک درخت کے ہے درخت میں ایک ہی وقت سب کچھ نہیں ہوتا۔ کبھی صرف جڑ ہوتی ہے۔ کبھی صرف چھوٹی شاخیں کبھی صرف پتے، کبھی صرف پھول کبھی پھل، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درختِ اسلام کی جڑ لگائی صحابہ کرام کے زمانے میں چند شاخیں اللہ کریم کا کرم ہے۔ کہ یہ درخت دن بدن پھل پھول رہا ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ میری اُمت مثل بارش کے ہے۔ کہا نہیں جاتا۔ کہ اس کا اوّل اچھا ہے۔ یا آخر چنانچہ مشکوٰۃ شریف نے صفحہ نمبر ۵۸۳ پر ترمذی کی روایت نقل فرمائی۔ عَنْ اَنَسٍ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُہٗ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ میری اُمّت کی مثال بارش کی طرح ہے۔ (الخ) کتنا بیوقوف ہے۔ وہ شخص جو درخت کی تازہ کونپلوں کو دیکھ کر صرف اس لیئے نہ مانے کہ یہ کل اس درخت میں نہ تھیں۔ اسی طرح نادان ہیں وہ لوگ جو ہر بات میں یہ حوالہ مانگتے ہیں۔ کہ بعینہٖ ان ہی الفاظ کا ثبوت صحابہ کے زمانے سے پیش کرو۔ حالانکہ صحابہ کرام تو نبی کریم حرز جاں بنانے والے تھے۔ پھر تعجب اور افسوس صرف اس بات کا ہے کہ یہ بدنصیب لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام اور نعت خوانی کے لیئے ہم سے ثبوت مانگتے ہیں۔ اپنے کسی کام پر حوالہ پیش نہیں کرتے۔ مثلاً جو قرآن مجید آج زیب و زینت کا ہے۔ وہ نہ تبع تابعین کے زمانے میں نہ تھا۔ اور جس حالت میں تبع تابعین کے پاس پہنچا۔ وہ حالت تابعین کے زمانے میں نہ تھی۔ اور جس حالت میں تابعین کو ملا۔ وہ صحابہ کے زمانے میں نہ تھی اور جس طرح صحابہ کرام نے قرآن مجید کو تدوین کیا۔ نبی پاک نے نہ کیا۔ مگر اس کو کوئی بدعت نہیں کہتا۔ اسی طرح اگر ہم اذان سے بعد یا پھر اذان سے پہلے درود شریف پڑھیں۔ تو حوالہ مانگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ بدعت و اذان میں زیادتی و گناہ ہے۔ حالانکہ یہ دیوبندی ہر وقت تلاوت کے موقعہ پر آخر میں بالکل قرآن کریم سے ملا کر کہتے ہیں:۔ (صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ) بتایئے۔ کس صحابی یا تابعی نے تلاوت کے بعد یہ لفظ کہے۔ کیا یہ قرآن مجید میں زیادتی نہیں۔ بدعت نہیں؟ اذان کے تمام الفاظ مختصر اور مشہور ہو چکے ہیں۔ ان الفاظ کی زیادتی کمی سے عوام دھوکا نہیں کھا سکتے۔ مگر الفاظِ قرآن عوام کے لیئے غیر متعارف ہیں۔ صَدَقَ اللّٰہُ کا لفظ بڑھانے سے زیادتی کا زیادہ احتمال ہے۔ اکثر عوام کا گمان ہو سکتا ہے۔ کہ شائد یہ الفاظ بھی آیتِ قرآنی ہیں مگر ان لوگوں کو یہاں کوئی فکر اندیشہ نہیں۔ کیونکہ اپنی ایجاد ہے۔ پھر اذان وحی الٰہی نہیں اس میں زیادتی بعد میں ہوئی بھی ہے۔ یہاں زیادتی اتنی خطرناک نہیں جتنی کہ قرآن میں جتنی چاہیں ملاوٹ کریں۔ دشمنی ہے۔ تو درود شریف سے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے یا پھر دشمن صلوٰۃ و سلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام چودہ سو سال سے آج تک ہر دور میں جاری رہا۔ مگر آج جس شاندار طریقے سے ہو رہا ہے قبل ازیں نہ ہو سکا۔ لہٰذا آج کل اسی طرح سلام پڑھنا واجب و ضروری ہے۔ اس لیئے کہ یہ لوگ اسی سلام کے دشمن ہیں۔ اور دین کے دشمن کو پریشان کرنا بھی واجب ہے دیکھو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے اَدوارِ مبارکہ سے آج تک قربانی والی عید کو عیدُ الاَضحیٰ کہا جاتا ہے۔ مگر دیوبند اور بریلی ہندوستان پاکستان ہر جگہ اس عید کو ان علاقوں میں بقر عید کا نام دیا گیا۔ دیوبندی وہابی بھی اس کو بقر عید کہتے ہیں۔ علماء

اولیاء کرام نے اس کو جائز رکھنا شروع کر دیا۔ دنیا جانتی ہے کہ یہ لفظ قرونِ ثلاثہ کتب فقہاء عربی، فارسی کہیں موجود نہیں۔ بلکہ علماءِ ہند کی اپنی ایجاد ہے۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی اس اسلامی دن کے نام خود ساختہ کو بدعت یا گناہ نہ کہا۔ بلکہ اس نام (بقر عید) کو اتنا جاری اور مشہور کیا۔ کہ بہت سے لوگ اس کا شرعی اور مسنون نام ہی بھول گئے۔ یہ سب کچھ کیوں کیا گیا۔ صرف ہندوؤں، بت پرستوں، گاؤ ماتا کے پجاریوں کو ذلیل و پریشان کرنے کے لیئے۔ اس لیئے کہ اس لفظِ بقر عید کا ترجمہ ہے گائے کی ذبح والی عید۔ لفظ بقر کو اسی لیئے مخصوص کیا کہ یہ ہندوؤں کا معبود ہے۔ ورنہ تو قربانی بکرے، دنبے اور اونٹ کی بھی ہوتی ہے۔ تو جب ہندوؤں کو ستانے کے لیئے دین میں یہ بدعت ایجاد ہو سکتی ہے۔ پس منکرینِ سلام کو پریشان کرنے کے لیئے مروجہ نئے شاندار طریقے سے سلام پڑھنا لازم و ضروری ہے۔ یہ منکرین حضرات اسی قسم کی ہزارہا بدعتیں ہر روز دین میں ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ مگر نہ گناہ نہ حرام: ان کے نزدیک صرف وہ کام بدعت گناہ اور شرک و کفر و حرام اور نہ جانے کیا کیا ہے۔ جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت خوانی و عظمت کا اظہار ہو اللہ اُن کو ہدایت دے آمین۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

یا محمد، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کا حکم

سوال ۱۶:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں۔ کہ نبی پاک صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کو یا محمد صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کہہ کر پکارنا جائز ہے۔ کہ منع ہمارے کراچی کا ایک مولوی اور مشہور خطیب احتشام الحق تھانوی نے چند دن پیشتر ایک جلسے میں تقریر کے دوران یہ کہا۔ کہ نبی پاک کو یا محمد کہہ کر پکارنا منع اور ناجائز ہے۔ اور کہا۔ کہ اس میں بے ادبی ہے۔ اور دلیل میں یہ آیت پیش کی ہ۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ فرمایا جائے کہ کیا مولوی احتشام الحق تھانوی کی یہ تقریر درست ہے یا غلط۔ اور مولوی احتشام کی دلیل کہاں تک درست ہے۔ جلد از جلد جواب عطا فرمایا جائے۔ ہم آپ کے فتوے کو اشتہار میں شائع کریں گے۔

السائل:۔ محمد خلیل رانا صدر کراچی۔ مورخہ

اَلْجَوَاب ـــــــــ بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابْ

سوالِ مذکورہ میں جس آیت سے استدلال پیش کیا ہے۔ اس سے مذکورہ خطیب کی کم علمی واضح ثابت ہو رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ تمام حضرات قرآن مجید کی سمجھ سے بالکل کورے ہیں۔ از نجد تا دیوبند اور از راولپنڈی تا گکھڑ و کراچی کسی دیوبندی کو قرآن مجید کی فہم نہیں۔ چنانچہ اگر اشرف علی صاحب تھانوی اٹھتے ہیں۔ تو وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ کا ترجمہ ہی صحیح نہ کر سکے۔ اور اگر نجدی لوگ اٹھے۔ تو انہوں نے لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ۝ کے ترجموں میں لغزش کی۔ اور اس کی غلط فہم سے یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کے نعروں کے ناجائز ہونے پر احمقانہ دلیل بنائی۔ اور ادھر مولوی احتشام الحق تھانوی نے اپنے گستاخ مذہب کو بچانے کے لیے لَا تَجْعَلُوْا والی مذکورہ فی السوال آیت سے غلط دلیل پکڑ کے لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ صحابہ سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہنا بالکل جائز اور باعث برکت ہے۔ نہ بے ادبی ہے اور نہ ہی برائی بلکہ نبی پاک کی عظیم نعت ہے۔ اللہ اور رسول اس نعرے کے بولنے سے اور لکھنے سے خوش ہوتے ہیں۔

لَا تَجْعَلُوْا کا مقصد وہ نہیں۔ جو مولوی احتشام الحق صاحب نے اپنی ناسمجھی کی بنا پر دھوکہ دینے کے لیے بیان کیا۔ نہ ہی بے ادبی سے بچانا دیوبندی حضرات کا کام دیوبندی تو بے ادب اور بے ادب بنانے والے ہیں۔ اگر احتشام الحق صاحب تھانوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام میں اتنا ہی مخلص ہیں۔ تو ان کو چاہیئے کہ آؤ گا مسلمانوں کو اشرف علی صاحب تھانوی، خلیل احمد دیوبندی و حسین علی واں بھچراں کی گستاخ اور بے ادب عبارتوں سے بچائیں۔ جو عین کفر ہیں۔ مگر اس طرف کبھی نہ آئیں گے۔ وجہ ظاہر ہے کہ ان کا مقصد اپنے گستاخ شرکیہ مذہب کو پالنا ہے۔ اور نبی پاک سے امداد لینے والے اور حاضر و ناظر سمجھنے والے عقیدے سے مسلمانوں کو علیحدہ کر کے گستاخ بنانا ہے خیال رہے کہ شریعت اسلامیہ کے بعض قانون از ابتداء محکم ہیں۔ بعض قانون منسوخ بھی ہوتے رہے۔ مگر شرک اور بے ادبی ایسے عظیم قانون ہیں۔ جو ہمیشہ ہی محکم رہے۔ کبھی منسوخ نہ ہوئے۔ اسی طرح اسلام کے بعض قوانین میں بعض لوگ مستثنیٰ ہو جاتے ہیں۔ جس طرح اداء زکوٰۃ، قربانی، حج وغیرہ کہ اس میں غرباء مستثنیٰ فرشتے اور حیوانات و نباتات، جمادات بھی ان مذکورہ احکام سے علیحدہ ہیں۔ لیکن شرک اور گستاخی بے ادبی کی حرمت والے قانون سے کوئی شخص انسان، فرشتہ، جن، حیوان نباتات، جمادات مستثنیٰ اور علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ سب پر گستاخی اور شرک سے بچنا فرض عین ہے۔ چنانچہ ایک

موقعہ پر ابلیس جن نے حضرت آدم علیہ السلام کی گستاخی کی۔ تو اس کو ازلی مردود اور جہنمی بنا دیا گیا۔ ایک دفعہ گرگٹ جانور نے وہابیوں کی طرح حضرت ابراہیم کی گستاخی کی۔ اس کا مارنا حدیث پاک کے حکم سے کار ثواب ہو گیا عیبہ پہاڑ نے نبی پاک سے عداوت اور گستاخانہ دشمنی کی اس کو جہنم کا ایندھن بنا دیا گیا۔ اسی لیئے ہمارے ایک عالم صاحب نے وہابیوں کی فہرست میں ابلیس گرگٹ اور عیبہ پہاڑ کو بھی وہابی ثابت کیا ہے۔:

بہر حال قانون شریعت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب واحترام سب سے بڑی عبادت ہے۔ جس طرح عبادت جتنی بھی کی جائے۔ اتنی ہی باعث ثواب واجر ہے۔ بالکل اسی طرح آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب جان وایمان اور روح کی چمک کا باعث ہے۔ گویا کہ نماز، روزہ، سجدہ جسم کی عبادت ہے۔ اور نبی پاک کا ادب واحترام اور نعت خوانی، ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا چرچہ جان و ایمان کی عبادت ہے۔ شعر مغز قرآن روح ایمان جان دین :-: ہست حب رحمۃ للعالمین۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب میں اگر ذرہ بھر کمی کا شائبہ بھی پڑتا ہو تو اس سے اجتناب واجب ہے میری تحقیق اور شرعی فتوے کے ماتحت لفظ یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند آواز سے کہنا یا مسجد اور مقدس مقام میں بلند جگہ پر لکھنا بہت ہی باعث برکت اور رحمت ہے۔ اس میں بے ادبی کا احتمال تک نہیں۔ بلکہ صوفیاء کرام کے قول کے مطابق بہتر یہ ہے۔ کہ مسلمان اہلسنت اپنے گھروں، دفتروں وغیرہ میں اور مقدس مقامات پر عزت کی جگہ یا محمد، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خوبصورت چوکھٹا فریم کرا کر یا دیواروں پر خوشنما لکھائیں۔ جس گھر میں یہ نام پاک لکھے ہوں گے۔ وہ گھر بہت سی مصیبتوں سے بچا رہے گا۔ اور بجائے صرف یا مُحَمَّدُ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لکھنے کے یَا مُحَمَّدُ، یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لکھا۔ اور کہا جائے۔ اور ہر مسجد میں محراب کی جگہ ضرور لکھا جائے۔ اس فتوے پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں:۔

دلیل نمبر ۱:۔ اللہ کریم قیامت کے دن میدان محشر میں اپنے حبیب پاک کو بڑے پیار و محبت سے تمام کائنات کے سامنے۔ یا مُحَمَّدُ کہہ کر خطاب فرمائے گا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۴۸۷ پر ہے:۔ فَاَحْمَدُہٗ بِتِلْکَ الْمَحَامِدِ وَاَخِرُّ لَہٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَکَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَہْ (الخ) :۔ ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قیامت کے دن میں ایسی حمد کروں گا۔ جو آج تک نہ کی۔ اور اللہ رب کریم کی بارگاہ میں سر جھکاؤں گا۔ سجدہ کرتے ہوئے۔ پس کہا جائے گا۔ "یا مُحَمَّدُ" اپنا سر اٹھایئے۔ جو فرماؤ گے۔ سنا جائے گا۔

الخ :۔ اس حدیث پاک میں بہت جگہ لفظِ مُحَمَّدُ سے خطاب ہے۔ اگر یہ بے ادبی ہوتی۔ تو سب کے سامنے اس طرح کیوں فرمایا جاتا۔ قرآن کریم کا لفظِ یا مُحَمَّدُ سے خطاب نہ فرمانا۔ یَآ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ، یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ سے خطاب فرمانا۔ منکرینِ نبوت کے سامنے اظہارِ نبوت و رسالت مقصود تھا۔ کیونکہ کافر لوگ یا مُحَمَّدُ کہنے کو برا نہ جانتے تھے۔ بلکہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہنے کے منکر تھے۔ وہ کافر لفظِ مُحَمَّدُ کو صرف آپ کا ذاتی نام سمجھتے تھے۔ ترجمے کی طرف توجہ نہ کرتے۔ اس لیے جب ایک دفعہ مُحَمَّدُ کے ترجمے کی طرف ابوجہل کو متوجہ کیا گیا۔ تو اس نے مُحَمَّدُ کہنا بھی چھوڑ دیا۔ مذمّم مذمّم بکنے اور گستاخی کرنے لگا۔ میرے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کو پتہ لگا۔ تو آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ وہ کسی مذمم کو برا کہتا ہوگا۔ ہم تو محمد ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم قرآن کریم میں یَآ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ جیسے کلماتِ طیبہ سے خطاب کرنے سے یہ بھی پتہ لگا کہ کافر اور گستاخ جس لفظ سے دکھ کرتے ہوں۔ یا جس چیز کے منکر ہوں۔ اسی لفظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو خطاب کرنا افضل ہے۔ تو چونکہ آج کل وہابیوں کو لفظِ یا مُحَمَّدُ اور لفظِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ سے بہت دکھ ہے۔ اور انہی کے منکر ہیں۔ لہٰذا ان الفاظ کا بہت چرچا کرو۔ اس حدیث پاک میں تو حشر کے میدان میں خطاب کا ذکر ہے۔ دیگر متعدد احادیثِ قدسیہ میں بھی یا مُحَمَّدُ کا خطاب موجود ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ اللہ نے خطاب کیا۔ وہ بڑا ہے۔ ہمارے لیے منع ہے۔ کہ ہم چھوٹے ہیں۔ تو جواب میں دوسری دلیل دیکھو۔

دلیل ۲ :۔ حضرت جبرائیل بارگاہِ رسالت میں آکر عرض کرتے ہیں۔ یَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ چنانچہ مشکوٰۃ شریف۔ بحوالہ بخاری و مسلم صفحہ نمبر ۱۱ پر ہے بروایت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ (الخ) ط ترجمہ:۔ جبرائیل نے عرض کیا۔ یا محمد خبر دیجیے مجھ کو اسلام کے بارے میں اسی طرح معراج کی رات میں جبرائیل نے یا مُحَمَّدُ کہہ کر خطاب کیا۔ چنانچہ تاریخ عبد الملک ابن ہشام جلد اوّل باب المعراج صفحہ نمبر ۲۱۶ پر ہے :۔ فَقَالَ جِبْرَائِیْلُ هُدِیْتَ وَهُدِیَتْ اُمَّتُكَ یَا مُحَمَّدُ، کیا جبرائیل بھی بڑے ہیں؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ آپ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے شاگردوں اور خادموں میں ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں ے :۔ اب دیکھو نور محمدؐ کا سب ہیچ ظہور محمدؐ کا۔ جبرائیل مقرب خادم ہیں کیا مشہور محمدؐ کا :۔

:۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ نبی کریم نے اسطرح اپنی ذات کیلیے نقل فرمایا۔ جبرائیل نے اسطرح نہیں کہا ہوگا جسطرح اکثر بزرگ لوگ خود کو، تو سے کلام نقل کر دیتے ہیں اس لیے کہ اوّلاً تو نبی کریم کا کلام بالکل غلط بیانی اور علاوہ سے پاک ہونا لازم ہے کیونکہ وحی الٰہی اور شریعت ہے کوئی بھی بزرگ یہ کہے مجھے فلاں نے کہا تو کون ہے جبکہ فلاں نے آپ کہا تو یہ نقل کذب ہے۔ نبی کریم سے ایسا کذب بھی ناممکن۔ دوم اسلیے کہ مشکوٰۃ کی حدیث تو فاروق اعظم سنا رہے ہیں وہ بھی کلامِ جبرئیل کو یا محمد کہکر روایت کر رہے ہیں

اگر یا محمد کہنا بے ادبی ہوتا۔ تو حضرت جبرائیل امین کبھی ایسا خطاب نہ کرتے۔ کون بے وقوف کہہ سکتا ہے۔ کہ معاذ اللہ حضرت جبرائیل نے بے ادبی کی یا آپ بے ادب ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بے ادب ہی گستاخ ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گستاخ کافر ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت جبرائیل اس ممانعت سے علیحدہ اور مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ بے ادبی گستاخی سب کے لیے حرام ہے۔ جس طرح باپ کی سب اولاد پر باپ کا احترام فرض، اولاد چھوٹی ہو یا بڑی حاکم ہو یا مملوکہ وزیر ہو جائے یا بادشاہ، عالم ہو یا پیر مرشد، ولی ہو یا غوث، قطب اسی طرح نبی کے سب امتیوں پر نبی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کا ادب واحترام فرض ہیں جبرائیل ہوں یا میکائیل واسرافیل، فرشتہ یا جن، انسان ہو یا حیوان۔ جمادات ہوں یا نباتات کیونکہ یہ سب ہمارے نبی کریم رؤف ورحیم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے۔ سورۃ انعام آیت نمبر ص ۳۸ :- وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ

(ترجمہ) :- دنیا میں کوئی چرند و پرند ایسا نہیں۔ مگر جو اے مسلمانوں تمہاری طرح امت نہ ہوں کس کی؟ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی۔ جب سب مخلوق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت بن گئی۔ تو سب پر ادب فرض۔ اور ادب ادب جیسی عبادت وریاضت سے مستثنیٰ قطعاً نہیں ہو سکتا۔ پس اگر یا محمد کہنا بے ادبی ہوتا۔ تو حضرت جبرائیل کی جرأت نہ تھی کہ اس طرح اپنے نبی اکرم کو خطاب کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی جبرائیل کو منع نہ فرمایا۔ حضرت حکیم الامت کا مرآۃ جلد اوّل میں فرشتوں کے مستثنیٰ کا ذکر کرنا فقط ایک شاذ احتمال ہے۔ جس کو سند نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ حضرت جبرائیل نے جب یہ خطاب مذکورہ حدیث والا کیا تھا۔ تو اس وقت یہ ممانعت والا حکم نازل ہی نہ ہوا تھا۔ نہ یہ آیت لَا تَجْعَلُوْا نازل ہوئی تھی۔ اس لیے اس وقت یا محمد کہنا حرام نہ تھا۔ بعد کو سب پر حرام ہو گیا۔ معاذ اللہ تو دو جواب یاد رکھیے۔ (۱) اوّلاً یہ کہ نزولِ احکام صرف انسانوں اور مسلمانوں کے لیے ہیں۔ ملائکہ اور انبیاء کے لیے نزول نہیں ہوتا۔ وہ حضرات پہلے ہی قوانین الٰہیہ [illegible] ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی نبی بچپن یا قبل اعلانِ نبوت شراب نوشی وغیرہ افعال کا مرتکب نہ ہوا۔ اسی طرح وہ الفاظ بے ادبی جن سے صحابہ کو بذریعہ نزولِ آیات روکا گیا۔ عام مسلمان بوجہ عدمِ نزول ناسمجھی کی بنا پر اس طرح کلام کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے اس وقت جرم نہ تھا۔ جب حکم نازل ہوا۔ تب جرم بنا۔ مگر فرشتوں کے لیے پہلے ہی سے یہ جرم تھا۔

یہی وجہ ہے۔ کہ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ اور لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا والے جرم کا ارتکاب کبھی پہلے کسی فرشتے سے صادر نہ ہوا، نہ نزول سے پہلے اور نہ بعد۔ کبھی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو راعنا نہ کہا۔ پس اگر یا مُحَمَّدُ کہنا گناہ ہوتا۔ تو نزولِ آیتِ مذکورہ سے پہلے بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اجازت نہ ہوتی۔ اور اس طرح خطاب کرنا اُن کے لیے جرم بن جاتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب تیسری دلیل میں ہے:۔ **دلیل ۳**:۔ حضرت ملک الموت نے آقائے دو عالم صلے اللہ تعالے علیہ وآلہٖ وسلم کے وصالِ پاک کے وقت وفات سے کچھ دیر پہلے روحِ طیبہ کو جسم اطہر سے جدا کرنے کی اجازت طلب کی۔ اور عرض کیا۔ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَنِیْ اِلَیْكَ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب وفات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بحوالہ بیہقی شریف صفحہ نمبر ۵۴۱ پر ہے، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ (الخ) ثُمَّ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَنِیْ اِلَیْكَ فَاِنْ اَمَرْتَنِیْ اَنْ اَقْبِضَ رُوْحَكَ قَبَضْتُ وَاِنْ اَمَرْتَنِیْ اَنْ اَتْرُكَهٗ تَرَكْتُهٗ (الخ) ترجمہ:۔ جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام عاجزی انکساری کے ساتھ ڈرتے ڈرتے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا جب بارگاہ نبوت سے جوابِ سلام عطا ہوا۔ تو عزرائیل نے کہا۔ یَا مُحَمَّدُ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ اگر آپ حکم کریں۔ تو آپ کی رُوحِ مبارک قبض کروں۔ اور اگر آپ مجھ کو حکم کریں۔ تو ہرگز نہ قبض کروں گا۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ کیا ادب و احترام ہے۔ کیا شان ہے میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی۔ دیکھو یہ واقعہ آخری ساعاتِ حیاتِ طیبہ کا ہے۔ مگر ملک الموت خطاباً عرض کرتے ہیں کہ یَا مُحَمَّدُ اسی حدیث مبارکہ کے اوّل الفاظ میں حضرت جبرائیل بھی اسی طرح یَا مُحَمَّدُ کہہ کر خطاب کر رہے ہیں۔ ظاہر اور لازمی بات ہے۔ کہ اس وقت یہ آیت آ چکی ہے۔ تو اگر اس آیت کا مطلب یہی ہوتا جو مذکورہ فی السوال دیوبندی وہابی مولوی احتشام الحق نے لیا۔ تو حضرت جبرائیل و عزرائیل بوقتِ وفات اس طرح خطاب کیوں کر رہے ہیں۔ ثابت ہوا کہ یا محمد کہنا بے ادبی نہیں۔ **دلیل ۴**:۔ صحابہ کرام نے ہجرت کے دن نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد میں جلوس نکالا اور گلیوں اور بازاروں عام راستوں میں۔ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کے نعرے لگائے۔ جب کہ نبی پاک بھی وہاں ظاہراً موجود تھے۔ بالکل ویسا ہی نقشہ کھینچا۔ جیسا کہ آج کل ہمارے جلسے جلوس میں نعرۂ رسالت ہوتا ہے۔ یعنی اس موقعہ پر یَا مُحَمَّدُ، یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہنا خطاب نہ تھا۔ بلکہ محض بطورِ نعرہ لحصولِ برکت و رحمت

اور اظہارِ خوشی کے لیے تھا۔ اسی طرح آج کل ایسا ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ اس نعرے کو قائم و دائم رکھے
چنانچہ مسلم شریف جلد دوم صفحہ نمبر ص۴۱۹ پر ہے کہ :۔ فَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ
يُنَادُوْنَ۔ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ط (رقم ۲۶۰ البراء) (ترجمہ)
جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے۔ تو شہر کے
نوجوانوں، صحابہ اور مزدور لوگ راستوں میں متفرق ٹولیوں میں پھرتے تھے۔ اور یَا مُحَمَّدُ،
یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہتے تھے۔ اللہ کی بارگاہ میں یہ نعرہ اتنا مقبول ہوا۔ کہ آج تک ساری دنیا میں جاری و
ساری ہے۔ بلکہ اب یہ نعرہ مسلمان کا نشانِ ایمان بن چکا ہے کہ اس کے بغیر مسلمان کی پہچان مشکل ہے۔
صحابہ کرام نے یہ نعرہ لگایا۔ کون بے دین صحابہ کو بے ادب کہہ سکتا ہے۔ اگر یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
کہنا بے ادبی ہوتی۔ تو کوئی تو ان نوجوانوں، شیروں، دلیروں کو منع کرتا۔ پتہ لگا۔ کہ یَا مُحَمَّدُ
کہنا عین ایمان اور ادب ہے۔ ایسے پاکیزہ نعرے اور خطاب کو جو شخص بے ادبی کہتا ہے۔ وہ خود
گستاخ ہے۔ اور حضرت جبرائیل عزرائیل، صحابہ کرام کی گستاخی کر رہا ہے۔ **دلیل ۵** :۔
ابن ماجہ شریف صفحہ نمبر ص۹۹ پر باب الصلوٰۃ دعائے حاجت میں خود آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم نے ایک حاجت مند صحابی کو ایک دعا تعلیم فرمائی۔ جس میں یَا مُحَمَّدُ کے الفاظ فرمائے۔ اور
یہ دعا قیامت تک ہر مسلمان کے لیئے جائز ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ شریف بابُ صَلٰوةِ الْحَاجَةِ بروایت
عثمان ابن حنیف صفحہ نمبر ص۹۹ پر ہے :۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ
الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ (الخ) قَالَ اَبُوْ اِسْحٰقَ
هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ (ترجمہ) :۔ الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں۔ اور متوجہ ہوتا ہوں۔ تیری
طرف رحمت والے تعریف کیئے ہوئے نبی کے طفیل۔ یا محمدؐ بے شک میں متوجہ ہوں۔ آپ کے
وسیلے سے اپنے رب کریم کی طرف اپنی اس حاجت میں۔ (الخ) ابو اسحٰق نے فرمایا۔ کہ یہ حدیث بالکل
صحیح ہے یہ بات تجربہ شدہ ہے۔ کہ اب بھی انہی الفاظ کے ساتھ یہ دعا بطریقہ مسنونہ پڑھی جائے اگر ذرہ بھر لفظوں میں تبدیلی کر دی جائے تو اثر
نہیں ہوتا یہ دعا سکھانے والے نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور سیکھنے والے صحابی رسولِ کریم۔ اگر یا محمدؐ کہنا گناہ ہے
تو لگاؤ کس پر کیا فتوے لگاتے ہو :۔ **دلیل ۶** :۔ تمام مفسرین کرام قُلْ کی تفسیر میں یَا مُحَمَّدُ۔
لکھتے ہیں چنانچہ تفسیر جلالین اور تفسیر ابن عباس تفسیر صاوی وغیرہم میں جہاں کہیں قل۔ واحد مذکر
حاضر کا صیغہ آجاتا ہے وہاں وہ یَا مُحَمَّدُ لکھتے ہیں :۔ اگر یَا مُحَمَّدُ کہنا یا لکھنا بقولِ جہلاءِ دیوبند گناہ ہوتا
تو یہ مفسر کیوں لکھتے۔ حالانکہ تمام دیوبندی مدارس میں تفسیر جلالین پڑھائی جاتی ہے :۔

دلیل نمبر ۷ :۔ تمام دیوبندی اکابر کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب بھی یَا مُحَمَّدُ کہنے کو جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ اپنی مصنفات کلیاتِ امدادیہ دس رسائل کا مجموعہ کے آخری صفحات خاتمہ امدادیہ صفحہ نمبر ص ۲۲۳ پر ایک مناجات میں عرض بہ بارگاہ رسالت اشعار لکھتے ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے :۔

شعر

اے رسولِ کبریا فریاد ہے!
یَا مُحَمَّدُ مصطفٰے فریاد ہے!

(مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی)

دلیل نمبر ۸ :۔ سابقہ سات دلائل سے ثابت کر دیا گیا۔ کہ مخلوق میں حضرتِ جبرائیل سے امت تک سب نے یَا مُحَمَّدُ کہا۔ حضرت جبریل سے لے کر صحابہ کرام، مفسرین عظام، صوفیاء کی دعاؤں اور حاجی امداد اللہ صاحب اکابرین امت تک بھی سب نے یَا مُحَمَّدُ کہا۔ لیکن کسی نے اس کو بُرا نہ جانا اور نہ ہی آج تک یہ کلمہ بے ادبی میں شمار ہوا۔ حالانکہ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتی نام ہے آخر اس کی بے ادبی نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ تو سنیئے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ہر شخص کے نام نو ۹ قسم کے ہوتے ہیں :۔

۱ :۔ اسم جنسی :۔ جیسے لفظِ حیوانِ ناطق۔ کہ ہر شخص کا نام جنسی ہے۔ (۲) اسمِ نوعی جیسے لفظِ انسان کے ہر شخص کا نوعی نام ہے :۔ (۳) اسمِ صنفی جیسے لفظِ مرد یا عورت :۔ (۴) اسم سنّی :۔ جیسے لفظِ بچہ، جوان، بوڑھا۔ کہ ہر شخص کا عمر کے لحاظ سے نام ہوتا ہے (۵) اسمِ دینی :۔ جیسے لفظ مسلمان، لفظِ عیسائی، یہودی وغیرہ (۶) اسمِ قومی :۔ جیسے لفظِ سید، پٹھان وغیرہ (۷) اسمِ ملکی :۔ جیسے لفظ عربی ہندی، پاکستانی وغیرہ (۸) اسمِ ذاتی :۔ جیسے زید، بکر، خالد وغیرہ، (۹) اسم وصفی :۔ جیسے لفظ عالم، مولانا، حافظ، قاری، حاکم، آفیسر، تھانیدار، سپاہی، کرنل وغیرہ، مستری، مزدور تمام ناموں میں اصل نام جس سے ذات کی شناخت ہوتی ہے۔ وہ اسمِ ذاتی ہے۔ اس کو عربی میں عَلَم کہتے ہیں۔ یہ نام ہمیشہ دوسرے ناموں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اور دوسرا نام وصفی ہے، یہ نام والے کے وصف اور قابلیت کو ظاہر کرتا ہے۔ عام طور پر وصفی اور ذاتی نام جدا جدا ہوتے ہیں۔ ہمارے نام اسم بامسمّٰی نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نام خود ہم نے یا ہمارے والدین نے رکھے ہوتے ہیں۔ کہ جن میں ہمارے وصف کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی یہ ممکن کیونکہ ہمارے نام ذاتی بچپن میں رکھے جاتے ہیں۔ جب کہ ہمارا کوئی وصف ظاہر نہیں

ہوتا۔ بعد میں جیسے جیسے وصف پیدا ہوتے ہیں۔ نام خود بخود بنتے چلے جاتے ہیں۔ لہذا ہمارے ذاتی نام محض ذاتی غیر وصفی ہوتے ہیں بخلاف آقا و مولا حضور اَقْدَسْ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کہ آپ کے تمام نام جو لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ وہ سب کے سب عالمِ بالا میں خود خالقِ کائنات پروردگارِ عالم نے ہی رکھ دیئے۔ آپ کے دو نام ذاتی اور باقی نام صفاتی ہیں۔ لیکن دیگر ناموں کی طرح فقط ذاتی یا فقط صفاتی نہیں۔ بلکہ آپ کے ذاتی نام مع صفاتی ہیں۔ اور بعض صفاتی نام مع ذاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لفظِ محمد اور احمد آپ کے ذاتی نام بھی ہیں۔ اور آپ کی عظیم نعت بھی گویا کہ آپ اسم بامسمیٰ ہیں۔ کائنات میں بجز آپ کے کوئی اسم بامسمیٰ نہیں۔ اور اسی طرح آپ کے بعض صفاتی نام مع ذاتی ہیں۔ جیسے لفظِ رسول، مرسل نبی خاتم النبیین وغیرہ وغیرہ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کہ یہ الفاظ اگرچہ آپ کے اوصاف اور عہدے کے اعتبار سے ہیں۔ مگر اب آپ کے ذاتی نام یعنی عَلَم بھی ہیں۔ ذاتی اور صفاتی نام میں ایک فرق یہ بھی ہے۔ کہ ذاتی نام بغیر رکھے ہوئے ہم ہر ایک کے لیئے نہیں بول سکتے۔ مگر صفاتی نام ہر اس کے لیئے استعمال کر سکتے ہیں کہ جس میں یہ صفت پیدا ہو جائے۔ ذاتی اور صفاتی ناموں میں تیسرا فرق یہ بھی ہے۔ کہ ذاتی نام دائمی ہوتا ہے اور صفاتی نام عارضی۔ جب تک کہ صفت ہے نام ہے۔ اور جب صفت ختم، صفاتی نام بھی ختم اب ثابت ہو گیا۔ کہ ذاتی اور صفاتی جب علیحدہ علیحدہ ہوں۔ تو ان میں تین طرح فرق ہے۔ لیکن دونوں ساتھ ساتھ ہوں۔ تو یہ تینوں فرق بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ پس یاد رکھو کہ سب لوگوں کے نام ذاتی صفاتی علیحدہ ہیں۔ مگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام میں جدائی نہیں۔ اور یوں کہو۔ کہ آپ تو بچھڑوں کو جوڑنے والے ہیں۔ آپ کے تمام ذاتی نام آپ کی عظیم صفتوں کو بھی ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ جس طرح آپ کے بعض صفاتی نام آپ کے عَلَم یعنی ذاتی نام بن چکے ہیں۔ اسی طرح آپکے ذاتی نام صفاتی بھی ہیں۔ مثلاً نبی، رسول، آپکے صفاتی نام بھی ہیں۔ اور ذاتی بھی کہ اب کسی کو رسول، نبی نہیں کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد نہم پارہ نمبر ۱۸ صفحہ نمبر ۲۲۶ پر ہے:۔ وَقَالَ اَبُوْ حَیَّانَ یَنْبَغِیْ اَنْ یَجُوْزَ النَّعْتُ لِاَنَّ الرَّسُوْلَ قَدْ صَارَ عَلَمًا بِالْغَلْبَۃِ ط (ترجمہ) ابو حیان نے فرمایا۔ کہ یَا مُحَمَّدُ اور یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وغیرہ الفاظ سے نبی پاک کی نعت کہنی جائز ہے۔ کہ لفظِ رسول بھی اب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا عَلَم بن چکا ہے۔ کیونکہ اب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا غلبہ ہے۔ یعنی سابقہ انبیاء کی نبوت عِنْدَ النَّاسْ منسوخ ہے۔ اب دنیا میں رسول کسی کو نہیں کہا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے سوائے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کسی کو یَا رَسُوْلُ کہہ کر نہ پکارا۔ بلکہ

یَاآمُوْسٰی، یَاعِیْسٰی، یَاآدَمُ، ہی فرمایا۔ اور اسی طرف اشارہ ہے۔ علامہ جامی کے اس شعر کا:۔

یا آدم است با پدرِ انبیاء خطاب
یا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ خطابِ محمد است

جب یہ سمجھ لیا تو یاد رکھو۔
ہمارے اسلامی معاشرے اور رواج میں کسی بزرگ کو محض ذاتی نام سے پکارنا بے ادبی میں شمار ہوتا ہے لیکن صفاتی نام پکارنا عین ادب اور احترام ہوتا ہے۔ اسی لیئے بیوی خاوند کا، بیٹا بیٹی، ماں باپ کا شاگرد استاد کا، مرید اپنے پیر مرشد کا ذاتی نام لے کر ہرگز نہیں پکار سکتے۔ اس لیئے کہ شریعت مطہرہ کے قانون کے مطابق بڑوں کا ذاتی نام لے کر پکارنا منع ہے۔ کیونکہ ہمارے نام فقط محض ذاتی ہیں، ہاں نسبتی نام اور صفاتی نام لینے بالکل جائز ہیں۔ محض ذاتی نام لینے میں بے ادبی ہے۔ نسبتی اور صفاتی نام لینے میں بے ادبی نہیں۔ بلکہ ادب و احترام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی نام پاک بھی محض ذاتی نہیں بلکہ ہر نام صفاتی نام بھی ہے۔ کہ آپ کے ہر نام میں ہزارہا آپ کی صفات ظاہر ہیں۔ لہٰذا جس وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفات طیبہ کا خیال مدنظر ہو۔ تو کسی بھی نام سے ندا کی جائے تو جائز ہے، بدیں وجہ جب لفظ محمد کے ترجمے پر غور ہو۔ تو یَا مُحَمَّدُ کہہ کر پکارنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت جبرائیل و میکائیل و عزرائیل نے ندا کی۔ بلکہ خود باری تعالیٰ نے اسی نعت و شان کے اظہار کے لیئے اپنی نبی کو یَا مُحَمَّدُ کہہ کر ندا فرمائی۔ ان خطابات میں محض ذاتی نام مراد نہیں۔ اسی لیئے ہمارے اکابرین علماء نے جہاں کہیں یَا مُحَمَّدُ کہنے سے منع فرمایا۔ وہاں یہی مقصد ہے۔ کہ فقط ذاتی نام سمجھ کر عرض و معروض کرنے کے لیئے ندا کرنا اور پکارنا منع ہے۔ کہ اس میں بوجہ عمومیت بے ادبی کا شائبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حکیم الامت نے جاء الحق حصہ اول صفحہ نمبر ص۱۷۳ پر فرمایا۔ کہ یا محمد کہہ کر پکارنا منع ہے۔ یعنی یا محمد کا کہنا یا لکھنا منع نہیں۔ بلکہ ندا کرنا اور پکارنا ناجائز ہے۔ اسی طرح جاء الحق جلد اول صفحہ نمبر ۱۷۳ میں ہے۔ کہ۔ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے۔ جاء الحق میں پکارنے کی قید اسی لیئے لگائی گئی۔ کہ یَا مُحَمَّدُ ہمیشہ خطاب کے لیئے نہیں ہوتا۔ بلکہ لفظ یا، کبھی ندا کے لیئے کبھی توبہ کے لیئے اور کبھی محض نعرے کے لیئے۔ چنانچہ نحو کی کتابوں میں حرف یا کے دوسرے استعمال بھی مرقوم ہیں۔ دیکھو شرح جامی صفحہ نمبر ص۱۳۴ پر۔ صحابہ کرام ہجرت کے دن مدینہ پاک کی گلیوں، بازاروں کوچوں میں یَا مُحَمَّدُ اور یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہتے پھر رہے تھے۔ وہ ندا یا خطاب نہ تھا۔

ورنہ اتنی دور سے یہ الفاظ نہ بولتے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاکر عرض کرتے۔ صحابہ نے حرفِ یا بھی استعمال کیا اور آپ کا ذاتی نام بھی ثابت ہوا۔ کہ یہ پکار یا خطاب نہیں۔ بلکہ فقط نعرہ ہے۔ اور نعرے میں ہمیشہ صفاتی نام ہی مقصود ہوتا ہے۔ اور بقاعدۂ نحوی حرف یا نعرے کے وقت استعمال کرنا جائز ہے۔ ورنہ یہ صحابہ جو خود عربی ہیں۔ اور عربی نحو صرف سے واقف ہیں۔ وہ اس جگہ نعرے میں حرف یا کیوں استعمال کرتے۔ صحابہ کے اِس نعرے کو کسی صورت خطاب یا پکار نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ خطاب کا جملہ تامہ ہونا لازم ہے۔ حالانکہ یہ نعرہ جملہ ناقصہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ لفظِ محمد سے جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا صفاتی نام مراد ہو۔ تو یا محمد کہہ کر پکارنا ندا کرنا بالکل جائز ہے۔ للہذا فی زمانہ ہر جگہ ہر وقت مقدس ومطہر ہو کر یا محمد کہنا باعثِ ثواب۔ کیونکہ اب یہ لفظ بطور نعرہ مستعمل ہے۔ اور نعرہ ہوتا ہی صفاتی ہے۔ استمداد کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر وناظر اپنے بالکل قریب سمجھ کر آپ سے عرض ومعروض کرتے وقت بھی یا مُحَمَّدُ کہنا جائز۔ جب کہ یا مُحَمَّدُ کے صفاتی ترجمہ کا خیال ملحوظ ہو رہی وہ آیت کریمہ کہ جس کو وہابیانِ زمانہ نے اپنی دلیل سمجھی۔ اس آیت کا لفظ یا مُحَمَّدُ سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو (اِس آیت پاک کی مکمل تفسیر)۔ اِس آیت پاک کی تفسیر میں تمام مفسرین کرام بہت سے اقوال بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر الحدیث لعلامہ حافظ علیٰ عمار مصری جلد دوم صفحہ نمبر ص۲۹۳ پر ہے۔ اور تفسیر ابن کثیر لعلامہ اسماعیل ابی کثیر جلد سوم صفحہ نمبر ص۳۰۷ پر ہے۔ کہ دُعا بمعنی التجاء اور مناجات ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کو اپنی اپنی دعاؤں کی طرح نہ سمجھو ہماری دعائیں بعض قبول بعض مردود مگر انبیاء کرام کی سب دعائیں قبول ہی ہوتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ کہ فَاِنَّ دُعَآءَهٗ مُسْتَجَابٌ فَاحْذَرُوْهُ اَنْ يَّدْعُوْا عَلَيْكُمْ لِتَهْلِكُوْا۔ یعنی نبی کی بد دعا سے بچو۔ کہ یقیناً وہ ہلاک کر دیتی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد چیخ چیخ کر پکارنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دینا ہی مراد ہے یعنی لَا تَجْعَلُوْا والی آیت یہ حکم دے رہی ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چیخ چیخ کر نہ بلاؤ۔ بلکہ قریب جاکر آہستہ آہستہ سے کلام کرو۔ اُس وقت بہ نیت احترام وتوصیف یا مُحَمَّدُ یا رَسُوْلَ اللّٰہِ بھی کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر مدارک وتفسیر بیضاوی نے جلد دوم صفحہ نمبر ص۱۳۲ پر اسی بات کو ترجیح دی۔ اِن مفسرین کے نزدیک لَا تَجْعَلُوْا کا حکم صرف صحابہ کے زمانے میں ہی جاری تھا۔ کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیاتِ ظاہری جلوہ افروز تھے اور لوگ آپ سے بالمشافہ عرض ومعروض کیا کرتے تھے۔ اب یہ حکم منسوخ ہے۔ بعض مفسرین

کے نزدیک مصطفیٰ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام ذاتی لے کر بلانا ممنوع خواہ زور سے اور خواہ آہستہ، ان کے نزدیک یہ حکم اِس صورت میں ہے۔ جب کہ لفظِ مُحَمَّدٌ کو ذاتی نام سمجھا جائے تب یَا مُحَمَّدُ کہنا بے ادبی ہے۔ صفاتی نام کی نیت سے یَا مُحَمَّدُ کہنا یا بطور نعرہ یَا مُحَمَّدُ کہنا ان مفسرین کے نزدیک بھی بُرا اور نا جائز نہیں۔ ورنہ پچھلے دلائل مذکورہ کا جواب کیا ہوگا۔ چنانچہ تفسیر ابن عباس و جلالین نے یہ ہی کہا ہے کہ بہت سے لوگ نا سمجھی میں یَا مُحَمَّدُ کو بطریقہ ذاتی نام استعمال کیا کرتے تھے۔ جس سے بے ادبی کا ایک پہلو نکلتا ہے۔ اِس لیئے اللہ تعالیٰ نے نا سمجھوں کو تو منع کر دیا۔ مگر جبرائیل میکائیل و صحابہ کو منع نہ کیا۔ کیونکہ یہ لوگ یَا مُحَمَّدُ کو نبی پاک کی تعظیم و توصیف سمجھ کر کہتے تھے۔ یہ تھے، مفسرین کے نزدیک بعض اقوال اِس آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر میں۔ مگر یہ سب غیر مناسب تفسیریں ہیں اس لیئے کہ آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر کے چار درجے ہیں۔ ان ہی درجوں سے آیت کی سچی طرح سمجھ لینا ممکن ہے اگر یہ چار درجے تسلیم نہ کیئے جائیں۔ تو کسی آیت کو سمجھنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ اس لیئے کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت کی ہزاروں تفسیریں ہو چکی ہیں۔ جن میں اکثر غلط ہیں۔ ایک اجنبی شخص ان غلط تفسیروں کو پڑھ کر گمراہی کے قریب تر ہوتا ہے۔ اِس لیئے مفسرین کرام تفسیر سے پہلے ان چار تفسیری مدارج کو سمجھنے اور سمجھانے کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ پس جو تفسیر ان چار مدارج کے ماتحت ہوگی۔ وہ درست ہوگی۔ ان سے علیحدہ ہو کر تفسیر قطعاً غلط اور نا قابل قبول۔ مفسرین کے بتائے ہوئے چار درجے حسب ذیل ہیں:۔

نمبر ایک ۱: تفسیر القرآن بالحدیث المبارکہ مِنْ لِسَانِ رَسُوْلِ کَرِیْم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ: (۲) تفسیر القرآن بسیاقِ القرآن:۔ (۳) تفسیر القرآن بشانِ نزولِ آیات: (۴) تفسیر القرآن بِاَلْفَاظِ الْقُرْآن:۔ یہ چار درجے ہیں۔ کہ جن کے ذریعہ تفسیر کرنا جائز ہے۔ اِن سے ہٹ کر جو تفسیر ہوگی۔ اس کو تفسیر بالرائے کہا جاتا ہے۔ شریعت میں وہ سراسر غلط ہے۔ مندرجہ بالا جو تفاسیری عبارات کا ذکر کیا گیا۔ وہ سب اِن مدارجِ اربعہ کی حدود سے باہر ہیں۔ اِسی لیئے شرعاً قابلِ سند نہیں اِن جیسی تفاسیر سے ہی دیوبندی حضرات استفادہ کر کے غلط روش اختیار کرتے ہیں اِنہی اقوال سے مولوی احتشام الحق صاحب تھانوی نے استدلال میں سہارا پکڑا ہے۔ آج اتنے فرقے بھی ان ہی تفاسیر بالرائے سے بنم ہوئے۔ اگر مفسرین قرآن بننے سے پہلے اِن چار درجوں پر غور کر لیا جائے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ ضَلَالَۃٌ بِالْقُرْآن نہ سر اٹھا سکے۔ اب اس آیت کریمہ کے بارے میں

یہ چار درجے کسطرح ہیں۔ جب ان مدارج میں غور و فکر کر کے آیت پر نظر کی جائے۔ تو اس کا مطلب کچھ اور ہی شان سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ تفسیری ترجمہ ملاحظہ کیا جائے۔ اے مسلمانو :۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کسی شخص کو آواز دیں۔ تو آپ کی پکار کو لاپرواہی یا سستی سے ٹالا نہ کرو۔ جس طرح کہ ایک دوسرے کی آواز کو بھی اہمیت نہیں دی جاتی بلکہ جب کسی خطاب وعظ نصیحت کے لیئے یا کسی اپنے کام کے لیئے بلائیں۔ اور جب تک واپس جانے کی اجازت نہ دیں۔ ہرگز ہرگز واپس نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ اگر کوئی فرض، واجب یا نفل بھی پڑھ رہا ہو۔ تب بھی نماز چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی پکار پر دوڑا چلا آئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا کرم دیکھئے۔ کہ اس کی نماز بھی نہ ٹوٹے۔ پھر وہیں سے آ کر شروع کر دے۔ جیسے کہ حالت کی نماز نہیں ٹوٹتی۔ مگر یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا پکارنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ کہ انکی بات چیت، چلنے پھرنے، بازار جانے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کیا شان ہے دربارِ شاہانہ کی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ ط اب اس تفسیر کو کسی درجے سے دیکھو۔ غلط نہ ہو گی۔ بخلاف دیگر تشریحوں کے۔ (۱) اس آیت کی تفسیر بالحدیث بھی یہی ہے۔ کہ نبی پاک نے خود یہی مطلب بیان فرمایا۔ اور صحابہ کرام نے عمل کیا (۲) اس آیت کی تفسیر روشِ کلام سے بھی یہی ظاہر ہو رہی ہے۔ اس آیت کا سیاق و سباق اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ سے لے کر بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ تک ہے۔ اس عبارت آیات کا مطلب و مفہوم بلکہ لفظی ترجمہ یہی ہے۔ کہ میرے پیارے حبیب کی مرضی کے بغیر ان کی مجلس سے اٹھ کر نہ جاؤ۔ ان کے بلانے اور جمع کرنے سے فوراً آ جاؤ :۔ (۳) اس آیت کی تفسیر بالالفاظ بھی یہی بات ظاہر فرما رہی ہے۔ چنانچہ تفسیر روح البیان نے جلد ششم کے صفحہ نمبر ۱۸۵ پر ارشاد فرمایا :۔ کہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ الْمَصْدَرُ مُضَافٌ اِلَی الْفَاعِلِ (الخ) یعنی لَا تَجْعَلُوْا کی آیت میں لفظِ دعا مصدر ہے اور مضاف فاعل کی طرف ہے۔ کہ نبی جب تم کو پکاریں۔ اگر یا محمد کہنے کی اس آیت سے ممانعت ہوتی۔ تو دُعَآءَ الرَّسُوْلِ نہ ہوتا۔ بلکہ دُعَآءَ کُمْ لِلرَّسُوْلِ ہوتا لہٰذا نحوی اور لفظی لحاظ سے اور لفظی تفسیر کی بنا پر بھی یہی مطلب ثابت ہوتا ہے۔ (۴) باعتبار شانِ نزول کے بھی یہی تفسیر بنتی ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے مفسرین اس کا شانِ نزول یہی بیان فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم جب کبھی وعظ و نصیحت یا جمعہ و عید کے لیئے جمع فرماتے۔ تو منافقین اور ان کی دیکھا دیکھی بعض ان پڑھ یا کم سمجھ، نومسلم بھی جلدی نہ آتے۔ اور جب آتے۔ تو چھپ چھپا کر جلدی بھاگنے کی کوشش کرتے،

ان کے لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ غرضیکہ کسی طرح بھی اس آیت کو دیکھا جائے آخری تفسیر ہی ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے جن اکابرین نے اس آیت کے چند مطلب بیان کیے۔ وہ بھی ترجیح اس آخری معنیٰ کو ہی دیتے ہیں چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد نہم صفحہ نمبر ۲۲۴ پر ساری تفسیریں قال بعض اور قیل بعض بیان کرکے آخر میں فرماتے ہیں کہ نعم الاظھر فی معنی الآیۃ ما ذکرنا ھٰذا وکما لا یخفی۔ یعنی اگرچہ بہت سے لوگ اس آیت میں طرح طرح کے مذکورہ ترجمے کرتے ہیں۔ مگر زیادہ شاندار اور ظاہر وہی تفسیر ہے جو سب سے پہلے اوّل نمبر پر ہم نے بیان کی یہاں تک کہ وہابیوں کے سابقہ پیشوا اشرف علی صاحب تھانوی اپنے ترجمے کے صفحہ نمبر ص۴۳ پر اور موجودہ پیشوا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی تفہیم القرآن جلد سوم کے صفحہ نمبر ص۴۲۷ پر اسی تفسیر کی تائید کرتے ہیں۔ غرضیکہ اس آیت سے مخالف کا منشاء ہرگز نہیں حاصل ہوتا۔ نہ ہی لفظِ یا محمد کہنے کی حرمت ممانعت کسی بھی آیت سے ثابت ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے لفظِ دعاء الرسول میں رسول مفعولی مضاف الیہ بنایا ہے وہ محققین علماء بھی اسم جنسی اور نوعی اور نسبتی ناموں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے سے ممانعت فرماتے ہیں۔ نہ کہ یا محمد اور یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے۔ ان کا مقصد بھی یہ ہے کہ نبی کریم رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والثناء کو ابا چچا بھائی بھتیجا مرد انسان بشر کہہ کر نہ پکارو، ورنہ کیا ان کے سامنے یا محمد کے ثبوت میں وہ دلائل نہ تھے۔ جو ہم نے اوپر بیان کیے۔ ثابت ہوا کہ بجز وہابیوں کے کوئی بھی یا محمد کے نعرے سے منکر نہیں۔ سب علماء جائز اور باعث برکت سمجھتے ہیں۔ کہ جس طرح یا اللہ کہنا اور لکھنا جائز ہے۔ اسی طرح یا محمد بھی لکھنا اور کہنا بالکل جائز ہے۔ کہ وہ بھی اسم ذاتی مع صفاتی ہے اور یہ بھی ذاتی مع صفاتی۔ ذاتی نام کی تعریف نحوی یہ ہے۔ کہ جو موضوع لہ کے بغیر کسی اور پر نہ بولا جائے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی نام صفاتی سمجھ کر پکارنا اور نعرہ لگانا بالکل جائز۔ ہاں البتہ جب بھی نبی کریم کا کوئی نام منہ سے کہا جائے یا کانوں سے سنا جائے تو ضرور اور ضرور صلی اللہ علیہ وسلم کہا جائے۔ بلکہ لکھنا بھی مستحب اور زیادہ اچھا ہے۔ یہ حکم اس آیت سے نہیں بلکہ بابُ الصیام کی لعنت اور آمین والی حدیث سے ظاہر ہوا۔ لیکن ذاتی مع صفاتی کو صرف ذاتی علَم سمجھ کر پکارنا منع ہے۔ نحو کے اس قاعدے سے بھی اعتراض کرنا حماقت ہے کہ علَم اور وصف جمع نہیں ہو سکتے یہ قانون اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن لفظِ محمد منبع صفات ہے۔ جیسے کہ لفظ اللہ چنانچہ مناظرہ رشیدیہ صفحہ ص۳ پر ہے:۔ وَاللّٰہُ عَلَمٌ لِذَاتِ الْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْمُسْتَجْمِعِ لِجَمِیْعِ صِفَاتِ الْکَمَالِ۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ ؕ

کتبہ

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح منتقل ہوتا رہا؟

سوال ۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور کس طرح منتقل ہوتا رہا۔ عالی جاہ اُس کی حقیقت سے مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ جب کہ احادیث سے مجامعت و قربت ہی سبب معلوم ہوتا ہے۔ کیا نطفہ میں نور مخلوط تھا؟ اسی ذریعے سے پاک پشتوں اور رحموں میں منتقل ہوتا رہا ہے یا حقیقت کچھ اور ہے: بحر لطف تفصیلاً باحوالہ وضاحت فرما کر جواب باصواب سے جلد مستفیض فرمائیں: وَجَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔

سائل: مولوی محمد یعقوب خاں خطیب کامونکے منڈی ضلع گوجرانوالہ۔ بروز پیر ۲۶ محرم شریف ۱۳۹۲ھ۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ط

الجواب

سوال مذکورہ بہت اہم ہے اس لیے اس کے جواب کو سمجھنے کے لیے چند باتیں یاد رکھنی بہت ضروری ہیں۔ تاکہ جواب کو بآسانی سمجھا جا سکے (۱) جاننا چاہیئے۔ خلاق کائنات نے دنیا میں بے شمار مخلوق پیدا فرمائی۔ جن کو چار قسموں پر منقسم کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم مخلوقِ لطیف جیسے فرشتہ، جن، ہوا، روح وغیرہ۔ دوسری قسم حیوانات جیسے انسان، بیل، گھوڑا وغیرہ، تیسری قسم نباتات جیسے درخت بیل بوٹے۔ چوتھی قسم جمادات جیسے اینٹ پتھر، آسمان، زمین، چاند، سورج وغیرہ۔ لیکن اس تمام مخلوق کے طریقۂ پیدائش فطرتاً مختلف ہیں۔ چنانچہ ملک، ہوا، روح اور تمام جمادات بلاواسطہ بغیر وسیلہ یک دم مکمل پیدا کیئے گئے۔ اسی کو امرِ کن کی مخلوق کہا جاتا ہے۔ اس کی پیدائش میں کسی دوسرے کی مدد وغیرہ کا دخل نہیں۔ بخلاف دیگر مخلوق کے کہ اُن کی پیدائش میں ظاہری طور پر بے شمار وسائل حائل ہیں۔ جن کی بنا پر ان کو خلقتِ کسبی بھی کہا جاتا ہے عالمِ حیوانات میں ہر جاندار جوڑا جوڑا پیدا کیا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:۔ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ط ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے ان جانداروں سے دو دو جوڑے مذکر، مؤنث پیدا کیئے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ط وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى مِنْ نُّطْفَةٍ (الخ):۔ ترجمہ: ہم نے ہر چیز کے دو دو جوڑے پیدا فرمائے۔ اور وہ جوڑے نر و مادہ پیدا کیئے۔ اِن آیات سے ثابت ہوا کہ جانداروں کے علاوہ بعض نباتات بھی نر

و مادہ سے پروان چڑھتے اور بار آور ہوتے ہیں۔ لیکن خلاقِ کائنات نے ہر مذکر مونث کا اختلاط اور صحبت و ملاپ بے شمار طریقے سے کیا۔ اور نطفے بھی مختلف پیدا کیئے۔ چنانچہ بعض درخت بھی مختلف نوعیت کی نر و مادہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسے کھجور کا درخت انگور کی بیل وغیرہ اور ان کا اختلاط بھی مختلف نوعیت کا چنانچہ بعض صرف قرب سے صحبت یافتہ ہو جاتے ہیں۔ اور ہوا کے ذریعے نطفہ منتقل ہو جاتا ہے بعض کو نر درخت سے پیوند کرانا پڑتا ہے۔ اسی طرح جانداروں میں بھی نر و مادہ کی صحبت مختلف طریقوں سے ہوتی ہے۔ ہندوستان کے علاقوں میں ایک پرندہ قوقیس پایا جاتا ہے۔ جو اپنی شہوت رانی کے لیئے اپنی مادہ سے چونچ سے چونچ رگڑتا ہے۔ جس کی گرمی سے آگ کا شعلہ نکلتا ہے اور دونوں اپنے ہی جمع کیئے ہوئے تنکوں پر جل مرتے ہیں۔ اسی راکھ پر بارش ہوتی ہے۔ جس سے نئے کیڑوں کی شکل میں اس جیسے جانور پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر پرندہ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ حیوٰۃ الحیوان للعلامہ دمیری صفحہ نمبر ۲۲۱ اور کتاب عجائب المخلوقات جلد دوم صفحہ نمبر ۲۴۳ پر ہے۔ (قوقیس) قَالَ الْقَزْوِيْنِيُّ اَنَّهٗ طَائِرٌ بِاَرْضِ الْهِنْدِ (الخ) ایک اور پرندہ ققنس ہے۔ جبلِ ہند میں پایا جاتا ہے وہ سیٹی بجاتا ہے۔ تو اس کی مادہ حاملہ ہو جاتی۔ ابلیس کی ایک ران میں مذکر ہونے کا اثر ہوتا ہے دوسری میں مادہ کا۔ جب دونوں رانوں کو رگڑتا ہے۔ تو اس کی ذریت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تفسیر صاوی جلد سوم صفحہ نمبر ۱۵ پر ہے:۔ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لَهٗ فِيْ فَخِذِهِ الْيُمْنٰى ذَكَرًا وَّ فِيْ فَخِذِهِ الْيُسْرٰى فَرْجًا۔ فَهُوَ يَنْكِحُ هٰذِهٖ بِهٰذَا فَيَخْرُجُ كُلَّ يَوْمٍ عَشْرَ بَيْضَاتٍ يَخْرُجُ مِنْ كُلِّ بَيْضَةٍ سَبْعُوْنَ شَيْطَانًا وَّ شَيْطَانَةً (الخ):۔ مینڈک کی پیدائش مختلف طریق سے ہے۔ برساتی مینڈک خشک سالی میں مر کر مٹی بن جاتا ہے۔ پھر بارش ہوتی ہے۔ تو وہی مٹی چھوٹے مچھلی نما کیڑے بن جاتے ہیں جو بعد میں مینڈک کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح بچھو کی پیدائش بھی چند مختلف طریقوں سے ہوتی ہے:۔ ۱ زمین کے گندھکی مادے سے بچھو پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے کلر والی زمین میں بچھو زیادہ ہوتے ہیں۔ بعض اطباء کا قول ہے کہ زرد رنگ کی گائے کا گوبر اور اسی کے دودھ کا دہی ہم وزن ملا کر اچھی طرح کسی بنجر اور کلر والی زمین میں گڑھا کھود کر اس میں دہی گوبر ڈال کر اینٹ یا پتھر سے اچھی طرح بند کر دو۔ کہ اندر ہوا نہ جائے تو چالیس دن بعد وہ سب گوبر بچھو بنے ہوں گے غرضیکہ خلقِ خلق میں بے شمار قدرتیں اور قوانینِ خداوندی ہیں۔ عقلِ عقلا حیران سرگرداں ہے۔ یہ تو وہ مخلوق ہے جو عام قانون فطرت کے خلاف پیدا ہوتی رہتی ہے۔ لیکن وہ مخلوق جو اس فطرتی قانونِ مشہورہ یعنی جماع اور وطی کے ماتحت ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس میں بھی یکسانیت نہیں۔ بلکہ بے حد امتیازات ہیں۔ چنانچہ انسانی جماع و صحبت اور دیگر حیوانات گائے بکری وغیرہ کے جماع میں کئی طرح فرق ہیں۔ مندرجہ بالا دلائل سے بخوبی واضح ہو گیا کہ پیدائش

مخلوق یا دلادتِ اولاد کا سبب صرف مجامعت و قربت ہی نہیں جیساکہ سائل کو غلط فہمی ہوئی بلکہ بے شمار مختلف طریقے ہیں۔ اب انسانی حیوانی مجامعت کی تفریق سے مزید وضاحت ہوتی ہے۔ انسانوں اور حیوانوں کی صحبت میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ انسان سارے جسم سے صحبت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زانی کو سارے جسم پر حد لگتی ہے۔ اور جانور صرف آلۂ تناسل سے ۔ ۱ؕ۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ جانور کا نطفہ صرف مادہ منویہ ہی کے ذریعے رحم میں پہنچتا ہے۔ مگر انسان کا نطفہ زوج و زوجہ کے ہر عضو سے دخول کرتا ہے صرف مادہ منویہ ہی سے نہیں ؛ ۲ؕ تیسرا فرق یہ ہے کہ جانور کی مجامعت سے صرف انتقالِ جسم ہوتا ہے۔ مگر انسانی صحبت سے مختلف اشیاء۔ (۱) مادہ منویہ سے جسم اور اعضاء۔ (۲) ہم شکلی چہرے اور ہاتھ پیر کی۔ (۳) نفسِ ناطقہ (۴) عقل (۵) فہم (۶) ادراک (۷) حُسن (۸) نفسِ امارہ (۹) نفسِ مطمئنہ۔ اور یہ سب چیزیں مختلف اعضاء سے ہوتی ہیں۔ اگر یہ سب کچھ اصطلاحی نطفے سے ہوتیں تو لازم تھا۔ کہ ہر جانور کو یہ چیزیں حاصل ہوتیں۔ حالانکہ کسی جانور کو ان کا حصول محال بالذات اسی لیئے خالقِ عالم نے انسان کے تمام اعضاء میں قوتِ شہوت ودیعت کی ہے۔ بخلاف دیگر حیوانات کے کہ ان کے صرف عضو مخصوصہ میں شہوت ہے یہی وجہ ہے کہ انسانوں پر غسل واجب حیوانوں پر نہیں۔ اگر کسی حلال جانور کو وطی کے فوراً بعد ظاہر گندگی اتار کر پانی میں ڈال دو تو پانی نہ مستعمل ہوگا نہ ناپاک ؛ چنانچہ شرح قاشانی صفحہ نمبر ۲۷ پر ہے :- وَلِهٰذَا تَعُمُّ الشَّهْوَةُ اَجْزَاءَ كُلِّهَا وَلِذٰلِكَ اُمِرَ بِالْاِغْتِسَالِ مِنْهُ۔ فَعَمَّتِ الطَّهَارَةُ كَمَا عَمَّ الْفَنَاءُ فِيْهَا عِنْدَ حُصُوْلِ الشَّهْوَةِ - لِكَوْنِ الْمَاءِ الَّتِيْ تَنْفَصِلُ مِنْهُ اَصْلُ حَيَاتِهٖ ؕ (ترجمہ) اور اسی لیئے عام ہوتی ہے شہوت تمام انسانی اعضاء میں کہ وہ تمام اعضاء سے صحبت کرتا ہے۔ اس لیئے انسان پر غسل واجب ہے۔ پس جس طرح مرد کا دخول عام ہے طہارت بھی عام ہوئی۔ اس لیئے کہ وہ مختلف مادّے جو مختلف طریقوں سے مرد سے جدا ہو کر رحم زوجہ میں پہنچے ولد کی اصل حیات ہے۔ گویا کہ جانور کی صحبت ظاہراً اور حقیقتاً ایک طرز پر ہے کہ دخولِ عضوِ تناسل۔ مگر انسان کی مختلف طریقے سے کہ ظاہراً دخولِ عضو مخصوصہ مگر باطناً یا حقیقتاً ہر عضو بدیں وجہ اجنبی عورت و مرد پر پردہ فرض ہے۔ کہ نہ مرد عورت کے ہاتھ پیر چہرے کو دیکھے نہ عورت اجنبی اور غیر محرم مرد کے چہرے وغیرہ کو۔ اگرچہ ہر دو میں سے ایک نابینا ہو۔ جیساکہ ایک مرتبہ آقائے دو عالم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو عبداللہ ابن مکتوم نابینا صحابی رضی اللہ عنہ سے پردے کا حکم دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ عورت، مرد کو کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ اِن کی شرم گاہ ڈھکنی فرض ہے۔ مگر جانور کی شرمگاہ یا جسم نہیں ڈھکا جاتا۔ کہ انسان کے سب جسم میں شہوت ہے۔ اور جانور کے شرم گاہ میں بھی شہوت نہیں۔

اس لیے انسان ہر دن ہر وقت مجامعت کر سکتا ہے۔ مگر جانور مخصوص دنوں اور وقتوں میں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جانور شہوت رانی کے لیے شرم گاہ کی طرف جاتا ہے۔ مگر مرد بوس و کنار۔ یہاں تک کہ ہاتھ اور سینے کے لمس سے بعض کمزوروں کو انزال تک ہو جاتا ہے۔ اس لیے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور حنفی فقہاء بھی اپنے پر غیر مطمئن مرد کو حکم دیتے ہیں کہ روزے یا احرام کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ نہ لے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حدیث پاک میں ارشاد ہے۔ کہ آنکھ زنا کرتی ہے۔ ہاتھ پیر وغیرہ زنا کرتے ہیں۔ یعنی حکمی اور حقیقی طور پر نہ کہ ظاہری اور ظاہری زنا پر حد ہے نہ کہ باطنی پر۔ اتنے اختلافات اور فرق معلوم ہو جانے کے بعد اب جاننا چاہیئے کہ جانور یا انسان جب کسی مونث سے صحبت و مجامعت کرتا ہے۔ تو بذریعہ آلہ تناسل صرف مادہ منویہ منتقل ہوتا ہے۔ اور ہر حیوان کے اس مادے میں چار اشیاء ہوتی ہیں۔ آگ، ہوا مٹی، پانی، انہی کو عناصر اربعہ کہتے ہیں۔ تمام مخلوقات علت انتفاعی کے لحاظ سے دو قسم کی ہے۔ ایک نفع لینے والی اور ایک نفع دینے والی، نفع دینے والی اور اور فائدہ مند مخلوق تو انہی عناصر اربعہ سے مکمل ہو جاتی ہے۔ اسے مزید کسی خلقت کی ضرورت نہیں لیکن فائدے لینے والی مخلوق جو کائنات میں صرف انسان ہی ہیں۔ اُن کی تکمیلِ خلقت کے لیئے عناصر اربعہ کے علاوہ اور بہت چیزیں درکار ہیں۔ اور چونکہ وہ اشیاء صرف آلۂ مخصوصہ سے منتقل نہ ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا صناعِ کائنات جَلّ مجدہٗ نے تمام اعضائے انسانیہ میں وہ قوت ودیعت و منتقل کرنے کی طاقت رکھ دی۔ اسی لیئے کوئی جانور ہاتھ پیروں کے اعتبار سے اپنے ماں باپ کے ہم شکل نہیں ہوتا بخلاف انسان کے کہ وہ ظاہر باطن میں اپنے ماں باپ دادا دادی نانا نانی کے ہم شکل ہوتا ہے۔ نسلی ظریف (مراثی) یا نسلی گرتیے کا بیٹا ظریف اور گویا ہی ہوتا ہے۔ اسی لیئے شریعتِ اسلامیہ نے ازدواجی تعلقات میں کفو اور خاندان کو بڑی اہمیت دی ہے۔ بخلاف دیگر حیوانات کے کہ کفو برادری کا کوئی مسئلہ نہیں۔ ظاہر بات ہے کہ انسانی بولی کے علاوہ خوش گلوئی اور مذاقیہ ہونا عناصر اربعہ سے متعلق نہیں۔ نہ یہ مادہ منویہ سے پیدا ہوئیں۔ بلکہ یہ خصوصیات اور ذریعہ سے رحمِ مادر میں آئیں۔ اسی طرح عقل فہم ادراک، شیطانیت، رحمانیت، علم، شعور رحیمی کریمی جیسی تمام صفات باپ ہی کی طرف سے اولاد کو میسر ہوئیں۔ مگر مادہ منویہ سے نہیں۔ بلکہ ہاتھ پیر کان ناک سینہ چہرہ سر دماغ نے بھی بیوی کی انہی اعضاء سے مجامعتِ باطنی کی تھی۔ اس تمام گفتگو سے جہاں یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ پیدائشِ خلق مختلف طریقوں سے ہوتی ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ نسلِ انسانی چونکہ اشرف المخلوقات و موجودات سے فائدہ لینے والی تھی۔ اس لیئے اس کو باپ کی پشت سے عناصر اربعہ کے علاوہ بوقتِ جماع اور بھی ایسی نعمتیں ملیں۔ کہ جن کے ذریعے یہ دیگر اشیاء کو استعمال کر سکے۔ ہاتھ، پیر اور اعضاء

کو اگرچہ بطور آلہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر یہ فقط آلہ ہے۔ اسی طرح مدارس اور کتب علوم فقط آلہ ہیں۔ اصل علم تو پشت والد سے شکم مادر میں منتقل ہو چکا ہوتا ہے۔ اسی طرح طبیعت اور مشابہت بھی۔ چنانچہ ترمذی شریف جلد دوم صفحہ نمبر ۲۲ میں ہے:۔ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ الْحَسَنُ اَشْبَہُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ الصَّدْرِ اِلَی الرَّاْسِ۔ وَالْحُسَیْنُ اَشْبَہُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا کَانَ اَسْفَلَ مِنْ ذَالِکَ :۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت حضرت حسن وحسین میں موجود تھی۔ کیونکہ آپ نانا ہیں۔ یہ مشابہت بذریعہ والدہ ملی۔ اور یہ مشابہت اسی لیے ہے کہ ہر عضو سے انتقال انسانی ہوتا ہے۔ چنانچہ خاوند بیوی کی آنکھوں کے ذریعے ہم شکلی منتقل ہوتی ہے۔ اگر خاوند بوقت صحبت بچشم خود بیوی کی طرف متوجہ ہو۔ تو اولاد بیوی یا بیوی کے والدین سے مشابہ ہوگی۔ اگر بیوی اپنے خاوند کو دیکھتی ہو تو اولاد خاوند کے مشابہ ہوگی۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد ششم صفحہ نمبر ۲۳ پر ہے:۔ وَالصُّوْرَۃُ الَّتِیْ تَشْھَدُ الْاُمُّ وَتَتَخَیَّلُھَا حَالَ الْمُوَاقَعَۃِ لَھَا تَاثِیْرٌ عَظِیْمٌ فِیْ صُوْرَۃِ الْوَلَدِ (ترجمہ) ماں بوقتِ جماع جس کی شکل دیکھتی ہوگی۔ اور جس کے خیال میں گم ہوگی اس کی ہم شکلی کا اثر ولد پر پڑے گا۔ ہر انسانی صحبت کے وقت آلہ تناسل سے تو عناصر اربعہ مخصوصہ باپ سے ماں کی طرف منتقل ہوئے۔ لیکن بوسے اور پیار سے نطق انسانی منتقل ہوا یہی وجہ ہے کہ بجز انسان کوئی بھی نفس ناطقہ سے یعنی عقل وشعور وادراک سے مزین نہ ہوا۔ نہ جن وملک نہ جانور۔ چنانچہ کتاب تالیقات علی فصوص الحکم جلد دوم صفحہ نمبر ۳۲۸ پر ہے:۔ وَلٰکِنَّ الرُّوْحَ الْاِلٰھِیَّ لَمَظْھَرٌ اٰخَرُ فِی الْاِنْسَانِ۔ وَھُوَ النُّطْقُ۔ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ لَیْسَ کَائِنًا حَیًّا حَسَّاسًا فَحَسْبُ بَلْ ھُوَ کَائِنٌ نَاطِقٌ اَیْضًا :۔ یعنی روحِ الٰہی کا مظہر انسان ہے اور وہ روحِ الٰہی نطق ہے اس لیے کہ انسان کے لیے اس روح کے بغیر فقط حی اور حساس ہونا کافی نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ وہ ناطق بھی ہو۔ بوقت صحبت ہاتھ کے لمس سے قوتِ لامسہ اور شباہتِ ید کا انتقال ظاہر ہوتا ہے۔ پسلیوں کے جڑنے سے روح انسانی کا دخول ہوتا ہے۔ جو پہلے قلبِ مادر میں ٹھہری رہتی ہے۔ رانوں کے ملاپ سے نفسِ امارہ منتقل ہوتا ہے۔ کہ یہی شیطان کا مقام ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجامعت کے لیے کپڑے اتارنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ۔ پڑھے تا کہ شیطان اور شیطانی اثرات دور ہو جائیں۔ آنکھوں کے تعلق سے شرم وحیا اور ہم شکلی منتقل ہوتی ہے۔ آنکھیں بھی روح قیامی کے دخول وخروج کا راستہ ہیں۔ سینے کے مس سے کیفیاتِ قلبیہ کا انتقال ہے۔ اسی سے شباہت صدری کا بھی حصول ہے۔ پیشانی کے قرب اور ملاپ سے نفس مطمئنہ ضمیر انسانی کا دخول ہے۔ کہ یہ بھی

نور معرفت کا مقام اول ہے۔ غرض کہ سارا خاوند ساری بیوی سے دخول کرتا ہے جیسے کہ آئینے کے سامنے مرد شبیہی طور پر آئینے میں داخل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْاِنْسَانُ مِرْاٰۃُ الْاِنْسَانِ انسان انسان کا آئینہ ہے۔ فصوص الحکم میں ہے :- کَذَالِکَ الْاِنْسَانُ ھُوَ الْمُجْلٰی اَلَّذِیْ یُبْصِرُ الْحَقَّ بِہٖ نَفْسَہٗ اِذْ ھُوَ مِرْاٰتُہٗ پھر جس طرح اس رب کریم خلاقِ اعظم سبحانہ نے جانوروں میں اتنے تخلیقی اختلافات کے باوجود سراسر اس کی کروڑہا حکمتوں پر مبنی ہیں۔ جن تک عقل تو در کنار شعورِ انسانی تک کو پہنچ نہیں۔ مزید خلقتِ انسانی میں فرق فرمائے۔ پھر انسانوں میں کافر، مومن، ولی صحابی اور نبی میں بہت عظیم فرق کیے گئے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ شعر

کارِ پاکاں راقیاس از خود مگیر .... گرچہ ماند در نوشتن شیر و شِیر

آں خورد گردد پلیدی زو جدا ..... ایں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

تو بھلا اس رب العزت نے اپنے حبیب سردرِ انبیاءِ کرام آقائے دو عالم۔ عرش و فرش کے عطائی مالک جنت و دوزخ کے مختار کی خلقت مبارکہ میں کیا کچھ امتیازات نہ کئے ہوں گے۔ جب انسان کی ادنیٰ اشرفیت کی وجہ سے تمام مخلوق نسلِ انسانی کو پیدائشی طور پر ایک علیحدہ مقام سے نوازا۔ تو کس طرح ہو سکتا تھا۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خلقت و ولادت اور انتقالات عام انسانوں کی طرح ہوں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ بقول حضرتِ حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- شعر

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ ..... کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

ترجمہ :- اے پیارے نبی آپ تمام مخلوق سے مختلف ہو کر ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے۔ گویا کہ آپ سے پوچھ پوچھ کر آپ کو بنایا گیا :۔ عام انسان مومن جب صحبت کرتا ہے تو پیشانی کے مس سے نفسِ مطمئنہ منتقل ہوتا ہے۔ لیکن والدینِ انبیاءِ کرام کی پیشانی سے بوقتِ مقاربت مبارکہ نفسِ الٰہی یا روحِ الٰہی کا انتقال ہوتا ہے۔ اگر وہ باپ کے واسطے سے ہو تو نفس الٰہی اور اگر حضرت جبرائیل کے واسطے سے ہو۔ تو روح الٰہی اور اگر بلا واسطہ خود رب کریم کی طرف سے وارد ہو تو عین نور۔ اسی لیے حضرت آدم صفی اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ ہوئے۔ یہ دو واسطے نشانِ قدرت ہیں۔ مگر پہلی صورت قانون قدرت ہے اسی کو نور اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ باپ کی پیشانی سے والدہ کی پیشانی میں دخول کرتا ہے۔ بجز انبیاء کے کسی کو نہیں ملتا۔ اسی لیے انبیاء نور ہیں۔ اور والدینِ انبیاء مومن ہیں۔ نہ انبیاء غیر نور ہو سکتے ہیں۔ نہ انکے والدین غیر مومن۔ تعلیقات علی فصوص الحکم جلد دوم صفحہ نمبر ۳۲۵ پر ہے :- وَلٰکِنَّ النَّفْسَ الْاِلٰھِیَّ وَالرُّوْحَ الْاِلٰھِیَّ نُوْرَانِیٌّ (ترجمہ) لیکن نفس الٰہی اور روح الٰہی ہر دو نورانی ہیں۔ یہ انبیاء

کی روحوں کی شان ہے۔ دیگر انسانوں، حیوانوں کی ارواح نار ہیں۔ کتنا عظیم فرق ہے۔ چنانچہ حاشیہ قاشانی صفحہ نمبر ص۱۷۲ پر ہے:- فَظَهَرَ اَنَّ الرُّوْحَ يَتَّبِعُ فِي الظُّهُوْرِ لِلنَّشْأَةِ فَكَانَ فِي النَّشْأَةِ الطَّبِيْعَةِ نُوْرًا كَمَا فِي الْمَلَائِكَةِ وَنَارًا كَمَا فِي الْاِنْسَانِ ط ترجمہ پس ظاہر ہوا کہ روح ظہور میں خلقت کے تابع ہوتی ہے پس روح خلقتِ اولیٰ میں نور ہے۔ جیسے ملائکہ میں اور انسانوں میں نار ہے۔ روحِ اوّل جس کو منطقی لوگ عقلِ اوّل کہتے ہیں نورِ محمدی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی کا سب سے اونچا مقام ہے۔ یہی نور سب سے پہلے پیشانیٔ آدم میں خود باری تعالیٰ عز اسمہٗ نے اپنے دستِ قدرت سے رکھا۔ کہ ارشاد ہے:- وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ط اسی کو ملائکہ سے سجدہ کرایا گیا۔ کہ ارشاد ہوا:- فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ ط جھکتے ہوئے گر جاؤ۔ اس کو سجدہ کرتے ہوئے۔ یہی نور منتقل ہوتا ہوا حضرت عبد اللہ کی پیشانی میں آیا، اور وہاں سے منتقل ہو کر پیشانیٔ آمنہ میں دخول کیا رضی اللہ تعالیٰ عنہما چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:- وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ بخلاف دیگر انسانوں کے کہ ان کی ارواح آگ کی ہیں۔ چنانچہ شرح قاشانی جلد دوم صفحہ نمبر ص۱۷۲ پر ہے:- فَكَانَ رُوْحُ الْاِنْسَانِ نَارًا لِاَجْلِ نَشْأَتِهٖ اَيِ الرُّوْحُ الْحَيَوَانِيُّ الَّذِيْ بِهٖ حَيَاةُ الْبَدَنِ ط (ترجمہ) پس روحِ انسانی جس سے اس کے بدن کی بقاء اور حیات ہے وہ ناری ہے خلاصۂ کلام کا یہ ہے کہ روح چار قسم کی ہے۔ (۱) نفسِ الٰہی (۲) روحِ الٰہی ملکیہ (۳) روحِ ناری۔ جس کو روحِ قائم بھی کہتے ہیں۔ جسمِ پاکِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ چاروں روحیں عطا ہوئیں۔ بعض انبیاء کو صرف نفسِ الٰہی اور روحِ قائمہ اور بعض کو روحِ الٰہی اور قائمہ۔ دیگر انسانوں کو روحِ ملکی اور قائمہ۔ جانوروں کو فقط روحِ قائمہ عطا ہوئی۔ حرامی ولد الزنا کو بھی فقط روحِ قائمہ ملتی ہے روحِ ملکی سے حرامی اولاد کو نہیں نوازا جاتا۔ نہ وہ مشاہدۂ تجلیات سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ اس لئے حرامی شخص متقی اور ولی نہیں بن سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے:- وَاَعْظَمُ الْوُصْلَةِ اَلنِّكَاحُ اَيِ الْجِمَاعُ الْحَلَالُ وَهُوَ بِالنِّكَاحِ اَوِ الْمِلْكِ اِذْ بِدُوْنِهِمَا لَا رُوْحَ لَهٗ فَلَا يُشَاهِدُ الْحَقَّ اَبَدًا لِذٰلِكَ حَرَّمَ الزِّنَا فِيْ جَمِيْعِ الْاَدْيَانِ ط۔ (قاشانی) ترجمہ سب سے بڑا وصل نکاح یعنی حلال صحبت سے ہوتا ہے۔ اور حلال صحبت لونڈی یا بیوی سے ہوتی ہے۔ اس کے بغیر روحِ ملکی حاصل نہیں ہوتی۔ پس وہ شخص تجلیاتِ حق کا مشاہدہ نہیں کر سکتا اس لئے ہر دین میں زنا حرام ہے۔ خیال رہے کہ روحِ قائمہ سے اجسامِ کثیفہ یعنی مخلوق کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اور روحِ ملکی سے مشاہدۂ تجلیاتِ ربانی ہوتا ہے۔ جس سے ولایتِ کاملہ اور درجۂ ملائکہ حاصل ہوتا ہے اور روحِ الٰہی سے اسرارِ قدرت کا نظارہ ابدی حاصل ہوتا ہے۔ جو انبیاء کا خاصہ ہے۔ اور نفسِ الٰہی سے ذاتِ خالق کا دیدار ہوتا ہے۔ جو صرف

محمد مصطفیٰ کا خاصہ ہے۔ یہ روح نور اول سے تعبیر ہے یہی پیشانیِ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منتقل ہو کر بطن آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں جلوہ گر ہوا۔ تمام ارواح چہرے کے راستے دخول بطن کرتی ہیں۔ مگر نفس الٰہی ماتھے سے اور روح الٰہی اگر باپ کے واسطے سے ہو تو ماتھے سے۔ اگر بلا واسطہ ہو تو گریبان کی حبل ورید کے ذریعے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ ہی روح دستِ قدرت سے بسبب جبرائیل عطا ہوئی اسی لیے آپ کا لقب روح اللہ ہوا۔ اور آپ سے خدائی کاموں کا ظہور ہوا۔ خود فرماتے ہیں کہ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْــٴَـةِ الطَّیْرِ ط (ترجمہ) :میں تمہارے سامنے پرندے کی مثل پیدا کروں گا۔ یہ روحِ الٰہی ہے۔ مگر نفسِ الٰہی کا نام روح محمدی ہے یہ ایک بے مثل ذات کی بے مثل مخلوق ہے۔ یہ سب سے اول عینِ ذاتِ باری سے اور تمام مخلوق عین اس سے چنانچہ تفسیر روح البیان جلد دوم صفحہ نمبر ۱۷۲ پر ایک روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی ارشاد فرماتے: کہ اَنَا مِنَ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّیْ ط: میں اللہ سے ہوں اور تمام مخلوق مجھ سے ہے۔ اسی روحِ محمدی سے عرش بنا۔ چنانچہ علامہ قاشانی نے اپنی شرح کے صفحہ نمبر ۲۷۵ پر فرمایا: فَاِنَّ الْعَرْشَ مَخْلُوْقٌ مِّنَ الْعَقْلِ الْاَوَّلِ الَّذِیْ هُوَ رُوْحُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ ط (ترجمہ) ۔ کیونکہ عرش مخلوق ہے۔ اسی عقل اوّل سے جو روح محمدی ہے صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ ثابت ہوا کہ نورِ محمدی پیشانی کے ذریعہ دخول ہوا چنانچہ تفسیر روح البیان دوم نے صفحہ نمبر ۲۷۳ پر اس کی مختصر تفصیل بیان کی ہے۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس طرح حضرت عیسیٰ کو روح الٰہی عطا ہوئی۔ (ابن مریم علیہ السلام) ؑ اسی طرح غوث پاک عبدالقادر جیلانی کو روح محمدی عطا ہوئی۔ وہ بھی بلا واسطہ یہ بھی بلا واسطہ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا لقب روح اللہ ہوا۔ آپ کا لقب روح محمدی۔ جب حضرت مسیح پر روح الٰہی کا غلبہ ہوتا تو آپ کے دہن پاک سے اِنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ کا نعرہ نکلتا۔ اور اس کا ظہور بھی ہوتا۔ اسی طرح عبدالقادر جیلانی پر روحِ محمدی کا غلبہ ہوتا۔ تو زبانِ مبارک سے ایسے کلمات نکلتے۔ کہ میں نے حضرت نوح کی مدد کی۔ اور میں نے حضرت ابراہیم کو آگ سے بچایا۔ جس کو کسی نے قصیدہ روحی کے اشعار میں جمع کیا۔ اور ایسے قصیدے کا مکمل چھاپنا پڑ رہا گناہ ہے کیونکہ اسرار الہٰیہ ہیں۔ نہ وہ حضرت عیسیٰ کی اپنی آواز تھی اور نہ یہ عبدالقادر جیلانی کی۔ بلکہ محمدی وحا الٰہی کی آواز تھی۔ اور یہ روحِ محمدی کی۔ اور جس طرح اِنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ کہنے کے باوجود نہ حضرت عیسیٰ کو خالق کہہ سکتے ہیں۔ نہ سب انبیاء سے افضل۔ اسی طرح نہ غوث اعظم کو نبی کہہ سکتے ہیں۔ نہ صحابہ تابعین سے آپ کا مقام و درجہ زیادہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دو مقام ہیں۔ ایک مقام روح اللہ ایک مقام نبی اللہ۔ اسی طرح حضرت غوث پاک کے بھی دو مقام ہیں۔ ایک مقامِ قطبیت جو ازل میں رسول اللہ کی معرفت آپ کو حاصل ہوا۔ اور جو درس گاہِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سے بعد حصولِ علومِ لدنّیہ عطا ہوا۔ جس کی طرف خود قصیدہ غوثیہ میں اشارہ ہے۔ کہ دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا میں نے اتنا علم پڑھا کہ میں قطب ہو گیا۔ دوسرا مقام۔ مقامِ غوثیت۔ مقامِ قطبیت کی وہ آواز تھی۔ جو قصیدہ روحی میں تھی۔ جس لحاظ سے آپ اوّلین و آخرین اولیا کے سردار ہیں۔ مندرجہ ذیل شعر اسی مقامِ قطبیت کو ظاہر کر رہا ہے۔

غوث اعظم درمیانِ اولیاء چوں جنابِ مصطفٰے در انبیاء

اعلیٰحضرت مجدد ملت مائۃ حاضرہ کا شعر مذکورۃ الذیل بھی اسی طرف مشیر ہے۔ جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے۔ سب ادب رکھتے ہیں دل میں میرے آقا تیرا۔ یہاں اولیاء قبل سے مراد صحابہ وغیرہ نہیں بلکہ اولیاء بنی اسرائیل مراد ہیں۔ اور ادب سے مراد شفقت و پیار بھی ہوتا ہے (دیکھو مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الادب) دوسرا مقام غوثیت۔ جس کے لحاظ سے آپ کا درجہ اپنے مشائخ اور اساتذہ علوم ظاہرہ اور داتا گنج بخش وغیرہ اکابرِ دین کے بعد ہے۔ اسی طرف حضرت مجدد الف ثانی کا یہ قول اشارہ کرتا ہے کہ حضرت عبد القادر جیلانی کا مرتبہ فقط بعد والے اولیاء اللہ سے زیادہ ہے۔ یہ ہے آپ کا مقامِ غوثیت مجدد صاحب کو سرکار بغداد کے مقام اعلیٰ تک پہچان نہیں ہوئی — - - - - -

حضور غوث پاک کا مقام قطبیت ہی روح محمدی ہے۔ کیونکہ محمدی قطبیت اول ہے چنانچہ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتوحات مکیہ باب نمبر ۲۷۰ صفحہ نمبر ۵۶۶ پر فرماتے ہیں۔ کہ عالم کا قطب اول مخلوقات سے چار کروڑ سال پہلے پیدا ہوا۔ اور یہی قطب تمام انبیاء کی امداد فرماتا رہا ہے۔ اسی قطب اوّل سے تمام مخلوق پیدا ہوئی۔ اسی قطب اول کا نام روح محمدی ہے۔ ابن عربی کے کلام اور ان روایات مبارکہ کا موازنہ کرو۔ جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خلقت سے متعلق صحابہ کرام کے سامنے مختلف الفاظ میں بیان فرمائیں۔ تو ایک ہی مقصد ظاہر ہوتا ہے۔ یہ وہی روح محمدی حضور غوث پاک میں بلا واسطہ ودیعت ہوئی۔ جس طرح حضرت عیسیٰ میں روح اللہ۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ روح اور نور نطفۂ مخصوصہ کے ذریعے منتقل نہیں ہوتے۔ بلکہ کبھی بالواسطہ والد کی پیشانی سے منتقل ہوتا ہے۔ جیسے تمام انبیاء اور خصوصاً حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حضرت عبد اللہ کی پیشانی سے منتقل ہوا۔ چنانچہ علامہ نبہانی فرماتے ہیں۔ يَنْتَقِلُ نُوْرُ النَّبِیِّ مِنَ الْجَبِیْنَۃِ اِلَی الْجَبِیْنَۃِ سب سے پہلے یہ نور پاک پیشانی حضرت آدم میں منتقل ہوا۔ اور کبھی یہ نور بلا واسطہ منتقل ہوتا ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ میں روح اللہ اور غوث پاک میں روح محمدی کا انتقال اسی روح محمدی کی طرف قصیدہ غوثیہ کا یہ شعر اشارہ کرتا ہے:

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا

یہاں قطب سے مراد یہی روحِ محمدی ہے۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

کافر کی قسمیں اور مرزائیوں کو کیوں اقلیت قرار دیا گیا

سوال نمبر ۱۸ :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں۔ کہ آج احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے کل شیعوں کو کافر قرار دینے۔ اور پرسوں وہابیوں کو مرتد قرار دینے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، مسلمانوں کے تمام فرقے اہل قرآن، اہل حدیث، اہل سنت، دیوبندی، اہل سنت والجماعت بریلوی، شیعہ و شیعہ اسماعیلی، پرویزی، مودودی وغیرہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور ہر ایک دوسرے کو بدعتی، مشرک، منافق، کافر، مرتد، قابل گردن زدنی وغیرہ سمجھتے ہیں۔ تو پھر قادیانی فرقہ کے جرم کی نوعیت کیا ہے، مرزا غلام احمد قادیانی نے کئی جگہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی ہے مثلاً ؎

وہ پیشوا ہمارا جس کا ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمد دلبر میرا وہی ہے

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم
گر کفر است ایں بخدا سخت کافرم

ما مسلمانیم بافضل خدا
مصطفےٰ مارا امام و پیشوا

ہمت او خیر الرسل خیر الانام
بر نبوت را بر و شد اختتام

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدام ختم المرسلین

تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب!
کیوں نہیں آتا تمہیں خوف عذاب

اس لئے لاہوری مرزائی مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے۔ بلکہ سُنیوں کے پیچھے نماز بھی پڑھ لیتے ہیں لہٰذا فرمایا جائے۔ کہ کیا وجہ ہے مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کی اور اگر باری باری وہابی شیعہ کو اقلیت قرار دیا گیا۔ تو کون مسلمان رہے گا۔

السائل :۔ محمد انور آفیسر مسلم کمرشل بینک منگلا کالونی براستہ دینہ ضلع جہلم

بعون العلام الوھاب

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق کافر دو قسم کے ہیں۔ (۱) کافر عند اللہ (۲) کافر عند الشریعت۔ وہ لوگ جو عند الشریعت کافر نہیں مگر عند اللہ کافر ہیں۔ جیسے بعض دیوبندی اور بعض شیعہ، چکڑالوی اور اہلِ قرآن وغیرہ اُن کے متعلق شریعت کا حکم اور قانون دوسرے کفار کے قوانین اور احکام سے مختلف ہیں۔ اور مندرجہ ذیل چند قوانین کی بنا پر ان پر شرعی فتوے کی نوعیت کچھ اس طرح ہوگی (۱) شرعاً ان کو اجتماعی طور پر کافر نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ ہر شخص کی علیحدہ علیحدہ کفرِ لزومی کی تحقیق ہوگی (۲) شرعی طور ان کو قومی کافر نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ بعد تحقیق اگر کسی بات سے کفر ثابت ہو۔ تو اُن کو انفرادی طور پر کافر کہا جائے گا۔ نہ کہ اجتماعی۔ (۳) یہی وجہ ہے کہ اُن کو کسی بھی دارالاسلام میں اقلیت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ اقلیت صرف اجتماعی اور قومی کافروں کے لیئے ہوتی ہے۔ (۴) اس قسم کے کافر کے ہر لفظ پر شرعی طور پر مفتیٔ اسلام خوب غور و فکر اور علمی تحقیق کرے گا۔ اگر ایسے شخص کے بولے ہوئے لفظ پر کوئی پہلو اسلام کا نہیں نکلتا۔ ہر طرف سے کفر ہی ثابت ہوتا ہے۔ تب اس کے لیئے انفرادی طور پر فتوای کفر جاری کیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص اپنے آپ کو دیوبندی یا شیعہ یا وہابی یا چکڑالوی یا پرویزی کہتا ہے۔ تو اس وقت یہ لفظ کہنے سے ہی اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ اس کے عقائد اُس کے منہ سے سنے جائیں گے۔ اور پھر وہ عقائد اگر شرعی طور پر صرف کفر ہی ثابت ہو۔ تو اس کو شرعاً کافر کہہ دیا جائے گا۔ دینِ اسلام کے تمام فرقوں کا یہی حکم ہے۔ اس لیئے ہر دیوبندی یا شیعہ یا دیگر فرقہائے باطلہ کو اجتماعی طور پر کافر نہیں کہا جاسکتا۔ بخلاف دیگر کفار کے کہ وہ لوگ شرعی کافر ہیں شرعی کافر اجتماعی اور قومی کافر ہوتا ہے۔ ایسے کافروں کے عقائد اور الفاظ کی تحقیق یا تفتیش نہیں کی جاسکتی۔ یہ قومیت کے لحاظ سے کافر ہیں۔ مثلاً ایک شخص اپنے آپ کو ہندو، سکھ، عیسائی یا یہودی کہتا ہے۔ تو اِس اقرار سے ہی اس پر کفر کا فتوای جاری کر دیا جائے گا۔ وہاں لفظی چھان بین نہ ہوگی۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری جلد دوم صفحہ ۲۷۹ پر ہے :۔

مُسْلِمٌ قَالَ اَنَا مُلْحِدٌ یَکْفُرُ ٭ (ترجمہ) :۔ مسلمان نے کہا میں ملحد ہوں اتنا کہتے ہی کافر ہو جائے گا۔ ایسے کفار کو اقلیت قرار دیا جاتا ہے۔ ہر دو کفر کے مندرجہ ذیل تین بنیادی اصول ہیں

(۱) نبوت ٭ (۲) کتاب ٭ (۳) شریعت ٭

موجودہ دور کے مرزائی لاہوری ہوں یا قادیانی، ان تین اصول کی بنا پر قومی اور اجتماعی کافر ہیں۔ لہٰذا وہ لوگ اسلامی فرقوں میں شامل نہیں ہوسکتے۔ اس وجہ سے حق مسئلہ یہ ہے کہ ان کو مرتد قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اُن کا کلمہ پڑھنا بھی شرعی طور پر منافقت ہے۔ نہ کہ اسلام اور منافق کافر مطلق ہوتا ہے۔ نہ کہ مرتد بے دین

بدیں وجہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جانا شرعی حکم ہے۔ یہ ہے وہ بنیادی فرق کہ جس کی بنا پر یہ اسلامی فرقوں سے ممتاز ہیں۔ قادیانی فرقہ مرزے کو نبی اور اس کی تصنیفات کو اللہ کی وحی اس کے اقوال ہے، ہو وہ کوئی شریعت مان کر کافر شرعی ہوئے۔ اور لاہوری فرقہ مرزا غلام احمد جیسے کافر کو جس کو شرعی مرتد کی حیثیت حاصل ہے؛۔ مسلمان کہہ کر کافر ہوئے۔ مرزا غلام احمد کا کفر اور سار تداد ان ہی تین مندرجہ بالا بنیادی اصول سے ہے۔ کہ اس نے پہلے اپنے آپ کو صحیح شرعی مسلمان بنا کر پھر اپنے لیئے نبوت نئی کتاب اور نئی شریعت کا دعوے کیا۔ مرزا غلام احمد کا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ نعتیں لکھنا۔ اس کے اسلام کی سند نہیں ہو سکتیں۔ اس لیئے کہ ہمارے آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعتیں تو ہندوؤں، سکھوں نے بھی لکھیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

*

کتاب الجنایات

مجرموں اور ان کی اسلامی سزاؤں کا بیان اور ناسخ منسوخ آیتوں کی فہرست

سوال ۱۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ آج سے چند دن پیشتر ہمارے پاس ایک رسالہ بنام بلاغ القرآن پہنچا جس کے چند صفحات پر شریعت کے ایک بہت عظیم قانون کے خلاف قلم اٹھایا گیا ہے۔ اور لکھا گیا ہے کہ زانی کو رجم کرنے کی سزا اسلام کے خلاف ہے۔ ایم آئی چوہدری ایڈووکیٹ لاہور نے گیارہ دلیلوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سنگسار کرنا شرعی حد نہیں ہے۔ اور اس تحریر کو فاضل وفاقی شرعی عدالت نے بارہ نومبر ۱۹۸۰ء کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے ۲۱ مارچ ۱۹۸۱ء کو ایم آئی چوہدری مذکور منکر احادیث پرویزی چکڑالوی کے حق میں رجم کے خلاف اپنا فیصلہ صادر فرما دیا ہے ایم آئی چوہدری کے گیارہ دلیل مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی دلیل:۔ پرویزی کہتا ہے۔ کہ زانی اور زانیہ خواہ کنوارے ہوں یا شادی شدہ ان کی حد شرعی صرف سو کوڑے ہر قسم کے زانی کی مکمل حد ہے۔ دلیل میں یہ آیت پیش کرتا ہے۔ الآیۃ۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ

جَلْدَۃٍ :- **دوسری دلیل** :- قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ اور ناسخ نہیں ہو سکتی۔ اور یہ سزا یعنی سو کوڑے ہر قسم کے زانی کی مکمل حد ہے۔ دلیل میں یہ آیت پیش کرتا ہے۔ سورۃ ۲۴ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ (الآیۃ)
اس آیت کا ترجمہ اور مطلب یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو حد زنا کی بیان فرمادی وہی مکمل برحق ہے۔ جو زنا کی حد سنگساری کو بیان کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ **تیسری دلیل** :- چکڑالوی پرویزی کہتا ہے۔ کہ سنگساری سے موت واقع ہو جاتی ہے حالانکہ قرآن مجید نے زانی اور زانیہ کو زندہ رہنے اور نکاح کرنے کا حق دیا ہے۔ دلیل میں یہ آیت پیش کرتا ہے :- اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً :- زانی زانیہ سے ہی نکاح کرے یہاں بھی الزانی مطلقاً ہے۔ کوئی قید نہیں لگائی جا سکتی۔ اور نکاح کا بھی حکم دیا جا رہا ہے۔ اگر کسی زانی کی سزا رجم ہوتا۔ تو نکاح کا تذکرہ نہ ہوتا۔ **چوتھی دلیل** :- مخالف کہتا ہے۔ کہ قرآن مجید میں زنا کو فاحشہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :- لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً (الآیۃ) :- زانیہ کی سزا کے لیے قرآن کریم میں لفظِ عذاب آیا ہے لہٰذا لکھا ہے فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ سورۃ ۴ نسا آیت ع ۲۵ اور سورۂ نور میں بھی زنا کی سزا کے لیے عذاب کا لفظ ارشاد ہوا ہے۔ لکھا ہے۔ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ آیت ع ۲ پس ثابت ہوا کہ سزا کو عذاب کہا جاتا ہے۔ اور رجم کا نصف ہو سکتا نہیں لہٰذا کوڑوں کی سزا ہی مراد ہے اور زنا کی سزا صرف کوڑے ہی ہیں خواہ زانی زانیہ کنوارے ہوں یا شادی شدہ یا مُتَوَفّٰى زَوْجُهَا۔ اور بیوہ۔ رنڈوا۔ **پانچویں دلیل** :- سارے قرآن مجید میں رجم کا کہیں ذکر نہیں۔ ہاں کوڑوں کا ذکر بالکل صاف صاف ہے۔ اور جس طرح سورۂ نساء میں آیت ع ۲۵ کے اندر سزاءِ زنا کا نصف ہو جانا مذکور ہے اسی طرح سورۃ ۳۳ احزاب آیت ع ۳۰ میں سزا کا دگنا ہونا مذکور ہے۔ لہٰذا لکھا ہے يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۔ ترجمہ :- اے نبی کی بیویو۔ جو کوئی تم میں کھلی ہوئی بدکاری کرے۔ تو اسے دگنا عذاب دیا جائے گا۔ یہ اللہ پر آسان ہے۔ اس آیت میں بھی زنا کے لیے فاحشہ اور سزا کے لیے عذاب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بیوی شادی شدہ ہی ہوتی ہے اور رجم کی سزا دگنی نہیں ہو سکتی کیونکہ رجم میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ زانیہ و زانی شادی شدہ بھی ہوں تب بھی ان کی سزا کوڑے ہی ہیں۔ کیونکہ کوڑوں کی سزا آدھی بھی ہو سکتی ہے۔ اور دگنی بھی۔ **چھٹی دلیل**۔ نبی کریم نے ساری زندگی کبھی رجم کی سزا نہ دی۔ کیونکہ نبی پاک قرآنِ پاک کے حکم پر عمل کرانے اور کرنے کے شرعی پابند تھے۔ اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (ترجمہ) :- اے صاحبِ قرآن۔ لوگوں میں اس کتاب کے ساتھ فیصلے فرمائیے۔ اور یہ بات شک سے پاک ہے کہ نبی کریم پر صرف قرآن ہی نازل ہوا۔ ثابت ہوا کہ رجم زانی ہرگز سنتِ رسول نہیں بلکہ خلافِ قرآن۔ خلافِ اسلام اور خلافِ رسولِ مقبول ہے۔ اور بناوٹی حدیثوں کے ذریعے نبی کریم کی طرف غلط منسوب ہے :-
ساتویں دلیل :- رجم کی سزا بہت بعد کی ایجاد ہے۔ قرآن مجید میں بِسْمِ اللّٰہ سے لے کر وَالنَّاس کی

کی سین تک کہیں رجم کا ذکر تو در کنار اشارہ بھی نہیں۔ اگر زنا کی سزا کسی کے لیے رجم ہوتی تو لکھنے میں وضاحتاً یا اشارۃً کس کی شرم تھی۔ اور کیوں نہ لکھی گئی۔ اور یہ کہنا کہ رجم کی آیت لفظاً تلاوتاً منسوخ ہے حکماً باقی ہے۔ یہ کذب ہے اور قرآن کریم کے خلاف کھلی سازش ہے۔ قرآن کریم کی سب آیات محکم ہیں کوئی منسوخ نہیں وہ آیت مَا نَنْسَخْ۔ والی جس سے مخالفِ قرآن لوگ منسوخ مانتے ہیں وہاں شیطانی آیت مراد ہیں مِنْ آیتٍ میں تنوین عوض کی ہے اور مضاف الیہ شیطان ہے۔ اصل میں آیت اس طرح تھی مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیٰتِ الشَّیْطَانِ (الخ) **آٹھویں دلیل**:۔ اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ کہ سارے قرآن میں کہیں بھی رجم کا ذکر نہیں۔ نہ زانی کے لیئے نہ کسی اور مجرم کے لیے۔ پس ثابت ہوا کہ سنگساری کا تعلق قرآنی آیت سے کسی طرح نہیں۔ **نویں دلیل**:۔ سنگساری اور رجم کرنا۔ ظالمانہ بے رحمانہ۔ اور گمراہ قوموں اور شیطانی عمل ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں رجم کا ذکر ہے تو وہ کافروں کا شیطانی کام بتایا گیا ہے۔ کہ کفار نے انبیاء کو رجم کرنے کی دھمکیاں دیں۔ دیکھو آزر کا قول حضرتِ ابراہیم کو $\frac{19}{46}$ سورۂ یٰسٓ میں چند رسولوں کو کفار کی دھمکی ع $\frac{3}{18}$۔ اصحاب کہف کا اندیشہ ع $\frac{18}{19-20}$ اور $\frac{11}{91}$ میں حضرتِ شعیب کو کفار کی یہی رجم سنگساری کی دھمکی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ جس کام کو قرآن مجید نے خالص کافروں کی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ ہر دور میں شیطانی عمل ہو سکتا ہے۔ نبی تو در کنار عام مومن بھی ایسا ظالمانہ شیطانی عمل نہیں کر سکتا ہے۔ **دسویں دلیل**:۔ چونکہ سارے قرآن میں کہیں بھی زنا کی سزا قتل یا رجم کی موت نہیں لہٰذا رجم کی موت قتلِ ناحق ہے اور قتلِ ناحق بحکمِ قرآنی حرام ہے۔ لہٰذا پہلی آیت ع ۲۲ سورۂ اسراء وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ اسی طرح آیت ع ۱۵۱ سورہ انعام میں ہے۔ اللہ نے مومنوں کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ وہ شرک نہیں کرتے نہ کسی کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ نہ زنا کرتے ہیں۔ سورۂ فرقان آیت ع ۶۸ قتل صرف قتل کے بدلے ہوتا ہے۔ قرآنی فیصلہ ہے۔ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ۔ (ترجمہ):۔ جان صرف جان کے بدلے ہے۔ چونکہ زانی نے کسی کو قتل نہیں کیا ہوتا اس لیئے یہ کہنا کہ رجم سنتِ رسولِ مقبول ہے سراسر بہتانِ عظیم ہے۔ **گیارھویں دلیل**۔ اللہ تعالیٰ زانیوں کو زندہ رہنے۔ توبہ کرنے۔ اور اصلاح کا حق عطا کرتا ہے۔ مگر رجم یہ سارے حقوق ختم کرتا ہے۔ سورۂ فرقان آیت ع $\frac{25}{68}$ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا اور ۷۰ آیت ۶۹ میں:۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ اور وہ لوگ زنا نہیں کرتے۔ اور جو زنا کرے وہ گناہ میں جا پڑا مگر جو توبہ کرے اور ایمان لایا اور نیک کام کیئے سو وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے گا۔ ثابت ہوا کہ زنا کے بعد بھی زندہ رکھا جائے گا تاکہ وہ توبہ اور اچھے عمل سے اچھے بن کر زندہ رہیں۔ لیکن رجم میں یہ مہلت ان کو نہیں ملتی۔ یعنی سزاءِ زنا کے بعد بھی ان کو توبہ کی مہلت ملتی ہے۔ مگر وفاقی شرعی عدالت نے رجم کا آرڈیننس جاری کر کے قرآنی احکام اور منشاءِ خداوندی کی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ تھے دلائل جو لاہور کے ایک منکرِ حدیث چکڑالوی پرویزی وکیل ایم آئی چوہدری نے وفاقی عدالت میں پیش کیئے اور شرعی لاہوری عدالت نے مکمل سماعت کے لیئے منظور کر کے

پانچ ججوں کے سپرد کیا۔ جنہوں نے ۸۱-۳-۲۱ کو تین ججوں کے اتفاق سے ایم آئی چوہدری کی بات مانتے ہوئے رجم اسلامی کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا۔ لیکن دو ججوں نے اس کے خلاف فیصلہ کیا۔ مسلمانوں کو اس غلط فیصلے سے سخت اضطراب ہے لہٰذا بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ آپ ہم کو جلد از جلد شرعی قانون سے آگاہ فرمائیں۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

سائل:۔ شہباز گل پاشا۔ سیٹی ڈاک خانہ گجرات و متعلم مدرسہ مسجد میاں جلال ۸۱-۸-۲

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابْ

الجواب

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ رَءُوْفٍ الرَّحِیْمِ اَمَّا بَعْدُ:۔ جاننا چاہیے کہ تاریخ کے ورقوں سے یہ بات ثابت و ظاہر ہے کہ ہر دور میں دینِ اسلام کی سنگلاخ چٹانوں سے شرارت و خباثت کی طوفانی لہریں ٹکراتی ہی رہیں۔ باطل کی پھونکوں حق کی شمعوں کا مقابلہ ہوتا ہی چلا آرہا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھا ہی جاتا رہا کہ سلاطینِ عالم اور حکام دنیا کی آغوشِ شفقت و حمایت ہمیشہ باطل نظریات کے لیے کشادہ ہوتی ہی رہی۔ اور بڑی بڑی بادشاہتوں نے جہالت و بطالت کی پشت پناہی کی۔ اہلِ حق اور ان کی حقانیت سے ان مادہ پرست بڑوں نے ہمیشہ رو گردانی کی۔ معتزلہ۔ خوارج و روافض کے ابتدائی دور اس پر شاہد ہیں یہی تاریخی نمونہ ہمارے پاکستان کے ابتدائی دنوں سے اب تک دیکھنے میں آرہا ہے۔ حالانکہ یہ ملک بالکل ہی نظریاتی ملک ہے۔ اس کی تو جڑ بنیاد دین ہی۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ اس کا تو پہلا نعرہ ہی نظام قرآن و حدیث ہے۔ اس کے لیے کسی باطل فرقے کی انگلیاں نہ کٹیں۔ ہاں اس عظیم الشان مقصد والی سلطنت پر باطل کی انگلیاں ضرور ہی اٹھتی رہی۔ مگر اس کی جڑوں کو حیاتِ جاودانی بخشنے کے لیے اپنے اور اپنے پھول جیسے بچوں کے خون کے نذرانے صرف انہی نے پیش کیے جو قرآن و حدیث دونوں کے باادب اور دونوں کو ایک عدلیہ میں رکھنے والے تھے۔ جن کا ایمان اسی حقیقت پر تھا کہ حدیث مطہرات کے بغیر قرآن مجید کا قانون نافذ ہی نہیں ہو سکتا۔ جو اگر قرآن پاک کو ایمان کا ایک بازو سمجھتے تھے تو حدیثِ پاک تو دوسرا بازو۔ اُن ہی لوگوں نے پاکستان کے بازو مضبوط کیے جو حدیث کو قرآن کی تفسیر اور فقہ کو حدیث کی بھی شرح کہتے تھے۔ وہی مسلمان باہمت باوقار پاکستان کے معمارِ اول ہیں جو محدثین اسلام پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے محدثین اسلام جانفشانِ خادمین ایمان نے نہایت عرق ریزی اور پُرخلوص محنتوں سے احادیث میں چھان بین کر کے جو فیصلہ کر دیا وہ بالکل درست اور دائمی ہے۔ جو ان فیصلوں میں شک ڈالے اور اب بھی صحیح احادیث کو باطل خیالات کی وجہ سے نہ مانے وہ بے دین ہے۔ ہمارے سچے محسن قائد اعظم محمد علی جناح اپنے عظیم ایمانی مقصد وجودِ پاکستان کے حدوث میں کامیاب نہ ہوتے اگر امام احمد رضا بریلوی کے پیروکار مسلمان اہلسنت علماء و مشائخ ان کا مضبوط ساتھ نہ دیتے۔ اس بیٹے کر۔

٭ فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ٭ موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں۔

اس تمام کشاکش اور جاں نثاریوں کے باوجود بدنصیبی نے پاکستانیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ قائدِ اعظم نے شاہینوں کا گھونسلا تو بنا دیا۔ مگر عمرِ فانی نے شاہین بنانے کا موقعہ نہ دیا۔ مسلم لیگ نے کلمۂ طیبہ اور نظامِ اسلامی کے پرکشش نعرے کی قوت و ہیبت سے۔ انگریزوں کو تو علاقہ سے نکال دیا لیکن انگریزوں کی غلامی اور انگریزی ظالمانہ نظام کو نہ نکال سکے۔ ہمارے مفکروں دانشوروں نے ملک کا نام تو پاکستان رکھ لیا۔ مگر آنے والے حاکموں کے ذہنوں کو انگریز غلامی کے تصور سے پاک نہ کر سکے۔ ایک نظریاتی ملک کی اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہے کہ اس کے پینتیس۳۵ سالہ دور میں۔ ایک رہنما حاکمِ اعلےٰ ملک کا سربراہ بھی ایسا نہ میسر ہوا جو ملک کے نظریاتی مقاصد پورے کرتا۔ اوائل میں تو کسی نے توجہ ہی کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ مخالفاً معاندانہ روش اختیار کی۔ بعدہٗ اگر کسی سربراہ نے اس طرف ذرا سی کروٹ موڑی بھی تو اس نے اپنی مرضی کا اسلام اپنی خواہشات کو دینی قانون کا نام دینے کی کوشش کی۔ اس کی راہ ہموار کرنے کے لیئے گروہ باطلہ کو مشیرانِ خاص کی کرسیاں عنایت کی گئیں۔ اور قوتِ باطلہ کی ملک پاکستان میں اتنی حوصلہ افزائی کی گئی کہ اگر کسی سربراہ نے کچھ زیادہ ہی خلوص و سرگرمی سے نظامِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قانونِ قرآن و حدیث جاری کرنے کا باہمت ارادہ کیا تو منافقینِ قرآن و حدیث نے عدالتوں وزارتوں کو غلط راہ پر ڈالنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ سائل نے اپنے سوال میں جس فیصلے کا ذکر کیا وہ سب کچھ اسی کا شاخسانہ ہے۔ میں نے بحیثیتِ مفتیٔ اسلام ہونے کے سائل کے سوال اور مخالف کے دلائل کو پوری ذمہ داری کے ساتھ بغور مطالعہ کیا ہے۔ ادارے کا مطبوعہ رسالہ بلاغ القرآن بھی سائل کی طرف سے وصول پاکر کئی بار بہت احتیاط سے پڑھا۔ اس تمام تفتیش و تحقیق کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ دلائل نہایت کمزور۔ پرویزیوں کا نظریہ اور مذہب بالکل باطل اور وفاقی شرعی عدالت کے پانچ ججوں میں تین ججوں کا فیصلہ بہت جلد بازی پر مبنی ہے۔ اگر ہمارے فاضل جج صاحبان کو خود تدبرِ قرآنی اور تفکرِ ایقانی کی فرصت نہ تھی۔ تو پاکستان کے علماءِ کرام سے رابطہ قائم کرنا کیا دشوار تھا۔ فقہاءِ امت کے فتاویٰ کو کیوں نظر انداز کیا گیا۔ یہ بات کس سے پوشیدہ ہے کہ علماءِ امت نے قرآن و حدیث کی تفکر و تدبر و تفسیر میں عمریں صرف کی ہیں۔ جب کہ ہمارے وکلا اور جج و جسٹس صاحبان نے مادی دنیا میں وقت گزارا ہے۔ اور انگریزی قوانین کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ منشاءِ قرآنی کو جتنا فقیہِ امت سمجھ سکتا ہے۔ اتنا یہ مادیات کے ماہر کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔

مندرجہ ذیل سطور میں **سات باتیں**۔ بیان کی جائیں گی۔ تب پورا مسئلہ واضح ہوگا:۔

پہلی بات۔ یہ کہ قرآنِ پاک اور حدیثِ مبارکہ کا آپس میں تعلق کیا ہے۔ **دوسری**۔ یہ کہ نسخ کیا چیز ہے اور ناسخ و منسوخ کا آپس میں ربط کیا ہے۔ یعنی کون کس کا ناسخ ہو سکتا ہے۔ اور کیوں۔ ۳ **تیسری بات** یہ کہ اسلام میں کُل حدود کتنی ہیں اور تعزیر و حد میں فرق۔ اور حدِ اسلامی کی تعریف اور اس کا حکم کیا ہے۔ اس کو ماننے نہ ماننے یا اس کو جاری کرنے نہ کرنے سے دینوی اُخروی کیا فرق پڑتا ہے۔ **چوتھی بات** یہ کہ رجم کی سزا قرآنِ مجید اور

احادیث پاک سے کس طرح ثابت ہے۔ **پانچویں بات** یہ کہ۔ اسلام نے ہمارے جرموں پر ہم کو کتنی قسم کی سزائیں دیں **چھٹی بات** یہ کہ اپنے مسلک پر دلائل **ساتویں بات** یہ کہ مخالف کے پیش کردہ دلائل کا مکمل رد اور نا سمجھی اور کمزور پہلوؤں کو اجاگر کرنا۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۔ ھُوَ الْمُوَفِّقُ بِالصَّوَابِ :۔

قولِ اوّل :۔ چونکہ ہمارے مخاطبین مخالفین اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں۔ اگرچہ فہم قرآنی سے خاصے دُور ہیں اس لئے حدیث و قرآن کا تعلق قرآنِ مجید سے ہی پوچھنا ہے۔ کہ قرآن پاک کے نزدیک مقامِ حدیث کیا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت پارہ ۲۷ سورۂ نجم۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى (ترجمہ) :۔ اور تمہارے مالک یعنی صاحب ہمارے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے ایک بات بھی نہیں کرتے مگر وحی بات کرتے ہیں۔ جو اُن کو اِلہام کی جاتی ہے۔ اس واضح کلام سے عظیم الشان طریقے سے ثابت ہوا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی تمام باتیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں حضور اقدس کی اپنی کوئی بات نہیں یہاں تک کہ گھریلو اور محافلِ خصوصیہ و عمومیہ کی باتیں اِلہام الٰہیہ سے ہیں اس آیت کریمہ کا یہی مطلب درست ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی مطلب و مقصد بن سکتا ہی نہیں پانچ وجہ سے :۔

پہلی وجہ :۔ یہ کہ الفاظِ عبارتِ پاک میں وَمَا يَنْطِقُ ہے۔ جو نطق سے مشتق ہے۔ اور نطق لغوی لحاظ سے ذاتی گفتگو اور بولی کو کہا جاتا ہے۔ بخلاف قول کے کہ وہ عام ہے اپنی بات یا دوسرے کی بات کے۔ اگر یہاں آیت میں۔ بجائے مَا يَنْطِقُ کے مَا يَقُوْلُ ہوتا تو الفاظِ قرآن اور وحیِ جلی بھی مراد لی جاسکتی تھی۔ مگر مَا يَنْطِقُ سے الفاظِ قرآنی مراد نہیں لیے جاسکتے۔ نطق متکلم اور ناطق کی ذاتی گفتگو کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی جلد چہارم علی اربع تفاسیر ص ۵۰۸ پر اور تفسیر روح المعانی جلد دہم ص ۱۷۱ پ ۱۹ ع پر ہے :۔ وَالنُّطْقُ وَالْمَنْطِقُ فِي الْمُتَعَارَفِ كُلُّ لَفْظٍ يُعَبَّرُ بِهٖ عَمَّا فِي الضَّمِيْرِ :۔ (ترجمہ) :۔ مشہور لغت میں اور عام اہل عرب کے مشہور محاوروں میں۔ نطق اور منطق سے ہر وہ لفظ مراد ہوتا ہے جس سے بولنے والا اپنے دل کی بات اور ذاتی کلام تعبیر کرے۔ تفسیر تنویر المقباس ص ۲۳۵ پر ہے۔ (مَنْطِقَ الطَّيْرِ) كَلَامَ الطَّيْرِ (ترجمہ) قرآن مجید میں حضرتِ سلیمان علیہ السلام کا قول عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ سے مراد پرندوں کا ذاتی کلام ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرتِ سلیمان علیہ السلام نے جب اپنے اِس معجزے کا ذکر کیا کہ ہم انبیاءِ کرام کو رب تعالیٰ نے پرندوں کی بولی سکھائی ہے تو اُس وقت آپ نے لفظِ مَنْطِقُ ہی فرمایا۔ ثابت ہوا کہ نطق سے مراد ذاتی گفتگو ہے۔ نہ کہ عباراتِ قرآنیہ :۔

دوسری وجہ :۔ یہ کہ تمام اہلِ لغت بزرگوں نے نطق کا ترجمہ ذاتی گفتگو اور بات ہی کیا ہے۔ چنانچہ وَلیِ کامل حضرتِ شیخ سعدیِ شیراز صاحبِ گلستان بوستان۔ اپنے ترجمۂ قرآن مجید میں لکھتے ہیں۔ ونمیگوید از آرزوئے نفسِ خود و نیست سخنِ اُو مگر وحی کہ فرستادہ میشود باو۔ ترجمہ :۔ اور پیارے نبی کوئی بھی بات اپنے خواہشِ دل سے نہیں کرتے مگر وحی سے ہی بولتے ہیں جو اُن کی طرف بھیجی جاتی ہے۔ یہی حضرت سعدی اور دیگر تمام مترجمین نے عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ میں۔ مَنْطِقَ کا ترجمہ گفتارِ مرغان۔ یعنی پرندوں کی ذاتی بول فرمایا ہے۔ اسی بنا پر ثابت

ہوا کہ لفظِ کلام اور قول۔ کسی دوسرے کی نقل کو بھی کہہ دیا جاتا ہے مگر نطق اپنے ہی کلام کو کہا جاتا ہے۔

تیسری وجہ:۔ تفسیر کبیر رازی میں وَمَا یَنْطِقُ کے بارے بہت قول نقل کیے مگر زیادہ ترجیح اسی کو دی گئی کہ یہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شب و روز کی ذاتی گفتگو مراد ہے۔ اور چونکہ دن رات میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مخزنِ علم و حکمت سے ہزارہا کلمات ادا ہوتے رہتے تھے اس لیئے امام رازی نے فرمایا کہ یہاں لفظِ وَحْيٌ يُّوحٰى سے مراد ہمہ وقتی الہامات ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر جلد ہفتم صـــ۷ پر ہے۔ فَيَنْبَغِي اَنْ يُفَسَّرَ الْوَحْيُ بِالْاِلْهَامِ۔ (ترجمہ):۔ مفسرین کے اقوال نے جب یہ ثابت کر دیا کہ یہاں مَا يَنْطِقُ سے نبی کریم کی ذاتی اور شب و روز کی گفتگو مراد ہے اور اگر ہم اس بات کے قائل ہو جائیں تو ضروری لائق ہے کہ وحی سے مراد الہام لیا جائے اس عبارت سے ثابت ہوا کہ نطق سے مراد عبارتِ قرآن مجید کا تکلم نہیں بلکہ ذاتی اور نجی گفت گو مراد۔ **چوتھی وجہ**:۔ یہ کہ اِنْ هُوَ میں هُوَ ضمیر کا مرجع يَنْطِقُ کا مصدر نُطْقٌ ہے سوا اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا ورنہ اضمار بلا مرجع یا اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور یہ دونوں ناجائز ہیں۔ جس طرح سورتِ قدر میں۔ ہٗ ضمیر کا مرجع اَنْزَلْنٰهُ کا مُنَزَّلْ ہے۔

پانچویں وجہ:۔ یہ بات مُتَّفَقًا مُسَلَّمٌ ہے کہ نطق کا معنیٰ ذاتی بولی ہے۔ چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

؎ نطقِ آب و نطقِ خاک و نطقِ گل ٭ ہست محسوس از حواسِ اہلِ دل۔ ترجمہ:۔ پانی بھی بولتا ہے اور خاک بھی اور مٹی بھی۔ اہلِ دل اولیاء اللہ ان کی بولی سنتے سمجھتے ہیں۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ آقائے دو عالم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذاتی اور تمام گفتگو الہامِ الٰہی سے کرتے ہیں۔ اپنی طرف سے ایک بات بھی نہیں ہوتی۔ تو یہ صاف واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی گفتگو ہی حدیث کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ بالکل درست ہے کہ حدیث و قرآن بالکل ایک درجہ میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو عبداللہ اپنی کتاب ناسخ منسوخ کے صـــ۳۰۹ پر فرماتے ہیں مِنْهَا شِدَّةُ اِعْتِنَاءِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِالنَّاسِخِ وَالْمَنْسُوْخِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ شَانُهُمَا وَاحِدٌ۔ ترجمہ:۔ صحابہ کرام ناسخ منسوخ کی بہت سخت احتیاط فرماتے تھے۔ حدیث و قرآن دونوں کی ایک دوسرے میں کیونکہ صحابہ کے نزدیک حدیث و قرآن دونوں کی شان ایک تھی۔ المغنی ابن قدامہ جلد نہم صـــ۳۴ پر ہے:۔ فَاِنْ قِيْلَ فَكَيْفَ يُنْسَخُ الْقُرْاٰنُ بِالسُّنَّةِ قُلْنَا قَدْ ذَهَبَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا اِلٰى جَوَازِهٖ لِاَنَّ الْكُلَّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنِ اخْتَلَفَتْ طُرُقُهٗ۔ (ترجمہ):۔ اگر کوئی کہے کہ حدیث سے قرآن کیسے منسوخ ہو سکتا ہے تو ہم کہیں گے کہ بعض نے جائز کہا ہے اس لیئے کہ حدیث و قرآن سب ہی اللہ کی وحی ہے اگرچہ نزول کے طریقے مختلف ہیں اور دونوں کا فیصلہ فرض و لازم ہے۔ ہر ایک کا انکار کفر ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ کی عبارت بہت مضبوط طریقے سے یہ بات ثابت فرما رہی کہ شرعی قانون اور اس پر ایمان لانے کی حیثیت سے قرآن و حدیث کا درجہ ایک ہی ہے۔ خود آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث یہی بتا رہی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صـــ۲۹ باب الاعتصام میں ہے

وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ (الخ) - ترجمہ :- حضرت ابن معدیکرب نے بیان کر فرمایا - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار بے شک میں دیا گیا ہوں، قرآن کریم اور اس کی مثل اس کے ساتھ - یہ مثل کون ہے - حدیث پاک ہی ہے - اور یہی احادیث مثلِ قرآن ہیں - یہ روایات اور یہ آیت ایک دوسرے کی شرح و تفسیر ہیں - یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید مکتوبی صورت میں نازل نہ ہوا بلکہ اسی زبان پر نازل ہوا جس پر حدیث پاک وَمَا يَنْطِقُ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حدیثِ رسولِ پاک تمام کی تمام قرآن کریم کی تفسیر ہے - حدیث پاک کو چھوڑ کر کسی شخص کو قرآن مجید کی سمجھ آسکتی ہی نہیں لہٰذا حدیثِ پاک کا ہر فیصلہ گویا کہ قرآنِ پاک کا ہی فیصلہ ہے - حدیثِ مبارکہ کا فیصلہ کسی پر جاری کرنا بھی کتاب اللہ ہی کو جاری کرنا ہے کیونکہ نبی کریم کی ہر بات قرآنی عبارات سے علیحدہ وحیِ خفی اور الہاماتِ الٰہیہ کی ہے - یہ جو بعض شیعہ رافضی حضرت علی یا امام حسین کو ناطق قرآن مرکب اضافی یا ناطق قرآن - یا قرآنِ ناطق کہہ دیتے ہیں یہ سب غلط ہے - کیونکہ نطق کے معنٰی ہیں اپنا کلام بولنا جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیا صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نطق کلی طور پر وحیِ الٰہی ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتیں وحی اور الہام ہوں - کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل شریعت ہے - اور شریعت مِنَ اللّٰهِ تعالیٰ ہی ہوتی ہے - اس آیت پاک سے جہاں حدیث کی اہمیت اور قرآن و حدیث کا آپس کا تعلق ثابت ہوا وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ باری عزاسمہٗ ہر وقت نبی کریم سے ہم کلام ہے - الہاماتِ باری تعالےٰ اگرچہ دیگر انبیاء عظام و اولیاءاللہ کو ملتے ہیں - مگر ایسی ہر وقتی کسی کو میسر نہیں - دوسری آیت پاک میں ارشاد ہے :- فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا - (ترجمہ) :- آپ کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے - جب تک کہ اپنے تمام مقدمول جھگڑوں اور مخالفتوں میں آپ کو کامل حاکم نہ مان لیں پھر اپنے دل میں آپ کے فیصلے سے کوئی تنگی حرج یا اعتراض نہ پائیں بلکہ بے چون و چرا مان لیں - تیسری آیت کریمہ میں ارشاد ہے - اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ :- (ترجمہ) اطاعت کرو تم اللہ کی اور اطاعت کرو رسولِ پاک کی - چوتھی آیت میں ہے - قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ - (ترجمہ) :- اے پیارے حبیب فرما دو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو - ان تمام آیات میں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو بھی سزا جزا کا فیصلہ فرما دیں اگرچہ وہ ظاہراً قرآن مجید میں نہ ہو - مگر بالکل برحق اور قابلِ نفاذ و اجرٰی فیصلہ ہے - اگر کسی نے نبی کریم کے اس ذاتی فیصلے کو نہ مانا اور قرآنِ پاک میں اس فیصلے کی تائید ڈھونڈتا رہا ماننے پر منکر ہو گیا تو وہ کبھی مومن نہیں ہو سکتا - عقیدۂ دینی یہی ہے کہ کوئی قانونِ شریعت اگر قرآن مجید میں نظر آئے یا نہ آئے حدیثِ پاک میں دیکھتے ہی مان لے :- **دوسرا قول** :- کائناتِ عالم میں ایک دور وہ تھا جب قرآنِ حمید نازل ہو رہا تھا اور حدیث مقدسہ معرضِ وجود میں آتی چلی جا رہی تھیں -

ایک زبان پاک ہی دو طرفہ گوہر افشانی فرما رہی تھی اس دور کی خصوصی شان یہ تھی۔ کہ یہی زبان پاک وحی جلی یعنی قرآن مجید کے ذریعے اسی قرآن کریم کے عارضی احکام کو منسوخ کر رہی ہے۔: کبھی لفظوں کو اور ان کے معانی کو دوسری آیات کے لفظاً منسوخ کر رہے ہیں اور کبھی کوئی آیت دوسری آیت کا فقط حکم منسوخ کر رہی ہے۔ اور کبھی یہی وحی جلی یعنی قرآن پاک کی آیتیں وحی خفی یعنی حدیث مبارکہ کے اور پھر کبھی وحی خفی حدیث پاک کے ذریعے دوسری وحی خفی یعنی حدیث شریف کے حکم اور لفظوں یا صرف حکم منسوخ کر رہی ہیں۔ کبھی وحی خفی یعنی حدیث پاک کے ذریعے وحی "" جلی یعنی آیت قرآنی کے صرف حکم کو منسوخ کیا جا رہا ہے۔ اس طرح ناسخ منسوخ کی کل چار قسمیں ہو جاتی ہیں:۔ ع۱ قرآن کے الفاظ کا نسخ قرآن سے اور قرآن پاک کے حکم کا نسخ قرآن مجید کی ہی آیت سے ع۲ آیت سے دوسری آیت کے الفاظ اور حکم دونوں کا نسخ ع۳ آیت سے حدیث کا نسخ ع۴ حدیث کا حدیث سے نسخ ع۵ حدیث پاک سے فقط حکم قرآنی کا نسخ۔ منکرین حدیث چکڑالوی اور پرویزی گروہ ویسے تو بالکل ہی نسخ کا انکار کرتے ہیں مگر نسخ آیت بالحدیث کے سخت منکر و مخالف ہیں۔ دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ وَعَنْ جَابِرٍ۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامِي لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللّٰهِ وَيَنْسَخُ كَلَامِي وَكَلَامُ اللّٰهِ يَنْسَخُ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔ مشکوٰۃ شریف ص۳۲:۔ (ترجمہ):۔ حضرت جابر سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا ہاں میرا کلام میرے کلام کو اور قرآن قرآن کو منسوخ کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں الفاظ قرآن مراد ہیں یعنی حدیث سے الفاظ آیت منسوخ نہیں ہوتے صرف حکم قرآنی منسوخ ہو جاتا ہے۔ اس کی مثالیں موجود ہیں۔

پہلی مثال:۔ آیت سے آیت کے فقط حکم کی تنسیخ تلاوت باقی۔ جیسے جہاد کی آیتوں سے عفو اور درگزر اور کفار پر نرمی کی آیات۔ کہ ان معافی کی آیات کی تلاوت اب تک باقی مگر حکم منسوخ لہٰذا اب کوئی بادشاہ یا حاکم کوئی پیر یا عالم کفار پر حسب حیثیت قتال یا لسان یا قلم یا قلب سے شدت نہ کرے گا۔ تو شرعاً مجرم ہے۔ ع۲ کسی محکم آیت سے دوسری عارضی آیت کا حکم و تلاوت دونوں ختم کر دیئے جائیں گے۔ مثلاً سورۃ حجرات کی ایک آیت اس طرح نازل ہوئی۔ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ:۔ (ترجمہ):۔ دس مقرر گھونٹ شیر خوار بچہ پیئے تو رضاعت ہوگی۔ یہ آیت رضاعت کی آیتوں سے حکماً بھی منسوخ ہو گئی اور الفاظ بھی باقی نہ رکھے گئے۔ اور دوسری آیت سورۃ توبہ کی اس طرح نازل ہوئی تھی:۔ لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغٰى اِلَيْهِمَا ثَالِثًا وَلَوْ كَانَ لَهٗ ثَالِثًا لَابْتَغٰى اِلَيْهَا رَابِعًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ (ترجمہ) اگر انسان کو دو جنگل بھر کے سونا ملے تب بھی تیسرے کا لالچ کرے گا اور اگر تین جنگل بھر کے مل جائیں تو چوتھے کا حریص ہوگا انسان کا پیٹ صرف قبر کی مٹی بھر سکتی ہے۔ ہاں اللہ توبہ والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اسی طرح آیت سے دوسری آیت کے صرف الفاظ منسوخ مگر حکم باقی مثلاً اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ والی مشہور آیت کا حکم اب تک باقی ہے مگر الفاظ آیت زنا سے منسوخ ہو گئے

۳:۔ آیت سے حدیث کا نسخ مثلاً فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ :۔ (ترجمہ) کعبے کی طرف نمازوں میں اپنا منہ پھیرلو اس آیت نے اس حدیث کو منسوخ کر دیا جس میں نمازوں میں بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم تھا۔ ۴: حدیث سے حدیث کا نسخ مثلاً۔ زیارت قبور کی اجازت والی حدیث نے۔ ممانعت والی سابقہ حدیث کو منسوخ کر دیا۔ جیسا کہ ابوداؤد میں دونوں حدیثوں کا ذکر ہے۔ ۵: حدیث سے آیت کا حکما نسخ مثلاً سجدہ تحیت کی تمام آیتیں حدیث نے منسوخ فرمائیں اور بتایا کہ کسی مسلمان کو تحیۃ کا سجدہ جائز نہیں۔ اور جیسے وارث کو وصیت والی آیت۔ لَا وَصِيَّةَ لِلْوَارِثِ والی آیت حدیث سے منسوخ ہے۔ اور جیسے أُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ والی آیت نے صرف مذکورہ فی الآیت عورتوں کو مرد پر حرام کیا مگر حدیث نے اس حکم کا وَرَائَہٗ کو منسوخ کر دیا۔ اس آیت کی ناسخ وہ حدیث ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَلَا عَلٰى خَالَتِهَا۔ ترجمہ۔ کوئی عورت اپنی پھوپھی اور اپنی خالہ کی سوت (سوکن) نہ بنے ہر مرد کو ایسا نکاح حرام ہے۔ یہ چند مثالیں تھیں تفصیل تو بہت زیادہ ہے۔ خیال رہے کہ نسخ کا قانون شریعت اسلام میں اتنا اشد اور لازمی ہے کہ باری تعالیٰ نے بہت جگہ قرآن مجید میں اس کا ذکر فرمایا۔ اور علماء اسلام نے اس موضوع پر مکمل تحقیق سے ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ جو انسان تنسیخ آیات کا منکر ہے وہ مرتد ہے اور جو اس سے غافل ہے وہ گمراہ و گمراہ گر ہے۔ چنانچہ حضرت علی مشکل کشا سے روایت ہے :۔

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ مَرَّ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى قَاضٍ فَقَالَ لَهٗ أَتَعْرِفُ النَّاسِخَ مِنَ الْمَنْسُوْخِ قَالَ لَا قَالَ هَلَكْتَ وَأَهْلَكْتَ۔ (ترجمہ) :۔ ابو عبدالرحمن نے فرمایا۔ کہ علی رضی اللہ عنہ ایک واعظ مقرر کے پاس سے گزرے تو اس کو فرمایا کہ کیا تو ناسخ منسوخ کو پہچانتا ہے۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ فرمایا تو گمراہی کا ہلاک ہوا اور تو نے قوم کو گمراہی کا ہلاک کیا۔ اسی ناسخ منسوخ آیتوں کا قرآن مجید میں کئی جگہ اس طرح ارشاد ہے

پہلی آیت :۔ پارہ اوّل سورۃ بقرہ آیت ۱۰۶ پر ہے :۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا۔ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ :۔ (ترجمہ) :۔ جب کوئی آیت ہم خود منسوخ فرما دیں یا اپنے نبی کریم کو ہم بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل دوسری آیت لے آتے ہیں اے انسان کیا تو اس بات کو نہیں مانتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شی پر قادر ہے۔ اس آیت پاک نے نسخ کی مندرجہ تین قسمیں بیان فرمائیں :۔ —

۱: آیت سے آیت کے لفظوں کا نسخ ۲: آیت سے آیت کا حکم منسوخ ۳: آیت سے آیت کے الفاظ اور حکم دونوں منسوخ۔ اس آیت کے آخری الفاظ میں ناسخ منسوخ پر ایمان لانے کی شدت سے ذکر فرمایا گیا :۔

دوسری آیت :۔ پارہ ۳۰ سورۃ الاعلیٰ آیت ۷ :۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ (ترجمہ) :۔ عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے پس آپ اس قرآن کو نہ بھولیں گے۔ مگر جو اللہ چاہے وہ آیت آپ کے ذہن سے بھلا دے گا۔ اس آیت کریمہ میں نسخ کی چوتھی قسم کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ یعنی حدیث سے حدیث کا

نسخ یا حدیث سے آیت کے حکم کا نسخ۔ کیونکہ پہلی آیت شریف میں نُنۡسِهَا ہے یعنی ہم بھلا دیں۔ اور یہاں لَا تَنۡسٰی ہے یعنی آپ خود نہ بھولیں گے اسی لَا تَنۡسٰی کی نفی اِلَّا نے توڑ دی۔ تو مطلب ہوا کہ جو اللہ چاہے وہ آیت آپ خود اپنی حدیث کے ذریعے بھولیں گے۔ اور حدیث پاک سے نیا قانون ظاہر فرمائیں گے۔ اہل لغت کے نزدیک نسیٰ کے معنیٰ چھوڑنا بھی ہے تو مطلب ہوا کہ جس کو آپ چھوڑ دیں۔ اللہ نے نبی کریم کو اختیار لگا دیا ہے۔ **تیسری آیت**:۔ سورت نحل آیت ۱۰۱:۔ وَاِذَا بَدَّلۡنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ (الخ) ۔ ترجمہ:۔ اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلیں اور اللہ خوب جانتا ہے۔ جو اتارتا ہے ۱ یہ آیت سیاق و سباق اور لفظ یُنَزِّلُ سے ثابت کر رہی کہ تبدیلی سے مراد نسخِ آیتِ قرآن ہی ہے۔ اس کو سابقہ کتبِ سماوی کی طرف پھیرنا۔ منکرین کی انتہائی نادانی ہے۔ چونکہ رب تعالیٰ کے نزدیک ناسخ منسوخ بہت اہم چیز ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے بہت سی سورتوں میں آیتوں کو نسخ فرمایا۔ علماء اسلام نے اس کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ قرآن مجید کی ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتوں میں سے ترتالیس ۴۳ سورتوں میں کوئی آیت نہ کوئی ناسخ ہے نہ کوئی منسوخ۔ اور چالیس ۴۰ سورتوں میں آیتیں منسوخ ہیں لیکن ان میں ناسخ آیت کوئی نہیں۔ اور چھ ۶ سورتوں میں ناسخ آیتیں ہیں لیکن ان میں منسوخ کوئی آیت نہیں۔ اور پچیس سورتوں میں منسوخ آیتیں بھی ہیں اور ناسخ آیتیں بھی ہیں۔ اس طرح یہ ایک سو چودہ کی تعداد والی تقسیم مکمل ہوتی ہے۔ چنانچہ آسانی برحفظ کے لیے اس طرح زائچہ بنایا جاتا ہے۔ مگر چند باتیں پہلے ذہن نشین کر لینی بہت ضروری ہیں:۔ ایک ۱ یہ کہ کل منسوخ آیتیں دو سو گیارہ ۲۱۱ ہیں۔ اور کل ناسخ آیتیں اسی ۸۰ ہیں۔ **دوم**:۔ یہ کہ منسوخ آیتیں پہلے نازل ہوئی تھیں بجز دو آیتوں کے۔ ۱ سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۴ وَالَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ (الخ) ۲ سورت احزاب کی آیت ۵۰ اِنَّاۤ اَحۡلَلۡنَا (الخ) اور ناسخ آیتیں بعد میں حسبِ موقعہ نازل ہوتی رہیں چنانچہ امام ابو عبداللہ بن حزم اپنی کتاب حاشیہ تفسیر تنویر المقباس ص ۳۱۹ پر لکھتے ہیں:۔ اِعۡلَمۡ اَنَّ نُزُوۡلَ الۡمَنۡسُوۡخِ بِمَكَّةَ كَثِيۡرٌ وَنُزُوۡلَ النَّاسِخِ بِالۡمَدِيۡنَةِ كَثِيۡرٌ (ترجمہ):۔ جان تو کہ بے شک منسوخ آیتیں زیادہ مکے شریف میں نازل ہوئیں۔ **سوم**:۔ یہ کہ ناسخ آیتیں علیحدہ ہوتی ہیں اور منسوخ علیحدہ بجز ایک آیت کے۔ سورت مائدہ عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ (الخ) آیت ۱۰۵ کہ یہ آیت خود ہی اپنی ناسخ ہے۔ آیت کا پہلا حصہ منسوخ ہے آخری حصے سے۔ **چہارم**:۔ یہ کہ ناسخ و منسوخ میں ہر آیت مکمل ناسخ یا منسوخ ہوتی ہے بجز سورت اعراف آیت ۱۹۹ خُذِ الۡعَفۡوَ (الخ) **پنجم**۔ یہ کہ۔ کفار کو معافی اور درگزر کرنے کی کل ایک سو چودہ آیتیں ہیں جو سینتالیس سورتوں میں ہیں۔ **ششم**:۔ یہ کہ کل پانچ حدیثوں سے پانچ آیتوں کو منسوخ کیا گیا دو آیتیں اور دو حدیثیں اوپر بیان کر دی گئیں باقی تین اس طرح ہیں۔

پہلی آیت:۔ آیت ۱۷۳:۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ۔ (بقرہ)۔ الخ

اس آیت کے اطلاق کو اس حدیث سے منسوخ کیا گیا ہے :- قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُحِلَّتْ لَنَا مَیْتَتَانِ وَدَمَانِ :- (ترجمہ) :- آیت کا ترجمہ اس طرح ہے۔ اے مسلمانو تم پر سب مردار اور سب خون حرام کیے گئے۔ ترجمہ حدیث پاک :- ہم مسلمانوں پر دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے اس حدیث نے اس آیت کی کلیت منسوخ کر دی۔ **دوسری آیت** سورت نساء آیت ۲۴ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً :- ترجمہ :- تو تم جن عورتوں کو متعہ نکاح میں لانا چاہو۔ تو ان کے اجر کو فرض سمجھ کر ضرور دے دو جو بھی آپس میں رضامندی سے مقرر ہو۔ اس آیت کی ناسخ یہ حدیث ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ کُنْتُ اَحْلَلْتُ هٰذِهِ الْمُتْعَةَ اَلَا وَاِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَدْ حَرَّمَاهَا - اَلَا فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ :- **تیسری** سورت نساء آیت ۱۵ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا - (ترجمہ) :- اور تمہاری بیویاں جو زنا کرالیں تو تم ان کے خلاف چار سچے متقی گواہ عدالت میں حاضر کرو جب زنا ثابت ہو جائے تو اس بیوی کو اپنے ہی گھر میں اس کی موت تک قید کر دو یا جب تک کوئی نیا قانونِ الٰہی آ جائے۔ یہ آیت اس حدیث پاک سے منسوخ ہے :- قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ - خُذُوْا عَنِّیْ قَدْ جَعَلَ لَهُنَّ السَّبِیْلَ اَلثَّیِّبُ بِالثَّیِّبِ الرَّجْمُ وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِیْبُ عَامٍ :- (ترجمہ) :- فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ قانون شرعی مجھ سے لو بے شک بنا دیا گیا ان زانیہ عورتوں کے لیے یہ قانون شادی شدہ عورت و مرد کو رجم ہوگا اور کنوارے عورت مرد کو سو کوڑے حدِ شرعی ہوگی اور ایک سال کے لیے شہر بدر تعزیری سزا ہوگی۔ پوچھو ان منکرینِ حدیث لوگوں سے۔ نسخ کے اتنے مضبوط اور حقیقی واقعی قانون کے ہوتے ہوئے پھر تم کس طرح نسخ کے منکر ہوتے ہو۔ نسخ کا انکار درپردہ قرآنِ مجید کی گستاخی ہے۔ کیونکہ سب آیات کو محکم مان کر ناسخ و منسوخ کا ٹکراؤ پیدا کرنا ہے۔ بھلا کس طرح ہو سکتا ہے کہ ناسخ پر بھی عمل کیا جائے اور منسوخ پر بھی۔ اور پھر یہ انکار خدا تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے جو سراسر بے دینی۔ حالانکہ نسخ کا قانون خود رب کا فرمودہ اور عین حکمتِ الٰہیہ کے مطابق ہے۔ جیسا کہ پہلے دلائل تین سورۂ بقرہ اور سورتِ اعلیٰ کی پیش کی گئیں۔ اور یہ آیت مندرجہ بالا اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ (الخ) بھی ثابت فرما رہی ہے کہ قانونِ نسخ ہوا کرے گا۔ دراصل پرویزیوں چکڑالویوں کا یہ مذہب یہودی مذہب سے لیا گیا ہے۔ یہی نہیں۔ بلکہ منکرِ حدیث کا اکثر مذہب یہودیوں سے لیا گیا ہے نسخ کے انکار میں پرویزی اور یہودی ایک ہی بات کہتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ پہلے بے علم تھا کہ پہلے کچھ اور پھر کچھ چنانچہ حاشیہ تفسیر مقیاس صفحہ ۳۱۲ پر یہی لکھا ہے۔ اور پرویز صاحب کی لغات القرآن چہارم صفحہ ۱۶۰۸ پر بھی

یہی ہے۔ آریہ ہندو بھی یہی اعتراض کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض تو توریت و انجیل کی تنسیخ پر بھی پڑ سکتا ہے جس کو پرویزی یہودی دونوں مانتے ہیں اس تنسیخ پر تم کیا جواب دوگے کیا باری تعالیٰ توریت انجیل ایک دم نازل نہیں کر سکتا تھا۔

ساتویں یہ کہ منکرین حدیث نے نسخ کا اس لئے انکار کیا کہ وہ نسخ کے حقیقی معنے نہ سمجھے۔ بس اپنی جہالت سے اتنے بڑے مفید اور خود رب تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے منکر ہو گئے۔ نسخ کے لغوی معنے ہیں کسی حکم کا ازالہ کرنا۔ اور دوسرے حکم کو اس کی جگہ نافذ کرنا (لغات القرآن ص ۲۷۲۔ منجد عربی صفحہ ۸۷۴) نسخ کی شرعی اور اصطلاحی تعریف ہے کسی قانون کی مدتِ نفاذ ظاہر کرنا۔ اور دوسرا قانون لانا۔ چنانچہ کتاب ناسخ حاشیہ تفسیر مقباس صفحہ ۳۱۱ اور مرقات شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۲۱۵ پر ہے:۔ اَلنَّسْخُ لُغَتًا اَلتَّبْدِیْلُ وَشَرْعًا بَیَانُ لِانْتِهَاءِ الْحُکْمِ الشَّرْعِیِّ الْمُطْلَقِ (الخ) وَقِیْلَ اِنْقِضَاءُ الْعِبَادَۃِ الَّتِیْ ظَاهِرُهَا الدَّوَامُ۔ (ترجمہ):۔ نسخ کا لغوی ترجمہ ہے تبدیلی اور شرعی ترجمہ شریعت پاک کے مطلق حکم کی مدتِ انتہا بیان کرنا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جو عبادت ظاہراً دائمی معلوم ہوتی تھیں اُن کو بند کرا دینا خود منکر حدیث گروہ کے موجودہ سرغنہ نے بھی نسخ کا یہی ترجمہ کیا ہے۔ مگر وہ توریت و انجیل کی آیات کی تنسیخ مراد لیتا ہے میں کہتا ہوں کہ توریت و انجیل کی آیات منسوخ نہیں ہوئیں وہ تو پوری کتاب منسوخ ہوئی تھی۔ لیکن یہاں آیت کا ذکر ہے۔ منکرِ حدیث کہتا ہے سابقہ امتوں کے حالات کے مطابق نرم اور سخت قانون آتے رہے اُن پر میں کہتا ہوں یہ عقیدہ کتنی جہالت کا ہے کتب سابقہ امم سابقہ پر یکدم آئیں مکتوبی شکل میں۔ اور پھر اگر سابقہ امتوں پر حالات کے مطابق نرم سخت احکام و قانون آتے رہے تو اُمتِ مسلم اس مشفقانہ رعایت کی زیادہ حقدار ہے۔ کہ محبوب کی امت ہے۔ منکرِ احادیث اپنی کتاب لغات القرآن جلد چہارم ص ۱۶۰۸ پر لکھتا ہے۔ قرآن کریم میں خدا نے کسی بات کا حکم دیا اُس کے کچھ عرصے بعد سوچا کہ اس طرح حکم کو منسوخ کر دینا چاہیئے چنانچہ اُس نے ایک اور آیت نازل کر دی۔ میں کہتا ہوں کہ مخالفین نے غلط سمجھا۔ نسخ کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں سوچا۔ یہ نظریہ کفریہ اور اِتّہام ہے۔ نسخ کا مطلب بلا تشبیہ یوں سمجھا جائے کہ ماں کو پہلے ہی معلوم ہے کہ بچے کی خوراک کب کب تبدیلی کرنی ہے۔ ڈاکٹر حکیم کو شروع دن سے پتہ ہے کہ مریض کی دوائیاں کس کس وقت تبدیل کرنی ہے۔ استاد خوب جانتا ہے کہ ابتدائی شاگرد کے لیئے لمحہ بہ لمحہ کونسی کتابیں تبدیل کرنی ہیں۔ بس سمجھ لو کہ رب تعالیٰ ان سب سے زیادہ علیم و خبیر ہے۔ وہ اپنے محبوب بندوں کی ضروریات سے بخوبی واقف ہے۔ نسخ قرآنِ مجید کا اٹل قانون ہے۔ اور یہ صرف قرآن پاک کی ہی شانِ کریمی ہے کسی اور کتبِ سماوی کو نہ ملی:۔

آٹھویں:۔ یہ کہ جو آیت منسوخ ہے وہ تا قیامت منسوخ ہے اور جو ناسخ وہ ابد تک ناسخ ہے۔ ان کو تیمم اور وضو وغیرہ آیات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ منکرِ حدیث نے دھوکہ کھایا۔ فہم:۔ یہ کہ

ناسخ و منسوخ کی جو تعداد ہم نے بیان کی سب علما فقہا کا اس پر اتفاق۔ ہاں البتہ کسی نے پوری تعداد بیان کی کسی نے نہ کی۔ کسی نے ناسخ منسوخ کو علیحدہ کیا اور کسی نے ایک جگہ سب کو لکھ کر مکمل تعداد بتا دی۔ بعض نے حکم قرآنی کو تین طرح سے ختم شدہ کہا ۱۔ نسخ ۲۔ استثناء ۳۔ خصوصیت۔ اس طرح سے اُن کے نزدیک نسخ کی تعداد کم ہوگئی۔ مگر اکثریت نے استثنا اور خصوصیت کو بھی نسخ میں شمار کیا اُن کے نزدیک منسوخ و ناسخ کی تعداد یقیناً زیادہ ہے۔ منکر حدیث کی کم علمی اور نادانی ہے کہ اس کو تعداد میں اختلاف نظر آیا۔ **دسویں:**۔ یہ کہ وہ ایک دور تھا جب ناسخ و منسوخ ہوتا رہا۔ کہ وحیِ حدیث کو وحیِ قرآن اور وحیِ قرآن کو وحی حدیث منسوخ کرتے رہے اسی طرح وحیِ قرآن کو وحیِ قرآن۔ اور وحی حدیث کو وحی حدیث نسخ کرتی رہی۔ جب یہ دور ختم ہوا تو سب اپنی اپنی جگہ محکم و مضبوط ہوگئیں۔ اِس دور کے بعد نہ اجتہاد سے منسوخ ہوسکیں۔ نہ قیاس سے۔ نہ کسی خبر سے۔ یہ دور نبی کریم کی حیات طیبہ طاہرہ ظاہرہ و باہرہ کا زمانہ تھا۔ یہ ناسخ و منسوخ سب کے سب نبی کریم نے صحابہ کو بتا دیئے۔ اور صحابہ نے ہم کو۔ اب کوئی عالم کوئی پیر کوئی ذی عقل و خرد کوئی نئی آیت ناسخ و منسوخ نہیں بنا سکتا۔ اگر کوئی بنائے گا تو کاذب ملعون ہے۔ ہمارے اس عقیدے کو بھی قرآن کریم نے متعدد آیات سے ثابت کر دیا۔ چنانچہ۔ پہلی آیت۔ سورۃ انعام آیت ۱۱۵ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ ترجمہ:۔ اور پورے ہوگئے آپ کے رب کے تمام کلمے صدق اور عدل کے قانون والے کوئی شخص اُس کے اِن کلموں کو تبدیل کرنے والا نہیں۔ اور وہ رب تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے دوسری آیت سورہ یونس آیت ۶۴۔ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللهِ۔ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کے کلموں میں تبدیلی نہیں ہوگی۔ ۳۔ سورۃ انعام آیت ۳۴ چوتھی آیت سورہ کہف آیت ۲۷ یہاں بھی یہی بتایا جا رہا ہے۔ پانچویں آیت۔ سورہ مائدہ آیت ۳ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ ان آیات سے یہی اشارہ ہے کہ اب نسخ نہیں ہوسکتا۔

گیارھویں بات یہ کہ صرف احکام کی آیات میں نسخ ہوسکتا ہے۔ لیکن وعظ نصیحت حمد و نعت: ۔ وعدہ وعید خبریں۔ اور قصص کی آیات میں نسخ نہیں ہوسکتا۔ **بارھویں** یہ کہ صرف قرآن مجید اور احادیث میں ہی ناسخ منسوخ قانون ہیں اس سے پہلے توریت زبور انجیل میں کوئی آیت ناسخ منسوخ نہ ہوئی۔ وہ سب کتاب یکدم آئی اور نبوت کی تنسیخ کے ساتھ ایک دم پوری منسوخ ہوگئی۔ مگر قرآن مجید تھوڑا تھوڑا آیا۔ اور نرم۔ سخت قانون ناسخ منسوخ ہوتے رہے پچھلے دور میں جب کسی نبیِ اکرم کو کفار سے درگزر کا حکم ہوتا تو وہ آخر زندگی تک رہتا۔ سرکش قوم کو جنگ و جہاد سے ختم نہ کرایا جاتا خود رب تعالیٰ عذابِ آسمانی سے سرکشوں کو مٹا دیتا۔ مگر قومِ مصطفیٰ سے یہ سلوک نہیں۔ بلکہ پہلے نبی پاک کو درگزر کا حکم دیا پھر اس حکم کو منسوخ کر کے نبی پاک کو ہی قتال کا حکم دے کر سرکش قوم پر مسلمانوں کے ہاتھوں ہی عذابِ جہاد سے سرکشوں کو مٹایا گیا۔ منکرِ حدیث گروہ کے دماغوں میں تو عقل نہیں ہے ورنہ نزولِ قرآن کا طریقہ ہی ناسخ و منسوخ کی حکمت بتا رہا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ آیتیں آیتیں ہو کر قرآنِ پاک نازل ہو رہا ہے۔ نسخ احکام

تو رحم وکرم کی دلیل ہے۔ وہ استاد رحیم نہیں ہو سکتا جو ایک دم ابتدائی شاگرد کو اول آخر سب کتب پڑھنے کا حکم دے نسخ کا انکار رحم وکرم وشفقتِ ربانی کا انکار ہے ہم نے احادیث کی روشنی میں جو ناسخ ومنسوخ کی فہرست پیش کی ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ سب احکام محکم نہیں ہو سکتے:۔

قرآن مجید کی وہ ۴۳ سورتیں جن میں کوئی ناسخ منسوخ آیت نہیں

۱ سورت فاتحہ	۲ سورت یوسف	۳ سورت یٰسٓ	۴ سورت حجرات	۵ سورت رحمٰن	۶ سورت حدید	۷ سورت الصف	۸ سورت جمعہ
۹ سورت تحریم	۱۰ سورت ملک	۱۱ سورت الحاقہ	۱۲ سورت نوح	۱۳ سورت قمر	۱۴ سورت مرسلات	۱۵ سورت نبا	۱۶ سورت مطففین
۱۷ سورت نازعات	۱۸ سورت انفطار	۱۹ سورت انشقاق	۲۰ سورت بروج	۲۱ سورت فجر	۲۲ سورت بلد	۲۳ سورت شمس	۲۴ سورت واللیل
۲۵ سورت والضحٰی	۲۶ سورت الم نشرح	۲۷ سورت والتین	۲۸ سورت قلم	۲۹ سورت قدر	۳۰ سورت لم یکن	۳۱ سورت زُلزلہ	۳۲ سورت عادیات
۳۳ سورت قارعہ	۳۴ سورت التکاثر	۳۵ سورت ھُمزہ	۳۶ سورت قریش	۳۷ سورت ماعون	۳۸ سورت کوثر	۳۹ سورت نصر	۴۰ سورت تبّت
۴۱ سورت اخلاص	۴۲ سورت فلق	۴۳ سورت ناس	•	•	•	•	•

قرآن مجید کی وہ چھ سورتیں جن میں صرف ناسخ آیتیں ہیں

۱	۲	۳	۴	۵	۶
سورت فتح	سورت حشر	سورت منافقون	سورت تغابن	سورت طلاق	سورت الاعلیٰ
ناسخ	ناسخ	ناسخ	ناسخ	ناسخ	ناسخ
ایک آیت ع۱	ایک آیت ع۱	ایک آیت ع	ایک آیت ع	ایک آیت ع	ایک آیت ع۱

قرآن مجید کی وہ چالیس سورتیں جن میں صرف منسوخ آیتیں ہیں

۱ سورت انعام منسوخ ۱۴	۲ سورت اعراف منسوخ ۲	۳ سورت یونس منسوخ ۴	۴ سورت ہود منسوخ ۳	۵ سورت رعد منسوخ ۲
۶ سورت حجر منسوخ ۵	۷ سورت نحل منسوخ ۵	۸ سورت اسراء منسوخ ۳	۹ سورت کہف منسوخ ایک	۱۰ سورت طٰہٰ منسوخ ۳
۱۱ سورت مومنون منسوخ ۲	۱۲ سورت نمل منسوخ ایک	۱۳ سورت قصص منسوخ ایک	۱۴ سورت عنکبوت منسوخ ایک	۱۵ سورت روم منسوخ ایک آخری آیت ع۶
۱۶ سورت لقمان منسوخ ایک	۱۷ سبا سورت یعنی مضاجع منسوخ ایک	۱۸ سورت ملائکہ منسوخ ایک	۱۹ سورت صافات منسوخ ۴	۲۰ سورت صٓ منسوخ ۲
۲۱ سورت زمر منسوخ ۷	۲۲ سورت فصلت منسوخ ایک	۲۳ سورت زخرف منسوخ ۲	۲۴ سورت دخان منسوخ ایک	۲۵ سورت جاثیہ منسوخ ایک
۲۶ سورت احقاف منسوخ ۲	۲۷ سورت محمد منسوخ ۲	۲۸ سورت قٓ منسوخ ۲	۲۹ سورت نجم منسوخ ۲	۳۰ سورت جن منسوخ ایک
۳۱ سورت ممتحنہ منسوخ ۲	۳۲ سورت نٓ منسوخ ۲	۳۳ سورت معارج منسوخ ایک	۳۴ سورت قیامت منسوخ ایک	۳۵ سورت الانسان منسوخ ۲
۳۶ سورت عبس منسوخ ایک	۳۷ سورت طارق منسوخ ایک	۳۸ سورت غاشیہ منسوخ ایک	۳۹ سورت والتین منسوخ ایک	۴۰ سورت کافرون منسوخ ایک

قرآن مجید کی وہ ۴۸ سورتیں جنمیں کفار سے درگزر ونرمی کرنیکی آیتیں ہیں یہ سب منسوخ ہیں

۱ سورت بقرہ	۲ سورت آل عمران	۳ سورت النساء	۴ سورت مائدہ	۵ سورت الانعام	۶ سورت الاعراف
۷ سورت الانفال	۸ سورت توبہ	۹ سورت یونس	۱۰ سورت ھود	۱۱ سورت رعد	۱۲ سورت حجر
۱۳ سورت نحل	۱۴ سورت الاسراء	۱۵ سورت مریم	۱۶ سورت طٰہٰ	۱۷ سورت الحج	۱۸ سورت مومنون
۱۹ سورت نور	۲۰ سورت نمل	۲۱ سورت قصص	۲۲ سورت عنکبوت	۲۳ سورت روم	۲۴ سورت لقمان
۲۵ سورت سجدہ	۲۶ سورت احزاب	۲۷ سورت سبا	۲۸ سورت فاطر	۲۹ سورت یٰسٓ	۳۰ سورت صافات
۳۱ سورت ص	۳۲ سورت الزمر	۳۳ سورت مومن	۳۴ سورت حٰمٓ سجدہ	۳۵ سورت شوریٰ	۳۶ سورت زخرف
۳۷ سورت دخان	۳۸ سورت جاثیہ	۳۹ سورت الاحقاف	۴۰ سورت محمد	۴۱ سورت قٓ	۴۲ سورت مزمل
۴۳ سورت الانسان	۴۴ سورت الطارق	۴۵ سورت غاشیہ	۴۶ سورت والتین	۴۷ سورت الکافرون	۴۸ سورت جنّ

قرآن مجید کی وہ ۲۵ پچیس سورتیں جن میں ناسخ اور منسوخ دونوں قسم کی آیتیں ہیں

۱ سورت بقرہ منسوخ ۲۵ ناسخ ۱۶	۲ سورت آل عمران منسوخ ۵ ناسخ ایک	۳ سورت نساء منسوخ ۲۳ ناسخ ۱۳	۴ سورت مائدہ منسوخ ۹ ناسخ ۶	۵ سورت الانفال منسوخ ۶ ناسخ ۵	۶ سورت توبہ منسوخ ۷ ناسخ ۶
۷ سورت ابراہیم منسوخ ایک ناسخ ایک	۸ سورت مریم منسوخ ۵ ناسخ ۲	۹ سورت انبیاء منسوخ ۲ ناسخ ایک	۱۰ سورت حج منسوخ ۲ ناسخ ایک	۱۱ سورت نور منسوخ ۷ ناسخ ۷	۱۲ سورت فرقان منسوخ ۲ ناسخ ایک

۱۳ سورت شعراء منسوخ ایک ناسخ ایک	۱۴ سورت سجدہ منسوخ ایک ناسخ ایک	۱۵ سورت احزاب منسوخ ۲ ناسخ ایک	۱۶ سورت مومن منسوخ ۲ ناسخ ایک	۱۷ سورت شوریٰ منسوخ ۸ ناسخ ۲	۱۸ سورت زاریات منسوخ ۲ ناسخ ایک
۱۹ سورت طور منسوخ ایک ناسخ ایک	۲۰ سورت واقعہ منسوخ ایک ناسخ ایک	۲۱ سورت مجادلہ منسوخ ایک ناسخ ایک	۲۲ سورت مزمل منسوخ ۶ ناسخ ایک	۲۳ سورت مدثر منسوخ ایک ناسخ ایک	۲۴ سورت تکویر منسوخ ایک ناسخ ایک

۲۵ سورت عصر، منسوخ ایک، ناسخ ایک

ناسخ و منسوخ آیات کی مکمل ترتیب وار فہرست

نمبر شمار	نام سورت	منسوخ آیتیں	آیت نمبر	نام سورت	اُن کی ناسخ آیتیں	آیت نمبر
۱	بقرہ	انّ الذین اٰمنوا والذین هاجروا	۶۲	آل عمران	ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل	۸۵
۲	بقرہ	وقولو للناس	۸۲	توبہ	فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم آیۃ سیف	۵
۳	〃	فاعفوا واصفحوا حتّٰی یاتی اللّٰهُ	۱۰۹	توبہ	قاتلوا الّذین لا یومنون باللّٰه ولا بالیوم	۲۹
۴	〃	فاینما تولّوا فثمّ وجهُ اللّٰه	۱۱۵	بقرہ	قُل لِلّٰهِ المشرق والمغرب یَهْدِی مَنْ یّشاء	۱۴۲
۵	〃	اِنّ الّذِیْنَ یکتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا	۱۵۹	بقرہ	الا الذین تابوا واصلحوا	۱۶۰
	〃	من البینات		〃	وَبیّنُوا	
۶	〃	اِنّمَا حَرّمَ عَلَیْکُمُ المیتةَ وَالدّم	۱۷۲	حدیث	قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم احلت لنا میتتان ودمان	
۷	〃	کتب عَلَیْکُم القصاص فی القتلیٰ	۱۷۷	مائدہ	وَکتبنا علیهم فیها انّ النّفس	۴۵
	〃	الحر بالحر			بالنّفس	
۸	〃	کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت	۱۸۰	نساء	یوصیکم اللّٰه فی اولادکم لِلذّکرِ مثل حظ	۱۱
۹	〃	یاایها الذین امنوا کتب علیکم الصیام	۱۸۲	بقرہ	احل لکم لیلة الصّیام الرفث اِلٰی نساءکم	۱۸۷
۱۰	〃	وعلی الذین یطیقونه فدیة طعامِ	۱۸۴	بقرہ	فمن شهد منکم الشهر	۱۸۵
	〃	مسکین		〃	فلیصمهُ	

نمبر شمار	نام سورت	منسوخ آیتیں	آیت نمبر	نام سورت	ان کی ناسخ آیتیں	آیت نمبر
۱۱	بقرہ	قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم لا تعتدوا	۱۹۰	توبہ	فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم	۵
۱۲	″	ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم	۱۹۱	بقرہ	فان قاتلوکم فاقتلوھم	۱۹۱
۱۳	″	فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم	۱۹۳	توبہ	آیۃ سیف	۵
۱۴	″	لا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ	۱۹۶	بقرہ	فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ	۱۹۶
۱۵	″	یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم	۲۱۵	توبہ	انما الصدقات للفقراء والمساکین	۶۰
۱۶	″	یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ	۲۱۷	توبہ	آیۃ السیف	۵
۱۷	″	یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو	۲۱۹	توبہ	خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم	۱۰۳
۱۸	″	یسئلونک عن الخمر والمیسر	۲۱۹	بقرہ	وَاِثْمُھُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا	۲۱۹
۱۹	″	وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکَاتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ	۲۲۱	مائدہ	والمحصنات من المومنات والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب	۵
۲۰	″	وبعولتھن احق بردھن فی ذالک	۲۲۸	بقرہ	الطلاق مرتان فَاِمْسَاکٌ بمعروفٍ او تسریح	۲۲۹
۲۱	″	وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاخذوا مما آتیتموھن	۲۲۹	″	اِلَّا ان یخافا اَلَّا یقیما حدود اللہ	۲۲۹
۲۲	″	والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین	۲۳۳	″	فان ارادا فصالًا عن تراضٍ منھما وتشاور فلا جناح	۲۳۳
۲۳	″	والذین یتوفون منکم ویذرون اَزْوَاجًا وصیۃ	۲۴۰	″	والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن	۲۳۴
۲۴	″	لا اکراہ فی الدین	۲۵۶	توبہ	آیۃ سیف	۵
۲۵	″	اشھدوا اذا تبایعتم	۲۸۲	بقرہ	فان اَمِنَ بعضکم بعضا فلیؤد الذی اؤتمن	۲۸۳
۲۶	″	وان تبدوا ما فی اَنْفُسِکُمْ او تخفوہ یحاسبکم	۲۸۴	″	لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا	۲۸۶

نمبر شمار	نام سورت	منسوخ آیتیں	آیت نمبر	نام سورت	ان کی ناسخ آیتیں	آیت نمبر
۱	آل عمران	وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلَاغُ	۲۰	توبہ	آیۃ سیف	۵
۲ ۳ ۴	″	کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم۔ ۳ آیتیں	۸۶ ۸۷ ۸۸	آل عمران	اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذَالِکَ وَاَصْلَحُوْا	۸۹

نمبر شمار	نام سورت	منسوخ آیتیں	آیت نمبر	نام سورت	ان کی ناسخ آیتیں	آیت نمبر
۵	آل عمران	یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ	۱۰۲	تغابن	فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ	۱۶
۱	نساء	واذا حضر القسمۃ اولوالقربیٰ والیتامیٰ	۸	نساء	یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مثل حظ	۱۱
۲	نساء	ولیخش الذین لوترکوا مِنْ خَلْفِھِمْ	۹	بقرۃ	فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا	۱۸۲
۳	نساء	اِنَّ الَّذِیْنَ یاکلون اموال الیتامیٰ	۱۰	نساء	وَمَنْ کان فقیرًا فلیاکل بالمعروف	۶
۴	〃	واللاتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم	۱۵	حدیث	قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خذوعنی الشیب بالشیب	
۵	〃	والذان یاتیانہا منکم فاٰذوھما	۱۶	نور	الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحدٍ	۲
۶	〃	انما التوبۃ علی اللہ لِلَّذِیْنَ یعملون	۱۷	نساء	ولیست التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یعملون	۱۸
۷	〃	یاایھا الذین اٰمنوا لایحل لکم ان ترثوا	۱۹	〃	الا ان یاتین بِفَاحِشَۃٍ مبیّنۃٍ	۱۹
۸	〃	اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّمَقْتًا وساء سَبِیْلًا	۲۲	〃	اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ	۲۲
۹	〃	اِلَّا ما قد سلف	۲۳	〃	اَنْ تجمعوا بین الاختین	۲۳
۱۰	〃	فما استمتعتم بہ منھن فاٰتوھن	۲۴	حدیث	قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِنّی کنت احللت	
۱۱	〃	یاایھا الذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم	۲۹	نور	لیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی المریض	۶۱
۱۲	〃	والذین عقدت ایمانکم فاٰتوھم نصیبھم	۳۳	انفال	واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعضٍ	۷۵
۱۳	〃	فاعرض عنھم وعظھم	۶۳	توبہ	آیت السیف	۵
۱۴	توبہ	اِسْتَغْفِرْ لَھُمْ اولا تستغفر لَھُمْ	۸۰	نساء	واِذْ ظلموا انفسھم جاؤک	۶۴
۱۵	〃	یاایھا الذین اٰمنوا خذوا حذرکم	۷۱	〃	وَمَا کَانَ المومنون لینفروا کافّۃً	
۱۶	〃	وَمَنْ تولّٰی فما ارسلناک حفیظا	۸۰	توبہ	آیت سیف	۵
۱۷	〃	فاعرض عنھم وتوکل علی اللہ	۸۱	〃	آیت سیف	۵

نمبر شمار	نام سورت	منسوخ آیتیں	آیت نمبر	نام سورت	ان کی ناسخ آیتیں	آیت نمبر
۱۸	توبہ	اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ	۹۰	توبہ	آیت سیف	۵
۱۹	〃	ستجدون آخرین یریدون ان یامنوکم	۹۱	〃	آیت سیف	۵
۲۰	〃	فَاِنْ کَانَ مِنْ قَوْمٍ عدوٍّ لَّکُمْ	۹۲	〃	بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	۱
۲۱	〃	ومن یقتل مومنًا متعمدًا فجزاءٗ	۹۳	نساء	اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ	۱۱۶
۲۲	〃	ان المنافقین فی الدرک الاسفل	۱۴۵	〃	اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا	۱۴۶
۲۳	〃	فما لکم فی المنافقین فئتین	۸۸	توبہ	آیت سیف	۵
۲۴	〃	فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک	۸۴	توبہ	آیت سیف	۵
۱	مائدہ	لا تحلوا شعائر اللہ	۲	توبہ	آیت سیف	۵
۲	〃	فاعف عنہم	۱۳	توبہ	قاتلوا الذین لا یومنون باللہ	۲۹
۳	〃	انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ	۳۳	مائدہ	اِلَّا الذین تابوا من قبل اَنْ تَقْدِرُوْا	۳۴
۴	〃	فان جاءوک فاحکم بینہم او اعرض عنہم	۴۲	مائدہ	وَاَنِ احْکُمْ بینہم بما انزل اللہ	
۵	〃	ما علی الرسول الا البلاغ	۹۹	توبہ	آیت سیف	۵
۶	〃	یا ایہا الذین امنوا علیکم انفسکم	۱۰۵	مائدہ	اِذَا اهْتَدَیْتُمْ	۱۰۵
۷	〃	شہادۃ بینکم	۱۰۶	طلاق	وَاَشْهِدُوْا ذوی عَدْلٍ مِّنْکُمْ	۲
۸	〃	فان عثر علی انہما استحقا اثمًا	۱۰۷	طلاق	وَاَشْهِدُوْا ذوی عَدْلٍ مِّنْکُمْ	۲
۹	〃	ذالک ادنی ان یاتوا بالشہادۃ	۱۰۸	طلاق	وَاَشْهِدُوْا ذوی عَدْلٍ مِّنْکُمْ	۲
۱	الانعام	قل انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم	۱۵	فتح	لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ من ذنبک	۲
۲	〃	اذا رایت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض	۶۸	نساء	فلا تقعدوا معہم حتی یخوضوا فی حدیث	۱۴۰
۳	〃	وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ من حسابہم من شیءٍ	۶۹	نساء	فَلَا تَقْعُدُوْا معہم حتی یخوضوا فی حدیث	۱۴۰
۴	〃	وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دینہم لعبًا ولہوًا	۷۰	توبہ	قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا	۲۹
۵	〃	ثُمَّ ذرہم فی خوضہم یَلْعَبُوْنَ	۹۲	توبہ	آیت سیف	۵
۶	〃	فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ عَمِیَ فعلیہا	۱۰۵	توبہ	آیت سیف	۵

نمبر شمار	نام سورت	منسوخ آیتیں	نمبر آیت	نام سورت	ان کی ناسخ آیتیں	آیت نمبر
۷	الانعام	واعرض عن المشرکین	۱۰۷	توبہ	آیت سیف	۵
۸	"	وماجعلناک علیہم حفیظا وما انت علیہم	۱۰۸	"	آیت سیف	۵
۹	"	ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ	۱۰۹	"	آیت السیف	۵
۱۰	"	فذرهم وما یفترون	۱۳۸	"	آیت سیف	۵
۱۱	"	لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ	۱۲۲	مائدہ	الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین	۵
۱۲	"	یاقوم اعملوا علی مکانتکم	۱۳۶	توبہ	آیت سیف	۵
۱۳	"	ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعا	۱۶۰	"	آیت السیف	۵
۱	الاعراف	وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ	۱۸۰	توبہ	آیت السیف	۵
۲	"	واعرض عن الجاهلین	۱۹۹	توبہ	آیت السیف	۵
۱	الانفال	یسئلونک عن الانفال	۱	انفال	واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ	۴۱
۲	"	وما لهم الا یعذبهم	۳۳	"	وما کان اللہ لیعذبهم	۳۳
۳	"	قل للذین کفروا ان ینتهوا یغفر لهم	۳۸	بقرہ	وقاتلوهم حتی لا تکون فتنۃ	
۴	"	وان جنحوا للسلم فاجنح لها	۶۱	توبہ	قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر	۲۹
۵	"	ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا	۶۵	انفال	الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا۔	۶۶
۶	"	والذین آمنوا ولم یهاجروا لکم	۷۲	"	واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض	۷۵
۱	توبہ	براءۃ من اللہ ورسولہ	۱	توبہ	آیۃ السیف	۵
۲	"	والذین یکنزون الذهب والفضۃ	۳۴	بقرہ	وآتوا الزکاۃ	۴۳
۳	"	الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما	۳۹	توبہ	وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ	۲۲
۴	"	عفا اللہ عنک لم اذنت لهم	۴۳	نور	فاذا استاذنوک لبعض شانهم فاذن لمن شئت	۶۲
۵	"	استغفر لهم	۸۰	منافقون	سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفر	۶
۶ ۷	"	الاعراب اشد کفرا ونفاقا ومن الاعراب من یتخذ	۹۷ ۹۸	توبہ	ومن الاعراب من یؤمن باللہ والیوم الآخر	۹۹

نمبر شمار	نام سورت	منسوخ آیتیں	آیت نمبر	نام سورت	ان کی ناسخ آیتیں	آیت نمبر
۱	یونس	انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم	۱۵	فتح	لیغفرلك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تأخر	۲
۲	"	قل فانتظروا انی معکم من المنتظرین	۱۰۲	توبہ	آیۃ سیف	۵
۳	"	وان کذبوك فقل لی عملی ولکم عملکم	۴۱	"	آیۃ سیف	۵
۴	"	فمن اهتدی فانما یهتدی لنفسه	۱۰۸	"	آیۃ سیف	۵
۱	هود	من کان یرید الحیاۃ الدنیا وزینتها	۱۵	اسراء	من کان یرید العاجلۃ عجلنا له فیها ما نشاء	۱۸
۲	"	وقل للذین لا یؤمنون اعملوا	۱۲۱	توبہ	آیت السیف	۵
۳	"	وانتظروا انا منتظرون	۱۲۲	توبہ	آیت سیف	۵
۱	رعد	فانما علیك البلاغ	۴۰	توبہ	آیت السیف	۵
۲	"	وان ربك لذو مغفرۃ للناس	۶	نساء	ان اللہ لا یغفر ان یشرك	۱۱۶
۱	ابراہیم	وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوها ان الانسان	۳۴	نحل	ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوها ان اللہ لغفور رحیم	۱۸
۱	حجر	ذرهم یاکلوا ویتمتعوا	۳	توبہ	آیت سیف	۵
۲	"	فاصفح الصفح الجمیل	۸۵	"	آیت سیف	۵
۳	"	لا تمدن عینیك الی ما متعنا	۸۸	"	آیت سیف	۵
۴	"	قل انی انا النذیر المبین	۸۹	"	آیت سیف	۵
۵	"	فاصدع بما تؤمر واعرض عن	۹۴	"	آیت سیف	۵
۱	نحل	تتخذون منه سکرا ورزقا حسنا	۶۷	اعراف	قل انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن	۳۳
۲	"	فانما علیك البلاغ	۸۲	توبہ	آیت السیف	۵
۳	"	من کفر باللہ من بعد ایمانه	۱۰۶	نحل	الا من اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان	۱۰۶
۴	"	وجادلهم	۱۲۵	توبہ	آیت سیف	۵

نمبر شمار	نام سورت	منسوخ آیتیں	نمبر آیت	نام سورت	ان کی ناسخ آیتیں	آیت نمبر
۵	نحل	واصبر	۱۲۷	توبہ	آیت سیف	۵
۱	اسراء	رب ارحمهما كما ربيانى صغيرا	۲۴	توبہ	ما كان للنبى والذين آمنوا ان يستغفروا	۱۱۳
۲	〃	وما ارسلناك عليهم وكيلا	۵۴	توبہ	آیت سیف	۵
۳	〃	قل ادعوا الله او ادعوا الرحمٰن	۱۱۰	اعراف	واذكر ربك فى نفسك تضرعا وخفيا	۲۰۵
۱	مریم	وانذرهم يوم الحسرة	۳۹	توبہ	آیت سیف	۵
۲	〃	يلقون غيا	۵۹	شعرا	الا من تاب وآمن وعمل	۶۰
۳	〃	قل من كان فى الضلالة فليمدد له الرحمٰن	۷۵	توبہ	آیت سیف	۵
۴	〃	فلا تعجل عليهم	۸۴	〃	آیت سیف	۵
۵	〃	فخلف من بعدهم خلف	۵۹	مریم	الا من تاب وآمن	۶۰
۱	کہف	فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر	۲۹	تکویر	الا ان يشاء الله	۲۹
۱	طٰہٰ	ولا تعجل بالقرآن من قبل	۱۱۴	اعلیٰ	سنقرئك فلا تنسىٰ	۶
۲	〃	فاصبر على ما يقولون	۱۳۰	توبہ	آیت سیف	۵
۳	〃	قل كل متربص فتربصوا	۱۳۵	توبہ	سیف	۵
۱	انبیاء	انكم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم	۹۸	انبیاء	ان الذين سبقت لهم منا الحسنىٰ	۱۰۱
۲	〃	وكل فيها خالدون	۹۹	〃	ان الذين سبقت لهم منا الحسنىٰ	۱۰۱
۱	حج	وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبى	۵۲	اعلیٰ	سنقرئك فلا تنسىٰ	۶
۲	〃	يحكم بينهم	۵۶	توبہ	آیت سیف	۵

نمبر شمار	نام سورت	منسوخ آیتیں	آیت نمبر	نام سورت	ان کی ناسخ آیتیں	آیت نمبر
۱	مومنون	فذرھم فی غمرتھم حتی حین	۵۴	توبہ	آیت سیف	۵
۲	〃	ادفع بالتی ھی احسن	۹۶	توبہ	سیف	۵
۱	نور	ولا تقبلوا لہم شہادۃ ابدا	۴	نور	الا الذین تابوا	۵
۲	〃	الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ	۳	نور	وانکحوا الایامی منکم	۳۲
۳	〃	والذین یرمون ازواجہم ولم یکن لہم شہداء	۶	نور	والخامسۃ ان غضب اللہ علیہا	۹
۴	〃	لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم	۲۷	نور	لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا	۲۹
۵	〃	وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن	۳۱	نور	والقواعد من النساء	۶۰
۶	〃	فانما علیہ ما حمل وعلیکم ما حملتم	۵۴	توبہ	آیت سیف	۵
۷	〃	یا ایہا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم	۵۸	توبہ	اذا بلغ الاطفال منکم الحلم	۵۹
۱	فرقان	والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا اخر الی ویخلد فیہ مہانا	۶۸	فرقان	الا من تاب وامن وعمل عملا صالحا	۷۱
۲	〃	واذا خاطبہم الجاہلون قالوا سلاما	۶۳	توبہ	آیت سیف	۵
۱	شعرا	والشعراء یتبعہم الغاوون	۲۲۵	شعرا	الا الذین امنوا وعملوا الصالحات	۲۲۷
۱	نمل	وان اتلوا القرآن	۹۲	توبہ	آیت سیف	۵
۱	قصص	لنا اعمالنا ولکم اعمالکم	۵۵	توبہ	آیت سیف	۵
۱	عنکبوت	ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن	۴۶	توبہ	آیت سیف	۵
۱	روم	فاصبر ان وعد اللہ حق	۶۰	توبہ	آیت سیف	۵

نمبر شمار	نام سورت	منسوخ آیتیں	آیت نمبر	نام سورت	الکاناسخ آیتیں	آیت نمبر
۱	لقمان	وَمَنْ كفر فلا يحزنك كفره	۲۳	توبہ	آیت سیف	۵
۱	سجدہ	فاعرض عنهم وانتظر انهم منتظرون	۳۰	توبہ	آیت سیف	۵
۱	احزاب	ولا تطع الكافرين والمنافقين ودع اذهم وتوكل على الله	۴۸	توبہ	آیت السیف	۵
۲	//	لا يحل لك النساء من بعد	۵۲	احزاب	يا ايها النبى انا احللنا لك ازواجك	۵۰
۱	سبا	قل لا تسئلون عما اجرمنا ولا نسئل	۲۵	توبہ	آیت سیف	۵
۱	صافات	فتول عنهم حتى حين	۱۷۴	توبہ	آیت سیف	۵
۲	//	وابصرهم فسوف يبصرون	۱۷۵	//	آیت سیف	۵
۳	//	وتول عنهم حتى حين	۱۷۸	//	آیت سیف	۵
۴	//	وابصر فسوف يبصرون	۱۷۹	//	آیت سیف	۵
۱	ص	ان يوحى الى الا انما انا نذير	۷۰	توبہ	آیت سیف	۵
۲	//	ولتعلمن نبأه بعد حين	۸۸	//	آیت سیف	۵
۱	زمر	ان الله يحكم بينهم فيما هم فيه يختلفون	۳	توبہ	آیت سیف	۵
۲	//	قل انى اخاف ان عصيت	۱۳	فتح	ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك	۲
۳	//	فاعبدوا ما شئتم	۱۵	توبہ	آیت سیف	۵
۴	//	ومن يضلل الله فما له من هاد	۲۳	//	آیت سیف	۵
۵	//	قل يا قوم اعملوا على مكانتكم	۳۹	//	آیت سیف	۵
۶	//	انت تحكم بين عبادك فيما كانوا	۴۶	//	آیت سیف	۵

نمبر شمار	نام سورت	منسوخ آیتیں	آیت نمبر	نام سورت	ان کی ناسخ آیتیں	آیت نمبر
۷	زمر	فمن اهتدای فلنفسه ومن ضل	۴۱	توبہ	آیت سیف	۵
۱	المومن	فاصبر ان وعد الله حق	۵۵	توبہ	آیت سیف	۵
۲	〃	فاما نرینهم بعض الذی نعدهم	۷۷	〃	آیت سیف	۵
۱	فصلت	ولا تستوی الحسنت ولا السیئة	۳۴	توبہ	آیت سیف	۵
۱	الشوریٰ	و یستغفرون لمن فی الارض	۵	مومن	و یستغفرون للذین	۷
۲	〃	الله حفیظ علیهم وما انت علیهم بوکیل	۶	توبہ	آیت سیف	۵
۳	〃	فلذالك فادع واستقم كما امرت	۱۵	〃	قاتلوا الذین لا یومنون بالله ولا بالیوم	۲۹
۴	〃	من كان یرید حرث الآخرة نزد له	۲۰	اسراء	من كان یرید العاجلة عجلنا له	۱۸
۵	〃	قل لا اسئلكم علیه اجرا الا المودة فی	۲۳	سبا	قل لا اسئلكم علیه من اجر فهو لكم	۴۷
۶	〃	والذین اذا اصابهم البغی هم	۳۹	شوریٰ	ولمن صبر وغفران ذالك لمن عزم	۴۳
۷	〃	ولمن انتصر بعد ظلمه فاولئك	۴۱	توبہ	ولمن صبر وغفران ذالك لمن عزم	۴۳
۸	〃	فان اعرضوا فما ارسلناك علیهم حفیظا	۴۸	〃	آیت سیف	۵
۱	زخرف	فذرهم یخوضوا ویلعبوا	۸۳	توبہ	آیت سیف	۵
۲	〃	فاصفح عنهم وقل سلام	۸۹	〃	آیت سیف	۵
۱	دخان	فارتقب انهم مرتقبون	۵۹	توبہ	آیت سیف	۵
۱	جاثیہ	قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون	۱۴	توبہ	آیت سیف	۵
۱	احقاف	وما ادری ما یفعل بی ولا بكم	۹	فتح	انا فتحنا لك فتحا مبینا لیغفر لك الله	۲

آیت نمبر	ان کی ناسخ آیتیں	نام سورت	آیت نمبر	منسوخ آیتیں	نام سورت	نمبر شمار
5	آیت سیف	توبہ	۳۵	فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل	احقاف	۲
5	آیت سیف	توبہ	۴	فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَاءً	سورت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	۱
5	آیت سیف	توبہ	۲۹	فاصبر علی ما یقولون	ق	۱
5	آیت سیف	توبہ	۲۵	وما انت علیھم بجبار	//	۲
۴۳	واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ	بقرہ	۱۹	وفی اموالھم حق للسائل	ذاریات	۱
۵۵	وذکر فان الذکری تنفع المومنین	ذاریات	۵۴	فتول عنھم فما انت بملوم	//	۲
5	آیت سیف	توبہ	۴۸	واصبر لحکم ربک فانک باعیننا	طور	۱
5	آیت سیف	توبہ	۲۹	فاعرض عمن تولی	نجم	۱
۲۱	وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ	طور	۳۹	وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی	//	۲
۴۰	ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۳۹ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ	واقعہ	۱۴	ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۱۳ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ	واقعہ	۱
۱۳	ااشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم	مجادلہ	۱۲	یاایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی	مجادلہ	۱
۹	انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم	ممتحنہ	۸	لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین	ممتحنہ	۱
۱۰	فلا ترجعوھن الی الکفار	//	۱۰	اذا جاءکم المومنات مھاجرات	//	۲
5	آیت سیف	توبہ	۱۱	وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار	//	۳
5	آیت سیف	توبہ	۴۴	فذرنی ومن یکذب بھذا الحدیث	ن القلم	۱

نمبر شمار	نام سورت	منسوخ آیتیں	آیت نمبر	نام سورت	ان کی ناسخ آیتیں	آیت نمبر
٢	ن قلم	فاصبر لحکم ربک	٤٨	توبہ	آیت سیف	٥
١	معارج	فذرهم یخوضوا ویلعبوا	٤٢	توبہ	آیت سیف	٥
١	جن	قل انی لا املک لکم ضرا	٢١	توبہ	آیت سیف	٥
١	مزمل	قم اللیل	٢	مزمل	الا قلیلا	٢
٢	//	فاهجرهم هجرا جمیلا	١٠	توبہ	آیت سیف	٥
٣	//	وذرنی والمکذبین	١١	توبہ	آیت سیف	٥
٤	//	فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا	١٩	دهر	وما تشاءون الا ان یشاء الله	٣٠
١	مدثر	ذرنی ومن خلقت وحیدا	١١	توبہ	آیت سیف	٥
١	قیامت	لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ	١٦	اعلیٰ	سنقرئک فلا تنسیٰ	٦
١	دهر الانسان	فاصبر لحکم ربک ولا تطع منهم اثما او کفورا	٢٤	توبہ	آیت سیف	٥
٢	//	ان هذہ تذکرة فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا	٢٩	توبہ	آیت سیف	٥
١	عبس	کلا انها تذکرة فمن شاء ذکرہ	١١	تکویر	وما تشاءون الا ان یشاء الله رب العالمین	٢٩
١	طارق	فمهل الکافرین امهلهم رویدا	١٧	توبہ	آیت سیف	٥
١	غاشیہ	لست علیهم بمسیطر	٢٢	توبہ	آیت سیف	٥
١	والتین	الیس الله باحکم الحاکمین	٨	//	آیت سیف	٥
١	عصر	ان الانسان لفی خسر	٢	عصر	الا الذین امنوا وعملوا الصالحات	٣
١	کافرون	لکم دینکم ولی دین	٦	توبہ	آیت سیف	٥

یہ تھی نسخ کی مکمل تفصیل۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ نسخ واقعی حقیقت ہے۔ ہم نے ثابت کر دیا کہ نسخ آیاتِ قرآنیہ کی چاروں قسمیں قرآنِ مجید میں موجود ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ رجم کی آیت ابھی حکماً موجود ہے لفظاً و تلاوۃً منسوخ ہے۔ اگر اس آیتِ مشہورہ اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا اَلْبَتَّۃَ نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ کا انکار کر دیا جائے تو سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ کا بھی انکار لازم آئے گا۔ کیونکہ اس آیتِ رجم کے بغیر اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ ضد بازی اور جہالت سے تنسیخ کے انکار کو ہم نہیں روک سکتے۔ ورنہ حقیقت میں تنسیخ کا انکار ناممکن ہے۔ پھر خیال رہے حکم کے نسخ کی تین قسمیں اس طرح بھی ہیں کہ ۱ وجوبی حکم کا نسخ ۲ حکم جوازی کا نسخ ۳ حکم استحبابی کا نسخ کا۔ مثلاً پہلے آیت منسوخ میں ایک حکم بجا لانا فرض تھا۔ ناسخ آیت نے صرف فرضیت منسوخ کی مگر جواز باقی رہا۔ اسی طرح منسوخ آیت میں ایک حکم تھا۔ ناسخ نے اس کا جواز ہی ختم کر دیا۔ اب وہ کام کرنا جائز ہی نہ رہا۔ اسی طرح پہلے کسی آیت میں ایک مستحب کیا گیا تھا دوسری آیت نے اس کا استحباب ختم کر دیا کہ اب وہ کام کرنا نہ کرنا برابر ہے یا نہ کرنا مستحب ہو گیا کرنا بھی صرف جائز رہا۔ یہ تفصیل علماءِ کرام سے پوچھی جا سکتی ہے تفاسیر میں مرقوم ہے۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ جس طرح آیت کا کلام منسوخ ہوتا ہے کبھی صرف حکم وغیرہ۔ اسی طرح کبھی صرف عمومیت منسوخ ہوئی کبھی آدھا حکم۔ کبھی ایک آیت آدھی آیت کو منسوخ کبھی پوری کو کبھی ایک آیت بہت سی آیات کو کبھی دو ناسخ آیتیں ایک آیت کو منسوخ کرتی ہیں۔ یہ تفصیل بھی تفاسیر سے دیکھی جا سکتی ہے۔ اگر ہماری یہ ساری تفصیلی گفتگو ذہن نشین رہی تو انشاء الرحمٰن جل جلالہ۔ کبھی کوئی منکرِ احادیث بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس مسئلے پر ایمان لانے کے بعد رجم زانی کا قانون بخوبی حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر مزید تسلی کے لیے یہ تیسری ۳ بات تفصیلاً بیان کرنا ضروری ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں سزاؤں کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کا ثبوت کس طرح ہے۔ تو خیال رہے۔ سزاؤں کی شریعت میں صرف تین قسمیں ہیں ۱ حد ۲ تعزیر ۳ قصاص۔ حدود وہ سزا ہے جو قرآن مجید یا حدیثِ پاک یا دونوں سے ثابت ہو یا اجماعِ صحابہ سے ثابت ہو یا ان تینوں سے ثابت ہو۔ چنانچہ ہدایہ اولین حاشیہ ص ۵۱۳ پر ہے:۔ الحدود وَھِیَ الزَّوَاجِرُ الْمُقَدَّرَۃُ الثَّابِتَۃُ بِالْکِتَابِ اَوِ السُّنَّۃِ اَوِ الْاِجْمَاعِ۔
اور فتاویٰ شامی جلد سوم صفحہ نمبر ۱۹۳ پر ہے۔ مُقَدَّرَۃٌ اَیْ مُبَیَّنَۃٌ بِالْکِتَابِ اَوِ السُّنَّۃِ اَوِ الْاِجْمَاعِ:۔ ترجمہ۔ سزاءِ حد:۔ قرآنِ مجید اور حدیثِ پاک اور اجماعِ صحابہ سے ثابت ہوتی ہے۔ حدود کی سزا وہ ہے جو بالکل مقرر و معین ہو ذرہ برابر کسی کی رائے یا سفارش سے نہ کم ہو سکے نہ زیادہ۔ اور نصِ قطعی سے ثابت ہو۔ چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد پنجم ص ۲ پر اور فتاویٰ فتح القدیر جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۱۲ اور شامی شریف جلد سوم صفحہ نمبر ۱۹۲ ہدایہ اولین صفحہ نمبر ۴۸۵ اور فتاویٰ عالمگیری جلد دوم ص ۱۴۲ پر ہے وَالْحَدُّ فِی الشَّرِیْعَۃِ الْعُقُوْبَۃُ الْمُقَدَّرَۃُ حَقًّا لِلّٰہِ تَعَالٰی:۔ (ترجمہ) شریعت پاک میں حد اس

سزا کو کہتے ہیں جو بالکل مقرر اور صرف حق اللہ ہو۔ فقہ شافعی حاشیہ نہ بجوری جلد دوم ص ۲۶۵ پر ہے:۔ فَاِنَّ الشَّارِعَ قَدَّرَهَا فَلَا يُزَادُ عَلَيْهَا وَلَا يُنْقَصُ (ترجمہ):۔ اہلِ شریعت یعنی مالک شریعت نے اس سزا کا اندازہ مقرر کر دیا اب نہ زیادہ کی جا سکتی ہے نہ کم۔ دوسری سزا یعنی تعزیر۔ عَزْرٌ سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے جھڑکنا ذلیل کرنا۔ شریعت میں اس سزا کو تعزیر کہا جاتا ہے جو قرآن حدیث نے مقرر نہ کی ہو بلکہ حاکم اسلام کی مرضی پر ہو۔ چنانچہ فتح القدیر جلد چہارم ص ۲۱۱ پر ہے۔ اَلزَّوَاجِرُ الَّتِیْ دُوْنَهَا فِی الْقَدْرِ وَقُوَّةِ الدَّلِیْلِ وَهُوَ التَّعْزِیْرُ وَهُوَ تَادِیْبٌ دُوْنَ الْحَدِّ وَاَصْلُهٗ مِنَ الْعَزْرِ بِمَعْنَی الرَّدِّ وَالرَّدْعِ۔ (ترجمہ):۔ وہ سزائیں جو دلائل اور مقدار میں حد کی مثل نہ ہوں وہ تعزیر ہے۔ مقصود صرف ادب سکھانا اور جرم روکنا ہو اس کا اصلی یعنی لغوی معنیٰ ہے عزر یعنی ذلیل کرنا جھڑکنا۔ تعزیری سزا کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے اور حدیث پاک سے بھی:۔ اور حاکم وقت اپنی مرضی سے بھی حسبِ حالات مقرر کر سکتا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ۔ ترجمہ:۔ نافرمان بیویوں کو یا نصیحت سے سمجھاؤ یا ان سے بول چال بند کر دو انہیں بستروں میں چھوڑ رکھو اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو ان کو مارو۔ یہ آیت تعزیری سزا کو ثابت کر رہی ہے۔ اور واؤ بمعنیٰ اَوْ ہے۔ تعزیر پر عمل واجب نہیں ہوتا حالات کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے۔ اسی لیے تعزیر کی مقدار کبھی مقرر نہیں ہوتی۔ فتح القدیر جلد چہارم صفحہ نمبر ۲۱۲ پر ہے:۔ اَنَّهٗ لَیْسَ فِیْهِ شَیْءٌ مُقَدَّرٌ بَلْ مُفَوَّضٌ اِلٰی رَاْیِ الْقَاضِیْ:۔ (ترجمہ):۔ بے شک وہ سزا جس کو اسلام نے مقدارِ معین سے بیان نہ کیا بلکہ حاکم کی رائے کے سپرد کیا وہ تعزیر۔ اسی طرح جس سزا کی تعیین کر دی گئی یا وہ بھی تعزیر ہے۔ جیسے کہ مندرجہ بالا آیت میں نافرمان بیویوں کی سزا کو تعزیر بتایا۔ اور جس طرح تارکینِ زکوٰۃ یا سود خوروں کی سزا کا اس طرح ذکر ہوا البقرہ آیت ۲۷۹ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ۔ اسی طرح سورہ مائدہ آیت ۳۳ میں سزا تقسیم ہے چونکہ یہاں بھی سزا منقسمہ ہو گئی اس لیے یہ تعزیر ہوئی نہ کہ حد۔ تیسری سزا قصاص ہے۔ یہ لفظ قَصَصٌ سے بنا ہے۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے۔ مجرم کا پیچھا کرنا (از غریب القرآن ص ۲۰۰ و مجمع البحار جلد دوم ص ۲۰۱) اور شرعی ترجمہ ہے۔ کسی انسان کو جسمانی نقصان پہنچانے والے مجرم کو اسی قسم کی سزا دینی جیسا اس نے نقصان کیا خواہ گردن کاٹے یا ہاتھ پاؤں۔ ناک کان یا مجرم جسم پر زخم لگائے۔ حدود خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ تعزیر بندوں کا بھی حق ہے اور حق اللہ بھی۔ انفرادی بھی اور اجتماعی بھی معاشرے کے جرم سیاسی جرم سب اس میں شامل ہیں۔ قصاص صرف انفرادی حق العبد ہے۔ اسی لیے حدود سزائیں مقداراً مقرر ہیں اور کسی کے معاف کرانے سے حاکم معاف نہیں کر سکتا۔ قصاص کی مقدار مقرر تو ہے مگر والی وارث یا خود مظلوم مجروح دیت بھی لے سکتا ہے معاف بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد دوم صفحہ نمبر ص ۱۴۳ پر ہے:۔ وَالْحَدُّ فِی الشَّرِیْعَةِ الْعُقُوْبَةُ الْمُقَدَّرَةُ

حَقًّا لِلّٰہِ تعالیٰ حَتّٰی لَا یُسَمّٰی الْقِصَاصُ حَدًّا لِمَا اَنَّہٗ حَقُّ الْعَبْدِ وَلَا التَّعْزِیْرُ (ترجمہ):۔ حد خالص اللہ کا حق ہے اسی لیے مقدار معین ہے قصاص کو حد نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ حق العبد ہے تعزیر بھی حد نہیں ہو سکتی کیونکہ معین نہیں۔ خیال رہے کہ اللہ رب العزت کے خالص حق نو ہیں۔ ایک عقائد میں پانچ عبادات میں اور ایک سزاؤں میں جن کی فہرست علی الترتیب اس طرح ہے۔ ۱ ایمان لانا۔ ۲ نماز ۳ زکوٰۃ ۴ روزہ ۵ حج ۶ جہاد ۷ شرعی حدود سے سزائیں۔ تعزیری سزائیں تو بے شمار ہیں اور جرموں کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں مگر حدود کی سزائیں صرف پانچ قسم کی ہیں۔

پہلی قسم: حد زنا یہ سزا سب سے بڑی ہے کیونکہ جرم سب سے بڑا ہے۔ اسی لیے یہ سزا قرآن مجید، حدیث پاک اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے، قرآن مجید سے ثابت ہونے کا مطلب ہے کہ اس کا صرف حکم وجوبی اور مقدار ثابت ہے۔ حدیث پاک سے ثابت ہونے کا مطلب ہے کہ حکم وجوبی بھی مقدار بھی اور عمل بھی حدیث سے ثابت ہو۔ اجماع صحابہ سے ثابت ہونے کا مطلب ہے کہ فیصلہ اور عمل اس پر جاری رہے۔ کبھی عمل بند ہو۔ اگر کسی سزا کا عمل کسی دور میں بند ہو گیا تو وہ تعزیر ہو گی۔ ۲ حد قذف ۳ چوری کی حد ۴ شراب پینے کی حد ۵ ڈکیتی کی حد۔ حد قذف صرف قرآن مجید سے ثابت ہے عمل حدیث پاک سے۔ چنانچہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ سورت نور آیت ۴ پارہ ۱۸ پر ہے:۔ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِیْنَ جَلْدَةً (الخ):۔ ترجمہ:۔ جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمتیں لگا دیتے ہیں اور گواہی چار عدد بھی پیش نہیں کر سکتے ان کو اسی کوڑے مارو۔ چوری کی حد بھی حدیث و قرآن پاک دونوں سے ثابت ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے سورہ مائدہ آیت ۳۸ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا ترجمہ:۔ چور اور چورنی کا ہاتھ کاٹو۔ کلائی سے کہ فقط انگلیاں کیونکہ اصطلاحی ہاتھ کلائی سے ہے۔ حدیث پاک یہ ہے۔ تُقْطَعُ الْیَدُ فِیْ رُبُعِ دِیْنَارٍ فَصَاعِدًا۔ ترجمہ سونے کی اشرفی کے چوتھائی حصہ چوری کرنے سے یا اس کے زیادہ چوری کرنے سے ہاتھ کاٹا جائے گا:۔ اجماع صحابہ سے بھی یہ حد ثابت ہے۔ شراب پینے کی حد صرف اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ المغنی قدامہ جلد نہم صفحہ ۱۵۸ پر ہے:۔ ثُمَّ سَاَلَ عُمَرُ عَنِ الْحَدِّ فِیْهَا فَقَالَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اِذَا شَرِبَ هَذٰی وَاِذَا هَذٰی اِفْتَرٰی فَاجْلِدُوْهُ ثَمَانِیْنَ فَجَلَدَهٗ عُمَرُ ثَمَانِیْنَ جَلْدَةً اور اسی صفحہ پر کچھ پہلے ہے:۔ وَاَقَامُوْا عَلَیْهِمُ الْحَدَّ لِشُرْبِهِمْ اِیَّاهَا فَرَجَعُوْا اِلٰی ذٰلِكَ فَانْعَقَدَ الْاِجْمَاعُ:۔ ترجمہ:۔ حضرت فاروق اعظم نے مولیٰ علی سے پوچھا کہ شرابی کی حد کیا ہے تو آپ نے اس کو قذف اور تہمت پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ جب کوئی شراب پیتا ہے تو ہذیان بکتا ہے اور ہذیان میں لوگوں اور اللہ پر تہمتیں لگاتا ہے۔

لہٰذا شرابی کو اسی کوڑے لگاؤ تب فاروق اعظم نے شرابی کو اسی کوڑے کی حد لگائی۔ اور پھر سب صحابہ نے یہی سزا مقرر مقدار سے جاری رکھی اسی پر سب قائم رہے۔ اسی کی طرف سب نے رجوع فرمایا۔ پس اجماعِ صحابہ منعقد ہوگیا اور فتاوٰے فتح القدیر جلد چہارم صفحہ ۱۱۳ پر ہے:۔ وَالشُّرْبُ وَاِنْ کَثُرَ فَلَیْسَ حَدُّہٗ بِتِلْکَ الْقَطْعِیَّۃِ:۔

(ترجمہ) شراب اگرچہ بہت لوگ پیتے ہیں۔ لیکن اس کی حد قرآن مجید سے ثابت نہیں۔ ڈکیتی کی حد صرف حدیثِ مشہورہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ کتب حدیث سے ثابت ہے کہ قبیلہ بنی عرینہ کے ڈاکوؤں کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حد کی سزا اس طرح دی کہ اُن کے ہاتھ بھی کاٹے اور پیر بھی یہ ان کے ڈاکے کی سزا تھی اور انہوں نے قتل بھی کیا تھا لہٰذا اُن کی آنکھیں پھوڑ کر ان کو صحرا میں ڈلوا دیا۔ ہماری اس تمام گفتگو سے ثابت ہوا کہ حد شرعی صرف قرآن مجید سے ہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ احادیث اور اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ اور ثبوت حد کے لیے حدیث مشہورہ کافی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر جلد چہارم صفحہ ۱۱۲ پر ہے:۔ وَالزَّوَاجِرُ الْمُقَدَّرَۃُ الثَّابِتَۃُ بِالْکِتَابِ اَوِالسُّنَّۃِ الْمَشْہُوْرَۃِ:۔ (ترجمہ):۔ مقررہ مقدار والی سزائیں یعنی یہی حدود خمسہ قرآن مجید سے یا حدیث مشہورہ سے ثابت ہیں۔ خواہ وہ لفظاً خبر واحد ہو مگر معناً مشہور ہونا یا متواتر ہونا کافی ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہم نے ثابت کر دیا کہ حدود علاوہ قرآنِ مجید، حدیث پاک اور اجماعِ صحابہ سے ثابت ہوتا ہے۔ اگر ہماری یہ بات کوئی منکرِ حدیث تسلیم نہ کرے تو وہ اسلام کی پانچ حدیں ثابت نہیں کر سکتا۔ شرابی کی سزا قرآن اور ڈاکو کی سزا قرآن مجید میں کس طرح ڈھونڈو گے۔ پھر منکرین حدیث یہ کیسے ثابت کریں گے کہ حد والی سزائیں صرف قرآنِ کریم میں ہی ہیں۔ چکڑالوی پرویز کہتا ہے کہ ہم کو قرآن سے رجم دکھاؤ مگر میں کہتا ہوں کہ ہم کو یہ قرآن سے دکھاؤ کہ فقط قرآن مجید سے حدِ شرع ثابت ہوگی۔ پرویزیوں کی یہ بات کہ شرعی مقداری حد والی سزائیں صرف قرآن مجید ہی سے ثابت ہوتی ہیں یہ بات بالکل غلط ہے اور دین میں افترا و کذب بیانی ہے۔ اسلام میں صرف پانچ سزائیں حدیں جن کا نقشہ اس طرح ہے:۔

۱	۲	۳	۴	۵
حدِ زنا	حدِ قذف (تہمت)	حدِ سارق (چوری)	حدِ شرب (شراب)	ڈاکو کی حد (قطاع الطریق)
ثبوت۔ قرآن حدیث	ثبوت	ثبوت	ثبوت	ثبوت۔ حدیث پاک
اجماعِ صحابہ	قرآن مجید سے	قرآن کریم حدیث پاک	اجماعِ صحابہ	

ان پانچ حدوں کا فائدہ صاحب شرح وقایہ نے اس طرح بیان فرمایا۔ جلد اول حاشیہ چلپی ع ۲ صفحہ ۱۵۴ پر ہے،

اَنَّ الْحِکْمَۃَ فِیْ شَرْعِیَّۃِ حَدِّ الزِّنَا صِیَانَۃُ الْاَنْسَابِ وَفِیْ حَدِّ الْقَذْفِ صِیَانَۃُ الْاَعْرَاضِ وَفِیْ

حَدِّ الشُّرْبِ صِیَانَۃُ الْعُقُوْلِ وَفِیْ حَدِّ السَّرِقَۃِ صِیَانَۃُ الْاَمْوَالِ وَفِیْ حَدِّ قُطَّاعِ الطَّرِیْقِ صِیَانَۃُ الطَّرِیْقِ ۔ ترجمہ :۔ زنا کی حد کا فائدہ نسلِ انسانی کو بچانا ہے۔ تہمت لگانے کی حد کا فائدہ عزتیں بچانا ہے۔ شراب کی حد کا فائدہ مالوں کو بچانا ہے۔ ڈاکو کی حد کا فائدہ راستے محفوظ کرانا ہے۔ یہ تو واضح ہو گیا کہ اسلام میں صرف پانچ حدیں اور مقداری سزائیں ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ تعزیر و حدیں کیا فرق ہے اور یہ بھی بیان ہو گیا کہ حد کی سزا حدیثِ پاک اور اجماعِ صحابہ سے بھی ثابت ہے۔ یہ بتا دیا گیا کہ حد کی تعریف کیا ہے۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کو چھوڑنا ملک و قوم اور معاشرے کو تباہ کرنا تعزیر اختیاری سزا ہوتی ہے مگر حدیں کسی اسلامی حکومت کو کوئی اختیار نہیں۔ ان پانچ حدوں کو جاری کرنا ہر حکومت اسلامیہ پر فرض ہے ان کو جاری نہ کرنے سے مندرجہ فوائد سے محرومی کے علاوہ دینوی خرابی ملک و معاشرہ کی تباہی اخلاقی گمراہی اور دینی لحاظ سے قہرِ قہار کا اندیشہ۔ خدا تعالیٰ سب کو قرآن مجید کی سچی سمجھ دے اور جو فرقہ سزاء رجم کا منکر ہے اس کو ہدایت دے۔ **چوتھی بات** :۔ یہ کہ رجم کی سزا قرآنِ مجید اور احادیثِ طیبات و اجماعِ صحابہ سے کس طرح ثابت ہے۔ یہ چیز بالکل ظاہر ہے تمام انسانی جرموں میں سب سے بڑا جرم زنا ہے اور اس کے بعد بڑا جرم قتل ہے۔ بعض کے نزدیک قتل بڑا جرم ہے اس کے بعد زنا بڑا جرم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قتل سے بھی نسلِ انسانی کی تباہی اور زنا سے بھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قتل سے جان کی تباہی اور زنا سے نسل کے ایمان و اخلاق کی تباہی۔ قتل بھی تین قسم کا ہے اور زنا بھی۔ قتل کی سزا بھی قرآن و حدیث اور اجماعِ صحابہ سے ثابت۔ اور زنا کی سزا بھی۔ اسی طرح۔ قتل کے جرم تین قسم کے ہیں اور زنا بھی تین قسم کا اسی وجہ سے قتل کی سزائیں بھی شروع اسلام سے تین قسم کی چلی آ رہی ہیں اور زنا کی بھی۔ مگر یہاں قتل و زنا میں مزید یہ فرق ہے۔ کہ قتل کی اسلامی تینوں سزائیں چونکہ پہلی شریعتوں میں سے چلی آ رہی تھیں۔ اس لیئے ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ مگر زنا کی سب سزائیں شریعتِ مصطفےٰ نے خود ہی اپنی بیان فرمائیں اس لیئے ان میں تبدیلی اور نسخ ہوتا رہا۔ قانونی اعتبار سے زنا تین قسم کا ہے۔ نمبر ۱ زنا قابلِ رجم نمبر ۲ زنا قابلِ جلدہ یعنی کوڑوں کے قابل نمبر ۳ زنا قابلِ معافی۔ یہ قسمیں زانی کی تقسیم کے اعتبار سے ہیں۔ دیگر جرم سب ایک قسم کے ہیں۔ مگر قاتل اور زانی تین تین قسم کے ہیں۔ قاتل عمد۔ نمبر ۲ قاتل جہل چوک نمبر ۳ صرف زخم کرنے والا یا کوئی عضو کاٹنے والا۔ ان تینوں کی شرعی سزا مختلف ہے۔ نمبر ۱ :۔ اسی طرح زانی [illegible] اپنی زندگی میں لگا ہی تک حلال وطی نہ کی ہو پہلے زمانوں میں حلال وطی دو قسم کی تھی آج کل ایک ہی قسم کی نکاح سے حلال وطی ہوتی ہے نمبر ۲ :۔ زانی ثیب یعنی شادی شدہ خواہ بوقت جرم اس کی بیوی دنیا میں موجود ہو یا نہ ہو۔ نمبر ۳ :۔ غلط نکاح یا دھوکے سے زنا کرنے والا۔ اس کی کل بارہ قسمیں ہیں مثلاً [illegible]

کیا تو یہ صحبت وطی اگرچہ زنا ہے مگر حد واجب نہیں اسکی پوری تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ قابل معافی سے مراد حد کی معافی ہے ہاں البتہ اس قسم کے بعض زانیوں کو تعزیری سزا لازم ہے۔ مثلاً لواطت یا جانور۔ یا حائضہ بیوی سے وطی کرنے میں بقدر جرم سزا ملے گی۔ دنیا کے سارے جرموں سے زنا سخت جرم ہے۔ چھ وجہ سے۔

پہلی وجہ:۔ یہ کہ زنا ساری شریعتوں میں حرام رہا:۔ **دوسری** یہ کہ زنا سے نسل حرامی ہوتی ہے دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوتی ہے کہ وہ حرامی انسان امام بن سکتا ہے نہ عالم اور نہ ولی اللہ بن سکتا ہے۔ بلکہ دنیا میں بے ادبی بے حیائی گستاخی دین کی نفرت غرور تکبر گمراہی کج فہمی نادانی کی گندگیاں حرامی اجسام میں جلدی اور زیادہ پیدا ہوتی ہیں **تیسری**:۔ وجہ یہ کہ حرامی اولاد سات نسل تک جنت میں نہ جائیگی چنانچہ فتاوی کاملیہ صفحہ نمبر ۴۵ پر ہے:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَلَدُ زِنًی وَلَا وَلَدُهٗ وَلَا وَلَدُ وَلَدِهٖ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَلَا شَیْءٌ مِنْ نَسْلِهٖ اِلٰی سَبْعَةِ آبَاءٍ

(ترجمہ)۔ حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرامی انسان اور اس کا بیٹا اس کا پوتا بھی جنت میں نہ جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے اس کی سات نسلیں جنت میں داخل نہ ہوں گی۔ اگرچہ اس روایت کے مطلب میں کچھ علماء نے مختلف قول کہے ہیں مگر الفاظ حدیث پاک کی شدت تو ثابت ہے:۔ **چوتھی وجہ** یہ کہ زنا سے دوہرا جرم ہوتا ہے یک وقت دو آدمی مجرم بن رہے ہیں۔ کسی دوسرے جرم میں یہ بات نہیں:۔ **پانچویں**:۔ وجہ یہ کہ ہر جرم کا مجرم ایک ہی قسم کا ہوتا ہے مگر زنا کا مجرم دو قسم کا۔ ۱ کنوارہ اور ۲ غیر کنوارہ۔ **چھٹی**:۔ وجہ یہ کہ زنا سے صرف نقصان ہی نقصان ہے۔ بخلاف دیگر جرموں کے اس سے کسی کا فائدہ کسی کا نقصان۔ ان وجوہ سے زنا کی سزائیں مختلف ہیں۔ ابتدائی اسلامی دور میں۔ شادی شدہ زانی کو عمر قید کی سزا تھی اور کنوارے زانی کو۔ جھڑک گالی گلوچ ایذاء کلام۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ

ترجمہ:۔ تمہاری وہ بیویاں جو زنا کرائیں پھر تم اُن پر چار گواہیاں بھی پالو تو ان کو موت تک گھروں میں قید کر دو۔ اس آیت میں زانی اور زانیہ دونوں شامل ہیں مگر صرف عورتوں کا ذکر کیا۔ دو وجہ سے۔ پہلی یہ کہ زنا میں اصل عورت ہی محرک ہوتی ہے۔ عورت قدرت نہ دے تو مرد کی جرأت نہیں ہوتی۔ عورت ہی مرد کو دعوت زنا دیتی ہے۔ مرد نہیں دیتا دیکھو دنیا میں عورتوں نے ہی زنا کے بازار حسن کھولے ہوئے ہیں نہ کہ مردوں نے اگر کوئی کہے کہ یاتین مؤنث کے صیغہ میں مرد کس طرح شامل ہو سکتا ہے۔ تو میں کہوں گا کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ مذکر کے صیغہ میں عورتیں کس طرح شامل ہوئیں۔ فصاحت کلام میں یہ بات شامل ہے کہ اصل میں فرع کو داخل مانا جاتا ہے نماز میں اصل مرد فرع عورت۔ بدکاری میں اصل عورت فرع مرد اسی لیئے اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ ہوا نہ کہ برعکس:۔

دوسری وجہ: یہ کہ آیت کا منشا ہے شادی شدہ عورت کے زنا کی سزا کا ذکر کرنا۔ اس لیئے لفظِ نسا کو مضاف کیا گیا۔ یعنی عام عورت نہیں بلکہ اے مردو۔ تمہاری عورت اور تمہاری عورت بیوی ہی ہوتی ہے۔ ہماری اس بات کی دلیل آیت ایلاء ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ۔ یہاں بھی مِن نسائهم سے مراد بیویاں ہی ہیں اور بیوی شادی شدہ ہی ہوتی ہے یہ تو شادی شدہ زانی وزانیہ کی سزا تھی۔ دوسری آیت میں کنوارے کی سزا کا ذکر ہے۔ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔ **ترجمہ:**۔ اور وہ دو مرد عورت تم میں سے جو زنا کریں تو اُن دونوں کو باتوں کی مار دو۔ یہاں تک گھبرا کر توبہ کریں۔ پھر ان کو درگزر کرو اللہ تواب رحیم ہے۔ یہاں اَلَّذَانِ اسم موصول اگرچہ تثنیہ مذکر ہے۔ مگر مراد عورت مرد ہیں۔ دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ اللذان سے دو مرد مراد نہیں ہو سکتے۔ نہ آپس میں علیحدہ ہ۔ آپس میں تو اس لیئے نہیں کہ یاتیانها کی ھا ضمیر کا مرجع زنا ہے کہ پہلے اسی کا ذکر چلا آرہا ہے دلو مردوں میں آپس میں بد فعلی کو لواطت یا خباثت کہا جاتا ہے۔ نہ کہ زنا اگر لواطت ہی مراد لی جائے تو قوم لوط کے عذاب سے یہاں اعتراض پڑ جائے گا۔ کہ وہاں اس جرم پر اتنی سختی اور یہاں اتنی نرمی۔ پس لازم آیا کہ یہاں عورت مرد کا زنا ہی مراد ہے۔ دوسری وجہ کنواری عورت کو کسی کی طرف نسبت نہیں کیا جا سکتا اس لیئے اللذان بول کر عورت و مرد بے شادی شدہ مراد لیئے گئے۔ لہٰذا واضح ہو گیا ابتدائی دور میں شادی شدہ زانی وزانیہ کی سزا لِزنا علیحدہ تھی اور کنوارے کی علیحدہ یہ سب فرقوں کو تسلیم ہے۔ تو اب جب مکمل سزا مرتب ہو گی تو دو قسم کے زانیوں کی سزا ایک طرح کس طرح ہو سکتی ہے اور اگر بعد میں ہر دو قسم کے زانیوں کو ایک سزا دینی تھی تو پہلے کیوں تقسیم ہوئی۔ پھر ذرا غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پہلے دور کی سزا اور بعد کی سزا کچھ زیادہ مختلف نہیں بلکہ ہم مثل ہیں۔ شادی شدہ کی پہلی سزا جیسے کہ اس آیت سے ثابت ہوا موت پر مکمل ہے اور بعد کی سزا بھی رجم سے موت پر مکمل ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی سزا میں قید تنہائی کی دراز مدت تک ایڑیاں رگڑ رگڑ کر تکلیف دہ موت ہے اور بعد کی سزا میں ایک ہی دن میں پتھروں کی مار سے تکلیف دہ موت ہے۔ دوسرا فرق یہ کہ پہلی سزا ایسی آیت سے ثابت ہے جس کی تلاوت موجود حکم منسوخ اور دوسری سزا ایسی آیت سے ثابت ہے۔ جس کا حکم موجود تلاوت منسوخ۔ رہی یہ بات کہ اس کی تلاوت کیوں منسوخ ہوئی اس کی حکمت آئندہ سطور میں بیان کی جائے گی۔ اور سزاءِ رجم کے مزید دلائل بھی آئندہ انشاء اللہ بیان ہوں گے۔ اسی طرح کنوارے زانی کی پہلی سزا زبان کے بہت کوڑے ہیں جس کے زخم تا عمر نہیں بھر سکتے۔ اور اور بعد والی سزا اس آیت سے ثابت جس کی تلاوت بھی موجود اور حکم بھی اس کی تلاوت کو باقی رکھنے میں کیا حکمت ہے۔ یہ بھی آئندہ اپنے مقام پر بیان ہوگا انشاء اللہ تعالٰی یہ بات مزید خیال میں رہے کہ کنوارے کی پہلی سزا والی اسی آیت اَلَّذَانِ میں زانی اور زانیہ کو ایک جگہ شامل کیا گیا۔ مگر کنوارے زانی کی بعد والی سزا میں

صاف صاف علیحدہ فرمایا گیا۔ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا (الخ)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں چونکہ پہلے زنا کا ذکر ہے اس لیئے ان کی ضمیر لانے کی وجہ سے دونوں کا ذکر اکٹھا کر دیا گیا۔ لیکن سورۂ نور کی اس آیت سے پہلے چونکہ زنا کا ذکر نہیں اس لیئے یہاں :۔ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ علیحدہ فرمایا گیا۔ یہاں ضمیر نہیں لائی جا سکتی تھی کیونکہ مرجع پہلے نہیں آیا۔ نیز اَلَّذٰانِ سے تو مرد عورت مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ اسم موصول مبہمات میں سے ہے اسی طرح جمع مذکر میں بھی عورتیں شامل ہو سکتی ہیں۔ مگر زانیین میں اور زانیتین میں عورت مرد شامل نہیں ہو سکتے کیونکہ تثنیہ مختلف ظاہر میں ابہام ہوتا ہے نہ حقیقت ان ہر دو مندرجہ بالا آیتوں سے منکرین احادیث پر دو اعتراض پڑتے ہیں۔ ایک یہ کہ۔ اگر یہاں سزا مختلف ہوئی تو آئندہ کیوں ایک ہو گی۔ دوم یہ کہ اگر آیات کی تنسیخ نہیں ہوتی تو یہ سزا زانی کو اب کیوں نہیں دی جاتی اب صرف کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے۔ اب کیوں کوڑے مرواتے ہو۔ ہم اہل سنت تو اس کا جواب یہ دے سکتے ہیں کہ زمانۂ جہالت کے اہل عرب جو زنا میں مشہور بلکہ اس پر فخر کرنے والے تھے ان کو زنا سے روکنا ایک دم سختی سے ممکن نہ تھا۔ اس لیئے۔ پہلے صرف قید کی سزا سنائی گئی اور کنواروں کو زبانی برا بھلا کہہ کر زنا سے نفرت دلائی گئی پھر جب قلب مومن میں خوف نفرت دھنس گئی تب سختی کا حکم فرمایا گیا۔ یہ پہلی نرم سزا کی پر اثر حکمت تھی کہ اگر کوئی مومن شر بشری سے مغلوب ہو کر زنا کر بیٹھتا ہے تو خود ہی رو کر پکارتا ہے۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ طَہِّرْنِیْ۔ اے آقا مجھ کو دنیا میں ہی پاک کر دیجئے

مسئلہ :۔ جرم کے اقرار کے بعد جو سزا ملے گی وہ مجرم مسلمان کو پاک کر دے گی۔ لیکن جو سزا سچی گواہی سے ملے گی وہ مجرم کو شرعی گناہ سے پاک نہ کریں گی۔ کیونکہ۔ سچا اقرار توبہ ہے۔ اور توبہ کے ذریعہ گناہ سے پاک ہو جاتا ہے گواہی توبہ نہیں وہ تو پکڑ اور جبر ہے۔ ہم نے تو نسخ آیت مان کر دونوں آیتوں کو اپنی جگہ درست کہہ دیا۔ مصیبت تو منکرین حدیث پرویزیوں کو ہے۔ عبداللہ چکڑالوی کے شاگرد اور منکرین حدیث کے سرغنہ پرویز صاحب اپنی کتاب لغات قرآن جلد سوم میں صفحہ ۱۲۶۶ پر اس آیت لفظ فاحشہ کے مشترک ہونے سے دھوکہ کھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہاں مراد ہے کہ تمہاری عورتیں بری باتیں بے حیائی کی باتیں کریں تو ان کو گھر میں قید کر دو۔ میں کہتا ہوں کتنی نادانی ہے۔ کسی نے سچ کہا کہ خدا جب دین لیتا ہے۔ عقل بھی چھین لیتا ہے۔ یعنی تعجب کہ ادھر تو منکر زانی سے اتنی محبت کہ رجم سے بچانے کے لیئے ایڑی چوٹی کا زور لگ رہا ہے اور ادھر اتنا ظلم کہ صرف بے حیائی کی باتوں سے عمر قید کی سزا اور پھر آیت کے اگلے لفظ پر دھیان نہیں کہ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا۔ ترجمہ ان بیویوں کو اس وقت تک قید رکھو کہ یا مر جائیں یا اللہ کوئی راستہ بنا دے۔ اگر یہ آیت اب تک جاری ہے تو اب اللہ کب اور کس کو راستہ بتائے گا۔ کیا ان منکروں کو دوسرے قرآن کا انتظار ہے۔ سچ ہے ایک جہالت بچانے کے لیئے کئی جہالتیں کرنی پڑتی ہیں۔ ہماری اس دراز گفتگو میں مختصر وضاحت سے ثابت ہوا کہ رجم کی سزا کس طرح ثابت ہوتی ہے مکمل وضاحت آئندہ سطور میں اپنے مقام کی جائے گی لیکن اس سے پہلے :۔ پانچویں بات یہ بتانا

ضروری ہے۔ کہ اسلام نے ہمارے جرموں اور جرائم کو کتنی سزائیں دی ہیں۔ یہ بات عین انصاف ہے کہ ہر مربّی اور سربراہ اپنے مجرم کو سزا دے۔ چونکہ جرائم بہت قسم کے ہیں اس لیے سزائیں بھی بہت قسم کی ہیں۔ جرم اصولاً تین قسم کے ہیں
ع۱ عقیدے کا جرم ع۲ عادات کا جرم ع۳ دنیوی جرم۔ مثلاً بغاوت غداری ملکی انتظامی سیاسی جرم۔
پہلے دو جرموں کی سزائیں شریعتِ اسلامیہ نے مقرر کر دی ہیں عقیدے کے مجرم کافر شرعی اور گستاخ شریعت لوگ ان کی سزا گناہ کا عذاب ہے۔ کافر کو یہ سزا دنیا میں بھی کسی نہ کسی طریقے سے انفرادی یا اجتماعی انداز میں مل جاتی ہے۔ آخرت یعنی قبر حشر اور میدانِ جہنم میں بھی ملے گی۔ اور گستاخِ شریعتِ پاک جیسے فرقہائے باطلہ کو یہ سزا صرف آخرت میں ملے گی۔ یعنی قبر حشر اور میدان جہنم میں۔ بعض گستاخوں کو بوقت موت بھی عبرتِ دیگراں کے لیے عذاب کی سزا مل جاتی ہے۔ عذاب کی سزا کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے وہ جس کو چاہے جس کے ذریعے جس سزا کو چاہے معین اور نازل فرما دے۔ اس میں کسی حاکم جج قاضی یا کسی عدالت کچہری کا کوئی اختیار نہیں۔ نہ کوئی مفتی کسی عذاب کا فتویٰ دے سکتا ہے۔ یہاں تک کہ انبیاءِ کرام بھی عذاب نازل نہیں کرتے بلکہ اپنی دعاؤں سے عذاب نازل کرا سکتے ہیں حضرتِ موسیٰ کے نشانات عذاب کے معجزوں کا بھی یہی مطلب ہے کہ آپ کی دعاؤں سے فوری طور معجزانہ طریق پر عذاب آتے رہے۔ لفظِ عذاب قرآنِ مجید میں تقریباً تین سو تینتیس ۳۳۳ دفعہ آیا ہے۔ ان میں صرف چار دفعہ لفظ عذاب لغوی معنیٰ میں ہے یعنی دنیوی عدالت کی سزا باقی سب آیات میں عذاب بمعنیٰ الٰہی سزا ہے۔ عادات کے مجرم کو شریعت نے تین قسم کی سزائیں دی ہیں۔

ع۱:۔ خالص حقوق اللہ کے مجرم کی سزائیں حدود اللہ ہیں۔ صرف پانچ قسم کی ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا۔ ع۲ مخلوط جرم کا مجرم اس کی سزا کا نام تعزیر ہے۔ ع۳ خالص حق العبد اور جسم انسانی کا مجرم مثلاً قاتل جارح وغیرہ اس کی سزا کا نام قصاص ہے۔ تعزیر کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:۔ جسمانی مار پیٹ ع۲ صرف جھڑکنا ع۳ ذلیل کرنا ع۴ صرف شرمندہ کرنا۔
بعض فقہاءِ کرام نے قید کرنا بھی تعزیری سزا بیان کی ہے۔ چنانچہ مغنی لابنِ قدامہ جلد نہم صفحہ ۱۷۸ پر ہے:۔
وَالتَّعْزِيْرُ يَكُوْنُ بِالضَّرْبِ وَالْحَبْسِ وَالتَّوْبِيْخِ۔ (ترجمہ):۔ اور تعزیر ہوتی ہے۔ مارنا۔ قید کرنا جھڑکنا۔ مگر یہ درست نہیں۔ اسلامی قانون کی یہ خصوصی اور امتیازی شان ہے کہ اس نے مجرم کو فقط جسمانی سزائیں دی ہیں۔ اسلام میں نہ قید کی سزا جائز ہے نہ مالی جرمانے کی۔ یہ دو نو سزائیں جرم کو مٹاتی نہیں بلکہ بڑھاتی ہیں۔ اسی لیے موجودہ عیسائی قانون سے روز بروز جرم بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ بخلاف جسمانی سزا کے۔ کہ اس سے جرم کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ ہمارے جن بزرگوں نے قید یا جرمانے کو بھی تعزیری سزا قرار دیا ہے ان کو مندرجہ روایت سے دھوکہ ہوا۔ فَاَخْرَجَ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔ وزاد الترمذی والنسائی ثم خلی عنہ حسنہ الترمذی وصححہ الحاکم

وَرَوَی عبد الرزاق فی مُصنَّفِہٖ عَنْ عِرَاكِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ اَقْبَلَ رَجُلَانِ مِنْ بَنِي غِفَارٍ حتی نَزَلَا بِضَبْحَتَانِ مِنْ مِيَاهِ الْمَدِيْنَةِ وَعِنْدَهُمَا نَاسٌ مِنْ غَطْفَانَ مَعَهُمْ ظَهْرٌ لَهُمْ فَاَصْبَحَ الْغَطْفَانِيُّوْنَ وَقَدْ فَقَدُوْا الْبَعِيْرَيْنِ مِنْ اِبِلِهِمْ وَاتَّهَمُوا الْغِفَارِيَيْنِ فَاَتَوْا بِهِمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَبَسَ اَحَدَ الْغِفَارِيَيْنِ وَقَالَ لِلْآخَرِ اِذْهَبْ فَالْتَمِسْ :۔ (الخ) :۔(ترجمہ) :۔ بنی غطفان کے دو اونٹ گم ہوگئے انھوں نے بنی غفار کے مردوں پر تہمت لگائی اور دونوں کو پکڑ کر بارگاہِ رسالت میں لے آئے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کو قید کر دیا اور ایک کو ڈھونڈنے کے لیے بھیجا۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ قید کرنا اسلام میں تعزیری سزا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث واقعی بالکل درست ہے۔ مگر اس سے یہ دلیل لینا غلط ہے۔ کیونکہ قید کرنا اسلام میں تعزیری سزا نہیں۔ جیل اسلامی قانونوں میں سے ہی نہیں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قید فرمانا سزاءً نہ تھا بلکہ صرف روکنے کے لیئے تھا۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۱۷ پر ہے اَقُوْلُ وَلَا يَخْفٰى عَلَيْكَ اَنَّ الْمُسْتَفَادَ مِنْ تَعْلِيْلِ الْحَبْسِ بِقَوْلِهٖ لِاَنَّهٗ لَوْ خُلِّيَ سَبِيْلُهٗ هَرَبَ هُوَ :۔ اَنْ يَّكُوْنَ الْحَبْسُ اِحْتِيَاطًا تَعْزِيْرًا :۔ ترجمہ :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قید فرمانے کی وجہ اس کو بھاگنے سے روکنا ہے۔ پس واضح ہوا کہ یہ قید احتیاطاً ہے نہ تعزیری سزا۔ اور روکنے کے لیئے کسی بھی مجرم کو آج بھی قید کرنا مناسب ہے گویا کہ اسلام میں حوالات ہے جیل کوئی نہیں اسی طرح جرمانہ تو سراسر ظلم ہے۔ چنانچہ فتاوٰے ردالمحتار جلد سوم صہ ۲۶۴ اور فتاویٰ بحرالرائق جلد پنجم صہ ۴۱ پر اور فتاویٰ عالمگیری جلد دوم صہ ۱۶۷ پر ہے :۔ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ يَجُوْزُ التَّعْزِيْرُ لِلسُّلْطَانِ بِاَخْذِ الْمَالِ۔ وَعِنْدَهُمَا وَبَاقِي الْاَئِمَّةِ لَا يَجُوْزُ :۔ ترجمہ :۔ صرف امام یوسف کے نزدیک مال کی تعزیر جائز ہے لیکن امام اعظم۔ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل امام محمد کسی کے نزدیک بھی مال سے جرمانہ لے کر مجرم کو چھوڑنا جائز نہیں۔ بلکہ ظلم ہے۔ ہاں صرف مجرم کو بھاگنے سے روکنے کے لیئے کچھ دن کے لیئے اس کے مال پر قبضہ کرنا جائز ہے۔ تمام فقہاء نے یہی تصریح کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اخروی سزا کا نام عذاب الٰہی ہے اور عدالتی سزا کا نام۔ حد تعزیر۔ قصاص ہے۔ اصطلاحاً حدّ شرعی کو عذاب نہیں کہا جاتا۔ ہاں لغتاً صرف ایک جگہ قرآن پاک نے کنواری کنوارے زانی کی حد کو عذاب فرمایا ہے۔ جب یہ سمجھ لیا تو اب **چھٹی بات** :۔ میں وہ دلائل ملاحظہ فرمایئے جن سے شادی شدہ زانی و زانیہ کا رجم ثابت ہوتا ہے :۔

دلیل اوّل :۔ سورتِ نور آیت ۲ :۔ ارشاد ہے :۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ :۔ ترجمہ :۔ صرف کنواری زانیہ عورت اور کنوارے زانی مرد کو سو کوڑے لگاؤ۔ اس آیت کریمہ میں۔ لفظِ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ پر الف لام عہدِ خارجی ہے نہ جنسی ہو

سکتا ہے۔ نہ استغراقی کیونکہ جنسی یا استغراقی ہونے سے تمام قسم کے زانی شامل ہو جائیں گے۔ حالانکہ ہم نے پہلے بتا دیا کہ بائیس قسم کے زانی وہ ہیں جن کو حد نہیں لگتی یا معافی ہو جاتی ہے یا تعزیر۔ جیسے مجبور۔ مجنون۔ بچہ۔ غلام۔ وطی بالشبہ سے زانی۔ منکرین بھی۔ ان زانیوں کو حد نہیں لگا سکتے۔ اور جب الف لام جنسی و استغراقی نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ عہد خارجی ہو گا۔ ذہنی بھی نہیں ہو سکتا ورنہ فاجلدوا کا خطاب غلط ہو جائے گا۔ اور بقانونِ نحو الفلام عہدی میں صرف ایک قسم مراد ہو سکتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس آیت میں فقط ایک قسم کا زانی مراد ہے وہ کونسا؟ کنوارا بے نکاحا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ دوسری اور تیسری قسم اس میں قانوناً شامل نہیں ہو سکتیں لہٰذا منکوحہ زانی کی سزا سو کوڑے نہیں ہو سکتی۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہماری اس دلیل کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ ورنہ آپ کو سب زانی اس میں شامل کرنے پڑیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس آیت میں صرف دو قسمیں شامل رہیں باقی نکل جائیں اگر الف لام عہدی مانو تو صرف ایک قسم مراد ہو گی۔ اگر استغراقی یا جنسی مانو تو سب قسمیں مراد ہوں گی اور پھر پاگل مجبور بچے زانی کو بھی سو کوڑے مارنے پڑیں گے۔ حالانکہ یہ منع ہے۔ **دلیل دوم**۔ دنیا کی کائنات میں صرف اللہ رسول کا دینِ اسلام ہی ایسا مضبوط قانون پیش فرماتا ہے کہ جس میں ہر مجرم کو نہایت مناسب اور عدل و انصاف سے بہت احتیاط سے سزائیں دیتا ہے۔ نہ افراط ہے نہ تفریط نہ سخت مجرم کو نرم سزا کہ جرم بڑھیں نہ نرم مجرم کو سخت سزا کہ کوئی ظلم سے روئے۔ بلکہ سخت تر مجرم کو سخت تر سزا اور سخت مجرم کو سخت سزا نرم مجرم کو نرم سزا۔ سب جرموں میں بڑا جرم زنا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ جرم شادی شدہ کا زنا ہے۔ کیونکہ تمام جرموں کا نقصان ایک ایک لیکن کنوارے زانی سے تین نقصان۔ کہ خود مجرم ۱ زانیہ مجرم اور ۲ نسل خراب ۳ اور شادی شدہ زانی سے دس نقصان ۱ خود مجرم ۲ زانیہ مجرم ۳ نسل خراب ۴ بیوی پر ظلم ۵ اولاد سے بے پرواہی کر کے اولاد پر ظلم۔ ۶ گھر تباہ۔ ۷ سسرالی رشتہ ناراض ۸ بے غیرتی کا پھیلنا۔ ۹ مسلمانوں کی ذلت و خواری دوسری قوموں کی نگاہ میں یہی سب سے بڑا فساد فی الارض ہے۔ ۱۰ کنوارا تو پھر درست ہو سکتا ہے مگر شادی شدہ زانی مرتے دم تک زنا نہیں چھوڑ سکتا سو کوڑے بھی اس سے زنا نہیں چھڑا سکتے تندرست ہو کر پھر شروع ہو جائے گا۔ کنوارا زانی تو شادی کرا کر ٹھیک ہو جاتا ہے۔ مگر شادی شدہ زانی گویا خبیث بیج ہے اس کے ٹھیک ہونے کا اب کونسا وقت ہے۔ ایسے خبیث شدہ بیج کو تلف کرنا ہی درست ہے۔ ایسے فسادی شہوت کے بیماری کو زندہ رکھنا معاشرے کی تباہی ہے۔ اور اللہ نے فسادی کو قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ۔ سورت مائدہ آیت ۳۳ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا (الخ):۔ ترجمہ:۔ جو لوگ

اللہ رسول سے جنگ اور مقابلے کی ٹھان لیتے ہیں۔ اور جو لوگ زمین میں فساد معاشرہ بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا صرف یہ ہے کہ ان کو مار ڈالو یا سولی دے دو۔ اس آیت کریمہ میں فسادی کی سزا قتل اور موت فرمائی گئی۔ فسادی وہی ہے جس کی حرکتوں سے معاشرہ تباہ ہو۔ نسلیں ہلاک ہوں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے :۔ وَإِذَا تَوَلَّىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ۔ (ترجمہ) :۔ اور جب زمین میں سرکش بے غیرت پھرتا ہے تو اس میں فساد ڈالتا ہے یعنی ہلاکت ڈالتا ہے کھیتوں اور نسلوں میں۔ چونکہ یہاں حرث کے ساتھ نسل کا ذکر ہے۔ اس لیئے حرث سے نسلی کھیتی ہی مراد ہو گی۔ اور فساد سے مراد یہی نسلی ہلاکت ہے کیونکہ واؤ تفسیریہ ہے۔ اس لیئے کہ ہلاکت حرث و نسل تفصیل ہے فساد کی چنانچہ صاوی تفسیر جلد اول ص۸۵ پر ہے قَوْلُهُ وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ۔ تَفْصِيلٌ لِلْإِفْسَادِ۔ ترجمہ :۔ فساد کے بعد حرث و نسل کا ذکر فساد کی تفصیل بیان کرنا ہے۔ اور تفصیل کلام کے لیئے واؤ تفسیریہ ہوتی ہے۔ تفسیر روح المعانی جلد اول ص۹۶ پارہ دوم میں ہے :۔ اَنَّ الْحَرْثَ هُنَا النِّسَاءُ وَالنَّسْلُ الْاَوْلَادُ (ترجمہ) :۔ اس آیت میں حرث سے مراد عورتیں ہیں اور نسل سے مراد پیدا ہونے والے بچے قرآن مجید میں صاف صاف بھی عورتوں کو حرث فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ :۔ (ترجمہ) :۔ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس اپنی کھیتیوں کے پاس آؤ جس وقت چاہو۔ (نہ کہ غیر کی کھیتی کے پاس) :۔ ان تمام عبارتوں سے ثابت ہوا کہ نسل تباہ کرنے والا فسادی ہے۔ اور فسادی کی سزا موت ہے۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ زانی ہی نسل تباہ کرتا ہے۔ اور شادی شدہ زانی کا زنا ہر لحاظ سے فساد ہی ہے نہ کہ مجبوری۔ بخلاف کنوارے زانی کے کہ وہاں بشری کمزوری کو زیادہ دخل ہے۔ لہٰذا منکوحہ زانی کی سزا کا اشارہ اس آیت میں قتل اور موت کا دیا گیا۔ اور پتھروں سے مار ڈالنا بھی قتل ہے۔ اشارۃ النص سے ثابت ہوا کہ منکوحہ زانی کی سزا رجم ہے۔ **تیسری دلیل** ہے اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ :۔ (ترجمہ) :۔ شادی شدہ مرد اور عورت جب زنا کریں تو دونوں کو رجم کر دو یقیناً۔ عبرت کی سزا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ یہ آیت پاک رجم کی سزا کے لیئے عبارۃ النص ہے۔ اس کی عبارت و تلاوت منسوخ ہے مگر حکم جاری ہے۔ شیخ کے لغوی معنٰی ہیں ع۱ بوڑھا۔ ع۲ خاوند ع۳ ذمہ دار سردار ع۴ بڑا بزرگ قابل تعظیم (منجد) یہاں مراد خاوند اور بیوی یعنی منکوحہ عورت مرد۔ یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے الفاظ منسوخ فرمانے میں کیا حکمتیں ہیں۔ البتہ ایک صوفی بزرگ نے یہ حکمت بیان فرمائی کہ چونکہ شادی شدہ کا زنا سب سے زیادہ بے غیرتی اور گندگی کا جرم ہے۔ اس لیئے ان لفظوں کو آیات قرآن سے خارج کر دیا تاکہ اقوام عالم کے سامنے قوم مسلم کی رسوائی نہ ہو۔ دوسری وجہ یہ

کہ اپنے حبیب کا اختیار اور صاحب شریعت ہونا ثابت فرمانے کے لیئے کہ حد جیسی نص قطعی سے ثابت ہوتے والی سزا حدیثِ پاک کے الفاظ سے ثابت ہو سکتی ہے اور یہ بتانے کے لیئے جس طرح آیتِ قرآنی نص قطعی اور حکم الٰہی ہے۔ اسی طرح حدیثِ صحیحہ بھی نص قطعی ہے۔ بلکہ جو لوگ صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پالیں انکا اجماعی فیصلہ بھی نص قطعی ہے۔ **تیسری وجہ**:۔ یہ کہ آیتِ کریمہ مَا نَنْسَخْ کا عملی ثبوت پیش فرمانا تھا۔ اور بتانا تھا کہ ہم آیتِ قرآنی کے حکم کو بھی منسوخ فرما سکتے ہیں۔ اور لفظوں کو بھی۔ کیونکہ ہم غالب حکمت والے ہیں۔ منکروں کو ہماری حکمتوں کی سمجھ نہیں آسکتی۔ اب تک تین آیتوں میں رجم کا ثبوت پیش کیا گیا۔ پہلی آیت میں اقتضاء النص سے دوسری آیت میں اشارۃ النص سے تیسری آیت میں۔ عبارت النص سے۔ لیکن رجم زانی چونکہ بہت اہم سزا ہے۔ اس لیئے **چوتھی دلیل**:۔ اس طرح ہے۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۳۱۰ پر ہے:۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اَتٰی مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فَقَالَ لَہٗ لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْ غَمَزْتَ اَوْ نَظَرْتَ قَالَ لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَنِکْتَہَا۔ قَالَ نَعَمْ فَعِنْدَ ذٰلِكَ اَمَرَ بِرَجْمِہٖ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ (ترجمہ) حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے۔ فرمایا انھوں نے کہ جب حضرت ماعز نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ قدس میں حاضر ہوئے اور زنا کا اقرار کیا تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ماعز شاید تو نے صرف بوسہ لیا ہوگا یا صرف چھوا ہوگا۔ یا صرف شہوت کی نگاہ سے دیکھا ہوگا۔ اور اسی کو زنا سمجھا ہو۔ عرض کیا نہیں۔ یارسول اللہ۔ تو فرمایا کیا واقعی تو نے جماع کیا ہے۔ عرض کی ہاں تب اتنی تحقیق و تفتیش کے بعد آپ نے اس کے رجم کا حکم فرمایا۔ روایت کیا بخاری نے۔ رجم کے معنٰے ہیں پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دینا۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگیٔ پاک میں صرف پانچ شخصوں کو رجم کرایا۔ دو یہودی زانیوں کو ایک حضرت ماعز ایک یہودی زانیہ۔ ایک قبیلہ غامدیہ کی زانیہ عورت اسی طرح مشکوٰۃ شریف کی احادیث سے ظاہر ہے۔ لیکن مغنی لابنِ قدامہ جلد نہم صفحہ ۳۶ پر ہے:۔ وَقَدْ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الیہود بین الذین زنیا وَمَاعِزًا وَالْغَامِدِیَّۃَ حَتّٰی مَاتُوْا:۔ ترجمہ رسولِ پاک نے دو یہودی مردوں کو ایک ماعز کو ایک غامدیہ عورت کو زنا کی حد میں رجم فرمایا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ مشکوٰۃ شریف میں صفحہ ۳۰۹ پر یہودی مرد و عورت کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے۔ مغنی کی اس عبارت میں اَلَّذِیْنِ زَنَیَا سے مراد۔ عورت مرد ہی ہوں نہ کہ دو یہودی مرد کیونکہ مشکوٰۃ شریف میں زَنَیَا کا تثنیہ مذکر کا صیغہ ہی بولا ہے۔ تو اس طرح چار زانی ہی ثابت ہوئے۔ جن کو رجم کیا گیا۔ اور چاروں ہی شادی شدہ تھے۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث پاک نے بھی نکاح والے زانی کی سزا رجم ہی فرمائی۔ بلکہ توریت میں بھی ایسے زانی کی سزا رجم ہی تھی جیسا کہ مسلم بخاری اور مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۰۹ پر یہودی روایت سے

ثابت ہے۔ مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ رجم کی یہ حدیث خبرِ واحد ہے اور خبرِ واحد سے حد ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حدِ شرعی کے لیئے نصِ قطعی ضروری ہے۔ مگر مخالف کی یہ بات دو وجہ سے غلط ہے۔ ایک اس لیئے کہ یہ خبرِ واحد نہیں بلکہ اس کے کثیر راوی ہیں۔ چنانچہ احکام القرآن للجصاص جلد سوم نے صفحہ نمبر ۳۲۴ پر فرمایا قَالَ اَبُوْ بَکْرِ الرَّازِیُّ۔ رَوَی الرَّجْمَ۔ ابوبکر وعمرُ وعَلِیٌّ وَجَابِرُ بْنُ عُبَیْدِ اللّٰهِ وَاَبُوْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیُّ ابو ھریرۃ وَبُرَیْدَۃُ الْاَسْلَمِیُّ وَزَیْدُ بْنُ خَالِدٍ فِیْ اٰخَرِیْنَ الصَّحَابَۃِ۔ (ترجمہ):۔ فرمایا ابوبکر رازی نے کہ رجم کی حدیث شریف کو صدیقِ اکبر فاروقِ اعظم۔ علی مشکل کشا۔ جابر بن عبید اللہ اور ابو سعید خدری ابو ہریرہ جیسے کثیر جلیل القدر صحابہ نے روایت کیا۔ اور دو آخری صحابہ بریدہ اسلمی اور زید بن خالد نے بھی روایت کیا۔ خود مشکوٰۃ شریف نے مسلم۔ بخاری۔ ابوداؤد ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ اور شرح سنہ جیسی معتبر کتب کے حوالے سے بیس روایوں کی روایتیں نقل فرمائی ہیں۔ دوم اس لیئے کہ راویوں اور محدثین کی یہ تعداد خبرِ واحد کو بھی مشابہ متواتر بنا دیتی ہے۔ چنانچہ فتاوی فتح القدیر جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۲۱ پر ہے:۔ لِاَنَّ ثُبُوْتَ الرَّجْمِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاتِرُ الْمَعْنٰی کَشُجَاعَةِ عَلِیٍّ۔ وَجُوْدِ حَاتِمٍ (وعدالت عمر)۔ ترجمہ:۔ رجم کی حدیث شریف اگرچہ سنداً خبرِ واحد ہے مگر عملاً اتنی مشہور زمانہ ہو چکی ہے کہ معنیً متواتر بن گئی۔ جیسے کہ علی کی بہادری۔ حاتم کی سخاوت اور عمر کا انصاف مشہورِ زمانہ ہو گئے۔ ثابت ہوا کہ شہرت واحد کو متواتر حدیث بنا دیتی ہے۔

اَلْمُغْنِیْ لِابْنِ قدامہ جلد نہم (ص۳۵) پر ہے:۔ اَنَّهٗ قَدْ ثَبَتَ الرَّجْمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِهٖ وَفِعْلِهٖ فِیْ اَخْبَارٍ تَشْبَهُ الْمُتَوَاتِرَ (ترجمہ): بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی وجہ سے رجم اتنا جاری ہوا کہ وہ خبریں۔ خبرِ متواتر کے مشابہ ہو گئیں۔ پرویزی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو مانو جو قرآن کے مطابق ہے۔ میں کہتا ہوں کہ سب ہی احادیث قرآن مجید کے مطابق ہے۔ جہاں مطابقت نظر نہیں آتی وہ اپنی عقل کا قصور ہے۔ بے عقل کے لیئے تو آیاتِ قرآنیہ بھی آپس میں مطابق نہیں۔ اور پھر بعض احادیث کو بے عقل لوگ مطابق کر سکتے ہی نہیں حالانکہ ان پر عمل ہو رہا ہے مثلاً گدھے کتے کی حرمت والی حدیث کو کسطرح آیت کے مطابق کرو گے۔ پس ثابت ہوا کہ مطابق کرنا ہمارا کام نہیں۔ جب حدیث محدثین کے نزدیک صحیح ثابت ہو جائے تو اس پر ایمان لانا ہر مسلمان پر فرض ہے:۔

پانچویں دلیل:۔ شادی شدہ زانی کا رجم اجماعِ صحابہ سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۳۰۹ پر ہے:۔ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ وَاَنْزَلَ عَلَیْهِ الْکِتَابَ فَکَانَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی اٰیَةُ الرَّجْمِ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا

بَعْدَهُ وَالرَّجْمُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى اِذَا اَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْ كَانَ الْحَبَلُ اَوِ الْاِعْتِرَافُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ :۔ ترجمہ :۔ فاروق اعظم سے روایت ہے۔ فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی۔ پس جو قانون رب نے نازل کیا۔ اس میں رجم کی آیت بھی شامل ہے۔ اسی لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زانی کو رجم کیا اور آپ کے بعد ہم تمام صحابہ نے بھی رجم کیا۔ اور رجم کرنا اس عورت مرد زانی زانیہ پر بالکل درست ہے جو محصن ہوں۔ بشرطیکہ یہ زنا چار گواہیوں سے ثابت ہو یا عورت کا حمل بتادے۔ یا انکو زمانے سے بیوہ یا مطلقہ ہو یا زانی زانیہ چار مرتبہ صحیح صحیح اقرار کرلیں۔ اس حدیث پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ رجم پر اجماع صحابہ ہے۔ کہ فرمایا گیا سب صحابہ نے زانی کو رجم کیا۔ اسی کو اجماع کہا جاتا ہے۔ رجم پر صحابہ کرام کا قولی اجماع بھی ہے۔ عملی اجماع بھی۔ دوم یہ کہ شادی شدہ زانی جب محصن ہوگا تب رجم ہوگا۔ محصن کے چار معنے ہیں اور سب کے سب قرآن مجید میں مستعمل ہیں۔ جو اپنی جگہ آئندہ بیان ہوں گے۔ یہاں محصن کے معنے شادی شدہ۔ اسلامی محصنات شرطیں ہیں جب یہ ساری ایک مرد یا عورت میں پائی جائیں پھر وہ زنا کرے تو اُس کو رجم کیا جائے گا :۔

پہلی شرط :۔ کسی بیوی سے نکاح ہو۔ **دوم** وطی زنا فرجِ عورت میں ہو :۔ **سوم** :۔ نکاح ہر طرح سے صحیح ہو باطل یا فاسد نہ ہو۔ **چہارم** :۔ ہر دو زانی آزاد ہوں غلام نہ ہوں :۔ **پنجم** :۔ بالغ ہوں **ششم** :۔ عاقل ہوں۔ :۔ **ہفتم** :۔ زنا کیلئے چھ شرطیں مکمل ہوں۔ یعنی وہ مرد یا عورت پانچ شرطوں کے ساتھ حلال وطی کر چکے ہوں زنا کے وقت خواہ بیوہ ہو یا مطلقہ یا طلاق وغیرہ۔ ان شرطوں کا خلاصہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں۔ اس طرح کیا ہے :۔ اَجْمَعَ الصَّحَابَةُ وَاَئِمَّةُ الْاَمْصَارِ عَلٰى اَنَّ الْمُحْصِنَ اِذَا زَنٰى عَامِدًا عَالِمًا مُخْتَارًا فَعَلَيْهِ الرَّجْمُ :۔ (ترجمہ) :۔ صحابہ کرام اور تمام آئمہ کا اس پر اجماع ہے کہ محصن آدمی جب جانتے بوجھتے سمجھتے اپنے ارادے واختیار سے زنا کرے تو اس پر رجم کی سزا واجب ہے۔ **سوم** :۔ یہ کہ گواہی یا اقرارِ زانی ثبوت کے لیئے ضروری ہے :۔ پرویز صاحب کو اس گواہی سے بھی انکار ہے۔ وہ اپنی کتاب لغات القرآن جلد سوم صـ ۱۲۶۶ پر زانی کے لیئے گواہی کو ناممکن قرار دیتے ہیں۔ عجیب احمقانہ باتیں ہیں۔ مغنی لابن قدامہ صفحہ نمبر صـ ۳۵ پر ہے :۔ وَاَجْمَعَ عَلَيْهِ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :۔ ترجمہ :۔ رجم زانی پر صحابہ کرام کا اجماع تھا۔ یہاں تک کی گفتگو سے ہم نے زانی کے رجم کو ثابت کر دیا۔

اب **ساتویں بات** واضح کی جاتی ہے کہ سائل نے منکرینِ حدیث کے جو اعتراضات رجم کے

خلاف نقل کیئے ہیں۔ اُن کے جواب کیا ہیں۔ میں نے بحیثیت مفتی اسلام ہونیکے سائل کے نقل کردہ اُن گیارہ ۱۱ اعتراضوں کو بغور دیکھا پھران کا مطبوعہ رسالہ بلاغ القرآن کا بہت غور سے مطالعہ کیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ تمام اعتراضات محض کم علمی نادانی ناسمجھی اور دین کی فہم نہ ہونے کی بنا پر ہے اور بعض جگہ لغت سے بھی ناواقفی کا مظاہرہ ہے۔ لہٰذا جوابات ملاحظہ ہوں۔

مخالف کا:۔ **پہلا اعتراض:**۔ چونکہ قرآن مجید کی یہ آیت اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِی مطلق ہے۔ لہٰذا زانی خواہ کنوارہ ہو یا شادی شدہ یہی حد جاری ہوگی۔ **جواب:**۔ قطعاً غلط ہے۔ یہ آیت مطلق نہیں بلکہ الف لام عہدی سے مقید ہے۔ ورنہ تمام قسم کے زانیوں کو یہ سزا دینی پڑے گی حالانکہ مجبور اور دھوکے سے زانی کو تم بھی یہ سزا نہیں دیتے جیسا کہ ہم نے ابھی پہلے ثابت کیا:۔ **دوسرا اعتراض:**۔ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوسکتی۔ اور یہ آیت سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا (الخ) سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ سو کوڑے ہر زانی کی مکمل سزا ہے **جواب** بالکل غلط اور ناسمجھی کی بات ہے۔ ہم نے پہلے ثابت کر دیا کہ قرآن مجید کا ناسخ منسوخ بہت ضروری اور بالحکمت قانون ہے۔ اس کو ماننے بغیر چارہ نہیں۔ پہلی سطور میں جو فہرست پیش کی گئی ہے۔ اُن سے صاف ظاہر ہے کہ بعض منسوخ آیتیں ایسی اہم ہیں۔ کہ اب ان پر عمل ہو سکتا ہی نہیں مثلاً۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (ترجمہ):۔ اے مومنو اللہ سے ڈرنے کے حق کے برابر ڈرو۔ بھلا اب کون شخص اس حکم پر عمل کر سکتا ہے۔ کرم ہے رب کا کہ اُس نے اس سخت حکم کو منسوخ فرما کر دوسرا حکم عطا فرمایا کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (ترجمہ) اتنا ڈرو جتنی تمہاری بشری طاقت ہے اور ہم نسخ کا منکر یا نسخ کا صحیح مطلب کس طرح کر سکتا ہے۔ آئیں بائیں کرنے سے تو کام نہیں چلتا۔ معترض کی پیش کردہ آیت معترض کی بالکل حمایت نہیں کرتی۔ نہ اس میں رجم کی نفی ہے بلکہ یہ آیت یہ بتا رہی ہے۔ کہ اس میں اکثر احکام مسلمانوں کے لیئے ہیں کیونکہ فَرَضْنٰهَا کا معنیٰ ہے۔ ہم نے فرض کیئے۔ اور فرض واجب مستحب نفل ہونا یہ سب مسلمانوں کے لیئے ہیں کفار پر کوئی چیز فرض واجب نہیں۔ قرآن مجید کو سمجھ کر بات کرنا عقلمندی ہے۔ صرف کھینچا تانی کرنے سے مدعا حاصل نہیں ہوا کرتا:۔

تیسرا اعتراض:۔ یہ کہ رجم سے موت ہوتی ہے حالانکہ قرآن پاک نے زانی زانیہ کو زندہ رہنے کا حق دیا ہے چنانچہ ارشاد:۔ اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً۔ یہاں اَلزَّانِیْ۔ مطلقاً ہے۔ موت کی سزا ہوتی تو نکاح کرانے کا ذکر کیوں ہوتا۔ **جواب:**۔ یہ بات روشن ہے کہ اسلام نے کبھی کسی مجرم سے محبت نہیں کی۔ بخلاف یہود و نصاریٰ اور ہندو مشرکوں کے کہ وہ سب حتی المقدور مجرم کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب ہمارے معاشرے کے پرویزیوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا دراصل یہ عادت انہوں نے یہود و نصاریٰ سے ہی لی ہے:۔ اور محض دھوکہ دینے کے لیئے غلط نا دلیلیں بلکہ تحریفیں کر کے آیتوں کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ رجم سے یقیناً واقعی موت واقع ہوتی ہے۔ اور رتیب یعنی منکوح زانی کو موت ہی دینا مقصود ہے۔ ایسے مفسد بے غیرت ناسورِ معاشرہ کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ نہ اسلام ایسے گندے آدمی کو زندہ رہنے کا حق دیتا ہے۔ گندے اور

خبیث آدمی کو بچانا ایسا ہی احمقانہ حرکت ہے جیسے کمیٹی والے مکھی مچھر مارنے کے لیے ڈیڈی ٹی چھڑکیں تو کوئی چکڑالوی کھڑا ہو جائے اور دوائی چھڑکنے والوں کو برا کہنے لگے کہ اللہ نے تو ان کو زندہ رہنے کا حق دیا ہے تم ان کو کیوں مارتے ہو۔ جیسے حکومت مکھی مچھر تلف کرکے جسمانی صحت مند معاشرہ پیدا کرنا چاہتی ہے اسی طرح اسلام قاتل اور فسادی زانی جیسے گندے انسان کو رجم سے مار کر روحانی صحت مند معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے :۔

مخالف کا پیش کردہ آیت سے استدلال کرنا نہایت ہی کمزور علمی کا ثبوت ہے۔ چار وجہ سے :۔

پہلی یہ کہ آیت منسوخ ہے اگر اس کو منسوخ نہ مانا جائے تو بت پرست عورتوں سے نکاح کرنا بھی جائز ماننا پڑے گا۔ حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے :۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا :۔ (ترجمہ) اور مشرکوں سے کوئی مسلمان نکاح نہ کرے۔ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ دوم۔ یہ کہ پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ زانی ساری دنیا میں صرف زانیہ سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔ کسی اور عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اگر اس کو زانیہ عورت نہ ملے تو بغیر نکاح کے رہے اور پھر اسی طرح بھوبھل پھانکے اگر مخالف کہے کہ زانیہ سے مراد اس کی اپنی زانیہ ہے۔ تو مخالف کو دو مصیبتیں پڑیں گی۔ پہلی یہ کہ مخالف خود اس آیت کو مطلق کہہ چکا ہے اب زانیہ کو مقید اور مخصوص ماننا پڑے گا دوم یہ کہ سو کوڑے کھاتے کھاتے اگر وہ عورت زانیہ مر جائے۔ یا ویسے ہی مر جائے تو زانی بقیہ عمر ساری کس طرح گزارے۔ تیسری :۔ وجہ یہ کہ اَلزَّانِیْ سے مراد صرف کنوارا زانی ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا۔ کیونکہ اصطلاحِ قرآنی میں لفظ زانی صرف کنوارے زانی کا لقب ہے۔ کیونکہ اس نے بجز زنا کی صحبت کے اور کوئی صحبت نہیں کی ہوتی۔ چوتھی وجہ یہ کہ اگر یہ شادی شدہ زانی کو بھی شامل ہو۔ تو نکاح کرنے کا ذکر کیوں کیا گیا۔ وہ تو پہلے ہی نکاح والا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ زنا سے پہلا نکاح ٹوٹ گیا۔ اور کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ زانیہ خاوند کے باوجود کسی دوسرے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے جب یہ کام ناممکن ہیں تو سمجھ لو کہ اَلزَّانِیْ سے مراد صرف کنوارا زانی ہے اسی کو نکاح کرکے اور سزا کی توبہ کے بعد باعزت طریقے سے نکاح کرنے کا حکم ہے اور اپنی ہی زانیہ سے نکاح کرنا اس لیے زیادہ بہتر ہے۔ تاکہ وہ عورت بھی زمانے میں ذلیل نہ ہو نہ نطفہ مخلوط ہو۔ زانیہ کو دوسرا مرد مشکل سے ہی پسند کرتا ہے رجم کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ نفی نہ ثبوت نہ شادی شدہ زانی اس میں شامل۔ مخالف کا یہ استدلال نہایت غلط ہے

چوتھا اعتراض :۔ مخالف کہتا ہے کہ قرآنِ مجید میں زنا کو فاحشہ کہا گیا۔ اور کہا گیا ہے :۔ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ :۔ (ترجمہ) اور لونڈیوں کو زنا کی سزا شادی شدہ عورتوں سے آدھی ہے۔ محصنہ صرف شادی شدہ کو کہتے ہیں۔ اور آدھی سزا رجم نہیں ہو سکتا۔ لازمی ثابت ہوا کہ شادی شدہ زانی زانیہ کو بلکہ ہر زانی کو سو کوڑے ہی سزا دی جائے۔ کنوارا ہو یا شادی شدہ

بیو یو یار نڈوا۔ **جواب۔** ہر فاحشہ زنا نہیں۔ ہر عذاب دنیوی سزا نہیں۔ ہر محصن ومحصنہ شادی شدہ نہیں یہ تینوں لفظ مشترک المعنیٰ ہیں معترض کتنا جلد باز ناداں ہے کہ دیگر آیات پر غور نہیں فرماتا۔ یہی نہیں بلکہ اس گروہ نے اپنے اسی دین کو بچانے کے لیئے بہت جگہ جھوٹ کا سہارا پکڑا۔ کبھی کہتے ہیں۔ ناسخ منسوخ میں علماء اسلام کا اختلاف ہے (لغات القرآن جلد چہارم ص۱۶۰) یہ بالکل غلط ہے قطعاً کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بتا دیا۔ کبھی کہتے ہیں کہ قصاص کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے۔ اسی طرح کی غلط اور عوامی دھوکے کی باتیں انکی سب ہی کتب میں موجود ہیں۔ جیسا کہ رجم کے فیصلے میں چیرمین شرعی عدالت نے لکھا اور ردالمحتار کا جھوٹا حوالہ لکھ دیا۔ حالانکہ وہ عبارت سارے کتابچہ میں نہیں۔ اس طرح غلط بیانیوں سے دین بچانے کا کیا فائدہ۔ اس اعتراض کا لب لباب اور دار و مدار صرف لفظ محصنات پر ہے۔ معترض نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ شادی شدہ زانیہ عورتیں۔ اور فریب میں اپنی دلیل بنالی حالانکہ محصنہ کے چار معنٰے ہیں۔ ع۱ مسلمان ہونا چنانچہ سورۂ نساء آیت ۲۵ میں ہے۔ فَاِذَآ اُحْصِنَّ۔ جب مسلمان کر دی جائیں ع۲ پاک دامن ہونا چنانچہ سورۂ نور ع۴ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ :۔ ترجمہ اور وہ لوگ جو پاک دامن پاکباز عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں ع۳ نکاح سے منکوحہ ہونا چنانچہ سورت نساء آیت ۲۴ میں ہے۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ۔ ترجمہ :۔ عورتوں میں سے شادی شدہ عورتیں ع۴ آزاد ہونا۔ چنانچہ سورت نساء آیت ۲۵ وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ۔ ترجمہ :۔ اور جو شخص کہ بوجہ غربت آزاد مومنہ عورت سے نکاح نہ کر سکے ان چار آیات میں محصنہ کے چار معنٰے استعمال ہوئے جس سے اس کا مشترک ہونا ثابت ہوا اور مشترک المعنیٰ الفاظ کے لیئے دو مشہور قانون وضع ہیں ایک یہ کہ استعمال کے وقت ایک ہی معنٰے مراد ہوں گے دو یا تین نہیں ہو سکتے دوم یہ کہ معنیٰ معین کرنے کے لیئے کسی قرینے کا ہونا شرط ہے ہر شخص اپنی مرضی سے معنیٰ معین نہیں کر سکتا۔ پس سمجھ لو کہ معترض کی پیش کردہ آیت کے الفاظ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ میں محصنات کے معنیٰ کنواری آزاد عورتیں معین ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے معنٰے یہاں بن ہی نہیں سکتے۔ اس لیئے کہ یہاں لفظ محصنات کا مقابلہ ہے لونڈی عورتوں سے یہ مقابلہ قرینہ ہے۔ اس بات کا کہ محصنات کا معنیٰ آزاد کیا جائے۔ اور کنواری کی قید اس لیئے لگائی جائے گی کہ آزاد منکوحہ ثیبہ یعنی شادی شدہ مراد نہیں لی جا سکتی اگر ہم محصنات کا معنٰے کریں۔ منکوحہ آزاد عورتیں۔ تو بیک وقت دو معنیٰ استعمال ہوں گے حالانکہ مشترک المعنیٰ الفاظ میں دو معنٰے بیک دم استعمال نہیں ہو سکتے۔ ثابت ہوا کہ معترض کی اس آیت میں آزاد کنواری زانیہ عورتوں کی سزا کوڑوں کا ذکر ہے نہ کہ آزاد منکوحہ عورتوں کی سزا رجم کا کوڑوں کا ہی نصف لونڈی زانیہ کو لگے گا یہاں آزاد شادی شدہ کا ذکر ہے ہی نہیں۔ اس اعتراض میں لفظ فاحشہ اور لفظ عذاب سے کوئی بحث نہیں۔ **پانچواں اعتراض** :۔ اس میں معترض کہتا ہے کہ رجم

کا ذکر سارے قرآن میں نہیں اور زنا کی سزا کا ذکر قرآن میں نصف بھی ہے اور دگنی بھی یعنی پہلے پیش کردہ آیت میں محصنہ کی سزا سے آدھی کا ذکر تھا اور سورۂ احزاب کی آیت ۳۰ میں اسی سزا سے دگنی سزا کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ (الخ)۔ ترجمہ اے نبی کی بیبیو جو تم میں سے ظاہر بدکاری کرے تو اس کو دگنی سزا ہے۔ یہاں فاحشہ سے مراد زنا اور عذاب سے اس کی دنیوی سزا ہے۔ اور نساء النبیؐ لازمی شادی شدہ ہیں۔ اور رجم جس طرح آدھا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دگنا بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا انجام موت ہے۔ ثابت ہوا کہ زانیہ کنواری ہو یا شادی شدہ اس کی سزا کوڑے ہی ہے وہ آدھی بھی ہو سکتی ہے اور دگنی بھی آدھی پچاس کوڑے۔ دگنی دو سو کوڑے۔

جواب:۔ معترض کی پیش کردہ آیت میں۔ نہ فاحشہ سے مراد زنا ہے اور نہ عذاب سے مراد دنیوی عدالتی سزا ہے۔ بلکہ فاحشہ سے مراد نبی کی نافرمانی اور عذاب سے مراد بعد قیامت کی سزا۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں لفظ فاحشہ تین طرح استعمال ہوا ہے ۱ الفاحشہ۔ جیسے کہ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ ۲ فاحشہ مُّبَیِّنَہ جیسے یہاں اسی آیت پیش کردہ میں ۳ فَاحِشَةً جیسے وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً۔ (الخ) استعمالِ فاحشہ کی اس تقسیم سے تین معنے ظاہر ہوتے ہیں ۱ زنا ۲ کسی بزرگ کی سخت ظاہر ظہور نافرمانی اور برا کام ۳ نقصان دہ کام یا عام گناہِ کبیرہ۔ اسی طرح لغات القرآن غریب القرآن صفحہ ۲۷۲ پر لکھا ہے جب یہ لفظ الف لام کے ساتھ استعمال ہو تو زنا مراد ہوتا ہے اور اگر یہ لفظ نکرہ ہو تو عام گناہ یا بے حیائی کے کام مراد ہوتے ہیں یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ میں اکثر کے نزدیک زنا مراد ہیں۔ اور۔ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً میں فاحشۃً سے مراد بے حیائی کا کام مراد ہے یعنی زنا کی اصلیت اور نتیجہ یہ ہے کہ وہ زانی زانیہ اور حرامی نسل کو بے غیرت بنا دیتا ہے۔ اگر یہاں فاحشۃً کا ترجمہ زنا کیا جائے تو مطلب یہ بن جائے گا بے شک وہ زنا۔ زنا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط۔ تفسیر صاوی جلد سوم صفحہ ۲۲۹ پر ہے۔ قِیْلَ اَلْفَاحِشَةُ اِذَا وَرَدَتْ مَعْرِفَةً فَهِیَ الزِّنَا وَاللِّوَاطَةُ وَاِنْ وَرَدَتْ مُنَكَّرَةً فَهِیَ سَائِرُ الْمَعَاصِیْ فَاِنْ وَرَدَتْ مَنْعُوْتَةً كَمَا هُنَا فَهِیَ عُقُوْقُ الزَّوْجِ وَسُوْءُ عِشْرَتِهٖ۔ ترجمہ:۔ اگر فاحشہ معرفہ ہو تو مراد زنا ہے اگر بغیر الف لام کے نکرہ ہو تو مراد دیگر گناہ کبیرہ ہوں گے اور موصوف ہو کر آئے جیسے کہ یہاں اس آیت یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ میں۔ تو مراد خاوند کی نافرمانی ہوتی ہے۔ ثابت ہوا کہ یہاں بِفَاحِشَةٍ سے مراد گھریلو ناچاقی نافرمانی۔ جب یہاں فاحشۃٍ مُّبَیِّنَةٍ سے مراد زنا ہے ہی نہیں تو عذاب سے مراد بھی حد شرعی کی سزا نہیں دو وجہ سے ایک یہ کہ فاحشۃٍ کا لفظ موصوف ہے مُّبَیِّنَةٍ کا اور مبینۃٍ کا معنیٰ ہے ظاہر ظہور۔ حالانکہ زنا چھپ کر کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی تفسیر روح المعانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۲ پر ہے۔ ثابت ہوا کہ فاحشۃٍ سے زنا مراد لینا جہالت ہے

دوم یہ کہ کوڑے حدِّ شرعی ہے اور حدِّ شرعی میں افرادِ مخصوصہ کے لیئے زیادتی کمی نہیں ہو سکتی۔ لونڈیوں غلاموں کے لیئے حد کی کمی انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طریقے پر ہے۔ اور پھر عذاب کا دُگنا ہونا نساء النبی کے لیئے اُن کی فضیلت اور مدارج کی بنا پر ہے تو لازم آیا کہ جن کو بھی فضیلت قیامت تک تھوڑی بہت ہوتی رہے گی اُس کی حد بھی ایک ایک دو کوڑے بڑھتی رہے۔ مثلاً صحابہ پھر اولیاء اللہ اور پھر علما پھر امرا اس طریقے سے حد نہ رہے گی کھیل بن جائے گا۔ پس ماننا پڑے گا کہ یہاں عذاب سے مراد حد شرعی نہیں بلکہ عذابِ اُخروی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عذاب کو رب تعالے نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔ کہ ارشاد ہوا۔ ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا یہ اللہ پر آسان ہے۔ جب کہ حدود کی سزا حکام کے سپرد ہوتی ہے اُن ہی کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ لہٰذا اس دلیل سے بھی معترض کا مقصد حاصل نہ ہوا اور رجم کی مخالفت ثابت نہ ہو سکی۔

چھٹا اعتراض: رجم زانی ہرگز سنت نہیں بلکہ خلافِ قرآن خلافِ اسلام اور خلافِ رسول ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی رجم نہ کیا۔ رجم کی ساری حدیثیں بناوٹی ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم قرآن کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند تھے۔ کہ ارشاد ہے۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ۔ ترجمہ اے نبی صرف اِس قرآن سے فیصلہ کیجیئے جو اُتارا اللہ نے یہ بات یقینی ہے کہ صرف قرآن ہی نازل ہوا ہے۔

جواب: یہ اعتراض ایسا ہی ہے جیسے کوئی دوپہر کے وقت کہہ دے کہ اس وقت کوئی سورج نہیں کوئی دھوپ نہیں کوئی دن نہیں۔ احادیث سے رجم زانی ثابت ہے اس کا انکار پرلے درجے کی حماقت ہے۔ کثیر احادیث کتب میں موجود ہیں۔ جیسا کہ مختصراً ہم نے پہلے ثابت کر دیا۔ اُن احادیث کو بناوٹی کہنا معترض کا اپنے قلم کی بات ہے۔ اس طرح تو کافر قرآن مجید کا بھی انکار کر دیتے ہیں۔ ایسے بیہودہ اعتراضات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور رجم کی سزا اشارۃً وَدَلالۃً وَاقتضاءً وعبارۃً قرآن مجید سے ہی ثابت ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ ہاں البتہ ظاہر عبارت اور نفاذ کا طریقہ عملی احادیث کثیرہ متواترالمعنیٰ سے ثابت ہے۔ رہا یہ کہنا کہ قرآن مجید کے سوا کچھ اور نازل نہ ہوا یہ غلط ہے۔ کیونکہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ سورتِ نساء آیت ۱۱۳ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ (ترجمہ) اور اتاری اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اور سکھایا تم کو وہ جو تم نہ جانتے تھے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ سورہ بقرہ آیت ۲۳۱: وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ: ترجمہ: اور یاد کرو اللہ کی اُس نعمت کو جو تم پر ہے اور یاد کرو اس کو جو نازل کیا اُس اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت سے اور تیسری جگہ ارشاد ربانی ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ ترجمہ: اور وہ نبی سکھاتے ہیں تم کو اللہ کی کتاب اور حکمت

ان تینوں آیات میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں نازل فرمائیں ۱۔ کتاب ۲۔ حکمت۔ کتاب اللہ مجموعہ ہے۔ احکام قصص اور شریعت و طریقت اسرار رموز وعظ و نصیحت ہدایت و نور کا۔ اور حکمت کے معنی ہیں قانون۔ اور قانونِ شریعت حدیث پاک ہی ہے کیونکہ قانون وہ ہوتا ہے جس پر عمل کیا جائے حدیث کے بغیر قرآن مجید پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا حدیث ہی قانونِ خداوندی ہے۔ حدیث پاک کے بغیر اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ۔ وَآتُوا الزَّكٰوةَ۔ اَتِمُّوا الْحَجَّ وغیرہ احکام پر کس طرح عمل کیا جا سکتا ہے۔ کہاں سے ڈھونڈو گے تعداد رکعات۔ زکوٰۃ کی تفصیل۔ اور حج کا طریقہ۔ یہ ٹھیک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احکام خداوندی کے مطابق فیصلہ کرنے اور اس فیصلے کو جاری کرنے کے پابند ہیں مگر لازمانہ خادمانہ مجبورانہ شان سے نہیں۔ بلکہ بااختیار محبوبانہ شان سے۔ اسی لیے رب کریم نے فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقُرْآنِ یا بِالْكِتَابِ نہ فرمایا بلکہ۔ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فرمایا۔ اتنی دراز عبارت میں یہی حکمت اور راز ہے کہ حدیث بھی فیصلہ کرنے میں شامل ہو جائے۔ اور ناواقفوں کو معلوم ہو جائے کہ حدیث رسول اللہ بھی۔ مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰهِ ہے اور فرموداتِ محمدی بھی کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ہے۔ اللہ نے نبی کریم کو کائنات کا پورا فیصلہ کرنے کا اختیار بھی دیا حدود شرعیہ نبی کریم کی زبان پاک کا نام ہے بلکہ خود کوڑوں کی سزا کی تفصیل بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما سکتے ہیں کہ کس طرح لگاؤ جسم کے کس حصے پر لگاؤ کتنی زور سے لگاؤ۔ قرآنِ کریم نے ہم کو تو کچھ بھی نہ بتایا اپنے نبی کو بتایا۔ اس لیے واضح کیا وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (ترجمہ)۔ اے کائنات والو تم کو ہمارے نبی کتاب و حدیث سکھاتے ہیں۔ ورنہ عربی لغت اور ترجمے سے تو تمام اہلِ عرب پہلے ہی واقف تھے وہ ہی قانون وانِ الٰہی اگر کسی کو رجم کرتا ہے تو نہ خلافِ قرآن ہو گا۔ نہ خلافِ اسلام۔ احمقانہ جلد بازی میں انسان جو چاہے بولتا چلا جائے۔ جب بے لگام ہو جائے تو جس کو چاہو بنا دو کہہ دو جس کو چاہو لگا دو۔ الکتاب والحکمۃ میں واؤ تفسیریہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ کتاب کی تفسیر یا تفصیل حکمت نہیں ہو سکتی۔ کتاب کُل ہے حکمت جزیہ ہے۔ حکمت کے معنیٰ ہیں قانون۔ حالانکہ کتاب میں قانون کے علاوہ بھی آیات ہیں۔ ماننا پڑے گا کہ حکمت سے : ۔ ماننا پڑے گا کہ حکمت سے مراد احادیث پاک ہیں۔

ساتواں اعتراض:۔ قرآنِ مجید میں رجم کا اشارہ تک نہیں ہے اگر رجم زانی حدِ شرعی ہوتی تو لکھتے وضاحت کرنے میں کس کی شرم تھی۔ کوئی آیت منسوخ نہیں ہو سکتی نہ تلاوتاً نہ حکماً۔ رجم کی آیت منسوخ ماننا جھوٹ ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ۔ میں۔ شیطان کی آیت مراد ہے۔ آیت دراصل اس طرح تھی۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةِ الشَّيْطَانِ۔ تنوین عوض کی ہے۔ **جواب:**۔ اس کا تحقیقی جواب تو مکمل طور پر دے دیا ہے مگر الزامی جواب اس طرح ہے کہ یہیں پر بس نہیں بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ کے حکم میں نماز کا طریقہ۔ اوقات کی تفصیل رکعات کی تعداد واضح کرنے میں کس کی شرم تھی۔ نیز کتے گدھے کو اللہ نے حرام کیا یا نہیں اگر کیا۔ تو قرآن مجید میں حرمت ذکر کر دینے میں کس کی شرم تھی۔ نیز معترض کہتا ہے کہ آیت دراصل اس طرح تھی۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةِ الشيطانِ اللہ تعالیٰ کو اس ہی طرح لکھنے میں کس کی شرم تھی۔ معترض نے اپنے اس جھوٹ پر کوئی ثبوت بھی پیش نہ کیا

کیا معترض کو اختیارِ ذاتی ہے کہ جس طرح چاہے گھر بیٹھے آیتوں کو توڑنا مروڑنا شروع کر دے اپنے اس بیہودہ اور کفریہ عقیدے کا ثبوت پیش کرو اور قرآن سے ثابت کرو اور قرآن مجید سے صاف صاف اسطرح ثابت کرو کہ واقعی یہ آیت اس طرح تھی۔ خیال رہے۔ کہ عقلاً نقلاً اور قانوناً لفظِ آیت مرکب اضافی اور شیطان مضاف الیہ نہیں ہو سکتا۔ نہ معلوم معترض کے دماغ میں یہ دور کی کہاں سے سوجھی۔ عقلاً تو اس لیئے کہ اگر ذرا بھی انسان تدبر سے کام لے تو اسی آیت کے روشِ کلام اور طرزِ بیانی و الفاظ کے ربط سے ہی بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہاں آیت سے آیت قرآن پاک مراد ہے۔ اوّلاً اس لیئے کہ ننسخ کے بعد ننسھا فرمایا۔ یعنی آیت کو یا منسوخ کر دیں یا بھلا دیں۔ آیت ایک اور اس کے ختم کرنے کے ۲ دو طریقے بھلایا اُس کو جاتا ہے جو پہلے یاد ہو اور بھلانے کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ گویا کہ یہ آیت جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے یاد ہے۔ چاہے تو اُس کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں۔ اور کوئی ایماندار یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ معاذ اللہ نبی کریم کو شیطانی آیتیں یاد ہوں گی۔ دوم اس لیئے کہ آگے ارشاد ہے۔ نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَا:۔ ترجمہ:۔ آیت منسوخ کر کے یا بھلا کر۔ اُس سے اچھی دوسری آیت لے آتے ہیں۔ مِنْھَا میں مِنْ تفضیلیہ ہے اسی لیئے مفسرین کرام بخیرٍ کا ترجمہ اَنْفَعُ کرتے ہیں اسی طرح تفسیر صاوی جلد اوّل ص۴۷ پر ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اچھی وہ بھی آیت تھی مگر دوسری آیت اُس سے بھی اچھی ہو گی۔ اور یہ بات بھی حقیقت کے خلاف ہے کہ شیطانی آیت میں اچھائی ہو۔ کوئی ایمانی عقل والا شیطان کی آیت کو خیر اور اچھا نہیں کہہ سکتا چہ جائے کہ رب تعالیٰ اُس کو اچھا کہے سوم اس لیئے کہ آگے ارشاد ہے۔ اَوْ مِثْلِھَا۔ یعنی یا اُس منسوخ شدہ آیت کے مثل لائیں گے۔ اس لفظ نے تو مسئلہ بالکل حل فرمایا کہ یہاں آیت قرآنی مراد ہے۔ اس لیئے کہ شیطانی آیت قرآنی آیت کے مثل کس طرح ہو سکتی ہے ایسا کہنے والا تو ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ نقلاً اس طرح کہ لفظِ آیت کے تین معنٰی ہیں ۱ نشانی ۲ عبرت ۳ کلام۔ قرآن مجید میں لفظِ آیت یا آیات تقریباً تین سو اکیاسی ۳۸۱ دفعہ آیا ہے مگر کہیں بھی اُس کی نسبت یا اضافت، شیطان کی طرف نہیں کی گئی۔ نہ کسی حدیث میں نہ فقہ کی کتب نہ کتبِ ادب کہیں ثبوت کا نام نشان تک نہیں۔ ہاں قرآن مجید نے سورت حج آیت باون ۵۲ میں شیطانی کلام کو القاءِ شیطانی فرمایا ہے۔ معترض اپنے رسالے بلاغ القرآن ص۱۳ پر آیتِ شیطانی کی مثال میں لفظِ راعنا پیش کرتا ہے کہ یہودی لوگ راعِنا کہتے تھے زبان کو پچکا کر اس کو اللہ نے منسوخ کر کے اُنْظُرْنَا اُس کی جگہ مقرر کیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے تو معترض کا ہی دین ختم ہوتا ہے کہ نسخ کا ثبوت ہو گیا۔ پھر یہ کہ یہ لفظِ راعنا خود مسلمان کہتے تھے جس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے یہودی منافق رَاعِیْنَا کہنے لگے تب مسلمانوں کو اس سے روکا گیا اور نیا لفظ سمجھایا گیا۔ راعِنا کوئی آیت نہ تھی بلکہ مسلمانوں کا اپنا کلام تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا۔ اے ایمان والو آئندہ راعِنا نہ کہنا (الخ)

ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو روکا گیا نہ کہ یہودیوں کو اور روکا اس سے جاتا ہے جو پہلے کرتے ہوں تو معلوم ہوا کہ مسلمان پہلے راعنا کہتے تھے جب یہ لفظ مسلمان کہتے تھے تو آیت شیطانی کیونکر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جب منافقوں کے منہ پر گستاخانہ لچک سنی تو آپ نے فرمایا کہ آئندہ اگر اس طرح یہ لفظ بولا تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔ منافق بولے کہ تم بھی یہی کہتے ہو آپ نے جواباً فرمایا ہم تو راعِنا کہتے ہیں اور تم بگاڑ کر راعینا کہتے ہو۔ اور پھر اگر یہ لفظ راعِنا معاذ اللہ آیت شیطانی ہوتا تو رب تعالیٰ مسلمانوں کو پہلے دن ہی منع کر دیتا اتنا عرصہ کیوں مہلت دی۔ جیسا کہ روح المعانی جلد اوّل ص ۳۴۹ پر ہے۔ اور پھر یہ لفظ پوری آیت نہیں بلکہ ہوگا جملہ فعلیہ کا جز ہے۔ قانونًا اس لیئے کہ آیتٍ کی تنوین عوضی نہیں ہو سکتی بلکہ تنکیری ہے۔ کیونکہ تنوینِ عوض کے لیئے قرینہ ضروری ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک میں ہے۔ وَجَعَلْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ :۔ یہاں پہلا بَعْضَهُمْ قرینہ یعنی علامت ہے دوسرے بَعْضٍ کی پہلے نے بتایا دوسرے میں بھی ہُم ضمیر مضاف الیہ پوشیدہ اس کے عوض تنوین آ گئی مگر آیتٍ میں کوئی قرینہ موجود نہیں جو اضافت کو ثابت کرے لہٰذا یہاں نہ تنوین عوض کی ہے نہ لفظِ شیطان مضاف الیہ ہو کر پوشیدہ ہے۔ نیز مَا نَنْسَخْ کا سیاق و سباق بھی بتا رہا ہے۔ کہ یہاں آیتٍ سے قرآنی آیت مراد ہے۔ کیونکہ سباق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ترجمہ۔ مشرکین وغیرہ کفار نہیں چاہتے کہ تم مسلمانوں پر کوئی خیر کی آیت نازل کی جائے۔ لیکن کافروں کی مراد پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا۔ ترجمہ :۔ ہم اپنی طرف سے لے آتے ہیں۔ اس سے اچھی آیت یا اس کی مثل تعجب اور افسوس ہے :۔ کہ اتنی صاف ...... عبارت کے ہوتے ہوئے پھر بھی صرف اپنی ہٹ دھرمی گمراہی بچانے کے لیئے اللہ کے کلام کی گستاخی اور توڑ مروڑ کی جائے۔

آٹھواں اعتراض :۔ معترض کہتا ہے کہ اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ کہ سارے قرآن میں کہیں بھی رجم کا ذکر نہیں نہ زانی کے لیئے نہ کسی اور مجرم کے لیئے۔

جواب :۔ واقعی اس سے بڑی دلیل آپ کے پاس اور کیا ہو سکتی ہے ان ہی بڑی دلیلوں نے تو آپ لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیا۔ ایسی ہی نکارہ دلیلوں کو آپ لوگ بڑی دلیلیں سمجھ کر تدبر و تفکر سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں محترم قرآنِ پاک سے دلائل لینے کے لیئے ایمان و عرفان کی نگاہیں چاہیئے۔ آپ کو دلیلیں نہ ملیں حالانکہ رجمِ زانی اور رجم کا صریحی متذکرہ قرآن مجید میں ہے۔ جیسا کہ کچھ ہم نے بتا دیا۔ اور کچھ آئندہ سطور میں بیان ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہے۔

نواں اعتراض :۔ سنگساری اور رجم ظالمانہ کام ہے۔ اور ظالمانہ کام صرف کفار ہی کرتے ہیں۔ اس لیئے قرآن مجید میں رجم کو کفار کی طرف نسبت کیا گیا۔ دیکھو آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ کو۔ سورۂ یٰسٓ میں چند رسولوں کو کفار نے رجم کی دھمکی دی اسی طرح اصحاب کہف کو کافروں کے رجم کا اندیشہ ہوا حضرت شعیب کو کفار نے رجم کرنے کی دھمکی دی تو جس کام کو قرآن نے کفار کی طرف منسوب کیا وہ صرف شیطانی ہو سکتا ہے۔ نبی تو درکنار ایک عام مومن بھی یہ کام نہیں کر سکتا۔ **جواب** :۔ ہمارے معترض صاحب اپنی حماقت میں

نہایت دیدہ دلیری سے باتیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہیں سوچتے کہ ان کی یہی نادانیاں گستاخی تک لے جاتی ہیں:۔
معترض صاحب کو صرف رجم ہی ظالمانہ نظر آیا۔ اِن کے نزدیک صرف سنگساری ہی بے رحمانہ فعل ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ۔ ہر وہ کام جو انسان کو کافر یا گناہگار بنادے وہ ظالمانہ ہے۔ اسی طرح جو کام انصاف کے خلاف ہو وہ ظالمانہ ہے:۔
اور جو انصاف کے عین مطابق ہو وہ نہ ظالمانہ ہے نہ بے رحمانہ بلکہ عین عدل اور حکمت پر مبنی اور ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ظاہر ظہور رجم کی مار کا ذکر کفار کی طرف بھی منسوب ہے اور اللہ ربِ قہار کی طرف بھی مگر چند فرقوں کے ساتھ۔ پہلا فرق یہ کہ کفار نے صرف رجم کی دھمکی دی مگر رب تعالیٰ نے جس کو رجم کرنا تھا واقعتاً رجم اور پتھروں سے ہلاک کر دیا۔ دوسرا فرق کفار نے نیکوں متقیوں۔ اور نبیوں کو رجم کرنے کی دھمکی۔ مگر رب تعالیٰ نے سرکشوں فسادیوں شیطانوں اور کسی طرح بھی نہ ٹھیک ہونے والوں کو رجم کیا۔ تیسرا فرق کفار نے اپنے ہاتھوں رجم کا ذکر کیا مگر رب تعالیٰ نے آقاءِ دو عالم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے بذریعہ ملائکہ رجم کیا اور تشریف آوری کے بعد بذریعہ امتِ مسلم۔ چوتھا فرق کفار نے بے گناہ مسلمان کو رجم کی دھمکی دی مگر رب تعالیٰ نے زانیوں لوطیوں گناہگاروں کو عدالت اور قانون کے ذریعے رجم کرایا۔ اور یہ بات بھی یقین کی حد تک ماننی پڑتی ہے کہ توریت میں حکم رجم کی موجودگی کی وجہ سے ضرور زانیوں کو رجم کیا جاتا رہا ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تین جگہ رجم کرنے کا ذکر فرمایا۔ ایک جگہ وہ جب کہ قوم لوط نے بدکاریاں کیں اور لوط علیہ السلام نے بارہا فرمایا کہ اے لوگو تم شادی شدہ ہو تمہاری بیویاں جو میری روحانی بیٹیاں ہیں ان کے پاس جاؤ۔ مگر وہ چونکہ شادی شدہ بے غیرت تھے توبہ کرنا چاہتے ہی نہ تھے اس لیئے کیا ہوا۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ سورت ھود آیت ۸۲ (الخ) اور اس پر کنگریلے پتھر برسائے۔ منکرینِ حدیث پر تین سوال ہیں۔ پہلا یہ کہ۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ لوط پر رجم کا عذاب بھیجا۔ کیا ان پر ظالمانہ بے رحمانہ اور معاذ اللہ شیطانی کام کیا۔ اِس کا جواب دو۔ دوسرا سوال یہ کہ۔ قومِ لوط کو رجم کی سزا کیوں دی گئی جبکہ کسی دوسری کافر سرکش قوم کو یہ سزا نہ ملی۔ ان کو طوفانوں ہواؤں چنگھاڑوں کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔ ماننا پڑے گا کہ یہ سزا ان کے شادی شدہ زانی ہونے کی وجہ سے تھی جس میں اب تھوڑی سی یہ تبدیلی آگئی کہ اب رجم اس کو کیا جائے گا جو شادی شدہ ہو کر عورت سے زنا کرے۔ اگر ہماری یہ بات تسلیم نہیں تو جواب دو کہ قوم لوط کو اللہ نے فرشتوں سے کیوں رجم کرایا:۔
تیسرا سوال یہ کہ ہم نے ثابت کر دیا کہ شروع زمانوں سے شادی شدہ زانیوں کو رجم کی سزا ملتی رہی آپ ان کے انکار کا ثبوت پیش کرو جس میں صاف لکھا ہو کہ رجم شیطانی کام ہے۔ اعتراض میں آپ نے صرف اپنا وہم گمان پیش کیا آپکے وہم گمان کو ہم نہیں مانتے کیونکہ حقیقت کے خلاف ہے۔ دوسری جگہ۔ سورت ملک آیت ۵ پر لکھا ہے
وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ ترجمہ:۔ اور ہم نے ان ستاروں کو شیطانوں کے لیئے رجم بنایا۔ ثابت ہوا کہ۔ شیطانوں سرکشوں فسادیوں کو رجم کرنا اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ کام خواہ وہ فرشتوں کے ذریعے کرائے یا اسلامی

عدالتوں کے ذریعے۔ تیسری جگہ۔ قرآن مجید میں بہت جگہ شیطان کو رجیم کہا گیا ہے۔ یعنی رجم اور سنگسار کیا ہوا۔ جب شیطان ابلیس رجم ہو سکتا ہے تو انسانی شیطانی منکوح زانی بھی رجم ہو سکتا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ زانی پتھر کھا کر مر جاتا ہے۔ برداشت نہیں کر سکتا مگر ابلیس مرتا نہیں۔ اگر شیطان کو رجم نہیں کیا جاتا تو کیا قرآن پاک میں غلط لکھا ہے (معاذ اللہ) اب بتایئے معترض صاحب قرآن مجید میں رجم کا صاف صاف ذکر ہے یا نہیں۔ **دسواں اعتراض**:۔ چونکہ سارے قرآن میں زنا کی سزا قتل یا رجم نہیں۔ لہٰذا رجم کی موت قتل ناحق ہے۔ اور قتل ناحق بحکمِ قرآنی حرام ہے۔ سورت اسرا آیت ع۳۳ میں لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ قتل صرف قتل کے بدلے ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ۔ اس لیئے یہ کہنا کہ رجم سنتِ رسول مقبول ہے۔ سراسر بہتان ہے۔ **جواب**:۔ اِلَّا بِالْحَقِّ سے جو ثابت ہے کہ ناحق قتل حرام ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ صرف قتل کے بدلے قتل ہوگا۔ یہ غلط ہے۔ اور قرآن مجید کی صریحی آیات کے خلاف ہے دین اسلام میں چار قسم کے شخصوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے ع۱ مرتد ع۲ منافق ع۳ فسادی ع۴ قاتل۔ چنانچہ سورتِ احزاب آیت ع۶۱ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا۔ ترجمہ:۔ اور منافق گن گن کر قتل کیئے جائیں۔ یعنی حاکمِ اسلام منافقوں کو چن چن کر ختم کرے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ سورتِ نساء آیت ع۸۹ ؎ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ۔ (الخ) :۔ ترجمہ:۔ تو اگر وہ لوگ اسلام سے پھر جائیں پس ان کو پکڑو اور ان کو قتل کر دو جہاں کہیں سے جس طرح ہو سکے پاؤ تم۔ یعنی مرتد انسان کو حاکمِ وقت پکڑوا کر قتل کرا دے۔ ہاں البتہ پہلے پوچھ گچھ کرے علما کے ذریعے اس کے شکوک دور کرائے توبہ کی تلقین کرے کسی طرح مومن نہ بنے تو قتل کرا دے۔ تیسری جگہ ارشاد ہے۔ سورت مائدہ آیت نمبر ع۳۳ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا (الخ) یہ آیت ہم نے پہلے بھی بیان کر دی ہے اپنے دلائل کے ضمن۔ اس میں ہر فسادی کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی حاکم اسلام فسادی کو قتل کرے۔ فسادیوں میں زانی محصن (شادی شدہ) پہلے درجے کا فسادی ہے۔ لہٰذا اس کو سخت طریقے یعنی رجم سے قتل کیا جائے۔ چوتھی جگہ قاتل کو قتل کرنا جس کا ذکر معترض کی پیش کردہ آیت میں ہے۔ مجھ کو منکروں کی کم علمی پر اس لیئے افسوس ہے کہ یہ اہل قرآن اور قرآن مجید کے صحیح سمجھ دار ہونے کے دعوے دار ہیں۔ مگر لاعلمی کی یہ حالت ہے کہ خود قرآن مجید کی آیتوں کی بھی خبر نہیں۔ ہم نے ثابت کر دیا کہ بحکمِ قرآنی چار شخصوں کے قتل حق ہیں یہ ثابت کر کے معترض کی دسویں دلیل کا خاتمہ کر دیا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ رجمِ زانی ناحق قتل نہیں۔ یہ تو وہ قتل تھے جو قرآنِ مجید میں مذکور ہوئے اس کے علاوہ کچھ وہ قتل ہیں جو حدیث پاک اور تعزیراتِ فقہا سے ثابت ہیں۔ ع۱ جیسے لواطت کرنے والے ع۲ اور ڈاکو ع۳ باغی۔ وغیرہ اٹھارہ[۱۹] قسم کے مجرم تعزیراً قتل کیئے جائیں گے

اب واضح ہو گیا کہ اسلام میں کل بائیس قسم کے قتل حق ہیں۔ اس کے علاوہ تمام قتل ناحق ہیں۔ منکرِ حدیث معترض کا کہنا کہ صرف قاتل کا قتل حق ہے باقی سب ناحق یہ اُن کی جہالت اور کم فہمی ہے۔ **گیارھواں اعتراض**:۔ اللہ تعالیٰ زانیوں کو زندہ رہنے توبہ کرنے اور اصلاحِ حال کا حق عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورت فرقان آیت ۶۸ وَلَا یَزْنُوْنَ۔ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا (الخ) اور آگے آیت ۶۹: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ:۔ (ترجمہ) :۔ یعنی زانی توبہ کرے اور عمل صالح کرے تو اس کو گناہ سے معافی مل جائے گی۔ اور رجم کے بعد توبہ کی مہلت ہی نہیں ملتی رجم سے قتل ہو جاتا ہے۔ توبہ تو تب ہی ہو سکتی ہے جب زنا کے بعد بھی زندہ رہے۔ ثابت ہوا کہ رجم منشاءِ خداوندی کے خلاف ہے۔ **جواب**:۔ ظاہری لحاظ سے تو یہ آیتِ کریمہ معترض کے بالکل خلاف ہے۔ اس سے تو صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ زانی کو کوڑوں کی سزا بھی نہ دی صرف زانی کو توبہ ہی کافی ہے۔ یہ کور چشمی نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ آیات کے الفاظ و معانی میں تدبر نہ کیا۔ بس اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کی۔ خواہ دوسری طرف سے اپنا ستیاناس ہی کیوں نہ ہو جائے محترم اس کا مطلب وہ نہیں جو آپ نے نکالنا چاہا۔ بلکہ پوری آیت پاک کا مطلب اس طرح ہے۔ کہ مومن کی شان یہ ہے کہ اُن میں خصوصی طور پر یہ تین عیب نہیں ہوتے۔ ۱ وہ کسی جھوٹے معبود کی عبادت نہیں کرتے ۲ وہ ظلماً جان کو قتل نہیں کرتے ۳ وہ زنا نہیں کرتے۔ اور جو یہ تین کام کرے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا لہٰذا وہ بھاری سزا پائے گا وہ یہ کہ عذاب دوگنا کیا جائے گا۔ اُس کے لیئے قیامت کے دن اور قیامت کے بعد ہمیشہ ہمیشہ تک ذلت سے اس میں رہے گا مگر جو اس کفر سے دنیوی زندگی میں ہی توبہ کرے اور توبہ پر قائم رہنے کی نشانی کے طور پر اچھے عمل کرے کہ نہ شرک نہ قتلِ ناحق نہ زنا کرے۔ نہ کوئی اور گناہ۔ تو یہی لوگ ہیں جن کے گناہِ سابقہ اللہ نیکیوں سے بدل دے گا۔ ہمارا بیان کردہ مطلب چند وجہ سے لازمی درست ہے:۔

پہلی وجہ:۔ دور سے آیاتِ قرآنیہ میں کفر و اسلام کی نشانیاں ذکر ہوتی چلی آ رہی ہیں پس یہ بھی مومن و کافر کی امتیازی نشانی ہے۔ **دوسری وجہ**:۔ خلود اور عذاب کا دائمی ہونا صرف کافر کے لیئے ہے اور صرف زنا سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہوتا **تیسری وجہ**:۔ یہ کہ مُهَانًا یعنی ذلت کی دائمی سزا صرف کافر کو ہو گی۔ مومن کو جہنم کی عارضی سزا بھی ذلت کی نہ ہو گی:۔ **چوتھی وجہ**:۔ یہ کہ اگر یہاں زنا کی بات مراد ہوتی تو یضعف یعنی دگنا عذاب مراد نہ ہوتا۔ کیونکہ زانی سزا بھی پائے تو پھر دگنا عذاب کیوں ہوا اور نیز جب جرم ایک ہے تو عذاب دگنا کیوں ہے۔ اگر معترض صاحب اب بھی اس مطلب کو نہ ماننے پر مصر ہوں اور علیحدہ زنا کی بات ہی مراد لیں تو ہم کہیں گے پھر اس سے کنوارے کا زنا مراد ہے۔ اور یا وہ زنا مراد ہے جس کی خبر حاکم کو نہ لگے پوشیدہ رہے یا اسلامی حکومت نہ ہو یا سزا نہ دی جاتی ہو تو اس صورت میں سچی توبہ سے رحیم و کریم رب تعالیٰ معاف فرما دے گا

بحمدہ تعالیٰ ہم نے نہایت دیانت داری انصاف کے ساتھ معترض کے تمام شکوک وشبہات اور دلائل و اعتراضات واضح طور پر بیان کر کے ایک ایک لفظ کی مکمل تردید وتشفی کر دی۔ اب معترض صاحب اللہ دتہ چوہدری فیصل آبادی۔ اور ایم آئی چوہدری ایڈووکیٹ لاہوری صاحب و دیگر منکرین حدیث میرے اس فتوے کو ٹھنڈے دل سے تحقیقِ حق کے لیے باغور وتفکر وتدبر پڑھیں اور زانی کو توبہ کرانے کے ساتھ اپنے باطل نظریات وعقائد سے بھی توبہ کریں اور وفاقی شرعی عدالت کا فرض منصبی واسلامی ہے کہ معترض کے دلائل سے متاثر ہو کر جو فیصلہ حدِ شرعی رجم زانی کے خلاف صادر کر چکے ہیں اس سے رجوع کرتے ہوئے اپنا فیصلہ واپس لیں۔ اور صحیح اسلامی نظریئے کے مطابق رجم زانی کا فیصلہ جاری فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو خدمتِ اسلام کا اجر عطا فرمائے :۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

بس ایک سوال باقی ہے۔ جس کا ذکر اور وضاحت اشد ضروری ہے۔ وہ یہ کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ زنا جرم ایک ہے۔ اس کی نوعیت وطریقہ فعل بھی ایک ہے۔ مگر سزا تین طرح مختلف ہے۔ اس طرح کہ شادی شدہ مجرم زانی کو سنگسار یعنی رجم کر کے ہلاک کر دیا جائے۔ اور کنوارے زانی کو سو کوڑے مار کر زندہ رکھا جائے اور لونڈی غلام کو آدھی سزا پچاس کوڑے۔ اور مجبور کو بالکل معاف کر دیا جائے۔ تو یاد رکھو اسلام کو مجرم سے صرف جرم کی وجہ سے نفرت ہے۔ جرم جب تک صرف جرم ہی رہے اس وقت تک اس کی سزا بطورِ اصلاح ہوتی ہے لیکن جب جرم فساد اور سرکشی کا روپ دھار لے تو مجرم کی اصلاح کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کو زندگی کا حق دینا معاشرے پر ظلم ہوتا ہے۔ شادی کے بعد انسان عظیم ذمہ داریوں کا خود مختار مالک بن جاتا ہے وہ اپنی اصلاح بذاتِ خود بخوبی ادا کر سکتا ہے۔ اس کو قدرت نے ہر طرح کا قلبی نفسانی ہیجانی سکون عطا کر دیا ہے۔ اب وہ اپنی آئندہ بہتر زندگی بنانے کا ذمہ دار ہے مگر وہ اس طرف توجہ ہی نہ کرے اور اس سکونِ قلبی کی قدر نہ کرے۔ کتے بلے کی طرح حرص وحوس کی گندگی میں پھنستا رہے تو اب وہ مجرم وسرکش ہے کہ جس اچھائی کے لیئے اس کو موقعہ دیا گیا ہے۔ اس کی طرف راغب نہیں۔ اس کا زنا کسی مجبوری کے تحت نہیں۔ پس ایسے سرکش کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ بخلاف کنوارے زانی کے کہ ابھی اس کو سکون کے موقعہ اور باعزت زندگی بنانے کا اختیار نہ ملا۔ کنوارا شخص اپنے زندگی کو بے کیف اور ہیجانی سمجھتا ہے اس لیئے مجبور ہو کر شیطانی راہ چلتا ہے۔ لہٰذا اس کو زندہ رہنے کا حق دیا گیا۔ اور اس کی سزا سو درّے بھی اس کے اصلاحِ حال کے لیئے ہے۔ اس سزا کے خوف سے وہ اپنی اصلاح کرے گا۔ طبیعت پر جبر کرنے کی عادت پیدا ہو گی۔ سزا کے بغیر تو اچھے سے اچھا انسان بھی بے مہارا ہو جاتا ہے۔ لونڈی غلام کو دنیوی کسی اسٹیج پر مکمل حقوق نہیں ملتے اس لیئے اس کو اصلاحِ حال کے بہت کم موقعہ میسر آتے ہیں۔ بلکہ زیادہ تر وہ مجبور محض ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کے انعامات بھی آدھے ہیں۔ عزت آدھی درجہ آدھا۔ اس لیئے سزا میں بھی ان کو آدھا حصہ دیا گیا۔ لونڈی غلام کنوارا زانی ہو یا منکوحہ ان کو رجم نہ کیا

جائے گا کہ وہ ملکیت غیر ہیں۔ ورنہ اس کے جرم سے نقصان مالک کا ہوگا اور یہ انصاف سے دور ہے شریعت اسلامیہ میں ناجائز ہے واللہ ورسولہ اعلم
کتبہ

ناجائز کھیل کود اور لواطت شرعاً تعزیری جرم ہیں

سوال ۲۰:-
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مرغوں بٹیروں کو لڑانا جائز کھیل ہے یا ناجائز اور لواطت کی بدکاری کی اسلام میں کیا سزا ہے، بینوا توجروا۔ سائل۔ نور محمد ٹنڈو الہیار سندھ پاکستان ۲-۲

الجواب بعون العلام الوھاب

(۱):- لواطت کرنے والا اگر زبردست ہے اور زبردستی سے لواطت کر رہا ہے یا مفعول نابالغ ہے یا مجنون ہے۔ تو وہ مفعول گناہ گار نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کے خلاف دونوں کی خوشی ہے۔ تو دونوں گناہگار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْفَاعِلُ وَالْمَفْعُوْلُ مَلْعُوْنَانِ (۲) مرغوں کو لڑانا ظلم ہے اور کھیل بھی۔ ظلم تو بہر حال حرام ہے۔ کہ نص قرآنی سے ثابت ہے لیکن کھیل کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ کُلُّ لَھْوٍ بَاطِلٌ اِلَّا ثَلَاثَۃ یعنی مسلمانوں کے تمام کھیل حرام ہیں۔ سوائے تین کے۔ ۱ بیوی سے خوش طبعی کرنا ۲ گھوڑ دوڑ یا ورزش کے کھیل بشرطیکہ ستر ننگا نہ ہو ۳ تیر۔ بندوق خنجر تلوار کی۔ نشانہ بازی یا گتکا وغیرہ یہ کھیل ان تین میں شامل نہیں ہے اس لئے قانون شریعت کے مطابق مرغ لڑانا دو طرح ناجائز ہوا۔ ایک ظلم کی وجہ سے اور ایک کھیل ہونے کی وجہ سے یہی حکم شرعاً بندروں کے ناچ دیکھنے کے متعلق ہے۔ یہ صریحاً باطل محض ہے۔ یہ سب تعزیری جرم ہیں جن کو بند کرنے کیلئے حاکم اسلام اپنے اختیار سے حسب حال تعزیری سزا دے سکتا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم
کتبہ

سادات کے ادب کا بیان

سوال ۲۱ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان جاروب کش سڑکوں نالیوں میں جھاڑو دینے والا مسمی عطا ایک سید زادے خالد کو بہت سے بے ہودہ بکواسات کرتا ہے۔ اور اس پر کلہاڑی لے کر حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے تو حرامی ہے تو اپنے باپ کا نہیں۔ میں تجھے جان سے مار دوں گا۔ اس سلسلہ میں دو معتبر گواہ موجود ہیں جو متقی صوم صلوٰۃ کے پابند ہیں۔ ان کے حلفیہ دستخط درج ذیل ہیں، ان دونوں گواہوں نے یہ چشم دید واقعہ بھرے مجمع میں بیان کیا۔ اب کچھ لوگ کہتے ہیں یہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔ لہٰذا آپ شریعت کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں ہم غلامانِ مصطفیٰ بے تابی سے جواب کے منتظر ہیں

سائل غلام مصطفیٰ۔ گواہ ۱ محمد یونس و گواہ ۲ محمد بشیر۔ معرفت ابو المسعود بسمل مدنی خطیب جامع مسجد، اسگنل گھڑیال کیمپ تحصیل مری ضلع راولپنڈی ۷۷-۱۲-۱۲

جناب محترم السلام علیکم آپ کا پیارے انداز میں گرامی نامہ اور استفتا حاضر ہوا۔ حسن اتفاق سے اس کا جواب لکھنے کی سعادت آج دس محرم شریف ۱۳۹۸ھ بروز بدھ بعد نماز فجر ۱۹۷۷-۱۲-۲۱ کو حاصل کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ مجھ کو سادات کے دروازے کا دربان بنائے اور اسی کے طفیل میرے گناہ معاف ہو جائیں

اور آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہو۔

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ہ

سوال مذکورہ میں مذکرہ مسلم بھنگی (چاروب کش) جس کو پنجابی میں مصلی کہا جاتا ہے عطا سخت گناہ اور بد اخلاق ہے اور شرعی سزا کا مستحق ہے اسلئے کہ قانون شریعت کے نظریہ مطہرہ کے اعتبار سے دنیائے کائنات میں سب سے بڑا مقام و درجہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔ اور ان کی نسبت سے اُن کی اولادِ پاک تا قیامت کا مرتبہ سارے انسانوں سے بلند دیا لاہے۔ یہاں تک کہ غوث و قطب کو بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے ادب کے سوا چارہ نہیں۔ یہ نسبت ہی کی شان ہے کہ قرآن کریم میں خود باری تعالیٰ عَزَّ اِسْمُہٗ نے اپنے قانون کے پہنچانے کی اُجرت محبتِ سادات مقرر فرمائی۔ اور بہت شان سے اور اہمیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسلِ پاک کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (ترجمہ) اے پیارے حبیب فرما دیجئے میں اپنی اس ساری تبلیغ پر تم سے تنخواہ یا اُجرتِ مال و دولت نہیں مانگتا۔ ہاں اپنے (آنے والوں) قرابت والوں کی محبت مانگتا ہوں۔ رب تعالیٰ نے اجرت کے ساتھ محبت کا ذکر فرما کر محبت کو اجرت بنا دیا کہ جس طرح اُجرت دینا فرض و واجب ہوتی ہے اسی طرح سادات سے محبت کر کے تم احسان نہ کرو گے۔ بلکہ جس طرح نماز روزہ حج زکوٰۃ سب مسلمانوں پر تا قیامت اشد فرض ہے۔ اسی طرح نبی کریم رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والثنا کی اولادِ پاک سیدوں سے محبت کرنا اُن کی ہر طرح خدمت کرنا ہر مسلمان پر فرض و لازم ہے۔ خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، وزیر ہو یا بادشاہ سب سادات کے خدام ہیں اور سب پر سیدوں کا احترام لازم و واجب ہے۔ اور جس طرح نماز میں کوتاہی کرنے والے کو میدانِ محشر میں سزا ہوگی اسی طرح وہ بھی عذاب و عتاب میں مبتلا ہوگا۔ جس نے سید کی عزت میں فرق ڈالا۔ اس لیئے کہ باری تعالیٰ جَلَّ بُرہانہٗ کو اپنے حبیب کی ہر چیز پیاری ہے۔ یہ سب قانون قرآن پاک کی اس آیت سے مستنبط ہوتے ہیں۔ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں اگرچہ مفسرین عظام نے یہ توجیہہ بھی بیان فرمائی ہے کہ یہاں بذاتِ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا حکم ہے۔ جو صرف اہلِ مکہ قریش اور ہاشمیوں سے خطاب ہے۔ مگر یہ بات زیادہ مضبوط اور درست نہیں اس لیئے کہ اس توجیہہ کو تسلیم کرنے میں دو رکاوٹیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اگر یہاں قریشِ مکہ کی محبت رشتہ داروں والی مراد ہوتی اور اس کا مطالبہ ہوتا تو روشِ کلام کے لحاظ سے یہاں فِي الْقُرْبٰى نہ ہوتا۔ لِلْقُرْبٰى ہوتا۔ کیونکہ قرابت داری کو محبت کا سبب بنایا جاتا۔ اور لام سببیت کا ہوتا ہے نہ کہ فی۔ یہی وجہ ہے کہ جن مفسرین نے محبت قریش والی توجیہہ نکالی ہے اُن کو مجبوراً فی بمعنی لام کہنا پڑا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ خواہ مخواہ اتنی کھینچا تانی کی ضرورت کیا ہے

جبکہ روشن کلام سے بھی قیامت تک کے سادات کا ادب ہی مقصود من اللہ ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ اس توجیہہ سے یہ منشاءِ قرآنی و مطالبہِ رحمانی بہت ہی محدود رہ جائے گا۔ حالانکہ وسعتِ تبلیغ اس مطلبے کی وسعت کی متقاضی ہے۔ کیونکہ اس محبت کو تبلیغ قانون کی اجرت بنایا گیا۔ تو جس شخص تک یہ تبلیغ پہنچی اور جس جس نے اس قانون سے فائدہ حاصل کیا اُس اُس کو اجرت دینی فرض ہے۔ اور یہ فطری امر بھی ہے کہ جو شخص قانون سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو کورٹ فیس دینی لازم ہے۔ قیامت تک ہر مسلمان نماز روزہ حج زکوٰۃ سے اور نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فائدہ حاصل کر رہا ہے لہٰذا اُس کو اس کی اُجرت سادات کرام کی عزت و خدمت بھی ادا کرنی فرض ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ نبی کریم شہنشاہِ کائنات کو اس محبت کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جو اہلِ مکہ قریش مسلمان ہو چکے تھے اُن کی مودّت تو خود بخود حاصل ہو گئی کہ محبت کے بغیر ایمان ہی نہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا مُحَبَّتَ لَہٗ اور لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ د الخ) مشکوٰۃ شریف کی حدیث سے بھی یہی ظاہر ہے۔ محبت کے بغیر ایمان منافقت ہے۔ اور جو قریش مسلمان نہ ہوئے اُن کی محبت بے کار کہ کافر کی محبت نقصان دہ بلکہ ناممکن۔ پس مسلمان کی محبت کا مطالبہ تحصیلِ حاصل اور کافر کی محبت محال بالذات۔ تو ایسا مطالبہ بھی ٹھیک نہیں۔ اب ماننا پڑے گا کہ اس آیت میں قیامت تک سادات کی محبت کا مطالبہ ہے اور ہر مسلمان پر سید زادے کا ادب و احترام فرض ہے۔ جیسا کہ نماز روزہ فرض ہے۔ اس آیت کے مکی ہونے سے یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا کہ امام حسن و حسین کی ولادت مکی نہیں۔ لہٰذا یہاں اولاد کی مودّت مراد نہیں اس لیے کہ حضرت فاطمہ زہرا مکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ کوثر مکی کے نزول پر کوثر سے مراد فاطمہ زہرا لیا گیا۔ اور نسلِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ زہرا سے چلی جو قیامت تک رہے گی اسی کی مودّت مومنوں پر فرض ہے۔ یہ تو قرآن پاک سے ثابت ہوا متعدد احادیث سے بھی اس فرضیت کی ادائیگی کا ثبوت مہیا ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد ۱۳ پارہ ۲۵ صفحہ نمبر ۳۱ پر ہے۔ وَ اَخْرَجَ ... عَنْ زَاذَانَ عَنْ عَلِیٍّ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ فِیْنَا اٰلَ حٰمٓ اٰیَۃٌ لَا یَحْفَظُ مَوَدَّتَنَا اِلَّا مُؤْمِنٌ (ترجمہ) حضرت زاذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ مولیٰ علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ حٰمٓ والی سورت میں ایک آیت ہمارے بارے میں ہے۔ ہم سے محبت مومن ہی کرتا ہے۔ وہی ہماری مودّت کو محفوظ کرتا ہے۔ آقا و مولا دانائے سبل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّتِہٖ یَوْمَ عَرَفَۃَ وَھُوَ عَلٰی نَاقَتِہِ الْقَصْوَاءِ یَخْطُبُ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ (ترجمہ) روایت ہے حضرت جابر سے اُنہوں نے فرمایا کہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے حج مبارک

میں عرفے کے دن قصواء مبارکہ اونٹنی پر خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو سنا میں نے کہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اے لوگو بے شک میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے اگر تم مضبوط پکڑے رہے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے ایک چیز کتاب اللہ ہے اور دوسری چیز میری عترت میرے اہل بیت ہیں۔ یہ حدیث شریف ترمذی جلد دوم صفحہ نمبر ص۲۱۹ پر ہے۔ یہ حدیث شریف اسناداً قوی تر ہے۔ اس فرمان پاک سے قرآن کریم کی اہمیت کے ساتھ ساتھ حضرات سادات کی شان واہمیت بھی معلوم ہوئی۔ کہ جس طرح قرآن کریم کی عزت اور محبت مسلمان کو گمراہی سے بچاتی ہے اسی طرح پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک سید حضرات بھی قابلِ تکریم اور واجبُ التعظیم ہیں۔ اور ان کی عزت سے مومن کی دین و دنیا کی کامیابی وابستہ ہے۔ اور جس طرح قرآن کریم کی گستاخی کفر ہے اسی طرح سادات کی گستاخی بھی کفر ہے۔ اس لیے کہ اس حدیث پاک نے عترتی کو کتابُ اللہ پر عطف کیا اور بقاعدۂ نحویہ معطوف علیہ کے حکم میں ہی معطوف ہوتا ہے۔ عترتی کی اہمیت اس بات سے مزید ہوتی ہے کہ خود پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لفظ کی تشریح اَھْلُ بَیْتِیْ کہہ کر بیان فرمادی۔ تاکہ کچھ اجمال باقی نہ رہے۔ تفسیر ابن کثیر نے جلد چہارم صفحہ ۱۱۳ پر بسند صحیح فرمایا۔ قَالَ اَحْمَدُ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ (الخ) قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاللّٰہِ لَا یَدْخُلُ قَلْبَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ اِیْمَانٌ حَتّٰی یُحِبَّکُمْ لِلّٰہِ وَلِقَرَابَتِیْ ترجمہ امام احمد بن حنبل نے مسند حنبل میں فرمایا کہ حضرت جریر نے حدیث فرمائی۔ کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اے میرے اہلِ بیت اللہ کی قسم کسی مسلمان شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان نہیں داخل ہو سکتا جب تک کہ تم سے اللہ کے لیے اور میری قرابت داری کی وجہ سے محبت نہ کرے۔ اللہ اکبر کیا شان ہے سیدوں کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی قسمیں رب فرماتا ہے۔ وہ اللہ کی قسم فرما کر سید کی محبت کا سبق اپنی امت کو سکھا رہے ہیں۔ اور آگاہ فرما رہے ہیں کہ ایمان کا دارومدار سادات کی محبت ہے۔ تفسیر روح البیان شریف جلد ہشتم نے صفحہ نمبر ص۱۳۲ پر آقائے دوعالم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طویل خطبہ نقل فرمایا ہے۔ جس کے ابتدائی الفاظ ہیں۔ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور درمیان ایک جملہ مبارکہ اس طرح ہے۔ اَلَا وَمَنْ مَاتَ فِیْ بُغْضِ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ کَافِرًا۔ ترجمہ۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خبردار اور وہ شخص جو مرا آلِ محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض میں وہ مرا کافر ہو کر۔ اس روایت کو تفسیر کبیر جلد ہفتم نے صفحہ نمبر ص۳۹ پر تفسیر کشاف سے نقل کیا۔ اور مزید دو روایات نقل کیں کہ۔ مَنْ مَاتَ عَلٰی بُغْضِ آلِ مُحَمَّدٍ جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَکْتُوْبًا بَیْنَ عَیْنَیْهِ اٰیِسٌ مِّنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ دوسری دوایتا مَنْ مَاتَ عَلٰی بُغْضِ آلِ مُحَمَّدٍ لَمْ یَشُمَّ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ ترجمہ۔ جو سادات کے بغض میں مرے گا اس کے ماتھے پر بروز قیامت لکھا ہوگا

یہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔ اور وہ جنت سے اتنا دور رہے گا کہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ روح البیان کی یہ روایت اگرچہ سنداً موضوع معلوم ہوتی ہے۔ مگر معناً بالکل درست ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے تفسیر ابن کثیر کی صحیح روایت میں ایمان کا مدار محبتِ سادات مقرر فرمایا تو لازمی بات ہے کہ عداوتِ سادات کفر کا مدار بنے گا۔ ورنہ اجتماعِ ضدّین کا اندیشہ یہ بھی خیال رہے کہ قرآن و حدیث کے فرمودات میں قرابت اور اہل بیت سے مراد تاقیامت سید خاندان ہیں۔ نہ کہ تابعیت یا تبع تابعیت اور نہ ہی فقط امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں بھی اور حدیث پاک میں بھی اہلِ بیت کو قرآن کریم سے نسبت و معیّت دی ہے۔ نہ کہ صحابیت یا تابعیت سے اس کی وجہ یہ ہے کہ دورِ صحابیت وغیرہ قلیل ہے اور دورِ قرآن تاقیامت کثیر۔ پس کثیر کے ساتھ معلّق کرنے سے ثابت ہوا کہ اہل بھی وہ ہیں جو تاقیامت ہوتے رہیں گے۔ اور وہ سید ہی ہیں۔ للہذا ان موجودہ سادات کی عزت و محبت ایمان ہے اور ان کی بے ادبی گستاخی کفر یا فسق ہے۔ اگر صرف حضرات حسنین کریمین کی ہی عزت مدار ایمان ہوتا تو اس کا ذکر صحابہ کے ساتھ ہوتا نہ کہ کلام پاک کے ساتھ۔ اور پھر ان کی مودّت اجرتِ تبلیغ اسلام بنتی محبّت و مودّت میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ محبّت صرف قلبی الفت کا نام ہے جو غائبانہ بھی ہو جاتی ہے۔ مگر مودّت اس امداد کو کہتے ہیں جو عقیدت کے ساتھ ہو۔ جیسے غلام آقا کی، مرید پیر کی، شاگرد استاد کی امداد کرتا ہے (مجمع البحار سوم صفحہ ۴۲۵) مودت ہمیشہ موجود سے ہوتی ہے نہ غیب سے نہ معدوم سے۔ پس سوچ لو کہ رب تعالیٰ نے اِلَّا الْمَحَبَّۃَ فِی الْقُرْبٰی نہ فرمایا بلکہ اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فرمایا۔ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص عالم دین سے بلا عذرِ دنیوی بغض رکھے وہ کافر ہے۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری جلد دوم صفحہ نمبر ۲۷۰ پر ہے:۔ مَنْ اَبْغَضَ عَالِمًا مِنْ غَیْرِ سَبَبٍ ظَاهِرٍ خِیْفَ عَلَیْهِ الْکُفْرُ (الخ) وَیُخَافُ عَلَیْهِ الْکُفْرُ اِذَا شَتَمَ عَالِمًا اَوْ فَقِیْهًا مِنْ غَیْرِ سَبَبٍ ترجمہ جو شخص عالم سے بغض رکھے بغیر کسی ظاہری وجہ کے اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ اور اندیشہ کیا جاتا ہے اس پر بھی کفر کا جس نے عالم یا فقیہ کو بغیر ظاہری سبب کے گالی دی۔ اس فرمان سے ثابت ہوا کہ کسی بھی دینی بزرگ کو گالی دینا یا ان سے بغض رکھنا صرف اس لئے کہ وہ عالم دین ہے کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ تو بتاؤ کہ سید جس کی عظمت کا حکم خود خالقِ کائنات نے صادر فرمایا۔ اور جس کو آقائے دوعالم رحمتِ کائنات کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے وہ کس قدر دینی بزرگی والا ہوگا اور اس کی گستاخی کس درجے کفر ہوگی۔ بہر حال سیّد کی گستاخی سخت ترین جرمِ شرعی ہے۔ سیّد وہ لوگ ہیں جو امام حسن اور امام حسین کی اولاد سے ہوں۔ اگرچہ سیّد زادہ فاسق ہو۔ لیکن اس کی گستاخی، اور اس سے محض سیّد ہونے کی بنا پر بغض رکھنا کفر ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سیّد زادے کو پڑھانے والا استاد بھی عالم یا محدّث مفسّر اس سیّد شاگرد کی توہین نہیں کر سکتا بلکہ بامرِ مجبوری مارنے کی صورت میں بھی گمان کرے کہ اپنے آقا زادے کو تادیباً ایسا کر رہا ہوں۔ بلکہ روحانی علاج یا میل

پھیل دور کرنے کی نیت کرے۔ امام اعظم امام شافعی جیسی اعلیٰ ترین شخصیات بھی سید کا احترام کرتی رہیں۔ تو مادوشما کس زمرے میں ہیں۔ قانون شرعی کے مطابق جو شخص سید سے صرف اس لیے بغض رکھے یا گستاخی کرے کہ نبی کریم کی اولاد ہے تو ایسا شخص کافر ہوگا۔ اور اگر دنیوی وجہ سے گستاخی کرے تو گمراہ ہے۔ اور لائق تعزیر ہے۔ یہاں تک حکم ہے کہ سید زادہ کسی کو برا کہے یا ناراضگی میں سب وشتم کرے تو اس کو بھی برداشت کیا جائے اور نرمی سے سمجھایا جائے جواباً لڑائی مت کرو۔ اور یہ خیال کیا جائے کہ یہ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ہیں۔ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمارے آقازادے و مخدوم ہیں۔ عقل کا بھی تقاضا یہ ہے کہ سید کا احترام کیا جائے۔ اس لیے کہ عقلاً نقلاً یہ بات درست ہے کہ ہر ادنیٰ اعلیٰ کے ماتحت ہے اور ادنیٰ پر اعلیٰ کا احترام واجب اور یہ بھی قاعدہ کلیہ ہے کہ ادنیٰ کی ہر چیز ادنیٰ ہے اور اعلیٰ کی ہر چیز اعلیٰ ہے۔ مومن انسان کو باری تعالیٰ کی طرف سے تین چیزیں عطا ہوئیں ۱ جسم ۲ روح ۳ ایمان۔ ان میں سب سے ادنیٰ جسم اور سب سے اعلیٰ ایمان۔ بحکم قرآنی جسم کو جان پر اور جان کو ایمان پر قربان کرنا اشد ضروری ہے۔ کہ اگر جان کا خطرہ ہو تو حرام کھالے اور اگر ایمان کا خطرہ ہو تو جان کی پرواہ نہ کرے ایمان بچالے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اعلیٰ چیز کا احترام ادنیٰ پر لازم ہے۔ تو سمجھ لو کہ کائنات میں ذاتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اعلیٰ ہے۔ اور بقاعدۂ مشہورہ اعلیٰ کی ہر چیز اسی درجے کی ادنیٰ کی ہر چیز سے اعلیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام کائنات میں جو فضیلت مدینہ منورہ کو ہے وہ کسی شہر کو نہیں۔ وہاں کی مٹی کنکر پتھر ساری دنیا کی کائنات سے افضل۔ پس وہ نسلِ پاک مصطفیٰ جس میں خونِ پاکِ مصطفیٰ موجزن ہے وہ سب دنیا سے افضل کیوں نہ ہوگا۔ جب بادشاہ کی اولاد دنیوی نظر میں رعایا پر افضل ہوئی۔ پیر مرشد کی اولاد سب مریدین کی نظر میں قابلِ ستائش۔ استاد کی اولاد شاگردوں کے لیے قابلِ عزت ہوتی ہے۔ تو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ محترم سادات کا مرتبہ تمام امت میں افضل واشرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرشتے بھی سادات کا احترام کرتے ہیں۔ کہ وہ بھی امت میں شامل ہیں۔ سید سے بغض رکھنے والا کبھی درجۂ ولایت پر نہیں پہنچ سکتا۔ خواہ کتنے ہی عمل صالح کرے۔ ہاں تاریخ سے ثابت ہے کہ بے عمل شخص سید کا احترام کرکے ولایتِ عظمیٰ کا مقام حاصل کرگیا۔ دیکھو حضرت جنید بغدادی کا واقعہ۔ دنیا میں ہر انسان کا احترام اس کے کمال سے کیا جاتا ہے۔ مگر سید بے کمال بے علم یا نادان مجنون ہو۔ تب بھی اس کا احترام فرض ہے۔ کیونکہ اس کا سب سے بڑا کمال نسلِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ شعر

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا   تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

یہی وہ کمال ہے جس کی بنا پر سید کو رب تعالیٰ کی طرف سے وہ رتبہ ملا۔ جو کسی بادشاہ، پیر، فقیر، عالم، مفتی

کو نہ ملا ہیں تو کہتا ہوں کہ اگر کسی ولی اللہ کو مرتبۂ علیا میسر نہ آتا ہو یا کسی شخص کے عقدے نہ کھلتے ہوں یا کوئی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہو تو وہ شخص چالیس دن کسی نجیب الطرفین متقی باوضو سیّد کے پیر اور ہاتھ دھو کر پیئے بفضلہٖ شفا ہوگی اور مرادِ قلبی پوری ہوگی۔ سیّد کا یہ احترام آخر کیوں ہے صرف اور صرف اس لیئے کہ یہ نبی کریم حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسلِ پاک ہیں۔ لہٰذا شرعی قانون کے مطابق مندرجہ بالا دلائل کے تحت جو شخص صرف اس لیئے سیّد سے بغض رکھتا ہے یا سیّد کی گستاخی کرتا ہے کہ وہ نبی کریم کی اولاد ہے تو وہ شرعاً مرتد کافر ہے۔ اور جو شخص سیّد سے ذاتی بنا پر بغض یا دشمنی کرے یا گالی دے تو وہ گمراہ ہے کافر نہیں۔ خاص کر ماں کی گالی دینا سیّد کو بہت بڑی گمراہی ہے۔ اسلام کے راستے سے ہٹنے کا نام گمراہی ہے خواہ جان کر ہٹے یا بھول کر چنانچہ تفسیر بیضاوی علیٰ اربع تفاسیر جلد اول صفحہ نمبر ص۲۲۳ پر ہے:۔ وَالضَّلَالُ الْعُدُوْلُ عَنْ طَرِیْقِ السَّوَاءِ عَمَدًا اَوْ خَطَاءً ترجمہ:۔ اور گمراہی اسلام کے سیدھے راستے سے ہٹنے کا نام ہے جان بوجھ کر یا خطا سے۔ بحکمِ قرآن مجید سیّد کا احترام کرنا بھی اسلام کا راستہ ہے جیسا کہ پہلے ثابت کیا گیا۔ لہٰذا اس کا منکر کافر اور اس سے صرف ہٹنے والا گمراہ ہوتا ہے۔ پس صورتِ مذکورہ میں جاروب کش مسمّیٰ عطا اس گالی گلوچ اور سیّد زادے کی گستاخی کی بنا پر سخت فاجر فاسق اور گمراہ ہوا۔ شرعی طور پر یہ جرم قابلِ تعزیر ہے۔ اس لیئے کہ قانونِ اسلامی میں گالی و گستاخی کی تعزیر کیلئے تین شرطیں ہیں۔ پہلی یہ کہ فعلِ اختیاری کی گالی یا تہمت دے فعلِ خلقی کی تہمت نہ ہو۔ دوسری یہ کہ وہ گالی یا تہمت شرعاً حرام ہو۔ تیسری شرط یہ کہ عام طور پر اُس گالی کو عار اور شرم سمجھا جاتا ہو۔ چنانچہ فتاویٰ درِّمختار مکمّل صفحہ نمبر ص۳۲۶ پر اور فتاویٰ شامی جلد سوم صفحہ نمبر ص۲۸۵ پر ہے:۔ وَالضَّابِطُ اَنَّهٗ مَتٰی نَسَبَهٗ اِلٰی فِعْلٍ اِخْتِیَارِیٍّ مُحَرَّمٍ شَرْعًا وَیُعَدُّ عَارًا عُرْفًا یُعَزَّرُ وَاِلَّا لَا (ترجمہ) اور تعزیر میں قاعدۂ کلیہ شرعیہ یہ ہے کہ جب منسوب کیا کسی شخص نے اس دوسرے شخص کو فعلِ اختیاری میں اور یا ایسے فعل میں جو شرعاً حرام ہو یا عار سمجھا جاتا ہو عرفِ عام میں تو وہ تعزیر دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ سوال مذکورہ میں جاروب کش مُسمّیٰ کے دوسرے بکواسات کا تو علم نہ ہو سکا کیونکہ سائل نے تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اس کا سیّد زادے کو یہ کہنا کہ تو حرامی ہے اپنے باپ کا نہیں۔ سخت سخت قابلِ تعزیر گالی ہے اس میں تعزیر کی تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ اس کو زنا کی تہمت ہے اور زنا فعلِ اختیاری ہے۔ یہ گالی شرعاً بھی حرام ہے اور یہ فعل یا حرامی ہونا شرم اور عار کی بات ہے۔ اس وجہ سے یہ کہنا تعزیر کی سزا والا جرم ہے۔ ہدایہ اوّلین کے حاشیہ نہایہ ع۱۸ ص۵۱۲ پر ہے۔ وَالْاَصْلُ فِیْهِمَا اَنَّ مَنْ قَذَفَ غَیْرَهٗ بِکَبِیْرَةٍ لَمْ یَجِبْ فِیْهَا حَدٌّ یَجِبُ فِیْهَا التَّعْزِیْرُ:۔ ترجمہ اور قاعدہ کلیّہ اس بارے میں یہ ہے کہ بے شک جس نے اپنے غیر کو کسی ایسے بڑے گناہ کی تہمت لگائی جس سے حدِّ قذف واجب نہیں ہوتی تو اس سے تعزیر واجب ہوگی۔ تعزیر کی یہ تین شرطیں تو عام مسلمانوں کو

گالی دینے سے ہیں لیکن فقہا علما اور سید حضرات کو گالی دینا اس سے بھی زیادہ نازک مقام ہے کہ اُن اکابرِ اسلام کو ایسی معمولی گالی دینا جو عام کو دینے سے تعزیر نہیں پڑتی۔ مگر یہاں اِس گالی سے بھی تعزیر واجب ہو جاتی ہے چنانچہ ہدایہ شریف اوّلین صفحہ نمبر ص۵۴۱ پر ہے:۔ وَلَوْ قَالَ یَا حِمَارُ اَوْ یَا خِنْزِیْرُ لَمْ یُعَزَّرْ (الخ) وَقِیْلَ اِنْ کَانَ الْمَسْبُوْبُ مِنَ الْاَشْرَافِ کَالْفُقَهَاءِ وَالْعَلَوِیَّةِ وَالسَّادَاتِ یُعَزَّرُ الخ۔ ترجمہ! اور اگر کسی نے کسی کو کہا اے گدھے یا اے خنزیر تو تعزیر نہ ہوگی (کیونکہ یہ فعل اختیاری کی گالی نہیں ہے فعلِ خلقی کی گالی ہے) اور کہا گیا ہے کہ اگر گالی لینے والا افضل و اشرف لوگوں میں سے ہو جیسے کہ علماء کرام اور سید حضرات تو تعزیر واجب ہوگی۔ اس عبارت سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ سید کو معمولی گالی دینا بھی تعزیری جرم ہے۔ وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلام میں افضل اور اشرف اور شرافت والا وہی آدمی ہے جو دینی لحاظ سے بڑا ہو۔ اسلام میں دنیوی بڑائی کی کوئی قدر نہیں۔ پس جاننا چاہئے کہ بادشاہ، وزیر، امیر ہونا دنیوی بڑائی ہے۔ اور سید ہونا عالم ہونا حافظ قاری امام ہونا ولی اللہ ہونا دینی بڑائی ہے۔ دونوں جہان میں اسی کی قدر و منزلت ہے۔ شرعی تعزیر کم از کم تین کوڑے اور زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہیں۔ چنانچہ ہدایہ اوّلین صفحہ ص۵۴۱ پر ہے:۔ وَالتَّعْزِیْرُ اَکْثَرُہٗ تِسْعَةٌ وَّثَلٰثُوْنَ سَوْطًا وَاَقَلُّہٗ ثَلٰثُ جَلَدَاتٍ:۔ ترجمہ:۔ اور تعزیر زیادہ سے زیادہ ۳۹ کوڑے ہیں اور کم از کم تین کوڑے ہیں۔ سوال مذکورہ میں جاروب کش عطا نے سید زادے کو گالی دے کر تعزیری جرم کیا ہے لہٰذا اگر حکومت کے ذریعے سزا دلوانی ہے تو دس کوڑے لگوائے جائیں کیونکہ کوڑے لگانا صرف حکومتِ وقت کا کام ہے۔ اور اگر حکومت یہ سزا نہ دے تو فتویٰ سے تعزیری طور پر مجرم عطا پر واجب ہے کہ وہ سب کے سامنے اس سید زادے سے معافی مانگے۔ اور جس طرح بھی ہو اس کو راضی کرے خواہ پیسے دے کر یا کسی اور طرح۔ اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور آئندہ کے لیئے سچی توبہ کرے۔ ورنہ کل قیامت میں اِس سے کہیں زیادہ سزا ہوگی۔ خیال رہے کہ حرامی سید نہیں ہو سکتا کیونکہ نسلِ انسانی باپ سے چلتی ہے زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ مسلم شریف جلد اول اور ترمذی شریف ص۱۳۸ ج۲ موطا امام مالک ص۱۱۹ نسائی ص۱۱۱ ج۲ ابو داؤد جلد اول ص۳۱۱ طحاوی شریف ص۱۷ ج۲ پر ہے:۔ حَدَّثَنَا یُوْنُسُ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ترجمہ اُمّ المومنین حضرت صدیقہ سے روایت ہے کہ فرمایا آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ بچہ خاوند کا ہوتا ہے۔ زانی کے لیئے محرومی ہے۔ یعنی زانی کا نسب نہیں مانا جائے گا۔ فتاویٰ شامی جلد دوم ص۸۱۷ پر ہے:۔ (قَوْلُہٗ لِاَنَّہٗ نِکَاحٌ بَاطِلٌ) اَیْ فَالْوَطْءُ فِیْهِ زِنًا لَا یَثْبُتُ بِهِ النَّسَبُ:۔ ترجمہ یعنی نکاح باطل میں وطی کرنا زنا ہے، اور زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔ اگر معاذ اللہ کوئی سید کسی عورت سے زنا کرے اور اس

سے بچہ پیدا ہو تو وہ لڑکا سیدزادہ نہ ہوگا۔ اسی طرح جو سید مرتد ہو جائے وہ سید نہیں رہتا۔ لہٰذا تبرائی شیعہ یا مرزائی یا گستاخ وہابی جو ظاہراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرے اس کو سید کہنا گناہ ہے کیونکہ اس کی سیادت ختم ہو چکی۔ اس لیے کہ دینی مدارج میں دین کا ہونا شرط ہے۔ جیسے کہ دنیوی مراتب کے لیئے ڈگریوں کا ہونا لازمہ ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

کِتَابُ الْعَقَائِدْ

اہل سنت کو بریلوی کہنے کا بیان

سوال نمبر ۲۲۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہے۔ یعنی جو مسائل دیوبندی، وہابی، شیعہ روافض اور اہل سنت والجماعت کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔ ان میں زید اہل سنت کے عقیدے اور تائید پر ہے۔ دیوبندیوں شیعوں کی مخالفت کرتا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو بریلوی کہلوانا پسند نہیں کرتا۔ بکر کہتا ہے کہ جب تک کوئی شخص اپنے آپ کو بریلوی نہ کہلائے میں اس کو سنی ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ وہ میرے نزدیک وہابی، دیوبندی ہے۔ اور ان ہی گمراہ فرقے کا ایک فرد ہے میں ڈٹ کر اس کی مخالفت کروں گا۔ یہاں فساد کا اندیشہ ہے۔ سب کی نگاہیں آپ کے فیصلے پر لگی ہیں لہٰذا آپ جلد از جلد مدلل جواب سے نوازیں۔ اور فرمائیں کہ کیا واقعی ہر سنی کے لیئے بریلوی کہلانا لازم ہے۔ کیا زید کی مثل لوگ اہل سنت ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو زید کے متعلق قرآن وحدیث سے فیصلہ صادر فرمایا جائے۔

المستفتی:۔ محمد رفیق معرفت مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ۔ سیالکوٹ مورخہ ۱۱-۱۱-۱۹۷۰ء

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابْ

الجواب

قانونِ فطرتِ کائنات میں سب سے بڑی دولت معرفت اور پہچان ہے۔ دنیا و آخرت میں انسان اس کا محتاج ہے۔ بے معرفت والا ہر جگہ ذلیل وخوار ہے۔ انسان کے لیئے دو ہی جہان ہیں۔ اور دونوں ہی میں شہرت و پہچان کے پیچھے بنی آدم دوڑ رہے ہیں۔ مگر بعض خوش نصیب لوگوں نے معرفتِ اُخروی کو سرمایۂ حیات بنایا

اور بعض لوگ دنیوی شہرت کے پجاری بن بیٹھے۔ دنیا یہی ہے مگر ارادے مختلف پرواز ایک ہی ہے۔ مگر جہان علیحدہ راستہ وہی ہے۔ مگر منزل جداگانہ۔ دماغ وہی ہے مگر خیالات بکھرے ہوئے۔ دل وہی ہے مگر پسند اپنی اپنی۔ شعر

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

غرضکہ معرفت ہی ایک ایسی نعمت ہے۔ جس کی بدولت سارا نظام قائم ہے۔ دنیا کے تمام دھندے اسی شہرت و معرفت کی خاطر۔ انبیاء کرام کی تشریف آوری کا مقصد بھی سچی معرفت عطا فرمانا ہے۔ اسی مقصد کی تکمیل و تائید کے لیے علماء اولیاء بنائے گئے۔ جب معرفت ہی خلق کائنات کا سبب اعظم ہے۔ تو ذہن نشین ہونا چاہیئے۔ کہ ہر معرفت اور پہچان کے لیے ایک نشان ہے۔ خواہ دینی پہچان ہو یا دنیوی۔ اور یہ دونوں معرفتیں رب کریم کو محبوب۔ بشرطیکہ دینی معرفت کو متبوع اور دنیوی کو تابع سمجھا جائے۔ اللہ کریم نے ہر معرفت و پہچان کے لیئے نشان مقرر فرمائے۔ مگر بعض دائمی بعض عارضی بعض جسم سے بعض روح سے متعلق بعض مضبوط بعض کمزور بعض آنکھوں کی نظر سے وابستہ اور بعض تکلمِ لسانی سے۔ معرفت کیا چیز ہے؟ کسی کی ذات وصفات کو پہچاننا ہی معرفت ہے۔ پس بعض نشانات ذات کے معرفے ہیں اور بعض صفات کے فطرتاً ہر نفر کی ذات ایک ہی ہوتی ہے۔ مگر صفات متعدد پس نشانِ ذاتی ہر نفر کا ایک ہی ہوگا۔ لیکن نشانِ صفاتی بقدرِ صفات۔ شکل و صورت رنگ و ڈھنگ کا اختلاف وہ نشان ہے جو آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے۔ مگر قبیلے اور گروہ کا متفرق ہونا۔ لسانی معارف ہیں۔ کیونکہ زبان سے بول کر معرفت ہوتی ہے۔ خود قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:۔ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (سورۂ حجرات آیت نمبر ۱۳)۔

ترجمہ:۔ اور ہم نے بنایا تم کو اے انسانو! گروہ اور قبیلے صرف اس لیئے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کرو۔

جس طرح قبیلے محض جان پہچان کے لیئے ہیں۔ اسی طرح نام اور عَلَم بھی معرفت کا ایک نشان ہے۔ خواہ ذاتی نام ہو یا ذاتی کنیت ہو یا لقب یا خطاب نوعی ہو۔ یا جنسی صنفی ہو یا ملکی اور وطنی دینی ہو یا دنیوی۔ ذاتی نام کی طرح نوعی اور جنسی اور صنفی نشان بھی ہوتا ہے مگر صفاتی نام بقدر صفات۔ جس شخص کی جتنی صفات ہوں گی اتنے ہی زیادہ اس کے اسماءِ صفاتیہ ہوں گے۔ اسی لیئے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسی ہزار صفاتی نام مبارک ہیں۔ جو ہر جہان کی مخلوق کو عطا ہوئے۔ چونکہ کُل جہان اسی ہزار ہیں۔ جیسا کہ فقہ شافعی سے حاشیہ بیجوری جلد دوم صفحہ نمبر ۲۴۳ پر لکھا ہے۔ ہر جہان کے لیئے ایک ہزار نام۔ مسلمانوں کے لیئے بھی ایک ہزار نام منتخب ہیں۔ جن میں ننانوے نام شریعت کے لیئے اور نوسو ایک نام پاک اہلِ اسرار کے لیئے۔ تمام مخلوق ان ہی اسماء سے آقائے کائنات فخرِ موجودات کی ثناخوانی کرتی ہے۔ جو اسماء ان کو مرحمت فرمائے

نبی کریم رؤف و رحیم کے اسماءِ صفاتیہ کی کثرت آپ کی کثرتِ صفات پر دال ہے۔ قانونی طور پر نشان کو چھوڑنا دنیا اور آخرت کی ذلت و خواری حاصل کرنا ہے۔ کہ بے نشان کسی مقام پر بھی قابلِ تکریم نہیں۔ مگر دینی نشان سے علیحدہ ہونا زیادہ برا۔ اس لئے کہ دینی نشان دین والوں سے ملتا ہے اور دنیوی نشان دنیا والوں سے سپاہی، فوجی، وزیر، امیر کا لقب دنیا والوں سے لیا جاتا ہے۔ لیکن غوث و قطب، مومن و متقی، مسلمان، قرآن و حدیث اور اولیائے کرام اور علماءِ عظام سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ اور جس طرح کہ ہر انسان دنیوی خطاب و القابات سے پیار محبت کرتا ہے اور اپنے لئے پسند کرتا ہے اسی طرح واجب ہے کہ اُن ناموں کا بھی احترام کیا جائے جو اللہ اور رسول اور اولیاء علماء کی طرف سے عطا ہوئے۔ بلکہ اپنے لئے ان کو پسند کیا جائے۔ حکومت کے ناموں، خطابوں سے نفرت کرنے والا حکومت سے متنفر شمار ہوتا ہے۔ ایسے ہی شریعت و طریقت کے صفاتی ناموں سے متنفر اللہ اور رسول سے باغی و متنفر مانا جائے گا۔ ہر ذی عقل کوشش کرتا ہے کہ میں اپنے اندر ایسے صفات پیدا کردں جس کی وجہ سے مجھ کو دنیوی خطابات و القابات سے نوازا جائے۔ تو ہر اہلِ دل پر لازم ہے کہ ایسے صفات پیدا کرے جس سے اس کو شریعت و طریقت کے القاب عطا ہوں۔ اسی کوشش کا نام ایمان ہے۔ اور کوشش کے بعد کسی الٰہی لقب کا میسر ہونا ہدایت ہے۔ علماء کے نزدیک ایمان نام ہے۔ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ کا مگر صوفیاء کے مشرب میں پوشیدہ کو ماننے اور احترام کرنے کا نام ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک بھی پوشیدہ اور تمام صفات بھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ظاہر، صفات پوشیدہ۔ خیال رہے۔ کہ صفات ہر شخص کے ہمیشہ پوشیدہ ہی ہوئے ہیں۔ صفت کبھی خود بخود ظاہر نہیں ہوتی۔ جب اور جس وقت تک ظاہر کی جائے ظاہر رہتی ہے۔ صفات علومیہ کے بارے میں شیخ سعدی علیہ الرحمت گلستان باب اول پر فرماتے ہیں۔ شعر

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

ترجمہ:۔ جب تک کہ انسان اپنی صفت علمی کو بذریعہ گفتگو خود ظاہر نہ کرے اس کے عیب و ہنر چھپے رہیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صفات پر ایمان لانا ہی ایمان ہے۔ صرف آپ کی ذات کو مان لینا ایمان نہیں ذات کو تو ابوجہل وغیرہ سب نے مانا۔ حضرت ابوطالب نے ذاتِ ابن عبداللہ کی بہت خدمت کی۔ مگر شرعاً اُن کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ نہ ان کو شرعی مومن کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اہلِ تصوف نے اُن کو ساترین کے درجہ میں مانا ہے۔ مگر یہ اُخروی عند اللہ حکم ہے۔ ہاں البتہ تبرائی شیعہ حضرت ابوطالب کو مومن کہتے ہیں۔ اُن کی دیکھا دیکھی بعض تفضیلی شیعوں نے بھی یہ ہی کہنا شروع کر دیا۔ مگر حقیقت اس کے خلاف ہے۔ صرف خدمتِ ذاتِ پاک کے صلے میں اُن کا نام احترام سے لینا واجب ہے۔ بہر حال آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی تمام صفات کو تسلیم کرنا اور اسی کوشش میں لگے رہنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا اظہار اور چرچا کرنا ایمان اور شکرِ الٰہی ہے۔ چنانچہ جامع صغیر جلال الدین سیوطی جلد دوم صفحہ نمبر ۱۵۶ پر جامع عبدالرزاق کے حوالے سے صحیح مرسل حدیث منقول ہے:۔ عَنْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ شُکْرِ النِّعْمَۃِ اِفْشَاءُ ھَا ط ترجمہ:۔ حضرت قتادہ تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ نبی کریم علیہ التحیۃ والصلوٰۃ والسلام سے راوی ہیں۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے۔ کہ نعمت کا چرچا کرنا بھی اس کا شکر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس کا چرچا کرنا بھی ایسا شکر حاصل کرنا ہی اصل ایمان ہے۔ اسی کوشش سے دنیا والوں کو اسماء صفاتیہ میسر ہو سکتے ہیں۔ مگر دیوبندیوں وہابی لوگوں کی بدنصیبی دیکھیے کہ ان ہی صفات کے منکر ہیں۔ حالانکہ انہی صفات کو مان کر انسان اپنے اندر طرح طرح کی صفات پیدا کر لیتا ہے۔ ایسے ہی خوش نصیبوں کو قرآن کریم حدیث شریف اور اولیاء عظام علماء کرام کی طرف سے بے شمار صفاتی نام عطا ہوئے۔ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہم جیسے ثناخوانوں غلاموں کو قرآن کریم سے تین صفاتی نام عطا ہوئے پہلا نام مؤمن۔ چنانچہ قرآن پاک میں کل چالیس جگہ:۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے پیارے خطاب کریمانہ اور لفظ مومن کے نام سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں نام لیواؤں کو نوازا گیا۔ دوسرا نام متقی۔ چنانچہ سورۃ بقر کے پہلے رکوع میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (الم) ترجمہ:۔ وہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے متقیوں کے لیے۔ تیسرا نام مسلمان چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔ ھُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ ھٰذَا (سورۃ حج آیت) (ترجمہ) اس اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ پہلی کتابوں میں بھی اور اس قرآن میں بھی یہ تین اسماء طیبہ عمومی ہیں۔ جو ہر انسان تھوڑے سے عمل اور کچھ محنت سے حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن قرآن کریم کے عطا کردہ خصوصی نام کا یہاں ذکر کرنا بے محل ہے۔ کیونکہ وہ کسی بھی عمل یا محنت سے یا عبادت و ریاضت زہد و تقویٰ سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ وہ اسماء مقدسہ صرف انہی کے لیے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے جیسے نبی، رسول، مرسل اور صدیق ثانی اثنین، رحمۃ للعالمین وغیرہ۔ اسی طرح حدیث پاک کے عطا کردہ خصوصی نام بجز موضوع لہ کے کسی کو نہیں مل سکتے جیسے لفظ صدیق و فاروق، اسد اللہ، سیف اللہ وغیرہ۔ اگرچہ کوئی مسلمان کتنا ہی عابد اور زاہد ہو۔ یہاں ایک نکتۂ عظیم ذہن نشین کرنا لازم ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کے پیارے بندوں کے ذاتی نام اپنے لیے رکھنے جائز ہیں۔ بشرطیکہ اُن کی صفات خصوصیہ کو شامل نہ کیا جائے۔ مثلاً لفظ موسیٰ عیسیٰ اور لفظ محمد، احمد اسی طرح صرف ابوبکر

اور لفظ عمر اور عثمان، علی نام رکھنے جائز ہیں۔ مگر لفظ موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ، محمد رسول اللہ، ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضیٰ۔ یا کرم اللہ وجہہ وغیرہ الفاظ سے نام رکھنے منع ہیں۔ انبیاء کی صفات خصوصیہ سے نام رکھنا حرام ہے۔ صحابہ کی خصوصیات سے نام رکھنا مکروہ ہیں۔ کیونکہ یہ صفاتی نام اللہ رسول کی طرف سے عطا ہوئے۔ ہاں علی حیدر نام رکھنا جائز ہے۔ حیدر کا لقب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں عطا کیا۔ خود علی مرتضیٰ کا قول مشہور ہے:۔ اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہ (ترجمہ) میں وہ ہوں کہ میرا نام میری والدہ نے شیر ببر رکھا۔ اسی طرح بڑوں کا ذاتی نام بطورِ مبالغہ اپنی صفت کے لیئے استعمال کرنا جائز ہے۔ مگر اس میں ۴ شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس بڑے کا ذاتی نام اس کے کسی کارنامے کی بنا پر یا اس کی انوکھی نرالی صفت میں مشہور ہو چکا ہو۔ جیسے لفظِ رستم۔ کہ یہ نام رستم کا ذاتی ہے مگر اس کی خصوصی بہادری کی بنا پر مشہور رہوا۔ یا جیسے حاتم شخصِ مخصوص کا ذاتی نام ہے۔ مگر سخاوت میں مشہور رہے ایسے ہی نوشیرواں بادشاہ کا ذاتی نام ہے۔ مگر بقولِ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ عدل میں مشہور رہے۔ جیسا کہ گلستان فارسی باب اول صفحہ نمبر ۸۳ پر ہے۔ مگر مجدد ملت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ملفوظات حصہ ۴ مطبوعہ بریلی شریف صفحہ نمبر ۲۱ پر نوشیرواں کو عادل کہنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح قیس مجنوں عشق میں۔ اور جس طرح کہ لفظِ عمر عدل و انصاف میں مشہور رہو گیا۔ حالانکہ یہ فاروق اعظم کا ذاتی نام ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ان ناموں کو کسی کے لیئے استعمال کرتے وقت کسی علاقے یا وقت یا درجے سے نسبت دینا لازم ہے۔ جیسے کہ رستم ہند، حاتم زماں۔ تیسری شرط یہ ہے۔ کہ جس شخص کے لیئے یہ نام استعمال کیا جائے گا۔ اس میں وہ صفت بہت شاندار طریقے سے اس وقت میں سب سے زیادہ موجود ہو۔ ورنہ بغیر صفت یا کم صفت والے کے لیئے وہ مبالغے کا نام استعمال کیا جانا بیوقوفی یا گستاخی ہوگی۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ خود موصوف اپنے لیے بطور صفت لقباً یا خطاباً استعمال نہ کرے۔ بلکہ قوم یا حکومت یا دینی یا دنیوی بڑا انسان اس کو لقب عطا کرے ورنہ متکبرین میں شمار رہوگا۔ اگرچہ حاملِ صفت ہو۔ اس لقب اور خطاب کے لائق ہو۔ ان چار شرائط کے ہوتے ہوئے کسی بھی بزرگ کا مبالغہ فی الصفت میں مشہور نام اپنے لیے رکھ سکتا ہے۔ لہٰذا شرعاً جائز ہے۔ کسی کا صفاتی نام رستم پاکستان، حاتم ہند وغیرہ لکھنا، اسی طرح نوشیروانِ ثانی، عمر ثانی کہا جا سکتا ہے اسی لیئے مورخین نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو عمر ثانی کا لقب دیا۔ اسی مبالغے کی بنا پر نعت گوئی میں حضرت حسان کا ذاتی نام لفظِ حسان مشہور ہو گیا۔ لہٰذا کسی بھی سچے نعت گو کو جو متقی اور عاشقِ رسول بھی ہو حسانِ زماں یا حسانِ وقت یا حسانِ پاکستان کہنا جائز ہے۔ اور اس کہنے میں بے ادبی نہیں بوجہ صفاتی یادگار ادب و احترام ہے۔ آج ہم کسی مناسب شخص کو عمر ثانی کا لقب دیں تو یہ اقوامِ عالم کے سامنے فاروق اعظم کی عدالت کی یادگار قائم کرنا ہے۔ اسی طرح کسی

خوش عقیدہ اچھی عادت نعت گو شاعر کو حسانِ پاکستان کہنا صحابیِ رسولُ اللہ حضرتِ حسان کی یادگار قائم کرنا ہے اور فی زمانہ بہت اچھا ہے تاکہ ہماری آئندہ نسلوں کو اپنے بڑوں کے کارنامے اقوالِ زریں معلوم ہوتے رہیں۔ ہمارے اصاغر اور طلبا کو معلوم ہو کہ اہلِ شریعت و طریقت نے نسلِ انسانی کی بہبود کیلئے کس طرح جانفشانیاں کیں اور دین اسلام کی کتنی خدمتیں کیں۔ کتنی بدنصیبی اور محرومیت ہے کہ ہمارے نوجوانوں طالب علموں نئی نسل کے مسلمانوں کے دل و دماغ میں یہ تواتار اجا رہا ہے کہ گوئٹے شاعر نے یہ کہا شکسپیئر نے یہ فرمایا۔ لینن اتنا عظیم انسان تھا، مارکس ایسی اچھی باتیں کرتا تھا۔ مگر ہمارے جوانوں کے کان اُن دل گداز آوازوں سے ناآشنا ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مقدسہ سے نکلیں ہمارے دل اُن انوار سے بے بہرہ ہیں۔ جو صحرائے عرب میں صدیق اور فاروق کے سکھائے ہوئے اقوال و اسباق سے نچھاور ہوئے۔ نئی نسل کے دماغ اُن تفکرات سے بہت دور ہیں جو غزالی اور رومی کے درس گاہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ آج ہمارے ملک پاکستان کے بڑے بڑے رسالے اور کئی ڈائجسٹ جو خدمتِ انسانیت اور اردو ادب کے علمبردار بنے ہوتے ہیں اپنے رسالوں میں اقوالِ زرّیں اور اچھی باتیں اور معلوماتِ عالم کے مختلف عنوانات سے گوئٹے، شیکسپیئر، مارکس، حالی وڈ کی طرف جھوٹی خود ساختہ باتیں منسوب کر کے اس متعصب کفر کی تشہیر کرنے کے مترادف۔ اب کون بتائے ان بیوقوف مضمون نگاروں نگرانوں اور مدیروں کو کہ تمہارے یہ کام قومی خدمت نہیں۔ بلکہ مسلم قوم کی دینی، ایمانی، اخلاقی، روحانی تباہی ہے۔ یہ رسائل و ڈائجسٹ اپنی کم بھی کی بناپر نسل مسلم کو تباہ کر رہے ہیں۔ ان مضامین کی اشاعت کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ آئندہ نسلوں اور موجودہ نوجوان طبقے کے دل و دماغ میں صرف گوئٹے وغیرہ ہی سمائے رہیں۔ ان کی سوچ و فکر یہیں تک ہو۔ کہ کائنات میں صرف کفر نے ہی نامور جنم دیئے ہیں۔ عالمِ اسلام میں کوئی ایسا نامور سپوت پیدا ہی نہ ہوا جو ایسی اچھی نصیحتیں اور سبق سکھائے۔ یہی ارادے قوم کی تباہی کا باعث ہیں۔ کہ قرآن و حدیث کے اقوالِ زرّیں سے یک دم غافل کر کے لینن مارکس کا غبار سینۂ مسلم میں بھر دیا جائے۔ حالانکہ گوئٹے اور شیکسپیئر کے پاس کیا ہے اُن حمقاء کے پاس جو تھوڑی بہت عقل و خرد میسّر آئی۔ وہ ہماری ہی اسلامی کتب کے مطالعہ سے آئی۔ انگریز فلاسفر نے جو اچھے کام کیئے وہ ہماری ہی لائبریریوں سے چوری کردہ کتب کے مطالعہ سے کیئے۔ اُن کے تہذیب و اخلاق ہمارے ہی اکابر کے تفکرات و ملفوظات و مکتوبات سے حاصل ہوئے۔ میں تو کہتا ہوں۔ کہ جو کچھ کسی نے علم و خرد و اخلاق و تہذیب سیکھا سب احادیثِ رسولُ اللہ و فرمانِ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا۔ دولت مند انگریزوں نے ہماری ہی کتب کا ترجمہ کر کے اپنے ناموں سے چھاپا۔ برِ صغیر پر ۱۰۰ سالہ حکومت کے دوران کیا کچھ نہ ہوا۔ کلکتہ بمبئی اور دہلی کی شاہی لائبریری کی عربی فارسی کتب کیوں برطانیہ بھیجی گئیں۔ دیکھو تاریخِ ہند جلد دوم ۱۸۶۰ء کا آنکھوں دیکھا واقعہ صفحہ نمبر ۲۰۱، ۱۴۰۰ء میں غرناطہ کا کتب

خانہ انگریزوں نے کیوں لوٹا۔ جن کو اس وقت فرنگی کا لقب دیا گیا تھا۔ عربی کتب اسلامیہ سے ایک غیر عربی غیر مسلم قوم کو کیا واسطہ تھا۔ مقصد وہی تھا۔ جو آج اس نباہ کن ناسور کی صورت ظاہر ہو رہا ہے۔ انہوں نے سب کچھ ہم سے چرایا۔ ہمارے ہی بزرگوں کے پر نور اقوال ہیں۔ جو ڈائجسٹوں اور رسالوں کی زینت بنتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مضمون نگار نے بجائے مسلم و بخاری کے کسی غیر ملکی مصنّف کے لیبل والی کتب کے مطالعہ سے چوری کردہ عبارت کو اپنے مضمون میں ڈھال کر مہر چین و جاپان کی لگادی۔ قول حدیث پاک کا ہوتا ہے نیچے نام شیکسپیئر یا گوئٹے کا۔ ہم سے تو ان میٹھے دشمنوں نے یہ سیکھا۔ مگر ہم نے ان کے اسکولوں کالجوں سے کیا سیکھا۔ یہی چوری، فریب کاری، دغا بازی، جھوٹ بلکہ بڑے دل فریب طریقے سے یہ بد خصلتیں ہم کو سکھائی گئیں۔ کہ جرم کا راستہ بتا دیا۔ اور قانونی گرفت کو بالکل نرم کر دیا۔ تنخواہیں ضروریات سے کم کردیں۔ رشوت پر سخت گیری نہ کی۔ راشن خوراک کم دیا۔ فریب کاری کا راستہ چھوڑ دیا۔ قوموں میں اسی طرح اخلاقی پستی آتی ہے۔ بلکہ کون سے موقعہ پر یہ انگریز اسلام دشمنی سے چوکے۔ اسلام کے ہر چھوٹے بڑے قانون کے مقابل اپنا بے ہودہ طریقہ ایجاد کیا۔ اور جبراً مسلمانوں کو سکھانے کی کوشش کی۔ اگرچہ وہ سخت تکلیف دہ ہی کیوں نہ ہو۔ الٹے ہاتھ سے کھانا۔ بجائے چھری کانٹا پکڑنا، کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔ پیر لٹکا کر کرسی پر بیٹھ کر ہگنا۔ کاغذ سے استنجا کرنا۔ اسی گندے جسم کے ساتھ ایک بڑے برتن میں بیٹھ کر نہانا۔ وہی پلید پانی چہرے اور منہ پر ڈالنا وغیرہ۔ کتنے تکلیف دہ اور گھنونے طریقے ہیں۔ مگر صرف مسلمانوں کو معاشرے میں تباہ کرنے کی خاطر سب کچھ برداشت کیا۔ اور مسلمانوں کے دل و دماغ میں بڑے ٹھنڈے طریقے سے گھول دیا۔ اب وہ ہی مسلمان ہے۔ کہ اسلام کے صاف پاک اصولوں سے بھاگا پھر رہا ہے۔ ان رسائل و اخبارات وغیرہ کو چاہیئے یہ تھا۔ کہ اپنے مضامین میں بجز فرمودات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و اولیاء علماء کے کسی غیر کا قول نقل نہ کرتے کہ یہی قومی اور مذہبی روح پھونکنے کا طریقہ ہے۔ یہی سچی تبلیغ دین آج اسی طریقے سے نسلوں کی قسمتیں سدھرتی ہیں۔ شاید مضمون نگار حضرات اس طرح سے اپنی خود ساختہ اخلاقی تہذیب اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہوں۔ اور دنیا والوں کو یہ بتانا چاہتے ہوں۔ کہ ہم تنگ نظر نہیں، تو یاد رکھو کہ یہ فراخ دلی نہیں بلکہ بیوقوفی و حماقت ہے۔ بھیڑیئے کو بکریوں میں، آگ کو بھوسے میں جگہ دینی کہاں کی اعلیٰ ظرفی اور اخلاقی تہذیب ہے۔ اور میں اس سوال کرنے میں بھی حق بجانب ہوں کہ کیا اس قسم کی قوم کو تباہ کرنے والی ساری اخلاقی تہذیبیں صرف آپ لوگوں کے حصے میں آئیں۔ کبھی کسی ہندو، سکھ، مجوسی، پارسی، عیسائی، یہودی وغیرہ نے اپنے رسالوں میں ہمارے بزرگوں کے فرمودات کو جگہ دی؟ بلکہ ان کی اسلام دشمنی اور مسلم کشی اتنی عیاں ہے۔ کہ انگریز چیف جسٹس نے پنڈت راجپال لاہوری جیسے نبی پاک کے گستاخ کے خلاف بھی قلم کو جنبش نہ دی۔

جس کی گستاخی سے تمام برصغیر کے مسلمانوں کے دل زخمی ہوئے۔ یہ قوم کی تباہی نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ وہ مسلمان نسل جن کا مقصدِ حیات ہی اللہ والا بننا ہے۔ خود اللہ والوں اور ان کی نسبت سے متنفر ہوتی چلی جا رہی ہے کسی کو حنفیت سے دکھ ہے تو کوئی قادریت سے بیزار کسی کے دل میں مالکیت سے غبار ہے۔ تو کوئی نقش بندیت سے متنفر۔ کسی نے شافعیت کے خلاف محاذ آرائی کی ہے۔ کوکسی کے سینے میں چشتیت کا کانٹا۔ کوئی احمد بن حنبل سے مخالف نظر آ رہا ہے۔ تو کوئی سہروردیوں سے برسرِ پیکار، نہ کسی کا ادب نہ احترام، علماء کی گستاخی سے باک نہیں۔ تو اولیاء اللہ کی طعن سے شرم نہیں۔ علیحدہ راہیں جدا منزلیں یہ سب اسی غلط تربیت کا نتیجہ ہے۔ اور انہیں اختراعی مضامین کا شاخسانہ ہے۔ مگر ابھی بھی مایوسی نہیں۔ اب بھی وقت ہے۔ کہ اس دھارے کا رخ موڑا جائے۔ اور بجائے اس کے کہ ہم اپنی نئی نسل کو یہود سے مجوس سے روشناس کرائیں۔ اور ان سے نسبت و تعلق پیدا کرنے کا شوق پیدا کریں۔ ہم پر فرض ہے کہ اپنے اکابر کے بھولے ہوئے سبق اپنی قوم کو یاد کرائیں۔ اور اس کے بجائے کہ ہم موجودہ نامور مسلمانوں کو مارکسِ زماں، ٹارزنِ وقت، شیکسپئرِ قوم جیسے القاب دیں۔ اپنے نامور بزرگوں سے نسبت پیدا کریں۔ پس جائز ہے غزالیٔ زماں، احسانِ پاکستان، شیرازیٔ پنجاب جیسے مبارک الفاظ سے خطاب دینا۔ ہاں بزرگوں کی خصوصی صفت سے لقب دینا ناجائز ہے۔ اس لئے کہ ذاتی نام تو صفت کا مبالغہ بن سکتا ہے۔ جیسے زیدٌ عدلٌ مگر صفاتی نام مبالغے کا صیغہ نہیں بنتا۔ لہٰذا احسانِ پاکستان کہنا جائز صدیقِ پاکستان کہنا گناہ۔ اسی طرح عمرِ ثانی کہنا جائز ہے۔ فاروقِ ثانی کہنا منع ہے۔ صدیقِ ثانی کہنا بھی منع۔ یہ جائز و ناجائز اسلئے ہے کہ لفظ حسان ذاتی نام ہے اور صدیق صفاتی نام۔ یہ فرق ضرور خیال رکھا جائے۔ ابوبکر پاکستان یا علی زماں لقب دینا اس لئے منع ہے کہ یہ نام اگرچہ ذاتی ہیں مگر کسی صفت کا مبالغہ نہ بنے۔ مسلمانوں کو ایک صفاتی نام حدیث پاک سے عطا ہوا اہل سنت والجماعت۔ چنانچہ مقدمہ ابنِ ماجہ بابِ اتّباعِ سنتِ خلفاءِ راشدین صفحہ نمبر ۵ پر ہے:۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ اَحْمَدَ بْنِ اَحْمَدَ بْنِ بَشِيْرِ بْنِ ذَكْوَانِ دِمَشْقِيُّ (الخ) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الخ) سَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِيْ اِخْتِلَافًا شَدِيْدًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ (ترجمہ) عنقریب میرے بعد بہت اختلاف دیکھو گے۔ لہٰذا لازم پکڑ لو میری اور خلفاء راشدین کی سنتوں کو۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو عامل بالسُّنّت یعنی اہلِ سنت ہونا لازم ہے۔ اور یہ نام نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمانوں کو عطا ہوا۔ اور مقدمہ دارمی کے ۵۶ بابوں میں سے باب ۱۵ میں ہے:۔ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ ترجمہ اے مسلمانوں اگر تم اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو۔ تو

تم سب گمراہ ہو جاؤ۔ تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ نمبر ۱۲ مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی نمبر ۱ میں امام عالی مقام کے میدان کربلا والے آخری الفاظ اس طرح ہیں۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَوَلَمْ یَبْلُغْکُمْ قَوْلٌ مُسْتَفِیْضٌ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ قَالَ لِیْ وَلِاَخِیْ اَنْتُمَا سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَقُرَّۃُ عُیُوْنِ اَھْلِ السُّنَّۃِ ط (ترجمہ) اے یزید کے لوگو! کیا تم کو وہ قول یاد نہیں جو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض ہے۔ وہ قول آپ نے میرے اور میرے بڑے بھائی حضرت حسن کے لیئے فرمایا۔ کہ تم دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہو۔ اور اہل سنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ اس حدیث سے صاف واضح ہوا کہ مسلمانوں کا ایک نام اہلِ سنت بھی ہے۔ شیعہ کتاب احتجاج طبرسی جلد اول صفحہ نمبر ۱۴۴ پر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دورانِ خطبہ ایک سائل کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اَمَّا اَھْلُ الْجَمَاعَۃِ فَاَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَاِنْ قَلُّوْا وَذَالِکَ الْحَقُّ عَنْ اَمْرِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَعَنْ اَمْرِ رَسُوْلِہٖ۔ الخ :- وَاَمَّا اَھْلُ السُّنَّۃِ فَالْمُتَمَسِّکُوْنَ بِمَا سَنَّۃُ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِنْ قَلُّوْا الخ (ترجمہ) حضرت علی نے فرمایا لیکن اہل جماعت تو وہ میں اور میرے متبع ہیں اگرچہ کم نفر ہوں۔ اور یہی اہلِ جماعت ہونا حق ہے۔ اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق اور لیکن اہل سنت تو وہ اللہ اور رسول کی سنت پر مضبوطی سے عمل کرنے والے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ صحابہ کرام اپنے آپ کو مومن اور مسلمان سمجھنے کے علاوہ اہلِ سنت کہا کرتے تھے۔ لفظ والجماعت کا ثبوت حضرت کے اس فرمانِ پاک کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں موجود ہے۔ چنانچہ کنوز الحقائق جلد دوم صفحہ نمبر ۱۱۷ جامع صغیر جلد دوم صفحہ نمبر ۲۰ پر اور ترمذی شریف جلد دوم صفحہ ۹ پر ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ وَیَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ ط (ترجمہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا۔ اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے جو جماعت سے علیحدہ ہو وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ ترمذی شریف کے اسی صفحہ نمبر ۳۹ پر ایک حدیث اس طرح ہے :- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ خَطَبَنَا عُمَرُ بِالْجَابِیَۃِ فَقَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ (الخ) عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ وَاِیَّاکُمْ وَالْفُرْقَۃَ الخ ترجمہ حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔ فرمایا۔ کہ خطبہ دیا ہم کو حضرت فاروق اعظم نے۔ فرمایا۔ اے لوگو! ہمیشہ جماعت کے ساتھ لگے رہنا۔ اور چھوٹے فرقوں سے خود کو بچانا۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن اور حدیث سے ہم کو چار نام عطا ہوئے ۱ مومن ۲ مسلمان ۳ متقی ۴ اہل سنت والجماعت۔ مومن اور مسلمان کے درمیان بعض کے نزدیک نسبت عام خاص

مطلق ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ غلط ہے۔ ہر مسلمان مومن ہے اور ہر مومن مسلمان۔ اسی طرح مومن اور اہلِ سنت میں بھی نسبتِ تساوی ہے کہ ہر مومن اہل سنت ہے۔ جو اہل سنت نہ ہو وہ مسلمان اور مومن بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ موجبہ کلیہ کا عکس نقیض موجبہ کلیہ ہی ہوتا ہے ہر غیر سنی غیر مسلم ہی ہوگا۔ شریعت کی طرف سے ہم کو چار نام صفاتی عطا ہوئے۔ مالکی، شافعی، حنفی، حنبلی اور طریقت نے بھی ہم کو چار نام عطا فرمائے۔ قادری، چشتی، نقشبندی، اور سہروردی۔ مگر فرق یہ ہے کہ قرآن کریم کے اور حدیث پاک کے عطا کردہ صفاتی نام کسی مقسم کی قسمیں نہیں۔ اس لیئے وہ نام بیک وقت ہر مسلمان کے ہوں گے۔ کہ ایک ہی شخص ایک ہی وقت میں مومن متقی بھی ہوگا۔ اور مسلمان اہل سنت بھی۔ جب ان چار ناموں کی صفت اپنے اندر پیدا کرے گا تب انسانِ کامل کہلانے کا حقدار ہوگا۔ مگر شریعت و طریقت کے عطا کردہ نام اپنے اپنے مقسموں کی قسمیں ہیں پہلی چار اقسام کا مقسم شریعت ہے۔ دوسری کا طریقت اور یہ چاروں نام آپس میں قسیم ہیں۔ اس لیئے بیک وقت ایک شخص کو ان چار میں سے ایک ہی نام مل سکتا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی آدمی حنفی بھی ہو اور شافعی بھی۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی شخص قادری بھی ہو اور نقش بندی بھی۔ یہ جو بعض لوگ خود کو قادری، چشتی لکھتے ہیں۔ اس کی نوعیت اور ہے جو نام پہلے لکھا جائے گا۔ اصل وہی ہوگا۔ ہاں البتہ شریعت کے چاروں نام طریقت کے ناموں سے متحد ہو سکتے ہیں مثلاً ایک آدمی حنفی بھی ہو قادری بھی۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ منزلِ دین و ایمان ایک ہے۔ قرآن و حدیث اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر اس منزل کے راستے مختلف پہلے شریعت کے۔ پھر انہیں چاروں میں سے ہر ایک کے طریقت کے چار راستے۔ باعتبار منزل کے ہر شخص کو چاروں نام عطا ہوئے۔ اور باعتبار راہِ مقصود کے ہر ایک کو ایک نام۔ اسی طرح یہ سب اہل سنت ہی ہیں۔ حنفی ہوں یا قادری۔ مالکی ہوں یا چشتی، نقشبندی۔ ان سب کی اصل اہلِ سنت ہونا ہے۔ جب تک اہل سنت نہ ہوں۔ شافعی، مالکی، قادری، چشتی نہیں بن سکتے۔ پس لازم ہوا کہ اہلِ سنت ہونے کے لیئے قادری، چشتی ہونا ضروری نہیں۔ جیسے کہ پہلے قرونِ اولیٰ و ثانیہ میں۔ کہ تمام صحابہ و تابعی اہلِ سنت تو تھے۔ مگر کوئی بھی حنفی، مالکی یا چشتی، نقش بندی نہ تھا۔ کیونکہ وہ منزل کے قریب تھے۔ راستہ ہمیشہ دور والے کو درکار ہوتا ہے۔ بہرحال مسلمان اور مومن متقی ہونے کے ساتھ ساتھ اہلِ سنت ہونا ہر شخص کے لیئے لازم و ضروری ہے۔ گویا کہ اہلِ سنت کا نام ہر حنفی، شافعی، نقشبندی، سہروردی کے لیے دلالت مطابقی سے یہ آٹھ اسماءِ صفاتیہ بھی ہر شخص کے لیئے عطا ہوئے۔ چھوٹا ہو یا بڑا۔ امیر ہو یا غریب بادشاہ ہو یا رعایا عالم ہو یا ولی اللہ، پیر ہو یا مرید۔ بشرطیکہ پہلے اہل سنت ہو۔ ہر راہ رو منزل کے لیئے ان ناموں کو اختیار کرنا اشد لازم ہے۔ جو ان اسماءِ طیبہ سے علیحدہ یا متنفر ہوگا۔ وہ ہی بے دین اور گمراہ ہے۔ قانونِ فطرت

ہے کہ ہر بڑے اور خطرناک راستے پر راہ گیروں کو بے جانے کے لیئے قائد و پیش رو اور مرشد متعین ہوتے ہیں۔ تو عالمِ کائنات میں دین کے راستے سے زیادہ مشکل کون سا راستہ ہوگا۔ لہٰذا شریعت و طریقت نے چند نام ایسے بھی عطا فرمائے جو صرف ان لوگوں کو عطا ہوئے جو قائدِ راہِ شریعت اور مرشدِ بحرِ طریقت بننے کا شرف حاصل کریں۔ چنانچہ شریعت پاک نے محدث، مفسر، شارح، محشی، امام، عالم اور محقق جیسے پاکیزہ نام عطا فرمائے۔ اور طریقت نے غوث، قطب، ابدال، اوتاد، افراد اسماءِ نورانیہ سے نوازا۔ یہ تمام نام تو کچھ نہ کچھ خصوصی اہتمام رکھتے ہیں۔ لیکن اہلِ سنت ہونا ان سب کے لیئے ضروری جو اہل سنت نہ ہو۔ وہ نہ غوث ہو سکتا ہے نہ محدث و مفسر کہلانے کا حق دار یہ سب اسماءِ طیبہ مسلمانوں کو بطورِ نشان عطا فرمائے۔ تاکہ کائناتِ عالم میں امتِ مصطفوی عجب آن بان سے درخشاں ہو۔ نشانات کی اسی وقت ضرورت ہوتی ہے جب کسی طرف سے امتیازاتِ صدق و کذب ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ اس سعیِ باطلہ کو ختم کرنے کے لیئے اگرچہ لفظِ اہلِ سنت کا صفاتی نام بطورِ نشانِ مسلم کافی تھا۔ مگر دنیاءِ دون کا شروع سے یہ طریقہ رہا کہ پھول کے ساتھ کانٹے ہوئے ہر شمع کے ساتھ دھوآں چلتا رہا۔ ہر کھرے کے مقابل کھوٹ ظاہر کیا گیا۔ ہر سچے کے لباس میں جھوٹے نمودار ہوئے۔ اہلِ سنت ہونا دربارِ الٰہیہ کا عظیم الشان انعام ہے۔ جس سے مسلمانوں کی دینی و دنیوی عزتیں وابستہ ہیں۔ اسی چیز کو دیکھتے ہوئے جھوٹی عزت کے متلاشیوں نے دامِ تزویر کی ٹھانی۔ اور دشمن اہل سنت نے اہل سنت کے بڑھتے ہوئے وقار و احترام کو دیکھتے ہوئے سنیت کا لبادہ اوڑھ کر اپنے غلط عقیدوں کا باطل طبل بجانا شروع کیا۔ اور خود کو اہل سنت کے لیبل سے مشہور کرتے ہوئے شربتِ عشقِ مصطفٰی کے پیاسوں کو زہرِ ہلاہل سے مردۂ ایمانی بنانا شروع کیا۔ مرورِ زمانہ کے اعتبار سے مختلف اُدوار میں چمنِ اہلسنت پر اس قسم کی بے شمار خزاں کی ہوائیں چلیں۔ مگر ہر موقعہ پر باغِ اہل سنت کے مالی، علماء، وصوفیائے غنچۂ سنیت کو خزاں کے تھپیڑوں سے بچایا۔ اور ایسے ایسے نشان مقرر فرمائے جن سے سچے اور جھوٹے سنی اور کھوٹے کھرے مسلمان کا پتہ لگ جائے۔ یہ سب نشان بزرگوں کی نسبتیں ہی تھے۔ اُسی زمانے میں صحابہ کرام نے اہل سنت کی دس نشانیاں مقرر فرمائیں۔ چنانچہ تفسیراتِ احمدی صفحہ ۲۳۷ پر ہے۔ وفی روایۃ عن ابن عباس انہ من کان فیہ عشر خصال تفضیل الشیخین وتوقیر الختنین وتعظیم القبلتین والصلوٰۃ علی الجنازتین والصلوٰۃ خلف الامامین وترک الخروج علی الامامین والمسح علی الخفین والقول بالتقدیرین والامساک عن الشہادتین واداء الفریضتین یعنی تفضیل ابوبکر وعمر وتوقیر عثمان وعلی ترجمہ۔ ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم کی فضیلت سارے صحابہ پر حضرت عثمان وعلی مرتضٰی کی عزت کرنا بیت المقدس وکعبہ کی تعظیم کرنا۔ نیک و بد کا جنازہ پڑھنا نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنا جس کی بدی ظاہر نہ ہو۔ عادل یا جابر حاکم کی دنیوی امور میں اطاعت کرنا بغاوت نہ کرنا چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا۔ سفر و حضر میں خیر و شر کی تقدیر من اللہ ماننا۔ جنت و دوزخ کی گواہی دینا ہر شخص

کے لیے نماز و زکوٰۃ دونوں کو فرض جانتا۔ پھر جہیمہ مرجیہ پھر ان سات فرقوں کی شاخیں تہتر ہو گئیں (تفسیرات احمدی)
اس طرح ایک فرقہ وہ تھا جب اہل سنت والجماعت کے مقابل روافض کے علاوہ معتزلی، خارجی، جبریہ، قدریہ
فرقِ باطلہ نے جنم لیا۔ اُس وقت خارجیوں نے اپنے آپ کو جھوٹا سنّی بنا کر لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کیا۔
اور مسلمانوں کو طرح طرح کے حیلے بہانوں کا فر کہنا شروع کیا۔ اُدھر معتزلی فرقے نے نئے رخنے ڈالنے شروع کیے
انہوں نے اپنا نام اصحابِ عدل و توحید رکھا۔ اپنے آپ کو موحّد کہنے کا رواج سب سے پہلے اسی باطل
فرقہ معتزلہ نے ڈالا۔ جب اُن کا ظلم کسی طرح رکنے میں نہیں آتا تھا۔ تب پروردگارِ عالم نے اہل سنت
کی امداد کے لیے یمن کے قبیلے بنی اشعر کے صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب حضرت ابوموسیٰ
اشعری کی اولاد سے ابوالحسن علی بن اسمٰعیل اشعری کو علم و عرفان کی نعمت ہائے رنگا رنگ سے مالا مال
کر کے بھیجا۔ آپ نے خوارج و معتزلہ کے فریب کاری کے پردے کو چاک کیا اور بتایا۔ کہ یہ اہل سنت
نہیں بلکہ دجل و فریب کے پروردہ۔ صرف لبادۂ سنیت اوڑھ کر آئے ہیں۔ اُن کی رو سیاہیاں تو پس
پردہ ہیں۔ آپ نے ہی اُن کے جال سے پھنسے ہوئے اہل سنت مسلمانوں کو نکالا۔ اور اسلام و اہل سنت کے
صحیح عقائد سمجھائے۔ اس دور میں آپ کا نام ہی رئیس المتکلمین اور امامِ اہلِ سنت تھا۔ ان کی تعلیم
سے سچے مسلمان پیدا ہوئے۔ جھوٹے سنیّوں سے لوگ خبردار ہوئے۔ اسی وجہ سے اس زمانے میں
اہل سنت کا نشان اور امتیازی نام اہل سنت اشعری تھا۔ چنانچہ نبراس صفحہ نمبر ص۲ پر ہے:۔
وَاَبُو الْحَسَنِ هُوَ رَئِيْسُ اَكْثَرِ الْمُتَكَلِّمِيْنَ مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ وَهُمْ يُسَمَّوْنَ الْاَشَاعِرَةَ لِذَالِكَ اھ (ترجمہ)
ابوالحسن رئیس المتکلمین ہے۔ اور اہل سنت کے رئیس ہیں۔ تمام سنیوں کا نام اُس وقت اہلِ سنت
اشعری انہی کی نسبت سے تھا اس زمانے میں یہی اہل سنت کا نشان تھا۔ اور دنیا میں وہی سنی سمجھا جاتا تھا
جو اپنے آپ کو اشعری کہتا تھا۔ اور جو اشعری نہ کہتا اور اہل سنت ہونے کا دعویٰ بھی کرتا۔ اس کو معاشرے
میں جھوٹا کذاب اور خارجی گنا جاتا تھا۔ پھر ایک زمانہ آیا۔ کہ دوسرے باطل لوگوں نے اہلِ سنت کا بہروپ
بھر کر غلط اور بے ہودہ عقیدوں سے فریب کارانہ طریقہ پر بھولے اور ناواقف اہل سنت مسلمانوں
کو ورغلانا شروع کیا۔ تو امامِ وقت شیخ ابومنصور ماتریدی سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ سنت کو ایک
اسٹیج پر جمع فرمایا۔ اور جھوٹے بناوٹی سنیوں کو قعرِ مذلت میں غوطہ زن کیا۔ اُن کی تربیت سے اہلِ سنت نکھر
کر تاریخ کے پردے پر اُجاگر ہوئے۔ اس وقت جھوٹے، سچے سنی کی شناخت آپ کی نسبت تھی۔ اور اس
وقت صحیح اہل سنت مسلمانوں کو سنّی ماتریدی کہا جاتا تھا۔ جو اہلِ سنت خود کو ماتریدی کہتا اس کو سچا
اہل سنت والجماعت سمجھا جاتا۔ جو اس نسبت سے نفرت کرتا، یا شرم کرتا۔ وہ قوم کی نظروں میں

ذلیل وخوار اور فریب کار جھوٹا سنی شمار ہوتا تھا۔ چنانچہ نبراس علی شرح العقائد صفحہ نمبر ۳۲ پر ہے:۔
وَمُقْتَدَاهُمْ فِي الْكَلَامِ هُوَ الْإِمَامُ عَلَى الْهُدَى أَبُو مَنْصُوْرِ الْمَاتُرِيْدِيُّ وَمَاتُرِيْدُ قَرْيَةٌ بِسَمَرْقَنْد وَهُمْ يُسَمُّوْنَ الْمَاتُرِيْدِيُّ :۔ (ترجمہ) :۔ اور اہل سنت کے مقتدا علم کلام میں وہ امام علی الہدیٰ یعنی برحق امام ابومنصور ماتریدی ہیں۔ اور ماترید علاقہ سمرقند کا ایک گاؤں ہے۔ اور تمام اہلسنت والجماعت مسلمانوں کا نام ماتریدی۔ انہی امام اہل سنت کی نسبت سے رکھا جاتا ہے۔ ثابت ہوا کہ تغیر زمانہ کے لحاظ سے ان چودہ صدیہ دورِ اسلامی میں جتنی جتنی ملاوٹیں اور کھوٹ لفظِ اہل سنت سے ناجائز فائدے اٹھاتی رہیں۔ مفکرانِ غمگسار اور علماءِ دل فگار نے اُتنے ہی بندھ باندھ کر اپنی قومِ مسلم کو بچایا۔ اور ہر زمانے میں جماعتِ اہلِ سنت کو بطورِ نشان و امتیاز کسی نہ کسی مقتداءِ اسلام سے نسبت دی جاتی رہی۔ کبھی اس کے علاقائی نام سے۔ کبھی اُس کے شہر سے۔ یہ محض اس لئے تھا۔ کہ فریب کاروں کا فریب نہ چل سکے۔ آج وہ باطل فرقے اور جھوٹے سنی فریب کار خود ساختہ بناوٹی لوگ مٹ چکے۔ اُن کے نام و نشان بھی مٹ گئے۔ کیونکہ باطل مٹنے ہی کے لئے ہے۔ مگر اہلِ سنت کا سچا نشان اب بھی نیرِ تاباں بن کر چمک رہا ہے۔ اور ابدالآباد تک چمکتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔ پھر ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ برطانوی انگریز کی چالبازیوں سے فقط مسلمانوں کی قوتِ ایمانی کو سلب کرنے کے لئے۔ اور آقائے دوعالم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جمالِ جہاں آراکی تجلیات سے قلوبِ مومن کو خالی کرنے کے لئے برِصغیر میں آج سے صرف دوسو سال پہلے نجدی بیج بو یا گیا۔ (دیکھو تاریخ دیوبند سید احمد کی سچی تصویر اور کتاب زلزلہ۔ رشید احمد کی حیاتِ طیبہ) نجدی جھاڑ جھنکار نے آناً فاناً سارے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ان کچرے کی کھبریوں سے ایسے بھبھوکے پھوٹے کہ تعفن سے ناک دم ہوا۔ کہیں دیوبندیت کی یلغار پھوٹی۔ تو کہیں وہابیت نے اڑا جایا۔ جہاں بیٹھے وہاں سب کا ذہن وایمان گمایا۔ طرح طرح سے شرک و بدعت کا داؤ چلایا مگر پھر بھی کام بنتا نظر نہ آیا۔ تب پھر انہوں نے بھی اہلِ سنّت کا بیبل لگایا۔ جسے چاہا اپنا بنایا۔ جسے چاہا بدعتی ومشرک بنایا۔ حتی الامکان اللہ ورسول اور صحبتِ اولیاء سے دور ہٹایا۔ جب ظلم وستم انتہاء سے ڈھایا۔ اور جھوٹے اہل سنت بن کر سچوں کا فرق مٹایا۔ تب اللہ کریم نے بریلی شریف میں ایک نور چمکایا جس نے وہابیت کی لادینیت کو دبایا۔ اور بہکے ہوئے مسلمانوں کو سمجھایا۔ کہ صحابہ کرام کے وقت سے لے کر اب تک سچے اہل سنت اور پروانۂ شمعِ رسالت یہی لوگ ہیں۔ جو گستاخوں سے بچا رہے ہیں دربنبی پر بلا رہے ہیں۔ اور حمد باری عزاسمہٗ کے ساتھ صفات انبیاء واولیاء سنا رہے ہیں۔ بریلی کے اسی نور نے کائناتِ سنیت کو نورِ مصطفیٰ سے روشناس کرایا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اصاغر اہل سنت نے

علم و عرفان سے جو کچھ پایا اسی در سے پایا۔ اس ہی شہنشاہ بریلی کی مشفقانہ تعلیم و تربیت نے ہمارے بے بہرہ قلوب کو محبتِ احمد مجتبٰی سے جگمگایا۔ ورنہ جہلاءِ دیوبندیت اور حمقاءِ وہابیت نے ہم کو نارِ ابدی کے کنارے کھڑا کر دیا تھا۔ کتنا عظیم احسان ہے۔ اس مفکرِ اسلام کا تمام اہلِ سنت پر جس نے سنیوں کو دیوبندی کچرے سے نکال کر ایک سچے اور درست مرکز پر جمع کیا۔ آخر کیوں نہ ہم اس سلطان العلماء اور بستان العرفاء کے گیت گائیں۔ اور کیوں نہ اس کا شکریہ ادا کریں۔ حدیث پاک میں آتا ہے جو محسنوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالٰی کا بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ترمذی شریف جلد دوم صفحہ نمبر ص۱۷ :۔ باب مَا جَآءَ فِي الشُّكْرِ لِمَنْ اَحْسَنَ اِلَيْكَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ ثَنَا الرَّبِيْعُ بْنُ مُسْلِمٍ۔ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ ط (ترجمہ)۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو محسن لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر گزار نہیں بن سکتا۔ یہ حدیث ہر طریقے سے صحیح ہے۔ جامع صغیر جلد دوم صفحہ ص۱۸۱ پر بحوالہ مسند احمد اور الضیاء لابی سعید سے مروی ہے:۔ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ ط هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ ط ترجمہ۔ جس نے محسنِ انسان کا شکریہ نہ کیا۔ اس نے اللہ کا بھی شکر نہ کیا لہٰذا ہم اہلِ سنت کا اپنے آپ کو جہاں بریلوی کہنا بطورِ نشان ہے وہاں اس محسن کا شکریہ بھی ہے۔ بریلوی نام رکھنا نہ سنت ہے نہ فرض نہ واجب۔ بلکہ جس طرح پہلے زمانوں میں ہر اہل سنت کے لیئے برائے تفریقِ اشعری یا ماتریدی کی نسبت لازم تھی۔ کیونکہ جھوٹوں نے بھی اپنے آپ کو سنّی کہنا شروع کر دیا تھا۔ اسی طرح فی زمانہ ہر اہلِ سنت کے لیئے لفظ بریلوی کا نشان اور نسبتی وصفاتی نام اشد لازم ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں بہت سے جھوٹے لوگوں نے اپنا نام اہل سنت رکھنا شروع کر دیا۔ صرف مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیئے اگر بریلویت کے پیارے لقب کو ہٹا دیا جائے تو جھوٹے اور سچے کا لفظی امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بجز اس لفظ کے دنیا میں اس وقت کوئی دوسرا لقب نہیں۔ جس کو اختیار کر کے ایک اجنبی کو جھوٹے سنیوں سے بچایا جا سکے۔ اگر زید لفظ بریلوی سے نفرت کا اظہار نہ کرتا تو نہ قوم میں انتشار و فساد کا اندیشہ ہوتا نہ اس سوال و جواب کی حاجت پڑتی۔ زمانے کے حالات اور زمانہ ساز لوگوں کے پُر فریب واقعات کو دیکھتے ہوئے بکر کا قول شرعاً بالکل درست ہے۔ ہمارے دوست زید کو چاہیئے کہ آئندہ ایسی بات نہ کرے۔ کہ جس سے علاقے میں مشکوک نظروں سے دیکھا جائے:۔ پس زید پر لازم ہے کہ خود کو بریلوی کہلوائے اور اس لقب سے نفرت کرے نہ نفرت:۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ہ

کتبہ

گردش زمین کے سائنسی عقیدے کی تردید

سوال نمبر ۲۳ :۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ تحقیقی طور پر عقیدۂ اسلامیہ کے مطابق زمین و آسمان پھرتے چکر لگاتے ہیں یا نہیں۔ ہمارے مسلمان سائنس پڑھ کر یہ عقیدہ بنالیتے ہیں کہ زمین اور آسمان پھرتے ہیں بلکہ آسمان کے وجود کے قائل ہی نہیں۔ اور دلائل میں مندرجہ ذیل چند باتیں کہتے ہیں۔ ع۱ سورج اور چاند گرہن اسی لیئے لگتا ہے کہ زمین پھرتی ہے ع۲ :۔ چاند گھٹتا بڑھتا نہیں بلکہ چاند کے جتنے حصے پر سورج کی روشنی پڑتی ہے وہ حصہ روشن ہوتا ہے۔ یہ بھی گردش زمین کی وجہ سے ہوتا ہے ع۳ :۔ چاند خود روشن نہیں ہے بلکہ زمین کی طرح بے نور ٹھوس کرہ ہے۔ ع۴ ہمارے ایک پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ علماحضرات کا یہ کہنا کہ آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے یہ جھوٹ ہے۔ لہٰذا براہ کرم ہم کو اس کا مدلل مکمل جواب عطا فرمایا جائے۔ اور اس حدیث شریف کا متن بھی لکھا جائے جسمیں آسمانوں کا فاصلہ پانچ سو سال کا راستہ ہے۔ فقط والسلام :۔ بَيِّنُوا وَتُوجَرُوا

سائل :۔ نور محمد ٹنڈو اللہ یار صوبہ سندھ پاکستان ۷-۱۲-۶۶

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ :۔ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَرَؤُفِ الرَّحِيْمِ ۔

اَمَّا بَعْد :۔ جاننا چاہیئے کہ جس طرح تمام عقائدِ اسلامیہ بے شمار مضبوط دلائل پر قائم و ثابت ہیں اسی طرح یہ عقیدہ بھی عقلاً نقلاً ایماناً ایقاناً۔ احادیث و قرآن اور منکرین اسلام کے اقوالِ زرّیں کے بے شمار دلائل سے بہت مضبوط ہے کہ زمین آسمان بالکل ساکن و جامد ہیں اقوام عالم کے سائنس دان اور مسلمانوں میں اندھی تقلیدِ سائنس کرنے والوں میں کسی کے پاس ایک بھی ایسی دلیل نہیں جس سے زمین کے متحرک ہونے یا سیارہ ہونے کو ثابت کیا جائے۔ کچھ لایعنی باتیں سائنس پڑھے ہوئے لوگ کرتے ہیں جن میں سے کچھ سوال میں درج ہیں۔ مجھ سے بہت دفعہ عیسائی اور مسلمان پروفیسروں سائنس کے ماہروں نے اس مسئلے پر مکالمہ کیا مگر بحمدہٖ تعالٰے چند منٹ کی گفتگو سے ہی متاثر ہو کر ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ واقعی زمین و آسمان ساکن ہیں اور چاند سورج متحرک سیارہ ہیں۔ سلجھے ہوئے دماغ والے تو حقیقت کو جلدی تسلیم کر لیتے ہیں۔ مگر بگڑے لوگ ہٹ دھرمی اور سائنس دانوں کی وہمیات پر اس طرح ایمان لائے ہوئے ہیں۔

کہ شکست خوردہ ہو کر بھی سچائی کو ماننے پر تیار نہیں ہوتے۔ میں رب کریم کے بھروسہ پر مندرجہ ذیل سطور میں۔ اِس مسئلہ پر دلائل پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور سائنسی وہمیات کی الجھنوں سے بچائے۔ آمین۔ یا ربّ العالمین۔ چونکہ چیز بنانے والے کے اقوال چیز کے بارے میں زیادہ معتبر ہوتے ہیں اور زمین و آسمان کا بنانے خود باری تعالیٰ ربّ العزت ہے۔ اس لیئے اوّلاً اسی کے فرمودات کو دلائل و استدلال بنایا جاتا ہے۔

دلیل اوّل:۔ قرآنِ مجید سورۃ حج آیت ۶۵ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ (الخ) اور اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ سورۃ فاطر آیت ۴۱:۔ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا:۔ (ترجمہ):۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بالکل ٹھہرایا ہوا ہے۔ روکا ہوا ہے۔ اس سے کہ گریں۔ اِن آیتوں میں رب تعالیٰ نے اپنی قدرتِ عجیبہ کا اظہار فرمایا ہے۔ کیونکہ چلتی پھرتی اڑتی ہوئی چیز کا نہ گرنا تعجب خیز نہیں اسطرح کا مشاہدہ تو روزانہ پرندوں اور ہوائی جہازوں سے ہوتا رہتا ہے یہ نہ گرنا زیادہ حیران کن نہیں حیران کن یہی ہے کہ بغیر حرکت کے اتنے بڑے بڑے آسمان و زمین ٹھیرے ہوئے ہیں ان آیات سے ثابت ہوا کہ آسمان و زمین ساکن ہیں۔ **دوسری دلیل**:۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے۔ سورۂ نحل آیت ۱۵:۔ وَأَلْقٰى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ۔ اور دوسری آیت سورۃ ۱۷ الانبیاء آیت ۳۱:۔ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ:۔ (ترجمہ):۔ اور لگا دیئے ہم نے زمین میں لنگر تاکہ بالکل حرکت نہ کرے ایک جگہ کھڑی رہے۔ جس طرح بحری جہاز کو چلنے سے روکنے کے لیئے لنگر انداز کیا جاتا ہے تو وہ چل نہیں سکتا یہی بات کائنات کے لوگوں کو زمین کے بارے میں یہاں سمجھائی جا رہی ہے۔ کتنی صاف اور بڑی دلیل ہے اس بات پر کہ زمین بالکل ساکن ہے۔ اہلِ عقل کو سمجھانے کے لیئے یہ دلیل ہی کافی ہے۔ **تیسری دلیل**:۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۂ مومن آیت ۶۴:۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا:۔ (ترجمہ) اللہ وہ ہے۔ جس نے تمہارے لیئے سب زمین کو ٹھیرا ہوا بنایا۔ **چوتھی دلیل**:۔ قرآنِ مجید میں ہے۔ سورتِ قٓ آیت ۷:۔ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ۔ (ترجمہ):۔ اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ کی کیلوں کا لنگر ٹھونک دیا۔ ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوا کہ زمین بالکل ایک جگہ ٹھیری ہوئی ہے۔ **دلیل پانچویں**۔ تمام متکلمین اور فلاسفہ کی کتب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تمام کواکب ستارے صرف تین قسم کے ہیں:۔

پہلی قسم:۔ سیارہ ستارے یہ صرف سات ہیں۔ شمس و قمر زہرہ مریخ۔ عطارد مشتری۔ زحل۔ ان سیارگان میں نہ زمین کا نام ہے نہ آسمان کا۔ چنانچہ منطق کی مشہور کتاب مرقات کے صـ ۱۱ پر اسی طرح

ہے۔ کواکب کی دوسری قسم متحرکین ہیں۔ اُن کی تعداد بے شمار ہے۔ تیسری قسم ساکنین کی ہے وہ صرف دو ہیں۔ قطب شمالی اور قطبِ جنوبی۔ یہ اقسام کواکب سماویہ کی ہیں۔ متحرکین اور سیارگان میں فرق یہ ہے کہ سیارگان بارہ برجوں سے گزرتے ہوئے طلوع ہوتے ہیں اور اُن کے مطالع تاریخوں اور سالوں کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن متحرکین کا تعلق برجوں سے قطعی نہیں ہوتا نہ اُن کے مطالع یعنی طلوع و ظہور کی جگہ بدلتی ہے۔ بلکہ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے انکی حرکت ایک معین مقام سے ہے۔ اُن کی حرکت مثل تیرنے کے ہے۔ اسی لیئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ :۔ (ترجمہ)۔ تمام تمام ستارے اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں (سورت انبیاء آیت ۳۳)

آسمان پر غور کرنے سے یہ دو قسم کے ستارے بخوبی ظاہر ہوتے۔ ایک کا طلوع و غروب بدلتا رہتا ہے۔ اور قسم دوم کا طلوع ایک ہی رہتا ہے۔ اگر زمین پھرتی ہوتی تو کسی بھی ستارے کا طلوع ایک نہ رہتا۔ متحرکین ستاروں کا ہر دن ایک ہی جگہ سے طلوع کرنا بتا رہا ہے کہ زمین ساکن ہے۔ اسی طرح ساکن ستاروں کا ہم زمین والوں کو ہمیشہ ایک ہی جگہ نظر آنا بتا رہا ہے کہ زمین ساکن ہے۔ مگر یہ تجربہ اور مشاہدہ تب ہو سکتا ہے جب یک دم سب ستاروں پر نظریں دوڑا کر غور و فکر کیا جائے اور ہماری اس دلیل میں تدبر کیا جائے۔ دوربین سے یک وقت صرف ایک ستارہ تو نظر آسکتا ہے سب ستارے دکھائی نہیں دیتے سائنس دانوں کو اسی لیئے دھوکہ لگا انہوں اپنی رسدگاہ اور تجربہ گاہوں سے بذریعہ دوربین سیاروں کو دیکھا۔ وہ ساکن زمین پر کھڑے ہو کر جب چلتے ستارے میں نظر دوڑانے لگے تو دماغ نے دھوکہ کھایا۔ اور ستارے کی روش سے زمین کو چلتا سمجھ لیا۔ پھر کیا تھا۔ بس شور مچا دیا۔ کہ زمین سیارہ ہے۔ پھر اسی پر بس نہ کی بلکہ اپنے وہمیات سے نئی سے نئی نرالی زمین کی رفتاریں اور چالیس بنا ڈالیں۔ اور تعجب یہ کہ دلیل کسی بات پر نہیں۔ ان سائنس دانوں نے اتنی بڑی زمین کو کھلونا سمجھ لیا۔ ان کی کتابوں کو پڑھ کر عجیب مضحکہ خیز نظریات ملتے ہیں۔ میری تحقیق کے مطابق زمین بالکل ساکن ہے۔ اور آسمان کے چند مذکورہ ستارے۔ سیارے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح سمجھو کہ ایک شخص کھڑی ہوئی بس یا ریل میں بیٹھا ہے اور کسی دوسری بس کو دیکھ رہا ہے، وہ بس چل پڑے تو اپنی بس چلتی نظر آتی ہے۔ اگر یہ شخص اسی بس کو دیکھتا رہے تو اپنی کھڑی بس کو چلنے کا اعتقاد بنا لے گا۔ اگر حقیقت اور سچائی کو جاننا چاہتا ہے تو دوسری سمت میں کھڑی اور ساکن اشیاء کو دیکھے۔ اگر یہ سائنس دان دوسرے کواکبِ ساکنہ پر بھی نظر کر لیتے۔ تو کبھی زمین کو سیارہ نہ کہتے اور بغیر دلائل ایک نیا مذہب و عقیدہ باطلہ نہ بناتے ہمارے بعض مسلمان فلاسفر سائنس دانوں کی تائید کرتے ہوئے عجیب باتیں کرتے ہیں یہ سب لغویات ہیں۔ دلیل ششم۔ قرآن مجید سے تو زمین کے سکون پر بہت آیات پیش کر دی گئیں جن کی تائید اہلِ عقل نے اپنے تجربوں سے کرلی۔ تجربہ ۱:۔ مشاہدہ کواکب آسمانی جس کا ابھی ذکر ہوا۔ تجربہ ۲:۔ اگر زمین حرکت کرتی ہے تو ہم کو محسوس کیوں نہیں ہوتا۔ جب کہ ذرا سا زلزلے

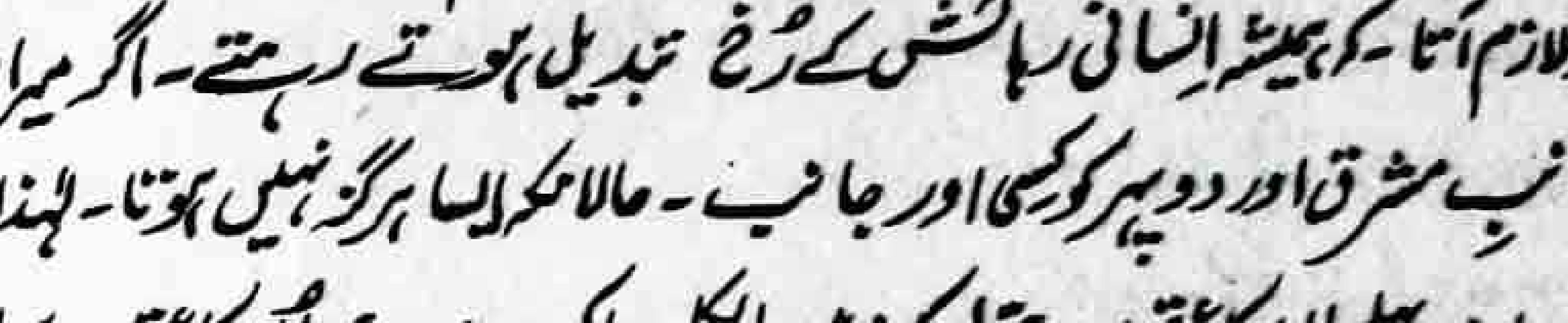
کا جھٹکا بھی ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ تجربہ ۲ پھر قطبین کا رخ کیوں نہیں بدلتا وہ روزانہ ایک جگہ کیوں نظر آتے ہیں۔
بعض لوگ ایک آیتِ قرآنی سے حرکتِ زمین پر دلیل پکڑتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں سورۃ نمل آیت ۸۸ میں ہے
وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ :۔ اس آیت کا ترجمہ وہ اس طرح کرتے ہیں۔ اور دیکھتا ہے
تو پہاڑوں کو گمان کرتا ہے تو ان کو جامد و ساکت حالانکہ چل رہے ہیں وہ سب پہاڑ بادلوں کی طرح چلنا۔
معترض مخالف کہتا ہے کہ قرآن مجید سے زمین کا چلنا ثابت ہو گیا۔ **جواب** :۔ میں کہتا ہوں یہ دلیل بنا تین
وجوہ سے غلط ہے :۔

پہلی وجہ :۔ یہ کہ اس کا ترجمہ مخالف نے غلط کیا۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ اور دیکھے گا تو پہاڑوں کو
تو گمان کرے گا کہ جامد ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چلتے پھرتے ہوں گے۔ اس ترجمہ نے بتا دیا کہ آج کل ایسا نہیں
ہے بلکہ آئندہ ایسا ہو گا۔ **دوسری وجہ** یہ کہ یہ واقعہ قیامت کو ہو گا۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیری وضاحت
دوسری آیت نے اس طرح فرما دی۔ سورت کہف آیت ۴۷ :۔ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ (الخ) ترجمہ
اور قیامت کے دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے۔ **تیسری وجہ** :۔ یہ کہ خود اس آیت کے سیاق و سباق
میں بھی قیامت کا ہی ذکر ہے۔ اسی کے واقعات ہیں۔ پس اس کے درمیان پہاڑوں کی حالت کا ذکر ہے کہ
بروزِ قیامت وہ پہاڑ زمین سے اکھڑ کر بادلوں کی طرح اڑیں گے۔ اور پھر ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں گے۔
چوتھی وجہ یہ کہ یہاں پہاڑوں کی روش کا ذکر ہے۔ نہ کہ زمین کی حالانکہ گفتگو گردش زمین کے متعلق ہے
پانچویں وجہ یہ کہ پہاڑوں کے چلنے کو بادلوں کے چلنے سے مشابہ کیا گیا۔ اور بادل زمین سے جدا ہو کر چلتے
ہیں نہ کہ جڑ کر۔ پھر اگر پہاڑ کے چلنے سے زمین کا چلنا ہی مراد لیا جائے تو صرف پہاڑ کا ذکر بیکار ہو جاتا ہے۔ پھر
تو یہ کہنا چاہیئے تھا۔ کہ ہر چیز چلتی ہے درخت وغیرہ بھی مگر گمان ہوتا ہے کہ کھڑی ہے۔ بہر حال آج تک
سائنس دانوں کے پاس گردش زمین پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی فقط وہمیاتِ باطلہ اور خیالات فاسدہ ہیں
جو گھڑ لیے گئے ہیں۔ گردش زمین و آسمان کے متعلق تین قول سامنے آئے ہیں۔ ۱ ایک فلاسفہ قدیم کا وہ کہتے ہیں
کہ فقط آسمان گردش کرتا ہے۔ نہ کہ زمین اور ایک قول فلاسفہ جدید کا جن کو عرف عام میں سائنسدان کہا جاتا ہے۔
تیسرا قول خود خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا۔ اور ہر ذی عقل اس بات کو بخوبی سمجھ جائے گا۔ کہ جو کچھ خود
بنانے والا اپنی بنائی ہوئی چیز کے متعلق جانتا ہے۔ وہ دوسرا نہیں جان سکتا۔ میں ایک چیز بناؤں۔ اور کہوں
کہ اس کے اندر رو رہا ہے۔ مگر دوسرا کہے۔ کہ نہیں تانا ہے تو یقیناً لوگ مجھ کو ہی سچا سمجھیں گے۔ خیال رہے۔ کہ
کسی بات کو نہ ماننے کی چند وجہ ہوتی ہیں۔ یا تو بولنے والا اکثر جھوٹ کہتا ہو۔ یا زیادہ جاہل ہو۔ اور جہالت
سے خبر دے رہا ہو۔ اور یا نہ ماننے والے کے پاس ٹھوس دلائل ہوں۔ جو اس کے دعوٰی کو حسی اور یقینی

ثابت کر دیں۔ اور یا کسی کی بات محض ضد یا دشمنی کی وجہ سے نہ مانی جائے۔ ایسوں کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ط اور یا فقط جہالت کی وجہ سے نہ مانے۔ جیسے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ہ پہلی صورت تو عقیدۂ اسلامی میں ناممکن ہے۔ ایسے ہی دوسری بھی اس لیئے کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ جھوٹ سے پاک ہے۔ خود فرماتا ہے:۔ لَعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ہ اور اللہ تعالیٰ جہالت سے بھی پاک ہے۔ کہ فرماتا ہے:۔ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعْلَمُھَا ہ:۔ رہی تیسری قسم کی صورت تو خود سائنسدان فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ ہ کی مانند کبھی کچھ کہتے تھے۔ کبھی کچھ۔ آج سے پچاس سال پہلے سب فلاسفر جدیدہ متفق طور پر کہتے تھے۔ کہ سیارگان صرف سات ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا۔ یہی سات سیارے فلاسفر قدیم اور اسلام میں مسلّم ہیں مگر پچاس سال گزرنے کی دیر تھی۔ کہ فلاسفر جدید کے دماغوں نے چکر کھایا۔ اور کہنے لگے۔ کہ آسمان و زمین گھومتے ہیں۔ اور لگے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے کہ کوئی نو دلیل ہاتھ لگے۔ مگر وائے رے دماغی چکر۔ کہ ایک دلیل آتی ہے۔ تو دوسرے دعوای کو ختم کرتی ہے اور دوسری دلیل لی تو پہلا دعوےٰ صفا نکل گیا۔ ادھر آتے ہیں۔ تو ادھر کی خرابی۔ ادھر آتے ہیں تو ادھر کی خرابی۔ آخر تھک ہار کر چیخ اٹھے کہ نہیں نہیں۔ ہماری کوئی تحقیق حتمی نہیں۔ ہمارا کوئی دعوای یقینی نہیں۔ چنانچہ ملاحظہ کرو سائنس کی مشہور کتاب حدائق النجوم صفحہ نمبر ص۱۳۲ پر جس میں بہت بڑے روسی سائنسدان کا قول نقل کرتے ہیں۔ جس کا نام مسٹر بیرڈ ہے۔ کہتا ہے کہ اتنی معلومات و تحقیقات کے باوجود ہم کسی یقینی نتیجہ پر نہیں پہنچے۔ ہو سکتا ہے کہ کل ہم یہ کہہ دیں۔ کہ زمین بالکل ساکن ہے۔ ٹھوس دلائل تو درکنار۔ اپنے دعوے سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے۔ سائنس کے گرو گھنٹال تو یہ کہتے ہیں۔ مگر ہمارے نئے نویلے سائنس دان کہ جنہوں نے بجز باتوں کے کوئی سائنسی کمال نہ دکھایا۔ فلاسفر بننے کی ٹھان بیٹھے اور شاگرد سعید کی مثل سائنس کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اب سائنسدان کچھ کہے۔ مگر یہ بغیر تصدیق کیئے سرِ تسلیم خم ہیں حالانکہ مسلمان کی شان قرآنِ کریم نے یہ فرمائی ہے:۔ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا:۔ سائل کے سوال میں جو دلائل حرکتِ زمین کے حق میں درج ہیں۔ وہ بیت عنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ اور یہ دلائل تو آج تک کسی سائنسدان کو نہ سوجھے۔ ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے مجھ پر لازم آیا۔ کہ میں سائل کی تسلی کے لیئے فلاسفر قدیم کا عقیدہ بتاؤں۔ اور اس کا ردّ کروں۔ پھر فلاسفر جدیدہ کا عقیدہ اور ان کے دلائل بیان کروں۔ اور ان کا عقلاً رد کروں لہٰذا جاننا چاہیئے کہ حرکتِ زمین کے متعلق فلاسفرِ قدیمہ کے دو گروہ ہیں ایک حکماءِ متقدمین کا اور ایک حکماءِ متاخرین کا متقدمین کہتے ہیں۔ کہ زمین گردش نہیں کرتی۔ صرف آسمان گردش کرتا ہے۔ مگر سیارہ نہیں۔ ایک ہی جگہ لٹو کی طرح یا چکی کی مانند گھوم رہا ہے۔ چنانچہ عجائب مخلوقات ص۲۳ پر ہے۔

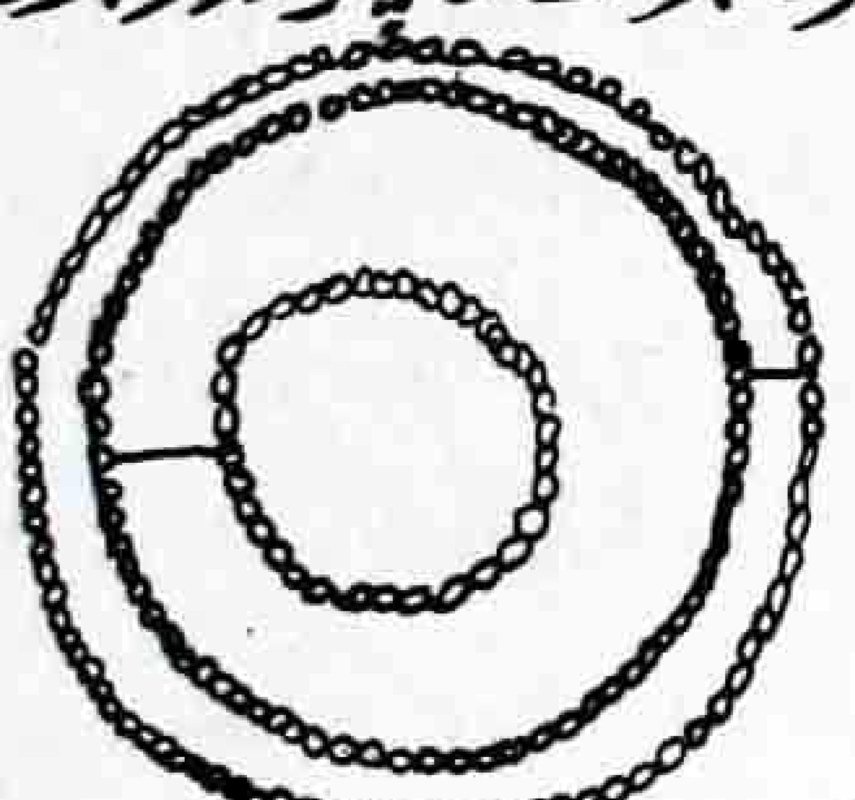
ذَھَبَ الْحُکَمَاءُ اِلٰی اَنَّ الْفَلَکَ جِسْمٌ بَسِیْطٌ کُرَوِیٌّ مُتَنَقِّلٌ عَلَی الْوَسْطِہٖ مُتَحَرِّکٌ عَلَیْہِ؎ ترجمہ:
حکماء نے کہا کہ فلک جسم بسیط ہے ایسا کرہ ہے جو اپنے مقام پر متحرک ہے۔ اور حکماء متاخرین جن کو عرفِ عام میں
منطقی بھی کہتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے۔ کہ آسمان گردش نہیں کرتا بلکہ زمین گھومتی ہے اور اپنے ہی محور پر قائم اور
چکی کی طرح گھوم رہی ہے۔ چنانچہ کتاب عجائب المخلوقات ص۲۱۵ پر منطقی۔ عقیدہ درج کرتے ہوئے لکھتے
ہیں۔ اَلْاَرْضُ جِسْمٌ بَسِیْطٌ طَبَاعُہٗ اَنْ یَّکُوْنَ بَارِدًا یَابِسًا مُتَحَرِّکًا اِلَی الْوَسْطِ ؎:۔ (ترجمہ):۔
زمین جسم بسیط یعنی ٹھوس ہے اسکی حالتیں یہ ہیں کہ ٹھنڈی خشک اور ایک جگہ گھومنے والی ہے اسی لیے ان تمام فلاسفہ کے نزدیک صرف سیارے سات ہیں
مگر یہ سب عقائد دو طرح باطل ہیں (۱) اِس لیے کہ خالقِ کائنات نے یہ گردش بے فائدہ کیوں فرمائی۔ کیونکہ
سیارہ تو فقط وہ ہی ہیں۔ جن سے دن رات اور تاریخیں ثابت ہوتی ہیں۔ شانِ باری تعالیٰ ہے:۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ
ھٰذَا بَاطِلًا۔ خلاقِ کائنات نے کوئی چیز بے کار پیدا نہیں کی۔ مگر یہ گردش ہر طرح بیکار نظر آتی ہے (۲) اِس لیے
کہ یہ عقیدہ خود فلاسفہ کے بھی خلاف ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ چاند، سورج اور تمام ستارے اپنے اپنے آسمانوں
میں جڑے ہوئے ہیں۔ اس عقیدے سے ان کا سیارہ ہونا ختم ہو جاتا ہے۔ اور زمین کی گردش بھی ناممکن۔ اِس
لیے کہ پھر تو لازم آتا۔ کہ ہمیشہ انسانی رہائش کے رُخ تبدیل ہوتے رہتے۔ اگر میرا مکان صبح جانبِ مغرب ہے
تو شام جانبِ مشرق اور دوپہر کو کسی اور جانب۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ سب محض باطل ہیں۔ اور
فلاسفہ جدیدہ پہلے ان کا عقیدہ تھا۔ کہ زمین بالکل ساکن ہے۔ پھر اُن کا عقیدہ ہوا۔ کہ آسمان صرف اپنے مقام
پر رہ کر گھوم رہے ہیں۔ جیسا کہ فلاسفہ قدیم کا مذہب تھا۔ جب ان پر مندرجہ بالا اعتراضات کیئے گئے۔ تو اس
عقیدے کو چھوڑ کر دوسرا دعوٰے لے بیٹھے۔ اور کہنے لگے۔ کہ اسمان زمین کی دو حرکتیں ہیں۔ ایک اپنے محور پر
مثلاً (یہ زمین) گھوم رہی ہے۔ اور دوسرا چکر اس طرح (ع۲) یعنی گول دائرے میں سیارے کی مثل پھرتی ہے۔ پھر
کسی سائنسدان نے سوچا۔ کہ اس گردش کو ہم سالانہ حساب سے مانیں روزانہ یا ماہانہ سب گردشِ داخلہ میں نہیں
آسکتے۔ اس لیے کہنے لگے۔ کہ نہیں نہیں۔ زمین تین قسم کی گردش کرتی ہے:۔ (۱) روزانہ اپنی جگہ پر (۲) ماہانہ اور
(۳) دوسری گردش پوری کرکے آگے کی طرف تھوڑا سا بڑھتی ہے: (ع۳) مثلاً اِس گردش جیسی
کرتی ہے گویا کہ آج اس جگہ چکر لگایا۔ تو ایک ماہ کے بعد کچھ آگے چکر لگایا۔ اور اس کی ہیئات گردش یہ ہے۔

اُن کے ... اس عقیدے پر تین طریقے



سے سوال ... کیا گیا:۔ نمبر ع۱ پر تیسرا
چکر جس ... طرح شکل بنائی گئی۔ ایک ہی
سمت کو جا رہی ہے۔ یا گول دائرے میں اگر ایک ہی سمت ہو تو بارہ مہینوں کی تعداد کیسے پوری کرو گے اور ہر تیرھواں مہینہ

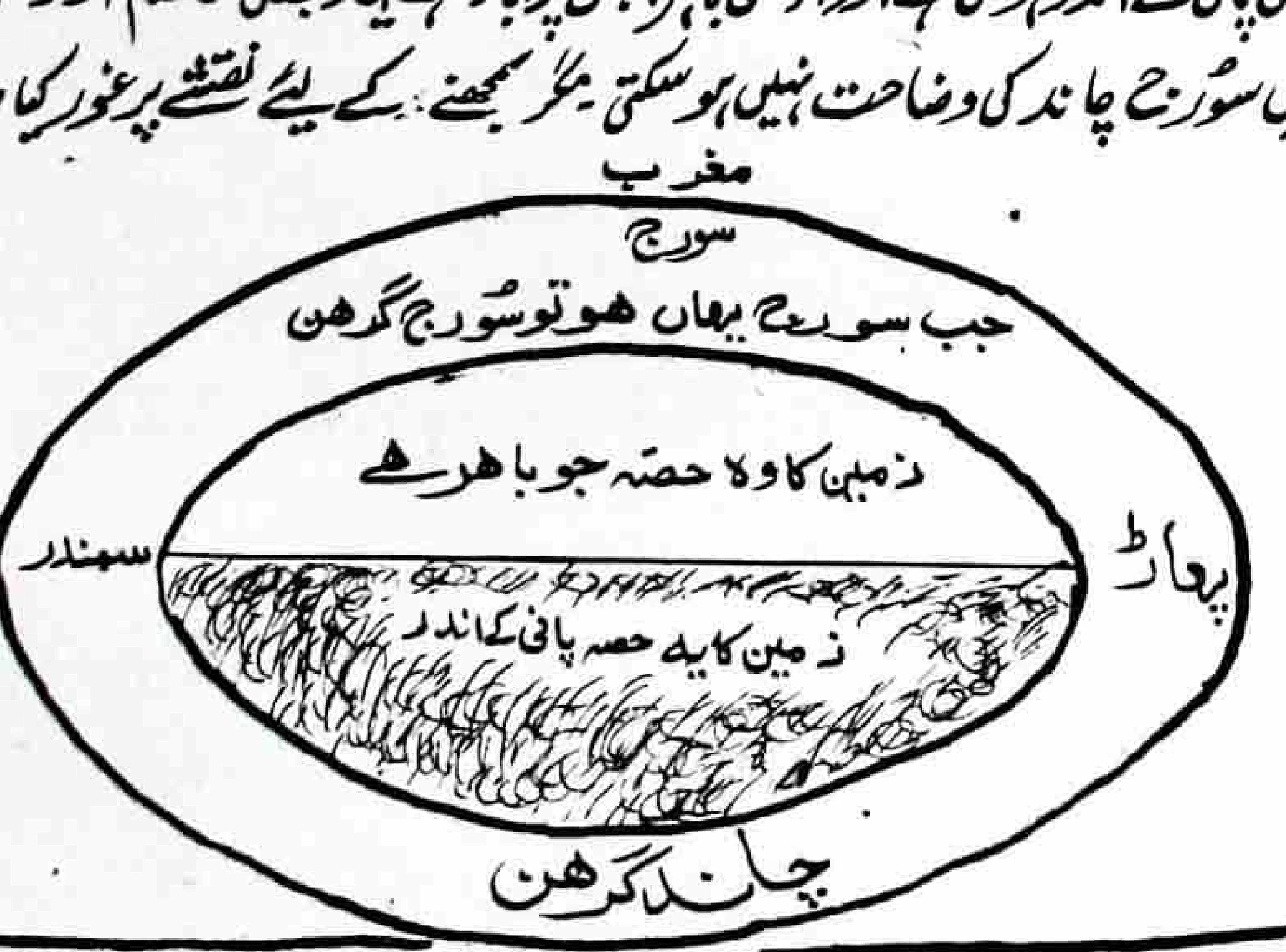
لوٹ کر جنوری کیسے ہوگا۔ پھر تو اس کا بڑھنا غیر انتہائی سمت کی طرف ہے اس طرح تعداد ماہ بھی بارہ نہ ہوگی۔ بلکہ غیر انتہائی ماہ متصور ہوں گے (۲) زمین کا آگے کی طرف بڑھنا غیر انتہائی ہے۔ یا انتہائی اگر غیر انتہائی ہے۔ تو وہی اعتراض جو اوپر ذکر ہوا۔ اور اگر انتہائی ہے۔ تو بڑھتے بڑھتے دو قسم کی خرابیاں (۱) یہ کہ کسی چیز سے ٹکرا کر واپس لوٹی (۲) کیوں واپس آئی۔ آگے جانے سے کون مانع اور پھر تیسری حرکت سے چوتھی حرکت مزید سمجھ آئی۔ کہ زمین اُن چکروں کے علاوہ دائیں بائیں بھی پھرتی ہے۔ حالانکہ ابھی تک کسی سائنس دان کو اس حرکت کی نہ سوجھی (۳) اگر تیسرا چکر بھی گول دائرے میں گھومتا ہے۔ تب لازم آئے گا۔ ہر سال یہ چکر دراز ہوتا جائے۔ اور اس کی شکل یہ ہوگی۔ اس طرح ہر سال چکر دراز ہونے کے شکل میں اوقاتِ ایام



میں بھی یقینی طور پر درازی ہوگی۔ اِس لیے جتنا لمبا چکر ہوگا۔ اتنا ہی دیر سے پورا ہوگا جتنا چکر چھوٹا ہوگا۔ اتنا ہی جلد پورا ہوگا۔ اِس کا تجربہ پہیے سے بخوبی کیا جاسکتا ہے جب چھوٹا چکر تھا۔ تب دن رات کا محور چوبیس گھنٹوں میں پورا ہوتا ہے۔ تو اب اتنے عرصے کے بعد چاہیے۔ کہ دن بھی ہزاروں سال کے برابر ہو۔ اور رات بھی اور ماہ بھی اور سال بھی اِس سے زیادہ بڑے ہوں۔ حالانکہ ہم محسوس کرتے ہیں۔ کہ دن رات اِسی مقدار کا ہے:۔ جو آج سے تین صدی پہلے تھا۔ اور سال کے دن بھی شروع سے اب تک تین سو پینسٹھ (۳۶۵) ہی ہیں ہاں صرف لیپ کا سال کچھ دن عام سال سے بڑا ہوتا ہے۔ اور وہ دن اِس چکر کی لمبائی سے نہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اتنے ہی دن زیادہ ہوتے ہیں۔ جو علماء نجوم نے کہہ دیا۔ بعض جہلا فلاسفہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ آسمان و زمین سب کے سب کسی نامعلوم غیر انتہائی سمت کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ چنانچہ سائنس کی مشہور کتاب اصول علم ھیئات جلد دوم صفحہ ۱۰۲ پر ایسا ہی لکھا ہے یہ بے فائدہ اور عقل سے دراز بات ہے۔ یعنی کہ زمین نہ ہوئی۔ ریل گاڑی ہوگئی ہے۔ پھر اگر اِس دوڑ میں زمین کی رفتار تیز ہے۔ تو مثل ریل گاڑی کے سب کو پیچھے چھوڑ جانا چاہیے تھا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قطب ستارہ اپنی جگہ پر ہی قائم رہتا ہے:۔ باوجود اس بات کے کہ وہ زمینوں کے ساتھ معلق نہیں۔ بلکہ آسمان میں ہے۔ اور اگر سب کی رفتار یکساں ہے۔ تو چاہیے کہ چاند، سورج وغیرہ کبھی غائب نہ ہوں۔ جب یہ فلاسفر ان کے جوابات سے عاجز آ گئے۔ اور ان مشکلات سے نبرد آزما ہونے کی طاقت نہ پائی۔ تو پانسہ پلٹا۔ اور کہنے لگے۔ نہیں نہیں۔ زمین کی یہ حرکتیں دن رات سال مہینہ کے نظام چلانے کے لیے نہیں۔ یہ نظام تو چاند، سورج سے چل رہا ہے۔ بلکہ زمین وغیرہ ہر سیارہ کا اپنے محور پر گھومنا اس وجہ سے ہے۔ کہ طبیعات میں ثابت ہوا ہے۔ کہ کائنات کی ہر چیز

بالطبع آفتاب سے نور و حرارت لینا چاہتا ہے۔ اگر سیارے حرکت وضعیہ نہ کریں۔ تو جمیع اجزاء کو نور و حرارت نہ پہنچے۔ (الخ) یہ دلیل فلاسفہ کی بہت قوی دلیل ہے۔ اس دلیل سے سب دلائل کو ٹھکرا دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ دلیل بہت سی کتب میں لکھی ہے۔ چنانچہ حقائق النجوم میں صفحہ ۶۴ پر مشہور سائنس دان مسٹر نیوٹن کے شاگرد مسٹر ٹام کا قول نقل کرتے ہوئے اس دلیل کو پیش کرتے ہیں۔ مسٹر نیوٹن وہی ہے۔ کہ جس نے ۱۶۶۵ء میں سیب کے گرنے سے کشش زمین کا بے ہودہ عقیدہ باندھا تھا۔ مگر میں اس دلیل کو نو طریقوں سے توڑتا ہوں:۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ط (۱) ابھی تک سب سائنس دانوں نے تمام اجزاء میں صرف تین قوتیں تسلیم کی ہیں۔ (۱) قوتِ جاذبہ۔ (۲) قوتِ نافرہ۔ (۳) قوتِ ماسکہ۔ اس دلیل سے ایک اور قوت ماننی پڑے گی۔ جس کا نام قوتِ شائقہ ہے۔ حالانکہ اب تک کسی نے یہ قوت نہ مانی۔ (۱) جب ہر جزء ہی آفتاب سے نور اور حرارت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو چاہیئے۔ کہ ہر وقت اڑتا رہے یہاں تک کہ ریت کے ذرّے اینٹ، پتھر جو زمین کے اجزاء گہرائیوں میں دبے ہوئے ہیں۔ وہ بھی اوپر آ کر حرارت و نور حاصل کریں نہ کوئی مکان سلامت رہے نہ پہاڑ، وہ چیزیں جو زمین میں دبی ہوئی ہیں۔ کیا وہ زمین کی جز نہیں اور کیا اُن کو حرارت نہیں چاہیئے۔ (۳) فلاسفہ جدیدہ کہتے ہیں۔ کہ زمین میں اتنے مساوات ہیں۔ کہ اگر سب کو دبایا جائے۔ اور زمین کو شکنجہ میں کسا جائے۔ تو زمین ایک انچ کی رہ جائے۔ تو لازم ہوا۔ کہ زمین کا کوئی جز دوسرے جز سے متصل نہیں بلکہ خاصے فاصلہ پر ہے۔ گویا زمین ایک جالی ہے۔ تو ہر جز اپنے محور پر علیحدہ کیوں نہیں گھومتا۔ اور اپنے اندرونی اجزاء کو حرارت سے کیوں محروم رکھتا ہے فقط کرۂ ارض کا گھومنا تو ہر چیز کو اندرونی نور و حرارت نہیں پہنچا سکتا۔ (۴) کرۂ ارض کی حرکت وضعیہ سے سطح بالا ہی کے سب اجزاء فی الجملہ مستفید ہوں گے۔ اندر کے تمام اجزاء اب بھی مطلقاً محروم رہے۔ تو تمہاری دلیل کے ٹکڑے اڑ گئے۔ تمام اجزاء کا استفادہ کب ہوا۔ اندر کے اجزاء طلبِ نور و حرارت کے لیئے اوپر کیوں نہیں آئے۔ اگر کوئی بیوقوف فلاسفر یہ کہہ دے۔ کہ اوپر کے اجزاء اُن کو اوپر نہیں آنے دیتے۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ اوّلاً اس لیئے۔ کہ جب زمین میں بقول تمہارے اتنے اتنے بڑے مسام ہیں۔ کہ ساری زمین دبانے سے ایک انچ رہ جائے۔ تو نیچے والے اجزاء اُن مسامات میں سے گزر کر اوپر کیوں نہیں آ جاتے۔ دوم اس لیئے کہ پھر تو صرف اوپر کے اجزاء نے ہی حرارت لی۔ بلکہ اُن میں سے بھی بعض کیونکہ جو اجزاء آفتاب سے حجاب میں ہیں۔ بالمقابل اجزاء اِن کے لیئے رکاوٹ ہیں اور قطبِ جنوبی جہاں چھ ماہ رات رہتی ہے۔ حرارت سے یکسر محروم رہے۔ اِن تمام وجوہ سے حرکتِ وضعیہ بیکار ہوئی۔ (۵) سورج کیوں گردش کرتا ہے۔ وہ کس لئے طلبِ نور و حرارت کرتا ہے۔

(۶) نصف کرۂ ارض تاریک کیوں رہتا ہے (۷) بفرضِ محال سب ہی مقابل آفتاب سہی۔ تو پھر عمود و منحرف کا فرق کدھر گرو گے (۸) اگر یہ بھی نہیں۔ تو اختلاف منظر کیوں کر ہوا (۹) سیارے صرف سات یا آٹھ یا نو کیوں ہیں کائنات کی ہر چیز سیارہ کیوں نہیں ہے۔ ان تمام سوالات سے میں نے اپنی تحقیق کے مطابق فلاسفر کے اقوال حمقاء کا رد بلیغ کر دیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِكَ :۔ ہمارا اسلامی فلسفہ جس کو منطق بھی کہتے ہیں۔ جس کو امام رازی اور بو علی سینا نے پیش کیا۔ اور سارے عالم اسلام کا اتفاق ہے۔ وہ یہ ہے کہ چاند سورج اور ستارے زمین و آسمان سب کے سب گول مثل گیند کے ہیں :۔ اور جَعَلَ الْاَرْضَ فِرَاشًا ط اس مسلک کے مانع نہیں۔ ہاں بعض منطقی کہتے ہیں۔ کہ زمین تھالی کی طرح گول ہے اور دلیل میں۔ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط والی آیت پیش کرتے ہیں۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ زمین مثل انڈے کے گول ہے! اور چاند گھٹتا بڑھتا نہیں ہے بلکہ چاند ایک سیاہ کرہ ہے جو سورج کے نور سے منور ہوتا ہے۔ چاند اور سورج گردش کرتے ہیں مخالف سمت پر اسی لیے چاند رات کو چمکتا ہے اور طلوع ہوتا ہے۔ اور سورج دن کو۔ پس جس حصہ کا سورج سے آمنا سامنا ہو جائے۔ وہ ہی منور ہو جاتا ہے چاند اور سورج کا گرہن ہونا بھی اس لیے نہیں۔ کہ زمین گردش کرتی ہے۔ بلکہ یہ دلیل پیش کرنا بھی جہالت کی نشانی ہے منطقی اور اسلامی نقطہ سے چاند اس لیے گرہن ہوتا ہے۔ کہ دو گردشیں ہیں۔ ایک سردی کی اور ایک گرمی کی۔ اس لیے قطب جنوبی میں چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات ہوتی ہے۔ جب زمین چاند کے بالکل مقابل آجائے! اور سورج زمین کے نیچے بالکل بیچ میں ہو۔ تو چاند گرہن لگ جاتا ہے اسی لیے ہمیشہ تیرھویں چودھویں اور پندرھویں رات کو ہی گرہن ہوتا ہے۔ کیونکہ سورج چاند کے درمیان زمین آجاتی ہے پھر کبھی سورج کے بالکل سامنے چاند آجاتا ہے۔ اور زمین کیلیے چاند آڑ بن جاتا ہے۔ تو ہم سمجھ لیتے ہیں۔ کہ سورج گہن گیا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہمیشہ سورج چاند کی اٹھائیس، انتیس کو ہی گرہن ہوتا ہے۔ اور ساتوں آسمانوں میں پانچ پانچ سو سال کا فاصلہ ہے چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۱۰ باب بدء الخلق پر ہے :۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ الخ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ (الخ) قَالَ سَمَاءٌ اِنَّ بُعْدَ مَا بَيْنَهُمَا خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ ثُمَّ قَالَ كَذَالِكَ حَتّٰى عَدَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط اور زمین کا نقشہ یہ ہے۔ کہ زمین آدھی پانی کے اندر ہوتی ہے اور آدھی باہر، جس پر آبادی ہے یہی وَجَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا ط ہے۔ نقشہ پر پوری طرح گردشِ سورج چاند کی وضاحت نہیں ہو سکتی۔ مگر سمجھنے کے لیے نقشے پر غور کیا جائے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ



چاند پر راکٹ جانے کا بیان اور عقیدہ

سوال نمبر ۲۳: - کیا فرماتے ہیں۔ علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ کفار آئے دن یہ اعلان کرتے ہیں۔ کہ فلاں راکٹ چاند پر اتر گیا ہے۔ اور ہم انسان کو چاند پر بھیج دیں گے۔ اور چاند ہماری ملکیت بن جائے گا۔ آیا کیا یہ کامیاب ہوں گے یا نہیں کیا چاند آسمان پر ہے۔ اور بموجب حدیث پانچ سو سال کا رستہ ہے۔ اور قرآن مجید کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کامیاب نہ ہوں گے۔ وہ آیت یہ ہے۔ کہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ ط ترجمہ:۔ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا جو کچھ زمین میں ہے۔ اِس آیت سے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ زمین کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے انکے بس میں کر دی ہیں۔ اور آسمان کی چیزوں کا تو ذکر ہی نہیں ہے والسلام (نور محمد سکنہ ٹنڈو الٰہ یار سندھ)

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابُ

الجواب

شریعتِ پاک کے اقوال کے مطابق چاند پر پہنچنا ناممکن نہیں۔ نہ کسی آیت پاک سے یہ عدم امکان ثابت ہوا۔ حدیث شریف اور سائل کی پیش کردہ آیت بھی مذکورہ فی السوال منشا ثابت نہیں کرتی۔ اس لیئے کہ ایک کا ثبوت دوسرے کا عدم ظاہر نہیں کرتا۔ چنانچہ قرآن مجید میں آسمانوں پر جانے کا ذکر ہے اور جنات و انسان کو کہا گیا ہے۔ کہ تم کہیں بھی چلے جاؤ اللہ کی سلطنت میں ہی جاؤ گے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ط:۔ (ترجمہ) اے جنات و انسان کے گروہ اگر تم طاقت رکھتے ہو۔ کہ آسمان و زمین کی حدود سے نکل جاؤ۔ تو نکل جاؤ۔ مگر اللہ کے قبضے سے باہر نہیں جا سکتے۔ اِس آیت میں آسمانوں سے باہر نکلنے کی قدرت کا ذکر ہے اور استفسار صرف حکومتِ الٰہیہ سے باہر نکلنے کا ہے۔ لہٰذا چاند پر پہنچنا کوئی محال نہیں۔ بشرطیکہ طاقت ہونی چاہیئے۔ اس لیئے آیت کریمہ میں اِنِ اسْتَطَعْتُمْ کی قید لگی ہے:۔

نحوی قاعدے کے لحاظ سے اِس جملے کو شرط بنایا۔ اور آسمان کی حدود سے نکلنے کو جزا۔ جزا بغیر شرط ناممکن مگر شرط کے ہونے سے ممکن اِس مسئلہ پر اور بھی بہت سی آیات واضح ہیں۔ ایک جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد قرآن مجید

میں ہے۔ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (ترجمہ) :۔ کہ اللہ تعالٰی نے چاند اور سورج کو مسخر فرمایا۔ اگر سائل سوال کرے۔ کہ اِس آیت کریمہ میں (لَکُمْ) نہیں ہے۔ جس سے انسان کے لیے مسخر نہیں ثابت ہوتا۔ حالانکہ سوال میں مذکورہ آیت لفظِ لَکُمْ کے ساتھ ہے۔ تو میں پارہ نمبر ۲۵ کی آیت کریمہ پیش کروں گا کہ ارشادِ باری تعالٰی ہوتا ہے :۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط

ترجمہ :۔ اور اللہ رب العزت نے مسخر کر دیا۔ اے انسانوں تمہارے لیے تمام وہ کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ منشاءِ باری تعالٰی یہ ہے۔ کہ انسان کو اتنی طاقت بارگاہِ خلاقِ عالم سے عطا ہوئی ہے۔ کہ ہر چیز پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حبیبِ خالقِ کائنات خیر البشر فخر الرسل محمد و نبی اکمل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرائی۔ جس طرح چاند، سورج بلکہ تمام کروں پر عبور حاصل کیا اور ثابت کر دیا۔ کہ قادرِ مطلق نے نفوذِ آسمانی کے لیے طاقت کی شرط لگائی۔ اور فرمایا :۔ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ تاکہ پتہ لگے۔ کہ آسمان پر جانا ممکن ہے۔ مگر یہ بے طاقت کا کام نہیں۔ اور دنیا بھر کے سائنسدان اس کو جان لیں۔ اور اقوامِ عالم سمجھ لیں کہ ؎

پتہ لگا ہے یہ معراجِ مصطفٰے سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

مگر فرق یہ ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم ایک ہی رات میں پہنچ گئے لیکن سائنسدان ابھی تک زور لگا رہے ہیں۔ بہر حال مذہبِ اسلام میں چاند پر بذریعہ براق یا بذریعہ راکٹ یا کسی بھی طاقت کے ذریعے جانا نا ممکن نہیں۔ یہ بات ہر شخص کو ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ سائنسی تجربات صرف کفار نے ہی نہیں کیئے بلکہ دنیا کی ایجادات میں مسلمان فلاسفر کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جیسا کہ تاریخی کتب سے ظاہر ہے اور یہ سب تجربات قرآن مجید میں تفکر و تدبر سے ہی حاصل کیئے گئے۔ یہاں تک کہ کافر سائنس دان نے بھی جو کچھ حاصل کیا تدبرِ قرآنی سے ہی حاصل کیا۔ مگر اس کے باوجود کہ مسلمانوں نے دنیوی سائنس میں بہت تحقیق کی ہیں ہمارے لیئے کوئی فخر کی بات نہیں۔ کیونکہ مسلمان کی پیدائش اس لیئے نہیں کہ دنیوی محنتوں میں پھنسا رہے وہ تو صرف اخروی محنتوں اور کمالاتِ دینیہ کے لیئے پیدا کیا گیا ہے مسلمان کی خوشی یہ نہیں کہ وہ راکٹ و جہاز بناتا رہے۔ یہ سب کام تو دنیا داروں کے ہیں۔ مسلمان شہنشاہیِ آخرت کے لیئے پیدا کیا گیا۔ جیسے بادشاہ کا کام نظامِ شہنشاہی ہے اور غلام کا کام اس کی ضروریات پوری کرنا ہے۔ دیکھو ساری دنیا کے کفار ایجادیں کرتے ہیں اور اس کو برتنا مسلمان کے لیئے مزدوری ہو گیا۔ بالکل یہی بات ثابت ہوگی کہ سب جہان میرے لیے اور تو خدا کے واسطے۔

وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

کتبہ

آسمان اور فلک میں فرق کیا ہے اس کا بیان

سوال نمبر ۲۵:۔ کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین مسائل ذیل میں:۔ (۱) سما اور فلک دونوں الفاظ ایک معنیٰ میں ہیں۔ یا کچھ فرق ہے؟ (۲) آسمان کا وجود کیا ہے۔ اور کیا کوئی ٹھوس مادہ ہے یا رقیق ہے۔ اگر رقیق ہے۔ تو اگر کوئی چیز گزرے اس میں تر ہوگی یا نہیں۔ اور آسمان کو خلا کہا جا سکتا ہے۔ یا نہیں۔ زید صاحب فرماتے ہیں۔ کہ آسمان جس کو آپ کہتے ہیں۔ وہ خلاء ہے۔ کیونکہ روسی خلائی جہاز چاند پر اتر گیا۔ وہاں پر خلا ہی خلا ہے۔ اگر رقیق یا ہوا کی طرح ہے تو جہاز کو تر ہونا چاہیئے۔ اور وہاں ہوا۔ نہیں۔ آسمان۔ کا وجود کس طرح ہے۔ فقط والسلام:۔

(نور محمد ٹنڈو الٰہ یار حیدر آباد سندھ)

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

الجواب

(۱) لفظِ سما اور لفظِ فلک لغت کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔ چنانچہ لفظِ سماء کا لغوی ترجمہ ہے۔ بلندی یا بلند اسی لیئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کہ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ط اور لفظِ فلک کا لغوی ترجمہ ہر ذو سطح چیز۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اور حدیث قدسی میں ہے، لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ ط یہاں افلاک اپنے لغوی معنیٰ میں ہے۔ اسی لیئے شارحینِ حدیث اس حدیث پاک کی شرح میں لکھتے ہیں۔ یہاں ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمین مراد ہیں۔ اور اِن تمام الفاظ کا اصطلاحی ترجمہ آسمان ہے:۔ چنانچہ باری تعالیٰ عزاسمہٗ ارشاد فرماتا ہے:۔ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:۔ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ط (۲) ابھی تک آسمان کی حتمی حقیقت حتمی طور پر کسی سے آشکارا نہیں ہوئی۔ ہمارے علماء بھی اِس کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں بعض فلاسفۂ اسلام فرماتے ہیں۔ کہ آسمان ٹھوس دھاتوں کا بنا ہوا ہے۔ اور اُن کی دلیل وہ آیت کریمہ ہے۔ وَخَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط کیونکہ لفظ طِبَاقًا جمع ہے طبق کی۔ طبق کہتے ہیں ٹھوس مادے کو۔ اور چاند پہلے آسمان پر ہے مگر ہے نیچے۔ لہٰذا چاند تک پہنچنے سے آسمان تک پہنچنا لازم نہیں آیا:۔ پہلا آسمان چاند سے بھی اوپر ہے۔ یہ فلاسفر کہتے ہیں۔ کہ ایک آسمان سونے کا ہے۔ ایک لوہے کا

وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہمارے اکثر علماء نجوم فرماتے ہیں۔ کہ ساتوں آسمان رقیق ہیں۔ اور دھوئیں کی شکل ہیں۔ ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا (الخ) اور دوسری آیت یہ ہے كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ط تمام نجم اپنے اپنے آسمانوں میں گھوم رہے ہیں۔ اور میری تحقیق میں قول درست ہے۔ رقیق شئے میں تر ہونا لازم نہیں۔ دیکھو ہوا رقیق ہے مگر ہم اور ہمارے کپڑے تر نہیں ہوتے۔ حالانکہ بادل پانی سے ہے۔ ہم دھوئیں میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ مگر ہمارا ہاتھ تر نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ قول بالکل غلط ہے۔ کہ رقیق ہو تو تر کیوں نہ ہوتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ آسمان مادۂ رقیق ہے۔ جیسے دھواں اور ہوا۔ مگر وہ دھواں نہیں نہ ہوا ہے جنس اُس کی کچھ اور ہے۔ قرآن کریم کا یہ فرمان کہ وَهِيَ دُخَانٌ یہاں صرف مثلیت مراد ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

کتب

رعد اور برق کی کیا حقیقت ہے

سوال ۲۶:۔ کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین مسائل ذیل میں۔ برق اور رعد کی کیا حقیقت ہے، اور حدیث کا متن نقل کر دیا جائے۔ والسلام۔

(نور محمد ٹنڈو اللہ یار حیدر آباد سندھ)

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ط

اَلْجَوَاب

نظریۂ اسلام کے مطابق رعد اور برق کی حقیقت موجودہ سائنس دان اور پہلے زمانے کے فلاسفہ کے عقیدے سے مختلف ہے۔ ہمارے علماء اور فلاسفہ رعد کی حقیقت کے بارے میں یہ کہتے ہیں۔ کہ رعد ایک بادل کی خوفناک آواز کا نام ہے۔ جس وقت ہوائیں بادلوں کو چلاتی ہیں۔ تو بادل کے ٹکڑے آپس میں ٹکراتے ہیں۔ یا بادل جب پھٹتا ہے۔ تب آواز پیدا ہوتی ہے اسی کو عرف عام میں بادل کا گرجنا کہتے ہیں۔ اور برق اسی روشنی کا نام ہے۔ جو بادلوں کی رگڑ سے تیزی کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ اسی تیزی اور گرمی سے شعاعیں نکلتی ہیں۔ جس کو آسمان کی بجلی بھی کہا جاتا ہے، چنانچہ تفسیر روح البیان صفحہ نمبر ۷، پر لکھا ہے:۔ وَالْمَشْهُوْرُ بَيْنَ الْحُكَمَاءِ اَنَّ الرَّعْدَ

یُحْدِثُ مِنْ اِصْطِکَاکِ اَجْرَامِ السَّحَابِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ اَوْمِنْ اَنْقِلَاعِ بَعْضٍ عَنْ بَعْضِهَا عِنْدَ اِضْطِرَابِهَا بِسَوْقِ الرِّیَاحِ اِیَّاهَا ط لیکن یہ نظریۂ اسلام کے فرمان سے مختلف ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا جب کے آپ کے پاس یہودی عالم حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے عرض کیا۔ کہ بتائیے۔ رعد کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک فرشتہ ہے۔ جو اللہ تعالےٰ نے بادلوں پر مقرر کیا ہے۔ یہودی نے عرض کیا۔ یہ کڑک کیسی ہوتی ہے۔ فرمایا یہ اِس فرشتے کی آواز ہے۔ اور برق اس شعاع کا نام ہے۔ جن کے ذریعہ وہ فرشتہ بادلوں کو چلاتا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے:۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقْبَلَتِ الْیَهُوْدُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَخْبِرْ عَنِ الرَّعْدِ الخ) قرآن مجید سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے چنانچہ سورتِ رعد آیت ۱۳ میں ہے وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ الخ۔ ترجمہ۔ اور تسبیح پڑھتا ہے رعد اس کی حمد سے اس سے ثابت ہوا کہ تسبیح کا فاعل رعد ہے اور فاعل ذی عقل وحواس ہی ہو سکتا ہے۔ موجودہ سائنس دان کا بھی وہی عقیدہ ہے جو فلاسفہ کا ہے۔ مگر صرف ظاہر پر نظر کرتے ہیں۔ حقیقت کو نہیں دیکھتے۔ اسلام حقیقت کو بیان فرماتا ہے۔ جس پر اس کا فیصلہ یقینی ہوتا ہے۔ جو نظریہ اسلام نے پیش کیا ہے۔ وہی نظریہ توریت اور زبور نے پیش کیا۔

سات زمینوں کی کیفیت؟

سوال نمبر ۲۹۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اِس مسئلہ میں۔ کہ زمین آپس ملی ہوئی ہے۔ یا سات زمینیں جدا جدا ہیں۔ اور ایک دوسرے سے پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ جس طرح آسمانوں میں ہے۔ اور کیا ہر زمین میں کوئی مخلوق ہے۔ اور ہر ایک زمین میں ایک نبی آیا ہے۔ کیونکہ تفسیر ابن کثیر میں سورت حدید کی تفسیر میں ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ہر ایک زمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ارشاد فرمایا ہے۔ اور اسی طرح سورت طلاق آیت وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کے تحت ایک روائت مروی ہے۔ کہ ہر زمین میں مثل حضرت ابراہیم کے اور اس زمین کی مخلوق ہے۔ اور بیہقی کی کتاب الاسماء والصّفات میں حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ کہ ہر ایک زمین پر ایک نبی آیا ہے۔ اس حدیث کا متن نقل کریں۔ جس سے زمین کا آپس میں ملا ہوا ثابت ہے۔ فقط والسّلام!

(سائل :۔ نور محمد ٹنڈو الہ یار حیدر آباد سندھ)

الجواب بعون العلام الوھاب ط

فلاسفۂ قدیم و جدید اور شریعت اسلامیہ کے علماء نے زمینوں کے بارے میں بہت اختلاف کیا ہے مگر صحیح مسلک یہ ہے۔ کہ زمینیں سات ہیں پیاز کی طرح چنانچہ تفسیر روح البیان جلد دہم صفحہ نمبر ۲۳ پر ہے۔ وَقَالَ الضَّحَاكُ مُطَبَّقَةً بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنْ غَيْرِ فُتُوقٍ وَفُرْجَةٍ ط اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے۔ مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شِبْرًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرْضِيْنَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ کتاب ص ۵۹ بدء الخلق باب ع۲، اسی طرح ایک اور حدیث شریف ہے :۔ مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ (مسلم شریف حدیث ۱۳۷ باب ع۶۳ کتاب المساقاۃ صفحہ ع ۱۳۷) ان دونوں حدیثوں کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ جس شخص نے کسی شخص کی ایک بالشت کے برابر زمین چھینی۔ قیامت کے دن ساتوں زمینوں تک کا طوق اس کے گردن میں ڈالا جائے گا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ان تینوں قولوں سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ ساتوں زمینیں علیحدہ علیحدہ نہیں۔ بلکہ جڑی ہوئی ہیں۔ سائل کی پیش کردہ احادیث اس مسلک میں قابل قبول نہیں کیونکہ وہ روایت جس میں راوی نے لکھا ہے کہ بفرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر زمین کے درمیان پانچ سو سال کا رستہ ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ حدیث غریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین اس روایت کو سند مسلک نہیں بناتے۔ بلکہ اس کے خلاف مسلک پیش کرتے ہیں چنانچہ اربع تفاسیر جلد ششم صفحہ ص ۲۹۵ پر ہے :۔ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ سَبْعًا وَلٰكِنَّهَا مُنْبَسِطَةٌ ط مندرجہ بالا صحیح حدیث سے یہی اشارۃ النص سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ زمین اپنے پرت کے لحاظ سے سات ہیں نہ کہ علیحدہ علیحدہ اور صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے غریب حدیث کو پسند نہیں کیا جا سکتا۔ اس روائیت کی اسناد میں ایک راوی حسن ہے۔ جس کے بارے میں دیگر محدثین فرماتے ہیں۔ کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ ابو قریب راوی غیر ثقہ ہے۔ نتیجہ نکلا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ سائل کی پیش کردہ دوسری حدیث بالکل من گھڑت ہے اور غلط ہے :۔ تفسیر ابن کثیر نے اگرچہ یہ حدیث بالکل دیگر مفسرین کی طرح نقل کی ہے۔ مگر سب مفسرین اس روایت کو بالکل من گھڑت بتاتے ہیں۔ اس روائیت کی اسناد میں ایک راوی واقدی ہے محدثین کے نزدیک وہ بہت جھوٹا ہے اور اکثر جھوٹی روائتیں پیش کرتا ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی

جلد پانزدہم صفحہ ۱۴۳ میں ہے:۔ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا شَكَّ فِيْ وَضْعِهٖ وَهُوَ مِنْ رِوَايَةِ الْوَاقِدِيِّ الْكَذَّابِ مؤرخین فرماتے ہیں۔ کہ یہ واقعہ یہودیوں کے قصوں سے لیا گیا ہے۔ ایسی باتیں یہودیوں کے قصوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح البیان صفحہ ۴۴ پر ہے۔ عَلٰى اَنَّهٗ اَخَذَهَا عَنِ الْاِسْرَائِيْلِيَّاتِ اَيْ اَقَاوِيْلَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ مِمَّا ذُكِرَ فِي التَّوْرَاةِ (الخ) فَكُلُّهَا مَرْدُوْدَةٌ یعنی یہ سب روائتیں مردود ہیں۔ عبدالحی لکھنوی نے۔ انہی مردود اسرائیلیات کی آڑ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مثل کو ثابت کرنے کی گستاخ کوشش کی ہے:۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ:۔

کتب

ہندؤوں اور مشرکوں کی مذہبی کتب کے بارے میں تحقیقی بیان

سوال نمبر ۲۸:۔ کیا فرماتے ہیں۔ علماء دین مسئلہ ذیل میں:۔ زید کا قول ہے "ممکن ہے ہندؤوں کی مذہبی کتابیں جنہیں وہ الہامی مانتے ہیں۔ واقعی آسمانی ہوں۔ اگرچہ ان کتابوں کو آسمانی نہ ماننے سے اور ہندؤوں کو اہل کتاب تسلیم نہ کرنے سے مسلمان گنہگار نہیں ہوتا۔ کیونکہ واضح طور پر قرآن پاک میں توریت، انجیل اور زبور کے ساتھ زید گیتا یا منوسمرتی کا ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنا پیغام بھیجا۔ لہٰذا کوئی بعید نہیں۔ کہ ہندوستان میں بھی خدا کا پیغام آیا ہو۔ پھر آگے اپنے دعوے کے ثبوت میں زید چند الفاظ گیتا کے نقل کرتا ہے۔ وہ یہ ہیں "بہت سے لوگ مجھ کو چھوڑ کر دوسروں کی پوجا کرتے ہیں۔ تو میں اُن سے بے پرواہ ہوں۔ اس جملے پر خدا کے کلام ہونے کا گمان کیا جاسکتا ہے۔ اور آخر میں یہ بات ثابت کرتا ہوا یہ کہتا ہے۔ کہ اس سے ثابت ہوا۔ کہ ہندؤوں کی پرانی کتابیں آسمانی ہوں گی۔ مگر بعد میں ہندؤوں نے تحریف کر دیں۔ اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ جس طرح عیسائی تثلیث کی۔ بدولت شرک میں مبتلا ہیں۔ اور انجیل کی تحریف کو خود عیسائیوں نے تسلیم کیا۔ اسی طرح ہندو مشرک بن گئے ؛ فقط والسلام

(مخلص):۔ نور محمد شاہ جہان پوری ٹنڈوالہیار حیدرآباد سندھ)

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ط

الجواب

سوال مذکورہ میں زید سخت گنہگار ہے۔ کیونکہ غیر کتاب کو کتاب اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کلام یا کتاب کہنا سخت گناہ ہے۔ احادیث شریفہ سے ثابت ہے۔ کہ کتابیں صرف چار نازل ہوئیں۔ اور صحیح مذہب کی بنا پر صحیفے ایک سو دس نازل ہوئے۔ کتابوں کے نام بھی معین ہیں۔ انجیل (۱) توریت ۲ زبور ۳ قرآن کریم اور اللہ تعالیٰ نے جن صحیفوں کے نام کچھ نہیں رکھے۔ اُن کو صحیفہ ہی کہا جاتا ہے۔ اور وہ صحیفے بھی چند مخصوص انبیاء کرام پر نازل ہوئے۔ جن کا ذکر واضح طور پر قرآن و حدیث میں جگہ جگہ مذکور ہیں۔ چنانچہ تفسیر القرآن روح البیان جلد دہم صفحہ نمبر ۲۱۱ پر ہے:۔ رُوِیَ اَنَّ جَمِیْعَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ مِائَةٌ وَّاَرْبَعَةُ كُتُبٍ اُنْزِلَ عَلٰی اٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَشْرُ صُحُفٍ وَعَلٰی شِیْثَ عَلَیْهِ السَّلَامُ خَمْسِیْنَ صَحِیْفَةً وَعَلٰی اِدْرِیْسَ عَلَیْهِ السَّلَامُ ثَلَاثِیْنَ صَحِیْفَةً وَعَلٰی اِبْرَاهِیْمَ عَشْرَ صَحَائِفَ وَالتَّوْرَاةُ وَالْاِنْجِیْلُ وَالزَّبُوْرُ وَالْفُرْقَانُ وَفِی التَّیْسِیْرِ صُحُفُ شِیْثٍ وَهِیَ سِتُّوْنَ وَصُحُفُ اِبْرَاهِیْمَ وَهِیَ ثَلَاثُوْنَ وَصُحُفُ مُوْسٰی قَبْلَ التَّوْرَاةِ وَهِیَ عَشْرٌ وَالتَّوْرَاةُ وَالْاِنْجِیْلُ وَالزَّبُوْرُ وَالْقُرْاٰنُ ؕ

ترجمہ:۔ ایک روایت یہ بھی ہے۔ کہ کل کتب جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں۔ وہ ایک سو چار ہیں دس صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر اور پچاس حضرت شیث علیہ السلام پر اور تیس حضرت ادریس علیہ السلام پر اور دس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کل ایک سو اور چار کتابیں۔ تفسیر تیسیر البیان میں ہے کہ حضرت شیث علیہ السلام پر ساٹھ نازل ہوئے۔ اسی طرح کل ایک سو دس صحیفے بنتے ہیں۔ وھو الاصح چنانچہ تفسیر عزیزی جلد دوم صفحہ نمبر ۱۴۹ پر ہے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ازاں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پرسید کہ از باری تعالیٰ چند کتب نازل شدہ است الخ۔ در حاشیہ کشاف صد و چہاردہ آوردہ است۔ دہ صحیفہ ازاں جملہ بر حضرت موسےٰ سوائے تورات زیادہ کردہ واللہ اعلم ؕ

لہٰذا ثابت ہوا۔ کہ آسمانی کتابیں صرف ایک سو چودہ ہیں۔ جن میں ایک سو دس صحیفے اور چار نام والی کتابیں۔ تمام کی تمام مخصوص۔ مندرجہ بالا انبیاء کرام پر نازل ہوئے۔ اب جو شخص یہ کہتا ہے۔ وید یا گیتا بھی اللہ کی کتاب ہو سکتی ہے۔ وہ سخت فاجر ہے نبی پاک نے فرمایا۔ کہ مَنْ كَذَبَ عَلٰی مُحَمَّدٍ فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ یعنی جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ گھڑا۔ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ جب نبی پاک کے کلام میں اتنی احتیاط ہے۔ تو غیر خدا کے کلام کو کلام اللہ کہنا کہاں جائز ہوگا۔ زید کو توبہ کرنی چاہیئے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ؕ

كتبه

کششِ زمین کے سائنسی عقیدے کی تردید

سوال نمبر ۲۹ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں :- (۱) زید کا قول ہے۔ کہ آپ نے اپنے ایک فتویٰ میں فرمایا ہے۔ کہ کشش زمین کا بیہودہ عقیدہ ہے۔ زید کہتا ہے۔ کہ یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ زمین میں کشش ہے۔ اور اس پر چند دلائل کا ذکر کیا ہے۔ اور کہا کہ مولانا صاحب کے پاس کیا دلائل ہیں وہ اپنے دلائل سے مطلع فرمائیں۔ اس کے دلائل یہ ہیں۔ : (۱) اگر زمین میں کشش نہ ہو۔ تو کوئی چیز زمین پر نہیں ٹھہر سکتی (۲) ہوا زمین کی گرفت میں کیوں ہے ؟ (۳) کوئی چیز اگر یہاں پر تول کرو۔ تو کچھ ہے۔ اور دوسری جگہ تول کرو۔ تو کچھ ہوتا ہے۔ وزن کم زیادہ کیوں ہوتا ہے۔ وغیرہ دلائل ہیں۔ سوال نمبر ۲ :- تارہ کیوں ٹوٹتا ہے۔ اس کا شرعی نقطہ کیا ہے ؟

فقط والسلام :- نور محمد ٹنڈو الٰہیار حیدر آباد سندھ مورخہ ۱۸-۷-۶۷ء

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

۱:- کشش زمین کے بارے میں فلاسفر اور سائنسدان حضرات کا اختلاف ۱۶۶۵ء سے شروع ہوا جب کہ مشہور سائنسدان نیوٹن نے سیب کے گرنے سے کشش زمین کے قاعدہ کو گھڑ کر تمام پچھلے سائنس دانوں کے بڑے بڑے قولوں کو ٹھکرا دیا۔ اس سے پہلے کے تمام سائنسدان اور فلاسفر کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ کائنات کے ہر جسم جو ہر میں میلان تحتی کی وجہ ہے۔ اس پر بے شمار دلائل وارد ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر کروں گا۔ چونکہ ہر دعوے کے لئے دلیل اشد ضروری ہے۔ لہٰذا میں ہر دو فریق کے دعوے اور دلائل کا ذکر باوضاحت کر کے اپنے مسلک اور اپنی تحقیق کو بیان کروں گا۔ سائنسدان لوگوں کا دعویٰ ہے۔ کہ کائنات کے ہر جسم میں قوتِ تجاذب موجود ہے۔ حالانکہ وہ صرف زمین میں ہی جذب کی قوت مانتے تو شائد عقلاً اس کو تسلیم کر لیتے مگر ہر جسم میں قوتِ کشش کے ماننے سے اِس عقیدے کو اور بھی مضحکہ خیز بنا دیا ہے۔ یہ عقیدہ ۱۶۶۵ء میں نیوٹن نے ایجاد کیا۔ جس کو سب موجودہ سائنسدان تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہ بھی ایک

سیب گرنے سے نہ اس سے پہلے کسی سائنسدان کو ہوش آیا۔ نہ خود نیوٹن نے ہی اس سے پہلے چیزوں کے گرنے سے یہ کشش معلوم کی۔ اور سائنسدان جس طرح اپنے اور قوانین کے بارے میں بہت اختلاف کرتے ہیں۔ اسی طرح اس عقیدے پر بھی ان کا حتمی اور یقینی فیصلہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض سائنسدان کہتے ہیں۔ کہ نیوٹن سے پہلے یہ عقیدہ نہیں تھا۔ اس نے یہ عقیدہ سیب کو گرتے ہوئے دیکھ کر بنایا۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ نہیں بلکہ نیوٹن سے پہلے ایک سائنسدان کیپلر گزرا ہے۔ جس نے گردشِ سیارگان کے لیئے تین قانون بنائے اس کے تیسرے قانون سے نیوٹن نے قوّتِ جاذبہ اخذ کی۔ ہمارے فلاسفر کا عقیدہ ہے۔ کہ کسی جسم میں بھی قوّتِ جذب نہیں ہے۔ بلکہ ہر جسم میں طبعی طور پر قوّتِ میلان ہے۔ جس کی وجہ سے ہر چیز نیچے کی طرف مائل ہوتی ہے۔ چنانچہ فلسفہ کی مشہور کتاب ہدیہ سعیدیہ صفحہ نمبر ۵۵ پر ہے:۔ فِی اَنَّ کُلَّ جِسْمٍ لَا بُدَّ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ فِیْہِ مَیَلَانٌ مَیْلٌ مُسْتَقِیْمٌ مُسْتَدِیْرٌ۔ موجودہ سائنسدان کے دلائیل بالکل وضاحت سے مندرجہ ذیل ہیں۔ ۱:۔ ہر جسم کشش کرتا ہے۔ کیونکہ ۱۷۳۸ء میں بوگیر نے پہاڑ پر تجربہ کیا۔ ایک گیند کو پہاڑ کے ساتھ باندھ کر لٹکایا۔ تو پہاڑ نے اس کو اپنے ساتھ کشش کر لیا۔ دلیل ۲ ۱۷۷۵ء میں سکلین نے بوگر کے تجربہ کو غلط قرار دیا۔ اور پہاڑ پر نیا تجربہ کر کے قوّتِ جذب بات ثابت کی:۔

دلیل نمبر ۳ :۔ ۱۷۹۸ء میں کیونڈش نے پچھلے تجربوں کی غلطیاں خامیاں نکالتے ہوئے اُن کو غلط قرار دیا۔ اور اپنا نیا تجربہ کیا۔ لوہے کی سلاخ سے تجربہ کیا۔ اور قوّتِ کشش ثابت کی

دلیل ۴ :۔ ۱۸۸۴ء میں ابرلی نے کان میں تجربہ کیا۔ اور قوّتِ جذب ثابت کی:۔

دلیل ۵ :۔ ۱۸۸۱ء میں فان جالی نے پچھلے تمام تجربوں کو غلط قرار دیا۔ اور ترازو سے تجربہ کر کے نیوٹن کے قاعدے کی جان بچائی۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے دس سائنسدانوں نے تجربے کیئے۔ مگر موجودہ سائنسدان سب کے تجربوں کو غلط کہتے ہیں۔ صرف بوائز اور ھیل کے تجربوں کو درست مانتے ہیں۔ جس نے ۱۹۳۰ء میں تجربہ کر کے پچھلے سائنسدانوں کو جھٹلایا۔ اور اس کے بعد اب تک کوئی سائنسدان پیدا نہ ہوا۔ جس نے ایسا تجربہ کیا ہو۔ ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی اور تجربہ کر کے ھیل کے تجربہ کو بھی غلط کہہ دے۔ سائنسدان کے پاس موجودہ قاعدہ تجاذب پر صرف یہی دلائیل ہیں۔ جو کہ ہم نے نقل کر دیئے۔ جو دلائیل سائیل۔ نے سوال میں پیش کیے۔ وہ آج تک کسی سائنسدان کو نہ سوجھے۔ نہ ہی کوئی ذی عقل ان کو صحیح تسلیم کرنے کے لیئے تیار ہے بہر حال جتنے بھی دلائل کششِ اجسام کے بارے میں نقل کیئے گئے ہیں۔ یا سائنسدان دیتے ہیں وہ سب لغو ہیں اور اسلام ان کو تسلیم نہیں کرتا۔ چند وجہوں سے۔ پہلی وجہ ۱:۔ قوّتِ جاذبہ

اور قوت کشش یا نافرہ یہ سب منطقی قاعدے کے لحاظ سے مادیات کی چھ قسمیں ہیں۔ جن میں سے چوتھی قسم مشاہدات ہیں۔ مگر آج تک بغیر تجربہ کے کسی سائنسدان کو اس کشش کا مشاہدہ نہ ہوا۔ حالانکہ مقناطیس کی کشش کا دن رات مشاہدہ ہوتا ہے۔ (۲) سمندر کے کنارے جہاز بغیر کسی رکاوٹ کے کھڑا رہتا ہے۔ زمین اپنی طرف نہیں کھینچتی۔ حالانکہ سمندر کے اندر کسی جگہ مقناطیس کا پہاڑ آ جائے۔ تو جہاز کو فوراً کھینچ لیتا ہے۔ اور جہاز ڈوب جاتا ہے (۳) ڈھلوان زمین یا کسی پہاڑی زمین پر چھوٹی چیز پھسلتی ہوئی نیچے آ جاتی ہے۔ اگر زمین میں یا ہر جسم میں کشش ہوتی۔ تو ہر چیز پیچھے ہی کیوں گرتی۔ دیواروں سے کیوں نہ چمٹتی: ۔ (۴) بفرض محال اگر زمین میں قوت جاذب ہوتی۔ تو ایک گڑھے میں کھڑا ہوا انسان صرف نیچے ہی کیوں گرتا ہے۔ دائیں بائیں کی زمین اپنی طرف کیوں نہیں کھینچتی: (۵) ہم ہاتھ کو زمین کے قریب لے جاتے ہیں۔ مگر ہاتھ زمین کے ذرّے کو بھی نہیں کھینچتا۔ اگر زمین سے ہاتھ لگاؤ۔ تو بہت سے ذرات ہاتھ سے لگ جاتے ہیں۔ ایسے ہی مقناطیس کو زمین پر قریب کرو۔ تو زمین پر پڑے ہوئے لوہے کو اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ اگر زمین بھی کشش رکھتی ہے۔ تو باوجود بڑا ہونے کے اس لوہے کو مقناطیس کی پکڑ سے روکتی کیوں نہیں سائل کی دلیل ع۱ غلط ہے۔ کیونکہ اشیاء کا زمین پر ٹھہرنا ان کی ساخت اور وزن کی وجہ سے ہے۔ نہ کہ کشش کی وجہ سے۔ دیکھو ڈھلوان زمین پر گیند نہیں ٹھہرتی مگر مربع یا مثلث شئے ٹھہر جاتی ہے۔ یوں ہی سوکھا پتہ اور تنکا نہیں ٹھہرتا مگر وزنی پتھر ٹھہرا رہتا ہے۔ اگر کشش ہوتی۔ تو سب کا ٹھہرنا برابر ہوتا۔ بلکہ ہلکی چیزیں سختی سے چمٹی رہتیں۔ مگر یہاں معاملہ الٹا ہے۔ معلوم ہوا کشش نہیں اوپر سے تنکا پھینکو بہت دیر میں گرتا ہے۔ بھاری پتھر جلدی سے گرتا ہے۔ اگر زمین میں کشش ہوتی۔ تو مثل مقناطیس کے ہلکی چیز کو جلد کھینچتی۔ سائل کی دوسری دلیل بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہوا ہرگز زمین کی گرفت میں نہیں۔ اور یہ ایک نیا دعواے ہے نہ کہ دلیل۔ اس کے لئے علیحدہ دلیل کی ضرورت ہے۔ سائل کو دلیل اور دعواے کے فرق کا بھی پتہ نہیں۔ تیسری دلیل بھی غلط ہے۔ وزن ہر جگہ ایک جیسا رہتا ہے۔ جس کا دن رات مشاہدہ ہوتا ہے۔ اگر اس کو صحیح مان بھی لیا جائے۔ تو یہ دلیل سائل کے مقصد کے بھی خلاف ہوگی۔ کیونکہ اس کے نزدیک چیزوں کے وزن قوت کشش کی وجہ سے ہیں۔ تو ہر جگہ کشش ایک جیسی لہٰذا وزن بھی ایک برابر۔ اگر سائل کہے۔ کہ قوتِ کشش مختلف ہے۔ تو یہ ایک علیحدہ دعواے ہوگا۔ جس کے لئے علیحدہ دلیل درکار ہے

ہمارے فلاسفہ اسلامی قوت جاذبہ کے قائل نہیں بلکہ ہر جسم میں قوت میل مستقیم اور قوت مستعدہ کے قائل ہیں یعنی ہر جسم طبعی طور پر بنیچے کی طرف گرنے کا میلان رکھتا ہے۔ اور یہ گرنا بتقاضائے وزن ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:۔

پہلی دلیل: کتاب فلسفہ صفحہ نمبر ۵۵ پر ہے:۔ وَذَالِكَ لِاَنَّ الْجِسْمَ اِقَامَ اَنْ يَّجُوْزَ عَلَيْهِ الْاِنْتِقَالُ مِنْ حَيِّزٍ اِلٰى حَيِّزٍ آخَرَ فَلَا يَكُوْنُ ذَالِكَ اِلَّا بِمَيْلٍ مُّسْتَقِيْمٍ :۔ ہر جسم کا منتقل ہونا ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف فقط اس میل مستقیم کی وجہ سے ہے

دلیل دوم: صفحہ نمبر ۵۳ پر ہے:۔ وَالْقُوَّةُ مُحَرِّكَةٌ هِيَ الْمَيْلُ فَوُجُوْدُ الْحَرَكَةِ لَا يُمْكِنُ بِدُوْنِ الْمَيْلِ۔ مَثَلًا اِذَا فَرَضْنَا حَجَرَيْنِ (الخ) یعنی حرکت بغیر میلان طبعی کے ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر ہم اوپر سے دو پتھر پھینکیں۔ ایک کا وزن سیر بھر دوسرے کا وزن چھٹانک تو بھاری پتھر پہلے گرے گا۔ اور دوسرے کی حرکت ہلکی ہو گی:۔ اِنَّمَا ذَالِكَ لِاَنَّ الْمَيْلَ فِي الْاَوَّلِ اَشَدُّ (الخ) اس لیے کہ بڑے پتھر میں میلان زیادہ قوی ہے۔ اس نے جلد فضاء کو چیرا۔ اور جلدی نیچے کی طرف آیا۔ اور اور میری تحقیق بھی یہ ہے۔ کہ سوائے مقناطیس کے کسی چیز میں قوت کشش نہیں۔ قرآن مجید میں بھی کشش زمین کا انکار ہے۔ چنانچہ باری تعالےٰ رب العزت ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط یعنی اللہ کے خوف سے پتھر گرتے ہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ پتھر وغیرہ ہر چیز خود گرتی ہے۔ نہ کہ زمین کی کشش سے کیونکہ اس دَلَالَةُ النَّص میں خلاق کائنات نے يَهْبِطُ کا فاعل پتھر کو قرار دیا۔ جب کہ سائنسدان کشش کو قرار دیتے ہیں۔ اور بھی بہت آیات واحادیث ہیں کہ جس میں کشش کا انکار ہے اور آیت کریمہ میں پتھر گرنے کی وجہ خَشْيَةِ اللّٰهِ ہے نہ کہ کشش۔ **جواب ۲:** آسمان سے جو تارا ٹوٹتا ہے۔ اس کو عربی میں شہاب ثاقب کہتے ہیں۔ لغوی اعتبار سے شہاب کا ترجمہ "شعلہ اڑنے والا" ہے۔ اور ثاقب ثقب سے بنا ہے۔ جس کا ترجمہ سوراخ ہے۔ ثاقب کا ترجمہ سوراخ کرنے والا۔ قانون شریعت میں شہاب ثاقب وہ شعلہ ہے۔ جو رات کے وقت ستارے کی طرح کبھی اڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور اس شیطان کو مارا جاتا ہے۔ جو آسمان پر پہنچ کی غیبی باتیں سنے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ط اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ط یہ شعلہ مثل گولی کے شیطان کو لگتا ہے۔ اس لیے ثاقب کہتے ہیں۔ اس کو ہماری اصطلاح میں تارا ٹوٹنا کہا جاتا ہے۔ حالانکہ تارا نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ تارے کی مثل شعلہ نکلتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا آیت کریمہ سے ظاہر ہے۔ کہ بنایا ہم نے ان تاروں میں رجم شیطانوں کے لیے۔ موجودہ سائنسدانوں کا اس میں کچھ اور نظریہ ہے:۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

کسی ولی اللہ کو اللہ کے نبی علیہ السلام سے بڑھانے کا کفریہ عقیدہ

سوال نمبر ۳۰۱:- کیا فرماتے ہیں۔ علمائے کرام اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے پیر کے حق میں ایسے شعر لکھتا ہے۔ کہ جن میں اپنے پیر کو انبیاء سے زیادہ بڑھاتا ہے۔ یہاں تک کہ مندرجہ ذیل اشعار میں حضرت یوسف علیہ السلام کی توہین کرتے ہوئے۔ اپنے پیر کا خادم بنایا ہے۔ اِس شخص کا اپنا نام اسحاق ہے اس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

سوہنا گارڈ عرفان دیاں گڈیاں دا

سرور سخی ھادی دو جہان والے ؎

یوسف جیسے لکھاں اہدے ہین خادم ایسا حسن میرے سخی سلطان والے

اہدی دید دی عید دی سک اکو چاہ جنت دا ناں حور و غلمان والے

اہدے قدماں دا صدقہ اسحاق صدقے

عاجز وچ جنت موجاں مان والے ؎

فرمایا جائے۔ ایسے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے؟۔

سائل:- صدر الدین لوہاری مقام ٹانڈہ موٹا ضلع گجرات

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ ط

اَلْجَوَاب

قانون شریعت کے مطابق سوالِ مذکورہ والے اشعار لکھنے والا کافر ہو گیا ہے۔ یہ شعر کسی انسان کیلئے لکھنے درست نہیں۔ ہاں نبی پاک کی شان میں ایسے شعر لکھنے جائز ہیں۔ اگر یہ اشعار مذکورہ فی السوال اسحاق نامی شاعر نے نبی پاک کیلئے لکھے ہیں۔ تو کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ شاعر مذکور کی یہ نیت نہیں وہ کسی پیر کیلئے ہی یہ لغویات کر رہا ہے۔ جیسا کہ سیاق و سباق الفاظ اشعار سے بالکل صاف ظاہر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسے شعر نبی کریم کیلئے بنائے تو گناہ نہیں۔ کیونکہ تمام انبیاء اور ملائکہ اور جملہ مخلوق آقاء دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی ہیں اور اُمتی نبی کے خادم ہی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت فرید الدین عطار پند نامہ میں نعت لکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔ ؎

آنکہ آمد نُہ فلک معراجِ او انبیاء و اولیاء محتاجِ او

ترجمہ:- نبی کریم کی شان یہ ہے۔ کہ نو آسمان آپ کی معراج میں ہیں۔ اور تمام انبیاء اور اولیاء آپ کے محتاج ہیں۔

مولانا روم صاحب ارشاد فرماتے ہیں :۔

اے ہزاراں جبرائیل اندر بشر

بہر حق سوئے غریباں یک نظر

نبی پاک کی شان یہ ہے۔ کہ ہزاروں جبرائیل آپ کے آستانے پر کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں۔ خدا کے لیے ہم غریبوں کی طرف ایک نظر رحمت ہو۔ اور اگر اس شخص نے یہ شعر اپنے کسی پیر کے لیئے بنائے ہیں۔ تو یہ شخص مردودِ ازلی ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اگر اس کا پیر کسے باشد حیاتِ ظاہری میں ان اشعار اور اپنی طرف نسبت سے راضی تھا۔ تو وہ پیر بھی مردودِ ازلی ہے۔ کیونکہ شریعتِ اسلامیہ میں بعد خدا رب العزت آقائے دو عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم کا درجہ اور شان ہے۔ آپ کے بعد تمام انبیاء مرسلین کا درجہ ہے، انبیاء عظام کے بعد سب مخلوق سے صدیقِ اکبر کی شان بلند ہے۔ چنانچہ علم عقائد کی مشہور کتاب نبراس صفحہ نمبر ۴۸۵ اور مستدرک حاکم میں حدیث شریف حضرت ابوہریرہ سے مرقوم ہے :۔ اِعْلَمْ اَنَّ الْمَذْهَبَ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ مَا رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَابْنُ عَدِيٍّ وَالْخَطِيْبُ اَنَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ تَعَالٰے عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ۔ خَيْرُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَخَيْرُ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَخَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِيْنَ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ ؕ :۔ یعنی حضرتِ صدیق و حضرت فاروق، انبیاء و مرسلین کے بعد تمام زمین و آسمان والوں سے افضل ہیں۔ ثابت یہ ہوا۔ کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہم کا درجہ حضرت جبرائیل، میکائیل و اسرافیل سے بھی زیادہ ہے۔ اگرچہ وہ رُسلِ ملائکہ ہیں۔ اس لیئے کہ حضرتِ صدیق اکبر کی شان میں جہاں کہیں افضل الخلق بعد الرسل آیا ہے وہاں رُسل سے صاحبِ شریعت نبی مراد ہیں نہ کہ رسول، فرشتے جس طرح اعلیٰ حضرت اپنے سلام میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

یعنی وہ افضل الخلق بعد الرسل ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

یہاں بھی لفظِ رُسل سے (۱) موسیٰ علیہ السلام (۲) حضرت داؤد علیہ السلام (۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۴) آقائے دو عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم صاحب کتاب ہیں خیال رہے کہ یہ تقسیم قانون شریعت کے مطابق ہے۔ اور یہ اسماء معینہ و متفرقہ اصطلاحِ شرعی کے اعتبار سے ہیں۔ لہٰذا اس پر سورۃ صٰفّٰت پارہ نمبر ۲۳ کی ان آیات اِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ وغیرہ سے اعتراض دو وجہ سے غلط ہے۔

(۱) ان آیات میں لغوی معنے مراد ہے۔ یعنی بھیجا ہوا۔ نہ کہ بمعنی مرسل اصطلاحی یعنی صاحب کتاب نبی۔ (۲) قرآن کریم پر اصطلاح فقہاء لازم نہیں۔ اس کا اپنا مقام اس کا اپنا مقام، نبراس کی عبارت اور

اعلیٰ حضرت کے اس شعر میں لفظِ مرسلین اور رسل سے صاحب کتاب اور صاحبِ شریعت نبی مراد ہیں۔ صاحب شریعت نبی ہی رسول ہیں۔ ورنہ اگر رسول فرشتہ مراد لیا جائے۔ کہ جس طرح بعض نے کہا ہے۔ تو لازم آئے گا۔ کہ جبرائیل علیہ السلام وغیرہ، غیر رسول نبی سے بھی معاذ اللہ افضل ہو جائیں۔ کیونکہ علم عقائد میں رسول کا درجہ نبی سے زیادہ ہے کہ رسول خاص صاحب شریعت ہوتا ہے۔ اور نبی عام ہے۔ بعض انبیاء محض صاحب تبلیغ تھے۔ اُن سے رسول کا درجہ زیادہ اور رسول سے مرسل کا درجہ بلند۔ پہلا درجہ نبوت پھر اُس کو ہی صاحبِ شریعت بنا دیا جائے۔ تو رسول اور اگر رسول کو کتاب عطا ہو۔ تو مرسل انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ان میں رسول تین سو تیرہ مرسل صرف چار ۱ موسٰے علیہ السلام ۲ حضرت داؤد ۳ حضرت عیسٰے ۴ آقائے دو عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہٖ وسلم خیال رہے کہ مقابہ قول یہ ہے۔ صدیق و فاروق کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام کا درجہ سب سے بلند ہے۔ چنانچہ کتب فقہ و عقائد میں ہے :۔ رُسُلُ الْمَلٰئِکَۃِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّۃِ الْبَشَرِ ط یعنی رسل ملائکہ عام مسلمانوں سے افضل ہیں :۔ جن میں صحابہ کرام، اولیاء، علماء، سب شامل ہیں۔ صدیق و فاروق بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں مگر دیگر احادیث نے ان کی افضلیت علیٰ سائر مخلوق بیان کر کے اِس حکم سے خارج کر دیا۔ کبیری ۲۸۴ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا درجہ نبی سے کم ہے مگر رسول کا درجہ نبی سے زیادہ چنانچہ شرح عقائد میں ہے :۔ وَالرَّسُوْلُ اِنْسَانٌ بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَی الْخَلْقِ لِتَبْلِیْغِ الْاَحْکَامِ الشَّرْعِیَّۃِ فَقَدْ یُشْتَرَطُ فِیْہِ الْکِتَابُ بِخِلَافِ النَّبِیِّ فَاِنَّہٗ اَعَمُّ ط اور نبراس میں صفحہ نمبر ۸۰ پر ہے :۔ قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ اَنَّ النَّبِیَّ اَعَمُّ :۔ جہاں کہیں بھی مطلق لفظِ رُسُل استعمال ہوتا ہے۔ وہاں صاحبِ شریعت نبی ہی مراد ہوتا ہے۔ نہ کہ حضرت جبرائیل وغیرہ۔ حضرت جبرائیل کو رسول صرف لفظاً بمعنیٰ قاصد کہا جاتا ہے۔ اس معنیٰ میں ہر اہلِ عرب اپنے قاصد کو رسول کہہ دیا کرتا ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیثِ مشہورہ میں رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے الفاظ آتے ہیں :۔ پس ثابت ہوا۔ کہ مستدرک حاکم کی حدیث کے مطابق حضرت صدیق اکبر کی شان بعد رسول و انبیاء سب فرشتوں سے بھی زیادہ ہے۔ اور انسانوں سے بھی اس لیے شرح عقائد صفحہ نمبر ۱۰۰ پر ہے :۔ وَاَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ ط اور خیالی شرح عقائد نسفی صفحہ نمبر ۱۴۲ پر ہے قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَاللّٰہِ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی اَحَدٍ اَفْضَلَ مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ ط :۔ اس حدیث میں لفظِ رسول بھی ترک فرما دیا۔ تاکہ فضیلت جبریلی کا کوئی شبہ نہ پیدا کر سکے۔ شرح خیالی میں آگے ارشاد فرمایا :۔ وَبِہٖ یَظْهَرُ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَفْضَلُ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ ط یعنی اِس مندرجہ ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ابو بکر صدیق

تمام کائنات کی امتوں سے افضل ہیں۔ لہٰذا حضرت جبرائیل سے افضل ہوئے۔ کہ وہ بھی امم میں داخل ہیں۔ صدیق اکبر کے بعد باقی صحابہ درجہ بدرجہ پھر تابعین، پھر تبع تابعین کی شان ارفع و اعلیٰ ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۵۵۳ پر ہے :۔ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ (الخ) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ کائنات میں کوئی بھی غوث، قطب، ابدال، اوتاد، افراد، محدث، مفسر وغیرہ یا کوئی پیر کسی صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچتا چہ جائے کہ کوئی معمولی پیر کسی نبی سے افضل ہو۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ) جس شخص نے اپنے پیر کے لیئے یہ شعر بنائے یا منسوب کیئے۔ اگر اسی عقیدے پر ہے۔ تو مرتد ہے۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی توہین و گستاخی ہے اور کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کفر ہے۔ لہٰذا اس شخص کو چاہیئے۔ کہ فوراً دوبارہ کلمہ پڑھ کر توبہ کرے۔ اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرے۔ اور بطور شرعی تعزیر ستر مساکین کو کھانا کھلائے اسی طرح وہ جاہل نعت خوان اور گمراہ واعظین جو کسی بھی گدی نشین کی موجودگی میں نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نعتیہ اشعار اس جاہل پیر گدی نشین کی طرف صرف چند روپوں کے لالچ میں منسوب کر دیتے ہیں۔ وہ سب گمراہ اور گمراہ گر و بدبخت ہیں :۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے کا بیان

سوال نمبر ۳۱ :۔ کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے۔ کہ حضرت خضر علیہ السلام بنی اسرائیل کے ولی تھے۔ مولوی قاسم نانوتوی نے بھی یہی کہا ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے۔ اور پھر زید یہ کہتا ہے۔ کہ بہت دفعہ ولی نبی کے درجے سے بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے علم سیکھنے گئے تھے۔ لہٰذا استاد کا درجہ شاگرد سے یقیناً زیادہ ہوتا ہے۔ زید اپنے اس مضبوط عقیدہ پر قائم ہے۔ فتویٰ صادر فرمایا جائے۔ اور بتایا جائے۔ کہ حضرت خضر علیہ السلام نبوت کے درجے پر ہیں۔ یا صرف ولایت کے درجے پر :۔

سائل :۔ شہاب الدین مقام و ڈاکخانہ سہارن پور انڈیا ہندوستان ؁ ۲۲ ۴/۵

الجواب بعون العلام الوھاب

حضرت خضر علیہ السلام اپنے وقت کے نبی تھے۔ آپ کا نام شریف بلیا ابن ملکان ہے۔ آپ ابھی تک اپنی حیات ظاہری میں دنیا پر جلوہ افروز ہیں۔ اولیاء کاملین سے ملاقاتیں فرماتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو بیداری کی حالت میں دوپہر کے وقت جمعہ کے دن دیدار اور گفتگو سے مشرف فرمایا۔ بعض اولیاء اللہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام اولیاء کاملین سے ملاقات فرماتے ہیں۔ بلکہ اُن خوش نصیبوں سے ملاقات فرماتے ہیں جن کو ابدالیت کا درجہ ملنے والا ہو۔ ہر روز عالم کی سیر فرماتے ہیں۔ حضور اقدس کے تشریف لانے کے بعد سے اب تک اشراق کے نفل ریاض الجنت میں ادا فرما کر نبی اکرم حضور اقدس صلے اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے کر دورۂ کائنات کی ابتدا فرماتے ہیں۔ حضور غوث پاک کے روحانی پیشوا ہیں۔ اب نبی پاک کی امت کے تمام اولیاء کے سرپرست ہیں۔ سب سے پہلے دجال سے انہیں کا مناظرہ ہوگا۔ جس کا حدیث پاک میں ذکر ہے۔ خیال رہے کہ چار انبیاء کرام اب تک اپنی حیات ظاہری میں جلوہ افروز ہیں۔ چنانچہ اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص۲۷۵ پر ہے از امام محی السنہ نقل کردہ اند کہ چہار کس انبیاء زندہ اند دو بر زمین خضر و ایاس و دو بر آسمان ادریس و عیسٰی اور تفسیر روح البیان جلد دوم ص۲۱۹ اور جلد ہشتم ص۲۸۱ پر ہے اَرْبَعَۃٌ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ اَحْیَاءٌ اثنان فی السماء عیسٰی وادریس واثنان فی الارض الخضر والیاس ترجمہ۔ ہر سہ عبارت کا ترجمہ۔ اور مطلب یہ ہے کہ (۱) حضرت خضر علیہ السلام (۲) حضرت ایاس علیہ السلام۔ یہ دو بزرگ زمیں پر تشریف فرما ہیں۔ ہر سال حج ادا فرماتے ہیں۔ اور منا میں ایک دوسرے کا حلق فرماتے ہیں۔ اس وقت جو کلمات ان دونوں بزرگوں کے زبان مبارک سے ادا ہوتے ہیں۔ جو ان کلمات کا وظیفہ رات کو سونے سے پہلے پہلے پڑھے۔ وہ چالیس دن میں ولی اللہ ہو جاتا ہے (۳) حضرت عیسٰی علیہ السلام چوتھے آسمان پر تشریف فرما ہیں۔ (۴) حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں بحیات ظاہر تشریف فرما ہیں۔ سوال مذکورہ کے زید اور قاسم نانوتوی دیوبندی کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت خضر محض ولی اللہ ہیں۔ باطل اور غلط ہے۔ جن مفسرین نے بھی آپ کو اولیاء میں شمار کیا ہے۔ وہاں اصطلاحی ولی مراد نہیں۔ بلکہ لغوی ولی یعنی مددگار اور ولایت الٰہیہ کا مالک مراد ہیں۔ اس لحاظ سے تمام انبیاء حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم بھی ولی ہیں۔ اور انبیاء کی ولایت تمام صحابہ کی ولایت سے زیادہ ہے اور تمام صحابہ کی ولایت اولیاء اصطلاحیہ کی ولایت سے زیادہ ہے۔ اور تمام معروف اولیاء کی ولایت علماء کی ولایت الٰہیہ سے زیادہ۔ جمہور علماء و محققین کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ حضرت خضر علیہ السلام بہت عظمت والے نبی ہیں چنانچہ تفسیر روح البیان جلد پنجم صفحہ نمبر ص۲۹ پر ہے:۔ وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰی اَنَّهٗ نَبِیٌّ غَیْرُ مُرْسَلٍ ط یعنی اکثریت علماء کرام کی اس بات پر متفق ہے۔ کہ حضرت خضر نبی غیر مرسل غیر صاحب کتاب ہیں۔ اسی طرح تفسیر صاوی جلد سوم صفحہ نمبر ص۱۸۰ پر ہے وَآتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ای نبوۃً فی قولٍ وولایۃً فی اُخرٰی۔ بڑی جماعت نے حضرت خضر علیہ السلام کو صحیح مذہب کی بنا پر نبی فرمایا۔ اور ایک قول میں ولی کہا گیا۔ تفسیر بیضاوی پارہ پندرہ صفحہ نمبر ص۲۳ پر ہے:۔ آتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا هِیَ الْوَحْیُ وَالنُّبُوَّۃُ تفسیر مدارک پارہ پندرہ اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔ هِیَ الْوَحْیُ وَالنُّبُوَّۃُ ط (۱) ربع تفاسیر۔

تفسیر ابن عباس میں ہے۔ اسی آیت کے ماتحت :۔ یَقُوْلُ اَکْرَمْنَاہُ بِالنُّبُوَّۃِ ط تفسیر صاوی جلد سوم میں ہے :۔
اِلٰی نُبُوَّۃٍ فِیْ قَوْلٍ وَقَدْ صَحَّحَہٗ جَمَاعَۃٌ ط پس ثابت ہوا۔ کہ حضرت خضر علیہ السلام برحق نبی تھے جو محققین کرام
آپ کی نبوت کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ بھی ہے۔ کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔ وَاٰتَیْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا
یعنی ہم نے خضر کو اپنے پاس سے رحمت فرمائی۔ اور قرآن کریم میں اکثر مقام پر رحمت سے نبوت اور وحی ہی
مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے فرمان کو تفسیر روح البیان نے ثبوتِ نبوت کے لیئے دلیل بنایا۔
چنانچہ روح البیان جلد پنجم صفحہ نمبر ۲۸۰ پر ہے :۔ قَالَ اِمَامُ الْمُسْلِمِ اَنَّ النُّبُوَّۃَ رَحْمَۃٌ کَمَا فِیْ
قَوْلِہٖ تَعَالٰی اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّکَ الخ ط (آیت ۳۲ سورۃ زخرف پارہ ۲۵)۔
گویا کہ اصل رحمت، وحی اور نبوت ہے، رحمت دوسرے معنوں میں بالتبع یا مجاز ہے یا اسی بنا پر محققین فرماتے
ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں پرند چرند، جمادات و نباتات، جن و ملک جانس
کے نبی ہیں۔ کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ط دوسری دلیل سورۂ مریم میں
اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَۃً مِّنَّا ط یہاں
بھی رحمت سے مراد نبوت ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا۔ کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ نہ کہ ولی اگرچہ حضرت خضر نبی ہیں
مگر چونکہ رسول یا مرسل نہیں۔ اس لیئے آپ سے حضرت موسےٰ کا مقام و درجہ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ زیادہ اور
چونکہ حضرت خضر صرف طریقت معرفت کے نبی ہیں اور حضرت موسیٰ صرف شریعت کے جامع کمالات تو صرف ہمارے نبی ہی ہیں
اور شریعت کا مقام طریقت سے زیادہ ہے اِس لیئے حضرت موسیٰ کا درجہ حضرت خضر سے زیادہ ہے حضرت موسیٰ
خضر علیہ السلام کے پاس طریقت سیکھنے کے ارادے سے تشریف لائے تھے اگر علم سیکھا ہوتا تو حضرت خضر کا درجہ بڑھ جاتا کیونکہ استادِ
دینی و مرشدِ برحق کا درجہ ہمیشہ زیادہ رہا کرتا ہے حضرت موسیٰ کا علم بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ علم شریعت زیادہ وسیع ہے علم طریقت سے
آپ کا حضرتِ خضر کے پاس جانا کمی علم کی بنا پر نہ تھا بلکہ حصولِ زیادتیِ علم کی بنا پر مگر وہ علم آپ کے لیئے غیر ضروری تھا اسلیئے رب نے سیکھنے نہ دیا الہامی
تفسیر صاوی جلد سوم و روح البیان جلد پنجم میں ہے اب جو شخص یہ کہے کہ معاذ اللہ نبی سے غیر نبی کا درجہ بڑھ جاتا ہے وہ جاہل و بے دین ہے
خیال رہے۔ کہ حضرت خضر کسی قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے نہ آپ کو عام تبلیغ فرض تھی۔ بلکہ مشائخ و صوفیا کی طرح یہ علم سینہ بسینہ اور اسرار
الٰہیہ میں سے ہوتا ہے۔ خواص ہی کو عطا کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ آپ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ آپ کا سلسلہ
نسب اِس طرح ہے۔ بلیا ابن ملکان ابن فالح ابن عام ابن شالخ بن ارفخشد ابن سام ابن نوح علیہ السلام ۔ اور
حضرت نوح علیہ السلام اولادِ شیث میں سے ہیں۔ (تفسیر مظہری سورۂ یونس پارہ ۱۱ جلد پنجم) :۔ وَاللّٰہُ
وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ ط

کتبہ

حضرت شاہ دولہ دریائی کی ڈوبی برات کا بارہ برس بعد نکالا جانا

سوال نمبر ۳۰۲ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ غوث پاک کی مشہور کرامت ہے۔ کہ آپ نے بارہ برس کا ڈوبا بیڑا تراد یا تھا۔ اس کی فوٹو بھی بازار میں ملتی ہے۔ مگر اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ فرمایا جائے کیا یہ کرامت بھی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہ غلط اور بناوٹی ہے۔ وہ لوگ کرامتوں کا بالکل انکار کرتے ہیں براہِ کرم ہم کو اس کا ثبوت عطا فرمایا جائے۔ سائل محمد لطیف ریل بازار گوجرانوالہ۔ نزد گھنٹہ گھر۔ ۸ـ۱۱ـ۵

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ط

الجواب

مسلک اہلسنت یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات برحق یعنی بالکل درست اور صحیح ہیں۔ یہی تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے پہلے زمانوں میں معتزلی فرقہ اس کا منکر ہوا پھر خارجیوں نے اس کا انکار کیا۔ اور آج کل دیوبندی وہابی اور غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ معتزلیوں کا ہی دوسرا نام وہابی ہوا۔ اور تیسرا نام خارجی ہوا یہی وجہ ہے کہ معتزلہ کے تقریباً تمام باطل عقائد کو وہابیوں نے شروع کیا ہوا ہے۔ انھیں گندے اور کفریہ عقائد میں سے ایک انکارِ کراماتِ اولیاء ہے۔ حالانکہ یہ تجربات کے علاوہ قرآن و حدیث کی عبارات کثیرہ و درایات عدیدہ و آیاتِ حمیدہ سے بھی ثابت و ظاہر ہے۔ اور نقلاً عقلاً و تجرباً اس کے بہت دلائل ہیں۔ اس لیئے کہ قانون شریعت کے مطابق افعالِ باری تعالٰے عَمَّ اِسْمُهٗ دو قسم کے ہیں ایک قسم افعال قانونیہ۔ دوسری قسم افعالِ قدرت افعالِ قانونیہ ملائکہ کے ذریعے کرائے جاتے ہیں۔ جن کو تدبیر بھی کہا جاتا ہے۔ اور ان کے کارندوں کو مدبراتِ امر کہا جاتا ہے۔ ان فرشتوں کے ذمے تمام کائنات کے انتظامی امور ہوتے ہیں۔ جیسے جان ڈالنا زندہ کرنا۔ مارنا۔ رزق دینا بارش برسانا وغیرہ وغیرہ۔ افعالِ قدرت دو قسم کے ہیں۔ پہلی قسم معجزہ جس کا ظہور انبیاءِ عظام سے ہوتا ہے۔ دوسری قسم کرامات۔ جس کا صدور اولیاء اللہ سے ہوتا ہے۔ بڑے بڑے قدرتی کام انبیاءِ کرام سرانجام دیتے ہیں اور چھوٹے کام اولیاءِ کاملین سرانجام دیتے ہیں۔ انبیاءِ کرام سے جو قدرتی کام قبل اظہارِ نبوت ہو اس کو ارہاص کہا جاتا ہے۔ بعد ظہورِ نبوت کو معجزہ کہا جاتا ہے اور ولی اللہ سے جو بھی قدرتی کام صادر ہو جس وقت بھی ہو خواہ بچپن یا ماں کے پیٹ میں یا عالمِ ارواح میں یا جوانی بڑھاپے میں اس کو کرامت ہی کہا جائے گا۔ جس طرح قانونی افعال کا دوسرا نام تدبیر ہے اسی طرح قدرتی افعال

کا دوسرا نام خرقِ عادت ہے۔ بہر حال قانونی افعال ہوں یا قدرتی اُن کا فاعل حقیقی رب تعالیٰ ہے اور اس کے حکم سے فاعل مجازی فرشتے انبیاء کرام اور اولیاء اللہ ہیں۔ اور جس طرح حضرت عزرائیل علیہ السلام اچھے خاصے زندہ شخص کی جان نکال سکتے ہیں۔ اور نکال لیتے ہیں۔ اسی طرح اولیاء اللہ کاملین مردہ انسان میں نکلی ہوئی جان ڈال سکتے ہیں اور جس طرح حضرت عزرائیل کا جان نکالنا اپنی ہمت وطاقت واختیار سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہے اسی طرح انبیاء کرام کا کسی مردہ کو زندہ کر دینا وغیرہ بھی اپنی طاقت واختیار سے نہیں بلکہ رب قدیر کی عطا کردہ طاقت واجازت سے ہے۔ تو جب فرشتوں کا زندہ کرنا مارنا۔ شرک کفر بدعت نہیں تو انبیاء کرام کے اِس قدرتی طاقت کے ذریعے کسی کو زندہ کرنا بھی شرک کفر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عین ایمان ہے۔ یہی وہ باریک اصلیت ہے جو وہابی گستاخ کو سمجھ نہیں آتی اُن کی نفسانی فہم صرف شانِ انبیاء واولیاء پر بھٹکتی ہے۔ ہر بات تسلیم ہے صرف منکر ہیں تو معجزات وکرامات کے۔ ان کی سمجھ سے یہ بات جدا ہے کہ افعال قانونی ہوں یا قدرتی سب اللہ ہی کے کام ہیں۔ صرف مظہر جدا جدا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افعال تدبیری ہوں یا خرقِ عادت سب کا ثبوت قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ قانونی افعال کا ذکر پارہ عم۳۰ سورتِ نازعات میں ہے۔ وَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔ (ترجمہ):۔ ملائکہ ہیں عالم کی تدبیر انتظامی کرنے والے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (ترجمہ) ملائکہ قطعاً نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔ قدرتی افعال کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ کام اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں سے کراتا ہے۔ عین درست ہے۔ اور یہی اہلسنت کا عقیدہ ہے۔

چنانچہ شرح عقائد ص۱۰۱ پر ہے:۔ وَکَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ۔ (ترجمہ):۔ اور اولیاء اللہ کی کرامتیں ظاہر ہونا بالکل سچا عقیدہ ہے۔ فتاویٰ درِّ مختار شامی جلد دوم ص۸۶۷ پر ہے:۔ نَقْضُ الْعَادَۃِ عَلٰی سَبِیْلِ الْکَرَامَۃِ لِاَهْلِ الْوِلَایَۃِ جَائِزٌ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّۃِ۔ (ترجمہ) ولایت الٰہیہ والوں کے لیئے عاداتِ انسانیہ کے خلاف کام کرامت کے طریقے پر اہل سنت کے عقیدے میں جائز ہے۔

شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری نے لکھا ص۹۵ پر ہے:۔ فَخَرَجَ غَیْرُ الْخَارِقِ کَطُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَشْرِقِهَا کُلَّ یَوْمٍ وَالْخَارِقُ عَلٰی خِلَافِہٖ۔ (الخ) وَالْکَرَامَۃُ خَارِقٌ لِلْعَادَۃِ:۔ (ترجمہ) پس خارج ہوا جو عادتِ خلق کے علاوہ۔ مثلاً مشرق سے سورج کا طلوع عادتِ خلق کے مطابق اور اس کا الٹ خلاف عادت ہے۔ اور کرامت عادت کے خلاف کاموں کا نام ہی ہے۔ شامی جلد دوم ص۸۶۵ پر ہے:۔ فَالْحَاصِلُ اَنَّ الْاَمْرَ الْخَارِقَ لِلْعَادَۃِ بِالنِّسْبَۃِ اِلَی النَّبِیِّ مُعْجِزَۃٌ سَوَاءٌ ظَهَرَ مِنْ قِبَلِہٖ اَوْ مِنْ قِبَلِ اٰحَادِ اُمَّتِہٖ وَبِالنِّسْبَۃِ اِلَی الْوَلِیِّ کَرَامَۃٌ۔ (ترجمہ):۔

قانونی فعل تو وہ ہے جو دوسرا ہوتا ہے۔ قدرتی انبیاء عظام کے دستِ مبارک سے ہوتے پس خلاصہ یہ کہ بے شک وہ افعال جو عادتِ انسانی کے خلاف ہوں۔ وہ نبی علیہ السلام کی نسبت سے معجزہ کہلاتا ہے برابر ہے کہ ظاہر ہو آن کی طرف سے یا ان کی امت کے کسی ولی کے ہاتھ سے اور وہی فعل بنسبت ولی اللہ کے کرامت کہلاتا ہے۔ لہٰذا قانونی موت و زندگی ملائکہ مدبر کے ذریعے ہوتی ہے۔ اور قدرتی موت و زندگی انبیاء کرام اولیاء عظام کے ذریعے ہوتی ہے۔ ولی اللہ کی کرامت بھی نبی کا معجزہ ہی ہے اور چونکہ یہ ہر دو افعال باری تعالیٰ ہی کے حکم اور رضا سے ہیں۔ اس لیئے اگر فرشتہ کسی کو موت و زندگی دے تو شرک نہیں اسی طرح اگر نبی یا ولی کسی کو موت یا زندگی عطا فرما دیں تب بھی شرک نہ ہو گا۔ وہابی دیوبندی فرشتوں کی طاقت تو تسلیم کر لیتے ہیں ان کو اگر موت آتی ہے تو انبیاء کرام کی طاقت تسلیم کرتے ہو گے۔ تمام علماء اسلام نہ تدبیر ملائکہ کے منکر ہیں نہ معجزے و کرامت کے اس لیئے کہ تدبیر ہو یا معجزہ یا کرامت سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ وہی ذاتِ وحدہ لاشریک قانون و قدرت کا مالک ہے وہ اپنے کاموں میں مختارِ کل ہے جس سے چاہے جو کام لے۔ کسی کو انکار یا دم مارنے کا حق نہیں پہنچتا فی زمانہ دیوبندی جن کو وہابی کہا جاتا ہے۔ وہی دیوبندی وہابی اس کے منکر ہیں جب کہ پہلے زمانے میں معتزلی فرقہ اس کا منکر تھا۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر صـ۹۵ پر ہے۔ وَالْكَرَامَةُ لِلْاَوْلِيَاءِ حَقٌّ اَيْ ثَابِتٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَلَا عِبْرَةَ بِمُخَالِفَةِ الْمُعْتَزِلَةِ وَاَهْلِ الْبِدْعَةِ فِي اِنْكَارِ الْكَرَامَةِ۔ (ترجمہ):- کرامات اولیاء حق ہیں۔ اور حق ہونے سے مراد ہے کہ قرآن مجید اور حدیث پاک سے ثابت ہے۔ اور معتزلہ کی اور بدعت والوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں کرامت کے انکار کرنے کی صورت میں۔ ملا علی قاری کی اس عبارت سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ پہلی یہ کہ اس زمانے میں جو لوگ منکرین کرامات تھے اس فرقے کا نام معتزلی تھا دوسری یہ کہ وہابی لوگ ہم کو بدعتی کہتے ہیں۔ حالانکہ بدعتی وہ ہے جو منکر کرامات اولیاء ہے۔ تو گویا خود وہابی ہی بدعتی ہوئے۔ فقہ اکبر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنی تصنیف ہے اس کی شرح ملا علی قاری صاحب نے کی ہے۔ اس سے امام اعظم کا مسلک کتنا واضح ثابت ہوا کہ وہ خود فرماتے ہیں کراماتِ اولیاء نہ صرف حنفی مسلک ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ منکرِ کرامات ہر دور میں مردود اور بے اعتبار رہا۔ اور یہ کہ ان وہابیوں کا پہلا نام معتزلی تھا پھر خارجی ہوا آج کل وہابی ہے۔ اور لقب اصلی بدعتی ہے۔ نہ یہ حنفی نہ اہلِ سنت۔ یہ ماڈل دیوبند میں تیار ہوتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونی افعال فرشتوں سے کراتا ہے۔ اور قدرتی کام انبیاء کرام کے ذریعے اولیاء اللہ کے ذریعہ۔ جو اس کا منکر وہ رب تعالیٰ کا منکر قانونی

موت وحیات کے لیئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ
(ترجمہ) :۔ فرمادیجئے موت دیتا ہے تم کو وہ ملک الموت جو تم پر مؤکّل ہے۔ اور احیاءِ قدرتی کے
لیئے قرآنِ پاک میں اس طرح ارشاد ہے۔ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (ترجمہ) ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام
نے فرمایا تھا کہ میں مردوں کو زندہ کرسکتا ہوں اللہ کے اذن سے۔ اللہ تعالیٰ کا اذن اور اجازت ہر کام
میں لازم ہے۔ تدبیر ملائکہ بھی اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتی ہے اور نبی کا معجزہ بھی ولی کی کرامت بھی بغیر
اذن خداوندی کچھ نہیں ہوسکتا۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو یاد رکھو کہ جس طرح ملک الموت عزرائیل علیہ السلام
کی خداداد قوت واختیار اور قانونی ڈیوٹی نوکری کا انکار قانونِ الٰہی اور قرآن مجید کی آیت کا انکار ہے
جو صراحتًا کفر ہے۔ اسی طرح معجزے اور کرامت کا انکار بھی قدرتِ الٰہیہ کا انکار ہے۔ اور قدرت کا مقابل
مجبوری ہے۔ پس جب اللہ کی قدرت کا انکار ہوا تو بداحتًا اللہ کریم کی مجبوری ثابت ہوگی۔ تو جو لوگ
کراماتِ اولیاء اللہ کے منکر ہیں وہ درپردہ اللہ کو مجبور سمجھتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اسی لیئے رب کائنات
نے ایک جگہ فرشتوں کے دشمن کو اپنا دشمن قرار دیا۔ اور دوسری جگہ فرمایا کہ جو میرے ولیوں کے دشمن
اور منکر ہیں ان کو اللہ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ کیونکہ ملائکہ قانونی کارندے ہیں اور اولیاء اللہ
قدرتی کارندے۔ کرامت اور معجزہ عام ہے اسباب کو کر وہ ہوا پر اڑنے کا ہو یا دریا چلانے
کا یا مُردہ انسان زندہ کرنے کا اس عمومیت سے ثابت ہوا کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور ولی اللہ
مُردوں کو زندہ کرسکتے ہیں۔ سابقہ امتوں اور انبیاءِ کرام کے معجزات وکرامات کا ذکر تو قرآنِ
پاک اور احادیث مبارکہ میں آگیا۔ لیکن اُمّتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی کرامات کا ذکر تو کتبِ تاریخ و
اذکار اور قصصِ اولیاء کی کتابوں میں ہی دستیاب ہوسکتا ہے۔ اور مسلمانوں کو کرامات
ماننے کے لیئے ان کتب کو ماننا ہی پڑے گا۔ چنانچہ کتب اصول وعقائد وسوانحات سے معجزات
وکرامات بے حد بے شمار ثابت ہیں۔ یہاں تک کہ مردوں کو زندہ کرنا بھی اسی خرقِ عادت
میں شامل کرتے ہوئے انبیاءِ کرام اور اولیاء اللہ سے ثابت کیا گیا ہے۔ شرح فقہ اکبر صفحہ ۹۵
پر ہے :۔ اَنَّ الْمُعْجِزَةَ اَمْرٌ خَارِقٌ لِّلْعَادَةِ كَاِحْيَاءِ مَيِّتَةٍ۔ (ترجمہ) :۔ بے شک
معجزہ امر خارق یعنی قدرتِ الٰہی ہے جیسے کہ مُردوں کو زندہ کرنا ویسے تو تمام اولیاء اللہ کی کرامات
ثابت ہیں مگر حضور غوث پاک کی کرامات تو شمار سے باہر ہیں۔ چنانچہ حاشیہ نبراس صفحہ ۴۸۴
پر ہے :۔ لَا تُحْصٰى۔ يَعْنِيْ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ لَا سِيَّمَا لِلْقُطْبِ الْجِيْلِيْ۔ (ترجمہ) :۔ ولیوں
کی کرامتیں بے شمار مشہور ہیں۔ خاص کر قطبِ عالم غوثِ پاک جیلانی کی کرامات تو بہت ہی

زیادہ مشہورِ عالم ہیں۔ یہ سب کرامتیں تاریخ اور قصص اور تصوف پیر کی کتابوں سے ثابت ہیں۔ ان کے انکار کی جرأت کیسے کی جا سکتی ہے۔ اور یہ بھی بداخلاقی ہے کہ اپنی مرضی سے جو چاہی کرامت مان لی اور جس کا چاہا انکار کر دیا۔ اس لیے کہ اسلام کا قانون اور اصول ایک باضابطہ چیز ہے۔ ہر چیز اصول کے مطابق ہی مانی جائے گی۔ اور اصولِ شریعت سے ہی اس کا انکار کیا جا سکتا ہے جس طرح حضور غوثِ پاک کی دوسری بہت کرامات مختلف کتب سے ثابت ہیں اسی طرح یہ بارہ برس بعد ڈوبی ہوئی برات کا زندہ نکالنا بھی چند بزرگوں کی کتب سے ثابت ہے۔ چنانچہ کتاب سلطان الاذکار اور شیخ شہاب سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف شدہ کتاب خلاصہ قادریہ کے صفحہ ۴۰ پر یہ واقعہ تفصیل سے درج ہے۔ اسی طرح مولانا برخوردار ملتانی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب غوث اعظم ص ۲۷ پر فرماتے ہیں کہ واقعہ بہت مشہور ہے کسی واقعے کو ماننے کے لیے اتنی شہرت کافی ہے اور ایمان والوں کے لیے تو بزرگوں کے اقوال ہی سند کثیر ہیں کیونکہ انکار کی کوئی شرعی وجہ معلوم نہیں ہوتی اور بلاوجہ انکار گناہ ہے۔ بارہ برس کے بعد ڈوبے ہوئے لوگوں کو زندہ نکال لینا یہ میرے رب کی قدرت کاملہ ہے جس کا ظہور ذاتِ غوثِ پاک سے ہوا اب اس قدرت کا انکار شانِ خداوندی میں اسی طرح گستاخی ہے جس طرح قرآنِ پاک کا بیان کردہ حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ۔ کہ حضرت عزیر علیہ السلام سو سال تک فوت رہے اور پھر زندہ ہو گئے۔ قرآنِ پاک نے سو سال بعد زندہ ہونے کا ذکر فرمایا۔ اس کو ماننا اور اس کی حقانیت پر یقین رکھنا عین ایمان ہے اس کا منکر کافر صریح ہے حالانکہ سو سال بعد زندگی زیادہ تعجب ناک ہے بارہ سال بعد زندگی سے جو رب تعالےٰ سو سال بعد زندہ کر سکتا ہے۔ اس پر بارہ سال بعد زندہ کرنا کیونکر مشکل ہو سکتا ہے۔ اور جب اس کا اقرار ہے تو اس کا انکار کیوں وہ بھی قدرت کا کرشمہ تھا یہ بھی۔ نہ وہ قانونی فعل نہ یہ۔ وہاں بھی معجزانہ طور پر قدرتِ الٰہی کو آشکار کرنا تھا یہی وجہ ہے کہ جلد خراب ہونے والا سالن کھانا پینا سو سال تک نہ خراب ہوا اور لمبی زندگی والا اپنی طبعی زندگی پوری کر کے مر جانے والا ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر گل سڑ گیا وہی دھوپ اور بارشیں جسم پاک عزیر علیہ السلام پر پڑیں مگر معجزانہ طور پر اس کو کچھ بھی نہ ہوا جس طرح یہ سب کچھ قدرتی امر تھا اسی طرح بارہ سال بعد زندہ کرنا بھی قدرتی امر تھا فرق صرف اتنا تھا کہ وہ نبی علیہ السلام کے جسم پر بطور معجزہ ظاہر ہوا اور یہ غوثِ پاک کے دستِ اقدس پر بطور کرامت ظاہر ہوا۔ بلکہ یاد رکھو کہ جس طرح معجزات باری تعالےٰ کے قانون کو ثابت کرنے کے لیے ہوتے ہیں اسی طرح کرامات معجزوں کو ثابت کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ قانون کے منکروں کو معجزات دکھا کر

قائل و مائل کیا جاتا ہے معجزات کے منکروں کو کراماتِ اولیاء اللہ دکھا کر قائل و مائل و بے بس کیا جاتا ہے۔ پس یقینی حد تک یہ بات صحیح ہو سکتی ہے کہ غوث پاک کے زمانے میں شاید حضرت عزیر کے واقعے کے کچھ فرقے منکر ہو گئے ہوں گے تو اللہ جلّ شانہٗ نے غوثِ پاک کے ذریعے بارہ برس بعد ڈوبی ہوئی بارات کو زندہ کر کے اس واقعے کی تائید و توثیق فرمائی ہو۔ اور پھر پوری بارات ڈبو دی تاکہ اس کرامت کے عینی شاہد زیادہ ہوں ایک دو آدمیوں کی بات کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس بارات میں بھی کوئی واقعۂ عزیر کا منکر ہو:۔ بہر حال یہ واقعۂ بارات عقلاً۔ نقلاً۔ شرعاً ہر طرح درست ہے فی زمانہ قرآن پاک سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔ ایسے صحیح سچے اور قابلِ قبول واقع کا صرف اس لیئے انکار کرنا کہ حضور غوثِ پاک کی ذاتِ سے زندہ کرنا محال ہے تو یہ وجہ بے عقلی ہے۔ اس لیئے کہ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز کرامتِ غوث پاک مرغی کو زندہ کرنا تو مدارج نبوت جلد اول ص۱۴۳ پر اور فتاوٰے حدیثیہ ص۲۵ پر بھی ہے حالانکہ وہ مرغی بھنی ہوئی اور کچھ کھائی تھی۔ اور معتبر کتبِ اسلامیہ سے ثابت ہے۔ خلاصہ یہ کہ بارات کی کرامت ہو یا مرغی کی شرعاً قابلِ قبول ہے۔ ہاں وہ کرامات جو جوشِ جنون میں بعض خبیثانے خود گھر بیٹھے بنا کر غوثِ پاک عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منسوب کر دیں اور وہ شریعت کے بھی خلاف ہیں وہ ناقابلِ قبول ہیں کیونکہ ان کی تائید قرآن و حدیث سے کہیں بھی نہیں ملتی مثلاً غوثِ پاک کا روحوں والی زنبیل چھین لینا (معاذ اللہ) اسی طرح کی کفریہ فسقیہ باتیں لوگوں کو گستاخِ بزرگان بنا دیتی ہیں۔ اس لیئے کہ حضرت ملک الموت عزرائیل علیہ السلام رسل ملائکہ تمام غوثوں قطبوں سے ان کا مقام بلند تر ہے۔ غوثِ پاک عبد القادر جیلانی کا مقام و درجہ صرف اپنے وقت اور بعد والے تمام اولیاء اللہ سے بلند ہے۔ جیسا کہ ہم نے سیرتِ امام اعظم میں ثابت کر دیا۔ یہ دراز گفتگو مجھے اس لیئے کرنی پڑی کہ فی زمانہ جس طرح وہابی دیوبندی اہلسنت بن کر حضور غوثِ پاک اور دیگر اولیاء اللہ کی گستاخیاں کرتے پھر رہے ہیں اسی طرح بعض شیطانی لوگ سنی بن کر صوفیانہ لباس پہن کر غوثِ پاک کے جھوٹے عاشق بن کر یہاں تک بدعقیدگی کر جاتے ہیں کہ ولی کا درجہ نبی سے بڑھا دیتے ہیں حالانکہ مسلکِ اصل سنت میں کوئی ولی کسی نبی سے برابری نہیں کر سکتا۔ غوثِ پاک عبد القادر جیلانی اور دیگر تمام غوث و قطب تو تابعین و تبع تابعین کے بعد درجہ رکھتے ہیں۔ وہ سرکار ہیں یہ غوث و قطب ان کے خدام ہیں۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والا حاشا حاشا سنی نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ درست ہے کہ غوث پاک نورِ نظر صاحبِ لولاک بے شمار کرامات کے مالک و مختار ہیں یہ بات بھی ظاہر و ثابت ہے کہ معجزہ ہو یا کرامت۔ انبیاءِ کرام اور ان کے ولیوں کو ان پر مختار و مالک بنا دیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن

قرآن پاک سے ثابت ہے۔ انھیں کرامات میں سے ڈوبی بارات کو بارہ سال بعد نکالنا ہے۔ جیسا کہ استدلالی طور پر قرآن مجید سے بھی یہ کرامت ثابت ہو گا اور تاریخی کتابوں قصص اولیاء سے بھی یہ کرامت ثابت ہو گئی اور تاریخی طور پر بزرگوں کے حوالے سے بھی انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ ہاں یہ وضاحت ضروری ہے۔ کہ اس برات کا دولہا کون تھا۔ تو کتب سِیَر سے بھی اور تشہیر فی العوام سے بھی یہ ہی ثابت ہے کہ وہ دولہا حضرت سید کبیر الدین شاہ دولہا دریائی ہیں ان کا نام کبیر الدین ہے چونکہ اس برات کے دولہا بھی تھے فارسی النسل عجمی تھے اور زبانِ مادری فارسی ہی تھی فارسی میں نکاح شخص کو دولہا یا شاہ دولہا یا نوشاہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اردو زبان میں مستعمل ہے۔ اسی لیئے ان کا لقب شاہ دولہا ابھی تک چلا آرہا ہے۔ یہ ہی بارہ برس تک دریا میں ڈوبے رہے اس لیئے ان کا لقب دریائی اب تک مشہور ہے۔ ان کا ایک مزار ہمارے شہر گجرات پنجاب میں ہے اور ایک مزار صوبہ گجرات احمد آباد انڈیا ہندوستان میں ہے۔ چنانچہ کتاب مقاماتِ محمود ص۳۶۸ پر اسی طرح درج ہے۔ اسی کتاب کے اگلے ص۳۶۹ پر درج ہے کہ آپ کو غوثِ پاک نے اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا اور خدمتِ وضو پر مامور کیا تھا ایک دفعہ آپ کو حضور غوثِ پاک نے اپنے وضو کا غسالہ پلایا تو آپ کی عمر ایک سو سال طبعی کے علاوہ پانچ سو سال مزید بڑھ گئی کل چھ سو سال ہو گئے۔ غوثِ پاک نے اپنا خلیفہ بنا کر گجرات آپ کو بھیجا۔ چنانچہ کتاب حقیقتِ گلزارِ صابری ص۷۷ پر اسی طرح درج ہے۔ تمام تاریخوں میں آپ کا لقب شاہ دولہا لکھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے جو اوپر بیان ہوئی شجرات روحانیہ میں بھی آپ کو شاہ دولہا کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ چنانچہ شجرہ قادریہ جنیدیہ غفوریہ ص۵۷ پر بھی اسی طرح درج ہے۔ ان تمام کڑیوں کو جوڑنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ ہی کی برات کو حضورِ غوثِ پاک نے ترایا تھا چونکہ آپ نے دریا سے زندہ نکل کر باقی زندگی حضور غوثِ پاک کے قدموں میں گزار دی اس لیئے آپ کی کوئی اولاد نہ ہوئی مگر آپ کو رب کریم نے صلہءِ خدمتِ غوثِ اعظم میں ایسی تا قیامت زندہ کرامت دی ہے۔ کہ دنیا جہان میں اولاد والوں کی اولاد سے آپ کو حصہ اولاد بشکلِ چوہا عطا ہوا۔ دنیا میں صرف آپ کو ہی یہ کرامت ملی ہے۔ وہ چوہے جس طرح دنیا میں عجیب طرح سے آتے ہیں اسی طرح اپنی جوانی وغیرہ گزار کر روپوش ہو جاتے ہیں ان انسانی چوہوں کا آج تک کسی نے جنازہ اٹھتا نہ دیکھا۔ آپ کی دوسری کرامت یہ مشہور ہے کہ ایک پانی کی بیماری سے جسم انسانی میں موکے نکل آتے ہیں۔ آپ کے مزار پر جھاڑو کی منت ماننے سے وہ موکے جھڑ جاتے ہیں۔ میری خوش بختی کہ یہ مزار مقدس میرے

مکان کے بالکل قریب ہے۔ اور منکرین گستاخوں کا جواب دینے کے لیئے بھی مجھ کو منتخب کیا گیا فالحمد للّٰہ عَلٰی ذَالِکَ اتنے دلائل با ضابطۂ شرعیہ کے ہوتے ہوئے پھر بغیر دلیل محض ضد بازی میں اپنی ناقص عقل سے انکار کرتے چلے جانا جہلا کا کام ہے۔ اہلِ علم کے نزدیک صرف اُن چیزوں کا انکار کیا جائیگا۔ جن میں مندرجہ چار خرابیاں ہوں۔ ۱۔ اصولِ اربعہ فقہیہ شرعیہ کے بعد ظہور میں آئیں اور شریعتِ اسلامیہ کے مطابق نہ ہو ۲۔ جس چیز کا کسی اسلامی قانون کا مقابلہ پایا جائے وہ کرامت بناوٹی اور شرعًا نا قابل قبول ہوتی ہے۔ ایسی ہی جھوٹی کرامت کو ماننے اور لکھنے کہنے سننے والا بد بخت گمراہ ہوتا ہے۔ مثلًا وہی روحیں چھیننے والی بناوٹی بات جس کا ذکر پہلے ہوا یہ کرامت عقلاً و نقلاً غلط ہے کیونکہ احادیث سے روحوں کے لے جائے جانے کا طریقہ اور ہے تھیلے میں ڈال کر نہیں لے جائی جاتیں۔ ان وجوہ شرعیہ سے یہ کرامت غلط ہے۔ اولیاء اللہ کو کرامت اس لیئے نہیں دی جاتی کروہ اپنے بڑوں کے مقابلے آ جائے یا اپنا رعب جماتا پھرے بلکہ صرف کفر اور بے دینی گمراہی کو پسپا کرنے کے لیئے عطا ہوتی ہیں ۳۔ جس کرامت سے کسی دوسرے بزرگ کی شان میں گستاخی ہوتی ہو وہ کرامت بھی غلط ہے جیسے کہ زہرہ رنڈی اور ہاروت و ماروت کا واقعہ کہ اس کا امام رازی نے امام قاضی عیاض نے انکار کیا کیونکہ اس میں گستاخی ملائکہ ہے۔ دیکھو ہذا ص ۱۸۰ پر۔ ۴۔ اسی طرح وہ کرامت جس سے اللہ تعالٰی کی شان میں گستاخی ہوتی ہو۔ جیسا کہ حقیقتِ گلزارِ صابری کے جاہل مصنّف نے ص ۹ پر بناوٹی روائتیں درج کر کے اپنی سمجھ میں نبی کریم کی تعریف کرنی چاہی۔ لکھتا ہے۔ حدیث:۔ اَنَا اَحْمَدُ بِلَا مِیْمٍ وَعَرَبٌ بِلَا عَیْنٍ۔ حالانکہ جہالت تو دیکھئے کہ لفظ۔ بلا۔ عربی فقروں میں مستعمل ہی نہیں۔ نہ یہ حرفِ استثناء ہے نہ حرفِ صفت۔ اور شیعوں رافضیوں کی بناوٹی روایت پیش کرتا ہے:۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَعْرِفُ اللّٰہَ اِلَّا اَنَا وَ عَلِیٌّ۔ یہ سب روائتیں گستاخی و کفریہ ہیں۔ اور عقائدِ اہل سنّت کے سراسر خلاف۔ بعض جہلا بد باطن لوگوں نے عیسائیوں یہودیوں اور شیعوں کی طرح حضور غوث پاک کو انبیاءِ کرام سے بڑھانا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ اتنی عظیم اعلٰی و مشہور و کثیر کرامات کے باوجود عقائدِ اسلامیہ کے مطابق غوث پاک کا درجہ انبیاءِ کرام سے کہیں لاکھوں مقام نیچا ہے پس مسلکِ اہلِ سنت میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ بلکہ جو کرامت شریعت کے معیار پر پوری ہو اور اس کا قیاسی ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہو اس کا انکار جائز ہے اور جو کرامت

شریعت کے معیار پر پوری ہو اور اس کا قیاسی ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہو اس کا انکار ناجائز ہے اور جو کرامت اس معیارِ شرعی سے ہٹ جائے اس کو ماننا گناہ ہے سوال مذکورہ میں مسئولہ کرامت غوثِ پاک شریعت اور اصولِ قرآن کریم کے مطابق ہے اور کتابوں میں مشہور ہے اس لیے شرعًا بالکل درست و صحیح ہے بلاوجہ ہٹ دھرمی سے انکار گناہ ہے۔ ہاں البتہ یہ فوٹو جو بکتا پھرتا ہے۔ جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے:۔ بالکل بناوٹی ہے۔ اس کو خرید نا چھاپنا۔ گھروں میں لگانا سخت گناہ ہے:۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

وہابیوں کے اہلسنت پر چھ اعتراض اور ان کے جوابات

سوال نمبر ۳۳:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے علاقہ کے ایک خبیث ترین وہابی نے کسی محمد اسلم کے نام سے ایک آٹھ ورقی رسالہ چھاپا اور شائع کیا ہے اس کا عنوان ہے۔ میں نے بریلویت کیوں چھوڑی۔ ہمارے علاقے میں ہیں تو یہ آٹے میں نمک کی برابر مگر چوہوں کی طرح شور بہت مچائے پھرتے ہیں اس رسالے میں مندرجہ ذیل سات طرح پر اعتراض کرتا ہے اور دعوٰی کرتا ہے کہ کوئی سنی بریلوی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ براہِ کرم اس کا مدلل جواب دیا جائے۔ اگر سب سوالات کا جواب نہ دیں تو کم از کم اُن باتوں کا جواب ضرور دیں جو وہابی معترض نے حضرت حکیم الامت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی کتب پر کئے ہیں۔

پہلا اعتراض:۔ ۱ فرقہ بریلویہ کے نزدیک حضور علیہ السلام کی حیثیت ایک شکاری اور دھوکہ باز کی ہے۔ معاذ اللہ جاء الحق ص ۱۷۵ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ کے تحت لکھا ہے کہ اے کفار تم مجھ سے گھبراؤ نہیں میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں شکاری جانوروں کی آواز نکال کر شکار کرتا ہے۔ ثابت ہوا کہ بریلوی فرقہ گستاخِ رسول ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ فرقہ بریلویہ کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے خزانے بچانے کے لیے جھوٹ بولا (معاذ اللہ) جاء الحق ص ۹۱ بحث علم غیب میں لکھا ہے کہ یہاں حکم میں کفار سے خطاب ہے یعنی اے کافرو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں تم چور ہو چوروں کو خزانے نہیں بتائے جاتے۔ تو گویا کہ نبی کریم نے جھوٹ بولا جو کہا کہ اے کافرو میرے پاس خزانے ہیں۔ **تیسرا اعتراض**:۔ فرقہ بریلویہ کے نزدیک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر کافر نہیں

ہے۔ معاذ اللہ۔ ملفوظات حصہ۳ اول ص۵۳ پر لکھا ہے کہ ایک شخص میاں صاحب تھے انہوں نے کچھ سوال کیئے اسماعیل دہلوی کے متعلق۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے یہ بھی مانا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ مانو اور اس کی تکفیر بھی نہیں کرتے ثابت ہوا کہ بریلوی فرقہ رسول کے منکر کو کافر نہیں کہتے۔ **چوتھا اعتراض** :- فرقہ بریلویہ کے نزدیک کامل ولی وہ ہے جو عورت کے فرج میں نطفہ پڑا دیکھ لے۔ تنویر الخواطر ص۴۳ پر عربی عبارت ہے لَا تَسْتَقِرُّ نُطْفَةٌ فِیْ فَرْجِ اُنْثٰی اِلَّا یَنْظُرُ ذَالِکَ الرَّجُلُ اِیَّاھَا :- اس کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے۔ کسی مادہ کی شرم گاہ میں کوئی نطفہ نہیں قرار پکڑتا مگر وہ کامل اسی کو دیکھتا ہے۔ **اعتراض ۵** فرقہ بریلویہ کے نزدیک شیطان حضور اکرم سے زیادہ جگہ حاضر و ناظر ہے۔ انوار ساطعہ ص۱۷ پر مولوی عبد السمیع صاحب رام پوری نے لکھا کہ اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک مجالس مذہبی وغیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ کا نہیں دعوی کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔ **اعتراض ۷** :- فرقہ بریلویہ کے نزدیک انبیاء جھوٹ بول سکتے ہیں توضیح البیان ص۲۷ پر مولانا ابو وفا غلام رسول سعیدی جامعہ نعیمیہ لاہور نے لکھا کہ کیونکہ وہ انبیاء جھوٹ بولتے تو نہیں مگر بول سکتے ہیں :- **اعتراض ۶** :- فرقہ بریلویہ کا اعلان کہ نہ ہم سنی ہیں نہ شیعہ اور نہ ہمیں علم ہے کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون مقالات مرضیہ ص۸۲ ملفوظ ص۴۶ ملفوظات مہریہ گولڑہ شریف۔ یہ ہیں اس خبیث کے چند اعتراض اگرچہ ہم نے وہابیوں کو منہ توڑ جواب دے دیئے ہیں مگر آپ کے قلم سے علمی و تحقیقی رنگ میں جواب کی تشریف آوری ہمارے لیئے باعث افتخار و خوشی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ اہلسنت پر قائم رکھے ہمارے لیئے آپ کے در کے سوا اور کونسا دروازہ ہے۔ **السائل**۔ ابو طاہر محمد مجیب قادری پٹیالہ سائیکل ورکس کورٹ روڈ جھنگ صدر :- ۸۔۷۔۱۱۔۹

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

جناب ابو طاہر صاحب سلام مسنون گرامی نامہ بشکل سوال نامہ وصول ہوا سوال نامے کے ساتھ رسالہ آٹھ ورقی رسالہ بھی وصول ہوا اول آپ کا سوال نامہ پڑھا تحریری عبارت سخت ہے، جس میں تنگی نظر کی جھلک نمایاں تھی میں چاہتا تھا کہ آپ کو بطور نصیحت آئندہ کے لیئے اس کج خلقی سے منع کروں کیونکہ ہمارا مسلک اور اعلیٰ حضرت بریلوی و حکیم الامت بدایونی کی تعلیم ہم کو دشمن کے ساتھ بھی نرم کلامی و اخلاقِ مشفقانہ ہی کا سبق دیتا ہے۔ مگر بعدہ جب رسالہ موصولہ کا مطالعہ کیا تو

وہ بداخلاقی و بدتہذیبی و کج خلقی میں بڑھا چڑھا پایا جس سے میں نے اندازہ کر لیا کہ آپ کی تحریری سختی اسی کا ردِ عمل ہے بہر حال آپ لوگوں کو نرم کلامی کا ہی شیوہ اپنانا چاہیئے کہ آپ اہل سنت میں آپ کے ہی مطلبِ متورِّین اخلاقِ حسنہ کا خزانہ ہے۔ آپ کا دین آپ کو مٹھاس سکھاتا ہے۔ آپ کو تہذیب سے ہٹی بات زیب نہیں کیونکہ تند مزاجی بداخلاقی ان کو ہوتی ہے جس کا مسلک کمزور ہو اور جس کے پاس دلائل و براہین نہ ہوں وہ ہی شکست خوردہ حالت میں غصہ غیض و غضب اور بداخلاقی پر اتر آتا ہے۔ بحمدہ تعالیٰ اہلسنت والجماعت کے پاس اپنے ہر مسلک پر قرآن و حدیث سے دلالۃً و عبارۃً ۔ کنایۃً و اقتضائۃً۔ اشارۃً و تاویلاً۔ دلائل کثیرہ موجود ہیں۔ یہ میں نے ویسے ہی نہیں لکھ دیا بلکہ تجربتاً آپ اس فتوے کی مندرجہ ذیل عبارت کے علاوہ میرے مطبوعہ فتاوے العطایا جلد اول کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔ جس نے بھی بے راہ روی یا گمراہی اختیار کرنے کی کوشش کی اس کو سمجھانے کے لیے اتنے کثیر دلائل میسر آئے کہ مخالف کو جواب کا چارہ نہ رہا۔ یہ سب کچھ میرے مسلک پر میرے رب تعالیٰ جَلَّ مجدُہٗ کا کرم ہے۔ یہ ہمارے مضبوط دلائل کی ہی مار ہے کہ مخالف فریق بجز بداخلاقی کے کچھ نہیں دکھا سکتا جیسا کہ اس رسالچہ کی لایعنی بے سروپا عبارت سے ظاہر ہے۔ رسالے کو پڑھنے کے بعد ایک غیر جانبدار محقق مورخ سلجھے ہوئے انسان سے مندرجہ تاثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ ۱ یہ کہ یہ رسالہ کسی نئے دیوبندی نے نہیں لکھا بلکہ کسی پرانے غالی متعصب نے لکھا ہے اور یہ کہنا کہ میں نے بریلویت کیوں چھوڑی محض جھوٹ اور فریب ہے محمد اسلم نامی کوئی شخص نہیں محض فرضی نام بنایا گیا یہ تاثر مصنف کے پیش لفظ کو بغور پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے کہ مصنف دیوبندی اکابر مولویوں کی تعریف اور بڑائی بیان کرنا چاہتا ہے۔ نبی کریم رؤف و رحیم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اس رسالے کی اشاعت کے لیئے آڑ بنا رہا ہے ورنہ کیا ضروری تھا کہ بریلویوں کی گستاخی کا ذکر کرتے وقت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی موڑ کھائی جائے۔ ۲ یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اس رسالے کا مصنف اللہ رسول سے محبت کرنے والا نہیں نہ ہی خدا پرست ہے بلکہ دیوبند پرست اور دیوبندی نواز ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ بریلویت سے ہٹنے والا سیدھا بلا سوچے سمجھے دیوبندیت میں جا گھسے "تلاشِ حق کی جستجو کرنے والا تو ہر دروازے پر جاتا ہے ہر ایک سے ملتا ہے" تہتر فرقوں میں سے اس کی تلاش سب سے پہلے دیوبندیت میں گھسی اور پھر وہیں پر کیوں رہ گئی تلاش آگے کیوں نہ بڑھی کسی اور رہبر سے کیوں نہ پوچھا جو اسے بتاتا کہ اے کم عقل بارش سے بچ کر پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ جس جماعت کی معمولی باتوں کو گستاخی سمجھ کر تو بھاگا تو پناہ کہاں لی جو گستاخیوں کا

گہوارہ ہے۔ اے کم ہمت تو نے ایک ازلی جماعت کو صرف اس لیے چھوڑا کہ اس کے ایک بیوقوف
کم عقل انسان نے معاذ اللہ انبیاء کرام کے متعلق یہ لکھ دیا کہ۔ انبیاء کرام جھوٹ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں۔
مگر پھر تو نے ان لوگوں کا دامن پکڑا جو متفقہ طور پر یہی گستاخانہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے کہتے ہیں۔ اور بڑی
بڑی کتابوں میں امکانِ کذب کا مسئلہ بنا کر صاف صاف لکھتے چلے آ رہے ہیں کہ۔ خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا
ہے مگر بولتا نہیں۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) اور پھر آج تک تمام دیوبندی وہابی اس کفریہ عقیدے پر اصرار کرتے
پھر رہے ہیں نہ اس کفر سے رجوع ہے نہ بیزاری مگر یہ مصنفِ رسالہ اسی فرقے کی حمایت میں ہے۔
صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ انہی میں کا ایک ہے۔ ایک نیا جستجو والا تو کبھی ایسا نہ کرے گا کہ ایک نبی کے گستاخ سے
ہٹ کر رب تعالیٰ کے گستاخوں میں شامل ہو جائے۔ ع ۳ یہ تاثر بھی پیدا ہوتا ہے۔ کہ رسالے کا
مصنف سخت کم علم ہے اور ساتھ ہی ساتھ تعصب میں یکتائے زمانہ ہے۔ اس لیے کہ وہ بریلوی مصنفین کی
کتب میں خود ایک عبارت منتخب کر کے پیش کرتا ہے اور پھر خود ہی اس میں گستاخی کا مطلب نکالتا
ہے۔ اور پھر خود کہتا ہے کہ دیکھو دیکھو بریلویوں نے گستاخی کر دی۔ حالانکہ جب غیر جانبداری
سے اس آٹھ ورقی رسالے کو دیکھ کر پھر بریلویوں کی محولہ کتب کو دیکھا جائے تو وہ مطالب اور
توڑ مروڑ کہیں بھی نظر نہیں آتے جو مصنفِ رسالہ نے بڑے شد و مد سے لکھ کر واویلا کیا۔ یہ ہیں وہ
تاثرات جو غیر جانب دار سلجھے دماغ والے کو اس رسالے کے مطالعے سے پیدا ہوتے ہیں اور
اس طرح مصنفِ رسالہ کے اس فریب کا پردہ چاک ہو جاتا ہے جو وہ دینا چاہتا ہے یہ رسالہ کچھ
زیادہ اہمیت کا حامل نہیں نہ ہی اس میں شمۂ علم نہ ذرۂ عقلیت ہے اس کے جواب کی چنداں حاجت
نہ تھی نہ ہی میں ان وہابی سنی کے جھگڑے میں پڑنے کو تیار تھا۔ کہ ابتدا ہی سے میرا ذہن ان خرافات کو
قبول نہیں کرتا تھا۔ میری گوشہ نشینی یہ برداشت نہیں کرتی کہ خواہ مخواہ بغیر سوچے سمجھے بلاوجہ کسی
کو کافر یا ظالم بناتا پھروں یہ کارِ حمقا ہے۔ میں نے شروع ہی سے تمام اسٹیجوں کو چھوڑ کر منصبِ افتاء
کو اپنے لیے پسند کیا۔ میں صرف مفتیِ اسلام ہی رہنا چاہتا ہوں۔ مجھ کو فقہِ اسلام سے محبت
ہے۔ فی زمانہ مفتیِ اسلام مثل قانونی جج کے ہے جس طرح جج ہر طرح غیر جانب دار ہوتا ہے۔ اسی
طرح مفتیٔ وقت پر بھی غیر جانب دار ہونا لازم ہیں اس مناظرانہ رسالے کے جوابات میں مشغول
تو نہ ہونا چاہتا تھا مگر آپ کے استفتا اور پیہم اصرار کی بنا پر اپنے منصبِ افتاء کو مدِنظر رکھتے
ہوئے محض تحقیقی فتوے سے نافذ کر رہا ہوں بغیر کسی جانب داری یا تعصب کے بریلویت یا دیوبندیت
دونوں اسٹیجوں سے ہٹ کر اپنی ذاتی تفتیش کے مطابق یہ تحریر لکھ رہا ہوں کیونکہ کسی کے استفسار

پر حقیقتِ حال کو واضح کرنا مفتی پر واجب و لازم ہوتا ہے۔ آپ کے استفتاء کے درج شدہ جواب طلب اعتراضات کے علاوہ موصولہ رسالے کے دیباچہ (پیش لفظ) کی مختصر صحیح مؤرخانہ وضاحت ضروری ہے۔ لہٰذا اس ضمن مصنفِ رسالہ مذکورہ نے ص۳ پر لکھا کہ ان کی یعنی بریلویوں کی اکثر کتب صرف صرف ان لوگوں پر کیچڑ اچھالنے کے لیے لکھی گئیں جنہوں نے انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مردانہ وار مقابلہ کیا۔ جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بہادری و جرأت کے جھنڈے گاڑ دیئے تحریک سید احمد شہید۔ تحریک خلافت۔ تحریک ریشمی رومال۔ اور تحریک پاکستان میں ان کا کردار تاریخی صفحات پر سنہری حروف میں رقم کیا جا چکا ہے (الخ)۔ جواب مصنف کی طرزِ تحریر کی بنا پر بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ عبارت ہے جس کو شائع کرنے اور لوگوں کو دکھانے کا مقصد ہے اسی کے لیے اتنے تانے بانے بنے گئے ہیں اور چونکہ بریلوی لوگ اِن کی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے صرف بریلوی ہی نہیں بلکہ بجز دیوبندیوں کے دیگر فرقے بھی اس کو نہیں مانتے شیعہ۔ چکڑالوی۔ قادیانی اہل حدیث وغیرہ سب کہتے ہیں کہ یہ تاریخ بناوٹی ہے۔ لہٰذا اس بات کا جواب دینا اور اس کی تاریخی حیثیت معلوم کرنا اشد ضروری ہے۔ چنانچہ بالکل غیر جانب دار ہو کر میں نے۔ اس تفتیش و تحقیق کرنے کے لیے صرف وہی کتابیں دیکھی ہیں جو دیوبندیوں کی لکھی ہوئی اور انہیں کی مطبوعہ ہیں۔ اس ضمن میں اب تک میں نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا وہ حسبِ ذیل ہیں چونکہ میں نے اس چھان بین میں صرف انہی کتب کو قابلِ اعتماد سمجھتے ہوئے فوقیت دی اور انہی کتب کا مطالعہ کیا جو دیوبندیوں کی تصنیف شدہ دیوبندی مطبوعات ہیں کیونکہ دیوبندی مسلک کو جواب دے رہا ہوں۔ لہٰذا انہی کے قابلِ اعتماد کو مدِّ نظر رکھا گیا۔ اس چھان بین کے لیے مجھ کو دراز سفر بھی کرنا پڑا اور دیوبندی اکابر و مبلغین سے رابطہ بھی قائم کرنا پڑا یہ صعوبتیں صرف اس لیے برداشت کیں تاکہ میرا بر فتوائے کسی پہلو کمزور نہ رہے اور نہ ہی تعصب کی راہ کا کسی کو بہانہ مل سکے میں نے اکابر و فضلاء دیوبند سے مناظرانہ و مکالمانہ طرز پر اپنے خدشات کا اظہار کیا تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ میرے خدشات کی قوت کتنی ہے۔ جب وہ حتی القدور تفہیم کے بعد لاجواب ہو گئے تب میں اس خدشات کو بذریعہ تحریر ہذا آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں نہ میری عادت نہ میرا منصب کہ خواہ مخواہ کسی کو زیر کروں۔ اس تفتیش سے پہلے میں صرف یہی جھگڑا سنتا چلا آ رہا تھا کہ دیوبندی بریلویوں پر پاکستان دشمنی انگریز دوستی کا الزام لگاتے تھے اور بریلوی دیوبندیوں پر۔ سچائی کا کچھ پتہ نہ چلتا تھا نہ ہی کبھی تحقیق حال کی طرف طبیعت راغب ہوئی اس لیے کہ دیوبندی

بریلوی کا اصل اختلاف یہ نہیں بلکہ اصل اختلاف تو عظمتِ انبیاء و اولیاء بلکہ خود خالقِ عالم جلّ مجدہٗ کی ذات پاک کی عظمتِ پاک کا مسئلہ ہے جس کے دیوبندی قائل نہیں۔ جیسا کہ مشہورِ زمانہ کتاب جاء الحق حصہ اوّل و دوم میں بالتفصیل وضاحت کی گئی ہے اور یہاں بھی آئندہ سطور میں کچھ مشتے نمونہ کے طور پر وضاحت کر دی جائے گی۔ فی الحال چونکہ قابلِ جواب آٹھ ورقی موصولہ رسالے میں اول صفحات پر اسی کو واضح و ظاہر کیا گیا ہے کہ دیوبندی لوگ انگریز دشمن تھے اور رہیں اور سا انگریزوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُن سے لڑے جنگ کرتے رہے۔ پس ضروری ہوا کہ محض منصفانہ و محققانہ و عادلانہ ذہن سے اس جھگڑے کو نمٹانے کی غرض سے حقیقت کو واضح کیا جائے۔ مجھ کو اس تفتیش کے ذریعے چار چیزیں بڑی واضح طریقے سے آشکارا ہوئیں۔ اوّلاً یہ کہ دیوبندی اکابر سکھوں سے جنگ کرتے رہے۔ دوم یہ کہ سکھوں سے جنگ انگریز حکومت کے حکم اور ان کی حمایت میں کرتے تاکہ انگریز حکومت مضبوط ہو۔ سوم یہ کہ دیوبندی سپاہ سالار انگریز حکومت سے باقاعدہ ہر طرح کی امداد وصول کرتے رہے۔ چہارم یہ کہ۔ یہ دیوبندی اکابر اسی انگریزی دور میں انگریز حکومت کے حکم سے مسلمانوں سے بھی جنگ کرتے رہے۔ چنانچہ علی الترتیب حوالہ جات کتب مع ضروری مختصر مضمون ملاحظہ ہو۔

ع۱ :- رسالہ الفرقان شہید نمبر ۱۳۵۵ھ کے ص۷۶ پر لکھا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ آپنے (یعنی اسماعیل شہید نے) انگریزوں کی مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں اُن کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا۔

ع۲ :- مقالات سرسید حصہ نہم ص۱۴۲ پر لکھا ہے

اثناءِ وعظ میں کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کرنے کا وعظ کیوں نہیں کہتے وہ بھی تو کافر ہیں اس کے جواب میں مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے فرمایا کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیت نہیں ہوتی اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں اس لیئے ہم پر مذہب کی رو سے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں سے ہم کبھی جہاد میں شریک نہ ہوں :-

ع۳ :- سوانح احمدی مطبوعہ فاروقی دہلوی ص۷۳ پر لکھا ہے :-

یہ بھی صحیح ہے کہ اثناءِ قیامِ کلکتہ مولانا اسماعیل شہید کے وعظ کے دوران ایک شخص نے یہ فتوے پوچھا کہ سرکار انگریز پر جہاد درست ہے یا نہیں۔ جواب میں مولانا شہید نے فرمایا کہ ایسی بے رو۔ ریا۔ غیر متعصب سرکار پر کسی طرح جہاد کرنا درست نہیں :-

ع۴ :- موجِ کوثر مصنف ص۳ مطبوعہ میں لکھتے ہیں :-

سید احمد سے کسی نے پوچھا کہ سکھوں سے اتنی دور جہاد کرنے جاتے ہو۔ انگریز بھی تو کافر ہیں ان سے کیوں نہیں لڑتے۔ سید صاحب نے جواب دیا۔ سرکار انگریزی گو منکرِ اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم نہیں کرتی

ع۵ :۔ حیاتِ طیبہ مرزا حیرت دہلوی کی تصنیف مطبوعہ فاروقی دہلوی ص۲۹۶ پر ہے۔

مولوی محمد اسماعیل شہید نے ایک شخص کو جواب دیا کہ انگریز پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں بلکہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ جو انگریزوں پر حملہ آور ہو اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں

ع۶ کتاب الحیات بعد المات ص۲۰۳ پر لکھا ہے۔

اسماعیل دہلوی نے اپنے شیخ سید احمد کو امام مان کر مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ پنجاب میں جہاد کیا۔ تو گورنمنٹ انگلشیہ نے بھی کسی طرح کی مزاحمت نہ کی نہ جہاد میں پیچیدگی پیدا کی۔

ع۷ ترجمانِ وہابیہ مصنف نواب صدیق حسن ص۵۱-۵۲ پر لکھا ہے۔

نہ انہوں نے سرکار انگریز سے کبھی جہاد کیا نہ ہندوستان میں جہاد کا فتویٰ دیا گورنمنٹ اگر ساری کتب بھی دیکھے تو کسی کتاب میں جہاد یا بغاوت کا فساد سکھانے کی سرکار انگلشیہ سے کوئی بات نہ پاوے گی۔

ع۸ کتاب۔ تحریک جہاد کا قیمتی سرمایہ مکتوبات سید احمد۔ مصنف اقبال کاہندلسی ص۲ پر لکھا ہے۔

حضرت کی شہادت کے بعد جتنی بھی کتب لکھی گئیں اس میں اس بات کو بار بار ثابت کیا گیا ہے کہ انگریزوں کے خلاف حضرت سید احمد شہید نے کوئی حرکت نہیں کی۔

ع۹ :۔ مقالات سرسید حصہ نہم ص۱۴۵ پر لکھا ہے۔

وہ اپنے بال بچوں کو اور مال اسباب کو گورنمنٹ انگریزی کی حفاظت میں چھوڑ گئے تھے اور ان پر حملہ کرنا ان کے مذہب میں نہایت ممنوع ہے۔

ع۱۰ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مصنف مسعود عالم ندوی ص۲۵ حاشیہ پر لکھا ہے۔

لیکن پنجاب کا اکثر علاقہ انگریزوں کے قبضے میں آگیا تو مجاہدین حکومت کی نگاہ میں کھٹکنے لگے۔ مجاہدین بھی خواہ مخواہ حکومت سے برسرپیکار ہونا خلافِ مصلحت سمجھتے تھے۔

ع۱۱ :۔ ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی از محمد سرور ص۳۰۶ پر لکھا ہے

ایک مرتبہ میں سرحد پار بیر کے مقام پر گیا جہاں احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کے مجاہدین کی بستی دیکھوں جب گیا تو حد درجہ افسوسناک و قابلِ رحم حال تھا۔ ان کی گزران صاحبزادہ عبدالقیوم کی معرفت انگریزی حکومت کے رہینِ منت تھی۔

ع ۱۲ ب سوانح احمدی مصنف جعفر تھانیسری ص ۲۹
ایک انگریز گھوڑے پر سوار آیا جو بہت سا کھانا سید صاحب اور اُن کے مجاہدین کے لیئے لایا اور کہا کہ پادری صاحب (سید صاحب) کہاں ہیں جب ملاقات ہوئی تو کہا کہ حضور میں نے آپ کے آنے کی خبر سنی تھی تو یہ کھانا حاضر کیا ہے حضرت نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ فوراً کھانا اپنے برتنوں میں لے کر قافلے میں تقسیم کر دو قریب دو گھڑی وہ انگریز حضور میں حاضر رہا۔

ع ۱۳ :- کتاب مخزنِ احمدی مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ مصنف سید محمد علی مجاہد تحریکِ سید احمد یہ سید احمد کے بڑے بھانجے ہیں اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۶۴ پر۔ انگریز کے کھانا لانے کا یہی واقعہ فارسی زبان میں لکھتے ہیں۔

ع ۱۴ :- سیرتِ سید احمد شہید حصہ اول ص ۲۱۹ پر لکھا ہے مصنف ابوالحسن علی ندوی۔
مقام اسرولی سے چار میل پہلے حضرت کے پاس ایک انگریز کی ہندوستانی بیوی آئی اور کھانے کی دعوت دی انھوں نے انکار کیا۔ پھر وہ فرنگی (انگریز) خود آیا تو آپ نے فرمایا۔ تمہاری دعوت کیوں نہ قبول کریں گے آپ نے اُس دن اس کی دعوت کھائی۔

ع ۱۵۔ مکتوباتِ ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی۔ مکتوب مرقوم ۱۸ جنوری ۱۹۶۲ء ص ۹۵ مصنف غلام رسول مہر وہابی ص ۹۵ پر لکھا ہے :-
سید احمد شہید کے پاس ہندوستان گورنمنٹ سے جو ہنڈیاں (گورنمنٹ مالیتی ڈرافٹ) آتی تھیں اُن میں اشرفیوں کا بھی ذکر ہے اور روپوں کا بھی۔

یہاں تک تو یہ ثابت ہوا کہ یہ اکابر دیوبند سکھوں کے ساتھ جنگ کرتے رہے اور انگریز کے حکم سے یہ سب کچھ ہوا صرف اس لیئے کہ انگریز حکومت مضبوط ہو۔ میں نے مندرجہ بالا جتنی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں وہ سب تقریباً ۱۸۵۶ء اور ۱۸۹۶ء کے درمیان لکھی اور چھاپی گئیں میں نے اپنی تحقیق کے دوران کسی نئے مصنف یا نئے مطبوعہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ سابقہ دور میں مجھ کو ابھی تک کوئی ایسی کتاب نہ ملی جس میں ذرہ بھر یہ لکھا ہو کہ وہابی دیوبندی حضرات انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑتے رہے اور انگریز سے جنگ کرتے رہے ۔ اور اپنی اس تحقیق کے بعد میں چیلنجی طور پر زمانے بھر کے وہابیوں کو دعوتِ عام دیتا ہوں کہ سابقہ دور کی ایک بھی کتاب دکھا دو جس میں ذرہ بھر یہ لکھا ہو کہ کبھی وہابی نے کسی انگریز سے جھگڑا بھی کیا ہو۔

پڑ جائے کہ مسلمہ جنگ۔ بلکہ ان ہی کتابوں سے کتب خانے بھرے پڑے ہیں کہ سکھوں سے جنگ کی انگریزوں سے محبت کی یہی نہیں بلکہ اس پر فخر کرتے رہے کہ ہم نے انگریز کی حکومت مضبوط کی اور انگریز کے سب مخالفین سے لڑائی کی جیسا کہ ابھی اوپر ہم نے نواب صدیق حسن خان وہابی کی کتاب ترجمانِ وہابیہ کے حوالے سے ثابت کیا ہے تو بیس سال سے اِن وہابیوں نے کروٹ بدلی اور کہنا شروع کر دیا کہ ہم انگریز کے مخالف تھے۔ اور یہ کہ ہم انگریز سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑتے جنگ کرتے رہے۔ ان کتب کے مصنف بھی نئے اور مطبوعات بھی جدید اس جدّتِ تصنیف سے ذہنی تجدید کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے اس دور کے وہابی اسی بات پر مصر ہیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ کہ ہم انگریز کے دشمن تھے۔ یہی وہ بات تھی جس کے اب مخالف نظر آ رہے اور بیس سال قبل اسی پر فخر کرتے تھے۔ وجہ بالکل ظاہر ہے کہ پہلے انگریزی دور تھا دل بھر کے انگریز کی حمایت کی اور انگریز سے روپیہ چھینا اور ہتھیایا پھر پاکستان بننے کا دور آیا تو ہندوستان نوازی اور ہندو کافر کی حمایت کا بڑھ چڑھ کر بیڑا اٹھایا۔ اور پاکستان۔ قائداعظم اقبال کی سخت توہین آمیز مخالفت کی اور اب جب کہ پاکستان بن گیا۔ تو اس ڈر سے کہ کہیں کوئی حکومتِ پاکستان ہمارا محاسبہ و محاکمہ کر کے واجبی سزا نہ دیدے۔ سابقہ ساری تاریخوں کو جھٹلا کر پاکستان کے حامی ہونے کے دعویدار بنتے چلے جا رہے ہیں۔ تاریخ کی ورق گردانی اور سچی تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے۔ کہ برصغیر پر تین دور گزرے۔ پہلا دور جب کہ انگریز کا تسلط علاقۂ ہند پر شروع ہوا دوسرا دور جب کہ پاکستان بننے کا دور شروع ہوا۔ تیسرا دور جب پاکستان بحمدہٖ تعالیٰ بن گیا۔ ان تین دوروں میں برِصغیر کے دو گروہوں کا کردار مندرجہ ذیل طریقوں سے کھل کر سامنے آتا ہے۔ پہلا دور مغل بادشاہ ظفر کے زمانۂ سلطنت میں انگریز نے قابض ہونا چاہا تو اکابر وہابیہ جن کو بعد میں دیوبندی کہا جانے لگا نے انگریز کی بھرپور حمایت کی اور مسلمانوں کی جاسوسیں کر کر کے اسلامی سلطنت کی قوت کو توڑا انہی غداروں کی جاسوسیوں کی بل بوتے پر انگریز نے تسلط جمایا اور مسلمانوں کو شکست کا سامنا ہوا ورنہ عسکری قوت کے سامنے ایک لمحہ یلغارِ انگریز نہ ٹھہر سکی تھی۔ چنانچہ غداروں کی سرفہرست تین آدمیوں کے نام سے شروع ہے۔ پہلا شخص سلطنتِ مغلیہ کا مشیرِ خاص۔ مرزا الٰہی بخش ظفر بادشاہ کا سمدھی۔ سید احمد خان وہابی کا چوتھا خلیفہ مرید تھا اس نے محل کی ہر راز دارانہ بات سے انگریز وائسرائے اور کلکٹر کو آگاہ کیا انگریزوں نے اس کو سربراہی کا لالچ دیا تھا جو پورا نہ ہوا دوسرا شخص حکیم احسن اللہ خان سید احمد خان اور اسماعیل دہلوی کا میر صادق یہ

ایک ساتھی (بحوالہ کتاب تاریخِ غدر ص ۱۲) تیسرا شخص حیدر آباد دکن کا میر صادق۔ یہ سلطنتِ مغلیہ کا وزیرِ مال بھی رہا تھا۔ جس نے مالی طور پر بھی انگریز کی حمایت کی اور تمام مسلمانوں سے غداری کی۔ یہ تھا ۱۹۵۹ء میں دیوبندی وہابی کردار۔ اسی قسم کی تاریخی عبارت یکم نومبر ۱۹۷۹ء اخبار امروز کے ص ۳ پر بعنوان آخری تاجدارِ مغلیہ کے آخری عید قربان۔ شائع ہوا ہے۔ اسی دور میں۔ بریلوی گروہ کے سربراہ فضلِ حق خیر آبادی کو انگریز نے تین جرموں کی بنا پر کالے پانی کی سزا دی اور دریائے شور جزیرۂ انڈمان کی خطرناک جیل میں رکھ کر موت سے ہم کنار کرا دیا۔ پہلا جرم یہ کہ ظفر بادشاہ کی حمایت کیوں کی دوسرا جرم یہ کہ فتوئے جہاد کیوں دیا۔ تیسرا جرم یہ کہ انگریز حکومت کے خلاف شاہی فوج کو کیوں منظم کیا اور اپنے خطبات سے مسلمانوں کو اسلامی فوج میں کیوں بھرتی کرایا۔ میری اس تحقیق کو اپنے پرائے سب تسلیم کرتے ہیں۔ اس دور کے تمام بریلوی علماء عوام۔ فضل حق صاحب کے جھنڈے تلے ہو کر انگریز کی مخالفت میں کمربستہ رہے۔ چنانچہ۔ ع۱ انتظام اللہ شہابی کی تصنیف بنام غدر کے چند علماء ص ۴۹ ع ۲ کتاب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء مصنف خورشید مصطفےٰ ص ۲۵۵ ع ۳ ۱۸۵۷ء کے مجاہد۔ مصنف غلام رسول مہر وہابی ص ۲۰۶ ع ۴ کتاب بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد مصنف رئیس احمد جعفری دیوبندی ص ۲۱۵ پر اور ان کے علاوہ بہت زیادہ تاریخی کتابوں میں صاف صاف لکھا ہے کہ دہلوی بغاوت کے زمانے میں فضل حق خیر آبادی صاحب نے انگریز کے خلاف جنگ کا فتوےٰ دیا اور بہادر شاہ ظفر کے حامیوں میں شامل رہے اور انگریزوں کی جیلیں برداشت کرتے ہوئے جیل کی کال کوٹھری میں ہی انتقال کیا۔ مگر باوجود سرکاری و غیر سرکاری وکلاء کے سمجھانے کے کہ آپ فتوے سے انکار کر دو تو سزا معاف ہونے کے علاوہ اتنی جاگیر بھی دی جائے گی۔ مولانا نے اس پیش کش کو عدالت میں رد کرتے ہوئے صاف کہا کہ میں کافر کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ ملک و ملت و قوم سے غداری ہے۔ یہ تھا برِصغیر کے پہلے دور میں سنی وہابی کے عملی کردار کا تضاد جس کو اسی زمانے کے مورخوں نے بلا تعصب آئینے کی طرح صاف کر دیا۔ اب ایک غیر جانبداری مخلص جج و قاضی و مفتی کیا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور کس کو یہ فیصلہ دے کہ وہ انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انگریز سے لڑتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اتنی تاریخی دستاویزات کے ہوتے ہوئے کوئی بھی منصف مزاج یہ ڈگری دیوبندیوں کو نہیں دے سکتا۔ لامحالہ یہ ڈگری اور تمغۂ جرأت بریلویوں کو ہی ملے گا۔ یہ تھا پہلا دور۔ بعدہٗ اسی برصغیر پر دوسرا دور آیا جب کہ انگریز اپنی مکاریوں اور بے غیرت مسلمانوں کی غداریوں کی بنا پر سرزمینِ ہند پر قابض ہوا تو دو قومیں اس کے لیے درد سر بن گئیں پہلی قوم سرحدی پٹھان اور دوسری قوم سکھ۔ ان دونوں قوموں سے لڑنے کی بجا انگریز میں :-

سکت وہمت نہ تھی۔ انگریز نے پھر پکارا المدد۔ تو اسی برِّصغیر کے کچھ لوگ لبیک کہتے ہوئے انگریز کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور کافروں کی حمایت میں غیرملکیوں کی محبت میں اپنی ہی قوم کے قتل پر آمادہ وکمربستہ ہوئے۔ اپنوں ہی کو تہِ تیغ کیا صرف چند ٹکوں کی لالچ میں اور صاحب بہادر کی مسکراہٹ ورضا کے حصول میں۔ کون تھے یہ لوگ؟ تاریخ سے پوچھنے پر ظاہر ہوا کہ یہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد خان تھے۔ یہ کس نے بتایا؟ ۔ خود ان ہی کے حواریوں عقیدت مندوں شاگردوں کاریسوں نے بتایا، ور خوب فخر سے بتایا ہے کیونکہ یہی وقت کچھ ملنے کا تھا انگریزوں کی حکومت مضبوط ہو چکی تھی مسلمانوں کے پے درپے غداریوں سے کمزور کیا جا چکا تھا۔ قوم کشی ہو چکی تھی اب وقت تھا جاگیریں تقسیم ہونے کا عہدے بٹنے کا۔ تمغۂ غداری کے حصول کا۔ اس لیئے اشتہار چھپے۔ کتابیں بٹیں۔ تقریریں ہوئیں خطبے پڑھے گئے اور بڑے شدومدا علانات ہوئے کہ ہم ہیں جنہوں نے انگریزوں کی حمایت کی، ہم ہی ہیں جنہوں نے اپنوں کو مارا اپنا ملک غیروں کو دیا۔ اور عیسائیت کی جڑیں مضبوط کیں۔ اور اسلام کی بنیادوں کو اکھیڑا انگریز کے مقابلے میں جو بھی آیا مسلم یا غیرمسلم ہمارے ہی تیروں کا نشانہ بنا۔ تاریخیں تو چھپ گئیں کتابیں تو شائع ہو گئیں خطبے تو مشہور ہو گئے کہ وہ حقیقت تھی چھپ نہ سکتی تھی مگر ملا کیا۔ ؟ آخرت کو خدا جانے دنیا میں صرف سر کا خطاب اور شہید کا لقب۔ حضرت جی اسی پر پھولے نہیں سماتے کہ انگریز صاحب بہادر نے ہم کو سر سید احمد خاں کہدیا۔ اور قوم نصاری نے ہم کو شہید کا لقب دے دیا۔ نہ کوئی عہدہ نہ کوئی جاگیر انگریز نے جو کام لینا تھا سو کٹھ پتلی بنا کر لے لیا۔ میں کہتا ہوں کہ کل تک جس پر تم کو فخر تھا آج اس کی اشاعت سے گھبراہٹ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے کہ وہ وقت انعام ملنے کا تھا مگر یہ وقت محاسبے کا ہے۔ وہ زمانہ لالچ کے پورا ہونے کا تھا یہ زمانہ محاکمے سے خوف کا بدیں وجہ وہ عرصہ کارگزاری کے اظہار کا تھا یہ عرصہ غداری کے چھپانے کا۔ مگر کہاں تک چھپا سکتے ہو۔ یہ تو اِن لوگوں کی خوش قسمتی ہے اور قدرت کی طرف سے غالباً ڈھیل ہے کہ ابھی تک کسی حکومت نے صحیح طور محاسبہ نہ کیا۔ اِن دو دوروں کے بعد اسی ایشیاءِ کوچک پر تیسرا دور اس وقت آیا جب انگریز کی ٹکر جرمن سے ہوئی ۱۹۴۲ء کا زمانہ تھا یہی برطانوی سامراج ہٹلر سے شکست کھانے لگے تو برصغیر کے مقبوضہ علاقے کے باشندوں کے سامنے وعدے کئے کہ تم لوگ ہماری مدد کرو اگر ہٹلر شکست کھا گیا تو ہم تمہارا علاقہ تم کو واپس کر کے برطانیہ چلے جائیں گے۔ چنانچہ۔ ہندو۔ مسلم۔ سکھ۔ سب نے سردھڑ کی بازی لگا کر خوب مدد کی اور ہٹلر شکست کھا گیا۔ انگریز اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے جب ملک چھوڑنے لگا تو یہاں کے مسلمان

اور ہندو باشندوں میں اختلاف ہوا کہ ملک کس کے سپرد ہو۔ ہندوؤں اور ان کے بڑے لیڈر نہرو گاندھی۔ پٹیل۔ وغیرہ کا منشاء تھا کہ ملک سارا ہم کو ملے۔ اس لیئے انہوں ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ لگایا مگر مسلمان لیڈر تقسیم کے طالب تھے ان کا نظریہ تھا کہ ہندو مسلم علیحدہ دو قومیں ہیں۔ ان کے وطن بھی علیحدہ ہونے چاہیئے۔ چنانچہ علاقۂ ہند سے مولانا احمد رضا خانؒ نے ترکِ موالات و دو قومی نظریئے کی تحریک چلائی۔ اور علاقۂ پنجاب سے علامہ اقبال نے اسی تحریک کی حمایت میں علیحدہ مسلم ریاست کا خاکہ پیش کیا جس کو بعد میں چل کر پاکستان کا نام دیا گیا۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے اسی تحریک کے ضمن میں ۱۸۹۶ء کے دوران پٹنہ کے علاقے میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد کی جس میں تمام اہلسنت علماء و مشائخ کو اس اسٹیج پر جمع کیا کہ مسلمانوں کے لیئے علیحدہ ملک ہونا چاہیئے۔ یہ تحریک تاریخی و عملی طور پر اتنی کامیاب ہوئی کہ اس تحریک نے آگے چل کر عملی جامہ پہنانے والے قائدِ اعظم محمد علی جناح کی بصیرت افروز قیادت کے لیئے راہ ہموار کر دی۔ اس دور میں بھی دیوبندی حضرات نے تمام مسلمانوں سے مختلف راہ نکالی اور ہندو نوازی کرتے ہوئے ہندوؤں کے ساتھ لگ گئے اور بجائے دین پرستی کے وطن پرستی کو سامنے رکھا۔ مذھبی اختلاف سے کنارہ کش ہو کر ہم قومیت کا پرچار کرتے ہوئے ہندو نعرے کی حمایت میں اپنا اور اپنے فتووں کا زور لگانے لگے۔ اور ہندوؤں کی کاسہ لیسی کرتے ہوئے۔ مودودی صاحب ع۲ عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب حسین احمد مدنی وغیرہ لیڈروں نے اپنی اپنی پارٹیاں تشکیل دیں۔ اور سب جماعتوں کو ہندو جماعت میں لگا یا مسلمانوں کی عالم گیر آواز کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ اس تشکیل بازی نے بڑے سیلاب کی شکل اختیار کر لی تو ربِ قدیر جَلّ مجدہٗ نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کو اس سیلابِ باطل کو روکنے کے لیئے مقرر فرمایا۔ اور آپ نے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے کے لیئے مسلم لیگ مرتب فرمائی۔ مسلم لیگ کی تحریک کے وقت بھی اس سرزمین میں دو ہی جماعتیں تھیں۔ ع۱:۔ بریلوی۔ ع۲ دیوبندی (اگرچہ دیوبندیت کی شاخیں آج تک بہت ہیں) مثلاً مودودیت وہابیت۔ خاکساریت) ان دونوں کا کردار محمد علی جناح کے ساتھ بھی وہی رہا جو سابقہ پہلے دور میں بہادر شاہ اور انگریز کے ساتھ رہا۔ چنانچہ۔ دیوبندیہ مسلم لیگ اور اس کے بانی قائدِ اعظم اور نظریۂ پاکستان کے سخت مخالف رہے اور کانگریس کے ساتھ شامل ہوئے:۔ مودودی صاحب نے بھرپور طریقے سے قائدِ اعظم کی مخالفت کی (دیکھو ان کی کتاب سیاسی کشمکش) عبدالماجد دریا بادی وہابی نے اپنے ماہنامے سلک جدید میں ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کو مشرک لیگ اور مشرکوں کی جماعت لکھا۔ ابوالکلام آزاد نے الہلال رسالے میں قائدِ اعظم بانی پاکستان کے خلاف

جو گستاخانہ زہر اگلا اس کا دہرانا چنداں مفید نہیں۔ سب عوام و خواص کو یہ معلوم ہے۔ عطاء اللہ شاہ بخاری نے بھی دل بھر پاکستان کی مخالفت کی حسین احمد مدنی نے کہا تھا کہ قائدِ اعظم سے گاندھی ہزار درجہ بہتر ہے۔ یہ تھا اس قوم کا کردار دورِ اوّل اور دورِ ثالث میں پہلے انگریزوں کی دوستی کا دم بھرتے رہے پھر ہندوؤں کی چاپلوسی کو دھرم بنایا مخالف ہوئے تو صرف مسلمانوں کے نقصان پہنچایا تو صرف کس کو؟ اپنوں کو۔ آخر کیوں؟ صرف لالچ میں۔ ابوالکلام نے تو ہندوستان کی وزارت بھی حاصل کرلی۔ اور ان کے مرید خاص ڈاکٹر ذاکر حسین نے صدارت کی لالچ میں مورتی کو سجدہ بھی کرلیا۔ ادھر تو حال تھا دوسری قوم بریلوی لوگوں کی تاریخ اس سے یکسر مختلف ہے چنانچہ مسلمان لیڈر صدر الافاضل سید مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے مسلم لیگ اور قائدِ اعظم کی ایسی شاندار حمایت کی جو آگے چل کر پاکستان بننے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ قائدِ اعظم کی ہی حمایت اور ہاتھ مضبوط کرنے کے لیئے۔ آل انڈیا بنارس کانفرنس منعقد فرمائی اور اپنے مشیر خاص پیر جماعت علی شاہ علی پوری صاحب کو اپنی پر اثر تقریر سے قائل و مائل کیا کہ قائدِ اعظم کی حمایت دراصل اس وقت اسلام کی حمایت ہے۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ کا یہ خداداد انفرادی ملکہ تھا کہ آپ کی تقریر دلپذیر سخت سے سخت انسان کے دل کو بھی موم کر دیتی تھی۔ جیسا کہ حضرت مولانا نعیمی مراد آبادی حال کراچی مدظلہ العالی نے مجھ کو بتایا۔ اس وقت گویا کہ صدر الافاضل قائدِ اعظم کے دستِ راست کی حیثیت سے تھے۔ پیر جماعت علی صاحب کے کہنے سے پیر مانکی شریف پیر مہر علی شاہ صاحب اور تمام برصغیر کے بریلوی علماء و مشائخ مولانا سید نعیم الدین علیہ الرحمۃ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر مسلم لیگ کی حمایت میں کمربستہ ہوئے اور اسی سلسلے میں بنارس کانفرنس منعقد ہوئی جو تاریخ کی پہلی شاندار و کامیاب سنی کانفرنس تھی ۱۹۴۹ء اس ہی کانفرنس سے جگمگا اٹھا۔ تمام علاقوں سے۔ جلوس کے جلوس بنارس پہنچے۔ حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاںؒ گجرات سے عظیم قافلہ لے کر بنارس پہنچے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کی حمایت میں یہی وہ کانفرنس تھی جس سے ہندوستان بنیا سامراج انگریز سے سودے بازی کرنے والے ہندو لیڈر اور ہندو نواز دیوبندی حضرات بوکھلا گئے۔ اور اس کانفرس کو خراب کرنے کی کوشش اور شرارت کرنے کا پروگرام بنایا۔ مگر جب کسی طرح حیلہ گری کارگر ہوتی نظر نہ آئی تو پیر جماعت علی صاحبؒ علی پوری کی تقریر کے اس والہانہ محبت کے فقرے پر ہی شور برپا کر دیا جو آپ نے دورانِ وعظ قائدِ اعظم جناح کے وقار کی خاطر ان کو ولی اللہ کہہ دیا تھا۔ اس خطاب پر شرارت کے لیئے آئے ہوئے دیوبندی حضرات نے اتنا شور مچایا کہ خطرہ پڑ گیا کہ کہیں باقی کانفرنس ناکام نہ ہو جائے۔ مگر صدرِ کانفرس بانیٔ محفلِ سنیت صدر الافاضل سید نعیم الدین کی پر اثر صلاحیتوں خطاباتِ دلنواز کا اثر تھا کہ تین گھنٹے بعد یہ شور ختم ہوا اور کانفرنس کامیابی سے

جاری ہوئی یہی وہ کانفرس تھی جس سے مسلمانوں کے دل میں عشق کی حد تک مسلم لیگ سے محبت پیدا ہوئی۔ اور چودہ کروڑ مسلمان کا ووٹ مسلم لیگ اور قائدِ اعظم کو ملا۔ موازنہ صرف یہ کرنا ہے کہ بریلوی علماء ومشائخ عظام قائدِ اعظم کے ساتھ کیوں لگے اور دیوبندی لوگوں نے اور وہابی لیڈروں نے مسلم لیگ اور قائدِ اعظم کی مخالفت کیوں کی۔ ظاہر اوجہ صرف یہی ہے کہ قائدِ اعظم کے پاس صرف ایک ہی نعرہ تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ × مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اس بے بارک نڈر بے لوث مخلص محسن شخصیت نے صرف یہی تو کہا تھا کہ پاکستان میں قانونِ محمدی کا جھنڈا گاڑھا جائے گا۔ جو اُن سے ملا وہ بھی اسی نعرے کی وجہ سے اور جو اُن کا مخالف ہوا وہ بھی اسی نعرے کا مخالف تھا۔ یہی نعرہ قائدِ اعظم کو کامیاب کرا گیا رہتی دنیا تک عزت بڑھا گیا۔ ورنہ تاریخِ عالم شاہد ہے کہ کبھی کسی نے اس طرح نظریاتی طور پر ملک نہیں بنایا۔ لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ بنیاد پاکستان میں قائدِ اعظم کا کمال نہیں بلکہ نامِ پاک احمد مجتبےٰ کا کمال ہے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ۔ ورنہ کون کسی کی خاطر بچے کٹاتا ہے گھربار لٹاتا ہے۔ وطن گنواتا ہے۔ خون بہاتا ہے۔ یہ تو شانِ پاک مصطفےٰ ہی کا کرشمہ ہے کہ۔

ع۔ سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

ہاں قائدِ اعظم کا جذبہ قابلِ فخر ہے اور ان علماء و مشائخ بریلویہ کا مخلصانہ ساتھ و حمایت قابلِ ذکر ہے۔ جس سے تاریخِ پاکستان درخشندہ اور جس کی بنا پر قائدِ اعظم محسن بن گئے۔ یہ تھے تین دور جن میں دیوبندی کردار تاریخی طور پر معاندانہ و مخالفانہ ہی ثابت ہوئے۔ یہ ذکر ضمناً ہو گیا ورنہ اصل مقصود درمیانی اور دوسرے دور کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ مستفتی کے مرسلہ رسالے کے دیباچہ میں اسی دور کا ذکر کیا گیا ہے اور تاریخ سے بالکل ہٹ کر اسی چیز کا انکار کیا گیا ہے۔ جس کو ان ہی کے اکابر کی محررہ تاریخ فخریہ پیش کر رہی ہے میں نے مندرجہ بالا سطور میں۔ دیوبندی کتب سے ہی ثابت کیا کہ اسماعیل دہلوی اور اس دور کے دیوبندی مرکزی حیثیت رکھنے والے پیشوا یانِ دیوبندیت کا عملی کردار انگریزی حکومت کی محبت اُن سے لگاوٹ اُن کے حکم اور اُن کے چندوں پر ان کی دولت برطانیہ پر سکھوں سے جنگ رہی، مجھ کو اس تفتیش میں باوجود کوشش بسیار کے ایک کتاب بھی ایسی نہ ملی۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ دیوبندی لیڈر انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑے ہوں۔ ہاں البتہ مزید یہ ثابت ہوا کہ وہابی ٹولہ انگریز کے حکم سے صرف سکھوں سے برسرِ پیکار رہا بلکہ مسلمانوں سے بھی انگریز کو مضبوط کرنے کے لیئے لڑا اور تمام مسلمان ان جنگجو وہابیوں کو انگریز کا جاسوس سمجھتے تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل چند اس ہی زمانے کی خود اُن کی ہی تاریخی تصنیفات سے یہ واضح ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ع۱ ۔مکتوب محمد اسماعیل دہلوی سید احمد کتاب سید احمد شہید کے مکتوبات ص۲۴ لکھتے ہیں ۔

یہاں یعنی سرحد میں دو معاملے درپیش ہیں ایک تو مفسدوں مخالفوں کا ارتداد ثابت کرنا اور قتل وخون کے جواز کی صورت نکالنا۔

ع۲ :۔مکتوبات سید احمد شہید ص۱۳۵ ۔مکتوب بنام سردار میر عالم میں لکھتے ہیں :۔

منافقین کے ساتھ جہاد کرنا ایک واجب معاملہ ہے اس لیئے خاکسار سچے مسلمانوں کے ساتھ شہر پشاور اور قرب وجوار میں بدکردار (پٹھان) منافقوں کی گندگی کو پاک کرنے کا مصمم ارادہ کر کے موضع پنجتار تک پہنچ گیا ہے ۔

ع۳ تاریخ تناولیاں ص۲۹ پر لکھا ہے ۔

القصہ پھر تو خلیفہ نے پائندہ خان سرحدی پٹھانوں کے امیر کے خلاف فتوئے کفر دے کر محمد اسماعیل کے لشکر کے ساتھ مل کر پائندہ خان سے جنگ کا ارادہ وتیاری کی :۔

ع۴ :۔سید احمد شہید ص۵۶ بنام شاہزادۂ کامران

جب امامت کا کام پورا ہو گیا تو شاہ صاحب نے منکرین امامت کو باغی اور واجب القتل قرار دیا۔

ع۵ مکتوبات سید احمد شہید ص۵۶ بنام شاہزادۂ کامران ۔

سوالنامہ آپ نے تو سکھوں سے جنگ کرنی تھی وہ تو پنجاب میں ہیں آپ لوگ یہاں سرحدی مسلمانوں کے علاقوں میں مسلح ہوکر کیوں آئے ۔جواب نامہ مکتوب ۔چونکہ ان منافقوں نے سرکشوں کی حمایت کی ہے اس لیئے ان کی گوشمالی ضروری ہے اور پہلے جہاد ان مسلمانوں کے خلاف کیا جائے اور یہاں سے فراغت کے بعد پنجاب کے سکھوں سے بات ہو گی ۔

ع۶ :۔کتاب فریاد مسلمین ص۱۶ پر ہے :۔

جب سرحدی پٹھان مغلوب نہ ہوئے تو ایک دن بہت سے ملکی جمع کر کے مولوی اسماعیل صاحب خود اُن کے مقابل گئے مدمقابل پٹھان یوسف زئی جرگہ تھا۔لڑائی شروع ہوتے ہی مولوی صاحب کی پیشانی پر ایک یعقوب نامی یوسف زئی پٹھان کی گولی لگی۔ اور شہید ہو گئے ۔

ع۷ :۔مضمون المیہ ہسپانیہ کے عوامل از یوسف جبریل ۔یہ مضمون روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵ اگست ۱۹۸۶ء میں بھی چھپا تھا۔ اس کا ایک فقرہ اس طرح ہے ۔

اسماعیل شہید جیسے لوگ سر سے کفن باندھ کر نکلے لوگوں کو سکھوں کے عذاب سے نجات دلانے آئے ۔اور مسلمانوں کے ہاتھوں ہی سے شہید ہو کر خالق حقیقی سے جا ملے :۔

ع۸:۔ ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کا مقدمہ کتاب کابل میں سات سال مصنف عبداللہ سندھی ص۱۶ پر لکھا ہے:۔
بالاکوٹ کے مقام پر حضرت سید احمد شہید اور ان کے ساتھی شہید کر دئے گئے اور خود آزاد قبائل میں سے بعض لوگوں نے ہندوستانی مجاہدین کو لوٹا گھسوٹا اور قتل کیا۔

ع۹ مقالات سرسید حصہ نہم ص۱۳۹ پر لکھا ہے:۔
ہندوستان کے گوشۂ شمال و مغرب میں سرحد پر جو پہاڑی قومیں رہتی ہیں وہ سنی المذہب حنفی قومیں ہیں چونکہ یہ پہاڑی قومیں سید احمد و اسماعیل دہلوی کے عقائد کی مخالف تھیں اس لیے وہ وہابی ان پہاڑیوں کو اپنے ساتھ نہ ملا سکے اور انہوں نے ہی مولوی اسماعیل صاحب و سید صاحب کو شہید کر دیا:۔

ع۱۰:۔ کتاب علماء ہند کا شاندار ماضی جلد دوم ص۲۴۵ پر لکھتے ہیں۔
خود مسلمانوں کے ہاتھوں سید صاحب کے غازیوں کے بڑے حصہ کو ایک ہی رات میں ذبح کروایا

ع۱۱:۔ الحیات بعد الممات ص۲۰۲ پر لکھا ہے۔
اس بے وفا قوم نے عین حالتِ جنگ میں بے وفائی کی جس سے مسلمانوں کو شکست ہوئی اور منافقوں نے مولوی اسماعیل صاحب کو شہید کر دیا وہ ۱۲۴۶ھ کو ۲۴ ذیقعد ترپن سال کی عمر میں شہید ہوئے:۔
ان تمام حوالاجات سے واضح ثابت ہوا کہ وہابی لوگ اس وقت بھی حنفی مسلمانوں کو مرتد۔ منافق۔ مشرک بدعتی کہتے رہے اور ان پر کفر کا فتوائے لگا کر ان کو قتل کرتے رہے۔ اور یہ کہ اسماعیل دہلوی وغیرہ کے نزدیک نہ مسلمان پیارے تھے نہ ہم وطن۔ اُن کے پیارے تو صرف انگریز تھے۔ کیونکہ وہ دولت مند اور خوبصورت تھے۔ اور اُن کا سورج چڑھ رہا تھا اور یہ وہابی ہوئے تاریخی۔ دولت اور چڑھتے سورج کے پجاری سوال یہ ابھرتا ہے کہ آخر مسلمانوں نے اِن وہابی لشکروں کا ساتھ کیوں نہ دیا۔ یہ بھی خود اُن کی زبانی سنئے:۔

ع۱ حاشیہ مقالات سرسید حصہ سولھواں مصنف محمد اسماعیل پانی پتی ص۱۵۲ پر لکھا ہے۔
جب حضرت شہید بعزم جہاد صوبہ سندھ اور سرحد کے علاقے میں داخل ہوئے یہ صوبے اس وقت انگریزی کی عملداری میں نہ تھے۔ تو ان کے متعلق عام طور پر یہ شبہ کیا گیا کہ یہ انگریزوں کے جاسوس ہیں۔ اور یہ شبہ اس لیئے کیا گیا کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوشگوار تھے:۔

ع۲:۔ کتاب سید احمد شہید حصہ دوم مصنف غلام رسول مہر وہابی ص۲۸ پر لکھتے ہیں:۔
سرحد کے حنفی علماء نے یہ فتوائے دیا کہ۔ وہ (یعنی مولوی اسماعیل شہید اور سر سید احمد شہید) ہمارے اور تمہارے مذہب کے مخالف ہیں۔ ایک نیا دین انھوں نے نکالا ہے کسی ولی یا بزرگ کو نہیں مانتے

سب کو برا کہتے ہیں انگریزوں نے انہیں تمہارے ملک کا حال معلوم کرنے کی غرض سے جاسوس بنا کر بھیجا ہے ان کی باتوں میں نہ آنا عجب نہیں تمہارا ملک چھنوا دیں۔

ع۳ کتاب سید احمد شہید مصنف غلام رسول مہر ص ۲۹۷ - پر لکھا ہے۔

کاردیں جوان شاہ۔ سید صاحب سے ملاقات کے لیے آئے اور ایک بڑا بھینسا بطور نذر پیش کیا۔ انہی سے معلوم ہوا کہ لوگ عام طور پر سید صاحب کو انگریزوں کا جاسوس سمجھتے ہیں اسی لیے بد کتے ہیں۔

ان تاریخی حقائق سے یہ بات واضح ہوئی کہ مسلمان کیونکر وہابیوں سے متنفر ہوئے۔ اس کا سیاسی پس منظر یہی تھا کہ ان کے انگریزوں سے خوشگوار تعلق تھے۔ اور یہ خوشگواری اس حد تک تھی کہ جو انگریز سے نفرت کرتا یہ وہابی لوگ اس کو مارنے مرنے پر تیار ہو جاتے اور باقاعدہ جنگ کرتے جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں ثابت کر دیا اور جو انگریزوں سے جنگ کرتا تو یہی وہابی اس سے نفرت کرتے اس کے خلاف کفر۔ شرک کے فتوے دیتے جیسا کہ ابھی ان ہی کی کتب سے ثابت کیا جائے گا۔ چنانچہ ع۱ حاشیہ مقالات سرسید حصہ سولہواں مصنف و مرتب محمد اسماعیل پانی پتی ص ۳۵۲ پر لکھا ہے۔

۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب علمائے کرام تھے جو عقیدۂ حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنہوں نے حضرت شاہ اسماعیل کے رد میں بہت سی کتابیں لکھیں۔

ع۲ :- ترجمان وہابیہ از نواب صدیق حسن وہابی ص ۵۵

انگریزوں سے جنگ کرنے والے اور جہاد کا فتوے دینے اور مہر لگانے والے غالباً وہی لوگ تھے جو اہلِ سنت اور اہلِ حدیث کو زبردستی وہابی کہتے ہیں۔

ع۳ الاقتصاد فی مسائل جہاد مطبوعہ قاسمی پریس دہلوی ص ۴۹ پر لکھا ہے

۱۸۸۷ء میں جو مسلمان انگریز کے خلاف جنگ لڑے وہ سخت گناہگار۔ اور بحکم قرآن و حدیث وہ مفسد۔ باغی اور بد کردار تھے۔ سمجھ دار لوگ اس میں ہرگز شریک نہ ہوئے۔

ع۴ :- تذکرۃ الرشید حصہ اول از عاشق الٰہی میرٹھی ص ۷۳ پر لکھا ہے۔

بعض کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی (انگریزی حکومت) کے امن و عافیت کا نہ ما نہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل حکومت گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم اٹھایا۔ اور قائم کیا:۔

یہ تھی میری وہ تحقیق جو تاریخی طور پر میں نے آپ کے سامنے پیش کر دی تاکہ غیر جانب دارانہ طور پر

یہ ثابت ہو جائے کہ مذکورہ فی السّوال صاحبِ تحریر کا یہ نعرہ قطعاً غلط اور جھوٹ ہے کہ وہابیوں نے انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جنگ کی۔ صرف زبانی باتیں کرنے سے تو کوئی کسی کو نہیں روک سکتا البتہ تاریخ و ہایت بتاتی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ کلمہ گو مسلمانوں کو کافر، مشرک، بدعتی کہہ کر قتل کیا۔ یہ اتنے کثیر حوالے محض اس لیئے دیئے گئے کہ رسالے کا پورا جواب ہو اور اتمام حجت ہو جائے۔ ورنہ انگریزی دور میں ان کا کافر انگریز کا ساتھ دینا اور پٹھان مسلمانوں سے جنگ کرنا اور برِصغیر کے مسلمانوں کو قتل کرنا کوئی تعجب خیز بات نہیں کیونکہ ایسی غداریوں اور بغاوتوں سے اُن کی تاریخ بھری پڑی ہے یہی ہیں وہ لوگ جن کا پہلا نام خارجی (دیکھو فتاوٰے شامی) دوسرا نام نجدی۔ (دیکھو حدیث پاک) تیسرا نام وہابی چوتھا نام دیوبندی۔ یہ بھی میں جانتا ہوں میری اس صاف صاف باحوالہ اور غیر متعصبانہ تحریر کو یہ تسلیم نہ کریں گے۔ مگر باانصاف لوگ اس حقیقت سے روگردانی نہیں کر سکتے۔ آج اگر یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم انگریز کے دشمن ہیں تو فقط اس لیئے کہ انگریز یہاں موجود نہیں اور آج پھرا نہیں پاکستان کی کرسی کی طلب ہے۔ یہ پاکستان کی عوام اور حکومت کی بدقسمتی ہے کہ ابھی تک اس قوم کا محاسبہ نہیں ہوا۔ اب رہے وہ اعتراضات جو ضمناً صاحبِ رسالہ نے بریلوی گروہ پر وارد کیئے۔ اُن کے جواب حسبِ ذیل ہیں:۔

پہلا اعتراض:۔ کہ بریلوی لوگوں نے معاذ اللہ نبی کریم کو شکاری اور دھوکہ باز کہا۔ جواب یہ اعتراض اتنا کمزور بلکہ متعصبانہ جاہلانہ اور گستاخانہ ہے کہ دل چاہتا ہے کہ اس کا قطعاً جواب نہ دیا جائے۔ لیکن چونکہ خاموشی سے عوام غلطی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ لہٰذا کچھ فہمی کی وضاحت ضروری ہے۔ اس اعتراض میں تعصب تو یہ ہے کہ معترض وہابی صاحب نے جو حوالہ جاء الحق صـ۱۷۵ کا پیش کیا وہاں لفظ دھوکے باز نہیں ہے۔ یہ لفظ وہابی صاحب نے اپنے پاس سے لگایا جو سراسر خیانت ہے اور جاء الحق میں صراحتاً کہیں بھی نہیں لکھا کہ نبی کریم شکاری ہیں۔ بلکہ محض تشبیہ ہے۔ اور تشبیہ اصل حقیقت نہیں ہوتی جس طرح دن رات کہا جاتا ہے کہ زید مثل شیر کے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں بہت جگہ تشبیہات پیش فرمائی ہیں اور تشبیہ پر اعتراض کرنا یہودی کفار کا طریقہ ہے۔ جیسا کہ پہلا سیپارہ وضاحت فرماتا ہے۔ وہابی معترض کی گستاخی یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ والہٖ وسلم کو کس طرح بے باکانہ طریقے سے بلاجھجک دھوکے باز کی نسبت دے رہا ہے۔ اِن ظالموں کی دیدہ دلیری تو دیکھو کہ جس پر اعتراض کر رہا ہے اس کی کتاب میں اس لفظ کا شائبہ تک نہیں اور یہ خود اپنے پاس سے یہ کفریہ لفظ بڑھا رہا ہے تو گویا اس گستاخی کا خود اسی معترض کو شوق ہے۔ اس اعتراض میں جہالت و حماقت یہ ہے کہ شکار کرنا دھوکے بازی نہیں اور شکاری کو دھوکے باز کہنا شرعاً گناہ ہے۔ قرآن مجید کے خلاف ہے اور تمام اہلِ علم اور اہلِ لغت اس کی تردید کرتے ہیں:۔ باری تعالےٰ ربّ العزّت قرآنِ پاک کی پانچویں سورت مائدہ کی آیت ع۲ میں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا۔ (ترجمہ) :۔ اور حاجیو جب تم احرام سے کھل جاؤ تو شکار کرو۔ اس آیت میں شکار کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ صیغہ امر کا ہے۔ یہ امر اگرچہ استحبابی ہے مگر حکم ہے کس کو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ رضی کو اور تمام مسلمانوں کو تا قیامت۔ یعنی شکار کرنا مستحب ہے جس کا حکم خود اللہ فرماتا ہے۔ کہ شکار کرو۔ اگر معاذ اللہ شکار کرنا دھوکے بازی ہے جیسا کہ وہابی معترض نے کہہ دیا۔ تو گیا معاذ اللہ اللہ کریم نے دھوکے بازی کا حکم دیا۔ اور نبی کریم وصحابہ کو دھوکے بازی کی اجازت مستحب کر دی۔ کیسی کفریہ حماقت ہے۔ بریلویوں کو برا کہتے ہو نادانی تو خود آپ کی ثابت ہو گئی اور قرآن پاک کی گستاخی تو آپ نے کر دی۔ خیال رہے کہ شکار کا لغوی ترجمہ ہے کسی کو اپنے ساتھ مائل کرنا۔ چنانچہ مشہور لغت المنجد عربی مصری ص۴۵۶ پر ہے :۔ صَادَنَا یُدًا اَیْ جَعَلَہٗ اَحِیْدًا اَیْ مَائِلَ الْعُنُقِ۔ (ترجمہ)۔ شکار کیا اس نے زید کو یعنی مائل کر لیا اس نے زید کو گردن سے اپنی طرف۔ تمام اہل علم اسباب پر متفق ہیں کہ کسی کو ایک راہ سے ہٹا کر دوسری راہ پر لانا چار طریقے سے ہوتا ہے :۔ ۱ اچھی راہ سے ہٹا کر بری راہ پر لانا۔ اضلال ہے یہ حرام ہے ۲ کسی کو اچھا راہ بتانا ہی نہ بلکہ برے راہ کی ایسی تعریف کرنا کہ چلنے والا اس کو اچھا سمجھے یہ اخداع ہے یہ سخت گناہ ہے بلکہ یہ سخت گناہ ہے بلکہ یہ بھی حرام ہے ۳ کسی کو برے راہ سے ہٹا کر اچھے راہ پر لانا یہ تدبیر ہے یہی ایمان ہے۔ کسی متلاشی کو اچھے راہ کی خوبیاں سنا کر اچھے راہ پر لے آنا۔ یہ حیلہ ہے اسی کو ہدایت کہتے ہیں۔ بس یہی چار طریقے ہیں کسی کو اچھی بری طرف مائل کرنے کے۔ اضلال۔ اخداع۔ تدبیر۔ حیلہ اردو میں اس کے ترجمے ہیں ۱ گمراہ کرنا ۲ دھوکا دینا ۳ تدبیر کرنا۔ ۴ حیلہ کرنا۔ شریعت میں پہلے دو کام ناجائز ہیں اور دوسرے دو کام جائز وضروری ہیں۔ دھوکا دینا ہر شریعت ہر قانون ہر رواج اور ہر معاشرے میں سخت ترین عیب اور گناہ ہے۔ بجز کافر بحالت جنگ کے علاوہ کبھی دھوکا دینا جائز نہیں بدیں وجہ دھوکے باز انسان ہر معاشرے میں برا سمجھا گیا۔ اضلال یعنی گمراہ کرنا اور کسی کو غلط پٹی پڑھانی دینی اور مذہبی لحاظ سے قابل نفرت کام ہے۔ لیکن تدبیر کرنا اور اسی طرح کسی کام کا حیلہ کرنا ہر قانون میں ہر وقت جائز ہے۔ فقہاء کرام ہر بری چیز سے بچنے کے لیے عوام کو بچانے کے لیے بے شمار شرعی حیلے بیان فرماتے ہیں۔ اور اس کا نام رکھا کتاب الحیل ہے یعنی حیلوں کی کتاب پنجابی مقولہ مشہور ہے۔ کہ حیلے رزق بہانے موت، یعنی رزق حیلوں سے حاصل کیا جاتا ہے اور موت بہانے سے آتی ہے۔ ثابت ہوا کہ حیلہ کرنا بالکل جائز ہے اور حیلہ والا شخص قابل قدر ہو سکتا ہے قابل نفرت نہیں۔ جب یہ سمجھ لیا تو یاد رکھو اہل علم واہل لغت کے نزدیک شکار کرنا اور شکاری ہونا دھوکے بازی نہیں بلکہ حیلہ کرنا ہے۔ چنانچہ المنجد عربی مصری ص۴۵۲ پر ہے :۔

وَاصْطَادَ الطَّیْرَ قَنَصَہٗ وَاَخَذَہٗ بِحِیْلَۃٍ۔ (ترجمہ) :۔ اور شکار کیا اس نے پرندے کو یعنی حیلے

سے پکڑنا۔ ثابت ہوا کہ شکار کرنے کا مطلب ہے حیلے سے پکڑنا اور حیلہ تو ہر طرح جائز ہے۔ کیونکہ حیلے کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ اپنے اُس حق کو جو حاصل نہ ہو رہا تھا تو کچھ تدابیر سے حاصل کر لینا۔ ساری مخلوق حیوانات و جمادات و نباتات چرند پرند۔ درند۔ بحری و برّی انسان کے لیئے بنا اور تمام انسان انبیاء کرام کے لیئے پس جس طرح انسان کو شرعًا ہر طرح حیوانات بریہ و بحریہ کا شکار جائز ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام کو جائز ہے۔ کہ جہنم کی وادیِ بیابان کی طرف دوڑتے وحشی انسانوں کو شکار کر کے شریعت کے جال میں جکڑ کر معرفت کے سنہری پنجروں میں بند کریں اور جنت کے محلوں کی طرف لے جاتے ہوئے عالم لاہوت کے باغوں میں چھوڑ دیں کہ کہیں انوار و تجلیات کے بحرانوار میں غوطے لگائیں اور کبھی مشاہداتِ اسرار کے میوے کھائیں۔ یہ وہ پیارا شکار ہیں اور یہ وہ دل نواز شکاری ہیں کہ

ع ، ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف ۔ بامید زانکہ روزے بشکار خواہی آمد

یہی وہ شکار ہے کہ عرب کے صحرائیوں کو پکڑ کر۔ صدیق و فاروق۔ اسد اللہ و سیف اللہ بنا دیا۔ کیا ہم اس شکار ہونے پر ناز نہ کریں کیا شکار کر کے پکڑنے والے اور دامنِ رحمت سے باندھنے والے کا احسان نہ مانیں۔ ہم وہی وحشی تھے۔ سے جو

-آزردہ پھر رہے تھے ہم اس کائنات میں۔ ہم بیکسوں کی بات بنائی حضور نے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

بدنصیب وہابی اس کو دھوکا بازی کہتا ہے۔ جب جسمانی شکار اور حیوانات کا شکار جائز ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بہت شکار کھیلتے تھے دیکھو تاریخ اور قصصِ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تفاسیر قرآن کریم حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو شکار کرنے کی اجازت دی۔ تو انسانوں کی بہبود کے لیئے انسانوں کا شکار کیوں منع ہو گا۔ بہت سے صحابہ کبار بھی شکاری تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کسی نے جسم حیوانی کو شکار کیا مگر پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دونوں کا شکار کیا کاش ہم بھی آپکے شکار ہو جائیں دوسرے اعتراض کا جواب معترض کہتا ہے کہ جاء الحق صـ۹۱ پر لکھا ہے۔ بحث علم غیب میں اے کافروں میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں۔ اس عبارت پر وہابی معترض اپنا مطلب نکالتے ہوئے۔ بریلوی لوگوں کو ہدفِ تنقید بنانے کی غرض سے لکھتا ہے۔ دکر نبی کریم نے اپنے خزانے بچانے کے لیئے کفار کے سامنے جھوٹ بولا کہ میرے پاس خزانے نہیں ہیں۔ میں اُن دریدہ دہنوں بریلویوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا مختار کل عالم الغیب اور حاضر ناظر کا مال چوری ہو سکتا ہے۔ اور اس عبارت میں تمنے چوروں کی طاقت حضور اکرم سے زیادہ تسلیم نہیں کر لی۔) یہ تھی معترض کی عبارت جو اُسنے بلا جھجک نڈر ہو کر پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ۔ منسوب کر دیا۔ ایسی بات لکھتے ہوئے مومن کا قلم کانپ جاتا ہے۔ جاء الحق میں نہیں

لکھا کہ معاذ اللہ۔ ہمارے آقا نے کفار کے سامنے جھوٹ بولا اور کیسے لکھ سکتے تھے بھلا کس کی جرات ہو سکتی ہے بریلوی علماء تو درکنار عوام بھی ایسی گستاخی سے کانپ جائیں یہ جرأت تو تاریخ نے وہابیوں کی ہی ثابت کی ہے کہ بغیر معاذ اللہ کے اس طرح کی گستاخی لکھنے میں بے باک ہیں۔ وہابی معترض یہ اعتراض اس آیت کی تفسیر پر کر رہا ہے جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے۔ سورۂ انعام کی آیت پ ۷ ع ۱۵ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۔ سے متعلق جاء الحق حصہ اول ص ۱۰۱ پر فرمائی ہے۔ میں یہاں اس آیت کی لمبی چوڑی تفسیر نہیں کرنا چاہتا کیونکہ مفسرین کرام نے بہت تفسیر یں فرمادیں ہیں۔ میں مندرجہ ذیل چند سطور میں معترض کی چند خامیوں کا علمی طور پر ذکر کروں گا جس سے اعتراض کی کمزوری اور معترض کی جلد بازی۔ حماقت۔ وجہالت اور کج فہمی ثابت ہو جائے گی۔ اس اعتراض سے بھی مصنف کا مقصد محض عوام کیمٹر کا نافریب دینا ہے بریلویوں کو بدنام کرنا ورنہ حقیقت کچھ نہیں نہ اس تفسیر سے معاذ اللہ جھوٹ ظاہر ہوتا ہے نہ کمزوری۔ نہ عجز نہ ہی نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختار کل۔ غیب دانی۔ اور حاضر و ناظر پر فرق آسکتا ہے۔ یہ آیت بھی اپنی جگہ بالکل اسی تفسیری آن بان کے ساتھ نیر تاباں ہے۔ جو حکیم الامت نے تفسیر کی اور پیارے آقا علیہ السلام مختار کل۔ غیب دانِ کائنات۔ حاضر و ناظر بھی بعطاءِ الٰہی تا قیامت ہیں۔ صرف دیدہ کوری تو نصیب وہابیان و دیابنہ ہے۔ اعتراض دوم میں خامیاں ہیں۔

پہلی خامی:۔ یہ کہ اس اعتراض میں ایک خیانت ہے وہ یہ کہ جاء الحق میں کہیں بھی جھوٹ کا ذکر تک نہیں معترض نے خود اپنا مطلب نکالنے کے لیے جھوٹ بولنے کا لفظ بڑھا کر خیانت کی ہے۔

دوسری خامی:۔ یہ کہ معترض نے نہایت ڈھٹائی بے حمیتی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی پاک باز مقدس ہستی کے متعلق خود اپنے الفاظ میں جھوٹ بولنے کی نسبت کر کے بدترین گستاخی کی مگر یہ گستاخی ان سے متعجب نہیں کیونکہ ان کے اکابر نے تو خدا تعالیٰ کو بھی جھوٹ سے ملوث کر دیا۔

تیسری خامی:۔ تیسری خامی یہ کہ معترض وہابی صاحب اس آیت کی اس تفسیر پر تنقید کرتے ہیں جو مبلغ عالم حضرت حکیم الامت نے جاء الحق میں فرمائی ہے۔ حالانکہ یہ تفسیر بالرائے یا ذاتی نہیں بلکہ حدیث پاک۔ قرآنِ کریم اور شانِ نزول و منشاءِ باری تعالیٰ کے عین مطابق ہے جیسا کہ دیگر آیات سے ثابت ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ تمام مفسرین بھی اسی سے ملتی جلتی تفسیر فرماتے ہیں۔ زیر آیت سورہ انعام پارہ ہفتم کی آیت ع ۱۵ پر ہے۔ اسی طرح کی آیت سورہ ہود پارہ بارہواں آیت ع ۳۱ پر بھی ہے۔ مگر چند فرقوں سے ع ۱ یہاں نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرمانے کا حکم دیا گیا لہٰذا قل سے شروع فرمایا قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ ۔ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۔ اس آیت

میں حضرت نوح علیہ السلام کا قول نقل فرمایا گیا۔ ع۲ یہاں دو جگہ لَکُمْ ہے وہاں ایک جگہ۔ جاء الحق کی مذکورہ تفسیر کا دار و مدار لفظِ لَکُمْ پر ہے اور لَا اَقُوْلُ پر لفظِ لَکُمْ نے۔ لَا اَقُوْلُ کی حد بندی کر دی اور آیت پاک کو مقید کر دیا اس سے فائدہ یہ ہوا کہ مضمونِ آیت خبر نہ رہا بلکہ دعوے بن گیا اور یہ خطاب سب کو نہ رہا بلکہ صرف کُم ضمیر کے مرجع کو خطاب ہوا اور وہ کفارِ مکہ کیونکہ یہ آیت مکی ہے آیت اتنی صاف اور واضح طور پر بتا رہی ہے کہ صرف کافروں سے کہا جا رہا ہے۔ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ میں تم کو نہیں بتاتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے اور علمِ غیب ہے۔ چوتھی خامی یہ کہ ہمارا معترض بالکل علم سے خالی ہے۔ اس کو نحو۔ صرف علمِ اصول و معانی سے کوئی لگاؤ نہیں یہ جہالت ہی ہے کہ دیوبندی بن کر اس طرح کے احمقانہ اعتراض کرتا ہے بلکہ وہابی بننا ہی جہالت ہے۔ اور اس تفسیر پر معترض ہے جو تمام مفسرین کے فرمودات سے ماخذ ہے۔ چنانچہ تفسیر مدارک جلد دوم ص۱۴ پر ہے۔ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ اَیْ لَا اَدَّعِیْ۔ تفسیر روح المعانی جلد چہارم پارہ ہفتم ص۱۵۵ پر ہے۔ وَالْمَعْنٰی لَا اَدَّعِیْ اِنَّ ھٰاتِیْکَ الْخَزَائِنَ مُفَوَّضَةٌ اِلَیَّ (ترجمہ): لَا اَقُوْلُ کا مطلب ہے کہ میں دعوے نہیں کرتا اس کا کہ میرے پاس اللہ کے مقدورات کے خزائن سپرد کیئے ہوئے ہیں۔ اصولی طور پر دعوے اور خبر میں بہت فرق ہیں پس آیت کریم کا دعوے کی نفی ہے نہ کہ حقیقت کی یہ مطلب لفظِ لَکُمْ سے ثابت ہوا یعنی صرف کفار کے سامنے دعوے کی نفی فرمائی گئی نہ کہ مسلمانوں کے سامنے لَکُمْ نے اس خطاب کو مقید کر دیا اگر یہ جملہ خبریہ ہوتا تو لَکُمْ کی قید نہ ہوتی کیونکہ خبر عام ہوتی۔ تمام مفسرین کا یہی قول ہے چنانچہ تفسیر معانی التنزیل خازن جلد دوم ص۱۴ پر ہے۔ قُلْ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ یَعْنِیْ قُلْ یَا مُحَمَّدُ لِهٰؤُلَاءِ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (ترجمہ):۔ یعنی اے حبیب کریم ان مشرکوں سے خزائن الٰہیہ کی بابت اس طرح گفتگو فرماؤ اور علم غیب کے متعلق بھی ان کو نہ بتاؤ۔ یہ تعلیم حکم رب نے سکھایا۔ کیوں سکھایا اس کی بڑی وجہ تو وہی ہے جو حضرت حکیم الامت نے اپنی تفسیر میں جاء الحق کتاب کے صفحات میں بتائی یہی تفسیر قرآن پاک کی دیگر آیات سے مطابقت رکھتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی وجہ تواضع انکساری فرمائی۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن جلد دوم ص۱۴ پر ہے۔ وَاِنَّمَا نَفٰی عَنْ نَفْسِهَا الشَّرِیْفَةِ هٰذِهِ الْاَشْیَاءَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ تَعَالٰی۔ (ترجمہ):۔ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے سے تین چیزوں کی نفی صرف بارگاہِ الٰہی میں انکساری کرتے ہوئے فرمائی نہ کہ حقیقتًا کیونکہ اصلًا آپ کے پاس خزانے بھی ہیں غیب ذاتی بھی ہے۔ اور ملکی صفات بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ بلکہ جبرائیل و میکائیل علیہما السلام سے زیادہ صفاتِ ملکیہ نبی کریم کے اندر ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد سوم ص۳۵ پر ہے۔ فَمَنْ قَالَ اِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ فَقَدْ اَخْطَاءَ

فِیۡمَا اَصَابَ وَلَا اَقُوۡلُ اِنِّیۡ مَلَکٌ۔ وَاِنۡ کُنۡتُ عَبَرۡتُ عَنۡ مَقَامِ الۡمَلَکِ۔ (ترجمہ) :۔ جو گستاخ یہ کہے کہ بے شک نبی اللہ غیب نہیں جانتے اس نے حقیقت کے خلاف غلط کہا اور آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان لَا اَقُوۡلُ لَکُمۡ اِنِّیۡ مَلَکٌ یہ بھی تواضعاً ہے کہ میں فرشتہ نہیں اگرچہ میں قوت میں مقامِ ملکیت سے بھی عبور کر گیا (معراج کی رات) یہ تھیں مسلمان مفسّروں کی تفاسیر۔ جو سراسر وہابی حضرات کے خلاف ہیں کیونکہ وہابی کہتے ہیں کہ نبی کریم معاذ اللہ کچھ نہیں جانتے نہ آپ کے پاس خزائن الٰہیہ ہیں۔ اور ثبوت کی آیاتِ کثیرہ و احادیث متعددہ سے یکسر کور چشمی کر جاتے ہیں وہابی حضرات اس آیت کو جملہ خبریہ بناتے ہیں۔ یہ ان کی جہالت ہے کیونکہ اس میں رب تعالےٰ کی بھی گستاخی ہے کہ اسی ذاتِ پاک نے یہ کہنے کا حکم دیا۔ اس کو جملہ خبریہ ماننے سے تمام ان آیات کا انکار لازم آئے گا جس میں رب تعالےٰ نے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غیب کے ثبوت کا ذکر فرمایا۔ معترض کا اس تفسیر میں جھوٹ کا احتمال پیدا کرنا بھی نادانی ہے کیونکہ لا اقول لکم جملہ انشائیہ ہے۔ یعنی میں نہیں بتاتا تم کو۔ یہاں تم کو بتلانے کی نفی ہے۔ لفظِ لکم نے اس کی خبریت کو بطرفِ انشائیت منتقل کر دیا۔ جس سے یہ جملہ انشائیہ بن گیا۔ قانون شریعت میں انشاء کی دس قسمیں ہیں ۱۔ امر ۲۔ نہی ۳۔ استفہام ۴۔ تمنّیٰ ۵۔ ترجّی ۶۔ عقود ۷۔ نداء ۸۔ عرض ۹۔ قسم ۱۰۔ تعجب۔ مرقات منطق ص۱ پر اور تمام کتب نحو میں اسی طرح ہیں۔ بہت سے موقعوں پر خبر کو انشاء بنانا پڑتا ہے۔ چنانچہ علم فصاحت کی کتاب مختصر المعانی صفحہ نمبر ۱۸۰ پر ہے :۔

وَ لِاَنَّ اَکۡثَرَهَا فِی الۡاَصۡلِ اَخۡبَارٌ نُقِلَتۡ اِلٰی مَعۡنَی الۡاِنۡشَاءِ۔ (ترجمہ) :۔ اور اس لیئے کہ اکثر جملے خبریے جملے انشائیے بنا دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں لَا اَقُوۡلُ لَکُمۡ میں بھی۔ جملہ انشائیہ میں منتقل کرنے کے بہت طریقے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ خبریت کو کسی نسبت سے مقید کر دیا تو وہ جملہ انشائیہ بن جاتا جیسے میں نے خریدا میں نے بیچا۔ میں نے نکاح کیا۔ میں نے طلاق دی۔ ان تمام جملوں میں ظاہراً خبریت ہے مگر چونکہ خریدنے میں بیچنے والے کی نسبت ہے۔ بیچنے میں گاہک کی نسبت۔ نکاح میں منکوحہ کی نسبت طلاق میں مطلقہ بیوی کی نسبت اشد ضروری بدیں وجہ یہ جملہ خبریہ نہیں رہا بلکہ جملہ انشائیہ ہو گیا ان کا نام عقود ہے اسی لیئے شرعی قانون ہے کہ اگر طلاق میں نسبت الی الزوجہ نہ ہو گی صرف خبریت ہو گی تو طلاق نہ پڑے گی۔ پس اسی طرح سمجھ لو کہ لَا اَقُوۡلُ لَکُمۡ میں لَکُمۡ کی قید اضافی نے اس جملے خبرے کو انشائیہ بنا دیا اگر یہاں لَکُمۡ نہ ہوتا تو انتقالِ انشائیت بھی نہ ہوتا اور عام سب کے لیئے یہ خبر ہوتی مگر لَکُمۡ نے بتایا کہ یہ بات صرف کافروں سے ہے چنانچہ تمام مفسّرین نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی ہی تائید فرمائی جس سے وہابی خائب و خاسر ہوئے تفسیراتِ اربعہ جلد دوم

ص۱۲۱ پر ہے۔ اَلْخِطَابُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْنِیْ قُلْ یَا مُحَمَّدُ لِھٰؤُلَاءِ الْمُشْرِکِیْنَ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ۔ تفسیر روح المعانی جلد چہارم ص۱۵۵ پر ہے:۔ قُلْ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ الْبَشَرُ النَّذِیْرُ لِلْکَفَرَۃِ الَّذِیْنَ یَفْتَرِحُوْنَ۔ (ترجمہ):۔ دونوں عبارتوں کا قُلْ میں خطاب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہ اے پیارے محمد بشیر نذیر رسول ان مشرکوں کافروں سے فرما دو کہ وہ کافرو جو مجھ سے رازِ الٰہیہ پوچھتے ہو میں تم کو نہیں بتاتا کہ میرے پاس غیب اور اللہ کے خزانے ہیں۔ صاف پتہ لگا کہ یہ عبارت جملہ انشائیہ ہے اور پھر تو ہماری زبان میں بھی بطور خبر نہیں ہوتا۔ دن رات اس طرح مستعمل ہے۔ جا میں تجھ کو نہیں بتاتا کہ میرے گھر میں دولت ہے۔ یہاں تک تو مفسرین کے اقوال مبارکہ جاء الحق کی تائید میں پیش کیے گئے۔ اس آیت کریم کا شانِ نزول بھی اسی کی تائید کر رہا ہے:۔ چنانچہ تفسیر خازن جلد دوم صفحہ نمبر ص۱۲ پر ہے:۔ نَزَلَتْ حِیْنَ اِقْتَرَحُوْا عَلَیْہِ الْاٰیَاتِ۔ قَالُوْا لَہٗ اَخْبِرْنَا بِمَصَالِحِنَا وَمَضَارِّنَا فِی الْمُسْتَقْبِلِ:۔ ترجمہ:۔ جب کفار مکہ نے آیتوں کا سوال کیا تب یہ آیت اتری۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو ہمارے نفع نقصان کے زمانۂ مستقبل کے سارے اسرار سمجھا دو بتا دو۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کو منع فرما دیا کہ ان کو کہہ دو میں تم کو نہیں بتاتا۔ حالانکہ سب خزانے اور علوم غیبیہ آپ کے پاس ہیں یہی مفسرین فرماتے ہیں چنانچہ روح البیان جلد سوم صفحہ نمبر ص۲۵ پر ہے:۔ عَلٰی اَنَّھَا عِنْدِیْ وَلٰکِنْ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ (ترجمہ):۔ علاوہ اس بنا پر کہ یہ سب کچھ میرے پاس ہے مگر میں تم کو نہیں بتاتا۔ اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ چونکہ کفار نے اسرار الٰہیہ کے جاننے اور بتانے کی خواہش کی تھی تو رب نے منع فرما دیا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے منع کیوں فرمایا۔ اور بتانے سے کیوں روکا اگر یہ حقیقت کی خبر تھی۔ تو وہ روایت جھوٹی ہوتی ہیں جن میں ارشاد ہے:۔ سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ ۔ اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ۔ ص۳۔ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔ ترجمہ:۔ مجھ کو زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں مجھ کو جامع کلمات دیے گئے۔ ہم اپنے انبیاء کو آفاقِ کائنات کی نشانیاں دکھائیں گے۔ اور سارے احادیث کو سچا مانا جاتا ہے تو آیت کو غلط کہنا پڑے گا حالانکہ وہ رب تعالیٰ کا حکم۔ جب یہ دونوں محال تو مطابقت واجب اور مطابقت اسی طرح ہو سکتی ہے جس طرح تمام مفسرین اور حضرت حکیم الامت نے فرمائی کہ احادیث اپنی جگہ بالکل صحیح سچی اور آیت کا حکم بھی درست کیونکہ وہ خبر نہیں بلکہ انشاء وہ ہوتا ہے جس میں جھوٹ سچ کا شائبہ نہیں ہوتا نہ ہی تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ کتاب توضیح ص۲۰۵ پر ہے:۔ اِمَّا خَبَرٌ اِنِ احْتَمَلَ الصِّدْقَ وَالْکِذْبَ اَوْ اِنْشَاءٌ اِنْ لَمْ یَحْتَمِلْ۔ (ترجمہ):۔ جملہ یا خبریہ ہوتا ہے۔ اگر سچ جھوٹ کا احتمال رکھے یا جملہ انشائیہ ہوتا ہے اگر اس کو سچ جھوٹ سے تعلق کوئی نہ ہو پس معترض کا یہ کہنا

کہ اگر بقول جاء الحق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب اور خزانوں کو کافروں سے چھپایا تو گویا جھوٹ بولا۔ یہ معترض کی جہالت ہے کیونکہ جملے انشائیہ کو جھوٹ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جاء الحق میں حضرت قبلہ نے لکھا ہے کہ کفار سے خزانے چھپائے گئے اور فرمایا کہ اے کافرو تم چور ہو اور چوروں سے خزانے چھپائے جاتے ہیں۔ یہ ہی عبارت ہے جس سے معترض وہابی کو دکھ پہنچا کہ کافروں کو چور کیوں کہہ دیا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جاء الحق کی یہ عبارت بھی غلط نہیں بلکہ اقوالِ مفسرین۔ شانِ نزول اور دیگر آیات و منشاءِ حکم باری تعالےٰ سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورہ حجر آیت ۱۵ ع پ ۱۴

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ (ترجمہ) اور ہم نے چھپایا یا حفاظت کی ان آسمانی اسرار الٰہیہ کو جو برجوں میں ہیں ہر مردود سے مگر وہ شیطان جس نے چوری کی راز و اسرار کو سن کر تو پیچھے لگا اس کے شہابِ مبین۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ بذریعہ شہاب ثاقب اور ملائکہ۔ آسمانی رازوں کو مردود شیطانوں سے چھپاتا ہے۔ حفاظت دو قسم کی ہوتی ہے، ۱۔ بچا کر ۲۔ چھپا کر رب تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت فرمائی اس کو فسادیوں سے بچا کر اسرار کی حفاظت فرمائی چھپا کر شیطان جس طرح ابلیسی جنوں میں ہیں اسی طرح انسانوں میں بھی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے سورہ انعام آیت ۱۱۲ ع ۹ پ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ (ترجمہ) اسی طرح بنایا ہم نے ہر نبی علیہ السلام کے لیے دشمن انسانوں اور جنوں کے شیطانوں سے۔ تو جس طرح شیطان جن چور ہیں اسی طرح انسانی شیطان بھی چور ہیں اللہ تعالیٰ نے جناتی شیطانوں سے آسمانی اسرار چھپائے اسی طرح انسانی شیطانوں سے بھی اسرارِ کائنات چھپائے اور اپنے پیارے حبیب کو فرمایا۔ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ۔ اے پیارے ان کافر چور شیطانوں سے کہہ دو کہ میں تم کو نہیں بتاتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے اور علم غیب ہے۔ یہ ممنوعہ حکم کیوں تھا صرف اسی لیے کہ شیطان چور اسرار کی چوری نہ کرے۔ آسمان پر شہاب کیوں بنائے گئے تاکہ وہاں کے شیطان بھی اسرار کی چوری نہ کریں وہاں فرشتوں سے رکھوالی کرائی گئی اور یہاں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے۔ معترض کہتا ہے کہ یہ جھوٹ بولنا ہے (معاذ اللہ) مگر قرآن و حدیث فرماتے ہیں کہ یہ جملہ انشائیہ ہے۔ جس میں جھوٹ کا تعلق ہی نہیں ہوتا۔ معترض کہتا ہے کہ اگر حضور مختارِ کل غیب دان اور حاضر و ناظر ہیں۔ تو آپ نے کفار سے خزانے کیوں چھپائے چھپانا تو ڈر سے ہوتا ہے۔ اور ڈرنے والا بزدل ہے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ مختار کل عالم الغیب۔ اور ہر جگہ حاضر و موجود ہے۔ اور قوی ہے۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا کی صفت والا ہے تو اس نے آسمانی اسرار شیطانوں سے کیوں چھپائے جو جواب یہاں ہوگا وہ ہی وہاں ہے معترض کہتا ہے کہ آیت کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ اے کافرو تم چور۔

دراصل بیچارے معترض وہابی کو دکھ بھی اسی چیز کا ہے کہ ہمارے کافروں کو چور کیوں کہہ دیا۔ اور وہ اس دکھ میں حق بجانب ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ یہ ترجمہ الفاظ آیت کا نہیں بلکہ تفاسیری اشاروں کا ہے۔ جیسا کہ اوپر ثابت ہوا۔ آگے چل کر معترض عجیب احمقانہ تانے بانے بناتا ہے۔ لکھتا ہے کہ صدیق سے کب پوچھی گئی یہ کہا تھا کہ میرے پاس خزانے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کہا تھا اُوتِیتُ مَفَاتِیحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وغیرہ وغیرہ معترض کہتا ہے کہ اگر یہ راز تھا تو بریلوی اب کیوں بتاتے پھرتے کیا اب کفار چوری نہ کریں گے۔ میں کہتا ہوں بریلوی صرف یہ بتاتے ہیں کہ۔ مالک کونین ہیں گو تم کو تبلاتے نہیں۔ دو جہاں کی چابیاں ہیں ان کے دستِ پاک میں بریلوی یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے آقا کے پاس سب خزانے ہیں مگر خزانوں کا پتہ نہیں بتاتے تو خبیث چوری کیسے کرسکتے ہیں۔ ہاں صحابہ کو اولیاءُاللہ کو اور ہم غلاموں کو سب پتہ ہے بلکہ اُن ہی خزانوں سے شریعت والے۔ طریقت والے۔ روحانیت والے۔ جسمانیت والے سب پل رہے ہیں اگر معترض اور اُس کے ساتھی پوچھے کہ کہاں ہیں تو میں کہوں گا۔ لَا اَقُولُ لَکُمْ جاؤ میں تم کو نہیں بتاتا

تکفیر سے اعتراض کا جواب:۔ معترض کہتا ہے کہ بریلویوں کے امام احمد رضا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر کو کافر نہیں کہتے اسماعیل دہلوی جگہ جگہ لکھتا ہے خدا کے سوا کسی کو نہ مانو۔ مگر امام احمد رضا اس کی تکفیر نہیں کرتے میں کہتا ہوں کہ تم بھی تو آخر مسلمان کہلاتے، ہو تم بھی تو اسی آقا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در کے ٹکڑے سے پلے ہو نمک خوار ہو کلمہ انہی سے لیا۔ ایمان۔ قرآن اُن ہی سے پایا۔ خدا کا پتہ وہیں سے لگا۔ ع۔ ورنہ تم کیا سمجھتے خدا کون ہے۔ کچھ حق نمک خواری ادا کرو نمک حلال بن جاؤ۔ اور تم ہی ایسے بیہودہ کو کافر کہہ دو۔ مگر تم نے تو ان گستاخیوں کو دیکھتے بھالتے اسماعیل صاحب کو امام مطلق بنا رکھا ہے امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے تو کم از کم اس کو۔ برا۔ بے دین سا اور گمراہ تو سمجھا۔ ہاں کافر نہ کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی کتب و تصانیف سے ثابت ہے کہ آپ جلد بازی نہ کرتے تھے بلا سوچے سمجھے کچھ نہ بولتے تھے بلا تحقیق و تفتیش تسلی و تشفی کے کبھی کسی کے خلاف نہ ہوتے تھے۔ کبھی بلا وجہ کفر کا فتوےٰ نہ لگاتے یہ جلد بازی اور کفر و بدعت و شرک کی تیز رفتار مشین تو سہارنپور کے قریب ہے۔ امام اہلسنت نے اپنے دور کے صرف تین لوگوں پر کفر کا فتوےٰ لگایا۔ اور وہ بھی اس وقت تک جب اچھی طرح اُن سے تحریری تقریری گفتگو کر لی ان کی گستاخانہ عبارات کے ان ہی کے منہ سے مطلب سن لیئے مناظرے کر لیئے پورا اتمام حجت کر لیا وہ لوگ لاجواب ہو گئے کوئی پہلو بجز کفر نہ نکل سکا تو بار بار دلائی جب توبہ اور رجوع کی طرف بھی نہ آئے تب کفر کا فتویٰ لگایا اور پھر ایسا مضبوط اور صحیح لگا کہ عرب و عجم نے تسلیم کیا۔ اسماعیل دہلوی کون سا چچا کا بیٹا تھا کہ اس کی

روایت کی جاتی بات صرف یہ تھی کہ فوت ہو گیا تھا۔ اسماعیل صاحب دہلوی کا زمانہ پہلے ہی لد چکا تھا گستاخانہ عبارتیں واقعی دیکھیں اور اب تک دیکھی جا رہی ہیں۔ مگر کس سے تحقیق کی جائے کون متکلم کا مطلب بتائے کون رجوع کرے کس سے توبہ کرائی جائے۔ ہر بات میں کئی پہلو نکالے جا سکتے ہیں کفر بہت نازک ہے اسی امام وقت نے یہ بتایا کہ اگر ننانوے احتمال کفر کے ہوں ایک اسلام کا تو بات کو اسلام کی طرف لاؤ۔ اس احتیاط کے پیش نظر مردہ شخص کو کافر نہ کہا گیا اگر اُس وقت اسماعیل صاحب زندہ ہوتے تو ان سے بھی بات کی جاتی اور کسی نہج پر لا کر شرعی فیصلہ کیا جاتا۔ **چوتھے اعتراض کا جواب**:۔ معترض وہابی کہتا ہے۔ بریلوی عالم اللہ دتہ صاحب لاہوری نے یہ عبارت عربی اپنی کتاب تنویر الخواطر ص ۴۳ لکھی۔ لا تستقر نطفۃ فی فرج انثٰی الا ینظر ذالک الرجل ایھا یہ گستاخی ہے اور ص ۴۶ پر لکھا ہے کہ اوپر والے یہ کلمات طیبہ یعنی پاک کلمات ہیں۔ الجواب میں بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے کسی کو سخت لفظ نہ کہہ سکتا ہوں نہ کہنا چاہتا ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض دیکھ کر جب علامہ اللہ دتا صاحب کی کتاب مذکورہ دیکھی جائے تو ہر شخص کہے گا کہ اس اعتراض میں کتنا فریب ہے کتنی مکاری و دھوکہ بازی۔ علامہ نے ص ۴۳ پر یہ عبارت خود نہیں لکھی بلکہ ایک وہابی مولوی سرفراز گکھڑوی کی کتاب تبرید النواظر ص ۴۴ سے نقل کی ہے اور سرفراز صاحب وہابی نے یہ عبارت سنیوں پر اعتراض کرتے ہوئے لکھی ہے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ سرفراز گکھڑوی وہابی صاحب نے اس عبارت کو لکھتے ہوئے یہ نہ بتایا کہ یہ کس کا قول ہے۔ صرف کتاب غیر معروف بلکہ نام نہاد نجم الرحمٰن کا حوالہ دیا۔ یہ کتاب روئے زمین پر ابھی تک پیدا ہی نہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ گستاخانہ اور بے ادبانہ عبارت خود وہابی سرفراز گکھڑوی صاحب کی ہے اور اپنے اکابر کی طرح یہ بھی جھوٹی عبارتیں بنانے میں مشاق ہیں۔ ان کا ایک پیر مرشد اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی ایک کتاب رویاء صادقہ میں جھوٹی خوابیں خود بنا کر اپنا کلمہ پڑھوایا اور اشرف علی رسول اللہ لکھا اور مرتے دم تک اس پر ضد کی جب اہلسنت نے پاپوش زنی کی تو بھرے مجمع میں کہہ دیا کہ اب میں لکھ چکا ہوں اب کیسے پھاڑوں۔ اور یہ ان کے ہی ایماء سے غالباً ان کے حواریوں نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور خواجہ خواجگان قبلہ عالم خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف ایک جھوٹ باندھا۔ کہ انہوں نے بھی اپنے مریدوں سے اپنے کلمے پڑھوائے حالانکہ یہ بات سرے سے ہی غلط ہے اور اولیاء اللہ کی یہ جرأت نہیں کہ اس طرح گستاخی کریں۔ اپنا کلمہ پڑھوانا تو بطورِ آزمائش بھی کفر ہے۔ کہ کم از کم مرید تو اس وقت کافر ہو جائے گا۔ اور پھر کہلوانے والے پر کفر لزومی لاحق ہوا اور کہنے والے پر کفر التزامی۔ بہر حال یہ بھی وہابیوں کی بدترین تہمت اور ذلیل ترین بناوٹ ہے

خواجہ صاحب اور شبلی صاحب کی پرانی مطبوعہ میں یہ واقعہ قطعاً نہیں تھا۔ ان کے حواریوں نے اب چند سال پیشتر سے اپنے اشرف علی کو بچانے کے لیے ایک کتاب خود ساختہ شائع کر دی صرف دھوکہ دینے کے لیے خود اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی کتاب الظہور ص ۲۹ پر لکھا کہ یہ بریلوی موجد محفل میلاد۔ صبح کے وقت گہوارہ لٹکاتے اور پورا سوانگ بھرتے ہیں اگر یہی نقل ہے تو خدا خیر کرے ایک عورت کو بھی لاویں گے اور کہہ دیں گے کہ چلایا کرے (بحوالہ کتاب اذکار حبیب ص ۱۶ مرتبہ شاہ عارف اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اشرف علی وہابی کا یہ کتنا بڑا دھوکہ فریب اور جھوٹ ہے بھلا کب محفل میلاد میں جھولا لٹکایا جاتا ہے اور سوانگ بھرا جاتا ہے۔ تو جب اشرف علی غلط عبارتیں بناتے رہے تو ان کے مرید سرفراز سے کیا بعید ہے۔ مگر یہ مذکورہ معترض اپنی کم عقلی یا جان بوجھ کر نیا دھوکہ دیتے ہوئے علامہ صاحب کی طرف اس کو منسوب کر رہا ہے۔ علامہ اللہ دتہ صاحب نے ص ۴۶ پر اس عبارت کو کلماتِ طیبہ نہ کہا کوئی کور چشمی پر اتر آئے تو اس کی مرضی۔ بلکہ تنویر الخواطر ص ۴۶ پر لکھا ہے۔ اس کے مثل کلماتِ طیبہ کو اس عبارت سے صرف واقعاتی تشبیہ دی ہے۔ ہمارے کسی بزرگ نے ایسے لفظ ادا نہ کیے نہ ہی اس کی کچھ ضرورت۔ لیکن جہاں تک جاننے کا تعلق ہے وہ کوئی عیب نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:۔ یَعْلَمُ مَافِی الْاَرْحَامِ ترجمہ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے جو مؤنثوں کے رحم میں ہے۔ باری عزاسمہ نے اپنے ولیوں کو اپنی قوت اپنے علم کی دلیل بنا کر بھیجا اس لیے ان کو بھی وسیع علم عطا فرمایا اور اسی علم کے ذریعے وہ بھی جان لیتے ہیں کہ رحموں میں کیا ہے۔ دیکھنا اور ہے جاننا اور ہے۔ دیکھنا اتنا کمال نہیں جتنا بغیر دیکھے جاننا کمال ہے۔ دیکھنا کیا مشکل ہے یہ تو ڈاکٹر لوگ بھی اپنی سائنسی ایجادات کے ذریعے کر لیتے ہیں۔ ایکسرے کے ذریعے آنتوں کے اندر کی چیز بھی نظر آ جاتی ہے اور بہت سے لوگ اپنی تجرباتی عقل سے حمل کا پتہ لگا لیتے ہیں جو اکثر بالکل درست ہوتا ہے۔ مگر ولی اِلٰی صفاتِ الٰہیہ سے متصف کیے جانے کی بنا پر اپنے علم سے جانتا ہے کہ رحم مونث میں کیا ہے۔ علم کے لیے آنکھ یا آلے کی حاجت نہیں آنکھ بند کر کے بھی علم آ جاتا ہے۔ لہٰذا اولیاء اللہ کے لیے ینظر کا استعمال کسی نے نہ کیا۔ اور یہ عبارت بناوٹی حضرتِ شعیب علیہ السلام کو بھی حضرت یحییٰ کی ولادت و شکمِ مادر میں آنے کا پورا علم تھا:۔ جنابِ باری سے علامات کا سوال صرف ایام کے تعین کا پوچھنا تھا۔ نہ کہ حمل کا۔ پس ثابت ہو گیا کہ معترض کا یہ سوال بھی محض دھوکہ بازی تھی:۔ **پانچویں اعتراض کا جواب:۔**

انوارِ ساطعہ کی یہ عبارت شرعاً۔ عقلاً۔ نقلاً ہر طرح درست ہے۔ واقعی انبیاءِ کرام اولیاءِ عظام ناپاک جگہ پلید مقام پہ نہیں جاتے۔ انوارِ ساطعہ میں صرف یہ لکھا ہے کہ ہم دعوے نہیں کرتے قدرتِ

قدرت حضور کا انکار نہیں یعنی ہم یہ نہیں کہتے کہ ان مقاموں میں حاضر ہونے کی قدرت و طاقت نہیں۔ طاقت تو ہر جگہ جانے کی ہے۔ مگر خلافِ شان جگہ پر جاتے نہیں۔ دعوئے حضور کی نفی ہے نہ کہ قدرتِ حضور کی۔ اور یہ عقیدہ عین حدیث پاک کے مطابق ہے۔ چنانچہ۔ حدیث پاک کی معتبر و مشہور کتاب طحاوی شریف جلد دوم صفحہ نمبر ص۲۶۳ پر ہے:۔ قَالَ یَا عَائِشَۃُ (الخ) اِنَّا لَا نَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ تَصَاوِیْرُ (ترجمہ):۔ آقائے کائنات نے فرمایا۔ اے عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہا) ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔ یہاں بھی دخول کی نفی ہے نہ کہ قدرت کی میں کہتا ہوں کہ انبیاء اولیاء کو اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ حاضری کی طاقت بخشی مگر اپنی شانِ علو و رفعت کی وجہ سے گندی جگہ جاتے نہیں۔ شیطان نے بھی التجاؤں سے یہ طاقت پالی مگر وہ ہر جگہ چلا جاتا ہے:۔ اور ہر گندی مندی جگہ موجود ہوتا ہے۔ معترض وہابی دھوکہ دینا چاہتا ہے کہ دیکھو شیطان کو زیادہ مان لیا۔ پوچھو ان نادانوں سے کہ کیا یہ افضلیت اور شان کی نشانی ہے؟ کیا گندی جگہ جانا اچھی بات ہے؟ کیا زیادہ پھرنا اچھی بات ہے:۔ افسوس کہ حسد نے عقل ہی مار دی۔ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ وہابی صرف روٹی کھاتا ہے۔ مگر کتا۔ بلا روٹی۔ گندگی۔ حرام غذا۔ اور چوہے وغیرہ بھی کھاتا ہے۔ لہٰذا کتا بلا وہابی سے افضل ہے تو کیا جواب دوگے۔ معترض صاحب۔ زیادتی اور ہر اچھی بری جگہ چلا جانا شان و افضلیت نہیں اور نہ ہی اس سے تمہارے شیطان کی عظمت ظاہر ہو۔ انوار ساطعہ والوں نے تو صرف زمینی محفلوں کا ذکر کیا ہے۔ جو قلیل ہیں۔ مگر عرشی کرسی۔ لوحی۔ قلمی بہشتی۔ عالمِ انوار۔ عالمِ اسرار۔ لاہوت۔ جبروت۔ عالمِ قدس۔ تجلیات۔ عالمِ تقریب۔ عالمِ امکان۔ محافلِ سماوات اور اس طرح کی کروڑہا محفلیں اور اربوں مقامات ہیں جہاں انبیاء و مرسلین۔ اولیاء واصلین حاضر و ناظر ہیں وہاں شیطان کی پھٹک بھی نہیں اس کو تو محفلِ ملائکہ تک رسائی و قدرت نہیں شہابِ ثاقب کی مار گواہ ہے۔ تو شیطان کس طرح زیادہ جگہ حاضر و ناظر ہو سکتا ہے معترض صاحب کے سب اعتراض غلط ثابت ہو گئے .... اور پھر قبلۂ عالم مولانا سمیع صاحب نے اپنے لفظوں میں کہیں بھی نہ کہا کہ شیطان زیادہ حاضر ہے۔ یہ تو مذکور معترض نے اپنے دل سے مطلب نکال لیا۔ لیکن خود وہابی پیشوا خلیل احمد انبیٹھوی صاحب نے تو معاذ اللہ شیطان کا علم نبی کریم رؤف و رحیم سے زیادہ مانا اور اپنی کتاب براہین قاطعہ ص۵۱ پر لکھتے ہیں کہ شیطان کے علم کے لیئے تو نصِ قطعی آئی۔ نبی پاک کے لیئے کون سی نص قطعی آئی۔ ان بیوقوفوں نادانوں کو شیطان کے لیئے نصِ قطعی مل گئی۔ مگر جس کے طفیل قرآن مجید کی کل نصوص قطعیہ نازل ہوئیں

اس کے علم کے لیے کوئی آیت نہ ملی سے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

بھلا قرآن مجید میں نبی الانبیا راحتِ قلبِ اصفیا مرسلِ ہر کل سرا۔ نذیر عالمیاں بشیر پر انس و جان صَلَّی اللّٰہُ الخَالِقُ جَنَّانٍ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کے علم کے ثبوت میں کوئی نصِ قطعی نہ ہو۔ ناممکن ومحال میں کہتا ہوں کہ ساری آیات ہی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ثابت کر رہی ہیں۔ کیا یہ آیت نظر نہ آئی۔ ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمْ (سورہ جمعہ آیت نمبر ۲) :۔ ترجمہ :۔ وہ اللہ وہ ہے جس نے مبعوث فرمایا ان بے علموں میں بھی انہی کی اصل میں سے تلاوت فرماتا رہے گا ان کے سامنے اللہ کی آیات اور پاک فرماتا رہے گا ان کو اور علم پڑھاتا رہے گا ان کو۔ اس آیت نے بتایا کہ نبی کریم کی تمام امت بے علم تھی نبی پاک نے ان کو علم دیا تو علم آیا۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کی تعداد کیا ہے؟ قرآن مجید فرماتا ہے ہ قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ سورہ الاعراف آیت نمبر ۱۵۸ (ترجمہ) :۔ اے حبیب فرما دو کہ اے انسانو بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ (تا قیامت) دوسری جگہ خود رب نے فرمایا کہ صرف انسانوں کی طرف ہی نہیں۔ بلکہ۔ تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝۱ (سورہ ۲۵ فرقان) :۔ (ترجمہ) برکتوں والا ہے وہ ربِ کائنات جس نے نازل فرمایا فرقان اپنے بندے پر تاکہ ہو جائے وہ تمام کائنات والوں کے لیے نذیر۔ عالم ماسوا اللہ کو کہتے ہیں جیسا کہ امام رازی کو تسلیم کرنا پڑا۔ عالمین اس کی جمع کثرت ہے۔ جس میں از فرش تا عرش۔ جبرائیل و میکائیل و عزرائیل علیہم السلام۔ جنات و حیوانات فلسفی و منطقی حکماء و فضلاء سائنس دان سب ہی شامل فی الامت ہیں۔ امتِ مصطفوی کی اس کثرتِ تعداد کو امیین فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ کوئی کتنا ہی عالم و معلم ہوں مگر احمد مجتبےٰ کے سامنے امیین ہیں اس سے بڑی نصِ قطعی اب کہاں پاؤ گے۔ بلکہ قلیل تفکر سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ شیطان و عزرائیل علیہ السلام کے علم کا نصِ قطعی میں ذکر آنا بھی شانِ محبوبِ پاک صاحب لولاک کا بتانا ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ یہ پتھر فلاں پہلوان اٹھا سکتا ہے تو جواب دینے والا کہے کہ یہ پتھر تو فلاں کمزور آدمی اور عام آدمی بھی اٹھا لیتا ہے۔ ظاہراً پہلوان کے اٹھانے کا ذکر نہ کیا مگر منشاءِ کلام ظاہر و باہر اور صاف ہے۔ کہ عام آدمی کا ذکر کرنا بھی شانِ قوتِ پہلوان بتانا ہے۔ عقلاء منکرین کو حیرت ہوئی کہ نبی اکرم ہر امتی کو زمین کے ہر گوشے میں دیکھ سکتے ہیں اور کیا ہر عاشق کے گھر تشریف لا سکتے ہیں حاضر و ناظر ہونے

کی قوت ہے۔ رب نے فرمایا زمین تو معمولی اور قلیل مقام ہے یہاں تو شیطان جیسا رو حانی مریض کمزور مخلوق بھی تم کو دیکھتا حاضر و ناظر ہوتا ہے۔ اور حضرت عزرائیل کی قوت بھی سیر کر لیتی ہے۔ پس اس طرز تکلم سے معلوم ہو گیا کہ شان اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی بتانا ہے۔ اگر کوئی اب خلیل انبیٹھوی یہ معترض ہو کہ یعلّمہم کی ضمیر سے صرف صحابہ مراد ہیں تو اِنَّہٗ یَرَاکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ میں بدرجہ اولےٰ صحابہ مراد ہو سکتے ہیں کہ وہ غائب ہے یہ حاضر کی ضمیر۔ پھر آج ستانوے سال بعد انوارِ ساطعہ کتاب پر اعتراض کی سوجھی ۱۳۰۳ھ میں خود خلیل صاحب انبیٹھوی نے اسی کتاب کا جواب لکھتے ہوئے اپنی کتاب براھین قاطعہ کے صفحات پر یہ کیوں نہ لکھا کہ بریلویوں نے شیطان کو زیادہ جگہ حاضر و ناظر مان لیا۔ اور آج کے معترض نے انوار ساطعہ کی یہ صحیح عبارت دیکھ کر خود ساختہ مطلب نکال کر بریلویت چھوڑ کر وہابیت میں پناہ لے لی اس کو براھین قاطعہ کی یہ گستاخیاں اور کفریات کیوں نظر نہ آئے کہ خلیل احمد انبیٹھوی براھین کے ص۵۱ پر شیطان کا علم صاف صاف لفظوں میں بڑھا رہا ہے۔ اور ص۲۶ پر دیوبندیوں کو۔ معلّم ملائکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اردو استاد بتا رہا ہے اور جھوٹی شیطانی خواب گھڑ رہا ہے۔ پس اندازہ آپ کے اپنے ہاتھ میں فیصلہ رب تعالیٰ کے قبضے میں۔ **چھٹے اعتراض کا جواب**:۔ معترض کہتا ہے کہ فرقہ بریلویہ کا اعلان کہ نہ ہم سنی ہیں نہ شیعہ۔ حوالے میں مولانا فخر الدین ہمعصر مرزا جانِ جاناں کا نام اور دو شعر فارسی کے پیش کرتا ہے جس کے ترجمے سے ہی پتہ چل گیا کہ معترض خاصہ جاہل ہے۔ ملفوظات مہریہ کے ملفوظ ع۲۶ کا حوالہ دیتا ہے اور اس پر بڑے غیض سے بریلویوں کے خلاف تبصرہ کرتا ہے۔ **جواب**۔! ہم بیہودہ اور طرزِ جاہلانہ کا تو کچھ جواب نہ دیں گے کہ وہاں خاموشی ہی بہتر ہے۔ البتہ صحیح حقائق سے آگاہ کیا جاتا ہے معترض وہابی۔ وہ رباعی اس طرح لکھتا ہے۔

نہ سنی ام کہ کنند رافضی گلہ احمق ۔ نہ رافضی کہ کنند سنیم گریبان شق ۔ مرید حضرتِ عشقم وگرنمی دانم
کدام بر سر باطل کدام بر سرِ حق ۔

اور اس کا ترجمہ خود معترض اس طرح کرتا ہے۔ نہ سنی ہوں کہ احمق رافضی گلہ کرے۔ اور نہ رافضی ہوں کہ سنی بگڑ جائیں میں تو حضرتِ عشق کا مرید ہوں۔ اور نہیں جانتا کہ کون حق اور کون باطل پر یہ تھی رباعی جس کی آڑ لے کر معترض نے تمام بریلویوں کو ظالم۔ شکم پرور وغیرہ بد تہذیبی کے الفاظ سے خطاب کیا۔ اس کے جواب چند طرح پر ہیں۔ اوّلاً یہ کہ معترض نے جانتے بوجھتے رباعی میں خیانت کی رباعی کا پہلا مصرعہ اس طرح ہے نہ سنی ام کہ کنند رافضی گلہ احمق۔ ترجمہ۔ ملفوظات مہریہ ص۵۱ پر اس طرح لکھا ہے۔
نہ میں سنی ہوں کہ احمق رافضی گلہ کرے۔ اور یہ رباعی و ترجمہ۔ ملفوظات کے ص۵۱ پر بالکل صاف صاف

لکھا ہے۔ مگر معترض جان بوجھ کر لفظِ احمق کو لفظ احق اسم تفضیل بنا دیتا ہے۔ جس کا ترجمہ زیادہ سچے۔ معترض نے صرف اپنے اعتراض کو مضبوط بنانے اور بریلویوں کو بُرا کہنے کے لیئے راہ ہموار کرنے کی غرض سے یہ خیانت کی۔ حالانکہ لفظِ احمق بمعنی بیوقوف ہوتا ہے جس کو عربی میں سفیہ کہتے ہیں اس کی جمع سفہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں کافروں کو ہی سفہا فرمایا۔ تو مولانا مذکور نے اشارۃً بتا دیا کہ یہ کفریں ہیں۔ لفظِ سنی کے ساتھ کوئی غلط لفظ نہ لگایا۔ اور ان کی عزت بحال رکھی۔ آگے فرمایا کہ جب سے وادیٔ عشق و مستی میں قدم رکھا تمام علومِ ظاہریہ شرعیہ فراموش ہو چکے ہیں اب نہیں یاد رہا کہ کس کو باطل کہوں کس کو حق پر کہوں یہ کام تو متبحر مفتیٔ اسلام کا ہے تدبر و تفکر میں اسی کو قدرت و مہارت ہے۔ اس تشریح کی تائید شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کے اس شعر سے ہوتی ہے۔ شعر

اگر ہفتاد علم از بر بدانی

چوں عاشقی الف با یتا ندانی

ترجمہ:۔ اگر تو ستر علم جانتا ہوگا جب عاشق بن جائے تو الف بے تے بھی نہ جان سکے گا۔

مولانا فخر الدین کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم اتنے بڑے اہم کام فتوے کفر کے لیئے غلط جگہ پر آ گئے۔ میں ایسا فتوے دینے کا پہلے اہل تھا اور روافض کے خلاف فتوے دیتا رہا۔ مگر اب مرید عشق ہوں اب کچھ یاد نہیں رہا۔ للذا اب اہل نہیں رہا۔ ہاں اشارہ کر دیا اہلِ ذوق ہو گے تو سمجھ جاؤ گے محظوظ ہو گئے تو بے خبر ہو گے تو حیران ہو گے۔ میری جان تو چھوٹے گی۔ اسی لیئے سید مہر علی شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمتہ نے یہ لکھ دیا۔ ثانیاً جواب اس طرح ہے کہ مولانا فخر الدین تاریخی حیثیت سے بالکل غیر معروف شخصیت ہیں نہ یہ سنیت کے امام ہیں نہ معیار۔ مرزا جانِ جاناں کی تاریخ میں ان کا نام تک نہیں ملتا۔ قابلِ اعتراض وہ بات ہوتی ہے۔ جو مرکز سے خارج ہو۔ پہلے زمانوں میں مرکزِ سنیت امام منصور ماتریدی کا آستانہ تھا پھر امام اشعری مرکزِ سنیت کی حیثیت میں جلوہ گستر تھے۔ پھر اعلحضرت بریلوی پھر صدر الافاضل مراد بادی۔ پھر آج کل مرکز اہلسنت حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمتہ شیخ الحدیث مولانا سردار احمد صاحب لائلپوری علیہ الرحمتہ ہیں۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ مولانا فخر الدین کون بزرگ ہیں معترض وہابی نے کہاں سے جانا کہ یہ کون ہیں صرف لوگوں کو فریب دینے کے لیئے۔ رابعًا جواب اس طرح ہے کہ یہ رباعی ملفوظاتِ مہریہ کے علاوہ پیر صاحب کی دیگر کسی کتاب میں دستیاب نہیں۔

نہ اس کی تشریح کسی طرح پر پیر صاحب نے فرمائی لہٰذا غالب گمان ہے کہ یہ بناوٹ اور اختراع ہے۔ اور ملفوظات میں اکثر ایسی بناوٹیں ہو جاتی ہیں بدیں وجہ امر مسلم متفقًا ہے کہ ملفوظات کسی کے بھی ہوں قابل اعتماد نہیں نہ ہی ملفوظات پر حکمی فتوے دیا جا سکتا ہے جیسا کہ خود مرتبِ ملفوظ ہٰذا نے اسی کتاب ملفوظاتِ مہریہ کے صـ۲ پر اعتراف کر لیا ہے۔ اور اس ملفوظات کو پڑھ کر تو غالب گمان ہوتا ہے کہ اس کا ترتیب دینے والا جمع کرنے لکھنے والا یعنی سننے والا تفضیلی شیعہ ہے کہ اکثر ملفوظ مائل بر رفض اور شریعت کے خلاف ہیں۔

یہ تھے کمزور اور متعصبانہ اعتراض۔ جن کو اٹھا کر وہابی صاحب مذکور نے اہلسنت بریلوی کو برا بھلا کہنے کی راہ نکالی انہی بے سوچے سمجھے اعتراضات کی بنا پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ محمد اسلم کوئی وہابی نہیں اور نہ کسی نے بریلویت چھوڑی صرف دھوکہ بازی کے لیے یہ (ہیڈنگ) پیش لفظ بنایا۔ ورنہ کیا وجہ تھی کہ دیوبندیت کے مرکزی حیثیت والے خلیل احمد انبیٹھوی کی وہ مندرجہ گستاخیاں نظر نہ آئیں جو انہوں نے اسی انوار ساطعہ کا جواب دیتے ہوئے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں لکھی۔ ان سے نفرت نہ ہوئی ان کا بڑا مرکز اشرف علی تھانوی اپنا کلمہ پڑھوائے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی شانِ عفت میں۔ بے غیرتی کی گستاخی کرے تو معترض وہابیت کو گھن نہ آئے۔ اور ان مرکزی گستاخوں کی وجہ سے وہابیت نہ چھوڑے اور پیچھے پڑے تو عشاقِ مصطفٰے کے اور چھوڑے تو عاشقوں محبوبوں کی جماعت۔ اور شامل ہو تو بڑے گستاخوں میں ثابت ہوا کہ یہ سب تعصب ہی تعصب ہے حقیقت کچھ نہیں۔ **ساتویں اعتراض کا جواب:**۔ معترض صاحب کہتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت کے ایک عالم ابو وفا غلام رسول سعیدی فاضلِ جامعہ نعیمیہ نے اپنی کتاب میں توضیح البیان صـ۲۷۴ پر لکھا کہ انبیاء جھوٹ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں۔ اس اعتراض سے بھی معترض کا تعصب اور محض کیچڑ اچھالنا ظاہر ہو رہا ہے۔ اور یہ ثابت ہو رہا ہے۔ کہ معترض پرانا وہابی ہے اس کو بریلویت کی ہوا بھی نہ لگی اور یہ کہنا کہ میں نے بریلویت کیوں چھوڑی۔ نرا جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی مذہب کے کسی عقیدے کو بنیادی حیثیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ یا تو مرکزی اکابر کے اقوال سے وہ عقیدہ ثابت ہو یا مجموعی طور پر اس کو تسلیم کیا جاتا ہو۔ انفرادی حیثیت کا قول مذہبی اساس میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ معترض ایک عام مولوی صاحب کی خود اپنی غلط فہمی پر مبنی بات کو پکڑ کر کہتا ہے کہ میں نے بریلویت اس مولوی صاحب کی بات کی وجہ سے چھوڑ دی اور پھر حیرانی کی بات ہے کہ معترض سعیدی صاحب کی اس بات پر بریلویت چھوڑ کر کہاں داخل ہوتا ہے؟ جو فرقہ دیوبندیہ۔ وہابیہ۔ نجدیہ۔ مرکزی اور مجموعی طور پر متفقًا اب تک علی الاعلان کہتا چلا آ رہا ہے

کہ خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ (معاذ اللہ) گویا کہ بیوقوف معترض کے نزدیک یہ کہنا درست ہے۔ کہ خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ لیکن یہ کہنا بُرا ہے کہ انبیاء جھوٹ بول سکتے یا معترض خدا کی شان گھٹاتا ہے انبیاء کی شان بڑھاتا ہے۔ معاذ اللہ۔ معترض کی انصاف پسندی اور محبتِ خدا اور رسول کا ثبوت یہ تھا کہ دونوں گروہوں سے بے یک دم نفرت کا اظہار کرتا اور دیوبندیوں وہابیوں سے زیادہ نفرت کرتا۔! کیونکہ دیوبندیوں نے رب کریم کو جھوٹ کی تہمت دی۔ اور دیوبندیت کے مرکزی لوگوں نے خدا تعالیٰ کو جھوٹ کا الزام دیا اور مجموعی طور پر سب وہابی دیوبندی لوگوں نے اس بے دین گمراہی کے عقیدے کو تسلیم کیا اس عقیدے پر بڑے بڑے دیوبندیوں راہنماؤں نے ضخیم کتابیں لکھیں چنانچہ خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں اور محمود الحسن صاحبان نے اپنی کتاب جہد المقل میں اسی مسئلہ امکان کذب میں صفحاتِ کثیر سیاہ کر ڈالے ہیں یہ خلیل احمد اور محمود الحسن صاحبان مذہب دیوبند کے مرکزی لوگوں میں شامل ہیں۔ اور ان کی تحریر و تقریر عقائدِ وہابیت کی بنیادی حیثیت رکھتی ہیں حال ہی میں دیوبند کی طرف سے ایک کتاب بنام بیس بڑے مسلمان شائع ہوئی ہے۔ جس میں ان مذکورہ بالا حضرتوں کا نام شامل کر کے وہابیوں نے ثابت کیا کہ ان بڑوں کی بات ہمارے مذہب کی بنیاد ہے بخلاف جماعتِ اہلسنت والجماعت۔ کہ ان کے کسی بڑے عالم نے یہ گستاخانہ بات نہ کہی۔ جماعت اہلِ سنت بریلویہ کے مرکزی قائد اعلیٰحضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما جن کی بات تحریراً تقریراً مسلکاً بنیادی حیثیت رکھتی ہے اُن کا بیان فرمودہ صاف عقیدہ ہے کہ نہ خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے نہ جملہ انبیاءِ کرام علیہم السلام جھوٹ بول سکتے ہیں نہ جملہ ملائکۂ ارضی و سماوی۔ اِن بزرگوں کی کتب میں صاف صاف لکھا ہے کہ انبیاءِ کرام معصوم ہوتے ہیں اور جو معصوم ہو وہ جھوٹ پر قادر ہی نہیں ہوتا۔ جو رب تعالیٰ کو یا انبیاءُ اللہ کو یا ملائکہ کو جھوٹ پر قادر مانے وہ کفر کی حد تک گمراہ ہے۔ یہ تھا بریلوی مرکزی عقیدہ جس کا با دلائل حوالہ آئندہ سطور میں پیش کیا جائے گا۔ تمام بریلوی مشائخ و علماء نے اسی عقیدے پر اجماع فرمایا ہے کوئی سنی بریلوی اس کا مخالف نہیں ہاں اب ایک بریلوی عالم غلام رسول سعیدی صاحب نے اپنی کج روی سے یہ تخریب کی کہ مسلک و مرکز سے ہٹ کر گمراہانہ بات لکھ دی۔ سعیدی صاحب نہ مرکزی حیثیت کے مالک ہیں نہ ان کا قول اجماعی درجہ رکھتا ہے یہ فاسد بات اِن کی اپنی انفرادی ہے جس سے اہل سنت کو کوئی واسطہ نہیں۔ نہ ہی اہلسنت بریلوی پر اس کا وبال ہے اس استفتاء کے بعد میں نے تحریری طور پر سعیدی صاحب کا سخت محاسبہ کیا۔ اور میرے ساتھ انہوں نے بڑے فاضلانہ انداز میں مناظرہ کیا۔ جس میں انہوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور سب عقلی ہتھیار ڈال دیئے۔ جس کا

خلاصہ مندرجہ ذیل پیش کیا جا رہا ہے۔ سعیدی صاحب پر میرا یہ محاسبہ اور محاکمہ اس لیئے ہوا کر دیگر فرقوں اور اہلسنت بریلوی گروہ کے درمیان کثیر بنیادی فرق کے علاوہ ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ دوسرے تمام فرقے خاص کر دیوبندی وہابی اپنے مولویوں پیشواؤں کی عزت و عظمت سب سے اونچی سمجھتے ہیں۔ اپنوں کی عزت ہر صورت برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی عزت رہے نہ رہے کوئی پرواہ نہیں۔ انبیاء کی توہین ہوتی رہے نہ ان کا ایمان بگڑے نہ توحید میں فرق آئے کعبہ و قرآن کی بیحرمتی ہوتی رہے تو کوئی غیرت مند نہ بولے۔ ہاں ان کے مولویوں کی عزت پر آنچ نہ آئے دیکھو ان کے ہی مولویوں نے کہا رب تعالےٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ کسی کو غصہ نہ آیا۔ ان کے ہی مولویوں نے کہا اشرف علی رسول اللہ۔ سب نے کہا واہ واہ۔ ان کے بڑے نے کہا شیطان کا علم نبی کریم سے زیادہ ہے۔ سب نے برملا کہا ٹھیک۔ لیکن کسی نجدی شیخ کی برائی کرکے تو دیکھو شرک و بدعت کا فتوے لگ جائے گا۔ ان کے ہی نجدی پیشواؤں نے کہا گاندھی جی المددکسی نے فتوے نہ لگایا نہ توحید بگڑے نہ ایمان جائے۔ شاہ سعود کے بت (فوٹو) ہر ہسپتال ہر دفتر میں علاقہ حجاز میں لٹکائے گئے ہیں نہ ایمان جائے نہ توحید بگڑے۔ قرآن مجید کو زمین پر رکھ دیتے ہیں جوتے اوپر کر لیتے نہ ایمان جائے نہ توحید بگڑے۔ کعبے کی طرف پیر کیئے لیٹے رہتے ہیں نہ ایمان جائے نہ توحید بگڑے۔ لیکن کسی حضرت جی کی طرف تو پیر کرکے دیکھو۔ اپنا مولوی ہو تو حاضر و ناظر بھی غیب دان بھی (ارواح ثلاثہ) نہ توحید بگڑے نہ ایمان جائے۔ بخلاف اہلسنت بریلوی گروہ کے کہ ان کے نزدیک بجز عظمت رسول اللہ کے کوئی شئی نہیں عزت پاکِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ہر چیز ہیچ ہے جس طرح دیوبندی وہابی پیشواؤں نے گستاخیٔ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جسارتیں کیں اور پھر بھی قوم میں ہیرو بنے پھرتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی بریلوی ایسا کرتا تو اپنوں میں ہی خائب و خاسر۔ ذلیل و رسوا ہوتا۔ قسم بخدا۔ ہم نے اگر اعلحضرت بریلوی کو اپنا آقا مانا۔ صدر الافاضل کو پیشوا سمجھا۔ حضرت حکیم الامت کو قائد بنایا تو صرف اس لیئے کہ انہوں نے عشقِ رسول اللہ کے درس پڑھائے۔ اور اس دور میں جب کہ حمقا اپنے تمغوں اور لقبوں کے درپے تھے۔ اپنے کو شیخ الہند وغیرہ کہلانے کے لالچ و تمنا میں مصروف تھے ہملوگوں کا ایک ہی نعرہ تھا۔ میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں۔ ان اکابر نے خود کو گدا کہا۔ تو رب نے قوم کا آقا بنا دیا۔ بلند بانگ دعوے ہمیشہ باطل ہی کے ہوتے ہیں۔ مگر حق پرست کہتا ہے کہ ؎۔ میرا اتنا ہی دعوےٰ ہے کہ خادمِ مصطفےٰ کا ہوں۔ سنی کے سامنے عزت رسول سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اس کے مقابل نہ وہ اپنوں کو کچھ سمجھتا ہے نہ پرایوں کو۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی محترم نے غلام رسول سعیدی صاحب کی ایک ایمان سوز غلطی کی جب نشاندھی کی تو ہم اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہ یہ

اپنے ہی ہیں۔ فوراً محاسبہ اور گرفت کی تا کہ آئندہ نسلیں جب توضیح البیان کی یہ باطل عبارت پڑھیں گی تو
اس کی تردید میں میرا یہ فتوے بھی ملاحظہ کر کے اہلسنت کی طرف سے غلط فہمی دور کرتے ہوئے اپنے دین کو
بچا سکیں گے۔ اور کوئی بھی بریلویت سے بدظن نہ ہو گا۔

مسئلۂ قدرتِ کذبِ انبیاء پر سعیدی نعیمی تحریری مناظرے کی مکمل روئداد

ع۳۴۲ سعیدی صاحب نے اپنے مسلک پر کہ (معاذ اللہ) انبیاء کرام جھوٹ بول سکتے ہیں۔ مجھ کو یکے بعد دیگر
تین عدد خطوط کراچی مدرسہ نعیمیہ سے بھیجے۔ پہلا خط ایک صفحہ۔ دوسرا خط چھ صفحات (بڑے سائز رجسٹر)
تیسرا خط چھ صفحات رجسٹر سائز ہر سہ کا خلاصہ یکدم اپنی عبارت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

حضرت علامہ مفتی اقتدار احمد خان صاحب دام ظلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی ہمایوں
گرامی نامہ باصرہ نواز ہوا۔ توضیح البیان کے اس عبارت پر کہ انبیاء جھوٹ بول سکتے ہیں۔ مگر بولتے نہیں
آپ کا اعتراض غلط ہے یہ عبارت بالکل درست ہے اور یہی میرا عقیدہ ہے۔ میرے پاس حسب ذیل دلائل
ہیں۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی ذات سے امید قوی ہے کہ یہ تمام دلائل دیکھ کر پھر توضیح البیان کی عبارت کے
بارے میں آپ کو خدشہ نہیں رہے گا۔ طالب دعا غلام رسول سعیدی غفرلہ ۱۲ ۷۸

دلیل نمبر ۱ اوّل:۔ یہ مسلک صرف میرا ہی نہیں بلکہ سب اہل سنت کا ہے۔ آپ کے
والد محترم حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالٰی کا بھی یہی مسلک ہے۔ **دلیل دوم:۔** علامہ تفتازانی مصنف
شرح عقائد نسفی ص۱۵۷ پر فرماتے ہیں۔ وَحَقِيْقَةُ الْعِصْمَةِ اَنْ لَّا يَخْلُقَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْعَبْدِ الذَّنْبَ
مَعَ بَقَاءِ قُدْرَتِهٖ وَاخْتِيَارِهٖ وَهٰذَا مَعْنٰى قَوْلِهِمْ هِيَ لُطْفٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى يَحْمِلُهٗ عَلٰى
فِعْلِ الْخَيْرِ وَيَزْجُرُهٗ عَنِ الشَّرِّ مَعَ بَقَاءِ الْاِخْتِيَارِ تَحْقِيْقًا لِلْاِبْتِلَاءِ۔ وَلِهٰذَا قَالَ الشَّيْخُ
اَبُوْ مَنْصُوْرٍ الْمَاتُرِيْدِيُّ الْعِصْمَةُ لَا تُزِيْلُ الْمِحْنَةَ وَبِهٰذَا يَظْهَرُ فَسَادُ قَوْلِ مَنْ قَالَ
اِنَّهَا خَاصَّةٌ فِي الشَّخْصِ اَوْ فِيْ بَدَنِهٖ يَمْتَنِعُ بِسَبَبِهَا صُدُوْرُ الذَّنْبِ عَنْهُ وَلَوْ كَانَ
الذَّنْبُ مُمْتَنِعًا لَمَا صَحَّ تَكْلِيْفُهٗ بِتَرْكِ الذَّنْبِ وَمَا كَانَ مُثَابًا عَلَيْهِ۔

دلیل سوم:۔ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں لیکن معصوم ہونے کا مطلب وہ نہیں جو آپ
نے لیا ہے۔ آپ کا مطلب تمام اہلسنت کے خلاف بلکہ صحیح تعریف وہی ہے جو امام اہل سنت
ابو منصور ماتریدی اور علامہ تفتازانی نے مراد لی ہے۔ یہی عقیدہ علامہ شمس الدین خیالی کا ہے۔
چنانچہ حاشیہ خیالی صفحہ نمبر ۱۴۳ پر فرماتے ہیں:۔ وَاَمَّا تَعْرِيْفُهَا فَهِيَ مَلَكَةُ اِجْتِنَابِ
الْمَعَاصِيْ مَعَ التَّمَكُّنِ فِيْهَا وَقَدْ يُعَبَّرُ عَنْ تِلْكَ الْمَلَكَةِ بِاللُّطْفِ لِحُصُوْلِهَا بِمَحْضِ

لِطُفِ اللہِ تعالیٰ وَفَضْلِہٖ وَمِنَّتِہٖ۔ **دلیل چہارم**:۔ تفصیلی گفتگو سے پہلے چند اصطلاحات کی وضاحت کردوں تاکہ بحث آسان ہو۔ علم عقائد والوں کی اصطلاح میں چند جملے سمجھنے اشد ضروری ہیں ع۱ واجب لِذاتہٖ جس شی کا وجود عقلاً واجب اور عدم عقلاً محال ہو اور شی اپنے وجود میں جعل جاعل کی محتاج نہ ہو۔ ع۲ ممتنع لِذاتہٖ جس شی کا عدم عقلاً واجب اور وجود عقلاً محال ہو۔ اور وہ شی اپنے عدم میں جعل جاعل کی محتاج نہ ہو۔ ع۳ ممکن بِالذات۔ یعنی جو محال عادی بھی ہو جاتی ہے۔ جس شی کا ہونا نہ ہونا عقلاً ممکن ہو۔ اگر جاعل نے وجود کو واجب کر دیا تو واجب بالغیر اور اگر عدم کو واجب کر دیا تو ممتنع بالغیر ع۴:۔ ممتنع بالذات:۔ جو ممتنع بالغیر کے ساتھ جمع نہ ہو سکے۔ کیونکہ ممتنع بالغیر کو امکانِ ذاتی لازم ہے:۔ ع۵:۔ استحالہ شرعیہ۔ جو شرعاً ناجائز ہو۔

ع۶:۔ استحالہ عقلیہ۔ جو عقلاً ناجائز۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز محال شرعی ہو۔ محال عقلی نہ ہو جیسے عبادتِ غیراللہ۔ ع۷ ممتنع لِذاتہٖ۔ کی ضد واجب لِذاتہٖ ہوتی ہے:۔

اقول۔ مخالف نے یہ اصطلاحات اس زعم باطل میں لکھیں ہیں کہ گویا اس کے سوا ان کا علم کسی کو نہیں۔ اسی زعم نے کج روی و گستاخیِ رسول کا دروازہ کھولا اسی غرور نے علما کو رسوا کیا خواہ تفتازانی ہوں یا سعیدی۔ یہ اصطلاحات اپنی جگہ بالکل درست ہیں مگر مخالف کو ان کی سمجھ نہ آئے تو کیا کیا جائے؟ مخالف کے ان تمام دلائل کا جواب اختتام پر بالتفصیل انشاء اللہ تعالیٰ جَلَّ مَجْدُہٗ دیا جا رہا ہے۔ اسی دلیل ع۴ کی اس تمہید کے بعد مخالف لکھتا ہے۔)

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کذب ممتنع لِذاتہٖ ہو تو لازماً اس کی ضد۔ صدق واجب لِذاتہٖ ہو گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ممکن ہیں اور ممکن کی صفت: واجب لِذاتہٖ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر صفات واجب لِذاتِہا ہوں تو ان کا محل و موصوف بھی واجب اور اس صورت میں تعددِ واجب لازم آئے گا۔ جو شرک صریح کو مستلزم ہے۔ العیاذ باللہ۔ اقول۔ یہی تو مخالف کی نادانی ہے کہ اس صحیح بات کو توڑ مروڑ کر اپنی غلط بات کے درپے ہے جیسا کہ آئندہ بتایا جائے گا۔ **دلیل نمبر پنجم**:۔ اَلْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَہُ اللہُ بخاری جلد دوم صفحہ نمبر ع۹۷۸ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ظاہر ہو گیا کہ عصمت جعل جاعل پر موقوف ہے اور جو چیز جعل جاعل پر موقوف ہو وہ ممکن بالذات اور واجب بالغیر ہو گی اس لیئے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ معصوم کا گناہوں سے بچنا محال عادی ہے محالِ عقلی نہیں لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ نبی جھوٹ بول سکتا ہے۔ (اقول معاذ اللہ) احناف اہل سنت مسائل کلامیہ

ہیں امام محمد بن محمد بن محمود ابو منصور سمرقندی ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ کے نظریات کے تابع ہیں اور شوافع امام ابوالحسن اشعری کے۔ اور ہر دو کا یہی مسلک ہے جو میں نے لکھا۔ **دلیل ششم**:۔ ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ اپنی کتاب شرح فقہ اکبر ص ۵۹ پر شیخ ابو منصور ماتریدی سے منقول عصمت کی تعریف کا ذکر کرتے ہیں:۔ اَلْعِصْمَۃُ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰہِ وَلُطْفٌ مِنْہُ وَلٰکِنْ عَلٰی وَجْہٍ یَبْقٰی اِخْتِیَارُہُمْ بَعْدَ الْعِصْمَۃِ فِی الْاِقْدَامِ عَلَی الطَّاعَۃِ وَالامتناعِ عَنِ الْمَعْصِیَۃِ وَاِلَیْہِ مَالَ الشَّیخ ابو منصور الماتریدی

دلیل ہفتم:۔ علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ نے عصمت کی یہ تعریف لکھی ہے:۔ ھِیَ لُطْفٌ مِّنَ اللہ تعالیٰ یَحْمِلُہٗ عَلٰی فِعْلِ الْخَیْرِ وَیَزْجُرُہٗ عَنِ الشَّرِّ مَعَ بَقَاءِ الْاِخْتِیَارِ تَحْقِیْقًا لِلْاِبْتِلَاءِ۔

دلیل ہشتم:۔ اس کی شرح میں علامہ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں:۔ عِلَّتُہٗ لِبَقَاءِ الْاِخْتِیَارِ وَھٰکَذَا التَّعْرِیْفُ مَنْقُوْلٌ عَنِ الْمُعْتَزِلَۃِ وَلٰکِنْ لَمَّا کَانَ غَیْرَ مُخَالِفٍ لِتَعْرِیْفِ الْاَشَاعِرَۃِ فِی الْمَآلِ ذَکَرَہٗ تَائِیْدًا لِبَقَاءِ الْقُدْرَۃِ۔ (نبراس ص ۵۳۵):۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت ماتریدی اشاعرہ اور معتزلہ سب کے نزدیک عصمت کی یہی تعریف ہے:۔ **دلیل نہم**:۔ علامہ شہاب الدین خفاجی اس کی شرح اپنی کتاب نسیم الریاض جلد چہارم ص ۱۲۰ پر لکھتے ہیں:۔ (وَالْجُمْھُوْرُ) اَیْ اَکْثَرُ النَّاسِ وَمعظمھم (وکسبھم) لا انھم مُضْطَرُّوْنَ لِعَدَمِ قُدْرَتِھِمْ عَلٰی خِلَافِہٖ۔ اِلَّا حُسَیْنًا النَّجَّارَ وَھُوَ حَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ النَّجَّارُ الَّذِی یُنْسَبُ لَہُ الطَّائِفَۃُ النَّجَّارِیَّۃُ وَھُمْ فِرَقُ الْمُبْتَدِعَۃِ الضَّالَّۃُ (شفاء):۔ اور نسیم الریاض کی عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ جمہور مسلمین کا عصمت کے بارے یہی مسلک ہے کہ انبیاء کرام جھوٹ بول سکتے ہیں (اقول معاذ اللہ من ھذہ العقیدۃ الباطلۃ):۔ اور جو لوگ عدم قدرت کا عقیدہ بناتے ہیں وہ فرقہ ضالہ ہے متبدعہ ہے۔ (اقول۔ جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے) ملا علی قاری نے شرح شفا علی ہامش نسیم الریاض جلد چہارم صفحہ نمبر ص ۱۳۸ پر نجار کو معتزلی قرار دیا ہے۔ (اقول تعجب ہے کہ ابھی آپ کہہ رہے ہیں معتزلی کا مذہب قدرت علی الذنب ہے اور اب نجار کو اس لیے معتزلی کہہ رہے ہیں کہ اس نے عدم قدرت کا عقیدہ بنایا۔ صدق السعدی۔ دروغ گو را حافظہ نباشد) **دلیل دہم**:۔ جن لوگوں نے انبیاء کے لیے گناہوں کو محال قرار دیا ہے وہ روافض کا ایک فرقہ ہے چنانچہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی نبراس صفحہ نمبر ۵۲۵ پر لکھتے ہیں:۔ قَالَ ھُمْ (بعض الشیعۃ) اَنَّھَا اَیِ الْعِصْمَۃُ خَاصَّۃٌ فِیْ نَفْسِ الشَّخْصِ اَیْ رُوْحِہٖ اَوْ فِیْ بَدَنِہٖ یَمْتَنِعُ بِسَبَبِھَا صُدُوْرُ الذَّنْبِ عَنْہُ:۔

دلیل ۱۱ یازدہم حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر نور العرفان صفحہ نمبر

صفحہ ۱۴۲ پر لکھا۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ ممتنع بالذات ہے۔ کیونکہ پیغمبر کا جھوٹ ممتنع بالغیر ہے اور رب تعالیٰ تمام سے زیادہ سچا تو اس کا سچا ہونا واجب بالذات ہونا چاہیئے ورنہ اللہ کے صدق اور رسول کے صدق میں فرق نہ ہوگا۔ حکیم الامت قدس سرہٗ کی عبارت سے بھی میرے عقیدے کی تائید ہو رہی ہے۔ (اقول کیا عجیب اوندھی عقل ہے) **دلیل دوازدھم** (یعنی بارھویں دلیل) نسیم الریاض جلد چہارم صفحہ ۳۹ پر ہے:۔ وَقَدْ تَقَرَّرَ اَنَّ الْعِصْمَةَ عِنْدَ الْمُتَكَلِّمِيْنَ اَنْ لَّا فِي النَّبِيِّ ذَنْبًا وَعِنْدَ الْحُكَمَاءِ مَلَكَةٌ تَمْنَعُ مِنَ الْفُجُوْرِ حَاصِلَةٌ مِنَ الْعِلْمِ۔ (الخ) وَقِيْلَ۔ اَلْعِصْمَةُ خَاصَّةٌ فِي النَّفْسِ اَوِ الْبَدَنِ بِسَبَبِهَا يَمْتَنِعُ عَنْ صُدُوْرِ الذَّنْبِ وَيَابَاهُ اَنَّهُ لَوْ كَانَ كَذٰلِكَ اِمَا اسْتَحَقَّ الْمَدْحَ وَالثَّوَابَ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ دَاخِلَةً تَحْتَ الْاِخْتِيَارِ وَهُمْ مُكَلَّفُوْنَ بِالْاِتِّفَاقِ۔ اس عبارت سے پتہ چلا کہ انبیاء کرام بھی مکلف ہوتے ہیں:۔

دلیل تیرھویں:۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت جگہ جبراً و حکماً انبیاء کو گناہوں سے روکا۔ آیات ملاحظہ ہوں:۔

نمبر ایک:۔ حضرت آدم علیہ السلام سے خطاب فرمایا۔ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ۲ حضرت نوح کو روکا۔ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۳ حضرت موسیٰ و ہارون کو منع کیا ہے وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۴ حضرت داؤد کو کہا گیا۔ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى ۵:۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ سے نہی کا خطاب وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۶ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ یہ آیت بھی نبی کریم کے لیئے ہے ۷ نبی علیہ السلام کو خطاب وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۸۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ۔ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ ۹ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۱۰ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ

دلیل چودھویں:۔! میر سید شریف جرجانی اپنی کتاب شرح مواقف صفحہ ۶۹۹ پر لکھتے ہیں۔ وَقَالَ قَوْمٌ اَلْعِصْمَةُ يَكُوْنُ خَاصَّةً فِيْ نَفْسِ الشَّخْصِ اَوْ فِيْ بَدَنِهٖ يَمْتَنِعُ بِسَبَبِهَا صُدُوْرُ الذَّنْبِ فِيْهِ يُكَذِّبُهٗ۔ اَيْ هٰذَا الْقَوْلَ اِنَّهُ لَوْ كَانَ صُدُوْرُ الذَّنْبِ كَذٰلِكَ اَيْ مُمْتَنِعًا لَمَا اسْتَحَقَّ الْمَدْحَ بِذٰلِكَ اَيْ بِتَرْكِ الذَّنْبِ اِذْ لَا مَدْحَ وَلَا ثَوَابَ بِتَرْكِ مَا هُوَ مُمْتَنِعٌ:۔ وَاَيْضًا۔ فَالْاِجْمَاعُ مُنْعَقِدٌ عَلٰى اَنَّهُمْ اَيِ الْاَنْبِيَاءُ مُكَلَّفُوْنَ بِتَرْكِ الذُّنُوْبِ مُثَابُوْنَ بِالطَّاعَاتِ۔ وَاَيْضًا۔ فَقَوْلُهٗ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ يَدُلُّ عَلٰى مُمَاثَلَتِهِمْ بِبَاقِي النَّاسِ فِيْمَا يَرْجِعُ اِلَى الْبَشَرِيَّةِ۔ وَالْاِمْتِيَازُ بِالْوَحْيِ لَا غَيْرُ فَلَا يَمْتَنِعُ صُدُوْرُ الذَّنْبِ عَنْهُمْ كَسَائِرِ الْبَشَرِ (اقول۔ کیا فرق رہا ایک گستاخ رسول ہیں اور میر سید شریف میں اور

اُن کے متبع سعیدی صاحب ہیں دیکھو نبی کی دشمنی کس حال تک پہنچا دیتی ہے ۔ **دلیل پندرھویں۔**
قاضی عیاض مالکی شرح شفا جلد دوم کے صفحہ ۱۲۵ پر لکھتے ہیں ۔ وَالْجُمْهُوْرُ قَائِلٌ بِاَنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ مِنْ ذَالِكَ مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ تَعَالٰی مُعْتَصِمُوْنَ بِاِخْتِيَارِهِمْ وَكَسْبِهِمْ اِلَّا حُسَيْنًا النَّجَّارُ فَاِنَّهٗ قَالَ لَا قُدْرَةَ لَهُمْ عَلَى الْمَعَاصِيْ اَصْلًا ۔ اس عبارت سے قاضی عیاضؒ کا عقیدہ بھی پتہ چل گیا ۔ لہٰذا آپ کا اعتراض مجھ پر اور میری کتاب توضیح البیان پر غلط ہے ۔ مجھ پر اور میری کتاب پر فتویٰ لگانے سے پہلے ان اکابر پر فتوے لگاؤ فقط والسلام غلام رسول سعیدی دار العلوم نعیمیہ بلاک ۱۵ دستگیر کالونی کراچی نمبر ۳۸ ۔!

باوجود اسبات کے کہ یہ تمام دلائل نہایت کمزور اور سعیدی صاحب کا ان دلائل کی آڑ میں اپنے باطل عقیدہ کو بچانے کی جان توڑ کوشش کرنا نہایت ضلالت و گمراہی ہے اور گستاخیٔ رسول اللہ پر ڈھٹائی کرنا ہے ۔ جو ایک سنی بریلوی کہلوانے والے کے لیئے ہرگز زیب نہیں ۔ مگر میں نے نہایت انصاف کے ساتھ سعیدی صاحب کے تمام دلائل لفظاً ۔ حرفاً حرفاً لکھ دیئے اگرچہ یہ گستاخانہ نظریات لکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا ۔ لیکن تین وجوہ کی وجہ سے لکھے گئے ہیں ۔ پہلی وجہ یہ کہ معترض وہابی صاحب اور دیگر وہابیان کو معلوم ہو جائے ۔ ہمارے سنی عالم غلام رسول سعیدی صاحب نے یہ عقیدہ کسی گستاخی یا تعصب یا دشمنی رسول پاک یا بے ادبی انبیاء کے ارادہ سے نہیں لکھا ۔ بلکہ جلدی میں کم فہمی سے ان دلائل کے ماتحت یہ غلط عقیدہ بنا بیٹھے اور محض کذب باری تعالیٰ کے وہابیانہ عقیدے کو توڑنے کے لیئے یہ غلط راہ اختیار کر لیا اور میں حتماً کہتا ہوں کہ جن دلائل مندرجہ بالا کا سعیدی صاحب نے سہارا پکڑا ہے ان کا جواب اور ان کی تردید معترض صاحب یا کسی بھی وہابی دیوبندی کی جرأت نہیں ۔ اگر دیوبندی اکابر ان دلائل کو دیکھیں تو بغلوں میں منہ دبائیں ۔ اور صمیت و بکمیت کے سوا چارہ نہ رہے ۔ اور سعیدی وغیرہ پر ایسے اعتراض کرنا بھول جائیں ۔ بخلاف دیوبندیت اور وہابیت کے کہ وہ لوگ جو بھی عقیدہ بناتے ہیں محض تعصب گستاخی اور دشمنیٔ انبیاء کی بنا پر ۔ بغیر دلائل بناتے چلا جاتے ہیں ۔ دوسری وجہ یہ کہ سعیدی صاحب کے دل میں یہ حسرت باقی نہ رہے کہ احقر احمد نعیمی قادری بدایونی نے میری فلاں بات کا جواب نہیں دیا ۔ تیسری وجہ یہ کہ ناظرین و قارئین اس مضمون کو پڑھنے میں پورا فہم حاصل کر سکیں اور سمجھنے میں تشنہ نہ رہیں تاکہ انصاف و عقلِ ایمانی و فہم عرفانی کی خداداد میزان میں تول کر اپنے عقیدے گمراہی سے بچا سکیں اور آئندہ نسلوں کو پتہ لگ جائے کہ باطل کا کہاں تک شور ہوتا ہے اور حق میں کتنا زور ہوتا ہے فَبِسْمِ اللّٰهِ مَا فِيْ اللّٰهِ حَسْبِيَ اللّٰهُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اعتصمت باللّٰه لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔

پہلی دلیل کا جواب:۔ علامہ نے کہا کہ سب اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے یہ بات علامہ کی کم علمی ہے اور بلا تحقیق اتہام محض ہے۔ حقیقت یہ ہے تمام اکابر اہل سنت کا اصلاً عقیدہ یہی ہے کہ انبیاء کرام گناہ کبیرہ و صغیرہ پر ہرگز ہرگز قادر نہیں۔ وہ ہستیاں گناہ کر سکتی ہی نہیں گناہ کے معاملے میں انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالکل بے اختیار و بے قدرت ہیں اسی لیئے انبیاء کرام صرف امر میں مکلف ہوتے ہیں نہی میں مکلف نہیں ہوتے قرآن پاک میں جتنی بھی نواہی اور ممانعتیں وارد ہوئی ہیں ان میں بعض اگرچہ ظاہراً انبیاء سے خطاب ہیں مگر حقیقتاً وہ تمام ممانعتیں عوام امت کو ہیں۔ ہاں امر میں انبیاء پاک مکلف ہوتے ہیں اور ان کو عبادات بلکہ ہر فعل پر یہاں تک کہ سونے جاگنے کھانے پینے پر ثواب ملتا ہے۔ سعیدی صاحب کی پیش کردہ جتنی عبارتوں میں بھی مکلف ماننے کے عقیدے کا ذکر آیا ہے وہ سب مکلّف فی الامر کے لیئے ہیں علامہ نے اپنی بالطلیت کو بچانے کے لیئے دھڑا دھڑ بزرگوں کی عبارتوں پر قلم تو چلا یا ہے۔ مگر بیچارے اپنی ان عبارتوں کو خود بھی نہ سمجھ سکے۔ اگلی سطور میں با دلائل ثابت کیا جائے گا کہ تمام اہلِ سنت کا یہی عقیدہ ہے۔ انبیاء کرام نہ جھوٹ بول سکتے ہیں نہ بولتے ہیں وہ پاک ہستیاں گناہوں پر قادر ہی نہیں ہاں تین شخصوں نے انفرادی اور ذاتی طور پر یہ لکھ دیا کہ معاذ اللہ انبیاء کرام گناہ پر قادر ہوتے ہیں۔ مگر ان کے نزدیک بھی گناہ کبیرہ نہیں بلکہ گناہ صغیرہ مراد ہے۔ اس لیئے کہ سب عبارتوں میں ذنب ہی لکھا ہے اور ذنب دو قسم کا ہے۔ صغیرہ و کبیرہ۔ اسی کا دوسرا نام معصیت ہے۔ جب یہ بزرگ جگہ جگہ لفظِ ذنب استعمال کر رہے ہیں تو ہم کو کیا مصیبت ہے کہ خواہ مخواہ کبیرہ ہی مراد لیں اور ان کو گناہ گار بنائیں۔ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی عزت بچانی چاہیئے۔ حدیث پاک میں ہے۔ ذِکْرُوْا مَوْتَاکُمْ بِالْخَیْرِ (جامع صغیر):۔ جب ایک بچنے کی راہ نکل رہی ہے تو کیوں فقط اپنی نادانی کی بنا پر غلط مطلب نکال کر خود بھی گناہگار بنو اور ان کو بھی گناہگار و ملعون کرو۔ اہلِ سنت میں تین لوگوں میں سے اصل ایک شخص نے عقیدہ بنایا وہ ہیں امام منصور ماتریدی۔ جنہوں نے سب سے پہلے کہا کہ انبیاء کو گناہ میں اختیار ہے مگر مراد گناہ صغیرہ لیا۔ ان کی دیکھا دیکھی علامہ تفتازانی کو بھی جرأت ہوئی مگر حد میں رہتے ہوئے۔ مگر تیسرے بڑے میر شریف نے شرح مواقف میں۔ گستاخی میں تجاوز اور بالکل نجدی مار کر گمراہی پھیلائی امام منصور اپنے زمانے میں اہل سنت کے امام تھے ان کی صرف وہی بات مانی جائے گی جو اصولِ شریعت کے مطابق ہوگی۔ ان کے ذاتی نظریات کے ماننے میں نہ ہم ان کے مقلد ہیں نہ مکلف۔ یہ غلط باتیں ان کے ذاتی ہیں۔ جماعتِ اہل سنت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ذاتی انفرادی اقوال تو لاکھوں ایسے مل جائیں گے کہ جن کو اگر تسلیم کیا جائے تو دین ایک کھلونا بن جائے۔ میر شریف کے بعد ہمارے سعیدی صاحب

کو مصنف بننے کا شوق چرایا تو گستاخی میں دو ہاتھ آگے نکل گئے۔ لیکن زمانہ بتا رہا ہے کہ ابابیل سے فیل ہلاک ہوتے چلے گئے اگر کانٹے نکلتے ہیں تو قدرت پھول بھی ظاہر فرماتی ہے۔ بقول شخصے ہر فرعونے را موسیٰ۔ بہرحال مجھ پر فرض منصبی ہے کہ میں ثابت کروں کہ تمام اہل سنت کا عقیدہ کیا ہے۔ میں نے جو امام منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت کا مطلب گناہ صغیرہ کی طرف پھیرا ہے وہ صرف ان کو بچانے کے لیے ورنہ اگر کوئی ثابت کر دے کہ امام منصور نے گناہ کبیرہ ہی مراد لیا ہے تو امام منصور کی تردید کی جائے گی۔ کیونکہ ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد۔ فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد۔ غلط نظریات سے سعیدی صاحب جیسے بھٹک سکتے ہیں۔ مگر میری رب نے حفاظت فرمائی ہے اور اب مجھ کو اپنے کرم سے محفوظوں کے خدام میں داخل فرمایا۔ ابتدائے شباب میں جب کبھی گناہ کے قریب ہوا تو میرے کریم رب نے غوث پاک کے صدقہ اس طرح مجھ کو گناہ سے بچایا کہ بعد میں خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی اور اب جب کہ مکمل محمد جوانی کے دور میں ہوں جب کبھی گناہ کرنے کا خیال آتا ہے تو دل پکارتا ہے کہ تیری قسمت میں یہ گناہ نہیں ہے۔ اس آواز کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ میں گناہ کر سکتا ہوں مگر کرتا نہیں۔ کس کی بدبختی اس کو اس عقیدے پر لائے کہ معاذ اللہ انبیاء بھی گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں ہیں۔ فَمَا قَدَرُوا الرَّسُوْلَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ کس کی بدقسمتی اس کو مسلک سے بھٹکا رہی ہے۔ سچا مسلک یہی ہے کہ انبیاء کرام مرسلین عظام کروڑہا قدرتوں پر قادر ہیں۔ مگر گناہ پر قادر نہیں۔ اے ہمارے رب ہم کو اس سچے مسلک پر رہنے کی قدرت عطا فرما۔ امام علامہ قاضی عیاض قدس سرہٗ شفا شریف میں فرماتے ہیں مَنْ اٰمَنَ بِالْوَحْدَانِيَّةِ وَصِحَّةِ النُّبُوَّةِ وَبِنُبُوَّةِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ جَوَّزَ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ الْكِذْبَ فِيْمَا اَتَوْا بِهٖ ادَّعٰى فِيْ ذٰلِكَ الْمَصْلَحَةَ بِزَعْمِهٖ اَمْ لَمْ يَدَّعِهَا فَهُوَ كَافِرٌ بِالْاِجْمَاعِ۔ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبوت کی حقانیت اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ہو با ایں ہمہ انبیاء علیہم السلام پر ان باتوں میں کہ وہ اپنے رب کے پاس سے لائے کذب جائز مانے بزعم خود اس میں کسی مصلحت کا ادعا کرے یا نہ کرے ہر طرح بالاجماع کافر ہے سبحٰن اللہ حضرت انبیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء پر کذب جائز ماننے والا بالاتفاق کافر ہوا۔ یہی مذہب مسلک اعلیٰحضرت کا ہے۔ چنانچہ سبحان السبوح ص۳۶ پر ہے کہ اگر عصمت یعنی امتناع صدور و عدم قدرت ہی لیجئے تاہم امتناع ذاتی نہیں کہ سلب عصمت خود زیر قدرت۔ سبحان اللہ اعلیٰحضرت بریلوی نے کیسی واضح عبارت فرمائی بالکل یہی میرا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام معصوم ہیں اور عصمت کا معنے امتناع صدور اور گناہ پر عدم قدرت ہے ہاں سلب عصمت ہو سکتی ہے۔ مگر جب تک سلب نہ ہو اور عصمت باقی اس وقت تک ہرگز کوئی نبی علیہ السلام گناہ پر قادر نہیں۔ سعیدی صاحب کہتے ہیں کہ عصمت بھی ہے اور قدرت بھی یہ اجتماع ضدین ہے۔ ایسی غلطی کسی نے نہ کی۔ جنہوں قدرت گناہ مانا ہے انہوں نے امتناع صدور و عدم قدرت نہیں مانا۔ سعیدی صاحب کو چاہیے کہ پردے میں نہ رہیں بلکہ کھل کر سامنے آئیں اور سرے سے عصمت کا انکار کریں

جیسے کہ مودودی صاحب نے اور جیسے کہ قاسم نانوتوی نے تصفیۃ العقائد میں کھل کر انکار کیا۔ یہ تھا اعلیحضرت کا مسلک جو انکی کتاب سے ظاہر ہوا۔ اسی مسلک کو اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۸ پر فرماتے ہیں۔ اور جب کہ معصوم مِنَ اللہِ ومؤید بالمعجزات ہو کر کذب کا امکان وقوعی بھی نہ رہے مگر بنظر نفس ذات امکان ذاتی ہو۔ اعلیحضرت نے کیسی شاندار وضاحت فرمادی کہ عصمت کی وجہ سے وقوعِ ذنب کا امکان و قدرت بھی نہیں مگر عصمت سے ہٹ کر صرف ذات اور تشخص کو دیکھا جائے تو امکان بالذات ہے۔ یعنی امتناع بالغیر کی وجہ سے قطعًا قدرت نہیں۔ صدر الا فاضل سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب العقائد ص ۸ مطبوعہ مرادآباد میں لکھا۔ س معصوم کس کو کہتے ہیں۔ ج جو اللہ کی حفاظت میں ہو اور اس وجہ سے اس کا گناہ ناممکن ہو۔ علامہ سید نذیر الحق قادری جو اہل سنت کے اکابر میں شامل ہیں۔ انھوں نے اپنی مشہور کتاب الاسلام ص ۳۲۸ پر لکھا۔ ہم انبیاء کرام کو معصوم کہتے ہیں اور اس کہنے سے یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ ان میں گناہ خداوندِ عالم کا مادہ اور سامان ہی نہیں۔ کیونکہ انہیں جب کوئی صفت ہی نہیں تو پھر ان سے برے افعال صادر ہونا بھی ممکن نہیں۔ یہ تھے اکابر اہلِ سنت کے اقوالِ زرّیں۔ کیا سعیدی صاحب کے نزدیک یہ سب شیعہ رافضی اور کیا صدر الا فاضل و اعلیحضرت نے بھی شیعہ روافض کا مذہب اختیار کیا؟ (معاذ اللہ) حقیقت یہ ہے کہ انبیاءِ کرام کے مقابل بجز آپ کے کسی اہلسنت نے اتنی دیدہ دلیری اور بیباکی کا مظاہرہ نہ کیا یہ باطل راستہ آپ نے ہی اختیار کیا خدا تعالیٰ ہدایت دے:۔

جواب دلیل دوم:۔ سعیدی صاحب نے مجھ کو تین خط یکے بعد دیگرے لکھے جن میں سے ضروری اور صحیح مناظرے سے متعلق باتیں میں نے درج کر دیں ان کے جواب میں میں نے سعیدی صاحب کو چار خط لکھے جن میں پہلا خط تین صفحات پر دوسرا خط چار صفحات پر اور تیسرا خط گیارہ صفحات پر چوتھا خط آٹھ صفحات پر بڑا رجسٹر سائز پر لکھے گئے۔ ان کی پوری عبارت تو درج نہیں ہو سکتی۔ خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ صرف تین آدمی مسلک اہلِ سنت سے ہٹے ہیں باقی جتنے بھی حوالے سعیدی صاحب نے لکھے وہ سب بزرگ صرف لوگوں کے مسلک بیان کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ فلاں نے عصمت کی تعریف یہ کی فلاں نے یہ کی وغیرہ وغیرہ اپنا مسلک ظاہرًا یا قرینۃً نہیں بتا یا اور پھر تماشہ یہ کہ یہی مصنفین کرام اپنی ان ہی کتابوں میں عصمت کی صحیح اور عدمِ قدرت والی تعریف بھی کر رہے ہیں مگر سعیدی صاحب اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ سعیدی صاحب کے دلائل میں جن عبارتوں میں یہ لکھا ہے کہ نبی کا گناہ پر قادر ہونا جمہور کا مذہب ہے۔ یہ بات ان کی اپنی خود ساختہ بات ہے کسی جمہور کا یہ مذہب نہیں ہے۔ وہ کون جمہور ہے جس کو اعلیحضرت۔ صدر الا فاضل۔ حکیم الامت تو نہ سمجھ سکے مگر آج سعیدی صاحب سمجھ گئے اعلیحضرت حکیم الامت رح

رحمۃ اللہ علیہ نے صاف فرمایا کہ انبیاءِ کرام گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے۔ چنانچہ حاشیہ بخاری غیر مطبوعہ کے صفحہ ۹۷۵ پر ہے: ۔ قَوْلُہٗ المعصوم مَنْ عَصَمَہُ اللّٰہُ (الخ) ۔ لَیْسَ الْمُرَادُ بِالْمَعْصُوْمِ۔ الْمَعْصُوْمُ الْاِصْطِلَاحِیْ اَعْنِیْ غَیْرُ قَادِرٍ عَلَی الذَّنْبِ کَمَا ھُوَ شَانُ الْاَنْبِیَاءِ بَلِ الْمُرَادُ بِہٖ الْمَحْفُوْظُ کَمَا ھُوَ شَانُ الْاَوْلِیَاءِ اَوِ الْمَمْنُوْعُ کَمَا ھُوَ حَالُ اَکْثَرِ الصَّالِحِیْنَ فَعِصْمَۃُ الْاَنْبِیَاءِ بِطَرِیْقِ الْوُجُوْبِ وَعِصْمَۃُ غَیْرِھِمْ بِطَرِیْقِ الْجَوَازِ کَذَا فِی الْعَیْنِیْ۔ (ترجمہ): ۔ اس روایت میں معصوم سے مراد اصطلاحی معصوم نہیں یعنی اصطلاحِ شریعت میں عصمت کا معنیٰ ہے۔ گناہ پر قادر نہ ہونا یہ انبیا کی شان ہے۔ بلکہ یہاں مراد یا معصوم سے محفوظ ہے اور یا مراد ممنوع ہے۔ محفوظ اولیاء اللہ ہوتے ہیں ممنوع صالحین ہوتے عصمتِ انبیاء وجوبی و لازمی شئی ہے اور عصمتِ غیر جوازی چیز ہے۔ سعیدی صاحب کی اس دلیل کی غلطی بالکل عیاں ہے۔ کہ جب انبیاء میں خلقتِ گناہ ہی نہیں۔ تو گناہ کرسکنا کیا مطلب ہے تفتازانی صاحب کا یہ کہنا مع انقادر تقدیم کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ قدرت سلبِ عصمت پر ہے۔ جیسا کہ اعلحضرت نے فرمایا سلبِ عصمت زیرِ قدرت ہے اور کس کی زیرِ قدرت! باری تعالٰی کے زیرِ قدرت کہ جب چاہے عصمت ختم کر دے نہ کہ خود انبیاء کے زیرِ قدرت انبیاءِ کرام اپنی عصمت ختم نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالٰی ختم کرنے پر قادر ہے۔ لیکن جب تک عصمت قائم ہے۔ انبیاءِ کرام گناہ پر قادر نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر عصمت ختم ہو جائے تب یہ کہہ سکتے ہیں کہ گناہ کر سکتے ہیں۔ مگر چونکہ عصمت نبوت کو مستلزم ہے۔ سلبِ عصمت سے سلب نبوت بھی ہو گی۔ مگر یہ فطرت اور وعدۂ الٰہیہ کے خلاف ہے اس لئے ممتنع ہے۔ دلیل دوم کا جواب دینے کے بعد اب اپنی تحاریر کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔ جس میں۔ علامہ کی تمام باقی دلیلوں اور ان کی خطوط کی دیگر لغویات کا جواب بھی ہو گا حقیقتِ عصمت وہ نہیں جو علامہ تفتازانی اور مولانا سعیدی صاحب نے لکھ دی توضیح البیان کی عبارت کچھ تو در جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ اہلِ علوم میں جب کبھی اختلافات کی خلیج وقوع پذیر تو اس کی بڑی وجہ یہ ہی ہوتی رہی کہ مسئلے کے مختلف پہلوؤں کو نظر انداز کر کے ایک ہی پہلو کو اول سے ہی نظر یہ بنا لیا اور اسی پر جمود کیا اور جب یہ بات ٹھان لی کہ ہم نے اس نہج پر چلنا ہے اور اسی پر مصر رہنا ہے۔ اسی کو ٹھوس مسلک بنانا ہے تو ذہن و دماغ تحقیق سے عاری ہو جاتے ہیں اور کسی حقیقت کے اعتراف پر آمادہ نہیں ہوتے۔ فرقہ پروری کی جڑ بنیاد سب سے بڑی یہی ارادۂ ذہنی اور خیالی کیفیت ہے۔ اور اسی سے انسان میں غرور و تکبر کے سوتے پھوٹتے ہیں پھر انسان سمجھتا ہے کہ مجھ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہو سکتا اور مجھے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ یہی خیالِ خام اس کی دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کا باعث بنتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب کسی شخص کو اپنے علم پر غرور ہوا تو رب کریم نے کسی بھی چھوٹے

انسان سے ایسی ذِلّت آمیز شکست دلوائی کہ ساری عمر کی دل تنگی نصیب ہوئی اور اسی افسوس میں فوت ہو گئے۔ چنانچہ ملّا واحدی جب شیراز سے ہندوستان آئے تو عبدالحکیم سیالکوٹی سے ایک صیغہ بتانے پر شکست کھا گئے عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس وقت چھوٹی عمر میں تھے۔ ملّا واحدی اسی شکست کے رنج سے جانبر نہ ہو سکے۔ مولانا ناصر الدین صاحب قبلہ نے اپنی شرح مبانی کے صـ۹ پر علامہ تفتازانی کے متعلق بھی اسی قسم کا واقعہ لکھا ہے کہ نقصانِ معتزلی کی وجہ سے میر سید شریف جرجانی سے ایسی شکست کھا گئے کہ اسی غم میں فوت ہو گئے۔ آخر یہ ذلت کی شکست کیوں ہوتی ہے؟ صرف اس وجہ سے کہ جب کسی سے نادانستہ طور پر گستاخی ہو جاتی ہے تو اس کو دنیا میں اس طرح پر سزا دے دی جاتی ہے یہ سزا گستاخیِ انبیاء کی بنا پر ہوتی ہے۔ اور جب کوئی دانستہ گستاخی کرے تو اس کو آخرت میں سزا ملتی ہے۔ یہ خوش بختی ہے کہ دنیا میں سزا مل جائے جن کو دنیا میں سزا نہ ملے اُن کو آخرت میں ملتی ہے جب تک توبہ نہ کرے۔ بزرگ صحابی حضرت حسّان آخرِ عمر میں نابینا ہو گئے تھے خود فرماتے تھے کہ مجھ کو سزا ملی ہے اس بات کی کہ میں نادانی سے واقعۂ تہمتِ اُمّ المومنین میں شریک ہو گیا تھا۔ (تفسیر کا باب بخاری شریف جلد دوم صـ۵۹۷) اللہ کریم ہم سب کو گستاخی سے بچائے۔ آمین اگر علامہ تفتازانی اور ماتریدی صاحب کو بھی کوئی سمجھانے والا سمجھا دیتا تو یقیناً وہ دونوں حضرت اس بطلان سے رجوع کر لیتے۔ سعیدی صاحب کو خاصا سمجھا دیا گیا اور وہ اپنے آخری خط میں در پردہ خفیف اشاروں دبے لفظوں میں اپنی شکست تسلیم بھی کر چکے ہیں۔ ان کے ترکشِ علم میں دلائل کے سب تیر ختم ہو چکے ہیں۔ مگر ابھی تک ان کو توبہ ورجوع کی توفیق نہیں ملی۔ میری دعا ہے کہ یا اللہ میرے سعیدی صاحب دنیا سے اِس گستاخی کے ساتھ نہ جائیں منزلِ مقصود اور راہِ ہدایت وادیِ علم و تحقیق میں تب حاصل ہوتی ہے جب انسان توفیقِ اللہ کے سہارے محض مخلص بن کر خشیتِ الٰہی سے وابستہ ہو کر ذاتی نظریات و مسالک اختراعیہ یکسر خالی الذہن ہو کر قدم اٹھائے۔ وَ قَاكَ عِلْمُكَ۔ کا زعم باطل کبھی خیر کا طالب نہیں ہوتا سعادتِ ابدی تو فقط فَضْلُ رَبِّیْ سے ہی ملتی ہے۔ جس طرح کہ تمام مسائل میں ایک سے زیادہ پہلو مل جاتے ہیں نظریاتِ کثیفہ و لطیفہ و اقوالِ صادقہ و کاذبہ مل جاتے ہیں۔ اسی طرح عصمتِ انبیاءِ کرام میں بھی تین نظریات پائے جاتے۔ پہلا نظریہ اہلِ سنت کا۔ دوسرا نظریہ حکما کا۔ تیسرا نظریہ معتزلہ کا۔ مسلک اہلِ سنت میں عصمت کی تعریف یہ ہے کہ گناہ پر انبیاءِ کرام قادر ہی نہیں ہوتے اور اطاعت بشانِ امتیازی پر قادر ہوتے ہیں۔ حکماء کے نزدیک عصمت ایک ملکہ ہے گناہ سے بچنے کا اس ملکے کے باوجود گناہ پر قادر ہوتے ہیں۔ معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ عصمت اللہ کی طرف سے ایک ایسا لطف ہے۔ کہ جس کی وجہ سے

شخص معصوم شخص باوجود قادر ہونے کے گناہ کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ یہ دونوں نظریے باطل ہیں۔ اور درپردہ عصمت کا انکار ہے۔ کیونکہ یہ سنت محفوظین کی ہے نہ کہ معصومین کی جبکہ اور معتزلہ بوجہ خوفِ طعن کھل کر عصمت کا انکار نہ کرسکے تو عصمت کی تعریف بدلنے کی کوشش کی۔ تاکہ جان بھی بچ جائے اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ اس دور کے بیباک پیشواؤں نے اِن ہی باطل نظریات کو دیکھ کر کھل کر عصمتِ انبیاء کا انکار کر دیا۔ دیکھو قاسم نانوتوی کی کتاب تصفیہ عقائد صا۳۱ ۔ صاف منکر ہوا۔ اسی طرح مودودی صاحب صاف انکاری ہوئے۔ بات ایک ہی ہے حکماء و معتزلہ منکر ہوئے ہیرا پھیری کر کے۔ یہ منکر ہوئے صاف صاف۔ علامہ سعیدی صاحب نے بھی معتزلہ کے نظریے کو قبول کیا۔ اور یہی دو نظریئے پیش کیے۔ اہل سنت کا مسلک بالکل صاف ہے جس سے امتیازی طور پر پتہ چل جاتا ہے کہ معصوم اور محفوظ مِنَ اللہ اور ممنوع مِنَ اللہ میں کیا فرق۔ شرح تجرید کے مؤلف شرح ہذا کے صا۱۰۸ پر لکھتے ہیں:۔ اَلْعِصْمَةُ عِنْدَ الْاَشَاعِرَةِ هِيَ الْقُدْرَةُ عَلَى الطَّاعَةِ وَعَدَمُ الْقُدْرَةِ عَلَى الْمَعْصِيَةِ وَعِنْدَ الْمُعْتَزِلَةِ هِيَ لُطْفٌ مِنَ اللهِ لَا يَكُوْنُ لَهٗ مَعَ ذَالِكَ دَاعٍ اِلٰى تَرْكِ الطَّاعَةِ وَارْتِكَابِ الْمَعْصِيَةِ مَعَ قُدْرَتِهٖ عَلٰى ذَالِكَ۔ وَعِنْدَ الْحُكَمَاءِ هِيَ مَلَكَةٌ نَفْسَانِيَّةٌ رُصَاحِبُهَا مَعَهَا الْمَعَاصِيْ۔ (ترجمہ)۔

اہل سنت اشاعرہ کے نزدیک عصمت یہ ہے کہ معصوم شخص اطاعت پر پورا ہر وقت پر قادر ہے اور گناہ پر کبھی قادر نہ ہو۔ معتزلہ یعنی موجودہ دہابیہ فرقہ کہتا ہے کہ عصمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لطف ہے جس کے ذریعے معصوم گناہ نہیں کرتا مگر قادر رہتا ہے حکما یعنی فلسفی لوگ کہتے ہیں کہ عصمت ایک ذاتی ملکہ اور مہارت ہے۔ جس کے سبب سے معصوم کو گناہ سے بچنے کی مہارت ہوتی ہے۔ یہ دونوں مذہب بالکل غلط اور منشاءِ الٰہیہ کے منافی ہیں۔ شرح تجرید کی یہ عبارت بالکل صاف اور حقیقت پر مبنی ہے۔ یہی اعلیٰحضرت اور صدر الافاضل اور حضرت حکیم الامت نے اختیار فرمائی۔ مگر افسوس کہ ہمارے سعیدی صاحب امتناع اور محال کے چکر میں پھنس کر اتنی صاف عبارت اور اکابرِ دین کے مسلک سے فرار ہوئے اور شرح تجرید کی عبارت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ شرح تجرید کا مصنف نصیر الدین طوسی غالی شیعہ ہے لہٰذا اس کی نقل ہم کو مفید نہیں۔ کتنی نادانی کی بات ہے حضرت یہ نقل نہیں بلکہ خبر ہے۔ آپ کے نزدیک صاحب شرح زیادہ سے زیادہ کافر متصور ہوگا۔ تب بھی خبر معتبر ہے فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ کافر کی خبر معتبر ہے۔ چنانچہ فتاوےٰ دُرِّ مختار مجرد صفحہ نمبر ۳۱ پر ہے:۔ وَيَجِبُ طَلَبُهٗ اِنْ ظَنَّ ظَنًّا قَوِيًّا قُرْبَهٗ دُوْنَ مِيْلٍ بِاَمَارَةٍ اَوْ اِخْبَارِ عَدْلٍ:۔ (ترجمہ)

متیمم کا پانی تلاش کرنا فرض ہے۔ اگر قوی گمان ہو کہ پانی میل سے کم ہے یہ گمان یا علامات سے ہو یا کسی بھی عادل کے خبر دینے سے ہو۔ اس عبارت میں عادل میں مسلمان ہونے کی قید نہیں ثابت ہوا کہ عادل کافر کی بھی

غیر معتبر ہے۔ کیونکہ کافر بھی اگر اپنے دینی لحاظ سے فاسق و فاحش نہ ہو تو عادل ہے۔ چنانچہ فتاوٰے شامی درمختار جلد چہارم ص ۵۲۲ پر ہے۔ وَمِنَ الذِّمِّیِّ لَوعَدْلاً فِی دِینِهِمْ عَلَی مِثْلِهِ۔ (ترجمہ) اور ذمی کافر کی گواہی اپنے مثل کے خلاف معتبر ہے جب کہ ذمی اپنے دین کے اعتبار سے عادل ہو۔ نتیجہ ثابت ہے کہ کافر عادل کی خبر معتبر ہے اصولِ فقہ کی مشہور و معتبر کتاب نورالانوار ص ۱۹۱ پر ہے :۔ وَاِنْ كَانَ لَا اِلْزَامَ فِیْهِ اَصْلاً یَثْبُتُ۔ بِاَخْبَارِ الْاٰحَادِ بِشَرْطِ التَّمْیِیزِ دُونَ الْعَدَالَةِ یَعْنِی یُشْتَرَطُ اَنْ یَّكُونَ الْمُخْبِرُ مُمَیِّزًا صَبِیًّا كَانَ اَوْ بَالِغًا حُرًّا كَانَ اَوْ عَبْدًا مُسْلِمًا كَانَ اَوْ كَافِرًا عَادِلاً كَانَ اَوْ فَاسِقًا۔ (ترجمہ)۔ خبر غیر الزامی میں عدالت شرط نہیں صرف سمجھ شرط ہے لہٰذا ایک شخص کی خبر بھی معتبر ہے خبر دینے والا بچہ ہو یا بالغ آزاد ہو یا غلام مسلمان ہو یا کافر عادل ہو یا فاسق۔ کافر کی صرف گواہی مسلمان کے خلاف مردود۔ پس جب ذمی عادل کی خبر یہاں معتبر ہے شرح تجرید کی یہ عبارت حجت کیوں نہ ہو گی۔ اور پھر ہم کو تو اعلیٰحضرت صدر الافاضل اور حکیم الامت کے صریح اقوال حاصل ہیں ان کو کون رد کر سکتا ہے۔ مزید براں یہ مسلک قرآن مجید سے بھی ثابت ہے چنانچہ سورت یوسف پارہ ۱۲ آیت ع ۳۸ پر ہے۔ مَا كَانَ لَنَا۔ اَیْ مَا صَحَّ وَلَا اَمْكَنَ لَنَا (الخ) اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ۔ اس آیت کا مطلب تفسیر مظہری میں اس طرح ہے۔ مَا كَانَ لَنَا۔ اَیْ مَا صَحَّ وَلَا اَمْكَنَ لَنَا (الخ) فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَنَا عَلٰی جِبِلَّةِ التَّوْحِیدِ وَعَصَمَنَا مِنَ الشِّرْكِ

ترجمہ:۔ ہمیں یہ نہیں ہے کہ ہم اللہ کا شریک بنائیں کسی چیز کو یعنی قدرت ہی نہیں ہم کو کیونکہ اللہ نے ہم کو جبلّتِ توحید پر پیدا کیا اور شرک سے معصوم کیا۔ تفسیر مظہری پ ۱۲ ص ۲۱ جبلت فطرت کو کہتے ہیں اور فطرت بقولِ حدیث پاک ناممکن التغیر ہے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر جلد پنجم ص ۱۲۹ پر فرمایا ہے۔ وَنَظِیرُهُ قَوْلُهُ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ۔ (ترجمہ) :۔ حضرت یوسف کا یہ فرمان مَا كَانَ لَنَا مشابہ ہے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے مَا كَانَ لِلّٰهِ تو جب اللہ کا بچہ بنانا ناممکن ہے پس انبیاء کا گناہ بھی ناممکن ہاں یہ ضرور ہے نظیر ہونا صرف ناممکن ہونے میں ہے ورنہ رب تعالیٰ کا محال بالذات ہے انبیاء کا بالغیر۔ لہٰذا یہ کہنا سراسر گمراہی ہے کہ انبیاء کرام جھوٹ بول سکتے ہیں۔ مذہب اہل سنت میں صغیرہ کبیرہ۔ شرک۔ کفر۔ انبیاء کرام سے ناممکن ہے۔ اور معصومین بالکل قادر علی الذنب والکذب نہیں۔ اس مسئلے کو مزید آسان کرنے کے لیئے تمہیدی طور پر دس الفاظ ذہن میں کرنے چاہیئے۔ ع ۱ امتناع ع ۲ محال ع ۳ تکلف ع ۴ کر سکنا ع ۵ نہ کر سکنا ع ۶ استحالہ ع ۷ بالذات ع ۸ بالغیر ع ۹ قدرت ع ۱۰ عدم قدرت۔ ہمارا اختلاف نہ امتناع میں نہ محال نہ استحالہ میں نہ ان ہر سہ کی تقسیم میں اور نہ معقول میں نہ قسموں میں ہم دونوں کو تسلیم ہے کہ امتناع ۲ دو قسم کا ہے ع ۱ امتناع بالذات ع ۲ بالغیر دونوں کا اتفاق ہے کہ محال دو قسم کا ہے ہم مانتے ہیں کہ استحالہ دو قسم کا ہے اور معصوم کو معصیت میں ممتنع بالغیر ہی ہے۔ صرف نزاع اس میں ہے کہ معصوم گناہ اور جھوٹ پر قادر ہے یا نہیں۔

سعیدی صاحب نے ان ہی اصول کو مان کر غلط راہ اختیار کی یہ آپ کی کم فہمی و ناسمجھی ہے۔ تمام انبیاءِ کرام حادث ہیں۔ کوئی قدامت کا قائل نہیں لہٰذا بالذات ممتنع کا بھی کوئی تصور نہیں کرتا۔ گناہ پر قادر نہ ہونا تو ممتنع بالغیر کی بھی صفت ہے۔ علامہ سعیدی نے اپنی اسی ناسمجھی میں مسلکِ اہلِ سنت متقدمین و متاخرین سے ہٹ کر اپنے تین مسلک بنائے۔ ع۱ انبیاءِ کرام گناہ پر قادر ہیں۔ میں کہتا ہوں نعوذ باللہ منہا ع۲ علامہ صاحب کہتے ہیں انبیاءِ کرام ممنوعاتِ شرعیہ سے مکلّف ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انبیاءِ کرام کو نہی کے ذریعے جبراً گناہ سے روکا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں استغفر اللہ منہا ع۳ سعیدی صاحب کا تیسرا عقیدہ کہ معصوم ہونے کا صرف یہ مطلب ہے۔ انبیاء پاک گناہ کرتے نہیں۔ البتہ کر سکتے ہیں۔ یہ تینوں عقائد باطل و سراسر گمراہی ہیں۔ کیونکہ مسلکِ اہلِ سنت کے خلاف ہیں مسلک اہل سنت یہ ہیں۔ ع۱ انبیاءِ کرام کسی گناہِ صغیرہ و کبیرہ پر قادر نہیں وہ پاک ہستیاں گناہ کر سکتی ہی نہیں کیونکہ معصوم ع۲ تکلف دو قسم کا ہے تکلف فی الامر تکلف فی النہی۔ انبیاءِ کرام صرف امر میں مکلّف ہیں اُن کو ہر نیکی پر ثواب ملتا ہے۔ جن بزرگوں نے انبیاء کو اجماعاً مکلف مانا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ لیکن میر شریف نے یہاں جو بدتمیزی دکھائی وہ اس کی بیہودگی ہے۔ اسی راستہ کو سعیدی صاحب نے اگر اختیار کر لیا تو سزاءِ اخروی کے لیے تیار رہیں۔ انبیاءِ کرام نہی کے مکلف قطعاً نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ معصوم ہیں۔ اسلام کے تمام فرقے عصمتِ انبیاء کے قائل ہیں۔ کسی نے ڈرتے ڈرتے مانا کسی نے عقیدے سے مانا کسی نے غلو کیا یہی وجہ ہے کہ عصمت کی تعریف کرتے ہوئے اپنے اپنے دل کی کیفیت کو ظاہر کر دیا۔ شیعہ نے عصمت کو مانا مگر غلو کیا کہ آئمہ بھی معصوم ہیں یہ اُن کا بطلان ہے۔ ان کا علامہ مجلسی کہتا ہے اپنی کتاب حیاۃ القلوب جلد سوم صفحہ نمبر ع۱۷ پر کہ امام برحق کے لیے عصمت شرط ہے کیونکہ امام برحق ساری کائنات کا قابض ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں حرص ع۱ حسد ع۲ غضب ع۳ شہوت ع۴ نہیں ہوتا۔ اور جن میں یہ رذائلیں نہ ہوں وہ معصوم ہیں۔ مگر یہ سب باتیں اختراعی ہیں۔ لہٰذا صغریٰ کبریٰ حدِ اوسط نتیجہ سب غلط اصغر و اکبر میں بھی توافق نہیں۔ معتزلہ نے عصمت کو مانا مگر ڈرتے ڈرتے۔ لہٰذا عصمت کی تعریف ایسی مسخ کی۔ کہ ماننا نہ ماننا برابر ہو گیا۔ ماتریدی صاحب کو ایسا چکر آیا کہ چکرا کر معتزلہ کے جال میں گرے۔ تفتازانی بھیڑ چال چل پڑے۔ میر شریف یا موجودہ سعیدی بے چارے کس شمار میں ہیں یہاں مسلکِ اہل سنت متقدمین کو امام اشعری نے سہارا دیا اور متاخرین کو امام احمد رضا نے سہارا دیا کہ سچی تعریف کر کے اُنہوں نے سنیوں کو مقامِ نبوت سمجھایا اور معتزلیوں سے بچایا اور انہوں نے سنیوں کو عشقِ رسول سکھایا اور وہابیوں سے بچایا۔ جن کا نام پہلے اشعری تھا اب بریلوی ہوا اور جن کا نام پہلے معتزلی تھا۔ اب وہابی دیوبندی۔ مجموعی اہل سنت کا شروع سے یہ ہی عقیدہ رہا کہ معصومین

گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے۔ ہاں انفرادی طور پر اگر منصور ماتریدی یا تفتازانی یا کوئی شخص سے مل گیا یا معتزلہ سے مل گیا تو اس بطلان سے اجماعی مسلک پر کچھ فرق نہیں پڑتا یہ کج رویاں تو ہر دور میں رہتی ہیں اگر موجودہ زمانے میں کچھ بگاڑ تھا تو سعیدی صاحب نے خانہ پری کر دی۔ ہمارے جن اکابر نے ذاتی طور پر شیعہ یا معتزلی مسلک اختیار کیا وہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ ہم کو لائق نہیں کہ اجماعی مسلک اور دلائل قاہرہ کو چھوڑ کر کسی کے ذاتی نظریوں پر چل پڑیں۔ ہمارے دلائل حسبِ ذیل ہیں:۔

پہلی دلیل:۔ اس سے پہلے عصمت کی تعریف میں چار اقوال نقل کیے گئے ۱۔ شرح تجرید کا ۲۔ اعلیحضرت کا ۳۔ صدر الافاضل کا ۴۔ حضرت حکیم الامت کا اب پانچواں حوالہ ملاحظہ ہو نسیم الریاض شرح شفا جلد سوم ص۲۰۶ پر ہے۔ وَالْعِصْمَةُ تَخْصِيصُ قُدْرَتِهِ بِالطَّاعَةِ دُونَ الْمَعْصِيَةِ۔ ترجمہ اور عصمتہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی معصوم کو اطاعت پر تو قدرت عطا فرماتا ہے گناہ پر ان کو قدرت نہیں ہوتی:۔

دوسری دلیل:۔ اچھٹا حوالہ نسیم الریاض جلد چہارم صفحہ نمبر ۲۵۰ پر ہے:۔ وَعِصْمَتُهُ عَنِ الْكِذْبِ وَخُلْفِ الْقَوْلِ فَلَمْ يَصْدُرْ عَنْهُ شَيْءٌ مِنْهُ وَهُوَ مُسْتَحِيلٌ۔ (ترجمہ)۔ اور انبیاء کرام کی عصمت یہ ہے کہ وعدہ خلافی اور جھوٹ وغیرہ گناہ ان سے صادر ہی نہیں ہو سکتے اور وہ محال یعنی ممتنع ہیں۔ ساتواں حوالہ شفا شریف میں اسی جگہ پر ہے۔ وَاِسْتِحَالَةُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ شَرْعًا وَاِجْمَاعًا۔ (ترجمہ):۔ انبیاء کرام کا کذب محال ہونا شرعی اور اجماعی مسلک ہے۔ اور محال پر قدرت ناممکن سعیدی صاحب کے قول میں کر سکتا ہے۔ کر سکنا قدرت پر دال ہے۔ چنانچہ لغاتِ کشوری ص۱۱۵ پر ہے۔ کر سکنا یعنی طاقت وقدرت پانا اسی محال اور استحالے کا معنی ممتنع ہونا ہے جن لوگوں نے معتزلہ جیسی تعریف کی ہے وہ امتناع کے قائل بھی نہیں مگر سعیدی صاحب پر تعجب ہے کہ ممتنع بھی مانتے ہیں اور جھوٹ پر قدرت بھی۔ اس پر اتفاق ہے کہ ذاتِ باری تعالٰی کا کذب ممتنع بالذات ہے۔ اور معصوم من اللہ کا گناہ ممتنع بالغیر ہے۔ ممتنع بالذات قدیم ہے اور ممتنع بالغیر حادث۔ ممتنع خواہ کیسا ہی ہو قدرت سے خارج ہوتا ہے چنانچہ المعتقد ص۱۶ پر ہے۔ وَبِالْاِمْتِنَاعِ مَالَا يُتَصَوَّرُ فِي الْعَقْلِ وُجُودُهُ ضَرُورَةً۔ (ترجمہ) امتناع سے مراد یہ ہے کہ عقل اس کے وجود کا تصور بھی نہ کرے۔ اور انبیاء کرام کا گناہ ممتنع ہوا تو تصور بھی ناممکن اسی کو محال بھی کہتے ہیں محال کی تین قسمیں ہیں:۔ ۱۔ محال شرعی ۲۔ عقلی ۳۔ عادی جو چیز ناممکن ہو اس کا ہو سکنا محال آتنی باتیں مان کر پھر کہنا کہ نبی جھوٹ بول سکتے ہیں۔ گویا کہ ہو سکنے نا ہو سکنے کی ضدین کو جمع کرنا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ محال بالغیر ہے جس کا خاتمہ ناممکن۔ جب بالغیر ختم ہو تو قدرت ممکن ہے لیکن جب تک غیریت قائم ہے قدرت نہیں ہو سکتی اور یہ کُلیّہ تو ید ہی ہے نادان

بھی سمجھ جاتا ہے کہ زبان کٹ جائے تو بول نہیں سکتا قدرتِ گویائی ختم ہے۔ کیا کوئی پیدائشی گونگے یا اندھا کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ بول سکتا ہے دیکھ سکتا ہے مگر بولتا دیکھتا نہیں۔ لیکن جو آنکھیں میچ لے اُس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ دیکھ سکتا ہے مگر دیکھتا نہیں۔ بس بالکل اسی طرح سمجھ لو کہ عصمت سے امتناع لاحق ہوا لہٰذا ذی عقل نہیں کہہ سکتا کہ نبی جھوٹ بول سکتا ہے مگر بولتا نہیں اس بدیہی عقیدے کا کوئی نادان ترین ہی انکار کرے گا۔ امتناع ذاتی وہ ہے جو ازلی ابدی قدیم ہو۔ انبیاء کا امتناع اس طرح نہیں۔ **تیسری دلیل** :-

آٹھواں حوالہ نسیم الریاض جلد چہارم ص۱۴۱ پر ہے :- اَلْعِصْمَۃُ (الخ) اَنْ لَّا یَخْلُقَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی النَّبِیِّ ذَنْبًا۔ اور الابریز صفحہ نمبر ۲۲۵ پر ہے :- فَاِنَّھُمْ جُبِلُوْا عَلَی الْعِصْمَۃِ :- (ترجمہ) :- عصمت کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم میں گناہ پیدا ہی نہیں کرتا پس بے شک وہ ! پیدائشی عصمت پر ہوتے ہیں۔ مقامِ تعجب ہے کہ جو چیز پیدا ہی نہیں ہوئی اس پر قدرت مانتے ہیں اور کہتے ہیں (معاذ اللہ) نبی جھوٹ بول سکتے ہیں۔ خدا غارت کرے نفس و شیطان کو کہ کس طرح علماء عقلاء و زہاد خشک کا راستہ مارتا ہے۔ میں سعیدی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ رب نے تو گناہ پیدا ہی ان میں نہ کیا پھر ان کا کر سکنا کیونکہ ہوگا کون خالقِ گناہ نبی ہوگا۔ نواں حوالہ۔ نسیم الریاض شرح شفا جلد چہارم ص۱۴۱ پر ہے :- وَقَدْ تَقَرَّرَ اَنَّ الْعِصْمَۃَ عِنْدَ الْمُتَکَلِّمِیْنَ اَنْ لَّا یَخْلُقَ اللّٰہُ فِی النَّبِیِّ ذَنْبًا۔ وَفِی التَّحْرِیْرِ لِابْنِ الْھُمَامِ اَلْعِصْمَۃُ عَدَمُ الْقُدْرَۃِ عَلَی الْمَعْصِیَۃِ۔ (ترجمہ) :- متکلمین کے مذہب سے ثابت ہو گیا کہ عصمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی میں گناہ پیدا ہی نہیں فرماتا امام ابن ہمام کی تحریر میں بھی یہی مذہب ظاہر ہو رہا ہے کہ عصمت قدرت نہ ہونے کو کہتے ہیں۔ دسواں حوالہ شفا شریف ہی مقام وَعِصْمَتُہٗ فِیْ کُلِّ حَالَاتِہٖ مِنْ رِضًی وَغَضَبٍ وَجِدٍّ وَمَزْحٍ۔ (ترجمہ) :- انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر حالت میں معصوم ہوتے ہیں۔ رضا ہو یا غضب عام حالت ہو یا خوش طبعی۔ یعنی کبھی بھی گناہِ صغیرہ و کبیرہ نہیں کر سکتے۔ ان حوالوں سے پتہ چلا کہ اکابرِ دین کا مسلک یہی ہے کہ نبی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ ہاں ان ہی بزرگوں نے معتزلہ کے عقیدے بھی نقل فرمائے ہیں سعیدی صاحب کی عقل دیکھئے کہ ان بزرگوں کے اپنے مسلک کی عبارات چھوڑ کر منقولہ مذہب غیر کی عبارات لیتے ہیں۔ اور اپنی نادانی سے تہمت بزرگوں پر لگاتے ہیں۔ عصمتِ انبیاء کی چھ نوعیتیں ہیں نمبر۱ عصمت عن الشرک والکفر نمبر۲ عصمت عن الشک یہ ہے کہ نبی شک سے بھی معصوم ہیں اپنی وحی میں یا اس کے سمجھنے میں یا اس کی تعبیر میں غلطی کر سکتے ہی نہیں خواہ وحی جلی ہو یا خفی منامی ہو یا ایقاظی۔ محی الدین ابن عربی فصوص الحکم میں یہاں ٹھوکر کھا گئے اور کہہ گئے کہ معاذ اللہ نبی اپنی خواب کی تعبیر میں غلطی کر سکتا ہے اور ملفوظات مہریہ

میں اس بات کی ناجائز تائید بھی ہوئی مگر یہ سب غلطی ہے۔ انبیاء کرام سے یہ غلطی بھی ناممکن۔ انہوں نے مقام نبوت کو کما حقہٗ سمجھا نہیں ع۲ عصمت عن الکبائر ع۴ عن تسلط الشیطان ع۵ عَنِ الصَّغائر ع۶ عَنِ المیلان اِلیٰ الذنب۔ یہ تقسیم نوعی ہے ان تمام پر عصمت جنسی یعنی عدم قدرت کلی مطابقی ہے۔ امام منصور ح نے صغائر میں اختیار تسلیم کیا ہے۔ یعنی ان کے مسلک میں نبی گناہ صغیرہ کر سکتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ کائنات میں صرف دو ہی جماعتیں مامور من اللہ ہیں ع۱ جماعت ملائکہ ع۲ جماعت انبیاء کرام اور مامور من اللہ ہی معصوم ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معصوم بھی صرف یہ دو ہی جماعتیں ہیں۔ امور الٰہیہ بہت زبردست امانت ہے اس کو لینے والا شخص بھی زبردست ہونا چاہیئے۔ جس میں غلطی۔ خیانت۔ نسیانِ دینی جھوٹ فریب جیسی قباحتوں کا امکان بھی نہ ہو۔ اور وہ قادر ہی نہ ہو کہ گناہ کر سکے اِس لیئے اُن کو معصوم بنا دیا جاتا ہے۔ عصمت ملائکہ ہو یا نبوت تعریف و درجہ ہر دو کا یکساں ہے یعنی بوجہ امتناع بالغیر گناہ پر قادر نہ ہونا چنانچہ عصمتِ ملائکہ کے متعلق مسلک اہلِ سنت اس طرح ہے۔ نسیم الریاض جلد چہارم صفحہ نمبر ۲۵۵ پر ہے۔ فَهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنْ جَمِيْعِ الذُّنُوْبِ كَبِيْرِهَا وَصَغِيْرِهَا وَلَا يُجَوِّزُنَا ذَالِكَ عَلَيْهِمْ وَلَا يَقْدِرُوْنَ عَلَيْهِ۔ (ترجمہ):۔ پس وہ ملائکہ تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہیں۔ اور ان پر قطعاً گناہ کا جواز نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ فرشتے گناہ پر قادر نہیں ہوتے۔ وجہ عدم قدرت صرف معصومیت ہے۔ اس عبارت پر سب کا اتفاق ہے۔ یہاں ماتریدی صاحب بھی متفق اور خاموش ہیں۔ اس پر تفتازانی صاحب نے بھی کان لپیٹ لیئے میر شریف بھی مان گئے۔ علامہ سعیدی کے سارے خطوط میں اس کا کوئی جواب نہیں۔ یہاں بالذات بالغیر کے جھوٹے بھول گئے یہاں شرک کا جھوٹا نہ چھوٹا یہی معصیت انبیاء کرام کو رب نے بخشی تو وہ بھی قادر علی الذنب نہ ہوئے معصیت ہر دو جگہ یکساں ہے۔ چنانچہ شارح شفا امام شہاب الدین خفاجی اپنی کتاب صفحہ نمبر ۲۵۶ پر فرماتے ہیں۔ وَاتَّفَقَ اَئِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ عُلَمَاءِ الْمِلَّةِ الْاِسْلَامِيَّةِ عَلٰى اَنَّ حُكْمَ الْمُرْسَلِيْنَ مِنْهُمْ حُكْمُ النَّبِيِّيْنَ مِنَ الْبَشَرِ فَهُمْ سَوَاءٌ اَيْ مُسَاوُوْنَ لَهُمْ فِي الْعِصْمَةِ مِنَ الْكَبَائِرِ وَالصَّغَائِرِ۔ (ترجمہ)۔ ملتِ اسلامیہ کے تمام اماموں نے اس پر اتفاق کیا ہے رسل ملائکہ (جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔) معصوم ہونے میں ہر قسم کے گناہِ صغیرہ و کبیرہ سے انبیاء کے برابر ہیں یعنی مساوی ہیں کہ جیسے وہ قادر نہیں یہ بھی قادر نہیں۔ کیسی پیاری ایمان افروز عبارت ہے۔ کہ فرشتوں کو انبیاء کے مثل کہا نہ کہ انبیاء کو۔ تاکہ پتہ لگے کہ اصل معصیت اور گناہ پر غیر قادر انبیاء ہی کا مقام و درجہ شان ہے۔ ان کی مشابہت و اتباع میں ملائکہ اجمعین کو بھی یہ مرتبہ عظیم حاصل ہوا۔ ثابت ہوا کہ جس طرح فرشتے بوجہ عصمت گناہ پر

بے قدرت ہیں اسی طرح انبیاءِ کرام بھی لہٰذا جس طرح متفقہ عقیدۂ صحیحہ ایمانیہ میں فرشتوں کو نہیں کہہ سکتے کہ وہ گناہ کر سکتے ہیں مگر۔ اسی طرح انبیاءِ کرام کو بھی یہ کہنا کہ جھوٹ بول سکتے مگر بولتے نہیں سراسر گمراہی ہے اس دلیلِ لمی سے ثابت ہوا کہ جس عصمت کی بنا پر ملائکہ کو گناہ پر عدم قدرت ہے اسی عصمت کی بنا پر انبیاءِ کرام بھی گناہ میں معذور مجبور ہیں۔ جب علت ہر دو جگہ ایک ہے تو معلول میں فرق کیوں ہوگا! ماہیت تو کبھی منفسم نہیں ہوتی۔ **دلیل چہارم:** ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں تعریفِ عصمت میں چند قول نقل فرمائے۔ چنانچہ صفحہ نمبر ۲۷ پر ہے:۔ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هِيَ مَحْضُ فَضْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِحَيْثُ لَا اِخْتِيَارَ لِلْعَبْدِ فِيْهِ وَذَالِكَ اِمَّا بِخَلْقِهِمْ عَلٰى طَبْعٍ يُخَالِفُ غَيْرَهُمْ بِحَيْثُ لَا يَمِيْلُوْنَ اِلَى الْمَعْصِيَةِ وَلَا يَنْفِرُوْنَ عَنِ الطَّاعَةِ كَطَبْعِ الْمَلَائِكَةِ۔ (ترجمہ):۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ عصمت محض اللہ کریم کا فضل ہے۔ اس طرح سے کہ بندے کا گناہ پر کچھ اختیار نہیں اور یہ عدمِ قدرت یا ان کی انبیائی طبعی پیدائش کی وجہ سے ہے کہ دیگر انسان اس میں ان پیاروں سے بالکل مختلف ہیں۔ انبیاء پاک نہ گناہ مطلق کی طرف مائل ہو سکتے ہیں نہ اطاعت سے نفرت کر سکتے ہیں ملائکہ کی معصوم طبیعت کی مثل۔ **دلیل پنجم:**۔ کائنات میں مخلوق پانچ قسم کی ہے۔ ۱ محفوظ ۲ معصوم ۳ ممنوع ۴ مرفوع ۵ مکلّف معصوم صرف مامور من اللہ ہیں یعنی انبیاء کرام اور ملائکہ۔ محفوظ صرف اولیاءِ کاملین ہیں جیسے غوث قطب ابدال اوتاد یہ لوگ مامور من الانبیاء ہیں فتاوٰے شامی جلد اوّل صفحہ نمبر ۵۴ پر ہے:۔ فَيُشْتَرَطُ فِيْهِ كَوْنُهٗ مَحْفُوْظًا كَمَا يُشْتَرَطُ فِي النَّبِيِّ كَوْنُهٗ مَعْصُوْمًا كَمَا فِيْ رِسَالَةِ الْاِمَامِ الْقُشَيْرِيِّ۔ (ترجمہ):۔ پس واجب فرض ہے ولایتِ اولیاء اللہ میں محفوظ ہونا جیسا کہ نبی کی نبوت میں معصوم ہونا شرط اور فرض ہے ایسا ہی امام قشیری کا مسلک ہے۔ ممنوع علماءِ ملت اور زاہد لوگ ہیں۔ مرفوع۔ چرند پرند جمادات نباتات دیوانہ۔ اور نابالغ بچہ مکلّف کی دو قسم ہیں ۱ مکلف مطلق۔ جیسے تمام جنات اور عاقلِ بالغ انسان۔ ۲ مکلف فی الامر صرف جیسے انبیاءِ کرام اور ملائکہ۔ تمام اہلِ سنت کے عقیدے میں معصوم وہ ہے جو گناہ پر قادر ہی نہ ہو۔ وہ گناہ نہ کرتا ہے نہ کر سکتا ہے محفوظ وہ ہے جو گناہ سے بچتا رہے۔ یعنی کر سکتا ہے مگر کرتا نہیں۔ ممنوع وہ ہے جو گناہ کر سکتا ہے اور کر بھی لیتا ہے مگر دنیا میں ہی اس کو سچی توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔ مرفوع وہ مخلوق ہے جس کو نیکی بدی پر کوئی جزا سزا نہیں نہ شرعی دینوی نہ اخروی مکلّف فی النہی والامر یعنی مکلّف مطلقہ۔ جو گناہ کر سکتے ہیں کرتے بھی اور سچی توبہ کی توفیق ضروری نہیں۔ مُكَلَّفٌ فِي النَّهْيِ جن کو نیکی پر ثواب یا قربِ مدارج۔ بدی و گناہ ان سے ممکن ہی نہ ہو معصوم کا کام

جہان کو بچانا۔ کہ وہ مامور ہے اسی لیے مکلف فی الامر ہیں نبی ہی نہیں محفوظ کا کام خود کو بچانا ممنوع کا کام بچنے کی کوشش کرنا عام مکلفین کا کام۔ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ (ترجمہ) :۔ خود کو بھی بچاؤ اور اپنے لواحقین کو بھی بچاؤ مرفوع کا کام نہ بچنا نہ بچانا۔ محفوظ کو نیکی پر ابتداً جنت لازم ممنوع کو جنت کا وعدہ ہے یقین نہیں ہوسکتا ہے رب کرم کرے مرفوع کو جزا کی جنت نہیں یا طفیلی جنت جیسے دیوانے اور بچے یا فنا۔ عام مکلفین میں انسانوں کی نیکی پر جنت گناہ پر جہنم۔ جنات کو بقول بعض گناہ پر جہنم اور نیکی پر فنا یا فنا کر دینا اور جہنم سے چھٹکارا ہی ان کی نیکی کا بدلہ ہے۔ اور بقول بعض نیکی پر ابدی قیام عالم برزخ میں اور بقول بعض نیکی پر جنت۔ بدی پر مستقلاً جہنم۔ انبیاء کرام کی نیکی کا ثواب جنت نہیں بلکہ ترقی درجات قیام جنت تو ان کا اصل مقام ہے۔ جیسے کہ انسانوں کا مقام موجودہ۔ زمین۔ جبرائیل علیہ السلام کا سدرۃ ملائکہ میں کسی کا عرش کسی کا سماء اول۔ دوم۔ سوم وغیرہ اور جنات کا۔ کوہ قاف۔ مقام اصل کی پہچان یہ ہے کہ وہاں پہنچنے کی ہر وقت آزادی ہو۔ سو جنت میں داخلے کی انبیاء کرام کو ہر وقت آزادی اب یا تب۔ اس وضاحت کے بعد یہ کہنا کہ انبیاء کرام گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں۔ کتنی غلطی ہے یہ محفوظ کی تعریف ہے۔ ورنہ فرق کس طرح کرو گے۔ یہی وہ باطل نظریات ہیں جن سے طرح طرح کی گمراہیاں پھیلیں۔ کسی نے کہا۔ غوثِ پاک انبیاء کرام کے برابر ہیں۔ کسی نے حضرت ابراہیم کے متعلق تین جھوٹ والی روایت گڑھ لی۔ امام رازی نے فرمایا یہ روایت بالکل بناوٹی ہے :۔ (تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ نمبر ۱۲ پر ہے)

دلیل ششم :۔ عقلاً نقلاً ثابت ہو گیا کہ انسانوں میں صرف انبیاء ہی معصوم ہیں کوئی ولی غوث قطب معصوم نہیں نہ صحابی نہ صدیق و فاروق نہ عثمان و علی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ چنانچہ امام ابن ہمام جن کی بزرگی کا اعتراف مجدد الف ثانی علیہ رحمتہ نے بھی اپنے مکتوبات حصہ پنجم کے صفحہ نمبر ۱۶۶ پر کیا ہے جن کا نام کمال الدین محمد ابن عبدالواحد ہمام متوفی ۶۸۱ھ نے اور امام دباغ نے اپنی کتاب ابریز صفحہ نمبر ۲۲۵ پر لکھا ہے :۔ وَاَمَّا الْاَمْرُ الثَّانِیْ وَھُوَ الْعِصْمَةُ فَھُوَ مِنْ خَصَائِصِ النُّبُوَّةِ۔ وَالْوِلَایَةُ لَا تُزَاحِمُ النُّبُوَّةَ۔ (ترجمہ) معصوم ہونا نبی کا خاصہ ہے ولایت نبوت کے برابر نہیں ہو سکتی۔ ولی کی صرف کرامت خرقِ عادت ہوتی ہے۔ مگر نبی علیہ السلام سراپا بذاتِ خود چمتکار ہوگا۔ رسماً عادتاً خرقِ عادت ہوتا ہے۔ اب اگر معصوم کی تعریف وہی کی جائے۔ جو سعیدی صاحب نے کی تو معصوم۔ محفوظ ممنوع کا فرق کس طرح کرو گے۔ یا فرق بتاؤ یا سب کو معصوم مانو اور یہ تا قیام قیامت نہ کر سکو گے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ انبیاء کرام کے لیے گناہ ممتنع ہے ہاں ممتنع بالذات نہیں کہ یہ خاصۂ الٰہیہ ہے۔ بلکہ بالغیر ہے وہ غیر کیا ہے؟ وہی عصمت ہے۔ تو جب تک عصمت قائم عدمِ قدرت قائم۔ ہاں اگر خدانخواستہ عصمت ختم ہو جائے۔ تب گناہ کا امکان و قدرت

ہو سکتی ہے مگر عصمت نبوت کو مستلزم ۔ جب تک نبوت قائم عصمت موجود اور عصمت قائم تو عدمِ قدرت قائم نبوت کے خاتمے کا مشاہدہ نہیں ۔ ملکیت کا زوال قصۂ ہاروت و ماروت سے عیاں ہے ۔ لہٰذا نبوت و عصمت قائم رہتے ہوئے یہ کہنا کہ نبی جھوٹ بول سکتا ہے ۔ نری گمراہی ہے ۔ یہاں تک کثیر حوالوں سے ثابت کر دیا کہ جمہور اہلسنت کا مذہب یہی ہے کہ انبیا علیہم السلام نہ جھوٹ بول سکتے ہیں نہ بولتے ہیں ۔ متکلمین علماء کا بھی یہی مسلک ہے ۔

امام منصور ماتریدی نے جو نظریہ پیش کیا وہ ان کا انفرادی عقیدہ ہے مولوی عبدالحیٔ لکھنوی کا ان کو امام المتکلمین کہنا اگرچہ درست ہے مگر عصمت کی یہ تعریف تمام متکلمین کے خلاف ہے جیسا کہ نسیم الریاض کی عبارت سے ثابت ہوا ۔ امام ہونا یا حنفی اہل سنت ہونا علیحدہ بات ہے مگر ایک نظریے میں غلطی کھا جانا علیحدہ بات ہے ۔ ایک مسلک سے پھر جانے سے سنیت یا حنفیت پر حرف نہیں آتا جب کہ گناہ صغیرہ بلا اختیار مراد ہو ۔ مگر صواحب بصیرت کو چاہیے کہ ایسے ذاتی نظریات پر اعتماد نہ کر بیٹھیں ورنہ مشقت میں پڑ جاؤ گے ۔ دیکھو ۔ اہل سنت کا جمہوری عقیدہ ہے کہ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں مگر شرح مواقف نے صفحہ نمبر ۶۹۹ پر لکھا کہ معتزلہ کی طرح دو سنی عالم بھی بھٹک گئے ۔ چنانچہ عبارت ہے :۔ فَقَالَ اَکْثَرُ اصحابنا الانبیاء اَفْضَلُ وَعَلَیْهِ الشِّیْعَةُ وَاَکْثَرُ اَهْلِ الْمِلَلِ ۔ وَقَالَتِ الْمُعْتَزِلَةُ وَاَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ الْحَلِیْمِیُ وَالْقَاضِیْ اَبُوْ بَکْرٍ ۔ مِنَّا الْمَلَآئِکَةُ اَفْضَلُ وَعَلَیْهِ الْفَلَاسِفَةُ ۔ اَقْبَحُ اَصْحَابِنَا الْوُجُوْهِ

(ترجمہ) :۔ ہمارے جمہور اصحاب نے عقیدہ فرمایا ہے کہ انبیاء کرام فرشتوں سے افضل ہیں یہی شیعہ اور اکثر دین والوں کا عقیدہ ہے ۔ مگر معتزلہ اور ہمارے دو سنی عالم ابو عبداللہ حلیمی اور قاضی ابو بکر اور فلاسفہ نے یہ عقیدہ بنایا کہ معاذاللہ فرشتے انبیاء کرام سے افضل ہیں ۔ اہل سنت نے اس نظریہ کو بہت وجوہ سے برا کہا ۔ امام غزالی صاحب نے بھی احیاء العلوم کے صفحہ نمبر ۵۲ پر یہی عقیدہ بنایا ۔ تو کیا کسی اہل سنت کو جائز ہے کہ وہ حدیث و قرآن کو چھوڑ کر ۔ امام غزالی وغیرہ چند احباب کا ذاتی نظریہ قبول کرے ۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ معتزلہ نے عصمت کی تعریف غلط ہی اس لیے کی کہ پہلے ملائکہ کو افضل کہہ چکے تھے ۔ اس باطل عقیدے کو بچانے کے لیے عصمت کی تعریف مسخ کر کے نبی کو گناہ پر قادر مان بیٹھے ۔ بعض سنی بھی دھوکہ کھا بیٹھے ۔ مقام غور ہے کہ جب نبیِ مکرم کو گناہ پر قادر مان لیا ۔ اور کہہ دیا کہ نبی گناہ کر سکتا ہے تو پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کذب باوجود مقدور ہونے کے اس کے وقوع میں نہیں آئے گا کیونکہ جب عقلاً تو استحالہ رہا نہیں پھر ایک جانب کی ترجیح اور تخصیصِ عدم وقوع مقدور کے اندر کیسے ہو گی ۔ اور نقلاً استحالہ اسی کلام سے ہو گا جس میں کذب و گناہ ممکن اب وہ کون سا استحالہ ہے جس سے کذب کا عدمِ وقوع یقینی طور سے ثابت ہو ۔ اب جب کہ آپ کو ایسا استحالہ نہ ملے اور یقیناً نہ ملے گا تو آج تو یہ

کہا ہے کہ جھوٹ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں۔ کل کو یہ بھی کہہ دینا کہ انبیاء کرام جھوٹ بول سکتے ہیں اور بولتے بھی ہیں۔ کیونکہ نا بولنے پر کوئی یقینی گارنٹی نہیں۔ **دلیل ہفتم**۔ نبراس صفحہ نمبر ۵۳۲ پر ہے۔ اِنَّھُمْ ذَکَرُوْا لِلْعِصْمَۃِ تَعْرِیْفَیْنِ اَحَدُھُمَا عَدَمُ خَلْقِ اللّٰہِ الذَّنْبَ فِی الْعَبْدِ فَعَلٰی ھٰذَا یَکُوْنُ الْمَعْصُوْمُ مَنْ لَا یُخْلَقُ۔ ثَانِیْھَا مَلَکَۃٌ نَفْسَانِیَّۃٌ (الخ) اَنَّ التَّعْرِیْفَ الْاَوَّلَ مَبْنِیٌّ عَلٰی اُصُوْلِ الْاَشَاعِرَۃِ (الخ) وَالثَّانِیْ مَبْنِیٌّ عَلٰی اُصُوْلِ الْفَلَاسِفَۃِ (ترجمہ) بے شک علماء عظام نے عصمت کی دو تعریفیں ذکر کی ہیں۔ پہلی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام میں گناہ پیدا ہی نہ کیا پس اس تعریف کی بنا پر معصوم وہ ہوگا جو گناہ نہ پیدا کیا جائے۔ اور دوسری تعریف یہ ہے کہ عصمت نفسانی یعنی ذاتی بچنے کا ملکہ ہے۔ بیشک پہلی تعریف۔ اہل سنت اشاعرہ کے قواعد پر مبنی ہے اور دوسری فلاسفہ کے اصول پر۔ اس عبارت سے جہاں یہ پتہ لگا کہ اہل سنت اشاعرہ کا عقیدہ عدم خلق یعنی عدم قدرت ہے وہاں صاحبِ نبراس کے عقیدے کا بھی پتہ چل گیا کہ ان کا عقیدہ عدمِ قدرت کا ہے کیونکہ علمائے ملت کا طریقہ یہ ہے کہ صحیح قول کو پہلے ذکر کرتے ہیں قولِ باطل کو دوسرے نمبر پر۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد اوّل صفحہ نمبر ۶۶ و ۴۰۵ پر ہے:۔ وَفِیْ اٰخِرِ الْمُسْتَصْفٰی لِلْاِمَامِ النَّسَفِیِّ اِذَا ذُکِرَ فِی الْمَسْئَلَۃِ ثَلَاثَۃُ اَقْوَالٍ فَالرَّاجِحُ ھُوَ الْاَوَّلُ اَوِ الْاَخِیْرُ لَا الْوَسْطُ (ترجمہ) مستصفی کتاب کے آخر میں امام نسفی کا قول ہے کہ جب کسی مسئلہ میں تین قول ذکر ہوں تو معتبر یا پہلا ہوگا یا تیسرا نہ کہ دوسرا۔ یہ علامہ شامی کا اپنا کلام نہیں بلکہ امام نسفی کا ہے اور یہ قاعدہ صرف فتاویٰ شامی کیلئے نہیں، بلکہ تمام فقہا کا مقرر کردہ ہے۔ ثابت ہوا کہ ملا علی قاری اور صاحب نبراس کا عقیدہ عصمت کے بارے یہی ہے کہ انبیاء کرام گناہ پر قادر ہی نہیں۔ غلام رسول سعیدی شرح تحریر کو تو رافضی کہہ کر ٹھکرا سکتے ہیں مگر۔ ۱ اعلیٰحضرت ۲ صدر الافاضل ۳ حکیم الامت ۴ تمام اشاعرہ ۵ تمام متکلمین ۶ ملا علی قاری ۷ صاحبِ نبراس ۸ امام ہمام۔ ۹ امام دباغ ان تمام کے خلاف کب تک چلیں گے۔ **دلیل ساتویں**:۔ سے صاف صاف تمام اشاعرہ کے مذہب کا پتہ لگا۔ نسیم الریاض کی عبارت سے صاف صاف تمام متکلین کے مذہب کا پتہ لگا۔ کہ عدم قدرت ہی سچا عقیدہ ہے۔ مگر جن لوگوں کے گناہ پر قادر ہونے کے عقیدے کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے صرف امام منصور کا انفراداً ذکر کیا۔ اگر یہ باطل عقیدہ کسی گروہ کا ہوتا تو صاف صاف گروہ کا نام لیا جاتا۔ بخلاف عدمِ قدرت کے عقیدے پر۔ کہ صاف صاف جماعتوں کا نام بھی لیا اور انفرادی حضرات کا بھی نام لیا۔ بلکہ سعیدی تو اپنے ان بنیادی پیشواؤں کے بھی خلاف چلے کہ انھوں نے اپنے اس باطل نظریے کو بچانے کے لیے

امتناع بالغیر کا بھی انکار کیا نبی کو بشر مشکم کہہ کر اپنے جیسا مانا مکلف فی النہی میں ملوث ایک بطلان کو بچانے کے لیے اتنی خطائیں کرنی پڑیں۔ مگر آپ امتناع بالغیر مان کر پھر پر چکر دے رہے ہیں۔ امتناع بالغیر مان کر وہ لازم نہیں آتا جو توضیح البیان میں لکھا۔ بلکہ میرا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ میر شریف وغیرہ کو امتناع کا انکار نہ کرنا پڑتا۔ امتناع مان کر وہی لازم آتا ہے جو حسین نجار وغیرہ اہل سنت نے کہا۔ **دلیل ہشتم:۔**

امام فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ اپنی کتاب المعتقد کے صفحہ ۱۳۰ پر فرماتے ہیں۔ وَفِيْهِ كَوْنُ الْكِذْبِ فِي التَّبْلِيْغِ مُحَالًا عَقْلِيًا وَاِنَّ تَجْوِيْزَهٗ عَلٰى نَبِيٍّ كُفْرٌ بِالْاِجْمَاعِ۔ اور اسی کے صفحہ نمبر ۱۲۰ پر ہے:۔ مَنْ جَوَّزَ الْكِذْبَ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ فَهُوَ كَافِرٌ۔ (ترجمہ):۔ اور نبی کا پیغام پہنچانے دین کی تبلیغ کرنے میں یعنی لوگوں کو دین دنیا سمجھانے میں جھوٹ بولنا محال عقلی ہے۔ اور بے شک گناہ کو نبی پر جائز سمجھنا یعنی ممکن سمجھنا تمام کے اتفاق سے کفر ہے۔ اس پر اجماع امت ہے۔ وہ شخص جس نے جھوٹ کو انبیاء کے لیے ممکن مانا تو وہ شخص کافر ہے۔ جوّز کا معنے ممکن ماننا ہے جواز کا معنیٰ صادر ہونا واقع ہونا نہیں بلکہ امکان ہے یعنی یہ کہنا کہ انبیاء کرام گناہ کر سکتے ہیں یہ کہنا کفر ہے۔ چنانچہ المعتقد صفحہ نمبر ۱۵ پر ہے:۔ وَبِالْجَائِزِ مَا يُمْكِنُ عَقْلًا وُجُوْدُهٗ وَعَدَمُهٗ ضَرُوْرَةً۔ (ترجمہ):۔ جائز سے مراد یہ ہے کہ عقلاً اس گناہ کو ممکن مانا جائے اور ضرورۃً عدم مانا جائے۔ یعنی یہ کہا جائے کہ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں۔ اسی کو امام اہل سنت امام فضل رسول نے کفر کہا۔ یہ بات یا معتزلہ نے کہی یا سعیدی صاحب نے ماتریدی صاحب نے اس بات کی جرأت نہ کی انہوں نے ذنب صغیرہ پر قدرت مانی ہے۔ تبلیغ سے مراد فعل نبی ہے جو عام ہے اسبات کو کہ تبلیغ قرآن ہو یا حدیث تبلیغ عملی یا قولی ہو۔ یہاں یعلیہ آیت قرآن مراد نہیں جیسا کہ سعیدی صاحب نے دھوکہ کھایا وہ کہتے ہیں کہ تبلیغ سے مراد قرآن پاک ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے وہ واقعی جھوٹ سے دور ہے وہاں جھوٹ محال ہے۔ مگر یہ ان کی کم عقلی ہے۔ کیونکہ قرآن کا مضمون اور چیز ہے تبلیغ کا مضمون اور چیز ہے۔ یہاں تک کہ عبارت مدللہ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں پر بالکل قادر نہیں ہوتے۔ اور سعیدی صاحب اس کا خلاف کر کے گمراہی کے راستے پر ہیں اب اسی کے ضمن میں اتنا اور سمجھ لو کہ شریعت میں انبیاء کرام کو امر عبادت تو ہوتا ہے۔ مگر ممانعت نہیں ہوتی کیونکہ ممانعت مکلف فی النہی کو ہوتی ہے۔ منع کسی کام سے اس کو کیا جاتا ہے جس کے اس ممنوعہ کام کی طرف جانے کا اندیشہ ہو اور بچنا واجب ہو۔ انبیاء کرام چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لیئے وہ ممنوع حرام کا موں کو طرف جا سکتے ہی نہیں۔ ان کو ممانعت پہلے ہی حاصل ہے۔ لہٰذا ان کے لیئے کوئی نہی علی الحرمۃ وارد نہیں۔ ورنہ

تحصیلِ حاصل لازم آئے گی جو محال ہے۔ قرآن کریم میں نہی وارد ہوئی ہیں اور بعض نہی اگرچہ ظاہراً انبیاء کو مخاطب ہیں۔ مگر درحقیقت وہ مسلمانوں کو ہی مخاطب ہیں۔ چونکہ سعیدی صاحب یا ان کے ہم نوا اس سے دھوکہ دے سکتے ہیں لہٰذا اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ اس وضاحت میں مفسرین کے بعض جگہ مختلف اقوال بھی ملتے ہیں مگر میں معتبر اور روشِ کلام کے مطابق اقوال ہی پیش کروں گا۔ اور وہ قول رد کئے جائیں گے۔ جس میں عظمتِ انبیاء پر حرف آتا ہو۔ کیونکہ ترجیح اس قول کو دی جاتی ہے۔ جو ایمان وادب کو قائم رکھے مولوی سعیدی صاحب نے اپنی تیرھویں دلیل میں جن آیاتِ نہی کا ذکر کیا ہے ان کا جواب :۔

پہلی آیت :۔ یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاءِ کرام و ملائکہ کسی گناہ پر قادر نہیں۔ اسی لئے یہ حضرات بابرکات نہی میں مکلف نہیں اور کسی نہی کے خطاب میں داخل نہیں۔ ہاں البتہ امر میں مکلف ہیں یعنی ان پاک و منزہ ہستیوں سے یہ تو کہا جاتا ہے کہ یہ کرو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ مت کرو۔ یہ قاعدۂ کلیہ تمام اہلسنت مسلمانوں کا ہے مگر سعیدی صاحب چونکہ انبیاءِ کرام کی عزت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ملائکہ کے لئے تو شاید اس قاعدے کو تسلیم کرتے ہیں مگر انبیاءِ کرام کے لئے کھلم کھلا اس قاعدے سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاءِ کرام کو بذریعہ نہی جبراً گناہ و شرک سے روکا جاتا ہے۔ (معاذ اللہ) اور اپنی اس بے دینی میں دس آیتیں پیش کیں۔ ان کا شافی جواب دینے سے پہلے۔ اہلِ سنت کے اس قاعدۂ کلیہ پر دلائل ملاحظہ ہوں۔ شق اول انبیاءِ کرام و ملائکہ امر میں مکلف ہیں ع ا نسیم الریاض جلد چہارم ص ۴۱ پر ہے :۔ وَهُمْ مُكَلَّفُوْنَ بِالْاِتِّفَاقِ۔ (ترجمہ) :۔ وہ معصوم ہستیاں بالاتفاق مکلف ہیں ع ۲ تفسیر کبیر جلد اول صفحہ نمبر ۳۰۸ پر ہے :۔ لِاَنَّهٗ ثَبَتَ بِالْاِجْمَاعِ اَنَّ الْمُكَلَّفِيْنَ هُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ (ترجمہ) :۔ یہ بات اجماع سے ثابت ہوئی کہ بے شک مکلفین وہ فرشتے اور جنات و انسان ہیں ان عبارات سے انبیاء و ملائکہ کو مکلفِ شرعی ہونا ثابت ہوا یہاں صرف امر میں مکلف ہونا مراد ہے۔ اور ان ہر دو آیات میں انبیاءِ کرام ملائکہ جنات اور دوسرے انسان شامل۔ جنات و دیگر انسان کے مکلف فی النہی ہونے کی دیگر عبارات ہیں۔ اور انبیاءِ کرام و ملائکہ کے مکلف فی النہی نہ ہونے کی عبارات بھی صراحتاً ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد ہشتم صفحہ نمبر ۴۹۰ پر ہے :۔ ع ا :۔ وَمَذْهَبُ الْعُلَمَاءِ اِخْرَاجُ الْمَلٰٓئِكَةِ عَنِ التَّكْلِيْفِ فِي الْوَعْدِ وَالْوَعِيْدِ وَهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ كَالْاَنْبِيَاءِ بِالْاِتِّفَاقِ۔ (ترجمہ) :۔ اور تمام علمائے عظام کا مذہب ملائکہ کو مکلف ہونے اور ڈرانے دھمکانے سے علیحدہ ماننا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ انبیاءِ پاک کی طرح بالاتفاق معصوم ہیں۔ یعنی مکلف فی النہی نہ ہونا معصوم ہونے کی وجہ سے اور انبیاءِ کرام بھی معصوم لہٰذا وہ بھی مکلف فی النہی۔ نہیں ہو سکتے۔ عقائد کی کتاب ع ۲ ابریز ص ۲۲۵ پر ہے

بِحَیْثُ اَنَّھُمْ لَا یَحْتَاجُوْنَ اِلٰی شَرْعٍ یَتَّبِعُوْنَہٗ ۔ (ترجمہ) معصوم حضرات اس حیثیت میں ہیں ۔ کہ
بے شک وہ کسی قانون کے محتاج نہیں ہوتے جس کی پیروی اُن پر فرض ہو ۔ اس عبارت نے یہ بھی ثابت
فرما دیا کہ انبیاء کا مکلف نہی ہونا تو درکنار ان کا مکلف فی الامر ہونا بھی بے مثل ہے ۔ ہم لوگوں کی طرح مالے
باندھے کا نہیں ۔ ع۳ شرح مسلم الثبوت صفحہ نمبر ۲۰۵ پر ہے :۔ لَا یَجُوْزُ التَّکْلِیْفُ بِالْمُمْتَنِعِ
مُطْلَقًا ۔ وَھُوَ الَّذِیْ یَسْتَحِیْلُ وُجُوْدُہٗ عَقْلًا لَا یَدْخُلُ تَحْتَ الْقُدْرَۃِ اَصْلًا :۔ (ترجمہ)
جس شخص کے لیئے گناہ ممتنع ہو اُس کو مطلق طور پر مکلف کہنا جائز نہیں اور گناہ کا ممتنع ہونا یہ ہے ۔ کہ گناہ
کا وجود عقلاً مستحیل ہو یعنی ناممکن نہ داخل ہو قدرت کے تحت بالکل یہی وجہ ہے قرآن پاک میں جتنی
بھی نہی کی آیتیں ہیں وہ ظاہراً اگرچہ بعض طریقے سے مخاطب انبیاء سمجھ آتی ہیں مگر اہل سمجھتے ہیں کہ یہ
ممانعت امت کو ہے ۔ ع۴ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد دہم صفحہ نمبر ۲۵ پر ہے :۔ کَمَا اَنَّ
اُمَّتَہٗ اَصْلٌ فِی الْمَنْھِیَّاتِ :۔ (ترجمہ) جس طرح بے شک امت کے لیئے ہی اصل میں نہی وارد ہوتی
ہے صرف خطاب کے صیغہ سے شبہ ان کا پڑ جاتا ہے ۔ ع۵ تفسیر روح البیان جلد دہم صفحہ نمبر
۶ پر ہے :۔ دَلِیْلٌ عَلٰی عِصْمَۃِ الْمَلَائِکَۃِ (الخ) وَدَلِیْلٌ اَیْضًا عَلٰی اَنَّہٗ لَا نَھْیَ عِنْدَ ھٰؤُلَاءِ
الْمَلَائِکَۃِ خَلَا عِبَادَۃً لِلنَّھْیِ عِنْدَھُمْ (ترجمہ) :۔ فرشتوں کے معصوم ہونے کی ایک اور دلیل
یہ بھی ہے کہ ان کو کسی طرح کی نہی نہیں ہوتی اور وہ ممانعت کی عبادت نہیں کرتے ۔ اس عبارت نے بتایا کہ
عصمت کی دلیل یہ ہے کہ اُن کے لیئے کوئی ممانعت وارد نہیں ۔ یہی عصمت انبیاء کرام کے پاس ہے تو ان
کے لیئے ۔ نہی کیونکر ہو سکتی ہے ۔ خیال فرماؤ دو عبارتوں سے مکلف ہونے کا ثبوت مل رہا ہے اور
پانچ عبارتوں سے مکلف نہ ہونے کا ۔ اور ہر دو قسم کی عبارت اکابر دین کی ہیں ۔ بلا مرجح کسی کو ترجیح
نہیں دی جا سکتی ۔ پس تطابق واجب اور وہ یہی ہے کہ انبیاء کرام و ملائکہ مکلف بالاتفاق ہیں لیکن صرف
امر میں اور انبیاء اجماعاً مکلّف نہیں یعنی نہی و ممانعت میں اب جب کہ عقلِ عقلاء میں یہ بات بیٹھ گئی تو
سمجھو کہ اُن آیات کا مقصد کیا منہج کس طرف ہے ۔ علامہ سعیدی کی پیش کردہ پہلی آیت لَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ
(ترجمہ) :۔ اے آدم و حوا اس درخت کے قریب مت جاؤ ۔ علامہ کہتے ہیں کہ یہ حکم نہی وجوبی ہے اور
آدم علیہ السلام کا درخت کے قریب جانا حرام تھا ۔ اس لیئے سختی سے منع کیا گیا ۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر
یہ آپ کے بھی خلاف ہے ۔ کیونکہ آپ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام گناہ کرتے نہیں مگر کر سکتے ہیں ۔ لیکن یہاں حضرت
آدم علیہ السلام نے گناہ کر بھی لیا کیونکہ درخت کے قریب گئے اور کھا لیا ۔ پس آپ کے متعلق میرا وہ خدشہ
درست ہو گیا کہ آج کہا ہے کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں کل کہو گے کر کے بھی لیتے ہیں ۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ

تفسیر کبیر جلد اول صفحہ نمبر ۳۰۵ پر ہے:۔ اِنَّ ذَالِکَ النَّھْیَ کَانَ نَھْیَ تَنْزِیْہٍ لَا نَھْیَ تَحْرِیْمٍ۔ (ترجمہ) لاتقربا کی نہی تحریمی نہیں ہے بلکہ تنزیہی ہے: صدر الافاضل نے تفسیر خزائن نے ص۶ پر اس کو نہی تنزیہی کہا۔ تفسیرات اربعہ جلد اول ص۱۱ پر اس کو نہی تنزیہی لکھا حضرت حکیم الامت نے نور العرفان ص۹ پر فرمایا ارادہ بھی کھانے میں اور رضاءِ الٰہی بھی کھانے میں تھی۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ نہی تحریمی میں رضاءِ الٰہی بھی کرنے میں! ہو۔ ثابت ہوا کہ لَاتَقْرَبَا والی نہی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے۔ یعنی ترکِ قرب فرض یا واجب نہ تھا بلکہ مستحب تھا یہ قانونِ شرعیہ ہے کہ کراہتِ تنزیہی میں انسان مکلف نہیں ہوتا۔ چنانچہ شرح مسلم الثبوت ص۱۹۵ پر ہے اَلْمَکْرُوْہُ کَرَاھَۃَ التَّنْزِیْھِیِّ کَالْمَنْدُوْبِ۔ لَا نَھْیَ وَ لَا تَکْلِیْفَ:۔ (ترجمہ):۔ تنزیہی کراہت مثل مستحب کے ہے لہٰذا اس میں نہی حقیقی یعنی تحریمی نہیں ہوتی جس کا مکلف ہوتا ہے اگر اس کو نہی تحریمی مانا جائے تو حضرت آدم کو گناہگار ماننا پڑے گا۔ کیونکہ نہی تحریمی کا مرتکب فاسق گناہگار ہوتا ہے سعیدی صاحب۔ کو صرف کتابیں لکھنے اور مصنف بننے کا شوق ہے مگر محنت سے جی چراتے ہیں۔ مصنف و مفتی بننا آسان نہیں اگر اس کا شوق ہے تو اللہ کے کرم و فیضان کی دعا کرو اور تحقیق میں محنت کرو۔ ورنہ چھوڑ دو کتابیں لکھنا کر یہ جہنم کا راستہ بھی بن سکتی ہیں۔ **دوسری آیت**:۔ لَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی (ترجمہ) اے داؤد علیہ السلام خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ سعیدی صاحب نے بس اتنا ہی جملہ لکھا۔ اور غالباً دیکھا بھی اتنا ہی جملہ۔ ان بے چاروں کو زیادہ دیکھنے کی فرصت کہاں پوری آیت سیاق و سباق سے بغور دیکھتے وہاں ہی اس کا جواب نظر آ جاتا۔ پوری آیت اس طرح ہے:۔ یَا دَاؤدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی۔ (الخ):۔ ترجمہ):۔ یا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام بے شک ہم نے تم کو تمام علاقے میں بادشاہ بھی بنا دیا ہے پس لوگوں کے درمیان درست فیصلہ فرمایا کرنا خود تحقیق کر لیا کرنا۔ لوگوں کی اپنی خواہشوں پر اعتماد نہ کرنا۔ کہیں تم کو درست رضاءِ خداوندی کے فیصلے سے پھیر دیں۔ یہاں آیت کا مضمون بالکل ختم ہو گیا۔ اگلی آیت کا منشا جدا ہے۔ اس آیت میں جو مطلب سعیدی صاحب نے لیا یعنی نہی تحریمی مراد لے کر اپنا مسلک درست رکھنا چاہا مگر مقامِ نبوت کا خیال نہ رکھا وہ مطلب یہاں نہیں بن سکتا۔ دو وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ لفظِ ہَوٰی کا معنٰے ہے خواہش۔ خواہش اچھی بھی ہوتی ہے۔ بری بھی۔ اپنی بھی ہوتی ہے دوسروں کی بھی مگر آیت نے کوئی وضاحت نہ کی کہ یہاں کس کی کون سی خواہش مراد ہے لہٰذا یہ آیت مجمل ہوئی اور بقاعدۂ اصولِ فقہ مجمل کلام سے حرمت ثابت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا نہی تحریمی نہیں ہو سکتی۔ خواہش کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ خواہشِ نفسِ امارہ یہ خواہش ہر طرح بری ہے:۔ انبیاءِ کرام اس سے معصوم ہیں ان کو یہ خواہش ہو سکتی نہیں۔ اسی کی نہی۔ نہی تحریمی ہے ۲۔ خواہشِ ذاتی

یہ اچھی بھی ہو سکتی ہے بری بھی ۳ اپنی خواہش ۴ دوسرے کی خواہش۔ حضرت داؤد کو فرمایا جا رہا ہے۔ خواہش کے پیچھے نہ چلو پہلے فرمایا گیا لوگوں کا فیصلہ کیا کرو۔ اس سیاق کلام سے ثابت ہوا کہ فیصلہ کرنا سکھایا جا رہا ہے۔ اور ہوٰی سے مراد مدعی یا مدعیٰ علیہ کی ذاتی مرضی ہے۔ خواہ جائز ثابت ہو یا نا جائز۔ اس سے بچایا جا رہا ہے۔ یعنی شرعاً کسی کی جائز خواہش کو پورا کرنا عام لوگوں کے لیئے جائز ہے مگر قاضی اور مفتی کے لیئے یہ بات درست نہیں کہ یک طرفہ فیصلہ کرے۔ اگرچہ سچا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ یہ نہی تحریمی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی حاکم صرف مدعی کے بیان پر فیصلہ کر دے اور واقعتہً بھی صحیح ہو جائے تب بھی منصب قضاء کے مناسب یہ کام نہیں۔ لیکن یہ شرعی جرم نہ ہوگا۔ اس نہی میں شرعی جرم سے نہیں روکا بلکہ نا مناسب کام منع کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ کہ نہی تحریمی میں تعیّن شرط ہے۔ کہ اس معیّن سے بچو یا یہ معین کام نہ کرو۔ اس آیت میں ہوٰی کا تعین نہ فرمایا گیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ نہی تحریمی نہیں بلکہ مناسبِ حال ہے۔

تیسری آیت:۔ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ۔ (ترجمہ):۔ اے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام تم دونوں میرے ذکر میں ضعف محسوس نہ کرنا۔ یہ بھی نہی تحریمی نہیں۔ بلکہ استحبابی ہے۔ کیونکہ لفظ تَنِیَا وَنْیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ ضعف و کمزوری (المنجد عربی صـ ۱۰۲۲) ضعف و کمزوری کسی شخص کے اختیاری نہیں لہٰذا نہی تحریمی کیسے ہو سکتی ہے نہی تحریمی ہمیشہ اختیاری چیز پر ہوتی ہے نہ کہ اضطراری پر ویسے بھی ہر وقت ذکر اللہ فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اس آیت میں بحالتِ سفر کا ہمہ وقتی ذکر مراد ہے جو فرض نہیں ہوتا۔ تو کیسے ہو سکتا ہے کہ مستحب فعل کے ترک پر نہی تحریمی وارد ہو۔ کوئی نادان ہی ایسا کہہ سکتا ہے۔ لَا تَنِیَا کا مطلب یہ ہے کہ ذکر میں کمزوری نہ دکھانا دلیر بننا۔ اور کام چاہیں چھوڑ دینا مگر اس سفر میں ذکر اللہ نہ چھوڑنا۔ **چوتھی آیت پاک**:۔ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ۔ یہ نہی بھی تحریمی نہیں بلکہ ترکِ سوال بطورِ اباحت ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ نمبر صـ ۶۴ پر ہے:۔ وَجَبَ جَعْلُ ھٰذِہِ الْوُجُوْہِ الْمَذْکُوْرَۃِ عَلٰی تَرْکِ الْاَفْضَلِ۔ (ترجمہ):۔ اس قسم کی منہیات کو ترکِ افضل میں شامل کرنا واجب ہے۔ یعنی چونکہ حضرتِ نوح کا یہ سوال خطاءِ اجتہادی تھی۔ لہٰذا استحباباً منع فرمایا گیا کہ آئندہ ایسی خطا نہ کرنا آپ کی شان کے لائق نہیں۔ اور خلافِ شان کوئی بات کرنا گناہ نہیں ہے۔ نہ اس میں کوئی مکلّف ہے۔ ہاں افضل ہے کہ ایسی خطا بھی نہ ہو۔ **پانچویں آیت**:۔ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ:۔ اس آیت کا ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے۔ پہلا۔ نہ عبادت کرو اللہ کے علاوہ کی۔ اکثر مفسرین نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ اور ہمارے مخالف مذکور نے بھی یہی ترجمہ اختیار کیا ہے پھر کہتا ہے کہ یہ نہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے۔ حالانکہ یہ ترجمہ لے کر پھر پیارے معصوم آقا کو مراد لینا ارتداد سے کم

نہ ہوگی۔ تمام مفسرین نے فرمایا کہ اس نہی میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ تفسیر صاوی جلد سوم ص۱۷۸ پر اور تفسیر خازن جلد سوم ص۲۹۴ پر ہے:۔ فَالْمُرَادُ بِهٖ غَيْرُهٗ لِاَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شَيْئًا اَلْبَتَّةَ فَيَكُوْنُ الْمَعْنٰى لَا تَدْعُ اَيُّهَا الْاِنْسَانُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (ترجمہ):۔ پس مراد اس خطاب سے نبی کریم کے علاوہ عام امتی لوگ ہیں اس لیئے کہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی شی کو نہ پوجا یقینًا پس لا تدع کا معنٰے ہوگا۔ اے انسان تو نہ پوجنا کسی جھوٹے معبود کو۔ سعیدی صاحب نے آنکھیں بند کر کے اس نہی کو نبی کریم کی طرف پھیر دیا۔ حالانکہ سابقِ کلام سے تو یہ کلام خود نبی کریم کا ہے اور نبیِّ پاک اس کلام کے متکلم ہیں۔ کیونکہ یہ مضمون قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ سے شروع ہو رہا ہے۔ اگلی آیت اس کا مقولہ ہیں۔ بھلا کبھی ہو سکتا ہے کہ متکلم خود ہی اپنے کلام کا مخاطب ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اے پیارے نبی تم فرما دو لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اعلحضرت کا ترجمہ بھی یہی بتا رہا ہے۔ اس آیت پاک کا دوسرا ترجمہ اس طرح ہو سکتا ہے۔ نہ بلا تو اللہ کے دشمن کو یعنی اے انسان اللہ کے دشمن کو دین کی طرف مت بلا ان کا بلانا بے فائدہ ہے۔ نہ ان کا کچھ نقصان تجھے پہنچے۔ تفسیر کبیر نے اسی ترجمے کی طرف توجہ دی ہے۔ چنانچہ جلد پنجم ص۴۳ پر ہے:۔ لَا يُمْكِنُ اَنْ يَّكُوْنَ هٰذَا نَهْيًا عَنْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ۔ (ترجمہ):۔ ناممکن ہے کہ یہ نہی بتوں کی عبادت کی ہو۔ یعنی لَا تَدْعُ کا یہ ترجمہ کرنا کہ مت پوج یہ درست نہیں اور پھر یہ ترجمہ کر کے اس کا رخ نبی کریم کی طرف پھیرنا ناممکن ہے۔

چوتھی آیت:۔ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ۔ یہ نہی بھی نبی کریم کو نہیں ہے بلکہ عام انسان کو ہے۔ جیسا کہ اعلحضرت کے ترجمے نے اشارہ کیا۔ اعلحضرت اپنے ترجمے میں نبی کریم کو بصیغۂ جمع ادب سے خطاب کرتے ہیں اور عام انسان بصیغۂ واحد اگر یہ نہی نبی پاک کو ہوتی تو اعلحضرت اس طرح ترجمہ فرماتے۔ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ کافروں کی اطاعت نہ کیجیے۔ مگر ترجمہ اس طرح ہے۔ تو کافروں کا کہا نہ مان۔ علاوہ ازیں اطاعت کا لغوی معنٰی ہے۔ بات ماننا۔ عام ہے اس کو کہ دینی بات ہو یا دنیوی۔ نبی کریم کے لیئے کافر کی دینی بات ماننا تو محال شرعی و عقلی ہے۔ پس اس مرجح سے دنیوی بات ترجیح پا گئی۔ اور تعین ہوا کہ یہاں لَا تُطِعْ سے دنیوی بات ماننے سے نہی ہے۔ اور شرعًا کافر کی دنیوی بات ماننا حرام نہیں پس یہ نہی تحریمی نہ ہوئی۔ بلکہ تنزیہی ہوئی اور اس کے برعکس بھی جائز ہے۔ چنانچہ بہت دفعہ نبی کریم نے کافروں کی دنیوی بات تسلیم کی۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ کے واقعے سے عیاں ہے۔ باوجود اس احتمال کے روشِ کلام کے لحاظ سے اس نہی کو عام مسلمان کی طرف پھیرنا جائز ہے۔ تو کیا ضروری ہے کہ ضد کر کے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف ہی پھیری جائے۔ بہر حال اس آیت سے بھی مقصدِ مخالف حاصل نہیں ہوتا۔ **ساتویں آیت**:۔ وَلَا تَقُمْ

عَلٰی قَبْرِہٖ (ترجمہ) :- پوری آیت کا اس طرح ہے۔ نہ جنازہ پڑھنا اس کافر کا اور قبر پر نہ کھڑا ہونا اس کافر کی۔ یہ حقیقی نہی صرف نبی کریم کو نہیں بلکہ اس آیت میں ممانعت تامہ ہے جس کو قانون کہا جاتا ہے۔ اور قیامت تک کے تمام مسلمان مراد اور مخاطب ہیں۔ گویا کہ اس آیت نے ایک مستقل قانون بنا دیا۔ اور یہ نہی قانون ساز عبارت ہے۔ اگر یہ نہی صرف نبی کریم کو ہوتی تو لفظِ ابداً نہ ہوتا۔ **آٹھویں آیت** :- لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ سورہ طٰہٰ پ ۱۶ آیت نمبر ۱۳۱ اس کا ترجمہ اعلیحضرت نے اس طرح فرمایا۔ اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا۔ تفسیر صاوی نے جلد سوم صفحہ ۵۸ پر لکھا ہے :- وَهٰذَا الْخِطَابُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَالْمُرَادُ غَيْرُهٗ لِاَنَّ ذٰلِكَ مُسْتَحِيْلٌ عَلَيْهِ لِمَا وَرَدَ :- ترجمہ ظاہراً خطاب نبی پاک کو ہے لیکن حقیقتاً مراد عام امت ہے کیونکہ نبی پاک کے لیئے یہ ارتکاب ناممکن ہے جیسا کہ ثابت ہے اور محال پر نہی ہو سکتی ہی نہیں۔ صاف معلوم ہوا کہ یہ نہی عوام کو ہے نہ کہ نبی کریم کو۔ **نویں آیت** :- لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ (ترجمہ) :- اے پیارے نبی قرآن مجید یاد کرنے کے لیئے اپنی زبان پاک نہ ہلایئے (ہم خود حفظ کرا دیں گے) یہ نہی تحریمی و تکلیفی نہیں بلکہ کریمانہ کرم ہے۔ جس سے شانِ محبوبی کا اظہار ہے۔ جیسے کوئی استاد اپنے پیارے لائق لاڈلے شاگرد سے کہے۔ اتنا نہ پڑھ تھک جائے گا جا آرام کر میں خود تجھ کو سبق یاد کرا دوں گا۔ میرا یہ مفہوم تفسیر بالرائے نہیں جیسا کہ سعیدی صاحب کو وسوسہ ہوا۔ بلکہ اشارۃ النص سے ثابت ہے۔

آیت نمبر دس :- اور گیارھویں۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ (ترجمہ) :- یتیم کو نہ جھڑکو۔ سائل کو مت ڈانٹو نہ بھگاؤ۔ یہ آیت بھی نبی پاک کے لیئے نہیں بلکہ قانون بنایا جا رہا ہے۔ اور سب امت کے لیئے نہی ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں نبی کریم کو اجازت ہے کہ جس کو چاہیں ڈانٹیں جھڑکیں۔ اس لیئے کہ نبی اکرم کی جھڑک اور ڈانٹ بھی امت کے لیئے رحمت ہے :۔ پیارے آقا کی ہر ادا عین حکمت ہے۔ جب استاد کی جھڑک باپ کی ڈانٹ شرعاً جائز ہے تو نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جھڑک تو بدرجہا اولیٰ ہے۔ ایک صحابی تو میدانِ بدر میں صرف نبی پاک کے ہاتھ سے قمچی کھانے کی تمنا میں سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ قربانی کے دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ اقدس سے ذبح ہونے کی خوشی میں اونٹ گردنیں آگے کرنے میں جلدی دکھانے لگے۔ آج جبرائیل و میکائیل۔ غوث و قطب۔ نبی کریم کی ایک اچٹتی نگاہ کے متمنی ہیں۔ بھلا کون ہوگا جو نبی کریم کی جھڑک سے کبیدہ خاطر ہو۔ بڑے بڑے اولیا تو مدینہ منورہ کے عوامی ہجوم سے دھکے کھانے کی غرض سے ہر سال حاضری کے لیئے کوشاں رہتے ہیں۔ بلکہ ایک بزرگ نے تو یہاں تک فرمایا کہ نجدی حکومت اپنے ظالمانہ رویّہ کے باوجود جواب تک پنپ رہی ہے۔ وہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل۔ ورنہ قوی ھیکل لوگ چھوٹے چھوٹے نجدی شُرطوں کے ہاتھ سے دھکے کھا کر برداشت کر جاتے ہیں صرف عشقِ مصطفےٰ علیہ السلام کی خاطر اور وہ عشاق ان دھکوں میں لذتِ عشق پاتے ہیں اگر بقول سعیدی صاحب لانقہر کی نہی حضور اکرم کی طرف پھیری جائے تو تحصیلِ حاصل لازم آئے گا۔ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ سے تحصیل حاصل کا اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں امر تنجیزی یا فوری نہیں بلکہ امر ثبوتی ہے یہ تھیں وہ آئیں جن سے آپ نے غلط استدلال کر کے عصمتِ معصوم کو غلط رنگ میں پیش کرنے کی جرئت دکھائی۔ اور جو تعریف محفوظ من اللہ کی تھی وہ عصمت پر چسپاں کی۔ محفوظ اولیاء کاملین وہ ہوتے ہیں جو گناہ کر سکتے ہیں۔ مگر کرتے نہیں میرے ایک دوست حضرت قبلہ حکیم الامت کے شاگرد حاجی رحمۃ اللہ عرف فقیر شاہ ولہا چڑیاڈلوی کے سیاق سباق ماضی حال مستقبل کو اندرونی بیرونی طور سے میں جانتا ہوں میں برملا کہتا ہوں کہ انہوں نے ساری عمر کوئی گناہ نہیں کیا۔ حالانکہ وہ کر سکتے تھے تو وہ بھی معصوم ہو گئے۔ اس سے درگزر۔ حضراتِ صدیق وفاروق کی شان یہ ہے کہ وہ کر سکتے ہیں۔ مگر کرتے نہیں۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ معاذاللہ یہ حضرات مقام عصمت پر فائز ہو گئے جب کہ عقیدۂ حقیقیہ مسلّم ہے کہ عصمت انسانوں میں صرف انبیاء کو ہے۔ چنانچہ المعتقد صفحہ نمبر ۱۱۷ پر ہے:۔ اَلْعِصْمَةُ وَهِيَ مِنْ خَصَائِصِ النُّبُوَّةِ عَلٰى مَذْهَبِ اَهْلِ الْحَقِّ۔ (ترجمہ) معصوم ہونا اہلِ تحقیق کے مذہب میں انبیاء کا خاصہ ہے۔ اور اگر کوئی نادان یہ کہہ دے کہ صحابہ واولیاء معصوم تو نہیں مگر شان ان کی بھی یہی ہے۔ تو عصمت بیکار ہو گی۔ ماننا پڑے گا۔ انبیاءِ کرام نہ گناہ کر سکتے ہیں نہ کرتے ہیں یہی سچی تعریفِ عصمت ہے۔ نبراس علی شرحِ العقائد صفحہ نمبر ۵۲۳ پر ہے:۔ لَا يَلْزِمُ اَنْ يَكُوْنَ غَيْرُ الْمَعْصُوْمِ مُذْنِبًا لِجَوَازِ اَنْ يَكُوْنَ الشَّخْصُ خَالِيًا عَنْ هٰذِهِ الْمَلَكَةِ وَلٰكِنْ لَا يَصْدُرُ عَنْهُ بِمَحْضِ حِفْظِ الْحَقِّ۔ (ترجمہ):۔ یہ ضروری نہیں کہ غیر معصوم انسان ضروری ہی گناہ کرے۔ کیونکہ جائز ہے کہ یہ ملکہ جن کو نہیں ملا ان سے بھی گناہ تا عمر صادر نہ ہو فقط حفاظتِ الٰہیہ سے۔ ثابت ہوا کہ جن لوگوں نے بھی عصمت کی تعریف غلط کی ہے وہ لوگ حقائق کے مقابل اپنی غلطی کو بچانے کے لیے اس کہنے پر مجبور ہیں کہ گناہ کی بابت نبی وغیر نبی برابر ہے۔ حالانکہ یہی عقیدہ گمراہی ہے صحیح عقیدہ یہی ہے۔ کہ انبیاءِ کرام بے مثل ہیں ان کا ہر قول فعل جسد و روح بے مثل یہاں تک اشیاءِ مشترکہ بھی ان کی بے مثل ہیں۔ ان کا مکلف فی الامر ہونا بھی بے مثل ہے۔ تمام مخلوقِ مکلّفہ کو تکلیف جبری ہے مگر ان ہستیوں کا مکلف ہونا بھی تکلّفِ عشقِ الٰہی ہے انبیاءِ کرام پر جو کچھ فرض وواجب ہوتے ہیں وہ ان کی روحانی لذتِ عشق کے لیے ہوتے ہیں۔ ورنہ وہ پیارے مُقدّس بزرگ عبادت کرنے نہ کرنے میں مختار ہوتے۔ چاہیں تو نماز پڑھیں خواہ نہ پڑھیں۔ چار کی تین پڑھیں۔ یا چار کی دو پڑھیں

کوئی عتاب نہیں۔ کوئی غوث و قطب پیر و عالم تو ایسا کر دیکھے۔ یہ مناظرہ ۔ ۳۰ - ۹ - ۷۸ کو شروع ہوا۔ اور ۱۲/۱۰/۷۸ کو میرے آخری چوتھے خط پر ختم ہوا اور اس حالت میں ختم ہوا کہ سعیدی صاحب کے ترکش علم کے سب تیر ختم ہو چکے تھے اور اشارۃً و دلالۃً شکست تسلیم کر چکے تھے مگر ہٹ کی پٹی آنکھوں پر تھی منطقی فلسفی غبار دماغ پر تھا اس لیئے ظاہراً کھلی کھلی جرأت رجوع نہ کر سکے پیش چند وہ سوال جو ابھی تک تشنۂ جواب ہیں اور صاف صاف ان کو بتائے گئے حسب ذیل ہیں۔ ع ۱ ؛ عصمتِ انبیاء اور عصمتِ ملائکہ میں کیا فرق ہے۔ باحوالہ بتایا جائے۔ سوال ع ۲ ؛ جب کذب انبیا ممکن ہوا تو کیا آپ کے مذہب میں انبیاء کرام علیہم السلام کو بالامکان کاذب بلکہ فاسق و فاجر کہا جا سکتا ہے (العیاذ باللہ) اگر نہیں تو امکانِ کذب سے بھی آج توبہ کرو۔ سوال ع ۳ ؛ جب انبیاء کرام با وجود عصمت کے گناہ کر سکتے ہیں تو کرنے سے کون مانع ہے اور نہ کرنے کی کیا گارنٹی ہے۔ اور یہ کہنا کس طرح درست ہے کہ کرتے نہیں باحوالہ سمجھایا جائے۔ سوال ع ۴ ؛ جب انبیاء کرام کا جھوٹ ممکن ہوا تو ساری آیات قرآنیہ و احادیث مشکوک ہو گئیں۔ اس شک کو کس طرح دور کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود تو پکار کر بتانا نہیں۔ اس کے کلام تو دو ہی ذریعوں سے ملتے ہیں۔ ع ۱ ؛ انبیاء ع ۲ ؛ ملائکہ اسی وجہ ان کو معصوم بنایا۔ سوال ع ۵ ؛ معصوم اور غیر معصوم متقی مسلمان میں کیا فرق ہے سوال ع ۶ ؛ معصوم بنانے کی کیا حکمت ہے سوال ع ۷ ؛ کیا وجہ ہے کہ اعلیٰحضرت اور صدر الافاضل اور حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے ماتریدی اور شرح مواقف کی تعریف کو مردود کر کے۔ اشاعرہ متکلمین۔ ابن ہمام۔ حسین نجار کی تعریف کو اختیار فرمایا۔ کیا اب بھی کوئی مقال ہے یا اساتذہ سے بھی اعتزال ہے۔ تو یہ آپ کی ہی مجال ہے۔ جو سراسر حق سے فرار ہے۔ نہ کہ مقابلہ اقتدار۔ واللہ اگر صدر الافاضل حیاتِ ظاہری میں ہوتے تو آپ کو یہ عبارت کاٹنے پر مجبور کر دیتے۔ اور رجوع کا فوری حکم دے دیتے۔ مگر ہائے افسوس اب وہ مشفق نگاہیں کہاں ڈھونڈیں۔

وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

کتبہ

کتاب العلم

بیٹیوں کو میراث اور جہیز دینے کا حکم

سوال نمبر ۳۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ بعض عوام ہمارے علاقے کے کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو جب لاکھوں کا جہیز دے دیا جاتا ہے تو ان کو میراث سے حصہ دینا درست نہیں ہزاروں بیٹیاں اس رواج کی بنا پر اپنے باپوں کی میراث سے محروم رہتی ہیں اور باپ کی لاکھوں کی میراث بیٹے ہی لے لیتے ہیں اسی طرح کا ایک جھگڑا یہاں ہے صورتِ مسئلہ اس طرح ہے۔ ۱:- ایک شخص فوت ہوگیا۔ اس کی کچھ زمین ہے جس میں اس کے مکانات تعمیر ہیں پسماندگان میں ۱ بیوہ تین لڑکے۔ چار لڑکیاں۔ ایک بھائی موجود ہے اس متوفی کی میراث کیسے تقسیم ہوگی۔ دوسرا مسئلہ اس طرح ہے۔ تین بھائیوں میں سے ۲ دو بھائی فوت ہو چکے ان کا تیسرا بھائی بھی فوت ہوگیا تھا۔ اس کی بیوہ بھی اب فوت ہوگئی اور اولاد میں صرف اس کی ایک لڑکی سگی ہے دونوں بھائیوں فوت شدگان کی اولاد نرینہ ہے فرمایا جائے کہ ان کی میراث کس طرح تقسیم ہوگی۔

الراقم حافظ غلام محی الدین فاروقی بے منگلا کالونی منگلا ۶ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء ۷-۲۰

الجواب بعون العلام الوھاب

قانونِ اسلامیہ کے مطابق تمام عبادات سے زیادہ اہم عبادت فوت شدہ کی میراث تقسیم کرنا ہے اس لیئے کہ یہ حقوق العباد ہے۔ اور اس لیئے کہ بعض حالات میں ورثاء میں یتیم بھی شامل ہوتے ہیں لہٰذا کسی وارث کا حصہ نہ دینا یا کم کرنا اشد ظلم ہے۔ مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہے کہ اگر کوئی وارث کسی دوسرے حقدار وارث کا حصہ خود لے لے یا تقسیم کے وقت کسی وارث کو خارج کر دے تو اس کی نماز روزہ سب بیکار اور وہ ظالم شخص دنیوی اخروی مجرم ہوگا:-

پہلی دلیل:۔ اللہ تعالیٰ نے تمام عبادات کی تفصیل انبیاء کرام اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بیان فرمائی مگر میراث تقسیم کرنے کی تفصیل خود بیان فرمائی۔ چنانچہ قرآن پاک میں تمام ذی فرض وارثوں کا ذکر پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے جلد پنجم ص ۶۶۲ پر ہے:۔ وَلَمْ یُفَوِّضْ تَقْدِیْرُہٗ اِلٰی مَلَکٍ مُقَرَّبٍ وَلَا نَبِیٍّ مُرْسَلٍ بِخِلَافِ سَائِرِ الْاَحْکَامِ کَالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَالْحَجِّ۔ (ترجمہ):۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے میراث کے حصے مقرر کرنا کسی فرشتے یا کسی نبی مرسل علیہ السلام کے سپرد نہ فرمائے۔ بخلاف تمام باقی احکام کے جیسے کہ نماز روزہ حج زکوٰۃ: ثابت ہوا کہ میراث کی تقسیم کتنی ضروری اور اہم ہے۔ باری تعالےٰ کا خود اپنے ذمۂ کرم پر یہ کام لینا ثابت کر رہا ہے کہ یہ کام اہم ترین ہے جب انبیاء کرام اور ملائکہ کے سپرد نہ فرمایا حالانکہ وہاں ظلم ناممکن تو کس بندے کی جرئت ہے جو میراث کی تقسیم کے قانون خود بنائے اور جب انبیاء کرام کے فرمودہ قانون توڑنے گناہِ عظیم ہیں تو خود باری تعالیٰ کے فرمودہ قوانین توڑنے اور اُس کی خلاف ورزی کرنا اور مختلف حیلے بہانوں سے کسی وارث کو محروم رکھنا کتنا بڑا ظلم اور گناہ کبیرہ ہوگا۔ اور پھر ایسے مجرم کی سزا کتنی سخت ہوگی جرم کرنے سے پہلے یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم دنیا کے فانی مال کے لیئے کس کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ **دوسری دلیل**:۔ بہت سی عبادات فرض ہیں مگر کسی کی فرضیت اتنی بڑی نہیں کہ وہ خود سراپا فرض کہلائے۔ دیکھو۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ فرض ہیں مگر ان کا نام فرض نہیں بلکہ نماز ہے زکوٰۃ ہے وغیرہ وغیرہ بخلاف میراث کے کہ اس کا نام ہی اسلام میں فرض ہوگیا اور اس کے جاننے کا نام علمِ فرائض ہوا۔ فتاوے درِ مختار مجلد مکمل ص ۸۰۷ پر ہے:۔ وَسُمِّیَ فَرَائِضُ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَسَّمَہٗ بِنَفْسِہٖ وَاَوْضَحَہٗ وُضُوْحَ النَّہَارِ بِشَمْسِہٖ۔ (ترجمہ):۔ اس عبادت کا نام فرض رکھا گیا۔ اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود اس کو تقسیم فرمایا اور سورج کی طرح صاف صاف واضح فرمایا۔ تاکہ کوئی انسان اس میں غلطی کر کے جہنمی نہ بن جائے۔ علامہ شامی نے اس کی شرح اس طرح فرمائی۔ (قسّمہٗ) اَلْاَوْلٰی قَدَّرَہٗ کَمَا قَالَ الزَّیْلَعِیُّ لِاَنَّہٗ مَعْنَی الْفَرْضِ:۔ (ترجمہ):۔ مصنف نے کہا کہ تقسیم فرمایا۔ بہتر یہ تھا کہ مصنف کہتے قَدَّرَ یعنی ٹھیک ٹھیک اندازہ بیان کر دیا جس طرح امام زیلعی نے کہا۔ اس لیئے کہ فرض کے معنیٰ ہیں اندازہ بیان کرنا۔ اور اندازہ وہ ہو سکتا ہے۔ جس میں نہ کمی ہو سکے نہ زیادتی جیسے نماز وغیرہ عبادات۔ کہ نہ اس میں کچھ کم ہو سکے نہ زیادہ حالانکہ ان عبادات کے اندازے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمائے۔ تو وراثت جیسی اہم عبادت جس کا اندازہ خود ربِّ قدیر نے بیان فرمایا اس میں کوئی کس طرح کمی کر سکتا ہے اور کس طرح کسی وارث کو محروم کر سکتا ہے۔ **تیسری دلیل**:۔ کائنات میں کروڑہا قسم کے علوم ہیں۔ مگر علمِ میراث سب سے زیادہ اہم اور بوجھل ہے کہ سارے علم ملائے جائیں تو دنیا کے آدھے علم

بنتے ہیں مگر یہ علم اکیلا آدھا علم ہے۔ حدیث پاک میں اس کو آدھا علم فرمایا گیا۔ چنانچہ ابن ماجہ شریف ص۱۹۵ پر ہے۔
عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا فَاِنَّهٗ نِصْفُ الْعِلْمِ وَهُوَ یُنْسٰی وَهُوَ اَوَّلُ شَیْءٍ یُنْزَعُ مِنْ اُمَّتِیْ۔ (ترجمہ):۔ حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ فرمایا آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اے ابو ہریرہ علم فرائض سیکھو اور سکھاؤ کیونکہ یہ کائنات کا آدھا علم ہے یہی جلدی بھلایا جاتا ہے اور یہی سب سے پہلے میری امت میں سے اٹھایا جائے گا۔ اس حدیث پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں پہلی یہ کہ اس علم کو فرض کا علم کہتے ہیں اور فرض کس کا نام؟ میراث کا گویا یہ حقوق العباد سراپا فرض ہوئے اور مبالغۃً کہا گیا ہے زَیْدٌ عَدْلٌ زید سراپا عدل ہے۔ اسی طرح میراث اتنا بڑا فرض ہے کہ گویا خود فرض بن گیا۔ دوسری بات یہ کہ اس کا سیکھنا بھی اہم فرض کیونکہ امر وجوب کے لیے ہے۔ اور جس کا سیکھنا فرض اس پر عمل تو اور بھی زیادہ۔ تیسری یہ کہ یہ علم سب سے پہلے اٹھایا جائے گا۔ اس سے بھی اس کی اہمیت ثابت ہوئی۔ اس طرح کہ جب علم اٹھ جائے گا تو کوئی بھی تقسیم کرنے والا نہ رہے گا اور لوگ بلا تقسیم وارثوں کے یتیموں کے۔ بھائی اپنی بہنوں کے وارثت کے حصے غضب کر لیں گے۔ بہنوں کو یعنی متوفّٰی کی بیٹیوں کو محروم کر دیا کریں گے۔ اور ظالم و خائن کہلا کر اشرارِ خلق بنیں گے اور ان پر قیامت نازل ہو جائے گی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اشرار خلق پر قیامت طاری ہوگی جب کوئی منصف نہ رہے گا۔ سب ظالم ہی ظالم رہ جائیں گے۔ ثابت ہوا کہ میراث صحیح تقسیم نہ کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے **چوتھی دلیل**:۔ مسلم شریف جلد دوم ص۳۷ پر ہے کہ ایک شخص بشیر نامی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ اقدس میں آیا۔ اور عرض کیا یا رسول میں اپنے ایک بیٹے نعمان کو اپنا اتنا اتنا مال دینا چاہتا ہوں۔ اس کی شرح نووی نے لکھا۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ۔ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفَعَلْتَ هٰذَا بِوَلَدِكَ كُلِّهِمْ۔ قَالَ لَا قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِیْ اَوْلَادِكُمْ:۔ (ترجمہ):۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اپنی سب اولاد کو اتنا اتنا دیا ہے۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اللہ سے ڈرو۔ اور اپنی اولاد میں انصاف کرو۔ مقام غور ہے کہ جب زندہ مرد کو اپنے مالِ ملکیتی میں یہ اختیار نہیں کہ ایک بچے کو دے دوسرے کو نہ دے یا بیٹے کو دے بیٹی کو نہ دے یا اس کا الٹ تو وفات یافتہ کی دولت و جائیداد میں کسی اور کے کو کسطرح اجازت ہو سکتی ہے کہ کسی وارثِ شرعی کو محروم کرے جب اللہ تعالیٰ عطا فرما رہا ہو تو کس کی طاقت ہے کہ حصہ مارے اور خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرے۔ لہٰذا اے وارثو۔ اللہ سے ڈرو اور قیامت کی نشانی نہ بنو۔ کوئی بیٹی کسی بیٹے کو یا کوئی بیٹا کسی بیٹی کو محروم نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی لڑکا ایسا کرے گا کہ اپنے باپ کے ترکے میں

بیٹی کو شرعی حصہ نہ دے گا اور وہ مال خود کھالے گا تو وہ اس پر حرام ہوگا۔ اور وہ مال جہنم کی آگ ہے:۔

دلیل ۵:۔ ترمذی شریف جلد دوم ص۳۰ پر ہے۔ سعد بن ربیع جنگِ احد میں شہید ہو گئے ان کی ایک بیوہ دو لڑکیاں ایک بھائی پسماندگان وارث تھے۔ سعد بن ربیع شہید کے بھائی یعنی لڑکیوں کے چچا نے سعد کی ساری دولت چھین لی لڑکیوں اور بیوہ کو کچھ نہ دیا۔ بیوہ نے بارگاہِ رسالت میں مقدمہ پیش فرمایا تو ابھی نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابھی فیصلہ نہیں فرمایا تھا کہ وحی میں آیات میراث نازل ہوئی۔ جس میں خاص طور پر بیٹیوں کے حصہ کی اہمیت وضاحت کی گئی۔ یعنی رب کریم نے اشارۃً فرمایا کہ اے پیارے حبیب یہ مقدمہ اتنا اہم ہے کہ اس کا فیصلہ ہم خود فرمائیں گے۔ اب جو بد بخت بیٹا اپنے باپ کی جائیداد سے اس کی بیٹیوں کو میراث نہ دے یا کسی رشتہ دار آدمی میت کی بیٹیوں کو باپ کی ترکہ جائیداد سے محروم کر دے وہ کتنا بڑا ظالم ہے۔ ترمذی شریف کی فرمودہ منقولہ حدیث پاک کے کچھ الفاظ اس طرح ہیں۔ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ هَاتَانِ بِنْتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ قُتِلَ اَبُوْهُمَا مَعَكَ يَوْمَ اُحُدٍ شَهِيْدًا وَاِنَّ عَمَّهُمَا اَخَذَ مَالَهُمَا فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا۔ (الخ)۔ (ترجمہ) وہی ہے جو اوپر گزرا۔ ترمذی نے اس باب کا نام ہی۔ باب میراث البنات۔ رکھا۔

دلیل ۶:۔ مشکوٰۃ شریف ص۲۶۲ پر ہے:۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ:۔ (ترجمہ):۔ حضرت ابن عباس سے روایت فرمایا کہ فرمایا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام وارثوں کو ان کی میراث دے دو تو جو بچ جائے وہ قریبی عصبہ مرد کو دے دو۔ اس حدیث سے نبی کریم رؤف رحیم پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ذیشان واجب ولازم بن کر ثابت ہوا کہ اے مسلمانوں ہر اہل ذی فرض وارث کو اس کا پورا پورا حصہ فوراً دے دو۔ خبردار نہ کسی کا حصہ چھیننا نہ روکنا نہ بہانے بنا کر کسی وارث کو محروم کرنا۔ لفظ الحقوا امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لیے آیا ہے۔ واجب کو ادا نہ کرنے والا شرعی مجرم گناہ گار ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی شخص میت کی مستحق بیٹی کو میراث کا حصہ نہ دے گا تو فاسق فاجر ہوگا اور حرام روزی کا مرتکب ہوگا۔

دلیل ۷:۔ بخاری شریف جلد اوّل صفحہ نمبر ۳۵۲ پر ہے:۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ۔ (ترجمہ):۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اے مسلمانو! اپنی اولاد کے عطیوں میں انصاف کرو۔ اس کے حاشیے میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ قَوْلُهٗ اِعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ (الخ) - هٰذَا وَاجِبٌ اَشَدُّ الْوُجُوْبِ وَغَفَلَ عَنْهُ النَّاسُ۔ (ترجمہ):۔ حدیث پاک کا فرمان اِعْدِلُوْا (الخ) یہ بہت سخت واجب حکم ہے

حالانکہ لوگ اِس سے غافل ہیں۔ ثابت ہوا کہ کسی وارث کو میراثی حصّے سے محروم کرنا سخت گناہ اور لائق عذاب ہے۔ اور جو شخص بھی وہ حصّہ چھینے گا اس کے لیئے حرام مال کی شکل ہوگا۔ **دلیل ۸** :۔ میراث کو شریعتِ پاک کی زبان میں فرض کہتے ہیں اور فرض کے لغوی معنٰے ہیں کاٹنا۔ چنانچہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف جلد سوم ص ۲۸۷ پر ہے :۔
اَلْفَرْضُ اَصْلُهٗ اَلْقَطْعُ يُقَالُ فَرَضْتُ لِفُلَانٍ اِذَا قَطَعْتَ لَهٗ مِنَ الْمَالِ شَيْئًا :۔ (ترجمہ) :۔
فرض کا لغوی معنٰی ہے کاٹنا۔ اور کاٹنے کا مطلب ہے اس طرح جدا ہونا کہ اس سے جڑ نہ سکے۔ جیسے کہ درخت کی شاخ جب کٹ جائے تو ہرگز جوڑی نہیں جا سکتی اسی طرح مقصد یہ ہے کہ وہ مال جو پہلے ایک ہی جگہ جڑا ہوا تھا مال والے کے مرنے کے بعد ایسا کٹے گا اور ایسے حصّے ہوں گے کہ کوئی حصّہ دوسرے سے جڑ نہیں سکے گا۔ جو بیٹی کا حصّہ ہے وہ بیٹی کو ہی ملے گا کسی کی طاقت نہیں کہ بیٹے کے حصّے سے اس کو جوڑ دے۔ جو جوڑنے کی ناجائز کوشش کرے گا وہ شرعی مجرم ہوگا۔ **دلیل ۹** :۔ زمانۂ جاہلیت میں نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے میراث تقسیم کرنے کا ایک ظالمانہ طریقہ رائج تھا وہ یہ کہ میت کا ترکہ نہ میت کے یتیم بچوں کو دیا جاتا نہ اس کی بیٹیوں کو بلکہ یہ سارا مال بیٹے لے لیتے یا میت کے حلیف اور وعدے والے جس سے فوت شدہ مرد اپنی زندگی میں میراث کا وعدہ کر لیتا وہ لے لیتے۔ یہ ایسا ظالمانہ رواج تھا کہ اس پر ایک کافر اور حریص و پیٹ پرست کو تو فخر ہو سکتا ہے۔ لیکن کسی مومن رحم دل یتیم پرور درد مند اور اولاد والے کو یہ ظلم ہرگز پسند نہیں آسکتا۔ تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ نمبر ۴۵۷ پر ہے :۔
فَاِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَجْعَلُوْنَ جَمِيْعَ الْمِيْرَاثِ لِلذُّكُوْرِ دُوْنَ الْاِنَاثِ۔ (الخ) ۔ ترجمہ :۔
بے شک دورِ جاہلیت والے کفار تمام میراث لڑکوں کو دے دیتے تھے اور بیٹیوں کو کچھ نہ دیتے تھے اس ظلم کو باری تعالیٰ نے ختم فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ :۔ (ترجمہ) :۔ اے مسلمانو! تم کو اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت فرماتا ہے اور وصیت اس آخری اور اٹل حکم کو کہتے ہیں جو ایسا واجب ہو کہ اس کو توڑا نہ جا سکے۔ چنانچہ تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ نمبر ۲۰۳ پر ہے :۔
مَعْنٰى قَوْلِهٖ هٰهُنَا يُوْصِيْكُمْ اَيْ يَفْرِضُ عَلَيْكُمْ لِاَنَّ الْوَصِيَّةَ مِنَ اللّٰهِ اِيْجَابٌ :۔ (ترجمہ) :۔
یہاں یوصیکم کا معنٰی ہے کہ تم پر فرض کیا اس لیئے کہ وصیت اللہ کی طرف سے گویا واجب کرنا ہوتا ہے اور چونکہ اللہ کے فرض کردہ حکم کے خلاف کرنا حرام ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بیٹیوں کو میراث نہ دینی حرام ہے کیا کرم ہے اس کریم کا جس نے مظلوم اور کمزور اولاد سے کیسا پیار فرمایا کہ جب والدین کو بھی اپنی بے بس بے کس اولاد کی پرواہ نہ تھی تو رب کائنات جو کروڑہا ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا اس نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک کے ذریعے دین اسلام کا ایسا عظیم الشان قانون عطا فرمایا۔ جس نے ہر شخص کے ہر قسم کے

علیحدہ علیحدہ حقوق مسلمانوں پر واجب ولازم فرما دیئے اور خود فرما دیا کہ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ اللہ وصیت فرماتا ہے۔ تم کو یہ آخری حکم ہے۔ اس میں تبدیلی ناممکن۔ یہ فرضی حکم صرف تمہاری اولاد کے بارے میں ہے اس کا بہت خیال رکھنا خبردار تمہارے مال کے جس طرح تمہارے بیٹے مستحق ہیں اسی طرح تمہاری بیٹیاں بھی حق دار ہیں۔ سب سے پہلے ان کو دو پھر ان سے بچے تو اوروں کو دے دو ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔ (ترجمہ):۔ بیٹے کو بیٹی سے دوگنا ملے گا اس لئے کہ مرد پر اخراجات اور ذمہ داریاں زیادہ ہیں مثلاً بال بچوں کا نفقہ وغیرہ بیٹی پر یہ نہیں۔ اسلام نے میراث کو تین وجہوں پر تقسیم کیا۔ ع۱ نسب کی وجہ سے ع۲ نکاح کی وجہ سے ع۳ ولاء کی وجہ سے مگر اب فی زمانہٖ حال صرف دو وجہ باقی ہیں ع۱ نسب اور ع۲ نکاح۔ ولاء یعنی لونڈی غلام کی میراث اب نہیں کیونکہ لونڈی غلام نہیں ہیں۔ پہلے تھے اس لئے پہلے کے مفسرین نے تینوں کا ذکر فرمایا چنانچہ تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ نمبر ۱۵۳ پر اور تفسیر خازن جلد دوم ص۲ پر ہے وَاَسْبَابُ الْاِرْثِ ثَلَاثَۃٌ نَسَبٌ وَّنِکَاحٌ وَّوَلَاءٌ۔ (ترجمہ وہی ہے جو اوپر گذرا)۔ اور سب میں سب سے اہم اولاد یعنی بیٹا بیٹی جیسا کہ یُوْصِیْکُمْ سے ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قوانین وراثت اسلامیہ میں اولاد کا ذکر فرما کر زمانۂ جاہلیت کے رواجوں کو توڑا۔ کتنے بدنصیب ہیں وہ مسلمان جو بیٹیوں کو میراث سے محروم کر کے پھر زمانۂ جاہلیت کے رواج کو پسند کر رہے ہیں صرف حرص دنیا کی خاطر اللہ رسول کو ناراض کر رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کوئی بھی دور ہو کوئی وقت اللہ کے قانون میں تبدیلی نہیں ہو سکتی بیٹیوں کے حصے کوئی نہیں روک سکتا۔ رہا جہیز دینے کا سوال اور جہیز کا بہانہ تو یہ بہانہ چار وجہ سے غلط ہے پہلی یہ کہ جہیز صرف بیٹی کا نہیں ہوتا بلکہ اس میں بیوی کے ساس سسر سالے اور خاوند کا بھی حصہ دیا جاتا ہے جیسا کہ رواج ہے۔ دوسری یہ کہ جہیز شریعت کے خلاف ہے بلکہ فی زمانہ ایک مصیبت بنا ہوا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز دیا تھا اس کی دو وجہ تھیں ع۱ حضرت علی اتنے مفلس تھے کہ ان کے گھر میں کچھ بھی نہ تھا صرف گھر چلانے کے لئے خاتون جنت چند برتن لے آئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بجز فاطمہ زہرا کے کسی اور بیٹی کو جہیز نہ دیا اس لئے کہ ان کے خاوند حضرت عثمان بہت امیر تھے۔ ع۲ یہ کہ نبی کریم علیہ التحیہ والثناء کی میراث نہ تھی کہ نبی علیہ السلام کا مال وقف ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر نبی کریم نے اپنی بیٹی مطہرات کو اپنی زندگی پاک میں دے دیا تو اس پر قیاس روا نہیں۔ تیسری وجہ یہ کہ جہیز باپ نے دیا ہے نہ کہ بھائی نے وہ اپنی بیٹی کو اپنی زندگی میں جو چاہے دے بعد وفات بھائی کیا لگتا ہے کہ جہیز کے بدلے میں اس کی میراث چھین لے۔ چوتھی وجہ یہ کہ۔ بقانون شریعت برے رواج کو ختم کرنا چاہیئے نہ کہ اچھے اور شرعی فرض کو۔ جہیز برا رواج ہے اور میراث شرعی فرض

اگر تم میں ہمت اور توفیق ہے تو بری رسم یعنی کثرتِ جہیز کو بند کرواؤ۔ شریعت کے قانون کو کیوں توڑتے ہو یہ تو ظلم عظیم ہے جس کی سزا ضرور بھگتنا پڑے گی۔ بہر حال۔ بیٹی کا حصہ ضرور ضرور دینا پڑے گا خواہ قانوناً خواہ شرعاً خواہ خوفِ خدا سے۔ یا مصالحت سے۔ اس کام کو نافذ کرنا فرض ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر نے صاف صاف فرما دیا۔ جلد دوم ص ۲۱۶ پر ہے۔ فَالْمُرَادُ يَأْمُرُكُمْ وَيَفْرِضُ عَلَيْكُمْ :- (ترجمہ) :- یعنی خدا کی حکم سے مراد ہے کہ تم پر میراث صحیح تقسیم کرنا فرض ہے۔ اور یہ حکم صرف چند لوگوں کے لیئے نہیں بلکہ تمام کائنات کے مسلمانوں کے لیئے ہے خواہ جہیز دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ بیٹی چھوٹی ہو یا بڑی کنواری ہو یا صاحبِ اولاد غریب ہو۔ بیٹی یا امیر۔ میراث کا حصہ دینا پڑے گا۔ یہ ایک ربانی امتحان ہے۔ تفسیر ابن کثیر اوّل نے صفحہ نمبر ص ۴۵۷ پر فرمایا۔ لِاَنَّهٗ يَبْتَلِيْ بِهِ النَّاسَ كُلَّهُمْ :- (ترجمہ) :- علم میراث کا نام فرض اس لیئے رکھا گیا ہے کہ تمام مسلمان اس فرض میں مبتلا ہیں۔ اور سب کی پوچھ قیامت میں ہوگی کہ کس نے صحیح تقسیم کی اور کس نے وارثوں کے حصے خود کھائے۔ بہر حال قانونِ شریعت کے مطابق بیٹیوں کو لازمی وراثت کا حصہ دیا جائے گا۔ اور آپ کی بستی والوں کو جہیز جہیز کا بہانہ بنانا بے کار ہے۔ جہیز وراثت کا بدلہ نہیں بن سکتا۔ ان تمام دلائل سے مسئلہ باہتمام واضح ہو گیا اب بھی اگر کوئی چوں چرا کرے تو شرعی مجرم ہوگا۔ اور مستحقِ عذابِ نار۔

آپ کا سوال مسئلہ تقسیم اگرچہ یک طرفہ ہے مگر اس کا جواب پیش کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ جواب حتمی فیصلہ نہیں ہے اس لیئے کہ صرف آپ کے بیان پر فتوے دیا جا رہا ہے۔ میراثی مسائل کے فتاوے یک طرفہ بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ اس میں صرف طریقۂ تقسیم کا سوال ہوتا ہے اور تقسیم کار تمام ورثا کی شرکت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں فریق ثانی ہوتا ہی کوئی نہیں۔ ہاں جن صورتوں میں سائل بحیثیت مدعی یا مستغیث ہو تو وہاں یکطرفہ فتاویٰ حرام ہے۔ کہ اس میں مدعی علیہ یا مستغاث علیہ کی حق تلفی اور ظلم ہے۔ اسی طرح جب مفتی نے فتوے جج یا قاضی کو دینا ہو تو یک طرفہ فتویٰ صرف ایک بیان پر دینا جائز ہے۔ کیونکہ اب تفتیشِ حال کی ذمہ داری قاضی یا جج پر ہوگی مفتی کا کام صرف شرعی حکم بتانا ہوگا نہ کہ سنانا اور نافذ کرنا۔ لیکن جب مفتی فتوے سائل کو دے جیسا کہ آج کل ہم لوگ فتویٰ دیتے ہیں تو مفتی پر واجب ہے کہ سائل اگر مدعی یا مستغیث کی صورت میں ہے تو تفتیشِ حال خود مفتی کرے کیونکہ وہ فتوے عدالتِ قانونیہ میں گئے بغیر نافذ ہو جائے گا۔ اور احتمالِ یقینی ہے کہ دوسرے فریق کا بیان سنے بغیر جو فتویٰ نافذ ہوگا وہ ظلم ہوگا۔ فی زمانہ جو لوگ علماءِ کرام سے فتوے طلب کرتے ہیں وہ شریعت کا جج اور قاضی سمجھ کر طلب کرتے ہیں نہ کہ محض مفتی اور فتوے کو شرعی فیصلہ قرار دیا جاتا ہے نہ کہ فقط فتویٰ اس لیئے میں کہتا ہوں کہ فی زمانہ مفتیٔ اسلام کو قاضی بن کر خود تحقیق کرتے ہوئے دوسرے فریق کا بیان سن کر

فتوای لکھنا واجب ہے تاکہ فریق ثانی کو مفتی و فتوے پر طعن کا موقعہ نہ ملے۔ یہ فقہاءِ متقدمین فرماتے ہیں کہ مفتی کو فقط ایک شخص کے بیان پر فتوای دینا جائز ہے۔ وہ اُن کے اپنے زمانے کی بات ہے جب ملکوں میں اسلامی حکومتیں قائم تھیں اور مستفتی قاضی ہوتا تھا نہ کہ عام مدعی۔ آج کل یہ بات نہیں نہ قاضی رہے اور نہ جج مستفتی بنتے ہیں۔ عدالتیں کافرانہ قانون پر فیصلے کرتی ہیں۔ اس لیئے مفتی اسلام بدرجۂ قاضی ہیں خود ان پر دو طرفہ تفتیش واجب۔ لیکن جن صورتوں میں سائل محض سائل ہے نہ کہ مدعی وہاں تحقیق کے بغیر بھی فتوای جائز ہے۔ جیسے کہ مذکورہ فی السوال وراثتی مسائل کہ وہاں صرف تقسیم کا طریقۂ شرعی ہی پوچھنا مقصود ہے ان وجوہ کی بنا پر آپ کو یک طرفہ فتوای دیا جا رہا ہے۔ وراثتِ مسئولہ کی پہلی شکل میں۔ اگر چہ ان مسائل میں بھی حتمی فیصلے کے لیئے غیر جانبدار گواہی لینا ضروری ہے تاکہ کوئی وارث نہ رہ جائے فتوای لینے والے کا بیان جھوٹا ہونا ممکن ہے۔ سائل کے اس سوال کی تحریر کے مطابق طریقۂ تقسیم کچھ اس طرح ہے:۔

زید

۸

بیوہ ایک	بیٹی چار عدد	بیٹے تین عدد	سگا بھائی ایک
ایک حصہ	چار حصہ	۶ حصہ	محروم

یعنی فوت ہونے والے بھائی کی جائیداد سے آٹھواں اس کی بیوہ کو۔ پھر بقیہ جائیداد کے دس حصے کیئے جائیں گے اور اس طرح مسئلے کی تصحیح کرکے دو دو حصے تین بیٹوں کو اور ایک ایک حصہ چار بیٹیوں کو دیا جائے۔

دوسرا مسئلہ غیر واضح ہے نہ یہ بتایا کہ اس فوت شدہ بھائی کی بیوی پہلے مری یا خاوند کے بعد یہ تو لفظِ بیوہ سے سمجھ آگیا خاوند پہلے فوت ہوا ہے نہ یہ پتا کہ دونوں بھائی اس مسئولہ مورث بھائی سے پہلے فوت ہوئے یا بعد۔ ہم اپنی سمجھ کے مطابق ان دونوں بھائیوں کو بعد میں فوت کرتے ہیں اور نہ یہ بتایا کہ یہ دونو سگے بھائی ہیں یا اخیافی یا علاتی۔ ہم اپنے رواج کے مطابق ان دونوں کو سگے بھائی مانتے ہیں پھر یہ بھی نہ بتایا کہ بیوہ کے اور دونوں بھائیوں کے کتنے وارث ہیں۔ اگر یہ سب بات واضح کر دی جاتی تو یہ مناسخہ کا مسئلہ پورا حل کر دیا جاتا۔ بہر حال اصل مسئلہ یعنی شقِ اول کا طریقۂ تقسیم بتایا جاتا ہے۔ نقشۂ وراثت اس طرح ہے:۔

بکر

۸ (۱۶)

ایک بیوہ	ایک بیٹی	دو بھائی: ایک بھائی	ایک بھائی
۲	۸	۳	۳

اس مسئلہ کو اوّلاً ثمن یعنی آٹھ سے تقسیم کیا گیا۔ بٹائی صحیح نہ ہونے کی بنا پر ثمن کو نصف کے مخرج یعنی دو سے ضرب دے کر سولہ سے تقسیم کیا تو آٹھواں یعنی دو بیوہ کو آدھا حصہ یعنی آٹھ بیٹی کو ان ذی فرضوں سے بچے چھ حصے۔ وہ دونوں عصبہ نسبی بنفسہٖ سگے بھائیوں کو آدھا آدھا یعنی تین۔ تین دے دیئے۔ اس طرح اس مسئلہ مناسخہ کی پہلی تقسیم ہوئی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

انبیاء کرام کسی مخلوق کے شاگرد نہیں ہوتے

سوال نمبر ۳۶:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کیا انبیاء کرام کسی غیر مخلوق کے شاگرد ہو سکتے ہیں۔ ایک تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ حضرت اشمویل علیہ السلام۔ بیت المقدس کے ایک عالم کے پاس توریت کا سبق لیتے رہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ نبی۔ غیر نبی کا شاگرد ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اب تک سنتے آئے ہیں۔ کہ انبیاء کرام صرف اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہوتے ہیں۔ وہیں سے تمام علوم سیکھ کر آتے ہیں۔ لہٰذا بڑی کرم نوازی ہے کہ آپ اس کا جواب عطا فرمائیں۔ بَیِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا۔

السائل:۔ صوفی عبد الغفور صاحب کیمبل پور:۔ مورخہ: ۱۹۶۷-۲-۱

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

قانونِ الٰہیہ کے مطابق انبیاء کرام کا واحد گروہ اور جماعتِ مبارکہ ہی وہ ہے۔ جس کو رب کریم نے دنیا میں تمام مخلوق کو پڑھانے کے لیئے بھیجا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کے علوم سب مخلوق سے زیادہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جبرائیل و میکائیل علیہما السلام سے بھی زیادہ ہیں دنیا میں آج تک جتنے بھی علوم پیدا ہوئے یا قیامت تک پیدا ہوں گے۔ وہ سب علوم انبیاء کرام کے پاس ہوتے ہیں۔ ہر قسم کی صنعت کاری سے لے کر منطق و فلسفہ موجودہ سائنس، علم فلکیات وغیرہ علومِ عقلیہ تک بے شمار علوم ظاہری ہیں۔ ان کو بھی انبیاء کرام بخوبی سب کائنات سے زیادہ جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ستر ہزار علوم ایسے ہیں۔ جو بجز انبیاء کرام کوئی نہیں جانتا۔ یہ علیٰحدہ بات ہے کہ جس قوم کی طرف انبیاء کرام میں سے جس نبی علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے اسی علم کو ظاہر فرمایا جن کی وہاں ضرورت تھی۔ باقی علوم ظاہر نہ فرمائے۔ کہ ظہور کی حاجت نہ تھی مگر اس عدمِ ظہور سے نفی ثابت

نہیں ہوتی۔ کہ تجاربِ عدیدہ سے علومِ مخفی کا ثبوت ہے۔ یہ سب علوم کس نے سکھائے؟ سب رب تعالیٰ نے ہی سکھائے۔ چنانچہ حضرتِ آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ۵ (ترجمہ) اللہ کریم نے حضرتِ آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء یعنی علوم سکھا دیئے۔ حضرتِ آدم اول نبی ہیں:۔ باعتبارِ نبوت اصلِ انبیاء کرام ہیں۔ اور قاعدہ مشہور کے مطابق كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ ۵:۔ ہر شئے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ تو تمام انبیاء کرام علوم میں اپنی اصل کی حیثیت پر ہیں۔ جس سے یہ ہی علوم سب میں لازم وثابت ہوئے۔ پھر دنیا جہان کا قاعدہ ہے۔ کہ جس ڈگری سے جج یا مجسٹریٹ یا تھانیدار بنایا جاتا ہے۔ وہ ڈگری ہر جج مجسٹریٹ اور تھانیدار کو حاصل ہونی لازم ہے۔ پس جاننا چاہیئے۔ کہ حضرت آدم کو یہ علوم محض نبوت کے لیئے سکھائے گئے۔ نہ کہ انسانیت یا بشریت کی بنا پر۔ ثابت ہوا۔ کہ یہ علوم نبوت کی ڈگری کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تو بوجہ قاعدہ ہر نبی علیہ السلام کے لیئے یہ ڈگری درجۂ نبوت پر فائز ہونے کے لیئے لازم ہوئی۔ اور یہ ڈگری کہاں سے ملتی ہے۔ صرف بارگاہِ ربُّ العزت سے۔ اسی لیئے فقہاء کرام فرماتے ہیں نبوت کسبی نہیں۔ بلکہ عطائی ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے حضرت سلیمان کے لیئے فرمایا:۔ وَعُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ ۵ (ترجمہ):۔ ہم گروہ انبیاء کرام پرندوں کی بولی سکھائے گئے یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام نے صرف اپنا ذکر نہ فرمایا۔ بلکہ صیغۂ جمع متکلم سے پتہ لگا۔ کہ تمام انبیاء کرام کا ذکر ہے۔ اب غور کرو کہ پرندوں کی بولیاں انبیاء کرام نے کس سے سیکھیں۔ دنیا میں کون سا مدرسہ ہے۔ جہاں یہ تعلیم ہوتی ہے۔ کون ہے بجز رب تعالیٰ کے سکھانے والا خود فرماتا ہے:۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ط (ترجمہ):۔ اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا۔ یہ کہنا۔ کہ معاذ اللہ! انبیاء کرام دنیا کے انسانوں سے پڑھتے اور علم سیکھتے ہیں ایسی ہی بدتمیزی کی بات ہے جیسے کہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی وہابی نے اپنی کتاب براہین قاطعہ مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند ۱۳۵۵ھ کے صفحہ نمبر ۲۶ پر یہ ایسا جملہ خبیثہ لکھا۔ جس کا مفہوم ہے۔ کہ جب سے مدرسہ دیوبند بنا۔ نبی کریم نے اردو یہاں سے سیکھ لی۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا:۔ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۵ (ترجمہ):۔ اے میرے رب کریم بے شک تو نے مجھ کو سلطنت دی۔ اور باتوں کا انجام نکالنا سکھایا۔ یہاں بھی تعلیم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔ صرف قانون اور معرفت کی تعلیم ہی نہیں۔ بلکہ دنیا کی تمام صنعت کاری بھی انبیاء کرام اپنے اللہ تعالیٰ سے سیکھ کر آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم سورت انبیاء آیت نمبر ۸۰ پارہ نمبر ۱۷ پر ہے:۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ ۵ (ترجمہ):۔ اور ہم نے اُن کو اے لوگو تمہارے لیئے لباس کی کاریگری سکھائی۔ غرض کہ کسی کو طب کا علم کسی کو لکڑی کا کام خود اپنے پیارے نبیوں کو سکھایا۔ اور ایسے

مدرسے میں پڑھایا کہ کوئی انسان نہ جان سکا۔ تاکہ تمام کائنات ابلیس کے زیرِ رعب رہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:۔ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (ترجمہ):۔ ہمارے یعقوب بہت علم والے تھے۔ کیونکہ ہم نے جو ان کو سکھایا تھا۔ اور لیکن اکثر کو پتہ نہیں۔ آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے تم کو وہ سکھا دیا۔ جو تم نہ جانتے تھے۔ سورت رحمٰن میں فرمایا:۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ط خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ط (ترجمہ):۔ رحمٰن نے نبی کریم کو قرآن سکھایا۔ انسان کامل محمد مصطفےٰ کو پیدا فرمایا۔ پھر اسی وقت ان کو ساری کائنات کا بیان سکھا دیا۔ تمام مفکرین و مفسرین کے نزدیک یہاں لفظِ انسان سے مراد محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ کیونکہ دیگر انسانوں اور مخلوق کو سکھانا انبیاء کرام کی ڈیوٹی ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورت جمعہ آیت نمبر ۲:۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ط (ترجمہ) میرے نبی تمام مخلوق کے سامنے میری آیتیں تلاوت کرتے ہیں۔ (صرف تعلیم کے لیے)۔ اور ان کو پاک فرماتے ہیں۔ اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں گویا کہ بتایا یہ جا رہا ہے۔ کہ ہم تو اپنے انبیاء کو سکھاتے ہیں۔ اور باقی مخلوق کو ہمارے نبی سکھاتے پڑھاتے ہیں۔ مخلوق تو بے شمار ہے کسی نے کچھ سیکھنا ہے کسی نے کچھ۔ لیکن نبی ہر قوم میں ایک۔ بلکہ آقائے دو عالم تو ساری کائنات میں واحد نبی ہیں۔ اس لیئے ان کو سارے ہی علوم و زبانیں سکھانی لازم ہیں۔ عقلاً بھی یہ بات تسلیم ہے۔ کیونکہ اگر کسی اسکول کالج میں مختلف کلاسیں بہت مضامین کی ہوں۔ اور استاد ایک ہی ہو۔ تو ماننا پڑے گا کہ یہ استاد اِس سارے کالج کے تمام علوم کا صرف ماہر ہی نہیں۔ بلکہ ہر ایک کو پڑھانے کا بھی سلیقہ رکھتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا تعلیم گاہ تو عرش و فرش تک پھیلا ہوا ہے۔ اور اِس درس گاہ کے معلم صرف انبیاءِ کرام ہیں۔ جو مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کو ہر قسم کی تعلیم دیتے رہے۔ خاص کر نبی کریم رؤف الرحیم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو قیامت تک ساری مخلوق کو پڑھانے کے لیئے تشریف لائے۔ تو اب ہر ذی عقل خود جان سکتا ہے۔ کہ انبیاء کرام اور نبی کریم کا علم کیسا ہوگا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بے شمار مقام پر اِس چیز کا ذکر فرمایا۔ کہ ہم نے اپنے نبیوں کو پڑھایا، سکھایا۔ مگر قرآن و حدیث میں ایک جگہ بھی ذکر نہیں۔ کہ کسی نبی نے کسی نبی یا غیر نبی مخلوق سے کچھ ذرہ بھر سیکھا ہو۔ یا پڑھا ہو۔ نہ کہیں ثابت۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انبیاءِ کرام مخلوق سے سیکھ سکتے ہی نہیں۔ اس کی چند وجہیں ہیں:۔

پہلی وجہ:۔ عقلاً یہ چیز روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ جس جگہ کسی شخص کو پڑھانے کے لیئے بھیجا جائے۔ وہاں پہنچ کر وہ پڑھنا نہیں۔ نہ وہ بے پڑھا جاہل ہوتا ہے۔ بلکہ کسی دوسرے مدرسے میں

پڑھ کر پڑھانے کا تجربہ سیکھ کر اُستادی کی سند حاصل کر کے پھر دوسرے مدرسے میں بطور استاد بھیجا جاتا ہے دنیا کی تعلیم گاہوں میں اُن کا نام مدرس، ماسٹر، پروفیسر وغیرہ ہوتا ہے۔ اور اُن کو پڑھنے والی مخلوق ہوتی ہے اور یہ حضرات خدا کے علم پڑھاتے ہیں۔ لہٰذا ناممکن ہے۔ کہ جس مدرسے میں پڑھانے کے لیئے آئیں۔ تو بلا پڑھے آ جائیں۔ اور وہی پڑھنا شروع کر دیں۔ ایسا عقیدہ بنانا۔ مبعوث فرمانے والے اللہ تعالیٰ کی گستاخی ہے۔ اور ایک مذاق ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ کریم نے مخلوق میں سب سے بڑا درجہ انبیاء کرام کا رکھا ہے۔ اور قانون شرعی کے مطابق دینی اور روحانی استاد کا درجہ بہر صورت شاگرد سے بڑا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ فقہاء کرام کا فرمان ہے۔ کہ دینی استاد کا درجہ والد سے بھی زیادہ ہے۔ کہ والد اولاد کو عالمِ بالا سے عالمِ اسفل کی طرف لایا۔ لیکن استاد نے پھر اسفل سے اعلیٰ پر پہنچایا۔ اور اِس لیئے کہ استاد دینی۔ خواہ شریعت کا یا طریقت کا۔ اپنے شاگرد اور مرید کا نبی کریم سے رشتہ جوڑتا ہے۔ اور وہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ باپ کا تعلق بعد وفات ٹوٹ جاتا ہے۔ چنانچہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ كُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ يَنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ اِلَّا سَبَبِيْ ط (شامی جلد اوّل باب غسلِ میت صفحہ نمبر ۸۰۳ پڑھے) ترجمہ:۔ قیامت میں تمام تعلق اور برادریاں ٹوٹ جائیں گی سوائے میرے تعلق اور رشتہ داری کے۔ اِسی لیئے بعض اولاد دینی لحاظ سے ماں باپ سے درجے میں عند اللہ زیادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن کوئی شاگرد دینی اُستاد یا مرشدِ کامل سے درجے میں بڑھ نہیں سکتا۔ اگرچہ غوث و قطب ہو جائے۔ پس چونکہ شریعت کے اِس قانون سے شاگرد کا درجہ ہمیشہ اُستادِ روحانی سے چھوٹا ہی رہتا ہے۔ اور اُدھر اللہ کے نبی کا درجہ کسی مخلوق سے کم ہو نہیں سکتا اِس لیئے دنیا کی مخلوق میں کوئی شخص نبی کا استاد نہیں بن سکتا۔ تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ ہر علم کسی مقصد کے لیئے سیکھا جاتا ہے۔ استاد وہی ہو سکتا ہے جو شاگرد کے مقصد کو پورا کرے۔ حصولِ مقصد کے بغیر تعلیم و تعلّم بیکار بلکہ ناممکن۔ مثلاً ایک شخص قرآن کریم کی صرف ادائے لفظی سیکھنا چاہتا ہے۔ تو اُس کو ہر پڑھا لکھا آدمی یا امام مسجد پڑھا دے گا۔ اگر وہ علمِ تجوید سیکھنے کا خواہش مند ہے۔ تو ایک عام امام مسجد اُس کا اُستاد نہیں بن سکتا۔ بلکہ کوئی کامل قاری ہی استاد بن کر پڑھا سکتا ہے اور اگر ایک شخص اسی قرآن کریم سے علم شریعت سیکھنا چاہتا ہے۔ تو قاری بھی اُستاد نہیں بن سکتا۔ اگر کسی نے فلسفۂ قرآنی حاصل کرنا ہے۔ تو امام رازی جیسا یگانہ روزگار ہی اُس کا استاد بن سکتا ہے۔ اگر کسی نے طریقت و معرفت کا حصول لینا ہے۔ تو عبد القادر جیلانی جیسے بزرگ ہی سکھا سکتے ہیں۔ تو پتہ لگا۔ کہ طالب معرفت کا ہر شخص استاد نہیں بن سکتا۔ قرآن مجید ایک ہی ہے۔ مگر مقصدِ حصول جدا گانہ اس بنا پر ہر ایک اُستاد نہیں بن سکتا۔ تو مقامِ غور و تفکر ہے کہ انبیاء کرام کا مقصدِ علم کیا ہوگا۔ اور جب

طالبِ طریقت کے لیئے غوثِ اعظم جیسے اُستاد کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ تو بتائیے۔ ایک نبی اللہ کی ضرورت کیا ہوگی۔ اور دنیا کا کون شخص اُس کی ضرورت کو پورا کر سکے گا۔ کس کی مجال ہے۔ کہ نبی کی استادی کا دم بھرے صحابہ کرام نے آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سیکھا۔ تو آج کائنات میں جن و ملک میں کوئی ان کا ہم پلہ نہیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرْ۔ سیکھنے والے صحابی نے کیا سیکھا اور سکھانے والے آقا صلے اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم نے کیا سکھایا۔ کسی کی ہمت نہیں۔ کہ اندازہ ہی کر سکے۔ جب ساری کائنات کا علم نبی کریم کے شاگرد و صحابی کے برابر نہیں۔ تو بتائیے۔ کہ نبی کو کون شخص پڑھا سکتا ہے بس عقل سلیم والوں کو ماننا پڑے گا۔ شعر:-

دنیا میں کسے نہ پڑھے جناب والا — شاگرد رشید حق تعالے

شعر:- انبیاء دنیا میں آتے نہیں پڑھنے کے لیئے (کیونکہ)
وہ تو آتے ہیں زمانے کو پڑھانے کے لیئے

چوتھی وجہ:- دنیا کا قاعدہ ہے۔ کہ کسی پروفیسر، پرنسپل کا شاگرد، کسی اسکول ماسٹر کی شاگردی قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ اس میں پروفیسر، پرنسپل کی بدنامی ہے۔ قانون اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی عام انسان کو بھی کسی ڈیوٹی پر بھیجا ہوتا ہے تو پہلے اسکو کامل بنا لیتے ہیں پھر اسکو بھیجتے ہیں لیکن اللہ جل شانہٗ اپنے انبیاء کرام کو اکمل ترین بنا کر مبعوث فرماتا ہے۔ اور ہر فن میں اکمل تر فرماتا ہے۔ اس لیئے کہ انبیاء کرام کو کائنات کی سرداری کا تاج بخشا جاتا ہے۔ کسی طرح کمی کیسے ہو سکتی ہے۔ دیکھو قوم صالح پہاڑ کاٹنے اور سنگتراشی میں کامل تھے۔ تو اللہ کریم نے صالح علیہ السلام کو ایسا اکمل ترین بنا کر بھیجا۔ کہ انہوں نے پتھر سے زندہ اونٹنی نکال کر دکھا دی۔ قوم نوح لکڑی کی اشیاء بنانے میں کامل تھی۔ تو نوح علیہ السلام کو ایسا اکمل بنا کر بھیجا۔ کہ دنیا میں بغیر کسی سے سیکھے۔ گیارہ منزلہ بحری جہاز بنا کر عقول البشری کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ قوم داؤد اوزار بنانے میں کامل تھی۔ تو اللہ جل شانہٗ نے داؤد علیہ السلام کو ایسا اکمل تر بنا کر بھیجا۔ کہ لوہے کو موم کر کے اقوام عالم کو حیران کر دیا۔ قوم موسیٰ اپنے فن میں ماہر تھی۔ کہ رسیوں، بانسوں کو سانپ بنا سکتی تھی۔ مگر اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ جَلَّ جَلَالُہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا اکمل تر بنا کر بھیجا۔ کہ انہوں نے ایسا سانپ بنا کر دکھایا۔ کہ جو ستر ہزار سانپوں کو کھا کر پھر ویسی ہی پتلی سی لاٹھی بن جائے۔ قوم مسیح طب کے علاوہ کھلونا سازی میں کامل تھی۔ رب اکرم نے مسیح علیہ السلام کو ایسا اکمل تر بنا کر بھیجا۔ کہ مٹی کے پرندے اڑا کر بھی دکھا دیں۔ اہلِ عرب کو اپنے تکلم پر بڑا ناز اور افسانہ گوئی فصاحت و بلاغت میں کامل تھے۔ تو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم کو ایسا اکمل الاکملین بنا کر بھیجا۔ جنہوں نے ایسا قرآن سنایا۔ کہ عرب کی فصاحت و بلاغت نے

دم توڑ دیا ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَبَائِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ؕ ۔ دنیا میں کونسا ایسا مدرسہ ہے ۔ جہاں یہ چیزیں سکھائی جاتی ہوں ۔ پس ماننا پڑے گا ۔ کہ اللہ تعالیٰ سے ہی پڑھ کر سیکھ کر انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے دنیا کے سب استاد صرف کامل بنا سکتے ہیں ۔ اکمل تر بنانا رب کا ہی کام ہے ۔ حضرت اشمویل علیہ السلام کا مذکورہ فی السوال واقعہ قطعاً غلط ہے ۔ کسی تفسیر سے اشارۃً بھی یہ بات ثابت نہیں ۔ کہ کسی نبی اکرم نے کچھ بھی کسی انسان یا جن ، فرشتے سے سیکھا ہو ۔ نہ ہی حضرت شمویل علیہ السلام کا بیت المقدس کے کسی عالم سے پڑھنا یا توریت سیکھنا ثابت ۔ صرف اتنا واقعہ تفسیر جمل علی حاشیہ جلالین جلد اول صفحہ نمبر ۲۲۸ پر ہے ۔ کہ :۔ فَلَمَّا كَبُرَ سَلَّمَتْهُ التَّوْرٰىةَ لَا فِيْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَكَفَّلَهُ الشَّيْخُ مِنْ عُلَمَاءِهِمْ ؕ (ترجمہ) :۔ پس جب کہ اشمویل علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے تو اُن کی والدہ محترمہ مکرمہ نے توریت شریف اُن کے سپرد کر دی ۔ اور بیت المقدس کے علماء کرام میں سے ایک شیخ کی کفالت میں دے دیا ۔ یہ تھی وہ عبارت جس سے سائل کو یا تو غلط فہمی ہوئی یا کسی وہابی دیوبندی نے فریب دیا ۔ کیونکہ یہ بات اُن کے عقیدے سے ملتی جلتی ہے ۔ ہو سکتا ہے ۔ کہ کسی مرزائی قادیانی نے چکر دیا ہو ۔ اور ثابت کرنا چاہتا ہو ۔ کہ انبیاء لوگوں سے پڑھتے ہیں ۔ کیونکہ اُس کا مرزا غلام احمد بقول سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری ایک ہندو ماسٹر سے پڑھتا رہا ۔ بہت کند ذہن تھا ۔ بہر حال یہ بات قطعاً غلط ہے ۔ بادی النظر میں تو شائد کسی کا ذہن استادی ، شاگردی کی طرف مائل ہو ۔ لیکن بنظرِ عمیق غور کرنے سے اِس عبارت سے بھی تعلیم و تعلم کا ذرہ اشارہ نہیں ملتا ۔ اس لئے کہ اگر والدہ محترمہ کا مقصد پڑھانا ہوتا ۔ تو اولاً اتنی بڑی کتاب نہ پکڑاتیں ۔ بلکہ ابتدائی تعلیم میں چھوٹے بچوں کو قاعدہ پکڑایا جاتا ہے ۔ پوری کتاب توریت شریف کا تھما دینا اِس بات کو ظاہر کرتا ہے ۔ کہ والدہ محترمہ کو ان کی لیاقتِ خداداد کا پتہ لگ گیا تھا ۔ اور لفظِ سَلَّمَتْ بتا رہا ہے ۔ کہ توریت شریف کو ان کی حفاظت و ضمانت میں دیا تھا ۔ نہ کہ تعلیم کے لیئے :۔ باوجود اس بات کے کہ آج کل قرآن کریم کے بے شمار نسخے دستیاب ہیں ۔ پھر بھی بوجہ ادب و احترام چھوٹے بچے کو نہیں پکڑایا جاتا ۔ تو وہ زمانہ جب کہ ساری دُنیا میں صرف چند ہی عدد میں توریت شریف موجود تھی ۔ بھلا ایک عام بچے کو کس طرح دی جا سکتی تھی ۔ پھر لفظِ کفالت ، تعلیم پر دال نہیں ۔ کیونکہ کفیل صرف دیکھ بھال کرنے والے اور منتظم کار کو کہا جاتا ہے ۔ یعنی بیت المقدس کے ایک عامل عالم شیخ حضرت شمویل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدمت گار تربیت و پرورش کا انتظام کرنے کیلئے مقرر ہوگئے خلاصہ :۔ یہ کہ اس عبارت سے پڑھنا کہیں ثابت نہیں ہوتا ۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ؕ

سجدۂ تلاوت کرنے اور اسکے واجب ہونے کا بیان اور سجدوں کی تعداد

سوال نمبر ۳۷:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ع۱ سجدۂ تلاوت فرض ہے یا سنت۔ ع۲ نماز کے علاوہ سجدۂ تلاوت کس طرح کیا جائے ع۳ نماز کے اندر مثلاً تراویح میں سجدۂ تلاوت کا طریقہ کیا ہے۔ اس دفعہ ۱۹۶۳ء مطابق ہجری ۱۳۸۲ھ کے ماہِ رمضان شریف میں زید حافظِ قرآن نے تین دفعہ اس طرح سجدے تلاوت کرایا کہ تراویح دو رکعت شروع کرنے سے پہلے اعلان کیا کہ پہلی رکعت میں سجدہ ہے مگر علیحدہ سجدہ نہیں کرایا جائے گا بلکہ سب حضرات رکوع میں ہی سجدۂ تلاوت کی نیت کر لیں پھر امام حافظ مذکور نے سجدے کی آیت پڑھ کر اور چار آیتیں آگے پڑھ کر رکوع کیا جس میں سب نے سجدے کی نیت کی تھی۔ تقریباً دو یا تین سجدے اسی طرح کرائے گئے پھر لوگوں نے شور مچایا کہ یہ غلط ہے کبھی کسی کو اس طرح کرتے نہ دیکھا۔ تب حافظ مذکور نے باقی سجدے مروّجہ مشہور طریقے سے علیحدہ سجدے میں ہی کیئے اور کرائے۔ فرمایا جائے کیا یہ طریقہ صحیح ہے ع۴ سجدوں کی تعداد کتنی ہے۔ اور کس کس آیت اور پارے میں ہے۔ ع۵:۔ نماز کے علاوہ تلاوت میں سجدے کرنے کی اہمیت کیا ہے بہت سے لوگ خصوصاً عورتیں یا مسجد کے طلبا جو ختم شریف پڑھنے آتے ہیں اور پورا قرآن مجید برائے ایصالِ ثواب پڑھتے ہیں وہ سجدے نہیں کرتے۔ ہمارے سنّیوں کے ایک مولوی احترام الحق تھانوی صاحب کراچی کے رہنے والے کہتے ہیں۔ سجدوں کی اتنی اہمیت نہیں ہے۔ سجدوں کے بغیر بھی تلاوت صحیح باعثِ ثواب ہے اور ایصالِ ثواب ہو جاتا ہے۔ ہمیں ان کی اس بات پر اعتماد نہیں لہٰذا مدلل طور پر صحیح مسئلے سے آگاہ فرمایا جائے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا:۔ سائل محمد شرف الدین کراچی۔ سائل محمد ریاض خانیوال ۶۳-۶-۱۲۔ سائل حافظ رحمت علی مقام مائی دی جھگی احاطہ ع۸۴ لائلپور ۶۳-۸-۶

(نوٹ):۔ یہ استفتاء مختلف ماہ میں تین طرف سے وصول ہوا۔ کچھ تغیّر لفظی سے ہم نے تینوں کو ایک جواب ارسال کیا اس لیئے ایک سوال پر تینوں سائلوں کا نام درج ہے:۔ (ادارہ):۔

الجواب بعون العلام الوہاب

ع۱ :- سجدۂ تلاوت نہ فرض ہے نہ سنت بلکہ واجب ہے۔ چنانچہ فتاوٰے عالمگیری جلد اوّل صفحہ ۱۳۳ پر ہے :- وَالسَّجْدَةُ وَاجِبَةٌ فِیْ هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ عَلَى التَّالِیْ وَالسَّامِعِ سَوَاءٌ قَصَدَ سَمَاعَ الْقُرْاٰنِ اَوْ لَمْ یَقْصُدْ :- (ترجمہ) :- ان مندرجہ ذیل مقام میں پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے سننے والا سننے کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔ اور فتاوٰے درمختار میں ہے جلد اوّل صفحہ نمبر ۱۵ بَابُ سُجُوْدِ التِّلَاوَةِ یَجِبُ بِسَبَبِ تِلَاوَةِ اٰیَةٍ۔ ترجمہ :- تلاوت کے تمام سجدے۔ آیت سجدہ کے تلاوت کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں۔ ع۲ نماز کے علاوہ کسی بھی وقت سجدہ کی آیت تلاوت کرنے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے ادا کرنے کیلئے ایسا وقت ہونا ضروری ہے جن وقتوں میں نوافل مکروہ نہیں ہوتے وہ پانچ وقت ہیں ع۱ طلوعِ آفتاب ع۲ غروب آفتاب ع۳ زوال آفتاب ع۴ بعد نماز عصر ع۵ بعد نمازِ فجر۔ ان وقتوں میں اگر تلاوت کی تو سجدہ اس وقت نہ کرے۔ بلکہ جب صحیح وقت آجائے تب سجدہ ادا کرے۔ اور سجدہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کھڑا ہو جائے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ اکبر کہتا ہوا سجدے میں گر جائے اور بالکل اسی طرح سجدہ کرے جس طرح نماز کا سجدہ ہوتا ہے۔ تین مرتبہ سجدے کی تسبیح پڑھے۔ اس کے بعد یہ سجدے میں پڑے پڑے یہ دعا پڑھے :- اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ هٰذِهِ السَّجْدَةَ التِّلَاوَةِ ذُخْرًا فِیْ یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَنُوْرًا عَلَى الصِّرَاطِ یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا رَبِّ :- (ترجمہ) :- یا اللہ میرے اس سجدۂ تلاوت کو قیامت کیلئے ذخیرہ بنا اور پل صراط پر نور بنا۔ اے میرے رب اے میرے رب اے میرے رب۔ سجدۂ تلاوت میں وہی شرطیں ہیں جو سجدۂ نماز میں ہیں۔ یعنی جسم پاک باوضو۔ لباس پاک۔ جگہ پاک۔ طریقۂ ادا سر سے پیر تک بہت احتیاط سے پیشانی بھی زمین سے لگے اور دونوں پیر کی انگلیاں بھی قبلہ رخ ہوں چار پائی اور نرم فوم یا گدے پر نہ یہ سجدہ جائز نہ سجدۂ تلاوت۔ جب سجدے سے فارغ ہو تو اسی طرح اللہ اکبر کہکر کھڑا ہو جائے۔ یہ ایک سجدہ مکمل ہوا نہ سلام پھیرے نہ ہاتھ باندھے نہ تشہد پڑھے۔ کھڑے ہو کر سجدے کرنا مستحب ہے۔ بیٹھ کر بھی کر سکتا ہے۔ جو چیزیں نماز کو توڑتی ہیں وہی سجدۂ تلاوت کو توڑتی ہیں مثلاً بے وضو ہونا۔ ناپاکی لگنا سجدے میں زور سے ہنسنا۔ چنانچہ فتاوٰے عالمگیری جلد اوّل ص ۱۳۵ پر ہے :- وَشَرَائِطُ هٰذِهِ السَّجْدَةِ شَرَائِطُ الصَّلٰوةِ اِلَّا التَّحْرِیْمَةَ :- ترجمہ :- سجدۂ تلاوت کی تمام شرطیں وہی ہیں جو نماز کی ہیں سوائے ہاتھ اٹھا کر تحریمہ کہنے کے۔ یعنی

سجدۂ تلاوت کے لیئے نہ ہاتھ اٹھایا جائے نہ تکبیر تحریمہ کہی جائے ۔ فتاوٰے عالمگیری نے مزید فرمایا کہ اگر گھوڑے پر بیٹھ کر تلاوتِ آیتِ سجدہ کی تو گھوڑے پر سجدہ جائز ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ بھی جائز نہیں کیونکہ سجدۂ تلاوت واجب ہے اور واجب نماز تو گھوڑے یا چلتی سواری پر جائز نہیں۔ اسی طرح یہ واجب بھی زمین پر اُتر کر کرنا پڑے گا۔ تاکہ قبلہ رخ درست رہے۔ نماز کے علاوہ سجدۂ تلاوت کسی بھی نماز کے اندر کرنا منع ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو نماز بھی ٹوٹ جائے گی۔ اور سجدہ بھی ادا نہ ہوگا۔ یعنی مستقل علیٰحدہ سجدۂ تلاوت کیا تو۔ لیکن اگر بیرونی سجدے کو نماز کے رکوع میں یا سجدے میں نیت کر لیا تو نماز نہ ٹوٹے گی۔ البتہ سجدہ بھی ادا نہ ہوگا۔ اسی طرح کتب فقہ میں ہے ۔ نماز کے علاوہ تلاوت سے صرف اس پر سجدہ واجب ہوگا جو پڑھ رہا ہے یا سُن رہا ہے ۔ پڑھنے والے کے لیئے باھوش ہونا ضروری نہیں لہٰذا سوتے میں یا نشے میں یا عارضی بیہوشی یا عارضی جنون ۔ یا آسیب زدہ کا بحالتِ جنات کی حاضری تلاوتِ آیت سجدہ کرنے سے سجدہ واجب ہو جائے گا۔ جب وہ درست حالت میں ہو یا جاگے تو اُس کو بتایا جائے تو نے فلاں آیتِ سجدہ اُس حالت میں تلاوت کی تھی اب باوضو ہو کر سجدہ کرے لیکن سامع اگر گونگا بہرہ ، ہو یا مجنون مدہوش یا آسیب زدہ ہو تو اُس پر سجدہ واجب نہ ہوگا ۔ لیکن مقتدی اگرچہ گونگا ہو اس پر بھی امام کی تلاوت سے واجب ہو گا۔ ہاں مقتدی کی تلاوت سے کسی پر واجب نہ ہوگا۔ نہ خود پڑھنے والے پر نہ امام پر نہ دیگر مقتدیوں پر۔ اسی طرح فتاوٰے عالمگیری میں ہے۔ سجدے کی آیت ایسی آواز سے پڑھی کہ اپنے کان سُن لیں تب سجدہ واجب ہوگا۔ بشرطیکہ آیت کا آخری لفظ پڑھے ۔ اگر ساری آیت پڑھی مگر آخری لفظ چھوڑ دیا تب بھی سجدہ واجب نہ ہوگا ۔ اسی طرح صرف آیت لکھنے سے یا زبانی ہجے کرنے سے بھی سجدہ واجب نہ ہوگا ۔ جتنا جلدی ہو سکے سجدے کرے موت کا پتہ نہیں ہوتا۔ مگر مجبوراً تاخیر بھی جائز ہے ۔ نمبر ۳ نماز کے اندر سجدے کی آیت تلاوت کرنے سے بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ مگر اُس کی ادا کے تین طریقے ہیں ۔ پہلا طریقہ عام مشہور اور مروّج ہے ۔ اور تراویح میں یہی کرنا چاہیئے دوسرے دو طریقے بحالتِ مجبوری یعنی وقت کی کمی کی بنا پر جائز کیئے گئے ہیں ۔ اس لیئے تراویح میں وہ طریقہ نہ اختیار کرنا چاہیئے ۔ پہلا طریقۂ مشہورہ کہ جس رکعت میں جس وقت پوری آیتِ سجدہ تلاوت کر لی گئی اُسی وقت کھڑے ہو کر فوراً سجدے میں چلا جائے اور صرف سجدے کی تین تسبیح پڑھ کر پھر اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو کر رکعت پوری کرے ایک دو آیت اور پڑھ کر پھر نماز کے رکوع سجدے میں نیت نہ کرے ۔ نماز کے سجدے میں کوئی دعا وغیرہ نہ پڑھے ورنہ نماز ٹوٹ جائے گی ۔ دوسرا طریقہ یہ کہ سجدے کی آیت تلاوت کرکے

فوراً رکوع میں چلا جائے اور سب مقتدی وا امام اسی رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلیں تو یہ رکوع اس وقت نماز کا رکوع اور تلاوت کا سجدہ شمار ہوگا۔ یعنی ایک کام سے دو فائدہ حاصل کئے گئے تیسرا طریقہ یہ کہ آیتِ سجدہ کے تلاوت کرتے ہی نماز کا رکوع کرے پھر نماز کا سجدہ کرے اور پہلے سجدے میں ہی سجدۂ تلاوت کی نیت کرے۔ مگر یہ دونوں طریقے بحالتِ مجبوری ہیں۔ مجبوری یہ ہے کہ کوئی شخص نماز فجر میں آیت سجدہ تلاوت کرے اور طلوع آفتاب بالکل قریب ہو سجدۂ تلاوت علیحدہ مستقل کرنے سے وقت نماز ختم ہونے کا اندیشہ ہو تو رکوعِ نماز یا سجدۂ نماز میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنے کی اجازت دی گئی یہی دشواری نمازِ عصر میں غروبِ آفتاب سے یا بعد نماز عصر سورج پیلا ہونے کے قریب گذشتہ ایام کی نماز قضا کرتے وقت آیت سجدہ کے تلاوت ہو جانے سے پیش آسکتی ہے۔ ایک مجبوری سورت اقرأ میں بھی پیش آجاتی ہے۔ کہ سورت اقرأ کی آخری آیت میں سجدہ ہے۔ اس آیت کے لیئے بھی نماز میں مستقل سجدہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مستقل سجدے کے لیئے لازم ہے کہ پھر اٹھ کر دو تین آیتیں پڑھ کر پھر نماز کا رکوع سجدہ کرے مگر یہاں نہیں ہوسکتا کیونکہ سورت ختم ہوگئی لہٰذا اس سجدے میں بامر مجبوری دوسرا اور تیسرا طریقہ ہی اپنایا جائے گا۔ یعنی رکوعِ نماز یا سجدۂ نماز میں ہی سجدۂ تلاوت کی نیت کرنی پڑے گی۔ اگرچہ سورۂ اعراف وسورہ نجم کی آخری آیت سجدہ ہے مگر یہ بڑی سورتیں ہیں ان کے ساتھ دوسری سورت پڑھی جاتی ہے۔ مگر اقرأ چھوٹی ہے ایک رکعت میں ایک ہی پڑھی جاتی ہے۔ پس حفاظ حضرات کو چاہیئے کہ تراویح میں تیرہ سجدے پہلے مشہور طریقے پر کریں اور آخری سجدہ دوسرے یا تیسرے طریقے سے کریں۔ لیکن مذکورہ فی السوال حافظ امام نے جو طریقہ اختیار کیا وہ قطعاً غلط ہے۔ کہ اس نے آیتِ سجدہ تلاوت کرکے فوراً رکوع نہ کیا بلکہ چند آیات اور پڑھ کر پھر نماز کا رکوع کیا اور اس میں ہی سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی۔ اس طرح مذکورہ فی السوال یہ تینوں سجدے ہرگز ہرگز ادا نہ ہوئے۔ چنانچہ فتاوٰے عالمگیری جلد اوّل صـ ۱۳۳ پر ہے:۔ وَاِنْ قَرَءَ آیَۃَ السَّجْدَۃِ فِی الصَّلٰوۃِ فَاِنْ کَانَتْ فِیْ وَسْطِ السُّوْرَۃِ فَالْاَفْضَلُ اَنْ یَّسْجُدَ ثُمَّ یَقُوْمَ وَ یَخْتِمَ السُّوْرَۃَ وَیَرْکَعَ وَلَوْ لَمْ یَسْجُدْ وَرَکَعَ وَنَوَی السَّجْدَۃَ یُجْزِیْہٖ قِیَاسًا وَبِہٖ نَاْخُذُ وَلَوْ لَمْ یَرْکَعْ وَلَمْ یَسْجُدْ وَاَتَمَّ السُّوْرَۃَ ثُمَّ رَکَعَ وَنَوَی السَّجْدَۃَ لَا یُجْزِیْہٖ وَلَا یَسْقُطُ عَنْہُ بِالرُّکُوْعِ وَعَلَیْہِ قَضَاءُ ھَا بِالسُّجُوْدِ مَادَامَ فِی الصَّلٰوۃِ (ترجمہ):۔ نماز کے سجدۂ تلاوت کے لیئے بہتر یہی ہے کہ فوراً مستقل سجدہ کرے پھر کھڑا ہوکر ایک دو آیت پڑھکر پھر رکوعِ نماز کرے اگر فوراً آیت سجدہ کے بعد رکوع کیا اور اس میں ہی نیت سجدہ کرلیا تب بھی جائز ہے۔ لیکن اگر سجدے کی آیت کے بعد فوراً سجدہ یا رکوع نہ کیا پھر چند آیات

پڑھ کر پھر رکوع نماز میں ہی نیت سجدہ کر لیا تو یہ نا جائز ہے سجدۂ تلاوت نہ ہوگا۔ بلکہ جب تک اسی نماز میں ہے مستقل سجدہ کر کے سجدۂ تلاوت کی قضا کرے اور اس قضا کا گناہ بھی پڑے گا۔ چنانچہ اسی فتاوٰی کے ص ۱۲۵ پر ہے:۔ اَمَّا الصَّلَاتِیَّۃُ اِذَا اَخَّرَهَا حَتّٰی طَالَتِ الْقِرْءَۃُ تَصِیْرُ قَضَاءً وَیَاْثِمُ۔

ترجمہ:۔ اگر بحالتِ نماز سجدہ کی آیت پڑھ کر فوراً کسی طرح سجدہ ادا نہ کیا اور قرئت لمبی کر دی تو سجدہ قضا ہو جائے گا۔ اور نمازی گناہ گار ہوگا۔ اگرچہ نماز میں ہی قضا کرے لیکن موجودہ صورت میں تو زید نے جو سجدہ سمجھا وہ ہوا ہی نہیں اور سب نمازی بے سجدہ رہ گئے۔ سب پر گناہ ہوا سب توبہ کریں۔ کیونکہ نماز ختم ہو گئی قضا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح فتاوٰی بحرالرائق جلد دوم ص ۱۲۲ پر ہے کہ افضلیت مستقل سجدہ کرنے میں ہے باقی دو طریقے یعنی نماز کے رکوع سجود میں نیت کر لینی تو مندرجہ مجبوریوں کے تحت جائز کیے گئے ہیں۔ اور اسی بحرالرائق کے ص ۱۱۹ پر ہے:۔ اِذَا تَلٰی اٰیَۃَ السَّجْدَۃِ وَلَمْ یَسْجُدْ وَلَمْ یَرْکَعْ حَتّٰی طَالَتِ الْقِرْءَۃُ ثُمَّ رَکَعَ وَنَوَی السَّجْدَۃَ لَمْ تَجُزْ چنانچہ فتاوٰے درمختار علی شامی جلد اوّل ص ۲۲ پر ہے:۔ وَلَوْ تَلَاهَا فِی الصَّلَاۃِ سَجَدَهَا فِیْهَا لَا خَارِجَهَا لِمَا مَرَّ وَاِذَا لَمْ یَسْجُدْ اَثِمَ فَتَلْزِمُہُ التَّوْبَۃُ:۔ اس کی شرح فتاوٰے شامی کے اسی صفحہ پر یہی لکھا ہے:۔ (ترجمہ):۔ اور اگر آیت سجدہ نماز میں پڑھی تو سجدہ بھی نماز میں ہی کر سکتا ہے۔ بعد نماز نہیں کر سکتا۔ اگر نمازیوں نے سجدہ نہ کیا تو گناہ گار ہوئے سچی توبہ کرنی لازم ہے۔ اور فتاوٰی بحرالرائق جلد دوم ص ۱۲۲ پر ہے:۔ اِذَا لَمْ یَسْجُدْ فِی الصَّلٰوۃِ حَتّٰی فَرَغَ فَاتَتْہُ بِاِثْمٍ لِاَنَّہٗ لَمْ یُؤَدِّ الْوَاجِبَ وَلَمْ یُمْکِنْ قَضَاءُهَا لِمَا ذَکَرْنَا وَهٰذَا مِنَ الْوَاجِبَاتِ الَّذِیْ اِذَا فَاتَ وَقْتُہٗ تَقَرَّرَ الْاِثْمُ عَلَی الْمُکَلَّفِ وَالْمَخْرَجُ لَہٗ عَنْہُ التَّوْبَۃُ کَسَائِرِ الذُّنُوْبِ:۔

ترجمہ وہی ہے جو اوپر گزرا۔ اور توبہ کا طریقہ کتبِ تصوف میں اس طرح لکھا ہے۔ کہ سب گنہگار مجرم ایک جگہ باوضو نفل دو رکعت پڑھیں اور بتوسطِ آقا صلی اللہ علیہ وسلم رب کریم کی بارگاہ میں توبہ کریں اور معافی مانگیں گناہ کا نام بھی لیں۔ اگر گناہ مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ بڑا رحیم و کریم ہے۔ آئندہ کے لیے ایسی خلافِ شرع حرکت نہیں ہونی چاہیے۔ بہر حال زید مذکور نے اپنی نادانی سے سب نمازیوں کو گناہ میں مبتلا کر دیا اور خود زیادہ مجرم بنا۔ ان عبارات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کے اندر تو سجدۂ تلاوت فوراً کرنا چاہیے۔ ایک آیت بھی دیر لگے تو قضاء مگر نماز کے علاوہ جب بھی ادا کرے گا ادا ہی ہوگا قضا نہ ہوگا اگرچہ دیر منع ہے۔ چنانچہ فتاوٰے ہندیہ جلد اوّل ص ۱۳۵ پر ہے:۔ وَاَدَاؤُهَا لَیْسَ عَلَی الْفَوْرِ حَتّٰی لَوْ اَدَّاهَا فِیْ اَیِّ وَقْتٍ کَانَ۔ یَکُوْنُ

مُؤَدِّیًا لَا قَاضِیًا - (ترجمہ وہی ہے جو اوپر گذرا) بحالتِ رکوع یا سجدۂ نماز میں سجدۂ تلاوت کی
نیت کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ سب مقتدیوں کو پہلے بتا دیا جائے تاکہ وہ بھی نیت قائم کرلیں بخلاف
مستقل سجدے کے کہ اس میں اگر پہلے نہ بھی بتایا گیا تو رواجی طور پر ہر نمازی فوراً سمجھ جائے گا کہ یہ
سجدۂ تلاوت ہے۔ اگرچہ بتا دینا پھر بھی بہتر ہے تاکہ نابینا لوگوں کو دھوکہ نہ لگے اور حسبِ عادت رکوع
میں ہی نہ اٹک جائیں جب کہ باقی سب سجدے میں ہوں۔ ع۴ تلاوت کے سجدے تین ائمہ مجتہدین
امام اعظم امام شافعی امام احمد حنبل کے نزدیک چودہ۱۴ ہیں یہاں ہم پارے اور سورتوں کے نشان بتاتے
ہیں۔ اور آیت کا صرف نمبر بتایا جائے گا۔ آیت کی عبارت نہ لکھی جائے گی تاکہ فتویٰ پڑھنے والے کو
سجدہ نہ پڑے:۔ پہلا سجدہ پارہ ع۹ سورت الاعراف آیت نمبر ع۲۰۶ دوسرا سجدہ پارہ ع۱۳
سورۃ رعد آیت ع۱۵ تیسرا سجدہ پارہ ع۱۴ سورۃ نحل آیت ع۵ چوتھا سجدہ پارہ ع۱۵
سورۃ الاسراء آیت ع۱۰۹ پانچواں سجدہ پارہ ع۱۶ سورۃ مریم آیت ع۵۸ چھٹا سجدہ پارہ ع۱۷
سورۃ حج آیت ع۱۸ ساتواں سجدہ پارہ ع۱۹ سورۃ فرقان آیت ع۶۰ آٹھواں سجدہ پارہ ع۱۹
سورۃ نمل آیت ع۲۶ نواں سجدہ پارہ ع۲۱ سورۃ سجدہ آیت ع۱۵ دسواں سجدہ پارہ ع۲۳
سورۃ ص آیت ع۲۴:۔ گیارھواں سجدہ پارہ ع۲۴ سورۃ حٰم آیت ع۳۸ بارھواں سجدہ پارہ ع۲۷
سورۃ نجم آیت ع۶۲ تیرھواں سجدہ پارہ ع۳۰ سورت انشقاق آیت ع۲۱ چودھواں سجدہ پارہ ع۳۰
سورۃ اِقْرَاْ آیت ع۱۹ یہ تھے قرآن مجید کے وہ چودہ سجدے جن کی آیتیں تعداد میں تین اماموں کا اتفاق
ہے۔ مگر امام مالک فرماتے ہیں کہ سجدے صرف گیارہ عدد ہیں۔ امام شافعی اور ہمارا اس بات میں اختلاف
ہے کہ ہمارے نزدیک سورۃ حج میں ایک سجدہ اور سورۃ صٓ میں ایک سجدہ۔ لیکن امام شافعی فرماتے
ہیں کہ سورہ صٓ میں کوئی سجدۂ تلاوت نہیں بلکہ داؤد علیہ السلام کا سجدۂ شکر ہے۔ اور سورہ حج میں دو۲
سجدے ہیں ہمارا قول ہے کہ یہ سجدۂ صٓ حضرت داؤد کے لیئے شکر تھا مگر ہمارے لیئے واجب ہے
دوسرا اختلاف ائمہ کا یہ ہے کہ تمام سجودِ تلاوت واجب ہیں یا سنت۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ تمام سجدے واجب ہیں۔ ہمارا مسلک تو فتاویٰ شامی
جلد اوّل ص۵۱۷ فتاویٰ بحرالرائق جلد دوم ص۱۱۹ فتاویٰ فتح القدیر جلد اوّل ص۳۸۲ سے ظاہر ہے
امام احمد کا مسلک مُغنی لابنِ قدامہ جلد اوّل ص۴۴۵ پر اسی طرح درج ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ
امام احمد شافعی مالک علیہم الرحمۃ یہ سب بزرگ سجودِ تلاوت کو سنت مانتے ہیں جیسا کہ ان کی کتب میں
لکھا ہے۔ چنانچہ بلغۃ السالک مالکی فقہ جلد اوّل ص۱۴۱ اور شافعی فقہ مغنی المحتاج جلد اوّل ص۲۱۴ پر ایسا ہی ہے

بہر حال شافعی یا مالکی حنبلی ہوں یا کوئی اور دلائل و مسائل میں امام اعظم کے شاگردوں کے برابر بھی نہیں بعد کے غیر مقلد وہابی صرف امام اعظم کی گستاخی کرنا ہی جانتے ہیں۔ اور گستاخی کرتے ہوئے امام اعظم کو صاحب الرائے کہتے ہیں۔ امام اعظم سے زیادہ نہ امام شافعی کو حدیث آتی ہے نہ امام مالک و امام حنبل کو۔ یہ سب تینوں ائمہ امام اعظم کے بالواسطہ یا بلاواسطہ حدیث و فقہ میں شاگرد ہیں۔ سجدۂ تلاوت کے واجب ہونے پر امام اعظم کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:۔

پہلی دلیل:۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے سورۂ انشقاق آیت ۲۱:۔ وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْہِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ۔ (ترجمہ):۔ اور جب اُن کے سامنے قرآن مجید پڑھا جائے تو سجدہ نہیں کرتے۔ اِس آیت سے ثابت ہوا کہ آیاتِ سجدہ کے تلاوت سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ سجدہ نہ کرنا کفار کی نشانی بتایا گیا کیونکہ یہاں ذکر کفار کا ہے لہٰذا یہ وجوب سجدہ کے بارے میں تاویلاً اقتضاءاً النص ہے اور اقتضاء النص دلیل ظنی ہوتی ہے۔ یہ آیت وجوب سجدۂ تلاوت کے حق میں قطعی الثبوت ظنی الدلالت ہے۔ اور ایسی دلیل سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ نہ کہ فرض یا سنت چنانچہ فتاوٰے شامی جلد اوّل صفحہ ۸۷ پر ہے:۔ اَلثَّانِیْ قَطْعِیُّ الثُّبُوْتِ ظَنِّیُّ الدَّلَالَۃِ کَالْاٰیَاتِ الْمُؤَوَّلَۃِ (الخ)، وَبِالثَّانِیْ وَالثَّالِثِ اَلْوَاجِبُ وَکَرَاہَۃُ التَّحْرِیْمِ:۔ (ترجمہ):۔ جن کلمات طیبات کا ثبوت قطعی ہو لیکن کسی خاص مسئلہ پر دلالت ظنی ہو۔ جیسے تاویل کی گئی آیات وہ دوسری قسم کی دلیل ہیں اُن سے کرنے والے اعمال میں واجب کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور نہ کرنے والے کاموں کو مکروہ تحریمی بنا دیا جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کی اس آیت نے سجدۂ تلاوت کو واجب بنا دیا۔ **دوسری دلیل:۔** اِس آیت پاک میں کفار کی نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ آیات کی تلاوت کے وقت سجدہ نہیں کرتے اور مسلمانوں کو کفار کی مخالفت ہر طرح کرنی واجب ہے چنانچہ فقہ اسلامی کی مشہور کتاب فتاوٰی فتح القدیر جلد اوّل صفحہ ۳۸۲ پر اور فتاوٰی بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۱۹ پر باب سجدۂ تلاوت میں ہے۔ وَمُخَالِفَۃُ الْکَفَرَۃِ وَاجِبٌ ترجمہ آیاتِ سجدہ میں بہت جگہ کفار کے سجدہ نہ کرنے کا ذکر ہے اور بہت آیات میں انبیاءِ کرام کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کو انبیاءِ کرام کی متابعت اور کفار کی مخالفت واجب ہے۔ سجدے میں متابعت اور مخالفت کیا ہے یہی کہ سجدہ کیا جانا واجب ہو:۔

تیسری دلیل:۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے:۔ وَاَخْرَجَ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ فِیْ مُصَنَّفِہٖ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَجْدَۃٌ

عَلٰی مَنْ سَمِعَهَا وَعَلٰی مَنْ تَلَاهَا- دوسری حدیث شریف بخاری شریف میں تعلیقًا ہے:-
اَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ وَعَنِ الزُّهْرِیِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّ عُثْمَانَ مَرَّ بِقَاصٍ فَقَرَءَ سَجْدَةً لِیَسْجُدَ مَعَهُ عُثْمَانُ فَقَالَ عُثْمَانُ اِنَّمَا السُّجُوْدُ عَلٰی مَنِ اسْتَمَعَ (ترجمہ) فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے سجدے کی آیت پڑھنے والے اور سننے والے پر ۔ ۲ بخاری شریف میں تعلیقًا روایت ہے کہ عثمان غنی نے بھی یہی فرمایا کہ سننے والے پر بھی سجدہ لازم ہے - اس حدیثِ پاک میں لفظِ علیٰ آیا ہے - جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے چنانچہ شرح عنایہ جلد اوّل صفحہ ۳۸۲ پر ہے :- وَعَلٰی کَلِمَةُ اِیْجَابٍ - (ترجمہ) :- اور حرف علیٰ واجب کو ثابت کرنے والا ہے - فتح القدیر جلد اوّل صفحہ ۳۸۲ پر ہے - یعنی لفظِ علیٰ مِنْ صِیَغِ الْاِلْزَامِ - (ترجمہ) :- علیٰ کا حرف لزوم پیدا کرتا ہے - قرآن و حدیث کے ان تمام دلائل سے بہت مضبوط طریقے سے ثابت ہوا کہ تلاوت کے تمام سجدے واجب ہیں - ہماری پیش کردہ یہ روایتیں خبرِ واحد ہیں اور خبرِ واحد سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے دیکھو فتاوٰے شامی جلد اوّل صفحہ ۸۷ حنبلی مالکی شافعی حضرات کے پاس صرف ایک دلیل ہے جس سے وہ سجدوں کو سنّت کہہ دیتے ہیں - چنانچہ فقہ شافعی مغنی المحتاج جلد اوّل صفحہ ۲۱۴ پر ہے :- وَلِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ - اُمِرْنَا بِالسُّجُوْدِ یَعْنِیْ لِلتِّلَاوَتِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ اَصَابَ وَمَنْ لَمْ یَسْجُدْ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ - (ترجمہ) :- ابن عمر رضی کا قول ہے کہ ہم مسلمان تلاوت کے سجدوں کا حکم دیئے گئے تو جو شخص سجدہ کرے وہ درست ہے اور جو شخص سجدہ نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں - یہ تھی مخالفوں کی دلیل مگر یہ دلیل چار وجہ سے ناقابلِ قبول ہے - پہلی وجہ یہ کہ یہ روایت بے سند ہے - لہٰذا مجہول ہے اور مجہول روایت قابلِ قبول نہیں ہوتی - جو روایت ہم نے پیش کی ہے اُس کی مضبوط سند ساتھ موجود ہے - دوسری وجہ یہ کہ اس روایت کے الفاظ بھی مخالف کا منشا پورا نہیں کرتے - کیونکہ اس میں پہلے ہے اُمِرْنَا (ہم حکم دیئے گئے) اور حکم بلا قرینہ وجوب کو ہی ثابت کرتا ہے - پھر کہا گیا فَقَدْ اَصَابَ (اس نے درست کیا) یہاں ثواب کا ذکر نہیں - صرف درستی کا ذکر ہے - حالانکہ سنّت پر ثواب ہوتا ہے صرف درستی نہیں - درستی تو عام کام میں جائز ہوتی ہے پھر اسی میں ہے فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ اُس پر گناہ نہیں - حالانکہ ترکِ سنّت پر گناہ ہے - تیسری وجہ اس روایت کو اگر درست بھی مانا جائے - تب بھی اس سے سنّت ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ مستحب ہونا ثابت ہو رہا ہے کیونکہ یہ ابن عمر کا اپنا قول ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان سے سنیت ثابت ہوتی ہے - چوتھی وجہ یہ کہ اگر سنّت بھی ثابت ہو جائے تو لازمًا سنّتِ مؤکدہ ہی ثابت ہوگی کیونکہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تمام آیاتِ

سجدہ میں نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات تلاوت کی ہوں۔ اور سجدہ نہ کیا ہو۔ جب کہ یہ سجدہ نہ کرنا علامتِ کفر ہے۔ تو جس جس آیت کا سجدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا وہ مؤکدہ ہوگی اور مؤکدہ کا ترک بھی گناہ ہے حالانکہ مخالف کی دلیل میں لاَ اِثمَ ہے۔ خلاصہ یہ کہ مذکورہ پیش کردہ مخالفین کی دلیل بہت ہی کمزور ہے۔ اور سجدۂ تلاوت واجب ہی ہے :- سائل کے پانچویں سوال کا جواب۔ مولوی احترام الحق تھانوی وہابی ہے ان کی کوئی بات سننے کے قابل نہیں ہوتی یہ لوگ تو ایصالِ ثواب کے ہی منکر ہیں اب اِن کو ایصال ثواب کی کیا فکر پڑگئی جو تلاوت کے سجدوں کی اہمیت کو ختم کر رہے ہیں۔ خیال رہے کہ ایصالِ ثواب صرف مستحب ہے ضروری نہیں بلکہ قرونِ اُولیٰ میں اِس کو کبھی بھی اتنی اہمیت نہیں دی گئی جتنی کہ اب ایک رواج لازمی بن گیا ہے۔ اسی رواج نے تلاوت کے اصل مقصد کو ختم کر دیا۔ اسی رواج سے امیر لوگوں نے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے خود تلاوت کرنا ہی چھوڑ دی۔ بس دینی مدرسوں کے طلبا کو بلایا اور کچھ روپے دیئے قرآن مجید پڑھوالیا ایصالِ ثواب کرادیا۔ حالانکہ شرعاً ایسی اُجرت لینی اور تجارت قطعاً ناجائز ہے۔ موجودہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ قرآن مجید صرف مُردوں کو بخشنے کے لیے ہے۔ خود پڑھو نہ پڑھو۔ عمل کرو نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسے فاسد خیالات سے بچائے۔ ایصالِ ثواب نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت مگر سجدۂ تلاوت واجب جیسا کہ ہم نے دلائل کثیرہ سے ثابت کر دیا۔ اور یہ مسئلہ اپنی جگہ مسلّم ہے کہ عبادت میں واجب رہ جائے تو عبادت ناقص ہوتی ہے دیکھو کتب فقہ بابُ الکراہت۔ بابُ السّہو وغیرہ۔ تلاوت عبادت ہے اُس کے سجدے تلاوت کے واجب ہیں۔ جب سجدۂ تلاوت ادا نہ ہوگا اس محفل کی تلاوت ناقص ہوگی اور ناقص عبادت کا ایصالِ ثواب بہتر نہیں۔ ترکِ واجب گناہ ہے چنانچہ فتاویٰ شامی جلد اوّل ص۳۰۸ پر ہے۔ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ مُؤَوِّلًا وَاِذَا مُتَخَفِّفًا یَفْسُقُ بِخُرُوْجِهٖ عَمَّا اعْتَقَدَ بِتَرْکِ مَا وَجَبَ عَلَیْهِ۔ ترجمہ :- اگر کوئی شخص نہ تو واجب کی تاویل کر سکتا ہو نہ واجب کو بیکار اور ہلکا سمجھنے والا ہو صرف سستی غفلت سے واجب کام چھوڑ دے تو وہ سخت گنہگار ہوگا اس لیے کہ وہ اطاعتِ شریعت سے نکل گیا واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے یہی وجہ ہے کہ اندرونِ نماز سجدۂ تلاوت کی تاخیر متفقاً مکروہ تحریمی ہے۔ اور علاوہ نماز کا سجدۂ تلاوت ایک جگہ کرنا اکثر فقہاء کرام کے نزدیک مکروہ ہے۔ چنانچہ فتاویٰ بحرالرائق جلد دوم ص۱۲۱ پر اور طحطاوی شریف ص۲۶۰ پر ہے :-

وَیُکْرَهُ تَاخِیْرُ السُّجُوْدِ عَنْ وَقْتِ التِّلَاوَةِ فِي الْاَصَحِّ اِذَا لَمْ یَکُنْ مَکْرُوْهًا لِاَنَّهٗ بِطُوْلِ الزَّمَانِ قَدْ یَنْسٰی

ترجمہ :- صحیح مذہب یہ ہے کہ اگر تلاوت مکروہ وقت نہ ہو تو تلاوت کر کے سجدے میں دیر لگانا سخت مکروہ ہے۔ اس لیے کہ دیر لگنے سے وہ بھول بھی سکتا ہے۔ اور واجب کا بھول کر چھوڑ دینا سخت گناہ ہے خاص کر ان غفلتوں کے زمانے میں اور دین سے بے رغبتی کے دور میں لہٰذا یہ حکم لگانا اشد ضروری ہے کہ تلاوت کے بعد فوراً سجدے کرو۔ اور سجدوں کے بعد ایصالِ ثواب کرو۔ سجدوں سے پہلے ایصالِ ثواب نہ کریں۔

جو ایصالِ ثواب کو سجدوں سے زیادہ اہمیت دے وہ فاسق اور گمراہ ہے غور تو کرو کہ جس نے ثواب عطا
کرنا ہے اسی کے وجوبی حکم کی تم پرواہ نہیں کرتے تو ثواب پہنچے گا کس طرح۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ تاخیر
سجدۂ تلاوت آخر عمر تک جائز ہے۔ مگر یہ قول غلط اور غیر مفتی بہ ہے وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔
کتبہ

قریب قیامت قرآن مجید اٹھائے جانے کا بیان

سوال ۳۸۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں۔ کہ قرآن مجید کس طرح اٹھایا جائے گا۔ اور کیا کوئی حدیث
اس بارے میں ہے تو اس کے الفاظ نقل فرما دیں مع حوالہ کتب۔ فقط والسلام

نور محمد سکنہ ٹنڈوالہیار حیدر آباد سندھ

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ط

اَلْجَوَاب

قریب قیامت ملک شام کی طرف سے سرخ آندھی چلے گی، جہاں جہاں وہ ہوا پہنچے گی۔ وہاں وہاں قرآن مجید کے ورقوں
سے الفاظ ختم ہو جائیں گے چنانچہ حدیث پاک میں ہے:۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ یُطْرِقُ النَّاسَ رِیْحٌ
حَمْرَاءُ یَعْنِیْ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ مِنْ قِبَلِ الشَّامِ فَلَا یَبْقٰی فِیْ مُصْحَفِ رَجُلٍ وَلَا فِیْ قَلْبِہٖ اٰیَۃٌ
محولہ از تفسیر ابن کثیر جلد سوم پارہ پندرہ ۱۵ زیر آیت ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیک صفحہ ۶۲ ط

اسی طرح اور بھی روایات ہیں جن میں واضح بیان ہے کہ کاغذ سے الفاظ اڑ جائیں گے۔ واللہ ورسولہ اعلم
کتبہ

نماز میں قرآن مجید صحیح پڑھنے کا بیان

سوال ۳۹:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متیں اس مسئلہ میں کہ الف اور عین میں تمام لوگ قرآن پاک پڑھنے میں فرق
نہیں کرتے زبیں فرق نہیں کرتے ذ اور ظ میں فرق نہیں کرتے۔ ض کی جگہ د پڑھنا اگر سمجھایا اور بتایا جائے۔ تو وہ کہتے ہیں۔ کہ اسی
طرح آتا ہے۔ خدا تعالیٰ قرأت کے متعلق کیا فرماتا ہے۔ حرف کے صحیح ادا ہونے پر۔ یعنی یہ پتہ نہ لگے کہ میں نے کیا پڑھا ہے۔
تو ایسے لوگوں کے لیے فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے۔ قرآن مجید کے تلاوت کرنیکا کیا ثواب ہے۔ اور حرف کو اپنی جگہ پر
کہنے کا کیا ثواب ہے۔ اور بعض مقامات جو کہ قرآن پاک میں ایسے ہیں۔ کہ جن کی شکل لکھنے میں اور ہے پڑھنے میں اور۔
مہربانی فرما کر آپ اس کی تشریح فرمائیں

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ط

الجواب

قرآن مجید پڑھنے کے متعلق شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر تلاوت کلام پاک کی نماز میں غلطی کرتا ہے حالانکہ صحیح پڑھ سکتا ہے تو اس کی نماز فوراً ٹوٹ جائے گی اور سخت گناہ گار بھی ہوگا۔ اگرچہ غلطی معمولی ہو۔ یا بڑی۔ اور اگر جان بوجھ کر غلطی نہیں کرتا۔ بلکہ دھوکے سے زبان سے نکل جائے۔ یا پڑھنے والے کی زبان پر ہی وہ لفظ صحیح نہ آتا ہو تو اس کے دو حکم ہیں۔ ایک یہ کہ غلطی ایسی بڑی نہ ہو۔ جس سے کفر لازم آتا ہو یعنی صرف ادا کی طریقہ پر غلطی معمولی ہو۔ تب فقہاء کرام کا فیصلہ یہ ہے۔ کہ نماز نہ ہوگی۔ اور اگر غلطی کفر کی حد تک پہنچ جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی چنانچہ فتاوی قاضی خاں جلد اوّل میں ہے۔ بِذِكْرِ حَرْفٍ مَكَانَ حَرْفٍ فِي كَلِمَةٍ وَلَمْ يَتَغَيَّرِ الْمَعْنٰى بِاَنْ قَرَأَ اَنَّ الْمُسْلِمُوْنَ اَنَّ الظَّالِمُوْنَ وَمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ لَمْ تَفْسُدْ صَلٰوتُهٗ لِاَنَّهٗ لَا يُغَيِّرُ الْمَعْنٰى ط

یعنی اگر معنیٰ آیت کے نہ بدلیں۔ تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر معنیٰ بدل جائیں اور بدلنے کا فرق سب کو معلوم ہو جاتا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح فتاوی عالمگیری جلد اوّل باب زلۃ قاری میں ہے۔ اور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب الجام الصاد صہ ۱۹ پر ایسا ہی ہے۔ اور اگر ایک شخص نماز کی قرأت میں اس طرح غلطیاں کرتا ہے کہ ج کو ز اور ز کو ج یا ض کو ظ یا ظ کو ز یا ض کو د پڑھتا ہے اور الف کو ع یا ع کو الف پڑھتا ہے۔ تو اگر اس کا عقیدہ ہی ایسا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہاں وہی حرف ہے جو میں پڑھتا ہوں تو نماز فوراً ٹوٹ جائے گی۔ چنانچہ شامی جلد اوّل صفحہ نمبر صہ ۵۹۱ پر ہے۔ وَاِنْ عَلِمَ اَنَّ الْقُرْاٰنَ كَيْفَ هُوَ اِلَّا اَنَّهٗ جَرٰى عَلٰى لِسَانِهٖ لَا تَفْسُدُ وَاِنْ اعْتَقَدَ اَنَّ الْقُرْاٰنَ كَذٰلِكَ تَفْسُدُ لِهٰذَا ۵ اگر حروف کو ایسا کہے تو نماز بالکل ٹوٹ جائے گی۔ اور ایسے شخص کو امام بنانا بالکل ناجائز ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اور اگر حرف کو صحیح سمجھتا ہے۔ مگر ادا کے طریقے کو غلط کرتا ہے اور صحیح کرنے پر قادر نہیں ہے۔ تو اس کے لیے معافی ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے اور جو شخص ض کو ظ یا ز کی آواز سے پڑھتا ہے۔ جیسا کہ آج کل کے وہابی وَلَا الضَّالِّيْنَ کو وَلَا الظَّالِيْنَ پڑھتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں نماز بالکل فاسد ہو جائے گی۔ چنانچہ شامی جلد اوّل میں صفحہ نمبر صہ ۵۹۲ پر ہے۔ اور ایسا ہی فتاوی عالمگیری جلد اوّل صفحہ صہ ۸۰ پر ہے۔ اور فتاوی ہندیہ صفحہ نمبر صہ ۱۴۳ پر ہے وَلَوْ قَرَأَ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ قَرَأَ بِالظَّاءِ اَوْ بِالذَّالِ تَفْسُدُ صَلٰوتُهٗ : ض کا اصلی آواز دال کو پُر کر کے پڑھنا ہے۔ بغیر پُر کئے پڑھنے سے ض نہ ہوگا د ہوگا۔ اور ہر حرف کو اُس کی اصلی آواز کے خلاف جان بوجھ کر پڑھنا بہت سخت گناہ ہے۔ اور نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم میں قرأت کی بہت احتیاط کرنی چاہئے۔ وہابی لوگ ض کو ذ کی طرح پڑھتے ہیں اور اس پر بضد ہیں۔ یہ ان کی جہالت ہے۔ حالانکہ تمام عرب اہل زبان ض کو پُر د کی طرح ہی پڑھتے ہیں۔ اہل لسان کا عمل شریعت میں مضبوط دلیل ہے۔ لہٰذا وہابیوں کے پیچھے نماز اس لیے بھی منع ہے۔

لہٰذا عرض ہے کہ آج تک کی صدیوں کے کون کون سے مجدد کس کس زمانے میں تشریف لائے؟ ان کے زمانے میں کن کن فتنوں کا ظہور تھا۔ کہ جن کو آکر ان بزرگوں نے بند کیا؟ ان مجددِ کرام کے نام گیا کیا ہیں
بَیِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا ؕ

السائل :۔ مولوی شمس الدین الٰہ آبادی کراچی مورخہ ۱/۱۲ ۱۹۶۱ء

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ؕ

قانونِ شریعت کے مطابق یہ بات حتماً مسلّم ہے۔ کہ اللہ جل شانہٗ اپنے پیارے حبیب رؤف و رحیم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ان کی امت کو ضلالت سے بچانے کے لیے ہر سو سال بعد آنے والی صدی کے بالکل ابتدا میں اپنے کسی کامل اکمل بندے کو مجددیت کا تاج پہنا کر امتِ نبی کریم کے لیے مبعوث فرماتا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد جلد دوم صفحہ ۵۸۹ کتاب الملاحم کے شروع میں پہلی حدیث ہے :۔
حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ شَرَاحِيلَ بْنِ يَزِيدَ الْمَهْدِيِّ عَنْ أَبِي عَلْقَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فِيمَا أَعْلَمُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا (ترجمہ) سلیمان بن داؤد مہدی نے ابوداؤد سے روایت کی ان سے ابن وہب نے ان کو خبر دی سعید بن ایوب نے انہوں نے شراحیل بن یزید مہدی سے روایت لی انہوں نے علقمہ سے انہوں نے ابوہریرہ سے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ میری امت کے لیے ہر صدی کے شروع میں مبعوث فرماتا رہے گا۔ ایسے شخص کو جو دین پاک کو صاف ستھرا کرتا رہے (الخ) اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے بھی روایت کیا۔ جامع الصغیر نے جلد اول صفحہ ۷۴ پر اس کو صحیح کہا۔ اس حدیث پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں :۔ (۱) پہلی یہ کہ ہر مجدد صرف ایک صدی کے لیے ہوگا نہ کم نہ زیادہ۔ بعض نقشبندی لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہزار سال کے مجدد ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ بلکہ آپ بھی دیگر مجددین کی طرح فقط ایک صدی کے مجدد ہیں۔ الف ثانی کا مطلب دوسرے ہزار کی ابتدا جو گیارہویں صدی ہے۔ نہ کہ پورے ہزار سال۔ کیونکہ پورے ہزار سال تو اب ہو ہی نہیں سکتے۔ قیامت قریب ہے۔ اور موجودہ نقشبندیوں کا یہ قول خود ساختہ اس حدیث منورہ کے بھی خلاف ہے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی۔ کہ جس عالم کو مجدد بنایا جاتا ہے۔ وہ اپنی بعثت کی صدی سے پہلی صدی میں پیدا ہو کر عالم واکمل مشہور ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ لفظ یَبْعَثُ

بَعْث سے بنا ہے اور بَعْث کے لغوی معنیٰ ہیں۔ کسی کام کے لیئے اُٹھ کھڑا ہونا۔ اور اس کام میں محمول و مشغول ہو جانا ہے۔ چنانچہ لغات کشوری صفحہ ۵۵ پر اور منجد عربی صفحہ ۳۹ پر ہے۔ بَعَثَہٗ عَلَی الشَّیْءِ اَیْ حَمَلَہٗ عَلٰی فِعْلِہٖ فَاَقَامَہٗ (الخ) (ترجمہ) اس شخص کو مبعوث کیا، کسی چیز پر یعنی اس کے کرنے پر مشغول کیا اور قائم کیا۔ بَعْث کا شرعی ترجمہ یہ ہے کہ پیغام خداوندی کی تبلیغ شروع کر دینا۔ اور جو خدمت دین اس کے سپرد ہوئی اس میں مشغول ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بعثتِ انبیاءِ عظام، ولادتِ انبیاءِ کرام سے تقریباً چالیس سال بعد ہوتا ہے۔ اس روایت صحیحہ میں بھی لفظ بعثت مستعمل ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اپنی تبلیغی صدی سے پہلی صدی میں اس مجدد کی ولادت و تکمیل علوم معنوی و ظاہری ہو چکی ہو۔ اور دوسری صدی شروع ہوتے ہی اس کو مبعوث کر دیا جائے۔ کیونکہ روایت کے دوسرے لفظ ہیں: عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ ہر صدی کے راس پر۔ اور راس کے معنیٰ ہیں سر یعنی بالکل ابتدا۔ اور ابتداءِ تبلیغ یعنی بعثت تب ہی ہو سکتی ہے جب کہ اس کے پہلے صدی کا کثیر زمانہ بھی پایا ہو۔ اور علوم حقیقیہ سے بھی کما حقہٗ واقف ہو چکا ہو۔

تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ ہر عالم مجدّد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس عالم یا ولی اللہ یا مختار حاکم بادشاہ وغیرہ کو مجدّد کہا جا سکتا ہے۔ کہ جس نے دو صدی کے انتہائی و ابتدائی زمانے کے پانے کے ساتھ ساتھ کسی ایسے دینی فتنے کا خاتمہ یا زور توڑا ہو۔ کہ جس کے وجود سے امت مسلمہ کے شدید گمراہ ہونے کا خطرہ تھا۔ کیونکہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک میں ہے۔ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا کہ وہ شخص اُمت مسلمہ کیلیے اس کے دین کو ستھرا کرے گا۔ چوتھی بات یہ ثابت ہوئی کہ وہ مجدد فرد واحد ہوگا۔ نہ کہ جماعت کثیرہ اگرچہ دیگر علماء اس کے معاون بن جائیں مگر اصل مجدّد فقط ایک شخص ہی ہوگا۔ اس لیے کہ حدیث مذکورہ بالا میں مَنْ اسم موصول ہے۔ جو صرف وحدت کو چاہتا ہے۔ پانچویں بات یہ ثابت ہوئی کہ مجدد کا وہ زمانہ، صحابہ کرام کے زمانے کے بعد شروع ہوا ہے۔ کوئی صحابی مجدّد نہیں اس لیے کہ روایت طیبہ میں ہے۔ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ یعنی وہ مجدّد ہر صدی کے بالکل شروع میں مبعوث ہوگا۔ جب کہ امت کی گمراہی کا سخت اندیشہ ہو تو تجدیدی کارنامے کر کے باطل فتنے کو فرو کرے۔ اکابر صحابہ میں سے کسی نے بھی صدی کا ابتداء نہ پایا۔ اس لیے کہ پہلی صدی کی ابتدا میں خود آقائے کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوئے تھے۔ اور کسی کے گمراہ ہونے کا بھی اندیشہ نہ تھا۔ دوسری صدی کی ابتدا میں دور صحابہ تقریباً انتہائی مراحل میں پہنچ چکا تھا۔ خاص کر وہ چند صحابہ کرام جن کے افعالِ طیبہ اور حسین کردار کو تجدیدی کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ وہ سب اکابر وصال ربانی فرما چکے تھے۔ جیسے صدیق اکبر فتنۂ منع زکوٰۃ و فتنۂ مسیلمہ کذاب کو مٹانے والے اور فتوحات اسلامیہ کے بانی فاروق اعظم اور قرآن کریم کے مخلوط کرنے کے فتنے کو ختم کرنے والے عثمان غنی اور جیسے کہ علی المرتضیٰ جنھوں نے اپنے عدالتی

اور فقہی فیصلوں سے دین کو عجیب طرح سے روشن کیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ مجدد نہیں۔ اس لیے کہ مجدد کا درجہ صحابہ کرام سے کم درجے پر ہے۔ صحابی کو مجدد کا درجہ دینا ایسا ہی معیوب ہے جیسا کہ وزیر اعظم کو تھانیدار کا درجہ دیا جائے۔ اسی طرح یہ کہنا ایک لحاظ سے گناہ ہے کیونکہ صحابی کی گستاخی ہے۔ کہ مجدد کا درجہ مجتہد اربعہ کے بھی بعد ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس حدیث پاک نے جہاں مجدد آنے کی خبر دی۔ وہاں مجدد کی تعریف نوعیت اور شخصیت سے بھی آگاہ کر دیا۔ تاکہ ہر ایرہ غیرہ کو مجدد نہ کہہ دیا جائے۔ اس حدیث کی روشنی میں سابقہ چودہ صدیوں کے مجددین کرام اور ان کے دینی کارناموں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) پہلی صدی کے مجدد (یعنی مجدد کی پہلی صدی نہ کہ اسلام کی) حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے خارجیوں کے فتنے کو توڑ کر تجدید اسلام فرمائی۔ آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۱۹ھ میں اور وفات شریف سنہ ۱۱۲ھ میں ہوئی۔ اس طرح آپ نے اپنی صدی کے بارہ سال پائے۔

(۲) دوسری کے مجدد امام احمد بن حنبل ہیں۔ آپ کی عمر شریف ستر سال ہوئی اور سنہ ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ آپ نے معتزلہ فرقے کو ہلاک فرمایا۔ خلق قرآن کریم کے فتنے کی بڑھتی ہوئی آگ کو بجھا کر تجدید اسلام فرمائی۔ اس زمانے میں امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ہوئے۔ مگر خدمت تجدید امام احمد کے مقدر میں ہوئی۔ اسی میں آپ کی شہادت ہوئی۔ (۳) تیسری صدی کے مجدد امام نسائی ہیں۔ جنہوں نے فرقہ جہمیہ کے باطل عقائد کو فنا کر کے مجددیت کا خطاب پایا۔ آپ کی ولادت سنہ ۲۱۵ھ میں اور وفات سنہ ۳۰۳ھ میں ہوئی۔ فرقہ جہمیہ کے چند باطل عقیدے یہ تھے۔ (۱) کہ عذاب قبر کوئی نہیں (۲) اور معاذ اللہ خالق دو ہیں (۱) خالق خیر (۲) خالق شر ان کفریہ عقیدوں کے باوجود پھر بھی یہ خود کو مسلمان کہتے تھے؛ چوتھی صدی کے مجدد امام بیہقی یا امام ابو بکر قلانی ہیں یہ دونوں بزرگ ہم زمانہ ہیں۔ انہوں نے تیسری صدی کے بیس ۲۰ سال اور چوبیس ۲۴ سال پائے۔ اور چوتھی صدی کے بیالیس ۴۲ اور پچپن سال پائے۔ اس لیے ان کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ امام بیہقی ہی مجدد ہیں انہوں نے فرقہ رافضیہ کا زور توڑا۔ اور مسلمانوں کو ان کے کفریہ عقیدوں سے بچایا اور طہران و لبنان میں تجدید اسلامی کا جھنڈا گاڑا پانچویں صدی کے مجدد امام محمد بن محمد غزالی ہیں۔ جنہوں نے فرقہ قدریہ کے باطل عقیدوں سے مسلمانوں کو بچایا۔ ان کی ولادت سنہ ۴۵۰ھ میں اور وفات سنہ ۵۰۵ھ میں ہوئی؛ چھٹی صدی کے مجدد امام فخر الدین رازی ہیں۔ جنہوں نے فرقہ جہمیہ اور فلاسفہ کے باطل عقیدوں کو اسلامی فلسفے کے ذریعے سے ہی ختم کیا اور عالم کے قدیم ہونے کے کفریہ عقیدے کا رد بلیغ فرمایا۔ انہوں نے پانچویں صدی اور چھٹی صدی کا زمانہ پایا، ساتویں صدی کے مجدد امام تقی الدین ابن دقیق عبدی ہیں۔ یہ سنہ ۶۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۷۰۲ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے ہندوستان کے بعض علاقوں میں اسلام پھیلایا اور آریہ مذہب کا زور توڑ کر ان کی غلط توحید سے جو مسلمانوں میں فتنہ پڑا تھا اس کا خاتمہ کیا۔ آپ شام سے

ہجرت کر کے ہند میں خدمت اسلام کے لیے تشریف لائے ؛ آٹھویں صدی کے مجدد حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں۔ انہوں نے بہشت بریں جانے والے بہائی مذہب کا زور توڑ دیا۔ ان کی عمر شریف تریسٹھ سال ہوئی۔ اور ۸۱۵ھ میں دفات ہوئی۔ انہوں نے اپنی صدی کے صرف پندرہ سال پائے ؛ نویں صدی کے مجدد امام جلال الدین سیوطی ہیں۔ انہوں نے بھی فلاسفہ کی پھیلتی ہوئی بے دینی اور فلسفے کے گمراہ کن چکروں سے مسلمانوں کو بچایا۔ یہاں تک کی فہرست کتاب عون المعبود شرح ابوداؤد صفحہ ۱۸۱ پر موجود ہے ؛ دسویں صدی کے مجدد ملّا علی قاری ہیں۔ جنھوں نے اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کا تختہ الٹایا ؛ گیارہویں صدی کے مجدد امام شیخ احمد سرہندی ہیں۔ جنہوں نے جہانگیر کے کفریہ قوانین سے مقابلہ کر کے مسلمانوں کو بچایا ؛ بارھویں کے مجدد امام محی الدین اورنگ زیب شہنشاہ ہند ہیں۔ ان کی ساری زندگی ملحدین سے مقابلہ کرتے گزری ؛ تیرھویں صدی کے مجدد شاہ عبدالعزیز ہیں۔ جن کی وفات شریف ۱۲۲۹ھ میں ہوئی ؛ چودھویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ جن کے کارنامے نمایاں ان کی سوانح حیات میں موجود ہیں۔ آپ کی ولادت شریف ۱۲۷۲ھ میں ہے اور وفات شریف ۱۳۴۰ھ میں ہوئی ؛

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

کتبــه

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور مَا فَوْقَ الْاَسْبَاب کے معنی

سوال ۴۰ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا لفظ آتا ہے۔ وہاں انبیاء اور اولیاء مراد ہیں اور ان سے ہی مانگنا شرک ہے۔ جو لوگ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط سے مراد بت لیتے وہ غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف فرما دیا :۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط لوگوں نے بنا لیا اپنے پادریوں اور راہبوں کو ارباباً اللہ کے سوا۔ زید کہتا ہے کہ بت کیسے مراد ہو سکتے ہیں۔ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پادریوں اور جوگیوں کو مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط فرمایا۔ ثابت ہوا کہ بت مراد نہیں ہو سکتے ہیں۔ اور پادری اور جوگی تو ان کے زندہ لوگ ہوتے ہیں اور ان کو وہ اپنا ولی وغیرہ سمجھتے ہیں۔ اور ان سے مرادیں، بخشش مانگتے ہیں۔ اسی چیز کو قرآن مجید میں برا فرمایا گیا پس اولیاء سے مانگنا بھی برا ہی ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ زید کہتا ہے۔ کہ مَا فَوْقَ الْاَسْبَاب مدد مانگنا شرک ہے مَا فَوْقَ الْاَسْبَاب مدد مانگنا نہ نبیوں سے جائز اور نہ ولیوں سے۔ اسی طرح مَا فَوْقَ الْاَسْبَاب کسی نبی، ولی کو پکارنا بھی شرک ہے،

لہٰذا فرمایا جائے کہ مِنْ دُوْنِ اللہِ اور مَافَوْقَ الْاَسْبَابِ کے کیا معنی ہیں بَیِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا ط

سائل :- مولوی نورالدین خاں عرف کشمیری بادا راولپنڈی شہر۔ مورخہ ۲۲-۸-۷۴ھ

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ ط

الجواب

سوال مذکورہ کی خشک عبارت بتا رہی ہے۔ کہ زید مسلکاً وہابی ہے۔ تقاضائے ادب یہ ہے کہ جب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہو تو علیہ السلام کہنا لازم ہے۔ اللہ کریم جل مجدہٗ کا نام پاک لکھنا یا بولنا ہو تو لفظ تعالیٰ یا جل جلالہٗ وغیرہ ضرور کہنا چاہیئے۔ اولیاء اللہ کا ذکر ہو تو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہنا اچھا ہے۔ صحابہ کرام کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا ہی ادب ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جو لفظ عام انسانوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام کے لیے استعمال کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ یا نبی کریم کو اللہ میاں یا رسول بیان کہنا گناہ ہے۔ اسی طرح اللہ صاحب یا محمد صاحب کہنا یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ ان سے وہابیوں نے بھی یہ طریقہ لے لیا۔ مگر مسلمانوں کو ایسا جائز نہیں۔ سوال مذکورہ میں لفظ انبیاء و اولیاء بغیر تعظیم کے لکھنا وہابیوں کی ہی نشانی ہے۔ سوال مذکورہ کا تحقیقی جواب سمجھنے کے لیے پہلے لفظ دُوْنَ اور مَافَوْقَ الْاَسْبَابِ کا معنیٰ سمجھنا اشد ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک یہ لفظ سمجھے نہ جائیں۔ اسی طرح غلط فہمیاں پیدا ہوتی رہیں گی۔ یہ بات اَظْهَرُ مِنَ الشَّمْسِ ط ہے کہ اگر تعصب اور عنادِ رسول علیہم السلام کی پٹی اتار کر قرآن کریم سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اور رب کریم کے کرم و مہربانی سے سچی سمجھ بھی نصیب ہو جائے۔ تو سوائے اہل سنت والجماعت بریلویہ کے کوئی اور مسلک باقی نہ رہے۔ یہ بدعقیدگیاں صرف اسی طرح سے پھیلتی ہیں۔ کہ قرآن کریم کے مطالعہ کرنے والوں کو نہ اصول کا پتہ نہ فروع کا، نہ علم صرف سے مطلب، نہ قواعد نحویہ سے نہ منطق کے ضابطوں کو جانا، نہ ادب عربی سے لگاؤ۔ نہ لغت کی گتھیاں سلجھائیں۔ نہ علم معانی میں غوطہ زن۔ حالانکہ ایک آیت سمجھنے کے لیے بھی اتنے علوم درکار ہیں۔ صاحب تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ نمبر ۹ پر فرماتے ہیں۔ قرآن کریم سمجھنے کے لیے پندرہ علوم میں مہارت ہونی لازم ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن سمجھنے کے لیے اٹھارہ علم پڑھنے لازم ہیں۔ اسی لیے درس نظامی میں پہلے دیگر علوم پڑھا کر آخر میں دورۂ قرآن و حدیث کرایا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بے شمار الفاظ ایسے ہیں کہ اگر انسان بلا سوچے سمجھے ان کا ترجمہ و تفسیر شروع کر دے۔ تو بجز گمراہی و گمراہ گری کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ انہی الفاظ میں سے ایک لفظ دُون ہے۔ یہ لفظ لغت اور اصول کے اعتبار سے کل پانچ معنیٰ میں مشترک ہے۔

علا :- دون کے معنی سواء بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جلد اول ترمذی شریف صفحہ نمبر ۳۰۲ پر ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَبْدًا مَامُوْرًا مَا اخْتَصَّنَا مِنْ دُوْنِ النَّاسِ بِشَیْءٍ اِلَّا بِثَلٰثٍ الخ (ترجمہ) روایت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صاحب امر اور صاحب اختیار بندے تھے۔ نہیں خاص کیا ہم اہلبیت کو لوگوں سے مگر تین چیزوں میں، یہاں دون کے معنیٰ سواء ہیں۔ اس لیے کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ اس وجہ سے خصوصیت میں دون سوا کے معنیٰ میں ہوا۔ یہاں بجز اس کے کوئی دوسرا ترجمہ نہیں بن سکتا۔ خیال سے ہے۔ کہ لفظِ مشترک کا معنیٰ معیّن کرنے کے لیے کوئی قرینہ شرط ہے۔ یہاں خصوصیت قرینہ ہے۔ دون کا دوسرا ترجمہ ہے حفاظت۔ جامع صغیر للسیوطی کے حاشیے پر کنوز الحقائق للمناوی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ نمبر ۱۱۵ جلد دوم پر مسلم بخاری کی حدیث نقل فرمائی ہے۔ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ فَھُوَ شَہِیْدٌ (ترجمہ) جو شخص اپنے حلال طیب مال کی حفاظت کرتا ہوا۔ قتل کر دیا جائے تو وہ شہید ہے۔ یہ ہی روایت مجمع البحار جلد اول ۳۷۷ پر الکرمانی شرح قسطلانی کے حوالے سے بھی نقل فرمائی۔ یہاں دون کے معنیٰ حفاظت کے ہیں۔ اس لیے کہ مال کی حفاظت ہی کی جاتی۔ مال سے نہ نہ لڑائی دشمنی اور مقابلہ ہوتا۔ نہ مال کے سواء کوئی قتل کیا جاتا ہے۔

۳: دون کا تیسرا معنیٰ مقابلہ ہے۔ چنانچہ ایک عربی شاعر سبعہ معلقہ کی شرح میں اپنے محبوب و معشوق کی طاقت و شجاعت کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

كُلُّ شَیْءٍ دُوْنَہٗ مِثْلُ الرَّمَادِ ــــ اِنَّھَا مُتَحَیِّرٌ مِنْھَا عُجَابٌ

ترجمہ:- ہر چیز میرے اس محبوب کے مقابلے راکھ کے ڈھیر کی مثل ہے۔ بے شک دنیا حیران ہے۔ اس قوت سے تعجب ناک طریقہ پر۔ یہاں مقابلے کا معنیٰ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ اظہار طاقت ہے

۴:- دون کا چوتھا معنیٰ ہے قریب۔ چنانچہ قرآن کریم سورۃ قصص پارہ نمبر ۲۰ میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کا ذکر فرمایا گیا۔ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِہِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدَانِ ط ترجمہ اور پایا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں کے پاس ایک طرف کو دو عورتوں کو جو اپنی بکریوں کو روکے ہوئے تھیں۔ یہاں لفظِ دون کا معنیٰ نزدیک ہے سوا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قومیت کے لحاظ سے جدا نہیں تھیں۔ اور فردیت کے لحاظ سے ہر انسان ایک دوسرے کے سواء ہے۔ اور یہ سوائیت بدیہی چیزیں ہیں۔ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہاں مقابلے کا معنیٰ بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ مقابلہ بازی نہ تھی نہ یہاں حفاظت کے معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ کہ مقصد کے خلاف ہے لَلتُّقْوٰۃ ترجمہ

پانچویں معنیٰ ہیں۔ حقیر ذلیل۔ چنانچہ عربی مقولہ مشہور ہے اَلشَّہِیْقُ دُوْنَ

نالائق آدمی لائق شخص سے حقیر ہوتا ہے۔ بعض عرب کہتے ہیں:۔ اَلشَّہِیْقُ دُوْنَ الزَّفِیْرِ ط
گدھے کی پہلی آواز آخری آواز سے گھٹیا ہوتی ہے۔ لفظ شہیق کا لغوی ترجمہ ہے فضول باتیں کرنے والا
(منجد عربی صفحہ ۴۱۷) گدھے کے رینگنے کی ابتدائی آواز کو بھی شہیق کہتے ہیں۔ اور آخری موٹی
آواز کو زفیر کہتے ہیں۔ کشوری صفحہ ۲۸۵ یہاں دون کے معنیٰ ذلیل اور گھٹیا ہیں۔ منجد عربی صفحہ
نمبر ص ۲۲۹ پر ہے:۔ اَلدُّوْنُ اَیْضًا اَلْخَسِیْسُ اَلْحَقِیْرَۃُ (ترجمہ) دون کے معنیٰ ذلیل اور حقیر بھی ہیں۔ یہ
پانچ معنیٰ عام مشہور رہیں۔ منجد نے چھٹا معنیٰ ایک اور بھی کیا ہے۔ کہ دون کے معنیٰ سامنے ہونا۔ چنانچہ
صفحہ نمبر ص ۲۲۹ پر ہے:۔ وَیَعْنِیْ اَمَامُ یُقَالُ مَشٰی دُوْنَہٗ اَیْ اَمَامَہٗ ط ترجمہ دون کے معنیٰ آگے ہونا
کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں شخص چلا۔ اُس کے دون یعنی اس کے آگے۔ یہ تھی لفظِ دُوْنَ کی اصطلاحی لغوی تحقیق۔
قرآن کریم میں یہ لفظ بہت معنیٰ میں استعمال ہوا ہے:۔ مختلف آیات میں مختلف قرینوں کے لحاظ سے
معنیٰ ہوتا ہے۔ مگر یہ رموز و قرائن سمجھنا محققین علماء کا کام ہے۔ ہر کس و ناکس کے ترجمے محض خرابی کا
باعث بنیں گے۔ اگر دُون کا ترجمہ ہر مقام پر ایک ہی کیا جائے تو پانچ نقصان شدید لازم آئیں گے:۔
عا: مقصدِ قرآن مجید فاسد ہوگا۔ جس سے گمراہی پھیلے گی، ع۲: آیات کا تعارض و ٹکراؤ پیدا ہوگا۔
ع۳: بلکہ کبھی کفر لازم بھی آ سکتا ہے:۔ ع۴: ترجمہ کرنے والے کی جہالت ظاہر ہوگی:۔ ع۵: اغیار کو قرآن
پر اعتراض کا موقع ملے گا۔ اسی لیے علماء کرام نے لفظ دون کے معنیٰ کی اس طرح تفریق فرمائی ہے۔ کہ جب
قرآن پاک میں یہ لفظ عبادت یا معبودیت کے لیے استعمال کیا جائے۔ تو ترجمہ ہوگا سواء یا غیر اور جب لوگوں
کے لیے استعمال کیا جائے۔ تو معنیٰ مقابل۔ یہی وجہ ہے۔ کہ طریقت میں ولی دو قسم کے ہیں:۔
عا اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ ط ع۲ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط سوال مذکورہ کی پیش کردہ آیت کریمہ میں تین
وجہ سے قطعاً اولیاء کرام و انبیاء عظام کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔ پہلی یہ کہ لفظ دون کا معنیٰ یہاں مقابل ہے
اور ترجمہ یہ کیا گیا۔ انہوں نے راہبوں یا پادریوں نے معبود بنا لیا اللہ کے مقابل۔ کوئی مسلمان کسی ولی یا
بزرگ، عالم، مفسر، محدث کو نہ رب سمجھتا ہے نہ الٰہ۔ بلکہ مومن مسلمان کے عقیدہ میں صرف یہ ہے کہ اولیاء
اللہ اور انبیاء عظام، بزرگ، پیر، فقیر اللہ تعالیٰ کی عطا سے حاجت روا مشکل کشا ہیں۔ اور یہ لوگ اللہ
تعالیٰ کے اسی طرح منتظم سپاہی ہیں۔ جس طرح ملائکہ منتظمینِ عالم سپاہ اور خدائی لشکری ہیں۔ حالانکہ اس
آیت پاک میں حاجت روا، فریاد رسی کا ذکر نہیں۔ یہ تو بہت نیچا درجہ ہے۔ سابقہ کافروں نے اپنے بڑے
لوگوں کو رب اور معبود کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی تردید میں یہ آیت آئی۔ دوسری وجہ۔ اس آیت پاک
میں انبیاء و اولیاء کو شمار کرنا سراسر خدا تعالیٰ پر افترا اور جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ یہاں راہب اور پادری

کا لفظ ہے۔ اولیاء اللہ کو راہب کہنا سخت ترین گستاخی ہے۔ اسی طرح انبیاء عظام یا اولیاء کرام کو پادری وغیرہ کا لقب دینا سخت توہین اور بدتمیزی ہے۔ یہود و نصاریٰ اپنے پادریوں کو خدائی کرسی پر بٹھاتے تھے۔ بلکہ اب بھی ان کے عقیدے میں یہ بات کامل ہے۔ کہ ہمارے پوپ، پادری گناہ بخشنے کا پورا پورا اختیار رکھتے ہیں۔ بلکہ بڑے بڑے پیسے لے کر گناہ بخشنے کا دھندا کھول رکھا ہے۔ اس کا مفصل ثبوت "ازبلا" نامی کتاب میں دیکھو۔ بہرحال یہ فاسد عقیدہ صرف یہود و نصاریٰ کا تھا، اور ہے۔ بحمد اللہ کوئی سچا اہل سنت والجماعت مسلمان انبیاء کرام یا اولیاء اللہ کے لیے ایسا عقیدہ ہرگز نہیں رکھتا۔ صرف حاجت روا مشکل کشا فریاد رس مانتے ہیں۔ اگر یہودی اور عیسائی بھی اسی حد تک رہتے تو یقیناً ان کو کافر نہ کہا جاتا۔ ان بدنصیبوں نے تو رب کا درجہ دے دیا۔ اسی لیے یہ نہ فرمایا اِتَّخَذُوْا دَافِعَ الْبَلَاءِ کیونکہ اس حد تک جائز تھا۔ تردید اس بات کی ہے کہ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ یعنی یہود و نصاریٰ نے تو اللہ کے مقابل رب بنا لیا۔ اور صرف لغوی طور پر رب نہ بنایا کہ جس کا معنیٰ مالک یا مربی ہوتا۔ اس میں پھر بھی کچھ تو یہ درجات کی گنجائش تھی۔ مگر انہوں نے تو مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اللہ کے مقابل میں رب بنایا۔ جو سراسر کفر تھا۔ حاشا حاشا۔ کوئی مسلمان اس طرح کسی نبی علیہ السلام یا ولی اللہ کو نہ رب تسلیم کرتا ہے نہ معبود۔ بلکہ اولیاء اللہ کو با اختیار، ذی شان عبد اللہ سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ عقیدہ عین ایمان، اور منشاء الٰہی کے مطابق ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ عقیدہ بھی کفر یا شرک یا کم از گناہ ہی ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں عالموں، پیروں، غوثوں، قطبوں، ولیوں سے مدد مانگنے کی تردید فرما دیتا۔ مگر زمانے بھر کے وہابی ایک آیت بھی اس طرح کی نہیں دکھا سکتے۔ پس ثابت ہوا کہ ولی اللہ اور پیر فقیر سے مدد مانگنا جائز ہے۔ اور یہ پیارے مشکل کشا ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس وقت صحابہ کرام کا دور تھا۔ اور ساری کائنات میں مسلمان صرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہی تھے۔ کس صحابی نے کسی نبی علیہ السلام کو معبود کیا۔ یا کسی ولی اللہ کو خدا تعالیٰ کا درجہ دیا جو صحابہ کرام کے متعلق یہ باطل عقیدہ رکھے اس کے اپنے ایمان کی خیر نہیں۔ تو اس آیت میں اولیاء اللہ کیسے داخل ہوئے۔ لفظ ولی اللہ صرف مسلمانوں میں مستعمل ہے۔ جیسے کہ لفظ علماء و محدث، مفسر وغیرہ مسلمان اکابر کے ہی القاب ہیں۔ یہود و نصاریٰ میں یہ الفاظ رائج نہیں۔ آج بھی کسی عیسائی نے اپنے بڑے مذہبی پیشوا کو محدث، مفسر یا ولی اللہ نہیں کہا۔ بلکہ پادری اور راہب کے الفاظ ہی مسموع ہیں۔ یہی القاب ان کے لیے قرآن پاک میں استعمال ہوئے۔ مگر افسوس ہے وہابیوں پر کہ اپنے پاس سے ایسی باتیں بنا لیتے ہیں۔ محض اس لیے کہ آیت میں توڑ مروڑ کا موقعہ مل سکے۔ اور اسی طرح کفار کی آیتوں کو مسلمان پر چسپاں کر کے شرک کی مشین کھولی جا سکے۔ اللہ ان کے شر سے سب مسلمانوں کو بچائے۔ دوسرا لفظ

جس سے عام طور پر بے سمجھی سے دھوکہ دیتے ہیں وہ ہے مَافَوْقَ الْاَسْبَابْ اس کا لفظی ترجمہ ہے وہ چیز جو اسباب سے اوپر یعنی علیحدہ ہو۔ یہ لفظ نہ قرآن کریم میں ہے۔ نہ حدیث پاک میں۔ یہ وہابی دیوبندی لوگوں کی اپنی ایجاد ہے۔ جو انہوں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اور انبیاء کرام و اولیاء کرام کے آستانوں سے دور کرنے کے لیے بنائے ہیں۔ یہی ایک لفظ نہیں۔ بلکہ اس طرح کے بے شمار لفظ ان کی شرک ساز مشینوں سے دیوبند فیکٹری میں تیار ہوتے ہیں۔ جن کو اگر ایک جگہ پر جمع کیا جائے تو واضح ہو جائے کہ دیوبندی دین۔ اسلام سے بالکل علیحدہ دین ہے۔ اب حال ہی میں ان لوگوں نے تقلید کے خلاف "شرک فی الرسالت" کا لفظ ایجاد کیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ کسی نبی، ولی سے مدد مانگنا کسی قسم کی بھی ہو شرک ہے۔ لیکن اپنے دیگر عقیدوں کی طرح جب یہ لوگ اس بات کو بھی قرآن و حدیث سے ثابت نہیں کر سکتے۔ تو گھبراہٹ میں "مَافَوْقَ الْاَسْبَابْ" کی گھر یلو قید لگا دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ نبی، ولی سے وہ مدد مانگنی حرام ہے جو اسباب سے علاوہ ہو۔ پوچھو ان داناؤں سے کہ اگر یہ شرک ہے تو ہر طرح شرک ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جو چیز شرک ہے وہ ہر طرح ہر وقت شرک ہی ہے۔ یہ کیا کہ صبح کو شرک نہیں رات کو شرک ہو۔ اس طرح شرک نہ ہو اور اس طرح شرک ہو جائے۔ دیکھو عبادت غیر اللہ کو شریعت نے شرک فرمایا۔ تو جس وقت جس طرح بھی کی جائے، شرک ہی ہوگا۔ یہ تو تھا ان پر الزامی جواب۔ لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو پتہ لگتا ہے کہ "مَافَوْقَ الْاَسْبَابْ" کوئی چیز نہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے اسباب ہی سے ہوتا ہے۔ ہاں البتہ لوگوں اور زمانے کے اختلاف اور تغیر سے اسباب بھی متفرق ہوتے ہیں۔ ایک طاقت والے کے لیے ایسے اسباب مہیا ہوتے ہیں۔ جو کمزور کے لیے نہیں۔ امیر، دولت مند کو وہ اسباب مل جاتے ہیں جو غریب کے پاس نہیں۔ پڑھا لکھا وہ کام کر دکھاتا ہے۔ جس کے اسباب جاہل، اَن پڑھ کو میسّر نہیں آتے۔ آج سائنسی ترقی سے وہ وہ اسباب موجود ہیں۔ جو چند سال پیشتر متصوّر بھی نہ تھے۔ سابقہ زمانوں میں دور کی بات سننا کم عقلوں کے نزدیک مَافَوْقَ الْاَسْبَابْ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آج ٹیلیفون، وائرلیس وغیرہ نے اس کو مَافَوْقَ الْاَسْبَابْ سے نکال دیا دور سے امداد کے لیے پہنچنا وہابیوں کے نزدیک مَافَوْقَ الْاَسْبَابْ ہے لیکن ہوائی جہاز اور راکٹ نے ثابت کر دیا کہ یہ کام بھی مَافَوْقَ الْاَسْبَابْ نہیں۔ وہابی اپنے خود ساختہ قاعدے کی بنا پر۔ اولیاء کرام کے لیے۔ دور کی آواز سننے اور دور کی امداد کے منکر ہیں۔ حالانکہ یہ کام تو فی زمانہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس کے پاس ٹیلیفون یا وائرلیس اور راکٹ یا ہوائی جہاز ہو۔ ایک دفعہ

۱۹۶۵ء کی جنگ میں۔ وائرلیس کے ذریعے پندرہ منٹ میں صدر ایوب صاحب کو گجرات میں بلایا گیا۔ اور صدر ایوب صاحب نے اتنی دور سے مصیبت زدہ گھبرائے ہوئے فوجی دستے کی آواز بھی سن لی۔ اور اپنے تیز رفتار طیارے کے ذریعے پہنچ بھی گئے۔ اس طرح کا دن رات مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ مگر کوئی وہابی اس کو شرک نہیں کہتا۔ پس ثابت ہوا کہ دنیا میں کوئی کام مَافَوْقُ الْاَسْبَابْ نہیں جب دنیاداروں میں اتنی طاقت اور حاجت روائی کی قوت ہے تو غور کرو کہ اولیاء اللہ، پھر صحابہ، پھر انبیاء کرام میں کتنی عظیم طاقت ہے اور ہوگی۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کی طاقت شعور انسانی سے بالاتر ہے۔ یہ راز کسی تھیوری سے سمجھایا نہیں جا سکتا۔ راکٹ اور ہوائی جہاز کی مشینری کو بہت سوں نے سمجھ لیا۔ مگر خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کھڑاؤں کی پرواز کا راز آج تک کوئی نہ سمجھ سکا۔ ٹیلیفون اور وائرلیس کی گتھیاں ہزاروں نے سلجھا لیں۔ مگر یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلْ کا فارمولا کسی نے نہ جانا ٹیلیفون، ٹیلی ویژن بنانے والے تو بہت پیدا ہو سکتے ہیں۔ مگر مسجد قبا میں بیٹھ کر خانہ کعبہ کا نظارہ کرانے والے کہاں سے لاؤ گے۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لیکن یہ سب کچھ اسباب کے تحت ہی ہو رہا ہے۔ مَافَوْقُ الْاَسْبَابْ کوئی چیز نہیں۔ ہاں اپنے اپنے اسباب علیحدہ ہیں۔ کسی کے پاس رحمانی، کسی کے پاس شیطانی، کسی کے پاس جسمانی، کسی کے پاس روحانی، کسی کے پاس مادی، کسی کے پاس ایمانی، کسی کے پاس فانی۔ کسی کے پاس ابدالآباد تک باقی کسی کے پاس ظاہری دنیاوی زندگی میں کسی کے پاس بعد وفات بھی۔ یہ تو اپنی اپنی پہنچ کی بات ہے۔ کہ کوئی دنیا کی طرف دوڑے۔ اور کسی کی دوڑ بحکم فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ اللہ رب العزت کی طرف اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنِیْ اِلَی الْفِرَارِ اِلَیْکَ ۞ جس طرح دنیاوی محکموں کا آپس میں بذریعہ ٹیلیفون وائرلیس وغیرہ رابطہ اور تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح دفتر معرفت میں اولیاء کاملین کا ٹیلیفون بھی لگا رہتا ہے۔ یہ مجذوب فقراء جو کسی موقع پر عجیب عجیب گفتگو اور حرکتیں کرتے ہیں۔ اور بیوقوف لوگ ان کو دیوانہ سمجھ لیتے ہیں۔ حقیقت میں وہ کسی روحانی محکمے سے رابطے میں مشغول ہوتے ہیں بلاتشبیہ یوں سمجھ لو۔ ٹیلیفون پر گفتگو کرنے والا تو دونوں آوازیں سنتا ہے۔ مگر قریبی لوگ صرف اسی ایک کی۔ ہاں اور بات سنتے ہیں۔ ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ اسی طرح ولی کامل مجذوب یا سالک کے رازوں سے بھی کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح حکومت کے ٹیلیفون پر بیٹھے ہوئے ملازم شخص کو ستانا یا اس کے قریب جانا قانونی جرم کا باعث ہے اسی طرح اولیاء اللہ کو ستانا شرعی جرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ مجذوب فقیر کے پاس نہ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی بددعا دے

دے کیونکہ وہ اپنے عشق وارفتگی میں نہ معلوم کس سے رابطہ ہے۔ وائرلیس پر بات کرنے والے کو کوئی پاگل دیوانہ نہیں کہتا۔ کہ ربنا دی مشین کے ذریعے کسی سے تعلق مربوط ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اولیاء اللہ کی عجیب وغریب باتوں کو سن کر بھی کچھ فیصلہ نہ کرو۔ کیونکہ یہ باتیں متشابہات قرآنیہ کے حکم میں ہیں۔ چنانچہ فتاوی شامی جلد سوم مطلب حال شیخ اکبر صفحہ نمبر ۴۰۶ پر ہے:۔ وَقَالَ اَنَّهٗ شَبِيْهٌ بِالْمُتَشَابِهِ فِي الْقُرْاٰنِ وَالسُّنَّةِ ۞ ترجمہ: امام غزالی نے فرمایا کہ ان مجذوب اولیاء اللہ کی باتیں قرآن وحدیث کے متشابہات کی طرح ہیں۔ یہ اپنی قلبی مشین کا تار عشق ومعرفت کے دارالحکومت سے جوڑے ہوتے ہیں۔

حمقاء کے نزدیک تو یہ کام "مَافَوْقَ الْاَسْبَابْ" ہو سکتے ہیں۔ مگر عقلاء قلبی اس کو روحانی قوت واسباب سے تعبیر کرتے ہیں۔ انبیاء کرام کی امداد تو بڑی عظمت والی چیز ہے۔ اولیاء اللہ کی امداد کا بھی وہ ہی منکر ہو سکتا ہے جو عقل وخرد سے عاری ہو ہمارا ایمان ہے۔ اولیاء اللہ ہر وقت ہر آن مدد کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۞ ترجمہ: مگر تم بے عقلوں کو شعور نہیں۔ اور مدد کرنے والے سے مدد مانگنی جائز ہے مدد کرنے کی طاقت دی ہی اس لیے جاتی ہے تاکہ ان سے مدد مانگی جائے۔ ورنہ کرامات کا عطیہ ربانی اور قرآنی تاریخی مشاہدات سب کو باطل کہنا پڑے گا حالانکہ یہ کفر ہے۔

حکومت دیپوی ڈپو والے کو راشن ذخیرہ کرنے اور سڑانے لگانے کے لیے نہیں دیتی بلکہ اس لیے کہ حاجتمندوں کو دیا جائے اور حاجتمند اگر اس سے مانگیں۔ حاجتمندوں کی جتنی بھیڑ مانگنے کے لیے ڈپو پر جمع ہو گی اتنا ہی حکومت کو خوشی ہو گی ڈپو سے روکنے والا حکومت کا دشمن ہے۔ بس بلا تشبیہ سمجھ لو کہ اولیاء اللہ کے آستانے قدرت الٰہی کے ڈپو ہیں۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ۔

کتاب التاریخ

امام اعظم اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ تابعی کا مکالمہ

سوال نمبر ۳۱:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ امام اعظم اور حضرت قتادہ کا آیت سورت نمل میں لفظِ نملۃ کی تذکیر یا تانیث کے بارے میں کچھ مکالمہ ہوا جس میں حضرت قتادہ لاجواب ہو گئے تھے اور امام اعظم نے فرمایا تھا کہ یہ نملۃ مونث نہ ہوتی تو قَالَ نَمْلٌ ہوتا۔ یہ واقعہ تفسیر خزائن العرفان میں صدر الافاضل نے بھی ذکر کیا ہے اور مولانا لاہوری صاحب اور گوجرانوالے کا فتوٰی اس بات کی تائید میں آچکا ہے کہ یہ مکالمہ بالکل درست ہے اور حضرت قتادہ کا لاجواب ہونا اور امام اعظم کا باوجود صغر سنی کے درست جواب دینا بالکل سچا واقعہ ہے۔ لیکن ہمارا مولوی خطیب اس بات کو غلط کہتا ہے لہٰذا صحیح اور حق با دلائل فیصلے کے لئے آپ کی خدمت میں استفتاء اور لاہور و گوجرانوالے کے فتوے حاضر ہیں۔ براہِ کرم جلد جواب دیا جائے۔ بَیِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا:-

السَّائِل:- بشارت احمد نورانی محلہ جادہ جہلم ناظم جامع مسجد نور ۱۶ ۹/۷۷

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

سوالِ مذکورہ میں بطور تحقیق میں نے بحیثیت مفتیٔ اسلام ہونے کے ہر دو فتاوٰی مذکورہ اور تفسیر خزائن العرفان کا مطالعہ کیا بعدہٗ محققانہ تحقیق سے یہ بات اظہر من الشمس ہوئی کہ مذکورہ فی السوال مکالمہ مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر۔ عقلاً۔ نقلاً۔ نحواً۔ صرفاً۔ علماً۔ ادباً۔ تاریخاً۔ تحقیقاً۔ ہر طرح غلط ہے اور محدثِ اسلام حضرت قتادہ وسراج الامہ کاشف الغمہ امام الامہ امام اعظم کے درمیان اس قسم کا کبھی کوئی بصورت سوال جواب مکالمہ بالواسطہ یا بلاواسطہ نہ ہوا۔ کسی کم عقل نے اپنے پاس سے یہ مکالمہ گھڑ لیا ہے اور بعض مفسروں نے بلا سوچے سمجھے اس کی تشہیر کر دی۔ حالانکہ ایسا کرنا عقلاء کو زیب نہیں۔ گوجرانوالہ کا فتوٰی محض جذباتی ہے۔

جب کہ لاہوری فتوائے مفتی کی جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ ہر دو مفتی صاحبان نے غور و فکر و تحقیق کی زحمت گوارہ نہ کی تفسیر خزائن نے اس مکالمے کو لطیفے کے درجے میں رکھا ہے اسی لیئے اس کی ابتدا لطیفہ کے لفظ سے کی۔ ہماری اصطلاح میں لطیفہ ہر اس بات کو کہا جاتا ہے جس میں مذاق۔ دلچسپی۔ دل لگی کا پہلو نکلتا ہو اگرچہ حقیقت کے خلاف ہو پس حضرت صدر الافاضل صاحب تفسیر خزائن العرفان علیہ الرحمۃ کا اس لطیفے کو نقل کرنے سے آپ کی تائید ضروری نہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے بعض مفسرین کے نقل کردہ اس واقعے کو لطیفہ بنا کر اس کی حقیقت کی تردید کر دی۔ اور صدر الافاضل کا مقصد یہ ہو کہ یہ مکالمہ حقیقت نہیں بلکہ نرا لطیفہ ہے اس توجیہ یا تاویل سے تفسیر خزائن پر مندرجہ ذیل ممنوعات سے کوئی حجت نہیں پڑتی۔ بہرحال یہ مکالمہ سرے سے بے بنیاد اور غلط ہے۔ اس کی چند وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ:۔ اس قسم کے واقعات و مکالمات سیر و تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس اگر یہ مکالمہ اور بات حیثیت ذرا بھی درست واقعہ ہوتی تو لازماً امام اعظم کی کسی تاریخ یا سوانح میں مذکور ہوتی۔ کیونکہ امر فطری کے مطابق ہر فن کی بات اسی فن کی کتب میں پائی جائیں تو قابلِ قبول ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس قابلِ تردید ہو دے گی مثلاً علمِ طب۔ علم نحو۔ سائنس وغیرہ کی کوئی بات ان فنون کی کتب میں تو میسر نہ ہوں:۔ دوسری کتاب میں اس کا تذکرہ موجود ہو تو ذی عقل حضرات کے نزدیک قابل قبول نہ ہو گا۔ اگر دنیا کے لوگ اسی قاعدۂ کلیہ پر کاربند ہو جائیں تو دنیا سے عملی تفرقے بازی اور فکری و نظری فساد ختم ہو جائے حضرت قتادہ کا یہ مکالمہ بعض تفسیر میں ملتا ہے۔ مگر تاریخ یا سوانحِ امام کی کسی کتاب میں نہیں ملتا اس لیئے جہلاء تو اس مکالمے کو درست کہہ سکتے ہیں۔ مگر محققین علماء پر اس کی تردید اخلاقاً واجب ہے۔ ورنہ فسادِ عدیدہ کا باب کھل جائے گا۔ اور اس طرح کے بناوٹی واقعات سے کسی بھی بزرگ کی توہین کی جا سکتی ہے۔

دوسری وجہ۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر شبلی نعمانی تک کسی مورخ نے بھی اس واقعے کا ذکر نہ کیا۔ حالانکہ بے شمار سوانحاتِ امام اس دوران مرتب و شائع ہوئیں۔ بلکہ اکثر متقدمین و متاخرین نے لکھا کہ امام اعظم فنِ حدیث میں حضرت قتادہ کے شاگرد ہیں (دیکھو طبقات الحفاظ و تہذیب الکمال اور شبلی نعمانی کی امام اعظم) ایسے واقعات گھڑ کر امام اعظم کے استادِ محترم کی توہین کرنا مقصود ہو سکتی ہے۔ جو سراسر اکابر کی گستاخی کے مترادف ہے۔ **تیسری وجہ:۔** تمام تاریخوں سے ثابت ہے کہ حضرت قتادہ صرف ایک مرتبہ کوفہ تشریف لائے اور آپ کی طرف سے لوگوں کو بلانے مسائل پوچھنے کے لیئے۔ اعلان کرایا گیا تھا۔ اس وقت حضرت امام اعظم تقریباً سولہ سال کے نوجوان تھے اور فقہ اسلامی کے اونچے طالب علم اور حضرت امام حماد کے بڑے شاگردوں میں تھے اس وقت امام اعظم

نے چند سوال کیئے تھے مگر ان سوالات میں مذکورہ سوال نہ تھا۔ ثابت ہوا کہ یہ واقعہ غلط اور بناوٹی ہے۔ اور پھر حضرت امام اعظم کی عمر کے بارے میں بعض مفسرین بھی اور لاہوری فتوے میں بھی صغر سنی اور غلام حدث لکھا ہے حالانکہ یہ عمر قریب بلوغ کی ہوتی ہے۔ چنانچہ لغات کشوری صفحہ ۲۹۲ پر صغر سنی کا ترجمہ کرتے ہیں لڑکپن اور مجمع البحار جلد اول صفحہ ۲۲۴ پر غلام حدث کا ترجمہ کرتے ہیں اول عمر۔ یہ قریباً بارہ سال کی ہوتی ہے۔ اور اس عمر میں امام اعظم و حضرت قتادہ کی ملاقات کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ واقعہ محض بناوٹی ہے لہٰذا ناقابل قبول:۔ **چوتھی وجہ**:۔ یا اس واقعے میں صرف حضرت قتادہ ہی کی گستاخی نہیں امام اعظم کی بھی گستاخی ہے۔ اس لیئے کہ نحوی قاعدے کے اعتبار سے لفظ نملۃ میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ لفظ مذکر ہے اور آخر کی ت وحدت کی ہے۔ اور قالت مؤنث کا صیغہ تاء وحدت کے لیئے لگایا گیا نہ کہ تاء تانیث کے لیئے۔ کیونکہ مؤنث کا صیغہ مؤنث حقیقیہ کے علاوہ بھی بہت جگہ استعمال ہو جاتا ہے۔ جس کی مثالیں قرآن کریم میں بہت جگہ ہیں۔ مثلاً ۱ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ (ترجمہ):۔ فرمایا ان کو ان کے رسولوں نے۔ دیکھو لفظ رُسُلُ جمع ہے رسول کی اور رسول مذکر ہوتا ہے مگر مؤنث مگر قالت مؤنث کا صیغہ آیا ۲ وَجَآءَتْ سَیَّارَۃٌ۔ ترجمہ:۔ اور ایک قافلہ آیا (کنز الایمان)۔ سَیَّارَۃٌ میں ت وحدت کی ہے جس کا ترجمہ ہوا ایک قافلہ۔ قافلہ مذکر ہے اسی لیئے اعلیٰحضرت و دیگر مترجمین نے اس کا ترجمہ آیا کیا ہے نہ کہ آئی۔ لیکن سَیَّارَۃٌ کے مذکر ہونے کے باوجود پھر صیغہ مؤنث جآءت فرمایا گیا۔ ثابت ہوا کہ وحدت کی ت کے لیئے بھی صیغہ مؤنث بولا جاتا ہے۔ اس قاعدے کے تحت امام اعظم کا وہ جواب غلط ہو جاتا ہے جو نملۃ کی تانیث کی دلیل میں دیا۔ بدیں وجہ بہت سے مفسرین نے اس واقعے کی تردید کی ہے۔ کہ اس طرح خود امام اعظم کی گستاخی و توہین ہے کہ وہ ایسا جواب دیں جو نحو کے خلاف ہو ۲ دوسرا احتمال لفظ نملۃ میں یہ ہے کہ یہ ت مؤنث کی ہو۔ اگر یہ احتمال درست تسلیم کر لیا جائے تو یہ سوال اتنا معمولی رہ جاتا ہے کہ اس کو ہر عربی دان بچہ یا چھوٹی کتب کا طالب علم بھی فوراً حل کر دیتا ہے۔ بلکہ یہ سوال و جواب چھوٹے طلباء کے ہی لائق ہیں۔ اکابر کے سامنے ایسے معمولی سوال کرنے ہی بیوقوفی ہے۔ بلکہ ایسے سوال اہل زبان کے سامنے کرنے مزید حماقت ہے اس کی مثال اپنی زبان میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کسی سے سوال کرے کہ بتاؤ۔ اقبال آئی تھی "میں اقبال مذکر ہے یا مؤنث۔ ظاہر بات ہے کہ اردو دان بچہ اس کا فی البدیہہ صحیح جواب دے سکتا ہے۔ تو یہ سوال کسی بڑے عالم سے کرنا محض حماقت ہی ہو گی۔ اب کوئی کہے کہ: اقبال آئی تھی: والا سوال کسی فلاں عالم سے کیا گیا مگر وہ جواب نہ دے سکا اس عالم کی سخت توہین ہے

لاہوری فتوے کا یہ فرمانا کہ حضرت قتادہ کی جواب سے خاموشی اس بنا پر ہے کہ نملۃ کا لفظ عربی میں مذکر مونث ہر دو کے لیئے مستعمل ہے یہ بات قطعاً غلط ہے۔ اس لیئے کہ اس اشتراک کی صورت میں فیصلہ قالت کی تانیث نے کرنا ہے نہ کہ نملۃ کی تا نے۔ اور قالت تو فقط مؤنث ہی ہے۔ جس کو بچہ بچہ جانتا ہے۔ پس اتنے بڑے عربی نسل زبان دان عالم حضرت قتادہ کا خاموشی اختیار کرنا تعجب ناک ہے۔ جیسے کہ لفظ اقبال ہماری اردو میں مذکر۔ مونث دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ تو یہاں آئی تھی۔ نے فیصلہ کرنا ہے جس کو اردو زبان کا بچہ بچہ سمجھتا ہے۔ اسی طرح قالت کی تانیث کو عربی دان بچہ بچہ سمجھتا ہے۔ پس یہ سوال نہ شانِ امام کے لائق نہ حضرت قتادہ کے۔ بلکہ اس قسم کی بحثوں میں پڑنا اور ایسے معمولی سوالات کا جواب دینا خود میں بھی وقار علماء کے خلاف سمجھتا ہوں۔ مگر چونکہ ایسے بناوٹی اور بیہودہ واقعات اور پھر ان میں کچھ بحثیں کرنے سے دو بزرگ ترین ہستیوں کی گستاخی لازم آتی تھی اس لیئے واجب عملی سمجھتے ہوئے اس کے جواب پر میں نے قلم اٹھایا۔ کیونکہ مسلکِ اہل سنت نہ تو شیعہ لوگوں کی طرح حماقت کی تعریف کرنا ہے اور بیوقوفی سے شان بیان کرنا۔ نہ ہی دیوبندیوں کی طرح ایک بزرگ کی شان گھٹا کر دوسرے کی عزت بڑھانا ہے۔ اہلِ سنت تو اسلام کے سب بزرگوں کی عزت قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اس قسم کی غلط باتیں بنانا چھوٹی ذہنیت کا نتیجہ ہے۔ چونکہ اس بناوٹ سے صرف حضرت قتادہ ہی کی توہین نہ ہوتی تھی بلکہ ایسے کچے سوال و جواب سے خود حضرت امام اعظم کی علمی وجاہت پر حرف آتا تھا۔ اس لیئے اس کو غلط ثابت کرنا ہم جیسے نمک خواروں پر اخلاقی فرض ہے :۔

پانچویں وجہ ! بجز چند مفسروں کے سب مفسرین نے اس مکالمے کی تردید کی ہے۔ اور اکثر نے اس مکالمے کا ذکر تک نہ کیا جنھوں نے کیا انہوں نے ساتھ ہی کہدیا کہ یہ واقعہ تاریخاً اور عقلاً غلط ہے۔ چنانچہ تفسیر جمل جلد سوم صـ ۳۶۸ للشیخ سلیمان جمل پر ہے :۔ اِلَّا اَنَّ الشَّیْخَ قَدْ رَدَّ ھٰذَا۔ فَقَالَ وَلِحَاقُ التَّاءِ فِی قَالَتْ لَا یَدُلُّ اَنَّ النَّمْلَۃَ مُؤَنَّثَۃٌ بَلْ یَصِحُّ اَنْ یُقَالَ فِی الْمُذَکَّرِ قَالَتْ نَمْلَۃٌ۔ (الخ) :۔ (ترجمہ) :۔ مگر شیخ نے اس مکالمے کی تردید کردی پس فرمایا کہ ت کا قالت میں لگنا اس بات کو نہیں بتاتا کہ نملہ مونث ہے بلکہ مذکر میں قالت نملۃ کہنا بھی صحیح ہے۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا۔ صفحہ نمبر ۱۷۸ پ ۱۹ :۔

اِنَّ التَّاءَ فِی نَمْلَۃٍ لِلْوَحْدَۃِ (الخ) وَالْجَزْمُ الْقَوْلُ بِعَدَمِ صِحَّۃِ ھٰذِہِ الْحِکَایَۃِ (الخ) وَ قَتَادَۃُ بْنُ دُعَامَۃَ السَّدُوْسِیُّ بِاِجْمَاعِ الْعَارِفِیْنَ

بِالرِّجَالِ کَانَ بَصِیْرًا بِالْعَرَبِیَّةِ فَیَبْعُدُ کُلَّ الْبُعْدِ وُقُوْعُ مَا ذُکِرَ مِنْهُمَا۔

(ترجمہ):۔ نملۃ میں ت وحدت کی ہے (نہ کہ تانیث کی) اور حکایت مذکورہ کے غیر صحیح ہونے پر یہ قول یقینی ہے اور قتادہ بن دعامہ سدوسی تمام عارفین علماء کے اجماع کے مطابق عربی زبان اور قواعد سے بہت زیادہ واقف تھے لہٰذا ایسے مکالموں اور سوال جواب کا ان دونوں بزرگوں سے واقع ہونا عقل و فہم سے بہت دور ہے۔ (یعنی کسی احمق نے یہ واقعہ گھڑ لیا ہے)۔ تفسیر صاوی جلد دوم صفحہ ۱۵۷ پر ہے:۔ قَالَ بَعْضُهُمْ وَفِیْهِ نَظَرٌ لِاَنَّ لِحَاقَ التَّاءِ فِیْ قَالَتْ لَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّهَا مُؤَنَّثَةٌ لِاَنَّ تَاءً لِلْوَحْدَةِ لَا لِلتَّانِیْثِ وَمَا اسْتَدَلَّ بِهٖ اَبُوْحَنِیْفَةَ یُفِیْدُ الظَّنَّ لَا التَّحْقِیْقَ۔ (ترجمہ):۔ بعض محققین نے فرمایا کہ اس مکالمے پر اعتراض ہے۔ اس لیئے کہ امام اعظم کی دلیل تحقیقی نہیں بلکہ وہمی ہے۔ کیونکہ قالت میں ت ہونا اس وجہ سے ہے کہ نملۃ کی تِ وحدت کی ہے نہ کہ تانیث کی۔ علامہ صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اگرچہ اس واقعے کی تردید قَالَ بَعْضُهُمْ جیسے صیغۂ تمریض سے کی مگر اس کے بعد اعتراض کا جواب نہ دینے سے ان کی اپنی تائید بھی اس تردید میں شامل ہو گئی۔ گویا کہ علامہ صاوی نے بھی اس مکالمے کی تردید کر دی۔ دیکھو معاذ اللہ اگر اس مکالمے کو درست مانا جائے تو امام اعظم جیسی ذی علم ہستی کو غلط کہنا پڑے گا اور ان کی باتوں کو کمزور اور ان کی دلیلوں کو ظنی وہمی اور حقیقت سے دور کہنا پڑے گا۔ پس بہتر یہ ہے کہ اس قسم کی غلط باتوں کا یکسر انکار کر کے اپنے اکابر کی خداداد عزت بچائی جائے۔ اور اغیار کے قلوب میں جہاں تک ممکن ہو بزرگانِ اسلام کا وقار قائم کرنا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ اس قسم کا مکالمہ امام صاحب کی نسبت قطعاً غلط اور بناوٹی ہے ہاں البتہ ایک موقعہ پر شاگردی کرنے سے پہلے امام اعظم نے حضرتِ قتادہ سے بطور مستفتیانہ چند بڑے بڑے فقہی۔ تفسیری سوال کیئے تھے حضرت قتادہ کا جواب نہ دینے کو تحقیقی طور پر تو وہ خود ہی جانتے ہیں مگر تاریخی طرز تحریر سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت قتادہ نے بطور احتیاط جلد بازی سے اجتناب کرتے ہوئے امام اعظم کے ان سوالات کا جواب نہ دیا کیونکہ جلد بازی میں اسی طرح غلطیاں اور بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں جس طرح گوجرانوالے اور لاہور کے فتوے میں ہوئیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ایسے جلد باز مفتیوں کو فتوے نویسی سے روکنا چاہیئے ورنہ قوم کی گمراہی کا اندیشہ ہے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ جل جلالہٗ و ﷺ

کتبہ

سن عیسوی اور سن ھجری کا بیان

سوال ۴۲ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق مروجہ سن عیسوی کا آغاز (نعوذ باللہ) نقل کفر کفر نہ باشد بقولِ نصارٰی۔ حضرت عیسٰی کی وفات سے ہوا۔ ایسی صورت میں ہم مسلمانوں کو اس سن پر اعتماد کرنا چاہیئے یا نہ۔ اور اپنے افعال و اعمال کا اس پر دار و مدار رکھنا چاہیئے یا کہ نہیں۔ نیز یہ سن اختیار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ اور اسلامی تاریخوں سے بیگانگی و ناواقفیت کہاں تک جائز ہے۔ اور صرف ہجری سن مبارک کی جنتری یا کیلنڈر چھپوانا جائز ہیں یا نہیں۔

سائل :۔ محمد ادریس کشمیری بازار لاہور۔ مورخہ : ۱۷-۵-۷۳

الجواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَاَسْرَی الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَیْنِ لِحُسْبَانٍ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ الَّذِیْ خُلِقَ لَہٗ الْاَرْضُ وَالسَّمٰوٰتُ وَالْجِنَانُ ۔ اَمَّا بَعْدُ ، جاننا چاہیئے کہ تمام دن رات ، سال ، مہینے اللہ کے ہی ہیں۔ وہی جس طرح چاہتا ہے پھیرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ (ترجمہ) ہم ہی دنوں کو لوگوں کے درمیان پھیرتے ہیں: قانون فطرت کے مطابق زمین و آسمان میں دو قسم کے چکر ہیں۔ ان ہی دو چکروں کی بنا پر نظام کائنات کو اس صانعِ قدرت نے قائم فرمایا۔ ایک چکر رفتارِ شمسی سے متعلق ہے اور ایک چکر رفتارِ قمری سے۔ چاند کی رفتار سے قمری سال اور مہینے بنتے ہیں۔ سورج کی رفتار سے شمسی سال اور مہینے۔ رات دن سال مہینے قمری ہوں یا شمسی سب ہمارے رب العالمین کے ہیں۔ جب ہم مسلمان اپنے رب کے بندے تو اللہ کریم ہمارا۔ اور ہمارے رب کی چیز ہماری چیز۔ پس شمسی مہینے بھی ہمارے اور قمری بھی ہمارے۔ جس سن کو بھی مسلمان استعمال کریں بالکل جائز ہے۔ چاند و سورج کی گردش کا مقصد ہی کائنات کا حساب درست رکھنا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۙ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ ۚ ترجمہ: سورج اور چاند حساب کے لیے بنائے۔ اور تمام تارے اور درخت اسی کو ہی سجدہ کرتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے :۔ ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ۚ (ترجمہ) وہی اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو نور بنایا۔ اور منزلیں مقرر فرمائیں۔ تاکہ سالوں کی گنتی اور حساب کا علم لوگوں کو آجائے۔ اور حقیقت بھی ہے۔ اگر یہ گردش نہ ہوتی تو کائنات میں کسی انسان کو سال و ماہ کا حساب نہ آتا۔ ثابت ہوا کہ جس طرح چاند کی تاریخیں قرآن و حدیث سے بنی ہیں۔ اسی

طرح سورج کی تاریخیں بھی رب تعالیٰ کی ہی بنائی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے شمسی تاریخوں اور حساب کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ سورۃ کہف پارہ ۱۵ میں ارشاد ہے:۔ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ (ترجمہ) اور ٹھہرے وہ اپنے غار میں تین سو سال اور نو سال اور زیادہ رہے۔ حضرت حکیم الامت نے ارشاد فرمایا کہ یہاں تین سو سال یعنی ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ سے مراد قمری مدت ہے اور وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ سے مراد شمسی سال ہیں۔ کیونکہ سورج کا چکر لمبا ہونے کی بنا پر شمسی سال قمری سال سے دراز ہوتا ہے۔ اصحاب کہف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت سے ہیں۔ اصحاب کہف کا یہ واقعہ جس کا ذکر قرآن کریم میں بیان ہوا۔ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے دو سو سال پہلے ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ سن شمسی بھی قرآن کریم سے ثابت ہے اور قمری سن بھی بالکل معتبر ہے۔ اور اس کا استعمال بالکل جائز ہے۔

پیش کردہ پہلی آیت کریمہ میں قَدَّرَهٗ کی ہ ضمیر مفسرین عظام کے نزدیک شمس و قمر دونوں کی طرف مرجوع ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر کے حاشیہ پر تفسیر ابو السعودی جلد پنجم صفحہ نمبر ۱۴۲ سورت یونس میں فرمایا وَقَدْ جُعِلَ الضَّمِيْرُ لِكُلٍّ مِّنْهُمَا وَهِيَ ثَمَانِيَةٌ وَّعِشْرُوْنَ ۝ (ترجمہ) اور بیشک قَدَّرَهٗ کی ضمیر کا مرجع چاند و سورج دونوں ہیں۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ سن عیسوی کو استعمال کرنا جائز ہے۔ قرآن کریم میں وَازْدَادُوْا تِسْعًا کا لفظ سن عیسوی کو ہی بیان فرما رہا ہے۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ سن عیسوی کب سے شروع ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی سے شروع ہوا۔ جس کو عیسائی اور مرزائی حضرت عیسیٰ کی موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیات ظاہری جسدی آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ مسلمانوں کے پاس عقلی و نقلی بے شمار دلائل ہیں۔ ان میں ایک دلیل یہ ہے۔ آیت کریمہ میں ارشاد ہے:۔ يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ ۝ (ترجمہ) اے حضرت عیسیٰ میں تم کو پوری عمر عطا کروں گا۔ اور اپنی طرف تم کو اٹھانے والا ہوں۔ یہاں رَافِعُكَ میں لفظ کَ ہے جسے زندہ انسان کے لیے بولا جاتا ہے۔ یعنی روح اور جسم دونوں۔ صرف روح کو کسی ذی عقل انسان نے آج تک لفظ کَ یا آپ جناب سے مراد نہ لیا۔ حیات مسیح کی دوسری دلیل یہ آیت ہے۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۝ (پارہ ۳ رکوع ۱۳) (ترجمہ) کلام کریں گے وہ بچپن، شیر خوارگی میں اور بڑھاپے میں۔ یہ خطاب حضرت مریم سے رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اور حضرت مسیح کی شان بتائی۔ بڑھاپا پچاس سال کے بعد ہوتا ہے۔ حالانکہ رفع آسمانی بعمر تیس سال ہوئی۔ نصاریٰ کے علاوہ بعض مسلمان مورخین بھی اس چیز کے قائل ہیں۔ کہ یہ سن

عیسوی حضرت عیسیٰ کے رفع آسمانی سے شروع ہوئی۔ چنانچہ علم ریاضی کی مشہور کتاب تدریس ریاضی کے مصنف مسٹر معز الدین اپنی اس کتاب کے صفحہ نمبر ص۲ پر ایسا ہی لکھتے ہیں۔ مگر یہ غلط ہے۔ صحیح یہ ہے۔ کہ موجودہ عیسوی سن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پاک سے شروع ہوا۔ اکثر عیسائی مورخین اور مسلمان محققین اسی چیز کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ عیسائی لوگ اپنے بڑے دن پر ولادتِ مسیح کی خوشی مناتے ہیں۔ سائل مذکور نے جو ابتداء سنِ عیسوی کا نظریہ پیش کیا۔ کہ یہ سن بقولِ نصاریٰ وفاتِ مسیح سے شروع ہوا۔ بجز چند لوگوں کے کسی کے نزدیک درست نہیں۔ غالباً یہ نظریہ سائل نے تدریسِ ریاضی سے اخذ کیا ہے۔ مگر یہ محققین کے نزدیک بطور حساب بھی ٹھیک نہیں۔ صحیح تر یہ ہے کہ عیسیٰ کی پیدائش سے یہ سن شروع ہوا۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا جس کو عربی میں قاموس العلوم یا مجمع العلوم کہتے ہیں۔ اس کے صفحہ نمبر ص۳ پر بھی یہی لکھا ہے۔ کہ موجودہ مروجہ سن عیسوی حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے شروع ہوا۔ اکثر عیسائی پادری بھی یہی کہتے سنے گئے۔ خیال رہے کہ شمسی تاریخوں کا رواج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پندرہ سو سال پہلے مروج تھا۔ اور موجودہ شمسی مہینوں کے نام جنوری، فروری، مارچ، اپریل وغیرہ ولادت مسیح سے ایک ہزار سال پہلے مقرر ہو چکے تھے۔ اور لیپ سال کی تاریخیں ولادت عیسیٰ علیہ السلام سے چھیالیس سال پہلے وجود میں آئیں۔ موجودہ شمسی مہینوں کے نام پرانے بادشاہوں کے نام پر ہیں۔ دورِ جاہلیت میں ایک بہت بڑا خاندان سیزر نامی کے بارہ فاتحین کے نام پر بارہ شمسی مہینوں کے نام رکھے گئے۔ جولیس سیزر کے نام پر جولائی رکھا گیا۔ اگسٹس سیزر کے نام پر اگست کا مہینہ مقرر ہوا وغیرہ وغیرہ۔ جن تاریخوں میں جس کو فتح نصیب ہوئی اسی مہینے کا نام تبدیل کر کے اسی فاتح کے نام پر رکھا گیا۔ اس خاندان کا جدِ اعلیٰ سیزر نامی ایک بادشاہ تھا۔ لیپس کا سال بنانے والا برٹس سیزر ہے۔ یہ مشہور نام تو ولادت مسیح سے ایک ہزار سال پہلے بنے۔ لیکن اس سے پہلے بھی سوائے عرب کے باقی دنیا میں شمسی تاریخوں سے حساب کتاب کیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں مہینوں کے نام جنوری، فروری نہ تھے۔ بلکہ مختلف قوموں نے مختلف نام رکھے تھے۔ چنانچہ بعض نام شمسی مہینوں کے اب بھی مروج ہیں۔ جیسے ساون، بھادوں، ماہ، پوس وغیرہ یہ بھی سورج کی تاریخوں سے چلتے ہیں۔ اور ان کی عمر آج سے چار ہزار سال پہلے کی ہے۔ ثابت ہوا کہ شمسی مہینے عیسائیت سے خاص نہیں۔ نہ ہی جنوری فروری انگریزوں کی ایجاد ہے۔ ہاں البتہ عرب علاقوں میں صرف قمری تاریخوں سے حساب کیا جاتا تھا۔ اور عربی نجومیوں کو صرف قمری حساب سے واقفیت تھی۔ شمسی تاریخوں سے ان کو کوئی دلچسپی اور علمی واقفیت نہ تھی۔ لیکن چونکہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تا قیامت تمام کائنات کی ہر قوم کی طرف نبی بن کر تشریف لائے۔ اس لیے آپ کو رب تعالیٰ نے ہر قسم کے شمسی، قمری

مہینوں کے حسابات سکھا کر بھیجا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سورت کہف کی وَازْدَادُوْا تِسْعًا والی آیت نازل ہوئی۔ تو عرب یہودی بطور رسائل نبی کریم سے پوچھنے لگے۔ تین سو سال تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ نو سال کی زیادتی کیونکر ہوئی۔ آقائے کل دانائے سبل صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شمسی حساب کے فارمولے سمجھائے اور پوری طرح رفتار شمس کی چالیں بیان فرما کر بڑے بڑے یہود منجین و حساب دان عرب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اور بڑے بڑے فلسفیوں کو تسلیم کرنا پڑا۔ کہ یہ عرب کا امی لقب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ سب کائنات سے زیادہ حساب دان ہے۔ تب حقیقت بین لوگوں کو کہنا پڑا۔ شعر

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا

وہ راز اُس طیبہ والے نے سمجھا دیا چند اشاروں میں

دنیا کے وہ بدنصیب جو اپنی ضد اور تعصب کے بل بوتے پر کسی طور پر نبی کریم کو اللہ تعالیٰ کا رسول ماننے اور قرآن کریم کو کلام اللہ تسلیم کرنے پر خود کو آمادہ نہ کر سکتے تھے۔ شمسی حساب دانی کی ان ہی گتھیوں کو سلجھا کر حقانیتِ قرآن اور نبی کریم کی علمی شان ماننے پر مجبور ہو گئے۔ آج کے دور کے منکرین کو ثابت ہو چکا۔ کہ ہر قمری سو سال پر شمسی تین سال زائد ہوتے ہیں۔ اس حساب سے تین سو سال پر نو سال کی زیادتی بالکل درست ہے۔ آج کے ریاضی دان و حساب دان پر یہ تحقیق شاید کچھ اثر انداز نہ ہو۔ مگر آج سے چودہ سو سال پیچھے لوٹ کر دیکھا جائے۔ تو سرزمین ریگستان میں علم و حساب کے ایسے غنچے کھلنے ایک معجزے سے کم نہیں۔ معلوم ہوا کہ حساب قمری ہو یا شمسی سب میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شجر سدا بہار سے پھوٹے۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام علوم انہیں کلیوں کی چٹک انہیں پھولوں کی مہک اور اسی آقا کی بکھیر ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں ارشاد ہوا:۔

اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ (ترجمہ) علم و حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ گم شدہ اس لیے کہ نبی کریم کی بکھیر ہے اور بکھیرنے پر کچھ تو مل جاتا ہے۔ کچھ گم شدہ رہتا ہے۔ جو بعد میں آنے والے راہ گزروں کو منتظر رہتا ہے۔ دنیا جہان کا قاعدہ ہے کہ ہر ذی عقل اپنی گم شدہ چیز کو تلاش کرتا رہتا ہے۔ پھر جہاں سے پاتا ہے، حاصل کرتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم رؤف و رحیم نے فرمایا:۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ (جامع صغیر للسیوطی رح جلد دوم) ترجمہ اے میرے امتیو علم ڈھونڈتے رہو اگرچہ چین میں ہو۔ اس لیے کہ علم میری بکھیر ہے۔ اور تمہارے لیے بکھیر ہے۔ اب یہ قسمت کی بات ہے کہ اس کو اپنا اٹھائے یا پرایا۔ لہٰذا علم شمسی جنتری کا ہو یا قمری کا سب کچھ سیکھنا۔ جنتری، کیلنڈر بنانا بالکل جائز ہے

امام اعظم کے نزدیک سنِ شمسی بالکل معتبر ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ نمبر ۲۲۵ پر ہے۔ رَوَی الْحَسَنُ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَّہٗ تُعْتَبَرُ سَنَۃً شَمْسِیَۃً وَھِیَ تَزِیْدُ عَلَی الْقَمَرِیَّۃِ بِاَیَّامٍ۔ (ترجمہ) امام حسن نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ بے شک شمسی سال بھی شریعتِ اسلامیہ میں قابلِ قبول ہے۔ اور وہ قمری سن سے چند دن زیادہ ہوتا ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود صحابہ کرام، خلفاء راشدین اور سابقہ سلاطین اسلامیہ اور فی زمانہ عرب ممالک نے سن ہجری ہی کو اپنایا۔ اسی پر نظام حکومت کو ترویج دیتے چلے آرہے ہیں اور کیوں؟ جنوری، فروری سے وہ بھی آشنا تھے۔ شمسی رفتاروں، تاریخوں کو وہ بھی جانتے تھے۔ دریائے علومِ ادوار کے وہ بھی شناور تھے۔ پاکستانی وہندی مسلمان کوئی زیادہ ترقی یافتہ تو نہیں۔ ازمنۂ سابقہ سے قطع نظر اب بھی عرب لوگ تہذیب اخلاق لین دین اور ایمان داری، تجارت، کاروبار، فراوانی دولت میں سب دنیا سے زیادہ ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سن ہجری کو ہی استعمال کیا۔ انہوں نے پاکستانیوں کی اوندھی عقل کی طرح کیوں نہ سمجھ لیا کہ سن عیسوی میں ہی ترقی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قوم مسلم کو سبق سکھایا۔ یعنی اے مسلمانوں! تم ساری دنیا کے علوم حاصل کرو مگر وابستگی اُن ہی چیزوں سے رکھو۔ جن سے تمہارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نسبت ہو۔ کیونکہ پناہ اپنے ہی آشیانے میں ملتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ شمسی مہینے اور سال بھی اللہ ہی کی مخلوق ہیں۔ مگر رسول اللہ کا پیار صحابہ کرام کی نسبت اور دین اسلام کی تمام عبادات وریاضات اسی سن ہجری سے ہی وابستہ ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کے لیے یہی بہتر ہے کہ سن ہجری کے مہینوں۔ محرم[۱]، صفر[۲]، ربیع الاول[۳]، ربیع الآخر[۴]، جمادی الاول[۵]، جمادی الآخر[۶]، رجب[۷]، شعبان[۸]، رمضان[۹]، شوال[۱۰] ذیقعد[۱۱] اور ذی الحج[۱۲] سے تعلقِ دنیا و آخرت قائم کرے۔ یہ قمری اور سن ہجری کے مہینوں کے نام ہیں۔ یہ اسماء مشہور اگرچہ عرب میں پہلے ہی سے رائج تھے۔ اور نبی کریم کی تشریف آوری سے ایک ہزار سال پہلے ریگستان کے مختلف موسموں کی بنا پر یہ نام رکھے گئے۔ مگر موجودہ سن ہجری آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی کے فوراً بعد مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں رائج ہوئی۔ اور دور فاروقی سے اس پر قانونی طور پر عمل کیا گیا۔ فاروق اعظم ہی کے مشورے سے نبی کریم کی تاریخ ہجرت سے اس کی ابتدا ہوئی۔ اور اس کے مہینے وہی مقرر کیے گئے، جو پہلے سے عرب دنیا میں رائج ومشہور تھے۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ یہ مہینے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے لے کر تشریف لائے۔ اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب حضرت نوح کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی تو محرم کی دس تاریخ تھی۔ اس سے واضح ہوا کہ نوح علیہ السلام کے وقت محرم کا مہینہ رائج تھا۔ ہماری اس تمام گفتگو اور دلائل سے ثابت ہوا کہ کوئی دن کوئی مہینہ کسی نام سے یا کسی موسم اور سیارے سے منسلک سب ہی اسلام میں معتبر ہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

لیلیٰ مجنوں کے تاریخی حالات

سوال نمبر ۲۳۳ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مجنوں کون تھا۔ لیلیٰ مجنوں کے قصّے میں جو مجنون قیس بن عامر مشہور ہے۔ کیا اُس کو رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز ہے۔ اور کیا اس کی ملاقات امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تھی۔ براہِ کرم وضاحت فرمائیں :۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بواسیر کے چھلے جو تانبے یا لوہے کے بنے ہوتے ہیں۔ اور بیماری کے لیے پہنے جاتے ہیں۔ مسلمان مرد و عورت کو جائز ہے یا نہیں ؟ ایسے ہی جرمن کے بنے ہوئے ہیلتھی رِنگ جو بہت سی جسمانی بیماریوں کے علاج کے لیے پہنے جاتے ہیں۔ تانبے یا پیتل کے بنے ہوئے مسلمان مرد اور عورت کو پہنتے جائز ہیں یا نہیں ؟ بَیِّنُوْا وَ تُوْجَرُوْا ؕ

السائل :۔ حضرت قبلہ علامہ ابو العلا محمد عبد اللہ صاحب قادری اشرفی ناظم دار العلوم جامعہ حنفیہ قصور ضلع لاہور۔ مورخہ : ۲۰-۱۲-۱۹۶۸

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

قبلہ علامہ صاحب وعلیکم السلام ثم السلام علیکم۔ استفتاء گرامی تشریف لایا حضرت حکیم الامت حج کے ارادے سے ویزا لگوانے کے لیے علامہ شاہ احمد نورانی صاحب مدظلہ، کی دعوت پر کراچی تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت قبلہ کے اونچے اسباق بھی اور صبح کا درس قرآن و حدیث طیّبین بھی میرے سپرد ہو گئے۔ دار الافتاء کا کام بھی میری ذمہ داریوں میں شامل۔ بحمدِ اللہ تعالیٰ ان سے روزمرّہ فراغت پاکر کتب خانے کا کام بھی سرانجام دیتا ہوں۔ عجب فرحت انگیز ذکر اللہ و ذکرِ رسول میں ایّامِ حیات کو مرادِ دل آویزی نصیب ہے۔ کیا شان ہے مجالس درس و محافل تدریس کی اِس لذّتِ جنون کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو بادۂ عشق میسّر ہو۔ تفکّراتِ دنیا کی عقل بانیوں سے اکتا کر جب کوئی ذی عقل و خرد ہم جیسے مجنون کی محافلِ یگانہ کی جھلک ایک نظر دیکھ لیتا ہے۔ تو کنجِ اطمینانی و سکون قلبی کے اِن گوشوں سے سرشار ہو کر سربسجود و دست بدعا ہو جاتا ہے۔ اور ملتجی بارگاہ ہوتا ہے کہ۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

حسبِ سابق اِسی جنون میں صبح سے لذّتِ علم و فقہ حاصل کر رہا تھا۔ کہ آپ کا استفتاءِ مجنون بدستِ غیر میسّر ہوا۔ پس اسی حالت جنون میں حالاتِ مجنون کی طرف متوجّہ ہوا۔ جو کچھ آنکھوں نے دیکھا اور

اور کانوں نے سنا۔ وہی ذہن میں سمایا۔ اور ذہن نے جو عطا کیا۔ وہی آپ کی خدمت میں قلمِ موشگاف نے پیش کیا۔ لہٰذا جوابِ سوال اس طرح ہے۔ کہ مجنوں کے بارے میں ہمارے مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض تاریخی دنیا میں قدم رکھنے والوں نے تو سرے سے مجنون کے وجود کا انکار ہی کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک فرضی نام ہے۔ اس کے سب قصے عشق کے مثل الف لیلیٰ بناوٹی اور شاعرانہ خیالات و تصورات کی آماجگاہ ہے ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ چنانچہ کتاب الاغانی جلد دوم صفحہ نمبر ص۳ پر ہے:۔ اَخْبَرَنِیْ ھَاشِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الرِّیَاشِیُّ قَالَ سَمِعْتُ الْاَصْمَعِیَّ یَقُوْلُ۔ رَجُلَانِ۔ مَا عُرِفَا فِی الدُّنْیَا قَطُّ اِلَّا بِالْاِسْمِ اَحَدُھُمَا مَجْنُوْنٌ وَّثَانِیْھُمَا ابْنُ الْقِرِّیَّۃِ اِنَّمَا وَضَعَھُمَا الرُّوَاۃُ۔ ترجمہ: مجھ کو ہاشم بن محمد نے خبر دی۔ اس نے کہا ہم کو ریاشی نے بات بتائی۔ اس نے کہا میں نے اصمعی سے سنا۔ وہ کہتا تھا۔ کہ دو مرد دنیا میں فقط نام کے مشہور رہیں۔ ان میں ایک مجنوں دوسرا ابن قریہ۔ یہ دونوں نام صرف ناول نویسوں کے خود ساختہ بنائے ہوئے ہیں۔ ان کا وجود دنیا میں کبھی نہ تھا۔ اسی طرح آج کل ہیر رانجھا، سسی پنوں، سیف الملوک وغیرہ کے بھی حقیقت کے منکر ہیں۔ مگر میں بلا تحقیق کسی چیز کے انکار کے خلاف ہوں۔ یہ کام کسل مندوں کا ہے۔

محقق حضرات مجنون کے وجود اور حقیقت کے قائل ہیں۔ ہاں زمانۂ وجود میں اختلاف ہے۔ چنانچہ سنایا مجھ کو مولانا مبارک محی الدین صاحب خطیب جامع مسجد بیگم پورہ گجرات نے۔ ان کو سنایا جناب صاحبزادہ پیر غلام محی الدین ابن حضرت اعلیٰ پیر سید مہر علی شاہ صاحب نے۔ ان کو فرمایا حضرت اعلیٰ پیر مہر علی شاہ صاحب قبلہ مدّ فیوضہم نے۔ کہ مجنون عاشقِ لیلیٰ حضرت امام حسنؓ بن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رضاعی بھائی تھا۔ اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی اس کا نام مجنون رکھا تھا۔ اس روایت سے ثابت ہو رہا ہے کہ مجنون کی ولادت قرنِ ثانیہ میں ہو۔ اور زیارت امام حسن سے تابعی یا تبع تابعی کا درجہ حاصل ہو۔ مگر مجھ کو اس روایت کی تواریخ سے تحقیق نہ ہو سکی۔ ہو سکتا ہے یہ درست ہو۔ اس لیے کہ محقق اسلام قطبِ وقت پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف منسوب ہے ایک تحقیق یہ ہے کہ مجنوں جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہم زمانہ تھا۔ اور وہ زمانہ دورِ خلافت عباسیہ کا ہے۔ ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب (منصور اور مجنون) کے صفحہ نمبر ص۲۵ پر مجنوں کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے بھی یہ لکھا ہے۔ اگر اس قول کو صحیح تسلیم کیا جائے تو مجنون کا زمانہ تبع تابعین کے بھی بعد آتا ہے۔ کیونکہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا زمانہ تیسری صدی ہجری میں ہے۔ آپ کی وفات شریف ۲۹۸ھ میں ہے۔ اور تبع تابعین کا زمانہ بعد میں آتا ہے کیونکہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا زمانہ تیسری صدی ہجری میں ہے۔ آپ کی وفات شریف ۲۹۸ھ میں ہے اور تبع تابعین کا زمانہ ۲۲۰ھ تک ہے۔ اور تابعین کا زمانہ ۱۶۲ھ تک ہے۔ ان کڑیوں کو جوڑنے سے مجنون کا زمانہ تبع تابعین کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ بعض مورخین نے لکھا کہ یہ مروان بن حکم کے زمانے میں پیدا ہوا۔ فارسی ادب کی کتاب (شعر و ادب) کے آخری صفحات پر مجنون کا وفات نامہ لکھا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی وفات ۲۹۲ھ میں ہوئی۔ جس سے اس کا زمانہ اور پیچھے آجاتا ہے۔ اس کے زمانۂ حیات کی طرح اس کے سلسلۂ نسب میں بھی دو قول ہیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا کہ یہ مجنون قیس بن خطیر ہے۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ مجنوں کا اصل نام قیس ہے۔ اور اس کے والد کا نام ملوح بن مزاحم یمنی تھا۔ بہت خوبصورت دراز قد کا تھا۔

اس کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ قیس بن ملوح بن مزاحم بن عرس بن ربیعہ بن جعدہ بن عامر بن صعصعہ یمن کے مشہور قبیلے بنی عامر میں پیدا ہوا۔ اس کی جائے ولادت یمن کا ایک قریہ ریحان ہے چنانچہ ایسا ہی کتاب الاغانی جلد نمبر دوم صفحہ نمبر ۱۵ پر ہے۔ عرب کے شاعروں کی طرح یہ بھی ایک عاشق مزاج شاعر تھا۔ بیماریِ عشق میں زمانۂ امردی سے مبتلا تھا۔ مگر جھوٹے عاشقوں کی طرح ہر در کا بھکاری نہ تھا بلکہ عاشق صادق تھا۔ اس لیے ایک ہی در سے وابستہ تھا۔ جہاں بھی ہوتا صدا اپنے ہی محبوب کی تھی عشق حقیقی کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ عاشق صادق جس در پر بھی جائے۔ طلب اپنے ہی معشوق کی ہو۔ بلکہ عاشق کا دروازوں پر پھرنا ہی تلاشِ محبوب کے لیے ہو۔ آنکھیں اگرچہ کائنات کو دیکھیں۔ مگر قلبی تصورات اُسی سے معلق ہوں۔ مصرع تیرا ہی تصوّر رہے محفل ہو کہ تنہائی

قیس بن ملوح کا مطمع عشق فقط لیلیٰ بنت مہدی تھی۔ یہ ہی مجنون کی معشوقہ تھی۔ لیلیٰ بنت مہدی بھی قبیلہ بنی عامر سے تھی۔ مگر وطن ولادت نجد تھا۔ مجنون کے مرنے کے بعد اس کا نکاح بنی ثقیف قبیلے کے ایک اور مرد سے ہوا جس کے نطفے سے لیلیٰ کا لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام مالک رکھا گیا۔ اس بنا پر لیلیٰ کی کنیت اُمِ مالک ہوئی۔ بعض شعراء میں یہ مشہور ہے کہ لیلیٰ مجنوں بچپن میں ایک مکتب میں پڑھتے تھے۔ وہیں سے یہ قیس لیلیٰ کا عاشق ہوا۔ پھر عشق بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ ہوا جو دنیا نے دیکھا۔ مگر یہ بات میری تحقیق سے باہر ہے۔

صحیح یہ ہے کہ عشقِ مجنوں کی ابتداء بلوغت سے ہوئی اور جب یہ لیلیٰ کا عاشق ہوا تو اس نے نماز روزہ وغیرہ سب چھوڑ دیا۔ اور مجنونانہ کیفیات سے دربدر پھرنے لگا۔ چھوٹے بڑے پاگل دیوانہ سمجھ کر اس کو ستاتے۔ یہ خاموش رہتا۔ بجز لیلیٰ کے ذکر کے کسی کے ذکر سے اس کی زبان نہ کھلتی چنانچہ

کتاب الاغانی جلد دوم صفحہ نمبر ۱۶ پر ہے۔ فَاِذَا ذُکِرَتْ لَہٗ لَیْلٰی اَنْشَاءَ یُحَدِّثُ عَنْھَا عَاقِلًا وَلَا یُخْطِیُ حَرْفًا۔ وَتَرَکَ الصَّلٰوۃَ، فَاِذَا قِیْلَ لَہٗ مَالَکَ لَا تُصَلِّیْ فَلَمْ یَرُدَّ حَرْفًا وَکُنَّا نَحْبِسُہٗ وَنُقَیِّدُہٗ فَیَعُضُّ لِسَانَہٗ وَشَفَتَہٗ۔ حَتّٰی خَشِیْنَا عَلَیْہِ۔ فَخَلَّیْنَا سَبِیْلَہٗ (ترجمہ)

پس جب ذکر کیا جاتا اس کے سامنے لیلیٰ کا تو وہ بالکل سمجھداری کی باتیں لیلیٰ کے متعلق کرنے لگتا ایک حرف کی بھی غلطی نہ کرتا۔ اور نماز وغیرہ تو چھوڑ ہی چکا تھا۔ تو جب اس سے کہا جاتا کہ تیرا کیا حال ہے تو نماز نہیں پڑھتا تو بالکل خاموش ہو رہتا۔ کبھی کبھی ہم لڑکے اس کا راستہ روک لیتے اور اس کو گھر میں قید کر دیتے۔ تو وہ اپنی زبان کاٹتا ہونٹ کاٹتا۔ یہاں تک کہ ہم اسی کے درد تکلیف اور خون نکلنے کے خیال سے ڈر جاتے۔ تو اس کا راستہ چھوڑ دیتے۔ قیس ایک مسلمان شاعر تھا۔ عشق لیلیٰ سے پہلے یا ظہور سے پہلے اپنے باپ ملوّح بن مزاحم کے ساتھ جا کر حج کیا۔ عشق لیلیٰ کی بناء پر لوگوں نے اس کا نام مجنون رکھ دیا۔ بعد میں اس نے خود اپنا تخلص مجنون رکھ لیا۔ بعض مورخین کا کہنا ہے۔ کہ یہ بچپن سے ہی عاشق ہو گیا تھا۔ اظہار عشق بعد بلوغت ہوا۔ خود اپنے ایک شعر میں کہتا ہے۔ شعر

اِنِّیْ لَمَجْنُوْنٌ بِلَیْلٰی مُؤَکَّلٌ
وَلَسْتُ عَزُوْفًا عَنْ ھَوَاھَا وَلَا جَلْدًا

بیشک میں ہی مجنون ہوں۔ لیلیٰ کے سپرد کیا ہوا۔ اور اپنی لیلیٰ کے عشق میں نہ میں جلد بازی کرنے والا ہوں نہ گھبرانے والا۔ اسکے تمام اشعار ذکر لیلیٰ ہی سے پر ہیں۔ عربی علاقوں میں دیوان قیس عام پڑھا جاتا ہے۔ یہ شعر کتاب الاغانی نے وہیں سے نقل کیا۔ جب کثرت جنون ہوا تو بستی کو چھوڑ کر وادیٔ قریٰ میں جبلِ نعمان کے پاس گوشۂ خلوت اختیار کیا۔ جغرافیائی اعتبار سے جبلِ نعمان نجد اور یمن کے درمیان دو پہاڑ ہیں۔ حضرت حکیم الامت نے یہ مقام دیکھا ہے۔ یہاں باد صبا کا رخ نجد کی طرف ہے۔ قیس کے والد ملوّح نے دو مرتبہ لیلیٰ کے باپ کو پیغام نکاح بھیجا۔ مگر مہدی نے اس غصے کی بناء پر کہ قیس نے میری بیٹی کو گلی گلی بدنام کر دیا۔ نکاح سے انکار کر دیا۔ مجنون نے زندگی کے آخری دن یہیں گزارے اور اسی ریگستانی علاقے میں فوت ہوا۔ قبیلے والوں کو پتہ لگا تو سب کو کف افسوس کے سوا کیا ہوتا البتہ لیلیٰ کا والد روتا تھا اور کہتا تھا۔ کہ میں ہی اس کی اس حالت کا ذمے دار مجرم ہوں۔ مجنون بہت خوبصورت عربی النسل تھا۔ اور لیلیٰ سیاہی مائل گندمی رنگ کی تھی۔ غالباً اسی مناسبت سے اس کا نام لیلیٰ یعنی رات رکھا گیا۔ بہر حال اس کا وجود برحق ہے۔ مثنوی شریف میں بھی اس کا ذکر آتا ہے۔ لغات کشوری کے صفحہ نمبر ۴۲۷ میں ہے۔ کہ قیس عاشق لیلیٰ کا نام ہے۔ مگر چونکہ وہ مجنون فی الدنیا ہے

نہ کہ مجذوب فی الآخرت۔ اس لیے اولیاء اللہ میں، مگر اس کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا رحمۃ اللہ علیہ کے لقب متبرکہ سے اس کو نہیں نوازا جا سکتا۔ کیونکہ جس طرح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین وتبع تابعین سے خاص رہنا بہتر ہے۔ کہ امتیازی شان ظاہر ہو۔ اسی طرح رحمۃ اللہ علیہ اولیاء علماء سے خاص ہے۔ چنانچہ نووی شرح مسلم جلد اول مقدمہ صفحہ نمبر ۱۸ پر ہے۔ وَكَذٰلِكَ يَتَرَضّٰى وَيَتَرَحَّمُ عَلٰى سَائِرِ الْعُلَمَآءِ وَالْاَخْيَارِ (ترجمہ) اور اسی طرح رضی اللہ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ تمام علماء اور بزرگانِ دین پر بولا جائے۔ در مختار جلد پنجم صفحہ نمبر ۶۵۹ پر ہے۔ وَيُسْتَحَبُّ التَّرَضِّيْ لِلصَّحَابَةِ وَالتَّرَحُّمُ لِلتَّابِعِيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْعُلَمَآءِ وَالْعِبَادِ وَسَائِرِ الْاَخْيَارِ وَكَذَا يَجُوْزُ عَكْسُهٗ۔ ترجمہ:۔ مستحب یہ ہے کہ رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب صرف صحابہ کرام کو دیا جائے اور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا لقب تابعین کرام اور بعد والے علماء اسلام متقی بندوں اور تمام دینی بزرگوں کیلئے استعمال کیا جائے۔ ان عباراتِ بالا داعلیٰ وادلیٰ سے ثابت ہوا کہ یہ باوقار القاب صرف علماءِ امت، اور اولیاءِ ملّت کے لیے کہے جا سکتے ہیں۔ دینی لحاظ سے غیر مشہور اشخاص کے لیے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الفاظ استعمال کرنا جائز نہیں۔ ایسے ہی فاسق شرعی مسلمان کے لیے بھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لفظ نہیں استعمال کیے جا سکتے۔ اگرچہ معاشرہ کے لحاظ سے اس کا کتنا ہی اونچا مقام ہو جائے۔ بعض داڑھی منڈانے والے لوگ اصلاحِ معاشرہ یا خدمتِ خلق یا پیری مریدی کی بنا پر مسلمانوں میں اچھا مقام رکھتے ہیں۔ شرعاً اخلاقی طور پر ان کا احترام ٹھیک ہے۔ مگر رحمۃ اللہ تعالیٰ کا لقب ان کے لیے استعمال کرنا گناہ ہے۔ اور استعمال کرنے والا شرعی مجرم گناہ گار ہے۔

دوسرے سوال کا بالتفصیل جواب تو پہلے گھڑی کی چین والے فتوے میں دیا گیا ہے وہاں مطالعہ کرو۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اگر طبیب حاذق یہ کہہ دے کہ اس بیماری کا علاج ہیلیتھی رنگ کے سواء کسی اور چیز سے نہیں ہو سکتا۔ یا بواسیری چھلے کے بغیر ممکن نہیں اور یا اس بیمار نے بہت علاج کرائے مگر شفا نہ ہوئی۔ تب بطورِ تجربہ وعلاج، پنیل، تانبے کا چھلّہ اور ہیلیتھی رنگ پہننا جائز ہے ورنہ نہیں۔ ہمارے علاقے کے مشہور پیرِ طریقت حضرت قبلہ سید ملنگ شاہ صاحب جن کا اب وصال مبارک ہو چکا ہے۔ ان کا مزار مقدس ان کے آبائی وطن قریہ سوق کلاں متصل گجرات مرجع عوام ہے۔ ان کے ایک فرزند سید پیر صفدر شاہ صاحب نے ازاول تا آخر مجھ سے ہی دینی علوم حاصل کیے ہیں۔ اس وقت مسند آرائے سوق کلاں ہیں۔ ان ہی سید ملنگ شاہ صاحب

نے مجھے فرمایا کہ ہیپٹی رنگ کے جواز کے بارے میں قبلہ ابوالبرکات سید احمد صاحب امیر حزب الاحناف لاہور دامت برکاتہم العالیہ نے بھی ارشاد فرمایا کہ حکیم حاذق کا حکم ضروری ہے۔ اور قانون شریعت کے مطابق حکیم حاذق وہ ہے۔ جو متقی مسلمان حرام، حلال کی اہمیت سمجھنے کے ساتھ ساتھ مسائل دینیہ سے بھی کچھ کچھ واقفیت رکھتا ہو۔ اور اپنی طب میں یا حکمت یا ڈاکٹری میں پوری مہارت رکھتا ہو۔ چنانچہ فتاوی شامی جلد چہارم صفحہ نمبر ۲۹۸ پر ہے۔ یَجُوْزُ لِلْعَلِیْلِ لِلتَّدَاوِیْ اِذَا اَخْبَرَہٗ طَبِیْبٌ مُسْلِمٌ اَنَّ فِیْہِ شِفَاءٌ وَلَمْ یَجِدْ مِنَ الْمُبَاحِ مَا یَقُوْمُ مَقَامَہٗ ؕ

ترجمہ:۔ بیمار کے لیے حرام چیز سے علاج کرنا اُس وقت جائز ہے جب مسلمان لائق حکیم یا ڈاکٹر خبر دے کہ اس چیز میں شفا ہے اور اس کے علاوہ کوئی حلال دوائی دستیاب نہ ہوتی ہو۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ ط

کتبــــــــــہ

سوال نمبر ۴۴

کِتَابُ الْفَرَائِض

علم میراث

میراث بانٹنے کا شرعی اسلامی طریقہ

تصنیف لطیف

پیر طریقت حضرت حکیم الامّت مفتی احمد یار خاں صاحب قادری۔ نعیمی۔ بدایونی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم المیراث — حکیم الامت (انا) رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اُولِی الصِّدْقِ وَالصَّفَاءِ **اَمَّا بَعْدُ** پس جاننا چاہیئے کہ علوم دینیہ میں علم میراث نہائیت اہم اور ضروری علم ہے۔ کیونکہ سارے دینی و دُنیاوی علوم کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے۔ لیکن علم فرائض یعنی میراث کا تعلق انسان کی مَوت سے ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں اسے آدھا علم فرمایا گیا۔ یعنی سارے علوم علم کا ایک حصّہ ہیں اور تنہا فرائض دُوسرا حصّہ اسی علم سے میّت کے وارثوں میں عدل وانصاف کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ساری زندگی عبادت و ریاضت میں گزار دے، مگر اپنے وارثوں پر ظلم کر کے مرے۔ کہ بعض کو ظلماً نقصان پہنچا وے۔ تو اُس کی عبادات وریاضات بیکار ہے رحدیث) حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میری والدہ نے میرے والد سے عرض کیا۔ کہ اپنا فلاں باغ میرے بچّہ نعمان کو ھبہ کر دو۔ اور اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی گواہی قائم کرلو۔ چنانچہ میرے والد مجھے بارگاہِ نبوی شریف میں لائے۔ اور عرض کرنے لگے۔ کہ میں فلاں باغ اپنے اس بیٹے نعمان کو دیتا ہوں۔ حضور گواہ رہیں۔ فرمایا کہ کیا تمہارے اور بھی فرزند ہیں۔ عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا۔ کیا اُن سب کو اِتنا اِتنا ہی مال دیا ہے۔ عرض کیا۔ نہیں نعمان کو دیتا ہوں۔ فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ جب تم چاہتے ہو۔ کہ تمہاری ساری اولاد تمہاری خدمت کرے۔ تو تم بھی ساری اولاد میں انصاف سے کام لو۔ نیز حدیثِ پاک میں ارشاد ہوا کہ قیامت کے قریب علم فرائض ایسا اُٹھ جاوے گا۔ کہ دو مسلمان میراث کا مسئلہ لئے پھریں گے۔ کوئی حل کرنے والا نہ ملے گا۔

قرآن کریم نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے احکام تو اجمالی طور پر بیان کئے مگر میراث کے مسائل بہت تفصیل سے ارشاد فرمائے۔ جس سے اس فن کی اہمیّت کا پتہ لگا۔ مَوجودہ مسلمان جہاں دیگر دینی باتوں سے بے پرواہ ہو گئے۔ تقسیم میراث سے بھی بے نیاز ہو گئے۔ آج کل عام پڑھے لکھے لوگ بھی علمِ اوقات اور علم میراث سے بے خبر ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ عام مسلمان نہ نماز کے وقتوں کی پرواہ کرتے ہیں۔ نہ میراث کی صیحح تقسیم کی۔ بعض جگہ تو مسلمانوں نے میراث میں اسلامی قانون چھوڑ کر مشرکین کا قانون قبول کر لیا۔ جس سے اُن کی لڑکیاں میراث سے محروم ہو گئیں۔ گویا معاذ اللہ یہ لوگ جیتے جی تو مسلمان ہیں۔ مگر مرتے ہی بے ایمان۔ یقیناً یہ جرم قابلِ معافی نہیں۔ حقوق اللہ تو۔ توبہ وغیرہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ مگر حقوق العباد زبانی توبہ سے معاف نہیں۔ میراث تمام وارثوں کا حق ہے۔ اگر

اس میں کمی بیشی کر کے کسی کی حق تلفی کی گئی۔ تو اس کی معافی توبہ سے بھی نہ ہوگی۔ مسلمانوں تم بیٹوں کی ناجائز محبت میں اپنی آخرت کیوں برباد کرتے ہو۔ نہ بیٹے تمہیں جنت دیں گے۔ نہ لڑکیاں تمہیں دوزخ میں دھکا دیں گی۔ دونوں تمہارے لخت جگر ہیں اُن سب کو وُہ حق دو جو اللہ تعالیٰ نے مقررہ فرمایا ہے۔ اس میں دین و دُنیا کی بھلائی ہے۔ یہ حالات دیکھتے ہوئے ۱۳۵۲ھ میں جب کہ میں مدرسہ مسکینیہ دھوراجی کاٹھیاواڑ میں مدرس تھا۔ علم فرائض میں یہ رسالہ لکھا۔ جس کا ترجمہ گجراتی زبان میں شائع ہوا۔ پھر اسی کا دُوسرا ایڈیشن اُردو زبان میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن بھی ختم ہوگیا۔ اب جب کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سے مسلمانوں کو حکومتِ اسلامیہ یعنی دولتِ خدا داد پاکستان عطا فرمائی۔ (خدا اسے دائم قائم رکھے) تو اس میں میراث کا اسلامی قانون نافذ ہوا جس سے عام مسلمانوں کو عموماً اور وکلاء و حکام کو خصوصاً میراث کے مسائل سیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور میراث کے مسائل بہت آنے لگے۔ ساتھ ہی اس کتاب کی مانگ بھی بڑھ گئی۔ تب حضرت مخدوم سید شاہ محمد معصوم صاحب قادری نوری دام فیوضہم نے اس رسالہ کو تیسری بار چھاپنے کا حکم دیا۔ اُن کے ارشاد کے مطابق رسالہ پر سہ بارہ نظر کر کے اس کا تیسرا ایڈیشن شائع کیا گیا۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صدقے سے اُسے قبول فرمائے اور میرے لئے توشۂ آخرت وصدقہ جاریہ بنائے۔ اس رسالہ میں سراجی و شریفیہ سے مسائل لئے گئے اور کہیں کہیں ردّالمختار وغیرہ فقہ کی معتبر کتابوں سے فوائد بیان کئے گئے ہیں۔ انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ زبان نہایت سہل اور عبارت خوب واضح رہے۔ اور ہر مسئلہ مثال سے سمجھایا گیا ہے۔ مگر چونکہ فن ہے۔ اس لئے ناظرین کو چاہیئے کہ بار بار بغور اس کا مطالعہ کریں۔ اگر کوئی قانون یا مسئلہ سمجھ میں نہ آوے۔ تو کسی فرائض جاننے والے عالم سے حل کر لیں۔ جو کوئی اس رسالہ سے فائدہ اُٹھائے مجھ فقیر بے نوا کے لئے دُعاءِ حُسنِ خاتمہ کرے۔ رب تعالیٰ اسلام کا بول بالا کرے۔ مسلمانوں کو اپنی اطاعت کی توفیق بخشے اور مجھ بندۂ مسکین گنہگار کو شدّتِ نزع وحشتِ قبر، دہشتِ حشر سے امن میں رکھے۔ آمین آمین یا رب العالمین وصلّی اللہ تعالیٰ علی خیرِ خلقہٖ و نورِ عرشہٖ سیّدنا محمد و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ؛؛

احمد یار خاں نعیمی اشرفی بدایونی وارد حال گجرات پاکستان ۸ محرّم الحرام ۱۳۵۹ھ یوم دوشنبہ مبارکہ۔

مالِ میت کے مصارف

جو مسلمان مر جاتا ہے۔ تو شرعًا اس کے مال[1] میں چار حق ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تو اُس کے مال سے اس کے کفن[2] دفن میں خرچ کیا جاوے گا۔ اس طرح کہ نہ اس میں زیادتی کی جاوے گی۔ نہ کمی نہ زیادتی مثلاً جتنا کفن سنّت تھا[3] اُس سے زیادہ کپڑے دے دے۔ یا اتنا قیمتی کفن دے۔ جس کو مرنے والا اپنی زندگی میں کسی وقت نہ پہنتا تھا۔ اور کمی یہ کہ جتنے کپڑے کفن میں سنّت ہیں۔ اُس سے کم دیئے جاویں۔ مثلاً مرد کو دو کپڑے یا عورت کو چار کپڑے دے۔ کہ یہ سنّت سے کم ہے۔ یا ایسی کم قیمت کا کپڑا کفن میں دیا جاوے۔ جو یہ مرنے والا اپنی زندگی میں نہ پہنتا تھا۔ کفن دفن سے جو مال بچے۔ اُس سے مرنے والے پر جو کسی کا قرضہ ہو۔ وُہ ادا کیا جائے۔ قرض ادا کرنے کے بعد جو مال بچا۔ اُس کے تہائی حصّہ سے میّت کی وصیّتیں پُوری کی جائیں۔ اگر اُس نے وصیّت کی ہو۔ وصیّت کے پُورا کرنے کے بعد جو مال بچے اُس کو مرنے والے کے وارثوں پر شریعت اسلامیہ کے مطابق تقسیم کیا جاوے گا۔

وارثوں پر مال تقسیم کرنے کی ترتیب[5]

میّت کا جو مال اُوپر ذکر کی ہوئی چیزوں سے بچے اُس ترتیب سے وارثوں پر تقسیم کیا جاوے کہ سب سے پہلے ذی فرض لوگوں کو اُن کے حصّہ شرعی کی برابر دیا جاوے۔ ذی فرض وُہ وارث ہے جس کا

---

[1] یہ چار باتیں جو بیان کی گئی ہیں۔ میّت کے اپنے مال میں جاری ہوں گی۔ اگر کسی دوسرے کا مال میّت کے پاس امانت یا گرو رکھا ہے۔ یا کوئی مکان میّت کے پاس کرایہ پر تھا۔ تو یہ چیز مالک کو واپس کر دی جاویں گی کیونکہ یہ میّت کا مال نہیں۔ تاکہ اُس میں یہ کام کئے جاویں۔ ردّ المحتار۔ منہ

[2] کفن میں بہتر یہ ہے کہ ایسے کپڑے کا دیا جاوے۔ جیسے کپڑے پہن کر مرنے والا اپنے دوست احباب سے ملنے جایا کرتا تھا۔ کہ یہ کفن درمیانی ہے شریفیہ منہ [3] کفن سنّت مرد کے لئے تین کپڑے اور عورت کے لئے پانچ کپڑے ہیں۔ ۱ کرتہ ۲ تہبند ۳ لفافہ یعنی بڑی چادر یہ مشترک ہیں۔ مرد و عورت دونوں کے لیے ۴ دوپٹہ ۵ سینہ بند۔ یہ صرف عورت کے لیے [4] وارثوں پر مال تقسیم کرنے کی ترتیب کا حاشیہ صفحہ نمبر پر ہے۔

حصّہ قرآن شریف میں مقرر کر دیا گیا ہے۔ وُہ بارہ شخص ہیں۔ ۴ مرد اور آٹھ عورتیں جن کا پُورا پُورا ذکر آگے آتا ہے۔

ذی فرض سے جو بچے وُہ نسب والے عصبہ کو دیا جاوے۔ نسب والے عصبہ میّت کے کنبہ کے وہ لوگ ہیں جن کا حصّہ قرآن شریف میں مقرر نہیں کیا گیا۔ بلکہ وُہ ذی فرض سے بچا ہُوا مال لیتے ہیں۔ اور اگر ذی فرض نہ ہوں تو پُورے مال کے وارث بنتے ہیں۔ اُن کا ذکر بھی آگے آوے گا؛

اگر نسب والے عصبہ نہ ہوں تو سببی کو مال دیا جاوے۔ سببی عصبہ آزاد کرنے والے مالک یا آزاد شُدہ غلام کو کہتے ہیں۔ مثلاً ایک آزاد کیا ہوا غلام مرا۔ اس کا عصبہ نسبی کوئی نہیں۔ اور اس کے پاس مال ہے۔ تو اس کا آزاد کرنے والا مولا اس مال کو لے گا!

ف پھر آزاد کرنے والے کے عصبہ اسی ترتیب سے جو اُوپر گزری۔ یعنی اوّل تو مالک کے نسبی عصبہ اُور اگر یہ نہ ہوں۔ تو اس مالک کے سببی عصبہ مگر اس صُورت میں مالک کے اُن عصبات کو ملے گا۔ جو مرد کی قسم سے ہوں۔ عصبہ عورتوں کو نہ ملے گا۔ اسی طرح اگر مالک مرے۔ تو یہ آزاد شُدہ غلام اس کے ترکہ کا وارث ہوگا؛

ص۵ - ۴ پھر اگر میّت کے دونوں قسم کے عصبات نہ ہوں۔ تو ذی فرض لوگوں پر ہی بچا ہُوا مال دوبارہ تقسیم کر دیا جاوے۔ اور جتنا جتنا انہیں پہلے ملا تھا۔ اسی حساب سے اب بچا ہُوا۔ مال ان پر دوبارہ تقسیم کر دیا جاوے گا۔ اس کا پوُرا بیان آگے آوے گا؛

ص۶ ! پھر اگر میّت کے ذی فرض وارث بھی نہ ہوں۔ تو اس شخص کو میّت کا مال دیا جاوے گا۔ جو میّت کا رشتہ دار تو ہو۔ مگر ذی فرض یا عصبہ نہ ہو۔ اس کا نام ذی رحم ہے۔ اس کی جمع ذوی الارحام اس کا ذکر بھی انشاء اللہ آگے آوے گا!

---

۴ رحاشیہ از سابقہ صفحہ بقیہ : میّت کے مال کا ورثہ اس کے مرنے کے بعد وارثوں کو ملتا ہے۔ میّت کے مرنے سے پہلے کوئی اس کے مال کا وارث نہیں۔ بلکہ وہ خود مالک ہے۔ کہ اپنی زندگی اور تندرستی میں جس کو جتنا چاہے دے۔ ہاں واجب یہ ہے۔ کہ زندگی میں اگر اپنے وارثوں کو مال تقسیم کرے۔ تو اُن کے حق نہ مارے۔ اگر کسی وارث کو نقصان پہنچانے کے لئے ایسا کیا۔ تو بہت گناہگار رہوا۔ واللہ اعلم ردّالمختار کتاب الوقف۔ منہ!

ص۵ ! اس بیان میں جتنی چیزیں ذکر کی جاویں گی۔ اُن میں بعض آج کل ہمارے ملک میں نہیں پائی جاتیں۔ جیسے غلام یا آزاد کرنے والا۔ یا بیت المال۔ لیکن بحث کی تکمیل کے لئے وُہ بھی لکھ دی گیئں۔ ۱۲۰!

ے پھر اگر یہ بھی نہ ہوں تو میّت کا مال مولیٰ موالات لے گا۔ مولیٰ موالات وُہ شخص ہے۔ جس سے میّت نے اپنی زندگی میں وعدہ کر لیا تھا۔ کہ اگر پہلے میں مروں تو میرا مال تو لینا۔ اور اگر پہلے تو مرے تو تیرا مال میں لوں گا!

۸ : پھر اگر یہ بھی نہ ہو۔ تو وہ شخص مال کا وارث ہوگا۔ جس کے نسب کا مرنے والے نے اپنے مورث سے دعویٰ کیا تھا۔ مثلاً کہا تھا۔ کہ یہ میرا بھائی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ میّت کا بھائی وُہ ہی ہوگا۔ جو میّت کے باپ کا بیٹا ہو۔ گویا میّت اُسے اپنا بھائی کہہ کر اپنے باپ سے اس کا نسب ثابت کر چکا ہے۔ لیکن دوسری طرف سے اس شخص کا یہ رشتہ اس مرنے والے سے ثابت نہ ہو۔ یعنی نہ تو خود اس مُورث نے کہا۔ کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اور نہ کسی دوسرے شخص نے اِس کی گواہی دی۔ اس کو عربی میں مُقَرٌّ لَہٗ بِالنَّسَبِ عَلَی الْغَیْرِ کہتے ہیں۔

۹ ! اگر یہ بھی موجود نہ ہو تو اُس شخص کو مال ملے گا۔ جس کو میّت نے تہائی مال سے زیادہ کی وصیّت کی ہو۔ اگر میّت کے وارث لوگ موجود ہیں۔ تو تہائی مال سے زیادہ کی وصیّت جائزہ نہیں۔ اگر میّت نے زیادہ وصیّت کر بھی دی۔ تو تہائی مال سے ہی جاری کی جاوے گی۔ اِسی طرح جو شخص وارث ہونا ہو۔ اس کے لئے بھی وصیّت جائز نہیں۔ اگر کر دی۔ تو قبول نہیں ہاں اگر دوسرے وارث مان جاویں۔ تو جائز ہے۔

۱۰ پھر اگر یہ بھی نہ ہو تو بیت المال میں مال رکھا جاوے۔ کہ تمام مسلمانوں کے کام آوے۔ لیکن علامہ شامی نے فرمایا کہ چونکہ اب بیتُ المال ظالموں کے قبضے میں ہیں کہ وہاں کے مال صحیح مصرف شرعی طریقہ

لے اگر کوئی وارث ذی فرض اور عصبہ اور ذی رحم نہ ہو۔ تو اس شخص کو میّت کا سارا مال ملے گا۔ ہاں اگر خاوند مرا اور اس کا بیوی کے سوا کوئی اور وارث نہیں یا عورت مری اور اس کے خاوند کے سوا کوئی نہیں تو اس خاوند یا بیوی کے حصّہ کے بعد جو بچے اس شخص کو دیا جاوے گا۔ دُرِّمختار رمنہ۔

جس قتل سے قصاص واجب ہوتا ہے۔ وہ قتل ہے جو ایسے دھار والے ہتھیار سے جان بُوجھ کر قتل کیا جاوے جس سے جسم کٹ سکے۔ جیسے لکڑی یا پتھر یا لوہے کی پتلی دھار والی چیز اس کے سوا اگر اور کسی طرح قتل کیا جاوے۔ تو اس سے قصاص نہیں۔ اِسی طرح اگر کسی جانور کو شکار کر رہا تھا۔ اور گولی اِنسان کے لگ گئی۔ یا سوتے میں اس نے کروٹ لی اور دُوسرا آدمی اِس پر گرا۔ اور اس سے مر گیا۔ لیکن اِن سب صُورتوں میں قاتل میّت کے مال سے حصّہ نہ پاوے گا۔ کیونکہ ان صورتوں میں اگرچہ قصاص تو نہیں۔ مگر کفارہ واجب ہے۔ ہاں اگر ایسا ہوا کہ وارث نے کنواں کھدوایا۔ اور میّت اِس میں گر کر مر گیا۔ تو اس سے وہ محرُوم نہیں۔

ردّالمحتار بتشریفی۔

پر صرف نہیں ہوتے۔ لہٰذا ب حتی الامکان کسی میّت کا مال بیت المال میں نہ جانے دو۔ ایسے لا وارث کا مال فقرأ پر تقسیم کردو!

ورثہ سے محروم کرنے والی چیزیں!

چار چیزیں وارث کو ورثہ سے محروم کر دیتی ہیں۔ یعنی اگر ان چیزوں میں سے ایک بھی کسی وارث میں پائی جاوے تو اس کو اپنے رشتہ دار کے مال سے کچھ بھی نہ ملے گا۔ غلام ہونا۔ یعنی جب کہ وارث کسی کا غلام ہو۔ تو اپنے کسی رشتہ دار کی میراث نہ پاوے گا۔

نمبر ۲ سمجھدار بالغ وارث کا بلاوجہ اس طرح میّت کو قتل کرنا جس سے قصاص یا کفارہ واجب ہو۔ قصاص کے معنے ہیں۔ قتل کرنے والے کو بدلہ میں قتل کرنا۔ اگر نابالغ بچہ یا دیوانہ آدمی اپنی دیوانگی کی حالت میں کسی مورث کو قتل کر دے۔ تو اس سے وُہ ورثہ سے محروم نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر وارث نے اپنے قرابت دار کو حق[1] کی وجہ سے قتل کیا۔ تو بھی یہ قاتل ورثہ سے محروم نہ ہوگا!

نمبر ۳ وارث اور میّت کا دین جُدا ہونا یعنی وارث مسلمان ہے۔ اور میّت کافر تھا۔ یا میّت مسلمان تھا۔ اور وارث کافر ہے۔ یا اس طرح کہ وارث .... اسلام کے سوا اور دین میں داخل ہے۔ تو یہ ورثہ سے محروم ہے۔ نمبر ۴! میّت[2] اور وارث کا وطن الگ الگ یا دشامنتوں[3] میں ہونا۔ لیکن یہ وطن الگ جب جانا جاوے گا

---

[1] حق کی وجہ یہ ہے۔ کہ مثلاً میّت اس کو قتل کرنے آیا۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے اس کو قتل کر دیا۔ یا باغی ہو ہو کر آیا۔ اُس نے بادشاہ برحق کی طرف سے قتل کیا۔ ردّ المحتار منہ!

[2] وطن کا الگ الگ ہونا کافروں کے لئے محروم کرنے والا ہے۔ مسلمان خواہ کسی ملک میں ہو۔ اپنے قرابت دار مسلمان کا حصّہ پاوے گا۔ ردّ المحتار منہ ::

[3] وطن الگ الگ ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں۔ اوّل تو دونوں الگ الگ مالک ہوں۔ جیسے ایک ہندوستان میں رہتا ہے۔ اور دُوسرا ترکستان میں دُوسرے دونوں ملکوں کا بادشاہ الگ الگ ہو۔ تیسرے ان دونوں ملک والوں میں آپس میں لڑائی ہو۔ کہ اس ملک کا آدمی اگر اس ملک میں آوے۔ تو یہاں کے لوگ اس کو قتل کر دیں اگر یہاں کا آدمی اس مُلک میں جاوے۔ تو وُہ لوگ قتل کر دیں۔ اِن تینوں باتوں میں سے اگر ایک بھی نہ ہو گی۔ تو اس کو الگ وطن نہ کہا جاوے گا۔ ردّ المحتار و درّ مختار منہ ::

جب دونوں ملکوں کے بادشاہ مستقل اور الگ الگ ہوں۔ اور ان بادشاہوں کی فوج اور لشکر الگ ایک بادشاہت ہیں الگ الگ ریاستیں جن کے نواب رہے علیحدہ ہوں۔ مختلف وطن نہیں کہلائے جائیں گے۔

وارثوں اور اُن کے حصوں کا بیان

قرآن شریف میں وارثوں کے جو حصے مقرر کیے گئے ہیں۔ وُہ کل چھ[۶] ہیں۔ آدھا[۱] $\frac{1}{2}$ = چوتھائی = $\frac{1}{4}$ = آٹھواں[۳] حصہ = دو تہائی = $\frac{2}{3}$ = ایک تہائی[۵] = $\frac{1}{3}$ = چھٹا حصہ[۶] = $\frac{1}{6}$۔

ان حصوں کے پانے والے وارث کُل بارہ ہیں۔ جن میں چار[۴] مرد ہیں اور آٹھ[۸] عورتیں۔ چار[۴] مرد یہ ہیں! میت کا باپ[۱]، میت کا صحیح[۱] دادا[۲]، ماں شریکا[۳] بھائی یعنی میت اور اس کے باپ الگ الگ ہوں۔ اور ماں ایک ہو۔ خاوند[۴]۔

آٹھ عورتیں یہ ہیں۔

میت کی بیوی[۱]، بیٹی[۲]، پوتی[۳]، سگی بہن[۴] یعنی میت اور اس کے ماں باپ ایک ہی ہو۔ باپ[۵] شریکی بہن یعنی میت اور اس بہن کا باپ ایک ہی ہو مگر والدہ علیحدہ ہو۔ اس کو عربی میں علاتی بہن کہتے ہیں۔ اور اس کی ماں الگ ہو اور باپ ایک ہی ہو۔

باپ[۵] کے تین[۳] حال ہیں۔ اگر میت نے بیٹا یا پوتا بھی چھوڑا ہے۔ تو باپ کو کل مال کا چھٹا ملے گا۔ اور اگر میت نے بیٹی یا پوتی چھوڑی ہے اور بیٹا یا پوتا نہ چھوڑا۔ تو باپ کو کُل مال کا چھٹا حصہ بھی ملے گا۔ اور باپ عصبہ بھی ہوگا یعنی اگر کچھ مال بچ رہے۔ تو وُہ بھی باپ لے گا۔ جیسے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا۔ اُس نے ایک باپ اور ایک بیٹی چھوڑی۔ تو کُل مال کے چھ[۶] حصہ کرکے اوّل ایک حصہ باپ کو دیا جاوے گا۔ اور آدھا یعنی تین لڑکی کو اب دو[۲] باقی بچے۔ وُہ بھی پھر باپ کو عصبہ ہونے کی وجہ سے دے دیئے جاویں گے تو لڑکی کو بھی تین ملیں گے۔ اور باپ کو بھی۔ مگر باپ کو ایک تو اُس کے فرضی حق کا اور دو[۲] عصبہ ہونے کی وجہ سے اس کی مثال یہ ہے۔

لڑکی ۶ ——————— باپ ۲ زید

ف[۱]: صحیح دادہ وُہ ہے۔ جس کا رشتہ میت سے باپ کی طرف سے ہو۔ یعنی اِس کے رشتہ میں ماں داخل نہ ہو جیسے باپ کا باپ یا باپ کا دادا اور فاسد دادا وُہ ہے۔ جس کے میت کے ساتھ رشتہ میں ماں ہو۔ جیسے ماں کا باپ یعنی نانا یا ماں کا دادا۔ صحیح دادا تو ذی فرض ہے۔ اور فاسد دادا یعنی نانا نہ تو ذی فرض ہے۔ اور نہ عصبہ بلکہ ذوی الارحام میں سے ہے۔ شریفیہ منہ۔

اور اگر میّت نے اولاد یعنی بیٹا یا بیٹی یا پوتی نہ چھوڑی۔ تو باپ کو صرف عصبۂ ملے گا۔ یعنی جو باقی دوسرے ذی فرض وارثوں سے بچے گا۔ وُہ باپ لے گا۔ صحیح دادا کے چار حال اس طرح کہ!

صحیح[1] دادا باپ کی طرح ہے۔ یعنی جو تین حال باپ کے تھے۔ وُہی دادا کے ہیں۔ مگر باپ کے ہوتے ہوئے دادا محرُوم رہے گا۔ کیونکہ میّت سے باپ کا رشتہ قریب ہے۔ اور قریب کے ہوتے ہوئے دُور والے کو نہیں ملتا۔

ماں شریکی اولاد کے تین حال ہیں۔ اگر ایک ہے۔ تو تمام مال کا چھٹا حصّہ ملے گا۔ اور ایک سے زیادہ دُو یا تین ہیں۔ تو اُن کو کُل مال کا تیسرا حصّہ ⅓ ملے گا۔ اور اس میں ماں شریکی بہن اور ماں شریکی بھائی برابر ہوگا۔ یعنی جیسے اور جگہ ہوتا ہے۔ کہ بھائی کو بہن سے دُو گنا ملتا ہے۔ ایسا یہاں نہ ہوگا۔ بلکہ بہن بھائی کے برابر حصّہ پائے گی۔ جیسے مرنے والے کے ایک ماں شریکی بہن اور ایک ماں شریکا بھائی ہے اور اُن کے حصّہ میں چار آئے۔ تو دُو بھائی کو ملیں گے اور دُو بہن کو۔ اور یہ لوگ میّت کی اپنی اولاد یا میّت کے بیٹے کی اولاد یا باپ دادا کے ہوتے ہوئے محروم ہو جائیں گے۔ یعنی میّت نے بیٹا یا بیٹی یا پوتا پوتی یا باپ دادا یا ان میں سے ایک چھوڑا ہے تو اخیافی یعنی ماں شریکی بہن بھائی محروم۔

خاوند کے دُو حال ہیں۔ اگر اس کی بیوی نے اپنے پیٹ کی اولاد چھوڑی ہے۔ خواہ اُسی خاوند سے ہو۔ یا دُوسرے خاوند سے تو خاوند کو کُل مال کا چوتھائی حصّہ ملے گا۔ اور اگر اولاد نہیں چھوڑی۔ تو کُل مال کا آدھا حصّہ ملے گا۔

عورتوں کے حصّوں کا بیان

بیوی چاہے ایک ہو یا زیادہ اس کے دُو حال ہیں۔ اگر میّت نے اپنے نطفہ کی اولاد یا اولاد کی اولاد چھوڑی ہے۔ چاہے اُسی بیوی سے ہو۔ یا کسی دُوسری بیوی سے۔ تو بیوی کو کُل مال کا آٹھواں حصّہ ملے گا۔ اور اگر اولاد نہیں چھوڑی۔ تو کُل مال کا چوتھائی حصّہ ملے گا ::

بیٹی[2]۔ بیٹی کے تین حال ہیں۔ اگر بیٹی ایک ہے۔ تو کُل مال کا آدھا حصّہ ملے گا۔ اگر ایک سے زیادہ

---

[1] صحیح دادا وُہ ہے۔ جس کا رشتہ میّت سے فاسد دادا کے ذریعہ نہ ہو۔ یعنی اس کے اور میّت کے بیچ میں فاسد دادا نہ آتا ہو تو ماں اور باپ کی ماں اسی طرح ماں کی نانی پرنانی صحیح دادی ہے اور ماں کی دادی اور باپ کی ماں کی دادی فاسد دادی ہے۔ کیونکہ اس کے بیچ میں فاسد دادا آگیا۔ پہلی میں تو نانا اور دوسری میں باپ کا نانا۔ اور یہ دونوں فاسد دادا ہیں۔ اس کو خوب غور سے سمجھنا چاہیئے شریفیہ منہ ::

ہیں۔ تو کل کا ۲/۳ دو تہائی حصہ پاوے گی۔ اگر میّت نے بیٹی کے ساتھ بیٹا بھی چھوڑا ہے۔ تو یہ بیٹی اُسکے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاوے گی۔ اور ذی فرض وارثوں سے جو مال باقی بچے گا۔ اس کو اُن پر اِس طرح تقسیم کیا جاوے گا۔ کہ بیٹے کو دو حصہ اور بیٹی کو ایک حصہ۔

پوتی کے کُل چھ حالات ہیں۔ اگر اکیلی ہے۔ تو کُل مال کا آدھا پاوے گی۔ اور اگر ایک سے زیادہ ہے۔ تو کُل مال کا دو تہائی ۲/۳۔ مگر یہ جب ہے۔ کہ میّت نے پوتی کے ساتھ کوئی بیٹی نہ چھوڑی ہو۔ اگر پوتی کے ساتھ ایک بیٹی بھی چھوڑی ہے۔ تو پوتی کو مال کا چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر دو بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ تو اب پوتی محروم۔ ہاں اگر دو بیٹیوں اور پوتی کے ساتھ کوئی پوتا یا پرپوتا بھی چھوڑا ہے۔ تو یہ پوتا یا پرپوتا اس پوتی کو عصبہ کر دے گا۔ کہ جو ذی فرض کے بعد باقی بچے گا۔ وہ اس طرح تقسیم کیا جاوے گا۔ کہ پوتی کو ایک حصہ اور پوتے کو دو حصے۔ اور اگر میّت نے اپنا بیٹا چھوڑا ہے۔ تو پوتی محروم۔

نمبر ۴ :- سگی بہنوں[1] کے پانچ حال ہیں۔

اگر ایک ہے۔ تو کُل مال کا آدھا۔ اور اگر ایک سے زیادہ ہیں۔ تو کُل مال کا دو تہائی حصہ اور اگر بہن کے ساتھ سگا بھائی بھی ہے۔ تو بہن عصبہ ہے اور مال اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو دو حصہ اور بہن کو ایک حصہ، اور اگر میّت نے بہنوں کے ساتھ بیٹیاں یا پوتیاں بھی چھوڑی ہیں۔ تو اس صورت میں بہنیں عصبہ ہوں گی۔ اور اگر میّت نے بہن کے ساتھ بیٹا یا پوتا یا باپ یا دادا چھوڑا ہے۔ تو بہن محروم ؛؛

نمبر ۵ باپ[2] شریکی بہن کے کُل سات حال ہیں۔ اگر ایک ہے۔ تو کُل ترکہ کا آدھا ملے گا۔ اور اگر ایک سے زیادہ ہیں۔ تو وہ دو تہائی ۲/۳ کی مستحق ہوں گی۔ مگر یہ جب ہے۔ کہ جب سگی بہن نہ ہو۔ اگر اُن کے ساتھ ایک سگی بہن بھی ہے۔ تو اس کو چھٹا حصہ اور دو سگی بہنیں بھی ہیں۔ تو باپ شریکی بہن محروم۔ ہاں اگر کوئی باپ شریکا بھائی بھی ہو۔ تو یہ عصبہ ہو جاویں گی۔ اور اُن کے آپس میں مال اس طرح تقسیم کرنا ہوگا کہ بھائی کو دو حصہ اور بہن کو ایک حصہ اور باپ شریکی بہن اپنے بھائی اور میّت کی بیٹی یا پوتی کے ہوتے ہوئے عصبہ ہو جاویں گی۔ اور یہ بھی بیٹے اور پوتے اور باپ اور دادا کے ہوتے ہوئے محروم رہیں گے۔

---

[1] یعنی بہن کے ماں اور باپ دونوں ایک ہی ہوں۔ اس کو عربی زبان میں حقیقی کہتے ہیں۔

[2] یعنی جو باپ میں شریک ہوں۔ اور ماں دونوں کی الگ الگ ہوں۔ اس کو عربی میں عَلّاتی کہتے ہیں۔

جیسے باپ کے ہوتے ہوئے۔ پوتا محروم یا جس طرح بیٹا نہ ہو تو پوتا حق دار کر دادا محروم یا بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا محروم کر دادا اور پوتے کا رشتہ باپ اور بیٹے کی وجہ سے ہے۔ ہاں۔ ماں شریکے بھائی، بہن ماں کے ہوتے ہوئے محروم نہیں ہوتے ::

دُوسرا قاعدہ یہ ہے۔ کہ قریب کے رشتہ دار ہوتے ہوئے دُور کا رشتہ دار محروم ہو جاتا ہے۔ جو وارث ورثہ سے خود محروم ہو جاتا ہے۔ وُہ دوسرے وارث کو نقصان نہیں پہونچا سکتا جیسے ایک شخص نے کافر بیٹا چھوڑا۔ تو یہ کافر بیٹا میّت کی ماں۔ یا بیوی کا حصّہ کم نہیں کر سکتا۔ اِسی طرح قاتل اور غلام کر کسی کے حصّہ کو کم بھی نہیں کر سکتے۔ اور کسی کو ورثہ سے محروم بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن جس وارث کو دُوسرے وارث نے ورثہ سے محروم کر دیا ہو۔ وُہ دوسرے وارث کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ جیسے میّت کے دُو بھائی اگر باپ کی وجہ سے محروم ہو جاویں۔ تو اگرچہ خود تو میّت کے مال سے حصّہ نہ پاویں گے لیکن میّت کی ماں کا حصّہ کم کر دیں گے۔ اس کی مثال۔

زید ۶

بھائی	بھائی	ماں	باپ

اِس صورت میں باپ کی وجہ سے اگرچہ دونوں بھائی محروم رہے۔ مگر ماں کا حصّہ کم کر دیا گیا۔ اگر یہ دونوں بھائی نہ ہوتے۔ تو ماں کو کل مال کا تہائی ۱/۳ حصّہ ملتا۔ اب ان کے ہونے سے چھٹا حصّہ ملا۔

مال سے وارثوں کے حصّے نکالنے کا بیان

قرآن شریف میں جو وارثوں کے حصّے مقرر کئے گئے ہیں۔ دُو طرح کے ہیں۔

۱ :- اوّل میں آدھا = ۱/۲ و چوتھائی = ۱/۴ و آٹھواں حصّہ = ۱/۸ شامل ہیں۔

۲ :- دوسرے میں ۲/۳ یعنی دو تہائی و ۱/۳ یعنی ایک تہائی و ۱/۶ یعنی چھٹا حصّہ شامل ہیں۔ اگر کسی مسئلہ میں اِن حصّوں میں سے کوئی ایک بھی حصّہ ہووے۔ تو وہ مسئلہ اِس حصّے کے مخرج[۱] سے بنے گا۔ کسر کا

۱؎ مطلب یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں جیسی کسر کا حصّہ آوے گا۔ اُسی کسر کے مخرج سے مسئلہ کیا جاوے گا۔ مخرج کی تعریف آگے آوے گی۔ اور آدھے کے سواء باقی ہر کسر کا مخرج اِس کا ہم نام عدد ہے۔ جیسے چوتھائی

مخرج وہ عدد ہے۔ جو اس حصّہ کی طرح نام رکھتا ہو جیسے اگر کسی مسئلہ میں آدھا آوے تو مسئلہ دو سے بنے گا اور اگر مسئلہ میں تہائی ⅓ حصّہ آئے تو مسئلہ تین سے بنے گا اور اگر مسئلے میں چوتھائی آوے تو مسئلہ چار سے بنے گا اور اگر آٹھواں حصّہ آوے۔ تو مسئلہ آٹھ سے بنے گا۔ اور اگر چھٹا حصّہ آوے۔ تو چھ ۶ سے جیسے ایک آدمی مرا۔ اس نے ایک بیوی اور بیٹا چھوڑا۔ تو اس مسئلہ میں بیوی کا آٹھواں حصّہ ہے۔ اس لئے مسئلہ آٹھ سے ہوگا۔ اُن میں سے ایک بیوی کو اور سات بیٹے کو، اور اگر بیوی اور ایک بھائی چھوڑا ایسی بیوی کا حصّہ چوتھائی ہے۔ تو مسئلہ چار ۴ سے بنے گا۔ یعنی کُل مال کے چار حصّہ کر کے ایک بیوی کو اور تین حصّہ بھائی کو دیئے جاویں گے۔ اِسی طرح اور مسئلے بھی معلوم کرو۔ اور اگر کسی مسئلہ میں اِن حصّوں میں سے دو ۲ تین حصّہ جمع ہو گئے تو یا ایک ہی قسم کے دو ۲ حصّہ ہوں گے۔ جیسے آدھا اور آٹھواں حصّہ جمع ہو گیا۔ یا آدھا و چوتھائی و آٹھواں جمع ہو گئے۔ یا کسی مسئلہ میں تہائی حصّہ و چھٹا جمع ہوئے۔ تو اُس صورت میں چھوٹی کسر کے مخرج سے مسئلہ کیا جاوے گا۔ کیونکہ جس عدد سے چھوٹا حصّہ نکلے گا۔ اسی عدد سے اِس حصّہ کا دو ۲ گنا بھی بنے گا۔ جیسے ایک مسئلہ میں چوتھائی اور آٹھواں حصّہ جمع ہو گئے۔ تو مسئلہ آٹھ سے بنایا جاوے کیونکہ آٹھ میں

(حاشیہ بقیہ از صفحہ نمبر) کا مخرج چار۔ پانچویں حصّہ کا مخرج پانچ ۵ اسی طرح اَور وں کو معلوم کرو۔ اور اگر کسی مسئلہ میں کئی کسروں کے حصّے آ گئے۔ تو ایسے عدد سے مسئلہ بناؤ جو ان دونوں کا مخرج بن سکے۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جن دو کسروں کا مخرج مشترک معلوم کرنا ہو۔ تو پہلے ان دونوں کسروں کا الگ الگ مخرج معلوم کر لو۔ پھر ان دونوں مخرجوں میں نسبت معلوم کرو اگر ان دونوں مخرجوں میں تداخل ہے جب تو بڑا عدد ان دونوں کسروں کا مخرج ہے جیسے چوتھائی اور آٹھواں حصّہ اُن کا مخرج معلوم کرنا ہے تو پہلے چار آٹھ کو الگ الگ معلوم کیا۔

پھر دیکھا کہ چار اور آٹھ میں تداخل ہے۔ تو سمجھ لیا۔ کہ آٹھ دونوں کا مخرج ہے۔

پھر ان دونوں مخرجوں میں نسبت معلوم کرو۔ اگر ان دونوں مخرجوں میں تداخل ہے۔ جب تو بڑا عدد ان دونوں کسروں کا مخرج ہے جیسے چوتھائی اور آٹھواں حصّہ اُن کا مخرج معلوم کرنا ہے۔ تو پہلے چار اور آٹھ کو الگ الگ معلوم کیا۔ پھر دیکھا۔ کہ چار اور آٹھ میں تداخل ہے۔ تو سمجھ لیا۔ کہ آٹھ دونوں کا مخرج ہے۔ اور اگر اِن دونوں ہم مخرجوں میں توافق ہے۔ تو ایک مخرج کے وفق کو دوسرے مخرج سے ضرب دو جو حاصل ہو۔ وُہ اُن دونوں کسروں کا مخرج ہے۔ جیسے چوتھائی اور چھٹے حصّے کا مخرج معلوم کرنا ہو تو پہلے چار ۴ اور چھ ۶ کو لیا۔ اُن میں آدھے کا توافق ہے۔ تو چھ کے آدھے یعنی تین کو چار میں ضرب دی۔

(بقیہ آگے دیکھیئے)

سے آٹھواں حصّہ بھی بن سکتا ہے۔ اور اس کا دُوگنا چوتھائی بھی بن سکتا ہے۔ اسی طرح اگر مسئلہ میں چھٹا حصہ اور تہائی حصہ جمع ہوگئے تو مسئلہ چھ سے بنے گا۔ اس سے چھٹا حصہ۔ اور اس کا دُوگنا یعنی تہائی دونوں نکل سکتے ہیں اور اگر اِن دو قسموں میں سے کوئی حصّہ دُوسری قسم کے کسی حصّہ کے ساتھ جمع ہوکر آوے۔ تو اگر آدھا دُوسری قسم کے کسی حصّہ کے ساتھ یا سارے حصّوں سے جمع ہو کر آوے۔ تو مسئلہ چھ سے ہوگا۔ اور اگر چوتھائی دُوسری قسم کے کسی حصّہ یا تمام حصّوں سے مل کر آوے۔ تو مسئلہ بارہ سے بنے گا۔ اور اگر آٹھواں حصّہ دوسری قسم کے کسی حصّہ یا سارے حصوں کے ساتھ جمع ہوکر جاوے۔ تو مسئلہ چوبیس سے بنے گا۔ اس قاعدہ کو خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

عول کا بیان

عول کے معنی یہ ہیں کہ وارثوں کے حصّے جب ملائے جاویں۔ تو اُس عدد سے بڑھ جاویں۔ جس سے مسئلہ بنا تھا۔ مثلاً مسئلہ چھ سے بنا تھا۔ اور وارثوں کے حصّے ملائے گئے۔ تو آٹھ ہو گئے۔ جیسے ایک عورت مری۔ اُس نے خاوند، ماں اور دُو بہنیں چھوڑیں۔ تو مسئلہ چھ سے ہوا۔ اُس میں سے آدھا یعنی تین خاوند کو ملے۔ اور ایک ماں کو ملا۔ اور چار دونوں بہنوں کو ملے۔ تو کُل مسئلے کے آٹھ حصّے ہوئے۔ حالانکہ مسئلہ چھ سے بنا تھا۔ اس صورت میں مال کے آٹھ حصّے کر کے اسی طرح بانٹ دیا جاوے گا۔ جاننا چاہیئے۔ کہ جن عددوں سے مسئلے بنتے ہیں۔ وُہ کُل سات عدد ہیں۔ جن میں سے چار عدد تو ایسے ہیں۔ جن کا کبھی عول نہیں ہوتا۔ دُو۔ تین۔ چار۔ آٹھ اگر کوئی مسئلہ ان میں سے کسی عدد سے بنے گا۔ تو مسئلے کے حصّے اِن عددوں سے نہ بڑھیں گے۔ اور تین عدد ایسے ہیں۔ جن کا عول ہو جاتا ہے۔ جیسے چھ، بارہ، چوبیس۔ ان تینوں میں سے چھ کا دس تک عول ہو سکتا ہے۔ یعنی جس مسئلہ کو چھ سے بنایا گیا ہے۔ اُس کے حصّوں کی زیادتی سات، آٹھ، نو، دس تک ہو سکتی ہے

ے حاشیہ بقیہ از صفحہ نمبر) اس سے بارہ حاصل ہوا۔ یہ بارہ چوتھائی اور چھٹے حصّے کا مخرج ہے اور اگر ان دونوں مخرجوں میں تباین ہے۔ تو ایک مخرج کو دوسرے میں ضرب دو۔ جو حاصل ہو۔ وُہ اِن دونوں کسروں کا مخرج جیسے چوتھائی اور پانچواں حصّہ کا مخرج معلوم کرنا ہے۔ تو چار اور پانچ کو لیا۔ اور چار کو پانچ میں ضرب دی۔ جس سے بیس حاصل ہوا۔ یہ بیس چوتھائی اور پانچویں حصّہ کا مخرج ہے۔ واللہ اعلم۔ منہ۔

اور بارہ [۱۲] کا سترہ [۱۷] تک عول ہو سکتا ہے۔ یعنی جو مسئلہ بارہ [۱۲] سے بنا ہو۔ اس کے حصے سترہ [۱۷] تک بڑھ سکتے ہیں۔ اس طرح کہ تمام حصے مل کر تیرہ [۱۳] یا پندرہ [۱۵] یا سترہ [۱۷] ہو جاویں۔ چودہ [۱۴] یا سولہ [۱۶] نہیں ہو سکتے اور چوبیس [۲۴] فقط ستائیس [۲۷] تک بڑھ سکتا ہے۔ یعنی جو مسئلہ کہ چوبیس [۲۴] سے بنا ہو۔ اس کا عول صرف ستائیس [۲۷] ہوگا۔ پچیس [۲۵] یا چھبیس [۲۶] نہیں ہو سکتا

عددوں [۱] کا حال معلوم کرنے کا بیان

اگر دو [۲] عدد برابر ہوں۔ تو ان کو مساوی کہتے ہیں۔ جیسے چار روپیہ اور چار [۴] آدمی اُن میں آدمیوں کا عدد یعنی چار [۴] روپوں کے عدد یعنی چار کے برابر ہے۔ اور اگر دو [۲] عدد آپس میں چھوٹے بڑے ہوں۔ تو وہ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ چھوٹا عدد بڑے کو مٹا دے۔ یعنی بڑا عدد چھوٹے پر برابر بٹ جاوے۔ اس کو تداخل کہتے ہیں۔ جیسے چار [۴] اور آٹھ [۸] کہ یہ دونوں چھوٹے بڑے عدد ہیں۔ لیکن بڑا عدد یعنی آٹھ [۸] چھوٹے عدد یعنی چار [۴] پر برابر بٹ جاتا ہے۔ اور اگر بڑا عدد چھوٹے عدد پر برابر نہ بٹ سکے تو یا تو کوئی تیسرا [۳] عدد اُن دونوں کو مٹا دے گا۔ یا نہیں یعنی یا تو کوئی تیسرا عدد ایسا نکلے گا۔ جس پر چھوٹا بڑا دونوں عدد برابر بٹ جاویں گے۔ اس کو توافق کہتے ہیں جیسے چھ [۶] اور نو کہ یہ دونوں عدد آپس میں چھوٹے بڑے تو ہیں۔ لیکن بڑا عدد چھوٹے عدد پر برابر

؎ جس سے چیزوں کی گنتی کی جاوے۔ اس کی عدد کہتے ہیں۔ جیسے ۲۔۳۔۴۔۵ وغیرہ اور عدد کے ٹکڑوں کو کسر کہتے ہیں۔ جیسے آدھا، تہائی، چوتھائی، آٹھواں کہ یہ پورے عدد نہیں بلکہ عدد کے ٹکڑے ہیں ان کسروں میں سے جو کسر جس عدد میں جا کر ایک بن جاوے۔ اس عدد کو اس کسر کا مخرج کہتے ہیں۔ جیسے آٹھ کہ اس کا آٹھواں حصہ ہے تو آٹھ وہ عدد ہے کہ جس سے آٹھواں حصہ ایک بن گیا۔ اگر اس سے چھوٹا عدد لیتے ہیں۔ جیسے سات یا چھ تو اس کا آٹھواں حصہ ایک نہ بنتا۔ تو کہا جاوے گا کہ آٹھ کا عدد آٹھویں حصہ کا مخرج ہے اسی طرح چار کہ چوتھائی حصہ چار میں ایک بن جاتا ہے اس طرح کے چار کا چوتھائی ایک ہے۔ اگر چار سے چھوٹا عدد لیں تو اس کا چوتھائی حصہ ایک نہ بنے گا۔ بلکہ ایک سے کم رہے گا۔ تو کہا جاوے گا۔ کہ چار اپنے چوتھائی حصہ یعنی ۱/۴ کا مخرج ہے۔ یوں سمجھ لو کہ آدھے کے سوا ہر کسی کسر کا مخرج اس کا نام عدد ہوگا تہائی کا مخرج تین۔ چوتھائی کا مخرج چار آٹھویں حصہ کا مخرج آٹھ دسویں حصہ کا مخرج دس۔

بقیہ آگے صفحہ

بٹتا نہیں۔ مگر ہاں یہ دونوں عدد تین پر برابر بٹ جاتے ہیں۔ اسی کو توافق کہتے ہیں۔ پھر وہ تیسرا عدد جس پر یہ دونوں عدد برابر بٹ جاویں۔ جس کسر کا مخرج بنتا ہو۔ اُس توافق کو اُسی کسر کی طرف نسبت دیں گے۔ جیسے چار ۴ اور چھ ۶ کہ ان دونوں کو دو ۲ کا عدد مٹا دیتا ہے۔ اور دو ۲ آدھے کا مخرج ہے۔ تو کہا جاوے گا۔ کہ چار ۴ اور چھ ۶ میں آدھے کا توافق ہے۔ اسی طرح چھ ۶ اور نو ۹ کہ اس کو تین مٹا دیتا ہے۔ اور تین تہائی کا مخرج ہے تو کہا جاوے گا۔ کہ چھ ۶ اور نو ۹ میں تہائی کا توافق ہے۔ اور اگر یہ چھوٹے بڑے عدد ایسے ہوں کہ نہ تو اُن میں سے بڑا چھوٹے پہ برابر بٹتا ہو۔ اور نہ ان دونوں کو تیسرا عدد مٹا سکتا ہے۔ تو اس کو تباین کہتے ہیں۔ جیسے سات اور نو یا گیارہ اور پندرہ ۱۵ کہ یہ چھوٹے اور بڑے ہیں۔ مگر نہ تو اُن میں سے چھوٹا بڑے کو مٹاتا ہے۔ اور نہ کوئی تیسرا عدد اُن دونوں کو مٹا سکتا ہے۔ اُس کی پہچان یہ ہے کہ بڑے عدد کو چھوٹے عدد پر بانٹ دو۔ اور جب بڑا بٹ کر چھوٹا رہ جاوے تو پھر اُن میں بڑے کو چھوٹے پر بانٹ دیا جاوے۔ اسی طرح بار بار کرو۔ اگر آخر میں ایک بچا۔ تو سمجھو کہ ان دونوں میں تباین ہے۔ اور اگر ایک سے زیادہ بچا تو سمجھو کہ ان دونوں میں توافق ہے اب جو عدد بچ رہا۔ وہ جس کسی کسر کا مخرج ہو۔ اُسی کسر کی طرف اُس توافق کی نسبت دے دو۔ جیسے چوبیس ۲۴ کو نو ۹ پر بانٹ دیا تو چوبیس ۲۴ میں سے نو دوبارہ نکل گئے۔ دوبار نو ۹ کے نکلنے سے چوبیس ۲۴ میں سے چھ ۶ بچے۔ اب چھ ۶ چھوٹا عدد ہے۔ اور نو ۹ بڑا عدد تو اب نو ۹ کو چھ پر بانٹ دیا تو نو ۹ میں چھ ۶ ایک دفعہ نکلنے سے تین باقی بچے۔ تو کہا جاوے گا۔ کہ نو ۹ اور چوبیس ۲۴ میں تہائی کا توافق ہے اس کو خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ آگے اس کا بہت کام پڑے گا

تصحیح یعنی حصے برابر کرنے کا طریقہ اور اس کا بیان

حصّوں کو برابر برابر کر کے بانٹنے میں سات قاعدوں کے جاننے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اُن میں سے تین قاعدوں میں تو صرف ایک ہی گروہ کے وارثوں کے عدد اور اُن کے حصّوں کو دیکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً دیکھو۔ کہ بیٹے

بقیہ حاشیہ ۱ اسی طرح اوروں کو اپنی عقل سے معلوم کر لو۔ ۱۲ منہ، غفرلہ، ولوالدیہ و لاستاذہ ؛؛

۵ جب کہ وارثوں کے کسی گروہ کا حصہ اس گروہ پر برابر پورا نہ بٹ سکے۔ تو ضرب وغیرہ دے کر ایسی صورت کی جاتی ہے۔ جس سے وہ حصے برابر بٹ جاویں۔ اس کو مرد لے ہیں تصحیح کہتے ہیں۔ اس کے سات قاعدے ہیں۔ اگر ایک ہی گروہ کے وارثوں پر کسر پڑے۔ یعنی وارثوں کے ایک ہی گروہ کا حصہ اُن پر

کتنے ہیں۔ اور اُن کو مال میں سے کتنے حصّے ملے ہیں۔ اور ان میں کیا نسبت ہے۔ اور چار قاعدوں میں ایک قسم کے وارثوں کے عدد کو دُوسری قسم کے وارثوں کے عدد کے طریقوں کے ساتھ دیکھنا پڑتا ہے۔ یعنی اس طرح کہ بیٹے تین ہیں اور بیٹیاں پانچ ہیں۔ تو دیکھا جاوے۔ کہ تین کو پانچ سے کیسی نسبت ہے۔

پہلے تین قاعدے کہ جن میں وارثوں اور اُن کے حصّوں کو دیکھا جاتا ہے۔ اُن میں سے پہلا قاعدہ تو یہ ہے۔ کہ وارث کے حصّے برابر برابر وارثوں پر بٹ جاویں۔ جب تو ضرب وغیرہ دینے کی ضرورت نہیں۔ جیسے کہ:۔

مسـ ـــــــ زید

بیٹی	بیٹی	باپ	ماں
۲	۲	۱	۱

اس صُورت میں مال کے چھ۶ حصّے کر کے ایک تو ماں اور باپ کو دیا جاوے گا۔ اور کُل مال کا دو تہائی یعنی چار دونوں بیٹیوں کو دیئے جاویں۔ اس طرح کہ دو ایک بیٹی کو اور باقی دو دُوسری بیٹی کو۔

دُوسرا قاعدہ یہ ہے کہ وارثوں کے صرف ایک گروہ پر اُن کے حصّے برابر نہ بٹ سکتے ہوں۔ تو اب اُن وارثوں کے اور اُن کے حصّوں کے عدد کو دیکھا جاوے۔ اگر اُن میں توافق ہے۔ تو وارثوں کے عدد کے وفق کو سے کر اس عدد میں ضرب دے دی جاوے۔ جس سے مسئلہ ہوا ہے۔ اور اگر اس مسئلہ میں عول ہے۔ تو عول سے ضرب دے دی جاوے۔ یعنی اگر وارثوں کے عدد اور اُن کے حصّوں کے عدد میں توافق آدھے کا ہے۔ تو وارثوں کے عدد کا آدھا لے کر مسئلہ کے عدد سے ضرب دے دی جاوے۔ پھر جو عدد ضرب دینے سے بنے۔ اُس سے مسئلہ کر دیا جاوے۔ جیسے!

۲/۶ زید
مسـ ـــــــ

۱۰ عدد	۴ بیٹی ۴/۲۰	باپ ۱/۵	ماں ۱/۵

اس صورت میں مال کے کل چھ۶ حصّے کئے جاویں گے۔ اس میں سے ایک حصّہ ماں کو اور ایک حصّہ باپ کو۔ چار۴ حصّے بیٹیوں کو لیکن بیٹیاں دس ہیں۔ اور اُن کے حصّے چار۴ تھے۔ چار۴ حصّے دس لڑکیوں

(بقیہ حاشیہ) پُورا پُورا نہ بٹ سکے۔ اور باقی دوسروں کے حصّے برابر اور پورے بٹتے ہوں۔ تو اس کے لئے پہلے تین قاعدے ہیں اور اگر ایک سے زیادہ گروہوں پر کسر ہو تو اس کے چار قاعدے ہیں ۱۲۔ منہ؛؛

پر برابر نہیں بٹتے۔ تو اب چار ۴ اور دس ۱۰ ہیں۔ نسبت دیکھی۔ معلوم ہوا کہ دو ۲ پر چار اور دس پورے پورے بٹ جاتے ہیں۔ اس لئے ان میں آدھے کا توافق ہے۔ پس دس کے آدھے یعنی پانچ کو چھ ۶ میں ضرب دی۔ تو تیس ۳۰ ہوئے۔ ان میں سے پورے پانچ پانچ ماں باپ کے کو دیئے گئے۔ اور بیس ۲۰ دس لڑکیوں کو دیئے گئے۔ اب ان میں سے ہر لڑکی کو پورے دو دو ۲ آ گئے۔ اصل مسئلہ چھ ۶ سے ہو کر تیس ۳۰ سے صحیح کیا گیا۔

تیسرا ۳ قاعدہ یہ ہے۔ کہ جن وارثوں کے گروہ پر حصہ برابر نہیں بٹتا۔ اور ان وارثوں کے عددوں اور حصہ کے عددوں میں توافق نہیں ہے۔ تو اس صورت میں ان وارثوں کے پورے عددوں کو اس عدد میں ضرب دیں گے۔ جس سے مسئلہ ہوا۔ اور اگر مسئلہ تباین ہے تو عول سے ضرب دیں گے۔ اس کی مثال یہ ہے۔ کہ!

زید ۶/۳۰

مسئلہ

۵ عدد	لڑکیاں	ماں	باپ
	۴/۲۰	۱/۵	۱/۵

اس صورت مسئلہ چھ ۶ سے کر کے ایک ماں باپ کو دیا گیا۔ اور چار۔ پانچ لڑکیوں کو دیئے گئے مگر چار حصے پانچ لڑکیوں پر پورے نہیں بٹ سکتے۔ اور چار پانچ میں تباین ہے۔ تو پورے پانچ کو چھ ۶ میں ضرب دی۔ جس سے تیس ۳۰ حاصل ہوئے اس لئے مسئلہ اس طرح کر دیا گیا۔ کہ پانچ پانچ ماں باپ کو اور بیس ۵ لڑکیوں کو اب یہ بیس ۲۰ ۵ لڑکیوں پر پورے بٹ گئے۔ کہ ہر لڑکی کو چار چار مل گئے۔ دوسرے چار ۴ قاعدے جن میں ایک گروہ کے وارثوں کے عدد کو دوسرے گروہ کے عدد کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ ان میں سے پہلا قاعدہ یہ ہے:۔

کہ وارثوں کے دو ۲ یا زیادہ گروہ ہوں پر ان کا ملا ہوا حصہ برابر پورا نہیں بٹ سکتا۔ تو اگر ان کے عددوں ۱ میں آپس میں برابری ہے۔ مثلاً لڑکوں اور بیٹیوں پر ان کا حصہ پورا نہیں بٹتا۔

۱؎ ان چار ۴ قاعدوں میں بھی پہلے ہر گروہ کے وارثوں اور ان کے حصوں کے عددوں میں نسبت دیکھی جاوے گی۔ اگر حصہ کے عدد اور گروہ کے وارثوں کے عددوں میں بھی توافق ہوگا۔ تو وارثوں کے عددوں کے وفق کو رکھا جاوے۔ اور اگر تباین ہے۔ تو وارثوں کا عدد پورا رکھا جاوے۔ پھر ان رکھے ہوئے عددوں میں نسبت دیکھی جاوے گی۔ جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے۔ ۱۲ منہ:

اور لڑکے بھی چار ہیں۔ اور بیٹیاں بھی چار۔ تو اس میں قاعدہ یہ ہے۔

کہ وارثوں میں سے ایک کے عدد کو مسئلہ کے مخرج سے ضرب دی جاوے۔ جس سے مسئلہ بنا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص مرا۔ اُس نے چھ ۶ لڑکیاں، تین ۳ دادیاں اور تین ۳ چچا چھوڑے مسئلہ چھ ۶ سے ہو کر چھٹا حصہ یعنی ایک تین دادیوں کو اور چار ۴ چھ لڑکیوں کو اور ایک باقی تینوں چچاؤں کو ملے گا۔ مثال:

زید ۶/۱۸

چچا ۳	دادی ۳	لڑکیاں ۶
۱/۳	۱/۳	۴/۱۲

یہاں وارثوں کے تین گروہ ہیں۔ ایک لڑکیوں کا، دُوسرا دادیوں کا، تیسرا چچاؤں کا۔ ان تینوں گروہوں کو حصہ اتنا ملا۔ کہ اُن پر برابر نہیں بٹتا۔ چھ ۶ لڑکیوں کو چار ملے۔ تین دادیوں کو ایک، اسی طرح تینوں چچاؤں کو بھی ایک ملا۔

اب چھ ۶ لڑکیوں کو جو چار ۴ ملے ہیں۔ اُن چھ ۶ اور چار ۴ میں آدھے کا توافق ہے۔ تو ہم نے لڑکیوں کے عدد کا آدھا یعنی تین لیا۔ چچا اور دادیوں کے عددوں اور اُن کے حصّوں میں تباین ہے۔ تو اُن کے پورے عدد یعنی تین تین لئے۔ اب گویا تین لڑکیاں، تین دادیاں اور تین چچا ہیں۔ اُن سب میں آپس میں برابری ہے۔ تو ایک تین کو اصل مسئلہ یعنی چھ ۶ میں ضرب دی۔ جس سے ۱۸ حاصل ہوئے۔ اُن میں سے ۱۲ تو چھ ۶ لڑکیوں کو اور ۳ تین دادیوں کو۔ ۳ تینوں چچاؤں کو دے دیئے گئے۔ جو اُن پر برابر بٹ گئے لہذا مسئلہ چھ ۶ سے ہوا اور ۱۸ سے صحیح کیا گیا۔

دُوسرا قاعدہ یہ ہے کہ وارثوں کے چند گروہوں پر حصہ برابر نہیں بٹتا اور اُن گروہوں کے عددوں میں آپس میں تداخل ہے۔ یعنی اس کا چھوٹا عدد بڑے کو مٹا دیتا ہے۔ تو اس میں یہ حکم ہے۔ کہ بڑے عدد کو اس مخرج سے ضرب دے دی جاوے۔ جس سے مسئلہ بنا ہے۔ جیسے:۔

زید ۱۲/۱۴۴

چچا ۱۲	دادیاں ۳	بیوی ۴
۷/۸۴	۲/۲۴	۳/۳۶

اس صورت میں چار۴ بیویوں کو تین۳ ملے۔ اور ۴ و ۳ میں تباین ہے۔ لہٰذا بیویوں کا پورا عدد یعنی چار لیا گیا۔ اسی طرح ۳ دادیوں کو دو۲ اور ۱۲ چچاؤں کو سات ملے۔ اور تین اور دو۲ میں اور ۱۲ و ۷ میں تباین ہے۔ لہٰذا اُن کا پورا عدد لیا گیا۔ یعنی تین تو دادیوں کا، اور ۱۲ چچاؤں کا عدد۔ اب ہمارے پاس تین عدد ہیں۔ ۴ و ۳ و بارہ۱۲ اور بارہ کے عدد میں ۳ و ۴ دونوں داخل ہیں۔ یعنی ۳ و ۴ دونوں پر بارہ۱۲ تقسیم ہو جاتا ہے۔ تو بڑے عدد یعنی ۱۲ کو اصل مسئلہ یعنی ۱۲ میں ضرب دی۔ جس سے ۱۴۴ حاصل ہوئے۔ اُن میں سے ۳۶ تو چار بیویوں کو دیئے گئے۔ ۲۴ تین دادیوں کو۔ اور ۸۴ بارہ۱۲ چچاؤں کو اب یہ سب حصے سب وارثوں پر پورے پورے بٹ گئے۔

تیسرا۳ قاعدہ یہ ہے۔ کہ وارثوں کے جن گروہوں پر اُن کے حصے برابر نہیں بٹتے۔ اُن کے بعض کے عدد دوسروں کے عدد سے توافق رکھتے ہیں۔ اس صورت میں قاعدہ ہے۔

کہ بعض کے عدد کے وفق کو دوسرے ورثہ کے عدد سے نسبت دی جاوے۔ اگر یہ حاصل ضرب دوسرے ورثہ کے عدد سے توافق رکھتا ہے۔ تو اس مجموعہ کے وفق کو دوسرے ورثہ کے پورے عدد میں ضرب دی جاوے۔ اور اگر اُن دونوں میں تباین ہے۔ تو پورے کو دوسرے ورثہ کے پورے عدد میں ضرب دی جاوے۔ اسی طرح جتنے ورثہ کے حصے برابر نہ ہوں۔ اُن میں یہی معاملہ کیا جاوے جب تمام کام ختم ہو جاوے۔ تو مجموعہ کو مسئلہ کے مخرج میں ضرب دی جاوے۔ اس کی مثال یہ ہے۔

زید

۴۳۲۰ / ۲۴

مسـ

بیوی ۴	لڑکیاں ۱۸	دادیاں ۱۵	چچا ۶
۳	۱۶	۴	۱
۵۴۰	۲۸۸۰	۷۲۰	۱۸۰

اس صورت میں میت کے مال کے پہلے چوبیس۲۴ حصے کئے گئے۔ اُن میں سے آٹھواں حصہ یعنی ۳ چاروں بیویوں کو دیا گیا۔ بیویاں چار ہیں۔ اور اُن کے حصے تین۔ چار اور تین میں تباین ہے۔ تو ہم نے اس چار کو محفوظ رکھا۔ اور سولہ لڑکیوں کو ملے۔ اور لڑکیاں ۱۸ ہیں۔ اُن کے حصے ۱۶ اور ۱۶ و ۱۸ میں تداخل نہیں تو دیکھا کہ ۱۶ اور ۱۸ میں کیا نسبت ہے۔ معلوم ہوا کہ

اُن دونوں عددوں کو دو^۲^ مٹا سکتا ہے۔ تو ۱۶ و ۱۸ میں۔ آدھے کا توافق ہے۔ لہٰذا لڑکیوں کا آدھا عدد یعنی نو^۹^ لیئے دادیاں پندرہ^۱۵^ ہیں۔ اُن کے حصّے چار^۴^ اور ۱۵ و ۴ میں تباین ہے۔ اِسی طرح چچا چھ^۶^ ہیں۔ اُن کا حصّہ ایک اور چھ و ایک میں تباین ہے۔ تو دادیوں اور چچاؤں کے عدد پورے باقی رکھے گئے اَب ہمارے پاس اِتنے عدد حاصل ہو گئے۔ ۴ و ۶، ۱۵ و ۹، اب اُن عددوں کو آپس میں دیکھا کہ اُن میں کیا نسبت ہے۔ معلوم ہوا کہ ۴ و ۶ میں آدھے کا توافق ہے۔ تو چار کے آدھے یعنی دو^۲^ کو چھ^۶^ میں ضرب دیئے ۱۲ حاصل ہوئے اب ۱۲ اور ۹ میں تہائی کا توافق ہے۔ کیونکہ ان دونوں کو ۳ مٹا دیتا ہے۔ پس ۱۲ کے تہائی یعنی ۴ کو ۹ میں ضرب دیا۔ جس سے ۳۶ حاصل ہوئے اور ۳۶ و ۱۵ میں دیکھا گیا تو وُہ ہی تہائی کا توافق تھا۔ کہ ۳ پر ۳۶ و ۱۵ دونوں برابر بٹ جاتے ہیں۔ تو ۱۵ کا تہائی ۵ لے کر ۳۶ میں ضرب دیا گیا۔ تو ۱۸۰ حاصل ہوئے۔ اب ۱۸۰ کو ۲۴ میں ضرب دیا گیا۔ تو ۴۳۲۰ حاصل ہوئے۔ جس سے مسئلہ صحیح کیا گیا۔ اس کو ان وارثوں پر اِس طرح بانٹا گیا[1]۔ کہ چاروں بیویوں کو ۵۴۰ دیئے گئے اور ۱۸ لڑکیوں کو ۲۸۸۰ دیئے گئے اور ۱۵ دادیوں کو ۷۲۰ دیئے گئے۔ اور ۱۸۰ چھ^۶^ چچاؤں کو دیئے گئے۔ مسئلہ صحیح ہو گیا!

چوتھا قاعدہ یہ ہے۔ کہ جب وارثوں کی ایک سے زیادہ جماعتوں پر اُن کے حصّے پورے نہ بٹتے ہوں۔ اور وُہ وارثوں کے عدد آپس میں تباین کی نسبت رکھتے ہوں تو ایک گروہ کے عدد کو دُوسرے گروہ کے پوُرے عدد میں ضرب دیں گے۔ اور اِس سے جو عدد حاصل ہوگا۔ وہ بھی اگر تیسرے گروہ کے وارثوں کے عدد سے تباین رکھتا ہو۔ تو اس کو بھی تیسرے گروہ کے پورے عدد میں ضرب دیں گے۔ پھر جو عدد ان سب ضربوں سے حاصل ہوگا۔ اِس کو مسئلہ کے عدد میں ضرب دیں گے اس کی مثال یہ ہے۔

زید

۵-۴۰ / ۲۴	بیوی ۲	دادیاں ۶	لڑکیاں ۱۰	چچا ۷
	۳ / ۶۳۰	۴ / ۸۴۰	۱۶ / ۳۳۶۰	۱ / ۲۱۰

اس صُورت میں میّت کے مال کے چوبیس^۲۴^ حصّے کیئے گئے۔ دو^۲^ بیویوں کو تین اور چھ دادیوں

---

[1] تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ چار فریقے سے زیادہ پر کسر نہیں پڑتی۔ ۱۲ منہ

کو ۴۸ اور دسوں لڑکیوں کو ۱۱۹ اور ساتوں چچاؤں کو ایک دیا گیا۔ اُن گروہوں میں سے کسی کا حصّہ اُس پر پورا نہیں تقسیم ہوتا۔ بیویوں کے عدد اور اُن کے حصّوں میں تباین ہے۔ اور دادیوں کے عدد اور اُن کے حصّوں میں آدھے کا توافق ہے۔ تو اِس کا آدھا یعنی تین لیا گیا۔ اسی طرح لڑکیوں کے عدد اور اُن کے حصّوں میں آدھے کا توافق ہے۔ تو لڑکیوں کے عدد کا آدھا لیا گیا۔ یعنی ۵۔ اور چچاؤں کے عدد اور اُن کے حصّوں میں تباین ہے۔ اِس کو پورا رکھا گیا۔ اب ہمارے پاس اتنے عدد ہوئے ۲ و ۳ و ۵ و ۷ اُن سب میں آپس میں تباین ہے۔ تو ۲ دو کو تین میں ضرب دی چھ حاصل ہوئے۔ اور چھ اور پانچ میں تباین ہے۔ تو چھ اور پانچ میں ضرب سے ۳۰ حاصل ہوئے اسی طرح ۳۰ و ۷ میں تباین ہے۔ تو ۳۰ کو ۷ میں ضرب دینے سے کُل ۲۱۰ حاصل ہوئے۔ اس ۲۱۰ کو اصل مسئلہ کے مخرج یعنی ۲۴ میں ضرب دی۔ تو کُل ۵۰۴۰ حاصل ہوئے۔ اس سے مسئلہ صحیح کیا گیا۔ اور پھر وارثوں پر اس طرح بانٹ دیا۔ کہ دونوں بیویوں کو ۶۳۰ چھ دادیوں کو ۸۴۰ دسوں لڑکیوں کو ۲۲۶ اور ساتوں چچاؤں کو ۲۱۰!

صحیح کیے ہوئے مسئلہ سے ہر گروہ اور اس کے ہر وارث کو علیحدہ علیحدہ حصہ دینے کا طریقہ اور اس کا بیان

مسئلہ کو بیان کئے ہوئے طریقوں سے صحیح کرنے کے بعد جب کہ وارثوں کے ہر گروہ کو اس سے

حاشیہ باقی۔ صحیح کئے ہوئے مسئلہ سے وارثوں کو بانٹنے کا قاعدہ۔ یہ ہے کہ جس عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دی گئی تھی۔ اس عدد میں اس وارث کے اِس حصّہ کو ضرب دے دی جاوے۔ جو اصل مسئلہ سے ملا ہے۔ جیسے یہاں ۱۸۰ کو ۲۴ میں ضرب دیا گیا ہے۔ تو اب صحیح کئے ہوئے مسئلہ یعنی ۴۳۲۰ سے ہر وارث کو اس طرح دیں گے کہ جس کو ۲۴ میں سے جس قدر حصّے ملے ہوں گے۔ اُن حصّوں کو ۱۸۰ میں ضرب دیں گے۔ جو حاصل ہوگا وُہ اُس وارث کو دیا جائے گا۔ یہاں ۲۴ میں سے چار بیویوں کو تین ملے تھے۔ اُن تین کو ۱۸۰ میں ضرب دی۔ ۵۴۰ حاصل ہُوئے۔ وُہ بیویوں کا حِصّہ ہوا۔ اور لڑکیوں کو ۲۴ میں سے ۱۶ ملے تھے۔ اُن ۱۶ کو ۱۸۰ میں ضرب دیا۔ تو کُل ۲۸۸۰ ہوئے۔ یہ لڑکیوں کو دیئے گئے۔ اسی طرح عقل سے معلوم کرلو۔ انشاءاللہ اس کا بیان آگے بھی آوے گا ۱۲ منہ؛؛

حصہ دینا چاہیں۔ تو جس عدد کو اصل مسئلہ کے مخرج میں ضرب دی گئی تھی۔ اُس عدد میں ہر گروہ کے اُس حصّے کو ضرب دی جاوے۔ جو اُس کو اصل مسئلہ سے ملا ہے۔ پھر جو حاصل ہو۔ وہ ہی اس گروہ کا حصّہ ہے۔ جیسے مسئلہ نمبر ۴ ۲ سے ہُوا۔ اور ۲۱ کو ۲۴ میں ضرب دے کر مسئلہ کو تصحیح کیا گیا۔ تو جس گروہ کو ۲۴ میں سے ۱۶ ملے تھے۔ اس کے حصّے ۱۶ کو ۲۱ میں ضرب دی جاوے۔ اس سے جو ۳۳۶ حاصل ہوئے وہ اس گروہ کا حصّہ ہے۔ اب اگر اس حصّے کو اس گروہ کے وارثوں پر الگ الگ بانٹنا چاہو۔ تو اس ۳۳۶ کو گروہ کے وارثوں پر بانٹ دیں۔ جو حاصل ہُوا۔ وہ اس کا حصّہ ہے۔ اسی طرح اوروں کو معلوم کرنا چاہیئے ؂

میت کا مال اس کے وارثوں اور قرض خواہوں پر بانٹنے کا بیان

جس عدد سے مسئلہ کو تصحیح کیا گیا ہے۔ اس میں اور میّت کے چھوڑے[1] ہوئے مال میں اگر برابری ہے۔ تو ضرب وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ جیسے مسئلہ ۲۴ سے بنایا گیا۔ اور مرحوم نے ۲۴ روپیہ چھوڑے چوبیس[24] روپیہ پورے بٹ گئے۔ لیکن اگر میّت کے چھوڑے ہوئے مال اور مسئلہ کے عدد میں برابری نہیں۔ تو اگر دونوں میں تباین ہے۔ تو اصل مسئلہ سے ہر گروہ کو جتنا حصّہ پہونچا ہے۔ اس کو چھوڑے ہوئے مال میں ضرب دیا جاوے۔ پھر جو ضرب سے حاصل ہُوا ہو۔ اس کو تصحیح کئے ہوئے اصل مسئلہ کے عدد[2]

ف[1] : چھوڑے ہوئے سے وہ مال مراد ہے۔ جو روپیہ یا اشرفی کی قسم سے ہو۔ یا مال منقول یا غیر منقول کہ جس کی قیمت روپیہ یا اشرفی سے لگائی جاتی ہو ۱۲ منہ ؂

ف[2] : اور اگر عول ہو۔ تو اس کے عدد پر بانٹا جاوے۔ اسی طرح اور جگہ بھی اگر عدد عول ہو۔ تو اس پر تقسیم کیا جاوے گا ۱۲ منہ ؂

پر بانٹ دیا جاوے۔ جو حاصل ہو۔ وہ اس گروہ کا حصہ ہے۔ جیسے کہ:۔

زید ۷

مسئلہ ۶

بیٹی ۲	باپ	ماں
۴	۱	۱

اس صورت میں مسئلہ چھ سے بنا۔ ایک ایک ماں باپ کو دیا گیا۔ اور دو لڑکیوں کو چار مگر میت نے سات روپیہ چھوڑے ہیں۔ تو ماں باپ اور لڑکیوں کو جتنے حصے چھ میں سے ملے ہوں۔ اُن کو سات میں الگ الگ ضرب دے کر چھ پر بانٹ دیا جاوے۔ جیسے لڑکیوں کو چار ملے ہیں۔ تو چار کو سات میں ضرب دی جاوے۔ ۲۸ حاصل ہوئے۔ ان ۲۸ کو ۶ پر بانٹ دیا جاوے۔ تو چار پورے اور ۲ تہائی ۲/۳ حصے ہوئے۔ یعنی چار روپیہ پورے اور باقی ۴ روپے کے ۶ حصے کرو۔ اُن میں سے ایک یعنی دس آنہ آٹھ پائی لڑکیوں کا حصہ ہوا۔ اسی طرح اوروں کے حصے معلوم کر لو۔ اور اگر مسئلہ کے عدد اور چھوڑے ہوئے مال میں توافق ہو۔ تو ہر گروہ کے حصہ کے وفق کو چھوڑے ہوئے مال کے وفق میں ضرب دو۔ جو عدد ضرب سے حاصل ہو۔ اس کو مسئلہ کے مخرج کے وفق پر تقسیم کرو۔ جیسے:۔

زید ۸

مسئلہ ۶

لڑکی ۲	باپ	ماں
۴	۱	۱

اس صورت میں مسئلہ چھ سے بنا۔ اور مرنے والے نے آٹھ روپے چھوڑے ۸ و ۶ میں آدھے کا توافق ہے۔ یعنی دو چھ و آٹھ دونوں کو مٹا سکتا ہے۔ تو وارثوں میں سے ہر ایک گروہ کے حصے کو ۸ کے آدھے چار میں ضرب دی۔ جو حاصل ہوا۔ اس کو چھ کے آدھے یعنی تین پر بانٹ دیا۔ جو نکلا وہ ہر گروہ کا حصہ ہے۔ یہاں لڑکیوں کے حصے یعنی چار کو آٹھ کے آدھے یعنی چار میں ضرب دی۔ ۱۶ حاصل ہوئے۔ اس ۱۶ کو ۶ کے آدھے یعنی ۳ پر بانٹ دیا۔ تو ۵ ۱/۳ ملے۔ یعنی ۵ پورے اور باقی ایک کا تہائی ۱/۳ لڑکیوں کو ملا۔ اب جو حصہ اس طریقہ سے ہر گروہ کو ملا۔ اگر اس حصہ میں سے

ہر شخص کا الگ الگ حصّہ معلوم کرنا چاہیں۔ تو اُس کا قاعدہ یہ ہے:

کہ جو حِصّہ وارث کو اصل مسئلہ سے ملا ہے۔ اس کو یا تو پُورے چھوڑے ہوئے مال میں ضرب دیں۔ اگر مال اور اصل مسئلہ کے مخرج میں تباین ہو۔ یا چھوڑے ہوئے مال کے وفق میں ضرب دیں اگر چھوڑے ہوئے مال اور مسئلہ کے مخرج میں توافق ہے۔ پھر جو حاصل ہوا۔ اُس کو پُورے مسئلہ کے عدد پر دُوسری صُورت میں یعنی جب کہ مال و اصل مسئلہ کے عددوں میں توافق ہو تقسیم کریں۔ جو حاصل ہو وُہ اُس وارث کا حِصّہ ہے۔ جیسے کُل لڑکیوں کو ۵ $\frac{۴}{۶}$ ملا ہے۔ اب ہر ایک لڑکی کا الگ الگ حِصّہ معلُوم کرنا ہے۔ تو اصل مسئلہ یعنی چھ^۶ میں سے جو دُو دُو ہر ایک لڑکی کو ملے تھے۔ اُس دُو^۲ سے متروکہ مال کے وفق چار کو ضرب دیا۔ ۸ حاصل ہُوئے۔ اُس کو اصل مسئلہ ۶ کے وفق یعنی ۳ پر تقسیم کیا۔ تو ۲ $\frac{۲}{۳}$ نکلا۔ وہ ہر ایک لڑکی کا الگ حصّہ ہے۔ اسی طرح سب کو معلُوم کرلو۔ یہ تو وارثوں کے حِصّہ کا بیان ہُوا۔ اب اگر میّت پر چند لوگوں کا قرض تھا۔ تو ہر شخص کے قرض کو وارث کے حصّہ کی طرح مان کر وُہی کام کرو۔ جو میّت کے وارثوں کے حصّے کے ساتھ کیا گیا تھا۔ جیسے ایک آدمی مرا۔ اُس پر زید کے دُو روپیہ محمد کے ۴ روپیہ اور احمد کے تین روپیہ قرض تھے۔ تو کُل قرضہ ۹ روپیہ ہُوا۔ اور اُس کے کفن دفن کے بعد کُل ۸ روپیہ بچے۔ تو اُن قرض خواہوں کے قرضوں کو حِصّہ کی طرح بنا دو۔ اس طرح:۔

		مد ۹	عبدالرحمٰن ۸
زید ۲	محمد ۴	احمد ۳	

اُس صُورت میں ہر شخص کے قرض کو اُس کے نیچے رکھا۔ اور اُن تمام قرضوں کو ملا کر مجموعہ بنا۔ اُس کو اصل مسئلہ بنا دیا۔ اب اِس عدد سے اور چھوڑے ہُوئے مال سے نسبت دے کر اُسی قاعدہ سے بانٹو۔ جو اُوپر گزرا ۔

کسی وارث کے حصّہ سے نکل جانے کا بیان

وارثوں میں سے اگر کوئی وارث اپنا حصّہ میّت کے مال سے نہ لے۔ بلکہ معاف کر دے۔ تو مسئلہ کے عدد سے اُس کا حصّہ نکال کر جو باقی بچے۔ اُسی کو دُوسرے وارثوں پر بانٹ دو۔ پھر جو حاصل ہو۔ وُہ ہر وارث کا حصّہ ہے۔ اِس کی مثال یہ ہے:۔

میت ۶ فاطمہ

خاوند ۳ — ماں ۲ — چچا

اِس صُورت میں چھ۶ سے مسئلہ بنایا گیا۔ جس میں سے تین خاوند کا حق ہے۔ اور ۲ ماں کا اور ایک چچا کا۔ خاوند نے اپنا حصّہ معاف کر دیا۔ تو اِس تین کو چھ۶ سے نکال دیا۔ تین باقی بچے اسی تین سے مسئلہ بنایا۔ اب دیکھا کہ چھ۶ میں سے ماں کو دُو۲ ملے تھے۔ اور چچا کو ایک تو اُن تین میں سے دُو۲ ماں کو دیئے گئے۔ اور ایک چچا کو مطلب یہ ہُوا۔ کہ اگر خاوند اپنا حصّہ لیتا۔ تو مال کے چھ۶ حصّہ ہوتے اور اِس میں سے ماں کو دُو۔ اور چچا کو ایک ملتا۔ اب جب خاوند نے اپنا حصّہ مُعاف کر دیا۔ تو میّت کے کُل مال کے تین حصّے کر دیئے۔ اور تین میں سے ماں کو دُو۔ اور چچا کو ایک دے دیا۔ یا اِس طرح سمجھو:۔

میت ۸/۳۲ زید

بیوی ۱/۴ — بیٹے ۴ ۷/۲۸

اِس صُورت میں ۸ سے مسئلہ بنا۔ اور ۳۲ سے تصحیح کیا گیا۔ کیونکہ ۸ میں سے ایک بیوی کو دیا گیا۔ تو باقی ۷، چار لڑکوں کے حِصّے میں آئے۔ اور ۴ و ۷ میں تباین ہے۔ تو ۴ کو مسئلہ کے مخرج ۸ میں ضرب دی۔ ۳۲ حاصل ہُوئے۔ اِس ۳۲ میں سے ۴ بیوی کو دے دیئے۔ اور سات سات ۴ بیٹوں کو۔ اب اُن

میں سے اگر کوئی بیٹیا اپنا حصہ معاف کر دے۔ تو ۳۲ میں ۷ نکال دو باقی ۲۵ رہے۔ اُن ۲۵ میں سے ۴ بیوی کو سات سات ۲ بیٹیوں کو دے دو ؛؛

میت کا مال وارثوں پر دوبارہ بانٹنے کا بیان

جب کہ میّت کے ذی فرض وارثوں سے مال بچ رہے۔ اور اُس بچے مال کا لینے والا کوئی وارثوں میں سے نہ ہو۔ تو اس بچے ہوئے مال کو اُن ہی ذی فرض وارثوں پر دوبارہ بانٹ دیں گے۔ جنہیں کو پہلے دے چکے تھے۔ اور جتنا جتنا پہلے۔ اُن ذی فرض وارثوں کو دیا گیا تھا۔ اتنا ہی دوبارہ دیا جاوے گا۔ جیسے پہلے لڑکیوں کو اگر دو تہائی دیا گیا تھا۔ تو اب بھی اتنا ہی دو۔ سوائے خاوند اور بیوی کے۔ کہ اُن کو بچا ہوا مال دوسری مرتبہ نہیں ملتا[1]۔ اب اُس مال کو دوبارہ بانٹنے کے چار[2] قاعدے ہیں۔ پہلا قاعدہ تو یہ ہے۔ کہ میّت کے ایک ہی طرح کے وارث ہوں۔ اور اُس کے ساتھ

---

[1] ۔: مگر آج کل بیت المال نہیں ہے۔ اور اگر کسی جگہ ہے بھی تو وہاں کا بادشاہ یا دُوسرے لوگ اُس کا ٹھیک انتظام نہیں کرتے۔ اور اُس کے مال کو مناسب جگہ خرچ نہیں کرتے۔ اِس لئے اگر بیوی یا خاوند کے سوا کوئی اور شخص اُس بچے ہوئے مال کا حق دار نہ ہو۔ یعنی نہ تو کوئی عصبہ ہو۔ نہ کوئی ذی فرض نہ ذی رحم نہ مولا موالات وغیرہ غرض کہ کوئی بھی اِس کا حق نہ رکھتا ہو۔ تو یہ بچا ہوا مال پھر دوبارہ خاوند یا بیوی ہی کو دے دیں گے اور بیت المال میں نہ جانے دیں گے۔ بلکہ اگر میّت کے خاوند یا بیوی بھی نہ ہوں۔ تو دودھ شریکے بھائی بہن کو دے دیں گے۔ ہر طرح کوشش کریں گے۔ کہ بیت المال میں میّت کا مال نہ جاوے ۱۲ ردّالمختار منہ ؛؛

[2] بیت المال سے مراد یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کا مال ایک جگہ اِس لئے رکھ دیا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کے کاموں میں اُسے خرچ کیا جاوے۔ رہی بات یہ کہ بیت المال کتنی قسم کا ہے۔ اور اِس کا مال کہاں کہاں خرچ کیا جاوے۔ اُس کی بحث بڑی ہے۔ یہاں اِس کے بیان کا موقعہ نہیں اور یہ بات ظاہر ہے (باقی حاشیہ صفحہ آگے۔

خاوند یا بیوی نہ ہو۔ اس صورت میں وارثوں کے عدد سے مسئلہ بنا دیا جاوے۔ جیسے کوئی شخص مرا۔ اُسنے فقط دو لڑکیاں چھوڑیں۔ اس صورت میں بیوی موجود نہیں۔ اور وارث ایک ہی طرح کے ہیں۔ یعنی فقط لڑکیاں ہیں۔ تو اب مال کو دو حصّہ کرکے ایک حصّہ ایک لڑکی کو اور دُوسرا حصّہ دُوسری لڑکی کو دے دیا جاوے :۔

دُوسرا قاعدہ یہ ہے۔ کہ میّت نے کئی طرح کے وارث چھوڑے۔ اور بیوی یا خاوند نہ چھوڑے تو اس صورت میں جتنے حصّے اُن سب وارثوں کے ہوتے ہوں۔ اُن حِصّوں کے مجموعہ کے عدد سے مسئلہ بنا دیا جاوے۔ جیسے ایک آدمی مرا۔ اس نے ایک ماں اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ اس صورت میں وارث دو طرح کے ہیں :۔

(۱) ایک ماں اور (۲) دُوسری لڑکیاں :۔ ماں کا حق چھٹا حصّہ ہے۔ اور لڑکیوں کا حق دو تہائی۔ تو مسئلہ چھ سے بنایا۔ اس میں سے ایک ماں کو اور چار دو لڑکیوں کو دے دیئے ایک باقی بچا۔ اس کا لینے والا کوئی نہیں۔ تو ان وارثوں کے حصّوں کو ملا کر دیکھا۔ وہ کُل پانچ تھے۔ لہذا پانچ سے مسئلہ بنا دیا گیا۔ اس پانچ میں سے ایک ماں کو اور چار دونوں لڑکیوں کو دے دیئے گئے۔

تیسرا قاعدہ یہ ہے۔ کہ وارث تو ایک ہی قسم کے ہوں۔ مگر اُن کے ساتھ بیوی یا خاوند بھی ہو۔ جن پر مال دوبارہ نہیں بٹتا۔ اس کا قاعدہ یہ ہے۔ کہ بیوی یا خاوند کے حصّہ کا جو مخرج ہو۔ اُس سے مسئلہ بنا دیا جاوے۔ اور اُس سے بیوی یا خاوند کا حق دے دیا جاوے۔ پھر جو باقی بچے۔ اگر دُوسرے وارث پر برابر بٹ جاتا ہے۔ تو اچھا جیسے :۔

فاطمہ

صہ ۴

خاوند	لڑکیاں ۳
۱	۳

بقیہ حاشیہ :۔ کہ اس زمانہ میں ظلم بڑھا ہُوا ہے۔ لوگوں میں امانت نہیں رہی بیت المال کے مال کے منتظمین اپنے گھر خرچ کریں گے۔ اس لئے یہ انتظام کیا گیا۔ کہ مسلمانوں کے مال کو وہاں نہ پہنچایا جاوے ۱۲ منہ :۔

اس صورت میں خاوند کا حق چوتھائی حصہ تھا۔ تو چوتھائی کے مخرج چار سے مسئلہ بنایا گیا۔ باقی جو تین بچے۔ وہ تین لڑکیوں پر پورے پورے بٹ گئے ؛

مسئلہ پورا ہو گیا۔ اور اگر باقی بچا ہوا مال دوسرے وارث پر برابر نہیں بٹتا تو دیکھو۔ کہ وارثوں کے عدد اور باقی بچے ہوئے عدد میں کیا نسبت ہے۔ اگر تباین ہو۔ جب تو پورے وارثوں کے عدد کو پورے مخرج میں ضرب دے دی جاوے۔ اور اگر توافق ہو۔ تو وارثوں کے عدد کے وفق کو مخرج میں ضرب دے دی جاوے۔ تباین کی مثال یہ ہے :۔

فاطمہ مسئلہ ۴ / ۲۰

لڑکیاں ۵	خاوند
۳ / ۱۵	۱ / ۵

اس صورت میں چار سے مسئلہ ہوا۔ ایک خاوند کو ملا۔ باقی تین ۵ لڑکیوں کے لئے بچے اور تین و پانچ میں تباین ہے۔ لہٰذا پورے پانچ کو چار میں ضرب دی۔ تو بیس حاصل ہوئے۔ اب ۲۰ میں سے ۵ خاوند کو اور باقی پندرہ پانچ لڑکیوں کو دیا ؛

چوتھا قاعدہ یہ ہے۔ کہ میت کے کئی طرح کے وارث ہوں۔ اور اُن کے ساتھ بیوی یا خاوند بھی ہو۔ اس صورت میں یہ کیا جاوے گا۔ کہ پہلے تو بیوی یا خاوند کے حق کے مخرج سے مسئلہ بناکر اُس بیوی یا خاوند کا حق اُس مال سے دے دیا جاوے گا۔ اب جو باقی بچیں۔ وہ اگر دوسرے وارثوں پر پورے پورے بٹ جاتے ہوں۔ جب تو خیر جیسے۔ کہ

مسئلہ ۴

ماں شریکی بہن ۲	دادیاں ۴	بیوی
۲	۱	۱

اس صورت میں دادیوں کا حق چھٹا یعنی چھ میں سے ایک ہے۔ اور ماں شریکی بہنوں کا حق تہائی یعنی

چھ۶ میں سے دو۲ بہنیں تو دادی اور بہنوں کے کُل حصّہ تین ہوگئے۔ اور جب کہ چار۴ سے مسئلہ بنا کر اُس میں سے ایک تو بیوی کو دے دیا گیا۔ تو تین ہی باقی بچے۔ جو دادی اور بہنوں کے حصّوں کے برابر ہیں۔ اور اگر باقی بچے ہوئے عدد دُوسرے وارثوں کے حصّہ کے برابر نہ ہوتے ہوں۔ تو اُس کا قاعدہ یہ ہے:۔

کہ بیوی یا خاوند کے حق کے مخرج سے مسئلہ کیا جاوے۔ اور دُوسرے وارثوں کے حصّوں کو ملا کر مخرج میں ضرب دی جاوے۔ جو عدد ضرب سے حاصل ہو۔ اُس سے مسئلہ بنایا جاوے۔ اب جو بیوی یا خاوند کو حصّہ ملا تھا۔ اُس کو باقی وارثوں کے حصّوں کے مجموعہ میں ضرب دی جاوے۔

۔اور دُوسرے وارثوں کے حصّوں کے مجموعہ

کو اُس عدد میں ضرب دی جاوے۔ جو بیوی یا خاوند کو اُس کا حصّہ دینے کے بعد مخرج سے بچا۔

جیسے:۔

۸/۴۰

زید ۵ مد

دادیاں ۶	لڑکیاں ۹	بیوی ۴
۱	۴	۱
۷	۲۸	۵

اُس صُورت میں بیوی کا حق آٹھواں حصّہ ہے۔ یعنی آٹھ میں سے ایک اور لڑکیوں کا حصّہ دو تہائی یعنی چھ میں سے چار اور دادیوں کا حق چھٹا حصّہ یعنی چھ میں سے ایک ہے۔ لڑکیوں اور دادیوں کا حصّہ ملایا گیا تو کل پانچ ہوئے۔ اُن پانچوں کو خیال میں رکھے۔ ۸ آٹھ سے مسئلہ بنا۔ اُس میں سے ایک تو بیوی کو دیا جاوے، باقی ۷ بچے۔ اب پانچ کو

(جو لڑکیوں اور دادیوں کے حصّوں کا مجموعہ ہے) ۸ میں ضرب دی۔ تو ۴۰ حاصل ہوئے۔ اُس سے مسئلہ بنایا گیا۔ بیوی کو جو ایک ملا تھا۔ اُس کو ۵ میں ضرب دے کر بیوی کو دے دیا گیا۔ دادیوں کو جو چھ۶ میں سے ایک ملا تھا۔ اُس ایک کو ۷ میں ضرب دی۔ تو ۷ حاصل ہوئے۔ وہ ۷ دادیوں کو دے دیئے۔ اور لڑکیوں کو چھ۶ میں سے چار۴ ملے تھے۔ اُن چار۴ کو ۷ سے ضرب دی۔ تو ۲۸ حاصل ہوئے۔ وہ لڑکیوں کو دے دیئے گئے:۔

مناسخہ کا بیان

مناسخہ کے معنی یہ ہیں۔ کہ مال کے بعض حصے تقسیم سے پہلے میراث بن جاویں۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ایک میت کا مال اس کے وارثوں میں ابھی تقسیم نہ ہوا تھا۔ کہ بعض وارث مر گئے۔ لہٰذا اب اس میت کا مال اس مردہ وارثوں کے وارثوں کو ملے گا۔ یہ مناسخہ ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھو۔ کہ:۔

"شکل نمبر ۱"

فاطمہ

خاوند	بیٹی	ماں

"شکل نمبر ۲"

خاوند

بیوی	ماں	باپ

شکل نمبر ۳:۔

بیٹی

بیٹے ۲	بیٹی ۱	دادی

"شکل نمبر ۴"

دادی

خاوند	بھائی

اُس فاطمہ کا مال اُس کے وارثوں پر تقسیم نہ ہونے پایا تھا۔ کہ اس کے خاوند کا انتقال ہوگیا۔ اُس خاوند نے شکل نمبر ۲ کے وارث چھوڑے۔ جیسا کہ اس شکل سے ظاہر ہے۔ پھر فاطمہ کی بیٹی کا بھی انتقال ہوگیا۔ اُس نے شکل نمبر ۳ والے وارث چھوڑے۔ پھر اس کی دادی کا انتقال ہوگیا۔ اُس نے شکل ۴

کے وارث چھوڑے۔ مناسخہ کا قاعدہ یہ ہے :۔

کہ اوّل پہلے مسئلہ کو جس کی میّت فاطمہ ہے۔ صحیح کر لو۔ اور اس سے اُس کے جتنے وارث[ف] تھے۔ اُن کا حصّہ دیدو۔ پھر دُوسرے مسئلہ کو جس میں میّت خاوند ہے۔ صحیح کرو۔ اور اُسی صحیح کئے ہُوئے عدد سے خاوند کے جتنے وارث تھے۔ اُن کو دے دو۔ اب دیکھو۔ کہ جو حصّہ خاوند کو پہلی میّت یعنی فاطمہ کے مال سے ملا ہے۔ اُس کے عدد اور اُس خاوند کے مسئلہ کے عدد میں کیا نسبت ہے۔ اگر خاوند کا حصّہ جو اُسے فاطمہ کے مال سے ملا ہے۔ اُس کے وارثوں پر برابر بٹ جاوے۔ تو بہت اچھا۔ اور اگر برابر نہ بٹے۔ تو دیکھو۔ اگر اس کی تصحیح اور اس کے پہلے ورثہ کے عدد میں توافق ہے۔ تو دُوسرے مسئلہ کے وفق کو پہلے مسئلہ کے صحیح کئے ہُوئے عدد میں ضرب دے دو۔ اور اگر دُوسرے مسئلہ کی تصحیح اور اُس کی میت کا جو مال ہے اُس میں تباین ہے۔ تو دُوسرے مسئلہ کے پُورے صحیح کئے ہُوئے عدد کو پہلے مسئلہ کے پُورے صحیح کئے ہُوئے عدد میں ضرب دے دو۔ اب جو عدد اس ضرب سے حاصل ہُوا۔ یہ پہلے اور دُوسرے دونوں مسئلوں کا مخرج ہُوا۔ اب پہلے مسئلہ کے وارثوں کو جو حصّہ پہلے مل چکا تھا۔ اُس حصّہ کو اس عدد میں ضرب دو۔ جس کو پہلے مسئلہ کی تصحیح میں ضرب دیا گیا ہے۔ اور دُوسرے مسئلہ کے وارثوں کو جو دُوسرے مسئلہ سے حصّہ ملا ہے۔ اس عدد میں ضرب دو۔ جو میّت کے پاس ہے۔ اگر اس میّت کے پاس کے عدد اور اس مسئلہ کے صحیح کئے ہُوئے عدد میں تباین ہے۔ اور اگر توافق ہے۔ تو اس میت کے وارثوں کے حصّوں کو جو پہلی صحیح شدہ تقسیم سے حاصل ہو چکے ہیں۔ اُس میّت کے پاس کے عدد کے وفق میں ضرب دے دو۔ اب تیسرا[۳] اور چوتھا[۴] مسئلہ جو باقی رہا۔ اُس کے اندر بھی یہی کام کرو۔ جو دُوسرے مسئلہ میں

ف : پہلے مسئلہ کو صحیح کرتے وقت وُہ تمام لوگ وارث شمار کر لئے جائیں گے۔ جو فاطمہ کے مرتے وقت موجود تھے۔ اگرچہ اب تو اُن میں سے بعض وارث مر چکے ہیں۔ ۱۲ منہ ؛

کیا۔ یعنی دوسرے مسئلہ کی تصحیح کو پہلے مسئلہ کی تصحیح میں ضرب دینے سے جو حاصل ہوا۔ اس پورے مجموعہ میں تیسرے مسئلہ کے صحیح کئے ہوئے عدد کو ضرب دے دی جاوے۔ اسی طرح آئندہ کام کیا جاوے۔ اس کی مثال یہ ہے:۔ مسئلہ ۱:۔

۱۲۸ / ۳۲ / ۱۶ / ۴

مسئلہ ۱:۔ فاطمہ

خاوند	بیٹی	ماں
۱ / ۴	۹	۳ / ۶

مسئلہ نمبر ۱:۔ میں ردّ ہوگا۔ یعنی وارثوں پر دوبارہ مال بانٹنا پڑیگا۔ کیونکہ مسئلہ ۱۲ سے ہوکر خاوند کو تین اور بیٹی کو چھ۶ اور ماں کو ۲ ملتے ہیں۔ کُل ۱۱ حصے ہوئے۔ ایک بچا۔ اب اس کو ردّ کرنا پڑا۔ اس طرح کہ اول مسئلہ چار سے بناکر خاوند کو ایک دے دیا۔ اور بیٹی اور ماں کے حصے تھے ۴ چار اور یہاں کُل ۳ باقی بچے۔ تو چار کو چار میں ضرب دی ۱۶ حاصل ہوئے۔ اس سولہ۱۶ میں سے ۴ چار خاوند کو۔ اور ۹ بیٹی کو اور تین ماں کو دیئے۔ نمبر ۱ کے مسئلہ کا کام ختم ہوا:۔

نمبر ۲:۔ مسئلہ ۴ مساوان خاوند ع۴

بیوی	ماں	باپ
۱ / ۲ / ۸	۱ / ۲ / ۸	۲ / ۴ / ۱۶

اب نمبر ۲ کا مسئلہ دیکھا۔ تو ۴ چار سے صحیح ہوتا ہے۔ اور خاوند کو پہلے مسئلہ سے ۴ چار ہی ملے ہیں۔ تو چار پر برابر بٹ گئے۔ اس میں ایک بیوی کو اور ایک ماں کو اور ۲ دو باپ کو دے دیا گیا۔ اس کا بھی کام پورا ہوا۔ اب دیکھا مسئلہ نمبر ۳:۔

مسئلہ نمبر ۳۔ صفحہ نمبر پر دیکھئے:۔

مسئلہ نمبر ۳ :-

وفق ۳

بیٹی ۹	توافق بالثلث	وفق ۲ ۶ مسئلہ
بنت ۱/۳ ۱۲	بیٹے ۲ ۴/۱۲ ۴۸	دادی ۱/۳

اس میں مسئلہ چھ۶ سے بنتا ہے۔ اور بیٹی کے پاس پہلے مسئلہ سے ملے ہوئے ۹ ہیں۔ اور ۹ و ۶ میں تہائی کا توافق ہے۔ کیونکہ ۹ و ۶ دونوں کو ۳ فنا کر دیتا ہے۔ تو چھ۶ کا تہائی دو۲ لے کر اس کو پہلے مسئلہ کے عدد یعنی ۱۶ میں ضرب دیا۔ ۳۲ حاصل ہوئے۔ اس ۳۲ میں سے پہلے مسئلہ میں مال کے حصے کو دو۲ سے ضرب دیا۔ تو چھ حاصل ہوئے۔ اسی مسئلہ ۲ کے مسئلہ میں بیوی اور ماں باپ کے حصوں کو دو میں ضرب دو۔ تو بیوی کو ۱۲، اور ماں کو ۲، اور باپ کو چار ملے ؎

اب نمبر ۳ کے مسئلہ کے وارثوں کے حصوں کو اس عدد کے تہائی میں ضرب دیا۔ جو میت کے پاس ہے۔ اور وہ ۹ ہیں۔ اس کی تہائی ۳ ہوئے۔ اس مسئلہ ۳ کے وارثوں کے حصوں کو جب ۳ میں ضرب دیا۔ تو دادی کو تین اور دو۲ لڑکوں کو ۱۲ اور لڑکی کو ۳ ملے۔ اب سب حصوں کو جمع کیا گیا۔ تو وہی ۳۲ ہو گئے۔ نمبر ۳ کے مسئلہ کا کام ختم ہوا ؎

(مندرجہ بالا مسئلہ ۳ کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے:-)

دادی ۹	تباین	۴/۲ مسئلہ	نمبر ۴
بھائی دو۲ عدد ۲/۱۸		خاوند ۱/۲ ۱۸	

اب نمبر ۴ کے مسئلہ میں دادی میت ہے۔ اس کو پہلے ۹ مل چکے ہیں۔ نمبر ۱ کے مسئلہ میں چھ۶ اور نمبر ۳ کے مسئلہ میں نمبر ۳ اور نمبر ۴ کا مسئلہ بنا ہے۔ ۴ سے اور چار اور نو۹ میں تباین ہے۔ تو پورے چار کو

۳۲ میں ضرب دی۔ ۱۲۸ حاصل ہوئے ۱۲۸/۳۲ اب اوپر کے تین مسئلوں کے وارثوں کے حصّوں کو تو چار میں ضرب دیں گے۔ اور نمبر ۴ کے وارثوں کے حصّوں کو نو میں اِس سے اِس طرح حساب بنے گا۔ کہ نمبر ۱ کے وارث تو سب مر چکے۔ اور اُن ہی کے مال کے حصّے بٹ رہے ہیں۔ نمبر ۲ میں بیوی اور ماں باپ کے حصّوں کو ۴ میں ضرب دیں۔ تو بیوی کو ۸ اور ماں کو ۸ اور باپ کو ۱۶ ملے۔ نمبر ۳ کے مسئلہ میں وادی مر چکی۔ اُسی کا مال بٹ رہا ہے تو دو بیٹوں اور بیٹی کے حصّوں کو ۴ میں ضرب دی تو لڑکوں کو ۴۸ اور لڑکی کو ۱۲ ملے نمبر ۴ کے وارثوں کے حصّوں کو ۹ میں ضرب دی۔ تو خاوند کو ۱۸ اور دو بھائیوں کو ۱۸ ملے۔ اب کل حصّوں کو جب جمع کیا۔ تو وہی ۱۲۸ حاصل ہوئے مسئلہ ختم ہوا۔ اُس کے بعد تمام زندہ لوگوں کے نام اُن کے حصّوں کے ساتھ ایک جگہ "الاحیاء" لکھ کر اُس کے نیچے لکھ دو۔ اور جتنے لوگ مرے ہوئے ہیں۔ اُن کے نام کے نیچے "ن" اِس طرح کا ہلالی خط لگا دو۔ تاکہ نشان رہے۔

المناسخہ

الاحیاء

خاوند	دو بھائی	دو بیٹے	بیٹی	باپ	ماں	بیوی
۱۸	۱۸	۴۸	۱۲	۱۶	۸	۸

۸
۸
۱۶
۴۸
۱۲
۱۸
۱۸
۱۲۸

ذی رحم وارثوں کا بیان

"ذی رحم" میت کا وہ رشتہ دار وارث ہے۔ جو ذی فرض اور عصبہ نہ ہو۔ یہ ذی رحم وارث بھی عصبہ

ف مناسخہ کا مسئلہ لکھنے کی ترکیب یہ ہے کہ لفظ میت کو لمبا کر کے لکھے۔ اور اُس کے اُلٹی جانب میں میت کا نام لکھا۔ اور سیدھے کنارے پر وہ عدد لکھا۔ جس سے یہ مسئلہ بنے گا۔ پھر میت کے نام کے اُلٹی طرف سابق لکھ کر اُس مال کے عدد لکھے جو میت کے پاس پہلے مسئلہ میں ملے ہوئے موجود ہیں اور میت کے نام اور مسئلہ کے عدد کے بیچ میں میت کے مال کے عدد اور مسئلہ کے عدد کے درمیان والی نسبت لکھیں۔ تاکہ اس میں آسانی رہے۔ اُس کی مثال وہ ہے جو مسئلہ نمبر ۳ میں لکھی۔ وہ یہ ہے۔ مـ بیٹی سف ۹ ثمث ۳ توافق بالثلث اگر سہام اور عدد کے درمیان کے مسئلہ میں

کی طرح چار قسم کے ہیں۔ پہلی قسم جو میّت کی اولاد میں ہوں۔ جیسے نواسی نواسے اور پوتی کی اولاد۔ دوسری قسم وہ کہ میّت جن کی اولاد میں ہو جیسے فاسد دادی اور فاسد دادا جیسے ماں کا باپ، نانا، اور ماں کی دادی۔ کہ یہ میّت کا فاسد دادا اور فاسد دادی ہیں۔

تیسری قسم وُہ جو میّت کے ماں باپ کی اولاد میں ہوں۔ جیسے میّت کے بھانجے، بھانجی یعنی میّت کی بہن کی اولاد چوتھی قسم وُہ جو میّت کے دادا، نانا کی اولاد ہوں۔ جیسے ماموں، خالہ پھوپھی اور باپ کا ماں شریکا بھائی۔ یہ لوگ اور اُن کے علاوہ جو شخص اُن کے ذریعہ سے میّت کا رشتہ دار ہو۔ وُہ سب ذی رحم ہیں۔ اُن میں بھی جو میّت سے قریب کا رشتہ رکھتا ہوگا۔ وہ دُور والے رشتہ دار کو محروم کردے گا۔ اُن میں سے پہلے میّت کی اُولاد وارث ہے۔ اگر میّت کی اولاد نہ ہو۔ تو وُہ وارث ہے۔ جس کی اولاد میں۔ میّت ہو۔ اور اگر وُہ بھی نہ ہوں تو وہ وارث ہے جو میّت کے ماں باپ کی اولاد میں سے ہو۔ اگر یہ بھی نہ ہو۔ تو وُہ وارث ہے۔ جو کہ میّت کے دادا کی اُولاد میں ہوں

پہلی قسم کے ذی رحم وارثوں کا بیان

اس میں جس کا رشتہ میّت سے قریب ہوگا وُہ دُور کے رشتہ والے کو محروم کردے گا جیسے نواسی کے ہوتے ہوئے پوتی کی بیٹی کو کچھ نہ ملے گا۔ کیونکہ پوتی کی بیٹی، نواسی کے اعتبار سے میّت سے دُور ہے۔ اگر قریب ہونے میں سب برابر ہوں۔ تو اُن میں سے جو وارث[1] کی اولاد میں ہو۔ وُہ پہلے مستحق ہوگا یعنی جو خود اپنے آپ تو ذی رحم ہے۔ مگر یہ جس کی اُولاد میں ہے۔ وُہ میّت کا وارث تھا۔ تو یہ ذی رحم

باقی حاشیہ! تو افنی ہوا۔ تو سوء کے عدد کے بعد لکھ دو۔ جیسا کہ ہم نے مثال میں دکھایا۔ واللہ اعلم منہ، غفرلہ::

[5] ذی رحم وارث عصبہ کے ہوتے ہوئے محرُوم ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح خاوند اور بیوی کے سوا دُوسرے ذی فرض وارثوں کے ہوتے ہوئے بھی محرُوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ خاوند بیوی پر بچا ہوا مال دوبارہ نہیں بٹتا۔ اور دوسرے ذی فرض وارثوں پر بچا ہوا مال دوبارہ بٹ جاتا ہے، تو جب اُن ذی فرض وارثوں پر دوبارہ مال بٹ گیا۔ تو اب ذی رحم کے لئے بچا ہوا ہی کیا کہ اُسے ملے۔ یہ مسئلہ شریفیہ سے ماخوذ ہے۔ ۱۲ منہ::

[1] وارث کا لفظ ذی فرض و عصبہ دونوں کو شامل ہے۔ مگر یہاں مراد ذی فرض ہے۔ اس لئے کہ اس صنف میں عصبہ کی اولاد اور ذی فرض کی اولاد ایک ساتھ نہیں پائی جاسکتی ۱۲ منہ::

اِس ذی رحم پر مقدم ہوگا۔ جو خود بھی ذی رحم ہے۔ اور جس کی اولاد میں ہے۔ وُہ بھی ذی رحم ہے۔ جیسے ایک شخص نے اپنے پیچھے پوتی کی بیٹی اور نواسی کی لڑکی چھوڑی تو اگرچہ یہ دونوں ذی رحم ہیں۔ مگر پوتی کی لڑکی حصّہ پاوے گی اور نواسی کی لڑکی محروم رہے گی۔ کیونکہ یہ خود بھی ذی رحم ہے۔ اور اس کی ماں یعنی میّت کی نواسی بھی ذی رحم ہے۔ بخلاف پوتی کی بیٹی کے کہ وُہ اگرچہ خود تو ذی رحم ہے۔ مگر اُس کی ماں یعنی میّت کی پوتی ذی رحم نہیں۔ بلکہ کبھی ذی فرض ہوتی ہے۔ کبھی عصبہ اگرچند وارث ذی رحم جمع ہو گئے اور سب کا رشتہ میّت سے ایک ہی درجہ کا ہے۔ یعنی سب قریب رشتہ کے ہیں۔ یا سب دُور رشتہ کے اور یا اُن میں سے کوئی وارث کی اولاد نہیں۔ یا سب وارث کی اولاد ہیں۔ غرض کہ اُن میں سے کوئی کسی دوسرے سے بڑھ کر نہیں۔ تو جو لڑکوں کی اولاد میں ہوگا۔ وُہ دُوگنا پائے گا۔ اور جو لڑکیوں کی اولاد میں سے ہے۔ وُہ ایک حصّہ پاوے گا۔ خود یہ ذی رحم خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ جیسے کہ ایک شخص نے نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا چھوڑا۔ تو مال کے تین حصّہ ہو کر نواسے کی بیٹی کو دو اور نواسی کے لڑکے کو ایک ملے گا۔ نواسے کی لڑکی اگرچہ خود عورت ہے۔ مگر دُوگنا پاوے گی۔ کیونکہ وُہ مرد یعنی نواسے کی بیٹی ہے۔ اور نواسی کا لڑکا اگرچہ خود مرد ہے مگر ایک حصّہ پاوے گا۔ کیونکہ وُہ نواسی کا لڑکا ہے اور نواسی عورت ہے۔ اور اگر یہ سب ذی رحم اِس بات میں بھی برابر ہیں۔ یعنی یا تو سب مرد کی اولاد ہوں۔ یا سب عورت کی اولاد تو اب اُن میں اِس طرح حصّہ بٹے گا۔ کہ لڑکے کو دُو حصّہ اور لڑکی کو ایک حصّہ جیسے کسی نے نواسہ اور نواسی چھوڑی تو کل مال کے تین حصّہ ہو کر نواسے کو دُو حصّے اور نواسی کو ایک حصّہ ملے گا۔

دوسری قسم کے ذی رحم وارث کا بیان؛

دُوسری قسم کے ذی رحم جن کی اولاد میں میّت ہے۔ جیسے نانا وغیرہ اُن میں بھی۔ جس کا رشتہ میّت سے قریب ہوگا۔ وُہ وارث ہوگا اور دُور کے رشتے والے کو محروم کر دے گا۔ جیسے ماں کا باپ اور ماں کا نانا اُن میں ماں کا باپ حصّہ پاوے گا۔ اور ماں کا نانا محرُوم۔ اگر اس قریب ہونے اور دُور ہونے میں سب برابر ہوں تو جس ذی رحم کا رشتہ وارث کے ذریعہ سے ہوگا۔ وُہ وارث ہوگا۔ اور جس کا رشتہ میّت سے ذی رحم کے ذریعہ سے ہوگا۔ اُس کو محرُوم کر دے گا۔ جیسے ایک شخص نے اپنی ماں کا دادا اور اپنی ماں کا نانا چھوڑا۔ تو ماں کے نانا کو حصّہ ملے گا۔ اور ماں کا دادا

محروم رہے گا۔ کیونکہ ماں کے دادا کا رشتہ میّت سے ماں کے باپ کے ذریعہ سے ہے اور وہ یعنی ماں کا باپ ذی رحم ہے تو ماں کا دادا خود بھی ذی رحم اور اُس کا رشتہ پیدا کرنے والا بھی ذی رحم اور ماں کا نانا کہ اِس کا رشتہ میّت سے ماں کی ماں کے ذریعے سے ہے۔ اور ماں کی ماں صحیح دادی ہے اور وُہ وارث ہوتی ہے۔ اُن کے تمام حکم پہلی قسم کے ذی رحم وارثوں کی طرح ہیں۔

تیسری قسم کے ذی رحم وارث کا بیان

اُن کے حکم بھی وُہی ہیں جو پہلی قسم کے ذی رحم لوگوں کے تھے۔ یعنی جس کا رشتہ میّت سے قریب ہوگا۔ وُہ دُور والے ذی رحم کو محروم کردے گا اسی طرح اِس قسم میں بھی جو ذی رحم کو وارث کے ذریعہ سے میّت کا رشتہ دار ہوگا۔ وُہ اس ذی رحم کو محروم کردے گا۔ جو ذی رحم کے ذریعے سے میّت سے رشتہ رکھتا ہو۔ جیسے بھائی کے بیٹے کی بیٹی اور بہن کی بیٹی کا بیٹا کہ اِس صورت میں بھائی کے بیٹے کی بیٹی بہن کی لڑکی کے لڑکے کو محروم کردے گی۔ کیونکہ اس کا رشتہ بھانجی کے ذریعہ سے ہے۔ اور وہ عصبہ ہے۔ یہ تمام باتیں خیال رہیں۔ اور باقی تمام مسائل اس جگہ بھی پہلی قسم کے ذی رحم لوگوں کی طرح ہیں!

چوتھی قسم کے ذی رحم وارثوں کا بیان

چوتھی قسم کے ذی رحم وارثوں کا یہ حکم ہے۔ کہ اگر ان میں کا کوئی ایک ہی ذی رحم ہے۔ دوسرا نہیں تو یہ ہی پورا مال لے گا۔ کیونکہ کوئی اس کا مقابل موجود نہیں اور اگر اِس قسم کے کئی ذی رحم ہیں تو دیکھا جاوے گا کہ ان سب ذی رحم وارثوں کا رشتہ میّت سے ایک ہی طرف سے ہے یا الگ الگ طرف سے ایک طرف سے رشتہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ سب کا رشتہ میّت کے باپ کی طرف سے ہو۔ جیسے میّت کی پھوپھیاں اور اخیافی چچا۔ یا سب کا رشتہ ماں کی طرف سے ہو۔ جیسے میّت کی خالہ ماموں اگر کوئی ذی رحم ایک ہی طرف کے رشتہ والے یعنی فقط ماں یا فقط باپ کی طرف کے پائے گئے۔

لے باپ کے ماں شریکی بھائی ذی رحم ہیں۔ اور باپ کے سگے بھائی اور باپ شریکی بھائی عصبہ ہیں۔ باپ کی بہن تو ذی رحم ہی ہے۔ چاہے کیسی بھی ہو ۱۲ منہ ؛؛

تو اُن میں سے جس کا رشتہ میّت سے مضبوط ہوگا۔ وہ میراث پائے گا اور کمزور رشتہ والا محرُوم ہوگا۔ مضبوط رشتہ سے مطلب یہ ہے کہ اس کا رشتہ میّت سے ۲ دو طرف سے ہو۔ اور کمزور سے مُراد یہ ہے۔ کہ اس کا رشتہ ایک ہی طرف سے ہو۔ جیسے میّت کی ۲ دو پھوپیاں ہیں۔ ایک تو باپ کی سگی بہن اور دوسری باپ کی ماں شریکی بہن یا باپ شریکی۔ تو باپ کی سگی بہن حِصّہ پاوے گی اور باپ کی ماں شریکی بہن محروم ہوگی اس لئے کہ سگی کا رشتہ میّت کے باپ سے دو طرف سے ہے اور اس کا ایک طرف سے۔ اِسی طرح اگر ۲ دو پھوپیاں ہیں۔ ایک تو باپ کی شریکی بہن ہے اور دوسری ماں شریکی بہن تو یہ محروم رہے گی۔ کیونکہ باپ کا رشتہ ماں کے رشتہ سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اُن میں جب ایک ہی درجہ کے رشتہ دار ہوں تو مرد کو ۲ دو حِصّہ اور عورت کو ایک حصّہ ملے گا۔ جیسے میّت نے پھوپھی اور اخیافی چچا چھوڑا تو پھوپھی کو ایک حصّہ اور اخیافی چچا کو ۲ دو حصّہ ملیں گے اور اگر ان ذی رحم وارثوں کا رشتہ الگ الگ طرف سے ہے تو اس صورت میں ایک طرف کا مضبوط رشتہ والا ذی رحم دوسرے کمزور رشتہ والے ذی رحم کو محرُوم نہ کر سکے گا۔ جیسے ایک شخص کی ماں کی سگی بہن اور باپ کی ماں شریکی بہن ہے۔ تو دونوں میّت کے مال سے حِصّہ پائیں گی اگرچہ ماں کی بہن کا مضبوط رشتہ ہے۔ اور باپ کی بہن کا کمزور۔ مگر چونکہ اُن کا رشتہ الگ الگ طرف سے ہے اِس لئے ایک دوسرے کو محرُوم نہ کریں گی اور اس صُورت میں ماں کی بہن عورت کو ایک حصّہ اور باپ کی بہن کو ۲ دو حِصّہ ملیں گے کہ ماں کی بہن عورت کے ذریعہ سے میّت کی رشتہ دار ہے اور باپ کی بہن مرد کے ذریعہ سے رشتہ رکھتی ہے۔ لہٰذا باپ کی طرف سے رشتہ والی ۲ دو حِصّہ پاوے گی۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اب اگر ہر طرف کے کئی کئی وارث ہوں۔ جیسے کہ تین ۳ خالہ ہیں۔ اور چار پھوپیاں تو پہلے ہر گروہ کو الگ الگ حِصّہ دے کہ جو ہر فریق کو ملے گا۔ وہ اُس کے شخصوں پر بانٹ دیا جاوے گا۔ تو تین خالاؤں کو اُن کا حصّہ دلا کر اُس حِصّہ کے تین حِصّہ کر کے ہر ایک کو ایک حِصّہ دے دیا جاوے گا۔ اِسی طرح پھوپیوں کا مُعاملہ ہے۔

ان کی اولاد کا بیان

چوتھی قسم کے ذی رحم وارثوں کی اُولاد کا وُہی حکم ہے۔ جو پہلی قسم کے ذی رحم وارثوں کا تھا یعنی قریب کا رشتہ دار ہوتے ہوئے دُور کا رشتہ والا محرُوم ہوگا، تو پھوپھی کا بیٹا

ہوتے ہوئے پھوپھی کے پوتے کو کچھ نہ ملے گا۔ اگر قریب اور دُور ہونے میں سب اولاد برابر ہیں تو اگر میّت سے ایک رشتہ ہے۔ تو مضبوط رشتہ والا حصّہ پا دے گا۔ اور کمزور رشتہ[۱] والا مضبوط کے ہوتے ہوئے محروم رہے گا۔ اگر اس میں بھی برابر ہوں۔ تو عصبہ کی اولاد ذی رحم کی اولاد کو محُروم کر دے گی۔ جیسے میّت نے ایک چچا کی بیٹی اور ایک پھوپی کا بیٹا چھوڑا۔ تو چچا کی بیٹی پھوپی کے بیٹے کو محرُوم کر دے گی۔ کیونکہ لڑکی کا رشتہ عصبہ یعنی چچا کے ذریعہ سے ہے۔ اور لڑکے کا رشتہ ذی رحم یعنی پھوپھی کے ذریعے سے ہے۔ اگر چند طرف کے ذی رحم وارثوں کی اولاد ہو۔ جیسے ایک تو خالہ کی اولاد اور دُوسری پھوپھی کی اولاد، تو اب مضبوط رشتہ والا کمزور رشتہ والے کو محرُوم نہ کر سکے گا۔ جیسے باپ کی سگی بہن کی اور ماں کی باپ شریکی بہن کی اولاد ہے۔ تو اگرچہ پہلی کا رشتہ میّت سے مضبوط ہے اور دُوسری کا کمزور مگر چونکہ ایک ہی طرف کے یہ دونوں وارث نہیں ہیں۔ اس لئے یہ مضبوط رشتہ والی کمزور رشتہ والی کو محرُوم نہ کر سکے گی۔

حمل کا بیان

عورت کے پیٹ میں بچّہ کم سے کم چھ۶ مہینے تک رہ سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دُو۲ سال تک تو اگر کسی عورت کے اُس کے خاوند کے مرنے سے دُو۲ برس بعد بچّہ پیدا ہو۔ تو یہ اِس میّت خاوند کی میراث نہ پاوے گا۔ کیونکہ یہ بچّہ میّت کا نہیں کسی اور کا ہے۔ اور اگر میّت کے مرنے کے بعد دُو۲ برس یا دُو۲ برس سے کم مدّت میں پیدا ہوا اور بیوی نے اس سے پہلے[۲] حمل کا انکار نہ کیا تھا تو اِس بچّہ کو اس میّت کے مال سے حصّہ ملے گا اور اگر میّت کے سوا دوسرے وارث کا ہے جیسے میّت کی ماں حاملہ ہے تو اس صورت میں یہ حمل اگر کم سے کم یعنی میّت کے مرنے کے بعد چھ۶ ماہ یا کم میں پیدا ہو

---

[۱] اس کی مثال جیسے میّت کے باپ کی سگی بہن کی اُولاد ہوتے ہوئے میّت کے باپ کی علاتی بہن کی اولاد محرُوم رہے گی ۱۲ منہ ::

[۲] حمل سے انکار کرنے کی صورت یہ ہے کہ عورت چار۴ ماہ دس دن کے بعد کہہ چکی ہو۔ کہ میری عدّت پُوری ہو چکی کیونکہ اگر یہ حمل میّت کا تھا۔ تو حمل کے باہر آنے سے پہلے اُس کی عدّت کیسے پُوری ہو گئی۔ اس لئے کہ جس کا خاوند مر جاوے۔ اور عورت حاملہ ہو۔ تو اس کی عدّت بچہ کے پیدا ہونے سے پُوری ہوتی ہے اور جب

تو اس میّت کے مال کا وارث ہو گا اور اگر اس سے زیادہ مدّت میں پیدا ہوا۔ تو نہیں اور اگر یہ بچہ ف۱ زندہ پیدا ہو کر مر جاوے تو دوسرے لوگ اس بچہّ کے وارث ہوں گے۔ یہ جو کہا کہ بچہّ زندہ پیدا ہو تو بچہ کو میّت کا مال ملے گا۔ اِس سے مطلب یہ ہے۔ کہ پُورا بچہّ زندہ پیٹ سے باہر آجاوے اور اگر باہر آنے کی حالت میں مر گیا تو اگر بچہ سیدھا آیا ہو۔ یعنی سر کی طرف سے پیدا ہوا ہو۔ اور سینہ تک زندہ نکلا۔ تو اِس کو زندہ مانا جاوے گا۔ یعنی اُس کو میّت کے مال کا وارث کر کے مال اِس بچےّ کے وارثوں کو دیدیا جاوے گا۔ اور اگر سینہ سے کم تک زندہ نکلا۔ تو اِس کو مُردہ مان کر میّت کے مال سے کچھ نہ ملے گا۔ اور اگر اُلٹا پیدا ہوا ہے۔ یعنی پاؤں کی طرف سے ہوا تو اُس میں ناف کا اعتبار ہے یعنی اگر ناف تک زندہ پیدا ہوا۔ اور بعد میں مرا تو اس کو زندہ مان کر میراث کا حق دار مانا جاوے گا۔ اب جب یہ معلوم ہو چکا تو اس کے مسائل یہ ہیں۔ کہ جس طرح زندہ وارث اپنے رشتہ دار میّت کے مال کا حصّہ پاتے ہیں۔ اُسی طرح جو وارث میّت کے مرتے وقت اپنی ماں ف۲ کے پیٹ میں ہو۔ وُہ بھی وارث ہوگا۔ مگر اسی شرط سے کہ زندہ پیدا ہو۔ جیسے ایک شخص کا انتقال ہوا۔ اُس کے کچھ لڑکے موجود ہیں۔ اور اُس کی بیوی حاملہ ہے تو جیسے یہ موجود لڑکے اُس کے وارث ہیں۔ اُسی طرح یہ حمل کا بچہّ بھی اُس کا وارث ف۳ ہے۔ اسی طرح اگر کسی کا انتقال ہوا اور اس کے کچھ بھائی زندہ موجود ہیں

باقی حاشیہ! اُس نے کہا کہ میری عدّت پوُری ہو گئی اور بعد میں آٹھ دس ماہ بعد بچہّ پیدا ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ اس بچہ کا حمل بعد میّت ٹھہرا تھا۔

ف۱ : اگر حمل سے مُردہ بچہّ پیدا ہوا تو اِس کو میّت کے مال سے حصّہ نہ ملے گا۔ یہ حکم اُس صورت میں ہے جب بچہّ اپنے آپ مرا ہوا پیدا ہو۔ لیکن اگر حمل گرا دیا گیا تو وارث ہوگا اور دوسرے ورثاء اُس کے وارث ہوں گے ردّ المحتار منہ ۱۲ ::

ف۲ اگر میّت کا مال بانٹتے وقت خبر نہ ہوئی کہ میّت کی بیوی میّت سے حاملہ ہے۔ اور بعد میں بچہّ میّت سے پیدا ہوا۔ تو اسی تقسیم کیئے ہوئے مال کو دوبارہ بانٹا جاوے گا۔ اِسی طرح اگر میّت کی بیوی نے کہا کہ مجھے حمل ہے اور دوسرے وارثوں نے کہا۔ کہ تجھ کو حمل نہیں ہے تو کسی جاننے والی ہوشیار دہندار دائی کو دکھایا جاوے گا۔ اگر وُہ حمل بتا وے۔ تو حمل مان لیا جاوے گا ورنہ نہیں۔ ردّ المحتار منہ ۱۲ ۔

ف۳ بعض علماء فرماتے ہیں۔ کہ اگر عنقریب بچہّ پیدا ہونے کی اُمید ہے مثلاً ایک ماہ سے کم میں بچہّ پیدا ہو جاوے گا تو ابھی مال کو تقسیم نہ کیا جاوے۔ بلکہ بچہ پیدا ہونے کا انتظار کریں۔ کیونکہ خبر نہیں کہ ماں کے پیٹ

اور اُس کے مرتے وقت اس کی ماں حاملہ ہے۔ تو اگر اُس کے زندہ بھائی حصّہ پائیں گے۔ تو ضرور یہ حمل کا
بچّہ بھی حصّہ کا حق دار ٹھہرے گا۔ اب جب کہ مال تقسیم کیا جاوے۔ تو ایک وارث کا حصّہ اُس مال سے
حمل کے لیئے رکھ لیا جاوے گا۔ کیونکہ اگرچہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ماں کے پیٹ میں ایک سے زیادہ
بچّے ہوں۔ مگر جب عام طور سے عورتوں کے ایک حمل میں ایک ہی بچّہ پیدا ہوتا ہے۔ اور ایک سے
زیادہ بچّہ ہونا بہت کم ہے۔ اس لئے ایک ہی بچّہ کا حصّہ بچا کر رکھا جاوے گا۔ اور باقی وارثوں
سے ضامن لیا جاوے گا۔ کہ اگر ایک سے زیادہ بچے پیدا ہوں۔ تو تم کو اپنے حصّوں میں سے
اُس کے حصّہ کی برابر واپس کرنا پڑے گا۔ اب یہ حساب لگایا جاوے کہ اگر حمل لڑکی ہو گی۔ تو
زیادہ حصّہ پاوے گی یا لڑکا ہوگا تو زیادہ حصّہ پاوے گا۔ جس صورت میں حمل لڑکی کو زیادہ
حصّہ ملے۔ اُسی کا اعتبار کر کے اُس حمل کے لئے حصّہ رکھا جاوے۔ جیسے کہ اگر یہ حمل لڑکی ہو۔ جب
تو کل مال کا آدھا پائے گی اور اگر لڑکا ہو تو عصبہ ہو کر ذی فرض وارثوں سے بچا ہُوا مال رکھا جاوے
اور بچا ہوا آدھے سے کم ہے تو اس حمل کو لڑکی مان کر اُس کے لئے آدھا مال رکھا جاوے۔ اس
مسئلہ کے بنانے کے قاعدے یہ ہیں۔ کہ حمل کو لڑکا اور لڑکی فرض کر کے دونوں صورتوں سے
مسئلہ بناؤ۔ پھر جن عددوں سے یہ دونوں مسئلے بنے ہیں۔ ان دونوں عددوں کی آپس میں نسبت
دیکھو۔ اگر ان دونوں عددوں میں توافق ہے تو ایک مسئلہ کے عدد کے وفق کو دوسرے مسئلہ کے
پورے عدد میں ضرب دو۔ اور اگر ان دونوں مسئلوں کے عدد میں تباین ہے۔ تو ایک مسئلہ کے
پورے عدد کو دوسرے مسئلہ کے پورے عدد میں ضرب دو جو کچھ اس ضرب سے حاصل ہو
اُس سے مسئلہ کو صحیح کر دیا جاوے۔

پھر وارثوں کے حصّوں پر نگاہ کرو۔ کہ حمل کے لڑکی ماننے کی صورت میں اُن کو جو حصّے ملے
ہیں۔ اُن حصّوں کو لڑکے ہونے کی صورت والے مسئلہ کے مخرج میں ضرب دو۔ اور جو حصّے حمل کو

میں کتنے بچے ہیں۔ اور لڑکا ہے یا لڑکی۔ مگر صحیح یہ ہے۔ کہ انتظار نہ کریں گے چاہے بچہ جلد پیدا ہونے والا ہو
یا دیر میں کیونکہ اگر آنے والے بچّے کا انتظار کیا تو ممکن ہے کہ جو وارث اب موجود ہیں۔ اُن میں سے جب تک
کوئی مر جاوے تو آنے والے کے انتظار سے موجود وارثوں کو کیوں محروم کر دیا جاوے۔ ہاں اگر حمل ایسا ہے
کہ اُس کے پیدا ہونے پر موجودہ وارثوں میں سے بعض محروم ہو جائیں گے تو اُن وارثوں کو نہ دیا جاوے گا
جو محروم ہونے والے ہوں۔ واللہ اعلم۔ ردّ المحتار ۱۲ منہ۔

لڑکا ماننے کی صورت میں ملے ہیں۔ اُن کو لڑکی کے مسئلہ کے مخرج میں ضرب دو۔ اگر اُن دونوں مسئلوں کے عددوں میں تباین ہو تب ورنہ اگر توافق ہو۔ تو وارثوں کے حصّوں کو اُن مسئلوں کے مخرجوں کے وفق میں ضرب دیا جاوے اور دیکھا جاوے کہ کس ضرب سے حصّہ کم ملا۔ جس ضرب سے حصّہ کم ملے وہ اُس وارث کو دے دیا جاوے اور زیادتی حمل کے لئے رکھ لی جاوے۔ اگر حمل سے ایسا بچہ پیدا ہوا جو اُس بڑے حصّہ کو پانے کا حق دار ہے۔ جب تو اس بچہ کو بڑا ہی حصّہ دے دیا جاوے اور جتنا پہلے ان دوسرے وارثوں کے حصّوں میں سے کم کر لیا گیا تھا۔ وہ اُن وارثوں کو واپس کر دیا جاوے۔ اُس کی مثال یہ ہے۔ کہ اگر ایک شخص کا انتقال ہوا اُس نے ایک بیٹی اور ماں باپ اور ایک حاملہ بیوی چھوڑی اس طرح!

لڑکی والی صورت

مسئلہ ۲۴ (۲۷) ۱۱۶ احمد

لڑکی	ماں	باپ	بیوی	حمل لڑکی
۱۶	۴	۴	۳	-

لڑکے والی صورت

مسئلہ ۲۴ احمد

لڑکی	ماں	باپ	بیوی	حمل لڑکا
۱۲	۴	۴	۳	-

اس صورت میں اگر حمل کو لڑکی مانتے ہیں۔ تو مسئلہ چوبیس (۲۴) سے ہو کر ۲۷ سے عول کیا جاوے گا۔ اس میں سے حمل و لڑکی کو ۱۶ باپ کو اور ماں کو چار، چار بیوی کو تین ملیں گے۔ اور اگر حمل کو لڑکا مانئے میں تو مسئلہ ۲۴ سے ہی صحیح ہوگا۔ اس چوبیس (۲۴) میں سے ماں کو چار، باپ کو چار (۴) اور بیوی کو تین حمل و لڑکی کو ۱۲ ملیں گے۔ ان مسئلوں کے مخرج ۲۴ و ۲۷ ہیں۔ جن سے دونوں مسئلے بنے ہیں۔ دیکھا

۱؎ یہ جو معاملہ کیا گیا ہے یہ جب ہے کہ حمل اس وارث کا حصّہ لڑکا یا لڑکی ہونے کی صورت میں کم کر دے۔ اور اگر وارث ایسا ہے۔ کہ اُس کا حصّہ کم ہو ہی نہیں سکتا۔ حمل چاہے لڑکا ہو یا لڑکی۔ جیسے دادی کو چھٹا حصّہ ملے گا چاہے حمل سے لڑکا ہو یا لڑکی۔ تو اُس کا حصّہ پُورا دیا جاوے گا۔ اور جو وارث ایسا ہو۔ کہ حمل میں لڑکا ہے۔ جب تو وُہ محروم ہو جاتا ہے اور اگر حمل میں لڑکی ہو۔ تو حصّہ پاتا ہے۔ جیسے بھائی تو اُس صورت میں ایسے وارث کو کچھ بھی نہ دیا جائے گا۔ بلکہ حمل کے پیدا ہونے کا انتظار ہوگا۔ حمل کے پیدا ہونے کے بعد اگر یہ وارث حصّہ کا حق دار ہو۔ تو حصّہ دے دیا جاوے۔ ورنہ نہیں اس سے معلوم ہوا کہ وارث تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کا حصّہ سارا دے دیا جاوے۔ حمل کی پیدائش سے پہلے ہی دُوسرا وُہ جن کو حمل کے پیدا ہونے سے

جا دے۔ کہ ۲۴ و ۲۷ میں کیا نسبت ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ ان دونوں میں تہائی کا توافق ہے کیونکہ تین دونوں کو مٹا دیتا ہے۔ تو ۲۴ کا تہائی لیا۔ (۸) اس ۸ کو ۲۷ میں ضرب دی۔ ۲۱۶ حاصل ہوئے۔ اب لڑکی اور ماں و باپ اور بیوی کے حصوں کو ۲۴ و ۲۷ کے تہائی میں ضرب دی جاوے

لڑکی	ماں	باپ	بیوی
۶۴ و ۱۲۸	۳۲	۳۲	۲۴

اور اگر اُن وارثوں کے حصوں کو، ۲۷ کی تہائی یعنی ۹ میں ضرب دی۔ تو اُن کو یہ حصے ملتے ہیں۔

ماں	لڑکی	باپ	بیوی
۳۶	۳۹	۳۶	۲۷

معلوم ہوا کہ اگر حمل کو لڑکا مانیں تو لڑکی کو ۲۵ کم ملتے ہیں اور بیوی کو تین زیادہ ملتے ہیں اور ماں و باپ کو چار چار زیادہ ملتے ہیں اور اگر حمل کو لڑکی مانیں تو لڑکی کو ۲۵ زیادہ اور بیوی کو تین کم اور ماں باپ کو چار چار کم ملتے ہیں۔ لہٰذا حمل کو ماں باپ اور بیوی کے لئے لڑکا مانا جاویگا۔ اور بیوی کو ۲۴ دیئے جاویں گے۔ تین بچا لئے جاویں گے اور ماں باپ کو ۳۲، ۳۲ دیئے جاویں گے اور اُن کے حصوں میں سے چار چار بچا لئے جاویں۔ اور لڑکی کو وُہ حصہ ملے گا۔ جو حمل کے لڑکا ماننے پر اس کو ملا ہے کیونکہ یہ ہی کم ہے۔ یعنی ۱۳ کو ۹ میں جب ضرب دی۔ تو ۱۱۷ حاصل ہوئے اُس ایک ثلث سترہ کا تہائی یعنی ۳۹ لڑکی کو دیا گیا۔ کیونکہ جب حمل کو لڑکا مانا گیا تو اب ۱۱۷ کے تین حصے کئے جاویں گے۔ اُس میں سے دو حصہ لڑکے کے لیئے ہیں۔ اور ایک حصہ لڑکی کے لئے خلاصہ یہ ہوا کہ لڑکی کو وُہ حصہ دیا جاوے گا جو حمل کو لڑکا مان کر ملتا ہے۔ اور باقی ماں باپ اور بیوی کو وہ حصہ ملیگا جو حمل کو لڑکی مان کر ملتا ہے۔ کیونکہ لڑکی کے لیئے وُہ کم ہے ماں باپ اور بیوی کے لیئے یہ کم ہیں۔ اور حمل کے لئے ۲۱۶ میں سے ۸۹ باقی رکھے جاویں گے۔ اُن موجودہ وارثوں کے حصے سے حسب ذیل کمی کی گئی ۲۵ لڑکی کے حصے سے ۳ بیوی کے حصے سے ۴ ماں کے حصے سے ۴ باپ کے حصے سے :۔

تو کل اُٹھا کر رکھے ہوئے حصہ ۳۶ ہیں۔ اب اگر حمل سے لڑکی پیدا ہوئی۔ تو فقط بیٹی کو ۲۵

باقی حاشیہ! پہلے بالکل نہیں دیا جاتا۔ اور تیسرا وُہ جن کو کم حصہ دیا جاتا ہے۔ یہاں اسی تیسرے قسم کے وارث کا ذکر ہے۔ ردّ المحتار منہ ۱۲!

واپس کر دیئے جاویں گے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا حصّہ کم ہُوا تھا۔ اور ماں باپ وغیرہ کو کچھ واپس نہ ہوگا۔ اور اگر حمل سے لڑکا پیدا ہُوا۔ تو ماں کو ۴۔ باپ کو چار بیوی کو ۳ واپس کئے جاویں گے اور لڑکی کو کچھ واپس نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں لڑکی کے حصّہ سے کچھ کم نہ ہوا تھا۔ اور اگر یہ حمل کا بچہ مرا ہوا پیدا ہو۔ تب تو لڑکی کو ۶۹ اور دیئے جاویں گے کہ یہ ۶۹ اُنتالیس ۳۹ سے مل کر ۱۰۸ ہو جاویں۔ جو ۲۱۶ کا آدھا ہے۔ اور بیوی کو تین اور دیئے جاویں گے۔ تاکہ یہ تین اُن ۲۴ سے مل کر ۲۷ ہو جاویں۔ کیونکہ ۲۷، ۲۱۶ کا آٹھواں حصہ ہے۔ اور ماں کو چار تاکہ یہ چار مل کر ۲۱۶ کا چھٹا حصّہ یعنی ۳۶ ہو جاویں۔ اور باپ کو چار اُس کا چھٹا حصّہ پُورا کرنے کے لئے اور باقی ۹ عصبہ ہونے کی وجہ سے دیئے جاویں۔ اب اس طرح مسئلہ ہوا کہ مسئلہ کے عدد ۲۱۶ جن میں سے بیٹی کو، بیوی کو، ماں کو، باپ کو اِن کو جمع کیا۔ تو ۲۱۶ ہو گئے:

۱۰۸	۲۷	۳۶	۴۵

۱۰۸
۲۷
۳۶
۴۵
۲۱۶

مفقود یعنی گمے ہوئے وارث کا بیان

گمے ہُوئے شخص سے وُہ مراد ہے۔ جو اپنے وطن سے ایسا غائب ہو گیا ہو۔ کہ اُس کی خبر نہ رہی کہ مر گیا یا زندہ ہے اور اگر زندہ ہے۔ تو کہاں ہے ایسے آدمی کا یہ حکم ہے۔ کہ اُس کے مال کے معاملہ میں تو اُس کو زندہ مانا جاوے گا۔ یعنی اُس کے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا۔ اور اس کے دوسرے رشتہ داروں کے مال میں اُس کو مُردہ مانا جاوے گا۔ یعنی کسی کے مال کا وُہ وارث نہیں بر تو دوسرے کے مال کا وارث نہ ہوگا۔ مگر دوسرے وارثین جو اس کی وجہ سے محرُوم ہوتے ہوں۔ اُن کو اُس وقت نہ دیا جاوے گا۔ اسی طرح جس کا حصّہ اس کی وجہ سے کم ہونا ہو گا اُس کو کم کر دیا جاوے گا۔ اور اُس کا مال رکھا رہے گا۔ کسی کو ورثہ میں نہ دیا جاوے گا۔ جب تک کہ اس کی موت کی خبر نہ مل جاوے۔ اگر کسی طریقہ سے معلوم ہو جاوے کہ وُہ فلاں تاریخ میں مر گیا۔ تو اس تاریخ میں جو اُس کے وارثین زندہ ہوں گے۔ اُن میں اُس کا مال بانٹ دیا جاوے گا۔ اگر اس کی موت کی خبر نہ ملے۔ تو جب اُس کی زندگی کی مدّت ختم ہو جاوے۔ تب اس کی موت کا حکم دیا جاوے گا۔ یہ مدّت ۹۰ سال ہے۔ یعنی جب اُس کی عمر ۹۰ سال ہو جاوے۔ جیسے ایک آدمی ۴۰ سال کی عمر میں غائب ہوا۔ تو پچاس سال اور انتظار کر کے موت کا حکم

دیاجا وے گا۔ کیونکہ ۴۰ سال کی عمر میں غائب ہوا اور ۵۰ سال غائب ہوئے ہو گئے اب اُس کی عمر ۹۰ سال کی ہو گئی ہے۔ جس وقت کہ اس کی موت کا حکم دیا گیا۔ اُس وقت جتنے وارث زندہ ہوں گے۔ اُن ہی میں مفقود کے مال کی میراث تقسیم کر دی جا وے۔ اسی طرح اس کی موت سے پہلے جن لوگوں کا مال تقسیم ہوا۔ اور اس کی وجہ سے اُس کے وارثوں کو آج دیا جا وے گا۔ یعنی جس وارث کا حصّہ اس گمے ہوئے کی وجہ سے نہ دیا گیا تھا۔ اُس کو آج دیا جا وے گا یا اُس کے حصّے کی کمی پوری کر دی جا وے گی۔ جیسے ایک آدمی کا انتقال ہوا۔ اُس نے ماں، بیوی، بھائی اور ایک گما ہوا بیٹا چھوڑا تو ماں اور بیوی نے اس کی وجہ سے کم پایا اور بھائی اس کی وجہ سے بالکل حصّہ نہ پا سکا۔ اب جب کہ اس کے مرنے کا حکم دیا گیا۔ تو ماں اور بیوی کا حصّہ پورا کر دیا گیا اور بھائی کو اُس کا حصّہ مل گیا۔ اِس مسئلہ کے بنانے کا بھی وُہی قاعدہ ہے جو حمل کے بیان میں گزر چکا ہے۔ کہ اُس کے رشتہ داروں میں سے اگر کوئی شخص مرے۔ اور اُس کے وارثوں میں اس طرح کا مال تقسیم کیا جاوے تو دو طرح اُس کے مال کا مسئلہ بنایا جا وے۔ ایک تو اس گمے ہوئے کو زندہ مان کر دوسرے اس کو مُردہ مان کر اور اُن دونوں مسئلوں کے عددوں میں ایک دوسرے کو ضرب دے دو۔ اگر تباین ہو۔ اور اگر توافق ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے میں ضرب دی جاوے۔ پھر اُسی طرح اُن کے وارثوں کو جس مسئلہ سے جتنے حصّے ملے ہوں۔ اُن کو دُوسرے مسئلہ کے پورے مخرج یا وفق سے ضرب دے دی جا وے۔ اور جس میں حصّہ کم ملے۔ وُہ ہی حصّہ دے دیا جا وے۔ اور باقی زیادتی رکھ لی جاوے اور جو شخص اِس گمے ہوئے شخص کو زندہ ماننے سے محروم ہوتا ہو۔ اِس کو اُس وقت مال نہ دیا جا وے غرض کہ جو کچھ حمل کے بیان میں تفصیل سے گزرا۔ وُہی یہاں کیا جا وے۔ پھر جب یہ گما ہُوا آدمی مُردہ ثابت ہو۔ تب اُن وارثوں کے رکھے ہوئے حصّے واپس کر دیئے جا ویں۔

مرتد کا حکم

جو شخص مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو جا وے۔ اس کو مُرتد کہتے ہیں۔ اگر مُرتد اپنے کفر پر ہی مر جائے۔ یا قتل کر دیا جا وے۔ تو مال جو اُس نے اپنے مسلمان ہونے کے زمانہ میں کمایا تھا۔ اُس میں سے اُس کا وُہ قرض جو مسلمان ہونے کے زمانہ کا ہوا ادا کیا جا وے گا۔ اُس سے جو مال بچے

وہ اُن وارثوں میں بانٹ دیا جاوے۔ جو اس کے مرتے وقت باقی ہوتے وقت موجود ہیں اور جو مال مرتد ہونے کے بعد کمایا ہے۔ اُس سے مرتد ہونے کے بعد جو اُس پر قرضہ ہوگیا ہو وہ ادا کیا جاوے اور جو باقی بچے وہ بیت المال میں رکھ دیا جاوے۔ کہ مسلمانوں کی ضرورتوں میں کام آوے۔ اور اگر عورت مرتد ہو گئی تو اس کے تمام مال سے اُس کے وارث ورثہ پائیں گے۔ چاہے وہ اسلام کے زمانہ میں مال کمایا ہو یا کافر ہونے کے بعد جو شخص مرتد ہوگیا وہ اپنے کسی رشتہ دار کے مال سے ورثہ نہیں پاسکتا چاہے وہ رشتہ دار مسلمان ہو یا وہ بھی مرتد ہوگیا ہو۔ اسی طرح مرتدہ عورت کسی کے مال سے ورثہ نہ پائے گی۔ ہاں اگر "معاذاللہ" کسی شہر کے تمام لوگ مرتد ہوگئے۔ تو ان میں سے ایک دوسرے کا مال ورثہ میں پائیں گے۔

قیدی وارث کا بیان

جس مسلمان شخص کو کافر قید کرکے اپنے ملک میں لے گئے۔ وہ جب تک اسلام پر قائم رہے اُس وقت تک اور مسلمانوں کی طرح ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے مال سے ورثہ پاوے گا۔ اور اگر اس قیدی مسلمان نے نعوذباللہ اپنا مذہب بدل دیا۔ تو اس کے حکم اب مرتد کی طرح ہو جائیں گے اور اگر اس کے رشتہ داروں کو خبر نہ رہی۔ کہ وہ مسلمان ہے یا کافر ہو گیا تو اس کا حکم گمے ہوئے شخص کی طرح ہے کہ اُس کے دوسرے رشتہ داروں کو اپنے مورثوں (مرنے والوں) کے مال سے کم حصہ دیا جاوے گا۔ اور باقی بچا کر رکھا جاوے گا۔ جب پوری خبر مل جاوے۔ کہ وہ مسلمان ہے تب تو خیر۔ اور اگر خبر ملے۔ کہ وہ کافر ہو چکا تو وارثوں کو وہ مال جو بچا کر رکھا گیا۔ واپس کر دیا جائیگا۔

لہ کافر یا تو اس طرح ہو جائے کہ مذہب اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب سے جا ملے جیسے عیسائی یا یہودی یا ہندو ہو جائے۔ اور یا اس طرح کہ وہ تو اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتا رہے۔ اور دعویٰ اسلام کا ہی کرتا رہے۔ مگر شریعت اس کو کافر کہتی ہو جیسے اس زمانے کے صرف وہ وہابی جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک میں بری باتیں لکھیں یا بکیں یا اس بکنے کو اچھا سمجھا۔ اسی طرح قادیانی نیچری وغیرہ اور دوسرے وہ لوگ جو شرعًا کافر ہو چکے۔ مگر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ۱۲ منہ خیال رہے کہ بدمذہب فرقے شرعی کافر ہیں مگر میراث میں قانونی کافروں کا ذکر ہے

جو لوگ جل کر یا ڈوب کر یا دب کر مر جائیں اُنکا بیان

اگر ایک کنبے کے چند لوگ اچانک مر جائیں چاہیں ڈوب کر یا جل کر یا دب یا کسی اور طرح اور پتہ نہ چلے کہ اُن میں پہلے کون مرا ہے اور بعد میں کون تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ سب ایک دم ہی مرے ہیں۔ لہٰذا ان مرنے والوں میں سے کسی کو کسی کا وارث نہ بنایا جائے گا۔ بلکہ اُنکے وہ وارث جو اَب موجود ہیں۔ اُن کو ہی سب مال شرعی طریقہ سے بانٹ کر دے دیا جائے گا۔ جیسے باپ۔ بیٹا۔ بھائی۔ بہن۔ کسی مکان سے دب کر مر گئے تو نہ باپ کے مال سے اس اولاد کو کچھ ملے اور نہ ہی ان بیٹوں کے مال سے باپ مرحوم کو کچھ ملے۔ نہ بیٹی نہ بھائی۔ بہن کے مال سے کچھ ملے۔ بلکہ جو لوگ اِن ہلاک شدگان کے وارثین میں اب موجود زندہ ہیں ان میں اِن میتوں کا مال بانٹ دیا جائے گا۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

ناچیز / احمد یار خان قادری بدایونی

صدر مدرس

مدرسہ مسکینیہ دھوراجی۔ کاٹھیاواڑ گجرات۔ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ

علم فرائض کے کچھ اصطلاحی الفاظ جن کو یاد کرنا ہر طالب علم کے لیے ضروری ہے تاکہ علم سیکھنا آسان ہو جائے

(۱) مورث : جو فوت ہو اور اُس کا مال تقسیم کیا جائے۔

(۲) وارث : جس کو تقسیم شدہ مال دیا جائے۔

(۳) میراث : وہ مال جو مرنے والا چھوڑ جائے اور اس کو تقسیم کیا جائے۔

(۴) مصرف : میت کا مال کہاں خرچ کیا جائے۔

(۵) ذی فرض : وہ وارث جس کا حصہ قرآن مجید نے مقرر فرما دیا ہے۔

(۶) عصبہ : وہ وارث جن کا حصہ قرآن مجید نے بیان نہ کیا ہے۔ اور ذی فرض کی تقسیم کر کے جو مال بچے وہ اُس کو دیا جائے۔

(۷) ذی رحم : وہ وارث جو عصبہ نہ ہوں تو میراث پائیں۔

(۸) حجب : کوئی وارث دوسرے وارث کو محروم کر دے یا اُس کا حصہ میراث کا کم کر دے۔

(۹) عول : چھوٹے عدد سے تقسیم پوری نہ ہو تو وارثوں کے حصوں کے مطابق بڑے عدد سے تقسیم کی جائے۔ اس کو عول کہتے ہیں۔

(۱۰) مساوی : میراث کے عدد اور وارثوں کے عدد برابر ہوں۔

(۱۱) تداخل :۔ بڑا چھوٹا عدد ہو۔ اور بڑا عدد چھوٹے پر ______ برابر تقسیم ہو جائے

(۱۲) توافق : بڑا چھوٹا عدد ہو۔ اور چھوٹا بڑا عدد ۔ آپس میں برابر نہ تقسیم ہوں مگر تیسرا عدد دونوں کو برابر بانٹ دے۔

(۱۳) تباین :۔ بڑا چھوٹا عدد نہ خود برابر بٹ سکے نہ تیسرا عدد ان کو برابر تقسیم ۔۔۔۔۔۔ کرے۔

(۱۴) مناسخہ : ایک شخص کے مال ابھی تقسیم نہ ہوا تھا کہ اُس کے کچھ وارث مر گئے اور ان کا حصہ تقسیم سے پہلے میراث بن گیا۔

کتاب الآداب

فنِ تصنیف کی گہرائیاں اور ذمہ داریاں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوال ۴۵

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡکَرِیۡمِ وَرَءُوۡفُ الرَّحِیۡمِ **اَمَّا بَعۡدُ** اس بات سے کون ذی عقل و فہم ناواقف ہے۔ کہ دنیائے علم و ہنر میں فن تصنیف انتہائی مشکل اور اہم ذمے داری کا کام ہے اسی فن سے شخصی قسمتیں وابستہ ہیں۔ مصنفین کے قلم سے ہی اقوام عالم کے زوال و عروج ہوتے رہے۔ یہی وہ فن ہے، جس کے جادو سے تفکرات و مزاج بدلے جا سکتے ہیں۔ اس ہنر میں یہ ملکہ ہے۔ کہ کو آخریں، ازل کو ابد میں منتقل کیا جا سکے۔ غرضکہ جس نے کائنات کے دھارے کو پھیرا۔ وہ یہی طاقت ہے۔ آج ہم کو دولت ایمانی و عرفانی کا میسر ہونا اسی محنتِ اکابر کا ثمرہ ہے۔ جَزَاھُمُ اللّٰہُ فِی الۡجَنَّۃِ خَیۡرَ الۡجَزَاءِ۔ تصورات رومی و غزالی اسی چاند کی بکھیر ہے۔ اور اسی سورج کی دھوپ ہے مگر اتنا ضرور خیال رہے۔ کہ تصنیف مثل کچلول ہے۔ اس میں جو بھرا جائے گا وہ ہی تقسیم ہوگا۔ دودھ اور شہد بھرنے سے دودھ اور شہد ہی ملے گا۔ اور اگر زہر قاتل ہوگا تو ہلاکت و تباہی سے ہی واسطہ پڑے گا۔ اس دنیاء دون میں جیسے جیسے مصنف پیدا ہوتے رہے ویسے ہی قوم کے مزاج میں تبدیلی آتی رہی۔ اور حق و باطل تصنیف ہی کے گہوارے پلتے بڑھتے رہے۔ بہرحال اس تسلیم کے سواء چارہ نہیں کہ تصنیف بہت ذمہ داری کا فریضہ ہے۔ اور ایک نازک ترین راہ گزر ہے۔ سابقہ عقلاء و حکماء بڑی احتیاط سے اس پگڈنڈی پر قدم رکھتے تھے۔ جتنا یہ نازک فن تھا۔ اتنا ہی فی زمانہ لوگوں نے اس کو معمولی کام سمجھ لیا۔ ہر نا سمجھ اہل قلم بن بیٹھا۔ اور لگا قوم کی قسمتوں کے فیصلے لکھنے۔ آج قوم کے تفرقوں اور نسل انسانی کی اخلاقی تباہی کی ذمہ داری انہی مصنفین کے سر ہے۔ فن تصنیف میں سب سے باریک پہلو یہ ہے۔ کہ مصنف کے ناوک قلم سے کوئی ایسا نشتر نہ لگے جو صاحب تصنیف کے خود اپنے ہی مسلک کو مجروح کرتا چلا جائے۔ ورنہ مصنف اور اس کے ہم مشرب افراد

کی تباہی لازمی ہے۔ اس گھاڑ سے بچنے کے لیے لازم و اشد ضروری ہے۔ کہ تصنیف پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے مسلک کے صغریٰ، کبریٰ و اصغر و اکبر سے کماحقہ، واقف اور مذہب کے اصول و فروع سے خبردار رہو۔ کامیاب مصنف کے لیے دوسری یہ چیز ضروری ہے کہ اپنے اکابر سے تصادم کا راستہ اختیار نہ کرے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو تطبیق کی صورت اختیار کرے۔ اگر کسی بزرگ سے تطبیق ممکن نظر نہ آئے تو بھی خلاف سے ہٹ کر راہ اختلاف پر گامزن ہو۔ بشرطیکہ کسی اور بزرگ کا تائیدی سہارا لے کر اور اس اختلاف میں بھی للٰہیت و خلوص ہونا اہم ہے۔ مصنف کو اپنے مسلک کے حدود میں رہتے ہوئے فراخ دل ہونا لازم ہے۔ مصنف کی کامیابی کا ایک راز یہ بھی ہے۔ کہ تعصب و عناد کی پٹی کھول کر اس میدان میں قدم رکھے۔ مگر تصلب لازم۔ ورنہ آغوش اغیار میں جانا مصنف کی اخلاقی بربادی اور فن کی ذلت ہے بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ مقفیٰ مسجع عبارات اور لفاظی فن کاری اور عجیب و غریب الفاظ کی بھرمار کا نام کامیاب تصنیف ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ کامیاب تصنیف وہ ہے۔ جس سے مقصدِ تصنیف اجاگر ہو۔ جن کے لیے لکھی گئی ہے۔ ان کی فہم سے بالاتر نہ ہو۔ بلکہ قارئین کی فہم و ادراک سے قریب تر ہو۔ جیسے کہ علماء کے لیے اعلیٰ حضرت کی تصنیف اور عوام و خواص کے لیے حضرت حکیم الامت کی تحاریر۔ بعض ناسمجھ مصنفین اپنے تصنیفی جوش میں ایسی ایسی حرکتیں کر جاتے ہیں کہ شریعت پاک کے بالکل خلاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً لفظ خالق، اللہ کریم کے لیے خاص۔ کسی انسان وغیرہ کو خالق کہنا حرام ہے۔ اسی طرح لفظ معجزہ انبیاء کرام کے افعال عجیبہ کے لیے خاص ہے۔ مگر بہت سے غیر ذمے دار، اسلامی تعلیم سے اجہل صحافی اور پاکستانی مصنف، قائداعظم کے لیے لکھ دیتے ہیں۔ کہ پاکستان کا خالق (معاذاللہ) کتنا بے ہودہ اور گناہ والا جملہ ہے۔ بعض کتابوں میں اس طرح لکھا دیکھا کہ معجزات ہومیو پیتھی وغیرہ وغیرہ یہ سب گناہ اور مسلمان کی شان تصنیف کے خلاف۔ ایسے ہی مسلک اہل سنت میں لفظ علیہ السلام، انبیاء ملائکہ کے علاوہ کسی کے لیے لکھنا ناجائز۔ مگر غیر ذمے دار متعصب سنی اہل قلم علیہ السلام، صدیق علیہ السلام لکھ دیتے ہیں۔ جس سے مسلک کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

آدابِ المفتی: قانون شریعت میں کون شخص فتوای دے سکتا ہے کون نہیں:

یہ تو منزل تصنیف کے گوشوں کی تطہیر تھی۔ لیکن اصول افتاء اس سے بھی مشکل تر ہیں۔ اور ایک مفتی اسلام بننے کے لیے کہیں زیادہ کٹھن منزلیں ہیں۔ قانون شریعت کے مطابق لفظ مفتی ایک ذمہ دار عہدے کا نام ہے۔ جس طرح آجکل انگریزی قانون میں جج، جسٹس اور چیف جسٹس عدالتی ارکان کے نام رکھے گئے ہیں۔ اسی طرح عدالت اسلامیہ کے اہم نام مفتی، قاضی اور قاضی القضاۃ ہیں۔ دنیاوی قانون میں بغیر ڈگری

اور بغیر منظوری حکومت کوئی شخص بھی حکومت وقت کے قانونی نام استعمال نہیں کر سکتا۔ ورنہ قانونی مجرم ہو کر مستوجب سزا ہوتا ہے۔ اسی طرح حکم اسلامی کی رو سے اسلامی سلطنت کے قانونی نام شرعاً کسی طرح استعمال کرنے جائز نہیں۔ ایک عام آدمی کو قانون اجازت نہیں دیتا کہ اپنا لقب یا تخلص کرنل یا جرنل یا ڈپٹی کمشنر یا مجسٹریٹ رکھے۔ ورنہ وہ توہین حکومت کا مرتکب گردانا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی حکومت کے ڈر سے ایسا کرتا ہے۔ تو شریعت پاک بھی کسی جاہل یا کم علم کو ہرگز اجازت نہیں دیتی۔ کہ اپنا نام یا لقب یا تخلص، مفتی، محدث، مفسر رکھے۔ یہ الفاظ کوئی ذات پات نہیں۔ نہ ہی یہ بطور قافیہ ردیف ہے۔ کہ ہر نا اہل آدمی اپنے نام سے پیوست کرتا پھرے۔ یہ الفاظ نا اہل کے لیے استعمال کرنے سے عدالت اسلام کی توہین ہے۔ اور ایسا شخص میدان محشر میں ضرور سزایاب ہوگا۔ یہاں تک کہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ایک شخص پورا عالم متبحر ہو مگر فتوے نہ دیتا ہو وہ بھی اپنے آپ کو مفتی نہیں لکھ سکتا۔ نہ ہی اس کو مفتی کہا جائے۔ کیونکہ کہلانے اور کہنے والا دونوں کذب بیانی کے مرتکب۔ لفظ مفتی! عدالت اسلامیہ کا عظیم ترین نام ہے۔

اس کے لیے وہی لائق ہے اور اہل ہے جس میں فقہاء کرام کی فرمودہ اٹھائیس ۲۸ صلاحیتیں ہوں۔ مندرجہ ذیل فرمودات حضرت حکیم الامت قبلۂ عالم مفتیٔ اعظم اسلام مفتی احمد یار خاں صاحب علم الافتاء کے دوران اسباق افتاء کے ضمن میں تلامذۂ دارالافتاء کو سبقاً سبقاً تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اور اس درس میں آپ کچھ زیادہ ہی اہتمام فرماتے۔ متقدمین و متاخرین فقہاء نے بھی اس علم فتوی پر بہت کتب تصنیف کیں۔ اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ہر دو وابستہ ہیں۔ اس فن میں ذراسی چوک بعض وقت خود مفتی کے دین و ایمان کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ مفتی بننے میں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ اگرچہ غریب ہو۔ امیر ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ زیادہ دولت مندی اسلام کی خدمت گزاری کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہی وجہ ہے۔ متبحر علماء اکثر سفید پوش اور حالت مفلسی میں ہی رہے۔ جیسا کہ تاریخ اسلام اور اسلامی انسائیکلوپیڈیا سے واضح ہے۔ ادب اخلاق اور تہذیبی رکھ رکھاؤ کا جو پہلو اعلیٰ خاندانی میں ہے وہ نیچ قوم میں نہیں۔ اور ایک مفتی اسلام کے لیے اخلاق و تہذیب اور سلیقۂ گفتگو نہایت ضروری ہے۔

دوسری شرط مفتی بننے کے لیے ضروری ہے کہ بیشۂ علم و معرفت میں مثل ہرن ہو۔ کہ ہر چیز سے چوکنا رہے۔ اور وادی عشق و مستی میں مثل شیر ہو۔ کہ دل کا مستغنی اور راضی بہ رضا رہے۔ (از فتاویٰ عالمگیری) **تیسری شرط** جتنے علاقوں میں اس کا فتویٰ جاری ہوتا ہو ان علاقوں کے

لغت اور رواج و رسومات سے واقف ہو۔ علامہ شامی عقود رسم المفتی کے صفحہ نمبر ۱۴ پر فرماتے ہیں۔ جو اپنے زمانے کے رواج سے ناواقف ہو وہ علماء فتویٰ کے نزدیک جاہل ہے : **چوتھی شرط**، قرآن وحدیث اور قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے اٹھارہ علوم کا ماہر ہو۔ (فتاویٰ عالمگیری و فتح القدیر)

پانچویں شرط اُمراء اغنیاء دولت والوں دور رہے۔ کثرت محافل سے پرہیز کرے۔ بلکہ گوشہ نشینی اختیار کرے۔ اور بقول اعلیٰ حضرت۔ ع۔ منم و کنج خیال و دواتے تعلیے خلوت میں ہو۔

علماء کرام کی گوشہ نشینی یہ ہے۔ کہ ہر وقت تحقیق و علمی جستجو میں لگا رہے۔ اگرچہ بازاروں میں پھرتا ہو۔ یا بظاہر دریاؤں، پہاڑوں کی سیر میں مشغول ہو۔ اور بقول حضرت سعدی علیہ الرحمتہ۔ مصرعہ

ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار کا مظہر اتم ہو۔

چھٹی شرط اس میں عقل و خرد پوری بلکہ اتنی زیادہ ہو کہ ملکۂ اجتہاد فروعی پیدا ہو سکے۔ (عالمگیری جلد سوم صفحہ نمبر ۳۰۸) **ساتویں شرط** اپنے ہر اجتہاد پر اپنے امام کی باحوالہ تائید حاصل کرتا جائے

آٹھویں شرط مفتی کے لیے لازم ہے کہ نگاہِ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز رہو۔ نرم اور میٹھی زبان حلیم اور باوقار طبیعت ہو۔ **نویں شرط** : مسلمان، متقی، پرہیزگار ہو۔ فاسق یا گھناؤنی طبیعت اور بدخصائل یا رذیل عادات والا نہ ہو۔ **دسویں شرط** عدل و انصاف والا ہو۔ ظالم نہ شریر امراء کی دلجوئی یا ان سے مرعوب، خوف زدہ ہونے والا بزدل نہ ہو۔ حق بات میں جابر بادشاہ سے بھی نہ ڈرے۔ **گیارہویں شرط** مفتی کے ضروری ہے تحمل مزاجی سے مستفتی کی بات سنے۔ اور اس کو سوال وجواب اور بحث کرنے کی پوری آزادی دے۔ اور استفتاء کی تحریر بغور پڑھے۔ اچھی طرح سمجھے۔ ایک ایک نقطے پر غور کرے۔ صرف سنانے اور لکھنے کا ہی عادی نہ ہو۔ بلکہ حق سننے اور حق کی طرف رجوع کرنے کی عادت ڈالے۔ غلطی کے اعتراف میں شرمندگی محسوس نہ کرے۔ کیونکہ غلطی پر اجتہاد تکبر اور غرور کی نشانی ہے۔ ایسا شخص مفتیٔ اسلام ہونے کے لائق نہیں۔ بلکہ بقول حدیث پاک گمراہ اور گمراہ گر ہے۔ **بارھویں شرط** جس کا استفتاء پہلے ہو اس کو پہلے جواب دے۔ کسی امیر کی رعایت سے یہ ترتیب نہ توڑے۔ اگر امراء دباؤ ڈالیں۔ بشرطیکہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ ہاں علماء کرام، صوفیاء عظام یا اپنے قریبی احباب کے لیے یا آسان اور مشکل فتاویٰ کے اعتبار سے ترتیب توڑ سکتا ہے۔ جب کہ سابق مستفتی کو نقصان نہ ہو۔ **تیرھویں شرط** حضرت حکیم الامت فرمایا کرتے تھے کہ فی زمانہ گھر گھر کے فتویٰ نہ لکھا جائے۔ بلکہ اگر کسی دوسرے فرد کا بھی استفتاء سے تعلق ہے۔ تو اس کو حاضر کر کے دو طرفہ مع شہادت حلفیہ بیان لے کر اور پوری تشفی کر کے تب فتویٰ لکھے۔ اگرچہ کچھ دن گزر جائیں۔

فتویٰ پر اعتماد طریقے سے لکھا جائے۔ اوّل سے ہی رجوع کا ارادہ نہ ہو۔ ورنہ مفتی میں کبھی بھی خود اعتمادی پیدا نہ ہوگی۔ دلائل مضبوط پیش کرے محوّلہ کتب کا باب اور صفحہ بھی نوٹ کر دیا جائے۔ نادر و نایاب کتب کے ایسے حوالوں سے پرہیز کیا جائے۔ جن کی تائید دوسری کتب مشہورہ سے میسّر نہ ہو (از عالمگیری) **چودھویں شرط** مفتی کے لیے ضروری ہے کہ تمام دینی تعلیم کسی بڑے متبحر عالم دین سے پڑھی ہو۔ اور سند یافتہ ہو۔ جو شخص خود بخود عربی کتب کا مطالعہ کرے۔ کتنا ہی بڑا عالم بن جائے۔ مگر فتوے دینے کا اہل نہ ہوگا (عقود رسم المفتی لعلامہ شامی صفحہ نمبر ۸) **پندرھویں شرط** حضرت حکیم الامت نے فرمایا بچوں اور عورتوں سے استفتاء کا کاغذ نہ پکڑے۔ بلکہ درمیان میں مردوں کا واسطہ رکھے۔ نہ ہی بچوں یا عورتوں کی مجلسوں میں بیٹھ کر فتویٰ لکھے۔ **سولھویں شرط** جب حوالے کے لیے کتب کا مطالعہ کرے تو بہتر ہے کہ باوضو ہو اور عزت و احترام سے کتب کا مطالعہ کرے۔ ادب سے رکھے۔ نیچے زمین پر یا چٹائی پر نہ رکھے۔ ورنہ ادب ختم ہونے سے ملکۂ تفقہ فی الدین ختم ہو جائے گا۔ کتب فقہ پر اپنی تسبیح یا قلم دوات بھی نہ رکھے کہ سوءِ ادبی ہے **ستارھویں شرط** فتووں یا سوالوں سے ردّی کاغذ پھاڑ کر زمین پر نہ پھینکیں کہ یہ بدخصلتی کا نمونہ ہے۔ نفسیاتی طور پر طبیعت کی نفاست پسندی جو ایک مفتیٔ وقت کے لیے بہت ضروری ہے ختم ہو جاتی ہے۔ لکھے ہوئے یا سادے کاغذ سے استنجا کرنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی میں ایجاد کردہ رسم ہے۔ کاغذ سے کسی قسم کا استنجا کرنے کی حرمت کا حکم سب مسلمانوں کے لیے ہے۔ اس لیے کہ کاغذ ذریعہ ہے اشاعت قرآن و حدیث و تبلیغ دین کا۔ **اٹھارویں شرط** مفتی کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں۔ فوراً بعد بلوغت باعتبار اہلیت منصب افتاء پر فائز ہونا جائز ہے (عالمگیری) چنانچہ اعلیٰ حضرت کے اساتذہ نے اعلیٰ حضرت قبلۂ عالم کو بلوغت کے ایک سال بعد بعمر تیرہ سال ہی تحریر فتوے کے لائق بنا دیا تھا۔ اور آپ نے تیرہ سال کی مختصر عمر میں بکمال ذہنیت اپنے رب کریم کے فضل و کرم سے پہلا جامع مانع فتویٰ لکھا خود مجھ کو حضرت حکیم الامت کی محنت شاقہ و نگاہ داشت نے اٹھارہ سالہ عمر ۱۹۵۹ء میں پہلا فتویٰ لکھنے کا شرف بخشا۔ جبکہ میری پیدائش بقول بڑی پھوپھی صاحبہ بدایونی مد فیوضہا۔ ماہ اپریل بروز جمعہ بوقت اشراق وطن اوجھیانی ۱۹۴۲ء میں یعنی پاکستان بننے سے چھ سال پیشتر۔ اس حساب سے اس وقت میری عمر چھتیس ۳۶ سال بنتی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ **انیسویں شرط** کتاب یا لکھے ہوئے مسئلے کو پہلے بار بار پڑھ کر اچھی طرح سمجھے پھر بیان کرے۔ **بیسویں شرط** مفتی کیلئے یہ بات اشد ضروری ہے کہ زبانی یا تحریری فتویٰ دیتے وقت نہ زیادہ بھوکا ہو نہ پیاسا، نہ زیادہ پیٹ

بھرا ہوا ہو۔ اس لیے کہ بھوک، پیاس میں جلدی غصہ آجاتا ہے۔ جو ایک مفتی کی شان کے خلاف ہے کہ بلا وجہ غصہ اور بے موقع طیش جہلا کا کام ہے۔ اور پیٹ بھرا ہو تو سستی پیدا ہوتی ہے۔ سوچنے سمجھنے کی قوت سبب ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ قوت فتویٰ نویسی اور معاملہ فہمی کے لیے بہت ضروری ہے۔ **اکیسویں شرط** زبانی یا تحریری فتوے میں اشارے کنائے والے الفاظ و جملوں سے اجتناب لازم ہے۔ صاف صاف عام فہم پوری عبارت اور شستہ گفتگو اور تحریر ہو۔ اس لیے کہ مستفتی اکثر گنوار ہوتے ہیں۔ ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو ہونی چاہیئے۔ (از نبراس علی شرح عقائد صفحہ نمبر ۱۱۹)

بائیسویں شرط فتویٰ لکھنے سے پہلے اپنے رب کریم کے حضور گناہوں کی معافی اور بخشش و کرم کی طلب ہو۔ اور خطا و نسیان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ بلکہ اپنے ہاتھ اور قلم کو سمت قبلہ بطریقہ دعا دراز کر کے یہ عرض کرے۔ کہ یا اللہ مجھ کو ان کے فتنے سے بچا۔ اور ان کے فیوضات سے نواز پھر لفظ الجواب کی ب خاص دراز کرے۔ اس کے اوپر استعانت باللہ کے دعائیہ الفاظ لکھے۔ پھر نیچے فتوے کی عبارت شروع کرے اور سطور کو ب سے زیادہ درازی نہ دے۔ تاکہ خود بصورتی رہے۔ جواب مکمل ہونے پر وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ پھر کتبہ کا لفظ دراز کر کے لکھے۔ نیچے اپنا نام مع مکمل پتہ درج کرے اس کے نیچے تاریخ اور مہر لگائے۔ اسی طرح حضرت حکیم الامت ہم کو مشق کرواتے تھے۔ اسی طرح کچھ تغیر سے عالمگیری صفحہ نمبر ۳۰۹ پر ہے۔ لهذا ان قیود و شرائط علم مفتی کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مسلک کے اصول و فروع پر پورا عبور رکھتا ہو اور مہارت رکھتا ہو۔ دیگر مذاہب کے ضروریات سے باخبر ہو۔ ضوابط و قوانین کے تمام قواعد کی بھی پہچان رکھتا ہو۔ حدیث و قرآن کے ناسخ و منسوخ سے خبردار ہو۔ تعلیل اور وجوہ بھی جانتا ہو ویسے تو ہر فتوے کے لیے علم کثیر و تجارب شدید کی ضرورت ہے۔ مگر خصوصاً فتوئے کفر کے لیے بہت ہی زیادہ علم کی ضرورت ہے۔ کفر کا فتویٰ لگانا ہر مفتی کا کام نہیں۔ بلکہ اس کے لیے مفتی اعظم ہی کا علم و مقام مناسب ہے۔

فتوے پر اجرت لینے کے متعلق فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جب فتویٰ نماز، روزے یا یتیموں کی میراث سے متعلق ہو تو اجرت نہ لے۔ لیکن جب مدعی اور مدعی علیہ کی شکل میں ہو۔ تو اپنی محنت کے حساب سے اجرت لے۔ یہ اس شخص سے لے سکتا ہے۔ جس کے حق میں فتوا ہو۔ بشرطیکہ مفتی کو اس کام پر نہ کسی ادارے سے تنخواہ ملتی ہو۔ نہ حکومت کی جانب سے۔ لیکن اگر حکومت یا ادارے کی طرف سے فقط فتویٰ نویسی کی تنخواہ مل رہی ہو۔ تو فتویٰ لکھنے کی اجرت مستفتی سے لینا حرام ہوگا۔ کہ یہ رشوت ہے۔

چھبیسویں شرط: مفتی کو چاہیے کہ فتوائے لکھنے پر حریص نہ ہو۔ بلکہ اسی طرح فتویٰ لکھنے پر جلد بازی نہ کرے، جہاں تک ہو سکے اجتناب کرے۔ پہلے مستفتی کو زبانی جواب سمجھا دے۔ اور کہے کہ لکھوانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جب مدعی یا مدعیٰ علیہ لکھنے ہی کا مطالبہ کرے۔ تو پھر بالکل کمزوری نہ دکھائے۔ پوری قوت کے ساتھ مضبوط فتویٰ لکھے۔ ستائیسویں شرط: غیر مفتا بہ کتب پر فتویٰ جاری نہ کرے۔ ہمیشہ معتبر کتب اور محقق کتب سے فتویٰ جاری کرے۔ ہاں غیر مفتابہ کتب کے حوالے تائید میں پیش کر سکتا ہے۔ بصورت تقابل مفتا بہ کو ترجیح دے۔ جیسے کہ آج کل فتاویٰ شامی، بحر الرائق، فتح القدیر، ہدایہ وغیرہ تقابل میں شامی قابل ترجیح ہے۔ اٹھائیسویں شرط: مفتی اسلام کے لیے ضروری ہے۔ کہ فتویٰ لکھتے وقت صرف مدعی مدعیٰ علیہ اور گواہوں کے بیان پر نظر ہو۔ نہ تو ذاتی معلومات پر فتویٰ دے اور نہ ہی مسلک یا مشرب یا دینی تعصب یا لگاوٹ باقی رکھے۔ حق فتویٰ دے اگرچہ اپنوں کے خلاف ہو۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ؕ

کتبہ

یہ تھے وہ آداب جو ہر مفتی کے لیے سیکھنے لازم و ضروری ہیں۔ تاکہ دنیا و آخرت کی عزت حاصل ہو۔

○

سوال: تمام آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کا کلام اور صفات باری تعالیٰ ہیں نہ کہ مخلوق

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر کے ایک جلسے میں ایک مولوی صاحب جو بہت مشہور مقرر ہیں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ توریت اور زبور اور انجیل جو حضرت موسیٰ اور داؤد اور عیسیٰ علیہم السلام لے کر آئے تھے۔ وہ کلام الٰہی نہیں ہیں۔ ان کو وحی الٰہی تو کہا جا سکتا ہے مگر کلام الٰہی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ ان صاحب کتاب انبیاء کرام نے اصل منزل کتاب قوم کے سامنے پیش نہیں کی بلکہ اپنی قوم کی زبانوں میں ترجمہ کر کے پیش کیا اور ترجمہ کو کلام الٰہی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ سب کتابیں عربی میں نازل ہوئی تھیں۔ اپنی تقریر کے ان الفاظ پر انہوں نے جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب الاتقان کا حوالہ پیش کیا۔ تقریر اور جلسے کے بعد علما نے ان سے توبہ کرنے

کو کہا۔ تو وہ توبہ کی طرف مائل نہیں ہوئے بلکہ ابھی تک اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں لہٰذا آپ کی خدمتِ عالیہ میں گزارش ہے۔ کہ آپ مکمل و مدلل فتویٰ عطا فرمائیں۔ اور فرمائیں کہ کیا ان خطیب صاحب کو توبہ کرنی چاہیئے یا نہیں۔ اور کیا یہ بات غلط ہے یا صحیح خدمتِ عالیہ میں گواہ بھی حاضر ہیں اور ان خطیب صاحب کی کیسٹ بھی حاضر ہے۔ ہمارے علاقے میں اس تقریر پر بہت باتیں ہو رہی ہیں۔ کچھ لوگ ان کی شہرت یافتہ شخصیت کی بنا پر کہتے ہیں کہ یہ بات صحیح ہے مگر اکثریت کہتی ہے کہ یہ بات غلط ہے۔ بیّنوا توجروا۔

سائل محمد اعظم میرپوری (آزاد کشمیر) حال ساکن برطانیہ 3/1/84

بعون العلام الوہاب

الجواب

صورتِ مسئولہ میں گواہوں کے بیان اور سائل کے تحریری استفتاء پر غور و خوض کرنے کے علاوہ مولانا کی تقریر کا ٹیپ شدہ شریطہ (کیسٹ) کئی دفعہ بغور سنا۔ بعد تامّلِ بسیار یہ فتویٰ جاری کیا جا رہا ہے۔ قانونِ شریعت کے مطابق مولوی صاحب کی یہ بات سخت غلط اور گمراہ کن ہے ان کو فوراً اپنے اس غلط عقیدے سے توبہ کرنی چاہیئے۔ دراصل یہ بات پرانے زمانے کے ایک بڑے مشہور فرقہ باطلہ معتزلہ کے عقائدِ ضالّہ سے ہے۔ یہ ان لوگوں کا ہی عقیدہ تھا اور یہ عقیدہ اس لئے بنایا تھا کہ قرآن مجید توریت زبور اور انجیل کو کلام الٰہی نہ مانا جائے بلکہ مخلوقِ الٰہی مانا جائے۔ اسی باطل نظریے کو اس زمانے کے خبیث طینت بادشاہوں کا ظالمانہ جابرانہ سہارا مل گیا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے مناظروں میں جب بڑے بڑے معتزلیوں نے شکست کھائی تو باطل اوچھے ہتھیاروں پر اتر آیا۔ اور امام حنبل جیسی پاکیزہ شخصیت کو کوڑوں سے زخمی کیا گیا۔ اسی باطل نظریئے کے مقابل اہلِ سنّت کے عظیم امام حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سینہ سپر ہوئے! امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس فتنے نے ابھی سر نہیں ابھارا تھا مگر کچھ دبے لفظوں میں ظاہر ہو رہا تھا جس کو امامِ اعظم اور آپ کے تلامذہ نے سختی سے کچلا اور اپنے دلائل و براہین سے ثابت کر دیا کہ قرآن مجید اور توریت و زبور و انجیل سب ہی کلام الٰہی اور اللہ کا کلام ہے۔ اور کلام متکلّم کی صفت ہوتی ہے نہ کہ مخلوق۔ صفاتِ باری تعالیٰ عینِ ذات ہیں نہ کہ غیرِ ذات۔ یہ ضابطہ کلّیہ متفقہ ہے کہ صفتِ موصوف کبھی بھی اپنے موصوف کی مخلوق نہیں ہو سکتی۔ اب معتزلہ فرقہ دنیا سے مفقود ہو چکا ہے۔ کیونکہ باطل فنا ہونے کے ہی لائق ہے۔ مگر اہلِ سنّت کے تاجدار امام حنبل کا چراغ تا ابد روشن ہے۔ معتزلہ کا تھوڑا سا روپ اب وہابیت کے نقشے میں ہے اور باقی سب فرقے اسی جھاڑی کے کانٹے ہیں۔ یہاں تک کہ منکرینِ حدیث اور مرزائیت بھی اولاً اسی فرقے سے تھے۔ آپس میں سب ایک دوسرے کے مدح خواں ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب "دو اسلام" کے دوسرے ایڈیشن میں وہابی علماء کی نام بنام تعریف کرتا ہے اور اہلِ سنّت علماء کی توہین و گستاخی کرتا ہے اسی طرح ڈاکٹر اقبال جو خفیہ انکارِ حدیث مسلک سے محبت رکھتے ہیں خانقاہی علماء صوفیا کی برائی کرتے ہیں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہے یہ مذہب اور عقیدہ معتزلہ کا ہے مسلکِ اہلِ سنّت کے بالکل خلاف ہے یعنی مولانا صاحب نے اپنی تقریر میں ایسی لغو بات کر دی وہ ان کی تقریری جذبات کا نتیجہ ہے ان کو توبہ پر مجبور کیا جائے اگر توبہ نہ کریں تو ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی

جائے نہ ان کو آئندہ تقریر کے لئے بلائے۔ شاعرانہ لغزشیں شعراء اور نعت خوانوں سے تو شروع سے مشہور رہیں مگر اب ہمارے مقررین حضرات بھی کافی کم علمی کا شکار رہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے اگرچہ یہ بات لکھی ہے مگر وہ ان کا اپنا مسلک نہیں بلکہ کسی کا قول نقل کیا ہے۔ اور یہ قول روایۃً درایۃً عقلاً نقلاً۔ اور حدیث و قرآن پاک کی آیات کے خلاف اور ہر طرح لغو اور باطل ہے مسلک اہل سنت کے خلاف ہے۔ جلال الدینؒ تو قرآن مجید کے متعلق بھی اسی طرح نقل کر رہے ہیں۔ چنانچہ الاتقان ص۴۳ پر ہے اِنَّ جِبْرَائِیْلَ اِنَّمَا نَزَلَ بِالْمَعَانِیْ خَاصَّۃً وَاَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلِمَ تِلْکَ الْمَعَانِیْ وَعَبَّرَ عَنْھَا بِلُغَۃِ الْعَرَبِ (الخ) ترجمہ بے شک جبریل علیہ السلام قرآن مجید کو خاص معانی میں لے کر آئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان معانی کو جانتے تھے اور اپنے ان معانی کو عربی لغت میں ڈھالا (عبارت بنایا)۔ معاذ اللہ معاذ اللہ کتنا کفریہ مسلک ہے اس سے تو قرآن مجید کی آیتوں کا ہی صاف انکار ہو رہا ہے۔ ایسی بیہودہ باتیں تو معتزلہ کی ہی ہو سکتی ہیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہہ سکتا۔ یہ باتیں معتزلہ نے کیوں کہیں؟ صرف اس لئے کہ مسلک حق اہلسنت کے خلاف اور اپنے باطل نظریے کو بچایا جائے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ کتب سماوی کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا جائے۔ اور مخلوق ثابت کیا جائے صفت باری تعالیٰ عز اسمہٗ نہ مانا جائے۔ حالانکہ مسلک اہل سنت یہ ہے کہ تمام کتب الٰہیہ کلام الٰہی اور صفت الٰہیہ ہیں نہ کہ خلق الٰہیہ۔ اور ہر کتاب اپنی اپنی قومی و علاقائی زبان میں نازل ہوئی۔ عربی زبان میں صرف قرآن مجید نازل ہوا مسلک اہل سنت پر کثیر دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: قرآن مجید سورہ بقرہ پارہ ۱ آیت ۷۵، پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ o **ترجمہ:** اور بے شک ان یہودیوں عیسائیوں میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کا کلام سنتے ہیں۔ پھر تحریف کر دیتے ہیں اس کو اس کے بعد کہ عقل رکھتے ہیں اس کی حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ اس آیت میں صاف صاف توریت و انجیل کو کلام الٰہی فرمایا گیا۔ تمام مفسرین اس کی یہی تفسیر فرماتے ہیں۔ کہ اس جگہ توریت کا ذکر ہے۔ رب تعالیٰ تو آج تک توریت و انجیل کلام سماوی کو کلام الٰہی فرما رہا ہے اور یہ مولوی صاحب اس کے کلام الٰہی ہونے کے منکر ہیں۔ بھلا کیونکر ان کو درست کہا جا سکتا ہے۔ بجز گمراہی اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ دوسری جگہ قرآن مجید سورۃ توبہ پارہ ۱۰ میں ارشاد باری ہے: وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللّٰہِ (الخ) **ترجمہ:** اور اگر کوئی مشرک یا رسول اللہ آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دیدو تاکہ اللہ کا کلام سنے۔ اس آیت میں قرآن مجید کو اللہ کا کلام کہا گیا۔ اس میں بھی معتزلہ کا رد ہے۔ **دوسری دلیل:** صرف قرآن پاک عربی زبان میں آیا۔ پہلی تین کتابیں اور جملہ صحائف اپنی زبانوں میں نازل ہوئے۔ کسی نبی اکرم نے ذرہ بھر تبدیلی نہیں کی اسی طرح قوم کے سامنے پیش فرما دی۔ مولوی مذکور کی کتنی بڑی نادانی ہے کہ قرآن مجید کی صریح آیات پر غور نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے سورت ابراہیم پارہ ۱۳ آیت ۴۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ اور نہیں بھیجا ہم نے اپنے کسی پیغام والے کو مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ یہ پیغام بیان فرمائے ان کے لئے۔ اس آیت کریم کی اقتضاء النص سے

ثابت ہو رہا ہے کہ یہاں پیغام الٰہی کی زبان مراد ہے اس لئے کہ حرف الا لفی سابق کو توڑ کر لسان کا حصر پیدا کر رہا ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایک ہی زبان میں ہو۔ حالانکہ رسولان عظام بہت سی زبانیں جانتے ہیں جیسا کہ تفاسیر سے ثابت ہے حضرت آدم علیہ السلام سات لاکھ زبانیں جانتے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کو چالیس زبانیں آتی تھیں اسی طرح دیگر انبیاء کرام بھی علوم کائنات کے بحر ذخار ہوتے ہیں ان کی اپنی معلوماتی زبان ایک نہیں ہوتی بلکہ قومی زبان کے علاوہ بہت سی ایسی زبانیں ہوتی ہیں جن کو کائنات کے لوگ نہیں جانتے۔ یہاں ایک زبان سے مراد پیغام اور کلام الٰہی کی زبان ہے جس کیلئے نبی علیہ السلام مبعوث ہوئے اور وہ ایک قومی زبان کتاب اور صحیفے کی زبان ہے اسی لئے آگے ارشاد ہے لِيُبَيِّنَ تاکہ وہ نبی علیہ السلام پیغام الٰہی قوم کے سامنے بیان کرے۔ پس ثابت ہوا کہ انبیاء کرام کی کتابی اور قومی زبان تبلیغ کے لئے ایک ہے اور معلوماتی زبانیں کثیر ہیں۔ یہاں کتاب کی زبان مراد ہے کیونکہ مقصود رسالت یہی ہے لِيُبَيِّنَ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر رسول بعینہ اپنی کتاب کا کلام پڑھ کر سناتے ہیں نہ کہ ترجمہ کتاب۔ اس لئے اتقان کی یہ عبارت قرآن کریم کی رُو سے لغو ہے۔ دوسری جگہ ارشاد قرآنی ہے: اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ ترجمہ: بے شک ہم نے نازل کیا قرآن کو عربیاً عربی بنا کر یا عربی زبان میں۔ اس آیت کے اشارۃ النص سے ثابت ہوا کہ صرف قرآن مجید ہی عربی زبان میں نازل ہوا۔ مشکوٰۃ شریف باب مناقب قریش ص۵۵۳ فصل ثالث کی آخری حدیث میں ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلٰثٍ۔ لِاَنِّيْ عَرَبِيٌّ وَّالْقُرْاٰنُ عَرَبِيٌّ وَّكَلَامُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ: ترجمہ: روایت ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ محبت کرو تم عربیوں سے کیونکہ میں قومی لحاظ سے عربی ہوں اور اللہ کا قرآن الفاظ و لغت کے لحاظ سے عربی ہے اور جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔ اس حدیث پاک سے تو ظاہر ظہور ثابت ہو گیا کہ صرف قرآن مجید ہی عربی زبان میں آیا۔ اگر کوئی اور کلام الٰہی بھی عربی میں ہوتا تو یہ خصوصیت قرآن مذکور نہ ہوتی۔ ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہوا کہ توریت و زبور و انجیل عربی میں نہیں اتریں بلکہ اپنے علاقے کی زبان میں نازل ہوئیں۔ چنانچہ تفسیر روح البیان پارہ ۱۳ جلد چہارم سورت ابراہیم ص۳۹۶ پر ہے۔ اُنْزِلَ التَّوْرٰىةُ فِي الْعِبْرَانِيِّ وَالْاِنْجِيْلُ فِي السُّرْيَانِيِّ۔ ترجمہ: توریت عبرانی زبان اور انجیل سریانی میں نازل ہوئی۔ اور ہمارے عظیم مفسر پیر محمد کرم شاہ صاحب نے ضیاء القرآن پ۱۳ سورۃ ابراہیم میں لکھا کہ ہر نبی علیہ السلام کی وحی ان کی قومی زبان میں آئی۔ اسی طرح تفسیر ابن کثیر جلد دوم ص۵۲۲ پر ہے کہ ہر نبی اپنی قومی زبان میں مبعوث ہوئے اور لبعثت کا معنی ہے کلام الٰہی لانا۔ جب قرآن مجید حدیث پاک فقہا علماء مفسرین کرام سب سے ہی یہ ثابت ہو رہا ہے کہ توریت و زبور انجیل اپنی علاقائی زبانوں میں آئی اور سب ہی کلام الٰہی ہے تو جلال الدین سیوطی کا یہ ایک قول یا موجودہ خطیب کی لغویات ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے۔ موجودہ دور کے مقررین کرام کو صرف جذباتی نعرے لگوانے کا شوق ہے۔ تدبر و تفکر اور مسائل شرعیہ و آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ میں غور و خوض و تحقیق و تفتیش سے

دُور کا واسطہ بھی نہیں رکھتے بدیں وجہ اکثر نعت خواں قسم کے خطباء فتوٰی شرعی کی زد میں آجاتے ہیں جس سے امتِ مسلمہ کی سبکی ہوتی ہے۔ اگر ذرا غور فرمالیا جائے تو واضح ہوجاتا ہے کہ محققین و اہلِ تدبّر کے ارشادات کیا ہیں۔ چنانچہ توریت کے بارے میں ارشادات اس طرح ہیں (۱) مشکوٰۃ شریف باب بدءِ الخلق و ذکر الانبیاء تیسری فصل آخری حدیث پاک ص۵۱۰ پر حدیث پاک نے فرمایا کہ توریت مقدس تختیوں پر لکھی ہوئی نازل ہوئی اور حضرت موسٰی ان ہی تختیوں کو اٹھا کر بنی اسرائیل میں تشریف لائے اور جب قوم کو بچھڑے کی پرستش کرتے دیکھا تو بحالتِ غصّہ و غضبِ شدید تختیوں کو زمین پر رکھ دیا جس کی وجہ سے کچھ تختیاں اُٹھالی گئیں اور غائب ہوگئیں حدیث پاک میں تو اس طرح ہی ہے۔ مگر ہمارے مقرّر صاحب بحوالہ اتقان ایسی لایعنی بات کررہے ہیں جس کا اس حدیث پاک سے کوئی تعلّق نہیں۔ بھلا غور کرو کہ اگر موسٰی علیہ السلام نے ترجمہ کرکے پیش کیا تو تختیوں میں رب تعالٰی نے کیوں لکھا! ورنہ تختیوں کو قوم کے پاس کیوں لائے (۲) اسی باب کی دوسری فصل میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام زبور شریف کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور تلاوت تو رب کے کلام کی ہوتی ہے اگر زبور کا بھی ترجمہ ہی تھا تو تلاوت کس کی (۳) تفسیر روح البیان جلد پنجم ص۱۳۱ پر ہے آتَیْنَا مُوْسَی الْکِتَابَ۔ اَیِ التَّوْرَاتَ جُمْلَۃً وَّاحِدَۃً ترجمہ: اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا کہ ہم نے موسٰی کو کتاب دی یعنی تورات شریف ایک دم عطا فرمائی (۴) تورات کی تختیاں زبرجد یا لکڑی کی تھیں (تفسیر روح المعانی جلد پنجم پ۹ ص۵۱) تفسیر بغوی بر حاشیہ تفسیر خازن جلد دوم میں ہے توریت پہلی ذیقعد کو نازل ہوئی اسی طرح تفسیر نعیمی پارہ نہم اور ضیاء القرآن میں ہے (۵) تفسیر روح المعانی نے فرمایا پارہ ۳ ص۱۷۲ پر کہ توریت اور انجیل کا درمیانی زمانے کا فاصلہ ایک ہزار نو سو پچیس سال کا ہے اور بزرگانِ دین فرماتے ہیں حضرت آدم سے لے کر نبی کریم رؤف و رحیم تک کا کل زمانہ ۲ دارب ساٹھ کروڑ تنانوے لاکھ سال ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا یہ زمین کی ابتداء اور پیدائش کا زمانہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ کسی بزرگ کا شعر اس طرح ہے ؎

دو ارب دو سی کروڑ و نود نو لک سالھا!
ابتداءِ دَورِ عالَم تا زمانہ مُصطفٰی!

تفسیر روح المعانی پ۹ ص۵۱۔ اور تفسیر خازن جلد دوم ص۲۸۷ پر ہے کہ توریت کی تختیوں کی تعداد دس تھی اور سائز پہلے زمانہ کا اٹھارہ انچ (ڈیڑھ فٹ) کے حساب سے بارہ گز کی ایک تختی تھی۔ اور تفسیر روح المعانی جلد پنجم پ۱۵ ص۱۴۱ پر ہے توریت کوہ طور پر عطا ہوئی تفسیر معانی پ۹ ص۵۱ پر ہے کہ توریت رب تعالٰی نے اپنے دستِ قدرت سے تحریر فرمائی۔ الاتقان ص۱۴۱ پر ہے کہ سابقہ کتابیں اور صحیفے ایک دم نازل ہوئے اپنے اپنے وقت میں تفسیر نعیمی جلد سوم ص۸۴ اور تفسیر روح البیان جلد دوم پ۴ ص۳۹۶۔ روح المعانی جلد سوم پ۶ ص۱۵ پر ہے کہ زبور کی سورتیں ایک سو پچاس تھیں۔ لفظ زبور بمعنی مذبور ہے اس کا معنی لکھی کتاب یعنی مکتوب تفسیر نعیمی نور العرفان اور تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ زبور کاغذ پہ لکھی ہوئی تھوڑی تھوڑی نازل ہوئی۔ ابن کثیر جلد دوم ص۲۱۶ پر ہے کہ زبور رمضان پاک کی بارہ تاریخ دن میں نازل ہوئی۔ خازن جلد چہارم ص۶۴ پر ہے کہ زبور مقدس میں شرعی احکام نہ تھے صرف حمد و

ثنا اور دعائیں اور نعتِ پاک تھی تفسیر روح المعانی پ ۱۶ جلد ششم ص ۸۲ پر ہے عَنْ اَنَسٍ رضی اَنَّ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ دَرَسَ الْاِنْجِیْلَ
اَلْحِکْمَةَ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ تفسیر خازن جلد چہارم ص ۲۴۵ وَعَنِ الْحَسَنِ اَنَّهٗ قَالَ اُلْهِمَ التَّوْرَاةَ وَهُوَ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ -
اُوْتِیَ الْاِنْجِیْلَ وَهُوَ صَغِیْرٌ طِفْلٌ - تفسیر ابن کثیر جلد اوّل ص ۳۶۴ پر ہے وَقَدْ کَانَ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ یَحْفَظُ هٰذَا
هٰذَا یَعْنِی التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِیْلَ سب کا ترجمہ: روایت ہے حضرت انس سے کہ بے شک عیسیٰ علیہ السلام نے والدہ کے پیٹ
میں ہی انجیل پڑھی تھی اور رب تعالیٰ نے ان کو وہیں سب احکام سکھا دیئے تھے۔ حضرت حسن رضی سے روایت ہے بیشک انہوں
نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو والدہ کے پیٹ میں ہی توراۃ کا الہام کر دیا گیا تھا اور انجیل بھی دیدی گئی تھی حالانکہ ابھی
آپ صغیر یعنی شیر خوار بچے تھے۔ بے شک عیسیٰ علیہ السلام پیدائشی وقت میں توریت اور انجیل کے حافظ تھے اس پوری
گفتگو سے ثابت ہوا کہ توریت تختیوں پر لکھی ہوئی نازل ہوئی اور زبور شریف کاغذ پر اور انجیل شریف حفظ ہو کر آئی۔ یہ
کہیں ثابت نہیں کہ کسی نبی علیہم السلام نے کسی کتاب کا کسی بھی زبان میں ترجمہ کیا۔ تفسیر بیضاوی پ ۲ میں ہے کہ انجیل
و توریت دونوں عبرانی زبان میں نازل ہوئیں۔ سب اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے اور حدیث و قرآن مجید میں یہی ظاہر ہے۔
فقط فرقۂ معتزلہ اس حقیقت اور حق مسلک کا صرف اس لئے منکر ہوا تا کہ اس کا باطل اور بناوٹی عقیدہ خلقِ قرآن والا بچ
جائے۔ مذکور مولوی صاحب نے بھی بلا سوچے سمجھے معتزلہ کا مذہب بیان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے تا کہ ایسی نادانی
کی تقریروں سے باز آ جائیں۔ معتزلہ کے پاس اپنے باطل نظریے پر قرآن مجید سے صرف چھ دلیلیں ملتی ہیں جس کے سہارے
پر وہ اتنی لغویات کہتے ہیں یہ رب تعالیٰ کا ہی کرم ہے جس نے اول ہی سے اسلام کی حفاظت کے لئے جماعتِ اہلسنّت
کو پیدا فرمایا اور پھر اس کو مٹنے نہ دیا۔ ورنہ باطل کے ہزاروں فرقے پیدا ہوئے اور مٹ گئے۔ اور پھر حیرانی اس بات کی ہے
کہ جو فرقہ بھی اٹھتا ہے اپنے باطل نظریات کے لئے قرآن پاک ہی سے استدلال کرتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی سچی سمجھ اور تدبر و
تفکر غور و خوض انتہائی تحقیق و تفتیش بحمد اللہ تعالیٰ علماء اہل سنّت ہی کے مقدر و نصیب میں ہے۔ جب بھی کسی نے قرآن مجید
کو بغیر تدبر پڑھا تو ایک باطل فرقے نے جنم لیا۔ چنانچہ یہی ذخیرہ فرقۂ ضالّہ معتزلہ کا رہا کہ استدلال ان کا بھی آیاتِ قرآنیہ
سے ہوتا ہے۔ مگر سوچ اور تدبر نہیں۔ چنانچہ فرقۂ معتزلہ کہتا تھا کہ رب فرماتا ہے وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ
وَالْکِتَابَ - سورت حدید ۵۷ آیت نمبر ۲۶ - اور معتزلہ کہتا تھا کہ رب فرماتا ہے وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتَابَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ
اِسْرَآءِیْلَ سورت اسراء ۱۷ آیت نمبر ۲ اور معتزلہ کہتا تھا کہ رب فرماتا ہے وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ سورہ سجدہ نمبر ۳۲ آیت ۲۳
اور معتزلہ کہتا تھا کہ رب فرماتا ہے وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا سورہ شوریٰ ۴۲ آیت ۵۲ اور معتزلہ کہتا تھا
کہ رب فرماتا ہے اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ - سورۃ زخرف نمبر ۴۳ آیت ۳

ان تمام آیتوں سے استدلال علیٰ خلقِ قرآن اس بنا پر ہے کہ لفظ جَعَلْنَا کا ترجمہ معتزلہ نے خَلَقْنَا کیا اور مطلب
یہ لیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنٰهُ هُدًی یعنی ہم نے پیدا کیا اس قرآن کو ہدایت یا جَعَلْنٰهُ نُوْرًا ہم نے پیدا کیا
اس قرآن کو نور۔ حالانکہ ان مذکورہ بالا آیات کریمہ میں جَعَلْنَا کا معنی خَلَقْنَا (ہم نے پیدا کیا) کرنا انتہائی جہالت اور کم علمی

اور خودی کا مسئلہ بنا لیتے ہیں حالانکہ اسی غلط رویّے سے باطل فرقے جنم لیتے رہے۔ جس نے قوم میں ناسورِ تفرق پیدا کرکے اتحادِ ملّی کو پارہ پارہ کر دیا۔ لیکن بہرحال و بہر طور مُصلحین اپنی ذمّے داری نباہتے ہی رہے۔ ان ہی پاکباز ہستیوں کی مساعی جمیلہ سے آج چمنِ اسلام میں حقائق کی کلیاں چٹک رہی ہیں۔ اور باطلین کے منصوبے مٹتے چلے جا رہے ہیں۔ بعض معتزلہ الزامی اعتراض کے طریقے پر کہا کرتے تھے کہ اگر انجیل و توریت اور قرآن مجید وغیرہ کتب آسمانی اللہ کا کلام ہونا اور کلام صفتِ الٰہی ہوتی اور صفتِ الٰہیہ غیر مخلوق ہوتی تو اللہ فرماتا ہے اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ سورۃ نساء آیت ۱۷۱ پ ۶ ترجمہ حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں۔ کلمہ اور کلام ایک چیز ہے۔ جب کلام غیر مخلوق تو کلمہ بھی غیر مخلوق لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام غیر مخلوق ہوئے۔ اور اور عیسائیوں کا عقیدہ ابنیت اور اُلوہیت مسیح کا درست ماننا پڑے گا۔ اور اہلِ سنّت فقہا کا عقیدہ عیسائیت سے مشابہ ہو جائے گا۔ جواب یہ اعتراض معتزلہ کے نزدیک تو بہت مضبوط ہوگا اور وہ تو اپنے اس اعتراض پر بہت خوش ہوں گے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض انتہائی جہالت کی بنا پر ہے اس لئے کہ اس اعتراض کا دارومدار اس ہی بنا پر ہے کہ کلمہ اور کلام کو ایک درجے میں رکھا جائے حالانکہ حقیقتاً کلمہ اور کلام کا آپس میں کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ کہنا بہت مناسب ہے کہ ان دونوں میں نسبتِ تبایُن ہے تین وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ کلمہ مشترک المعانی ہے اور کلام متحد المعانی چنانچہ کتب لغت میں کلمے کے آٹھ معنیٰ ہیں ۱۔ زخم ۲۔ بات ۳۔ لفظ ۴۔ جملہ ۵۔ قانون ۶۔ فیصلہ ۷۔ کاریگری ۸۔ حکم۔ اور اس کی جمع ہے کَلِمَاتٌ یا کَلِمٌ۔ مگر کلام کا معنیٰ صرف ایک ہی ہے یعنی فرمودہ قول (بولا ہوا) لہٰذا کوئی کلمہ کلام نہیں ہو سکتا اور کوئی کلام کلمہ نہیں۔ اگرچہ ایک معنیٰ میں کلمہ جزء ہے کلام کی۔ لفظ کَلِمَۃٌ اپنے ہر ترجمہ کے لحاظ سے علیحدہ خاصیت رکھتا ہے اس کا اصلی لغوی ترجمہ ہے زخم۔ اس معنیٰ سے اس کی جمع ہے کُلُومٌ جب ترجمہ ہو بات تو جمع ہے کلمات جب ترجمہ ہو قانون تو جمع ہے کَلِمٌ جب ترجمہ ہو کاریگری صنعت تو جمع ہے کِلَامٌ جب مراد ہو حکم تو جمع ہے کَلِمٌ۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے مفرد اور جمع کے ساتھ بہت جگہ استعمال ہوا ہے مگر جب بھی کلمہ کا ترجمہ بات یا جملہ ہو تو اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ لفظ کلمہ بمعنیٰ بات۔ ناقص کلام یعنی جزء کے درجے میں ہے اور اللہ کی بات کو ناقص کے درجے میں رکھنا گستاخی ہے۔ لہٰذا کَلِمَۃُ اللّٰهِ یا کلمات اللہ کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یا قانون یا حکم یا صنعت کیا جائے گا۔ اس ضابطۂ کلّیہ متفقہ کے تحت حضرت مسیح کو بھی کَلِمَتُهٗ کہنے کا مطلب ہوگا اللہ کا نشانِ قدرت یا کلمۂ کُن سے پیدا ہونا۔ یعنی حضرت مسیح نطفہ سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ حکمِ الٰہی سے پیدا ہوئے اور خود حکم یعنی نشانِ قدرت ہو گئے۔ یہی تمام مفسرین اور علماء و ائمۂ عظام فرماتے ہیں۔ جس سے واضح ہو گیا کہ کوئی کلمہ کلام کے درجے میں نہیں اور کوئی کلام کلمے کے درجے میں نہیں۔ معتزلہ کا دونوں کو ایک درجے میں سمجھنا ان کی حماقت و کم فکری ہے لہٰذا کَلِمَتُهٗ کے لقب سے مسیح نہ ابنیت پر عقیدہ بنایا جا سکتا ہے نہ غیر مخلوق ہونے پر نہ اُلوہیت پر۔ اور فرقہ ضالّہ معتزلہ کا یہ استدلال نہایت ہی غلط ہے

ہے اس لئے کہ یہاں عقلاً۔ نقلاً اور اصلاً۔ لغتاً۔ نحواً جَعَلْنَا کا معنی خَلَقْنَا کرنا غلط ہے۔ لفظ جَعَلْنَا کا مادّہ اشتقاق ہے جَعَلَ اور یہ سات معنی میں مشترک ہے (۱) جعلٌ کے معنی صنعت کاریگری (۲) جَعْلٌ کے معنی پھیرنا بدلنا جیسے جَعَلَ الْحَسَنَ قَبِيْحًا یعنی اچھے کو برا کر دیا۔ (۳) گمان کرنا جیسے جَعَلَ الْحَقَّ بَاطِلًا یعنی حق کو باطل گمان کیا (۴) قائم کرنا مقرر کرنا جیسے جَعَلَهٗ حَاكِمًا اس کو حاکم مقرر کر دیا۔ (۵) لینا شروع کرنا جیسے جَعَلَ يَكْتُبُ یعنی لکھنے لگ گیا شروع ہو گیا۔ (۶) عطا کرنا۔ دینا بنانا۔ جیسے اِجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ یعنی عطا فرما مجھ کو سچی زبان۔ بنا میری زبان سچی۔ (۷) پیدا کرنا جیسے جَعَلَ اللّٰهُ الظُّلُمَاتِ اللہ تعالیٰ نے ظلمتوں کو پیدا کیا (المنجد عربی ص۹۰) ان معانی میں اصل اور لغوی ترجمہ ہے بنانا۔ باقی تراجم اصطلاحی ہیں اور نحو کا یہ قاعدہ مشہور اور متفق علیہ ہے کہ جب کوئی مصدر یا مادۂ اشتقاق اپنے اصل معنیٰ سے ہٹ کر دوسرے مصدر کے معنیٰ میں مستعمل ہو تو وہ مادہ اپنی ذاتی اصلیّت میں خواہ کچھ بھی ہو لازم یا متعدّی بیک مفعول یا بدو مفعول۔ لیکن دوسرے مصدر کے معنی میں آکر اسی دوسرے کے مشابہ اور درجے میں ہوگا۔ اگر وہ لازم تو یہ لازم وہ متعدّی تو یہ متعدّی۔ اگر وہ مقیّد تو یہ مقیّد وہ مطلق تو یہ مطلق۔ بقاعدۂ نحو لفظ خَلَقَ متعدّی بیک مفعول ہے اور مطلق ہے۔ اس لئے جب جَعَلَ بمعنی خَلَقَ ہوگا تو مطلق اور متعدّی بیک مفعول ہوگا۔ اگر ان میں سے ایک بات بھی نہ ہوگی تو اس معنیٰ میں نہ ہوگا۔ اس لئے اس قاعدۂ نحویہ کے تحت جب ان آیات میں غور و تدبّر کیا گیا۔ تو پتہ لگا کہ پہلی آیت میں فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا کی قید ہے اس لئے وہاں بھی جَعَلْنَا خَلَقْنَا کے معنیٰ میں نہیں ہو سکتا بلکہ وہاں بمعنی عطا ہے اور ترجمہ اس طرح ہے ہم نے عطا کی ان کی اولاد میں نبوّت اور کتاب۔ باقی تین آیات میں جَعَلْنَا متعدّی بدو مفعول ہے (۱) جَعَلْنَاهُ هُدًى (۲) وَجَعَلْنَاهُ هُدًى (۳) وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْرًا۔ مفعولِ اوّل هٗ ضمیر ہے مفعولِ دوم هُدًى اور نُوْرًا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی بمعنیٰ خَلَقْنَا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خَلَقْنَا ہمیشہ متعدّی بیک مفعول ہوتا ہے۔ اسی طرح پانچویں آیت جَعَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا بھی متعدّی بدو مفعول ہے۔ مفعولِ اوّل قُرْاٰنًا مفعول دوم عَرَبِيًّا پس ثابت ہوا کہ ان میں سے کسی جگہ بھی خَلَقَ کے معنیٰ نہیں ہو سکتے بلکہ ان چار آیات میں جَعَلْنَا کا معنیٰ ہے قائم کر دیا بنا دیا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ استاد نے شاگرد کو عالم بنا دیا جب یہاں بنانے کا مطلب پیدا کرنا نہیں ہو سکتا تو ان آیات میں بھی جَعَلْنَا کا معنیٰ پیدا کیا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے خلقِ قرآن و توریت وغیرہ کا عقیدہ باطل ہو گیا۔ یہی وہ ضابطۂ اخلاق اور تدبّر و تفکّر کے دلائل ہیں جن کے سامنے معتزلہ اپنے دور میں ہمیشہ خائب خاسر ہوتے رہے۔ اور عجز و مغلوبیت سے شکست کھاتے رہے مگر بجائے قبولیت حق کے حسد و عناد کی آگ میں ہی انتقام پر آمادہ رہے۔ بجز اس کے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے کرم سے توفیقِ حق عطا فرمائی۔ یہی حال ہر دور میں ہوتا چلا آیا ہے۔ آج بھی کم علم خطبا بے تحقیق مقررین۔ داعیانِ ہمہ دانی قسم کے شیوخ۔ مصلحین کی گرفت اور محاسبے کو انا

اللہ تعالیٰ کی صفت کلام اللہ ہے نہ کہ کلمۃ اللہ۔ بدیں وجہ انجیل زبور توریت قرآن مجید کو رب تعالیٰ نے کلام اللہ تو فرمایا مگر کلمۃ اللہ نہ فرمایا۔ قرآن مجید میں اننتیس ۲۹ جگہ لفظ کلمۃ استعمال ہوا ہے اور چودہ جگہ کلمات استعمال ہوا ہے مگر کہیں بھی اس کا معنی اللہ کی بات یا اللہ کا قول یا فرمان مراد نہیں۔ اسی لئے اس کا تعلق سننے سنانے سے نہیں کیا گیا جبکہ قول اور بات کا تعلق سننے سنانے سے ہے۔ بخلاف کلام اللہ کے کہ اس کا ذکر قرآن پاک میں چار جگہ ہوا اور ہر جگہ سننے سنانے سے متعلق ہے جس سے ظاہر ہو گیا کہ کلام کلمہ میں بہت فرق ہے اور معتزلہ کا دونوں کو ایک درجہ دینا غلط ہے۔ حضرت مسیح کلمۃ اللہ تو ہیں مگر کلام اللہ نہیں اور کتب الٰہیہ وصحفِ آسمانی کلام اللہ ہیں کلمۃ اللہ نہیں ہیں۔ جب اس جواب سے معتزلہ گھبراتے تو بعض معتزلہ کہہ دیتے کہ کلام اللہ تو ہیں لیکن صفت الٰہیہ نہیں۔ مگر یہ بات بھی بہت کمزور ہے کیونکہ جس طرح رحم کرم صفت ہے اور رزاقیت خالقیت صفاتِ ربانیہ میں شامل ہے اسی طرح کلام فرمانا بھی صفت ہے۔ مگر کلامِ الٰہی متفقہ طور پر کلام مفید اور کلام نفسی ہے اور جس طرح رازقیت کا مظہر مرزوق ہے اسی طرح کلام نفسی کا مظہر کلام لفظی ہے رازقیت قدیم صفت ہے اور مرزوق حادثات بایں طور کلام نفسی قدیم مگر کلام لفظی حادثات۔ بعض معتزلہ یہ بھی کہتے رہے کہ قرآن مجید وغیرہ کتب الٰہیہ کلام اللہ تو ہیں اور صفتِ الٰہی بھی ہیں مگر صفت الٰہی قدیم نہیں ہوتی اس طرح بہت سی چیزیں قدیم ماننا پڑیں گی۔ حالانکہ قدیم ہونا صرف ذات باری تعالیٰ کی شان ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کتنا احمقانہ نظریہ ہے اس بات سے کون منکر ہو سکتا ہے کہ صفت سے موصوف کی تکمیل ہے اگر صفاتِ الٰہیہ کو قدیم نہ مانا جائے تو کہنا لازم آئے گا بعد میں صفت پیدا ہوئیں اور بعد میں رب کی تکمیل ہوئی حالانکہ یہ عقیدہ عین کفر ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام کتب آسمانی اللہ کا کلام ہے اور کلام صفتِ الٰہی ہے اور صفاتِ الٰہیہ بھی قدیم ہیں اسلئے غیر مخلوق غیر حادث ہیں۔ معتزلہ کا عقیدہ باطل اور لغو ہے۔ مولوی مذکور کو اس باطل عقیدے سے جلد از جلد توبہ کرنی چاہیئے اور آئندہ سوچ سمجھ کر تقریر کرنی چاہیئے۔ اس قسم کے ناکارہ اعتراضات کا سہارا لے کر یہ معتزلہ وغیرہ باطل فرقے ہمیشہ علماء حق کی گستاخیاں کرتے رہے۔ اور آج بھی نادان لوگ اہلِ حق مصلحین و مفکرین کے ساتھ عناد اور دشمنی رکھتے ہیں۔ مگر رب تعالیٰ حق کا حامی و ناصر ہے۔ چراغ ہمیشہ اہلِ حق علماء کا ہی روشن ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم

سوال ۴۳

اسلام میں تا قیامت ہر صدی کے ابتدا میں ایک مجدد آتا رہے گا۔ چودہ سابقہ صدیوں کے مجددین کرام کے اسماء گرامی۔ ہزار سالہ مجدد کوئی نہیں ہو سکتا۔ (بعض حضرات کے غلط اقوال کا مدلل جواب)

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ کہ حدیث پاک میں آتا ہے۔ کہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ ہر صدی پر میری امت کی درستی کے لیے ایک مجدد آئے گا۔ لہٰذا عرض ہے۔ کہ آج تک کی صدیوں کے کون کون سے مجدد کس کس زمانے میں تشریف لائے؟ اُن کے زمانے میں کن کن فتنوں کا ظہور تھا۔ کہ جن کو آکر ان بزرگوں نے بند کیا؟ اِن مجدد کرام کے نام کیا ہیں۔ بعض نقشبندی لوگ کہتے ہیں کہ اب قیامت تک صرف مجدد صاحب ہی مجدد ہیں اور کوئی شخص مجدد نہیں ہو سکتا۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا ۔ السائل :۔ مولوی شمس الدین الہ آبادی کراچی مورخہ ۱۳ ۱/۱۹۶۱

بِعَونِ العَلّامِ الوَھّابِ ۔

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق یہ بات حتماً مُسَلّم ہے۔ کہ اللہ جل شانہ، اپنے پیارے حبیب رؤفٌ و رحیم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ان کی امت کو ضلالت سے بچانے کے لیے ہر سو سال بعد آنے والی صدی کے بالکل ابتداء میں اپنے کسی کامل اکمل بندے کو مجددیت کا تاج پہنا کر اُمتِ نبی کریم کے لیے مبعوث فرماتا ہے چنانچہ ابوداؤد جلد دوم صفحہ نمبر ۵۸۹ کتاب الملاحم کے شروع میں پہلی حدیث ہے: حَدَّثَنَا سُلَیمَانُ بنُ دَاوُدَ المُعدِیُ قَالَ حَدَّثَنَا ابنُ وَھبٍ اَخبَرَنِی سَعِیدُ بنُ اَبِی اَیُّوبَ عَن شَرَاحِیلَ بنِ یَزِیدَ المُعَافِرِیّ عَن اَبِی عَلقَمَۃَ عَن اَبِی ھُرَیرَۃَ فِیمَا اَعلَمُ عَن رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَبعَثُ لِھٰذِہِ الاُمَّۃِ عَلیٰ رَأسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَن یُّجَدِّدُ لَھَا دِینَھَا (ترجمہ) سلیمان بن داؤد مہری نے ابوداؤد سے روایت کی ان سے ابن وھب نے ان کو خبر دی سعید بن ایوب نے انہوں نے شراحیل بن یزید معافری سے روایت لی۔ انہوں نے علقمہ سے انہوں نے ابوہریرہ سے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ میری اُمت کے لیے ہر صدی کے شروع میں مبعوث فرماتا رہے گا۔ ایسے شخص کو جو دین پاک کو صاف ستھرا کرتا رہے۔ (الخ) اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے بھی روایت کیا۔ جامع الصغیر نے جلد اول صفحہ نمبر ۷۴ پر اِس کو صحیح کہا۔ اس حدیث پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) پہلی یہ کہ ہر مجدد صرف ایک صدی کے لیے ہوگا نہ کم نہ زیادہ۔ بعض نقشبندی لوگ جو یہ کہتے کہ مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہزار سال کے مجدد ہیں اور ان کے بعد کوئی مجدد نہیں ہو سکتا بس ایک یہ ہی قیامت تک مجدد ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ بلکہ آپ بھی دیگر مجددین کی طرح فقط ایک صدی کے مجدد ہیں۔ الف ثانی کا مطلب دوسرے ہزار کی ابتداء جو گیارھویں صدی ہے۔ نہ کہ پورے ہزار سال۔ کیونکہ پورے ہزار سال تو ابھی نہیں سکتے۔ قیامت قریب ہے اور موجودہ نقشبندیوں کا یہ قولِ خودساختہ اس حدیثِ منورہ کے

بھی خلاف ہے۔ مگر حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکتوبات حصہ دوم مکتوب چہارم ص۱۹ میں مجدد کی دو قسمیں فرمائی ہیں ۱ مجدد مائۃ ۲ مجدد الف۔ یعنی ہر صدی کا مجدد اور ایک ہزار سال کا مجدد اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجدد صاحب کے نزدیک بھی ہر صدی کا علیحدہ ایک مجدد ہونا ثابت ہے۔ اور نقشبندی حضرات کی یہ بات غلط ہو جاتی ہے کہ مجدد صاحب کے بعد کوئی مجدد نہ ہوگا۔ ہاں مجدد علیہ الرحمۃ کا یہ فرمان کہ مجدد الف بھی کوئی ہوتا ہے۔ یہ بات انتہائی قابل غور اور دلائل سے دور اور دو وجہ سے خلافِ حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ احادیثِ مطہرات میں ہزار سالہ مجدد یعنی مجدد الف کا کہیں ذکر نہیں۔ نہ ہی کسی اور امام یا فقیہ یا غوث و قطب نے اس کا ذکر فرمایا صرف مجدد صاحب کا اس طرح دو قسمیں فرمانا اہل تحقیق کے نزدیک غیر معتبر ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ اگر بقولِ مجدد صاحب کوئی شخص مجدد ایں الف ہے یعنی الف ثانی تو مجددِ الف اوّل بھی ہونا لازم ہے۔ حالانکہ اس کا وجود تک نہیں۔ نیز یہ بات اظہر ہے کہ کسی بھی مجدد نے خود کو مجدد نہ فرمایا۔ بلکہ رب تعالیٰ کی طرف اقوام کی زبان و قلب پر جاری ہوگیا۔ خود مجدد علیہ الرحمۃ نے بھی۔ الف ثانی کا تذکرہ کیا لیکن یہ نہ کہا کہ میں الف ثانی مجدد ہوں۔ اب اس دور کے نقشبندی بزرگ صرف اسی مکتوب شریف کے سہارے پر الفِ ثانی کا لقب۔ مجدد صاحب کو دینے لگے۔ اس لیے یہ لقب عقیدت میں تو صحیح ہو سکتا ہے مگر حقیقت میں صحیح نہیں حقیقت یہ ہے کہ نہ کوئی ہزار اول کا مجدد ہے۔ نہ ہزار ثانی کا اسی بنا پر نہ کسی کو مجدد الفِ اول کہا گیا اور نہ ہی مجدد الف ثانی کہنا چاہیے۔ صرف جوشِ محبت میں احادیث کی خلاف ورزی اور مطلب بر آری کے لیے اصول کی توڑ پھوڑ اچھا کام نہیں۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جس عالم کو مجدد بنایا جاتا ہے۔ وہ اپنی بعثت کی صدی سے پہلی صدی میں پیدا ہو کر عالمِ و اکمل مشہور ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ لفظ یَبْعَثُ، بَعَثَ سے بنا ہے اور بَعْثٌ کے لغوی معنیٰ ہیں۔ کسی کام کے لیے اٹھ کھڑا ہونا۔ اور اس کام میں محمول و مشغول ہو جاتا ہے۔ چنانچہ لغاتِ کشوری صفحہ نمبر ۵۰ پر اور منجد عربی صفحہ نمبر ص۳۹ پر ہے۔ بَعَثَہٗ عَلَی الشَّیْءِ ای حَمَلَہٗ عَلٰی فِعْلِہٖ وَاَقَامَہٗ (الخ) ترجمہ: اس شخص کو مبعوث کیا۔ کسی چیز پر یعنی اس کے کرنے پر مشغول کیا۔ اور قائم کیا۔ بَعْثٌ کا شرعی ترجمہ یہ ہے کہ پیغام خداوندی کی تبلیغ شروع کر دینا۔ اور جو خدمتِ دین اس کے سپرد ہوئی۔ اس میں مشغول ہو جائے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعثتِ انبیاء عظام و لادت انبیاء کرام سے تقریباً چالیس سال بعد ہوتا ہے۔ اس روایتِ صحیح میں بھی لفظ بعثت مستعمل ہے جس سے ثابت ہوا کہ اپنی تبلیغی صدی سے پہلی صدی میں اس مجدد کی ولادت و تکمیل علوم معنوی و ظاہری ہو چکی ہو۔ اور دوسری صدی شروع ہوتے ہیں۔ اس کو مبعوث کر دیا جائے۔ کیونکہ روایت کے دوسرے لفظ ہیں: عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ ۵ ہر صدی کے راس پر۔ اور لفظ راس کے معنیٰ ہیں سر یعنی بالکل ابتدا اور ابتدائے تبلیغ یعنی بعثت

تب ہی ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس سے پہلے صدی کا کثیر زمانہ بھی پایا ہو اور علوم حقیقیہ سے بھی کما حقہ، واقف ہو چکا ہو تیسری یہ ثابت ہوئی۔ کہ ہر عالم مجدد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس عالم، یا ولی اللہ یا مختار حاکم بادشاہ وغیرہ کو مجدد کہا جاسکتا ہے۔ کہ جس نے دو صدی کے انتہائی و ابتدائی زمانے کے پانے کے ساتھ ساتھ کسی ایسے دینی فتنے کا خاتمہ یا زور توڑا ہو۔ کہ جس کے وجود سے اُمّتِ مسلمہ کے شدید گمراہ ہونے کا خطرہ تھا۔ کیونکہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پاک میں ہے۔ مَن یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا ؎ کہ وہ شخص اُمّتِ مسلمہ کے لیے اس کے دین کو ستھرا کرے گا۔ چوتھی بات یہ ثابت ہوئی کہ وہ مجدد فردِ واحد ہو گا۔ نہ کہ جماعتِ کثیرہ اگرچہ دیگر علماء اس کے معاون بن جائیں۔ مگر اصل مجدد فقط ایک شخص ہی ہو گا۔ اس لیے کہ حدیثِ مذکورہ بالا میں مَنْ اسم موصول ہے۔ جو صرف وحدت کو چاہتا ہے۔ پانچویں بات یہ ثابت ہوئی۔ کہ مجدد کا وہ زمانہ، صحابہ کرام کے زمانے کے بعد شروع ہوا ہے۔ کوئی صحابی مجدد نہیں۔ اس لیے کہ روایتِ طیبہ میں ہے۔ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ ؎ (ترجمہ) :- یعنی وہ مجدد ہر صدی کے بالکل شروع میں مبعوث ہو گا۔ جب کہ امت کی گمراہی کا سخت اندیشہ ہو تو تجدیدی کارنامے کر کے باطل فتنے کو فرو کرے۔ اکابرین صحابہ میں سے کسی نے بھی صدی کا ابتداء نہ پایا۔ اس لیے کہ پہلی صدی کی ابتداء میں خود آقائے کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوئے تھے۔ اور کسی کے گمراہ ہونے کا بھی اندیشہ نہ تھا۔ دوسری صدی کی ابتداء میں دورِ صحابہ تقریباً انتہائی مراحل میں پہنچ چکا تھا۔ خاص کر وہ چند صحابہ کرام جن کے افعالِ طیبہ اور حسین کردار کو تجدیدی کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔ وہ سب اکابر وصالِ ربانی فرما چکے تھے۔ جیسے صدیقِ اکبر فتنۂ منعِ زکوٰۃ و فتنۂ مسیلمہ کذاب کو مٹانے والے اور فتوحاتِ اسلامیہ کے بانی فاروقِ اعظم وغیرہ اور قرآنِ کریم کے مخلوط کرنے کے فتنے کو ختم کرنے والے عثمانِ غنی اور جیسے کہ علی المرتضیٰ جنہوں نے اپنے عدالتی اور فقہی فیصلوں سے دین کو عجیب طرح سے روشن کیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ مجدد نہیں۔ اس لیے کہ مجدد کا درجہ صحابہ کرام سے کم درجے پر ہے۔ صحابی کو مجدد کا درجہ دینا ایسا ہی معیوب ہے۔ جیسا کہ وزیرِ اعظم کو تھانے دار کا درجہ دیا جائے۔ اسی طرح یہ کہنا ایک لحاظ سے گناہ ہے کیونکہ صحابہ کی گستاخی ہے کہ مجدد کا درجہ مجتہد اربعہ کے بھی بعد ہے خلاصہ یہ کہ اس حدیث پاک نے جہاں مجدد آنے کی خبر دی۔ وہاں مجدد کی تعریف نوعیت اور شخصیت سے بھی آگاہ کر دیا۔ تاکہ ہر ایرہ غیرہ کو مجدد نہ کہہ دیا جائے۔ اس حدیث کی روشنی میں سابقہ چودہ صدیوں کے مجددین کرام اور ان کے دینی کارناموں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔ (۱) پہلی صدی کے مجدد (یعنی مجدد کی پہلی صدی نہ کہ اسلام کی) حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے خارجیوں کے فتنے کو توڑ کر تجدیدِ اسلام فرمائی۔ آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۱۹ھ میں اور وفات شریف سنہ ۱۱۲ھ میں ہوئی۔ اس طرح آپ نے اپنی صدی کے بارہ ۱۲ سال پائے۔ (۲) :- دوسری صدی کے مجدد امام احمد بن حنبل ہیں۔ آپ کی عمر شریف ستر سال ہوئی اور

سنہ ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ آپ نے معتزلہ فرقے کو ہلاک فرمایا۔ اور خلق قرآن کریم کے فتنے کی بڑھتی ہوئی آگ کو بجھا کر تجدید اسلام فرمائی۔ اس زمانے میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہوئے۔ مگر خدمتِ تجدید امام احمد کے مقدر میں ہوئی۔ اسی میں آپ کی شہادت ہوئی۔ ۳ تیسری صدی کے مجدد امام احمد نسائی جنہوں نے فرقہ جہمیہ کے باطل عقائد کو فنا کر کے مجددیت کا خطاب پایا۔ آپ کی ولادت سنہ ۲۱۷ھ میں اور وفات سنہ ۳۰۴ھ میں ہوئی۔ فرقہ جہمیہ کے چند باطل عقیدے یہ تھے:۔ (۱) کہ عذابِ قبر کوئی نہیں (۲) اور معاذ اللہ خالق دو ہیں ۱: خالقِ خیر، ۲: خالقِ شر۔ ان کفریہ عقیدے کے باوجود بھی یہ خود کو مسلمان کہتے تھے۔ چوتھی صدی کے مجدد امام بیہقی یا امام ابوبکر قلانی ہیں۔ یہ دونوں بزرگ ہم زمانہ ہیں۔ انہوں نے تیسری صدی کے بیس ۲۰ سال اور چوبیس ۲۴ سال پائے اور چوتھی صدی کے بیالیس ۴۲ اور پچپن ۵۵ سال پائے۔ انہوں نے فرقہ رافضیہ کا زور توڑا۔ اور مسلمانوں کو ان کے کفریہ عقیدوں سے بچایا۔ اور طہران و لبنان میں تجدید اسلامی کا جھنڈا گاڑھا۔ پانچویں صدی کے مجدد امام محمد بن محمد غزالی ہیں۔ جنہوں نے فرقہ قدریہ کے باطل عقیدوں سے مسلمانوں کو بچایا۔ ان کی ولادت سنہ ۴۷۰ھ میں اور وفات سنہ ۵۰۶ھ میں ہوئی۔ چھٹی صدی کے مجدد امام فخر الدین رازی ہیں۔ جنہوں نے فرقہ جہمیہ اور فلاسفہ کے باطل عقیدوں کو اسلامی فلسفے کے ذریعے سے ہی ختم کیا اور عالم کے قدیم ہونے کے کفریہ عقیدے کا ردِ بلیغ فرمایا۔ انہوں نے پانچویں صدی اور چھٹی صدی کا زمانہ پایا۔ ساتویں صدی کے مجدد امام تقی الدین ابن دقیق عبدی ہیں۔ یہ سنہ ۶۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۷۷۷ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے ہندوستان کے بعض علاقوں میں اسلام پھیلایا اور آریہ مذہب کا زور توڑ کر ان کی غلط توحید سے جو مسلمانوں میں فتنہ پڑتا تھا۔ اس کا خاتمہ کیا۔ آپ شام سے ہجرت کر کے ہند میں خدمتِ اسلام کے لیے تشریف لائے۔ آٹھویں صدی کے مجدد حافظ ابن حجر عسقلانی انہوں نے بہشت بریں بنانے والے بہائی مذہب کا زور توڑ دیا۔ ان کی عمر شریف تریسٹھ سال ہوئی اور ۸۱۵ھ میں وفات ہوئی۔ انہوں نے اپنی صدی کے صرف پندرہ سال پائے۔ نویں صدی کے مجدد امام جلال الدین سیوطی ہیں۔ انہوں نے بھی فلاسفہ کی پھیلتی ہوئی بے دینی اور فلسفے کے گمراہ کن چکروں سے مسلمانوں کو بچایا۔ یہاں تک کی فہرست کتاب عون المعبود شرح ابوداؤد ص ۱۸۱ پر موجود ہے۔ دسویں صدی کے مجدد مُلا علی قاری جنہوں نے اکبر بادشاہ کے دینِ الٰہی کا تختہ الٹایا۔ گیارھویں صدی کے مجدد امام شیخ احمد سرہندی۔ جنہوں نے جہانگیر کے کفریہ قوانین سے مقابلہ کر کے مسلمانوں کو بچایا۔ بارھویں صدی کے مجدد امام محی الدین اورنگ زیب شہنشاہ ہند اُن کی ساری زندگی ملحدین سے مقابلہ کرتے گزری۔ تیرھویں صدی کے مجدد شاہ عبد العزیز جن کی وفات شریف سنہ ۱۲۳۹ھ میں ہوئی۔ چودھویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ جن کے کارہائے نمایاں ان کی سوانحات میں موجود ہیں۔ آپ کی ولادت شریف سنہ ۱۲۷۲ھ میں ہے۔ اور وفات شریف سنہ ۱۳۴۰ھ میں ہوئی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ ؂

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا وَّ شُکْرًا جَزِیْلًا کہ آج مورخہ بتاریخ شمسی ۲۶ ۳/۸۴ بروز پیر مبارک دوسری بار فتاویٰ العطایا جلد دوم جس کی مکمل کتابت تقریباً دو سال پیشتر ہو چکی تھی اس پر نظر ثانی اور مزید چند مضامین شامل کرکے طباعت کے لئے پریس میں دیدیا۔ مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور عوام مسلمانوں کو اس سے دینی ایمانی فائدہ اور ہدایت نصیب ہو۔ میری اس محنت سے زیادہ فائدہ طلباء کو حاصل کرنا چاہیئے تاکہ ان کی دعاؤں سے میرے گناہ ولغزشیں معاف ہوں۔ اے میرے عزیز طالب علم! دین کی تعلیم حاصل کرکے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والو! یہ دنیا چند روزہ ہے اللہ اور رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت حاصل کرنے کا یہی زمانہ ہے۔ سب ساتھ ٹوٹنے والے ہیں۔ سچا ساتھ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کی مسند کو سنبھالا مگر حق ادا نہ ہوا۔ تم ہماری کمیوں کو پورا کردو۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ وَاِلَیْہِ الْبَلَاغ میرا کلام نصیحت کرنا تھا۔ سو میں نے کردیا۔ عمل کے لئے دست بدعا ہوں۔

رُباعی ترمیمی

۱۳۹۶ھ

دراں مدت کہ ما را وقت خوش بود ز ہجرت سیزدہ صد نود و شش بود

مرادِ ما نصیحت بود و کردیم حوالت با خدا کردیم و رفتیم

یہ فتاویٰ مطابق ماہ شعبان بروز جمعۃ المبارک بعد جمعہ۔ سوا ایک بجے رات آج مورخہ شمسی ۲۰ ۸/۷۶ مکمل تصنیف ہوا اور اب ۲۶ ۳/۸۴ بزرگوں کی خبر مصدقہ کے مطابق ۱۹۴۵ء میں ولادت کے حساب سے اپنی عمر کی سالانہ انتالیسویں (۳۹) ایمانی بہار دیکھ رہا ہوں۔ اور اپنے بزرگوں، پیارے دوستوں کی دعاؤں کے طفیل جن میں استاد محترم برادر بزرگ (۱) حضرت قبلہ مفتی مختار احمد صاحب ہم زلف حضرت والا مرتبت (۲) مولانا احمد حسن نوری صاحب لاہور۔ حضرت فاضل ذی شان قاری (۳) علی اکبر صاحب کوٹلہ ضلع گجرات حضرت علامہ قاری (۴) ہدایت اللہ صاحب سرفہرست ہیں میں اس وقت تفسیر نعیمی کا تیرھواں چودھواں پندرھواں سیپارہ بیک وقت لکھ رہا ہوں اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق اور قبولیت کا شرف عطا فرمائے جبکہ گیارھواں پارہ چھپ چکا ہے اور بارھواں پارہ چھپ رہا ہے۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ وَزِیْنَتِ فَرْشِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَمَلْجَانَا وَمَاوَانَا وَکَرِیْمِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَبَنَاتِہٖ وَاٰبَآئِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

اقتدار احمد خاں نعیمی بدایونی حال بریڈ فورڈ انگلینڈ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3



العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ

فتاویٰ نعیمیہ

صاحبزادہ اقتدار احمد خان بدایونی نعیمی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

العطایا الاحمدیہ

پہلا فتوای۔ طلاق بالعجا کا بیان

نیز فاسق شخص نیک لوگوں کا کفو نہیں بن سکتا۔ نیز متعنت التفقہ کا نکاح فسخ ہو سکتا ہے

. . . . کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں؛ کہ میں مسمات زینب بی بی کا نکاح آج سے پانچ سال پیشتر ایک شخص زید سے ہوا۔ اس شخص کو ہم نے اسی ازدواجی سلسلے کے لیے ہندوستان سے سپانسر بنا کر بلایا تھا یہ ہمارے دور کے رشتے داروں میں سے ہے۔ یہاں برطانیہ میں آکر ظاہر ہوا کہ یہ شخص شراب بھی پیتا ہے۔ نہ معلوم یہ شراب نوشی کی عادت پرانی ہے یا یہیں برطانیہ میں آکر غلط لوگوں میں برے دوستوں میں بیٹھ کر پیدا ہوئی۔ یہ شراب نوشی مجھکو اس طرح معلوم ہوئی کہ ایک دفعہ شراب کی نیم نشہ کی حالت میں گھر آیا جس کی منہ کی بدبو سے اور کچھ بہکی بہکی باتیں ہوئیں۔ یہ خود میں نے بھی اور میری دو بہنوں نے بھی محسوس کیا۔ چونکہ مجھ کو معلوم تھا کہ اس سے میری شادی نکاح ہونا ہے اس لیے میں نے اپنے والدین سے کہا کہ یہ شخص شراب پیتا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ میرا نکاح نہ کرو۔ مگر والدین نے افسوس کرنے کے باوجود مجھ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ امید ہے کہ شادی کے بعد ٹھیک ہو جائے اور ہمارے گھر کے اچھے ماحول کا اثر پڑے گا۔ اس کے بعد والدین نے میری شادی اسی شخص سے کر دی اور یہاں کے قانون کے مطابق رجسٹرڈ بھی ہو گئی اور شرعی طور پر امام مسجد صاحب نے اپنے فارم پر بھی نکاح خوانی درج کر لی اور میری رخصتی بھی اپنے ہی گھر کے ایک کمرے میں ہو گئی۔ تقریباً ایک ہفتہ میرا یہ خاوند زید مذکور میرے ساتھ بالکل اچھے طریقے سے خانہ آبادی کا سلوک کرتا رہا۔ پھر ایک رات محسوس ہوا کہ شراب پیئے ہوئے گھر میں آیا میں نے پوچھا تو بہکی بہکی باتیں کرنے لگا۔ اس طرح چند دن بعد پھر شراب پی کر آیا اور میں نے اس کی منہ کی بدبو سے اندازہ لگا لیا کہ شراب پیئے ہوئے ہے جب میں نے پوچھا تو مجھ کو مارنے پیٹنے لگا۔ یہاں تک کہ میرے کپڑے بھی پھاڑ دیئے یہ سب کچھ میری بہن کو بھی چشم دید پتہ ہے۔ پھر یہ معمول بن گیا کہ ہر دوسرے تیسرے دن یا کبھی ہر دوسرے تیسرے ہفتے وہ اس طرح کے کام کرتا۔ ہم دونوں کی لڑائی تلخ کلامی ہوتی اور وہ مجھ کو مارتا توڑتا۔ ایک دفعہ اس نے لڑائی کے دوران یہ بھی کہا کہ میں نے تجھ کو رکھنا نہیں ہے میں نے تو صرف اس ملک کا مستقل رہائشی ویزہ (نیشنیلٹی) لینے کے لیے تجھکو بیوی بنایا ہے۔ میں نے ایک دفعہ اس سے کہا کہ تو کچھ ملازمت کر تا کہ اس کی تنخواہ سے مجھ کو رہائش خوراک کا خرچہ ملے، مجھ کو اپنے والدین پر اب بوجھ بنتے شرم آتی ہے۔ مگر اس نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کبھی مجھکو خرچہ کبھی میرے کچھ بھی حقوق ادا نہ کیے۔ یہ لڑائی مار پٹائی اور روز روز کی جھک جھک میرے والدین سنتے محسوس کرتے تھے آخر ایک دن تنگ آکر میں نے اپنے والدین سے کہا کہ میری جان تم

لوگوں نے خواہ مخواہ مصیبت میں ڈال دی ہے نہ مجھ کو چین ہے نہ تم کو مجھ کو یا طلاق دے دو یا یہ مصیبت ختم کرو۔ تب میری والدہ نے ایک دن اس کو سب گھر والوں کے سامنے بٹھا کر کہا کہ تو نے کیوں ہماری بیٹی کو مصیبت ڈالی ہوئی ہے اگر تو نہیں رکھتا تو اپنی اس بیوی زینب کو شرعی طلاق دے دے۔ اس پر میرے خاوند زید نے کہا کہ طلاق دینا کیا مشکل ہے وہ تریچار لفظ طلاق ہے وہ میں دیتا ہوں۔ پھر میرا خاوند کھڑا ہو گیا اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ یہ زینب میری دشمن نہیں ہے یہ میری بہن ہے میری بہن ہے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالٰی اس کو اچھا خاوند دے اس کے بعد وہ گھر سے باہر نکل گیا اور آج تک وہ ہم سے بے تعلق ہے ہم میں سے کسی شخص نے پھر اس کی کبھی شکل نہ دیکھی نہ کوئی خط و کتابت یا ٹیلی فون سے کبھی رابطہ ہوا۔ اس وقت جب خاوند نے یہ الفاظ کہے ہم سب گھر والے یعنی میں اور میری والدہ میرے والد میری سب بہنیں اسی ایک کمرے میں موجود تھے ہم سب ہی اس بات کے گواہ ہیں۔ اس واقعے کے دو سال بعد میں نے برطانوی کورٹ میں ڈگری دائر کیا۔ کورٹ نے میرے بتاتے ہوئے اس کے دوستوں کے پتوں پر اور انڈیا کے پتے پر میرے اسی خاوند زید سے رابطہ قائم کرنے کی بہت کوشش کی ملکی اخباروں میں خبر شائع ہوئی مجھ سے بھی کورٹ جج نے اپنی قانونی رسم کے مطابق زبانی و تحریری قسم لی اور پانچ ماہ کے بعد تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دیا۔ اس فیصلہ عدالت کا تحریری ثبوت اور تمام لوازمات تقریباً اسی صفحات پر حاضر ہے۔ عدالتی مقدمے اور تفتیشی کاروائی کے دوران معلوم ہوا کہ اس کو مقدمے کی اطلاع اس کے ان دوستوں نے دے دی تھی جن کے پتوں پر کورٹ نے سمن بھیجے تھے اور ان دوستوں نے سمن وصول کر کے واپسی اطلاع کورٹ کو دی کہ سمن وصول ہوا۔ اس فیصلے کے ایک سال بعد میرے والدین نے کسی جگہ سے ایک شرعی فیصلہ بھی منگایا جس نے میری طلاق کو درست قرار دیا۔ اس شرعی فیصلے کے تقریباً دس ماہ بعد میں نے اپنا نکاح دوسری جگہ کر لیا فرمایا جائے کہ کیا یہ دوسری جگہ میرا نکاح شرعاً درست ہے یا غلط اب وہ خاوند زید مذکوران واقعات طلاق وغیرہ کا انکار کرتا ہے اور اس کا ایک خود ساختہ وکیل مولوی امام شور مچاتا ہے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ دستخط سائل و دستخط گواہان ۱۹۸۹-۱۱-۹

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

صورت مسئولہ میں بحیثیت مفتی دارالاسلام اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہوئے تقریباً تین ماہ تک تمام حالات کی تحقیق و تفتیش مکمل طریقے سے کی۔ ہر دو فریق سے رابطہ رکھ کر چھان بین ثبوت و گواہیں اور حلفیہ بیانات لینے اور تحریری بیانات وغیرہ وصول پانے نیز اب تک کی پوری کاروائی کا بغور مطالعہ کر لینے کے بعد یہ شرعی فیصلہ جاری کیا جا رہا ہے۔ اس تمام تحقیق و تفتیش سے مندرجہ ذیل تیرہ ۱۳ باتیں ثابت ہوئیں۔ نمبر۱۔ بیوی کو اپنے اس خاوند کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ شراب پیتا ہے۔ حالانکہ یہ کام شریعت اسلامیہ میں ہر مسلمان پر حرام ہے نمبر۲۔ بیوی مذکورہ نے اسی شراب نوشی کی عادت کی بنا پر اس کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنے والدین کو شادی سے منع کیا تھا۔ مگر ایک موہوم خیال کی بنا پر لڑکی کے والدین نے اپنی بیٹی کو اس

بات کی تسلی دے کر کہ بعد میں یہ خاوند مذکورہ ماحول کا اثر پکڑ کر خود بخود درست ہوجائے گا۔ اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کردیا۔ نمبر۳۔ بیوی مذکورہ اور اس کی ہمشیرگان نے نکاح سے پہلے بھی اور بعد میں بھی کئی مرتبہ اس شخص مذکور کو شراب پیتے اور پکڑ بحالت نشہ گھر آتے دیکھا اور منہ کی بدبو وغیرہ سے ثبوت مہیا کیا نمبر۴۔ اسی شراب نوشی کی وجہ سے بیوی مذکورہ مدعیہ اور اس خاوند سے کئی دفعہ لڑائی جھگڑا مارکٹائی ہوئی۔ نمبر۵۔ بیوی مدعیہ اور اس کے تمام لواحقین ذاتی اور خاندانی طور پر شریف اور نیک پرہیزگار ہیں کسی خاندانی شخص نے کبھی شراب نوشی نہیں کی۔ نمبر۶۔ خاوند مذکور نے اپنی اسی بیوی کو اس کی والدہ کی مرضی اور مطالبہ پر اس طرح ان الفاظ سے طلاق دی کہ شریعت کی طلاق کیا ہوتی ہے وہ تو چار لفظ۔ ط ل ا ق ہوتی ہے وہ میں دیتا ہوں۔ یہ طلاق چار گواہوں کی موجودگی میں دی گئی نمبر۱ مدعیہ کی والدہ نمبر۲ مدعیہ کا والد نمبر۳ مدعیہ کی دو بہنیں۔ ایک چھوٹی نمبر۴ ایک بڑی مگر ہمارا یہ فتوٰی اور شرعی فیصلہ اس گواہی کی بنیاد پر نہیں ہے نہ ہم نے ان کی گواہی شرعی طریقے پر لی ہے نہ انہوں نے گواہی دی کیونکہ قانون قرآن و حدیث اور شریعت اسلامیہ میں یہ گواہی قبول نہیں ہوتی چنانچہ ہدایہ شریف جلد سوم ص۱۴۹ پر ہے۔

وَلَاشَهَادَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ وَلَاشَهَادَةُ الْوَلَدِ لِاَبَوَيْهِ وَاَجْدَادِهٖ وَالْاَصْلُ فِيْهِ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَايُقْبَلُ شَهَادَةُ الْوَلَدِ لِوَالِدِهٖ وَلَاالْمَرْاَةِ لِزَوْجِهَا وَلَاالزَّوْجِ لِامْرَاَتِهٖ وَلَاالْعَبْدِ لِسَيِّدِهٖ وَلَاالْمَوْلٰى لِعَبْدِهٖ۔ ترجمہ۔ اور نہیں قبول کی جاسکتی۔ کسی بھی دعوے میں والد کی یعنی ماں اور باپ کی گواہی اپنی اولاد کے حق میں اور نہ اولاد کی گواہی اپنے والدین یا دادا نانا کے حق میں نہ پوتوں نواسوں کے حق میں اور نہ بیوی کی گواہی اپنے شرعی موبرہ خاوند کے حق میں نہ خاوند کی بیوی کے حق میں نہ غلام کی اپنے مولٰی کے حق میں نہ مولٰی کی اپنے غلام کے حق میں۔ ان باتوں سے اور تمام شرعی ضابطوں و اسلامی احکام سے مدعیہ اور اس کے تمام لواحقین کو تحریری طور پر آگاہ کردیا گیا ہے۔ انہوں نے اس پر تحریری رضامندی دیتے ہوئے شرعی فیصلے کا مطالبہ کیا تب ہم نے مدعٰی علیہ خاوند زید مذکور سے شرعی حلف اور اسلامی طریقوں پر قسم لینے کے لیے مدعٰی علیہ اور اس کے جملہ لواحقین اور اس کے وکیل سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے بھی میرے فتوٰی اور فیصلے کو مکمل طریقے و تحریر پر کو تسلیم کرتے ہوئے مدعٰی علیہ کی طرف سے تمام کاغذات جو بھی اس وقت ان کے پاس موجود تھے بذریعہ ڈاک میرے پاس بھیج دیئے جو میرے ریکارڈ میں موجود ہیں ان کا کئی دفعہ میں نے مطالعہ کیا مگر وہ شرعی ضابطوں کے مطابق درست نہ تھے نہ اس طرح شرعی قسم ثابت ہوتی ہے۔ میں نے پھر کئی مرتبہ۔ مدعٰی علیہ اور لواحقین کو ٹیلی فون کیا کہ اگر کچھ تحریری بیانات ہوں تو وہ بھی بھیجدو تاکہ مدعٰی علیہ کے حق میں مزید تسلی ہوسکے مگر تقریبًا پانچ دفعہ ٹیلی فون کرنے پر ہر دفعہ مدعٰی علیہ کی رابطہ کمیٹی اور وکیل نے یہی جواب دیا کہ جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ سب ہم نے آپ کو بھیجدیا۔ میں نے واضح الفاظ میں مدعٰی علیہ کے وکیل کو آگاہ کردیا کہ اس طرح شرعی فتوٰی مدعٰی علیہ خاوند زید مذکور کے خلاف ہوسکتا ہے مگر لواحقین نے فون پر کہا کہ آپ فتوٰی دے دیں جو بنتا ہے جاری کریں۔ ان تمام باتوں سے مجھے ثابت ہوگیا کہ مدعٰی علیہ نہ خود آکر قسم دے سکتا ہے نہ تحریری شرعی قسم دے سکتا ہے اور قانون شرع

شریعت یہ ہے کہ جب مدعیٰ علیہ کی طرف سے قسم سے انکار ثابت ہو جائے۔ حقیقی انکار یا حکمی۔ تو مفتیِ وقت اور قاضیِ شریعت پر واجب ہے کہ وہ شرعی فیصلہ مدعی کے حق میں اور مدعیٰ علیہ کے خلاف جاری کر دے۔ چنانچہ ھدایہ شریف جلد سوم ص۱۹۶ باب الیمین میں ہے۔ وَاِذَا نَكَلَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَنِ الْيَمِيْنِ قَضٰى عَلَيْهِ بِالنُّكُوْلِ وَاَلْزَمَهٗ مَا ادُّعِيَ عَلَيْهِ قَالَ وَيَنْبَغِيْ لِلْقَاضِيْ اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ اِنِّيْ اَعْرِضُ عَلَيْكَ الْيَمِيْنَ ثَلٰثًا۔ فَاِنْ حَلَفْتَ وَاِلَّا قَضَيْتُ عَلَيْكَ بِمَا ادَّعَاهُ الخ قَالَ فَاِذَا كَرَّرَ الْعَرْضَ عَلَيْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَضٰى عَلَيْهِ بِالنُّكُوْلِ ثُمَّ النُّكُوْلُ قَدْ يَكُوْنُ حَقِيْقِيًّا كَقَوْلِهٖ لَا اَحْلِفُ وَقَدْ يَكُوْنُ حُكْمِيًّا بِاَنْ يَّسْكُتَ وَحُكْمُهٗ حُكْمُ الْاَوَّلِ۔ ترجمہ۔ اور جب مدعیٰ علیہ قسم دینے سے انکار کر دے یعنی کسی طرح سے بھی شریعت کے تمام ضوابط و شرائط کے مطابق قسم نہ دے سکے تو قاضیِ اسلام مدعی کے حق میں اور مدعیٰ علیہ کے خلاف دعوے کو صحیح اور سچا تسلیم کرتے ہوئے اپنا فیصلہ شرعیہ جاری کر دے اور جس چیز کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ چیز مدعیٰ علیہ پر لازم جاری اور واجب کر دے۔ مصنف امام علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ قاضی کے لیے ضروری ہے کہ مدعیٰ علیہ کو کم از کم تین مرتبہ کہے کہ میں تجھ کو آگاہ کرتا ہوں کہ تو اپنی قسم دے اور دعوے کو غلط ثابت کر۔ اگر تو نے سچی اور مکمل طور پر شریعت کے مطابق صحیح صحیح قسم دے دی تو فبہا۔ تیرے حق میں فیصلہ ہوگا۔ ورنہ یعنی اگر تو صحیح قسم نہ دے سکا تو تیرے خلاف دعویدار کے حق میں فیصلہ دے دوں گا۔ پھر قاضیِ اسلام رابطہ قائم کر کے یا موجودگی العدالت مدعیٰ علیہ کو تین دفعہ کہے کہ قسم دے (شریعت کے مطابق) اگر اس کی طرف سے سچی اور صحیح قسم نہ ہو سکے تو ترجیح انکار ثابت ہو جانے کی وجہ سے مدعیٰ علیہ کے خلاف فیصلہ جاری کر دے پھر انکار شریعت میں ہوتا ہے۔ مثلاً مدعیٰ علیہ کی طرف سے قسم دینے میں خاموشی پائی جائے اور مدعیٰ زبانی یا تحریری شرعی قسم نہ دے سکے۔ صورتِ مذکورہ مسئولہ میں ہمارے سامنے انکارِ قسم کی یہی دوسری انکارِ حکمی کی کیفیت ثابت ہے۔ عبارتِ فقہ کے مطابق دونوں قسموں کا حکم ایک ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ اس لیے یہ فیصلہ شرعیہ اسلامیہ ہر لحاظ و اعتبار سے مدلل و مکمل جاری کیا جاتا ہے۔ ایک پڑوسی امام مسجد نے اس مقدمے میں مدعیٰ علیہ کی طرف سے وکالت کی۔ میرا مکمل رابطہ اسی سے قائم رہا جس کا امام کبھی انکار نہیں کر سکتے۔ نیز ہر چیز کا ثبوت مہیا کرنے اور بیانِ دعویٰ کو صحیح حاصل کرنے کے لیے ان سے باوضو کلمہ پڑھوایا۔ پھر ان سے شرعی گواہوں کا مطالبہ کیا۔ مگر پیش نہ کر سکے ان کے ساتھ آئے ہوئے چند احباب دوست پڑوسی وغیرہ۔ ان سے میں نے کہا کہ آپ لوگ سچے گواہ اور ان سب واقعات کو جانتے ہیں۔ انہوں نے گواہ بننے سے انکار کیا تب میں نے مدعیہ کو آگاہ کیا کہ چونکہ آپ کے پاس شرعی گواہی نہیں ہے۔ اس لیے مجھ کو مدعیٰ علیہ سے رابطہ قائم کر کے قسم لینے کی ضرورت ہے اور یہ ضروری نہیں کہ میرا فیصلہ آپ کے حق میں ہو انہوں نے تسلیم کیا تو ہم نے مدعیٰ علیہ اور اس کے لواحقین سے رابطہ کیا۔ یہی اسلام کا حکم ہے چنانچہ قدوری ص۲۴۰ پر ہے وَاِذَا صَحَّتِ الدَّعْوٰى سَئَلَ الْقَاضِيْ مُدَّعٰى عَلَيْهِ عَنْهَا لِيَنْكَشِفَ وَجْهُ الْحُكْمِ فَاِنِ اعْتَرَفَ قَضٰى عَلَيْهِ وَاِنْ اَنْكَرَ سَأَلَ الْمُدَّعِيَ الْبَيِّنَةَ فَاِنْ اَحْضَرَهَا قَضٰى بِهَا وَاِنْ عَجَزَ عَنْ ذٰلِكَ وَطَلَبَ يَمِيْنَ خَصْمِهٖ اِسْتَحْلَفَهٗ عَلَيْهَا۔ اَيْ عَلَى الدَّعْوٰى۔ (الخ)

ترجمہ جب دعوٰی تمام شرعی ضابطوں شرطوں بیانوں اور تسلیوں کے ساتھ مکمل اور صحیح ہو جائے تو حاکمِ اسلام مدّعٰی علیہ کو عدالت میں بلائے۔ اس کو دعوے کے متعلق آگاہ کرے اگر وہ مدّعٰی علیہ دعوے کو مان لے تو قاضیِ اسلام مدّعٰی علیہ کے خلاف اور مدّعی کے حق میں فیصلہ کر دے اور اگر مدّعٰی علیہ دعوے کا انکار کرے تو حاکمِ شریعت مدّعی سے شرعی گواہی طلب کرے اگر مدّعی صحیح اور شرعی گواہی پیش کر دے تو گواہی لیتے ہی مدّعی کے حق میں فیصلہ کر دے لیکن اگر مدّعی شریعت میں مقبول گواہی دینے سے عاجز ہو جائے تو اس کے مطالبہ پر مدّعٰی علیہ سے قسم لے تاکہ وہ دعوے کے خلاف قسم دے کر دعوے کو توڑے غلط بتائے۔ یہاں بالکل یہی صورت پائی گئی اور ہم بالکل شریعت کے ان ہی قوانین کے ماتحت کاروائی کی نمبر۷ خاوند مذکور فی السّوال نے اپنی اس بیوی کو کہا یہ میری بہن ہے نمبر۸۔ خاوند مذکور نے اپنی اسی بیوی کے لیے کہا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خداوندا اسے اچھا خاوند ملے۔ نمبر۹ خاوند زید مذکورہ نے آج تک اپنی اس بیوی کو کبھی کوئی خرچہ نان نفقہ رہائش وغیرہ جیسے کسی حقوقِ زوجیت کو ادا نہ کیا۔ بلکہ اب کئی سال سے روپوش ہے نمبر۱۰ اس طلاق کے بعد خاوند مذکور نے کبھی کسی طریقے سے اپنی اس بیوی سے میل ملاقات خط و کتابت یا کوئی رابطہ نہ کیا نہ خانہ آبادی کی خواہش ظاہر کی۔ نہ ہی اس دوران کورٹ میں حاضری دی۔ نمبر۱۱۔ اسی خانہ بربادی کے پیشِ نظر بیوی مذکورہ نے برطانوی کورٹ کچہری میں مقدمہ تنسیخ نکاح دائر کیا اور برطانوی قانون نے اپنے طریقہ کار کے ماتحت اپنے لاء و قانون کے مطابق تحقیق و تفتیش کے بعد تقریباً پانچ ماہ گزار کر بیوی مذکورہ کے حق میں تنسیخ نکاح کا فیصلہ نافذ کر دیا اور یہ فیصلہ انگریزی اخبارات روزناموں و ہفتہ وار میں شائع ہوا لیکن خاوند مذکور نے اس فیصلے کے خلاف کسی قانونی کورٹ میں اپیل نہیں کی نمبر۱۲ مدعیہ مذکورہ کی والدہ اور والد نے اپنی اس مدعیہ مذکورہ زینب بیٹی کی اس طلاق کے بارے میں ایک جگہ سے شرعی فیصلہ بھی حاصل کیا نمبر۱۳ بیوی مذکورہ نے ان تمام فیصلوں کو صحیح سمجھتے ہوئے اپنی دانست اور سمجھ میں اپنی شرعیہ عدت گزار کر مزید دس ماہ انتظار کر کے دوسری جگہ اپنا شرعی نکاح کر لیا یہ تھیں وہ تیرہ باتیں جو بیان ثابت ہوئی ہیں ان تمام مندرجہ بالا تحریری بیانات کو سچا ثابت قرار دینے اور سمجھنے کیلئے میں نے بذاتِ خود اپنے سامنے باوضو قرآنِ کریم پر ہاتھ لگوا کر قبر قیامت کا خوف اور یاد دلا کر سب کا حلفیہ بیان لیا۔ غرض کہ جس طرح بھی ہو سکی میں نے نہایت امانت و دیانتداری سے مکمل غیر جانبدار ہو کر تفتیش کی فریقِ ثانی کو بھی پوری طرح ہر بات سے آگاہ کیا ان سے بھی تحریری بیان لیے۔ فریقِ ثانی اپنے تحریری بیانات میں مدعیہ کی بات کو غلط ثابت نہ کر سکے۔ خاوند مذکور کی طرف سے اب کچھ انکار محض الزام تراشی اور بناوٹی بیان ہے۔ اس ایک کذب بیانی سے خاوند کی باقی باتیں بھی جھوٹی ثابت ہوتی ہیں۔ اس میں تفتیش غور و فکر میں ڈھائی تین ماہ کا عرصہ گزرا اور یہ تحقیق اور دو طرفہ رابطہ کرنا مفتیِ اسلام پر فرض ہے۔ چنانچہ فتاوٰی ردالمحتار شامی جلد دوم ص۱۹ پر ہے: "لَا یُفْتِیْ اَحَدَ الْخَصْمَیْنِ دُوْنَ خَصْمِہِ اِلَیْہِ۔" ترجمہ۔ جس دعوے کا تعلق دو فریق یعنی مدّعی اور مدّعٰی علیہ سے ہو اگر ایسا مقدمہ کسی مفتی وغیرہ کے پاس فیصلۂ شرعیہ کے لیے آئے تو مفتیِ اسلام ایک فریق کو اپنا فتوٰی یا فیصلہ نہ دے (بلکہ دونوں طرف کا بیان سن کر فتوٰی دے)

یہی وجہ ہے کہ قانونِ شریعتِ اسلامیہ میں غیر حاضر مدعیٰ علیہ کے خلاف فیصلہ کر دینا غلط ہے۔ چنانچہ فتاوی تنویر الابصار جلد چہارم ص۴۶۵ پر ہے۔ وَلَا یُقْضٰی عَلٰی غَائِبٍ وَلَا لَہٗ اَیْ لَا یَصِحُّ بَلْ وَلَا یَنْفُذُ (الخ) ترجمہ۔ کسی بھی مقدمے میں کسی فریق سے غائب یعنی لاعلم ہونے کی صورت میں فیصلہ جاری نہ کیا جائے اگر کسی مفتی یا قاضی وغیرہ نے اس قسم کا فیصلہ یک طرفہ بلا تحقیق جاری کر دیا۔ تو وہ فیصلہ صحیح بھی نہ ہوگا اور جاری بھی نہیں کیا جا سکتا فتاوی عالمگیری جلد سوم ص۴۲۶ پر ہے۔ وَفِیْ نَوَادِرِ ابْنِ سَمَاعَۃَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ حَاکِمٍ اُخْبِرَ بِاِعْتَاقِ رَجُلٍ عَبْدَہٗ اَوْ بِطَلَاقِ رَجُلٍ اِمْرَأَتَہٗ ثَلَاثًا قَالَ اِنْ اَخْبَرَہٗ بِذٰلِکَ عَدْلَانِ فَیَنْبَغِیْ اَنْ یَجْتَہِدَ فِیْ طَلَبِ ذٰلِکَ اَشَدَّ الطَّلَبِ حَتّٰی یَظْفُرَ بِہٖ وَیَنْظُرَ فِیْ اَمْرِہٖ (الخ) ترجمہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ قانونی فرمان مروی ہے اس قاضی یا مفتی حاکم کے بارے میں کہ جس کو دو عادل نیک متقی گواہوں نے بتایا کہ فلاں شخص نے اپنا غلام آزاد کر دیا۔ یا فلاں خاوند نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو حاکم اور مفتی و اسلام پر واجب ہے کہ اس خبر اور معاملے کی انتہائی سخت طریقے سے تفتیش کرے یہاں تک کہ تمام حالات اس پر کھل جائیں اور اس خبر پر خوب غور و فکر کرے۔ اصطلاحِ فقہا میں یَنْبَغِیْ کا معنیٰ ہے واجب ہونا۔ چنانچہ فتاوی بحر الرائق جلد چہارم ص۲۹۱ پر ہے۔ وَمَنْ حَلَفَ عَلٰی مَعْصِیَۃٍ یَنْبَغِیْ اَنْ یَحْنَثَ (الخ) وَھُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِہٖ یَنْبَغِیْ اَنْ یَحْنَثَ اَیْ یَجِبُ عَلَیْہِ الْحِنْثُ۔ ترجمہ جو شخص کسی گناہ کرنے پر قسم کھائے تو اس کو لائق ہے یعنی واجب ہے کہ قسم توڑ دے گناہ نہ کرے اور یَنْبَغِیْ کا معنیٰ ہے واجب ہونا یعنی اس پر واجب ہے کہ حانث ہو جائے اور قسم کا کفارہ دے دے ثابت ہوا کہ مفتی اسلام اور ہر فتویٰ دینے والے پر شریعتِ مطہرہ کی طرف سے واجب ہے کہ دونوں طرف کے حالات سن کر مکمل تحقیق کر کے فتویٰ دے۔ فتاوی بہارِ شریعت حصہ بارھواں ص۲۶ پر فتاوی شامی کے حوالے سے ہے۔ **مسئلہ**۔ مفتی کو بیدار مغز ہونا اور ہوشیار ہونا چاہیے۔ غفلت برتنا اس کے لیے درست نہیں کیونکہ اس زمانے میں اکثر حیلہ سازی اور ترکیبوں سے واقعات کی صورت بدل کر فتویٰ دے دیتے ہیں۔ محض فتویٰ ہاتھ میں ہونا ہی اپنی کامیابی تصور کرتے ہیں بلکہ مخالف پر اس کی وجہ سے غالب آ جاتے ہیں اس کو کون دیکھے کہ واقعہ کیا تھا اور اس نے سوال میں کیا ظاہر کیا (رد المحتار)۔ اس طرح فتاوی بحر الرائق جلد ششم ص۲۶۶ پر ہے رَفَضْلٌ فِی الْمُفْتِیْ) فَھُوَ فَرْضُ کِفَایَۃٍ وَمَعَ ھٰذَا لَا یَحِلُّ التَّسَارُعُ اِلٰی مَا لَا یَتَحَقَّقُ قُمْحِہٖ۔ فتویٰ لکھنا فرضِ کفایہ ہے لیکن اس کے باوجود مفتی کو جلد بازی کرنا حلال نہیں اس واقع اور مقدمے کے فیصلے میں جس میں اس کو پوری تحقیق نہ ہو گئی ہو۔ ان تمام مندرجہ بالا دلائل و عبارات سے ثابت ہوا کہ یکطرفہ اور بلا تحقیق فتویٰ دینا حرام و ناجائز ہے اور زبردست گناہ کبیرہ ہے۔ آج کل بعض لونڈوں نے فتویٰ نویسی کو کھیل سمجھ لیا۔ ہر جاہل آدمی کو مفتی اور ہر لایعنی بیہودہ فضول تحریر کو فتویٰ قرار دے دیا جاتا ہے۔ خاص کر برطانیہ میں اکثر زیادہ ہی بے باکی شروع کر دی گئی ہے۔ ہر چھوٹے بچے معاملے میں قلم پکڑ کر مفتیِ وقت بن بیٹھتے ہیں۔ یہ بد نصیب کم عقل لوگ یہ نہیں سمجھتے

کہ یہ جاہلانہ حرکتیں کھلم کھلا جہنم کا راستہ ہیں۔ فتاوٰی ردالمحتار شامی جلد سوم نے ص۱۰۱ پر فرمایا۔ وَمَنْ لَّمْ یَدْرِ بِعُرْفِ اَھْلِ زَمَانِہٖ فَھُوَ جَاھِلٌ۔ ترجمہ۔ جو شخص اپنے زمانے کے حالات اور مشہور عادتیں یا باتیں نہ جانے وہ بالکل جاہل ہے۔ قیامت ہی کی نشانی ہے کہ اس قسم کے جہلاء زمانہ اب مفتی زمانہ بننا چاہتے ہیں ایسے جھوٹے اور جاہلانہ فتوے اکثر جاری ہوتے اور بکھرتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی چند لڑکوں نے مل کر ایک کونسل بنالی ہے جسکے تقریبًا چار فتووں کی مکمل تردید مجھ کو بھی کرنی پڑی اللہ تعالٰی ہم سب کو کچھ سمجھ عطا فرمائے اور ہدایت بخشے۔ فقہاء ملت کے ان ہی فرمودات اور ضوابطِ کلیہ کے پیش نظر ہی دو طرفہ رابطے کے ذریعے اچھی طرح چھان بین کر کے یہ مضبوط اور حتمی شرعی فیصلہ جاری کیا جارہا ہے اب کسی تخریب کار کو کسی طریقے سے انکار و اعتراض کی ظاہرًا کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی گئی صورت مسئولہ میں مندرجہ بالا تیرہ چیزوں میں چار چیزوں سے ان دونوں خاوند بیوی کا نکاح ختم ہوجاتا ہے۔ پہلی چیز وہ کہ خاوند مذکور کے متعلق متعدد طریقوں سے ثابت وظاہر ہوا کہ یہ شراب پیتا ہے اور قانون شریعت کے مطابق شراب پینے والا آدمی نیک لوگوں کا کفو ہرگز نہیں ہوسکتا اور غیر کفو میں کسی بھی شریف دختر کا نکاح کرنا باطل و فاسد اور قابل فسخ ہے۔ چنانچہ فتاوٰی درمختار جلد دوم ص۳۱۸ پر ہے اور فتاوٰی بحرالرائق جلد سوم ص۱۲۵ پر ہے۔ وَذَکَرُوْا اَصْحَابُ الْفَتَاوٰی اِنَّ الْاَبَ اِذَا زَوَّجَ بِنْتَہُ الصَّغِیْرَۃَ مِمَّنْ یُّنْکِرُ اَنَّہٗ یَشْرِبُ الْمُنْکَرَ فَاِذَا ھُوَ مُدْمِنٌ لَّہٗ وَقَالَتْ بَعْدَ مَا کَبُرَتْ لَآ اَرْضٰی بِالنِّکَاحِ اِنْ لَّمْ یَکُنْ یَعْرِفُہُ الْاَبُ بِشُرْبِہٖ وَکَانَ غَلَبَۃُ اَھْلِ بَیْتِہٖ صَالِحِیْنَ فَالنِّکَاحُ بَاطِلٌ اِتِّفَاقًا لِاَنَّہٗ اِنَّمَا زَوَّجَ عَلٰی ظَنِّ اَنَّہٗ کُفْؤٌ۔ الخ) وَفِی الظَّھِیْرِیَّۃِ یُفَرَّقُ بَیْنَھُمَا وَلَمْ یَقُلْ اِنَّہٗ بَاطِلٌ وَھُوَ الْحَقُّ۔ اسی طرح فتاوٰی ہندیہ جلد اول ص۲۹۱ پر ہے۔ فَلَا یَکُوْنُ الْفَاسِقُ کُفُوًا لِّلصَّالِحَۃِ۔ (الخ) رَجُلٌ زَوَّجَ بِنْتَہُ الصَّغِیْرَۃَ مِنْ رَجُلٍ عَلٰی ظَنِّ اَنَّہٗ صَالِحٌ لَا یَشْرِبُ الْخَمْرَ فَوَجَدَہُ الْاَبُ شَرِیْبًا مُدْمِنًا۔ (الخ) وَغَلَبَۃُ اَھْلِ بَیْتِہٖ الصَّالِحُوْنَ فَالنِّکَاحُ بَاطِلٌ اَیْ یُبْطَلُ وَھٰذِہِ الْمَسْئَلَۃُ بِالْاِتِّفَاقِ۔

ترجمہ۔ (سب عبارتوں کا ترجمہ)۔ اگر کسی شخص نے اپنی چھوٹی بچی کا نکاح کسی شرابی آدمی سے کردیا یہ خیال کر کے کہ چونکہ یہ رشتے برادری کا ہے لہٰذا یہ لڑکی کا کفو بھی ہے۔ پھر ثابت ہوا کہ یہ شخص تو بست عادی شرابی ہے تو تمام فقہا کے نزدیک یہ نکاح باطل ہے یعنی نکاح فسخ اور باطل کرنا پڑے گا اور خاوند بیوی میں تفریق کرنی لازم ہے۔ کیونکہ شرابی انسان فاسق ہے اور فاسق بدکار انسان کسی نیک لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا۔ ان فقہیہ شرعیہ عبارات سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ شراب پینے والا شخص نیک عورت کا کفو نہیں ہوسکتا اور حدیث اور فقہ کی رو سے غیر کفو میں نکاح کردینا غلط ہوتا ہے۔ اگر ایسے بدکردار انسان سے نیک عورت کا نکاح کسی طرح کی تسلی تشفی دے کر کردیا گیا تو وہ بیوی کی درخواست و مطالبے پر مفتی و اسلام فسخ کرسکتا ہے۔ لیکن ہمارا یہ فتوٰی سوال کی بات نمبر۶ اور نمبر۷ کی بنیاد پہ ہے ان دونوں تحریری باثبوت باتوں نے ثابت کردیا ہے کہ خاوند مذکورہ نے پہلے اپنی اس بیوی کو شرعی اسلامی طلاق دی اور پھر اپنی بیوی

کو شرعی اسلامی طلاق دی اور پھر اپنی بیوی کو اپنی بہن کہا۔ حالانکہ اپنی بیوی کو بہن یا ماں بہن کہنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ بہن کہنا الفاظِ کنایہ میں سے ہے اور ہمارے عرف میں بیوی کو ماں بہن کہنا طلاق ہی ہے اور شرعی فتوٰی عرفِ عام پر ہوتا ہے۔ چنانچہ فتاوٰی شامی جلد دوم صلاا پر ہے۔ وَالْفَتْوٰی عَلَی الْعُرْفِ الْحَادِثِ۔ ترجمہ اور فتوای ہمیشہ مشہور اصطلاح اور رواج پر ہوتا ہے۔ آگے ارشاد ہے۔ بَلِ الصَّوَابُ حَمْلُہٗ عَلَی الطَّلَاقِ لِاَنَّہٗ الْعُرْفُ الْحَادِثُ۔ ترجمہ۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ خاوند کے ایسے الفاظ بولنے کو طلاق پر ہی محمول کیا جائے کیونکہ یہی اصطلاح و عادات میں مروج ہو چکا ہے۔ تفسیر ابن کثیر جلد چہارم ص۳۲۱ پر ہے۔ لِاَنَّہٗ لَا فَرْقَ عَلَی الصَّحِیْحِ بَیْنَ الْاُمِّ وَبَیْنَ غَیْرِھَا مِنْ سَائِرِ الْمَحَارِمِ مِنْ اُخْتٍ وَعَمَّۃٍ وَخَالَۃٍ وَمَا اَشْبَہَ ذٰلِکَ۔ ترجمہ۔ بیوی کو بہن کہنے سے بھی طلاق پڑ جائیگی اسلیے کہ نہیں ہے فرق صحیح مذہب کی بنا پر ماں کہنے اور اسکے علاوہ کسی اور ذی رحم محرم کا نام اپنی بیوی کے لیے کہنے میں جیسے کہ بہن کہنا پھوپھی کہنا اور خالہ کہنا۔ یعنی اگر خاوند نے اپنی بیوی کو ماں کہا یا بہن کہا یا پھوپھی اور خالہ کہا تو ان سب لفظوں سے ایک طلاق پڑ جائے گی اور یہ طلاق کنایہ ہوگی۔ بصورت مسئولہ میں ہم نے اس طلاق کو پانچ دلائل سے حتمی و یقینی ثابت و تسلیم کیا ہے نہ کہ کسی گواہی سے کیونکہ مدعیہ کے پاس شرعی گواہی نہیں ہے۔ پہلی دلیل یہ کہ خاوند نے اس طلاق اور ان لفظوں کے بولنے کا کسی صراحت کے ساتھ انکار نہیں کیا اگرچہ خاوند کے پیش کردہ تحریری بیان میں طلاق کا مطلقاً انکار لکھا ہے۔ لیکن یہ بیان شرعی ثبوت کے لیے ناکافی ہے تین وجہ سے۔ ایک یہ کہ یہ بیان حلفیہ نہیں۔ صرف حلفیہ لکھ دینے سے کوئی بات حلفیہ نہیں ہو جاتی۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ بیان کسی عالم دین یا عدالتی قاضی یا جج مجسٹریٹ وغیرہ کا مصدقہ (تصدیق شدہ) نہیں۔ سوم یہ کہ اس بیان میں طلاق کے ان لفظوں اور طرزِ ادا کی تردید نہیں ہے جن کا صاف صاف ذکر مدعیہ بیوی نے اپنے حلفیہ بیان میں کیا ہے۔ ان تین وجوہ سے خاوند کا سرسری طور پر طلاق کا انکار کچھ معتبر نہیں ہے۔ دوسری دلیل۔ مذکورہ بیوی کے والدین بالکل یہی بیان تحریری دے کر ایک شرعی فیصلہ حاصل کر چکے ہیں اور اس قاضی یا مفتی نے اگر مگر کرکے اس بیان کو تسلیم کرتے ہوئے اسی بیان پر اپنا فیصلہ جاری کر دیا ہے۔ اگرچہ وہ فیصلہ شرعی معیار سے غلط ہے مگر خاوند مذکور اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتا نہ زبانی نہ تحریری نہ عدالتی۔ نہ اصالتاً نہ وکالتاً نہ اپیل کی شکل میں۔ تیسری دلیل۔ خاوند مذکور اسی مجلسِ طلاق میں اپنی اس بیوی کو طلاق دینے کے بعد بہن بھی کہتا ہے اور اس کے لیے اچھا خاوند ملنے کی دعا بھی کرتا ہے چوتھی دلیل۔ یہ طلاق ایسے انوکھے اجنبی اور نرالے شاذ و نادر الفاظ سے دی گئی جو عام لوگوں کے لیے تعجب خیز ہیں عوام میں اس طرح طلاق دینے کا نہ رواج ہے نہ یہ طریقہ مشہور۔ بیوی مذکور اس کی والدہ وغیرہ نے یقیناً اس طرح طلاق دینے کے الفاظ پہلی دفعہ سنے ہوں گے۔ بلکہ میں نے خود اپنی زندگی میں سینکڑوں فتوے دیئے۔ مختلف خاوندوں بیویوں مدعیوں گواہوں، مدعی علیہان کے بیانات مختلف سننے کے باوجود اس طرح طلاق دینے کی طرزِ بیانی پہلی دفعہ سنی ہے کبھی کسی خاوند نے اس طرح طلاق نہ دی لہٰذا یہ انوکھا طریقہ جھوٹ نہیں بنایا جا سکتا اگر بیوی مذکورہ یا اس کی والدہ

یا گھر کے افراد کسی ملی بھگت سے جھوٹی طلاق بناتے تب وہ عام مشہور لفظوں والی طلاق بناتے۔ پانچویں دلیل، میں نے اپنے پاس سب کو بلا کر اپنی تسلی اور دعوے کے بیان کو صحیح کرنے کے لیے باوضو قرآن مجید پکڑا کر نفل پڑھوا کر قبر و قیامت اور موت کا خوف دلا کر حلف لیا اور ان سب گواہان و مدعیہ نے قوانینِ شرعیہ کے مطابق حلف دیا۔ فریقِ ثانی کا فرض تھا کہ اس بیان، درخواست اور حلف کا مقابلہ کرتے ہوئے اس کو غلط ثابت کرتے مگر وہ ایسا نہ کر سکے لہٰذا بحیثیتِ مفتیِ اسلام میرا اتنا ہی فرض و ذمہ داری تھی۔ دو فریق کو ہر طرح ہر قسم کے بیان و درخواست سے آگاہ کرکے دونوں کے بیان حاصل کروں اور خوب تفتیش کروں۔ مدعیٰ علیہ کی قسم نہ ملنے کے بعد میں نے باحسن طریقے یہ ذمہ داری نبھائی اور فیصلہ شرعیہ جاری کیا کہ مسمات زینب بی بی کا سابقہ نکاح جو زید کے ساتھ تھا وہ زید مذکور کی طلاق ایک طلاق صریحی رجعی اور پھر دوسری طلاق کنایہ بائنہ بالکل شرعاً مؤثر ہونے کی وجہ سے تقریباً سات سال پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ جبکہ اس نے طلاق بالہجا دی تھی اور پھر بہن کہہ کر دوسری طلاق بھی فوراً دے دی تھی اور چونکہ زید کی طلاق شریعت کے قانون میں درست مانی گئی ہے اس لیے زینب کا عدت کے بعد دوسرا نکاح بھی درست ہے اس لیے کہ قانون اسلامیہ کی رو سے مندرجہ بالا طرز پر اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کو فقہی اصطلاح میں طلاق بالہجا کہتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۳۵۳ پر ہے وان قال لھا انت ط ا ل ق یعنی طالق یقع۔ کذا فی الخلاصۃ۔ ترجمہ: اگر خاوند نے اپنی بیوی سے کہا تو ط ا ل ق ہے۔ یا تجھ کو ط ا ل ق کہتا ہوں یا دیتا ہوں۔ تو شریعت میں طلاق درست ہوگی۔ ان تمام مندرجہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ زید کی یہ طلاق زینب کو درست پڑ گئی اور نکاح ختم ہو گیا اور دوسرا نکاح درست ہوا۔ لہٰذا یہ فتوای قانونِ شریعت کا حتمی فیصلہ ہے لیکن اگر خدانخواستہ اتنی حلف برداری کے باوجود مدعیہ اور اس کے لواحقین کے تمام بیانات و گواہیات و حلفیات کذب پر مبنی ہوں اور دواعیات ہوں جس کا اگرچہ امکان نہیں ہے تب بھی قرآن و حدیث کے فرمودات اور ضابطوں سے یہ فیصلہ اپنی جگہ حتمی ہے اور زینب کا موجودہ دوسرا خاوند بالکل شرعی حیثیت کا خاوند ہے اور سابقہ خاوند زید کے لیے کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں نہ اب اس کا کوئی حق باقی رہا۔ چنانچہ فتاوی درمختار اور اس کی شرح فتاوی شامی جلد چہارم ص۴۶۲ پر ہے۔ وینفذ القضاء بشھادۃ الزور ظاھرا وباطنا حیث کان المحل قابلا والقاضی غیر عالم بزورھم "الخ" ومن فروعھا۔ ادعت انہ طلقھا ثلاثا وھو ینکر۔ واقامت بینۃ زور فقضی بالفرقۃ فتزوجت باٰخر بعد العدۃ حل لہ وطؤھا عند اللہ تعالیٰ۔ ترجمہ۔ اور نافذ ہو جاتا ہے وہ فیصلہ بھی جو فریب کاری دھوکہ دہی کرکے جھوٹی گواہی دے کر حاکم (جج یا قاضی، مفتی) سے کروا لیا گیا ہو۔ ظاہر و باطن میں صحیح تسلیم کرنا پڑے گا جبکہ فیصلہ اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے قابلِ جواز ہو اور فیصلہ کرنے والا ان گواہوں کے جھوٹا ہونے کو نہ جاننے والا ہو اس کو سچا ہونے کا ہی یقین دلایا گیا ہو۔ اس فقہی شرعی ضابطے کی فروعات و جزئیات

میں سے یہ صورت بھی ہے کہ ایک عورت نے قاضی یا مفتی یا جج کی عدالت کورٹ کچہری میں دعوٰی کیا کہ بے شک اس کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور خاوند نے طلاق دینے سے انکار کیا۔ بیوی نے گواہی پیش کر دی۔ جو حقیقۃً واقعی واقعۃً جھوٹی گواہی تھی مگر فیصلہ کرنے والے نے اس کو ظاہری شرعی اعتبار سے سچا سمجھ کر عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا اور طلاق کو درست قرار دیکر دونوں خاوند بیوی میں تفریق کر دی پھر اس بیوی مدعیہ نے اپنی عدتِ شرعیہ گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح شرعًا مانا جائے گا اور اس دوسرے خاوند کے لیے اس مدعیہ مذکورہ منکوحہ کے ساتھ صحبت وطی خانہ آبادی کرنا عند اللہ تعالٰی بالکل حلال وجائز ہے۔ فیصلے کے بعد اب پہلا خاوند یا اس کے متعلقین کچھ نہیں کر سکتے۔ خاوند کا کام یہ تھا کہ فیصلے سے پہلے پہلے کسی بھی جائز طریقے سے اس مدعیہ بیوی کی پیش کردہ گواہی کو سرِ عام جھوٹا ثابت کر دیتا۔ صرف انکار کرنے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں نہ ایسے انکار کا شرعًا کچھ اعتبار۔ ان دلائل کی روشنی میں یہ شرعی فیصلہ وفتوٰی جاری کیا جا رہا ہے۔ قاعدۂ کلیہ شرعیہ کے مطابق خاوند مذکور مدعٰی علیہ کی طرف سے درست طلاق کی بنیاد اور وجہ سے دوسرا نکاح صحیح وشرعی تسلیم کیا جاتا ہے۔ مدعیہ مذکورہ نے اپنی درخواست میں یہ بھی کہا ہے کہ اس نے سابقہ خاوند سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے برطانوی کورٹ کچہری میں بھی درخواست دی تھی کورٹ کے جج نے خاوند مذکور کو متعدد بار بیوی مدعیہ کی طرف سے حاصل کردہ پتوں کے ذریعے سمن جاری کیے اور خاوند سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی برطانوی انگلش اخبار میں بھی یہ خبر شائع اور باوثوق ذریعے سے خاوند کو اس سب کاروائی کی اطلاع بھی ہوئی مگر وہ خاوند نہ اصالۃً یا کفالۃً کبھی بھی کورٹ میں حاضر نہ ہوا نہ ہی اس نے خود کسی قانونی یا شرعی عدالت میں مدعی بن کر بیوی کو آباد کرنے۔ رہائش، خوراک، نان نفقہ دینے حقوقِ زوجیت ادا کرنے خانہ آبادی کرنے کا وعدہ کر کے اپنے حق میں کہیں سے فیصلہ لینے کی کوشش کی بلکہ وہ خاوند اس تمام عرصے میں خاموش اور پوشیدہ وروپوش رہا اور آج تک کسی عدالت کے روبرو کسی حیثیت میں بھی حاضر نہ ہوا نہ اس نے کبھی اپنی اس بیوی کو اچھے نیک خاوندوں کی طرح آباد کرنے کی آرزو کی۔ کورٹ برطانوی نے کافی تفتیش کر کے اور تقریبًا پانچ ماہ انتظار کر کے بیوی مدعیہ کے حق میں تنسیخِ نکاح کا فیصلہ کر دیا اس فیصلے سے مدعیہ کو دنیوی مفاد اور قانونی تحفظ تو حاصل ہو گیا مگر اس برطانوی فیصلے کا شرعی فیصلے سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ ہمارا یہ فیصلہ شرعیہ طلاق کی بناء پر ہے جبکہ قانونی کچہری فیصلہ تنسیخ نکاح کی بنیاد پر ہے۔ شرعی طور پر تو خاوند بیوی کی علیحدگی تو طلاق سے ہی واجب ولازم ہو گئی تھی اس کے بعد تنسیخ نکاح کی ضرورت نہ تھی۔ ہاں البتہ اگر صورتِ مذکورہ میں طلاق ثابت نہ ہوتی یا کسی طرح طلاق کا واقعہ نہ ہوتا تب ان حالات کے پیشِ نظر جو خاوند مذکور کی طرف سے اس بیوی پر ہوتے رہے جن کو مدعیہ نے حلفًا وشہادۃً اپنی درخواست اور ہماری تفتیش کے دوران ثابت کیا ہے شریعت بھی اس نکاح کو فسخ کرنے کا حق رکھتی تھی اور مفتی یا اسلام بھی ایسے خاوند سے بیوی کو چھڑانے جدا وعلیحدہ کرنے کے لیے تنسیخ نکاح کا شرعی فیصلہ ہی کرتا کیونکہ قانونِ شریعت

اسلامیہ کے مطابق جو خاوند اپنی بیوی کو نہ آباد کرے نہ خرچہ دے نہ رہائش و نان نفقہ ادا کرے نہ حقوق زوجیت پورے کرے نہ طلاق دے نہ خلع کرے نہ کسی طرح بیوی کا چھٹکارا کرے اور اس طرح روپوش ہو جائے کہ نہ اس سے کوئی میل ملاقات کر کے صلح صفائی کرا سکے نہ خاوند کے ارادے اور خواہش سن سکے نہ خاوند کی جائے شکایت کا پتہ لگا سکے نہ خود خاوند کسی شخص یا کسی عدالت سے ملے نہ کسی عدالتی پیشی پر حاضر ہو تو ایسے ظالم خاوند کو اصطلاحِ شریعت میں متعنّتُ النفقہ اور جابر جور و ستم والا خاوند کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ہدایہ جلد سوم صفحہ ۱۰۸ پر ہے کتابُ اَدَبِ القاضی میں۔ قَالَ وَيُحْبَسُ الرَّجُلُ فِيْ نَفَقَةِ زَوْجَتِهٖ لِاَنَّهٗ ظَالِمٌ بِالْاِمْتِنَاعِ عَنْهَا۔ ترجمہ۔ فرمایا کہ قید کیا جائے گا خاوند اپنی بیوی کو خرچہ یعنی نان نفقہ اور لباس رہائش نہ دینے کی صورت میں اس لیے کہ وہ خاوند شریعت اور قانونِ شریعت اور قانونِ اسلامیہ میں ظالم مانا جاتا ہے جو اپنی بیوی کو خرچہ نہ دیتے اور اپنے نکاح میں باندھا رکھے۔

حدیث پاک میں تو بنی اسرائیل کی اس عورت کے سخت عذاب کا بھی ذکر آتا ہے۔ جس نے بلی کو باندھا اور خوراک نہ دی تو جو ظالم خاوند اپنی بیوی کو نکاح میں باندھے رکھے اور نان نفقہ خوراک وغیرہ نہ دے اس سے بڑا ظالم اور کون ہو سکتا ہے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جب خاوند اپنی بیوی پر باسہولت زندگی گزارنے کے چاروں دروازے بند کر دے اس طرح کہ نہ بسائے نہ آباد کرے نہ خرچہ دے نہ خلع کرے نہ ہی طلاق دے نہ بیوی والوں کو جبری طلاق لینے کی ہمت ہو نہ چھٹکارے کی کوئی صورت بنے اس طرح کہ ظالم خاوند لاپتہ ہو تو ان حالات میں مفتی اسلام خود اچھی طرح تحقیق کر کے نکاح فسخ کر سکتا ہے ایسے ظالم خاوند کو متعنت کہتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں وَاَمَّا الْمُتَعَنِّتُ اَلْمُمْتَنِعُ عَنِ الْاِنْفَاقِ فَاِنْ لَّمْ يَثْبُتْ عُسْرُهٗ اَنْفَقَ اَوْ طَلَّقَ عَلَيْهِ اَيْ طَلَّقَ عَلَيْهِ الْحَاكِمُ۔ ترجمہ۔ لیکن متعنّت خاوند جب اپنی بیوی کو خرچہ نہ دے اور غریب بھی نہ ہو یعنی خود ہر طرح کے آرام اور نخرے سے رہتا ہو تو اس کو مفتی اسلام حکم دے گا کہ خرچہ دے یا طلاق دے اگر وہ خاوند نہ خرچہ دے نہ طلاق دے تو حاکم شریعت مفتی اسلام خود یہ نکاح فسخ کر دے گا اور یہ فسخ نکاح طلاق کے درجہ میں ہو گا موطا امام مالک جلد دوم صفحہ ۳۵ پر ہے وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا لَمْ يَجِدِ الرَّجُلُ مَا يُنْفِقُ عَلَى امْرَاَتِهٖ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا قَالَ مَالِكٌ وَعَلٰى ذٰلِكَ اَدْرَكْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا۔

ترجمہ۔ سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خبر پہنچی کہ بے شک آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کو خرچہ نان نفقہ رہائش وغیرہ نہ دے سکے تو دونوں کے درمیان فسخ نکاح سے تفریق کر دی جائے گی۔ فرمایا امام مالک نے کہ میں نے اپنی زندگی میں اپنے علاقے کے فقہا علماء کو دیکھا کہ وہ اسی حدیث مبارکہ و روایت طاہرہ کے مطابق فیصلہ اور فتویٰ جاری فرماتے تھے لیکن صورتِ مسئولہ مذکورہ میں چونکہ خاوند مذکور کی طرف سے اس کی اس مدعیہ بیوی کو طلاق دینا ثابت ہو چکا ہے اس لیے طلاق اور عدت گزرنے کے تقریباً چار سال بعد جو نکاح زینب بی بی مطلقہ مدعیہ نے دوسرے کسی مسلمان مرد سے کیا وہ قانونِ شریعت اسلامیہ کے مطابق بالکل درست اور جائز ہے اور شریعت

کے قانون میں اس نکاح ثانی کو کرنے کرانے پڑھنے۔ پڑھانے اور گواہ بننے بنانے اور سب حاضرین۔ محفل نکاح میں آنے شامل ہونے والے ہیں سے نہ کوئی گناہ گار ہوا نہ معیوب نہ معتوب نہ مجرم ہوا نہ سفیہ نہ فاسق بلکہ بیوی خاوند اور نکاح خواں امام وخطیب مسجد اور گواہ سب پاک دامن بری ذمہ قرار دیئے جاتے ہیں ان کا یہ نکاح عین شریعت کے مطابق ہے۔ متعنت النفقہ خاوند کے تنسیخ نکاح کے ثبوت یہاں ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ جس طرح ظالم خاوند سے بیوی کو چھڑانے آزاد کرانے کے لیے شرعاً تنسیخ نکاح کر کے حاکم یا مفتی دونوں خاوند بیوی کو ایک دوسرے پر حرام کرنے کا فیصلہ طلاق نافذ کر دے تو جائز ہے اسی طرح مجبور بے سہارا۔ بے اولاد اور بے بس محتاج معذور خاوند کے نکاح کو فسخ کر کے بھی اس کی بیوی کو جدا کرنا جائز ہے جبکہ وہ خود طلاق نہ دیتا ہو اور نہ بیوی کا خرچہ ہی دے سکتا ہو۔ گویا کہ متعنت النفقہ خاوند دو قسم کے ہیں نمبر۱ ظالم خاوند نمبر۲ مجبور اور غریب مسکین خاوند۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

کتبہ

عید میلاد النبی کا ثبوت

دوسرا فتویٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال بارہ ربیع الاول کو منانا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے یا نہیں اور شریعت اسلامیہ میں اس کی حیثیت کیا ہے اسی طرح بازاروں گلیوں سڑکوں پر جلوس نکالنا متعین دن تاریخ میں۔ یہ سب کام جائز ہیں یا ناجائز ہیں۔ بعد جلوس مساجد میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا با آواز بلند اس کا بھی حکم بیان فرمایا جائے۔ ابھی حال ہی میں ایک بہت ہی چھوٹا رسالہ ہم نے دیکھا ہے جس کا عنوان ہے۔ جشن عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت۔ یہ بشکل فتویٰ سعودیہ کے مفتی اعظم کی طرف سے تحریر شدہ ہے اور اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ محفل میلاد منعقد کرنا غلط اور شریعت میں ناجائز ہے۔ بیان فرمایا جائے کہ کیا یہ فتویٰ صحیح ہے یا نہیں۔ دلائل سے بیان فرمایا جائے۔ اللہ کی طرف سے آپ کو اجر ملے گا فضیلتوں والا۔ سائل حضرت قبلہ محترم (سید معروف حسین شاہ نوشاہی) قادری مدظلہ ناظم اعلیٰ جمعیت تبلیغ الاسلام برطانیہ نمبر۲ طارق مجاہد صاحب جہلمی۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

الجواب

نَحْمَدُہٗ تَعَالٰی وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ۔ سائل محترم کا سوال اور مذکورہ فی السوال رسالہ آٹھ ورقی۔ بغور دیکھا

جس میں دعوٰی تو بڑے شد ومد سے کیا گیا ہے مگر دلیل ایک بھی نہیں ہے۔ اس لیے یہ سعودی فتوٰی بالکل غلط اور لغو ہے اور لکھنے والا حدیث و قرآن کے علم سے بالکل بے بہرہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی اس تحریر میں فکر و تدبر کی بہت کمی کے علاوہ تنقیدی غلطیاں بھی ہیں۔ تاریخ و تفسیر سے یکسر ناواقفی ثابت ہوتی ہے۔ ایسے فتووں کو پڑھنا بھی مسلمانوں کو گناہ ہے۔ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم منانا۔ اس میں جلوس نکالنا۔ سڑکوں پر نعرے لگانا۔ کلمہ طیبہ کا ورد کرنا۔ بالکل جائز ہے۔ قرآنِ مجید، حدیثِ پاک اور سنتِ صحابہ، تابعین، تبع تابعین بلکہ آج تک کہ سلاطین و اُمرا بڑے تزک و احتشام سے یہ عید میلاد مناتے رہے اور محافلِ جشن منعقد فرماتے رہے۔ یہ وہ عید ہے جس کا حکم رب تعالٰی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا اور جس کے منانے کا طریقہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے احادیث میں فرمایا بجز وہابی نجدی دیوبندی۔ کوئی مسلمان عید میلاد النبی کے جشن کو بُرا نہیں کہتا۔ یہی وہ گروہ ہے جو عید میلاد جیسی برکتوں رحمتوں والی خوشی کو، ناجائز، اختراع۔ بے دینی اور بدعت کہہ کر سخت ترین گستاخی کرتے ہیں۔ حالانکہ اہلِ علم و دانش کو ایسی سخت کلامی کسی صورت مناسب نہیں جبکہ ان کا ہر کام بدعت ہے۔ ان کو اس خداداد ابدی عید مبارک سے اتنا دکھ اتنی دشمنی۔ اتنا تعصب۔ اتنی نفرت ہے کہ اس کی مخالفت میں۔ علم و عقل۔ فکر و شعور۔ حقیقت و اصلیت۔ تاریخ و شواہد سے بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات مؤرخین کے نزدیک عین حقیقت ہے اور سب معتبر کتب تواریخ کا اس پر اتفاق ہے اور سب محققین مفکرین مدبرین دانش ور علماء فضلاء اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں آقا دو عالم حضور اقدس محمد مصطفٰی احمد مجتبٰی نبی الانبیاء، صاحبِ ارض و سماء صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم بارہ ربیع الاول شریف بوقتِ طلوعِ فجر دنیاء کائنات میں تشریف لائے۔ مگر صرف یہی گروہ اور وہ بھی فقط تعصب قلبی اور محض عید میلاد النبی کا انکار کرنے کی غرض سے۔ اس مسلّمہ حقیقت اور تاریخ کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ربیع الاول کو ولادت پاک ہوئی۔ حالانکہ ان کے پاس اپنی تمام باتوں کی طرح اس پر بھی کوئی مستند حوالہ نہیں جبکہ بارہ ربیع الاول شریف کا ثبوت کثیر معتبر اور مستند کتابوں سے ہے۔ چنانچہ حوالہ نمبر ۱۔ امام اسماعیل بن کثیر علیہ الرحمۃ اپنی کتاب السیرۃ النبویہ صہ ۱۹۹ پر لکھتے ہیں۔ رَوَاہُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ فِیْ مُصَنَّفِہٖ عَنْ عَفَّانَ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ مِیْنَاءَ عَنْ جَابِرٍ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّھُمَا قَالَ۔ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِیْلِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ الثَّانِیْ عَشَرَ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ وَفِیْہِ بُعِثَ وَفِیْہِ عُرِجَ بِہٖ اِلَی السَّمَاءِ وَفِیْہِ ھَاجَرَ وَفِیْہِ مَاتَ وَھٰذَا ھُوَ الْمَشْھُوْرُ عِنْدَ الْجُمْھُوْرِ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

ترجمہ۔ روایت کیا اس تاریخ کو ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب حضرت عفان سے وہ روایت کرتے ہیں سعید بن میناء سے وہ روایت کرتے ہیں حضرت جابرؓ سے اور ابن عباسؓ سے بے شک ان دونوں نے فرمایا کہ آقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا میلاد پاک فیل کے حملے والے سال ہوا (دو ہی ماہ بعد) پیر کے دن بارہ ربیع الاول شریف اسی پیر کے دن ہی آپ کی وفات شریف ہوئی۔ تمام علماء اسلام کے نزدیک (جمہور کے نزدیک) یہی مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا حوالہ: امام عبدالرحمٰن ابن جوزی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب اَلْوَفَا مترجم اُردو ص۱۱۷ مطبوعہ فرید بکسٹال میں فرماتے ہیں آپ کی ولادت سوموار کے دن عام الفیل میں ہوئی دس ربیع الاول کے بعد۔ ایک روایت ہے کہ ربیع الاول کی دو ابتدائی راتیں گزرنے کے بعد یعنی تیسری تاریخ کو اور دوسری روایت میں ہے کہ بارھویں رات کو۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عام الفیل میں ولادت شریف ہوئی۔ (ابرہہ کی اپنے ساتھیوں ہاتھیوں کے ساتھ تباہی سترہ محرم الحرام کو ہوئی) **تیسرا حوالہ:** سیرت ابن ہشام جلد اول ص۱۵۲ مترجم اُردو مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور میں لکھا ہے۔ محمد ابن اسحٰق المطلبی نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر کو ربیع الاول کی بارہ راتیں گزرنے کے بعد سنہ فیل میں ہوئی۔ (الخ) مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بوقت طلوع فجر (صبح صادق)۔ **چوتھا حوالہ:** علامہ محدث ابن جوزی اپنی کتاب المیلاد النبوی مطبوعہ ادارہ نعیمیہ سواد اعظم موچی گیٹ لاہور پاکستان ص۵۸ پر فرماتے ہیں۔ اِخْتَلَفُوْا فِیْ زَمَانِ وِلَادَتِہٖ عَلٰی ثَلٰثَۃِ اَقْوَالٍ اَحَدُھَا اَنَّہٗ وُلِدَ لِاِثْنَتَیْ عَشَرَ لَیْلَۃً خَلَتْ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ قَالَہٗ اِبْنُ عَبَّاسٍ وَالثَّانِیْ لِثَمَانٍ خَلَوْنَ مِنْہُ قَالَہٗ عِکْرَمَۃُ وَالثَّالِثُ لِلَیْلَتَیْنِ خَلَتَا مِنْہُ قَالَہٗ عَطَاءٌ وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ.......... ترجمہ۔ کچھ مصنفین نے اختلاف کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کے بارے میں۔ تین اقوال سے۔ ایک یہ کہ آپ کی ولادتِ پاک ربیع الاول شریف بارہ راتیں گزار کر ہوئی یہ فرمان حضرت عبداللہ ابن عباس کا ہے۔ دوسرا قول یہ کہ میلاد پاک آٹھ راتیں اسی ماہ کی گزار کر ہوا۔ یہ فرمان حضرت عکرمہ کا ہے۔ تیسرا قول یہ کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزری تھیں اس کے بعد میلاد النبی ہوا۔ یہ قول حضرت عطا کا ہے اور پہلا قول سب سے زیادہ صحیح ہے۔ **پانچواں حوالہ۔** علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب انوار محمدیہ مِنَ الْمَوَاھِبِ اللَّدُنِّیَّۃِ ص۲۷ پر فرماتے ہیں۔ وَقَدِ اخْتُلِفَ فِیْ عَامِ وِلَادَتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْاَکْثَرُوْنَ اَنَّہٗ وُلِدَ عَامَ الْفِیْلِ وَاَنَّہٗ بَعْدَ الْفِیْلِ بِخَمْسِیْنَ یَوْمًا وَاَنَّہٗ فِیْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لِثِنْتَیْ عَشْرَۃَ خَلَتْ مِنْہُ عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ۔ ترجمہ۔ اور بے شک اختلاف کیا گیا ہے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے سال میں اور اکثر محققین اس پر متفق ہیں کہ بے شک آپ کی ولادت باسعادت کی گئی۔ ابرہہ کے ہاتھیوں والے سال میں واقعہ کے پچاس دن بعد اور بے شک وہ پیر کے دن ربیع الاول شریف کی بارہ تاریخ کی رات گزر کر طلوع فجر صادق کے وقت میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا۔ **چھٹا حوالہ۔** دسویں صدی کے مفتی اعظم مکہ مکرمہ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو چونتیس سال حرم شریف کے مفتی اعظم رہے۔ وہ اپنی کتاب نعمت کبریٰ (میلاد شریف کے بیان میں) ص۲۹ پر فرماتے ہیں۔ وَکَانَ مَوْلِدُہٗ لَیْلَۃَ الْاِثْنَیْنِ لِاِثْنَتَیْ عَشْرَۃَ لَیْلَۃً خَلَتْ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ

یہ حوالہ باقی بہت حوالوں سے اس لیے زیادہ مضبوط سمجھا جاتا ہے کہ اس فرمان کو ان سعودی وہابیوں کے پیشوا ابن تیمیہ صاحب نے اپنے فتاوٰی کی اکیسویں جلد میں بہت اہتمام سے ذکر کیا ہے سعودی وہابیوں کے علاوہ دیگر ہند و پاکستان کے تمام تیمیائی لوگ بھی ان صاحب کو اپنا امام مانتے ہیں اور یہ غیر مقلد ہر بات میں ان کی کامل تقلید کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہابی لوگ تقلید ائمہ کو شرک فی الرسالت کا خود ساختہ لقب بھی دیتے ہیں اس کا ترجمہ اس طرح ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد پاک پیر کی رات ماہ مبارک ربیع الاول شریف کی بارہ راتیں گزار کر ہوا۔ ساتواں حوالہ۔ بارہ ربیع الاول شریف اتنی مشہور تاریخ ہو گئی ہے کہ مسلمانوں میں بارھویں شریف اس کا لقب مشہور ہو گیا ہے اور ہر صدی کے بڑے بڑے مشہور اکابر بزرگ یہاں تک کہ بعض موقعوں پر خود دیوبندی وہابی بزرگ بھی کسی بھی غرض سے بارہ ربیع الاول شریف میں عید میلاد النبی مناتے رہے۔ چنانچہ ماہنامہ نقوش لاہور ستمبر ۱۹۷۷ء کا اقبال نمبر کے صفحہ ۴۹۳ پر لکھا ہے۔ بعنوان (عید میلاد النبی منانے کا اعلان ۱۹۳۵ء ۲۲ مئی کو اکابر اسلام نے نوع انسانی کو دعوت اتحاد دیتے ہوئے تمام کائنات میں ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ کو یوم النبی منانے کی اپیل کی اس اپیل پر علامہ اقبال کے علاوہ مندرجہ ذیل اکابرین کے دستخط تھے۔ مولانا عبدالظاہر (امام و خطیب مسجد حرم مکہ معظمہ) امام مولانا عبدالرزاق (امام مسجد حرم مکہ معظمہ)۔ مولانا عبیداللہ سندھی (مکہ معظمہ) یہ حضرت مشہور وہابی تھے۔ امیر سعید الجزائری۔ (رئیس جمعیۃ الخلافہ شام) علامہ سید سلیمان ندوی لکھنؤ (یہ بھی سخت کٹر دیوبندی تھے) ان بزرگوں کے علاوہ اس عید میلاد النبی میں۔ مصر، قاہرہ۔ شام۔ جنیوا۔ علی گڑھ لاہور مدراس۔ لندن۔ افغانستان کابل۔ بیروت۔ بیت المقدس۔ ایران۔ پشاور۔ ملتان۔ وغیرہ سے کثیر تعداد میں علما اور دانشوروں کا اجتماع ہوا اس محفل میلاد کی تقریروں۔ اپیلوں کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔ ہم نہایت ہی خلوص و احترام سے تمام بنی نوع انسان کو اس عید اتحاد میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اپیل کرتے ہیں کہ بارہ ربیع کو تمام کائنات کی آبادیوں میں سیرت النبی کے عنوان پر متحدہ جلسے کیے جائیں۔ (الخ) ہماری دعا ہے کہ خداوند پاک اس بین الاقوامی عید کو نسلِ انسانی کے لیے باعث برکت بنائے۔ ان مندرجہ بالا حوالوں سے مندرجہ ذیل چار باتیں ثابت ہوئیں۔ پہلی یہ کہ بارہ ربیع الاول شریف ہی یوم النبی اور عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہابیانِ زمانہ کا یہ کہنا کہ نو ربیع الاول یوم ولادت ہے محض تعصب مخالفت کی وجہ سے ذاتی اختراع ہے۔ دوم یہ کہ محافل میلاد کا انعقاد طریقہ مروجہ کے مطابق آج کی ایجاد نہیں بلکہ جن کتب کے ہم نے حوالے پیش کیے ہیں وہ سب ہی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ مروجہ کے ثبوت اور ذکر میں تصنیف کی گئی ہیں اور ان کے مصنفین ۵۰۰ھ ہجری پانچ سو سے شروع ہوتے ہیں سوم یہ کہ آج مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز عبداللہ بن باز۔ تو اس عید میلا النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

سراسر بدعت۔ دین میں نئی اختراع اور شرعاً ناجائز جیسے شرعاً نامناسب لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ مگر ۱۹۳۵ء میں اسی سعودی حکومت کے مفتی و اعظم امام و خطیب حرم پاک شیخ عبد الظاہر اور امام حرم امام کعبہ۔ دیوبندیوں کے بڑے لیڈر سلیمان ندوی اور وہابیت کے پیشوا حضرت عبید اللہ سندھی۔ اسی تاریخ معینہ بارہ ربیع الاول شریف کو عید اتحاد اور بین الاقوامی عید کر رہے ہیں اور نہایت خوشی سے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منا رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آج بھی حکومت پاکستان کے زیر اہتمام منعقد ہوتی ہیں تو بڑے بڑے دیوبندی علماء بھی اس میں شریک ہو کر تقریریں کرتے اور انتظامیہ سے نذرانے وصول کرتے ہیں۔ راولپنڈی میں اور اسلام آباد کی محافل میلاد میں شیخ القرآن غلام اللہ خان وغیرہ دیوبندی علماء کو ان اسٹیجوں پر دیکھا گیا جن کی پچھلی دیوار پر سنہری کپڑے کے بینر پر جلی حروف سے لکھا ہوا تھا۔ جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ آج بھی بہت سے مسلمانوں کے پاس ان اسٹیجوں کی مکمل تصویریں محفوظ ہیں۔ اسی طرح جب کبھی حکومت پاکستان کی طرف سے جشنِ میلاد پر چراغاں کرنے کا انعام مقرر ہوتا ہے تو بڑے بڑے اکابر دیوبند انعام پا لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جب کبھی ان میں سے حکومتی سطح پر کوئی بات نہ ہو تو اسی عید میلاد پر بدعت اور بے دینی کے فتوے شائع ہوتے ہیں اور پھر ان فتووں میں علمی فکری اتنی غلطیاں ہوتی ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے چہارم یہ کہ اس تمہیدی گفتگو سے بتانا یہ مقصود ہے کہ منکرین میلاد کے پاس انکار کی کوئی دلیل نہیں۔ صرف توڑ پھوڑ اور تعصب کے تحت مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ جیسا کہ اس سعودی غلط فتویٰ سے ظاہر ہے۔ رہا یہ کہ اس کے جواز پر کتنے اور کیسے اور کیا دلائل ہیں تو بحمدہٖ تعالیٰ جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز اور مستحب ہونے پر قرآن مجید۔ احادیث مبارکہ اور اقوال و افعالِ صحابہ کرام، فقہا، علما، صوفیا زہاد کے طریقے کثیر تعداد میں ہر طرح سے مضبوط دلائل کی صورت میں موجود ہیں جو ہم مندرجہ ذیل سطور میں علی الترتیب پیش کر رہے ہیں۔ مگر قبل ازیں یہ سمجھنا اشد ضروری ہے کہ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز ہے اور اس کی حقیقت و اصلیت کیا ہے! اس کے اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد۔ جواز اور دلائل پر غور بہت ہی آسان ہو جائے گا اور جو اندھا دھند اس کو بدعت اور حرام حرام کہہ کر بھولے بھالے عوام اور مسلمانوں کو بیوقوف بناتے پریشان کرنے کے لیے اخباروں اور رسالوں میں غلط فتووں کے ذریعے خاص طور پر جشنِ میلاد کی ان ہی متبرک تاریخوں میں۔ لنگر لنگوٹا کس کر میدان سفاہت میں کود پڑتے ہیں ان کے منہ بند ہو جائیں گے۔

چنانچہ واضح رہے کہ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا موجودہ مروجہ طریقہ جو تقریباً پانچویں صدی ہجری سے شروع ہو کر آج تک دس سو سال سے تمام عالمِ اسلام میں بہت ہی زیب و زینت اور شان و شوکت سے جاری ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ مزید ترقیوں کے ساتھ جاری رہے گا۔ یہ آٹھ چیزوں کا مجموعہ ہے۔ نمبرا آقاء دوعالم حضور اقدس مومن کے قلب و جگر کی ٹھنڈک صلی اللہ علیہ وسلم کا دن منانا۔ نمبر۲ پیارے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشی میں گلیوں بازاروں میں جلوس نکالنا۔ اور نام پاک کے نعرے لگانا۔ نمبر۳۔ محفل میں بیٹھ کر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا۔ شان بیان کرنا اور ولادت کا ذکر کرنا۔ نمبر۴۔ محفل پر اہتمام کرنا اور روشنی کرنا۔ خرچ کرنا نمبر۵۔ کھڑے ہو کر سلام پڑھنا۔ نمبر۶۔ لوگوں کو جمع کرنا اور ان کے سامنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا ذکر کرنا۔ نمبر۷۔ ذکر خیر کے بعد دعا مانگنا۔ نمبر۸۔ خوشی میں غریبوں۔ امیروں دوستوں اپنوں پرایوں کو کھانا کھلانا۔ ان آٹھ چیزوں کے مجموعے کا سالانہ اہتمام کرنا۔ اس کا نام جشن عید میلاد النبی ہے۔ ہم نے ان شاء اللہ تعالیٰ ان آٹھ جزئیات کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنا ہے۔ جب جزئیات علیحدہ علیحدہ جائز ثابت ہو جائیں تو مجموعہ کیونکر ناجائز ہو سکتا ہے اور پھر جس طرح ہم بہت صاف صاف واضح آیات سے ان جزئیات کو ثابت کریں گے مخالف کو انکار پر بھی اسی طرح کے دلائل سے مخالفت اور ناجائز ہونا ثابت کرنا چاہیے۔ صرف بناوٹی باتوں سے تو کسی دینی شرعی اور مفید چیز کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہابیوں کے پاس سوائے لغویات کے کچھ نہیں یہ اہل سنت ہی کی شان ہے کہ ان کے ہر عمل۔ عقیدے اور مسلک پر بے شمار دلائل ہیں الحمدُ لِلّٰہِ علیٰ ذٰلِكَ ۔ چنانچہ جشن میلاد پاک کی پہلی بنیادی جزء۔ دن منانا خواہ وہ یوم ولادت ہو یا یوم آمد ہو۔ یا کسی چیز کے ملنے حاصل ہونے کا دن ہو۔ اس کی یاد تازہ رکھنا اس میں خوشیاں کرنا قرآن مجید کی صریح آیت سے صاف صاف ثابت بھی ہے اور اس دن کی خوشی منانے کا حکم ربانی بھی ہے۔ اس پر بائیس دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل۔ قرآن مجید پارہ نمبر۷ آیت نمبر۱۱۴ سورہ مائدہ۔ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا (الخ) اس آیت کریمہ کا معنی تفسیر جلالین صاوی جلد اول ص۳۰۲ پر اس طرح ہے۔ تَکُوْنُ لَنَا اَیْ یَوْمَ نُزُوْلِھَا (الخ) قولہ اَیْ یَوْمَ نُزُوْلِھَا۔ اَیْ فَقَدْ نَزَلَتْ یَوْمَ الْاَحَدِ فَاتَّخَذَہُ النَّصَارٰی عِیْدًا۔

ترجمہ عرض کیا حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے۔ اے اللہ ہمارے رب نازل فرما ہم پر دستر خوان آسمان سے ہو گا۔ وہ دن ہمارے لیے ہمارے پہلوں کے لیے ہمارے آخروں کے لیے (سالانہ یا ہفتہ وار) عید۔ اس دستر خوان کے نزول کا دن اتوار تھا۔ لہٰذا امت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دن کو عید بنا لیا۔ کسی کا دن منانے اور یادگار قائم کرنے کے ثبوت کے لیے یہ آیت پاک ایسی مضبوط دلیل ہے کہ کوئی مخالف اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ نہ کسی کی جرأت ہے۔ کیونکہ یہاں دن منانے کا صاف ذکر ہے اور صاحب کتاب اولو العزم نبی مرسل کا عمل شریف اور رب تعالیٰ کی تائید و حمایت اور خوشنودی کا صاف ذکر ہے۔ اس لیے کہ نزول مائدہ اس وعدے کے بعد ہے جو عیسیٰ علیہ السلام نے عید منانے کا کیا اور پھر بعد والی آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنِّیْ مُنَزِّلُھَا عَلَیْکُمْ فَمَنْ یَّکْفُرْ بَعْدُ مِنْکُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُہٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُہٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۔ ترجمہ۔ بے شک میں اس کو تم پر اتار رہا ہوں لیکن پھر تم میں سے جس نے اس کے نزول کے بعد کفر کیا تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام جہانوں میں سے کسی کو نہ دیا ہو گا۔ اور قائم کرنا رب تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور نہ منانا کفر میں شامل ہے۔ اگر یہ عید منانا برا ہوتا تو اولاً نبی ہی ایسا وعدہ

نہ فرماتے کیونکہ نبی معصوم ہوتے ہیں گناہ یا بُرا کام و عمل کر سکتے ہی نہیں۔ ثانیاً رب تعالیٰ دسترخوان نہ بھیجتا کہیں لوگ اس دن کو عید نہ منالیں۔ مگر نہیں۔ بلکہ رب تعالیٰ نے وعدے کی ہی وجہ سے نازل فرمایا اور قرآن مجید میں اس کا ذکر فرما کر مسلمانوں کو بتایا گیا کہ انہوں نے چھوٹی نعمت کے نزول کو یوم عید منایا۔ اے ایمان والو تم پر وہ نعمت نازل فرمائی ہے جس کا آنا رب کا احسانِ عظیم ہے۔ وہ ذات پاک مصطفیٰ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ لہٰذا اس دن عید میلاد النبی منانا زیادہ ہی ضروری ہے۔ دوم دلیل۔ دوسری آیت پاک میں ارشاد ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (یونس ۱۰ آیت ۵۸) اس کی تفسیر میں صاوی جلد اول نے صفحہ ۱۴۳ پر فرمایا۔ (قَوْلُهٗ بِفَضْلِ اللّٰهِ) مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ دَلَّ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهٗ (الخ) ترجمہ۔ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل آنے پر اور اس کی رحمت کے تشریف لانے پر۔ پس اس کے آنے پر پھر خوب خوشیاں منائیں۔ وہ خوشی منانا اچھا ہے اس تمام مال و اعمال سے جو یہ منکرین جمع کرتے ہیں تفسیر صاوی نے فرمایا بِ جارہ کی وجہ یہاں فعل پوشیدہ ہے یا کوئی عامل مصدر اور یہ مابعد عبارت اقوال میں خود صاوی نے کہا کہ یہاں فَلْيَفْرَحُوْا فعل امر غائب پوشیدہ ہے۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ تو آگے موجود ہے۔ دوبارہ ضرورت نہیں۔ بلکہ بہت غور و فکر کے بعد مناسب یہ ہے کہ یہاں اِذَا جَآءَ پوشیدہ ہے اور اصلاً اس طرح ہے۔ قُلْ اِذَا جَآءَ بِفَضْلِ اللّٰهِ (الخ) ترجمہ فرما دو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آجائے اللہ کا فضل اور آجائے اللہ کی رحمت تو اس کے آنے پر خوب خوشیاں مناؤ۔ یا یہاں مَجِيْءٌ مصدر پوشیدہ ہے اور اصل اس طرح ہے۔ قُلْ بِمَجِيْءِ فَضْلِ اللّٰهِ (الخ) یعنی اللہ کے فضل آنے پر اور اللہ کی رحمت آنے پر خوشیاں مناؤ۔ مقصود باری تعالیٰ یہ ہے کہ اس آنے کے دن کی یاد تازہ رکھو۔ بِ جارہ یہاں تین جگہ ارشاد ہوئی۔ لہٰذا یہاں فعل عامل پوشیدہ ماننا لازم ہے ورنہ نحو۔ صرف اور بلاغتِ قرآنی و فصاحت لسانی کے خلاف ہو جائے گا۔ اب غور طلب یہ بات ہے کہ یہاں رحمت سے کیا مراد ہے اور فضل سے کیا مراد ہے۔ اس میں بھی مفسرین کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ لہٰذا اس اختلاف سے بچ کر ہم خود قرآن مجید سے ہی پوچھتے ہیں کہ رحمۃ کون ہے۔ قرآن مجید میں لفظ رحمت تقریباً ایک سو تیرہ ۱۱۳ جگہ ارشاد ہوا ہے مگر کسی بھی آیت میں قرآن مجید یا اسلام کو اتنے وسیع اور صاف لفظوں سے رحمت قطعاً نہیں فرمایا گیا جتنا صاف۔ وسیع اور ذاتی خطاب کی ضمیر سے آقاء کائنات نبی کریم رؤف کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ آیت ۱۰۷ سورۃ نمبر ۲۱ الانبیاء۔ پ ۱۷۔ ترجمہ تفسیر۔ ہم نے صرف آپ ہی کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ اس آیت پاک میں کوئی تاویل یا تغیر تبدل یا اختلاف کی گنجائش نہیں۔ ہر طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہی رحمت ہے۔ لہٰذا ہر طرح ثابت ہوا کہ نبی کریم کے تشریف لانے پر ہی خوشی مناؤ اور خوشی منانے کا نام ہی عید ہے اور چونکہ فَلْيَفْرَحُوْا امر ہے اس لیے یہ خوشی اور عید بھی دیگر دو عیدوں کی طرح واجب ہوئی اور چونکہ امر جمع غائب ہے اس لیے قیامت تک کے لیے ہر مسلمان پر یہ عید میلاد منانا واجب ہے۔ یہ میرا مطلب یا معانی یا حکم نہیں بلکہ اپنے صحیح بلا تاویل آیتوں کے ترجمے سے یہ بات

ثابت ہو رہی ہے اور اس کے علاوہ کچھ ثابت کرنے کے لیے کافی توڑ موڑ کرنا پڑے گا۔ یہ آیتیں گویا عید میلاد کے لیے عبارت النص ہیں۔ دلیل سوم۔ تیسری آیت ان سے زیادہ واضح ہے۔ ارشاد باری تعالٰی۔ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ۔ ترجمہ اور یادگار مناؤ ان امت والوں سے اللہ کے دنوں کی۔ سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر۵۔ یہاں ارشاد ہے ذَكِّرْ ۔ باب تفعیل کا امر حاضر۔ نحوی قانون کے مطابق باب تفعیل کے پانچ وزن پر مصدر ہوتے ہیں جن میں سے ایک ہے تَذْكِرَةٌ اس کا معنی ہے کسی کی یادگار قائم کرنا۔ یادگار منانا اور جب اس کا مفعول بہ بھی موجود ہو تو معنی ہو گا یادگار منوانا۔ اس آیت میں دونوں باتیں ہیں نمبر ا باب تفعیل بھی نمبر ۲ ھُمْ ضمیر مفعول بہ بھی۔ لہٰذا ترجمہ صاف ہے کہ یادگار منواؤ۔ بقاعدۂ اصول فقہ امر اصلاً وجوب کے لیے ہوتا۔ گویا کہ یادگار منوانا یا دتازہ رکھنا حکم واجبی ہے۔ نہ منانے والا گناہ گار ہے آگے ارشاد ہے بِاَيّٰمِ اللّٰهِ۔ اللہ کے دنوں کی یاد مناؤ۔ باعتبار ملکیت تو سب دن ہی اللہ جل شانہ کے ہیں مگر یادگار منانے والے کچھ خصوصی دن ہیں۔ جنھیں اللہ کے پیارے تشریف لائیں۔ اس سے واضح اور کیا دلائل ہو سکتے ہیں جن سے عید منانے کا قرآنی و زبانی حکم ظاہر ہو رہا ہے اب بھی جو یوم عید میلاد منانے کا منکر ہو وہ صاف حکم خدا کا منکر ہے۔

اس آیت میں بظاہر حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم الٰہیہ ہے مگر حقیقتاً تاقیامت امت مسلمہ کو اگر غور کیا جائے تو عید الفطر یوم قرآن منانا ہے اور عید الاضحٰی یوم ابراہیم واسماعیل منانا ہے علیہما السلام اور ان دو عیدوں سے زیادہ اہم عید میلاد میں یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کا سب سے بڑا دن ہے۔ چوتھی دلیل۔ یہ تو آیت قرآنیہ سے ثابت ہو گیا کہ دن منانا بالکل جائز بلکہ اللہ کے دن منانا بہت ضروری اور واجب ہیں۔ اسی کے تحت آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا دن منانا اس دن خوشیاں کرنا اشد ضروری ہے مگر اس عید میلاد کے منانے کا طریقہ ہم کو صحابہ کرام کے اس عمل سے ملا جو مدینہ منورہ کے انصار صحابہؓ نے نبی پاک کی آمد پر اختیار فرمایا اور نبی پاک کی موجودگی میں وہ عمل کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ مسلم شریف جلد دوم کی آخری حدیث ہجرت کا بیان ص۴۱۹ پر ہے (دراز حدیث پاک کے آخری الفاظ) فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوْتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُوْنَ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

ترجمہ جب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں نے خوب جشن اور خوشی منائی اس طرح گھر والے لوگ اپنی چھتوں پر چڑھ کر بازار والوں کا نظارہ کرتے اور گلیوں بازاروں راستوں والے نوجوان اور لڑکے نوکر چاکر غلام و خدام وغیرہ راستوں میں پھرتے تھے اور نعرے رسالت لگاتے تھے اور کہتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔ مسلم شریف کی اس حدیث پاک سے موجودہ جشن عید میلاد منانے کا مروجہ طریقہ بڑے صاف طرح سے ثابت ہوا نہ ہی کسی توڑ موڑ کی ضرورت ہے نہ اگر مگر کی گنجائش۔ اسی عمل شریف کو عید میلاد کا جلوس کہا جاتا ہے اور اسی سنت صحابہؓ کے مطابق آج جلوس میں نعرۂ رسالت لگائے جاتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آج سے چودہ سو سال

پہلے صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس آمد کی خوشی میں یہ جلوس نکالا وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک تھی اور پانچ سو سال بعد سے آج تک جس آمد کی خوشی میں جلوس سجائے بنائے جا رہے ہیں وہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عرش سے فرش تک آمد کی خوشی ہیں۔ وہ بھی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ خود آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عید میلاد کی خوشی فرمائی۔ کسی نے بازاروں میں جلوس نکال کر کسی نے چھتوں پر چڑھ کر اس جلوس کا دیدار کر کے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ایوب انصاری کے گھر تشریف فرما کر اس جلوس کی خبریں سن کر خوشی کا اظہار فرمایا۔ اگر یہ جلوس نکالنا غلط ہوتا تو اسی وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما دیتے یا کوئی آیت نازل ہو جاتی اور یہ آج بھی مسلمانوں کا جلوس جشن عید میلاد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے عین مطابق ہے۔ وہ ہجرت والا جلوس حضرت ایوب انصاری کے گھر میں بیٹھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ و مشاہدہ فرمایا اور آج ہمارے جلوس سبز گنبد کے روضۂ انور میں بیٹھ کر مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ کیسی حیرانی ہے کہ جلوس کا میلاد نکلتا ہے گجرات پاکستان میں اور میں بریڈفورڈ نمبر ۹ ساؤتھ فیلڈ اسکوئیر اپنے گھر سے ٹیلیفون کرتا ہوں بازار چوک پاکستان صمد عینک ساز کی دکان پر اور مجھ کو سب نعرے اور صاحبزادہ سید محمود شاہ صاحب کی سب تقریر حرف بحرف سنائی دے رہی ہے جلوس کا سارا نقشہ میرے تصور میں پھر جاتا ہے حالانکہ میں نہ حاضر ہوں نہ ناظر ہوں۔ تو جو نبی حاضر بھی ہو اور ناظر بھی اس کے مشاہدے کی کیا شان ہوگی۔ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَآلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دلیل نمبر ۵۔ جلوس نکالنا تو ثابت ہو گیا اور ایسا ثابت ہوا کہ کسی انکار کی جرأت نہ رہی کیونکہ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ کون پس و پیش کر سکتا ہے رہا یہ کہ جلوس کے بعد یا پہلے مروجہ طریقے پر محفل لگانا اور اس میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر کرنا، فضائل بیان کرنا اور ذکر آمدِ مصطفیٰ ہی کے لیے محفل لگانا۔ اس کا ثبوت بھی قرآن مجید اور احادیث مطہرات میں موجود ہے اور میلاد شریف کی بہت سی محفلوں کا ذکر ملتا ہے۔ چھٹی دلیل۔ میلاد شریف کی پہلی محفل۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (الخ) سورہ آل عمران آیت نمبر ۸۱ پ ۳۔ ترجمہ۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ اللہ تعالیٰ نے لیا تمام انبیاء کرام سے ایک زبردست وعدہ کہ جب میں تم کو عطا کروں گا کسی کو کتاب اور کسی کو حکمت۔ پھر تمہارے لیے بھی ایک رسول آئے گا جو تصدیق فرمانے والا ہوگا اس کی جو تمہارے پاس ہے تو (اے انبیاء کرام) تم سب اس پر ایمان لانا اور اس کے معاون بن جانا۔ (الخ) یہ وہ پہلی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل ہے جو عالم ارواح میں منعقد ہوئی۔ اس میں وعظ ارشاد فرمانے والا خود رب العالمین اور سامعین ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران کرام۔ کتنا بڑا اجتماع تھا اور کتنے مقدس سامعین تھے اور ذکر تھا احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا اسی کو یوم میلاد کہا جاتا ہے مسلمان بھی آج اس دن کی یاد مناتے ہوئے اسی آنے کا ذکر کرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ عالم ارواح میں انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کا یہ وعظ مبارک سن کر غم یا دکھ نہ ہوا ہوگا بلکہ انتہائی

فرحت خوشی و سرور ہوا ہوگا اور اسی خوشی کا نام عید ہے۔ لہٰذا عالم ارواح کی اس پہلی محفل کا نام عید میلاد النبی ہی رکھا جاسکتا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا نام مناسب حال نہ ہوگا۔ میری ایک دفعہ ایک بہت بڑے گجرات کے دیوبندی وہابی مقرر خطیب پاکستان شاہ صاحب سے اسی نام کے بارے میں گفتگو ہوئی کہنے لگے اس کا نام محفل میثاق ہونا چاہیے نہ کہ محفل میلاد۔ میں نے کہا کہ یہ نام ہے تو ٹھیک مگر مکمل نہیں۔ کیونکہ اس محفل میں صرف میثاق ہی کی طرف اشارہ نہیں بلکہ تین چیزیں واضح ہیں نمبر۱۔ میثاق نمبر۲۔ ثُمَّ جَآءَ نمبر۳ وہ قلبی خوشی جو انبیاء کو ہوئی۔ اس لیے مکمل نام یوم عید میلاد النبی نہایت درست ہے کیونکہ وہ وقت یوم تھا وہ خوشی عید تھی اور وہ آنا میلاد تھا۔ وہ رسول یہی ہمارے آقا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لہٰذا وہ بھی محفل میلاد اور آج یہ بھی محفل میلاد۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ذکر تھا آئیں گے (کیونکہ جاء فعل ماضی ثم حرف تراخی کی وجہ سے بمعنی مستقبل ہوگیا) اور اب وعظ ہوتا ہے کہ وہ آگئے۔ ساتویں دلیل۔ دوسری محفل میلاد شریف۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قرآن مجید سورت الصف ۶۱ آیت نمبر ۶ پ۲۸ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الخ)

ترجمہ۔ اور یاد کیجیے جب فرمایا تھا حضرت عیسٰی ابن مریم نے۔ اے بنی اسرائیل بے شک میں رسول ہوں تمہاری طرف تصدیق کرنے والا اس کی جو میرے سامنے ہے توریت کی اور بشارت کرنے والا ہوں ایک معظم رسول کی جو تشریف لائیگا تفاسیر میں ہے بروایت کعب احبار کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پاس آپ کے بہت حواری حاضر بارگاہ تھے کسی نے عرض کیا سرکار کیا ہمارے بعد بھی کوئی امت ہے۔ تب ان کے جواب میں کثیر مجمع میں جہاں بنی اسرائیل کا ہجوم عظیم تھا آپ نے بہت فصیحانہ وعظ فرمایا جس میں آقا و کائنات کی شان۔ صفات۔ آنے کا زمانہ مقام علاقہ اور جائے ولادت کا ذکر فرمایا اور آپ کا یہ نام بھی بتایا اور اس وعظ کی اہمیت جتانے کے لیے پہلے اپنی شان کا اپنا تعارف کرایا۔ قرآن پاک میں یہاں اس کا اجمالی ذکر ہے۔ انجیل برناس میں اس وعظ کی کچھ تفصیل موجود ہے۔ اسی طرح کے وعظ اور اجتماع کا نام محفل میلاد ہے۔ یہ ایسی معظم محفل ہے کہ میلاد النبی کا بیان فرمانے والے ایک عظیم صاحب کتاب نبی مرسل جناب مسیح ہیں اور سننے والے اس وقت کے ہزاروں کی تعداد میں بنی اسرائیل ہیں۔ آٹھویں دلیل۔ عید میلاد النبی کی تیسری محفل۔ ابھی تک قرآن مجید سے ان محافل میلاد کو ثابت کیا گیا جو عالم ارواح میں انبیاء کے لیے اور زمانہ عیسوی میں پچھلی امتوں اور بنی اسرائیل کے لیے منعقد ہوئیں قرآن پاک نے صرف حضرت یسوع مسیح کی محفل میلاد کا ذکر فرمایا۔ ورنہ حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے کہ ہر نبی نے اپنی اپنی امتوں کے لیے محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کی۔ نیز رب تعالیٰ نے امت مسلم کے لیے قرآن پاک میں جگہ جگہ قَدْ جَآءَكُمْ اور اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ۔ بَعَثَ۔ اِذْ بَعَثَ وَ یَبْعَثُ فِیْهِمْ وغیرہ کلمات ارشاد فرما کر نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور ولادت کا ذکر فرمایا۔ اسی آمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا محفل میلاد ہے۔ ہمارے پیش کردہ یہ قرآنی دلائل اتنے مضبوط اور صاف واضح ہیں کہ نہ کسی تاویل کی گنجائش نہ تفسیری نکات کی باریکیاں، نہ کسی انکار کی جرأت۔ نویں دلیل۔ میلاد شریف کی چوتھی محفل۔

یہاں تک تو قرآن مجید سے عید میلاد کے ثبوت اور جواز میں دلائل پیش کیے گئے۔ اب احادیثِ مطہرات کے دلائل ملاحظہ ہوں۔ نعرۂ رسالت کا ثبوت۔ مشکوٰۃ شریف ص۵۱۳ پر ہے وَعَنِ الْعَبَّاسِ اَنَّہٗ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَاَنَّہٗ سَمِعَ شَیْئًا فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالُوْا اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ قَالَ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ۔ ثُمَّ جَعَلَھُمْ فِرْقَتَیْنِ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ فِرْقَۃً ثُمَّ جَعَلَھُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ قَبِیْلَۃً ثُمَّ جَعَلَھُمْ بُیُوْتًا فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ بَیْتًا فَاَنَا خَیْرُھُمْ نَفْسًا وَّخَیْرُھُمْ بَیْتًا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے۔ ترجمہ۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ خود حاضر ہوئے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کہ گویا انہوں نے کوئی اعلان یا کوئی چرچہ سنا تھا۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات سنی تھی غالباً صحابہ نے بھی سنا ہوگا کہ آج نبی پاک کچھ اپنے متعلق بیان فرمائیں گے وہ یہ چرچہ سن کر دوڑے چلے آئے یا خود نبی پاک نے یہ سنا ہوگا کہ اے آقا آپ (یہ مختلف اقوال سمع کے معنیٰ میں ہیں کہ سَمِعَ سے۔ کس کا سننا مراد ہے۔

مَنْ اَنَا۔ میں کون ہوں۔ تو فوراً۔ سب نے جواباً (باآواز بلند نعرۂ رسالت لگایا) اور کہا۔ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (تب اگلی تقریر شروع فرماتے ہوئے) فرمایا میں محمد ہوں صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ کا بیٹا وہ عبدالمطلب کے بیٹے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی آدم علیہ السلام بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھ کو ان میں سے اچھی مخلوق میں بنایا پھر اس بہتر مخلوق کے دو حصے کیے تو مجھ کو اچھے حصے میں بنایا پھر اس اچھے حصے میں قبیلے بنائے تو مجھ کو سب سے اچھے قبیلے بنائے تو مجھ کو سب سے اچھے قبیلے میں بنایا پھر اس قبیلے کے شہر و گھر بنائے تو مجھ کو ساری زمین کے اچھے شہر میں بنایا اور شہر و گھر میں بھی افضل روایت کیا اس حدیث پاک کو ترمذی نے۔ اس حدیثِ پاک نے بالکل آج کی مروجہ محفل میلاد کا نقشہ کھینچ دیا کہ جیسا طرح ہم اپنی محافل میں کسی عالم کی تقریر وعظ ذکر میلاد شریف سے پہلے نعرۂ رسالت لگاتے ہیں۔ حضور اکرم نے بھی ابتداءً نعرہ فرمایا کہ خود فرمایا۔ مَنْ اَنَا۔ سب نے زور سے کہا۔ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ آج مسلمانوں نے اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے صرف اتنا فرق کر لیا کہ ایک شخص کہتا ہے نعرۂ رسالت تو سب کہتے ہیں۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یہ فرق بھی صرف ابتدائی لفظ میں ہے کیونکہ وہاں فرق ضروری تھا ورنہ جواب میں حقیقی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ اور یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ دونوں ہی حاضر کے جملے ہیں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلا وعظ بالکل میلاد شریف ہے۔ آج مسلمان بھی اپنی محفلِ میلادِ پاک میں ایسی ہی تقریریں اور نعتیں پڑھتے ہیں کہ وہ عبداللہ کا پیارا وہی آمنہ کا جایا۔ وہی سب سے افضل آیا وہی سب سے بہتر آیا۔ اگرچہ میں نے یہ تحقیق کسی کتاب میں تو نہیں پڑھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محفلِ میلاد کس دن کس ماہ اور کس کے عرض و معروض پر قائم فرمائی البتہ مجھے صوفی غلام قادر صاحب گلزار مدینہ والی مرکز

رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ میرے پیر مرشد باباجی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ یہ محفلِ میلاد شریف حجۃ الوداع کے سال بارہ ربیع الاول شریف کو مسجد نبوی پاک میں منعقد ہوئی تھی اس میں صحابہ کی کثیر تعداد تھی (یہ وہی باباجی علیہ الرحمۃ ہیں جن کی فرمائش پر والد صاحب قبلہ حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے شانِ حبیب الرحمٰن کتاب لکھی) اور حدیث کے الفاظ کَانَّہٗ یَسمَعُ شَیئًا سے اشارۃً ثابت ہو رہا ہے کہ یہ محفل میلاد صحابہ کے عرض کرنے پر منعقد ہوئی۔ دسویں دلیل۔ چوتھی چیز یہ کہ اہتمام کرنا چراغاں پر خرچ کرنا۔ اس دلیل میں صرف یہ ثابت کرنا بھی کافی ہے کہ بلاضرورت فقط خوب صورتی اور زینت کے لیے روشنی کرنا یا ضرورت سے زائد چراغاں کرنا شریعتِ اسلامیہ میں جائز ہے یا نہیں اور کیا کسی نبی علیہ السلام یا صحابہ کبارؓ یا بزرگانِ دینؒ نے کبھی کبھی سجاوٹ کے لیے بہت زیادہ روشنی کی ہے یا نہیں یا کبھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کہیں تشریف لے جانے پر فقط اظہارِ خوشی کے لیے روشنی سے زینت کی گئی ہے یا نہیں۔ بحمدہٖ تعالٰی ہمارے پاس اس کے بہت ثبوت ہیں۔ منکرین لوگ اس چراغاں کو شرک بدعت فضول خرچی اور اس کے علاوہ بہت بُرے بُرے لفظ کہتے ہیں مگر دلیل کوئی نہیں۔ ہمارے ثبوت بہت ہیں پہلا ثبوت گیارھویں دلیل ہے جب آقاءِ کل معراج میں تشریف لے گئے تو وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشی میں رب تعالٰی نے سدرہ بیری کے درخت کو سجایا۔ نور سے اور سبز پرندوں سے اور سدرہ بیری چھٹے آسمان سے ساتویں آسمان تک ہے آسمانوں کا فاصلہ تو احادیث میں مذکور ہی ہے گویا اتنا لمبا راستہ رب تعالٰی نے پیارے حبیب کی آمد پر سجایا اور بہت ہی شان سے قرآن مجید میں سورت نجم کے اندر اس کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالٰی ہے اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ﴿۱۶﴾ ترجمہ جس وقت چھا گئے تھے۔ سدرہ پر وہ (انوار) جو چھا گئے۔ یہاں لفظِ اِذ۔ ظرفِ زمان بتا رہا ہے کہ بیری کا درخت تو پہلے سے تھا مگر یہ انوار کا چراغاں آج معراج کے لیے خصوصی طور پر ہوا۔ مقامِ غور تو یہ ہے کہ وہاں بیری اگائی کیوں گئی۔ ہزاروں حکمتوں کے علاوہ یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ کسی کی آمد کی خوشی منانے کے لیے درختوں کو سجانا اور چراغاں کرنا سنتِ الٰہیہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال حسبِ ذیل ہیں نمبر۱ تفسیر جلالین مع الجمل جلد چہارم صفحہ ۲۲۸ (مَا یَغْشٰی) مِنْ طَیْرٍ وَّغَیْرِہٖ۔ ترجمہ نورانی پرندوں نے اور ان کے علاوہ (انوار) نے اور بیری کو (سجاوٹ کے لیے) گھیر لیا نمبر۲ تفسیر جمل جلد چہارم صفحہ ۲۲۸ وَقِیْلَ مَلٰٓئِکَۃٌ تَغْشَاھَا کَاَنَّھُمْ طُیُوْرٌ۔ ترجمہ ایک قول ہے کہ وہ نورانی مخلوق فرشتے تھے جنہوں نے پرندوں کی شکل میں آکر اس بیری کو گھیر لیا پرندوں کی طرح اس کے آس پاس اندر باہر اڑتے پھرتے تھے۔ اس چراغاں کا پورا نقشہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں ہم ذرا یہ سوچیں کہ اگر کسی باغ کے کسی درخت پر لاکھوں کی تعداد میں جگنو بیٹھ جائیں تو کیسی پیاری زینت اور کیسا خوب صورت نظارہ ہو۔ نمبر۳ تفسیر خازن جلد ششم صفحہ ۲۵۹ پر ہے قِیْلَ یَغْشَاھَا مَلٰٓئِکَۃٌ اَمْثَالَ الْغِرْبَانِ وَقِیْلَ اَمْثَالَ الطُّیُوْرِ وَقِیْلَ یَغْشَاھَا اَنْوَارُ الْخَلَّاقِ۔ ترجمہ۔ ایک قول ہے کہ چھا گئے تھے اس درخت پر فرشتے کووں کی ہم شکل یا جسم کے برابر۔ اور ایک قول ہے کہ دوسرے کسی خاص پرندوں کی

ہم شکل پرندے تھے اور ایک قول ہے کہ چھا گئے تھے اس درخت پر انوارِ الٰہی نمبر۲ تفسیر روح المعانی جلد نمبر ۹ پ۲۷ سورۃ نجم صـ۴۴ پر ہے۔ فَعَنِ الْحَسَنِ غَشَّاهَا نُوْرُ رَبِّ الْعِزَّةِ عَزَّوَجَلَّ وَقِيْلَ يَغْشَاهَا رَفْرَفٌ مِّنْ طَيْرٍ خُضْرٍ ترجمہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ڈھک لیا تھا اس کو رب تعالیٰ کے نور نے اور ایک قول ہے کہ ڈھک لیا تھا اس درخت کو سبز رنگ کے پرندوں نے جن کا نام رفرف ہے۔ یہ مختلف اقوال مفسرین اور احادیث کے ہیں۔ جن سے ثابت ہوا کہ آسمانوں پر یوم النبی کس شان سے منایا گیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ رب تعالیٰ نے بڑی اہمیت سے اس چراغاں کا ذکر فرمایا مگر اللہ کریم جل وعلا نے وضاحت نہ فرمائی کہ کس طرح چراغاں فرمایا مَا يَغْشٰى کہکر صرف اشارہ فرما دیا۔ یعنی سجاوٹ اور روشنی ہوئی جو بھی ہوئی تاکہ فرش پر یوم النبی منانے والوں کے لیے بھی عام اجازت ثابت ہو جائے کہ آمد مصطفیٰ کی خوشی مناتے ہوئے چراغاں ضرور کرو خواہ کس طرح کرو اس آیت سے آمد مصطفیٰ کی خوشی میں شاندار مضبوط دلیل ہے۔ دوسرا ثبوت بارہویں دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۸ پارہ دہم۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ (الخ) ترجمہ۔ فقط وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی مسجدیں آباد رکھتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائے مسجد کی تعمیر مسجد کی آبادی کا نام ہے اور مسجد کی آبادی کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں بے انتہا روشنی چراغاں اور زینت کرنی بھی مسجد کی آبادی ہے۔ چنانچہ تفسیر جمل جلد دوم صـ۲۷۱ پر ہے۔ وَفِي الْكَرْخِيِّ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَيْ بِنَحْوِ الْبِنَاءِ وَالتَّزْيِيْنِ بِالْفُرُشِ وَالتَّنْوِيْرِ (الخ) ترجمہ اور تفسیر کرخی میں ہے کہ يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ کا معنٰی مسجد بنانا بھی ہے اور خوب صورت فرش بچھانا اور زینت کے لیے چراغاں (بہت زیادہ روشنی) کرنا بھی مسجد کی آبادی بھی ہے تفسیر نسفی جلد دوم صـ۱۲۰ پر ہے۔ وَتَنْوِيْرُهَا بِالْمَصَابِيْحِ۔ ترجمہ۔ مسجدوں میں چراغوں سے زینت کرنا مسجد کی آبادی ہے۔ ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کی نشانی یہ بھی بتائی کہ وہ موقعہ بموقعہ اللہ کی مسجدوں میں چراغاں اور زیب وزینت کرتے ہیں۔ اگر قلب مومن سے پوچھا جائے تو جشن میلاد سے بہتر چراغاں کا کون سا موقعہ ہوگا۔ تیرھویں دلیل وثبوت تفسیر روح البیان جلد سوم صـ۳۹۹ پر ہے۔ رُوِيَ اَنَّ سُلَيْمَانَ ابْنَ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ بَنٰى مَسْجِدَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَبَالَغَ فِيْ تَزْيِيْنِهٖ حَتّٰى نَصَبَ الْكِبْرِيْتَ الْاَحْمَرَ عَلٰى رَأْسِ الْقُبَّةِ وَكَانَ ذٰلِكَ اَعَزَّ مَا يُوْجَدُ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ وَكَانَ يُضِيْئُ مِنْ مِيْلٍ وَكَانَتِ الْغَزَّالَاتُ يَغْزِلْنَ فِيْ ضَوْئِهٖ مِنْ مَسَافَةِ اِثْنَيْ عَشَرَ مِيْلًا۔ (الخ) اور صـ۳ پر ہے وَكَانَ سُلَيْمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمَرَ بِاتِّخَاذِ اَلْفٍ وَسَبْعِمِائَةِ قِنْدِيْلٍ مِنَ الذَّهَبِ فِيْ سَلَاسِلِ الْفِضَّةِ۔ ترجمہ۔ روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد بیت المقدس بنوائی تو انتہا سے زیادہ اس میں زینت (خوب صورتی) کی یہاں تک کہ قبہ شریف کے اوپر کبریت احمر کا چراغ بنوایا۔ یہ اس زمانے میں بہت ہی قیمتی چیز تھی (آج تو نایاب ہے) اور کئی میل روشنی جاتی تھی اور بارہ میل تک اس کی روشنی میں عورتیں چرخہ کات لیتی تھیں۔ (الخ) اور حضرت سلیمان نے حکم دیا تھا کہ سونے کے ایک ہزار سات سو چراغ بنائے جائیں اور ان کی زنجیریں چاندی کی ہوں۔ ان چراغوں

سے مسجد شریف میں چراغاں کیا جاتا تھا۔

دیکھیے حضرت سلیمان اللہ کے رسول علیہ السلام ہیں اور ضرورت سے کہیں زیادہ صرف زینت اور خوشی کے لیے چراغاں فرما رہے ہیں چودہویں دلیل۔ ثبوت چہارم تفسیر روح المعانی جلد چہارم صفحہ پر ہے اور اسی تفسیر روح البیان جلد سوم صفحہ پر ہے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم شریف میں بہت شاندار چراغاں کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں دیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فَلَمَّا قَدِمَ تَمِيمُ الدَّارِيُّ الْمَدِينَةَ صَحِبَ مَعَهُ قَنَادِيلَ وَحِبَالًا وَزَيْتًا وَعَلَّقَ تِلْكَ الْقَنَادِيلَ بِسَوَارِي الْمَسْجِدِ وَأُوقِدَتْ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَوَّرَ اللّٰهُ عَلَيْكَ ۔ (الخ)

ترجمہ جب حضرت تمیم داری بیت المقدس میں چراغاں دیکھ کر مدینہ منورہ آئے تو ان کے ساتھ بہت زیادہ چراغ اور بتیاں اور تیل تھا انہوں نے ان چراغوں کو مسجد کے ستونوں سے لٹکا دیا اور سب روشن کیے گئے تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے ہماری مسجد کو منور کیا۔ اللہ تعالیٰ تم پر نور ڈالے یا تم کو منور فرمائے۔ کیسی قسمت ہے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ چراغاں کرنے کے صلے میں کیسی ابدی دعائیں مل گئیں بس یوں سمجھ لو کہ آج سنی مسلمان بھی اپنے آقا کی دعائیں لینے کے لیے جشن میلاد پر مسجدوں اور گھروں کو چراغاں سے سجاتے ہیں۔ پندرہویں دلیل۔ ثبوت پنجم روح المعانی جلد چہارم صفحہ اور روح البیان جلد سوم صفحہ پر ہے۔ عبارت روح المعانی کی ہے۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْرَجَ فِيْ مَسْجِدٍ سِرَاجًا لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ وَحَمَلَةُ الْعَرْشِ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهٗ مَا دَامَ فِيْ ذَالِكَ الْمَسْجِدِ ضَوْءُهٗ ۔ ترجمہ۔ روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا انہوں کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے ہماری کسی بھی مسجد میں چراغاں کیا تو فرشتے اور حاملین عرش اعظم اس کے لیے بخششیں مانگتے رہتے ہیں جب تک اس مسجد میں اس کی روشنی رہے۔ لفظ سراجًا میں دو احتمال ہیں نمبر ۱ یہ کہ یہ ثلاثی مصدر ہے بروزن قِتَالًا فِعَالًا ۔ تب یہ مفعول مطلق ہے اور مبالغ تاکیدی کے لیے ہے معنیٰ ہے جس نے کسی مسجد میں خوب زیادہ چراغاں کیا۔ ترجمہ ہوگا چراغاں کیا بہت چراغاں کرنا۔ بقاعدۂ نحو مفعول مطلق ہمیشہ تاکیدی مبالغ کیلئے آتا ہے۔ نمبر ۲ یہ کہ سراجًا اسم جامد ہے بمعنیٰ ایک چراغ اور معنیٰ ہے کہ جس نے مسجد میں ایک چراغ بھی جلایا تو اس کے لیے دعائیں ہیں۔ اس معنیٰ میں یہ حکم عام ہے اور ہر مسلمان کو دعوت دی جا رہی ہے۔ اب اگر ہر شخص ایک ایک چراغ لے آئے تو ضرورت سے کہیں زیادہ چراغ آجائیں گے جس سے زینت ہوگی اور اس زینت پر دعاء ملائکہ حاصل ہوگی تب بھی چراغاں کرنے پر ثواب مل گیا۔ بہر حال خوشی کے لیے کثرت سے روشنی کرنا گناہ یا فضول خرچی نہیں بلکہ اللہ رسول کی خوشنودی اور حکم ہے۔ اس کو برا کہنے اور منع کرنے والے شریعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ سولہویں دلیل۔ محفل میلاد کے لیے مال و دولت خرچ کرنا۔ بالکل جائز۔ کار خیر اور بہت

باعث برکت ہے۔ چنانچہ سورت یونس نمبر ۱ آیت نمبر ۵ پارہ نمبر ۱۱ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ترجمہ۔ وہ یعنی رحمۃ للعالمین کے آنے کی خوشی منانا۔ اچھا ہے اس مال و دولت وغیرہ سے جو وہ منکرین جمع رکھتے ہیں بلکہ اعمال و عبادات سے بھی اس آیت میں اقتضاءُ النص سے ثابت ہو رہا ہے کہ اظہار خوشی ہونا ہی دولت خرچ کرنے سے ہے ورنہ فَلْيَفْرَحُوا اور مِّمَّا يَجْمَعُونَ کو صاف صاف ذکر نہ کیا جاتا۔ ستارہویں دلیل۔ شیخ الاسلام امام شہاب الدین احمد بن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ جو ۴۳ سال سن ۹۳۰ھ سے ۹۷۳ھ ۲۲ رجب بمطابق ۲۴ فروری ۱۵۶۶ء تک حرم شریف مکہ معظمہ کے مفتی اعظم مقرر رہے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر ہی میلاد پاک کے ثبوت میں ایک کتاب نعمتِ کبریٰ تصنیف فرمائی۔ یہ دسویں صدی ہجری کے امام اہل سنت تمام عرب کے مفتی ہوا اعظم۔ ان کا تذکرہ۔ مطبوعاتِ مصر، قاہرہ اور بغداد شریف کی فہرست تاریخات، ادب اور کشف الظنون جیسی معتبر کتاب مفہرس مورخین و مصنفین میں بہت شاندار طریقہ سے ملتا ہے اور امام ابن حجر کی ذات گرامی بین الاقوامی طور پر مقبول شخصیت ہیں۔ وہ اپنی تصنیف نِعْمَةُ الْكُبْرٰى عَلَى الْعَالَمِ فِي مَوْلِدِ سَيِّدِ وُلْدِ آدَم (یہ کتاب کعبہ مکرمہ کی لائبریری میں موجود ہے) کے صفحہ پر فرماتے ہیں۔ قَالَ أَبُوْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَنْ أَنْفَقَ دِرْهَمًا عَلٰى قِرَاءَةِ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ رَفِيْقِيْ فِي الْجَنَّةِ. وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَنْ عَظَّمَ مَوْلِدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ أَحْيَا الْإِسْلَامَ وَقَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ أَنْفَقَ دِرْهَمًا عَلٰى قِرَاءَةِ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَأَنَّمَا شَهِدَ غَزْوَةَ بَدْرٍ وَّحُنَيْنٍ. وَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ وَكَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ مَنْ عَظَّمَ مَوْلِدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ سَبَبًا لِقِرَاءَتِهٖ لَا يَخْرُجُ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا بِالْإِيْمَانِ وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ ترجمہ۔ صدیق اکبر نے فرمایا جس نے ایک درہم میلادِ پاک کے لیے خرچ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ رہے گا۔ فاروق اعظم نے فرمایا جس نے یوم میلاد کی تعظیم کی اس نے اسلام کو زندہ کیا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے میلاد شریف پڑھنے کے لیے ایک درہم خرچ کیا اس کو اتنا ثواب ملے گا گویا وہ غزوۂ بدر میں حاضر ہوا۔ علی مرتضیٰ نے فرمایا۔ جس نے یوم میلاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی اور محفل میلاد سجانے منعقد کرنے کا سبب بنا وہ دنیا سے ضرور ایمان لے کر جائے گا اور جنت میں بغیر حساب داخل ہوگا۔ اسی کتاب کی اگلی سطور میں نمبر ۱ خواجہ حسن بصری نمبر ۲ جنید بغدادی نمبر ۳ معروف کرخی نمبر ۴ امام فخر الدین رازی نمبر ۵ امام شافعی۔ نمبر ۶ خواجہ سری سقطی ۷ امام جلال الدین سیوطی وغیرہم کے اقوال و فرمودات و علمیات، درج فرمائے ہیں۔ خواجہ حسن فرماتے ہیں اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو وہ سب محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انعقاد پر خرچ کر دوں۔ معروف کرخی سید الاولیاء نے فرمایا کہ عید میلاد کی خوشی میں کھانا پکانا۔ مسلمانوں کو جمع کرنا چراغاں کرنا نئے کپڑے پہننا کپڑے خوشبودار کرنا۔ خوشبو (اگر بتی) جلانا اچھے انجام کی دلیل ہے۔ امام رازی نے فرمایا۔ محفل میلاد کا ختم شریف نمک گندم یا کسی بھی کھانے پر پڑھے تو اس قسم کے کھانے میں برکت ہو گی۔ امام شافعی نے فرمایا کہ جس نے محفل میلاد کے لیے مسلمانوں کو جمع کیا اور کھانا تیار کیا اور مکان صاف کیا اور اچھے کام کیے

وغیرہ۔ تو قیامت میں صدیقین شہدا اور صالحین کے ساتھ حشر ہوگا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْقَوِیِّ بَرِّہٖ۔ کہ دلائل کثیرہ سے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت مل گیا اور امام حجر مذکور رحمۃ اللہ علیہ جو ۴۲ سال مکہ مکرمہ میں عید المیلاد کا جشن مناتے رہے انہوں نے اپنی کتاب اسی نعمۃ الکبریٰ میں صحابہ کرام کے زمانے سے عید میلاد النبی کو ثابت کر دیا۔ ان حوالوں کی صحت کی ذمے داری امام ابن حجر پر ہے۔ میرے نزدیک یہ یقیناً صحیح ہیں اس لیے کہ محفل میلاد کو پہلے قرآن کریم سے ثابت کر دیا گیا اور صحابہ کرام ہم سے زیادہ عامل بالقرآن تھے۔ یہ کتاب دنیا کے تمام اسلامی حصوں میں پھیلی ہوئی آج تک کسی منکر کو اس کتاب کے خلاف کچھ دلیل ہاتھ نہ آئی صرف انکار کی ضد۔ یا تو طرہ دز تو کام نہیں آسکتی۔ اب تک کے دلائل سے ہم نے محفل میلاد کے مروجہ طریقے کی چار چیزوں کو ثابت کر دیا۔ اٹھارہویں دلیل۔ پانچویں چیز ہے کھڑے ہو کر سلام پڑھنا۔ اس میں دو عمل ہیں ایک کھڑا ہونا نمبر۲ سلام پڑھنا۔ یہ دونوں کام بھی قرآن و حدیث اور عمل صحابہ و تابعین اور بزرگان دین سے ثابت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ عزوجل ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان والو تم بھی درود بھیجو ان پر اور سلام بھیجو بہت زیادہ سلام بھیجنا۔ یہ قانون نحو میں موجود ہے کہ مفعول مطلق تاکید اور مبالغہ (زیادتی۔ کثرت) کے لیے آتا ہے آیت میں درود شریف کے ساتھ مفعول مطلق نہیں مگر سَلِّمُوْا کے ساتھ تَسْلِیْمًا مفعول مطلق موجود ہے جس سے ثابت ہوا کہ اگرچہ ذکر میں صیغہ صلوٰۃ کا حکم پہلے ہے سلام کا بعد میں مگر اہمیت سلام کی زیادہ معلوم ہوتی ہے چھ طرح سے ایک یہ کہ پڑھنے میں سلام نماز میں پہلے ہے۔ صلوٰۃ بعد میں دوم یہ کہ نماز میں سلام واجب ہے درود سنت۔ سوم یہ کہ سلام دو مرتبہ درود شریف ایک مرتبہ۔ چہارم یہ کہ سلام حاضر و ناظر کے صیغے سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ مگر درود غائب کے صیغے سے یہ سلام بغیر درود شریف پڑھنا اور کرنا جائز ہے کہ سلام پڑھتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ بنانا واجب ہے اور رب کا وجوبی حکم ہے درود شریف ابراہیمی میں یہ اظہار نہیں۔ یہ تو نماز کے اندر سلام پڑھنے کا حکم تھا اس لیے بیٹھ کر سلام پڑھا گیا۔ لیکن زمانہ صحابہ سے لے کر آج تک مدینہ منورہ میں ہر نماز کے بعد روضۂ اطہر اور مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر بالکل اسی طرح ہاتھ باندھ کر حاضر و ناظر سمجھ کر مخاطب کے صیغے سے سلام پڑھا جاتا ہے۔ جس طرح آج کل عید میلاد النبی میں کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے۔ صرف زبان اور طرزِ تکلم میں کچھ فرق ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ قیام چار قسم کا ہے قیام ضرورت۔ جیسے دن رات آنے جانے اور بیٹھے اٹھنے میں کھڑا ہونا پڑتا ہے دوم قیام عبادت جیسے نماز میں اٹھنا رکعت پڑھنا۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ۔ سورت نمبر۲ بقرہ آیت نمبر۲۳۸ پارہ نمبر۲۔ سوم قیام تعظیم۔ کسی کے احترام کے لیے کھڑا ہونا۔ خواہ کسی شخص کا احترام یا کلام کا یا چیز کا تینوں قسم کی تعظیم کا جائز ہونا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ چہارم قیام خوشی۔ خوشی ہونے یا پلنے یا ملنے کے وقت اظہار خوشی کے لیے کھڑا ہو جانا۔ چونکہ عید میلاد النبی کے موقعہ پر بے انتہا خوشی بھی ہے اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا ہے اس سلام کی تعظیم بھی ہے لہٰذا کھڑا ہونا عین ضروری۔ مشکوٰۃ شریف ص۴۰۲ پر ہے

اور ص۳۴۲ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے انصار (صحابہ) کھڑے ہوجاؤ تم اپنے سردار کے لیے۔ یہ تعظیم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرائی گئی۔ دوسری حدیث شریف مشکوٰۃ شریف ص۴۰۳ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْلِسُ مَعَنَا یُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِیَامًا حَتّٰی نَرَاہُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُیُوْتِ اَزْوَاجِہٖ ۔ ترجمہ۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس بیٹھا کرتے تھے اور گفتگو ارشاد فرمایا کرتے تھے ہمارے ساتھ تو جب آپ کھڑے ہوتے ہم بھی ایک دم کھڑے ہوجاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک ہم دیکھ لیتے کہ آپ کسی بیوی صاحبہ کے گھر اندر تشریف لے گئے ہیں۔

ان دونوں حدیثوں پاکوں سے بزرگوں کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا اور کھڑا بہت ضروری ہونا ثابت ہو رہا ہے کیونکہ پہلی روایت میں نبوی حکم سے قیام ثابت ہوا اور دوسری میں ماضی استمراری اور مفعول مطلق سے قیام ثابت ہوا یعنی فوراً کھڑا ہونا اور اکثر ایسا ہوتا تھا۔ تیسری حدیث شریف، مشکوٰۃ شریف ص۱۶ پر دراز حدیث پاک کے آخری الفاظ اس طرح ہیں عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ قَدْ سَاَلْتُہٗ عَنْ ذٰلِکَ فَقُمْتُ اِلَیْہِ وَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَنْتَ اَحَقُّ بِھَا ۔

ترجمہ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ (الخ) ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی ہے۔ تو میں اس بات کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوا یا خوشی میں اور میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ یہ بات پوچھنے کے زیادہ حقدار تھے۔ اس حدیث سے کلام کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ثابت ہوا فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز کا قیام تلاوتِ قرآن مجید کی تعظیم کے لیے فرض ہوا۔ اس طرح دیگر تبرکات کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا بھی لازم ہے جیسے آپ نے زم زم سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھڑے ہو کر پیا۔ آج بھی یہ حکم ہے کہ آبِ زمزم کی تعظیم کے لیے اس کو کھڑے ہو کر پینا چاہیے۔ اسی طرح وضو کے پانی کا حکم ہے۔ خوشی میں کھڑا ہونا بھی جائز ہے۔ چنانچہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خاتونِ جنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے کھڑے ہوجایا کرتے تھے۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کے وقت خوشی اور تعظیم سے کھڑا ہونا بہت ضروری ہے۔ خود دیوبندی لوگ اپنے بڑوں اور معزز مہمانوں کے لیے کھڑے ہوجاتے ہیں، مگر وہ نہ شرک ہے نہ بدعت۔ عداوت صرف نبی اکرم سے ہے۔ انیسویں دلیل چھٹی چیز جس کا جشن میلاد میں رواج ہے۔ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سننے کے لیے لوگوں کا کسی عالم کے پاس آنا محفل لگانا چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۵۱۲ پر ہے۔ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ لَقِیْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قُلْتُ اَخْبِرْنِیْ عَنْ صِفَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی التَّوْرَاۃِ قَالَ اَجَلْ (الخ) ترجمہ۔ روایت ہے حضرت عطا ابن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے صرف اس لیے ملاقات کی کہ مجھ کو نبی کریم صلی اللہ وسلم کی شانیں بیان کرو اور خبر دو مجھ کو حالاتِ مبارکہ کی۔ دوسری حدیث پاک۔ عَنْ خَارِجَۃَ بْنِ زَیْدِ بْنِ

ثَابِتٍ قَالَ دَخَلَ نَفَرٌ عَلٰی زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوْا لَہٗ حَدِّثْنَا اَحَادِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (الخ) ترجمہ۔ حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ داخل ہوئے بہت سے لوگ حضرت زید بن ثابت کے گھر ان کے پاس تو عرض کیا سب نے ان کی خدمت میں کہ ہم کو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اور باتیں سنائیے۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی محفل منعقد کرنا سنت صحابہ ہے اور یہ تو پہلے بتا دیا گیا کہ تمام انبیاء کرام اپنے اپنے وقتوں میں آمد مصطفیٰ علیہ وسلم کی محفل منعقد کرتے رہے جن میں سے ایک کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے جو یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی (الخ) والی آیت میں مذکور ہے اور اسی طرح اقوالِ بزرگان بھی نعمۃ الکبریٰ کے حوالے سے درج کیے گئے۔ بیسویں دلیل۔ آخر میں دعا مانگنا۔ یہ ساتویں چیز ہے جو مسلمان عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلوں میں بڑے اہتمام سے رب کے حضور حاضری دیتے ہوئے کرتے ہیں یہ بھی قرآن پاک اور احادیث مطہرات سے جائز ثابت ہے۔ اگرچہ رب تعالیٰ سے ہر وقت ہی دعا مانگنا جائز اور بہتر ہے مگر مقدس مقامات اور پاکیزہ ذکر اور بہترین محفلوں میں دعا مانگنا بہت ہی فائدہ مند ہے اور باعث قبولیت ہے۔ قرآن مجید میں ایسی دعا کی بھی شان کا اظہار اور جواز مذکور ہے۔ چنانچہ پ۳ سورت آل عمران نمبر۳ آیت نمبر۳۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ۔ (الخ) ترجمہ۔ حضرت زکریا اللہ کے نبی رسول علیہ السلام نے (حضرت مریم کے قرب کو باعث برکت اور وقت قبولیت سمجھتے ہوئے) وہیں پر کھڑے کھڑے (فوراً) اپنے رب تعالیٰ کے حضور دعا مانگی۔ اس آیت میں ثابت ہوا کہ اچھی محفلوں میں دعا مانگنا سنتِ انبیاء ہے۔ آج دنیا و کائنات میں مسلمانوں کے لیے محفل میلاد اور ذکرِ مصطفیٰ کی محفل سے زیادہ کون سی محفل مقدس و معطر و منور ہو سکتی ہے۔ اس لیے تمام مسلمان عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دن تمام ذکر اذکار سے اپنے قلب و زبان کو مزین کرنے کے بعد اللہ رسول کی بارگاہ میں اپنی دعائیں عرض کرتے ہیں اور تجربہ ہے کہ اس محفل کی دعا ضائع نہیں جاتی۔ اکیسویں دلیل۔ محفلِ عیدِ میلاد میں اختتام محفل پر مسلمان اپنے آقا و مولیٰ کی خوشی میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نام پر ایصالِ ثواب اور شرفِ قبولیت کے لیے بہت کھانے پکا کر ہر امیر غریب کو کھلاتے ہیں جس سے ثواب کے علاوہ اُمراء سے حصہ شامل ہو جاتا ہے اور غربا کی پرورش ہو جاتی ہے۔ منکرین اس کے بھی مخالف ہیں۔ لیکن شریعت میں یہ کام بالکل جائز اور باعث برکت ہے۔ اس کے بھی ثبوت بہت زیادہ ہیں۔ چار ثبوت تو ابھی بحوالہ نعمتِ کبریٰ اقوالِ خلفاء راشدین سے پیش کیے گئے قرآن مجید کی پانچ آیتوں میں کھانا کھلانے والوں کی تعریف اور نہ کھلانے والوں کی برائی کی گئی ہے۔ پہلی آیت سورہ حج نمبر۲۲ آیت ۲۸ پ۱۷ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ۔ ترجمہ۔ اللہ کے اس دیئے ہوئے رزق سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ (مصیبت زدہ) کو محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ۔ یہ آیت اگرچہ حاجیوں کو اور قربانی کرنے والوں کو گوشت کھلانے کا حکم دے رہی ہے مگر مقصد ہر وقت عام ہے۔ دوسری آیت۔ سورۃ الحاقۃ ع۶۹ آیت ۳۴ پ۲۹ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ

ترجمہ۔ یہ کافر لوگ مسکین کو کھانا کھلانا پسند نہ کرتے تھے نہ کھلانے دیتے تھے۔ تیسری آیت سورۃ دہر الانسان آیت ۹ پ۲۹ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۔ ترجمہ۔ دونوں آیتوں کا اور (رب کے عاشق بندے) کھانا کھلاتے ہیں فقط اس کی محبت میں مسکینوں کو یتیموں کو جکڑے ہوؤں کو (اور یہ کہتے ہیں کہ) ہم تو فقط اللہ کی خوشنودی کے لیے تم کو کھانے پکا کر کھلا رہے ہیں۔ تم سے کسی جزا یا شکر کے طالب نہیں ہیں۔ یہ تو رب تعالیٰ نے قیامت تک مومنوں کی نشانیاں بتائیں کہ ہر طریقے سے میلاد وغیرہ کے ذریعے مسلمان بندے عاشق رسول اہلسنت اپنے غریب دوستوں ساتھیوں پڑوسیوں وغیرہ کو کھانا کھلاتے رہیں گے اور قیامت تک وعظ نصیحت کے ذریعے امرا وَ رُوسا وغیرہ کو گیارہویں بارہویں اور ہر خوشی کے موقع پر کھلانے کی رغبت دیتے رہیں گے۔ بلکہ حقیقت ہے کہ اسلام نے جتنا کھلانے کا حکم دیا ہے اتنا تو کسی نے نہیں دیا۔ یہ عقیقہ یوم ولادت کی یادگار ہے۔ ولیمہ، شادی نکاح کی یادگار ہے تیجہ۔ دسواں، چالیسواں، قربانی۔ وغیرہ سب غریب پروری کے ذرائع ہیں۔ مگر رب تعالیٰ نے بے دینوں کی یہ نشانی بتائی ہے نہ خود کھلاتے ہیں نہ کھلانے دیتے ہیں چنانچہ پانچویں آیت سورت فجر نمبر ۸۹ آیت نمبر ۱۸ پ۳۰ ۔ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ ترجمہ اور وہ (گمراہ۔ بے دین۔ کفار) ذرا رغبت نہیں دلاتے مسکین کو کھانا کھلانے پر۔ جشن عید میلاد النبی ۔ میں یہ آٹھ چیزیں ہوتی ہیں۔ جو سب کی سب قرآن مجید اور احادیث طیبہ سے ثابت ہو رہی ہیں۔ جب جزوی طور پر علیحدہ علیحدہ میلاد شریف کی ہر چیز جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم اور پسند ہے تو ان نیک کاموں کا مجموعہ کیوں منع ہوگا۔ دن متعین کرنا بھی رب کا حکم ہے۔ عید۔ بقر عید۔ حج۔ روزے سب کو ہی رب نے دنوں وقتوں سے معین کیا۔ آگے پیچھے کرنے والا غلط ہے۔ اسی طرح دینوی کام بغیر تعیین ناممکن ہیں۔ یہ منکرین بھی اپنا ہر کام ماہانہ۔ سالانہ۔ معین کرتے ہیں۔ وہ تقرر نہ شرک ہے نہ کفر نہ بدعت نہ گناہ۔ دکھ تو صرف پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پاک سے ہے اور دشمنی عداوت صرف ذکرِ مصطفیٰ عَلَيْهِ التَّحِيَّةُ وَالثَّنَا سے ہے۔ ہم نے جن کثیر دلائل واضح سے عید میلاد النبی کو ثابت کیا ہے۔ مخالفت میں ایک بھی کام کی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی آج تک کسی کو جرأت ہوئی صرف اہل سنت ہی وہ پاکیزہ جماعت ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مطہرات اس کی ہر جگہ تائید فرماتی ہیں۔ ورنہ کسی فرقہ کے کسی بھی عقیدے کا ساتھ قرآن وحدیث نہیں دیتے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ ...... عید میلاد کے منکروں کے پاس یا صرف بدعت بدعت کا پرانا رٹا ہوا سبق ہے یا لغو سوالات اور لایعنی اعتراضات مثلاً ہم نے اتنے مضبوط دلائل سے مروجہ طریقہ عید میلاد کو جزئیاتی اور انفرادی طور پر قرآن مجید حدیث پاک سے کلی طور سے عید میلاد کو ثابت کیا اور کلی طور پر عمل فقہا سے۔ جس کا جواب تاقیامت منکرین کے پاس نہیں ہے۔ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عین بارہ ربیع الاول پیر کے دن عید میلاد اس طرح بعینہٖ نہیں منایا جس طرح آج سنی مسلمان مناتے ہیں۔ مگر ہم اس فضول اعتراض کا الزامی جواب تو اس طرح دے سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے تو اس دور کے لاکھوں کام نہیں کیے مگر ان کو دینی کام سمجھا جا رہا ہے۔ صحابہ نے مسجدوں کے مینارے۔ محراب۔ مساجد میں وضو خانے نیز مدرسے

اور سالانہ جشنِ دیوبند۔ دستار بندی۔ درسِ نظامی کے اسباق۔ بستر ے اٹھاکر تبلیغیں کرتے پھرنا۔ مسجدوں میں سونا بدبو پھیلانا تلاوت کے بعد صدق اللہ پڑھنا۔ یوم اسماعیل شہید منانا۔ مدرسے کا سنگِ بنیاد رکھنا۔ قوم کا لاکھوں روپیہ مدرسے کی زیب وزینت پر خرچ کرڈالنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کا کہاں ثبوت ہے اور یہ بغیر ثبوت کیوں کیے جارہے ہیں اس کے خلاف کوئی سعودی فتویٰ کیونکر نہیں آتا۔ بائیسویں دلیل۔ اور جواب تحقیقی یہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے عید میلاد ہی کی صورت میں یوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا اور ہم سے زیادہ منایا۔ آج مسلمان سالانہ مناتے ہیں مگر صحابہ کرام نے ہفتہ وار منایا صرف فرق اتنا ہوا کہ آج مسلمان غریبوں کو کھانا کھلاکر اور کھاکر عید مناتے ہیں مگر صحابہ نے روزہ رکھ کر سحری وافطار کرکے یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷۹ پر ہے۔ بَابُ صِیَامِ التَّطَوُّعِ۔ وَعَنْہُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَیْنِ فَقَالَ فِیْہِ وُلِدْتُ وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ (رواہ مُسْلِم)

ترجمہ۔ اور انہی (پہلی حدیث کے راوی ابوقتادہ) سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ پوچھا گیا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ پیر کے دن روزہ رکھنے کی اجازت میں تو آپ نے فرمایا کہ اسی دن میں ہم بھیجے گئے ہیں اور اسی دن میں ہم پر پہلی وحی نازل فرمائی گئی ہے۔ مسلم شریف نے بھی اس حدیث پاک کو لکھا ہے بغیر کسی الجھن کے اس حدیثِ مقدسہ سے یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کا صاف ثبوت مل رہا ہے۔ تین وجہ سے۔ پہلی یہ کہ صحابہ کرام صرف پیر کے دن روزہ رکھنے کی خصوصیت سے اجازت طلب کررہے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور دن کی اجازت یا سوال کا ذکر کسی اور حدیث شریف میں نہیں ہے غیب جاننے والے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام کی قلبی کیفیت اور دلی چاہت جان کر اسی کے مطابق روزے کی اجازت کے ساتھ ساتھ اس روزے کی شان بھی بیان فرمارہے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ ولادت پاک تو مشہور زمانہ ہے۔ دنیا میں اپنے پرائے بلکہ کاہنوں نجومیوں کے علاوہ فارس کے محلات تک سب کو معلوم ہے کہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ولادت کا دن تاریخ اور مہینہ سال کیا ہے۔ صحابہ بھی جانتے ہیں اس لیے صحابہ کبار صرف عید میلاد منانے کے لیے اس روزے کی اجازت طلب کررہے ہیں۔ لیکن نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں دو چیزیں بیان فرماتے ہیں۔ ولادت اور نزولِ وحی صحابہ کرام کو دوسری چیز کا ابھی اس سے پہلے کچھ پتہ نہ تھا۔ آج پتہ لگ رہا ہے کہ غارِ حرا میں پہلی وحی پیر کے دن نازل ہوئی۔ جواب میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اے تاقیامت مسلمانو! تم پیر کو روزہ رکھو۔ اس دن روزہ رکھتے ہیں یوم تشکر منانے کے لیے تیسری وجہ یہ کہ کسی خاص دن نفلی روزہ معین کرنا اس دن کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ یوم عاشورہ کی تعظیم کے لیے اس دن روزہ اولاً فرض ہوا بعد میں نفلی رہا اور یہودیوں کا اس دن روزہ رکھنا تعظیم کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اس خوشی کو منانے اور تعظیم کرنے کے زیادہ حق دار ہیں۔ (از مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۸۰ بحوالہ مسلم بخاری) صحابہ کرام نے اس عید کو روزے سے منانے کی اجازت اس لیے طلب کی کہ عید الفطر اور عید الاضحی جسمانی اور شرعی عیدیں ہیں ان کو کھانے پینے سے مناؤ کہ یہ جسم کی تازگی بنتی ہے۔ مگر عید میلاد معرفت،

حقیقت۔ طریقت اور روحانیت کی عید ہے اس میں روزہ رکھ کر مناؤ کہ یہ روزہ روح کی تازگی اور ترقی ہے اور نیز اس میں یہ اشارہ بھی ملا کہ جس طرح روزہ پہلے ہوتا ہے عید الفطر بعد اس طرح عید میلاد کی اہمیت۔ شان پہلے ہے۔ عید الفطر وغیرہ کا بعد میں۔ جو روزہ رکھے سچی عید الفطر اسی کی ہے اس طرح جو مسلمان عید میلاد مناتے ہیں عید الفطر وغیرہ کا فائدہ اور خوشی بھی انہی لوگوں کو قیامت میں ملے گا اور اس لیے بھی روزے کی اجازت طلب کی گئی کہ عباداتِ جسمانیہ میں روزمرہ کی عبادت صرف روزہ اور نماز ہی ہے تو دو عیدیں نماز سے پوری کی گئیں اور یہ تیسری عید روزے سے پوری کی جائے۔ بہرکیف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یوم النبی منانے کی اجازت دی اور صحابہ کرام نے سحری افطاری اور روزے کے ذریعے اس کو خوب منایا اور یوم میلاد سمجھ کر منایا۔ آج مسلمان بھی اسی یوم میلاد کو سنّتِ صحابہ سمجھ کر مناتے ہیں اور سنتِ الہیہ۔ سنتِ انبیاء اور حکم قرآن و حدیث وغیرہ کو پورے مجموعے کے ساتھ سالانہ طریقے سے منا لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے مندرجہ بالا بائیس دلائل سے ثابت کر دیا۔ صحابہ کرام نے اس طرح مجموعی طور پر اگر نہیں منائی تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ابھی اسلام کا ابتدائی دور ہے ابھی اسلام کو کئی مسائل کا سامنا ہے ابھی شجرِ اسلام کی آبیاری کی ضرورت ہے۔ ابھی جہادات کی مصروفیات ہیں۔ ابھی تو پکی مسجد پکے گھر پختہ قبور بنانے کی بھی اجازت نہیں نہ ہی فرصت ہے۔ ابھی تو مسلم بخاری اور کتب احادیث کی چھان بین و ترتیب کی بھی فرصت نہیں۔ ابھی تو فقہ اسلامی جیسی اہم چیز کی تدوین کا بھی وقت نہیں ملتا۔ ابھی تو قرآنِ مجید کو اعراب لگانے آیتوں، سورتوں اور پاروں کی شکل میں مرتب و مرتب بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دور تو مدارس و خانقاہ کی تاسیس بھی نہیں کرنے دیتا۔ نہ چلوں وظیفوں کا وقت ملتا ہے یہ تمام کام تو دورِ صحابہ کے بعد شروع ہوئے اور آج تک ہوتے چلے آرہے ہیں نہ کوئی ان کو بدعت کہتا ہے نہ شرک نہ ناجائز حالانکہ ان کاموں کے جواز کا اشارہ بھی احادیث میں نہیں ملتا۔ کیا جشن عید میلاد سے ہی اتنا دکھ ہے کہ باوجود اتنے دلائل کے بھی اسی کے خلاف فتوے دئیے جاتے ہیں اور حکومتِ سعودیہ کی ساری قوت انہیں متبرکات کے خلاف استعمال ہو رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کام دورِ نبوت میں نہ ہوا وہ دورِ صحابہ میں ہوا اور جس اسلامی کام کا وقت صحابہ کو نہ ملا وہ مجتہدین نے کیا۔ جو کام دورِ مجتہدین امام اعظم وغیرہ کے زمانے میں نہ ہوا۔ وہ محدثین نے انجام دیا۔ اس طرح تا قیامت اسلام کی شان ترقی میں رہے اسلام تو شجرۂ طیبہ ہے۔ درخت ایک دور میں ہی مکمل نہیں ہو جاتا۔ آج جو لوگ ہر بات میں دورِ صحابہ سے ثبوت ثبوت کی رٹ لگا رہے ہیں۔ وہ تو ایک کام بھی صحابہ کے مطابق نہیں کرتے۔

جشن عید میلاد کے دینی۔ دنیوی۔ اخروی فائدے

جس طرح اسلام کے ہر قانون میں مسلمانوں کے لیے بے حد فائدے ہیں۔ مثلاً حج۔ عیدین جمعہ۔ نماز روزہ وغیرہ اسی طرح عیدِ میلاد النبیﷺ صلی اللہ علیہ وسلم منانے سے بھی مسلمانوں کو بہت فائدے۔ بلکہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ غیر مسلم کو بھی

ہمارے نبی آقاء کائنات کی ولادت کی خوشی منانے کا فائدہ پہنچ گیا۔ عید میلاد سے دینی فائدہ نمبر۱ ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت طیبہ کے بیان سے مسلمانوں کے اخلاق واطوار درست ہوں گے۔ نمبر۲۔ حلیہ مبارک بیان کیا جائے گا تو قلب ونظر میں انوار پیدا ہوں گے اور تصور شکل پاک سے ولایت الٰہیہ حاصل ہونے کا بھی امکان ہے۔ نمبر۳ محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوگی۔ جس کا حکم قرآن وحدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب محبتوں کی کنجی ہے۔ یہ مشاہدہ ہے کہ جس کے دل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں اس کے دل میں کعبہ قرآن۔ اسلام اور اللہ کی محبت بھی نہیں اگرچہ منہ سے توحید توحید کرتا رہے۔ نمبر۴۔ مسلمان جمع ہوں گے آپس کی محبت اتحاد اور اتفاق پیدا ہوگا۔ کفر پر ہیبت طاری ہوگی نمبر۵۔ در ودیوار اور سڑکوں گلیوں میں ذکر الٰہی اور نعت مصطفائی کی دھوم مچے گی۔ قیامت میں وہ پتھر کنکر گرد مجرموں کے گواہ بن جائیں گے نمبر۶۔ غیر مسلموں کو تاریخ اسلامی اور طرز ایمانی کا پتہ چلے گا۔ نوجوان مسلم کو جذبۂ وایثار اور عشق رسول اللہ پیدا ہوگا دینوی فائدے نمبر۱ سال بھر تک کھانے میں برکت جیسا کہ نعمت کبریٰ کے حوالے سے اقوال صحابہ واولیا مذکور ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نمبر۲ عزت ووقار میں اضافہ ہوگا۔ منکرین تو عید میلاد کے جلوس کی مخالفت پر کمرہ بستہ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر سال عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر بھی نمازی گھر سے عید گاہ سے آتے جاتے گلیوں بازاروں میں جلوس اور ذکر تکبیر کے ساتھ چلتے ہیں اور اسی جلوس کو دراز کرنے کے لیے حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جنگل میں جاکر نماز عید ادا کرو اور راستے میں باآواز بلند تکبیر تشریق ۔ پڑھتے ہوئے جاؤ۔ بالکل یہی کچھ عید میلاد کے جلوس میں ہوتا ہے۔ صرف اتنی تبدیلی ہوتی ہے کہ بجائے تکبیر تشریق کے نعرۂ تکبیر ورسالت ہوتے ہیں۔

نمبر۹۔ غرباء کا پیٹ بھر جاتا ہے اور وہ کھانے اپنی غریبی کی وجہ سے نہیں کھا سکتے میسر ہوجاتے ہیں نمبر۱۰۔ گھروں دکانوں۔ بازاروں سڑکوں کی سالانہ طریقے سے صفائی اور زیب وزینت ہوجاتی ہے اور ثواب بھی مل جاتا ہے۔

عید میلاد منانے کے اُخروی فائدے۔ نمبر۱ گناہ کی معافی۔ نمبر۲۔ عذاب کی تخفیف چنانچہ بخاری شریف جلد دوم کتاب النکاح باب وامھاتکم التی ارضعنکم۔ صفحہ ۷۶۴ پر ہے کہ ابولہب نے ولادت پاک کی خوشی میں ثویبہ لونڈی کو آزاد کردیا۔ تو اس کے عذاب میں تخفیف ہوگئی۔ الفاظ حدیث اس طرح ہیں۔ قَالَ عُرْوَةُ۔ وَثُوَيْبَةُ مَوْلَاةٌ لِأَبِي لَهَبٍ كَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حِيبَةٍ قَالَ لَهُ مَاذَا لَقِيتَ فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّي سُقِيتُ فِي هٰذِهِ بِعَتَاقَتِي ثُوَيْبَةَ۔

ترجمہ۔ فرمایا عروہ بن زبیر تابعی نے۔ اور ثویبہ جو ابولہب کی مولات تھی یعنی آزاد کردہ۔ اس کو ابولہب نے آزاد کیا تھا اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بزمانۂ شیر خوارگی دودھ پلایا تھا پھر جب ابولہب مرگیا تو خواب دکھلایا گیا اس کے بارے میں اس کا کوئی رشتہ دار۔ بہت ہیبت ناک عذاب میں اس رشتے دار نے اس کو کہا کہ کس عذاب سے ملا تو ابولہب بولا کہ تم سے جدا ہوکر بجز تکلیفوں مصیبتوں کے کوئی آرام نہ ملا۔ سوائے اس کے کہ بے شک میں پانی پلایا گیا ہوں اس انگلی میں

میرے ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے۔ یہ حدیث پاک محدثین کے نزدیک سنداً۔ روایۃً اور متن کے اعتبار سے نہایت ہی قابل اعتماد اور قوی ہے۔ سنداً اس لیے کہ یہ مرفوع ہے اس کی سند اس طرح ہے۔ عَنْ حَکَمِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ شُعَیْبٍ عَنْ زُھْرِیْ عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ زُبَیْرٍ عَنْ زَیْنَبَ ابْنَۃِ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ اُمِّ حَبِیْبَۃَ۔ اَنَّھَا قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ بخاری شریف نے یہ سند دراز متن کے لیے روایت فرمائی۔ پھر آگے اسی حدیث میں ہے قَالَ عُرْوَۃُ اور بین السطور لکھا ہے۔ بِاِسْنَادِ الْمَذْکُوْرِ۔ اور وہ اسناد تو مرفوع ہے لہٰذا یہ اتنا متن بھی مرفوع ہوا۔ روایتاً اس لیے کہ عروۃ رضی اللہ عنہ بڑے ثقہ راوی ہیں اور امام بخاری تک اتصال ہے بیچ میں انقطاع کہیں نہیں ہے۔ متن اس لیے کہ یہ خواب کس کا ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ خواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا چنانچہ۔ تاریخ یعقوبی جلد دوم مصنف احمد بن ابی یعقوب المعروف یعقوبی۔ صـ۹ مطبوعہ بیروت میں ہے وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا بَعَثَہُ اللّٰہُ رَاَیْتُ اَبَا لَھَبٍ فِی النَّارِ یَصِیْحُ اَلْعَطَشُ اَلْعَطَشُ فَیُسْقٰی فِیْ نُقْرَۃِ اِبْھَامِہٖ فَقُلْتُ بِمَ ھٰذَا فَقَالَ بِعِتْقِیْ ثُوَیْبَۃَ لِاَنَّھَا اَرْضَعَتْکَ۔ ترجمہ۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اپنی بعثت کے بعد کہ میں نے ابولہب کو جہنم میں دیکھا کہ چیختا ہے۔ پیاس۔ پیاس تو پلایا جاتا ہے اپنے انگوٹھے کے چوسنے میں۔ تو میں نے کہا کہ یہ پیاس کس وجہ سے ہے۔ تو بولا میرے آزاد کرنے کی وجہ سے ثویبہ کو اس لیے کہ اس نے دودھ پلایا تھا آپ کو۔

اس حدیث کی تائید کی بنا پر وہ حدیث مرفوع ہوئی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بتائی انھوں نے زینب بنت ابوسلمہ کو پھر چار محدثین کے واسطے سے امام بخاری کو۔ کہیں بھی انقطاع نہ ہوا اور پھر کسی نے اس خواب والی حدیث پاک کا انکار نہیں کیا۔ چنانچہ انوار محمدیہ من مواھب لدنیہ لامام یوسف بنھانی مطبوعہ بیروت صـ۲۸ پر ہے وَقَدْ رُئِیَ اَبُوْ لَھَبٍ بَعْدَ مَوْتِہٖ فِی النَّوْمِ فَقِیْلَ لَہٗ مَا حَالُکَ فَقَالَ فِی النَّارِ اِلَّا اَنَّہٗ خُفِّفَ عَنِّیْ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃِ الْاِثْنَیْنِ وَاَمُصُّ مِنْ بَیْنِ اُصْبُعَیَّ ھَا تَیْنِ مَاءً وَاَشَارَ بِرَأْسِ اُصْبُعَیْہِ وَاِنَّ ذٰلِکَ بِاِعْتَاقِیْ لِثُوَیْبَۃَ عِنْدَ مَا بَشَّرَتْنِیْ بِوِلَادَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبِاِرْضَاعِھَا لَہٗ۔ ترجمہ۔ بے شک دیکھا گیا ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں پوچھا گیا کہ تیرا کیا حال ہے بولا جہنم میں ہوں مگر تحقیق تخفیف کر دی گئی مجھے ہر پیر کی رات میں اور چوستا ہوں میں اپنی ان دو انگلیوں کے درمیان سے اور اشارہ کیا۔ اپنی انگلیوں کے پوروں کا اور یقیناً یہ میرے ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے ہے جبکہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی بشارت دی تھی مجھ کو اور اس کے دودھ پلانے کی وجہ سے ہے۔ ان کو۔ تخفیفِ عذاب یہی پیاس کا کم ہو جانا ہے۔ یہی بخاری جیسی معتمد کتاب سے بھی ثابت ہے کچھ کتابوں میں یہ خواب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے بہر حال کچھ بھی ہو خواب کا درجہ اسلام میں بہت اہمیت کا حامل ہے اگرچہ عوام کے خواب ظاہری فقہ کے قانون میں معتبر نہیں مانے گئے مثلاً اگر کوئی خاوند خواب میں طلاق دے دے تو واقع نہ ہوگی۔ مگر عالم روحانیت۔ کشف مراقبہ

اور اُخروی حالات کی خبر میں خواب کو بڑا درجہ حاصل ہے۔ انبیاء کرام کی خواب وحی الٰہی اور قانون شریعت ہوتا ہے اور صحابہ کرام کی خوابیں ذریعہ قانون سازی بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ الفاظِ اذان کسی بھی وحی سے ثابت نہیں مراسیل ابوداؤد کی وہ روایت کہ قَدْ سَبَقَكَ بِذَالِكَ الْوَحْيُ مجمل اور مرسل ہے۔ ان صحیح احادیث کے مقابل معتبر نہیں۔ جو اذان کے بارے میں وارد ہوئیں۔ مرسل روایت کئی موقعوں پر تمام اماموں کے نزدیک چھوڑ دینے کے قابل اور اس کا درجہ منقطع روایت کی شل ہے اس مرسل کا راوی عطا مجہول شخص ثقہ نہیں ہے اور مجمل اس لیے کہ وحی کی تفصیل نہیں ہے وہ وحی کیا ہے کہاں ہے۔ قرآن و حدیث میں تو نظر نہیں آتی۔ صحابہ کرام کے بعد غوثوں قطبوں ولیوں کی خواب کا درجہ ہے پھر عام مومنین کی خواب کا درجہ ہے عام مومن کی خواب کی شان حدیث پاک میں اس طرح آئی ہے۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۹۴ پر ہے (مسلم، بخاری کے حوالے سے) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ يَكَدْ يَكْذِبُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ مِنَ النُّبُوَّةِ ترجمہ حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہوگیا زمانہ جب کہ مومن کی خواب جھوٹی نہ ہوگی اور مومن کی خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی خواب کی بہت اہمیت اور شان بتائی ہے بلکہ رب تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا علم خود اپنے نبیوں کو سکھایا حضرت یوسف علیہ السلام نے دو قیدی ساتھیوں کو ان کی خواب کی تعبیر ہی بتائی تھی۔ رب تعالیٰ نے قحط سالی خواب ہی میں کافر بادشاہ کو دکھائی تھی۔ جس سے ثابت ہوا کہ کافر کی خواب بھی معتبر ہوتی ہے۔ اور کئی دفعہ خواب عین حقیقت ہوتی ہے۔ حضرت امام بوصیری صاحب قصیدہ بُردہ شریف کو چادر منورہ خواب میں ہی ملی تھی جو عین حقیقت تھی۔ ابولہب والی خواب چار وجہ سے بالکل حقیقت ہے اور ایسا ہی ہورہا ہے جیسا دیکھا گیا پہلی وجہ یہ خواب کیفیتِ اُخروی کی ایک خبر ہے نہ کہ فقہ اور شریعت کا کوئی مسئلہ اور قانون۔ شریعتِ اسلامیہ کے قانون صرف دنیا پر جاری ہوتے ہیں زندگی میں۔ بعد موت شریعت جاری نہیں ہوتی۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ خواب نبی کریم آقا کائنات نے خود دیکھی یا صحابی رسول حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یا دونوں ہستیوں کو خواب نظر آیا۔ اس لیے عین حقیقت ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت یا خوشی کی وجہ سے کافر سے عذاب ہلکا ہونا ہی قانونِ الٰہی ہے نہ حضرت ابوطالب کی خصوصیت ہے نہ ابولہب کی اگر ابوطالب کی طرح اور بھی کوئی خدمت کرتا اور کفر پر ہی مرتا تو اس کو بھی عذاب ہلکا ہوتا۔ اسی طرح ولادت پاک کی کوئی بھی کافر خوشی منائے تو اس کا بھی صلہ حیثیت کے ضرور مطابق ملے گا۔ کسی اور نیکی سے کافر کا عذاب ہلکا نہیں ہوتا۔ چوتھی وجہ یہ کہ اس حدیث پاک کو بخاری شریف جیسی صحیح کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا بالکل صحیح اور معتبر ہے۔ منکرین عید میلاد پاک اس خواب والی حدیث پاک کو سن کر بھی بہت دھاڑیں مار کر روتے ہیں اور طرح طرح کی گستاخیاں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نمبر۱ یہ خواب۔ شریعت کے خلاف ہے نمبر۲ مردود اور شیطانی ہے نمبر۳ یہ حدیث منقطع اور غیر معتبر ہے نمبر۴ سورۃ تَبَّتْ يَدَا کے خلاف ہے نمبر۵۔ جب رو رو کر تھک جاتے ہیں۔

تو کہتے ہیں کہ ابولہب کو پانی ملا تو تھا مگر صرف ایک دفعہ کیونکہ فعل ماضی میں تکرار کا معنیٰ نہیں ہو سکتا۔ نمبر۴ کبھی کہتے ہیں حضرت عباس بھی اگر خواب دیکھیں تو خواب کا کوئی اعتبار نہیں۔ نمبر۵ کافر سے عذاب ہلکا نہیں ہو سکتا۔ نمبر۶ حدیث میں عروہ ابن زبیر نے نہیں بتایا کہ ان کو کس نے خواب سنائی۔ اس لیے نامقبول ہے۔ غرضیکہ دشمنی عید میلاد میں کیا کچھ کہہ جاتے ہیں۔ ہم علی الترتیب ان باتوں کا مختصر جواب عرض کرتے ہیں۔ نمبر۱ بالکل غلط ہے شریعت کے خلاف نہیں ہے شریعت کے خلاف صرف وہ خواب ہوتا ہے۔ جو حق العبد یا حق اللہ کے خلاف ہو۔ مثلاً کوئی شخص یہ خواب دیکھے کہ کسی صحابی یا نبی کریم کی داڑھی مبارک حد شرع سے چھوٹی ہے تو ایسی خوابیں غیر معتبر اور بناوٹی ہوتی ہیں۔ یہی حال مراقبہ مکاشفہ کا ہے۔ مثلاً کوئی ولایت کا دعویدار یہ کہے کہ میں نے بارگاہ نبوت میں حاضری دی اور نبی کریم و صحابہ کرام کی داڑھی مبارک بہت چھوٹی دیکھی یا نبی کریم نے مجھے نمازیں معاف فرما دیں تو ان خوابوں مراقبوں مکاشفوں کو جھوٹا کہا جائے گا کیونکہ یہ قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہیں۔ غوث اعظم نے اپنے اسی قسم کے مکاشفے یا مشاہدے کو فوراً شیطانی سمجھ لیا جیسے کہ تھانوی صاحب اور حسین علی واں بھچراں کی ابلیسی کفریہ خوابیں لیکن ابولہب والی خواب کسی آیت یا حدیث سے نہیں ٹکراتی نیز قانون الٰہی کفار کے لیے صرف خلود جہنم کا ہے اور جنت ان پر حرام ہونے کا ہے۔ جہنم میں رہتے ہوئے تخفیف عذاب ممکن ہے قانون کے خلاف نہیں۔ اسی طرح جہنم کے طبقے کی تبدیلی بھی ممکن جیسا کہ ابو طالب کے لیے ہوا۔

نمبر۲۔ یہ گستاخی اور حماقت ہے کوئی پڑھا لکھا ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ گستاخ لوگ اپنی عادت سے مجبور ہیں ان کی یہ گستاخی شیطانی ہے۔ نمبر۳۔ غلط ہے ہم نے ثابت کر دیا کہ مرفوع ہے اور پھر منقطع و مرسل حدیث بھی جبکہ تابعی راوی ثقہ ہو تو امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک معتبر ہے۔ حضرت عروہ ابن زبیر تابعی بہت ہی ثقہ ہیں۔ دیکھیے صاحبِ مشکوٰۃ کی کتاب اکمال ص۶۰۲ پر۔ نمبر۴ سورۃ تبت بد دعائیہ کلام ہے نہ کہ اخروی عذاب کی خبر۔ اس لیے مفسرین نے تبت فعل ماضی کو بمعنی مضارع حال کیا ہے۔ اگر جہالت سے اس کو خبر مانی جائے جیسا کہ منکرین میلاد کہتے ہیں تو پھر معاذ اللہ کلام پر اعتراض آتا ہے کہ یہ خبر نہ دنیا میں ظاہر ہوئی نہ آخرت میں۔ آخرت میں کفار کا جسم مکمل ہوگا ابولہب کے ہاتھ بھی ہیں۔ تباہ نہ ہوئے نمبر۵ ابولہب کو پانی ملتا ہے اور اللہ جانے کب تک ملتا رہے گا۔ یہ قانون کلی نہیں ہے کہ ماضی میں استمرار نہیں بلکہ اکابر نحات کے نزدیک تین موقعوں پر ماضی میں استمرار یعنی بار بار ہونے کا ذکر ملتا ہے نمبر۱ جب ماضی استمراری ہو۲ جب ماضی مطلق مجہول بمعنی حال ہو۳ جب ماضی مطلق سے پہلے اذا یا اذا ما ظاہر یا پوشیدہ منوی ہو، ابولہب نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ایک دفعہ ہی کا پینا کافی ہو گیا ہو کیونکہ قدرتی اور عطائی پانی کی ایک شان یہ بھی ہے کہ لَا یَظْمَئُ بَعْدَہٗ اَبَدًا۔ ایک دفعہ پیکر کبھی پیاسے نہ ہوں گے۔ یہ یادداشت ان باتوں کو ثابت کر رہی ہے ورنہ عذاب جہنم کی کیفیت تو یہ ہے ایک لہر عذاب کی آتی ہے تو پچھلے سارے آرام بھول جاتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے (مشکوٰۃ شریف)

نمبر۶ یہ بات بھی حد کی گستاخی ہے۔ منکرین کی بھی عجیب متعصبانہ کیفیت ہے کہ اشرف علی صاحب تھانوی اور ان کے

سرِ دین خواب دیکھ کر کلمہ طیبہ بگاڑ دیں۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سخت ترین گستاخی کریں تو وہ خواب عین شریعت کے مطابق ہو۔ خلیل احمد انبیٹھوی صاحب براہین قاطعہ میں خواب ہی کے ذریعے دیوبند کی شان بڑھا دیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو گھٹائیں تو وہ خوابیں معتبر اور سچی ہوں اور اگر صحابی رسول کریم۔ حضرت عباس جن کے آستانے پر غوث و قطب وسیلے کی بھیک مانگیں ان کی خواب جو شانِ عید میلاد کو ثابت کرے وہ سچی اور حقیقی خواب ان ظالموں کو غلط نظر آئے۔ حالانکہ صحیح شیطانیت اور کذب بیانی۔ بناوٹ تو ان کی اپنی انہی خوابوں میں ہے۔ نمبر۷۔ یہ قاعدہ بہت ہی جاہلانہ ہے۔ کسی حدیث و قرآن یا فقہ سے ثابت نہیں۔ بلکہ تخفیف عذاب کا ثبوت موجود ہے۔ ہاں البتہ جہنم کی ہمیشگی اور جنت کی نعمتوں کا ہر کافر پر حرام ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ لیکن ابولہب کو پانی ملنا قدرتی ہے نہ کہ جنتی اور اگر بقول بعض منکرین ایک دفعہ بھی ملا ہو تب بھی مدعا حاصل ہو گیا۔ میلاد پاک کی خوشی منانے کا فائدہ کافر کو بھی پہنچ گیا۔ ہم کو یا ہمارے رب کو ابولہب سے کوئی محبت نہیں ہے کہ ہم اس کے تخفیفِ عذاب کے درپے رہیں۔ محبت تو ہمارے اللہ کو اپنے محبوب کے یوم میلاد سے ہے جس کی خاطر اپنی قدرتِ کاملہ سے ابولہب کی انگلیوں میں پانی پیدا کر دیا جس سے پیاس بجھی اور اس طرح تخفیفِ عذاب ہوئی۔ نمبر۸ ہم نے ثابت کر دیا کہ عروہ بن زبیرؓ کو زینب بنت سلمہ نے خبر دی اور ان کو ام حبیبہؓ نے اور ان کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے۔ کیونکہ بخاری شریف میں یہ دراز حدیث ایک سند سے دو طرح سے مروی ہے جس کی شرح شارحین فرماتے ہیں۔ بہر کیف یہاں تک کی سطور میں ہم نے قرآن مجید احادیث پاک کی صریحی صاف عبارات سے عید میلاد النبی کا ثبوت پیش کر دیا۔ ہم نے تو مفسرین اور شارحین کا سہارا بھی نہ پکڑا بخلاف منکرین کے بجز توڑ پھوڑ خود ساختہ مطالب کے کچھ نہیں۔

اس سعودی فتوے کی فکری نظری غلطیاں اور غلط بیانیاں

یہ آٹھ ورقی (صفحاتی) فتوای علمی اعتبار سے تو سارا ہی غلط ہے۔ کیونکہ آیتوں۔ حدیثوں کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے اور اپنی مطلب برآری کے لیے ہر جگہ توڑ مروڑ کی گئی ہے مگر چند بہت سخت غلطیاں ہیں جو ایک عالم دین کے لائق نہیں۔ ان کی نشاندہی ضروری ہے۔ مجھ کو حیرانگی بھی ہوتی ہے کہ ایسی لایعنی باتوں پر ان لوگوں کا دین بنا ہوا ہے۔ پہلی غلطی۔ ص۲ پر لکھا ہے کہ عید میلاد النبی کے نام پر محفلیں منعقد کرنا شرعاً ناجائز ہے ان کا اہتمام سرا سر بدعت اور دین میں نئی اختراع ہے اس لیے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ خلفاء راشدین تابعین تبع تابعین سے ایسا کوئی واقعہ ثابت نہیں۔ جواب۔ یہ آپ کی نادانی اور تدبر کی کمی ہے ورنہ قرآن حدیث میں محفل میلاد کا بکثرت ثبوت ہے جیسا کہ ہم نے ثابت کر دیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں جو جنگیں جلسے

علیحدہ ہوتی رہیں آج وہ ملا کے کی جا رہی ہیں۔ دوسری غلطی۔ ص ۸ پر ایک حدیث شریف نقل ہے۔ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ۔ ترجمہ جس نے ہمارے اس امر میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ رد ہے۔ جواب۔ یہ حدیث شریف حقیقتاً منکرین کے مخالف ہے مگر الٹا مطلب نکال کر لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا صحیح مطلب بالکل اس کے لفظوں کے مطابق یہ ہے کہ امر سے مراد دنیوی اور دینی ہر معاملہ ہر چیز ہے اور اَحْدَثَ میں مَا لَیْسَ کی قید ہے۔ جس نے اَحْدَثَ کی دو قسمیں کردیں اور مقصد کلام یہ ہوا کہ ایجادات گناہ نہیں صرف دین کے مخالف ایجادات جس سے دین کی کوئی چیز بگڑتی ہو وہ یا ختم ہوتی ہو یا رکاوٹ بنتی ہو وہ رد ہے۔ اس اعتبار سے منکرین کی پیش کردہ یہ روایت خود ان کے ہی مخالف ہے۔ کیونکہ ان کی ایجادات مثلاً شرک بدعت کے فتوے۔ توڑ مروڑ والی کتابیں، ہندو نوازی مسلم دشمنی۔ اہل سنت کی مساجد کی اور مدارس کی مخالفت خاص کر چندہ گیری کی مہم نے تو مصیبت ڈالی ہوئی ہے۔ جلسوں پر قوم کا ہزار ہا روپیہ برباد کر دینا۔ یہ سب کچھ دین میں رکاوٹ ہے۔ لیکن وہ ایجادات جو دین میں رکاوٹ نہیں بنتیں وہ منع نہیں۔ محفل عید میلاد کسی طرح بھی اسلام کی کسی عبادت ریاضت ذکر الٰہی وغیرہ کو منع نہیں کرتا بلکہ اس سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم جذبۂ ایثار خدمت دین کا اور زیادہ شوق پیدا ہوتا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ محفل میلاد وغیرہ نے ترکی غیر مسلموں کو متاثر کر کے مسلمان بنا دیا۔ جبکہ ان منکرین کے مدارس و مجالس نے مسلمانوں کو ہی مشرک بنایا اور اللہ رسول سے دور کیا جذبۂ ایثار سے کورا خدمت اسلام سے بیگانہ کیا۔ مجاہد اسلام اللہ دتا شہید، شہید اسلام علم دین مرحوم۔ وغیرہ عید میلاد النبی نے ہی تو پیدا کیے۔ ان منکرین کے پاس سوا بدعت شرکت۔ بدعت شرک کے کیا ہے۔

تیسری غلطی۔ ص ۹ پر ہی ایک حدیث پاک میں ترجمہ کی ملاوٹ کر کے کم ایمانی کا ثبوت دیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ۔ جس سے مطلق طور پر۔ ہر دینی دنیوی ایجاد مراد ہے انہوں نے (دین میں کی) قید لگا کر اپنا مطلب بنانے کی کوشش کی۔ یہ سراسر دینی خیانت ہے۔ تمام شارحین علما فقہا محدثات سے مراد گناہ اور فحاشی اور دینی رکاوٹ والی چیزیں مراد لیتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص یا کوئی حکومت نماز یا اذان نماز میں یا حج کی تاریخوں میں یا چاند آنکھوں سے دیکھنے کی بجائے مشینوں سے دیکھے اور مسلمانوں کے روزے عیدین حج غلط کرائے۔ جیسے کہ سعودی حکومت ہر سال مسلمانوں کے روزے عیدین اور حج غلط کراتی ہے یہ محدثات۔ چوتھی غلطی۔ ص ۱۰ پر ہی۔ منکرین۔ عید میلاد کی ہی مخالفت میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ ترجمہ۔ جو چیز تم کو رسول اللہ دیں تو اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے منع رہو (باز رہو) جواب۔ ہاں ٹھیک ہے اب ہمارا یہی مطالبہ ہے کہ کوئی حدیث صاف دکھا دو جس میں عید میلاد یا یوم النبی منانے سے منع کیا ہو اور ہمارا تجربہ اور یقین ہے کہ قیامت تک نہیں دکھا سکو گے۔ تم لوگ آرام طلب اور بستروں میں گھس کر فتوے لگانے والے ہو تم کو قرآن مجید کی سمجھ کہاں سے آسکتی ہے۔ پانچویں غلطی۔ ص ۱۱ پر لکھا ہے کہ کہیں بھی عید میلاد النبی کا ثبوت نہیں ملتا یا محفل میلاد منعقد کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ جواب۔ ثبوت تو ملتے ہیں مگر کور

چیشی کا علاج کیا ہو سکتا ہے۔ ہم نے تمام ثبوت پیش کر دیئے ہیں جبکہ ممانعت پر آدھی آیت بھی نہیں مل سکتی۔ نیز ثبوت نہ ملنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی، صاف ممانعت دکھاؤ۔ مسلمانوں کو دھوکہ مت دو۔ ثبوت تو لاکھوں چیزوں کا نہیں ملتا مگر تم سب کرتے چلے جا رہے ہو۔ ہزاروں چیزیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے استعمال نہ کیں اور سینکڑوں کام صحابہ نے نہ کیے اور تم نے ان کو دین بنایا ہوا ہے۔ جس کی مثال پیچھے دے گئی ہے۔ چھٹی غلطی۔ ص۶ پر ہی لکھا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اس امت کے لیے مکمل نہیں کر دیا۔؟ جواب ہاں مکمل کر دیا مگر عقائد اصول اور بناؤں میں لیکن فروعات اور اس شجرِ اسلام کی شاخیں کونپلیں پھول پھل قیامت تک نکلتی رہیں گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ ترجمہ۔ اے حبیب کریم اسلام کا آخری دور آپ کی شان میں پہلے دور سے زیادہ خوب صورت ہے۔ (پھیلاؤ و تروتازگی میں نئے پھولوں پھلوں سے لدا ہوا) یہ جشنِ عید میلاد النبی آج کے دور میں اسی چمن پر بہار کا پھول ہے اور شجرِ اسلام کی ایک فرع ہے اور پھر یہ سوال تو تم پر پڑتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دین مکمل کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سب باتیں بتا دیں تو تم لوگوں کے چندے چھین چھین کر مدرسے کیوں بنا رہے ہو کیا بتا رہے ہو۔ ساتویں غلطی۔ ص۸ پر لکھا ہے۔ اگر محفلِ میلاد منعقد کرنا دینِ الٰہی کا حصہ ہوتا تو یقیناً نبی کریم اس کے انعقاد کا امت کو حکم دیتے یا اپنی حیات میں خود ایسی محفلیں منعقد کرتے یا صحابہ کرام محفلِ میلاد کا اہتمام کرتے۔ جواب الزامی۔ کیا مدرسہ دیوبند اور دورۂ حدیث اور مدرسے کا نظامِ تعلیم۔ تنخواہ لے کر پڑھانا۔ سالانہ چھٹیاں اور جشن دیوبند منانا دینِ الٰہی کا حصہ ہے۔ اگر ہے تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا یا خود تنخواہ لے کر پورا نصاب پڑھایا یا صحابہ کرام نے ایسا کیا۔ اگر نہیں تو تم کیوں کرتے ہو؟ جواب تحقیقی۔ ہاں۔ عیدِ میلاد دینِ الٰہی کا استحبابی حصہ ہے اور فائدہ مند ہے اس کا حکم قرآن مجید نے دیا۔ اور صحابہ کرام نے بلکہ خود آقائے کائنات نے اپنے یومِ میلاد کا محفل میں تذکرہ فرمایا۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا۔ آٹھویں غلطی۔ اسی ص۸ پر ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ لکھ کر ترجمہ غلط کیا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں۔ وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسلم) غلط ترجمہ یہ ہے اور دین میں ہر نئی اختراع بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ لفظ دین میں۔ اپنی طرف سے زیادتی کی گئی ہے۔ صحیح معنیٰ یہ ہے کہ ہر مُحْدَثْ خواہ دینی ہو خواہ دنیوی بدعت ہے اور ہر بدعت علیحدہ راہ ہے (غلط راہ ہے) شارحین کے نزدیک۔ مُحْدَثْ سے مراد بُرے عقیدے ہیں۔ جو آج کل فرقوں نے بنا لیے۔ مثلاً نبی پاک کو بھائی یا چوہدری سمجھنا ختمِ نبوت کا انکار۔ صدیقِ اکبر کی خلافت کا انکار۔ یا اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ ماننا وغیرہ وغیرہ عید میلاد النبی عقیدے کا نام نہیں یہ عملِ صالح ہے۔ نویں غلطی۔ ص۱۲ پر ہے۔ یہ عید میلاد بدعت ہونے کے ساتھ ساتھ منکرات کو بھی اپنے اندر بہت لیے ہوئے ہے۔ مثلاً۔ مرد و زن کا اختلاط۔ آلاتِ موسیقی کا استعمال طبلے اور ڈھولک کی تال پر نوجوانوں کا رقص وغیرہ۔ جواب۔ منکرین کا سارا مذہب ہی جھوٹ اور کذب بیانی کی بنیاد پر ہے۔ ان ہی جھوٹوں میں سے ایک یہ بھی جھوٹا الزام ہے کہیں بھی کبھی بھی جشنِ عید میلاد کی کسی بھی محفل یا جلوس میں یہ چیزیں نہیں دیکھی گئیں۔ بلکہ ساری تقریبات میں ذکرِ الٰہی اور نعرے

اور درود و سلام ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم اگلی سطور میں بیان کرتے ہوئے عیدِ میلاد کا پورا نقشہ ظاہر کریں گے۔ دسویں غلطی یہ ۱۲ ربیع الاول ہی ہے اور پھر ان محفلوں میں سب سے بڑے گناہ شرک کا ارتکاب ہوتا ہے یعنی مدحِ رسول میں غلو سے کام لیا جاتا ہے غیر اللہ سے فریاد رسی اور مدد طلب کی جاتی ہے اور یہ کہ نبی غیب بھی جانتے ہیں اور اسی قسم کے کفریات کا ارتکاب محفلِ میلاد میں ہوتا ہے۔ جواب۔ قرآن و حدیث کی رو سے یہ باتیں شرک نہیں نہ غلو ہیں۔ غیر اللہ سے مدد منکرین بھی مانگتے ہیں۔ ڈاکٹر، حکیم پولیس، حکام سے یہ منکرین زیادہ مدد مانگتے ہیں۔ اس وقت خدا اور توحید کو بھول جاتے ہیں۔ غیب کا عطائی علم انبیاء کرام کو ہے قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جو اس کا منکر ہے وہ قرآن پاک کا منکر ہے۔ ان ثبوتوں کے لیے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کیا جائے۔ اس سعودی فتوٰی کی باقی باتیں سب لغو اور بیہودہ ہیں۔ ان کا ذکر فضول ہے۔ بہرکیف یہ سارا کتابچہ جہالت پر مبنی ہے۔ بلکہ جہالت کی بھی قبیح شکل ہے۔ دیوبندیت و وہابیت بھی کیسا شیطانی خبیثانہ مذہب ہے کہ خبیثوں کے نزدیک مدحِ رسول طبلے اور ڈھول سے بھی زیادہ بُرا ہے۔

جشن عید میلاد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم منانے کا مروّجہ پاکیزہ طریقہ

پہلی محفل

ہزار سالہ مروجہ طریقۂ عید میلاد شریف جو آج کل زرا زیادہ خوب صورتی سے جاری و ساری ہے (اللہ اس کو ہمیشہ جاری رکھے)۔ جیسا کہ ہم نے آج کل دیکھا اور اپنے بزرگوں سے سنا۔ وہ اس طرح ہے کہ ہر سال بارہ ربیع الاول شریف کی تاریخ مبارک کی رات اور دن سب بستی والے مسلمان مل کر تین محفل منعقد کرتے ہیں پہلی محفلِ شب و دوسری محفلِ سحر۔ تیسری محفلِ یوم۔ یہ دن رات عجیب شادمانی اور خوشیوں کے وقت ہوتے ہیں۔ ہزاروں عیدوں سے زیادہ چہل پہل ہوتی ہے۔ ہر گھر میں صفائی زیب و زینت کی جاتی ہے اور ساری رات بہو بیٹیاں بچیاں کھانے مٹھائیاں بناتی ہیں اور مرد، بزرگ اور نوجوان اور بچے۔ بعد نمازِ عشاء اپنی اپنی مساجد میں نماز پڑھ کر جامع مسجد میں جمع ہوجاتے ہیں۔ تلاوتِ کلام پاک سے محفلِ میلاد شریف کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر نعت خوان، شُعَرا اور مولود خوان حضرات نعتیں اور گجرے پیش کرتے ہیں۔ (گجرے یعنی وہ اشعار جن میں پھولوں ہاروں اور سہروں اور باغوں چمنوں کا ذکر ہوتا ہے) یہ سب کچھ بارگاہِ رسالت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ہر نعت اور کلامِ شاعر کے بعد عالمِ دین اُسوۂ حسنہ۔ مواعظِ حسنہ صورت النبی اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریریں کرتے ہیں۔ میلاد خوان علماء اپنی مولود کی کتابیں پڑھ کر سناتے ہیں جس میں یوم ولادت تاریخِ ولادت اور احادیث کی روشنی میں اس وقت کے معجزات (ارہاصات) کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت آمنہ خاتون اور حضرت عبد اللہ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ محفل میں بار بار الائچی شکر اور بتاشے کھلائے جاتے ہیں اور عطر آمیز گلاب تقسیم اور چھڑکا جاتا ہے۔ حسبِ توفیق ہزاروں قسم کا عطر اس رات میں عشاقِ میلاد ذکرِ پاک کی محفلوں میں بکھیر دیتے ہیں۔ حدِ ضرورت سے کہیں زیادہ روشنی اور چراغاں کرکے مساجد و محافل کو

بقعۂ نور بنا دیا جاتا ہے۔ اس نعت خوانی وعظ و تقدیر اور میلاد خوانی کا عجب سماں ہوتا ہے۔ بڑے بڑے علماءِ عرب عجم نے میلاد خوانی کی کتابیں تصنیف فرمائی جو اس رات پڑھی جاتی ہیں جس میں آج کل مشہور۔ میلادِ شہیدی۔ میلادِ اکبر میلادِ حافظ۔ مولودِ شید۔ میلادِ سعدی۔ اُردو میں۔ نعمۃِ کبریٰ بِعَالَمِہٖ امام ابن حجر انوارِ محمدی امام بنہانی علیہ الرحمۃ عربی میں۔ اسی طرح انوارِ ساطعہ اور حفیظ جالندھری مرحوم کا ذکر میلاد والا کلام اور سلام آمنہ بھی سنایا جاتا ہے۔ بہت سے اکابر شمائل ترمذی بھی سنانے کا بہت ہی اہتمام کرتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت قبلۂ عالم مفتی احمد یار خان بدایونی نعیمی قادری اشرفی نے ایک غیر مطبوعہ کتاب محفلِ میلاد پر تصنیف فرمائی تھی جس میں صرف قرآن مجید کی بارہ آیت سے بارہ محفلیں لکھی ہیں۔ جس کی کچھ جھلک اور طرزِ بیانی میں نے خطباتِ نعیمی میں دکھائی ہے۔ اس کا مجوزہ نام۔ میلادِ نعیمی اور میلادِ اشرفی۔ ہے۔ ہمارے سامنے حضرت حکیم الامت کی محفلیں ہیں یہ اُن کا ہی نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ اس محفل کی پُر مسرت فضاؤں کا یہ اثر ہوتا تھا کہ کئی ہندو ان کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے اور ہندو شعرا نے ان ہی معطر و پاکیزہ محفلوں کی ٹھنڈک قلب و دماغ تک محسوس کر کے بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ نعت پیش کیا۔ منکرین کی عید الفطر اور عید الاضحیٰ جو کام نہ کر سکیں عشاقِ اہلِ سنت کی عید میلاد نے وہ کام کر دکھایا۔ غرض کہ یہ محفل اپنی ہزار رونقوں برکتوں رحمتوں اور روحانی ٹھنڈک قلبی سکون کے ساتھ آدھی رات تک جاری رہتی ہے۔ مختصر دعا کے بعد لوگ اپنے گھروں کو جا کر دوسری محفلِ سحر کی تیاری میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

جشنِ عید میلاد کی دوسری محفلِ سحر

یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پہلی مقدس محفل کے بعد صرف ایک گھنٹہ آرام کرنے کے بعد اٹھ کر لوگ بہترین غسل کرتے ہیں حسبِ استطاعت بہترین پاکیزہ لباس پہن کر خوشبو لگا کر ہار پھول مٹھائی جو بھی گھر میں تیار کیا ہوتا ہے وہ لے کر دوسری محفل سجاتے ہیں۔ ادھر عورتیں نہا دھو کر عمدہ لباس پہن کر گھروں میں اپنی محفل لگاتی ہیں قرآن خوانی سے ابتدا کر کے بچیاں طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ۔ اور اس کے علاوہ نعتیں پڑھتی ہیں۔ مردانہ محفل میں پہلے نماز تہجد اور بارہ نفل عید میلاد کے شکرانے میں پڑھے جاتے ہیں پھر محفل پاک کا آغاز ہوتا ہے ایک صاحب لکھنے بیٹھے ہیں اور لوگ نہایت دھیمی آوازمیں اپنے اپنے پڑھے ہوئے قرآن مجید جو خود پڑھے ہیں۔ بچوں بچیوں ماؤں بہنوؤں نے پڑھے یا کلمہ شریف یا سورتیں کسی نے یہ پڑھائی پچھلے سال سے شروع کر رکھی ہے کسی نے چھ ماہ کی پڑھائی کسی نے ایک ماہ کی پیش کی ہے لکھائی نام بنام ہو رہی ہے۔ جنہوں نے قرآن مجید کی تلاوت کے سجدوں کو ادا نہیں کیے ہیں ان سے سجدے کروائے جا رہے ہیں۔ کیونکہ قرآن کی تلاوت کے ادا کیے بغیر ایصالِ ثواب جائز نہیں ہے۔ سب قرآن مجید سورۃ اخلاص۔ کلمہ شریف جمع کیا گیا۔ بارہ سو قرآن مجید۔ بارہ ہزار سورۃ اخلاص۔ بارہ لاکھ کلمہ شریف جمع ہو گیا ہے اسس

کے بعد قاری صاحب نے نہایت پُر درد اور خوش الحانی کے ساتھ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی ۔ پورے رکوع پاک کی تلاوت فرمائی۔ اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دل معطر ہو رہے ہیں پھر مخصوص نعتیں ، حمدیں ، قصیدے ، گجرے ، جو اسی رات کے لیے لکھے گئے ترنم سے پڑھے گئے۔ حضرت حکیم الامت نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ تعالی نے اس محفل سحری کے لیے قصائد میلاد نظم فرمائے ہیں جو ہمیشہ اس محفل میں پڑھے جاتے ہیں۔ آج کی رات گلیوں بازاروں میں بھی اتنی چہل پہل ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ در و دیوار نے بھی نور کا لباس زیب تن کیا ہوا ہے۔ ہر چیز مسکراتی نظر آ رہی ہے۔ لوگوں کی آمد و رفت اور خریداری کے لیے کچھ ہاروں پھولوں کی اور مٹھائیوں کی دکانیں بھی کھل گئی ہیں۔ لوگ حیثیت کے مطابق شانِ گدایانہ و عقیدتِ غلامانہ سے دربارِ خسروانہ کی طرف رواں دواں ہیں۔ ایسا پُر سکون ماحول ہے یوں لگ رہا ہے کہ کہیں شہنشاہ کی آمد آمد کا شور ہے اور گدا گر دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ اس رت جگے اور کیف و سرور اور دوڑ بھاگ کی لذتِ سروری کو کچھ وہی جانتا ہے۔ جس کو کچھ مل گیا ہے۔ آج ہر شخص مسکرا رہا ہے کیونکہ داتا بندہ نواز کی آمد کا انتظار ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کتنے خوش بخت ہیں وہ خوشی میں جاگنے والے گھروں بازاروں کو چراغاں کرنے سجانے والے۔ سارے شہر کو دلہن بنانے والے اور اُن کی بدنصیبی کا شمار نہیں جو اس جیسی سہانی رات (جس پر لاکھوں دن قربان ہو جائیں) میں بھی گھروں مسجدوں اور مدرسوں میں گھٹاٹوپ اندھیرا کرکے پڑے سو رہے ہیں یا چراغاں دیکھ دیکھ کر جلاپے میں رو رہے ہیں کُڑھ رہے ہیں۔ بہر حال ادھر محفل بھر گئی۔ گلی بازار میں خوشبوئیں پھیل گئیں۔ محفل معطر ہو گئی۔ اب پھر گلاب اور عطر چھڑکا جا رہا ہے الائچی سبز تقسیم کی جا رہی ہے۔ نعت خوانی شروع ہو گئی۔ سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ نعرہ تکبیر۔ اللہ اکبر۔ نعرہ رسالت۔ یا رسول اللہ۔ جشن عید میلاد النبی۔ زندہ باد کے مقدس نعرے بلند ہو رہے ہیں نعتوں کے دوران وقفے وقفے سے۔ ذکرِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کی رحمۃ للعالمینی۔ فریاد رسی حاجت روائی مشکل کشائی قرآن و حدیث کی روشنی میں اس انداز سے بیان ہو رہے ہیں کہ لذتِ شوق سے سامعین کے دل مچلے جا رہے ہیں احسان مندی سے دیدۂ ذوق وا ہیں اور والہانہ انداز میں عقل و دماغ۔ شعور و مزاج پکار رہا ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا ۔ انہی محفلوں میں آکر بے سہاروں کو سہارا۔ یتیموں کو ملجا۔ غریبوں کو ماوی۔ دنیا کے پریشانیوں کو اطمینان و سکون۔ چین اور ڈھارس ملتی ہے بخدا اگر یہ محفلیں نہ ہوں تو غم کے پیاسوں۔ تفکرات کے جھلسے ہوؤں کو ذکرِ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کا میٹھا ٹھنڈا پانی کہاں سے ملے۔ محفلِ میلاد مومن کی جان۔ مسلمان کی آن اور اسلام کی شان ہے منکرین اِن بہاروں کے مخالف اِن ٹھنڈی لہروں کے یہ محفلیں مدینہ کی فضائیں ہیں طیبہ کی بہاریں ہیں اور جنت کی ہوائیں ہیں۔ قرآن کی صدائیں ہیں۔ حدیث کی دعائیں ہیں۔ اِن محفلوں نے اپنی لذتوں سے غیر مسلموں کو مسلمان، مسلمانوں کو ولی۔ ولی کو غوث۔ غوث کو قطب۔ قطب کو قطب الاقطاب۔ بے پڑھوں کو معرفت و شریعت کا عالم بنا دیا۔ روتوں کو ہنسا دیا۔ ہاں البتہ شیطان کو رُلا دیا۔ دشمن کو بھگا دیا۔ محفل سجی ہے۔ قصیدے گائے جا رہے ہیں توحید کی

آج ہی لذت آئی ہے تشکر کے آنسو بھی رواں ہیں اور خوشیوں کی مسکراہٹیں بھی۔ اسی دربار میں اگر توحید باری تعالیٰ کی شناسائی ہوئی۔ ذکر میلاد کو چھوڑ کر بے مثل وَحْدَہٗ لاشریک کی توحید کا ثبوت کیسے مل سکتا ہے۔ اس محفل پاک میں توحید کے مستانے لذتِ احسان رب کریم سے سرشار ہو کر جھوم رہے ہیں۔ یہاں تک کہ عین صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے۔ یہ وہ وقتِ عظیم ہے جس کا ادب احترام ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اس لیے سب حاضرین۔ احترام۔ ادب۔ تعظیم اور اظہارِ خوشی کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سارے وقتوں کو فنا ہے اس وقت کو بقا ہے۔ جنت کا یہ ہی وقت ہے۔ جو اپنی انتہا پر پہنچ کر ہمیشہ۔ ہمیشہ کے لیے ٹھہر گیا۔ فجر کی نماز اسی وقت کی خوشی منانے کے لیے فرض ہوئی۔ اس وقت کی سنتِ فجر بھی مثلِ واجب ہیں۔ یہ وقت کا احترام ہے۔ اس لیے کہ یہ وقت یوم النبی کی ابتدائی ساعت ہے۔ یہ لمحات آمدِ مصطفیٰ کی یادگار ہیں۔ اور مومن کے دلفگار ہیں۔ بہت ہی التجاؤں تمناؤں سے سلام و درود پڑھا جاتا ہے۔ پھر تلاوتِ قرآن مجید کے ساتھ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور ہار پھول تبرک لانے والوں۔ گھروں سے خواتین کی بھیجی ہوئی مٹھائیوں کھانوں اور تلاوتیں پیش کرنے والوں کا نام لے کر قبولیت کی غرض سے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے اور پھر سرورِ انبیاء کی بارگاہ میں ہدیۂ تشکر۔ نذرانۂ عقیدت کا ثواب ایصال کیا جاتا ہے۔ ان کے طفیل سب انبیاء مرسلین کی بارگاہوں میں۔ عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پھر صحابہ تابعین تبع تابعین کے درباروں میں پھر علماء۔ اولیا کی ارواح مقدسہ کو ثواب پہنچایا جاتا ہے۔ پھر جمیع مسلمانوں کو جو فوت شدہ ہیں اور سالقہ امم مرحومین کو پھر رب تعالیٰ جَلَّ وَعَلٰی کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا مانگی جاتی ہے۔ پھر رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد وہ تمام تبرکات تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اس محفل میں سلام ببارگاہِ خیر الانام۔ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ مبارکہ کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جان کر بیار سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی امید و التجا کے لیے حاضر کے صیغے سے پیش کیا جاتا ہے۔ تشریف آوری کے لیے جسماً آنا کوئی ضروری نہیں۔ متوجہ ہو جانا بھی تشریف آوری ہے۔ تقسیم لنگر کے بعد اذانِ فجر ہوتی ہے۔ آج اذان کی بھی عجیب لذت آ رہی ہے۔ دل میں دردِ عشق آنکھوں میں خوشیوں کے آنسو خود بخود آتے چلے جا رہے ہیں۔ غموں کا تفکر۔ گناہوں کا بوجھ خود بخود اترتا چلا جا رہا ہے۔ نماز ہوتی ہے۔ آج مسجد بھری ہوئی ہے۔ عیدین سے بھی زیادہ سرور ہے۔ اس نماز کی بھی کیا شان ہے کہ سر بارگاہِ ذوالجلال میں ہے اور دل عشقِ مصطفےٰ میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان جشنِ میلاد کی محفلوں نے تو مسلمانوں کو نمازی روزے دار۔ قرآن مجید کا قاری بنا دیا ہے۔ اسی عید میلاد کی لذت شوق میں بڑے بوڑھے۔ بچے بچیاں۔ مائیں بہنیں۔ سال بھر تک تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ نمازیں۔ نوافل پڑھ پڑھ کر عشق و محبت اور شوق و ذوق کے نمازی بن گئے گھر پاکیزہ ہو گئے اور دکانوں میں مصلے بچھ گئے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جشن عید میلاد منانے والے اہل سنت مسلمان جس تمیز۔ تہذیب اور ادب و احترام سے مساجد میں نمازیں۔ جمعہ و عیدین ادا کرتے ہیں۔ اس کی مثل

نہیں ورنہ ان منکرین توحید لوں کی نمازوں کا حال ہم جانتے ہیں۔ بھاگے بھاگے آئے الٹا سیدھا وضو کیا۔ لاتیں چوڑی گردن اکڑی ہاتھوں سے خم ٹھونک کر کھڑے ہو گئے۔ تیز رفتاری سے فرض ادا کیے مختصر دعا مانگی اور بھاگے بھاگے آئے اپنی یا کسی کی جوتی پہنی اور چلے گئے نہ نفل نہ سنت غیر مؤکدہ۔ نہ صحیح طرح دعا۔ گویا نماز پڑھنے نہیں آ چکنے آئے تھے۔ بادل چمکے تو مسجد بند۔ کیچڑ ہو اندھیرا ہو جماعت معاف۔ سفر میں ہو تو وقت کی پابندی سے صفا ہی نگ گئے۔ کیا آرام دہ مذہب بنایا ہے اور طرفہ یہ کہ اتہام سنیوں۔ عید میلاد منانے والوں پر کہ وہ نماز وجمعہ کی حاضری نہیں دیتے حاضری نہیں دیتے۔ حالانکہ جشن میلاد ہی سے تو مسجدوں کی آبادی ہے۔ سنی ہی تو مساجد کی آبادی کر رہے ہیں انہی کے دم سے مساجد معمور و مزین ہیں۔ ہم نے عید میلاد کی دو محفلوں کا نقشہ مروجہ پیش کیا۔ بتایئے ان میں کون سی خرافات ہے۔ کہاں ڈھول باجے نظر آئے۔

کہاں مرد وزن مخلوط دکھائی دیئے۔ کون سی بات قرآن و حدیث یا توحید کے خلاف ہوئی۔ حقیقت پسندوں کو ان ہی محافل میں توحید کے چشمے۔ رسالت کی آبشاریں معرفت کی لذتیں اور طریقت کی بہاریں ملتی ہیں۔

جشن عید میلاد النبی کی تیسری محفل یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

رات بھر کا سہانا سماں چشم تصور میں دیکھ لیا۔ کچھ لوگ تو وہ تھے جو دونوں محفلوں میں حاضر رہے وہ اشراق کے نفل پڑھ کر تین گھنٹے آرام کریں گے اور کچھ لوگ رات بھر اپنے بازاروں اپنی دکانوں کو سجاتے ہیں جن میں نوجوان زیادہ حصہ لے رہے ہیں درود شریف پڑھتے جا رہے ہیں اور سجاوٹ کا کام کرتے جا رہے ہیں ان پاکیزہ چہرے والے نوجوانوں کو نہ بستر یاد آ رہا ہے نہ نیند کا خیال ہے نہ تھکاوٹ نہ گراوٹ۔ خوشیوں سے چہرے کھلے پڑ رہے ہیں۔ کروڑوں ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے سرشار۔ اپنے کاموں میں مگن ہیں۔ کبھی بھی اتنا درود شریف کلمہ شریف نہ پڑھا گیا جتنا آج پڑھا جا رہا ہے۔ کتنا عظیم فائدہ ہے اس عید میلاد النبی کا نسلِ اسلامی کو سنبھالنے گلدستۂ شریعت بنانے کے لیے ان محفلوں سے زیادہ کوئی مؤثر طریقہ نہیں ہو سکتا۔ ذکرِ مصطفیٰ ہی ہماری اگلی پچھلی نسلوں کو تقوے کی دولت عطا فرما سکتا ہے۔ جو ان محفلوں کو بدعت شرک کہہ کر بند کرنا چاہتے ہیں وہ دراصل نسلِ اسلامی کے دشمن ہیں۔ جشنِ عید میلاد میں مسلمانوں کی ترقی اتحاد عزت دولت شہرت۔ اللہ رسول کی محبت دل میں قرآن و حدیث کی عظمت و ہیبت کا آنا۔ وطن کی الفت وغیرہ ہزاروں فائدے ہیں۔ ان منکرین کے وعظوں تبلیغوں مدرسوں۔ کتابوں رسالوں اور صد سالہ جشنِ دیوبند۔ اور تعلیمات نجدیہ نے قوم کو کیا دیا۔ تہذیب اسلام کا کونسا نقشہ کھینچا ہم بس یہی کہ نہرو ہندو کو جامع مسجد دہلی کے منبر پر بٹھایا۔ گاندھی کو سعودی حکومت نے رسولِ امن کا لقب دیا۔ اس کا جلوس نکالا اس کے زندہ باد (حَیَّاکَ اللہ) کے نعرے لگائے اور

گلیوں بازاروں میں یارسول اللہ کے نعرے بلند کیے۔ جشن صد سالہ میں اندرا گاندھی اور اس کی ساڑھی کو اسٹیج پر کرسی صدارت دے کر بٹھایا اور لمبی داڑھی والوں کو زمین پر بٹھایا۔ اگر مسلمانوں کے سامنے اہل سنت مسلمانوں کے اسٹیج میلاد کی محفلیں۔ عید میلاد کے جلوس نہ ہوں اور محافل گیارہویں میں سیرتِ اولیاء اللہ بیان نہ کی جائے اور ان منکروں کی ہی چال چلی جائے۔ تو نئی نسل اور اغیار کو اسلام کی سمجھ ہی نہ آئے۔

جب رات کے جشن دیکھ کر۔ اپنے پرائے دن کی تیاریاں بازاروں کی سجاوٹ دیکھتے ہیں۔ تو تاریخی معلومات کا ایک نیا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ اب دن کی محفل سجائی جا رہی ہے دوپہر کے قریب نماز ظہر سے پہلے۔ نئی اداؤں۔ خوشیوں کے ساتھ ہار پھول اور گلدستوں کے ساتھ شہر کی ایک ہی جامع مسجد میں جمع ہو رہے ہیں۔ اتنا بڑا اجتماع نہ کبھی عید الفطر کو دیکھا نہ عید الاضحیٰ کو۔ یہ سب کچھ کیوں اور کیا ہے؟ آج عشاق و محبین اپنے آقا کے نعرے گلیوں اور بازاروں کو سنانا چاہتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی ہجرت والی سنت ادا کرنا چاہتے ہیں۔ آج عید میلاد کا جلوس مبارک نکالنا ہے۔ جلوس کا سارا راستہ دلہن کی طرح سجا ہوا ہے۔ جھنڈیاں محرابیں اور مصنوعی دروازے بنا کر سجائے گئے ہیں۔ پہلا دروازہ بابِ رحمت۔ دوسرا دروازہ بابِ شفاعت۔ تیسرا دروازہ۔ بابِ بخشش و عطا چوتھا دروازہ بابِ صدیق اکبر۔ پانچواں دروازہ۔ بابِ فاروق اعظم۔ چھٹا دروازہ بابِ عثمان غنی۔ ساتواں دروازہ بابِ علی شیرِ خدا۔ آٹھواں دروازہ۔ بابِ سیف اللہ۔ نواں دروازہ۔ بابِ کرم۔ دسواں دروازہ۔ بابِ شریعت گیارہواں دروازہ۔ بابِ ولایت و طریقت۔ بارہواں دروازہ۔ بابُ السلام۔ بارہویں شریف کے یہ بارہ دروازے ہر گروہ اپنے خرچ پر اپنا دروازہ سجاتے ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ نیکی میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش بھی سنتِ صحابہ ہے۔

جلوس نکلنے سے پہلے مسجد میں ہی علماء کرام اور قائدین جلوس شرکاء کرام کو جلوس مبارک کے آداب اور ترتیب سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سب حضرات باوضو ہو کر چلیں۔ ننگے سر کوئی نہ ہو۔ کوئی بری چیز اور بدبو والی چیز نہ ہو مثلاً سگریٹ وغیرہ۔ آہستہ یا باآوازِ بلند کلمہ طیبہ۔ درود شریف یا نعت خوانوں کے ساتھ آواز ملا کر نعت شریف کا ورد کریں لاؤڈ سپیکر ہی سے نعرے لگیں گے۔ اسلام کے دو نعرے تو حدیث پاک سے ثابت ہیں۔ نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت لیکن تیسرا نعرہ۔ جشنِ عید میلاد زندہ باد۔ یہ ان محفلوں کی مناسبت سے صرف اس ہی موقع پر لگائے جاتے ہیں یہ نعرہ دعائیہ ہے جبکہ نعرۂ تکبیر حمد باری تعالیٰ اور نعرۂ رسالت فریاد و التجا ہے۔ یا صرف نعتِ پاک ہے۔ اتنے آداب سکھانے کے بعد جلوس کو ترتیب دینے اور روانہ کرنے کے لیے باہر نکلتے ہیں ترتیب جلوس اس طرح ہوتی ہے۔

سب سے آگے سجے ہوئے بارہ اونٹ ان پر عربی لباس میں ایک ایک سوار ان سے پیچھے خوب صورت سجے ہوئے بارہ گھوڑے (آج کل بعض علاقوں میں ان کی جگہ کا رول سکوٹروں نے لے لی ہے) ان کے پیچھے پیدل لوگ باقاعدہ

میں بلبے بلبے جھنڈے خوب صورت اٹھائے ہوئے۔ درمیان میں ایک بیل گاڑی (جو خوب سجی ہوئی ہے) اس پر لاوڈ سپیکر اور نعت خوان پارٹی۔ جن کا کام نعت خوانی کرنا۔ کلمہ شریف پڑھوانا۔ نعرے لگوانا ہے۔ عجیب شان و شوکت سے جلوسِ میلاد رواں ہے۔ ہر دروازے پر پہنچ کر تقریباً پندرہ منٹ جلوس ٹھہرتا ہے اور مختصر محفل میلاد منعقد ہوتی ہے۔ صاحبِ باب نے دروازے کے پاس اسٹیج لگایا ہوا ہے۔ تلاوت اور ایک نعت اور دروازے کی مناسبت سے مختصر تقریر۔ راستے میں جگہ جگہ شربت چائے۔ دودھ یا ٹھنڈے پانی کی سبیلیں لگی ہیں۔ کہیں کہیں مٹھائی کے لفافے بھی تقسیم ہو رہے ہیں۔ سب کام نہایت ہی سلیقے سے انجام دیا جا رہا ہے۔ آس پاس کی چھتوں پر بچے بچیاں نظارہ کرنے کے ساتھ ساتھ جلوس پر پھول اور پتیاں نثار کر رہے ہیں۔ یہ چھتوں کا نظارہ بھی سنت صحابہ ہے (دیکھو حدیثِ ہجرت مسلم دوم آخری بابِ ہجرت) آخری دروازہ بابُ السلام پر پہنچ کر تلاوت نعت شریف صلوٰۃ وسلام ختم شریف اور انتہائی عجز و انکسار سے بارگاہِ رب العزت میں دعا۔ بعض مقامات پر بہت اقسام کا کھانا پکایا ہوتا ہے وہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے غریبوں امیروں میں تبرکاً تقسیم کیا جاتا ہے۔ ڈبوں یا لفافوں میں بند کر کے ہزاروں کی تعداد میں بانٹے جاتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے گھروں کو لے جاتے ہیں۔ اور اس طرح جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تینوں محفلیں مکمل ہو جاتی ہیں۔ ہندوستان کے بعض علاقوں میں اور سنا گیا ہے کہ ترکستان اور افغانستان میں بھی یہ رواج ہے۔ بابِ علی مرتضیٰ۔ یا بابِ سیف اللہ (بابِ خالد بن ولید) پر۔ گتکے اور بنوٹ اور شمشیر زنی کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے۔ یہ اسلامی مدارس کے طلبا اور نوجوان مسلمان دکھاتے ہیں اور یہ کھیل قرآن و حدیث کے حکم کے مطابق جائز بلکہ ہر مسلمان کو سیکھنا کفر کے مقابلے کے لیئے بہت ضروری ہے۔ اس طرح آج کل کراٹے سیکھنا نہایت ضروری۔ حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان اور میرے سسر حضرت قبلہ مولانا امین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہما ان فنون کے استاد تھے اور پہلے زمانوں میں دینی مدارس میں یہ فنون لازمی کورس تھا۔ ہمارے استاد محترم حضرت قبلہ سالم حکیم الامت علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ بنوٹ اور گتکہ قرآنِ مجید سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورۃ اَنفال نمبر آیت نمبر ۱۲ پ ۹۔ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ ترجمہ اور (دوران جنگ) کافروں کے جوڑوں پر مارو۔ علم بنوٹ جوڑ جوڑ پر مارنے کا فن اور مہارت سکھاتا ہے اور یہ جہاد میں کام آتا ہے۔ حدیث پاک میں صرف تین کھیل جائز رکھے گئے جن میں ایک تیر اندازی اور تلوار کشی ہے۔ اسی کو فارسی اور اردو میں گتکہ کہتے ہیں۔ یہ فنون صحت مندی ورزش کے ساتھ ساتھ نہایت مہذب اور کفر سے لڑنے مقابلہ کرنے میں بہت مفید ہیں۔ یہ کھیل عرب میں بھی رائج تھے۔ اس فن کے ماہرین اس کی تاریخ بتاتے ہوئے یوسف علیہ السلام تک لے جاتے ہیں کہ ان کے بھائیوں کو بنوٹ کا فن آتا تھا۔ تفسیر عزائی میں بھی اس کا اشارہ ملتا ہے۔ موجودہ زمانے میں کراٹے سیکھنا بھی جائز ہے۔ مگر کرکٹ۔ ہاکی۔ فٹ بال۔ موجودہ فنِ کشتی جو ننگے ہو کر لڑی جاتی ہے۔ سب ناجائز ہے کہ اس میں ورزش تو ہوتی ہے مگر دین قوم ملک کو اس

سے کیا فائدہ کیا ترقی اور کفر کے جنگی مقابلے میں یہ کب مفید ہے۔ اسی طرح باکسنگ بھی جائز ہے جبکہ مسلمان سے مقابلہ نہ ہو۔ لہٰذا جو کھیل شرعاً جائز ہیں ان کا مظاہرہ جلوس عید میلاد میں جائز ہے۔ ہم نے عید میلاد منانے کے موجودہ طریقے کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ اس میں کوئی غیر شرعی چیز نہیں ہوتی۔ اس لیے سعودی فتویٰ کا یہ اتہام جھوٹ ہے جو اس نے صفحہ ۱۲ پر لگایا کہ محفلِ میلاد میں۔ مرد و زن کا اختلاط۔ آلاتِ موسیقی۔ طبلے۔ اور ڈھولک کی تال پر نوجوانوں کا رقص ہوتا ہے۔ یہ اس فتویٰ اور اس کے مفتی کی کذب بیانی۔ الزام تراشی ہے۔ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بازاروں میں مرد عورتیں مخلوط ہو کر خریداری کرتی ہیں۔ جس ملک (برطانیہ) میں ان منکرین نے یہ فتویٰ شائع کیا ہے۔ وہاں تو بعض مسلمان عورتیں ننگے سر پھر رہی ہیں دکانیں چلا رہی ہیں غیر مردوں سے باتیں ہو رہی ہیں۔ ان کو بند کرانے پر فتویٰ نہیں ہے۔ وہاں دینی حمیت بیدار نہیں ہوتی اور جن مبارک محافل میں ان خرافات سیئات کا شائبہ تک نہیں ہے وہاں جھوٹی تہمتیں لگا کر فتوی دیئے جاتے ہیں۔ بعض منکرین جب ان محافل اور جلوس میلاد کا کبھی خود مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کو غیر شرعی کوئی چیز نظر نہیں آتی تو محض ضد بازی سے کہہ دیتے ہیں کہ جلوس ہر طرح ناجائز ہے اگرچہ ممنوعہ چیزیں نہ ہوں اور پھر اپنی اس اختراعی (خود ساختہ) بات پر دلیل کوئی نہیں میں کہتا ہوں بحمدہٖ تعالیٰ جلوس نکلنے کے بہت ثبوت ہیں اللہ رسول نے تاقیامت بہت مرتبہ مسلمانوں کو جلوس نکالنے کا حکم دیا چنانچہ وہ جلوس اور ان کا طریقہ احادیثِ مطہرات سے ثابت ہیں۔ پہلا جلوس۔ عید الفطر کا۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ جنگل میں عیدگاہ جاؤ۔ ایک راستے سے آؤ دوسرے راستے سے اور راستے میں ذکرِ الٰہی بھی جاری رکھو یعنی تکبیرِ تشریق۔ محلے کی مسجد میں یا جامع مسجد میں نمازِ عید سنت سے ثابت نہیں۔ مقامِ غور ہے کہ آخر نمازِ عید کے لیے ساری مساجد نبوی جیسی بابرکت و فیوض والی جگہ چھوڑ کر جنگل پہنچایا گیا یقیناً جلوسِ مسلمین کی سنت قائم فرمائی تھی اور کفار و اغیار کو شانِ اسلام اور ہیبتِ مسلمین دکھائی تھی اور جلوس میلاد کا یہ بھی ایک عظیم ملکی و دفاعی فائدہ ہے کہ کفار اور غیر مسلموں کو مسلمانوں کی تعداد اور جوشِ اسلامی اور محبتِ نبی کا پتہ لگے اور ان کے دلوں پر رعب طاری ہو۔ برے ارادے کی جرأت نہ کر سکیں۔ یہ صرف میرا ہی قول نہیں بلکہ تمام فقہا مفسرین کتب فتاویٰ میں یہی توجیہ بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۷۱ پر ہے۔ فَیُحْتَمَلُ اَنْ یَّکُوْنَ خُرُوْجُھُمْ لِاِظْھَارِ سَوَادِ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِذْھَابًا یُعَدُّوْھُمْ ترجمہ یہ دور جنگل میں جا کر عید پڑھنا۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ مسلمانوں کا نکلنا مسلمانوں کے جلوس کو ظاہر کرنے اور ان کے دشمن (کفار) پر ہیبت ڈالنے کے لیے ہو۔ نیز۔ کفارِ مکہ کا وفد جب پہلی بار مدینہ منورہ میں کسی بات یا معاہدہ کے لیے آیا تو یہ دیکھ کر ہی مرعوب ہوا تھا کہ صحابہ کرام اپنے نبی اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بہت پُرجوش ہیں اور واپس مکہ جا کر اس وفد نے یہی بات کی تھی کہ تم اس قوم سے نہیں جیت سکتا وہ صحابہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں کا دھوون بھی نیچے نہیں گرنے دیتے ہاتھوں چہروں اور سونہوں پر ملنے کے لیے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ یہی بات سن کر سارے کافر خوف زدہ ہو گئے تھے اس وفد نے صحابہ کی سپاہ گری

شمشیر زنی۔ تیر اندازی یا جسمانی قوت کا مظاہرہ نہیں دیکھا تھا نہ اس کا جا کر ذکر کیا۔ آج جلوس عید میلاد میں بھی محبت نبی عشق رسول کا ہی مظاہرہ ہوتا ہے اور منکروں کی چھانٹ بھی آج ہی ہوتی ہے۔ جو آٹے میں نمک کی برابر بھی نہیں۔ دوسرا جلوس۔ عید الاضحٰی۔ وہ بھی عید الفطر کی طرح ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اس جلوس پاک میں تکبیر تشریق بلند آواز سے پڑھتی ہے۔ یہ جلوس عید میلاد النبی کے جلوس سے کچھ مشابہ ہے کہ وہاں بھی حمد و نعت اور نعرے بلند آواز سے اور یہاں بھی تکبیر تشریق بلند آواز سے۔ جو مقصد رب تعالٰی اور پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں بلند آوازی سے ہے وہی مقصد جلوس میلاد میں ہے۔ تیسرا جلوس۔ جلوس طواف ہے۔ یہ جلوس عین خانہ کعبہ کے سامنے نکالا جاتا ہے اس کے ارد گرد پھر کر یہاں بھی ذکر الٰہی باواز بلند پڑھنے کا حکم ہے۔ چوتھا جلوس۔ جلوس منٰی۔ یہ جلوس بین الاقوامی جلوس ہے۔ یہاں بھی تلبیہ بلند آواز سے پڑھنے کا حکم ہے۔ اس جلوس کا راستہ بہت دراز ہے۔ مکہ مکرمہ سے منٰی تک تقریبًا آٹھ میل۔ اس جلوس کے راستے میں بھی ایک دفعہ جلوس روکنے کے لیے سب سے بڑا منکر بجائے اپنے فتوے کے خود آگیا تھا۔ آج تک بیچارے کو اللہ رسول کے حکم سے انہی عشاق کے ہاتھوں پتھر پڑ رہے ہیں۔ پانچواں جلوس۔ جلوس عرفات۔ یہاں بھی ذکر الٰہی بلند آواز سے کرنے کا حکم ہے۔ چھٹا جلوس۔ جلوسِ مزدلفہ۔ یہ واپسی کا جلوس ہے۔ ذکر بالجہر کا یہاں بھی حکم ہے۔ ساتواں جلوس۔ جلوس قربانی۔ یہ اختتامی جلوس ہے۔ منٰی واپس پہنچ کر۔ رب تعالٰی نے قربانی کی صورت تبرک تقسیم کرنے کا حکم دے دیا کہ آج گوشت خوب کھاؤ۔ یہ سب جلوس ہی تو ہیں اصطلاح اردو میں اسی چیز کا نام جلوس ہے کہ مسلمان ذکر الٰہی کرتے ہوئے گلیوں بازاروں کعبہ ومنٰی۔ عیدگاہوں کے راستوں میں چلیں شانِ اسلام دکھائیں۔ مسلمانوں کی آن بڑھائیں۔ کفار واغیار کی جان دکھائیں۔ شیطان کو رلائیں۔ منکرین تو خواہ مخواہ بیچ میں آکر اغیار کی طرفداری میں لگ گئے اور جو مخالفانہ کام کفار کا تھا وہ انہوں نے سنبھال لیا۔ ورنہ ان کو تو انہوں کے ساتھ مل کر ان اعمال صالحہ میں شامل ہونا چاہیے تھا۔ یہ جلوس اور جشن عید میلاد ان بیماروں کو جلانے رلانے دکھانے کے لیے تو نہیں ہوتے۔ خود ہی مرجھا جائیں تو کیا علاج عربی میں جلوس نکالنے کو سَوَادُ الرِّجَال۔ سواد المسلمین کہتے ہیں جیسا کہ بجرا لرائق نے لکھا اور مظاهرة الرّجال یا قیامُ المظاهرہ بھی کہہ دیا جاتا ہے (بحوالہ المعجمہ اردو ص ۲۵۹) اَللّٰہُ الْھَادِیْ وَھُوَ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابْ۔

قصائدِ منظومیہ لمیلادِ نبویہ

سیکڑوں سال سے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی محفل پاک میں پڑھنے کے لیے عربی فارسی اردو پنجابی شعراء نے اپنی اپنی زبان میں قصائد میلاد نظم فرمائے جو ان کے وقتوں میں میلاد کی محفلوں میں پڑھے جاتے رہے۔ جن میں حضرت امام مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور امام ابن حجر مکی اپنی نعمۃ کبرٰی میں پورا میلاد نظم

فرماتے ہیں جو عربی میں ہے دنیاوہ کائنات کی کون سی قوم ہے جس نے ہماری سرکار کی نعتیں نہیں کہیں یہاں تک کہ یہ منکرین جو نعتِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سخت ترین دشمن ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ نے ان کے ہی قلم سے اپنے محبوب کی نعتیں لکھوا لیں اور ایسی نعتیں جو ان کے اکابر لکھ گئے ان کے ہی باطل عقائد کو مٹانے والی اہل سنت کے عقائد کی) تائید کرنے والی گویا قلم ان کا تائید سنیوں کی تردید ان کی اپنی یہ سب کچھ ان کے منع کرتے کرتے ہوگیا۔ جواب بھی چھپی مل جاتی ہیں مگر ہم یہاں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے اردو زبان کے وہ قصائد پاک درج کریں گے جو آپ نے صرف میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ربیع الاول شریف میں پڑھنے کے لیے بنائے تھے۔

پہلا قصیدہ ہدیہ تشکر

نصیب چمکے ہیں فرشیوں کے کہ عرش کے چاند آ رہے ہیں
جھلک سے جن کی فلک ہے روشن وہ شمس تشریف لا رہے ہیں
زمانہ پلٹا۔ ہے رُت بھی بدلی فلک پہ چھائی ہوئی ہے بدلی
تمام جنگل بھرے ہیں جل تھل ہرے چمن لہلہا رہے ہیں
ہیں وجد میں آج ڈالیاں کیوں یہ رقص پتوں کو کیوں ہے شاید
بہار آئی یہ مژدہ لائی کہ حق کے محبوب آ رہے ہیں
خوشی میں سب کی کھلی ہیں باچھیں رچی ہے شادی مچی ہیں دھومیں
چرند اِدھر کھلکھلا رہے ہیں پرند اُدھر چہچہا رہے ہیں
نثار تیری چہل پہل پر ہزار عیدیں ..... ربیع الاول
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں
شبِ ولادت میں سب مسلماں نہ کیوں کریں جان و مال قرباں
ابولہب جیسے سخت کافر خوشی میں جب فیض پا رہے ہیں
زمانے بھر میں یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کھانا اسی کا گانا
تو نعمتیں جن کی کھا رہے ہیں انہیں کے ہم گیت گا رہے ہیں
حبیب حق ہیں خدا کی نعمت بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ
خدا کے فرمان پر عمل ہے جو بزمِ مولد سجا رہے ہیں
کیا اشارے سے چاند ٹکڑے چھپا ہوا خور بلا رہے ہیں
ملی تیرے صدقے زمینِ طیبہ فلک نہ کیوں تجھ پہ ہو زمانہ

دوسرا قصیدہ ترانہ ولادت

ماہ ربیع الاول آیا۔ رب کی رحمت ساتھ میں لایا
وقت مبارک رات سہانی صبح کا تڑکا ہے نورانی
پیر کا دن تاریخ ہے بارہ فرش پہ چمکا عرشی تارا
آج کی رات برات رچی ہے آمنہ کے گھر دھوم مچی ہے
گھر میں حوریں در پہ ملک ہیں چمکی تجلیاں تا بہ فلک ہیں
ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا شور مچا اک صلِّ علیٰ کا
رودہ اٹھی اب گرد سواری پیدا ہوئے محبوب باری
باغ خلیل کا وہ گل زیبا کشت صفی کا نخل تمنا
رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
تحفت ہے ان کا تاج ہے ان کا دو جہاں میں راج ہے انکا
جن و ملک میں انکے سپاہی رب کی خدائی میں ان کی شاہی
اونچے اور نیچے یہاں جھکتے ہیں سارے انہی کا منہ تکتے ہیں
شاہ و گدا ہیں ان کے سلامی فخر ہے سب کو انکی غلامی
کعبہ کی زینت انہی کے دم سے طیبہ کی رونق انکے قدم سے
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں دھوم ہے انکی کون و مکاں میں
آمنہ بی کو لعل مبارک دائی حلیمہ کو بال مبارک
تمکو خلیل اللہ مبارک تمکو ذبیح اللہ مبارک
بوالن کرو کچھ جشن ہے بھاری در پہ کھڑے ہیں سارے بھکاری

کہ جن کی خاطر بنا زمانہ وہ تجھ میں آرام پا رہے ہیں
ہیں جیتے جی کے یہ سارے جھگڑے جو آنکھیں تمام چھوٹے
کریم جلوہ وہاں دکھانا جہاں کہ سب منہ چھپا رہے ہیں
جو قبر میں اپنی آنکھ پاؤں پکڑ کے دامن مچل ہی جاؤں
جو دل میں رہ کر چھپے تھے مجھ سے وہ آج جلوہ دکھا رہے ہیں
نکیرو پہنچا ہوں ان کو یہ میرے آقا یہ میرے داتا
مگر تم ان سے تو اتنا پوچھو یہ مجھ کو اپنا بتا رہے ہیں
پھنسا ہے بحرِ الم میں بیڑا ہے خدا ناخدا سہارا

در پہ ہیں حاضر اپنے پرائے آپکے دم سے آس لگائے
ہم تو پرانے کمین ہیں دَر کے نام لکھے ہیں پدرسا در کے
چشم کرم للّٰہ ادھر ہو سالکِ خستہ پر بھی نظر ہو
تم بھی اٹھو اب وقت ادب ہے ذکرِ ولادت شاہِ عرب ہے
ذکر ہے جس کا حکم الٰہی قرب ہے جس کا قرب الٰہی
ذات ہے جس کی شان الٰہی جس کی شفاعت اذنِ الٰہی
عرش و فرش اور بستی چمن پیاری خوشبو مہکی
پھول کھلے اور غنچے چٹکے سرد ہوائیں مہکی مہکی

اکیلا سالک ہیں سب مخالف تمام دشمن ستا رہے ہیں اس قصیدے کے بعد سارے حضرت صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لیے باادب سر جھکائے گدایانہ شان سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

صلوٰۃ و سلام

یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ یَا رَسُوْل سَلَامٌ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبُ سَلَامٌ عَلَیْكَ ۔ صَلَوٰۃُ اللہ عَلَیْكَ
آج وہ تشریف لایا۔ جس نے روتوں کو ہنسایا۔ جس نے جلتوں کو بجھایا۔ جس نے بگڑوں کو بنایا۔ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ
عرشِ اعظم کا ستارا۔ فرش والوں کا سہارا۔ آمنہ بی کا دل آرا۔ حق تعالیٰ کا پیارا۔ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ
دو جہاں کا راج والا۔ تخت والا تاج والا۔ بے کسوں کی لاج والا۔ ساری دنیا کا اجالا۔ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ
تم بہارِ باغِ عالم تم نویدِ ابنِ مریم۔ تم پہ قرباں سارا عالم۔ آدم و اولادِ آدم۔ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ
تم بنا ہو دوسرا ہو۔ کعبے والے کی دعا ہو۔ تم ہی سب کے مدعی ہو جاں نہ کیوں تم پر فدا ہو۔ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ
آپ ہیں وحدت کے مظہر۔ آپ ہیں کثرت کے مصدر۔ آپ اول آپ آخر قبلۂ دل آپ کا در۔ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ
آپ کے ہو کر جئیں ہم۔ نام نامی پر مریں ہم۔ جب قیامت میں اٹھیں ہم عرض اس طرح کریں ہم یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ
عرض ہے سالک کی آقا۔ جانکنی کا ہو یہ نقشہ۔ سامنے ہو پاک روضہ اور لبوں پہ ہو یہ کلمہ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ

قصیدۂ طیبہ

لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ۔ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللہ۔ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللہ
خالقِ کل اے ربِ علیٰ شکر ترا کیونکر ہو ادا۔ ہم کو وہ محبوب دیا۔ رتبہ جن کا سب سے سوا۔ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

کیوں خاموش ہو اہل صفا ہے یہ وقت مسرت کا یعنی آج ہوئے پیدا۔ شاہ ھُدیٰ محبوبِ خدا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
قاسم نعمت آپہنچے۔ مالک جنت آپہنچے۔ والیء امت آپہنچے رب کی رحمت آپہنچے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
جنکی خلیل دعا مانگیں جن کی مسیح بشارت دیں۔ جنکی گواہی پتھر دیں، جن سے سب دکھ درد کٹیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
آج تو رشک خلد بنا۔ حجرہ آمنہ بی بی کا۔ کعبہ بھی سجدہ کو جھکا، جامی کعبہ آپہنچا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
آمنہ بی کو مبارک ہو اور حلیمہ دائی کو۔ ہم کو مبارک اور تم کو۔ شاہ کی ساری امت کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
منکر اور نکیر جب آئیں۔ مَنْ رَّبُّکَ پوچھ لائیں۔ چہرہ انور جب دکھلائیں۔ ہم اس طرح سے انکو سنائیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
سالکِ خستہ کی آقا۔ پوری ہو ہر ایک دعا۔ جو اس محفل میں آیا۔ اس پر بھی ہو فضل ترا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

اس کے بعد سب بیٹھ کر آخری دعا سے پہلے قصیدہ "سپاسنامہ" سنتے ہیں۔

درشان والدہ محترمہ سیدہ آمنہ بی بی۔ آپ پہلے بھی موحدہ تھیں اور بعد وفات زندہ کی گئیں اور مومنہ مسلمان ہوئیں۔

صدقے تم پر ہو دل و جاں آمنہ۔ تم نے بخشا ہم کو ایماں آمنہ جو ملا جس کو ملا تم سے ملا۔ درج ایمان علم و عرفاں آمنہ رضی اللہ عنہا
سب جہاں کی مائیں ہوں تم پر فدا۔ تم محمد کی ہو ہیں ماں آمنہ ابن مریم واقعی رب کے رسول۔ پر محمد کی بڑی شان آمنہ رضی اللہ عنہا
جس شکم میں مصطفیٰ ہوں جاگزیں۔ عرش اعظم سے ہے ذی شاں آمنہ تم سے ایمان و امانت اور امن۔ تم فیضاں تم عرفاں آمنہ رضی اللہ عنہا
آمنہ کے تین معنٰی بالیقین۔ با امانت امن والی ایمان آمنہ تم سے اللہ و محمد ہیں عیاں اور ہدایت تم میں پنہاں آمنہ رضی اللہ عنہا
ہم ہیں مومن اور تم ایمان بخش۔ چشمہء دیں تم سے جاری آمنہ آپ کا روضہ مجاور میں بنوں۔ پھر نکالوں دل کے ارماں آمنہ رضی اللہ عنہا

محیط قرآن نبی ہیں اور تم۔ ہو نبی کی محترم ماں آمنہ
ہے یہ سالک آپ کے در کا فقیر مانگتا ہے امن ایمان آمنہ رضی اللہ عنہا

دعاء عید میلاد شریف

"جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔ نہایت پر درد انداز سے مانگا کرتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ وَسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔
اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو جسم عطا فرمایا اور اس کی پاکیزگی کے لیے عیدین عطا فرمائیں تو نے ہی ہم کو روح عطا فرمائی اور اس کی پاکیزگی کے لیے عید میلاد عطا فرمائی اے رحیم و کریم عزوجل۔ ہم نے اور ہمارے بڑوں نے تیرے کلام کو پڑھا اور عید میلاد منانے کا فرمان دیکھا۔ اسی وجہ سے آج یہ تیرے سارے بندے نہایت ہی عجز و انکسار اور گداگرانہ حیثیت سے تیرے حضور تشکر کے آنسو۔ التجاؤں کے دامن اور دعاؤں کے ہاتھ اٹھائے چلے آئے ہیں تو نے کبھی کسی سائل کو خالی

نہ موڑا۔ میں نے جب کبھی تیری رحمت کے دروازے کو غموں۔ پریشانیوں۔ مصیبتوں کے ہاتھوں سے کھٹکھٹایا تیرے کرم نے مجھے سہارا دیا آج اس مبارک رات۔ سہانی گھڑی۔ بھینی بھینی ساعت کا حسن کہ ہم سب بھکاری دوڑے چلے آئے ہیں۔

ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خوشیوں بھری سحر میں ہمارے دامن کو مرادوں سے بھر دے اور دلوں کو نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے منور فرما دے۔ تو نے رات کے اندھیروں میں۔ بیابانوں کے سناٹوں میں ہماری حفاظت فرمائی۔ ہمارے رب ہمارے ایمان۔ ہمارے عقائد کی بھی حفاظت فرما۔ اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں تیرے جمال کے سامنے ہیں۔ اپنے گناہ لے کر ہیں تو بخشش عطا فرما۔ ہم غلطیاں لے کر آئے ہیں تو معافی سے نواز دے۔ ہم اندھیرے لے کر آئے ہیں تو نورانیت فرما۔ آج کی اس رات میں ہی خوش نجتی کا ستارا طلوع فرما ہم بھوک لے کر آئے ہیں ہم کو دروازۂ مصطفیٰ کے ٹکڑے تقسیم فرما۔ ہم پیاس لے کر آئے ہیں ہم کو عشق و عرفان کا پانی پلا۔ ہم ننگ و عار لے کر آئے ہیں ہم کو شرم و حیا کی چادر اوڑھا۔ ہمارے حاضرین پر رحم فرما ہمارے غائبین پر کرم فرما۔ مالکُ الملک ہمارے ملک پاکستان کو مضبوط فرما۔ اندرونی بیرونی خطرات سے بچا۔ دنیا بھر کے کفرستان میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کی حفاظت فرما۔ ہماری ماؤں۔ بہنوں۔ بیٹیوں کی عزت و ناموس کو خوش قسمتی کی چار دیواری مرحمت فرما یا عزیزُ یا کریمُ یا جبار یا ستار یا غفار۔ آج کی اس محفل میں نورِ معرفت کی اس عید میں ہم کو خوشیوں بھری عیدی عطا فرما۔

یا رسول اللہ ہم بھکاری ہیں اور پرانے جدی پشتی بھکاری ہیں بڑا دروازہ دیکھ کر بھاگے چلے آئے ہیں۔ ہم وہ ہیں کہ ہم کو کسی نے منہ نہ لگایا۔ سب کے دھتکارے ہوئے ہیں۔ ہم گندے ہیں زمانے کے دھکے کھائے ہوئے ہیں۔ ہم کو قرآن مجید نے آپکا آستانہ بتایا کلام الٰہی نے آپکی شان بتائی ہم کو انبیاء اولیاء سے آپ کی شان کا پتہ لگا اور ہمکو ہمارے رب نے آپکے پاس بھیجا ہے۔ اے بڑے دروازے والے تیرے دروازے کی خیر ہو۔ اے سبز گنبد والے تیرے گنبد کا بھلا ہو اے سنہری جالی والے۔ تیری جالی کی سلامتی ہو۔ اے اللہ کے حبیب ہمارے حال کو دیکھیے۔ اے قلب و جگر کی ٹھنڈک اللہ کے رسول ہماری فریادوں کو سن لیجئے۔ ہم کو نورِ معرفت سے بھر دیجیے۔ یا رسول اللہ ہم اس لیے بھیڑ لگائے کھڑے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ جھڑکیں گے نہیں۔ ہم بے تمیز ہیں بے سلیقہ گنوار ہیں ہم کو شہنشاہی دروازے کے آداب کا پتہ نہیں۔ ہم کو تو بس تمیز فقط بھیک بھر کی ہے۔ اے مدینے والی سرکار ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے رب کریم غفور و رحیم نے آپ سے وعدہ لیا ہے۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ یہ وعدہ ہم جیسے منگتوں کی وجہ سے لیا ہے۔ آج آپ کی تشریف آوری اور ہماری عید کا دن ہے۔ اس لیے ہمیں دیجئے اور رب سے دلوائیے۔ آپ ہی وسیلہ ہیں۔ سہارا ہیں۔ ملجا ہیں۔ ماویٰ ہیں۔ آقا ہیں۔ مالک ہیں۔ مختار ہیں۔ رحمت العالمین ہیں۔ شاہد ہیں۔ مبشر ہیں۔ سراج منیر ہیں۔ اے اللہ ہمارے نبی رؤف و رحیم پر کروڑوں درود و سلام۔ برکتیں نازل فرما۔ ان کے طفیل سے ہمارے ماں باپ پر بھائی بہنوں پر۔ قریبیوں پر پڑوسیوں پر رحم فرما اور یا اللہ اعلیٰ حضرت مجدد ملت اور صدر الافاضل مراد آبادی پر۔ بدایوں کی بڑی سرکار۔ چھوٹی

سرکار پر اور حاضرین محفل کے قادری چشتی نقشبندی سہروردی مرشدوں پر اور حنفی مالکی۔ شافعی۔ حنبلی۔ استادوں پر نور کی چادر عطا فرما اور قبور کو نور قرآنی سے منور فرما۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ اس رقت آمیز دعا کے بعد ختم شریف پڑھا جاتا ہے۔ جس میں ایک ایک دفعہ پھر رکوع آیتیں سورتیں پڑھ کر، تمام پڑھے ہوئے قرآن مجید اور حاضر چیزوں کا ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر انبیاء کرام علیہم السلام پھر صحابہ اہل بیت پھر اولیا غوث وقطب ابدال اوتاد پھر علماء ائمہ۔ محدثین مفسرین کے دربار میں ایصال علی الترتیب کیا جاتا ہے۔ پھر تبرک تقسیم ہوتا ہے۔ پھر اذان فجر۔ پھر سنت فجر پھر جماعت سے نماز پڑھکر درس قرآن مجید و درس حدیث پاک حسب معمول پھر اشراق کے چار نفل پڑھ کر لوگ گھروں میں جاکر آرام کرتے ہیں۔ پھر اٹھ کر جلوس کی تیاری۔

بتایئے اس سارے پروگرام میں کون سی بات ناجائز ہوئی۔ کہاں ڈھول باجے نظر آئے۔

بعض منکرین یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ جشن عید میلاد عیسائیوں کی نقل ہے اور کچھ منکر زیادہ ہی گستاخی پر اتر آئے تو کہنے لگے بلکہ ان کے بڑے لکھ گئے کہ یہ کنھیا بت کا جنم دن کی نقل ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ عیسائی بارہ ربیع الاول کو کیا کرتے ہیں وہ کب جلوس نکالتے ہیں وہ کب نعت خوانی اور قرآن خوانی کرتے ہیں اور جب وہ اِنمیں سے کچھ نہیں کرتے تو ان کی نقل کس طرح ہوئی اور اگر صرف دن منانے کی نقل ہے یا تاریخ مقرر کرنے کی تو ہم الزاماً پوچھتے ہیں کہ یہ جشن دیوبند کس کی نقل ہے اور پھر عید۔ بقر عید۔ یوم عرفہ۔ منیٰ اور مزدلفہ کی حاضری کس کی نقل ہے کیا وہ بھی کسی کافر کی طرف منسوب کرو گے۔ بس حقیقت یہ ہے کہ خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے۔ ہماری تو یہی دعا ہے۔ کہ خدا اُن کو بھی ہدایت عطا فرمائے۔ اہل سنت کی خوش نصیبی ہے کہ بحمدہ تعالیٰ ان کے اعمال وعقائد پر قرآن وحدیث اس کا پورا پورا ساتھ دیتے ہیں۔ ہر بات پر ہمارے پاس بے شمار دلائل ہیں جیسا کہ منکرین بھی جانتے ہیں۔ علم وعقل سے کورے تو یہ منکرین ہی ہیں۔ کتبہ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

اقتدار احمد خاں قادری نعیمی۔ بدایونی

فتویٰ نمبر۲ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس فرزند کی قربانی پیش کی تھی وہ کون تھے۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے یا حضرت اسحاق علیہ السلام اور ذبیح اللہ حضرت اسماعیل کا لقب ہے یا حضرت اسحاق کا۔

ہم نے اب تک اپنے علماء کرام سے یہی سنا تھا کہ حضرت خلیل اپنے فرزند حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کے لیے وادی منیٰ میں لیکر گئے تھے لیکن حال ہی میں ایک شخص ایک انگریزی کتاب لیکر میرے پاس آیا جس میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے

اسحاق کی قربانی پیشکی اور ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا اور اسی کتاب میں ایک صفحہ پر اس منظر کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم چھری لے کر بیٹھے ہوئے ہیں اور اسحاق کو لٹایا ہوا ہے چونکہ یہ بات ہمارے علماء کی فرمودہ بات کے خلاف ہے اس لیے مجھے مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی۔ لہٰذا مجھ کو بہت جلدی مدلل فتوٰی عطا فرمایا جائے تاکہ صحیح بات معلوم ہو۔ میں بحمدہ تعالٰی مسلمان ہوں۔ پاکستان کا رہنے والا ہوں۔ میرا موجودہ پتہ یہ ہے۔

محمد صادق سلیمی ویرن ۶۶ - ۵۸ - وارڈن ڈرف ویسٹ جرمنی

بعون العلام الوھاب

الجواب

تاریخی واقعات اور حقیقتِ حال کے اعتبار سے تو اظہر من الشمس یہی بات ہے کہ حضرت اسمٰعیل ہی ذبیح اللہ ہیں اور آپ کی ہی قربانی پیش فرمانے کا ارادہ خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اب اگر کوئی ذاتی تعصب کی بنا پر حقیقت حال کا انکار کردے یا تاریخ مسخ کرنے کی ناکام کوشش میں لگا رہے تو اس کا کوئی علاج نہیں مگر اصلیت کو نہ چھپایا جا سکتا ہے نہ اصلیت اور سچائی چھپی رہ سکتی ہے۔ یہی ایک حقیقت نہیں بلکہ یہود و نصارٰی نے ہر اس سچی بات اور حقیقت کو چھپانے اور بدلنے کی کوشش کی جس میں ذرا بھی ہمارے نبی سید المرسلین تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اظہار شان کا پہلو نکلتا تھا۔ اگرچہ وہ چھپانے سے چھپ نہ سکی اور بناوٹ بن نہ سکی۔ چنانچہ مذکورہ فی السوال یہ تاریخی واقعہ جس کو کئی سال بعد کے پادریوں پوپوں نے توڑنے مروڑنے کی کوشش صرف اس لیے کی کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا تعلق آقاء کائنات نبی آخر الزمان ختم المرسلین صلی اللہ علیہما وسلم سے ہے حالانکہ ان کی ہی موجودہ انجیلوں بائبلوں سے ثابت ہے۔ لہٰذا اپنے دلائل سے پہلے ہم اُن کی ہی کتب سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی فرزند میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ہی پیش کیا تھا۔ نہ کہ حضرت اسحاق کو۔ چنانچہ نیو ورلڈ بائبل ٹرانسلیشن کمیٹی نیویارک امریکہ میں ۱۹۶۰ء ۸ جنوری کو انجیل برناس آکسفورڈ یونیورسٹی کی جانب سے انگریزی زبان میں چھاپی اس کے صفحہ ۱۲۶ پر پہلی چار سطور میں صاف لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند اسمٰعیل کی قربانی پیش کی جو رب نے قبول فرمائی:

> Abraham loved his son Ishmael a little more than was right, wherefore God commanded, in order to kill that evil love out of the heart of Abraham, that he should slay his son: which he would have done had the knife cut.
>
> David loved Absalom vehemently, and therefore God brought it to pass that the son rebelled against his father and was suspended by his hair and slain by Joab. O fearful judgement of God, that Absalom loved his hair above all things, and this was turned into a rope to hang him withal.
>
> Innocent Job came near to loving [over much]

sons and three daughters, when God gave him into the hand of Satan, who not only deprived him of his sons and his riches in one day, but smote him also with grievous sickness, insomuch that for seven years following worms came out of his flesh.

...... Our father Jacob loved Joseph more than his other sons, wherefore God caused him to be sold, and caused Jacob to be deceived by these same sons, insomuch that he believed that the beasts had devoured his son, and so abode ten years mourning.

نیز بائبل سوسائٹی ہند نمبر ۲۰۶ مہاتما گاندھی روڈ بنگلور اور پاکستان بائیبل سوسائٹی لاہور، کراچی کی مطبوعہ انجیل پرانا اور نیا عہد نامہ، کتاب پیدائش باب ۲۲ آیت ۲ صفحہ ۲۱ پر اور نیو ورلڈ بائبل ٹرانسلیشن کمیٹی ۱۹۶۱ء ۱۷ جنوری امریکہ نیو یارک میں چھپی ہوئی کتاب انجیل پیدائش صفحہ ۳۰ باب ۲۲ پر اور مانچسٹر بائبل سوسائٹی کی چھپی ہوئی انگلش ہولی بائبل جس کے صفحات تقریباً تیرہ سو ۱۳۰۰ ہیں بڑا سائز اس کے صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے۔ اس چیپٹر نمبر ۲۲ یہ کتاب بالتصویر ہے مگر اس میں سائل کی مرسلہ تصویر نہیں ہے جس سے ثابت ہوا کہ یہ تصویر اب حال ہی میں خود ساختہ بنائی گئی ہے اپنے خیالی تصور سے۔ بہر حال اس کی نقل فوٹو ساتھ ہی کف کرکے بھیجی جارہی ہے کسی بھی لائبریری سے دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کی اردو عبارت اس طرح ہے۔ ماخوذ از اردو انجیل پیدائش صفحہ ۲۱۔ آیت ۲۔ تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے (اضحاق) کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا۔ سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔ اس عبارت میں اکلوتا بیٹا کے ساتھ اضحاق انجیل میں تبدیلیاں کرنے والے نے بعد میں صرف دشمنی اور تعصب کی بنا پر لکھ دیا۔ ورنہ خود انجیلی عبارت ہی اس کو غلط قرار دے رہی ہے وجہ سے۔ پہلی یہ کہ حضرت اضحاق اکلوتا بیٹا نہیں ہیں۔ اکلوتا بیٹا صرف پہلے بیٹے کو کہا جاتا ہے اور جب تک دوسرا بیٹا پیدا نہ ہوا اس وقت تک پہلے بیٹے کا لقب بڑھاپے تک اکلوتا ہوتا ہے۔ جس کو عربی میں ولد الفرید یا ابن الفرید کہتے ہیں اور انگریزی میں اون لی سن ONLY SON کہتے ہیں۔ اسی انجیل کی آیت ۱۲ اور ۱۶ میں لکھا ہے۔ اس لیے کہ تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا۔ ۱۶ نہ کر اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ رکھا (الخ) دوسری وجہ یہ کہ ان دو آیتوں میں صرف اکلوتا بیٹا کہا گیا نام کسی کا نہیں لیا گیا۔ کیونکہ اکلوتا بیٹے میں نام کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ نام وہاں لینا ضروری ہے جہاں اور بھی بیٹا ہو تو تعیین اور تخصیص کے لیے نام لیا جاتا ہے۔ جب ایک ہی بیٹا ہے تو تخصیص کس سے ؟ اس لیے اکلوتا کہنا کافی ہے۔ اب ایک جگہ اضحاق کا نام لکھ دینا جان بوجھ کر ایک نادانی کی شرارت ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ حضرت اسحاق اکلوتے نہیں ہیں۔ بلکہ اکلوتے حضرت اسماعیل ہیں اور تقریباً چودہ ۱۴ سال آپ اکلوتے رہے۔ اس کے بعد آپ کے بھائی علاتی حضرت اسحاق پیدا ہوئے

چنانچہ انجیل پیدائش ہر زبان کی ٹرانسلیشن میں باب ۲۱/۱۶ تا باب ۲۲ ہی لکھا ہے۔ اردو انجیل صفحہ ۱۶ تا صفحہ ۲۰ میں ہے کہ جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی برس تھی اور جس وقت حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر سو سال تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جب فوت ہوئے تو دونوں فرزند اسماعیل اور اسحاق دفن میں شریک تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت اسحاق تو کبھی بھی اکلوتے نہ ہوئے۔ یعنی ایسا بھی نہ ہوا کہ حضرت اسماعیل ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں فوت ہو جاتے اور حضرت اسحاق اکیلے بیٹے رہ جاتے اگرچہ ایسے اکیلے بیٹے کو اکلوتا نہیں کہا جاتا چوتھی وجہ وہی جو اوپر بیان کی گئی انجیل کی پہلی عبارت میں لفظ اسحاق دو۔ فل سٹاپ۔ ڈکاموں کے اندر لکھا ہوا ہے اس بریکیٹ اور کومے سے واضح ہوا کہ یہ تفسیری داخل کیا گیا ہے اور ملاوٹ کرنے والے عیسائی نے اس لفظ سے اپنے خیال اور عقیدے کا اظہار کیا ہے۔ بریکیٹ کا معنیٰ ہوتا ہے۔ یعنی تو اب باب ۲۲ آیت نمبر ۲ کا ترجمہ اس طرح ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے یعنی اسحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے۔ (الخ) اور جب یہ تفسیر ہوئی اور وہ بھی بلا دلیل تو یہ اپنی من مرضی سے ہر شخص کر سکتا ہے۔ مگر ہوگی کذب بیانی کیونکہ حضرت اسحاق کو اکلوتا کہنا ہر لحاظ سے جھوٹ ہے ہم اگلے صفحے پر انگریزی انجیل کی عبارت کا پورا صفحہ فوٹو سٹیٹ کاپی بھیج رہے۔ اس میں لفظ اسحاق کے آس پاس بریکیٹ دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ اناجیل سو سالہ پرانی یا غالباً ڈیڑھ سو سالہ پرانا مطبوعہ جمعیت تبلیغ اسلام کی لائبریری میں موجود ہے۔ یہاں آکر بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ بہر کیف کچھ بھی بناوٹ کرلی جائے اصل انجیل یا بائبل سے اب بھی ثابت نہیں کہ حضرت اسحاق کی قربانی پیش کی گئی۔ پانچویں وجہ یہ کہ انجیل کی اسی آیت نمبر ۲ باب ۲۲ میں ہے کہ یہ قربانی موریاہ کے علاقے میں ہوئی اور موریاہ سے مراد مروہ پہاڑی ہو سکتا ہے جو فاران کے علاقے میں واقع ہے اور بقول انجیل پیدائش باب ۲۱ آیت ۲۱ صفحہ ۲۰ اسماعیل ہی فاران کے علاقے میں رہا۔ لکھا ہے کہ اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا (الخ) فاران کا بیابان وہی ہے جہاں آج مکہ مکرمہ۔ مروہ۔ منیٰ۔ میدانِ عرفات واقع ہے۔ اس جگہ حضرت اسحاق کبھی بھی نہیں آئے۔ اس جگہ کو انجیل پیدائش باب ۱۱ آیت ۶ صفحہ ۱۳ میں مورہ بھی کہا گیا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابراہیم کی قربان گاہ منیٰ کے سوا کہیں نہیں۔ منیٰ ہی مورہ (مروہ) کے قریب ہے۔ غرضیکہ انجیل اور بائبل کی ہر آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ ذبیح اللہ اسحاق نہیں ہیں بلکہ اسماعیل ہیں۔ کیونکہ وہی اکلوتے ہیں۔ اسحاق کا نام بعد میں اپنی مطلب برآری اور اسلامی تاریخ اور حضرت اسماعیل کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جدِ اعلیٰ ہونے کی وجہ سے فقط دشمنی اور تعصب کی بنا پر ملاوٹ کیا گیا ہے۔ اس صفحہ میں آپ نے صرف یہ دیکھنا ہے کہ اسحاق کے نام کو بریکیٹ یعنی دو کوموں میں لکھا گیا ہے۔ یہ ایک دھوکا ہے مگر لفظِ اکلوتے نے ان کا یہ دھوکا چلنے نہ دیا۔ یہ باریکی دراصل ان کو معلوم نہ ہو سکی ورنہ یہ لوگ لفظ اکلوتا بھی اڑا دیتے ہو سکتا ہے۔ میرے اس فتوے کو دیکھ کر آئندہ ایڈیشن میں اکلوتا کا لفظ مٹا دیں۔

A·bim'e·lech had seized by violence.
26 then A·bim'e·lech said: "I do
not know who did this thing, nei-
ther did you yourself tell it to me,
and I myself have also not heard
of it except today." 27 With that
Abraham took sheep and cattle and
gave them to A·bim'e·lech, and
both of them proceeded to conclude
a covenant. 28 When Abraham
set seven female lambs of the flock
by themselves, 29 A·bim'e·lech
went on to say to Abraham: "What
is the meaning here of these seven
female lambs that you have set by
themselves?" 30 Then he said:
"You are to accept the seven fe-
male lambs at my hand, that it
may serve as a witness for me that
I have dug this well." 31 That is
why he called that place Be'er-
she'ba, because there both of them
had taken an oath. 32 So they
concluded a covenant at Be'er-
she'ba, after which A·bim'e·lech got
up together with Phi'col the chief
of his army and they returned to
the land of the Phi·lis'tines.
33 After that he planted a tama-
risk tree at Be'er-she'ba and called
there upon the name of Jehovah the
indefinitely lasting God. 34 And
Abraham extended his residence as
an alien in the land of the Phi-
lis'tines many days.

22 Now after these things it came
about that the [true] God put
Abraham to the test. Accordingly
he said to him: "Abraham!" to
which he said: "Here I am!"
2 And he went on to say: "Take,
please, your son, your only son
whom you so love, Isaac, and make
a trip to the land of Mo·ri'ah and
there offer him up as a burnt offer-
ing on one of the mountains that
I shall designate to you."

3 So Abraham got up early in
the morning and saddled his ass
and took two of his attendants
with him and Isaac his son; and he
split the wood for the burnt offer-
ing. Then he rose and went on the
trip to the place that the [true]
God designated to him. 4 It was
first on the third day that Abra-
ham raised his eyes and began to
see the place from a distance.
5 Abraham now said to his attend-
ants: "You stay here with the ass,
but I and the boy want to go on
over there and worship and return
to you."

6 After that Abraham took the
wood of the burnt offering and put
it upon Isaac his son and took in
his hands the fire and the slaugh-
tering knife, and both of them
went on together. 7 And Isaac
began to say to Abraham his fa-
ther: "My father!" In turn he
said: "Here I am, my son!" So he
continued: "Here are the fire and
the wood, but where is the sheep
for the burnt offering?" 8 To this
Abraham said: "God will provide
himself the sheep for the burnt
offering, my son." And both of
them walked on together.

9 Finally they reached the place
that the [true] God had desig-
nated to him, and Abraham built
an altar there and set the wood in
order and bound Isaac his son
hand and foot and put him upon
the altar on top of the wood.
10 Then Abraham put out his
hand and took the slaughtering
knife to kill his son. 11 But Jeho-
vah's angel began calling to him
out of the heavens and saying:
"Abraham, Abraham!" to which he
answered: "Here I am!" 12 And
he went on to say: "Do not put out
your hand against the boy and do
not do anything at all to him, for
now I do know that you are God-
fearing in that you have not with-
held your son, your only one, from
me." 13 At that Abraham raised
his eyes and looked and there, deep
in the foreground, there was a ram
caught by its horns in a thicket.
So Abraham went and took the
ram and offered it up for a burnt
offering in place of his son. 14 And
Abraham began to call the name
of that place Je·ho'vah-ji'reh. This
is why it is customarily said today:
"In the mountain of Jehovah it
will be provided."

15 And Jehovah's angel pro-
ceeded to call to Abraham the
second time out of the heavens
16 and to say: "'By myself, I do
swear,' is the utterance of Jehovah,

یہاں تک تو ہم نے عیسائیوں کی تردید خود ان کی انجیلوں سے کر دی۔ اب ہم اپنی کتب سے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں اور ان کی ہی قربانی حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام نے پیش کی تھی۔ ہمارے بعض مصنفین نے بھی بائبل کی ان ہی عبارتوں سے غالباً متاثر یا مرعوب ہو کر بڑے شد و مد سے لکھ دیا کہ ذبیح اسحاق ہیں ان کو ذرا بھی خیال نہ آیا کہ منافقین انجیل سے مرعوب ہونا دانشوروں کا شیوہ نہیں۔ ان مصنفین نے ذرا بھی تدبر سے کام نہیں لیا بہر حال یہ ان کا عدم تفکر اور صحبتِ بد کا نتیجہ ہے۔ پہلی دلیل قرآن کریم نے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کا ذکر سورۃ الصّٰفّٰت میں آیت کریمہ ۱۰۰ تا ۱۱۲ پ ۲۳ اس طریقہ سے فرمایا ہے کہ بادی النظر میں ہی صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ حضرت ابراہیم نے عرض کیا اے میرے رب مجھ کو صالحین یعنی اچھی اولاد سے کچھ

عطا فرما۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۱۰۱ تو ہم نے انہیں خوش خبری سنائی ایک عقل مند لڑکے کی۔ ان دونوں آیتوں میں حضرت ابراہیم کی دعا اور قبولیت کا ذکر ہے اور دعا اس وقت مانگی جاتی ہے جب انسان اس چیز سے محروم ہو گویا کہ اس دعا کے وقت حضرت ابراہیم کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ دوسری دلیل۔ پھر یہ دعا قبول ہوئی اور بیٹا آیا۔ یہ پہلا اور اکلوتا بیٹا تھا۔ اس بات میں کسی مذہب کسی دین کا اختلاف نہیں ہے کہ پہلے بیٹے حضرت اسماعیل ہی ہیں اور یہ دعا انہیں کے حق میں قبول ہوئی۔ انہیں کی بشارت دی گئی انہیں کو حلیم فرمایا گیا۔ آگے ارشاد ہے۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ۔ پھر جب پہنچ گیا وہ بیٹا ان ابراہیم کے ساتھ کام کاج اور ہاتھ بٹانے کی عمر کو۔ یہ بات بھی تاریخ کے مطابق ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نے ہی اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مل کر کام کاج کیے۔ جن میں مشہور زمانہ تعمیر کعبہ ہے۔ حضرت اسحاق کا کوئی کام حضرت ابراہیم علیہما السلام کے ساتھ مل کر کرنا ثابت نہیں۔ اس آیت میں محنت مشقت جن کے لیے اشارہ ثابت کی جارہی وہ پہلا بیٹا ہے پھر ذکر ہے۔ تیسری دلیل۔ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۱۰۲ لفظ فَـ نے بتایا تھا کہ حضرت ابراہیم نے ذبح کی بات اسی بیٹے سے کی جس کی دعا مانگی اور جس کی قبولیت دعا سے بشارت دی گئی اور ذبح کی بات کس وقت کی جب وہ کام کے لائق ہوا کہ فرمایا۔ اے میرے بھولے بھالے بچے بے شک میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ پس تو سوچ تیری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے کہا اے میرے ابا جان آپ فوراً وہ کام کریں جس کا آپ حکم دے گئے ہو۔ عنقریب مجھ کو پائیں گے آپ ان شاء اللہ تعالیٰ صبر والوں سے۔ آگے آیت نمبر ۱۰۶ میں ارشاد ہے اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۱۰۶ بے شک یہ خواب والا حکم البتہ وہ بہت بڑا کھلا امتحان ہے۔ اس آیت کریمہ میں بلا کو بلاءٌ المبین فرما کر سخت امتحان ہے اگرچہ کسی بھی بیٹے کا ذبح باپ کے ہاتھوں کرانا قوی سخت امتحان صبر و رضا ہے جب ایک ہی بیٹا ہو اور منتوں دعاؤں التجاؤں سے حاصل کیا گیا ہو۔ اگر کسی کے چند یا دو بیٹے ہوں تو ایک بیٹے کی قربانی اتنی گراں نہیں گزرتی اور وہ حکم بھی بلا ضرور ہے مگر بَلٰٓؤٌا مُّبِیْن نہیں ہے۔ بلاءٌ المبین وہی حکم ہوگا جو اکلوتے بیٹے اور دعاؤں سے حاصل کیے گئے بیٹے کے ذبح کے لیے ہو۔ یہ دونوں باتیں کہ اکلوتا ہونا اور دعاؤں سے ملنا حضرت اسماعیل میں جمع ہیں۔ حضرت اسحاق نہ اکلوتے ہیں نہ دعاؤں سے لیے گئے ہیں۔ انجیل نے بھی اس ذبح کو اہم بتاتے ہوئے بار بار اکلوتے ہونے کا ذکر کیا ہے۔ رب تعالیٰ نے بلاء کو مبین فرما کر اسی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان تمام واقعات کے بعد۔ دلیل چہارم۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے۔ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اور بشارت دی ہم نے ان کو اسحاق کی جو نبی ہیں لیاقت اور صلاحیت رکھنے والوں سے ہیں۔ پہلے فَبَشَّرْنٰهُ میں فَ تعقیبیہ ہے یعنی وہ بشارت دعا کے بعد ہے یہاں واو ابتدائیہ ہے۔ یعنی یہاں دعا نہیں ہے۔ بلکہ ہم نے خود ہی بشارت دی اور بے مانگے کے اسحٰق بیٹا ملا۔ دلیل پنجم۔ سورہ ھود میں حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت اس طرح ہے کہ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ۔ ۷۱ - جب

حضرت سارہ ہنسیں تب ہم نے ان کو بشارت دی اسحاق کی اور اسحاق کی بشارت کے علاوہ یعقوب کی یعنی حضرت سارہ کو ابراہیم علیہ السلام کی موجودگی میں بیٹے اور پوتے کی خوش خبری مل رہی ہے۔ یعنی اے سارہ تمہاری بھی اتنی دراز عمر ہوگی اور تمہارے بیٹے اسحاق کی بھی اتنی عمر ہوگی کہ وہ بالغ جوان پھر شادی بیاہ والا ہو کر صاحب اولاد ہوگا۔ ادھر تو یہ بشارت پہلے ہی سنادی اور ادھر کہا جائے کہ اسحاق کے ذبح کرنے کا بچپن میں حکم ملا اور حضرت ابراہیم اسحاق کو ذبح کرنے لگے۔ اب ابراہیم اس بشارت کو درست سمجھیں یا اس حکم کو درست جانیں۔ اگر دونوں کو درست سمجھیں تو پھر امتحان کب رہا۔ جبکہ بچ رہنے اور بشارت کے یقینی پورے ہونے کی یقینی کیفیت کا پتہ ہے۔ قرآن مجید کے ان پانچ اشارت النص دلائل سے ثابت ہوا کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں۔ حضرت اسحاق کو ذبیح کہنا انجیل، بائیبل اور قرآن مجید کے سخت خلاف ہے۔ چھٹی دلیل۔ سورۃ انبیاء ع۲۱ آیت ۸۵ پ۱۷۔ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ وَ ذَاالْکِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ترجمہ۔ اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل یہ سب بہت صبر کرنے والوں سے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صبر یہی تھا کہ اپنے ذبح ہونے کے لیے کمال صبر سے خود کو پیش کر دیا اور عرض کیا کہ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ حضرت اسحاق کو کسی جگہ صابرین سے نہ فرمایا گیا۔ حضرت ادریس اور ذوالکفل کو بھی ان کی اپنی قوموں نے شہید کرنے کے لیے گھیر لیا تھا اور ایذ میں تو بکثرت پائیں۔

ساتویں دلیل۔ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ۵۴ وَكَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا ۵۵۔ اور (اے حبیب کریم) یاد کیجیے (اپنے جدِ اعلیٰ) اسمٰعیل کی بے شک وہ وعدے کے سچے اور تھے وہ رسول نبی اور اپنی قوم (جرہم) کو حکم دیتے تھے نماز اور زکوٰۃ کا اور تھے اپنے رب تعالیٰ کے پیارے پسندیدہ۔ یہاں اسماعیل علیہ السلام کا نام لے کر آپ کی چار صفات کا ذکر فرمایا گیا۔ ۱۔ صادق الوعد (وعدے کے سچے پکے)۔ وعدے میں مفسرین کے مختلف قول ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے ذبح ہونے کا ان شاء اللہ کہہ کر وعدہ کیا اور پورا کر دیا۔ تفسیر القرآن بالقرآن سے یہی قول زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے مفسرین اس کے تحت صحیح نہیں ہو سکتے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ایسی صفت کا ذکر قرآن مجید میں نہ ہوا۔ نہ آپ کے وعدے کا ذکر نہ اس کے پورا کرنے کا ذکر۔ سورۂ صٰفٰت کی آیت ۱۰۲ میں یٰبُنَیَّ کی وضاحت نہ کی گئی کہ یہاں کون سا بیٹا مراد ہے اور کس نے ان شاء اللہ کہہ کر وعدہ کیا تھا۔ یہاں اس آیت میں وضاحت فرما دی گئی وہ وعدہ کرنے والے بیٹے اسمٰعیل تھے۔ یٰبُنَیَّ کا تصغیری لفظ بتا رہا ہے کہ بچپن کی عمر میں تقریباً بارہ تیرہ سالہ زندگی میں یہ ذبح ہوا جبکہ اسحاق علیہ السلام کی بڑھاپے کی عمر میں تقریباً ۶۰ سالہ عمر میں یعقوب پیدا ہو رہے ہیں۔ اس وقت حضرت سارہ حیات تھیں مگر ایک قول میں حضرت ابراہیم فوت ہو چکے تھے مگر بقول انجیل سارہ پہلے فوت ہوئیں ابراہیم علیہ السلام بعد میں۔ بہر حال بشارتِ اسحاق کا تقاضا ہے کہ ولادتِ یعقوب کے بعد ذبحِ اسحاق کا حکم ملے لیکن یٰبُنَیَّ کا اور انجیل پیدائش کا تقاضا ہے کہ مراہقت

یعنی قریب بلوغ بچپن میں ذبح کیا جانے کا حکم ملے۔ عجیب تضاد اور الجھن ہے۔ ذبح اسمٰعیل میں یہ الجھن نہیں ہے لہٰذا عقل سے کام لینا چاہیے خواہ مخواہ محض دشمنی، تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر توڑ موڑ اور الجھن میں پھنسنے کی ضرورت کیا ہے؟ اس آیت میں دوسری صفت رسول بیان ہوئی۔ یہ صفت حضرت اسحاق کے لیے بیان نہ ہوئی۔ وہ صرف نبی تھے۔ تیسری صفت نبیًّا۔ ارشاد ہوئی اس صفت میں دونوں شریک ہیں۔ چوتھی صفت۔ مَرْضِیًّا۔ ارشاد ہوئی مرضیًّا اسم مفعول واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ جس کا ترجمہ ہے۔ پسند کیا ہوا۔ خوش کیا ہوا۔ دیکھو کتب لغت۔ لغات القرآن جلد پنجم صفحہ ۲۶۰ انجیل میں بھی فرزند ذبیح کے لیے پیارا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ وہاں لفظ اسحاق کی ملاوٹ کر دی گئی ہے۔ قرآن مجید کی اور موجودہ انجیل کی یہ مشترکہ بات اسماعیل علیہ السلام کے لیے زیادہ درست معلوم ہوتی ہے چار وجہ سے۔ ایک یہ کہ قرآن پاک نے اسماعیل کا صاف نام لے کر پیارا ہونا بتایا اور انجیل نے اکلوتا کہہ کر اسماعیل کا پیارا ہونا ثابت کیا۔ کیونکہ بقول انجیل اور حقیقتہً اسماعیل ہی اکلوتے ہیں دوم یہ کہ قرآن مجید نے اسماعیل کو رب کا پیارا بتایا اور انجیل نے اکلوتے بیٹے کو ابراہیم کا پیارا ہونا بتایا اور انبیاء کے نزدیک وہی پیارا ہوتا ہے جو خدا تعالےٰ کا پیارا ہو۔ گویا کہ انجیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیارا ہونا بتایا گیا اور قرآن پاک میں پیارا ہونے کی وجہ بتائی جا رہی ہے سوم یہ کہ۔ انجیل سے ثابت ہے کہ اسماعیل علیہ السلام بڑے ہیں فطری طور پر بڑی اولاد سے اور بڑے بیٹے سے زیادہ پیار ہوتا ہے۔ چہارم یہ کہ پسندیدگی اور پیارا ہونے کی وجہ ہوتی ہے۔ دنیا میں چند وجوہ مشہور ہیں جن کی بنا پر اولاد میں پیارا ہونے کی اہلیت ہوتی ہے۔ نمبر۱ عقل مند ہونا۔ یہ صفت اسمٰعیل میں پائی گئی کہ قرآن مجید نے آپ کو غلام حلیم فرمالہٰ حلیم بتایا حلیم کے معنی ہیں عقل مند۔ دیکھو کتب لغت۔ نمبر۲ قوت و طاقتور ہونا۔ یہ صفت بھی اسمٰعیل علیہ السلام میں ہے قرآن مجید نے بیان کیا۔ السَّعْیُ۔ سَعْیٌ کا معنیٰ ہے ہمت۔ کوشش۔ طاقت۔ نمبر۳ کام کرنا اور والد کے ساتھ ہاتھ بٹانا یہ صفت بھی قرآن مجید نے صرف حضرت اسمٰعیل کے لیے بیان کی کہ فرمایا مَعَہٗ۔ یعنی والد کے ساتھ ہمت طاقت سے کام کاج کرنے والا۔ تاریخ نے بھی اسمٰعیل علیہ السلام کے کام کاج کو ظاہر کیا۔ ان وجہوں سے اسمٰعیل ہی پیارے ہوئے۔ حضرت اسحاق کی یہ صفات نہ قرآن پاک نے بیان کیں نہ تاریخ سے ثابت ہیں اور بقول انجیل ذبیح میں پیارا ہونا شرط ہے۔ اس لیے اسمٰعیل ہی ذبیح ہو سکتے ہیں۔ ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے حضرت اسحاق کو ذبیح کہتے چلے جانا کوئی عقل مندی کی دلیل نہیں آٹھویں دلیل۔ ابھی تک ہم نے انجیل۔ بائبل اور قرآن مجید کے صاف صاف دلائل سے ثابت کیا اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ حضرت اسحاق کے ذبیح ہونے کا کوئی ثبوت نہیں انجیل میں۔ نہ قرآن مجید میں۔ اب احادیث مبارکہ میں فرمودات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کیا جاتا ہے۔ پہلی حدیث پاک۔ مستدرک حاکم جلد سوم صفحہ ۵۵۴ پر ہے۔ عَنْ عُمَرَ ابْنِ اَبِیْ مُحَمَّدِ الْخَطَّابِیِّ عَنِ الْعُتْبِیِّ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ سَعِیْدِ الصَّنَابِحِیِّ قَالَ حَضَرْنَا مَجْلِسَ مُعَاوِیَۃَ فَتَذَاکَرَ الْقَوْمُ

إِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ أَيُّهُمَا الذَّبِيحُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ إِسْمٰعِيلُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ إِسْحٰقُ۔ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ عَلَى الْخَبِيرِ سَقَطْتُمْ۔ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَتَاهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ خَلَفْتَ الْكَلَأَ يَابِسًا وَالْمَاءَ عَابِسًا هَلَكَ الْعِيَالُ وَضَاعَ الْمَالُ فَعُدْ عَلَيَّ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْكَ يَا ابْنَ الذَّبِيحَيْنِ۔ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ (الخ) ترجمہ۔ روایت ہے عبداللہ صنابحی سے کہ ہم حضرت امیر معاویہؓ کی مجلس میں حاضر تھے اور ذکر شروع تھا کہ ذبیح اللہ کون ہے۔ اسمٰعیل یا اسحٰق کچھ نے کہا اسحٰق تو حضرت امیر معاویہ نے فرمایا مشہور بات میں بحث اور اختلاف کیا تم نے ہم آقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مجلس پاک میں تھے کہ ایک اعرابی آیا اور عرض کیا یا رسول گھاس خشک رہ گیا اور پانی منہ موڑ گیا۔ بچے ہلاک ہو گئے۔ مال ضائع ہو گیا تو وعدہ لیجئے ایسا جو پورے کرے اللہ آپ پر اے دو ذبیحوں کے فرزند پاک۔ تو تبسم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم نے اور اس لقب کا انکار نہ فرمایا۔ قوم نے حضرت امیر معاویہ سے پوچھا دو ذبیح کون ہیں تو امیر نے فرمایا ایک حضرت عبداللہ۔ کیونکہ عبدالمطلب نے منت مانی تھی۔ جبکہ آپ نے زم زم کا کنواں کھود لیا تو محسوس کیا کہ کاش میرے زیادہ بیٹے ہوتے تب آپ نے منت مانی کہ اگر میرے دس بیٹے ہوں تو ایک بیٹا نام خدا ذبح کرونگا رب نے دس بیٹے دیئے جب سب جوان ہوئے تو آپ نے قرعہ ڈالا (کئی مرتبہ) ہر مرتبہ نام عبداللہ کا نکلتا رہا تب آپ نے ان کو ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا مگر عبداللہ کے ننھیال نے سو اونٹ پر قرعہ ڈالا اور اونٹ فدیہ قربان کر کے حضرت عبداللہ کو چھڑا لیا اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل ہیں ان کو بھی چھری کے نیچے سے دنبہ فدیہ دے کر بچایا گیا۔ بحوالہ روح المعانی، ہشتم پ ۲۳ صہ ۱۲۲ و خصائص کبریٰ جلد سوم صہ ۱۲۳ و ابن کثیر جلد چہارم صہ ۱۸ اور دیگر تفاسیر دوسری حدیث شریف۔ نویں دلیل۔ فتاوٰی شامی جلد دوم صہ ۱۸ پر ہے۔ وَأَمَّا الْخَبَرُ لِمَا رُوِيَ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ أَنَا ابْنُ الذَّبِيحَيْنِ يَعْنِي أَبَاهُ عَبْدَ اللّٰهِ وَإِسْمٰعِيلَ وَاتَّفَقَتِ الْأُمَّةُ أَنَّهُ كَانَ مِنْ وُلْدِ إِسْمٰعِيلَ ترجمہ اور لیکن حدیث سے بھی ثابت ہے کہ وہ جو روایت کی گئی نبی کریم عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ سے کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں ایک آپ کے والد محترم حضرت عبداللہ اور ایک آپکے جد اعلیٰ حضرت اسمٰعیلؑ اور یہ بات سب امت میں متفق ہے کہ آقائے دوعالم حضرت اسماعیل ہی کی اولاد سے ہیں دسویں دلیل صحابہ کرام تابعین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر صہ ۱۸ جلد چہارم میں ہے۔ وَرُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي الطُّفَيْلِ وَسَعِيدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَسَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ وَالْحَسَنِ وَمُجَاهِدٍ وَالشَّعْبِيِّ وَمُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ وَأَبِي جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَأَبِي صَالِحٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالُوا الذَّبِيحُ إِسْمَاعِيلُ وَقَالَ الْبَغَوِيُّ فِي تَفْسِيرِهِ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَسَعِيدُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالسُّدِّيُّ وَالْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَمُجَاهِدٌ وَشَعْبِيٌّ

وَمُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ الْقُرَظِيُّ وَالْكَلْبِيُّ۔

ترجمہ۔ حضرت علی مرتضٰی اور ابن عمر ابوہریرہ ابوطفیل۔ سعید بن مسیّب سعید بن جبیر۔ امام حسن۔ مجاہد۔ شعبی محمد بن کعب ابوجعفر۔ ابوصالح تمام بڑے صحابہ نے فرمایا کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہیں اور فرمایا امام البغوی نے اپنی تفسیر میں کہ عبداللہ بن عمر و سعید ابن مسیب امام سدی حسن بصری اور مجاہد۔ امام شعبی محمد بن کعب قرظی اور امام کلبی کا مذہب بھی یہی ہے۔ اسی طرح تمام تابعین بھی یہی فرماتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر بغوی علی حاشیہ خازن جلد ششم ص۲۳ اور روح المعانی جلد ششم ص۱۳۵ پر لکھا ہے۔ اور تفسیر ابن کثیر جلد چہارم ص۱۳ پر ہے۔

وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَعَامِرُ الشَّعْبِيُّ وَيُوسُفُ بْنُ مِهْرَانَ وَمُجَاهِدٌ، وَعَطَاءٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ هُوَ اِسْمٰعِيْلُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ وَقَالَ ابْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنِيْ يُوْنُسُ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهَبٍ اَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ قَيْسٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ قَالَ الْمُفْدٰى اِسْمٰعِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ وَزَعَمَتِ الْيَهُوْدُ اَنَّهُ اِسْحَاقُ وَكَذَبَتِ الْيَهُوْدُ قَالَ اِسْرَائِيْلُ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ الذَّبِيْحُ اِسْمَاعِيْلُ۔

ترجمہ اور فرمایا سعید بن جبیر نے اور عامر شعبی اور یوسف بن مہران۔ مجاہد۔ عطاء اور ایک سے زیادہ نے کہ روایت ہے ابن عباس سے وہ ذبیح اسماعیل ہیں اور کہا ابن جریر نے حدیث بیان کی مجھے یونس نے کہ خبر دی ہم کو ابن وہب (تابعی) نے کہ مجھے خبر دی عمرو بن قیس نے وہ روایت کرتے ہیں عطا بن ابی رباح سے وہ ابن عباس سے راوی انہوں نے فرمایا فدیہ دئے ہوئے ذبیح حضرت اسمٰعیل ہیں اور یہودیوں نے وہم کیا ہے کہ اسحاق علیہ السلام ہیں اور وہ جھوٹے کاذب ہیں یہودی اور فرمایا (تبع تابعی) اسرائیل نے (روایت کیا) حضرت ثور سے وہ مجاہد سے راوی وہ حضرت عبداللہ بن عمر سے راوی رضی اللہ تعالٰی عنہما فرمایا کہ ذبیح اسماعیل ہی ہیں۔ ثابت ہوا کہ اَجَلّ صحابہ اور بڑے تابعین اور تبع تابعین کی تحقیق اور فرمان یہی ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہیں۔ صرف یہودیوں کا وہمی عقیدہ ہے کہ اسحاق کو ذبیح کہنے لگے ان کا یہ عقیدہ بڑا جھوٹ ہے۔ گیارہویں دلیل۔ ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر چہارم ص۱۴ پر ہے۔ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْاِمَامِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ سَاَلْتُ اَبِيْ عَنِ الذَّبِيْحِ هَلْ هُوَ اِسْمٰعِيْلُ اَوْ اِسْحَاقُ فَقَالَ اِسْمَاعِيْلُ

ترجمہ۔ اور فرمایا امام عبداللہ نے جو بیٹے ہیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے کہ پوچھا میں نے اپنے والد مکرم سے ذبیح اللہ کے بارے کیا وہ اسماعیل ہیں یا اسحاق تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اسماعیل ہیں۔ تفسیر بغوی جلد ششم ص۲۳ پر ہے۔

قَالَ الْاَصْمَعِيُّ سَاَلْتُ اَبَا عَمْرِو بْنَ الْعَلَاءِ عَنِ الذَّبِيْحِ اِسْحَاقُ كَانَ اَوْ اِسْمٰعِيْلُ فَقَالَ اَصْمَعِيُّ اَيْنَ ذَهَبَ عَقْلُكَ مَتٰى كَانَ اِسْحَاقُ بِمَكَّةَ اِنَّمَا كَانَ اِسْمَاعِيْلُ بِمَكَّةَ وَهُوَ الَّذِيْ بَنٰى

اَلْبَیْتَ مَعَ اَبِیْہِ . . . . ترجمہ۔ امام فقیہ اصمعی نے فرمایا کہ میں نے اپنے استاد فقیہ امت امام ابو عمرو بن علاء سے پوچھا تھا۔ ذبیح اللہ کے بارے میں کہ وہ اسحاق تھے یا اسمٰعیل۔ تو آپ نے فرمایا اے اصمعی کہاں گئی تیری عقل اسحاق علیہ السلام مکہ میں کب تھے (کبھی رخ بھی نہ کیا) مکے میں تو حضرت اسمٰعیل ہی تھے اور انہوں نے ہی اپنے والد ماجد کے ساتھ تعمیر کعبہ کا کام کیا علمی عقلی اور تاریخی اعتبار سے بھی حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ثابت ہوتے ہیں۔ اب جو ان کو ذبیح نہ مانے وہ عقل کا کورا ہے۔ فرمان عالیہ امام ابو عمرو کا ہے۔ حضرت عمرو بن علا مشہور فقیہ اسلام متاخرین فقہاء کرام اپنے مسائل فقہ میں ان کے حوالوں کا سہارا لیتے ہیں۔ گویا ہماری یہ دلیل عقلی دلیل ہے بارھویں دلیل۔ ابھی تک قرآن مجید اور انجیل برنباس۔ نیز بائبل احادیث۔ روایت۔ درایت۔ اقوال صحابہ عظام تابعین۔ تبع تابعین۔ ائمہ مجتہدین۔ فقہاء کرام سے ثابت کر دیا گیا فقہ اسلامی کی مشہور و معتبر کتاب فتاوی درمختار جلد دوم ص۱۰۱ پر ہے۔ وَالْمُخْتَارُ اَنَّ الذَّبِیْحَ اِسْمٰعِیْلُ ترجمہ۔ صحیح مذہب یہی ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ تیرھویں دلیل۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح اللہ ہیں۔ اب ہم تاریخ اور مشاہدے سے بھی ثابت کریں گے کہ ذبیح صرف حضرت اسماعیل کو کہا جا سکتا ہے۔ حضرت اسحاق علیہما الصلوٰۃ والسلام ہرگز ذبیح نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے بعد فدیہ اسماعیل علیہ السلام نے اسی وقت اس دنبے مذبوحہ کے سینگ تبرکاً اٹھا لیے اور پاس رکھ لیے پھر یادگار کے طور پر خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد نبی اسماعیل نے لٹکا دیئے۔ جیسا کہ تفاسیر کثیرہ معتبرہ میں منقول ہے۔ تفسیر خازن جلد ششم ص۲۷ پر ہے۔

وَمِنَ الدَّلِیْلِ اَیْضًا اَنَّ قَرْنَیِ الْکَبْشِ کَانَا مُعَلَّقَیْنِ عَلَی الْکَعْبَۃِ فِیْ اَیْدِیْ بَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ اِلٰی اَنِ احْتَرَقَ الْبَیْتُ فِیْ زَمَنِ ابْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ الشَّعْبِیُّ رَاَیْتُ قَرْنَیِ الْکَبْشِ مَنُوْطَیْنِ بِالْکَعْبَۃِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ کَانَ اَوَّلُ الْاِسْلَامِ وَاِنَّ رَاْسَ الْکَبْشِ لَمُعَلَّقٌ فِیْ مِیْزَابِ الْکَعْبَۃِ وَقَدْ وَحَشَ یَعْنِیْ یَبِسَ ـ

ترجمہ۔ اس بات کی دلیل۔ کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں ایک یہ بھی ہے کہ ان کے فدیہ کا مذبوحہ بکرے کے سینگ کعبہ پر لٹکے ہوئے تھے نبی اسماعیل کے قبضے میں یہاں تک کہ ابن زبیر کے زمانے میں کعبے کو آگ لگ گئی تھی تب وہ بھی جل گئے تھے امام شعبی نے فرمایا کہ میں نے خود وہ سینگ کعبہ کے کسی کنارے کے ساتھ لٹکے دیکھے ہیں اور ابن عباس نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کی قسم جبکہ اسلام کا ابتدائی دور تھا تو میزاب کعبہ یعنی کعبہ کے نالے میں لٹکے دیکھے اور وہ خشک ہو گیا۔ اس تاریخی قول سے ثابت کیا جا رہا ہے اسحٰق علیہ السلام ذبیح نہیں ہیں اگر ذبیح ہوتے تو بکرے کی سری اور سینگ فلسطین میں بنی اسرائیل کے قبضے میں ہوتے کیونکہ اسحاق علیہ السلام وہیں رہتے تھے۔ ان کا منیٰ یا مکہ پاک میں آنا تاریخ سے کہیں ثابت نہیں۔ چودھویں دلیل۔ تفسیر نسفی جلد چہارم ص۱۸ تفسیر خازن جلد ششم ص۲۱ پر ہے۔ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ

إِسْحَاقَ كَانَ إِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا زَارَ هَاجَرَ وَإِسْمَاعِيْلَ حُمِلَ عَلَى الْبُرَاقِ فَيَغْدُوْ مِنَ الشَّامِ فَيَقِيْلُ بِمَكَّةَ وَيَرُوْحُ مِنْ مَكَّةَ فَيَبِيْتُ عِنْدَ أَهْلِهِ بِالشَّامِ حَتّٰى إِذَا بَلَغَ إِسْمَاعِيْلُ مَعَهُ السَّعْيَ وَأَخَذَ بِنَفْسِهٖ وَرَجَاهُ لِمَا كَانَ يُؤَمِّلُ فِيْهِ مِنْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَتَعْظِيْمِ حُرُمَاتِهٖ أُمِرَ فِي الْمَنَامِ بِذَبْحِهٖ وَذٰلِكَ أَنَّهٗ رَأٰى لَيْلَةَ التَّرْوِيَةِ۔ (الخ)۔ فَمِنْ ثَمَّ سُمِّيَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ۔

ترجمہ: مؤرخِ اسلام حضرت محمد بن اسحاق نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب کبھی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو دیکھنے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لاتے تو اپنی تیز رفتار خچیل سواری پر بیٹھتے اور اشراق کے وقت صبح کو چلتے علاقہ شام سے اور دوپہر کو مکہ میں قیلولہ فرماتے (آرام فرماتے) اور شام کے وقت چل پڑتے مکے شریف سے تو سیدھا اپنے گھر ملکِ شام میں تشریف لے آتے۔ (اسی طرح ہوتا رہا) یہاں تک کہ اسماعیل بالغ ہو گئے اور ان کے ساتھ کام کرنے ہاتھ بٹانے کے لائق ہو گئے اور اپنے آپ کو سنبھالنے کے قابل ہو گئے اور حضرت ابراہیم کو امید ہو گئی ان کے بارے میں جبکہ امید کی جا سکتی تھی ان میں اپنے رب کی عبادت کرنے اور اس کی متبرک چیزوں کی تعظیم کرنے کی۔ گویا اچھی سمجھ بوجھ ہو گئی تو حضرت ابراہیم خواب میں ان اسماعیل کے ذبح کرنے کا حکم دیے گئے اور یہ خواب ترویہ کے دن یعنی آٹھ ذی الحج کو پہلی دفعہ دیکھی۔ اسی وجہ سے اس دن کا نام ترویہ کا دن رکھا گیا۔ ترویہ رَوِیَّہ سے بنا ہے بمعنی خواب دیکھنا۔ تاریخوں میں ہے کہ اسی صبح کو آپ شام سے چلے اور منیٰ میں آئے۔ اس لیے حاجی حضرات آٹھ ذی الحج کی صبح کو منیٰ آتے ہیں۔ پھر آپ رات وہیں رہے اور غور کرتے رہے کہ یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے یا نفسانی حکم ہے۔ آپ رات بھی وہیں رہے واپس نہ گئے۔ دوسری رات پھر یہ ہی خواب دیکھا تو آپ نے صبح اٹھ کر پہچان لیا کہ یہ خواب وحی الٰہی ہے۔ اسی لیے نویں ذی الحج کو یوم عرفہ یعنی پہچاننے کا دن کہا جاتا ہے۔ یا پہچاننے میں غور و فکر کرنے کا دن۔ یا آپ صبح اٹھ کر بغیر کچھ کھائے پیے اسی تفکرات میں میدان عرفات تک چلے گئے اور بیٹھے سوچتے رہے اور آپ کو یقین کامل ہو گیا کہ یہ خواب سچی ہے وحی ہے۔ اسی لیے حاجی لوگ عرفات کے میدان میں نویں ذی الحج کو جاتے ہیں اور مسلمان دنیا بھر میں اس دن نفلی روزہ رکھتے ہیں۔ یہ سب سنتِ ابراہیمی کی یادگار ہے۔ انھوں نے تو غور و فکر کی وجہ سے کچھ نہ کھایا تھا مگر مسلمانوں کے لیے اس کی یاد عبادت بن گئی بلکہ میدانِ عرفات میں بیٹھنے کا نام حج ہو گیا کیونکہ حج کا معنیٰ ارادہ قصد اور ایک معنیٰ ہے دلیل ملنا "مَحَجَّۃٌ یا حُجَّۃٌ" سے بنا ہے۔ حضرت ابراہیم کو ذبح اسماعیل کی یقینی دلیل قلبی اطمینان کی صورت میں یہیں پہنچ کر ملی تھی۔ شام کو واپس تشریف لائے تو گھر تشریف لائے یا مزدلفہ میں ہی تھک کر سو رہے۔ لیکن رات کو پھر تیسری بار خواب میں وہی حکم سنایا

تو آپ نے صبح اٹھ کر نفل تشکر پڑھے یا نفل استقامت ادا کیے اور ان نوافل میں بار بار تکبیر پڑھی۔ تو یہ ہمارے لیے نمازِ عید ہوگئی اور غالباً ذبح کے موقعہ پر تکبیر بھی اسی سنت کے مطابق ہے۔ پھر آپ معاً ذبح کی تلاش میں نکل گئے اور منیٰ میں ایک جگہ تلاش کر کے وہیں سے حضرت اسماعیل کو آواز دی۔ جب قریب پہنچ گئے تو آپ نے خواب کا وہ تمام واقعہ اور حکمِ ربی سنایا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بچپن سے ہی شکار کا شوق تھا۔ تیر کمان کے علاوہ کنکروں پتھروں سے بھی آپ شکار کھیل لیتے تھے۔ مزدلفہ وغیرہ کے جنگل سے ہی آپ پتھر کنکر وغیرہ اکٹھے کر کے لے آتے تھے اس وقت بھی آپ اپنے پتھروں کو ہی دیکھ رہے اور الٹ پلٹ کر رہے تھے کہ اچانک والدِ محترم کی آواز سنی اور پتھر کر دور ڈال پڑے۔ اس لیے آج بھی حجاج کو مزدلفہ کے جنگل سے کنکریاں چننے کا حکم ہے۔

جب حضرت اسماعیل اپنی اسی چھوٹی سی تیرہ یا بارہ سالہ عمر میں بارگاہِ الٰہیہ میں قربانی دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ تو والدِ محترم سے چند التجائیں کیں۔ ایک یہ کہ، میری والدہ حضرت ہاجرہ (مصریہ) جو ہمارے انتظار میں کھانا لے کر بیٹھی ہوں گی ان سے میرا آخری سلام کہہ دینا۔ دوم یہ کہ مجھ کو ذبح کے لیے الٹا لٹانا تاکہ آپ کو میری شکل پر رحم۔ ترس نہ آئے۔ تاریخوں میں ہے حضرت اسماعیل بہت ہی خوب صورت اور انتہائی بھولے بھالے اور پتلے دبلے تھے اور اکلوتے بیٹے بھی تھے۔ بڑھاپے کی عمر میں بہت دعاؤں کے بعد ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ گھنٹوں آپ کو پیار کرتے رہتے۔ کبھی ہاتھ کبھی ماتھا کبھی رخسار چومتے اور چلتے پھرتے اسی لختِ جگر کو دیکھا کرتے تب یہ امتحان عظیم لیا گیا۔ سوم یہ کہ آپ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں۔ حضرت ابراہیم یہ باتیں سن کر آبدیدہ ہو گئے تو اسماعیل خود ہی الٹے لیٹ گئے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے ذرا سا درست کر کے کچھ دعائیہ کلمات ادا فرمائے اور چھری پوری قوت سے چلا دی۔ اللہ اکبر کیا دلدوز جگر سوز منظر ہوگا۔ ایسی قربانی شانِ نبوت ہی کے لائق ہے بھولا بھالا چہرہ بچپن کی باتیں کیا صبر آزما لمحات تھے۔ تاریخ اور تفاسیر کی اخذ شدہ ان عبارتوں سے یہی حقیقت ظاہر و ثابت ہوتی ہے کہ اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ حج کی کیفیات بھی اسی کی مطابقت کرتی ہیں اس وقت صرف اسماعیل ہی بیٹا ہیں۔ اگر ذبح اسحاق کا ہوتا، تو اولاً حضرت ابراہیم منیٰ میں کیوں آتے فلسطین اور شام میں ہی کہیں قربان گاہ بنا لیتے حالانکہ قربان گاہ ابراہیمی بجز منیٰ کے کہیں ثابت نہیں نہ کوئی آج تک ثابت کر سکا۔ دوم یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کو دونوں بیٹوں کے تعین کرنے کی ضرورت پیش آتی کہ کون سا بیٹا ذبح کروں۔ اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ اس وقت جبکہ اسحاق پیدا ہوئے جوان بلکہ بوڑھا ہوتے تک اسماعیل بھی موجود ہیں۔ ہاں اسماعیل علیہ السلام پر تیرہ سال کا ایسا دور گزرا۔ جب کوئی اور بیٹا نہ تھا۔ اسحاق علیہ السلام کے وقت جس بیٹے کو ذبح کے لیے منتخب کیا جاتا تو اس کی انتخاب اور ترجیح کی وجہ ہونی ضروری تھی۔ ورنہ دامنِ نبوت پر جانب داری کا دھبہ لگ جاتا اور مائیں ہی کہہ دیتیں یا قبیلے والے کہ جس بیٹے سے پیار نہ تھا اُس کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے۔ تاقیامت ایک طعنہ بن جاتا۔ اسماعیل کے ذبیح ماننے

میں یہ کوئی بھی خرابی لازم نہیں آتی۔ اس کے علاوہ جن لوگوں نے اسحاق علیہ السلام کو ذبیح مانا ہے ان کے دلائل میں بہت کمزوریاں خرابیاں ہیں جو آگے بیان کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالےٰ۔ پندرھویں دلیل۔ ان سابقہ دلائل کے علاوہ مسلمانوں کا سالانہ عملی مشاہدہ اور تجربہ جو میدانِ منیٰ میں رمیِ جمار کی شکل میں ہوتا ہے وہ یہی ثابت کرتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ ہر حاجی منیٰ میں پہنچ کر تین جمروں کی رمی کرتا ہے۔ جمرۂ اولیٰ (کبریٰ) جمرۂ وسطیٰ نمبر۲ جمرۂ عقبیٰ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ یہ کیا عمل ہے، یہ کس کی سنت ہے۔ حجاج کو کیا بتایا جاتا ہے۔ زمانے بھر میں کیا مشہور ہے؟ بس یہی کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند اسماعیل کو خوابِ ذبح سنانے کے لیے آواز دی اور خود قربان گاہ کے پاس چلے گئے یا وہیں سے کھڑے ہو کر آواز دی اور معجزانہ طور پر آواز پہنچ گئی۔ تو حضرت اسماعیل لبیک کہتے ہوئے دوڑ پڑے۔ راستے میں تین جگہ شیطان نے روک کر بہکانا چاہا تو آپ نے اس کو کنکریاں ماریں جو چنگاری کی طرح اُس کو لگیں۔ لغتِ عربی میں جمر کے معنی چنگاری بھی ہے اور کنکری بھی جس اعتبار سے بھی اس کو جمرہ کہو مناسب ہے۔ اسی لیے آج جب کنکری ماری جائے تو حکم ہے کہ ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر بھی کہا جائے اور شیطان کو بُرا کہا جائے چنانچہ فتاویٰ رد المحتار جلد دوم ص۵۱۳ پر ہے۔ رُوِیَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ زِیَادٍ اَنَّہٗ یَقُوْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ رَغْمًا لِّلشَّیْطَانِ وَحِزْبِہٖ ترجمہ۔ امام حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں یا آپ فرمایا کرتے ہر کنکری کے ساتھ۔ اللہ اکبر یہ کنکری شیطان کی ناک رگڑنے اور اس کو بھگانے کے لیے۔ لہٰذا یہ یادگاری سنت تو اسماعیل علیہ السلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ وہی وہاں رہتے تھے ان کو ہی آواز دینے اور بلانے کی ضرورت پڑ سکتی تھی حضرت اسحاق اگر ہوتے تو ان کو ساتھ ہی لایا جاتا۔

ذبح اسماعیل پر اتنے مضبوط اور صاف واضح اور ہر طرح سے بہترین دلائل ہونے کے باوجود پھر یہ کہنا کہ نہیں حضرت اسحاق ہی ذبیح ہیں اور پھر اپنے کمزور غیر مدلل خود ساختہ عقیدے کو بچانے کے لیے سینکڑوں قسم کی توڑ موڑ تاویل و تحریف کرنی اور ضد کرنی یقیناً قابلِ افسوس بات ہے اور پھر یہود و نصاریٰ پر اتنا افسوس نہیں وہ تو عقل پر پٹی باندھ کر ہزاروں حقیقتوں کا انکار کرتے چلے گئے ہیں۔ ہمیں تو ان بعض مسلمان مصنفین پر حیرت ہے جو اندھا دھند اسرائیلیات سے متاثر ہو کر ان کی بری صحبتوں میں پڑ کر ان کی کتابیں بائبل وغیرہ دیکھ کر اسی ضد پر اڑ گئے کہ نہیں اسحاق علیہ السلام ہی ذبیح ہیں یہ نہ سوچا کہ اس عقیدہ باطلہ میں یہودی تعصب کا ساتھ دینے کے علاوہ قرآن و حدیث کی بھی مخالفت ہے یہودیت نصرانیت کا تو پرانا وطیرہ ہے کہ وہ ہر اس حقیقت واقعی کا انکار کریں گے جس میں مسلمانوں کی شان بنتی ہو اور پھر اس پر ایک دم متفق بھی ہو جائیں گے خواہ جانتے بوجھتے کتنی ہی دروغ گوئی کرنی پڑے۔ یہ تو مسلمانوں کی ہی بد نصیبی ہے کہ ہر بات میں نیا مذہب بنانا علمائے حق کی مخالفت کرنا۔ مسلکِ اہل سنت کے خلاف چلنا اپنی عادت بنالی ہے اور بات یہ ہے کہ دنیا کو یہ بتانا کہ ہم بھی اہلِ قلم ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی کذب بیانیوں میں سے یہ بھی ایک کذب بیانی ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد ہشتم ص۱۲۳ اور دیگر کثیر تفاسیر میں ہے۔ ذُکِرَ مُحَمَّدُ بْنُ

كَعْبٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَرْسَلَ اِلٰى رَجُلٍ كَانَ يَهُوْدِيًّا فَاَسْلَمَ وَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ وَكَانَ مِنْ عُلَمَائِهِمْ فَسَاَلَهٗ اَيُّ ابْنَيْ اِبْرَاهِيْمَ اُمِرَ بِذَبْحِهٖ فَقَالَ۔ اِسْمَاعِيْلُ۔ وَاللّٰهِ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّ يَهُوْدًا لَتَعْلَمُ بِذٰلِكَ وَلٰكِنَّهُمْ يَحْسُدُوْنَكُمْ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ ۔ ترجمہ۔ ذکر فرمایا محمد بن کعب نے کہ بے شک عمر بن عبد العزیز نے کسی کو ایک یہودی کی طرف بھیجا (اور بلایا) وہ یہودی مسلمان ہو گیا تھا اور یہودیوں کا بہت بڑا عالم تھا اب اس کا اسلام بھی پختہ تھا۔ تو ان سے عمر بن عبد العزیز نے پوچھا کہ یہ بتاؤ ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں میں سے کس بیٹے کے ذبح کا حکم دیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اللہ کی قسم اے امیر المومنین اور بے شک یہودی بھی اس حقیقت کو جانتے ہیں۔ لیکن وہ اے اہل عرب تم سے حسد کرتے ہیں۔ یعنی صرف حسد کی بنا پر اس سچائی کا انکار کرتے ہیں اور حسد کس سے ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسلام اور مسلمانوں سے کہ یہ سعادت ذبح عظیم والی مسلمانوں کو حاصل نہ ہو۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔

یہود و نصاریٰ اور بعض مصنفوں کے مخالفانہ دلائل اور ان کا ردِ بلیغ اور تردیدی جواب۔ پہلی دلیل۔ مخالفین کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں صرف حضرت اسحاق علیہ السلام ہی کی بشارت ہے اور کسی فرزند ابراہیم کی بشارت تو درکنار ذکر تک نہیں۔ چنانچہ سورۃ ہود کی آیت ۷۱ میں ہے فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ (۱۷) اور سورت صٰفّٰت کی آیت نمبر ۱۱۲ میں ہے وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا ان دو جگہ لفظ اسحاق نام لے کر بشارت ہے لہٰذا اسی سورت صٰفّٰت کی آیت ۱۰۱ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ سے بھی حضرت اسحاق ہی مراد ہیں۔ ہاں البتہ سورۃ ھود میں والدہ سارہ کو بشارت ہے مگر صٰفّٰت میں غُلٰمٍ حَلِيْمٍ میں ولادت کی بشارت۔ اور بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا میں نبوت کی بشارت اسحٰق یہ دونوں بشارتیں آپ کے والد حضرت ابراہیم کو دی گئیں تھیں حضرت اسماعیل کا ذکر تک نہیں۔ لہٰذا اسحاق ہی ذبیح ہیں اور ذبح کے بعد نبوت کی بشارت دی گئی تھی۔ جواب یہ دلیل چار وجہ سے اتنی کمزور اور کم عقلی نافہمی کی ہے کہ ذرا سا تدبّر رکھنے والا ایسی دلیل پیش نہیں کر سکتا یہ دلیل علمی اعتبار سے بھی قطعاً غلط ہے۔ پہلی وجہ۔ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ پہلا بیٹا اسماعیل ہیں۔ اس میں بھی اتفاق ہے کہ ابراہیم بڑھاپے تک بے اولاد رہے اور اس میں بھی سب کا اتفاق ہے کہ ابراہیم نے بیٹے کے لیے دعا مانگی جو مانگتے ہی قبول ہوئی۔ غلام حلیم سے پہلا بیٹا اسمٰعیل مراد نہیں تو پھر اسماعیل کہاں گئے۔ یہ ایسا سوال ہے کہ قیامت تک اس کا جواب نہیں بن سکتا۔ میں کہتا ہوں مخالفین کا دماغ بھی عجیب چکر میں ہے۔ دوسری وجہ۔ سب سے پہلے دعاءِ ابراہیم ہے پھر بشارتِ اسماعیل ہے اور یہ چونکہ پہلے بیٹے ہیں اس لیے نام لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صرف صفت بتا دی گئی۔ یہ بشارت بھی پہلی ہے۔ اس لیے تعیین و تخصیص کی چنداں ضرورت نہیں التباس و اشتباہ پڑنے کا خطرہ ہی کوئی نہیں ہاں اسحٰق کی دوسری بشارت ہے۔ وہاں نام لینا ضروری ہے تاکہ دونوں بشارتوں میں تفریق ہو اور پتہ لگے کہ اسماعیل نام

بعد میں خود ابراہیم نے رکھا اپنی دعا کی یادگار میں اور اسحاق نام رب تعالٰی نے رکھا بشارت اسمٰعیل بھی ایک ہی دفعہ ہوئی اور اس کا ذکر بھی ایک ہی دفعہ۔ کیونکہ بشارت اسمٰعیل دعاء خلیل کی وجہ سے تھی اس لیے صرف انہیں کو دی گئی اور یہ نہیں ظاہر فرمایا کہ دونوں بیویوں میں سے کس سے بیٹا ہوگا۔ بشارت اسحٰق بغیر دعا کے فقط عطاء رب سے تھی اور یہاں یہ ظاہر فرمانا تھا کہ سارہ سے بیٹا ہوگا لھذا یہ دونوں کو بشارت تھی اس لیے قرآن مجید میں علیحدہ علیحدہ دو دفعہ ذکر کیا گیا۔ مگر اولاد بشارت ایک ہی دفعہ ہوئی اس وقت حضرت سارہ اور ابراہیم علیہ السلام دونوں کی دعاوں کی قبولیت کی علامت کو بنایا گیا۔ مگر اولاد بشارت ... اس وقت حضرت سارہ اور ابراہیم علیہ السلام دونوں موجود تھے دونوں نے سنی۔ دوبارہ بشارتِ اسحاق علیحدہ ابراہیم کو نہ سنائی گئی نہ اس کی ضرورت تھی اور یہ بشارتِ اسحاق ذبح اسمٰعیل کے بعد بطور انعام ہوئی۔ یا کسی اور وجہ سے۔ چوتھی وجہ۔ یا سحٰقَ نَبِیًّا میں۔ نبوت کی بشارت مراد نہیں بلکہ خود اسحاق کی ہی بشارت مراد ہے۔ اگر نبوت کی بشارت مراد ہوتی اور اسحاق پہلے سے موجود ہوتے تو بڑھاپے میں ولادت یعقوب کے بعد اور ذبح ہونے میں کامیابی کے بعد نبوت کی بشارت ملنے کا کیا مقصد۔ نیز پھر یہ آیت بھی اس طرح نہ ہوتی بلکہ اور کسی طرح ہوتی یا اس طرح ہوتی بَشَّرْنَا اِسْحٰقَ بِنُبُوَّتِہٖ۔ ہم نے اسحاق کو نبوت کی بشارت دی اس لیے کہ نبوت کی بشارت یا خود نبی کو ہو سکتی ہے یا امتی کو حضرت ابراہیم کو یہ بشارت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اسحٰق کے امتی نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر فرضًا یہ کہدیا جائے کہ بیٹے کی نبوت یا شان باپ کے لیے خوشی کی بشارت ہے۔ تب بھی آیت اس طرح نہ ہوتی۔ بلکہ اس طرح ہوتی۔ وَبَشَّرْنٰہُ لِاِسْحٰقَ بِنُبُوَّتِہٖ ہم نے ابراہیم کو اسحٰق کے لیے نبوت کی بشارت دی۔ لفظ نبوت کو مفعول دوم بنایا جاتا۔ مثلاً زید کو دولت کی بشارت دی جا سکتی ہے دولت مند کی نہیں موجودہ آیت میں لفظ نبیًّا ہے جو حال ہے اسحٰق کا اور صرفی نحوی (گرامر) لغت عربیہ کے اعتبار سے آیت کا ترجمہ صرف یہی ہے کہ اور بشارت دی ہم نے ان کو اسحاق کی اس حال میں کہ وہ نبی ہوں گے یعنی نبی بیٹے کی بشارت دی۔ مخالفین کا ترجمہ اس طرح ہوگا کہ بشارت دی ہم نے ان کو اسحاق کے لیے نبوت کی اور یہ بالکل غلط ترجمہ ہے۔ ب جارّہ کے بھی خلاف ہے اور لفظ نبیًّا کے بھی مخالف۔

دوسری دلیل۔ مخالف کہہ سکتا ہے کہ جامع صغیر جلد اول جلال الدین سیوطی ص ۲۶۸ پر ہے۔ حدیث نمبر ۴۲۴۹ اَلذَّبِیْحُ اِسْحٰقُ ذبیح اسحاق ہی ہیں۔ یہ حدیث دارقطنی نے اپنے افراد میں بروایت ابن مسعود اور امام بزاز نے بروایت عباس بن عبدالمطلب اور محدث ابن مردویہ نے بروایت ابوہریرہ نقل فرمائی۔ لھذا ثابت ہوا کہ اسحاق ہی ذبیح اللہ ہیں۔ جواب۔ یہ روایت محدثین کے نزدیک بالکل غلط اور ضعیف ہے۔ چنانچہ خود محدث سیوطی علیہ الرحمۃ نے جامع صغیر میں اسی صفحہ پر اسی جگہ لکھا کہ۔ حَدِیْثٌ ضَعِیْفٌ ترجمہ۔ یہ حدیث ضعیف ہے نیز علامہ مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنی تفسیر ابن کثیر جلد چہارم ص ۱۷ پر اسی روایت کے متعلق اپنی تحقیق ارشاد فرماتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ جَرِیْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ کُرَیْبٍ حَدَّثَنَا زَیْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ عَلِیِّ

بْنِ زَیْدِ بْنِ جُدْعَانَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الْاَحْنَفِ بْنِ قَیْسٍ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَدِیْثٍ ذَکَرَہٗ قَالَ ھُوَ اِسْحَاقُ۔ فَفِیْ اِسْنَادِہٖ ضَعِیْفَانِ۔ وَھُمَا الْحَسَنُ بْنُ دِیْنَارِ الْبَصَرِیُّ مَتْرُوْکٌ وَعَلِیُّ بْنُ زَیْدِ بْنِ جُدْعَانَ۔ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ ـــ

ترجمہ۔ ابن جریر نے فرمایا کہ ابو کریب نے بیان کیا ان سے زید بن حباب نے بیان کیا انہوں نے حسن بن دینار سے روایت لی انہوں نے علی بن زید بن جدعان سے انہوں نے حسن سے انہوں احنف ابن قیس سے انہوں نے عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اسی حدیث کے بارے میں جس کا ذکر کیا، فرمایا کہ وہ (ذبیح) اسحاق ہیں۔ پس اس روایت کی اسناد میں دو ضعیف راوی ہیں اور وہ دونوں، حسن بن دینار بصری۔ جو متروک اور ناقابل قبول ہیں اور علی بن زید بن جدعان۔ یہ تو بالکل منکر الحدیث ہے۔ آپ نے اپنی دوسری دلیل کا بھی حشر دیکھ لیا۔ تیسری دلیل۔ صحابہ کرام بھی اسی کے قائل تھے کہ اسحاق ذبیح اللہ ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد ہشتم ۱۳۳ تفسیر ابن کثیر جلد چہارم ص۱۸ پر ہے۔ وَکَذَا رَوٰی عِکْرَمَۃُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ اِسْحَاقُ وَعَنْ اَبِیْہِ الْعَبَّاسِ وَعَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ مِثْلُ ذٰلِکَ وَکَذَا قَالَ عِکْرَمَۃُ وَسَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ وَمُجَاھِدٌ وَالشَّعْبِیُّ وَعُبَیْدُ بْنُ عُمَیْرٍ وَاَبُوْ مَیْسَرَۃَ وَزَیْدُ بْنُ اَسْلَمَ وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ شَقِیْقٍ وَالزُّھْرِیُّ وَالْقَاسِمُ (الخ) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ کَعْبِ الْاَحْبَارِ اَنَّہٗ قَالَ ھُوَ اِسْحَاقُ . . . . – – –

ثابت ہوا کہ اسحاق ہی ذبیح ہیں۔ جواب ۔ مخالف نے ذرا غور نہیں کیا ورنہ اسی کی اس پیش کردہ عبارت میں جواب موجود ہے۔ یعنی اولاً صحابہ کرام نے علماء یہود کی باتیں سن کر یہی عقیدہ بنا لیا تھا کہ اسحاق ذبیح ہیں لیکن جب قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرما دیا اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ تب صحابہ کرام نے اپنے پہلے نظریے کو ترک فرما دیا۔ دیکھیے ہم نے اپنی دوسری دلیل میں تقریباً انہی صحابہ کا ذکر کیا ہے جن کا نام مخالف نے پیش کیا اس سے بھی ثابت ہوا کہ پہلا موقف یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ صحابہ نے یہ نظریہ بنا لیا ہو مگر بعد میں اس کو غلط قرار دے کر ذبیح اسماعیل کا عقیدہ درست کر لیا تھا۔ نیز مفسرین بھی ہماری اس توجیہ کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ مخالف کی عبارت پیش کردہ سے یہ ثابت ہوا کہ ان صحابہ نے کعب احبار سے سن کر یہ موقف بنایا مزید آگے لکھا ہے۔ وَھٰذِہِ الْاَقْوَالُ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ کُلُّھَا مَاْخُوْذَۃٌ عَنْ کَعْبِ الْاَحْبَارِ۔ فَاِنَّہٗ لَمَّا اَسْلَمَ فِی الدَّوْلَۃِ الْعُمَرِیَّۃِ جَعَلَ یُحَدِّثُ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ کُتُبِہِ الْقَدِیْمِ۔ (الخ)

ترجمہ۔ یہ تمام اقوالِ صحابہ صرف کعب احبار سے سن کر ہیں۔ کعب احبار پہلے یہودی راہب تھے (بشپ) اسلام

لائے خلافت عمر میں حضرت عمران کی پرانی کتابوں کی باتیں سنا کرتے تھے۔ اسی طرح تفسیر بغوی جلد ششم صفحہ ۲۶ پر اور تفسیر خازن ششم صفحہ ۲۶ پر ہے۔ اَلْغُلَامُ الَّذِیْ اُمِرَ اِبْرَاهِیْمُ بِذَبْحِهٖ بَعْدَ اِتِّفَاقِ اَهْلِ الْكِتَابَیْنِ اَنَّهٗ اِسْحَاقُ فَقَالَ قَوْمٌ هُوَ اِسْحَاقُ ترجمہ۔ ذبیح کے بارے میں مسلمانوں کا اختلاف ہو گیا لیکن اہل کتاب سب اسحاق کے ذبیح ہونے پر متفق ہو گئے۔ ان یہود و نصاریٰ نے کہا کہ وہ (ذبیح) اسحاق ہیں تو مسلمانوں کی ایک قوم نے بھی کہنا شروع کر دیا وہ اسحاق ہیں اور اسی طرف کچھ صحابہ چل پڑے ثابت ہو گیا کہ یہ صحابہ کا پہلا نظریہ تھا بعد میں سب نے بدل لیا۔ مخالفین کی چوتھی دلیل۔ مخالفین کے پاس چونکہ کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے اس لیے بہت سی ایسی اختراعی باتیں بھی کرتے چلے جاتے ہیں جن کا جواب قطعاً ضروری نہیں ہے۔ مثلاً کبھی کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق ہی پہلے بیٹے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ قربانی تو منیٰ میں ہی ہوئی تھی مگر حضرت ابراہیم اسحٰق علیہم السلام کو معجزانہ طور پر دور فلسطین کے علاقے سے جس کا پیدل سفر مہینہ کی راہ تھا مگر ایک رات میں لے آئے اور شام کو واپس گھر بھی پہنچ گئے۔ جواب۔ ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ بات نبوت کے سامنے مشکل نہیں ہے مگر ان تکلفات میں پڑنے کی ضرورت کیا تھی فلسطین میں ہی قربان گاہ کیوں نہ بنالی گئی۔ رہا اسحٰق علیہ السلام کا پہلوٹا ہونا یا ان کو پہلوٹا کہنا۔ بالکل ہی عقل سے خالی ہونا ہے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں مخالف کی پانچویں دلیل یہ عقیدہ سب مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اسحاق۔ بلکہ محدث ہر قسم کی حدیث نقل کر دیتا ہے صرف اس نے حدیث کے درجے کی حقیقت سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح مفسر کا کام اور ذمے داری بغیر اپنی ذاتی رائے کے آیات کے بارے میں ہر قسم کے اقوال درج کر دینا ہے۔ کیفیات اقوال قابل۔ ناقابل کی چھانٹ فقیہ کا شغل ہے۔ حضرت حکیم الامت بدایونی نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ محدث اور مفسر مثل۔ پنساری اور میڈیکل سٹور کے ہیں۔ ان کی ذمے داری ہر قسم کی دوائی جمع کرنا ہے اور فقہاء امت مثل حکیم طبیب اور ڈاکٹر کے ہیں کہ نسخہ تجویز کرنا ان کی ڈیوٹی ہے۔ عوام مثل مریض کے ہیں۔ انکا کام مفسرین۔ محدثین کے پاس خود جانا نہیں۔ عوام کا کام فقہاء کرام کے پاس جانا ہے۔ تفاسیر و احادیث میں غور کرنا فقہا کا کام ہے۔ مخالف کی چھٹی معتبر تنازہ دلیل۔ یَا ابْنَ الذَّبِیْحَیْنِ اور اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ۔ یہ دونوں روایتیں غلط ہیں۔ چنانچہ خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۱۱۲ پر ہے۔ اَمَّا مَا رُوِیَ مِنْ قَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ فَهُوَ حَدِیْثٌ غَیْرُ صَحِیْحٍ۔ اور تفسیر روح المعانی جلد ہشتم صفحہ ۱۳۳ پ ۲۳ پر ہے —— وَالْخَبَرُ الَّذِیْ فِیْهِ یَا ابْنَ الذَّبِیْحَیْنِ۔ غَرِیْبٌ وَفِیْ اِسْنَادِهٖ مَنْ لَا یُعْرَفُ حَالُهٗ ——

ترجمہ۔ خصائص کبریٰ کا۔ لیکن وہ جو روایت کیا گیا ہے نبی کریم علیہ السلام کے قول سے کہ (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں) تو وہ حدیث غلط ہے۔ ترجمہ تفسیر معانی کا اور وہ خبر جس میں ہے اے دو ذبیحوں کے بیٹے۔ یہ روایت غریب ہے اور اس کی اسناد میں وہ راوی ہے جس کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ نیز آگے تفسیر معانی میں ہے۔ وَمَا شَاعَ مِنْ

خَبَرُ اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ قَالَ الْعِرَاقِیْ لَمْ اَقِفْ عَلَیْہِ ۔ ترجمہ۔ اور وہ خبر جو شائع ہے (مشہور ہے) کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ عراقی نے کہا میں اس روایت پر واقف نہیں۔ ان اقوال سے ثابت ہوا کہ دونوں حدیثیں غلط ہیں اور احادیث سے کہیں ثابت نہیں اسماعیل ذبیح ہوں۔ جواب۔ مخالف معترض نے اپنی مطلب برآری کے لیے کچھ ترجمہ بھی غلط کیا اور اس کا مطلب بھی غلط نکالا۔ لیکن مدعا پھر بھی ثابت نہ ہوا۔ یہ حدیثیں نہ واقعتاً غلط ہیں نہ ان عبارات سے غلط ہونا ثابت نہ خصائص نے غلط کہا نہ تفسیر روح المعانی نے۔ صرف معترض کی عقل و شعور کا پھیر ہے۔ یہ عبارت خصائص کی اپنی نہیں بلکہ ڈاکٹر خلیل خلیل الهراس مدرس جامعہ ازہر کی ہے اور وہ بھی اس کو غلط نہیں کہتے ان کی عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے حدیث ہے جو صحیح (حدیث) کے علاوہ ہے۔ حدیثٌ موصوف ہے۔ غیر صحیح صفت ہے اور دونوں خبر ہیں مبتدا کی مخالف معترض کہتا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں غلط ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں معترض کی یہ بات غلط ہے کیونکہ غلط روایت وہ ہوتی ہے جس کو مشہور محدثین۔ یا اسماء الرجال والے۔ موضوع کہیں یا ضعیف یا منکر مگر ان دونوں حدیثوں کو کسی بھی شخص نے نہ موضوع کہا نہ ضعیف نہ منکر۔ نہ اسناد پر عیب لگایا نہ کسی راوی کو غیر ثقہ کہا نہ متروک نہ منکر الحدیث۔ بخلاف ان روایتوں کے جن کو مخالف نے پیش کیا ان کی حالت ہم نے پہلے دلیل دوم کے جواب میں بتادی۔ ہاں خصائص کے محشی کا غیر صحیح کہنا اس سے غلط ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اصطلاحِ محدثینِ عظام میں لفظ صحیح لغوی نہیں یعنی درست غلط کے مقابل۔ بلکہ صحیح صفاتی نام ہے ایک حدیث کا۔ چنانچہ مقدمہ مشکوٰۃ شریف فی بیان بعض مصطلحات علم الحدیث صفحہ ۳ پر ہے۔ فَصْلٌ۔ وَاَصْلُ اَقْسَامِ الْحَدِیْثِ ثَلٰثَۃٌ صَحِیْحٌ وَحَسَنٌ وَضَعِیْفٌ ترجمہ۔ حدیث کی اصولی بڑی قسمیں تین ہیں نمبر۱ حدیث صحیح نمبر۲ حدیث حسن نمبر۳ حدیث ضعیف۔ تو خصائص کے محشی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث غیر صحیح ہے اس کا معنی ہے کہ یہ حدیث حسن ہے تفسیر معانی کا لکھنا کہ یَا ابْنَ الذَّبِیْحَیْنِ والی حدیث غریب ہے اس سے بھی غلط ہونا ثابت نہیں کیونکہ غریب صحیح حدیث کی ایک قسم کا نام ہے۔ چنانچہ مقدمہ مشکوٰۃ صفحہ ۵ پر ہے۔ اَلْحَدِیْثُ الصَّحِیْحُ اِنْ کَانَ رَاوِیْہِ وَاحِدًا یُسَمّٰی غَرِیْبًا ترجمہ۔ اگر صحیح حدیث کا راوی ایک ہو تو اس کا نام حدیث غریب ہے اور روح المعانی کی یہ عبارت کہ قَالَ الْعِرَاقِیْ لَمْ اَقِفْ عَلَیْہِ یعنی عراقی نے کہا میں اس حدیث غریب سے واقف نہیں۔ یہ عبارت بالکل باطل مجہول اور فضول ہے۔ نامعلوم عراقی کون اور لم اقف سے تو وہ اپنی بے علمی کا اقرار کر رہا ہے۔ معانی کی پہلی عبارت غَرِیْبٌ دال بھی مجہول ہے۔ کیونکہ غریب کہنے والے کا نام نہیں بتایا گیا بلکہ معانی نے چند سطور پہلے صرف اتنا لکھا کہ وَالذَّاھِبُوْنَ اِلٰی ھٰذَا الْقَوْلِ یَدَّعُوْنَ ۔ ترجمہ۔ اور وہ لوگ جو ذبیح اسحاق والے قول کی طرف گئے وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ غریب ہے۔ یہ عبارت بھی مجہول اور باطل۔ اس طرح خصائص کے محشی ڈاکٹر خلیل ھراس کی بات بھی قابل قبول نہیں۔ اس لیے کہ نہ وہ خود محدث ہیں نہ انہوں نے اپنے اس قول پر کوئی دلیل پیش کی نہ آج دنیا بھر میں کوئی ایسا محدث ہو سکتا ہے جو احادیث کو نیا درجہ دے سکے

اگر کوئی شخص کسی بھی روایت کو اپنے پاس سے کوئی نام بلا سند دے گا تو کاذب ہوگا۔ یہ تمام کام محدثین کرام نے اپنے وقتوں میں پورا کر دیا۔ اب کسی کی گنجائش نہیں۔ جس طرح کہ فقہ کا پورا کام ائمہ اربعہ نے کر دیا اب کسی نئے فقہ کی اسلام میں حاجت نہیں۔ نہ کوئی اصولی مجتہد ہو سکتا ہے نہ فروعی۔ ہاں مجتہد تخریج۔ تصریح تصحیح تا قیامت ہو سکتے ہیں اس اجتہاد کا دروازہ بند نہیں مگر اجتہاد اصول و فروع کا دروازہ تا قیامت بند ہے خلاصہ یہ کہ یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ روح المعانی کی بات غلط ہے اور صاحب تفسیر خود بھی اس کو غلط کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب کی بات بھی بلا دلیل ہے اس لیے کہ ان روایتوں کے صحیح (درست) اور معتبر ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ علماء متقدمین اور متاخرین نے ان کو اپنی دلیل بنایا چنانچہ علامہ شامی بلا حرج اس کو دلیل بنا رہے ہیں جیسا کہ ہم نے اپنی دلیل نمبر ۹ میں حوالہ دیا۔ مشہور مورخ اعظم علامہ نور بخش توکلی صاحب نے بھی اس حدیث کو دلیل بنایا اور آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ لقب ابن الذبیحین دنیا ء عرب و عجم میں مشہور ہے۔ علما کا سند و دلیل بنانا۔ اور عالمگیر شہرت ہونا۔ حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔ مستدرک حاکم کا عظیم اسناد اور سلسلہ رُوات کے ساتھ اس حدیث کو نقل فرمانا بھی صحت کی دلیل ہے تفسیر معانی میں کوئی کہہ دے کہ میں ان راویوں کو نہیں پہچانتا تو یہ اس کی اپنی جہالت ہے۔ ورنہ امام حاکم جیسے وجیہ محدث معتبر تو پہچانتے ہیں اور جمہور علماء اسلام کا کسی روایت سے استدلال کرنا بھی اس روایت کی صحت کی دلیل ہے جیسا کہ کتب اصول حدیث میں درج ہے (محولہ جاء الحق دوم) میں کہتا ہوں کہ اگر کسی مخالف نے بڑا بھی زور لگایا تب بھی ان روایتوں کو صرف لفظاً نادرست کہا جا سکتا ہے یعنی یہ لفظ۔ اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ نبی کریم صلی اللہ وسلم کے دہن پاک نے ادا نہ فرمائے ہوں۔ لیکن معنیً (واقعتاً) تو پھر بھی صحیح رہے گی۔ کیونکہ حضرت اسماعیل کا ذبیح ہونا تو ثابت کر دیا گیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا متفق علیہ ہے اور حضرت عبد اللہ کا ذبیح ہونا بھی کتب سیر اور تاریخ اسلام سے ثابت ہے۔ چنانچہ خصائص کبریٰ جلد اول صـ ۱۱۲ پر سیرت النبی کی تمام کتب میں با حوالہ حضرت عبد اللہ کو ذبح کرنے کی منت قرعہ اور چھری لے کر ذبح کرنے کے لیے چل پڑنا اور پھر کاہنوں نجومیوں کے کہنے پر حضرت عبد المطلب کا سو اونٹ فدیہ قرعہ نکالنا اور اللہ تعالیٰ کا حضرت عبد اللہ کو فدیہ دے کر بچا لینا۔ تاریخ کی مشہور کتاب استیعاب عبد البر اور تاریخ واقدی۔ طبری وغیرہ میں یہ واقعہ مفصل موجود ہے۔ مخالف کی ساتویں معترضانہ دلیل۔ حضرت عبد اللہ کے ذبح اور قرعہ نکلنے کا واقعہ غلط ہے۔ اس لیے کہ مورخین کہتے ہیں کہ یہ منت کہ میں بیٹا ذبح کروں گا۔ زمزم کا کنواں کھودنے کے وقت مانی گئی اور عبد المطلب نے مانی۔ حالانکہ مورخین ہی کہتے ہیں کہ اس وقت عبد اللہ پیدا بھی نہ ہوئے تو قرعہ ان کے نام پر کس طرح نکلا۔ جواب۔ یہ دلیل و اعتراض معترض کی جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ منت ماننے کا وقت اور ہے۔ قرعہ نکلنے کا زمانہ اور۔ واقعہ اس طرح ہے کہ زمزم کھودنے کے وقت حضرت عبد المطلب نے معاونین کی قلت محسوس کر کے یہ منت مانی تھی کہ اگر میں اپنے سامنے اپنے دس بیٹوں کو جوان دیکھ لوں تو ان

میں سے ایک کو راہ خدا میں قربانی دوں گا۔ زمزم کا کنواں کھودتے وقت واقعی آپ کا ایک ہی بیٹا حارث تھا پھر جب منت پوری ہوئی اور آپ کے دس بیٹے پیدا ہوئے بڑھے جوان ہوئے تب آپ نے قرعہ ڈالا تو عبداللہ کے نام پر نکلا ان کو ذبح کرنے کے لیے قربان گاہ تک لے جایا گیا۔ چھری تیز کرلی گئی۔ مگر رب نے فدیہ دے کر بچا لیا۔ آٹھویں دلیل۔ کبھی کہتے ہیں کہ اسحاق علیہ السلام کو شام میں ہی ذبح کا ارادہ کرلیا گیا اور فدیہ دنبہ بھی وہیں ذبح ہوا مگر ہوسکتا ہے کہ دنبہ کے سینگ اٹھا کر کعبے میں لٹکا دیئے گئے ہوں۔ لھذا سینگوں کا کعبہ میں لٹکنا۔ ذبح اسماعیل پر کوئی دلیل نہیں۔ جواب۔ کیسی لایعنی باتیں ہیں خیالی نظریات اور ہوائی گھوڑے ہیں۔ پھر ٹھوس ثبوت کوئی نہیں صرف ہوسکنے پر دین کی بنیاد ہے۔ ان تکلفات میں پڑنے کی ضرورت کیا ہے؟ اَوَّلاً تو اتنی دور سفر کرکے صرف سینگ لٹکانے کے لیے آنا کیا ضروری تھا۔ اگر سینگ لٹکانا ضروری تھا تو حضرت ابراہیم وہیں بیت المقدس میں لٹکا دیتے جو اس وقت ان کی اپنی عبادت گاہ کی صورت ایک چھوٹی مسجد تھی۔ مخالف کی نویں دلیل تفسیر روح المعانی ہشتم نے صـ۱۲۳ پر طبرانی کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ دراز سند کے ساتھ اس کے آخری لفظ ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمَّا فَرَّجَ عَنْ اِسْحٰقَ کُرْبَ الذَّبْحِ قِیْلَ لَهٗ (الخ) یعنی جب اسحٰق سے ذبح کی تکلیف ہٹالی تو ان کو کہا گیا (الخ) اس فرمانِ رسول اللہ سے ثابت ہوا کہ اسحاق ہی ذبیح ہیں۔ جواب۔ جس طرح ہم نے مخالف کی پیش کردہ پہلی روایت اَلذَّبِیْحُ اِسْحٰقُ کو ثابت کر دیا کہ روایت ضعیف راوی متروک اور منکر الحدیث ہیں۔ اسی طرح اس روایت کے متعلق بھی خود تفسیر روح المعانی ہشتم صـ۱۲۳ پر فرماتے ہیں۔ وَتَعَقَّبَ هٰذَا بِاَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ضَعِیْفٌ وَقَالَ ابْنُ کَثِیْرٍ اَلْحَدِیْثُ غَرِیْبٌ۔ مُنْکَرٌ (الخ) ترجمہ اور محدثین نے اس حدیث کا پیچھا کیا تو اس کا راوی عبدالرحمٰن ضعیف ثابت ہوا اور ابن کثیر نے فرمایا یہ حدیث غریب بھی ہے (کہ اس کا ایک ہی راوی عبدالرحمٰن ہے) اور منکر بھی ہے (کہ تمام محدثین کے نزدیک ناقابل قبول اور چھوڑنے کے لائق ہے) آگے فرماتے ہیں کہ یہ بھی خدشہ ہے کہ اس میں ملاوٹیں اور ردوبدل بھی کیا گیا ہے۔ یہ حال ہے مخالفین کے دلائل کا لیکن ضد اتنی ہے کہ بس اڑے ہوئے ہیں۔ اللہ ہی سب کو سچی ہدایت دینے والا ہے۔ بہر کیف روز روشن کی طرح واضح اور ثابت ہوگیا کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

کتبہ

فتوی نمبر۱ — سجدۂ سھو کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی نمازی اکیلا یا امام چار رکعات نماز فرض یا سنتِ موکدہ غیر موکدہ یا نفل کی نیت باندھتا ہے اور چوتھی پڑھ کر سجدے کرکے بجائے آخری التحیات میں بیٹھنے کے پانچویں رکعت کی طرف بھول کر سیدھا کھڑا ہوجاتا ہے لیکن خود ہی یاد آگیا یا مقتدیوں کے لقمہ دینے سے فوراً ایک دم۔ بہت ہی

جلدی واپس آگیا۔ ایک سیکنڈ کا وقفہ بھی خرچ نہ ہوا تو کیا اس نمازی پر یا امام اور جماعت پر سجدۂ سہو واجب ہوگیا یا نہیں۔ اسی طرح اگر دو رکعت کوئی سی نماز تھی تو آخری تشہد بیٹھنے کے بجائے تیسری کی طرف کھڑا ہوگیا اور اسی طرح جلدی سے واپس آجانے کی صورت میں سجدہ سہو کرنا پڑے گا یا نہیں۔ اگر سجدہ نہ کیا تو نماز مکمل ہوجائے گی یا نہیں۔

السائل۔ محمد بشیر۔ طالب حسین۔ لیاقت حسین۔ بریڈفورڈ نمبر ۸

اراکین جمعیت تبلیغ الاسلام مرکزی۔ ساؤتھ فیلڈ سکویر۔

بِعَونِ العَلّامِ الوَھّاب

الجواب

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَرَؤُفٍ رَّحِیْمٍ۔ اَمَّا بَعْدُ! قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق صورتِ مسئولہ میں مذکورہ کیفیت کی ادا میں سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔ بغیر سجدہ نماز کا سلام پھیر دینے سے نماز مکمل ہوجائے گی اور شرعاً درست ہوگی۔ اس لیے کہ دینِ اسلام کی یہ عظیم خوبی ہے کہ چھوٹے سے لے کر بڑے کام تک اسلام کے تمام اعمال اور قوانین انتہائی بہترین اصول اور ضابطوں کے تحت ہیں۔ یہ ہی عبادت کی شان ہے۔ اسی وجہ سے مسلمان کا ہر دینی دنیوی کام عبادت بن جاتا ہے۔ جبکہ بے اصولی بے قاعدہ فعل وقول دنیاداری کہلاتا ہے اسی کے تحت سجدہ سہو کے قانون میں فقہاء کرام نے سجدہ سہو کے لیے قواعد کلیہ وضع فرما دیئے ہیں۔ جو احادیث وقرآن کی روشنی کے تحت ہیں۔ احادیث میں تو سجدہ سہو کا صراحتاً ذکر ہے مگر قرآن مجید میں کنایۃً اس کا ذکر ملتا ہے۔ سجدہ سہو دراصل نماز کی بھول چوک والی لغزش اور خطا کے بدلے میں ہے۔ یعنی وہ کمی اور نقص جو اس غلطی کی بنا پر نماز میں ہوگیا تھا۔ یہ سجدۂ سہو اس کمی کو پورا کرکے نماز کو سرے سے مکمل کردے تو جب لغزش مکمل ہوگی تب سجدہ واجب ہوگا جب تک لغزش مکمل نہیں سجدہ بھی واجب نہیں فقہاء نے لغزش کی تکمیل یعنی کسی واجب یا فرض کی ادائیگی میں دیر لگایا اور دیر کی مدت ایک ادا بر رکن رکھی گئی ہے۔ چنانچہ فقہ اسلامی کی مشہور اردو کتاب بہار شریعت حصہ چہارم ص۴۵ پر ہے۔ مسئلہ: قراءت وغیرہ کسی موقعہ پر سوچنے لگا کہ بقدر ایک رکن یعنی تین بار سُبْحَانَ اللہ کہنے کے وقفہ ہوا سجدۂ سہو واجب ہے ردّ المحتار۔ صاحب بہار شریعت علیہ الرحمہ نے فتاوٰی ردّ المحتار کے حوالے سے اپنی اس عبارت میں دو باتیں ثابت فرمائیں۔ ایک یہ کہ نمازی یا امام۔ بحالتِ نماز تلاوت یا کسی اور جگہ سوچنے سے تاخیر کرتا ہے وغیرہ فرمانے کا مطلب یہی ہے تو تھوڑی دیر ہوجانے سے سجدہ واجب نہ ہوگا بلکہ بقدر رکن دیر لگے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ دوم یہ کہ کم از کم نماز کا ایک رکن (اندرونی فرض) تین تسبیح کے برابر ہوتا ہے۔ ایک تسبیح ایک بار سبحان اللہ کہنا ہے اور تین تسبیح تین بار سبحان اللہ کہنا ہے۔ اسی طرح ص۴۸ پر ہے۔ مسئلہ تشہد کے بعد یہ شک ہوا کہ تین ہوئیں یا چار اور ایک رکن کی قدر خاموش رہا اور سوچتا رہا پھر یقین ہوا کہ چار ہوگئیں تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ (الخ) اس عبارت کو صاحبِ بہار شریعت نے

فتاوٰی عالمگیری کے حوالے سے لکھا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ اگر رکن سے کم کی تاخیر ہوئی تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔
سوال مذکورہ میں نمازی جب پانچویں رکعت کی طرف کھڑا ہوا تو تشہد اخیری جو فرض تھا اس میں تاخیر ہوئی مگر فوراً جلدی واپس لوٹ آنے سے حد شرعی کی پوری ایک رکن کے برابر تاخیر نہ ہوئی بلکہ ایک تسبیح یا دو تسبیح کے برابر دیر ہوئی اس لیے سجدۂ سہو واجب نہ ہوا۔ عند الفقہاء یہ سیدھا کھڑا ہونا بقدر ایک تسبیح یا دو۔ قیام نماز نہیں بنا۔ یہی حکم اس نمازی کا ہے جو بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہے کہ پانچویں۔ یا تیسری کے ہاتھ باندھتے ہی کھول دئے اور تشہد کی صورت میں رکھ لیے سجدہ نہ پڑا لیکن بقدر ایک رکن بندھے رہے پھر کھولے سجدہ واجب ہو گیا۔ اسی طرح۔ فقہ اسلامی کی مشہور درس کی کتاب شرح وقایہ جلد اول صہ۲۱۱ پر ہے۔ وَقِیْلَ لَا یَجِبُ عَلَیْهِ سُجُوْدُ السَّهْوِ بِقَوْلِهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَنَحْوِهٖ وَاِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ مِقْدَارُ مَا اُدِّیَ فِیْهِ رُکْنٌ۔ ترجمہ۔ پہلی التحیات میں نمازی کا بھول کر درود شریف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ تک پڑھ جانے سے یا اس کی مثل کسی اور جگہ اتنی مقدار دیر لگانے سے نمازی پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ شریعت میں سجدے کے وجوب کے لیے اتنی مقدار دیر کرنا ہے جتنی مقدار میں ایک رکن ادا کیا جا سکے اور حاشیہ عمدۃ الرعایہ جلد اول صہ۲۲۱ پر ہے۔ وَصَحَّحَهُ الزَّیْلَعِیُّ فِیْ شَرْحِ الْکَنْزِ وَاخْتَارَهٗ فِی الْبَحْرِ تَبْعًا لِصَاحِبِ الْخُلَاصَةِ وَالْخَانِیَةِ وَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ لَا مُنَافِیَ الْقَوْلَ بِوُجُوْبِهٖ بِالتَّاخِیْرِ قَدْرَ اَدَاءِ رُکْنٍ کَمَا اخْتَارَهُ الْغَزِّیُّ فِیْ تَنْوِیْرِ الْاَبْصَارِ وَقِیْلَ لَا یَجِبُ مَا لَمْ یَقُلْ۔ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ قَالَ الْحَلَبِیُّ فِیْ شَرْحِ مُنْیَةِ الْمُصَلِّیْ۔ هُوَ الْاَصَحُّ وَهُوَ قَوْلُ الْاَکْثَرِ . . . .
ترجمہ۔ اور صحیح فرمایا امام زیلعی نے اس مسئلہ اور اس قانون کو شرح کنز میں اور فتاوٰی بحر الرائق میں بھی اسی ضابطہ کو اختیار فرمایا اتباع کرتے ہوئے صاحب فتاوٰی خلاصہ کی اور فتاوٰی قاضی خان کی اور ظاہر بھی بے شک یہی ہے کہ یہ قانونی ضابطہ سجدہ سہو کے واجب ہونے کے منافی (خلاف) نہیں ہے۔ ایک رکن کے برابر دیر کرنے سے جیسے کہ اس قانون کو امام غزی نے فتاوٰی تنویر الابصار میں اختیار کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سجدۂ سہو اس وقت تک واجب نہیں ہوتا۔ جب تک کہ درود شریف وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ تک نہ پڑھا ہو امام حلبی نے منیۃ المصلی کی شرح میں فرمایا کہ یہ صحیح اور زیادہ احتیاط والا ہے اور وہی قول اکثر فقہاء کرام کا ہے۔

ان تمام عبارات سے ثابت ہوا کہ سجدۂ سہو کے ادا کرنے میں جتنی بھی احتیاط ہو زیادہ بہتر ہے۔ بہر حال رکن کی مقدار ہی تمام متقدمین و متاخرین کے نزدیک وجوب سجدہ کے لیے قانون ہے۔ جس کے لیے کچھ علما نے صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ تک اندازہ لگایا اور کچھ علما نے۔ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ تک زیادہ احتیاط کا اندازہ لگایا اکثر علماء نے تین بار

سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنے سے ایک رکن کی کم از کم مقدار بتائی چنانچہ حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۲۵۸ پر ہے۔ وَعَلٰی قِیَاسِ مَا مَا تَقَدَّمَ اَنْ یُّعْتَبَرَ الرُّکْنُ مَعَ سُنَّتِہٖ وَھُوَ مُقَدَّرٌ بِثَلٰثِ تَسْبِیْحَاتٍ۔ ترجمہ اور اس قانون کے مطابق جو پہلے گزر گیا یہ ہے کہ اعتبار کیا جائے ایک رکن کا اس کے ادا کے طریقے کے ساتھ اور وہ اندازہ لگایا ہوا ہے تین تسبیحوں کے برابر۔ (تین بار سبحان اللہ کہنا تین تسبیح ہیں) یعنی سیدھا کھڑا ہو جانا رکن نہیں اسی طرح رکوع میں جھکنا سجدے میں پڑ جانا رکن نہیں بلکہ سنت رکن ہے یعنی ادا اور طریقہ رکن ہے جب اندازے کے بقدر تین تسبیح کھڑا یا جھکا یا پڑا اسی طرح قعدے میں بیٹھا رہے گا تب ایک رکن بنا۔ یہ کم سے کم رکن ہے۔ لمبائی کی حد نہیں خواہ سارا قرآن مجید تلاوت کر ڈالے۔ لیکن اگر ایک سیکنڈ میں اس رکن کو چھوڑ دیتا ہے تو گویا رکن بننے سے پہلے چھوڑ دیا تو وہ معافی ہے سجدہ سہو نہیں بنے گا چنانچہ مراقی الفلاح صفحہ ۲۵۸ پر ہے۔ (وَ) اَیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ تَفَکُّرُہٗ قَدْرَ اَدَاءِ رُکْنٍ لَا یَجِبُ عَلَیْہِ) ترجمہ ورنہ یعنی اگر اس کے سوچ کی دیری ادا ء رکن کے برابر نہ ہو تو معافی ہے۔ فقہ اسلامی کی مشہور درسی کتاب جس پر بڑے بڑے فتاویٰ نے اعتماد کیا۔ قدوری شریف کے صفحہ ۲۲ پر ہے۔ وَاِنْ سَہٰی عَنِ الْقَعْدَۃِ فَقَامَ اِلَی الْخَامِسَۃِ رَجَعَ اِلَی الْقَعْدَۃِ مَا لَمْ یَسْجُدْ وَاَلْغَی الْخَامِسَۃَ وَسَجَدَ لِلسَّھْوِ (الخ) اور اس کی شرح بین السطور میں ہے۔ لِاَنَّہٗ اَخَّرَ وَاجِبًا۔ ترجمہ۔ اگر کوئی شخص آخری التحیات بھول کر پانچویں رکعت کی طرف اٹھ کھڑا ہوا تو سجدہ کرنے سے پہلے واپس التحیات میں لوٹ آئے اور سجدہ سہو کرے۔ اس لیے سجدہ کرے کہ اس نے واجب میں دیر لگادی اور پانچویں لغو ہوگئی۔ مقصد ہے کہ دیر لگانے کی وجہ سے سجدہ واجب ہوگا اور دیر کی حد ہم نے۔ شرح وقایہ، شرح کنز۔ بحر الرائق۔ فتاویٰ خلاصہ۔ فتاویٰ قاضی خان۔ فتاویٰ تنویر الابصار۔ فتاویٰ حلبی۔ بہار شریعت، حاشیہ عمدۃ الرعایہ سے ثابت کردی کہ تاخیر بقدر ادا ء رکن ہونا شرط ہے۔ اس سے پہلے لوٹ آنا دیر ہی نہ بنے گی۔ خیال رہے کہ جس طرح علماء حدیث اور محدثین اسلام کے نزدیک صحاح ستہ علم الحدیث میں معتبر ہے۔ یعنی احادیث کی چھ کتابیں نمبر۱ بخاری شریف نمبر۲ مسلم نمبر۳ ترمذی نمبر۴ ابوداؤد نمبر۵ نسائی نمبر۶ ابن ماجہ اور جس طرح تفاسیر ستہ نمبر۱ روح المعانی نمبر۲ روح البیان نمبر۳ تفسیر کبیر نمبر۴ تفسیر خازن نمبر۵ تفسیر طبری نمبر۶ ابن کثیر۔ معتبر اور قابل سند ہیں باقی دیگر تفاسیر ان کی تائید میں معتبر ہوتی ہیں نہ کہ تقابل میں۔ اسی طرح علماء اسلام کے نزدیک فتاویٰ ستہ انتہائی معتبر اور قابل سند تسلیم کیے گئے ہیں۔ نمبر۱ فتاویٰ بحر الرائق نمبر۲ فتاویٰ فتح القدیر نمبر۳ فتاویٰ شامی نمبر۴ فتاویٰ عالمگیری نمبر۵ فتاویٰ قاضی خان نمبر۶ فتاویٰ بزازیہ۔ اہل عرب اور ہزار سالہ مغلیہ دور میں اسلامی شرعی عدالتوں کے فیصلے انہی فتویٰ سے ماخوذ ہوتے تھے آج بھی مفتی اسلام بننے کے لیے یہ نصاب پڑھنا پڑتا ہے۔ جو دو سالہ مدت ہے (جبکہ مفتی اعظم بننے کے لیے تین سالہ مدت میں اس نصاب کے ساتھ اکمہ اربعہ کا پورا نصاب جو چوبیس کتب ضخیم پر مشتمل ہے پڑھنا پڑتا ہے) ان فتاویٰ ستہ میں سجدہ سہو کے متعلق یہ ہی قانون واضح کیا گیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی رد المحتار جلد دوم صفحہ ۱۰۱ پر ہے۔

وَتَاخِيْرُ قِيَامٍ إِلَى الثَّالِثَةِ بِزِيَادَةٍ عَلَى التَّشَهُّدِ بِقَدْرِ رُكْنٍ۔ قَوْلُهُ وَتَاخِيْرُ قِيَامٍ (الخ)، أَشَارَ إِلَى أَنَّ وُجُوْبَ السُّجُوْدِ لَيْسَ لِخُصُوْصِ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ لِتَرْكِ الْوَاجِبِ۔ (الخ) . . . . ترجمہ۔ اور تیسری رکعت کے قیام میں تاخیر کرنے سے بھی سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ جبکہ تشہد کے بعد ادائے رکن کی دیر برابر درود شریف پڑھا گیا۔ صاحب تنویر الابصار کا تاخیر قیام ذکر فرمانا۔ اشارہ کرتا ہے۔ اس بات کی طرف کہ سجدے کا واجب ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کی بنا پر نہیں بلکہ ترکِ واجب کی وجہ سے ہے۔ یعنی قیام میں تاخیر کرنا۔ کیونکہ قیام خود تو فرض ہے مگر اس کا وقت پر کرنا (بعد تَشَهُّدِ أُوْلٰى فَوْرًا ....) واجب ہے جس میں درود شریف ابراہیمی کی وجہ سے بقدر رکن دیر لگی۔ اس لیے سجدۂ سہو واجب ہوا۔ اگر کسی نے بالکل تھوڑا درود شریف پڑھا یا سارا درود شریف اتنی تیز پڑھا کہ تین بار سُبْحَانَ الله ۔ جتنا وقت خرچ نہ ہوا۔ پھر وہ کھڑا ہوا تیسری رکعت کی طرف تو سجدہ نہ پڑے گا۔ اسی فتاوی شامی کے ص۵۰۱ پر ہے۔ قُلْتُ وَالْحَاصِلُ أُخْتُلِفَ فِي التَّفَكُّرِ الْمُوْجِبِ لِلسَّهْوِ فَقِيْلَ مَا لَزِمَ مِنْهُ تَاخِيْرُ الْوَاجِبِ أَوِ الرُّكْنِ عَنْ مَحَلِّهِ بِأَنْ قَطَعَ الْاِشْتِغَالَ بِالرُّكْنِ أَوِ الْوَاجِبِ قَدْرَ اَدَاءِ رُكْنٍ وَهُوَ الْاَصَحُّ ۔ ترجمہ۔ میں کہتا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ بے شک اختلاف کیا گیا ہے اس سوچ میں جو سجدہ سہو کو واجب کرتی ہے۔ تو کہا گیا کہ وہ کام لازم ہو جس سے واجب یا فرض کی تاخیر (دیری) اپنی جگہ سے اس طرح ہے کہ منقطع ہو جائے اس فرض یا واجب میں مشغول ہونا۔ ایک رکن کی ادا کے برابر اور یہی مسلک و مذہب زیادہ صحیح ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نماز میں کسی فرض یا واجب کو چھوڑ کر دوسرے کام میں اتنی دیر مشغول رہنا جتنی دیر میں ادائے رکن یعنی تین بار سبحان اللہ بآسانی کہہ لیا جاتا ہے۔ تب سجدہ سہو لازم آئے گا۔ لھذا سوال مذکورہ میں نمازی آخری قعدہ جو فرض ہے اس کو چھوڑ کر پانچویں میں مشغول ہوا۔ مگر فورًا واپس۔ بقدر تین تسبیح نہ کھڑا رہا اور ادائے رکن کے برابر دیر نہ لگی۔ پس سجدہ سہو بھی واجب نہ ہوا۔ ہاں اگر دیر تک کھڑا رہتا تب سجدہ واجب ہوتا۔ اسی طرح فتاوی عالمگیری جلد اول ص۱۲۱ پر ہے۔ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ تَفَكُّرُهُ شَغَلَهُ عَنْ اَدَاءِ رُكْنٍ بِاَنْ يُّصَلِّيَ وَيَتَفَكَّرُ ترجمہ۔ اگر نمازی کی سوچ اور دیری ادائے رکن کے برابر نہ ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔ ثابت ہو گیا کہ پانچویں رکعت میں بقدر رکوع کھڑا نہ ہو تو سجدہ نہیں ہے۔ مُنْيَةُ الْمُصَلِّي ص۲۹۱ پر ہے وَلَوْ قَامَ إِلَى الْخَامِسَةِ أَوْ قَعَدَ فِي الثَّالِثَةِ يَجِبُ بِمُجَرَّدِ الْقِيَامِ وَالْقُعُوْدِ ۔

ترجمہ۔ اور اگر کھڑا ہو گیا نمازی پانچویں کی طرف یا بیٹھ گیا۔ تیسری پڑھ کر تو سجدہ واجب ہو گیا۔ خالی قیام کر لینے سے اور قعدہ کرنے سے۔ اس عبارت سے کسی کو اس چیز کا دھوکہ نہیں لگنا چاہیئے کہ سیدھا ہو جانا ہی وجوب سجدہ کے لیے کافی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ عربی لغت اور ضوابط فقہا کے تحت یہاں تین چیزیں ارشاد ہوئیں نمبرا مجرد۔

اس کا معنٰی ہے۔ خالی یعنی قرأت سے یا رکوع سجدے سے خالی نمبر۲ قیام۔ یہاں قیام سے قیام نماز اور قیام شرعی مراد ہے نہ کہ محض لغوی معنٰی۔ نمبر۳ اسی طرح قعود بھی رکنِ نماز کا نام ہے۔ ہر نماز میں چار عضو ہوتے ہیں جن سے نماز کا جسم (ڈھانچا) بنتا ہے۔ ان اعضاء کو شرعی اصطلاح میں رکن نماز کہا جاتا ہے۔ رکن کا لفظی ترجمہ ہے عضو اسی لیے انگریزی کے افراد کو رکن اور ارکین کہا جاتا ہے۔ بہر حال نماز کے چار رکن ہیں نمبر۱ قیام نمبر۲ رکوع نمبر۳ سجدہ نمبر۴ قعدہ اور ان تمام کی کم از کم مدت تین بار سبحان اللہ کہنے کی برابری ہے۔ لھٰذا نماز کا قیام ہے نہ کہ وغیرہ یعنی قیام کہا ہی اس کو جائے گا جو اتنی دیر کا ہو اس سے قبل ختم کر دیا نہ قیام ہے نہ رکوع نہ سجدہ نہ قعدہ۔ تو اب سمجھ لیجئے کہ منیۃ المصلی نے فرمایا کہ پانچویں رکعت کا جب قیام بن جائیگا خواہ تلاوت کی ہو یا نہ صرف اتنی دیر تک کھڑے رہنے سے یا اتنی دیر بیٹھنے سے جس سے یہ کھڑا ہونا یا بیٹھنا قیام و قعود بن جائے تو سجدہ استقام کہتے ہیں۔

چنانچہ شرح معانی الاثار طحاوی شریف جلد اول ص۲۰۳ پر ہے عَنِ الْمُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ (رض) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَتَمَّ اَحَدُكُمْ قَائِمًا فَلْيُصَلِّ وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَاِنْ لَمْ يَسْتَتِمَّ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَلَاسَهْوَ عَلَيْهِ (الخ) ثُمَّ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَوٰى قَائِمًا مِنْ جُلُوْسِهٖ فَمَضٰى فِيْ صَلٰوتِهٖ۔

ترجمہ۔ روایت ہے مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب پورا سیدھا کھڑا ہو جائے تم میں سے کوئی تو اس کو چاہیئے کہ واپس نہ لوٹے بلکہ نماز کی یہ رکعت پڑھے اور پوری نماز کر کے سھو کے دو سجدے کرے اور اگر پورا سیدھا کھڑا نہ ہوا ہے تو اس کو لازم ہے کہ بیٹھ جائے اور سجدۂ سھو نہیں ہے اس پر (الخ) پھر فرمایا کہ ایک دفعہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی تو آپ اپنے بیٹھنے کی بجائے سیدھے کھڑے ہو گئے تو آپ نے اپنی نماز پوری کی واپس نہ لوٹے اور آخر میں سجدے فرمائے۔ یہ واقعہ پہلی التحیات کا ہے۔ کھڑا ہونا تیسری رکعت کی طرف ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس صورت میں کھڑے ہوتے ہی سجدہ واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ واپس تو لوٹ نہیں سکتا۔ اگر لوٹے گا تو نماز فاسد ہو گی لھٰذا یہاں بقدر رکن کی قید بے کار ہے اور فقط کھڑا ہو جانا واپس نہ لوٹنے کی حد ہے اور نہ لوٹنے میں سیدھا ہونے کی شرط ہے نہ کہ وجوب سجدے میں سجدہ تو تب بھی واجب نہیں ہوتا گویا کہ درمیانی قعدہ چھوڑ کر سیدھا کھڑے ہونے اور آخری قعدہ چھوڑ کر سیدھا کھڑے ہونے میں فرق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نماز کی تین حالتیں تو وہ ہیں جن میں غلطی والا عمل چھوڑ کر واپس صحیح کی طرف آنا ضروری ہے اور دو حالتیں وہ ہیں جن میں واپس صحیح کی طرف ہرگز نہیں پلٹ سکتا۔ دوسری حالتیں یہ ہیں نمبر۱ کوئی شخص دعاء قنوت وتر کی چھوڑ کر رکوع میں چلا گیا۔ واپس نہیں آسکتا نمبر۲ کوئی نمازی منفرد یا امام درمیانی قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہو گیا واپس نہیں آسکتا خواہ نماز چار فرض یا سنت موکدہ۔ غیر موکدہ یا نفل ہوں خواہ نماز تین فرض یا وتر ہوں۔ ان صورتوں میں چونکہ واپس صحیح رکن میں تو آسکتا نہیں لھٰذا کھڑے ہوتے ہی سجدہ واجب ہو جائے گا۔

جس طرح کہ ابھی طحاوی شریف کا حوالہ دیا گیا۔ نیز فتاویٰ قاضی خان جلد اول صفحہ ۱۲۰ پر ہے۔ مِنْهَا۔ اِذَا قَعَدَ فِيْمَا يُقَامُ فِيْهِ۔ اَوْ قَامَ فِيْمَا يَجْلِسُ فِيْهِ وَهُوَ اِمَامٌ اَوْ مُنْفَرِدٌ اَرَادَ بِالْقِيَامِ اِذَا اسْتَتَمَّ قَائِمًا اَوْ كَانَ اِلَى الْقِيَامِ اَقْرَبَ فَاِنَّهٗ لَا يَعُوْدُ اِلَى الْقَعْدَةِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ قَعَدَ وَلَا سَهْوَ عَلَيْهِ۔

یہاں قاضی خان نے دو علیحدہ مسئلے بیان کیے۔ پہلا اِذَا قَعَدَ جس میں ضرور لوٹنا لازم ہے اور دوسرا مسئلہ۔ اَوْ قَامَ جس میں لوٹنا منع ہے۔ پورا ترجمہ اس طرح ہے کہ وجوب سجدہ کے ضابطوں سے متعلق چیزوں میں سے ایک قانون یہ ہے کہ جب نمازی کھڑا ہونے کی بجائے بھول کر بیٹھ گیا مثلاً تیسری پڑھ کر چوتھی کے لیے کھڑا ہونا تھا مگر اسی کو چوتھی سمجھ کر بیٹھ گیا یا وہ بیٹھنے کی جگہ کھڑا ہو گیا اور وہ امام ہے یا اکیلا۔ کھڑے ہونے کے قریب ہو گیا تو اب نہ لوٹے قعدہ کی طرف بلکہ نماز پوری کر کے سجدہ کرے اور اگر اس طرح نہیں ہے۔ یعنی نہ سیدھا ہوا نہ قریب سیدھا تو قعدہ میں بیٹھ کر نماز صحیح کرے اور اس پر سجدہ واجب نہیں ہے ان دلائل سے ثابت ہوا کہ جن میں سیدھا ہو کر لوٹنا منع ہے۔ ان میں سیدھا ہوتے ہی وجوب سجدہ شروع ہو جائے گا۔ کیونکہ بیٹھنا گناہ ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ لوٹنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ وہ حالتیں جن میں لوٹ آنا اشد ضروری ہے۔ وہ یہ ہیں۔ نمبر۱ نمازی اکیلا یا امام۔ بھول کر سورت ملانا چھوڑ گیا اور رکوع میں چلا گیا۔ فرض کی پہلی یا دوسری رکعت میں۔ سنن و نوافل کی ہر رکعت میں تو فوراً لوٹ آئے سورت پڑھے پھر رکوع کرے کیونکہ یہ فرض تلاوت کا حصہ ہے پھر اگر رکوع میں بقدر رکن دیر لگی تھی تب سجدہ واجب ہے ورنہ نہیں نمبر۲ مغرب یا وتر کی تیسری پڑھ کر چوتھی کی طرف کھڑا ہو گیا تھا جب یاد آئے فوراً واپس التحیات میں لوٹے۔ اگر بقدر ادا ءِ رکن یعنی تین تسبیح دیر لگی تھی تو سجدہ سہو واجب ہے۔ اگر جلدی فوراً لوٹ آیا تو سجدہ واجب نہیں نمبر۳۔ اگر فرض چار رکعت یا سنت موکدہ چار رکعت کی آخری قعدہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کی طرف کھڑا ہو گیا بھول کر۔ یاد آنے پر فوراً لوٹ آئے۔ اگر تین بار سبحان اللہ کہنے کے برابر دیر لگی تو اس کا کھڑا ہونا قیام نماز بن گیا اور سجدہ واجب ہو گیا۔ اگر ایک سیکنڈ میں واپس صحیح جگہ قعدے میں لوٹ آیا تو سجدہ سہو نہ پڑے گا۔ کیونکہ یہ استواء (سیدھا ہونا) قیام ہی نہ بنا۔ پہلی صورت سوال میں مذکور ہے۔ لھٰذا دلائل کثیرہ سے ثابت ہو گیا کہ پانچویں رکعت میں بھول کر کھڑے ہونے کے بعد فوراً لوٹ آنے سے سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا۔ خیال رہے کہ سجدہ سہو صرف بھول کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ جان کر نماز میں واجبی غلطی کرنا۔ نماز کو واجب الاعادہ بنا دیتا ہے اور سخت گناہ گار بھی۔ نیز ترکِ فرائض فسادِ نماز ہے۔ ترکِ سنن۔ باعثِ گناہ ہے مگر نماز ٹھیک رہے گی۔ ترکِ واجبات۔ باعثِ سجدہ سہو ہے۔ ترکِ سجدہ سہو سے نماز دوبارہ پڑھی جائے گی۔ سجدہ سہو صرف چھ غلطیوں سے واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے جلد اول صفحہ ۱۲۶ پر وَلَا يَجِبُ السُّجُوْدُ اِلَّا بِتَرْكِ وَاجِبٍ اَوْ تَاخِيْرِهٖ اَوْ تَاخِيْرِ رُكْنٍ اَوْ تَقْدِيْمِهٖ اَوْ تَكْرَارِهٖ اَوْ تَغْيِيْرِ وَاجِبٍ بِاَنْ يَجْهَرَ فِيْمَا يُخَافَتُ وَفِي الْحَقِيْقَةِ وُجُوْبُهٗ بِشَيْءٍ وَاحِدٍ وَهُوَ تَرْكُ الْوَاجِبِ كَذَا فِي الْكَافِيْ۔ ترجمہ۔ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے چھ غلطیوں سے نمبر۱ واجب کے چھوڑنے نمبر۲ یا دیر لگانے میں نمبر۳ یا فرض کے دیر لگانے سے

نمبر یا فرض کے آگے پیچھے کرنے سے نمبر۵ یا فرض یا واجب کی تکرار (بار بار) کرنے سے نمبر۶ یا واجب کو تبدیل کرنے سے اس طرح کی جہری میں خفا کیا اور خفا میں جہر مگر حقیقت میں وجوب سجدہ ایک ہی چیز سے ہوتا ہے وہ ہے ترک واجب ایسے ہی فتاوی کافی میں ہے لغزش زیادہ کی ہو جیسے تکرار واجب یا کمی کی جیسے ترک قعدہ اولیٰ وغیرہ سلام کے بعد ہی سجدہ کیا جائے گا۔ یہ امام اعظم کا مسلک مذہب ہے۔ امام شافعی اول سلام سے کرتے ہیں اور امام مالک زیادتی والی بھول میں اول سلام اور کمی والی بھول میں بعد سلام کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک محفل میں امام یوسف اور امام مالک کا اس مسئلہ پر مناظرہ ہوا تو امام مالک اپنے مسلک پر دلیل نہ دے سکے (بحوالہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۲۲۱) اگر کوئی مسبوق (بعد میں ملنے والا مقتدی) ایام تشریق میں بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دے اور تکبیر پڑھنے لگے تو اگر فوراً یاد آگیا اور رخ قبلہ بھی نہ پھیرا تھا کوئی دنیوی بات یا نماز کے خلاف یا علاوہ کوئی ذکرِ الٰہی بھی نہ کیا تھا اور بہت جلدی نماز میں کھڑا ہو گیا تو سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا اور نماز درست ہو گی نئے سرے سے نہ پڑھنی پڑے گی۔ لیکن اگر صرف تکبیر تشریق ہی پڑھی اور اتنی دیر لگ گئی جتنی دیر میں تین تسبیح کی ادا ہو جاتی ہے تو سجدہ سہو واجب ہو گا۔ چنانچہ تعلیق المجلی حاشیہ منیۃ المصلی لامام وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صفحہ ۲۳۶ پر ہے۔ قَوْلُهٗ فَعَلَيْهِ السَّهْوُ اَيْ سُجُوْدُ السَّهْوِ بَعْدَ مَا قَضٰى مَا فَاتَهٗ لِاشْتِغَالِهٖ عَنْ اَدَاءِ الصَّلٰوةِ بِمَا لَيْسَ مِنْ اَعْمَالِهَا مِقْدَارَ مَا يُؤَدّٰى فِيْهِ رُكْنٌ وَلَا تَفْسُدُ صَلَاتُهٗ لِاَنَّ التَّكْبِيْرَ ثَنَاءٌ بِصِيْغَةِ جِنْسِهٖ مَشْرُوْعٌ فِي الصَّلٰوةِ قَالَهٗ فِي الْحِلْيَةِ۔ ترجمہ مصنف کا فرمان کہ اس پر سہو واجب ہے۔ اس کا معنی ہے کہ سجدہ سہو واجب ہے اس کے بعد جبکہ وہ رہ گئی ہوئی نماز پوری ادا کر لے۔ یہ سجدے کا واجب ہونا اس لیے ہے کہ وہ نمازی مسبوق مقتدی اپنی کچھ نماز کے ادا کرنے کو بھول کر اس کام میں مشغول ہو گیا جو اس نماز کے کاموں میں سے نہ تھا اور اتنی دیر مشغول رہا جتنی دیر میں ایک رکن یعنی تین تسبیح ادا کی جا سکتی ہیں اور نماز ٹوٹے گی اس لیے نہیں کہ یہ سلام تو بھول کر ہوا اور تکبیر تشریق بھول کر بھی ہے اور ثناء رب تعالیٰ بھی ہے جو نماز ہی کے کاموں اور صیغوں میں سے ہے نماز میں جائز ہے۔ فتاوی حلیہ میں بھی یہی مسئلہ درج ہے۔ اس آخری عبارت نے مزید وضاحت فرما دی کہ جو کام عملی طور پر نماز میں جائز ہوتا ہو وہ اگرچہ اس نماز میں سے نہ ہو زائد بھول کر ہو۔ مگر اس سے نماز ٹوٹے گی نہیں اور جلدی لوٹ آنے میں سجدہ سہو بھی واجب نہ ہو گا۔ دیکھو نمازی کا سلام پھیرنا اور تکبیر تشریق پڑھنے لگ جانا۔ بظاہر اس سے نماز ٹوٹ جانی چاہیے تھی مگر چونکہ تکبیر نماز ہی کی چیز ہے نماز کے اندر پڑھی جاتی ہے اس لیے نماز نہیں ٹوٹی۔ لیکن چونکہ اس نماز کے اعمال میں سے نہیں تھی اس لیے اس پر سجدہ واجب ہو گیا۔ مگر فوراً نہیں ہوا بلکہ مقدار ادا ہو رکن ہوا۔ بالکل ایسے ہی پانچویں رکعت نماز کی جنس سے تو ہے مگر اس نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔ بلکہ تکبیر تشریق کے مقابل یہ رکعت زیادہ نماز کے قریب ہے۔ اس لیے اس سے سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا جب تک کہ ایک رکن کی زیادتی نہ بنے۔ پس سجدۂ سہو کے متعلق فقہ اسلامی کا ضابطہ (قاعدہ کلیہ) یہ ہوا کہ ہر وہ کام جو نماز کی جنس

سے ہو مگر اس نماز کا نہ ہو اس میں مشغول ہوا تو فوراً سجدہ سہو نہ پڑے گا۔ تین بار سبحان اللہ جتنی تاخیر کی شرط ہے اور جو کام اسی نماز کی اعمال سے ہے مگر بھول کر پہلے کیا یا بعد۔ اپنی جگہ سے ہٹا کر ادا کیا جائے تو فوراً سجدہ لازم ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوٹ نہیں سکتا جبکہ پہلی صورت میں فوراً لوٹنا ضروری ہے۔ اس لیے ظہر عصر عشا میں پانچویں اور فجر میں تیسری۔ اور مغرب، وتر میں چوتھی رکعت نماز کے کاموں میں سے نہیں۔ اس لیے فوراً چھوڑ کر واپس التحیات میں آجاؤ۔ سجدۂ سہو کوئی نہیں۔ ہاں دیر لگی تو سجدہ واجب ہوگا۔ دیگر ائمہ عظام کے نزدیک بھی وجوب سجدہ کے لیے یہی قانون ہے۔ چنانچہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کی تصنیف فقہ شافعی کی مشہور و معتبر کتاب الام جلد اول صفحہ ۱۲۸ پر ہے۔ فَمِنْهَا مِنْ بَابِ الْقِيَامِ مِنَ الْجُلُوْسِ نَصٌّ عَلَى أَنَّهُ لَا يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ بِتَرْكِ الْهَيْئَاتِ ۔ ترجمہ پس سجدے کے قوانین سے یہ بھی ہے بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہونے کے باب میں دلیل یعنی قاعدہ کلیہ اس بنا پر ہے کہ بے شک وہ نمازی فقط ہیأت (شکل و حالت) تبدیل ہونے سے سجدہ نہ کرے۔ ثابت ہوا کہ تشہد چھوڑ کر کھڑا ہو جانا فقط ہیئات تبدیل کرنا اور چھوڑنا ہے۔ ابھی قیام نہیں بنا قیام تو اتنی دیر بعد بنے گا جتنی دیر میں تسبیح ہوں گی۔ یہ بھی خیال رہے کہ سجدہ سہو واجب نہ تھا اور مسئلہ کی ناواقفی کی بنا پر یا جانتے بوجھتے سجدہ سہو کیا تو گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنے پاس سے ایک زائد کام نماز میں شامل اور ضروری سمجھا۔ یہ شریعت کی توہین ہے اسی طرح ہر وہ کام جو احادیث و قرآن اور فقہ کے خلاف ہو۔ خواہ کتنا ہی اچھا نظر آئے وہ گناہ عظیم ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ۔

کتبـــــــــــــــــــــہ

اقتدار احمد خان۔ (یوسف زئی پٹھان)۔ قادری رضوی۔ نعیمی بدایونی

اس تمام گفتگو سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص چار رکعت سنت غیر مؤکدہ کی پہلی التحیات میں یعنی دو رکعت ہی پڑھ کر درود شریف اور دعا کے بعد سلام پھیر دیتا ہے اور فوراً یاد آجاتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے دوسری بھی پوری کر لیتا ہے تو سلام پھیرنے سے سجدہ نہ پڑے گا۔

فتویٰ نمبر ۵۔ حضور غوث پاک کی مدح میں سیف الملوک کے تین شعروں کی شرعی حیثیت کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں۔ کہ ہمارے پنجاب کے علاقے میں ایک پنجابی اشعار کی کتاب بہت مشہور ہے۔ خاص کر آزاد کشمیر کے علاقے میں تو اس کی اہمیت و عقیدت مثنوی رومی سے زیادہ ہے۔ اس کا نام سیف الملوک ہے۔ اس کے مصنف پنجابی کے مشہور شاعر صوفی وقت مفکر اسلام حضرت میاں محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں

جن کو زمانہ بزرگ مانتا ہے۔ اپنے زمانے کے ولی اللہ تھے۔ اسی کتاب میں حمد و نعت کے اشعار کے بعد حضور غوث پاک شہنشاہِ بغداد کی شان میں چند اشعار درج ہیں جن میں سے چند شعر اس طرح ہیں۔

نمبر۱ تانک وادک ولوں آیا۔ نبیاں حسبوں نسبوں ‌ ‌ نبیاں ناکوں گھٹ نہ رہیا ہر وصفوں ہر کسبوں

نمبر۲ کئے برساں دے موئے جگائے۔ سکے نیر وگائے ‌ ‌ گھتے روح فرشتے ہتھوں لکھے لیکھ ہٹائے

نمبر۳ نبیاں نو رب ولوں آندے وحی سلام سنیہے ‌ ‌ وحی نہ محرم میراں تائیں دستے بھید اجیہے

نمبر۴ نبیاں تے جداں کرم آئی روح میراں دا پہنچا ‌ ‌ مشکل حل کرائی ہر دی۔ قرب شہاں تدا بوہتا

ہم خود بھی اہل زبان پنجابی ہیں اور اسی علاقے کے رہنے والے ہیں اور ہم نے بہت سے پنجابی شاعروں سے اس کا معنی پوچھا سب نے وہی ترجمہ کیا جو نیچے لکھا جا رہا ہے پنجابی لغت کی کتابوں سے بنتا ہے پہلے شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ غوث پاک عبدالقادر جیلانی حسب اور ددھیال کی طرف سے اونچے خاندان والے ہیں اور صاف ستھرے بے داغ بھی ہیں۔ کسی شان اور کسی کام میں انبیاء عظام سے کم نہیں رہے۔ یعنی جو طاقتیں اور جو صفات نبیوں کے ہیں وہی غوث پاک کے ہیں۔ نمبر۲ دوسرے شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ انبیاء کو رب کی طرف سے وحی، سلام، اور پیغام آتے تھے لیکن وحی یعنی جبرئیل بھی ان بھیدوں کو نہیں جانتے جو رب نے میراں غوث پاک کو بتائے۔ معنی یہ کہ انبیاء کا علم تو وحی تک محدود ہے اور وحی کا علم غوث پاک سے کم ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ انبیاء کا علم غوث پاک سے کم ہے نمبر۳ تیسرے شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ غوث پاک نے کئی سالوں کے مردہ زندہ کیے اور خشک دریا جاری کیے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام سے جبراً روحیں چھین لیں اور لکھی ہوئی تقدیریں مٹا دیں۔ نمبر۴ انبیاء پر جب کبھی مصیبت آفت مشکل آئی یا رب کا عتاب آیا۔ تو فوراً میراں یعنی غوث پاک کا روح پہنچا۔ سب کی مشکل حل کرا دی۔ کیونکہ اللہ کے دربار میں ہمارے شاہوں یعنی غوث پاک کا قرب الٰہی ہے ہی زیادہ یہ لفظ یہاں پنجابی میں ایک کے لیے عام مستعمل ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ ساڈے شاہاں دا کی حال ہے۔ حالانکہ مخاطب ایک آدمی ہوتا ہے۔ بادشاہوں کا لفظ تو عام مستعمل ہے۔ یہ بھی فرمایا جائے اپنی تحقیق سے کہ کیا یہ ترجمہ صحیح ہے اور یہ بھی فرمایا جائے کہ کیا اسی ترجمے کی صورت میں یہ اشعار شرعاً درست نہیں اور کیا صحت کی کوئی گنجائش ہے۔ یا سو فی صد غلط ہیں۔ یہاں ہمارے علاقے میں کچھ لوگ ان کو غلط کہہ رہے ہیں اور کچھ لوگ ان کو صحیح کہتے ہیں اور دونوں ہی آپ کے سابقہ فتاوی العطایا الاحمدیہ سے دلیل پکڑ رہے ہیں۔ کیونکہ وہاں آپ کے فتوٰی میں لکھا ہے کہ میاں محمد صاحب کے یہ شعر جو غوث پاک کے بارے میں لکھے ہیں وہ غلط ہیں اگرچہ آپ نے نشان دہی اشعار کی نہ فرمائی۔ نہ ہی غلط ہونے کی حد کی وضاحت کی ہے اور آپ کے دوسرے مطبوعہ فتوے میں لکھا ہے کہ غوث پاک کو روحِ محمدی ودیعت کی گئی تو آپ کے منہ سے یہ نکلا تھا کہ میں نے ہی آدم و نوح کی مدد کی۔ وغیرہ وغیرہ اور قصیدہ روحی کا آپ نے ذکر فرمایا اور ایک جگہ آپ نے قصیدہ روحی کی مذمت فرمائی ہے

اور بنانے والے کو غلط قرار دیا ہے۔ اس لیے اب آپ ہی ہمارے اس سوال کا جواب مدلل اور اپنے طریقہ فتاوی کے مطابقت فرما کر حل فرمائیے۔ براہ کرم جواب جلدی عطا فرمایا جائے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

دستخط سائل۔ ایک مشہور پیر صاحب۔ اینڈ کمپنی ۸۹۔۹۔۱۸

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابْ

الجواب

سوال مذکورہ میں سیف الملوک کے جتنے اشعار بھی درج کیے گئے ہیں وہ سب قطعاً قطعاً غلط اور گمراہی ہیں پہلے تین اشعار کا دوسرا دوسرا مصرعہ غلط اور غیر شرعی ہے۔ لیکن چوتھا شعر تو مکمل کفریہ ہے۔ جو مسلمان ان پر عقیدہ رکھے گا یا ان کو ٹھیک کہے گا وہ ایمان سے خارج ہوگا اور پہلے تین اشعار کو ماننے والا گمراہ ہے۔ اس کے دلائل بیان کرنے سے پہلے۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ آپ کے سوال کے تقریباً آج ایک سال بعد یہ جواب لکھا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں اس دراز عرصے میں نہایت دیانت داری سے اس کی اچھائی برائی پر تحقیق کرتا رہا۔ میں نے کثیر تعداد میں متاخرین و متقدمین کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ حضور غوث پاک کی سوانحات و حالات پر مبنی کتب کثیرہ کو بغور کئی دفعہ پڑھا۔ پنجابی لغت کے علاوہ علماء پنجاب و محققین فقہ سے ان اشعار پر شرعی حیثیت سے گفتگو بحث و مکالمہ ہوا۔ ان اشعار کے موافقین و محبان سیف الملوک اور مخالفین کے خیالات کو پڑھا گیا۔ مختلف مکاتیب فکر سے ہم کلامی کے بعد سیف الملوک کے نئے پرانے مطبوعات کا گہرا مطالعہ کیا۔ علاوہ ازیں میں خود بھی اگرچہ یوپی بدایونی کا مادری اردو والا ہوں مگر سارا بچپن اور جوانی پنجاب میں گزر رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود پنجابی شعراء اور ماہرین سے اس سلسلے میں طویل گفتگو ہوتی رہی کئی لائبریریاں میں کافی سے زیادہ وقت خرچ کیا۔ اس تمام محنت کا خلاصہ اور تحقیق و تفتیش کا نتیجہ۔ مندرجہ بالا شرعی فتوے اور مندرجہ ذیل دلائل کی شکل و صورت میں حاضر خدمت ہے۔ رہا یہ کہنا کہ ان اشعار کے مخالفین و موافقین ہر دو گروہ نے میرے ہی سابقہ فتاوی سے سہارا پکڑا تو یہ مخالفین اشعار کا تفکر اور موافقین کا عدم تفکر ہے۔ جن لوگوں نے روح محمدی کی ودیعت سے ان اشعار کو درست کہنا شروع کر دیا ان لوگوں کی بے علمی کا کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ میرے سب فتاوی نہایت آسان اردو میں مطبوع ہیں۔ مگر ذہنیت جاہلانہ کی فہم سے پھر بھی بعید البعید ہے۔ ہر ذی عقل جانتا ہے کہ بات کو سمجھنے کے لیے جلد بازی، جذباتی اور اندھی عقیدت۔ مفید عادت نہیں۔ اس کے لیے تو تفکر۔ تحمل۔ تدبر۔ تعقل۔ تفہیم۔ جیسی خداداد صلاحیتوں کی اشد ضرورت ہے۔ اس فتوے میں بادلائل مضبوط حقیقت واقعی کو ثابت کیا جائے گا اِنْ شَاءَ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ رہی جہالت اور اندھی عقیدت تو اس کے سامنے کوئی دلیل بھی کارگر نہیں ہوتی اپنے سابقہ فتاوی کے اصل مطالب اور مطابقت بیان کرنے سے پہلے وہ

دلائل بیان کرنے ضروری ہیں۔ جن سے ان اشعار کا خلافِ شریعت اور خلاف مسلک اہل سنت ہونا اور کچھ اشعار کا کفریہ ہونا ثابت ہو جائے۔ اس لیے کہ اس زمانہ ظاہری میں دیگر مصائب دین کے علاوہ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ طریقت کے جاہلوں نے پیری اور رہنمائی کا لبادہ اوڑھ لیا اور شریعت کے جاہلوں نے داڑھیاں رکھ کر اونچی ٹوپیاں پہن کر۔ نہایہ زبانی کے القاب رکھ لیے۔ چھوٹی چھوٹی محفلوں کے نعت خوان صرف چند سکوں کی خاطر منبر و مصلیٰ کو ملوث کرنے لگ گئے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں کے اندر کسی بحیرتی ہونے لگی۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مسجد و مصلےٰ کی کہ جن کو دیکھ کر غزالی و رومی کے خطبات میں صدیق و فاروق کی پرجلال جمال عدالت و صداقت کی روشن و تابندہ جھلک نظر آتی تھی اور جس منبر کو غناء عثمانی کے لباسِ فاخرہ سے سجا کر باب مدینۃ العلم کے شہ پاروں کی گونج سے بسایا جاتا تھا۔ جن مساجد میں کبھی کسی کے کانوں نے اعلیٰحضرت احمد رضا خان اور صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی کی فقاہت و فصاحت سے مزین مواعظِ حسنہ اور حضرت حکیم الامت بدایونی نعیمی کے اسرارِ معرفت کے درس سنے ہوں گے وہ تو ان آوازوں کو ترس رہے ہیں۔ آج انہی محراب و منبر پر بانگ درا و پیر رانجھا مارکہ خطیبوں مقرروں کے سوا کون نظر آتا ہے۔ آج سب سے بڑا علامہ وہ ہے جس کو زیادہ سیف الملوک یاد ہو۔ اور پھر مزید الجھن یہ ہے کہ نہ مسائل کو خود سمجھتے ہیں نہ کسی سے سمجھنے کی کوشش کرتے۔ لیکن اس کے باوجود میں اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے ان غلط اشعار کے بارے میں دلائل پیش کرتا ہوں اور اگرچہ میں نے تحقیق و تفتیش میں خاصی محنت اور تفکر و تدبر کی راہ اختیار کی ہے مگر پھر بھی اس کو آخری بات نہیں سمجھتا۔ بلکہ یہ تمام تحریر ذی علم اور صاحب عقل و فکر کو دعوت تدبر اور تحقیق و تفتیش پر آمادہ عمل کرتا ہے۔ تاکہ بہت سے خردمند ذہنوں کی سوچ و بچار سے مزید اضافۂ علمی ہو۔ پہلی دلیل۔ یہ تمام اشعار مسلک اہل سنت کے خلاف ہیں اور ان اشعار کا جو معنیٰ سوال میں درج کیا گیا ہے اہل زبان کے نزدیک اور لغت پنجابی سے یہی معنیٰ درست بنتا ہے۔ اس لیے یہ کلام سخت گمراہی و ضلالت ہے اور آخری شعر کفریہ ہے۔ ان اشعار میں دوسرے کسی معنیٰ کی گنجائش نہیں جس نے بھی یہ شعر بنایا ہے وہ اسلام سے دور کی گمراہی میں ہے۔ غوث اعظم حضور سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں مسلک اہل سنت بالکل صاف اور واضح ہے۔ کسی اینچ پینچ اور توڑ پھوڑ یا تاویل کی ضرورت نہیں۔ یہ کہ شہنشاہ بغداد اپنے زمانے اور بعد والے تا قیامت اولیاء اللہ غوثوں قطبوں کے سردار ہیں اور پہلے زمانوں کے اولیاء اللہ یعنی اولیاء بنی اسرائیل وغیرہ بھی آپ کا احترام و ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن صحابہ کرام تابعین۔ تبع تابعین اور غوث پاک کے اساتذہ اور مشائخ۔ مرشدین رضی اللہ عنہم کا مقام و قرب درجہ بدرجہ فوقیت رکھتا ہے۔ چنانچہ آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کا ارشاد پاک ہے۔ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ بر وایت بخاری شریف مسلم اور نسائی شریف۔ باب مناقب صحابہ۔ عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔ (الخ) ترجمہ۔ اے قیامت تک کے مسلمانو! میرے صحابہ کی

تعظیم کرو کیونکہ وہ تم تمام سے افضل ہیں، پھر وہ تمام سے افضل ہیں جو ان سے ملیں یعنی تابعین پھر وہ تمام لوگ تاقیامت سب سے افضل ہیں جو ان سے ملیں یعنی تبع تابعین۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ تاقیامت کوئی مسلمان غوث و قطب عالم فقیہ صوفی یا قطب الاقطاب کسی صحابی تابعی یا تبع تابعی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا اور جو شخص کسی ولی اللہ یا کسی صوفی یا کسی عالم کا درجہ کسی بھی صحابی وغیرہم سے زیادہ کہتا یا سمجھتا ہے وہ بغیر دلیل بات کرتا ہے اور وہ کم عقل فرمانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرتا ہے۔ دلیل دوم۔ قلائد الجواہر مترجم اردو مطبوعہ مدینہ کمپنی کراچی ص۱۸ مصنف عارف باللہ محمد یحییٰ تادنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ۔ کی تشریح کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔ غالباً قدم حقیقی یعنی پاؤں کبھی مراد نہیں ہے کیونکہ یہ کئی وجوہ کی بنا پر نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس طرح ان اسلاف کا احترام بے معنیٰ سا ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس پر اساس طریقت قائم ہے۔ اس عبارت سے واضح ہوگا کہ غوث پاک اپنے سلف کا احترام کرتے ہیں۔ یعنی سلف غوثِ پاک کے اساتذہ جن کی شاگردی غوثِ اعظم کو ملی یا مشائخ جن کی بیعت آپ ہوئے نیز علامہ عسقلانی ودیگر کثیر مشائخ واکابر نے قَدَمِیْ ھٰذِہٖ کا مطلب بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس کا معنیٰ حقیقی قدم ہے تو ہم زمانہ اور بعد والے اولیاء اللہ مراد ہیں نہ کہ پہلے والے۔ کیونکہ ان میں کچھ تو غوثِ پاک کے استادین کہ ظاہری فیض عطا فرماتے رہے اور کچھ بزرگان دین نے حضور غوث پاک کو اپنا مرید بنا کر روحانی فیض عطا فرمایا۔ تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے استاد یا مرشد کی گردن پر قدم رکھ کر افضلیت کا دعوٰی کردے۔ تیسری دلیل۔ یہ قانون الٰہی ہے کہ جس شخصیت کو سب سے افضل قرار دیا جاتا ہے وہ دنیا میں کسی کا نہ شاگرد بنتا ہے نہ مرید بنتا ہے۔ اس کے ظاہری باطنی روحانی قلبی تمام علوم خود اللہ تعالیٰ ہی اس کو عطا فرما دیتا ہے اور رب تعالیٰ ہی کا شاگرد ہوتا ہے۔ دیکھو منشاء باری تعالیٰ تھا کہ انبیاء کرام ساری کائنات سے افضل و اعلیٰ ہوں تو رب تعالیٰ نے تمام علم معرفت و شریعت و طریقت خود ہی اپنے پیارے انبیاء محبوبین کو سکھا دیے اور بجز پروردگار، انبیاء کرام کا کوئی استاد نہیں بن سکتا۔ تو اگر غوث پاک تمام اولین و آخرین سے افضل ہوتے تب یہاں بھی یہ طریقہ الٰہی جاری ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ غوث پاک نے شاگردی فرمائی اور بیعت بھی ہوئے۔ مشائخ سے فیوض حاصل کیے اور اسی فطرت الٰہی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ استاد اور شیخ سے کسی کا مرتبہ بلند نہیں ہو سکتا۔ بہرحال فیض دینے والے کا مرتبہ فیض لینے والے سے زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت کسی سے فیض لیتی نہیں۔ سب کو دیتی ہے۔ جب یہ ازلی ابدی قانون مقرر ہیں تو کس طرح کوئی شاگرد اپنے استاد سے افضل ہو سکتا ہے۔ استادیت کے اسی مرتبے کو بچانے کے لیے کبھی کسی ولی اللہ کا استاد نہ کافر ہوا ہے نہ گمراہ بدکار نہ گھٹیا نہ اخیر خراب بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ ولایت کی استادی کا شرف بھی ولی اللہ کو ہی نصیب ہوا ہے۔ کسی ولی اللہ کا استاد یا شیخ کبھی غیر ولی اللہ نہیں ہوا۔ اس لیے کہ یہ دینی رشتے ہیں۔ دینی رشتہ میں فیض یاب کبھی بھی اپنے مربی سے افضل نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ یہ بات دنیوی رشتوں میں نہیں ہے۔

خواہ وہ ماں باپ اولاد کا رشتہ ہو یا کوئی بھی دنیوی۔ باپ سے بیٹا افضل ہو سکتا ہے۔ مگر استادِ دینی فیض دینے والا ہمیشہ ہمیشہ شاگردِ فیض یاب سے افضل ہی رہتا ہے۔ یہ دلیل تاریخ وشواہد اور فقہی کلیات سے حاصل ہوئی۔ چوتھی دلیل۔ قلائد الجواہر صد ۸ پر ہے کہ شیخ احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور شیخ ابوبکر ھوار سے بالواسطہ مروی ہے کہ قدمی ھٰذہٖ سے مراد اس دور کے تمام اولیاء اللہ ہیں۔ کیونکہ وہ آنےوالا (یعنی غوث پاک) اپنے عہد میں یکتاءِ روزگار ہوگا۔ رہا اعلٰی حضرت کا یہ شعر۔ جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے سب ادب رکھتے ہیں دل میں میرے آقا تیرا۔ اسکے چار مطلب بیان کیے گئے ہیں نمبر۱ قبل سے مراد سابقہ امتوں کے اولیاء اللہ ہیں جیسے۔ امت سلیمان کے آصف بن برخیا اور امت موسٰی وعیسٰی وغیرہ علیہم السلام کے اولیاء اللہ اصحاب کہف وغیرہ نمبر۲ قبل سے مراد صحابہ تابعین تبع تابعین کے بعد وہ اولیاء اللہ ہیں جو آپ کے اساتذہ و مشائخ سے علاوہ ہیں نمبر۳ یہاں ادب سے مراد احترام و افضلیت نہیں۔ بلکہ شفقت مراد ہے اور لغت کے اعتبار سے ادب بمعنی شفقت بھی آیا ہے۔ چنانچہ۔ حاشیہ مشکوٰۃ شریف صد ۴۲۹ کتاب الآداب بحوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ مرقات جلد نہم صد ۲۵۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان قِیْلَ التَّعْظِیْمُ لِمَنْ فَوْقَکَ وَالرِّفْقُ لِمَنْ دُوْنَکَ پوری عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے کہ آداب جمع ہے ادب کی اور ادب کے چند معنی ہیں ان میں سے دو یہ ہیں۔ بعض کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اپنے سے بڑے کا ادب اس کی تعظیم ہے اور اپنے سے چھوٹے کا ادب اس سے شفقت و نرمی کرنا ہے اور خاصیت کی بنا پر رعایت برتنا ہے۔ یہ تینوں معانی اس شعر کے درست ہیں۔ چوتھا معنی جو بعض ان پڑھ عوام لوگ کہتے ہیں کہ اس شعر کا معنی یہ ہے کہ حضور سرکار غوث کا درجہ تمام صحابہ تابعین وغیرہ سب سے زیادہ ہے یہ مراد لینا جہالت کے سوا کچھ نہیں کیونکہ مسلکِ اہل سنت کے خلاف۔ بلکہ قرآن و حدیث و فقہ کے صریحی خلاف ہے ـــــ بھلا اعلٰی حضرت مسلک اہل سنت کے خلاف کیسے لکھ سکتے تھے۔ پانچویں دلیل۔ دنیاءِ معرفت میں زبان اصفیا پر۔ لسان اولیا پر دو قول مشہور زمانہ ہیں۔ ایک قول سرکار بغداد حضور غوثِ صمدانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا۔ قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللہِ - اور دوسرا قول حضرت محی الدین شیخ اکبر ابن عربی علیہ الرحمۃ کا۔ وَمِنْھُمْ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمْ رَجُلٌ وَاحِدٌ وَقَدْ تَکُوْنُ مَرَّۃً فِیْ کُلِّ زَمَانٍ اٰیَتُہٗ - وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ ۔ لَہُ الْاِسْتِطَاعَۃُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ سِوَی اللہِ ترجمہ ان اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم میں ایک شخص اس مرتبے کے ہوتے ہیں کہ ہر زمانے میں ان کی آیت آئینہ ہوتی ہے اور وہ تمام بندوں پر قاہر و غالب ہوتے ہیں۔ اللہ کے سوا ہر چیز پر ان کا قبضہ ہوتا ہے۔

ان دونوں فرمودات پر کچھ اعتراض پڑتے تھے جن کا جواب حضرت سندی سیدی۔ ملجا و ماوٰی اہل سنت مرکز سنیت حضرت اعلٰی حضور گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مصنفات مہر چشتیہ اور فتاوٰی مہریہ میں ارشاد فرمائے۔ وہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں (ماخوذ از زبدۃ الآثار صد ۲۲) سوال۔ کسی نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قبلہ سے پوچھا کہ

ولی اللہ تو صحابہ بھی ہیں اور ولی اللہ صحابہ کرام کو بھی کہا جاسکتا ہے تو. قَدَمِیْ هٰذَا (الخ) سے کیا یہ مراد لیا جاسکتا ہے کہ حضرت پاک کا قدم صحابہ کرام کی گردن پر بھی ہو. حالانکہ یہ بات مسلّم ہے کہ کوئی ولی خواہ کیسا ہی کامل ہو صحابہ کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا. قبلہ پیر صاحب نے اس کا جواب فرمایا. جواب. متاخرین کے عرف ومحاورے میں ولی اللہ ماسوائے صحابی پر بولا جاتا ہے. اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ صحابی ولی اللہ ہیں. مگر رواج میں یہ نام ان کو دیا نہیں جاتا اور کسی صحابی کو غوث وقطب بلکہ مجتہد محدث عالم مفتی نہیں کہا جاتا اور اس قول میں صرف وہ مراد ہیں جن کو محاورے میں ولی اللہ کہا جاتا ہے.

دوسرا سوال. عبارتِ فتوحات میں (ابن عربی کا فرمان) مسطورہ بالا یعنی. لَهُ الْاِسْتِطَالَةُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ سِوَی اللہِ. سے پایا جاتا ہے کہ اس ولی کا تصرّف انبیا علیہم السلام پر بھی ہوتا ہے جواب (ہرگز نہیں ہوتا) کیونکہ عالی جناب (محی الدین ابن عربی) رضی اللہ عنہ کا زمانہ. انبیاء کا زمانہ نہ تھا. یعنی جب یہ بات حضرت شیخ اکبر نے فرمائی تھی اس وقت ولیوں کا زمانہ تھا. لھذا یہ قول انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف نہیں جاتا. سوال. لفظِ فِیْ کُلِّ زَمَانٍ مندرجہ عبارت فتوحات مسطور بالا سے پایا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں بھی ایسے ولی کا ہونا واقعی امر ہے. اور نیز اسی باب میں قبل از عبارت مذکور حضرت شیخ تصریح فرماتے ہیں کہ بعد آنحضرت چار انبیا بَاَجسامھم زندہ ہیں. جواب. مفضول کا تصرف فاضل پر. مثلِ تصرّفِ جبرئیل بر آن حضرت واقعی اور مسلّم شدہ امر ہے کیونکہ بوجہ تخالف فیما بَیْن وجوہ فضیلت استبعاد مندرجہ ذیل سوال بخوبی مندفع ہوسکتا ہے. وہی آخری مکتوب شریف ملاحظہ ہو چنانچہ عالی جناب فرماتے ہیں. خُضْنَا بَحْرًا لَمْ یَقِفْ عَلٰی سَاحِلِهِ الْاَنْبِیَاءُ. یعنی ہم ایسے دریا میں ڈوبے ہیں جس کے کنارے پر انبیاء علیہم السلام کو کھڑا ہونا حاصل نہ ہوا. بحر سے مراد آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں. یعنی ہم کو بوجہ کمال اتباعِ ظاہری وباطنی شریعت وطریقت ذاتِ پاک محمدی میں کامل فنا حاصل ہے بخلاف سائر انبیاء علیہم السلام کہ وہ اپنی اپنی شرائع میں رنگین ہونے کے باعث اس فناء کامل سے عاری ہیں. اس سوال وجواب کا مدعا یہ ہے کہ ولی کسی زمانے میں بھی ہو نبوت تو بہت اونچا مقام ہے صحابی کے قدموں تک بھی رسائی نہیں ہوسکتی کیونکہ صحابی دروازۂ فیضِ نبوت ہے اور اولیاء اللہ قرب ولایت کیلئے فیضانِ نبوت کے شدت سے محتاج ہیں. ہاں دریائے انوار محمدیہ میں غوطہ زن ہونا. انبیاء سابقین اس کی تمنا فرماتے رہے. مگر یہ آرزو ان کی پوری نہ ہوئی اور ہم اہلِ امت کی خوش قسمتی کا نصیب جاگ اٹھا نیز کسی ولی کا تصرف کرنا کسی نبی علیہ السلام پر ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت جبرئیل نبی کریم علیہ السلام کے آگے پیچھے پھرتے تھے اور آپ کے کام کرتے تھے اور اس کو اپنی سعادت سمجھتے بلکہ اولیاء اللہ غوث وقطب کے ولایت سے یہ کورس اور مدارج محنت ریاضت اسی لیے کرائی جاتی ہے تاکہ وہ خدمتِ نبوت کے لائق بن سکے جیسے کہ آصف بن برخیا کا تخت بلقیس والا کمال خدمتِ سلیمانی کا ادنیٰ کام تھا. یا جس طرح پولیس کو اس لیے تربیتی امور سیاہیت سکھایا جاتا ہے تاکہ وہ بادشاہ کی صحیح خدمت کرسکیں. سوال عیسیٰ ابن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام حسبِ احادیثِ صحیحہ بعد نزول اتباعِ محمدی کے پابند ہوں گے

لھٰذا کاہل فنا کے مستحق ہوئے۔ لیکن شیخ اکبر کے فرمان لَمْ یَقِفْ سے سمجھا جاتا ہے کہ کسی پیغمبر کو ذاتِ محمدی میں فناء ظاہر و باطن نہ ہوگی۔ جواب۔ فرمانِ شیخ کا مطلب یہ ہے کہ میرے قول ھٰذا سے پہلے (الخ) کیونکہ لَمْ یَقِفْ مضارع بمعنیٰ ماضی منفی ہے۔ جس سے سابقہ کا تذکرہ ثابت ہے اور عیسٰی علیہ السلام کا آنا اس کے بعد ہے۔ ان تمام جملات سے کتنے اچھے طریقے سے یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ خبردار کسی بھی بزرگ کے فرمان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ کوئی ولی کسی بھی نبی علیہ السلام سے تو درکنار صحابی کے بھی مرتبے کو پہنچ سکے شیخِ اہل سنت کی ذات سے حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہر پہلو سے کس طرح اعتراضات ختم فرمائے اور دامنِ صحابیت کی شان بتائی اور ثابت فرمایا کہ کسی بھی نبی کے کسی بھی صحابہ کے برابر حضور غوث پاک کا مقام نہیں پہنچ سکتا۔ لھٰذا یہی اہلِ سنت کا مسلک ہے اب جو کہے کہ معاذ اللہ حضور غوث پاک کا قربِ ربانی انبیاءِ عظام سے بڑھتا ہے۔ وہ اہلِ سنت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دور کا گمراہ ہے کس کی جرأت ہے کہ پیر حضرت اعلیٰ قُدِّسَ سِرُّہٗ کے فرمودات سے منہ موڑے۔ چھٹی دلیل۔ شرح عقائد نسفی ص۱۱۱ پر ہے وَلَا یَبْلُغُ الْوَلِیُّ دَرَجَۃَ الْاَنْبِیَاءِ۔ یعنی جب صحابہ کے مراتب و درجات و فضیلت تک کسی شان کا ولی نہیں پہنچ سکتا۔ تو انبیاءِ کرام علیہم السلام کا مقام تو حدودِ بشریت سے کہیں وراء الورا ہے درجہ انبیاء تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا کوئی بھی ولی۔ نیز فتاویٰ بحر الرائق جلد ہشتم ص۲۰۶ پر ہے کتاب الکراھیۃ میں فَالْوَلِیُّ لَا یَکُوْنُ اَفْضَلَ مِنَ النَّبِیِّ ترجمہ۔ کوئی ولی اللہ کبھی بھی کسی نبی علیہ السلام سے افضل نہیں ہو سکتا ہے۔ غرض کہ کسی بھی عالم نے اشارۃً تک نہ فرمایا جس سے ثابت ہو کہ کسی وقت کوئی ولی اللہ یا سرکارِ بغداد کسی شان یا رتبے میں انبیاءِ کرام سے زیادہ ہوں۔ سیف الملوک کے ان غلط اشعار کی کسی نے بھی تائید نہیں کی اور اس سے مشابہ نثر یا نظم کسی طرف سے دستیاب نہیں۔ اس تحقیق و تفتیش کے اس نتیجے کے بعد اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ شعر سراسر گستاخی اور بالکل ہی بیانِ مذہب ہے۔ ساتویں دلیل۔ آج عوامی اور جہلاء کا طبقہ تو سیف الملوک پڑھ کر یہی اندازہ لگائے گا کہ یہ اشعار عارف کھڑی حضرت میاں محمد علیہ الرحمۃ کے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ مجھ کو سیف الملوک شریف کا ایک بہت پرانا نسخہ خاص جہلمی چھاپہ ملا ہے۔ اس میں مدح جناب غوث الاعظم قُدِّسَ سِرُّہُ العزیز کا آٹھواں شعر اس طرح نہیں ہے جس طرح سوال میں لکھا گیا ہے بلکہ اس طرح ہے۔

بندیاں تے جداوکھڑا آوے روح میرا اندا پہتا ؎ مشکل حل کرائی میراں قرب شاہاں دا بہتا۔

یعنی ظاہری دنیوی زندگی پاک سے لے کر قیامت تک جس مسلمان بندے پر کسی قسم کی اوکھ یعنی مصیبت آئے تو سرکار والیِ بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح مبارک اس کی مدد کو فوراً پہنچتی ہے کیونکہ بارگاہِ الٰہی میں تمام بندوں سے زیادہ قربِ الٰہی حضور غوث پاک کو ہے۔ اب یہ شعر بالکل سچا پاک صاف اور شریعت کے عین مطابق ہو گیا۔ یقیناً کسی انتہائی بدبخت نے میاں صاحب علیہ الرحمۃ کا یہ شعر اپنی شیطانیت کی بنا پر۔ یا ہو سکتا ہے کہ ابتداءً کاتب کی غلطی ہے۔

لفظِ بندیاں کی بجائے بنیاں لکھا گیا اور معمولی۔ دال کا گوشہ۔ گ سے پیوست ہو کر بندیاں کو بنیاں پڑھا جاتا رہا ہو۔ پھر جس کسی نے دوسری تیسری بار۔ طبع اور کتابت کرایا ہو۔ اس نے اس کو بنیاں ہی سمجھا ہو اور پھر اس طرح چھپتا رہا یہ بات عقل میں بھی آتی ہے کیونکہ بندیاں اور بنیاں میں تلمی معمولی قلم کی لغزش اور نوک پلک کی غلطی ہے ورنہ حرفوں اور نقطوں اور گنگروں کے اعتبار سے دونوں لفظ یکساں ہیں اور جس سے زیادہ پتہ لگ سکتی ہے۔ اس لیے کہ جلد بازی میں اس طرح کی تصنیف میں خام خیالیاں عام واقع ہوتی رہتی ہیں اور جب ایک شعر میں اس خیانت کا احتمال پیدا ہو گیا تو دوسرے شعروں میں بھی خیانتی ملاوٹ کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ لھٰذا یہ کہنا زیادہ آسان اور ایمان و شریعت کے قریب ہے کہ یہ اشعار اس طرح پر۔ میاں محمد صاحب کے نہیں ہیں بلکہ۔ بعد کی ملاوٹے ہیں اور ابلیس فطرت لوگوں کے ہاتھوں انجیل توریت زبور جیسی پاک کتابیں اور رب تعالیٰ کا کلام نہ بچ سکا اور کسی کے ہاتھوں کی بدنصیبی نے احادیث میں کتر و بیونت کیا۔ حضور غوث اعظم کی اصل کتاب غنیۃ الطالبین میں کیا کچھ نہ کر ڈالا اعلیٰ حضرت کے نعتیہ دیوان حدائق بخشش حصہ سوم میں ایک شخص نے اور تاج کمپنی نے تفسیر خزائن العرفان میں کتنی ملاوٹیں اور کمی بے بیشی اور بد دیانتی کروائی تو سیف الملوک پر کسی گمراہ نے اگر ایسا کر دیا تو کچھ بعید نہیں ہے بہر کیف ہم حضرت میاں صاحب عارف کھڑی کو الزام دینے کی بجائے اس طرح بچانے کا راہ نکالنا بہتر سمجھتے ہیں۔ ورنہ یہ اشعار تو کسی کے بھی ہوں۔ سراسر کفریہ ہیں اور تمام علماء اسلام عربی و عجمی کا اس پر اتفاق ہے جیسا کہ الازہر مصر۔ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف۔ حجازِ مقدس۔ افغانستان مفتی بو مایل اور پاکستان کے بیشتر علماء کرام فقہاء ملت کے فتاویٰ حاصل ہو چکے ہیں۔ آٹھویں دلیل۔ اس کفریہ شعر سے ثابت کیا جا رہا ہے معاذ اللہ غوث پاک کا درجہ مقام و مرتبہ انبیاء کرام سے زیادہ ہو اور تقربِ غوث پاک بارگاہِ ربوبیت میں۔ انبیاء کرام علیہم السّلام سے زیادہ ہو۔ حالانکہ قلائد الجواہر ص۵۵ پر خود حضور غوثِ پاک جیلانی کا واقعہ اس طرح لکھا ہے۔ غوث پاک کی محفل سجی ہوئی تھی کسی نے عرض کیا فلاں بزرگ جو اس وقت اپنی کرامات عبادات اور اپنے زہد و تقوے میں مشہور ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ میں تو یونس بن متی علیہ السلام کے مقام سے بھی تجاوز کر چکا ہوں۔ یہ سنتے ہی حضرت شیخ کو غصہ آگیا اور آپ نے سیدھے بیٹھ کر تکیہ ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ۔ میں نے اُس شخص کے قلب پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی ہم لوگ فوراً اس شخص کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ اچھا خاصا تھا لیکن کسی مرض کے بغیر مر گیا مرنے کے بعد کچھ لوگوں نے خواب میں اس کو اچھی حالت میں دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ رہا اس نے کہا۔ شیخ عبد القادر جیلانی کی شفاعت کی وجہ سے میرا قول حضرت یونس علیہ السلام۔ نے بھی معاف کر دیا اور خالق و مالک نے بھی معاف فرما دیا۔ حضرت مصنف امام یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کی شرح میں حاشیے پر فرماتے ہیں۔ ولی مرتبے میں کتنا ہی بڑا ہو نبی کی ہم سری نہیں کر سکتا۔ حضور غوث پاک سرکار ولایت کے اس ملفوظ سے کتنا صاف واضح ہو گیا کہ کوئی ولی اللہ کتنا ہی عبادت ریاضت اور صاحب کرامت مشہور ہو قربتِ الٰہیہ میں انبیاء عظام سے تجاوز تو در کنار برابری

صوفیاء، مصنفین، متقدمین، متاخرین دنیا میں آئے اور سب نے تحریر و تحقیق، تفتیش و تفسیر، تشریح میں عمریں گزاریں مگر کسی نے بھی وہ بات نہ لکھی جو سیف الملوک میں لکھی ہے۔ اور پھر سیف الملوک میں بھی صرف شعر بازی کی حد تک نہ کوئی ثبوت نہ دلیل نہ واقعہ نہ تاریخ نہ مشاہدہ۔ نیز، دین و عقائد کی بنیاد تو قرآن و حدیث ہے اس میں ایسی کوئی بات نہیں لکھی گئی۔ بلکہ قرآن پاک میں کرامات اولیاء دامن فیض نبوت کے ماتحت بیان فرمائی گئیں۔ جیسا کہ سورۃ نمل وغیرہ میں ہے یہ اعتراض تو سیف الملوک پر ہونا چاہیے کہ اس نے یہ نرالی انوکھی بات کیوں لکھدی۔ جس نے کتنوں کو گستاخ و بے ادب بنا دیا۔ **دوم جواب** ۔ یہ کہ سیف الملوک کوئی زیادہ مشہور کتاب نہیں۔ اب بھی ذرا علاقہ میر پور یوں سے نکل کر دیکھو۔ خود پنجاب کے علاقے میں پوری طرح کوئی واقف نہیں اکثر لوگ اس کتاب کو جانتے تک نہیں اور اکثر نے دیکھا تک نہیں کسی نے دیکھا ہے تو پڑھا نہیں۔ مجھ کو بہت سے لوگ ایسے بھی ملے جنہوں نے کچھ پڑھا بھی تھا مگر ان شعروں تک نگاہ نہیں پہنچی۔ اعلیٰحضرت بریلوی وغیرہ زبان پنجابی سے ناواقف تھے۔ پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ نے، اپنا جو عقیدہ بیان فرمادیا۔ وہ ظاہر طور پر ان اشعار کی تردید کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سیف الملوک ان کی نظروں سے نہ گزری ہو یا تردید کی ہو مگر ہماری نگاہ سے نہ گزری ہو۔ میں نہ جانے کب سے ان غلط اشعار کی تردید کر رہا تھا۔ مگر آپ کو آج معلوم ہوئی اور ابھی بھی بہت سوں کو معلوم نہیں۔ **جواب سوم** ۔ یہ کہ، تردید نہ کرنا صداقت کی دلیل نہیں۔ بلکہ تائید ہی سچائی کی دلیل بن سکتی ہے۔ آپ کو چاہیے کہ ان جھوٹے شعروں کی کسی جانب سے تائید دکھاؤ ہند میں پنڈت دیانند سرسوتی نے ایک کتاب ستیارتھ پرکاش لکھی۔ جس کے ایک باب میں قرآن مجید پر بہت سے اعتراض کیے ہیں مگر پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور پنجاب کے بہت سے علماء فضلا کی جانب سے ان کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ اس طرح مرزا قادیانی کی بہت سی کتب کا جواب کسی نے نہ دیا تو کیا ان کتابوں کو سچا کہدو گے۔ میری یہ تردید ہی سب کی جانب سے ہے اس لیے کہ میں نے ان کے فرمودات کے سہارے پر دلائل پیش کیے ہیں۔ **دوسرا اعتراض**۔ ایک شخص نے کہا کہ سیف الملوک کے اشعار کا مطلب یہ ہے کہ غوث پاک نے غلامانہ خادمانہ حیثیت سے انبیاء کرام کی مدد فرمائی تھی۔ **جواب**۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کا خیال نہایت پاکیزہ ہے۔ مگر اس کی حقیقت واقعی کا کوئی ثبوت بھی تو چاہیے۔ نیز سیف الملوک نے جس طرز بیانی سے اشعار یہ عقیدہ پیش کیا ہے۔ اس میں تو کہیں بھی خادمیت کی جھلک نظر نہیں آتی۔ کیا خدام کے کام کو اسی طرح غرور و تمکنت اور شان شاہانہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ ان شعروں کی طرز بیانی تو حقیقی خادم کو آقا و افضل اور حاجت مند کو حاجت روا۔ اور جو ہستی انبیاء کرام سے مشکل کشائی کی طالب ہے اسی کو نعوذ باللہ۔ انبیاء عظام کا مشکل کشا بنایا جارہا ہے۔ لفظ اوکڑ لغت پنجابی میں بمعنیٰ مصیبت ہے اور الفاظ "قرب شاہاں واہتا" کے معانی سے صاف لگتا ہے کہ شاعر کے نزدیک۔ میراں کا درجہ تمام انبیاء سے زیادہ ہے اور شاعر غوث پاک کو انبیاء علیہم السلام سے افضل و اقرب جانتا ہے۔ آپ تو یہ کہہ کر شاعر کو کفریات سے بچا لینا چاہتے ہو مگر شاعر آپ کا ہم خیال نہیں بننا چاہتا۔ **تیسرا اعتراض**

اگر یہ اشعار واقعتاً میاں محمد صاحب کے ہی ہوں۔ جیسا کہ سیف الملوک کے اندر کے صفحات میں اسی طرح کی امداد غوثیت کا تذکرہ ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ میاں صاحب توبہ کر کے فوت نہیں ہوئے تو اب ان کے متعلق آپ کا فتوٰی کیا ہے۔ کیا وہ کفر پر فوت ہوئے۔ جواب۔ اولاً تو میرے پاس اس چیز کا تحریری ثبوت موجود ہے کہ یہ اشعار پرانی کتابوں میں اس طرح نہیں ہوسکتے ایک شعر میں شک سب کو مشکوک بنا دیتا ہے علاوہ اندر کے صفحات میں اس طرح کے شعر مجھ کو نظر نہیں آئے۔ اگر آپ اسی بات پر مصر ہیں کہ یہ شعر میاں صاحب کے ہی ہیں تو آپ اپنے ایمان اور عقیدے سے فتوٰی طلب کیجئے اور اندازہ لگا لیجئے کہ آپکے ایمان میں مقام نبوت کی کیا حیثیت ہے۔ میری طرف سے تو اتنا سمجھ لیجئے کہ کلام کا کفریہ ہونا اور چیز ہے مگر متکلم کا کافر یا مرتد ہونا علیحدہ تحقیق طلب مسئلہ ہے بسا اوقات کلام کفریہ کا متکلم کافر نہیں ہوتا۔ فاسق یا گمراہ ہوجاتا ہے۔ کفر کا فتوٰی تب لگایا جاسکتا تھا جبکہ شاعر سے ملاقات ہوتی اس سے ان اشعار کے بارے میں گفتگو ہوتی اگر اس کے سارے مطلب معنی کفر کی ہی طرف جاتے اور وہ شاعر اپنے اس کفر پر ضد کرتے ہوئے قائم رہتا توبہ نہ کرتا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعلم۔

کتبہ

چھٹا فتوٰی ۔ "جرم ثابت ہونے کا شرعی قانون"

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے گیارہ بارہ سالہ ایک لڑکے کے ساتھ بدفعلی کی جس کی گواہی خود اس بچے نے شکایت کرتے ہوئے اپنی والدہ کو دی والدہ نے اپنے خاوند کو وہ سب باتیں بتائیں جو کچھ بچے نے بتائی تھیں۔ پھر خاوند نے اپنے بیٹے سے خود پوچھیں تو لڑکے نے اپنے والد کو بھی سب بتا دیں۔ باپ یعنی بکر نے اپنے دوستوں کو بتائیں۔ زید جو اپنے علاقے میں ایک مسجد کا ایک متولی ہے۔ جب زید کی یہ حرکت لوگوں میں مشہور ہوئی تو زید نے اپنا عیب چھپانے کے لیے کسی سے کچھ کہا کسی سے کچھ کہا۔ جس شخص سے جس طرح کی گفتگو زید نے کی اس سے لوگوں نے یہی اندازہ لگایا کہ زید واقعی مجرم ہے۔ ہمیں شریعت کا فتوٰی عطا کیا جائے اور بتایا جائے کہ کیا زید کا جرم ان گواہیوں سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور ایسا مجرم اور گندا آدمی کسی مسجد کا متولی بنانا جائز ہے یا نہیں اور جو چند لوگ زید کی بلاوجہ برادری کی نسبت سے حمایت کر رہے ہیں ان کا شریعت میں کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

دستخط سائل صوفی دین محمد و صوفی عبداللہ بریڈ فورڈ نمبر۔

۱-۶-۸۵

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابْ

صورتِ مسئولہ میں بحیثیت مفتی دارالاسلام ہونے کے میں نے بہت کوشش اور حتی المقدور حالات کی تحقیق و تفتیش

کی ہے۔ میں نے تقریباً ڈھائی تین ماہ تک اس مندرجہ بالا معاملات کی چھان بین کی ہے اور زید مدعا علیہ زید مذکور سے بھی بہت دفعہ رابطہ ہوا ٹیلی فون پر بھی مدعی علیہ سے بات چیت گفتگو کافی طویل سوال و جواب کی شکل میں ہوئی۔ نیز بعدہٗ زید مدعی علیہ نے اپنا مکمل بیان بھی با دستخط لکھ کر بھیجا یہ سب کچھ میرے پاس موجود ریکارڈ ہے۔ انتہائی کوشش انتظار مہلت۔ غور و تدبر فکر و نظر کے بعد یہ شرعی فتوای مکمل اور حتمی جاری کیا جا رہا ہے۔ اس تحقیق کے دوران مدعی بکر اور اس کا گیارہ سالہ بیٹا اور اس کے لواحقین اور تقریباً بارہ تیرہ گواہ مختلف وقتوں میں میرے پاس آکر اپنے حلفیہ بیان قلم بند کراتے رہے اور یہ تعداد گواہان شرعی ثبوت کی قانونی ضرورت سے زیادہ تھی۔ یہ فتوای حسب حکم شریعت تفتیش و عرق ریزی کے بعد جاری کیا جا رہا ہے نہ یک طرفہ ہے نہ جلد بازی کا ہے۔ میری اس تمام تحقیقی کارروائی سے ثابت ہوتا ہے کہ زید مجرم ہے اور زید کی یہ بدفعل حرکت اسی علاقے میں خاصی مشہور ہو چکی ہے اور ابتداءً زید خود بھی توڑ موڑ اور دبے لفظوں میں اپنے اس بُرے فعل کا اقراری رہا ہے۔ زید کی یہ نازیبا حرکت حلقہ عوام میں شہرت پذیر ہونے کی بنیاد پر شریعت اسلامیہ کا یہ فتوای انتہائی کاوش اور کثیر دلائل شرعیہ فقہیہ کے مطابق۔ زید کو شرعی مجرم فاسق۔ فاجر اور بدکار ثابت کر دیتا ہے اور اس کی شرعی تعزیری سزا یہ ہے کہ زید خصوصی محفل مجلس میں آئندہ کے لیے سچی توبہ کرے۔ جب تک توبہ نہ کرے گا۔ اس وقت تک نہ پاک دامن ہو سکتا ہے نہ پاکباز کہلانے کا حق دار ہے اور معاشرے میں اس وقت تک زید مجرم اور فحاشی والا ہی مانا جائے گا۔ بدیں وجہ زید کسی بھی نیک کام میں معاون نہیں بن سکتا نہ اس کو پاک اور دینی کاموں میں ذمہ دار بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ایسی بُری خصلتوں والا کسی انجمن دینیہ اسلامیہ کا ممبر یا رکن نہ ہی مسجد و مدرسہ کا متولی اور ٹرسٹی بنانا جائز ہے۔ زید کا یہ جرم جس کو عربی میں لواطت کہا جاتا ہے۔ اس کے لیے عدالت کو ثبوت کے لیے دو سے زیادہ گواہوں کی ضرورت نہیں اور دو سچے گواہوں کی چشم دید گواہی سے ہی تعزیر ثابت ہو جائے گی۔ لیکن فاسق فاجر اور بدکار مشہور کرنے کے لیے یا عذاب آسمان کے لیے اور سزاءِ اُخروی کے لیے مجرم کے جرم کا مشہور ہونا بھی کافی ہے۔ یعنی اگر کسی کے فحاشی افعال کی شہرت ہو جائے تو اس کو شریف آدمی نہیں کہا جا سکتا۔ اگرچہ اس کو کسی نے موقع واردات پر بنظر خود دیکھا نہ ہو۔ قرآن و حدیث مطہرات سے۔ ایسے لوگوں کو مجرمین شمار کیا گیا ہے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔ پہلی دلیل۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالٰی ہے۔ سورۃ اَعراف پارہ نمبر ۸ آیت نمبر ۸۱ اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ۔ ترجمہ۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا بے شک تم مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم حد سے بڑھنے والی قوم ہو۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ نبوت کی عدالت عالیہ نے قوم لوط کو بدفعلی کا مجرم و بدکار قرار دیا۔ حالانکہ حضرت لوط نے اس جرم کو ثابت کرنے اور علی الاعلان بیان کرنے پر نہ خود یہ جرم کرتے دیکھا۔ اپنی آنکھوں سے نہ گواہوں کو طلب فرمایا نہ باقاعدہ گواہی لی گئی۔ صرف مشہور ہو جانے پر علی الاعلان مجرم بنایا جا رہا ہے اور باری تعالٰے جل مجدہ نے بھی حضرت لوط کو اس طرح علی الاعلان

جرم کا ذکر کرنے پر ان کو منع نہ فرمایا کہ اے میرے نبی تم بغیر گواہی اور چشم دید گواہی والے واقع پر کیوں مجرم بنا رہے ہو۔ نبوت تو سب سے بڑی حق گو عدالت ہوتی ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام سب سے بڑا قاضی۔ جج اور عدالت الٰہیہ کا چیف جسٹس ہوتا ہے۔ اس کی ہر بات۔ ہر فیصلہ حق گوئی ہی ہوتی ہے اور شریعت کا قانون امت کے لیے نشانِ راہ۔ شمع ہدایت ہوتی ہے۔ تاکہ آنے والی قومیں بھی مجرم کو برا سمجھنے کے لیے اتنی شہرت کو کافی سمجھیں چشم دید گواہی تو عدالت کی مکمل کاروائی کے لیے ہوتی ہے۔ جب کہ مجرم کو قرار واقعی سزا دینا مقصود ہو۔ لیکن اگر خود سزا نہ دینی ہو صرف برا اور فاسق بنانا ہی مقصود ہو تو شہرت ہی کافی ہے۔ اسی لیے رب تعالٰے نے اسی شہرت اور حضرت لوط کے حکم لگانے پر نبوت کا فیصلہ قرار دیتے ہوئے اسی فیصلے کے بعد عذاب آسمانی کی تعزیر فرما کر سب کو پتھروں سے رجم فرمایا۔ شاید کوئی احمق اور جاہل یہ کہدے کہ حضرت لوطؑ کو اللہ نے وحی بھیج کر یہ جرم بتا دیا تھا۔ تو پوچھا جائے گا کہ اس کا ثبوت کیا ہے۔ وہ وحی پڑھ کر سناؤ نیز۔ وحی سے اگر فیصلے کیے جا سکتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی کیوں طلب فرمائیں۔ اور پھر میدان محشر میں رب تعالیٰ گواہیاں کیوں طلب فرمائے گا۔ اندھا بن کر کوئی اعتراض کر دینا تو کچھ مشکل نہیں۔ دلیل دوم بہت سی سرکش کافر قوموں پر سابقہ زمانوں میں آسمانی عذاب آئے مگر ان کی نوعیت صرف یہ ہوتی رہی کہ ایک غیبی چیخ آئی۔ یا آگ کا بادل آیا۔ یا فقط اکیلے جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور عذاب نازل کر دیا کسی نے ان کو دیکھا کسی نے نہ دیکھا اصلی شکل میں ہی عذاب نازل کر کے چلے گئے۔ لیکن قوم لوط پر عذاب سے پہلے بہت سے فرشتے خوب صورت لڑکوں کی شکل میں آئے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا نابالغ امردوں کا روپ دھارنا صرف اسی قوم کی خصوصیت ہے نہ اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا نہ بعد میں۔ وجہ اس کی یہ بتائی جاتی ہے کہ بحکم رب تعالیٰ ملائکہ نے اپنی آنکھوں سے ان کی شہرت جرم ملاحظہ کرنا تھی اور اسی شہرت کی بنا پر ان پر عذاب نازل کرنا تھا ورنہ صرف عذاب نازل کرنے کے لیے اس صورت کا اختیار کرنا ضروری نہ تھا۔ مقصد یہ تھا کہ پہلے جرم ثابت ہو جائے پھر سزا دی جائے۔ گویا کہ عدالت الٰہیہ کی کاروائی مکمل کرنا تھی۔ اسی لیے فقط شہرت کو ان فرشتوں نے ملاحظہ کیا۔ واردات جرم کو ان ملائکہ نے بھی نہ دیکھا نہ ہی چشم دید گواہی طلب فرمائی۔ نہ قرآن و حدیث میں قوم لوطؑ کا صاف لفظوں میں اقرار اور واضح جرم بیان ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید سورۂ ہود پارہ نمبر ۱۲ کی آیت نمبر ۷۷ تا نمبر ۸۱ میں ذکر ہے۔ غرضکہ آیت قرآنیہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مذکورہ فی السوال جرم پر شہرت یا مجرم کا دبے لفظوں اقرار کرنا ہی جرم ثابت کر دیتا ہے اور فیصلہ نبوت و قانون عذاب آسمانی ایسے بدقماش کو قابل سزاء اخروی و قدرتی مجرم قرار دیتا ہے۔ اگرچہ فقط شہرت سے شرعی عدالت اس کو تعزیری سزا نہ دے گی مگر بدکار و بدطینت ہونے کا حکم ضرور لگایا جائے گا۔ تیسری دلیل۔ قرآن مجید پارہ نمبر ۲ آیت نمبر ۱۴۳ سورۃ بقرہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ (ع)

اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو امت وسط تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔ اس آیت کی ایک تفسیری عبارت یہ بھی ہے کہ مسلمان

میں جو چیز اچھی مشہور ہو جائے وہ عند اللہ بھی اچھی ہوتی ہے اور جو بری قابل نفرت ہو جائے وہ عند اللہ بھی بری ہوتی ہے۔ اس طرح جو آدمی لوگوں میں بدکار، فاسق، فاجر مشہور ہو جائے وہ اللہ کے نزدیک بھی مجرم ہوتا ہے اور جس کو عام مسلمان نیک متقی کہیں وہ عند اللہ بھی نیک ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ زبان خلق نقارہ الٰہی ہے۔ مذکورہ زید بھی اکثر مسلمانوں میں اس بد خصلتی میں مشہور ہو چکا ہے۔ اس لیے شرعًا اس کو نیک نہیں کہا جاسکتا۔ چوتھی دلیل۔ بخاری شریف جلد اول صفحہ ۱۸۳ مسلم شریف جلد اول صفحہ ۳۰۸۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۴۵ پر ہے۔ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ۔ قَالَ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا (الخ) اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ (الخ) ترجمہ۔ لوگ ایک جنازے پر گذرے تو مسلمانوں نے اس میت کی بہت خیر کی تعریفیں اور اچھائیاں بیان کیں تو نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی۔ دوسرے جنازے کے پاس گذرے تو لوگوں نے اس کی برائیاں بیان کیں تو حضور اقدس محمد پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی۔ فاروق اعظم نے عرض کیا۔ کیا واجب ہوگئی۔ تو آقا و کل داناسبل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص کی تم نے اچھائیاں بیان کیں اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے برائیاں بیان کیں اس کے لیے جہنم واجب ہوگئی۔ تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو اور ایک روایت میں ہے کہ تمام مومن تاقیامت اللہ کے گواہ ہیں زمین میں۔ اس حدیث پاک سے چار باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ نمبر ۱ صحابہ کرام نے جس کی اچھائی یا برائی بیان فرمائی وہ واقعی اس میں ہوں گی جس کا تذکرہ ہوا۔ ورنہ صحابہ کرام معاذ اللہ جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ دوم یہ کہ یہ اچھائی اور برائی مشہور ہوگی ورنہ غیر مشہور برائی کا تذکرہ کرنا غیبت ہے اور غیبت حرام۔ نبی اکرم سن کر ضرور منع فرماتے سوم یہ کہ صرف برائی کے ذکر کرنے پر ہی نبی پاک نے اپنا نبوی فیصلہ صادر فرما دیا کہ وجبت۔ ثابت ہوا کہ جب کسی شخص کی برائی اور جرم لوگوں میں مشہور ہو جائے تو مفتی اسلام اس کے خلاف فتوٰی دے کر اس کو فاسق بدکار قرار دے سکتا ہے تاکہ لوگ اس سے بچیں اور اپنی اولاد کو بچائیں۔ اسی لیے آقائے کائنات مخزن برکات علیہ السلام والصلٰوۃ نے برائی بیان کرنے والے صحابہ سے چشم دید گواہی کا مطالبہ نہ فرمایا۔ خیال رہے کہ قانون شریعت میں گواہی صرف جرم کی حد اور تعزیری سزا کے جاری کرنے کے لیے طلب کی جاتی ہے۔ اس کو قضا اور فیصلہ عدالت شرعیہ قانونیہ کہا جاتا ہے۔ لیکن فتوٰی عام ہے۔ ہر اچھائی برائی والے شخص پر حیثیت کے مطابق لگ جاتا ہے۔ اگر کسی کی بدکاری اور جرائم مشہور ہو جائیں تو فتوئے شرعی سے اس کو فاسق فاجر اور برا سمجھا جائے گا اور چونکہ حدیث فقہ میں بدکار شخص فاسق معلن کی اہانت و ذلت واجب ہے اس لیے برے شخص کو عزت کا مقام یا باعزت دینی ڈیوٹی نہیں دی جاسکتی۔ قرآن و حدیث کے مندرجہ بالا دلائل سے یہی کچھ ثابت ہو رہا ہے۔ چہارم یہ کہ رب تعالیٰ جل شانہ کو مسلمانوں کی زبان کا اعتبار ہے۔ بلکہ زبان خلق کا آوازہ منجانب اللہ ہی ہوتا ہے تو پھر علماء دین اور مفتیان اسلام کو بدرجہ اولیٰ اعتماد کرنا چاہیے۔ پانچویں دلیل۔ اسی مندرجہ ذیل حدیث پاک کی شرح میں امام نووی کا قول اس طرح ہے

وَهٰذَا الْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنَّ الَّذِيْ اَثْنَوْا عَلَيْهِ شَرًّا كَانَ مَشْهُوْرًا بِنِفَاقٍ اَوْ بِنَحْوِهٖ مِمَّا ذَكَرْنَا وَهٰذَا هُوَ الصَّوَابُ ۔ (الخ) ترجمہ۔ اور یہ حدیث پاک محمول ہے اس بات پر کہ بے شک جس شخص کی لوگوں نے برائی فرمائی وہ اپنی زندگی میں مشہور رہا۔ منافقت یا اس کی مثل اور فسق و گناہ میں اور ایسے فاسق کو تو موت کے بعد بھی ذلیل کرنا جائز ہے۔ لہٰذا زندگی میں تو زیادہ ضروری تھا کہ لوگ اس کے شر سے خود بھی بچیں اور اپنے بچوں کو نسلوں کو بھی بچائیں۔ نیز امام نووی نے فرمایا کہ یہ ہی شرح جو ہم نے بیان کی درست ہے۔ پس چونکہ زید کی یہ بد فعلی بھی لوگوں میں مذکور و مشہور ہو چکی ہے۔ جس کو حلفیہ بیان کے ساتھ تحریر کر کے میرے پاس نام اپنا مع دستخط کثیر لوگوں نے اپنی گواہیاں بھیجی ہیں اور میں نے خود اس کا بیان لیا ہے جو شرعاً مدعی ہے اس کے والدین کا حلفیہ تحریری بیان لیا گیا۔ اس تمام تحریر سے ثابت ہوا کہ زید کی یہ بدکاری مشہور ہو چکی ہے نیز کسی شخص نے بھی زید کی سابقہ پاکبازی یا تقوے طہارت کی گواہی نہ دی مزید یہ کہ لوگوں کی زبانی زید اپنے حلیے سے بھی شرعی آدمی معلوم نہیں ہوتا زید خود بھی آج تک اپنی صفائی پاک بازی اور باشرع ہونے میں کوئی حلفی گواہی یا ثبوت پیش نہ کر سکا۔ میں نے صرف ٹیلی فون پر زید سے گفتگو کر کے اس کا بیان سنا مگر آج تک زید میرے پاس نہیں آیا حالانکہ اس کو بلایا بھی گیا اور صفائی پاک دامنی بیان کرنے کی دو ماہ مہلت بھی دی گئی۔ اس لیے اب صرف زید کا اکیلے اپنی پاک دامنی بیان کرنا اور اس بد فعلی سے انکار تحریر کر دینا قابل قبول نہیں۔ مجرم کب اپنا اقبال جرم کرتا ہے۔ خاص کر اس زمانے میں۔ چھٹی دلیل۔ قانون شریعت میں صرف زنا کی بدکاری کو ثابت کرنے اور شرعی حد۔ رجم یا کوڑے کی مقررہ سزا جو الٰہیہ کو جاری کرنے مجرم کو مارنے کے لیے بہت متقی چار چشم دید گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اس کے علاوہ دیگر جرائم کے ثبوت کے لیے اتنے زیادہ گواہوں کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ فتاوٰی درمختار علٰی تنویر الابصار جلد پنجم ص۳۹۹ پر ہے اور شرح وقایہ جلد سوم ص۱۵۲ پر ہے۔ وَنِصَابُهَا لِلزِّنَا اَرْبَعَةُ رِجَالٍ وَّلِلْقَوَدِ وَبَاقِی الْحُدُوْدِ رَجُلَانِ ترجمہ۔ صرف زنا کے ثبوت کے لیے گواہوں کی شرعی معتبر تعداد چار مرد ہیں اس کے علاوہ باقی جرم اور حدود کے ثبوت کے لیے صرف دو مرد گواہ کافی ہیں یہ بھی صرف عدالتِ اسلامیہ میں شرعی سزا نافذ کرنے کے لیے ہے۔ لیکن اگر کسی کی زناکاری ویسے ہی مشہور ہو گئی تو شرعی فتوے میں وہ بد خصلت آدمی فاسق و فاجر اور قابل نفرت و تذلیل ضرور تصور کیا جائے گا۔ قرآن کریم نے بھی صرف زنا کے عدالتی ثبوت کے لیے چار چشم دید گواہوں کی پابندی قائم فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے جرم کے لیے خواہ کتنا ہی فحش ہو، چار گواہ شرط نہیں ہیں۔ چنانچہ سورۃ نور آیت نمبر۴ میں ارشاد باری تعالٰی جل مجدہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً ۔ (الخ) اور آیت نمبر۱۳ میں ہے۔ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۔ دونوں آیتوں میں یہی ثابت ہو رہا ہے کہ صرف زنا کی عدالتی تحقیق کے لیے چار عینی گواہ لازمی ہیں نہ کہ دوسری بد فعلیوں کے لیے اور زنا کی بابت سب ہی جانتے ہیں کہ عورت اجنبیہ کی قبل میں وطی کرنا زنا ہے

لواطت یا کسی جانور سے وطی کرنا زنا نہیں ہے۔ کسی بھی فقیہ عالم محدث مفسر نے لواطت اغلام وغیرہ کو نہ زنا کا لقب دیا نہ کسی نے زنا کے علاوہ چار گواہی کی پابندی کو ثابت کیا۔ نہ کوئی امام ائمہ اربعہ میں سے اس خلاف قرآن مسلک کا قائل ہوا۔ چنانچہ تفسیر رازی میں جلد ششم ص۲۱۲ پر اسلام ہے۔ لیکن لواطت زنا کے ساتھ شامل نہیں۔ اس لیے اس کے ثبوت کے لیے چار گواہ نہ ہوں گے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد ششم پ۱۸ ص۸۰ پر ہے۔ وَلَا تُقَاسُ اللِّوَاطَةُ عَلَى الزِّنَا فَلَوْ قَذَفَ بِهَا لَا يُحَدُّ الْقَاذِفُ۔ ترجمہ۔ اور لواطت کو زنا پر قیاس نہیں کیا جاسکتا (الخ) لہذا اگر کسی شخص کو لواطت کی جھوٹی تہمت لگادی تو تہمت لگانے والے کو حد قذف اسی کوڑے نہیں ماری جائیں گی خیال رہے کہ مندرجہ بالا دلائل کے تحت لواطت اور زنا میں پانچ طرح فرق ثابت ہوتا ہے۔ نمبر۱ زنا کی تہمت میں قاذف یعنی تہمت لگانے والے کو شرعی مقررہ حد لگائی جائے گی جیسا کہ اوپر سورۂ نور کی آیت نمبر۴ میں لکھا ہے۔ مگر لواطت کی تہمت لگانے کی یہ سزا شرعی نہیں ہے۔ نمبر۲ زنا کے ثبوت کے لیے چار مرد عینی گواہ لازم ہیں مگر لواطت کے عدالتی ثبوت کے لیے فقط دو گواہ کافی ہیں نمبر۳ زنا کی سزا حد شرعی ہے یعنی شادی شدہ کو رجم کرکے ہلاک کرنا اور کنوارے کنواری کو سو کوڑے۔ مگر لواطت کے جرم میں حد نہیں ہے بلکہ تعزیری سزا ہے۔ اگرچہ حکومت وقت بمقابلہ حد زیادہ ہی لگا دے نمبر۴ زنا زیادہ بڑا جرم ہے۔ لواطت اس کے کم مگر بدکاری۔ بے غیرتی۔ بے حیائی میں دونوں برابر ہیں۔ نمبر۵ لواطت ان جرموں میں سے ہے جو شہرت سے بھی ثابت ہو جاتی ہے اور فقط شہرت و آثار کی بنا پر فتوئے شرعی لگایا جاسکتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ فلاں آدمی بدکار ہے۔ جیسا کہ قرآن و حدیث کی اوپر والی دلیلوں سے ثابت کیا گیا۔ ان تفریقات اور دلیلوں کی روشنی میں مذکورہ فی السوال زید کے جرم کے مشہور ہونے کی بنا پر اور مدعی و گواہان کے حلفیہ تحریری بیانات کی وضاحت اور مدعی علیہ زید کے تحریری بیان کے اشارات کے نتیجہ میں یہ فتوای جاری کیا گیا ہے اور چونکہ یہ فتوای زید کے فسق و فجور ظاہر کر رہا ہے لہذا یہ فیصلہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے زید شرعی تعزیر سے بچ جاتا ہے مگر بخصلتی فاسق و فاجر ہونے اور دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سے نہیں بچ سکتا اور یہ فتوای مندرجہ بالا دلائل کی بنیاد پر بالکل درست اور مضبوط ہے۔ ایسی بدفعلیوں کے لیے زید کو کھلی چھٹی نہیں دی جاسکتی۔ خبردار کوئی شخص زید کی کسی طرح حمایت نہ کرے ورنہ وہ بھی قانونی و شرعی مجرم ہوگا۔ اب رہا دوسرا سوال۔ کہ ایسے مجرم و بدطینت گندے بندے اور برے انسان کو کسی مسجد کا متولی یا ٹرسٹی بنانا جائز ہے یا نہیں تو یہ بات اولاً ضرور ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ قانونِ شریعت میں مساجد۔ اللہ تعالی کی بہت ہی متبرک مقدس جگہ ہیں۔ ان مقامات کے اندر کوئی گندہ پلید شخص نہیں آسکتا۔ نہ جسمانی گندہ نہ نفسانی نہ قلبی نہ ذہنی نہ ایمانی۔ نہ گندے عقیدے والا۔ فقہاء کرام نے متولی مسجد کے لیے نیک متقی عادل دیانت دار پاکباز۔ ایمان و امانت والا ہونے کی شرط مقرر فرمائی ہے کسی بھی مسجد وغیرہ کا متولی جس کو انگریزی میں ٹرسٹی کہتے ہیں۔ خواہ ایک ہو یا چند ہوں۔ فاسق۔ بددیانت اور بے غیرت و بدکار آدمی نہیں بنایا جاسکتا۔ اگر کوئی برا آدمی متولی (ٹرسٹی) بنا دیا گیا ہو تو بحکم شریعت مطہرہ فوراً نکالنا اور تولیت سے ہٹا دینا واجب ہے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔ چنانچہ ترتیب فتوای کے لحاظ سے آٹھویں دلیل۔ فتاوی

قاضی خان جلد دوم صہ ۴۶۱ پر ہے۔ وَمَنِ اتُّهِمَ بِالْفِسْقِ تَبْطُلُ عَدَالَتُهٗ۔ ترجمہ۔ اور وہ شخص جو کسی گناہ بدکاری وغیرہ کی تہمت میں مشہور ہو جائے اس کا متقی عادل ہونا یعنی ایمان داری دیانت داری اور قابل اعتماد ہونا ختم اور باطل ہو جاتا ہے اور کسی بھی ذمہ داری کے لیے وہ قابل اعتماد نہیں رہتا خیال رہے کہ شریعت پاک میں امانت و دیانت کا بہت اہتمام رکھا گیا ہے بلکہ عبادت و تقوے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ بندہ اپنی زندگی کو پاکباز بنائے اور کسی بھی موقعہ پر نفس و شیطان کے بہکانے سے خلوت و جلوت میں بددیانتی اور خیانت نہ کرے جب انسان کوئی ظاہرًا گناہ کرتا ہے بدفعلی یا جنسی بدکاری تو شرعًا اس کی دیانتداری بالکل ختم ہو جاتی ہے اور کسی بھی دینی دنیوی ذمہ داری کے لیے وہ قابل اعتماد نہیں مسجد کی ذمہ داری اٹھانا تو بہت ہی بڑی دیانت و ایمان کی چیز ہے۔ اس کے لیے تو نہایت پاکباز متقی۔ نیک صالح مومن مسلمان ہونا چاہیے باری تعالٰی نے زمین پر اپنی پہلی مسجدوں کے لیے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں بھیجا مسجد نبوی اور مسجد قبا شریف کے لیے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جیسا کہ قرآن مجید حدیث پاک سے ثابت ہے۔ اس سے مسجدوں کی شان اور امور مساجد کی آن ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے کسی بدکار بد خصلت ذلیل انسان کو مسجد کا متولی بنانا جائز نہیں۔ کہ جو شخص اپنے تقوے طہارت کو نہیں بچا سکتا اور نفسانی شہوتوں سے غیرت و حیا کو پامال کر دیتا ہے۔ وہ مسجد کے آداب و حقوق کا کب خیال رکھے گا۔ اس لیے مذکورہ فی السوال زید کو فورًا متولی اور ٹرسٹی ہونے سے علیحدہ کر دیا جائے۔ نویں دلیل۔ فتاوٰی درمختار جلد چہارم صہ ۳۸۰ پر ہے۔ وَيُنْزَعُ وُجُوْبًا (بزازیہ) لَوْ غَيْرَ مَأْمُوْنٍ اَوْ عَاجِزًا اَوْ ظَهَرَ بِهٖ فِسْقٌ كَشُرْبِ خَمْرٍ وَ نَحْوِهٖ۔ اور اس کی شرح فتاوٰی شامی میں اسی صفحہ پر ہے۔ وَلَا يُوَلّٰى اِلَّا اَمِيْنٌ قَادِرٌ بِنَفْسِهٖ[۱] ترجمہ۔ مسلمانوں پر واجب کہ ایسے متولی (ٹرسٹی) کو مسجد کمیٹی سے فورًا نکال دیا جائے جو بے اعتبار ہو یا عاجز ہو یا اس سے کوئی فسق ظاہر ہو۔ جیسے شراب پینا اور اس کی مثل کوئی گناہ بدکاری وغیرہ۔ اس فرمان سے ثابت ہوا کہ فاسق فاجر اور برے کام کرنے والا آدمی مسجد کا متولی نہیں ہو سکتا۔ فتاوٰی شامی کی عبارت کا ترجمہ ہے کہ مسجد وغیرہ دینی عمارات و مکانات کا متولی فقط اس کو ہی بنایا جائے جو نیک متقی امانت دار ہو اور ہر وقت اپنے نفس پر قابو رکھنے والا ہو۔ اس لیے کہ خائن آدمی مسجد جیسی پاک جگہ کے لیے قطعًا مفید نہیں۔ وہ تو مسجد کا نقصان ہی کرے گا۔ جو اپنے ایمان میں خیانت کر رہا ہے اور بدفعلی سے باز نہیں آتا اور خدا کا خوف نہیں رکھتا وہ مسجد کا احترام و ادب کب رکھے گا۔ اس لیے زید کو فورًا مسجد کمیٹی سے نکال دیا جائے۔ دسویں دلیل۔ مشکوٰۃ شریف صہ ۷۱ باب المساجد فصل ثالث میں ہے۔ وَعَنِ السَّائِبِ ابْنِ خَلَّادٍ وَ هُوَ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْمِهٖ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ۔ فَاَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَنْ يُّصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ وَاَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ۔ وَحَسِبْتُ اِنَّهٗ قَالَ۔ اِنَّكَ قَدْ اٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

ترجمہ۔ حضرت سائب بن خلاد صحابی پاک سے روایت ہے کہ ایک شخص قوم کا امام مقرر ہوا تو کسی وقت اس نے قبلے کی طرف منہ کرکے تھوک دیا۔ یہ حرکت کرتے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ رہے تھے اس وقت تو اس نے نماز پڑھا دی مگر بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قوم کو فرمایا کہ اس شخص کو امامت سے ہٹادو اب آئندہ یہ شخص نماز نہ پڑھائے جب دوسری نماز کے وقت اس شخص نے امامت کرانے کا ارادہ کیا تو قوم نے منع کردیا اور رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی کی اس کو خبر دی۔ تب وہ حاضر بارگاہ مقدس ہوا اور اس نے یہ واقعہ عرض کیا۔ اس پر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہاں (ہم نے منع کیا ہے) اور راوی فرماتے ہیں کہ مجھے گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ بے شک تو نے اپنے اس بُرے کام سے اللہ رسول کو قلبی ایذا پہنچائی ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ہم نے یہاں اس حدیث مبارکہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ جب صرف کعبہ شریف کی طرف منہ کرکے تھوک سے اللہ رسول کو سخت ناراضگی ہوئی اور ایذا پہنچی اور وہ امام اتنا برا سمجھا گیا کہ آئندہ کے لیے اس کو امامت سے بالکل نکال دیا گیا۔ تو یہ مذکورہ فی السوال زید جس نے اتنی سخت گندی حرکت کی ہے۔ وہ اللہ رسول کی نظر میں اس سے بھی کہیں زیادہ فاسق ہے۔ اس کے اس کام سے اللہ رسول کو زیادہ ایذا پہنچی ہے اور مسجد کا متولی اپنی مسجد کے امام کو بالکل یا عارضی یا وقتی طور پر امامت سے بلاوجہ بھی ہٹا سکتا ہے اور امامت کا حق اپنے لیے یا کسی اور شرعی بزرگ مہمان کے لیے وقتی کیفیت میں چھین سکتا ہے اور دے بھی سکتا ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ میں لکھا ہے۔ اس کی پوری تفصیل ہمارے مطبوعہ فتاوی العطایا جلد دوم میں دیکھئے۔ گیارہویں دلیل۔ دنیائے انسانیت میں سب سے زیادہ ذلیل حرکت جنسی بدفعلی یعنی لواطت ہے۔ کسی نے اس کو بے غیرتی کہا۔ کسی نے بد دیانتی اور کسی نے اس کو خباثت۔ کسی نے اسلام سے غداری لکھا ہے اور قانون شریعت کے مطابق فاسق گناہگار کی توہین اور ذلت کرنا واجب ہے چنانچہ فتاوی ردالمحتار جلد دوم ص۳۶۶ پر ہے۔ وَقَدْ وَجَبَ عَلَيْنَا اِهَانَتُهٗ(۱) ترجمہ۔ فاسق بدخصلت کو ذلیل کرنا۔ ذلیل رکھنا۔ ذلیل سمجھنا ہم سب مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس فقہی قانون کلیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ زید جیسے بدکار کو فوراً متولی کے درجہ سے ہٹا دیا جائے تاکہ اپنے جرم اور گھناؤنے فعل کی وجہ سے قوم میں رسوا ہو۔ اگر زید ہٹائے جانے کے بعد بھی توبہ بھی کرے تب بھی فوراً اس کو کسی اچھے منصب پر فائز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ فقہائے اسلام نے حدیث و قرآن کی روشنی میں توبہ کی کچھ مدت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ فتاوی قاضی خان جلد دوم ص۴۶۱ پر ہے اَلْفَاسِقُ اِذَا تَابَ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهٗ مَالَمْ يَمْضِ عَلَيْهِ زَمَانٌ يَظْهَرُ اَثَرُ التَّوْبَةِ ثُمَّ بَعْضُهُمْ قَدَّرَ ذٰلِكَ بِسِتَّةِ اَشْهُرٍ وَبَعْضُهُمْ قَدَّرَ بِسَنَةٍ۔ ترجمہ۔ کوئی بھی فاسق جب اس نے اپنے گناہ سے سچی توبہ کرلی۔ تو بھی وہ اسی وقت نیک متقی اور عادل نہ کہلائے گا نہ ایک دم پاکبازی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوسکتا ہے۔ نہ ایک دم اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ جب تک اس پر اتنا زمانہ نہ گزر جائے گی۔ جب تک ایسے حالات نہ آجائیں۔ جس سے وہ متقی معلوم و مشہور ہو اور توبہ کا اثر ظاہر ہو۔

پھر کچھ فقہاءِ کرام نے چھ مہینے مدت کا اندازہ فرمایا اور کچھ فقہاء کرام نے ایک سال کی مدت بیان کی ہے یعنی ایک سال یا چھ ماہ کے بعد اس سچی توبہ کے ظاہری ثبوت ملنے پر اس کا جرم اور اس کی ذلت ختم ہو گی اور معاشرے میں قابلِ اعتبار سمجھا جائے گا۔ پھر اس کو سابقہ عہدہ یا نیا عزت کا درجہ عہدہ دیا جا سکتا ہے۔ یہی حکم ان بدبخت اماموں اور خطیبوں کا ہے جو داڑھی منڈا کر۔ یا حدِ شرعی چار انگل سے کم رکھ کر۔ باقی کترا کر۔ وقتی طور پر رمضان وغیرہ میں توبہ کر لیتے ہیں کہ آئندہ ہم داڑھی نہ کترائیں گے اور لوگ ان کی جھوٹی بناوٹی توبہ کے دھوکے میں آجاتے ہیں۔ فقہاء اسلام نے ایسے ہی دھوکے بازوں کے لیے سچی توبہ کا نشان مقرر فرمادیا ہے کہ جب تک گناہ کا خاتمہ اور توبہ کا اثر جسم پر ظاہر نہ ہو امامت نہ دی جائے نہ اس کے پیچھے نماز جائز۔ جب داڑھی مبارک سنتِ نبوی کے مطابق پوری چار انگل ہو جائے نہ کم نہ زیادہ تب امامت پر قائم ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہماری قوم کو دھوکے باز مولویوں اماموں خطیبوں اور پیروں سے بچائے۔ بارھویں دلیل۔ رہی تیسری بات کہ کچھ لوگ زید کی حمایت طرف داری اور باوجود اس کے کہ ان کو بھی معلوم ہے کہ زید پر یہ اتہام اور بدکاری کی تہمت لگی ہوئی ہے اس کو اسی مقام اور عزت کے عہدے پر رکھنا چاہتے ہیں۔ یا اس کے لیے مسائل کو توڑ موڑ کر بیان کر رہے ہیں۔ یا وہ لوگ جو زید کو مسجد کمیٹی میں ہر حالت میں عزت دینے اور مسجد کمیٹی میں رکھنے پر بضد ہیں۔ وہ بھی اسی زمرے کے گناہ گار ہیں۔ بلکہ بدکار اور بدخصلت لواطت کرنے والے مجرم کی حمایت کر کے عذابِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں حالانکہ بدکار فاسق و فاجر کی حمایت کرنا قرآن مجید کے فرمانِ عالیہ سے بدترین جرم ہے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ پارہ ششم آیت ۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ ترجمہ۔ اے ایمان والو! تم لوگ نیکی اور تقوے کی مدد کرو اور نیکیوں سے تعاون کرو اور نہ تعاون کرو تم گناہ۔ سرکشی اور برے انسان کی برائیوں کے ساتھ۔ بدکاروں ظالموں کی مدد نہ کرو۔ آیت پاک میں جو حکم واجب فرمایا جا رہا ہے اس پر غور کرنا چاہیئے اور اس آیت پر ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہیئے تاکہ دنیا سے بے حیائی بے غیرتی کی جڑیں ختم ہو جائیں۔ للٰہذا تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ مذکورہ زید کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جائے جس سے زید آئندہ کے لیے سچی توبہ اور نیک بننے پر مجبور ہو جائے۔ اسی میں رب تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ زید کی ناجائز حمایت و مدد سے خدا تعالیٰ کے قہر و غضب کا اندیشہ ہے۔ تیرھویں دلیل۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا انجام کس کو معلوم نہیں؟ قرآن مجید میں ہے۔ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَا اَصَابَهُمْ ہود آیت ۸۱۔ اے حضرت لوط آپ کے آل میں سے صرف آپ کی بیوی عذاب سے نہیں بچ سکتی اس کو وہی عذاب پہنچے گا جو ان بدکاروں بے غیرتوں کو پہنچے گا۔ حالانکہ احادیث و تفاسیر سے ثابت ہے کہ بیوی بے غیرت اور بدکارہ نہ تھی۔ مگر عذاب اسی طرح کا آیا۔ صرف اس لیے کہ وہ بدکاروں کی حمایتی اور تعاون کرنے والی ان سے محبت کرنے والی تھی۔ اس نے اللہ رسول اور دین کے قانون و محبت کو چھوڑ کر۔ برادری و دوستی رشتے داری کو نبھایا تو حشر دیکھ لیا۔ للٰہذا ان آیتوں اور ان کی ہیبت ناک

خبروں کو پڑھ کر برے آدمی سے محبت کرنے سے بچنا چاہیے۔ جو بد قسمت انسان اپنے رحیم کریم رب تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہے۔ ایسے پلید شخص سے محبت کرنا شان بندگی کے خلاف ہے۔ چودھویں دلیل۔ رب تعالیٰ کی یہ عادتِ کریمہ اور قانونِ الٰہیہ ہے کہ جو برے شخص کی حمایت کرے گا وہ بھی برے شخص کو مثل ہوگا اور برے شخص کی برائی اسی حمایتی کی طرف منسوب ہوگی خواہ یہ حمایت کتنے ہی زمانے کے بعد ہو۔ اور اسی ناجائز حمایت کی بنا پر وہ تمام موجودہ یا بعد میں آنے والی تمام نسلیں مستحقین سزاءِ اخروی اور عقاب دنیوی و قہر آسمانی میں برابر کے شریک کر دیئے جائیں گے۔ جس کا ثبوت ایک تو اسی سورۃ ھود میں زوجہ لوط علیہ السلام کے عبرت ناک انجام سے حاصل ہوا یہ تو موجودہ حمایتی کی سزا کا ذکر ہے۔ دوسری جگہ سورۃ بقرہ شریف آیت ۹۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ اللّٰهِ ۔ ترجمہ۔ اے حبیب کریم ان یہود مدینہ سے پوچھیے اور سوال فرمایئے کہ۔ پس کیوں قتل کرتے رہے تم اللہ کے نبیوں کو۔ یہ سوال آقاء کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودان کو مخاطب کرکے فرمایا جو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ حالانکہ ان یہودی نسلوں نے تو کسی نبی کو قتل نہ کیا تھا نہ اس سے پہلے کوئی نبی ان کے پاس تشریف لایا تھا۔ مگر ان کو قاتل فرمایا گیا۔ آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ جن سابقہ لوگوں نے اپنے اپنے زمانوں میں انبیاء کرام کو شہید کیا یہ بدبخت لوگ ان قاتلوں کو اپنا بزرگ پیشوا مانتے تھے اور ان کی عزت و حمایت کرتے تھے اور ان کی طرف داری و اچھائی بیان کرتے تھے ان کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اس عادت کریمہ اور قانون خداوندی سے تا قیامت یہ ثابت ہوگیا کہ جب بھی کبھی کوئی شخص کسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دشمن شریعت کے نافرمان مجرم کی محبت یا حمایت کرے گا تو وہ عند اللہ خود بھی فقط حمایت کی وجہ سے مجرم اصلی کی طرح شرعی مجرم اور قابل سزا لائق غضب الٰہی ہوگا۔ اسی قانون کے تحت یہ مسئلہ بھی واضح ہوگیا کہ تا این دم تمام دیوبندی وہابی گستاخ انبیاء کرام ہیں اور بد ترین انسان ذلیل ترین مخلوق ہیں۔ اگرچہ اپنے قلم و زبان سے آج گستاخیاں نہیں کرتے مگر چونکہ اپنے ان بڑوں کی حمایت کرتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی زبان و تحریر سے پیارے آقاء کل رحیم و کریم نبی کی شان اقدس میں انتہائی بے ادبیوں گستاخیوں اور خباثتوں کو ظاہر کیا۔ آج موجودہ دیوبندی وہابی ان ہی کی مثل ہیں۔ کیونکہ ان کو اپنا پیشوا امام۔ بزرگ اور قابل تعظیم سمجھتے ہیں۔ خدا ان کو سمجھے۔ پندرھویں دلیل۔ سورہ نور آیت نمبر ۲ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ (پ ۱۸) اور نہ آئے تم مسلمانوں کو۔ بدفعلی کرنے والے دونوں مجرموں پر ذرہ بھر ترس یا رحم یا محبت اللہ کے دین کے مقابل۔ دین کا قانون یا عدالت اسلامیہ کے مکمل فیصلہ کرنے میں اور حد کی سزا یا تعزیر کا فتویٰ جاری کرنے میں۔ غرضیکہ مجرم سے کسی قسم کی محبت یا حمایت نہ کی جائے۔ معلوم ہوا کہ دینی مجرم کو اپنی ذاتی دوستی اور محبت الفت کی بنا پر یا اپنی گروہ بندی یا برادری کی وجہ سے شرعی فتوے سے بچانا یا بلاوجہ مجرم نہ سمجھنا اللہ کے دین کا مقابلہ کرنا ہے

قرآن کریم سے تو یہی ثابت ہے کہ جو مومن ہیں وہ اللہ کے دین کی خاطر اور شریعت پاک کی عزت عظمت وبالادستی کی خاطر اپنی کسی دوستی تو درکنار برادری رشتے داری بلکہ آل اولاد کی بھی پروا نہیں کرتے اور یہی سچا ایمان ہے۔ آج کے دور میں مسلمانوں پر افسوس تو اسی بات کا ہے کہ ہر روز رات کو وتروں میں ہر نمازی پڑھتا ہے اور نہایت عاجزی انکساری جذبہ ایمانی سے باوضو کعبہ رخ ہو کر اپنے رب کریم خالق ومالک سے وعدہ کرتا ہے کہ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ ترجمہ۔ اے ہمارے پروردگار ہم ہر اس بدکار فاسق فاجر سے جدائی کرتے ہیں اور اس کو چھوڑتے ہیں جو تیری شریعت سے نافرمانی فسق وفجور خلاف ورزی کرے۔ لیکن اس وعدے کے باوجود ان مسلمانوں کا حال کیا ہے۔ بلا خوفِ خدا وبلا شرم نبی۔ شریعت کے مجرموں کی حمایت صرف ذاتی مفاد کی خاطر کرتے رہتے ہیں کہ وعدہ خلافی۔ بدعہدی۔ بددیانتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ہدایت شریعت عطا فرمائے۔ سولھویں دلیل۔ تفسیرات احمدیہ ص۶۶۱ پر ہے کہ قیامت کے دن عدالت عالیہ الٰہیہ میں ایک دنیوی قاضی یا مفتی یا عدالت حاکم کو لایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ تو نے فلاں مجرم کی سزا میں حد شرعی سے اتنی کمی کیوں کی تھی۔ وہ عرض کریگا مولیٰ مجھ کو مجرم پر ترس آگیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کیا تو ہم سے زیادہ ترس کرنے والا ہے۔ وہ لاجواب ہو جائے گا۔ حکم الٰہی نافذ ہوگا کہ اس دنیوی جج قاضی یا مفتی کو مجرم شرعی پر ترس کھاتے حد شرعی میں دخل اندازی کی بنا پر جہنم میں ڈال دو۔ ڈال دیا جائے گا۔ پھر دوسرا جج اور عدالت کا قاضی یا حاکم وغیرہ لایا جائے گا۔ اس سے سوال ہوگا کہ تو نے فلاں مجرم کو اتنی سزا زیادہ کیوں دی تھی۔ حد شرعی میں زیادتی کیوں کی؟ وہ عرض کرے گا کہ یا مولیٰ میں نے جلدی عبرت اور توبہ کے لیے ایسا کیا تھا۔ جواب آئے گا کہ کیا تو اللہ کی مقرر کردہ سزا سے زیادہ عبرت دلانے والا ہے۔ اس کو بھی اس دخل اندازی کی سزا میں جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔ اللہ اکبر دوطرفہ کتنا نازک مرحلہ ہے۔ اسی عبرت ناک انجام کو سوچ کر میں کبھی کسی فتوے میں جلدبازی یا بغیر سوچے سمجھے یک طرفہ کاروائی نہیں کرتا۔ نہ اپنے پرائے مجرم کی رعایت نہ کسی سے دشمنی یا زیادتی۔ جس نوعیت کا جرم اور جس حد تک ثبوت ملے اسی حد تک اسلامی فتوے کا حکم سنایا جاتا ہے اور کوشش کیجاتی ہے کہ بلا وجہ مجرم کی مزید شہرت اور رسوائی نہ ہو مقصد صرف اصلاح ہے تاکہ معاشرہ درست رہے۔ اسی لیے اس فتوے میں مجرم مدعی علیہ اور مدعی وگواہان کے اصل نام ومقام ظاہر کیے گئے بلکہ خاموشی سے آمادہ توبہ کیا گیا ہے جتنی شہرت ہوچکی ہے وہ پہلے ہی ہوئی ہے۔ اسی کی بناء پر فتویٰ جاری کیا گیا اور حاصل شدہ ثبوت کی نوعیت پر جتنی تعزیر لازم ہوتی ہے شریعت جس کی اجازت دیتی ہے اس سے ذرہ بھر زیادتی کمی نہیں کی گئی۔ جب میرے پاس یہ مدعی لڑکا اور اس کے واحقین وگواہان کثیر مختلف اوقات میں آتے رہے تو میں نے ایک دم فتویٰ جاری نہیں کر دیا۔ بلکہ بڑی سخت جرح بحث مباحثہ مکالمہ مختلف سوالات وثبوت طلب کیے اور ۲۹.۰۴.۲۰۰۸ سے آج تک تقریباً دس مرتبہ دور کے سفر سے بلایا اور چھوٹی چھوٹی چیز کے بھی تحریری

ثبوت مانگے اور ہر طرح سوچنے سمجھنے کا موقع دیا۔ غلط بیانی سے آخرت کا خوف دلایا۔ عذاب کی حدیثیں سنائیں اور بار بار بتایا کہ دیکھو سچے بیان اور گواہی کا یہ ثواب ہے اور جھوٹی تہمت کا یہ عذاب ہے۔ ہر شخص سے حلف لیا۔ مدعی لڑکے سے بیانات لیتے وقت مختلف طریقے اختیار کیے۔ بدل بدل کر تفتیش کی کئی دفعہ پیچھے سے سمتی زنی سے سوالات کیے تاکہ ظاہر ہو کر لڑکا جھوٹا ہے یا سچا اور کسی کی سکھائے ہوئے سبق سنا رہا ہے یا حقیقت بیان کر رہا ہے۔ زید کو بھی بے خبر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ تحریری بیانات ٹیلی فون پر گفتگو اور پوری اتنے ماہ کی کاروائی سے آگاہ کیا گیا۔ یہ سب تحریریں دو طرفہ اب بھی میرے پاس ریکارڈ ہیں۔ غرضکہ مفتی اسلام کے ضوابط کے مطابق جو کچھ ہم کو اصول فتوای والد محترم و دیگر اساتذہ نے پڑھائے اور عمل طریقہ سکھلایا وہ میں نے پورا استعمال کیا۔ کوئی کمی نہ چھوڑی۔ اس تمام عرق ریزی اور محنت شاقہ کے بعد میں نے اندازہ لگایا کہ مدعی و گواہان کی طرف سے نہ بناوٹ ہے نہ سکھلائی ہوئی باتیں ہیں نہ پڑھائے ہوئے سبق ہیں۔ نہ کوئی ذاتی دشمنی کی وجہ سے یہ کچھ کیا جا رہا ہے۔ بلکہ یہ سب بیانات حقیقت پر مبنی معلوم ہوتے ہیں اور زید کی ہچکچاہٹ۔ لجاہٹ اور بار بار یہ کہنا کہ میرا بیان کسی کو نہ دکھایا جائے اور دبے لفظوں میں اقرار جرم یہ ہی بتایا ہے کہ واقعی زید مذکور اس حرکت قبیحہ کا مرتکب ہوا ہے اور غالباً ہوتا رہا ہے۔ کیونکہ بقول فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا تعالیٰ کبھی کسی کو پہلے یا دوسرے جرم پر ذلیل و خوار نہیں کرتا۔ ان مسلمانوں کے پیہم اصرار کے بعد جنھوں نے مجھ کو قولی اور تحریری حلفیہ بیانات سے مکمل یقین دلایا ہے کہ واقعی یہ تمام واقعات سچ ہے۔ تب بامر مجبوری میں نے اپنی دینی ذمے داری اور خوف آخرت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کثیر صفحات پر مکمل تحریری بیانات اعتماد و احتیاط کے ساتھ بادلائل کثیرہ یہ فتوای لکھا اور جاری کیا ہے کہ زید مذکور سخت ترین فاسق و فاجر ہے۔ اس کو تعزیری سزا فقط یہ ہے کہ اس کو فوراً مسجد کمیٹی انجمن۔ متولی (ٹرسٹی) ہونے سے فوراً نکال دیا جائے اور سچی توبہ پر رغبت دلائی جائے اور اگر خوش قسمتی سے سچی توبہ کرے تب بھی اصول شریعت کے حکم کے مطابق کم از کم چھ ماہ تک اس کو کوئی بھی عزت کا درجہ ہرگز ہرگز نہ دیا جائے۔ تاکہ اس بدباطن مجرم کو بھی عبرت ہو اور عوام الناس کے دلوں میں بھی شریعت مطہرہ کی بالادستی اور قانون اسلامی کا وقار و عزت و احترام پیدا ہو۔ یہ فتوای مدعی لواطتین اور گواہان کی حقانیت کی صورت میں بالکل درست ہے۔ میری طرف سے اجازت ہے کہ اس پر عمل کرنے کے لیے دنیا بھر کے بڑے بڑے علما اور اہل فتوای بزرگان دین کی نظر میں لایا جائے۔ مگر چھوٹوں سے بچایا جائے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

کتبہ

۱۴ ر ذلقعدہ جمعہ ۱۴۰۶ھ

ساتواں فتویٰ ، نامرد کی بیوی کی تنسیخ نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ میں مسمات ہندہ بی بی بنت فلاں قوم فلاں سکونت انگلینڈ کا نکاح آج نو سال پیشتر بکر بن زید سے ہوا میں آٹھ سال تک اپنے خاوند مذکور کے ساتھ بطور بیوی آباد رہی۔ مگر میرا یہ خاوند بالکل نامرد ہے۔ آج تک ایک دفعہ بھی مجھ سے صحبت نہ کر سکا۔ میں اب تک بالکل کنواری ہوں۔ پچھلے سال آپ کو میں نے درخواست حاضر کی تھی کہ میرا نکاح فسخ کیا جائے۔ مگر آپ نے میرے خاوند کو ایک سال کی مہلت علاج معالجے کے لیے دی تھی۔ میرے خاوند نے اس ایک سال میں بہت علاج کرایا۔ ہندوستان کے طبی حکیموں سے برطانیہ کے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے بہت قیمتی علاج ٹیکے دوائیاں وغیرہ سے کیا۔ جن کی بچی کھچی دوائیاں اور حکیموں کی خط وکتابت والی تحریریں۔ بل رسیدیں حاضر خدمت ہیں۔ ابھی تک ذرہ بھر فائدہ نہیں ہوا۔ آپ نے پہلی درخواست کے بعد جو حلفیہ بیانات لیے ان کی مختصر روئداد کراپنی اسی دوسری درخواست میں پیش کر رہی ہوں۔ میری شادی اس خاوند سے محبت کی بنا پر ہوئی تھی یہ خاوند جسمانی اعتبار سے بالکل تندرست اور بہت زیادہ خوب صورت ہے۔ میں بھی بالکل صحت مند اور خوب صورت ہوں۔ وہ بھی امیر اور دولت مند ہے اور میں بھی۔ برطانوی رواج کے مطابق ہمارا اپنا کاروبار ہے۔ کسی طرح کوئی لڑائی جھگڑے کی بات نہیں ہے۔ صرف اس کی نامردی سے مجھ کو مایوسی ہے۔ وہ مجھ سے چھ سال چھوٹا ہے میری عمر اس وقت اٹھائیس ۲۸ سال ہے۔ اس کی عمر اس وقت بائیس سال میرا قد بھی اس سے دو انچ بڑا ہے وہ قد میں مجھ سے چھوٹا ہے۔ میں اس سے کچھ موٹی بھی ہوں۔ پہلے کافی سال ہمارا کوئی جھگڑا لڑائی نہیں ہوئی۔ لیکن اب مجھ کو سخت پریشانی رہتی ہے۔ طبیعت لڑنے کو چاہتی ہے۔ ایک دفعہ اسی طرح میری طبیعت میں سخت الجھاؤ پیدا ہوا اور میں نے اس کو گندی گالیاں دینی شروع کر دیں اس نے مجھ پر پہلی دفعہ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا اور دو تھپڑ مارے مگر مجھ کو بھی سخت غصہ آیا تھا میں نے اس پر غلبہ پا لیا اور انتہا سے زیادہ اس کو مارا۔ کافی دیر تک وہ روتا چیختا چلاتا رہا اور معافیاں مانگتا رہا مگر میرا ایک ہی مطالبہ تھا کہ مجھ کو طلاق دے۔ میں نے اس کی ناک منہ سے خون چلا دیا مگر اس نے مجھ کو طلاق نہیں دی۔ اس کا صحبت کرنے کو دل بہت چاہتا ہے۔ ہر رات ساری رات اور کبھی تین تین گھنٹے چومتا چاٹتا رہتا ہے۔ خود بھی کافی پریشان رہتا ہے۔ مگر اس کے آلہ تناسل میں ذرا بھی سختی نہیں آتی دوائیوں علاجوں کے بعد اور پہلے بھی میں نے اپنے ہاتھ سے بھی تیل وغیرہ لگا کر اس کے آلہ تناسل کو کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ مگر مطلقاً اثر نہیں ہوتا۔ اس کا آلہ تناسل اس کے جسمانیت کے اعتبار سے کچھ زیادہ لمبا ہے۔ تقریباً ایک دفعہ میں نے ناپا تو چار انچ لمبا تھا۔ نیچے والے فوتے بھی درست ہیں نہ وہ خصی ہے نہ خنثیٰ۔ صرف اس میں طاقت نہیں آتی۔ بالکل کپڑے کی طرح اور پھندنے کی طرح نرم لٹکتا رہتا ہے۔

بھی سر ریزاں ہی سکڑتا بھی نہیں آس پاس نیچے اوپر کی جگہ بھی بالکل نرم پلپلا گوشت ہے۔ باقی جسمانیت اچھی خاصی صحت مند ہے۔ بات بھی تجارت بھی اور لین دین خوب کرتا ہے۔ لیکن جب سے میں نے لڑائی میں اس کو مارا ہے اس کے بعد سے مجھ سے بہت ڈرتا ہے۔ عورتوں کی طرح ذرا سی بات پر رونے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے طلاق نہ مانگ میں تیرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مجھ کو بھی پہلے اس سے بڑی محبت تھی اور اب بھی ہے مگر اب میرے دل میں خاوند بیوی والی محبت نہیں بلکہ ایسا لگتا ہے کہ وہ کوئی چھوٹا بچہ ہے یا چھوٹا بھائی۔ اگر کبھی مجھ سے بات کرتا ہے تو میں بچوں کی طرح اس کو سمجھاتی پیار کرتی ہوں۔ مگر میرا دل چاہتا ہے کہ میرا بھی کوئی صحیح خاوند ہو۔ اب کافی مہینوں سے گھر سے بھاگا ہوا ہے۔ صرف میرے ڈر سے یا اس لیے کہ میں اس سے طلاق نہ مانگوں۔ اس کے پیغامات ملتے رہتے ہیں۔ وہ اپنی جگہ میری محبت میں تڑپتا ہے میں اپنی جگہ پریشان ہوں۔ ڈرتی ہوں کہیں گناہ کی دلدل میں نہ جا پڑوں۔ آپ کے حکم کے مطابق میں نے اپنی ڈاکٹری بھی کرائی ہے انہوں نے مجھ کو کنوارا لکھا ہے اور میرے خاوند کی ڈاکٹری رپورٹ بھی حاضر خدمت ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ بالکل بیوی کے قابل نہیں۔ نیز برطانیہ کے ہسپتال سے میں نے اپنی ایک بیماری کی تحقیق کرائی تھی۔ تو انہوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ اگر اس کی شادی نہ کی گئی۔ تو اس کو ایک زہریلی بیماری لگ سکتی ہے۔ ان تمام حالات کے پیش نظر کیا شریعت اسلامیہ میرا یہ نکاح فسخ کرسکتی ہے۔ میں نے برطانیہ کورٹ میں دعوی کیا تھا۔ وہاں میرا خاوند پیش نہیں ہوا تو جج نے یک طرفہ تنسیخ نکاح کا فیصلہ دے دیا۔ آپ کی خدمت میں یہ فیصلہ کورٹ اور میرا نکاح نامہ اور تمام ضروری کاغذات بھی حاضر ہیں۔ لہٰذا براہ کرام مجھ کو شریعت کا فتوی عطا فرمایا جائے اور میرا یہ نکاح فسخ کیا جائے۔

ہندہ بی بی۔ ۸۵-۱۲-۱۶۔ بلیک برن انگلینڈ برطانیہ

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابُ۔

الجواب

صورت مذکورہ میں سائلہ کی درخواست کے بعد حتی المقدور دو طرفہ ہر طرح سے تحقیق و تفتیش کرلی گئی اور اس فیصلہ شرعی کے نفاذ کے لیے جتنے بھی ثبوت درکار تھے وہ سب حاصل کرلیے گئے اور تقریباً ایک سال قبل بھی مدعیہ ہندہ بی بی کی درخواست پر اس کے اور گواہوں کے بیان سنے تھے۔ شرعی اسلامی حکم پورا کرنے کے لیے ایک سال کی مہلت دی گئی۔ تاکہ خاوند مذکور اپنا علاج وغیرہ کرا کر بیوی کے لائق ہوسکے۔ مدعیہ کے پیش کردہ تحریری ثبوت سے ثابت ہوتا ہے کہ مدعی علیہ خاوند نے بہت کوشش کر کے ہندوستان اور برطانیہ کے مختلف حکیموں ڈاکٹروں اور سیناسیوں سے علاج بھی کرائے۔ مگر کوئی شفا اور فائدہ نہ ہوا۔ ان علاجوں کے بعد خاوند کی مذکورہ بیوی نے اپنی بھی ڈاکٹری کرائی۔ جس کا تحریری نتیجہ ڈاکٹروں نے یہی لکھا ہے کہ یہ

خاوند بکر بن زید بالکل بیوی کے لائق نہیں ہے۔ میں نے خاوند مذکور بکر سے ہر طرح رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ سب کچھ جانتے بوجھتے پھر بھی نہ میرے پاس آیا نہ ٹیلی فون پر بات کی نہ اس کے قریبی رشتے داروں میں سے کوئی آیا۔ صرف اس کے حلقۂ احباب میں سے چند دوستوں نے اس کے زبانی پیغام پہنچائے جس میں اس نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ وہ نامرد ہے۔ خود مدعٰی علیہ بکر نے اپنی صفائی بیان کرنیکی ضرورت نہ سمجھی مدعیہ ہندہ نے جو کاغذات پیش کیے ہیں ان میں نکاح نامہ اور بکر کے کچھ خطوط جن سے یہ ثبوت مہیا ہوئے کہ واقعی ہندہ کا خاوند یہی بکر بن زید ہے۔ کوئی جعل سازی نہیں ہے۔ ہندہ کی ڈاکٹری رپورٹ سے ثابت ہوا۔ پھر برطانوی کورٹ کا فیصلہ بھی پیش کیا گیا۔ اس میں وکیل اور جج نے یہ ہی لکھا ہے کہ مدعٰی علیہ باوجود کتنی مرتبہ بلانے کے کورٹ میں حاضر نہ ہوا۔ اس لیے ڈووس یعنی طلاق کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مگر میں نے کورٹ کے فیصلے کو بلحاظِ شریعت اسلامیہ تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ شرعی تقاضوں کے مدنظر خود بحیثیت اسلامی جج ہونے کے پوری تحقیق کی ہے۔ مدعیہ کا حلفیہ بیان ہر طرح سے لیا گیا۔ جیسا کہ اس نے اپنے بالوضاحت تحریری بیان میں ظاہر کیا ہے۔ اس تمام جستجو اور چھان بین کے بعد یہ شرعی اسلامی فتوٰی جاری کیا جارہا ہے اور یہ عدالت فقہ اسلام کا مکمل شرعی فیصلہ ہے کہ ان تمام ڈاکٹری طبی تحریری ثبوتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بجانب قدرت کے مطابق مذکورہ خاوند مسمّٰی زید بن بکر قطعًا نامرد ہے۔ جس کو عربی میں عِنِّیْن (بروزن فِعِّیْل) کہا جاتا ہے۔ یعنی اس کا آلۂ تناسل مکمل موجود ہے۔ مگر بالکل بیکار، ناکارہ ہے اور اس خاوند نے آج تک اپنی بیوی ہندہ سے وطی کر کے اس کے حقوق زوجیت پورے نہیں کیے اور اتنی مدت میں ایک دفعہ بھی اس قابل نہ ہوسکا اور شرعی اعتبار سے یہ خاوند کا انتہائی بے دردی کا ظلم ہے کہ وہ اپنی ذاتی فضول خواہشات کی وجہ سے طلاق بھی نہیں دینا چاہتا۔ بیوی نہایت مجبوری میں اتنے عرصے سے اپنی عزت بچا کر بیٹھی ہوئی ہے۔ اب ڈاکٹری مشورے کے مطابق مذکورہ بیوی ہندہ بی بی کو ایسی بیماری لاحق ہے کہ اگر شادی نکاح نہ کرے تو بیماری کی زیادتی یا جان کا خطرہ ہلاکت ہے یہ رپورٹ بھی میرے پاس ریکارڈ ہے۔

ان تمام مجبوریوں کی بنا پر فتوے شرعی اسلامی کے ذریعے فقہ حنفی کے قواعد کلیہ کے تحت ہندہ بی بی کا نکاح فسخ کیا جاتا ہے اور آج مورخہ ۸۵۔ ۱۲ ۔ ۲۵ ۔ مطابق تاریخ اسلامی ہجری بارہ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ بروز جمعرات ہے۔ مسماۃ ہندہ بی بی مذکورہ یہ اپنے اس خاوند مذکور فی السوال بکر بن زید کے نکاح سے بالکل جدا ہوگئی ہے اور یہ تفسیخ نکاح طلاق بائنہ ہے اور چونکہ ہندہ بی بی کو اپنے خاوند مذکور سے کئی سال خلوت صحیحہ ہوتی رہی ہے۔ اس لیے قانون شریعت مطہرہ کے مطابق ہندہ آج سے اپنے تین حیض عدت گزارے گی۔ جس گھر میں آج کل ٹھہری ہوئی ہے۔ بلاضرورتِ شدیدہ اس سے باہر نہ نکلے یہ عدت گزار کر ہندہ جہاں چاہے

اپنا نکاح کرسکتی ہے۔ یہ فتوای اور شرعی فیصلہ مندرجہ ذیل دلائل کے تحت نافذ کیا جارہا ہے۔ پہلی دلیل۔ شریعت مطہرہ کا قانون ہے کہ ہر مسلمان خاوند پر واجب ہے کہ اگر وہ اپنی بیوی کے حقوق زوجیت پورے نہ کرسکے تو وہ اللہ رسول کی رضامندی کے لیے بیوی کو طلاق دے کر آزاد کردے۔ تاکہ خاوند کی طرف سے یا بیوی کی طرف سے دانستہ یا نادانستہ کسی قسم کا ظلم نہ ہو۔ چنانچہ قرآن مجید سورۃ طلاق آیت نمبر میں ارشاد باری تعالٰی ہے۔ فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (الخ) ترجمہ اے خاوندو (تمہارے لیے گھریلو ایماندار۔ نیک نیتی۔ رحم دلی کے لیے دو ہی راستے ہیں) کہ یا اپنی بیویوں کو اپنے پاس ہی آباد رکھو اور ہر طرح پورے حقوق ادا کرسکتے ہو تو ان کو روک رکھو۔ یا ان کو طلاق وغیرہ کے ذریعے بہت اچھے طریقے سے بھلائی کے ساتھ اپنے سے جدا کردو اگر تم ان کے حقوق پورے نہیں کرسکتے۔ یہ تھا اس آیت پاک تفسیری۔ ترجمہ۔ اور صورت مذکورہ میں چونکہ خاوند خود طلاق نہیں دیتا نہ حقوق پورے کرتا ہے۔ نہ کرسکتا ہے نہ خانہ آبادی پر قادر ہے۔ اس لیے وہ خاوند قانون کی نگاہ میں ظالم ہے۔ اس لیے حدیث وفقہ کے تحت یہاں بجز تفسیخ نکاح کوئی چارہ نہیں اور یہ تنسیخ کرنا اس لیے ضروری ہے تاکہ خاوند کا ظلم اور بیوی کا اندیشہ گناہ ختم کیا جائے۔ دوسری دلیل۔ احادیث کی مشہور کتاب دار قطنی اور مسند عبد الرزاق میں ہے۔ عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ قَضٰی فِی الْعِنِّیْنِ اَنْ یُّؤَجَّلَ سَنَۃً فَلَمَّا مَضَی الْاَجَلُ خَیَّرَھَا فَاخْتَارَتْ نَفْسَھَا فَفَرَّقَ بَیْنَھُمَا۔

ترجمہ و تشریح۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی سے ہی روایت ہے یعنی انہوں نے فرمایا۔ بے شک ایک عنین مرد کا مقدمہ ان کے پاس لایا گیا۔ تو فاروق اعظم نے اس کا فیصلہ فرمایا کہ خاوند کو علاج وغیرہ کے لیے ایک سال کی مہلت دی جاتی ہے۔ پھر جب سال گزر گیا اور پھر بھی وہ نامردی کی بیماری سے ٹھیک شفایاب نہ ہوا تو عدالت فاروقی نے اس کی بیوی کو اختیار دیا کہ تو کیا چاہتی ہے۔ اس نے اپنی علیحدگی کو پسند کیا۔ تب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے۔ ان دونوں کا نکاح فسخ کردیا اور دونوں کو جدا کردیا۔ بالکل یہی کیفیت موجودہ مسئلے میں ہے تیسری دلیل۔ فتاوٰی درمختار شرح تنویر الابصار جلد سوم ص۱۹۱ پر ہے۔ بَابُ الْعِنِّیْنِ وَغَیْرِہٖ۔ ھُوَ لُغَۃً مَنْ لَّا یَقْدِرُ عَلَی الْجِمَاعِ۔ فِعِّیْلٌ۔ بِمَعْنٰی مَفْعُوْلٍ وَّ شَرْعًا مَنْ لَّا یَقْدِرُ عَلٰی جِمَاعِ فَرْجِ زَوْجَتِہٖ یَعْنِیْ لِمَانِعٍ مِّنْہُ (الخ) اِذَا وَجَدَتِ الْمَرْءَۃُ زَوْجَھَا مَجْبُوْبًا فَرَّقَ الْقَاضِیْ بِطَلَبِھَا۔ ترجمہ۔ عنین وغیرہ کا ذکر۔ یہ لفظ "فعیل" کے وزن پر ہے اور "مفعول" کے معنٰی میں ہے۔ لغوی ترجمہ ہے کہ ایسا نامرد شخص جو وطی صحبت کرنے پر قادر نہ ہو اور اس لفظ کا شرعی معنٰی ہے کہ ایسا نامرد انسان جو اپنی بیوی کی فرج میں صحبت وطی نہ کرسکے۔ یعنی خود خاوند میں۔ بیماری کا نقص ہو بیوی کی طرف سے کوئی بیماری کا نقص یا رکاوٹ نہ ہو۔ لہٰذا جب بیوی اپنے خاوند کو کسی طرح کا نامرد پائے تو عدالتِ اسلامیہ کا حاکم بیوی کے مطالبے

اور التجا و درخواست پر دونوں کا نکاح فسخ کرکے جدا کردے۔ چوتھی دلیل۔ حاشیہ عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایہ ص۱۴۱ پر ہے۔ وَالْعِنِّیْنُ بِکَسْرِ الْعَیْنِ وَتَشْدِیْدِ النُّوْنِ الْاُوْلٰی الْمَکْسُوْرَۃِ وَالْاُوْلٰی بِمَعْنَی الْعُرْضِ وَهُوَ مَنْ لَّا یَقْدِرُ عَلٰی جِمَاعِ زَوْجَتِہٖ اَوْ غَیْرِهَا مَعَ وُجُوْدِ الْاٰلَةِ وَلَا فَرْقَ بَیْنَ اَنْ تَنْتَشِرَ اَوْ لَا تَنْتَشِرَ۔ (الخ) ترجمہ۔ لفظ عنین عین کے زیر اور نون اول کے شد اور زیر سے۔ اس نامرد کو کہتے ہیں جو اپنی بیوی یا کسی بھی عورت سے وطی نہ کرسکے اور اس کا آلہ تناسل پورا موجود ہو بقدر جسم لمبا اور درست ہو۔ خواہ کسی وقت کھڑا بھی ہوتا ہو۔ یا کبھی بھی بالکل ہی نہ کھڑا ہوتا ہو ہر وقت ڈھیلا ہی رہتا ہو۔ ان دونوں حالتوں کو عنین ہی کہا جاتا ہے۔ ہاں جس وقت عورت سے صحبت وطی کرنے لگے تب اس کا آلہ تناسل عورت کی فرج میں اندر نہ جاسکے۔ نرم چیچڑے یا ربڑ کی طرح ادھر ادھر مڑ جائے۔ خیال رہے کہ عربی لغت میں مرد کی قوت مردمی کے اعتبار سے کل چودہ قسمیں ہیں۔ نمبر۱۔ رجل مذکر قوی۔ جو مردی لحاظ سے بہت زیادہ قوت والا ہو اور بیک وقت ایک دو یا تین چار بیویوں سے مکمل وطی کرسکتا ہو اور سب کے حقوق وطی پورے کردے۔ نمبر۲ رجل مکسول۔ جو ایک وقت میں صرف ایک عورت سے ہی صحبت کرسکے اور پھر سست پڑجائے۔ نمبر۳۔ رجل ضعیف۔ جو بیوی کے ساتھ وطی تو کرسکے مگر بیوی سے پہلے انزال ہوجائے۔ نمبر۴ رجل صغیر۔ جو عمر میں بیوی سے چھوٹا اور دبلا پتلا ہو۔ اس کی عمر کے اعتبار سے اس کا آلہ تناسل باریک ہو اور اس کی بیوی اس سے لمبی اور موٹی تازی ہو۔ اور خاوند کا آلہ تناسل بیوی کے فرج داخل تک نہ پہنچ سکے۔ لیکن آلہ تناسل میں قوت ہو بچپن یا لڑکپن کی بنا پر بیوی کے قرب سے شہوت نہ آئے۔ ان چار قسم کے شوہر والی بیویاں قانون شریعت کے مطابق اپنا نکاح فسخ نہیں کراسکتیں اور یہ عورتیں عدم صحبت کی شکایت کو وجہ تنسیخ نہیں بنا سکتیں اور کوئی حاکم۔ جج۔ قاضی یا مفتی وغیرہ ان کا یہ نکاح نہیں توڑ سکتا نہ ہی طلاق خاوند کے بغیر بیوی آزاد ہوسکے۔ یہ بیویاں علاج یا عمر درست اور خاوند کے جوان ہونے کا انتظار کریں گی۔ ان کی جلد بازی کا مطالبہ اور دعویٰ قابل قبول نہیں ہوگا۔ نمبر۵ رجل قصیر۔ جو خاوند۔ اپنے جسمانی قد میں بیوی سے ٹھگنا ہو اور چھوٹا ہو مگر عمر جوان اور پوری ہو۔ آئندہ قد بڑھنے کا امکان بھی نہ ہو اور باعتبار قد آلہ تناسل بھی ٹھگنا ہو اور باریک بیوی کے اندر نہ جاسکتا ہو۔ بیوی دراز قد والی ہو۔ رجل شائب۔ یعنی بہت بوڑھا مرد۔ وہ خاوند جس کا آلہ تناسل بوجہ بڑھاپے بالکل ناکارہ ہو اور علاج سے مایوسی ہو۔ اس کی بیوی بالکل نوجوان ہو۔ شادی نکاح جبراً یا دھوکے سے کردیا گیا ہو۔ نمبر۷ رجل خصی۔ جس کو اردو میں زنخا بھی کہا جاتا ہے۔ وہ مرد جس نے خود اپنا آلہ اور نیچے والے فوطے شکنجے میں کسوا کر پھسوا دیئے ہوں یا اوپر چڑھوا دیئے ہوں یا کٹوا دیئے ہوں۔ یا کسی نے جبراً اس کے ساتھ یہ کام کردیئے ہوں۔ اور وہ کسی بیوی سے شادی کرلے یا پہلے سے شادی شدہ ہو اور بعد میں خصی کیا جائے۔

رجل مقطوعُ الذَّکَر۔ وہ شخص جس کا پورا یا آدھا یا صرف حشوہ (ختنہ) کاٹ دیا گیا ہو۔ نمبر ۹ رجل مجبوب۔ وہ مرد جو خصی ہو۔ یعنی پیدائشی وقت سے قدرتی اس کا آلہ تناسل بالکل ہی نہ ہو صرف پیشاب کی جگہ ایک سوراخ ہو یا چھوٹا سا موکا ہو یا بہت ہی چھوٹا شیرخوار بچے جتنا آلہ ہو حالانکہ مرد جوان لمبا تڑنگا ہو۔ ایسے پانچ قسم کے خاوند والی بیویاں۔ تنسیخ نکاح کا دعوٰی کر سکتی ہیں اور قانونِ شریعت اسلامیہ کے مطابق حاکم اسلام یا موجودہ زمانے میں سند یافتہ صاحب فتوٰی مفتی دارالاسلام حتّی المقدور مدعیہ کے بیان کی حقانیت اور نوعیت معاملہ کی تفتیش و تحقیق کر کے اگر واقعتاً خاوند کو اسی طرح معذور پائے تو فوراً بغیر مہلت دیئے نکاح فسخ کر سکتا ہے نمبر ۱۰ رجل شکاز۔ وہ خاوند جو بیوی کے قریب ہونے یا اس کو شہوت سے دیکھنے یا اس کی فرج ظاہری بیرونی کے ساتھ اپنا آلہ تناسل لگاتے ہی انزال ہو جائے یا ڈھیلا پڑ جائے اندر نہ جا سکے۔ جبکہ اس تھوڑی دیر قبل شہوت میں اس کا آلہ تناسل کھڑا ہو۔ نمبر ۱۱ رجل عنین۔ وہ آدمی جس کا آلہ تناسل جسمانی قد کاٹھ کی مطابقت کے برابر لمبا ہو۔ مرد بھی صحت یاب ہو۔ مگر آلے میں شہوت بالکل پیدا نہ ہوتی ہو نہ کبھی کسی وقت آلہ کھڑا ہوتا ہو۔ خاص کر بیوی سے صحبت کے وقت تو بالکل ڈھیلا رہے۔ ایسے خاوند والی بیویوں کے مطالبے پر حاکم وقت یا مفتی دارالاسلام علاج معالجے کے لیے خاوند کو ایک سال کی مہلت دے گا۔ اگر اس مہلت کے گزرنے کے بعد خاوند پھر بھی اسی طرح بیکار ہی رہے تو شرعی اسلامی قانونی حکم کی بنا پر مفتی دارالاسلام کو اختیار ہے کہ وہ نکاح فسخ کر دے خواہ اس مدت میں جو عدالت کی طرف سے دی گئی تھی اپنا علاج کرائے یا نہ کرائے۔ صورت مسئولہ متدعویہ میں جس خاوند کا ذکر ہے اس میں وہ میری تحقیق و تفتیش کے مطابق عنین یعنی نامرد ہے۔ حالات زمانہ کے مطابق عنین بھی تین قسم کے ہیں۔ ان سب اقسام کو شامل کر کے مرد کی بارھویں قسم۔ رجل عنین قدرتی۔ وہ شخص جو بغیر کسی وجہ کے پیدائشی عنین ہو۔ نمبر ۱۳ رجل عنین مسحور۔ وہ شخص جس کو جادو کے ذریعے نامرد اور نس بند کر دیا گیا ہو۔ نمبر ۱۴ رجل عنین مریض۔ وہ شخص جس کو کسی بیماری یا میعادی بخار نے نامرد کر دیا ہو۔ بہرکیف ایسے مردوں کو مہلت دی جائے گی۔ چنانچہ شرح وقایہ جلد دوم صـ۱۴۱ پر ہے۔ اِنْ اَقَرَّ اَنَّہٗ لَمْ یَصِلْ اِلَیْھَا اَجَّلَہُ الْحَاکِمُ سَنَۃً قَمَرِیَّۃً فِی الصَّحِیْحِ وَفِیْ رِوَایَۃِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔ اَنَّہٗ یُؤَجَّلُ سَنَۃً شَمْسِیَّۃً۔(۱)

ترجمہ۔ اگر خاوند نے اس بات کو کسی طرح بھی تسلیم کر لیا کہ بے شک وہ اپنی بیوی سے وطی نہیں کر سکتا تو مقدمہ سننے والا اسلام کا حاکم اس کے لیے بطور مہلت ایک سال کی مدت علاج کے لیے مقرر کرے گا۔ صحیح یہ ہے کہ سال قمری ہو۔ جس کے تین سو چون دن ہوتے ہیں اور بارہ مہینے اور حسن علیہ الرحمۃ کی روایت میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے فیصلوں میں خاوند کو شمسی سال کی مہلت دیتے تھے۔

کیونکہ وہ سال قدرے زیادہ ہوتا ہے اس کے تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں۔ اس میں خاوند کو کچھ زیادہ رعایت مل جاتی ہے۔ پانچویں دلیل۔ شرح وقایہ جلد ثانی صفحہ ۱۲۲ پر ہے۔ فَاِنْ لَمْ یَصِلْ فِیْهَا فَرَّقَ الْقَاضِیْ بَیْنَهُمَا اِنْ طَلَبَتْهُ اَیْ اِنْ طَلَبَتِ الْمَرْأَةُ التَّفْرِیْقَ۔ ترجمہ: اگر اس سال کی مہلت گزرنے کے بعد بھی خاوند بیوی کے قابل نہ ہوسکا تو قاضی یا مفتی یا اسلام کو تمام فقہائے کرام مجتہدین اربعہ کی طرف سے اجازت ہے کہ وہ نکاح فسخ کرکے دونوں خاوند بیوی کو جدا کردے۔ اگر بیوی کی خواہش ہو۔ اس لیے کہ یہ بیوی کا حق ہے۔ اسی کی خواہش کا خیال رکھا جائے گا۔ ان ہی قوانین اسلامیہ کے تحت میں نے بحیثیت مفتی اسلام خوب تحقیق حال کرکے ہندہ بی کا نکاح فسخ کرایا ہے اور تمام ائمہ مجتہدین امام اعظم۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین اور ان کے علاوہ مجتہدین فی الاصول کے شاگردان۔ جو مجتہد فی الفروع یا فی التخریج یا فی التصحیح یا فی الفتٰی ہیں۔ سب ہی اس تفسیخ اور ایسے نکاح توڑنے کو جائز اور ضروری قرار دیتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہمارے امام اعظم کے نزدیک اس تفسیخ نکاح سے بیوی کو طلاق بائنہ واقع ہوگی لیکن امام شافعی علیہ الرحمۃ فسخ نکاح قرار دیتے ہیں۔ دیگر ائمہ اس کو طلاق رجعی فرماتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جو تفسیخ عورت کے مطالبے سے ہو وہ تفسیخ یا رجعی طلاق ہوتی ہے۔ جیسے کہ خیار بلوغ یا خیار عتق میں ہوتا ہے کہ نابالغہ بچی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی نے پڑھوادیا ہو اور بیوی نے بالغہ ہوکر خاوند کو ناپسند کیا اور عدالت اسلامی میں دعوٰی کردیا فسخ نکاح کا اور حاکم یا مفتی نے توڑ دیا تو یہ تفسیخ طلاق بائنہ نہ ہوگی۔ بلکہ بعض نے اس کو فسخ فرمایا۔ گویا شروع سے نکاح ہوا ہی نہیں (یہی فسخ کا معنی ہے) اور بعض نے اس کو طلاق رجعی قرار دیا۔ یونہی۔ کسی آقا نے اپنی بالغہ جوان لونڈی کا کسی سے نکاح کردیا۔ تو آزاد ہونے کے بعد اسی طرح تفسیخ نکاح کا حق ملتا ہے۔ ہمارے امام اعظم بھی ان دو قسم کی تفسیخ کو فسخ نکاح قرار دیتے۔ دیگر ائمہ ثلاثہ نے نامرد عنین خاوند کے تفسیخ نکاح کو اس ہی خیار بلوغ پر قیاس فرمایا مگر ان کا یہ قیاس امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دلیل کے مطابق غلط اور کمزور ثابت ہوتا ہے۔ امام اعظم کی دلیل اور مسلک یہ ہے کہ یہ تفسیخ عنین اگرچہ عورت کے مطالبے سے ہوئی۔ مگر اس مطالبے کا سبب خاوند کی طرف سے پیدا ہوا دو وجہ سے۔ ایک خاوند کا نامرد ہونا۔ اور دوسری وجہ خاوند کا طلاق نہ دینا۔ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ کے حکم خداوندی پر عمل نہ کرنا اور یہ ظلم ہے اور ظلم خاوند کی طرف سے ہے۔ بیوی تو انتہائی مجبوری بے کسی بے بسی کی وجہ سے مطالبۂ تفسیخ کر رہی ہے۔ بخلاف خیار بلوغ اور خیار عتق کے کہ وہاں بیوی کی کوئی مجبوری نہیں۔ صرف دل پسندی اور ذاتی خواہش کا سوال ہے۔ عنین کی بیوی کو اختیار نہیں ملا۔ بلکہ مجبوری کا معاملہ ہے۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ بیوی کو اختیار تفسیخ صرف اس صورت میں ملتا ہے جب نکاح ہر طرح مکمل مضبوط نہ ہوا ہو۔ بلکہ بیوی یا وارثوں کی اجازت پر موقوف و معلق ہو۔ جیسے کہ خیار بلوغ میں بیوی کے بالغہ ہوتے تک خیار عتق میں

لونڈی کے آزاد ہونے تک اور غیر کفو میں نکاح کرنا ولی قریب کی رضامندی تک نکاح مضبوط نہیں ہوتا۔ معلق رہتا ہے۔ جب تک بیوی بالغہ ہو کر لونڈی آزاد ہو کر والی وارث راضی ہو کر اجازت نہ دے خواہ کتنے ہی سال گزر جائیں۔ اولاد بھی پیدا ہو جائے۔ ہاں البتہ وطی جائز اور اولاد حلالی ہوگی۔ مگر نکاح ہر وقت بغیر طلاق کے بذریعہ عدالت توڑا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں یہ بات نہیں۔ یہاں نکاح ہر طرح بالکل مکمل ہے کیونکہ بیوی آزاد اور بالغہ ہے اور والی وارثوں کی طرف سے اجازت نامہ ہے۔ بعد میں بیوی کو خاوند کی نامردی کا پتہ لگتا ہے۔ لہذا امام شافعی وغیرہ مجتہدین کرام کا قیاس کرنا خیار بلوغ وغیرہ پر قطعاً درست نہیں ہے۔

امام اعظم کا مسلک سبحان اللہ تعالٰی۔ بہت ہی مضبوط و مدلل ہے۔ اسی مسلک پر یہ فتوٰی جاری کیا جارہا ہے بدین وجہ ہندہ بی بی کو آج سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی اور چونکہ ہندہ بی بی کی اپنے اسی خاوند زید بن بکر سے خلوتِ صحیحہ ہوتی رہی ہیں۔ لھذا ہندہ بی بی پر تین حیض عدت لازم و ضروری واجب ہے۔ چنانچہ فتاوٰی درمختار شامی جلد دوم صفحہ ۴۹۶ پر اور شرح وقایہ جلد دوم صفحہ ۱۴۱ پر ہے۔ وَتَبِیْنُ بِطَلْقَۃٍ وَّلَھَا کُلُّ الْمَھْرِ اِنْ خَلَا بِھَا وَتَجِبُ الْعِدَّۃُ۔

ترجمہ اور اس تنسیخ نکاح سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور اگر خاوند نے اپنی اسی بیوی سے خلوتِ صحیحہ کی ہوگی۔ تو پورا مہر بھی اور پوری عدت بھی واجب ہوگی۔ یہ تنسیخ طلاق رجعی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مقصد تنسیخ طلاق رجعی سے حاصل نہیں ہوتا۔ مقصد تو ہے عورت کی مجبوری مظلومیت اور خاوند کا ظلم ختم کرنا۔ اگر رجعی ہو تو فیصلہ عدالت کے بعد فوراً خاوند رجوع کرے ظلم پھر شروع۔ اسی بنا پر حدیث و قرآن کی روشنی میں فقہاء کرام حنفیہ نے یہ قانون کلیہ مقرر فرمایا چنانچہ حاشیہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۴۲ پر ہے۔ وَلَمَّا کَانَ الْوَاجِبُ عَلَی الزَّوْجِ اَلتَّسْرِیْحُ بِاِحْسَانٍ وَّنَابَ الْقَاضِیْ عَنْہُ دَفْعًا لِّلظُّلْمِ عَنْھَا صَارَ فِعْلُہٗ مُضَافًا اِلَیْہِ فَکَاَنَّہٗ طَلَّقَھَا بِنَفْسِہٖ وَاِنَّمَا کَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ ھُوَ التَّسْرِیْحُ وَدَفْعُ الظُّلْمِ یَحْصُلُ فِیْہِ فَاِنَّ الرَّجْعِیَّ یَحِلُّ فِیْھَا الرَّجْعَۃُ۔ ترجمہ۔ اور جب کہ خاوند پر واجب تھا کہ خود ہی اچھے طریقے ایمانداری سے بیوی کو طلاق دے کر چھوڑ دے اور اس نے یہ واجب کام نہ کیا تو شرعی مفتی یا قاضی اس خاوند کا نائب بن گیا تاکہ بیوی سے ظلم ختم ہو۔ اب شریعتِ اسلامیہ میں مفتی یا اسلام کا تنسیخ نکاح کا فیصلہ اور فتوٰی ایسا ہی مانا جائے گا۔ جیسے گیا کہ خاوند نے ہی طلاق دی ہے اور چونکہ شدتِ ظلم کو ختم کرنے کے لیے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ طلاق رجعی سے نہ تسریح احسان ہو سکتی ہے نہ ظلم ختم ہو سکے کیونکہ رجعی طلاق میں تو خاوند کو عدت کے اندر اندر رجوع کرنا حلال ہوتا ہے۔

ان تمام دلائل کے تحت یہ شرعی مکمل با دلائل مضبوط فتوٰی اور فیصلہ جاری کیا جاتا ہے کہ ہندہ بی بی مذکورہ کا وہ نکاح جو بکر بن زید سے اب تک قائم تھا وہ آج مورخہ ۸۵-۱۲-۲۵ بروز جمعرات۔ بالکل ختم کر دیا گیا۔ اب ہندہ بی بی مذکورہ مدعیہ اپنی عدت جو آج سے شروع ہے گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ سابقہ خاوند بکر بن زید

کا اب اس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رہا اور ہندہ بی بی پر آج سے فرض ہے کہ ایک گھر میں باپردہ رہ کر عدت پوری کرے اور بلا سخت ضرورت کے باہر نہ نکلے۔

کتبہ ۸۵-۱۲-۲۵

صاحبزادہ اقتدار احمد خان۔ یوسف زئی۔ نعیمی۔ قادری اشرفی۔ رضوی۔

آٹھواں فتویٰ

قرآنِ مجید اور توریت و زبور و انجیل و صحفِ آسمانی سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ نہ یہ مخلوق ہے نہ خالق بلکہ صفتِ الٰہیہ ہے اور تمام صفاتِ باری تعالیٰ قدیم ہیں معتزلہ فرقے کے کفریات کا مکمل رد۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ابھی حال ہی میں لاہور راوی روڈ نمبر۹ پر ایک چھوٹی سی عمارت میں کچھ لونڈوں نے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ جس کا نام محمدی شرعی یونیورسٹی رکھا ہے۔ اس کی طرف سے چند پمفلٹ شائع ہوئے جو مجھ کو میرے دوست ملا جاوید اقبال ڈاکٹر۔ ولد فضل کریم محلہ فیض آباد نزد نورانی مسجد سرگودھا روڈ گجرات نے برائے مطالعہ دیئے۔ مجھ کو تو نہ وہ پسند آئے نہ اس کی الٹ پلٹ عبارت سمجھ آئی۔ چونکہ ان باتوں کو دینی باتوں کا نام دیا گیا ہے۔ اس لیے میں کسی وساطت سے مدرسہ غوثیہ کے دارالافتاء میں بھیج رہا ہوں تاکہ وہ مفتی اعظم برطانیہ صاحبزادہ اقتدار احمد خان درانی قادری نعیمی کی خدمت میں بھیج دیں اور اس کے متعلق اپنی شرعی رائے سے ہم کو نوازیں۔ یہ پانچ رسالے ہیں۔ نمبر۱ قرآن مخلوق ہے یا خالق نمبر۲ سنت کو حدیث شمار کرنا توہین نبوت ہے نمبر۳۔ اُمّی کے معنیٰ ان پڑھ کرنا لغت کی ایک عظیم غلطی ہے نمبر۴۔ بنی اسرائیل کے معنی یہودی قوم کیوں؟ نمبر۵ لفظ اٰنک کی تشریح۔

براہ کرم اپنا قیمتی وقت خرچ کر کے ہماری سچی رہنمائی فرمائی جائے۔

دستخط سائل (حضرت مولانا) محمود احمد قادری۔ نوشاہی۔ نعیمی۔

۸۶-۲-۱۶

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّاب

الجواب

سائل کے تمام رسائل آٹھ آٹھ ورقی مضمون وصول ہوا اور بغور مطالعہ کیا گیا۔ ان مضامین میں اتنی جہالت ہے کہ مصنف کی بدنیتی پر اور اہل قلم کی رسوائی پر رونا آتا ہے ہر چھوٹی چھوٹی سطر میں بڑی بڑی جہالتیں ہیں۔ مجھ سے ان کا جواب لکھنے کی فرمائش کی گئی ہے۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ ان جہالتوں کا جواب کیا دیا جا سکتا ہے۔

میں محمدن یونیورسٹی سے متعارف نہیں نہ ہی یہ ادارہ لاہور میں کچھ تعارف رکھتا ہے۔ حالانکہ شہر لاہور سے میرا رہائشی تعلق بھی ہے۔ البتہ ان مضامین کے مصنف کی تحریرات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ صاحب معتزلی مذہب رکھتے ہیں اور وہ لوگ تو پرانے وقتوں سے ہی دیوانگی جہالت اور بدعقلی میں مشہور رہ چکے ہیں۔ یہ مضمون نویسی نہیں بلکہ دیوانگی کی دوڑ ہے۔ یہ مصنف ہر علمی قاعدے ضابطے سے مادرزاد ننگا ہو کر دوڑتا ہے اور جب پکڑا جاتا ہے تو اہل علم و دانش کے لیے جاہل، مکار، بہتان باز، عیار جیسے الفاظ و عبارات استعمال کرتا ہے کہیں پر عیار دشمن بن جاتا ہے۔ لیکن اکثر نادان دوست بنتا ہے۔ بہرکیف اس مصنف کو کسی علم سے کوئی واسطہ یا تعلق نہیں ہے۔ اس لیے اس کا جواب نہیں دیا جانا چاہیے مگر آپ کی فرمائش کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف جہالتوں کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ یا پھر آخر میں معتزلہ فرقے کا تاریخی پس منظر اور خلق قرآن کے پرانے فتنہ کا ذکر کردیا جائے گا۔ جس سے آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ قرآن کو مخلوق کہنا کتنا بڑا کفر ہے۔ اور یہ مصنف اپنی جہالت سے کس کفر کی طرف جارہا ہے۔ چنانچہ پہلا رسالہ۔ بنام۔ قرآن خالق ہے یا مخلوق۔ اس کی۔ پہلی جہالت۔ مصنف اپنے نام کے ساتھ جو مضمون کے آخر میں لکھا ہے۔ H۔ ڈاکٹر علامہ، مولانا اور کسی جگہ H حکیم علامہ۔ حالانکہ خود اپنے آپ کو علامہ و مولانا لکھنا۔ اصطلاحًا۔ احمقانہ تکبّر ہے۔ اور پھر کہیں حکیم کہیں ڈاکٹر۔ گویا کہ خود کو ہر فن مولا سمجھتا ہے اور ساری دنیا سے بڑا عالم۔ دوسری جہالت۔ صد۲ کے تعارفی مضمون میں مصنف اپنے نظریہ باطل کا استدلال اس بات سے لیتا ہے کہ چونکہ لفظ روح اللہ اور لفظ کلام اللہ ہم وزن الفاظ ہیں لہذا یا تو روح اللہ کو خالق مانو اور اگر روح اللہ مخلوق ہے تو کلام اللہ بھی مخلوق ہے۔ کتنا بیہودہ استدلال ہے۔ گویا کہ الفاظ کی ہم وزنی دین وعقائد کی بنیاد ہے۔ تو چاہیے کہ جنگلی شیر کو انسان کہدیا جائے کہ وہ زید کے ہم وزن ہے یا عیسٰی کا نام اقدس ہے اس کو ابلیس کہدیا جائے۔ تیسری جہالت۔ صد۳ پر مصنف۔ اللہ تعالٰی کے لیے انتہائی گستاخانہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالٰی کا وزن اور حجم اور رب کے لیے کثافت کا قائل ہے حالانکہ رب تعالٰی مقدار، کثافت حجم، وزن کی شان اقدس میں ایسی گستاخی کفر ہے۔ چوتھی جہالت۔ صد۶ پر لکھتا ہے کہ چونکہ ہر کتاب اپنے پڑھانے والے کی محتاج ہے اور قرآن بھی پڑھایا جاتا ہے کہ بغیر کسی معلم کے سمجھ نہیں آتا تو قرآن بھی معلم کا محتاج ہوا اور جو محتاج ہے وہ مخلوق۔ کیسا جاہلانہ خبیثانہ اور شیطانی نظریہ ہے۔ حالانکہ کوئی کتاب معلم کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ شاگرد اس کتاب کو سمجھنے کے لیے استاد کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اس شیطانی بات کا عقیدہ بنا لیا جائے تو قرآن مجید پڑھانے کے لیے قیامت تک بہت سے استاد پیدا ہوتے رہیں گے تو معاذ اللہ قرآن پاک سب کا محتاج ہوگیا اور محتاج الیہ اپنے محتاج سے افضل ہوتا ہے تو پھر قرآن مجید سب سے مفضول ہوگیا اور ہر شخص افضل ہوگیا۔ میں حیران ہوں کہ ایسے دیوانے پاکستان

میں کیوں دندناتے پھر رہے ہیں۔ پانچویں جہالت۔ اسی صؔ پر لکھتا ہے۔ قرآن آدم سے پہلے نہ تھا۔ کتنا بڑا جھوٹ اور لاعلمی ہے۔ حالانکہ خود قرآن مجید فرماتا ہے۔ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ اور لوح محفوظ حضرت آدم سے پہلے تو قرآن کریم بھی پہلے ہوا۔ چھٹی جہالت۔ اسی صؔ پر الم۔ میں لام سے جبرئیل مراد لیتا ہے اور صؔ پر لکھتا ہے۔ اللہ جبرئیل کی شکل میں محمد سے مخاطب ہے۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کا ترجمہ کرتا ہے یہ کتاب جسم رکھنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔ اب بتایئے کہ ان خباثتوں جہالتوں کا کیا جواب دیا جائے جسم تو لکڑی پتھر اور کتے بلے کا بھی ہے۔ ساتویں جہالت۔ صؔ پر لکھتا ہے۔ یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ۔ میں و لفظاً اضافی رابطہ کے لیے۔ اس طرح معنی ہوئے محمد اور قرآن۔ کتنی جہالت ہے۔ مصنف کا پاگل پن اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ یہاں واؤ کو رابطہ والا کہتا ہے۔ حالانکہ عرب کا بچہ بچہ اور علم نحو کا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ واؤ رابطے کا نہیں بلکہ قسمیہ ہے۔ عربی میں واؤ چار قسم کی ہوتی۔ نمبر۱ حرفِ جر (قسمیہ) نمبر۲ عاطفہ نمبر۳ بمعنی مع (رابطے کے لیے) نمبر۴ حالیہ۔ یہاں واؤ قسمیہ ہے جو حرف جر ہوتی ہے۔ جیسے وَاللّٰہِ۔ اور آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ قسم ہے قرآن حکیم کی مصنف کو چاہیے کہ ابھی سے قلم نہ پکڑے نہ جہالت پھیلائے بلکہ کسی مدرسے میں شاگردی کرے علمِ نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھے رابطے کا واؤ یا جمع والی عاطفہ واؤ کے لیے درمیان کلام ہونا شرط ہے۔ جب کہ واؤ قسمیہ شروع کلام میں ہوتی ہے جیسے وَاللّٰہِ۔ اللہ کی قسم۔ اور وَالتِّیْنِ انجیر کی قسم وَالزَّیْتُوْنِ۔ زیتون کی قسم۔ وغیرہ یٰسٓ۔ علیحدہ لفظ ہے اور کلام وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ سے شروع ہو رہا ہے۔

آٹھویں جہالت۔ اکثر جگہ مصنف آیتوں کا ترجمہ غلط کرتا ہے۔ مثلاً الٓمّٓ کا ترجمہ صؔ پر غلط کیا ہے۔ صؔ پر۔ وَالطُّوْرِ الَّذِیْ کا ترجمہ مادہ کیا ہے۔ صؔ پر اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ۔ کا ترجمہ کرتا ہے۔ ہم ڈر و خوف کو ثابت کرنے والے ہیں۔ یہ ترجمہ غلط ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ بے شک ہم ڈرانے والے خوف دلانے والے ہیں۔ نیز صؔ پر ہی لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ۔ کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ لکھتا ہے اعلیٰ درجے کے حکیم کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ حرفِ لام کا ترجمہ لیے کرتا ہے۔ یہ انتہائی جہالت ہے لیے لام جارہ کا ترجمہ ہوتا ہے اور یہ لام جارہ نہیں صحیح ترجمہ اس طرح ہے۔

صؔ پر وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ۔ کا ترجمہ غلط کرتا ہے۔ لکھتا ہے اور قرآن۔ حالانکہ یہاں۔ یہاں واؤ قسمیہ ہے عاطفہ نہیں واؤ عاطفہ کا ترجمہ اور ہوتا ہے۔ صؔ پر ہی۔ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ۔ کا ترجمہ غلط کرتا ہے۔ صؔ پر قٓ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔ کا ترجمہ بھی غلط کیا نیز لکھتا ہے۔ قرآن بھی محمد کا نام ہے اور اس کی وجہ خود ساختہ بیان کرتا ہے۔ صؔ پر لکھتا ہے۔ حضور پر نور کا جسم اقدس قرآن مجید ہے۔ نویں جہالت۔ صؔ پر لکھتا ہے۔ عیسائیوں۔ یہودیوں اور ہندوؤں نے یہ مسئلہ بنایا کہ قرآن مخلوق نہیں خالق ہے۔ صؔ پر۔ امام بن حنبل اور

مامون الرشید پلید کی تاریخ کا انکار کرتا ہے۔ ص۱۷ پر، سابقہ کتب آسمانی توریت انجیل وغیرہ کو منہدم یا معطل کہتا ہے اور اس طرح ان کا مخلوق ہونا دلیل بناتا ہے۔ حالانکہ کلام الٰہیہ کو منہدم کہنا۔ بدترین گستاخی ہے۔ ص۱۸ پر ہی احمقانہ قیاس کرتا ہے اور لکھتا ہے۔ قرآن خدا کی صفت ہے۔ اور عیسٰی خدا کی صفت ہے۔ عیسٰی مخلوق تو قرآن مخلوق۔ حالانکہ یہ قیاس غلط ہے کیونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام خدا تعالٰی کی صفت نہیں ہیں۔ نہ کوئی مسلمان اس کا قائل ہے۔ یہ بات مصنف کی اپنی من گھڑت ہے۔ ص۱۸ پر ہے وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ۔ کا ترجمہ کرتا ہے اور وہ مصور ہی سے ملتی جلتی ہے۔ یہ ترجمہ انتہائی مشرکانہ ہے۔ حالانکہ صحیح ترجمہ اس طرح۔ اور اسی اللہ کی طرف سب کا لوٹنا ہے مَصِیْر فعل ناقص صار کا ظرف ہے۔ ایسے جاہل لوگ بھی قیامت کی پیداوار اور شیطانی ذریت ہے۔ ص۱۹ پر لکھتا ہے کہ روح القدس حضرت عیسٰی ہیں اور بڑی بچگانہ تحریر ہے۔ جس کا ذکر کرنا عبث ہے۔ ص۲۰ پر اللہ کے لیے جسم ثابت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ خلیفۃ اللہ۔ اللہ تعالٰی کے جسم کا نمونہ ہیں۔ (معاذ اللہ) یہ شخص جہالت میں کہاں تک آگے بڑھتا جارہا ہے۔ ص۲۰ پر ہی۔ قدیم کی تعریف کرتے ہوئے بڑی ٹھوکریں کھاتا ہے اور قدیم کے معنی! پرانا۔ کرتا ہے اور جدید کے مقابل کرتا ہے۔ کیا احمقانہ دماغ ہے۔ حالانکہ قدیم حادث کا مقابل ہے نہ کہ جدید کا اور عربی میں پرانے کے لیے خلوقۃ اور خلوق آتا ہے۔ جدیدٌ کے مقابل خلوقٌ ہوتا ہے۔ آخری ص۲۱ پر۔ شمس۔ ضیاءٌ وقمرٌ نورٌ۔ کا ترجمہ کرتا ہے۔ یعنی حرارت پھیلتی ہے۔ ٹھنڈک ٹھوس ہوتی ہے۔ گویا کہ شمس کا معنی حرارت اور ضیاء کا معنی۔ پھیلتی ہے اور قمر کا معنی ٹھنڈک اور نور کا معنی ٹھوس۔ یہ واہیات ترجمہ۔ وہی کرسکتا ہے۔ جو عقل کا پورا دشمن ہو۔ صحیح ترجمہ اس طرح ہے۔ سورج روشنی ہے اور چاند نور ہے۔ ص۲۱ پر ہی لکھتا ہے۔ حضرت خضر خدا کی مخلوق ہیں وہ قیامت تک حادث بھی ہیں اور قدیم۔ اس بیوقوفی کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے۔ اس کا صحیح علاج تو یہی ہے کہ اس کو پکڑ کر کسی دینی مدرسے میں داخل کردیا جائے۔ تاکہ راہ راست پر آجائے۔ اس ساری تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ قرآن مجید مخلوق ہے اور دماغ میں یہ چیز سماگئی ہے کہ جو مخلوق نہ ہو وہ خالق ہوتی ہے۔ اسی لیے اس مصنف کم عقل نے معتزلہ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے۔ خدا تعالٰی کی ذاتی صفات کو بھی مخلوق کہہ دیا۔ پھر اپنی من مرضی سے بہت سی ایسی چیزوں کو بھی خدا تعالٰی کی صفات بنادیا جو ہرگز صفات نہیں ہوسکتیں۔ مثلاً حضرت عیسٰی علیہ السلام وغیرہ اور اپنے اسی بیہودہ عقیدے کو بچانے کے لیے۔ قدیم و حادث اور جدید کی حقیقت میں جاہلانہ توڑ موڑ شروع کردیا۔ ان بچگانہ حرکتوں کا تو کچھ جواب نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ سائل کی فرمائش کا احترام کرتے ہوئے۔ پرانی تاریخ کے مطابق معتزلہ کی تاریخی حیثیت اور ان کے خلق قرآنی کے دلائل اور ان کا جواب تحریر کیا جاتا ہے اور چونکہ یہی زیادہ اہم ہے اس لیے اس کے بعد دوسرے مسائل کی جہالتیں مختصر لفظوں میں بیان کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالٰی۔

فرقہ معتزلہ کی ابتدائی تاریخی حیثیت

کتاب رسالہ جھنیہ جلد اول میں معتزلہ کی تاریخ کچھ اس طرح درج ہے کہ اس کفریہ فرقے کی ابتدا بصرے سے ہوئی۔ اس کا بانی واصل بن عطا تھا جو ۱۳۱ھ میں بصرے ہی میں مرا اور اس کی لاش کو جنگلی جانوروں نے قبر کھود کر کھالیا۔ اس مذہب کو مشہور کرنے والا اسی کا ہم سبق ساتھی عمرو بن عبید تھا جو ۱۴۳ھ میں بغداد میں دفن ہوا۔ یہ دونوں آدمی قبلۂ عالم امام الصوفیا حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے شاگرد تھے۔ ان کو اپنی عقل اور عقلی باتوں پر بڑا ناز اور بھروسہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی عقل کے مقابل قرآن وحدیث کا انکار کر دیتے تھے۔ یہ کفریہ روش دیکھ کر خواجہ حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان خبیثوں کو اپنی مجلس درس سے نکال دیا اور فرمایا۔ اِنَّهُمَا مُعْتَزِلَانِ عَنِ الْاِسْلَامِ ترجمہ یہ دونوں دین اسلام سے بہت دور اور معتزل ہو گئے۔ اسی دن سے ان کا نام معتزلی مشہور ہوا۔ پھر یہ خود بھی اپنے آپ کو معتزلی کہنے لگے۔ اس معنٰی میں کہ ہم جہالت سے دور اور عقل سے قریب ہو گئے اس کفریہ مذہب کی بنیاد منطق فلسفہ اور خود ساختہ عقلیات پر رکھی گئی ہیں۔ ہر آیت وحدیث کا مطلب اپنی عقل اور فلسفے کی رو سے کرتے تھے۔ انتہائی بیہودہ طریقے سے توڑ موڑ کر کے آیات و روایات کو بیان کرتے۔ خباثتِ باطنی یہاں تک تھی کہ اگر کوئی آیت یا حدیث پاک ان کی عقل اور فلسفہ کے مطابق نہ بیٹھتی تو آیت وحدیث کو چھوڑ دیتے مگر اپنی عقل کو نہ چھوڑتے۔ واصل بن عطا نے بصرے کے ایک گاؤں میں اپنا مدرسہ قائم کیا اور دو شاگرد مشہور ہوئے نمبر ۱ عثمان الطویل نمبر ۲ حسن بن ذکوان۔ عثمان الطویل کے شاگردوں میں تین شخص مشہور ہوئے نمبر ۱ ابو ھذیل علاف نمبر ۲ ابو بکر اصم نمبر ۳ معمر بن عباد۔ ابو بکر اصم کا شاگرد ابو یعقوب اس کا شاگرد ابو علی جبائی اور جبائی کے شاگرد ابو الحسن اشعری۔ یہ حضرت بعد میں اس خبیث مذہب سے تائب ہو کر، امام اہلسنت اشعری بنے۔ سارے معتزلہ میں صرف یہی تائب ہوئے اور گھر کے بھیدی کے حساب سے انہوں نے مذہب معتزلہ کو بیخ و بن سے اکھیڑا۔ صحیح مذہب حق اہل سنت سے عوام کو متعارف کرایا اور قلمی زبانی طور پر سنت کی بہت خدمت کی۔ معمر بن عباد کے شاگرد نمبر ۱ ہشام اور نمبر ۲ بشر بن معتمر ہوئے۔ بشر نے علاقہ بغداد میں اس فرقے کی اشاعت کی یہ ۲۱۰ھ میں بغداد میں دفن ہوا۔ اس طرح بانی مذہب واصل بن عطا کا سلسلۂ تدریس ہوا۔ لیکن عمرو بن عبید کا سلسلۂ درس کچھ اس طرح ہے۔ نمبر ۱ خالد بن صفوان نمبر ۲ ابراہیم بن یحیٰی ان دونوں شاگردوں نے مدرسہ تو کوئی نہ بنایا لیکن تقریری طور پہ گاؤں گاؤں اپنے مسلک کو پھیلا دیا اور اس طرح زیادہ اشاعت ہوئی۔ یہاں تک کہ بعض علاقوں میں جب ان کی خبیثانہ تقریروں سے مسلمان عوام مشتعل ہوئے تو مارا پیٹا بھی گیا۔ اس طرح ان کی سرگرمیاں کچھ ٹھنڈی پڑیں۔ بشر بن معتمر نے بغداد میں مدرسہ بنایا۔

اور اس کے شاگردوں میں صرف ایک شاگرد احمد بن ابی وذکروا مشہور ہوا اس نے عراق میں مدرسہ قائم کیا۔ اس کا ایک شاگرد جعفر بن حرب ہوا اس کے شاگردوں میں ابو جعفر اسکافی اور عیسیٰ عشیم صوفی مشہور ہوئے انہوں نے تصنیفی و تحریری کام زیادہ کیا۔ لیکن تاریخ معتزلہ میں اس طرح ہے کہ احمد بن وذکرو کے دو شاگرد مشہور ہوئے نمبر۱ ابو موسیٰ مردار نمبر۲ ثمامہ بن اشرس۔ مردار کے تین شاگرد مشہور ہوئے۔ نمبر۱ جعفر بن حرب نمبر۲ ابو جعفر اسکافی نمبر۳ عیسیٰ صوفی۔ ثمامہ کا ایک شاگرد جعفر بن مبشر اس کا شاگرد ابو حسین خیاط اس کا شاگرد ابو القاسم بلخی یہ مامون کا وزیر اعظم رہا۔ مامون خبیث اسی کے مشوروں سے گمراہ ہوا۔ ان سرکردہ معتزلیوں سے مل ملا کر تقریباً پانچ سو مبلغین شاگرد پیدا ہوئے اور صرف ایک صدی ان کا عروج رہا۔ پھر علماء اہل سنت کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو کر فنا ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ حکومتیں اور لاؤ لشکر بھی خس و خاشاک کی طرح فنا کی لہروں میں بہہ گئے۔ جن کی گود میں اس شیطانی مذہب نے پناہ لی۔ کچھ معتزلہ وہ ہیں۔ جو سرکردہ اور مشہور تو ہیں مگر مذہبی خدمت میں سرگرم نہ رہے۔ جیسے عبد القاہر جرجانی مائۃ عامل نحو کی کتاب کا مصنف وغیرہ۔ بعض نے فرمایا کہ یہ بھی اس مذہب سے توبہ کر گیا تھا۔ مگر صحیح یہ ہے تائب نہیں ہوا تھا۔ ہارون رشید کے زمانے میں اس مذہب نے تھوڑا سا سر ابھارا تھا۔ مگر امام اعظم کی کوششوں اور رعب علمی نے وہیں دبا دیا تھا۔

معتزلہ کے عقائد

نمبر۱ توحید نمبر۲ عدل و انصاف نمبر۳ وعدہ وعید نمبر۴ امر و نہی ان کے دین میں صرف یہ چار ہی بنیادیں ہیں نمبر۵ بندے کی تین قسمیں ہیں ۱ مومن ۲ فاسق ۳ کافر۔ نمبر۶ فاسق نہ مومن ہے نہ کافر اس کا نام ہے بین بین۔ نمبر۷ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت نہیں وہ صفات سے پاک ہے۔ اس لیے تمام چیزیں مخلوق نمبر۸ عقل انسانی سب سے زیادہ اعلیٰ اور قابل اعتماد چیز ہے۔ اس لیے قرآن و حدیث سے بھی زیادہ عقل کی مانو۔ قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابوں کا مضمون مخلوق ہے۔ اس لیے ان سب کو فنا ہے۔ دیکھو توریت وغیرہ فنا ہو گئیں اور قرآن کو فنا ہونا ہے۔ (معاذ اللہ) نمبر۹ عقل بھی مخلوق ہے مگر سب کی سردار نمبر۱۰ علم۔ خالقیت۔ رزاقیت اللہ کے افعال ہیں نہ کہ صفات اور یہ سب حادث ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کو بھی بہت دفعہ بندے کے افعال کا علم نہیں ہوتا یعنی قلبی ارادے تک اللہ تعالیٰ کا علم نہیں آتا۔ جب بندہ وہ کام کر لیتا ہے تو اللہ کو علم ہوتا ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) نمبر۱۱ معتزلہ کے نزدیک توحید کا معنیٰ ہے۔ اللہ کا تمام صفات سے خالی ہونا۔ کیونکہ اگر صفات ہوں تو وہ عین ذات

ہوتی ہیں کہ ذات قدیم تو صفات بھی قدیم اور جب صفات قدیم ہوں تو بہت سے قدیم ماننے پڑیں گے۔ لھذا توحید ثابت نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ عدل و انصاف۔ وعدہ وعید اور امر نہی میں بھی ان حمقا نے اپنی اپنی عقل شیطانی سے بہت کچھ کہا ہے۔

قرآن مجید کے قدیم یا مخلوق ہونے کا مسئلہ

ویسے تو معتزلہ کے تمام نظریات وعقائد ہی کفریہ ہیں۔ لیکن جس مسئلہ میں زیادہ کش مکش اور شدت وتنافر و بحث مباحثہ اور جس نے معتزلہ و معتزلہ نواز حکومتوں کو دنیا میں آج تک بدنام و ذلیل کیا وہ خلق قرآن کا مسئلہ تھا اور اس بارے میں جو ان کے خدشات اور دلائل تھے اس کو بیان کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ مذکورہ فی السوال رسالے والے نے جو اپنا خدشہ ظاہر کیا کہ اگر قرآن مجید کو مخلوق نہ مانا گیا تو اس کو خالق ماننا پڑے گا۔ یہ جاہلانہ بات آج تک کسی نے نہ کی۔ نہ ہی یہ اندیشہ درست ہے۔ اس لیے کہ مخلوق نہ ہونے سے خالقیت لازم نہیں کیونکہ باری تعالی کی بے شمار صفات ہیں۔ جن میں سے ایک صفت اس کا کلام فرمانا ہے اور کوئی صفت بھی ایک دوسرے میں مدغم نہیں۔ معتزلہ بھی اس چیز کے معترف تھے۔ اگرچہ ان کے تمام اقوال و دعاوی و دلائل انتہائی بوگس وفضول ہیں مگر اتنی کم عقلی کی بات انہوں نے بھی نہ کی۔ بہر کیف اولین و آخرین اعتراضات کے جوابات سے پہلے یہ سمجھنا بہت ضروری ہیں کہ اشیاء کائنات میں گیارہ اقسام موثر ہیں اور ان ہی سے ہر شئی کی تقسیم ہوتی ہے۔ نمبر۱ ذات باری تعالی یہ وحدہ لا شریک تقسیم سے پاک ہے۔ نمبر۲ صفات باری تعالی۔ یعنی کسی کام کی قوت ہونا۔ نمبر۳ افعال باری تعالی۔ ان صفات کا ظہور ہونا۔ نمبر۴ قدیم ہونا نمبر۵ حادث ہونا نمبر۶ خالق ہونا نمبر۷ مخلوق ہونا نمبر۸ جدید ہونا نمبر۹ پرانا (خلوق) ہونا نمبر۱۰ باقی ہونا نمبر۱۱ فنا ہونا۔ ان گیارہ قسموں کو سمجھ لینے کے بعد۔ قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا معاملہ بہت آسانی سے سمجھ آسکتا ہے۔ خیال رہے کہ ہر صفت کی شان موصوف کے اعتبار سے ہے۔ اگر موصوف قدیم ہے تو صفت قدیم موصوف حادث ہے تو صفت حادث۔ اللہ تعالی بے شمار صفات کا مالک ہے اور اس کی ہر صفت مثل ذات قدیم ہے۔ مگر ہر صفت خالق نہیں۔ بجز ذات باری اسیطرح صرف صفات باری قدیم ہیں کوئی مخلوق قدیم نہیں۔ ہاں افعال باری تعالی کچھ قدیم ہیں کچھ حادث لیکن کوئی صفت کوئی فعل مخلوق نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اللہ تعالی کی صفت رازقیت۔ معبودیت۔ رحیمیت۔ رحمانیت نہ یہ خالق ہیں نہ مخلوق۔ اسی طرح خالق ہونا۔ معبود ہونے سے علیحدہ صفت ہے۔ یعنی معبودیت خالقیت نہیں ہے اور خالقیت معبودیت سے جدا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ذہن نشین کرنا چاہیے کہ رب تعالی کی کروڑہا صفات ذات باری کے

ساتھ اسی وقت سے ہیں جب سے ذات باری ہے یہ کبھی بھی نہیں ہوا کہ اللہ ہو مگر معبود اور رازق اور مالک اور خالق نہ ہو وغیرہ وغیرہ اور ذات باری تو ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے اور جو چیز ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہو اس کو عربی میں قدیم کہا جاتا ہے۔ لفظ قدیم کی مکمل تعریف یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی نہ ہو۔ وہی ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ تک رہے۔ اب بخوبی سمجھ آگیا کہ ذات باری اور تمام صفات باری قدیم ہیں اور بعض افعال باری تعالیٰ قدیم ہیں۔ جیسے کلام فرمانا، حکمت فرمانا۔ رضامندی فرمانا۔ وغیرہ۔ اس قاعدہ کلیہ کو ہر ذی عقل تسلیم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ معتزلہ خود بھی اس قانون کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ واقعی صفت موصوف کی ہی مثل ہوتی ہے۔ اسی لیے معتزلہ نے صفات باری کا انکار کر دیا کہ اس کی صفت ہے ہی کوئی نہیں کہ اگر صفات مانیں گے تو ان میں مانتے ہوئے قدیم بھی ماننا پڑے گا۔ لہٰذا نہ صفت مانو نہ قدیم تسلیم کرنا پڑے۔ مگر یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ معتزلہ یہ کہتے تھے کہ جن کو تم صفات کہتے ہو وہ افعال ہیں۔ اور افعال تو قیامت تک سرزد ہوتے رہیں گے۔ اور سب حادث ہیں۔ جب اللہ کی طبیعت چاہتی ہے تو خالقیت رازقیت۔ خالقیت کا عمل فرما دیتا ہے۔ ورنہ اس میں پہلے یہ قوت نہ تھی۔ (العیاذ باللہ) ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ کفر ہے۔ نیز ہم کہتے ہیں بہت سی صفات ایسی ہوتی ہیں۔ جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً مخلوق میں موٹا ہونا۔ پتلا ہونا۔ لائق ہونا۔ یہ سب صفات انسانی ہیں۔ کچھ بھی نہ کرو پھر بھی لائق آدمی لائق ہی ہے۔ اسی طرح خالق تعالیٰ کی خالقیت رازقیت تو عمل سے متعلق ہے۔ لیکن معبودیت۔ کبریائی وغیرہ بھی تو وہ صفات ہیں کہ ان کا کسی عمل سے تعلق نہیں۔ اگر صفات کا انکار کیا جائے تو اس کو معبود نہیں کہا جا سکتا اور ان صفات کے ماننے بغیر چارہ نہیں تو پھر یہ صفات بھی قدیم ہوئیں اور معتزلہ کی وہ ضد ختم ہو گئی کہ ذات باری کے سوا کوئی قدیم نہیں۔ قدیم کے مقابل ہے حادث۔ اور حادث کی مکمل تعریف یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی ہو۔ نہ وہ سب سے پہلے ہو نہ وہ ہمیشہ سے ہو نہ ہمیشہ تک رہے یہ حادث ہے اور مخلوق کی دو قسمیں نمبر۱ فانی نمبر۲ باقی۔ فانی مثلاً دنیا و ما فیھا۔ باقی مثلاً۔ جنت دوزخ و ما فیھا۔ باری تعالیٰ کے بعض افعال بھی حادث ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آج ایک بندے کو پیدا فرمایا تو اسکا پیدا کرنا حادث مگر مخلوق نہیں ہاں بندہ حادث اس کا پیدا ہونا حادث ہے۔ اتنا سمجھنے کے بعد اب آیئے اصل مسئلہ قرآن کی طرف۔ قرآن مجید۔ توریت۔ زبور اور انجیل اور تمام صحف آسمانی ان کی دو چیزیں دنیا میں ہیں۔ نمبر۱ معنویت یعنی مضمون اور کلام ہے بجز امام حنبل کی طرف منسوب ایک روایت کے لیکن کلام نفسی ہے۔ کاغذ پر لکھا قلم سے بنایا۔ یہ کلام لفظی ہوا۔ کلام لفظی میں سب۔ کا اتفاق ہے کہ قدیم نہیں بلکہ مخلوق ہے۔ لیکن کلام نفسی صفت باری تعالیٰ ہے یعنی وہ کلام اور قول جو ازل میں زبان الٰہیہ (زبان قدرت) سے ادا ہوا۔ خواہ وہ قرآن مجید کا مضمون ہو سب قدیم ہے۔ کیونکہ سب کلام الٰہی ہے اور کلام صفت ہوتی ہے اور کوئی صفت اپنے موصوف کی مخلوق نہیں ہو سکتی۔ ورنہ ہر انسان اپنی بات کا خالق ہو جائے اور کروڑوں خالق ماننے پڑ جائیں گے۔ بعض عارفین فرماتے ہیں۔

کہ وہ کلام الٰہی جو طور پر حضرت موسٰی علیہ السلام سے فرمایا گیا۔ وہ بھی مخلوق نہیں اگرچہ حادث ہے۔ حادث ہونے اور مخلوق ہونے میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ یعنی ہر مخلوق حادث ہے مگر ہر حادث مخلوق نہیں اور قول عارفین بالکل درست ہے۔ جدید اور مخلوق کا حادث وقدیم سے کوئی تعلق نہیں مخلوق جدید و غیر مخلوق ہوسکتی ہے۔ قرآن مجید اور دیگر کتب ایمانی نظریہ ہے۔ فرقہ ضالہ مضلہ معتزلہ نے اپنی ضد اور بدعقلی سے جس کا انکار کیا اور اپنے وقتوں میں علماء اہلسنت وائمہ مجتہدین سے مناظرے مباحثے کیے اور ہر میدان میں ذلیل و رسوا ہوئے۔ سطور ذیل میں امام الائمہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایک محفل مناظرہ کی مختصر روئداد پیش کی جاتی ہے جو مامون الرشید خبیث پلید کے دربار میں منعقد کی گئی۔

روئداد مناظرہ (از رسالہ جہمیہ حنبلیہ)

مامون نے معتزلہ کے ستر عقلاء اور منکرین جمع کیے تھے۔ لیکن اہلسنت کا ایک ہی شیر یزدانی امام احمد حنبل تھے۔ سوال کرنے والے مختلف تھے۔ مگر جواب دینے والے صرف امام اہلسنت رضی اللہ تعالٰی عنہ ہی تھے۔ چنانچہ معتزلی مناظر نے کہا۔ قرآن مجید کی سورت انبیاء ۱۷ اس کی آیت ۲ میں لکھا ہے۔ مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ۔ ترجمہ ان کے رب کی طرف سے حادث ذکر آیا۔ یہاں ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کو حادث فرمایا گیا اور جو حادث ہو وہ مخلوق ہوتی ہے لہٰذا قرآن مخلوق نہیں امام احمد نے جواباً فرمایا آپ کا یہ اعتراض تین طرح غلط ہے اولاً اس لیے کہ یہاں ذکر سے مراد قرآن مجید نہیں کیونکہ یہاں لفظ ذکر نکرہ ہے حالانکہ قرآن مجید کے لیے لفظ ذکر معرفہ ہو کر آتا ہے۔ اسی طرح توریت زبور کے لیے بھی معرفہ ہو کر آتا ہے کتب آسمانی کے لیے کبھی نکرہ ارشاد نہ ہوا لیکن اس کے علاوہ عام ہے کہ نکرہ ہو یا معرفہ۔ جب نکرہ ہوگا تو اس سے مراد قانون ہوگا یا حدیث پاک یا خود نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک اسی عادت کے تحت یہاں قرآن مجید مراد نہیں لیا جاسکتا۔ بلکہ یا مراد ہے۔ مطلقاً قانون۔ یا حدیث پاک یا نصیحت۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ثانیاً یہاں فرمایا گیا محدث۔ یعنی نیا نیا ظاہر ہونے والا۔ یا نیا ظاہر کیا ہوا۔ حادث نہ فرمایا گیا اور محدث کا معنیٰ ہے کہ یہ ظاہر اب ہوا ہے۔ آیا اب ہے۔ تو اگر بقول آپ کے قرآن مجید ہی مراد ہو تو آنے میں نیا ہے نہ کہ وجود میں اس معنیٰ میں اگر حادث ہی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ آنا حادث ہوا نہ کہ قرآن مجید۔ ثالثاً اس طرح کہ۔ حادث ہونے سے مخلوق ہونا لازم نہیں۔ کیونکہ تمام صفات باری بالقوت حادث نہیں بلکہ قدیم ہیں۔ ہاں بالفعل کچھ صفات حادث ہیں مگر مخلوق نہیں۔ آج اللہ تعالٰی کسی سے کلام فرماتا ہے تو وہ کلام بھی مخلوق نہیں ہوگا۔ البتہ حادث۔ لیکن امام غزالی الاقتصاد فی الاعتقاد کے صفحہ ۸ پر ہر کلام الٰہی کو قدیم فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ طور پر کسی بنی اسرائیل نے اللہ کا قدیم کلام نہ سنا تھا۔ کیونکہ قدیم کلام سننا بھی عوام کے لیے محال ہے۔ جس طرح آج کسی کو پیدا فرمایا تو رب کی یہ خالقیت مخلوق نہ بنے گی

اور نہ ہی قوت خالقیت حادث ہوگی بلکہ یہ فعل حادث غیر مخلوق ہوگا۔

دوسرا سوال معتزلی نے کہا۔ قرآن پاک میں ہے۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ۔ اللہ ہی ہے ہر چیز کا خالق۔ سورۃ طٰہٰ کیا قرآن شئی نہیں ہے۔ امام حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب الزامی اس طرح ہے کہ سورۃ انعام آیت نمبر ۱۲ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ اللہ نے اپنی ذات کو نفس فرمایا اور یہ بھی ارشاد ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ۔ ترجمہ۔ ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے۔ تو کیا آپ لوگوں کے خیال میں نفس الٰہی کے لیے بھی موت ہے۔ پس جس طرح کُلُّ نَفْسٍ سے نفس الٰہیہ حکماً و حقیقۃً علیحدہ ہے سمجھو کہ شئی ؎ میں بھی فرق ہے۔ دوم یہ کہ رب تعالیٰ نے اپنے لیے تو نفس کا لفظ ارشاد فرمایا مگر قرآن مجید کے لیے شئی ؎ کا لفظ بھی کہیں نہ فرمایا۔ تیسرا اعتراض۔ اللہ نے قرآن مجید کو کتاب اللہ فرمایا۔ اضافت کے ساتھ اور لقاعدہ نحوی مضاف مضاف الیہ کا غیر ہوتا ہے اور تم کہتے ہو کہ کتاب صفت ہے اور صفت عین ذات ہے۔ **جواب**۔ عَلٰی نَفْسِہٖ میں کیا کہوگے۔ یہ بھی تو اضافت ہے۔ آپ لوگ تو عقل کو ہی سب کچھ سمجھتے ہو کم از عقل سے ہی سوچ لیا ہوتا کہ علم نحو میں اضافت کتنی قسم کی ہے۔ ان مقامات پر اضافت توضیحی ہوتی ہے نہ کہ بیانیہ متغایرہ۔ نیز کتاب بمعنی مکتوب ہے جو کلام لفظی ہے۔ اس میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں صفت الٰہیہ تو قرآن مجید نفسی ہے اور وہ قدیم ہے۔ اللہ نے قرآن اللہ یا قرآنہ کہیں نہ فرمایا۔ چوتھا اعتراض۔ معتزلی نے کہا۔ عمران بن حصین نے روایت کی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الذِّکْرَ یہاں ذکر معرفہ ہے اور بقول تمہارے اس سے مراد قرآن ہو سکتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن مخلوق ہے۔ **جواب**۔ دوستو! اپنے دین کو قیاسات و عقلیات کا کھلونا نہ بناؤ اور روایات میں توڑ موڑ نہ کرو۔ الفاظ روایت دکھاؤ۔ کافی انتظار تک کسی نے نہ دکھائے تو امام نے خود فرمایا کہ دیکھو الفاظ روایت اس طرح ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الذِّکْرَ۔

پانچواں سوال۔ کسی معتزلی نے کہا۔ عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ جَنَّۃٍ وَّلَا نَارٍ وَّلَا سَمَاءٍ وَّلَا اَرْضٍ اَعْظَمَ مِنْ اٰیَۃِ الْکُرْسِیِّ۔ ثابت ہوا کہ آیت الکرسی مخلوق ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ آیت الکرسی سب سے بڑی مخلوق ہے اور جب آیت الکرسی یعنی جزو قرآن مخلوق ہے تو کل قرآن مخلوق ہوا۔ **جواب**۔ ان ہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے مَا مِنْ مَخْلُوْقٍ اَکْبَرُ مِنَ اللّٰہِ تو کیا اس روایت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو بھی مخلوق کہہ دوگے۔ نیز ہم دن رات تکبیر کہتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ کس سب سے بڑا؟ مخلوق سے ہی بڑا ہے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ مَا خَلَقَ کا تعلق آیت الکرسی سے نہیں بلکہ صرف جنت دوزخ اور آسمان و زمین سے ہے اور بتانا یہ ہے کہ کوئی مخلوق آیت الکرسی سے بڑی نہیں۔ **چھٹا سوال**۔ قرآن مجید کو مخلوق نہ ماننا اور اس کو غیر مخلوق کہنا کفر ہے۔ اس سے توبہ کرو۔ ورنہ کفر

کی سزا پاؤ۔ جواب ۔ ہم غیر مخلوق کے عقیدے سے توبہ کرنے اور مخلوق ماننے کے لیے تیار ہیں۔ مگر کوئی دلیل تو دو۔ صرف دربار شاہی میں بیٹھ کر بادشاہوں کے سہارے رعب ڈالنا تو کوئی بہادری نہیں۔

معتزلی۔ اس سے بڑی اور کیا دلیل ہوگی کہ غیر مخلوق کہتے ہیں۔ اللہ کی مشابہت ہے کہ وہ بھی غیر مخلوق اور یہ بھی۔ جواب ۔ اللہ تعالیٰ اَحَدٌ ہے۔ لَمْ یَلِدْ ہے وَلَمْ یُوْلَدْ ہے لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ہے اور یہی تمام صفات سورج کی بھی ہیں تو کیا تمہارے خیال میں آسمان کا سورج رب تعالیٰ کے مشابہ ہوگیا۔ فَمَا ھُوَ جَوَابُکُمْ فَھُوَ جَوَابُنَا۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ توریت زبور انجیل اور قرآن مجید کو غیر مخلوق کہنے سے اللہ کی مشابہت ہرگز نہیں ہوسکتی کیونکہ صفت اگرچہ عین موصوف ہے مگر مشابہت محال ہے۔ دیکھو زید کا علم زید کی صفت ہے مگر زید کے مشابہ نہیں۔ زید کالا گورا ہے۔ ناک نقشے والا ہے۔ کھاتا پیتا ہے۔ مگر علم کالا گورا نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ صمد ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ۔ ہے۔ اس کی مشابہ کون ہوسکتا ہے۔ دربار کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بادشاہ کو گمان غالب تھا کہ میرے خریدے ہوئے مولوی چند منٹوں میں امام کو شکست فاش دیدیں گے۔ مگر یہاں تو نقشہ ہی الٹ ہوگیا۔ بادشاہ سخت پریشان اور برہم۔ جب ان معتزلیوں نے دیکھا کہ بادشاہ سخت متفکر نظر آتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی امام برحق کا قائل و معتقد ہوجائے اور ہم کو مروا دے تو ایک درباری معتزلی کھڑے ہوکر بادشاہ سے مخاطب ہوتا ہے کہ حضور یہ بدمعاش بڈھا لفظ بازی اور چرب زبانی سے باز نہیں آئے گا۔ اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس کو کوڑے مارے جائیں تب یہ کفریہ عقیدہ سے توبہ کرے گا۔ بادشاہ نے اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے مناظرین سے کہا کہ کیا ابھی مناظرہ جاری رکھنا چاہتے ہو۔ یا بند کرا دیا جائے۔ اس پر اس زمانے کا مشہور خبیث معتزلی۔ جس نے یہ عقیدہ پروان چڑھایا تھا جعد بن درہم کھڑا ہوا اور امام سے مخاطب ہوتا ہے اور ساتواں سوال کرتا ہے۔ قرآن امر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ذٰلِکَ اَمْرُ اللہِ اَنْزَلَہٗ اِلَیْکُمْ آیت ۵ سورۃ طلاق اور امر مخلوق ہے کیونکہ حادث ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ ۔ اللہ تدبیر فرماتا ہے امر کی آسمان سے زمین کی طرف۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ آسمان زمین پہلے ہے امر بعد میں اور ان دونوں میں سے جو بعد میں ہو وہ حادث ہے اور ہر حادث مخلوق ہے۔ سب معتزلہ۔ واہ واہ سبحان اللہ مرحبا۔ کی صدا بلند کرتے ہیں اور کافی دیر اس گرفت کی تعریف ہوتی رہتی ہے۔ لیکن کچھ دیر بعد امام نہایت متانت سے اٹھتے ہیں اور جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ قانون بھی غلط ہے کہ ہر حادث مخلوق ہے۔ جیسا کہ ابھی پہلے بتا دیا گیا۔ نیز امر بھی تین قسم کے ہیں نمبر۱ امر تکوینی نمبر۲ امر تدبیری نمبر۳ امر تشریعی۔ تکوینی و تدبیری حادث ہیں۔ لیکن امر تشریعی حادث نہیں۔ بلکہ صفت قدیم ہے اور تینوں قسم کے امر غیر مخلوق ہیں لیکن دو حادث ہیں اور ایک قدیم ہے قرآنِ مجید اسی قدیم امر کا نام ہے اور نزولِ قرآن امر تدبیری میں شامل ہے نہ کہ قرآن۔ یہ تو تمہارے اس بیہودہ سوال کا

جواب ہے۔ جس پر ان کم عقلوں نے تحسین کی۔ اب سنو کہ قرآن پاک ہی کی آیت کریمہ سے امر غیر مخلوق ثابت واضح ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ آیت نمبر ۵۴ سورہ نمبر ۷ اعراف یہاں واؤ عاطفہ نے بتادیا کہ امر اور چیز ہے مخلوق اور چیز۔ کیونکہ واؤ عاطفہ جمع کے لیے آتی ہے اور جمع غیروں کو کیا جاتا ہے۔ اگر امر بھی مخلوق ہوتا تو واؤ عاطفہ نہ آتا۔ یہی طریقہ سارے قرآن مجید میں جاری ہے کہ ایک چیز کے لیے کتنے ہی نام آئیں۔ واؤ عاطفہ نہیں آئے گی۔ جب دوسری آئی تو فوراً واؤ آگئی۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (الخ) یہاں چونکہ سب ایک ہی ذات کے نام ہیں اس لیے کہیں واؤ نہیں آیا۔ بغیر واؤ ہی آئے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ۔ یہاں چونکہ سب علیٰحدہ چیزیں تھیں اس لیے درمیان میں ہر جگہ واؤ آئی۔ ایک اور جگہ آیت پاک ہے۔ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا۔ یہاں پہلی سات صفتیں ایک فرد کی ہیں واؤ نہیں آئی۔ آخری صفت حقیقتاً جدا ہے اس لیے واؤ ارشاد ہوا۔ جب امام نے یہ پُراثر اور مدلل تقریر فرمائی اور باہمت و جرأت آواز میں پوچھا کہ اب بتاؤ امر مخلوق ہوسکتا ہے اور جب امر مخلوق نہیں تو قرآن کریم بھی مخلوق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ بولو کہاں گئیں تمہاری دلیلیں۔ اس تاریخی مناظرے کا ایسا گہرا اثر پڑا کہ بجز ازلی بدبختوں کے جن میں مامون بھی شامل تھا۔ سینکڑوں کی تعداد میں معتزلہ فرقے سے تائب ہوگئے یا کم از کم متاثر ضرور ہوئے۔ اب ان روسیاہوں کے پاس بجز ضد تکبر اور ظلم کے کچھ نہ رہا تھا۔ نہ ہی اس کے بعد امام علیہ الرحمۃ سے کسی کو مناظرے کی جرأت ہوسکی قربان جاؤں امام احمد بن حنبلؓ کے کہ کس طرح فی البدیہہ منہ توڑ ہر اس بات کا فوراً جواب دیتے ہی چلے گئے۔ خدا تعالیٰ ان ہی بزرگوں کے طفیل سب کو سچی راہ ہدایت نصیب ہو۔

باطل کے پاس آخری حربہ ظلم و ستم ہی ہوتا رہا ہے۔ انہوں نے امام پر ڈھائے۔ مگر روشنی امام ہی کے نام کر لی۔ مجھے ایک گوجر خان کے راجہ صاحب نے جو آج کل برطانیہ میں مستقل رہائش پذیر ہیں اور بد دینوں کی کتابیں پڑھ کر خاصے گمراہ ہوچکے ہیں۔ کہنے لگے کہ معتزلہ نے ہی عیسائیت کے سیلاب کو روکا ورنہ ہمارے ائمہ نے تو کلمۃ اللہ کے مسئلے اور کلام اللہ کے مسئلے میں عیسائیت کو تقویت پہنچائی۔ میں نے کہا وہ کیسے کہنے لگے کہ ہمارے سب ائمہ کلام اللہ کو مخلوق نہیں مانتے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی کلمۃ اللہ اور کلام اللہ ہیں۔

قرآن مجید نے ان کو کلمۃ فرمایا اور انجیل یوحنا آیت ایک نے ان کو کلام لکھا۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ہے وکلمتہ القٰھا۔ اور یوحنا میں ہے۔ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ اور کلام خدا تھا۔ کلمہ کا معنیٰ بھی کلام ہے۔ اگر ہم اپنے ائمہ امام احمد بن حنبل وغیرہ کی مان لیں تو قرآن کے علاوہ حضرت عیسیٰ کو بھی غیر مخلوق ماننا پڑے گا اور پھر حضرت

مسیح کی الوہیت کا کیونکر انکار ہوسکتا ہے۔ عیسائیت کے اس کفریہ عقیدے کو اگر ترڈا ہے تو معتزلہ نے اس لیے ہم کلام اللہ کو حادث و مخلوق ہونے میں معتزلہ کی ماننے پر مجبور ہیں۔ نیز جبکہ خود باری تعالیٰ قرآن مجید میں بار بار فرمارہا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ جَعَلْنَا ۔ کا معنیٰ ہوتا ہے خَلَقْنَا یعنی پیدا کیا ہم نے۔ کسی چیز کو بنانا نیست سے ہست معدوم سے موجود کرنا ہوتا ہے اور یہی خلقت و پیدائش ہے۔ اس طرح کی تین آیتیں اور بھی قرآن مجید میں ہیں جن سے ثابت ہورہا ہے کہ قرآن اور کلام مخلوق ہے۔ ہم نے کہا کہ راجہ صاحب بے دینوں کی کتابیں پڑھنے سے اسی لیے میں آپ کو منع کیا کرتا تھا۔ آپ نے تو دین کے ساتھ عقل کو بھی خیرباد کہہ دیا۔ ان دونوں اعتراضوں اور اپنی پیش کردہ آیتوں کا مکمل جواب تو آپ ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں دیکھئے یہاں اتنا سمجھ لو کہ رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ فرمایا ہے کلام اللہ نہیں کہا۔ کلمۃ کا معنیٰ کلام نہیں اور اگر کسی مسلمان مترجم نے کلمۃ اللہ کا ترجمہ کلام کیا ہے تو وہ انتہائی جاہل احمق یا بے دین ہے۔ البتہ عیسائیوں نے اپنی یوحنا پہلی آیت میں یہ عبارت ضرور لکھی ہے جو آپ نے اوپر بتائی اور کلام کو ابن اللہ کہا اور مجسم مانا۔ مگر یہ سب کچھ ان کی ذاتی بناوٹ ہے۔ اب اگر معتزلہ نے انجیل کی اس عبارت اور عیسائیوں کے اس کفر کی بنا پر خلق قرآن کا عقیدہ بنایا ہے تو گویا انہوں نے عیسائیوں کی تائید کردی اور ان کی اس بناوٹ کو صدق دل سے تسلیم کرلیا اور حضرت عیسیٰ کو کلام مان لیا۔ ہمارے ائمہ رضوان اللہ علیہم نے تو حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ بھی اس معنیٰ میں نہیں مانا جس کا معنیٰ ہے ایک بات یا ایک لفظ۔ دیکھو ہمارا فتاویٰ دوم آپ کی عقل کیسی الٹی ہے کہ جن معتزلہ نے عیسائیت کی تائید و حمایت کی وہی آپ کے پیارے بن گئے اور پھر میں آپ اور معتزلہ اور عیسائیوں سے سوال کرتا ہوں کہ ذرا عقل سے سوچ کر بتایئے کہ کیا بات مجسم ہوسکتی ہے اور کیا حضرت عیسیٰ کلام ہوسکتے ہیں؟ اگر بالکل ہی عقل ماری جائے تو اس سے تو سروکار نہیں لیکن ذرا سی عقل والا بھی ہرگز ایسی جاہلانہ بات نہیں کہہ سکتا۔ غرضیکہ معتزلہ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا مگر کسی بھی دلیل سے قرآن مجید کو مخلوق ثابت نہ کرسکے اور ہر میدان میں ذلیل خوار ہوئے جن معتزلہ نے سب سے پہلے خلقِ قرآن کا مسئلہ کیا وہ دوسری صدی ہجری میں ہوئے اور زمانہ مبارکہ میں اس ہی کے پیروکار تھے۔ اس لیے اس فرقے کا نام جہمیہ مشہور ہوا۔ امام احمدؒ نے معتزلہ کے رد میں اور ان سے مناظروں کی روئداد لکھی اس کتاب کا نام بھی رسالہ رد جہمیہ اسی مناسبت سے رکھا تھا۔ صاحب تفسیر روح البیان نے روح البیان جلد چہارم صفحہ ۲۹۵ پر۔ قرآن مجید غیر مخلوق اور قدیم و کلام اللہ صفت الٰہیہ ہونے کے دلائل میں ایک دلیل یہ بھی تحریر فرمائی کہ آقائے کائنات سرور دوعالم نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم امامین کریمین جناب حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بچپن میں نظر بد سے بچنے کے لیے دم فرماتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ (رواه البخاری) استدلال اس طرح ہے کہ کلمات اللہ

سے سلطقاً رب تعالیٰ کا کلام مراد ہے یا قرآن مجید کے ہی کچھ الفاظ ہیں۔ اس لیے کہ صرف کلام الٰہی ہی تامہ کی شان والے ہیں اور وہ غیر مخلوق ہیں اس لیے کہ غیر مخلوق یعنی اللہ تعالیٰ یا اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہی پناہ مانگنی جائز ہے۔ مخلوق سے پناہ مانگنی یا مخلوق کی پناہ پکڑنی انبیاء کرام کے لیے قطعاً منع ہے۔ اگر یہ کلام اللہ مخلوق ہوتا تو اعیذُ نہ فرمایا جاتا۔ یہ دلیل صاحب تفسیر نے دی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ علم کلام کی مشہور کتاب شرح ملا صادق علی عضدیہ صفحہ ۱۹ پر ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْقُرْاٰنُ کَلَامٌ وَمَنْ قَالَ اِنَّہٗ مَخْلُوْقٌ فَھُوَ کَافِرٌ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَعَلٰی مَارُوِیَ اَنَّہٗ قَدْ طَالَ الْبَحْثُ وَالْمُنَاظَرَۃُ بَیْنَ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ الْکُوْفِیِّ وَبَیْنَ الْاِمَامِ اَبِیْ یُوْسُفَ فِیْ مَسْئَلَۃِ قِدَمِ الْکَلَامِ وَخَلْقِہٖ سِتَّۃَ اَشْھُرٍ ثُمَّ اسْتَقَرَّ رَاْیُھُمَا عَلٰی اَنَّ الْقَوْلَ بِخَلْقِہٖ کُفْرٌ (الخ)

ترجمہ۔ فرمایا حضور اقدس آقاء کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ قرآن کلام ہے اور وہ شخص جس نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ اللہ عظیم کے نزدیک کافر ہے اور ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ امام اعظم اور امام یوسف کا خلق قرآن کے مسئلہ پر چھ ماہ تک بحث اور مناظرہ ہوتا رہا (جس طرح استاد شاگرد کا ہوتا ہے) تو آخر اسی بات پر اتفاق ہوا کہ قرآن مجید قدیم ہے اور اس کو مخلوق کہنا کفر ہے اور بھی بہت سی روایت اس پر شاہد ہیں قرآن و توریت وانجیل زبور سب رب کا کلام ہے قدیم ہے مخلوق نہیں۔ غرضیکہ عقلاً۔ نقلاً۔ روایتاً۔ درایتاً۔ فکراً۔ تدبراً۔ ہر لحاظ سے قرآن مجید غیر مخلوق ہے جو اس کو مخلوق کہے وہ کفر کی حد تک گمراہ اور جاہل ہے یہ اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے۔ اب سائل کے پیش کردہ دوسرے رسائل پر صرف تبصرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت قبلہ صاحب نے تو یہاں تک مسئلہ ختم فرما کر دوسرے رسائل کیطرف توجہ فرمائی مگر ہم نے چاہا کہ اسی معتزلہ کے مسئلہ کلام الٰہی ہونے نہ ہونے کی بابت ایک اور مناظرہ بھی۔ حسن ذوق رکھنے والوں کی لذت علمی و عقلی کے پیش نظر یہاں درج کر دیا جائے۔ اس مناظرے کا پس منظر واقعات کے مطابق کچھ اس طرح ہے کہ آج سے تقریباً کچھ عرصہ پہلے راولپنڈی کے ایک مولوی صاحب جو خود تو معتزلی نہ تھے مگر معتزلہ اساتذہ سے صحبت رکھ کر کافی حد تک معتزلی بن چکے ہیں۔ اور ان کی یہ آزاد خیالی اسلام کے بہت سے مسائل میں ان کو اسلام سے بہت دور پھینک چکی ہے۔ انہوں نے برطانیہ میں ایک تقریر کے دوران یہ کفر بول دیا کہ توریت زبور۔ انجیل سابقہ کتب کلام الٰہی نہیں ہیں۔ لوگ بہت ناراض ہوئے اور بات بڑھتے بڑھتے فتوے تک پہنچ گئی۔ حضرت قبلہ مفتی اعظم اس زمانے میں نئے نئے ہی برطانیہ آئے ہوئے تھے مگر ہندو پاک کی طرح آپ کی علمی دھاک سارے برطانیہ میں بیٹھی ہوئی تھی اور تمام لوگ آپ کی

محنت اور تحقیق سے فتوای نویسی کی بنا پر تمام لوگ آپ ہی کو مرکز اہلسنت سمجھتے ہیں اور آپ کی تحریر و تقریر سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی بنا پر اگرچہ اور بھی علما برطانیہ و ہندوستان و پاکستان موجود ہیں، مگر جس محنت و جانفشانی سے مسائل اسلامیہ کا شاندار حل آپ فرماتے ہیں اس کی فی زمانہ مثال کم ملتی ہے۔ مولوی صاحب مذکور کی اس تقریری لفظوں پر بھی جب سمجھدار طبقے نے گرفت کی تو سب کا رجوع آپ کی ذات والاشان کی طرف ہی ہوا۔ تب آپ نے سب سائلین کا مکمل بیان سن کر پہلے مولوی مذکور کو ایک خط لکھا۔ جس کا متن درج ذیل ہے۔ مولوی مذکور صاحب کے نام ۔حضرت کا خط بشکل فتوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ایک مشہور عالم دین سید ۔۔۔۔۔ شاہ صاحب نے چند دن پیشتر ایک تقریر میں کہا کہ توریت زبور، انجیل کلام الٰہی نہیں ہے صرف وحی ہے۔ ہم لوگ یہ وعظ سن کر بہت حیران ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی اس بات پر الاتقان کا حوالہ پیش کیا تھا۔ ہم نے یہ بات اس سے پہلے کسی عالم دین سے نہیں سنی۔ ہمارا تو اب تک یہی ایمان ہے کہ توریت انجیل وغیرہ سب کتب آسمانی اللہ تعالٰی کا کلام ہے مولانا حضرت شاہ صاحب نے ایسی بات کہہ کر ہم کو الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ لہٰذا براہ کرم صحیح شرعی فتوی عطا فرما کر رہنمائی فرمائی جائے۔ تقریر کی ریل کیسٹ بھی حاضر خدمت ہے اس کو سن لیا جائے۔ فقط والسلام

محمد اعظم اور دیگر اہلیان ڈربی 9-11-83

بعون العلام الوھاب

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اسلامی عقائد اور حقیقت شرعیہ کے مطابق مذکورہ فی السوال بات بالکل غلط ہے اور تقریر کرنے والے کی انتہائی جہالت وبطالت ہے۔ قرآن مجید احادیث مبارکہ اور تفاسیر کے اقوال کے قطعاً خلاف ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہر انسان پر واجب ہے۔ بلکہ فرض کفایہ سے بھی زیادہ فرض عین علی جمیع المسلم ہے کہ مثل قرآن مجید کتب سابقہ توریت زبور انجیل کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان لائے۔ ایک کتاب الٰہی کے کلام اللہ ہونے کا انکار بھی کیا تو اسی طرح کفر ہے جس طرح سب کا انکار، یہ بات جو مذکور مولانا صاحب نے بیان کی ہے بہت ہی خطرناک ہے اسلام سے بہت دور لے جانے والی ہے۔ اتقان کا حوالہ دے کر مولانا مذکور نے مزید عدم تفکر کا ثبوت دیا ہے ہو سکتا ہے مولانا نے اصل اتقان کا یہ مقام اور اس کا سیاق وسباق نہ دیکھا ہو، کسی رسالے یا اخبار یا کسی دوسری کتاب سے اخذ کیا ہو۔

بہرحال یہ مولانا کا ذاتی اور بناوٹی نادانی ناسمجھی کا نظریہ ہے اور اس غلط و باطل نظریے پر اتقان کا حوالہ مفید نہیں اولاً اس لیے کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے یہ عبارت کسی اور کی جانب سے لکھی ہے کہ یہ بھی ایک قول ہے ان کی تائید اس کو شامل نہیں، دوم اس لیے کہ اس کتاب میں چند سطور پہلے قرآن مجید کے متعلق بھی اسی سے مشابہ ایک بیہودہ قول نقل کر رہے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاذ اللہ قرآن مجید بھی اصل نہیں۔ سوم اس لیے کہ امام سیوطی ان ہی صفحات پر اپنا نظریہ اس طرح بیان کر رہے ہیں کہ ہر کتاب اللہ اپنی اپنی قوم کی زبان میں نازل ہوئی نہ کہ عربی میں اور در پردہ ان اقوال کو لغو (بے کار) قرار دے رہے ہیں۔ لہٰذا ایسے لغویات کو بلا سوچے سمجھے اپنی تقریر کا موضوع بنالینا دانائی نہیں کم عقلی ہے۔ ذرا بھی غور کیا جائے تو بینہٖ لگ جاتا ہے کہ اتقان کی اس عبارت کا جو نتیجہ مولوی موصوف نے نکالا وہ ہرگز نہیں نکلتا۔ اس لغو عبارت سے بھی کسی طور پر کلام الٰہی ہونے کا انکار ثابت نہیں ہوتا اس بنا پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت مولوی صاحب نے محض جوش خطابت کے زور پر یہ نتیجہ خود پیدا کر لیا۔ حالانکہ قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہے۔ ایسی لغزشیں ہمارے شعرا اور نعت خوانوں کا تو عرصے سے طرہ امتیاز ہے مگر اب ہمارے واعظین بھی اس قسم کی چشم پوشیوں سے احتیاط نہیں کرتے۔ سائل کے حکم کے بموجب یہ چند سطور تحریر کر دیں ہیں یہ شرعی فتوٰی نہیں۔ صرف مولوی مذکور کو متنبہ کرنا اور باز پرس مقصود ہے کہ شاید ان کے پاس اس کفریہ نظریے سے بچنے کی کوئی راہ ہو۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو پوری تحقیق اور اتمام حجت کر کے اس پر مکمل مدلل باحوالہ فتوٰی پھر کبھی جاری کر دیا جائے گا۔ بہرکیف اتنی ہی عبارت پر کفایت کرتے ہوئے ہمارے مولانا موصوف کو اپنے اس بیان سے علی الاعلان رجوع فرمانا چاہیئے اور اللہ تعالٰی کے دربار میں توبہ کرنی چاہیے اور ان جیسی قوم کی رہنما ہستیوں کو رجوع کرنا دو وجہ سے اشد ضروری ہے۔ پہلی وجہ کہ کہ سنا گیا ہے کہ مولانا موصوف پیری مریدی کا کام بھی کرتے ہیں اس لیے ان کی قوم میں یہ سند کی حیثیت رکھتے ہیں اور مریدین کی نگاہ میں جو پیر کا مقام ہوتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ پیر صاحب موصوف کے عقیدت مندوں کے گمراہ ہونے کا بھی خطرہ ہے کہ کہیں وہ بھی کتاب الٰہیہ کے متعلق یہ کفریہ عقیدہ اختیار کرلیں، جب کہ سنا گیا ہے کہ مذکور خطیب صاحب کے عقیدت مند اطراف میں موجود ہیں۔ ان کو برائیوں سے بچانا حضرت کی ذمے داری ہے۔ میری یہ تحریر جلد بازی یا بلا سوچے نہیں بلکہ سائل کے سوال پر غور کرنے کے علاوہ سائل کا ہی بھیجا ہوا مولانا صاحب کا تقریری شریط (کیسٹ) کئی دفعہ بغور سنا۔ جس میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ اصل توریت وغیرہ کو وحی کہا جاسکتا ہے کلام الٰہی نہیں کہا جا سکتا وحی ہونا اور چیز ہے کلام الٰہی ہونا اور چیز ہے۔ اس کفریہ تقریر سے درستی کا کوئی پہلو نظر نہیں آیا تب یہ خط لکھا گیا اگر حضرت موصوف کو رجوع سے کوئی مانع نہ ہو تو کسی بھی معین کردہ وقت پر تحریرًا یا تقریرًا اصالتًا ہر طرح میرے پاس تشریف لاکر گفتگو فرما سکتے ہیں

یہ تحریر فتوٰی یا محاسبہ یا محاکمہ یا گرفت نہیں۔ بلکہ یہ راہ راست پر آجانے کا خیر سگالی مشورہ ہے اور مقصود فقط اصلاح ہے۔ اس خط کے بعد بہتر تو یہی تھا کہ مولوی صاحب مذکور حضرت مولانا شاہ صاحب اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے اس تقریری قول سے توبہ کر لیتے مگر انہوں نے غلط تاثر لیتے ہوئے پہلے تو کچھ دن خاموشی اختیار کی مگر پھر کسی کے اکسانے پر مناظرے کا چیلنج دے دیا۔ لیکن جب حضرت کی طرف سے انکا چیلنج قبول کر لیا گیا تو پھر بھاگ گئے اور جان چھڑاتے پھرے۔ کبھی مناظرے کی جگہ پسند نہ آئے تو کبھی مناظرے کا جج پسند نہ آئے۔ کبھی کہیں کہ اکیلے خفیہ مناظرہ کرتا ہے۔ نہ ادھر سے کوئی تیسرا نہ ادھر سے۔ غرضیکہ ہزار بہانوں سے فرار کی کوشش کریں۔ اس طرح اس بھاگ دوڑ میں تقریباً دس ماہ گزر گئے۔ آخر کار ان کی ساری شرطیں مان کر ان کو مناظرے کے لیے جکڑا گیا۔ تب کہیں جا کر مقام لیٹ حضرت محترم او بھائی اشرف صاحب کے گھر حضرت حاجی ہاشم میاں شاہ صاحب دین محمد اور اعظم خان کے زیر انتظام بتاریخ ۲۸-۱۱-۸۴ بوقت بعد نماز عشاء پوری رات مناظرہ ہوتا رہا۔ جس میں حق کی شاندار فتح ہوئی اور شاہ صاحب کے باطل اور گمراہ نظریے کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور مجبوراً ۰۰۰۰ ، شاہ صاحب کو اپنے معتزلی عقیدے سے توبہ اور رجوع کرنا پڑا۔ اس مناظرے کی مختصر روئداد مندرجہ ذیل ہے۔ ہم نے اس روئداد کو صرف اس لیے شائع کیا ہے کہ سنا ہے کہ شاہ صاحب پھر اسی عقیدے پر آگئے ہیں اور اپنی توبہ اور رجوع سے پھر گئے ہیں اور قوم کو پھر گمراہی کی طرف لے جارہے ہیں۔ حالانکہ حضرت قبلہ مفتی اعظم نے ان کو سنی بھائی سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ کافی محبت و رعایت و نرمی کا رویہ اختیار کیا تھا۔ کیونکہ مقصد رسوا کرنا نہ تھا۔ بلکہ گمراہی اور جہالت کے گڑھے میں ڈوبتے ہوئے کو بچانا مقصود تھا۔ مگر غرور و تکبر سے جب انانیت و نفسانیت غالب آجائے تو راہ سعادت مشکل سے ہی ہاتھ آتا ہے۔ اللہ تعالٰی ہی سچی راہ کی ہدایت دینے والا ہے۔

(ادارہ)

روئداد مناظرہ

(یہ مناظرہ ۲۸-۱۱-۸۴ رات میں ہوا) راولپنڈی کے مولوی صاحب نے اپنے معتزلانہ پہلے غلط عقیدے سے رجوع اور توبہ کر لی۔

ان کا پہلا عقیدہ اس طرح تھا کہ توریت زبور انجیل کو کلام الٰہی نہیں کہا جاسکتا۔ صرف وحی ہے یہ کفریہ عقیدہ تھا۔ کافی بحث و مناظرے کے بعد بُری طرح شکست کھا کر اس بُرے عقیدے سے توبہ کرکے سچا عقیدہ قبول کیا کہ توریت۔ زبور۔ انجیل اللہ تعالٰے کا کلام ہے اس کو کلام الٰہی ہی کہا جائے گا کلام الٰہی

کا انکار کرنا بے دینی ہے۔

یہ مناظرہ ؁ میں ہوا۔ مابین مولانا مولوی حضرت شاہ شاہ صاحب اور صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان صاحب بدایونی نعیمی قادری۔ اس میں اخلاقی طور پر ...... شاہ صاحب نے بہت خلاف ورزیاں بھی کیں اور جو شرطیں خود مقرر کی تھیں ان کو خود ہی توڑا مگر قبلہ مفتی صاحب نے اخلاقی طور پر سب کچھ برداشت صرف اس لیے کیا کہ کہیں مولوی شاہ صاحب کسی بہانے سے بھاگ نہ جائیں اور مناظرہ نہ ہو سکے۔ بہرکیف مناظرہ ہوا اور رات کو بعد نماز عشا اس طرح ابتدا ہوئی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ دونوں طرف سے ہر فریق اکیلا آئے کسی دوست ساتھی کو نہ لایا جائے۔ حضرت قبلہ نے تو اس شرط کو پورا کیا مگر حضرت شاہ صاحب نے بدعہدی کرتے ہوئے اپنے پچاس مولوی بلائے ہوئے تھے اپنی امداد اور گھبراہٹ کو دور کرنے کے لیے ان تمام حواریوں کے سامنے بیٹھتے ہی صاحبزادہ اقتدار احمد صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے فرمایا کہ جناب ہاشم صاحب آپ مفتی صاحب کو نصیحت فرمائیں کہ یہ ہم کو چھیڑا نہ کریں (یہ اشارہ تھا اس تقریری گرفت کی طرف) اس کا جواب فوراً مفتی صاحب نے ہنستے ہوئے دیا کہ جناب آپ کھلے عام ننگے سر برقعہ اتار کر نہ چلا کریں۔ جو برقعہ اتار کر سڑکوں پر چلتا ہے اس کو چھیڑا جاتا ہے۔ اس جواب سے ہاشم میاں صاحب اور سب ان کے ساتھی مسکرا پڑے اور شاہ صاحب شرمندہ ہو گئے۔ اس کے بعد تمام ساتھیوں کو دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا گیا اور اس ہی بند کمرے میں چار آدمیوں کی موجودگی میں باقاعدہ بحث شروع ہوئی۔ جن میں ایک ہاشم میاں بطور جج اور دوسرے بزرگ شاہد میاں صاحب اور دو شخص ٹیپ بھرنے کے لیے موجود رہے اور دونوں مناظر آمنے سامنے تشریف فرما رہے۔ پہلا سوال۔ بغیر اجازت لیے ہی شاہ صاحب نے فرمایا۔ (حالانکہ یہ جلد بازی اخلاقی طور پر آداب محفل کے خلاف اور تہذیب سے گری ہوئی تھی) کہ مفتی صاحب آپ وحی کی تعریف کریں۔

مفتی صاحب۔ یہ متنازع فیہ نہیں اس کی ضرورت نہیں آپ صرف یہ بتا دیں کہ کسی مفسر یا محدث امام۔ مجتہد عالم فقیہ نے یہ بات کہی ہے جو آپ نے کہی ہے کہ توراۃ زبور۔ انجیل کو کلام الٰہی نہیں کہا جا سکتا۔

شاہ صاحب۔ نہیں آپ وحی کی تعریف کریں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو وحی کی تعریف نہیں آتی۔

ہاشم میاں صاحب۔ شاہ صاحب آپ کسی کی معلومات پر تکرار کرکے ذاتیات پر بات نہ فرمائیں یہ آداب کے خلاف ہے۔ اصل مسئلے کی طرف رہیں۔

مفتی صاحب۔ اچھا بتائیں کہ کیا ترجمۂ قرآن مجید کو کلام الٰہی یا فقط ترجمے کا نام قرآن مجید ہو سکتا ہے۔

شاہ صاحب۔ تھوڑی دیر خاموشی) پھر فرمایا نہیں ہرگز نہیں (اور کچھ غیر ضروری باتیں) پھر کچھ سوچ کر میں

کہتا ہوں آپ پہلے وحی کی تعریف کریں۔

مفتی صاحب۔ یہ بتائیں کہ ترجمہ توریت وغیرہ کو توریت کہا جائے گا۔ (یہ ہی اصل گرفت تھی)۔

شاہ صاحب۔ (پسینہ پونچھتے ہوئے حالانکہ کافی سردی تھی)۔ میں کہتا ہوں آپ وحی کی تعریف کریں۔ اس تعریف سے سب سوالوں کا جواب آجائے گا۔

مفتی صاحب۔ بقول آپ کے جب ترجمۂ قرآن۔ قرآن نہیں تو ترجمۂ زبور، انجیل بھی زبور، انجیل نہیں ہوا۔ اور یہ بھی عقیدہ رکھیں کہ قرآن مجید کا نام کتاب اللہ ہے نہ کہ ترجمۂ قرآن کا۔ تو اس طرح زبور۔ توریت۔ انجیل کا نام کتاب اللہ ہے نہ کہ ان کے ترجموں کا اور یہ عقیدہ آپ کو مجبوراً رکھنا پڑے گا۔ ورنہ میرے ترجمۂ قرآن وانجیل کو بھی کتاب اللہ کہنا پڑے گا۔

شاہ صاحب۔ میں کہتا ہوں کہ آپ اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے وقت ضائع نہ کریں صرف وحی کی تعریف کریں۔

مفتی صاحب۔ آپ وحی کی تعریف کے پیچھے نہ پڑیں، میرے سوالوں کا جواب دیں۔ وحی کے بارے میں میرا آپ کا اختلاف نہیں ہے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ شاہ صاحب۔ جب مفتی صاحب فرما رہے ہیں کہ تعریف وحی میں کوئی اختلاف نہیں۔ تو آپ اس پر کیوں بضد ہیں۔ یہ ضد چھوڑئیے اور اصل موضوع پر آئیں۔ تاکہ گفتگو مختصر ہو اور جلد فیصلہ ہوجائے

شاہ صاحب۔ جناب ان کو وحی کی تعریف نہیں آتی۔

مفتی صاحب۔ ہم یہاں اس لیے جمع نہیں ہوئے کہ کسی کی معلومات پر بحث کی جائے یا ایک دوسرے کا علم ناپا جائے۔ مجھ کو تو بہت سی چیزیں نہیں آتیں اور آپ کو بھی ہر چیز کا علم نہیں ہے۔ اچھا آپ بتائیں کہ کیا آپ کو وحی کی تعریف آتی ہے۔

شاہ صاحب۔ ہاں آتی ہے۔

مفتی صاحب۔ کیا یہ بات لازمی ہے کہ جس کو وحی کی تعریف آتی ہو وہ توریت وغیرہ کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرے۔ اگر یہ لازم ہے تو میرا پہلا سوال اور مطالبہ بالکل ٹھیک ہے کہ آپ بتائیں کہ کسی عالم۔ امام۔ فقیہ محدث مفسر نے یہ کہا ہے کہ توریت وغیرہ کو کلام الٰہی نہیں کہا جاسکتا اور اگر یہ بات کسی نے نہیں کہی اور واقعی نہیں کہی۔ تو بقول آپ کے صحابہ سے لے کر آج تک کسی کو وحی کی تعریف نہیں آتی۔ کیونکہ اگر آتی ہوتی تو وہ بھی کلام الٰہی ہونے کا انکار کردیتے۔ چونکہ صرف ساری دنیا میں آپ کو وحی کی تعریف آتی ہے اور آپ کی ذات ہی نرالی پیدا ہوگئی ہے۔ جس کو وحی کی تعریف آگئی۔ اس لیے آپ نے فوراً کلام الٰہی ہونے کا انکار کردیا

شاہ صاحب۔ (انتہائی پریشانی کی حالت میں) میں کہتا ہوں مولانا آپ موضوع سے بھاگ رہے ہیں آپ وحی کی تعریف کریں۔

مفتی صاحب۔ آپ کی عجیب حالت ہے ابھی خود آپ فرمارہے ہیں کہ مجھ کو وحی کی تعریف نہیں آتی پھر مجھ سے ہی مطالبہ کررہے ہو۔ اب تو میرا مطالبہ ہے کہ کسی اور بزرگ کو بھی وحی کی تعریف آتی ہے اور اس نے بھی اس تعریف کی بنا پر توریت کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا ہے کہیں تو کسی کا قول دکھاؤ ایک منٹ میں ابھی مناظرہ ختم ہوجاتا ہے۔ یعنی جس تعریف کی بنا پر آپ کلام الٰہی کا انکار کررہے ہیں وہ انکار کسی اور کا بھی دکھادو بس مختصر سی بات ہے۔

شاہ صاحب۔ میں نے جو یہ کہا ہے کہ آپ کو وحی کی تعریف نہیں آتی۔ وہ اس لیے کہا ہے کہ اگر آپ کو وحی کی تعریف آتی ہوتی تو آپ میری تقریر سن کر مجھے فتوای نہ لگاتے۔

مفتی صاحب۔ میں نے تو آپ پر کوئی فتوای نہیں لگایا۔ وہ تو ابھی لگانا ہے۔ اگر آپ نے ثابت بھی نہ کیا اور رجوع توبہ بھی نہ کی تو فتوئے شرعی ضرور لگایا جائے گا۔ تاکہ قوم آپ کی گمراہی سے بچے اور کلام الٰہی پر صحیح ایمان لائے۔

شاہ صاحب۔ نہیں آپ نے مجھ پر فتوای لگایا ہے اور مجھ کو آپ نے اس فتوے میں کافر کہا ہے۔

مفتی صاحب۔ نہیں میں نے ابھی کوئی فتوے نہیں لگایا۔ میری جو تحریر آپ کے پاس پہنچی ہے اس میں آپ کے عقیدے کے بارے میں استفسار ہے اور یہ پوچھنا ہے کہ کیا واقعی آپ کا وہی عقیدہ ہے جو آپ نے تقریر کی ہے یا محض جذباتی بات منہ سے نکل گئی ہے۔ فقط اسی کی وضاحت آپ سے طلب کی گئی ہے۔ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ فتوای کس طرح لگایا جاتا ہے۔ ہمیشہ اصول شرعی یہ ہے کہ مدعی کی بات سن کر مدعی علیہ سے پوچھا جاتا ہے پھر جرم ثابت ہونے پر فتوای لگایا جاتا ہے۔ یہ مناظرہ یا بحث اسی تفتیش کی ضمن میں ہے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ اچھا شاہ صاحب آپ دکھائیں کہ مفتی صاحب نے کہاں کفر کا فتوای لگایا ہے اور آپ کو کافر کیا ہے۔

شاہ صاحب۔ دیکھو مفتی صاحب نے اپنے اس فتوٰی میں لکھا ہے کہ ایک کتاب الٰہی کے کلام اللہ ہونے کا بھی انکار کیا تو اسی طرح کفر ہے جس طرح سب کا انکار کفر ہے۔

سید ہاشمی میاں صاحب۔ یہ بات تو مفتی صاحب نے اپنی طرف سے نہیں کی یہ تو جمہور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے۔ کیا آپکو اس سے انکار ہے۔ اس کا جواب شاہ صاحب نے کچھ نہیں دیا اور پریشانی سے نگاہیں نیچی کرلیں۔

مفتی صاحب۔ حضرت شاہ صاحب۔ میری دعا ہے کہ خدا کرے آپ پر فتوای نہ لگے۔ آپ کو پتہ ہی نہیں کہ فتوئی شرعی ہوتا کیا ہے۔ اچھا بتائیں کہ آپ نے جو کہا ہے اپنی تقریر میں کہ انبیاء کرام نے ترجمہ کرکے قوم کے سامنے پیش کیا تو بتایئے کہ موسیٰ علیہ السلام داؤد علیہ السلام اور عیسٰی علیہ السلام نے کہاں بیٹھ کر ترجمہ کیا کس چیز پر لکھا اور کس کو اٹھا کر دیا اور وہ تختیاں جو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے اور وہ کاغذات جس پر زبور لکھی ہوئی نازل ہوئی تھی اللہ کی طرف سے وہ کہاں گئے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان کو خود ہی ترجمہ کرکے کیوں نہ بھیجدیا انبیاء کرام کو زحمت کیوں دی گئی اور کیا اس وقت بنی اسرائیل کو پتہ لگ گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اصل کتاب ہم کو دکھائی تک نہیں۔ ترجمہ کرکے کہہ رہے ہیں کہ یہ رب کی کتاب ہے۔ کیا اس وقت کسی بنی اسرائیل نے اعتراض کیا تھا کہ ہم آپ کے ترجمے کو نہیں مانتے ہم کو اصل کتاب دکھاؤ ہم خود ترجمہ کرالیں گے یا کہ ان کو اس ترجمہ کرنے کا پتہ ہی نہ چل سکا اور آج آپ کو پتہ لگ گیا۔

شاہ صاحب۔ (کافی پریشان ہوکر) میں یہ نہیں بتا سکتا میں تو صرف یہ بتاؤں گا کہ انبیاء کرام نے ترجمہ کرکے اپنی قوم کو دیا۔

مفتی صاحب۔ اولاً تو آپ پر فرض ہے کہ میرے سب سوالوں کا مدلل جواب دیں۔ لیکن میں آپ کو بقول آپ کے زیادہ نہیں چھیڑتا۔ لھذا آپ یہ ہی دکھادیں۔

شاہ صاحب۔ دیکھئے یہ اتقان ہے اس کے صہ۴۶ پر ہے۔ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنِ السُّفْیَانِ الثَّوْرِیِّ قَالَ لَمْ یَنْزِلْ وَحْیٌ اِلَّا بِالْعَرَبِیَّۃِ ثُمَّ تَرْجَمَ کُلُّ نَبِیٍّ لِقَوْمِہٖ۔

مفتی صاحب۔ حضرت آپ کے پاس تو فقط یہ ایک ہی سفیان ثوری کا قول ہے اور اسی نے آپ کا ستیاناس کردیا ہے۔ مگر میرے پاس زیادہ قول ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ توریت وغیرہ عربی میں نازل نہیں ہوئیں۔ بلکہ عبرانی میں وسریانی وغیرہ میں اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں ہیں وہ تمام دلائل دحوالاجات ایک کاغذ پر لکھ کر لایا ہوں آپ وہ دیکھیں اور نمبر وار ان کا جواب دیتے چلے جائیں۔ اس طرح بہت جلد کوئی فیصلہ ہو جائے گا۔

شاہ صاحب۔ نہیں میں نہیں دیکھتا مجھے آپ کے دلائل کی حقیقت معلوم ہے۔ آپ میرے دلائل سنیں میرے پاس صرف ایک ہی قول نہیں بلکہ بہت روایتیں ہیں۔

مفتی صاحب۔ لیکن میرے دلائل سننے میں کیا حرج ہے۔ حوصلہ رکھیے گھبرانا تو نہیں چاہیئے۔ اس پر کافی دیر بحث چلتی رہی۔ مفتی صاحب اپنا پرچہ پڑھنے لگیں تو شاہ صاحب اپنی کتاب کی عبارت شروع کردیں۔ تب مفتی صاحب نے ہاشمی میاں صاحب سے کہا کہ حضرت ان کو روکیے یہ تو اچھی بات نہیں۔

ہاشمی میاں صاحب۔ قبلہ شاہ صاحب اس طرح تو سات دن لگے رہو گے۔ تب بھی فیصلہ نہ ہوگا پھر شاہ صاحب بمشکل مفتی صاحب کے دلائل سننے پر راضی ہوئے۔ مفتی صاحب نے نمبر وار پڑھ کر سنائے

شاہ صاحب۔ جن کتابوں کے نام آپ نے حوالوں میں درج کیے ہیں کیا وہ کتابیں لے کر آئے ہو۔

مفتی صاحب۔ کچھ کتابیں لایا ہوں اور کچھ کتابیں آپ کے پاس ہیں۔ میں ان شاء اللہ تعالٰی آپ کی ہی کتابوں میں سے آپ کی پوری تسلی کردوں گا اور اگر کوئی کتاب میرے حوالے والی آپ کے پاس نہ ہوئی تو میرے ذمے ادھار رہے گا۔

شاہ صاحب۔ کتاب نہ ہونے کا بہانہ نہیں چلے گا۔ یہ پہلے بات ہو چکی ہے کہ کتاب نہ ہونے کا عذر نہیں چلے گا کیوں۔ ہاشمی میاں صاحب قبلہ یہ بات ہوئی ہے یا نہیں۔

ہاشمی میاں صاحب۔ ہاں ہوئی ہے۔

مفتی صاحب۔ یہ بات آپ کے درمیان خفیہ ہوئی ہوگی مجھ کو تو کوئی علم نہیں نہ مجھ کو بتایا گیا۔ اس کے علاوہ اور نہ جانے کتنے خفیہ معاہدے آپ لوگوں نے کر رکھے ہیں۔ مناظرے سے فرار وغیرہ کے لیے مجھ کو کیا علم۔ اور پھر جو شرائط علی الاعلان کی گئیں ہیں ان پر آپ کب کاربند نظر آرہے ہیں۔ کیوں ہاشمی۔ میاں صاحب۔ کیا کتابوں کا یہ معاہدہ مجھ کو بتایا تھا۔ ہاشمی میاں صاحب نے نگاہیں نیچی رکھیں اور کوئی جواب نہ دیا۔

مفتی صاحب۔ آپ لوگوں نے موجودہ وعدوں کی بھی سراسر خلاف ورزی کی ہے۔ وعدہ تھا بلکہ آپ کی ہی طرف سے پابندی تھی کہ کسی کے ساتھ دو طرفہ سے کوئی شخص نہیں آئے گا۔ ہر فریق تنہا دلائل کے ساتھ آئے گا مگر یہاں مخالف فریق کا جمگھٹ لگا ہوا ہے۔ جبکہ میرے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں۔ لیکن بحمدہٖ تعالٰی مجھ کو کوئی پریشانی نہیں۔ آپ ہی خواہ مخواہ پریشانی ظاہر فرمارہے ہیں۔ اچھا چلیے بات شروع کیجئے۔ کتنا وقت ضائع ہوگیا۔

شاہ صاحب۔ (مفتی صاحب کا دلائل والا کاغذ ہاتھ میں لے کر پڑھتے ہوئے) یہ آپ کی پہلی تین دلیلیں دراصل ایک دلیل ہے جس کو آپ نے تین دلیلیں بنا دیں گویا ایک دلیل کے تین حصہ ہیں۔ آپ نے دلیل ۲: میں جن تفسیروں کے نام سے حوالے لکھے ہیں وہ لائے ہیں۔

مفتی صاحب۔ آپ جانتے ہیں کہ میرا کتب خانہ یہاں برطانیہ میں میرے پاس نہیں ہے بلکہ پاکستان میں ہے یہاں مجھ کو یہ کتابیں میسّر نہیں آئیں مگر بحمد اللہ تعالٰی حوالے سب درست ہیں میں نے ہر کتاب کا جلد اور صفحہ نمبر درج کیا ہے۔ آپ کے پاس ان میں سے جو تفاسیر وغیرہ ہیں ان میں دیکھ لیں۔ شاہ صاحب کچھ تفاسیر ملاحظہ کرتے ہیں۔ حوالے سب درست نکلے۔

شاہ صاحب۔ آپ نے دلیل نمبر ۲ میں لکھا ہے کہ کچھ مفسرین نے صیغۂ تمریض سے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے طور پر رب کا کلام اپنے کانوں سے سنا۔ یہ آپ نے کیوں لکھا۔

مفتی صاحب۔ اوّلاً اس لیے کہ جن مفسرین نے یسمعون کلام اللہ سے۔ طور والے کلام کا ذکر کیا وہ اس کو اپنا دوسرا قول بناتے ہیں اور فقہاء کرام کے نزدیک دوسرا قول مصنف کے نزدیک معتبر نہیں ہوتا۔ اس کا اپنا تائیدی قول پہلا ہوتا ہے۔ دوم اس لیے کہ اس لغو اور باطل قول کو کسی نے قیل سے اور کسی نے قال بعضٌ اور کسی نے قال آخرون سے ذکر کیا اور یہ تینوں صیغے تمریض کے ہیں جو معتبر نہیں ہوتے۔

شاہ صاحب۔ آپ نے اپنی اسی نمبر ۲ دلیل میں تفسیر طبری کا حوالہ دیا ہے۔ وہ میرے قول کی بڑی شاندار تائید فرماتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے بھی اس کو قال آخرون سے شروع کیا اور دوسرا قول بنایا۔ اس طرح آپ کے یہ دونوں نظریے غلط ہو جاتے ہیں۔

مفتی صاحب۔ یہ نظریے میرے نہیں بلکہ فقہا اور محدثین نے وضع فرمائے۔ یہ میں پھر کبھی دکھا دوں گا۔

شاہ صاحب۔ ابھی دکھائیں یہ پھر والا بہانہ نہیں چلے گا۔

مفتی صاحب۔ یہ ایک ضمنی بات ہے۔ موضوع مباحثہ نہیں ہے اس لیے ان حوالوں کی کتابیں لانا ضروری نہیں۔ دوران گفتگو بہت سی غیر متعلق باتیں ہو سکتی ہیں۔ تو ان کا حوالہ دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ آپ خواہ مخواہ بحث کو طول دے کر وقت ضائع کر رہے ہیں۔

ہاشمی میاں صاحب۔ ہاں شاہ صاحب موضوع کی طرف آئیں غیر ضروری باتوں سے بچیں۔

مفتی صاحب۔ میرا گمان ہے کہ طبری نے ایسی لغو تائید نہیں کی ہوگی۔ اچھا لاؤ دکھاؤ حوالہ

شاہ صاحب۔ لیجیے جناب طبری۔ (اور پہلے خود عبارت پڑھی)

مفتی صاحب۔ لائیے میں خود پڑھوں۔ اس وقت حضرت نے کافی دیر تک طبری کا مطالعہ کیا اور شاہ صاحب بار بار فرماتے رہے کہ حضرت صاحب جلدی کیجیے۔ ہاں حضرت جی آگے حوالہ سناؤں۔ اور مفتی صاحب فرماتے رہے۔ صبر کیجیے حضرت صاحب۔ گھبراہٹ لگی ہے اور آپ کی نگاہیں کتاب پر جمی رہیں۔ کچھ دیر کے بعد مفتی صاحب نے کتاب واپس کرتے ہوئے۔ فرمایا۔ میں نے پہلے اس کتاب کا بنظر عمیق سیاق و سباق سے مطالعہ نہیں کیا تھا اس لیے میرا گمان ہوا کہ اس نے بیہودہ بات کی تائید نہیں کی ہوگی۔ لیکن اب بغور پڑھنے سے پتہ چلا کہ اس نے واقعی اس بات کی تائید کر دی کہ طور پر بنی اسرائیل نے کلام سنا تھا مگر یہ ہے غلط۔ ان ہی بے عقل مصنفین

تے تو آپ لوگوں کو گمراہی کا سہارا دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جتنے بھی گستاخ سے گستاخ فرقے پیدا ہوئے ان کی جڑیں ان ہی کتابوں سے پھوٹتی ہیں۔ ہر گستاخ اپنی کن مانی گستاخیوں کے لیے ان لوگوں کی کتابوں کا سہارا لے کر نیا مذہب بنالیتا ہے۔ آج مسلمانوں میں جتنا اختلاف ہے ہر بات میں اتنا کسی مذہب میں نہیں۔ کوئی بات ایسی نہیں جس میں اختلاف نہ ملتا ہو کہیں سر جوڑ کر بیٹھنا نصیب نہیں۔ اللہ رحم کرے بہرکیف طبری کہے یا کوئی اور میں ہرگز اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ بنی اسرائیل نے رب تعالیٰ کا کلام اپنے کانوں سے سن لیا۔

شاہ صاحب۔ کیوں غلط ہے۔ آپ کیوں تسلیم نہیں کرتے؟

مفتی صاحب۔ اس لیے کہ تفسیر طبری والے نہ جانے کس عقیدے کے ہیں۔ مذہبًا غیر مشہور شخصیت ہیں۔ لیکن مشہور امام اہل سنت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۵۱ پر طبری کے اس نظریے کو غلط قرار دیا۔ نیز علاوہ ازیں تفسیر بیضاوی نے صفحہ ۲۲۳ پر اور اسی کے حاشیے شیخ زادہ نے صفحہ ۲۲۳ پر امام قرطبی کے حوالے سے اس کو غلط فرمایا۔ حالانکہ یہ اہل سنت کے ائمہ افتا ہیں۔

شاہ صاحب۔ مگر میں امام غزالی، امام قرطبی اور تفسیر بیضاوی کو نہیں مانتا۔

مفتی صاحب۔ آپ کیوں نہیں مانتے؟

شاہ صاحب۔ اس لیے کہ طبری والا یہ قول حضرت ابن عباس صحابی رسول کا ہے۔ یہ دیکھئے تفسیر خازن جلد اول صفحہ ۹۶ لکھا ہے۔ اِسْتَدَلَّ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ (الخ) کیا آپ صحابی رسول کی روایت کو غلط کہتے ہو۔

مفتی صاحب۔ ہم صحابی رسول پاک کی بات مانیں یا اللہ تعالیٰ کی اور نبی کریم کی۔ اللہ رسول فرماتے ہیں کہ کلیم اللہ صرف موسیٰ علیہ السلام ہیں بس فقط۔ اور بقول آپ کے ابن عباس فرماتے ہیں کہ کلیم اللہ ستر بنی اسرائیل بھی ہیں۔ امام غزالی امام قرطبی وغیرہ ائمہ کرام نے اسی فرمان خدا اور رسول کی بنا پر ابن عباس والے قول کو چھوڑ دیا۔ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ و رسول اللہ کے حدیث و قرآن میں یہ بات نظر نہیں آئی کہ کلیم اللہ صرف موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ نے بس ایک ہی اتقان کی بات کو پلے باندھ لیا نہ عقل سے کام لیا نہ غور و فکر تدبر فرمایا۔

شاہ صاحب۔ صرف اتقان کی بات نہیں میرے پاس اور بھی کتابیں ہیں ان میں بھی لکھا ہے کہ انبیاء نے ترجمہ کر کے پیش کیا۔ لو دیکھتے جاؤ۔ مولانا میں نے تین مہینے محنت کی ہے میں آپ سے ہر بات کتاب کی زبان کر رہا ہوں۔

مفتی صاحب۔ پتہ نہیں کیا محنت کی ہے۔ اتنی ڈھیر ساری کتابیں لاکر چل پڑے مگر ابھی تک ایک بھی ایسا حوالہ پیش نہ کرسکے جس سے ثابت ہو کہ توریت وغیرہ کتب الٰہیہ کو کلام الٰہی نہیں کہا جاسکتا اور پھر دکھاؤ گے کہاں سے جب کہ یہ کفریہ بات سوائے آپ کے کسی نے کہی ہی نہیں۔

شاہ صاحب۔ مولانا تیزی دکھانے سے کام نہیں چلے گا۔ میں آپ سے کتاب کی زبان میں بات کررہا ہوں (یہ کلمہ نہایت تکبرانہ لہجے میں دوران بحث شاہ صاحب نے کئی دفعہ ادا کیا حالانکہ پسینے چھوٹے ہوئے تھے) اچھا لیجیے یہ کتاب پڑھیے۔

مفتی صاحب۔ آپ خود پڑھ کر سنایئے۔ قبلہ ہاشمی میاں صاحب آپ ذرا عبارتوں پر غور فرمانا اور پھر شاہد صاحب کی علمیت کا اندازہ لگانا۔ (شاہ صاحب چار کتابوں کی عبارتیں پڑھتے ہیں اور چاروں میں سفیان ثوری کا قول پڑھ کر سناتے ہیں)

شاہ صاحب۔ دیکھا آپ نے کیسی صاف عبارتیں ہیں۔

مفتی صاحب۔ آپ نے جو عبارتیں پڑھی ہیں ان میں ہر کتاب والے نے توریت و زبور وغیرہ کے متعلق چار اقوال نقل فرمائے کہ فلاں عالم نے یہ کہا فلاں نے یہ فلاں نے یہ اور سفیان ثوری نے یہ کہا۔ ترجمہ کرنیوالا قول کس کی طرف منسوب ہوا۔ ہر کتاب نے کہا کہ یہ قول صرف اور صرف سفیان ثوری کا ہے۔ اتقان میں بھی انہیں کے حوالے سے درج ہے۔ شاہد رضا نعیمی صاحب قبلہ اور ہاشمی میاں صاحب آپ خود دیکھ لیں۔

ہاشمی میاں صاحب اور شاہد رضا نعیمی صاحب۔ ہاں واقعی شاہ صاحب یہ تو صرف ایک شخص کا قول سب نے نقل کیا۔

شاہ صاحب۔ مگر اپنی تائید میں درج کیا ہے۔ سب اس کی تائید کررہے ہے۔

مفتی صاحب۔ یہ آپ کی ناسمجھی ہے۔ ورنہ ہرگز تائید نہیں۔ کہیں تائید ثابت نہیں۔ تائید یہ ہے کہ کوئی کہے کہ یہ قول صحیح ہے یا اولیٰ ہے یا المفتی بہ ہے۔ چلیے اسی بات پر فیصلہ ہو جائے گا آپ کے حق میں کہ آپ کہیں سے دکھادیں کہ کسی نے سفیان ثوری کی تائید کی ہو۔ قول درج کردینا تائید نہیں ہوتی۔ مجھے یقین ہے کہ قیامت تک آپ تائید نہ دکھاسکیں گے۔

شاہ صاحب۔ آپ کے دادا استاد صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

مفتی صاحب۔ قطعاً غلط۔ اچھا دکھایئے۔

شاہ صاحب۔ آیت وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ (الخ) کی تفسیر میں صدر الافاضل آپ کے دادا

استاد فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں یہ معنی بھی آئے ہیں کہ ہر وحی عربی میں نازل ہوئی۔ پھر انبیاء نے اس کا ترجمہ کرکے قوم کو سنایا۔ پھر صدر الافاضل نے اس کی تائید ان لفظوں سے کی کہ اس سے ثابت ہوا کہ عربی زبان سب سے افضل ہے۔

مفتی صاحب۔ اس سے ثابت ہوا کہنا۔ تائید نہیں بلکہ قول والے کا مدعا اور مطلب بیان کرنا ہے یعنی جس نے یہ بات بنائی ہے اس کے دل میں عربی کی یہ اہمیت ثابت کرنا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ آپ کہیں کہ ابھی سورج نکلا ہے۔ تو میں کہوں کہ آپ کی بات سے ثابت ہو رہا ہے کہ دن نکلا ہوا ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس وقت آدھی رات ہے۔ تو میرا یہ کہنا تائید نہیں شاہ صاحب ان طفلانہ حرکتوں سے بات نہیں بنے گی اگر آپ کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ آپ کتاب کی زبان سے برستے ہیں تو اپنے سفیان ثوری صاحب کی تائید میں ان ہی لفظوں سے کسی کتاب کی زبان کھولیے جو تائیدی لفظ فقہاء کی اصطلاح میں مروج ہیں (مفتی صاحب نے یہ سوال اور مطالبہ کئی دفعہ کیا اور دیگر حاضرین نے بھی کیا مگر شاہ صاحب اس کو نظر انداز کرتے رہے اور کوئی جواب نہ دیا اور دیتے بھی کیا خاک جب کسی جگہ اس غلط بات کی تائید ہے ہی نہیں) پھر مفتی صاحب نے فرمایا کہ شاہ صاحب کتنے ظلم اور زیادتی کی بات ہے کہ صدر الافاضل تو سفیان ثوری کی اس عربی عبارت سے صرف یہ ثابت کریں کہ عربی زبان افضل ہے۔ مگر آپ اسی اتقان کے اس قول کا سہارا پکڑ کر کلام الٰہی ہونے کا ہی انکار کردیں۔ اچھا چلیے کچھ اور رعایت دیتا ہوں آپ کسی اور کا حوالہ نہیں سفیان ثوری صاحب کا یہ قول دکھادیں کہ انہوں نے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا ہو۔ یہیں فیصلہ ہوجاتا ہے۔

شاہ صاحب۔ میں یہ نہیں دکھا سکتا۔ انہوں نے یہ نہیں لکھا۔

مفتی صاحب۔ تو آپ نے کیوں انکار کیا۔

(یہاں سے شاہ صاحب کا رجوع شروع ہوا)

شاہ صاحب۔ میں نے کب انکار کیا۔ میں نے تو اس کو وحی الٰہی کہا ہے اور وحی بھی کلام الٰہی ہوتی ہے آپ کو چونکہ وحی کی تعریف نہیں آتی اس لیے آپ نے مقصد غلط سمجھ کر مجھ پر فتویٰ لگادیا۔

مفتی صاحب۔ اچھا اب ان شاء اللہ سیدھے راستے پر آرہے ہو۔ یہ بات جو آپ نے اب کہی ہے کہ وحی الٰہی بھی کلام الٰہی ہوتا ہے۔ یہ الفاظ آپ کی اس قابل گرفت اور کفریہ تقریر میں کہیں بھی نہیں ہیں بلکہ وہاں تو صاف کہا ہے کہ وحی الٰہی ہونا اور چیز ہے کلام الٰہی ہونا اور چیز ہے کیا آپ کو اپنی تقریر

یاد نہیں۔

شاہ صاحب۔ یہ بات نہیں بلکہ میں نے وہ تقریر ہو بہو نوٹ کی ہے۔ یہ دیکھو۔ (ایک پرچہ دکھاتے ہوئے)

مفتی صاحب۔ کیا آپ نے پوری دیانت داری سے نوٹ کی ہے میرے پاس آپ کی اس تقریر کی کیسٹ موجود ہے۔ اچھا قبلہ ہاشمی میاں صاحب آپ ذرا دیکھیں کہ کیا اس میں یہ الفاظ ہیں کہ وحیِ الٰہی بھی کلام الٰہی ہوتا ہے۔ شاہ صاحب اگر آپ یہ بات اس وقت تقریر میں فرما دیتے تو پھر اتنا جھگڑا ہی کیوں ہوتا۔

ہاشمی میاں صاحب۔ (کاغذ دیکھ کر) یہ بات تو اس میں نہیں ہے۔ صاف کلام الٰہی ہونے کا انکار ہی ہے اور لکھا ہے کہ کلام الٰہی نہیں کہا جاسکتا۔

شاہ صاحب۔ حضرت سفیان ثوری کی روایت میں یہ معنیٰ ظاہر ہو رہے ہیں کہ ترجمہ کلام کلام لفظی نہیں رہتا کلام معنوی ہو جاتا ہے اور یہی میرا ما فی الضمیر ہے۔ جس کا اشارہ میں نے آگے کر دیا ہے جہاں میں نے حدیث قدسی کا ذکر کیا ہے۔

مفتی صاحب۔ یہ باتیں آپ اب گھبرا کر بنا رہے ہیں۔ آپ کی تقریر میں نہیں ہیں اگر آپ اس طریقے سے بھی رجوع کرنے پر آمادہ ہیں اور اپنے دل میں آپ اپنی غلطی کے معترف اور شرمندہ ہیں تو ہمارا کوئی اختلاف نہ رہے گا۔

شاہ صاحب۔ میرا مقصد یہی تھا کہ کلام لفظی نہیں کہا جاسکتا۔

مفتی صاحب۔ تو یہ مقصد ظاہر کیوں نہیں کیا ظاہرًا تو آپ کی بات بالکل انکار کلام الٰہی ہے۔ لفظی معنوی کی کوئی قید نہیں۔ (ہم سے مفتی صاحب نے بعد میں فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو لفظی معنوی کی بحث میں ان کو مزید رگڑ دیتا کہ قرآن مجید کس قسم کا کلام الٰہی ہے لفظی یا معنوی کیونکہ اپنی تقریر میں انہوں نے قرآن کریم کو کلام ہی تسلیم کیا ہے۔ توریت وغیرہ کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید بھی کلام نفسی یعنی معنوی ہے نہ کہ لفظی۔ مگر اس بحث کا وقت نہیں تھا۔ نیز شاہ صاحب ویسے ہی گھبراتے ہوئے تھے)

شاہ صاحب۔ بہر حال میرے پاس اپنے موقف پر بہت مضبوط دلائل ہیں۔

مفتی صاحب۔ (مسکراتے ہوئے) دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔ سوائے سفیان ثوری کے ایک خود ساختہ قول کے آپ کے پاس اور کیا ہے۔ یا ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول ہے۔ ان ڈھیر ساری کتابوں میں سے آپ نے ابھی تک اس کے علاوہ کیا دکھایا۔ جبکہ میرے

دلائل ہیں قرآن مجید، حدیث پاک، تفسیر روح البیان۔ تفسیر جمل۔ شرح عقائد نسفی، تفسیر ابن کثیر اور مختلف مفسرین کے اپنے اقوال ہیں۔

شاہ صاحب۔ روح البیان اور جمل وغیرہ کے اقوال معتبر نہیں۔ سفیان ثوری کا قول زیادہ معتبر ہے۔

مفتی صاحب۔ کیوں۔ اس کی کیا وجہ۔ کیوں معتبر نہیں؟

شاہ صاحب۔ اس لیے کہ آپ کی دلیلیں مفسرین کے اقوال ہیں اور میری یہ دلیل روایت کیونکہ یہاں ہے۔ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ اور اَخْرَجَ۔ سے روایت مراد ہوتی ہے۔

مفتی صاحب۔ قبلہ شاہ صاحب معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف پیر ہیں عالم نہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ روایت۔ درایت۔ اثر۔ خبر۔ اَخْرَجَ۔ حَدَّثَ۔ حَدَّثَنَا۔ اَخْبَرَنَا اور عَنْ فُلَانٍ قَالَ فُلَانٌ میں کیا اور کتنے فرق ہیں۔ (اس پر کافی دیر بحث اور تلخ کلامی ہوئی)

ہاشمی میاں صاحب۔ بھئی یہ بات موضوع سے بہت دور ہے۔ اصل موضوع پر بات کیجیے۔

شاہ صاحب۔ مفتی صاحب اپنے الفاظ واپس لیجئے۔ (مراد وہ لفظ ہیں جو مفتی صاحب کا حوصلہ بھانگر کچھ نہ کہا نہ غصہ منایا)

مفتی صاحب۔ آپ اپنی کفریہ تقریر سے توبہ کیجیے۔ میں اپنے الفاظ واپس لے لوں گا۔

شاہ صاحب۔ نہیں۔ اپنے الفاظ واپس لو۔ ورنہ میں کوئی بات نہ کروں گا۔

مفتی صاحب۔ کیا یہ بلا وجہ ضد بھی فرار کا بہانہ ہے۔ اچھا چلیے میں نے اپنے الفاظ واپس لے لیے۔ بس میرے سوالات کا جواب دیجئے۔

شاہ صاحب۔ آپ نے تو بلا سوچے سمجھے صحابی رسول حضرت ابن عباس کا فرمان غلط کہہ دیا۔ مگر شریعت میں جو مقام ابن عباس کا ہے وہ کسی کا نہیں۔ تمام علما فقہا کے نزدیک ان کا قول ہی معتبر ہے۔ دیکھیے یہ کتاب اس کو پڑھیے۔ (بڑے فخر و غرور سے) ویسے مولانا آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ ہماری بات کتاب کی زبان میں بولتا ہوں۔ اور ہر بات میں میں نے حوالہ پیش کیا ہے۔

مفتی صاحب۔ (مسکراتے ہوئے) جی ہاں۔ لیکن کتاب آپ کی زبان میں نہیں بولتی۔ حضرت کتابیں لاد لینے کا نام علم نہیں انکے سمجھنے تدبر و تفکر کرنے کا نام علم ہے اور یہی کچھ آپ کے پاس نہیں۔ اچھا لائیے۔ دکھایئے کتاب۔ (کتاب پڑھکر) حضرت میں نے سچ کہا کہ کتاب آپ کی زبان میں نہیں بولتی آپ نے اپنی اس کتاب کو خود بھی غور سے صحیح نہیں پڑھا۔ دیکھئے ساتھ ہی اگلی سطور میں لکھا ہے۔ رَجَّحَ الشَّافِعِیُّ اَبَا زَیْدٍ (الخ) یعنی یہ ٹھیک ہے کہ کچھ لوگ ابن عباسؓ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

مگر امام الفقہ امام شافعی ابن عباسؓ کے قول کو معتبر نہیں سمجھتے وہ حضرت امام ابوزید کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ دیکھئے آپ کی ہی کتاب آپ کے مخالف ہوگئی۔ آپ نے یہ تو اندازہ لگا لیا ہوگا کہ کتنی دفعہ میں نے آپ کی ہی کتابوں سے آپکے خلاف حوالہ نکالا۔ آپ کہتے ہیں کہ میں کتاب کی زبان بولتا ہوں حالانکہ مجھکو آپکی تمام گفتگو سے اندازہ ہو گیا کہ آپ پنجابی اور اردو کی زبان سے بولتے ہیں۔ ابھی تک آپ نے ایک بھی صاف حوالہ نہ دکھایا جبکہ میرے حوالے شیشہ کی طرح صاف ہیں۔

شاہ صاحب۔ آپ کا کوئی حوالہ معتبر نہیں۔ جتنے حوالے آپ نے پیش کیے ہیں وہ میری پیش کردہ روایت کے خلاف ہیں۔

مفتی صاحب۔ اور یہی میری حقانیت کی دلیل ہیں کہ سب اکثریت کی تائید میرے ساتھ ہے۔ اب جناب فیصلہ کن بات سنیئے میرا آپ کا دو باتوں میں اختلاف ہے نمبر ا توریت وغیرہ کلام الٰہی ہے۔ آپ کہتے ہیں نہیں ہے۔ لیکن جناب میری دلیل نمبر ا قرآن مجید میں ہے یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰہِ (الخ) سب مفسرین نے میری تائید کی کہ فرمایا۔ یہاں توریت مراد ہے۔ صرف تفسیر ابن عباسؓ نے نہ مانا تو امام غزالی وغیرہ بہت سے ائمہ اسلام نے رد کر دیا۔ یہ کتنی صاف اور مضبوط دلیل ہے۔ آپ بھی قرآن مجید سے کوئی ایسی صاف آیت دکھاؤ جس سے ثابت ہو کہ توریت کلام الٰہی نہیں۔

نمبر ۲ دوسری دلیل۔ حدیث پاک نے بتایا کہ عربی میں صرف قرآن مجید نازل ہوا۔ میرے پرچے میں لکھی ہوئی۔ اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلٰثٍ۔ والی حدیث پاک پر غور کیجئے۔ آپ بھی کوئی ایسی ہی واضح حدیث دکھائیے جس سے صاف ظاہر ہو کہ توریت انجیل عربی میں اتری ہیں۔ صرف سفیان ثوری صاحب کی بات ہم نہیں مانتے نمبر ۳ دلیل سوم شرح عقائد نے فرمایا بِاَنَّ الْکُلَّ مُتَّحِدٌ فِیْ کَوْنِھَا کَلَامَ اللّٰہِ غَیْرَ مُتَفَاوِتَۃٍ فِیْ تِلْکَ الصِّفَۃِ (الخ) یہ عقیدے کا مسئلہ ہے کم از کم آپ کتاب العقائد سے ہی کوئی دلیل دکھادو۔ جس سے ثابت ہو کہ توریت کو کلام الٰہی نہیں کہا جاسکتا۔ نمبر ۴ دلیل چہارم۔ تفسیر حسینی والے۔ وَکُتُبِہٖ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ اَنْ یَّعْتَقِدَ اَنَّھَا حَقٌّ وَّ کَلَامُ اللّٰہِ۔ آپ بھی کسی تفسیر سے دکھادیں کہ کسی نے لکھا ہو اِنْ یَّعْتَقِدَ اَنَّھَا لَیْسَ بِکَلَامِ اللّٰہِ میرے اتنے کثیر اور اتنے صاف دلائل کو آخر کیوں نہیں مانتے ضد پر کیوں اڑ گئے ہو۔ حضرت میں آپ کا دشمن نہیں۔ میں تو آپ کو قیامت کی پکڑ سے بچانا چاہتا ہوں۔

شاہ صاحب۔ (بہت نرم اور دھیمی آواز میں) یہ ٹھیک ہے کہ میرے پاس صرف سفیان ثوری کی روایت ہے مگر چونکہ اکثریت نے اس کی تائید کی ہے اس لیے میرا بھی یہی موقف ہے۔ اس سے پہلے چار کتابیں میں نے تائید میں دکھائی ہیں۔ پانچویں یہ لیجیے اور پڑھیے۔

مفتی صاحب۔ اکثریت نے تائید نہیں کی صرف قول ذکر کیا ہے۔ تائید تو ابھی تک آپ نے نہیں دکھائی۔

آپ کا یہ کہنا کہ صرف کسی کا قول لکھ دینا ہی اس کی تائید ہے یہ غلط ہے اس طرح تائید نہیں بنتی۔ تائید کی الفاظ سے تائید دکھاؤ تب آپ کو مانیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت نہ دکھا سکو گے۔

شاہ صاحب۔ کیا آپ کا دماغ کام کرتا ہے؟ کیا میں نے ابھی اتقان کی تائید۔ تفسیر طبری کی تائید نہیں دکھائی اس سے زیادہ کیا تائید دکھاؤں۔

مفتی صاحب۔ جناب۔ اپنے غیر اخلاقی الفاظ واپس لیجیے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ ہاں مولانا یہ گفتگو غلط ہے۔ اس سے اجتناب کیجئے۔

مفتی صاحب۔ اپنے الفاظ واپس لیجیے۔ تب آگے گفتگو ہوگی۔ گھبراہٹ کی گفتگو سے جیت نہیں ہوا کرتی۔

شاہ صاحب۔ (بڑے غصہ سے) اچھا یار لے لیے واپس۔

مفتی صاحب۔ (مسکراتے ہوئے) آپ کا اس انداز سے واپس لینا بھی غیر اخلاقی ہے۔ لائیے کتاب دکھائیے۔ میں پڑھوں۔ یہاں مفتی صاحب نے پڑھا ثُمَّ تَرْجَمَ الْاَنْبِیَاءُ۔ شاہ صاحب نے کچھ اور سمجھ کر گرفت کی اور کہا۔ مفتی صاحب آپ نے عربی عبارت غلط پڑھی ہے۔ یہ عبارت اس طرح ہے ثُمَّ تَرْجَمَةُ الْاَنْبِیَاءِ۔ اور بہت ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

مفتی صاحب۔ فضول باتیں اور مقصد سے ہٹی ہوئی باتوں میں وقت ضائع نہ کیجیے۔ ہو سکتا ہے جلد بازی میں اس طرح پڑھا گیا ہو۔ میں نے آپ کی ایک تقریر سنی ہے جس میں آپ نے کئی عربی تلفظ کی غلطیاں کی تھیں۔ جن میں سے ایک یہ تھی کہ آپ نے لفظ   کو پڑھا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید میں مُعَقِّبٰت ہے۔

شاہ صاحب۔ (اس کا کچھ جواب نہ دیتے ہوئے) صحیح عبارت اس طرح ہے۔ تَرْجَمَ۔ یُتَرْجِمُ تَرْجَمَةً اس نحوی گفتگو میں پانچ چھ منٹ تلخ مباحثہ ہوتا رہا۔ مفتی صاحب نے ان کی غلطیاں پکڑیں پھر شاہ صاحب نے مفتی صاحب کی۔ شاہ صاحب اس بحث کو مزید طول دینا چاہتے تھے۔ غالباً اپنی کمزوری بھانپتے ہوئے۔ راہ نجات حاصل کرنا چاہتے اور اصل مقصد ہی سے بچنا اور ہٹانا چاہتے تھے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ شاہ صاحب آپ بے مقصد گفتگو کیوں نہیں چھوڑ دیتے وقت ضائع ہو رہا ہے۔ مفتی صاحب نے جو آپ سے مطالبہ کیا ہے اس کے مطابق دلیل پیش فرمائیے۔ میں تو کہتا ہوں کہ جلدی سے کوئی صاف دلیل دے دیجیے۔

مفتی صاحب۔ یہ کتاب جو شاہ صاحب نے اب دکھائی ہے اس میں بھی صرف سفیان ثوری

صاحب کا قول درج ہے۔ تائید تو اس میں بھی نہیں۔ ہاشمی میاں صاحب ذرا آپ خود دیکھ لیجیے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ ہاں واقعی صرف سفیان ثوری کا قول ہی درج ہے۔ ابھی تک شاہ صاحب نے جتنے بھی حوالے دکھائے وہ صرف سفیان ثوری کا اکیلا ہی قول ہے۔

مفتی صاحب۔ اتقان نے تائیدی لفظ نہیں لکھا اور تفسیر طبری نے سفیان ثوری کی تائید نہیں کی بلکہ ابن عباس والی بات کی تائید کی ہے۔ آپ نہ جانے کس چیز پر پھولے نہیں سماتے اگر آپ حق پرست ہوتے تو شکست مان لیتے توبہ کر لیتے۔ اتنی طرف سے جس کو جھٹلایا جائے وہ کس بات پر ضد کرے۔ میں نے تو آپ کی لائی ہوئی کتاب بغور پڑھ لی۔ مگر آپ خود اپنی کتاب نہیں سمجھتے تو میرا کیا قصور خلاصہ یہ کہ شاہ صاحب کے پاس صرف دو قول ہیں۔ جن کا غلط مطلب سمجھ کر غلط عقیدہ بنا رہے ہیں۔ لیکن میرے پاس بحمدہٖ تعالیٰ قرآن و حدیث کے علاوہ علماء مفسرین اور امام غزالی امام قرطبی جیسے بزرگوں کے با دلائل اقوال موجود ہیں۔ اچھا شاہ صاحب یہ بتائیے۔

شاہ صاحب۔ ٹھیریے مولانا ابھی میرے پاس اور بھی حوالے ہیں وہ بھی دیکھیے۔ لیجیے یہ پڑھیے

مفتی صاحب۔ معاف کیجیے قبلہ اپنے حوالوں سے آپ نے آج ساری کتابوں کی دھول جھاڑ دی ہے شاہ صاحب میں نے سن رکھا تھا کہ آپ نے بہت تیاری کی ہوئی ہے۔ اور مناظرے میں آپ مفتی اقتدار کو ایک دم شکست دیں گے مگر اس دو ڈھائی گھنٹے کی گفتگو میں ابھی تک آپ اپنی تقریر کی ایک بات بھی ثابت نہیں کر سکے۔ میں پھر اپنا مطالبہ دھراتا ہوں کہ کم از کم سفیان ثوری صاحب کا ہی کوئی قول دکھا دو جس میں انہوں نے لکھا ہو کہ توریت وغیرہ وحی الٰہی تو ہے۔ کلام الٰہی نہیں ہے۔

شاہ صاحب۔ میں اس صراحت کا پابند نہیں۔ میں نے سفیان ثوری کا قول دکھا دیا اس قول کا مطلب یہی بنتا ہے کہ توریت وغیرہ کلام لفظی نہیں کیونکہ ترجمہ کلام لفظی نہیں ہوتا۔

مفتی صاحب۔ محترم اپنے تقریری الفاظ کو نہ بدلیں۔ اس طرح آج جان نہیں بچا سکتے آپ نے تقریر میں کہیں لفظی کا نام نہ لیا۔ مطلقاً کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا ہے۔

شاہ صاحب۔ لیکن میرا ما فی الضمیر یہی مطلب تھا۔

مفتی صاحب۔ کسی کو علم غیب نہیں ہے کہ آپ کے ما فی الضمیر کو جان لیتا۔ آپ ایسی ایچ پیچ والی تقریر کرتے کیوں ہیں؟ دنیا میں اور بھی بہت خطیب اور مقرر ہیں مگر ایسی غلط تقریریں کوئی نہیں کرتا مجھے بتایا گیا ہے کہ اس سے پہلے بھی آپ بہت غلط مسائل ایجاد کر چکے ہو۔ اچھا آپ یہ بتائیں کہ

آپ کے ظاہری الفاظ ہر میں نے جو گرفت کی ہے۔ وہ تو صحیح ہے۔ اس لیے کہ یہ اعتراض آپ کے ظاہر پر ہے نہ کہ مافی الضمیر پر۔

شاہ صاحب۔ (نہایت دھیمی آواز میں) ہاں جو آپ نے سمجھا اس پر آپ کی گرفت ٹھیک ہے۔

مفتی صاحب۔ میں نے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے علما ہی سمجھتے ہیں کہ اس تقریر کے اس طرح کے الفاظ، سرا کلام الٰہی کا منکر ہونا ہے۔ اچھا شاہ صاحب اس مسئلے کا ایک پہلو تو ٹھیک ہو گیا۔ اب ذرا یہ بتایئے کہ آپ نے اپنی اسی تقریر میں صاف یہ کہا ہے کہ وہی الفاظ جو پروردگار کی طرف سے آئے ہیں۔ اس کا پڑھنا تلاوت ہو گا۔ یہ بات ٹھیک ہے آپ نے کہی ہے یا نہیں؟

شاہ صاحب۔ ہاں ٹھیک ہے کہی ہے۔ اس پر آپ کو کیا اعتراض ہے۔

مفتی صاحب۔ تو اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے جو میں نے اپنی دسویں دلیل میں لکھا ہے قرآن مجید پارہ اول۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ۔ تفسیر خازن جلد اول ص۱۰۲ پر ہے اَیْ یَقْرَؤُنَهٗ كَمَا اُنْزِلَ لَا یُغَیِّرُوْنَهٗ وَلَا یُحَرِّفُوْنَهٗ وَلَا یُبَدِّلُوْنَ مَا فِیْهِ۔ تفسیر نسفی جلد اول ص۷۲ پر ہے۔ وَهُوَ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِیْلُ۔ نیز قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ (۲۸) ترجمہ سب کا یعنی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے توریت پڑھنے کو تلاوت فرمایا۔ نیک اور اہل ایمان بنی اسرائیل اس کو بغیر تبدیلی و تحریف کے اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح نازل ہوئیں اور بقول آپ کے تلاوت صرف منزل الفاظ کی ہوتی ہے۔ تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوا کہ بنی اسرائیل کے پاس منزل الفاظ تھے نہ کہ ترجمہ۔ (اس سوال کے وقت شاہد رضا صاحب موجود نہ تھے وہ کسی غرض سے کمرے سے باہر گئے تھے)

شاہ صاحب۔ ابھی اس کا جواب عرض کرتا ہوں۔ آپ پہلے یہ حوالہ پڑھیں۔

مفتی صاحب۔ شاہ صاحب پہلے میرے سوال کا جواب دیں۔ آپ شروع سے جوابات سے بھاگتے بھاگتے چلے آ رہے ہیں۔

شاہ صاحب۔ ناراض کیوں ہوتے ہو یہ حوالہ تو دیکھو۔

مفتی صاحب۔ کیا ہے اس میں۔ (کتاب لے کر پڑھتے ہیں) اس میں وہی سفیان ثوری کا قول درج ہے۔

شاہ صاحب۔ (وہاں ایک لفظ مفتی صاحب نے پڑھا۔ قُرْاٰۃٌ) تو شاہ صاحب نے کہا کہ

یہ لفظ غلط ہے۔
اس کو قُرَاءَۃٌ پڑھنا چاہیے۔ آپ کی عربی پڑھنا غلط ہے۔
مفتی صاحب شاہ جی مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو علم نحو نہیں آتا۔ اس لیے میری گزارش ہے کہ پہلے آپ نحو صرف کی کتابیں پڑھیں۔ سنیے یہ لفظ ہفت اقسام میں سے ثلاثی مہموز اللام ہے۔ آخر میں تاء مصدریہ لگی ہے اس لیے اس کو قِرَاءَۃٌ پڑھا جائے گا بروزن فِعَالَۃٌ آپ کے کہنے کے مطابق یہ لفظ رباعی یا ثلاثی مزید فیہ بن جاتا ہے اور یہ غلط ہے۔ اس پر کچھ دیر گرما گرم بحث رہی۔
ہاشمی میاں صاحب۔ میرا خیال ہے دونوں بزرگ اس گفتگو کو ترک فرما دیں اور موضوع پر آجائیں
مفتی صاحب۔ اب موضوع میں کیا رہ گیا ہے۔ شاہ صاحب سے فرمائیں یا توبہ کریں یا رجوع کریں یا مجھ کو دلیل دیں۔
شاہ صاحب۔ اچھا جناب ہاشمی صاحب مجھ کو بھوک لگی ہے۔ میرے کھانے کا وقت ہو گیا ہے (یہ وقت آدھی رات کا تھا۔ ہوسکتا ہے یہ بات بھی کسی بنے ہوئے پروگرام کے تحت ہی ہو اور فرار کا ذریعہ ہو)
ہاشمی میاں صاحب۔ ٹھیک ہے جناب آپ نیچے تشریف لے چلیے۔ (یہ مناظرہ اوپر بالائی کمرے میں ہو رہا تھا اور شاہ صاحب کے حواری کچھ اوپر ساتھ والے کمرے میں کچھ نیچے ٹھہرائے گئے تھے اور کچھ کان لگائے سن رہے تھے۔ شاہ صاحب نے کمرے سے نکل کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ فیصلہ ہوتا نظر نہیں آتا۔ یہ شخص سخت ضدی ہے۔ شاہ صاحب کے ساتھ ہاشمی میاں صاحب بھی باہر تشریف لے گئے، نہ معلوم کیا خفیہ گفتگو ہوئی، دس منٹ بعد ہاشمی میاں صاحب تشریف لائے اور مفتی صاحب سے کہا کہ جناب ایک بات کرنی ہے اور ٹیپ بھرنے والوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ٹیپ بند کر دی جائے کچھ خصوصی گفتگو کرنی ہے۔ اس وقت مفتی صاحب کی ٹیپ بھرنے والے نے کہا جناب افسوس ہے کہ ٹیپ خراب ہے آواز نہیں بھر رہی
ہاشمی میاں صاحب۔ ارے یہ کیا ہوا۔ میں نے تم کو پہلے کتنی مرتبہ کہا تھا کہ ٹیپ بھرنے کا اعلیٰ انتظام کرنا۔
مفتی صاحب۔ قبلہ ہاشمی میاں صاحب۔ یہ بات تو اچھی نہیں۔ میرے ساتھ شروع سے دھوکے کیئے جا رہے ہیں۔ میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ میں اپنی ٹیپ مشین خود لے کر آؤں گا مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں ہم خود آپ کو ٹیپ بھر کے دیں گے آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں اور اب

یہ سنایا جا رہا ہے۔

ہاشمی میاں صاحب (کچھ سوچتے ہوئے) ہاں حضرت یہ میرا وعدہ تھا اور اس کی میں نے ان لوگوں سے تاکید بھی کر دی تھی خیر آپ محسوس نہ فرمائیں۔ ہم اس ٹیپ سے جو پیر حضرت شاہ صاحب کی بھری گئی ہے ٹیپ بھر دیں گے۔

مفتی صاحب۔ مجھے شروع سے معلوم ہو رہا ہے کہ بہت خفیہ پروگرام بنے ہوئے ہیں جبکا مجھے افسوس ہے اچھا خیر اللہ تعالیٰ مالک ہے ہاشمی میاں صاحب۔ قبلہ پیر صاحب آیئے تشریف لایئے (حضرت شاہ صاحب اور ہاشمی میاں صاحب دونوں باہر تشریف لے جاتے ہیں اور ہاشم میاں صاحب جاتے جاتے فرماتے ہیں۔ اچھا بھئی باقی بحث بعد میں واپس آکر ہوگی تھوڑی دیر بعد ہاشم صاحب اندر تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ٹیپ ریکارڈ بند کر دو میں نے کچھ خصوصی باتیں کرنی ہیں۔ پھر مفتی صاحب سے کہنے لگے۔ جناب مفتی صاحب اگر اور شاہ صاحب اس طرح لکھ دیں کہ میرا عقیدہ امام سفیان ثوری کے قول کے مطابق یہ ہے کہ جو کلام موسیٰ علیہ السلام وغیرہ پر نازل ہوا تھا وہ عربی تھا اور کلام لفظی بھی تھا اور جو موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو دیا وہ ترجمہ تھا اور وہ اللہ تعالےٰ کا کلام ہی تھا مگر معنوی تھا۔ اگر شاہ صاحب اپنا یہ موقف بنالیں تو آپ کو کیا اعتراض ہے۔

مفتی صاحب۔ کیا اب شاہ صاحب اس تبدیلی پر راضی ہیں؟

ہاشم میاں صاحب۔ ہاں راضی ہیں۔

مفتی صاحب۔ تو گویا شاہ صاحب رجوع پر آمادہ ہیں۔

ہاشم میاں صاحب۔ حضرت جب انہوں نے آپ کی گرفت کو صحیح تسلیم کر لیا تو رجوع تو ہو ہی گیا۔ دیکھیے پہلے موقف میں کلام الٰہی کا کلی طور پر انکار ہے۔ لفظی بھی انکار ہے اور معنوی بھی مگر اب لفظی بھی مانگئے اور ترجمے کو اللہ تعالیٰ کا کلام معنوی مان رہے ہیں اور سفیان ثوری کے قول کا اگر مطلب نکالا جائے تو قریب قریب یہی بنتا ہے۔

مفتی صاحب۔ مگر میں تو سفیان ثوری کی بات کو غلط کہتا ہوں۔

ہاشم میاں صاحب۔ مگر کفر تو نہیں کہتے۔

مفتی صاحب۔ ہاں کفر یہ نہیں ہے۔

ہاشم: میاں صاحب، اور آپ کی گرفت تو اس کفریہ عبارت پر تھی تو اگر کوئی شخص سفیان ثوری کی بات کو اپنا مسلک بنائے اور جو مطلب اس قول کا نکلتا ہے وہی اپنائے تو آپ کو کیا اعتراض ہے

میں اس لیے بات کر رہا ہوں کہ سنی بھائی میں پہلو ایک غلطی ہو گئی اور اب وہ اس طرح ختم کرنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔

مفتی صاحب۔ چلیے ٹھیک ہے مقصود اصلاح ہے۔ جب انہوں نے تبدیلی کرلی تو میرا اعتراض اٹھ گیا مگر یہ موقف حنفیت کے خلاف ہے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ اس سے ہمیں کیا غرض۔

مفتی صاحب۔ مگر ابھی میرے چار سوالوں کا جواب ان کے ذمے باقی ہے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ جواب تو انہوں نے پہلے سوالوں کا نہیں دیا تو اب کیا دب گئے اور اب ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ جب ایک شخص نے اپنا راستہ ہی بدل لیا تو اب مباحثہ ختم ہو جانا چاہیے لہذا میں ایک تحریر بناتا ہوں، شاہ صاحب کھانا کھا کر آتے ہیں تو ان کو دکھا کر دستخط کرا لیے جائیں گے۔

مفتی صاحب۔ اگر وہ دستخط نہ کریں اور اپنے سابقہ عقیدے سے نہ ہٹیں تو۔

ہاشمی میاں صاحب۔ تو پھر بحث کا سلسلہ جاری رہے گا اور میں کہتا ہوں کہ وہ دستخط کریں گے کیونکہ ان کی ضمیر کی طبیعت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی اس تقریر کے اب حق میں نہیں ہیں اور پھر بجز دو باتوں کے ان کے پاس دلیل ہے کون سی؟ (اتنی دیر میں شاہ صاحب تشریف لے آتے ہیں)

مفتی صاحب۔ (شاہ صاحب محترم) ابھی مزید گفتگو ہونی تھی اور میرے بقیہ سوالوں کا جواب آپ نے دینا تھا۔ جن میں پہلا یہ ہے کہ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ کوہ طور پر جو کلام بنی اسرائیل نے سنا تھا، وہ کون سی زبان میں تھا، اگر عربی میں تھا تو بنی اسرائیل نے کس طرح سمجھ لیا۔ اگر عبرانی میں تھا تو کیوں؟ جب توریت میں بنی اسرائیل کی زبان کا خیال نہ رکھا گیا تو یہاں کیوں رکھا گیا، اس کا جواب آپ کے ذمے باحوالہ فرض ہے۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آپ کا عقیدہ بنا ہے۔

دوسرا سوال یہ کہ سفیان ثوری نے بھی اپنے قول کے مطابق کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آپ نے ان کے قول کا سہارا لے کر کلام الٰہی کا کیوں انکار کیا؟ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے توریت کے پڑھنے کو تلاوت فرمایا اور آپ کو تسلیم ہے کہ تلاوت صرف منزل من اللہ الفاظ کی ہوتی ہے نہ کہ ترجمے کی تو پھر انکار کیوں؟ چہارم یہ کہ کلام الٰہی کے انکار کی بالکل اسی طرح صاف عبارت کسی بھی امام کی دکھانی آپ پر فرض ہے جس طرح میں نے ثبوت کی چند عبارتیں دکھائیں بالکل صاف صاف لیکن چونکہ ہاشمی میاں صاحب نے غالباً آپ سے کچھ مشورہ کر کے ہی ایک تحریر لکھی ہے اگر آپ اس پر دستخط فرما دیں تو بحث ختم کر دی جائے گی۔ ورنہ جاری رہے گی۔

شاہ صاحب ۔ مجھ کو دکھائیے۔

ہاشمی میاں صاحب ۔ لیجیے جناب ۔ اس تحریر کو پڑھ کر دستخط فرما دیجیے۔ شاہ صاحب نے پڑھ کر دستخط فرما دیئے۔ پھر ہاشمی میاں صاحب نے دستخط فرمائے۔ پھر ہاشمی میاں صاحب نے مفتی صاحب سے فرمایا۔ مفتی صاحب۔ مبارک ہو شاہ صاحب نے دستخط فرما کر اہل سنت کے اتحاد اور صلح کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ اب آپ بھی ان کی پیش قدمی کو قبول کرتے ہوئے دستخط فرما دیں۔

مفتی صاحب نے دستخط فرما دیئے۔ ایک دوسرے معانقہ ہوا، چہرے مسرت سے کھل اٹھے۔ ہاشمی صاحب کے خوشی سے آنسو نکل آئے۔ نیچے سے تمام منتظر علما کو اوپر بلا لیا گیا۔ سب نے شاہ صاحب کو، مفتی صاحب کو اور خاص کر ہاشمی صاحب کو مبارک باد دی اور پھر شاہ صاحب اور تمام علماء وہاں سے مسجد میں چلے گئے۔ (اس طرح سردیوں کی پوری رات ختم ہوگئی اور وقت فجر ہوگیا۔)

مناظرے کے بعد کی روئداد

۱۔ جہلم کے ایک مشہور بزرگ صوفی مرحوم کے بھتیجے محترم طالب صاحب نے مفتی صاحب سے آکر کہا جبکہ مفتی صاحب مناظرے والے کمرے سے نکل کر ساتھ والے کمرے میں نماز کی تیاری میں مشغول تھے کہ حضرت آج ہم نے آپ کی گفتگو سنی۔ بہت کمال آپ نے دلائل اور گفتگو فرمائی آپ واقعی مفتی اور علامہ ہیں۔

۲۔ شاہ صاحب کے جانے کے فوراً بعد مفتی گل رحمٰن صاحب قبلہ کا فون آیا۔ یا خود ہاشم میاں صاحب نے ٹیلی فون کیا۔ مفتی اقتدار احمد خان صاحب نے وہ خود گفتگو سنی۔ ہاشمی میاں صاحب نے قبلہ مفتی گل رحمٰن صاحب کو فون پر بتایا۔ مبارک ہو بہت پیارا فیصلہ ہوگیا اور حضرت شاہ صاحب نے اپنے پہلے موقف سے رجوع فرمالیا۔

۳۔ نمازِ فجر کے وقت پیر حضرت شاہ صاحب نے اسی وقت مسجد میں جاکر سب حاضرین سے خطاب فرمایا کہ آج اتنی خوشی کی بات ہوئی ہے کہ جس سے تمام سنیوں کو عظیم فائدہ ہے یہ تمام بات چیت دو علما کی ذاتی تحقیق تھی اس کو خبردار نہ کسی کی شکست سمجھا جائے نہ فتح بلکہ کچھ میرا فائدہ ہوا۔ اس طرح کی علمی تحقیق پر اختلاف ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ آج وہ اختلاف ختم ہوگیا جس سے سنی دکھے ہوئے تھے۔ اور مخالف فرقے والے خوشیاں منا رہے تھے۔

۴۔ پھر نہ جانے کہاں جاکر حضرت پیر شاہ صاحب نے کئی جگہ فون کیا کہ میں جیت گیا اور مفتی اقتدار احمد ہار

گیا اور اس نے مجھ سے معافی مانگی کہ آئندہ میں کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا کہ شریعت کا مسئلہ ررر صاحب کو بتاؤں۔

۵۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب نے جب شاہ صاحب اور ان کے پروپیگنڈہ پارٹی کی زبانی بیانات اور جھوٹ پھیلتے دیکھا تو اس جھوٹے پروپیگنڈے میں پیر صاحب ایک مرید اپنی دیرینہ عادت کے مطابق پیش پیش تھے) ایک صاحب نے ہاشم میاں صاحب کو ٹیلی فون کیا اور چودھویں صدی کے ان پیروں کی یہ باتیں سنائیں۔ ہاشم میاں صاحب نے سخت افسوس فرمایا اور فرمایا کہ یہ ان کی بری حرکتیں ہیں، میرا فیصلہ تو شروع سے آپ کے حق میں ہے۔ حضرت فتح آپ کی ہے حضرت کے دستخط ان کے پہلے موقف پر نہیں ہیں۔ دونوں موقفوں کو سامنے رکھا جائے تو کوئی جاہل سے جاہل بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا جو یہ کہہ رہے ہیں۔ پیر شاہ صاحب کی علمیت کا اس سے زیادہ اور کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سوائے ایک شخص کے ذاتی قول کے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ ہاشم میاں صاحب کی یہ فون والی گفتگو ہمارے پاس ٹیپ ہے (بحمد اللہ تعالیٰ) ہم کو یہ روئداد چھاپنے کی ضرورت نہ تھی مگر ایک عالم دین اور خود کو سید کہلانے والے کی زبان سے یہ تقاضا جیانی اہلسنت کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے۔ قارئین حضرات نے سابقہ سطور میں پچھلی (مناظرے کی) ساری کیفیت تو جان لی اور دیکھ لیا کہ پیر شاہ صاحب نے اپنے چھوٹے معتزلیانہ عقیدے کو بچانے کے لیے کس طرح انگڑائیاں لیں۔ مگر پھر بھی بچ نہ سکے اور رجوع کرنا ہی پڑا۔ اب اگلی سطور میں بالکل ان ہی کے لفظوں میں ان کی کفریہ تقریری الفاظ اور بعد کے رجوع والے الفاظ درج کیے جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ خود اندازہ لگا لیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ (نوٹ) یہ پچھلی روئداد ایک خفیہ ٹیپ ریکارڈ سے نقل کی گئی جو ایک صاحب کی جیب میں تھی۔ غالباً ان صاحب کو انکے تمام خفیہ منصوبوں کا پتہ ہوگا۔

شاہ صاحب کی تقریر

آج پورے عالم موجودات میں کسی کتاب کو آسمانی وحی تو کہا جا سکتا ہے لیکن کلام الٰہی نہیں کہا جا سکتا وحی الٰہی ہونا اور بات ہے کلام الٰہی ہونا اور بات ہے۔ اتقان میں ہے۔ جتنی آسمانی کتابیں آئی ہیں رسول کے پاس عربی زبان میں آئی ہیں۔ رسول نے آگے اپنی زبان میں ترجمہ کر کے دیا ہے۔ تو پھر جو کتاب کا ترجمہ ہوتا ہے وہ کلام متکلم کا نہیں رہ جاتا۔ وہ ترجمان کا کلام بن جاتا ہے۔ اس لیے مفسرین کا یہ موقف ہے کہ اگر قرآن مجید کا ترجمہ کسی بھی دوسری زبان میں کر دیا جائے عربی میں ہی اگر ترجمہ اس کا کر دیا جائے تو بھی اس کو

قرآن کا ثواب ہرگز نہ ملے گا، وہ قرآن مجید کے وہی الفاظ جو پروردگار کی طرف سے آئے ہیں، اس کا پڑھنا تلاوت ہوگا۔ اس معنیٰ میں ساری آسمانی کتابیں اپنے صحیح وقت جبکہ وہ ٹھیک تھیں اور اس وقتوں میں اس حالت میں وہ وحی الٰہی تھیں کلام الٰہی نہ تھیں۔ یہ پہلی کتاب ہے جو وحی الٰہی بھی ہے اور کلام الٰہی بھی ہے یہ تھی وہ تقریر جس پر گرفت کی گئی اور پھر یہ مناظرہ ہوا اور مفتی صاحب کے پیش کردہ دلائل کے زیر اثر ہو کر اس تقریر سے رجوع کر کے نئی تحریر پر دستخط فرمائے۔

شاہ صاحب کا اب نیا عقیدہ جس پر شاہ صاحب نے دستخط کیے

توراۃ وانجیل وزبور انبیاء کرام پر عربی زبان میں بطور کلام لفظی نازل ہوئے اور انبیاء کرام نے اپنی قوموں کو ان کی زبان میں ترجمہ فرما کر بطور کلام معنوی عطا فرمایا۔ لہٰذا توریت وغیرہ کتب جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اپنی قوم کو عطا فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کا کلام معنوی ہے...... شاہ صاحب کا مذکورہ بالا موقف مندرجہ ذیل روایت کی بنا پر ہے۔ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنِ السُّفْیَانِ الثَّوْرِیِّ قَالَ لَمْ یَنْزِلْ وَحْیٌ اِلَّا بِالْعَرَبِیَّۃِ ثُمَّ تَرْجَمَ کُلُّ نَبِیٍّ لِقَوْمِہٖ (اتقان) لہٰذا مذکورہ روایت کی بنیاد پر شاہ صاحب کا یہ مذکورہ بالا موقف اب کفریہ اور ضلال نہیں۔

وضاحت

شاہ صاحب نے صرف سفیان ثوری کی روایت کے مطابق ناسمجھی سے کسی معتزلی کی اثرِ صحبت کی وجہ سے ایک عقیدہ بنا لیا جو شریعت کے خلاف تھا۔ مباحثے میں دلائل سے لاجواب ہو کر شاہ صاحب نے تبدیلی فرمائی ان کو شرعی فتوے اور گرفت سے بچاتے ہوئے مفتی صاحب نے انتہائی نرمی برتتے ہوئے ان سے دستخط کرانے کے بعد اپنے دستخط کر دیے۔ رہا یہ کہ مفتی صاحب کا اپنا مسلک کیا ہے تو وہ سابقہ گفتگو سے واضح ہو جاتا ہے کہ مفتی صاحب سفیان ثوری کی اس بات کو قطعاً غلط سمجھتے ہیں اور یہ روایت سفیان ثوری صاحب نے جھوٹی بنائی ہے اور یہی نہیں بلکہ سفیان ثوری کی اکثر باتیں غلط بناوٹی ہوتی ہیں اور بہت مقامات پر سفیان ثوری اسرائیلیات کا سہارا لیتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد ہشتم ص ۱۲۳ پر لکھا ہے کہ سفیان ثوری نے کہا ہے اسماعیل ذبیح اللہ نہیں ہیں بلکہ اسحاق علیہ السلام ہیں۔ گویا کہ سب سے پہلے اسلامی مسائل کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والے اور کبھی یہود کی گود میں کبھی معتزلہ کی آغوش میں بیٹھ کر بات کرنے والے یہی سفیان ثوری ہیں تاکہ تمام ائمہ اور فقہاء کرام سے ہٹ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنالیں۔ اسی لیے ہر مقام پر ان کے باطل نظریات کی تردید

کرنی پڑتی ہے اور عام طور پر یہ بھی نہیں معلوم کہ ان حضرت کا اپنا کیا عقیدہ تھا۔

بہرکیف اس ساری روئداد کی حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب سید ہاشم میاں صاحب کے بار بار دعوت دینے پر مناظر یا مقابل بن کر نہ گئے تھے بلکہ شرعی قاضی اور مفتی ہ اسلام کی حیثیت سے حضرت شاہ صاحب سے ان کے خلاف استفتاء پر شرعی فیصلہ لکھنے سے پہلے۔ ان کا بحیثیت مدّعیٰ علیہ کے وضاحتی بیان لینے گئے۔ کیونکہ چند حضرات نے شاہ صاحب کی تقریر کے خلاف سوال لکھ کر شرعی فتوٰی طلب کیا تھا۔ جب شاہ صاحب کی تقریر پر شرعی نگاہ سے غور کیا گیا تو وہ اسلام کے بالکل خلاف تھی۔ تب حضرت قبلہ نے بحیثیت شرعی جج ہونے کے مدعی کے دعوے کے بعد مدعیٰ علیہ شاہ صاحب کو بذریعہ تحریری خط اطلاع بھیجی کیونکہ یہ مفتی ہ اسلام کی شرعی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ سائل مدعی ہوا.... شاہ صاحب مدعیٰ علیہ اور مفتی صاحب شرعی قاضی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تقریر قابل گرفت ہونے کے باوجود حضرت نے ایک دم گرفت نہ لگائی بلکہ اطلاعی خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تحریر فتوٰی یا محاسبہ یا محاکمہ یا گرفت نہیں ہے اور موقف کی وضاحت کرنے کے لیے گفتگو کی دعوت دی۔ چنانچہ شاہ صاحب اپنی جان بچاتے رہے لیکن آخرکار ہاشم میاں صاحب نے یہ محفل مباحثہ منعقد کرا ہی دی اور اس محفل میں بری طرح شکست کھا کر شاہ صاحب نے اپنا عقیدہ بدلا۔ جب اس دوسرے موقف کو شرعی نگاہ سے دیکھا تو غلط ہوتے کے باوجود کفریہ نہیں تھا۔ اس لیے کہ پہلے اور دوسرے عقیدے میں کافی فرق ہے۔ پہلے میں تو صاف ہر طرح کلام الٰہی ہونے کا انکار ہے۔ دوسرے میں ہر طرح اقرار ہے۔ لہٰذا مفتی صاحب نے شاہ صاحب کو شرعی تعزیر اور گرفت سے بچاتے ہوئے اس نئی تحریر پر پہلے مدعیٰ علیہ .... شاہ صاحب کے دستخط لیے پھر بطور کاتب الحروف گواہ قبلہ ہاشم صاحب کے دستخط لیے پھر بطور شرعی تصدیق کے اپنے دستخط کیے۔ جس طرح عدالت کے جج کا کوئی تحریر یا دستخط فیصلہ جج کی شکست نہیں ہوتی خواہ وہ بری کرے یا معذرت و رجوع قبول کرے۔

اس مباحثے میں۔ مدّعیٰ علیہ محترم اور شاہ صاحب نے اپنی لائی ہوئی چالیس پچاس کتب میں سے اپنے بچاؤ میں صرف دو دلیلیں دکھائیں نمبر سفیان ثوری صاحب کی مذکورہ روایت جس سے سابقہ کتب الٰہیہ کا ترجمہ ہونا ثابت ہوا نہ کہ انکار کلام الٰہی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منسوب قول بحوالہ تفسیر خازن جلد اول ص ۱۰۲ فَمَنْ فَسَّرَ الْفَرِیْقَ الَّذِیْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰہِ۔ بِالْفَرِیْقِ الَّذِیْنَ کَانُوْا مَعَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ اِسْتَدَلَّ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّہَا فِی السَّبْعِیْنَ الَّذِیْنَ اِخْتَارَہُمْ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِ رَبِّہِمْ۔

اس سے یہ دلیل تو بنائی جاسکتی ہے کہ طور پر نبی اسرائیل نے خود اپنے کانوں سے رب تعالیٰ کا کلام سنا۔ مگر انکار کلام الٰہی کے لیے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ ان دونوں قولوں کا مکمل و دندان شکن جواب تو مباحثے میں شاہ صاحب کو دے دیا گیا اور شاہ صاحب کی ہر بات کو توڑ دیا گیا۔ لیکن شاہ صاحب مفتی صاحب کی کسی دلیل کو نہ توڑ سکے نہ جواب دے سکے۔ نہ ہی ان دو حوالوں کے علاوہ کوئی تیسرا قول دکھا سکے۔ اسی لیے۔ ان کو شکست ماننی پڑی اور غلط لفظوں سے ہٹ کر صحیح لفظوں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ مگر اپنی تھوڑی سی ضد کو قائم رکھتے ہوئے سفیان ثوری کے غلط قول سے چمٹے ہی رہے۔ دلیل توڑنا یہ ہوتا ہے کہ اس سے واضح صاف اور زیادہ مکمل مضبوط کھلی دلیل اس کے خلاف پیش کی جائے۔

مگر شاہ صاحب ایسا نہ کر سکے۔ اس لیے شاہ صاحب نے محسوس فرمایا کہ واقعی وہ تقریر غلط ہے۔ اس لیے ان کے مناظرے میں جب فرار کا کوئی راستہ نہ ملا تو رجوع کرنا پڑا۔ اس وضاحت اور رخ تبدیلی کے بعد مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہاں اب اگر آپ سفیان ثوری کا قول مانتے ہوئے سابقہ کفریہ عقیدے سے ہٹ کر نیا عقیدہ بناتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور اب آپ کی گرفت نہ ہوگی۔ رہا سفیان ثوری کا قول تو وہ حدیث و قرآن اور فرمودات ائمہ کرام کے واضح دلائل کے بالکل خلاف ہے نہ معلوم سفیان ثوری کو کیا دھن سوار ہوئی جو بیٹھے بیٹھے یہ جھوٹی بات بنا ڈالی کم از کم ان کو بھی حدیث پاک کا حوالہ دینا چاہیے تھا۔ حق یہ ہے کہ توریت۔ زبور۔ انجیل اپنی قوم کی زبانوں میں ہی نازل ہوئیں کسی نبی نے ترجمہ نہیں فرمایا یعنی اللہ نے ہی توریت عبرانی۔ زبور سریانی۔ انجیل یونانی میں نازل فرمائیں اور انبیاء کرام علیہم السلام نے بغیر کم و کاست بلا ردوبدل اور بغیر ترجمہ کیئے اسی طرح قوم کو وہ کتب دے دیں سنادیں سمجھا دیں اور وہ کتابیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک اسی طرح محفوظ رہیں کچھ بھی تبدیلی کسی نے نہ کی اس لیے وہ قابل عمل و تلاوت رہیں۔ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف آوری کے بعد ایک فریق (گروہ) نے نعت پاک میں تبدیلی کی۔ جیسا کہ مناظرے میں اپنے دلائل میں ہم نے قرآن مجید کی آیت سے واضح کر دیا۔ یہ سب مباحثہ ٹیپ کیا گیا۔ مگر سوچی سمجھی سکیم کے تحت مفتی صاحب کو نہ دیا گیا۔ حالانکہ وعدہ تھا کہ آپ کو کیسٹ دی جائے گی۔ لیکن ایک بزرگ صاحب نے خفیہ ٹیپ بھر لی تھی۔ غالباً جیب میں چھوٹی ٹیپ تھی۔ رہا ابن عباس کا قول تو وہ بھی صریحی آیات و احادیث کے سراسر خلاف ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تفسیر ابن عباس میں اسرائیلیات کی بھرمار کر دی گئی۔ اس لیے کسی بزرگ کے نزدیک اب یہ تفسیر قابل اعتبار نہیں رہی۔

فرقۂ معتزلہ کے خلاف حضرت مفتی صاحب کے وہ دلائل جو آپ نے مناظرے میں پیش کیے جن سے مرعوب ہو کر شاہ صاحب نے شکست تسلیم کی اور رجوع کیا۔

دعوٰی۔ تمام آسمانی کتابیں توریت۔ زبور۔ انجیل۔ مکمل کلام الٰہی ہے۔ ان کو ہر لحاظ سے لفظاً معناً کلام اللہ کہا جائے گا۔

دلیل نمبر۱۔ ارشاد باری تعالٰی ہے۔

وَلَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ۔

ترجمہ۔ اے حبیب۔ یہ یہودی اللہ کا کلام سنتے تھے پھر سمجھے جاننے کے بعد ایک فریق اس کو بدل دیتا تھا۔

دلیل نمبر۲۔ تمام مفسرین اہل سنت نے اس آیت میں کلام اللہ سے مراد توریت وغیرہ لیا ہے۔ چنانچہ تفسیر طبری جلد اوّل ص۲۹۱۔ تفسیر نیساپوری جلد اول ص۳۱۶ پر حاشیہ طبری۔ روح المعانی اول ص۲۷۱ صاوی جلد اول ص۳۷ اور جلالین ص۳۶ پر فرماتے ہیں کہ فریق سے مراد یہود مدینہ ہیں۔ تفسیر بیضاوی ص۲۲۲ پر۔ تفسیر نسفی جلد اول ص۵۸۔ تفسیر ابن کثیر ص۱۱۵ پر۔ تفسیر خازن جلد اول ص۲۹۶۔ تفسیر بغوی بر حاشیہ خازن ص۵۸ پر۔ یہی فرماتے ہیں کہ کلام اللہ سے مراد توریت زبور انجیل ہیں۔

دلیل نمبر۳۔ کچھ مفسرین نے صیغہ تمریض سے غیر معروف لوگوں کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابن عباس کے اس قول سے دلیل لے کر یہ کہہ دیا کہ یہاں کلام اللہ سے مراد کوہ طور کا وہ کلام ہے جو بنی اسرائیل نے اپنے کانوں سے سنا۔ تو شاہ صاحب نے فوراً اس لغو قول کو لے لیا یہ نہ سوچا کہ اس کی تائید تو ایک غیر معروف شخص کر رہا ہے کیا پتہ وہ کس عقیدے کا ہے۔ مگر اس قول کی تردید امام غزالی۔ امام قرطبی۔ امام بیضاوی۔ شیخ زادہ جیسی مشہور اور جلیل القدر شخصیات کر رہی ہیں اور نہ ہی ابن عباس کا یہ قول کسی حدیث پاک سے ثابت ہے بلکہ احادیث رسول اللہ کے خلاف ہے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں ص۵۸ پر فرمایا۔ بِاَنْ نَسْمَعَہٗ کَلَامَ اللہِ تَعَالٰی الْقَدِیْمِ وَھُوَ مُتَعَذِّرٌ۔ فَاِنَّ ذَالِکَ مِنْ خَصَائِصِ الْکَلِیْمِ عَلَیْہِ السَّلَامُ نَحْنُ لَا نَقْدِرُ عَلٰی سِمَاعِہٖ۔ تفسیر بیضاوی جلد اوّل ص۲۲۳ پر ہے۔

قَالَ الْاِمَامُ الْقُرْطُبِیُّ مَنْ قَالَ اِنَّ السَّبْعِیْنَ الْمُخْتَارِیْنَ سَمِعُوْا مَا سَمِعَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ کَمَا سَمِعَہٗ فَقَدْ اَخْطَأَ وَاَذْھَبَ فَضِیْلَۃَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ فَاِنَّھُمْ لَمْ یَسْمَعُوْا کَلَامَ اللہِ تَعَالٰی اِلَّا عَلٰی لِسَانِ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ فَاِنَّ مَنْ سَمِعَ التَّوْرَاۃَ مِمَّنْ قَرَءَھَا یَصِحُّ اَنْ یُقَالَ اِنَّہٗ سَمِعَ کَلَامَ اللہِ تَعَالٰی۔ (الخ)

نیز ابن عباس کا یہ قول تو نحوی صرفی اعتبار سے بھی غلط ہے اس لیے کہ طور پر یہ واقعہ ایک دفعہ ہوا۔ مگر ہمارا

آیت میں کَانَ فعل ماضی ہے اگر یہ کَانَ تامہ ہے تو ماضی استمراری بناتا ہے۔ اگر یہ ناقصہ ہے تو فعل حال بناتا ہے۔ استمراری میں باربار سماعت ثابت ہوتی ہے۔ پہلے قول کو اعلیٰ حضرتؒ نے لیا۔ دوسرے کو امام سیوطی نے۔ مزید یہ کہ آیت پاک کا سیاق وسباق بھی بتا رہا ہے کہ مراد توریت وغیرہ کتب سابقہ ہی ہوں اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ قول ابن عباس کا نہ ہو۔ کسی معتزلی یا کسی اسرائیلی یہودی کی عبارت کو شامل کر لیا گیا ہو۔ بہر کیف غلط ہے اور کلام سے توریت وغیرہ کتب سابقہ ہی مراد ہیں۔

دلیل نمبر۴۔ شرح عقائد جلد دوم مع رسالہ عصام ص۲۳۲ پر ہے۔ وَقَوْلُهٗ (وَهُوَ وَاحِدٌ) فُسِّرَ بِاَنَّ الْكُلَّ مُتَّحِدٌ فِيْ كَوْنِهَا كَلَامَ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مُتَفَاوِتَةٍ فِيْ تِلْكَ الصِّفَةِ (الٰی) وَقَدْ يُفَسَّرُ قَوْلُهٗ وَكُلُّهَا كَلَامُ اللّٰهِ بِاَنَّ الْحَقَّ دَالٌّ الٰی

دلیل نمبر۵۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ پارہ سوم سورۃ بقرۃ آخری سے پہلی آیت۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ۔ یہاں کتب سے توریت زبور انجیل اور قرآن مجید ہے۔ استدلال چونکہ یہاں چاروں کو ایک ہی نام دیا گیا یعنی کتاب اس لیے ثابت ہوا کہ کتاب منزل مِنَ اللّٰہ عبارت کا نام۔ لہٰذا الفاظ اور معنی کو کتاب کہا جائے گا نہ کہ فقط معنیٰ کو چنانچہ فتاویٰ الحاوی جلد اوّل ص۳۲۵ پر ہے۔ یہاں تین قول نقل فرمائے ہیں پہلا قول جو معتبر ہوتا ہے یہ ہے۔ اَحَدُهَا اَنَّهُ اللَّفْظُ وَالْمَعْنٰى۔ ترجمہ۔ کتاب اللّٰہ اس عبارت کو کہا جاتا ہے۔ جس کے الفاظ اور معنیٰ دونوں اللّٰہ کی طرف سے نازل ہوں۔

دلیل نمبر۶۔ بنی اسرائیل۔ یہودیوں، عیسائیوں کو آج بھی اہل کتاب کہا جاتا ہے۔ اسی لیے کہ ان کو تورات اور زبور انجیل ملی تھی اور توریت انجیل اسی کتاب کا نام ہو گا جو نازل ہوئی تھی نہ کہ ترجمہ کا۔

دلیل نمبر۷۔ اسی آیت کی تفسیر میں تفسیر حسینی عربی ص۹۲ پر ہے۔ اَنْ يَّعْتَقِدَ اَنَّهَا حَقٌّ وَّكَلَامُ اللّٰهِ۔ ترجمہ ایمان یہ ہے کہ عقیدہ سب مسلمان یہ بنائیں۔ وہ تمام اللّٰہ کی کتابیں حق ہیں اور اللّٰہ کا کلام ہیں۔

دلیل نمبر۸۔ امام غزالی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ۔ اپنی کتاب الاعتقاد کے ص۵۲ پر لکھتے ہیں۔ فَنَقُوْلُ كَلَامَ اللّٰهِ تَعَالٰى مَكْتُوْبٌ فِى الْمَصَاحِفِ (الخ) ترجمہ۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اللّٰہ کا کلام وہ ہی ہے جو لکھا ہوا ہے مصحفوں میں۔ یہاں لفظ مصاحف جمع ہے۔ مصحف کی۔ یعنی توریت انجیل زبور قرآن سب ایک جیسا اللّٰہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

دلیل نمبر۹۔ تفسیر خازن جلد چہارم ص۲۴۵ اور تفسیر ابن کثیر جلد اول ص۲۶۴ پر ہے۔ وَعَنِ الْحَسَنِ وَقَدْ كَانَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَحْفَظُ هٰذَا وَهٰذَا يَعْنِى التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو توریت وانجیل حفظ تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہی توریت حفظ تھی جو بنی اسرائیل کے پاس تھی اور آپ نے وہی یہودیوں کو سنائی۔ اور انہوں نے سن کر سرنگوں کیا۔ یہ کس نے حفظ کرائی رب تعالیٰ نے تو کیا وہ۔ موسیٰ علیہ السلام کا ترجمہ

حفظ کرایا تھا یا کہ عربی زبان اگر عربی زبان حفظ کرائی تو اب بنی اسرائیل نے کیسے سمجھ لی اور پھر اعتراض کیوں نہ کیا کہ اے عیسیٰ یہ تم کیا سنا رہے ہو۔ کس کو توریت کہہ رہے ہو۔ ہم کو تو کتاب عبرانی میں موسیٰ نے دی تھی ایک ذرا سی نادانی سے کتنے سوال پڑ جاتے ہیں۔ لھذا کہنا پڑے گا کہ توریت کا عربی میں آنا پھر ترجمہ ہونا۔ قطعًا غلط ہے جھوٹ ہے۔ انسان کو کچھ تو تدبر ہونا چاہیے۔ صرف چند لونڈوں کو داڑھیاں رکھا کر اپنے خود ساختہ القاب کے نعرے لگوانا یہ کوئی علمیت نہیں۔

دلیل نمبر۱۔ خازن جلد اول صـ۶۳ پر ہے۔ وَقِیْلَ اَلْمُرَادُ بِھِمُ الَّذِیْنَ کَانُوْا فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ الْاَقْرَبُ لِاَنَّ الضَّمِیْرَ رَاجِعٌ اِلَیْھِمْ فِیْ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ۔ فَعَلٰی ھٰذَا یَکُوْنُ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰہِ یَعْنِی التَّوْرَاتَ لِاَنَّہٗ یَصِحُّ اَنْ یُّقَالَ یَسْمَعُ التَّوْرَاتَ یَسْمَعُ کَلَامَ اللّٰہِ ترجمہ۔ یَسْمَعُوْنَ والی آیت میں فریق سے وہ لوگ بنی اسرائیل مراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھے اور عقل وفہم کے یہی بات زیادہ قریب ہے اس لیے کہ اَفَتَطْمَعُوْنَ کی ضمیر انھی یہودیوں کے ایمان کی طرف لوٹ رہی ہے۔ پس اس بنا پر یَسْمَعُوْنَ کلام اللہ کا معنی ہوگا تورات۔ اس لیے کہ یہ کہنا صحیح ہے کہ جس نے تورات کو سنا اس نے کلام اللہ سنا۔ کیونکہ موجودہ تورات کلام اللہ ہی ہے۔ یعنی جس کو توریت وغیرہ کہا جاتا ہے وہ کلام اللہ ہے۔

دلیل نمبر۱۲۔ قرآن مجید پارہ اول۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ۔ تفسیر نسفی جلد اول صـ۷۲ پر ہے۔ وَھُوَ التَّوْرَاتُ وَالْاِنْجِیْلُ۔ تفسیر خازن جلد اول صـ۱۰۳ اَیْ یَقْرَءُوْنَہٗ کَمَا اُنْزِلَ لَا یُغَیِّرُوْنَہٗ وَلَا یُحَرِّفُوْنَہٗ وَلَا یُبَدِّلُوْنَ مَا فِیْہِ۔ ترجمہ۔ یہاں الکتاب سے مراد تورات اور انجیل ہے۔ یعنی نیک بنی اسرائیل توریت کی صحیح تلاوت کرتے ہیں۔ (خازن) یعنی ان سابقہ کتب الٰہیہ کو اسی طرح تلاوت کرتے ہیں۔ جس طرح وہ نازل ہوئی ہیں۔ نہ لفظوں کی تبدیلی کرتے ہیں نہ معنیٰ کی تحریف کرتے ہیں اور نہ دوسری زبان کے لفظ اس کے بدلے میں لگاتے ہیں۔ دوسری آیت پاک ہے۔ وَھُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ۔ یَعْنِی التَّوْرَاتَ وَالْاِنْجِیْلَ فَاعِلُ التِّلَاوَۃِ یَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی۔ بخاری شریف جلد دوم صـ۶۵۴ پر حدیث رجم میں ہے کہ عبد اللہ ابن سلام نے بارگاہ اقدس عالیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں۔ یہودی راہبوں سے فرمایا۔ فَاْتُوْا بِالتَّوْرَاتِ فَاتْلُوْھَا اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ ترجمہ۔ اور یہود ونصاریٰ اپنی اپنی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ (بخاری) اے راہبو لاؤ اپنی تورات اور اس کو تلاوت کرو اگر تم سچے ہو۔ یہ دلیل ۱۳ اس طرح ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ منزل الفاظ کو پڑھنا تلاوت ہوتا ہے نہ ترجمے کا پڑھنا کوئی قرآن مجید کا ترجمہ پڑھ رہا ہے تو اس کو تلاوت نہ کہا جائیگا۔

کیونکہ ترجمہ متکلم کا کلام نہیں رہ جاتا مفتی صاحب نے مناظرے میں ان کو یہی بتایا کہ رب تعالیٰ نے بھی اور حدیث پاک نے بھی توریت وانجیل کے پڑھنے کو تلاوت فرمایا۔ اگر یہ کتابیں ترجمہ ہوتیں تو ان کو بقول تمہارے تلاوت نہ کہا جاتا۔ کیسا صاف ثابت ہوا کہ توریت وغیرہ ترجمہ نہیں بلکہ اصل منزل من اللہ ہی ہیں اور کسی نبی نے ترجمہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اصل مُنَزَّل عِبرانی و سُریانی ہیں۔ اب شاہ صاحب غور کریں کہ اپنے ہی قول کے مطابق سفیان ثوری کی مانتے ہیں یا اللہ تعالیٰ اور رسول پاک کی۔

دلیل نمبر۱۲۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (سورت ابراہیم پارہ ۱۳ آیت ۳)

ترجمہ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی پیغام الٰہی والے کو مگر اسی کی قومی زبان کے ساتھ۔ اس آیت کریمہ میں انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد بیان فرمایا جارہا ہے اور بعثت کا معنیٰ ہوتا ہے پیغام دے کر آنا تو مطلب ظاہر ہے کہ ہم نے اپنا پیغام اسی قوم کی زبان میں بھیجا۔ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ تاکہ ہمارا نبی صرف اس پیغام کو ظاہر کردے یعنی نبی کی ڈیوٹی، صرف پیغام بیان کردینا ہے۔ ترجمہ کرنا نہیں اس سے بھی ثابت ہوا کہ کتب سابقہ عبرانی وغیرہ میں نازل ہوئیں۔

دلیل نمبر۱۳۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ ترجمہ۔ بے شک ہم نے قرآن کو عربی میں نازل فرمایا۔ یہاں قرآن مجید کے نزول کو عربیت سے خاص کیا لھذا اقتضاءً ثابت ہوا کہ سواء قرآن کریم سے کوئی دوسری کتاب عربی میں نازل نہیں ہوئی۔

دلیل نمبر۱۴۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۵۳ پر حدیث پاک ہے۔ اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ لِاَنِّيْ عَرَبِيٌّ وَالْقُرْاٰنُ عَرَبِيٌّ۔ (الخ)

ترجمہ۔ اے مسلمانو اہل عرب سے تین وجہ سے محبت کرو۔ ایک اس لیے کہ بے شک میں قومیت کی وجہ سے عربی ہوں دوسری یہ کہ قرآن مجید عربی ہے۔ یہاں بھی صرف قرآن کریم کو عربی سے خاص کیا گیا۔ اگر کوئی دوسری کتاب بھی عربی میں نازل ہوتی تو یہ خصوصیت قرآن وحدیث میں بیان نہ ہوتی۔ آنکھیں بند کرکے تو جس جگہ چاہو دھکے کھاتے پھرو مگر چشم بینا کے لیے تو یہی سچا اور حق عقیدہ ہے کہ توریت وغیرہ عربی میں نہیں آئیں اور نہ ترجمہ ہوئیں۔ عبرانی وغیرہ زبان میں ہی کلام الٰہی ہیں۔

دلیل نمبر۱۵۔ تفسیر روح البیان پارہ نمبر۱۳ سورۃ ابراہیم صفحہ ۲۹۶ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ مَبْعُوْثَيْنِ اِلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ بِكِتَابَيْهِمَا الْعِبْرَانِيِّ وَهُوَ التَّوْرَاةُ وَالسُّرْيَانِيِّ وَهُوَ الْاِنْجِيْلُ مَعَ اَنَّ مِنْ جُمْلَتِهِمْ جَمَاعَةً لَا يَفْهَمُوْنَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَلَا بِالسُّرْيَانِيَّةِ۔

ترجمہ۔ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے عبرانی کتاب اور وہ تورات تھی۔ سُریانی کتاب کے ساتھ اور وہ انجیل تھی۔ باوجود اس بات کے ان کی جماعتوں (قوموں) میں بہت

سے لوگ عبرانی کو اور بہت سے لوگ سریانی کو نہیں سمجھتے تھے۔ اس دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ کتب سابقہ اللہ کی طرف سے عربی میں نہیں آئی تھیں۔ بلکہ عبرانی و سریانی میں نازل ہوئی تھیں۔

دلیل ۱۶ تفسیر جمل جلد دوم ص۵۰۹ پر ہے۔ اَیْ کَمَا اَنْزَلْنَا الْکُتُبَ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِلُغَاتِھِمْ وَ لِسَانِھِمْ۔

ترجمہ۔ یعنی یہ قرآن عربی میں نازل ہوا۔ جس طرح نازل کیا ہم نے سابقہ کتب کو انبیاء کرام پر ان کی قومی زبانوں اور لغتوں میں۔

دلیل ۱۷ تفسیر ابن کثیر جلد دوم عربی ص۵۲۵ پر ہے کہ ہر نبی اپنی قوم کی زبان میں پیغام الٰہی دے کر بھیجے گئے کیونکہ مبعوث کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا پیغام لانا۔ اسی طرح اہل سنت کی عظیم تفسیر ضیاء القرآن اسی آیت کے ماتحت سورۃ ابراہیم پارہ ۱۳ میں ہے۔

دلیل ۱۸ شرح عقائد نسفی مع رسالہ عصام جلد دوم ص۱۲۱ پر ہے۔ فَاِنْ عُبِّرَ عَنْھَا بِالْعَرَبِیَّۃِ فَقُرْاٰنٌ وَ بِالسُّرْیَانِیَّۃِ فَزَبُوْرٌ وَ بِالْیُوْنَانِیَّۃِ فَاِنْجِیْلٌ وَ بِالْعِبْرَانِیَّۃِ فَتَوْرَاتٌ۔

ترجمہ۔ پس اگر کتب الٰہیہ کو زبانوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو عربی میں فقط قرآن مجید آیا اور سریانی میں فقط زبور آئی اور یونانی میں فقط انجیل آئی اور عبرانی میں فقط تورات آئی۔

حضرت قبلہ مفتی صاحب نے یہ تمام دلائل دکھائے سمجھائے بتائے اور لکھ کر دیئے حضرت شاہ صاحب کے پاس ان دلائل کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس لیے ان کو مجبوراً اپنی لغو اور باطل تقریر سے رجوع کرنا پڑا آج اگر وہ اور ان کے جاہل حواری اور نعرہ باز ساتھی کہتے ہیں کہ شاہ جی جیت گئے تو ان کو پھر میدان میں نکالو۔ آگے نہ جانے کس طرح رو پیٹ کر بچارے پہلی مرتبہ میدان میں اتنے مولویوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر نکلے تھے۔ اگر اب میدان میں نکلنے کی ہمت نہیں ہے تو بڑی تسلی سے خود اور اپنے سارے ساتھیوں کو لگا کر ان سوالات کے جواب لکھ کر دیں اور ہمیں یقین ہے کہ قیامت تک ان شاء اللہ تعالیٰ کچھ نہ کر سکیں گے۔ تو پھر تکبر کی جھوٹی سرخی لگانا چھوڑ دیں اور رب تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کریں کہ اس کے کلام کا انکار اسی سے جنگ کرنی ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

یہ ساری خرابیاں صرف اس لیے برتی ہیں کہ ہمارے معزز خطیب حضرات اپنی تقریر کو ذمے داری نہیں سمجھتے تقریر کا مقصد صرف ذاتی واہ واہ نعرے بازی اپنی عزت کے لیے کرتے ہیں، نہ علمی محنت رہی نہ قوم کی درستی کا خیال نہ اپنی ذمے داری کا احساس۔ بس اخبار و رسائل دیکھے اور خوش خط باتوں کو اپنی پھے داری میں پرو لیا۔ چند منٹ واہ کرالی۔ اپنے بزرگوں کی نصیحتوں کو یکسر بھلا دیا۔ چند منٹ کی عزت کے لیے تا قیامت دینی و دنیوی ذلت خرید لی۔ یہ سب مصیبتیں اسی غلط روش کی بنا پر ہیں۔

اللہ تعالٰی ہم سب کو سچی ہدایت عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

بتمہ

سائل کے بھیجے ہوئے رسائل میں دوسرا رسالہ سنت اور حدیث والا۔ اس کی عبارت ایسی الجھی ہوئی ہے کہ واضح نظریہ سمجھ نہیں آتا۔ جہاں تک سنت اور حدیث کے معنٰی کا فرق ہے اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں، محدثین نے جگہ جگہ یہ فرق تحریر فرمائے ہیں۔ ہاں البتہ ایک بات جو اس مضمون سے اشارۃً ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ مصنف غالباً انکار حدیث کی طرف راہ ہموار کر رہا ہے اور توڑ موڑ کرتا ہوا یہ کہنا چاہتا ہے کہ قرآن ہی کا نام حدیث پاک ہے۔ گویا کہ ایک نئی طرز سے منکر حدیث بن رہا ہے۔ سائل کا تیسرا رسالہ۔ اُمّی کے معنٰی (الخ) اس میں بھی۔ جہالتوں کے علاوہ کفریات بھی ہیں۔ مثلاً ص۸ پر لکھتا ہے حضور پر نور کو امام کعبہ تربیت دیتا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی نے تمام عالمین کے علوم خود سکھائے پڑھائے اور آپ والدہ کے پیٹ سے ہی لکھے پڑھے بلکہ ساری مخلوق سے بڑے عالم پیدا ہوئے اور یہی اُمّی کا معنٰی و مطلب بیان کیا جائے گا۔ مصنف مذکور نے اُمّی کا ایک ہی معنٰی قائم کیا ہے۔ حالانکہ اہل لغت کے نزدیک اس لفظ کا ترجمہ شخصیات کے اعتبار سے مختلف ہے۔ یعنی عوام کے لیے اس کا معنٰی ان پڑھ ہی کیا جائے گا۔ کیونکہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے جاہل و بے علم پیدا ہوتا ہے۔ مگر خصوصیت ہے انبیاء کرام کی اور ان کی اظہارِ شان کے لیے بعض اولیاء اللہ کی کرامات سے یہ ظاہر ہے کہ وہ لبطن مادر سے عالم ظاہر و باطن پیدا ہوتے ہیں اور ان کو رب تعالٰی تعلیم فرماتا ہے۔ پس اُمّی کا معنٰی ہوا ماں سے پیدا ہونے والی حالت میں رہنے والا۔ ص۹ پر ہے کہ خدا نے موسٰی سے انسان بن کر کلام کیا۔ خدا نے آدم کی شکل بن کر ملائکہ کو اسما بتائے اور آدم کی شکل دکھا کر ائی جاعل۔ کا مشورہ فرشتوں سے لیا، تو سردار نبی کو انسان بن کر خدا تربیت کیوں نہیں دے سکتا۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ۔ مصنف کی یہ بدترین کفریات ہیں۔ خدا تعالٰی کے متعلق ایسی بیہودہ باتیں کرنی کفر و جہالت ہے۔ غرضکہ یہ رسالہ بھی کسی پاگل انسان کا پاگل پن ہے۔ خدا سب کو اس کی جہالت سے بچائے سائل کا رسالہ ۴ سورۃ نور کے متعلق ہے۔ اس میں بھی بجز جہالتوں کے اور کچھ نہیں۔ آج دنیا کا رواج ہو گیا ہے کہ مولوی کا نام لیتے چلے جاؤ اور اسلام قرآن شریف۔ عبادات ہر چیز کا انکار کرتے چلے جاؤ۔ اس طرح اس دیوانے انسان نے اپنے ذہنی تخیل سے یونانیوں کا نام وضع کر لیا ہے کہ غیر مسلم یونانی، عیسائی، فلاں فلاں یہ کہتا ہے اور اسی کے ضمن میں اسلام کے علماء مفسرین کی تحقیقی کاوشوں کا انکار کرتا چلا جا رہا ہے۔ پھر مزید یہ کہ نہ کوئی حوالہ نہ کتاب کا نام۔ کس یونانی نے کس کتاب میں یہ بات لکھی اور تیسری تحتلاقی؟۔ بے سروپا باتیں اوٹ پٹانگ نظریات کس حوالے سے ہیں۔ کچھ ذکر نہیں۔ اپنی مطلب براری کے لیے

آیتوں کے ترجمے کفر کی حد تک توڑ موڑ کر کیے ہیں۔ لغت اور نحو صرف سے ابدی دشمنی ہے۔ دینی باتوں کے جواب سے پہلے تو خیانت اور پاگل پن ملاحظہ ہو کر۔ اپنی یونیورسٹی کا میڈیکل داخلہ شرائط کے تحت اشتہار لکھتا ہے کہ میڈیکل یونیورسٹی میں داخلہ ملتے ہی رجسٹریشن ہو جاتی ہے۔ پریکٹس اور کلینک کھولنے کی اجازت ہے۔ اگر حکومت ایسے جاہل ڈاکٹر کا چالان کرے تو یونیورسٹی خود جرمانہ ادا کرے گی۔ مگر یہ نہیں کہ اس ناکارہ علاج سے مریض کی جان اور صحت کو جو نقصان ہوا وہ کون بھرے گا اور اس بے ایمانی کا جو راستہ دکھایا جا رہا ہے اس کا گناہ کون اپنے سر لیگا اور اگر حکومت ایسے جاہل ڈاکٹر کو گرفتار کرے تو گرفتاری کون دے گا۔ گویا کہ یہ یونیورسٹی لوٹنے کا اڈہ ہے۔ اور قیمتی جانوں سے کھیلنے کا ارادہ ہے۔ بہرکیف یہ تو اخلاقی پہلو تھا۔ مذہبی پہلو بھی بجز جہالت و لادینیت کے کچھ نہیں۔ چونکہ اس پمفلٹ (کتابچہ) میں سورۂ نور سے کھیلنے کی کوشش کی گئی ہے اس لیے ہم پہلے اس رسالے کی غلطیاں بیان کریں گے پھر سورۂ نور کی مختصر تفسیر اور اس مصنف کے لایعنی سوالات کا جواب عرض کیا جائے گا۔

اس رسالے نمبر۲ کی جہالتیں۔

نمبر۱۔ صـ۲ پر لفظ معصوم کو بمعنی بیوقوف استعمال کرتا ہے۔ حالانکہ صرف انبیاء کرام ملائکہ معصوم ہوتے اور یہ لفظ بہت پاکیزہ معنیٰ میں مستعمل ہے۔ اسی صـ۲ پر تمام اسلامی تفاسیر کی گستاخی کرتا ہے

۲۔ جہالت صـ۳ پر تفسیر نور العرفان کو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی تفسیر لکھتا ہے۔ حالانکہ یہ تفسیر حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کی ہے اور نام بھی صاف صاف لکھا ہے۔

۳۔ جہالت صـ۲۰ پر لکھتا ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ..... حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ آیت بھی غلط لکھی ہے اور اس کا ترجمہ کو بہت ہی غلط ہے بلکہ کفریہ ہے۔ لکھتا ہے یعنی ہم ورید کی شکل اختیار کر کے قریب ہوتے رہتے ہیں اور حرکت کو دور دھکیلتے رہتے ہیں۔ یہ بیہودہ صرف گستاخی ہی نہیں بلکہ کفر بھی ہے۔ گویا کہ مصنف اللہ تعالیٰ کو ایک رگ بنا رہا ہے۔ اسی صـ۲۰ پر معصوم کو جاہل کے معنیٰ میں استعمال کر رہا ہے۔

۴۔ جہالت صـ۲۹ پر روح کے لیے ایک شکل ثابت کرتا ہے اور ٹھوس مادہ لکھتا ہے۔ حالانکہ روح کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ عربی لغت میں نَفَخْ کا معنیٰ ہے پھونکنا۔ مگر یہ شخص اپنی جہالت سے اس کا انکار کرتا ہے۔

۵۔ جہالت صـ۲۸ پر۔ سورۃ نور کی آیت نمبر۱۲ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ اس آیت کے ترجمے اور تشریح میں جاہل مصنف نے اتنی کم عقلیاں اور گلا بازیاں دکھائی ہیں کہ ابلیس بھی اس تحریف پر حیران ہوگا ہے۔ سَمِعْتُمُوْا کا ترجمہ بھی بہت غلط کیا۔ مگر مصنف

نے خود محسوس کر لیا ہے کہ بات بنتی نظر نہیں آتی۔ یہ سراسر تحریف ہے۔ جہالت نمبر۳ ص۲۱ پر لکھتا ہے کہ ان تفاسیر کو ضبط کیا جائے اور ۱۸۵۷ء سے قبل والی تفاسیر مروج کی جائیں۔ اس کور باطن کو کون سمجھائے کہ اٹھارہ سو ستاون سے قبل کی تفسیریں بھی بالکل اسی طرح ہیں اور یہ موجودہ بعد والی تفاسیر ان ہی سے ماخذ ہیں۔ ایسی بدترین اور جاہلانہ تحریر اس سے قبل میری نظر سے نہیں گزری۔ جہالت نمبر۴ ص۱۲ سے ص۱۶ تک ام المومنین کی تہمت کا انکار کرتے ہوئے چند سوالات کرتا ہے۔ مثلاً نمبر۱ عبداللہ بن ابی منافق کو کیا جرأت تھی کہ نبی کریم کے ہوتے ہوئے تہمت لگانا۔ نمبر۲ عائشہ صدیقہ نے رفع حاجت کے لیے کتنی دیر لگائی وہ وقت بتایا جائے نمبر۳ لشکر بڑا تھا یا چھوٹا نمبر۴ حضرت عائشہ کتنی دور گئی تھیں اور کتنا راستہ طے کیا تھا۔ واپس آنے میں اتنی دیر کیوں لگی۔ نمبر۵ لشکر اتنی جلدی دور کیسے نکل گیا۔ نمبر۶ کیا کسی نے حضرت عائشہ کو جاتے نہیں دیکھا تھا وہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ عائشہ صدیقہؓ ابھی واپس نہیں آئیں نمبر۷ کیا عائشہ صدیقہؓ اکیلی گئی تھیں یا حسب عادت چند عورتوں کے ساتھ نمبر۸ اونٹ کا ہودج اٹھانے والوں نے کیوں نہ خیال کیا کہ ہودج خالی ہے اور نیز ہودج میں بٹھا کر پھر ہودج رکھنا دستور کے خلاف ہے بلکہ پہلے اونٹ کو کھڑا کیا جاتا ہے پھر سواری بٹھائی جاتی ہے۔ نمبر۹ حضرت عائشہ صدیقہ غریب نہ تھیں کہ غربت کی وجہ سے تھوڑا کھاتیں اور ہلکی پھلکی ہوتیں۔ جس کے پاس قیمتی ہار ہوتا ہے کیا وہ غریب ہوتا ہے۔ مگر یہ سوالات لایعنی ہیں اور ان کے جوابات تفاسیر میں بیان واقعہ کے ضمن خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں جیسا کہ ہم آگے بتائیں گے۔ جہالت نمبر۵ ص۱۷ پر لکھتا ہے کہ یہ تہمت کا واقعہ اس لیے بھی غلط ہے کہ مفسرین کے بیانات میں کافی اختلاف ہے۔ مثلاً کنزالایمان نے لکھا ہے حضور پر نور کو حضرت عائشہ کی پاک دامنی پر پختہ اعتبار تھا۔ لیکن تفہیم القرآن والے لکھتے ہیں کہ حضور پر نور جناب پر شکوک رکھتے تھے۔ مصنف کی یہ بات کذب بیانی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ میں نے خود تفہیم القرآن کا اس جگہ پر مطالعہ کیا ہے۔ مجھے یہ شکوک والے الفاظ کہیں نظر نہیں آئے نہ ہی کوئی ایسا اشارہ ملتا ہے غرض کہ یہ کتاب اور یہ نظریہ قطعاً غلط۔ سراسر جہالت ہے اور ایک حقیقت واقعیہ کا انکار کرنا ہے۔ آیت کا ظاہر ظہور اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ایسا واقعہ ہوا ہے۔

سورۃ نور کی صحیح اور سچی با اصول تفسیر

نہ معلوم مصنف اجہل کا اس تحریف قرآنی اور واقعہ افک کے انکار سے در پردہ مقصد کیا ہے۔ ورنہ تمام تفاسیر۔ بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث اور خود تہمت میں شریک ہو جانے والے مخلص مسلمان۔ نمبر۱ حسان بن ثابتؓ ۲۔ مسطح اور حضرت زینب ام المومنین کی سگی بہن حمنہ بنت جحش

خود اپنے منہ سے غلطی کا اعتراف کرتے ہیں۔ حضرت حسان اس کی تدریجی سزا میں نابینا ہو گئے تھے اور خود فرمایا کرتے تھے مجھ کو تہمت میں شریک ہونے کی سزا ملی ہے (بخاری شریف) کتب احادیث میں مذکور ہے کہ اقذف کی سزا سب سے پہلے ان ہی تین کو دی گئی۔ اس کے علاوہ تاریخ اسلام میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مزید یہ کہ قرآن مجید کے ظاہر اور صاف لفظوں میں تہمت کا ذکر ملتا ہے جس کی اور کوئی تاویل ممکن ہی نہیں اور یہ سورۃ نور اس ہی موقعہ کے لیے نازل ہوئی سوا اس کے کوئی دوسرا شان نزول تاریخی پس منظر کے اعتبار سے بن سکتا ہی نہیں۔ رہا یہ کہ اس سورت کی ابتدائی آیت ایک قانون اور ضابطۂ کلیہ کی شکل میں نازل ہوئیں تو یہ ایک احسان عظیم ہے تاکہ آئندہ کے لیے ایسی حرکتوں کا سد باب ہو جائے۔ رب تعالیٰ کے اس احسان کا ذریعہ ام المومنین عائشہ صدیقہ بنیں۔ شیعوں کی تفسیر بھی جاہلانہ ہے جو معترض مصنف نے پیش کی ہے کہ معاذ اللہ تہمت لگانے والی امہات تھیں اور ماریہ قبطیہ پر تہمت لگائی گئی تھی اور آیت نمبرا کے آخری الفاظ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ بتا رہے ہیں کہ تہمت لگانے والے مرد تھے نہ کہ عورتیں اور وہ منافق ابن اُبی تھا۔ اندھے بن کر قرآن مجید کو توڑنا مروڑنا جھلا ہی کا کام ہے۔ شیعہ لوگ اس آیت میں آ کر کیا کہیں گے۔ کفر بکنا آسان ہے مگر نبھانا مشکل۔ بہرکیف واقعہ بالکل درست ہے کسی جاہل بدبخت کے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی واقعہ یوں ہے کہ ۵ھ یا ۶ھ کے ابتدائی مہینے میں غزوہ بنی مصطلق واقع ہوا۔ یہ علاقہ مدینہ منورہ سے نو منزل دور تھا۔ واپسی پر مدینہ منورہ سے دو منزل دوری پر لشکر اسلامی کا پڑاؤ ہوا اور طے یہ پایا کہ صبح نماز فجر اگلی منزل پر ادا کی جائے گی۔ اس لیے بعد تہجد کوچ کی تیاری ہو گئی۔ اندھیرے اندھیرے سب اٹھ گئے سامان بندھنا شروع ہو گیا۔ کوچ سے چند منٹ پہلے حضرت ام المومنین کو حاجت کی شکایت ہوئی تو آپ تنہا ہی کچھ دور جھاڑیوں میں چلی گئیں۔ ادھر جب سب کی کوچ ہوئی تو دو یا تین صحابی حضرات نے حضرت ام المومنین والے کجاوے کو یہ سمجھ کر اٹھا لیا کہ غالباً آپ حسب سابق اس میں بیٹھی ہوں گی اور ہمیشہ ہی اسی طرح ہوتا تھا اور آج بھی اہل عرب میں یہ رواج ہے کہ مستورات پہلے کجاوے میں بیٹھ جاتی ہیں۔ پھر قبیلے کے لوگ یا ملازم اٹھا کر اس کو اونٹ پر رکھتے ہیں۔ ام المومنین دبلی پتلی چھوٹی عمر کی تھیں۔ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ نماز فجر کی گھبراہٹ کی وجہ سے یہ خیال بھی نہ آیا کہ شاید اس میں کوئی بیٹھا نہیں اور قافلہ روانہ ہو گیا۔ ادھر حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بہن سے عاریۃً مانگا ہوا ہار جھاڑی میں الجھ کر ٹوٹ گیا۔ جس کو آپ اٹھانے میں مشغول ہو گئیں اور قافلہ اونٹوں پر اونٹ کی تیز رفتاری کے ساتھ اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ تاکہ وہاں پانی کے پاس پہنچ کر فجر کی نماز ادا کی جائے۔ حضرت صدیقہ جس وقت موتی چن کر واپس لشکر گاہ کی طرف تشریف لائیں تو اس وقت تک قافلہ پہاڑیوں کے پیچھے چھپ چکا تھا۔ معترض کہتا ہے کہ حضرت صدیقہ وہیں کیوں بیٹھ رہیں۔ قافلے

کی تلاش میں کیوں نہ چل پڑیں ؟ یہ اندھے پن کا سوال صرف اس لیے ہے کہ اس کو معلوم نہیں کہ ریت جنگل میں پیدل چلنا کتنا دشوار ہے اور پھر راستے سے ناواقف عورت کے لیے جس کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ قافلہ کس سمت مڑا ہے ۔ یہ تو بہت ہی اچھا ہوا جو آپؓ کسی سمت کو چل نہ پڑیں ۔ وہیں بیٹھ رہیں ۔ چند ساعتوں میں حسب قاعدہ پیچھے چھوڑا ہوا شخص حضرت صفوانؓ وہاں پہنچ گئے ۔ یہ آج ان کی ڈیوٹی (ذمے داری) تھی کہ قافلے کے پیچھے پیچھے چلیں اور اہل قافلہ کی وہ اشیاء اٹھائیں جو بھول چوک سے رہ جاتی ہیں ۔ حضرت صدیقہ بوجہ پردہ اپنے منہ شریف پر چادر لے کر ایک ریت ٹیلے کے سہارے نیم دراز تھیں ۔ حضرت صفوان نے انتہائی پریشان ہوئے اور انہوں نے باآواز بلند اِنَّا لِلّٰہ ۔ پڑھا جس کو سن کر حضرت صدیقہ اٹھ کر بیٹھ گئیں ، صفوان بن معطلؓ نے اپنا اونٹ آگے بڑھایا اور ان کے عنقریب لا کر بٹھایا ۔ حضرت صدیقہ اس پر سوار ہو گئیں اور صفوان مہار پکڑ کر پیدل چل پڑے ۔ یہاں تک کہ قافلے سے آ ملے ۔ اس طرح آنے پر سب نے دیکھا مگر عبد اللہ بن ابی منافق ازلی خبیث نے علی الاعلان قسمیں کھا کر تہمت لگا دی ۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ عالمینی اور نرم دلی کی بنا پر اس خبیث کا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا ۔ ہر شخص کو اس کی منافقانہ بکواسیات کا علم تھا کئی صحابہ بلکہ خود اس کے فرزند نے کئی مرتبہ اس کے قتل کی اجازت مانگی مگر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی ۔ یہ تمام واقعہ ایک حقیقت ہے تمام تفاسیر و احادیث میں مذکور ہے اگر کوئی عقل کا دشمن خود ہی اندھا بن جائے تو اس کی مرضی ۔ حضرت صدیقہؓ کو اپنی بچپنی عادت کے مطابق ہار وغیرہ سے بہت محبت تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہار اسلام کے بہت سے شرعی احکام نازل ہونے کا ذریعہ بنے ۔ سورۃ نور کا نزول بھی حضرت صدیقہؓ کے ہار شریف کے ٹوٹنے کی بنا پر ہوا اور جرأت صدیقہ میں دس آیتیں نازل ہونے کے علاوہ ۔ پوری صورت میں آئندہ مسلمانوں کے لیے تا قیامت سزا و جزا شرم و حیا ۔ اخلاقیات ۔ پردے داری ۔ گھریلو معاشرہ نسلی حفاظت ، حدود و تعزیرات ۔ چادر و چار دیواری اور ضابطہ حیات کے دس مضبوط قانون نازل فرما دیئے ۔ اس لیے حضرت صدیقہ اور مسلمانوں کی چند روزہ پریشانی کے صدقے میں امت مسلمہ کو عظیم فائدوں سے نوازا گیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منافقت اور الزام تراشی ۔ تہمت سازی اور بے غیرتی کا قانونی سدباب کر دیا گیا ۔ یہی واقعہ اس سورت کا شان نزول ہے ۔ مگر نام اس کا سورۃ نور ہے اور اصطلاح قرآنی کے مطابق شان نزول کو کبھی نام نہیں بنایا جاتا ۔ سورتوں کا نام کسی آیت یا کسی خاص لفظ کی بنا پر رکھا جاتا رہا ہے ۔ مصنف کی کم عقلی ہے کہ نام کو شان نزول کہنے کے درپے ہے ۔

اسی طرح سورت نساء کی آیت ۴۳ میں تیمم کا حکم بھی بحوالہ بخاری شریف جلد اول ۔ مسند احمد بن حنبل تفسیر ابن کثیر جلد اول تفسیر روح المعانی جلد سوم ۔ تفسیر نعیمی پارہ پنجم ۔ مقام بیداء مدینہ منورہ سے نو منزل دور بوقت صبح ۔ غزوہ

مریسیع سے واپسی پر۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کے ہار گم ہونے پر ہی دیر ہو جانے کی وجہ سے تیمم کا شرعی قانون تا قیامت نازل ہوا اور مسافران اُمتِ مسلمہ کو عظیم سہولت نازل ہوئی۔ اسی لیے گم شدہ ہار کی تلاش کی بنا پر جب مسلمان نماز فجر کے لیے اگلی منزل پر نہ پہنچ سکے اور نماز قضا ہونے کا خطرہ تھا وضو کے لیے پانی موجود نہ تھا۔ تیمم کی آیت نازل ہوئی مسلمانوں نے خوشی خوشی تیمم کر کے نماز پڑھی تو قبیلہ کے ایک سردار اسید بن حضیر نے بارگاہ ام المومنین میں عرض کیا کہ اے اہل بیت تم کو تو تھوڑی دیر پریشانی آتی ہے۔ مگر مسلمانوں کا کام بن جاتا ہے۔ گویا کہ یہ احسان ہے ام المومنین حضرت صدیقہ کا امت مسلمہ پر۔ مگر یہ نادان مصنف کچھ اور ہی طرف سوچتا ہے۔ مصنف کا پانچواں رسالہ بنی اسرائیل کے یہودی توم کیوں؟ بھی جہالتوں سے بھرا پڑا ہے۔ مثلاً جہالت نمبرا ص۲ پر بنی اسرائیل کا ترجمہ انتہائی بے وقوفی اور لغت کے خلاف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بنی بنُ سے بنا ہے اور بنُ کے معنیٰ ہیں بنیاد یا ابتدا۔ حالانکہ بنی۔ جمع مذکر سالم ہے ابن کی اور ابن کا ترجمہ ہے بیٹا۔ دراصل تھا۔ بنین بحالت فتحہ۔ نون جمع اضافت کی وجہ سے گر گئی۔ کبھی بیٹا بھی باپ کی ابتدا یا بنیاد ہوتا ہے۔ اسرائیل کا ترجمہ کرتا ہے۔ راز بتانے والا۔ پوچھو بیوقوف سے یہ کون سی زبان کا اسم فاعل ہے۔ دراصل لفظ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا صفاتی نام ہے اور یہ عبرانی لفظ ہے یہ تھا اسرا یا ایل۔ جس کا ترجمہ ہے۔ عبادت قبول فرما اے اللہ یا اس کا ترجمہ ہے اللہ کا بندہ۔ رسالے کے جاہل مصنف نے جو ترجمہ کیا ہے وہ کسی کتاب میں نہیں ہے۔ جہالت نمبر۲ ص۲ پر وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ کا ترجمہ انتہائی جاہلانہ اور غلط کرتا ہے کہ یعنی وہی کہ تم مجھ کو ہی اپنا رہبر تسلیم کرو۔ حالانکہ اس کا ترجمہ ہے اور تم مجھ سے ہی ڈرو۔ رَهْبٌ۔ کے معنیٰ ہیں ڈرنا۔ راہب کے لغوی معنیٰ ہیں۔ اللہ سے ڈرنے والا۔ اصطلاحی معنیٰ ہیں ترک دنیا کرنے والا۔ تمام عربی لغت میں یہی ترجمہ لکھا ہے۔ مصنف کا ترجمہ کہیں نہیں لکھا جہالت نمبر۳ ص۵ پر۔ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ کا ترجمہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شدید اختلاف پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس بیہودہ ترجمے کی وجہ یہ لکھتا ہے کہ عقاب عقب سے بنا ہے اور عقب کے معنیٰ مخالف کے ہوتے ہیں۔ حالانکہ مصنف کا یہ ترجمہ کسی ذی علم نے نہیں لکھا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ عقاب واقعی عَقَبٌ سے بنا ہے مگر عقب کا معنیٰ خلف ہے۔ یعنی پیچھے نہ کہ خلاف۔ مصنف کی کم عقلی کو کیا کہا جائے کہ نادان خلف اور خلاف میں فرق نہ کر سکا۔ عقب کو عقاب یعنی سزا اس لیے کہتے ہیں کہ سزا جرم کے بعد ہوتی ہے۔ اور پیچھے اور خلف ہونا عقب ہے جہالت نمبر۴ ص۶ پر۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کا ترجمہ کرتا ہے کہ رسول بنا کر بھیجے گا۔ یہ مستقبل کا ترجمہ کرنا غلط ہے اور طین کا ترجمہ چکناہٹ کرتا ہے اور اَنْفُخُ کا ترجمہ اضافہ کرتے کرتے لکھتا ہے۔

اور اُحیِی الْمَوْتٰی کا ترجمہ کرتا ہے۔ موت کو حیات میں بدل دیتا ہوں۔ حالانکہ یہ سب ترجمے لغت عربی کے بالکل خلاف ہیں۔ طین کا ترجمہ مٹی ہے اور اَنْفُخُ۔ کا ترجمہ ہے میں پھونک مارتا ہوں۔ جہالت نمبر ۵ ص۶ پر۔ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ کا ترجمہ کرتا ہے۔ کوئی نفس کسی نفس کے بدلے قتل کیا۔ مصنف صرف جاہل ہی نہیں دیوانہ بھی ہے۔ اسی آیت کو ابتداء آفرینش سے چسپاں کرتا ہے اور مراد لیتا ہے ہابیل وقابیل حالانکہ نادان یہ نہیں جانتا کہ یہ قاعدہ وقانون تاقیامت ہر قاتل سے چسپاں ہوگا۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے۔ جنگ میں ایک فوجی کی بزدلی سب کو ہلاکت میں ڈال دیتی ہے۔ گویا کہ اس بزدلی نے سب کو ہلاک کر دیا۔ اسی طرح فساد کے لیے کسی کو قتل کرنا گویا ساری انسانیت کی موت ہے۔ اسی ص۶ پر باقی باتیں تو بالکل ہی پاگلانہ ہیں۔ جہالت نمبر ۶ ص۸ پر لکھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل تھے۔ حالانکہ آپ بنی اسرائیل اور خود حضرت اسرائیل علیہ السلام کے جد اعلیٰ تھے۔ تعجب اس بات کا ہے۔ کہ یہ نادان اپنی کسی بات پر کوئی حوالہ پیش نہیں کرتا۔ اور فقط اپنی ہی شیطانیت سے قرآن حدیث اور فقہ کا انکار کرتا چلا جاتا ہے۔ پوچھو اس نادان سے کہ کس نے ابراہیم علیہ السلام کو بنی اسرائیل کہا ہے۔ کونسی آیت قرآنی میں یہ لکھا ہے۔ جہالت نمبر ۷ ص۹ پر لکھتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں صرف یوسف علیہ السلام نبی ہیں۔ اس دیوانے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سوائے چند کے باقی سب انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل ہی ہوئے اور وہ سب حضرت یعقوب کی اولاد تھے۔ لکھتا ہے کہ بنی اسرائیل ہابیل قابیل کے وقت سے تھے۔ ہم پوچھتے ہیں کس نے یہ کہا ہے۔ جہالت نمبر ۸ ص۱۱ پر لکھتا ہے۔ یہودی قوم تو ابراہیم کے زمانے میں بھی موجود تھی۔ کیسی دیوانگی ہے۔ اس کا بھی حوالا دیا جاتے۔ اسی صفحہ ۱۱ پر لکھتا ہے کہ فرعون یہودی تھا۔ حالانکہ وہ قبطی تھا۔ نہ معلوم یہ عقل وخرد کا کورا۔ کہاں سے ذریت ابلیسی نمودار ہوئی۔ آگے ص۱۲ تا ۱۶ آخری صفحہ پر عجیب بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ اس رسالے میں اس کا منشا یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت آدم سے شروع ہوئے اور یہودی ہر نافرمان شخص کو کہا جاتا ہے۔ یہودی کبھی بنی اسرائیل نہیں ہیں۔ حضرت یعقوب کی اولاد نہ بنی اسرائیل ہیں نہ یہودی ہر اچھا آدمی بنی اسرائیل ہے اور ہر برا آدمی یہودی ہے اور یہ کہ حضرت یعقوب کا کوئی بیٹا یہودا نامی نہ تھا۔ وجہ انکار صرف یہ کہ قرآن مجید میں ذکر نہیں۔ یہ سب باتیں مصنف کی خودساختہ جہالتیں اور ایک روشن تاریخی حقیقت کا انکار ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت یعقوب کے بارہ بیٹوں کی نسل سے چلے۔ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے مگر قرآن مجید میں صرف یوسف علیہ السلام کا ہی نام مذکور ہے۔ قرآن مجید میں کسی کا ذکر نہ ہونا اس کے وجود حقیقیہ کا انکار نہیں۔ آپ کے بیٹوں کے نام اس طرح ہیں ۱ یوسف علیہ السلام ۲ بنیامین۔ ۳ شمعون ۴ لاوی۔ ۵ یہودا ۶ روبیل ۷ یشجر ۸ زیالون ۹ دان ۱۰ نفتالی ۱۱ جادا ۱۲ آشر۔ یہ سب عبرانی لفظ ہیں۔ آپ کی فقط دو بیٹیاں تھیں ۱ دینہ بنت لایا ۲ زینب بنت راحیل (نور العرفان وتاریخ اسلام

بنی اسرائیل کی ابتدا یعقوب علیہ السلام سے ہوئی ہے۔ ان پر پانچ انعامات ایسے ہوئے جو کائنات میں کسی قوم پر نہیں ہوئے ان ہی انعامات نے ان کو تمام جہانوں پر افضل قرار دیا۔ ۱۔ دنیا انسانیت میں سب سے بڑا قبیلہ خاندان ان کا ہوا ان کا پورا خاندان بارہ بیٹوں کے نام بارہ حصوں میں تقسیم ہوتا رہا ۲۔ سوائے بارہ انبیاء کرام علیہم السلام کے باقی تمام انبیاء کرام بنی اسرائیل میں ہی تشریف لائے بنی اسرائیل کے پہلے نبی یوسف علیہ السلام اور آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ انبیاء عظام جو بنی اسرائیل کے علاوہ ہوئے ۱۔ آدم علیہ السلام ۲۔ شیث علیہ السلام ۳۔ نوح علیہ السلام ۴۔ خضر علیہ السلام ۵۔ ہود علیہ السلام ۶۔ صالح علیہ السلام ۷۔ ابراہیم علیہ السلام ۸۔ لوط علیہ السلام ۹۔ اسماعیل علیہ السلام ۱۰۔ اسحاق علیہ السلام ۱۱۔ یعقوب علیہ السلام ۱۲۔ آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم انعام ۳۔ تقریباً ۲۷ صحیفے اور تین کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو ملیں انعام ۴۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی طور پر مَنّ و سلویٰ اور مائدہ ان کو ملتا رہا۔ انعام ۵۔ دنیا کی سب سے زیادہ بادشاہتیں بلکہ کائناتی بادشاہتیں بھی ان کو ہی ملتی رہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا۔ اِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ اس پورے خاندان کا آبائی نام بنی اسرائیل ہے۔ یہ نام موسیٰ علیہ السلام تک چلتا رہا۔ اس سے پہلے ان کے بارہ قبیلے صرف اپنے جھنڈوں سے پہچانے جاتے تھے نام ایک ہی رہا۔ یا لباس و عادات سے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان کے کچھ لوگوں نے بچھڑا پوجنے سے توبہ کی تو ان کا نام یہودی ہوا۔ صرف وہ لوگ جنہوں نے بچھڑا پوجا تھا ان کو یہودی کہا جانے لگا یہ ایک لاکھ کے قریب تھے جن میں ستر ہزار نے اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کیا تھا اور قتل ہوئے۔ اور اپنی توبہ کے الفاظ بزبانِ عربی اس طرح کہلائے گئے جھک کر کتے پھرو۔ ھُدْنَا اِلَیْکَ یَا اِیْلُ۔ تین دن یہ وظیفہ پڑھا تب ان کے لیے توبہ کے طریقے کا حکم منجانب اللہ نازل ہوا۔ جو اس شکل میں تھا کہ صبح کے وقت بحالت رکوع سروں کو جھکا کر صف بندی کریں اور جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی ان کے بارہ سردار تلواریں لے کر مجرمین کی گردنیں کاٹتے چلے جائیں بارہ گھنٹے یعنی عصر کے بعد تک غروب آفتاب سے پہلے جتنی بھی کٹ جائیں۔ اس لیے اس دن سے ان کا نام یہودی ہوا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ھود کے لغوی معنی ہیں جھومنا عبرانی لفظ ہے۔ تو جو لوگ توریت کے ماہر اور روزانہ تلاوت کرنے والے تھے اور جھوم جھوم کر پڑھتے تھے ان کو یہودی کہا گیا۔ پھر اس کے بعد ان کی نسلوں کو بھی اسی نام سے پکارا گیا۔ جس طرح آج رواج ہے قرآن مجید کے ماہرین کو حافظ قاری مولوی۔ میاں صاحب مفتی قاضی کہا جاتا ہے۔ اور ان کی نسلوں کا بھی یہی نام چل پڑتا ہے۔ اور آج کل قاضی وغیرہ ذات و قبیلہ بن چکا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ھود کا لغوی ترجمہ ہے جاسوسی کرنا۔ چونکہ بنی اسرائیل کے کچھ بدمعاش دنیا کے لالچی بادشاہوں کے ایجنٹ بن کر انبیاء کرام کی جاسوسی کر کے بادشاہوں کے سامنے شکایت اور حالات پہنچاتے اور انبیاء کو یا خود جلاد بن کر۔ یا عوامی دشمن بن کر بادشاہی قانون سے قتل کرا دیتے۔ اس کفر و ظلم کی بنا پر ان کا نام یہودی ہوا۔ لفظ یہود اور ھود عبرانی میں خلوت نشینی۔ اور

جاسوسی کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے جب برادران یوسف پہلی مرتبہ مصر پہنچے تو ان کا امیر قافلہ ان کا بھائی یہودا تھا۔ اسی نام کی بناء پر لوگوں نے ان کو جاسوس سمجھا ایک قول ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک قبیلے کو یہودی کہا جاتا تھا وہ یہودا ابن یعقوب کی نسل سے تھے۔ بہرکیف سارے یہودی بنی اسرائیل ہیں۔ لیکن سارے بنی اسرائیل یہودی نہیں۔ پھر جب داؤد علیہ السلام کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل کا ایک گروہ ان کی امت بن گیا۔ اور باقی بنی اسرائیل و یہودی ان کے مخالف رہے۔ ان ہی لوگوں نے امت داؤدی کو صابی کہنا شروع کر دیا صابی کا معنی علیحدہ ہو جانے والے چونکہ بنی اسرائیل کی نظر میں یہ لوگ توریت سے ہٹ کر زبور کو ماننے لگے تھے اس لیے ان بنی اسرائیل کفار نے گروہ داؤدی کو صابی کہنا شروع کیا۔ اسی لیے صابی کا معنیٰ بے دین بھی کیا جاتا رہا۔ کہ گویا یہ پرانے دین سے علیحدہ ہو کر بے دین ہو گئے۔ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کا یہ دوسرا نام پڑا۔ پھر فقط یہ دونوں نام حضرت عیسیٰ تک ہی چلتے رہے۔ لیکن ہر شخص خود کو خاندانی نام بنی اسرائیل یا اسرائیلی ہی کہتا رہا۔ یہ دوسرے نام ۱۔ یہودی اور ۲۔ صابی گویا مذہبی نام بن گئے۔ اہل توریت کو یہودی اور اہل زبور کو صابی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کچھ صابی اس وجہ سے فجر کے ستارے کے پجاری بن گئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہر روز اس ستارے کے وقت اپنی عبادت شروع کرتے اور تعین وقت کے لیے بار بار وقفے وقفے سے اس کو دیکھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے الزام دیا اور تہمت لگائی کہ معاذ اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس ستارے کی عبادت کرتے ہیں۔ اس تہمت تراشی کی بنا پر یہ حکایت بھی بن گئی کہ سلیمان علیہ السلام کے کچھ لونڈی غلاموں نے سلیمان علیہ السلام کے محل کے اندر ہی خفیہ طریقے سے چالیس دن تک ستارے کا بت بنا کر عبادت کی مگر سلیمان علیہ السلام کو پتہ نہ لگا۔ اور چالیس دن تک آپ کی سلطنت چھن گئی آپ نے کسی کا بھاڑ جھونکا معاذ اللہ۔ مگر یہ سب کواسیات اور اسرائیلیات کذب ہیں۔ ان ہی وجوہ کی بناء پر بعض اہل لغت نے صابی کا ترجمہ ستارہ پرست بھی کیا ہے۔ مگر ابتدائی معنیٰ وہی ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی اہل زبور۔ اگرچہ یہ لفظ ابتداء برائی کے لیے رکھا گیا مگر بعد کی نسلوں نے خود بھی اپنے آپ کو صابی کہنا شروع کر دیا۔ جس طرح کہ لفظ یہودا اولاً بدمعاش اور بت پرست قاتل ظالم گروہ کو دیا گیا تھا۔ مگر آج اسرائیلی بڑے فخر سے اپنے آپ کو یہودی کہتے ہیں (از تفاسیر اربعہ۔ کبیر معانی اور یہود فی القرآن۔ انبیاء قرآن) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف فرما ہونے کے بعد کچھ بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ کے حواری بن گئے۔ اور انہوں نے حضرت عیسیٰ سے ہر موقعہ پر عرض کیا نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ ۔ اس لیے ان کا نام دینی مذہبی نصاریٰ رکھا گیا۔ اب بنی اسرائیل کے چار نام ہو گئے ۱۔ خاندانی نام سب کا مشترکہ۔ بنی اسرائیل۔ ۲۔ اہل توریت یہودی ۳۔ اہل زبور صابی۔ ۴۔ اہل انجیل عیسائی نصاریٰ۔ انگریزی میں ان کو کرسچین اور اردو میں عیسائی کہتے ہیں۔ (از تفسیر نعیمی جلد اول روح البیان مع زیارت)

ہماری یہ تحقیق بین الاقوامی لائبریریوں سے حاصل کردہ ہے۔ اور بلا امتیاز مسلم غیر مسلم سب کے نزدیک مسلّم

ہے۔ مگر مصنف مذکور کو نہ معلوم کیا تکلیف ہے کہ وہ ہر یقینی و تحقیقی بات کا بے دلیل بے حوالہ محض اپنی عقل پر انکار کرتا چلا جاتا ہے اور میری تفتیش کے مطابق یہ شخص بگڑا ہوا دیوبندی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہماری ڈھائی سو سالہ تاریخ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر بُرا فرقہ دیوبندیت سے ہی جنم لیتا ہے۔ مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی اولاً دیوبندی تھا دیکھو کتاب حضرت مرزا صاحب کی سوانح عبداللہ چکڑالوی۔ غلام احمد پرویز۔ سید احمد۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق محمد حسین عرشی جو پہلے اہل حدیث غیر مقلد وہابی ہوا پھر دہریہ رہا۔ پھر اہل قرآن منکر حدیث ہوا پھر حسین علی واں بھچراں کا مرید بنا غلام احمد پرویز کی وفات پر اخبار جنگ لندن صـ۳ پر مضمون شائع کیا گیا۔ جو سخت ترین گستاخ دیوبندی وہابی گزرا ہے۔ یہی کچھ حال علامہ اقبال صاحب سیالکوٹی کا ہے۔ مرحوم نے شروع جوانی میں بہت مذہب بدلے بحوالہ رسالہ فیض الاسلام عرشی نمبر طلوع اسلام اقبال نمبر جنگ اخبار لندن جمعرات ۱۷ اپریل ۱۹۸۶ء مگر حضرت اقبال کا ۱۷ اخیرا چھا رہا اور تبدیلی کو ریسرچ کہا جاتا ہے

رہا اقبال کا کلام۔ تو اقبال نے کہیں بھی ایسی عقائد کی بات نہیں لکھی جس سے عقیدۂ اہلسنت ظاہر ہوا ہو جو متنازعہ فیہ مسائل میں ان پر کچھ اظہار خیال کیا ہو۔ پوری تفصیل کے لیے ہماری کتاب۔ نظریاتِ اقبال کا مطالعہ فرمائیے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

فتویٰ نمبر ۹ مجبور خاوند کی تحریری اور زبانی طلاق دینے کا بیان و حکم۔ طلاق دینے کے اعتبار سے خاوند کی قسمیں۔ اکراہ کا پورا بیان کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں۔ کہ میں مسمی زید نے ایک عورت زینب سے نکاح شادی کی اور تقریباً سال بھر بہت راضی خوشی اپنے علیحدہ گھر میں آباد رہے۔ ایک دن ہم دونوں خاوند بیوی گھر میں بہت خوش و خرم بیٹھے تھے کہ ایک بجے دوپہر میری ساس ہمارے گھر آئیں اور ہم دونوں سے کہا کہ آج تم دونوں ہمارے گھر آنا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی گئیں۔ دو گھنٹے بعد ہم بھی دونوں خوشی خوشی ان کے گھر گئے وہاں بھی کوئی ایسی خاص بات نظر نہ آئی میں تھوڑی دیر بعد اوپر کے کمرے میں جاکر سو گیا۔ میری بیوی نے ہی میرا بستر لگایا اس لیے کہ میں نے رات کام پر جانا تھا اور پچھلی رات بھی کم سویا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے سویا ہوں گا کہ میری بیوی مجھ کو جگانے آئی اور کہا کہ ساتھ والے کمرے میں آؤ میں نے بیوی سے کہا کہ کنڈی بند کر دو اس نے کنڈی بند کر دی تو میں نے اس وقت اپنی بیوی سے صحبت کی اور آدھ گھنٹے یا بیس منٹ بعد میں دوسرے کمرے میں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں میری سالی میری ساس اور میرے سسر بیٹھے ہیں۔ میرے سسر کے ہاتھ میں ایک سفید کاغذ ہے جس پر تین سطر میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ میرے سسر نے مجھے کہا کہ یہ زینب کا طلاق نامہ ہے تم اس پر دستخط کر کے اپنی بیوی زینب کو طلاق دے دو۔ میں یہ سن کر ایک دم حیران رہ گیا میں نے سمجھا یہ مذاق کر رہے ہیں۔ مگر ان سب کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھ کر میں نے پوچھا کیوں میں اپنی بیوی کو طلاق دوں۔ میری ساس نے بہت غصے سے کہا کہ یہ پھر بتائیں گے۔ میں نے کہا کہ میں طلاق نہیں دیتا اس پر میرے سسر نے کہا کہ اگر تو نے اس وقت دستخط نہ کیے تو میں چھری سے تجھ کو قتل کر دوں گا

اور چھری نکال کر مجھ کو دھمکی دی اور کہا کہ میں خود بھی خودکشی کرلوں گا۔ اس بات پر کافی جھگڑا ہوا اور میں انکار کرتا رہا۔ پھر میرا سسر اپنے ایک پڑوسی خالد کو بلا کرلے آیا۔ خالد نے مجھے کہا کہ تیرے سسر ساس اور تیری بیوی یہ کہتے ہیں کہ تو نامرد ہے۔ اس لیے تو طلاق پر دستخط کردے۔ مگر میں نے دستخط کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں کوئی نامرد نہیں ہوں اس بات کو ساس سسر نہیں سمجھتے البتہ میری بیوی جانتی ہے کہ میں نامرد ہوں یا نہیں۔ میری بیوی نے کہا کہ سب کی مرضی ہے اس لیے تو مجھ کو طلاق دیدے اب میں تیرے گھر نہیں جاسکتی۔ میں یہ سن کر خاموش ہوگیا پھر میرے سانڈو کو میرے سسر نے بھیجا کہ جا امام مسجد کو بلالا۔ امام مسجد صاحب نے آکر بھی مجھ کو کہا کہ یہ کاغذ ہیں اس پر دستخط کردو کیونکہ تم نامرد ہو اور یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔ میں نے امام مسجد کو جواب دیا کہ اگر نکاح ہی صحیح نہیں ہوا تو پھر طلاق کیوں مانگتے ہو۔ تو امام نے جواب دیا کہ تمہارا کیا حرج ہے تم طلاق پر دستخط کردو۔ میں نے کہا کہ طلاق دینے سے حرج نہیں ہوتا تو تم بھی اپنی بیوی کو طلاق دیدو اور میرا سسر اور میرا سانڈو بھی طلاق دیدے تو پھر میں بھی دستخط کردوں گا جس پر میرے سسر نے اور دو آدمی بلالئے انہوں نے آکر مجھ کو گالیاں دینی شروع کردیں پھر میرے سسر اور ساس اور سالی نے بھی مجھ کو گالیاں دینی شروع کردیں اور مارنے قتل کرنے کی دھمکیاں دینی شروع کیں ایک عجیب شور تھا جو برداشت سے باہر تھا۔ ایک آدمی نے مجھ کو جبراً قلم دیا کہ دستخط کر ورنہ بچ کر نہیں جاسکتا اس وقت میری بیوی نے بھی میرا ساتھ نہیں دیا۔ میں نے آخر میں کہا کہ میری بیوی سے پوچھو کیا میں نامرد ہوں۔ مگر سسر نے کہا کہ تجھے شرم نہیں آئی کہ سب کے سامنے ہم لڑکی سے پوچھیں تو تو بے غیرت ہے تو یہ ہے تو وہ ہے۔ ہم کو سب کچھ معلوم ہوگیا ہے میں نے جان چھڑانے کے بہت بہانے اور وعدے کئے تاکہ اس وقت میں اس مصیبت اور پریشانی سے بچ جاؤں اور میرے دستخط نہ لیے جائیں۔ میں نے کہا اچھا میرا زیور واپس کیا جائے ساس نے کہا کہ ہم کو تیرے زیور کا کچھ پتہ نہیں وہ تیرے گھر تیری بیوی کے پاس ہی ہے اور وہ یہاں لیکر نہیں آئی۔ میں نے سخت پریشانی خوف و ڈر کی حالت میں دستخط کردئے اور دو گواہوں نے بھی دستخط کئے پھر انہوں نے مجھ کو چھوڑ دیا۔ اور میں گھر چلا آیا۔ میں نے اپنے منہ سے طلاق کا ایک لفظ بھی نہیں نکلا اور نہ ہی میں نے وہ طلاق نامہ کو عبارت کو پڑھا۔ صرف آنکھوں سے دیکھ کر دستخط کردئے۔ یہ ایک پلان اور منصوبہ اور سازش تھی جو میرے سانڈو اور اس کے ورغلانے سے میرے سسر اور ساس اور سالی نے میرے خلاف تیار کیا۔ میری بیوی کو بھی آخر میں اس میں شامل کیا گیا ورنہ اس سے پہلے کبھی بھی میری بیوی نے مجھ سے لڑائی جھگڑا یا طلاق کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ نہ ہی میری نامردی کا کوئی ثبوت پیش کیا گیا۔ نا ہی کبھی میری بیوی نے مجھ کو نامرد کہا۔ بلکہ ایک دو دفعہ میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ میرا بہنوئی تمہارے سخت خلاف ہے اس سے ذرا بچکر رہنا اور میں تمہارے ساتھ بالکل راضی خوشی ہوں۔ میں کبھی تم کو چھوڑنا نہیں چاہتی میں نے یہ باتیں سن کر ایک ٹیپ بھی بھری تھی جس کا کسی کو پتہ نہیں وہ بھی آپ سن سکتے ہیں۔ مجھ کو میری بیوی نے خوب محبت سے رکھا ہوا تھا۔ اب میں

نے اپنی ڈاکٹری بھی کرالی ہے میرے پاس ڈاکٹری سرٹیفکیٹ بھی ہیں۔ میں نے اپنے سسر کو بھی پیغام بھیجا ہوا ہے کہ اپنی لڑکی کی ڈاکٹری کراؤ تاکہ معلوم ہو کہ کیا اب تک وہ کنواری ہے۔ اور اگر کنواری نہیں ہے تو اس کا کنوار کس نے توڑا ہے۔ یہ میرا حلفیہ باوضو بیان ہے میرے پاس گواہ اور تمام کاغذات نکاح نامہ وغیرہ بھی موجود ہیں۔ آپ مجھ کو شریعت کا فتویٰ عطا فرمائیں کہ کیا یہ طلاق ہو گئی ہے یا نہیں میری بیوی کے خفیہ پیغام بھی مجھ کو ملتے رہتے ہیں کہ وہ میرے پاس آنا چاہتی ہے۔ اور اس سازش کے خلاف روتی رہتی ہے مگر میرے ساس سسر یعنی اپنے والدین سے ڈرتی ہے۔ میرا سانڈو اس میری بیوی سے اپنے بھائی کا نکاح کرنا چاہتا ہے اور ساس سسر کو بہت کچھ لالچ دیا ہوا ہے۔ اس طلاق کے دستخط سے نہ میں راضی ہوں نہ میری بیوی۔ دستخط سائل و گواہان بینوا توجروا۔ ۱۲-۱۰-۸۳

بعون الملک الوہاب۔

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق میں نے بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے اس مندرجہ بالا بیان کے اصل واقعات کا بہت تحقیق و تفتیش سے پتہ کرایا تقریباً سوا مہینے تک چھان بین کی زید اور اس کے گواہان کے حلفیہ بیان لیے ان کی سچائی پر دیگر لوگوں کو بلایا۔ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ۔ نکاح نامہ طلاق نامہ زید کے سسر کا بیان امام مسجد مذکور فی السوال کا بیان زید کے سانڈو کا بیان۔ اور وہ کاغذ جس پر زید سے جبراً دستخط کرائے گئے۔ زید کے سسر وغیرہ نے تسلیم کیا کہ ہم نے زید کو چھری سے قتل کی دھمکی دے کر دستخط کرائے تھے اپنی لڑکی کی جان چھڑانے کے لیے ایسا کیا۔ اور انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ زید نے زبانی طلاق نہیں دی۔ یہ سب حلفیہ بیان قرآن مجید پر باوضو ہاتھ لگوا کر لیے گئے۔ اس تمام تحقیق و تفتیش سے ثابت ہو گیا کہ زید اپنے بیان میں سچا ہے اور نامرد نہیں نہ کوئی جسمانی کمزوری اس میں موجود ہے بلکہ حقوقِ زوجیت ادا کرنے کے بالکل قابل ہے اور پہلے ادا کرتا رہا ہے۔ مخالف فریق اس کو کسی طرح بھی نامرد ثابت نہیں کر سکے۔ اور اس جبری دستخط سے قبل دونوں خاوند بیوی اچھی باسلوک زندگی گزار رہے تھے اور زید کی بیوی بھی گھر آباد کرنا چاہتی تھی میں نے وہ ٹیپ بھی سنی جس میں بیوی نے خانہ آبادی اور اچھی زندگی گزارنے کا وعدہ کیا ہے زید کے سسر نے اپنی لڑکی کی آواز پہچان کر اس بات کی تصدیق کی کہ یہ میری لڑکی اور زید کی بیوی زینب کی ہی آواز ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ زید طلاق نہیں دینا چاہتا تھا۔ نہ اس نے اپنی زبان سے طلاق کے لفظ ادا کیے۔ مخالف فریق میں سے کسی نے تحریری بیان دیا کسی نے زبانی کسی نے فون پر مجھ کو تحقیق کا موقع دیا۔ اس لیے یہ فتویٰ بالکل ہر طرح مکمل اور قابلِ عمل ہے۔ اسی تفتیش کے دوران متعلقہ بزرگ نے حلفاً بیان پیش کیا کہ زید کے ساس سسر اور بیوی خود حاضر ہوئے اور بتایا کہ ہم نے زید سے جبراً طلاق لکھوائی ہے جس میں بیان ہمارا تھا اور صرف دستخط زید سائل کے تھے۔ بیوی کی دبی زبان سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ نامردی کو صرف طلاق کے لیے آڑ بنایا گیا ہے دیگر گواہان نے بتایا کہ ہم

جب اوپر گئے تو زید کو ہم نے گھبرایا ہوا پایا اور پریشان دیکھا بہت مشکل سے اس سے دستخط کرائے گئے۔ اور زبانی طلاق تو زید نے دی نہ کسی نے کہا۔ لہٰذا فتویٰ دیا جاتا ہے کہ زید کی طرف سے اس کی بیوی زینب کو بالکل طلاق نہیں ہوئی اور زینب بدستور حسب سابق زید کی شرعی بیوی ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ فی السوال طریقہ طلاق کو طلاق بالاکراہ کہتے ہیں۔ فقہ اسلامی میں اکراہ دو قسم کا ہے۔ چنانچہ فتاوی بحر الرائق جلد ہشتم صفحہ پر ہے۔

وَالْاِکْرَاہُ نَوْعَانِ مُلْجِئٌ وَ غَیْرُ مُلْجِئٍ فَالْمُلْجِئُ ھُوَ الْکَامِلُ بِمَا یَخَافُ عَلٰی نَفْسِہٖ اَوْ عَضْوِہٖ (الخ) وَغَیْرُ الْمُلْجِئِ ھُوَ الْقَاصِدُ وَ ھُوَ اَنْ یُکْرَہَ بِمَا لَا یَخَافُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَلَا عَلٰی تَلْفِ عَضْوِہٖ مِنْ اَعْضَائِہٖ کَالْاِکْرَاہِ بِالضَّرْبِ الشَّدِیْدِ اَوِ الْقَیْدِ اَوِ الْحَبْسِ۔ ترجمہ۔ اکراہ یعنی جبر اور دھمکی دو قسم کی ہے ۱۔ مُلجی ۲۔ غیر مُلجی۔ اکراہ مُلجی کامل اور سخت دھمکی کا نام ہے جس میں قتل کرنے یا کوئی عضو کاٹنے ضائع کرنے کی دھمکی دی جائے یعنی ظالم یا حقدار مظلوم یا حق ادا کرنے والوں کو کسی چیز پر مجبور کرے اور قتل کی یا اعضاء کاٹنے توڑنے کی شرط دے کہ اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو قتل وغیرہ کر دوں گا۔ اور اکراہ غیر ملجی وہ دھمکی ہے جو قتل وغیرہ سے کم ہو مثلاً سخت مارنے یا قید کرنے یا نظربند کرنے کی دھمکی۔ پہلی قسم کی دھمکی کو اکراہ شرعی کہا جاتا ہے۔ اور اسلامی قانون میں شرعی اکراہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اس قسم کے کامل جبر کی دھمکی سے کوئی کسی خاوند سے طلاق لے تو صرف زبانی منہ کے ادا کرنے سے اور الفاظ طلاق بولنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یعنی زبان سے طلاق۔ یعنی ایسی مجبور خاوند سے زبانی طلاق کہلوانی شرط ہے لکھنا لکھوانا ضروری نہیں۔ اگر ایسا مجبور خاوند زبان سے الفاظ طلاق ادا نہ کرے اور منہ سے اپنی بیوی کا نام لے کر یا سامنے موجود بیوی کی طرف اشارہ کرکے طلاق نہ دے تو چاہے دس دفعہ لکھ دے طلاق واقع نہ ہو گی۔ چنانچہ بہار شریعت حصہ ہشتم صفحہ پر ہے کہ کسی شوہر کو طلاق لکھنے پر کسی نے مجبور کیا خاوند نے اپنی بیوی کو طلاق لکھ دی مگر نہ دل میں ارادہ ہے نہ زبان سے طلاق کا لفظ کہا تو طلاق نہ ہو گی۔ مجبوری سے مراد شرعی مجبوری ہے اور شرعی مجبوری یہی کامل مجبوری ہے جس کا نام اکراہ مُلجی ہے۔ کامل مجبوری کی صورت میں فقہ اسلامی کے ضابطوں کے مطابق تو خاوند اگر طلاق نامے کی پوری عبارت بھی خود لکھ دے یعنی طلاق کے الفاظ۔ تعداد بیوی کا نام اور اپنے دستخط سب کچھ خود اپنے قلم سے ہی لکھ دے تب بھی طلاق نہیں ہوتی۔ صورت مسئولہ میں تو سائل مذکور زید نے صرف اپنا نام ہی لکھا جب کہ طلاق کے کاغذ پر باقی عبارت کسی اور شخص نے پہلے سے لکھی تھی جیسا کہ سائل کے بیان اور گواہوں کی گواہی سے ظاہر ہے۔ اس طرح تو بدرجہ اولیٰ طلاق نہیں ہوتی کیونکہ شریعت اسلامیہ کے مطابق طلاق کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ خاوند باہوش ہو اس اپنی مرضی ارادے اور نیت سے زبانی یا تحریری اپنی بیوی کا نام اور تعلق نسبت کے ساتھ طلاق دے تو طلاق ہوتی ہے یا خاوند کو سخت مجبور کیا جائے اور خاوند زبان سے اپنی بیوی کا

نام لے کر یا سامنے بیٹھی کی طرف اشارہ کر کے طلاق دے تو طلاق ہوتی ہے مجبور کی لکھی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ بعد میں اپنی تحریر کو پڑھ بھی لے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۳۷۹ پر ہے۔

رَجُلٌ اُكْرِهَ بِالضَّرْبِ وَالْحَبْسِ عَلٰى اَنْ يَّكْتُبَ طَلَاقَ اِمْرَءَتِهٖ فُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ فَكَتَبَ۔ اِمْرَءَتُهٗ فُلَانَةُ بِنْتُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ طَالِقٌ لَا تُطَلَّقُ اِمْرَءَتُهٗ كَذَا فِيْ فَتَاوٰى قَاضِيْ خَان۔ ترجمہ ایک خاوند کو دھمکی دیکر مجبور کیا گیا اور دھمکی غیر ملکی ہے یعنی مار اور نظر بندی کی کہ تو اپنی فلاں بیوی جو فلاں شخص کی بیٹی ہے کو طلاق لکھدے خاوند نے خوف اور گھبراہٹ سے لکھدیا کہ میری فلاں بنت فلان بیوی کو طلاق ہے تو قانون شرعی سے طلاق نہ ہو گی۔ اور وہ عورت بدستور اسی خاوند کی بیوی رہے گی ہاں البتہ زبانی میری طلاق دیتے سے طلاق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار اور اس کی شرح فتاویٰ شامی جلد دوم ص۴۲۵ پر ہے وَيَقَعُ طَلَاقُ كُلِّ زَوْجٍ بَالِغٍ عَاقِلٍ وَلَوْ عَبْدًا اَوْ مُكْرَهًا فَاِنَّ طَلَاقَهٗ صَحِيْحٌ (قَوْلُهٗ فَاِنَّ طَلَاقَهٗ صَحِيْحٌ) اَيْ طَلَاقُ الْمُكْرَهِ ۔ ترجمہ واقع ہو جاتی ہے ہر عاقل بالغ خاوند کی زبانی منہ سے دی ہوئی طلاق اگرچہ خاوند غلام یا مجبور محبوس ہو۔ یعنی دھمکی سے ڈرائے ہوئے خاوند کی زبانی بولی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ درمختار شامی کی یہ ساری عبارت اور یہ فصل زبانی طلاق کے متعلق ہے اس لیے ہم نے بھی یہاں لفظ طلاق کا ترجمہ زبانی طلاق ہی کیا ہے کیونکہ اصطلاح شریعت میں عربی گرامر اور نحوی اشتقاق کے صیغے۔ طالق طلق۔ طلقت يطلق وغیرہ سے مراد زبانی طلاق ہی ہوتی ہے اور شروع اسلام کے زمانوں سے ماضی قریب کے زمانوں تک زبانی طلاق ہی مروج رہی ہے ان زمانوں میں لکھی ہوئی طلاق کا اتنا رواج نہ تھا اسی لیے بعض فقہاء نے تو طلاق بالکتابت یعنی تحریری طلاق کو بالکل تسلیم ہی نہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی خاوند اپنی رضا خوشی سے بھی صرف لکھ کر طلاق دیدے گا اور زبان سے بالکل طلاق کے الفاظ ادا نہ کرے تو بھی طلاق قطعاً نہیں ہوتی ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق نکاح کو ختم کرنے کے لیے ہوتی ہے اور نکاح بالکتابت متفقاً جائز نہیں ہوتا تمام ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ مسئلہ واضح ہے کہ اگر کوئی مرد منہ سے نکاح ایجاب یا قبول بالکل نہ کرے صرف کاغذ پر لکھدے کہ میں فلاں عورت سے نکاح کرتا ہوں یا تجھ سے نکاح کرتا ہوں اور عورت بھی لکھدے کہ مجھ کو قبول ہے منہ سے کچھ نہ بولے گواہ بھی تحریر کو پڑھ لیں دستخط بھی کر دیں مگر اس طرح کا یہ نکاح شرعاً صحیح و درست نہ ہو گا۔ تو اس طرح کی طلاق بھی درست نہیں ہو سکتی۔ لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ جب خاوند اپنی مرضی و ارادے سے طلاق لکھ کر دے گا تو منہ سے کہے یا نہ کہے طلاق واقع ہو جائے گی چنانچہ فتاویٰ شامی جلد دوم ص۴۴۶ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۳۷۸ پر ہے۔ فَصْلٌ فِي الطَّلَاقِ بِالْكِتَابَةِ اَلْكِتَابَةُ عَلٰى نَوْعَيْنِ مَرْسُوْمَةٍ وَغَيْرِ مَرْسُوْمَةٍ وَاِنْ كَانَتْ مَرْسُوْمَةً يَقَعُ الطَّلَاقُ نَوٰى اَوْ لَمْ يَنْوِ۔ ترجمہ۔ طلاق

لکھنے کی دو قسمیں ہیں ۱؎ طلاق مرسومہ ایسی لکھائی جو لفظاً باقی رہتی ہو مثلاً سیاہی سے کاغذ وغیرہ پر لکھنا ۲؎ غیر مرسومہ جس کی لکھائی عادۃً وحقیقتاً باقی نہ رہتی ہو مثلاً پانی پر لکھنا یا ہوا پر لکھنا یا بغیر سیاہی انگلی یا قلم سے لکڑی۔ کاغذ یا دیوار پر لکھنا۔ ان دونوں قسموں کو مستبین اور غیر مستبین بھی کہتے ہیں۔ اگر کسی خاوند نے مرسومہ اور مستبین لکھائی سے اپنی بیوی کی طلاق لکھی تو واقع ہو جائے گی مگر غیر مرسومہ اور غیر مستبین کتابت والی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ایسی طلاقیں لایعنی ہیں۔ ہاں البتہ طلاق بالکتابت مرسومہ غیر قیاسی طلاق ہے لہٰذا اپنے مورد پر قائم رہے گی۔ کیونکہ ہر غیر قیاسی چیز اپنے مورد یعنی قانونِ فرمودہ پر ہی صحیح جاری رہ سکتی ہے چنانچہ علم اصول فقہ کی مشہور کتاب اصول شاشی ص۲۲ پر ہے وَالْاِسْتِحْسَانُ يَبْقِيْ عَلٰی اَصْلِہٖ۔ یعنی خلافِ قیاس اپنے مورد پر باقی رہتا ہے اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح فتاویٰ فتح القدیر جلد سوم ص۱۰ پر ہے اس قانون سے مرضی کی قلم سے کاغذ وغیرہ پر لکھی ہوئی طلاق تو درست وجائز ہوگی لیکن جبر کی لکھی ہوئی طلاق درست نہ ہوگی اس لیے کہ غیر قیاسی چیز پر کسی کو قیاس نہیں کرسکتے۔ رضامندی کی کتابت کو رضامندی کی زبانی پر قیاس کرسکتے ہیں اس لیے کہ علت یعنی رضا دونوں جگہ موجود ہے۔ مگر مجبوری کی کتابت کو رضامندی کی زبانی طلاق پر قیاس نہیں کرسکتے کیونکہ علت مشترکہ موجود نہیں ہے حالانکہ قیاس تب ہی درست ہوتا ہے جب علت مشترکہ ہو۔ اسی طرح نور الانوار ص۲۲۸ پر ہے وَفِي الشَّرْعِ تَقْدِيْرُ الْفَرْعِ بِالْاَصْلِ فِي الْحُكْمِ وَالْعِلَّةِ۔ ترجمہ: قیاس یہ ہے کسی فرع کو جس پر کوئی واضح آیت یا حدیث یا اجماع نہ آیا ہو اس کو کسی اصل دلیل والی چیز کا حکم لگانا علت اور وجہ ایک ہونے کی بنا پر۔ لہٰذا اس ضابطہ کلیہ کے تحت طلاق کے وقوع کی علت ہے رضا واختیار پس جہاں جہاں اختیار ورضا ہوگی وہاں طلاق درست ہوگی جہاں اختیار ورضا نہ ہوگی وہاں طلاق درست نہ ہوگی۔ اپنی خوشی سے طلاق زبانی میں بھی اختیار ورضا موجود ہے اور اپنی خوشی سے تحریری طلاق میں بھی اختیار ورضا موجود ہے اس لیے یہ لکھی ہوئی رضا والی طلاق زبانی طلاق کے قائم مقام ہو کر جائز واقع اور درست ہوگی چنانچہ فتاویٰ قاضی خان جلد اول ص۲۱۴ پر ہے لِاَنَّ الْكِتَابَةَ اُقِيْمَتْ مَقَامَ الْعِبَارَةِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَةِ وَلَا حَاجَةَ هٰهُنَا ترجمہ: یعنی طلاق کی کتابت اور لکھائی صرف خاوند کی ضرورت کی وجہ سے جائز رکھی گئی ہے ورنہ عقل وقیاس کے خلاف ہے کیونکہ طلاق صرف خاوند کی زبان کو ہے نہ کہ قلم کو مگر چونکہ دور دراز سے بھیجنے اور ثبوت کے لیے لکھنے کی حاجت ہے تو بقدرِ حاجت ہی جائز رہے گی اور جب خاوند کو دھمکی دے کر طلاق لکھوائی تو خاوند کی ضرورت سے زیادہ بلکہ علاوہ مرضی کے خلاف کتابت طلاق ہوئی جو کسی طرح زبانی طلاق کے درجہ اور مشابہت میں نہیں ہوسکتی اور بلا حاجت ہے لہٰذا مجبور شخص کی فقط لکھی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ جبر کرکے طلاق لکھوانا گویا طلاق کی تحریری عبارت پر دستخط لکھوانا بیکار ہے۔ اس لیے سوال مذکورہ میں زید کی طرف سے کوئی طلاق واقع نہ ہوئی مخالفین کی سب محنت بیکار ہوئی زینب مذکورہ اپنے خاوند زید کی حسب سابق بیوی شرعی ہے۔ ہاں البتہ جبر اور قتل کی دھمکی دے کر زبان سے طلاق کے الفاظ ادا کرانے سے

طلاق بالکل صحیح واقع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ خاوند کی رضا خوشی یہاں بھی نہیں پائی جاتی اس لیے کہ یہ مسئلہ قیاسی نہیں بلکہ احادیثِ پاک میں صاف صاف جواز ونفاذ اور واقع ہو جانے کا حکم موجود ہے۔ اور اس کے علاوہ عقلاً بھی چند وجوہ سے مجبور ومقہور خاوند کی زبانی طلاق واقع ہو جاتی ہے، چنانچہ بخاری شریف جلد دوم ص۷۹۴ پر ہے وَقَالَ عَلِیٌّ وَکُلُّ الطَّلَاقِ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْہِ ۔ آگے دوسری حدیث پاک اس طرح ہے۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاہِیْمَ (الخ) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ اَنْفُسَھَا مَا لَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَتَکَلَّمْ قَالَ قَتَادَۃُ اِذَا طَلَّقَ فِیْ نَفْسِہٖ فَلَیْسَ بِشَیْءٍ اسی طرح نسائی شریف جلد دوم ص۱۴۳ پر ہے۔ اور اسی طرح ترمذی شریف جلد اول ص۲۲۶ پر ہے عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْہِ ۔ (الخ)

ترجمہ: اور فرمایا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ مشکل کشا شیرِ خدا نے کہ ہر خاوند کی ہر طلاق جائز ہے سوا معتوہ اور مجنون کی طلاق کے اس حدیث پاک سے ثابت ہوا جو عاقل بالغ خاوند اپنی بیوی کو زبان سے کسی حالت میں رضا یا جبر کی صورت میں طلاق دے تو طلاق ہو جاتی ہے چونکہ اس مطلق حدیث نے صرف معتوہ کی طلاق کو مستثنیٰ کیا لہٰذا مجبور کی طلاق درست نافذ ہوگی۔ دوسری حدیث کا ترجمہ ہے روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان چیزوں کو معاف اور درگزر فرمایا جو کسی مسلمان کے فقط نفس سے ظاہر وحادث ہو جب تک کہ وہ شخص اس دلی باطنی چیز پر عمل نہ کرے یا منہ سے نہ بولے فرمایا امام قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہ جب کوئی خاوند اپنے باطن سے طلاق دے تو وہ کچھ نہیں ہے۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ اصل طلاق زبانی طلاق ہے نہ کہ قلبی یا قلمی۔ ترمذی کی حدیثِ پاک کا ترجمہ روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے مجنون اور پاگل خاوند کے ہر خاوند کی طلاق درست ہے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ معتوہ میں نابالغ بھی شامل ہے کتاب درایہ کتاب الطلاق ص۶۶۸ پر ہے حدیث کُلُّ طَلَاقٍ وَاقِعٌ اِلَّا طَلَاقَ الصَّبِیِّ الْمَجْنُوْنِ ترجمہ ہر خاوند کی طلاق واقع ہے سوا بچہ نابالغ خاوند اور مجنون کی۔ آگے دوسری حدیث شریف اس طرح ہے وَرَوٰی عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ اَجَازَ طَلَاقَ الْمُکْرَہِ وَعَنِ الشَّعْبِیِّ وَالنَّخَعِیِّ وَاَبِیْ قِلَابَۃَ وَالزُّھْرِیِّ وَقَتَادَۃَ اَنَّھُمْ اَجَازُوْہُ ۔ ——————

ترجمہ ۶۲ اور امام محدث عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت فرمایا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ بیشک فقیہ صحابہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجبور کی طلاق کو درست قرار دیا۔ اور امام شعبی اور امام نخعی اور محدث ابی قلابہ اور فقیہ امام زہری اور امام قتادہ بیشک ان سب نے مکرہ یعنی مجبور خاوند کی زبانی طلاق کا جواز فرمایا یعنی درست کہا۔ مثلاً فتاویٰ بحر الرائق، جلد ہشتم کتاب الاکراہ ص۷۹ پر ہے اور درایہ ص۶۶۸ پر ہے۔ رَوَی الْعُقَیْلِیُّ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عِمْرَانَ الطَّائِیِّ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الصَّحَابَۃِ کَانَ نَائِمًا فَقَامَتْ اِمْرَاَتُہٗ فَاَخَذَتْ سِکِّیْنًا فَجَلَسَتْ عَلٰی صَدْرِہٖ فَقَالَتْ لَتُطَلِّقَنِّیْ

ثَلَاثًا اَوْلَاَذْبَحَنَّكَ فَطَلَّقَهَا ثُمَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَلَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ لَا قَيْلُوْلَةَ فِي الطَّلَاقِ۔

ترجمہ۔ امام عقیلی سے روایت ہے وہ صفوان بن عمران طائی سے راوی کہ بیشک ایک صحابہ میں سے کوئی مرد سویا ہوا تھا کہ اس کی بیوی چھری لیکر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھی کہ مجھ کو تین طلاقیں دے ورنہ ابھی تجھ کو ذبح کردوں گی اس نے گھبرا کر طلاقیں دیدیں پھر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آکر یہ واقعہ عرض کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب طلاق ہو جانے میں تو کوئی بات باقی نہیں رہی۔ ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ مجبور خاوند کی طلاق درست ہو جاتی ہے۔ جب کہ زبانی طلاق دی ہو۔ حدیث پاک نے زبان اور کلام کی شرط اس لیے لگائی کہ طلاق کی اصل مالک زبان ہی ہے۔ تو جس طرح چیز کا مالک۔ اپنی چیز کو جیسے چاہے استعمال کرے اسی طرح زبان اپنی طلاق کو جیسے چاہے مرضی سے یا مجبوری سے استعمال کرے طلاق ہو جائے گی۔ اور صرف طلاق ہی نہیں بلکہ ہر وہ بات جس کی ملکیت زبان کو ہے جب زبان اس کو بولا ئے گی خواہ رضا سے خواہ جبر سے تو وہ بات درست واقع ہو جائے گی فقہاء کرام نے چودہ۱۴ چیزوں کو زبان کی ملکیت شمار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ باتیں خوشی سے کی جائیں یا مجبوری سے بہرکیف واقع ہو جاتی ہیں چنانچہ فتاویٰ شامی جلد دوم صفحہ ۴۲۶ اور فتاویٰ بحرالرائق جلد سوم صفحہ ۲۴۶ پر ہے کہ چودہ۱۴ چیزیں مجبوری اور دھمکی سے کہلینے سے بھی واقع ہو جاتی ہیں ۔ ۱ طلاق زبانی ۲ نکاح زبانی ۳ رجوع عن طلاق ۴ قسم منعقدہ طلاق وغیرہ کے لیے ۵ عتاق ۶ ظہار ۷ ایلا یعنی بیوی سے علیحدہ رہنے پر بات ۸ عمد کے قتل کا خون معاف کرنا ۹ صدقہ اپنے ذمے واجب کرنا ۱۰ بیوی کا خلع کرنا ۱۱ لامنت ماننا ۱۲ غلام کو مدبر بنانا ۱۳ لونڈی کو ام ولد بنانا ۱۴ ولیت قبول کرنا۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مجبور خاوند کی لفظی اور زبانی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ کتابت والی طلاق صرف اس وقت واقع ہوگی جب تین چیزیں اور شرطیں موجود ہوں ۱ خاوند کی اپنی مرضی خوشی نیت ہو کوئی مجبور نہ کرے ۲ کتابت قائم ثابت اور نظر آتی ہو پانی ریت مٹی پر انگلی وبغیر سیاہی لکڑی سے نہ لکھی گئی ہو گویا کہ زبانی طلاق کی مشابہ ہو ۳ طلاق دینے والا طلاق کی اہلیت رکھتا ہو۔ مندرجہ بالا احادیث امام اعظم کی دلیلیں ہیں نیز قیاسی دلیل یہ ہے کہ مجبور خاوند جب سخت جان کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے زبان سے طلاق ادا کرتا ہے تو اس وقت ہر طرف سے طلاق کی مکمل شرطیں پائی جاتی ہیں کہ اہلیت بھی ہے محلیتِ طلاق بھی ہے اور باطن میں اب خاوند کی نیت بھی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں طلاق دیر ہا ہوں جان یا اعضاء کا خطرہ بھی ایسا سخت ہے کہ بچنے کا کوئی راستہ نہیں بخلاف اکراہ غیر ملجی کے کہ ایسے نرم اکراہ میں نیت پائی جاوے گی ثابت نہیں ہوتی بعض نے کہا کہ کوئی شخص کسی خاوند کو نظر بند کرنے کی دھمکی دے یا قید کرنے کی یا جس بیجا کی اور خاوند نے فوراً دھمکی سے ڈر کر طلاق دیدی تو طلاقِ مجبوری درست نہ ہوگی چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۸۴ اور ابن ماجہ شریف صفحہ ۱۶۶ جلد اول۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِيْ اِغْلَاقٍ۔

ترجمہ۔ اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نظر بند کرنے کی دھمکی والے مجبور خاوند کی طلاق یا ایسے مجبور شخص کا اپنا غلام آزاد کر دینا درست نہیں ہے کیونکہ اغلاق غلق سے بنا ہے اور غلق معنی ہے دروازہ بند کرنا اصطلاحاً اسی کو نظر بندی یا حبس بیجا کہا جاتا ہے۔ اور یہ بہت معمولی اکراہ و دھمکی ہے اس میں خاوند کو صبر کرنا چاہیئے طلاق نہیں دینی چاہیئے اور اگر جلدبازی سے دیدی تو واقع نہ ہوگی۔ اس روایت کی بنا پر۔ دیگر ائمہ ثلاثہ حضرت امام مالک امام احمد بن حنبل امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مسلک ہے کہ کسی قسم کے مجبور کی طلاق واقع نہیں ہوتی نہ طلاق تحریری نہ زبانی لفظی۔ نہ مجبور ملجی (بیچارہ) نہ مجبور غیر ملجی۔ مگر یہ مسلک صحیح نہیں کیونکہ دلائل بہت کمزور ہیں جیسا کہ اگلی سطور میں بیان کیا جائیگا خلاصہ یہ کہ مجبور خاوند کی طلاقیں تین قسم کی ہیں مسلک حنفی میں دو قسم کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور صرف ایک قسم کی واقع ہو جاتی ہے۔ ۱۔ مجبور کی سخت مجبوری کی حالت میں صرف قلم سے لکھی ہوئی طلاق۔ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی جیسا کہ دلائل سے ثابت کر دیا گیا۔ سوالِ مذکورہ میں ایسی ہی طلاق کا ذکر ہے لہٰذا فتویٰ دیا جاتا ہے زید کی مذکورہ طلاق غلط ہے واقع نہیں ہوئی زینب ابھی تک اس کی شرعی و قانونی بیوی ہے۔ ۲۔ معمولی دھمکی سے مجبور خاوند زبانی طلاق دیدے بقول بعض احناف واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ اکراہ نہیں پایا گیا اور نہ ہی خاوند کی رضا یہ دونوں صورتیں متفقہ ہیں۔ ۳۔ سخت مجبور اور بیچارہ خاوند انتہائی خوف سے گھبرا کر طلاق زبان سے دیدے۔ یہ صورت مختلف ہے۔ تمام حنفی فقہاء عظام فرماتے ہیں کہ طلاق ہو جائے گی۔

چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد سوم صفحہ ۲۴۴ وَيَقَعُ طَلَاقُ كُلِّ زَوْجٍ عَاقِلٍ بَالِغٍ وَلَوْ مُكْرَهًا۔ اَیْ وَلَوْ كَانَ الزَّوْجُ مُكْرَهًا عَلٰى اِنْشَاءِ الطَّلَاقِ لَفْظًا خِلَافًا لِلْاَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ۔ ترجمہ ہر عاقل بالغ خاوند کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اگرچہ خاوند کو دھمکی سے طلاق دینے پر مجبور سخت کیا جائے اور خاوند لفظی طلاق دیدے۔ لیکن یہ مسئلہ باقی تین اماموں کے خلاف ہے ہدایہ اولین صفحہ ۳۴۹ اور ہدایہ آخرین صفحہ ۲۹۳ پر ہے۔

وَطَلَاقُ الْمُكْرَهِ وَاقِعٌ خِلَافًا لِلشَّافِعِیِّ (رح) وَلَنَا اَنَّهٗ قَصَدَ اِيْقَاعَ الطَّلَاقِ فِیْ مَنْكُوْحَتِهٖ فِیْ حَالِ اَهْلِيَّتِهٖ فَلَا يَعْرِیْ عَنْ قَضِيَّتِهٖ۔ ترجمہ مجبور کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ خلاف ہے امام شافعی کے۔ اور ہماری عقلی و قیاسی دلیل یہ ہے کہ خاوند نے مجبور ہو کر اپنی منکوحہ بیوی کو ایسی حالت میں طلاق دینے کا ارادہ کر لیا جب کہ وہ خاوند طلاق دینے کا اہل تھا۔ اس لیے یہ طلاق واقع ہو جانے سے خالی نہیں ہو سکتی گویا کہ اس نے اپنا اختیار اور رضا ظاہر کر دی ہاں اَلْبَتَّہ غَيْرُ رَاضٍ بِحُكْمِهٖ۔ اس کے حکم یعنی واقع ہو جانے سے راضی نہیں تھا مگر خواہش رکاوٹ نہیں بنی۔ فتاویٰ فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۳۹ اور فتاویٰ عنایہ سوم صفحہ ۴۰ اور فتاویٰ چلپی سوم صفحہ ۳۹ پر ہے۔

وَطَلَاقُ الْمُكْرَهِ وَاقِعٌ وَبِهٖ قَالَ الشَّعْبِیُّ وَالنَّخَعِیُّ وَالثَّوْرِیُّ خِلَافًا لِلشَّافِعِیِّ وَبِقَوْلِهٖ قَالَ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ ——— ترجمہ مجبور خاوند کی طلاق درست واقع ہو جاتی ہے یہی مذہب امام شعبی اور امام نخعی اور ثوری کا ہے۔ امام شافعی امام مالک اور امام احمد کے خلاف ہے۔ آگے لکھتے ہیں وَرُوِیَ مُحَمَّدٌ بِاِسْنَادِہٖ

عَنْ صَفْوَانِ بْنِ عَمْرٍو الطَّائِیِّ اَنَّ اِمْرَأَةً کَانَتْ تُبْغِضُ زَوْجَهَا وَ وَجَدَتْهُ نَائِمًا ـ

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے مضبوط اور پوری اسناد سے یہ حدیث روایت فرمائی کہ زمانہ نبوی میں ایک عورت اپنے خاوند سے سخت ناراض تھی ایک دفعہ اس نے اپنے خاوند کو سوتا ہوا پایا تو چھری لے کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھی الخ۔ یہ حدیث دوسرے حوالوں سے ہم نے پہلے بھی نقل کر دی ہے اسی فتاوٰی میں ایک اور حدیث شریف اس طرح منقول ہے۔

وَرُوِیَ اَیْضًا عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَرْبَعٌ مُبْهَمَاتٌ مُقْفَلَاتٌ لَیْسَ فِیْهِنَّ رَدٌّ اَلنِّکَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالْعِتَاقُ وَالصَّدَقَةُ۔ ترجمہ۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے چار ایسی مُبہم اور مجبوری کی چیزیں ہیں جو کسی صورت میں رد نہیں ہو سکتیں۔ نکاح اور طلاق ، عتاق۔ اور صدقہ۔ غرضیکہ امام اعظم کا مسلک عقلاً نقلاً حدیث و روایت کے دلائل سے انتہائی مضبوط و درست ہے۔ دیگر ائمہ ثلاثہ کے دلائل حسب ذیل ہیں۔ پہلی دلیل۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَاطَلَاقَ فِیْ اَغْلَاقٍ قِیْلَ مَعْنَا الْاِغْلَاقِ الْاِکْرَاهُ۔ اس کی شرح لمعات میں ہے قَوْلُهٗ لَاطَلَاقَ وَلَاعِتَاقَ فِیْ اَغْلَاقٍ۔ اَلْاَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ اَخَذُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ وَقَالُوْا لَا یَقَعُ الطَّلَاقُ وَالْعِتَاقُ مِنَ الْمُکْرَهِ ترجمہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے کہ نہیں ہے طلاق اور نہ غلام آزاد کرنا اغلاق میں الخ۔ اور کہا گیا ہے کہ اغلاق کے معنی اکراہ یعنی مجبور کرنا ہے۔ لمعات نے فرمایا کہ حدیث پاک کا فرمان لَاطَلَاقَ وَلَاعِتَاقَ۔ اس حدیث پاک سے تینوں ائمہ نے یہ دلیل بنائی ہے کہ مجبور کی طلاق اور عتاق درست نہیں ہوتی۔ یہ تھی امام شافعیؒ وغیرہ تین اماموں کی اپنے مذہب پر بنیادی دلیل

جواب

امام اعظم کی طرف سے حنفی مشائخ و علماء اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں۔ کہ اِغلاق کا معنی اکراہ کبھی نہیں ہے۔ بلکہ لغوی ترجمہ ہے دروازہ بند کرنا اِغلاق باب افعال کا مصدر ہے غَلَقٌ سے بنا ہے۔ مراد اس سے نظر بند کر دینا۔ جس بیجا کرنا۔ یا دروازے بند کر کے پریشان کرنا اور کسی کام پر آمادہ کرنا یہ طریقہ مجبوری کا بہت معمولی ہوتا ہے اس میں مجبور کو خوف نہیں آتا بلکہ غصہ آتا ہے۔ اور انسان اس گھبراہٹ سے ڈرتا نہیں بلکہ جھنجھلا جاتا ہے اسی لیے اہل لغت نے اغلاق کا ترجمہ زبان اردو جھنجھلانا کیا ہے۔ نیز اس حدیث پاک کی شرح میں تقریباً تمام مشہور و معتبر شارحین نے غضب میں آنا۔ سخت غصے میں ہونا اس کا ترجمہ کیا۔ یہاں تک کہ امام محدث ابو داؤدؒ نے اسی حدیث کے لیے جو باب باندھا ہے اس کا نام ہی بَابٌ فِی الطَّلَاقِ عَلَی الْغَیْظِ۔ رکھا اور ابو داؤد ص۲۹۸ جلد اول میں لفظ اغلاق کی شرح کرتے ہوئے فرمایا۔ قَالَ اَبُوْ دَاؤُد۔ اَلْغَلَاقُ اَظُنُّهٗ فِی الْغَضَبِ۔ ترجمہ میرے نزدیک اغلاق کا معنی ہے سخت غصہ۔ مرقات شرح مشکوٰۃ نے اس حدیث پاک کی شرح میں۔

فرمایا کہ اغلاق کا معنیٰ مجبوری نہیں بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ کسی کے مجبور کرنے تنگ کرنے ستانے پر خاوند کو سخت غضب وغصہ آئے اور اسی طیش سے دیوانگی اور پاگل پن سوار ہو جائے اور اس خراب حالت میں بیوی کو طلاق دے بیٹھے اس طلاق کا بیان ذکر ہے۔ وہ طلاق نہیں ہوتی۔ ان اقوال سے ثابت ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کا لفظِ اغلاق سے اپنے مسلک کی دلیل بنانا بہت ہی غلط ناقص اور کمزور ہے۔ لہٰذا مسلک بھی درست نہ ہوا۔ **دوسری دلیل** قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُفِعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَاءُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا۔ (از حوالہ فتاویٰ فتح القدیر جلد سوم ص۳۹)

ترجمہ۔ آقا دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت سے تین چیزیں اٹھالی گئی ہیں یعنی اعمال نامہ لکھنے والا قلم اٹھالیا گیا ۱۔ غلطی ۲۔ بھول ۳۔ اور جس پر کوئی مسلمان مجبور کیا جائے۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ مجبور کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ **جواب** ۔ یہ تھی ائمہ ثلاثہ کی دوسری منقول دلیل فتاویٰ فتح القدیر نے ص۳۹ پر اس کا جواب دیا کہ وَالْاِجْمَاعُ عَلٰى اِنَّ حُكْمَ الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْمُؤَاخَذَةُ وَعِقَابٌ ترجمہ اس حدیث پاک میں آخرت کا ذکر ہے نہ کہ دنیا کا اور معنیٰ یہ ہے کہ رُفِعَ یعنی کراماً کاتبین نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کا قلم اٹھالیا گیا ہے کل قیامت میں بھول چوک خطا اور اکراہ سے جو کام سرزد ہو جائیں ان پر عذاب نہ ہوگا۔ اور اُسْتُكْرِهُوْا ۔ کا معنیٰ کہ مردار خوری اور کفر پر مجبوری سے اگر کوئی یہ گناہ کر لے تو قیامت میں اس پر پکڑ نہیں اسی کو دوسری احادیث میں مرفوع القلم فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث پاک کا تعلق طلاق سے نہیں ہے۔ طلاق شریعت کی چیز ہے اور شرعی قانون دنیا میں جاری ہے نہ کہ آخرت میں ثابت ہوا کہ یہ دلیل بھی کمزور ہے ائمہ ثلاثہ کے دلائل اپنے اس مسئلے پر صرف دو حدیثیں ہی ہیں۔ اس کے علاوہ قیاسی دلائل ہیں۔ **تیسری دلیل** ۔ ہدایہ اولین ص۳۲۹ پر هُوَ يَقُوْلُ اِنَّ الْاِكْرَاهَ لَا يُجَامِعُ الْاِخْتِيَارَ۔ ترجمہ۔ امام شافعی اور دیگر ائمہ ثلاثہ دلیل دیتے ہیں کہ اکراہ اور اختیار جمع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا مجبور کی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ طلاق کے وقوع میں خاوند کا اختیار ضروری ہے **جواب** ۔ یہ دلیل بھی نہایت کمزور ہے کیونکہ جب خاوند نے زبان کھولی اور الفاظِ طلاق ادا کئے تو اختیار پالیا گیا زبان پر تو اس کا اپنا اختیار قائم ہے بولے یا نہ بولے اپنی جان بچانے کے لیے اگر نرم اور سہولت والا راستہ کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا ارادہ و اختیار ہے۔ اب یہ اسی کی شکل ہوگی جب وہ اپنی خوشی سے دیتا۔ اسی طرح فتاویٰ فتح القدیر ص۳۹ سوم میں ہے۔ ان تمام استدلالی عبارت سے ثابت ہو گیا ائمہ ثلاثہ کے استدلال و قیاسات سب کمزور اور ناقابلِ قبول ہیں۔ لمعات میں ص۲۸۳ پر باب الطلاق والخلع میں حنفی قیاسی دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اَمَّا عِنْدَنَا فَيَصِحُّ قِيَاسًا عَلٰى صِحَّتِهَا عِنْدَ الْهَزْلِ وَالْاَصْلُ عِنْدَنَا اِنَّ كُلَّ عَقْدٍ لَا يَحْتَمِلُ الْفَسْخَ فَالْاِكْرَاهُ لَا يَمْنَعُ نَفَاذَهٗ وَكَذٰلِكَ كُلُّ مَا يَنْفُذُ مَعَ الْهَزْلِ يَنْفُذُ مَعَ الْاِكْرَاهِ ۔ ترجمہ۔ لیکن ہم احناف کے نزدیک مجبور کی طلاق اس قیاس کے مطابق بھی صحیح ہو جاتی ہے کیونکہ وہ طلاق۔ متفقہ طور پر سب ائمہ مجتہدین کے نزدیک ہنسی مذاق میں دی ہوئی طلاق بھی صحیح واقع ہو جاتی ہے اور قانونِ طلاق ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ہر وہ عقد جو فسخ اور تبدیل ہونے کا احتمال اور گنجائش نہ رکھے تو وہ عقد مجبوری میں بھی درست واقع ہو

جائے گا پس چونکہ ہر طلاق بھی ایسا ہی عقد ہے لہٰذا اس میں مجبوری درست ہونے میں رکاوٹ نہ بنے گی اور قاعدہ کلیہ ہے کہ جو چیز مذاق سے صحیح ہو جاتی ہے وہ مجبوری سے بھی درست ہو جاتی ہے میں کہتا ہوں کہ ائمہ ثلاثہ نے کتنا عجیب اور کمزور مسئلہ بنا ڈالا کہ مذاق کی طلاق تو درست ہے اور مجبور کی طلاق غلط ہے حالانکہ بات دونوں میں ایک جیسی کہ نہ مذاق کی طلاق سے خاوند راضی ہے نہ جبر کی طلاق سے اور الفاظِ طلاق بولنے کا اختیار دونوں جگہ موجود ہے نہ معلوم ان بزرگوں نے ان دونوں طلاقوں کو حکماً کیوں علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ بہر حال ائمہ ثلاثہ کا یہ مسئلہ احادیث کے بھی خلاف ہے اور عقل و قیاس اور ضابطہ شرعیہ کے بھی مزید حیرانی یہ کہ مجبور کی طلاق کی بھی یہ بزرگ ثلاثہ دو طرح بلا دلیل تقسیم فرماتے ہیں چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر میں امام شافعیؒ وغیرہ کا مسلک بایں الفاظ درج ہے جلد سوم صـ ۳۹ پر خِلَافًا لِلشَّافِعِي وَبِقَوْلِهٖ قَالَ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ فِيْهَا اِذَا كَانَ الْاِكْرَاهُ بِغَيْرِ حَقٍّ لَا يَصِحُّ طَلَاقُهٗ وَلَا خُلْعُهٗ (الخ)

ترجمہ۔ مجبور کی طلاق میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ حنفی مسلک کے خلاف ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب کسی خاوند کو بغیر حق کے بیوی کی طلاق پر مجبور کیا جائے تو خاوند مجبور کی طلاق واقع نہیں ہوتی ورنہ خلع کی مجبوری طلاق بھی صحیح نہیں ہوتی اس عبارت نے اقتضاءً ثابت کر دیا کہ ان ائمہ ثلاثہ نے اکراہ کی دو قسمیں کر کے اپنا مسلک بچایا۔ ۱ اکراہ اور مجبوری بغیر حق ۲ اکراہ حق والا۔ گویا کہ اگر کوئی حقدار شخص خاوند کو بیوی کی طلاق پر مجبور کرے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی طلاق درست ہوگی۔ یہ تقسیم کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ خود ساختہ ہے جو مسلک کی کمزوری کی نشانی ہے۔ اس تقسیم سے ائمہ ثلاثہ کے یہ قیاسی دلائل ٹوٹ جاتے ہیں کہ انہوں نے اکراہ سے اختیار ختم ہو جانے کو طلاقِ مجبور یہ اکراہیہ کے نہ صحیح ہونے کی دلیل بنایا ہے کیونکہ یہ عدمِ اختیار تو دونوں جگہ اکراہ بغیر حق اور اکراہِ حق میں مفقود ہیں۔ اب مخالفینِ احناف کے پاس بجز اس کے کوئی راستہ نہیں کہ یا اپنی اس عقلی دلیل کو غلط قرار دیں یا اپنی اس تقسیم کو ختم کریں اور یا امامِ اعظم کے مسلک کو مان لیں یہ بات روزِ روشن کی طرح حقیقت واضح ہے کہ امام اعظم کے پورے مسلک اور تمام اجتہادی مسائل کی تین خصوصی شانیں ایسی ہیں کہ جس نے مسلکِ امام اعظم کو مقبولِ بارگاہِ الٰہیہ ہونے کے علاوہ عالمگیر اور ہر ایک مسلمان کے لیے تا قیامت ہر دور میں انتہائی باسہولت قابلِ عمل بنا دیا ہے۔ اور مخالفین بھی اپنی ضروریات اور مشکلات میں امام اعظم کے مسائل کا سہارا لیتے ہیں ۱ پہلی خصوصی شان امام ابو حنیفہ کے اکثر مسائل حدیث و قرآن کی واضح نصوص سے ثابت ہیں۔ ۲ دوسری خصوصی شان امام اعظمؒ منشاءِ آیت و احادیث کے عین مطابق استنباط فرماتے ہیں گویا کہ آپ رمز شناسِ قرآن و حدیث ہیں ۳ تیسری خصوصی شان امام صاحبؒ قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے قواعدِ کلیہ اور ضابطے مقرر اور ثابت و معین فرماتے ہیں جو مخالفین کو بھی مسلم ہیں۔ اس کے باوجود جزئیات میں مخالفت کر دیتے ہیں دا سی بنا پر غلبہ استدلالی مسلکِ حنفیہ کو حاصل ہو جاتا ہے اور مخالفین کو اپنا مسلک بچانے کے لیے بیجا قیود و تقسیم کرنی پڑتی ہے دیگر مسائل کے علاوہ اس طلاق مجبور کے مسئلے میں بھی امام اعظم کی طرف سے بہترین ضابطہ بیان

فرمایا گیا۔ چنانچہ اصولِ فقہ کی مشہور و معتبر کتاب نور الانوار ص ۲۱۵ پر ہے۔ کہ دنیا جہان میں صرف تین قسم کے کام ہیں اور ان ہی پر کوئی جابر کسی کو مجبور کر سکتا ہے (۱) ایسے کام جس میں مجبور انسان جابر کا آلۂ کار بن جائے جیسے قتل توڑ پھوڑ وغیرہ اس کے لیے شرعی ضابطہ یہ ہے کہ اگر مجبور ہو کر کوئی یہ کام کرلے تو دنیا و آخرت میں سزا و عذاب جابر کو ہوگا نہ کہ مجبور کو (۲) ایسے کام جس میں آلۂ کار نہیں بن سکتا جیسے زبان سے بات یا کھانا پینا۔ کہ کوئی بھی شخص کسی بھی حالت جبر یا رضا میں اپنی ہی زبان سے بات کر سکتا ہے اور اپنے ہی منہ سے کھا سکتا ہے پی سکتا ہے اپنی بات اپنا کھانا پینا کسی دوسرے کے منہ سے ناممکن ہے۔ بخلاف قتل کے کہ وہ بغیر آلے کے نہیں ہو سکتا تو جس طرح تلوار آلہ بنجاتی ہے دوسرا انسان بھی مجبور کر کے آلہ بنایا جا سکتا ہے اس قسم کے افعال کی دو صورتیں ہیں پہلی یہ کہ اس کام میں رضاء غیر کا دخل نہ ہو۔ طلاق۔ عتاق۔ رجوع۔ معافی دینا۔ قسم کھانا۔ منت ماننا۔ بیوی سے ظہار کرنا بیوی سے ایلاء کرنا وغیرہ ان جیسے افعال کا حکم شرعی یہ ہے کہ فسخ نہیں ہو سکتے (۳) ایسے کام جن میں رضاء غیر کا دخل ہو جیسے خرید و فروخت۔ کرایہ۔ نکاح وغیرہ ان کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہ فسخ ہو سکتے ہیں یعنی اگر جبر ملجی کرکے کوئی بیع شراء کرالے تو مجبور بعد میں فسخ کر سکتا ہے۔ لیکن مجبور کی طلاق وغیرہ بعد میں فسخ نہیں ہو سکتی جب افعال کی یہ تقسیم ذہن نشین ہو گئی تو اسی کے تحت معینہ ضابطہ اس طرح ہے کہ جب کسی شخص کا اختیار بھی ختم ہو جائے اور ملکیت و اہلیت بھی تو اس کے کسی قول کو شرعاً درست نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی ضابطے کے تحت ہر خاوند کی طلاق کے واقع اور نہ واقع ہونے کا دارومدار ہے بچہ اور پاگل کی طلاق اسی لیے نہیں واقع ہوتی کہ اہلیت نہیں ہوتی سوئے ہوئے اور بیہوش کی طلاق اس لیے نہیں ہوتی کہ وہاں اختیار بالکل ختم ہے نکاح سے پہلے یا کسی بھی دوسری غیر عورت کو طلاق نہیں ہوتی کہ اہلیت و ملکیت نہیں ہوتی طلاق کے لیے تین چیزیں ضروری (۱) ملکیت (۲) اہلیت (۳) اختیار۔ ان تین چیزوں کے لیے تین چیزیں شرط ہیں (۱) ملکیت کے لیے نکاح (۲) اہلیت کے لیے بلوغت (۳) اختیار کے لیے عقل و ہوش۔ امام اعظم نے یہ قاعدہ کلیہ مقرر فرمایا اور تمام ائمہ نے اس کو تسلیم کیا یہ قاعدہ احادیث و آیت سے مستنبط کیا گیا۔

اسی لیے ائمہ ثلاثہ بچہ اور غیر خاوند اور مجنون بیہوش اور سوئے ہوئے کی طلاق کو درست تسلیم نہیں کرتے یہ مسئلہ متفقہ ہے۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ اس شرعی ضابطے کے تحت جس خاوند میں یہ تین چیزیں اور تین حالتیں پائی جائیں گی اس کی طلاق ہر صورت درست واقع ہوگی خواہ خاوند مجبور ہو یا راضی ہو یا مذاق کرنے والا ہو۔ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ جو چیز جس کی وجہ سے پائی جائے گی اسی کے ختم ہونے سے ختم ہوگی۔ مثلاً خاوند کو طلاق کی ملکیت (۱) نکاح سے اہلیت (۲) بلوغت سے (۳) اختیار عقل و ہوش سے۔ تو نکاح۔ بلوغت۔ عقل و ہوش کے نہ ہونے سے ہی یہ چیزیں ختم ہوں گی۔ مجبور ملجی خاوند میں نکاح بھی ہے بلوغت بھی ہے عقل و ہوش بھی ہے۔ اس لیے اس کی طلاق زبانی واقع ہو جائے گی۔

لیکن تحریری واقع نہ ہوگی اس لیے کہ ملکیت طلاق خاوند کی زبان و قلب کو ملتی ہے نہ کہ قلم کو۔ مجبور خاوند کی قلبی رضا تو پہلے ہی نہیں ہے جب خاوند نے زبان سے بھی طلاق ادا نہ کی تو اس نے اپنی ملکیت کو بالکل استعمال نہیں کیا اس وجہ سے تحریری طلاق مجبوری

کی نہیں ہوتی۔ لیکن تحریری طلاق رضاخوشی میں ہوجاتی ہے اس لیے کہ خاوند نے اپنے دل کی ملکیت استعمال کرکے طلاق دی جو قلم سے ظاہر ہوئی اور طلاق نامہ لفظوں کی شکل میں بطور گواہ موجود رہا۔ یہی وہ کلیات ہیں جن کو تین ائمہ نے نہ سمجھا اور غلط مسئلہ بنالیا۔ مرضی سے طلاق دینے والے اور مجبوری سے طلاق دیتے والے خاوند کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ مرضی میں اختیار صحیح ہوتا ہے اور مجبوری میں مجبور کا اختیار فاسد ہوتا ہے وہاں جابر کا اختیار صحیح ہوتا ہے اس ضابطے کی تین شقیں ہیں پہلی یہ کہ امام اعظم کے نزدیک ایسے جبریہ کام ہیں جس میں مجبور آلہ جابر بن جاتا ہے مثلاً قتل وغیرہ شرعاً قاتو نا صرف جابر وظالم کو سزا ملے گی نہ کہ مجبور کو کیونکہ آلہ قتل کو سزا نہیں دی جاتی۔ یہاں بھی امام صاحب کا مسلک قوی ہے دیگر ائمہ غلطی کر گئے۔ اس لیے کہ مجبور کے فاسد اختیار سے جابر کا صحیح اختیار عارض و لاحق ہوگا۔ اور یہ سب مانتے ہیں کہ جب ایسا ہو تو مجبور کا کام جابر کی طرف منسوب ہوگا جیسے کہ تلوار کا کام یا سدھائے ہوئے جانور کا کام مالک کی طرف منسوب ہوتا ہے[۲] اور اگر جابر نے مجبور کو ایسے کام پر آمادہ وحکم کیا جس میں مجبور آلہ کار نہیں بنتا۔ مثلاً کوئی بات کرنا یا کسی چیز کو کھانا یا پینا۔ تو مجبور کا یہ فعل کرلینا مجبور کے فاسد اختیار کی طرف ہی منسوب ہوگا۔ نہ کہ جابر کے صحیح اختیار کی طرف اس لیے کہ اقوال اور کھانا پینا وغیرہ ایسے کام ہیں۔ جو اپنے ہی منہ سے ہوسکتے ہیں کسی غیر کے منہ سے نہ متکلم بات کرسکتا ہے نہ کچھ کھا پی سکتا ہے۔ اس بنا پر یہ کام مجبور پر نافذ ہوں گے۔ اگر سزا کے قابل ہوں گے تو سزا بھی مجبور کو ملے گی نہ کہ جابر کو اس کو صرف جبر کی تعزیر مل سکتی ہے کہ تو نے جبر کیوں کیا۔ اور پوچھا جائے گا۔ اس فعل کا تعلق جابر سے نہیں ہوگا طلاق بھی اقوال میں شامل لہٰذا مجبور کی طلاق مجبور پر نافذ ہوگی یا نافذ ہونے کی کوئی وجہ نہیں نہ کوئی دلیل تاہم ائمہ ثلاثہ نے اس ضابطے کو مانتے ہوئے حدیث اغلاق کو دلیل بنایا اس کے دو جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ بعض نے اس کو اکراہ ملجی وغیرہ ملجی کی وجہ سے تقسیم کرتے ہوئے فرمایا کہ غیر ملجی ہونے کی صورت میں یہ حدیث کا فرمان ہے نہ کہ ملجی کے لیے۔ اغلاق کو انہوں نے لغوی ترجمے کی بنا پر غیر ملجی قرار دیا ان کا یہی مسلک ہے کہ غیر ملجی کی طلاق جبریہ زبانیہ واقع نہیں ہوتی۔ ہم نے یہ جواب دیا ہے کہ اغلاق کا معنی ہے انتہائی غصہ پریشانی کی حالت جس میں انسان کی عقل مثل دروازہ بند ہوجائے کام نہ کرے خواہ سبب اس کا اکراہ غیر ملجی ہو یا اور کوئی غم غصہ۔ ثابت ہوا ائمہ ثلاثہ کی یہ دلیل اس مضبوط ضابطے کے مقابل درست نہیں اور مجبور کی طلاق واقع ہوگی۔ اسی ضابطے کی بنا پر مذاق اور خطا غلطی اور بھول چوک نسیان کی طلاق ہے[۳] جو کام نہ فسخ ہوسکے نہ اس میں کسی غیر کی رضا کا دخل ہو نہ کسی دوسرے کی قبولیت پر موقوف ہو تو وہ کام بھی مجبوری ومقہوری میں کرلینے سے صحیح درست واقع ہو جائے گا۔ مثلاً طلاق۔ عتاق۔ رجوع وغیرہ کہ اس میں کسی غیر کی رضا کا دخل نہیں نہ اس میں ایجاب قبول ہوتا ہے لہٰذا جب کسی مجبور نے یہ کام کرلئے تو صحیح نافذ اور روا واقع ہوجائیں گے۔ لیکن وہ کام جس میں غیر کی رضا کا دخل ہے اور ایجاب وقبول سے مکمل ہوتا ہے وہ فسخ ہوسکتے ہیں جیسے خرید وفروخت نکاح وغیرہ اگر ایسے کام مجبور نے کرلئے تو فاسد طریقے سے منعقد ہوجائیں گے لیکن نفاذ موقوف رہے گا۔ اگر مجبوری ختم ہونے کے بعد مجبور نے فسخ کردے تو ختم ہوجائیں گے

اگر باقی رکھے تو نافذ ہو جائیں گے یہ تھے وہ ضابطے جن کی بنا پر حنفی مسلک میں مجبور۔ ہازل۔ خاطی۔ فاسق۔ راضی خاوند کی طلاق لفظی درست واقع ہو جاتی ہے اور نابالغ۔ مجنون۔ مدہوش۔ نائمی۔ کی لفظی و تحریری طلاق نہیں واقع ہوتی اور مجبور وغیرہ خاوند کی صرف تحریری طلاق واقع نہیں ہوتی۔ لیکن راضی خاوند کی تحریری بھی اور زبانی لفظی بھی درست واقع ہو جاتی ہے۔ علم اصول فقہ میں مجبوری کی تین قسمیں۔ پہلی۔ اکراہ ملجی۔ جس میں مجبور کو سخت طریقے سے ڈرا کر جان یا اعضا کاٹنے توڑنے کی دھمکی دی جائے اور مجبور شخص بالکل ہی بیچارہ بن جائے۔ دوم۔ اکراہ غیر ملجی۔ جس میں مجبور کو قید۔ نظر بند۔ یا جس بیجا کی دھمکی دی جائے اور کسی کام پر جبر کیا جائے۔ سوم۔ اکراہ غمگینی۔ جس میں مجبور کو اس کے والدین یا بیوی بیٹا یا بھائی کے قید و ایذا کی دھمکی دی جائے پہلی صورت میں رضا معدوم اور اختیار باقی مگر فاسد۔ دوسری صورت میں رضا معدوم اختیار باقی مگر پریشانی اور خوف نہیں ہوتا بلکہ غصہ ہوتا ہے صبر کر لیا جاتا ہے۔ تیسری صورت میں رضا بھی باقی اختیار صحیح بھی باقی نہ خوف نہ پریشانی صرف غم ہوتا ہے۔ اکراہ کو ان تینوں قسموں سے مجبور کی ملکیت۔ اہلیت۔ اور نسبت اختیار و خطاب ختم نہیں ہوتے کیونکہ ان چیزوں کا وجود نکاح۔ بلوغت اور عقل و ہوش پر ہے۔

مجبوری کے شرعی احکام۔ قانون شریعت کے مطابق جب کوئی شخص کسی طرف سے سخت الجائی اور بیچارگی والی دھمکی سے مجبور کیا جائے تو اس کی چار صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایسے کام کو کر لینا فرض ہے اگر مجبور آدمی نہ کرے گا اور ہلاک ہو جائے اعضا کٹوالے تو گناہ گار ہے کہ اس نے شریعت کے خلاف اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا مثلاً کوئی شخص مردار کھانے شراب پینے پر قتل کی دھمکی سے مجبور کیا گیا تو مجبور پر فرض ہے مردار کھالے اگر نہ کھائے گا تو گناہ گار ہوگا اور اگر ہلاک کر دیا گیا تو آخرت کی عذاب بھی ہوگا۔ دوم۔ یہ کہ مجبور کے لیے مجبوری والا کام کر لینا جائز و حلال ہے فرض یا لازم نہیں اگر نہ کرے اور ہلاک ہو جائے تو گناہ گار نہ ہوگا۔ کسی مقیم سے رمضان کے مہینے میں روزہ تڑوانے پر جبر کرنا۔ اگر مجبور روزہ توڑ دے تو اس کے لیے حلال و جائز ہے اگر نہ توڑے گا تو گناہ گار نہ ہوگا۔ سوم۔ یہ کہ مجبور کو مجبوری والا کام کرنے کی رخصت ہو۔ مثلاً کلمہ کفر بکنے پر قتل وغیرہ کی دھمکی سے مجبور کرنا۔ تو اگر اکراہ ملجی ہے اور دل ایمان سے بھرا ہوا ہے مطمئن ہے تو جان بچانے کے لیے کفر بکنے کی رخصت و اجازت ہے اگر کفر نہ بولے اور ہلاک کر دیا جائے تو گناہ گار قابل عذاب نہ ہوگا بلکہ بہت بڑا ثواب ملے گا۔ چہارم یہ کہ مجبوری والے کام پر عمل کرنا حرام اور ناجائز ہے اگر مجبور ہو کر وہ کام کر لے تو گناہ گار قابل عذاب بھی اور شرعی قانونی مجرم قابل سزا بھی۔ جان جاتی ہے تو جانے دے خود کو ہلاک کروالے۔ مثلاً کسی دوسرے آدمی کو قتل کرنے پر مجبور کیا گیا یا آگ لگانے یا زنا کرنے پر مجبور کیا گیا تو ہرگز نہ کرے شہید ہو جائے۔ کرنا قطعاً حرام ہی رہے گا۔ اباحت اور رخصت میں۔

فرق۔ ظاہراً یہ دونوں لفظ جواز اور اجازت کے لحاظ سے ایک جیسے نظر آتے ہیں لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ اباحت سے اس کام کی حرمت مجبوری سخت یعنی اکراہ ملجی کے وقت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کام اتنی دیر کے لیے

حلال وجائز ہو جاتا ہے جتنی دیر جابر کا جبر وظلم اور دھمکی موجود رہے۔ رخصت میں یہ بات نہیں بلکہ وہ کام بدستور حسبِ سابق حرام ہی رہتا ہے ایک لمحے کے لیے بھی حلال یا تھوڑا سا بھی جائز نہیں مگر مجبور پر جان کے خطرے کے وقت کر لینے سے گناہ و عذاب نہیں ہوتا۔ حرمت اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ **اباحت کی قسمیں**۔ بعض علما فقہا نے اباحت کے اس مندرجہ بالا فرق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ اباحت بذاتِ خود کوئی حکم نہیں کوئی حالت یا کیفیتِ جداگانہ نہیں ہے بلکہ فرض و رخصت کا نام ہی اباحت ہے۔ اس لئے وہ اباحت کی دو قسمیں کر دیتے ہیں ۱ اباحت **فی الفرض**۔ کہ مجبور کو وہ کام کر لینا فرض اور ضروری بجائز لازم ہے۔ ایسے موقعہ پر صبر کرنا اور ہلاک ہونا گناہ ہے۔ جیسے اکراہِ ملجی میں مردار کھا لینا۔ یا مسافر کو ماہ رمضان شریف میں روزہ جبر الجائی سے تڑوانا۔ تو اس مجبور مسافر کے لیے روزہ توڑنا مباح فرضی ہے ۲ اباحت فی الرخصت۔ کہ مجبوری والے کام کو نہ کرنا صبر کر لینا ہلاک ہو جانا گناہ نہیں بلکہ صبر جمیل اور ثواب عظیم ہے جیسے کہ کلمہ کفر پر اکراہ ملجی یا جیسے مقیم کا ادائی روزہ ماہ رمضان میں تڑوانا۔ خلاصہ یہ کہ جبر و رضا کی حالتیں مختلف ہیں اور خاوند طلاق کے اعتبار سے گیارہ قسم کے ہیں۔ راضی۔ ناسی۔ خاطی۔ نائمی۔ ہازل۔ بالغ۔ نابالغ۔ مجبور۔ مدہوش۔ مجنون۔ مسکر۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ ۲۱/۳/۸۸

الجواب

طلاق بالوکالت کا بیان

فتویٰ نمبر۱

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ آج سے چند سال پیشتر ایک شخص خالد نے ایک عورت ہندہ سے نکاح کیا سات ماہ تقریباً اچھی طرح آباد رہے پھر خاوند نے بیوی سے لڑنا جھگڑنا مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ دو وقعہ گھر سے نکالا تو محلے والوں کی مداخلت سے بیوی کو پھر گھر میں بھیجا گیا یہ لڑائی جھگڑا تقریباً تین سال چلتا رہا آخر کار بیوی اور اس کے رشتے داروں نے تنگ آکر برطانیہ لندن کورٹ میں دعویٰ کر دیا۔ کورٹ نے خاوند کو بھی بلایا سمجھایا اور کہا کہ اگر تمہاری آپس میں صحیح طور پر عدالتی تحریری صلح نہ ہوگی تو تم کو علیحدہ کر کے بیوی کو طلاق دیدی جائے گی۔ اس پر خاوند نے کورٹ کو لکھ کر دیا کہ تم جو چاہو فیصلہ کرو مجھ کو منظور ہے اگر تم طلاق دے دو تو بھی مجھ کو منظور ہے۔ بعد اس کے عدالت نے ایک ماہ انتظار کر کے ہندہ کا نکاح فسخ کر دیا اور فیصلے پر لکھ دیا کہ عدالت نے ہندہ کو اس کے خاوند خالد کی مرضی کے مطابق ڈووس یعنی دیدی ہے۔ اس فیصلے کے چار ماہ بعد خاوند تو مذکور خالد اپنے کچھ رشتے داروں کے ساتھ بیوی کے گھر گیا اور کہا کہ میں تجھ کو پھر آباد کرنا چاہتا ہوں مجھ سے پہلے بہت غلطیاں ہوئیں اب میں معافی چاہتا ہوں آئندہ ایسا نہ ہوگا اور بہت عزت سہولت سے رکھوں گا۔ بیوی

ہندہ نے جواب دیا کہ مجھ کو تیری طرف سے عدالتی طلاق ہوگئی ہے اور میری عدت بھی گزر گئی ہے اب تو میں تیرے پاس آباد نہیں ہوسکتی خاوند نے کہا کہ دوبارہ نکاح تو ہوسکتا ہے۔ مگر بیوی نے انکار کیا اور خاوند اپنے سب ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا۔ ایک ہفتہ بعد پھر آیا اور کہا کہ میں نے ایک امام صاحب سے پوچھا ہے وہ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی لہٰذا تو میری شرعی بیوی ہے اور میں تجھ کو آباد ضرور کروں گا۔ ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ بیوی نے جواب دیا کہ میں بھی علماء کرام سے پوچھ لوں پھر بتاؤں گی۔ لہٰذا عرض ہے کہ ہم کو شرعی تحریری فتویٰ دیا جائے کہ وہ عدالت کی پوری کارروائی اور فیصلہ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق طلاق اور صحیح قسم کا فسخ نکاح بنتا ہے یا نہیں۔ اور کیا ہندہ اب خالد کی شرعی اسلامی بیوی ہے یا نہیں۔ عدالت کا فیصلہ اور گواہوں کے بیان خاوند مذکور کا وہ تحریری بیان جو کورٹ میں اس نے لکھ کر دیا بیوی کا حلفیہ بیان اور چند حنفی وہ فتویٰ جو خاوند نے کہیں سے حاصل کیا سب کچھ حاضرِ خدمت ہے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

۱۰/۹/۸۵

دستخط سائل و گواہان وغیرہ

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے حتی المقدور بہت تحقیق و تفتیش کی گئی تمام کاغذات کورٹ کا فیصلہ مدعیہ کی درخواست مدعیٰ علیہ خاوند مذکور کا نکاح فارم دیگر خطوط سے انگریزی دستخط کو اس دستخط سے مشابہ و مماثل پایا جو خاوند نے کورٹ میں کئے ہیں کورٹ کے تمام نوٹس سمن کا غذات اور ہر دو فریق کی حاضری کے کاغذات گواہوں کے بیانات انگریزی کاغذات کئی دفعہ پڑھوا کر سنے خود بھی انگریزی خطوط کے نشاندہی والے الفاظ پر غور کیا تمام غور و فکر تحقیق و تفتیش کے بعد، یہ شرعی فتویٰ جاری کیا جاتا ہے کہ خاوند مذکور کی طرف سے اس کی بیوی مدعیہ کو ایک طلاق رجعیہ صریحیہ واقع ہوگئی ہے اور ایک طلاق سے مطلقہ ہندہ بیگم اپنی عدت بھی گزار چکی ہے جیسا کہ طلاقنامہ عدالتی پر تاریخ سے ظاہر ہے خاوند مذکور جس وقت اپنی اس بیوی کے پاس صلح کے لیے آیا اس وقت مطلقہ کی عدت گزر چکی تھی۔ اس لیے خاوند مذکورہ کا بعد از وقت چار ماہ بعد صلح کے لیے آنا رجوع نہیں شمار کیا جاسکتا۔ اور عدالت کا یہ فیصلۂ طلاق شریعتِ اسلامیہ درست قرار دیتی ہے۔ اس لیے کہ قانونِ شریعت کے مطابق خود طلاق تو بندرہ قسم کی ہے مگر طلاق دینے کی چار قسمیں و صورتیں و طریقے ہیں ۱۔ طلاقِ اصالۃً۔ کہ خاوند خود اپنے منہ سے اپنی بیوی منکوحہ کو نام لیکر یا اشارہ کرکے زبانی الفاظ سے صاف صاف طلاق دے ۲۔ طلاقِ رسالۃً۔ خاوند کسی قاصد کو بھیج کر طلاق دینے کا پیغام پہنچا دے ۳۔ طلاق کتابۃً کہ خاوند لکھ کر طلاق کسی ذریعے سے بھیج دے ۴۔ طلاقِ وکالۃً۔ کہ خاوند اپنی بیوی کی طلاق واقع و جاری کرنے کا کسی دوسرے کو اختیار دیدے صورت مذکورہ میں یہی طلاقِ وکالت ہے۔ اور جس طرح

طلاق بالاصالت جبر و رضا ہزل و خطا ہر طرح سے واقع ہو جاتی ہے اس طرح طلاق و کالت بھی ہر طرح واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فتوی شامی علی المختار جلد سوم ص۳۱۵ پر ہے بَابُ تَفْوِيْضِ الطَّلَاقِ وَاَنْوَاعُهٗ ثَلَاثَةٌ تَفْوِيْضٌ وَتَوْكِيْلٌ وَرِسَالَةٌ (الخ) ترجمہ قانون شریعتِ اسلامیہ میں بیوی کی طلاق کسی کے سپرد کرنے کی تین قسمیں ہیں ایک تفویض وہ یہ ہے کہ خاوند خود اپنی کو کہے کہ تیری طلاق تجھ کو سپرد کرتا ہوں ابھی یا جب تو چاہے اپنے آپ کو تو اتنی طلاقیں دے سکتی ہے اگر بیوی نے اپنے آپ کو طلاق دے لی تو شرعاً طلاق درست واقع ہو گی دوم رسالۃ وہ یہ کہ خاوند کسی شخص کو کہے کہ تو میری بیوی فلاں کو پیغام پہنچا دے کہ تیرے خاوند فلاں نے تجھ کو طلاق دیدی ہے۔ سوم۔ توکیل یہ ہے کہ خاوند کسی بھی دوسرے شخص سے کہے کہ تجھ کو اختیار ہے میری طرف سے کہ تو جب چاہے میری فلاں بیوی کو طلاق دیدے۔ اور اگر تو نے طلاق دیدی تو مجھ کو منظور ہو گا۔ وہ دوسرا شخص خواہ خاوند کا دوست ہو یا بھائی یا برادری کا آدمی یا کچہری کا جج یا کوئی عالم یا مفتی یا بزرگ یہاں تک کہ اگر کسی نے دھمکی سے مجبور کر کے جبراً بھی خاوند سے اختیار لے لیا اور خاوند نے مجبور ہو کر طلاق کا اختیار اس جابر کو دیدیا تو بھی جب وہ غیر طلاق دیدے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ فتاوی بحر الرائق جلد سوم ص۲۴۶ پر ہے۔ كِتَابُ الطَّلَاقِ۔ اِذَا اُكْرِهَ عَلَى التَّوْكِيْلِ بِالطَّلَاقِ فَوَكَّلَ فَطَلَّقَ الْوَكِيْلُ فَاِنَّهٗ يَقَعُ وَفِي الْخَانِيَةِ رَجُلٌ اَكْرَهَهُ السُّلْطَانُ لِيُوَكِّلَهٗ بِطَلَاقِ اِمْرَأَتِهٖ فَقَالَ الزَّوْجُ مَخَافَةَ الْحَبْسِ وَالضَّرْبِ اَنْتَ وَكِيْلٌ وَلَمْ يَزِدْ عَلٰى ذَالِكَ وَطَلَّقَ الْوَكِيْلُ اِمْرَأَتَهٗ ثُمَّ قَالَ الْمُوَكِّلُ لَمْ اُوَكِّلْهُ بِطَلَاقِ اِمْرَأَتِيْ قَالُوْا لَا يَسْمَعُ الطَّلَاقُ لِاَنَّهٗ اَخْرَجَ الْكَلَامَ جَوَابًا لِخِطَابِ الْاَمْرِ وَالْجَوَابُ يَتَضَمَّنُ اِعَادَةَ مَا فِي السُّؤَالِ ترجمہ۔ جب کوئی خاوند بیوی کی طلاق کے وکیل بنانے پر سخت مجبور کیا گیا اور خاوند نے مجبوراً کسی کو وکیل بنا دیا تو وکیل نے اس کی بیوی کو طلاق دیدی تو طلاق بیشک درست واقع ہو جائے گی اور فتاوی خانیہ میں ہے کہ کسی خاوند کو بادشاہ نے مجبور کیا کہ تو مجھ کو اپنی بیوی کو طلاق کا وکیل بنا دے خاوند نے قید اور مار سے ڈر کر کہہ دیا کہ تو وکیل ہے اور اس سے زیادہ ایک لفظ بھی نہ بولا سلطان نے اس کی بیوی کو طلاق دیدی پھر خاوند مؤکل نے کہا کہ میں نے اس کو اپنی بیوی کی طلاق کا وکیل نہیں بنایا تھا میں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ تو وکیل ہے۔ بس۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات نہیں مانی جائے گی اور حاکم کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی اس لیے کہ خاوند نے بادشاہ کے جواب میں ہی کہا تھا اَنْتَ وَكِيْلٌ تو وکیل ہے اور خاوند کا یہ جواب اسی پر لوٹے گا جو سوال میں تھا۔ (الخ) اور شریعت کا قانون ہے کہ وکیل و مختار کا طلاق دینا بالکل اسی طرح صحیح ہے جس طرح اگر خود طلاق دیتا ہے تو درست واقع ہو جاتی۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری جلد اول ص۴۲۰ پر ہے۔ لَوْ قَالَ الرَّجُلُ لِرَجُلٍ طَلِّقْ اِمْرَأَتِيْ فَطَلَّقَ وَقَعَتْ۔ ترجمہ اگر کسی خاوند

نے کسی وجہ سے کسی مرد کو کہا کہ تو میری بیوی کو طلاق دیدے اس غیر مرد نے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی فتاوٰی بحر الرائق کو شل فتاوٰی شامی جلد سوم صفحہ ۲۳۵ پر بھی ہے چنانچہ ارشاد ہے وَيَشْمَلُ مَا إِذَا أُكْرِهَ عَلَى التَّوْكِيلِ بِالطَّلَاقِ فَوَكَّلَ فَطَلَّقَ الْوَكِيلُ فَإِنَّهُ يَقَعُ ترجمہ۔ اور یہ اکراہ و مجبوری کی حالت میں اس صورت کو بھی شامل ہے۔ کہ جب کوئی خاوند طلاق دینے کی وکالت یعنی طلاق کا وکیل بنانے پر سخت دھمکی سے مجبور کیا گیا۔ اور خاوند نے خوف زدہ ہو کر کسی کو وکیل بنا دیا۔ وکیل نے اس کی بیوی کو طلاق دیدی۔ تو بیشک وہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ و مذکورہ میں خاوند مذکور خالد کی بیوی ہندہ کو ایک صریحی طلاق وکالت کے ذریعے واقع ہو گئی۔ کیونکہ خاوند کا کورٹ میں لکھ کر دستخط کر کے کہہ دینا کہ تم کو طلاق کا یا جو بھی فیصلہ کرو میری طرف سے اختیار ہے یہ طلاق بالوکالت کا اختیار دیتا ہے اس لیے کورٹ کے فیصلے والی طلاق خاوند ہی کی طلاق بالوکالت ہوگی۔ نیز جب خاوند چار ماہ بعد صلح کرنے کے لیے سابقہ زوجہ کے گھر پہنچا تو اس کی مطلقہ اسی ہندہ بیوی نے اس کو کورٹ والی طلاق یاد کروائی تو خاوند مذکور نے اس طلاق کو تسلیم اور یاد کرتے ہوئے وقوع طلاق کا اقرار کیا۔ اس تسلیم و اقرار سے مزید طلاق مؤثر ہوتی ہے بلکہ اقرار طلاق سے تو اس صورت میں بھی طلاق مانی جاتی ہے جب کہ پہلے طلاق کا وجود تک نہ ہو۔ میری نظر سے وہ تحریر بھی گزری جو کسی امام مسجد نے لکھ کر دی ہے۔ وہ لایعنی اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ ایسے نام نہاد مفتی اور مولوی برطانیہ میں بے شمار پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ قربِ قیامت کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایتِ کاملہ و عاجلہ سے نوازے

ہاں البتہ غلط ہوتا۔ اگر خاوند لکھ کر یا زبانی اختیار و منظوری نہ دیتا تو کورٹ کا فیصلہ غلط ہوتا۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم بالصواب

سوال ۱۱

غلط اور بد دیانت خائن لوگوں کو مسجد کے کام انتظام لین دین کی ذمہ سے ہٹانے معزول کرنے کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماء دین فقہاء امت اس مسئلے میں کہ ہمارے علاقہ ھیلی فیکس انگلینڈ میں ایک مسجد ہے جس کا نام مدنی مسجد ہے اس کو بنے ہوئے تقریباً آٹھ سال ہو چکے ہیں اس جامع مسجد میں جو پہلے متولی اور ٹرسٹی۔ و کمیٹی کے اراکین تھے۔ ان میں سے چند سر کردہ لوگوں نے مسجد میں گڑبڑ۔ فساد اور ناجائز تصرفات مسجد کی پراپرٹی میں ذاتی مفاد حاصل کرنے کے لیے ناجائز استعمال کئے ذاتی اغراض کے لیے مسجد کی زمین کو استعمال کیا اور مسجد فنڈ میں ناجائز ذاتی غرض کے لیے خورد برد کی امانت کو خرچ کیا۔ اپنے بینکوں میں جمع کرا کر سود حاصل کیا مسجد کی زمین کو کسی

دوسرے کمیونٹی کا پارک بناکر حکومت سے مفاد اور مالی امداد حاصل کی جو اپنی ذات کے لیے وصول کی مسجد کو اس سے کچھ نہیں دیا۔ مختصر یہ کہ ہر طرح مسجد کو نقصان پہنچایا اور اللہ کے گھر کو ذاتی جائیداد سمجھ کر ہر طرح ذاتی مفاد حاصل کیا اس وجہ آج سے تقریباً تین سال پیشتر تمام اہل علم مسلمانوں اور نئے متولیوں نے تمام ممبران وارکین کمیٹی نے متفقہ میٹنگ اور فیصلے سے ان کو مسجد کی کمیٹی اور ممبری اور تمام انتظامی امور سے بالکل علیحدہ کر دیا اور ان کے قبضے سے بچا کھچا تمام مسجد فنڈ واپس لے لیا۔ اور عوام وخواص مسلمانوں کے ہی فیصلے سے نئے متولی اور انتظامیہ حضرات مقرر کیے گئے جو تقریباً ۱۹۸۶ء سے مسجد کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں جب سے ان کے زیر انتظام مسجد کا کام شروع ہوا ہے تمام مسلمان اہالیانِ شہر نمازی حضرات ہر طرح مطمئن اور خوش ہیں۔ مسجد کی تعمیر و ترقی میں بھی نمایاں کارروائی ہوئی ہے لیکن سابقہ متولی آئے شرارتیں کرتے رہتے ہیں کبھی لوگوں کو نئی انتظامیہ کے خلاف بھڑکاتے ہیں کبھی غلط باتیں پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔

اب چند ماہ سے برطانیہ کورٹ میں دعوی کر دیا ہے کہ نئی انتظامیہ اور متولی غیر قانونی ہیں ہم ہی سابقہ مسجد کے بانی اور حقدار متولی ہیں لہٰذا ہم کو پھر بحال کیا جائے اور موجودہ متولیوں کی کمیٹی توڑ دی جائے۔ اس سلسلے میں لندن سے ایک غیر معروف مولوی سے مسئلہ بھی اپنے حق میں لکھوا کر لے آئے ہیں۔ وہ بغیر دلیل چند سطری مسئلہ ہے جس میں مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ سابقہ متولی کو شریعت کے قانون کے مطابق ہٹانا منع ہے اور متولی کو ہٹانا ناجائز ہے۔ جو متولی ایک دفعہ بن جائے وہ ہمیشہ تاعمر رہتا ہے۔ عدالتِ برطانیہ نے ہم سے کہا ہے کہ اپنے مذہب کا معتبر قانون بتاؤ تاکہ اس کی روشنی میں ہم قانونی فیصلہ کریں۔ اس لیے ہم تمام آٹھ سالہ ریکارڈ کے ساتھ مع گواہوں کے حاضر خدمت ہوئے ہیں ہم کو مدلل بامہر فتوئے شرعی عطا فرمایا جائے

دستخط سائلان وگواہان

۱/۱/۸۸

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّاب

الجواب

صورتِ مسئولہ میں بحیثیت مفتی دار الاسلام فرضِ وارانہ طریقے سے میں نے بہت تحقیق و تفتیش کی ہے علاقہ کے بہت گواہان اور سابق ارکین انجمن کمیٹی ٹرسٹیز و اہل شہر سے علیحدہ علیحدہ حلفیہ بیان لیا۔ انجمن کمیٹی کا آٹھ سالہ کاغذی تحریری ریکارڈ جن میں اردو وانگریزی کے تقریباً ایک ہزار کاغذ تھے ان تمام کی دیکھ بھال سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ سائل اور موجودہ تمام ارکین انجمن کمیٹی ہذا کا بیان مکمل درست ہے اور یہ انجمن کمیٹی اپنے ریکارڈ کردار حسن انتظام کارکردگی مسجد مذکور کی فلاح و بہبودگی تعمیر و ترقی کے لیے شریعت کے ضابطوں کے مطابق بہت مناسب موزوں اور درست وصحیح ہے اور اوقاف وعطیات کی دیانتداری میں بہت اچھا ماضی ہے ان کے تمام ریکارڈ سے ان کی مخلصانہ کوششیں بخوبی ظاہر ہوتی ہیں۔ قوانینِ اسلامیہ کے مطابق شریعت کی رو سے ایسے ہی صحیح الفطرت اور راسخ الاعتقاد متولیان اور ناظم الامور لوگوں کی خدمات مساجد واوقاف کے لیے اشد ضروری ہیں۔ لیکن جن لوگوں کی غلط کارکردگی اور ذاتی مفاد پرستی سے

مختلف وقتوں میں مسجد مذکور کو بہت طرح کا نقصان پہنچ چکا ہے اور آئندہ بھی پہنچنے کا اندیشہ ہے ان حالات و تجربات و مشاہدات کے پیش نظر ایسے غلط قسم کے متولیان کو مسجد کمیٹی اور اوقاف خداوندی کی اہم ذمہ داریوں سے ہٹانا نہایت ضروری تھا قرآن پاک و حدیث مبارکہ کے فیصلے اور حکم الٰہی کے اعتبار سے جو لوگ اللہ کی مسجدوں کو کسی طرح بھی بے آباد اور خراب۔ ویران یا کسی طرح کا نقصان پہنچائیں یا کسی طریقے سے مسجد کی کسی چیز سے کسی حیثیت و کیفیت سے ناجائز ذاتی نفع حاصل کریں یا کرنے کا ارادہ رکھیں تو وہ دنیا و آخرت میں خائب و خاسر ہونے کے علاوہ قانون کی نگاہ میں ظالم ہیں چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۱۴) ترجمہ۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو ذکر کرنے سے بند کرے منع کرے اور مساجد کو خراب کرنے کی کوشش اور حرکتیں کرے اس آیت پاک سے ثابت ہوا کہ کسی بھی مسجد کو خراب کرنا ٹوٹنے دینا یا مسجد کی چیزوں کو ادھر ادھر کر دینا یا دوسری جگہ لگا دینا یہ سب صورتیں مسجد کی تخریب کاری میں داخل ہیں۔ مسجد کی چیزیں متولی کے پاس اور انتظامیہ اراکین کی تحویل میں امانت ہوتی ہیں۔ سب مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور مسجد کا تمام فنڈ و عمارت و جائیداد اللہ کی امانتیں ہیں۔ اس میں خیانت کرنا اسلامی شرعی قانونی اخلاقی ہر اعتبار سے بدترین جرم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے سورۃ انفال آیت ۲۷ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ ترجمہ۔ اے ایمان والو اللہ رسول کی چیزوں میں خیانت مت کرو اور خیانت کرتے ہو تم اپنے پاس رکھی ہوئی امانتوں میں حالانکہ تم سب کچھ جانتے ہو۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ امانت کو اپنی جگہ ایمانداری سے خرچ کرنا بہت ضروری ہے حدیث و قرآن میں اس پر سخت پابندی کا حکم ہے ذرا سی ہیرا پھیری بھی خیانت بن جاتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ (سورۃ انفال آیت ۵۸) ترجمہ اور اگر تم کسی قوم سے امانت میں خیانت اور بددیانتی کا اندیشہ کرو یا بے ایمانی کا خطرہ محسوس کرو تو فوراً ان کا عہدہ اور کیا ہوا وعدہ ذمہ داری وغیرہ ان کی طرف پھینک دو اور علیحدہ ہو جاؤ یعنی ان سے تمام حساب کتاب لین دین ختم کر دو بیشک اللہ تعالیٰ خیانت والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان آیت سے ثابت ہوا کہ کسی بھی امانت میں خیانت کرنے والا بدترین انسان ہے خاص کر اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں گڑبڑ و خیانت کرنے والا تو بہت برا ہے ایسے شخص کو مسجد کا متولی ٹرسٹی یا خزانچی ہرگز نہیں رکھا جا سکتا یہ تینوں آیت مبارکہ اگرچہ شان نزول کے اعتبار سے مختلف واقعات پر نازل ہوئیں مگر ان سے تا قیامت خیانت اور بددیانتی کا تمام حکم اور ازلی کا قانون الٰہیہ معلوم ہو گیا مذکورہ فی السوال جن لوگوں نے متولی مسجد ہونے کے عہدے اور ذمہ داری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مسجد کی زمین اور جائیداد وغیرہ اشیا کو نقصان پہنچایا۔ یا نقصان پہنچانے کی کوشش کی ان کو مشاورتی انجمن کی میٹنگ اور عوام الناس کے پرزور مطالبے پر متفق کرکے ہٹایا جانا اور مسجد کی تولیت و ذمہ داریوں سے

سبک دوش کرنا انتہائی ضروری تھا اور یہ علیحدگی بالکل شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہوئی ہے۔ جس مولوی سے یہ لوگ اپنے حق میں مسئلہ لکھوا کر لے آئے ہیں وہ چند سطری تحریر میری نظر سے گزری اس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی صاحب بہت ہی کم علم رکھتے ہیں اور وہ مسئلہ یکطرفہ بے تحقیق ہونے کے علاوہ شریعتِ اسلامیہ قرآن وحدیث وفقہ کے بالکل خلاف ہے تمام کتب فقہ سے ثابت ہے کہ خیانت کرنے والے متولی کو فوراً برطرف کرنا بہت ضروری اور لازم ہے چنانچہ فتاوٰی بحر الرائق جلد پنجم ص۲۴۵ کتاب الوقف میں ہے آخری صفحات پر۔ وَیُنْزَعُ لَوْ خَائِنًا کَالْوَصِیِّ اَیْ وَیَعْزِلُ الْقَاضِی الْوَاقِفَ الْمُتَوَلِّیَ عَلٰی وَقْفِہٖ لَوْ کَانَ خَائِنًا۔ ترجمہ اگر کوئی شخص مسجد کی انتظامیہ کمیٹی میں ذمہ دار شخص متولی یا ناظم الامور مہتمم وغیرہ کوئی بھی مسجد کی چیزوں میں خیانت کرے اور وہ خیانت بددیانتی ہیراپھیری وغیرہ ثابت ہو جائے تو قاضی یا اس کا شرعی نائب مفتی اسلام کے شرعی فتوے سے اس متولی بلکہ ایسی خیانت کی صورت میں خود وقف کرنے والے متولی کو بھی ہٹانا واجب ہے ایسے شخص کو متولی بنانا یا کسی قسم کی ذمہ داری دینا گناہ کبیرہ ہے۔ اسی طرح فتاوٰی درمختار شامی جلد سوم کتاب الوقف باب احکام المسجد ص۵۳۱ پر ہے۔ وَتَنْزِعُ وُجُوْبًا مُقْتَضَاہُ اِثْمُ الْقَاضِیْ بِتَرْکِہٖ وَالْاِثْمُ بِتَوْلِیَۃِ الْخَائِنِ وَلَاشَکَّ فِیْہِ لَوْ الْوَاقِفُ اَیْ لَوْ کَانَ الْمُتَوَلِّیْ وَھُوَ الْوَاقِفُ فَغَیْرُہٗ بِالْاَوْلٰی وَاسْتُفِیْدَ مِنْہُ اَنَّ لِلْقَاضِیْ عَزْلُ الْمُتَوَلِّیْ غَیْرِ الْوَاقِفِ بِالْاَوْلٰی۔ اسی فتاوٰی کے ص۵۸۰ پر ہے جلد سوم میں۔ لَیْسَ لِلْقَاضِیْ عَزْلُ النَّاظِرِ بِمُجَرَّدِ شِکَایَۃِ الْمُسْتَحِقِّیْنَ حَتّٰی یُثْبِتُوْا عَلَیْہِ خِیَانَۃً ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ترجمہ۔ اور واجب ہے قاضی یا عدالت کے جج پر کہ ایسے بددیانت خائن متولی کو فوراً متولیت کے عہدے سے ہٹا دے۔ اگر قاضی نہ ہٹائے گا تو ترک واجب کی بنا پر گناہ گار ہوگا۔ اور خود قاضی بھی نہ ہٹا کر شرعی و قانونی مجرم ہوگا۔ اگرچہ وہ متولی خود ہی اس جائیداد وغیرہ کو وقف کرنے والا ہو۔ تو دوسری قسم کا متولی کو ہٹانا تو بدرجہ اولیٰ واجب وضروری ہے اس سے یہ فائدہ ثابت ہوا کہ قاضی شریعت پر ضروری جائز لازم ہے کہ ہیراپھیری اور خیانت کرنے والے متولی اور انتظامیہ میں ایسے برے شخص کو فوراً علیحدہ اور معزول کردے۔ ترجمہ عبارت ص۵۸۰ ہاں البتہ مستحقین اور عوام مسلمانوں کی شکایت اور ثبوت کے بغیر ہٹانا جائز نہیں۔ لیکن جب مسجد سے ملحقہ لوگ شکایت کریں اور مفتی اسلام سے فتوٰی لینا چاہیں یا عدالت میں مقدمہ کردیں۔ اور قاضی یا مفتی اسلام تحقیق وتفتیش کرے پھر جب مدعا علیہ متولی یا کسی معتبر رکن پر خیانت ثابت ہو جائے تو حکومت پر ایسے بددیانت غلط انسان کو مسجد کمیٹی اور مسجد کی ذمہ داریوں سے ہٹانا نکالنا بہت ضروری ہے اور عوام مسلمانوں کی شکایت سن کر اس پر عمل کرنا لازم ہے کیونکہ اہل مسجد اور عوام مسلمانوں کو متولی رکھنے اور بدلنے معزول کرنے کرانے کا پورا حق شرعی ہے چنانچہ فتاوٰی شامی جلد سوم ص۵۶۶ پر ہے۔ ثُمَّ ذُکِرَ عَنِ التَّتَارْخَانِیَّۃِ مَا حَاصِلُہٗ اَنَّ اَھْلَ الْمَسْجِدِ لَوِاتَّفَقُوْا

عَلٰی نَصْبِ　رَجُلٍ مُتَوَلِّیًا لِمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ یُجِیْزُ الْمُتَقَدِّمِیْنَ یَصِحُّ ترجمہ۔ پھر فتاوٰی تاتارخانیہ میں ذکر کیا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیشک اگر مسجد کے تمام عوام نمازی متفقہ طور پر کسی شخص کو متولی بنانا چاہیں جو مسجد کی دیکھ بھال پہلے متولی سے زیادہ اچھی طرح کر سکے تو تمام علماء متقدمین کے نزدیک بالکل صحیح ہے اور جائز حق ہے۔ ان تمام دلائل قرآن مجید احادیث و فقہ اسلامیہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ سابقہ خیانت کرنے والوں ٹرسٹیوں تولیوں یا ان اراکین کمیٹی کو برطرف کرنا بالکل جائز اور درست ہے جن سے خیانت۔ بددیانتی ثابت ہو گئی ہے۔ اور موجودہ کمیٹی کے اراکین جو آج سے تقریباً آٹھ سال پیشتر بھی اس مسجد کی تعمیر و ترقی کے تمام مراحل انتظامات دیکھ بھال میں دیگر ممبران کے ساتھ شریعت اسلامیہ کے ضابطوں وقف مسجد کی اصلاحات اور منشور کمیٹی کے بالکل مطابق انجام دیرہے ہیں چند ماہ پیشتر اراکین انجمن مسجد مذکور نے شرعی فتوے کے لیے میرے پاس اپیل کی شکل میں درخواست و استفتاء حاضر کیا میں تقریباً دو ماہ تک اس درخواست کی حقانیت پر تحقیق و تفتیش کی ہر طرف سے ظاہر و پوشیدہ رابطہ قائم کیا۔ اور ہر طرح گواہوں کے حلفیہ بیانات سے تسلی اور صورت حال کا جائزہ لیا۔ یہاں تک کہ بستی جمعیت العلماء اسلام ٹونکے کی طرف سے ہر طرح کی مکمل یقین دہانی کرائی گئی۔ اور شہر کے عوام مسلمانوں کی طرف سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ مذکورہ فی السوال تمام باتیں حقیقت اور سچائی پر مبنی ہیں اس تمام تحقیق کے بعد شرعی مضبوط اور مکمل فتوٰی جاری کیا جا رہا ہے۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

کتب

سوال ۱۲: دارالحرب میں ربٰو بالکل حلال و جائز ہے۔ قرآنِ مجید احادیث پاک اور فقہ حنفی سے عظیم ثبوت و دلائل امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مسائلِ فقہ و اجتہاد بالکل قرآن مجید اور احادیث پاک کے مطابق ہیں آپ کا ہر چھوٹا بڑا مسئلہ باضابطہ اور ثبوت و دلائل کے ساتھ ہے۔ جب کہ دیگر ائمہ ثلاثہ کے مسائل قیاسات کے سہارے اور منشاء نص کے خلاف ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ دارالحرب میں کافر انسان غیر مسلم وغیرہ سے سود لینا مسلمان کے لیے جائز ہے یا ناجائز ۲ سود کی اصل حقیقت کیا ہے۔ بینک میں جو ہم روپیہ جمع کراتے ہیں اس پر جو زیادتی بینک والے دیتے ہیں وہ سود بنتی ہے یا نہیں ۳ کیا مسلم اور غیر مسلم بینکوں کا حکم ایک جیسا ہے یا مختلف؟ سوال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہمارے علاقے میں چند وہابی غیر مقلد جو اپنے آپ کو اہل حدیث اور دیوبندی بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے مضامین اخباروں میں شائع کرائے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالحرب میں بھی کافر غیر مسلم سے سود لینا حرام ہے۔ لیکن ہم زمانوں سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ علماء اسلام متقدمین و متاخرین فرماتے ہیں کہ دارالحرب میں غیر مسلم سے

ربو لینا حرام نہیں۔ جن مولویوں وہابیوں نے یہ مضامین شائع کرائے ہیں۔ انہوں نے بعض جگہ امام اعظم کی شان میں گستاخی بھی کی ہے اور بے ادبی کے لفظ بھی بولے ہیں۔ خیر اس پر ہم کو حیرانی نہیں یہ مردود ٹولہ تو جنم کے گستاخ اور قرآن شیطان ہیں۔ ہمارا مدعا ان کے دلائل کا مکمل جواب لینا ہے۔ برطانیہ کے سب علماء کی طرف سے یہ استفتا اور جواب شافی وافی کی خواہش کے پیش نظر یہ سوال نامہ اور وہ سب اخبارات بھیجے جارہے ہیں۔ آپ تمام مضامین اور ہمارا یہ استفتا بغور پڑھ کر انتہائی مدلل و مکمل فتوٰی عطا فرمائیں تاکہ مخالفین کو منہ توڑ جواب دیا جائے۔ مخالفین کے دلائل حسب ذیل ہیں **دلیل نمبر ۱**۔ اگر ہم مسلمان سود کھانا شروع کردیں تو کفار کی سود خوری کے خلاف کس طرح آواز اٹھائیں گے ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان گنجائشوں کا فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنے منصب کو پہچان کر قرآن و سنت کی تبلیغ کریں۔ **دلیل نمبر ۲** فقہا کی باتوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ دارالحرب میں چوری ڈاکہ زنی غصب قتل سب کچھ جائز ہوجائے تو کیا یہ باتیں ماننے کے قابل ہیں۔ **دلیل نمبر ۳**۔ امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہا نے دارالکفر اور دارالحرب کا فرق نہ سمجھا اس لیے یہ مسئلہ بنادیا۔ **دلیل نمبر ۴** جو قوم ہم سے جنگ نہیں کرتی اس سے سود لینا جائز نہیں قرآن مجید میں ہے کہ نہیں منع کرتا اللہ تم کو بہر صورت ان لوگوں سے جو نہیں لڑتے تم سے دین کے بارے میں اور نہ نکالا انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے اس بات سے کہ تم بھلائی کرو ان سے اور انصاف کرو ان کے حق میں بیشک اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنے والوں کو **دلیل نمبر ۵** لا ربٰو۔ والی حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ سود بالکل نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ سود تو ہے اور حرام بھی ہے صرف اضطراری اور مجبوری کی حالت میں بقدر ضرورت جائز ہوگا جیسا کہ مردار کا کھانا بھوک سے مرتے ہوئے مسلمان کے لیے تو جس طرح مردار۔ مردار ہی ہے اور حرام بھی ہے اسی طرح حربی کافر کا سود۔ سود ہی ہے اور حرام بھی ہے۔ **دلیل نمبر ۶** سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک حدیث جو کہ مرسل ہے اس کو پورے قرآن مجید کی آیتوں اور متعدد ثابت شدہ حدیثوں کے مقابل لاکر ایک نیا کارنامہ انجام دینا یہ کہاں کی عقلمندی ہے ہم ہرگز ہرگز اس حدیث کو نہیں مان سکتے زیادہ سے زیادہ ہم اس حدیث کو اضطراری حالت میں مان سکتے ہیں ورنہ ایک طرف مسلمان کا کردار ہے جس کا نقشہ قرآن کریم کھینچتا ہے اور دوسری طرف یہ رخصت ہے تو مسلمان بلند کرداری اور اولوالعزمی کی بنا پر کبھی بھی ایسی رخصت اور ایسی حدیثوں کو نہیں مانے گا **دلیل نمبر ۷**۔ رہیں فقہا کی دفعات تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے سوا جمہور علما اور امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور حنفیہ میں امام ابویوسف وغیرہ اتنے بڑے بڑے ائمہ ہر جگہ سود کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ **دلیل نمبر ۸** احادیث میں بھی سود کی حرمت بیان کی گئی ہے چنانچہ مشکوٰۃ باب الربٰو میں ہے۔ دِرْھَمُ رِبًا یَاکُلُہُ الرَّجُلُ وَھُوَ یَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّۃٍ وَّثَلٰثِیْنَ زَنْیَۃً۔ دوسری حدیث ہے۔ جو جسم سود کی غذا سے بنا ہو اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔ تیسری حدیث لَعَنَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰکِلَ الرِّبٰو وَمُوْکِلَہٗ وَکَاتِبَہٗ وَشَاھِدَیْہِ وَقَالَ ھُمْ سَوَاءٌ۔ (صحیح مسلم جلد دوم)

دلیل نمبر ۹۔ سود ہمارے نزدیک قطعی حرام ہے بینک کا سود ہو یا مہاجنی اور دارالحرب کا سود ہو یا دارالاسلام کا کیونکہ۔ قرآن و سنت کی قطعی نصوص سے اس کی حرمت ثابت ہے چنانچہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۷۵ میں ہے اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ (الخ) دوسری آیت بقرہ نمبر ۲۷۸ میں ہے۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا (الخ) سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۳۰ اور نمبر ۱۳۱ میں ممانعت کے بعد اس کی سزا بھی فرمائی گئی اور اس آیت کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اِنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَةَ ھِیَ اَخْوَفُ اٰیَةٍ فِی الْقُرْاٰنِ اَوْعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالنَّارِ الْمُعَدَّةِ لِلْکَافِرِیْنَ اِنْ لَّمْ یَتَّقُوْهُ (تفسیر مدارک تنزیل)

دلیل نمبر ۱۰۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد۔ امام یوسف بھی دارالحرب میں غیر مسلم سے سود حرام قرار دیتے ہیں چنانچہ بدائع صنائع جلد ہفتم ص ۳۱۲۷ پر ہے اَنَّهٗ یَجُوْزُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ وَ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ لَا یَجُوْزُ وَ وَجْهُ قَوْلِ اَبِیْ یُوْسُفَ اِنَّ حُرْمَةَ الرِّبٰوا مِمَّا ھِیَ ثَابِتَةٌ فِیْ حَقِّ الْمُسْلِمِیْنَ فَھِیَ ثَابِتَةٌ فِیْ حَقِّ الْکُفَّارِ لِاَنَّھُمْ مُخَاطَبُوْنَ بِالْمُحَرَّمَاتِ سود کی حرمت جس طرح مسلمانوں کے لیے ثابت ہے اسی طرح کفار کے لیے بھی کیونکہ وہ بھی حرمات میں مخاطب ہیں۔ دلیل نمبر ۱۱ درمختار جلد اول ص ۷۱ پر ہے کہ معاملات میں فتویٰ قول ابو یوسف پر ہوتا ہے لہٰذا یہاں امام یوسف کا قول مانا جائے گا۔ دلیل نمبر ۱۲۔ فتاویٰ نذیریہ وہابیہ میں ہے۔ کہ واجب ہے ہر مسلمان دیندار پر سعادت شعار پر کہ کہنے سے کسی نیم ملا کے سود کے لینے سے پرہیز کرے اگرچہ دارالحرب میں ہو پرہیز و اجتناب ضرور کرے دلیل نمبر ۱۳۔ دارالحرب میں سود کے جواز کے لیے کوئی صحیح حدیث ہی نہیں۔ اگر ہو بھی تو خبر واحد کے ساتھ نص قرانی پر زیادتی ہرگز جائز نہیں دلیل نمبر ۱۴ امام اوزاعی نے فرمایا۔ اَلرِّبٰوا حَرَامٌ عَلَیْهِ فِیْ اَرْضِ الْحَرْبِ وَ غَیْرِھَا لِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ وَضَعَ مِنْ رِبٰوا الْجَاھِلِیَّةِ مَا اَدْرَکَهُ الْاِسْلَامُ مِنْ ذٰلِكَ وَ کَانَ اَوَّلُ رِبٰوا وَضَعَهٗ رِبٰوا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَکَیْفَ یَسْتَحِلُّ الْمُسْلِمُ اَکْلَ الرِّبٰوا فِیْ قَوْمٍ قَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ دِمَاءَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ وَ قَدْ کَانَ الْمُسْلِمُ یُبَایِعُ الْکَافِرَ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَا یَسْتَحِلُّ ذٰلِكَ قَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ اَلْقَوْلُ مَا قَوْلُ الْاَوْزَاعِیْ لَا یَحِلُّ ۔ وَ لَا یَجُوْزُ ۔

دلیل نمبر ۱۵۔ جب قبیلہ بنی مخزوم مسلمان ہوا تو بنی ثقیف کے ساتھ اس کا سودی لین دین تھا۔ تو بنی ثقیف نے بنی مخزوم سے اپنے سود کا مطالبہ کیا۔ تو بنو مخزوم نے کہا اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں ہم اپنی کمائی کو سود کی ادائیگی میں خرچ نہیں کریں گے لیکن بنو ثقیف اپنے سود کے لیے اصرار کرتے رہے تو مکے کے والی نے رسول سے اس کے متعلق پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں یہ آیت نازل فرمائی۔ کہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اب جو سود باقی ہے اسے چھوڑ دو اگر ایمان والے ہو۔ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۷۸ اس سے ثابت ہوا کہ غیر مسلموں سے بھی سود لینا حرام ہے

دلیل نمبر ۱۰ حجۃ الوداع کے خطبے میں نبی پاک نے عباس بن عبد المطلب کا وہ سود خود حرام قرار دیا جو حضرت عباس نے غیر مسلموں سے لینا تھا۔ یہ تھیں وہ دلیلیں جو ان چند وہابی مولویوں نے اپنے مضمونوں میں لکھیں ہیں اور وہابی خطیبوں نے ان دلائل سے اپنے مضامین شائع کیے ہیں۔ ہم نے ان کے تمام دلائل ان ہی کے الفاظ میں لکھدیے ہیں اور اصل مضمون بھی آپ کی خدمت اقدس میں ارسال ہیں اور پھر حیرت ہے کہ یہی تین چار مولوی خود بھی بینک سے قرضہ لے کر اپنے مکان اور اپنی مسجدیں لیے ہوئے ہیں۔ نیز اپنے اسی قسم کے سود خود نمازیوں مقتدیوں کے چندوں سے اپنی دعوتیں، روٹیاں تنخواہیں اور مسجد کے لیے فنڈ جمع کرتے ہیں۔ نہ کسی کو منع کرتے ہیں نہ بائی کاٹ کرتے ہیں۔ اور اس مضمون سے پہلے کبھی کسی نمازی کو سود کا مسئلہ نہیں بتایا۔ اب بھی یہ مضمون غالباً کسی ضد بازی میں شائع کیا ہے۔ ورنہ اسلامی محبت میں یا دین اور علم سے کچھ لگاؤ عمل و کردار سے ثابت نہیں ہوتا۔ براہ کرم آپ ہم کو بتائیں کہ اصل حقیقی مسئلہ کیا ہے۔ اور ان وہابیوں کے دلائل درست ہیں یا غلط۔ بَیِّنُوْا تُوجَرُوْا۔

دستخط سائل عبد اللطیف لندن برطانیہ ۱۹۸۷-۱۰-۲۰

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ۔

الجواب

سوالِ مذکورہ میں سائل محترم نے اپنے تمام مضمون میں صرف اس چیز کے متعلق وضاحت طلب فرمائی ہے کہ کیا دار الحرب میں حربی سے سود لینا دینِ اسلام میں جائز ہے یا حرام۔ چونکہ سوال میں دار الحرب کی تعریف و تعین کے متعلق سوال اور وضاحت نہیں ہے اس لیے اس فتوے میں صرف اس چیز کا جواب ہے کہ دنیا میں جہاں بھی جو علاقہ دار الحرب میں شامل ہے وہاں حربی سے سود لینا بالکل جائز مباح ہے۔ میں نے سائل محترم کا بھیجا ہوا یہ استفتاء اور اخباری بیانات بہت غور و فکر سے مطالعہ کیا۔ مجھ کو جہاں سائل کی مکمل وضاحتی تحریر پسند آئی وہاں ان اخباری بیانات کی بھی عبارت غلط تلفظ اور بوگس دلائل پر حیرت اور افسوس بھی ہوا۔ قربِ قیامت ہے لڑکوں کے ہاتھ میں قلم آگیا ہے۔ اسلام کے اعلیٰ اور ابدی قانون کو اخباروں میں اچھا لا مذاق بنایا جا رہا ہے۔ اور ہر جاہل ان پڑھ بیوقوف علم سے دور تفقّہ فی الدین سے نفور لوگوں سے گھٹیا قسم کے مضامین لکھوا کر اس کو نقطہ نظر کا نام دیا جا رہا ہے۔ قرآن و حدیث کی جن عبارات کو فرشتے چومتے ہیں ان کو سڑکوں پر بکھیرا جا رہا ہے۔ خون کے آنسو رونے کا مقام ہے کہ کوئی اخبار سپریم کورٹ ہائی کورٹ بلکہ چھوٹی سی کورٹ عدالت اور کچہری کے کسی قانون اور فیصلے کو کسی عام آدمی کے نقطۂ نظر سے چیلنج نہیں کر سکتا۔ کوئی ایسا کرے تو یہی حکومت والے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیں۔ آج تک کوئی جرأت نہیں کر سکا۔ یہ مسلمانوں کی کتنی بڑی بدقسمتی ہے اور اخبارات کی کتنی گستاخانہ شرارت ہے کہ اسلامی قوانین اور شرعی ضابطوں کو بے علم حمقا سے اور ان کے بیہودہ قلموں سے توڑنے پھوڑنے اور تضحیک کا نشانہ بنوایا جائے۔ دنیا کے کسی اہل قانون نے کسی

بے علم کم عقل اور ناسمجھ انسان کو کب یہ جرأت دی ہے کہ وہ کسی قانونی بات میں اپنا نظریہ پیش کرے یا اہل علم دانشوروں کے مقابل اپنی عامیانہ بات پیش کرے آج کل بعض اخبارات نے جس طرح اپنے ایک خصوصی کالم میں مسلمات اور قانون کی توہین اور ذلت کا راستہ بنالیا کہ کبھی عورتیں سامنے آجاتی ہیں کبھی ڈراموں کے تماشا باز۔ کبھی تیلی کبھی مراثی شریعت کا منہ چڑانے لگ جاتے ہیں اس سے غیر مسلموں کی نگاہ میں اسلام کی کیا شکل سامنے آتی ہے کیا کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ نقطہ نظر کی آڑ میں کسی شرارت کا منصوبہ بنایا گیا۔ اگر مسلمان خود ہی اپنے جاہلانہ قلم سے اسلام قرآن حدیث شریعت طریقت ائمہ مجتہدین۔ فقہاء اسلام علما اور مشائخ کو گستاخی دریدہ دہنی کند ذہنی اور مذاق کا نشانہ بنائیں گے تو پھر غیروں سے کیا شکایت اور آج کل تو ابلیس کی ذریت اور مشرق زدہ نسل علما اور اسلامیات کا مذاق اڑانا ایک فیشن سمجھتے ہیں۔ مولوی مولوی ملا ملا کرکے پورے اسلامی نظریات و ضابطوں کا انکار کرتے چلے جارہے ہیں۔ اس گزشتہ مختصر سے عرصے میں اس قسم کی کتنی وارداتیں ہوئیں۔ کبھی عورت کی گواہی کا رونا رویا گیا اور کبھی اسلام کے نکاح طلاق پر ڈوم مراثیوں لبلبیوں نے اخباری واویلا مچایا یہاں تک کہ عام آدمی بھی اہل قلم بن بیٹھا اور فقہاء ملت علماء امت مفتیان شریعت کے مقابل دخل اندازی کو اپنا حق سمجھنے لگا جو شخص ایک وکیل کچہری سے بات کرنے کا ڈھنگ نہ جانتا ہو جس کو ایک چھوٹے سے جج سے بات کرنے کی اجازت نہ مل سکے وہ اللہ رسول قرآن و حدیث کے اعلیٰ اور ابدی قانون کی مخالفت کرتا چلا جارہا ہے اور وہ بھی لایعنی بیہودہ اور لغویات کے انداز میں۔ کسی کو کیا پتہ کہ ان مضمون نگاروں کے پس پردہ کون منصوبہ ساز ہے احمد دین کے نام سے کونسا کرشنا مینن یا فنڈامین ہے ابھی پچھلے دنوں آذان کی مخالفت میں کتنے بیہودہ مضامین۔ نقطہ نظر کے ضمن میں چھپ گئے میرا یقین ہے کہ کبھی کوئی مسلمان اپنے شعائر اسلامیہ کے لیے ایسے گستاخی کے الفاظ نہیں لکھ سکتا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ بے باکی کا یہ دروازہ اخبار والوں کے علاوہ ہمارے ان جلد باز بزرگ علما اکابر نے کھولا جنہوں نے اخبارات کو اپنا دار الافتا سمجھا ان جلد باز بزرگوں کو یہ توفیق تو نہ ہوئی کہ اتنے لمبے چوڑے مدرسوں اور جامعات میں مل بیٹھ کر کم از کم ایک ہی سپریم کورٹ کی شان کا دار الافتاء بنالیتے۔ جہاں سے اسلام کی شان امتیاز کا ظہور ہوتا ہمارے علماء متبحرین کی شان علمیت اور فقاہت مذہبی کسی بھی مذہبی پیشوا یا پوپ یا آرچ بشپ سے کم نہیں۔ تو پھر وقار مجروح کرنے کے یہ ہتھکنڈے کیوں استعمال کرائے جاتے ہیں جب کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مذہبی پیشوا کی توہین مذہب کی توہین ہے۔ پوپ کی بات حرف آخر بھی جاتی ہے ایوان حکومت کو بھی جھکنا پڑتا ہے۔ مگر علما فقہا و ائمہ کا تمسخر اڑایا جاتا ہے ان حرکتوں کو دنیا و آخرت کے اعتبار سے کسی کی بدنصیبی کہا جائے گا۔ فتویٰ دینا کوئی بچوں کا کھیل نہیں بلکہ پچیس چھبیس علوم کی مہارت کے بعد علمی زندگی کا نچوڑ ہوتا ہے فتویٰ نویسی کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی ابتدائی ذمے داری اور صحابہ میں بھی صرف تین بزرگوں کو دی گئی ۱؎ عبد اللہ بن عمر ۲؎ عبد اللہ بن مسعود ۳؎ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہر شخص کو اس علمی اور پاکیزہ دور میں بھی فتویٰ دینے کی اجازت نہیں تھی۔ پھر امام جعفر صادق نے فتویٰ نویسی کا مدرسہ

قائم فرمایا اور اس مدرسے کے سب سے بڑے طالب علم نے امام اعظم ابوحنیفہ کا لقب پایا۔ اسی لیے محققین ومورخین امام اعظم کے فرمودات کو فقہ جعفریہ اور فقہ حنیفہ کہتے ہیں یعنی اس وقت جو مسائل دینیہ فقہ حنفی کے نام سے مشہور ہے حقیقت میں وہی فقہ جعفریہ ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ کے پاس جو کچھ علمی فقہی خزانہ ہے وہ امام جعفر صادق جیسے امام الائمہ بزرگ استاد کی ہی فقاہت سے اور اقوال وضوابط سے حاصل کردہ ہے۔ یہ جو شیعہ لوگوں نے اب چند سالوں سے نئے نئے مسلکوں کو فقہ جعفریہ کا نام دیدیا اس کا تو تاریخ میں وجود وثبوت ہی نہیں رازکفتہ۔ فقہ ففی پھر فتوی نویسی کے لیے امام اعظم جیسی بزرگ ہستیوں کو عالم شہود میں لایا گیا جن کا علم حدیث نبوی کے فرمان کے مطابق آسمان کے ستاروں تک بلند ہے اور جن کی دینی قوت ثریا ستارے تک ہے۔ مگر اسی اہم ذمہ داری کو ان جلد باز بزرگوں نے اخبار وعوام کی نظر میں بچوں کا کھیل بناڈالا چاہئے تو یہ تھا اخبار والوں کو ان حرکتوں سے محاسبہ کرکے منع کیا جاتا کہ اپنے اخبارات میں آیت قرآنیہ بسم اللہ شریف حدیث پاک نہ لکھو اور اخبارات کے ذریعے بے ادبی کرکے اور کرا کے عذاب الیہ کو دعوت نہ دو رب تعالٰی کی ڈھیل ومہلت سے ناجائز تاثر مت لو۔ مگر اس فریضے پر ان جلد بازوں نے کبھی قلم نہیں اٹھایا۔ بس دائیں بائیں دیکھے بغیر اپنی شہوانی اور تصویر کشی جیسے حرام فعل کے شوق میں جھٹ سے نقطۂ نظر کا مضمون داغ دیا نہ تحقیق حال نہ مدعی کی درخواست نہ مدعی علیہ کا بیان نہ گواہی نہ شہادت نہ حلف نہ قسم۔ تو جہلاً عوام مقابلے میں کیوں نہ آئیں اور غیر مسلموں کی نظر میں بدنامی اسلامی ضابطوں کی ہوئی۔ اخبار کی زندگی ہی کتنی ہے دو دن بعد یہی اخبار گلیوں سڑکوں پر کوڑا بن کر پیروں میں رگڑتا پھرتا ہے عوامی بے عقلی بدخلقی اور گمراہی کی حد ہوگئی کہ اب اخبارات میں گندی فلمی اور بیہودہ فوٹوؤں والے اشتہارات میں بسم اللہ۔ انشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔ لکھا جارہا ہے اور کسی کو غیرت نہیں تڑپتی یہ مردہ ضمیری نہیں تو اور کیا ہے۔ جن تصویروں فوٹوؤں کو اسلام نے حرام اور بت سازی فرمایا ان تصویروں کے پیروں کے نیچے اللہ رسول کا نام اور آیتیں حدیثیں۔ دینی مسائل لکھ کر اللہ رسول کا مقابلہ ومذاق اڑایا جارہا۔ کیا یہ اخبار والے اور مضمون نگار اشتہار باز ایڈیٹر اور اخبار نویس اللہ تعالٰی کے عذاب سے بے خوف ہوچکے ہیں۔ بہرکیف اب اس نقطۂ نظر والے تماشے کو بند ہونا چاہئے اور اخبار والوں کو چاہیے کہ اخبار کو اخبار واشتہارات تک ہی محدود رکھا جائے میں نے مسائل کا بھیجا ہوا سوال نامہ اور وہ تمام اخبارات وصول پائے اور پڑھے جن سے مسائل نے یہ استفتا مرتب فرمایا۔ ان مضامین میں انتہائی کمزور دلائل۔ کچی باتیں۔ بچگانہ الفاظ۔ بناوٹی نظریات جذباتی زبان اور ائمہ فقہا مجتہدین کی دینی لفظی گستاخیوں کے سوا کچھ نہیں۔ فریق مخالف نے فقہ حنفی اور امام اعظم کی شان میں اکھڑ لہجہ استعمال کیا ہے۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے اور اپنے بیگانے ہی مخالف مانتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے بعد فقہ حنفی اور امام اعظم کے فرمودات ہی زریں اصول تابندہ دلائل آیت واحادیث کی روشنی میں صحیح ضابطے اور ایسی اصول بندی ہے کہ تاقیامت امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی افادیت تامہ وادا حقوق عامہ میں باقی تین فقہ سے اعلٰی اکمل مستند اور قابل عمل ہے۔ زمانہ تسلیم کرچکا ہے حدیث وقرآن

کی سچی نقشہ کشی اور صحیح تفسیر و تشریح، مضبوط استنباط صرف اور صرف فقہ حنفی ہے۔ دیگر ائمہ ثلاثہ کو یہ مقام کس طرح میسر آسکتا ہے جب کہ وہ سب امام اعظم کے ضابطوں سے استفادہ کرکے ان ہی کے اجتہادی کلیات کا سہارا لے کر فقیہ مجتہد بننے کے علاوہ سب فقہا امام اعظم کے شاگرد یا شاگرد در شاگرد بلا واسطہ یا بالواسطہ ہیں۔ محققین متقدمین و متاخرین کے علمی تحقیق و تفتیشی تجربات سے یہ بات حتمی ثابت ہو چکی ہے کہ جس امام فقہ نے بھی امام اعظم کے مسئلے کے خلاف مسئلہ بنایا وہ ظاہر ظہور روح قرآنی اور رمز احادیث کے خلاف اور منشاء الٰہیہ کے برعکس۔ فرمودات نبوت کے مخالف ہی چلا گویا صحابہ کے بعد امام اعظم ہی رمز شناس رسول اللہ ہیں۔ یہ زیر بحث مسئلہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔ اس مسئلہ ربو میں دیگر فقہاء کرام نے بظاہر بڑی شد و مد سے قرآن و حدیث کے دلائل پیش کئے ہیں۔ اور امام اعظم کے خلاف مسئلہ بنانے کی کوشش کی ہے لیکن سراسر مقصد آیت و رمز روایت کے مخالف چلے ہیں۔ ہماری یہ سب باتیں صرف زبانی کلامی نہیں بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ اگلی سطور میں ہر چیز کو با دلائل باحوالہ ثابت کیا جائے گا۔ نیز ہم اپنی یہ بات اللہ رسول کے بھروسے پر چیلنج کے طور پر لکھ رہے ہیں۔ کوئی شافعی حنبلی مالکی گروہ کا کوئی بھی شخص ہم سے کسی بھی وقت ہماری اس تحریری دعویداری پر مکالمہ کر سکتا ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ امام اعظم کا ہر مسئلہ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے جب کہ مخالفین کی فقہ محض قیاسات یا کمزور استنباط و استدلال پر نصوص کے مطالب حقیقیہ سے ہٹ کر ہے۔ فی الحال ہم استفتاء کے جواب کی طرف آتے ہیں۔ ہم اپنے طریقے کے مطابق پہلے اپنا دعویٰ اور اس کے دلائل پیش کریں گے پھر نہایت حسین و محسن پیرائے میں مخالفین کی دلیلوں کا جواب دیا جائے گا۔ جس سے معلوم ہو جائے گا کہ فقہ حنفی کے مخالف اقوال صرف گھڑے ہوئے ہی ہیں۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَاِلَیْہِ الْبَلَاغ۔ امام اعظم کا مسلک ہے کہ دار الحرب میں حربی کافر سے سود لینا بالکل جائز ہے اور وہ سود ربو نہیں بنتا۔ ہماری تمام گفتگو اسی دعوے کے مطابق ہے نیز ہمارا یہ دعویٰ ہے جو شخص بھی اس مسئلے کے مخالف ہے وہ قرآن و حدیث کے اصل منشا اور مسئلہ سود کی حقیقت سے ناواقف ہے یہ فتویٰ بہت غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کے بعد لکھ رہا ہوں۔ مجھ کو اپنے رب تعالیٰ اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر پورا کامل و اکمل بھروسہ و یقین کہ حسب سابق کوئی شخص اس فتوے کو علم اور دلائل سے غلط نہیں کر سکے گا۔ سب طاقتیں میرے اللہ کو ہیں جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ ہمارے اس حنفی مسئلے پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔ **پہلی دلیل** قرآن مجید یا احادیث کی کتب مبارکہ میں ایک بھی ایسی آیت یا حدیث نہیں ہے جس میں دار الحرب کے کفار سے سود لینے کی ممانعت کی گئی ہو۔ دنیا بھر کے علماء سے ہمارا چیلنج و مطالبہ ہے کہ کوئی عالم اس طرح کی کوئی آیت اور حدیث مشہور یا غیر مشہور، مرسل یا خبر واحد نہیں دکھا سکتا سود کی حرمت کی جتنی بھی آیتیں ہیں یا احادیث مبارکہ ہیں وہ سب کی سب مسلمان سے سود لینے دینے کی ہیں۔ یعنی کوئی مسلمان ایسے شخص سے سود نہ لے جو مسلمان ہو یا مسلمانوں کی طرح اس کا مال شرعاً محفوظ ہو۔ دار الحرب کے کفار سے سود کا حرام ہونا کہیں ثابت نہیں لہٰذا اے نادان کم عقل مخالفت اللہ رسول کو چھوڑ کر متقی بننے کی کوشش

مت کرو۔ چیزوں کو حرام وحلال کرنے کی خود ٹھیکیداری مت اٹھاؤ اللہ رسول نے کسی بندے کو حلال وحرام کرنے کا اختیار نہیں دیا چنانچہ سورۃ یونس کی آیت ۵۹ میں اسی قسم کے جلد باز لوگوں کو تاقیامت متنبہ وخبردار کیا جارہا ہے کہ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْہُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ ءٰٓاللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ ...... ترجمہ اے محبوب نبی تم فرماؤ۔ بھلا بتاؤ کہ جو رزق اللہ نے تمہارے لیے نازل فرمایا۔ تو تم نے کس جرأت سے اس میں کچھ خود ہی حرام بنالیا اور کچھ خود ہی اپنی مرضی سے حلال کر لیا۔ کیا تم کو اللہ نے حرام وحلال کرنے کا اختیار دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ چونکہ سود کی حرمت کا تعلق صرف مسلمانوں سے لینے دینے میں ہے اس لیے قرآن مجید نے جہاں کہیں بھی ربٰو کی حرمت کا ذکر کیا ہے وہاں پہلے تاکید سے ایمان والوں کا ذکر کیا۔ چنانچہ سورۃ البقرہ آیت ۲۶۷ میں جس جگہ مال ودولت کے خرچ کرنے کرانے لینے دینے تجارت اور سود کا تفصیل ذکر کیا گیا وہاں شروع میں پہلے ہی قید لگادی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ یعنی اے ایمان والو۔ یا اے وہ لوگو جو مومن بن چکے ایمان لاچکے یہ صرف تمہارے لیے قانون اور پابندیاں ہیں کہ تم طیب مال خرچ کرو۔ دوم یہ کہ آیت ۲۷۴ سورۃ البقرہ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ (الخ) ترجمہ وہ مومن مسلمان جو خیرات کرتے ہیں اپنے مالوں کو۔ سوم یہ کہ آیت ۲۷۵ سے سود کا بیان ہوا۔ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا ترجمہ وہ مسلمان جو کھاتے ہیں مسلمانوں سے سود وہ قیامت میں ایسے لڑکھڑاتے کھڑے ہوں گے جیسے جنات وشیطٰن کے سائے والا آسیب زدہ کھڑا ہوتا ہے مخبوط الحواس ہوکر۔ یہ اس وجہ سے ہوگا کہ دنیا میں انہوں نے سمجھ رکھا تھا کہ بیع تجارت سود خرید و فروخت سب ایک جیسے حلال اور جائز ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا تو اس نصیحت کے بعد جو باز رہا اس کو وہ سود حلال ہے جو نادانی سے پہلے لے چکا۔ اور جو اب لے گا حرمت کو جانتے ہوئے مانتے ہوئے تو وہ جہنم میں بہت مدت رہے گا (پھر مدتوں بعد پوری سزا لے کر اس کا دوزخ سے چھٹکارا ہوگا)۔ آگے پھر ارشاد ہوا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پھر آیت ۲۷۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ہو تم اللہ سے ڈرو اور اب وہ سود چھوڑ دو نہ لو جو تمہارا مسلمانوں کے ذمے مسلمان بن جانے کے بعد باقی رہ گیا ہے اگر تم سب لوگ (لینے دینے والے) مومن مسلمان ہو۔ پس اگر ایسا نہ کرو یعنی اس ممانعت کے بعد بھی نہ چھوڑو تو اللہ رسول سے جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ۔ یہاں آیت پاک میں پہلے فرمایا گیا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ پھر آخر میں فرمایا گیا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ سوچنے والی بات ہے کہ آخر رب تعالیٰ نے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے بعد پھر اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ کیوں فرمایا۔ تو اقتضاء النص سے یہی ثابت ہورہا ہے کہ پہلے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد لینے والوں کا ذکر ہے اور اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ میں دینے والوں کا ذکر ہے اور قربت ایمانی کی بنا پر دونوں جگہ خطاب کا صیغہ استعمال کیا گیا اسی لیے یہاں ان شرطیہ فرماکر وَذَرُوْا میں قید

لگادی۔ اور یہ فرمایا گیا کہ بقیہ سود تب چھوڑو اگر تم سب مومن مسلمان ہو چکے ہو سینے والے تو پہلے ہی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا
دینے والوں کو بھی پوچھ لو کہ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ثابت ہوا کہ اگر دینے والے مسلمان نہ ہوئے ہوں تو ان سے ربٰو نہ چھوڑا
جائے بلکہ ضرور لے لو۔ اگر یہ تفسیر نہ کی جائے تو بعد میں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ فرمانا۔ بیکار معلوم ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا کلام۔
بیکار ہونے سے پاک ہے۔ دوبارہ مومن ہونے کا ذکر کرنا۔ اور ان حرفِ شرط کی قید لگانا صاف اور واضح بیان فرمارہا۔
ہے کہ صرف مسلمانوں سے سود لینا حرام ہے حربی کفار سے بالکل جائز ہے۔ اور یہ سوال کہ کیوں جائز ہے اور ذمی کفار سے
کیوں جائز نہیں۔ اس کی وجہ احادیث پاک نے بہت وضاحت سے بیان فرمادی۔ سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۱۳۰ ارشاد
باری تعالیٰ ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اے وہ لوگو
جو ایمان لاچکے نہ کھاؤ تم سود دُوگنا تِگنا کرکے اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ قرآن مجید فقط ان تین ہی آیتوں
عبارتوں میں سود کی قانونی حرمت کا ذکر ہے اور ان تمام جگہ صرف مسلمانوں کو صرف مسلمانوں سے سود لینے کی حرمت
بیان ہوئی کوئی کافر اور مشرک غیر مسلم ان احکام میں مکلف اور شامل و داخل نہیں۔ سورۃ نسا آیت نمبر ۱۶۱ میں جو سود کا ذکر
ہے وہ خبر ہے انشا نہیں یعنی اس آیت میں بتایا جارہا ہے کہ پہلی شریعتوں میں بھی مومن امتوں پر سود لینا دینا حرام تھا چنانچہ
ارشاد باری تعالیٰ ہے وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ الخ۔ یہودیوں پر بہت سی حلال چیزیں ہم نے حرام فرمادیں تھیں
ایک ان کے ظلم کی وجہ سے اور ایک ان کے اس وقت سود کھانے کی وجہ اور سود لینے کی وجہ سے حالانکہ بیشک وہ
یہودی عیسائی اس وقت جب کہ وہ مومن ہوا کرتے تھے سود وغیرہ سے منع کیے گئے تھے۔ اور ایک ان کے لوگوں کا مال
باطل طریقے سے کھانے کی وجہ سے۔ اس آیت میں صرف یہ بتایا جارہا ہے کہ پچھلے انبیاء کرام علیہم السّلام کی شریعتوں
میں بھی بہت سی چیزوں کی طرح سود بھی حرام تھی مگر انہوں نے اپنے زمانوں میں یہ گناہ کیا تھا کہ وہ آپس میں سود لیتے دیتے
رہے۔ لیکن آج کل کے یہودی عیسائی اپنے کفر شرک کی وجہ سے کسی حرمت اور عبادت کے مکلف نہیں ہیں۔ نہ ہی اب
پچھلی شریعتیں باقی ہیں۔ قانون اور انشاء امر و نہی والی یہ سب آیتیں صاف ظاہر فرمارہے ہیں کہ صرف مسلمان سے سود لینا
حرام ہے امام اعظم کے مسلک کی بنیاد ان ہی آیتِ قرآن پر ہے۔ مگر دیگر ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اپنی
جلد بازی کی بنا پر ان آیتوں کی اس اقتضا اور اشارہ النص کی طرف توجہ نہ فرماتے ہوئے صرف اپنے اپنے قیاسات
کا سہارا لیتے ہیں اور محض عقل و قیاس کی بنیاد پر فرماجاتے ہیں کہ سود کی آیتیں اور احادیث مطلق ہیں۔ حالانکہ یہ سخت
غلط ہے۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد پنجم صفحہ ۳۰۰ پر باب الربٰو میں ہے لَهُمْ اِطْلَاقُ النُّصُوْصِ فَاِنَّهَا لَمْ
تُقَیَّدْ بِالْمَنْعِ بِمَكَانٍ وَالْقِیَاسُ عَلَی الْمُسْتَاْمِنِ مِنْهُمْ دَارِنَا ۔ ترجمہ۔ تین ائمہ وغیرہ ہم کو دلیل سود کی
آیتوں حدیثوں کا مطلق ہونا ہے کیونکہ سود کی آیتیں روایتیں کسی جگہ یا علاقے سے مقید نہیں ہیں۔ اور مستامن کافر جو ہمارے
ملک دار الاسلام میں آجائے تو اس سے ہم سود نہیں لے سکتے۔ اسی پر قیاس کرکے دار الحرب کے کفار سے بھی سود

نہیں لی جاسکتی۔ اور آیتِ مطلقہ کو بھی مقید نہیں کیا جاسکتا۔ گویا کہ وہ فقہا جو امام اعظم کے خلاف چل پڑے ان کی صرف دو دلیلیں ہیں ایک استدلالی دوم قیاسی۔ استدلالی تو یہ کہ آیتیں چونکہ مطلق ہیں لہٰذا ہر جگہ ہر شخص سے سود حرام۔ قیاسی یہ کہ جب کوئی کافر امن لے کر ہمارے اسلامی ملک میں مستامن بن جائے تو اس سے کوئی مسلمان سود نہیں لے سکتا لہٰذا حربی سے دار الحرب میں بھی سود نہیں لیا جاسکتا۔ لیکن ہم امام اعظم کو ماننے والے حنفی کہتے ہیں کہ یہ دونوں دلیلیں انتہائی سخت کمزور ہیں اور نامناسب ہیں۔ پہلی استدلالی اس لیے کمزور ہے کہ ائمہ ثلاثہ میں سے کسی نے بھی مطلق ہونے کی نہ تو وجہ بیان کی نہ ہی مطلق کی نوعیت بیان کی نہ کیفیت۔ صرف مطلق مطلق کہہ دینا تو کافی نہیں ہوتا۔ ہر قول میں چار طرح مقید یا مطلق ہوسکتا ہے (۱) مکان کے اعتبار سے (۲) زمان کے اعتبار سے (۳) قانون والی چیز کے اعتبار سے (۴) جس پر قانون لگ رہا ہے اس شخص کے اعتبار سے شریعت کا حکم ہے کہ جو شخص کسی چیز کو مطلق کہے وہ بھی ان چاروں قسموں کی وضاحت کرے اور ثبوت پیش کرے اور جو مقید کہتا ہے وہ بھی ثبوت پیش کرے۔ سود کی آیتوں روایتوں کو امام اعظم نے مکان اور شخصیت کے اعتبار سے مقید فرمایا۔ لیکن زمانے اور ربٰو کے اعتبار سے مطلق فرمایا اور اس کے مضبوط ثبوت پیش فرمائے لیکن دیگر اماموں نے صرف زبان سے مطلق تو کہہ دیا مگر آج تک کسی مالکی شافعی حنبلی وغیرہ نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا نہ تقسیم کرکے بتایا کہ سود کے مسئلہ میں کیا مطلق ہے۔ حالانکہ مطلق و مقید کی چار چار قسمیں ہیں جیسا کہ اوپر درج کیا گیا۔ ربٰو کا مسئلہ زمانے کے اعتبار سے مطلق ہے اس لیے قیامت تک مسلمانوں پر سود حرام ہے مسلمان سے لینا بھی حرام مسلمان کو دینا بھی حرام اور سود ہونے کے اعتبار سے مطلق ہے لہٰذا جب کسی مال پر سود کی تعریف مکمل صادق آجائے تو وہ سود ہی ہے خواہ کسی طرح کا ہو۔ لیکن یہی سود کا مسئلہ شخصیت کے اعتبار سے مطلق نہیں بلکہ مقید ہے اور اسی بات کو دیگر ائمہ نے بھی نہیں سمجھا اور علیحدہ مذہب بنالیا۔ امام اعظم کے نزدیک سود کی آیتیں اور حدیثیں تین طرح مقید ہیں۔ **پہلی قید**۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمایا **دوسری قید**۔ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْن فرمایا۔ **تیسری قید**۔ یہ کہ تمام ائمہ متفقہ طور پر مانتے ہیں کہ کفار کسی قسم کے خواہ بت پرست ہوں یا یہود و نصاریٰ صرف ایمان لانے مسلمان بننے کے مکلف ہیں جب تک کفار کافر رہیں گے اس وقت تک شریعت کا کوئی حکم کوئی پابندی امر نہی۔ حرام۔ حلال عبادت ریاضت کفار پر لازم واجب فرض نہیں۔ طلاق نکاح تجارت میں وہ اسلامی ضابطوں کے مکلف نہیں ہیں۔ صرف اخلاقی پابندیاں ان پر لازم العمل ہوں گی شرعی پابندیاں واجب العمل نہیں ہوں گی۔ یعنی کھانے پینے لینے دینے میں اسلامی احکام ان پر جاری نہ ہوں گے۔ نکاح۔ طلاق۔ تجارت کھانے پینے میں وہ اپنی مرضی اور اپنے مذہب پر چل سکتے ہیں اسلامی حکومت ان کو کسی بات سے نہیں روک سکتی۔ اگر سود کی آیت و احادیث شخصیت کے اعتبار سے بھی مطلق ہوتیں تو کفار بھی سود لینے دینے سے روکا جاتا حالانکہ دور نبوی سے آج تک کبھی بھی کفار کو منع نہیں کیا گیا۔ نہ امام شافعی وغیرہ نے ہی روکا نہ کوئی آیت ایسی نازل ہوئی جس میں ہوتا کہ

اے کافر و غیر مسلم تم بھی سود مت کھاؤ ورنہ پھر سود ہی نہیں، شراب جوئے مردار خوری وغیرہ سب چیزوں سے کفار کو روکا جاتا۔ حالانکہ کبھی کسی نے نہ روکا نہ اللہ نے نہ رسول اللہ نے نہ کوئی اس کا قائل اس قید سے ثابت ہوا کہ سود کے مسئلے میں شخصیت مقید۔ یہی امام اعظم کہتے ہیں کہ آیت صرف مسلمانوں کے لیے ہیں کہ مسلمان سے ہم مسلمان سود نہیں لے سکتے۔ مکان کے اعتبار سے بھی سود کا مسئلہ مقید ہے اس لیے کہ سود کی حرمت ایک قانونی چیز ہے اور قانون کے لیے قانون کا جاری کرنا اور قانون کی پوری صورتیں مہیا ہونا ضروری ہیں۔ جن میں ایک یہ ہے کہ مال محفوظ اور شرعاً معصوم ہو اور مال معصوم وہ ہوتا ہے جو کبھی مالِ غنیمت نہ بن سکے۔ حربی کفار کا مال دار الحرب میں شرعی طور پر نہ محفوظ ہے نہ معصوم کیونکہ وہ مال غنیمت بن جاتا ہے۔ اس کو سارے ائمہ تسلیم کرتے ہیں لہٰذا دیگر ائمہ کی دوسری قیاسی دلیل بھی ٹوٹ گئی کیونکہ مستامن کو حربی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا مستامن کا مال۔ مالِ غنیمت نہیں بنتا۔ ثابت ہوا کہ جب تک ایسا علاقہ ہو کہ مال غنیمت نہ بنے تب تک مال معصوم ہے اور مال معصوم خواہ مسلمان کا ہو یا مستامن کا یا ذمی کا اس میں سود اور ربٰو حرام ہوگا چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد پنجم صفحہ ۳۰ پر ہے وَاِطْلَاقُ النُّصُوْصِ فِیْ مَالٍ مَحْظُوْرٍ۔ ترجمہ: یہ آیت و روایات صرف مالِ محفوظ و معصوم میں مقید ہیں اور مطلق ہونا صرف مسلمانوں کے لیے ہے ان تمام شرعی قیدوں سے ثابت ہو گیا کہ امام مالک وغیرہ کا مسلک اور دلائل بہت کمزور و نامناسب ہے اس لیے ناقابلِ عمل ہے۔ ہماری دوسری دلیل سود حرام ہوا ہے ۳ھ میں جنگ اُحد کے بعد جب کہ بعض مسلمانوں نے صرف مالِ غنیمت کی لالچ میں درّہ میدان اُحد چھوڑ کر نیچے آ کر مال لوٹنا شروع کر دیا اور لالچ کے خمیازے میں مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور یہ دولت کی لالچ اہلِ عرب کو عام سود کے لین دین کی وجہ سے تھی دورِ جہالت کے بعد اسلام کے ابتدائی دور میں ہر شخص یہاں تک کہ مسلمان بھی سودی کاروبار کرتے اور سود پر قرضے لیتے دیتے تھے کیونکہ سود حرام نہ ہوا تھا۔ اور تقریباً ہر امیر شخص ہی دولت کا لالچی تھا اس لالچ سے جہاں دیگر معاشرے کے نقصان تھے وہاں دیگر جنگی نقطۂ نظر سے بھی کافی نقصان ہو جاتے تھے جیسا کہ جنگ اُحد میں ہوا۔ یہ امر فطری ہے کہ جب انسان سودی کاروبار کرتے تو اس کے اخلاقاً نو نقصان قومیت کو تباہ کر دیتے ہیں ۱۔ آرام طلبی ۲۔ بے فکری ۳۔ بے رحمی ۴۔ لالچ ۵۔ دولت پرستی ۶۔ بزدلی ۷۔ کنجوسی ۸۔ بے رحی ۹۔ قطع رحمی۔ چونکہ سود کے انسانی اخلاقی خرابیاں ہی تھیں اس لیے سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۳۰ ہجرت کے تیسرے سال نازل ہوئی اس کے نزول کے بعد آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت سود کا عام اعلان فرما دیا چنانچہ فتاویٰ شرح عنایہ باب الربوٰ صفحہ ۲۷۴ پر ہے شروع باب میں نَھَی الشَّارِعُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ مُبَاشَرَتِھَا بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً الاٰیۃ وَاِنَّ النَّھْیَ یَعْقُبُ الْاَمْرَ۔ ترجمہ: آقا کائنات شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سود کے لین دین اور اس کی مباشرت و ملوث ہونے سے تمام مسلمانوں کو منع فرمایا اس آیت کریمہ کی وجہ سے کہ اے ایمان والو نہ کھاؤ تم سود دگن تگنا اس

حرمت کے بعد جو صحابہ کرام مدینہ طیبہ میں تھے۔ وہ تو یک دم ہر قسم کی سود سے ہٹ گئے لیکن حضرت وہ عباس بن عبدالمطلب جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے جنگِ بدر کے بعد مسلمان ہو کر پھر مکّے شریف میں آباد ہو گئے تھے۔ کسی اور صحابی کو مکّہ مکرمہ میں رہنے کی یا وطنیت اختیار کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ خصوصی اجازت صرف حضرت عباس کو ملی تھی۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عباس کے بہت قرضے کفار مکّہ کے ذمے تھے وہ آپ نے وصول کرنے تھے۔ اور آپ کا کاروبار مسلمان ہونے سے پہلے بھی سودی تھا آپ سود پر قرضہ دیتے رہتے تھے جب آپ جنگِ بدر کے بعد مسلمان ہو کر اور اجازتِ نبوی لے کر واپس مکّہ مکرمہ تشریف فرما ہوئے اس وقت آپ کے قرضے سود در سود ہو کر بہت سے لوگوں کے ذمے تھے آپ وہ قرض مع سود لیتے رہے۔ چنانچہ فتاوٰی مبسوط سرخی جلد نہم صہ۲۸ باب الربوٰ میں ہے۔ اِنَّ الْعَبَّاسَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ یَوْمَ بَدْرٍ رَجَعَ اِلٰی مَکَّۃَ بِاِذْنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانَ یُرْبِیْ بِمَکَّۃَ قَبْلَ نُزُوْلِ التَّحْرِیْمِ وَبَعْدَ نُزُوْلِہٖ لِاَنَّ حُکْمَ الرِّبٰوا لَا یَجْرِیْ بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ وَقَدْ کَانَتْ مَکَّۃُ یَوْمَئِذٍ دَارَ حَرْبٍ ثُمَّ بَیَّنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ مَوْضُوْعٌ لَا خُصُوْمَۃَ فِیْہِ بَعْدَ الْفَتْحِ ۔ ترجمہ۔ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ بدر کے بعد مسلمان ہو کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مکّہ مکرمہ واپس آگئے تھے۔ اور آپ سود حرام ہونے سے پہلے بھی سود لیا کرتے تھے اور حرمت کے بعد بھی مکّہ شریف کے قرضائیوں سے لیتے رہے اور یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے تھا اس لیے کہ دارالحرب میں مسلمان اور کافر حربی کے درمیان سود کی حرمت کا حکم جاری نہیں ہوتا اور اس وقت تک مکّہ معظمہ دارالحرب تھا۔ پھر بہت عرصے کے بعد جب کہ مکّہ پاک فتح ہو گیا تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اب مکّہ مکرمہ کا دارِ حرب ہونا ختم ہو گیا اور موضوع ہو گیا اب ہماری ان سے کوئی خصومت نہ رہی۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ دارِ حرب میں کفار سے سود لینا جائز ہے امام شافعی وغیرہ بزرگوں کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں نہ اس دلیل کو توڑنے یا جواب دینے کی آج تک کسی کو جرأت و ہمت ہوئی۔ نہ ہی آج کل کے کسی اخباری مولوی نے کوئی دلیل دکھائی نہ آئندہ انشاء اللہ تعالٰی دکھا سکتے ہیں جو اس قرآن و حدیث والی دلیلوں کا مقابلہ کر سکے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اس طرح کی خود ساختہ اور بناوٹی پرہیزگاری مت لیے پھرو۔ بلکہ اللہ رسول کی ہی مانو۔ اللہ رسول اور قرآن و حدیث سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔ مولٰی تعالٰی سمجھ دے۔ **ہماری تیسری دلیل۔**

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ مفسرین و مورخین فرماتے ہیں کہ نزولِ وحی۔ قرآن مجید میں یہ پانچ آیت سب سے آخری وحی ہیں۔ قرآن مجید کی اسی آخری آیت کا شانِ نزول بتا رہا ہے کہ دارِ حرب میں کفار سے سود لینا بالکل جائز ہے اس لیے کہ جب مکّہ مکرمہ فتح ہو گیا اور وہاں کے مسلمان باشندوں

کا جو کافی زمانے سے سودی لین دین چلا رہا تھا اور اب تک مسلمان کفار مکہ سے سود لیتے چلے آرہے تھے اب لینے دینے کے بارے جھگڑا اور اختلاف ہوا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز تب یہ آیت نازل ہوئیں سنہ ۱۰ھ حجۃ الوداع کے موقعے پر۔ احادیث تفاسیر۔ اور تواریخ سے یہی مشہور و متواتر ثابت ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن جلد اول صفحہ ۱۹۹ پر ہے اسی آیت کے بیان میں فرماتے ہیں۔ قِيْلَ نَزَلَتْ فِي الْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَعُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانٍ (الخ) وَقِيْلَ نَزَلَتْ فِي اَرْبَعَةِ اِخْوَةٍ مِنْ ثَقِيْفٍ وَهُمْ مَسْعُوْدٌ وَعَبْدُ يَالِيْلٍ وَحَبِيْبٌ وَرَبِيْعَةُ بْنُ عَمْرِ بْنِ عَوْفِ الثَّقَفِيِّ (الخ) اَسْلَمَ هٰؤُلَاءِ الْاِخْوَةُ بَنُوْ عَمْرٍو الثَّقَفِيِّ وَطَلَبُوْا رِبٰوهُمْ مِنْ بَنِيْ مُغِيْرَةَ۔ فَقَالَ بَنُو الْمُغِيْرَةِ وَاللّٰهِ مَا نُعْطِي الرِّبٰو فِي الْاِسْلَامِ وَقَدْ وَضَعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (الخ) فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا (الخ) ترجمہ۔ یہ آیت کریمہ چار وجہ سے نازل ہوئیں۔ ایک قول ہے کہ حضرت عباس کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول ہے کہ حضرت عثمان بن عفان کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول ہے کہ بنی ثقیف کے چار بھائیوں کے بارے میں نازل ہوئیں جن کے نام ۱۔ مسعود ۲۔ عبد یالیل ۳۔ حبیب ۴۔ ربیعہ بن عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی ہیں۔ بنو عمر ثقفی کے یہ تینوں چاروں بھائی جب مسلمان ہوئے فتح مکہ کے بعد جب طائف فتح ہوا تو۔ بنی ثقیف اور بنی مغیرہ کا آپس میں سودی لین دین اور قرضے وغیرہ تھے۔ بنی ثقیف کے چار شخصوں نے اپنا سود بنی مغیرہ سے طلب کیا تو انہوں نے کہا کہ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور اللہ تعالٰی نے مومنین سے سود ختم فرما دیا ہے اللہ کی قسم ہم اب تم کو سود نہیں دیں گے یہ مقدمہ مکہ مکرمہ کے عامل عتاب بن اسید جو آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ حاکم مکہ تھے۔ ان کی عدالت میں پیش ہوا (یقیناً اس وقت تک آپ کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا اس لیے) آپ نے یہ مقدمہ مدینہ منورہ خدمت اقدس میں بھیج دیا تب یہ آیت پاک نازل ہوئیں تو یہ تمام حضرات یعنی بنی ثقیف۔ بنی مغیرہ سے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے مسلمان ہو جانے والے قرض داروں سے حضرت عثمان مکہ مکرمہ کی داریت بدل جانے سے اور سود دارِ حرب ختم ہو کر دار الاسلام بن جانے سے اپنے اپنے سود لینے سے رک گئے اور بقیہ سود چھوڑ دیا۔ اسی طرح صفوۃ التفاسیر جلد اول صفحہ ۱۷۴ سے نیز تفسیر فتح القدیر للامام شوکانی جلد اول صفحہ ۲۹۵ پر ہے وَقَدْ اَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ عَنِ السُّدِّيِّ فِيْ قَوْلِهٖ۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰو۔ قَالَ نَزَلَتْ فِي الْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَرَجُلٍ مِنْ بَنِيْ مُغِيْرَةَ۔

ترجمہ۔ ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے امام سدی سے روایت کی کہ یہ آیت۔ ابن عباس اور بنی مغیرہ کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی یہی اس کا شانِ نزول ہے حضرت عباس بن عبد المطلب اس آیت کے

نزول تک اپنے کافر مشرک قرض داروں سے سود لیتے رہے۔ فتح مکہ کے بعد وہ کفار بنی مغیرہ وغیرہم مسلمان ہو گئے تو انہوں نے سود ادا کرنے سے انکار کر دیا مقدمہ بارگاہ رسالت میں پہنچا تب یہ آیت نازل ہوئیں از آیت ۲۷۵ تا ۲۸۱ نزولِ قرآن میں یہ آیت آخری ہیں اس کے بعد تقریباً اکیاسی دن بعد، آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم وفات شریف پا گئے۔ چنانچہ تفسیر فتح القدیر امام شوکانی ص۲۹۷ پر ہے۔ وَفِی الصَّحِیْحَیْنِ وَغَیْرِھِمَا مِنْ حَدِیْثِ عَائِشَۃَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتِ الْاٰیٰتُ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ فِی الرِّبٰو خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمَسْجِدِ فَقَرَأَھُنَّ عَلَی النَّاسِ ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَۃَ فِی الْخَمْرِ وَ اَخْرَجَ اِبْنُ جُرَیْجٍ وَابْنُ مَرْدَوَیْہِ عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ اَنَّہٗ خَطَبَ فَقَالَ اِنَّ مِنْ اٰخِرِ الْقُرْاٰنِ نُزُوْلًا اٰیَۃَ الرِّبٰو وَاِنَّہٗ قَدْ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ پھر آگے ص۲۹۹ پر ہے۔ وَ اَخْرَجَ اَبُوْ عُبَیْدٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ جَرِیْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَالطَّبْرَانِیُّ وَابْنُ مَرْدُوْیَہٖ وَالْبَیْہَقِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّھَا اٰخِرُ اٰیٍ نَزَلَتْ وَکَانَ بَیْنَ نُزُوْلِھَا وَبَیْنَ مَوْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَدٌ وَّ ثَمَانُوْنَ یَوْمًا۔

ترجمہ مسلم بخاری اور دیگر کتب احادیث میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مبارک ہے کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیت سود کے بارے میں نازل ہوئیں تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف کی طرف نکلے اور آپ نے یہ آیتیں لوگوں کے سامنے تلاوت فرمائیں پھر اسی موقعہ پر خمر کی تجارت بھی آپ نے حرام فرما دی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ فاروق اعظم نے خطبہ شریف میں فرمایا کہ نزول میں قرآن مجید کی آخری آیت یہ ربوٰ کی آیتیں اتریں اور اس کے بعد بہت جلدی وفات شریف ہو گئی ہم سود کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہ کر سکے ص۲۹۹ کا ترجمہ ابو عبید۔ اور عبد بن حمید۔ نسائی۔ ابن جریر۔ ابن منذر۔ طبرانی۔ ابن مردویہ بیہقی جیسے تمام اکابر محدثین نے عبد اللہ ابن عباس سے روایت فرمایا کہ بیشک یہ سود کی آیت آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پاک سے اکیاسی دن پہلے نازل ہوئیں اور نزول میں آخری ہیں۔ بعد محدثین فرماتے ہیں کہ ان آیت کے نزول کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صرف نو راتیں دنیا میں۔ یا ہم میں تشریف فرما رہے۔ غور طلب یہ بات ہے کہ سود حرام ہوتی سن ہجری تین میں سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۰ سے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا اور یہ وَذَرُوْا والی آیت نازل ہوئی ہیں سن ہجری دس میں فتح مکہ کے بعد میدان عرفات میں اس طرح کہ پہلے سورہ مائدہ کی آیت ۳ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ والی نازل ہوتی ہے۔ پھر یہ آیت ربوٰ نازل ہوئیں۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا وَکُلُّ رِبٰوا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ مَوْضُوْعٌ تَحْتَ قَدَمِیْ ھَاتَیْنِ وَاَوَّلُ رِبٰوا اَضَعُ رِبٰوا الْعَبَّاسِ وَلَمْ یَاْمُرْھُمْ بِرَدِّ الزِّیَادَاتِ الَّتِیْ سَبَقَ لَھُمْ اَخْذُھَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ (بحوالہ تفسیر ظلال القرآن جلد اول ص۴۳۲ مصنف سید قطب) ترجمہ

جاہلیہ یعنی زمانہ کفر کے تمام سود میرے ان قدموں کے نیچے پڑے ہوئے ہیں اور پہلا سود جو میں ختم کرتا ہوں وہ چچا عباس کا سود ہے حجۃ الوداع خطبہ مبارکہ کے چند الفاظ طیبہ تفسیر خازن جلد اوّل صفحہ ۱۹۹ پر اس طرح ہیں۔

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی ھٰذِہِ الْاٰیٰتِ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ فِیْمَا رَوَاہُ جَابِرٌ مِّنْ اَفْرَادِ مُسْلِمٍ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاھِلِیَّۃِ تَحْتَ قَدَمِیْ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاھِلِیَّۃِ مَوْضُوْعَۃٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُہٗ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِیْعَۃَ بْنِ الْحٰرِثِ وَرِبَوا الْجَاھِلِیَّۃِ مَوْضُوْعٌ وَاَوَّلُ رِبًوا اَضَعُہٗ رِبَوا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

ترجمہ پھر جب یہ آیت اتری تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا جیسا کہ مسلم شریف کے ثقہ راویوں کی حدیث جابر میں ہے کہ خبردار جاہلیت یعنی زمانہ کفر کی ہر چیز میرے قدم کے نیچے پڑی ہوئی ہے اور اس زمانہ کفر کے قتل اور خون بھی معاف ہیں اور پہلے میں اپنے قرابت والے ابن ربیعہ کا خون معاف کرتا ہوں اور پہلے میں اپنے چچا حضرت عباس بن مطلب کا سود ختم کرتا ہوں ۳ھ سے سن ۱۰ھ ہجری تک درمیانی حصہ حضرت عباس اور دیگر چند صحابہ کا عمل کیا بتا رہا ہے۔ ان دلائل میں یہ باتیں غور طلب ہیں (۱) آخر کیا وجہ ہے کہ سود اتنا زمانہ پہلے حرام ہوئی مگر وَذَرُوْا مَا بَقِیَ کی آیت اتنا عرصہ بعد نازل ہوئی ہے صاف ظاہر ہے کہ کچھ صحابہ کرام اور حضرت عباس اتنا زمانہ حربی کفار سے سود لیتے رہے (۲) اگر یہ توجیہ درست نہیں تو بتایا جائے کہ سات سال بعد قرآن مجید کس کو کہہ رہا ہے کہ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا (۳) وہ کون سا سود ہے جو آج سات سال بعد چھڑایا جا رہا ہے۔

(۴) اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ حجۃ الوداع میں کس ربٰو کو آج موضوع فرما رہی ہے (۵) اگر صحابہ کرام نے حربی کفار سے سود نہیں لیا تو یہ آیت کا شان نزول اور وَذَرُوْا کا قرآنی حکم موضوع قدمی کا نبوی فرمان سب غلط ہو جاتے ہیں (۶) صحابہ کرام سے جو سود لینا ثابت ہے تو کیا صحابہ کرام اتنا عرصہ حرام و ناجائز مال لیتے رہے۔

(۸) کیا صحابہ کرام کو آیت اور سود کی آیتوں کے مطلق اور غیر مطلق ہونے کا پتہ نہ تھا یا کیا صحابہ کرام متقی نہ تھے۔

(۹) کیا ان ائمہ مجتہدین امام شافعی وغیرہ کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے زیادہ قرآن مجید کی سمجھ تھی اور (۱۰) کیا امام مالک وغیرہ اور آج کل کے یہ اخباری مضمون نویس صحابہ کرام سے زیادہ متقی نیک پاک ہیں (۱۱) اور پھر یہ بھی غور طلب کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آج اس آیت کے نزول کے بعد تو منع فرما رہے ہیں مگر پہلے حضرت عباس وغیرہ کو سود لیتے دیکھتے جانتے رہے مگر سات سال تک منع نہیں فرمایا یہ وہ سوالات و تفکرات ہیں جن کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ دارالحرب میں کفار سے سود لینا بالکل جائز ہے۔ تمام آیت و احادیث صرف مسلمانوں سے سود لینے کی حرمت ثابت کرتی ہیں اور وہ مقید ہیں نہ کہ مطلق اور تینوں ائمہ مجتہدین کے تمام قیاسات۔ استدلال۔ اور اقوال یقیناً صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ ظاہری الفاظ شانِ نزول اور مشہور۔ واضح احادیث کے خلاف ہیں۔ اور آج ان کمزور قیاسات کی آڑ لے کر دارالحرب میں ربٰو کو حرام قرار دینا یہ دین میں زیادتی کرنا ہے جو سراسر ان چھوٹے چھوٹے نومولود مولویوں

کی غلطی ہے **چوتھی دلیل** ۔ سورۃ بقرہ شریف کی آیت ۲۷۵ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے فَلَهٗ مَا سَلَفَ یعنی حرمت سود کے بعد اب یہ آیتیں جس کے پاس رب تعالیٰ کی طرف سے نصیحت بن کر آگئیں اور اس نصیحت و موعظت کی وجہ سے آئندہ وہ ان نئے مسلمان ہونے والے قرض داروں سے سود نہ لے تو اس کے لیے وہ سود جائز و حلال ہے جو وہ ان ہی نومسلموں سے اس وقت لے چکا ہے جب یہ قرض دار دار الحرب میں کافر تھے لَهٗ ۔ کا لام حرف جر اصطلاح شریعت میں جواز کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ نکاح ۔ طلاق ۔ بیع وغیرہ ابواب و کتب فقہ میں اس کی مثالیں بہت ہیں ۔ لہٰذا آیت کریمہ کے ان لفظوں میں بالوضاحت ثابت ہو گیا کہ دار الحرب میں کفار سے لیا ہوا سود مسلمانوں کے لیے قطعاً جائز ہے ۔ اور قرآن مجید کے باقی قوانین کی طرح یہ قانون بھی تا قیامت جاری ہے ابھی تک ہم نے قرآن مجید کی متعدد آیات سے بطور عبارت النص و اقتضاء النص ثابت کر دیا کہ دار الحرب میں کفار سے سود لینا بالکل جائز ہے بلکہ اس کو سود ہی نہ کہا جائے گا ۔ اب اسی ثبوت میں ہماری **پانچویں دلیل** ۔ ملاحظہ ہو مسند امام شافعی باب الربوا اور مؤطا امام یوسف اور بیہقی شریف میں حضرت امام مکحول تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ایک روایت ہے اور اسی حدیث پاک کو درایہ میں امام ابن حجر عسقلانی نے صفحہ ۲۱۲ پر اور امام عبد الرؤف مناوی علیہما الرحمۃ نے اپنی کتاب کنوز الحقائق جلد دوم صفحہ ۱۶۶ پر لکھا ہے ۔ وَعَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ مَکْحُوْلٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا رِبٰوا بَیْنَ اَهْلِ الْحَرْبِ وَ اَهْلِ الْاِسْلَامِ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ ۔ ترجمہ ۔ امام مکحول تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آقاء کائنات نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم وارشاد فرمایا کہ دار الحرب میں مسلمان اور حربی کافر کے درمیان سود کا لین دین حرام نہیں اس حدیث پاک کے بارے میں ہم تین طرح جرح کرتے ہیں ۱ یہ حدیث کس درجہ کی روایت ہے ۲ امام مکحول کس شان کے راوی ہیں ۔ ۳ کیا اس قسم کی روایات سے شرعی فقہی مسائل اور حلال و حرام پر دلیل لینا درست ہے یا نہیں نیز یہ کہ علم فقہ میں اس کا کیا مقام ہے ۔ چنانچہ پہلی جرح میں بین ثبوت اور واضح دلائل سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث پاک سنداً مرسل ہے ۔ اور لفظاً و متناً مشہور ہے اور درجۃً متواتر ہے مرسل اس لیے کہ اس حدیث پاک کو حضرت امام مکحول بن عبد اللہ شامی نے روایت کیا یہ تابعی ہیں روایت میں ان صحابی کا ذکر چھوڑ دیا جن سے آپ نے سنی تھی ۔ یہ حدیث مشہور ہے اس لیے کہ ہر اعتبار سے صحیح ہے ۔ اور مشہور بھی صحیح کی اقسام میں سے ہوتی ہے ۔ چنانچہ مقدمہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳ پر ہے ۔ فَصْلٌ اَلْحَدِیْثُ الصَّحِیْحُ وَاِنْ کَانُوْا اَکْثَرَ یُسَمّٰی مَشْهُوْرًا ترجمہ اگر روایت کو جاننے اور سننے سنانے والے زیادہ ہوں تو اس حدیث شریف کا نام حدیث مشہور ہوتا ہے یہ حدیث مبارکہ اپنے درجہ کے اعتبار سے متواتر ہے چنانچہ علم اصول حدیث کی مشہور معتبر کتاب تقریب النووی جلد دوم صفحہ ۱۷۶ پر ہے وَمِنْهُ الْمُتَوَاتِرُ الْمَعْرُوْفُ فِی الْفِقْهِ وَاُصُوْلِهٖ وَلَا یَذْکُرُهُ الْمُحَدِّثُوْنَ وَهُوَ قَلِیْلٌ وَحَدِیْثُ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ

مُتَعَمِّدًا مِنَ النَّارِ مُتَوَاتِرٌ اور اس کی شرح تدریب الراوی جلد دوم صہ۱۷۶ پر ہے وَمِنْهُ اَیْ مِنَ الْمَشْهُوْرِ الْمُتَوَاتِرُ الْمَعْرُوْفُ فِی الْفِقْهِ ترجمہ مشہور کی قسموں میں سے ایک وہ متواتر حدیث ہے جس کو فقہاء کرام نے اپنے فقہ اور اصول فقہ میں قبول کیا ہو اور اس سے استدلال کیا ہو یعنی وہ روایت فقہاء اسلام کے نزدیک معروف ہو اگرچہ محدثین اس کا ذکر نہ کریں اور ایسی حدیثیں تھوڑی ہیں۔ مَنْ كَذَبَ والی حدیث بھی اسی قسم کی متواتر ہے حالانکہ یہ حدیث صرف فقہ کی کتابوں میں ہی ملتی ہے جس نے بھی نقل فرمائی ان ہی کتب فقہاء سے نقل کی اس قول کے مطابق حضرت امام مکحول کی یہ روایت لاربو تمام فقہاء احناف وغیر احناف نے ذکر فرمائی اور پھر کوئی محدث بھی اس حدیث کو غلط یا غریب یا ضعیف کہنے کی جرات نہیں کر سکا نہ ماننا علیحدہ بات ہے۔ مگر نہ ماننے والے بھی اس روایت کو کسی طرح سے کمزور نہ کہہ سکے۔ یہ حدیث پاک اتنی مشہور معتبر اور معروف ہے کہ اس کو امام شافعی جیسی بزرگ ہستی نے اور بیہقی نے روایت فرمایا جامع صغیر نے روایت فرمایا اور فقہاء کرام نے اس کو قبول فرمایا سب سے پہلے امام اعظم جیسی خزینہ علم اماموں کے امام نے قبول فرمایا پھر امام محمد نے اور اس وقت سے لے کر آج تک تمام فقہاء ملت نے اس حدیث پاک کو اپنی اپنی کتاب کی زینت بنایا اس کے مطابق اپنا مسلک بنایا۔ چنانچہ فتاوی کنز الدقائق صہ۲۵۰ پر ہے وَلَا رِبٰوا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ ثَمَّ ترجمہ اور نہیں بنتا سود مسلمان وحربی کے درمیان زیادتی سے لین دین میں وہاں دار الحرب میں اسی طرح ہدایہ جلد سوم صہ۶۱ پر ہے۔ قَوْلُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَا رِبٰوا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ اسی کو فتح القدیر جلد پنجم صہ۳۰ پر ہے رَوٰی مَكْحُوْلٌ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لَا رِبٰوا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ ذَكَرَهٗ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ۔ یعنی اس حدیث پاک کو محمد بن حسن امام نے بھی روایت فرمایا۔ اسی طرح فتاوی شرح عنایہ باب الربوا اور فتاوی سعدی چلپی باب الربوا میں ہے۔ اور فتاوی شامی درمختار جلد چہارم صہ۲۶۰ پر ہے وَلَهُمَا الْحَدِیْثُ لَا رِبٰوا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ ترجمہ طرفین اماموں کی دلیل وہی حدیث پاک ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ نہیں ہے سود حرام مسلمان اور کافر حربی کے درمیان دار الحرب میں یہی استدلال فتاوی عالمگیری جلد سوم صہ۱۲۱ پر ہے سود کے باب میں اس طرح فتاوی بحر الرائق جلد ششم صہ۱۳۵ پر ہے ان مندرجہ بالا فقہ اسلامیہ کی گیارہ کتابوں سے ثابت ہوگیا کہ یہ حدیث پاک متواتر۔ مشہور اور معتبر و معروف ہے اب بھی اگر کوئی نادان اس مضبوط مسئلے کا انکار کرے تو یہ اس کی اپنی ذاتی جہالت ہے اس حدیث پاک کے بارے میں دوسری جرح کہ حضرت امام مکحول کا مرتبہ و مقام محدثین کے نزدیک کیا ہے۔ چنانچہ اَسْمَاءُ الرِّجَالِ کی مشہور کتاب اکمال لصاحب مشکوۃ کے صہ۳۵ پر ہے۔ مَكْحُوْلُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ هُوَ مَكْحُوْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ يُكَنّٰى اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ شَامِیٌّ مِنْ سَبْیِ كَابُلَ كَانَ مَوْلٰی لِامْرَاَةٍ مِّنْ قَیْسٍ وَقِیْلَ .... وَكَانَ مُعَلِّمَ الْاَوْزَاعِیِّ قَالَ الزُّهْرِیُّ

اَلْعُلَمَاءُ اَرْبَعَۃٌ۔ اِبْنُ مُسَیِّبٍ بِالْمَدِیْنَۃِ وَالشَّعْبِیُّ بِالْکُوْفَۃِ وَالْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ بِالْبَصْرَۃِ وَمَکْحُوْلٌ بِالشَّامِ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ زَمَانِ مَکْحُوْلٍ اَبْصَرُ بِالْفُتْیَا مِنْہُ وَکَانَ لَا یُفْتِیْ حَتّٰی یَقُوْلُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ھٰذَا الرَّاْیُ وَالرَّاْیُ یُخْطِیْ وَیُصِیْبُ: رَوٰی عَنْ جَمَاعَۃٍ وَعَنْہُ خَلْقٌ کَثِیْرٌ۔ وَمَاتَ سَنَۃَ ثَمَانِیَۃَ عَشَرَۃَ وَمِائَۃٍ۔ ترجمہ حضرت امام مکحول بن عبداللہ یہ ہی مکحول بن عبداللہ شامی ہیں ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے یہ امام اوزاعی کے استاد ہیں جہاد کابل کے قیدیوں میں سے تھے۔ بنی قیس کے مولی تھے یا بنی لیث کے امام زہری نے فرمایا کہ عرب میں چار ہی عالم گزرے ہیں جن کو اصطلاحاً علما کہا گیا جن کے علم کا مقابل بعد میں آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا (ا) مدینہ منورہ میں ابن مسیب رضی اللہ عنہ (۲) کوفے میں شعبی (۳) بصرے میں حسن بصری (۴) اور شام میں امام مکحول ان کے زمانے میں ان سے زیادہ بڑا کوئی بھی عالم اور مفتی صاحب بصیرت نہ تھا جب فتویٰ لکھتے یا بتاتے تو پہلے لاحول پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور عرض کرتے کہ اے مولیٰ تعالیٰ یہ فتویٰ ایک رائے ہے اور ہر رائے غلط بھی ہو سکتی ہے۔ صحیح بھی۔ آپ نے بہت صحابہ سے حدیثیں لیں اور آپ سے بہت لوگوں نے حدیث و قرآن اور فقہ کا فیض حاصل کیا سن ہجری ۱۱۸ھ میں وفات ہوئی۔ فتاوی فتح القدیر جلد پنجم صفحہ ۳۰۰ پر ہے ھٰذَا مُرْسَلٌ وَمَکْحُوْلٌ ثِقَۃٌ وَمُرْسَلٌ مِنْ مِثْلِہٖ مَقْبُوْلٌ حضرت امام مکحول کی یہ حدیث ترکِ ڈیوٹی والی حدیث مرسل ہے اور امام مکحول بہت بڑے متقی اور ثقہ راوی ہیں اور اس قسم کی مرسل حدیث تمام محدثین و فقہاء اسلام کے نزدیک مقبول ہے ان تمام عبارات اور احادیث و فقہا کی کتابوں سے ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث بہت صحیح اور اونچے درجہ کی متواتر مشہور۔ اور مرسل حدیث ہے۔ فقہاء مجتہدین نے اس کو قبول کیا ہے محققین علماء اسلام فرماتے ہیں کہ کسی روایت کو فقہاء کرام کا قبول کر لینا محدثین کے قبول کر لینے سے بھی زیادہ معتبر ہے اس لیے عالم اسلام میں چار ہی زمانے ہیں۔ **پہلا زمانہ**۔ نزولِ قرآن مجید کا **دوسرا زمانہ**۔ صحابہ کرام کا **تیسرا زمانہ** فقہ و اجتہاد کا۔ **چوتھا زمانہ**۔ محدثین کا۔ اور آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تین زمانوں کی تعریف اور شان بیان فرمائی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ترجمہ تمام زمانوں میں اچھا زمانہ میرا ہے پھر جو ان کے بعد ہیں پھر جو ان کے بعد ہیں۔ امام اعظم اور فقہاء کرام کے زمانے میں تو تمام حدیثیں صحیح تھیں نہ کوئی موضوع تھی نہ ضعیف۔ و نیاء روایات میں یہ تخریب کاریاں تو بہت بعد کی پیداوار ہیں اسی لیے بعد کے زمانوں میں محدثین کو رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ یہ تو ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث مرسل متواتر ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اب اس حدیث کے بارے میں تیسری جرح ملاحظہ ہو کہ کیا یہ حدیث شریف فقہی معیار کے مطابق کسی حرام یا حلال کے لیے دلیل و ترجیح بن سکتی ہے یا نہیں اس کے ثبوت میں ہم نے پہلی دلیل تو فتاوی فتح القدیر سے ابھی پیش کی ہے کہ ایسی مرسل حدیث شریف فقہی معیار سے قابلِ قبول ہے دوسرا ثبوت یہ کہ مقدمہ مشکوٰۃ شریف

ص۳ پر ہے وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَالِكٍ الْمُرْسَلُ مَقْبُولٌ مُطْلَقًا وَهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا أَرْسَلَهُ لِكَمَالِ الْوُثُوقِ وَالْاِعْتِمَادِ لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي الثِّقَةِ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ صَحِيحًا لَمْ يُرْسِلْهُ وَلَمْ يَقُلْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ إِنِ اعْتَضَدَ بِوَجْهٍ مُرْسَلٍ أَوْ مُسْنَدٍ وَإِنْ كَانَ ضَعِيفًا قُبِلَ ترجمہ امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک حدیث مُرسل مقبول ہے مطلقاً ہر لحاظ سے اور وہ سب مجتہد امام فرماتے ہیں کہ تابعین کرام نے نہایت اعتماد اور ایمان کی پختگی وثوق کے ساتھ ان حدیثوں کو مرسل کیا ہے اور دوسرے علما تک پہنچایا ہے۔ اس لیے کہ ہمارے زمانے میں تابعین ہی ثقہ تقوے اور نیکی میں کامل تھے۔ اگر ان کے نزدیک یہ حدیثیں صحیح نہ پہنچتیں تو وہ حضرات کبھی ان کو ہم تک نہ پہنچاتے اور کبھی نہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک اگر مرسل یا مسند حدیث کی وجہ سے تقویت حاصل ہو جائے تو اگر ضعیف ہو قبول کر لی جائے گی **تیسرا ثبوت** ۔ تدریب الراوی جلد اول صفحہ ۲۰۰ پر ہے ۔ وَإِنَّمَا رَجَّعَ الشَّافِعِيُّ بِمُرْسَلِهِ وَالتَّرْجِيحُ بِالْمُرْسَلِ جَائِزٌ قَالَ الْخَطِيبُ وَهُوَ الصَّوَابُ ترجمہ امام شافعی نے مرسل حدیث کو ترجیح دی ہے اور مرسل حدیث کو دوسری باتوں روایتوں قیاسوں پر ترجیح دینا جائز ہے محدث خطیب نے فرمایا کہ یہ بالکل جائز ہے درست ہے اسی **تدریب** الراوی کی جلد دوم ص۱۶۱ پر ہے وَلِذٰلِكَ يَجِبُ الْعَمَلُ بِهٖ مِنْ غَيْرِ بَحْثٍ عَنْ رِجَالِهٖ وَلَا يُعْتَبَرُ فِيْهِ عَدَدٌ مُعَيَّنٌ فِي الْأَصَحِّ ۔ ترجمہ ۔ جو حدیث مرسل فقہ میں معروف و مقبول ہو کر متواتر ہو جائے اس پر عمل کرنا واجب ہے اس کے راویوں کے متعلق بھی بحث جرح اور چھان بین کی ضرورت نہیں اور صحیح مذہب بھی ہے کہ وہاں راویوں کے عدد معین کی بھی ضرورت نہیں اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ متقدمین فقہا کا قبول کر لینا کوئی معمولی بات نہیں پھر امام اعظم جیسی ہستی جن کی علمیت کا تذکرہ عرش و فرش کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب فقہاء مجتہدین امام شافعی وغیرہ ان کے حضور سرنگوں اور شاگردی در شاگردی میں ہیں جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ اور پھر امام مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ بزرگ ہستی ہے کہ صحاح ستہ کے بزرگ محدثین و ناقدین نے ان کی مرسل احادیث کو صحیح سمجھا اور قبول کر کے اپنی اپنی مرسلات میں شامل و درج فرمایا ۔ چنانچہ ابو داؤد شریف کے مرسلات میں امام مکحول کی چودہ ۱۴ احادیث مذکورہ موجود ہیں اسی طرح مسلم شریف کی مرسلات میں بھی آپ کی روایتوں حدیثوں کو ترجیح ہے اب تک قرآن و حدیث کی پانچ دلیلوں سے ہم نے ثابت کر دیا کہ کفار سے سود لینا بالکل جائز ہے۔ اور یہ مسئلہ صرف کسی فقہ اجتہاد یا عقل کا نہیں بلکہ نفس مسئلہ صاف اور خالص ظاہراً و باطناً قرآن مجید و حدیث پاک کا ہے ۔ اور قرآن و حدیث کے مطابق کسی مجتہد کا ذاتی قیاس بھلا کیا حیثیت رکھتا ہے **چھٹی دلیل** ۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا دلائل قرآن و حدیث کو اپنے مسلک کی بنیاد بنایا اور ثابت فرما دیا کہ نفس مسئلہ اللہ رسول نے بتایا ہے نہ کہ کسی کے اجتہاد و قیاس نے یہی نہیں بلکہ امام اعظم کے تمام مسائل ہی قرآن و حدیث سے ثابت ہیں ۔ خود ارشاد

فرماتے ہیں اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ یہ قول رسائل ابن عابدین جلد اول صہ ۱۲۴ میں منقول ہے ترجمہ یعنی صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اگر میرا کوئی قول حدیث رسول اللہ کے خلاف پاؤ تو میرا قول دیوار سے دے مارو۔ یہ ارشادات کسی اور امام و مجتہد نے نہ فرمائے۔ امام اعظم کے ان فرمودات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ امام اعظم کی کوئی بات اور مسلک و قیاس و اجتہاد۔ اللہ رسول اور قرآن و حدیث کے خلاف نہیں۔ ہاں البتہ امام اعظم نے بہت جگہ اجتہاد و قیاس بھی فرمایا مگر وہ قیاس اصل مسئلے میں نہیں بلکہ علّت مسائل میں ہیں اسی طرح آپ نے یہاں بھی دار الحرب کی سود قرآن حدیث سے جائز قرار دے کر ایک دوسری حدیث شریف پر قیاس کر کے بیان کی اور اس طرح وضاحت فرمائی کہ آخر کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم نے صرف مسلمان سے سود لینا حرام کیا اور بار بار اہل ایمان اور یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ کی قید لگائی اور کیا وجہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ارشاد مقدس فرمایا کہ لَا رِبٰوا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ (الخ) امام اعظم نے اس فرمان نبوی اور قیود الٰہیہ کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ چونکہ کافر کا مال معصوم و محترم نہیں ہے لہٰذا کفار سے دار الحرب میں سود لینا جائز ہے۔ اسی طرح تمام وہ فاسد تجارتیں بھی کفار سے جائز ہیں جو مسلمان سے جائز نہیں ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد پنجم صہ ۳۰۰ اور فتاویٰ درمختار شامی جلد چہارم صہ ۲۶۱ پر ہے لِاَنَّ مَالَهٗ غَیْرُ مَعْصُوْمٍ اَلْعِصْمَةُ الْحِفْظُ وَالْمَنْعُ (یہ شامی کی عبارت ہے) وَلِاَنَّ مَالَهُمْ مُبَاحٌ وَاِطْلَاقُ النُّصُوْصِ فِیْ مَالٍ مَحْظُوْرٍ (یہ عبارت فتح القدیر کی ہے) ترجمہ۔ کافر حربی سے ربوا اس لیے جائز ہے کہ کفار کا مال غیر معصوم ہے۔ معصوم کا معنیٰ ہے محفوظ۔ ممنوع قابل احترام (شامی) اور اس لیے کہ حربی کفار کا مال لینا مباح اور جائز ہے جب کہ غداری چوری ڈکیتی غصب وغیرہ نہ ہو اور جتنی آیت سود کی حرمت کی ہیں وہ سب مسلمانوں کے محفوظ ممنوع۔ معصوم و محترم مال کے لیے ہیں۔ یہ تھا امام اعظم کا قیاس اور یہ قیاس بھی اُن احادیث مطہرات پر ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف خطوط و ارشادات میں بادشاہوں و سلطین کے نام تحریر فرمائے جن میں آپ نے صاف صاف ارشاد فرمایا کہ اے بادشاہ اگر تو اور تیری قوم اللہ رسول پر ایمان لے آئے تو تو نے اپنی اور اپنی قوم کی جان و مال عزت و آبرو کو محفوظ کر لیا اور اگر تو ایمان نہ لایا تو تیرا اور تیری قوم کا وبال تجھ پر ہے۔ ان الفاظ سے اقتضاءً ثابت ہوا کہ کافر کا مال محفوظ و ممنوع اور محترم نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کے مال کی مثل نہیں ہے۔ اسی پر امام اعظم نے قیاس فرما کر اس حربی ربوٰ والی حدیث کی علّت جواز بیان فرمائی نیز خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صہ ۲۲۵ پر ہے۔ فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَیْكُمْ كَحُرْمَةِ یَوْمِكُمْ هٰذَا (الخ) ترجمہ پس آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور فرمایا کہ بیشک تمہارے خون اور تمہارے مال آپس میں تم پر حرام کر دیے گئے جس طرح کہ آج کا یہ دن تم پر حرمت والا ہے۔ یہاں لفظ اَمْوَالَكُمْ اور لفظ علیکم یہی بتا رہا ہے کہ صرف مسلمانوں کے مال محترم اور معصوم ہیں۔ دوسری حدیث پاک میں ارشاد مبارک ہے۔ مشکوٰۃ شریف صہ ۱۲

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْہَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ۔ ترجمہ فاروق اعظم کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آقا دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفار سے اس وقت تک جہاد کا حکم دیا گیا ہوں جب تک کہ وہ کلمہ شریف نہ پڑھ لیں اور نماز و زکوٰۃ ادا نہ کرنے لگیں اگر وہ اس طرح کے سچے پکے مسلمان بن جائیں تو انہوں نے اپنے خون کو اور اپنے مال و دولت کو میری طرف سے معصوم و محفوظ بنا لیا اس حدیث پاک سے صاف اور واضح ہو گیا کہ صرف مسلمان کا مال محفوظ ہے جس کو معصوم کہا جا سکتا ہے کافر کا مال معصوم نہیں ان احادیث پر قیاس فرما کر امام اعظم نے ان احادیث و قرآن کی دلیلوں کی وجہ مستنبط فرمائی جن میں حربی کافر سے سود لینا جائز فرمایا گیا ہے یہ قیاس بھی بہت مضبوط اور منشاء حدیث کے مطابق ہے یہاں سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ امام اعظم اور دیگر ائمہ کے قیاس اور استدلال میں کتنا فرق ہے امام اعظم کے تمام استدلال نہایت مضبوط شاندار حدیث و قرآن کے مطابق ہیں لیکن دیگر آئمہ ثلاثہ کے اکثر قیاس منشاء قرآن و حدیث سے بہت دور اور خلاف و برعکس ہیں۔ اس مسئلے کے علاوہ بھی اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں سے کچھ ہم آگے بیان کریں گے۔ یہ تو عام کفار کا حال ہے یعنی حربی۔ ذمی مستامن۔ غیر مستامن کے مال کا حال ہے لیکن سود صرف حربی کفار سے جائز ہے اس لیے کہ ذمی اور مستامن کفار ہماری امن اور حفاظت میں ہوتے ہیں مسلمان حکومت و عوام پر ان کی دیکھ بھال۔ اور ہر طرح حفاظت کی ذمے داری عائد ہوتی ہے لہٰذا ان کے اموال عارضی طور پر مسلمانوں کی طرح ہو جاتے ہیں اسی لیے ان سے سود جائز نہیں رہتا۔ کیونکہ اسلامی قانون کے زیر نگرانی رہ رہے ہیں۔ وہاں یعنی حکومتِ اسلامیہ میں مسلمانوں کو ذمی اقلیتی کفار یا عارضی طور پر امن کا ویزہ لے کر آنے والے کفار سے سود لینا بھی حرام دینا بھی حرام و ممنوع ہے مگر مسلمان جب کسی دار الحرب میں جائے یا جا کر رہے یا وہاں پر شروع سے رہتا ہو وہیں پیدا ہوا پلا بڑھا ہو تو وہ وہاں کے کفار سے سود لے سکتا ہے اس کے لیے یہ مال حرام نہیں۔ یہ مسئلہ میرا یا کسی امام کا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ رسول کا ہے۔ اس مسئلے کی مخالفت پوری شریعت کی مخالفت ہے میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان نام نہاد مولویوں اور پیروں کی جہالت کو دور فرمائے۔ اور قرآن مجید کی سچی سمجھ ہم سب کو عطا فرمائے آج ان ہی اخباری مضمونوں نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ **ساتویں دلیل**۔ حدیث پاک کے اس لڑائی والے حکم کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے اور عقل و شعور کا بھی تقاضہ ہے کہ حربی کفار سے سود حرام نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ کہ یہ مسئلہ تو ائمہ اربعہ اور شریعتِ اسلامیہ کا متفقہ ہے کہ کفار حرام و حلال کے مکلف نہیں خاص کر دار الحرب میں کفار کو سود لینے دینے سے روکا نہیں جا سکتا اور وہاں رہنے والے مسلمان کفار کو سود دینے پر انتہائی مجبور ہیں

کفار کی ہوس زر اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ تقریباً ہر چیز پر کسی نہ کسی طرح سے دگنا چوگنا بلکہ دس گنا تک نفع کما لیتے ہیں قسطوں۔ ٹیکسوں اور مکانوں دکانوں کے قرضوں پر سود لگا کر ہزار طریقے سے ظلماً غریبوں کا خون چوس رہے ہیں۔ کوئی روکنے والا نہیں مسلمان دینے پر مجبور ہیں ایک دس ہزار کی حقیقی اصلی مالیت کا مکان ساٹھ ستر ہزار کا بن جاتا ہے۔ یہ جاہل قسم کے مضمون نویس بھی سودی قرضے حاصل کر کے مکانات خریدے ہوئے ہیں جیسا کہ سوالات کی عبارت سے ظاہر ہے۔ اسی لیے اپنے مضامین میں بھی صرف لینے کو حرام کہہ رہے ہیں دینے کا نہیں حالانکہ اسلام میں سود لینا اور دینا دونوں ہی برابر کے حرام ہیں تو اب ایسے حالات میں اگر کفار سے لیا کچھ نہ جائے ہر طریقے سے کافر کو دینا ہی دینا تو یہ کفر کی کتنی بڑی امداد کرنا ہے اور مسلمانوں کو غریب و ذلیل و پسپا کرنا ہے بلکہ یہ کہنا بھی درست ہی ہوگا کہ ایسے احمقانہ مضامین لکھنا اور اخباروں میں دینا گویا مسلمانوں کے خلاف کھلی سازش ہے کفار سے سود لینے کا کم از کم یہ فائدہ تو ہے کہ اپنی دی ہوئی ظلماً سود تھوڑی بہت واپس لے لی جاتی ہے یا ادھر سے لے کر پھر ادھر ان کو ہی بینک کی قسطوں کی شکل میں واپس دیدی جاتی ہے رہا یہ کہ پہلے زمانوں کے فقہاء کرام نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو دارالحرب میں رہنا منع ہے۔ فقہاء کا یہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے یہ اسی زمانے کے لیے تھا۔ آج کے دور میں ویزہ پاسپورٹ کی پابندیوں کے ہوتے ہوئے اس حکم پر عمل ناممکن ہے قانون فقہ یہ بھی ہے کہ اَلْحَاجَاتُ تُبِيْحُ الْمَمْنُوْعَاتِ وَالضَّرُوْرِيَاتُ تُجِيْزُ الْمَحْظُوْرَاتِ ترجمہ۔ فقہ کی بیان کردہ ممنوع اور ناجائز چیزیں انسانی مجبوریوں حاجتوں ضرورتوں کی بنا پر جائز بھی ہو جاتی ہیں۔ آج کی حکومتوں میں سرحدیں بند ہیں کسی ملک کے کسی بھی باشندے کو کوئی حکومت نہ اپنے قبول کرنے اور اپنے ملک میں بسانے کو تیار نہیں۔ اور اپنی حکومت نکلنے نہیں دیتی۔ دوسری حکومت قبول نہیں کرتی۔ بستروں میں لیٹ کر مضمون لکھ دینا سستی شہرت کے لیے تو آسان ہے لیکن ذرا ہوش کی آنکھیں کھول کر دنیا کے حالات تو دیکھ لو۔ کون شخص اپنی مرضی سے اپنا ملک چھوڑ کر دوسری جگہ جا سکتا ہے۔ بنگلہ دیش میں ابھی تک ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو پاکستان آنا چاہتے ہیں۔ مگر حکومتِ پاکستان ان کو نہیں بلا سکتی ملک میں گنجائش ہی نہیں۔ سعودی حکومت جو سب سے بڑا دارالاسلام ہے وہ کسی بھی غیر عربی مسلمان کو اپنا شہری بنانا گوارہ نہیں کرتے۔ اپنی زمین میں سے ایک انچ کا مالک نہیں بننے دیتے۔ ہندوستان وغیرہ قسم کے ملکوں میں مسلمانوں پر بہت ظلم ہو رہے ہیں مگر وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہیں کون ان کو قبول کرے گا۔ اب وہ مسلمان دارالحرب چھوڑنے والے قانون پر کس طرح عمل کریں ساتوں نے چاروناچار وہیں رہنا ہے۔ وہیں جینا وہیں مرنا وہیں قتل و شہید اور مظلوم و مجبور بننا ہے ان سے سب کافر جبراً سود لیں مگر وہ کسی سے نہ لیں یہ کس قانون کا مسئلہ ہے جب کہ آج کی غربت انتہائی ذلت اور مظلومیت ہے۔ لہٰذا ایسے نادان و ناسمجھ دوستو کسی خود ساختہ مسئلے کو بیان کرنے سے پہلے تھوڑی بہت عقل و تدبر کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ بڑے متقی خان بننے کے لیے نئے نئے مسئلے بنا کر اللہ رسول اور قرآن و حدیث کا مقابلہ نہیں کرنا چاہئے

یہ تقویٰ اور مسلمانی نہیں ہے بلکہ قانونِ اسلامی سے ناواقفی ہے تقویٰ صرف اللہ رسول کا حکم ماننا ہے یہود ونصاریٰ کی طرح انبیاء کرام کے فرمودات پر اعتراض نہ کرو۔ جس کو اللہ رسول نے جائز و حلال فرمایا وہ تاقیامت حلال ہی رہے گا کوئی ملا مولوی۔ کوئی پیر فقیر بادشاہ وگدا اسکو حرام نہیں کر سکتا۔ علماء حق کی دشمنی ہیں اللہ رسول کی مخالفت کرنا انکار وگستاخی ہے یا امام اعظم اور اسلامی فقہ کی دشمنی کی آڑ میں شریعتِ قرآن وحدیث کی مخالفت وگستاخی ہے یہ سب عادتیں گمراہی ہیں۔ ان کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ **آٹھویں دلیل** ۔ کویت قطر اور سعودی عرب والے بہت سے غیر مسلم ممالک میں اپنا سرمایہ جمع کراتے ہیں وہ کروڑوں بلکہ اربوں کے حساب سے سود لیتے ہیں۔ وہ اہل عرب یقیناً قرآن وحدیث کے اسی فیصلے پر عمل کرتے ہیں اور شرعی قانون کی بنا پر یہ سود وصول کر لیتے ہیں اور عیش کرتے ہیں۔ یہ تھیں ہماری دلیلیں اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ مرسل احادیث میں سے بعض احادیث شرعاً قابلِ قبول وترجیح ہیں۔ تدریب الراوی ص ۱۹۵ جلد اول وغیرہ دیگر علم اصول کی کتابوں میں پانچ اکابر تابعین کی مرسل احادیث نہایت معتبر اور قابلِ سند ہیں ۱ عبداللہ بن عدی بن خیار ۲ قیس بن ابی حازم ۳ امام مکحول شامی ۴ سعید بن مسیب ۵ حسن بصری خواجہ۔ کچھ مرسل روایت ایسی بھی ہیں جن کو محدثین نے ترک کر دیا۔ ہمارے دلائل نے ثابت کر دیا کہ حربی کفار سے سود لینا جائز ہے ہرگز حرام نہیں جو اس کو حرام کہتا ہے وہ فرمان رسول اللہ کے خلاف چلتا ہے۔ اور یہ اختلاف مسائل اس لیے ہوتا ہے کہ دنیا میں شرعی مسائل پوچھنے اور بتانے والے تین قسم کے ہیں۔ **ایک گروہ**۔ وہ ہے جو اپنی مرضی کے مسائل بتاتا ہے جیسے دیوبندی وہابی کہ ان کا ہر مسئلہ ہی قرآن وحدیث کے خلاف اور اپنی مرضی کا ہوتا ہے۔ **دوسرا گروہ**۔ وہ ہے جو چاہتا ہے۔ کہ ہماری مرضی کا مسئلہ بتایا جائے خواہ شریعت کے خلاف ہو جیسے دنیا پرست امراء وزراء۔ ان کے نزدیک ہر وہ شخص عالم فاضل لائق۔ علامہ اور مفتی ومحدث مفکر اسلام ہے جو ان کی پسند وچاہت کا مسئلہ بنا کر سنائے۔ اگرچہ وہ شخص اکابر جہلاء میں سے ہو۔ اور وہ شخص نہایت کم علم۔ تنگ نظر۔ اور نادان ہے جو ان کی مرضی کے خلاف مسئلہ بتائے اگرچہ وہ مسئلہ حق ہی ہو۔ **تیسرا گروہ**۔ وہ ہیں جن کی وجہ سے دنیا قائم ہے جو صرف قرآن وحدیث سے مسائل بتاتے سناتے ہیں کسی لومتِ لائم سے نہیں ڈرتے۔ حق مسئلہ کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ مگر ایسے لوگوں سے اہل باطل نفرت کرتے ہیں۔ لیکن بول بالا انکا ہی ہوتا ہے۔

سائل کا دوسرا سوال۔ کہ سود کی اصل حقیقت اور تعریف کیا ہے

ہم اس مسئلے کی وضاحت بھی صرف احادیث سے کریں گے سود کے بارے میں جتنی بھی احادیث وروایت مطہرات ارشاد ہوئی ہیں ان تمام سے صرف تین قسم کا ربوٰ ثابت وظاہر ہوتا ہے ۱ یہ کہ بعض تجارتوں اور بیچنے خریدنے پہلے کی مقرر کردہ زیادتی سے سود بن جائے ۲ یہ کہ بعض تجارتوں میں ادھار لینا دینا سود بن جائے ۳ یہ کہ قرض دار سے قرض کے علاوہ کچھ زیادتی وصول کی جائے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۴ پر ہے **پہلی**۔ عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ رِبًوا اِلَّا ھَاءَ وَھَاءَ وَالْوَرِقُ بِالْوَرِقِ رِبًوا اِلَّا ھَاءَ وَھَاءَ اَلْبُرُّ

بِالْبُرِّ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ترجمہ۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ فرمایا سرورِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے کے بدلے بیچنا سود ہے مگر جب کہ نقد نقد ہو۔ چاندی کو چاندی سے بیچنا سود ہے مگر جب کہ نقد نقد ہو تو سود نہیں۔ اسی طرح آپس میں ایک دوسرے کے بدلے **گندم اور کھجور** اور جو (شعیر) نقد بیچنا سود نہیں ہے اُدھار بیچنا سود ہے۔ اس حدیث پاک سے ہم جنس چیز کو ہم جنس کے بدلے اُدھار بیچنے کو سود قرار دیا گیا۔ (از مسلم شریف جلد دوم صـ۲۳ **دوسری** حدیث مسلم شریف جلد دوم صـ۲۳ اور مشکوٰۃ شریف صـ۲۴۳ پر ہے۔ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِيْ فِيْهِ سَوَاءٌ۔ ترجمہ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا آپ نے کہ ارشادِ پاک فرمایا آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے سے چاندی کو چاندی سے گندم گندم سے جو کو جو سے کھجور کو کھجور سے نمک کو نمک سے برابر برابر۔ نقد نقد ہاتھوں ہاتھ بیچنا جائز ہے سود نہیں ہے اور جو زیادتی سے خریدے یا بیچے تو اس نے سود لیا۔ دینے والا لینے والا گناہ میں دونوں برابر ہیں۔ اس حدیث پاک سے سود کی دوسری قسم یعنی زیادتی کمی کی سود ہم جنس چیز کی خرید و فروخت میں ثابت ہوئی **تیسری** حدیث پاک مشکوٰۃ شریف صـ۲۴۵ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّبٰوا فِي النَّسِيْئَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَا رِبًوا فِيْمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ مُتَّفَقٌ ترجمہ اسامہ ابن زیدؓ سے روایت ہے کہ بیشک رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم آقا کل نے ارشادِ اقدس فرمایا کہ سود اُدھار کی تجارت میں ہے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ ارشاد فرمایا کہ نہیں ہے سود اس ہم جنس میں جس کی خرید و فروخت نقد نقد ہو۔ یہ حدیث پاک مسلم بخاری نے بیان فرمائی۔ گویا کہ ہم جنس اشیاء کو زیادتی کمی سے بیچنا بھی سود ہے اور اُدھار بیچنا بھی سود ہے **چوتھی** حدیث شریف وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا يَاْخُذْ هَدِيَّةً رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔ ترجمہ۔ اور ان ہی حضرت انسؓ سے روایت فرمایا کہ حضورِ اقدس رسول کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص کسی کو قرض دے تو وہ اپنے مقروض سے قرض کے علاوہ قرض کی مالیت سے زیادہ کچھ نہیں لے سکتا کوئی ہدیہ کوئی تحفہ بھی لینا جائز نہیں۔ یہ حدیث پاک بخاری نے روایت فرمائی (از مشکوٰۃ شریف صـ۲۴۶۔ ان چار احادیث سے ہی صرف سود کا ثبوت ملتا ہے۔ جن سے سود کی فقط مندرجہ بالا تین قسمیں ہی بنتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی صورت سود کی اسلام میں ثابت نہیں ہوتی سود کے بارے میں ضابطہ اسلامیہ اس طرح ہے کہ شروع دنیا سے تاقیامت تمام اشیاء ضرورت خرید و فروخت کے اعتبار سے صرف پانچ قسم کی ہیں۔ ۱۔ مکیلی اشیاء یعنی برتن

پیالے وغیرہ میں بھر کر بیچی جانے والی چیزیں ۲؎ وزنی اشیاء یعنی ترازو میں رکھ کر باٹوں گیٹوں سیروں چھٹانکوں تولوں ماشوں سے بیچی جانے والی چیزیں ۳؎ عددی اشیاء یعنی گن کر بیچی جانے والی چیزیں درجنوں اور سیکڑوں کے حساب سے ۴؎ ذرعی اشیاء یعنی گزوں میٹروں سے ناپ کر بیچی جانے والی چیزیں ۵؎ مقیاسی و مساحتی اشیاء یعنی قدموں فیتوں اور مربلوں کنالوں کے حساب سے بیچی جانے والی چیزیں۔ اسلامی شریعت میں تاقیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی زمانۂ اقدس کا اعتبار ہوگا اگرچہ بعد میں رواج بدل جائے یعنی جو اشیاء زمانہ نبوی میں کیلی۔ وزنی۔ اور ذرعی وغیرہ طریقے سے فروخت کی جاتی تھیں وہ تاقیامت کیلی اور وزنی وغیرہ ہی مانی جائیں گی اگرچہ کسی زمانے کسی رواج کسی قوم و ملک میں اس کا طریقۂ تجارت بدل جائے چنانچہ فتاوی فتح القدیر جلد پنجم ص۲۸۲ پر ہے وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ كَيْلًا فَهُوَ مَكِيْلٌ اَبَدًا وَاِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْكَيْلَ فِيْهِ مِثْلُ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ وَكُلُّ مَا نَصَّ عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ وَزْنًا فَهُوَ مَوْزُوْنٌ اَبَدًا وَاِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْوَزْنَ فِيْهِ مِثْلُ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ۔

ترجمہ ہر وہ چیز جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیلی بنا دیا وہ سود کے لیے ہمیشہ کیلی ہی رہے گی۔ اگرچہ لوگ اس کو کیلی کر کے بیچنا چھوڑ دیں جیسے گندم جو کھجوریں نمک کہ کیل یعنی برتن میں بھر کر بیچی جاتی تھیں۔ اسی طرح وزنی چیزیں وزنی ہی رہیں گی اگرچہ لوگ اس کا وزن کر کے بیچنا چھوڑ دیں جیسے سونا چاندی وغیرہ اسی طرح فتاوی عالمگیری جلد سوم ص۱۱۷ پر ہے اور ہدایہ اخیرین ص۵۶ اور دیگر کتب فقہ میں پہلی صورت تجارت اور بیچنے کے وقت چیز کا بدلہ چیز سے ہو اور دونوں چیزیں کیلی یا وزنی ہوں تو نقد اور برابر بیچنا جائز ہے اگر کسی طرف سے ذرا بھی زیادتی ہو تو وہ سود ہوگا۔ اور وہ بیچنا خریدنا حرام ہوگا اور اگر کسی طرف سے ادھار ہو تو بھی بیع حرام ہوگی کیونکہ یہ نفع پیشگی بھی سود بن جائے گا ہم جنس اشیاء کو ایک دوسرے کے بدلے میں خرید و فروخت میں خریدار وہ ہوتا ہے جو پہل کرے اور خواہش یا ضرورت مند ہو۔ مثلاً کسی کے گھر آٹا ختم ہوگیا وہ اپنے کسی دوست یا پڑوسی سے کہتا ہے کہ آج تم مجھ کو ایک پیالہ بھر کر آٹا دیدو میں تم کو کل ڈیڑھ پیالہ آٹا دوں گا یہ بھی سود ہے اور حرام ہے۔ یا میں ایک پیالہ ہی آٹا تم کو کل دوں گا یہ بھی حرام اور سود ہے اگر اس قسم کی ضرورت پڑ جائے تو جنس تبدیل کر کے خرید کرے اس میں ادھار بھی جائز ہوگا اور زیادتی بھی یعنی۔ پیسوں سے خریدے یا کسی دوسری چیز کے بدلے۔ دوسری صورت یہ کہ یہ چیزیں دونوں طرف وزن والی تجارت کی ہوں تب بھی زیادتی اور ادھار دونوں سود و حرام تیسری صورت یہ کہ ایک کے پاس کیلی چیز ہو دوسرے کے پاس وزنی چیز ہو تو زیادتی جائز ادھار حرام۔ اور ادھار کی مدت کا نفع سود میں شمار ہوگی چوتھی صورت یہ کہ دونوں تاجر و خریدار کے پاس کیلی چیزیں ہوں مگر جنس مختلف ہو مثلاً گندم کو چاول یا جو یا نمک سے بیچا تو زیادتی جائز ادھار حرام۔ پانچویں صورت یہ کہ دونوں طرف نہ جنس ایک ہو نہ قدر یعنی کیلی۔ وزنی ہونا ایک نہ ہو تو زیادتی بھی جائز ہے ادھار بھی مثلاً گندم

وغیرہ کو کسی کرنسی روپیہ پیسہ پونڈ وغیرہ سے خریدنا اس میں ادھار بھی جائز ہے اور زیادتی بھی جائز۔ چھٹی صورت ۔ یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان سے قرض لے اور قرض دینے والا اپنے مقروض سے قرض کے علاوہ کچھ زیادتی کسی بھی چیز کی شکل میں طلب کرے وہ سود ہے خواہ کوئی سامان ہو یا کرنسی روپیہ وغیرہ اور قرض کا مال بھی پورا وصول کرے تو یہ سود ہے اور حرام ہے۔ احادیث مبارکہ سے فقط یہی تین قسمیں سود کی بنتی ہیں جن میں ایک قرض والی صورت اور پانچ صورتیں ان دو قسموں کی ہو گئیں۔ بینک میں جو دولت اور رقم جمع کرائی جاتی ہے وہ نہ تو بینک کو قرضہ دیا جاتا ہے۔ نہ جمع کرانے والے کی نیت بینک سے تجارت کی ہوتی ہے ہر شخص جو بھی اپنی دولت رقم کرنسی بینک میں جمع کراتا ہے۔ وہ صرف اس نیت سے کراتا ہے کہ میری دولت محفوظ رہے گی جس کو اصطلاحاً امانت رکھنا کہا جاتا ہے جب سے بینک دنیا میں قائم ہوئے اس وقت سے آج تک سب جمع کرانے والوں کے یہی ارادے اور نیت چلی آتی ہے۔ لہٰذا احادیث کی روشنی میں یہ چیز بھی سود نہیں بنتی اب اگر کوئی شخص مالک کی اجازت سے امانت کو استعمال کر لے تو بالکل جائز ہے۔ بلا اجازت امانت استعمال کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ ارشاد فقہا ہے کہ لَا یَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِی الْاَمَنِیَّۃِ اِلَّا بِاِذْنِ الْمَالِکِ ترجمہ مالک کی اجازت کے بغیر امانت دار کو جائز نہیں کہ امانت کو کسی طرح خرچ کرے۔ اس ضابطے سے ثابت ہوا کہ اجازت سے خرچ کرنا جائز ہے بشرطیکہ امانت اسی حالت میں اسی طرح اتنی ہی بوقت مطالبہ واپس کی جا سکتی ہو۔ ہر بینک میں بالکل یہی کچھ ہوتا ہے کہ جمع کرانے والا اس پر رضامند ہوتا ہے کہ بینک والے اس کی جمع شدہ پونجی اور مالیت کو خرچ کریں بلکہ پہلے سے علم ہوتا ہے اور پھر جس وقت چاہتا ہے وہ مالک اپنے سارے یا حسب منشا کچھ مال کو نکلوا سکتا ہے کوئی کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ یہ سہولت نہ قرضہ دینے میں ہوتی ہے۔ نہ تجارتی شراکت میں ثابت ہوا کہ بینک میں لوگ صرف امانت کر کے ہی رکھتے ہیں اور امانت پر اگر امین مُوْدِعُ یعنی امانت اور ودیعت رکھنے والا کچھ زیادتی دے اپنی مرضی سے تو وہ سود نہیں ہوتی بلکہ تحفہ بنتا ہے۔ اس کو محبت یا ہمدردی دوستی و تعاون کا ہدیہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ احادیث سے سود و ربٰو کی طرف تین ہی قسمیں ثابت ہیں اور وہ تینوں بینک میں مفقود ہیں امانت پر جو کوئی زیادہ دیتا ہے اور لیتا ہے اس کو ہم محبت یا ہمدردی یا دوستی ہی کہہ سکتے ہیں اور اس کی کئی صورتیں کئی طریقے ہو سکتے ہیں مثلاً اگر کسی نے کسی کے پاس برتن امانت رکھا یا اپنے کپڑے جوتے وغیرہ اور امین نے از راہ ہمدردی یا دوستی اس کے برتن کو قلعی کرا دیا جوتوں کو پالش کپڑوں کو دھو کر استری کر دی کپڑے مار دوائی فرنیل وغیرہ اپنے پاس سے خرید کر کپڑوں میں رکھ دیا تو کوئی اس خرچ اور تحفے اور ہمدردی کو سود نہیں ربٰوا نہیں کہتا۔ ہمدردی کی یہی صورت اپنی مرضی سے کچھ رقم اور مال دیتا ہے یا پہلے بتا کر متعین کر کے یا بغیر بتائے تو یہ بھی سود نہیں بنے گا۔ جس طرح بینک میں عملہ یعنی کرنسی روپیہ پیسہ امانتاً رکھا جاتا ہے اسی طرح بینک کے حفاظت خانے میں لوگ زیورات بھی رکھ دیتے ہیں تو اگر کوئی بینک کسی کے زیورات میں بطور ہمدردی یتیم پروری یا کسی بھی

وجہ سے ایک چھوٹا موٹا زیور بطور تحفہ شامل کردے یا بینکوں میں آئندہ کسی زمانے میں ایسا بھی رواج پیدا ہو جائے تو زائد زیور بھی سود نہ بنے گا۔ لہٰذا مندرجہ بالا احادیث مبارکہ کے بیان کردہ اقسام ربوٰ کے قانون سے ثابت ہو گیا کہ بینک کی جمع شدہ مالیت ورقم پر کچھ زائد لینا مقرر شدہ یا غیر مقرر شدہ شرعاً سود نہیں بلکہ ہمدردی کا تحفہ یا ہدیہ ہے ہماری طرف سے دنیا بھر کے علماء منکرین کو دعوت تنقید و علمی تحیث ہے کہ وہ کسی طرح سے شرعی ضابطوں سے بینک کی زیادتی کو سود ثابت کردیں تو ہم مقابلے کے لیے تیار ہیں۔ مگر نادانی والے بھیروی طرز کے راگ نہیں سنے جا سکتے عقلاء و علماء کے نزدیک ان پیرانہ سال کے گھسے پٹے مضامین کی کوئی حیثیت نہیں جن کو یہ تک معلوم نہیں کہ تجارت۔ سود اور تحفہ میں کیا فرق ہے۔ ہماری یہ مندرجہ بالا عبارت تحفہ اور سود کے ایک واضح فرق کو بیان کر رہی ہے۔ سود اور تحفے میں۔ **دوسرا فرق** یہ بھی ہے کہ تمام دنیا میں شروع سے رواج چلا آرہا ہے کہ قرض اور تجارت پر مقرر شدہ زیادتی ہمیشہ لینے والا مقرر کرتا ہے۔ اور تحفہ یا ہدیہ دینے والا مقرر کرکے اپنی مرضی سے دیتا ہے اور یہ اس کی مرضی پر موقوف ہوتا ہے۔ لینے والے کو اعتراض یا کمی بیشی کا کوئی حق یا اختیار نہیں ہوتا۔ بینکوں میں بالکل یہی کچھ ہوتا ہے کہ جمع کرانے والا اپنی زائد رقم پر اپنی مرضی بالکل نہیں چلا سکتا ہر بینک والا اپنے اپنے مختلف اصول وضوابط سے جتنا چاہیں وعدہ کرلیں۔ بینک کے تحفے اور قرضے و تجارت کے سود میں **تیسرا فرق** یہ ہے کہ بینک میں رقم جمع رکھنے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہوتی جب چاہے جتنے دن چاہے رکھے اور جب چاہے نکلوالے اکاؤنٹ قائم رکھے یا ختم کرادے لیکن قرضے میں واپسی کی مدت مقرر ہوتی ہے اسی طرح تجارتی شراکت میں بھی شراکت کی مدت مقرر ہوتی ہے ایک دن پہلے واپس کوئی نہیں لے سکتا۔ ان اتنے بڑے اور واضح فرق کے باوجود اگر کوئی نومولود مضمون نویس بینک کے زائد مال کو سود کہہ دے تو یہ عجیب بات اور اسلام میں خود ساختہ خلاف قرآن و حدیث زیادتی ہے۔ ان تین قسم کے فرق سے ثابت ہوا کہ قرض اور تجارت کی وہ جنسی مقداری زیادتی جو احادیث مذکورہ میں بیان ہوئی وہ سود بنجاتی ہے مگر بینک کی زیادتی سود نہیں بنے گی اگر کوئی عالم ہماری اس با دلائل گفتگو کو نہیں مانتا تو وہ علم کی روشنی میں حدیث و قرآن کی واضح آیت و روایت سے ثابت کرے کہ سود کی مزید بھی قسمیں ہیں۔ لایعنی اور بیہودہ قلم زنی نہیں مانی جائے گی۔ **سائل کا تیسرا سوال**۔ کہ مسلمان کے بینکوں اور غیر مسلم کے بینکوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں! اس سوال کا شرعی جواب دینے میں چونکہ مشاہدات۔ معاملات اور معاینات کی ضرورت ہے اس لیے ہم صرف ان بینکوں کے متعلق گفتگو کریں گے جن کے اصول وضوابط اور کارکردگی ہم نے ذاتی طور پر مشاہدہ معاینہ اور تحقیق و تفتیش کی ہے چنانچہ مسلم بینکوں سے ہماری مراد صرف مغربی پاکستان۔ اور مشرقی پاکستان (جب بھی یہ تھے) افغانی اور ایرانی بینک ہیں۔ یہ بینک ہماری معلومات کے مطابق آج سے چند سال پیشتر تک سود پر قرضے دیتے رہے اور کاروباری تاجروں فیکٹریوں کارخانوں سے اپنے قرضے پر اپنا مقرر کردہ سود وصول کرتے رہے یہ سود قطعاً

حرام اور مکمل ربوا ہے دو وجہ سے ۱ یہ کہ دونوں طرف لینے اور دینے والے مسلمان ہیں ۲ یہ کہ ملک دار الاسلام ہیں دار الاسلام میں اقلیتی کفار سے بھی سود حرام ہے اور اکثریتی کفار سے بھی۔ کفار خواہ ذمی ہوں یا مستامن بن کر ویزے پر آنے والے یا کفار کی حکومت سے اکثریت کفار ہو۔ اور مندرجہ بالا تمام ممالک دار الاسلام ہیں۔ اس وجہ سے ان بینکوں میں جو مسلمان اپنا روپیہ جمع کراتے ہیں ان کو اپنے مال پر کچھ زائد لینا قطعاً ناجائز ہے کسی بھی پاکستان وغیرہ کو اپنے ان مسلم بینکوں یا اپنے ملک کے بینکوں سے اپنی جمع شدہ مالیت سے زائد لینا حرام ہے۔ مگر اس حرمت کی وجہ سود ہونا نہیں ہے کیونکہ بینکوں کی تقسیم اور جمع کرانے والوں کی وصولی سود اور شرعی ربوا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ابھی دوسرے سوال میں بتا دیا۔ بلکہ یہ تقسیم اور اس تحفے کو لینا اس لیے حرام ہے کہ بینک والے سود لے کر لوگوں کو دے رہے ہیں اور سود حرام ہونے کی وجہ سے بینک والوں کا مال ہی نہیں بنا۔ تو یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی چوری کر کے ڈکیتی لوٹ کے غصب سے چھینکے دوسرے لوگوں کو بانٹتا پھرے جب یہ تقسیم لینا حرام تو اسی طرح مسلم بینکوں کی تقسیم اور اپنے جمع کراتے والوں کو ماہانہ۔ سہ ماہی۔ ششماہی۔ سالانہ کچھ دینا بھی حرام ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح چور اپنی چوری کا مال تحفہ بنا کر دیدے ایسا تحفہ لینا دینا حرام تو مسلم بینک کی زائد رقم جس کو پرافٹ کہتے ہیں وہ بوجہ سود حرام اور حرام مال کا تحفہ دینا بھی حرام لینا بھی حرام۔ کیونکہ حرام مال خواہ کسی طرح سے حاصل ہو وہ اپنا مال ہی نہیں ہے سو وہ اسی کا ہے جس سے سود بنا کر لیا گیا۔ لہٰذا مسلم بینکوں سے کوئی مسلمان زائد مال نہیں لے سکتا۔ وہ لینا کھانا بر تناسب حرام ہے بخلاف غیر مسلم بینکوں کے کہ ان سے مسلمان لوگ اپنے جمع کرائے مال پر زیادہ حاصل کر سکتے ہیں اور وہ وہ تحفہ ہدیہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے۔ خیال رہے کہ تحفہ میں ہمدردی شرط نہیں۔ دینے والا اپنے مفاد کی خاطر بھی تحفہ دے سکتا ہے۔ اور لینے والے کے لیے لینا جائز ہے جیسے کہ لوگوں کو جمع کرنے کے لیے ان کو کھانا کھلانا وغیرہ لہٰذا بینک والے اگر اپنے مفاد کی خاطر بھی لوگوں کو زائد رقم دیں تب بھی جائز و حلال ہے۔ یہ زائد رقم مسلم بینک سے لینا اس لیے ناجائز کہ بینک کا دینا ناجائز ہے۔ اور غیر مسلم بینک سے اس لیے جائز ہے کہ اس کا یہ دینا جائز ہے اگرچہ وہ بھی تاجروں کارخانے داروں کو قرضے دیکر سود وصول کر کے تقسیم کرتے ہیں۔ کیونکہ کفار کے لیے سود حرام نہیں کفار شریعت اسلامیہ کی حرمت و حلت کے مکلف نہیں اگرچہ وہ غیر مسلم ملک دار الاسلام ہی بن گیا ہو اور حکومت کفر دار الاسلام کا درجہ رکھتی ہو۔ پس چونکہ کفار کے لیے سود حرام نہیں لہٰذا کافر بینکوں کا سود بانٹنا گویا اپنا مال اپنی مرضی سے بانٹنا ہے جو لینے والے مسلمانوں کے لیے بالکل جائز و حلال ہے۔ ہماری با دلائل وضاحت سے مسلم اور غیر مسلم بینکوں کا فرق معلوم ہو گیا اور شرعی حکم کی تفریق بھی ثابت ہو گئی کہ غیر مسلم بینکوں سے زائد رقم لینا جائز ہے خواہ کسی ملک میں ہوں لیکن مسلم بینکوں سے لینا حرام ہے کہ وہ غیر کا مال ہے اب ہم سوال میں درج مخالفین کے دلائل کا جواب دیتے ہیں۔ مخالف کی **پہلی بات**۔ کہ ہم لوگ اگر سود لینا شروع کر دیں تو کفار کو سود لینے سے کس طرح

منع کریں گے اور ان کے خلاف کس طرح اٹھائیں گے (الخ)۔ جواب: تم کو کس نے کہا کہ کفار کو سود خوری سے منع کرو جب کہ اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں کفار کو کسی نے بھی شرعاً یا قانوناً نہیں روکا۔ اور اسلامی شرعی حرام و حلال کا مکلف نہیں کہا گیا۔ اور پھر تم نے یا تمہارے اکابر نے اس سے پہلے کب کسی کافر کو محرماتِ اسلامیہ سود۔ جوا۔ شراب وغیرہ سے روکا اور کب آواز اٹھائی جو آج تم کو یہ چیز پریشان کر رہی ہے اور پھر کفار کب تمہاری مانیں گے۔ اگر تم کو آواز اٹھانے کا شوق ہوتا تو پاکستان وغیرہ اسلامی ملکوں میں فیکٹری و تاجروں اور بینک والوں کو سود لینے دینے اور بلا نفع وصول کرنے سے اور رقوم جمع کرانے والوں کو خوشی خوشی لینے سے روکتے تحریراً تقریراً ان کے خلاف آواز اٹھاتے وہاں تو آج تک کسی نے آواز نہ اٹھائی۔ نہ یہ سمجھا کہ اب پاکستان میں موجودہ بینکاری یعنی نفع نقصان کی شراکت بھی غلط ہے اس لیے کہ حکومت اور بینک والوں کی طرف سے یہ نعرہ اور یہ شراکت کی شہرت و آواز صرف جمع کرانے والوں اور چند متقی لوگوں کی وقتی طفلانہ تسلی کے لیے ہے ورنہ ان تمام بینک والوں کا اصل کاروبار ابھی وہی قرضہ دینے اور سود لینے کا ہے۔ بینک والے خود تو کوئی جائز کاروبار دکان کارخانہ یا تجارت نہیں چلاتے نہ فیکٹری میں ان کا نفع نقصان کا شراکت نامہ ہے اس لیے پاکستان وغیرہ میں اب بھی سودی لین دین اور حرام کاروبار ہو رہا ہے۔ مخالفین کی دوسری بات۔ فقہاء کی باتوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ دارالحرب میں چوری ڈاکہ زنی قتل وغیرہ سب کچھ جائز ہو جائے کیا یہ باتیں ماننے کے قابل ہیں؟ جواب: یہی وہ جاہلانہ گستاخانہ اور جذباتی گفتگو ہے جو انسان کو کفر کے قریب کر دیتی ہے اور گمراہی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ انسان کو کم از کم یہ سوچنا چاہئے کہ ہماری جذباتی کی گفتگو سے کسی کی مخالفت کرتے ہوئے کسی کی گستاخی وانکار ہوتا چلا جا رہا ہے۔ انتہائی بدتمیزی اور بدعقلی سے فقہاء اسلام کی مخالفت کرنا کوئی مسلمانی نہیں فقہاء کرام کا امتِ مسلمہ پر عظیم احسان ہے کہ جن کی سچی محنتوں سے آج ہم قرآن و حدیث کو سمجھ اور اس کے گہرے جواہر مسائل پر عمل کر سکے ہیں۔ فقہاء کرام نے اسلام و قرآن شریعت و حدیث دیگر ہزارہا مسائل کی طرح یہ مسئلہ ربوا بھی پوری وضاحت اور ہر پہلو سے مکمل دلائل سے بیان فرمایا اور چوری ڈاکہ زنی کے بیہودہ خیالات سے منع کر دیا ہے کہ آپ لوگوں کو دارالحرب اور کفار کی اتنی خیر خواہی کی ضرورت نہیں فقہاء اسلام کی سنگینی کے مینار میں کوئی کمزور نادان نہیں کہ تمہارے لایعنی بیہودہ خدشات کا انہیں احساس نہ ہو نیز یہ مسئلہ تو قرآن و حدیث کا ہے نہ کہ فقہاء عظام کا یا قیاس و فقہ کا جیسا کہ ہم نے آیت و روایت سے ثابت کر دیا۔ مضمون نویسی کرنے سے پہلے اچھی طرح کتب فقہ اور قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ ایک دم منہ کھول کر یہ کہہ دینا کہ یہ باتیں ماننے کے قابل نہیں۔ اللہ رسول کی اور ان کے فرمودہ احکام کی کفریہ گستاخی اور اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے مخالف کی تیسری بات۔ کہ امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہاء کرام نے دارالکفر اور دارالحرب کی تعریف اور فرق نہ سمجھا اس لیے یہ مسئلہ بنا دیا۔ جواب۔ ٹھیک: اور چودہ سو سال بعد تم نے بہتروں

میں انگوٹھیاں لیتے ہوئے فرق سمجھایا میں کہتا ہوں پیچھے کیوں۔ ہٹتے ہو صاف کہہ دو کہ نبی کریم نے بھی فرق نہ سمجھا۔ فقہاء کی آڑلے کر قرآن و حدیث کا انکار کرتے چلے جانا یہ کہاں کی ایمانیت ہے۔ اس قسم کی باتیں علمی نہیں ہوا کرتیں۔ علماء ان کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ **چوتھی بات** مضمون نگار لکھتا ہے کہ جو قوم ہم سے جنگ نہیں کرتی اس سے سود لینا جائز نہیں۔ اور دلیل دیتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ نہیں منع کرتا تم کو اللہ ان لوگوں سے جو نہیں لڑتے تم سے دین کے بارے میں (الخ)، **جواب**، کیا عجیب عقل ہے کیا نرالی سمجھ ہے اور کیا غیر مسلم محبت ہے کفار سے محبت اور دوستی الفت پیار کی اس سے زیادہ اور کیا مثال ہوگی کہ جس آیت کا سود سے کوئی تعلق ہی نہیں اور سیاق و سباق میں بلکہ پوری سورۃ میں سود کا نام و نشان تک نہیں لیکن مضمون نگار کھینچ تان کر سود کی دلیل بناتا ہے اور مسلمان دشمن کفار دوستی میں صرف سود لینے کو حرام کہتا ہے دینے کا ذکر تک نہیں کرتا گویا کہ ہر طرح تحریراً و عملاً کفار کو سود دینا جائز سمجھ رہا ہے اور لکھتا ہے کہ ہم ان کفار سے سود لینا جائز نہیں سمجھتے جو کفار ہم سے جنگ نہیں کرتے یعنی دینا جائز سمجھتے ہیں صاحب مضمون جس آیت کا بیان ذکر کر رہا ہے اس کا شان نزول اس طرح ہے کہ ایک دفعہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مشرکہ والدہ علیہ بنت عزیٰ کہ مکہ سے بہت سارے تحفے تحائف لے کر اپنی بیٹی اسماء کے گھر آئیں تو حضرت اسماء نے نہ ان کے تحفے قبول کئے نہ ان کو گھر میں آنے دیا اس خیال سے کہ جو آقا و کائنات سید المرسلین رسول پاک کا دشمن ہے وہ ہمارا کیا لگتا ہے۔ اور دوڑ کر آستانہ مقدسہ دربار نبوی میں حاضر ہوگئیں اور واقعہ عرض کیا تو سورۃ ممتحنہ کی آیت ۸ نازل ہوئی جس میں کفار سے صرف محبت مروت اور اچھے سلوک بہتر میزبانی کا حکم دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے اچھے سلوک سے ان کا دل بھی اسلام کی طرف راغب ہو۔ از تفسیر مدارک و صفوۃ التفاسیر جلد سوم صفحہ ۳۲۴ اور دیگر تفاسیر۔ مگر یہ مضمون نگار الٹا اور انوکھا ہی مطلب نکال رہا ہے۔ حالانکہ سود کا اس سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ یہ ہے ان لوگوں کی کم عقلی۔ **پانچویں بات**۔ لاربوٰ والی حدیث کا مطلب ہے۔ کہ مجبوری میں سود حربی جائز ہے۔ جیسے کہ مردار کھانا صرف مجبوری میں جائز ہوا۔ مجبوری کے بغیر جس طرح مردار کھانا حرام ہے حربی کا سود بھی حرام ہے **جواب**۔ یہ بات چار وجہ سے بالکل غلط ہے پہلی یہ کہ حدیث رسول اللہ کا یہ مطلب اور مراد کسی بھی مفسر، شارح، فقیہ اور عالم نے نہ بتائی مضمون نگار نے بالکل اپنے جاہلانہ دماغ سے یہ بات بناڈالی دوسری وجہ یہ کہ الفاظ حدیث پاک بالکل عام اور مطلق ہیں کسی مجبوری کا ذکر تو درکنار اشارہ تک نہیں ہے تو پھر اس کو مجبوری کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ تیسری یہ کہ ربوٰ کو مردار پر نہ قیاس کیا جاسکتا ہے۔ نہ تشبیہ نہ تمثیل اس لیے کہ قیاس عقل سے ہوتی ہے تشبیہ میں نقل ہوتی اور تمثیل میں تجربہ و مشاہدہ اور یہاں تینوں چیزوں میں سے کوئی نہیں نقل و تشبیہ و تجربہ تو ظاہر ہے کہ کہیں ثابت نہیں اور عقل اس لیے نہیں کہ مقیس اور مقیس علیہ میں اتحاد علت ہونا شرط ہے اور مضمون نگار اس چیز سے بے خبر ہے چوتھی وجہ مردار میں تو جان بچانے کی مجبوری ہے

اور اس میں مقدار بھی قرآن مجید و حدیث نے مقرر فرما دی مگر حربی ربوٰ میں کون سی مجبوری اور کونسی مقدار ہے ربوٰ کے بغیر کس کی جان نکلی جا رہی ہے۔ بالہٰذا یہ دلیل بھی احمقانہ اور انتہائی غلط ہے قرآن و حدیث کے کسی معاملے اور معانی و مطالب میں کسی کی بے عقلیاں نہیں مانی جا سکتیں۔ **مخالف کی چھٹی بات**۔ ایک مرسل حدیث کو قرآن مجید کی آیتوں اور متعدد حدیثوں کے مقابل لا کر نیا حکم اور نیا کارنامہ انجام دینا کب درست ہے ہم ہرگز ہرگز۔ اس حدیث کو نہیں مان سکتے۔ **جواب**۔ تم جیسے لوگ اپنی احمقانہ ضد بازی کے سامنے اگر پورے قرآن مجید۔ اسلام شریعت کا ہی انکار کر دیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ مگر تمہاری یہ بات ہے قطعاً غلط۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت اور کتب احادیث کی کوئی حدیث و روایت اس حدیث مرسل کے مقابل یا مخالف کہیں موجود نہیں ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ کسی آیت و حدیث میں کافر حربی سے سود حرام ہونے کا ذکر نہیں۔ دنیا بھر کے علما کو چیلنج ہے کہ ایک ہی ایسی واضح آیت یا حدیث دکھا دو جس میں حربی کفار سے سود کی حرمت ظاہر و ثابت ہو۔ بھلا آج کون دکھا سکتا ہے تو امام شافعیؒ و مالکؒ بھی نہ دکھا سکے اور فقط قیاس پر امام اعظم سے علیحدہ مسلک بنا لیا اگر شریعت میں قیاس کی اجازت نہ ہوتی تو کبھی بھی قیاسی مسلک کو حق نہ کہا جا سکتا۔ نہ ان ائمہ کی قیاسی باتوں کو مانا جا سکتا۔ قرآن مجید کی آیت اور صحاح ستہ وغیرہ کتب احادیث کی کسی حدیث شریف یا روایتِ معتبرہ میں سود کفار کی حرمت کا ذکر نہیں جہاں بھی سود کی حرمت و برائی کا ذکر ہے۔ وہ صرف مسلمانوں کے آپس میں لینے دینے کا ذکر ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے مضبوط دلائل سے ثابت کر دیا مسلمانوں کا نقشہ یہ نہیں جو یہ اخباری لوگ پیش کر رہے ہیں بلکہ نقشہ اسلامی یہ ہے کہ جب آقا دو عالم نبی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سامنے آ جائے تو فوراً سر تسلیم جھکا دو خواہ حدیث مرسل کی صورت میں ہو یا حدیث مشہور و متواتر کی شکل میں آقائے کائنات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے سامنے اکڑ اور ضد کرنا اپنی عقل و زبان چلانا کسی مسلمان کے لیے کب جائز ہے اور پھر ہم نے تو پہلے ثابت کر دیا کہ یہ ربوٰ۔ والی حدیث پاک مرسل اور مشہور و متواتر ہے اللہ رسول جس کو حلال و جائز کر دیں کسی مسلمان کو حق نہیں کہ اس کے خلاف دم مارے یا نہ نہ کرتا پھرے اور میں نہ مانوں والی رٹ لگائے اللہ تعالیٰ اچھی سمجھ عطا فرمائے جاہل عوام اور کم عقل پیروں کی ان ہی بے عقلیوں نے زمانے میں۔ مسلمانوں کو خراب کیا ہے **مخالف کی ساتویں بات**۔ فقہاء اسلام میں بھی سوا امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے کسی امام نے حربی سود کو جائز نہیں کیا۔ امام ابو یوسف شافعی۔ حنبلی۔ مالک رضی اللہ عنہم اجمعین سب نے ہی حربی سود کو حرام قرار دیا۔ **جواب**۔ ہاں ٹھیک ہے مگر ان جائز نہ کہنے والوں نے قرآن و حدیث کو نافہمی و عدمِ تدبر کی بنا پر چھوڑ کر اپنے کمزور قیاسات کا سہارا لیا اس لیے اس مسئلے میں سخت غلطی اور لغزش کر گئے مگر امام اعظم نے کبھی بھی ساری عمر اپنے کسی بھی مسئلے و مسلک میں ایک آن کے لیے بھی قرآن و حدیث کا دامن نہ چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کائنات میں سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بعد۔ عقل علم فہم فراست اور اصول بندی

قواعد وقانون سازی میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شان سب سے اونچی نظر آتی ہے اور سب ائمہ ثلاثہ وغیرہ امام اعظم کی چوکھٹ کو شاگردانہ بوسے دیتے نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی امام اعظم کی ہماری شمار سے باہر بہت سی ایسی شانیں ہیں جو قرآن مجید احادیثِ مبارکہ اور ائمہ و اولیاء اللہ کی زبان و قلم کے ارشادات سے ظاہر ہوئیں۔ چنانچہ امام اعظم کی پہلی شان ارشاد باری تعالٰی ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔ سورۂ فاطر ۳۵ آیت ۲۸ ترجمہ۔ اسلام کے علماء ربانی ہی اللہ تعالٰی جل سبحانہ کی صحیح سچی خشیت اور خوف الٰہی رکھتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ امام اعظم جیسے علما فقہا مجتہدین کے حق اور شان میں اتری ہے دوسری شان۔ تمام مجتہدین میں صرف امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ہی یہ خصوصی شان ہے کہ غیب جاننے والے آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق بہت عظیم لفظوں میں پیش گوئی فرمائی۔ چنانچہ بخاری شریف جلد دوم ص۷۲۷ تفسیر سورۃ جمعہ میں۔ اور مسلم شریف جلد دوم باب فضیلت اہل فارس ص۳۱۲ پر ایک حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ الدِّیْنُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَذَھَبَ بِہٖ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ ترجمہ۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا انہوں نے کہ آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مقدس فرمایا۔ کہ فارس کے ملک میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا کہ اگر دین ثریا ستارے میں ہوتا تو وہاں سے بھی لے آتا۔ شارحین فرماتے ہیں کہ دین سے مراد دین کا علم شریعت طریقت معرفت حقیقت اور فقہ ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ فارس میں اتنا بڑا عالم مجتہد اول صرف امام ابوحنیفہ ہی ہوئے۔ ارشاداتِ نبویہ سے ایسی شان والا انعام کسی کو نہ ملا۔ تیسری شان۔ امام اعظم کے دادا محترم حضرت نعمان زوطی مولٰی علی مشکل کشا شیر خدا کے عاشق زار جان نثاروں میں سے تھے وہ اہل فارس سے تھے صرف حضرت علی شیرِ خدا کے عشق و محبت اور قربت کی خواہش میں فارس والا وطن گھر بار جائیداد چھوڑ کر کوفے میں رہائش فرمائی تھی ان کا ذکر علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فتاوٰی شامی جلد اول ص۵۹ پر کیا کہ حضرت زوطی اپنے گیارہ سالہ بیٹے حضرت ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بارگاہِ مولٰی علی مشکل کشا میں لے کر حاضر ہوئے تو مولٰی علی شیر خدا نے حضرت ثابت کو برکت کی دعا دی اور ایک عظیم بیٹے کی بشارت سنائی بحوالہ شامی ص۵۹ ج۱ وجاء الحق دوم ص۲۴۵۔ حضرت امام کی چوتھی فضیلت وشان۔ یہ کہ امام اعظم اپنی اصل ونسل میں چار پشت کے اولوالعزم تابعی ہیں۔ اس طرح کہ ۱ آپ کے دادا محترم حضرت نعمان زوطی بھی تابعی ہیں زوطا ایک فارسی قبیلے کا نام ہے اسی نسبت سے آپ کو زوطی کہا جاتا ہے آپ کا اصل نام نعمان ہے یہی نام پھر آپ کے پوتے امام اعظم کا ہوا ۲ آپ کے والد محترم حضرت ثابت بن نعمان بھی تابعی ہیں ان کی ملاقات حضرت مولٰی علی اور بہت سے صحابہ کرام ثابت ہے ۳ خود امام اعظم تابعی ہیں۔ چنانچہ فتاوٰی درمختار جلد اول ص۵۹ پر ہے وَصَحَّ اَنَّ اَبَا حَنِیْفَۃَ سَمِعَ الْحَدِیْثَ مِنْ سَبْعَۃٍ مِّنَ الصَّحَابَۃِ (الخ) وَاَدْرَکَ بِالسِّنِّ نَحْوَ عِشْرِیْنَ صَحَابِیًّا (الخ) ترجمہ۔ امام اعظم نے سات صحابہ کرام سے احادیث

روایت کیں اور تقریباً بیس ۲۰ صحابہ کی زیارت سے شرف ہوئے اسماء صحابہ کرام کی پوری فہرست علامہ شامی نے نقل فرمائی ہے۔ امام اعظم کے بڑے صاحبزادے حضرت حماد بن نعمان بھی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زیارت مقدسہ سے تابعی بنے تھے۔ ان کا ذکر اسماء الرجال کتاب کی فہرست تابعین میں آتا ہے۔ امام اعظم کی پانچویں فضیلت مکمل فتاویٰ در مختار نے ص۴۸ پر ایک حدیث مبارکہ نقل فرمائی۔ بِسَعَهَا علامہ طَاش کُبری اَیْ رَوَی بِطُرُقٍ مُخْتَلِفَةٍ قَالَ وَعَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِنَّ اٰدَمَ اِفْتَخَرَ بِیْ وَاَنَا اَفْتَخِرُ بِرَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِیْ اِسْمُهٗ نُعْمَانٌ وَكُنْيَتُهٗ اَبُوْ حَنِيْفَةَ ۔ (الخ) ترجمہ یہ حدیث پاک بہت سندوں سے مروی ہے جن تمام کا ذکر علامہ طاش کبریٰ نے فرمایا۔ روایت ہے آقاء دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے فرمایا کہ بے شک حضرت آدم نے میرے وجود پر فخر فرمایا اور میں اپنی امت کے ایک شخص پر فخر کرتا ہوں جس کا نام نعمان ہوگا اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی۔ امام کی چھٹی فضیلت فتاویٰ درمختار جلد اول ص۵۳ پر ہے۔ اِلٰی اَنْ یَّحْکُمَ بِمَذْهَبِهٖ عِيْسٰى الخ ترجمہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو تصدیق ان کے تمام احکام اور قوانین و فیصلے و عبادات امام اعظم کے مذہب سے مشابہ اور ملتے جلتے ہوں گے یعنی مسلکِ حنفی ہی ان کا پسندیدہ مسلک ہوگا اس حدیث و روایت کی صحت تائید امام قستانی۔ امام شعرانی اور امام حجر عسقلانی نے بھی فرمائی۔ امام صاحب کی ساتویں فضیلت آج کل کے بعض جاہل ترین لوگ تو امامِ اجل امام اعظم کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں کرتے رہتے ہیں مگر پہلے زمانوں کے لوگ ائمہ مجتہدین خود بھی اور ان کے مقلدین بھی اپنے امام سے زیادہ امام اعظم کا احترام کرتے تھے چنانچہ علامہ امام ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب خیرات الحسان میں امام اعظم کی بہت شان اور بہت سے فضائل بیان فرماتے ہوئے ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرْفَعُ زِيْنَةُ الدُّنْيَا سَنَةَ خَمْسِيْنَ وَمِائَةٍ ۔ ترجمہ۔ فرمایا انہوں نے کہ فرمایا آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ ہجری سن ۱۵۰ھ ایک سو پچاس میں دنیا کی زینت اٹھالی جائے گی یہ بات تمام تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام اعظم کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی کسی دوسرے امام۔ مجتہد فقیہ یا ولی اللہ کی وفات اس سال نہ ہوئی ثابت ہوا کہ یہ حدیث پاک امام اعظم کے ہی بارے میں ہے اور ان کو ہی نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کائنات کی زینت فرمایا۔ آٹھویں فضیلت سورتِ جمعہ کی تفسیر میں ہے کہ نزولِ سورت کے وقت آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اہلِ فارس میں سے ایک شخص کی شان بیان کرنا اور اس کے علم کو ثریا ستارے کی بلندیوں تک پہنچانا اسبات کا اشارہ فرماتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو بلا واسطہ عالم روحانیت میں یا بعد ولادت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درس گاہ نبوت میں پڑھایا سکھایا اور تعلیم دی۔ اس لیے کہ سورتِ جمعہ کی آیت نمبر ۳ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۔ میں رب تعالیٰ یہی ارشاد

فرمار ہا ہے کہ محبوب نبی ان لوگوں کو تاقیامت سکھا تا پڑھاتا ہے جو صحابہ کرام کے بعد دنیا میں پیدا ہوں گے صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کون لوگ ہیں تو تیسری مرتبہ صحابہ کے پوچھنے پر آپ نے فارس کے ایک شخص اور اس کی علمی وجاہت اور بلندی کا تذکرہ فرمایا۔

اسی تعلیم نبوی اور درس گاہ مصطفوی کا اثر ہے کہ امام اعظم کی ہر بات۔ ہر مسئلہ و استنباط عین قرآن مجید اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے یہ بات کسی عالم سے چھپی ڈھکی نہیں کہ حنفی مسلک میں قیاسات بہت کم ہیں جب کہ دیگر ائمہ امام شافعی مالک وغیرہما کے قیاسات زیادہ ہیں اور استدلال و استنباط کم ہیں بلکہ امام اعظم کی ہی یہ شانِ خصوصی ہے کہ دیگر ائمہ کے استدلال و استنباط سے امام اعظم کے قیاسات بھی زیادہ مضبوط ہیں یعنی امام حنبل وغیرہ نے اگر کسی آیت یا حدیث کے ظاہری الفاظ سے دلیل لے کر اپنا مسئلہ بیان کیا۔ اور امام اعظم نے اسی حدیث کے قیاس سے مسئلہ بیان کیا تو بھی امام اعظم کا مسئلہ زیادہ مضبوط ثابت ہوا اور ظاہر لفظوں کی دلیل سے مسئلہ بنانے والوں کی سمجھ کمزور واقع ہوئی چنانچہ اس ضمن میں ہزار ہا مثالوں میں سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے فتاویٰ بحر الرائق جلد ہشتم ص۲۳۱ پر ہے وَحَمْلُ خَمْرِ الذِّمِّي بِأَجْرٍ جَازَ ذٰلِكَ وَهٰذَا عِنْدَ الْإِمَامِ (الخ) ترجمہ کہ اگر کوئی مسلمان کسی کافر ذمی کا شراب اٹھا کر لے جانے کی مزدوری کرے اور اپنی مزدوری کی اجرت پیسے درہم دینار وغیرہ وصول کرے اور یہی اس کا کاروبار ہو تو یہ کاروبار جائز ہے۔ امام اعظم کے نزدیک لیکن صاحبین اور دیگر ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے۔ دیگر ائمہ دلیل میں حدیث پاک پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس چیزوں پر لعنت فرمائی چنانچہ ارشاد پاک ہے لَعَنَ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً وَعَدَّ مِنْهَا حَامِلَهَا ۔ ترجمہ کہ لعنت فرمائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس کاموں پر اور ان دس میں شراب کا اٹھانا بھی ہے یعنی شراب اٹھانے والے پر بھی لعنت ۔ لہٰذا مزدور پر لعنت ہوئی۔ امام اعظم کا فرمان ہے کہ حدیث پاک میں اٹھانے سے ہر اٹھانا مراد نہیں بلکہ صرف پینے کے لیے اٹھانا مراد ہے گویا کہ منشاء فرمانِ مقدس یہ ہے کہ دوسرے گناہوں کی ابتداء تو گناہ شروع کرنے سے ہوتی ہے مگر شراب نوشی کا گناہ شراب کی بوتل یا گلاس اٹھانے سے ہی شروع ہو جائے گا۔ امام اعظم رمز شناس رسول اللہ ہیں۔ دیگر ائمہ کی یہاں تک پہنچ نہیں۔ کسی حنفی عالم نے کسی شافعی عالم اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے ماننے والے سے سوال کیا اسی حدیث کے تحت کہ بتائیے۔ یہاں حمل فرمانا مطلق ہے یا کسی قید سے مقید ہے مقلد امام شافعی علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ بالکل مطلق ہے سائل نے کہا اچھا تو پھر اگر کوئی شخص شراب کی بوتل پھینکنے کے لیے اٹھاتا ہے اور کافی دیر اٹھائے رکھتا ہے تو کیا وہ اس اٹھانے سے اتنی دیر تک گناہ کر رہا ہے۔ یا نفرت کرتے ہوئے اٹھا کر دور کر رہا ہے۔ یا پھینکنے کے لیے دور لیجا رہا ہے۔ یا جب صحابہ حرمتہ شراب کے دوران اپنے اپنے برتن اٹھا کر دور پھینکنے گئے تو کیا وہ صحابہ کرام اس اٹھانے سے حدیث پاک کی بیان کردہ لعنت کے

معاذاللہ مستحق ہوئے یا نہیں اس پر وہ عالم شکست مانتے ہوئے خاموش ہوگئے۔ اور آج تک کوئی بھی شافعی مالکی وغیرہ اس کا جواب نہ دے سکا۔ خود امام شافعی وغیرہ جواب نہیں دے سکتے تو دوسروں کی کیا بساط ہے اس لیے کہ جو بھی جواب دیں گے وہ حدیث کے مطلق کے خلاف ہوگا۔ ان ائمہ نے رمزِ حدیث اور منشاءِ نبوت نہ پہچانتے ہوئے ایسا مسلک بنادیا اور پھر لاجواب ہونا پڑا۔ **امامِ اعظم کی دسویں فضیلت** جس طرح تمام دنیا میں صرف دینِ اسلام ہی اپنی افادیت اور سہولت و آسانی و فطرتِ انسانی کے عین مطابق اور ضروریاتِ زندگانی کی مشکلات کا حل پیش کرنے کے اعتبار و تجربے مشاہدے سے عالمگیر و مقبولِ عوام بننے کی پوری پوری صلاحیت و حیثیت رکھتا ہے اسی طرح تمام فقہ اسلامی میں صرف حنفی فقہ ہی تمام عالم ہر معاشرے ہر دور ہر طبقے کے لیے عالمگیر حیثیت و شان سے قابلِ قبول اور باسہولت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت بھی تمام دنیا اسلام میں اہلِ احناف کی کثرت ہے بلکہ خود شافعی مالکی حنبلی حضرات بھی اپنے اپنے مسلک پر عمل کرنے میں دقت۔ تنگی اور ناقابلِ عمل سمجھتے ہوئے بہت سی کمی محسوس کر رہے ہیں اور ظاہراً مسلک حنفی پر عمل پیرا ہونے پر مجبور ہیں۔ خاص کر ملکی۔ سیاسی۔ عدالتی۔ تجارتی امور میں۔ اسی سود حربی والے مسئلے کو دیکھ لیجئے کہ یہ سب وہابی اور وہابی نما پیر و مولوی خطبا وغیرہ حرام حرام کہتے بھی جارہے ہیں اور دھڑا دھڑ سود اور سود کے چندے سے مکانات بلڈنگیں لیتے دیتے بھی چلے جارہے ہیں۔ بلکہ ان مضمون نویسوں نے خود بھی اپنے مضمون میں لکھ دیا کہ اگر اے لوگو تم نے دارالحرب کا سود لینا ہی ہے تو یہ کام حرام سمجھ کر اور جانتے ہوئے بھی کر سکتے ہو۔ اس کے علاوہ بھی امام شافعی وغیرہ کے مسئلے صرف کتابوں کی زینت بنکر رہ گئے ہیں۔ کوئی دوسرا تو کیا خود امام شافعی حنبلی اس پر عمل نہیں کرسکتے مثلاً امام شافعی نے فرمایا کہ گھوڑا کھانا حلال ہے اور اس پر خوب قیاس آرائیاں فرمائیں مگر اس پر آج تک عمل کوئی نہ کرسکا نہ کوئی کھاتا ہے۔ نہ کسی منڈی مارکیٹ میں گھوڑے کا گوشت فروخت ہوتا ہے۔ نہ حنبلی شافعی دکانوں پر بکتا نظر آیا نہ کوئی خریدتا ہے ان ہی میں سے کسی نے کہا کہ کوا حلال ہے مگر یہ کہنے والے خود بھی نہیں کھاتے۔ بلکہ لوگوں سے منہ چھپائے پھرتے ہیں۔ یہ تو صرف امامِ اعظم کے مسلک کی شان و عظمت ہے کہ جو حضرت امام کے منہ سے نکلا کائناتِ انسانیت بلکہ مخالفوں نے بھی اسی پر عمل کیا اور عمل کرنے میں دنیا آخرت کی عافیت و سہولت جانی۔ رہا چند وہابیوں یا بھیروی طرز کے چند مولویوں کا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف اوچھا اور بیہودہ گستاخانہ قلم اٹھانا۔ اور اللہ رسول کے حلال کو حرام حرام کہنا۔ تو یہ ان کی پرانی عادت ہے وہ اپنی جہالت و من مرضی سے ہر چیز کو حرام کہہ دیتے ہیں اور پھر کھاتے کرتے وہی ہیں جس کو حرام کہہ دیتے ہیں۔ **گیارھویں فضیلت** سب سے پہلے قرآن مجید کو جمع کرنے کی سعادت صدیق اکبر کو اور احادیث مطہرات کے جمع کرنے یاد کرنے و لکھنے کی سعادت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ملی بعد میں دیگر صحابہ کرام نے اپنی ہمتوں محنتوں طریقوں سے سعادتیں حاصل کیں۔ اسی طرح

قرآن وحدیث کے استدلال۔ استنباط۔ قیاس اجتہاد سے فقہ اسلامی بنانے کی سعادت امام اعظم کو ہی سب سے پہلے حاصل ہوئی۔ باقی تمام ائمہ فقہ میں آپ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہوئے۔ امام شافعی کے پہلے استادِ فقہ امام محمد ہیں جو آپ کے سوتیلے باپ بھی تھے استاد محترم بھی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دوسرے استاد فقہ وحدیث حضرت امام وکیع بھی حنفی تھے (از فتاویٰ شامی) یہ سب ائمہ امام اعظم کا انتہا سے زیادہ ادب واحترام کرتے تھے۔ ان ہی سب ائمہ نے آپ کو امام اکبر سمجھتے ہوئے امام اعظم کا لقب دیا بلکہ امام حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں تو امام اعظم کے مزارِ مقدس والے محلے کا نام ہی محلہ اعظمیہ ہوگیا قلائد الجواہر کے ص۲۳ پر لکھا ہے کہ غوث پاک نے فرمایا میں حنفی ہوں اور مجھ سے بڑا حنفی کون ہوسکتا ہے۔ سیرت غوث اعظم میں لکھا ہے کہ غوث پاک پہلے حنفی تھے۔ پھر رب تعالیٰ کے غیبی الہامی حکم سے اس لیے حنبلی مسلک کے مقلد ہوئے کہ حنبلی مسلک میں کوئی صاحبِ مقام کوئی ولی اللہ نہ تھا۔ صاحب مشکوٰۃ کی کتاب اسماء الرجال الاکمال کے ص۲۱ پر ہے کہ تمام ائمہ نے امام اعظم کو اپنا پیشوا تسلیم کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ حکم بن ہشام سے امام اعظم کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اِنَّہٗ کَانَ مِنْ اَعْظَمِ النَّاسِ۔ ترجمہ۔ وہ امام تو بیشک تمام انسانوں کے اعظم تھے۔ امام مبارک سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ زمین دنیا کا چراغِ اعظم تھے۔ حسن وجاہت تھے آپ نے ہی امام اعظم کو سراجِ امت کا لقب دیا جو آج کائنات میں مشہور ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ میں نے ایسے مرد کو دیکھا کہ جو اگر اس لکڑی کے ستون کو کہہ دے کہ یہ سونے کا ہے تو وہ اپنے روشن دلائل سے اس بات کو قائم کردے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّتَبَحَّرَ فِی الْفِقْہِ فَھُوَ عِیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ ترجمہ یعنی جو شخص دین اسلام کا فقیہ اعظم بننا چاہتا ہے وہ امام اعظم کی تربیت میں آجائے اور آپ کا عیال ہو جائے۔ ایک دوسری کتاب میں ان کا ہی ارشاد ہے کہ تمام مجتہدین۔ امام اعظم کے عیال ہیں یعنی روحانی فقہی اولاد ہیں اور آپ کی ہی بلاواسطہ یا بالواسطہ تربیت یافتہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل تو امام اعظم کا نام لکھا دیکھ کر چوم لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہمارا پیشوا ہے امام غزالی نے فرمایا کہ امام اعظم شریعت کے پیکر تھے غرضیکہ کسی نے آپ کو امام اعظم کا لقب دیا کسی نے عابد کہا کسی نے زاہد شب زندہ دار کہا۔ کسی نے مزاج شناس رسول اللہ کہا اور تمام علما اولیا نے آپ کے سامنے سرِ نیاز خم کیا باری تعالیٰ جل سبحانہٗ نے تقریباً سو مرتبہ اپنے دیدار سے خواب میں مشرف فرمایا فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ بعد کے علماء ومشائخ مالکی حنبلی وشوافع نے آپ کی شان میں پوری پوری ضخیم کتابیں لکھیں داتا صاحب نے آپ کی مدحت سرائی فرمائی مخالف کا آٹھواں قول۔ مخالف لکھتا ہے کہ ہمارے نزدیک بینک کا سود۔ مہاجنی سود دارالحرب کا سود دارالاسلام کا سود سب ہی حرام ہیں اس لیے کہ سورۃ بقرہ آیت ۲۷۵ میں ہے اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ (الخ) اور آیت ۲۷۸ میں ہے وَذَرُوْا مَا بَقِیَ۔ اور آلِ عمران آیت نمبر ۱۳۰ میں سود کی حرمت اور اسکی

سزا بیان فرمادی گئی۔ مخالف کی نویں بات دلیل ۹۔ مخالف کہتا ہے کہ مشکوٰۃ شریف کی تین حدیثوں میں بھی سود کی حرمت کا تذکرہ ہے اور سزا و لعنت کا ذکر ہے۔ **جواب**۔ ان دونوں باتوں کا جواب پہلے دے دیا گیا ہے کہ یہ سب آیتیں اور حدیثیں مبارکہ صرف مسلمان سے سود لینے کی حرمت کو بیان کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو قرآن مجید احادیث پاک کی سچی سمجھ نصیب فرمائے یہ نئے نئے مسئلے صرف کج فہمی اور نا سمجھی کا نتیجہ ہیں خود صاحب مضمون بھی اپنی اس تحریر میں دبے لفظوں ہماری اس بات کی تائید کر رہا ہے لکھتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے آلِ عمران کی اس سزا والی آیت پاک کے بارے میں فرمایا اِنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ هِيَ اَخْوَفُ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ۔ یعنی یہ آیت سارے قرآن مجید میں سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے کہ باری تعالیٰ نے اس آیت میں سود خوار مسلمانوں کو اس آگ میں ڈالنے کی سزا اور وعید فرمائی جو آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ مخالف نے امام اعظم کا یہ قول نقل فرمایا۔ جس سے ثابت ہوا کہ امام اعظم سود کی حرمت کے بہت شدت سے قائل تھے۔ نیز تاریخوں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ امام اعظم تو اپنے قرض دار کی دیوار کے سائے میں بھی کھڑے نہ ہوتے تھے اور شدت کی چلچلاتی دھوپ میں انتظار فرما لیتے تھے۔ کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہیں یہ سایہ بھی سود میں شمار نہ ہو جائے۔ اتنے متقی اتنے عابد زاہد اور اپنے رب جل شانہ سے ڈرنے اور سود سے بچنے گھبرانے والے امام ہی فرماتے ہیں کہ لَا رِبٰوا بَيْنَ الْحَرْبِيِّ وَالْمُسْلِمِ یعنی حربی کفار سے زائد مال لینا سود ہی نہیں بنتا۔ یہ فرمان آخر کیوں؟ صرف اور صرف اس لیے کہ آقائے کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد پاک فرما دیا۔ اب گویا امام ابوحنیفہ کی بات کا انکار سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا انکار ہے اور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا انکار اللہ تعالیٰ جبار و قہار کے فرمان دقہر کا انکار ہے بڑے پرہیزگار بننے والو ذرا سوچو کر غلطی کہاں تک کفر کے کنارے پہنچ گئی۔ اور تم لوگ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ۔ کے زمرے میں کتنا داخل ہو گئے مخالف کی دسویں دلیل مضمون نگار یہاں امام یوسف کا قول لکھتا ہے۔ وَوَجْهُ قَوْلِ اَبِيْ يُوْسُفَ اِنَّ حُرْمَةَ الرِّبٰوا (الخ) فَهِيَ ثَابِتَةٌ فِيْ حَقِّ الْكُفَّارِ لِاَنَّهُمْ مُخَاطَبُوْنَ بِالْحُرُمَاتِ ترجمہ یعنی امام یوسف کے نزدیک حربی کا سود بھی حرام ہے اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح مسلمان پر سود حرام کافر پر بھی سود حرام اور اسلامی حرمتوں میں کفار بھی مکلف و مخاطب ہیں **جواب** مضمون نگار نے اپنے اس حوالے پر کسی کتاب کا نام وغیرہ نہ لکھا۔ نہ ہی امام یوسف کی کسی کتاب میں یہ عبارت نظر آئی ہو سکتا ہے کسی نے بد دیانتی سے یہ عبارت امام یوسف کی طرف منسوب کر دی ہو مضمون نگار کا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ امام یوسف حربی سود کو حرام کہتے ہیں مگر تم نے دیکھ لیا امام یوسف نے اپنے مسئلے کے ثبوت میں نہ کوئی آیت پیش کی نہ کوئی حدیث وہ آیتیں جو یہ مضمون نگار حضرات بار بار پیش کر رہے ہیں کیا وہ امام یوسف کو یاد نہ تھیں کیا امام شافعی مالک حنبل سب کو بھولی ہوئی تھیں؟ ان آیتوں کو چھوڑ کر اپنے اپنے

قیاسوں کا سہارا پکڑتے ہیں مضمون نگار کا پیش کردہ قیاس جو امام یوسف نے بیان کیا صرف یہ ہے کہ چونکہ مسلمان پر سود حرام لہٰذا کافر پر بھی سود حرام کتنا غلط اور عجیب قیاس ہے گویا کہ امام یوسف مسلمان اور کافر کو ایک درجہ دیتے ہیں اور ایک مرتبے کا سمجھتے ہیں۔ اگر ایسے لنو قیاس ہی اسلام کی خدمت ہیں تو پھر نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ قربانی فطرانہ سب عبادتوں میں کفار کو شامل ماننا پڑے گا۔ آگے امام یوسف اپنے مسلک کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ لِاَنَّھُمْ مُخَاطَبُوْنَ بِالْمُحَرَّمَاتِ یہ حربی سود اس لیے حرام ہے کہ کفار بھی اسلام کی تمام حرام چیزوں کے مخاطب و مکلف ہیں۔ یہ علت اور وجہ میری نظر سے کسی بھی کتاب میں نہ گزری۔ نہ معلوم مضمون نگار نے یہ کہاں سے بنا ڈالی۔ ہاں البتہ امام یوسف کا یہ مسلک اور قیاسات کتابوں میں منقول ہے۔ مگر امام یوسف کا قول قیاس علت اور وجہ سب کچھ قطعاً غلط ہے۔ تین وجہ سے اوّلاً۔ اس لیے کہ کسی بھی فقہ نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ کفار محرمات و محللات و عبادات اسلامیہ کے مکلف یا مخاطب ہیں بقول بجز اس عبادت کے تو پھر چاہئے کہ ہر حرام کے مرتکب ہونے پر کفار کو بھی اسلامی سزا تعزیر اور حد جاری جائے۔ صرف سود ہی نہیں بلکہ شراب جوا خنزیر مردار کھانے پر تعزیر لگائی جائے جس طرح مسلمانوں کو لگائی جاتی ہے مگر ایسا نہ کبھی ہوا نہ ہوسکتا ہے سوم۔ یہ کہ اگر کفار محرماتِ اسلامیہ کے مکلف و مخاطب ہیں تو تمام اسلامی حلال و فرائض و واجبات کے بھی مخاطب و مکلف ہونے چاہئیں حالانکہ ایسا کہیں ثبوت نہیں ہے ان تمام وجوہ سے ثابت ہوا کہ امام یوسف کا یہ قیاس بالکل غلط ہے اور کسی جاہل نے ان کی طرف منسوب کردیا ہے انھوں نے غور نہیں کیا اور امام اعظم کے استدلال کو سمجھا نہیں ابوداؤد جلد دوم صلا میں ہے کہ ایک دفعہ ایک مشتبہ اور مشکوک مذبوحہ بکری آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر قیدیوں کو بھیج دی تھی تاکہ وہ کھالیں۔ اگر کفار بھی اسلامی حرام حلال کے مکلف ہوتے تو حرام بکری ان کو کیوں کھلائی جاتی اور ان کے کھانے پر تعزیر کیوں نہ لگائی گئی ایسی گھٹیا دلیلوں سے اپنا مسلک بچانا کوئی ذہانت نہیں مخالف کی گیارھویں دلیل۔ درمختار جلد اوّل صلہ پر ہے کہ معاملات میں فتویٰ قول امام یوسف پر ہوتا ہے چونکہ سودی لین دین بھی معاملات میں سے ہے لہٰذا یہاں بھی امام یوسف کا قول مانا جائے گا **جواب**۔ یہ دلیل بھی قطعاً غلط ہے اس لیے کہ یہ دلیل سود کے اس مسئلے میں درست نہیں آتی کیونکہ فقہاء احناف کا یہ ضابطہ اور تقسیم ان ائمہ ثلاثہ کے قیاسی مسائل کے لیے ہے مگر حربی سود کا مسئلہ قیاسی نہیں ہم نے پہلے ثابت کردیا کہ یہ مسئلہ شرعی منقول یعنی حدیث و قرآن کا ہے۔ نیز فقہاء کرام کا یہ معینہ ضابطہ صرف اس لیے ہے کہ قضا کے معاملات میں امام یوسف کا تجربہ قاضی بننے اور قاضی رہنے کی وجہ سے فیصلہ کرنے کرانے کا زیادہ ہے تو گویا تجرباتی معاملات میں جہاں تک اسلامی قاضی اور قاضی کے فیصلوں کا تعلق ہے۔ تو ہر قاضی اسلام اپنے فیصلے امام یوسف کے فیصلوں کی روشنی میں جاری و قائم کرے۔ اور عملیات و عبادات میں امام اعظم کے قیاسی اقوال پر فیصلہ کرے تقسیم فقہاء کا مقصد فقط یہی ہے۔ اب خود غور کیا جاسکتا ہے کہ فقہاء کرام کا

یہ قاعدہ صرف ان علاقوں میں جاری کیا جاسکتا ہے جہاں اسلامی قاضی موجود ہوں۔ بھلا دار الحرب میں اسلامی قاضی کہاں ہوسکتے ہیں جب کہ حربی سود کا معاملہ صرف دار الحرب سے متعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام یوسف صرف دار الحرب میں حربی کی سود کو حرام کہتے ہیں یا فقط حربی مستامن کافر کی سود کو حرام قرار دیتے ہیں جو دار الحرب سے دار الاسلام میں امن لیکر آجائے۔ قیدی حربی سے سود لینا وہ بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد چہارم صفحہ ٢٦١ پر ہے قَوْلُهٗ خِلَافًا لِلثَّانِیْ) اَیْ اَبِیْ یُوْسُفَ وَخِلَافُهٗ فِی الْمُسْتَامِنِ دُوْنَ الْاَسِیْرِ۔ ترجمہ۔ ثانی سے مراد امام یوسف ہیں اور ان کا اختلاف مستامن سے سود لینے میں ہے جو کافر امن لیکر دار الاسلام و سلطنتِ اسلامیہ میں آگیا اس سے کوئی مسلمان سود نہ لے۔ مگر قیدی کافر سے سود لینے کو وہ حرام حرام نہیں کہتے۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہوا کہ امام یوسف بھی حربی کافر اور حربی قیدی سے سود لینا جائز مانتے ہیں صرف مستامن سے لینے کو حرام فرماتے ہیں۔ اور صرف مستامن کے بارے میں امام اعظم سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اور مستامن کو ذمی پر قیاس کرتے ہیں۔ اگر مخالف کی پیش کردہ بدائع صنائع والی عبارت کو درست مان لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ امام یوسف کا یہ قیاس بھی مضطرب ہے کہ بدائع میں کچھ ہے شامی میں کچھ دوسرا لہٰذا قرآن و حدیث کو چھوڑ کر ایسے قیاس نہیں مانے جاسکتے۔ **مخالف کی بارھویں دلیل**۔ فتاویٰ نذیریہ میں لکھا ہے کہ دار الحرب سے سود لینا جائز نہیں جو جائز جانے وہ نیم ملّا ہے **جواب**۔ فتاویٰ نذیریہ تو اول سے آخر تک سب ہی غلط ہے سوائے چند مسائل کے باقی سب غلط مسئلے اور گستاخ و بیہودہ باتیں اس میں لکھی ہیں مصنف کی زندگی میں ہی علماء اسلام نے ان کے اس فتاویٰ کو جاہلانہ تحریریں قرار دیتے ہوئے اس کا پڑھنا ممنوع قرار دیا تھا بلکہ اس کو فتاویٰ کہنا ہی غلط ہے۔ **مخالف کی تیرھویں دلیل**۔ دار الحرب کے سود کے جواز پر کوئی صحیح حدیث ہی نہیں اگر ہو بھی تو خبر واحد کے ساتھ نصِ قرآنی پر زیادتی ہرگز جائز نہیں **جواب**۔ کیا شان ہے علمی معلومات کی۔ بے خبری اور ناواقفی کا یہ عالم ہے اور چلے ہیں فقہ اسلامی پر مضمون لکھنے۔ ان ہی لایعنی گفتگو اور تضیع اوقات سے حنفی علماء کے آڑے آتے ہو۔ ہم نے واضح الفاظ میں ثابت کر دیا کہ لا ربوا والی حدیث پاک صحیح مشہور اور متواتر ہے نیز اس حدیث پاک کا کسی دوسری آیت پاک یا دوسری حدیث سے نہ مقابلہ ہے نہ مخالفت نہ زیادتی۔ **مخالف کی چودھویں دلیل**۔ یہاں مخالف اوزاعی صاحب کا قول پیش کرتا ہے۔ (یہ وہی اوزاعی صاحب ہیں جنہوں نے اسلام میں ایسے عقیدے اور مسائل ایجاد کئے جن سے بعد میں معتزلی فرقے نے جنم لیا)، وہ کہتے ہیں۔ اَلرِّبٰوا حَرَامٌ عَلَیْهِ فِی اَرْضِ الْحَرْبِ وَغَیْرِهَا ترجمہ اس پر ربوا حرام ہے حرب کی زمین اور اس کے غیر میں۔ اوزاعی صاحب اپنے اس مسئلے پر دو دلیلیں دیتے ہیں۔ ایک دلیل تو وہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ مقدسہ فرمایا کہ جاہلیت کا ربوا ہم نے ختم کردیا جس میں حضرت عباس کا ربوا بھی ختم کردیا گیا۔ پھر اوزاعی صاحب کہتے ہیں۔ وَکَیْفَ یَسْتَحِلُّ الْمُسْلِمُ اَکْلَ الرِّبٰوا فِیْ دَارِ

یعنی مسلمان اس قوم سے سود لینا کس طرح حلال سمجھ سکتا ہے جس قوم کا خون اور مال مسلمانوں پر اللہ نے حرام فرمادیا اس کے بعد اوزاعی صاحب دوسری دلیل دیتے۔ اَوْ قَدْ کَانَ الْمُسْلِمُ یُبَایِعُ الْکَافِرَ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَا یَسْتَحِلُّ ذٰلِکَ ترجمہ یعنی نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدسہ میں مسلمان حضرات کفار سے خرید و فروخت کرتے تھے مگر وہ سود کو حلال نہیں سمجھتے تھے امام ابو یوسف نے بھی کہا کہ اوزاعی کا قول معتبر ہے اور سود حربی نا ہی حلال ہے نہ ہی جائز **جواب**۔ اوزاعی صاحب کی بات بالکل ایسی ہے جیسے سوال گندم جواب جو۔ دعوٰی تو ہے کہ دار الحرب میں سود حرام ہے مگر دلائل میں دار الاسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ پہلی دلیل میں حضرت عباس کے سود کا ذکر کیا۔ اس کا پورا بیان و وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں کہ یہ اس وقت معاف کیا گیا جب کہ فتح ہو گیا اور مکہ دار الاسلام بن گیا۔ دوسری دلیل میں کفار کے خونوں اور مالوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ حالانکہ کفار کا خون اور مال صرف دار الاسلام یعنی سلطنت اسلامیہ میں ذمی ہونے کی صورت میں ہی مسلمانوں پر محفوظ و حرام ہوتا ہے دار الحرب میں کسی کافر کا مال اور خون مسلمانوں کے لیے معصوم و محفوظ اور حرام نہیں اوزاعی صاحب کی تیسری دلیل بھی ان کے اپنے خیال سے ہے اور ان کے اپنے خلاف ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس عالیہ میں مسلمان مدینہ منورہ میں کفار سے بیع تجارت خرید و فروخت کرتے تھے اور مدینہ منورہ شروع سے ہی دار الاسلام رہا ہے بلکہ کائنات میں سب بڑی سلطنتِ اسلامیہ مدینہ منورہ ہی ہے اب ذرا سی عقل والا بھی غور کر سکتا ہے کہ اوزاعی صاحب کی بات کہاں تک درست ہے ہم یہی تو مطالبہ کر رہے ہیں کہ دار الحرب میں سود کی حرمت پر کوئی دلیل آیت یا حدیث یا روایت و درایت دکھاؤ سود عوٰی کرنا حربی سود کی حرمت کا اور دلیل دینی دار الاسلام کے سود کی یہ کوئی عقل و انصاف و قابلیت نہیں ہے **مخالف کی پندرھویں دلیل**۔ جب قبیلہ بنی مخزوم مسلمان ہوا تو بنی ثقیف قبیلے سے اس کا سودی لین دین تھا بنی ثقیف نے بنو مخزوم سے اپنا سود مانگا۔ تو جواباً بنو مخزوم نے کہا کہ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ سود کا لین دین نہیں کریں گے یہ جھگڑا مکہ مکرمہ سے مدینہ پاک بارگاہِ نبوی میں پہنچا تب وَذَرُوْا مَا بَقِیَ۔ والی آیت نازل ہوئی۔ ثابت ہوا کہ غیر مسلموں سے بھی سود لینا حرام ہے **جواب**۔ کیا عجیب احمقانہ دلیل ہے۔ ایسے جاہلانہ استدلال کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے خود صاحب مضمون غور نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ بنی مخزوم مسلمان ہوئے اور ان سے بنی ثقیف نے سود مانگا اور اللہ نے فرمایا کہ اے مسلمانو تم مت مانگو بقیہ سود چھوڑ دو۔ میں پوچھتا ہوں کون کافر تھا کس مسلمان نے کس کافر سے سود مانگا اور کس مسلمان کو کافر سے سود لینے کو منع کیا گیا؟ جب مضمون نگار خود کہہ رہا ہے کہ بنو مخزوم مسلمان ہو گئے اور بنو ثقیف نے ان مسلمانوں سے مانگا نہ کہ کسی کافر سے اور اللہ تعالٰی نے اس آیت میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرما کر مسلمان کو سود مانگنے سے منع فرمایا دینے والوں کا اس آیت میں ذکر نہیں کہ وہ نہ دیں۔ اس وقت دینے والے بنی مخزوم تھے اور مانگنے

والے بنی ثقیف تھے تو بتایا جائے بنی ثقیف اس وقت مسلمان تھے یا کافر۔ اگر وہ اس وقت کافر تھے تو مومن و مسلمان کس کو کہا گیا جب کہ مانگنے والے بنی ثقیف ہی تھے جیسا کہ احادیث و تواریخ سے ثابت ہونے کے علاوہ خود مخالف کو بھی تسلیم ہے۔ نیز جب مسلمانوں نے سود مانگا ہی نہیں تو۔ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ کا حکم امتناعی۔ بیکار ماننا پڑے گا جو سراسر کفر ہے اور تم مانتے ہو کہ بنی ثقیف بھی مسلمان ہو چکے تھے تو پھر تمہاری دلیل و استدلال سب غلط ہو گیا کیونکہ دلیل سے ثابت ہوا کہ اس وقت مسلمان بنی ثقیف نے مسلمان بنی مخزوم سے سود مانگا تھا۔ اس لیے وَذَرُوْا مَا بَقِیَ کا حکم ممانعت نازل ہوا۔ دار الحرب کے سود کی حرمت پھر بھی ثابت نہ ہوئی۔ بس ماننا پڑے گا کہ وہی وضاحت درست ہے جو ہم نے پہلے بیان کر دی کہ بنی مخزوم اور بنی ثقیف دونوں مسلمان ہو چکے تھے اور مکہ مکرمہ طائف وغیرہ سب علاقے دار الاسلام بن چکے تھے تو اس وقت بنی ثقیف نے بنی مخزوم سے سود طلب کیا کیونکہ اس وقت تک سود کی حرمت کا پتہ نہ چلا تھا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو مسلمانوں سے سود لینا منع کیا گیا اور سابقہ چھوڑ دینے کا حکم کیا گیا۔ یہاں دار الحرب کے سود کا کوئی تعلق نہیں **مخالف کی سولھویں دلیل**۔ یہاں بھی مخالف مضمون نگار حضرت عباس کے سود کا ذکر کرتا ہے **جواب**۔ اس کا جواب اور وضاحت پہلے ہم نے اپنے دلائل کے دوران کر دی اور مخالف کی چودھویں دلیل میں بھی اصل مطلب سمجھا دیا کوئی شخص ضد کی پٹی باندھ کر اندھا بن جائے اور نہ سمجھے تو اس کی مرضی۔ بحمدہ تعالیٰ مکمل طور پر ثابت ہو گیا کہ شرعی قوانین سے جو علاقے اب بھی دار الحرب ہیں ان کے باشندوں سے سود کی شکل میں کوئی چیز لینا سود نہیں بنتا اور مسلمانوں کے لیے وہ مال حلال طیب ہے۔ ہمارا یہ فتویٰ صرف دار الحرب کے لیے ہے کسی بھی دار الاسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ امام یوسف وغیرہ دیگر ائمہ ثلاثہ کی کمزور باتوں کو اگر مانا جائے تو دار الحرب میں بھی سود حرام ماننا پڑے گا حالانکہ قرآن و حدیث سے دار الحرب کی سود حلال ثابت ہو گئی لہٰذا دیگر ائمہ کے قیاسی اقوال ماننے کی کوئی گنجائش نہ رہی اور بعض مخالفین کا یہ کہنا کہ لَا رِبٰو والی حدیث تو درست ہے مگر اس سے جواز ربٰو ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ لَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ والی نہی کے مشابہ ہے جس طرح اس میں نہی اور انشائیت ہے یعنی حج کے دوران وطی صحبت اور رفسق و جھگڑا مت کرو۔ اسی طرح لَا رِبٰوا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ والی حدیث پاک میں بھی یہی معنی ہے کہ حربی سے مسلمان سود نہ لے۔ **جواب**۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل بھی تحقیق اور غور و فکر کے بعد تین وجہ سے کمزور اور غلط ثابت ہوئی پہلی وجہ یہ کہ لَا رَفَثَ (الخ) میں تو نہی ہے کیونکہ وہاں صرف مسلمانوں کا ذکر ہے حج صرف مسلمان ہی کرتے ہیں۔ ہر مسلمان عورت و مرد پر یہ افعال و کردار ممنوع ہیں۔ مگر لَا رِبٰو بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ والی حدیث میں مسلمان اور کافر دونوں مذکور ہیں مسلمان کو لینا دینا منع ہو سکتا ہے مگر کافر کا لینا دینا کیسے منع کیا جا سکتا ہے اور وہ کب رکے گا۔ تو یہ ممانعت یکطرفہ صحیح ہوئی اور دوسری طرف سے غلط اور بیکار

ہوئی حالانکہ اس طرح کہنا گستاخیِ قرآن ہے۔ دوسری وجہ لَا رَفَثَ ۔کو نہی کا درجہ دینا تو احادیث نے بتایا اس لیے سب کو ماننا پڑا لیکن لاربٰو کو نہی قرار دینا کسی حدیث وفقہ سے ثابت نہیں۔ تیسری وجہ اگر لَا رِبٰوا بَيْنَ الْمُسْلِمِ والی حدیث کو نہی بناؤ گے تو اس طرح کی دوسری احادیث کو کس طرح نہی بناؤ گے۔ مثلاً لَا رِبٰوا بَيْنَ الْعَبْدِ وَالْمَوْلٰى اور لَا رِبٰوا فِي الْقَبِيْلَةِ یہاں اگر نہی ہو تو مسئلہ ہی غلط اور الٹ ہو جاتا ہے اور اگر یہاں نہیں بنا سکتے تو پھر لَا رِبٰوا بَيْنَ الْمُسْلِمِ۔ والی حدیث میں ناجائز تاویلیں کیوں کرتے ہو۔ یہ ترجیح بلا مرجح ہے جو قطعاً باطل ہے۔ ابھی میں اسی ہی فتوے میں مشغول تھا کہ ایک استفتا مجھ کو موصول ہوا جس میں ہمارے ایک محترم پیر صاحب کے ایک اخباری بیان پھر اس سے رجوع کرنے کا تذکرہ میرے پاس برائے جواب کسی سائل نے بھیجا اور مجھ سے سائل نے اصرار کیا کہ اس کا ضرور مکمل و مدلّل جواب دوں۔ یہ مجھ پر میرے رب تعالٰی کا کرم ہے کہ اس وقت دنیا بھر کے بیشتر ممالک میں کہیں کوئی فتوٰی لکھے تو مسلمان لوگ اس وقت تک اعتماد کرتے نہیں جب تک کہ مجھ سے اس کی صحت و درستی کی تائید و تصدیق نہیں کرا لیتے خواہ پاکستان ہو یا ہندوستان یا سعودی عرب خواہ مرکز روحانیت کچھوچھہ شریف ہو یا مرکز سنیت بریلی شریف ہو اور چونکہ مجھ پر اعتماد کرنے والے میرے مشورے کو دیانتداری کا مشورہ سمجھتے ہیں اور میری تحقیق و تفتیش پر مکمل بھروسہ و یقین کرتے ہیں۔ اس لیے مجھ پر فرض ہے کہ میں کسی کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤں اور حتی المقدور محنت سے کسی کی تائید یا تنقید کروں اور با دلائل فتوٰی لکھوں اب تک سیکڑوں فتاوٰی میری نظر سے گزرے جن میں سے بہت سے فتاوٰی کی تائید ہوئی اور بہت سے میری با دلائل تنقید کی زد میں آئے میں نے اپنی تحقیق کے دوران کبھی کسی کی بیجا حمایت نہیں کی خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا بزرگ ہو یا ہم عصر۔ اگر میری تحقیقی نظر میں کسی کی بات یا تحریر یا فتوی غلط ہوا اور اس فتوے کی شہرت و اشاعت عوام کے نقصان کا باعث بنتی ہو تو بغیر کسی خوف لَوْمَةَ لَائِمٍ کھل کر با دلائل اس کی غلطیوں سے آگاہ کیا تاکہ دنیا و آخرت کا فتنہ و گناہ فرو ہو۔ میری اسی صاف گوئی کا میرے بعض بزرگوں کو گلا بھی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ بزرگ لوگ اپنے مضامین و فتاوٰی میں پہلے ہی غور و تدبر کیوں نہیں کر لیا کرتے ایسی نوبت ہی کیوں آتی ہے کہ کوئی اپنا یا پرایا تنقید کی جرات کرے پہلے بلا سوچے جلدبازی کا فتوٰی لکھ دیا پھر تنقید سن کر برا منا لیا۔ میری علمی تنقید و مخالفت کا تعلق صرف احقاقِ حق کی نیت سے ہے اسی وجہ سے میں بعض اوقات خود اپنی تحریر سے رجوع و مخالفت میں جھجک و شرم محسوس نہیں کرتا اور آئندہ بھی اس خداداد ذمہ داری کو بتوفیق الٰہی پورا کرتا ہی رہوں گا ان شاء اللہ تعالٰی اور یہ میری یہ سخت گرفتی صرف اس لیے ہے کہ موجودہ علما نے فتوی نویسی کو کھیل سمجھ لیا ہے۔ ہر چھوٹا موٹا پیر اور مولوی قلم کا ٹھا ہاکا لیے پھر رہا ہے اس دور میں اگر کہیں سے مضبوط اور مکمل احتیاط و تحقیق و تدقیق سے فتاوٰی جاری ہو رہے ہیں۔ تو وہ صرف واحد بریلی شریف کا دار الافتا ہے یہی وجہ ہے مجھ جیسا نقاد نظر والا بھی اس کی تنقید یا تردید نہ کر سکا

قاضی اور مفتی وہی درست ہے جو کسی کی عقیدت سے فتوٰی جاری نہ کرے بلکہ فتوٰی نویسی کے وقت عقیدت کو بالائے طاق رکھ دے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

کتبہ

سوال ۱۳: مذکورہ محترم پیر صاحب کے مضمون اور غلط استدلال کی مکمل تردید کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ تیئس جون ۱۹۸۶ء چار ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ بروز منگل روزنامہ جنگ اخبار لندن کے ص۵ پر پاکستان کے ایک بزرگ یکتا محقق عالم صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے برطانیہ کو دارالحرب ثابت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہاں کفار سے سود لینا جائز ہے اور مضمون کی طویل تحریر میں دارالحرب کی وضاحت کی ہے۔ جب کہ ہم اپنے بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ برطانیہ دارالاسلام ہے اور مسلمانوں کو مکمل مذہبی دینی آزادی ہونے کی وجہ سے اور عباداتِ اسلامیہ میں کسی قسم کی رکاوٹ و پابندی نہ ہونے کی بنا پر یہ ملک برطانیہ دارالاسلام کی تعریف میں آتا ہے یہاں تک کہ جب انگریزوں کی حکومت ہندوستان پر تھی تو ہندوستان کو بھی دارالاسلام کہا گیا تھا اور تمام علماء اسلام نے پورے ہندوستان کو برطانوی دور میں دارالاسلام کہا جب کہ وہی ہندوستان اکبری دور میں دارالحرب بن چکا تھا۔ مگر اس اخباری مضمون کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ دارالحرب ہے اس مضمون کے کچھ دن بعد ان ہی عالم صاحب کا ایک مضمون ایک ماہنامہ رسالے میں۔ ماہ نومبر ۱۹۸۶ء ربیع الاول شریف ۱۴۰۷ھ بروز جمعرات ص۱۶ سے ص۲۲ تک شائع ہوا جس میں ان کے پہلے اخباری بیان کے اقتباسات کے ساتھ نیا مضمون بھی شامل ہے اور نئے مضمون کی آخری سطور میں وہ اپنے اخباری مضمون سے ان لفظوں میں رجوع کرتے ہیں کہ ان دلائل کی روشنی میں یہ فقیر اپنے پہلے موقف سے رجوع کرتا ہے اور حضرت امام یوسف کے فتوے کے مطابق ہر جگہ اور ہر مسلک میں سود کی حرمت کا اعتراف کرتا ہے۔ اس رجوع کا اعلان دس دسمبر ۱۹۸۶ء اٹھارہ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ بروز جمعرات روزنامہ جنگ کے ص۱ پر اسلامی تکافل کمپنی کے ایک شرعی بورڈ کے اجتماع میں کمپنی کے صدر الشیخ الناظر کے حکم اور ہدایت پر کسی خاص دباؤ کے تحت اپنے سابقہ موقف کی شکل میں خود عالم صاحب کی زبان و الفاظ سے کرا کر پہلے موقف سے تردید و رجوع کرایا گیا۔ ان تینوں مضمونوں کی اشاعت سے اہلسنت علماء اور عوام میں بڑی تشویش پائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ عالم صاحب کے ہر مضمون میں دلائل ہیں اور ہر مضمون ایک دوسرے کے خلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عالم صاحب نے تکافل کمپنی کے دباؤ میں آکر رجوع کیا ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ پہلا مضمون واقعتاً غلط تھا اس لیے صاحب مضمون کو رجوع کرنا پڑا اور یہ عالم صاحب اس سے پہلے بھی کئی دفعہ اپنی تحریروں سے رجوع کر چکے ہیں ان کی پرانی عادت ہے کہ پہلے اندھا دھند مضمون داغ دینا۔ پھر غلطی کی گرفت پر رجوع کر لینا کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسے لوگوں کو قلم پکڑنے کی اجازت کس نے دی جس کی

تحریریں مسلمانوں کی پریشانی کا باعث ہی نہیں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پہلا اور آخری مضمون سب کچھ کسی سازش اور سکیم کے تحت شائع کیا گیا ہے تاکہ تکافل کمپنی کی تشہیر ہو۔ اور لوگ بجائے دوسرے طریقوں سے دولت حاصل کرنے کے اس کمپنی کے ذریعے دولت کمائیں اور اس کمپنی کے گاہک بنیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس دوسرے مضمون سے مذہب حنفی کی توہین وگستاخی ہوئی ہے اس پریشانی کی وجہ سے ہم سب لوگ آپ سے ان مضامین کے بارے میں شرعی فتویٰ طلب کر رہے ہیں براہِ کرم ہم کو بتایا جائے کہ پہلا مضمون درست ہے یا دوسرا اور تیسرا اور رجوع کرنا کہاں تک درست ہے۔ اس سوال کے ساتھ وہ اخباری صفحات اور ماہنامہ رسالہ ماہ نومبر بھی پیش خدمت ہے۔ ہمیں آپ کی ذات سے امید ہے کہ آپ ہماری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اپنے انداز محققانہ میں پوری تحقیق ودلائل سے واپسی جواب بصورت شرعی فتویٰ عطا فرمائیں گے۔ ہمیں جواب کی کوئی اتنی جلدی نہیں ضرورت دلائل، تحقیق وتفتیش اور تسلی کی ہے بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ دستخط سائل ۱۶/۱۲/۸۷

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابْ۔

الجواب

سائل محترم کا سوال نامہ اور تمام ضروری کاغذات موصول ہوئے۔ میں نے بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے نہایت غور وتفکر وتدبر سے کئی بار آپ کا سوال نامہ پڑھا مذکورہ فی السوال صاحب مضمون محترم سے میری کوئی اتنی ذاتی اور گہری شناسائی تو نہیں کیونکہ میں گوشہ نشین غیر معروف فرد ہوں اور حضرت محترم خاصی مشہور ومعروف شخصیت ہیں۔ البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ حضرت محترم مسلکاً حنفی بریلوی ہیں اور شاگردی میں نعیمی جماعت سے متعلق ہیں۔ جہاں تک ان کی ذاتی بزرگی اور خاندانی وروحانی مقام کا تعلق ہے تو اس کا سب اہل سنت کو اعتراف ہے مجھ کو ان کے کسی خلوص ونیک نیتی میں بھی شک نہیں ان کے مضامین اور ان کے اسباب وعلل کے بارے میں لوگوں کے تاثرات جو جاہیں ہوں مگر میرا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں نہ میں اس پر کچھ تبصرہ کروں گا نہ میرا یہ منصب ومقام نہ ذمہ داری۔ سائل محترم کے اصرار وحکم کی بناء پر فرضِ منصبی سمجھتے ہوئے صرف ان مسائل کی حقیقت اصلیہ بیان کروں گا جو صاحب مضامین کے کلام سے آشکارا ہے۔ اوّلاً اخباری بیان میں پہلے مضمون پر گفتگو پھر دوسرے وتیسرے مضمون پر تبصرہ ہوگا۔ یہ مضمون جس کو مضمون نگار نے اخبار میں شائع کرایا ہے اس میں برطانیہ کو دار الحرب ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے مضمون میں اسی دعوے پر تحریر ہے کہ برطانیہ دار الحرب ہے مگر اس کے دلائل پیش نہیں کئے جاسکے۔ اس کے علاوہ اس مضمون میں علمی اور فکری غلطیاں بہت ہیں۔ جن کی نشاندہی کے بعد اصل بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ غلطیوں کو چھپانے مسلک کو بچانے اور حقیقت سے روگردانی کس طرح کی گئی ہے مضمون کی ساری حقانیت اسی کی زور آزمائی میں صرف کی گئی ہے۔ غلطی نمبرا عالم صاحب کے

اس پہلے اخباری مضمون میں ملک برطانیہ کو دارالحرب قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط اور فقہ اسلامی سے ناواقفی کی بنا پر ہے اس لیے کہ شرعی فقہی ضابطوں کے مطابق دنیا میں ملک صرف پانچ قسم کے ہیں ۱۔ سلطنت اسلامیہ جہاں کی حکومت مسلمان ہو جیسے کہ پاکستان افغانستان ایران اور عرب ممالک ۲۔ دارالکفر۔ جہاں کی حکومت کفار کی ہو۔ جیسے تمام غیر مسلم حکومتیں۔ چین۔ روس یورپ امریکہ وغیرہ ۳۔ دارالکفر کی دو قسمیں ہیں ایک دارالحرب جہاں مسلمانوں کو آزادانہ طریقے سے اسلام پر عمل نہ کرنے دیا جائے اور عبادت الٰہیہ وشعائر اسلامیہ کے قائم ونافذ کرنے میں ظلم وتشدد اور پابندیاں رکاوٹیں کی جائیں جیسے ہندوستان بیروت اسرائیل وغیرہ ۴۔ دوسری قسم دارالاسلام جہاں اگرچہ حکومت کفار کی ہو مگر مسلمانوں کو عبادت الٰہیہ۔ شعائر اسلامی جمعہ۔ عیدین۔ نکاح شادی۔ جنازہ۔ روزہ نماز۔ حج۔ وغیرہ کے لیے اسلامی طریقہ قائم کرنے میں کوئی رکاوٹ اور قانونی پابندی نہ ہو بآسانی ہر مسلمان ادا کرسکے۔ کئی دفعہ سلطنت اسلامیہ بھی دارالحرب بن جاتا ہے جیسے پہلے زمانوں میں اکبر بادشاہ کی حکومت ترکستان میں کمال پاشا کی حکومت یا آج کل افغانستان روسی مداخلت کی بنا پر۔ یا جہاں کی حکومتیں سوشلسٹ ہوچکی ہیں ۵۔ دارالامن جہاں غیر ملکی باشندہ بالکل امن اطمینان عافیت وآرام کے ساتھ سیاحت یا رہائش کے لیے جاسکے اور کسی اقلیت پر ظلم نہ ہو رہا ہو۔ عربی میں سلطنت اسلامیہ میں آنے والے ایسے افراد کو مستامن یا ذمی کہا جاتا ہے فقط یہ پانچ ہی قسم کے ملک دنیا میں پہلے زمانوں سے ہوتے چلے آئے ہیں شریعت اور فقہ اسلامیہ میں ان ملکوں کی تعریف وتعین اور نشان وپہچان کے لیے جو ضابطے مقرر فرمائے گئے ہیں ان کے اعتبار سے ملک برطانیہ دارالاسلام ودارالکفر ہے۔ یعنی حکومت کے عملے واراکین کے اعتبار سے یہ ملک دارالکفر ہے اور مسلمانوں کی دینی آزادی کے اعتبار سے یہ برطانیہ دارالاسلام ہے نہ کہ دارالحرب مضمون نگار نے برطانیہ کو دارالحرب کہہ کر بہت بڑی لاعلمی کا ثبوت دیا ہے مضمون کی دوسری غلطی۔ اگرچہ مضمون نگار نے اپنے اس نئے مسلک کو بنانے اور بچانے کے لیے بہت سی کتب کا مطالعہ کیا ہوگا لیکن لکھا یہ گیا ہے کہ یہ فقیر مضمون نگار فقط جناب عبدالقادر عودہ کی کتاب التشریح الجنائی سے اکتفا کرتے ہوئے اپنے مسلک کو ثابت کرتا ہے حالانکہ بدقسمتی سے یہ کتاب بھی ان عبارتوں کے ذریعے جو خود مضمون نگار نے اپنے مضمون میں پیش کی ہیں۔ صاحب مضمون کی کچھ مدد نہیں کرتیں بلکہ ہر جگہ ہر بات میں مخالفت ہی کرتی ہیں۔ لہٰذا مضمون نگار نے اس کتاب کے حوالے بھی پیش کرکے اپنے حق میں غلطی کی ہے۔ مضمون کی تیسری غلطی مضمون نگار اپنے خود ساختہ مسلک کو بچانے کے لیے صرف دو دلیلوں کو بنیاد بناتے ہیں۔ پہلی دلیل یہ کہ دارالاسلام وہ ہے جہاں مسلمان دیوانی اور فوجداری مقدمات اور لڑائی جھگڑوں کو بھی خود ہی جاری ونافذ کریں۔ صاحب مضمون کی یہ بات اتنی غلط ہے کہ ایسی بات لکھنے پر واقعی ہر شخص کو حیرانی ہوسکتی ہے اور ایسی طفلانہ کج فہمی

پر سائل کا تعجب بجا ہے۔ خیال رہے کہ یہ بات تین طرح سے قطعًا غلط ہے۔ اولًا اس لیے کہ مضمون نگار نے اپنی اس بات پر کوئی حوالہ کوئی ثبوت پیش نہیں کیا نہ کوئی کتاب دکھائی نہ فقہ کی واضح اور صاف عبارت درج کی۔ ثانیًا اس لیے کہ جو بات مضمون نگار نے زندگی میں پہلی دفعہ لکھدی وہ بات فقہاء متقدمین و متاخرین میں سے آج تک کسی نے بھی نہیں لکھی۔ دار الحرب کے لیے یہ قید کسی نے بھی نہ لگائی کہ کفار کے ملک میں مسلمان عوام یا خواص اپنی عدالت علیحدہ قائم کر کے خود ہی فوجداری اور دیوانی مقدمات کے فیصلے جاری کرنے لگیں۔ ایسی لایعنی اور خود ساختہ باتوں سے ہی پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ مضمون نگاری کتنی باطل ہے کیا اس طرح کی جلد بازی کی مضمون نویسی کو اسلامی فقہ کا ذمہ دار فتویٰ کہا جاسکتا ہے اور کیا ایسے مضمون نگار کو اسلام کا مفتی کہنا یا سمجھنا جائز ہے۔ ثالثًا اس لیے کہ مضمون کی یہ بات تو سلطنت اسلامیہ میں تسلیم نہیں ہوسکتی کسی بھی اسلامی ملک نے آج تک کبھی بھی فوجداری اور دیوانی کے جھگڑے مقدمے عوام کے ہاتھوں نہ دئے یہاں تک کہ کوئی ذمہ دار مفتی اسلام بھی یہ کام از خود نہیں کرسکتا نہ کوئی حکومت اس کی اجازت دیتی ہے بلکہ اس بات سے تو اللہ رسول نے ہی مسلمانوں کو منع فرمادیا کہ دیوانی فوجداری امور یعنی قصاص و حدود و تعزیرات کا جاری کرنا صرف حکومتِ ملکی کا کام ہے اگرچہ وہ غیر مسلم حکومت ہو۔ قرآن مجید کے اس ارشاد پاک وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کی تفسیر وں سے یہی ثابت ہے یہاں مِنْكُمْ سے اہالیانِ ملک مراد ہیں۔ نیز پاکستان میں تو ابھی قوانین اسلامیہ کی طرز پر فوجداری اور دیوانی حدود و قصاص جاری کرنے والی عدالتیں ہی قائم نہیں ہوئیں تو کیا پاکستان کو بھی دار الحرب کہوگے۔ مضمون نگار کی دوسری غلط اور کمزور دلیل۔ یہ کہ دار الاسلام وہ ہے جہاں اب اگرچہ کفار کو غلبہ اور حکومت حاصل ہو اور مسلمانوں کو چاہے کتنی ہی مذہبی آزادی میسر ہو مگر پہلے کبھی اس علاقے پر اسلامی حکومت کا قیام اور مسلمانوں کو حکمرانی غلبہ حاصل رہا ہو۔ فقیر زمضمون نگار کے نزدیک اسی بنیاد پر اعلیٰ حضرت بریلوی نے برطانوی دور میں ہندوستان کو دار الاسلام کہا تھا۔ کیونکہ وہاں انگریزوں کے تسلط سے پہلے مغلیہ حکومت تھی۔ میں کہتا ہوں یہ بات بھی قطعًا غلط ہے اور مضمون نگار کی لاعلمی چار وجہ سے۔ ایک یہ کہ کسی بھی کتاب فقہ میں دار الاسلام کی تعریف میں یہ قید مذکور نہیں کہ اس علاقہ پر پہلے کبھی اسلامی حکومت رہی ہو۔ ورنہ پہلے کبھی کی مدت کا تعین بھی کرنا پڑے گا کہ کتنے سال پہلے؟ دوسری وجہ یہ کہ مصنف نے اپنے اس قول پر کوئی حوالہ پیش نہ کیا جس سے ثابت ہوا کہ یہ بات۔ مضمون نگار کی اپنی بناوٹی ہے اعلیٰ حضرت کی طرف اس بنیاد کو منسوب کرنا اس کی اپنی تخیلاتی تصوراتی اور ذہنی کشمکش ہے یہ وجہ و بنیاد اعلیٰ حضرت کی کسی کتاب میں درج نہیں تیسری وجہ یہ کہ اعلیٰ حضرت اور صاحب بہار شریعت بلکہ تمام علماء اسلام نے ہندوستان کو برطانوی دور میں دار الاسلام ہی کہا تھا مگر اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہاں پہلے مغلیہ دور تھا بلکہ یہی دینی آزادی تھی جو آج بھی برطانیہ میں موجود ہے بلکہ آج تو پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں کو دینی آزادی ہے یہ میرا تجرباتی مشاہدہ ہے

اس تجربے سے کہتا ہوں کہ اتنی دینی آزادی مسلمانوں کو ان کے اپنے ملک میں نہیں ملتی جتنی اس وقت برطانیہ میں حاصل ہے ہر شہر میں مسجدیں عیدگاہیں دینی مدرسے تعلیمی ادارے اذان نماز با جماعت جمعہ حج قربانی نکاح شادی بیاہ میں مکمل اسلامی طریقے جاری و رائج ہیں علماء و عوام کو ہر طرح مکمل سہولتیں میسر ہیں اور خود حکومت ہر مسلمان کو فیکٹریوں سکولوں کالجوں میں عیدین کی سرکاری چھٹی دیتی ہے اور یہ قانونی چھٹی ہے۔ طلاق اور بہت سے جھگڑوں کے فیصلوں کے لیے خود حکومت برطانیہ کہتی ہے کہ اپنے مذہبی ذمہ دار علماء یعنی مفتیان اسلام سے اسلامی فتویٰ لاؤ ہم اس کے مطابق تمہارا فیصلہ کردیں گے خود میرے فتاویٰ سے یہاں بہت سے فیصلے جاری کیے گئے۔ مضمون نگار بھی ان تمام چیزوں سے غافل نہیں اعلیٰ حضرت بریلوی نے کہیں نہیں لکھا کہ ہم مغلوں کی حکومت سابقہ کی وجہ سے ہندوستان کو برطانوی دور حکومت میں دار الاسلام کہہ رہے ہیں، مضمون نگار نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا حالانکہ یہ اس کی دیانتی ذمہ داری بنتی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ ان تمام چیزوں کو جانتے بوجھتے صاحب مضمون نے اتنا غلط اور کمزور مضمون چھاپ کر اور نیا مسئلہ بنا کر کیا مفاد حاصل کیا؟ اس مضمون کی غلط ہونے کی چوتھی وجہ یہ کہ فرضاً اگر اس قید کو بھی تسلیم کرلیا جائے کہ دار الاسلام وہی ہے جس پر موجودہ غیر مسلمان حکومت سے پہلے کبھی اسلامی حکومت رہی ہو تب بھی ہمارا قول اور مسلک درست ہے کہ برطانیہ دار الاسلام ہے اس لیے کہ برطانیہ پر بھی آج سے تقریباً سات صدی پہلے مسلمانوں کی حکومت تھی۔ چنانچہ ہفت روزہ اخبار وطن ۱۴ تا ۲۰ نومبر ۱۹۸۲ء لندن ص ۲ پر علامہ شبیر بخاری کے دورہ یورپ کی رپورٹ رؤف ظفر کے قلم سے شائع ہوئی جس میں لکھا ہے کہ آٹھویں صدی میں برطانیہ پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی اور اس زمانے کے سکوں (کرنسی) کی فوٹو بھی اخبار وطن نے شائع کی ہے جس پر ایک طرف عربی میں لکھا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ اور دوسری طرف انگریزی میں اوفا بادشاہ کا نام لکھا ہے۔ یہ سونے کے چند سکے آج بھی برطانوی میوزیم میں محفوظ ہیں۔ یہ اوفا بادشاہ مسلمان تھا اور اس کی حکومت پورے برطانیہ پر تھی ان حقائق کے پیش نظر بعض اخبارات میں کچھ روز پہلے جب کہ ولی عہد چارلس اور اس کی بیوی ڈیانا عرب ممالک کے دورے پر گئی تھی تو لکھا گیا تھا کہ شاہی خاندان عربی النسل ہے۔ بہر کیف اللہ بہتر جانتا ہے بتانا یہ مقصود ہے کہ برطانیہ پر پہلے مسلمان حکومت تھی اس اعتبار سے صاحب مضمون کی خود ساختہ قید کے مطابق بھی یہ برطانیہ دار الاسلام ہی ہونا چاہیے اس کے باوجود برطانیہ کو دار الحرب کہنا غیر محققانہ روش ہے جو محض جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ مضمون کی چوتھی غلطی میں یہ تو نہیں جانتا کہ صاحب مضمون کو اپنی علمی قابلیت اور تحقیقی محنت و کاوش و معلومات پر کتنا بھروسہ ہے البتہ اپنے مضمون کو بچانے اور سنبھالنے نبھانے کے لیے جو حوالے پیش فرماتے ہیں ان سے کہاں تک محترم کی تائید یا بچاؤ ہوتا ہے اس کا پتہ لگ جاتا ہے۔ چنانچہ صاحب مضمون اپنے بیان کی ابتدائی سطور میں جناب عبدالقادر عودہ صاحب کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں

التشریح الجنائی جلد اوّل ص۲۷۲ پر ہے تَشْتَمِلُ دَارُ الْاِسْلَامِ الْبِلَادَ الَّتِیْ تَظْهَرُ فِیْهَا اَحْکَامُ الْاِسْلَامِ اَوْ یَسْتَطِیْعُ سُکَّانُهَا الْمُسْلِمُوْنَ اَنْ یَّظْهَرُوْا فِیْهَا اَحْکَامَ الْاِسْلَامِ۔ یہ عبارت تو اپنی جگہ درست ہے لیکن مضمون نگار کی کوئی بات اس سے ثابت نہیں ہوتی نہ یہ مضمون کی دلیل بنتی ہے اس عبارت میں کہیں بھی دیوانی فوجداری اور حدود۔ تعزیرات جاری کرنے کا ذکر نہیں مضمون نگار خود بھی اس بات کو محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے وہ اس عبارت کا غلط ترجمہ کرکے اپنی مطلب برآری کرتے ہوئے اپنی خواہش پوری کرلیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔ ترجمہ دارالاسلام ان ملکوں کو کہتے ہیں جہاں احکام اسلامیہ کو ظہور و غلبہ نصیب ہو سوا گرچہ بالفعل احکام شرعیہ کا نفاذ نہ ہو لیکن وہاں کے باشندے احکام اسلامیہ کو نافذ کرنے کی قدرت اور استطاعت رکھتے ہوں یہ تھا مضمون نگار کا پیش کردہ ترجمہ۔ اس میں صاحب مضمون نے دو غلطیاں کیں۔ ایک یہ کہ۔ تَظْهَرُ کا ترجمہ کیا۔ غلبہ نصیب ہو۔ حالانکہ یہ ترجمہ یہاں قطعاً نامناسب ہے۔ التشریح الجنائی کے بھی خلاف دیگر تمام فقہا کے بھی خلاف اور حقیقت کے بھی خلاف۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ وہاں شرعی احکام پر ظاہر طور عمل کیا جاتا ہو تَظْهَرُ فِیْهَا یعنی ان ملکوں میں احکام اسلامیہ ظاہر نظر آتے ہوں دکھائی دیتے ہوں اور وہاں کے مسلمان باشندے عبادت شرعیہ احکام اسلامیہ کو ظاہر و عَلَی الْاِعْلَان کرنے کی طاقت رکھتے ہوں **دوسری غلطی** یہ ہے کہ مضمون نگار نے بریکٹ میں اپنی عبارت بڑھائی جو کہ ترجمہ کے منافی ہے یہ ترجمہ نہ رہا بلکہ تشریح ہوگئی اور وہ بھی غلط جب کہ مضمون میں اس سب کو فقط ترجمہ قرار دیا گیا ہے یہ بات دیانت کے خلاف ہے۔ پھر آگے اس کتاب کی دوسری عبارت پیش کرتے ہیں جس میں تین قسم کے دارالاسلام کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ عبارت اس طرح ہے وَیَدْخُلُ فِیْ دَارِ الْاِسْلَامِ کُلُّ بَلَدٍ سُکَّانُهٗ کُلُّهُمْ اَوْ اَغْلَبُهُمْ مُسْلِمُوْنَ ع۲ وَکُلُّ بَلَدٍ یَتَسَلَّطُ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ وَیَحْکُمُوْنَهٗ وَلَوْ کَانَتْ غَالِبِیَّةُ السُّکَّانِ مِنْ غَیْرِ الْمُسْلِمِیْنَ ع۳ وَیَدْخُلُ فِیْ دَارِ الْاِسْلَامِ کُلُّ بَلَدٍ یَحْکُمُهٗ وَیَتَسَلَّطُ عَلَیْهِ غَیْرُ الْمُسْلِمِیْنَ مَادَامَ فِیْهِ سُکَّانٌ مُسْلِمُوْنَ یُظْهِرُوْنَ اَحْکَامَ الْاِسْلَامِ اَوْلَا یُوْجَدُ لَدَیْهِمْ مَا یَمْنَعُهُمْ مِنْ اِظْهَارِ اَحْکَامِ الْاِسْلَامِ . . . .

یہ عبارت اپنی جگہ درست ہے اور واقعی دارالاسلام کی یہ تین قسمیں ہیں ان میں تیسرے نمبر کا ضابطہ برطانیہ پر بالکل درست ثابت ہے یہاں بھی یُظْهِرُوْنَ کا معنیٰ وہی ہے کہ ظاہر طور مسلمان اپنی تمام عبادات کرتے ہوں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کی جاتی ہو۔ مضمون نگار کا مقصد ہرگز اس سے حاصل نہ ہوا۔ عبدالقادر عودہ صاحب کی **تیسری** عبارت جو اس مضمون میں درج ہے وہ دارالحرب کی تعریف و شناخت میں ہے وہ بھی بالکل درست ہے اور وہ وہی تعریف ہے جو تمام فقہاء کرام متفقہ طور پر دارالحرب کے بارے میں بیان فرماتے ہیں جب یہاں بھی صاحب مضمون نے محسوس فرمالیا کہ اپنا مطلب حل نہیں ہوتا تو پھر بالکل اپنی اختراع سے اپنی مقصد پروری کے لیے لکھتے ہیں کہ۔

احکام اسلامیہ سے صرف عبادت مراد نہیں بلکہ سارے دیوانی و فوجداری مقدمات کا فیصلہ احکام اسلامیہ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ اس تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ برطانیہ دارالحرب ہے مضمون نگار کی یہ منطق اگر مان لی جائے تو دنیا میں اس وقت کوئی بھی دارالاسلام نہ رہے گا۔ نہ پاکستان نہ ایران و افغانستان نہ عرب ممالک بجز سعودیہ کے اور وہ بھی جزوی بلکہ وہ عیدین اور حج جبر غلط کرکے وہ بھی دارالاسلام نہ رہیگا صاحب مضمون نے اپنے اس خانہ زادی قول پر کوئی حوالہ پیش کیا نہ کسی کتاب فقہ کا ذکر کیا خیال رہے کہ عربی لغت میں فوجداری مقدمے کو قانون جنائی کہتے ہیں اور دیوانی مقدمے کو ضابطہ جزائی کہتے ہیں یہ دونوں لفظ مضمون کی محولہ عبارات میں سے کسی میں موجود نہیں۔ اپنے مضمون کے آخر میں لکھتے ہوئے فتاویٰ شامی کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں۔ فتاویٰ شامی جلد دوم ص۲۱۷ میرے پاس جو شامی ہے وہ جلد سوم ص۲۵۰ باب المستامن فصل فی استئمان الکافر کی آخری سطور وَاَمَّا فِیْ بِلاَدٍ عَلَیْهَا وُلَاۃُ الْکُفَّارِ فَیَجُوْزُ لِلْمُسْلِمِیْنَ اِقَامَۃُ الْجُمَعِ وَالْاَعْیَادِ وَیَصِیْرُ الْقَاضِیْ قَاضِیًا الْمُسْلِمِیْنَ ۔ اس کا ترجمہ مضمون نگار نے اس طرح کیا ہے۔ اور وہ ملک جس کے حکمران کافر ہیں ان ممالک میں جو مسلمان آباد ہیں ان کے لیے جمعہ اور عیدین کی نمازوں کو قائم کرنا جائز ہے یہاں تک ترجمہ درست ہے آگے ترجمہ غلط کرتے ہیں اور اپنے پاس سے ملاوٹ کرتے ہیں چنانچہ لکھا ہے اور رہا بھی رضامندی سے مسلمان جس شخص کو اپنا قاضی مقرر کرلیں گے (اس کی حیثیت اس قاضی کی مانند ہوگی جس کو کسی مسلمان حکمران نے قاضی مقرر کیا ہوگا) یہ بریکٹ والی عبارت مضمون نگار کی اپنی زیادتی ہے عربی عبارت اور کتاب کے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ہے۔ اور یہ ملاوٹ اپنا مطلب نکالنے کے لیے کی گئی ہے مگر مطلب پھر بھی پورا نہیں ہوا اور اس سارے مضمون میں اپنی ایک بات بھی ثابت نہ کرسکے ۱۔ نہ یہ ثابت کرسکے کہ برطانیہ دارالحرب ہے ۲۔ نہ یہ ثابت کرسکے کہ دارالاسلام کے لیے پہلے کسی زمانے میں مسلمان حکومت کا ہونا شرط ہے ۳۔ نہ یہ ثابت کرسکے کہ دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ بھی دارالاسلام ہونے کے لیے شرط ہے صرف بناوٹی باتوں سے تو کام نہیں چلتا۔ مضمون نگار کی پانچویں غلطی۔ صاحب مضمون یہ تو ثابت نہ کرسکے کہ دارالاسلام ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دیوانی وغیرہ مقدمات بھی مسلمان خود اپنے اسلامی طریقے پر جاری کریں۔ صرف اپنی زبان سے کہہ دیا کہ احکام اسلامی سے مراد دیوانی فوجداری مقدمات ہیں۔ لیکن ہم ثابت کرتے ہیں کہ فقہاء کرام کے نزدیک احکام اسلامی سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار جلد سوم ص۲۵۰ باب المستامن بالکل وہی مقام جہاں کا حوالہ فتاویٰ شامی کی عبارت سے خود مضمون نگار نے دیا ہے وَدَارُ الْحَرْبِ تَصِیْرُ دَارَ الْاِسْلَامِ بِاِجْرَاءِ اَحْکَامِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ فِیْهَا کَجُمُعَۃٍ وَعِیْدٍ ترجمہ دارالحرب صرف اس چیز سے دارالاسلام بنجاتا ہے کہ وہاں اسلامی احکام جاری ہوجائیں جیسے جمعہ اور عیدین کا قائم ہونا۔ کتنی واضح اور صاف عبارت ہے جس نے ثابت کردیا کہ احکام اسلامی سے مراد فوجداری و دیوانی مقدمات مراد نہیں بلکہ جمعہ عیدین وغیرہ عبادات کا جاری ہوجانا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا مضمون نگار نے

یہ عبارت نہیں دیکھی یا ضرور دیکھی ہے کیونکہ اسی عبارت کی شرح اپنے مضمون میں بحوالہ فتاویٰ شامی پیش کر رہے ہیں۔ جیسا کہ پہلے لکھ دیا گیا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ متنِ حاشیہ پر نگاہ نہ پڑی ہو۔ اب اس غلطی کو نہ تو خطا کہا جا سکتا ہے نہ نسیان نہ بھول چوک بلکہ صاف ظاہر ہے کہ دیدہ و دانستہ چشم پوشی کی گئی ہے اور مضمون نگار کا مقصد اپنے اس مضمون سے دین کی خدمت یا خلوص ایمانی نہیں بلکہ اسلام قرآن و حدیث اور شریعت و فقہ کے خلاف اپنا ذاتی خود ساختہ مذہب قوم پر ٹھونسنا ہے۔ مضمون نگار کی چھٹی غلطی۔ اس مضمون کا عنوان (ٹائٹل) اس طرح لکھا ہے۔ کیا برطانیہ دارالحرب ہے۔ **دوسرا عنوان** ۔ اس طرح ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں صاحب مضمون کا فیصلہ۔ لیکن بار بار بغور دیکھنے سے بھی کسی کو اس مضمون میں ایک بھی آیت قرآنی یا روایت یا حدیث پاک نظر نہیں آئی نہ معلوم اس طرح کا خلافِ حقیقت جھوٹا ٹائٹل بنانے میں کیا راز اور کیا حکمت و فائدہ ہو سکتا ہے جو دیانت و دانائی کے سخت خلاف ہے مضمون نگار کہتے ہیں کہ دارالحرب میں جمعہ و عیدین کی ادائیگی ہو سکتی ہے (مگر حوالہ کوئی نہیں) لیکن تمام فقہاء اسلام فرماتے ہیں کہ جس وقت دارالحرب میں جمعہ اور عیدین بلا رکاوٹ باسہولت جاری و قائم ہو گئے اور وقتی حکومتی قانون نے نہ روکا تو فوراً وہ دارالحرب ہی دارالاسلام بن جائے گا۔ جیسا کہ فتاویٰ درمختار رسوم کی عبارت سے ابھی ہم نے اوپر ثابت کر دیا۔ ایک احمق کو یہ کہتے بھی سنا گیا کہ فتاویٰ شامی جلد سوم کی مندرجہ بالا عبارت میں یَجُوْزُ لِلْمُسْلِمِیْنَ اِقَامَۃُ الْجُمُعِ وَالْاَعْیَادِ ہے یَجُوْزُ کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ دارالحرب ہے اس لیے کہ دارالاسلام میں تو جمعہ قائم کرنا واجب ہے۔ میں کہتا ہوں یہ کتنی احمقانہ بات ہے یہ بات کس سے پوشیدہ ہے کہ جمعہ و عیدین ہی نہیں اسلام کے تمام فرائض و واجبات کی شان یہی ہے کہ ان کا جاری کرنا اور ملک و بلاد میں قائم کرنا عوام و علما کی ذمے داری نہیں نہ کسی کو ان میں سے اس کا شرعاً اختیار ہے یہ ذمے داری تو صرف سلطنتِ اسلامیہ کی ہے۔ دارالکفر میں چونکہ سلطنتِ اسلامیہ نہیں ہے اس لیے عوام اور علما پر صرف جائز ہے کہ وہ دارالاسلام بنانے اور ظاہر کرنے کے لیے یہاں جمعہ و عیدین قائم کریں کہ اس کے بغیر دارالکفر کو دارالاسلام ہونا اور کرنا ظاہر نہ ہو گا۔ دیکھئے اس برطانیہ میں اگر مسلمان عوام و علما نہ رہیں اور مسجدیں مدرسے جمعہ۔ و عیدین۔ نماز۔ روزہ۔ قربانی۔ حج وغیرہ جاری و قائم نہ کریں تو حکومت کی طرف سے لاکھ نرمی سہولت اجازت بھی مگر برتاوا حکومت کی طرف سے اجازت باسہولت کا اظہار کس طرح ہو گا۔ اور کس طرح معلوم ہو گا کہ یہ دارالاسلام ہے۔ اس لیے فقہاء کرام نے فرمایا کہ جمعہ و عیدین قائم کرنا سلطنتِ کفریہ میں رہنے والے عوام و علما پر جائز ہے۔ واجب اس لیے نہ کہا کہ وجوب صرف حکومت اسلامیہ پر ان کے اپنے ملکوں میں ہے یہاں تک کہ اسلامی سلطنت میں بھی عوام یا علما پر اجراء جمعہ و عیدین واجب نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۱۴۵ پر ہے وَلِاَدَائِہَا شَرَائِطُ فِیْ غَیْرِ الْمُصَلِّیْ (الخ) وَمِنْہَا السُّلْطَانُ عَادِلاً کَانَ اَوْ جَائِرًا الخ ترجمہ۔ جمعہ کے خارجی فرائض میں سے یہ بھی فرض ہے کہ بادشاہ یا حاکمِ اسلام اس کو قائم کرے خواہ وہ حاکم وغیرہ نیک ہو یا ظالم فاسق۔ شریعت کی تقسیم کچھ اس طرح ہے کہ

عوام پر صرف ادا کرنے کے حکم تک عبادتیں فرض واجب نفل سنت ہیں۔ اور علماء اسلام پر ادا بھی واجب اور عوام کو سمجھانا بتانا سکھانا پڑھانا بھی واجب اور حکومت اسلامیہ پر ادا بھی واجب بتانا اور ادا کرانا بھی واجب اور جاری و قائم کرنا بھی واجب اگر کوئی مسلمان مرد یا عورت بلاوجہ ترک نماز و روزہ کرے تو حکومت بذریعے قانون اس کو سزا دے گی عوام یا علماء اس کو سزا نہیں دے سکتے لہٰذا حکومت کفریہ میں مسلمانوں پر جائز ہے کہ جمعہ و عیدین قائم کریں تاکہ اس حکومت کفریہ کا دار الاسلام ہونا مشہور و ظاہر ہوتا رہے۔ اگر عوام مسلمان یہ نہ کریں تب بھی شرعی مجرم نہ ہوں گے خلاصہ کلام یہ ہے کہ مضمون نگار نے اپنے اس مضمون میں دو چیزیں بیان کیں۔ اولاً یہ کہ برطانیہ دار الحرب ہے مگر اس بات کو قطعاً ثابت نہ کر سکے بلکہ عقلاً۔ نقلاً۔ علماً۔ فکراً۔ دیانتاً۔ امانتاً۔ تحقیقاً۔ وتفتیشاً۔ اس مضمون میں اتنی بڑی بڑی غلطیاں ہیں کہ حیرانی ہوتی ہے اور سوچنا پڑتا ہے کہ کیا یہ کسی عالم کا قلم ہے۔ دوم یہ کہ دار الحرب میں حربی سے سود لینا جائز ہے وہ لینا ربا نہیں ہے اس دوسرے مسئلے کو صاحب مضمون نے حضرت مکحول کی طرف منسوب فرماتے ہوئے ایک مرسل و مشہور و متواتر حدیث پاک سے ثابت کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ ٹھیک ہے اور پہلا قول غلط ہے اس کی ہم نے چھ طریقوں سے بادلائل بالوضاحت تردید پہلے کر دی ہے اس کے بعد صاحب مضمون کا دوسرا مضمون شائع ہوتا ہے اس میں اپنے ہی اس صحیح عقیدے سے رجوع کرنے کا ذکر کرتے ہیں اور سائل نے سوال میں اس کے جواب پر بھی اصرار فرمایا ہے لہٰذا سطور ذیل میں اس پر بھی کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس مضمون میں سوائے توڑ پھوڑ کے کچھ نہیں مگر صاحب مضمون کا دوسرا بیان جو ماہنامہ مذکورہ میں از ص ۶۱ تا ص ۶۷ مطبوع ہے اس میں کئی سخت غلطیاں و نادانیاں ہیں۔

چنانچہ پہلی غلطی۔ اس عنوان کا اس طرح ملفوظ ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں دار الحرب کا سود کا مسئلہ۔ یہ ٹائٹل حسب سابق بالکل کذب بیانی ہے اس لیے کہ ص ۶۱ سے ص ۶۹ تک کوئی آیت کوئی حدیث کسی بھی عبارت کی پورے مضمون میں موجود ہی نہیں پھر آگے باقی تمام چار صفحات میں دار الحرب کے بارے میں کوئی آیت کوئی روایت پیش نہیں کی گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ ہمارا مضمون قرآن و حدیث کی روشنی میں ہے۔ صرف سود کے بارے میں چند آیات لکھی ہیں۔ لیکن وہ بھی دعوے کے خلاف ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ بار بار قرآن و حدیث کی رٹ لگانا اور پھر قرآن و حدیث کو ہاتھ تک نہ لگانا یہ کیا وطیرہ ہے۔ مضمون کی دوسری غلطی۔ ص ۶۱ پر دار الحرب کا لغوی ترجمہ لکھا ہے دار کا معنی گھر حرب کا معنی جنگ یہ مرکب اضافی ہے اس کا معنی ہے وہ علاقہ اور ملک جہاں لڑائی ہو رہی ہو۔ جواب کتنی غلط ہے یہ تعریف۔ صاحب مضمون اگر کم از کم لغت کی معمولی اور چھوٹی کتابیں ہی دیکھ لیتے تو ایسی غلطی نہ کرتے کسی لغت نے بھی یہ معنی نہ لکھے نہ مضمون نگار نے ہی کوئی حوالہ پیش کیا۔ اور یہ کہنا کہ جہاں لڑائی ہو رہی ہو یہ تو قطعاً غلط ہے کسی کتاب میں ایسا نہیں لکھا۔ موجودہ مصنفین کی یہ عادت کتنی بری ہے کہ اپنی خود ساختہ بات کو کبھی قرآن و حدیث کی بات کہہ دینا اور کبھی لغت کی طرف منسوب کر دینا عوام پر سو کھا رعب ڈالنے کے لیے حالانکہ فیروز اللغات ص ۲۰۴

اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص۸۶۱ اور ص۸۶۲ اور لغاتِ کشوری ص۲۴۸ پر یہ تعریف لکھی ہے۔ دار الحرب کفار کا وہ علاقہ اور ملک جہاں اسلامی عبادات پر پابندی لگی ہو۔ مضمون کی تیسری غلطی ص۶۳ پر لکھا ہے۔ دار الاسلام کا اصطلاحی ترجمہ جہاں دار الحرب کے برعکس احکام اسلامی کی حکمرانی ہو اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جواب۔ اہل علم کے نزدیک یہ دونوں باتیں غلط اور جاہلانہ ہیں ایسی کمزور بات تو درسِ نظامی کا طالب علم بھی نہیں کہہ سکتا۔ یہاں یہ عنوان لکھنا چاہیے تھا کہ دار الاسلام کا شرعی معنیٰ اس لیے کہ الفاظ کو ہمیشہ چار معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے ۱۔ لغوی معنیٰ ۲۔ منقول عرفی ۳۔ منقول اصطلاحی۔ ۴۔ منقول شرعی جس لفظ کو اہل لغت کسی معنیٰ میں استعمال کریں تو وہ لغوی ترجمہ ہے۔ اسی لفظ کو عام رواج میں جس طرح استعمال کیا جاتا ہو تو وہ عرفی ترجمہ ہے اور اگر خاص لوگ کسی اور ہی معنیٰ میں بولتے ہوں تو وہ اصطلاحی معنیٰ ہیں اور اگر اسی لفظ کو اہل شریعت فقہا و علما کسی علاوہ معنیٰ میں استعمال کرتے ہوں تو وہ منقول شرعی کہلاتا ہے۔ چنانچہ کتاب شرح تہذیب ص۱۰ پر ہے۔ ثُمَّ اَعْلَمْ اَنَّ الْمَنْقُوْلَ لَا بُدَّ لَهٗ مِنْ نَاقِلٍ (الخ) فَهٰذَا النَّاقِلُ اِمَّا اَهْلُ الشَّرْعِ او اهل العرف العام اَوْ اَهْلُ الْعُرْفِ الْخَاصِّ اَوِ الْاِصْطِلَاحِ الْخَاصِّ كَالنَّحْوِيِّ مَثَلًا فَعَلَى الْاَوَّلِ يُسَمّٰى مَنْقُوْلًا شَرْعِيًّا وَعَلَى الثَّانِيْ مَنْقُوْلًا عرفيًّا وَعَلَى الثَّالِثِ اَصْطِلَاحِيًّا۔ ترجمہ وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا مضمون نگار صاحب اپنی نادانی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ دار الحرب کا لفظ فقہا نے بنالیا ہے حالانکہ یہ لفظ حدیث پاک سے ثابت ہے فقہاء کرام تو صرف اس بات کی وضاحت اور تعریف تقسیم فرمارہے ہیں کہ دار الاسلام و دار الحرب دونوں کی تین تین قسمیں ہیں چنانچہ دار الاسلام ۱۔ وہ ملک جہاں کفار کو غلبہ ہو اکثریت و حکومت ہو لیکن مسلمانوں کو اپنی عبادات جمعہ وعیدین حج و قربانی نماز روزہ کی ہر طرح پوری آزادی ہو جیسے کہ آج کل برطانیہ اور برطانوی دور میں ہندوستان ۲۔ دار الاسلام وہ ملک جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور حکومت اسلامیہ خود اپنے قانون سے جمعہ عیدین وغیرہ کا اجرا کرے جیسے سعودیہ اور دیگر عرب ممالک ایران اور پہلے افغانستان وغیرہ ۳۔ وہ دار الاسلام جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو مگر حکومت خود جمعہ وعیدین قائم نہ کرے بلکہ عوام اور علما اپنے طور پر جمعہ قائم کریں جیسے پاکستان۔

دار الحرب کی تین قسموں میں پہلی قسم ۱۔ وہ ممالک جہاں کفار کی حکومت ہو اور مسلمانوں کو عباداتِ اسلامیہ کی مکمل آزادی نہ میسر ہو جیسے آجکل ہندوستان کہ اکثر جماعات پر قانونی پابندی ہے مسلم کش فسادات کرا دئیے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ۲۔ دوسری قسم دار الحرب وہ ملک جہاں کفار کی حکومت ہو اور مسلمانوں کو رہنے نہ دیا جائے۔ جیسے اسرائیل علاقہ یا روس۔ تیسری قسم ۳۔ دار الحرب وہ ملک جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو مگر حکومت والے مسلمانوں کی عبادات پر پابندی لگادیں جیسے اکبر بادشاہ کے دور میں ہندوستان اور کمال پاشا کے دور میں ترکستان۔ مضمون نگار کا یہ لکھنا کہ دار الاسلام وہ ہے جہاں احکام اسلامیہ کی حکمرانی ہو۔ یہ عجیب بات ہے مضمون نگار ابھی ابھی ہندوستان کو برطانوی دور میں دار الاسلام تسلیم کر چکے اور اعلیٰ حضرت بریلوی کے اقوال طیبہ کا حوالہ دے چکے ہیں حالانکہ اس وقت بھی

ہندوستان میں احکام اسلامیہ کی حکمرانی نہ تھی نہ ہی دیوانی فوجداری کے مقدمات مسلمان قاضیوں کی تحویل میں تھے مضمون نگار کی یہ غلطی ہم بھول چوک سمجھیں یا دروغ گوئی۔ یا کوئی مخفیہ منصوبہ۔ برطانوی دور میں علماء کرام نے ہندوستان کو دارالاسلام کیوں تسلیم کیا جب کہ وہ بھی جانتے تھے کہ فوجداری و دیوانی مقدمے اور احکام اسلامیہ حدود و قصاص و تعزیرات پر مسلمانوں کا غلبہ نہیں۔ بلکہ انگریز نے اپنا قانون اس طرح گہرا قائم کیا کہ آج تک پاک و ہند میں وہی برطانوی قانون نافذ ہے۔

آگے سطور میں صاحب مضمون نے سیر کبیر کی ایک عبارت پیش کی ہے اس کو غالباً وہ سمجھ ہی نہ سکے وہ عبارت تو سراسر مضمون کے خلاف ہے کیونکہ کہیں بھی احکام اسلامیہ کی حکمرانی کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ باجراء حُکْمِ الْمُسْلِمِیْنَ کے الفاظ لکھے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کے احکام شرعیہ باسہولت جاری اور ادا ہوتے رہیں۔ ان باتوں کو دیکھ کر ہم یہ عرض کرنے میں حق بجانب ہیں کہ محترم۔ اپنی مطلب برآری کے لیے اس طرح کی توڑ مروڑ اچھی بات نہیں اِجْرَاءِ حُکْمِ الْمُسْلِمِیْنَ۔ کا فقہی معنیٰ ہم پہلے فتاوٰی درمختار کی عبارت سے دکھا چکے ہیں۔ مضمون کی چوتھی غلطی ماہنامے کے ص۶۲ پر لکھا ہے کہ یہ شرطیں صرف اس دارالحرب کے لیے ہیں جو پہلے دارالاسلام تھا۔ **جواب** ۔ یہ بات مضمون نگار کی اتنی بڑی غلط بیانی اور اختراع ہے جس کا ثبوت مضمون نگار کو کسی جگہ سے نہ مل سکا۔ بلکہ تمام فقہاء کرام اور کتب فتاوٰی صاف صاف بیان فرما رہی ہیں کہ کوئی بھی دارالحرب ہو مطلقاً۔ تَصِیْرُ دَارُ الْاِسْلَامِ بِشَرْطٍ وَاحِدٍ وَھُوَ اِظْھَارُ اَحْکَامِ الْاِسْلَامِ فِیْھَا۔ عامہ فتاوٰی شامی۔ فتاوٰی بزازیہ۔ فتح القدیر۔ بحرالرائق وغیرہ ایسا لگتا ہے کہ مضمون نگار کو تصیر فعل ناقصہ کا ترجمہ و معنیٰ نہیں آتا۔ مضمون دوم کی پانچویں غلطی ماہنامے کے ص۶۵ پر صاحب مضمون کافی پریشان اور الجھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لیے گھبراہٹ میں دارالحرب کا ترجمہ دارالکفر کر رہے ہیں اور دونوں کو ایک درجہ میں رکھ رہے ہیں حالانکہ دونوں لفظوں میں لغوی معنیٰ و شرعی بہت فرق ہے نیز اسی ص۶۵ پر فتاوٰی عالمگیری کی عبارت میں وَھُوَ الْقِیَاسُ کا ترجمہ غلط کرتے ہیں صحیح و صاف ترجمہ یہ ہے کہ امام یوسف اور امام محمد کی بات ان کے اپنے قیاس و عقل و اندازے کی ہے۔ (یعنی کوئی قرآن و حدیث پاک کی نہیں)، صاحب فتاوٰی عالمگیری کے نزدیک یہ قیاس صحیح ہے یا غلط اس کا کوئی ذکر نہیں۔ مضمون نگار کا اس قیاس کو صحیح قیاس کہنا اپنی اختراع ہے۔ لیکن حقیقت و اصلیت یہ ہے کہ صاحبین کا یہ قیاس بہت غلط ہے اور امام اعظم نے دارالحرب ہونے کے لیے تین شرطیں صحیح لگائی ہیں۔ بلکہ ذرا غور سے دیکھا جائے تو صاحبین کی ایک شرط میں امام اعظم کی تینوں شرطیں آجاتی ہیں اور بات وہیں آجاتی ہے اسی طرح امام شافعی امام احمد بن حنبل علیہما الرحمۃ کا قیاسی مذہب بھی امام اعظم کی دلیلوں کی روشنی میں غلط ہے نیز صدیق اکبر کے اس قتال و جہاد پر قیاس کرنا جو آپ نے مانعین زکوٰۃ پر فرمایا وہ بھی غلط اور نادانی ہے کیونکہ وہ دارالحرب میں جہاد نہ تھا بلکہ اس کو تاریخ طبری وغیرہ کتب تواریخ نے بغاوت کا نام دیا ہے اور بغاوت اپنے ملک میں ہوتی ہے نہ کہ دوسرے ملک میں اور مانعین زکوٰۃ نے کوئی سلطنت قائم نہ کی تھی جو دارالحرب قرار دیا جاتا ثابت ہوا کہ

ائمہ ثلاثہ کے اکثر مسائل کمزور قیاسات پر مشتمل ہیں۔ امام اعظم کے مقابل ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ مضمون دوم کی چھٹی غلطی۔ مضمون نگار ص۲۲ پر لکھتا ہے کہ اعلٰی حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی کتاب اعلام الاعلام میں ہندوستان کے بارے میں لکھا ہے۔ جو پہلے دارالاسلام تھا۔ کسی ایسے ملک کا وہاں اشارۃً ذکر نہیں جو اصلاً دارالحرب تھا۔ جواب۔ یہ بات کیسی غلط اور طفلانہ ہے کہ اعلٰی حضرت نے اشارۃً بھی کسی اصلی دارالحرب کا ذکر تک نہیں کیا۔ نہ ذکر کرنے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ دارالاسلام پر پہلے کبھی مسلمان حکومت رہنا لازمی شرط ہے۔ نیز مصنف کی دوسری بات کہ دیوانی وغیرہ مقدمات پر بھی مسلمان کو غلبہ حاصل ہو یہ اعلٰی حضرت کے کلام سے کب ثابت ہوا اور تم نے یہ قید کہاں سے بنائی گویا کہ مضمون نگار کا سارا مسلک اور خود ساختہ عقیدہ اور اتنا بڑا تانا بانا۔ بنا صرف اسی بنیاد پہ قائم کرلیا گیا حالانکہ سوچ تو یہ ہونی چاہیے کہ اعلٰی حضرت نے کہیں بھی یہ نہ فرمایا کہ ہندوستان اس لیے دارالاسلام ہے کہ اس پر پہلے مغل مسلمانوں کی حکومت تھی اعلٰی حضرت نے یہ بھی تو کسی کتاب میں نہیں لکھا۔ نہ مضمون نگار کو اعلٰی حضرت سے یا کسی بھی عالم سے ایسا کوئی حوالہ حاصل ہوا ورنہ فوراً لکھتے اور تصوراتی اندازوں میں نہ الجھتے۔ اعلٰی حضرت کا واضح الفاظ میں برطانیہ کا ذکر نہ فرمانا کئی وجوہ سے ہوسکتا ہے۔ مثلاً یا اس لیے کہ اس وقت ہندوستان اور برطانیہ پر ایک ہی حکومت تھی۔ اور حکومت قانونی رویے سے دارالحرب یا دارالاسلام بنتے ہیں۔ اعلٰی حضرت کے سان وگمان میں بھی یہ بات نہ ہوگی۔ کہ کبھی کوئی اپنی الٹی عقل سے یہاں بھی ناجائز فائدہ حاصل کرلے گا اور اشارۃً ذکر نہ کرنے سے خود ساختہ مسئلہ کھڑا کردیا جائے گا دیکھو پہلے پاکستان کے دو۲ حصے تھے بہت دور دور فاصلے پر مگر حکومت ایک ہونے کی وجہ سے دونوں کا حکم قانون طریقہ ایک ہی تھا دونوں ہی دارالاسلام کہلائے اگر کوئی شخص لاہور یا پنجاب کو دارالاسلام کہہ دے اور کراچی کوئٹہ یا ڈھاکہ کا نام نہ لے تو کیا اس کو یہ کہا جائے گا کہ چونکہ تم نے صرف لاہور اور پنجاب کا نام لیا ہے۔ کراچی ڈھاکہ وغیرہ کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا اس کو تم نے دارالحرب مان لیا لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔ دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اعلٰی حضرت کے پاس سوال بھیجنے والے مرزا علی بیگ صاحب نے بدایوں سے بھیجے ہوئے سوال میں چونکہ صرف ہندوستان کے متعلق سوال کیا تھا اس لیے جواب میں صرف ہندوستان کا ہی ذکر کیا گیا اور مراد ساری حکومتِ انگریزی تھی۔ یہ تو تھی صاحب مضمون کی تنگ نظری اور غلط اندازوں پر بھاری گرفت اور صحیح جواب لیکن اگر اعلٰی حضرت کی کتاب اعلام الاعلام کا مطالعہ مضمون نگار سچی فکر سے کرتے تو ص۲ پر ہی پتہ لگ جاتا کہ اعلٰی حضرت ہندوستان کو کیوں دارالاسلام کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان دارالاسلام ہے بحمداللہ یہاں دارالحرب والی کوئی بات نہیں۔ اہل اسلام۔ جمعہ وعیدین اذان واقامت ونماز باجماعت وغیرہ شعائر شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ صاف واضح ہوگیا کہ اعلٰی حضرت کے نزدیک ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کی وجہ صرف وہی ہے جو تمام فقہا نے بیان فرمائی کہ جہاں مسلمان بلا روک ٹوک اپنی سب عبادتیں کرسکیں وہ دارالاسلام

ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے اس آٹھ صفحات کی تحریر میں نہ تو فوجداری و دیوانی مقدموں کی شرط لگائی نہ ہی اس علاقے پر پہلے کبھی مسلمانوں کی حکومت ہونا اس کے دارالاسلام ہونے کی وجہ بتائی۔ یہ دونوں باتیں تو آج یہ مضمون نگار صاحب کر رہے ہیں جن باتوں سہولتوں کی بناء پر اعلیٰ حضرت نے اس وقت ہندوستان کو دارالاسلام کہا تھا وہی آسانیاں اور سہولتیں آج برطانیہ میں ہیں۔ صاحب بہار شریعت بھی یہی فرمارہے ہیں کہ ہندوستان اس لیے اور صرف اسی لیے دارالاسلام ہے کہ وہاں مسلمانوں کو ہر طرح دینی آزادی ہے غرضکہ صرف یہ مضمون نویس ہی ایسی غلط اور انوکھی بات کہہ رہے ہیں۔ اس سے پہلے کسی نے ایسی لغویات نہ کی نہ لکھی۔ اور اس کو خود مضمون نگار بھی محسوس کر رہے ہیں مضمون دوم کی ساتویں غلطی۔ ماہنامے کے ص۲۹ پر لکھا ہے کہ شیخ محمد ابوزہرہ کی مندرجہ ذیل عبارت کا مطالعہ مفید ہوگا تنویر الابصار کی عبارت سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ دارالحرب میں اگر اسلام کے کسی ایک حکم پر بھی عمل ہوتا ہو تو وہ ملک دارالاسلام بن جائے گا۔ اس غلط فہمی کا منشا فقہا کی اصطلاحات سے بے خبری اور ان کی عبارات میں عدم تدبر ہے۔ جواب۔ مضمون نگار نے اپنی اس لایعنی اور مجہول عبارت میں یہ نہیں بتایا کہ شیخ محمد ابوزہرہ کون شخص ہے اور اس کی کون سی کتاب ہے جس میں اس نے یہ بات لکھی ہے نہ یہ بتایا کہ فقہا کی وہ کون سی اصطلاحات ہیں جن سے آج تک ساری کائنات میں علما اور اہل فتاویٰ درمختار فتاویٰ عالمگیری۔ شامی ہدایہ وغیرہ سب ہی بے خبر رہے اور عدم تدبر میں رہے صرف صاحب مضمون اور ان کا گمنام ابوزہرہ ہی ایک کونے سے نکل کر ہر چیز سے اور ہر اصطلاح سے باخبر ہوگئے۔ ہوسکتا ہے کہ ابوزہرہ نام بھی مضمون نگار کے دیگر اختراعات کی طرح ایک اختراعی نام ہی ہو۔ آگے لکھتے ہیں کہ تنویر الابصار نے لکھا ہے۔ اِجْرَاءُ الْاَحْکَامِ اور اس میں جمعہ وعیدین کا ذکر کیا ہے اور جمعہ وعیدین میں عندالفقہا ایک شرط یہ بھی ہے کہ اسلامی مملکت کا سربراہ اس کی اقامت وجاری کرنے کا اہتمام کرے چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ وَلَا یَجُوْزُ اِقَامَتُھَا اِلَّا لِلسُّلْطَانِ اَوْ لِمَنْ اَمَرَہُ السُّلْطَانُ جواب اس کی وضاحت ہم پہلے کرچکے ہیں کہ یہ سلطنت اسلامیہ کی شرط ہے اور وہ بھی واجبی نہیں یہاں ہم مضمون نگار سے پھر سوال کرتے ہیں کہ پھر ہندوستان کو برطانوی دور میں دارالاسلام کیوں کہا گیا تھا اور آج تم نے بھی اس مسلک کو تسلیم کیوں کیا؟ وہاں تو نہ اس وقت اسلامی حکومت تھی نہ اس نے جمعہ وعیدین کی اقامت کا اہتمام کیا تھا یہ ہے جناب کا تدبر جس سے اپنے ہی عقیدے اور بناوٹی مسئلے کو مجروح کیا۔ افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو کیسے کیسے اہل علم مل گئے۔ آگے لکھتے ہیں البتہ جہاں سلطان نہ ہو اور مسلمان کسی غیر مسلم حکومت میں رہنے پر مجبور ہوں تو بامر مجبوری اس بات کی اجازت ہے (مضمون نگار کی طرف سے) کہ مسلمان خود مل کر جمعہ قائم کرلیں جواب اب آگئے سیدھے راستے پر ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جب مسلمان خود جمع ہو کر جمعہ وعیدین قائم کریں گے اور حکومت ملکی کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے تو وہی دارالاسلام ہے۔ اور یہ بات آج برطانیہ میں موجود ہے اس لیے برطانیہ دارالاسلام ہے صاحب مضمون اپنے کلام کے ص۲۹ پر جیسے لفظوں

میں تقریباً وہی بات مان گئے ہیں جو ہم اتنی دیر سے سمجھاتے چلے آرہے ہیں نہ اب فوجداری کا ذکر کیا نہ دیوانی مقدمات کا چنانچہ لکھتے ہیں کہ وہاں کے باشندے اگر اسلامی قوانین (مجموعہ وغیرہ) نافذ کرنا چاہیں اور کوئی رکاوٹ نہ ہو تو اس ملک کو دارالاسلام کہا جائے گا۔ جواب۔ محترم اگر اتنی دیر کے بعد ہی یہ ماننا تھا تو پھر پہلے اتنا شور مچانے خود ساختہ قیدیں لگانے کی کیا ضرورت تھی شکر ہے کہ مضمون نگار کی ایک خود ساختہ بات خود ان کے ہی قلم سے ختم ہو گئی۔ اب صرف ایک اثر باقی رہ گئی ہے کہ دارالاسلام وہ علاقہ ہے جہاں پہلے کبھی اسلامی سلطنت رہی ہو مضمون نگار کی آٹھویں غلطی ۔ مرتے پر لکھا ہے کہ ان دلائل میں مکرر سہ کرر میں نے غور کیا اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ حضرت امام یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل زیادہ قوی ہیں اور میں بھی اس قول کو ترجیح دیتا ہوں۔ جواب ۔ صاحب مضمون اپنا پہلا

دوسرا مضمون اور خود ساختہ پہلا مذہب دارالحرب کی تعریف والا۔ بہت جوڑ توڑ سے نبٹا کر اب جھٹ سے آگے اپنے دوسرے مذہب کے بارے میں لکھ رہے ہیں کہ دارالحرب میں کفار سے سود جائز ہے یا نہیں۔ اس مسئلے کے ثبوت میں ہم اپنے دلائل دے چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفار حربی سے سود لینا ربوا نہیں ہے بلکہ لینا شرعاً بالکل جائز ہے۔ امام اعظم کا مسلک یہی ہے ان کے دلائل میں امام مکحول تابعی کی مرسل و مشہور و متواتر حدیث پاک اور وہ آیت ہیں جن میں رب تعالیٰ نے صرف مسلمانوں سے سود لینا حرام فرمایا جن کفار کا مال ذمی یا مستامن ہونے کی بنا پر محفوظ ہو گیا۔ باقی کفار سے سود لینا حرام نہیں نہ اس حرمت کا کسی آیت و حدیث میں ذکر ہے۔ لیکن امام یوسف اور دیگر تین ائمہ سوائے اپنی عقلی باتوں کے کچھ نہیں کہتے۔ یہ سب بزرگ ائمہ اس مسئلے میں امام اعظم کے دلائل قرآنیہ و نبویہ چھوڑ کر اپنے اپنے قیاس کے پیچھے لگے تو کیا مضمون نگار آیت و احادیث کے مقابل ان چاروں کی عقلیات کو زیادہ قوی سمجھتے ہیں۔ آیت و احادیث کے مقابل عقلیات کو ترجیح دینا تو معتزلیوں کا طریقہ ہے دیکھو کتب معتزلہ۔ نیز مضمون نگار نے اب اتنے عرصے بعد خواب غفلت سے سر اٹھایا اور مکرر سہ کرر غور کیا۔ پہلے اخباروں میں مضمون بھیجتے وقت اور قلم اٹھانے سے پہلے غور و تدبر کی عادت کیوں نہیں ڈالی یہ تو مصنف کی اپنی نظریاتی کمزوری ہے ورنہ اگر ایمان و قرآن کی روشنی میں مضمون نگار صاحب اب چار کرر غور فرمائیں تو ان ائمہ کا یہ قیاس بذات خود انتہائی کمزور ہے جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں نیز امام یوسف و ائمہ ثلاثہ بھی بہت سی مرسل احادیث مطہرات کو اپنا مسلک اور دلیل بناتے ہیں جو ہم دکھا سکتے ہیں تو پھر۔ لاَ رِبٰوا۔ والی اس مرسل حدیث پاک کو ماننے میں کیا رکاوٹ ہے جبکہ کوئی دوسری آیت و حدیث بھی ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ نیز امام یوسف قیدی حربی سے سود جائز مانتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ؟ کیا تم کو وہاں یہ آیت سود یاد نہیں رہیں اور امام شافعی وغیرہ لاَ رِبٰوا بَیْنَ الْعَبْدِ وَالْمَوْلٰی کو اپنا مسلک بنا لیتے ہیں وہاں قطعی الثبوت آیت و احادیث کو کیوں چھوڑ دیا۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا آج تک کوئی حنابلہ و شوافع

جواب نہ دے سکا۔ مضمون نگار صاحب بیچاروں کے پاس تو ٹھیر ٹھیر کر عقل و تدبر فکر و غور آتا ہے۔ آگے آخری صـ۲۳ پر لکھتے ہیں کہ جب ایک بزرگ نے مجھے وہ آیت کہ مَالَنَا فِي الْأُمِّيِّيْنَ سَبِيْلٌ۔ سنائی تو میں کانپ گیا (گویا کہ پہلے تو کبھی سنی نہ تھی قرآن سے ناواقف تھے اپنی تشریح قرآن کا پورا حاشیہ بے خبری میں ہی لکھ دیا) جواب میں کہتا ہوں کہ یہ آیت امام اعظم اور امام محمد کو یاد نہیں تھی امام یوسف کو قیدی حربی سے سود لیتے وقت اور امام شافعی و امام حنبل کو بَيْنَ الْعَبْدِ وَالْمَوْلٰى یعنی مولیٰ اور غلام سے سود لینے کے وقت یاد نہیں تھی۔ پھر صاحب ہدایہ۔ درمختار۔ عالمگیری۔ شامی اور بعد والے تمام اولیاء اللہ علما مفسرین محدثین کو بھی یہ آیت یاد نہیں آئی امام شافعی مولیٰ غلام کی سود کو لینا جائز و حلال کہتے ہیں امام یوسف قیدی حربی کافر کی سود لینا جائز و حلال کہتے ہیں آج چودہ سو سال بعد مضمون نگار اور ان کے بزرگ صاحب کو یاد آگئی خدارا اتنے متقی نہ بنو کہ اللہ رسول کی حد سے بھی گزر جاؤ۔ اپنی حد میں رہو۔ پھر آج تک کسی محدث و فقیہ نے امام مکحولؒ کی اس حدیث پاک کو یا حضرت عباس کے کفار مکہ سے سود لینے کو خبر واحد نہ کہا۔ لہٰذا مضمون نگار کا ان احادیث کو خبر واحد کہنا بھی جھوٹ و اختراع ہے اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے خیال رہے کہ سورۂ آل عمران کی اس آیت ۷۵ کا سود کے کسی مسئلے سے کوئی بھی تعلق نہیں وَمَالَنَا فِي الْأُمِّيِّيْنَ سَبِيْلٌ والی آیت میں امانت کا ذکر ہے۔ مضمون نگار اور ان کو یہ آیت سنانے والا بزرگ اگر قرآن مجید کے سیاق و سباق کی فہم سے اگراتنے ہی ناواقف اور دور تھے تو کم از کم اس آیت کی تفسیروں کا ہی مطالعہ کر لیتے تو ایسی بے جوڑ دلیل پیش نہ کرتے۔ مضمون نویس کی نویں غلطی۔ تحریر کے آخری صـ۲۳ پر لکھا ہے۔ جو مسلمان غیر اسلامی ملکوں میں رہائش پذیر ہیں تو حالت اضطرار میں ان کے لیے محدود حد تک سود کو مباح کیا جاسکتا ہے۔ جواب۔ کیوں صاحب یہ مسئلہ کہاں سے نکالا کس آیت یا کس حدیث میں بحالت اضطرار سود و ربوا جائز لکھا ہے یا اپنی نئی شریعت بنانے کی ٹھانی ہے جس کے پورے اختیار مضمون نویس کو ہوں۔ اچھا ہم اس بارے میں مضمون نگار سے چھ سوال کرتے ہیں اور ان کے جوابات کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں پہلا سوال۔ حالت اضطرار کی نوعیت و کیفیت قرآن و حدیث سے ثابت کی جائے۔ دوم۔ محدود حد کی مقدار قرآن و حدیث سے بیان کی جائے ۳ اب تک ان مسلمانوں اور ان کی اضطراری حالت پر ترس کیوں آیا۔ جب کہ بقول تمہارے دار الحرب میں بھی کفار سے سود لینا بالکل جائز نہیں کیا تم اللہ سے زیادہ رحیم ہو ۴ کیا حالت اضطرار میں اسلامی ملکوں کے مسلمان بادشمنوں سے سود لینا جائز ہے ؟ ۵ حالت اضطرار کی یہ بات کسی نے ائمہ ثلاثہ میں سے فرمائی یا صاحب مضمون اب ان کے بھی خلاف ہے ؟ سوال ششم۔ کیا مضمون نگار اور ان کے ہمنوا نیا دین بنانا چاہتے ہیں یا اجتہاد کا ابن تیمیہ کی طرح نیا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں اور خود کو مجتہد سمجھتے ہیں۔ مضمون کی دسویں غلطی۔ اسی صفحہ ۲۳ پر لکھا ہے کہ۔ آخر میں ان دلائل کی روشنی میں یہ فقیر اپنے پہلے موقف سے رجوع کرتا ہے (الخ) جواب یہ رجوع نہیں اس کو رجوع کہنا جہالت

اور لغت واصطلاح سے ناواقفی ہے۔ بلکہ یہ پہلے موقف سے علیحدگی کرنا اپنے مذہب سے انحراف اور حق سے باطل کی طرف اعتزال ہے اس طریقے سے مذہب چھوڑنے کو انحراف کہا جاتا ہے علم لغت اور منقولِ شرعی میں کسی قول یا عقیدے سے ہٹ کر دوسرے صحیح یا غلط مذہب میں جانے کے لیے چار لفظ مستعمل ہیں ۱ انحراف ۲ اعتزال ۳ ارتداد ۴ رجوع۔ اپنے مسلک اور عقیدے سے پھر جانے اور حکم عدولی کرنے کا نام انحراف ہے۔ (از لغاتِ کشوری ص۳۳) مضمون نگار نے اپنے حنفی مسلک کو چھوڑ کر یہی کچھ کیا ہے۔ ۲ کسی بھی صحیح بات سے الگ ہو کر باطل مذہب میں چلے جانے کا نام اعتزال ہے۔ چونکہ مضمون نگار کا موجودہ عقیدہ باطل ہے اس لیے حق مذہب سے انحراف اعتزال ہو گیا۔ (از لغاتِ کشوری ص۴۵) ۳ اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی دوسرے دین کو قبول کرنا ارتداد ہے (از لغاتِ کشوری ص۲۵) ۴ اپنے غلط الفاظ اور اپنی غلطی کو واپس لینا ان سے توبہ کرنا اور غلطی کو غلطی تسلیم کر لینا اعتراف کرنے آئندہ غلطی چھوڑنے کا نام رجوع ہے (از لغاتِ کشوری ص۲۳۰) مضمون نگار نے اپنی بے علمی سے جس کو رجوع کہا وہ اہل علم کے نزدیک رجوع نہیں بلکہ حق سے انحراف واعتزال ہے۔ اس انحراف سے چند بے پڑھے وہابی تو خوش ہو سکتے ہیں اور موصوف کی اس حرکت کی تعریف وتائید کر سکتے ہیں مگر علماء اہلسنت اور ذی عقل شخصیات ضرور افسوس میں ہیں ہم کو بھی اس انحراف سے افسوس ضرور ہے مگر تعجب نہیں ہے۔ افسوس اس لیے ہے کہ مضمون نگار نے چند لوگوں کو خوش کرنے کے لیے صرف اپنی حنفیت سے ہی انحراف نہ کیا بلکہ ارشاد الٰہیہ وفرمانِ حدیث پاک اور شرعی قوانین سے بھی اعتزال کیا اور مضمون نگار کی صرف حنفیت ہی نہ گئی بلکہ نہ جانے کیا کیا جاتا رہا۔ نیز افسوس اس بات کا ہے کہ وہ خود ساختہ مسئلہ جس کی ایک ایک سطر میں علمی عقلی فکری نحوی صرفی لغوی غلطیاں ہیں اور ہم نے چیدہ چیدہ سولہ غلطیاں ظاہر بھی کر دیں اپنی ان اغلاط سے رجوع نہیں اس غلط سازی کا تو اعتراف نہیں ہے۔ البتہ امام اعظم کے سچے مذہب قرآن وحدیث کے مضبوط دلائل والے مسلک سے انحراف کر لیا۔ حالانکہ کسی بھی مقلد کو اپنے امام کے مسلک سے ہٹنا جائز نہیں ہے چنانچہ اصول فقہ کی مشہور کتاب عقود رسم المفتی ص۲۳ پر ہے۔ لَيْسَ لِلْقَاضِیْ وَلَا لِلْمُفْتِیْ اَلْعُدُوْلُ عَنْ قَوْلِ الْاِمَامِ ترجمہ کسی بھی عالم مفتی یا قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے امام کے مذہب سے انحراف کرے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی دوسرے کی مسلکی بات کو چھوڑنا عدول ہے رجوع نہیں اور عدول کا ترجمہ ہی انحراف ہے لیکن مضمون نگار کے عدول وانحراف سے ہم کو تعجب اس لیے نہیں کہ یہ صاحب مضمون کی پرانی عادت ہے آج تو صرف حنفی مسلک سے ہٹے ہیں۔ اس سے پہلے ایک دفعہ ایک مجلس کی طلاقِ ثلاثہ کے مسئلے میں چاروں ائمہ کے مسلک کو چھوڑ چکے ہیں اور یکدم تین طلاق کے عقیدے میں غیر مقلد وہابیوں کا مذہب باطل اختیار کر چکے ہیں حالانکہ جہلاء وہابیہ کے پاس اس مسئلے میں سوا چند کمزور دلیلوں کے کچھ نہیں ایسی توڑ پھوڑ کی دلیلیں تو ہر باطل کو مل جاتی ہیں اس مضمون کے خلاف

بھی میں نے ان کی سخت پکڑ کی تھی تو لاجواب ہو کر معذرت لکھ بھیجی تھی۔ اسی طرح ایک مرتبہ نمازِ غائبانہ جنازے کے بارے میں وہابیوں کے بیہودہ مذہب کے لیے راستہ ہموار کرتے ہوئے بھی ایک غیر ذمہ دارانہ مضمون لکھ چکے ہیں چنانچہ ماہنامہ مذکور کے شمارہ اکتوبر ۱۹۸۵ء ماہ صفر ۱۴۰۶ھ میں صفحہ ۴۲ پر اور خود اپنی مرتبہ و مطبوعہ کتاب راحت القلوب کے صفحہ ۱۵۶ پر لکھتے ہیں۔ بعنوان۔ بابا فرید کی میٹھی باتیں۔ فرمایا کہ تم نے ہمارے بھائی بہاؤالدین ذکریا ملتانی کو دیکھا کہ بقا کی طرف کوچ فرما گئے (یعنی فوت ہوگئے)، آئیے نمازِ جنازہ پڑھ لیں۔ پھر شیخ الاسلام اور حاضرین نے نمازِ جنازہ ادا کی بعد ازاں فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب کی نمازِ جنازہ پڑھنی منقول ہے کیونکہ جب امیر حمزہ اور دیگر صحابہ شہید ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی پس لازم ہے کہ ہم بھی پڑھیں

جواب۔ یہ سب جھوٹی منسوب کردہ باتیں صرف وہابیوں کو خوش کرنے کے لیے گھڑی جارہی ہیں کیونکہ صرف وہابی ہی اپنی سیاست چمکانے کے لیے لیڈروں امیروں وزیروں کی کاسہ لیسی و خوشامد کے لیے غائبانہ جنازے کے بیہودہ عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ کسی امام نے بھی اس طریقے سے غائبانہ جنازے کا مسلک نہیں بنایا نہ کسی آیت یا حدیث پاک سے غائبانہ جنازہ ثابت امام اعظم و امام مالک تو غائبانہ نماز کو بالکل ہی ناجائز فرماتے ہیں۔ البتہ امام شافعی و امام حنبل اس شرط پر نماز غائبانہ کو جائز کہتے ہیں کہ اس میت پر حاضرانہ نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو اور نہ پڑھی جاسکے۔ مثلاً لاش دریا اور سمندر میں غائب ہوگئی ہو یا کوئی جانور کھا نگل گیا ہو یا کفرستان میں گیا اور لاش بلا نمازِ جنازہ دفن کردی گئی یا برباد کردی گئی ہو۔ لیکن ان حمقانے شیخ الاسلام اور بابا فرید کی طرف جس غائبانہ نماز کو منسوب کیا ہے وہ حضرت ذکریا ملتانی کی ہے جس کو ملتان میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں نے پڑھا ہوگا۔ تو اب غائبانہ نمازِ جنازہ کسی مذہب میں جائز نہیں اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ابھی انتقال ہوا ہے یعنی بغیر غسل میت دئے ہوئے یہ غائبانہ نماز پڑھ لی گئی جو قطعاً جائز نہیں۔ کیا وہاں سب ہی جاہل جمع تھے کوئی عالم شریعت نہ تھا۔ ان بزرگ ہستیوں پر کتنے بڑے بڑے الزام لگائے جارہے ہیں میں نہیں سمجھ سکا کہ ان خرافات سے مضمون نگار کا منشا کیا ہے اور ایسے بیہودہ بناوٹی مضامین کیوں شائع کئے جارہے ہیں۔ یہ رواج عام ہوتا جارہا ہے کہ اپنی کذب بیانی کو کسی بزرگ کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے تاکہ اس جھوٹی نسبت سے بزرگی کے دامن میں خود تراشی کو پناہ مل جائے اور بدنامی بزرگ کی ہوتی رہے۔ یہی دیکھو لو کہ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ و شہداء احد کی نمازِ جنازہ بھلا غائبانہ کیوں پڑھی گئی جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تمام شہداء کی لاشیں وہاں پر ہی موجود تھیں۔ ذرا سی عقل رکھنے والا بھی اس بات کو سچا نہیں مان سکتا۔ شہداء احد پر نمازِ جنازہ کب اور کس طرح ہوئی۔ ہوئی بھی یا نہیں یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے لیکن غائبانہ نماز کا کسی نے بھی ذکر نہیں کیا۔ یہ آج اس مضمون نگار کی طرف سے بالکل انوکھی جھوٹی بناوٹی بات ظاہر ہوئی جس کا سر پیر ہی کوئی نہیں خلاصہ

یہ کہ مضمون نگار کا یہ انحراف سراسر غلط اور انفرادی لایعنی فعل ہے ورنہ آج تک حنفیت میں لاکھوں کروڑوں حنفی بزرگ گزرے کسی نے بھی اس حربی سود کے مسئلے سے انحراف نہیں کیا نیز میں کہتا ہوں کہ دارالحرب کی ربٰو کے جواز و حلت میں اگر ذرا سی بھی دلائل کی کمی یا کمزوری ہوتی تو امام اعظم و محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خود ہی رجوع فرما لیتے اور یہ ان ہی کا حق تھا۔ ان بزرگوں کو حق کی طرف رجوع کرنے میں کبھی عار نہیں ہوئی جیسا کہ کتاب سیر المتاخرین متقدمین مطبوعہ بیروت میں ہے کہ امام شافعی نے ۶۰ قیاسی مسائل سے امام احمد بن حنبل نے چالیس مسائل سے امام مالک نے اکتیس مسائل سے امام اعظم نے بائیس قیاسی مسائل سے رجوع فرمایا۔ یہ رجوعات صرف قیاسی مسائل میں ہوتے رہے ورنہ قرآن و حدیث سے انحراف تو کسی کی ہمت نہیں وہ دور پاکیزہ تھے نہ تعصب نہ حسد نہ اختراع۔ یہ بیماریاں تو اب ان مضمون نگاروں کو لگ گئی ہیں اس قسم کی دیدہ دلیریاں اور انحراف فقط اس وقت ہوتا ہے جب بندہ یہ سمجھ لے کہ مجھ سے زیادہ علم والا کوئی نہیں اور یہ کہ میرا محاسبہ محاکمہ اور گرفت کوئی نہیں کر سکتا۔ حالانکہ ازل سے قانونِ فطرت میں یہ بات نہیں ہے کہ ہنرمنداں بیرند و بے ہنراں جاہ ایشاں گیرند۔ آخر میں بارگاہ الٰہیہ سے دست بدعا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو سچے راہ کی ہدایت فرما رہ نبوت کی سچی سمجھ و عمل کی توفیق عطا فرما۔ شیطانی نرغے اور حق کی روگردانی و انحراف سے بچا۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اعلم بالصواب

کتبہ

سوال نمبر ۱۴۲۔ آداب مفتی و قاضی۔ فیصلہ اور فتویٰ شریعت کے مطابق لکھنے کا طریقہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ زید ایک مسجد میں امام خطیب اور مدرس ہے اور لنکا شائر انگلینڈ کی ایک مسجد میں کافی عرصے سے اپنی تینوں ڈیوٹیاں بہت اچھے طریقے سے دیتا چلا آرہا ہے۔ اور آج تک اس کے کسی کام۔ عمل کردار سے انجمن یا عوام میں سے کسی بھی شخص کو کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن اب چند دنوں سے نمازیوں میں ایک شخص جو درپردہ پوری انجمن اور مسجد کی مذہبی کارکردگی سے مخالفت کرتا تھا اس نے امام مذکور کے خلاف ایک طالب علم شاگرد کو ابھارا۔ جس نے دوسرے چند ساتھیوں کو ساتھ ملا کر طرح طرح کی شرارتوں کا سلسلہ آغاز کیا۔ اور جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتا جو مدرسے کو خراب کرنے والی ہوتیں۔ زید اس شاگرد کو سمجھاتا بھی اور کبھی سزا بھی دیتا جس سے وہ اور بھی فتنہ گری کرتا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس لڑکے نے بہت سے اپنے ساتھیوں شاگردوں سے کہا کہ میں استاد صاحب سے ایسا بدلہ لوں گا کہ یاد کریں گے۔ بس یہ بنیاد ہوئی امام مسجد کے خلاف ایک زبردست سازش کی۔ اس کے بعد سازشی تحریک چلتی رہی اس لڑکے کے ذریعے زید پر بدفعلی کا الزام لگایا گیا اور ان کے خلاف چند مولویوں سے فتویٰ لکھوا کر لے آئے یہاں چند چھوٹے چھوٹے

مولویوں نے چند مہینوں سے ایک علما کونسل بنا ہوئی ہے اور اندھا دھند ہر ایک کے خلاف بلا تحقیق یکطرفہ فتویٰ جاری کر دیتے ہیں۔ وہ فتویٰ بھی حاضرِ خدمت ہے ہم تمام انجمن والے اور کچھ شہری معزز ترین حاضرِ خدمت ہیں ہم اراکینِ انجمن وباالیانِ شہر امام مذکور کی پاکدامنی کے گواہ ہیں۔ آپ اس کی تحقیق وتفتیش کرتے ہوئے ہم سب کے حلفیہ بیان لیں اور خود مدعی علیہ زید مذکور بھی حاضر ہے یہ بھی بیان دیتا ہے مزید کسی تحقیق وچھان بین معلومات کی ضرورت ہو تو ہم ہر طرح پہنچانے کے لیے تیار ہیں۔ مدرسے کے طلبا اور تمام نمازیوں کے تحریری اور حلفیہ بیان کے لیے تمام کوشش اور گواہ وطلبا کو بھی حاضر کرنے کے لیے تیار ہیں حافظ صاحب امام مذکور کے لیے ان کا سابقہ زندگی کا بھی ریکارڈ حاضرِ خدمت ہے۔ آپ کی خدمتِ عالیہ میں گزارش ہے کہ آپ پوری تسلی کر کے شرعی فتویٰ عطا فرمائیں کہ کیا زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ اور کیا پہلا فتویٰ درست ہے یا غلط۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا

دستخط سائلان وگواہان۔ آٹھ عدد ۸ ۸/۴/۱۵

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

الجواب

صورتِ مسئولہ میں بحیثیتِ مفتیٔ اسلام ہونے کے میں نے بالکل غیر جانبدار ہو کر اس مذکورہ فی السوال واقعات وحالات کی پوری تحقیق وتفتیش کی۔ کیونکہ قانونِ شریعت میں جب مفتیٔ اسلام بطورِ قاضی وجج کسی جھگڑے مقدمے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کو شرعی جج کی حیثیت سے بذاتِ خود شرعی معیار کے مطابق چھان بین کرنا واجب ہے۔ اس تحقیق کے دوران مختلف گواہوں کے حلفیہ باوضو بیان لیے جنہوں نے امام مذکور کی صفائی اور نیک نیتی اچھے چال چلن۔ تقوے طہارت کی گواہی قرآن مجید پر ہاتھ لگا کر دی مذکورہ مدرسے کے تمام طلبا کے تحریری حلفیہ بیان بھی میرے پاس بھیجے گئے تقریباً تمام ہی شاگردوں نے یہ بیان لکھ کر بھیجے کہ ہم نے اپنے استادِ محترم میں آج تک کوئی بری بات نہیں دیکھی۔ کچھ شہری لوگ بھی غیر جانبدارانہ طریقے سے میرے پاس حاضر ہوئے اس تحقیق کے علاوہ سابقہ فتویٰ اور نام نہاد کونسل کی تحقیقی دستاویز بھی مجھ کو پہنچائی گئی ان تمام دستاویزات کو غور وفکر کی گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ اس تمام تحقیق وتفتیش میں تقریباً چار ماہ کا عرصہ لگا اور یقین کی حد تک اندازہ ہوا کہ مدعیٰ علیہ زید مذکور اس الزام واتہام سے بری اور بیگناہ ہے اور سابقہ فتویٰ جس کے خلاف یہ اپیل میرے سامنے پیش کی گئی ہے وہ بھی درست نہیں ہے اس میں بہت سی غلطیاں اور کمزوریاں اور چالاکیاں ہیں اور لکھنے ومرتب کرنے والے جہلا قسم کے لوگ ہیں۔ لہٰذا مندرجہ ذیل دلائل سے اسلامی شریعت کا یہ حتمی اور مضبوط شرعی فیصلہ جاری کیا جاتا ہے۔ اس شرعی فیصلے وفتوے کی رو سے خطیب مذکور کو لگائے ہوئے اتہام سے بالکل مکمل طور پر بری قرار دیا جاتا ہے۔ مخالف فریق اور اس کی برائے نام کونسل کی ہر کاروائی کو الزام تراشی کی بنا پر کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔

اس لیے کہ وہ سب اصولِ فتویٰ آدابِ مفتی وقاضی کے خلاف ہے۔ اس کی پہلی دلیل۔ قرآن کریم کا حکم ہے کہ کسی بھی جرم یا الزام کو ثابت کرنے کے لیے کم از کم دو ۲ گواہ عاقل و بالغ مرد مسلمان ہونا ضروری ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲ پ۳ ع۶ ترجمہ اور اے مسلمانو اپنے معاملات میں دو مردوں کو گواہ بنالیا کرو۔ دوسری دلیل۔ سورۂ نور پارہ ۱۸ آیت ۱۳ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَاءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ترجمہ۔ تو اگر تہمت اور الزام لگانے والے لوگ گواہ نہ لاسکیں پس سمجھ لو کہ یہ پکے جھوٹے ہیں اللہ کے نزدیک تیسری دلیل۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے بُرا انسان جھوٹا شخص ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں جھوٹے شخص پر بھی لعنت فرمائی گئی ہے نیز اسی سورۂ نور کی آیت ۲۳ میں نیک لوگوں کو تہمت لگانے والوں پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ اور سورۂ بقرہ آیت ۱۰ میں ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ترجمہ اور قیامت میں ان لوگوں کو دردناک عذاب اس لیے ہوگا کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ چوتھی دلیل۔ قرآنِ مجید کی ان آیات پاک سے یہ ثابت ہوا کہ کسی بھی چیز کو خواہ جرم یا الزام ہو ثابت کرنے کے لیے گواہی اور اس کی تعداد اشد ضروری ہے جو گواہی نہ پیش کرسکیں یا نہ پیش کرنا چاہتے ہوں اور وہ اپنی من مرضی کا فتویٰ یا فیصلہ طلب کریں وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق جھوٹے کاذب ہیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھی ہے اور کل قیامت میں ان کو دردناک عذاب بھی ہوگا۔ یہ حکم اور وعید تو مدعی اور جھوٹا فتویٰ لینے والوں کا ہے۔ لیکن جو شخص عالم یا قاضی یا مفتی ایسے جھوٹے کذاب لوگوں کے اس طرح کے غیر اصولی اور بے ضابطہ بیانات پر فتویٰ یا فیصلہ جاری کردیں وہ بھی مجرم اور ظالم ہیں اور ان کا فتویٰ ضوابط و آئینِ شریعت و آدابِ مفتی کے خلاف ہونے کی بنا پر مردود ناکارہ ناقابلِ نفاذ ہے۔ پانچویں دلیل۔ اب یہ کہ گواہی کس کے ذمہ واجب ہے اس کا ذکر حدیث مطہرہ میں ہے چنانچہ مسلم شریف جلد دوم صہ۷۴ پر ہے لٰكِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ فَفِيْهِ اِنَّهٗ لَا يُقْبَلُ قَوْلُ الْاِنْسَانِ فِيْمَا يَدَّعِيْهِ بِمُجَرَّدِ دَعْوَاهُ بَلْ يَحْتَاجُ اِلٰى بَيِّنَةٍ اَوْ تَصْدِيْقِ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ۔

ترجمہ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہ پیش کرنا مدعی اور الزام لگانے والے کے ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ یعنی اس شخص پر ہے جس پر تہمت لگائی گئی ہے اور جس نے اس دعوے اور تہمت سے انکار کیا۔ اس حدیث پاک نے تاقیامت دنیا اسلام کے تمام علما اور مفتیوں قاضیوں کے لیے فتوے اور فیصلے کا ایک عظیم ضابطہ و آئین بنادیا۔ کہ قاضی و مفتی کی عدالتِ شرعیہ میں کسی بھی انسان کا وہ دعویٰ نہ مانا جائے گا جو فقط زبانی یک طرفہ اعتراض اور الزام تراشی ہو جب تک کہ سچے چشم دید عاقل بالغ متقی گواہ شریعت کے معیار کے مطابق نہ پیش کرے ۱ اگر مدعی شرعی گواہی پیش نہ کرسکے تو مدعیٰ علیہ یا اقرار کرلے ۲ اور مدعی کی تصدیق کردے

یعنی مفتئ اسلام پر لازم ہے کہ تین صورتوں میں اپنا فتویٰ اور فیصلہ مدعی کے حق میں جاری کرے ۱؎ مدعی کی شرعی گواہی موجود ہو۔ ۲؎ مدعیٰ علیہ خود جرم یا الزام کا اقرار کرلے ۳؎ مدعیٰ علیہ مدعی کو سچا کہہ کر اس کی تصدیق کردے۔ لیکن اگر یہ تینوں باتیں نہ موجود ہوں تو مدعیٰ علیہ اس اتہام والزام سے صاف انکار کرتے ہوئے شرعی اصول کے مطابق اپنی قسم کھا لے اور اپنی پاکدامنی ثابت کرے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول ص۳۴۲ پر ہے فَالْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ ترجمہ مدعی پر واجب ہے کہ اپنے دعوے کی سچائی اور حقانیت پر گواہی پیش کرے اور اگر وہ گواہی پیش نہ کرسکے تو مدعیٰ علیہ پر قسم ہے چھٹی دلیل ۔ بخاری شریف جلد اول ص۳۶۶ پر ہے۔ بَابٌ اِذَا ادَّعٰی اَوْ قَذَفَ فَلَہٗ اَنْ یَّلْتَمِسَ الْبَیِّنَۃَ وَیَنْطَلِقَ لِطَلَبِ الْبَیِّنَۃِ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ ھِلَالَ ابْنَ اُمَیَّۃَ قَذَفَ امْرَأَتَہٗ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِشَرِیْکِ ابْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْبَیِّنَۃُ اَوْ حَدٌّ فِیْ ظَھْرِکَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِذَا رَاٰی اَحَدُنَا عَلٰی امْرَأَتِہٖ رَجُلًا یَنْطَلِقُ یَلْتَمِسُ الْبَیِّنَۃَ فَجَعَلَ یَقُوْلُ الْبَیِّنَۃَ وَاِلَّا حَدٌّ فِیْ ظَھْرِکَ ۔ ترجمہ۔ جب کوئی شخص کسی پر دعویٰ یا کسی کو تہمت اور الزام لگائے تو اس مدعی کے لیے ضروری ہے کہ گواہ تلاش کرے اور گواہ ڈھونڈنے کے لیے چل پڑے یعنی گواہوں کو مجرم کے پاس موقع واردات پر لائے اور ان کو جرم ہوتا دکھائے پھر اس جرم پر عدالت وغیرہ میں الزام اور تہمت لگانا درست ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ بیشک ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک بن سحما کے ساتھ تہمت لگائی اور بارگاہِ رسالت میں دعویٰ کیا۔ تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یا تم گواہی پیش کرو یا تم کو تہمت لگانے کی سزا حد سخت کوڑوں کی شکل میں پڑے گی یعنی تمہاری پیٹھ پر حدِ قذف لگائی جائے گی ۔ ہلال نے عرض کیا یارسول اللہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو غلط دیکھے تو کیا وہ گواہی تلاش کرنے چلا جائے اس پر بھی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے بار بار کہ ہاں گواہی پیش کرو یا تمہاری پیٹھ پر حد قذف لگائی جائے گی۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ کچھ بھی ہو کیسے ہی طریقے اختیار کرے کہاں جائے اور کس طرح سے خفیہ جاسوسی کرے مگر ہر حال میں گواہ پیش کرنا فرض عمل ہے۔ دیکھو صحابی پاک جیسا نیک متقی انسان جن کی نیکی اور پاکیزگی کی گواہی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں عطا فرما رہا ہے اور جن کی شانِ اعمال و کردار احادیث مبارکہ میں ظاہر و مبین ہے ان پر بھی واجب ہے کہ گواہی پیش کریں بغیر گواہی ان جیسے صادقین و صالحین اور سچے لوگوں کی بات بھی نہیں مانی جاتی کیونکہ یہ عدالت ہے اور تاقیامت قانونِ کلیہ تو آج چودھویں صدی کے لوگوں کی بات اور دعویٰ مقدمہ بغیر گواہی کس طرح مانی جاسکتی ہے ساتویں دلیل ۔ اسلامی قانون کے مطابق مدعی پر واجب ہے کہ جرم کو مکمل طور پر بیان کرے اسی طرح گواہوں پر بھی واجب ہے کہ پہلے جرم کو اچھی طرح دیکھیں پھر مکمل طور پر صاف صاف کھل کر گواہی دیں ذرا بھی پوشیدگی جھجھک نہ رکھیں اس لیے کہ قوانین اسلامیہ

میں صرف مجرم اور مدعیٰ علیہ کی ہی پکڑ اور سزا نہیں ہوتی بلکہ جھوٹی گواہی جھوٹی الزام تراشی کرنے والوں کو بھی سخت سزا اور حدِ قذف لگائی جاتی ہے۔ یہ تھے وہ ضابطے اور قانون جو اسلام نے تاقیامت اسلامی عدالتوں مفتی اور قاضی حضرات کو مدعی، مدعیٰ علیہ، گواہوں کے صحیح فیصلے کے لیے فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ فتویٰ نویسی اسلام میں اتنا اہم اور سخت محنت طلب کام ہے جو قاضی اور جسٹس۔ جج وغیرہ تمام عدالتی عملے کی کارکردگی سے بھی کئی درجہ بلند ہے جس طرح عوام عدالت کے تابع اور ماتحت ہوتے ہیں۔ اسی طرح عدالت کا قاضی اور قاضی القضاۃ (سپریم کورٹ) مفتی اسلام کے تابع ہوتا ہے۔ اس لیے فقہاء کرام نے آدابِ مفتی کے نصاب (کورس) کے لیے ضخیم کتابیں مرتب کی ہیں۔ جو مدارسِ اسلامیہ میں تیرہ۱۳ سالہ دورۂ حدیث کا نصاب مکمل پاس کرنے کے بعد ڈھائی سالہ نصاب پڑھا جاتا ہے۔ جس کو پاس کرکے ہی کوئی مفتی کی سند حاصل کرسکتا ہے اور پھر ایک سالہ نصاب کامیابی سے پڑھ کر مفتی اعظم یعنی مفتی چار فقہ کی سند حاصل کرسکتا ہے بحمدہ تعالیٰ میں نے اپنے والد محترم کی شاگردی میں دورۂ حدیث کے بعد یہ دونوں نصاب کامیابی سے حاصل کئے۔ مگر آج کل اس ہی فتاویٰ جیسی عظیم ترین ذمہ داری کو بعض جاہل اور شرارتی قسم کے خُبَنا نے بچوں کا کھیل سمجھ لیا ہے ان کی دیکھا دیکھی عوام مدعیان و گواہان نے من پسند کھیل جان لیا۔ تاریخی طور پر یہ حقیقت واقعی ہے کہ اسلام کے پہلے تین ادوار کے بعد بہت سے جہلا نے دارالافتاء کے قلمدان پر ناجائز قبضہ کرنے کی ہر قسم کی دنیوی طاقت کے بلبوتے پر ہمہ تن کوشش کی اور باطل حکومتوں۔ ہارونی و مامونی بادشاہتوں کے تعاون سے بہت حد تک وہ اپنے اس ناجائز قبضے و تصرف میں کامیاب بھی ہوتے رہے لیکن امام اعظم اور امام حنبل جیسی روشن چراغ مقتدر ہستیوں نے قید و بند اور کوڑوں کی سزا گوارہ فرمائی مگر اسلام کے سچے اور حقیقی دارالافتاء پر آنچ نہ آنے دی اور عدالتہا اسلامیہ کے فتووں کی اہمیت کو روزِ روشن کی طرح قائم و برقرار رکھا اب آج اگر یہ چھوٹے چھوٹے مفتی اور غزالی زماں رومیِ دوراں بننے والے فاتحِ ملتِ اسلامیہ کے قلم پر قبضہ کرنا چاہیں تو کونسی تعجب کی بات ہے۔ لیکن ان اچھوتے ہاتھوں سے جو بھی ظاہر ہوگا وہ ناکارہ ہی ہوگا۔ ابھی مندرجہ بالا سات دلائل سے مخالفین کے بیانات اور نام نہاد کونسل کی اس لحاظ کی غلطیاں ظاہر کی گئیں جو شرعی ضابطوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سرزد ہوئیں۔ اس بنیاد پر امام مذکور کو پاکدامن اور مخالف گروہ جھوٹے اتھامات سے بری قرار دیا جاتا ہے۔ مزید مندرجہ ذیل دلائل جو مخالف فریق کے سوال و جواب کے غلط ہونے کی صورت میں حاصل ہوئے ان جاہلانہ غلطیوں کمزوریوں کی وجہ سے زید مذکور بری اور پاکدامن ثابت ہوتا ہے چنانچہ۔

آٹھویں دلیل ۔ صورت مذکورہ میں شریعت کے مطابق مخالف فریق کے پاس صحیح اور سچا گواہ ایک بھی نہیں ہے اور مدعی بھی صحیح اور صاف طریقے سے جرم بیان نہیں کرتا میں نے اس واقعے کی تقریباً چار

ماہ تک تحقیق اور چھان بین کی اور تقریباً تینتالیس کا غذات پر مختلف لوگوں کے حلفیہ بیان میرے پاس وصول ہوئے۔ جس سے یہی ثابت اور واضح ہوا کہ مدعی صرف طالب علم ہے جس کی عمر پندرہ سال ہے اور وہ عاقل بالغ ہے اور اس کے بیانات بھی تین قسم کے متضاد ہیں۔ مدعی طالب علم کا پہلا بیان۔ شاگرد مذکور نے دورانِ تفتیش کہا کہ میں کچھ نہیں بتا سکتا تم میرے اس ہم سبق ساتھی سے پوچھو۔ اس ساتھی نے بتایا کہ امام مسجد اس کے ساتھ خلافِ وضع فطری فعل کرتا ہے۔ آگے بریکٹ بنا کر اس بات کا مطلب لکھنے والے مخالف گروہ نے یہ لکھا کہ یعنی لواطت کرتا ہے۔ دوسرا بیان انجمن کے جنرل سیکرٹری کے سامنے وہی مدعی طالب علم نے کہا کہ حافظ صاحب مجھ کو تنگ کرتے ہیں اور جسم کو دبواتے ہیں اور غلط جگہ دبوانے پر مجبور کرتے ہیں تیسرا بیان۔ یہی طالب علم انجمن کے صدر اور مزید تین آدمیوں کے سامنے کہتا ہے کہ حافظ صاحب نے تین چار دفعہ مجھ سے پوری طرح بدفعلی کی بیانات کی یہ تبدیلی ثابت کرتی ہے کہ یہ سب الزام تراشی ہے اور جھوٹے کا حافظہ یادداشت نہیں ہوتی کے مصداق یہ بیانات سوچ سوچ کر بنائے جارہے ہیں اور بغیر وضاحت ہونے کی وجہ سے یہ بیانات مشکوک ہوگئے۔ اس لیے کسی بھی شرعی عدالت میں قابلِ قبول نہیں ہوسکتے۔ یہ بھی نہیں پوچھا اور بتایا گیا کہ بدفعلی کیا ہے اور متعدد بار کرنے کے باوجود شاگرد خاموشی سے کیوں کرواتا رہا پہلی ہی مرتبہ کیوں شور نہ مچایا، پڑھنا بند کیوں نہ کردیا، نیز اس شاگرد کا یہ کہنا کہ حافظ صاحب غلط جگہ دبانے پر مجبور کرتے ہیں۔ تو کیا یہ مجبور ہوکر دباتا ہے اس کا کوئی ذکر نہیں۔ **نویں دلیل** ۔ مدعیان اور الزام واتہام لگانے والوں نے جو استفتا اور درخواست پہلے پہل اس امام سنا دسنی کونسل میں پیش کی تھی اس کی دوسری سطر میں لکھا ہے کہ ہم مذکورہ مسجد کی انجمن کے ممبران آپ سے یہ فتوٰی مانگتے ہیں۔ لیکن آخری سطور میں جن چار آدمیوں نے اپنے دستخط مع ولدیت ومکمل پتے درج کئے ہیں ان کے بارے میں تحقیق وتفتیش سے معلوم ہوا ہے کہ یہ قطعاً انجمن کے ممبران میں شامل نہیں ہیں۔ انھوں نے محض فتوٰی لینے کے لیے یہ جھوٹ اور کذب بیانی کرتے ہوئے سنی کونسل والوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی اسی بات سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان لوگوں کی باقی باتیں کہاں تک درست ہوں گی جب ایک شخص اللہ رسول اور شریعت پاک کی عدالت میں جھوٹ اور غلط بیانی سے نہیں باز آتا نہ گھبراتا ڈرتا ہے تو پھر وہ کاذب آدمی ایک مولوی پر جھوٹا الزام لگاتے ہوئے کب اللہ کا خوف کرے گا۔ **دسویں دلیل**۔ اسی استفتا اور درخواست کے صفحہ نمبر ۲ پر مخالف فریق کے پہلے شخص کا بیان ہے کہ میں چشم دید گواہ بننے کے لیے اور مجرم کو اصل موقعے پر پکڑنے کے لیے شام سے بتیاں بجھا کر چھپا رہا اور تقریباً رات ساڑھے دس بجے اوپر جاکر دیکھا کہ امام اپنے رہائشی کمرے میں بستر پر رضائی لے کر لیٹا ہوا تھا اور ایک طالب علم نیچے قریب بیٹھا ہوا سبق یاد کررہا تھا اور وہی مدعی شاگرد میرا لڑکا رضائی میں لیٹے ہوئے امام کو دبا رہا تھا اور یہ

شاگرد پہلے بھی ایسا کرتا تھا۔ بہرحال یہ شخص دونوں لڑکوں کو لے کر چلا گیا۔ اس شاگرد کو اس کے گھر اور اپنے لڑکے کو اپنے گھر لے آیا۔ یہ تھا وہ چشم دید گواہ جو اس سارے مقدمے میں اکیلا ہے جس نے بہت احتیاط سے خفیہ چھاپہ مار کر امام کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کا بیٹا جو بالغ عمر کا جوان ہے وہ دوسرے شاگرد کی موجودگی میں استاد کے پیر دبا رہا ہے اور کمرے کا دروازہ کھلا ہے نہ کنڈی لگی ہے نہ تالہ ہر شخص اندر آسکتا ہے اور یہ چشم دید گواہ بھی اچانک بغیر اطلاع اندر چلا جاتا ہے اسکو دیکھ کر بھی وہ مدعی شاگرد اس کا بیٹا دباتا رہا نہ استاد گھبرایا نہ یہ شاگرد نہ ہی اس وقت اس چھاپہ مار گواہ نے کوئی اعتراض کیا نہ امام کو برا بھلا کہا۔ صرف دونوں لڑکوں کو لے کر چلا گیا۔ اور خود یہ چشم دید گواہ اپنے بیان میں کہتا ہے کہ یہ لڑکا پہلے بھی اسی طرح دبایا کرتا تھا یہ تھا وہ کام جس کو بدفعلی۔ لواطت اور خلافِ فطرت کام کا نام دیا جاتا رہا اس کے علاوہ ساری درخواست میں کسی ... کا ذکر نہیں کیا کوئی بھی عقل مند اس ساری حالت کیفیت اور استاد کے پیر دبانے کو لواطت کہہ سکتا ہے؟ گیارھویں دلیل۔ اسی استفتاء کے ص ۸ پر لکھا ہے کہ انجمن کا سیکریٹری اور صدر نے تسلیم کیا کہ واقعی امام بالکل مجرم ہے۔ لیکن جب میں نے اپنی تحقیق کے دوران ان دونوں حضرات سے بالمشافہ حلفیہ بیان لینے کے دوران پوچھا کہ کیا یہ صحیح لکھا ہے تو انہوں با وضو کلمہ پڑھ کر کہا کہ یہ بالکل غلط لکھا ہے اور ہمارا نام غلط لکھا ہے اور ہماری طرف منسوب بات توڑ موڑ کر لکھی ہے۔ سیکریٹری نے تحریراً کہا کہ میں نے ان مخالف گروہ کے سامنے بار بار کھلے لفظوں میں کہا تھا کہ سارے مدرسے اور سارے شاگردوں میں صرف یہی مدعی لڑکا کہتا ہے کہ امام مجرم ہے اور کوئی شاگرد و الزام تراشی نہیں کرتا۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہو رہا ہے کہ امام حافظ بیگناہ ہے اور یہ سب کچھ جھوٹا الزام ہے۔ **بارھویں دلیل**۔ اسی استفتا کے آخری ص ۹ پر کی آخری سطر میں لکھا ہے کہ مزید مظالم کی داستان رونگٹے کھڑی کر دینے والی ہے جو ہم بیان لکھنے سے قاصر ہیں اور یہ عجیب درخواست اور بیان ہے کہ جس چیز پر اتنا بڑا بہتان لگا کر تمام نماد کونسل سے فتویٰ لیا جا رہا ہے اسی کو چھپایا جا رہا ہے۔ اور وہ کونسا رونگٹے کھڑے کر دینے والا ظلم ہے جس کو لکھنے سے قاصر ہیں۔ اور جن سے فتویٰ لینا ہے ان ہی سے چھپایا جا رہا ہے یہ تھیں وہ دروغ گوئی اور جھوٹی بناوٹی کمزوریں جو مدعی علیہ امام مذکور زید کے حق میں پاکدامنی کی دلیلیں بن گئیں۔ یہ تمام بیانات تحریری طور پر میں نے ان لوگوں سے حاصل کئے۔ اس طرح دو طرفہ تحقیقی تفتیشی کارروائی مکمل ہوئی۔ **تیرھویں دلیل**۔ اس قسم کی غلطیوں اور جھوٹے بیان والے استفتا اور درخواست پر جس کسی غیر معروف کونسل نے فتویٰ دیا وہ اس سے بھی زیادہ احمقانہ غلطیوں کمزوریوں سے بھرا ہوا ہے۔ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ چند جاہل لوگوں نے خامہ فرسائی کی ہے۔ بہت جگہ اصولِ فتویٰ کی مخالفت کرتے ہوئے قرآن وحدیث سے ہٹ کر قلم اٹھایا گیا ہے۔ اس مذکور زیرِ نظر فتویٰ میں چھ قسم کی

لغزشیں، خطائیں صاف ظاہر ہیں ۱ شریعت کے عدالتی ضابطوں کو توڑا گیا ہے ۲ خود اپنے ہی پیش کردہ حوالوں کو کونسل کے فرد نے سمجھا تک نہیں کور مغزی کا یہ عالم ہے ۳ کھلم کھلا کونسل کے ممبروں نے مخالفین کی ناجائز طرفداری اور جانبداری کا ثبوت دیا ہے جو شرعاً سخت بددیانتی ہے خاص کر قاضی اور مفتی صاحبان کے لیے ۴ شریعت کے بہت بڑے قانون اور قرآن مجید کے واضح حکم کی مخالفت اور تضحیک کی گئی ہے۔ کہ گواہی کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ حرکت اللہ رسول کی گستاخی کے مشابہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ اراکین کونسل خود قابلِ سزا شرعی مجرم بن جاتے ہیں ۵ مدعیان کے بیان پر جرم کی وضاحت نہیں کی گئی ایک دم سوچے سمجھے چند لڑکوں کی باتیں اور لایعنی بیہودہ الزام واتہام تراشی کی وجہ پر اپنا فیصلہ سنا دیا ۶ فتویٰ دینے والوں کو آخر تک خود بھی پتہ نہیں لگ سکا کہ جرم کیا ہے۔ اس فتوے کی اپنی غلط بیانیاں اتنی سنگین ہیں کہ کبھی کہا گیا کہ بدفعلی ہوئی ہے۔ کبھی کہا گیا لواطت ہوئی کبھی کہا گیا پاؤں دبوائے کبھی کہا گیا امرد سے خلوت ہوئی اور نہ کوئی ثبوت نہ شہادت ان حالات میں بلا تدبر کسی کو بلا وجہ آنکھیں بند کر کے مجرم بناتے ہوئے فتویٰ لکھ دینا سراسر ظلم اور بددیانتی جانبداری ہے۔ اس فتوے میں شرعی اعتبار سے مندرجہ ذیل غلطیاں ہیں۔

غلطی ۱۔ یہ فتویٰ چھ صفحات پر مشتمل تھا پہلے صفحہ پر لکھا ہے کہ چار آدمیوں کی طرف سے درخواست ملی جس درخواست (استفتا) میں لکھا تھا کہ مسجد مذکور کا امام مسجد زید ہمارے بچوں کے ساتھ زیادتی کرتا رہا بالخصوص فلاں فلاں کے ساتھ لواطت (بدفعلی) کرتا رہا۔ دوسری طرف زید امام مذکور نے اپنی برأت کے لیے ایک درخواست دی اور اسی جامع مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے اراکین۔ صدر۔ خزانچی وغیرہ نے درخواست دی کہ حافظ مذکور بالکل پاکدامن ہے اور یہ الزام چند دشمن لوگوں نے ان پر جھوٹا لگایا ہے۔ یہاں اس نام نہاد سنی کونسل کے ذمہ دار مولویوں نے شریعت کے اس حکم کو بالکل نظر انداز کر دیا کہ مدعی اور درخواست دینے والوں پر چشم دید معتبر شرعی گواہی پیش کرنا واجب ہے گواہ شریعت کی بیان کردہ حیثیت کے مطابق عاقل بالغ دیانتدار پرہیزگار متقی ہونا چاہئیں مفتی اسلام پر واجب ہے کہ پہلے اچھی طرح جرم کا سراغ لگائے۔ مدعی اور گواہوں سے خوب بحث اور جرح کرکے ہر بات کھول کھول کر وقت دن تاریخ حالت کیفیت کرید کرید کر پوچھے اگر مدعی اور گواہ یہ جرم شرعی حیثیت سے ثابت نہ کر سکیں تو یقین سے سمجھ لے کہ یہ سب کچھ اتہام اور قذف ہے۔ پھر مدعی علیہ سے باوضو باطہارت اچھی طرح سے۔ اللہ رسول قیامت قبر احکام قرآن کا خوف دلا کر بالکل خلوت میں حلفیہ بیان اور قسم لی جائے۔ خلوت میں یہ سب قسم وغیرہ لے کر پھر حاضرین کے سامنے بھی قسم لی جائے اگر پوری تسلی ہو جائے تو مدعی اور گواہوں کو اور اگر گواہ نہ ہوں تو فقط مدعی کو غلط اور جھوٹا اور تہمت و قذف لگانے کا مجرم قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ نافذ کر دے۔ مگر اس کونسل نے یہ کچھ بھی نہ کیا۔ ان لوگوں نے

نہ تو مدعی سے چشم دید گواہ طلب کیے نہ مدعی شاگرد اور اس کے ساتھیوں سے یہ پوچھا کہ جب تم کہتے ہو کہ ایسی بدفعلی یہ حافظ ہمارے ساتھ بہت عرصے سے کر رہا ہے تو تم پہلی بار ہی کیوں نہ بولے کیوں خاموشی سے سب کچھ اپنے ساتھ کرواتے رہے جرم ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹری بھی کروائی تھی ڈاکٹری رپورٹ سے بھی پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ اس بچے کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے۔ فتویٰ لکھنا یا فتوے کی ذمہ داری سنبھالنا کوئی پاگلوں احمقوں اور بچوں کا کھیل نہیں سا ایسے نالائق لوگوں کا مفتی بن جانا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے غلطی نمبر۲۔ درخواست دہندہ اپنے بیان کے پہلے صفحہ پر لکھتا ہے کہ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ کم درجہ کی شہادتوں کے باوجود آپ امام مسجد کے خلاف فتویٰ لکھ دیں تاکہ اس کو عبرت حاصل ہو اور کسی دوسری مسجد میں امامت نہ کراسکے۔ اس بات سے صاف صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ صرف ذاتی مخالفت اور نفسانی دشمنی میں فتویٰ لے رہے ہیں۔ نہ ان کو پوری تحقیق و تفتیش کی ضرورت تھی اور نہ ان کو قرآن و حدیث کے مطابق اللہ رسول کے حکم والا فتویٰ چاہئیے تھا نہ ان کو سچے فتوے کی ضرورت تھی یہ لوگ صرف اپنی تہمت والی بات کو اونچا کرنا چاہتے تھے۔ ان تمام نام نہاد کونسل والوں نے بھی اللہ رسول کو چھوڑ کر ہر جگہ ان مخالفین کی بات کو ہی اونچا رکھا اور شریعت کے سارے قوانین کو توڑ پھوڑ دیا۔ غلطی نمبر۳۔ فتویٰ کے ص۲ پر لکھا ہے کہ مسلسل تو گھنٹے تک کارروائی ہوئی پھر فتویٰ لکھا گیا۔ گویا کہ ان ناتجربہ کاروں خود ساختہ مفتیوں کے نزدیک تو گھنٹے بڑی چیز اور بہت زیادہ مدت ہے۔ حالانکہ شرعی حکم کے مطابق اتنی جلدی بھاگتے دوڑتے کوئی فیصلہ کر دینا ہی قابلِ تعزیر جرم ہے اور یہ سب خود ساختہ مفتی لوگ عدالتی سزا کے مستحق بن گئے۔ میں نے اس شرعی فیصلے کے لیے تقریباً تین ماہ تک تفتیش کی ہے اور پھر بھی ایک ماہ مزید چھان بین و انتظار کیا۔ میں اس مدت میں تفصیلی معلومات اور ہر طرف سے تحریری و تقریری بیانات جمع کرتا رہا جس کی وضاحت پہلے بھی کی گئی اور آخر میں بھی کی جائے گی۔ ان مفتیوں نے اس فتویٰ میں انتہائی جلدی بازی اور جذباتی انداز اختیار کیا ہے۔ اس لیے یہ فتویٰ شریعت کے معیار سے بالکل غلط ہے۔ غلطی نمبر۴۔ اس فتوی کے ص۲ پر پنچ کونسل کے یہ اراکین اقرار کر رہے ہیں کہ اس مقدمے میں مدعی اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کوئی گواہ نہ موجود ہے نہ پیش ہوا لہٰذا ایسا بدفعلی اور لواطت کا ثبوت نہ ہو سکا۔ یہ لوگ اراکین عجیب حیران کن فطرت والے ہیں کہ ابھی اپنے اسی غیر شرعی فیصلے کے ص۲ لکھتے ہیں کہ مدعیان کے حق میں اور مدعیٰ علیہ زید کے خلاف فیصلہ صادر کیا جاتا ہے اور وضاحت سے بتایا ہے کہ زید نے شاگردوں سے لواطت کی ہے اور اس کی برائی میں آیتیں اور احادیث درج کی ہیں اور مدعیٰ علیہ کو شرم و غیرت دلاتے ہیں۔ مگر اب ص۳ پر خود ہی لکھ رہے ہیں کہ لواطت اور بدفعلی کا ثبوت کوئی نہیں مل سکا۔ پھر اسی ص۳ پر لکھتے ہیں کہ مولوی مذکور کا بیان ہے کہ میں اپنے بعض شاگردوں سے کبھی کبھی پیر دبواتا

تھا اور سب کے سامنے دلوایا تھا۔ پھر آگے یہی خود ساختہ مولوی حضرات لکھتے ہیں کہ پیر دلوانے کو اس مدعی طالبعلم شاگرد کے والد اور دیگر چند لوگوں نے کئی دفعہ اپنی آنکھوں سے خود دیکھا اس پیر دلوانے اور سب کے دیکھنے سے ثابت ہوا کہ زید مذکور خطیب لواطت اور بدفعلی کا مجرم ہے۔ کیا عجیب ظلم و جہالت ہے گویا کہ ان بناوٹی مفتیوں کے نزدیک کسی شاگرد سے پیر دلوانا لواطت اور بدفعلی ہے (معاذ اللہ) کیسی مضحکہ خیز اور احمقانہ بات ہے۔ تو پھر بیٹے سے مرید سے خادم اور نوکر سے پیر دلوانا بھی ایسا ہی ہونا چاہئے اور جتنے پیر مشائخ بزرگ اپنے پیر دبواتے ہیں وہ سب گویا بدفعلی کرتے ہیں۔ تو پھر سب پر فتوی لگاؤ اور اپنا حشر دیکھو صرف بیچارے مسکین امام کا کیا قصور۔ غلطی نمبر ۵۔ اس فتوی کے صفحہ ۲ پر لکھا ہے کہ اس کا تخلیے میں لڑکوں سے دلوانا ہی اس کو متّہم اور ناسق کرنے کے لیے کافی ہے اعلی حضرات لکھتے ہیں۔ اِنَّ الْخَلْوَۃَ بِالْاَمْرَدِ اَخْبَثُ

ان جہلاء زمانہ کو کیا سمجھایا جائے کہ ان کو صرف کتابوں کے نام اور حوالہ دینے کا شوق ہے حالانکہ سیاق و سباق اور تبحرسے پتا لگتا ہے کہ یہ مفتی لوگ اپنے حوالوں کو خود بھی نہیں سمجھے ان نام نہاد مولویوں خطیبوں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ شریعت اور واقعات کے اعتبار سے خلوت کیا ہے اور امرد کون ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ فتوی لکھنے کے لیے بہت عقل علم اور معلومات کی ضرورت ہے مگر ان بیچاروں کے پاس نہ عقل ہے نہ علم نہ معلومات خیال رہے کہ لغوی اصطلاحی اور شرعی قانون سے اَمْرَدْ۔ وہ شخص ہوتا ہے جو بالغ تو نہ ہو مگر بلوغت کے بالکل قریب ہو۔ جبکہ یہ مدعی لڑکا پندرہ ۱۵ سال کا لڑکا بالغ ہے اور فتوی کے صفحہ ۲ پر خود ان سب مولویوں نے اس عمر اور بلوغت کو تسلیم کیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے ضابطوں کے مطابق بارہ ۱۲ سال کا لڑکا بالغ شمار کیا جاتا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو کتب فقہ باب الحجر نیز خلوت ہر لغت و قانون میں اس حالت و مقام کو کہتے ہیں۔ کہ جہاں صرف دو مرد۔ یا عورت مرد۔ یا امرد و مرد موجود ہوں تیسرا کوئی نہ موجود ہو نہ بغیر اجازت آسکے۔ اور نہ وہ کسی تیسرے کا آنا پسند کرتے ہیں اور آنے پر پابندی و بندش کر دی ہو۔ مثلاً تالہ۔ کنڈی۔ یا پہرے دار کھڑا کیا ہو۔ تیسرے شخص کا موجود ہونا یا بلا روک ٹوک ہو سکنا خلوت کو ختم کر دیتا ہے لہٰذا خلوت کے فتنہ و اخبث ہونے کے لیے جو حوالے ان مولویوں نے اپنے اس غلط فتوی میں پیش کئے وہ یہاں چسپاں نہیں ہوتے اور ایسے بے موقعہ حوالے دینا نادانی کی نشانی ہے۔ ان مولویوں کو بھی یہ تسلیم ہے کہ حافظ مذکور کے پاس دو لڑکے تھے جب مدعی کے باپ نے چھاپہ مارا اور جب کبھی امام مذکور نے اپنے شاگرد سے پیر دبوائے تو سب کے سامنے دبوائے جس کو سب نے اگر گاہے دیکھا یہ بات ان فتوی لینے والے مخالفین لوگوں نے اپنے استغاثہ اور درخواست میں بھی تسلیم کرتے ہوئے لکھی ہے۔ تو پھر خلوت کب ہوئی اور کوئی بھی ذرا سی عقل والا بھی اس کو خلوت و تنہائی نہیں کہہ سکتا معلوم اس وقت ان مفتیوں کی عقل سلیم اور فہم کہاں چلی گئی کہ جب نہ خلوت ثابت

نہ امردیت کا ثبوت تو غلط بات پر جہالت دکھانا کہاں کا شعور ہے غلطی نمبر ۶۔ فتوے کے اسی صفحہ ۲ پر لکھا ہے کہ مدعی شاگرد کی عمر پندرہ[۱۵] سال اس کے ایک ساتھی کی عمر بارہ[۱۲] سال دوسرے کی عمر گیارہ سال تیسرے کی عمر دس سال۔ ان تینوں نے کھل کر کہا کہ زید مذکور امام نے ہمارے ساتھ متعدد بار بدفعلی کی ہے۔ لہٰذا ہم مفتیوں کے نزدیک ان کے بیانات قابلِ اعتبار ہیں (استغفر اللہ معاذ اللہ)، ان ظالموں نے شریعت کی کتنی بڑی مخالفت اور گستاخی کی ہے یہ ایک بات لکھ کر پوری شریعت کی انہوں نے ہنسی اڑائی ہے اور شہادت وگواہی والے قرآنی قانون کا مذاق کیا ہے یعنی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو صحابہ جیسے پاک باز اور محفوظ متقی پرہیزگار سچے مدعی کی بات کو بھی قابلِ اعتبار نہ سمجھیں اور گواہی طلب فرمائیں اور گواہی نہ ہونے کی صورت میں حدِ قذف کی وعید وحکم سنائیں۔ لیکن آج چودھویں صدی کے یہ بناوٹی مفتی قوانینِ اسلامیہ اور ضوابطِ شرعیہ کی ساری حدود پھلانگ کر چند نو عمر لڑکوں کی بات کو قابلِ اعتبار سمجھ کر اللہ تعالٰی جل شانہ کے حکم کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے قرآن مجید کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔ غلطی نمبر ۷ اسی صفحہ پر قواعد الاحکام جلد دوم صفحہ ۵۲ کی عبارت کا حوالہ دیتے ہیں جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ان لوگوں کو نہ تو عربی عبارت سمجھ آئی نہ مقصدِ عبارت کا پتہ لگا یہ عبارت تو سراسر ان کے خلاف ہے جس سے وہ خود اپنے حوالے کے جال میں پھنس گئے۔ وہ عبارت اس طرح لکھی ہے وَ شَهَادَةُ الشَّاهِدِ لِنَفْسِهٖ تُهْمَةٌ مُوْجِبَةٌ لِرَدِّ الْحُكْمِ وَالشَّهَادَةِ ۔ ترجمہ۔ اور کسی گواہ کا اپنے لیے گواہ بننا تہمت ہے اس وجہ سے یہ گواہی مردود ہوگی اس عبارت نے تو صاف بتا دیا کہ ان لڑکوں کا الزام لگانا تہمت ہے اور ان کی سب باتیں مردود ہیں۔ لیکن یہ مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ ان لڑکوں کی بات قابلِ اعتماد واعتبار ہے۔ یہ تھی ان خود ساختہ مفتیوں کی سادہ لوحی۔ غلطی نمبر ۸۔ فتوے کے اسی صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں کہ زید مذکور کی حرکت چونکہ پولیس اور شہر وغیرہ میں مشہور ہوگئی ہے اس لیے یہ مشہور ہونا امام مذکور کو فاسق ثابت کرتا ہے۔ یہاں یہ لوگ اعلٰحضرت کے فتاوٰی رضویہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فتاوٰی صفحہ ۲۴۴ پر ہے کہ اگر فاعل کی یہ حالت صحیح طور پر معروف ومشہور ہو تو یہ فاسق معلن ہے میں حیران ہوں کہ جس کو اردو سمجھ نہیں آتی وہ فتوٰی لکھنے بیٹھ گیا۔ کیا قیامت ہے خیال رہے کہ شریعتِ اسلامیہ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص عام طور پر گلی کوچوں بازار میں عام طور پر بلا جھجک بغیر شرم وحیا ہر قسم کا گناہ آوارگی وغیرہ کرلیتا ہو وہ فاسق معلن ہے یعنی اپنے گناہوں کا خود علی الاعلان ذکر یا عمل کرتا پھرے۔ کسی دشمن کے کہنے سے نہیں بلکہ اس کے اپنے اعلان سے بدعملی کی مشہوری ہو۔ اعلٰحضرت اسی کا ذکر فرما رہے ہیں جس کو ہماری اصطلاح میں بدمعاش۔ غنڈہ یا آوارہ گردی۔ آوارہ منش کہا جاتا ہے۔ یعنی گناہ گاری میں مشہور ہو جانا۔ لفظِ معلن باب افعال کا اسم فاعل متعدی بیک مفعول ہے لفظ فاسق معلن کا

ترجمہ ہے۔ وہ فاسق جو اپنے گناہوں کا اعلان کرنے والا ہو۔ ان مفتیوں کو مُعلِن کا نحوی صرفی ترجمہ بھی نہیں آتا لیکن کسی تہمت کا دشمن کی طرف سے مشہور کردیا جانا اس کا اس عبارت سے کوئی تعلق نہیں ان بیچاروں کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ گناہ میں مشہور ہونا اور گناہ کے مشہور ہونے میں فرق کیا ہے اگر تہمت کے مشہور ہوجانے سے جرم ثابت ہوجاتا تو پھر سورۂ یوسف اور سورۂ نور کے متعلق کیا کہو گے وہاں تو دشمنوں منافقوں، مخالفوں نے تہمت کو اتنا مشہور کیا کہ سارے ملک میں مشہور ہوگئی۔ یہاں تو صرف ایک چھوٹے سے علاقے اور گاؤں تک ہی پہنچی ہے میں یکتا ہوں کہ قلم اٹھانے سے پہلے انسان کو کچھ تو سوچنا چاہئے بچگانہ ذہن سے بے ڈھنگے دلائل سے کسی کے خلاف کسی دشمن کے کہنے سے فیصلہ صادر کردینا دانشوری نہیں بلکہ تخریب کاری ہے غلطی ۹ اس فتویٰ کے ص۶ پر اپنا فیصلہ سناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس کو لوگ ناپسند کریں اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے حالانکہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ فقہاء کرام نے امامت کے جواز کے لیے جو ضابطے مقرر فرمائے ہیں ان میں قوم کی ناپسندیدگی کے لیے بہت سی قیود و شرائط بیان فرماتے ہوئے ناپسندی کی وجوہ اور ناپسند کرنیوالوں کی تعداد اور عوام کی عقل وعلم کی بھی وضاحت کی ہے اس کے لیے ان مفتیوں کو فتاویٰ شامی اور کتب ظاہر روایت وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہئے بلکہ کسی مدرسے میں ابھی ان مولویوں کو باقاعدہ پڑھنا چاہئے۔ اسلام میں اس طرح کی بے ضابطگی اور لاقانونیت کی کوئی گنجائش نہیں ورنہ سب کی امامت کھیل بنجائے گی۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ چند آدمی ذاتی دشمنی اور مخالفت کی بنا پر ناراض ہوجائیں اور اس طرح کے نالائق مفتیوں کے پاس پہنچ کر دو حرفے فتویٰ لے لیں اور سمجھ لیا جائے کہ سب نمازی ناپسند کررہے ہیں اور جھٹ سے فتویٰ لکھ دیا جائے جب یہ مولوی لوگ خود بھی تسلیم کرتے ہوئے اقرار کررہے ہیں کہ اس مسجد کے کمیٹی اور انجمن والے ذمہ دار حضرات امام مذکور سے خوش اور اس کو پاکدامن اور اس جھوٹی تہمت سے بری سمجھ رہے ہیں اور اپنا تحریری بیان بھی کونسل کو دے رہے ہیں تو پھر ان جہلا کو امام کے خلاف فتویٰ لکھنے کی یکطرفہ جرأت کیونکر ہوئی۔ آگے کچھ سطور میں چند بے تعلق سے حوالے اور عبارتیں لکھ رہے ہیں۔ صرف علمی رعب جتانے کے لیے ورنہ ان حوالوں کا ثبوت اور فتوے کی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ غلطی نمبر۱۰۔ اس فتوی کے آخری صفحہ ۶ پر سب مفتی حضرات کچھ پریشان اور تھکے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں اور لوٹ پھیر کر وہی لایعنی بات دھراتے ہیں کہ چونکہ جرم مشہور ہوچکا ہے بہت سے لوگوں کو پتہ چل گیا ہے اس لیے جرم ثابت ہے۔ ایک ایک بات چار چار دفعہ دھرائی گئی ہے۔ اور آخر میں لکھتے ہیں کہ چونکہ امام مذکور مسلمانوں کے درمیان تفریق اور انتشار کا باعث بن گیا ہے اس لیے امامت کے لائق نہیں رہا کیا عجیب دلائل ہیں۔ غلطی نمبر۱۱۔ آخری ص۶ پر ان تمام فتویٰ لکھنے والے حضرات نے مجبوراً اقرار کرلیا کہ اس مقدمے میں نہ تو گواہی ہے نہ جرم کا ثبوت ہے مگر پھر بھی زید مجرم ہے کیونکہ مخالفین گروہ کے ساتوں آدمیوں نے حلفیہ

بیان دیا ہے میں ان خود ساختہ کونسل والوں سے پوچھتا ہوں کہ ان لوگوں نے حلفیہ بیان کیوں دیا اور تم مولویوں نے ان سے حلفیہ بیان کیوں لیا نہ یہ مدعی نہ یہ گواہ نہ یہ جرم کو جھیں نہ جرم کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے ہوتا دیکھا نہ یہ مدعی علیہ۔ کیا حلفیہ بیان لینا بچوں کا کھیل ہے جس کو چاہا سڑک سے پکڑ کر حلفیہ بیان لے لیا اور پھر انہوں نے کس طرح حلفیہ بیان دیا۔ کب قرآن مجید کو ہاتھ لگایا کہاں وضو کیا۔ کس نے حلف لیا۔ حلف لینے کا کیا طریقہ تھا نہ اس کی کچھ وضاحت ہے نہ ذکر ہے۔ اور پھر اگر یہ مدعی یا گواہ بھی ہوں تب بھی کیا ان سے حلف لینا جائز ہے کیا یہ اراکین کونسل قرآن و حدیث اور حلف اور بینہ کے شرعی طریقوں سے بالکل ہی ناواقف ہیں اور پھر ان لوگوں نے کس بات پر حلف دیا جب کہ یہ کچھ جانتے ہی نہیں نہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کچھ دیکھا آپ اندازہ لگائیے کہ جس چھوٹے سے فتوے میں ہر سطر ہر حوالے میں غلطی بھول چوک کمزوری نا سمجھی لاعلمی کے علاوہ گیارہ عدد بڑی غلطیاں ہوں کیا اس کو شرعی فتویٰ کہا جا سکتا ہے۔ یہ تمام غلطیاں و کمزوریاں یہ ثابت کر رہی ہیں کہ مدعی اور اس کے تمام ساتھی اور خود کونسل کے یہ نام نہاد مفتی حضرات جرم کو قطعاً ثابت نہیں کر سکے۔ بلکہ کسی لالچ یا دباؤ یا ذاتی مفاد میں آکر صرف توڑ مروڑ کھینچا تانی کر کے نہایت غلط جانبداری سے ایک تحریر لکھ دی جس کا نام فتویٰ رکھ دیا گیا۔ یہ تحریر قرآن مجید حدیث پاک اور فقہ اسلامی کے سخت خلاف ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ مدعی علیہ امام مذکور پر ذاتی دشمنی اور محض بدنام و رسوا کرنے کے لیے تہمت لگائی گئی ہے۔ اور امام مذکور زید اس تہمت سے بالکل پاکدامن ہے۔ علاوہ ازیں ہم پہلے اپنی تحقیق و تفتیش سے ثابت کر چکے ہیں کہ عوام اور نمازیوں شاگردوں اراکین انجمن میں سے کسی نے بھی امام کو مجرم تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ سب مذکورین امام کا انتہائی ادب و احترام کرتے ہیں اور زید مذکور امام کو دیانت دار پاکدامن نیک متقی خادم اسلام سمجھتے ہیں اور ان کی امامت خطابت و مدرسی کو پسند کرتے ہیں۔ اس تحقیق کے دوران امام مذکور خود بھی میرے پاس حاضر ہوا۔ ان کے ہمراہ انجمن کے بہت سے معتبر اراکین بھی بطور وکیل صفائی حاضر ہوئے میں نے سب سے باوضو قرآن مجید ہاتھ میں دیکر اللہ رسول قیامت و قبر کا خوف دلا کر موت کی یاد دلا کر شریعت کے طریقے سے ان کو علیحدہ علیحدہ خلوت میں پرکھ اور صاف صاف بیان دینے کی تلقین کی اور ہر بات خوب کرید کرید کر پوچھی۔ سب نے اپنے اپنے بیان میں اللہ کی قسم بولتے ہوئے بیان دیا۔ امام نے بیان دیا کہ میں اللہ رب العزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ساری زندگی میں نے کسی قسم کی بدکاری بدفعلی نہیں کی اور یہ تہمت میرے خلاف محض شرارت و دشمنی ہے۔ میں بہت سی مساجد میں کافی زمانے سے امامت خطابت اور مدرسی کا کام کرتا چلا آرہا ہوں شادی شدہ بال بچے دار ہوں بڑھاپے کی عمر کے قریب ہوں آج تک کسی مدرسے میں مجھ پر کبھی کسی قسم انگلی نہ اٹھائی گئی آپ ان مدارس و مساجد سے میری پاکدامنی نیک نیتی کی تحریری شہادت منگا سکتے ہیں۔ یہاں بھی سب لوگ میری عزت و احترام کرتے ہیں میرے تمام

شاگرد بھی میرے وفادار اور ادب کرنے والے ہیں۔ البتہ میں پڑھانے کے معاملے میں ذرا سخت اور شفقتی پابندی کرنے اور کرانے والا ہوں اور دن رات محنت کرنے کرانے کا قائل ہوں اور میرے پاس پڑھنے والے سب سے زیادہ علاقے بجاتے ہیں اس لیے دیگر مساجد کے خطبا اور مدرسین مجھ سے حسد اور دشمنی کرنے لگ جاتے ہیں بلکہ یہ کونسل والے سب مولوی بھی میرے مخالف ہیں اور یہ کونسل ابھی چند دن پیشتر صرف میرے خلاف فتویٰ لکھنے کے لیے بنائی گئی ہے جیسا کہ مجھ کو پتہ لگا ہے انہوں نے میرے خلاف اور مجھ کو ہٹانے کے لیے یہ سارا پلان بنایا ہے اس لیے کہ جب میری محنت کی وجہ سے قوم میں میری عزت زیادہ ہوتی ہے تو مخالفین کو کسی طرح گوارہ نہیں ہوتی۔ یہ تھا امام مذکور کا پورا حلفیہ تحریری بیان یہی بیان پھر سب کے سامنے بھی لیا گیا۔ ہم نے اپنی تحقیقاتِ حالات کو چار مرحلوں میں تقسیم کیا اولاً مخالف فریق کی درخواست پر غور و فکر کرتے ہوئے صورتِ حال کا جائزہ لیا پھر تیسرے مرحلے میں مدعیٰ علیہ امام مذکور زید سے حلفیہ بیان صفائی لیا گیا اور مندرجہ بالا طریقے سے قسمیہ حلفیہ بیان لیا گیا۔ زبانی بھی تحریری بھی خفیہ بھی سب کے سامنے بھی۔ پھر چوتھے مرحلے میں نمازیوں، عام مسلمانوں اور مدرسے کے متعدد شاگردوں اور اراکینِ انجمن کمیٹی سے بطور گواہ اور وکیلِ صفائی امام مذکور کے متعلق حلفیہ بیان لیا گیا یہ بات تو مخالف فریق کے ساتوں آدمیوں کے درخواستی بیان سے ظاہر ہے اور سنی کونسل کے فتوے میں بھی چند مرتبہ تسلیم کی گئی ہے کہ سب کمیٹی والے امام مذکور کو پاکدامن جانتے ہوئے اس کے حامی ہیں پھر جب میں نے ان تمام لوگوں کو بلایا تو انہوں نے برملا کہا کہ دو ڈھائی سال کا وہ عرصہ جو اب تک ہمارے پاس امام مذکور نے گزارا وہ انتہائی نیک نیتی پاکدامنی تقویٰ پرہیز گاری سے گزارا ہم نے ان میں کوئی عیب نہیں دیکھا۔ انجمن کمیٹی والوں نے اپنے صفائی تحریری بیان میں لکھا ہے کہ یہ الزام حسد و دشمنی کی بنا پر مفروضہ ہے جن آٹھ طلبا کا نام مخالف فریق نے اپنے استغاثہ میں لکھے تھے ان میں سے چار طلبا کا بیان انجمن والوں نے اپنے طور پر بھی لیا تو انہوں نے صاف تحریری بیان دیا کہ ہم نے اپنے استاد میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور فتویٰ لینے والوں نے ہمارا نام جھوٹا استعمال کیا ہے۔ اصلاً صرف ایک ہی وہ مدعی طالب علم ہے۔ کمیٹی والوں کا بیان ہے کہ ہم نے مخالفین حاسدین اور شور برپا کرنیوالوں کو کئی بار بلا کر سمجھایا یقین دلایا کہ یہ غلط و جھوٹی تہمت مت لگاؤ کونسل کے مفتیوں کو بھی بتایا مگر یہ چند لوگ اور یہ مولوی حضرات یہی کہتے رہے کہ نہیں امام غلط اور بدکاری ہے اور فتویٰ لکھنے لکھانے پر مصر رہے اور یہی لوگ اس واقعے کو مشہور کرتے رہے۔ ہم کمیٹی والے ایک لڑکے کی بات اور الزام تراشی کو کچھ بھی حیثیت نہیں دیتے۔ انجمن کمیٹی کے اس بیان کے بعد شہر کے مزید مسلمانوں سے ہم نے رابطہ قائم کیا تو بہت سے لوگوں نے امام مذکور کی نیک طبیعت اور ایمانداری کی تعریف کی اور اس الزام کو ایک شرارت قرار دیا۔ بلکہ بہت سے لوگوں نے تو یہ بھی کہا کہ یہ فتویٰ بھی ایک سازش کے تحت لکھا گیا ہے اور اس کونسل کے سب مولوی تقریباً نوجوان قسم

کے شرارتی ہیں۔ انھوں نے خود ہی اس واقعے کو زیادہ تر مشہور کیا ہے میں نے بذات خود طلباء سے فرداً فرداً تحریری بیان حلفی حاصل کیا سب نے امام مذکور کے حق میں بیان تحریر کئے میں نے پوچھا کہ مدعی شاگرد نے امام مذکور کے خلاف یہ الزام تراشی کیوں کی تو سب نے ایک ہی قسم کی تحریریں بھیجیں کہ پچھلے ۱۹۸۶ء نومبر کے مہینے سے ایک خفیہ منصوبہ بنایا جارہا تھا جس میں اس مدعی شاگرد کو پیش پیش رکھا گیا یہ لڑکا بہت ضدی۔ شرارتی اور کھلنڈرا لیے پڑھائی سے بدشوق۔ مدرسے سے اکثر غیر حاضر رہنے والا۔ استاد صاحب دوسرے لڑکوں کے ذریعے اس کو پکڑوا کر بلاتے مارتے اور سزا دیتے۔ اس بات سے اس کے دل میں نفرت اور سازش پیدا ہوئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کئی بار کہا کہ یہ حافظ مجھ کو مارتا ہے اس مارپیٹ کا میں اس کو مزہ چکھاؤں گا۔ اسی اندرونی غصہ کی بناء پر اس سازش میں اس نے اپنے چند دوسرے ساتھیوں کو بھی اپنا ہمنوا لیا۔ پھر چند بڑے لوگ بھی اس سازش میں شریک ہوگئے۔ ایک اور شخص نے مجھ کو بتایا کہ جناب یہاں عام طور پر یہ بیماری بڑے زور شور سے پھیلی ہوئی ہے کہ ہر باپ کہتا ہے۔ میرا بیٹا جھوٹ نہیں بولتا بس یہی وجہ ہے کہ یہ سازش اتنی مشہور ہو کر اتنا زور پکڑ گئی۔ اور پھر من مرضی کے علامل گئے جنہوں نے رہی سہی کسر پوری کردی بہر کیف تقریباً تین چار ماہ تک مکمل تفتیش کرکے یہ بات ثابت کرلی گئی کہ کونسل کا یہ فتویٰ بالکل غلط اصولِ شریعت آدابِ مفتی قاضی کے خلاف ہے لہٰذا آج مورخہ پانچ اپریل ۱۹۸۹ء کو قرآنِ مجید۔ حدیثِ پاک۔ اور عقلی فکری منقولی۔ تحقیقی۔ تفتیشی اٹھتیس دلیلوں سے یہ شرعی اسلامی فتویٰ جاری کیا جارہا ہے جس کی رو سے شریعت کے کئی ضابطوں کے مطابق مدعیٰ علیہ امام مذکور کو بالکل بیگناہ اور مذکورہ جرم سے بری قرار دیا جاتا ہے اس لیے اس امام کی امامت خطابت مدرسی شرعاً بالکل جائز ہے۔ پاکستان کے لوگوں سے اس کی سابقہ زندگی کا حال بھی معلوم کرنے پر بالکل بے داغ ثابت ہوا نیز اسی فتوے شرعیہ کی رو سے ان کونسل والوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ وہ کبھی فتویٰ نہیں لکھ سکتے نہ وہ اس منصب کے لائق اور اہل ہیں۔ اور کوئی مسلمان ایسی خود ساختہ کونسلوں سے شرعی رابطہ قائم نہ کریں۔ عوام کی غلطیوں جہالتوں کو تو معاف کیا جاسکتا ہے مگر نام نہاد بناوٹی مفتیوں کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔ ان کو چاہئے کہ اللہ رسول کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کریں معافی مانگیں۔ ورنہ قیامت میں سزا سے بچنا محال ہوجائے گا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

کتبہ

شریعتِ اسلامیہ میں مدعیٰ علیہ قاذف منکر اور معتر کا بیان

سوال ۱۵۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ مورخہ ۸۷/۸/۲۰ بروز جمعرات زبیر نے ایک امام خطیب پر یہ

الزام لگایا کہ خطیب نے بکر کو برا بھلا کہا ہے اور خطیب نے کہا ہے کہ اس بدمعاش کے ڈر سے میں نے اپنے نائب خطیب کو امامت کے مصلے پر کھڑا کیا تھا۔ اور مہینے میں ایک جمعہ پڑھانے کی اجازت بھی دی تھی لیکن اب خطیب مذکور اس بات سے انکار کرتا ہے لہٰذا اس طرح یہ جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ جب یہ بات خطیب نے سنی تو کہا کہ زید غلط بیانی کر رہا ہے میں نے کبھی بھی بکر کو برا بھلا اور بدمعاش نہیں کہا۔ یہ بات سن کر زید نے قرآن مجید اٹھالیا اور قسم کھا کر حلفیہ کہا کہ مولوی صاحب نے یہ باتیں مجھ سے کہی ہیں اور بکر کو لچّا بدمعاش کہا ہے۔ اس کے بعد مولوی صاحب بھی اٹھے اور انہوں نے بھی قرآن مجید اٹھالیا اور محراب مسجد کے پاس جاکر قسم کھا کر کہا کہ زید مجھ پر غلط بہتان باندھ رہا ہے میں نے اس سے یہ بات نہیں کی۔ اس جھگڑے اور دو طرفہ قرآن مجید اٹھانے قسم کھانے پر سب موجود نمازی حیران رہ گئے۔ تب انتظامیہ کمیٹی نے متفقہ فیصلہ کیا کہ شریعت پاک کا فتوٰی حاصل کیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ کون سچا ہے۔ اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ جب تک شریعت کا فتوٰی نہ آئے اس وقت تک امام مذکور کے پیچھے کوئی نماز نہ پڑھی جائے اور امامت معطل رکھی جائے لہٰذا آپ کی خدمت عالیہ میں گزارش کی جاتی ہے کہ ہم کو جلد از جلد شرعی فتوٰی عطا فرمایا جائے تاکہ اس پر عمل کرکے موجودہ جھگڑا ختم کرسکیں۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ دستخط سائلان۔ ۱ محمد لطیف ۲ حاجی محمد ۳ فضل احمد ۱۸/۸/۸۶ء

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّاب

الجواب

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ امّابعد قانون شریعت کے مطابق مسمّی زید اس صورت مسئولہ میں مدّعی ہے جو دعوٰی کر رہا ہے کہ خطیب مذکور نے مجھ سے یہ لفظ کہے۔ اور خطیب مذکور اس مقدمے میں مدّعٰی علیہ ہے کہ اس پر دعوٰی کیا گیا ہے اور الزام لگایا گیا ہے اور امام خطیب اس دعوے و الزام کا انکاری ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے یہ الفاظ نہیں کہے مجھ پر بہتان باندھا گیا ہے۔ شرعی ضابطوں کے مطابق بحیثیت مفتی اسلام میں نے صورت مسئولہ میں بہت تحقیق و تفتیش کی جس سے ثابت ہوا کہ سائلین کا بیان درست ہے چنانچہ یہ فتوٰی جاری کیا ہے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ الزام لگانے اور مقدمہ کرنے والا مدّعی ہوتا ہے اور جس پر الزام لگا ہو وہ مدّعٰی علیہ ہے وہ منکر ہوتا ہے چنانچہ ہدایہ شریف اخیرین جلد سوم ص۱۹۳ پر ہے وَقَالَ مُحَمَّدٌ فِی الْاَصْلِ الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ مَنْ اَنْکَرَ وَفِی النُّسْخَۃِ الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ ھُوَ الْمُنْکِرُ وَھٰذَا صَحِیْحٌ ترجمہ۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اصل مبسوط میں فرمایا کہ مدّعٰی علیہ وہ شخص ہے جو کسی دعوے کا اپنے پر سے انکار کرے اور اسی کتاب کے دوسرے چھاپے میں اس طرح لکھا ہے کہ مدّعٰی علیہ وہ ہوتا ہے جو مدّعی کی بات کا انکار کرے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ زید مذکور مدّعی ہے اور امام مذکور مدّعٰی علیہ ہے تو اب شرعی قانون کے لحاظ سے قرآن مجید اور حدیث پاک

کے فرمودات کے مطابق مدعی زبیر قرآن مجید اٹھا کر اللہ کی قسم نہیں کھا سکتا نہ ہی شرعاً اس کی قسم معتبر ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ اپنی بات کی سچائی پر کم از کم دو۲ گواہ عاقل بالغ مسلمان متقی پیش کرے جو گواہی دیں کہ ہم نے بھی اپنے کانوں سے فلاں دن فلاں جگہ فلاں وقت یہ بات امام مذکور کے منہ سے کہتے ہوئے سنی۔ اس لیے کہ مدعی کو اپنے دعوے کی سچائی کے لیے صرف گواہ ہی پیش کرنے لازم ہیں حلف اور قسم اس کے لیے جائز و صحیح نہیں ہے۔ میں نے مدعی مذکور سے رابطہ قائم کرکے گواہ طلب کئے تو وہ کوئی گواہ پیش نہ کرسکا اس لیے میں نے مدعی اور مدعیٰ علیہ سے علیحدہ علیحدہ تحریری بیان منگالیے۔ زبیر کا کہنا ہے کہ جس وقت امام مذکور نے یہ الفاظ کہے تھے اس وقت کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا۔ پھر میں نے انجمن کمیٹی ہٰذا کے صدر کو ٹیلیفون پر بلاکر پوچھا تو انہوں نے بھی زبیر سے پوچھ گچھ کرکے مجھ کو اطلاع دی کہ زبیر کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے بقول زبیر جب یہ بات ہوئی تھی تو زبیر اور امام دونوں اکیلے تھے اس تمام تفتیش سے ثابت ہوا کہ مدعی اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے گواہی پیش نہیں کرسکتا۔ حالانکہ اسلامی شریعت کا یہ قانون اٹل لازمی ہے کہ مدعی خواہ کتنا ہی نیک متقی مسلمان بزرگ عابد و زاہد عالم یا ولی اللہ ہو مگر دعوے کی سچائی کے لیے شرعی گواہ پیش کرے اور اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو اس کا دعویٰ ثابت نہ ہوسکے گا۔ بلکہ مدعیٰ علیہ سے قسم اٹھوائی جائے گی اور قسم و حلف لینے دینے کا طریقہ شریعت پاک نے مقرر فرمایا ہے گواہی کے متعلق قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے سورۂ طلاق آیت ۲ وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ــــ ترجمہ۔ اے مدعی لوگو تم اپنے میں سے پہلے ہی دو۲ گواہ نیک عادل بنالیا کرو اور یہ گواہی اللہ کے لیے قائم کرو۔ اس آیت کے سباق میں تو اگرچہ طلاق دینے والے اور طلاق سے رجوع کرنے والے خاوندوں کا ذکر ہے مگر گواہی کا یہ قانون تا قیامت ہر دعویدار مدعی کے لیے ہے اور ہر دعوے کی سچائی کے لیے گواہ بنانے کا حکم دیا جارہا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَ اسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ــ ترجمہ۔ اے لوگو اپنے ہر دعوے ہر قول ہر لین دین پر دو۲ مردوں کو گواہ بنالیا کرو۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے مدعیوں پر گواہی پیش کرنے کا بہت جگہ حکم فرمایا ہے لیکن اگر مدعی کو گواہی میسر نہ آسکے تو پھر مفتی و قاضی شریعت یا عدالت کا جج مدعیٰ علیہ سے شرعی طریقے سے قسم لے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول صفحہ ۳۴۲ پر ہے بَابٌ وَالْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ حَدَّثَنَا خَلَّادُ ابْنُ یَحْیٰی حَدَّثَنَا نَافِعُ ابْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْكَةَ قَالَ كَتَبْتُ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ فَكَتَبَ اِلَیَّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَضٰی اَنَّ الْیَمِیْنَ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ ترجمہ۔ یہ باب ان روایت و احادیث مبارکہ کے بارے میں کہ ہر مدعی پر گواہی واجب ہے اور مدعیٰ علیہ پر قسم دینی واجب اگر گواہی نہ ہو تو۔ ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس کو خط لکھا کہ ایک

مقدمہ ہے اس کا فیصلہ کس طریقے سے کروں تو آپ نے جواباً مجھ کو خط لکھا کہ بیشک آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فیصلہ فرماتے تھے کہ قسم مدعیٰ علیہ پر ہی ہوتی تھی۔ دوسری حدیث شریف بخاری جلد اول ص۲۹۰ پر ہے۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ ھِلَالَ ابْنَ اُمَیَّۃَ قَذَفَ امْرَئَتَہٗ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِشَرِیْکِ بْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْبَیِّنَۃَ اَوْحَدٌّ فِیْ ظَھْرِکَ۔ ترجمہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ بیشک ایک دفعہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک بن سحماء سے تہمت لگائی اور بہتان کا الزام لگایا تو نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد پاک فرمایا کہ اے امیہ کے بیٹے گواہی پیش کر دو ورنہ اس بہتان پر تم کو حد قذف کی سزا دی جائے گی مسلم شریف جلد دوم ص۷۴ پر ہے۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَضٰی بِالْیَمِیْنِ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ۔ بیشک آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مدعیٰ علیہ پر قسم واجب فرمائی۔ اس کی شرح میں امام نووی نے فرمایا لٰکِنَّ الْبَیِّنَۃَ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔۔۔۔ ترجمہ۔ لیکن مدعی پر گواہی واجب ہے اور جو شخص انکار کرے یعنی مدعیٰ علیہ اس پر قسم ہے۔ ابوداؤد شریف جلد دوم ص۱۵۱ پر ہے عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلَیْنِ اخْتَصَمَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَئَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الطَّالِبَ اَیِ الْمُدَّعِیَ الْبَیِّنَۃَ فَلَمْ تَکُنْ لَّہٗ بَیِّنَۃٌ فَاسْتَحْلَفَ الْمَطْلُوْبَ فَحَلَفَ ترجمہ۔ دو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک مقدمے کا جھگڑا لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی سے گواہی طلب فرمائی اس کے پاس گواہی نہ تھی۔ تب آپ نے دوسرے آدمی مدعیٰ علیہ سے قسم اور حلف لی۔ پس اس مدعیٰ علیہ نے اللہ کی قسم کھائی۔

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ مدعی کو قسم کھانی جائز نہیں۔ وہ صرف گواہی پیش کرے۔ اگر اس کے پاس گواہی نہ ہو تو مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی۔ صورتِ مسئولہ مذکورہ میں سنی زبیر مدعی ہے اور اس کے پاس گواہی بھی نہیں ہے۔ لہٰذا امام مذکور سے قسم لی جائے گی مگر اس طرح نہیں کہ ایک دم بھاگ دوڑ کر قرآن مجید پکڑ لیا اور سگے قسمیں کھاتے۔ بلکہ فی زمانہ بہت احتیاط چاہئے اس لیے کہ آج کل دنیا پرستی زیادہ ہے خوفِ خدا کم ہو گیا ہے اس لیے باوضو باطہارت نفل پڑھوا کر قرقیامت۔ اللہ رسول کا خوف دلا کر قرآن مجید دیکر پھر اللہ رب العزت کی قسم مدعیٰ علیہ سے کھلوانی چاہئے اسی طرح مسجد میں لیجا کر اس امام سے قسم لی جائے اور امام مذکور رکھ کر پھر آوازہ بلند یہ الفاظ ادا کرے کہ میں نے وہ الفاظ ادا کبھی نہیں کہے جو سنی زبیر میرے اوپر بہتان لگاتا ہے جب یہ قسم مکمل ہو جائے تو امام مذکور کو فوری طور پر امامت دیدی جائے اس قسم کے بعد یہ امام بری الذمہ ہو جائے گا اور اس کی اس طرح کی قسم پر یقین واعتماد کرنا واجب ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم۔

کتبہ

سوال ۱۶۱: روزۂ رمضان کے سحری بند کرنے اور افطار کا وقت معلوم کرنیکا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ہمارے شہر شیفیلڈ میں مسلمانوں کی ایک جماعت نے اس دفعہ یعنی ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء ماہ رمضان مبارک کے افطاری اور سحری کا ٹائم ٹیبل یعنی نقشہ اوقات مرتب کرکے چھاپہ ہے جس کا یکم رمضان سحری بند کرنے کا دو بجکر بیالیس منٹ ۲-۴۲ اور افطاری شروع کرنے کا وقت نو بجکر چھبیس منٹ ۹-۲۶ لکھا ہے۔ یہ چھاپنے والے اسی وقت کے مطابق لوگوں کو افطاری اور سحری کے لیے مجبور کررہے ہیں حالانکہ ہمارے شہر سے آپ کا شہر بریڈ فورڈ پینتالیس ۴۵ میل دور ہے۔ بریڈ فورڈ کے لیے آپ نے جو ٹائم ٹیبل سحری و افطاری چھاپہ ہے اور جس کو وہاں کے مسلمانوں کے ہر فرقے نے درست تسلیم کیا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ یکم رمضان مبارک سحری بند کرنے کا وقت دو بجکر پندرہ منٹ اور افطاری کا وقت نو بجکر چونتیس منٹ ۹-۳۴ ہے اور آخری تیس ۳۰ رمضان کو سحری بند کرنے کا وقت دو بجکر تیرہ منٹ اور افطاری کرنے کا وقت نو بجکر سینتالیس منٹ ۹-۴۷ لکھا ہے۔ ہم نے آپ سے ہی ایک دفعہ پوچھا تھا کہ بریڈ فورڈ اور شیفیلڈ میں شمسی رفتار سے وقت کا کتنا فرق ہے تو آپ نے فقہاء احناف کے مرتبہ اصول کے اعتبار سے بتایا تھا کہ شیفیلڈ کا وقت طلوع و غروب میں بریڈ فورڈ سے تین منٹ پہلے ہے ہم نے آپ کے نقشہ اوقات کے حساب سے تین منٹ زیادہ کرکے نقشہ چھاپ لیا ہے ہم اور ہمارے ساتھی اپنے اسی مطبوعہ وقت کے حساب سے روزہ رکھتے اور افطار کرتے ہیں یعنی یکم رمضان سحری بند دو بجکر بارہ منٹ ۲-۱۲ پر اور افطاری نو بجکر اکتیس منٹ ۹-۳۱ پر۔ اور آخری روزہ سحری بند دو بجکر دس منٹ ۲-۱۰ پر اور افطاری نو بجکر چوالیس منٹ ۹-۴۴ پر گویا کہ شیفیلڈ میں بمقابلہ بریڈ فورڈ سورج تین ۳ منٹ پہلے غروب ہوتا ہے اور اسی طرح طلوع بھی تین منٹ پہلے ہوتا ہے۔ فرمایا جائے کہ جن لوگوں نے دوسرا نقشہ اوقات چھاپا ہے جس میں تقریباً ہمارے ٹائم سے آدھا گھنٹہ بعد میں سحری بند کرتے ہیں اور افطاری تقریباً پانچ منٹ پہلے کرلیتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کے روزے درست ہیں اور کیا یہ لوگ شریعت کے لحاظ سے مجرم ہیں۔ جن لوگوں نے یہ نقشہ اوقات چھاپا ہے ان میں کوئی عالم نہیں نہ ہی کسی عالم یا مفتی سے مشورہ لیا ہے بینوا توجروا

۵-۶-۸۴

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

صورۃ مسئولہ میں سائلان کے حلفیہ بیان اور مذکورہ فی السوال اشتہاری اوقاتِ صوم و صلوٰۃ والا نقشہ اوقات

مطبوعہ بغور دیکھا۔ فریق ثانی مدعی علیہم کو بھی طلب کیا آبزرویٹری (محکمہ موسمیات) کی نظام الاوقات کی پرانی کتب بھی منگوائیں۔ ماہرین علوم نجوم وشمس کی کتب اہل اسلام اور فقہ کی کتب کا از سر نو مطالعہ کیا اور مشاہدات فلکیات و تجربات اوقات موجودہ زمانیہ مکانیہ سے موازنہ کیا تو شریعت اسلامیہ کے قانون کی روشنی میں یہ بات صاف ظاہر ہوئی کہ شفیلڈ کا مرتبہ مسئولہ نقشہ اوقات (ٹائم ٹیبل) بالکل غلط ہے اور مرتب کرنے والے افراد نے بالکل ہی شریعت کے خلاف یہ ٹائم ٹیبل) چھاپ کر بہت سخت شرعی جرم کیا ہے اور آج تک جن لوگوں نے اس ٹائم ٹیبل (نقشہ اوقات) پر روزے رکھے اور افطار کئے ہیں وہ سخت گناہ گار ہیں ان میں سے کسی کا روزہ درست ادا نہیں ہوا بلکہ فاقہ بن گیا۔ اور سب کو بعد رمضان مبارک قضا کرنے پڑیں گے۔ نیز جن لوگوں نے روزہ رکھا تو صحیح وقت پر مگر افطار اس غلط اشتہار کے وقت پر کی تو اس کو قضا کے ساتھ کفارہ بھی پڑے گا اور ہر روزے کے بدلے ایک روزہ قضا کا اور ساٹھ مسکینوں کا کفارہ کھانا دینا پڑے گا۔ اور یہ کفارہ شرعاً واجب ہے اور جن لوگوں نے اس غلط نقشہ اوقات پر سحری بند کی اسی پر افطار کیا وہ صرف ایک ایک روزہ قضا کریں گے ان پر کفارہ اس لیے نہیں ہو گا کہ ان کا روزہ شروع ہی نہیں ہوا وہ تو سحری کے بعد تک بوقت فجر بھی کھاتے رہے اب شام کو ان کی افطار بیکار ہوئی۔ لیکن جن لوگوں نے سحری تو صحیح وقت پر بند کر دی تھی ان کا روزہ شام تک صحیح رہا مگر چند منٹ پہلے افطار کر کے غروب آفتاب سے پہلے انہوں نے روزہ توڑ دیا۔ یہ شرعاً افطار نہیں بلکہ روزہ توڑنا ہو گیا اور بلا وجہ جان بوجھ کر روزہ توڑنے سے کفارہ ساٹھ روزے یا ساٹھ مسکینوں کا کھانا دینا واجب ہوتا ہے۔ بہر حال یہ ٹائم ٹیبل اول سے آخر تک سب غلط ہے اور چھاپنے والے۔ چھپوانے والے مشورہ اور ترتیب دینے والے سب گناہ گار اور شرعی عدالت کے تعزیری مجرم ہیں۔ ان پر دوسرے لوگوں کے روزے غلط ہونے کا بھی گناہ اور وبال و عذاب وارد ہو گا۔ ان کو چاہئے کہ ابھی جلدی سچے دل سے سب کے سامنے علی الاعلان اشتہار چھاپ کر توبہ کریں اور توبہ کرنے میں سوچ بچار یا شرم جھجک نہ کریں آخرت کے عذاب سے ڈریں دنیا کی عزت و ذلت کی فکر نہ کریں قیامت اور قبر کی عزت بچائیں ذلت سے بچیں۔ کیونکہ جیسا گناہ ہوتا ہے ویسے ہی توبہ ہونی چاہئے جب گناہ اشتہار کی شکل میں ہو تو توبہ بھی اشتہار کی شکل میں ہونا لازمی ہے چھپے گناہ کی چھپی توبہ اور ظاہر و مشہور گناہ کی ظاہر و مشہور توبہ واجب شرعی ہے اسی طرح حدیث پاک اور صوفیا علماء کے فرمودات میں مرقوم ہے نیز ابھی جو روزے باقی رہ گئے ہیں وہ درست ہو جائیں گے مذکورہ فی السوال اراکین جماعت کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ باوجود شریعت کے علم۔ قانون۔ اور اصول و ضوابط اور علم اوقات رفتار شمسی مکانات زمین کی کیفیات سے بالکل ناواقف ہوتے کے اپنی من مرضی سے غیر ذمہ دارانہ حرکت کا ارتکاب کیوں کیا! قرآن مجید کا ارشاد

ہے فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ ترجمہ۔ (اے لوگو) اگر کسی بات کا علم نہیں رکھتے تو علم والوں سے پوچھلیا کرو۔ اپنے ذہنی تخیل سے تو صحیح مسئلہ بتانا بھی قابلِ سزا جرم ہے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک مرتبہ اپنی کنیز کو صرف اس لیے کوڑے کی سزا دی تھی کہ اس کنیز نے ایک شخص کو اپنی سوچ سے مسئلہ بتایا تھا اور اتفاقاً وہ مسئلہ صحیح بیان ہو گیا تھا (از سیرت امام اعظم)، بحمدہ تعالٰی اس وقت کچھ متبحر جید علماء اسلام برطانیہ میں موجود ہیں جنہوں نے اپنے تجربے۔ مشاہدے اور دن رات کی ذاتی محنتوں سے ماہ و سال کی تاریخ اور روز مرہ رفتارِ شمسی و کواکب سے ثابت کر دیا ہے کہ سابقہ سال اور موجودہ سال قمری و شمسی کس تاریخ کو کتنے بجے بند سحور اور ابتداءِ افطار ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آج سے پہلے کچھ احمق وہابی لوگوں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ برطانیہ میں نہ عشا کا وقت شروع ہوتا ہے نہ طلوعِ فجرِ صادق ہوتا ہے مگر یہ سب باتیں قطعاً غلط ثابت ہوئیں اور ثابت کر دیا گیا کہ پورے سال ہر ماہ ہر دن میں عشا بھی شروع ہوتی ہے اور فجرِ صادق بھی طلوع ہوتی ہے مگر ان مسائل کے حل کے لیے کچھ محنت کرنی پڑتی ہے راتوں کو جاگنا پڑتا ہے۔ بستروں میں لیٹے لیٹے تو عالم فاضل اور مفتی و مفکر بننا بڑا آسان ہے بریڈ فورڈ اور گرد و نواح کے موسمی تجربات میں میری رائے سے متفق ہو کر ہر مکتبۂ فکر دانشوروں ذمہ دار خطیبوں نے ہمارے مشاہدات اور معلومات کے مطابق جو نقشہ اوقات صوم و صلوٰۃ شائع کیا ہے وہ عین درست ہے اور شیفیلڈ کے مسلمانوں کو علمِ توقیت کے مطابق صرف تین منٹ کی کمی جائز و ضروری تھی اس سے بڑھنا شرعی حدود میں تجاوز کرنے کی شکل ہے۔ اور ناواقف اور بے علم لوگوں کا اس طرح شرعی قواعد میں دخل اندازی کرنا ناقابلِ معافی جرم ہے کیونکہ اس جرم کے ارتکاب سے مسلمانوں کی عظیم عبادت کو۔ نقصان پہنچا اور مخلص اہلِ ایمان کی محنت مجروح ہوئی اور غیر مسلموں کی نگاہ میں مسلمانوں کی فرقہ پرستی ظاہر ہوئی۔ جہلا کی اس ذرا سی نادانی حسد اور ضد بازی سے ساری عبادت ضائع ہو گئی۔ رمضان مبارک کے بابرکت دن رات میں نمازوں روزوں کا ضائع ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس نقصان کا ذمہ دار کون ہے؟ قانونِ شریعت کے مطابق سحری اور صوم و صلوٰۃ کا تعلق سورج کے طلوع سے نہیں یا گھنٹوں منٹوں سے نہیں۔ بلکہ فجرِ صادق کے طلوع ہونے سے ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالٰی ہے۔ سورۃ بقرہ پ۲ آیت ۱۸۷۔ وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔ ترجمہ۔ اور سحری کھاؤ پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید لکیر فجرِ صادق کی رات کے اندھیرے دھاگے (لکیر) میں سے تمام مفسرین کرام فقہاء عظام و محدثین علام رحمہم اللہ یہی فرماتے ہیں کہ خیط ابیض سے فجرِ صادق مراد ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد دوم ص۶۵ اور تفسیر صاوی جلد اول ص۸۲ پر ہے۔ مِنَ الْفَجْرِ اَیِ الصَّادِقِ بَیَانٌ لِّلْخَیْطِ الْاَبْیَضِ (الخ) ثُمَّ یَطْلُعُ الصَّادِقُ وَھُوَ الضِّیَاءُ الْمُنْتَشِرُ . . . . تفسیر معانی کی عبارت اس طرح ہے وَھُوَ اَوَّلُ مَا یَبْدُوْ مِنَ

اَلْفَجْرِ الصَّادِقِ الْمُعْتَرِضِ فِی الْاُفُقِ قَبْلَ اِنْتِشَارِہٖ . . . ترجمہ ۔ فجر سے مراد صبح صادق ہے یہ خیطِ ابیض کا بیان تفسیری ہے۔ یعنی سفید دھاگے کا مطلب ہے فجر کی لکیر جو مشرق کی طرف طلوع ہوتی ہے اور وہی لکیر روشن بن کر پھیلتی چلی جاتی ہے۔ تفسیر معانی کی عبارت کا ترجمہ اور وہ سفید لکیر پہلی وہ روشنی جو ظاہر ہوتی ہے فجر صادق کی صورت میں مشرقی کنارے میں چوڑائی کی سمت میں۔ اپنے پھیلنے سے پہلے۔ بخاری شریف۔ مسلم شریف ابوداؤد و ترمذی شریف ان تمام کتب مطہرات میں حضرتِ عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہوئی حدیثِ مبارکہ میں بھی خود آقا ء کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے خیطِ ابیض سے مراد فجر صادق فرمائی ہے ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ سحری بند کرنے کے لیے فجر صادق کا طلوع اور ظاہر ہونا ہی اختتام ہے۔ فتاوی بحرالرائق جلد دوم صفحہ ۲۷۱ پر ہے کہ فجر صادق کے ظاہر ہو جانے کے بعد اگر کسی نے ایک قطرہ پانی بھی لیا تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا فجر صادق سے ایک منٹ پہلے ہی کھانا پینا بند کرنا اشد لازم ہے ان آیت قرآنیہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ سحری کا تعلق سورج کے طلوع ہونے سے نہیں نہ اس کے اندازے سے سحری بند کرنے کو مقرر کرنا جائز ہے کیونکہ سورج کے طلوع غروب کا حساب نماز کے لیے تو لگایا جا سکتا ہے مگر سحری کے لیے خود رب تعالٰی نے مکمل ضابطہ ارشاد فرمایا اور بتا دیا کہ روزہ رکھنے سحری بند کرنے کے لیے تمام مسلمانوں اور خاص کر علماء امت کا اشد فرضِ منصبی ہے کہ اپنے اپنے علاقوں میں راتیں جاگ کر محنت اور مشقت سے فجرِ صادق کو تلاش کریں علماء علم توقیت کے ذاتی تجربوں و اندازوں و تخمینوں کا سہارا لینا اور خود آرام طلبی کرتے ہوئے اپنا بیہودہ و خلافِ حقیقت و شریعت نظریہ قائم کر لینا اور باطل نظریے کو شریعت کا قانون سمجھ کر نقشے چھاپ کر عوام کو گمراہ کرنا انتہائی خطرناک عادت ہے اور عذابِ آخرت کا باعث ہمارے بعض علماء کرام نے اپنے علم کے مطابق طلوع فجرِ صادق اور طلوع آفتاب کا درمیانی فاصلہ منٹ اور گھنٹوں میں بیان فرمایا ہے مگر وہ ان کے اپنے ملک اپنے علاقے کے لیے ہو سکتا ہے نہ کہ ساری دنیا کے لیے اسی لیے بہار شریعت یا علامہ شامی کے اقوال اگرچہ بلغاریہ برطانیہ کے لیے یا سویڈن کے لیے ہوں مگر یہاں قابلِ قبول نہیں ہو سکتے کیونکہ ان بزرگوں نے وہ فتاوی اپنے علاقوں میں بیٹھ کر لکھے سائل نے جوان کو جھوٹا سچا یہاں کا نقشہ اور موسم سمجھایا ان بزرگوں نے سائل کے اسی بیان کردہ حالات و کیفیات کو سچ سمجھتے ہوئے فتوی لکھ دیا اور پھر وہی فتوی ان کی کتاب مجموعہ فتاوی و مسائل میں چھپ گیا اور آج تک چھپتا چلا آ رہا ہے اگر میں برطانیہ فرانس وغیرہ ممالک میں آ کر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتا تو شاید میں بھی ایسا ہی غلط فتوی لکھ دیتا۔ لیکن چونکہ میں نے خود یہاں کے موسموں علاقوں۔ سردی۔ گرمی۔ طلوع و غروب اور شفق و سحر۔ فجرِ صادق و کاذب خیطِ ابیض اسود عشاء و فجر کو

اپنی نگاہوں سے دیکھا مشاہدہ کیا ہے۔ تاریخیں اور دن کا وقت گھڑی سے مطابق کیا ہے۔ سمندروں کے کنارے اونچے مقامات پر خود اور اپنے ساتھیوں سے معتین کروائی ہیں اور فقہاء ملت کے ضابطے پہاڑی اور میدانی فاصلوں کے لیے سورج کی رفتار والی ڈگریاں اور دقیقے مدنظر رکھتے ہوئے جغرافیائی نظام اوقات مقرر کیا ہے لہٰذا میں ان بزرگوں کے ان علاقوں کے بارے میں فتاوی تسلیم نہیں کرسکتا۔ اور ایسے اقوال اور اندازوں کا سہارا لینا ہر علاقے کے لیے جائز نہیں ہے اور خاص کر سحری بند کرنے روزہ رکھنے یا نماز فجر وعشا کے لیے ایسے مصنوعی اندازوں کو اختیار کرنا بڑی سخت نادانی ہے۔ جس کا نتیجہ دین ودنیا کا نقصان ہے۔ بلکہ جن علماء ملت نے اپنے اپنے علاقوں میں گھڑی کے منٹ گھنٹوں کا اندازہ مقرر کیا ہے وہ بھی صرف نمازوں کے لیے نہ کہ سحری وافطاری کے لیے روزوں کے لیے ہر عالم کو خود اپنے علاقے میں محنت کرنی پڑے گی یا محقق علماء کے تجربوں اور مشاہدات پر عمل کرنا پڑے گا۔ محنت بھی نہ کی جائے۔ اور علماء اسلام سے پوچھنے اور ان کی اطاعت کرنے میں شرم وانانیت کے خلاف سمجھا جائے یہ تو صاف حکم قرآنی کا مقابلہ ہے۔ کم ازکم مشورہ لینے میں کیا شرم ہے خیال رہے کہ قرآن مجید ساری دنیا کے لیے ہے اور اس کے فرمودہ احکام وضوابط کل روئے زمین کے لیے امرِ مسلم ہیں تاقیامت۔ قرآن کریم نے قیامت تک کے لیے سحری بند کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ اور حکم فرمایا جو یقیناً ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ہے مشرقی مغربی شمالی جنوبی کوئی بھی علاقہ کیوں نہ ہو اب کسی شخص کا یہ کہہ دینا کہ برطانیہ میں فجر صادق طلوع نہیں ہوتی یہ در پردہ قرآن مجید کا مقابلہ ہے جب یہ بھی امر مسلم ہے کہ یہ ایک ہی آخری کلام ساری کائنات کے لیے ہے اور اس میں روزے کی سحری طلوع فجر صادق کا فقط ایک ہی قانون ارشاد ہے تو اگر برطانیہ میں خیط ابیض ظاہر نہیں ہوتا تو پھر یہاں رات کے اختتام سحری کے بند فجر کی ابتداء کے لیے کون سا قانون بنایا جائے گا کہاں سے لایا جائے گا۔ کیا اللہ تعالٰی کو برطانیہ کے حالات کی خبر نہ تھی کہ یہاں کے لیے قانون ہی نہیں بنایا اور موسمی کیفیات علیحدہ پیدا فرمادیں۔ ایک ہی قانونِ فجر کیوں بنایا۔ ان آیت مبارکہ نے تو ثابت کردیا کہ چودہ سو سال قبل نبی امی مالکِ علم لدنی کے زبانی الفاظ جو بشکل کلام الٰہی نازل ہوئے انہوں نے جو بھی قانون وضابطہ بتایا وہ ساری زمین پر حاوی وغالب ہے اس کو آج تک کوئی کسی طرح چیلنج نہیں کرسکا۔ اب جو ایسی وہابیانہ باتیں کرتا ہے وہ جاہل اور گستاخِ قرآن ہے میں جب سے برطانیہ آیا ہوں اور میں نے مندرجہ بالا مشاہدات کئے ہیں تو وہابیوں کے تمام اقوال جھوٹے اور کاذب پائے بس اللہ تعالٰی ہی کا قانون سچا اور دائمی ہے۔ پچھلے رمضان مبارک میں بھی تجربات مشاہدات فلکیات کو عین مطابق شریعت پایا۔ کھلی فضا اور سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر فجر صادق کا مشاہدہ ونظارہ کیا بحمداللہ تعالٰی جس

دن مطلع صاف ہوتا تھا تو باوجود آسمان کثیر زردی ہونے کے صبح صادق کی ہلکی لکیر خیطا ابیض آسمان کی چوڑائی میں نظر آتی رہی اور فضائی غبار کی زردی سرخی بھی رکاوٹ نہ بن سکی وہ لکیر قدرت کا علیحدہ ہی شاہکار ہے۔ اسی حساب سے پورے سال کی برطانوی ڈارک گھڑی ٹائم سے مرتب کرلی گئی ہے اسی ترتیب دیئے ہوئے دستی نظام الاوقات اور مشاہداتی جنتری سے ہم اپنے علاقوں میں سحری وافطاری کا نقشہ اوقات چھاپتے ہیں۔ ہمارے مشاہدئہ فلکیہ کے حساب سے ماہ جون میں رات کے دو بجے سے دو بیس۔ دو پچیس تک اختتام سحر و طلوع فجر ہوتا رہا۔ اور ہم نے مطبوعہ نقشہ اوقات میں پانچ منٹ قبل احتیاطاً سحری بند کروائی۔ کیونکہ پہلے بند کروادینا کسی صورت مضر نہیں۔ اسی طرح ہم نے سنا تھا کہ بعض بیوقوف لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ برطانیہ میں نماز عشا کا وقت شروع نہیں ہوتا یہ بھی قطعاً غلط ہے اور یہاں اگر مشاہدے اور تجربے سے ثابت ہوا کہ پورا سال برطانیہ کی ایک رات بھی ایسی نہیں جس میں عشا کا وقت نہ ہوتا ہو ہر موسم کی ہر رات میں ہمارے فقہاء کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے فرمودہ ضابطوں کے تحت عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اگرچہ رات چھوٹی سی ہو اور آدھی رات کے بعد شفق غائب ہوتی ہو۔ مگر غائب ہوتی ضرور ہے اور شفق کا غائب ہونا ہی وقت عشا ہے ہاں البتہ ان علاقوں میں مسلک صاحبین (امام اعظم کے شاگرد امام یوسف وامام محمد) کے مطابق سرخیِ آسانی کو شفق قرار دیا جائے گا نہ کہ سفیدی کو اگر کسی شخص کو دین میں محنت کرنے کا شوق ہے تو آئے راتوں کو جاگ کر مشاہدے کرسکتا ہے یہ تو تھی روزے کی ابتداء اور سحری بند کرنے کا وقت اور اس میں جہالت کی غلطیاں۔ مگر مخالف فریق کے مطبوعہ اشتہار میں افطاری کا لکھا ہوا وقت بھی قطعاً غلط ہے اور اس وقت روزہ افطار کرنا بالکل غلط اور روزے کو باطل کرنا توڑنا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالٰی ہے۔ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ۔ ترجمہ پھر پورا کرو تم روزوں کو رات تک۔ قانون فقہ کے مطابق شرعی رات اور قمری تاریخ سورج کے غروب ہوتے ہی شروع ہوجاتی ہے۔ چنانچہ تمام مفسرین نے یہاں رات سے غروب آفتاب ہی لیا ہے تفسیر صاوی مالکی جلد اول ۸۷ پر ہے۔ اِلٰی اَنۡ دُخُوۡلِہٖ بِغُرُوۡبِ الشَّمۡسِ ترجمہ۔ یعنی رات سے مراد ہے سورج ڈوبنا۔ ہمارے شفیلڈ کے دانشوروں نے اپنی نادانی سے سمجھا کہ شاید بادلوں کے اندھیرے کا نام رات ہے۔ جو وقت ان کے اشتہار میں افطاری کے لیے لکھا ہے یعنی پہلی تاریخ نو بجکر چھبیس منٹ اور آخری روزہ نو بجکر چالیس منٹ اس وقت تو ابھی سورج افق مغرب پر آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ اور اس وقت روزہ افطار کرنا گویا روزہ توڑنا ہے یہ روزے کی توہین ہے اسی بے ادبی کی بنا پر شریعت نے کفارے کی سزا دی ہے۔ اللہ تعالٰی ہم سب مسلمانوں کو ہدایت کاملہ عطا فرمائے تاکہ کوئی روحانی ظلم کرکے مسلمانوں کی عبادات الٰہیہ خراب نہ کرسکے یہ بھی مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ ایسے گروہ

پیدا ہوگئے جو عبادتوں کو برباد و ضائع کرکے عظیم ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں اور صرف عوام ہی نہیں سعودی حکومت پچھلے تقریباً پندرہ سال سے لاکھوں مسلمانوں کے روزے عیدین اور حج ضائع و خراب کر رہی ہے مگر کوئی اس کے اس ظلم روحانی کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا۔ تقریباً ہر سال ہی ایک دن یا دو دن پہلے حج کرادیا جاتا ہے۔ اسی طرح رمضان و عیدالفطر بھی بغیر آنکھوں سے چاند دیکھے اپنی آرام طلب طبیعت کے بنا پر مشینوں کمپیوٹروں کا سہارا یا بہانہ بناکر ظلم جسمانی کے خلاف تو سب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں مگر سعودیہ کو اس ظلم روحانی سے روکنے والا کوئی نہیں۔ حقیقت ہے کہ سعودی حکومت بھی مسلمانوں پر ایک عذاب الیم ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اس عذاب سے بچائے۔ آمین۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

سوال ۱۷۱ **طلاق بالوکالت کا بیان**

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلے میں کہ ایک لڑکی نسرین کی شادی نکاح۔ زید سے ہوا کچھ ماہ اچھی طرح خانہ آبادی رہی پھر آپس میں لڑائی جھگڑا ہوا اور خاوند نے بیوی کو گھر سے نکال دیا اور برطانوی عدالت میں خاوند نے درخواست دی کہ قانونی طریقے سے ہمارا نکاح ختم کیا جائے کورٹ کچہری کے جج نے اس کی اس مذکورہ بیوی کو بھی اطلاع بھیجی کہ تم کیا چاہتی ہو کیا تم بھی علیحدہ ہونا چاہتی ہو یا نہیں۔ بیوی نے بھی لکھ کر بھیجدیا کہ ہاں جیسا خاوند چاہتا ہے ویسا ہی کردو کورٹ نے ۸۷/۱۰/۲ کو اپنے فیصلے میں لکھ دیا کہ زید اور اس کی بیوی علیحدہ ہو جائیں کیونکہ دونوں میں طلاق ہو چکی ہے اب یہ خاوند بیوی ایک سال سے علیحدہ ہیں۔ فرمایا جائے کہ کیا طلاق ہو گئی اور کیا یہ مطلقہ بیوی اپنا نکاح کسی اور جگہ کرسکتی ہے یا نہیں بَیِّنُوْا توجروا۔

دستخط سائل ۸۷/۱۲/۳۱

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے صورت مسئولہ میں حتی المقدور میں نے تحقیق کی ہے تمام کاغذات کا بغور مطالعہ کیا۔ زید مذکور خاوند کی درخواست جو اس نے کورٹ آف پریسٹن برطانیہ میں دائر کی اس کو انگریزی میں یہ ایپلیکیشن آف ڈیوورس رجسٹرڈ کہتے ہیں جس کا شرعی عربی زبان میں ترجمہ ہے۔

طلاق بالوکالت کی تفویض۔ یہ طلاق شرعًا اس وقت واضح ہو جاتی ہے جب وہ شخصیت طلاق دیدے جس کو خاوند نے سپرداری طلاق کی ہو صورتِ مسئولہ میں زید کی طرف سے اس کی بیوی مسمات نسرین کو ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی ہے۔ گویا کہ خاوند مذکور نے اپنی بیوی مذکورہ کو ایک طلاقِ بائنہ بالوکالت دی ہے اور کچہری کے جج کو اپنی طلاق کا وکیل بنایا ہے اور چونکہ شریعتِ اسلامیہ کے قانون سے اس وکیل کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے جس کے سپرد خاوند طلاق کر دے خواہ تحریرًا یا زبانی۔ اس سوال میں خاوند زید مذکور مؤکل ہے اور کورٹ کا جج وکیل ہے جب کورٹ کے جج نے تحریری طلاق (ڈیوورس) لکھ دی تو شرعًا بھی درست ہو گئی اسی طرح تمام کتبِ فقہ میں مرقوم ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضیخان جلد اول صـ۵۲۲ پر ہے۔ اِنَّمَا یَقَعُ الطَّلَاقُ اِذَا اَرَادَ الزَّوْجُ تَفْوِیْضَ الطَّلَاقِ اِلَیْہِ ۔ ترجمہ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کی طلاق کسی شخص کے سپرد کر دے یعنی اس کو وکیل طلاق بنا کر کہہ دے کہ تو میری فلاں بیوی کو طلاق دیدے اور ہم دونوں کو علیحدہ کر دے اس کے بعد وہ وکیل کسی بھی دن اس کی اسی بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور پھر وکیل بنانے میں یہ شرط نہیں کہ وہ وکیل مذہبًا مسلمان ہی ہو یا ہم مسلک اور ہم دین ہی ہو۔ بلکہ غیر مسلم۔ اور کافر وکیل بھی اگر طلاق دے گا تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول صـ۲۹۳ پر ہے۔ وَلَوْ جَعَلَ اَمْرَ اِمْرَأَتِہٖ بِیَدِ صَبِیٍّ اَوْ مَجْنُوْنٍ اَوْ عَبْدٍ اَوْ کَافِرٍ فَھُوَ فِیْ یَدِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّقُوْمَ مِنْ ذٰلِکَ الْمَجْلِسِ کَمَا لَوْ فَوَّضَ ذٰلِکَ اِلَی الْمَرْأَۃِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ترجمہ۔ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کی طلاق کسی سمجھ دار بچے یا وقتی عارضی مجنون یا غلام یا کافر کے سپرد کر دے یعنی ان میں سے کسی کو طلاق کا وکیل بنا دے تو یہ وکالت درست ہے اور جب تک وہ مجلس قائم ہے وہ طلاق ان وکیلوں کے سپرد رہے گی۔ جیسا کہ خود اپنی بیوی کو اس کی طلاق سپرد کرنا درست ہے اور دینے سے واقع ہو جاتی ہے۔ قانونِ شریعت کے مطابق وکالتِ طلاق تین قسم کی ہے ۱؎ وکالتِ مُوَقَّتہ ۲؎ وکالتِ مقیدہ ۳؎ وکالت مطلقہ مُوَقَّتہ وہ ہے جو اسی مجلس ومحفل تک سپرد رہے مقیدہ وہ ہے جس میں کسی قید یا اگر مگر کا ذکر ہو۔ اور مطلقہ وہ ہے جس میں ہر وقت یا عام وقت میں طلاق سپرد کی ہو کہ جب چاہے طلاق دیدے کسی دن تاریخ وقت یا شرط کی قید نہ ہو یہ طلاق کسی مجلس کی پابند نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ جلد اول صـ۲۹۸ پر ہے۔ فَاِنْ ھُوَ تَوْکِیْلٌ مُطْلَقٌ حَتّٰی لَا یَبْطُلَ بِالْقِیَامِ عَنِ الْمَجْلِسِ ترجمہ۔ جس وکیل کو طلاق کا مطلقًا وکیل بنایا جاتا ہے اس کی وکالت مجلس کے برخاست ہونے یا اس تاریخ کے ختم ہونے سے ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ وکیل اگر کچھ دیر یا کچھ دنوں کے بعد بھی اس مؤکل کی اسی بیوی کو طلاق دیدے تب بھی طلاق پڑ جائے گی۔ شاید کوئی یہ گمان کرے کہ حکومتِ برطانیہ نے یہ قانون خود بنایا ہے کہ کوئی خاوند خود طلاق نہیں دے سکتا بلکہ عدالت اور کورٹ کچہری کے ذریعے ہی دے اور یہ جبر ہے۔

اور جبری وکالت درست نہیں تو شریعت اسلامیہ کی رو سے یہ گمان بھی غلط ہے۔ کیونکہ شرعی طور پر جبری وکالت بھی جاری ہو جاتی ہے چنانچہ فتاویٰ قاضیخان جلد اول صفحہ ۵۲۴ پر ہے۔ رَجُلٌ اَكْرَهَهُ السُّلْطَانُ لِيُوَكِّلَهُ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ فَقَالَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ الضَّرْبِ وَالْحَبْسِ اَنْتَ وَكِيْلِيْ وَلَمْ يَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ فَطَلَّقَ الْوَكِيْلُ امْرَأَتَهُ (الخ) يَقَعُ الطَّلَاقُ ۔ ۔ ۔ ترجمہ کسی بادشاہ نے کسی خاوند کو مجبور کرتے ہوئے دھمکی کے طریقے پر کہا کہ مجھ کو تو اپنی بیوی کو طلاق کا وکیل بنا دے تو خاوند نے مار اور قید کی سزا کے خوف سے کہہ دیا کہ تو میرا وکیل ہے اس سے زیادہ کچھ نہ کہا پھر اس بادشاہ نے اس کی بیوی کو طلاق دیدی تو شرعاً طلاق واقع ہو جائے گی صورۃ مسئولہ مذکورہ میں اس خاوند نے خود برضا و رغبت اپنی درخواست کے ذریعے اپنی بیوی کی طلاق کا وکیل کورٹ کے جج کو بنایا تھا اور وکالت بھی مطلق تھی اور اسی وکالت کی رو سے اس جج نے طلاق کا فیصلہ لکھ کر جاری کر دیا لہذا یہ طلاق شرعاً بھی واقع ہو گئی۔ اس لیے یہ فتویٰ جاری کیا جاتا ہے کہ مذکورہ بیوی کو ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی اور اس کی عدت بھی اس گزشتہ مدت میں گزر گئی۔ اب وہ جہاں چاہے اپنا نکاح شرعی کر سکتی ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

سوال ۱۸ اپنی بیوی کے بارے میں کہنا یہ میری بیوی نہیں اسکا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں۔ ایک شخص مسمی جعفر نے ایک گھر سے اپنے نکاح کے لیے یہ کہہ کر رشتہ مانگا کہ میں کنوارہ ہوں مجھے اپنی فلاں بیٹی کا رشتہ دیدو۔ والدین نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی اسی بیٹی کا نکاح و شادی رخصتی اس کے ساتھ کر دی کچھ عرصے بعد اس کی بیوی اور بیوی کے والدین کو پتہ لگا کہ یہ تو اپنے ملک ہندوستان میں پہلے سے شادی شدہ ہے اور اس کے چند بچے بھی ہیں۔ یہ دھوکہ دیکر صرف اس لیے شادی کا خواہش مند تھا کہ اسی طریقے سے اس ملک میں اس کو ویزہ اور پختہ نیشنلٹی سکونت و شہریت وطنیت مل جائے۔ جب والدین کو پتہ لگا کہ ہم سے اور ہماری بیٹی سے دھوکہ ہوا ہے تو انہوں نے اس جعفر سے باز پرس اور لڑائی کی یہاں تک کہ خوب فساد ہوا بلکہ مار کٹائی تک نوبت آ گئی مسمی جعفر نے سخت پریشانی اور گھبراہٹ میں یا غصے میں آکر قرآن پاک اٹھایا اور قسم کھا کر کہا کہ نہ میری شادی وہاں ہے اور نہ ہی میری شادی یہاں تمہاری اس لڑکی مسمات ہندہ سے ہے۔ اور یہ کہا کہ نہ وہ میری بیوی ہے اور نہ یہ ہندہ میری بیوی ہے۔ اس بات کے یہ بہت سے گواہ آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہیں۔ یہ بات کہہ کر وہ اپنا جو تھوڑا بہت سامان تھا

لیکر چلا گیا۔ اور تقریباً ایک سال ہوگیا ہے نہ کوئی ملاقات نہ خرچہ نہ حقوق زوجیت کچھ بھی اس شخص نے ادا نہ کیا ہمارے علاوہ لڑکی اور والدین بھی سخت پریشان ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری یہ پریشانی دور ہو اور ہماری بچی اس نکاح سے آزاد ہو۔ لہٰذا ہمیں شرعی فتویٰ دیا جائے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

دستخط سائل حمید اللہ برمنگھم ۱۰/۷/۸۷

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

صورت مسئولہ میں قانون شریعت کے حکم سے اس مسئلے کی حتی المقدور تفتیش کی گئی ہے تقریباً ڈھائی ماہ تک ان حالات اور بیانات کی حقانیت وسچائی پر اردگرد سے گواہیاں لی گئی ہیں خاوند مذکور مسمیٰ جعفر سے رابطہ پیدا کرنے کی بہت کوشش کی گئی مگر وہ لاپتہ ہونے کی وجہ سے رابطہ نہ کرسکا۔ اس لیے یہ فتویٰ بہت انتظار غور وفکر چھان بین کے بعد جاری کیا جارہا ہے شریعت اسلامیہ کے قانون کے مطابق خاوند مذکور کی جانب سے اس کی بیوی مسمات ہندہ کو ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے اور یہ طلاق کنایہ ہے۔ اور تقریباً ایک سال پیشتر طلاق کا شرعی وقوع ہوچکا ہے۔ اور چونکہ بیوی کے حلفیہ بیان سے وہ اس مدت میں ہر ماہ باقاعدگی سے حائضہ بھی ہوتی رہی ہے اس لیے اس کی عدت بھی گزرچکی ہے۔ اب ہندہ مذکورہ سابقہ نکاح سے آزاد اور اپنے خاوند جعفر کی زوجیت سے بالکل علیحدہ ہے۔ نہ یہ جعفر اس کا خاوند رہا نہ ہندہ شرعاً اس کی بیوی رہی اب اس شرعی اسلامی فتوے کے حکم قانونی سے ہندہ مذکورہ آج ہی اپنا نکاح جہاں چاہے کرسکتی ہے۔ یہ اسلامی شرعی فتویٰ مندرجہ ذیل دلائل کی بنیاد پر جاری کیا گیا ہے۔ دلیل ۱ ۔ بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے میں نے بذات خود کئی مرتبہ مدعیاں گواہان کو اپنے پاس بلایا ہر طرح تسلی تشفی سے حلفیہ باوضو قرآن مجید کو ہاتھ لگوا کر بیان قولاً وتحریراً لیا اور نکاح وغیرہ کے کاغذات غور وفکر سے پڑھے۔ مختلف مقامات پر اپنے مقرر کردہ گواہوں کو بھیجا اور بیانات کی سچائی معلوم کی اس تفتیش کی تمام کلیات وجزئیات سے میں اپنے دل کو مطمئن پاتا ہوں اور کلمہ وقرآن مجید کی اس حلف کا مجھ کو یقین کرنا پڑتا ہے فقط اسی یکطرفہ یقین دہانی پر یہ فتویٰ مبنی ہے۔ دلیل ۲ ۔ جس طرح صریحی طلاق کا ثبوت قرآن مجید حدیث پاک فقہ اسلامی وغیرہ کے ارشادات مقدسہ وقوانین الٰہیہ سے ثابت ہے اسی طرح طلاق کنایہ بھی قرآن مجید کی اشارۃ النص اور حدیث پاک کی اقتضاء النص فقہ اسلامی کی دلالۃ النص اور اجماع امت کی عبارۃ النص سے بالوضاحت ثابت ہے اور جو خاوند جب کبھی بھی اپنی بیوی کو کنایہ الفاظ سے طلاق دیدے تو وہ واقع ہوجاتی ہے اور بالکل صریحی طلاق کی طرح رجعی یا بائنہ وغیرہ واقع ہوتی ہے۔ دلیل ۳ ۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ جل مجدہ کا یہ ارشاد پاک ۔ سورۃ احزاب آیت ۲۸

وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۔ اور اسی سورۃ احزاب کی آیت ۴۹ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ان ارشادات الٰہیہ میں لفظ سَرِّحُوْا اور سراحًا یہ الفاظ کنایہ ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف جلد دوم ص۷۹۲ پر ہے اذا قَالَ فَارَقْتُكِ اَوْ سَرَّحْتُكِ اَوِ الْخَلِيَّةُ اَوِ الْبَرِيَّةُ اَوْ مَا عُنِيَ بِهِ الطَّلَاقُ فَهُوَ عَلٰى نِيَّتِهٖ وَقَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا۔ . . . ترجمہ جب کسی خاوند نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ کو چھوڑا تجھ کو جدا کیا تو یہ الفاظ کنایہ ہیں جو بھی نیت کرے گا وہی واقع ہوگا اگر طلاق کی نیت ہوئی تو طلاق پڑجائے گی۔ اسی طرح سورۃ طلاق ۶۵ کی آیت ۲ میں فرمایا گیا اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ امام بخاری نے فرمایا کہ یہ لفظ بھی طلاق کنایہ کا ہے۔ ان آیت کے نزول پر آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج پاک سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں تسریح و تفریق کر دوں۔ ان دونوں لفظوں سے آپ نے طلاق کی نیت فرمائی جس پر تمام ازواج نے آپ کی نیت سمجھ کر عرض کیا نہیں یارسول اللہ۔ ثابت ہوا کہ طلاق کنایہ کی حیثیت بھی شریعت مطہرہ میں طلاق صریح جیسی ہے۔ دلیل ۱۸ ۔ احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہوا کہ خاوند اگر بیوی کو طلاق کنایہ دے تو وہ واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ شریف جلد اول ص۱۴۶ پر ہے عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ ابْنَةَ الْجَوْنِ لَمَّا دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَنَا مِنْهَا قَالَتْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُذْتِ بِعَظِيْمٍ اِلْحَقِيْ بِاَهْلِكِ ۔ ترجمہ روایت ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ بیشک عمرہ بنت جون جب کہ بیاہ کر آئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت گاہ میں اور آپ اس کے قریب تشریف لائے تو وہ کہنے لگی میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے عظمت والے رب ذوالجلال کی پناہ پکڑی ہے اِلْحَقِيْ بِاَهْلِكِ جا اپنے اہل سے مل جا یعنی اپنے والدین کے گھر چلی جا۔ ان الفاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیوی کو طلاق دی ان الفاظ کو طلاق شمار کیا گیا۔ چنانچہ اسی ابن ماجہ کے ص۱۴۷ پر اسی واقعہ کا ذکر اس طرح ہے عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ عَمْرَةَ بِنْتَ الْجَوْنِ تَعَوَّذَتْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اُدْخِلَتْ فَقَالَ لَقَدْ عُذْتِ بِمَعَاذٍ فَطَلَّقَهَا . . . ترجمہ۔ بنت جون کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دیدی تھی۔ ثابت ہوا کہ اِلْحَقِيْ وغیرہ الفاظ طلاق کے لفظ بن سکتے ہیں اور شریعت میں یہ الفاظ طلاق کنایہ کے شمار کئے جاتے ہیں یہ الفاظ صریحی طلاق کے نہیں ہیں۔ اسی لیے یہی الفاظ طلاق کے علاوہ بھی استعمال ہو سکتے ہیں احادیث پاک میں اس کا ثبوت موجود ہے چنانچہ نسائی شریف جلد دوم۔ باب اِلْحَقِيْ بِاَهْلِكِ وَلَا يُرِيْدُ الطَّلَاقَ — ص۱۰۲ پر ہے۔ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُكَ اَنْ تَعْتَزِلَ امْرَاَتَكَ فَقُلْتُ اُطَلِّقُهَا اَمْ مَاذَا قَالَ لَا اعْتَزِلْهَا فَلَا تَقْرَبْهَا فَقُلْتُ لِامْرَاَتِيْ اِلْحَقِيْ بِاَهْلِكِ (الخ) ترجمہ۔ یہ باب . . . اسبات کا ہے کہ جو خاوند اپنی بیوی سے کہے کہ جا اپنے اہل سے مل جا اور

اور طلاق مراد نہ ہے کعب بن مالک کی توبہ کے وقت آقا دو کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ کو اللہ کے رسول حکم دیتے ہیں کہ غزوہ تبوک کی غیر حاضری کی سزا میں اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اس کو طلاق دیدوں یا کیا ارشاد ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ صرف علیحدگی اختیار کر۔ تو فوراً میں نے اپنی بیوی کو کہا اَلْحِقِیْ بِاَھْلِكِ جا اپنے والدین سے ملحق ہو جا۔ توبہ قبول ہونے کے بعد ان کی یہ بیوی پھر ان کے پاس آگئی اس سے ثابت ہوا کہ الفاظِ کنایہ میں اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق نہ پڑے گی اور اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔ ان دونوں حدیثوں مبارکہ سے دونوں باتوں کا اور حکمِ شریعت کا ثبوت مل گیا بالکل اسی طرح کا حکم و بیان ابوداؤد شریف جلد اول ص۳۰۰ پر ہے۔ دلیل نمبر ۵۔ تمام فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق اور اس مسئلے پر اجماع امت ہے کہ الفاظِ کنایہ طلاق کے لیے بولنے سے طلاق کنایہ درست واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے واقع ہونے کی دو۲ صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خاوند کی نیت ان الفاظ کے بولنے کے وقت طلاق دینے کی ہو اور خاوند اپنے صدق دل۔ امانت۔ دیانت۔ ایمانداری سچائی سے اپنے ان لمحات کی قلبی نیت کیفیت کا ذکر کھلے دل سے کر دے کہ اس وقت میری نیت ان لفظوں سے طلاق دینے کی ہی تھی نہ جھوٹا اقرار کرے نہ جھوٹا انکار۔ اس طرح جو نیت خاوند بتائے گا وہی اسی طرح حکم شریعت لگ جائے گا۔

دوسری صورت یہ کہ جس وقت خاوند نے یہ الفاظ کنایہ منہ سے نکالے یا لکھے یا ادا کیے اس وقت کے حالات بتا رہے ہوں کہ طلاق ہی دے رہا ہے تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے چنانچہ ہدایہ جلد دوم ص۳۴۵ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۳۷۴ پر ہے۔ اَلْفَصْلُ الْخَامِسُ فِی الْکِنَایَاتِ لَا یَقَعُ اِلَّا بِالنِّیَّۃِ اَوْ بِدَلَالَۃِ الْحَالِ۔ ترجمہ۔ الفاظِ کنایہ سے طلاق تب واقع ہوتی ہے کہ یا تو خاوند کی نیت ہو۔ یا تب طلاق ہوتی ہے۔ جب کہ حالات ثابت کریں کہ یہ طلاق ہی دے رہا ہے۔ دلیل نمبر ۶۔ جب خاوند موجود نہ ہو یا بعد میں جھوٹا انکار کر دے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی تو قانونِ شریعت میں اس وقت کے حالات اور خاوند کی کیفیات کے مطابق فتویٰ اور حکم جاری کیا جاتا ہے کیونکہ حالات کی دلالت نیت کے قائم مقام ہے چنانچہ علم اصولِ فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار ص۱۴۷ پر ہے۔ وَحُکْمُھَا اَنْ لَا یَجِبَ الْعَمَلُ بِھَا اِلَّا بِالنِّیَّۃِ اَیْ بِنِیَّۃِ الْمُتَکَلِّمِ لِکَوْنِھَا مُسْتَتِرَۃَ الْمُرَادِ فَلَا یُطَلِّقُ فِیْ اَنْتِ بَائِنٌ مَا لَمْ یَنْوِ نِیَّتَہٗ اَوْ لَمْ یَکُنْ شَیْءٌ قَائِمٌ مَقَامَہٗ کَدَلَالَۃِ الْغَضَبِ وَمُذَاکَرَۃِ الطَّلَاقِ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی کے حاشیہ قمر الاقمار ص۱۴۷ پر ۲۳ میں ہے۔ بِاَنَّ الْمُرَادَ مِنَ النِّیَّۃِ فِی الْمَتْنِ اَعَمُّ مِنَ النِّیَّۃِ وَیَقُوْمُ مَقَامَھَا مِنْ دَلَالَۃِ الْحَالِ اَوْ قَرِیْنَۃٍ اُخْرٰی ۔ ۔ ۔ ۔ ترجمہ الفاظِ کنایہ کا حکم یہ ہے کہ متکلم کی نیت ہو تو طلاق واقع ہو جاتی ہے اس لیے کہ ان لفظوں کے چند معنیٰ ہونے کی وجہ سے بولنے والے کی مراد پوشیدہ رہتی ہے لہٰذا اَنْتِ بَائِنٌ کہنے میں بھی جب تک کہ نیت

نہ کرے یا حالات نہ بتائیں اس وقت تک طلاق نہ پڑے گی۔ حالات کی دلالت نیت کے قائم مقام ہے۔ حالات کی بہت صورتیں ہیں ۱ غضب ۲ لڑائی جھگڑا ۳ طلاق کا تذکرہ ۴ یا کوئی دوسرا قرینہ۔ چنانچہ بحر الرائق جلد سوم صـ۳۰۶ پر ہے وَلَا یَخْفٰی اَنَّ دَلَالَۃَ الْحَالِ تَقُوْمُ مَقَامَھَا۔ ترجمہ۔ یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ کہ الفاظِ کنایہ میں حالات کی دلالت نیت کے ہی درجہ میں ہے اس لیے کہ خاوند تو اپنی نیت بتانے میں کبھی جھوٹ بھی بول سکتا ہے مگر حالات کو دیکھتے ہوئے غلط بیانی ثابت نہیں ہوسکتی ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ شریعتِ اسلامیہ کے قانون کے مطابق کنایہ الفاظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ بعض جہلاء نے اس کا انکار کیا ہے یہ ان کی جہالت ہے۔ دلیل ۷۔ الفاظِ کنایہ زمانے۔ علاقے۔ رسم و رواج۔ زبان۔ تلفظ۔ لغت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہیں۔ صورتِ مذکورہ میں جن لفظوں کی بنا پر طلاق ثابت ہو رہی ہے وہ خاوند مذکور کے یہ مذکورہ مندرجہ ذیل لفظی عبارتیں ہیں ۱ نہ ہی میری شادی یہاں ہندہ کے ساتھ ہے ۲ اور نہ ہندہ میری بیوی ہے۔ قانونِ اسلامیہ کی تمام کتابوں میں یہ سب الفاظ طلاقِ کنایہ میں شمار کیے گئے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ کنز الدقائق صـ۱۲۳ پر ہے وَتُطَلَّقُ بِلَسْتِ لِیْ بِامْرَأَۃٍ اَوْ لَسْتُ لَکِ بِزَوْجٍ اِنْ نَوٰی بِہٖ الطَّلَاقَ۔ ترجمہ۔ اور بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے خاوند کے اس کہنے سے کہ تو میری بیوی نہیں ہے۔ یا میں تیرا خاوند نہیں ہوں جب کہ خاوند نے اس کہنے سے طلاق کی نیت کی ہو۔ دلیل ۸۔ خاوند مذکور نے قرآن مجید پر ہاتھ لگا کر ہندوستانی شادی کا انکار کیا۔ یہ قسم ہوئی اس سے طلاق نہ پڑی۔ لیکن ساتھ ہی غصے میں جھنجھلا کر کہتا ہے کہ نہ ہی میری شادی یہاں ہندہ کے ساتھ ہے۔ یہ قول قسم نہیں ہے کیونکہ اس پر کوئی قسم نہ مانگ رہا تھا۔ خاوند بھی جانتا ہے کہ ہندہ کی شادی نکاح ہونے کو یہاں موجود سب لوگ جانتے ہیں اس کی خبر دینے کی حاجت نہ تھی اس لیے یہ قول خبر بھی نہیں بن سکتا لہٰذا لامحالہ انشاء اور انعقاد بنے گا یہ الفاظ خاوند کی اپنی رضاء و رغبت سے ادا ہوئے اس لیے یہ طلاقِ کنایہ بن گئے اب خاوند اگرچہ یہ کہے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی مگر اس عبارت کے حالات یہ بتاتے ہیں کہ بجز طلاق یہ جملہ اور کچھ نہیں بن سکتا۔ جملے کی دو ہی قسمیں ہوتی ہیں یا خبریہ یا انشائیہ۔ خبریہ تو بن ہی نہیں سکتا نہ اس کا موقعہ نہ محل پس یہ انشائیہ ہوا اور انشائیہ سے انعقاد اور انعقاد سے طلاق پڑی۔ فتاویٰ بحر الرائق جلد سوم صـ۳۰۵ پر ہے وَھٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ لِاَنَّھَا تَصْلُحُ لِاِنْشَاءِ الطَّلَاقِ کَمَا تَصْلُحُ لِاِنْکَارِہٖ فَیَتَعَیَّنُ الْاَوَّلُ بِالنِّیَّۃِ۔ وَقَالَا لَا تُطَلَّقُ وَاِنْ نَوٰی لِکَذِبِہٖ۔ وَدَخَلَ فِیْ کَلَامِہٖ مَا اَنْتِ لِیْ بِامْرَأَۃٍ وَمَا اَنَا لَکِ بِزَوْجٍ وَلَا نِکَاحَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکِ۔ (الخ) وَلَوْ قَالَ لَا نِکَاحَ بَیْنَنَا یَقَعُ الطَّلَاقُ۔ (الخ) ترجمہ۔ یہ مسئلہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہے اس لیے کہ خاوند کے یہ الفاظ کہنا بیوی سے کہ تو میری بیوی نہیں وغیرہ وغیرہ یہ قول طلاق بن جاتا ہے اور اس سے

خاوند کا انکار بھی بن سکتا ہے لہٰذا جو نیت ہوگی وہی حکم جاری ہو جائے گا اگر پہلی چیز یعنی طلاق کی نیت خاوند کرے گا تو طلاق پڑ جائے گی۔ صاحبین نے فرمایا کہ طلاق نہ پڑے گی اگرچہ نیت کرے کیونکہ یہ جھوٹ بنتا ہے لیکن امام اعظم کے نزدیک یہ الفاظ اور اس قسم کے تمام اقوال طلاقِ کنایہ میں داخل ہیں۔ مثلاً کوئی خاوند کہے کہ تو میرے لیے بیوی نہیں رہی یا کہے کہ میں تیرے لیے خاوند نہیں رہا۔ یا کہے کہ میرے اور تیرے درمیان شادی نہیں ہوئی یا نہیں ہے تو ان سب صورتوں میں امام اعظم کے نزدیک طلاق ہو جائے گی اور اگر کہا کہ ہمارے درمیان نکاح نہیں ہے تو متفقاً طلاق واقع ہو جائے گی۔ ان سب دلائل سے ثابت ہو رہا ہے کہ صورتِ مذکورہ میں جعفر کی طرف سے اس کی بیوی ہندہ کو طلاق ہو گئی کیونکہ ہماری اصطلاح میں نکاح کو شادی بیاہ ہی کہا جاتا ہے لہٰذا خاوند مذکور کا یہ کہنا کہ میری شادی یہاں ہندہ کے ساتھ نہیں ہوئی نکاح ہی کا ذکر ہے اس لیے کہ شادی سے نکاح ہی مراد لیا جاتا ہے صاحبین یعنی امام یوسف اور امام محمد کا قول درست نہیں وہ ان الفاظ کو کنایہ نہیں مانتے۔ بلکہ جھوٹ بولنا کہتے ہیں ان کا یہ مسلک اور نظریہ تین وجہ سے غلط ہے۔ اولاً اس لیے کہ جھوٹ اور کذب جملہ خبریہ ہے اور جملہ خبریہ اجنبی اور ناواقف کے سامنے بولا جاتا ہے اور خبر ان کو دی جاتی ہے جو جانتے نہ ہوں لیکن اس بیوی کے بیوی ہونے کا انکار اور اس کے نکاح کی نفی جس کو سب جانتے ہیں بلکہ جنہوں نے نکاح خود کیا کرایا پڑھایا ہے بیوی خاوند اور ان کی اولاد تعلقات کو زمانے سے جانتے پہچانتے ہیں ان کے سامنے خاوند کا اپنی بیوی کے متعلق کہنا کہ یہ میری بیوی نہیں ہے۔ یہ جملہ خبریہ کس طرح بن سکتا ہے ذرہ بھر غور و فکر سے ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ خاوند بھی اپنے کلام کی نوعیت سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ میں ان لوگوں کو جھوٹی یا سچی خبر نہیں سنا رہا۔ یہ حالات خود بخود دلالت کر رہے ہیں کہ خاوند کا یہ طرزِ تکلم خبر نہیں ہے انشا ہے اور انشا سے طلاق ہی بنتی ہے۔ ثانیاً صاحبین کا قول اس لیے غلط ہے کہ کلام تین قسم کا ہوتا ہے ۱۔ کلامِ کذب ۲۔ کلامِ اقرار ۳۔ کلامِ انشا۔ خاوند کا اپنی زوجہ معروفہ کے متعلق جاننے والوں کے سامنے یہ کہنا کہ یہ میری بیوی نہیں یا اس کے ساتھ میری شادی نہیں ہوئی یہ کذب نہیں ہو سکتا نہ اس کذب کی ضرورت نہ فائدہ۔ یا یہ اقرار ہوگا اور جملہ خبریہ بن جائے گا اور اس کلام کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اب یہ میری بیوی نہیں ہے میں اس کو پہلے کبھی طلاق دے چکا ہوں اور یا یہ قولِ **انشا** بنے گا یعنی اب طلاق ہے۔ دونوں صورتوں میں بہرحال طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ثالثاً۔ صاحبین کا مسلک اس لیے غلط ہے کہ خاوند کا یہ قول جھوٹ تب ہوگا جب اس کو جملہ خبریہ مانا جائے حالانکہ خود صاحبین بہت سے خبریہ جملوں کو خبریہ نہیں مانتے بلکہ انشا اور انعقاد کا حکم لگاتے ہیں۔ مثلاً کوئی خاوند اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو بائن ہے یہ بھی جملہ خبریہ ہے مگر صاحبین کے نزدیک بھی طلاق کنایہ اس سے پڑ جاتی ہے یا مثلاً کسی شخص کے پاس ایک کی

اپنی عمر سے بڑا غلام یا نوکر ہے اور چھوٹی عمر کا مالک اس سے کہتا ہے کہ تو میرا بیٹا ہے تو صاحبین کے نزدیک غلام کی آزادی واقع ہوجائے گی حالانکہ یہ جملہ قطعاً سراسر جھوٹ ہے اسی طرح یہاں بھی اگرچہ ایک پہلو ایک معنیٰ جھوٹ کا نکلتا ہے مگر دوسرا معنیٰ طلاق کا بھی نکلتا ہے بلکہ حالاتِ مندرجہ بالا طلاق ماننے پر زیادہ قوی ہیں۔ اس لیے امام اعظم کا مسلک بہت مضبوط و درست ہے صاحبین کا نظریہ غیر فکری ہے کیا شان ہے فرمودات امام اعظم کی کہ فقہ و فقاہت کی بلندیوں پر اگر چڑھتے چلے جاؤ تو تدبر کی چوٹی پر امام اعظم کا ہی سورج چمکتا نظر آتا ہے جب کہ باقی تمام ائمہ مجتہدین کے چراغ ماند ہیں۔ دلیل نمبر ۹۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اول صفحہ ۳۷۵ پر ہے ولو قال لہا

لَا نِکَاحَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکِ اَوْ قَالَ لَمْ یَبْقَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکِ نِکَاحٌ یَقَعُ الطَّلَاقُ اِذَا نَوٰی . . . . .

ترجمہ۔ اگر خاوند نے اپنی بیوی کو کہا کہ نہیں ہے میرے اور تیرے درمیان شادی نکاح یا کہا نہیں باقی رہا نکاح میرے تیرے درمیان تو طلاق واقع ہوجائے گی جب کہ خاوند اس کی نیت کرے۔ صورت مذکورہ میں حالات بتارہے ہیں کہ خاوند نے طلاق کی ہی نیت کی تھی ورنہ وہ مذکور خاوند ان لوگوں کے سامنے یہ الفاظ بحالتِ غضب و جھنجھلاہٹ نہ بولتا جو شرعاً صرف طلاق کی انشا کے ہی بن سکتے ہیں۔ دلیل نمبر ۱۰۔ فتاوٰی فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۹۲ پر ہے وَاخْتُلِفَ فِیْ لَسْتِ بِامْرَأَتِیْ وَمَا اَنَا لَکِ بِزَوْجٍ وَنَوَی الطَّلَاقَ یَقَعُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَقَالَا لَا لِاَنَّ نَفْیَ النِّکَاحِ لَیْسَ طَلَاقًا بَلْ کَذِبٌ . (الخ) وَلَہٗ اَنَّہَا تَحْتَمِلُہٗ اَیْ لَسْتِ لِیْ بِامْرَأَۃٍ لِاَنِّیْ طَلَّقْتُکِ فَیَصِحُّ کَمَا فِیْ لَا نِکَاحَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکِ . . . . .

ترجمہ۔ خاوند کے اس قول میں امام اعظم اور ان کے دونوں شاگردوں (صاحبین) کا اختلاف ہے کہ خاوند کہے اپنی بیوی سے تو میری بیوی نہیں اور نیت کرے طلاق دینے کی۔ امام اعظم کے نزدیک طلاق واقع ہوجائے گی۔ مگر صاحبین نے فرمایا کہ نہیں واقع ہوگی اس لیے کہ یہ طلاق نہیں بلکہ جھوٹی خبر ہے۔ امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ یہ الفاظ طلاق بننے کا احتمال رکھتے ہیں۔ پس یہ کہنا کہ تو میری بیوی نہیں بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی کہے اپنی بیوی کو کہ میں نے تجھ کو طلاق دی پس یہ نفی صحیح طلاق بن جائے گی اور اس طلاق کا درجہ اسی طرح ہوگا جس طرح کوئی خاوند اپنی بیوی سے کہہ دے کہ میرے تیرے درمیان نکاح نہیں ہے۔ دلیل نمبر ۱۱۔ امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ خاوند یہ کہے اپنی بیوی سے کہ تو میری بیوی نہیں ہے۔ لیکن جب خاوند یہ کہتا ہے کہ میرے تیرے درمیان نکاح نہیں ہے (شادی نہیں ہے) تو صاحبین کے نزدیک بھی طلاقِ کنایہ درست پڑجاتی ہے۔ مذکورہ سوال میں خاوند کا پہلا قول یہی ہے کہ میری شادی یعنی نکاح ہندہ سے نہیں ہے۔ لہٰذا متفقہ طور پر بھی اس صورتِ مسئولہ میں ہندہ کو طلاق ہوگئی۔ دلیل نمبر ۱۲۔ خاوند اگر غائب کے صیغے سے کہے کہ وہ میری بیوی نہیں ہے یا بیوی کا نام لے کر کہے کہ فلاں عورت میری بیوی نہیں ہے تب بھی طلاقِ کنایہ

واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ کنزالدقائق جلد اول ص۱۲۲ پر ہے بحوالہ عینی شرح بخاری اور فتح القدیر اَلَاتَرٰی اَنَّہٗ یَجُوْزُ اَنْ یَّقُوْلَ لَیْسَتْ لِیْ بِاِمْرَئَۃٍ اِذْ(لِانِّیْ) مَا تَزَوَّجْتُھَا فَاِذَا نَوٰی بِہٖ الطَّلَاقَ فَقَدْ نَوٰی مُحْتَمِلُ لَفْظِہٖ فَیَصِحُّ کَمَا لَوْ قَالَ لَانِکَاحَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکِ ترجمہ: کیا تونے نہیں دیکھا کہ سب مجتہدین اس بات کو درست مانتے ہیں کہ خاوند یہ کہے اپنی بیوی کے بارے میں کہ وہ میری بیوی نہیں ہے اس لیے کہ میں نے اس سے شادی نہیں کی۔ پس جب ان لفظوں سے خاوند نے طلاق کی نیت کی تو بیشک وہی واقع ہوگا اس نے نیت کی لفظ کے احتمال رکھنے کی وجہ سے لہٰذا طلاق صحیح ہے۔ جیسے کہ اس کہنے میں بھی اختلاف نہیں کہ اگر خاوند کہے اپنی بیوی سے کہ نہیں ہے میرے تیرے درمیان نکاح۔ یعنی جس طرح تمام فقہا علما ائمہ کا اتفاق ہے اس قول میں کہ خاوند کہے اپنی بیوی سے خود روبرو کہ میرا تیرا نکاح نہیں۔ یہ الفاظ طلاق کنایہ کے ہیں اسی طرح یہ الفاظ کہ وہ عورت میری بیوی نہیں ان لفظوں سے بھی تمام علماء کے نزدیک طلاق کنایہ ہو جاتی ہے۔ دلیل نمبر۱۳۔ شرعی قانون کے مطابق الفاظِ کنایہ سے دو طریقوں پر طلاق واقع ہوتی ہے۔ پہلا یہ کہ خاوند خود اظہار یا اقرار یا قبول کرے کہ میں نے ان کنایہ لفظوں سے طلاق مراد لی ہے تب بھی شرعاً طلاق پڑجائے گی۔ دوسرا طریقہ یہ کہ خاوند خود اپنی اس وقت کی نیت نہ بتا سکے کسی وجہ سے یا نہ بتانا چاہے۔ اس طرح کہ خاوند غائب ہو یا لاپتہ یا دیوانہ مجنون و گونگا ہو گیا ہو۔ یا اب جھوٹ بول رہا ہو تو پھر ان صورتوں میں حالات اور اس وقت کے ماحول کو دیکھنا ہوگا جس وقت خاوند نے یہ کنایہ الفاظ بولے تھے۔ اگر ماحول۔ حالات۔ یا الفاظ کی طرزِ بیانی سے طلاق ثابت ہو جائے تب بھی طلاق واقع مانی جائے گی اس لیے کہ حالات و ماحول کی دلالت نیت کے قائم مقام ہے یعنی جو حالات بتائیں وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ خاوند خود اپنی نیت بتادے یہ مسئلہ پہلے فتاویٰ بحرالرائق جلد سوم ص۳۰۰ اور نورالانوار علم اصول ص۱۴۲ کے حوالوں سے ثابت کر دیا۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں ہمارا رابطہ کوششِ بسیار کے باوجود خاوند مذکور سے نہیں ہو سکا اس لیے دلالتِ احوال سے استدلال کیا جارہا ہے اور اس سوال میں حالات ایسے ہیں کہ سوا طلاق کے اور کچھ مراد نہیں لیا جا سکتا اگرچہ اب خاوند آکر کہہ دے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی۔ اس لیے کہ دوسری کوئی نیت بن ہی نہیں سکتی۔ یہاں تین طریقے سے ثابت ہو رہا ہے کہ جعفر مذکور کے یہ دونوں دفعہ کے الفاظ کنایہ طلاق ہی بنتے ہیں۔ اولاً اس طرح کہ جب خاوند مذکور سے ہندوستانی نکاح کے بارے میں جھگڑا بحث کیا گیا تو اس نے غصے طیش میں آکر ہندوستانی نکاح کا انکار کیا اور قسم اٹھائی پھر جھنجھلاہٹ میں ہندہ سے بھی علیحدگی و کنارہ کشی کے خیال سے اس نے ہندہ کے لیے بھی وہ الفاظ بولے جو ان حالات کے پیش نظر طلاق کنایہ بن گئے اس لیے کہ اس موقعے پر ہندہ کے متعلق تو کسی کا نہ سوال تھا نہ حلف لینا مقصود تھا نہ اس کی کوئی ضرورت تھی۔ اسی وجہ سے یہی الفاظ ان دونوں بیوی کے لیے طلاق

نہ بنے مگر ہندہ کے لیے یہی الفاظ بن گئے اس لیے کہ پہلی بیوی کے لیے وہ الفاظ خبر تھے جس کے لیے اس کا قسم دینا بھی درست تھا اور قسم کے ساتھ الفاظِ کنایہ بولنا جب کہ وہ الفاظ خبر بھی بن سکتے ہوں تو قسم کی وجہ سے طلاق نہ ہوگی۔ چنانچہ فتاوٰی بحرالرائق جلد سوم صفحہ ۳۰۲ پر ہے وَ وَاللّٰہِ مَا اَنْتِ لِیْ بِاِمْرَاَۃٍ (الخ) کُلُّھَا ھٰذِہٖ الْاَلْفَاظُ لَا یَقَعُ فِیْھَا وَاِنْ نَوٰی اور فتاوٰی فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۹۲ پر ہے وَبَعْدَ التَّسْلِیْمِ نَقُوْلُ بِدَلَالَۃِ الْیَمِیْنِ عُلِمَ اَنَّہٗ اَرَادَ النَّفْیَ عَنِ الْمَاضِیْ لَا فِی الْحَالِ لِاَنَّ الْحَلْفَ یَکُوْنُ فِیْمَا یَدْخُلُہُ الشَّکُّ لَا فِیْ اِنْشَاءِ النَّفْیِ فِی الْحَالِ

ترجمہ۔ اور خاوند کا یہ کہنا کہ اللہ کی قسم تو میری بیوی نہیں یا وہ فلاں عورت میری بیوی نہیں تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ خاوند نیت کرے اور اس مسئلے کو تمام حنفی شافعی وغیرہ تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ کہ قسم و حلف یمین کی دلالت سے اب یہ الفاظ ماضی کی نفی بن گئے نہ کہ حال کی نفی۔ حالانکہ طلاق حال کی نفی ہوتی ہے لیکن اب یہ ایسا نہیں۔ یہی فرق جملہ خبریہ اور جملہ انشائیہ میں ہے کہ جملہ خبریہ میں ماضی کا ذکر ہوتا ہے اور انشائیہ میں حال کا اس فرق باریک کو امام ابو یوسف و امام محمد توجہ نہ دے سکے اور غلطی کھا کر اس کو کتب میں شمار کر لیا۔ بہرکیف خاوند مذکور کے یہ الفاظ کنایہ ہندہ کے لیے طلاق ہیں ان کا حلف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دوسرا استدلال یہ کہ خاوند مذکور کی طرز بیانی بھی طلاق کو ظاہر کر رہی ہے خاوند کہتا ہے۔ نہ ہی میری شادی یہاں ہندہ کے ساتھ ہے۔ لفظ ہے نے بتایا کہ خاوند موجودہ وقت میں نفی کر رہا ہے اگر سابقہ نفی مراد ہوتی تو اس طرح کہا جاتا ہے نہ ہی میری شادی کبھی ہندہ کے ساتھ ہوئی تیسرا استدلال یہ کہ پہلے شادی کا انکار پھر بیوی ہونے کا انکار۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہندہ سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اب تک کے ان تمام دلائل سے واضح ہوگیا کہ یہ الفاظ کذب بولنا نہیں بلکہ انشاء طلاق ہیں۔ دلیل ہمکا ۱۔ اب تک کے دلائل قرآن و حدیث۔ فقہ و قیاس علم اصول و ضوابط شرعیہ سے ثابت کر دیا گیا کہ ہندہ مذکورہ کو طلاق ہوگئی ہے۔ اب یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ طلاق اب رجعی کنایہ طلاق ہے اس لیے کہ کنایہ الفاظ خاوند کی نیت یا حالات کی دلالت کے بعد بالکل صریح طلاق کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس طرح کہ جن صریح لفظوں سے طلاق رجعی ہوتی ہے ان ہی درجہ کے کنایہ لفظوں سے بھی طلاق رجعی کنایہ ہوگی اور جن صریح لفظوں سے طلاق بائنہ پڑ جاتی ہے۔ اسی قسم اور اسی مشابہت کے کنایہ لفظوں سے بھی طلاقِ بائنہ کنایہ ہی واقع ہوگی۔ اسی لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ کنایہ الفاظ سے کبھی طلاقِ رجعی اور کبھی طلاقِ بائنہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فتاوٰی فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۸۸ پر ہے۔ ثُمَّ الْکِنَایَۃُ مُنْقَسِمَۃٌ اِلٰی مَا یَکُوْنُ الْوَاقِعُ بِہٖ وَاحِدَۃً رَجْعِیَّۃً وَمَا یَکُوْنُ وَاقِعًا بَائِنًا طلاق کنایہ کی دو قسمیں ہیں کچھ وہ الفاظ جن میں صرف طلاق رجعی بالکنایہ مراد ہوتی ہے یعنی ان میں کوئی شدت یا قید وغیرہ نہیں ہوتی اور کچھ وہ کنایہ الفاظ ہیں جن میں سختی شدت۔ شرطیت یا قید ہوتی ہے ان لفظوں سے ایک طلاقِ بائنہ کنایہ واقع ہوتی ہے۔ سوال مذکورہ میں

خاوند کا بیان کردہ قول کہ ہندہ میری بیوی نہیں۔ ان لفظوں سے ایک طلاقِ رجعی پڑی اس لیے کہ یہ الفاظ اس معنی اور اس درجہ میں ہیں کہ۔ میں نے ہندہ کو طلاق دی۔ چنانچہ اسی فتاویٰ فتح القدیر میں کچھ آگے ہے۔ وَلَهُ أَنَّهَا تَحْتَمِلُهُ أَيْ لَسْتِ لِيْ بِامْرَأَةٍ لِأَنِّيْ طَلَّقْتُكِ (الخ) ترجمہ۔ اور امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ لَسْتِ لِيْ بِامْرَأَةٍ کہنا ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اور چونکہ طَلَّقْتُكِ کہنے سے تو ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا اس مذکورہ خاوند کا یہ کہنا کہ ہندہ میری بیوی نہیں ہے اس سے بھی ایک رجعی طلاق ہی واقع ہوگی۔ اسی طرح نور الانوار صفحہ ۱۴۸ پر ہے وَيُرَادُ بِهٖ أَنْتِ طَالِقٌ فَيَقَعُ الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ ... ترجمہ۔ اور ان کنایہ لفظوں سے مراد لی جاتی ہے اَنْتِ طَالِقٌ یعنی تو بیوی طلاق والی ہے اور چونکہ الفاظ کنایہ ان ہی صریح الفاظ کے ہم معنیٰ اور اسی کے حکم کے مشابہ ہیں اس لیے ان کنایہ لفظوں سے رجعی طلاق ہی واقع ہوگی۔ طلاق رجعی میں عدت کے اندر اندر خاوند کو رجوع کر لینے کا حق ہوتا ہے عدت کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اب اس ہندہ کی طلاق سے یہ مذکورہ خاوند محمد حسین رجوع بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہندہ کی مدت بحساب مدت گزشتہ اور بقول حلفیہ بیان گزر چکی ہے۔ لہٰذا اس فتوئے شرعیہ کی رو سے ہندہ آج ہی بطریقہ اسلامیہ جہاں چاہے اپنا نکاح شرعی کر سکتی ہے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ..... تمت بالخیر

سوال ۱۹۔

تین مسائل کے بارے میں مختصر و مدلل فتویٰ ۱۔ نفل نماز کی جماعت کرنے کا بیان ۲۔ تحیت سامنے ہو تو سجدہ رکوع کرنے کا بیان ۳۔ نماز میں تیزی اور جلد بازی کرنے کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں۔ کہ ٹیکسیلا کی ایک مسجد کے خطیب اور امام صاحب نے اس سال ستائیسویں ۲۷ تراویح لیلۃ القدر کے نوافل پڑھنے کے لیے ایک دن پہلے نہایت اہتمام سے اعلان فرمایا کہ کل اسی جگہ اسی مسجد میں نماز تراویح کے بعد لیلۃ القدر کے نفلوں کی جماعت کرائی جائے گی آپ سب لوگ خود بھی اور اپنے دیگر دوست احباب کو بھی لائیں۔ دوسرے دن انہوں نے اپنے اعلان کے مطابق بیس ۲۰ رکعت نفل دو دو۔ دو ۲ دو کی نیت سے جماعت کے ساتھ ادا کئے اور خود اسی امام مسجد نے جماعت کرائی ہم نے اپنی زندگی میں نفلوں کی جماعت پہلی دفعہ دیکھی۔ آج تک کسی عالم نے نفلوں کی جماعت نہیں کرائی۔ فرمایا جائے کہ کیا یہ نفلوں کی جماعت جائز ہے

یا شریعت میں منع ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آج مورخہ سات مئی دو شوال بروز اتوار اسی جگہ مسجد میں ایک جنازہ کمیونٹی سنٹر کے حال میں ادا کیا گیا جنازے کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز با جماعت اور ظہر کی سنتیں اور نفل ادا کی گئیں اس نماز ظہر کے وقت جنازے کی میت بالکل نمازیوں کے سامنے رکھی ہوئی تھی اور بہت سے نمازیوں نے فرض باجماعت اور اس کے بعد نفل سنتیں۔ رکوع سجود میت کے سامنے ادا کیں مگر اس امام نے یا کسی معتبر شخص نے نہ میت کو وہاں سے اٹھوا کے پیچھے یا پوشیدہ کروایا نہ وہاں سے ہٹوایا۔ نہ دائیں بائیں رکھوایا نہ نمازیوں کو مسئلہ بتایا نہ نماز پڑھنے سے روکا۔ حالانکہ ہم نے سنا ہے کہ شریعت اسلامیہ مطہرہ کے قوانین میں سے ہے کہ کسی قبر یا میت کے سامنے سجدہ کرنا۔ اور سجدے رکوع والی پنجوقتہ فرض سنت واجب نفل وغیرہ کوئی نماز پڑھنی اور ادا کرنی قطعاً حرام ہے اس طرح کا غیر شرعی کام بھی آج ہم نے پہلی دفعہ دیکھا ہے نماز ظہر پوری ادا کرنے کے بعد پھر میت اٹھا کر اس امام مسجد کے سامنے رکھی گئی اور نماز جنازہ پڑھی گئی تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اسی رمضان شریف میں ہم نے دیکھا کہ امام مذکور نے نماز عشا اور حافظ صاحب نے تراویح کی نماز اتنی تیزی اور جلد بازی میں پڑھائیں کہ نہ نمازیوں کی التحیات پوری ہوتی تھی نہ جلسہ نہ قومہ صحیح طرح ادا ہوتا تھا نیز چار تراویح کے درمیان نہ امام صاحب مذکور تسبیح تراویح پڑھتے تھے نہ تراویح پڑھانے والے حافظ صاحب پڑھتے تھے اور اتنی جلدی اگلی تراویح کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے کہ جو نمازی تسبیح تراویح پڑھتا یا پڑھنا چاہتا وہ بھی پوری نہیں کر سکتا تھا۔ غرضکہ نماز میں عجیب بھاگ دوڑ کا نقشہ تھا۔ فرمایا جائے کہ کیا اتنی تیز نماز پڑھنا شریعت میں جائز ہے۔ اور کیا چار تراویح کے درمیان میں تسبیح تراویح نہ پڑھنا اور نہ اتنی دیر بیٹھنا کہ تسبیح تراویح پڑھی جا سکے درست ہے؟ ان تمام مسائل کے متعلق ہمیں شریعت کا فتویٰ عطا فرمایا جائے بیّنوا توجروا۔

فقط والسلام دستخط سائل و گواہان ۷/۵/۱۹۸۹

۲/۱۰/۸۹

بعون العلام الوھاب

الجواب

قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ان واقعات کی تحقیق و تفتیش اور واقعات کی سچائی پر تسلی بخش گواہیاں اور دو طرفہ رابطہ قائم کرنے کے بعد یہ فتویٰ شرعیہ جاری کیا جا رہا ہے ان تینوں مسئلوں کا مختصراً جواب تو یہ ہے کہ امام مذکور اور تراویح پڑھانے والے حافظ مذکور نے یہ سب کام قطعاً غلط اور خلافِ شریعت کئے۔ ہمارے حافظ صاحبان تو شروع سے ہی جہلاء زمانہ بے علم ان پڑھ قسم کے لوگ مشہور ہیں لیکن غالباً یہ امام و خطیب مذکور بھی ان مسائل سے اپنی لاعلمی کی بنا پر ناواقف ہیں۔ فی زمانہ اکثر خطباء و ائمہ مساجد اس طرح کے عام اسلامی مسائل سے ناواقف ہوتے جا رہے ہیں۔ قانونِ شریعت کے مطابق جماعت صرف فرض اور واجب نمازوں کے لیے مقرر فرمائی گئی۔ جو پنجوقتہ نمازوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے اور جمعہ کے لیے واجب

عیدین کے لیے فرض۔ تراویح کے لیے خصوصیت وتر کے لیے تراویح کی وجہ سے صرف رمضان شریف میں ان کے علاوہ کسی بھی دن مہینے اور خصوصی تواریخ میں کبھی بھی کسی بھی خصوصی یا غیر خصوصی نفل یا سنت کے لیے جماعت کرنا اور باقاعدہ اعلان کرکے لوگوں کو اجتماع کثیر میں بلاکر امامت کے ساتھ نفل پڑھانے قطعاً ممنوع اور مکروہ تحریمی وحرام ظنی ہے۔ پڑھانے اور پڑھنے والے سب گناہ گار اور گناہ کا وبال وعذاب اس کی دعوت عام دینے اور جماعت منعقد کرنے والے پر ہے۔ اسی طرح۔ قانونِ شریعت میں قبر کے سامنے اور میت کے سامنے اور سونے والے آدمی کے سامنے سجدہ کرنا۔ یا رکوع۔ سجدے والی مکمل نماز پڑھنا۔ اور اس نماز کا سجدہ بھی قبر۔ میت یا سونے والے کے سامنے کرنا حرام ہے۔ اگرچہ یہ سجدہ ونماز اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے مگر میت یا قبر سونے والا سامنے ہو تو نماز ناجائز پڑھنے والا گناہ گار۔ میت یا سونے والا یا کسی مردے کی قبر خواہ نمازی کے سامنے چوڑائی میں موجود ہو یا لمبائی میں۔ یعنی نمازی کے سامنے یہ تینوں میں سے کوئی شرقاً غرباً ہو یا شمالاً جنوباً۔ ہر طرح نماز پڑھنا گناہ عظیم ہے۔ جن بعض فقہاء کرام نے سونے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کو لاَ اَکْرَہُ کہہ کر غیر مکروہ اور جائز قرار دیا ہے وہ سخت غلطی پر ہیں اور ان کا استدلال حدیثِ عائشہ صدیقہ سے نہایت غیر مدبرانہ اور کمزور ہے۔ جس کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔ اسی طرح۔ تیسرا مسئلہ کہ نماز میں جلد بازی کرنا۔ تو یہ بھی قانونِ شریعت سے قطعاً غلط ہے اور کسی بھی قسم کی نماز میں نفل ہو یا فرض واجب وغیرہ تیزی کرنا نماز کو باطل کردیتا ہے۔ تراویح تو اپنے لفظی معنیٰ کے اعتبار سے بھی اطمینان سکون و پُروقار راحت کا متقاضی ہے۔ اس لیے کہ نماز تراویح پر پورے قرآن مجید کی حفاظت سماعت۔ تلاوت۔ قرائت وتجوید اور حفظ آیت قرآنیہ کی ذمہ داری ہے۔ ہر چار تراویح کے بعد سماعت وتلاوتِ قرآن مبین کے شکرِ مولیٰ تعالیٰ ادا کرنے کے لیے نہایت محبت وعاجزی سے بیٹھ کر روح کی مزید پاکیزگی وتذکیہ وجلاء قلبی کے لیے دعا تسبیح پڑھنا بہت ضروری ومستحسن ہے اور جس کو یہ دعا، تسبیح نہ آتی ہو وہ درود شریف یا کلمہ شریف بھی پڑھ سکتا ہے مگر اطمینان محبت والفت سے بھاگتے دوڑتے نماز یا تسبیح وتہلیل، صلوٰۃ وسلام ادا کرنا برا ہے۔ ان مسائل کے تفصیلی دلائل واحکام حسب ذیل ہیں۔ پہلا مسئلہ جس طرح اسلام کے تمام عملیات صغیر وکبیر کسی نہ کسی حکمت ومصلحت پر معین ومقرر فرمائے گئے ہیں اسی طرح نمازوں کی جماعت میں عظیم حکمت الٰہیہ مضمر وموجود ہے۔ نیز نماز باجماعت اُمتِ مسلمہ کی خصوصیت ہے یہ جماعت و امامت اسلام کی عظیم الشان اہم اور مشکل ترین ذمہ داری ہے یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر جاہل واحمق انسان امامت کی تنخواہوں کی لالچ میں آکر مطلب برآری کے لیے داڑھی رکھ لے اور مصلّٰے نبوی پر بندر بانٹی کی مشق شروع کردے جاہل اماموں کا امامت کے منصب پر غاصب وقابض ہو جانا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے امامت وجماعت کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باری تعالیٰ نے اپنی اس عبادت کے لیے جماعت اور جماعت

کے لیے امامت اور امامت کے لیے اپنے محبوب شہنشاہِ کائنات محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اور پھر آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اپنے ہی مدرسہ خصوصیہ لدنیہ روحانیہ کے فارغ التحصیل تلامذہ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یکے بعد دیگرے علی الترتیب اس مصلے کے مقام مرشیہ منصب قدسیہ پر قائم فرمایا اور خلفاء مُتّبِعِین راشدین نے بعد والوں کے لیے ہزارہا قسم کے اصول وقیود وضوابط وشرائط اور تحصیلِ علوم کثیرہ کی پابندیاں لگادیں تاکہ کبھی کوئی نااہل ونالائق شخص مصلے پر کھڑا نہ ہو سکے قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جماعتِ صلوٰۃ کی تقسیم فرماتے ہوئے اس کی چھ قسمیں کر دی ہیں چنانچہ فتاویٰ بحرالرائق جلد اول ص۳۶۵ پر اور فتاویٰ تنویر الابصار جلد اول ص۵۱۵ پر ہے۔

وَالْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ لِلرِّجَالِ قَالَ الزَّاهِدِيُّ اَرَادُوْا بِالتَّاكِيْدِ الْوُجُوْبَ اِلَّا فِيْ جُمُعَةٍ وَعِيْدٍ فَشَرْطٌ وَفِي التَّرَاوِيْحِ سُنَّةٌ كِفَايَةٌ وَفِيْ وِتْرِ رَمَضَانَ مُسْتَحَبَّةٌ عَلٰى قَوْلٍ وَفِيْ وِتْرِ غَيْرِهٖ وَتَطَوُّعٍ عَلٰى سَبِيْلِ التَّدَاعِيْ مَكْرُوْهَةٌ۔

ترجمہ۔ اور جماعت نمازِ پنجوقتہ کے لیے سنّۃ مؤکدہ ہے صرف مردوں کے لیے۔ امام زاہدی نے فرمایا کہ کچھ فقہاء کرام نے سنّۃ مؤکدہ سے واجب ہونا مراد لیا ہے۔ مگر یہی جماعت نماز جمعہ اور نماز عید کے لیے فرض ہے۔ اور جماعت کرانا تراویح میں سنۃ کفایہ ہے اور ماہ رمضان مبارک میں وتر کی جماعت مستحب ہے ایک قول کی بناء پر اور ماہ رمضان مبارک کے بعد تمام سال وتر کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ اور نوافل کی جماعت کرانا تو ہمیشہ ہی مکروہ تحریمی ہے جب کہ دعوتِ عام دیکر کرائی جائے۔ اس طرح یہ جماعت چھ قسموں میں منقسم ہوگئی ۱۔ فرض ۲۔ واجب ۳۔ سنتِ مؤکدہ ۴۔ سنتِ کفایہ ۵۔ مستحب ۶۔ مکروہ۔ بہت سے فقہاء امت نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز کے لیے جماعت فرض نہیں بلکہ واجب ہے۔ اور ان کی دلیل سورۃ جمعہ کی یہ آیت ۹ ہے

وَاِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ الخ ترجمہ۔ اور جب جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے لیے ندا کی جائے تو سب کچھ بیع تجارت خرید وفروخت چھوڑ کر دوڑ پڑو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف۔ اس آیتِ کریمہ کی اشارۃ النص سے نمازِ جماعت کا ثبوت ملتا ہے مگر ظنی طور پر اور دلیلِ ظنی سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ ان اقوال مختلفہ کے باوجود نفلوں کی جماعت کرانا تمام کے نزدیک سخت مکروہ ہے خاص کر ایک دن پہلے دعوتِ عام کا اعلان کرنا اور نفلوں کی جماعت کا اہتمام کرنا تو بالکل ہی مخالفانہ جہالت ہے۔ اور قانونِ شریعت کی خلاف ورزی۔ فتاویٰ بحرالرائق شرح کنزالدقائق جلد اول ص۳۶۵ پر ہے۔

وَالْحَاصِلُ اَنَّ التَّطَوُّعَ بِالْجَمَاعَةِ اِذَا كَانَ عَلٰى سَبِيْلِ التَّدَاعِيْ يُكْرَهُ ... ترجمہ۔ اور اسلام کا قانونِ کلیہ یہ ہے کہ نفلوں کو جماعت سے ادا کرنا خاص کر جب کہ دعوتِ عام دینے کے طریقے سے

ہو سخت مکروہ ہے۔ اسی طرح فتاوی عالمگیری جلد اول ص۳ پر ہے۔ اَلتَّطَوُّعُ بِالْجَمَاعَةِ اِذَا کَانَ عَلٰی سَبِیْلِ التَّدَاعِیْ یُکْرَہُ۔ ۔ ترجمہ۔ نفل نماز کی جماعت کرانا سب فقہاء اسلام کے نزدیک منع ہے فقہ کی مشہور معتبر کتاب فتاوی درمختار مع شرح شامی جلد اول ص۶۶۳ پر ہے وَلَا یُصَلِّی الْوِتْرُ وَالتَّطَوُّعُ بِجَمَاعَةٍ خَارِجَ رَمَضَانَ اَیْ یُکْرَہُ ذَالِکَ لَوْ عَلٰی سَبِیْلِ التَّدَاعِیْ۔ (الخ) وَفِی الْاَشْبَاہِ عَنِ الْبَزَّازِیَةِ یُکْرَہُ الْاِقْتِدَاءُ فِیْ صَلٰوةِ رَغَائِبَ وَبَرَاءَةٍ وَقَدْرٍ۔ ترجمہ۔ اور وتر کی نماز ماہ رمضان پاک کے بعد کبھی بھی اور نفل نماز بھی کبھی کسی مہینے میں جماعت سے ہرگز نہ پڑھے جائیں اور فتاوی اشباہ اور فتاوی بزازیہ میں ہے کہ صلاۃ رغائب یعنی ۲۷ رجب شب معراج کی خوشی میں پڑھے جانے والے نفل اور شبرات کے نفل اور شب قدر کے نوافل میں بھی کسی امام کو آگے کرکے اس کے پیچھے مقتدی بن کر نفلوں کی با جماعت ادائیگی بھی سخت مکروہ ہے۔ فتاوی شامی ردالمحتار جلد اول ص۶۶۳ پر ہے وَاِنْ کَانَ عَلٰی سَبِیْلِ الْمُوَاظَبَةِ کَانَ بِدْعَةً مَکْرُوْھَةً لِاَنَّہٗ خِلَافُ الْمُتَوَارَثِ ترجمہ۔ اور اگر کوئی شخص نفل جماعت کی عادت بنالے یعنی ہر بڑی رات اور ہر رمضان میں جماعت کرے کرائے تو یہ بہت سخت بری بدعت و گمراہی ہے۔ شریعت کے خلاف ہے۔ احادیث کی خلاف ورزی ہے۔ جو بیوقوف کم عقل خطیب ایسا کرے وہ گمراہ ہے خلاف طریقہ رسول اللہ و صحابہ کرام ہے۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ نفلوں کی جماعت ہر موسم اور ہر ماہ ہر وقت ہمیشہ ہی ناجائز ہے اور پڑھانے والا گناہ گار عبادت اور وقت برباد۔ اصطلاح فقہاء کے مطابق جب مطلقاً مکروہ کا لفظ ارشاد ہو تو وہاں مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ فتاوی بحرالرائق ص۲۹ باب الطہارت جلد اول میں ہے۔ وَفِی الْمُبْتَغٰی اَنَّہٗ مِنَ الْمَنْھِیَّاتِ فَتَکُوْنُ تَحْرِیْمِیَّةً۔ اور فتاوی منحۃ الخالق جلد اول ص۲۹ پر ہے وَالظَّاھِرُ اَنَّہٗ مَکْرُوْہٌ تَحْرِیْمًا اِذْ اِطْلَاقُ الْکَرَاھَةِ مَصْرُوْفٌ اِلَی التَّحْرِیْمِیَّةِ ترجمہ۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ بیشک وہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ جب مکروہ کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو مکروہ تحریمی کی طرف پھیرا جاتا ہے اور جتنی بھی شریعت اسلامیہ میں ممنوع چیزیں ہیں وہ مکروہ تحریمی ہی ہیں فتاوی درمختار باب العیدین جلد اول ص۷۷۳ پر ہے قُلْتُ اِطْلَاقُ الْکَرَاھَةِ تَبْعًا لِلْبَحْرِ وَالدُّرَرِ یُفِیْدُ التَّحْرِیْمِیَّةَ۔ اور فتاوی شامی جلد اول ص۳۵۳ پر ہے وَالظَّاھِرُ اَنَّھَا تَحْرِیْمِیَّةٌ لِاَنَّھَا الْمُرَادَةُ عِنْدَ اِطْلَاقِھِمْ۔ ترجمہ۔ اور ظاہر قانون اور اصطلاح شریعت یہی ہے کہ جب فقہاء کرام مکروہ کو مطلق رکھیں تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ فتاوی ردالمحتار جلد اول کتاب الطہارۃ ص۱۲۳ پر ہے۔ قَوْلُہٗ وَمَکْرُوْھُہٗ ھُوَ ضِدُّ الْمَحْبُوْبِ قَدْ یُطْلَقُ عَلَی الْحَرَامِ (الخ) وَعَلَی الْمَکْرُوْہِ تَحْرِیْمًا وَھُوَ مَا کَانَ اِلَی الْحَرَامِ اَقْرَبُ وَیُسَمِّیْہِ مُحَمَّدٌ حَرَامًا ظَنِّیًّا (الخ) وَفِی الْبَحْرِ مِنْ مَکْرُوْھَاتِ الصَّلٰوةِ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ نَوْعَانِ اَحَدُھُمَا مَا کُرِہَ تَحْرِیْمًا وَھُوَ الْمَحْمَلُ

عِنْدَ اِطْلَاقِہِمُ الْکَرَاہَۃَ . . . ترجمہ: شریعت اسلامیہ میں مکروہ وہ ہے جو پسندیدہ اور محبوب چیز کی ضد و مخالف ہو۔ اس کو حرام بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ مکروہ تحریمی ۲۔ مکروہ تنزیہی۔ مکروہ تحریمی حرام سے بہت قریب ہے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو حرام ظنی کہتے ہیں۔ اور فتاویٰ بحرالرائق میں ہے مکروہات صلوٰۃ کے باب میں کہ مکروہ کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک مکروہ تحریمی ہے اور جب فقہاء کرام کسی کام کو مطلقاً مکروہ کہیں تو اس سے مراد ہمیشہ مکروہ تحریمی ہی ہوتا ہے۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ نفلوں کی جماعت کسی بھی وقت کرانا مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی ایک قول میں حرام ظنی کے درجہ میں ہوتا ہے جس خطیب مذکور نے یہ کام کیا ہے اس نے سب کے نفل خراب کئے اور سب کا گناہ اپنے سر لیا اسے چاہئے کہ آئندہ کے لیے توبہ کرے اور کسی مدرسے میں فقہ کا علم و مسائل دینی حاصل کرے اور صحیح مسائل یاد کرکے عمل کرے اور کرائے۔ عوام کی عبادت خراب نہ کرے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب　**دوسرا مسئلہ:** اسلام کے دورِ اوّل سے تا قیامت تمام مسلمانوں کے لیے یہ قانونِ کلیہ ہے کہ جس چیز کی کفار اور مشرکین عبادت اور پوجا پاٹ کرتے رہے یا اب بھی کرتے ہیں ان کے سامنے کسی مسلمان کو کسی قسم کا سجدہ کرنا جائز نہیں خواہ وہ انسانی جسم ہو یا لکڑی پتھر لوہا۔ دھات کا مجسمہ مورتی۔ فوٹو تصویر ہو۔ یا بعض زندہ جانور حیوانات ہوں مثلاً۔ گائے۔ ہاتھی۔ بندر۔ بچھڑا وغیرہ خواہ بعض فلکیات ہوں جیسے سورج چاند اور کہکشاں کے ستاروں کا جھمگھٹا یا۔ جمادات۔ جیسے بھڑکتی آگ یا انگارے یا نباتات جیسے مندر اور تالاب کے پاس وہ پیپل جس کی ہندو پوجا پرستش کرتے ہوں وغیرہ وغیرہ ایسی اشیاء کے سامنے مسلمان کو اللہ کے لیے بھی سجدہ کرنا حرام ہے۔ یعنی سجدۂ تلاوت۔ سجدۂ شکر۔ سجدہ تحیۃ۔ سجدہ دعا۔ اور سجدے والی نماز پڑھنا قطعاً حرام ہے۔ سامنے سے مراد دو چیزیں ہیں ۱۔ قریب ہونا۔ اور قریب ہونے سے مراد ہے عصر کے ابتدائی وقت کے سائے کے برابر فاصلہ یا اس سے کم فاصلے پر کھڑے یا بیٹھے سجدہ کرنا ۲۔ انسانی یا حیوانی جسم کا چہرہ و سینہ سامنے ہو یا دائیں بائیں کروٹ سامنے ہو اور اس طرف کبھی کوئی سجدہ کرے یا سجدے والی نماز مکمل طور پر ادا کرے تو یہ سب کام مسلمان کے لیے حرام قطعی ہیں۔ لیکن اگر پیٹھ کے پیچھے یا بہت دور ہو کر سجدہ یا نماز ادا کرے تو جائز ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کی کبھی کسی کافر مشرک نے پرستش نہیں کی ان کے سامنے ان کے قریب کھڑے ہو کر نماز اور سجدہ ادا کرنا جائز ہے۔ اسی قانون کی بنا پر۔ اس قانون شرعیہ کا ذکر کرتے ہوئے فتاویٰ شامی رد المحتار جلد اوّل ص۴۳۵ پر ہے۔ لَا یُکْرَہُ اَنْ یُصَلِّیَ وَبَیْنَ یَدَیْہِ شَمْعٌ اَوْ سِرَاجٌ لِاَنَّہٗ لَمْ یَعْبُدْ ھُمَا اَحَدٌ وَ الْمَجُوْسُ یَعْبُدُوْنَ الْجَمَرَ لَا النَّارَ الْمُوْقَدَۃَ حَتّٰی قِیْلَ لَا یُکْرَہُ اِلَی النَّارِ الْمُوْقَدَۃِ۔ وَظَاھِرُہٗ اَنَّ الْکَرَاھَۃَ فِی الْمُوْقَدَۃِ مُتَّفَقٌ عَلَیْھَا کَمَا فِی الْجَمْرَۃِ . . . . . .

ترجمہ۔ نہیں مکروہ نماز پڑھنا جب کہ سامنے شمع ہو یا چراغ اس لیے کہ شمع اور چراغ کی کبھی کسی کافر نے عبادت نہیں کی اور مجوسی یعنی آتش پرست انگاروں کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ بھڑکتی ہوئی آگ کی اس لیے کہا گیا ہے کہ بھڑکتی آگ کی طرف نماز پڑھنی مکروہ نہیں ہے۔ لیکن ظاہر قانون یہی ہے کہ اگر نمازی کے سامنے بھڑکتی آگ جل رہی ہو تب بھی وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جس طرح انگاروں کے سامنے نماز پڑھنا تمام فقہا علما کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اسی طرح بھڑکتی آگ کے سامنے بھی نماز تمام کے نزدیک متفقاً مکروہ ہے۔ فتاوی مراقی الفلاح فصل مکروہات صلوٰۃ ص۱۰۸ پر ہے۔ وَيُكْرَهُ اَنْ يَكُوْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ اَيِ الْمُصَلِّيْ تَنُّوْرٌ اَوْ كَانُوْنٌ فِيْهِ جَمْرٌ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ الْمَجُوْسَ فِيْ حَالِ عِبَادَتِهِمْ لَهَا لَا شَمْعٌ وَقِنْدِيْلٌ وَسِرَاجٌ فِي الصَّحِيْحِ لِاَنَّهٗ لَا يُشْبِهُ التَّعَبُّدَ۔۔ ترجمہ اور سخت مکروہ ہے یہ کہ نمازی کے سامنے نماز پڑھتے وقت جلتا ہوا تندور ہو یا انگیٹھی ہو جس میں انگارے بھرے ہوں صرف اس لیے مکروہ ہے کہ یہ مجوسیوں کے مشابہ ہو جاتا ہے اس حالت میں جبکہ وہ بھڑکتی آگ اور دہکتے ہوئے کوئلوں کی عبادت کرتے ہیں یعنی مسلمان کی نماز کا سجدہ مجوسیوں کے سجدے کے مشابہ ہو گیا فقط سجدہ یا سجدے والی نماز پڑھنا مسلمان کو بھی حرام و ممنوع ہو گئی۔ اسی طرح فتاوی تنویر الابصار مع شرح در مختار جلد اول ص۴۴۲ پر ہے وَلَا يُكْرَهُ صَلٰوةٌ اِلٰى ظَهْرِ قَاعِدٍ اَوْ قَائِمٍ وَلَوْ يَتَحَدَّثُ وَلَا اِلٰى مُصْحَفٍ اَوْ سَيْفٍ مُطْلَقًا اَوْ شَمْعٍ اَوْ سِرَاجٍ اَوْ نَارٍ تُوْقَدُ لِاَنَّ الْمَجُوْسَ اِنَّمَا تَعْبُدُ الْجَمْرَ لَا النَّارَ الْمُوْقَدَةَ ۔ ترجمہ۔ اگر نمازی کے سامنے کوئی پیٹھ کئے بیٹھا ہو یا کھڑا ہو اگرچہ باتیں کر رہا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے بلکہ بلا کراہت جائز ہے ایسے ہی اگر سامنے قرآن مجید یا تلوار مطلقاً کسی طرح بھی کھلی یا چھپی رکھی ہو یا۔ سامنے شمع جلتی ہو یا چراغ روشن ہو یا آگ کے شعلے ہوں تو بھی نماز پڑھنا مکروہ نہیں اس لیے کہ ان چیزوں کی کوئی پوجا پاٹ اور عبادت نہیں کرتا۔ مجوسی آتش پرست بھی آگ کو سجدہ کرتے وقت صرف انگاروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ نہ کہ شعلوں کو۔ ان تمام عبارات سے ثابت ہوا کہ صرف ان چیزوں کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا منع ہے جن کی کفار عبادت کرتے ہیں۔ تاریخ کفریات سے ثابت ہے کہ آدمی کو سجدہ اور انسان کی عبادت کی جاتی رہی۔ جیسا کہ نمرود۔ فرعون۔ اور بدھ مت نیز بت سے ہندو فرقے اپنے بڑے بڑے اوتار پنڈتوں کو اب بھی پوجتے ہیں۔ اسی شرک کو توڑنے اور مشابہت کفر سے بچانے کے لیے مسلمانوں کو حکم ہے کہ کسی ایسے انسان کے سامنے کھڑے ہو کر کوئی سجدہ رکوع والی نماز یا صرف سجدہ نہ کریں جو انسان نمازی کی طرف منہ کرکے بیٹھا ہو یا دائیں کروٹ سے یا بائیں کروٹ سے بیٹھا۔ کھڑا یا لیٹا ہو۔ یا چت آسمانی رخ پر سو رہا ہو۔ یا کسی انسان کا مردہ جسم سامنے رکھا ہو اور یہ ممانعت اتنی سخت ہے کہ اگر لیٹا ہوا یا سویا

ہو یا مرا ہوا آدمی کئی کپڑوں چادروں کمبلوں لحافوں سے ڈھکا ہوا بھی ہو تب بھی اس کے سامنے نماز پڑھنا حرام ہے بلکہ یہاں تک کہ کئی من مٹی کے نیچے قبر کے اندر دفن ہو اور قبر پرانی بھی ہو جائے یا دھنس کر زمین کے برابر ہو جائے تب بھی اس کے سامنے نماز پڑھنا یا کوئی سجدہ الیہ کرنا حرام ہے۔ اس حرمت کا ذکر بہت سی احادیثِ مشہورہ اور متواترہ میں موجود ہے جن میں بار بار فرمایا گیا کہ قبر کے سامنے نماز نہ پڑھو۔ حالانکہ کبھی کسی زمانے میں کسی کافر فرقے نے قبر کی عبادت نہ کی۔ اس کے باوجود قبر کی طرف سجدہ نہ کرنے کی مسلمان کو ممانعت صرف میت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول ص۶۱ اور اس کے حاشیے پر ہے۔ بَابُ كَرَاهِيَةِ الصَّلٰوةِ فِي الْمَقَابِرِ قَوْلُهٗ لَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا اَنَّ الْقُبُوْرَ لَيْسَتْ بِمَحَلِّ الْعِبَادَةِ فَتَكُوْنُ الصَّلٰوةُ فِيْهَا مَكْرُوْهَةً۔ ترجمہ۔ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہونے کا باب۔ حدیث پاک کا یہ فرمان کہ اپنے گھروں کو قبرستان اور قبریں نہ بناؤ اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ قبرستان عبادت کی جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ قبرستان میں سامنے قبریں ہونے کی وجہ سے نماز مکروہ ہے اور قبر میں چونکہ میت ہے اس لیے قبر کے سامنے نماز ادا کرنا جائز نہ ہوا۔ دوسری حدیث مسلم شریف جلد اول ص۳۱۲ پر ہے۔ عَنْ اَبِيْ مَرْثَدِ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا۔ ترجمہ۔ حضرت ابی مرثد غنوی سے روایت ہے کہ فرمایا آقائے کائنات شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ قبروں پر چڑھ کر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے سجدے والی نماز پڑھو اس حدیث پاک کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں۔ فِيْهِ تَصْرِيْحٌ بِالنَّهْيِ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلٰى قَبْرٍ ــــ ترجمہ۔ اس حدیث مبارکہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ میت کی قبر یا خود میت اگر سامنے ہو تو اس کے پیچھے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز اور سجدہ ادا کرنا سخت منع ہے۔ تیسری حدیث پاک۔ ابن ماجہ شریف جلد اول ص۲۴۶ پر ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّصَلّٰى فِيْ سَبْعِ مَوَاطِنَ فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَالْحَمَّامِ وَمَعَاطِنِ الْاِبِلِ وَفَوْقَ الْكَعْبَةِ اس کی شرح میں وضاحت فرمائی گئی ہے اَلْمَقْبَرَةُ مَوْضِعٌ دَفْنِ الْمَوْتٰى۔ ترجمہ۔ روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمایا ۱۔ گندگی پھینکنے کی جگہ ۲۔ مذبح خانہ ۳۔ قبروں کے سامنے ۴۔ چلتے راہ پر ۵۔ حمام میں ۶۔ اونٹوں کی جگہ ۷۔ کعبے شریف کے اوپر چڑھ کر چوتھی حدیث مطہرہ۔ نسائی شریف جلد اول ص۱۲۳ پر ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَلُّوْا اِلَى الْقُبُوْرِ الخ، اور اس کی شرح میں ہے۔ قَوْلُهٗ لَا تُصَلُّوْا اِلَى الْقُبُوْرِ بِالْاِسْتِقْبَالِ اِلَيْهَا لِمَا فِيْهِ مِنَ التَّشَبُّهِ بِعِبَادَتِهَا ــــ ترجمہ آقائے کائنات شہنشاہ دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مقدس کہ قبر کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو

اس لیے ہے کہ قبر میں میت ہونے کی وجہ سے اس طرف منہ کرکے نماز اور سجدہ رکوع کرنا اس کی عبادت کے مشابہ ہے اور یہ مثل بت پرستی ہے۔ پانچویں حدیث طیبہ۔ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنَّ حِبِّیْ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھَانِیْ اَنْ اُصَلِّیَ فِی الْمَقْبَرَۃِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (الخ)

انا ابوداؤد شریف جلد اول ص۷۱ مولیٰ علی شیر خدا نے فرمایا کہ میرے محبوب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ کو منع فرمایا قبرستان میں قبر کی طرف منہ کرکے یعنی قبر سامنے ہو تو کوئی نماز پڑھنے سے۔ چھٹی حدیث پاک۔ مشکوٰۃ شریف ص۶۹ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَۃُ وَالْحَمَّامُ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔ ترجمہ۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا آقاء کائنات شہنشاہ دوعالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے لیے تمام زمین کو مسجد بنا دیا گیا۔ مگر قبر سامنے ہو تو قبرستان میں اور حمام میں نماز منع ہے اس حدیث پاک کو ابوداؤد، ترمذی، دارمی نے روایت فرمایا۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ اگر میت نمازی کے سامنے ہو تو رکوع سجدے والی نماز وہاں پڑھنا حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔ اور میت کی وجہ سے ہی قبر کے سامنے نماز منع ہوئی ورنہ مٹی کے ڈھیر کے سامنے نماز پڑھنا جائز ہے خواہ وہ ڈھیر کسی شکل میں ہو گول ہو۔ چوڑا چپٹا ہو یا قبر نما نہ ہو۔ اور ہر قبر کے سامنے سجدہ و نماز ناجائز ہے اگرچہ قبر کسی شکل کی ہو۔ نئی ہو پرانی ہو۔ ڈھنسی ہو۔ گول ہو چوڑی چپٹی ہو۔ شمالاً جنوباً ہو یا جنوباً شمالاً۔ جیسے مسلمان قبرستان۔ ہند و پاک اور یورپین ممالک میں۔ یا غیر مسلم قبرستان ہو۔ شرقاً غرباً یا غرباً شرقاً۔ کوئی بھی عالم اور فقیہ میت کے سامنے نماز ادا کرنے کو جائز نہیں کہتا تمام فقہا ممنوع و گناہ کبیرہ قرار دیتے ہیں تو معلوم مذکورہ فی السوال خطیب سے یہ غلطی کیوں سرزد ہوئی بہرکیف ان لوگوں پر نماز کا اعادہ واجب ہے جنہوں نے اس طرح میّت کے سامنے ظہر پڑھی میت خواہ اونچی رکھی ہو یا نیچی ڈھکی ہو یا کھلی اس لیے کہ جب قبر میں دو گز نیچے کئی طریقوں سے پوشیدہ میت کے سامنے بھی نماز حرام ہو گئی تو ڈولی میں پوشیدہ میت کے سامنے نماز و سجدہ بھی منع ہے خیال رہے کہ میت اور میت والی قبر اور سونے بیٹھے کھڑے ہونے والے انسان کے سامنے صرف سجدہ کرنا اور سجدے والی نماز ادا کرنا حرام ہے لیکن صرف قیام کرنا جیسے نماز جنازہ یا صرف رکوع کرنا منع نہیں بلکہ جائز ہے لہٰذا اگر سجدے کے وقت نمازی کے سامنے سے میت ہٹائی جائے یا خود نمازی ایک قدم دائیں یا بائیں ہو کر میت یا قبر کے سامنے سے ہٹ جائے تو تمام نماز درست ہو جائے گی جیسا کہ احادیث سے جواز ثابت ہے۔ اور یہ جواز اس لیے ہے کہ مشابہت کفر صرف سجدے میں ہے نہ کہ قیام یا رکوع یا التحیات و تشہد بیٹھنے میں کیونکہ کفار کی عبادت اپنے معبودوں اور بتوں کے سامنے صرف سجدہ کرنا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں سونے والے

اور لیٹے ہوئے انسان کے پیچھے کھڑے ہو کر بھی نماز پڑھنا منع ہے جب کہ وہ چت لیٹا ہو جنازے کی طرح آسمانی رُخ یا نمازی کے سامنے رُخ کروٹ سے شرقاً غرباً ہو یا شمالاً جنوباً چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد مقدس ہے ابن ماجہ شریف جلد اول حدیث ۹۵۹ صفحہ ۳۰۸ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنِي أَبُو الْمِقْدَامِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلَّى خَلْفَ الْمُتَحَدِّثِ وَالنَّائِمِ ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس بات سے کہ باتیں کرنے والے اور سونے والے کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ اس حدیث پاک کو امام عبد الرؤف مناوی نے اپنی کتاب کنوز الحقائق جلد دوم صفحہ ۱۳۸ پر اور امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب جامع صغیر جلد دوم صفحہ ۱۹۵ پر تحریر فرمایا۔ تمام فقہاء کرام یہی فرماتے ہیں کہ سونے والے کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے لیکن۔ فتاویٰ تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار اور اس کی شرح شامی رد المحتار میں لکھا ہے کہ سونے والے کے پیچھے ہر قسم کی نماز جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۴۱۰ پر ہے۔ وَفِي شَرْحِ الْمُنْيَةِ أَفَادَ بِهِ نَفْيَ قَوْلِ مَنْ قَالَ بِالْكَرَاهَةِ بِحَضْرَةِ الْمُتَحَدِّثِينَ وَكَذَا بِحَضْرَةِ النَّائِمِينَ ترجمہ۔ اور شرح منیہ میں ہے کہ اس لَا يُكْرَهُ کے لفظ نے فائدہ دیا اس شخص کے قول کو منفی اور ختم کرنے کا جس نے کہا ہے کہ متحدثین اور نائمین یعنی سونے والوں کے پیچھے نماز مکروہ ہے اس مسئلے کی نفی ہو گئی اور کراہت نہیں ہے علامہ شامی اپنی اس بات پر دلیل اس طرح دیتے ہیں کہ وَمَا رُوِيَ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَا تُصَلُّوا خَلْفَ نَائِمٍ وَلَا مُتَحَدِّثٍ فَضَعِيفٌ وَصَحَّ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ كُلِّهَا وَأَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ أَيْقَظَنِي فَأَوْتَرْتُ۔ رَوَاهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ۔ وَهُوَ يَقْتَضِي أَنَّهَا كَانَتْ نَائِمَةً۔ وَمَا فِي مُسْنَدِ الْبَزَّارِ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نُهِيتُ أَنْ أُصَلِّيَ إِلَى النِّيَامِ وَالْمُتَحَدِّثِينَ فَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى مَا إِذَا كَانَتْ لَهُمْ أَصْوَاتٌ يُخَافُ مِنْهَا التَّغْلِيطُ أَوِ الشَّغْلُ وَفِي النَّائِمِينَ إِذَا خَافَ ظُهُورَ شَيْءٍ يُضْحِكُهُ۔

ترجمہ۔ اور وہ روایت جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ نہ نماز پڑھو سونے والے کے پیچھے اور نہ باتیں کرنے والے کے پیچھے تو وہ روایت ضعیف ہے اور صحیح حدیث شریف یہ ہے جو روایت ہے ام المومنین جناب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا انہوں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام نماز تہجد پڑھتے ہوتے تھے حالانکہ میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان چوڑائی میں لیٹی رہتی تھی پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ

وتر نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تھے تو مجھ کو بھی جگاتے تھے تب میں بھی اٹھ کر نماز وتر پڑھ لیتی تھی۔ اس حدیث مبارکہ کو مسلم و بخاری دونوں نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے اور یہ حدیث تقاضہ کرتی ہے کہ عائشہ صدیقہ اس وقت سوتی ہوتی تھیں۔ اور وہ حدیث پاک جو مسند البزار میں روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مقدس فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کیا گیا ہوں سونے والوں کے پیچھے اور باتیں کرنے والوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے وہ حدیث شریف محمول ہے اس صورت پر جب کہ بولنے والے کی آواز اونچی ہو اور نماز میں غلطی کا اندیشہ ہو یا نمازی بھی باتوں میں دلچسپی لینے لگے۔ اور سونے والوں کے پیچھے اس لیے منع ہوئی کہ شاید سوتے ہوئے انسان سے کوئی ایسی چیز نکلے جو نمازی کو ہنسا دے۔ یہ تھا علامہ شامی کا مسئلہ اور اس کی دلیل۔ مگر میں اس سے متفق نہیں۔ اس لیے کہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اپنے دعوے اور مسئلے کو تین دلیلوں سے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے مگر تینوں دلیلیں انتہائی کمزور ہیں۔ پہلی دلیل میں لَا تُصَلُّوْا خَلْفَ نَائِمٍ والی روایت مشہورہ کو ضعیف کہہ کر اپنے مسلک کو قوی کرنا چاہا۔ حالانکہ یہ حدیث پاک متعدد کتابوں میں مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جس سند سے علامہ شامی کو یہ روایت ملی اس میں کوئی راوی ضعیف ہو۔ مگر۔ ابن ماجہ شریف نے اور جامع صغیر جلد دوم نے ص۱۹۵ پر اس حدیث پاک کو حسن فرمایا۔ علامہ شامی نے دوسری تحقیقی و ثبوتی دلیل ام المومنین عائشہ صدیقہ کی حدیث پاک سے ثابت کیا کہ سونے والے کے پیچھے نماز جائز ہے مگر یہ استدلال بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ یہ حدیث مکمل طور پر بخاری شریف جلد اول باب التطوع خلف المرأۃ ص۷۳ اور باب الصلوۃ خلف النائم ص۷۳ پر اور مسلم شریف جلد اول ص۱۹۷ اور ص۱۹۸ پر اور مشکوۃ شریف باب القرۃ فصل ثالث ص۷۷ پر اس طرح منقول ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ كُنْتُ اَنَا مُّاىْ اَضْطَجِعُ عَلٰى هَيْئَةِ النَّائِمِ بَيْنَ يَدَىْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَاىَ فِيْ قِبْلَتِهٖ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِيْ فَقَبَضْتُ رِجْلِيْ فَاِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ۔

اور یہی حدیث پاک ابن ماجہ شریف نے جلد اول ص۳۷ پر حدیث ۹۵۶ تحریر فرمائی حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ ابْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ۔

ترجمہ۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو حجرۂ اقدس میں نماز تہجد ادا فرماتے تھے تو میں اکثر اوقات آپ کے بستر پر لیٹی ہوتی تھی اور میرا رخ آپ کے دائیں بائیں چوڑائی اور عرضی حالت میں ہوتا تھا جیسے کہ نماز جنازہ کے وقت میت چوڑائی میں رکھی ہوتی ہے اور

یں سونے والے کی شکل میں چت سیدھی لیٹی ہوئی تھی سوئی نہ ہوئی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پنڈلیوں کے بالمقابل ہوتا تھا۔ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قبلے کے درمیان ہوتی تھی جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تشریف لانے لگتے تو میرے پیر کو چھوتے تھے میں سمجھ جاتی تھی اور اپنے پیر سمیٹ کر ہٹا لیتی تھی۔ تب آپ سجدہ فرما لیتے تھے پھر جب آپ سجدے کر کے دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو میں پھر اپنے پیر پھیلا لیتی تھی اسی طرح تمام نماز میں ہوتا رہتا۔ پھر جب نوافل سے فارغ ہو کر آپ وتر پڑھنے لگتے تو مجھ کو بھی آواز دیتے تو میں بھی اٹھ کر وتر ادا کر لیتی۔ تمام احادیث میں صرف یہی ایک حدیث شریف علامہ شامی کو مل سکی جس کو انہوں نے اپنے اس مسئلے پر دلیل بنایا کہ سونے والے کے پیچھے بالمقابل نماز پڑھنا جائز ہے حالانکہ اس دلیل سے بھی سونے والے کے سامنے سجدہ کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ جب کہ نماز کی ممانعت صرف مشابہت کفر کی وجہ سے اور مشابہت کفر صرف سجدے میں ہے نہ کہ قیام و رکوع میں کیونکہ بت پرست اپنے بتوں اور معبودانِ باطل کو صرف سجدہ کر کے پرستش کرتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ سونے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز اور سجدہ ادا کرنا سر سے پیر تک کسی بھی مقابل میں قطعاً ناجائز ہے اور فتاویٰ شامی وغیرہ کا قول درست نہیں۔ مراقی الفلاح نے بھی سونے والے کے پیچھے نماز کو مکروہ لکھا ہے۔ مگر وہ سونے والے کے صرف چہرے کے سامنے نماز پڑھنے کو مکروہ فرماتے ہیں سینہ، پیٹ یا ٹانگوں کے بالمقابل وہ بھی جائز مانتے ہیں چنانچہ مراقی الفلاح فصل مکروہات صلوٰۃ ص۲ پر ہے۔ وَيُكْرَهُ اَنْ يَكُوْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ اَيِ الْمُصَلِّيْ تَنُّوْرٌ (الخ) اَوْ يَكُوْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ قَوْمٌ نِيَامٌ يَخْشٰى خُرُوْجَ مَا يُضْحِكُ اَوْ يُخْجِلُ اَوْ يُؤْذِيْ اَوْ يُقَابِلُ وَجْهًا وَاِلَّا فَلَا كَرَاهَةَ لِاَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا۔ (الخ)

ترجمہ: سخت مکروہ ہے نماز پڑھنا جب کہ نمازی کے سامنے تنور ہو وغیرہ وغیرہ یا نمازی کے سامنے لوگ سوئے ہوئے ہوں اور اندیشہ ہو کہ شاید سونے والے سے کچھ ایسی آواز نکلے جو نمازی کو ہنسا دے یا شرمندہ کرے یا وہ بدبو وغیرہ نمازی کو ایذا پہنچائے یا نمازی کے سامنے بالمقابل سونے والے کا چہرہ ہو۔ صرف ان اندیشوں اور صورتوں میں سونے والے کے سامنے نماز مکروہ ہے ورنہ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں تو نائم کے پیچھے نماز مکروہ نہیں۔ اس لیے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (الخ)، مراقی الفلاح نے بھی حدیث صدیقہ سے ہی استدلال کیا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اس حدیث سے نائم کے سامنے سجدہ ثابت نہیں۔ اور اصل وجہ کراہت و حرمت سجدہ ہی ہے۔ علامہ شامی کی تیسری جوابی دلیل یہ ہے کہ مسند بزاز کی حدیث پیش فرما کر اس کو ضعیف تو نہ کہہ سکے البتہ مراقی الفلاح کی طرح اپنے ذہنی اندیشے کو وجہ کراہت بتا گئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ سونے والے کے پیچھے اس لیے نماز منع فرمائی گئی کہ شاید سونے والے کی ہوا نکل جائے یا بے ڈھنگے

خراٹے نکلنے لگیں جس سے نمازی کو ہنسی یا شرمندگی یا تکلیف آئے۔ میں کہتا ہوں یہ کتنا غیر مدبرانہ اندیشہ ہے ہوا تو بیٹھے اور جاگتے انسان کی بھی نکل سکتی ہے نیز اگر یہی اندیشہ مقصود حدیث ہے تو پھر حدیث پاک میں خَلْفَ النَّائِمِ فرمانے کی کیا ضرورت تھی یہ کیفیات تو سارے کمرے میں دائیں بائیں اور پیچھے سونے والے سے بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ فتاوی شامی فتاوی تنویر الابصار۔ در مختار مراقی الفلاح کا سلام استدلال درست نہیں کیونکہ حدیث کا نہی مجہول ممانعت کی سختی بتا رہا ہے یعنی اللہ کی طرف سے ممانعت ہے لہذا اس کی وجہ صرف وہم و اندیشہ نہیں ہو سکتا بلکہ حرمت ہر طرح نماز و سجدہ ادا کرنا حرام ہے۔ فقہاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ بھی قاعدہ کلیہ ہے کہ جب عمل اور قول کی دو حدیثیں متضاد ہوں تو امت کے لیے قولی حدیث کو ترجیح ہو گی اور قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل ہو گا۔ یہاں بھی ہم کو دو قسم کی روایتیں میسر ہیں۔ ۱ قولی حدیث پاک میں ہے کہ سونے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر مت نماز پڑھو اور عمل شریف ہے کہ آپ نے حضرت صدیقہ کے پیچھے ان کے جاگتے ہوئے لیٹے کی حالت میں بالمقابل پیچھے نماز ادا کی کہ سجدہ ہونے تو ہر دو احادیث میں مطابقت پیدا اور بیان کر دی ہے کہ آپ کا یہ عمل نماز تہجد کے وقت پیر سمیٹ لئے جاتے تھے۔ اگر یہ تسلیم نہیں تو پھر بھی ضابطہ فقہا کے مطابق حدیث قولی کو ترجیح ہو گی اور سونے والے کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہو گا اور وجہ کراہت وہ نہیں جو شامی وغیرہ نے بتایا بلکہ وجہ کراہت وہی مشابہت شرک ہے جو قبر کے سامنے نماز پڑھنے میں ہے جو امام نووی وغیرہ شارحین نے مندرجہ بالا بیان فرمائی اصل مسئلہ تو مدلل وضاحت سے ثابت ہو گیا۔ مگر بعض جہلا سوال کر سکتے ہیں کہ اگر میت کے سامنے قبلہ رخ نماز پڑھنا منع ہے تو حدیث پاک میں اور فقہاء کرام نے صراحتاً اس کا ذکر کیوں نہیں فرمایا کسی حدیث شریف سے یا متقدمین فقہا کی کتب فتاوی یا اصول فقہ سے اس کی صریحی ممانعت ثابت نہیں۔ جب کہ حدیث ابن ماجہ میں عائشہ صدیقہ کے فرمودات میں كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ کا لفظ ارشاد فرما کر اپنے لیٹنے کو نمازی کے سامنے جائز قرار دیتے ہوئے میت جنازہ سے مشابہ کر کے اشارۃً و اقتضاءً یہ بھی بتا دیا کہ نمازی کے سامنے جنازہ ہونا بھی جائز ہے۔ اور سجدہ و نماز کی ادائیگی میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔ لہٰذا آپ کیوں میت کے سامنے نماز اور سجدے کو ناجائز کہتے ہو۔

الجواب۔ ہم اس کے تین جواب دیتے ہیں ۱ سوالاً ۲ الزاماً ۳ تحقیقاً سوالاً جواب تو یہ ہے کہ بتایا جائے کہ قبر کے سامنے نماز پڑھنا منع کیوں ہے اس کی تو صراحت احادیث میں موجود ہے۔ یہ کراہت و حرمت کس کی وجہ سے ہے جب کہ خالی مٹی کے ڈھیر کی طرف نماز و سجدہ کرنا منع نہیں۔ نہ ہی قبر کی طرف سجدہ کرنے میں کفار سے مشابہت ہے کیونکہ کبھی کسی دور میں کسی کافر یہ فرقے نے قبر پرستی نہیں کی الزامی جواب یہ ہے کہ شریعت میں ہزارہا مسائل ایسے مشہور اور متفق علیہ ہیں جن کی وضاحت اور صراحت قطعاً حدیث و قرآن سے میسر نہیں مگر تمام ائمہ اور فقہا۔ علماء ان کو دیگر مسائل پر قیاس یا مشابہت کی وجہ سے تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ نیز ہر مسئلے

کی صراحت ممکن بھی نہیں کیونکہ دنیا میں روز مرہ کروڑوں مسائل جنم لیتے ہیں جن کا تصور بھی قرونِ اولیٰ میں نہیں تھا موجودہ علماء تدبر تفکر اور قیاس کے ذریعے ہی ان کا حل تلاش کرتے ہیں تو جب اتنے کثیر مسائل کو بغیر صراحت طلبی کے مان لیتے ہو تو یہاں کیا تکلف ہے! تحقیقی جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو میری یا آپ کی نگاہ سے کسی تحریری صراحت یا کسی فرمان نبوت کا نہ گزرنا صراحت کی نفی نہیں کرتی ہو سکتا ہے احادیث میں اس مسئلے کی صراحت موجود ہو مگر ہم اپنے محدود وسائل یا عدم تفتیش اور کم تحقیق کی بناء پر نہ دیکھ سکے ہوں نیز اگر واقعتاً بھی صراحت موجود نہیں ہے تب بھی مضائقہ نہیں اس لیے کہ میّت کے متعلق جو احکام و قوانین شریعتِ اسلامیہ نے مقرر فرمائے وہ ایسے ہیں کہ میت کے سامنے کوئی نماز پڑھنے کا موقعہ ہی نہیں آتا۔ نہ کبھی کسی وقت یہ خدشہ پیدا ہوا کہ میت کے سامنے کوئی نماز پڑھی گئی ہو۔ مثلاً پہلا حکم ہے کہ میت کو جلدی دفن کرو۔ دوم یہ کہ اسی جلدی میں پسماندگان تعزیت کا ہے جو احتیاط آخر دم تک میت کو ایسا گھیرا رکھتے ہیں کہ نماز تو درکنار سکون سے منہ دیکھنے کا موقعہ بھی نہیں ملتا۔ چہارم غسل پھر کفن پھر تا دیدار عام۔ پنجم یہ کہ تمام دنیا میں میت کی نماز جنازہ کے لیے علیحدہ جنازہ گاہ بنی ہوتی ہے۔ تمام فقہاء کرام مسجد میں نماز جنازہ کو مکروہ و ممنوع لکھتے ہیں اس میں بہت حکمتوں کے علاوہ یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ کسی کو غلطی یا بھول چوک سے بھی میت کے سامنے نماز کا موقعہ نہ مل سکے آقاءِ کائنات شہنشاہ دو عالم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں بھی بجز ایک مجبوری کی حالت کے کبھی مسجد میں نماز جنازہ ادا نہ کی گئی جیسا کہ مسلم شریف جلد اول صفحہ ۳۱۳ پر ہے حکومتِ ترکیہ کے زمانے میں بھی حرمِ کعبہ اور مسجد نبوی سے باہر ہی نماز جنازہ ہوتی رہی یہ تو اب جنم کے بدعتیوں وہابیوں سعودیوں نجدیوں نے بدعتِ سیئہ ایجاد کر ڈالی کہ مسجد میں ہی نماز جنازہ شروع کر دی اذان خراب، تکبیر اقامت خلافِ شرع حج برباد روزے وعیدین تباہ کیا کچھ ان دین دشمنوں نے دین کو بگاڑا۔ خدا تعالیٰ ہی ان کو سمجھنے والا ہے تاریخ شاہد ہے کہ ان قرنِ شیطانی وہابیوں نے ہمیشہ ہی کفر کا ساتھ دیا اور اسلام سے غداری کی ان کا قبضہ کعبہ و حرم پر ایسا ہی ہے جیسا دورِ جاہلیت میں بتوں کا قبضہ۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔ ششم یہ کہ ام المومنین کے یہ الفاظ۔ کَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَۃِ صرف اپنی حیثیت بتانے کے لیے ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں چوڑائی میں لیٹی ہوتی تھی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میرے سر وغیرہ کے مقابل نہیں بلکہ پنڈلیوں کے مقابل نماز پڑھتے تھے۔ اس کیفیت کو بتانے کا مقصد یہ تھا کہ پیر ہٹانا نہایت آسان تھا۔ اور میں دراز شکل میں نہ لیٹی ہوتی تھی۔ اس دراز صورت میں پیر سکیڑنے سے جسم پھر بھی سامنے ہی رہتا۔ صرف سجدے کی جگہ نکل آتی۔ پیر ہٹوانے میں دو احتمال ہیں ۱ حدیث قولی سے خلف نائم بحدہ نماز منع ہونے کی وجہ سے یہ احتمال قوی ہے ۲ جگہ کی تنگی کی وجہ سے اس وضاحت سے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ کے وقت جسم سامنے نہیں ہوتا تھا نیز قیام اور رکوع کے وقت بھی چہرہ سامنے نہیں ہوتا تھا۔ ہفتم یہ کہ اگر علامہ شامی کی طرح سونے والے کے بالمقابل پیچھے نماز

جائز ہو تو پھر سنے میں مختلف حالتیں ہوتی ہیں سمتیں ہیں کروٹ بدل کر نمازی کا سامنے رخ بھی ہو سکتا ہے حالانکہ چہرے کے سامنے نماز ادا کرنی بہتر ہو نہیں مخالفت بوجود مرقوم ہے مگر علامہ شامی مطلقاً جائز کہتے ہیں پس ظاہر ہے کہ یہ بات قابلِ قبول نہیں ہو سکتی ہے کہ جس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اسی میں ذہنی اندیشے نکال کر مطابقت کی کوشش کر رہے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

تیسرا مسئلہ۔ تراویح کی نماز میں اتنی جلد بازی کرنا بھی سخت گناہ ہے۔ اس لیے کہ قانونِ شریعت کے مطابق فرض، واجب، سنت، نفل کسی بھی نماز میں تیزی اور جلد بازی کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ اطمینان سے نماز ادا کرنا واجب ہے اور اس حکمِ شرعی پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۷۵ پر ہے۔ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِیْ نَاحِیَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰی ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ۔ (الخ)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اس نے بہت جلدی جلدی نماز پڑھی پھر حاضر بارگاہ ہوا۔ اور سلام عرض کیا آقائے کائنات شہنشاہِ دو عالم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی شریف کے ایک گوشے میں تشریف فرما تھے آپ نے سلام کا جواب فرمایا اور پھر ارشادِ مقدس فرمایا کہ اے شخص لوٹ جا اور نماز ادا کر کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی اس نے پھر اسی طرح جلد بازی اور تیزی سے جلدی جلدی نماز پڑھی پھر حاضر بارگاہ اقدس ہوا تو شہنشاہِ دو عالم نے پھر لوٹایا۔ اس نے تیسری بار بار پھر اسی طرح نماز جلد بازی سے پڑھی۔ (گویا کہ ارشادِ نبوت پر غور و فکر کیا نہ سمجھا)۔ پھر تیسری بار حاضر بارگاہ ہوا۔ تب بھی آقائے کائنات شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا کہ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ لوٹ جا دوبارہ نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی اس بار اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو نماز سکھائیے تو شہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بتایا کہ نماز اطمینان اور سکون سے ادا کرنی چاہئے تاکہ رکوع۔ سجدہ، جلسہ۔ قومہ۔ قیام۔ قعود غرضکہ تمام ارکان آرام سے صحیح صحیح ادا ہوں۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو تعدیلِ ارکان کہتے ہیں۔ اور تعدیلِ ارکان واجب ہے چنانچہ فتاویٰ مراقی الفلاح ص۱۴۵ پر ہے وَیَجِبُ الْاِطْمِیْنَانُ وَهُوَ التَّعْدِیْلُ فِی الْاَرْکَانِ بِتَسْکِیْنِ الْجَوَارِحِ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ مَفَاصِلُهٗ فِی الصَّحِیْحِ لِاَنَّهٗ لِتَکْمِیْلِ الرُّکْنِ۔ (الخ)

ترجمہ۔ اور واجب ہے ہر نمازی پر اطمینان سے نماز ادا کرنا۔ اور اس کو شریعت کی زبان میں تعدیلِ ارکان کہا جاتا ہے۔ تاکہ رکوع و سجود میں اعضا ہاتھ پیر و دیگر اعضا کے مفاصل یعنی جوڑ بالکل رکے رہیں تاکہ صحیح تام و سکون میں رہیں اس لیے کہ نماز کے تمام ارکان درست ادا ہوں خلاصہ یہ کہ اطمینان سے نماز ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ اگرچہ تراویح ہوں۔ کتاب الفقہ قدوری شریف باب صفۃ الصلوٰۃ ص۱۴ پر ہے وَیُکَبِّرُ وَسَجَدَ فَاِذَا اطْمَاَنَّ سَاجِدًا کَبَّرَ وَاسْتَوٰی قَائِمًا عَلٰی صُدُوْرِ قَدَمَیْهِ۔ (الخ) ترجمہ۔ نماز کا صحیح اور درست طریقہ یہ ہے

کہ پہلے سجدہ سے اٹھ کر اللہ اکبر کہتا ہوا بیٹھے اور جب اطمینان سے سیدھا بیٹھ جائے تب پھر تکبیر کہے اور دوسرے سجدے میں جائے پھر جب سجدہ بھی نہایت اطمینان سے کرلے تو تکبیر کہے اور برابر سیدھا اپنے قدموں کے سینے یعنی تلووں پر قیام کرے۔ غرضکہ اطمینان اور تسلی نماز کا عظیم واجب ہے۔ بھاگتے دوڑتے نماز پڑھنا جاہلوں کا کام ہے۔ تراویح کے متعلق سنت صحابہ کرام یہ ہے کہ ہر چار تراویح کے بعد بہت آرام سے بیٹھکر ذکر الٰہی کیا جائے۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار جلد اول ص۴۶۲ پر ہے۔ وَيُسْتَحَبُّ الْجُلُوْسُ بَعْدَ صَلٰوةِ كُلِّ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ بِقَدْرِهَا۔ (الخ) وَهُمْ مُخَيَّرُوْنَ فِي الْجُلُوْسِ بَيْنَ التَّسْبِيْحِ وَالْقِرَاءَةِ وَالصَّلٰوةِ فُرَادٰى وَالسُّكُوْتِ ترجمہ۔ اور مستحب ہے کہ تراویح کی ہر چار رکعتوں کے بعد تمام نمازی بیٹھیں اور دعا تسبیحیں پڑھیں یا کچھ تلاوت کریں یا علیحدہ علیحدہ درود شریف پڑھیں یا پھر جن کو کچھ نہیں آتا وہ خاموشی سے دوسروں کی تسبیح وغیرہ سنیں اسی طرح مراقی الفلاح ص۹۰ اور دیگر کتب فقہا میں ہے یہ وہ عام مسائل ہیں جن کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مگر حیرت ہے کہ موجودہ دور میں اسلام سے ناواقفیت اور لاعلمی وجہالت اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ مسلمانوں کے ذمے دار لوگ بھی مسائل نماز، روزہ سے بے تعلق نظر آتے اور مسلمانوں کی عبادت خراب کرنے کے درپے ہیں۔ ایسے مسائل جاننا اور بتانا پڑھنا پڑھانا علم حاصل کرنا اور عمل کرنا امام اور خطیب کے ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی امام خطیب اپنی لاعلمی یا غفلت کی بنا پر مسلمانوں کو مسائل نہ بتائے اور لوگوں کی نمازیں غلط ہوں تو سب کا گناہ خطیب پر ہوگا۔ کل قیامت میں وہی امام مسجد عذاب وسزا میں گرفتار ہوگا۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

کتبہ

سوال نمبر ۲۱

فتاویٰ رضویہ پر ایک وہابی کے چند جاہلانہ اعتراض اور اسکے جواب

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ پنجاب کے وہابی فرقے جماعت اسلامی والوں نے یہاں کے دیوبندیوں سے مل کر ایک چھوٹا سا رسالہ چار ورقی چھاپ کر شائع کیا ہے جس میں فتاویٰ رضویہ جلد اول کے چند ایک مسائل پر اعتراض کرتے ہوئے بریلوی جماعت اہلسنت کے بارے میں بہت بکواسات کئے ہیں بھولے بھالے ان پڑھ قسم کے سنی اس سے پریشان ہیں میرے مرید نے مجھ کو وہ مسائل لکھ کر بھیجے ہیں۔ ہمارے پاس اب اعلٰحضرت کے بعد آپ کے آستانہ کے سوا کون سی جگہ ہے جہاں سے علمی پیاس بجھائی جائے ہر طرف جہالت ولاعلمی کا دور دورہ ہے۔ ایک آپ ہی کا گھرانا اس وقت شمع فروزاں ہے حضرت حکیم الامت کے

وصال کے بعد آپ نے سنیوں کو زندہ وتابندہ رکھا ہوا ہے مولٰی تعالٰی آپ کی عمر دراز فرمائے۔ یہ استفتا حاضر خدمت ہے مجھے امید ہے کہ آپ اپنی پہلی فرصت میں ان مسائل پر سیر حاصل بحث فرماتے ہوئے اپنی عادتِ مبارکہ کے مطابق دلائل عظیمہ کی روشنی ڈالیں گے۔ میں بے حد ممنون ومشکور ہوں گا فقط والسلام آپ کا خادم ناچیز
حاجی سید سلیم الرحمٰن اویسی قادری چشتی سجادہ نشین آستانہ اویسیہ۔ K ۵۴۳۵ - ایریا کورنگی کراچی ۔ ۱۰۰۸۰۰

معترض پہلے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایک واقعہ نقل کرتا ہے کہ ایک دفعہ امام اعظم چند شاگردوں اور عقیدت مند احباب کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے کہ اچانک آپ کے دامن پر سڑک کی کیچڑ سے ننھی ننھی چھینٹیں اڑکر کدھر سے پڑگئیں تو فوراً ایک قریبی نہر یا دریا کے کنارے ان کو دھونے لگے لوگوں نے عرض کیا یا حضرت آپ کے مسلک کے مطابق مسئلہ تو یہ ہے کہ اتنی چھینٹیں پاک ہیں پھر آپ کیوں دھورہے ہیں۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ وہ مسئلہ ہے اور یہ تقوٰی ہے۔ اس کے بعد معترض کہتا ہے کہ دیکھو سنیوں کا امام اپنے فتاوٰی رضویہ جلد اول میں کیسے عجیب اور غلط مسئلے لکھتا ہے: مسئلہ ۱ صـ۲۵ پر لکھا ہے کہ جو ریح انسان سے خارج ہوتی ہے وہ پاک ہے۔ (از طحطاوی شریف) مسئلہ ۲ صـ۶۷ پہلی سطر۔ کسی نمازی کی عورت کی فرج داخل پر نظر پڑگئی اور شہوت پیدا ہوگئی۔ نماز میں فساد نہ آیا۔ (از فتاوٰی شامی) یہ پورا مسئلہ اس طرح لکھا ہے کہ کسی آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور مدت نہ گزری ہو اور نماز پڑھتے ہوئے طلاق دینے والے خاوند کی نگاہ اپنی مطلقہ رجعیہ کی داخل شرمگاہ پر نگاہ پڑگئی نمازی کو شہوت بھی آئی تو رجوع اس کا درست ہوگیا نماز فاسد نہ ہوئی۔ ساتھ ہی لکھا ہے کہ اگر قصداً ایسا کرے۔ مکروہ ضرور ہے مگر نماز فاسد نہیں۔ تیسرا مسئلہ۔ صـ۶۷ نماز میں اگر بیگانہ عورت کی شرمگاہ پر نظر پڑجائے جب بھی نماز ووضو میں خلل نہیں۔ از مراقی الفلاح۔ مسئلہ ۴ صـ۶۷ فتاوٰی رضویہ جلد اول۔ عورت نماز پڑھ رہی ہے اس کا مرد بوسہ لے لے عورت کو خواہش پیدا ہوئی۔ عورت کی نماز نہ جائے گی۔ از فتاوٰی ردالمحتار۔ مسئلہ ۵ صـ۶۸ نماز میں احتلام ہوا۔ اور منی باہر نہ آئی کہ نماز مکمل اور تمام کرلی اس کے بعد اتری تو غسل واجب ہوگا مگر نماز ہوگئی۔ از فتاوٰی فتح القدیر۔ مسئلہ ۶۔ حقے کے متعلق لکھا ہے کہ۔ پانی پاک۔ تمباکو پاک۔ اس کا دھواں پاک۔ پاک چیز سے پاک چیز کا۔ پاک پانی کا رنگ۔ مزہ۔ بُو بدل جائے تو اسے ناپاک نہیں کرسکتا۔ یہاں تک کہ مذہب صحیح میں نہ صرف طاہر بلکہ مطہر اور قابلِ وضو رہتا ہے۔ اگر اس سے وضو کرلیا جائے وضو ہوجائے گا قیاس فتاوٰی شامی۔ مسئلہ ۷ صـ۵۶۳۔ رحم کی رطوبت پاک ہے۔ مسئلہ ۸ صـ۵۶۵ اگر نجاست بول وبراز سے آگے نہ بڑھے تو ڈھیلا لینے (یعنی ڈھیلے سے اچھی طرح خوب رگڑکر مل کر استنجا کرنے سے) پاک ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد پانی سے استنجا کریں تو وہ پانی ناپاک نہ ہوگا۔ ہمارے چند احباب نے کہا ہے کہ اگر یہ مسائل

فتاویٰ میں اسی طرح لکھے ہیں تو عقل تسلیم نہیں کرتی اور نہ ہی دل گوارا کرتا ہے۔ قرآن پاک میں رب العزت نے فرمایا ہے کہ اللہ پاکیزگی اور پاک کو پسند کرتا ہے بینوا توجروا۔ دستخط سائل ۱۰/۲/۸۰

بعون العلام الوھاب

الجواب

سائل محترم کا مراسلہ اور استفتاء وصول ہوا۔ اور بغور مطالعہ کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معترض دیوبندی۔ وہابی نے یہ اعتراضات محض تعصبِ مذہبی کی بنا پر حاسدانہ و جاہلانہ طور پر کئے ہیں۔ ورنہ پڑھا لکھا اور سمجھدار قسم کا مخالف اس طرح کے اعتراضات نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ جن مسائل کو اس نے بطورِ اعتراض اعلیٰحضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کی مخالفت میں اپنے کسی چار ورقی پمفلٹ رسالے میں شائع کئے ہیں وہ تمام مسائل شریعتِ اسلامیہ اور فقہ ائمہ اربعہ میں متفقاً علیہ ہیں نیز موجودہ تمام فرقِ مختلفہ یعنی دیوبندیہ وہابیہ۔ مودودیہ۔ وانیچریہ کے اکابر کے نزدیک بھی مسلم الثبوت ہیں۔ دیوبندی فتاویٰ اور کتب و تصانیف میں بھی یہ مسائل اسی طرح مدرج ہیں۔ اعلیٰحضرت نے یہ مسائل خود نہیں بنائے نہ بغیر حوالہ اپنے فتاویٰ رضویہ میں درج فرمائے بلکہ اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے طریقۂ تحریر کے مطابق ایک ایک مسئلے پر کثیر دلائل و براہین اور حوالے و مقالے پیش فرمائے ہیں جیسا کہ خود معترض نے بھی ہر مسئلے پر حوالہ لکھا ہے لہٰذا یہ تمام اعتراضات اور صاحبِ اعتراضات بلا تفریق ہر کہ و مہ کے لاشعوروں اہلِ علم و اہلِ عقل حضرات کے نزدیک مردود و ناکارہ ہیں دو وجہ سے پہلی وجہ یہ کہ معترض نے ان مذکورہ فی السوال مسائلِ شرعیہ اسلامیہ فقہیہ پر اعتراض تو کر دیا مگر اعتراض کی وجہ نہ بیان کی۔ اور نہ ہی اس کے مقابل قرآن و حدیث و فقہ و اصولِ فقہ کے حوالوں سے اپنے خیال کے مطابق ان مذکورہ مسائل کے خلاف مسئلے بتلائے اعتراض اور مخالفت صحیح اور با اصول وہی ہوتی ہے جو با دلائل ہو اور با لوضاحت بتایا جائے یہ مسئلہ غلط ہے اور یہ مسئلہ اس طرح ہے یہ صحیح ہے فلاں فلاں سے ثابت ہے۔ صرف مخالفت اور اعتراض کر دینا تو خبثاء اور شیاطین کا کام ہے۔ ہر جاہل اعتراض کر سکتا ہے یہ تو بڑا آسان ہے۔ ایسے لایعنی اور بیہودہ اعتراضوں سے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ ایک اعلیٰحضرت کی کیا بات ان حمقا نے تو اللہ رسول پر بھی اعتراضات کر کے اپنے ایمان و اعمال کو برباد و تباہ کیا ہے۔ دوسری وجہ۔ شریعت اسلامیہ کے تمام مسائل انتہا اور گہرائی کی حد تک حقیقت و حکمت پر مبنی ہوتے ہیں جن کو حقیقت بین عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے اگر اہلِ دیوبند کے بعض احباب کی شیطانی و خبیثانی عقل قرآن و حدیث و فقہ کے ان عام فہم متفقہ مسائل کو تسلیم نہیں کرتی یا کسی کا متعصبانہ نفسانی دل ان کو گوارہ نہیں کرتا تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ انسانی عقل کی حقیقت ہی کیا ہے یہی عقل اگر سانسیوں میں پیدا ہو تو کتے بلے بھی کھا جاتی ہے نہ عقل انکار کرے نہ دل ناگوار ہو۔ اگر یہی عقل چینیوں میں پیدا ہو تو چوہے

مینڈک سانپ اور چھپکلی تک خوراک بنا جاتے ہیں نہ عقل گھبرائے نہ دل متلائے یہی عقل اگر ہندوؤں میں پیدا ہو جائے تو گائے کا گوبر اور پیشاب بلکہ خود اپنا پیشاب بھی کھا پی جائے اور سب کچھ تسلیم و گوارہ ہو جائے۔ یہی عقل و دل اگر سکھوں میں پیدا ہو جائے تو خنزیر اور اس کی مثل ہر حرام شی ہڑپ کر جائیں اگر عیسائیت میں پیدا ہو تو ہر گندی اور کتے بلے کے منہ سے لبڑی تھڑی چیزیں بھی چاٹ جائے۔ یہی عقل و دل اگر شیعیت میں اور رافضیت میں جنم لے تو۔ گزگن کا پانی اور بہتے خون کا گھمار مرم کے گھوڑے کا پسینہ بھی تبرک بنا کر سر و منہ سے لیپ لیں۔ یہی عقل و دل اگر دیوبندیت موہابیت میں جنم لیں تو کوا۔ گوہ۔ کچھوا۔ بجو۔ شیر خوار بچے کے پیشاب کو بھی پاک و حلال کہہ کر کھا لیں مزے اڑائیں۔ یا انسانی عقل اور دل کی حیثیت ہی کیا ہے اور کیا اس کی پسند و ناپسند یہ تو اسلام قرآن حدیث و فقہ کا احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے انسان کو حلال و حرام پاک و پلید ستھری اور گھنونی کا فرق سمجھا کر مسلمانوں کو طیب و طاہر حسن و پاکیزگی کی بلند چوٹیوں پر پہنچا دیا۔ ورنہ تمہارے یہ عقل کے ٹھیکیدار احباب بھی کتے بلے کا منہ چاٹتے اور کیڑے مکوڑے کھاتے نظر آتے۔ یہ واقعی حقیقت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ مگر پاکیزگی میری تمہاری عقل سے نہیں بلکہ پاکیزہ صرف وہی تمام چیزیں ہیں جن کو اللہ رسول اور قرآن و حدیث کی روشنی میں فقہاء عظام بیان فرمائیں کسی کی ضدی عقل اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے یا مخالفانہ ہٹ دھرم دل گوارہ کرے یا نہ کرے یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اسلام کے تمام مسائل صرف حکمت و حقیقت پر ہی مبنی نہیں بلکہ انسانی عالمگیر برادری کی تمام قومی ملی ملکی موسمی علاقائی آسانیوں سہولتوں کی ذمہ داری و ضمانت نبھاتے ہیں۔ تاکہ دنیا بھر کے تا قیامت مسلمانوں کو کسی دور میں کسی قسم کی کوئی دینی دنیوی عملی قولی دشواری پیش نہ آسکے اور کسی بھی ذہنیت و رواجیت کو اسلام پر عمل کرنے میں مشکل محسوس نہ ہو۔ مذکورہ فی السوال یہ چند مسائل جن کا ایک جاہل و کم عقل انسان نے محض اپنی جہالت و تعصب اور مخالفانہ معاندانہ دماغی کی بناء پر انکار و اعتراض کیا وہ مسائل بھی اسی اسلامی فطرت کے معیار پر متیقن و مبنی ہیں۔ لہٰذا عوامی فلاح و بہبود اور فوائد و سہولیات کے عین مطابق اور صحیح و درست ہیں۔ جیسا کہ خود سائل اور معترض مذکور نے ہی اپنے پمفلٹ کی اوائل سطور میں امام اعظم ابوحنیفہ کا ذاتی قول عمل نقل کر کے فتوے اور تقوے کی امتیازی تفریق سے ثابت کر دیا۔ کہ تقویٰ اگرچہ جداگانہ حیثیت و احتیاط کی چیز ہے مگر مسائل و فتاویٰ اپنی جگہ درست ہیں اور کسی بھی فقہی مسئلے میں عقل و دل کی اختلاف مداخلت۔ مخالفت مردود و ناکارہ ہے وہ مسائل جن کا ذکر معترض نے اپنے مطبوعہ رسالے اور سائل نے اپنے اس زیر نظر سوال و استفتاء میں درج کیا ان کے صحیح ہونے کا با دلائل جواب۔ اسی ترتیب سوالیہ سے مندرجہ ذیل سطور میں بیان کیا جاتا ہے۔ پہلا مسئلہ۔ معترض اعلیٰحضرت کے اس مسئلے پر اعتراض کرتا ہے کہ فتاویٰ رضویہ جلد اوّل کے ص۹۶ پر انسان سے خارج ہونے والی ہوا کو پاک لکھا ہے۔ یعنی

جس ہوا کے نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے وہ ہوا بذاتِ خود پلید نہیں ہے اعلیٰحضرت نے یہ مسئلہ لکھ کر متعدد کتب فقہا کے حوالے پیش فرمائے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ نہ بناوٹی ہے نہ اعلیٰحضرت کا خود ساختہ بلکہ اسلام قرآن اور حدیث مطہرات و تمام فقہاء ملت کا متفقہ ہے بلکہ خود اہلِ دیوبند وہابیوں کے نزدیک بھی مسلم الثبوت ہے چنانچہ فتاویٰ حنفیہ در مختار جلد اول صفحہ ۱۲۴ پر ہے۔ وَيَنْقُضُهُ خُرُوجُ كُلِّ خَارِجٍ نَجِسٍ مِنْهُ أَيْ مِنَ الْمُتَوَضِّئِ الْحَيِّ وَخُرُوجُ غَيْرِ نَجِسٍ مِثْلِ رِيحٍ أَوْ دُودَةٍ أَوْ حَصَاةٍ مِنْ دُبُرٍ الخ۔ ترجمہ۔ اور وضو کو توڑ دیتا ہے ہر وضو والے زندہ انسان کے دبر یعنی پیچھے سے ناپاک چیز کا نکلنا بھی اور غیر ناپاک چیز کا دبر سے نکلنا بھی وضو کو توڑ دیتا ہے مثلاً دبر سے ہوا خارج ہو یا دبر سے کیڑا نکلا یا کنکری نکلی اس کی شرح میں فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۱۲۴ پر ہے۔ قَوْلُهُ مِثْلِ رِيحٍ. فَإِنَّهَا تَنْقُضُ لِأَنَّهَا مُنْبَعِثَةٌ عَنْ مَحَلِّ النَّجَاسَةِ لَا لِأَنَّ عَيْنَهَا نَجِسَةٌ لِأَنَّ الصَّحِيحَ أَنَّ عَيْنَهَا طَاهِرَةٌ حَتَّى لَوْ لَبِسَ سَرَاوِيلَ مُبْتَلَّةً أَوِ ابْتَلَّ مِنَ الْأَلْيَتَيْنِ الْمَوْضِعُ الَّذِي تَمُرُّ بِهِ الرِّيحُ فَخَرَجَ الرِّيحُ لَا يَتَنَجَّسُ وَهُوَ قَوْلُ الْعَامَّةِ۔ ترجمہ مصنف کا فرمان مثلاً ریح۔ اس لیے ہے کہ دبر سے نکلنے والی ہوا۔ وضو توڑ دیتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہوا ناپاکی اور پلیدی گندگی کی جگہ سے گندگی میں سے نکل کر آئی ہے نہ اس لیے کہ ہوا پلید ہے۔ بلکہ عام فقہاء کرام کے نزدیک دبر سے نکلی ہوئی ہوا پاک ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے گیلا پیجامہ بھی پہنا ہو یا پانی سے استنجا کرنے کی بناء پر سرین کی سوراخ والی وہ کھال گیلی ہو جہاں سے ہوا خارج ہوتی ہے تو وہاں سے ہوا نکلی اس سے پیجامہ یا وہ جگہ اور وہ جسم ناپاک نہ ہوگا۔ یہ عام یعنی تمام فقہا کا قول و عقیدہ ہے ان عبارتوں سے یہ ثابت ہوا۔ کہ پیٹ سے خارج ہونے والی ہوا پاک ہے۔ لیکن وضو ٹوٹنا اس لیے ہے۔ گندگی سے نکل کر آئی ہے۔ مگر ہوا بذاتِ خود پاک ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے نکلنے سے نہ تو گیلا یا خشک پیجامہ پلید ہوتا ہے نہ سوراخ کے آس پاس کی خشک یا تر جگہ کھال وغیرہ۔ اگر یہ ہوا نجس ہوتی تو پیجامہ اور کھال ناپاک ہو جاتی احادیث میں پیجامے اور کھال کو بھی دھونے کا حکم ہوتا۔ حالانکہ احادیث مبارکہ میں یہ حکم نہیں ہے صرف وضو کرنے کا حکم ہے۔ نہ ہی کسی امام اور فقہائے عظام نے یہ حکم دیا اگر یہ احمق معترض اس مسئلے کو نہیں مانتا تو اس کو چاہیئے کہ جب اس کی ہوا خارج ہو فوراً پیجامے شلوار بھی دھویا کرے اور استنجا بھی کیا کرے ان مندرجہ عبارتوں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دبر سے نکلا ہوا کیڑا زندہ اور خشک ہو تو وہ بھی پاک ہے اس کے نکلنے سے بھی وضو تو ٹوٹے گا اور کپڑے پر گرنے سے کپڑا بھی پلید نہ ہوگا اس لیے کہ کیڑے مکھی مچھر کی مثل مانے گئے ہیں کیونکہ ان میں خون نہیں ہوتا۔ دبر کی ہوا نکلنے سے وضو ٹوٹ جانے کی وجہ ایک تو وہی ہے جو علامہ شامی نے بیان کی کہ یہ ہوا گندگی میں سے گزر کر آئی ہے جیسے کہ دبر سے کنکری یا کیڑے کا نکلنا۔ دوسری

وجہ بعض فقہا نے یہ بیان کی ہے کہ خارج شدہ ہوا کے ساتھ نجاست باطنی کے اجزاءِ لطیفہ ساتھ نکلتے ہیں جو نظر نہیں آتے نہ جسم اور کپڑے سے لگتے ہیں اجزاءِ لطیفہ کے نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے مگر ہوا پلید نہیں ہوتی۔ چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد اول ص۲۲۳ پر ہے اِذَا فَسَا فِی السَّرَاوِیْلِ وَصَلّٰی مَعَہٗ قَالَ بَعْضُھُمْ لَا یَجُوْزُ لِاَنَّ فِی الرِّیْحِ اَجْزَاءً لَطِیْفَۃً تَتَدَخَّلُ اَجْزَاءَ الثَّوْبِ۔ (الخ) وَالْفَتْوٰی اَنَّہٗ یَجُوْزُ سَوَاءً کَانَ السَّرَاوِیْلُ رَطْبًا وَقْتَ الْفَسْوَۃِ اَوْ یَابِسًا ــــــ ترجمہ۔ اور جب کسی نے ہوا چھوڑی پیجامے میں اور اس کے ساتھ نماز پڑھ لی تو بعض مجہول لوگوں کا کہنا ہے کہ نماز ناجائز ہے اس لیے کہ اس خارج شدہ ہوا میں گندگی کے بہت ہی ہلکے چھوٹے اجزاء لطیفہ ہوتے ہیں یعنی نہ دکھائی دینے والے وہ ذرے کپڑے کے سوراخوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ قول غلط ہے فتویٰ یہی ہے کہ نماز جائز ہے۔ خواہ پیجامہ گیلا ہو یا خشک ہو۔ اوّلاً تو اجزاء لطیفہ اس ہوا میں ہوتے ہی نہیں اور اگر یوں بھی ہوں تو ان کا شریعت میں کوئی وجود نہیں اس لیے کہ جو چیز نظر ہی نہیں آتی اس کا حکم واعتبار نہیں لگایا جا سکتا۔ یعنی ان بعض لوگوں نے بھی بذاتِ خود ہوا کو پاک مانا ہے۔ وضو ٹوٹنے کی وجہ وہ اجزاء لطیفہ کے غیر مرئی (نہ دکھائی دینے والے) ذرے ہیں جو ان کے گمان میں ہوا کے ساتھ خارج ہوتے ہیں بہرکیف ہوا نے فسوتی کو کسی نے پلید نہیں کہا۔ فتاویٰ بحر الرائق جلد اوّل کے ص۳۰ پر ہے۔ وَالرِّیْحُ لَا یُنْقِضُ اِلَّا لِذٰلِکَ لَا لِاَنَّ عَیْنَھَا نَجِسَۃٌ لِاَنَّ الصَّحِیْحَ اَنَّ عَیْنَھَا طَاہِرَۃٌ ترجمہ اور ریح (ہوا) وضو صرف اسی وجہ سے توڑتی ہے کہ وہ نجاست کے اندر سے ہو کر نکلتی ہے۔ اس لئے کہ بذاتِ خود وہ ہوا پاک ہے۔ نہ اس لیے کہ وہ نجس ہے اس ہوا کو کسی نے بھی پلید نہ کہا۔ نیز عقل وشعور کا بھی تقاضہ ہے کہ ہوا پاک ہی ہے کیونکہ ہوا ایک بیرونی چیز ہے اور بیرونی پاک چیز جب اپنی اسی شکل وکیفیتِ جسمانی حالت سے باہر نکل آئے تو اگرچہ دبر کے راستے معدے اور اوجھڑی کی کرشِ شکنبہ ہی سے نکلے مگر وہ پاک ہے۔ اسی لیے فقہاء نے حصاۃ یعنی کنکری کو دبر سے خارج ہونے کے باوجود پاک مانا ہے کیونکہ کنکری منہ وغیرہ کے راستے پیٹ میں جانے سے پہلے پاک تھی تو جب اپنی اسی اصلی شکل وحالت میں دبر سے باہر نکلی تب بھی پاک ہے۔ یہی شرعی حکم کا بیج وغیرہ بلکہ غذا کا ہے۔ کہ اگر دبر کے راستے پیٹ میں سے ثابت اصلی حالت میں دانے باہر نکل آئے تو دھو لینے سے پاک ہوں گے اگرچہ ان کو کھانا طبی لحاظ سے ممنوع ہے۔ مگر اس کو کپڑے میں رکھنے سے کپڑا ناپاک نہ ہوگا فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ مکھی دبر میں گھس کر خشک ہی باہر نکل آئی تو پاک ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ بحر الرائق ص۳۰ جلد اوّل میں ہے۔ ہاں جو چیز اپنی اصلی حالت بدلائے گی اور معدے میں فضلہ بن جائے گی وہ پلید ہوگی۔ لیکن دبر سے نکلا ہوا کیڑا اگرچہ معدے میں اسی کھائی ہوئی غذا سے بنا ہے وہ اس لیے پلید نہ ہوگا کہ وہ حیوانی تشخص بن گیا اور ایک جاندار علیٰحدہ مخلوق کی شکل میں

ہوگیا لہٰذا وہ رحم کے بچے کی شکل ہوگا۔ انسانی رحم کا بچہ پلید نہیں ہوتا بریں وجہ کیڑا بھی پلید نہیں ہاں اس پر لگی ہوئی تری پلید ہوگی کیونکہ وہ معدے کی گندگی ہے۔ اگر خشک کیڑا نکلے تو ہر طرح پاک ہے مگر اس کیڑے کے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ گندگی کے اندر سے نکلا ہے۔ جیسے کہ دبر کی ہوا۔ اب اگر کسی کی جاہلانہ عقل ان مسائل کو نہ مانے تو اس کا علاج نہیں ہے معترض اور منکر کو چاہئے کہ اس کے خلاف کوئی یا دلیل یا حوالہ مسئلہ بتائے صرف انکار فعل حماقت ہے دوسرا مسئلہ۔ بیوی مطلقہ یا غیر مطلقہ کی فرج داخل پر خاوند کی نظر۔ نماز پڑھتے ہوئے پڑجائے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ جان بوجھ کر بھی نظر ڈالے بشرطیکہ کعبے سے رخ نہ پھیرے تو اگرچہ یہ کام شرعاً مکروہ ہے مگر نماز فاسد نہ ہوگی۔ یہ مسئلہ بھی عقلاً نقلاً شرعاً قانوناً ہر طرح ہر امام اور علما فقہا کے نزدیک بالکل درست اور معتبر ہے چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۸۶ پر ہے وَلَوْ رَأَى فَرْجَ الْمُطَلَّقَةِ رَجْعِيًّا بِشَهْوَةٍ يَصِيْرُ مُرَاجِعًا وَلَا تَفْسُدُ فِيْ رِوَايَةٍ وَهُوَ الْمُخْتَارُ ترجمہ اگر نمازی خاوند نے اپنی رجعی طلاق والی بیوی کا فرج نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لی شہوت سے تو رجوع طلاق صحیح مان لیا جائے گا لیکن نماز ٹوٹے گی فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۵۵۵ پر ہے۔ وَفِي الْخُلَاصَةِ لَوْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ الْمُطَلَّقَةِ رَجْعِيًّا بِشَهْوَةٍ يَصِيْرُ مُرَاجِعًا وَلَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ فِيْ رِوَايَةٍ هُوَ الْمُخْتَارُ۔ ترجمہ۔ اگر کسی شخص نے اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی کی فرج ننگی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لی تو رجوع تسلیم کر لیا جائے گا لیکن نماز نہیں ٹوٹے گی۔ تمام فقہا کے نزدیک یہی مختار مذہب ہے علامہ شامی علیہ الرحمۃ آگے اسی صفحہ پر اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَهٰذَا يُشْكِلُ عَلَى الْفَرْقِ الْمَذْكُوْرِ لِأَنَّهُ أَتَى بِمَا هُوَ مِنْ دَوَاعِي الْجِمَاعِ وَلِذَا صَارَ مُرَاجِعًا إِلَّا أَنْ يُقَالَ فَسَادُ الصَّلٰوةِ يَتَعَلَّقُ بِالدَّوَاعِي الَّتِيْ هِيَ فِعْلٌ غَيْرُ النَّظَرِ وَالْفِكْرِ وَأَمَّا النَّظَرُ وَالْفِكْرُ فَلَا يُفْسِدَانِ عَلٰى مَا مَرَّ لِعَدَمِ إِمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُمَا ترجمہ۔ اور یہ قانون مذکورہ فرق کی مشکل بنا دیتا ہے کہ نماز اور رجوع میں کیا فرق ہے۔ اس لیے کہ وہ نمازی خاوند اپنی شہوت والی نظر سے جماع اور وطی کی طرف بلانے والی چیزوں کی طرف آیا۔ اور طلاق رجعی سے رجوع کا تعلق کرنے اور جماع کے لوازمات شہوت وغیرہ سے ہے وہ پایا گیا لہٰذا رجوع صحیح ہوگیا کیونکہ نظر سے شہوت پیدا ہوئی اور شہوت قلبی وفکری جماع کے قائم مقام ہے۔ لیکن نماز کے ٹوٹنے اور فاسد ہونے کا تعلق عمل کثیر سے ہے اور نظر یا فکر عمل کثیر نہیں ہے۔ اس لیے نماز میں سامنے دیکھ لینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہاں البتہ کعبے سے رخ پھیرنا عمل کثیر ہے۔ اسی طرح نماز میں کوئی اچھا برا خیال آنے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی کیونکہ نظر اور فکر و خیالات اپنے قابو میں نہیں ہوتے ان سے بچنا بہت مشکل ہے بزرگاں صوفیا نظر و فکر کو صحیح قائم رکھنے کے لیے بڑی محنت

چلے مراقبے کرتے ہیں۔ یہی بدبخت ظالم دیوبندی جو یہاں اس مسئلے میں اعلیٰحضرت کی مخالفت کی آڑ لیکر اس مسئلے کا انکار کر رہا ہے اور بڑا متقی خاں بنتا ہے اسی کے بڑے گرگوں نے لکھا ہے کہ گدھے بیل کے خیال سے نماز نہیں ٹوٹتی مگر نبی علیہ السلام کے خیال سے نماز ٹوٹ جاتی ہے (از تقویۃ الایمان اسماعیل دہلوی) معاذ اللہ تعالیٰ مِنْ شَرِّ الْخُبَثَاءِ الْوَهَّابِيِّيْنَ بہرکیف یہ مسئلہ بھی متفقہ مسلم الثبوت اور تسلیم شدہ ہے۔ کہ اس طرح دیکھ لینے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور عقل و شعور بھی اس مسئلے کو مانتا ہے کیونکہ نمازی کے سامنے سے بہت سے ننگے جانور بلی کتے گدھے بیل گزر جاتے ہیں مگر ان کو دیکھنے اور ان کی شرم گاہوں پر نگاہ پڑنے کے باوجود نماز نہیں ٹوٹتی۔ وہابیہ سوال کہ جانوروں پر تو پردہ فرض واجب نہیں مگر انسانوں پر تو پردہ فرض ہے شرم گاہ چھپانا واجب ہے لہٰذا فرق ہوا انسانی شرم گاہ کے دیکھ لینے کو جانوروں کی شرم گاہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ تو یہ سوال اس لیے غلط ہے کہ یہ فرق شرم گاہ والے کے لیے ہے انسان پر لازم و فرض ہے کہ اپنی شرم گاہ چھپائے اگر کوئی ننگا ہو کر سامنے آجائے تو دیکھنے والے پر گناہ نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ شوق سے دیکھنے میں شوق کرنے کا گناہ ہوگا مگر اس دیکھنے سے نماز نہ ٹوٹے گی۔ اگرچہ جان بوجھ کر دیکھنا اور بار بار دیکھنا مکروہ فعل ہے۔ یہی اعلیٰحضرت نے لکھا ہے اور تمام فقہا کا مسلمہ مسلک ہے اس لیے اعلیٰحضرت مجدد ملت پر اعتراض کرنا گمراہی ہے تیسرا مسئلہ۔ یہ کہ اگر کسی نمازی مرد کی نگاہ اجنبی ننگی عورت کی شرم گاہ پر پڑجائے اور نمازی کو اس دیکھنے سے شہوت بھی آجائے تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ یہ مسئلہ بھی اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ساختہ نہیں بلکہ تمام فقہاء اسلام و ائمہ مجتہدین کا بادلائل فرمودہ ہے۔ یہاں تک کہ خود معترض کے اکابر فضلاء دیابندہ وہابیہ کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ فتاویٰ اشرفیہ تھانویہ میں اس قسم کے سب مسائل لکھے ہیں۔ امام احمد رضا مجدد بریلوی علیہ الرحمۃ نے اس مسئلے پر فتاویٰ مراقی الفلاح کا حوالہ پیش فرمایا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ مراقی الفلاح صفحہ ۸۰ پر ہے۔ وَلَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ بِنَظْرِهِ اِلٰى فَرْجِ الْمُطَلَّقَةِ اَوِ الْاَجْنَبِيَّةِ يَعْنِيْ فَرْجَهَا الدَّاخِلَ بِشَهْوَةٍ فِي الْمُخْتَارِ لِاَنَّهُ عَمَلٌ قَلِيْلٌ وَاِنْ ثَبَتَ بِهِ الرَّجْعَةُ ترجمہ نمازی مرد اگر بحالت نماز اپنی مطلقہ یا کسی اجنبی یعنی غیر بیوی عورت کی ننگی شرم گاہ داخل اندرونی دیکھ لے اور نماز پڑھنے والے شخص کو اس دیکھنے سے شہوانی خیال بھی آجائے تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس کی وجہ یہ کہ یہ نگاہ ڈالنا عمل قلیل ہے۔ اور کسی بھی عمل قلیل سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ نماز عمل کثیر سے ٹوٹتی ہے فقہاء کرام نے عمل کثیر کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں جیسا کہ فتاویٰ فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۸۶ پر منقول ہے۔ لیکن اس نگاہ کرنے اور شہوت آنے سے مطلقہ رجعیہ کی طلاق سے رجوع ثابت ہو سکتا ہے یہ فرق پہلے اوپر شامی کی عبارت سے واضح کر دیا گیا۔ یہ فتاویٰ مراقی الفلاح۔ شامی۔ درمختار۔ فتاویٰ فتح القدیر وغیرہ کتب فقہ۔ قرآن و حدیث کی ایسی روشنی والی معتبر و مقبول کتابیں ہیں جن کو وہابی دیوبندی وغیرہ

سب ہی تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان ہی کتب کے حوالے اپنے اپنے فتاوٰی کی زینت بناتے ہیں نیز آج تو یہ دیوبندی اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ کے فتاوٰی رضویہ میں درج ہونے کی بنا پر ان اسلامی مسائل کا انکار کر رہا ہے مگر آج سے پہلے اسی فتاوٰی رضویہ کو دیوبندی وہابی وغیرہم سب فرق بالالتزام چشم تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ فتاوٰی رضویہ مقدسہ تقریباً ستّر سال سے چھپ کر شائع ہوتا چلا آرہا ہے آج تک کسی مخالف نے اس پر کسی قسم کا اعتراض سوال یا انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں کی یہاں تک کہ بڑے دیوبندی وہابی اشرف علی صاحب تھانوی نے اسی فتاوٰی رضویہ کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب سے ہمارے کچھ اختلاف ہوسکتے ہیں مگر ان کا فقہی مقام و مرتبہ مسلّم ہے اسی طرح جناب مودودی صاحب نے حضرت علامہ قاضی عبدالنبی کوکب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی چند روزہ محفل سے متاثر ہو کر اپنی ایک بڑی محفل میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے قولاً و تحریراً فرمایا کہ اعلٰحضرت۔ مولانا احمد رضا خان کا مقام فقہ میں بلند مرتبے پر ہے۔ ہم اس مقام تک نہیں پہنچے۔ وغیرہ۔ حکایت۔ جب پہلے وقتوں میں حضرت قبلہ علامہ قاضی عبدالنبی کوکب علیہ الرحمۃ نے چند مرتبہ مودودی کی چند محفلوں کو زینت بخشی تو بعض تنگ نظر رضویوں نے بلا سوچے سمجھے حضرت علامہ پر وہابیت اور مودودیت کا فتوٰی لگا دیا۔ جب علامہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو اس کا پتہ لگا تو آپ نے اپنی میٹھی عادتِ کریمہ کی طرح مسکراتے ہوئے فرمایا کہ میں کس طرح وہابیوں کو قبول ہوسکتا ہوں میرا تو نام ہی وہابی کش ہے۔ میں تو ان کی محفلوں میں تعارفِ اعلٰحضرت کی غرض سے جاتا ہوں۔ واقعی یہ علامہ کوکب صاحب کی ہی دانشوری تھی کہ اتنے متعصّبین شخصیتوں سے بھی اعلٰحضرت کا لوہا منوالیا۔ جب میں نے ایک دفعہ ایک مخالف علامہ کوکب علیہ الرحمۃ سے علامہ کا یہ جواب بیان کیا تو رضوی صاحب فرمانے لگے کہ اعلٰحضرت کو کوئی ضرورت نہیں ایسے تعارفوں کی میں نے کہا کہ اعلٰحضرت کو واقعی کوئی ضرورت نہیں مگر آج اس زمانے میں ہم کو اور تم کو ضرورت ہے۔ یہ تحریریں آج مخالفین کے سامنے ہمارے پاس بہت منہ توڑ و دندان شکن دلیلیں ہیں یہ تحریر لے لینا علامہ کوکب علیہ الرحمۃ کا تمام اہلِ سنت پر احسان ہے اس پر وہ رضوی صاحب مان گئے۔

چوتھا مسئلہ۔ یہ کہ عورت نماز پڑھ رہی ہے۔ خاوند نے اس کا بوسہ لے لیا۔ عورت کو خواہش و لذت پیدا ہوئی۔ عورت کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ معترض اس پر اعتراض کرتا ہے مگر یہ مسئلہ بھی بالکل درست ہے اور تمام فقہا کا فرمودہ ہے۔ مخالفین کو بھی تسلیم ہے۔ صرف اعلٰحضرت کا ہی نہیں۔ چنانچہ فتاوٰی شامی جلد اول صفحہ ۵۸۸ پر ہے۔ وَذُکِرَ فِی الْبَحْرِ عَنْ شَرْحِ الزَّاھِدِیِ اَنَّہٗ لَوْ قَبَّلَ الْمُصَلِّیَۃَ لَا تَفْسُدُ صَلٰوتُھَا۔

ترجمہ۔ اور فتاوٰی بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۲ پر، ذکر فرمایا گیا بحوالہ شرح زاہدی۔ کہ بیشک اگر کسی خاوند نے نماز پڑھنے والی اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا تو بیوی کی نماز فاسد نہ ہوگی فتاوٰی قاضی خان اور فتاوٰی خلاصہ نے لکھا

کہ نماز فاسد ہو جائے گی تو امام بحر الرائق نے اس کو غلط قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ نماز نہیں ٹوٹے گی اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی چنانچہ بحر الرائق جلد دوم ص۱۲ پر ہے۔ وَاَمَّا قَوْلُهُمْ كَمَا فِي الْخَانِيَةِ وَالْخُلَاصَةِ لَوْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ هِيَ الْمُصَلِّيَةُ دُوْنَهُ فَسَدَتْ بِشَهْوَةٍ اَوْ بِغَيْرِ شَهْوَةٍ وَلَوْ كَانَ هُوَ الْمُصَلِّي فَقَبَّلَتْهُ وَلَمْ يَشْتَهِهَا فَصَلَاتُهُ تَامَّةٌ۔ فَمُشْكِلٌ اِذْ لَيْسَ مِنَ الْمُصَلِّيْ فِعْلٌ فِي الصُّوْرَتَيْنِ فَمُقْتَضَاهُ عَدَمُ فَسَادِهَا فِيْهِمَا۔

ترجمہ۔ لیکن وہ قول جو کسی کا فتاوی قاضی خان اور فتاوی خلاصہ نے بیان کیا کہ اگر بیوی نماز پڑھ رہی ہو نہ کہ خاوند اور وہ خاوند اس نماز پڑھتی ہوئی کا بوسہ لے تو بیوی کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ خاوند کو شہوت ہو یا نہ ہو اور اگر وہ خاوند نماز پڑھ رہا ہو نہ کہ بیوی اور بیوی نے اپنے نمازی خاوند کا بحالت نماز بوسہ لے لیا اور بیوی کو شہوت نہ تھی تو خاوند کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ یہ سب مسئلے قابل اشکال یعنی غلط ہیں۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں نمازی سے تو کوئی کام سرزد نہیں ہوا۔ نہ عمل کثیر نہ قلیل۔ اس وجہ سے اقتضاء النص یہ ہے کہ نماز نہیں ٹوٹنی چاہئے ان عبارات کے اطلاق سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر نماز پڑھتی ہوئی عورت کو خاوند کے اس بوسے سے شہوت بھی آگئی تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ دلیل اور وجہ وہی ہے جو مرد کی نظر الی فرج الداخل میں بیان ہوئی کہ شہوت آنا ایک باطنی اور خیالی تصوراتی چیز ہے اور نگاہ و خیالات آنے سے نماز نہیں ٹوٹا کرتی جب کہ عورت کی شہوت تو بالکل ہی باطنی ہے۔ بخلاف مرد کے کہ اس کی شہوت اس کو ظاہر نظر آتی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اگر خاوند نے شہوت میں آکر نماز پڑھتی بیوی کا بوسہ لیا تو نماز ٹوٹ جائے گی ورنہ نہیں چنانچہ بحر الرائق جلد دوم ص۱۲ پر ہے۔ وَقَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ اِنْ كَانَ بِشَهْوَةٍ فَسَدَتْ ـ ترجمہ ابو جعفر نے کہا کہ اگر خاوند نے شہوت سے بوسہ لیا تو بیوی کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خاوند کی شہوت اس کے عمل کثیر کے ساتھ جماع کے درجہ میں ہے جب کہ بحالت نماز اگر نمازی عورت سے جماع کر لے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اسی طرح یہاں بوسہ لینے سے بھی ٹوٹ جائے گی مگر میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل اور قیاس غلط ہے کیونکہ جماع مثل بوسے کے نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اعلیحضرت کا مسئلہ تمام ائمہ کے نزدیک درست ہے اس پر اعتراض و انکار جہالت ہے۔ **پانچواں مسئلہ** ۔ یہ کہ نماز میں احتلام ہوا اور منی باہر نہ آئی کہ نماز مکمل کر لی سلام پھیر دیا۔ اس کے بعد منی اتری تو غسل واجب ہو گا۔ مگر نماز نہیں ٹوٹی وہ پوری درست ہو گئی۔ معترض وہابی صاحب کو اس پر بھی اعتراض و انکار ہے۔ حالانکہ یہ بالکل عام فہم قابل تسلیم مسئلہ ہے اس پر بھی تمام فقہاء اسلام کا اتفاق ہے چنانچہ فتاوی فتح القدیر جلد اول ص۲۳ پر ہے وَكَذَا لَوِ احْتَلَمَ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمْ يَنْزِلْ اَتَمَّهَا فَاَنْزَلَ لَا يُعِيْدُهَا وَيَغْتَسِلُ ۔ ۔ ۔ ترجمہ۔ اور ایسے ہی اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کی

حالت میں اس کو احتلام ہو گیا اور اس نے تشہد پورا کر کے سلام پھیر دیا سلام پھیرنے کے بعد اس کو انزال ہوا تو نماز درست و مکمل ہو گئی وہ نہ لوٹائی جائے گی۔ اور منی نکلنے کے بعد اس پر غسل واجب ہوا لہٰذا غسل بھی اب کرنا پڑے گا۔ عقل بھی تسلیم کرتی ہے کہ نماز ٹوٹنے کیونکہ نماز ٹوٹتی ہے وضو یا غسل ٹوٹنے سے اور اس صورت میں نہ وضو ٹوٹا نہ غسل۔ وضو تو اس لیے نہیں ٹوٹا کہ بحالتِ نماز مرد کے سو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ خواہ قیام میں سو جائے یا تشہد و رکوع و سجود میں سو جائے۔ کیونکہ سونے کا تعلق دماغ اور شعور سے ہے آنکھوں کی پتلیاں پیچھے مغز کی طرف ہو جاتی ہیں شعورِ دماغی لاشعور میں منتقل ہو جاتا ہے۔ ظاہر سے لاتعلق ہو کر قلب کو غافل کر دیتا ہے یہ ہے گہری نیند کی حقیقت۔ یہ کیفیت انسان پر بلا قید ہر وقت طاری ہو سکتی ہے دن ہو یا رات صبح ہو یا شام سردی ہو یا گرمی بیماری ہو یا تندرستی کھڑا ہو یا بیٹھا سفر میں ہو یا حضر میں سواری پر ہو یا پیدل غرضکہ مختلف طبیعتوں کی بنا پر ہر شخص کی نیند بھی مختلف ہے بہت سے لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے قیام و رکوع میں نیند آ جاتی ہے تشہد میں بیٹھے ہوئے لوگ تو اکثر اوقات سو جاتے ہیں۔ گجرات پاکستان میں ہمارے ایک بزرگ صوفی بشیر آف نیشنل بینک پاکستان اکثر کھڑے کھڑے نماز میں سو جاتے ہیں التحیات میں کئی دفعہ ان کو جھومتے دیکھا گیا۔ تراویح کے دوران تو بہت سوں کو خراٹے لیتے بھی سنا گیا ہے۔ کئی لوگوں کا بیان ہے کہ وہ نماز میں کھڑے کھڑے سو جاتے ہیں اور خواب بھی اچھا برا دیکھ لیتے ہیں کئی لوگوں نے مجھ سے اپنے وہ خواب بیان کیے جو انہوں نے دفتر میں بیٹھے بیٹھے یا کسی کے انتظار میں کھڑے کھڑے سو کر دیکھ لیے اسی طرح بہت سے خواب نماز کی حالت میں دیکھے گئے اور جب اس طرح سونے میں خواب آ جاتے ہیں تو احتلام کا تعلق بھی خواب سے ہی ہے۔ مگر وضو ٹوٹنے کا تعلق فقط ہر قسم کی نیند سے نہیں بلکہ وضو اس نیند سے ٹوٹتا جس میں اعضا ڈھیلے پڑ جائیں مثلاً لیٹ کر سونا۔ ٹیک لگا کر سونا۔ وغیرہ وغیرہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر مرد سجدے میں سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا یہی حدیث مقدسہ سے ثابت و واضح ہوتا ہے چنانچہ ترمذی شریف جلد اول صـ۲۲ پر ہے۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَامَ وَھُوَ سَاجِدٌ حَتّٰی غَطَّ اَوْ نَفَخَ ثُمَّ قَامَ یُصَلِّیْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ قَدْ نِمْتَ قَالَ اِنَّ الْوُضُوْءَ لَا یَجِبُ اِلَّا عَلٰی مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا فَاِنَّہٗ اِذَا اضْطَجَعَ اِسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُہٗ ۔ ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک انہوں نے دیکھا کہ آقائے کائنات شہنشاہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے سجدے میں سو رہے ہیں اور آپ خراٹے بھی لے رہے ہیں (راوی نے یا لفظ غط کہا یا نفخ ترجمہ دونوں کا ایک ہی ہے خراٹے لینا) پھر نبی کریم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز پڑھتے رہے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بیشک آپ تو سجدے میں سو گئے تھے

ارشاد پاک فرمایا کہ بیشک وضو صرف اس پر واجب ہوتا ہے جو لیٹ کر سوئے۔ کیونکہ جو شخص لیٹ کر سوتا ہے اس کے اعضا ڈھیلے پڑجاتے ہیں۔ یعنی ہوا نکلنے کا اندیشہ قوی ہوتا ہے اس کی شرح میں شارحین نے فرمایا کہ نماز میں سوجانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ چنانچہ شرح ترمذی حاشیہ صـ۲۳ پر ہے۔ ثُمَّ فِیْ کُتُبِنَا اَنَّ النَّوْمَ فِی الصَّلٰوۃِ غَیْرُ نَاقِضٍ ترجمہ پھر ہماری تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ و قانون شرعی موجود ہے کہ بیشک نماز پڑھتے ہوئے بحالتِ نماز سوجانا وضو نہیں توڑتا حضرت ابن عباس والی حدیث پاک سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ نماز میں نیند آجاتی ہے اور خراٹے بھی آجاتے ہیں جس سے گہری نیند کا ثبوت ملا اگر خراٹوں کی آواز نہ ہوتی تو حضرت عباس کو نیند کا پتہ نہ لگتا اور نہ سوال کرتے نہ جواب میں مسئلے کا پتہ چلتا۔ نیز اگرچہ انبیاء کرام علیہم السّلام کا سوجانا وضو نہیں توڑتا مگر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب ارشاد فرمانا تا قیامت تمام مسلمانوں کو ہر نمازی کے لیے یہ حکم شرعی سنانا ہے اور ہو سکتا ہے کہ باری تعالیٰ نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بحالتِ نماز نیند طاری فرماکر یہ مسئلہ ہی زبانِ اقدس سے ظاہر فرمانا ہو۔ آقائے کائنات کی تو ہر ادا ہی وحیِ الٰہی ہے۔ ترمذی شریف کے اسی صـ۲۳ پر اگلی سطور میں ہے۔

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنَامُوْنَ ثُمَّ یَقُوْمُوْنَ فَیُصَلُّوْنَ وَلَا یَتَوَضَّئُوْنَ۔ ترجمہ۔ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ صحابہ کرام بہت دفعہ نماز عشا میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے ہوئے بیٹھے بیٹھے سوجاتے تھے۔ پھر وقتِ جماعت ہونے پر کھڑے ہو کر با جماعت نماز ادا فرمالیتے تھے اور وضو نہ کرتے تھے اس حدیثِ مبارکہ سے اقتضاءً ثابت ہوا کہ اس نیند سے خراٹے بھی آتے ہوں گے ورنہ راویِ محترم کو نیند کا کس طرح پتہ لگتا۔ اور خراٹے آنا گہری نیند کی نشانی ہے اور گہری نیند میں خواب آنے سے مانع کوئی چیز نہیں۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ گر کے بغیر گہری نیند بیٹھے بیٹھے آسکتی ہے خواہ تشہد میں ہی کیوں نہ بیٹھا ہو اور اس نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ورنہ صحابہ کرام تازہ وضو فرمالیا کرتے۔ آگے ارشاد ہے قَالَ اَبُوْعِیْسٰی ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ وَسَمِعْتُ صَالِحَ ابْنَ عَبْدِ اللّٰہِ یَقُوْلُ سَاَلْتُ ابْنَ الْمُبَارَکِ عَمَّنْ نَامَ قَاعِدًا۔ ترجمہ فرمایا امام ابو موسیٰ ؒ نے کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور میں نے امام صالح بن عبد اللہ سے سنا آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے امام ابن مبارک سے پوچھا کہ جو شخص باوضو ہو اور جان بوجھ کر بیٹھے بیٹھے سوجائے تو اس کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا اس پر اب وضو نہیں ہے یعنی اس کا وضو نہیں ٹوٹا۔ تمام ائمہ صحابہ و تابعین فرماتے ہیں کہ جو کھڑے کھڑے یا بیٹھے بیٹھے سوجائے اس پر وضو واجب نہیں۔ کیونکہ اس کا وہی وضو پہلے والا قائم ہے اس عبارت سے ثابت ہوا کہ کھڑے کھڑے بھی گہری نیند آجاتی ہے۔ اور وضو نہیں ٹوٹتا آگے ارشاد ہے۔ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ مَنْ نَامَ قَاعِدًا فَرَاٰی رُؤْیَا اَوْ زَالَتْ مَقْعَدَتُہٗ لِوَسَنِ النَّوْمِ فَعَلَیْہِ الْوُضُوْءُ۔

ترجمہ۔ یہ فرمان صرف امام شافعی کا ہے کہ اگر کسی شخص نے بیٹھے بیٹھے سونے کی حالت میں خواب دیکھ لیا یا ڈھیک گر پڑا اور اس کی مقعد اپنی جگہ سے ہٹ گئی البتہ طاری ہوئی نیند تو اس پر وضو واجب ہے۔ یہ قول امام شافعی کا اپنا ذاتی ہے جس میں پہلی صورت ہمیں تسلیم نہیں کیونکہ خلاف حدیث ہے مگر ثابت یہ کرتا ہے کہ بیٹھے بیٹھے سو جانے میں بھی خواب آ آجاتی ہے۔ مگر اس کے باوجود تمام صحابہ و فقہا کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔ خواب آجانے میں ہر طرح کی خواب شامل ہے اگرچہ احتلام والی خواب ہو۔ لیکن جب تک انزال نہ ہو غسل نہیں ٹوٹتا چنانچہ مشکوٰۃ شریف صـ۴۷ پر ہے۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ. قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذْيِ فَقَالَ مِنَ الْمَذْيِ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ ترجمہ۔ مولا علی شیر خدا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا مذی کے بارے میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مذی نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے اور منی نکلنے سے غسل ٹوٹتا ہے۔ ترمذی شریف جلد اوّل صـ۲۱ پر ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِي الْاِحْتِلَامِ . . . ترجمہ۔ روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ آقائے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ پانی (انزال ہونے) سے پانی یعنی غسل واجب ہوتا ہے یہ احتلام کے بارے میں حکم ہے۔ یعنی احتلام ہونے کی صورت میں غسل اس وقت ٹوٹے گا جب انزال ہوگا اور نوجوان طبقہ اس کا شاہد ہے اور تجربے سے کب ناواقف ہے کہ اگر احتلام کی خواب سے ایک دم آنکھ کھل جائے تو انزال تھوڑی دیر کے لیے رک جاتا۔ بعض دفعہ انزال ہوتا ہی نہیں اور بعض دفعہ پیشاب کے ساتھ رکی ہوئی منی نکلتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں غسل اس وقت ٹوٹے گا۔ جب منی خارج ہوگی یہی مسئلہ فتاویٰ رضویہ اور تمام کتب فقہ میں سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے۔ التحیات (تشہد) میں سو گیا اور اس گہری نیند میں اس کو احتلام والی خواب آئی ابھی انزال نہ ہوا کہ آنکھ کھل گئی نمازی نے فوراً تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ سلام پھیرتے ہی انزال ہوا تو نماز مکمل ہو گئی اور بعد نماز انزال کی وجہ سے بعد میں غسل واجب ہوا اس نیند اور اس احتلام سے نماز کے اندر نہ وضو ٹوٹا نہ غسل کیونکہ مرد کا اپنی نماز کے کسی حصے میں سو جانا وضو نہیں توڑتا جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا ہاں البتہ عورت اگر سجدے میں سو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ عورت کا سجدہ اضطجائی لیٹنے کی شکل ہوتا ہے اعضاء ڈھیلے ہو جاتے ہیں اس لیے کہ عورت کا سجدہ زمین سے چپٹا ہوتا ہے اور اضطجائی لیٹنے کی نیند سے وضو ٹوٹتا ہے خواہ اضطجاء مستلقیاً ہو یا اضطجاء متورکاً لیکن نوم قیامی و قعودی سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ گویا کہ نیند چار قسم کی ہوگئی ۱ نوم قیامی ۲ نوم قعودی ۳ نوم اضطجاء مستلقی ۴ نوم اضطجاء متورکی۔ مرد کا سجدے میں سو جانا۔ نوم قیامی کی شکل ہے اور عورت کا سجدے میں سو جانا نوم اضطجاء متورکی کے مشابہ ہے۔ پہلی دو نیندوں سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ دوسری دونوں نیندوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

چھٹا مسئلہ۔ حقے کے پانی سے وضو کرنا جائز ہے۔ اس مسئلے پر بھی معترض کو اعتراض و انکار ہے حالانکہ ایسے عام فہم مسئلے کا انکار تو بچگانہ و احمقانہ حرکت ہے۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ پانی بذاتِ خود پاک طیب طاہر و مطہر ہے سمندر کا ہو دریا کا یا کنوؤں چشموں نلکوں کا ہو بارش کا یا جوہڑ تالابوں حوضوں کا اللہ تعالیٰ کے یہ سب پانی ہیں۔ ان کو ناپاک پلید اور نجس صرف گندگی ڈال کر ہی کیا جا سکتا ہے بغیر گندگی پڑے ان پانیوں کو کوئی چیز کوئی جگہ ناپاک نہیں کر سکتی۔ ہاں البتہ برتن یا جگہ میں پلیدی لگی ہو تو اس میں پانی ڈالا ہوا بھی ناپاک ہے۔ جس طرح مولیٰ تعالیٰ کا ہر پانی بذاتِ خود پاک ہے اسی طرح زمین کی ہر جڑی بوٹی نباتات گھاس پھوس پتے کھیت کھلیان بیل بوٹے اشجار غرضکہ جو بھی زمین سے اگتا ہے وہ پاک طیب ہے کھٹا ہو میٹھا۔ کڑوا یا کسیلا۔ بکسا ہو یا پھیکا۔ پلپلا ہو پھس پھسا خوشبودار ہو یا بدبودار۔ کڑا ہو یا نرم۔ رب تعالیٰ کی یہ تمام پیداوار پیدائشی طور پر پاک ہے۔ ان ہی نباتات میں تمباکو اور تمن۔ ثوم اور بصل ہے کہ یہ چیزیں اگرچہ اتنی سخت بدبودار ہیں کہ ان کو کسی حالت میں مسجد و عبادت گاہوں میں لانا جائز نہیں مگر اس کے باوجود پاک ہیں۔

اس لیے کہ ان کی یہ بدبو پیدائشی ہے۔ جو بدبو بعد میں پیدا ہو وہ چیز کو ناپاک و حرام کرتی ہے جیسے پیشاب شراب اور بھسا ہوا سالن۔ پیدائشی بدبو سے پلیدی نہیں آتی پانی میں گر جائیں تو پانی ناپاک نہیں ہوتا باوجود اس کے کہ پانی کا مزہ رنگ و بو بدل جائے۔ لیکن پانی پاک طیب طاہر و مطہر ہی رہے گا چنانچہ فتاویٰ درمختار شامی جلد اوّل ص۱۱۱ پر ہے۔ لَا لَوْ تَغَیَّرَ۔ اَیْ لَا یَنْجُسُ لَوْ تَغَیَّرَ بِطُوْلِ مَکْثٍ۔ فَلَوْ عُلِمَ نَتْنُہٗ بِنَجَاسَۃٍ لَمْ یَجُزْ وَلَوْ شَکَّ فَالْاَصْلُ الطَّھَارَۃُ ۔ ۔ ترجمہ۔ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ کسی جگہ زیادہ ٹھیرنے سے۔ پس اگر قطعی یقین سے جان لیا گیا کہ اس پانی کی بدبو نجاست کی وجہ سے ہے تب تو واقعی پانی کا استعمال ناجائز ہوگا۔ اور اگر شک یا وہم ہو تو اس کا اعتبار نہیں خواہ کتنی ہی بدبو پانی میں پیدا ہو جائے پانی ناپاک نہ ہوگا اس لیے کہ پانی کی اصلیت پاک ہونا ہے لہٰذا بدبودار ہونے کے باوجود پانی پاک رہے گا۔ اور جو پانی پاک ہو اس سے وضو بلا کراہت جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ ردالمحتار جلد اوّل ص۱۶۷ پر ہے۔ اِعْلَمُوْا اِنَّ الْعُلَمَاءَ اِتَّفَقُوْا عَلٰی جَوَازِ رَفْعِ الْحَدَثِ بِالْمَاءِ الْمُطْلَقِ وَعَلٰی عَدَمِہٖ بِالْمَاءِ الْمُقَیَّدِ ثُمَّ الْمَاءُ اِذَا اخْتَلَطَ بِہٖ طَاھِرٌ لَا یُخْرِجُہٗ عَنْ صِفَۃِ الْاِطْلَاقِ۔ جان لو کہ بیشک تمام امت کے علماء نے اس مسئلے پر اتفاق کیا ہے۔ کہ ہر قسم کے ماء مطلق جس کو پانی کہا جاتا ہو اس سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے۔ اگر وہ نہ ملے تو مقید پانی سے بھی وضو وغیرہ کرنا جائز ہے پھر اس مسئلے میں بھی فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ اگر پانی میں پاک چیز مل جائے یا ڈال دی جائے تو پھر بھی پانی ماء مطلق ہی رہے گا اور اس سے وضو جائز ہوگا۔ یعنی اگرچہ اس کا مزہ اور رنگ اور بدبو بدل جائے۔ جب یہ تمام قوانینِ شریعت ذہن نشین کر لیے تو سمجھ لو کہ حقے کے پانی کو جس گگری اور مٹلی میں بھرتے ہیں

وہ بالکل پاک برتن ہوتا ہے پانی بھی عام استعمال والا بھرا جاتا ہے وہ بھی پاک۔ تنباکو ایک پودا ہے جو بقول علامہ شامی ۱۰۱۲ھ یعنی گیارھویں صدی ہجری میں علاقہ دمشق کے اندر دریافت ہوا۔ جیسا کہ فتاوی شامی جلد پنجم ص۲۹۶ پر درمختار کی عبارت سے منقول ہے وہ بھی بحیثیت نباتات ہونے کے پیدائشی پاک اگر تنباکو کا پتہ پانی میں گر جائے یا کپڑے اور جیب میں رکھا ہو تو وہ کپڑا اور پانی ناپاک نہ ہوگا حقے میں تو تنباکو پانی میں جاتا ہی نہیں صرف اس کا دھواں وہ بھی بہت قلیل مقدار میں جاتا ہے اور چند دن بعد اس پانی کا مزہ دھواں جاتا ہے اور بُو بدل جاتی ہے رنگت بھی قدرے اس دھوئیں سے پیلی ہو جاتی ہے۔ مگر کون اس کو ناپاک کہہ سکتا ہے۔ اور کیونکر کہہ سکتا ہے کس قانون سے کوئی اس پانی کو پلید کہہ سکتا۔ جب اس حقے کے پانی کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں تو وہ یقیناً پاک ہے اور پاک پانی سے وضو جائز ہے۔ فقہاء کرام کے نزدیک تو سگریٹ بیڑی حقہ سب پھر پینا جائز ہے چنانچہ فتاوی ردالمحتار جلد پنجم ص۲۹۶ پر ہے۔ وَلِلْعَلَّامَةِ الشَّيْخِ عَلِيِّ الْاَجْهُوْرِيِّ الْمَالِكِيِّ رِسَالَةٌ فِيْ حِلِّهٖ نَقَلَ اَنَّهٗ اَفْتٰى بِحِلِّهٖ مَنْ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ مِنْ اَئِمَّةِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ قُلْتُ وَاَلَّفَ فِيْ حِلِّهٖ اَيْضًا سَيِّدُنَا الْعَارِفُ عَبْدُ الْغَنِيِّ النَّابُلُسِيُّ رِسَالَةً سَمَّاهَا اَلصُّلْحُ بَيْنَ الْاِخْوَانِ فِيْ اِبَاحَةِ شُرْبِ الدُّخَانِ۔ (الخ) وَاَقَامَ الطَّامَّةَ الْكُبْرٰى عَلَى الْقَائِلِ بِالْحُرْمَةِ اَوْ بِالْكَرَاهَةِ فَاِنَّهُمَا حُكْمَانِ شَرْعِيَّانِ لَا بُدَّ لَهُمَا مِنْ دَلِيْلٍ وَلَا دَلِيْلَ عَلٰى ذٰلِكَ فَاِنَّهٗ لَمْ يَثْبُتْ اِسْكَارُهٗ وَلَا تَفْتِيْرُهٗ وَلَا اِضْرَارُهٗ بَلْ ثَبَتَ لَهٗ مَنَافِعُ فَهُوَ دَاخِلٌ تَحْتَ قَاعِدَةِ الْاَصْلُ فِي الْاَشْيَاءِ الْاِبَاحَةُ ـــ

ترجمہ۔ تنباکو پینے کے حلال اور جائز ہونے کے بارے میں علامہ شیخ علی اجہوری مالکی کا پورا ایک رسالہ تصنیف ہے جس میں انہوں ان بزرگوں کے فتوے نقل فرمائے ہیں جن کو ائمہ اربعہ کے سب مقلدین تسلیم کرتے ہیں علامہ شامی فرماتے ہیں کہ حقے تنباکو کے حلال اور جائز ہونے کے ثبوت میں عارف باللہ شیخ عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام رکھا ہے الصُّلْحُ بَيْنَ الْاِخْوَانِ فِيْ اِبَاحَةِ شُرْبِ الدخان اور اس رسالے میں ان لوگوں پر بڑے اعتراض قائم فرمائے ہیں جو تنباکو پینے کو حرام یا مکروہ کہتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ حرام اور مکروہ ہونا شرعی حکم ہے۔ ان کے ثبوت کے لیے شرعی دلیل چاہئے۔ صرف منہ سے حرام حرام کہنا تو کافی نہیں۔ اور تنباکو پینے کے بارے میں آج تک کوئی دلیل کسی کے پاس حرام یا مکروہ ہونے کی نہ پائی جا سکی اس لیے کہ تنباکو میں نہ نشہ ہے نہ فتور عقل ہے نہ نقصان بلکہ لوگوں کو اس تنباکو نوشی سے کئی قسم کے فائدے حاصل ہیں۔ لہٰذا تنباکو نوشی علم اصول فقہ کے اسی قانون کے تحت بالکل جائز ہے کہ تمام اشیاء میں اصلیت حلال اور پاک و جائز ہونا ہے۔ حرمت و نجاست تو بندے کے اپنے فعل سے آتی ہے۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ حقہ اور اس کا

تیا کو اس کا گڑ اس کا پانی سب کچھ پاک ہے لہٰذا اس سے وضو کرنا بھی جائز ہے دین وفقہ کو سمجھنا وہابی جہلا کا کام نہیں۔ اہل علم وعقل ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ ساتواں مسئلہ۔ یہ کہ رحم کی رطوبت پاک ہے۔ اس پر بھی معترض کو اعتراض اور یہ اعتراض صرف اعلیٰحضرت کی دشمنی ومخالفت میں ہے ورنہ ذرا سی عقل رکھنے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ جسم انسانی کی ہر چیز پاک ہے سوائے بول وبراز اور خون پیپ کے۔ مثلاً تھوک۔ بلغم۔ رینٹ دودھ گوشت پوست پسینہ۔ ہڈی پٹھ غدود ناخن یہ تمام چیزیں پاک ہیں۔ جب اتنی اشیا پاک ہیں تو رحم کی رطوبت کیوں اور کس دلیل سے ناپاک ہوگی جن فقہا ءاسلام نے قرآن وحدیث کی استدلالی روشنی میں تھوک اور دودھ کو پاک فرمایا ہے انھوں نے ہی رحم کی رطوبت کو پاک فرمایا ہے جب وہ تسلیم ہے تو اس کا انکار کیوں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ نے جسم والدہ میں سب سے زیادہ طیب طاہر منزہ مبرّہ اور مضبوط ومحفوظ چیز رحم کو پیدا فرمایا ہے اس لیے کہ اس میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ صلحا زُھّاد اور اہل ایمان کو امانت رکھا جاتا ہے۔ رحم مادر نورِ الٰہی اور انوارِ معرفت کا مخزن ہے۔ رب تعالیٰ نے اس میں کبھی بھی کفر وشرک کی ظلمت ونجاست تک نہیں آنے دی تو بھلا ظاہری نجاست کس طرح اس میں ہوسکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ ثُمَّ اَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ ترجمہ۔ ارشادِ حدیث پاک ہے کہ ہر بچہ رحم مادر میں ایمانِ الٰہیہ اور فطرتِ وحدانیت کے ساتھ مومن پیدا ہوتا ہے پھر باہر دنیا میں آکر اس کو ماں باپ یا صحبت بد یہودی عیسائی یا مجوسی وغیرہ بنا لیتے ہیں بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رب تعالیٰ اپنے انبیاء ورسل کے مقدس اجسام کو گندی جگہ میں رکھے۔ نیز بہت سے اولیاء اللہ کی سوانحات میں مذکور ہے کہ ان کی نورانیت رحم مادر میں ولادت سے پہلے کئی بزرگوں نے بچشم سر دیکھی۔ پلیدی میں نورانیت کب ظاہر ہوسکتی ہے بہت سے بزرگوں کی تلاوت قرآن مجید شکم مادر میں سنی گئی۔ اگر رحم میں رطوبت گندی ہوتی تو قدرت الٰہی کا یہ اظہار کبھی نہ ہوتا کیونکہ گندی جگہ تلاوت کرنا ممنوع ہے۔ بعض جہلا یہ سوال کرسکتے ہیں کہ نطفہ منی بذاتِ خود پلید ونجس ہے تو جب اس گندی چیز سے اجسام انبیا اولیا صلحا مومنین بنا دیئے گئے تو گندی جگہ میں ودیعت رکھنے سے کیا مضائقہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نطفہ منی کا پلید ہونا مثل بہتے خون کے ہے جب تک خون جسم کے اندر ہے اس وقت تک پاک وطیب ہے جب بہتا ہوا باہر نکلے گا تب پلید ہوگا اسی طرح نطفہ جب احتلام وغیرہ کے ذریعے باہر نکلے گا تو ناپاک ہوگا اس سے کپڑا پلید ہوگا۔ مگر جب تک نطفہ جسم کے اندر ہے اور اندر ہی اندر منتقل ہو رہا ہے تو پلید نہیں۔ عورت کا نطفہ تو اندر اندر ہی رحم میں پہنچ گیا اور مرد کا نطفہ بھی آلہ تناسل کے ذریعے بغیر باہر نکلے اندر ہی اندر شکم مادر میں پہنچ گیا لہٰذا وہ بھی پاک رہا۔ غرضکہ کوئی چیز بھی رحم میں ایسی نہیں پہنچی جس سے رحم کی رطوبت ناپاک ہوتی۔ رحم کی رطوبت مثل پسینے اور بلغم کے پاک ہے اگر باہر نکل کر پانی یا کپڑے سے لگ جائے تو کپڑا۔ اور

پانی پلید نہیں ہوگا بخلاف منی اور نطفے کے کہ وہ مثل خون و پیشاب کے ہے جب باہر نکلے گی تو نجاست غلیظہ ہے یہ تمام مسائل شریعت اسلامیہ کے قانون اور فقہاء کرام کے فرمودہ ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار شامی جلد اوّل ص ۲۲۳

رُطُوبَۃُ الْفَرْجِ طَاهِرَۃٌ خِلَافًا لَّهُمَا وَلِذَا نُقِلَ فِي التَّتَارْخَانِيَۃِ اَنَّ رُطُوبَۃَ الْوَلَدِ عِنْدَ الْوِلَادَۃِ طَاهِرَۃٌ وَكَذَا السَّخْلَۃُ اِذَا خَرَجَتْ مِنْ اُمِّهَا وَكَذَا الْبَيْضَۃُ فَلَا يَتَنَجَّسُ بِهَا الثَّوْبُ وَلَا الْمَاءُ اِذَا وَقَعَتْ فِيهِ۔ (الخ) وَعِنْدَهُمَا يَتَنَجَّسُ وَهُوَ الْاِحْتِيَاطُ

ترجمہ۔ فرج یعنی رحم کی رطوبت طاہر اور پاک ہے صاحبین کے خلاف ہے اسی قانون کی بناء پر فتاویٰ تتارخانی میں ہے کہ ولادت کے وقت نومولود بچے کے جسم پر جو گیلا پانی اور تری رطوبت ہوتی ہے وہ پاک ہے۔ اور ایسے ہی سخلہ یعنی بکری گائے بھینس اونٹنی کا نومولود بچہ ولادت کے وقت اس کے جسم پر رطوبت اور تراوٹ پاک ہے جس وقت ولادت سے وہ والدہ کے پیٹ سے نکلتا ہے اور ایسے ہی مرغی کا انڈا جب مرغی کے پیٹ سے نکلے تو اس کی رطوبت بھی پاک ہے پس نہیں ناپاک ہوگا اس سے کپڑا اور نہ پانی جب گر جائے اس میں اور امامین صاحبین نے جو فرمایا کہ ناپاک ہے وہ تو یہ فقط ان کی ذاتی احتیاط ہے کوئی شرعی قانون نہیں۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ رحم کی رطوبت اور اس کے اندر کا تمام ہر قسم کا پانی پاک ہے۔ یہ مسئلہ عقلاً نقلاً ہر طرح درست ہے اور تمام فقہاء کرام نے اپنے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہمارے سامنے اس وقت جو معتبر فی الاسلام فتاویٰ ہیں ان میں سب میں یہی لکھا ہے کہ رحم یعنی فرج داخل کی رطوبت پاک ہے۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر۔ فتاویٰ بحرالرائق۔ فتاویٰ عالمگیری ۲۔ فتاویٰ قاضی خان۔ ۳۔ فتاویٰ بزازیہ ۴۔ فتاویٰ درمختار علیٰ تنویر الابصار ۵۔ فتاویٰ شامی ۸۔ قدوری ۹۔ ہدایہ ۱۰۔ فتاویٰ مالکیہ ۱۱۔ فتاویٰ شافعیہ کبریٰ لابن حجر شافعی۔ ۱۲۔ فتاویٰ رملی شافعی وغیرہ یہی لکھا ہے کہ نومولود بچہ۔ بچے کے جسم پر بوقتِ ولادت جو رطوبت لگی ہوتی ہے وہ پاک ہے وہ بچہ یا سخلہ یا انڈا پانی میں گر جائے یا رکھا جائے تو اس رطوبت سے وہ پانی ناپاک نہ ہوگا۔ بشرطیکہ بچے کے جسم پر نفاس کا خون نہ لگا ہو۔ اگر بچے یا انڈے پر خون بھی لگا ہے اور وہ پانی میں گیا یا کپڑے سے لگا تو خون کی وجہ سے پانی کپڑا پلید ہوگا نہ کہ رطوبت سے یہ وہ فتاویٰ ہیں جن کو وہابی دیوبندی بھی مانتے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے اس مسئلے کو اپنے فتاویٰ رضویہ میں لکھنے کے بعد فرمایا کہ بچے کے جسم اور انڈے پر لگی ہوئی رطوبت کا پاک ہونا میری سمجھ میں نہ آیا۔ لیکن چونکہ سب فقہا ہی اس کو پاک فرماتے ہیں اس لیے غور طلب مسئلہ ہے انکار کی بھی جرأت نہیں۔ اعلیٰحضرت کی اس مسئلے میں آخری عبارت اس طرح ہے لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔ اس عبارت کا ترجمہ۔ فقہاء کرام کے اس مسئلے پر جو اعتراض ذہن میں قائم ہوتا ہے ابھی اس کا حل اور جواب سمجھ نہیں آرہا ہے شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کسی پر یا خود اعلیٰحضرت پر اس کا جواب ظاہر فرما دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقیر حقیر اقتدار احمد خاں ابن حضرت حکیم الامت

مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمۃ کہتا ہے کہ ابھی میں نے اعلحضرت علیہ الرحمۃ کی یہ عبارت دیکھی نہ تھی صرف مسائل کے پیش کردہ اس اعتراض اور اس کے جواب پر ہی غور کر رہا تھا کہ میرے رب کریم جلّ وعلا مولیٰ تعالیٰ نے اپنے کرم سے مجھ کو اس کا حل و جواب ظاہر فرمایا اور اعلحضرت بریلوی کی تحقیق اللہ تعالیٰ سے امید مبارک کہ میرے ذہن پر منکشف ہوئی۔ اور امام بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خدشہ ذہنی دور ہوا۔ میرے نزدیک اس ذہنی اعتراض کے جواب دو طرح ہیں۔ اوّلاً۔ یہ کہ رحم کا پانی مثل تھوک۔ بلغم اور دودھ کے ہے۔ کہ انسان اور حلال جانوروں کا جس طرح تھوک دودھ وغیرہ ہر حال میں ہر جگہ پاک ہے خواہ ان کے جسم میں ہو یا باہر نکل آئے اسی طرح رحم کا پانی بھی ہر جگہ پاک ہے خواہ رحم کے اندر ہو یا بچے اور انڈے کے جسم سے لگ کر باہر آجائے۔ اگرچہ رطوبت کی شکل میں ہو یا بچے کے جسم سے لگ کر قطروں کی شکل میں ٹپک کر پانی میں گرے۔ بہرکیف پانی ناپاک نہ ہوگا۔ نہ کپڑا پلید ہو جیسے تھوک وغیرہ جیسے خیال رہے کہ اجسام کے اندر جو عرضی (یعنی رقیق) چیزیں ہیں ان کی شرعی حکم میں تین قسمیں ہوتی ہیں۔ پہلی قسم مطلقاً ہر وقت ہر جگہ ہر حالت میں پاک جیسے تھوک۔ پسینہ دودھ وغیرہ کہ یہ چیزیں جسم کے اندر ہوں یا باہر نکل آئیں۔ رطوبت کی شکل میں یا بہتے اور ٹپکتے قطروں دھاروں کی شکل میں۔ دوسری قسم اصلاً مطلقاً ہر صورت میں ناپاک خواہ جسم کے اندر ہوں یا باہر شامی اول صفحہ ۱۳۰ جیسے پیشاب مذی ودی جیسے یعنی گوبر لید بیٹ ریلخ مرغی کی، مینگنی لینڈنے اور فضلہ براز۔ تیسری قسم۔ جسم کے اندر پاک اور جسم سے باہر نکلیں تو ناپاک جیسے کہ خون اپنی اصلی بہتی حالت میں نکلا اور منی جب تک جسم کے اندر ہے پاک ہے جسم سے باہر نکلا تو ناپاک۔ اسی فرق کی بنا پر فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جو ہوا دبر سے نکلے وہ وضو توڑ دیتی ہے کیونکہ گندگی میں سے نکلی ہے۔ اور جو ہوا مرد کے ذکر و آلۂ تناسل سے نکلے یا عورت کی فرج سے وہ وضو نہیں توڑتی۔ کیونکہ وہ گندگی سے نہیں نکلی۔ اب ان قسموں میں سے رحم کا پانی کس میں شمار کیا جائے۔ تو میری تحقیق اور غور و فکر کے مطابق رحم کا پانی اور اس کی رطوبت مثل تھوک پسینے کے ہے کہ اندر ہو تب بھی پاک نکلے بچے کے ساتھ نکلا یا انڈے سے لگی ہو تب بھی پاک اس کا قطرہ بچے انڈے سے ٹپکے تب بھی پاک ہے اس طہارت کے لیے دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل تو وہی صوفیاء کرام کے فرمودات جو مندرجہ بالا بیان ہوئے۔ دوسری دلیل۔ یہ کہ فقہاء کرام نے مطلقاً ہر طور پر رحم کی رطوبت کو پاک فرمایا اس میں کسی حال و زمان کی قید نہیں لگائی گئی۔ لہٰذا مطلق کو مطلق ہی رہنے دیا جانا چاہیے ہمارے ان دلائل کی روشنی میں جب رطوبت فرج کو مطلقاً پاک و طاہر مانا گیا تو اب اعلحضرت کا وہ ذہنی خدشہ و اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا تھا۔ یہ کہ امام بریلوی کے خیال کے مطابق رحم کے پانی کو خون کی مثل مانا جائے تب اعلحضرت کا وہ اعتراض اس طرح قائم ہوتا ہے کہ جب تک خون پیپ وغیرہ جسم کے اندر اپنے مورد پر رہے تب تک پاک ہے جب اپنے مقام اور مورد سے ہٹ جائے تو پلید ہے امام اعلحضرت کا اعتراض یہ ہے کہ جب رحم کی رطوبت بچے سخلہ اور انڈے کے ساتھ لگ کر باہر نکل آئی تو وہ اپنے مقام سے ہٹ گئی لہٰذا ناپاک ہونی

چاہئے جیسے کہ اگر انڈے بچے سے نفاس کا خون لگ کر باہر آجائے تو پلید ہے اس کا جواب کہ اگر رطوبت رحم کو مثل خون مانا جائے جواب اس طرح مجھ پر منکشف ہوا کہ بعض فقہاء کرام نے رطوبت رحم کو پاک قرار دیا نہ کہ قطرہ تکلی یا فرج اور رحم کو اور رطوبت یا تراوٹ یا گیلا پن اپنے مقام سے نہ ہٹی کیونکہ بچے کا جسم۔ انڈا۔ سخلہ وغیرہ یہ چیزیں رحم میں ہی پیدا ہوتی ہیں اور تری بھی رحم کی چیز ہے۔ تو رحم کی تری رحم ہی کی چیز کو لگی اب وہ چیز بذاتِ خود رطوبت کو لے کر باہر نکل آئی اس لیے رطوبت اپنے مقام سے نہ ہٹی اور اسی جسم کے ساتھ پانی میں گئی۔ یا کپڑے سے لگی پس اپنے مقام پر رہنے کی بناء پر رطوبت پاک اور اسی پاکیزگی کی حالت میں پانی یا کپڑے سے لگی تو پانی اور کپڑا بھی پاک۔ اگر بچے یا انڈے سے اتر کر قطرے کی صورت میں وہ رطوبت پانی یا کپڑے سے لگتی تب پانی و کپڑا ناپاک ہوتا کیونکہ رطوبت اپنے محل سے ہٹ کر پلید ہو گئی۔ کتب فقہاء کرام میں ہماری اس بات کی تائید موجود ہے۔ چنانچہ فتاوی غنیہ میں ہے۔ وَهٰذَا لِاَنَّ الرُّطُوْبَةَ الَّتِيْ عَلَيْهَا لَيْسَتْ بِنَجَسَةٍ لِكَوْنِهَا فِيْ مَحَلِّهَا۔ ترجمہ۔ اور یہ پانی وغیرہ کا ناپاک نہ ہونا اس لیے ہے کہ وہ رطوبت اور تری جو بچے یا انڈے پر ہے وہ ناپاک نہیں کیونکہ اپنے محل و مقام میں ہے اور جو چیز باہر آکر اپنی جگہ سے ہٹ کر پلید ہو وہ اپنی جگہ میں رہ کر پاک ہوتی ہے۔ یہاں اس عبارت پر اعلیحضرت نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محل رطوبت تو رحم ہے نہ کہ نوزائیدہ بچے کی کھال یا انڈے کا چھلکا۔ اور امام بریلوی نے اس رطوبت کو شہید کے خون پر قیاس فرمایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ جس طرح شہید کا خون جب تک شہید کے جسم کے ساتھ ہو پاک ہے۔ جب اس کو علیحدہ کیا اٹھایا تو پلید ہے میں کہتا ہوں اعلیحضرت کا یہ قیاس ٹھیک نہیں چاہیئے تھا عام خون پر قیاس کرتے یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ شہید کا خون اس کی کھال اور اس کے لباس پر خلافِ قیاس پاک ہے۔ مگر رطوبتِ رحم مطابق قیاس پاک ہے۔ خلافِ قیاس پر مطابق قیاس کو قیاس کرنا مع الفارق ہے یہ کہ شہید کا جسم ظاہر محلِ خون نہیں لیکن انڈے اور بچے کا جسم محلِ رطوبت ہے کیونکہ بچہ اور انڈا اسی رحم میں بنا بلکہ یہ رطوبت بچے اور انڈے کے اپنے نطفے کی ہے۔ اور محل میں تو یہ رطوبت پاک ہے لہٰذا کھال اور چھلکے پر بوجہ اس کے محل ہونے کے پاک ہی ہی اور محل کے ساتھ ہی پانی میں گئی تو اگرچہ پانی میں گھل مل گئی۔ پانی پاک ہی رہے گا اس وجہ سے پاک چیز کے گھلنے سے پانی پلید نہیں ہو سکتا۔ اسی قانون کا ذکر فتاویٰ غنیۃ المبتدی نے مندرجہ بالا عبارت میں کیا ہے۔ اس رطوبت کو شہید کے خون پر قیاس نہ کیا جاتا بلکہ عام خون پر قیاس زیادہ بہتر تھا۔ شہید کا بہتا ہوا خون شہید کی کھال اور اس کے کپڑوں پر آجانے کے باوجود صرف اس لیے پاک ہے کہ حدیث پاک کے اقتضاء النص سے اس کے پاک ہونے کا ثبوت ملا چنانچہ مشکوۃ شریف ص۱۴۲ پر ہے عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلٰى اُحُدٍ اَنْ يُّنْزَعَ عَنْهُمُ الْحَدِيْدُ وَالْجُلُوْدُ وَاَنْ يُّدْفَنُوْا بِدِمَائِهِمْ وَثِيَابِهِمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَہ ترجمہ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ آقاء کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شہداء احد کے بارے حکم ارشاد فرمایا کہ ان کے ہتھیار اور وردیاں اتار لو اور ان کے خون اور کپڑوں کے

ساتھ ہی ان کو دفن کردو ۔ابوداؤد و ابن ماجہ کے حوالے سے ۔اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ شہداء عظام کا خون جسم کی ظاہری کھال اور جسم سے متصل پہنے ہوئے لباس تک بہکر آ جائے تو پاک ہی رہے گا اور وہ جسم و کپڑا بھی پاک رہے گا۔ فرمانِ نبوی نے ظاہری کھال بلکہ لباس کے کپڑے کو محلِ خون بنادیا لیکن چونکہ خلاف قیاس حکم تھا اس لیے اپنے مورد پر ہی رہتے ہوئے پاک رہے گا۔ لیکن اگر خون اس سے آگے بہے گا تو ناپاک ہوگا۔ اور اگر گیلا گیلا خون شہید کے کپڑوں یا جسم سے الگ کر کسی دوسرے کپڑے یا جگہ یا پانی میں بشکل قطرہ گرے یا صرف لگ جائے تو خون پلید ہو کر اس دوسری چیز کو بھی ناپاک کردے گا۔ کیونکہ اب اپنے مورد سے ہٹا ہے۔ صرف اسی حدیث مقدسہ کے اقتضاء النص سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ شہید کا خون اس کے بدن ولباس پر پاک ہے چنانچہ فتاویٰ بحرالرائق جلد اول صـ۲۳۰ پر ہے ۔ وَاَمَّا دَمُ الشَّهِيدِ فَهُوَ طَاهِرٌ مَا دَامَ عَلَيْهِ فَاِذَا اُبِيْنَ مِنْهُ كَانَ نَجِسًا كَذَا فِي الظَّهِيرِيَةِ حَتّٰى لَوْ حَمَلَهُ مُلَطَّخًا بِهِ فِي الصَّلٰوةِ صَحَّتْ ۔ ۔

ترجمہ۔ اور لیکن شہید کا خون پاک ہے جب تک کہ اس پر قائم رہے لیکن جب وہ خون اس سے جدا ہو کر گرے یا لگے تو ناپاک ہوگا۔ ایسا ہی فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے خون سے لتھڑے شہید کو اٹھالیا اور نماز پڑھی تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ چونکہ ارشاد نبوی میں صرف شہید کے بدن اور لباس ہی کا تذکرہ ہے اس لیے خونِ شہید صرف اس حد تک پاک ہوا اگر فرمانِ نبوت میں یہ واضح ہوتا کہ شہید کا خون پاک ہے تو پھر کسی مورد اور کسی حد بندی یا قید کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ ہر جگہ ہر طرح خون پاک ہی ہوتا۔ اس فرمان کے مطابق اب شہید کا ظاہری جسم اور کپڑے اندرونی جسم کے مشابہ اور حکم در جے میں ہو گئے۔ لہٰذا اس پر رحم کی رطوبت کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اعلیٰحضرت نے یہاں تامل نہ فرمایا ورنہ یہ قیاس نہ فرماتے بلکہ رطوبتِ رحم کو عام خون پر قیاس فرماتے اس لیے کہ عام انسانی اور حلال حیوانی خون اصلاً پلید نہیں ہے جیسا کہ فتاویٰ شامی اول صـ۱۴۰ پر ہے۔ بلکہ جب یہ بہتا ہوا باہر نکل کر اپنی محل اور جگہ سے ہٹ جائے تب پلید ہوگا۔ اسی بناء پر تمام مفسرین ۔سورۃ انعام شریف کی آیت ۱۴۵ ۔ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا ۔ ۔ ۔ (الخ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خون صرف وہ ناپاک ہے جو بہتا ہوا جسم سے باہر نکلے ۔ چنانچہ تفسیر صاوی علیٰ جلالین جلد دوم صـ۴۷ پر ہے وَالدَّمُ الْمَسْفُوْحُ نَجِسٌ مِنْ سَائِرِ الْحَيْوَانَاتِ بِخِلَافِ غَيْرِهِ (الخ) فَاِنَّهُ رِجْسٌ ترجمہ۔ صرف بہتا ہوا خون رجس یعنی پلید ہے بخلاف دوسرے خون کے جو اپنے محل میں ہی جم جائے یعنی جسم کے اندر اگرچہ ظاہر نظر آتا ہو۔ شہید اور عام انسان کے خون میں فرق یہ ہے کہ عام انسان کے خون کا اندرونی اصلی مقام جسم کا باطن ہے مگر خونِ شہدا کی حدیں ذرا وسیع کردی گئی ہیں کہ اس کا محل اس کے کپڑے بھی بن گئے ہیں۔ اور جب کہ خون اپنے محل میں ہو تو پاک ہے اسی طرح رحم کی رطوبت کو اگر خون کی شکل مانا جائے تو وہ بھی اپنے محل میں پاک ہے۔ رطوبت کا محل بچے کی کھال ۔ انڈے کا چھلکا ۔ خونِ شہید کا محل اس کے کپڑے اور

عام خون کا محل اندرونی جسم۔ اور جو پلیدی اپنے محل میں جب تک رہے گی شرعًا پاک ہوگی۔ اس قاعدۂ کلیہ کے تحت شہید کا خون آلود سوکھا ہوا کپڑا اگر پانی میں گر جائے اور پانی کی رنگت اس سے سرخ بھی ہو جائے تب بھی پانی پاک رہے گا۔ اسی طرح اگر زخم کے اندر خون آیا اور اندر ہی جم گیا۔ اس خونِ منجمد کی ٹکڑی اٹھا کر کسی نے پاک پانی میں ڈال دی تو پانی ناپاک اور پلید نہ ہوگا۔ یہی حکم اس نوزائیدہ بچے اور انڈے کا ہے جو رطوبتِ رحم کے ساتھ پانی میں گر جائے۔ وہ پانی بھی پلید نہ ہوگا لباسِ شہید سے متعلق اسی قانونِ شرعیہ کے تحت حضرت حکیم الامت بدایونی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب شانِ حبیب الرحمٰن کے صفحہ ۱۹۰ پر تحریر فرمایا کہ شہید کا خون آلود کپڑا اگر پانی میں گر جائے تو پانی پلید نہیں ہوتا۔ اور اسی قانونِ شرعیہ کے تحت فقہاء کرام وضو کے کچھ مسائل بیان فرماتے ہیں چنانچہ فتاویٰ مراقی الفلاح صفحہ ۱۹ پر ہے

فَصْلٌ عَشَرَةُ اَشْيَاءَ لَا تَنْقُضُ الْوُضُوْءَ مِنْهَا ظُهُوْرُ دَمٍ لَمْ يَسِلْ عَنْ مَحَلِّهِ لِاَنَّهٗ لَا يَنْجُسُ جَامِدًا اَوْ لَا مَائِعًا عَلَى الصَّحِيْحِ فَلَا يَكُوْنُ نَاقِضًا وَمِنْهَا سُقُوْطُ لَحْمٍ مِنْ غَيْرِ سَيَلَانِ دَمٍ لِطَهَارَتِهٖ وَانْفِصَالُ الطَّاهِرِ لَا يُوْجِبُ الطَّهَارَةَ (الخ)

ترجمہ۔ دس چیزیں وضو نہیں توڑتیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بدن پر خون ظاہر ہو جائے مگر بہے نہیں بلکہ ایک جگہ قطرہ کھڑا رہے اس لیے کہ اپنے محل پر خون پاک ہے نجس نہیں جامد ہو یا پتلا بہنے کے لائق یہی صحیح مذہب ہے اور چونکہ وہ خون اس جگہ پاک ہے لہٰذا ناقضِ وضو نہیں۔ اور ان میں سے دوسری یہ ہے کہ کسی وضو والے انسان کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کٹ کر گرے مگر خون نہ نکلا نہ بہا اس سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا اس لیے کہ یہ گوشت پاک ہے اور پاک چیز کا جدا ہونا وضو نہیں توڑتا۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ خون اپنے محل میں جم جائے تو وہ پاک ہے اور پاک چیز جسم سے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور جب یہ جما ہوا خون پاک تسلیم کیا گیا تو اگر یہ اٹھا کر پانی میں ڈال دیا گیا یا کپڑے پر رکھ دیا گیا تو پانی و کپڑا پلید نہ ہوگا۔ اسی طرح فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۱۳۱ پر ہے۔ وَدَمٌ لَوْ تُرِكَ لَمْ يَسِلْ لَيْسَ بِنَجِسٍ۔ اَیْ لَا يُعْرَضُ لَهٗ وَصْفُ النَّجَاسَةِ بِسَبَبِ خُرُوْجِهٖ ترجمہ۔ اور اگر بدن پر خون کا قطرہ ظاہر ہوا اس کو چھوڑ دیا پونچھا نہیں وہ قطرہ وہیں کھڑا اور ٹھہرا ہوا جم گیا تو وہ ناپاک نہیں ہے یعنی فقط اوپر ظاہر ہو جانے کی وجہ اس کو نجاست نہیں بنا سکتی۔ پس ثابت ہوا کہ اپنے محل و مقام پر جما ہوا خون پاک ہے اور جو پاک ہو وہ کسی دوسری چیز کو ناپاک کیسے کر سکتی ہے۔ ایسا جما خون پانی میں پڑ جائے کپڑے سے لگ جائے کوئی پلیدی نہیں لا سکتا۔ ہماری اس مدلل تقریر سے معترض کا اعتراض بھی ختم ہو گیا اور مجدد بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذہنی خدشہ بھی ختم ہو گیا۔ یہ سب اعلیٰحضرت ہی کی برکت و فیوض ہیں کہ ان کی امید بر آئی۔ رطوبتِ فرج کو تھوک کے مثل مانو تب بھی اور خون کے مثل مانا جائے تب بھی بچے اور انڈے پر لگی رطوبت طاہر و پاکیزہ ہے۔ کیونکہ بچہ و انڈہ محلِ رطوبت ہے واللہ اعلم بالصواب

آٹھواں مسئلہ ۔ یہ کہ اگر نجاست بول و براز کے مخرج سے آگے بڑھے اور ڈھیلوں سے اچھی طرح و توانی (استنجا،

کرلی جائے۔ جگہ بالکل صاف وکھروری ہو جائے تو اگر اس جگہ پھر پانی لگایا جائے یعنی بلاضرورت پانی سے وہ جگہ دھوئی جائے استنجا کیا جائے تو وہ پانی ناپاک نہ ہوگا۔ اس پر بھی معترض کو اعتراض وانکار ہے۔ مگر یہ بھی معترض کی کند ذہنی ہے ورنہ حقیقت میں یہ مسئلہ بھی عام فہم اور شرعاً درست ہے۔ لیکن اس کی مدلل وضاحت سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ مذہب اسلام جیسے کائنات میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور پاکیزگی کا سبق دینے والے دین میں ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کی اہمیت اور حقیقت ومقام اور حکم کیا ہے۔ اور ڈھیلوں سے استنجا کرکے کس درجہ کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے سمجھ لینے کے بعد مسئلہ خود بخود واضح ہو جائے گا۔ اور معترض کی اُلجھن دور ہو جائے گی۔ اسلامی نظریہ مقدسہ کے متعلق چار باتیں ذہن میں رکھنی ضروری ہیں۔ نمبر۱ یہ کہ استنجا کی قسمیں نمبر۲ استنجا کرنے کا مقصد نمبر۳ استنجا کرنے کا فائدہ نمبر۴ شریعت میں استنجے کا درجہ وحکم۔ تو خیال رہے کہ اسلام میں استنجا کرنے کی تین قسمیں ہیں جن کے نام عربی میں نمبر۱ استجمار نمبر۲ استطابت نمبر۳ استنجا۔ اردو میں ان کا ترجمہ ہے نمبر۱ ڈلوائی کرنی۔ ڈھیلا لینا۔ نمبر۲ مخرج سے نجاست ختم کرنا نمبر۳ پانی وغیرہ سے دھو ڈالنا۔ امام نووی نے شرح مسلم جلد اول صفحہ ۱۳۳ پر فرمایا۔ قَالَ الْعُلَمَاءُ يُقَالُ الْاِسْتِطَابَةُ وَالْاِسْتِنْجَاءُ لِتَطْهِيْرِ مَحَلِّ الْبَوْلِ وَالْغَائِطِ فَاَمَّا الْاِسْتِنْجَاءُ مُخْتَصٌّ بِالْمَسْحِ بِالْاَحْجَارِ وَاَمَّا الْاِسْتِطَابَةُ وَالْاِسْتِنْجَاءُ فَيَكُوْنَانِ بِالْمَاءِ وَيَكُوْنَانِ بِالْاَحْجَارِ۔ ترجمہ۔ علماء کرام نے فرمایا کہ استطابت یعنی صفائی کرنا اور استجمار یعنی ڈلوائی کرنا اور آب دست واستنجا یہ تینوں لفظ پیشاب اور براز کی جگہ کو پاک کرنے کے لیے ہی مروج ومستعمل ہیں۔ پس لیکن استجمار اور ڈلوائی خاص پتھر ڈھیلے سے صفائی کرنے کا نام ہے۔ لیکن استطابۃ اور استنجا عام ہیں پانی سے طہارت حاصل کرنے کے لیے اور پتھروں سے جگہ پاک وصاف کرنے کے لیے۔ امام نووی اسی جگہ آگے فرماتے ہیں۔ وَحَاصِلُ الْمَذْهَبِ اَنَّ الْاِنْقَاءَ وَاجِبٌ یعنی بہر صورت مقصد ہے کہ اس جگہ کی پاکیزگی ہو جائے۔ دوسری بات۔ استنجا کرنے کا مقصد۔ اسلامی شریعت میں استنجے کا مقصد ہے کہ وہ مخرج دبر کی جگہ اسی طرح پاک وصاف ہو جائے جس طرح نمازی کے جسم کے دیگر مقامات۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ استنجے کا مقصد نجاست کو کم کرنا یا چھپانا نہیں بلکہ قطعاً مکمل طور پر ختم کرنا ہے۔ چنانچہ حاشیہ ۱۳ ابوداؤد شریف جلد اول صفحہ ۲ پر ہے۔ قَوْلُهٗ يَسْتَطِيْبُ صِفَةُ اَحْجَارٍ اَيْ مُسْتَطِيْبَةٌ وَالْاِسْتِطَابَةُ وَالْاِسْتِنْجَاءُ وَالْاِسْتِجْمَارُ كِنَايَةٌ عَنْ اِزَالَةِ الْخَارِجِ مِنَ السَّبِيْلَيْنِ عَنْ مَخْرَجِهٖ۔ ترجمہ۔ حدیث مقدسہ سطرہ میں یستطیب کا جملہ احجار کی صفت ہے۔ کیونکہ پتھر ڈھیلے بھی جگہ کو پاکیزہ اور بالکل پاک کر دیتے ہیں ان کو صفائی حاصل کرنے کے لیے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور استطابت اور استنجا اور استجمار یعنی ڈھیلوں سے ڈلوائی کرنا سبیلین سے نکلے ہوئے بول براز کی مخرجی جگہ کو مکمل پاک طاہر اور نجاست زائل کرنے کے لیے ہی کنایہ اور مقصود ہیں۔ تیسری بات۔ استنجا کرنے کا فائدہ۔

اسلامی شرعی حکم سے ہر مسلمان پر استنجا کرنا فرضِ لازمی ہے جو نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ استنجے کی تین قسمیں پہلے بتا دی گئیں۔ استنجا ڈھیلے سے ہو یا کاغذ کپڑے سے یا پانی سے حکم ہے کہ اتنی اچھی طرح کرو کہ گندگی بالکل ختم ہو جائے حدیث پاک میں ڈھیلوں کی کم سے کم والی تعداد بھی بتائی گئی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پتھر ڈھیلے کے ساتھ استنجا و ٹوائی کرنے سے بھی اسی طرح جگہ اور مخرج دبر پاک ہو جاتی ہے جس طرح پانی کے ساتھ دھونے سے چنانچہ ابوداؤد شریف جلد اوّل صـــ پر ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ذَهَبَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهٗ بِثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ يَّسْتَطِيْبُ بِهِنَّ فَاِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ ترجمہ۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ۔ (فِدَاهَا اَبِيْ وَاُمِّيْ وَاَنَا) رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ بیشک کائنات کے سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بول و براز کرنے جائے تو کم از کم تین ڈھیلے پتھر ساتھ لے جائے اور ان ڈھیلوں سے خوب صفائی کرے تو بیشک وہ پاکیزگی صفائی پانی سے دھونے کی مثل کافی ہے۔ یعنی ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اسی حدیثِ مقدسہ کی شرح و استنباط اور استدلال سے متعلق ترمذی شریف جلد اوّل صـ۱ پر ہے۔ اَنَّ الْاِسْتِنْجَاءَ بِالْحِجَارَةِ يُجْزِئُ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَنْجِ بِالْمَاءِ اِذَا اَنْقٰى اَثَرَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ نیز۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ ڈھیلے کے ساتھ و ٹوائی کر لینے سے مکمل طہارت صفائی اور پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد اوّل صـ۲۱۲ پر ہے۔ وَيَدُلُّ عَلٰى اِعْتِبَارِ الشَّرْعِ طَهَارَتَهٗ بِالْحَجَرِ مَا رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَهٗ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يُّسْتَنْجٰى بِرَوْثٍ اَوْ عَظْمٍ وَقَالَ اِنَّهُمَا لَا يُطَهِّرَانِ۔ (الخ) ترجمہ۔ ترمذی نے فرمایا کہ بیشک ڈھیلوں سے استنجا کرنا بالکل کافی ہے اگرچہ پانی سے استنجا نہ کرے جب کہ گندگی براز و بول کا اثر بالکل اچھی طرح صاف ہو جائے۔ شامی نے فرمایا۔ اور دلیل یہ حاصل ہوئی کہ شریعت اسلامیہ نے ڈھیلوں اور پتھروں کے ساتھ استنجا کرنے سے مکمل پاکیزگی صفائی طہارت حاصل ہو جانے کا پورا اعتبار کیا ہے اس حدیث پاک کی روشنی میں جس کو دار قطنی نے روایت بھی فرمایا ہے اور محدثین نے اس روایت مبارکہ کو درست بھی فرمایا ہے۔ کہ بیشک آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کہ استنجا کیا جائے سوکھے گوبر و اُپلے سے یا کسی گندی ہڈی سے اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے دار قطنیؒ نے فرمایا کہ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں پاک نہیں ہیں۔ اقتضاءً ثابت ہوا کہ جب یہ لید گوبر ہڈی خود پاک نہیں ہیں تو گندی جگہ کو پاک کس طرح کر سکتی ہیں۔ لہٰذا ڈھیلوں سے پاکیزگی حاصل ہونے کی دلیل مل گئی کیونکہ وہ پاک ہیں۔ اگر ڈھیلوں سے بھی صفائی اور پاکیزگی حاصل نہ ہو سکتی تو پھر ارشاداتِ نبویہ مقدسہ میں اس سے استنجا کرنے کا حکم نہ ہوتا۔ چوتھی بات۔ سبحان اللہ تعالیٰ

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ پتھر ڈھیلے سے استنجا کرنا بھی بالکل اسی طرح ہے جس طرح پانی سے وہ جگہ اچھی طرح دھونا اور جس طرح ایک دفعہ اچھی طرح پانی سے استنجا کرنے کے بعد دوبارہ اسی وقت اگر پھر پانی سے استنجا کرے تو وہ پانی عقلاً نقلاً فقہاً ہر ایک کے نزدیک پاک وطاہر ہے اسی طرح ڈھیلے سے اچھے طریق سے وثوائی کر لینے کے بعد پھر پانی سے استنجا کیا تو وہ پانی پاک ہوگا۔ اس کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگرچہ مندرجہ بالا عبارات مبارکہ سے مسئلہ واضح ہوگیا اور معترض کا اعتراض ختم ہوگیا مگر ہم صراحتاً بھی فقہ کی عبارت سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں۔ تاکہ معترض کا یہ سمجھنا بھی باطل ہوجائے کہ یہ مسئلہ صرف اعلٰحضرت نے لکھا ہے۔ فتاوٰی شامی علی درمختار جلد اوّل صـ۲۱۲ پر ہے وَلِقَائِلٍ مَنْعُهُ لِجَوَازِ اِعْتِبَارِ الشَّرْعِ طَهَارَتَهُ بِالْمَسْحِ (الخ) وَاِنَّ الْمُخْتَارَ عَدَمُ عَوْدِهٖ نَجِسًا۔ (الخ) وَاَنْ لَا يَتَنَجَّسَ مَاءُهٗ عَلَى الرَّاجِحِ "الخ" ترجمہ۔ اور اس شخص کے لیے جو اسلامی شرعی نظرئے سے ڈھیلوں کے استنجے سے مکمل پاکیزگی کا قائل ہے جائز ہے یہ کہ پانی کی گندگی کے خلاف مسلک بنائے اور اس پانی کے گندہ ہونے کو منع کہے پلید نہ کہے۔ بلکہ اس پانی کو طاہر مانے۔ اس لیے کہ شریعت مطہرہ نے ڈھیلوں سے پونچھنے کو بالکل پاک وطاہر قرار دیا ہے اور وثوائی کی طہارت و پاکیزگی کا اعتبار کیا ہے۔ اور بیشک پسندیدہ و درست مذہب یہی ہے کہ نجاست نہیں لوٹ سکتی۔ اور ترجیح بھی اسی مذہب کو ہے کہ پتھروں ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پھر وہاں مخرج دُبر پر پانی لگنے سے وہ پانی ناپاک نہ ہوگا۔ یہ تھی علامہ شامی کی عبارت اور ہمارے پیش کردہ دلائل و عبارات۔ اعلٰحضرت نے بھی اس مسئلے کو بلا دلیل بیان نہیں فرمایا بلکہ تمام مندرجہ بالا مسائل کو محنت شاقہ و تحقیق عاقہ و دلائل واقعہ سے ثابت کیا ہے دارِقطنی۔ طبرانی کی روایت اور فتاوٰی جلیلہ شامی کے حوالے پیش کئے ہیں۔ عقل بھی اس مسئلے کو تسلیم کرتی ہے اس لیے کہ قانونِ شریعت کے مطابق جب نجاست مخرج سے نہ بڑھی ہو تو ڈھیلے سے استنجا کرنا ایسا ہی ہے جیسا پانی سے کرنا۔ ہر عقل وعلم والا جانتا ہے کہ جب ایک دفعہ پانی سے اچھی طرح استنجا کرلیا تو پھر دوبارہ پانی سے استنجا کرنا یا پانی میں غوطہ لگانا شرعاً پانی کو پلید نہ کرے گا۔ کیونکہ سارے جسم کی کھال کا حکم ایک جیسا ہے تو جس طرح پلیدی سے تھڑا ہوا ہاتھ پاک پانی سے اچھی طرح دھو کر یا کسی چیز سے اچھی طرح پونچھ کر جب دوبارہ دھویا جائے یا کسی پانی میں ڈالا جائے تو پانی پاک رہے گا کیونکہ ہاتھ کی پاک کھال کو پانی لگا۔ اسی طرح نیچے کی کھال ہے کہ جب ڈھیلے سے وہ جگہ اچھی طرح مکمل رگڑ رگڑ کر صاف کر دی تو وہ بالکل پاک ہے اگر ذرا بھی نجاست کو تصور کیا جائے تو نماز ہی جائز نہ ہوگی۔ جب شریعت نے اس وثوائی کو تسلیم کیا ہے تو کھال کو پاک ماننا پڑے گا اور جب پاک کھال پانی میں گئی یا پانی سے لگی تو وہ پانی پاک ہی رہے گا۔ یہ بالکل عقل میں آنی والی بات ہے بشرطیکہ انسان کے دماغ میں عقل ہو۔ ہماری ان شرعی دلیلوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ یہ پانی پاک ہے لہٰذا اگر یہ پانی کسی کپڑے یا زمین سے لگا تو وہ زمین۔ کپڑا وغیرہ پلید نہ ہوگا۔ لیکن اس سے وضو پھر بھی

ٹھیک نہیں کیونکہ طبعاً گھناؤنا ہوگیا۔ اس وضاحت کے بعد۔ یا فتاویٰ رضویہ کو ایمانداری سے پڑھنے کے بعد اگر اب بھی کوئی اعتراض یا انکار کرے تو وہ اعتراض قرآن وحدیث وشرعی قوانین اور فقہ اسلامی پر تصور کئے جائیں گے۔ اور ایسے ہی لغو ہوں گے جیسے کفار کے اعتراض قرآن مجید پر یا چکڑالوی پرویزی اعتراض احادیثِ مقدسہ پر یا جیسے غیر مقلدوں کے اعتراضات فقہ اسلامی پر باطل کا پرانا طریقہ ہے کہ اعتراض وانکار کردیا مگر اس کے مقابل کوئی دلیل پیش نہ کی یہاں تک تو ہمارے جوابات ودلائل کا تعلق تھا۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارا چیلنج ہے کہ تمام دنیا کے مٹھی بھر دیوبندی وہابی اور تیمیائی مل کر بھی ہمارے اس فتوے کے دلائل کو یا دلائل توڑ نہیں سکتے۔ اس مسائل کو تو دیوبندی اکابر نے بھی اپنی کتب میں تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ۱۳۷۷ھ جمادی الاوّل میں جامعہ اشرفیہ دیوبندیہ نیلا گنبد لاہور کا ایک مسئلہ ان کے رسالے میں شائع ہوا تھا۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ جو شخص بحالتِ نماز اپنی یا بیگانی عورت کی فرج پر نظر کرے کیا نماز ٹوٹ جائے گی۔ اس کا جواب جمیل احمد تھانوی دیوبندی مفتی جامعہ مذکورہ نے دیا کہ اَلْجَوَاب۔ نماز نہیں ٹوٹتی۔ ۲۔ فتاویٰ دیوبندیہ فقہ محمدیہ کلاں جلد اوّل ص۲۳ پر ہے۔ جب بچہ عورت کی فرج سے باہر نکلے اور اس پر فرج کی رطوبت لگی ہوئی ہو تو وہ بھی پاک ہے۔ اس وقت میرے پاس یہ دو ہی حوالے تھے اس لیے ذکر کردیے ورنہ حقیقت ہے۔ کہ فتاویٰ رضویہ کے تمام مسائل کو ان دیوبندی اکابر کے علاوہ دنیا بھر کے علماء مانتے ہیں۔ لیکن دیوبندی وہابی کتابوں میں سینکڑوں ایسے مسائل ہیں جو قرآن وحدیث اور فطرتِ ایمانی وعقلِ انسانی کے سراسر خلاف ہیں ہم پر اعتراض ہوئے ہم نے جواب بادلائل دیا۔ اب ہم نمونۃً ان کے چند غلط مسئلے بیان کرکے بادلائل جواب کا مطالبہ کرتے ہیں دیکھیں ہمیں جواب ملتا ہے۔ مگر یقین ہے کبھی کوئی ان مسائل کو صحیح ثابت نہیں کرسکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو خود دیوبندی مفتیین ہی مسئلہ لکھتے وقت دلائل کا حوالہ پیش کردیتے۔ جیسا کہ اعلیٰحضرت نے اپنے تمام فتاویٰ میں ایک ایک مسئلے پر کثیر تعداد میں دلائل اور حوالے پیش فرمائے ہیں۔ لیکن اُدھر یہ حال ہے بڑے بڑے غلط اور بیہودہ مسائل میں فقط قلمی اپنی زبانی ہاں۔ اور نا سے مسائل بناتے چلے جاتے ہیں نہ کوئی ثبوت نہ دلیل نہ حوالہ نہ آیت نہ حدیث یہ فقط قلمی یا زبانی باتیں نہیں بلکہ ان کے فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ سے عین مشاہدہ ہے گویا کہ شریعت ان کی گھر کی چیز ہے یا انہوں نے علیحدہ دین بنانے کی ٹھانی ہے کہ جو چاہا کہہ دیا جس کو چاہا حرام کردیا جس کو چاہا جائز کردیا۔ ایسے ہی بناوٹی مسائل میں سے چند پیش کیے جاتے ہیں۔ مسئلہ ۱ کوا کھانا حلال ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث سے اس کی حرمت ثابت ہے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاویٰ العطایا جلد اوّل میں بہت تفصیل ودلائل سے اس کی حرمت ثابت کی ہے۔ مسئلہ ۲ کچھوا اور گوہ کھانا حلال ہے۔ فتاویٰ اہلحدیث وہابی۔ حالانکہ شریعتِ اسلامیہ میں یہ دونوں جانور حرام ہیں۔ اس کی حرمت کے دلائل بھی ہمارے فتاویٰ العطایا جلد اوّل میں موجود ہیں۔ مسئلہ ۳ گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہے از وہابی فتاویٰ عرف الجاوی ص۲۴۳۔ حالانکہ روایتاً۔ ودرایتاً ہر طرح گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی اور ممنوع اور قیاساً ظاہراً حرام ہے

روایت تو اس طرح کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب جامع صغیر جلد دوم ص ١٩١ پر ابو داؤد شریف اور ابن ماجہ کی ایک حدیث مبارکہ نقل فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَکْلِ لُحُوْمِ الْخَیْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِیْرِ وَکُلِّ ذِیْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ ۔ ۔ ۔

ترجمہ۔ منع فرمایا آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھوڑے کا گوشت اور خچر اور گدھے اور ہر کیلوں والے درندے کا گوشت کھانے سے ۔ اس حدیث پاک کو ابن ماجہ شریف نے کتاب الذبائح میں ص ١٠٦٦ پر جلد دوم میں نقل فرمایا حدیث نمبر ٣١٩٨ ہے اور ابو داؤد جلد دوم کتاب الذبائح میں ص ١٧٥ پر اور مشکوٰۃ شریف کتاب الذبائح فصل ثانی ص ٣٦١ پر حضرت خالد بن ولید سے روایت فرمایا ۔ وہابی لوگ صرف چسکۂ لسانی کے طور پر اس کو ضعیف کہہ دیتے ہیں یہ ان کی پرانی عادت ہے اور مقام خیبر کی ایک منسوخ حدیث جابر بن عبداللہ کا سہارا پکڑتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ خیبر میں ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت یعنی رخصت دی ۔ حالانکہ وہابی لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ وقتی اور عارضی رخصت دائمی قانون نہیں بنا کرتی مقام خیبر میں جنگ اور عزیمت و مسافرت کی بنا پر یہ حکم و اجازت بامر مجبوری تھا ۔ اسی طرح ایک روایت میں صحابہ کا ایک ذاتی فعل بیان کیا گیا کہ وہ اپنے علاقوں میں گھوڑے کا بھی گوشت کھایا کرتے تھے ۔ لیکن یہ حرمت سے پہلے کا فعل ہے ۔ نیز علم اصول کا قانون ہے کہ جب رخصت و ممانعت یا حلت و حرمت والی احادیث موجود ہوں تو ترجیح ممانعت و حرمت کو ہوگی ۔ درایتاً بھی گھوڑے کی حرمت ثابت ہے ۔ چنانچہ قرآن مجید سورۃ نحل پ ١٤ پہلا رکوع آیت نمبر ٨ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْهَا وَزِیْنَةً اور سورۃ یٰسٓ رکوع نمبر ٥ آیت نمبر ٧٢ میں ہے وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَکُوْبُهُمْ وَمِنْهَا یَاْکُلُوْنَ ترجمہ۔ سورۃ نحل آیت نمبر ٨ اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے گھوڑے اور خچر اور گدھے صرف اس لیے تاکہ تم لوگ اس پر سوار ہوا کرو ۔ اور زینت حاصل کرو ۔ سورہ یٰسٓ آیت نمبر ٧٢ اور ہم نے ان بڑے بڑے جانوروں کو ان انسانوں کے لیے عاجز و ماتحت کر دیا تو ان کی دو ٢ قسمیں ہیں ان میں سے ایک قسم ان جانوروں چوپایوں کی ہے جو صرف ان کی سواریاں ہیں اور ان میں ایک قسم ان چوپایوں جانوروں کی ہے جن کو کھا سکتے ہو ۔ ان آیتوں سے واضح ثابت ہو رہا ہے کہ گھوڑا کھانے اور گوشت کی خوراک بنانے کے لیے نہیں ۔ کیونکہ اس کی بناوٹ اس کا استعمال چال ڈھال سب کچھ سواری ہونے کو ثابت کر رہا ہے بلکہ خچر و گدھے سے بھی زیادہ تیز رفتار سواری ہے ۔ اونٹ پر اس کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ عمومی سواری کے لیے نہیں بلکہ اس کے ہاتھ پاؤں اور اندرونی جسم کی بناوٹ صاف بتا رہی ہے کہ وہ مکمل طور پر صرف صحرائی ریگستانی ضروریات کے لیے ہے عام راستوں پر نہ وہ زیادہ چل سکتا ہے نہ بھاگ سکتا ہے ۔ اونٹ کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے مگر آج اس دور میں بھی گھوڑے کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا ۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی امام نے اس کی قربانی جائز نہیں جانی اس کا دودھ بھی اس کے گوشت کی مثل حرام ۔

ہے۔ ہاں البتہ اس کا تھوک اور پسینہ صرف ضرورتاً پاک مانا گیا ہے جیسا کہ انسان کا تھوک پسینہ۔ ثابت ہوا کہ روایتاً درایتاً عقلاً نقلاً گھوڑا حرام ہے مسئلہ نمبر ۴ دیوبندی فتاوٰی فقہ محمدی کلاں جلد اول ص ۴۱ پر ہے سوال۔ مرد و عورت کی منی پاک ہے تو آیا اس کا کھانا بھی جائز ہے یا نہیں۔ جواب اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جائز ہے۔ (توبہ توبہ نعوذ باللہ) اس فتاوے کا مصنف ابوالحسن دیوبندی ہے۔ مسئلہ نمبر ۵ وہابی فتاوٰی نزل الابرار جلد دوم ص ۲۸ اور ص ۲۹ پر ہے ساس سے زنا کیا تو بیوی حرام نہ ہوگی بیٹے کی بیوی سے زنا کیا تو بیوی بیٹے پر حرام نہ ہوگی۔ حالانکہ یہ بات سراسر قرآن مجید کے خلاف ہے۔ مسئلہ نمبر ۶ وہابی فتاوٰی عرف الجادی ص ۱۰ پر ہے کہ ہر انسان و جانور کی منی پاک ہے۔ اب بتائیے ان گندے مسئلوں کا کوئی کیا جواب دے۔ مسئلہ نمبر ۷ اشرف علی تھانوی کی کتاب بوادر النوادر ص ۲۱۳ سطر ۱ اور ۱۲ پر ہے فرج کی رطوبت اگر قطروں کی شکل میں ہے تب بھی پاک ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے رطوبت صرف وہ پاک ہے جو بچے یا انڈے کے ساتھ لگ کر آتی ہے وہ خواہ ایک قطرہ ہے کیونکہ نکل جاتی ہے اس کے علاوہ جو پانی فرج سے بغیر انڈے بچے کے خود فرج سے بہتا ہے وہ رحم کا نہیں وہ مذی یا پیشاب ہوتا ہے اسی لئے فقہائے کرام اور اعلٰحضرت نے صرف رطوبت یعنی تری اور گیلاہٹ کو پاک مانا ہے۔ رطوبت جوہر نہیں بلکہ عرض ہے جب کہ قطرے جوہر ہیں یعنی رطوبت قائم بالغیر ہے اور قطرے قائم بالذات۔ مسئلہ نمبر ۸ امداد الفتاوٰی جلد دوم مصنف اشرف علی تھانوی ص ۱۵۵ سطر ۱ پر ہے۔ کہ گائے یا بھینس کا مالک اپنی ملکیتی بھینس سے زنا کر سکتا ہے اور اس کا دودھ بھی پی سکتا ہے۔ مسئلہ نمبر ۹ رشید احمد گنگوہی فتاوٰی رشیدیہ جلد دوم ص ۱۲ سطر ۱۱ میں لکھتے ہیں کہ جس تالاب میں چاروں طرف پیشاب پاخانہ کیا جاتا ہے اور اس کا پانی باہر بھی نہیں نکلتا اس کا پانی پاک ہے۔ مسئلہ نمبر ۱۰۔ افاضات یومیہ جلد ششم ص ۱۷۴ سطر ۵ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ کثرت کا پانی جمع ہو اس میں تھوڑا پیشاب ڈال دیا جائے تو وہ پاک رہے گا۔ مسئلہ نمبر ۱۱۔ رسالہ اہل حدیث امرتسر ص ۵ ۱۵ اپریل ۱۹۲۳ء میں ایک وہابی امام لکھتا ہے کہ اپنی بیوی کا دودھ پینا جائز ہے مسئلہ نمبر ۱۲ رسالہ اہل حدیث امرتسر ماہ رمضان ۱۳۲۸ھ میں لکھتا ہے کہ باپ کی سوتیلی ماں پوتے پر حرام نہیں (العیاذ باللہ تعالٰی) یہ وہ مسائل ہیں جو قرآن و حدیث کے علاوہ اخلاق و تہذیب اور انسانیت کے بھی خلاف ہیں۔ ایسے بیہودہ مسئلوں کا کوئی کیا جواب دے سکتا ہے۔ موجودہ دیوبندی وہابیوں کو چاہئے کہ اپنے بڑوں کے ان لغویات کا مدلل جواب دیں۔ سوال کے آخر میں لکھا ہے کہ ہمارے چند احباب نے کہا ہے کہ اگر یہ مسائل فتاوٰی رضویہ میں اسی طرح لکھے ہیں تو عقل تسلیم نہیں کرتی اور دل گوارہ نہیں کرتا۔ ہم کہتے ہیں کہ وہابیوں کے ان مسائل پر دل گوارہ کرتا ہے۔ ہم نے تمہاری عقل اور دل کو کب مجبور کیا ہے کہ ضرور فتاوٰی رضویہ کو مانے۔ ہم نے تو فقط یہ ثابت کیا ہے کہ فتاوٰی رضویہ نورانیہ کے تمام مسائل قرآن مجید حدیث پاک اور فقہ اسلامی کے عین مطابق ہیں۔ بعض جہلا یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ایسے مسائل لکھنے کی ضرورت کیا تھی۔ میں کہتا ہوں یہ بھی عجیب احمقانہ اعتراض ہے بھئی اگر فقہ کے

کے مسائل کتب فقہ میں نہ لکھے جائیں تو کہاں لکھے جائیں اگر تم کو یہ مسائل خلاف عقل یا ناگوار اور گھنونے لگتے ہیں تو تم یہ فقہ کی کتابیں مت پڑھو اور جاہل بنے رہو۔ یہ کتابیں تو علما کے لیے اور علما بنانے والی ہیں۔ ایک ڈاکٹری کتاب کے اندر جسم انسانی کے تمام اعضا ظاہری و باطنی با تصویر لکھ دیئے جاتے ہیں مگر کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ وہاں عقل کو بھی تسلیم ہے اور دل کو بھی گوارہ تو اسی طرح یہاں بھی کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔ ۲۲/۲/۸۰۔

کتبہ

فتوٰی ۲۲

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں۔ کہ آب زمزم کے متعلق یہی اور مکمل تحقیق کیا ہے! کیا آب زمزم کا چشمہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں کی رگڑ سے جاری ہوا تھا یا کسی اور طریقے سے جاری ہوا تھا۔ ہم نے تو تمام علماء عظام سے آج تک یہی سنا ہے کہ یہ چشمہ مبارک حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں کی رگڑ سے جاری ہوا تھا۔ مگر کل مانچسٹر میں لبسلو رج کانفرنس ایک جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں وہابیوں دیوبندیوں کا انتظام تھا۔ اس میں پہلے ایک وہابی مولوی نے دوران تقریر کہا کہ یہ چشمہ حضرت اسماعیل کے قدموں سے ہرگز ہرگز جاری نہیں ہوا اور اس طرح کہنا اور عقیدہ رکھنا بھی کفر و شرک ہے۔ یہ چشمہ محض قدرت الٰہی سے جاری ہوا یہ بریلوی لوگ تو ہمارے پیارے اللہ کی ہر قدرت اور طاقت کو چھینکر اپنے ولیوں نبیوں کی طرف لگا دیتے ہیں۔ اس وہابی مولوی کے جانے بعد ایک دوسرا وہابی دیوبندی مولوی آیا اور اس نے تقریر میں کہا کہ آب زمزم کا چشمہ حضرت جبرئیل کے پر مارنے سے جاری ہوا اور حوالہ ابن تیمیہ کی کتاب کا دیا ایک تیسرے مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت میکائیل کے پاؤں مارنے سے یہ چشمہ جاری ہوا۔ ان متضاد بیانات پر جلسے میں تو کسی نے بھی اعتراض نہ کیا مگر بعد میں بہت سے اہلسنت بریلوی مسلمانوں کو بہت تشویش ہوئی تو ہم نے مختلف علماء اہلسنت کی طرف بذریعے خط رجوع کیا مگر سب علماء برطانیہ نے آپ ہی کا پتہ بتایا کہ مکمل اور بادلائل تحقیقی و مضبوط کافی و وافی فتوٰی آپ ہی دے سکتے ہیں لہٰذا ہماری درخواست منظور فرماتے ہوئے ہم کو تسلی بخش فتوٰی عطا فرمایا جائے ہم اس کو شائع کریں گے تاکہ جہلا دیوبند کا منہ توڑا جا سکے بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ دستخط سائل منظور احمد مانچسٹر۔ ۴/۱۲/۸۹۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ تَعَالٰى وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ۔ استفتاء گرامی تشریف لایا۔ آپ کا بھی شکریہ اور آپ کی وساطت سے ان علماء کرام کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے فتوٰی نویسی کی عزت بخش کر

میرے علم میں زیادتی کا سبب بننے کی ہمت و زحمت فرمائی ورنہ اکثر علماء و فضلا مجھ سے میری دوٹوک حق پسندی پر ناراض ہی رہتے ہیں۔ آپ کے مسئلے کا جواب اسی طرح ہے کہ موجودہ دور میں آب زمزم کے چشمے کے بارے میں ضد اور ہٹ دھرمی کی حد تک دو گروہوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ۱؎ دیوبندی وہابی گروہ کہتا ہے کہ یہ چشمہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں مقدس کی رگڑ سے نہیں نکلا۔ کس طرح نکلا؟ اس میں ان کا اپنا بھی آپس میں مزاج نہیں ملتا جیسا کہ آپ نے اپنا سوال لکھتے ہوئے ان کے مذکورہ فی السوال کانفرنس جلسے کا آنکھوں دیکھا کانوں سنا حال درج فرمایا۔ اس سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے۔ کہ ان کے مذہب و مسلک کا بنیادی حال کیا ہے ۲؎ دوسرا مسلک اس بارے میں اہلسنت والجماعت کا ہے۔ اہلسنت علماء کہتے ہیں کہ آب زمزم کا چشمہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس وقت پاؤں اور ایڑیوں کی رگڑ سے پھوٹا جب آپ شدت پیاس سے روتے ہوئے پاؤں چلا رہے تھے جیسا کہ عموماً بچے پاؤں چلایا کرتے ہیں۔ لیکن حضرت اسماعیل کے پاؤں چلانے اور ایڑیاں رگڑنے سے پانی کا چشمہ نکل آنا محض اللہ تعالیٰ کی کریمانہ قدرت سے ہے اور حضرت اسماعیل کو اس چشمے کے ظہور کا ذریعہ بنانا رب تعالیٰ ہی کا کرم ہے۔ جس کو ہم حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ارہاصی معجزہ کہہ سکتے ہیں اور اس کو معجزہ بنانا بھی رب کریم کا انعام و عزت افزائی ہے۔ ورنہ بچوں کے اس طرح پاؤں چلاتے ایڑیاں رگڑنے سے کبھی چشمے نہیں نکلا کرتے۔ اہلسنت کے اس نظریے سے تو قدرت الٰہی کا یکسر کلیۃً اقرار کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ اگر فرشتے کے نکالنے کا عقیدہ بنایا جائے تو قدرت الٰہیہ کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ اور اس فعل سے اللہ تعالیٰ کی نسبت ہٹا کر۔ فرشتے کی نسبت ماننا پڑے گی۔ جو بقول پہلے وہابی مولوی کے کفر و شرک ہوا جس کے مرتکب اسی جلسے کے دوسرے وہابی مقررین ہوئے تعجب و افسوس ہے کہ پہلے وہابی میاں کو بریلویوں پر تو غصہ آیا کہ انہوں نے صرف یہ کہہ دیا کہ زمزم کا چشمہ قدم اسماعیل سے پھوٹا۔ مگر دوسرے وہابی مولویوں پر غصہ نہیں آیا جنہوں نے کہا کہ آب زمزم کا چشمہ فرشتے نے نکالا۔ انہوں نے بالکل ہی اللہ کا نام چھوڑ دیا۔ بریلویوں نے تو صرف نسبت اور وسیلہ کا ذکر کیا فاعل اللہ تعالیٰ کو ہی مانا۔ مگر ان کے جلسے کے دیگر دیوبندی وہابی مقررین نے تو فاعل ہی فرشتے کو بنا دیا۔ پہلے وہابی صاحب کو اس پر شرک و کفر کے اسی دوران فتوے لگانا چاہئے تھے وہاں یہ صاحب چپ چاپ ان کی شرک و کفر میں ڈوبی تقریریں ٹھنڈے دل سے سنتے رہے بلکہ واہ واہ بھی کہتے ہوں گے۔ ثابت ہوا کہ ان دیوبندیوں وہابیوں کو اللہ تعالیٰ سے کوئی محبت نہیں ان کو تو صرف انبیاء کرام سے دشمنی ہے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ یاد آیا کہ چند ماہ پیشتر میرے پاس میرا ایک مرید کسی مریض کو لے کر آیا جس کو برطانیہ کے ڈاکٹروں نے لاعلاج کر دیا تھا بیماری ان کی سمجھ میں ہی نہ آئی تھی بیماری تو مجھ کو بھی سمجھ میں نہیں آئی مگر میں نے ایک ستھرا کاغذ لیکر اس پر لکھ دیا۔ اَغِثْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ اور دو تعویذ بنا کر دے کہا کہ ایک تعویذ گلے میں ڈال لو اور دوسرا عرق گلاب یا آب زمزم میں ڈال کر روزانہ تین تین گھونٹ صبح شام

پیو۔ متواتر اکیس دن تک پیتے رہو اور آخری دن یہ کاغذ بھی کھا جاؤ۔ مریض نے ایسا ہی کیا مولیٰ تعالیٰ نے گیارھویں دن سے اس کو شفا دینی شروع فرمادی اب وہ بالکل تندرست و توانا ہے وہ خطرناک بیماری نام کو نہیں رہی۔ اس کا بیان ہے ایک دن میں ایک محفل میں اپنی اس بیماری اور آپ کے تعویذ شفا کا ذکر کر رہا تھا اس محفل میں ہمارے علاقے کا ایک دیوبندی مولوی بیٹھا تھا۔ اس نے کہا بالکل غلط ہے تعویذوں سے کبھی شفا نہیں ہوسکتی اور تعویذوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا بھی شرک و کفر ہے۔ اسی محفل میں ایک اور شخص نے اس کی تائید کی اور کہا کہ میں نے اپنی ایک تکلیف میں کئی پیروں فقیروں سے تعویذ و دم کرائے مگر مجھ کو تو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آخر کار مجھ کو انڈیا کے ڈاکٹر گنبدھر رام کی دوائی سے آرام آیا۔ یہ بات سن کر وہ مولوی اور اس کے چند حواری بہت خوش ہوئے اور مولوی کہنے لگا کہ ہاں یہ بات ماننے کے قابل ہے خواہ مخواہ لوگ پیروں فقیروں مزاروں کے پاس جاتے ہیں ان تعویذوں میں کیا رکھا ہے۔ پھر کہنے لگا کہ (میری طرف اشارہ کرکے) اس کو بھی حکیم یا ڈاکٹر سے ہی فائدہ ہوا ہوگا یہ خواہ مخواہ تعویذوں کے چکر میں پڑ گیا۔ مجھ کو بڑا غصہ آیا میں نے ان وہابیوں سے کہا کہ ظالموں تم کیسے مسلمان ہو کہ ایک ہندو ڈاکٹر کی دوائی میں شفا مانتے ہو اور اللہ رسول کے نام کے تعویذ میں شفا نہیں مانتے۔ جب میں نے اس شخص سے یہ بات سنی تو مجھ کو بھی ان گستاخوں کی اس گستاخی سے بہت غم ہوا۔ سچ فرمایا میرے جنت کے پھولوں جیسے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کہ ان نجدی وہابی فرقے کا آخری گروہ دجال کے ساتھ ہوگا۔ موجودہ تاریخ کا تجربہ و مشاہدہ بھی ہے کہ نجدیوں۔ دیوبندیوں نے ہمیشہ کفر کا ساتھ دیا دیوبند کے فتووں نے ہمیشہ گاندھی۔ نہرو اور اندرا اور راجیو گاندھی کا ہی ساتھ دیا۔ "سلمان رشدی نے اسلام قرآن و اللہ رسول اور پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی اتنی توہین و گستاخی کی مگر سعودی نجدی عرب نہیں بولا جب کہ ان کی کسی ادنیٰ شہزادی کی کوئی غلط قسم کی فلم دکھائی گئی تھی تو تڑپ اٹھے تھے اور برطانیہ سے بائیکاٹ و قطع تعلق کی دھمکی دیدی تھی اب بھی صرف اپنی بادشاہت بچانے کے لیے امریکی کفار کو حجاز مقدس میں داخل کردیا اور ان کے لیے حکومت سعودیہ نجدیہ شراب اور خنزیر کا گوشت خریدتی ہے وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔ چنانچہ روزنامہ جنگ لندن جمعہ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ ۲۳ نومبر ۱۹۹۰ء کے صـ۲ پر یہ خبر نمایاں چھپی ہے۔ ان کفر نوازیوں سے نہ ان کا ایمان بگڑے نہ توحید جائے۔ ورد اٹھتا ہے تو صرف تعظیم رسول اللہ سے مذکورہ فی السوال حج کانفرنس کا جلسہ اصل مقصد میں صرف اس لیے منعقد کیا گیا کہ آب زمزم سے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت و عظمت ثابت نہ ہوجائے بھلے سے کسی اور طرف لگادو۔ سائنسی تجربوں سے زمینی تیل پٹرول ڈیزل گیس سونا چاندی کوئلہ اور نمک نکلنا تسلیم ہے کوئی شرک کفر نہیں کوئی وہابی نہیں کہتا کہ جبرئیل نے پٹرول نکالا میکائیل نے ڈیزل گیس نکالا۔ صرف آب زمزم پر اگر معجزۂ اسماعیل مانتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے بہرکیف یہ تو ان کی پرانی عادت جبلی ہے ہزار دلیلیں دیدو یہ اپنی عادت سے ہٹ نہیں سکتے۔ صرف آپ کی تسلی کے لیے ہم ہر دو فریق کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ اولاً"

وہابیوں کی دلیلیں پھران دلائل کی کمزوری۔ اور آخر میں اہلسنت والجماعت کے دلائل۔ مخالف کی پہلی دلیل بخاری شریف جلداول ص ۴۷۴ پر کتاب الانبیاء میں ہے حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابن مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ اَيُّوْبَ السَّخْتِيَانِيِّ وَكَثِيْرِ بْنِ كَثِيْرِ بْنِ الْمُطَّلِبِ ابْنِ اَبِيْ وَدَاعَةَ ـ يَزِيْدُ اَحَدُهُمَا عَلَى الْاٰخَرِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَوَّلَ مَا اتَّخَذَ النِّسَاءُ الْمِنْطَقَ مِنْ قِبَلِ اُمِّ اِسْمٰعِيْلَ اِتَّخَذَتْ مِنْطَقًا۔ (الخ) فَلَمَّا اَشْرَفَتْ عَلَى الْمَرْوَةِ سَمِعَتْ صَوْتًا۔ فَقَالَتْ صَهٍ تُرِيْدُ نَفْسَهَا۔ ثُمَّ تَسَمَّعَتْ فَسَمِعَتْ اَيْضًا فَقَالَتْ قَدْ اَسْمَعْتَ اِنْ كَانَ عِنْدَكَ غِوَاثٌ فَاِذَا هِيَ بِالْمَلَكِ عِنْدَ مَوْضِعِ زَمْزَمَ فَبَحَثَ بِعَقِبِهٖ اَوْ قَالَ بِجَنَاحِهٖ حَتّٰى ظَهَرَ الْمَاءُ (الخ) ترجمہ۔ ہم سے حدیث بیان فرمائی عبداللہ ابن محمد نے انہوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی عبدالرزاق نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی معمر نے وہ روایت کرتے ہیں ایوب سختیانی سے اور کثیر بن کثیر بن مطلب بن ابی وداعۃ سے ان دونوں (ایوب اور کثیر) میں سے ایک نے زیادہ فرمایا کہ روایت فرمایا سعید بن جبیر نے کہ فرمایا ابن عباس نے فرمایا سب سے پہلی عورت جس نے کانوں کے بندے بنائے وہ ام اسماعیل تھیں سلا لخ (یعنی آگے دراز واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اسماعیل اکلوتے بیلوٹی کے فرزند ارجمند کو بیابان میں چھوڑ کر چلے گئے اور بیت اللہ کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگی حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں کوہ صفا مروہ پر بھاگیں دوڑیں پھران کو سر سراہٹ کی آواز آئی تو انہوں نے اس آواز پر کان لگائے اور اپنے آپ سے کہا کہ صَہٍ۔ یعنی اے ہاجرہ ذرا چپ خاموش۔ یہاں تک کہ پھر آواز آئی تو حضرت ہاجرہ نے فرمایا کہ اے آواز سنانے والے کیا تیرے پاس کوئی مددگار ہے پس اچانک وہ ایک فرشتہ تھا زمزم کی جگہ کے پاس تو اس فرشتے نے کرید اکھڑا اپنے پاؤں سے یا فرمایا ابن عباس نے اپنے پروں سے یہاں تک کہ ظاہر ہو گیا پانی۔ بخاری شریف کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ زمزم کا پانی فرشتے نے کھود کر نکالا نہ کہ حضرت اسماعیل کی رگڑ سے۔ مخالف کی دوسری دلیل۔ بخاری شریف جلد اوّل ص ۳۱۹ پر اسی سند کے ساتھ اسی حدیث شریف کی شرح میں حاشیہ ۹ پر شرح عینی کی روایت اس طرح ہے فَعَطِشَتْ وَعَطِشَ الصَّبِيُّ فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ وَجَاءَ بِهَا اِلٰى مَوْضِعِ زَمْزَمَ فَضَرَبَ بِعَقِبِهٖ فَفَارَتْ عَيْنًا فَلِذٰلِكَ يُقَالُ لِزَمْزَمَ رَكْضَةُ جِبْرَئِيْلَ (الخ) ترجمہ۔ حضرت ہاجرہ کو پیاس لگی اور آپ کا بچہ بھی پیاسا ہوا تو جبرئیل نازل ہوا اور ہاجرہ کے ساتھ اس جگہ آئے جہاں زمزم ہے تو آپ نے ایڑی ماری۔ تو چشمہ بن گیا اسی لیے زمزم کو رکضۃ جبرئیل کہتے ہیں۔

مخالف کی دلیل سوم۔ تفسیر خازن جلد اوّل پ۱ سورۃ بقرہ ص ۸۱ پر ہے۔ فَلَمَّا اَشْرَفَتْ عَلَى الْمَرْوَةِ سَمِعَتْ صَوْتًا فَقَالَتْ صَهٍ۔ تُرِيْدُ نَفْسَهَا۔ ثُمَّ تَسَمَّعَتْ فَسَمِعَتْ اَيْضًا فَقَالَتْ يَا مَنْ اَسْمَعْتَ اِنْ كَانَ

عِنْدَكَ غَوَاثٌ فَاِذَا هِيَ بِالْمَلَكِ عِنْدَ مَوْضِعِ زَمْزَمَ فَبَحَثَ بِعَقِبِهٖ اَوْقَالَ بِجَنَاحِهٖ حَتّٰى ظَهَرَ الْمَاءُ ۔ ترجمہ: جب ہاجرہ کوہِ مروہ پر چڑھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی آپ نے اس آہستہ سرسراہٹ کو سن کر اپنے آپ سے کہا خاموش۔ پھر سننے کی کوشش کی تو پھر آواز سنی۔ تب آپ نے فرمایا کہ اے وہ بندے جو اپنے آواز کو سنا رہا ہے کیا تیرے پاس کوئی مدد کرنے والا شخص بھی ہے۔ تو اچانک وہ ہاجرہ ایک فرشتے کے پاس تھیں۔ زمزم کے چشمے والی جگہ کے قریب۔ پھر اس فرشتے نے زمین کریدی تو پانی نکل پڑا۔ مخالف کی چوتھی دلیل تفسیر صاوی مالکی جلد اول ص ۲۰۹ پارہ ۱۳ سورۃ ابراہیم آیت ۳۷ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ کے تفسیری بیان میں بالکل یہی عبارت درج ہے۔ ثابت ہوا کہ تمام محدثین اور مفسرین وشارحین ومحققین اس بات پر متفق ہیں کہ زمزم کا چشمہ حضرت جبریل نے نکالا تھا۔ مخالف کی پانچویں دلیل۔ مسند جامع امام عبدالرؤف المناوی جلد اول ص ۱۲۰ پر دیلمی فردوس کی روایت اس طرح زَمْزَمُ حَفْنَةٌ مِّنْ جَنَاحِ جِبْرَئِيْلَ ترجمہ: آبِ زمزم کا چشمہ جبریل کے کھودنے سے نکلا۔ مخالف کی چھٹی دلیل۔ امام جلال الدین سیوطی کی کتاب الاحادیث جامع صغیر جلد دوم ص ۲۸ پر ہے بحوالہ فردوس دیلمی زَمْزَمُ حَفْنَةٌ مِّنْ جَنَاحِ جِبْرَئِيْلَ ۔ ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ زمزم جبریل کے کھودنے سے نکلا تھا۔ مخالف کی ساتویں دلیل۔ لغت کی مشہور کتاب مجمع البحار جلد دوم ص ۶۸ پر ہے وَقِيْلَ لِزَمْزَمَ جِبْرَئِيْلُ وَتَكَلَّمَ بِهٖ۔ ترجمہ: بعض لوگوں کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمزم کو زمزم اس لیے کہتے ہیں کہ جبریل نے کلام کیا تھا یا وہ گنگنائے تھے۔ جب چشمہ نکالا تھا۔ مخالف کی آٹھویں دلیل۔ مندرجہ بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام اکابرامت وبزرگانِ دین اسی کے قائل ہیں کہ آبِ زمزم کا چشمہ جبریل نے نکالا نہ کہ اسماعیل علیہ السلام نے کیونکہ کسی روایت کو تمام علماء اور آئمہ کتب کا تسلیم کرلینا بھی تائیدی استدلال ہے اس روایت کو کسی نے غلط نہیں کہا۔ یہ تھے وہ دلائل جو ہم کو اب تک وہابیوں دیوبندیوں کی کتب سے ملے ہیں رہا سوال میں ابن تیمیہ کا حوالہ دینا تو یہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ ابن تیمیہ صاحب تو خود وہابی اور وہابی گر تھے۔ ان دلائل پر وہابیوں کو تو ناز ہوسکتا ہے مگر علماء محققین کے تھوڑا سا تدبر کرنے سے ان تمام دلائل کی کمزوری ایکدم ظاہر ہوجاتی ہے۔ چنانچہ پہلی دلیل کی پہلی کمزوری یہ کہ آبِ زمزم کی سچی وحقیقی معلومات ایک ایسا معاملہ ہے جو کہ اس طرح کے مندرجہ بالا دلائل سے حل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ آبِ زمزم کا چشمہ جس وقت روئے زمین پر آشکارا ہوا اس وقت کی تاریخی کیفیت ایسی ہے کہ سوا حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے کوئی بھی حقیقت سے پردہ اٹھانے والی انسانی آنکھ اس وقت وہاں دور دور تک موجود نہ تھی۔ اور حضرت ہاجرہ کی زبانی اس واقعہ کو کسی بھی کان نے نہ سنا نہ اس کا کہیں ذکر موجود ہے۔ اب ایسی غائبانہ صورت والے واقعے کو یا وحیِ الٰہی بیان فرماسکتی ہے یا زبانِ نبوت۔ مگر یہ دونوں بھی اس اظہار میں خاموش وپردہ پوش ہیں۔ مدعی حضرت ابن عباس کی روایت پیش کرتا ہے۔ مگر وہ بھی اس

واقعے کے تذکرے میں صرف اپنا قول بیان کرتے ہیں۔ نہ قال اللہ فرماتے ہیں نہ قال النبی فرماتے ہیں۔ اور اس بات سے کون ناواقف ہے کہ جب چشمہ زمزم نکلا تھا تو حضرت ابن عباس نہ جسماً وہاں موجود تھے نہ روحاً نہ سمعاً نہ بصراً۔ بلکہ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا کے زمرے میں شامل تھے۔ اور یہ روایت جو مخالفین نے پیش کی ہے وہ حضرت ابن عباس کا اپنا ذاتی قول ہے اس چالیس سطور کی طویل روایت میں اور ان ہی صفحات پر اسی مضمون کی اکیس سطور کی روایت میں بجز دو جگہ کے کہیں بھی قال النبی نہیں ہے ستہ رجال کی سند کے بعد قال ابن عباس سے متن حدیث شروع ہوجاتا ہے۔ اگر یہ حدیث فرمانِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا تو قال ابن عباس کے بعد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا اور چونکہ یہ حدیث فرمانِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے اس لیے آب زمزم جیسے انتہائی خصوصی اور تاریخ سے پوشیدہ و غیبی واقعے کے لیے فقط ابن عباس کا ذاتی قول معتبر و قابل قبول نہیں ہے عقیدت میں تو مانا جاسکتا ہے مگر حقیقت میں نہیں شریعت میں محض عقیدت کام نہیں آتی لہٰذا اس روایت مذکورہ سے کسی وہابی یا ان کے لیڈر ابن تیمیہ صاحب کا دلیل پکڑنا ثابت کمزوری ہے۔ دوسری کمزوری۔ اس روایت کی سطر ۱۳ میں اور سطر ۲۲ میں۔ علیحدہ علیحدہ ایک ایک جگہ قال ابن عباس قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس روایت میں صرف یہ دو باتیں ہی فقط آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہیں۔ باقی روایت اور خصوصاً ماء زمزم میں فرشتے کا تذکرہ حضرت ابن عباس کا اپنا فرمان ہے جو کسی صورت بھی حقیقتِ واقعی کو ثابت نہیں کرتا۔ تیسری کمزوری۔ اس روایت کی صحت بھی یقینی نہیں ہے۔ چنانچہ فتاوی فتح القدیر جلد دوم ص ۱۸۹ پر اسی روایت ابن عباس کو ضعیف کہا ہے۔ عبارت اس طرح ہے۔ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَيْضًا اِلٰى وَهِيَ هَزْمَةُ جِبْرَئِيْلَ وَسُقْيَا اللّٰهِ اِسْمٰعِيْلَ رَوَاهُ الدَّارُقُطْنِيُّ وَسَكَتَ عَنْهُ مَعَ اَنَّ شَيْخَهُ فِيْهِ عُمَرُ بْنُ حَسَنِ الْاَشْنَانِيُّ تَكَلَّمَ الذَّهَبِيُّ فِي الْمِيْزَانِ بِسُكُوْتِهِ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْحَسَنِ الْاَشْنَانِيِّ الْقَاضِيْ اَبَا الْحُسَيْنِ قَدْ ضَعَّفَهُ الدَّارُقُطْنِيُّ وَجَاءَ عَنْهُ اَنَّهُ كَذَّبَهُ وَلَهُ بَلَايَا قَالَ وَهُوَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ بَاطِلٌ۔ (الخ)

ترجمہ۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ (الخ) آگے ارشاد ہے کہ یہ زمزم جبرئیل کی کھدائی ہے اور اللہ تعالیٰ کا پلانا ہے اسماعیل علیہ السلام کو۔ اس روایت کو دارقطنی نے روایت کیا اور اس کی صحت سے سکوت کیا۔ اس بات کے ساتھ کہ اس سند میں ان کے شیخ عمر بن حسن اشنانی موجود ہیں امام ذہبی نے اپنی کتاب میزان میں ان کو برا کہا۔ اور قاضی ابا الحسین کو دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔ اور اس کے بارے میں کذب بیانی کی تہمت بھی آئی ہے اور فرمایا کہ یہ روایت اس اسناد سے باطل ہے۔ ان ہی کمزوریوں کی بنا پر اہلسنت کا نظریہ و عقیدہ اپنے دیگر مندرجہ دلائل کے تحت اس روایت سے مختلف ہوگیا ورنہ اگر یہ روایت یا کوئی دوسری روایت مضبوط طریقے سے فرمانِ رسول اللہ ثابت ہوجاتی تو پھر کس کی جرأت تھی کہ اس کے خلاف دوسرا عقیدہ بناتا۔ دوسری دلیل کی کمزوری یہ کہ حاشیہ شرح عینی نے

اپنی اس روایت کی شرح میں زمزم کو رکضۃ جبرئیل کہا ہے حالانکہ ابن عباس کی وہ مندرجہ بالا روایت جس کی یہ شرح فرما رہے ہیں وہاں لفظِ جناح اور لفظِ ملک ہے۔ جناح کے معنی پر۔ اور ملک مجہول عام ہے اس سے جبرئیل مراد لینا بھی ترجیح بلا مرجح ہے۔ اور جناح یعنی پر، پیروں میں نہیں ہوتے بلکہ بازوؤں اور ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ اور رکضۃ کے معنی صرف پیروں سے لتاڑنا یا رگڑنا ہے چنانچہ کتاب لغات مجمع البحار جلد دوم ص ۳۲ پر ہے اَصْلُہُ الضَّرْبُ بِالرِّجْلِ وحثی رکض برجلہ ترجمہ۔ یعنی رکض کا اصل ترجمہ ہے پاؤں سے مارنا۔ رگڑنا۔ اس دلیل سے روایت میں اضطراب پیدا ہوگیا اور کسی نے اپنے مدعیٰ پر کوئی حوالہ نہ دیا جس سے کسی کا تعین ثابت ہوتا۔ اب پتہ نہیں چلتا کہ وہ فرشتہ کون تھا جبرئیل یا کوئی دوسرا نہ یہ پتہ لگا کر بازوؤں سے کھودا یا صرف ایڑی اور پاؤں مارا یا کھرچا اور رگڑا۔ اور جب روایت وشروح وحواشی میں اتنا سخت اضطراب ہو حل کرنے والا مشکل اور الجھاؤ دور کرنے والا بھی کوئی نہ ہو تو پھر اس پر یقینی عقیدہ کیسے بنایا جاسکتا ہے تیسری دلیل کی کمزوری۔ یہاں بھی وہی اضطراب ہے۔ پانچویں اور چھٹی دلیل میں زمزم کو حفنۃ من جناح جبرئیل فرمایا گیا یہ بات پہلے دلائل کے بالکل خلاف ہوگیا۔ کیونکہ حفنہ کا معنی ہے دونوں ہاتھوں کی مٹھی بھرنا گویا جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پروں سے مٹھی بھر بھر کر ریت ہٹائی۔ حالانکہ یہ بعید از حقیقت بات ہے۔ مجمع البحار جلد اول ص ۲۸۰ پر ہے۔ اَلْحَفْنُ اَخْذُ الشَّیْءِ بِرَاحَۃِ الْکَفِّ وَضَمُّ الْاَصَابِعِ کَالْحَفْنَۃِ وَھِیَ مِلْأُ الْکَفِّ۔ ترجمہ۔ حفن کا معنی ہے انگلیاں جوڑ کر ہتھیلی بنا کر ہتھیلی میں کوئی چیز بھرنا۔

ساتویں دلیل میں خود مجمع البحار کا ہی قول درج ہے جو انہوں نے قیل کہہ کر نقل کیا ہے کہ زمزم کو زمزم اس لیے کہتے ہیں کہ جس وقت جبرئیل علیہ السلام نے چشمہ کھودا تو وہ اس وقت کچھ کلام گنگنا رہے تھے۔ زمزمۃ کا لغوی ترجمہ ہے ہلکی آواز میں گنگنانا جس کو اردو میں گنگنانا کہتے ہیں۔ اب بتائیے کہ جب استدلالی اقوال میں اتنا اضطراب ہے تو کس طرح اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ آٹھویں دلیل کی کمزوری۔ مخالف کہتا ہے کہ کسی روایت کو تمام علما اور ائمہ کتب کا تسلیم کرلینا بھی تائیدی استدلال ہے۔ اس روایت کو کسی نے غلط نہیں کہا۔ یہ دلیل بھی اپنے اندر کچھ قوت نہیں رکھتی کیونکہ کسی روایت کو غلط نہ کہنے اور درست قرار دینے کا معنی صرف یہ ہے کہ حدیث اپنے متن کے اعتبار سے بالکل سچی ہے یعنی کسی راوی نے جھوٹ بول کر نہیں کہا کہ ابن عباس نے ایسا بیان دیا۔ بلکہ ابن عباس کے متعلق یہ نسبت بالکل درست ہے واقعی انہوں نے ایسا کہا اگرچہ حقیقت کے خلاف ہی ہے۔ تائید نسبت ہے نہ کہ حقیقت۔ لیکن ہم اس مجرد جرح میں نہیں لکھتے اگرچہ ہم نے ابھی فتح القدیر کی عبارت سے ثابت کردیا ہے کہ یہ روایت ایک قول کے مطابق باطل وضعیف ہے۔ اسی جرح سے مخالف کا یہ دعویٰ ٹوٹ جاتا ہے۔

ہم تو کہتے ہیں کہ فرضاً تسلیم بھی کرلیا جائے کہ واقعی حضرت ابن عباس نے ایسا فرمایا ہے تب بھی حقیقت کے خلاف ہے اور جتنے بھی محدثین وائمہ نے تائید کی ہے وہ کچھ مفید نہیں کیونکہ جب اصل میں ہی قوت نہیں تو تائیدی فروعات میں قوت کس طرح آئے گی جس استدلال کی جڑ بنیاد ہی کمزور ہو تو شاخوں پر اعتماد کس طرح کیا جاسکتا ہے ایسے تاریخی الو کھے۔

تنہا انفرادی واقعات کے لیے تو وحی الٰہی یا زبانِ نبی اللہ ہی مضبوط دلیل بن سکتے ہیں جو وائے نصیب کہ ان لوگوں کو اپنے کسی عقیدے پر میسر نہیں۔ اب ہم اہلسنت والجماعت کے دلائل درج کرتے ہیں۔ **پہلی دلیل**۔ تفسیر کبیر جلد پنجم سورۃ ابراہیم آیت ۳۷ پ ۱۳ ص ۲۱۵ پر ہے۔ وَقِيْلَ إِنَّ عَيْنَ زَمْزَمَ بِرَكْضَةِ قَدَمِ اِسْمَاعِيْلَ ترجمہ کیا گیا ہے کہ زمزم کا چشمہ حضرت اسماعیل کے ایڑیاں رگڑنے سے ظاہر ہو۔ اور اسی تفسیر لامام رازی کے ص ۲۲۵ پر ہے۔ ثُمَّ اَنَّهَا عَطِشَتْ وَعَطِشَ الصَّبِيُّ فَانْتَهَتْ بِالصَّبِيِّ اِلٰى مَوْضِعِ زَمْزَمَ فَضَرَبَ بِقَدَمِهٖ فَفَارَتْ عَيْنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ اُمَّ اِسْمٰعِيْلَ لَوْلَا اَنَّهَا عَجِلَتْ لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِيْنًا۔ (الخ) وَاَقُوْلُ اَمَّا ظُهُوْرُ مَاءِ زَمْزَمَ فَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ اِرْهَاصًا لِاِسْمٰعِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِاَنَّ ذٰلِكَ عِنْدَنَا جَائِزٌ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ وَعِنْدَ الْمُعْتَزِلَةِ اَنَّهٗ مُعْجِزَةٌ لِاِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ ثُمَّ قَالَ۔۔ (الخ) مختصر ترجمہ۔ میں کہتا ہوں کہ قوی دلیل یہ ہے زمزم کا چشمہ اسماعیل علیہ السلام قدم کی رگڑ سے جاری ہوا اور یہ ارہاص یعنی بچپن کا معجزہ ہے لیکن معتزلہ فرقہ نہیں مانتا۔ معتزلہ کہتے ہیں یہ ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ (الخ) **دوسری دلیل**۔ تفسیر روح البیان جلد چہارم سورۃ ابراہیم پ ۱۳ آیت ۳۷ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ۔ (الخ) ص ۴۲۸ پر ہے۔ قال الکاشفی۔ چشمۂ زمزم برکفِ جبرئیل یا باثرِ قدم اسماعیل پدید آمد۔ ترجمہ۔ امام کاشفی نے فرمایا کہ آب زمزم کا چشمہ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ کہ یا تو یہ جبرئیل علیہ السلام کی ہتھیلی سے ظاہر ہوا ہے اور یا دوسرے قول کے مطابق آب زمزم کا چشمہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم پاک کے اثر اور نشان و رگڑ سے ظاہر ہوا ہے۔ **تیسری دلیل**۔ فتاویٰ مغنی المحتاج جلد اول ص ۲۰ پر ہے۔ قَالَ الْبُلْقِيْنِيُّ مَاءُ زَمْزَمَ اَفْضَلُ مِنَ الْكَوْثَرِ اَيْ فَيَكُوْنُ اَفْضَلَ الْمِيَاهِ لِاَنَّ بِهٖ غُسِلَ صَدْرُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَكُوْنُ يُغْسَلُ صَدْرُهٗ اِلَّا بِاَفْضَلِ الْمِيَاهِ وَلٰكِنْ تَقَدَّمَ اَنَّ اَفْضَلَ الْمِيَاهِ مَا نَبَعَ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ترجمہ امام بلقینی نے فرمایا ماء زمزم افضل ہے آب کوثر سے۔ یعنی پس ہو سکتا ہے کہ تمام پانیوں سے افضل پانی یہی آب زمزم ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ بچپن شریف میں شق صدر کے موقعہ پر آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ مبارک آب زمزم سے دھویا گیا اگر یہ پانی زمزم اس وقت جہانوں کے تمام پانیوں سے افضل نہ ہوتا بلکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا پانی افضل ہوتا تو اسی سے سینہ مبارک دھویا جاتا۔ اس وقت ماء کوثر بھی عالمین میں موجود تھا۔ سلسبیل بھی تسنیم بھی نیل و فرات بھی سب کو چھوڑ کر آب زمزم سے غسل مبارک کرانا دلیل ہے اس بات کی کہ آب زمزم سب پانیوں سے افضل ہے۔ لیکن پہلے ایک قول گزر گیا کہ آب زمزم سے افضل وہ پانی تھا جو پیارے آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے چشمے جاری ہوتے تھے۔

اس دلیل سے اقتضاءً ثابت ہوا کہ آبِ زمزم افضل ہے اور افضلیت کی وجہ سینے پاک کو دھونا نہیں غسل دینا نہ افضلیت کی علت ہے نہ سبب بلکہ افضل پہلے سے ہے دھونا بعد میں افضلیت کی وجہ سے اس پانی کو دھونے کے لیے منتخب کیا ہے اور اب یہ سوال کہ پھر افضلیت کس وجہ سے ہوئی۔ ماننا پڑے گا کہ یہ افضلیتِ زمزم صرف اس لیے پیدا ہوئی کہ یہ پانی حضرت اسماعیل کی ایڑی کی رگڑ سے نکلا کیونکہ کوثر کا پانی جنت میں پوری جنت کی طرح کلمہ کن سے پیدا ہو گیا۔ اس کی شان و فضیلت فقط یہ ہے کہ وہ جنت میں ہے مگر آبِ زمزم کو نبی کا معجزہ بنا دیا گیا۔ ورنہ فضیلت کی اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اہلسنت کی یہ ایسی دلیل ہے کہ اس کو توڑا نہیں جا سکتا **چوتھی دلیل**۔ فتاویٰ حاشیہ بیجوری فقہ شافعی جلد اول صفحہ ۳۱ پر ہے اَفْضَلُ الْمِیَاہِ مَا نَبَعَ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَاءُ زَمْزَمَ ثُمَّ مَاءُ الْکَوْثَرِ ثُمَّ نِیْلِ مِصْرَ ثُمَّ بَاقِیْ اَنْھُرٍ کَسَیْحُوْنٍ وَجَیْحُوْنٍ وَالدَّجْلَۃِ وَالْفُرَاتِ۔ وَقَدْ نَظَمَ التَّاجُ السُّبْکِیُّ ※ وَاَفْضَلُ الْمِیَاہِ مَاءٌ قَدْ نَبَعَ ※ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِ النَّبِیِّ الْمُتَّبَعِ ※ ... یَلِیْہِ مَاءُ زَمْزَمٍ فَالْکَوْثَرُ ※ فَنِیْلُ مِصْرَ ثُمَّ بَاقِی الْاَنْھُرِ ... ※

ترجمہ۔ کائنات کے تمام پانیوں میں افضل پانی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے چشمے سے نکلا پانی ہے پھر فضیلت ماءِ زمزم کو ہے پھر آبِ کوثر کو پھر دریائے نیل کے پانی کو پھر باقی نہروں کو جیسے کہ دریا سیحون۔ جیحون اور دجلہ اور دریا فرات۔ اور امام تاج السبکی نے ایک نظم لکھی ہے جس میں ان درجہ بدرجہ فضیلتوں کا ذکر فرمایا ہے ※ تمام پانیوں میں سب سے زیادہ افضل پانی وہی ہے جو نکلا ※ متبوعِ کائنات نبی علیہ السلام کی انگلیوں کے درمیان سے ※ اس کے بعد فضیلت میں درجہ ملتا ہے ماءِ زمزم کو پھر درجہ ہے ماءِ کوثر کا ※ پھر درجہ ہے مصر کی دریائے نیل کا پھر باقی نہروں کا درجہ ہے ※ اسی حاشیہ بیجوری نے نیل و فرات کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ ۳۲ جلد اول پر آیت وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ وَّاِنَّا عَلٰی ذَھَابٍ بِہٖ لَقٰدِرُوْنَ درخت کی جڑوں کے اندر سے نکلے ہیں اور دنیا میں آ رہے ہیں۔ یاجوج و ماجوج کے وقت ان پانچوں دریاؤں کو اٹھا لیا جائے گا۔ اس دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ آبِ زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں کی رگڑ سے اور جسم پاک کے معجزے سے ظاہر ہوا ہے اسی لیے اس کو باقی پانیوں پر افضلیت ہے۔ آبِ کوثر کو کسی نبی علیہ السلام کے جسم پاک سے نسبت نہیں ہوئی بدیں وجہ اس کو وہ فضیلت نصیب نہ ہوئی۔ **پانچویں دلیل**۔ فتاویٰ مغنی المحتاج جلد اول صفحہ ۱ پر ہے وَمَا نَبَعَ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَاءِ اَوْ مِنْ ذَاتِھَا عَلٰی خِلَافٍ فِیْہِ وَالْاَرْجَحُ الثَّانِیْ وَھُوَ اَفْضَلُ الْمِیَاہِ مُطْلَقًا ... ترجمہ۔ اور افضلیت سب سے زیادہ اس پانی کی ہے جو آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں پاکوں سے جاری ہوا۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ وہ پانی جو نبی کریم۔

رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے جاری ہوا وہ بذاتِ خود پہلے ہی فضیلت والا تھا۔ یا اس کو ان انگلیوں کی ذات پاک کے ساتھ لگنے کی وجہ سے فضیلتِ تامّہ کلّیہ ملی۔ تو تمام علماء امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ ذاتِ پاک کے ساتھ لگنے کی وجہ سے فضیلت اور شان ملی اور اسی دوسرے قول کو ترجیح ہے۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ اشیاء عالم کو نبوت کی ذات کے ساتھ نسبت و تعلق رکھنے سے فضیلتیں و شانیں ملتی ہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آبِ زمزم کو بھی جو متفق علیہ فضیلت نصیب ہوئی وہ اسماعیل علیہ السّلام کے پاؤں کی نسبت سے ہوئی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ جبرئیل علیہ السلام نے آکر چشمہ کھودا۔ درست نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو آبِ کوثر سے زیادہ فضیلت نہ ملتی۔ **چھٹی دلیل** ۔ علماء اہلسنت فرماتے ہیں کہ تاریخ اور قرآن و حدیث اس بات پر شاہد ہیں کہ رب تعالیٰ نے قیامِ دنیا سے آج تک اپنی جتنی بھی عجائبِ قدرت و حیران کن صنعتوں کا اظہار فرمایا ان کا مظہر ذاتِ نبوت و جسم رسالت کو ہی قرار دیا کسی بھی انوکھی و متحیر العقول شاہ کار قدرت کے لیے جبرئیل میکائیل و اسرافیل وغیرہم کو قدرت کے اظہار کے لیے کبھی بھی منتخب نہ فرمایا گیا۔ چنانچہ بغیر والدین پیدا کر دینے کی قدرتِ الٰہیہ کا مظہر ذاتِ آدم علیہ السلام کو بنایا جاتا ہے اور بغیر والد کے پیدا کر دینے کی قدرت کا مظہر حضرت عیسیٰ کو بنایا جاتا ہے خاص کر دنیا کے عجیب اور افضل ترین پانیوں کا پیدا کرنا تو بار بار وجودِ نبوت اور جسم رسالت سے ہی ظاہر فرمایا جا رہا ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں ہو رہا ہے۔ چنانچہ جب قوم موسیٰ مقام تیہ میں پانی طلب کرتی ہے تو رب تعالیٰ اپنی عجیب تر قدرت کو ظاہر فرمانے کے لیے نہ جبرئیل علیہ السلام کو بھیجتا ہے نہ کسی اور فرشتے کو بلکہ اپنے معزز نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہی ارشاد فرماتا ہے کہ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ اور پھر فوراً ہی حضرت موسیٰ کی لاٹھی پتھر کو لگتے ہی فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا کا ظہور ہوتا ہے۔ سورۃ بقرہ آیت ۶۰ ۔ ترجمہ جب بنی اسرائیل کے لیے ہمارے موسیٰ کلیم نے پانی مانگا تو ہم نے موسیٰ ہی کو فرمایا کہ یہاں کسی بھی پتھر کو اپنی لاٹھی مارو۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہی دستِ اقدس سے لاٹھی ماری تو اس پتھر سے جس کو لاٹھی ماری تھی، بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے یہ کام کسی دستِ نبوت سے ہی کرایا گیا تاکہ اقوامِ عالم کو نبی کی قوت و معجزات کا پتہ چلے۔ اور اس واقعے سے بھی پہلے حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک موقعہ پر رب تعالیٰ نے فرمایا اور ایسا عجیب حکم دیا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے چشمہ زمزم سے ملتا جلتا ہے۔ چنانچہ سورۃ ص آیت ۴۱-۴۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ ترجمہ۔ اے پیارے نبی ان معجزات کے منکروں اور انبیاء کے دشمنوں کے سامنے ہمارے پیارے بندے ایوب کا ذکر فرمایئے جب انہوں نے اپنے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ بیشک مجھ کو شیطان نے بیماری اور تکلیف پہنچائی ہے۔ تو ہم نے فرمایا تھا کہ تم اپنا ہی پیر زمین پر مارو۔ جب انہوں نے پاؤں زمین پر مارا تو وہاں فوراً صاف شفاف ٹھنڈا میٹھا پانی جاری ہو گیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ آخر رب تعالیٰ نے یہ حکم کیوں دیا کیا یہ کام جبرئیل کے ذریعے

نہیں کرایا جاسکتا تھا کیا خود ہی قدرت سے ظاہر نہیں ہوسکتا تھا کیا دلالت النص اور اشارۃ النص وقیاس منورہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مقصود باری تعالٰی اس حکم واظہار فی القرآن سے حضرت ایوب کے معجزے کے ساتھ ساتھ حضرت اسماعیل کا معجزہ بھی ثابت فرمانا چاہتا ہے کہ جب موسٰی علیہ السلام کی لاٹھی سے ایوب علیہ السلام کے پیر زمین پر مارنے سے پانی کا چشمہ جاری ہوسکتا ہے تو اسماعیل نبی علیہ السلام کے ایڑی رگڑنے سے چشمہ زمزم بھی جاری ہوسکتا ہے۔ اس کو مانتے ہوئے کیوں دُکھ ہے۔ فرق تو صرف اتنا ہی ہے کہ ایوب علیہ السلام کے قدم پاک کا معجزہ قرآن مجید میں عبارت النص سے مذکور ہوا اور اس قرآن مجید میں اس واقعہ ایوبی کے اشارۃ النص و دلالۃ النص سے حضرت اسماعیل کے قدم پاک کا معجزہ ثابت ہوا۔ اور ان تینوں پانیوں سے بڑا معجزہ تو وہ پانی ہے جس کا ذکر بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۹۴۲ پر ہے جس کے ظاہر ظہور ہونے پر سیکڑوں صحابہ شاہد ہیں اور جس کا انکار کسی وہابی سے ممکن نہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ (الخ) فَلَقَدْ رَأَیْتُ الْمَاءَ یَتَفَجَّرُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِہٖ فَتَوَضَّأَ النَّاسُ وَشَرِبُوْا حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں پاک سے اتنا کثیر پانی تیزی سے جاری ہے کہ سب لوگ اس پانی سے وضو بھی فرمارہے ہیں اور پینے کا بھی ذخیرہ بنارہے ہیں۔ اس لشکر میں تقریباً پندرہ سو لوگ تھے۔ **ساتویں دلیل** ۔ فتاوٰی فتح القدیر جلد دوم صفحہ ۱۸۹ پر ہے۔ فَصْلٌ فِیْ فَضْلِ مَاءِ زَمْزَمَ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَنِ ابْنِ حَبَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَا۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ مَاءٍ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ۔ (الخ)

رَوَاہُ الطَّبْرَانِیْ فِی الْکَبِیْرِ رُوَاتُہٗ ثِقَاتٌ - - (الخ) ترجمہ۔ یہ فصل ہے آب زمزم کی فضیلت کے دلائل کے بیان میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے۔ اور اسی مضمون کی دوسری روایت ابن حبان رضی اللہ تعالٰی عنہ مروی ہے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زمین کے تمام پانیوں سے افضل آب زمزم ہے۔ اس حدیث مبارکہ کو طبرانی نے کبیر میں روایت فرمایا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوا کہ یہ پانی اس لیے افضل ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کا معجزہ بن گیا ہے نہ کہ کسی فرشتے کی وجہ سے اگر فرشتے کی وجہ سے آب زمزم کو فضیلت تھی تو چاہیے تھا کہ ہر وہ جزاور ہر وہ پانی افضیلت والا ہوجاتا جس میں کسی فرشتے کی کارکردگی شامل ہوتی ہے۔ مثلاً مدبراتِ امر ملائکہ میں کوئی بادلوں کا فرشتہ ہے کوئی ہواؤں کا کوئی سمندروں کا۔ مگر بادل کا پانی سب سے افضل نہیں ہوتا۔ نتیجہ ثابت ہوا کہ آب زمزم کو بھی کسی فرشتے نے نہ نکالا بلکہ حضرت اسماعیل کے قدم کی رگڑ سے قدرتِ الٰہی نے ظاہر کیا جس طرح کہ ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا چشمہ اور موسٰی علیہ السلام کی لاٹھی کا چشمہ۔ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کا چشمہ اور مشہور ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر جب صحابہ کرام اور ان کے جانوروں کو پیاس کی شدت محسوس ہوئی اور صحابہ نے اللہ کے دروازے یعنی بارگاہ رسالت میں عرض کیا

تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاٹھی مبارک زمین پر ماری تو اس سے دو چشمے جاری ہوئے ایک انسانوں کے لیے اور ایک جانوروں کے لیے اور یہ دونوں چشمے آج تک موجود ہیں میں نے خود جا کر زیارت کی پانی پیا ہے۔ اور تبرکاً ساتھ بھی لایا تھا۔ مدینہ منورہ سے تقریباً ایک سو گیارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر مقام تبوک کی جانب ہے۔ قرآن و حدیث سے کسی بھی موقعے پر حضرت جبرئیل کی کوئی کارکردگی ایسی ثابت نہیں ہے جس کا تعلق دنیوی کسی چیز سے ہو۔ یہاں تک کہ حضرت مریم کے پاس شکل بشری میں آتے ہیں تب بھی فقط خبر دینے کی حد تک۔ نفخ روح کو بھی رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا جبرئیل کے سپرد یہ کام بھی نہ فرمایا۔ جیسا کہ قرآن کریم کی دو آیتوں سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَلَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ سورۂ تحریم آیت ۱۲ پ ۲۸ اور سورۂ انبیاء۔ وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا پ ۱۷ آیت ۹۱۔ اور جب حضرت مریم کو دردِ زہ ہوا تو کھجور کا خشک درخت بھی حضرت مریم کو ہی ہلانے کا حکم ہوا کہ فرمایا گیا وَهُزِّیْٓ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ سورۂ مریم پ ۱۶۔ یہ کام بھی حضرت جبرئیل کے سپرد نہ کیا گیا۔ غرضکہ حضرت جبرئیل کے کسی کام کا قطعاً کوئی اشارہ نہیں ملتا جن پر ہم قیاس کر کے آپ زمزم کھودنے کو تسلیم کریں۔ تو پھر خواہ مخواہ کھینچا تانی کر کے کبھی حضرت ابن عباس کی طرف روایتیں منسوب کی جائیں اور کبھی اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ کی طرف صاف صاف حضرت اسماعیل کی ایڑی کی برکت کو کیوں نہ تسلیم کیا جائے جس پر عقلی۔ نقلی۔ قولی و قیاسی اشارۃً و دلالۃً ہر قسم کے دلائل و ثبوت قرآن مجید کی ظاہر آیتوں و احادیث کے فرمودات تفاسیر و تشریحات اور کتب فتاویٰ سے ثابت و موجود ہیں۔

آٹھویں دلیل: اوّلاً مندرجہ بالا سطور میں بتا دیا گیا ہے کہ حضرت ابنؓ عباسؓ کی اس پیش کردہ روایت میں کچھ ضعف ہے۔ لیکن اس ضعف سے قطع نظر اگر اس روایت کے الفاظ پر کچھ غور کیا جائے تب بھی ایک اشارہ ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ چشمہ زمزم بغیر وسیلہ فرشتہ قدرت الٰہیہ سے حضرت اسماعیل کے ایڑیاں رگڑنے کی جگہ سے نمودار ہوا۔ اور حضرت ہاجرہ مروہ پہاڑی سے کسی فرشتے کی آواز سن کر نہیں لوٹی تھیں بلکہ پانی کی سراسراہٹ کی آواز سن کر لوٹی تھیں۔ کیونکہ روایت میں لفظ صَهٖ ارشاد ہوا۔ اور صَهٖ کا معنیٰ ہے بہت ہی آہستہ آواز سن کر اپنے آپ کو ہمہ تن گوش بن کر اس کے سننے کی طرف متوجہ کرنا۔ یہی ترجمہ اور معنیٰ سب شارحین علماء نے فرمایا ہے۔ یعنی جب حضرت ہاجرہ نے آواز سنی تو اپنے آپ کو کہا کہ صَهٖ۔ یعنی چپ خاموش۔ گویا کہ وہ آواز اتنی خفیف تھی کہ حضرت ہاجرہؓ کو جو پہلے ہی خاموش تھیں اپنے آپ کو ہمہ تن گوش کرنا پڑا۔ جب کہ کوہ مروہ اور مقام زمزم کا فاصلہ صرف چند قدم کا ہے اتنی چھوٹی آواز فرشتے کی نہیں ہو سکتی ماننا پڑے گا کہ یہ آواز پانی کی سراسراہٹ کی تھی اور ابتدائی چشمے کی آواز تقریباً سراسراہٹ کی طرح ہی ہوتی ہے۔ اور اس کا زمزم نام ہو جانا۔ یہ حضرت ہاجرہ کا پانی کو رکنے کا حکم دینے اور زم۔ زم یعنی رک رک بار بار کہنے اور ریت کے ڈھیرے مڈیریں اور چھوٹی دیواریں (بندھ) بنانے کی وجہ سے رکھ دیا گیا

اس کے علاوہ بھی آب زمزم کے بہت سے نام روایت سے ثابت ہیں جن کی تفصیل ہم مندرجہ ذیل سطور میں کر رہے ہیں۔ یہ آب زمزم کا نام پڑجانا۔ فرشتے کے زمزمہ خوانی کرنے کی وجہ سے نہیں ہوا جیسا کہ راویوں نے اور بہت سی باتیں بنانے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بنا ڈالی۔ واللہ ورسولہٗ اعلم۔ **آب زمزم شریف کے اسمائے مبارک۔**

۱ ماء ۲ زمزم ۳ شباعۃ ۴ ماءِ عین ۵ اسمٰعیل ۶ سوقیۃ ۷ اللّٰہ ۸ لاشرق ۹ لاتاظمو ۱۰ عرو ۱۱ تلقیۃ ۱۲ بشریٰ ۱۳ مبارکۃ ۱۴ الماء ۱۵ المقاذیۃ ۱۶ المکذ الکلام ۱۷ عبرانی لغت میں ۱۸ ھفمۃ جبرئیل ۱۹ مدنونھہ ۲۰ لکفیہ ۲۱ تاموتومن ۲۲ شعع سقمن ترکی لغت میں۔ ۲۳ آبوسیدہ ۲۴ اصفیہ ۲۵ آبوسا ۲۶ آبوسلیمہ ۲۷ جومتواسمٰعیل فارسی لغت میں ۲۸ آب زمزم ۲۹ آب طیبۃ ۳۰ آب برہ ۳۱ آب مضنونہ ۳۲ آب خورشش اردو لغت میں ۳۳ زمزم کا پانی ۳۴ چشمہ اسمٰعیل ۳۵ برکھا پانی ۳۶ مینا جل ۳۷ گی پانی سریانی لغت میں ۳۸ اوناہ مویا ۳۹ عفیہ ۴۰ معقت مویا ۴۱ مویا ہر میہ ۴۲ مویا مرویا اسرائیلی لغت میں ۴۳ قتربل ایرار ۴۴ ہمز جبرئیل ۴۵ رکض عرب۔ خلاصہ یہ کہ رب تعالیٰ نے پانچ قسم کے پانی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ بنا کر دنیا میں ظاہر فرمائے ۱ ماءِ اسمٰعیل (آب زمزم) ۲ چشمہ ایوبی ۳ آب موسیٰ ۴ چشمہ انگشتہا ۵ چشمہ تبوک

کتبہ

بروز پیر ۱۵ جمادی الاول ۱۴۱۱ھ ۳۰-۱۲-۱۹۹۰ء

فتویٰ نمبر ۲۳: ذکر اللہ اور درود پاک کا بیان۔ مع اربعین نعیمیہ یعنی چہل حدیث فی الصلاۃ علی النبی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔ اور چہل درود شریف

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ہری پور ہزارہ سے ایک ماہنامہ شائع ہوتا ہے جس کا نام جام عرفان ہے اس دفعہ ستمبر ۱۹۸۹ء کے رسالے کے صفحہ ۲۰ پر کمتوب ۵ کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس کو پڑھ کر ہم تمام اہلسنت عجیب حیرانی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ہم نے بڑی مشکلوں سے اپنی مسجد میں ہر نماز کے بعد چند مرتبہ درود پاک یعنی الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ۔ ہر نمازی کا پڑھنا جاری کیا۔ اس درود پاک کی برکت سے مسجد میں نمازی بھی بڑھ گئے ہیں۔ وہ نوجوان طبقہ جن کو تبلیغی وہابی بلا بلا کر تھک گئے تھے مگر وہ مسجد میں نہیں آتے تھے۔ اب جب سے ہم چند سنیوں نے ان وہابیوں کو مار مار کر مسجد سے نکال دیا ہے اور باقاعدہ ہر نماز کے بعد نہایت سوز و درد خشوع و خضوع سے باوضو باآواز بلند درود شریف پڑھنا شروع کیا ہے اور اذان سے پہلے اور بعد میں تین تین مرتبہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ تب سے نوجوان نمازی

خود بخود بغیر خصوصی بلائے آنا شروع ہوگئے ہیں اب بحمدہ تعالیٰ تقریباً ہر نماز میں پچاس ساٹھ نمازی بلکہ سو ڈیڑھ سو تک بھی کبھی ہو جاتے ہیں۔ جب کہ پہلے دس بارہ سے زیادہ لوگ نہ ہوتے تھے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب برکت ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے درود شریف کی ہے قبلہ حضرت صاحب یقین مانئے جب سب مل کر خوبصورت آواز میں سحر کے وقت درود پاک پڑھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم جنت میں آگئے ہیں۔ بعض حضرات تو وفور جذبات سے رونے لگ جاتے ہیں مجھے افسوس ہے وہابیوں کی بدقسمتی پر کہ بیچارے کس نعمت سے محروم کر دئے گئے ہیں۔ چند دن پیشتر ہمارے چند وہ مخلے دار جو ہماری اس درود خوانی سے جلے بھنے پھرتے ہیں ہمارے پاس وہی رسالہ لیکر آگئے اور پوچھنے لگے کہ بتاؤ تم مجدد الف ثانی سرہندی کو مانتے ہو یا نہیں ہم نے کہا کہ سب مسلمان ان کو اپنا بزرگ مانتے ہیں بلکہ نقشبندیوں کے تو وہ پیرو مرشد ہیں۔ اور اہلسنت کے وہ رہنما ہیں تو انہوں نے وہ رسالہ ہمارے سامنے رکھ دیا اور بولے لو پڑھ لو اپنے پیرو مرشد کے فرمان کو۔ دیکھو درود پڑھنے کو مجدد صاحب علیہ الرحمۃ کیا فرماتے ہیں اب اگر تم مجدد صاحب کو سچے دل سے مانتے ہو تو آئندہ درود وسلام کبھی نہ پڑھنا اس رسالے کا مضمون کچھ اس طرح شروع ہوتا ہے۔ **مکتوب ۵** ۔ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کا ذکر حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے سے اولیٰ و افضل ہے۔ لیکن وہ ذکر جو قبولیت کا مرتبہ رکھتا ہو یا وہ ذکر جو شیخ طالب نے مقتدا سے اخذ کیا ہو۔ یہ عبارت غالباً رسالے والے نے اپنی طرف سے لکھی ہے۔ کیونکہ مکتوب کی عبارت آگے سے شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک سطر چھوڑ کر آگے اس طرح لکھا ہے۔ کچھ مدت تک میں حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ میں مشغول رہا اور قسم قسم کے درود و صلوٰۃ بھیجتا رہا اور بہت سے دنیاوی فائدے اور نتیجے پاتا رہا اور ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اسرار و دقائق کا مجھ پر فیضان ہوتا رہا۔ کچھ مدت اسی طرح کرتا رہا۔ اتفاقاً اس التزام میں فرق آگیا اور اس اشتغال کی توفیق نہ رہی صرف صلوٰۃ موقتہ پر کفایت کی اس وقت یہی اچھا معلوم ہوتا تھا کہ صلوٰۃ کی بجائے تسبیح و تہلیل و تقدیس میں مشغول رہوں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ شاید اس میں کوئی حکمت ہوگی دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معلوم ہوا کہ **اس وقت** ۔ ذکر کرنا صلوٰۃ و درود بھیجنے سے بہتر ہے۔ درود بھیجنے والے کے لیے بھی اور جس کی طرف درود بھیجا جاتا ہے اس کے لیے بھی۔ دو وجہ سے۔ وجہ اول یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے من شغلہ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ جس کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روک رکھا تو میں اس کو تمام سائلین سے بڑھ کر دیتا ہوں۔ چونکہ ذاکر ذکر میں مشغولیت کی وجہ سے درود شریف بھیجنے کا سوال نہیں کر سکتا اس لیے اس کی طرف سے خود اللہ تعالیٰ افضل ترین درود بارگاہ رسالت میں پہنچا دیتا ہے، وجہ دوم یہ ہے کہ جب ذکر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ہے تو اس کا ثواب جس قدر ذاکر کو پہنچتا ہے اسی قدر ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم

کو بھی پہنچتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ سَنَّ سُنَّةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ جس شخص نے کسی نیک سنت کو جاری کیا اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور اس شخص کا بھی جو اس پر عمل کرے گا اس طرح جو نیک عمل امتیوں سے وجود میں آتا ہے اس عمل کا اجر جس طرح عامل کو پہنچتا ہے اسی طرح پیغمبر کو بھی جو اس عمل کا واضع ہے پہنچتا ہے بغیر اس کے کہ عامل کے اجر کو کچھ کم کریں اس بات کی بھی ضرورت نہیں کہ عمل کرنے والا پیغمبر علیہ السلام کو ثواب پہنچانے کی نیت سے عمل کرے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا عطیہ ہے عامل کا اس میں کچھ دخل نہیں ہاں اگر عامل سے پیغمبر علیہ السلام کو ثواب پہنچانے کی نیت بھی ظاہر ہو جائے تو عامل کے لیے زیادہ اجر کا باعث ہے اور یہ زیادتی بھی پیغمبر کی طرف عائد ہوگی ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ پس وہ فیوض جو ذکر قلبی کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں ان برکات سے کئی گنا زیادہ ہیں جو درود کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ ہر ذکر یہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ذکر جو قبولیت کے لائق ہے وہی اس زیادتی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن جو ذکر ایسا نہیں درود کو اس پر زیادتی اور فضیلت ہے اور درود سے زیادہ برکتیں حاصل ہونے کی امید ہے۔ ہاں وہ ذکر جو طالب کسی شیخ کامل مکمل سے اخذ کرتا ہے اور طریقت کے آداب و شرائط کو مدنظر رکھ کر اس پر مداومت کرتا ہے درود کہنے سے افضل ہے کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے جب تک یہ ذکر نہ ہو اس وقت تک ذکر تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہی باعث ہے کہ مشائخ طریقت قدس سرہم مبتدی کے لیے سوائے ذکر کرنے کے اور کچھ جائز نہیں سمجھتے اور اس کے حق میں صرف فرضوں و سنتوں پر کفایت کرتے ہیں اور امور نافلہ سے منع کرتے ہیں۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ امت میں سے کوئی شخص خواہ کمالات میں کتنا ہی بلند درجہ حاصل کرے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ برابری نہیں کر سکتا کیونکہ یہ سب کمالات اس کو اس پیغمبر کی شریعت کی متابعت کے باعث حاصل ہوئے ہیں پس اس پیغمبر کو یہ سب کمالات بھی اور دوسرے تابعداروں کے کمالات بھی اور اپنے مخصوصہ کمالات بھی ثابت و حاصل ہوں گے اسی طرح وہ شخص کامل اپنے پیغمبر کے سوا کسی دوسرے پیغمبر کے مرتبے کو بھی نہیں پہنچ سکتا اگرچہ کسی نے اس پیغمبر کی متابعت نہ کی ہو اور اس کی دعوت کو قبول نہ کیا ہو۔ کیونکہ ہر ایک پیغمبر اصلی اور استقلالی کے طور پر صاحب دعوت ہے اور شریعت کی تبلیغ پر مامور ہے امتیوں کا انکار اس کی دعوت و تبلیغ میں قصور پیدا نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ کوئی کامل دعوت و تبلیغ کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس بیان سے امت کے داعیان اور مبلغین کی فضیلت معلوم کرنی چاہئے اگرچہ دعوت و تبلیغ میں بہت سے درجات ہیں اور داعیان و مبلغین اپنے درجات میں متفاوت ہیں علماء تبلیغ ظاہری کے ساتھ مخصوص ہیں اور صوفیاء باطنی کے ساتھ اہتمام رکھتے ہیں۔ اور جو کوئی عالم و صوفی ہو وہ تو کبریت احمر یعنی اکسیر ہے اور ظاہری باطنی دعوت و تبلیغ کے لائق ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب و وارث ہے۔ یہ تھا اس کے رسالے کا مضمون

جس کو مجدد صاحب کے مکتوب ۵۵ کا نام دیا گیا۔ سوال صرف اس عبارت پر ہے کہ مجدد صاحب کے اس فرمان سے درود شریف نہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے کیا ذکر اذکار وغیرہ درود شریف سے افضل ہے۔ اور کیا اس طرح کسی حدیث قدسی میں لکھا ہے جس کا مطلب ہو کہ درود شریف چھوڑ دیا جائے بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ السائلان عبدالقدیر خان ہری پور ہزارہ ۸۹-۱۰-۱۲ عبدالرحمٰن کشمیری ہری پور ہزارہ محلہ۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

نَحْمَدُهٗ تَعَالٰی وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَرَءُوْفِ الرَّحِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ محترم آپ کا یہ سوال مرسلہ کو ۸۹/۱۰/۱۲ کو وصول ہوا۔ مگر اس کا جواب آج مورخہ ۹۱/۶/۱۲ بروز بدھ ۲۹ ذیقعد ۱۴۱۱ھ یعنی ایک سال اور آٹھ ماہ بعد۔ حسنِ اتفاق سے اس جواب کی ابتداء آج مقام بلدِ عظیم مکۃ المکرمہ میں تیسری مرتبہ حاضری کے دوران محلہ مسفلہ کے ایک مکان ۷۱ گلی بالمقابل مکتبہ دار العلم محمود احمد صباغ کے کمرے میں سیڑھیوں کے نیچے والے چھوٹے سے روم میں بیٹھ کر رہا ہوں۔ اس دراز تاخیر سے آپ کو ضرور پریشانی اور کوفت ہو رہی ہو گی لیکن تاخیر کی وجہ صرف میری تحقیق و تفتیش کی ذمہ دارانہ عادت ہے۔ جیسا کہ عوام مسلمانوں کو معلوم ہے کہ میں اپنے والد محترم حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے حکم اور نصیحت و وصیت کی پابندی کرتے ہوئے کسی بھی مسئلے میں بغیر حسبِ طاقت، مکمل تحقیق و تفتیش کبھی قلم نہیں اٹھاتا۔ اسی وجہ سے میری طرف سے اکثر جوابات میں دیر ہو جاتی ہے۔ جواب کی دیری اولاً تو سائلین کو خاصا ناراض کر دیتی ہے جس کا کئی مرتبہ کے بعد دیگرے لگاتار خطوط سے اظہار مختلف جلد باز قسم کے سائلین کر دیتے ہیں مگر جب مکمل تحقیق شدہ جواب ملاحظہ فرماتے ہیں تو تمام سابقہ کوفت اور شدتِ انتظار کی تلافی ہو جاتی ہے اور اظہار اطمینان و تشکر کا خط روانہ کر دیتے ہیں فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔ آپ کے اس سوال و استفتاء کی وصول کے بعد میں نے مزید جانفشانی سے تحقیق و تفتیش اور چھان بین کی اس لیے بھی کہ اس مکتوب گرامی ۵۵ کا تعلق ایک ایسی عظیم شخصیت کی طرف ہے جو صرف میرے اور آپ کے لیے ہی نہیں بلکہ فی زمانہ کائنات کے ہر انسان خصوصاً اہل اسلام کے لیے مرشدِ کبیر کی حیثیت رکھتے ہیں اور آج بھی ان کا فیض بابرکات امتِ مسلمہ پر جاری و ساری ہے اس اٰیَةٌ مِّنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ کو گیارھویں صدی کے مجدد اسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا اور پھر انہوں نے تجدیدِ اسلام کے ایسے منفرد و مخصوص اصول مرتب فرمائے جو بعد کے مجددین کے لیے آج تک رہنما ثابت ہو رہے ہیں اور میں اس کہنے میں حق بجانب ہوں کہ جس طرح بقول امام شافعی بعد کے تمام اصولی و فروعی مجتہدین کرام امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کے عیال ہیں اسی طرح بعد کے تمام مجددین عظام مجدد اعظم شیخ سرہندی کے عیال ہیں۔ اسی نکتہ اصول کو سمجھانے کے لیے حضرت مجدد کو مجدد الف ثانی بھی

بعض حضرات نے لکھا ہے۔ بہرکیف آپ کے اس استفتاء کے جواب کو ہم آٹھ بحثوں میں تقسیم کرتے ہیں جن کو بغور اور بار بار پڑھنے سے آپ کو اصل مسئلہ بخوبی سمجھ آئے جائے گا۔ **پہلی بحث** ۔ اپنی تحقیق و تفتیش کے بیان میں **دوسری بحث** ۔ اس بیان میں کہ اس مکتوب کی اصلیت کیا ہے۔ **تیسری بحث** ۔ اس بیان میں کہ اس مکتوب کی اساس کس چیز پر ہے **چوتھی بحث** ۔ اس میں منقولہ روایت کی محدثانہ حیثیت کیا ہے۔ **پانچویں بحث** ۔ اس بارے میں کہ اس مکتوب ۵۵ کا مقصد کیا ہے۔ **چھٹی بحث** ۔ مکتوب ۵۵ پر علمی تبصرہ۔ **ساتویں بحث** ذکر اور درود شریف میں فرق **آٹھویں بحث** ۔ درود پاک کے فضائل کی آیت واحادیث یعنی اربعین نعیمیہ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بحث اوّل۔ ویسے تو ہر مفتی قاضی جج اور منصب عدالت پر فائز ہونے والے پر فرض متعین ہے کہ ہر اس معاملے میں پوری جانفشانی سے تحقیق کرے جس معاملے اور مقدمے کا تعلق مدعی اور مدعا علیہ سے دوطرفہ ہو۔ اسی لیے بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے میں ہر معاملے میں خاص تحقیق کرنے کے بعد شرعی باولائل فیصلہ سناتا ہوں مگر آپ کے اس استفتاء کے جواب میں میں نے مزید مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر تحقیق و تفتیش کو لازمی سمجھا ۱ یہ کہ اس مکتوب کا تعلق حضرت مجدد سے ہے ۲ یہ کہ شرپسندوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ۳ یہ کہ فی زمانہ تخریب کار جہلا کا عام طریقہ بن چکا ہے کہ بات اپنی عقیدگی کی کرتے ہیں جو انسانی جاہلانہ ہوتی ہے مگر نسبت کسی معتبر قابل تقلید بزرگ کی طرف کردیتے ہیں تاکہ عوام ان کی شیطانی بات ماننے پر مجبور یا کم از کم لاجواب ضرور ہو جائیں اور یہ ابلیست آج سے نہیں بلکہ توریت وانجیل سے شروع ہوئی ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر میں نے دیر ہونے کی پرواہ نہیں کی اور حتّی المقدور چھان بین کی تاکہ عوام مسلمانوں کو اس دھوکہ فریب سے بچایا جائے میں نے اپنی تحقیق کے دوران مختلف کتب خانوں کی ورق گردانی اور کتب بینی کے علاوہ مشہور علماء و مفکرین سے بذریعہ خط وکتابت تحریری حوالوں سے رابطہ قائم کیا اور سب سے پہلے خود آپ کے مذکورہ فی السوال ماہنامے کے ذمہ دار مدیر اعلیٰ سے رابطہ قائم کیا۔ یہ تمام تحریری ریکارڈ میرے پاس ہمراہ ہے اور اسی کی تائیدی روشنی میں یہ جواب لکھا جارہا ہے۔

بحث دوم ۔ بادیٔ النظر میں صرف بلاتحقیق مکتوب مذکورہ کی عبارت پڑھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مضمون اور عامیانہ تحریر مجدد صاحب کی نہیں ہوسکتی میرے علاوہ بہت سے ذی علم و تفکر حضرات بھی بعض مسئلے کی تحریر اور ماہنامے کی اردو عبارت پڑھ کر نسبت کو صحیح ماننے پر تیار نہیں ہوتے تھے لیکن پھر بھی اصل مطبوعاتِ جدیدہ فارسی اور اردو جو میسر آسکیں کو بغور دیکھنے پر قلب وعقل کو ماننے پر مجبور کرنا پڑا ہوسکتا ہے کہ مسودہ قدیمہ دیکھنے سے یہ رجحان بدلنا پڑے مگر فی الحال تسلیم کیے بنا چارہ نہیں کہ یہ اصلاً حقیقتاً حضرت مجدد کا ہی مکتوب ۵۵ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یار لوگوں نے اس میں کچھ کتر بیونت کرڈالی ہو مگر یہ خیال اس وقت تک ایک واہمہ ہی ہے جب تک کسی بات کا کوئی ٹھوس ثبوت نہ ملے اور پرانے مکتوبات نہ دیکھے جائیں۔ اس لیے اگلی تمام تحریر اسی چیز کے پیش نظر ہے کہ یہ نفس مضمون حضرت مجدد ہی کا ہے

کیونکہ بلاوجہ ظنیات پیدا کرنا عقلاً کو زیب نہیں۔ **بحث سوم**۔ بہت غور و فکر اور بار بار مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس مکتوب مذکور کی اساس اور بنیاد دو چیزوں پر قائم ہے ایک ذاتی مشاہدہ اور طبیعت کا رجحان دوسرا۔ حدیث قدسی کی ایک روایت بس اسی بناء پر اگلی پچھلی ساری عبارت تعمیر کی گئی ہے لہٰذا ہم اپنے اس شرعی فتوے میں ان ہی دونوں پر کچھ تبصرہ کریں گے۔ اور ہمارا اگلا فیصلہ بھی اس بنیاد کی قوت و ضعف کے معیار پر ہوگا۔ اس لیے کہ کسی چیز کی بنیاد ہی اس کی خشت اول ہوتی ہے اسی کی کجی وکمی عمارت کا حقیقی نقشہ پیش کرسکتی ہے اور مومن کی سچی عقیدت کا محور بھی یہی ہے اور اسی کو صراطِ مستقیم کہا جاسکتا ہے فَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَھُوَ الْمُعِیْن۔ **بحث چہارم** حضرت مجدد کے اس مکتوب کے لکھنے کی پہلی وجہ تو خود اپنی ایک وقتی کیفیت ہے جو کسی موقعے پر آپ پر باطنی طور سے وارد ہوئی چنانچہ مکتوب شریف جلد سوم صفحہ ۱۰۱ دفتر دوم حصہ ہفتم پر ہے۔ چندگاہ بِصَلٰوۃِ خَیْرِ الْبَشَرِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اشتغال داشتم وصلوٰۃ درود میسر ساختم ونتائج وثمراتِ عاجلہ را ازاں ترتب میساختم دید قائق واسرار ولایت خاصہ محمدیہ علٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ بیگشم چوں مدتے بریں عمل گذشت اتفاقاً فتورے دریں التزام پیدا گشت وتوفیق ایں اشتغال زائل شد وبر صلوات مؤقتہ اقتصار افتاد (الخ) ترجمہ۔ کچھ مدت تک میں حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ میں مشغول رہا اور قسم قسم کے درود شریف وصلوٰۃ بھیجتا رہا۔ اور اس کے بے شمار دینی دنیوی فائدے اور نتیجے بہت جلدی جلدی اس پر مرتب شدہ میں پاتا رہا اور ولایتِ خاصہ محمدیہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اسرار دقائق کا مجھ پر فیضان ہوتا رہا جب کچھ مدت اس عمل پر گزری تو اتفاقاً اس روزانہ کے عمل میں فتور آگیا یعنی مجھ پر سستی غالب آگئی اور اس التزام میں فرق آگیا اور درود شریف پڑھنے کی توفیق نہ رہی اور صرف نمازوں کے ساتھ درود شریف پڑھنا ہی باقی رہ گیا ۱۰ الخ) یہ تھا وہ ترجمہ جو مکتوب فارسی کا اس کے حاشیے۔ بین السطور اور سا ہنامے سے اخذ کیا گیا ہے۔ اور حضرت مجدد کی یہ عبارت اپنی ذاتی کیفیت کے بارے میں بالکل درست ہے۔ اور راہ سلوک میں تقریباً ہر فقیر سالک پر قبض وبسط کی یہ کیفیات طاری ہوتی ہی رہتی ہیں۔ صوفیاء کرام اس کے بارے میں بہت کچھ فرماتے ہیں۔ حالات کی یہ تبدیلی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے کبھی نفسِ امّارہ کی غفلت وسستی کی وجہ سے اور کبھی ابلیس کی طرف سے۔ نیز کبھی یہ تغیّر وتبدّل مفید ہوتا ہے۔ اور کبھی نقصان دہ یہ کیفیات مبتدی تو درکنار بڑے بڑے منتہی بزرگ بھی اس میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ جدھر مشیئت ہوتی ہے ادھر پھیر دیا جاتا ہے کبھی خیر کی طرف کبھی شر کی طرف (از مشکوٰۃ شریف ص۱۰۲ باب) حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ اگر درویش بر حالے بماندے سر دست از دو عالم برفشاندے (از گلستان باب چہارم ص) اور پھر یہ تبدل اگر سستی نفس یا فتور ابلیس کی طرف بھی ہو تب بھی ضروری نہیں کہ شر کی طرف ہی ہو بلکہ کبھی اعلیٰ سے اعلیٰ کی طرف

یا افضل سے انقص کی طرف یا زیادہ مفید سے کم مفید کی طرف جیسے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ کی فجر سوتے میں قضا ہوگئی تو آپ اس غم سے اتنا روئے اتنا روئے کہ آپ کو قرب خاص کا مقام مل گیا۔ دوسرے دن پھر آپ کی آنکھ لگ گئی تو ایک شخص جگانے آیا آپ نے اس کا ہاتھ پکڑلیا اور پوچھا تو کون ہے کہنے لگا میں ابلیس ہوں آپ نے فرمایا تیرا کام تو نماز سے سلانا ہے تو کیوں جگانے آیا کہنے لگا کہ کل میں نے سلایا تھا تو تمہارے رونے کی وجہ سے تم کو ستر ہزار نمازوں کا ثواب اور قرب خاص کا مرتبہ ملا آج میں نے جگا دیا تاکہ پھر تم کو مرتبہ اعلیٰ نہ مل جائے۔ صوفیا کرام اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ قبض وبسط کی یہ تغیر وتبدیل بہت قسم کی ہیں۔ اور پھر کسی کا مقام اصل وحقیقت کا پتہ نہیں لگایا جاسکتا کہ یہ فتور اور طبیعت کی سستی وتبدیلی مفید ہے یا غیر مفید ہر صاحب واردات کو بھی کئی دفعہ پتہ نہیں چلتا اور وہ سالک راہِ معرفت اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھ بیٹھتا ہے۔ اور بہت دفعہ یہ تلبیس ابلیس ثابت ہوتی ہے۔ للہٰذا ایسی تغیرات نفسی پر کوئی شرعی یا قانونی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ایسے تغیرات پر کسی کو افضل ومفضول یا راجح ومرجوح کہنا درست ہے۔ مکتوب ۵۵ میں اسی ذاتی وباطنی فتورِ حالت کو اگلی عبارت کا معیار واساس بنایا گیا ہے جو یقیناً تنزل ہے اگر اسی طرح کے صوفیانہ تغیرات کو عام مسلمانوں کے لیے شرعی قانون کی حیثیت دینی شروع کردی جائے۔ تو ہر صوفی بزرگ اپنے باطنی واردات کو نئی شریعت کا نام دیتا چلا جائے گا اور اپنے عقیدت مندوں اور مریدوں کے لیے نئی نئی راہیں نکالنی شروع کردے گا۔ اور پھر مفسداتِ عدیدہ کے ابواب عقیدہ کھلتے چلے جائیں گے پھر عوام کالانعام کی نظر میں نہ سلام کا احترام باقی رہے گا نہ صلوٰۃ کا نہ احادیث کا احترام رہے گا نہ آیت کا نہ ذکر کا معیار قائم رہے گا نہ فکر کا نہ دعا کا فرق ملے گا نہ عبادت کا جسے چاہا اپنے باطن کی آواز سے افضل کہہ دیا جسے چاہا مفضول اسی لیے شریعت کے قانون میں حرام۔ حلال اور افضل ومفضول کہنے کا حق صرف اللہ رسول کو ہے۔ کسی بھی صحابی تابعی عالم ولی غوث وقطب کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی کو کسی سے بغیر شرعی دلیل افضل یا مفضول کہیں۔ ہاں البتہ باطنی وروحانی واردات کیفیات اور تغیر حالات وفتورِ نفسیات وذاتیات کو صاحب حال اور متعلقات تک محدود رکھنا اشد لازم وہ بذاتِ خود اس پر عامل ہو تو حرج نہیں۔ مگر ایسے مکتوبات ہر خاص وعام کے لیے شائع کرنا اور ماہناموں یا رسالوں کی زینت بنانا ہرگز جائز نہیں بلکہ مذکورہ فی السوال تخریب کاروں کے لیے ناجائز فائدہ اٹھانے اور شریعت وقانون کو نقصان پہنچانے کا دروازہ کھولنا ہے۔ خود حضرت مجدد نے بھی مکتوب گرامی میں اپنے ایک خاص مرید وطالب ہی کا ذکر فرمایا ہے اور اس کو یہ باطنی راز بتایا ہے نہ کہ ہر ایک کو۔ میں تو کہتا ہوں کہ ایسے خاص رازدارانہ باطنی وروحانی تحریرات کا مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی نہ شائع کرنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے اور اسی اندیشے کے تحت کثیر بزرگوں نے اپنے ایسے روحانی واردات کو قرطاسِ تحریر پر لانے سے سختی سے منع فرمایا اور سینہ بسینہ متعلقین تک پہنچایا۔ بدیں وجہ بہت کم مکتوبات مشہور ہیں یہاں تک کہ خود آقا کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے باطنی ملفوظات کسی کتب احادیث

میں نہیں ملتے حضرت ابوہریرہ جو راز دارِ نبوت ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو علم عطا فرمائے ایک وہ جو ظاہر نہ کروں تو گناہ گار ہو جاؤں۔ دوسرا وہ جو ظاہر کروں تو تم مجھ کو قتل کر ڈالو۔ اشارہ اسی باطنی واردات کی طرف ہے جب باطنی کیفیات کو حضرت ابوہریرہ ظاہر نہیں کر سکتے جو سراسر مفید وافضل ہی ہیں اور من اللہ ہی ہیں تو بھلا کسی دوسرے کے باطنی کیفیات اور ذاتی تغیر حالات کو مکتوب بنا کر برسرِ عام شائع کرنا کب درست ہوگا جبکہ الٰہامی ہونا بھی یقینی نہیں ہے۔ مکتوب ہٰذہ کی دوسری بنیاد۔ اس مکتوب کے لکھنے کی دوسری بنیادی وجہ جو اس فتورِ طبیعت کے بعد ظاہر ہوئی ایک حدیثِ قدسی کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اسی مکتوب کی مطبوعہ سطر ۱۱ پر لکھا ہے۔ بدیں وجہ۔ یکے آنکہ در خبرِ قدسی آمدہ است مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِيْ عَنْ مَسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّائِلِيْنَ ترجمہ پھر آخر چند دن بعد ایک خیال آیا کہ اس وقت میں ذکر کرنا درود بھیجنے سے بہتر ہے مُرسِل اور مُرسَل الیہ کے لیے دو وجہ سے ایک یہ کہ خبرِ قدسی میں آیا ہے کہ جس کو میرے ذکر نے مجھ سے مانگنے سوال کرنے حاجتیں طلب کرنے سے مشغول کر دیا یعنی روک دیا۔ تو دیتا ہوں میں اس کو اس سے افضل جو دیتا ہوں میں مانگنے والوں کو۔ یہ تھی وہ روایت جس کا سہارا لے کر اس کو مکتوب میں درودِ پاک سے روکنے اور ہمہ وقتی ذکر کرنے کی دعوتِ خاص دی جا رہی ہے اور یہ مکتوب بظاہر صرف ایک مریدِ خاص غازی نائب کی طرف بطور رازِ روحانی باطنی لکھا جا رہا ہے مگر بعد کے ناسمجھ اہلِ عقیدت نے اس کو دعوتِ عام سمجھ کر ہر کس و ناکس کے لیے مشہور کرنا شروع کرتے ہوئے سراسر درودِ پاک کی گستاخی کے مرتکب ہونے کی جرأت دکھائی فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى مکتوب مذکور میں اس روایتِ قدسیہ کا کوئی ثبوت سند یا حوالہ پیش نہ فرمایا گیا۔ لہٰذا سائل کے استفسار سے مجھ پر واجب آیا کہ میں اس روایت کی تفتیش کروں چنانچہ بعد تفتیش ظاہر ہوا کہ ان الفاظ کی روایت احادیث کی اٹھارہ[18] قسم کی کتب محدثانہ میں سے کسی میں بھی یہ روایت قطعاً موجود نہیں ہے۔ نہ[1] صحاح ستہ[6] میں نہ کسی صحیح[7] میں نہ کسی مسند[8] میں نہ کسی موطا[9] میں۔ نہ سنن[10] نہ جامع[11] نہ تجرید[12] میں نہ مستدرک[13] نہ طبقات[14] نہ سیرت[15] میں۔ نہ آثار[16] نہ مرسلات[17] نہ شمائل[18] میں غرضکہ یہ حدیث کتبِ احادیث میں نہ ملی ہاں البتہ اس روایت سے بالکل مختلف بلکہ مخالف و متضاد ایک حدیثِ قدسی کتب احادیث کی مشہور معتبر کتاب صحاح ستہ کی چوتھی کتاب جامع ترمذی جلد دوم ص ۱۲۰ سنن دارمی جلد دوم اور مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۳ پر باب فضائلِ قرآن میں ہے۔ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرَّبُّ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّائِلِيْنَ۔

ترجمہ۔ حضرت ابو سعید خدری، رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آقائے کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس بندے کو قرآن کریم (کی تلاوت۔ تعلیم۔ تعلّم۔ حفظ و تفسیر وغیرہا) نے میرے ذکر و اذکار تسبیح و تہلیل اور مجھ سے دعائیں حاجتیں طلب کرنے سے روک دیا ہو تو میں اس بندے کو اس حاجتوں ضرور توں سے زیادہ اور افضل چیزیں عطا فرماتا ہوں اور مانگنے والوں دعاؤں میں مشغول لوگوں سے زیادہ اور اچھا دیتا ہوں۔

یہ تھی اصل وہ حدیث قدسی جس کا کسی طرح بھی سنداً متناً بحثاً ۔ ثقتاً انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر یہ حدیث بذات خود کتب احادیث میں ہے جو حدیث کا اصل مقام ہوتا ہے۔ اور یہ مسائل قانون ہے کہ ہر چیز اپنے اصل سے دریافت شدہ ہی معتبر ہوتی چہ جائیکہ ادھر ادھر سے اخذ شدہ ہر روایت و درایت منقول و معقول کی یہی شان ہے اس کے علاوہ سے دریافت شدہ یا ماخوذ صرف تائیداً تو قبول ہوسکتی ہے۔ مگر مقابلۃً یا استقلالاً ایسی مجہول یا غیر معتبر کتب سے لی ہوئی روایت عدالتاً ہرگز معتبر اور قبول نہ ہوگی۔ نہ ہی ایسی روایت شاذہ پر کوئی ذاتی عقیدہ یا نظریہ قائم کرنا جائز ہے ایسا کرنا انتہائی بے باکی ہے۔ ہاں اپنی ذات میں رہ کر خصوصی طور پر انسان جو چاہے کرے لیکن عوام پر ایسے نظریات مسلط کرنا درست نہیں۔ مکتوب ۵۰ کی یہ روایت محض شروح و حواشی اور بعض تفاسیر سے ماخوذ ہے اور وہ بھی انتہائی مضطرب حالت میں۔ ہماری تحقیق سے یہ روایت ہم کو۔ **آٹھ حوالوں** سے دستیاب ہوئی۔ ہم بعینہٖ اسی طرح درج کردیتے ہیں شرعی فیصلہ آخر میں ہوگا۔ نمبر ۱۔ یہی مندرجہ بالا۔ ترمذی۔ مشکوٰۃ اور سنن داری کے حوالے سے مگر یہ مکتوب مذکور کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ نظریہ اور عقیدہ مکتوب کی تردید میں ہے نمبر ۲۔ تفسیر کبیر امام فخرالدین رازی جلد ہفتم صفحہ ۲۳۲ پر ہے۔ رَوِیَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ حِکَایَۃً عَنْ رَبِّ الْعِزَّۃِ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ ترجمہ وہی ہے جو اوپر کیا گیا۔ یہ حوالہ دو وجہ سے نامقبول ہے اولاً اس لیے کہ نہ سند نہ جرح نہ ماخذ کا حوالہ۔ دوم اس لیے کہ۔ تفسیر کبیر حدیث کی کتاب نہیں اس لیے اس کی پیش کردہ ہر روایت پر محدثانہ جرح و تحقیق لازمی ہے۔ پھر یہ خود بھی اس روایت پر اعتماد کا اظہار نہیں فرماتے بس ایک ذہنی سوال کے ضمن میں ضعیف و تمریض لفظوں سے رُوِیَ کہہ کر تذکرہ فرمادیا۔ یہ روایت واقعتاً کس درجہ کی ہے صحیح بھی ہے یا نہیں اس سے صاحب تفسیر کو غرض نہیں۔ لہٰذا جب یہ روایت خود مفسر کے نزدیک بھی اہم نہیں تو پھر اس سے سند و دلیل کس طرح پکڑی جاسکتی ہے نمبر ۳۔ ارشاد الساری شرح بخاری مطبوعہ مصر جلد نہم صفحہ ۱۶۵ پر ہے۔ وَاسْتُشْکِلَ حَدِیْثُ مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ۔ الخ۔ یہاں بھی بالکل تفسیر کبیر والی صورت ہے ایک اعتراض کے ضمن میں چند لفظی متن بیان فرمادیا گیا اس کی اصلیت وغیرہ پر کوئی تذکرہ نہیں۔ اور نہ ہی یہ حدیث کی کتاب ہے بلکہ شرح ہے جس سے کسی حدیث کی دلیل نہیں مل سکتی۔ لہٰذا یہ حوالہ بھی کسی حدیث یا روایت کے متعلق کچھ نفع نہیں فرماتا۔ حالانکہ شرعی فیصلے کے لیے مکمل ثبوت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ نمبر ۴۔ کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد دوم کتاب الدعوات فصل اول صفحہ ۱۲۹ پر ہے۔ و در حدیث آمدہ است کہ ہر کرا باز دارد ذکر من از سوال از من بدہم اورا بہتر و بیشتر از آنچہ دہم سائلاں را الخ۔ ترجمہ وہی ہے جو اوپر گزرا۔ بلکہ یہ تو نرا ترجمہ ہی ہے۔ اس میں تو اصل متن ہی مفقود ہے۔ نمبر ۵۔ شرح نووی مسلم جلد دوم باب دعاء الکرب صفحہ ۳۵۱ پر ہے۔ وَالثَّانِیْ جَوَابُ سُفْیَانَ بْنِ

عُیَیْنَۃَ فَقَالَ اَمَا عَلِمْتَ قَوْلَہٗ تَعَالٰی مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ (الخ) یہ بھی ایک سوال کا جواب ہے روایت کے درجہ اور ثبوت پر کوئی گفتگو نہیں اور پیش کرنے والے ایک شارح ہیں۔ محدث نہیں ہیں۔ یہ تھے وہ حوالے جو مختلف اطراف سے اس روایت کے ثبوت میں مجھ تک پہنچائے گئے مگر اس طرح کے حوالے واعظین کی کتابوں میں تو کام دے جاتے ہیں یا تائیدی مقامات پر کام آجاتے ہیں لیکن فقط اتنے تذکرے سے دلائلِ شرعیہ کے زمرے میں شامل نہیں ہوسکتے اس طرح کے حوالے تو بحمدہٖ تعالٰی قیامت تک علماء مصنفین بڑھاتے ہی رہیں گے۔ ہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ روایت اس زمانے میں زبان زدِ عام مشہور تھی جس کو تذکرۂ شہرت کہا جاتا ہے اس طرح کی چند روایتیں آج کل بھی مشہور ہیں مثلاً ۱۔ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۲۔ اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ ۳۔ اَوْلِیَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔ ایسی ہی بہت سی روایات مدارج النبوت و مثنوی روم وغیرہ وعظ و اشعار کی کتب میں دستیاب ہیں۔ مگر اصلیت کہیں نہیں حتی بدیں وجہ اس قسم کی روایت سے تذکرہ نگار حضرات بھی استدلال نہیں فرماتے نہ کوئی شرعی مسئلہ حل فرماتے ہیں۔ ان مذکورہ پانچ حوالوں میں بھی صاحب تصنیف بزرگوں نے اس مَنْ شَغَلَہٗ (الخ) والی روایت کو استدلال یا بطورِ سند پیش نہیں فرمایا۔ بلکہ کسی ذہنی معترض کی طرف سے اس روایت کو پیش کرتے ہوئے ایک مفروضے کے طریقے پر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ روایت پیش کرے اور کہیں سے یہ روایت ثابت بھی ہو جائے اور پھر اعتراض ہو کہ دعا مانگنا افضل ہے یا ذکر اللہ کرنا۔ تب ہم یہ جواب دیں گے۔ مگر افسوس کہ مکتوب ۸۵ میں اس مفروضے اور تذکرہ کو مستقلاً سمجھ کر ایک نئی اور بالکل انوکھی مخصوص چیز کی بنیاد بنا دی گئی۔ ۶۔ حوالہ نمبر ششم امام بخاری کی کتاب خلق افعال العباد۔ یہ کتاب احادیث کی نہیں بلکہ اس زمانے کے ایک فرقہ جہمیہ اور اصحاب تعطیل کے رد میں ہے اس کے ص ۱۰۰ پر ہے۔ حَدَّثَنَا ضِرَارٌ ثَنَا صَفْوَانُ بْنُ اَبِی الصَّهْبَاءِ عَنْ بُکَیْرِ بْنِ عَتِیْقٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ ترجمہ وہی ہے جو اوپر گزرا ہے۔ اس حوالے میں روایت کا متن بھی مذکور ہے اور سند بھی یہاں سند کا پہلا راوی ضرار ہے۔ مگر یہ حوالہ بھی دو وجہ سے مشکوک و غیر معتبر ہو گیا۔ پہلی وجہ یہ کہ کتب اسماء الرجال میں ضرار نام کے تقریباً پانچ راوی مذکور ہیں جن میں ایک ضرار غیر ثقہ ہیں اور ایک کو کذاب کہا گیا ہے اور تین حضرات کو ثقہ فرمایا گیا ہے۔ اب معلوم نہیں کہ امام بخاری نے کون سے ضرار سے روایت لی ہے خود امام بخاری نے کچھ نہیں بتایا صرف ضرار کہہ دیا۔ حسب نسب اور ولدیت ذکر نہ فرمائی لہٰذا کچھ رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ ہم نے چھان بین کر کے امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی کتاب لسان المیزان جلد ثالث ص ۲۰۳ راوی ۹۱۳ ترتیب حرف ض۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ہند میں سے یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ (ز ضرار) اَلْکِرْمَانِیْ ذَکَرَہٗ اَبُو الْعَرَبِ فِی الضُّعَفَاءِ وَقَالَ

قَالَ لِیْ مَالِکُ ابْنُ عِیْسٰی کُوْفِیٌّ فِیْہِ لِیْنٌ۔ قُلْتُ فَلَعَلَّہٗ غَیْرُ ضِرَارِ بْنِ صُرَدٍ وَھُوَ ھُوَ فَقَدْ ذَکَرَ اَبُوْ حَاتِمٍ اَنَّہٗ کَانَ صَاحِبَ قُرْاٰنٍ وَّفَرَائِضٍ وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ کَانَ عَالِمًا بِالْفَرَائِضِ وَقَدْ ذُکِرَ فِی التَّھْذِیْبِ اَنَّ الْبُخَارِیَّ اَخْرَجَ عَنْہُ فِیْ کِتَابِ خَلْقِ اَفْعَالِ الْعِبَادِ ۔۔۔۔۔۔

ترجمہ۔ ضرار راوی سے مراد ضرار الفرائض ہے۔ اس کا ذکر کیا ہے ابو العرب نے کہ ضعیف راویوں میں شمار ہے اور فرمایا کہ کہ مجھ کو مالک بن عیسٰی کوفی نے کہ اس کے بارے میں نرمی کی گئی ہے۔ یعنی یہ غیر معتبر شخص ہے۔ میں نے کہا کہ ان کا گمان ضرار بن صرد کے علاوہ دوسرے ضرار کے متعلق ہوگا لیکن وہ ابن صرد اس کا ذکر ابو حاتم نے کیا کہ حافظِ قرآن اور علم فرائض کا ماہر تھا یہی ابن حبان نے فرمایا۔ کتاب تہذیب میں لکھا ہے کہ گمان ہے کہ امام بخاری نے خلق افعال العباد میں اسی سے یہ روایت لی ہے۔ مگر یہ ابن حجر کا ذاتی ظن و گمان ہی ہے امام بخاری نے خود تو کچھ نہیں فرمایا۔ لہٰذا حتمًا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دوسری وجہ یہ کہ امام بخاری کے نزدیک یہ روایت خود اتنی زیادہ اہم نہیں اگر یہ روایت صحاح ستہ جیسی معتبر ہوتی تو یقینًا امام بخاری اپنی کتاب بخاری شریف کے باب فضائل ذکر میں درج فرما دیتے مگر انہوں نے اس روایت کو بخاری میں نہ لکھا جس سے دلالۃً و اشارۃً اس روایت کی کمزوری ثابت ہوئی ہے۔ حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، جلد ہفتم ص۳۱۳ پر یہ روایت اس طرح نقل فرماتے ہیں۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاھِیْمُ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَمْزَۃَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ ھَارُوْنَ بْنِ عَبْدِ اللہِ ثَنَا اَبُوْ مُسْلِمٍ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ وَاقِدٍ ثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَۃَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ رِبْعِیٍّ عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللہُ تَعَالٰی مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ قَبْلَ اَنْ یَّسْئَلَنِیْ ترجمہ۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا جو بندہ کہ اس کو میرا ذکر مشغول کر دے مجھ سے مانگنے سے تو میں اس کو اس کے مانگنے سے پہلے دوں گا۔ یہ حوالہ دو وجہ سے ضعیف اور ناقابل قبول ہے۔ ضعیف تو اس لیے کہ اس کے پہلے راوی ابراہیم بن محمد کو اسماء الرجال کی کتاب علل الحدیث و معرفت اسماء الرجال ص۵۸ پر امام محدث علی بن عبداللہ مدینی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ناقابل قبول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب تصوف کی ہے نہ کہ حدیث کی جیسا کہ نام سے بھی ظاہر ہے۔ اور صوفیا کی روایت عند المحدثین معتبر نہیں ہوتی کیونکہ اکثر ان بزرگوں پر حالتِ کیف و مستی اور وارداتِ جذب و اضطرار و بےخودی طاری ہوتی ہے۔ نیز اس روایت میں متن کے الفاظ سابقہ حوالوں کے الفاظ سے مختلف ہو گئے کہ وہاں ہے۔ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِیَ السَّائِلِیْنَ اور یہاں ہے۔ اَعْطَیْتُہٗ قَبْلَ اَنْ یَّسْئَلَنِیْ۔ اور اتنا اختلاف بھی روایت کو مشکوک بنانے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ یہ احادیث مبارکہ منسوب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی مذاق بازی نہیں کہ جس کا جو دل چاہے کہتا چلا جائے۔ ۵۔ امام بیہقی کی کتاب۔ اَلْاَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ ص۲۳۸ پر ہے۔ قَالَ اللہُ تَعَالٰی مَنْ شَغَلَہُ الْقُرْاٰنُ وَذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ۔ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ ۔۔۔

ترجمہ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ وہ بندہ جس کو قرآن پاک اور میرا ذکر مشغول کر دے مجھ سے مانگنے سے تو دیتا ہوں میں اس کو اس سے بہتر اور زیادہ جو دیتا ہوں میں مانگنے والوں کو یہ حوالہ بھی دو وجہ سے غیر معتبر ہوگیا۔ اولاً اس لیے کہ یہ اسماء الرجال کی کتاب سے ماخوذ ہے پتہ نہیں کہ امام بیہقی اگلی سطور میں اس کی جرح کس طرح فرما رہے ہیں اس کا ضعف بیان فرما رہے ہیں یا قوت ثانیاً۔ اس لیے کہ اس کا متن پہلے حوالوں کے متن سے بالکل مختلف ہے۔ جس سے اس کی صحت میں شک پیدا ہوگیا۔ اور یہ روایت پانچ طریقوں سے متناً مشکوک و مضطرب ہوگئی۔ کہ اس طرح کہ جب یہی روایت صحاح ستہ کی کتاب ترمذی شریف جلد دوم نے ص۱۲۰ پر درج کی تو اس طرح ارشاد ہوا۔ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْئَلَتِي أَعْطَيْتُهُ یہی روایت سنن دارمی نے اس طرح بیان فرمائی مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَ مَسْئَلَتِي الخ۔ مشکوٰۃ شریف نے اس طرح نقل فرمائی۔ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْئَلَتِي (الخ) لیکن امام بیہقی نے اس طرح تبدیلی سے بیان فرمائی مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ وَ ذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِي (الخ) یہی روایت حلیۃ الاولیاء میں اس طرح ہے مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِي أَعْطَيْتُهُ قَبْلَ أَنْ يَسْأَلَنِي یہی روایت جب تفسیر کبیر۔ ارشاد الساری، شرح مسلم نووی۔ اور اشعۃ اللمعات کو ملی تو بالکل لفظی متنی تغیر سے اس طرح ہوگئی۔ مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ غرضکہ ایک روایت اور اختلافات کثیرہ۔ تغیر تبدل بے شمار یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ سب ہی متن اور مختلف الفاظ اپنی اپنی جگہ درست اور فرمانِ الٰہیہ ہیں ورنہ رب تعالیٰ کے کلام یعنی حدیث قدسی میں تضاد بیانی لازم آئے گی اور ایسا کہنا سراسر توہینِ حدیث اور گستاخی ہوگی واضح رہے کہ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي اور مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي آپس میں نقیضین ہیں جن کا اجتماع ناممکن۔ ان میں ایک کو ہی ماننا پڑے گا۔ پہلی کو صحاح نے روایت فرمایا دوسری کو عام کتب نے۔ یقیناً عند العلماء پہلی کو ہی ترجیح ہوگی۔ محدثین کے نزدیک ایسی روایت مشکوک و مضطرب کہلاتی ہے اور فقہاء کرام کے نزدیک متروک الاستدلال۔ چنانچہ اسی قسم کی ایک روایت کو صاحب ہدایہ نے اس کے مضطرب ہونے کی بناء پر ضعیف قرار دیکر اس کو ترک فرما دیا۔ ہدایہ شریف جلد اول ص۱۶ پر باب الطہارت میں ہے کہ حدیث قلتین کو ابو داؤد نے صرف اس لیے ضعیف قرار دیا کہ اس کی سند میں اضطراب تھا چنانچہ فرماتے ہیں کہ وَمَا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ ضَعَّفَهُ أَبُوْدَاؤُدَ۔ يَوْمُ فِي الْاِضْطِرَابِ فِي سَنَدِهِ عِنْدَهُ ۔ ترجمہ۔ امام شافعی کی پیش کردہ روایت کو ابو داؤد نے اس لیے ضعیف قرار دیا کہ ان کے نزدیک اس کی سند میں اضطراب تھا۔ ثابت ہوا کہ ذرا سے اختلاف سے روایت مضطرب ہو جاتی ہے اور مضطرب کی وجہ سے ضعیف اسی طرح قدوری کے حاشیے پر ص۲۳ پر ہے وَلَا يُعَارِضُ بِالْخَبَرِ الْوَارِدِ عَنِ الْاِنْتِفَاعِ مِنَ الْمَيْتَةِ وَهُوَ مَا رُوِيَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى جُهَيْنَةَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِشَهْرٍ۔ (الخ) وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَبْلَ مَوْتِهِ بِشَهْرَيْنِ ۔ ۔ ۔ (الخ) اور درایت پر ہے وَفِي رِوَايَةِ الْبَيْهَقِيِّ قَبْلَ مَوْتِهِ بِأَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ۔ لِأَنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ

مَعْلُوْلٌ لِمَا فِیْہِ مِنَ الْاِضْطِرَابِ . . . . یعنی جہینہ کی روایت اس لیے نامقبول ہوگی کہ اس میں تاریخ کے بدلنے سے اضطراب پیدا ہوگیا اس طرح کہ اسی روایت میں کسی نے کہا کہ موت سے ایک ماہ پہلے ترمذی نے دو ماہ پہلے بیہقی نے چالیس دن پہلے کہا۔ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ جب اتنی سی غلطی اور شک سے اضطراب پیدا ہوگیا تو محض شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ والی روایت میں تو کثیر مشکوک ہیں۔ یہ تو اس روایت کے متن کا اضطراب اور ضعف ہے اس کی سند روات بھی درست نہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ حلیۃ الاولیاء میں ابراہیم بن محمد ضعیف راوی ہیں اور امام بخاری کی کتاب خلق افعال العباد میں اس روایت کے پہلے راوی مجہول ہیں۔ خیال رہے کہ امام بخاری اپنے کمال بزرگی اور قابلِ احترام ہونے کے باوجود احادیث مبارکہ کے ضمن میں ان کی بائیس۲۲ کتابوں میں سے صرف بخاری شریف کو وہ مقام صحت حاصل ہے کہ اس کی بیان کردہ کسی روایت پر جرح نہیں کی جاسکتی اور دنیا بھر کے علماءِ اسلام بلاچون وچرا و بلاتنقید اس سے استدلال کرتے ہیں لیکن ان کی باقی اکیس۲۱ عدد کتب کی یہ شان نہیں لہٰذا ان کتب کی بیان کردہ روایت پر لازماً جرح کی جائے گی اور بلاتنقید تسلیم کرنا ضروری نہیں ہماری اس گفتگو سے مکتوب ۱۹۰ کی دوسری بنیاد کی کیفیت کا بخوبی پتہ چل گیا۔ ایسی متزلزل بنیاد پر کسی خصوصی عقیدے یا نظریے کے محسوس قدم جما دینا درست نہیں لگتا خاص کر وہ نظریہ جس کو کسی طرف سے بھی علمی عقلی نقلی تحریری یا تقریری تائید بھی نہ ملتی ہو۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ بحث پنجم۔ اس مکتوب گرامی کو غور سے پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ مکتوب عوام الناس کے لیے نہیں ہے صاحب مکتوب اپنے اس مکتوب میں سالکینِ معرفت کے مبتدی شاگردوں کو ذکرِ الٰہی کے ان اسباق میں ہمہ تن مصروف اور منہمک ہونے کی رغبت دے رہے ہیں جو اسباق ان کو مرشد تعلیم فرمائے۔ مقصدِ مکتوب نہ درود شریف کی مخالفت ہے نہ عوام کو روکنا اور بھلا یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ مجدد صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ جیسا عاشقِ رسول جس نے مسلمانانِ عالم کے سینوں میں عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع ابدی روشن فرمائی اگر مجدد صاحب کی یہ شمع فروزاں نہ ہوتی تو کم از کم ہند کے برصغیر میں اکبری گھٹاٹوپ کے لئے اسلام کا صحیح نقشہ ہم لوگ دیکھنے کو ترس جاتے نہ نقشبندیت ہوتی نہ چشتیت نہ سہروردیت نظر آتی نہ قادریت یہ بریلویت۔ حنفیت وغیرہ سب اسی شجرۂ طیبہ کی وجہ سے کھلتے پھولوں کی طرح مہک رہے ہیں۔ ذاتِ مجدد اپنی سیرت و سوانح کی روشنی میں عاشق ہی نہیں بلکہ سراپا عشق ہے۔ اس مکتوب کے ذریعے صرف مخصوص مریدین کو راہ سلوک کے انہماک اور استقامت کا طریقہ سکھایا جارہا ہے تاکہ جلد از جلد منزلِ معرفت پر پہنچ کر مبتدی سے منتہی مرید سے مراد اور طالب سے مطلوب بن جائے۔ پھر یہ کیفیت اسی مدرسے کی نہیں ہر درس گاہ کی یہی شان ہے فقہاء کرام جب کسی طالب علم کو علم فقہ سکھاتے ہیں تب بھی وہ اساتذہ اپنے شاگردوں کو اسی ہمہ وقتی مستقل مزاجی اور مصروفیت قائم رکھنے کی غرض سے تمام نفل عبادت روزہ ذکر اذکار یہاں تک کہ زیادہ تلاوت سے بھی منع کردیتے ہیں۔ تسبیح ومرقع کو تو ہاتھ نہیں لگانے دیتے۔ اس لیے کہ اسباق کی یادگیری منزلِ مقصود تک پہنچاتی ہے۔ اور

انہاک اسباق کو آسان کرتا ہے اور ہمہ وقتی مشغولیت سے انہماک پیدا ہوتا ہے تو یہ مکتوب صرف مخصوص تلامذہ کے لیے ہے نہ کہ ہر خاص وعام کے لیے اسی لیے اس کی اشاعت نقصان دہ ثابت ہوئی اور تخریب کاروں کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقعہ ہاتھ آیا۔ لیکن چونکہ اس مکتوب میں انہماک واستقلال پیدا کرنے کا طریقہ بالکل ہی نرالا وانوکھا اختیار کیا گیا جو آج تک کسی بھی اہل علم وفکر نے نہ بتایا اس لیے اس کے سمجھانے کے لیے الجھنیں پیدا ہوئیں جن کو سلجھانے کے لیے مزید الجھن در الجھن پیدا ہوتی چلی گئی جس سے نپٹنے کے لیے تضاد بیانی وتسامحات کا سہارا لینا پڑا۔ ہم اگلی سطور میں ان تمام کی کچھ نشان دہی کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ **بحث ششم**۔ یہ فطرتی امر ہے کہ جب بھی کبھی کوئی انوکھا مخصوص اور سب سے ہٹ کر نظریہ قائم کیا جائے تو اس میں کثیر طریقے سے الجھنیں پیدا ہوتی ہیں اور ان الجھنوں کو سلجھانے اپنے اختراعی ذہنی مسلک وتصورات کو بچانے کے لیے مزید الجھنیں غیر ارادی طور پر پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں جن سے بچ نکلنا پھر صاحب مضمون کے بس کی بات نہیں رہتی۔ یہی کچھ حال ہمارے اس زیر نظر تحریر کا ہے۔ اس میں بھی از اول تا آخر بہت سی ایسی الجھنیں ہیں کہ کسی بھی پڑھنے اور سمجھنے والے کے لیے پریشانی کا باعث ہے یہاں تک کہ یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ اس ذاتی مسلک اور نظریے کی اصل وحقیقی اساس وبنیاد کیا ہے۔ جس چیز کو مصنف اپنے نظریے کی دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں وہی سابقہ دلیل کے لیے الجھن بن جاتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کہ ۱۔ اوّلاً اس نظریے کو اس روایت مضطرب ومنقطع پر قائم کیا گیا جس کی کیفیت مشتت ہم نے ابھی پچھلی سطور میں بیان کر دی۔ ۲۔ پھر مکتوب کی سطر چہارم میں اپنی ذاتی کیفیت بیان فرما کر ذکر کی افضلیت کا پرچار کرتے ہیں۔ ۳۔ اور اپنی کیفیت کو بھی لفظ فتور سے موسوم کرتے ہیں حالانکہ فتور بری تبدیلی کو کہتے ہیں۔ (از لغات کشوری) جس سے ثابت ہوا کہ خود مصنف کے نزدیک بھی یہ تغیر حالت اچھی نہیں تھی۔ اور جو چیز اچھی نہ ہو اس سے کسی کی افضلیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے ۴۔ پھر اگلی عبارت اور اپنی ذاتی تغیری کیفیت سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ ترکِ درود شریف اور مشغولیت ذکر منتہی اور خود مرشدین کے لیے بھی ضروری ہے۔ ۵۔ لیکن مکتوب کے سطر ۲۵ سے ثابت کیا جا رہا ہے کہ یہ حکم منتہی حضرات کے لیے نہیں بلکہ یہ افضلیت درود شریف تو صرف ان مبتدی لوگوں کے لیے ہے جو ابھی راہ سلوک کے طالب علم شاگرد ہیں اور ان کو مرشدین سبق دیے ہیں وہ سب نوافل وسنن یہاں تک کہ درود شریف بھی چھوڑ کر صرف اسی ذکر کا ورد کریں جو ان کے ان کے مرشد نے بتایا ہو۔ اگر اس بات کو دیکھیں تو پھر ذکر کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ صرف استحباب ثابت ہوتا ہے۔ ۶۔ پھر پہلے لکھتے ہیں کہ ہر ذکر مطلقاً۔ افضل ہے درود شریف سے مگر آگے سطر ۳۲ پر لکھتے ہیں کہ یہ شان ہر ذکر کی نہیں بلکہ صرف مقبول ذکر کی یہ شان ہے کہ درود شریف سے افضل ہے اور اپنے اس ذاتی قول کو بچانے کے لیے اپنی سوچ وفکر سے ذکر کی تین قسمیں فرما رہے ہیں ۱۔ ذکر مقبول ۲۔ ذکر نامقبول ۳۔ وہ ذکر جو مرشد اور شیخ کامل بتائے۔ حالانکہ ذکر اللہ کی یہ تقسیم کہیں ثابت نہیں۔ نہ ہی درست ہے جیسا کہ اگلی سطور میں

واضح کیا جائے گا۔ ملاحظہ صاحب مضمون نے پہلے تو اپنے اس نظریئے پر مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ والی روایت کو بنیاد بنایا۔ جب اس میں الجھن پیدا ہوئی اور ترک درود پاک ثابت نہ ہوسکا تو پھر سطر ۱۳ میں مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً الخ والی روایت کو اپنے ذہنی نظریئے پر بنیاد بنالیا۔ حالانکہ اس فرمانِ مقدس کی نسبت خود صاحب فرمان صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنی درست نہیں۔ جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ ملاحظہ۔ پہلے فرمایا کہ صرف ترکِ درود شریف کیا جائے اور یہ کہ ذکر افضل ہے درود شریف سے لیکن آخری سطور میں یہ الجھن پیدا کی گئی کہ ذکر اللہ کرنے کے لیے تمام نفلی عبادات بھی چھوڑنے کا فرمان جاری کیا گیا۔ غرضکہ ایک بات بچانے کے لیے الجھن در الجھن پیدا ہوتی چلی گئی۔ مگر مسئلہ پھر بھی حل نہ ہوا۔ اور بدبخت منکروں نے ناجائز فائدہ حاصل کرلیا۔ اب ہم اس مکتوب گرامی کے دلائل کا جواب اور پیدا شدہ الجھنوں کا حل پیش کرتے ہیں۔ اس مکتوب گرامی میں تقریباً چار اساسی دلائل قائم کئے گئے ہیں جن کے سہارے پر یہ نظریہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی پہلی بنیاد ۔ وہی روایت جس کو ہم نے ابھی ابھی مضطرب اور ناقابلِ قبول ثابت کردیا ہے۔ اس روایت میں مسئلتی سے مراد صاحب مضمون نے درود پاک مراد لیتے ہوئے ہر مسلمان کو مشورہ دیا ہے کہ درود پاک پڑھنا چھوڑدیں اور ذکر اللہ کیا کریں۔ اس سے زیادہ فائدہ پہنچے گا پڑھنے والے کو بھی اور درود شریف والے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی حالانکہ روایت میں عَنْ مَسْئَلَتِیْ سے مراد بندے کی ذاتی ضروری حاجتوں کی دعائیں ہیں نہ کہ غیر کی حاجتیں۔ جب کہ مخلوق کے درود شریف کی حاجت تو خود نبی کریم آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں ہے۔ نیز منقولِ اصطلاحی میں دعا کا لفظ اپنی ذاتی حاجت کے لیے ہی مستعمل ہے اور شریعت کے احکام اصطلاحات پر ہی جاری ہوتے ہیں۔ تمام علماء معقول ومنقول اور فقہاء شریعت وفضلاء اصول کا اس ضابطہ کلیہ پر اتفاق ہے۔ اگر علماء کرام وفقہاء اسلام اور علم اصول کے اس ضابطہ کو نہ مانا جائے اور درود شریف کو بھی صرف لفظی معنی کے اعتبار سے عام دعاؤں میں شامل مان کر افضلیت کے انکار اور عوام کو ترکِ صلوٰۃ وسلام پر مجبور کیا جائے تو پھر قرآن مجید کی سینکڑوں آیت اور سورۂ فاتحہ کی افضلیت کا انکار بھی کرنا پڑے گا کیونکہ وہ بھی دعائیہ الفاظ ہیں۔ اسی طرح التحیات میں بیٹھ کر تشہد پڑھنا تمام کا تمام ہی دعا ہے اور عند الملاقات سلام وجوابِ سلام معناً سب ہی دعائیں مگر اصطلاح ورواج میں ان کو دعا نہیں کہا جاتا۔ اس لیے روایت کے مَنْ مَسْئَلَتِیْ میں یہ داخل نہیں ہوسکتے۔ صوفیاء کرام اور بزرگانِ عملیات فرماتے ہیں کہ دعا صرف وہ ہے کہ بندہ ان لفظوں کو سمجھ کر دعا کے طریقے پر اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ بے سمجھے یا بغیر طریقہ دعا کچھ پڑھنا دعا نہیں کہلاتا۔ مثلاً کوئی بندہ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً ۔ پڑھتا رہتا ہے۔ مگر اس کا مطلب معنی اس کو معلوم نہیں نہ وہ ہاتھ اٹھا کر یہ عرض کرتا ہے تو یہ کلمات اس کے لیے دعا نہیں بنیں گے۔ اسی طرح پڑھنے کو ورد و وظیفہ کہا جاتا ہے نہ کہ دعا اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کا ورد قبول فرما کر اس کو وہ کچھ دیدے جس کے لیے وہ یہ وظیفہ کررہا ہے۔ بلکہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بغیر دعائیہ الفاظ والی عبارت دعا بن جاتی ہے اور دعائیہ

الفاظ دیگر فوائد کے لیے وظیفہ بن جاتا ہے۔ بعض دعائیہ کلمات فقط عبادات ہیں ان کو بھی دعا نہیں کہا جاتا دعا صرف وہ کلام و کلمات ہیں جن کو بندہ سمجھ کر اور دعا کے طریقے پر مانگے اگرچہ وہ اپنی ہی کسی زبان میں ہو۔ ان تمام قواعد سے ثابت ہوا کہ درود شریف کو دعا نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے مَنْ شَغَلَہٗ سے درود پاک مراد لینا بہت ہی حیران کن بات ہے آج تک کسی بھی عالم نے یہ بات نہ کی نہ لکھی۔ شارحین فرماتے ہیں کہ درود شریف صرف عربی کے مخصوص الفاظ منقولہ کا نام ہے۔ جو احادیث و روایت سے صرف تین طریقے پر ثابت ہیں ۱۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ ۲۔ صَلَّی اللّٰہُ ۳۔ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (الخ) ان کے علاوہ ثابت نہیں اگرچہ درود شریف کی ترکیبیں مختلف الفاظ میں بدلتی رہیں۔ یہاں تک کہ اگر درود شریف کا ترجمہ کسی اپنی زبان میں کر دیا جائے تو وہ بھی درود شریف نہ کہلائے گا اور اس کا ورد کرنے والا بھی نہ وہ ثواب پائے گا جو عربی صلوٰۃ و سلام کا ہے نہ درود خواں کہلائے گا۔ جب علما فقہا نے اپنی اپنی کتب میں درود شریف کا تعارف کراتے ہوئے اتنی قیود قائم فرمائیں تو سب اقوالِ متقدمین و متاخرین سے منہ موڑ کر فقط اپنی ذہنی فکر سے مَنْ شَغَلَہٗ میں درود شریف کو شامل کرنا قطعاً درست نہیں ہو سکتا۔ ہمارے اس تمام وضاحتی بیان سے ثابت ہو گیا کہ مکتوب کے پیش کردہ نظریے پر اس روایت کو بنیاد بنانا تشریحی طور پر بھی بہت کمزور ہے۔ مکتوب مذکور کی بات ماننے سے درود شریف کے علاوہ بہت سی آیتِ قرآنیہ کی فضیلت کا انکار بھی لازم آتا ہے جو سراسر بے ادبی ہے **دوسری بنیادی دلیل۔**

مکتوب ۵ میں ایک روایت نقل فرمائی گئی چنانچہ مکتوب کے سطر ۱۳ میں منقول ہے کہ قَالَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ مَنْ سَنَّ سُنَّۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس روایت کے مکمل اور صحیح الفاظ اس طرح ہیں۔ عَنْ جَرِیْرٍ (الخ) فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ (الخ) رواہ مسلم

(از مشکوٰۃ شریف کتاب العلم فصل اول ص ۳۳) ترجمہ۔ پوری حدیث شریف کا۔ روایت ہے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انھوں نے فرمایا کہ قبیلہ بنی مضر کا ایک فاقہ زدہ وفد حاضر بارگاہ ہوا تو آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا دکھ ہوا آپ نے ان کی میزبانی اور امداد کے لیے مسجد ہی میں چندے کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے ایک انصاری صحابی اٹھے اور ایک بہت بڑا تھیلا ہاتھوں پر لاد کر لائے درہم و دینار کا۔ ان کی دیکھا دیکھی دیگر صحابہ کرام بھی حسب توفیق چندہ لائے یہاں تک کہ کپڑے اور سکے کے ڈھیر لگ گئے تب آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا کہ جس نے اسلام میں اچھا طریقہ اچھا کام ایجاد کیا۔ تو اس کو اپنے ذاتی عمل کا بھی ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے اس طرح کے عمل کا ثواب بھی پورا ملے گا جو اس کے اس اچھے طریقے پر عمل کرے گا (الخ) یہی حال بُرے کام کے موجد کا ہے۔ یہاں تمام علما و شارحین مَنْ سَنَّ کے کا ترجمہ و معانی ایجاد ہی کرتے ہیں۔ خود صاحب مکتوب بھی اس ترجمے سے متفق ہیں۔ مگر مَنْ سَنَّ میں خود آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل فرما رہے ہیں اور یہ ٹھیک نہیں۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی کسی چیز کے

موجد نہیں۔ بلکہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔ کی شان والے ہیں۔ بلکہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی کسی چیز کا۔ قانون عبادت ذکر اذکار وغیرہم کا موجد کہنا بے ادبی ہے۔ یہی بات عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ کہتے تھے کہ (معاذ اللہ) یہ نبی اسلام کو خود ایجاد کرتے ہیں۔ موجد وہ ہوتا ہے جو اِدھر اُدھر سے چند چیزیں جمع کرکے اپنی سوچ و فکر سے ایک شکل بنا دے مثلاً ۔ سائیکل کے موجد نے۔ لوہا۔ تار ربڑ چمڑہ ادھر ادھر سے جمع کیا اور اس کو سائیکل کی شکل بنا دیا۔ یہودیوں اور دیگر کفار کہتے پھرتے تھے کہ یہ نبی توریت و انجیل وغیرہ سے اچھی باتیں لیکر یا عجمی غلاموں سے سیکھ کر اس میں کچھ اپنی باتیں شامل کرکے کہتے ہیں کہ یہ اسلام ہیں۔ ان کے منہ توڑ جواب کیلئے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے نبی تو سب کچھ ہماری وحی سے ہی فرماتے ہیں اپنے پاس سے کچھ نہیں ایجاد فرماتے لہٰذا مَنْ سَنَّ میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز شامل نہیں مانا جاسکتا یہ تو شانِ اقدس میں کمی کرنے کے مرادف ہے۔ موجد تو اپنی فکری سوچ اور ایجادی تدبیر کو پورا کرنے میں اغیار کا محتاج ہے مگر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی مخلوق کے محتاج نہیں۔ اب مَنْ سَنَّ کا معنی یہ ہوا کہ جس نے قرآن و حدیث کے مأخذ سے کوئی اچھا کام مسلمانوں کے لیے ایجاد کیا۔ مثلاً فقہا نے فقہ محدثین نے تدوینِ حدیث و اسماء الرجال۔ علماء اصول نے اصولِ حدیث و فقہ۔ صوفیا اولیا نے طریقت و سلوک کے سلسلے یا مدرسین نے دینی نصاب و مدارس۔ اپنی اپنی سوچ و فکر سے ایجاد کئے تو تا قیامت جو مسلمان بھی ان موجدین متقدمین کی دیکھا دیکھی اسی طرح حدیث فقہ علم اصول کی کتابیں لکھے گا یا مدرسے قائم کرے گا تو ان سب عاملین کے ان اعمال کا ثواب ان موجدین کو بھی ملتا رہے گا۔ اس حدیث پاک کا تعلق ان ذکر اذکار وظائف اوراد سے قطعاً نہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم فرمائیں یا خود ورد فرمائے کیونکہ وہ سب وحیِ الٰہی سے تھے نہ کہ ذاتی ایجاد اور ذاتی طریقے و سوچ و فکر سے۔ اب اس مَنْ سَنَّ کی آڑ لیکر درود پاک سے لوگوں کو روکنا سراسر زیادتی اور مکتوب سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے **دلیل سوم** ۔ اپنے اس کمزور دانوکھے خصوصی نظریے کو بچانے کے لیے۔ ذکر اللہ کی تین قسمیں کرنی پڑیں۔ مگر یہ بھی درست نہیں تین وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ اس طرح کی تقسیم زمانۂ نبوی سے آج تک کسی بھی اہل علم نے نہیں کی نہ یہ تقسیم قرآن و حدیث فقہ اصولِ فقہ تصوّف وغیرہ سے ثابت نہ معلوم صاحبِ مکتوب کی اس تقسیم کا ماخذ کیا ہے! دوسری وجہ یہ کہ اسلام کے جتنے بھی ذکر اللہ ہیں وہ سب یا تو قرآن مجید سے ثابت و مذکور ہیں یا احادیثِ مطہرات سے۔ اب کون مسلمان قرآن مجید کے فرمودہ کسی ذکر اللہ کو غلط اور نامقبول ذکر کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح زبانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کردہ کسی بھی ذکر اللہ کو غلط اور نامقبول ذکر کہنے کی کون جرأت کرسکتا ہے۔ نامقبول ذکر تو غلط ہی ہوسکتا ہے اور غلط ذکر قرآن و حدیث میں مذکور نہیں ہوسکتا بلکہ کفار و مشرکین اور دیگر غیر مسلموں کے ذکر اللہ غلط اور نامقبول ہیں بلکہ ان کو ذکر اللہ کہنا ہی درست نہیں۔ جیسے بھگوان۔ ہوم شانتی۔ ہ پرمیشور یا ہو۔ مائی گاڈ۔ اور واہے گرو۔ وغیرہ۔ ان کو ذکر الٰہی کہنا غلط ہے اور یہی نامقبول ذکر ہیں ان ہی جیسی تمام چیزوں کے متعلق رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ۔ ترجمہ۔ جو بندہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی بھی طریقہ اختیار کرے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ ثابت ہوا کہ دین اسلام کی ہر بات اور ہر ذکر قبول ہے **تیسری وجہ**۔ صاحب مکتوب نے ذکر اللہ کی قسمیں تو تین کر دیں مگر نہ کسی کی مثال دی کہ وضاحت کی نہ نشاندہی کی نہ یہ بتایا کہ فلاں فلاں ذکر اللہ نامقبول ہے ان مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر یہ مکتوب خود اہل علم کے نزدیک نامقبول قرار پا جاتا ہے **چوتھی بنیادی دلیل** جب یہ تقسیم بھی ثابت نہ ہو سکی اور ذہنی نظریہ بچانے میں مزید الجھن ہوئی تو پہلی تمام باتوں سے ہٹ کر اور ترک درود کا عمومی حکم چھوڑ کر صرف مبتدی طالبان راہ سلوک تک ترکِ درود کا حکم و نظریہ مخصوص کر دیا چنانچہ مکتوب کی سطر ۲۴ میں لکھا ہے۔ لیکن ذکریکہ طالب از شیخ کامل مکمل اخذ نماید و بشرائط طریقہ بران مداومت کند از درود گفتن افضل است (الخ) ترجمہ یعنی وہ ذکر اور وظیفہ جو علم معرفت کا طالب اپنے پیر کامل سے سبق لے اور بتائے ہوئے طریقے پر روزانہ ورد کرے وہ ذکر اور وظیفہ بھی درود شریف سے افضل ہے۔ اس عبارت نے مزید کئی الجھنیں پیدا کر دیں پہلی یہ کہ اس نے دیگر تمام ذکر اللہ کا درجہ بھی کم کر دیا صرف وہی ذکر افضل قرار پایا جو مرشد کامل بتائے یہاں تک کہ تمام نفلی عبادتیں بھی اچھی اور افضل نہ رہیں جیسا کہ خود مصنف نے اسی مکتوب کی سطر ۲۷ میں اس طرح لکھا ہے کہ مبتدی را غیراز ذکر کردن تجویز نہ کردہ اند و در حق او اقتصار بر فرائض و سنن نمودہ اند و از امور نافلہ منع ساختہ اند۔ (الخ) ترجمہ۔ مشائخ طریقت اپنے ابتدائی شاگردوں کو اپنے بتائے ہوئے ذکر اللہ کے علاوہ کوئی بھی ذکر اللہ جائز نہیں سمجھتے اور ان کے حق میں فرض اور سنت پر اکتفا ہی کرتے ہیں اور تمام نفلی عبادتوں سے بھی منع کرتے ہیں۔ لیکن خود مصنف نے جس بے خوفی سے ذکر مرشد کو درود پاک سے افضل کہہ دیا اس طرح یہ کہنے کی زحمت گوارہ نہ کی کہ ذکر مرشد کو دیگر ذکر اللہ اور نفل عبادات سے اچھا یا افضل کہہ دیتے بار بار صرف درود شریف کو ہی غیر افضل کہا جا رہا ہے۔ آخر اس کی وجہ؟ دوسری الجھن یہ کہ یہ عبارت پہلی دونوں باتوں کی مخالفت کر رہی ہے اس سے مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ۔ والی عمومیت کی بھی نفی ہوتی ہے اور مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً سے ثابت ہونے والی عمومیت کی بھی کیونکہ ان دونوں روایتوں سے مصنف نے عام مسلمانوں کو درود شریف پڑھنے سے منع کیا ہے مگر اس تیسری بات نے ممانعت کو محدود کر کے صرف مرشد کے شاگردوں کو درود شریف سے منع کیا۔ اور اگر ان تینوں مختلف نظریوں کو ایک مکتوب سمجھا جائے جیسا کہ مصنف نے کیا ہے تب یہ تمام ہر قسم کے مسلمانوں کو درود شریف سے نرالے انداز سے روکا جا رہا ہے کسی کو مَنْ شَغَلَہٗ۔ سنا کر ڈرایا جا رہا ہے کسی کو مَنْ سَنَّ کی نوید سنا کر کسی کو مرشد کی سخت گیر پابندیاں بتا کر۔ اور نسبت ہو گئی حضرت مجدد کی طرف تاکہ آئندہ تمام مرشدین بھی اسی نظریے پر عمل کر کے خود اپنے شاگردوں کو درود شریف سے منع کرتے رہیں۔ ان تمام باتوں سے بجز اس کے اور کیا سمجھ آتا ہے کہ اس تمام مکتوب کا مقصد بلیغ ترکِ فضیلت درود پاک ہے جو انتہائی بری بات ہے۔ **تیسری الجھن**۔ یہ کہ اس عبارت نے ذکر کی تین قسموں میں سے مقبول ذکر کا درجہ بھی گھٹا دیا۔ اور سب سے اعلیٰ فضیلت اور درجہ مرشد کے

بتاتے ہوئے ذکر کو دیا گیا ہے۔ جیسا کہ مکتوب مذکور کی سطر ۲۵ میں ہے حالانکہ اس سے پہلے ذکرِ مقبول کو دیگر تمام اذکار اور درود شریف سے افضل کہا گیا ہے۔ اس سے اگلی سطور میں کچھ شانِ نبوت بیان کی گئی ہے مگر اس کا کوئی تعلق پچھلی عبارت سے نہیں ہے یہ ایک علیحدہ مضمون ہے جو بے سروپا اس میں شامل کیا گیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ کسی کو رُلا کر پھر اس کے آنسو پونچھے جائیں یا کسی کو غصّہ دلا کر پھر اس کے غصّے کے احساس سے اس کو تسلیاں دی جائیں۔ یہی اکثر گستاخ وہابیوں کا طریقہ کار ہے کہ تاجدارِ ختمِ نبوت زندہ باد کہنے کے دشمن اور تاراج تختِ ختمِ نبوت زندہ باد کا نعرہ لگا کر عوام اہلسنت کو خوش کرنے اور ان کے غصّے سے بچنے کی کوشش کی یہی روش یہاں اختیار کی گئی ہے۔ **بحث ہفتم۔**

ذکر اور صلوٰۃ وسلام کا فرق۔ خیال رہے کہ احادیثِ مبارکہ اور آیاتِ قرآنیہ سے ذکر اللہ کرنے کے نو طریقے ثابت ہیں ۱ حمد ۲ کلمہ ۳ تسبیح ۴ تہلیل ۵ تحمید ۶ تذکرۃ الاسماء ۷ تذکرۃ الصفات ۸ تذکرۃ النعم یعنی نعمتوں کا تذکرہ ۹ تلاوتِ قرآن مجید۔ ذکر اللہ کی یہ تمام قسمیں اور طریقے مقبولِ بارگاہ الٰہیہ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی نامقبول نہیں۔ اور بندۂ مومن کی زبانِ محبت سے یہ اذکار اللہ تعالٰی ربّ العزت کو اتنے پسند ہیں کہ اگر دل میں لذتِ شوق اور نیت میں صفائی ہو تو غلط الفاظ بھی پسند کرلیے جاتے ہیں۔ ایک بنی اسرائیلی مومن صحابی کا یا کریٔ پڑھنا اور حضرت بلال کا اسھد کہنا ہی پسند آگیا۔ بشرطیکہ ذاکر مخلص مومن ہو غیر مسلم ہندو سکھ عیسائی یہودی وغیرہ نہ ہو۔ اہل حرم ہو بقولِ اقبال دیار در حندوالا نہ ہو۔ ذکر اللہ اور صلوٰۃ وسلام کے بارے میں صوفیاء کرام کے دو قول ہیں کچھ بزرگ فرماتے ہیں کہ درود پاک بھی ذکر اللہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ تین ورد ذکرِ الٰہی ہیں۔ ۱ تلاوتِ قرآن مجید ۲ تسبیح و تہلیل ۳ درود شریف۔ ان کے دلائل حسبِ ذیل ہیں پہلی دلیل: ہر وہ کلام جس سے اللہ کی یاد آئے اور اللہ تعالٰی کا تذکرہ و نسبت ہو وہ ذکر اللہ ہے۔ تو چونکہ درود پاک میں اللّٰھم صلّ اور صلّی اللہ کہا جاتا ہے اس لیے یہ ذکر اللہ ہوا۔ دوسری دلیل۔ اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں بیشمار جگہ مختلف آیات میں ذکر اللہ کرنے کا حکم فرمایا لیکن ذکر اللہ کا طریقہ متعین نہیں فرمایا گیا ہاں البتہ دو جگہ تسبیح پڑھنے کا حکم ہوا ۱ سورۃ مریم کی آیت ۱۱ اور ۲ سورۃ احزاب کی آیت ۴۲ میں۔ اس حکم اور طرز بیانی سے ثابت ہوا کہ یہ تسبیح بھی ذکر الٰہی ہے اسی طرح سورۃ احزاب کی آیت ۵۶ میں بہت شاندار اہتمام سے درود پاک پڑھنے کا حکم فرمایا گیا۔ لہٰذا اس حکم سے بھی ثابت ہوا کہ درود شریف بھی ذکر اللہ ہے۔ تیسری دلیل جو فائدہ ترمذی شریف اور سنن دارمی کی بیان کردہ حدیث قدسی نے تلاوت قرآن مجید کرنے اور تلاوت میں مشغول رہنے کو بیان فرمایا وہی فائدہ صحیح بخاری ابواب سنن الصلوٰۃ اور ترمذی و مشکوٰۃ شریف باب صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصل ثانی۔ میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب کو درود شریف پڑھنے کا کچھ مختلف الفاظ میں بتایا۔ اور اہل ایمان کے نزدیک حدیثِ قدسی اور دیگر احادیث مطہرات ایک ہی شان کی ہیں نیز میں تو کہتا ہوں کہ مکتوب ہذا کی پیش کردہ حدیث قدسی کو بھی اگر فرضاً صحیح مان لیا جائے اور پھر اس حدیث قدسی اور ابی ابن کعب والی حدیث پاک کا موازنہ کیا جائے تب بھی ثابت ہوتا ہے کہ درود شریف بھی ذکر اللہ ہی ہے۔ کیونکہ ہر دو

(موداتِ میں تمام دعا ایک ہی بیان کیا گیا۔ مگر کچھ بزرگ فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ اور درود شریف دونوں علیحدہ علیحدہ ورد ہیں اسی طرح تلاوت بھی علیحدہ ورد ہے۔ مگر ہم کسی کو کسی سے افضل نہیں کہہ سکتے کیونکہ جس طرح شریعت میں حرام و حلال کرنا صرف رسول اللہ اور صرف اللہ تعالٰی کا قانون اور کام ہے اسی طرح کسی کو کسی سے افضل قرار دینا بھی اللہ رسول کا کام ہے کسی اُمتی کو جائز نہیں کہ بلا دلیل اور بغیر استنباط کسی کو کسی سے افضل کہتا پھرے۔ جیسا کہ کتب فقہا سے ثابت اس لیے مذکورہ مکتوب ۵۵ میں ذکر اللہ کو تقسیم کرنا اور پھر ایک ذکر کو درود شریف سے افضل کہنا شرعاً قطعاً درست نہیں۔ خیال رہے کہ افضیلت کی گیارہ قسمیں ہیں۔ جو تمام کی تمام قرآن و حدیث سے ثابت ہیں نمبر۱ فضیلتِ زمانی وقتی نمبر۲ فضیلتِ دائمی نمبر۳ فضیلتِ عارضی نمبر۴ فضیلتِ کلّیہ نمبر۵ فضیلتِ جزئیہ نمبر۶ فضیلتِ خصوصیہ نمبر۷ فضیلتِ عامہ نمبر۸ فضیلتِ مطلقہ نمبر۹ فضیلتِ مقیدہ نمبر۱۰ فضیلتِ تقابلی نمبر۱۱ فضیلتِ غیر تقابلی۔ اگرچہ ہر قسم کی فضیلت صرف اللہ رسول کی ہی طرف سے عطا ہوتی ہے مگر افضیلتِ تقابلی تو بالکل ہی کوئی شخص کسی کو کسی سے نہیں دے سکتا۔ اپنی مرضی سے تو ہم نے افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ بھی نہیں کہا اس کا ثبوت بھی حدیث پاک نے فرمایا تب ہم نے کہا پھر کسی دیگر ذکر کو ہم کس طرح درود پاک سے افضل کہہ سکتے ہیں ہم تو اپنی مرضی سے کسی انسان کو بھی کسی سے افضل نہیں کہہ سکتے۔ یہاں تک تو ذکر۔ تلاوت اور درود شریف کے فرق کا تذکرہ ہوا۔ اب ہم ثابت کرتے ہیں کہ درود شریف دعاء اصطلاحی نہیں ہے اسکو مسئلتی یا دعا کہنا قطعاً غلط ہے۔ پہلی دلیل یہ کہ شریعت کے تمام احکام منقولات اصطلاحیہ و شرعیہ پر جاری ہوتے ہیں۔ لغوی معنی پر احکام جاری نہیں ہوتے۔ فقہ اور اصولِ فقہ کے قاعدۂ کلیہ کے مطابق مسئلتی اور دعا میں بھی فرق ہے اور نسبت عام خاص من وجہ کی ہے کہ ہر دعا مسئلتی نہیں اور ہر مسئلتی دعا ہے۔ مسئلتی ذاتی حاجت کی طلب کو کہتے ہیں اور دعا ہر طلب کو کہتے ہیں۔ لغوی اعتبار سے درود شریف اگرچہ دعا ہے بلکہ فرض سنت واجب نفل نماز بھی لغت میں دعا ہی ہے۔ مگر اصطلاحِ شریعت میں نہ نماز کو دعا کہا جاتا ہے نہ درود شریف کو۔ یہاں تک کہ لفظ صلوٰۃ دونوں (درود و نماز) کے لیے مشترک ہے مگر ان میں بھی فرق ہے کہ صلوٰۃ بمعنی نماز عبادتِ خاص ہے اور صلوٰۃ بمعنی درود فقط ورد و وظیفہ اور ذکر اللہ ہے اتنے واضح فرقوں کے ہوتے ہوئے بھی مسئلتی سے درود شریف مراد لینا ایک اچھی نظریاتی دھینگا مشتی اور خلاق نحوی طلسم شناسی ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ مسئلتی یعنی سوالِ طلب اور دعا وہ ہے جو طلب اور مدّعا کے حصول کے لیے مانگی جاتی ہے پہلے حاصل نہیں ہوتی ورنہ تحصیلِ حاصل ہوگا جو قطعاً غلط ہے۔ لیکن درود شریف کسی کی دعا سے حاصل نہیں ہوا بلکہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۔ کی آیت پاک بتا رہی ہے کہ درود شریف ازل سے حاصل ہو رہا ہے اور اس میں کوئی درود شریف افضل و غیر افضل۔ اعلیٰ و ادنیٰ نہیں ہے اور مکتوب ۵۵ کا اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّآئِلِيْنَ کو ناجائز سہارا پکڑ کر درود شریف کی اس طرح خود ساختہ تقسیم کرنا بھی غلط ہے۔ دلیل سوم۔ دعا میں دعا کا طالب محتاج ہوتا ہے دعا مانگنے والے کا اور دعائیہ الفاظ کا اور محتاج دعا پر دعا مانگنے والے کا احسان ہوتا

ہے اگرچہ دعا مانگنے والا بیٹا ہو یا شاگرد یا مرید یا دوست سب کے کہنے سے مانگے یا بغیر کہے۔ مگر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کسی دعا کے محتاج نہیں نہ آپ کو کسی امتی کے درود وسلام یا دعا کی حاجت ہے اگر تمام لوگ دنیا بھر میں درود وسلام پڑھنا چھوڑ دیں تو نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نقصان نہیں اس لیے کہ ہمارا درود شریف اگرچہ دعائیہ الفاظ پر مشتمل ہے۔ مگر یہ دعا نہیں بلکہ ذکر اللہ اور ذکرِ رسول ہے۔ ہمارے درود شریف پڑھنے سے قطعاً کوئی رحمت وسلامتی نازل نہیں ہوتی نہ زیادتی کی ہوتی ہے۔ کیونکہ جتنی رحمت وسلامتی کی آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت وضرورت ہے وہ تو خود باری تعالیٰ جل مجدہ نازل فرماتا ہے ہمارے درودوں سے بھی کروڑہا سال پہلے سے جیسا کہ آیت ۵۶ سورۃ احزاب پارہ ۲۲ سے ثابت ہو رہا ہے۔ مکتوب ۶ کے گھریلو نظریے نے عجیب ہی تاثر پیدا کیا گویا نبی کو امتی کا حاجت مند احسان مند ثابت کرنے کی کوشش کی اور یہ ظاہر کیا کہ امتی کے درود سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فائدہ پہنچتا ہے اور رب کی رحمت بندے کے درود سے نازل ہوتی ہے حالانکہ یہ بات کسی آیت کسی روایت کسی درایت کسی قول سے ثابت نہیں کہ کسی بندے کے درود پڑھنے سے نبی پاک پر کوئی اعلیٰ یا ادنیٰ چھوٹی یا بڑی تھوڑی یا زیادہ رحمت یا سلامتی نازل ہوتی ہو۔ چوتھی دلیل۔ دعا طلب وسوال میں اور درود پاک میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ دعا اور طلب سے دعا کا اس کو فائدہ پہنچتا ہے جس کے لیے دعا مانگی جائے نہ کہ مانگنے والے کو مگر درود پاک سے فقط درود شریف پڑھنے والے امتی بندے کو ہی فائدہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ دیگر ذکر اللہ کرنے سے صرف ذاکر کو فائدہ ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی بہت سی احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے جو ہم نے اپنی کتاب **اربعین نعیمی تذکرہ صلوٰۃ کریمہ** یعنی چہل حدیث میں درج کر دی ہیں۔ چنانچہ ایک روایت پاک میں خود آقائے کل صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ایک سوال پر جواباً ارشاد فرمایا کہ ہم پر تمہارا درود پڑھنا تمہاری دعاؤں کا محافظ ہے۔ یعنی اے تا قیامت امت والو درود شریف پڑھنے کا فائدہ تم کو ہی پہنچتا رہے گا کہ تمہاری تمام دعائیں التجائیں طلب وسوال جو تم اپنے لیے رب تعالیٰ سے مانگو وہ سب بحفاظت بارگاہِ الٰہیہ تک پہنچ کر درود خوانی کی برکت وطفیل اور وسیلے سے مقبول ومنظور ہوتی رہیں گی۔ اور صرف دعائیں ہی نہیں بلکہ درود پاک تو وہ وسیلہ عظمیٰ ہے کہ دیگر تمام ذکر اللہ اور درود وظائف تسبیح وتہلیل بھی اسی درود خوانی کے ذریعے درست ہوتے ہیں یہی وجہ اور تجربہ ومشاہدہ ہے کہ ہر شیخ کامل اپنے مبتدی اور منتہی مرید شاگردوں کو معرفت کی منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے جو ذکر اذکار اور چلے مراقبے کے درس تعلیم فرماتا ہے وہ اول وآخر درود شریف پڑھنے کا حکم ضرور دیتا ہے گویا کہ ہر مرشد کامل تو درود پاک کے بغیر مرید کو آگے چلنے ہی نہیں دیتا مگر یہ کیسا مکتوب نمبر ۵ ہے کہ جس نے مسلمانوں کو درود شریف جیسے عظیم ذکر اللہ اور ذکرِ رسول سے روک دیا۔ اور طرح طرح کے فضول بہانے تراشے گئے۔

اعلیٰحضرت مجدد ملت مائۃ سابقہ نے کیا خوب فرمایا۔ کہ ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو نمکین حسن والا ہمارا نبی۔ درود پاک مومنوں کی جان تو وہ چراغ وسیلہ ہے جس سے تلاشِ منزل کے بعد بھی اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ ایک اور

حدیث پاک میں فاروق اعظم کا ارشاد ہے کہ بندے کی دعا اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک دعا مانگنے والا بندہ درود شریف نہ پڑھے۔ بہرحال درود پاک کو دعا اور سوال نہیں کہا جا سکتا بلکہ رب تعالیٰ نے اپنے بندوں سے درود شریف صرف اس لیے پڑھوایا تاکہ بندے ہر وقت اللہ رسول کو یاد کرتے رہیں اور یہ ثابت فرمایا گیا کہ درود شریف ذکر اللہ اور ذکر رسول ہے یہی وجہ ہے کہ متعدد احادیث سے یہ تو ثابت اور واضح ہے کہ جب بندہ درود خوانی کرتا ہے تو رب تعالیٰ اس بندے پر رحمت کرتا ہے مگر یہ کہیں نہیں لکھا کہ جب بندہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود یا رحمت بھیجتا ہے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی صرف یہی حدیث پاک ملتی ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کا درود شریف سنتے ہیں۔ یہ کہیں نہیں لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بندے کے درود پڑھنے کے بعد درود نازل ہوتا ہے یا نبی کریم کو بندے امتی کے درود سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے یا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امتی کے درود کے حاجت مند ہیں۔ نہ کہیں وہ بات ثابت جو اس مکتوب ۴۵ میں لکھی کہ اگر بندہ درود شریف پڑھے تو نبی کریم پر گھٹیا درود یعنی غیر افضل درود نازل ہوتا ہے اور اگر ذکر کرے تو بڑھیا درود (افضل) نازل ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اب تک کی تحریر میں ہم نے بادلائل ثابت کر دیا کہ مکتوبات مجدد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی جلد سوم کا مکتوب نمبر ۴۵ علمی اعتبار سے نہایت کمزور ہے ضابطہ نامناسب اور خود ساختہ ہے اور ایک بات بھی درست نہیں۔ اس لیے اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ مکتوب امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کا ہرگز نہیں ہے بلکہ کسی منکرین درود، گستاخ نبی نے نہایت عیاری مکاری سے مکتوبات میں شامل کر دیا۔ خدا تعالیٰ غارت کرے ان ملاوٹ کرنے والے بدبختوں خائنوں کو کہ نہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام توریت و زبور و انجیل سے ملے نہ احادیث سے نہ غنیۃ الطالبین سے اور نہ مکتوبات شریف سے خیال رہے کہ ہم نے اس مکتوب کو مندرجہ ذیل چھ دلائل سے مکمل رد کرتے ہوئے اس کو بناوٹی ثابت کر دیا ہے ۱ اس کی بنیادی روایت مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ غلط اور موضوع و مضطرب روایت ہے ۲ اس مکتوب کے تمام قیاسات نامناسب اور مع الفارق ہیں۔ ۳ اس مکتوب کی تقسیم ذکر اور تقسیم درود بھی خود ساختہ اور بے ثبوتی ہے ۴ درود پاک دعا اور مستقل نہیں ہے بلکہ عظیم ذکر اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور ذکر رسول ہے ۵ امتی کے درود پڑھنے سے نبی کریم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ صرف پڑھنے والے کو ہی درود شریف پڑھنے کا فائدہ ہوتا ہے۔ ۶ درود شریف تمام عبادتوں کی قبولیت کا وسیلہ ہے کوئی ذکر اللہ درود شریف کے بغیر بارگاہِ الٰہیہ میں پسند نہیں کیا جاتا خواہ ذاکر کیسا ہی ہو۔ مرید ہو یا مراد مبتدی ہو یا منتہی شاگرد ہو یا شیخ کامل بلکہ نماز بھی بغیر درود شریف قبول نہیں واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

آٹھویں بحث فضائل درود شریف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (رسالہ مبارکہ اَرْبَعِیْنِ نَعِیْمِیَّہ فِیْ تَذْکِرَۃِ صَلٰوۃِ کَرِیْمِیَّہ چہل حدیث) اللہ تبارک تعالیٰ کی جانب سے میری یہ کتنی بڑی خوش قسمتی اور سعادت ہے کہ باری عزاسمہ نے مجھ کو اس حدیث مبارکہ پر عمل کرنے کی توفیق

بخشش میں ہیں آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث کی اشاعت پر عظیم اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور پھر رحمت عالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال رحمت وشفقت سے تمام امت پر کرم عمیم فرماتے ہوئے ہر امتی کے لیے گروہ علماء وفضلاء میں شامل ہونے کی سعادت اتنی آسان فرمادی کہ آج مجھ جیسا معمولی پڑھا انسان بھی اور تاقیامت ہر ادنٰی واعلٰی امتی چشمۂ رحمت وعبادت سے فیض یاب ہوکر کل قیامت میں بڑے بڑے عظیم المرتبت علماء وفقہاء کے ساتھ وابستہ ہوجائے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے

عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا مِنْ اَمْرِ دِیْنِہَا بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْ زُمْرَۃِ الْفُقَہَاءِ وَالْعُلَمَاءِ ۔ (مسند حنبل)

ترجمہ۔ مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری امت پر نہایت حفاظت کے ساتھ چالیس حدیثیں مطہرات دینی معاملات والی پیش کرے اور شائع کرے گا اس کو اللہ تعالٰی قیامت کے دن علماء کرام وفقہاء عظام کے گروہ جلیلہ میں شامل فرماکر عزت بخشے گا۔ اس حدیث پاک کو مولیٰ علی کے علاوہ، ۲ عبداللہ ابن مسعود ۳ معاذ بن جبل ۴ ابوسعید خدری ۵ انس بن مالک ۶ ابوہریرہ ۷ عبداللہ ابن عباس ۸ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین نے بھی روایت فرمایا۔ اس لیے یہ حدیث پاک صحیح اور مشہور کے درجہ میں ہے۔ اسی حدیث مبارکہ کی بنا پر متقدمین اور متاخرین علماء امت نے باوجود بڑی بڑی دینی خدمات کرنے اور تمام عمر قرآن وحدیث کی تعلیم وتعلّم میں وقف رہنے کے پھر بھی اپنے اپنے دور میں اس پاک حدیث مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے اور اپنے دیگر دینی کارہاء نمایاں کو کچھ نہ سمجھتے ہوئے اپنے اپنے انتخاب کے مطابق۔ اربعین یعنی چہل حدیث مرتب فرمائی اس حدیث پاک پر عمل کرتے ہوئے دنیاء اسلام میں سب سے پہلے عبداللہ بن مبارک تابعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اربعین یعنی چہل حدیث مرتب فرمائی آپ کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی آج تک جتنی اربعین مشہور ہوئیں وہ تقریباً چوبیس ۲۴ عدد ہیں جن میں آخری چہل حدیث والد محترم حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے پردے کے بارے میں منتخب فرمائی۔ اور اب یہ پچیسویں ۲۵ اربعین شریف ترتیب دینے کی سعادت مجھ کو نصیب ہوئی دیگر تمام اربعین (چہل حدیثیں)، تو مختلف ضروری احادیث پر منتخب کی گئی ہیں مگر حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالٰی نے ایک ہی موضوع (پردے) پر چالیس احادیث جمع فرمائیں ان کی متابعت میں میں نے بھی ایک مضمون کا ہی انتخاب کیا بلکہ قدرتی واتفاقی ہی اس سابقہ نمونے کو مکمل کرتے ہوئے خود بخود یہ چہل حدیث مرتب ہوتی چلی گئی جس کی تالیف وتلاش اور یکجا کرنا میرے بڑے بیٹے محمد عبدالقادر طال اللہ تعالٰی عمرہٗ کی محنت وہمت کا ثمرہ ہے اپنی اس اربعین نعیمیہ کے لیے صرف ایک مضمون درود شریف کو منتخب کرنے کی دو ۲ وجہ ہیں ایک تو وہی قدرتی سعادت وتوفیق جو اوپر بیان ہوئی دوسری وجہ یہ کہ دین اسلام میں جس شان واہتمام سے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کا ذکر وحکم ہے ایسا کسی اور دوسری عبادت ریاضت ورد ووظیفے کو حاصل نہیں۔ یہاں تک کہ اس کا اجر وثواب بھی نرالا عظیم الشان ہے

جو آخرت کے علاوہ دنیوی زندگی میں بھی صلوٰۃ وسلام بکثرت پڑھنے والے کو کئی صورتوں میں عطا فرما دیا جاتا ہے نیز شریعت اسلامیہ کے اکثر مسائل تو شریعت کی ایک ایک نص اور دلیل سے ثابت ہوتے ہیں مگر درود وسلام کی یہ شان عظمت ہے کہ وہ اصولِ شریعت کی چاروں دلیلوں سے ثابت ہوتی ہے۔ یعنی درود پاک کا نزول۔ حکم۔ فضیلت۔ اور اجر وثواب علی الترتیب نمبر ۱ عبارۃ النص نمبر ۲ اشارۃ النص نمبر ۳ دلالۃ النص اور نمبر ۴ اقتضاء النص سے ثابت ہو رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید پارہ بائیس ۲۲ سورۃ احزاب نمبر ۳۳ آیت نمبر ۵۶۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ ترجمہ۔ بیشک رب تعالیٰ تمام رحمتیں اور برکتیں اپنے نبی پر ہی نازل فرماتا ہے اور اس کے تمام فرشتے ہر وقت درود خوانی کرتے ہیں۔ تو اے ایمان والو تم بھی اس محبوب نبی پر درود خوانی کیا کرو اور سلام بھی پڑھا کرو خوب خوب سلام پڑھنا۔ یہ آیت کریمہ ہر پہلو سے عظمتِ درود شریف ظاہر فرما رہی ہے۔ چنانچہ درود پاک کے تذکرے اور تمام انسانوں مسلمانوں کا صلوٰۃ وسلام اور ملائکہ کی درود خوانی کے ثبوت کے لیے اور باری تعالیٰ کے درود نازل فرمانے کی وضاحت کے لیے یہ آیت پاک عبارت النص ہے اور اس آیت مبارکہ کی دلالت النص سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نزولِ درود تو ازل سے ہو رہا ہے جب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا ہے اور درود خوانی اس وقت سے ہو رہی ہے جب سے ملائکہ پیدا ہوئے اور یہ کہ رب تعالیٰ کو اپنے محبوب پر تمام مخلوق کا درود وسلام پڑھنا بہت پسند ہے۔ اس آیت پاک کی اقتضاء النص سے ثابت ہو رہا ہے کہ درود پاک کے بغیر کوئی عبادت مقبولِ بارگاہ نہیں اشارۃ النص سے درود وسلام کا وجوب ثابت ہو رہا ہے اور یہ کہ سلام کے بغیر درود شریف پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اسی لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ درودِ ابراہیمی صرف نماز میں جائز ہے کیونکہ تشہد میں سلام آگیا اور پڑھلیا گیا۔ درود پاک ان ہی فضائل کی وجہ سے فقط یہی وہ ذکر اللہ ہے جس کے لیے اتنی کثیر احادیث وروایات و فرمودات منقول ہیں کہ اپنی کثرتِ تعدد کی بناء پر حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔

پہلی حدیث پاک۔ حدیث مبارکہ اول بخاری شریف جلد اول کتاب الاذان باب التشہد صفحہ ۱۱۵

عَنْ شَقِیْقِ ابْنِ سَلَمَۃَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ کُنَّا اِذَا صَلَّیْنَا خَلْفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلْنَا اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبْرَئِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَانٍ وَفُلَانٍ فَالْتَفَتَ اِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّلَامُ فَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلْیَقُلْ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ فَاِنَّکُمْ اِذَا قُلْتُمُوْھَا اَصَابَتْ کُلَّ عَبْدٍ لِلّٰہِ صَالِحٍ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

ترجمہ۔ شقیق ابن سلمہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ ہم نے جب ایک دفعہ نماز پڑھی تھی آقاء کائنات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تو ہم نے تشہد میں پڑھا۔ السلام علی جبرئیل ومیکائیل اور پڑھا السلام علی فلاں وفلاں یعنی سلام پڑھتے وقت جبرئیل اور میکائیل اور دیگر چند لوگوں کے نام لیے۔ بعد نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف توجہ فرمائی تو فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ سلام ہے لہٰذا جب بھی تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو چاہیے کہ اس طرح پڑھے۔ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ پس بیشک جب تم نے اس طرح پڑھا ہوگا تو تمہارا یہ سلام آسمان وزمین کے ہر اس بندے کو پہنچ جائے گا جو اللہ کے لیے نیکیاں کرتا ہوگا۔ یعنی علیحدہ علیحدہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔ اس سلام کے بعد تشہد میں یہ پڑھا کرو۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

مختصر تشریح۔ اس حدیث پاک سے چھ باتیں ثابت ہوئیں۔ ۱۔ یہ کہ آقا نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا علم رکھتے ہیں۔ دیکھو التحیات نماز میں اور خاص کر امام کے پیچھے بالکل آہستہ پڑھی جاتی ہے اور یہ نمازی حضرت عبداللہ نہ معلوم کونسی صف میں بیٹھے ہوں گے مگر نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی انتہائی مخفی آواز بھی سن لی اور کہیں دور بیٹھے ہوئے پڑھنے والے کو بھی پہچان لیا جیسا کہ فَلْتَفَتَ اور اِلَیْنَا سے ثابت ہو رہا ہے۔ دوم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر بھی ہیں اور ساری کائنات میں تا قیامت ہر جگہ متوجہ ہیں یہ بات سلام پڑھنے کے خطابی لفظوں سے ثابت ہوئی سوم یہ کہ یہ حاضر وناظر ماننے کا عقیدہ کسی غیر کا بنایا ہوا نہیں بلکہ خود اللہ رسول کا بنایا ہوا ہے چہارم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر سمجھ کر سلام پڑھنا واجب ہے پنجم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے انتہائی مخفی آواز والے سلام بھی خود سن لیتے ہیں ششم یہ کہ سلام بھی درود شریف کی شل ہے بلکہ اس کی جز ہے۔ **حدیث دوم مسلم شریف**

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيْمِيُّ قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنْ نُعَيْمِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُجْمِرِ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ الْاَنْصَارِيِّ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ هُوَ الَّذِيْ اُرِيَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ اَخْبَرَهٗ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِيْ مَجْلِسِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهٗ بَشِيْرُ بْنُ سَعْدٍ اَمَرَنَا اللّٰهُ اَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَمَنَّيْنَا اَنَّهٗ لَمْ نَسْئَلْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَالسَّلَامُ كَمَا عَلِمْتُمْ ترجمہ۔ یہ روایت سنائی عبداللہ بن زید انصاری نے یہ وہی عبداللہ ہیں جن کو جواب

میں اذان سنائی گئی تھی (شروع زمانے میں اور پھر پنج وقتہ نمازوں کے لیے اذان جاری فرمائی گئی تھی) وہ روایت کرتے ہیں ابو مسعود انصاری سے انہوں نے فرمایا کہ تشریف لائے ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم سعد بن عبادہ کی مجلس میں تھے تو بشیر بن سعد نے عرض کیا کہ حکم دیا ہے ہم کو اللہ تعالٰی نے یہ کہ ہم آپ پر درود پڑھا کریں اے اللہ کے رسول مکرم تو ہم آپ پر کس طرح درود شریف پڑھا کریں راوی نے کہا کہ یہ سن کر آقاء کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے یہاں تک کہ ہم افسوس کرنے لگے کہ کاش ہم یہ سوال نہ کرتے۔ پھر (کچھ دیر بعد) فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس طرح کہا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ فِی الْعٰلَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اور سلام اسی طرح پڑھا کرو جس طرح (اللہ تعالٰی کی طرف سے) تم سکھائے گئے ہو۔

تشریح مختصر۔ خیال رہے کہ عربی زبان میں تشبیہ آٹھ قسم کی ہے ۱) تشبیہ رتبی یعنی ہم مرتبہ ہونا ۲) تشبیہ نوعی ایک قسم کا ہونا ۳) تشبیہ جنسی اصلاً نسلاً ایک جیسا ہونا ۴) تشبیہ وصفی عادات وصفات میں ایک جیسا ہونا ۵) تشبیہ عینی شخصیت میں ہم شکل ہونا ۶) تشبیہ کلی یعنی کل پورا ایک جیسا ہونا ۷) تشبیہ جزئی یعنی بعض چیزوں یا صرف ایک چیز میں مشابہت ہونا ۸) تشبیہ فعلی یعنی فاعل کا کسی کام کو بار بار کرنا اگرچہ طریقہ مختلف ہو۔ یہاں درود ابراہیمی میں صلوٰۃ کی تشبیہ صرف فعلی ہے نہ کہ رتبی وغیرہ۔ اس لیے کہ یہاں حرف تشبیہ کَمَا ہے۔ اور کَمَا اکثر جگہ تشبیہ فعلی کے لیے آتا ہے۔ اس کو صرف سمجھنے کے لیے یوں سمجھو کہ ایک ادنیٰ شخص کسی اعلیٰ با اختیار افسر سے عرض کرے کہ سرکار آپ نے ہر ایک کے کام کئے ہیں اسی طرح میرا بھی یہ کام کر دیجئے اگرچہ یہ کام ان کاموں سے بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ یا اس طرح کہے کہ آپ نے فلاں کا وہ کام کیا تھا تو اسی طرح میرا یہ کام بھی کر دیجیے۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ اگرچہ باری تعالٰی تمام انبیاء علیہم السلام پر مختلف درجوں کے درود شریف نازل فرماتا ہے مگر یہاں صرف حضرت ابراہیم کا ذکر دو وجہ سے ہوا۔ ایک یہ کہ تاکہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے آباؤ واجداد حضرت ابراہیم واولادہٗ پر احسان ہوجائے کہ تا قیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہی آپ کی امتِ مغفورہ کی نمازوں اور تذکروں میں حضرت ابراہیم کا نام مبارک زندہ و تابندہ رہے دوم یہ کہ جس طرح بادشاہ کے قریب وزیر اعظم ہی ہوتا ہے اسی طرح حبیب کے قریب خلیل ہی ہوسکتا ہے اور حبیب اللہ کے بعد خلیل اللہ کا ہی درجہ ہے۔ نیز اس حدیث شریف سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سلام پڑھنا رب تعالٰی نے سکھایا اور وہ حاضر وناظر کے خطابی صیغے سے ہوتا ہے۔ اب بھی جو نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر نہ مانے وہ مردودِ ازلی ہے۔

تیسری حدیث شریف۔ مسلم شریف جلد اوّل

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ ابْنُ اِبْرَاھِیْمَ وَاللَّفْظُ لَہٗ قَالَ اَخْبَرَنَا رَوْحٌ عَنْ مَالِکِ ابْنِ اَنَسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَیْمٍ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیُّ اَنَّھُمْ قَالُوْا

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

ترجمہ ۔ روایت ہے ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیشک ایک دفعہ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم آپ پر درود شریف کس طرح سے پڑھا کریں تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ مقدس فرمایا کہ اس طرح سے کہا کرو کہ اے اللہ درود نازل فرما بارہ محمد رسول اللہ پر اور ان کی ازواج و ذریات پر جیسے کہ درود نازل فرمایا تھا تو نے ابراہیم خلیل اللہ پر اور ان کی آل پر بیشک تو حمید بھی ہے مجید بھی اے اللہ برکت بھیج بارہ محمد رسول اللہ پر اور ان کی ازواج و ذرایت پر جیسے کہ برکتیں نازل فرمائی تھیں تو نے ابراہیم خلیل اللہ اور ابراہیم خلیل کی آل پر بیشک تو حمید بھی ہے اور مجید بھی مختصر شرح ثابت ہوا کہ ازواج آل میں شامل نہیں ہے ہاں البتہ اہل بیت میں ازواج داخل ہیں بلکہ اصل اہل بیت بیوی ہی ہوتی ہے نیز ثابت ہوا کہ بالتبع غیر نبی پر درود و سلام پڑھنا جائز ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل کرکے لیکن علیحدہ کسی بھی انسان کو علیہ السلام یا علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنا جائز نہیں ہے تیسری بات یہ واضح ہوئی کہ صحابہ کرام عام عرض و معروض کرتے وقت ہر جملے میں درود شریف نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ بطریقہ خطاب عرض گزار کر یارسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر آگے بات یا سوال عرض کر دیا کرتے تھے۔ یہ جو احادیث میں ہر موقعہ پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوتا ہے یہ محدثین کی درود خوانی ہے نہ کہ صحابہ کی ورنہ یارسول اللہ کہنے کے بعد صلی اللہ علیک وسلم ہونا چاہئے تھا۔ چوتھی حدیث مبارکہ۔ مسلم شریف جلد اوّل ص۱۷۵ حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ اَیُّوْبَ وَقُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا اِسْمٰعِیْلُ وَھُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک آقاءِ دوجہان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی امتی نے مجھ پر ایک دفعہ درود پاک پڑھا تو رب تعالٰی نے اس بندے پر دس دفعہ اپنا درود (اپنا کرم و رحم) نازل فرمایا۔ مختصر تشریح ۔ اس حدیث پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ یہ قانون تا قیامت ہے کہ جب بھی کسی امتی نے جذبۂ عشق و محبت سے اپنے آقا و مولیٰ پر باادب و احترام خشوع و خضوع سے ہمہ تن ہو کر درود پاک پڑھا تو رب تعالٰی نے اس پر اپنے کرم دس دفعہ نازل کیے۔ دوم یہ کہ یہاں صلی اللہ علیہ عشرًا فرمایا۔ یعنی اس پڑھنے والے امتی کو ہی اس درود خوانی کا فائدہ ہوا۔ کسی حدیث میں صلی اللہ علیّ نہیں یعنی بندے کے درود پڑھنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں اترتا۔ سوم یہ کہ جس طرح یہاں مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ اور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

اور آیت میں یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ایک ہی لفظ صلوٰۃ مستعمل مگر نوعیت صلوٰۃ ہزاروں درجہ مختلف ہے ظاہر بات ہے کہ جس شان کی صلوٰۃ رب نے اپنے محبوب پر نازل فرمار ہا ہے اس شان کی صلوٰۃ کسی امتی پر ہرگز نہیں ہو سکتی تو ایسے سمجھو کہ اس شان کی صلوٰۃ ابراہیم علیہ السلام پر بھی نہیں ہوتی۔ اور لفظ کَمَا کی تشبیہ سے غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ لفظ کَمَا مُشَابِهَتِ نوعی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ صرف مشابہت فعل کے لیے ہوتا ہے۔

پانچویں حدیث مبارکہ۔ ابو داؤد شریف جلد اوّل باب الصَّلٰوۃ عَلَی النّبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۴۱۔ عَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَمْرٍ بِهٰذَا الْخَبَرِ۔ قَالَ۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ قُوْلُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَ سَلِّمْ۔ ترجمہ۔ عقبہ ابن عمرو نے اس خبر کو روایت فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ مقدس فرمایا۔ اے لوگو جب کبھی تم درود شریف پڑھنے لگو تو کہا کرو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ سَلِّمْ۔ مختصر تشریح خیال رہے کہ جب لفظ اُمّی نبی کریم رؤف صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال فرمایا جائے تو وہاں ان پڑھ مراد لینا گناہ و گستاخی ہے کیونکہ امی کا ترجمہ اصلیت والا۔ جڑ والا۔ لفظ اُم کا ترجمہ۔ اصل اور جڑ۔ والدہ کو اُم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ماں اصل ہوتی ہے بچہ کی اور ہر اولاد باپ کی طرف سے نسل اور ماں کی طرف سے اصل ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امی یعنی اصل اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ کی تمام شانیں علم قدرا ختیار وغیرہ ازل سے ہی بلاواسطہ رب تعالی کی عطا سے ہے ولادت کے وقت ہی آپ تمام جہانوں کے علوم سے باخبر تھے اور اصل کی کسی چیز کو فنا نہیں۔ باری تعالیٰ کے مدد سے دنیا میں نہیں ہیں لامکان میں ہیں۔ بخلاف دیگر انسانوں کے کہ ان کو اُمّی ان پڑھ بے علم کے معنی میں کہا جاتا ہے کیونکہ ہم سب ماں کے پیٹ سے بے علم پیدا ہوتے ہیں ہم کو رب تعالیٰ نے نہیں پڑھایا سکھایا ہم نے جو کچھ جانا اور سیکھا دنیا میں آکر سیکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اصلیہ ہے جس کو کبھی فنا نہیں ہمارے علم نقلیہ ہیں جو استاد سے منتقل و نقل مکانی کر کے ہم کو پہنچا اس لیے ہمارے علوم کو فنا ہے۔ یہ فرق ہے ہمارے اُمّی ہونے اور نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے میں ہمارا اُمّی ہونا ہماری کمزوری و نقص ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا آپ کی نعت اور شان ہے قرآن مجید کی صرف دو آیتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی فرمایا گیا ہے سورۃ اعراف کی آیت ۱۵۷ ۱۵۸ اور آیت ۱۵۸۔

چھٹی حدیث مبارکہ۔ ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۴۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَلِیِّ الْهَاشِمِیُّ عَنِ الْمُجْمِرِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّکْتَالَ بِالْمِکْیَالِ الْاَوْفٰی فَلْیُصَلِّ عَلَیْنَا وَاَهْلَ الْبَیْتِ فَلْیَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِهٖ وَاُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ ذُرِّیَّتِهٖ وَ اَهْلِ بَیْتِهٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ ترجمہ۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ یہ روایت بیان کرتے ہیں۔

نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ کل قیامت میں اعمال کے نیک اعمال کو زیادہ بھاری وزن میں تولا جائے تو اس کو چاہیے کہ کثرت سے درود شریف پڑھے ہم پر اور اہل بیت پر۔ اور چاہیے کہ اس طرح درود شریف پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

مختصر شرح۔ ان احادیث میں درود پاک کے الفاظ کا مختلف طریقوں سے بیان ہونا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ درود پاک کے لفظوں میں ہر مسلمان کو تبدیلی جائز ہے یہی وجہ ہے آج تک مسلمانوں میں لاکھوں قسم کے درود شریف رائج ہیں۔ مثلاً درود خضری درود غوثیہ۔ درود تاج۔ لکھی۔ دلائل الخیرات۔ قصیدہ بردہ کے درود پاک وغیرہ لہٰذا دیوبندیوں اور وہابیوں کا یہ کہنا کہ فلاں درود شریف غلط ہے فلاں بدعت ہے وغیرہ وغیرہ سب بیہودہ باتیں ہیں۔ اسی عام شرعی اجازت کی بناء پر محدثین کرام ہر جگہ نبی پاک کے نام مبارک کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں۔ اس کو وہابی بھی درست سمجھتے ہیں۔ حالانکہ صراحتاً ان لفظوں کا درود پاک احادیث سے ثابت نہیں۔ اسی لیے اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ ۔ کہنا بھی بالکل جائز ہے اور اس کو کثیری درود شریف کہہ کر مذاق یا گستاخی کرنا بیہودگی و خباثت ہے۔ نیز یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اُمت کے نیک اعمال کا محافظ اور عزت و رتبہ بڑھانے والا درود شریف ہی ہے۔ اور یہ کہ اُمت کو ہی درود خوانی کا فائدہ ہے۔ **ساتویں حدیث مبارکہ**۔

ابن ماجہ شریف۔ کتاب الطہارت باب ۴۱ صفحہ ۲۹۲۔ عَنْ عَبْدِ الْمُھَیْمِنِ ابْنِ سَھْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیِّ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّا وُضُوْءَ لَہٗ وَلَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّا یَذْکُرُ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَلَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّا یُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ وَلَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّا یُحِبُّ الْاَنْصَارَ ۔ **ترجمہ**۔ عبد المہیمن اپنے والد عباس سے اور وہ سہل بن سعد ساعدی سے روایت کرتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں ہوتی جس کا وضو نہیں ہوتا اور جو وضو میں بسم اللہ شریف نہ پڑھے اس کا وضو پسندیدہ نہیں ہوتا یعنی مکروہ تنزیہی ہو جاتا ہے اور اس شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف (تشہد میں) نہ پڑھے اور اس کی نماز کا فائدہ نہیں ہے جو انصار صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے محبت نہ کرے۔ **مختصر تشریح**۔ اس حدیث پاک میں چار دفعہ حرف لا نفی جنس استعمال فرمایا گیا مگر چاروں کی نوعیت نفی مختلف ہے پہلے سے نفی مطلق ہے یعنی نماز ادا ہی نہ ہوگی باطل ہو گی دوسرے میں نفی استحباب ہے کیونکہ وضو سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا سنت ہے یعنی وہ وضو پسندیدہ اور نور والا نہیں ہے اگرچہ وضو صحیح ہو گا۔ اور اس وضو سے نماز جائز ہو گی تیسرے لا سے نفی قبولیت ہے۔ اور چوتھے لا سے نفی فائدہ ہے یعنی ایسے شخص کی نماز کا ثواب نہیں ہے اگرچہ ادا فرض ہو جائے گا۔

آٹھویں حدیث مبارکہ۔! **ابن ماجہ شریف کتاب الاقامہ باب ۲۵ ص ۲۹۲**

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا السَّلَامُ عَلَیْکَ قَدْ عَرَفْنَاہُ فَکَیْفَ الصَّلٰوۃُ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ۔

ترجمہ۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے فرمایا کہ ہم صحابہ نے ایک دفعہ عرض کیا یارسول اللہ ہم نے آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ تو پہچان لیا۔ آپ پر درود شریف کس طرح ہونا چاہئے۔ فرمایا آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ۔ **مختصر شرح**۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا یَا نَبِیَّ اُمّی کہنا۔ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے اسی طرح عبد کہنا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ درود ابراہیمی صرف مشہور اور رائج لفظوں سے ہی نہیں ہے بلکہ مختلف طریقوں سے بھی نماز میں پڑھنا جائز ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ سلام پڑھنا صرف حاضر وناظر کے خطابی لفظوں سے جائز ہے اور یہ سلام صحابہ کرام کو رب تعالیٰ نے تعلیم فرمایا جس کو واجب قرار دیا گیا۔ **نویں حدیث مبارکہ**۔

ابن ماجہ شریف باب ۱۴ ص ۲۹۳

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ فَاَحْسِنُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیْہِ فَاِنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّ ذٰلِکَ یُعْرَضُ قَالَ فَقَالُوْا لَہٗ فَعَلِّمْنَا۔ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتَکَ وَرَحْمَتَکَ وَبَرَکَاتَکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَّغْبِطُہٗ بِہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ جب تم آقاء کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھو تو ان پر بہت ہی اچھا درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تم نہیں سمجھو گے کہ شاید تمہارا درود شریف بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کردیا جائے راوی نے فرمایا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کو ایسا طریقہ سکھا دیجئے آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہا کرو۔ اے اللہ ڈالدے اپنی صلوٰۃ اور اپنی رحمت اور اپنی برکتوں کو مرسلین کے سردار متقیوں کے امام خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ پر جو ہر خیر

کے پیشوا ہیں اور ہر خیر کے ناظم اعلیٰ ہیں اور تمام رحمت کے رسول ہیں۔ اے ہمارے کریم رب تعالیٰ ان کو (قیامت میں) اس مقام محمود پر مبعوث فرما کہ ناز کریں (اپنے اس نبی پر) پہلے والے انبیاء بھی اور آخری انبیاء۔ اے اللہ درود نازل فرما نبی کریم پر اور ان کی تمام آل پر جیسے کہ درود نازل فرماتا رہا تو حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کی آل پر بیشک تو ہی حمید اور مجید ہے اے ہمارے مولیٰ تعالیٰ برکتیں نازل فرما نبی کریم پر اور ان کی آل پر جیسے کہ تو برکتیں دیتا رہا تھا۔ حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر بیشک تو ہی حمید اور مجید ہے۔ **مختصر شرح**۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہو رہا ہے کہ اعمال کتنے ہی اچھے اور خوبصورت کیوں نہ ہوں جب تک ادب احترام اور خشوع خضوع خوف الٰہی عشق مصطفائی نہ ہو اس وقت تک کوئی پسندیدہ بارگاہ نہیں ہوتا۔ یہاں اَحۡسِنُوۡا الصَّلٰوۃَ کا معنیٰ ہے کہ اپنا درود شریف اچھے اور باادب احترام کے الفاظ سے ادا کرو نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ درود شریف کے الفاظ ہر شخص اپنے طریقے سے بنا سکتا ہے کچھ معیّن لفظوں کی پابندی ضروری نہیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب (رسالہ اربعین نعیمہ) کے آخر میں مشہور بزرگان دین کے اپنے اپنے الفاظ سے بنائے ہوئے درود پاک درج کریں گے تاکہ یہ فتاویٰ سوم متبرک اور مقبول ہو جائے۔

دسویں حدیث مبارکہ ابن ماجہ شریف ص ۲۹۳۔

عَنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ بۡنِ عَامِرِ بۡنِ رَبِیۡعَۃَ عَنۡ اَبِیۡہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ مَا مِنۡ مُسۡلِمٍ یُصَلِّیۡ عَلَیَّ اِلَّا صَلَّتۡ عَلَیۡہِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ مَا صَلّٰی عَلَیَّ۔ فَلۡیُقِلَّ الۡعَبۡدُ مِنۡ ذٰلِکَ اَوۡ لِیُکۡثِرۡ۔

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت ہے۔ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ اس حدیث پاک کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ فرمایا کہ کوئی بھی ایسا مسلمان نہیں جو مجھ پر درود شریف پڑھے فوراً اس کے بدلے میں ملائکہ اس مسلمان پر اپنا درود پڑھتے ہیں۔ یعنی اس کو محبت اور پیار بھری بخشش و رحمت کی دعائیں دیتے ہیں۔ جتنا بھی اس امتی نے درود شریف پڑھا ہو خواہ بندہ کم کرے پڑھنے کو یا زیادہ کرے **مختصر تشریح**۔ اس لیے کہ فرشتوں کو پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ بندہ عاشق مصطفیٰ اور محبوب دربار ہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا باادب غلام ہے۔

گیارھویں حدیث مبارکہ۔ ابن ماجہ شریف۔ ص ۲۹۳۔ جلد اوّل

عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ قَالَ۔ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ مَنۡ نَسِیَ الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ خَطِئَ طَرِیۡقَ الۡجَنَّۃِ۔

ترجمہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ارشاد مقدس فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مجھ پر درود شریف پڑھنا بھولتا رہے وہ جنت کے راستے میں بہت ٹھوکریں اور دشواریاں اٹھائے گا۔ **مختصر تشریح**۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ درود شریف کو چھوڑ کر کسی اور ذکر یا وظیفے وغیرہ میں مشغول ہو جانا جیسا کہ مکتوبات سوم کے مکتوب ۱۱ میں کہا گیا ہے بہت ہی بڑا گناہ اور نقصان دہ ہے جنت سے محرومی کا باعث ہے یہی وجہ ہے کہ درود شریف چھوڑنے والے کو بخیل، بے وفا،

بد تہذیب کہا گیا ہے اور حضرت جبرئیل نے جمعہ کے دن مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر عین بوقتِ قبولیت درود شریف چھوٹنے والے کو ہلاکت کی بددعا فرمائی۔ یہ وعیدیں کسی بھی ذکر اللہ کے ترک پر نہیں وارد ہوئیں۔ دوم یہ کہ درود شریف پڑھنے کا فائدہ صرف پڑھنے والوں کو ہی ہے۔ **بارھویں حدیث مبارکہ** سنن نسائی جلد اوّل کتاب الجمعہ باب یوم الجمعہ

ص ۲۰۳ ۔ عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ ۔ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَفِیْہِ قُبِضَ وَفِیْہِ النَّفْخَۃُ وَفِیْہِ الصَّعْقَۃُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ کَیْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَیْکَ وَقَدْ اَرِمْتَ اَیْ یَقُوْلُوْنَ قَدْ بَلِیْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ **ترجمہ** ۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے کیونکہ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں وفات دیئے گئے اور اسی دن میں قیامت کا صور پھونکنا ہے اور اسی دن میں قیامت کی بیہوشی کا ابتداء ہے لہٰذا (اس دن میں) مجھ پر درود شریف کثرت سے پڑھا کرو کیونکہ تم سب کا درود شریف میرے پاس حاضر کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے (اپنی نادانی اور ناواقفی کی بناء) عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا درود آپ کے سامنے کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ تو قبر میں مٹی بن جائیں گے یعنی وہ لوگ کنایہ چاہتے تھے کہ آپ تو قبر میں ہی بتلا کر دیئے جائیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان نادانوں کو سمجھاتے ہوئے) فرمایا۔ بیشک اللہ عزّوجلّ نے زمین کو سختی سے منع کر دیا ہے اس سے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے یعنی مٹی بنائے۔ **مختصر تشریح** ۔ اس حدیث پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تمام دنوں وقتوں مہینوں سالوں کی فضیلت اور شان ان کی اپنی ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی محبوب بندوں کی نسبت سے ہے یا اہم واقعات سے ہے جمعہ کی فضیلت کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور وفات سے ثابت فرمایا گیا۔ پس اب اندازہ لگا لیا جائے یوم دوشنبہ یعنی پیر کے دن اور عید میلاد النبی جو سردار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یوم ولادت ہے اس کی کیا شان و فضیلت ہوگی **دوم** یہ کہ قیامت کی ہولناکیوں اور بیہوشیوں سے بچنے کے لیے درود پاک کی کثرت اکسیر اعظم ہے۔ **سوم** ۔ یہ کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے مزارات میں بحیات ابدیہ صحیح سلامت باحفاظتِ الٰہیہ موجود ہیں اور امت کے کلام اور قلبی حالات سے باخبر ہیں خیال رہے کہ اس روایت میں لفظ علیہ السلام اور علیہم السلام یہ راوی یا محدّث کا قول ہے ذکر نبی علیہ السلام کا۔ **تیرھویں حدیث مبارکہ** ۔ نسائی شریف کتاب السہو باب ما جاء کیف الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ **ص ۱۹۰** عَنْ مُوْسٰی ابْنِ طَلْحَۃَ قَالَ سَاَلْتُ زَیْدَ ابْنَ خَارِجَۃَ قَالَ اَنَا سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلَیَّ وَاجْتَہِدُوْا فِی الدُّعَاءِ ۔ وَقُوْلُوْا اَللّٰہُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ۔ **ترجمہ**

حضرت موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت زید بن خارجہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال عرض کیا کہ ہم آپ پر درود شریف کس طرح پڑھا کریں۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے مجھ پر درود پڑھا کرو۔ اور پھر اپنی اپنی دعاؤں میں خوب گڑگڑایا کرو اور درود پاک میں اس طرح پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ **مختصر تشریح** ۔ اس حدیث پاک میں تین چیزیں بیان فرمائی گئیں ۱۔ دعا مانگنے اور اس کی قبولیت کا طریقہ۔ یہ کہ ہر دعا سے پہلے بندہ درود شریف ضرور پڑھے ۲۔ دعا میں خشوع خضوع حضور قلبی اور آہ و زاری فریاد ہونا چاہیے ۳۔ نماز کے علاوہ بھی درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیے۔ اور اس کا طریقہ بیان فرمایا گیا۔ نیز ثابت ہوا کہ درود ابراہیمی کے علاوہ بھی مختلف الفاظ میں درود پاک پڑھا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ سوال میں صرف صلوٰۃ کا ذکر ہے سلام کے متعلق سوال نہیں اس لیے جواب میں سلام کا تذکرہ نہیں ہوا ورنہ سلام پڑھنا بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح صلوٰۃ یہ بھی اشارہ ملا کہ درود شریف علیحدہ پڑھنا اور سلام علیحدہ پڑھنا کچھ وقفے سے جائز ہے یہ بھی ثابت ہوا کہ درود شریف دعا نہیں ہے **چودھویں حدیث پاک** ۔ **ترمذی شریف کتاب الوتر۔ باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۱۰** عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً ۔

ترجمہ۔ حضرت فقیہ اعظم عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کل قیامت میں میرے قریب سب سے زیادہ وہ امتی ہوگا جو مجھ پر بہت درود شریف پڑھتا رہتا ہے **مختصر تشریح** اس حدیث مبارکہ سے تین چیزیں ثابت ہوئیں اوّلاً یہ کہ لفظ اولیٰ کا عربی لغت میں ایک ترجمہ ہے قریب تر ہونا۔ اور یہاں صرف اسی معنی میں ہو سکتا ہے کیونکہ بی میں ب جارہ بمعنی نزد ہے اگر یہاں اولیٰ بمعنی بہتر کیا جائے تو گستاخی ہوگی۔ لہٰذا جن بزرگوں نے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ والی آیت پاک میں اولیٰ کا ترجمہ اَقْرَبُ کیا ہے اور مِنْ اَنْفُسِھِمْ سے حاضر و ناظر کا مسئلہ ثابت کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اس کا منکر جاہل ہے دوم یہ کہ درود پاک پڑھنے سے پڑھنے والے کو جتنا فائدہ پہنچتا ہے اتنا کسی شی کسی عبادت اور ورد وظیفے سے حاصل نہیں ہو سکتا سوم یہ کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہم امتیوں پر اتنے شفیق و رحمت ہیں کہ ہم پر اپنے قرب کی راہیں انتہائی آسان فرما دیں کہ ہم صرف چند نفلی درود پاک پڑھ کر وہ مقام حاصل کر سکتے ہیں جو پچھلی امتیں ہزار ہا باشقت عبادات کر کے بھی حاصل نہ کر سکتی تھیں۔ **پندرھویں حدیث مبارکہ** ۔ **ترمذی شریف جلد اول ص ۱۱۰** ۔ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی۔ (الخ) وَرُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔ وَکُتِبَ لَہٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ۔

ترجمہ۔ ابو عیسیٰ راوی نے فرمایا کہ اور یہ حدیث پاک بھی آقاء دوجہاں کی نسبت سے روایت کی گئی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس امتی نے مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھا تو رب تعالیٰ نے اس پر دس دفعہ فضل و کرم

فرما اور دس برائیاں نیکیاں د یا عمل، اس کو عطا فرمائیں۔ **مختصر شرح**۔ اس سے ثابت ہوا کہ باری تعالیٰ کو گیارھویں شریف بہت محبوب اور پسند ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ قرآن حدیث میں بار بار دس مرتبہ عطا فرمانے کا ذکر فرماتا ہے۔ یعنی ایک نیکی اس کے اپنے عمل کی اور دس نیکیاں بلا عمل رب تعالیٰ کی عطا سے اور یہی گیارھویں شریف ہے۔ حالانکہ مولیٰ تعالیٰ ایک نیکی کا بدلہ آٹھ نو بھی دے سکتا ہے اور چودہ پندرہ بھی۔ **سولہویں حدیث مبارکہ**۔ **ترمذی شریف کتاب السفر باب ۱۱ ماذکر فی الثناءِ علی اللہِ و الصلوٰۃِ علی النبیِ صلی اللہ علیہ وسلم** عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ کُنْتُ اُصَلِّیْ وَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْ بَکْرٍ وَّ عُمَرُ مَعَہٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَاْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَی اللّٰہِ ثُمَّ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَہْ۔ **ترجمہ** حضرت عبداللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم پاس ہی تشریف فرما تھے پھر جب میں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا تو میں نے اس طرح ذکر شروع کیا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی ثنا کی پھر میں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا اور پھر آخر میں میں نے اپنے لیے دعا مانگی۔ تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مقدس فرمایا اب تم جو بھی دعا مانگو وہ عطا کی جائے گی یعنی ہر دعا رب تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ **مختصر شرح**۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے اور بہت فائدے مند ہے۔ اس لیے کہ راوی نے بلند آواز سے ہی ثنا اور درود پڑھا تھا تب ہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرما کر یہ فرمایا۔ یہ کہنا کہ آہستہ ہی ثنا و درود پڑھا ہوگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علم غیب سے جان گئے تھے۔ تو یہ درست نہیں کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں نہ کوئی اشارہ ہے نہ اقتضاء اگر یہ آواز خفیہ ہوتی اور نبی کریم اپنی غیبی طاقت سے سن کر یہ فرماتے تو صدیق و فاروق ضرور استفسار فرماتے کہ یا رسول اللہ یہ سل تعطہ کا خطاب کیوں ہے دوم یہ کہ درود و ثنا سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنی دعا کے لیے یہی ترتیب رکھنی چاہیے۔ **ستارھویں حدیث مبارکہ** **ترمذی شریف جلد اول ص۱۱۰** عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَیْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ لَا یَصْعَدُ مِنْہُ شَیْءٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **ترجمہ**۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بیشک دعا لٹکی رہتی ہے آسمان اور زمین کے درمیان ایک لفظ بھی بارگاہ قبولیت میں نہیں چڑھتا جب تک کہ تو اے تاقیامت دعا مانگنے والے، اپنے آقا نبی پر درود شریف نہ پڑھے **مختصر شرح**۔ کتنا عظیم مرتبہ ہے درود پاک کا۔ جو کسی دوسرے وظیفے کا نہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ درود شریف دعا نہیں ہے۔ یہ فقط ذکر اللہ اور ذکر مصطفیٰ ہے۔ اور اس کا منشا یادِ مصطفیٰ کو ہر مومن کے دل میں ہمہ وقت قائم کرنا ہے۔ **اٹھارھویں حدیث مبارکہ**۔ **جامع صغیر امام سیوطی ص۱۷۵**۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَّ حَطَّ عَنْہُ عَشْرَ خَطِیْئَاتٍ وَّ رَفَعَ لَہٗ عَشْرَ دَرَجَاتٍ **ترجمہ** حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بھی مجھ پر

ایک دفعہ درود پڑھا تو رب تعالیٰ اس پر دس بار کرم فرماتا ہے اور دس غلطیاں معاف فرماتا ہے اور دس درجہ بلند فرماتا ہے۔ **مختصر شرح** ۔ جن احادیث میں سند چھوڑ دی جاتی ہے اور عَنْ فُلَانٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع کی جاتی ہے اس کو حدیثِ مُعَنْعَنْ کہا جاتا ہے جیسے مشکوٰۃ شریف کی احادیث اور جن احادیث میں راوی کا نام اور قَالَ (الخ) بھی چھوڑ دیا جاتا ہے ان کو احادیثِ مقطوع یعنی قطع کی ہوئی کہا جاتا ہے۔ اور جو احادیث حروفِ ابجد یا حروفِ ابتث کی ترتیب سے لکھی جاتی ان کو روایات ترتیبیہ کہا جاتا ہے جامع صغیر لامام سیوطی۔ ان ہی احادیث کا مجموعہ ہے۔ اس میں آخری راوی اور روایت کا درجہ وحیثیت متنِ حدیث کے بعد لکھا ہوتا ہے۔ اور متنِ حدیث حروفِ ابتث کے طریقے پر منقول کیا گیا ہے۔ **اُنیسویں حدیث مبارکہ** ۔ **جامع صغیر ص ۱۷۵**

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ مَنْ صَلّٰی حِیْنَ یُصْبِحُ عَشْرًا وَحِیْنَ یُمْسِیْ عَشْرًا ۔ اَدْرَکَتْہُ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔ **ترجمہ** حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ فرمایا آقاء کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مجھ پر صبح شام دس دس مرتبہ درود پڑھے تو بروز قیامت میری شفاعت اس کو پالے گی۔ **مختصر شرح** ۔ اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم پاک کی شفقت و رحمت نے مسلمانوں کے لیے اتنی عظیم شفاعت کو کتنا آسان بنا دیا **دوسری** ۔ یہ کہ صبح شام پوری زندگی کا خلاصہ ہے گویا کہ مسلمان کو چاہئے کہ اپنی پوری زندگی کو درودِ مقدس کی پُر نور و پُر سرور چادر میں محفوظ کرے۔ **تیسری** ۔ یہ کہ درود شریف ایک بہت بڑا سہارا ہے کہ جس دن کوئی کام نہ آئیگا اس دن وہاں درود شریف کام آئے گا شفاعت کی قدر تو میدان محشر میں ہی ہوگی۔ **بیسویں حدیث مبارکہ** ۔ جامع صغیر ص ۱۷۵ ۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ ۔ **ترجمہ** ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے کہ جس امتی نے مجھ پہ درود پڑھا میری قبر کے پاس اس کو تو میں ہی سن لیتا ہوں لیکن جس نے دور کہیں اپنے علاقے میں درود خوانی کی وہ درود مجھ تک پہنچایا بھی جاتا ہے۔ یا میں پہنچا دیا جاتا ہوں اُس تک۔ **مختصر تشریح** ۔ یعنی جو امتی حاضر ہو کر مواجہ شریف کے پاس درود پاک پڑھے تو میں فقط اس کو سن لیتا ہوں اور میرا سن لینا ہی کافی ہے پہنچانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ثابت ہوا کہ آپ کو معلوم تھا۔ آپ کی قبر مبارک کہاں بنے گی اور اپنی سماعت کا بھی علم تھا۔ اور جو دور سے پڑھا جائے اس کو سن بھی لیتا ہوں اور پہنچایا بھی جاتا ہے۔ یہاں لفظ اُبْلِغْتُ کے دو طرح ترجمے ہو سکتے ہیں نمبر۱ مجھ تک اس کو پہنچا دیا جاتا ہے اس ترجمے میں کچھ تکلف اور دشواری ہے۔ نمبر۲ مجھ کو اس کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے یہ ترجمہ اصلی بھی ہے اور آسان بھی اس سے حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ شعر۔

اگر ہو جذبۂ صادق تو اکثر ہم نے دیکھا ہے وہ خود نزدیک آجاتے ہیں تڑپایا نہیں کرتے

اکیسویں حدیث مبارکہ جامع صغیر ص ۱۷۵

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ قِیْرَاطًا ۔ وَالْقِیْرَاطُ مِثْلُ اُحُدٍ ۔ ترجمہ ۔ مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد مقدس فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس امتی نے مجھ پر ایک دفعہ درود شریف پڑھا تو رب تعالیٰ اس بندے کے لیے ایک پورے قیراط وزن برابر نیکیاں مقرر فرما دیتا ہے اور رب تعالیٰ کا قیراط اُحُد پہاڑ کے برابر ہے ۔

مختصر تشریح ۔ سبحان اللہ ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں درود شریف کا مرتبہ سب اذکار و عبادات سے زیادہ ہے کیونکہ اتنا عظیم الشان کثیر اجر رب اور ذکر و ظیفے کا ثابت نہیں ہے ۔ قیراط ایک وزنی باٹ کا نام ہے جو ترازو میں رکھا جاتا ہے آج کل اس کے وزن کا حساب ایک رتی سے لگایا جاتا ہے یہ لفظ ایک اپرنج پیمائش کے لیے بھی مستعمل مگر رب تعالیٰ کی رتی اور اپرنج اُحُد پہاڑ کے برابر ہے ۔

بائیسویں حدیث مبارکہ جامع صغیر ص ۹۲

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَا یُبْدَأُ فِیْہِ بِحَمْدِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃِ عَلَیَّ فَھُوَ اَقْطَعُ اَبْتَرُ مَمْحُوْقٌ مِنْ کُلِّ بَرَکَتٍ ۔

ترجمہ ۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اہم اور ضروری کام جس میں حمد الٰہی اور درود شریف نہ پڑھا جائے اور جس کی ابتدا حمد و صلوٰۃ سے نہ ہو وہ کام منحوس مردود ہے ہر برکت سے محروم ہے ۔

مختصر تشریح ۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ ہر کام ہر عبادت ریاضت دعا ۔ ذکر اللہ وظیفہ یا دنیوی اچھا کام شروع کرنے سے پہلے اس طرح مشہور ترتیب سے حمد و صلوٰۃ ضرور پڑھے ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔

یہ الفاظ بہت جامع حمد و صلوٰۃ ہے ۔ بعض لوگ اس عبارت میں " وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ " کو درمیان کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں ۔ اس سے ثابت ہوا کہ حمد و صلوٰۃ کے بغیر کوئی ذکر اللہ قبول نہیں اگرچہ وہ مرشد کامل ہی بتائے لہٰذا کسی ذکر اللہ کو درود شریف سے افضل کہہ دینا سراسر نادانی ہے ۔

تیئسویں حدیث مبارکہ جامع صغیر ص ۹۴

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۔ کُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوْبٌ حَتّٰی یُصَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

ترجمہ ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرمان مروی ہے کہ ہر دعا پوشیدہ رہتا ہے (قبولیت کا پتہ نہیں لگتا) یہاں تک کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے ۔ **مختصر تشریح ۔** یعنی جب دعا مانگنے والا درود شریف پڑھ لے تب وہ دعا ظاہر ہوتی ہے اور سائل کو پتہ لگتا ہے کہ میری دعا قبول ہوئی ہے ۔ یا نہیں ۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ بغیر

درود شریف والی دعا بھٹکتی رہتی ہے بارگاہ الٰہی تک پہنچتی ہی نہیں ثابت ہوا کہ درود شریف اصطلاحی دعا نہیں لہٰذا درود شریف کو مَنْ شَغَلَہٗ عَنْ مَسْئَلَتِیْ ۔ میں شامل کرنا غلط ہے۔

چوبیسویں حدیث مبارکہ جامع صغیر ص۴۵

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ عَلَیَّ زَکٰوۃٌ لَّکُمْ ۔

ترجمہ ۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود پڑھنا مجھ پر تمہاری پاکیزگی ہے۔ **مختصر تشریح** ۔ یعنی درود شریف وہ بابرکت عشقِ مصطفیٰ کا پانی ہے اور ایسا روحانی صابن ہے کہ اس کے ملنے اور رگڑنے سے ظاہری باطنی تمام کدورتیں اور علمی فکری جسدی قلبی مذہبی مسلکی بدعقیدگی کے سب میل کچیل دور ہو جاتے ہیں اس سے دور ہٹنے اور ہٹانے والا صرف بدعقیدہ اور گمراہ انسان ہی ہو سکتا ہے ایک عاشقِ مومن امتی تو کبھی بھی یہ کہنے کی جراٴت ہرگز نہیں کر سکتا کہ درود شریف کو چھوڑ دو یا درود شریف سے ذکر اللہ افضل ہے نہ ہی کوئی عاشقِ صادق کسی کی لغویات تسلیم کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایسی دھوکہ بازی سے ہر مسلمان کو لغویات محفوظ رکھے۔

پچیسویں حدیث مبارکہ ۔ جامع صغیر ص۴۵

عَنْ عُمَرَ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَا ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ صَلُّوْا عَلَیَّ ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکُمْ ۔

ترجمہ ۔ حضرت فاروق اعظم اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے دونوں نے فرمایا ۔ کہ نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مقدس ہے اے امتیو تم مجھ پر درود پڑھتے رہو ۔ تو رب تعالیٰ تم پر اپنی برکتیں نازل فرماتا رہے گا۔

مختصر تشریح ۔ یعنی تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برکتیں کرم و فضل میرے درود و سلام کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ لہٰذا درود شریف سے تم کو ہی فائدہ ہے

چھبیسویں حدیث مبارکہ جامع صغیر ص۴۵

عَنْ حَسَنِ ابْنِ عَلِیٍّ رض قَالَ ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا عَلَیَّ وَسَلِّمُوْا فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُمَا کُنْتُمْ ۔ ترجمہ ۔ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانو مجھ پر کثرت سے صلوٰۃ یعنی درود شریف اور سلام پڑھا کرو کیونکہ تم زمین و آسمان کے جس علاقے میں بھی ہو مجھ کو تمہارے درود و سلام کی آوازیں پہنچ جاتی ہیں۔

مختصر تشریح ۔ دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان ۔ کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام ۔ اور پھر یہ ضروری نہیں کہ کوئی مسلمان بلند آواز سے ہی صلوٰۃ و سلام پڑھے دیکھو رب تعالیٰ نے التحیات میں بالکل آہستہ صلوٰۃ و سلام بندوں سے پڑھوا کر تاقیامت ثابت فرما دیا کہ ہمارا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ خفیہ آواز بھی لاکھوں میل دور سے سن لیتا ہے جس کو پڑھنے والے کا ساتھی نمازی نہ سن سکے۔

ستائیسویں حدیث مبارکہ کنوز الحقائق جلد اول ص۱۱ برحاشیہ جامع صغیر ۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ مِائَتَیْ صَلٰوۃٍ غُفِرَ لَہٗ ذَنْبُ مِائَتَیْ عَامٍ ۔

ترجمہ ۔ روایت ہے عبداللہ سے فرمایا کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص جمعہ کے دن درود شریف پڑھے مجھ پر دو سو مرتبہ اس کے دو سو سال برابر گناہ بخش دیئے جاتے ہیں ۔

مختصر تشریح ۔ اس حدیث پاک کا مطلب و مقصد یہ ہے کہ تقریباً تمام ہی گناہ حقوق اللہ معاف کر دیئے جاتے ہیں ۔ بعض نے فرمایا کہ مراد ہے کہ دو سو سال کے برابر اس کو اجر ملتے ہیں ۔ یعنی سارے گناہ معاف ہو کر مزید بھلائیاں عطا کر دی جاتی ہیں ۔ مثلاً توفیق خیر وغیرہ بعض نے فرمایا کہ حقوق العباد بھی معاف کر دیئے جاتے ہیں اور اہل حق بندوں کو قیامت کے دن ان کے حقوق مغصوبہ کا بدلہ دے کر راضی کر دیا جائے گا ۔

اٹھائیسویں حدیث مبارکہ   کنوز الحقائق علی حاشیہ جامع صغیر جلد دوم ص۵

اَلصَّلٰوۃُ عَلَی النَّبِیِّ افضل مِنْ عِتْقِ الرِّقَابِ ۔ رواہ الاصبہانی ۔

ترجمہ ۔ آقائے کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا غلام آزاد کرنے سے افضل اور زیادہ ثواب والی نیکی ہے ۔ **مختصر تشریح** ۔ رقاب جمع ہے رَقَبَۃٌ کی اب یہ معنیٰ ہوئے کہ ایک بار درود شریف پڑھنے کا جو اجر و ثواب ہے وہ کئی غلام آزاد کرنے کا بھی ثواب نہیں ۔ حالانکہ غلامی سے انسانیت کو آزاد کرانا بہت عظیم عمل ہے مگر درود شریف اس سے بھی افضل ہے اور پھر رقاب میں جمعیت کا ذکر ہے جبکہ صلوٰۃ واحد ہے ۔ یعنی ایک دفعہ درود پاک پڑھنا بھی سینکڑوں بڑے بڑے اعمال سے اعلیٰ ہے ۔ یہاں افضلیت سے مراد زیادہ ثواب ہے ۔ **انتیسویں حدیث مبارکہ** ۔ ریاض الصالحین ، کتاب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ باب فضل الصلاۃ علی رسول اللہ علیہ وسلم ص۲۸۹ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ ۔ ترجمہ حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ناک رگڑی جائے اس شخص کی جس کے سامنے میں ذکر کیا جاؤں اور وہ پھر بھی درود شریف نہ پڑھے شرح ۔ یعنی ذلیل ہو وہ شخص دونوں جہان یا آخرت میں یہ بددعا نہیں بلکہ بددعائی شکل میں یقینی خبر ہے اور اس طرح فرمانا تہدید و تنبیہ کے لیے ہے ثابت ہوا کہ ذکر النبی کے وقت درود شریف پڑھنا واجب ہے **تیسویں حدیث پاک** یہی حوالہ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی ۔ ترجمہ ۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ بے شک ارشادِ مقدس فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی مسلمان کہیں سے بھی مجھ کو سلام عرض کرے تو رب تعالیٰ میری روح کو مجھ میں لوٹاتا ہے تو میں اپنے اس امتی کو اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں ۔ مختصر تشریح ۔ یہ حدیث پاک حیات النبی کے ثبوت میں ایک عظیم دلیل ہے اس سے اقتضاً ثابت ہو رہا ہے کہ آقا و کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ابدی الجسد عنصری زندہ حیات ہیں اور پوری کائنات زمین و آسمان لوح و قلم وعرش و فرش میں ہر شخص کو جانتے پہچانتے اس کا سلام سنتے اور جواب سلام عطا فرماتے ہیں

اور ایک آن کیلئے بھی آپکی روح قدس آپ کے جسم اقدس سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ فرمایا گیا کہ سلام کے سننے اور جواب دینے کیلئے روح پاک جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اس سے اہمیت جواب سلام بھی ثابت ہو کہ ادنیٰ امتی کے سلام کا جواب دینا بھی آپ پر فرض ہوا اسی لیے روح لوٹائی گئی روح کا جسم میں لوٹانا کوئی معمولی بات نہیں اور مسئلہ ہے کہ جو سلام اپنے کانوں سے سنا جائے۔ فقط اسکا جواب فرض ہے پہنچایا ہوا سلام اہم نہیں نیز ساری کائنات میں ہر وقت ہی آپکو سلام عرض کیا جا رہا ہے ملائکہ جنات اور حیوانات اور مسلمان ایک دو نہیں کروڑوں کی تعداد میں سلام پیش کر رہے ہیں اور ہر نماز میں خطاب کے صیغے سے کئی مرتبہ سلام ہو رہا ہے اور زمین پر ہر وقت ہی کہیں نہ کہیں نماز ہو رہی ہے۔ مَا مِنْ اَحَدٍ میں سب حیوان انسان شامل ہیں۔ لھذا جب روح مقدس ایک بار لوٹا دی گئی وفات سے چند سیکنڈ بعد تو پھر نکالنے کی نوبت ہی نہیں آئی اس حدیث پاک نے سات باتیں ثابت کر دیں ۱ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب جگہ حاضر ۲ سب کے لیے ناظر ۳ سب کو جانتے ۴ پہچانتے ۵ سب کی آواز سنتے ہیں ۶ اور ابدی زندہ حیات ہیں ۷ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ **اکتیسویں حدیث مبارکہ۔ ریاض الصالحین صفحہ ۲۹۰**

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ ترجمہ مولیٰ علی شیر خدا نے فرمایا۔ کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنجوس وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ **مختصر تشریح**۔ اور کنجوسی بدبختی کی نشانی ہے لہٰذا درود شریف نہ پڑھنے والا یا بہانے بہانے درود شریف سے روکنے والا اور درود شریف سے کسی اور چیز کو افضل کہنے والا اسی زمرے میں داخل ہے۔ **بتیسویں حدیث مبارکہ۔ نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۲۲۲**

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً وَلَمْ یُصَلِّ فِیْھَا عَلَیَّ وَعَلٰی اَھْلِ بَیْتِیْ لَمْ تُقْبَلْ مِنْہُ (رواہ الدارقطنی) ترجمہ۔ حضرت ابو مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ جس نے نماز پڑھی اور اپنی نماز میں مجھ پر درود نہ پڑھا نہ میرے اہل بیت پر تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔

مختصر شرح۔ یعنی کتنی سخت وعید ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اس میں ظاہری طہارت وضو وغیرہ کے علاوہ تلاوت تسبیح ذکر اللہ رکوع سجدہ وخشوع خضوع اخلاص اگرچہ سب کچھ موجود ہے مگر صرف درود شریف چھوڑ دیا تو لَا تُقْبَلُ مِنْہُ کی وعید شدید آگئی۔ نکتہ۔ نماز کو صلوٰۃ کہتے ہیں اور درود کو بھی رب تعالیٰ نے دونوں کا نام صلوٰۃ رکھا ہے اور پہلے یہ نام درود کا ہے بعد میں منتقل ہو کر نماز کو صلوٰۃ کہا گیا۔ گویا کہ اصل نام درود کا ہوا۔ کیونکہ درود کا نام صلوٰۃ قدیمی ہے جس پر وہ آیت پاک اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ الخ شاہد ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اصل کا نام

فرع کر دینا اس لیے ہوتا ہے کہ ثابت ہو۔ اصل ہی مقصود ہے لہذا اگر اصل ہی نہ ہوگا تو فرع قبول کیسے ہوگی۔ اس حدیث پاک نے یہی نکتہ سمجھایا کہ بندوں کو پانچ وقت نماز فرض واجب سنت نفل پڑھوا کر محبوب پاک صاحب تو صلی اللہ وسلم کے صلوٰۃ و سلام کا چرچا کرانا تھا یعنی اصل مقصود درود ہی ہے اور اسی سے باقی نماز قبول ہوئی۔ **تیتیسویں حدیث مبارکہ۔** **نیل الاوطار جلد دوم صـ۲۲۶** عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ رَوَاهُ الطِّبْرَانِیْ بِلَفْظِ شَقِیَ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ ۔ ترجمہ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے طبرانی نے ان لفظوں کی حدیث روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہت تنگ دل سخت طبیعت ہے وہ شخص (بدبخت) جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ **مختصر تشریح۔** یعنی کثرت سے درود شریف پڑھنے والا کبھی شقی القلب نہیں ہوسکتا نہ بدبخت۔ خیال رہے کہ اس میں نمازی اور تلاوت کرنے والا یا غافل مدہوش مجنون بہرا۔ سونے والا۔ یا استنجا کرنے والا شامل نہیں اگر ان کے کان تک تذکرہ پہنچا اور وہ درود شریف نہ پڑھ سکے تو معافی ہے۔ **چونتیسویں حدیث مبارکہ۔** **نیل الاوطار جلد دوم صـ۲۲۶** عَنْ فُضَالَةَ ابْنِ عُبَیْدٍ قَالَ سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا ۔ یَدْعُوْا فِیْ صَلٰوتِهٖ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۔ فَقَالَ النَّبِیُّ عَجِلَ هٰذَا ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اَوْ لِغَیْرِهٖ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْیَبْدَاْ بِتَحْمِیْدِ اللّٰهِ وَالثَّنَاءِ عَلَیْهِ ثُمَّ لِیُصَلِّ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِیَدْعُ بَعْدُ مَا شَاءَ رواہ الترمذی ترجمہ حضرت فضالہ ابن عبیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص کے بارے میں سنا کہ وہ اپنی نماز میں صرف دعا مانگ لیتا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک نہیں پڑھتا تو فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نے بہت جلد بازی کی پھر اس کو اپنے پاس بلوایا تو اسی سے فرمایا یا (اس کے پاس بیٹھے ہوئے) اس کے علاوہ دوسرے شخص کی طرف توجہ فرماکر ارشاد فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد سے اور اس کی ذات پاک پر ثنا پڑھنے سے شروع کرے۔ پھر (بالکل آخر میں) اپنے نبی پر درود پڑھے پھر اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے۔ اس کو ترمذی نے بھی روایت کیا۔ **مختصر تشریح۔** یہ واقعہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور صحابہ کرام جان کر یا کسی کے کہنے سے درود شریف نہ چھوڑتے تھے بلکہ شروع دور اسلام میں بہت سوں کو نماز کا صحیح طریقہ معلوم نہ تھا اس لیے اس ترک پر وعید نہ فرمائی گئی بلکہ صرف عمل فرما کر ترکِ درود کا نقصان بتایا گیا اور نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ بتا دیا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ درود پاک دعا نہیں لہذا درود شریف کو دعاء عرفی میں شامل کرنا اور مُشْتَلِق د

سے ناجائز فائدہ اٹھانا قطعاً غلط ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ حمد و صلوٰۃ مل کر ہی ذکر اللہ بنتا ہے درود شریف کے بغیر تو کوئی ذکر اللہ کامل ذکر اللہ ہی نہیں بنتا نہ کوئی نماز کامل نماز ہو۔ بھلا کسی مرشد کی کیا حیثیت ہے جو اپنے وظائف اور چلوں کے بہانے ترکِ درود شریف کا رواج ڈالے۔

پینتیسویں حدیث مبارکہ صحیح البخاری۔ ابواب سُنن الصّلوٰۃ۔ باب فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۴۹۔ عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ یَوْمٍ وَالْبُشْرٰی فِیْ وَجْھِہٖ فَقَالَ اِنَّہٗ جَاءَنِیْ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَقُوْلُ اَمَا یُرْضِیْکَ یَا مُحَمَّدُ اَنْ لَّا یُصَلِّیَ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا صَلَّیْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَلَا یُسَلِّمُ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ) ترجمہ۔ حضرت ابوطلحہ سے روایت ہے کہ ایک دن آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بشاشت خوشی و مسرت آپ کے چہرہ منورہ سے عیاں تھی پس فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل (علیہ السلام) آئے تو انہوں نے کہا کہ بے شک آپ کا رب فرماتا ہے کیا یہ بات آپ کو راضی اور خوش نہ کرے گی اے محمد کہ آپ کا کوئی اُمتی ایک دفعہ اس پر درود پڑھے تو میں اس پر دس بار کرم کروں اور کوئی امتی جب بھی ایک دفعہ آپ پر سلام پڑھے تو میں اس پر دس مرتبہ سلامتی عطا کروں اس حدیث پاک کو نسائی اور دارمی نے بھی روایت کیا۔ مختصر شرح۔ یہ بات تو اس حدیث مقدسہ اور اس کے علاوہ اس سے پہلے کتنی ہی احادیثِ مطہرات سے ظاہر و عیاں ہو چکی ہے کہ جب بھی کسی مسلمان امتی نے عشق و محبت سے سرشار ہو کر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عطر بیز میں صلوٰۃ و سلام کے گلدستے بھیجے تب اس امتی پر رب تعالیٰ نے رحمت کرم و فضل اور ابدی سلامتی کے انعامات فرمائے جس سے واضح ہوا کہ رب تعالیٰ کے انعامات ابدیہ کا وسیلہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا درود پاک اور سلام ہے ہر امتی بندے پر مولیٰ تعالیٰ جل مجدہٗ کے تمام کرم و فضل صرف درود و سلام کے وسیلے سے ہو رہے ہیں۔ اگر درود خوانی اور سلام پڑھنا بندے چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ کے انعامات ابدیہ کا دروازہ بھی بند کر دیا جائے۔ مگر یہ اب تک کسی بھی حدیث یا روایت یا درایت سے ثابت یا آیت سے ظاہر نہیں ہوا کہ امتی کے درود و سلام پڑھنے سے رب تعالیٰ اپنے نبی پر درود و سلام نازل کرتا ہے لہٰذا کسی کا یہ کہنا کتنی نادانی ہے کہ بندے کے درود چھوڑ کر ذکر اللہ کرنے کے سبب سے اللہ کریم جلّ و علا اپنے نبی پر اس سے بھی افضل درود بھیجتا ہے جو درود خوانی کے وسیلے سے بھیجا جاتا ہے حالانکہ درود نازل فرمانے کے لیے نہ کسی امتی کے ذکر اللہ کی ضرورت ہے نہ درود و سلام پڑھنے کی چھتیسویں حدیث مبارکہ۔ صحیح البخاری

باب فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۲۱۸ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عَشْرًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ مِائَةً وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِائَةً كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ بَرَاءَةً مِّنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَةً مِّنَ النَّارِ وَاَسْكَنَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ الشُّهَدَاءِ ۔

(رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِيْ صَغِيْرٍ) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے۔ جس مسلمان نے مجھ پر ایک دفعہ درود شریف پڑھا تو رب تعالیٰ نے (اس کے بدلے اور وسیلے میں) دس دفعہ اس پر رحم وکرم فرمایا اور جس نے دس دفعہ مجھ پر درود پڑھا اس پر رب کریم سو مرتبہ رحمتیں اور سلامتیں نازل فرماتا ہے اور جو سو دفعہ مجھ پر درود خوانی کرتا ہے تو مولیٰ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھدیتا ہے کہ یہ امتی بندہ منافقت سے بری ہے۔ جہنم کی آگ سے بچا لیا گیا ہے اور قیامت کے دن اللہ کریم اس صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے بندے کو شہیدوں کے گروہ میں شامل فرمائے گا۔ اس حدیث پاک کو طبرانی نے اپنی کتاب صغیر میں لکھا۔ **مختصر تشریح**۔ کتنا آسان طریقہ ہے باری تعالیٰ کے اتنے عظیم انعام لینے کا یہ ہماری زبان سے نکلے ہوئے لفظوں کا کمال نہیں بلکہ درود وسلام کے ذریعے یاد مصطفیٰ منانے اور اس طرح سے ذکر اللہ وذکر رسول کرنے کا دینوی واُخروی ثواب ہے کتنے بدقسمت ہیں وہ لوگ جو اتنی عظیم مفت محنت مشقت کے بغیر حاصل ہونے والی دولت لازوال کے منکر ہیں اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے روکنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ مگر کتنی ہی ملاوٹیں کر دیں۔ بزرگوں کی نسبتیں لگاتے پھریں لیکن میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق اتنے عظیم اور ڈبل ذکر پاک کو نہیں چھوڑ سکتے۔

سینتیسویں حدیث مبارکہ۔ صحیح البہاری۔ الواب سنن الصلوٰۃ ص۲۱۸۔

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُكْثِرُ الصَّلٰوةَ عَلَيْكَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلٰوتِيْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ وَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ ۔ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَالثُّلُثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا ۔ قَالَ اِذًا يُكْفٰى هَمُّكَ وَيُكَفَّرُ لَكَ ذَنْبُكَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ومشکوٰۃ شریف باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصل ثانی ص۸۶

ترجمہ۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ بے شک میں آپ پر بہت درود پاک پڑھتا ہوں میں آئندہ کتنا درود آپ پہ پڑھا کروں ارشاد فرمایا جتنا بھی تم چاہو۔ میں نے عرض کیا اپنی نفلی عبادت کا چوتھائی حصہ درود پڑھا کروں ارشاد فرمایا جتنا بھی چاہو اور اگر زیادہ کرو تو تمہارے لیے مزید اچھا ہے میں نے عرض گزاری کیا میں اپنے دیگر وظائف واذکار سے آدھا وقت درود شریف پڑھا کروں ارشاد فرمایا جو تم چاہو اگر اس سے بھی زیادہ کرو تو تمہارے لیے خیر ہی خیر ہے۔ میں نے عرض کیا تو کیا میں دو تہائی وقت میں درود پاک پڑھا کروں فرمایا یہ تمہاری مرضی لیکن اگر اور بھی زیادہ کرلو تو تمہارے لیے ہی بھلائی ہے تب میں نے عرض کیا آئندہ میں تمام نفلی عبادات ذکر اذکار چھوڑ کر سارا وقت آپ پر درود شریف ہی پڑھا کروں گا۔ ارشادِ مقدس فرمایا تب تو تمہاری ہر ضرورت ہر حاجت ہر دعا ہر تکلیف کے لیے یہ اکیلا درود شریف ہی کافی ہے اور تمہارے تمام گناہوں، خطاؤں، غلطیوں لغزشوں کو مٹانے معاف اور بخشش کرانے کے لیے درود پاک ہی کافی ہے۔ اس کو ترمذی نے بھی روایت کیا اور مشکوٰۃ شریف نے بھی باب الصلوٰۃ علی النبی فصل ثانی میں نقل فرمائی۔ **مختصر تشریح** ۔ یہ حدیث تمام محدثین کے نزدیک صحیح وثقہ ہے اس میں بیان فرمایا کہ جو شخص سارا دن درود شریف ہی پڑھتا رہے اور اس کو اپنی دعاؤں حاجتوں اور اپنے دینوی کاموں کی فرصت نہ ملے تو مولیٰ تعالیٰ اس کی تمام ضرورتیں غیب سے قدرتاً پوری فرماتا رہے گا اور اس کا تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے۔ بالکل اسی طرح کی حدیث پاک ترمذی میں قرآن مجید کے متعلق بھی ارشاد ہوئی ہے جو ہم نے سابقہ فتوے میں درج کردی ہے۔ ان دونوں کے مضامین ومطالب سے ثابت ہوا کہ خدمت قرآن مجید اور صلوٰۃ وسلام کا عند اللہ ایک ہی فائدہ وثواب ہے جس سے درود پاک کی اہمیت معلوم ہوئی۔

اڑتیسویں حدیث مبارکہ۔ صحیح البہاری۔ باب فضل صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۴۹ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَمَلٰئِکَتُہٗ سَبْعِیْنَ صَلَاۃً (رَوَاہُ الْاِمَامُ اَحْمَد) ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف ایک دفعہ بھی درود شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ستر دفعہ اس پر محبت وشفقت فرماتے ہیں **مختصر تشریح**۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بندے پر ستر دفعہ نزول رحمت اور فرشتے ستر دفعہ دعاءِ رحمت کرتے ہیں دونوں طرف سے اظہارِ شفقت ہوتا ہے پہلی احادیث میں دس بار کا ذکر ہوا مگر یہاں ستر بار کا بیان ہوا ہے [illegible] نہیں بلکہ درود پڑھنے والے کے خلوص

اور خشوع خضوع کی کمی زیادتی سے ثواب کی کمی زیادتی کی طرف اشارہ ہے۔ **اتالیسویں حدیث مبارکہ۔** **صحیح البہاری صـ۱۹ـ۲** عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ لِیْ اَلَا اُبَشِّرُكَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰی عَلَیْكَ صَلٰوةً صَلَّیْتُ عَلَیْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَیْكَ سَلَّمْتُ عَلَیْهِ رَوَاهُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک جبرئیل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ (یارسول اللہ) کیا میں آپ کو ایک عظیم خوش خبری نہ سناؤں جو بے شک اللہ تعالیٰ عزوجل آپ کے لیے فرماتا ہے کہ جو بھی آپ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا میں اس پر اپنی صلوٰۃ نازل کروں گا اور جو بھی آپ پر سلام پڑھے گا میں اس پر سلامتی بھیجوں گا۔ اس حدیث مقدسہ کو حضرت امام احمدؒ نے روایت فرمایا۔ **مختصر تشریح۔** اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوا کہ درود خوانی کا ثواب صرف درود پڑھنے والے بندے کو ہی ہوتا ہے۔ آقاء دوجہان کو اس کی کوئی حاجت نہیں میں حیران ہوں اُن کی فہم حدیث پر جنہوں نے آنکھیں بند کر کے درود پاک کو دعا اور رسُلتی کہدیا اور دعا کی آڑ لے کر اتنا عجیب تانا بانا بُن دیا حالانکہ دعا اور درود پاک میں سینکڑوں فرق کے ساتھ یہ فرق بھی ہے کہ دعا صرف وہ ہے جو ترجمہ معانی مطلب ومقصد سمجھ کر مانگی اور پڑھی جائے بلے سمجھے ہوئے پڑھنا اگرچہ دعائیہ الفاظ ہوں۔ مگر وہ دعا نہیں بلکہ وہ فقط عبادت۔ نماز۔ یا وظیفہ ہوگا اسی لیے اس کا ثواب ملتا ہے۔ جب کہ دعا سے صرف حاجت ملتی ہے دعا کا فائدہ ہر مومن وکافر کو ہوجاتا ہے مگر دیگر عملیات کا فائدہ (ثواب) صرف مومن کو دیا جاتا ہے اور درود پاک کے الفاظ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے مگر دینوی ودینی فائدہ پہنچتا ہے تو یہ دعا نہیں بلکہ یہ مثل نماز عبادت اور ذکر اللہ وذکر رسول ہے جس کا مقصد مومن کے ہر لمحے میں یاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تازگی قائم کرنا ہے۔ ہم نے اپنی اس اربعین نعیمیہ میں درود وسلام سے متعلق صرف وہی احادیث جمع کی ہیں جنکے متعلق تمام محدثین متفق ہیں کہ یہ احادیث ثقہ وصحیح ہیں اس لیے ہمیں صرف چالیس حدیثیں ہی صحیح میسر آئیں۔ جن روایات میں کچھ کمزوری ظاہر ہوئی وہ نہ لیں جیسے مثلاً موضوعات کبیر کی ایک روایت یہ ہے۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَتَرَكَ اٰلِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ ترجمہ جس نے مجھ پر درود شریف پڑھا اور میری آل کو چھوڑ دیا اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔ یہ روایت اگرچہ معنًا درست وصحیح ہے جیسا کہ اسی معنی میں ہم نے ثقہ حدیث نمبر ۲۲ نقل کردی ہے مگر چونکہ یہ روایت لفظاً ثقہ نہیں اس لیے ہم نے اپنی ترتیب میں اس کو شامل نہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

چالیسویں حدیث مبارکہ۔ صحیح البہاری ابواب سنن الصلوٰۃ۔ باب فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حدیث ۴۱۹ عَنْ رُوَیْفِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ رَوَاہُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَنُقِلَ فِی الْمِشْکٰوۃِ بَابُ صَلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فصل الثالث ۔ وَالطَّبْرَانِیُّ ۔

ترجمہ۔ حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مقدس فرمایا کہ جس شخص نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اور اس میں یہ لفظ بھی شامل کئے کہ اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ تو اس (خوش قسمت) کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ یہ حدیث پاک امام احمد بن حنبل نے بھی روایت فرمائی طبرانی نے بھی اور مشکوٰۃ شریف نے بھی۔ **مختصر تشریح**۔ اس درود شریف کو شارحین نے اس طرح بھی لکھا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔

اس سے ثابت ہوا کہ درود شریف صرف درود ابراہیمی ہی نہیں جیسا کہ دیوبندی وہابی رٹ لگائے پھرتے ہیں۔ حالانکہ نہ اس حصر کا ثبوت ہے اور نہ ہی خود وہابی اس پر عمل کر سکتے ہیں نہ ہی ہر وقت ہر کلام میں یہ اتنا دراز درود پاک پڑھا جا سکتا ہے۔ درود ابراہیمی صرف نماز میں پڑھنے کے لیے تعلیم ہوا ہے نماز کے باہر یہ درود شریف پڑھنا درست نہیں کیونکہ اس میں سلام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء آفرینش سے تا قیامت و تا ایندم بے شمار الفاظ کے درود پاک بنائے اور پڑھے گئے ہیں جو مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ ہم تبرکاً حسب ذیل ترتیب سے ان کو درج کرتے ہیں۔ تاکہ ہماری یہ کتاب اَرْبَعِیْنِ نَعِیْمِیَہ بھی متبرک ہونے کے ساتھ ساتھ مکمل و مزین بھی ہو جائے۔ (نمبر۱) صلوٰۃ آدم۔ یہ درود شریف حضرت آدم علیہ السلام پڑھتے تھے۔ یہی حضرت حوا کا حق مہر تھا۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الدَّاعِیْ اِلَی اللّٰہِ الْقَادِرِ الْفَتَّاحِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ ذَوِی الْفَلَاحِ وَالنَّجَاحِ ۔ (نمبر۲) صلوٰۃ جبرئیل۔ یہ درود شریف جبرئیل علیہ السلام پڑھتے ہیں ان کو یہ رب تعالیٰ نے تعلیم فرمایا ہے۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَوَّلُ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اٰخِرُ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا ظَاھِرُ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا بَاطِنُ

(نمبر۳) درود موسیٰ کلیم اللہ یہ بھی خود رب تعالیٰ نے تعلیم فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ مَعْدِنِ الْاَسْرَارِ وَمَنْبَعِ الْاَنْوَارِ وَجَمَالِ الْکَوْنَیْنِ وَشَرَفِ الْحَرَمَیْنِ وَسَیِّدِ الثَّقَلَیْنِ الْمَخْصُوْصِ بِقَابَ قَوْسَیْنِ ۔ (۴) درود خضری جو روز خضر علیہ السلام پڑھتے ہیں

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ۔ (۵) درود الیاسی۔ جو الیاس علیہ السلام پڑھتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ سَابِقًا نُوْرُہٗ وَاٰخِرًا ظُھُوْرُہٗ وَ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وُجُوْدُہٗ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ (۶) درود ایوبی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ درود شریف پڑھا تو آپ کو شفا کا طریقہ بتایا گیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِھَا وَعَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِھَا وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِھَا وَعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

(نمبر۷) درود عیسوی جو عیسٰی علیہ السلام زندگی دنیوی اور حیات آسمانی میں پڑھتے رہتے ہیں۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ (۸) درود ادریس علیہ السلام۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَعَلٰی جَسَدِہٖ فِی الْاَجْسَادِ (۹) درود نماز۔ اس کو درود ابراہیمی اور صلٰوۃ تشہد بھی کہتے ہیں۔ یہ صرف نماز میں پڑھنے کے لیے تعلیم ہوا ہے نماز کے باہر پڑھنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس میں سلام نہیں اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ درود پسند نہیں ہے جس میں سلام نہ ہو۔ امام سخاوی نے اس سے متعلق اپنی کتاب القول بدیع میں بہت سی روایت نقل کی ہیں نماز میں اس لیے درست ہے کہ سلام پہلے آگیا ہے۔ درود نماز یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ" نمبر۱۰ درود صحابہ کرام۔ یعنی تمام صحابہ کرام بتعلیم حدیث پاک نمبر۱۰۔ ان لفظوں سے درود پاک پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْہُ مَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ" نمبر۱۱ درود امام اعظم۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُّصَلِّیَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا ھُوَ اَھْلُہٗ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَسَلِّمْ عَلَیْہِ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا نمبر۱۲ درود مالکی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ مَظْھَرِ الْجَلَالِ مِرْاٰتِ الذَّاتِ وَالصِّفَاتِ مَخْزَنِ الْمُشَاھَدَاتِ مُوْصِلِ الْعِبَادَاتِ اِلٰی رَبِّ الْاَرْبَابِ بَعْدِ مَعْکُوْمَتِ لَکَ۔ نمبر۱۳ درود امام شافعی اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذّٰکِرُوْنَ وَکُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ۔ نمبر۱۴ درود امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنْجِیْنَا بِھَا مِنْ اَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ بَعْدَ الْمَمَاتِ ع۱۵ درود امام احمد بن حنبل رح اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَسَلَامَکَ وَ بَرَکَاتِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔

نمبر ۱۶ ۔ صلوٰۃ غوثِ اعظم ۔ اس کو درود غوثیہ بھی کہتے ہیں ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔ نمبر ۱۷ درود ہجویری یعنی داتا گنج بخش یہ درود شریف پڑھا کرتے ہیں ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضَاءً وَّلِحَقِّهٖ اَدَاءً وَّاَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مِنْ اَفْضَلِ مَا جَزَيْتَ نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصَّالِحِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ نمبر ۱۸ درود خواجہ حسن بصری ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَوْلَادِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَصْهَارِهٖ وَاَنْصَارِهٖ وَاَشْيَاعِهٖ وَمُحِبِّيْهِ وَاُمَّتِهٖ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ نمبر ۱۹ درود حضرت شیخ شبلی مجذوب ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ ۔

نمبر ۲۰ درود امام بوصیری صاحب قصیدہ بردہ شریف ۔ مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ ۔ نمبر ۲۱ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا درود شریف ۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ فَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَافْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَهْلُهٗ فَاِنَّكَ اَنْتَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۔ نمبر ۲۲ خواجہ اجمیری غریب نواز علیہ الرحمۃ کا درود پاک ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ جَزَى اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ ۔

نمبر ۲۳ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند علیہ الرحمۃ کا صلوٰۃ وسلام ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُّصَلِّيَ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا هُوَ اَهْلُهٗ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى ۔

نمبر ۲۴ محدثین کرام اور فقہاء عظام کا تحریری درود شریف ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نمبر ۲۵ ملک شام کے بادشاہ ناصر صلاح الدین علیہ الرحمۃ کا درود شریف جس کو ہندوستان میں حضرت علامہ شاہ عبدالغفار کاشمیری علیہ الرحمۃ نے جاری اور مشہور فرمایا ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ ۔ آج کل یہ درود شریف تقریبًا تمام دنیا میں جاری ہے اور اکثر جگہ بعد نماز فجر اور قبل اذان پنجگانہ پڑھا جاتا ہے ۔ دیوبندی اور غیر مقلد وہابیان اس کی بہت مخالفت کرتے ہیں اور گستاخی کرتے ہوئے اس کو کشمیری درود کہتے ہیں ۔ نمبر ۲۶ سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کا درود شریف (از تفسیر روح البیان جلد ۷ ص ۲۳۳) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ مَّا اخْتَلَفَ الْمَلَوَانِ وَتَعَاقَبَ الْعَصْرَانِ وَكَرَّ الْجَدِيْدَانِ وَاسْتَقَلَّ الْفَرْقَدَانِ وَبَلِّغْ رُوْحَهٗ وَاَرْوَاحَ

اَهْلِ بَيْتِهٖ مِنَّا التَّحِيَّةَ وَالسَّلَامَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ كَثِيْرًا ۔ ۲۷ درود حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدِ الَّذِيْ عِشْقُكَ فِيْ عِشْقِهٖ وَحُبُّكَ فِيْ حُبِّهٖ وَرِضَاكَ فِيْ رِضَائِهٖ وَسَخَطُكَ فِيْ سَخَطِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ۔ ۲۸ سلطان نورالدین زنگی علیہ الرحمۃ کا درود۔ اسی کو درود لکھی بھی کہتے ہیں ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِائَةَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّةٍ وَبَارِكْ عَلَيْهِ ۔ ۲۹ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا درود شریف اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ ۔ ۳۰ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ اور امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کا درود شریف اس کو درود ماریہ بھی کہتے ہیں ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ صَلٰوةً كَامِلَةً وَسَلِّمْ سَلَامًا تَامًّا عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ تَنْحَلُّ بِهِ الْعُقَدُ وَتَنْفَرِجُ بِهِ الْكُرَبُ وَتُقْضٰى بِهِ الْحَوَائِجُ وَتُنَالُ بِهِ الرَّغَائِبُ وَحُسْنُ الْخَوَاتِيْمِ وَيُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ فِيْ كُلِّ لَمْحَةٍ وَّنَفَسٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ ۔

۳۱ صلوٰۃ مجددی ۔ اَللّٰهُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یہ درود شریف مجدد الف ثانی سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر روز پچیس ہزار بار پڑھا کرتے تھے ۔ ۳۲ درود کشف اویسی حضرت اویس قرنی کی طرف منسوب ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْاَنْوَارِ وَالْاَسْرَارِ وَكَاشِفِ الْاَسْتَارِ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نُوْرَ الْاَنْوَارِ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَعْدَنَ الْاَسْرَارِ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا كَاشِفَ الْاَسْتَارِ اِكْشِفْ عَيْنِيْ اِكْشِفْ قَلْبِيْ اِكْشِفْ صَدْرِيْ يَا مُنْكَشِفَ الْاَسْرَارِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ خُذْ بِيَدِيْ اَغِثْنِيْ فِيْ اِغِثْنِيْ يَا صَادِقُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔

۳۳ درود رضویہ یعنی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا درود شریف صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔ ۳۴ درود نعیمیہ یعنی صدرالافاضل مولانا سید الشاہ نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کا درود شریف ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰبَاءِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَنَاتِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔ ۳۵ درود حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی علیہ الرحمۃ ۔ تم سب پڑھو درود میں نعت نبی پڑھوں ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ قَدْرَ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ وَجَاهِهٖ وَجَلَالِهٖ وَاسْمِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَبِرِّهٖ وَنَوَالِهٖ وَجُوْدِهٖ وَكَمَالِهٖ وَعَلٰى وَارِثِ حَالِهٖ ۔

۳۶ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ والرضوان کا درود شریف۔ اس کو درود محمود بھی کہتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ شَجَرَۃِ الْاَصْلِ النُّوْرَانِیَّۃِ وَ لَمْعَۃِ الْقَبْضَۃِ الرَّحْمٰنِیَّۃِ وَمَعْدِنِ الْاَسْرَارِ الرَّبَّانِیَّۃِ وَخَزَائِنِ الْعُلُوْمِ الْاِصْطِفَائِیَّۃِ صَاحِبِ الْقَبْضَۃِ الْاَصْلِیَّۃِ وَالْبَھْجَۃِ السَّنِیَّۃِ الرُّتْبَۃِ الْعَلِیَّۃِ مِنَ الدَّرَجَۃِ النَّبِیُّوْنَ تَحْتَ لِوَائِہٖ فَھُمْ مِنْہُ وَاِلَیْہِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ عَدَدَ مَا خَلَقْتَ وَرَزَقْتَ وَاَمَتَّ اِلٰی یَوْمِ تُبْعَثُ مَنْ اَفْنَیْتَ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

۳۷ درود خرقانی۔ حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی علیہ الرحمۃ کا درود شریف اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

۳۸ درود تاج شریف حضرت صوفی تاج الدین صاحب سہنکوار ثمہ ناگپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ خلیفہ چہارم حضور خواجہ گیسو دراز گلبرگ شریف علیہ الرحمۃ الرضوان کا درود شریف مشہور ہے کہ یہ انھوں نے ترتیب دیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمِ دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ وَالْاَلَمِ اِسْمُہٗ مَکْتُوْبٌ مَرْفُوْعٌ مَنْقُوْشٌ فِی اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ سَیِّدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ جِسْمُہٗ مُقَدَّسٌ مُعَطَّرٌ مُطَھَّرٌ مُنَوَّرٌ فِی الْبَیْتِ وَالْحَرَمِ شَمْسِ الضُّحٰی بَدْرِ الدُّجٰی صَدْرِ الْعُلٰی نُوْرِ الْھُدٰی کَھْفِ الْوَرٰی مِصْبَاحِ الظُّلَمِ جَمِیْلِ الشِّیَمِ شَفِیْعِ الْاُمَمِ صَاحِبِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ۔ وَاللّٰہُ عَاصِمُہٗ وَ جِبْرِیْلُ خَادِمُہٗ وَالْبُرَاقُ مَرْکَبُہٗ وَالْمِعْرَاجُ سَفَرُہٗ وَسِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی مَقَامُہٗ وَقَابَ قَوْسَیْنِ مَطْلُوْبُہٗ وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُہٗ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُہٗ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ رَاحَۃِ الْعَاشِقِیْنَ مُرَادِ الْمُشْتَاقِیْنَ شَمْسِ الْعَارِفِیْنَ سِرَاجِ السَّالِکِیْنَ مِصْبَاحِ الْمُقَرَّبِیْنَ مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ سَیِّدِ الثَّقَلَیْنِ نَبِیِّ الْحَرَمَیْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَیْنِ وَسِیْلَتِنَا فِی الدَّارَیْنِ صَاحِبِ قَابَ قَوْسَیْنِ مَحْبُوْبِ رَبِّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَیْنِ جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ مَوْلَانَا وَمَوْلَی الثَّقَلَیْنِ اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰہِ یٰۤاَیُّھَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

درود تاج کی تالیف و ترتیب کے بارے میں

ایک قول مشہور یہ بھی ہے کہ اس کو حضرت علامہ امام سید خواجہ ابوالحسن شاذلی مصری (العرب) سے مرتب فرمایا اور آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور پیش فرمایا سرکار دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا اور پڑھنے کی اجازت عطا فرمائی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم

۲۹؎ درود شاذلی اس کو درود تسخیر بھی کہتے ہیں۔ اسی درود کو سن کر امام عبد اللہ شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دلائل خیرات شریف ترتیب فرمائی اور اس درود پاک کو چہار شنبہ کے ورد میں رکھا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا فِیْ عِلْمِ اللّٰہِ صَلَاۃً دَائِمَۃً بِدَوَامِ مُلْکِ اللّٰہِ۔ ۳۰؎ امام محمد غزالی کا درود شریف اس کو درود محمدی بھی کہتے ہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ صَلٰوۃً دَائِمَۃً بِدَوَامِ خَلْقِ اللّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْکَرِیْمِ کہ آج یہ رسالہ مبارکہ صَلَاۃِ اَرْبَعِیْنَ۔ مکہ مکرمہ محلہ مسفلہ بالکل حرم شریف کے سامنے زیر تعمیر ہوٹل کے قریبی بلڈنگ کے ایک کمرے میں بیٹھ کر مکمل ہوا۔ اس کی ابتدا مدینہ منورہ مکان حیدر الحیدری صاحب میں ہوئی۔ اس کی ابتدا بائیس ۲۲ جون حج کے سفر کے دوران ہوئی ۱۹۹۱ء اور آج انتہا گیارہ نومبر ۱۹۹۱ء عمرے کے سفر میں ہوئی یہ تمام درود شریف زیادہ تر مدینہ منورہ اور شام و یمن کے بزرگوں سے حاصل کیے گئے ہیں۔ ان میں کچھ درود شریف وہ ہیں جو خود رب تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کو تعلیم فرمائے کچھ وہ ہیں جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تعلیم فرمائے اور کچھ وہ ہیں جو اولیاء اللہ نے اپنے ورد کے لیے خود ترتیب فرمائے حضرت حکیم الامت بدایونی علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ رب تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فقط اس لیے درود شریف پڑھوایا ہے کہ سب بندے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے در

کے بھکاری بن جائیں۔ گداگر بھکاری کا یہی طریقہ ہوتا ہے جب بھیک مانگتا ہے تو گھر والے کے لیے دعائیہ الفاظ بولتا ہے۔ اگرچہ اس کا مقصود دعا مانگنا نہیں اور نہ ہی اس کی دعا سے داتا کو کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ بس یہی انداز درود شریف کا رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مانگنا عبادت ہے اسی لیے اس کو دعا کہا جاتا ہے اور دعا کا قبلہ آسمان لہٰذا دعا میں ہاتھ بسمت آسمان اٹھائے جاتے ہیں۔ انبیاء اولیاء اور دیگر لوگوں سے مانگنا سوال اور طلب ہے یہاں مثل دعا ہاتھ اٹھانا منع ہے۔ نماز کی دعائیں ذکر اللہ ہیں اس لیے وہاں بھی ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے۔

فتویٰ سوال ۲۴ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ رکن یمانی کو منہ لگا کر چومنا اور استلام کرنا جائز ہے یا نہیں۔ یعنی جس طرح طواف کے ہر چکر میں حجر اسود کو استلام اور تقبیل کی جاتی ہے کیا اسی طرح رکن یمانی کو بھی چومنا یا ہاتھ لگانا جائز ہے یا نہیں۔ بہت سے علماء اہل سنت احناف سے پوچھا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ رکن یمانی کو بھی چومنا سنتِ موکدہ ہے جس طرح حجرہ اسود کو چومنا۔ لیکن میری نظر سے ایک کتاب گزری ہے جو کراچی کے ایک مولوی محترم محمد معین الدین احمد صاحب نے مختصراً مسائل حج کے بارے میں لکھی ہے جو چھوٹی سی تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے صفحہ ۱۰۲ پر لکھا ہے کہ رکن یمانی پر پہنچے تو اس کو دونوں ہاتھوں سے یا صرف داہنے ہاتھ سے چھونا سنت ہے لیکن خیال رہے کہ پاؤں اپنی جگہ پر رہے اور سینہ اور قدم بیت اللہ کی طرف نہ ہو اس کو بوسہ دینا یا صرف بائیں ہاتھ سے چھونا خلاف سنت ہے۔ مگر ہاتھ لگانے کا موقع نہ مل سکے تو اس کی طرف اشارہ نہ کرے ایسے ہی گزر جائے اور یہی بہتر ہے اس لیے کہ عام لوگ رکن یمانی کو ہاتھ لگاتے وقت آداب طواف کا خیال نہیں کرتے۔

السائل (محترم) حکیم سید بہار شاہ (صاحب) ساکن گجرات پاکستان۔ حال وارد مکہ مکرمہ

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

نَحْمَدُهٗ تَعَالٰی وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَرَؤُفِ الرَّحِیْمِ۔ سائل محترم کا سوال نامہ اور مذکورہ فی السوال کتاب کا بغور مطالعہ کیا۔ اس کتاب میں مسائل کے اعتبار سے بعض جگہ بہت غیر ذمہ دارانہ جلد بازی سے کام لیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اسی کتاب کے صہ۱ پر ایک جگہ ایسی تشبیہ پیش کی گئی جس میں گستاخیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شائبہ لازم آتا ہے یہ

چیزیں کمزوریِ علم کو ثابت کرتی ہیں۔ بہرکیف اس کی تفصیل سے غرض نہیں بیان و ضاحت مذکور مسئلے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں آپ کے استفتائی سوال کے بعد رکن یمانی کے مسئلے پر تحقیق کا آغاز کیا۔ مختلف کتب فقہ اور صحاح ستہ کی کتب احادیث کے علاوہ دیگر کتب احادیث کا بغور بار بار مطالعہ کیا علماءِ مکہ مکرمہ اور علماء مدینہ منورہ سے گفتگو ہوئی۔ فقہ اربعہ سے تحقیق و تفتیش کی گئی۔ اس تمام چھان بین اور محنت شاقہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ رکن یمانی کا استلام بالکل اسی طرح سنت موکدہ ہے جس طرح رکن اسود کا۔ یعنی جس طرح ۱ اسود کو ہونٹوں سے چومنا سنت ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ۲ داہنا یا بایاں ہاتھ لگائے اور ہاتھ کو چومے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ۳ کسی بھی ہاتھ سے یا چھڑی سے اشارہ کرے اور اس ہاتھ یا چھڑی کو چومے بالکل ان ہی چار طریقوں سے رکن یمانی کا استلام کرے اور جس طرح ہر چکر میں حجر اسود کا استلام ہوتا ہے اس طرح سات مرتبہ رکن یمانی کا استلام کرنا لازمی ہے۔ حقیقتاً کعبہ معظمہ مکرمہ کے صرف دو ہی رکن ہیں ۱ رکن یمانی اور ۲ رکن اسود۔ باقی دو رکن ۳ رکن عراقی ۴ رکن شامی حقیقتاً رکن یعنی کونہ نہیں ہیں بلکہ یہ جگہ درمیان دیوار ہے کیونکہ کعبہ حطیم تک ہے اور حطیم کی آخری دیوار گول ہے وہاں رکن بنتے ہی نہیں۔ اسی لیے صرف دو رکنوں کا استلام جائز ہے اور بجز امام وہابیہ امام ابن تیمیہ تمام فقہاء و محدثین اور ائمہ اربعہ رکن یمانی کا چومنا سنت موکدہ مانتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ تفسیر بالرائے اور مخالفت احادیث میں مشہور گزرے ہیں۔ خود کو حنبلی کہہ کر ہمیشہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کرتے رہے۔ مذکورہ فی السوال کتاب نے بھی امام ابن تیمیہ کی روش اختیار کرتے ہوئے تمام احادیث مبارکہ اور سنت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم و اقوال فقہا و مسالک ائمۂ اربعہ سے منہ پھیرا۔ بلکہ ابن تیمیہ سے بھی زیادہ سخت غصیلی جذباتی شکل اختیار کی۔ یہ کتاب ایسے لہجے میں مسائل بیان کرتی ہے کہ جس پر عمل ناممکن ہے اور ان طریقوں کا ثبوت بھی کوئی نہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ طواف کو نماز کے مشابہ کہہ کر حاجی کے طواف پر چند غیر ضروری غیر ثبوتی سختیاں و پابندیاں عائد کرتے ہیں ۱ یہ کہ کعبے کی طرف قطعاً نہیں دیکھ سکتے اور نہ دائیں بائیں جیسے کہ نماز میں۔ گویا کہ اگر کسی نے طواف کرتے ہوئے کسی مجبوری سے دائیں بائیں دیکھ لیا تو نماز کی طرح طواف بھی ٹوٹ جائے گا۔ حالانکہ یہ سختی و تشبیہ قطعاً غلط ہے اس کا کہیں کوئی ثبوت یا احادیث میں ذکر نہیں ۲ رکن یمانی کو ہاتھ لگاتے وقت پیر اپنی جگہ سیدھے قائم رہیں۔ یہ مسئلہ بھی غلط اور ناممکن العمل ہے نہ اس کا کہیں احادیث مطہرات میں

ذکر ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سیدھا ہاتھ رکن یمانی کو لگایا جائے اور دونوں پاؤں اپنی جگہ ہی رہیں۔ کیا انسانی پاؤں میں پھرنے والی کرسی کی طرح گول رنگ لگے ہوتے ہیں جو پاؤں کو ایک جگہ رکھے اور انسان گھوم جائے ۔۳ یہی پاؤں کو سیدھا رکھنے والی اور سینہ و باقی جسم گھمانے والی ناممکن العمل پابندی استلام حجر اسود کے وقت بھی لگائی ہے۔ ان سختیوں کی پابندیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف مسائل و دلائل سے ناواقف ہے اور اپنی شریعت منوانا چاہتا ہے۔ حالانکہ ان بیہودہ پابندیوں کا نہ کوئی ثبوت ہے نہ حوالہ نہ تذکرہ نہ کسی امام برحق کا مسلک نہ ایسی غلط اور بیہودہ و جذباتی تحریرات پر عمل ممکن ہے خاص کر آج کل انتہائی بھیڑ کے زمانے میں ہم اپنے فتوے کی تحقیق **تین فصل** ۔ میں پیش کرتے ہیں۔ **پہلی فصل** میں استلام رکن یمانی کا ثبوت احادیث مبارکہ سے **دوسری فصل** میں استلام یمانی کا ثبوت ائمہ اربعہ کے مذہب سے **تیسری فصل** میں دیگر فقہاء عظام کے اقوال پاکیزہ سے۔ **پہلی فصل۔ دلائل احادیث کے بیان میں۔ پہلی حدیث۔ بخاری شریف جلد اول کتاب المناسک ص۲۱۸**

حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ سَالِمِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ لَمْ اَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُ مِنَ الْبَیْتِ اِلَّا الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ۔ ترجمہ سالم بن عبد اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف کرتے ہوئے صرف دو یمانی رکنوں کو چومتے ہوئے دیکھا۔ اس حدیث پاک سے اقتضاءً ثابت ہو رہا ہے کہ حجر اسود اور رکن یمانی دونوں کا استلام ایک ہی طرح کا ہے۔ **دوسری حدیث مسلم شریف جلد دوم کتاب الحج باب ۴۲ حدیث ۲۴۲ ص۹۲۴ اور ص۹۲۵ مطبوعہ بیروت۔** حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیٰی اَخْبَرَنَا اللَّیْثُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ قَالَ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ مِنَ الْبَیْتِ اِلَّا الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ

تیسری حدیث۔ مسلم شریف دوم۔ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُ مِنْ اَرْکَانِ الْبَیْتِ اِلَّا الرُّکْنَ الْاَسْوَدَ وَالَّذِیْ یَلِیْہِ اَیْ رُکْنَ الْیَمَانِیْ۔ **حدیث چہارم** عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَا تَرَکْتُ اسْتِلَامَ ھٰذَیْنِ الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیْ وَالْحَجَرِ مُذْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُھُمَا فِیْ شِدَّۃٍ وَّ رَخَاءٍ ۔ ترجمہ۔ اوپر والی تین حدیثوں کا۔

حضرت یحیی بن یحیی اور حضرت سالم بن عبد اللہ اور حضرت ابن عمر فرماتے ہیں ہم نے ہمیشہ دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی اور حجر اسود کو ہر طواف میں ضرور چومتے تھے خواہ بھیڑ ہوتی.

ہوتی یا نہ ہوتی۔ تب سے ہم نے بھی کبھی دونوں رکنوں کا استلام نہیں چھوڑا۔ **پانچویں حدیث پاک** عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ذَکَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَسْتَلِمُ اِلَّا الْحَجَرَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَ
چھٹی حدیث عَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ الْبَکْرِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَہٗ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُ غَیْرَ الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ۔
حضرت ابوطفیل بکری روایت کرتے ہیں کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ طواف کعبہ میں صرف دو رکنوں کو چومتے تھے اول حجر اسود دوم رکن یمانی۔

حدیث ساتویں۔ ابن ماجہ جلد دوم صـ۲۱۳ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرَۃَ بْنِ السَّرْحِ الْمِصْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ وَھْبٍ اَخْبَرَنِیْ یُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُ مِنْ اَرْکَانِ الْبَیْتِ اِلَّا الرُّکْنَ وَالَّذِیْ یَلِیْہِ مِنْ دُوْرِ الْجُمَحِیِّیْنَ۔

آٹھویں حدیث شریف حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ وَمَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ خُثَیْمٍ عَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ قَالَ کُنْتُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاوِیَۃُ لَا یَمُرُّ بِرُکْنٍ اِلَّا اسْتَلَمَہٗ فَقَالَ لَہٗ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکُنْ یَسْتَلِمُ اِلَّا الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ فَقَالَ مُعَاوِیَۃُ لَیْسَ شَیْءٌ مِّنَ الْبَیْتِ مَھْجُوْرًا قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی حَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰی ھٰذَا عِنْدَ اَکْثَرِ اَھْلِ الْعِلْمِ اَنْ لَا یُسْتَلَمَ اِلَّا الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ وَالرُّکْنُ الْیَمَانِیُّ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فَقَالَ مُعَاوِیَۃُ صَدَقْتَ **ترجمہ۔** حدیث ۷ و ۸ حضرت احمد بن عمرہ اور حضرت محمود بن غیلان روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر طواف میں ہمیشہ دو رکنوں کو چومتے تھے اول حجر اسود دوم رکن یمانی کو۔ ابو طفیل فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم چند تابعین حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ طواف کر رہے تھے کہ ہم نے دیکھا امیر معاویہؓ ہر رکن کو چوم رہے ہیں تو ان کو حضرت ابن عباس نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیشہ فقط حجر اسود اور یمانی رکن کو ہی چومتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ میں تو سمجھتا رہا کہ بیت اللہ کا کوئی رکن بھی چھوڑنے کے قابل نہیں تو حضرت عباس نے فرمایا کہ ہمارے لیے صرف آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ حسنہ ہی قابل عمل ہے تو حضرت معاویہؓ نے جواباً فرمایا بالکل صحیح کہا تم نے۔ یہ حدیث ۸ ترمذی نے جلد اول باب استلام الحجر والرکن الیمانی صـ۱۷۱ میں نقل فرمائی اور لَقَدْ کَانَ لَکُمْ (الخ) والی عبارت اس کی شرح تحفۃ الاحوذی میں ہے اور جلد اول شرح معانی الآثار ابوجعفر طحاوی صـ۱۸۶

اس سے ثابت ہوا کہ طواف کے دوران بات کرنا اور کسی کو مسئلہ سمجھانا بھی جائز ہے اور بات کرنے میں توجہ کرنی بھی مخاطب کی طرف جائز ہے اس سے طواف نہیں ٹوٹتا بخلاف نماز کے لہٰذا طواف کو نماز کے مشابہ کر کے استلام یمانی کے وقت اس طرف ہونے کو بُرا کہنا جہالت ہے

نویں حدیث پاک۔ ابوداؤد جلد اول باب استلام الارکان ۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ وَلِیْدِ الطَّیَالِسِیُّ اَخْبَرَنَا لَیْثٌ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ۔ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ (یَمُسُّ) مِنَ الْبَیْتِ اِلَّا الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ۔

دسویں حدیث پاک۔ ابوداؤد جلد اول بابُ استلام ارکان۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ اَخْبَرَنَا یَحْیٰی عَنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ ابْنِ اَبِیْ رَوَّادٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدَعُ اَنْ یَسْتَلِمَ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَ وَالْحَجَرَ فِیْ طَوَافِہٖ (طَوْفَتِہٖ) قَالَ وَکَانَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ یَفْعَلُہٗ۔

ترجمہ۔ ابو ولید طیالسی روایت کرتے ہیں کہ آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ہی اپنے ہر طواف (یعنی ہر چکر میں) رکن یمانی کو بھی چوما اور حجر اسود کو بھی اور فرمایا کہ عبداللہ ابن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

گیارھویں حدیث پاک۔ نسائی شریف جلد اول باب استلام۔ الرُّکْنَیْنِ فِیْ کُلِّ طَوَافٍ۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیٰی عَنْ اَبِیْ رَوَّادٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَسْتَلِمُ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَ وَالْحَجَرَ فِیْ کُلِّ طَوَافٍ۔

بارھویں حدیث پاک۔ نسائی شریف جلد اول باب استلام۔ اَخْبَرَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَّ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَا حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَسْتَلِمُ اِلَّا الْحَجَرَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَ

تیرھویں حدیث پاک نسائی جلد اول بابُ مَسْحِ الرُّکْنَیْنِ اَخْبَرَنَا قُتَیْبَۃُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ مِنَ الْبَیْتِ اِلَّا الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ۔

چودھویں حدیث پاک نسائی باب ترک استلام الرُّکْنَیْنِ الْاٰخَرَیْنِ۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ اَنْبَأَنَا ابْنُ اِدْرِیْسَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ وَابْنِ جُرَیْجٍ وَمَالِکٍ عَنِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ عُبَیْدِ بْنِ جُرَیْجٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَاَیْتُکَ لَا تَسْتَلِمُ مِنَ الْاَرْکَانِ اِلَّا ھٰذَیْنِ الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ قَالَ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُ اِلَّا ھٰذَیْنِ الرُّکْنَیْنِ مختصراً **پندرھویں حدیث پاک**

نسائی جلد اول۔ اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو وَالْحٰرِثُ بْنُ مِسْكِيْنٍ قِرَاءَةً عَلَيْهِ وَاَنَا اَسْمَعُ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ مِنْ اَرْكَانِ الْبَيْتِ اِلَّا الرُّكْنَ الْاَسْوَدَ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ مِنْ نَحْوِ دُوْرِ الْجُمَحِيِّيْنَ ۔ ترجمہ۔ ان پانچ احادیث کا حضرت محمد بن مثنیٰ۔ اور حضرت اسماعیل بن مسعود اور حضرت قُتَیْبَہ اور حضرت محمد بن علاء۔ اور حضرت احمد بن عمرو نے روایت فرمایا کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر طواف میں حجر اسود کو بھی بوسہ دیتے تھے اور اس رکن کو بھی بوسہ دیتے تھے جو جُمَحِیِّیْن کے گھروں کی طرف سے حجر اسود سے ملتا ہے۔ یعنی رکن یمانی کو۔ **سولھویں حدیث پاک۔ نسائی جلد اول**۔ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا تَرَكْتُ اِسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ مُنْذُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُمَا اَلْيَمَانِيَ وَالْحَجَرَ فِيْ شِدَّةٍ وَّلَا رَخَاءٍ ۔

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ ؓ نے فرمایا کہ جب سے میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر طواف میں حجر اسود اور رکن کو ضرور بوسہ دیتے ہیں۔ خواہ بھیڑ سخت شدت کی ہوتی یا لوگ کم ہوتے تب سے میں نے بھی ان دونوں رکنوں کو چومنا لازم کر لیا ہے۔ نسائی کی اس حدیث اور سابقہ مذکورہ چوتھی حدیث مسلم شریف جلد دوم کی اشارۃ النص سے ثابت ہو رہا ہے کہ رکن یمانی کو دور سے بھی استلام کرنا لازم ہے اس لیے کہ بھیڑ میں نہ تو قریب آیا جا سکتا ہے اور نہ زبردستی دھکم پیل اور جبراً طاقت آزمائی سے لوگوں کو چیر کر قریب آنا جائز خاص کر شان نبوت سے یہ بات بعید ہے مگر اس کے باوجود رکن یمانی کا استلام ضروری ہے صاف ظاہر ہوا کہ دور سے بھی اشارہ کر کے استلام رکن یمانی لازم ہے۔ لوگوں کو چیر کر آگے آنے سے تو خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فاروق اعظم ؓ کو منع فرمایا تھا۔ چنانچہ مسند احمد حنبل کے حوالے سے نیل الاوطار جلد پنجم کے ص۱۱۱ پر ہے۔ وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ يَا عُمَرُ اِنَّكَ رَجُلٌ قَوِيٌّ لَا تُزَاحِمْ عَلَى الْحَجَرِ فَتُؤْذِي الضَّعِيْفَ اِنْ وَجَدْتَ خَلْوَةً فَاسْتَلِمْهُ وَاِلَّا فَاسْتَقْبِلْهُ وَهَلِّلْ وَكَبِّرْ رَوَاهُ اَحْمَدُ ترجمہ۔ فاروق اعظم رضی تعالیٰ اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ اے عمر تو بے شک ایک قوی جوان مرد ہے خبردار استلام حجر کے وقت دھکم پیل نہ کرنا کہ کہیں کمزور آدمیوں کو تم تکلیف پہنچاؤ اگر گنجائش جگہ پاؤ تو منہ لگا کر استلام کر لو ورنہ اس کی طرف

صرف منہ کرکے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ۔ پڑھو اور تکبیر کہو ۔ ثابت ہوا کہ بھیڑ میں استلام دور سے ہی ہوتا ہے اور چونکہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام بھیڑ میں بھی رکن یمانی کا استلام کرتے تھے اس لیے صرف اشارہ النص ہی نہیں بلکہ سابقہ حدیث کی دلالۃ النص سے بھی ثابت ہوا کہ رکن یمانی کا استلام دور سے بھی ضروری ہے خواہ ہاتھ کے اشارے کرکے ہاتھ کو چومے یا لکڑی کا اشارہ چومے۔ **ستارھویں حدیث پاک** ۔ کتاب اَلدَّرایہ لِاَحادیث الھدایہ صٓ پر ہے۔

فِیْ کِتَابِ الْاٰثَارِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ قَالَ فَلَقِیْتُ سَعِیْدَ ابْنَ جُبَیْرٍ فَقَالَ اِنَّمَا طَافَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ وَھُوَ شَاکٍ یَسْتَلِمُ الْاَرْکَانَ بِمِحْجَنٍ ۔ وَفِی الْبَابِ عَنْ اُمِّ عَمَارَۃَ رَوَاہُ الْوَاقِدِیْ فِی الْمَغَازِیْ وَعَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْجَعِیِّ عَنْ اَبِیْہِ اَخْرَجَہُ الْبَغَوِیُّ وَابْنُ قَانِعٍ وَالْعَقِیْلُ فِیْ تَرْجَمَۃِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ۔

ترجمہ ۔ امام محمد بن حسن کی کتاب الآثار میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث پاک کی ہم کو خبر دی ہے جو حضرت حماد سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات تو انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر بیٹھ کر طواف کیا ۔ حالانکہ آپ ہتھیار باندھ کر طواف فرمارہے تھے آپ دونوں رکنوں کا ہر چکر میں اپنی لاٹھی مبارک سے استلام فرمارہے تھے اس روایت کو باب میں ام عمارہ نے اور واقدی نے اپنی کتاب مغازی اور ابی مالک اشجعی نے اپنے والد سے ۔ اور امام بغوی اور ابن قانع نے بھی روایت کیا اور امام عقیلی نے محمد بن عبدالرحمٰن کے ترجمے میں نقل فرمایا ۔ اس کی شرح حاشیہ کے ھدایہ اول حاشیہ ۱ صٓ۲۴۲ پر ہے لہ ۔ قَوْلُہٗ یَسْتَلِمُ الْاَرْکَانَ ۔ اَرَادَ بِھَا الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَاِنَّمَا جَمَعَہٗ بِاِعْتِبَارِ تَکْرَارِ الْاَشْوَاطِ ۔

ترجمہ ۔ حدیث پاک کا یہ فرمان کہ ارکان کا استلام فرماتے تھے ارکان سے مراد حجر اسود اور رکن یمانی ہے اور لفظ ارکان کو جمع فرمانا طواف کے چکروں کے اعتبار سے ہے ۔ اس حدیث پاک سے استلام کی چوتھی قسم ثابت ہوئی یعنی رکن یمانی کو دور سے لاٹھی یا چھڑی کے اشارے سے استلام کرنا ۔ **اٹھارھویں حدیث پاک** ۔ محدث کبیر امام شوکانی کی کتاب نیل الاوطار جلد پنجم صٓ۱۱۵ پر ہے ۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مَسْحَ الرُّکْنِ الْیَمَانِیِّ وَالرُّکْنِ الْاَسْوَدِ یَحُطُّ الْخَطَایَا حَطًّا ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ ۔ ترجمہ حضرت ابن عمر نے روایت کیا کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک رکن اسود اور یمانی کو چومنا خطاؤں کو بالکل مٹا دیتا ہے ۔ اس

حدیث مبارکہ کو امام احمد اور نسائی نے بھی روایت فرمایا۔ **انیسویں حدیث پاک** نیل الاوطار وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ اَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمَسُّ مِنَ الْاَرْكَانِ اِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا التِّرْمِذِيَّ لٰكِنْ لَهُ مَعْنَاهُ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ **بیسویں حدیث پاک** نَيْلُ الْاَوْطَارِ ج۵ ص۱۱۵ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَدَعُ اَنْ يَسْتَلِمَ الْحَجَرَ وَالرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ فِيْ كُلِّ طَوَافِهِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ ترجمہ۔ نیل الاوطار کی حدیث ۱۹ اور ۲۰ کا۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو رکنوں کو چومتے تھے۔ اپنے ہر طواف میں یعنی یمانیین کو اس حدیث پاک کو محدثین کی پوری جماعت نے روایت کیا۔ مگر ترمذی نے کچھ لفظی تغیر سے اس کا مفہوم روایت فرمایا۔

ان مندرجہ بالا بیس احادیث میں۔ دونوں رکنوں کے استلام کو ایک درجہ دیا گیا ہے اور ایک ساتھ دونوں کا ذکر کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ جس طرح رکن اسود کا چومنا اور استلام ضروری وسنتِ مؤکدہ ہے اور جو چار طریقے حجر اسود کے استلام کے ہیں وہی درجہ اور وہی چار طریقے رکن یمانی کے استلام کے ہیں ان میں فرق کرنا جہلا کا کام ہے یا احادیث سے ناواقفی اور عدم تدبر کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالٰی ہی علوم معرفت کی یہی ہدایت دینے والا ہے جس کو چاہے ہدایت اور فہم وتفقہ فی الدین عطا فرمائے آج کل لوگوں نے کتابیں لکھنا اور مصنف بن بیٹھنا کھیل تماشہ بنا لیا ہے۔ **اکیسویں حدیث پاک** عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ كَانَ يَتَكَلَّمُ وَدُمُوْعُهُ تَسِيْلُ وَ وَثَّقَهُ ابْنُ مُعِيْنٍ وَاَبُوْ حَاتِمٍ ۔

ترجمہ۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ طواف میں رکن یمانی کو منہ لگا کر چوما کرتے تھے اور ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ آپ رکن یمانی سے کلام بھی فرماتے تھے اور آپ کے آنسو مبارک بہتے تھے۔ اس حدیث پاک کو محدث ابن معین اور محدث ابو حاتم نے بہت قابل بھروسہ اور مضبوط فرمایا ہے۔ اس کی شرح میں امام شوکانی مصنف نیل الاوطار نے ص۱۱۶ پر فرمایا۔ وَحَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ الَّذِيْ فِيْهِ اَنَّهُ كَانَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ وَيَضَعُ خَدَّهُ عَلَيْهِ ۔ رَوَاهُ اَبُوْ يَعْلٰى ۔ (الخ) قَوْلُهُ ۔ وَيَضَعُ خَدَّهُ عَلَيْهِ فِيْهِ مَشْرُوْعِيَّةُ وَضْعِ الْخَدِّ عَلَى الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ وَتَقْبِيْلِهِ وَقَدْ ذَهَبَ اِلَى اسْتِحْبَابِ تَقْبِيْلِ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ كَمَا قَالَ صَاحِبُ الْفَتْحِ تَمَسُّكًا بِمَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ فِي التَّارِيْخِ وَالدَّارَقُطْنِيِّ ۔ وَ لٰكِنَّ الثَّابِتَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَلِمُهُ فَقَطْ ۔ نَعَمْ لَيْسَ فِي اقْتِصَارِ ابْنِ عُمَرَ عَلَى التَّسْلِيْمِ

مَا یُنْفِی التَّقْبِیْلَ ۔ فَاِنْ صَحَّ مَا رُوِیَ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ تَعَیَّنَ تَقْبِیْلُ الْیَمَانِیْ ۔ ترجمہ۔ اور حضرت فقیہ اسلام عبداللہ ابن عباسؓ کی وہ حدیث پاک جس میں یہ بیان ہوا کہ بے شک آقا صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کو بوسہ بھی دیتے تھے اور اس پر اپنا رخسار پاک بھی رکھتے تھے اس حدیث کو ابو یعلیٰ محدث نے بھی روایت فرمایا ہے اور حدیث پاک کے یہ الفاظ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رخسار پاک بھی رکن یمانی پر رکھتے تھے۔ اس فرمان اور عمل مبارک سے ہر مومن مسلمان کو جائز ہو گیا رکن یمانی پر رخسار رکھنا اور اس کو چومنا۔ (لہٰذا اس سے روکنے والا گمراہ ہے) اور بعض بڑے علم والے علماء اسلام کا مذہب یہی ہے کہ طواف میں رکن یمانی کو منہ لگا کر چومنا مستحب ہے جیسے فرمایا صاحب فتح نے دلیل پکڑتے ہوئے اسی حدیث پاک سے جس کا ذکر کیا مصنف علیہ الرحمہ نے حضرت ابن عباس کی حدیث پاک سے۔ امام بخاری کے نزدیک بھی یہی مسئلہ درست ہے ان کی کتاب التاریخ میں۔ اور دارقطنی میں بھی اسی کو درست فرمایا ہے لیکن جو روایت صحیحین اور ان کے علاوہ کچھ کتابوں میں سے ابن عمر کی روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کو صرف استلام فرماتے تھے تو اس پوری روایت کو چھوڑ کر کے ابن عمر کا بیان کرنا۔ اگر ابن عمر کی ہی روایت کو درست تسلیم کر لیا جائے تو رکن یمانی کو چومنا شرعاً معین ہو گیا۔ اس لیے کہ حضرت ابن عمر نے صرف استلام یمانی کا ذکر کیا جو وضاحت طلب ہے کیونکہ استلام چار قسم کا ہے گویا ابن عباس نے استلام کی وضاحت فرما دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ سے چومنے والا استلام رکن یمانی بھی فرمایا۔ واللہ ورسولہ اعلم۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ کہ ہم نے پہلی فصل میں اکیس احادیث مبارکہ سے ثابت کر دیا کہ رکن یمانی کو استلام کرنا بھی بالکل اسی طرح چار طرح سنت ہے جس طرح حجر اسود کو۔ خیال رہے کہ لفظ استلام باب افتعال کا مصدر ہے اس کا مادہ یا "سَلْم" ہے یا "سِلْم" لغات کی تمام کتابوں میں سلم کا معنیٰ ہے۔ جھکنا۔ چھونا۔ چومنا اور "سلم" کا معنیٰ ہے۔ چھا جانا۔ پر پھیلانا۔ سلیم الطبع ہونا خشوع و خضوع کرنا اس کی جمع "اُسْلُمْ" یا "سلام" ہے "استلام" کا اصطلاحی ترجمہ ہے۔ کسی چیز کو چومنا۔ اور شریعت پاک میں چومنا چار طریقے سے ادا ہو سکتا ہے ۱ منہ لگا کر ہونٹوں سے چومنا ۲ ہاتھ لگا کر ہاتھ سے چومنا (ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چومنا) ۳ دور سے ہاتھ سے اس طرف اشارہ کرنا اور اسی ہاتھ کو چوم لینا ۴ کسی لکڑی وغیرہ سے اس طرف اشارہ کرنا اور اس لکڑی وغیرہ کو چومنا۔ لہٰذا استلام عام ہوا چاروں قسموں کو۔ جب مطلقاً "استلام" فرمایا جائے تو ہر قسم مراد لی جا سکتی ہے رکن یمانی اور حجر اسود کا استلام تو سنتِ مؤکدہ مگر اس کی یہ چاروں اقسام سنت غیر مؤکدہ ہیں۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں ایک ہی قسم کا استلام کیا نہ کہ سب اکٹھے بیکدم۔

دوسری فصل۔ ائمہ اربعہ کے مذہب اور مسلک وفرامین کے بارے میں۔

۱۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک۔ بحمدہٖ تعالیٰ پہلی فصل میں ہم نے احادیث مطہرات کی اکیس دلیلوں سے ثابت کر دیا کہ رکن یمانی کا استلام بھی اسی طرح لازم ہے جس طرح حجر اسود کا استلام۔ میری نظر سے ایک بھی حدیث یا روایت ایسی نہیں آئی جس میں یہ لکھا ہو کہ فقط داہنا ہاتھ یا دونوں ہاتھ لگاؤ اور اگر بھیڑ ہو تو استلام یمانی چھوڑ دو۔ یا یہ کہ رکن یمانی اور حجر اسود کے استلام میں کچھ فرق ہے یا یہ کہ رکن یمانی کی طرف سینہ اور چہرہ نہ ہونا چاہیے۔ پتہ نہیں اس مصنف کتاب اللہ کے بندے نے یہ غلط پابندیاں اور جذباتی مسئلے کہاں سے لے لیے۔ رکن یمانی کے استلام کے جواز میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک بھی وہی ہے جو مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہے۔ **بائیسویں دلیل۔** چنانچہ مسند امام اعظم۔ ص۱۱۸ حدیث نمبر ۲۴۵ میں قَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ طَافَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْبَیْتِ وَھُوَ شَاکٍ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ یَسْتَلِمُ الْاَرْکَانَ بِمِحْجَنِہٖ۔

ترجمہ۔ امام اعظم نے حضرت حماد سے روایت فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سنایا کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر بیٹھ کر ہتھیار اپنے جسم پہ باندھے ہوئے رکنوں کو استلام فرمایا اپنے عصا مبارک سے۔ یعنی عصا کو اشارہ کر کے چوما۔ ارکان جمع فرمانا کی وجہ ہم نے پہلے درایہ کی حدیث پاک میں صدایہ کے حاشیہ نمبر ایک سے بیان کر دی کہ جمع فرمانا چکروں کی جمعیت وکثرت کی وجہ سے ہے مراد یہی دو رکن ہیں ۱۔ یمانی اور ۲۔ حجر اسود۔

تئیسویں دلیل۔ طحاوی شریف شرح معانی الآثار جلد دوم ص۱۸۵ پر ہے۔ وَاِنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّسْتَلَمَ مِنْ اَرْکَانِ الْبَیْتِ اِلَّا الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ وَھٰذَا قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ ترجمہ۔ اور بے شک نہیں چاہیے بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوتے۔ بجز دو یمانی رکنوں کے کسی اور رکن کا استلام کرنا یہی مذہب اور فرمان امام اعظم کا ہے اور یہی مسلک امام یوسف اور امام محمد کا ہے۔ ثابت ہوا کہ حنفی مسلک میں بھی رکن یمانی کا استلام کرنا بالکل حجر اسود کی طرح ضروری ہے۔ **چوبیسویں دلیل۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک۔ موطا امام مالک جلد اول ص۲۶۶** حَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِکٍ عَنْ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّہٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَبْدِالرَّحْمٰنِ

بْنِ عَوْفٍ كَيْفَ صَنَعْتَ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ فِي اِسْتِلَامِ الرُّكْنِ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ اِسْتَلَمْتُ وَتَرَكْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَبْتَ اس کی شرح میں ہے اِسْتَلَمْتُ اَيْ حِيْنَ قَدَرْتُ وَتَرَكْتُ اَيْ حِيْنَ عَجَزْتُ - ترجمہ۔ امام مالکؒ نے حضرت ہشام بن عروہ سے اور انہوں اپنے والد سے روایت کیا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے فرمایا کہ تم نے رکن اسود کا استلام (منہ سے چومنا) کس طرح کیا۔ آپنے عرض کیا کہ جب میں نے جگہ پائی تو چوم لیا اور جب بھیڑ نے آگے ہونے سے عاجز کر دیا تو میں نے استلام چھوڑ دیا۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے بالکل ٹھیک کیا۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ۱ رکن مطلق فرمایا گیا عام خیال میں حجر اسود ہی مراد ہے ۲ استلام کا معنیٰ منہ لگا کر چومنا ہے ورنہ ہر طرح کا استلام چھوڑنا تو منع ہے۔ خلاف سنت ہے۔ بالکل ترک کو اصَبْتَ نہ فرمایا جاتا۔ پچیسویں دلیل۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ اَنَّ اَبَاهُ كَانَ اِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ يَسْتَلِمُ الْاَرْكَانَ كُلَّهَا وَكَانَ لَا يَدَعُ الْيَمَانِيَ اِلَّا اَنْ يُغْلَبَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ۔ امام مالک نے حضرت ہشام بن عروہ سے روایت فرمایا۔ ہشام نے فرمایا کہ میرے والد جب کبھی بیت اللہ کا طواف کرتے تھے تو دونوں رکنوں کو ہر جگہ میں منہ سے چومتے تھے اور خاص کر رکن یمانی کو چومنا کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ مگر جب ان پر بھیڑ کی جاتی چھبیسویں دلیل۔ قَالَ مَالِكٌ سَمِعْتُ بَعْضَ اَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّ اِذَا رَفَعَ الَّذِيْ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ يَدَهُ عَنِ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ اَنْ يَضَعَهَا عَلٰى فِيْهِ۔ ترجمہ۔ امام مالک نے فرمایا کہ میں نے بعض اہل علم سے سنا کہ وہ شخص جو طواف بیت اللہ کر رہا ہو وہ جب دور سے رکن یمانی کے استلام کے لیے اپنا ہاتھ اٹھائے تو مستحب ہے کہ اپنے اس ہاتھ کو اپنے منہ پر رکھے (چومنے کے لیے) چھبیسویں دلیل۔ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک۔ اَلْمُهَذَّبُ فِيْ فِقْهِ الْاِمَامِ الشَّافِعِيْ جلد اول ص ۳۲۹۔ فَاِذَا بَلَغَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ فَالْمُسْتَحَبُّ اَنْ يَسْتَلِمَهُ لِمَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ وَالْاَسْوَدَ وَلَا يَسْتَلِمُ الْاٰخَرَيْنِ۔ (الخ) وَيُسْتَحَبُّ لِاَنَّهُ رُكْنٌ بُنِيَ عَلٰى قَوَاعِدِ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيُسَنُّ فِيْهِ الْاِسْتِلَامُ كَالرُّكْنِ الْاَسْوَدِ وَيُسْتَحَبُّ الرُّكْنَيْنِ فِيْ طَوْفِهٖ لِمَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَيْنِ فِيْ كُلِّ طَوْفَةٍ - ترجمہ۔ پھر جب رکن یمانی کے پاس پہنچے تو مستحب یہ ہے کہ اس کو چومے اسی حدیث پاک کی وجہ سے جس کو عبد اللہ بن عمرؓ نے روایت فرمایا کہ بے شک آقا

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی اور اسود کو چوما کرتے تھے اور دوسرے دو رکنوں کو بالکل استلام نہ فرماتے تھے اور رکن یمانی کو چومنا اس لیے بھی مستحب ہے کہ یہ حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے مطابق ہے لہذا اس میں استلام کرنا بالکل اسی طرح مسنون ہے۔ جیسے کہ حجر اسود کا۔ اور مستحب یہ ہے کہ ان دونوں رکنوں کو طواف کے ہر چکر میں چومے اسی حدیث کی دلیل سے جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا کہ بے شک آقا صلی اللہ علیہ وسلم دونوں رکنوں کو طواف کے ہر چکر میں چوما کرتے تھے۔ **ستائیسویں دلیل۔ کتاب فقہ شافعی مُغنی المحتاج جلد اول صفحہ ۴۸۸** علیٰ مَتْنِ مِنْهَاجِ شَافِعِي۔ قَوْلُهُ وَيَسْتَلِمُ الْيَمَانِيَ وَلَا يُقَبِّلُهُ۔ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ۔ نَدْبًا فِي كُلِّ طَوْفَةٍ لِلْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ۔ قَوْلُهُ وَلَا يُقَبِّلُهُ۔ لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ وَلٰكِنْ يُقَبِّلُ بَعْدَ اِسْتِلَامِهِ مَا اِسْتَلَمَهُ بِهِ فَإِنْ عَجَزَ عَنْ اِسْتِلَامِهِ اَشَارَ إِلَيْهِ كَمَا نَقَلَهُ اِبْنُ عَبْدِ السَّلَامِ خِلَافًا لِابْنِ اَبِي الصَّيْفِ الْيَمَنِيِّ لِأَنَّهَا بَدَلٌ عَنْهُ لِتَرَتُّبِهَا عَلَيْهَا عِنْدَ الْعَجْزِ فِي الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَكَذَا هُنَا وَمُقْتَضَى الْقِيَاسِ اَنَّهُ يُقَبِّلُ مَا اَشَارَ بِهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ كَمَا اَفْتٰى بِهِ شَيْخِي وَالْمُرَادُ بِعَدَمِ تَقْبِيْلِ الْاَرْكَانِ اِنَّمَا هُوَ نَفْيُ كَوْنِهِ سُنَّةً فَلَوْ قَبَّلَهُنَّ اَوْ غَيْرَهُنَّ مِنَ الْبَيْتِ لَمْ يَكُنْ مَكْرُوْهًا وَلَا خِلَافَ الْاَوْلٰى بَلْ يَكُوْنُ حَسَنًا كَمَا نَقَلَهُ فِي الْاِسْتِقْصَاءِ عَنْ نَصِّ الشَّافِعِيِّ۔

ترجمہ۔ متن منہاج کا قول کہ رکن یمانی کو چھوئے مگر ہونٹ لگا کر اس کو نہ چومے اور استلام کرے۔ رکن یمانی کا مستحب ضروری سمجھتے ہوئے اسی مذکور حدیث پاک کی دلیل کی وجہ سے اور اس کا یہ کہنا کہ منہ لگا کر نہ چومے صرف اس لیے ہے کہ امام شافعی کو اس کی کوئی روایت کسی نے نہ پہنچائی لیکن امام شافعی کے نزدیک ہاتھ لگا کر ہاتھ کو ضرور ہونٹوں سے چومے اور اگر بھیڑ کی وجہ سے استلام یمانی سے عاجز ہو تو دور سے اشارہ اس لیے ضروری ہے کہ وہ استلام بالید کا بدلہ ہے بالکل اسی پر مرتب ہونے کی وجہ سے جیسا کہ حجر اسود میں بھیڑ سے عاجزی کے وقت کیا جاتا ہے پس ایسے ہی یہاں بھی اور شرعی قیاس کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ اس چیز کو ضرور ہونٹوں سے چومے جس سے رکن یمانی کی طرف اشارہ کیا ہے اور صحیح مسئلہ بھی یہی ہے جیسا کہ میرے شیخ نے اسی مذہب پر فتوٰی جاری کیا ہے اور وہ جو کہا گیا ہے کہ رکنوں کو منہ لگا کر نہ چومو اس سے امام شافعی کی مراد یہ ہے کہ یہ بات ان کے نزدیک سنت سے ثابت نہیں۔ لیکن اگر کسی نے منہ لگا کر بھی ان کو یا کعبے شریف کے کسی بھی حصے کو چوما تو نہ مکروہ ہوگا نہ خلاف اولیٰ بلکہ چومنا حسن ہے جیسا کہ کتاب الاستقصا

میں امام شافعی سے روایت ہے۔ **اٹھائیسویں دلیل۔ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب۔** اَلْمُغْنِی لِابْنِ قدامہ جلد سوم صفحہ ۳۷۹ پر ہے مَسْئَلَۃٌ ۔ قَالَ وَلَا یَسْتَلِمُ وَلَا یُقَبِّلُ مِنَ الْاَرْکَانِ اِلَّا الْاَسْوَدَ وَالْیَمَانِیَ ۔ اَلرُّکْنُ الْیَمَانِیُّ قِبْلَۃُ اَھْلِ الْیَمَنِ وَالرُّکْنُ الْاَسْوَدُ وَھُوَ قِبْلَۃُ اَھْلِ خَرَاسَانَ (الخ) فَاِذَا وَصَلَ الرَّابِعَ وَھُوَ الرُّکْنُ الْیَمَانِیُّ اِسْتَلَمَہٗ قَالَ الْخِرَقِیُّ وَیُقَبِّلُہٗ وَالصَّحِیْحُ عَنْ اَحْمَدَ اَنَّہٗ لَا یُقَبِّلُہٗ (الخ) قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ جَائِزٌ عِنْدَ اَھْلِ الْعِلْمِ اَنْ یَسْتَلِمَ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَالرُّکْنَ الْاَسْوَدَ ۔ لَا یَخْتَلِفُوْنَ فِیْ شَیْءٍ مِنْ ذٰلِکَ وَلَنَا قَوْلُ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَسْتَلِمُ اِلَّا الْحَجَرَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَیَسْتَلِمُ الرُّکْنَیْنِ الْاَسْوَدَ وَالْیَمَانِیَ فِیْ کُلِّ طَوَافِہٖ ۔

ترجمہ۔ امام احمدؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ طواف کعبہ میں کسی رکن کا نہ استلام کرے نہ اس کو چومے سوائے حجر اسود اور یمانی کے رکن یمن والوں کا قبلہ ہے اور رکن اسود خراسان والوں کا قبلہ ہے یعنی ان سمتوں پر یہ دونوں ملک واقع ہیں۔ اس طرح رکن عراقی کی سیدھ میں عراق اور رکن شامی کی سیدھ میں شام واقع۔ طواف کرنے والا جب چوتھے رکن یعنی رکن یمانی کے پاس پہنچے تو اس کو استلام کرے امام خرقی حنبلی نے فرمایا کہ اس کو منہ لگا کر چومے لیکن امام احمد بن حنبلؓ کا ایک صحیح قول یہ ہے کہ منہ سے نہ چومے اور امام ابن عبدالبر حنبلی نے فرمایا کہ اہل علم کے نزدیک دونوں رکنوں کا استلام جائز ہے یعنی اسود اور یمانی اور دونوں کے استلام میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہماری دلیل ابن عمر کا فرمان ہے کہ بیشک آقا صلی اللہ علیہ وسلم صرف حجر اسود اور یمانی کا اپنے ہر طواف میں استلام فرماتے تھے اور طواف کرنے والے کو چاہیے کہ دونوں رکنوں کو چومے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ہم نے اس دوسری فصل میں ثابت کردیا کہ چاروں ائمہ مجتہدین رکن یمانی کو استلام کرنا سنت مؤکدہ فرماتے ہیں اگرچہ کچھ باتوں میں معمولی اختلاف ہے نیز کسی امام کا یہ فرمانا کہ تقبیل یمانی کی حدیث مجھے نہیں ملی تو اس سے اصل مسئلہ متاثر نہیں ہوتا کیونکہ اس زمانے میں کسی شخص کو کسی حدیث کا نہ ملنا کوئی تعجب خیز نہیں اور نہ ہی اس سے حدیث کی نفی ہوتی ہے۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح آسانیاں نہ تھیں کہ ایک مسئلے کے لیے سینکڑوں حوالے بیٹھے بیٹھے ایک عام لائبریری سے مل جاتے ہیں اس وقت تو ایک روایت کو تلاش کرنے کے لیے دنیا جہان کا سفر کرنا پڑتا تھا اور وہ بھی ہزار مصیبتوں کے ساتھ۔ **تیسری فصل۔ شارحین اور فقہاء عظام کے اقوال مبارکہ۔ انتیسویں دلیل۔ کتاب عون المعبود شرح سنن ابوداؤد** جلد سوم صفحہ ۲۲۶ پر ہے وَاسْتَحَبَّ بَعْضُھُمْ تَقْبِیْلَ الرُّکْنِ الْیَمَانِیْ ۔ اِنْتَھٰی قَالَ الْمُنْذِرِیُّ وَاَخْرَجَہٗ

اَلْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ ترجمہ۔ بعض علماءِ کرام نے رکن یمانی کو منہ سے چومنے کو مستحب فرمایا ہے۔ امام منذری نے فرمایا کہ اس مسلک کو امام بخاری اور مسلم اور نسائی و ابن ماجہ نے ظاہر فرمایا ہے۔ **تیسویں دلیل** سنن دار قطنی جلد دوم ص۲۹۰ پر ہے۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَ وَیَضَعُ خَدَّہٗ عَلَیْہِ ترجمہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کو اپنے لبوں سے چومتے تھے اور اپنا رخسار مبارک اس پر رکھتے تھے۔ **اکتیسویں دلیل**۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتح القدیر فتاوٰی جلد دوم ص۱۵۳۔ کَانَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ یُقَبِّلُ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَ وَیَضَعُ یَدَہٗ عَلَیْہِ۔ **بتیسویں دلیل** فتاوٰی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد دوم ص۱۸ پر ہے۔ اِنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کَانَ اِذَا اسْتَلَمَ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَ قَبَّلَہٗ **تینتیسویں دلیل**۔ در مختار شامی جلد دوم ص۲۳۲۔ وَقَالَ مُحَمَّدٌ ھُوَ سُنَّۃٌ وَیُقَبِّلُہٗ وَالدَّلَائِلُ تُؤَیِّدُہٗ ترجمہ۔ ان تین حوالوں کا۔ آقاءِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی چومتے تھے اور اپنا رخسار پاک اس پر رکھتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا یہ سنت ہے اور اس کو منہ سے بھی ضرور چومنا چاہیے اور کثیر دلائل اس عمل شریف کی تائید کرتے ہیں۔ **چونتیسویں دلیل**۔ فتاوٰی بحر الرائق۔ جلد دوم ص۳۳۰ وَاَمَّا الْیَمَانِیُّ فَیُسْتَحَبُّ اَنْ یَسْتَلِمَہٗ وَلَا یُقَبِّلُہٗ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ھُوَ سُنَّۃٌ وَتَقْبِیْلُہٗ مِثْلُ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَالدَّلَائِلُ تَشْھَدُ لَہٗ فَاِنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لَمْ اَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمَسُّ مِنَ الْاَرْکَانِ اِلَّا الْیَمَانِیَیْنِ کَمَا فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یُقَبِّلُ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَ وَیَضَعُ یَدَہٗ عَلَیْہِ رَوَاہُ الدَّارُ قُطْنِیُّ وَعَنْہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِذَا اسْتَلَمَ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَ قَبَّلَہٗ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ فِیْ تَارِیْخِہٖ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ قَالَ مَا تَرَکْتُ اِسْتِلَامَ ھٰذَیْنِ الرُّکْنَیْنِ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَ وَالْحَجَرَ الْاَسْوَدَ مُنْذُ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُھُمَا رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَقَدْ عَلِمْتَ اَنَّ اِسْتِلَامَ الْحَجَرِ وَالرُّکْنِ الْیَمَانِیِّ یَعُمُّ التَّقْبِیْلَ فَقَدْ دَلَّ عَلٰی سُنِّیَّۃِ اِسْتِلَامِہٖ وَاَظْھَرُ مِنْہُ مَا رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤُدَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَا یَدَعُ اَنْ یَسْتَلِمَ الْحَجَرَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَ فِیْ کُلِّ طَوَافِہٖ فَاِنَّہٗ صَرِیْحٌ فِی الْمُوَاظَبَۃِ الدَّالَّۃِ عَلَی السُّنِّیَّۃِ وَاعْلَمْ اَنَّہٗ قَدْ صَرَّحَ فِیْ غَایَۃِ الْبَیَانِ اَنَّہٗ لَا یَجُوْزُ اِسْتِلَامُ غَیْرِ الرُّکْنَیْنِ وَھُوَ تَسَاھُلٌ فَاِنَّہٗ لَیْسَ فِیْہِ مَا یَدُلُّ عَلَی التَّحْرِیْمِ وَاِنَّمَا ھُوَ مَکْرُوْہٌ کَرَاھَۃَ التَّنْزِیْہِ وَالْحِکْمَۃُ فِیْ عَدَمِ اِسْتِلَامِھِمَا اَنَّھُمَا لَیْسَا مِنْ اَرْکَانِ الْبَیْتِ حَقِیْقَۃً لِاَنَّ بَعْضَ الْحَطِیْمِ مِنَ الْبَیْتِ فَیَکُوْنُ الرُّکْنَانِ اِذَنْ وَسْطَ الْبَیْتِ۔ ترجمہ اور لیکن رکن یمانی تو مستحب ہے کہ اس کو

استلام ضرور کرے لیکن اس کو بوسہ نہ دے۔ امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ استلام سنت ہے اور اس کو منہ لگا کر چومنا حجر اسود کی طرح ہے اور تمام دلائل بھی اسی پر شاھد ہیں یعنی ابن عمرؓ کی احادیث اور ابن عباس کی احادیث رکن یمانی کو حجر اسود کے چومنے کی طرح ثابت کر رہی ہیں ان چومنے والی احادیث کو دارقطنی اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا جس میں صاف صاف لکھا ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کو کبھی چوما کرتے اور کبھی ہاتھ مبارک لگایا کرتے تھے اور حجر اسود اور رکن یمانی دونوں کے لیے لفظ استلام احادیث میں فرمانا عام کرتا ہے دونوں کے چومنے کو اور چونکہ اس استلام پر ہر طرف اور ہر جگہ میں ہمیشگی ثابت ہے۔ اس لیے یہ استلام رکن یمانی سنت مؤکدہ ہوا جس کا تارک گناہگار ہوتا ہے) باقی دو رکنوں کو استلام کرنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ وہ دونوں عراقی شامی رکن کعبہ کے بیچ میں دیوار کی طرح ہیں نہ کہ رکن اس لیے کہ کعبہ معظمہ تو آگے حطیم تک ہے۔ **پینتیسویں دلیل۔ فتاوٰی رملی مالکی جلد دوم حاشیہ فتاوٰی کبرٰی صـ۸ــ پر ہے**۔ سُئِلَ هَلْ يُسَنُّ تَقْبِيْلُ الْيَدِ عِنْدَ الْإِشَارَةِ إِلَى الرُّكْنِ الْيَمَانِيْ إِذَا عَجَزَ عَنْ اِسْتِلَامِهٖ فَأَجَابَ نَعَمْ يُسَنُّ ترجمہ حضرت امام شمس الدین محمد الرملی مالکیؒ سے کسی نے فتوٰی مانگا کہ اگر کوئی شخص رکن یمانی کو چومنے یا ہاتھ لگانے سے بھیڑ کی وجہ سے عاجز ہو تو کیا دور ہی سے ہاتھ کا اشارہ کرنا اور اس ہاتھ کو چومنا سنت ہے تو آپ نے جواب فرمایا کہ ہاں یہ کام سنت ہے۔ **چھتیسویں دلیل۔** شرح نووی مالکی علی مسلم شریف جلد اول صـ۴۱۲ــ وَعَنْ مَالِكٍ رِوَايَةٌ أَنَّهٗ يُقَبِّلُهٗ وَعَنْ أَحْمَدَ رِوَايَةٌ أَنَّهٗ يُقَبِّلُهٗ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ترجمہ۔ اور امام مالک علیہ الرحمۃ سے ایک روایت ہے کہ آپ رکن یمانی کو چوما کرتے تھے اور امام احمد سے بھی روایت ہے کہ آپ بھی رکن یمانی کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم **سینتیسویں دلیل۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اول صـ۲۲۶ــ** اور اس کے حاشیے پر فتاوٰی قاضی خان جلد اول صـ۲۹۲ــ پر ہے۔ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ وَهُوَ حَسَنٌ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَاِسْتِلَامُ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ مُسْتَحَبٌّ فِيْ قَوْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ ترجمہ۔ اور استلام کرے رکن یمانی کا اور یہ عمل اچھا ہے ایسا ہی ظاہر روایت میں لکھا ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک رکن یمانی کو چومنا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔ **اڑتیسویں دلیل۔** فتاوٰی بُلْغَةُ السَّالِكِ إِلٰى مَذْهَبِ امام مالک جلد اول صـ۲۶۷ــ پر ہے۔ وَسُنَّ اِسْتِلَامُ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ أَوَّلَ شَوْطٍ بِأَنْ يَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَيْهِ وَيَضَعُهَا عَلٰى فِيْهِ (الخ)

وَأَمَّا تَقْبِيْلُ الْحَجَرِ وَاِسْتِلَامُ الْيَمَانِيْ فِيْ بَاقِي الْأَشْوَاطِ فَمَنْدُوْبٌ كَمَا يَأْتِيْ ۔ ترجمہ۔ اور

سنت فرمایا گیا ہے رکن یمانی کا استلام طواف کے پہلے چکر میں اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنا داہنا ہاتھ اس رکن یمانی پر رکھے اور پھر اس ہاتھ کو اپنے منہ پر رکھ کر چوم لے اور حجر اسود کی تقبیل اور یمانی کا استلام طواف کے باقی چکروں میں مستحب ہے جیسا کہ آئندہ وضاحت ہوگی۔ **انتالیس دلیل** **تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد دوم صفحہ ۱۸** پر ہے۔ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَانَ اِذَا اسْتَلَمَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ قَبَّلَهٗ ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکن یمانی کا استلام فرماتے تھے تو اس کو منہ سے چومتے تھے۔ **چالیسویں دلیل۔ امام علامہ جیون حنفی علیہ الرحمۃ** نے اپنی کتاب المناسک میں صفحہ ۲۰ پر فرمایا۔ وَصِفَتُ اِسْتِلَامِ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ مِثْلُ الْاَسْوَدِ كَمَا فِي الْاَحَادِيْثِ ترجمہ۔ اور رکن یمانی کا استلام بالکل اسی طریقے پر لازم ہے جیسا کہ حجر اسود کا استلام۔ ایسا ہی احادیث پاک سے ثابت ہے۔ یعنی جس طرح بوقت ضرورت حجر اسود کا چار طریقے سے استلام جائز ہے اسی طرح رکن یمانی کا استلام بھی چار طریقوں سے جائز ہے تمام احادیث مبارکہ سے یہی ثابت اور واضح ہو رہا ہے اسی لیے احادیث پاک میں دونوں رکنوں کے استلام کا ذکر بغیر تفریق ایک ساتھ ہو رہا ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث مبارکہ میں سے چند احادیث میں استلام یمانی کی وضاحت بھی منقول ہے ان چالیس دلائل میں جو کچھ ہم نے ثابت کرنا چاہا ہے وہ یہی ہے کہ رکن یمانی کو چار طریقے سے استلام کیا جانا ضروری ہے ۱۔ منہ لگا کر چومنا اس کو تقبیل کہتے ہیں۔ ۲۔ ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چومنا دونوں یا ایک ہاتھ کوئی سا بھی احادیث میں بائیں ہاتھ کی ممانعت کہیں ثابت نہیں لیکن اگر مجبوری نہ ہو تو صرف الٹا ہاتھ لگانا بے ادبی ہے۔ اس صورت میں سینہ پھرا کر سمتِ کعبہ کرنا جائز ہے ۳۔ بھیڑ کی وجہ سے مجبوراً دور سے اشارہ ہاتھ کا کرکے ہاتھ کو چومنا ۴۔ یا دور سے لکڑی کا اشارہ کرکے لکڑی کو چومنا یہی چار طریقے حجر اسود کے استلام کے ہیں۔ خیال رہے کہ طواف کے چکروں میں طواف کا سینہ لازماً واجباً اور چہرہ لازماً مستحباً چلتے ہوئے سامنے رکھنا ضروری ہے۔ لیکن رکن یمانی اور حجر اسود کے چومنے کے وقت سینہ اور چہرہ ان رکنوں کی طرف کرنا مجبوراً جائز ہے کیونکہ استلام رکنین سنت مؤکدہ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ استلام رکن یمانی سنت غیر مؤکدہ بعض کے خیال میں سنت نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔ مگر یہ تمام اقوال غیر مستند اور شاذ کم فہمی ہیں۔ احادیث میں سے کسی کی تائید ظاہر و ثابت نہیں۔ احادیث مبارکہ سے صرف پہلے قول جمہور کی ہی تائید ہوتی ہے خیال رہے کہ سنت مؤکدہ و غیر مؤکدہ اور مستحب واجب و فرض کے الفاظی القاب صرف فقہاء عظام کے اصطلاحی نام ہیں ورنہ یہ القابات کسی بھی عبادت کے لیے احادیث و آیت

سے ثابت نہیں۔ اور یہ القاب عبادات قرآن وحدیث کے دلائل کی اقسام وضع کیے گئے ہیں۔ چنانچہ جو چیز اور جو کام (آیت واحادیث کی دلیل قطعی سے ثابت ہو وہ فقہا کے نزدیک فرض اور جو عبادت دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ واجب۔ جس کو آقا و کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ادا فرمایا ہو وہ سنت موکدہ ہے۔ یعنی جب بھی اس عبادت کا وقت آیا اور نبی کریم روف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ضرور ادا فرمایا تو وہ کام امت کے لیے سنتِ موکدہ ہو گیا۔ اگرچہ وہ عمل شریف ایک یا دو دفعہ ہی زندگی پاک میں آیا ہو۔ اسی طرح جو کام آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے معینہ وقت آنے پر کبھی کیا کبھی نہ کیا وہ سنتِ غیر موکدہ ہے۔ جس کو نبی کریم آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا عمل ہے وہ مستحب کہلایا۔ بہر کیف یہ نام والقاب سب اقوال مجتہدین فقہا سے ثابت ہیں نہ کہ قرآن وحدیث سے ہے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

سوال ع ۲۵

کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلے میں کہ وضو کرتے وقت وضو کرنے والا کسی کو سلام کر سکتا ہے یا کسی دوسرے مسلمان کے سلام کا جواب دے سکتا ہے یا نہیں اور کیا وضو کی حالت میں بھی سلام کا جواب دینا فرض ہے یا مستحب یا ممنوع۔

دستخط سائل۔ قاری محمد اعظم کوکب مقام چک میراں ڈاکخانہ کڑیانوالہ

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

قانونِ شریعت مطہرہ کے مطابق ہر وہ کام جس میں ذکر اللہ یا دعائیں پڑھنی ضروری ہیں اس عملی عبادت میں دنیوی بات کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اصطلاح فقہ میں ہر وہ کام دنیوی بات ہے جس میں بندوں کو خطاب ہو اگرچہ اس کلام وخطاب کا حکم شریعتِ اسلامیہ نے دیا ہو۔ لہذا کسی کو عربی الفاظ میں دعائیں دینا بھی دنیوی بات میں شمار ہوگا۔ مثلاً۔ بارک اللہ۔ جزاک اللہ وغیرہ۔ اسی طرح السلام علیکم اور وعلیکم السلام بھی دنیوی کلام ہوا۔ وضو بذاتِ خود ہر قسم کا اور ہر وقت کا فرضی عبادت ہے اور وضو کے ہر رکن میں ذکر اذکار و دعائیں ماثورات پڑھنا لازم ہیں۔ وضو کے دوران ہر قسم کا دنیوی کلام اپنی اپنی زبان میں اگرچہ وہ اہل عرب کی عربی زبان ہی

کیوں نہ ہونا پسندیدہ ہے اور اکثر فقہاء کرام نے وضو میں دینوی کلام سے منع فرمایا ہے۔ اس بنا پر وضو کرتے وقت نہ سلام کرنا درست ہے اور نہ ہی جواب دینا فرض ہے۔ اس لیے کوئی شخص بھی وضو کرنے والے کو سلام نہ کرے اور اگر کوئی بھول یا لاعلمی سے سلام کر دے تو وضو والا بحالت عمل وضو اس کو جواب نہ دے ہاں البتہ وضو سے فارغ ہو کر اگر مناسب جانے تو سلام کرے یا جواب دے۔ اس مسئلے پر چند دلائل شرعی قائم ہیں۔ پہلی دلیل۔ کتاب تصوف ذکر خیر ص ۱۴۱ پر لکھا ہے کہ جب مسلمان وضو کرتا ہے تو چار فرشتے اس پر نور کی چادر تان لیتے ہیں۔ جب ایک دنیوی بات یا خطاب کرتا ہے تو ایک فرشتہ چادر کا ایک کونہ چھوڑ کر چلا جاتا ہے دوسری بات سے دوسرا فرشتہ اور تیسری و چوتھی بات سے تیسرا اور چوتھا کونہ چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور نور کی چادر اوپر اڑ جاتی ہے۔ کیونکہ نور اور نار کا خاصہ اوپر جانا ہے نیچے گرنا نہیں اس طرح دینوی باتوں کا یہ نقصان ہوا کہ وضو کرنے والا نور الٰہی سے محروم رہ گیا۔ یہ تو اہل مکاشفہ کے فرمودات و مشاہدات ہیں۔ دلیل دوم۔ ویسے بھی وضو ذکر اللہ اور دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ وضو کرنے والا جب ہاتھ ہتھیلی دھونے لگے تو پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر یہ ذکر اللہ پڑھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ الْمَاءَ طَهُوْرًا۔ ترجمہ۔ تمام تعریفیں میرے اس اللہ کریم کے لیے ہیں جس نے پانی کو (بندوں کے لیے) پاک کرنے والا بنایا۔ جب وہ کلی کرنے لگے تو یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اسْقِنِیْ مَاءَ حَوْضِ نَبِیِّكَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اَظْمَأُ بَعْدَهٗ اَبَدًا۔ ترجمہ۔ اے میرے رحیم کریم اللہ مجھ کو (دنیا و آخرت میں) اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض مبارک کا پانی پلا تاکہ پھر کبھی میں ابدالاباد تک پیاس کی تکلیف میں مبتلا نہ رہوں۔ پھر جب ناک میں پانی چڑھائے تو پڑھے اَللّٰهُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَلَا تُرِحْنِیْ رَائِحَةَ النَّارِ۔ ترجمہ اے میرے معبود مجھ کو جنت کی خوشبو عطا فرمانا اور جہنم کی بدبو سے بچانا جب منہ دھوئے تو پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ بَیِّضْ وَجْهِیْ عِنْدَ الْمَوْتِ وَفِی الْقَبْرِ وَالْحَشْرِ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔ ترجمہ اے میرے اللہ پاک میرے چہرے کو نورانی چمکدار سفید فرمانا موت کے وقت اور قبر میں حشر میں اس دن جبکہ کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے کالے سیاہ اور پھر جب وضو کرنے والا اپنا سیدھا (داہنا) ہاتھ دھونے لگے تو پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ كِتَابِیْ فِیْ هٰذَا الْیَدِ۔ ترجمہ۔ اے میرے خالق تعالیٰ رحیموں کے رحیم اللہ میرا اعمال نامہ میرے اس سیدھے ہاتھ میں عطا فرمانا۔ پھر جب بایاں (الٹا) ہاتھ دھونے لگے تو پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِیْ كِتَابِیْ فِیْ هٰذَا الْیَدِ۔

اے میرے ستار کریم الٰہ العلمین میرا اعمالنامہ میرے اس الٹے ہاتھ میں نہ پکڑانا۔ جب سر کا مسح کرے تو پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ حَرِّمْ شَعْرِیْ وَبَشَرِیْ عَلَی النَّارِ۔ ترجمہ اے غفور الرحیم مولیٰ تعالیٰ میرے جسم کے تمام بالوں اور میری کھال کو جہنم کی آگ پر حرام فرما دینا۔ جب سیدھا پاؤں دھوئے تو پڑھے اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ ھٰذَا عَلٰی صِرَاطِ الشَّرِیْعَۃِ وَالطَّرِیْقَۃِ۔ ترجمہ۔ اے پروردگار عالم میرے اس مضبوط قدم کو دنیوی زندگی میں شریعت اور طریقت کے راستے پر قائم و ثابت فرمانا۔ پھر جب الٹا پیر دھوئے تو پڑھے اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ اَقْدَامِیْ یَوْمَ تَزِلُّ اَقْدَامُ النَّاسِ۔ ترجمہ۔ اے میرے رب کریم میرے قدموں کو اس قیامت کے دن میں ثابت و مضبوط رکھنا جس دن بہت لوگوں کے قدم پھسل پھسل جائیں گے۔ پھر وضو والا اٹھ کر کھڑا ہو کر سورۃ اِنَّا اَنْزَلْنَا پڑھے اور آسمان کو دیکھے پھر کلمہ شہادت پڑھے پھر عرض کرے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ وَاَوْلَادِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ وَاَوْلَادِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ وَاَوْلَادِیْ مِنَ الَّذِیْنَ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ ترجمہ اے میرے خالق تعالیٰ مجھکو اور میری ساری اولاد کو سچی حقیقی توبہ کرنےوالوں میں سے بنا اور بنا مجھ کو میری اولاد کو پاکیزہ لوگوں میں سے اور بنا مجھ کو اور میری اولاد کو ان لوگوں میں سے جن پر دنیا و آخرت میں انکو کچھ خدشہ ہوتا ہے نہ غمگین و فکرمند پریشان ہوں۔

اب ثابت ہو گیا کہ وضو مجموعہ اذکار ہے اور جب بندہ دعاؤں اور ذکر اللہ میں مشغول ہو تو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا منع ہے۔ **دلیل سوم۔ فتاوٰی ردالمحتار جلد اول ص۵۷۰** پر ہے یُکْرَہُ السَّلَامُ عَلَی الْمُصَلِّیْ وَالْقَارِیْ وَالْجَالِسِ لِلْقَضَاءِ (الخ) والمشتغل بِقِرَئَۃِ الْقُرْاٰنَ وَالدُّعَاءِ حَالَ شُغْلِہٖ وَالْجَالِسِیْنَ فِی الْمَسْجِدِ لِتَسْبِیْحٍ اَوْقِرْءَۃٍ اَوْذِکْرٍ حَالَ التَّذْکِیْرِ۔

ترجمہ: سلام کرنا مکروہ ہے نمازیں پڑھنے والے کو اور قرأت کرنے والے کو اور فیصلہ کرنے والے جبکہ وہ فیصلوں کے لیے بیٹھا ہو اور تلاوت والے کو اور دعائیں پڑھنے والے کو اس کی مشغولیت کی حالت میں اور مسجد میں تسبیح یا تلاوت یا کوئی سا ذکر اللہ کرنے والے کو ذکر کی حالت میں۔ اسی طرح پہلے ارشاد ہوا کہ یَاثِمُ بِالسَّلَامِ عَلَی الْمَشْغُوْلِیْنَ۔ (الخ) وَلَوْسَلَّمَ عَلَیْھِمْ لَایَجِبُ عَلَیْہِ الرَّدُّ لِاَنَّہٗ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ وَمَفَادُہٗ اَنَّ کُلَّ مَحَلٍّ لَایُشْرَعُ فِیْہِ السَّلَامُ لَایَجِبُ رَدُّہٗ وَفِیْ شَرْحِ الشِّرْعَۃِ صَرَّحَ الْفُقَھَاءُ بِعَدَمِ وُجُوْبِ الرَّدِّ فِیْ بَعْضِ الْمَوَاضِعِ۔

ترجمہ۔ اذکار میں مشغول لوگوں کو سلام کرنے سے سلام کرنے والا گناہ گار ہوگا اور اگر کسی نے ایسے حضرات کو سلام کر دیا تو ان ذکر اور دعائیں پڑھنے والوں پر جواب دینا ضروری نہیں ہے اور کتاب شرح شرعۃ میں ہے کہ فقہاء کرام نے وضاحت فرما دی ہے کہ بعض موقعوں پر سلام کا جواب

دینا ضروری نہیں۔ چوتھی دلیل شامی علی درمختار جلد اوّل صفحہ ۵۷۶ پر ہے فَیُکْرَہُ السَّلَامُ عَلٰی مُشْتَغِلٍ بِذِکْرِاللّٰہِ تَعَالٰی بِاَیِّ وَجْہٍ کَانَ ترجمہ۔ سلام کرنا مکروہ ہے ذکر اللہ میں مشغول ہونے والوں کو خواہ کسی بھی صورت سے وہ ذکر اللہ کرتے ہوں۔ ان تمام دلائل سے اقتضاءً ثابت ہو رہا ہے کہ وضو کرنے والے کو سلام نہ کیا جائے اور اگر کوئی سلام کر دے تو وضو کرنے والا اس کو سلام کا جواب نہ دے کیونکہ حالت وضو بھی ذکر اذکار اور دعاؤں کا مقام ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا۔ پانچویں دلیل فتاویٰ درمختار علی تنویر الابصار جلد پنجم صفحہ ۲۶۶ پر ہے۔ وَیُکْرَہُ السَّلَامُ عَلَی الْفَاسِقِ لَوْ مُعْلِنًا وَاِلَّا لَا کَمَا یُکْرَہُ عَلٰی عَاجِزٍ عَنِ الرَّدِّ حَقِیْقَۃً کَآکِلٍ اَوْ شَرْعًا کَمُصَلٍّ وَقَارِیٍٔ وَلَوْ سَلَّمَ لَا یَسْتَحِقُّ الْجَوَابَ۔ ترجمہ۔ اور مکروہ ہے۔ سلام کرنا فاسق گناہ گار کو اگر اس کی بدمعاشی اور فسق و فجور لوگوں میں عام مشہور ہو۔ وگرنہ مکروہ نہیں ہے۔ جیسے کہ مکروہ ہے سلام کرنا جواب دینے سے عاجز آدمی کو خواہ وہ حقیقی عاجز ہو مثلاً طعام کھانے والا کیونکہ اس کے منہ میں نوالہ ہے جواب وہ حقیقتاً نہیں دے سکتا۔ خواہ شرعی عاجز ہو۔ مثلاً نماز پڑھنے والا اور تلاوت کرنے والا اور اگر کسی نے ان کو سلام کر دیا تو وہ سلام کرنے والا جواب کا مستحق (حقدار) نہ ہوگا۔ دلالۃً ثابت ہوا کہ وضو کرنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کسی نے سلام کر دیا تو جواب دینا منع ہے اور سلام والا جواب کا مستحق نہ ہوگا۔ اس لیے کہ وضو کرتے والا بھی اپنے وضو اور وضو کی دعاؤں ذکر اذکار کی وجہ سے اور نورانی چادر کی وجہ سے کسی بھی دنیوی خطابی تکلم اور جواب دینے سے عاجز ہے اور یہ کراہت بھی کراہت تحریمی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۵۷۶ پر باب مَا یُفْسِدُ الصَّلٰوۃَ میں ہے۔ قَوْلُہٗ سَلَامُکَ مَکْرُوْہٌ ظَاہِرُہُ التَّحْرِیْمُ (الخ) ترجمہ۔ مصنف علیہ الرحمۃ کا فرمان کہ تیرا سلام کرنا ان فلاں فلاں قسم کے لوگوں کو مکروہ ہے۔ تو اس مکروہ سے مراد ظاہر ظہور مکروہ تحریمی ہی ہے۔ خیال رہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں تقریباً انتیس ۲۹ قسم کے لوگوں کو سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ جن میں سے نو قسم کے لوگوں کو ان کی برائی کی وجہ سے تحقیراً سلام کرنا منع ہے اور دس قسم کے لوگوں کو ان کی نیک عملی میں مشغولیت کی وجہ سے اور چھ قسم کے لوگوں کو ان کی یا پردہ شرمیلے عمل کی وجہ سے سلام کرنا منع جن کی تعداد علی الترتیب اس طرح ہے ۱ کافر ۲ زندیق ۳ بدمعاش ۴ شرابی کو بحالت شراب ۵ مذاق بازی میں مشغول ۶ کبوتر بازی ۷ گویا مراثی ۸ عام گالی گلوچ کرتے والا ۹ پاگل مجنون ۱۰ نماز پڑھنے والا ۱۱ ذکر اللہ کرنے والا۔

نمبر ۱۲ تلاوت قرآن مجید کرنے والا نمبر ۱۳ جج یا قاضی جو فیصلہ کر رہا ہو یا بیان سن رہا ہو۔ نمبر ۱۴ دینی تعلیم میں مشغول استاد یا شاگرد نمبر ۱۵ دینی مسائل میں بحث مباحثہ کرنے والے اور علمی تحقیق و گفتگو میں مشغول نمبر ۱۶ دعائیں مانگنے والا نمبر ۱۷ بوقتِ اذان نمبر ۱۸ جمعہ و عیدین کے خطبے کے وقت نمبر ۱۹ نماز کی اقامت و تکبیر کے وقت نمبر ۲۰ ننگے آدمی کو نمبر ۲۱ غسل کرنے والا نمبر ۲۲ استنجا کرنے والا نمبر ۲۳ جماع کرنے والا نمبر ۲۴ گونگا بہرا نمبر ۲۵ سونے والا یا بے ہوش نمبر ۲۶ کھانا کھانے والا یہ اٹھائیس قسم کے لوگ ہیں جن کو سلام کرنا گناہ و منع ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے سلام کا جواب دینے سے مجبور ہیں۔ ان تمام قسموں کا ذکر کتب فقہ میں بصراحت موجود ہے۔ لیکن اسی تصریح کی اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے کہ وضو کرنے والا بھی اپنی دعائیں پڑھنے کی وجہ سے سلام کا جواب نہیں دے سکتا لہذا وہ بھی مجبورین و عاجزین کی صف میں شامل ہے۔ ان کل انتیس قسموں کے علاوہ باقی تمام مسلمانوں کو سلام کرنا سنتِ عامہ ہے اور بلند آواز سلام کرنا مستحب ہے اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے اور بلند آواز سے جواب دینا واجب ہے چنانچہ فتاوی درمختار شامی جلد پنجم صفحہ ۲۶۵ پر ہے۔ وَاعْلَمْ اَنَّهُمْ قَالُوْا اَنَّ السَّلَامَ سُنَّةٌ وَاِسْمَاعَهٗ مُسْتَحَبٌّ وَجَوَابَهٗ اَیْ رَدَّهٗ فَرْضُ كِفَايَةٍ وَاِسْمَاعُ رَدِّهٖ وَاجِبٌ بِحَيْثُ لَوْ لَمْ يُسْمِعْهُ لَا يَسْقُطُ هٰذَا الْفَرْضُ عَنِ السَّامِعِ حَتّٰى قِيْلَ لَوْ كَانَ الْمُسْلِمُ اَصَمَّ يَجِبُ عَلَى الرَّادِّ اَنْ يُّحَرِّكَ شَفَتَيْهِ وَيُرِيَهٗ بِحَيْثُ لَوْ لَمْ يَكُنْ اَصَمَّ لَسَمِعَهٗ. ترجمہ اور جان لو کہ بے شک فقہاءِ عظام نے فرمایا کہ سلام سنت ہے اور اس کا سنانا مستحب ہے اور اس کا جواب دینا فرض کفایہ ہے اور جواب کا سنانا سلام کرنے والے کو واجب ایسے طریقے سے سنانا کہ اگر جواب کی آواز سلام والے نے نہ سنی تو جواب دینے والے سے اس کا یہ فرض معاف نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی بہرے شخص نے سلام کیا تو سننے والے پر واجب ہے کہ بالکل اسکے قریب جا کر اس طرح سلام کرے کہ اس کے ہونٹ ہلتے ہوئے وہ بہرا شخص دیکھ لے گویا کہ اگر وہ بہرا نہ ہوتا تو سلام کا جواب سن لیتا۔ مگر یہ پابندی صرف اسی سننے والے پر ہے جو سلام کا جواب دینے پر ہر طرح شرعًا و حقیقتًا قادر ہو لیکن جو شخص قادر نہ ہو تو بہرے آدمی کے لیے ہونٹ قریب لے جا کر ہلانا ضروری نہیں کیونکہ اس پر فرضیت قائم ہی نہ ہوئی۔ یہی کیفیت وضو کرنے والے کی ہے کیونکہ اس پر بھی جواب دینا فرض نہیں ہوا۔ نمبر ۲۷ اجنبی مرد اجنبی عورت کو سلام نہ کرے اگر کرے گا تو عورت پر جواب دینا فرض نہیں ہے بلکہ منع ہے۔ نمبر ۲۸ اسی طرح اجنبی عورت اجنبی مرد کو سلام نہ کرے اگر کریگی

تو اجنبی مرد پر جواب دینا فرض نہیں بلکہ منع ہے۔ خیال رہے اجنبی سے مراد غیر محرم اور غیر رشتے دار ہے اگرچہ واقفیت ہو یا محلے دار ہو یا پڑوسی ۲۹ بجز بیوی والدہ اور سگی وغیرہ بہن کے اور کسی عورت پر سلام کا جواب دینا فرض نہیں۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم۔

کتب

سوال ۲۶

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں۔ کہ یہ ہماری زمین جس پر ہم تمام لوگ بستے ہیں کیا یہ سیارہ ہے اور چاند سورج کی طرح کسی نامعلوم منزل کی طرف مسلسل چل رہی ہے یا گردش کرتے ہوئے گھوم رہی ہے۔ موجودہ زمانے میں سائنسدان تو یہ کہتے ہی ہیں کہ زمین ایک جگہ ساکن نہیں ہے مگر ہمارے علاقے لیوٹن انگلینڈ میں ایک نئے امام خطیب جو اپنے آپ کو علامہ اور بہت بڑا عالم کہتے ہیں بڑی بڑی دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھنے اور سند یافتہ ہونے بہت علمیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی چند یوم پیشتر کسی محفل میں یہی کہا کہ زمین گردش کرتی ہے ساکن نہیں ہے اور دلیل میں حضرت شیخ سعدی کا ایک شعر پڑھا۔

وصلی اللہ علیٰ نورے کزو شد نورہا پیدا فلک در حُبّ او ساکن زمین در عشق او شیدا

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں فلک (آسمان) ساکن ہے اور زمین ان کے عشق میں شیدا یعنی رواں دواں بھاگتی پھر رہی ہے۔ مولوی علامہ نے کہا کہ یہ شعر گلستان میں ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کا ہے۔ ہم ان کی ان باتوں کو سن کر بہت متعجب ہوئے کہ ایک عالم دین ہو کر ایسی دنیوی بیہودہ بات کر رہا ہے اگر کوئی دنیادار اس طرح کی بات کرتا یا کوئی سائنس زدہ ایسا کہتا تو تعجب نہ ہوتا اور پھر دلیل میں نہ کوئی آیت نہ حدیث ایک شاعر کا قول اور اس میں بھی اپنے مطالب یعنی کرکے بیان کرنا حیرانی کی بات ہے۔ لہٰذا آپ ہم کو قرآن وحدیث کا صحیح فتویٰ مدلل اور آسان عام فہم لکھ کر عطا فرمائیں۔ تاکہ ہم ان کو منہ توڑ جواب دے سکیں۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا ۔ دستخط السائل چوہدری عبدالرشید و چوہدری طاہر۔ و دیگر اھالیان لیوٹن انگلینڈ۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابُ

الجواب

محترم سائل صاحب آپ کا تفصیلی استفتاء گرامی وصول پایا۔ ہم نے اس سے قبل سکون زمین کے ثبوت اور زوال زمین کے بطلان میں کثیر دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ایک طویل مضمون بشکل فتوای جاری کرچکے ہیں جو ہمارے فتوای العطایا الاحمدیہ جلد دوم میں سالوں پہلے شائع ہوچکا ہے تفصیلی معلومات کے لیے وہاں مطالعہ فرمائیے لیکن چونکہ یہ سوالنامہ ایک ایسے شخص سے متعلق ہے۔ جنہوں نے آپ حضرات کو اپنا تعارف عالم دین اور علامہ وغیرہ اور یونیورسٹی کے سند یافتہ ہونے سے کرایا۔ جس کی حقیقت تو رب تعالیٰ ورسولہٗ بہتر جانتے ہیں۔ مگر ان کے دلائل حرکتِ زمین کے بارے میں یہ بات واضح کرتے ہیں کہ ان کے یہ مذکورہ بالا دعاوی حقیقت حال کے خلاف ہیں۔ مثلاً ان کا ایک شعر پڑھ کر یہ کہنا کہ یہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی گلستان کا شعر ہے عجب حیران کن دلیل ہے اور پھر لفظ شیدا کا خود ساختہ مطلب بیان کرکے تو حرکت زمین کے بجائے حرکتِ دماغی کی دلیل بعینہٖ پیش کرڈالی۔ ان پر ہی کیا جتنے بھی سائنس زدہ پروفیسر پرنسپل اور علامہ قسم کے لوگ ہیں اُن سب کے دلائل زمین گھومنے کے بجائے ان کے اپنے دماغی میٹر گھومنے کے ثبوت مہیا کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے اپنے پہلے فتوی میں ثابت کردیا۔ مذکورہ فی السوال شخص کی بے علمی کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہے کہ وہ مولانا جامی کے اشعار کو شیخ سعدی اور گلستان کے اشعار کہہ رہے ہیں اور پھر اس کا غلط معنیٰ بیان کرنا نادانی کی انتہا ہے۔ مولانا جامی کے یہ شعر اس طرح ہیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نُوْرٍ کزو شد نورہا پیدا	فلک در حبِّ اُو ساکن زمیں در عشقِ اُو شیدا
زہے سیئتش جامی اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ برخواں	زمعراجش چو میخوانی کہ سبحان الذی اَسْرٰی

ان اشعار کو گلستان کے شعر کہنا انتہائی نادانی ہے اور پھر اس میں لفظ شیدا سے حرکتِ زمین کی دلیل بنانا تو سخت تعجب ناک غلطی ہے۔ لفظ شیدا فارسی لغت کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے بہت زیادہ محبت کرنے والا۔ حرکت یا چلنے پھرنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کو شیدا کہنا جائز ہے۔ چنانچہ مولانا حسن رضا خان حسنؔ بریلوی ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کو عاشق کہنا منع ہے اور پھر یہ پیش کردہ جامی کے اشعار۔ یہ ان کا ذاتی شاعرانہ تخیل ہے یہ تخیل شرعی دلیل یا حقیقت واقعی نہیں بن سکتی جبکہ زمین کا ایک جگہ ساکن ہونا عقلیہ قیاسیہ اور نقلیہ مشاہداتی تجرباتی منطقی فلسفی دلائل کے علاوہ خود باری تعالیٰ خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے کلام پاک قرآن مجید کی تقریباً بائیس ۲۲ عدد آیتِ مبارکہ کے دلائل قطعیہ سے

بنصوص اربعہ عبارۃً دلالۃً واقتضاءً ثابت ہو رہا ہے۔ جس کے بعد کم از کم کسی مسلمان کو تو ایسی سائنسی بد عقیدگی وگمراہی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہم اپنے اس مضمون میں صرف ان ہی آیت پاک سے دلائل پیش کریں گے کیونکہ مقصد ان مذکورہ فی السوال خطیب صاحب کو ہی سمجھانا ہے۔ ۱ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا۔ ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو روک رکھا ہے چلنے اور سرکنے سے۔ اس آیت پاک کی عبارۃ النص نے ثابت فرما دیا کہ زمین بالکل ایک جگہ ساکن پڑی ہوئی ہے۔ تَزُوۡلَا بنا ہے زَوَالٌ سے اس کے معنٰی ہیں اپنی جگہ سے ہٹنا سرکنا یُمۡسِکُ بنا ہے۔ مَسۡکٌ سے اس کا معنٰی ہے ایک جگہ ٹھہرنا رکا رہنا۔ آفتاب چونکہ چلتا اور گردش کرتا ہے اس لیے اس کے چلنے کو زوال شمس کہتے ہیں۔ فقہاء کرام بھی آفتاب وغیرہ سیاروں کے چلنے پھرنے کو زوال ہی کہتے ہیں چنانچہ ھدایہ شریف جلد اول ص۵۵ پر ہے وَاَوَّلُ وَقۡتِ الظُّہۡرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمۡسُ ترجمہ۔ اور نماز ظہر کا شروع (ابتدائی) وقت اس وقت ہے جب سورج نصف النہار سے آگے چلا جائے۔ لغت کی کتابوں میں بھی زوال کا یہی معنٰی لکھا ہے چنانچہ لغات القرآن جلد دوم ص۱۱۹ اور لغات کشوری ص۳۵۵ پر زوال کا ترجمہ لکھا ہے چلنا پھرنا اپنی جگہ سے ہٹنا۔ اسی لیے نہ ہٹنے والی چیز کو لم یزل کہا جاتا ہے۔ مَسۡکٌ کے معنٰی بھی کتب لغت میں رو کنے اور روک رکھنے کے ہیں۔ یعنی چلنے پھرنے نہ دینا چنانچہ لغات القرآن نعمانی جلد ششم ص۲۰۶ پر یہی ترجمہ بیان کیا ہے۔ مفسرین کرام بھی امساک اور زوال کا ترجمہ روکنے اور نہ ہٹنے نہ سرکنے کا کرتے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کا جو ترجمہ فرمایا ہے اس کا منشا بھی سکون زمین ہے پیر کرم شاہ صاحب مدظلہ نے تزولا کا ترجمہ سرکنا کر کے وضاحت فرما دی کہ زمین بالکل ایک جگہ ساکن ہے۔ ان حوالوں کے بیان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ باری تعالیٰ نے کتنے صاف الفاظ میں سکون زمین کا ذکر فرما دیا کہ زمین رکی ہوئی ہے ایک انچ بھی اپنی جگہ سے سرک نہیں سکتی اب جو مسلمان اتنی واضح آیت کے ہوتے ہوئے پھر کفار کا عقیدہ اپنائے اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ ایسے بدعقیدہ غلط شخص کے پیچھے کسی مسلمان کی نماز جائز نہیں نہ اس کو علامہ کہنا جائز۔ ایک مسلمان کے لیے تو یہ ایک آیت ہی کافی ہے مگر ہم صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ سکون زمین کا عقیدہ رکھنا اور حرکت زمین کا کفریہ باطل نظریہ کا انکار کرنا ہر مسلمان کے لیے کتنا ضروری ہے۔ تمام آیتوں کو مع ترجمہ وتفسیر بیان کریں گے جس سے اصل مسئلے کے دلائل وثبوت کے علاوہ اس اصلاحی

عقیدے اہمیت بھی ظاہر ہوگی۔ اس لیے کہ کسی بات کو بار بار ذکر کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ یہ بات بہت اہم اور ذہن نشین کرنے کے قابل ہے۔ چنانچہ آیت دوم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا سورۃ رعد ۱۳ آیت ۳ پارہ ۱۳۔ ترجمہ۔ اور وہ اللہ وہ ہے جس نے پھیلایا (بچھایا) زمین کو اور لگائے اس میں بڑے بڑے کیل اور بنائی اس میں نہریں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ زمین گیند کی طرح گول نہیں جو لڑھکتی پھرے۔ بلکہ زمین ڈھلائی انڈے کی طرح ہے اور ہلنے سرکنے سے بچانے کے لیے اس میں پہاڑوں کے کیل ٹھونک دیئے گئے ہیں۔ اَنْهٰرًا کے ذکر سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہمیشہ ٹھیری ہوئی چیز پر ہی پانی اپنی سمت کا بہاؤ جاری رکھ سکتا ہے جو زمین خود الٹی پلٹی ہو کر دوڑ رہی۔ ہو بھلا اس کی سطح پر پانی دریا، نہر، سمندر کی موجودگی اور پھر روانگی موجیں لہریں کیسے ٹھہری رہ سکتی ہیں۔ اگر کسی پانی بھرے برتن کو تیزی سے گھماؤ تو اس میں پانی کا ٹھہراؤ تو ہو سکے ہے مگر لہریں اور روانگی نہیں ہو سکتی بلکہ ہر چیز ہی ساکن و جامد ہو کر رہ جاتی ہے یا پھر گر پڑتی ہے۔ لہٰذا یہ انسان حیوان کا زمین پر بسہولت چلنا پھرنا دوڑنا بھاگنا اور پانی کی ہر قسم پر روانگی بھی سکون زمین کو ثابت کر رہی ہے آیت ۳ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ۔ سورۃ الانبیاء ۲۱ آیت ۳۱ پارہ ۱۷۔ ترجمہ اور ہم نے زمین کے اندر تک بڑی مضبوط کیلیں ٹھونک دی ہیں کہ کہیں وہ زمین تم کو لے کر ہل نہ پڑے اس آیت پاک میں اَنْ ناصبہ مصدریہ سببیہ نے تمید کی نفی کی۔ تمید مَیْدٌ سے بنا ہے۔ جس کا معنی ہے ہلنا جلنا حرکت کرنا۔ چلنے میں ہلنا جلنا لازمی ہوتا ہے۔ ہلنے کی نفی سے چلنے کی نفی ہوئی۔ انسان حیوان ریل۔ موٹر کچھ بھی چلے تو ہلنا لازم ہے ہلنے کی نفی تو صرف قیام و سکون سے ممکن ہے۔ آیت ۴ وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ۔ سورۃ نحل ۱۶ آیت ۱۵ پارہ ۱۴ پانچویں آیت ان ہی الفاظ مبارکہ سے سورۃ لقمان ۳۱ آیت ۱۰ پارہ ۲۱۔ ترجمہ دونوں کا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر تک مضبوط کیلیں ڈال دی ہیں۔ تاکہ تمہیں لے کر ہل نہ پڑے۔ مطلب و معنیٰ وہی ہے کہ زمین بالکل ایک جگہ ساکن ہے دیگر سیاروں کی طرح سیارہ نہیں ہے۔ چھٹی آیت۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ سورۃ الحجر ۱۵ آیت ۱۹ پارہ ۱۴ ساتویں آیت ان ہی الفاظ مبارکہ سے سورۃ ق ۵۰ آیت ۷ پارہ ۲۶۔ دونوں آیتوں کا۔ ترجمہ اور زمین اس کو تو ہم نے بچھا رکھا ہے اور ٹھونک دی ہیں ہم نے اس میں بڑی بڑی مضبوط کیلیں۔ آیت ۸۔ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَا اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ ــ سورۃ نمل ۲۷ آیت ۶۱ پ ۲۰۔ ترجمہ

وہ ذات پاک جس نے زمین کو ایک جگہ قرار دیا اور اس کے بیچ میں نہریں بنائیں اور زمین کے لیے کیلیں لگادیں۔ آیت نہم۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً سورہ مومن نمبر ۴۰ آیت نمبر ۶۴ پارہ نمبر ۲۴۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ایک جگہ قرار دیا اور آسمان کو چھت بنایا۔ آیت دسویں وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۔ ترجمہ۔ اور زمین ہم نے ہی اس کو بچھایا ہے پس اچھا ہے سب بچھانے والوں سے۔ گیارہویں آیت وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ۔ سورۃ الرحمٰن نمبر ۵۵۔ آیت نمبر ۱۰ پ ۲۷۔ ترجمہ اور زمین اسکو تو رکھدیا ہے اللہ نے لوگوں کے لیے بارھویں آیت۔ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ سورۃ غاشیہ ۸۸ آیت ۲۰ پ ۳۰ ترجمہ اور کیا نہیں دیکھتے یہ کیطرت کہ وہ کیسی بچھادی گئی ہے۔ تیرھویں آیت وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا سورۃ الشمس ۹۱ آیت ۶ پ ۳۰۔ ترجمہ۔ اور قسم ہے زمین کی اور قسم ہے اس کے بچھانے والے کی۔ یہ تھیں وہ جن کی عبارۃ النص بتا رہی ہے کہ زمین ایک جگہ مضبوطی سے ٹکی ہوئی بچھی پڑی ہے۔ اس طرح الفاظ رب تعالیٰ نے کسی بھی سیارے کے لیے ارشاد نہیں فرمائے نہ چاند سورج کے لیے نہ مریخ، زہرہ عطارد کے لیے نہ مشتری، زحل کے لیے۔ اگر زمین بھی بقول گمراہان سیارہ ہوتی تو اس کے لیے رکھنے بچھانے ڈالنے ٹھہرنے کے الفاظ ارشاد نہ ہوتے۔ آیت چودھویں۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا ۔ سورۃ طٰہٰ نمبر ۲۰ آیت نمبر ۵۳ پ ۱۶۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ ایسا مہربان وشفیق ہے کہ اس نے تمہارے لیے پوری زمین کو ایک پالنا بنادیا۔ اس آیت پاک کی اقتضاء النص سے ثابت ہو رہا ہے کہ زمین ایک جگہ ٹھہری ہوئی ہے کیونکہ اس کو بچے کے پالنے اور پنگھوڑے سے تشبیہ دی دی گئی ہے اور بتایا گیا کہ جس طرح پنگھوڑا دوڑتا نہیں پھرتا بلکہ ایک ہی جگہ پڑا رہتا ہے اس طرح زمین بھی ایک ہی جگہ پڑی ہوئی ہے اور جس طرح پنگھوڑے کا شیر خوار بچہ ہر طرح ماں کا محتاج ہے اے بندو تم بھی زمین میں اس طرح رب تعالیٰ کے ہر طرح محتاج ہو۔ اسی معنیٰ میں زمین کو ایک آیت میں فراشا بھی فرمایا گیا۔ یعنی ایک جگہ بچھا ہوا بستر (فرش)۔ پندرھویں آیت اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ۔ سورۃ اسریٰ نمبر ۱۷ آیت نمبر ۷۸ پارہ نمبر ۱۵ ترجمہ۔ قائم رکھو نماز کو سورج کے ڈھلنے کے وقت۔ ثابت ہوا کہ سورج گردش کرتا ہے ڈھلتا ہے چڑھتا ہے طلوع و غروب ہوتا ہے۔ یہ کیفیت زمین کی نہیں ورنہ اس کا بھی کہیں قرآن مجید میں ذکر ہوتا۔ یہ آیت پاک اشارہ النص ہے سکون زمین کے لیے۔ سولہویں آیت۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ سورۃ کہف نمبر ۱۸ آیت نمبر ۸۶ پارہ نمبر ۱۶ ترجمہ۔ یہاں تک کہ جب ذوالقرنین پہنچے

مغرب شمسی کے علاقے میں تو سورج کو برفانی تودوں میں غروب ہوتے محسوس کیا یعنی سورج کو چلنے اور غروب ہونے والا فرمایا گیا نہ کہ زمین کو اگر زمین گردش کرتی ہوتی تو فرمایا جاتا کہ زمین اوپر کو اٹھ رہی تھی اور یہ بھی تب جبکہ ایک ہی جگہ رہ کر زمین گھومے جیسے کہ اپنی دو انگلیوں (انگوٹھا اور اس کے ساتھ والی انگلی) میں کوئی گیند یا انڈا گھمایا جائے۔ مگر سائنس دان تو کہتے ہیں کہ زمین اڑتی پھر رہی ہے لیکن قرآن مجید کی یہ آیت فرما رہی کہ زمین نہیں بلکہ چاند سورج کو دلوک غروب اور زوال اور چلنا سرکنا ہے۔ ذوالقرنین نے محسوس یہ کیا کہ سورج برف میں ڈوب رہا ہے۔ یعنی احساس کا تعلق صرف عَیۡنٍ حَمِئَةٍ سے ہے آج بھی مغرب یا مشرق کے وقت سمندر کے کنارے کھڑے ہو جاؤ تو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ سورج پانی سے نکل رہا ہے اور اسی میں ڈوب رہا ہے۔ اس آیت نے بھی اشارۃ النص سے بتا دیا کہ زمین بالکل ایک جگہ ساکن ہے۔ آیت سترھویں۔ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ سورۃ الانبیاء ۲۱ آیت ۳۳ پارہ ۱۷ اٹھارھویں آیت۔ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ سورۃ یٰسٓ ۳۶ آیت ۴۰ پ ۲۳۔ ترجمہ، دونوں آیتوں کا وہی اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو۔ اور پیدا کیا سورج کو اور چاند کو۔ اور یہ دونوں ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔ اس آیت پاک کی دلالۃ النص سے ثابت ہو رہا ہے کہ زمین ساکن ہے کیونکہ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ۔ کی گنتی میں زمین شامل نہیں۔ حالانکہ رات اور دن کا وجود چاند و سورج کی گردش سے زمین پر ہی ہے۔ یعنی یہ دونوں چاند اور سورج تیر کر اور گردش کر کے زمین پر دن رات بنا رہے ہیں لہذا زمین اپنی جگہ آرام سے پڑی ہے۔ انیسویں آیت وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا سورۃ یٰسٓ ۳۶ آیت ۳۸ پارہ ۲۳۔ ترجمہ اور سورج چلتا رہے گا اپنے مقررشدہ وقت تک بیسویں آیت۔ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى۔ سورۃ فاطر ۳۵ آیت ۱۳ پارہ ۲۲ اور اکیسویں آیت۔ ان ہی الفاظ سے۔ سورۃ الزمر ۳۹ آیت ۵ پارہ ۲۳۔ ترجمہ اور تابعدار کیا اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو۔ یہ دونوں چلتے گردش کرتے رہیں گے مقررہ وقت تک۔ آیت بائیسویں۔ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ۔ سورۃ ابراہیم آیت ۳۳ پ ۱۳ ترجمہ اور مسخر کیا ہم چاند و سورج کو چلتے رہیں گے معین زمانے تک۔ لفظ دو کے لیے بھی مستعمل ہے۔ ان آیتوں مبارکہ کے ذریعے شریعت کے چاروں دلائل میں سے عبارۃً اقتضاءً دلالۃً اشارۃً بالوضاحت ثابت ہو گیا کہ زمین بالکل ساکن ایک ہی جگہ پڑی ہوئی ہے۔ نہ آسمانوں اور فلکیات میں تیر رہی ہے نہ ہواؤں میں پرندے کی طرح

نہی پانی پر کشتی کی طرح۔ ان عقل کے بیکاروں کو سوچنا چاہیئے کہ جب زمین کو پیدا فرمانے والا خالق کائنات اپنی زمین کے متعلق خود فرماتا ہے کہ زمین ساکن ایک جگہ پڑی ہے تو پھر کسی احمق کی جرأت ہے کہ خالق تعالیٰ کی بات چھوڑ کر کسی سائنس دان کی بات مانے۔ جو بھی امام یا خطیب ایسا بدعقیدہ بنائے گا۔ فاسق و فاجر ہے اور اگر ان مندرجہ بالا آیت پاک کو سن کر سمجھ کر پھر بھی اپنے اسی باطل عقیدے پر جما رہے تو وہ اپنے دین اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ بہرکیف ایسے بدعقیدہ شخص اور باطل نظریئے والے امام کے پیچھے نماز جائز نہیں جب تک یہ پکی توبہ نہ کرلے اس وقت تک اس کو قطعاً امام نہ بنایا جائے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتب

سوال ۲۷۷۔ امامت کے بارے شرعی احکام۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ آج کل کے دور میں جو سب سے بڑی مشکل ہم جیسے عام ناواقف مسلمانوں کو درپیش ہے۔ وہ جہالت کی نماز ہے جماعت کی اہمیت تو ہم کو معلوم ہے کہ بعض کے نزدیک واجب ہے اور اکثریت علماء عظام کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے جن کا تارک سخت گناہ گار ہے ہم یہ سب سمجھتے ہیں مگر مصیبت یہ ہے کہ جس مسجد میں بھی جاؤ وہاں کے امام مسجد میں بعض ایسے شرعی نقص نکل آتے ہیں۔ جن کے متعلق بزرگ علماء سے سنتے چلے آئے ہیں کہ یہ کام گناہ اور فسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز منع ہے۔ اس لیے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ کر دل مطمئن نہیں ہوتا اس سے تو بہتر ہے کہ علیحدہ ہی نماز پڑھ لی جائے اپنے پیرومرشد سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے آپ کا ذکر کیا کہ ان سے فتویٰ منگا لو تاکہ پتہ لگ جائے کہ کس امام کے پیچھے منع ہے بڑی مشکل سے بڑی مدت بعد آپ کا پتہ دستیاب ہوا اس لیے زحمت دی جا رہی ہے کہ ہمیں مختصر لفظوں میں ایک فہرست کی صورت میں متنبہ فرما دیا جائے کہ آج کل کس امام کے پیچھے اہل سنت کی نماز ہو جاتی ہے اور کس کس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی تاکہ سفر و حضر میں واقف ناواقف شخص کے پیچھے نماز پڑھنے میں احتیاط کرتے ہوئے اپنی نماز بچائی جائے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ سائل

عبدالاحد صدر انجمن تاجران سنبھل مراد آباد انڈیا۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ۔

الجواب

آپ کا یہ سوال اور استفتاء اگرچہ مختصر ہے مگر انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ نے نماز کی اہمیت کو سمجھا ہے اور اس پر توجہ دی ہے ورنہ بہت سے معتبر قسم کے لوگ بھی اس بات پر توجہ نہیں کرتے اور نا قابل امامت شخص کے پیچھے بے دھڑک اقتداء کر لیتے ہیں اور اپنی نمازوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں۔ خیال رہے کہ قانون شریعت کے مطابق تمام عباداتِ الٰہیہ میں روز اول سے صرف نماز ہی وہ عبادت ہے۔ جو بے شمار پابندیوں اور قیود و شرائط کے ساتھ مضبوطی سے بندھی ہوئی ہے۔ نمازی سے لے کر لباس جگہ وقت سمت یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں بھی سب کچھ شرعی قوانین میں جکڑا ہوا ہے جیب بدن جگہ لباس وغیرہ میں اتنی شدید پابندیاں ہیں کہ ذرا سی کسی جگہ غلطی یا کمی رہے گی تو نماز سرے سے نہ ہو گی۔ تو بھلا امامت میں آزادی اور آزاد خیالی کس طرح ہو سکتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہر کس و ناکس کے پیچھے پڑھ لی جائے اور پھر خوش ہوتے پھریں کہ ہم نے نماز پڑھ لی۔ نماز کی اہمیت اس سے بڑی اور کیا ہو گی کہ رب تعالٰی نے اپنے مصلے کی شان و شوکت ظاہر فرمانے کے لیے خود اپنے ذاتی انتخاب سے اپنے محبوب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور امامتِ نماز ان کے سپرد فرمائی اور اپنے بعد پیارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مصلے کو خالی نہ چھوڑا بلکہ اپنے انتخاب سے مصلہ صدیق اکبر؄ کے سپرد فرمایا۔ ھٰکَذَا اِلٰی اٰخِرِہٖ۔ یہ تو موجودہ دور میں ایک بیماری پیدا ہو گئی ہے کہ نماز اور اس کی امامت کو ہی عوام الناس مسلمانوں نے انتہائی غیر اہم سمجھ لیا ہے۔ اور بدقسمتی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ سیاسی جوڑ توڑ اور دنیوی اتحاد و اتفاق میں بھی نماز کی اقتداء و امامت کو ملوث کیا جاتا ہے اور اس بات کا طعنہ دیا جاتا ہے کہ مولوی تو ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے بھلا وہ اتحاد و اتفاق اور دوستی کیا کریں گے۔ ایسے کم ظرف لوگ یہ نہیں سوچتے کہ آپ کا سیاسی اتحاد اور بوقت ضرورت اتفاق اور یک جہتی اپنی جگہ ضروری ہے مگر نماز میں شرائط اور پابندیاں اتنی کڑی ہیں کہ اگر اپنے سگے بھائی بیٹے والد بلکہ استاد اور مرشد میں بھی کسی قسم کا شرعی نقص پایا جائے تو ان کے پیچھے بھی نماز جائز نہ ہو گی۔ باوجود اس بات کے کہ ادب و احترام اور محبت و الفت و شفقت اپنی جگہ برقرار ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اقتداء نہ کرنا صرف اپنی نماز کی حفاظت کرنے کے لیے ہے اس کو نا اتفاقی یا دشمنی اور مخالفت کی دلیل نہ بنانا چاہیے اسی طرح سیاسی لیڈروں اور سیاست میں مشغول علماء کو بھی چاہیے کہ اپنے سیاسی اتحاد سے نماز کی اقتدا کو ایک دم علیحدہ رکھیں

بلکہ اتحاد کرتے وقت اس چیز کا تذکرہ علی الاعلان کر دیں کہ نماز خالصتاً رب تعالیٰ کی ہے اس لیے یہ اتحاد نماز کی اقتداء یا امامت کے لیے نہیں ہو سکتا۔ نماز ہم اپنے ہی ہم عقیدہ اور باشرع آدمی کے پیچھے پڑھیں گے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ ختم نبوت کی تحریک کے سلسلے میں سنی شیعہ وہابی اتحاد ہوا۔ ہر جلسے جلوس اور محفل میں اجتماع بھی ایک ہوتا تھا اور رائے و مشورہ بھی ایک ہوتا ایک دوسرے کی عزت اور قیادت بھی تسلیم کی جاتی ایک جھنڈے تلے جمع ہو جاتے مگر نماز کے وقت اپنے اپنے امام کے پیچھے اپنے وقت پر ادا فرماتے کسی کو کچھ اعتراض نہ ہوتا نماز کے بعد پھر اسی طرح باہم خوشی خوشی مل بیٹھتے۔ یہ ٹھیک ہے کہ نماز کی جماعت اتحاد المسلمین کا اعلیٰ نشان ہے مگر اس کیلئے صرف جسمانی اور زبانی اتحاد کافی نہیں بلکہ ہم عقیدہ قلبی اور شریعت کی پابندیوں کا اتحاد بھی تو ضروری ہے۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ عقیدہ مخالفانہ اپنی جگہ قائم شریعت کی مخالفت و آزاد خیالی برقرار مگر سب کا امام بننے کا شوق۔ یہ ظلم عظیم سب سے پہلے سعودی حکومت نے شروع کیا کہ تابعین کے دور سے گرد کعبہ جو چار مصلے بچھتے چلے آرہے تھے اور ہر گروہ حنفی شافعی مالکی حنبلی اپنے اپنے امام کے پیچھے اپنے اپنے وقت میں نماز پڑھ کر بصد اطمینان صلوٰۃ مقبول حاصل کر لیتا تھا۔ اس ظالم حکومت نے وہ تین مصلے ختم کر کے صرف اپنے حنبلی بلکہ تیمیائی مصلے کو برقرار رکھا۔ جس کا وقت نماز بھی دیگر مسالک کے نزدیک غلط اور طہارت غسل و وضو بھی غلط۔ مثلاً امام حنبل اور ابن تیمیہ حنبلی کے نزدیک شیر خوار لڑکے کا پیشاب پاک اور تھوڑی نجاست گرنے سے پانی پلید نہیں ہوتا اور بدن سے خون نکل آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ تو ایسا تیمیائی امام اگر اپنا خون پونچھتا ہوا۔ یا ایسے تھوڑی گندگی ملے یا شیر خوار بچے کے پیشاب آلودہ پانی سے غسل کر کے مصلے پر کھڑا ہو جائے تو وہ حنفی مسلمان جو دنیا بھر سے لاکھوں کی تعداد میں حج و عمرہ کی سعادت لینے آرہے ہیں ان کی تمام نمازیں تو ایک گندے اور بے وضو امام کے پیچھے ہی مجبوراً پڑھنی پڑیں۔ گویا کہ مذہبی حکومتوں نے عبادتِ الٰہیہ کو بھی اپنی سیاست میں جکڑ کر رکھ دیا ہے اور عبادت کی آزادی چھین لی ہے۔ کم از کم یہ ٹھیکیداری اور اجارہ داری ختم ہونی چاہیے اور ہر مسلمان کو اپنے وقت میں اپنے ہم عقیدہ امام کے پیچھے نماز کی آزادی ملنی چاہیے۔ تاکہ ہر مسلمان کو اپنی نماز کی صحت پر تسلی اور یقینی اطمینان حاصل ہو بہر کیف نماز کا علیحدہ پڑھنا اتحاد و اتفاق اور یک جہتی کے منافی نہیں اور نہ ہی اس علیحدہ امامت و اقتداء کو مندرجہ بالا اس طعنے سے ملوث کرنا چاہیے۔ اتفاق اور اتحاد سیاسی و ملکی ضروریات کے لیے اشد لازم ہے۔ مگر اس اتحاد کے باوجود اپنے اپنے مسلک پر قائم رہنے میں کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا تو سمجھ لیجئے

کہ نماز اور امامت واقتدا کی تفریق بھی کسی اتحاد کے منافی نہیں اسی طرح مسلکوں کا مختلف ہونا بھی سیاسی اتحاد کے مخالف نہ ہونا چاہیے ہاں البتہ آپ کی دشمنی اتحاد کیلئے سخت مضر بلکہ زہر قاتل ہے۔ دشمنی تعصب سے پیدا ہوتی ہے اور تعصب بُرا ہے۔ نماز علیحدہ پڑھنا اور اپنے مخالف کی اقتدا سے بچنا یہ تعصب نہیں بلکہ تصلب ہے اور دین میں تصلب اچھی علامت ہے۔ بعض لوگوں کی یہ محض حماقت ہے کہ انہوں نے تصلب کو تعصب سمجھا اور بے غیرتی اور ذلت کی حد تک چاپلوسی اور کاسہ لیسی کو خوش اخلاقی کا نام دیا۔ اور اس بیہودہ اخلاقی میں اپنے دین وایمان واعمال بگڑنے کی پرواہ نہیں کی بہرکیف سیاسی وملکی اتحاد یہ اپنا ساختہ ہے آج کچھ اور کل کچھ ایسا اتحاد تو ہماری ہندوستانی تاریخ میں ہنود ونصاریٰ سے بلکہ ایک وقت تو ہم وطن ہندو سکھ عیسائی وغیرہ عوام نے بھی غیر ملکی دشمن کے خلاف مسلمانوں کے ساتھ اتحاد ویک جہتی کا مضبوط ثبوت دیا تھا۔ مگر ایسا اتحاد کسی کے مذہب میں کبھی آڑے نہیں آیا نہ چاہیے۔ سیاسی ضروریات بدلتی رہتی ہیں مگر نماز اور اس کی شرعی پابندیاں تو الٰہی قانون ہے اس کی حفاظت تو ہر مسلمان کا عملی وشرعی فریضہ ہے۔ جس طرح کسی بے وضو کے پیچھے ہم نماز نہیں پڑھ سکتے اگرچہ جگری دوست یا سگا ہو۔ اسی طرح کسی بدعقیدہ کے پیچھے بھی ہم نماز نہیں پڑھ سکتے۔ اگرچہ اتحاد ویک جہتی کے وعدوں میں ہم نوالہ وہم پیالہ ہو۔ یہ فتوای چونکہ صرف اہل سنت والجماعت کے لیے لکھا جارہا ہے۔ جن کی خصوصی پہچان بریلوی کا لقب ہے اس لیے سائل کی مطلوبہ فہرست میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ ہوگا جن کے پیچھے عقیدتاً یا عملاً عوام اہل سنت کی نماز جائز نہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ بریلوی ہونا کوئی علیحدہ مسلک مذہب یا دین نہیں۔ نہ کوئی سنی اس لحاظ سے بریلوی ہے نہ ہی اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں مجدد ملت نے اپنے آپ کو یا اپنے کسی مرید کو بریلویت کا لقب دیا۔ بلکہ آپ نے ہر نثر ونظم مضامین میں اپنے ہم مسلک مسلمانوں کو سنی اور اہل سنت ہی کہا جیسا کہ آپ کے مشہور ومقبول سلام اور دیگر نعتیہ کلام سے ظاہر ہے۔ بریلویت تو بعد میں لفظ اہل سنت کا شناختی لقب ہوا جس طرح کہ روافض کا شناختی لقب شیعہ اور شیعان علی ہے اور وہابی حضرات کا لقب دیوبندی وغیرہ تقریباً بارہ تیرہ القاب ہیں۔ لہذا اگر کوئی صحیح العقیدہ سنی کسی وجہ سے اپنے آپ کو بریلوی نہیں کہتا تو کوئی مضائقہ نہیں جب وہ سلام پڑھے گا یا نعرۂ رسالت لگائے گا تو قدرتی ہر اپنا پرایا اس کو بریلوی ہی کہے گا۔ اس تمہید کے بعد ہم تمام اہل سنت کے لیے ان لوگوں کی مختصر فہرست پیش کرتے ہیں۔ جن کے پیچھے اہل سنت کے لیے نماز پڑھنا منع اور سنی مساجد میں ایسے لوگوں کو امام بنانا قطعاً ناجائز ونقصان دہ ہے۔

فہرست المقبوحین۔ اوّل ۔ ہر قسم کے بدعقیدہ لوگوں کے پیچھے اہل سنت کی نماز پڑھنا منع ۔ مثلاً شیعہ تبرائی ۔ شیعہ تفضیلی اور اسماعیلی ۔ بوہرہ فرقے والے اثنا عشری پنجتنی اور مثلاً مرتدین کفار مرزائی قادیانی ولاہوری اور مثلاً وہابی ۔ ان کی تیرہ شاخیں ہیں نمبر ۱ اہل حدیث (غیر مقلد) نمبر ۲ دیوبندی نمبر ۳ تیمیائی نمبر ۴ تبلیغی نمبر ۵ مودودی نمبر ۶ حیاتی ۔ یعنی وہ دیوبندی جو حیات النبی کے قائل ہیں ۔ نمبر ۷ مماتی ۔ وہ دیوبندی جو حیات النبی کے منکر ہیں ۔ نمبر ۸ چکڑالوی نمبر ۹ پرویزی نمبر ۱۰ خارجی ، یہ فرقہ یزید پلید مردود کا ثنا گو اور اس کو اچھا سمجھنے والا ہے نمبر ۱۱ احراری نمبر ۱۲ خاکسار یعنی بیلچہ پارٹی نمبر ۱۳ فرقہ علی گڑھی (سرسید کا مذہبی گروہ) ۔ ان تیرہ فرقوں کے عملیات ونظریات کچھ مختلف ہیں مگر عقائد سب کے وہابیانہ ہیں ۔ یہ بیس عدد فرقے عقیدۃً اہل سنت کے مخالف ہیں ان سے بوقتِ ضرورت سیاسی اور ملکی مفاد میں اتحاد وگٹھ جوڑ جائز ہے مگر نماز کسی بھی موقعہ پر جائز نہیں بلکہ علی الاعلان علیحدہ پڑھو اگرچہ بغیر جماعت ہی کیوں نہ پڑھنی پڑے ۔ **دوم** ۔ فاسق معلن یعنی وہ گناہ گار جو عقیدۃً تو سنی ہو مگر گناہ گار اور فاسق وفاجر اس کا گناہ نماز میں اس کے ساتھ ہو نمبر ۱ مثلاً کپڑے کے ریشم کا لباس (پگڑی یا ٹوپی یا کرتا پاجامہ یا اچکن کوٹ وغیرہ اگرچہ سوتی لباس کے اوپر ہو) پہن کر نماز پڑھائے ۔ نمبر ۲ یا داڑھی حد شرع چار انگلی سے کم رکھتا ہو اور داڑھی کترانا اس کی فیشنی عادت ہو نمبر ۳ داڑھی حدِ شرع سے زائد بے تحاشہ بڑھا کر رکھے نمبر ۴ مونچھیں بڑھا کر رکھے اس طرح کہ ہونٹوں پر بال آئیں نمبر ۵ سونے پیتل تانبہ لوہا رولڈ گولڈ سلور کی انگوٹھی یا چھلہ امام نے پہنا ہو یا کوئی زیور پہنا ہو چاندی کی صرف ایک انگوٹھی یا چھلہ جس کا وزن چار ماشے ہو وہ پہننا شرعاً جائز ہے لیکن دو چھلے منع ہیں نمبر ۶ بعض نقشبندی بزرگ نماز جمعہ کو ساری دنیا میں فرض عین نہیں مانتے ۔ بعد دو رکعت باجماعت جمعہ کے وہ چار رکعات ظہر احتیاطی بطریقہ فرض پڑھتے ہیں ایسے امام کے پیچھے فرض عین ماننے والے کی نماز جمعہ جائز نہیں ۔ اگر کہیں ایسا اندیشہ ہو تو علیحدگی میں پوچھ لینا بہتر ہے نمبر ۷ اگر امام نے داڑھی یا سر پر کالا خضاب لگایا ہو تو اس کے پیچھے نماز منع ہے نمبر ۸ امام کا تہبند یا شلوار پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے نیچا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے ۔ نمبر ۹ عورتوں جیسے رنگ دار چمکدار کپڑے پہننے والے امام کے پیچھے نماز منع ہے نمبر ۱۰ ننگے سر امام کے پیچھے نماز ناجائز نمبر ۱۱ کرتے اور کوٹ اچکن وغیرہ کے سب بٹن کھلے ہوں اور امام کا ننگا سینہ نظر آتا ہو تو نماز اس کے پیچھے منع ہے ۔ یہ گیارہ قسم کے لوگ فاسق معلن ہیں کیونکہ ان کے گناہ بحالتِ نماز موجود ہیں اس لیے انکے پیچھے نماز ناجائز ہے اگر مجبوراً یا دھوکے میں پڑھی گئی تو نماز لوٹانی پڑے گی لیکن فاسق غیر معلن کے پیچھے نماز جائز ہے اگرچہ وہ نورانیت حاصل نہ ہوگی جو ایک متقی کے پیچھے پڑھنے

سے حاصل ہوتی ہے۔ سوم۔ نابالغ بچے کے پیچھے نماز منع ہے۔ چہارم۔ حنبلی اور شافعی مسلک کے امام کے پیچھے حنفی شخص کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اکثر شوافع اور حنابلہ صفوں میں کھڑے ہوتے بھی مسواک کرتے رہتے ہیں اور دانتوں سے خون نکلتا رہتا ہے اور رومال سے پونچھتے یا خود ہی چوستے رہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک ایسا امام بے وضو ہے اور بے وضو کے پیچھے نماز منع ہے۔ پنجم عورت کے پیچھے مرد کی نماز منع ہے۔ ششم خنثیٰ کے پیچھے مرد کی نماز منع ہے۔ ہفتم جس امام نے اپنے گلے میں رومال یا چادر لٹکا کر سدل کیا ہو یعنی دونوں کنارے لٹکتے چھوڑے ہوں اس کے پیچھے بھی نماز ناجائز ہے۔ ہشتم جس امام نے اپنے پائنچے موڑ کر ٹخنوں سے اوپر کیے ہوں۔ نہم جس امام نے اپنی آستینیں آدھی یا پوری کلائی تک موڑی ہوئی ہوں۔ دہم۔ جس امام کے منہ سے بحالتِ نماز سگریٹ وغیرہ کی بدبو آرہی ہو۔ جس امام کے لباس میں کسی جگہ جاندار کی تصویر یا گلے میں ایسے نوٹوں کا یا مصنوعی پھولوں کا ہار ہو جس پر کسی جاندار کے چہرے کی تصویر بنی ہو۔ خلاصہ کلام یہ کہ موجودہ دور میں اس قسم کے مندرجہ بالا اکتالیس عدد اماموں کے پیچھے نماز پڑھنا سخت منع ہے اگر کسی وجہ سے پڑھی گئی تو لوٹانی پڑے گی۔ ایسے اماموں سے اپنی نماز بچانی لازم ہے لیکن وہ فاسق غیر معلن جس کا گناہ بحالتِ نماز تو موجود نہیں مگر اس کی بدمعاشی آوارگی لچر بازی غیبت چغلی یا بدکاری عام مشہور ہے ایسے امام کے پیچھے بھی بلا مجبوری نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ ہاں البتہ اگر کسی مجبوری کے تحت پڑھ لی گئی تو فریضہ ادا ہو جائے گا لوٹانی نہ پڑے گی۔ یہ فہرست تو اس وقت کے اعتبار سے ہے مگر یہ قربِ قیامت کا زمانہ ہے بُرے اور غلط افراد کی کمی نہیں ہوتی بلکہ دن بدن زیادتی ہی ہوتی جارہی ہے آئندہ وقتوں میں نہ معلوم کتنے ایسے لوگوں کا اضافہ ہو جائے جن کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہو جائے۔ دوازدہم۔ اب تو ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے جارہے ہیں جو چند پیسوں کی خاطر امامت کے مصلے پر قابض ہونا چاہتے ہیں مگر علم قرآنی سے سخت جاہل ہیں۔ تلاوت و تلفظ میں بیسیوں غلطیاں ہیں اگر کوئی سمجھانے کی کوشش کرے تو ہٹ دھرمی پر اتر آتے ہیں اور اصلاح کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ ایسے امام کے پیچھے بھی نماز پڑھنا منع ہے۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

فتوای ۲۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ؕ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ پرسوں مورخہ ۸۳۔ ۷۔ ۶ کو روزنامہ جنگ لندن کے پہلے اور آخری صفحات پر ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں عید الفطر کی نماز کے بارے میں امام کونسل مانچسٹر کا فیصلہ نشر کیا گیا ہے اور برطانیہ بھر کے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ اس فیصلے کی مختصر عبارت حسب ذیل ہے کہ برطانیہ کے مسلمان عید الفطر کی نماز ۱۲ جولائی ۱۹۸۳ء بروز منگل پڑھیں۔ اگرچہ یکم شوال یقینی طور پر ۱۱ جولائی بروز پیر ہو جائے اور عید کا چاند ۱۰ جولائی بروز اتوار نظر آجائے۔ یا گواہان شرعی سے ثابت ہو جائے۔ لہٰذا عید الفطر یکم شوال کو نہ روزہ رکھو کیونکہ عید الفطر ہے نہ نماز پڑھو۔ بلکہ دوسرے دن شوال دوم کو ادا کرو۔ اپنے اس فیصلے کے لیے مضمون نگار حضرات نے چار وجہ بیان کیے ہیں۔

پہلی وجہ: یہ کہ برطانیہ کے مزدور طبقے کو حکومت سے چھٹی لینے کی بڑی دشواری ہے صرف ایک دن کی ملتی ہے اور پہلے لینی پڑتی ہے۔ مسلمان طبقہ پہلے متعین نہیں کر سکتا کہ عید کب ہے اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ تاکہ پہلے سے دن متعین کر کے چھٹی حاصل کی جا سکے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ ہر غیر مسلم اپنی ہر خوشی ہر تہوار عالمی سطح پر متفقہ طریقے سے مناتے ہیں۔ مگر مسلمان کو ہر دفعہ بہت مصیبت بلکہ غیر مسلموں کے طعنے سننے پڑتے ہیں۔ جس سے ہماری نئی نسلیں پریشان ہو کر اسلام سے برگشتہ ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اپنی نسلوں کو اسلام سے قریب لانے اور غیر مسلمانوں کا منہ بند کرنے کے لیے دوسرے دن نماز عید پڑھی جائے۔

تیسری وجہ: یہ کہ برطانیہ بھر کی متفقہ عید سے جہاں ہم دوسرے ملکوں کو اپنے اس اتحاد کا عملی نمونہ دکھا سکیں گے۔ وہاں غیر مسلموں کی نگاہ میں بھی اسلام کی شان و شوکت بڑھے گی جس سے مسلمانوں کی عزت میں چار چاند لگ جائیں گے اور ہم کہیں پرانی اور مایوس کن طرز دل سے نسل مسلم کو دین متین سے دور کرنے کا باعث نہ بن جائیں۔

چوتھی وجہ: یہ کہ بہت سے مسلمانوں نے رمضان پاک کے چاند میں گڑبڑ کی وجہ سے تیسی

سے ایک روزہ بعد میں رکھا تھا ان کے روزہ ۱۰ جولائی کو ۲۸ ہوں گے وہ پیر کو روزہ رکھ کر اپنے روزے درست کرسکیں گے۔ اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا۔ اپنے اس فیصلے پر مضمون نگار نے تین دلائل پیش کیے ہیں۔

پہلی دلیل: یہ کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیے تنگی نہیں چاہتا۔

دوسری دلیل: یہ کہ۔ اہل علم پر مخفی نہیں یہ حقیقت کہ مجبوری کی وجہ سے عید الفطر ایک دن اور عید الضحٰے دو دن موخر کی جاسکتی ہے۔

تیسری دلیل: یہ کہ اتحاد المسلمین بہت ضروری ہے اور ہمارے اس کارنامے سے اسلام کے وقار کو چار چاند لگ جائیں گے۔ اس مضمون میں صرف دو حضرات کے نام ہیں ۱؎ مولانا نثار احمد بیگ صاحب ۲؎ مولانا قمر الزمان صاحب اعظمی۔ ممبران مسجد و امام کو نسل تفصیل طلب صرف تین باتیں ہیں۔

پہلی بات: یہ کہ اس فیصلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ صاحب مضمون نے تو کوئی حوالہ پیش نہیں کیا۔ مگر آپ براہ کرم باحوالہ قرآن وحدیث وفقہ سے جواب عطا فرمائیں۔

دوسری بات: یہ کہ۔ پرسوں عید کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے ہم اس فیصلے پر عمل کریں یا نہ کریں۔

تیسری بات: یہ کہ اس فیصلے سے بجائے اتحاد ہونے کے مسلمانوں میں چار دن پہلے ہی خلفشار پڑ گیا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نئے نئے مولوی اٹھ کر نئی نئی باتیں کرتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں۔ ہم پچاس سال سے برطانیہ میں رہتے ہیں۔ کبھی ایسا فیصلہ سننے میں نہیں آیا۔ چودہ سو سال سے عید کی نماز پہلے ہی دن پڑھی جاتی رہی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں یہ فیصلہ ٹھیک ہے۔ براہ مہربانی جلد از جلد مکمل مدلل شرعی فتوٰی عطا فرمایا جائے۔ مزید غور وفکر کے لیے روزنامہ اخبار مذکور بھی حاضر خدمت ہے۔

دستخط مستفتیان کرام ۱؎ (حضرت مولانا) طارق مجاہد (صاحب) پرنسپل جامع تبلیغ الاسلام مدبریڈ فورڈ ۵؎ ۲؎ (حضرت مولانا) حافظ وزیر احمد (صاحب)

پرنسپل خطیب (اعظم) جامعہ مسجد شفیلڈ ۳؎ (حضرت مولانا) عبد المجید (صاحب خطیب معظم) راد ھرم۔ مورخہ ۸۳/۷/۸۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابْ

الجواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَاٰلِهٖ رَءُوْفِ الرَّحِیْم ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔ !

میں نے آپ کے استفتاء اور محولہ روزنامہ جنگ لندن چھ جولائی ۱۹۸۳ء کا بغور مطالعہ کیا۔ میری شرعی تحقیق کے مطابق یہ فیصلہ قطعاً غلط اور شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔ مضمون نگار حضرات نے یہ فیصلہ بہت ہی جلد بازی میں کیا۔ نہ قرآن مجید میں غور کیا، نہ احادیث میں نہ عباداتِ فقہ کو سمجھا اور نہ ہی دانشور سمجھ دار صاحب اتباع علماء عظام سے پوچھنے کی زحمت گوارہ فرمائی۔ حالانکہ رب تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ترجمہ: اگر تم کسی بات یا مسئلے کا علم نہ رکھتے ہو تو ذکر والوں سے پوچھ لو۔ اغلباً یہ فیصلہ صرف ان دو مذکوران حضرات کا ہے۔ نہ کہ پوری کونسل امام مذکور کا۔ یہی وجہ ہے کہ مضمون میں پیش کردہ چار وجوہ اور تین دلائل بالکل ہی ناکارہ اور ناقابل قبول ہیں۔ وجوہ تو اس لیے عبث ہیں کہ نہ اس طرح غیر مسلموں کے منہ بند ہوسکتے ہیں۔ نہ اتحاد پیدا ہوسکتا ہے۔ نہ نسلیں خراب ہوتی ہیں۔ چودہ سو سالہ دور میں ہزاروں مشکلیں آئیں مگر کبھی کوئی نسل کسی اسلامی فطری قانون سے خراب نہ ہوئی۔ نہ اس سے قبل برطانیہ میں چھٹی کی دشواری کسی عبادت کے آڑے آئی۔ اسلام کی شوکت تو ازل سے قائم ہے۔ اسے کبھی بیہودہ چار چاند کی ضرورت نہیں بلکہ دو۔ دو۔ تین۔ تین۔ چار چار چاندوں نے ہمیشہ مصیبت ہی ڈالی ہے ان کے دلائل بھی غلط بلکہ ان کو دلائل کہنا ہی غلط ہے نہ قرآن مجید کی آیت پاک کا یہ مطلب ہے اور نہ فقہ میں کوئی ایسا عذر شرعی کچھ حیثیت رکھتا ہے اور نہ اسلام کو ایسے اتحاد کی ضرورت ہے جس سے قانون اور طرح عبادت مجروح ہو۔ ان دو بزرگ مفکرین حضرات نے قطعاً تدبر سے کام نہیں لیا۔ نہ فقہی عبارات کو دیکھنے غور کرنے کی زحمت گوارہ کی۔ لہٰذا اس فیصلے کو ہرگز قبول نہ کیا جائے۔ ورنہ نماز عید ختم ہوجائے گی اور سخت ترین گناہ وعذاب لازم ہوگا۔ بلکہ علماء اہل اسلام برطانیہ کا چاند کے متعلق جو بھی احادیث وفقہ کی روشنی میں ۲۹ ماہ رمضان کو فیصلہ ہو اس کے مطابق یکم شوال اور عید الفطر کی نماز وغیرہ ادا کی جائے اور اگر روزہ کسی کا کم ہوتا ہو تو وہ بعد عید جب چاہے قضا کرے۔ یہ اخباری فیصلہ شریعت کے دلائل کی وجہ سے قطعی غلط ہے اور ان مندرجہ ذیل شرعی قانون۔ دلیلوں کی بناء پر یہ فیصلہ

شرعی جرم ہے۔ **پہلی دلیل**: قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْن ترجمہ: پس جہنم کی ویل ہلاکت ہے اُن نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز کو مؤخر کرتے یعنی وقت کے بعد پڑھتے ہیں۔ ساہون لفظ کا معنیٰ وقت گزار کر نماز پڑھنے والے چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد پانزدہم صـ۲۴۲ پ۳۰ پر ہے۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَمَاعَةٍ تَاخِيْرُهَا عَنْ وَقْتِهَا۔ ترجمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا کہ ساھون کا معنیٰ ہے نماز کو وقت کے بعد پڑھنا۔ ایسے نمازیوں کی سزا ویل ہے اور ویل کے معنیٰ ہلاکت اور بربادی بھی ہے اور ویل جہنم کا ایک خطرناک مقام بھی ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر جلد چہارم صـ۵۵۳ پر ہے۔ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِيْ جَهَنَّمَ لَوَادِيًا تَسْتَعِيْذُ جَهَنَّمُ مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِيْ فِيْ يَوْمٍ أَرْبَعَمِائَةِ مَرَّةٍ۔ ترجمہ: آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا جہنم ایک وادی ہے۔ جہنم خود اس سے روزانہ چار سو مرتبہ اللہ کی پناہ مانگتی ہے۔ اللہ اکبر کتنی سخت وادی ہے۔ جس کا نام ویل ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنے والے اور عید کی نماز وقت گزار کر پڑھنے پڑھانے والے غور کرلیں کہ کیا یہ اس وادی میں جانے کے لیے تیار ہیں۔ کیا ہلاکت و بربادی کا خوف نہیں ہے۔ **دوسری دلیل**۔ کسی حدیث پاک سے ثابت نہیں کہ عید الفطر کی نماز نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی صحابہ نے دوسرے دن پڑھی ہو۔ حالانکہ ایک دفعہ زمانہ اقدس میں ایسا ہوا تھا کہ عید الفطر کے چاند کی گواہی بعد زوال یکم شوال ملی اور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گواہی کو قبول فرمایا۔ چنانچہ ابوداؤد شریف جلد اول صـ۱۶۴ پر ہے۔ عَنْ أَبِيْ عُمَيْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهٗ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَكْبًا جَاؤُوْا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْهَدُوْنَ أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُّفْطِرُوْا وَإِذَا أَصْبَحُوْا أَنْ يَّغْدُوْا إِلٰى مُصَلَّاهُمْ۔ ترجمہ: ابی عمیر بن انس سے روایت ہے وہ اپنے چچاؤں سے راوی کہ آقائے کائنات کی بارگاہ میں کچھ سوار حاضر ہوئے اور گواہی دی کہ کل گذشتہ رات ہم نے عید الفطر کا چاند دیکھا ہے۔ تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنے روزے افطار کرلو اور جب کل صبح ہو تو تم لوگ اپنی عیدگاہ کی طرف جانا۔ اسی طرح نسائی شریف جلد اول صـ۲۳۱ پر ہے۔ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهٗ أَنَّ قَوْمًا رَأَوُا الْهِلَالَ فَأَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُّفْطِرُوْا بَعْدَ مَا ارْتَفَعَ النَّهَارُ وَأَنْ يَّخْرُجُوْا إِلَى الْعِيْدِ۔ ترجمہ: روایت ہے۔ حضرت

عمیر بن انس کے بعض چچاؤں سے کہ ایک قوم نے عید کا چاند دیکھا تو وہ دوسرے دن بعد زوال نہار حاضر بارگاہ ہوئے اور گواہی دی تو آقائے کل صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو روزہ توڑنے کا حکم دیا اور اس بات کا کہ کل صبح عید گاہ کو جائیں۔ ساری زندگی شریف میں بعد دوپہر چاند کی گواہی ملنے کا بس یہی ایک واقعہ احادیث میں مرقوم ہے۔ ہر دو روایات کے ظاہری الفاظ بالکل صاف ہیں کہ روزہ تو نبی کریم رؤف رحیم نے تڑوا دیا مگر عید کی نماز نہ خود پڑھائی نہ پڑھنے کا حکم فرمایا نہ نماز کا ذکر ہی ہے نہ پہلے دن نہ دوسرے دن۔ روزہ تڑوانے سے ثابت ہوا کہ عید الفطر اسی دن تسلیم کی گئی۔ مگر نماز نہ پڑھائی۔ ہاں البتہ دوسرے دن عید گاہ جانے کا صحابہ کو حکم دیا۔ کسی صحابی نے بھی نہ فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تشریف لے گئے یا نہیں۔ صرف صحابہ کے جانے کا ذکر ہے۔ اب اپنے پاس سے فقہا شارحین اپنی مرضی کا کوئی احتمال نکال لیں تو اس کو یقینی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ دوسرے دن عید گاہ بھیجنے کا یہ بھی مقصد ہوسکتا ہے کہ اغیار غیر مسلموں کو معلوم ہوجائے کہ مسلمانوں کے روزے اور ماہ رمضان ختم ہوگیا۔ یہ بھی مقصد ہوسکتا ہے کہ بچوں کی خوشیاں پوری ہوں اور آئندہ نسلوں کو پتہ چلے کہ مسلمان کی خوشیاں عید گاہ (یعنی اللہ کے گھر) سے شروع ہوتی ہیں۔ نہ کہ غیر مسلموں کی طرح کلبوں، تھیٹروں، تماشہ گاہوں سے یہ بھی مقصد ہوسکتا ہے کہ اتحاد مسلم سے کفار پر ہیبت و رعب ڈالنا ہو اور شان اسلام ظاہر ہو۔ تاکہ غیر مسلم بھی مائل بہ اسلام ہوں اور یہ احتمال بھی ہم نے اپنے خیال سے نہ کہے نہ صرف میرے ذہن میں پیدا ہوئے بلکہ بہت سے فقہاء کرام نے عید گاہ جانے کا مطلب نماز عید نہ لیا بلکہ دیگر احتمال نکال ڈالے اور پھر ان کی خوشیوں کے لیے عید گاہ جانا تو احادیث مطہرات سے ثابت ہے۔ چنانچہ فتاوٰی بحر الرائق جلد دوم صـ۱۷۱ پر ہے۔ قَالَ الطَّحَاوِیُ فِیْ حَدِیْثِ اَنَسٍ وَیَخْرُجُوْا لِعِیْدِ ھِمْ مِنَ الْغَدِ وَلَیْسَ فِیْہِ اَنَّہٗ صَلّٰی صَلٰوۃَ الْعِیْدِ بِھِمْ فَیُحْتَمَلُ اَنْ یَکُوْنَ خُرُوْجُھُمْ لِاِظْھَارِ سَوَادِ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِرْھَابًا لِعَدُوِّھِمْ۔

ترجمہ: طحاوی نے فرمایا کہ حضرت ابن انس کی ان روایتوں میں صرف عید کے لیے نکلنے کا ذکر ہے۔ یہ کہیں ثابت نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دوسرے دن عید پڑھائی یا از خود صحابہ نے نماز عید پڑھی ہو نماز عید دوسرے دن پڑھنے کا نام و نشان بھی نہیں ملتا تو اس نکلنے میں یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ اتحاد مسلم کا اظہار ہو اور یہ احتمال بھی کہ دشمن پر ہیبت ڈال جائے۔ ہم نے جو تیسرا احتمال بچوں کی خوشی کا نکالا وہ بھی احادیث کی اشارت النص سے ثابت ہے۔ چنانچہ

نسائی شریف جلد اول ص۲۲۱ پر ہے۔ عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ كَانَتْ اُمُّ عَطِيَّةَ لَا تَذْكُرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَتْ بِاَبَا فَقُلْتُ اَسَمِعْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ كَذَا وَكَذَا فَقَالَتْ نَعَمْ بِاَبَا قَالَ لِيُخْرِجِ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ وَالْحُيَّضُ وَيَشْهَدْنَ الْعِيْدَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَلْيَعْتَزِلِ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى۔

ترجمہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا حضرت ام عطیہ جب بھی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام لیتی تو فرمایا کرتیں "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں"، میں نے کہا کہ اے ام عطیہ کیا کبھی تم نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ایسا سنا ہے تو انھوں نے جواباً کہا۔ ہاں میرے ماں باپ ان پر قربان ہوں۔ فرمایا تھا ایک دفعہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے عید منانے کے لیے عواتق یعنی چھوٹی بچیاں اور روزہ فرض بچیاں اور حائضہ عورتیں بھی عید گاہ چلیں۔ ہاں البتہ حائضہ عورتیں عید گاہ کی حدود میں نہ آئیں۔ دیکھو نماز عید کسی عورت پر واجب نہیں۔ لیکن عید گاہ میں بلایا گیا کیوں؟ صرف اس لیے تاکہ عید کی خوشی منائیں۔ اسی لیے چھوٹی بچیوں کو بھی بلایا گیا حالانکہ ان پر تو کوئی نماز بھی فرض نہیں۔ ثابت ہوا کہ عید گاہ میں جانا صرف خوشی منانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے دوسرے دن نبی کریم نے لوگوں کو عید گاہ کی طرف بھیجا اور خود تشریف نہ لے گئے۔ کیونکہ نماز تو اب ہو نہیں سکتی زوال ہو گیا۔ البتہ بچیوں بچوں کی خوشی پوری کرو۔ جنہوں نے کہ پورا مہینہ عید کا انتظار کیا ہے۔ اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید گاہ جانے کا حکم نہ دیا۔ جس وقت دوپہر گواہی ملی تھی اور روزہ تڑوایا گیا تھا۔ حالانکہ صرف نماز ہی تو نہ پڑھی جاسکتی تھی۔ عید منانے کی تو کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خوشی اور مکمل پورے دن کی عید منانے کا صبح ہی کا سہانا وقت ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ بچوں کی تیاری اب شروع ہوتی تھی۔ تیار ہوتے ہوتے تو شام ہو جاتی۔ تیسری وجہ یہ کہ رونق مسلمانی کفار کو بھی دکھانی تھی۔ کفار اس وقت اپنے کاروبار میں لگے ہوئے تھے۔ چوتھی وجہ یہ کہ عید منانے کی پوری مشابہت صبح ہی کا وقت ہے۔ پانچویں وجہ یہ کہ اسلام کا ہر کام صبح ہی سے شروع ہوتا ہے۔ بہر حال ان احادیث میں صرف بچوں کی عید منانے کا اشارہ ہے۔ نماز عید کا ثبوت نہیں اس سے نماز عید کا احتمال نکالنا جیسا کہ بعض فقہاء نے کہا ہے۔ وہ ان کا ذاتی خیال ہے۔ کوئی یقینی حکم نہیں **تیسری دلیل**: بحمدہ تعالیٰ جس طرح کہ دنیا کے ہر کافر۔ غیر مسلم گروہ سے زیادہ دنیا بھر کے مسلمان ہیں۔ اسی

طرح مسلم قوم میں اہل سنت اور اہل سنت کے سلاسلۂ اربعہ میں حنفی گروہ اکثریت میں ہے ہم سب بحمدہٖ تعالٰی حنفی المسلک ہیں۔ ہمیں اپنی ہر مشکل میں اولاً امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا آستانہ پکڑنا چاہیے۔ چنانچہ کتب مشہورہ منیفہ میں صاف صاف لکھا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک عید الفطر کی نماز صرف پہلے دن پڑھی جاسکتی ہے۔ دوسرے دن قطعاً جائز نہیں ہاں امام یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک دوسرے دن خاص مجبوری جائز ہے۔ فتاوٰی بحر الرائق جلد دوم صفحہ۱۶۱ پر ہے۔ وَذُکِرَ فِی الْمُجْتَبٰی عَنْ طَحَاوِیْ فِیْ شَرْحِ الْاٰثَارِ اَنَّ قَوْلُ اَبِیْ یُوْسُفَ وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ اِنْ فَاتَتْ فِی الْیَوْمِ الْاَوَّلِ لَمْ تُقْضٰی۔ ترجمہ: فتاوٰی حنیفہ مشہور مجتبٰی میں طحاوی سے روایت ہے۔ معانی الآثار میں کہ بے شک یہ نماز عید کا دوسرے دن پڑھنے کا جواز صرف امام یوسف کا قول ہے اور امام اعظم نے فرمایا کہ اگر عید الفطر کی نماز پہلے دن فوت ہوجائے تو دوسرے دن قطعاً نہیں پڑھی جاسکتی اور یہ قانون متفقاً مشہور ہے کہ جب کسی مسئلے میں امامین کریمین شیخین یا طرفین کا اختلاف ہو جائے تو عبادات میں امام اعظم کے قول پر اور ذوی الارحام میں امام محمد کے قول پر اور قضاد معاملات میں امام ابو یوسف کے قول پر فتوٰی ہوگا۔ چنانچہ فتاوٰی ردالمحتار جلد اول صفحہ۴ کی مختصر عبارت اس طرح ہے۔ قَدْ جَعَلَ الْعُلَمَاءُ الْفَتْوٰی عَلَی الْقَوْلِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ فِی الْعِبَادَاتِ مُطْلَقًا ترجمہ: وہی ہے جو اوپر بیان ہوا اور نماز عید بھی عبادت ہے۔ اس لیے امام اعظم کے مسلک پر فتوٰی جاری کیا جائے گا کہ عید الفطر کی نماز کسی بھی صورت میں عذر یا پریشانی کی حالت دوسرے دن نہیں پڑھی جاسکتی۔ اگر عذر سے رہ گئی تو بندے کا قصور نہیں ہے اور نماز ختم۔ لیکن اگر جان کر کوئی مصنوعی بیہودہ عذر بنا کر چھوڑ دی گئی جیسا کہ ہمارے ان ناسمجھ بزرگوں نے کیا تو حکم قرآنی سنا ہی دیا گیا ہے۔ **چوتھی دلیل:** ابھی تک دلائل ثلثہ کی شکل میں قرآن وحدیث اور فقہ حنفی سے ثابت کر دیا گیا کہ نماز عید الفطر دوسرے دن پڑھنا سخت گناہ اور ناجائز ہے۔ اس کے علاوہ عقل اور قیاس شرعی اصولی بھی یہی فرماتا ہے کہ عید الفطر کی قضا دوسرے دن نہ پڑھی جائے۔ کیونکہ عبادات الٰہیہ میں بجز پنجوقتہ نماز اور ماہ رمضان کے روزوں کے کوئی عبادت قضا نہیں ہوتی۔ نہ حج نہ زکوٰۃ نہ فطرانہ۔ نہ جہاد۔ نہ کلمہ نہ تلاوت نہ سجدۂ تلاوت یہ عبادات جب بھی پڑھیں جائیں ادا ہی ہوں گی اور وقت ختم ہونے پر ختم ہو جائیں گی۔ بہرحال قضا نہیں ماہِ صیام کے روزے اور پنجوقتہ نماز اس لیے قضا ہوتی ہے کہ یہ

اشد بنیادی فرائض ہیں اور ان کی کثرت ہے اور وقت قلیل معین ہے۔ پابندی سخت ہے مگر بندہ بہت طرح مجبور ہے۔ جہاں یہ سختی اور پابندی نہ ہوگی۔ وہ اگرچہ نماز۔ روزہ ہی کیوں نہ ہو قضا نہ ہوگی۔ دیکھو نماز جمعہ کتنی اہم عبادت فرض ہے۔ مگر چونکہ اس نماز کی کثرت نہیں بلکہ آٹھویں دن ایک دفعہ۔ اس لیے اس کی بھی قضا نہیں ہوتی اور اس کا نعم البدل نماز ظہر پڑھ لی جاتی ہے۔ تو نماز عید فطر جو سال میں ایک دفعہ ہوتی ہے اور نہ بنیادی فرض بھی بھلا اس کی قضا کیوں ہوگی۔ نمبر۲ دوسری قیاسی وجہ یہ کہ نماز عید اور روزہ دونوں ضدین ہیں۔ دونوں جواز ایک دن میں جمع نہیں ہوسکتے۔ جب عید ہوگی تو روزہ حرام ہوگا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۱۷۹ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ یَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ دوسری حدیث شریف اس طرح ہے۔ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاصَوْمَ فِیْ یَوْمَیْنِ اَلْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ منع فرمایا آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن روزہ رکھنے رکھنے سے ایک دن عید الفطر اور باقی نحر کے دن۔ اور یہ ممانعت حرام کے درجہ میں ہے۔ چنانچہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد چہارم ص۲۹۲ پر ہے۔ (قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) اَیْ نَھْیَ تَحْرِیْمٍ (الخ) قَالَ ابْنُ الْمَلِکِ اِتَّفَقُوْا عَلٰی حُرْمَۃِ صَوْمِ یَوْمِ الْعِیْدِ۔ ترجمہ: نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا یہ منع فرمانا حرام ہونے کی ممانعت ابن ملک (فقیہ) نے فرمایا کہ تمام فقہاء امت نے عید کے دن روزہ رکھنے کو متفقاً حرام کہا ہے۔ تو جس طرح عید کے دن روزہ حرام اسی طرح روزے کے جائز ہونے والے دن میں عید کی نماز ناجائز۔

تیسری قیاسی وجہ۔ عبادات دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو مخصوص دن سے خاص نہیں فقط وقت سے معلق جیسے پنجوقتہ نماز اور ماہ رمضان کے روزے دوسری عبادات وہ جو وقت اور دن سے معلق و مخصوص ہیں۔ جیسے جمعہ و عیدین۔ فطر اور اضحی۔ اور یہ قانون اسلامی شرعی مشہور ہے کہ ادا کا تو وقت معین ہوتا ہے۔ مگر قضا کا کوئی وقت معین نہیں ہوتا۔ دیکھو ظہر کی نماز قضا ہوجائے تو جب چاہے صبح و شام منگل۔ بدھ جب بھی پڑھ لے قضا ایک ہی درجے کی رہے گی۔ اسی طرح فرضی روزہ قضا ہوجائے تو جس دن چاہے سال بھر میں۔ قضا کرے صرف اتنی پابندی ہے کہ روزے میں اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ

کا لحاظ رکھے اور نماز میں مکروہ وقتوں کا خیال رکھے۔ پس جن عبادات کا دن معین نہیں ان کی قضا جائز ہے۔ اور جن کا دن معین ہے۔ ان کی قضا ہرگز جائز نہیں۔ مثلاً نماز جمعہ۔ جمعہ کے دن سے معین و معلق ہے۔ اگر نہ پڑھا جا سکے تو جمعہ کے علاوہ ہفتے۔ اتوار۔ پیر کو نہیں پڑھ سکتے نہ آئندہ جمعہ کو اس لیے اس کی قضا ناممکن اسی طرح نماز فطر۔ یوم فطر سے معلق ہے۔ تو جب یومِ فطر یعنی یکم شوال ختم نمازِ عید بھی ختم۔ اگر اس کی قضا جائز ہوتی تو وقت گزارنے کے بعد رات دن میں ہر وقت جائز ہوتی۔ کیونکہ قضا کسی وقت سے پابند نہیں ہوتی۔ تو یہ کہنا کہ عید الفطر کل صبح پڑھی جائے یہ خود ساختہ ناجائز پابندی ہے اور ایسا ہی ہے۔ جیسے نماز جمعہ اتوار کو پڑھنا لہٰذا ثابت ہو گیا کہ قیاس کے مطابق یہی مسئلہ ہے کہ عید الفطر دوسرے دن نہ پڑھی جائے۔ یہی بات تمام فقہا فرماتے ہیں کہ نماز عید الفطر قیاس کے اعتبار سے یکم شوال کے بعد قطعاً نہیں پڑھ سکتے۔ چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد دوم ص۱۷۵ پر ہے۔ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِیْھِمَا اَنْ لَّا تُقْضٰی (الخ) اور فتاویٰ فتح القدیر جلد دوم ص۷۹ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِیْھِمَا اَنْ لَّا تُقْضٰی کَالْجُمُعَۃِ۔ ترجمہ: اصل یعنی مطابق قیاس یہ ہے کہ عید الفطر ہرگز قضا نہیں کی جاتی۔ جیسے کہ نماز جمعہ۔ فتاویٰ بحر الرائق نے امام اعظم کا مسلک بیان کرتے ہوئے یہی قیاس بیان فرمایا ہے کہ امام اعظم نے عید الفطر کی نماز کے قضا کو اسی قیاس سے منع فرمایا۔ چنانچہ ص۱۷۵ پر فرماتے ہیں۔ وَلِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ الْاَصْلَ اَنْ لَّا تُقْضٰی لٰکِنْ تَرَکْنَاہُ فِی الْاَضْحٰی لِخَصَائِصِ الْعِیْدِ ثَمَّۃَ وَھُوَجَوَازُ التَّاخِیْرِ وَحُرْمَۃُ الصَّوْمِ وَفِیْمَا عَدَاہُ جَرَیْنَا عَلَی الْاَصْلِ ترجمہ: اور امام اعظم کی دلیل نماز فطر کے ناجائز ہونے میں دوسرے دن یہ ہے کہ اصل قاعدہ کلیہ یعنی قیاس شرعی یہ ہے کہ قضا نہیں کی جا سکتی۔ لیکن یہ صرف عید الفطر میں ہے۔ نہ کہ عید الاضحٰے میں اس لیے کہ عید الاضحٰی کی کچھ خصوصیات ایسی ہیں۔ جو عید الفطر میں نہیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ عید الاضحٰے میں تین دن تک قربانی جائز ہے اور مثلاً یہ کہ عید الاضحٰی میں ان تمام دنوں میں روزہ حرام ہے۔ قیاس کی ممنوعہ وجوہ عید الاضحٰی میں نہیں ہیں۔ اس لیے عید الاضحٰے پر یہ قیاس فٹ (درست) نہیں بیٹھتا۔ مگر چونکہ عید الفطر میں یہ قیاس درست رہتا ہے۔ بدیں وجہ بیان ہم نے قیاس جاری رکھا اور نمازِ فطر کو دوسرے دن ناجائز قرار دیا یہ تھی امام اعظم کی دلیل۔ عید الاضحٰے دوسرے اور تیسرے دن بھی پڑھنی جائز ہے۔ دوسرے دن بلا عذر بھی جائز ہے۔ جیسا کہ فقہاء اسلام فرماتے ہیں۔ جس سے اقتضاء ثابت ہوا۔

عید الاضحٰے کو دوسرے دن یا تیسرے دن پڑھنا قضا نہیں ادا ہی ہے۔ اگرچہ فقہاء کرام نے اس کو قضا کا نام محاورۃً دے دیا۔ اس لیے کہ قضا پر گناہ لازم آتا ہے۔ مگر عید الاضحٰے بلا عذر بھی دوسرے دن پڑھی جائے تو گناہ نہیں ہوتا۔ گویا کہ عید الاضحٰی اس لیے تین دن تک جائز ہے کہ اس کا اپنا اصلی وقت مثلِ قربانی تین دن تک دراز ہے۔ اور تیسرے دن میں فقہا نے عذر کی شرط اس لیے لگائی تاکہ خواہ مخواہ مسلمان سستی نہ کریں۔ جیسے کہ عصر کی نماز وقتی غروب آفتاب تک دراز ہے مگر بلاوجہ تاخیر کرنا موجب گناہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قیاس یہی ہے کہ جو نماز کسی خاص دن سے متعلق ہو۔ اس کی قضا جائز نہیں۔ دیکھیے حج کی قضا نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہ بھی یوم خاص سے متعلق ہے۔ شریعت اسلامیہ میں صرف چار عبادتیں مخصوص دنوں سے وابستہ ہیں۔ ۱۔ جمعہ یوم جمعہ سے۔ لہٰذا اس کی قضا نہیں ۲۔ حج یوم عرفہ سے اس لیے اس کی قضا جائز نہیں۔ ۳۔ عید الاضحٰی تین ایام نحر سے۔ اس لیے نمازِ اضحٰی بھی ان تین دنوں کے بعد جائز نہیں ۴۔ نمازِ فطر یوم فطر یعنی یکم شوال سے بدیں وجہ قرآن مجید، حدیث پاک، امام اعظم کے مسلک اور قیاس کے دلائل سے اس کی قضا بھی ہرگز جائز نہیں۔ پانچویں دلیل، یہ تو ثابت ہو گیا کہ قیاس کے حکم سے نمازِ فطر کی قضا ناجائز ہوتی تو۔ یاد رکھیے کہ قیاس شرعی کسی شخص کے ذاتی احتمال یا ذاتی خیال سے نہیں توڑا جا سکتا ہے۔ ہاں صریح حدیث کے صاف صاف حکم سے قیاس کو ترک کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ کتب اصول فقہ میں درج ہے۔ چنانچہ نور الانوار ص ۱۶ پر اور حسامی ص ۶۹ پر ہے۔ کَانَ حَدِیْثُهُمْ حُجَّةً یُتْرَكُ بِهِ الْقِیَاسُ وَاِنْ كَانَ الرَّاوِیْ مَعْرُوْفًا بِالْعَدَالَةِ وَالْحِفْظِ وَالضَّبْطِ دُوْنَ الْفِقْهِ مِثْلُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ فَاِنْ وَافَقَ حَدِیْثُهُ الْقِیَاسَ عُمِلَ بِهٖ وَاِنْ خَالَفَهٗ لَمْ یُتْرَكْ اِلَّا بِالضَّرُوْرَةِ ترجمہ: یعنی فقہاء صحابہ کی صریح حدیث سے قیاس چھوڑا جائے گا۔ غیر فقیہ راوی سے قیاس کو نہ چھوڑا جائے گا۔ جیسے ابوہریرہ اور انس رضی اللہ عنہ مالک کو یہ فقیہ نہیں۔ نماز عید الفطر کا مسئلہ فقہاء کرام کے نزدیک قیاس شرعی کے مطابق ہے کیونکہ جمعہ منصوص علیہ کی علت اور حج منصوص علیہ کی علت یعنی تعیین یوم یہاں بھی ہے۔ اس لیے وہ جمعہ تو اسی علت کی وجہ سے قضا نہیں ہو سکتا۔ احادیث میں صاف ممانعت آگئی۔ اس پر اس علت کی وجہ سے قیاس کر کے نماز فطر کی قضا بھی ممنوع ہو گئی اور اسی کو قیاس شرعی کہتے ہیں۔ چنانچہ اصولِ شاشی ص ۱۵۲ پر ہے۔ اَلْقِیَاسُ الشَّرْعِیُّ هُوَ تَرَتُّبُ الْحُكْمِ فِیْ غَیْرِ الْمَنْصُوْصِ عَلَیْهِ عَلٰی مَعْنًی هُوَ عِلَّةٌ لِذٰلِكَ الْحُكْمِ فِی الْمَنْصُوْصِ عَلَیْهِ۔ ترجمہ: یعنی جس

وجہ سے شریعت نے ایک چیز منع کی تھی۔ وہی وجہ کسی دوسری چیز میں پائی جائے مگر اس کی ممانعت صراحتاً احادیث میں نہ ہو۔ نہ قرآن پاک میں تو وہ قیاسی طور پر منع ہو گی۔ بالکل یہی صورت نمازِ فطر کی قضا میں پائی جارہی ہے۔ اس کی اس لیے اس کی قضا بھی منع ہے جمعہ کی طرح۔ یہ قیاس کسی حدیث نے نہ توڑا مگر ہمارے بعض متقدمین فقہاء کرام مندرجہ بالا ابوداؤد اور نسائی کی احادیثِ مذکورہ میں۔ احتمال یہ نکالتے ہیں کہ نبی کریم نے مصلی یعنی عید گاہ جانے کا حکم صرف نماز عید کے لیے دیا۔ لہٰذا دوسرے دن نمازِ فطر کی قضاء جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد دوم صـ۱۶۱ پر ہے۔ وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ اِلَی الْغَدِ فَقَطْ۔ ترجمہ: نماز عید الفطر کسی عذر کی وجہ سے دوسرے دن قضا کرنی جائز ہے۔ اسی طرح فتح القدیر اور فتاویٰ تنویر الابصار متن ہے جس کی شرح درمختار ہے اور ان سب کے نزدیک یہ قضا کا جواز ان روایتوں کے احتمال سے پیدا ہوا۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر دوم صـ۴۳ پر۔ اس کا اظہار اس طرح ہے۔ وَکَانَ ذٰلِکَ تَاخِیْرًا بِعُذْرٍ سَمَاوِیٍّ۔ ترجمہ: اور تھی یہ تاخیر نماز فطر آسمانی عذر کی وجہ سے۔ بحر الرائق جلد دوم صـ۱۶۱ پر ہے۔ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِیْهَا اَنْ لَّا تُقْضٰی لٰكِنْ وَرَدَ الْحَدِیْثُ بِتَاخِیْرِهَا اِلَی الْغَدِ لِعُذْرٍ فَیَبْقٰی مَاعَدَاهُ عَلَی الْاَصْلِ فَلَا تُؤَخَّرُ اِلَی الْغَدِ بِغَیْرِ عُذْرٍ۔ ترجمہ: نماز عید الفطر میں اصل قانون تو یہی ہے کہ قضا ہرگز نہ کی جائے لیکن چونکہ حدیث شریف وارد ہوئی ہے۔ دوسرے دن تک اس کی تاخیر کے جواز میں کسی عذر کی وجہ سے تو عذر کے علاوہ صورتیں اپنے قیاس پر قائم اور باقی رہیں گے اس لیے بغیر عذر نماز عید فطر قضا کرنی ہرگز جائز نہیں۔

فتح القدیر جلد دوم صـ۴۲ پر ہے۔ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِیْهَا اَنْ لَّا تُقْضٰی كَالْجُمُعَةِ اِلَّا اَنَّا تَرَكْنَاهُ بِالْحَدِیْثِ وَ قَدْ وَرَدَ بِالتَّاخِیْرِ اِلَی الْیَوْمِ الثَّانِیْ عِنْدَ الْعُذْرِ۔ ترجمہ: قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ نمازِ فطر قضا نہ کی جائے مثل جمعہ کے مگر ہم نے اس قیاس کو صرف اس حدیث کی وجہ سے چھوڑا جو عذر کی وجہ سے دوسرے دن تک تاخیر کے لیے وارد ہوئی۔ یہ تھا فقہاء کا قول جس سے تاخیر اور قضا کا جواز نکلا۔ مگر میں فقہاء کی اس بات کو بہت ہی کمزور سمجھتا ہوں۔ دو۲ وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ فقہا کو اس حدیث کے سوا کوئی بھی کہیں سے دلیل ہاتھ نہیں آئی جس سے وہ نماز فطر کی قضا کو جائز کر لیتے۔ حالانکہ اس حدیث شریف میں بھی کوئی صراحتاً نماز کا ذکر نہیں صرف ایک احتمال ہی ہے۔ احتمالات پر اتنے عظیم قیاس کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ احتمال تو ہر جگہ بہت سے نکل سکتے ہیں۔ **دوسری وجہ سے**: یہ کہ بجز ان چند فقہا کے کسی نے بھی ان روایتوں

کو قضاءِ عید پر دلیل نہیں بنایا۔ یہاں تک کہ امام اعظم نے اسی حدیث پاک کو اپنے اس مسلک پر دلیل بنایا۔ کہ عید الفطر کی نماز کا آخری وقت قبل زوال ہے۔ چنانچہ حاشیہ ابوداؤد جلد اول صـ۱۶۴ پر ہے۔ وَبِهٖ اَخَذَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اِنَّ وَقْتَهَا مِنْ بَاءِ تِفَاعِ الشَّمْسِ اِلٰی زَوَالِهَا۔ ترجمہ: اور اسی حدیث سے امام اعظم نے اپنا مسلک بنایا کہ عید کی نماز کا وقت زوال تک ہے۔ جبکہ بعض ائمہ نے اس قول سے اختلاف کیا۔ اگر اس حدیث سے دوسرے دن نماز پڑھنے کا احتمال نکلتا تو امام اعظم اور امام یوسف کا قضاءِ عید کے مسئلے پر اختلاف نہ ظاہر ہوتا۔ حالانکہ امام اعظم صاف صاف نماز عید کی قضا سے سختی سے منع فرما رہے ہیں۔ نہ تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام اعظم کو یہ روایت ملی نہیں اس لیے کہ یہ تو امام اعظم کی شاندار دلیل ہے اور اس کو امام اعظم نے اپنی دلیل بنایا کہ اگر بعد زوال نماز عید جائز ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت جماعت نماز عید قائم فرما دیتے جس وقت چاند کی گواہی ملی اور روزے تڑوائے تھے مگر ایسا نہ کیا تو یہ حدیث پاک امام اعظم کی دلیل نماز نہ پڑھنے کی ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث پر جان کر عمل نہ کیا اور امام یوسف کی مخالفت کی (معاذ اللہ) بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث سے یہ احتمال نہیں نکل سکتا تھا۔ مگر فقہاءِ کرام نے اپنی سمجھ کے مطابق احتمال نکال لیا لیکن اس کے باوجود فقہا کا یہ مسلک بھی موجودہ فیصلے کے لئے مفید یا سہارا نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ سب فقہا اس جواز قضا کو خلاف قیاس مانتے ہیں اور احتمال میں عذر آسمانی ثابت کرتے ہیں اور عذر آسمانی صرف چاند کی رویت نہ ہونا ہے اور بعد زوال رویت ہلال کی گواہی ملنا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی پہلے عبارات فقہ سے ثابت کر دیا اور یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے۔ کہ خلاف قیاس مسئلہ اپنے مورد پر قائم رہتا ہے۔ چنانچہ شارح وقایہ جلد اول صـ۲۲ پر ہے۔ ثبت بالحدیث عَلٰی خِلَافِ الْقِیَاسِ فَیُقْتَصَرُ عَلٰی مَوْرِدِهٖ۔ اور عُمْدَةُ الرِّعَایَه۔ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صـ۲۲ پر ہے۔ وَکُلُّ مَاثَبَتَ بِخِلَافِ الْقِیَاسِ لَا یُقَاسُ عَلَیْهِ غَیْرُهٗ بَلْ یُقْتَصَرُ عَلٰی مَوْرِدِهٖ۔ ترجمہ: جو مسئلہ حدیث پاک سے خلافِ قیاس ثابت ہو وہ اپنے مورد پر ہی رہے گا۔ اس پر پھر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ہنسی سے نماز اور وضو ٹوٹنا خلافِ قیاس مسئلہ ہے مگر حدیث پاک سے ثابت ہے۔ تو جس قسم کی نماز میں ہنسنے کا ذکر حدیث میں آیا۔ بس اسی قسم کی نماز میں ہنسنے سے وضو اور نماز ٹوٹے گی۔ اس کے علاوہ کسی طرح کسی جگہ کوئی بھی ہنسنے وضو نہ ٹوٹے گا۔

لہذا نماز جنازہ اور نماز کے بغیر کوئی کتنا ہی ہنسے صرف ہنسنے سے وضو یا نمازِ جنازہ نہیں ٹوٹے گی ہاں سجدہ۔ رکوع والی ہر نماز ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ جب نبی کریم نے ہنسنے والوں کو وضو ٹوٹنے کا مسئلہ بتایا تو رکوع۔ سجدے والی نماز تھی۔ اسی طرح ان فقہاء کرام کے نزدیک قضاءِ عید کے لیے جو عذر حدیثِ پاک سے ثابت ہوا وہ صرف رویت ہلال کی گڑبڑ اور بعد زوال گواہی ملنے کا عذر ہے اور ہے خلافِ قیاس۔ لہذا اس قسم کے عذر آسمانی ہی کی صورت میں نماز قضا جائز ہوگی۔ فقط زمینی عذر قابلِ جواز نہ ہوگا۔ مگر ہمارے ان فیصلہ کرنے والوں نے اپنے اس غیر شرعی غلط فیصلہ کے لیے فقہا اور شریعت کے ان اصول پر بھی غور نہ کیا لہذا صاف ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ فقہاءِ احناف کے مسلک میں غلط ہے اور اس پر عمل کرنا گناہ کبیرہ باعثِ عذاب فقہا و کرام کا یہ عذر آسمانی تو بہت ہی شاذ و نادر ہے اور آج اس دور میں بعد دوپہر کوئی رویت ہلال عید فطر کی گواہی دینے آئیے جب کہ ایک ہی رات کے اندر اندر سائنسی آلات ٹیلی فون وائرلیس کے ذریعے مشرق و مغرب ساری دنیا میں آواز پہنچا کر رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے اور برطانیہ جیسے ابر آلود ملک میں بھی آن واحد میں چاند کا پتہ لگ جاتا ہے۔ خود میری ۲۵ سالہ زندگی میں رویت ہلال کا یہ عذر کبھی پیش نہیں آیا۔ نہ کہیں اور مثال ملتی ہے۔ نہ کبھی دوسرے دن عید پڑھنے کا تذکرہ سنا گیا۔

یہ ہمارے ان بزرگوں کا انوکھا فیصلہ ہے اور پھر اس ملک برطانیہ میں رویت ہلال کے گواہوں کا انتظار کرنا تو بالکل ہی نادانی ہے۔ یہاں تو چودھویں کا چاند نظر آجائے تو بھی غنیمت ہے۔ اکثر مطلع ابر آلود رہتا ہے۔ یہاں تو رویت ہلال میسر نہیں آسکتی اور ہمیشہ بن دیکھے۔ تیس پورے نہیں کیے جاسکتے کیونکہ آقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ھٰکذا وھٰکذا الشھر ھٰکذا ھٰکذا ا۔ ھٰکذا وھٰکذا وھٰکذا الشھر ھٰکذا وھٰکذا وھٰکذا (مشکوۃ شریف ص) یعنی مہینہ کبھی تیس یوم کا ہوتا ہے کبھی انتیس یوم کا اگر ہم برطانیہ میں اپنی ناسمجھی سے ہمیشہ ہی تیس روزے پورے کریں۔ تو اگلے مہینے خراب ہوں گے اور ہم پر بھی فعل حرام لازم ہوگا۔ اس لیے ہم برطانیہ والوں کو دوسرے اسلامی ممالک کے فیصلہ شرعی کے استفسار کے لیے رابطہ قائم کرنا اشد لازم ہے اور دنیا کے کسی اسلامی ملک میں اگر چاند کا فیصلہ شرعی قانون کے اعتبار سے ہوگیا اور ہم کو ٹیلی فون یا وائرلیس یا ریڈیو۔ ٹیلی ویژن وہاں کی خبر مستفیض مل گئی تو ہم پر عید کرنی واجب ہے۔ دور نزدیک ممالک کا کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ فتاوٰی شامی جلد دوم ص۱۳۲ پر ہے۔

یَلْزَمُ اَھْلَ الشَّرْقِ بِرُؤْیَۃِ اَھْلِ الْغَرْبِ اِذَا ثَبَتَ عِنْدَھُمْ رُؤْیَۃُ اُولٰئِکَ بِطَرِیْقٍ مُوْجِبٍ ۔

ترجمہ: یعنی اگر دور کہیں مغربی ملکوں میں شرعی اسلامی طریقوں سے ہلال عید وغیرہ ثابت کر دیا گیا اور انہوں نے فیصلہ رویتِ ہلال نافذ کر دیا تو اس فیصلے پر مشرق میں رہنے والے مسلمان پر عمل لازم ہے۔ علیحدہ اپنی مت مانی کرنے اور تیس روزے پورا کرنے گناہ ہوں گے کہ اس صورت میں یوم فطر کا روزہ بنے گا جو حرام ہے۔ چھٹی دلیل: درمختار شرح تنویر الابصار جلد دوم صفحہ ۱۷۶ پر ہے۔ وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ كَمَطَرٍ إِلَى الزَّوَالِ مِنَ الْغَدِ۔ ترجمہ اور عید فطر کی نماز کل زوال تک مؤخر کی جاسکتی ہے عذر کی وجہ سے۔ جیسے کہ مطر چونکہ کچھ فقہاء نے آسمانی عذر کی وجہ سے عید مؤخر کرنے کا جواز بیان کیا تھا اور آسمانی عذر صرف چاند نہ نظر آنا ہے۔ چاند نظر نہ آنے کی بڑی وجہ مطلع ابر آلود ہونا ہے۔ بجز اس کے اور کوئی عذر نہیں بن سکتا۔ جیساکہ ہم نے باحوالہ پہلے ثابت کر دیا تو شاید کوئی درمختار کی اس عبارت سے دھوکہ کھاتے ہوئے کہہ دے کہ آسمانی عذر کے علاوہ بھی زمینی عذر کے ہوتے ہوئے نماز عید قضا کرنی جائز ہے اور جس طرح صاحب درمختار نے چاند کے ایک عذر میں گنجائش نکال کر مطر عذرِ زمینی بھی قضا کے لیے معتبر مانا تو ہم اور آگے بڑھ کر چھٹی وغیرہ کا عذر بھی بنا سکتے ہیں۔ اس لیے خود لپسند دھوکے سے بچانے کے لیے اس محولہ مندرجہ بالا درمختار کی عبارت کی لغوی وضاحت کرنا بہت ضروری ہے۔ اولاً تو ہم نے اپنی تحریر میں سابقہ دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ قطعاً کوئی عذر زمینی یا آسمانی عید کو قضا کرنے کے لیے نہیں مانا جا سکتا۔ عید فطر کی نماز قضا ہو سکتی ہی نہیں۔ ہاں کچھ مذکورہ فقہاء نے اپنا قلبی احتمال پیدا کر کے صرف آسمانی عذر کو معتبر سمجھا۔ درمختار نے بھی فقط اسی آسمانی عذر کا ذکر کیا ہے درمطر کے معنیٰ بادل اور ابر کے ہیں نہ کہ بارش چنانچہ کتب لغت میں مطر کے معنیٰ تین ہیں ۱۔ بادل ۲۔ موسم برسات ۳۔ بارش۔ فیروز اللغات کلاں صفحہ ۶۹۲ پر ہے مطر۔ بارش والا موسم۔ یا آسمان اور کتاب المعجم الوسیط جلد دوم صفحہ ۸۸۲ پر ہے یوم مطر۔ ذو مطر۔ المنجد عربی۔ صفحہ ۷۶۶ پر ہے۔ المطر مااصابہ المطر، سحاب۔ ترجمہ: مطر کا معنیٰ۔ بارش کا یوم یعنی زمانہ۔ بادل والا آسمان۔ جس کو بارش پہنچی ہو اور مطر کا معنیٰ سحاب بھی ہے اور سحاب کے معنیٰ صرف بادل ہیں۔ خواہ پانی والا بادل ہو یا خشک بادل چنانچہ المعجم وسیط جلد اول صفحہ ۴۲۰ پر ہے۔ اَلسَّحَابُ اَلْغَيْمُ سَوَاءٌ كَانَ فِيهِ مَاءٌ أَمْ لَمْ يَكُنْ۔ ترجمہ: اوپر گزرا ثابت ہو گیا کہ لفظ مطر کے معنیٰ بارش بھی ہے اور بادل بھی لیکن ہم یہاں مطر کے معنیٰ بادل کریں گے۔ کیونکہ صاحب ردمختار کی یہی مراد

معلوم ہوتی ہے اور کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ۲۹ رمضان المبارک شام کو آسمان پر مطر ہو اور چاند نظر نہ آئے۔ تو صبح بعد زوال پتہ لگ جانے پر عید کی نماز دوسرے دن صبح قضا کر کے پڑھی جائے کیونکہ زوال تک چاند کی گواہی نہ ملنی عذر ہے قضا کرنے کا ہمارے اس مطلب سے درمختار کی یہ عبارت ان فقہاء کے مطابق ہو جاتی ہے۔ جنھوں نے صرف چاند کی گڑبڑ کو عذر بنایا نہ کہ دوسرے کسی عذر کو۔ اگر اس مطلب کو ہمارے مخالف تسلیم نہ کریں۔ تو درمختار پر تین طرح اعتراض وارد ہوں گے۔ ایک یہ کہ مطر کا معنیٰ بارش کرنی پڑے گی اور بارش کا وقت عین صبح کے وقت ماننا پڑے گا۔ زوال تک۔ حالانکہ یہ بھی شاذ ہے۔ دوم یہ کہ دیگر فقہاء کی مخالفت لازم آئے گی۔ سوم یہ کہ اصولِ فقہ کے قانون کی مخالفت لازم آئے گی۔

جس میں فرمایا گیا ہے کہ خلافِ قیاس اپنے مورد پر رہتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ مطر کا معنیٰ اگر بارش کیا جائے۔ تو ایک حدیث پاک کی مخالفت لازم آتی ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں بارش کو عذر نہیں مانا گیا اور بارش کی وجہ سے قضا تو درکنار زوال تک دیر لگانا گوارہ نہیں۔ چنانچہ۔ ابوداود شریف جلد اول ص۱۶۴ پر ہے عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِیْ یَوْمِ عِیْدٍ فَصَلّٰی بِهِمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِیْدِ فِی الْمَسْجِدِ۔ ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بہت بارش ہوئی۔ تو نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مسجد نبوی شریف کے اندر ہی نماز عید پڑھا دی۔ یعنی عیدگاہ نہ گئے۔ اگر بارش ہونا عذر ہوتا تو نبی کریم نماز عید کو کل تک کے لیے موخر فرما دیتے اور اگر درمختار کی عبارت میں مطر کا معنیٰ بارش ہی کیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ مصنف کتاب درمختار نے سب فقہاء کے خلاف اور حدیث پاک کے خلاف نیا مذہب بنا لیا اور خلاف قیاس کو بلا دلیل وسعت دیکر معمولی معمولی عذر پیدا کرنے کا دروازہ کھولا اور آیندہ نسلوں کو فتنے میں ڈالا۔ لہذا جناب محترم کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح تدبر و تفکر سے کام لینا چاہیے نہ خود برے بنو نہ اکابر کو برا بناؤ۔ ورنہ دین تماشا بن جائے گا اور نئی نسل ایسے فیصلوں سے برگشتہ دین ہو گی۔ نہ کہ چودہ سو سالہ پرانے اسوہ حسنہ سے ہماری اس تمام گفتگو سے ثابت ہوا کہ عید الفطر کی نماز کسی بھی عذر سے قضا کرنی

جائز نہیں اگر پہلے دن مجبوری سے رہے گی تو معافی ہے۔ لیکن اگر یکم شوال کو جانتے بوجھتے صرف مزدوروں کی چھٹی کے عذر سے عید چھوڑی تو تمام لوگ سخت ترین مجرم شرعی اور گناہ گار ہیں۔ جن دو عالموں نے یہ مذکورہ فیصلہ کیا ہے ان کو علی الاعلان اس غیر شرعی فیصلے سے توبہ کرنی چاہیے۔ حیرانی تو اس بات کی ہے۔ اس فیصلہ میں بعض لوگوں کو روزہ رکھوایا جا رہا ہے اور بعض کو عید کی وجہ سے روزہ چھڑوایا جا رہا ہے۔ عید بھی مناتے ہیں روزہ بھی رکھواتے ہیں۔ نماز عید قضا بھی کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ ہے یا شریعت کا مذاق ہے کیا ایسے علمی مظاہرے قرب قیامت کی نشانی نہیں۔ ان سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خود شامی نے در مختار کے لفظ معلم سے دھوکہ کھایا اور اس بنیاد پر مزید عذر بیان کرنے شروع کر دیئے۔ لیکن چونکہ شامی کی عبادت در مختار کی شرح ان کا اپنا فیصلہ نہیں اس لیے اس سے بحث نہیں۔ مگر تحقیق حق سے ثابت ہوا کہ امام اعظم کا مسلک مدلل اور برحق ہے۔ باقی سب فقہا کے نظریات باطل ہیں اور کمزور۔ لہذا کوئی مسلمان کبھی بھی اس فیصلے پر عمل نہ کرے بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں امام اعظم کے مسلک پر عمل کیا جائے اور کسی مسلمان کو عالم یا غیر عالم کو حق نہیں پہنچتا کہ اپنی من مانی سے چھ دن پہلے فیصلے کرتا پھرے۔ عید کے دن روزہ رکھوانا۔ شریعت پاک کی کھلم کھلا توہین ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فتوٰی ۲۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ برطانیہ میں بعض مسلمانوں نے رمضان المبارک کا آغاز ۲۲ فروری بروز سوموار کو کیا۔ جبکہ   کی اطلاع کے مطابق ۲۱ فروری کو چاند نظر نہیں آسکتا تھا۔ جبکہ چاند طلوع ۱ بجکر ۵ منٹ اور غروب ۵ بجکر ۴۸ منٹ پر۔ اس کے مطابق چاند کی عمر ۴ گھنٹے ۴۳ منٹ بنتی ہے۔ لہذا جن مسلمانوں نے بعض علماء کے کہنے پر ۲۲ فروری کو روزہ رکھا۔ اس روزے کی شرعی حیثیت کیا ہے اور ۲۳ مارچ ۱۹۹۳ء کو آبزرویٹری کی اطلاع کے مطابق عید الفطر کا چاند نظر نہیں آرہا۔ لہذا ۲۴ مارچ ۱۹۹۳ء

کو رمضان المبارک کا روزہ ہونا چاہیے۔ لیکن ۲۲ فروری کو آغاز رمضان المبارک کرنے والے ۳۰ دن پورے کرنے کے بعد ۲۴ مارچ کو عید کریں۔ مہربانی فرما کر ان مسائل کی شرعی نوعیت بتائیں۔ اور اسلامی شریعت پر فتوای صادر فرمائیں۔ انگلینڈ محکمہ موسمیات کی تصدیق کے مطابق چاند کی عمر کم از کم ۱۴ گھنٹے ۲۸ منٹ ہو تو اس کے نظر آنے کے امکانات ہیں۔ شرعی حیثیت سے چاند کی کتنی عمر ہو تو نظر آسکتا ہے۔ براہ کرم اس پر بھی روشنی ڈالیں۔

الراقم الحروف : ۱۰ مارچ ۱۹۹۳ء۔

حافظ محمد اسلم خان، جنرل سیکرٹری مدرسہ ضیاء القرآن۔

سید ابرار حسین شاہ بخاری

حافظ محمد اختر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ تعالٰی ونصلی علٰی رسولہ الکریم

بعون العلام الوہاب

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق سائلین کی تحقیق مندرجہ فی السوال کے علاوہ خود ہماری ذاتی تحقیق وکاوش کے تحت اس سال ۲۲ فروری ۱۹۹۳ء بروز پیر کا روزہ قطعاً غلط اور خلافِ قرآن مجید وحدیث پاک ہے یہ روزہ شعبان ۱۴۱۳ھ کی تقریباً تیس۳۰ تاریخ کا بنتا ہے۔ اسلامی شریعت کے مطابق تو آنے دن نفل روزہ بھی رکھنا ممنوع و مکروہ ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے مشابہ ہے۔ ہماری تفتیش اور رابطہ ممالک اسلامیہ وغیرہ کے مطابق ۲۱ فروری بروز اتوار بعد غروب آفتاب ساری دنیا میں کہیں بھی چاند نظر نہیں آیا اسی وجہ سے ہماری معلومات میں یہ ثابت ہوگیا تھا کہ بروز سوموار ۲۲ فروری ۱۹۹۳ء ہندوستان، پاکستان، مراکش، ایران، وغیرہ کہیں بھی مجموعی طور پر ماہ رمضان المبارک کی پہلی تاریخ ثابت نہ ہوئی نہ کہیں چاند دیکھنے کی شرعی گواہی ملی اسی لیے ان تمام ممالک کی اسلامی رویتِ ہلال کمیٹیوں نے اپنے علاقوں کو ملکوں میں چاند نہ ہونے کا اعلان کردیا یہاں تک کہ سعودی عرب میں ہم نے وہاں موجود اپنے متعدد احباب سے ذاتی معلوماتی رابطے قائم کیے انہوں نے ہم کو اطلاع دی کہ یہاں مطلع صاف ہونے کے باوجود

کوشش بسیار کی رویت سے کہیں چاند نظر نہیں آیا۔ اگرچہ وہاں کی بادشاہی قانونی پابندی کے مطابق عوام مسلمانوں کا علی الاعلان چاند دیکھنا یا ایک دوسرے سے گواہی لینا منع ہے۔ مگر غیور اور شریعت پسند مسلمانوں نے اپنی اپنی چھتوں سے چاند دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر کہیں نظر نہیں آیا۔ اس کے باوجود بغیر رویت ہلال روزے رکھنے کا جبری اعلان کر دیا گیا اگرچہ بہت سے نیک لوگوں نے اس دن روزہ نہیں رکھا اور حدیث پاک کی حکمی تصریح و ممانعت کی بنا پر اس دن کو یوم الشک قرار دیا۔ نیز ہماری معلومات کی بنا پر حکومت سعودیہ کی آبزرویٹری (محکمہ موسمیات) نے ۲۹ یوم الاخر راتوں کی شام کو چاند نظر نہ آنے کی تاکید کر دی۔ اس لیے مندرجہ ذیل دلائل اسلامیہ کے اعتبار و یقین و ایمان پر ۲۲ فروری پیر کا روزہ قطعاً غلط ہے ماہ رمضان المبارک کی پہلی تاریخ بروز منگل (یوم الثلاثا) یعنی ۲۳ فروری ۱۹۹۳ء بنتی ہے اور صحیح اسلامی فرض روزہ بروز منگل بنتا ہے۔ جن لوگوں نے صرف سعودی وہابیوں مقامی دیو بندیوں کی دیکھا دیکھی روزہ پیر ۲۲ فروری کو رکھا یا اپنی مساجد میں فیصلہ کیا وہ سب گنہ گار ہیں۔ اگر انہوں [illegible] کو بھی ۲۴ مارچ کو بروز بدھ عید الفطر منائی تو شرعی لحاظ سے [illegible] وہ دن ماہ رمضان میں شامل ہے۔ یہ شرعی تحقیقی فتوای مندرجہ ذیل دلائل [illegible] میں لکھا گیا ہے: دلیل اول۔ باری تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ پارہ دوم سورۃ بقرہ آیت ۱۸۹ یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ ترجمہ۔ اور یہ صحابہ پوچھتے ہیں۔ آپ سے پہلی تاریخوں کے چھوٹے چاندوں کے بارے میں فرما دیجیے کہ ہلال چاند لوگوں کے لیے تاریخی جنتری ہے اور حج کی تاریخیں معلوم کرنے کا آلہ اس آیت کریمہ نے صاف صاف بیان کر دیا کہ اسلام کے تمام کام خصوصاً عبادات اور روزے عیدیں اور حج چاند کی ہی تاریخ سے ہوں گے اور چاند کو دیکھنے کے بغیر نہ تاریخ کا پتہ چلے نہ ہلال کا علم ہو سکے۔ ثابت ہوا کہ چاند کو انسانی آنکھ سے دیکھنا واجب و ضروری ہے۔ ہلال اسی چاند کو کہتے ہیں جو آنکھ سے نظر آ جائے خواہ کسی بھی دور و نزدیک علاقے میں نظر آئے۔ پہلے ہی ہلال سے اسلامی مہینے کی پہلی تاریخ شروع ہوتی ہے جب تک چاند نظر نہ آئے خواہ کوئی بھی اپنے زور عقل اور حاکمانہ جبر و تشدد سے کہتا رہے کہ آج مہینہ شروع ہو گیا اور پہلا روزہ یا عید ہے ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ دوسری دلیل۔ نسائی شریف کتاب الصیام ۱؎ ۲؎ مسند احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ باب الصوم میں ہے۔ صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِهٖ

وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِهٖ ۳؎ اور ابوداؤد شریف کتاب الصوم میں ہے ثُمَّ صُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْهِلَالَ ۴؎ بخاری کتاب الصوم ۵؎ مسلم جلد اوّل کتاب الصیام میں ہے اِذَا رَاَیْتُمُ الْهِلَالَ فَصُوْمُوْا اسی میں دوسری روایت ہے فَصُوْمُوْا رَمَضَانَ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ اِذَا رَاَیْتُمُ الْهِلَالَ ۶؎ مؤطا امام مالک باب الصیام ۷؎ بخاری جلد اوّل ۸؎ مسلم جلد اوّل ۹؎ ابوداؤد شریف جلد اوّل کتاب الصوم ۱۰؎ ... نسائی شریف کتاب الصیام ۱۱؎ مسند احمد بن حنبل میں ہے۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْهِلَالَ ۱۲؎ ترمذی شریف کتاب الصوم میں ہے ۱۳؎ نسائی شریف میں۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَصُوْمُوْا قَبْلَ رَمَضَانَ۔ ان تمام احادیث کا ترجمہ یہی ہے کہ خبردار اے مسلمانوں جب تک چاند آنکھوں سے نظر نہ آئے اس وقت تک روزہ مت رکھو کیونکہ رویتِ ہلال سے پہلے رمضان کا مہینہ شروع ہی نہ ہوا ہے اور قبل رمضان ماہ رمضان کا فرض روزہ بنانا اور سمجھنا گناہ عظیم ہے۔ یہ تیرہ احادیث مبارکہ بذاتِ خود تیرہ دلائلِ قطعیہ ہیں۔ تیسری دلیل۔ ماہ رمضان مبارک کا چاند دنیا بھر میں کسی کی آنکھ سے نظر نہ آئے اس کے باوجود کسی علاقے کے لوگ چاند ہونے کی عمومی خبر دیں۔ صرف دیکھا دیکھی یا سنی سنائی تو اس کو شریعتِ اسلامیہ کی زبان میں یوم الشک کہتے ہیں۔ فتاوٰی رضویہ شریف جلد چہارم مطبوعہ مکتبہ علویہ رضویہ فیصل آباد پاکستان ص۵۱۹ و ص۵۲۰ پر یوم الشک کے روزے کو حرام لکھا ہے اور فرض سمجھ کر رکھنے والا گناہ گار ہوگا اور فعل حرام کا مرتکب۔ نیز حدیث پاک میں صاف صاف ارشاد فرمایا گیا کہ یوم الشک کا روزہ ممنوع ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف کتاب الصوم ۱؎ بخاری شریف جلد اوّل باب الصوم ۲؎ نسائی شریف باب الصیام میں ہے مَنْ صَامَ الْیَوْمَ الَّذِیْ شُكَّ فِیْهِ فَقَدْ عَصٰی اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۳؎ ابن ماجہ شریف میں ۴؎ مَنْ صَامَ یَوْمَ الشَّكِّ فَقَدْ عَصَانِیْ ۵؎ ابوداؤد جلد اوّل میں ۶؎ مَنْ صَامَ هٰذَا الْیَوْمَ فَقَدْ عَصٰی اَبَا الْقَاسِمِ ۷؎ دارمی جلد اوّل میں ہے قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ الْیَوْمَ الَّذِیْ یُشَكُّ فِیْهِ فَقَدْ عَصَانِیْ ان تمام احادیث کا ترجمہ یہ ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا۔ اس نے میری نافرمانی کی۔ بعض جہلا اور ناواقف لوگ اس چیز کی پرواہ نہیں کرتے اور کہہ دیتے ہیں کہ چلو کیا ہوا ثواب تو روزے کا مل ہی جائے گا۔ مگر یہ غلط ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ جس کام سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی ظاہر ہو اور جو کام حرام ہو کرنے والا جس سے سخت قسم کا گناہ گار بھی ہو جائے اس پر ثواب کیسے مل سکتا ہے۔ لیکن اب فکر سابقہ عمل باطل کی نہیں ہے۔ بلکہ آئندہ عید الفطر کی فکر ہے اور ہر اس مسلمان کو اگلے عید الفطر کے بارے میں غلط کام سے بچانے کے لیے یہ فتوٰی لکھا جا رہا ہے۔ جو اپنے اس غلط روزے کو اپنی بے شعوری

ہیں صحیح سمجھتے ہوئے آئندہ عید بھی قرآن وحدیث کے خلاف کرنا چاہتے ہیں۔ صرف اپنے ان مسلمان بھائیوں کو اللہ رسول کا خوف دلا کر صحیح یعنی شرعی عید منانے کی تلقین مقصود ہے تاکہ کسی کی مہارت ضائع نہ جائے۔ ورنہ یہ لوگ جو آج بڑے میٹھے بن کر مسلمانوں کے روزے عیدیں حج فطرانے ضائع کرانے اور ثواب کی بجائے عذاب اخروی جنت کے بجائے جہنم میں ڈلوانے کے درپے ہیں۔ وہ کل قیامت میں ساتھ نہ نبھائیں گے۔ بلکہ دامن چھڑائیں گے۔ کچھ عوام الناس یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو کیا ہے اس غلطی کا عذاب امام اور خطیب پر ہے ہم بے علم ہیں۔ اگر یہ روزہ وعید غلط ہے تو کیا امام مسجد کو اس کی فکر نہیں اس کو عذاب کا ڈر نہیں؟ مگر یہ باتیں بھی کل قیامت میں آپ کو نہ بچاسکیں گی یہ سب ابلیسی ہی دھوکے ہیں۔ ہر مسلمان باشعور ہے ہر شخص کو غلط اور صحیح کا علم ہے اس لیے کوئی بھی غلط کار عذاب الیم سے نہ بچ سکے گا۔ یہ فتوی صرف ایسے لوگوں کو خبردار کرنے کیلئے رکھا گیا ہے اور لکھوایا گیا ہے دلیل چہارم میں نے چند ان ائمہ مساجد اور خطباء اہل سنت سے ان کے اس غلط اور غیر شرعی روزئیے فیصلے کے بارے میں گفتگو کی جنھوں نے اہل سنت والجماعت ہونے کے باوجود غلط کار لوگوں کے ساتھ لگ کر اپنے اپنے مقتدی مسلمانوں کے روزے برباد کیے اور آئندہ عید پر ان سے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں نے ذمے دار عالم خطیب ہونے کے باوجود قرآن مجید اور احادیث پاک کے سراسر خلاف رمضان کا فیصلہ کیوں کیا۔ تو ان کے پاس بجز اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ ہم مسلمانوں میں اتحاد برقرار رکھنا چاہتے غیر قومیں انگریز وغیرہ ہماری آپس کی چپقلش اور تین تین۔ دو۔ دو عیدوں سے ہمارا مذاق اڑاتی ہیں۔ میں نے جواباً کہا یہ کیسا اتحاد ہے کہ اللہ رسول شریعت قرآن وحدیث سے مخالف ہو کر باطل کے سامنے سرنگوں ومغلوب ہو کر اتحاد کیا جائے کہا سنی علماء باطل وہابیہ ان کے پیچھے نمازیں پڑھنے کے لیے بھی رہ گئے ہیں یہ کیسا اتحاد ہے کہ ایک شخص دن کو رات جھوٹ کو سچ۔ دو اور دو کو چار کے بجائے تین کہتا ہے آپ اس کے ساتھ اتحاد کرنے کے لیے اس طرح جھوٹ کو سچ کہنا شروع کردیں یہ اتحاد نہیں باطل نوازی ہے کیا اتحاد حق کی موافقت سچ کی حمایت پر نہیں ہوسکتا کیا یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ دوسروں کو بھی چاند دیکھنے پر شریعت کی پابندی پر مجبور کرکے ان کو حق کی طرف لاکر سارے ملک میں ایک دن روزہ ایک دن عید کروائی جائے اور اگر وہ غلط کار لوگ اس بات کو نہ مانتے اور سعود پرستی پر مُصر رہتے

تو ان مٹھی بھر آٹے میں نمک کی برابر باطل گروپ کو چھوڑ کر اکثریت اہل سنت کے ساتھ اتحاد کرکے اللہ تعالٰی کو راضی کرتے اور لوگوں کے روزے وعیدیں درست ہوتے دیتے آخرت کی سرخروئی حاصل کرتے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ پ سورۃ المائدہ آیت ۲ بعض خطباء نے لاجواب ہو کر یہ بھی کہا کہ چاند آنکھ سے دیکھنا کوئی ضروری نہیں اگر کمپیوٹر اور مشین کے ذریعے چاند کا ہونا ثابت ہوجائے تب بھی رمضان کا ثبوت ہوجائے گا۔ میں نے کہا آپ کی بات دو وجہ سے غلط ہے ایک اس لیے کہ احادیث میں بہت تاکید سے انسانی رویت کا ذکر ہے۔ قرآن احادیث کی خلاف ورزی گناہ عظیم ہے دوم اس لیے کہ مشین کا بتانا محض ایک خام خیالی اور وہمی ارادہ ہے۔ نیز مشین چاند کے وجود اور پیدائش کو بتاتی ہے نہ کہ ظہور اور رویت کو وجود اور جنم میں چاند شفق سے اتنا دور ہوتا ہے کہ کبھی انسانی رویت کی سطح پر نہیں ہوتا اور دیکھنا ناممکن حالانکہ قمری ماہ کی پہلی تاریخ ہلال کے اس سطح پر آنے سے ہوتی جو مدار شفق ہے اور جہاں سے انسانی آنکھ کی رویت ممکن ہے۔ فرض کہ یہ حیلے بہانے سب غلط اور شریعت سے دور ہوتا ہے۔ **پانچویں دلیل**۔ مگر یہ دلیل ظنی ہے اس لیے کہ انسانی عقل کا اندازہ و تخمینہ ہے۔ صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی یہ دلیل ہے۔ محکمہ موسمیات (آبزرویٹری) کی پیشنگوئی۔ چنانچہ اس کے بارے اس کے ثبوت میں ہمارے پاس برطانوی محکمہ موسمیات اور سعودی محکمہ دائرۃ الموسمیات کی تحریری رپورٹ موجود ہے۔ دونوں میں لکھا ہے کہ ۲۱ فروری کو چاند نظر آنا ناممکن ہے۔ اس لیے ۲۲ فروری بروز پیر (منڈے۔ الاثنین) کو روزہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ماہ رمضان کی پہلی تاریخ نہیں بنتی۔ آئندہ کے لیے خود سائلین حضرات نے محکمہ موسمیات برطانوی کا حوالہ دیا ہے کہ ۲۳ مارچ ۱۹۹۳ء کو آبزرویٹری کی اطلاع کے مطابق عید الفطر کا چاند نظر نہیں آئے گا۔ لہٰذا ۲۴ مارچ بروز منگل عید الفطر نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ بات صحیح ثابت ہوجائے تو پھر غلط روزے والوں کو ۳۱ روزے پورے کرنے پڑیں گے۔ یعنی پہلا روزہ ۲۲ فروری بروز پیر والا غلط ہوا اور ۲۴ مارچ کو ماہ رمضان کی ۳۰ تاریخ ہوگی اس طرح سب مسلمانوں کے تیس روزے مکمل ہوں گے۔ لہٰذا قانون شریعت کے مطابق اپنے دین وایمان اور عید وعبادات کو بچاتے ہوئے ہر مومن مسلمان کا فرض ہے پچھلے گناہ سے توبہ کرکے آئندہ عید کے موقع پر سچی شرعی عید منائیں اور اس طرح پورے

ملک کی ایک عید منا کر ایمانی اسلامی اتحاد کا ثبوت پیش کریں۔ باطل کے ساتھ نہ رہیں حق کا ساتھ دیں اللہ تعالٰی ہم سب کو صراطِ مستقیم کی توفیق عطا فرمائے۔ موجودہ محکمہ موسمیات اور ہمارے علماءِ ترقیت کے علمی فکری تجربات و مشاہدات کے مطابق اگر چاند مدارِ مغرب میں غروبِ آفتاب کے وقت سولہ ڈگری یعنی بیس گھنٹے پہلے داخل ہو جائے تب غروب کے وقت چاند مدارِ شفق میں داخل ہو جائے اور سورج کے غروب ہوتے ہی سورج کی روشنی اس نومولود چاند کے ابتدائی جسمانی کنارے پر پڑتی ہے جس سے چاند کا ہلالی حصہ روشن ہوجاتا ہے اور دیکھنے والے کو نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علمِ فلکیات والوں کے نزدیک چاند کی دو قسمیں ہیں ۱؎ قمرِ فلکی اس کی مدت دو دن یا ایک دن ہوتی ہے ۲؎ قمر رویت اس کی مدت اٹھائیس دن ہے۔ چاند کی رفتاریں اور روشنیں دو طرح پر ہے۔ چاند پہلی تاریخ سے سورج سے دور ہوتا جاتا ہے جتنا دور ہوتا جاتا ہے چاند کے جسم پر سورج کی روشنی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ چودھویں کا چاند سورج سے اتنا دور ہوتا ہے کہ چاند اپنے پورے جسم پر سورج کی روشنی برداشت کرلیتا ہے اور کوئی چیز رکاوٹ یا آڑ نہیں بنتی پھر چودھویں کے بعد مسلسل سورج کے قریب ہوتا جاتا ہے اور چاند کا جسم آہستہ بے نور ہوتا جاتا ہے چاند اپنی اٹھائیس تاریخ کے بعد سورج کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ سورج کی تیز شعاعیں چاند کے جسم کو بے نور کر دیتی ہیں اور چاند کی رویت ختم ہو جاتی ہے۔ ان ہی وقتوں کو نئے چاند کا جنم دن یا نومولود چاند کہا جاتا ہے علم سنت میں اس کو قرانِ شمس و قمر کہا جاتا یہ چاند کی کمپیوٹر اور مشین سے بھی نظر نہیں آسکتا یہ مدت تقریبًا چار گھنٹے رہتی ہے پھر چاند اپنی اسی قدرتی رفتار سے سورج سے دور ہونا شروع ہوتا ہے کیونکہ دونوں کے برج یعنی راستے بدلتے جاتے ہیں۔ لیکن سمت وہی مشرق سے مغرب رہتی ہے ہر تین گھنٹے بعد چاند کا ایک فیصد حصہ منور ہوتا ہے مگر ایک فی صد اور دو فی صد کی روشنی اتنی باریک ہوتی ہے کہ کوئی آنکھ خواہ کتنی تیز ہو اور مطلع خواہ کتنا ہی شفاف ہو نہیں دیکھ سکتی۔ یہاں تک کہ کم از کم بیس گھنٹے بعد چاند کا تین فی صد روشن ہو جاتا ہے۔ اسی کو ہلال اور پہلی تاریخ کا چاند کہتے ہیں۔ اسی چاند کو قرآن مجید میں نور فرمایا چنانچہ ارشادِ باری تعالٰی ہے سورۂ یونس آیت ۵ ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا۔ وہی خالق تعالٰی ہے جس نے سورج کو ضیا بنایا اور چاند کو منور بنایا یعنی قابلِ رویت بنا دیا۔ اس قمرِ نور کی مدت اٹھائیس دن تو سب

کی نگاہوں کے سامنے رہتی ہے مگر بے نوری کی حقیقی مدت سب کی عقلی معلومات سے یقینی کیفیت میں پوشیدہ رہتی ہے۔ علماءِ فلکیات نجومی ترقیت والے آبزرویٹری کے سائنس دان محکمہ موسمیات کے آفیسر سب اپنے اندازوں میں بے یقینی کے شکار رہتے ہیں اسی لیے ہر دفعہ چاند میں جھگڑا ہوتا ہے حقاً کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا کہ یہ نومولود چاند کب اور کتنے گھنٹے بعد ہلال بنے گا۔ علماء فقہا اور سائنس دانوں کے تجربے سے کم از کم مدت بیس گھنٹے تو مقرر ہوگئی۔ جس میں چار گھنٹے قرآن شمسی کے اور سولہ گھنٹے کل رفتار کے مگر یہ بڑھ کر تیس گھنٹوں بلکہ ۳۱۔ اور ۳۲ گھنٹوں تک بھی پہنچ سکتے ہیں اسی لیے کبھی چاند ۲۱ کا کبھی تیس کا پھر ان میں گھنٹے معین نہیں ہوتے کبھی انیس کا چاند بھی بیس سے زیادہ گھنٹے سے لیتا ہے اور کبھی تیس کا چاند بیس گھنٹے بعد نکل آتا ہے۔ اللہ تعالٰی کے راز و حکمتیں رب تعالٰی ہی جانتا ہے۔ اسی لیے حکم ہے کہ مشینوں سائنس دانوں علماءِ فلکیات کی طرف مت بھاگو ورنہ مصیبت میں پھنسے رہوگے اور غیر قوموں کو مذاق بازی کا موقعہ ملے گا۔ فرمانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت پاک کے ازلی ابدی قانون صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ پر پابند اور متحد ہوجاؤ۔ نجوی ملاقات عید و افطار صیام و قیام کی غلط بیانیوں پر استحادمت کرو۔ شریعت و قرآن کے ساتھ اتحاد کرکے ایمان بچاؤ۔ اعلٰی حضرت مجدد بریلوی نے اپنے فتاوٰی جلد چہارم مطبوعہ مکتبہ علویہ کے صفحہ ۵۴۶ سے صفحہ ۵۸۴ تک نہایت تفصیل سے اس رویتِ ہلال کے مسئلے پر با دلائل بحث فرمائی اور ذاتی مشاہدات و تجربات سے ثابت فرمایا ہے کہ سوائے رویت نظری کے کسی بھی اندازے یا خیالی تخمینوں یا فلکیات علمیہ سے چاند کے بارے میں پیشگوئی کبھی بھی یقینی و حتمی نہیں ہوسکتی نہ ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ آج کا سائنس دان بھی آبزرویٹری کے تمام تجربے کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہے اور اس کو اعتراف ہے کہ باوجود اتنی مشینی ترقی کے چاند کے ہلال رویت ہونے پر اب بھی کوئی یقینی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی۔ ماننا پڑے گا کہ اس نبی اُمّی کے چودہ سو سال قبل والے ایک فرمان اعظم کے سامنے آج کے ترقی یافتہ دور کی تمام مشین۔ کمپیوٹر لیبارٹریاں فیل اور ناکارہ ہیں۔ تیرے سامنے ہیں دبے پڑے فصحا جہاں عرب کے بڑے بڑے گویا ان کے منہ میں زبان نہیں۔ نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ وَزِيْنَةِ فَرْشِهٖ وَقَاسِمِ رِزْقِهٖ وَمَظْهَرِ عِلْمِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَبَارِكْ وَسَلَّمْ۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

کتبہ

صاحبزادہ اقتدار احمد خان مفتی دارالعلوم غوثیہ نعیمیہ حال وارد لندن۔ انگلینڈ۔

ایک مقالہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

محترم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: آپ کا گرامی نامہ بشکل ایجنڈا وصول پایا یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ آپ کے مجوزہ اجلاس میں اپنی آنکھ کی تکلیف کی بنا پر حاضر نہیں ہو سکتا معذرت خواہ ہوں لیکن اس مقالے کی شکل میں حاضری کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اگر یہ مقالہ محفل مذاکرہ میں (مشاورتی اجلاس) میں پڑھ کر سنا دیا جائے تو شاید کسی کو پسند آ جائے اور اس کے ساتھ ہی میں اپنا وہ فتوٰی بھی بھیج رہا ہوں جو اسی رمضان المبارک میں جمعرات کی بجی اور صحیح عید الفطر کے بارے میں میں نے تقریبًا بارہ مارچ کو جاری کر دیا تھا۔ اس دن تقریبًا اٹھارواں روزہ تھا۔ اس فتوے کا بھی آپ مطالعہ فرمالیں بحمدہٖ تعالٰی ہم نے ۲۴ مارچ بروز بدھ روزہ افطار کرکے بعد نماز مغرب صاف مطلع میں یکم شوال کا چاند دیکھا۔ نہایت باریک تھا اور تقریبًا چالیس منٹ تک نظر آتا رہا اس سے زیادہ باریک ہو سکتا ہی نہیں اس چاند کو دیکھنے والے سینکڑوں مسلمان تھے کسی کو ہم نے اطلاع دی اور کسی نے ہم کو بتایا اس رویت سے صاف ظاہر ہوا کہ منگل کی عید بھی غلط تھی اور بدھ کی عید بھی منگل پہلی عید والوں کو دو روزے اور دوسری عید والوں کو ایک روزہ قضا کرنا واجب ہیں اب رہا آئندہ کے لیے لائحہ عمل وہ اس بارے میں جو باتیں اخباروں اور لوگوں کی زبان سے آپ سنتے ہیں۔ وہ میں بھی سنتا ہوں اور جس چیز کے آپ خواہش مند ہیں یعنی اتحاد بین المسلمین میں اور میرے علاوہ تمام مسلمان شدت سے اس چیز کے خواہش مند ہیں مگر اتحاد کے طریقوں میں حق و باطل کا فرق نہیں کیا جاتا آخر کیا وجہ ہے کہ سارے پاکستان میں سارے ہندوستان میں سارے مراکش میں اور سارے ایران میں میری اطلاع کے مطابق متحد اور متفق ہو کر تمام مسلمانوں نے ایک دن رمضان المبارک کی ابتدا کی اور ایک ہی دن سب نے عید منائی یہ بدنصیبی برطانیہ کے مسلمانوں کے حصے آئی کہ ہر مسجد کی عید اور رمضان علیحدہ

علیحدہ ہوتے رہے اور کوئی کسی کی ماننے کے لیے تیار نہیں ہمیں افسوس عوام سے نہیں عوام کالانعام شروع سے ہی ہر غلط بات کی طرف جلدی دوڑنے والے ہیں نہ مخالف علماء اور خطباء سے کچھ گلہ نہیں، وہ تو کئی سالوں سے اپنی غلط روش پر چلتے چلے آرہے ہیں ہمیں افسوس تو اپنے ہم مسلک علماء سے ہے کہ وہ اس دفعہ پہلی مرتبہ نہ معلوم کس وجہ سے غیروں کے ساتھ لگ گئے اور عید اور رمضان دونوں کے بارے میں قرآن و حدیث سے ہٹ کر بالکل ہی غلط طریقہ اختیار کرلیا اور عوام مسلمانوں کے روزوں کے ساتھ ساتھ عید بھی برباد کردی اور اپنے لیے آخرت کا عتاب و عذاب خرید لیا آپ کے اس ایجنڈے میں تقریبًا چھ باتوں پر غور و فکر کے لیے مشاورتی اجلاس کا ذکر ہے اس بارے میں میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کر رہا ہوں کہ عوام کا علمائے کرام کو مطعون کرنا اور آزاد خیال لوگوں کا علمائے کرام سے بیزاری اور دوری کا گھناونے انداز میں پراپوگنڈا کرنا اور اس کے لیے موجودہ اور آنے والی نسلوں کا بہانہ تراشنا یہ تو ایک فیشن بن چکا ہے عید و رمضان ہی کیا اس کے علاوہ بھی کون سا موقعہ ہے جو یہ آزاد خیال عوام حق پرست علما کو برا بھلا نہیں کہتے علماء سائنس کی مخالفت کریں قرآن مجید کی آیات پیش کریں۔ دین کی بات کریں یا دنیا کو سدھارنے کا مشورہ دیں نماز کا حکم دیں یا زکوٰۃ کی تلقین کریں یہ عوام کو ہر موقع پر ہی علماء کو برا کہتے اور خلاف پراپوگنڈا کرتے رہے ہیں اور رہیں گے اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے دیکھنا یہ ہے کہ کسی بھی مسئلے اور کسی بھی اتحاد میں قرآن مجید، حدیث رسول اللہ اور دین اسلام کے فرمودات کیا ہیں علمائے کرام کے ذمے رب تعالٰی نے صرف اس چیز کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ دین اسلام قرآن و حدیث کے دامن کو پکڑے رکھیں اور عوام الناس تک پہنچاتے رہیں بقول شاعر چمن قرآن ہے۔ عالم صبا ہیں کہ پھیلاتے پھریں۔ بوئے محمدؐ ہماری یہ ذمہ داری نہیں کہ موجودہ یا آنے والی نسلوں کو ہدایت دیں یا ان کی بیزاری سے ڈر کے نئے نئے رستے اختیار کرتے پھریں یا کسی ذاتی نسلی شخصیت کے لیے نرم گوشے تلاش کرتے پھریں اگر ہم نے یا کسی بھی عالم نے یہ روش اختیار کی تو اس نے اپنے دین کا ہی حلیہ بگاڑ دیا اور اس طرح نسلیں سنبھلتی نہیں بلکہ مزید بگڑتی ہیں۔ بندوں کو اسلام کے لیے مجبور کرو اسلام کو گھس گھس کر بندوں کے مطابق مت بناؤ۔ آپ کے ایجنڈے کی تیسری بات کہ اہل سنت کے علمائے کرام میں بھی دن بدن اس بارے میں انتشار بڑھتا جارہا ہے تو عرض ہے کہ اہل سنت کے علمائے کرام میں یہ انتشار اس دفعہ پہلی بار دیکھنے میں آیا اس سے پہلے جب بھی

عید اور رمضان میں اختلاف ہوا تو سروے کرنے کے بعد اس کو سنی وہابی اختلاف ہی سمجھا گیا۔ حیرانی اور تعجب ہے کہ اس دفعہ چند سنی علماء بھی دیوبندی اور وہابی علماء کے دوش بدوش رمضان وعید کہ اس انتشار اور اختلاف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے لازمی بات ہے کہ یہ انتشار اور اختلاف اور اغیار سے ملاپ کسی آیت یا حدیث کے استدلال کی بنا پر نہیں ورنہ اس سے پہلے بھی اختلاف ہو سکتا تھا نہ ہی کوئی ایسی آیت یا حدیث موجود ہے جس سے صحیح یا غلط استدلال کر کے ایک یا دو دن پہلے ماہ رمضان کے روزے یا عید الفطر کرادی جائے۔ اس دفعہ بعض جگہ ایسا مشاہدہ بھی ہوا کہ اس انتشار اور حق کو چھوڑ کر اغیار سے اتحاد اور ملاپ صرف اور صرف ذاتی مفاد ہے۔ چنانچہ ایک دوست نے افسوس کے ساتھ ایک واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کہ میں ایک محفل اہل سنت میں خطاب کرنے گیا۔ تو وہاں کے خطیب اہل سنت نے خطاب سے پہلے علیحدگی میں لے کر نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ خدا کے لیے اس محفل میں رمضان شریف کا اور عید کا ذکر نہ کرنا میں نے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے کہ تمہیں معلوم ہے کہ مسجد زیر تعمیر ہے اور ہماری اس مسجد میں ہمارے پیچھے اونچی آمین والے بھی ہیں ان کے ذریعے ہم نے سعودی حکومت سے بہت سی امداد لینی ہے ان چھوٹے چھوٹے چندوں سے تو مسجد بننے سے رہی وہ درست فرماتے ہیں کہ میں یہ لفظ سن کر ہی اس محفل سے بغیر خطاب واپس چلا آیا جب میں نے یہ بات سنی تو سخت حیرت تعجب اور افسوس ہوا کہ اس طرح دین۔ ایمان۔ اعمال۔ عبادات اور ضمیر فروشی کر کے عید اور رمضان منانا یہ اللہ رسول کے عید اور روزے تو نہ ہوئے یہ تو محلات کی عید اور ریال کے روزے ہو گئے۔ اس مشاہدوں سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ سنیوں میں انتشار کیوں اور کس طریقہ سے پیدا کیا جا رہا ہے۔ یہ باطل کی وہی چال ہے جو یہودیوں نے سچے عیسائیوں کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پطرس کے ذریعہ چلی تھی کہ پطرس یہودی نے حضرت عیسیٰ کے تیس سال بعد عیسائیت کا بہروپ بھر کر عیسائی بن کے دین کو بگاڑنا شروع کر دیا اور بیوقوف عیسائی اسکے دام فریب میں آکر آج تک اس کو سچا عیسائی اور پولوس رسول کا لقب دیتے ہوئے بگڑے ہوئے دین کو سچی عیسائیت سمجھ رہے ہیں یہی کچھ اب یہودی لوگ سعودیوں کو ڈھال بنا کر اسلام کی ہر چیز کو بگاڑنا چاہتے ہیں جس میں آج سے کئی سال پہلے حج پر ہاتھ ڈالا اور حج اور عید الاضحیٰ جس میں اسلام کی معیاری اور عالمگیر عبادت کو مسلمانوں کے اعمال نامے سے مٹانے کی ناپاک کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر اس کے بعد ماہ رمضان کے روزے اور عید الفطر پر ہاتھ ڈالا یہ ناپاک منصوبہ سعودی عرب سے نکل کر دیگر عرب ممالک میں پہنچا اور وہاں سے نکل کر وہابیوں کے ذریعے یورپ

میں آیا اور اب بڑھتے بڑھتے اپنی ریال و دولت کے بل بوتے پر علمائے اہل سنت میں بھی اختلاف اور انتشار کی بیماری کو داخل کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان ریالوں کے اثرات نے کمزور ضمیر والے علمائے اہلسنت کو خرید لیا اور باطل کے ساتھ اتحاد اور اتفاق کرلیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لیکن علمائے حق اہلسنت وجماعت نے اپنی تاریخ اسلامی کے روشن باب کو اب بھی روشن تابندہ رکھا اور شہیدان کربلا کا دامن نہ چھوڑا دولت کی آواز پر لبیک نہ کہا بلکہ حقارت سے ٹھکرا کر قرآن حدیث کے حکم کو اپنے سینوں سے لگائے رکھا اور ہزاروں لعنتوں طعنوں بیزاریوں گھناونے انداز کے پراپیگنڈوں کے باوجود انہوں نے ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی قرآن وحدیث کے حکم کے مطابق سچے روزے اور سچی عید منائی اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ کے ایجنڈے کی چوتھی اور پانچویں چیز یہ کہ اس وقت علمائے اہل سنت کی اکثریت یا تو صرف وجود ہلال یا ہلال رویت ممکنہ کے بارے آبزرویٹری کی معلومات کو بنیاد بنا کر رمضان وعیدین کا تعین کر رہی ہے جواب شرعی طور پر یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں وجود ہلال کی بنیاد بنانا تو بالکل ہی غلط ہے اور قرآن مجید اور حدیث پاک کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ ضمیر فروش لوگوں کے لیے تنکے کا سہارا ہے شریعت میں وجود ہلال کوئی چیز نہیں کسی حدیث یا کسی آیت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں علم ترقیت والوں کا یہ اپنا ذاتی اصطلاحی لفظ ہے جو سوائے وہمیات کے اور کچھ نہیں اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی عالمگیر عبادت کے لیے کسی عام انسان کی اصطلاح کو بنیاد بنالینا سراسر عدالت الٰہیہ کی توہین اور قرآن حدیث کی گستاخی ہے اور اس کا مرتکب شخص جہنمی ہے نیز وجود ہلال کی اصطلاح میں حدیث قرآن اور آئین الٰہی کی مخالفت کے علاوہ چاند کی پہلی تاریخ بھی تو ثابت نہیں ہوسکتی۔ جبکہ ماہ رمضان کا پہلا روزہ چاند کی پہلی تاریخ پر فرض ہوتا ہے اور چاند کی پہلی تاریخ چاند کی یقینی رویت سے ہوتی ہے کسی بھی قمری مہینے کی پہلی تاریخ نہ وجود ہلال سے ہوتی ہے نہ ممکنہ رویت سے بلکہ رویت یقینیہ سے ہوتی ہے۔ جب وجود ہلال کا ذہنی تصور کرکے رمضان شریف کا روزہ شروع کردیا پھر اس کے بعد پہلی کا چاند نظر آیا تو لازماً یہ روزہ جو رکھا جاچکا ہے وہ شعبان میں ہوا اب اس کو فرضی روزہ ماننا ایسا ہی گناہ ہے جیسے کی کوئی ظہر کے فرض نماز پانچ رکعتیں ادا کرتا رہے وغیرہ وغیرہ یہ اسلام میں زیادتی ہے جو سراسر جہنم کا راستہ ہے رہا آبزرویٹری کی بتائی ہوئی ممکنہ رویت یہ بھی شریعت کے خلاف ہے۔ اس کا ذکر کسی حدیث شریف میں نہیں ہے یہاں تک کہ

اسلام کی کوئی بات بھی ممکنات پر قائم نہیں ہے۔ اسلام ایک یقینی دین ہے اور اس کی ہر عبادت اور ہر چیز کی بنیاد تعینیات پر ہے نہ کہ ممکنات پر لیکن اس بات میں پہلی بات کے مقابل کچھ تھوڑی سی گنجائش ہے وہ یہ کہ اگر ابزرویٹری والے کہہ دیں کہ فلاں تاریخ کو شام کے وقت رویت ممکن ہے تو پھر مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس ممکن کو یقینی بنانے کی کوشش کریں اور شریعت کے دائرے میں رہ کر اپنی حیثیت اور زمانے کے ذرائع کے حساب سے دنیا میں رویت کے شرعی ثبوت کا پتہ کریں جہاں سے شرعی ثبوت میسر آجائے رویت ہونے یا نہ ہونے کا اس پر عمل کریں اپنی بھی عبادت بچائیں اور اپنے ماننے والوں کی بھی جو نہیں مانتا اس کو چھوڑ دو حق سے اتحاد کیا جائے قرآن حدیث کا دامن پکڑا جائے اس دفعہ کا تجربہ ہے کہ آپ نے تو لکھا ہے کہ نئی نسلیں خراب ہو رہی ہیں لیکن ہم دیکھا کہ ہمارے علاقے میں منگل کو بھی عید ہوئی بدھ کو بھی عید ہوئی اور جمعرات کو بھی عید ہوئی ہم جمعرات کے دن سروے کیا صرف یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ جمعرات کے دن عید کے اجتماعات کیسے ہوئے آپ کو ہماری سروے رپورٹ جان کر یقیناً خوشی ہوگی کہ منگل اور بدھ کو اجتماعات میں جہاں کہیں چار چار جماعتیں ہوتیں تھی وہاں پر ایک یا دو جماعتیں ہوئیں لیکن جمعرات کے اجتماعات میں پچھلے سالوں کی نسبت زیادہ رونق دیکھی گئی جس سے ثابت ہوا کہ مومن اگر حق پر ڈٹ جائے تو رحمتیں رونقیں اور برکتیں اسی کے ساتھ شامل حال ہوتیں ہیں یہ ٹھیک ہے کہ چند اوباش قسم کے آدمی جلد بازی سے عید کا شور مچاتے پھریں مگر اکثریت مسلمانوں کے ایسی ہے جس کی ایمانی کوشش یہی ہوتی ہے کہ جب اتنے روزے رکھ لیے تو ایک روزہ چھوڑنے سے کچھ فرحت حاصل نہ ہوگی وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہمارے روزے اور عید ایمانی روزے اور عید بنیں اس لیے باطل کے شور سے فکر مند نہ ہونا چاہتے اور بحمدہٖ تعالیٰ حق میں ہی ہوتا ہے زمانہ بڑا خطرناک ہے یہ کوشش نہ کریں کہ چار یا پانچ جماعتیں ہی عید کی ہوں اور چندہ ہی زیادہ سے زیادہ ملے اللہ کی عبادت عیدیں وغیرہ نہ جماعتوں کے لیے ہے نہ چندوں کے لیے یہ تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے اس لیے اگر آپ کے پیچھے تین آدمی ہی کھڑے ہوں اور آپ کی عید صحیح سچی شرعی عید ہو تو آپ قیامت کے دن پاکباز لوگوں میں ہوں گے فیصلہ قیامت کو ہوگا اور آپ اپنی آنکھوں سے ان محلاتی عید والوں کے انجام کو بھی دیکھ لیں گے میرے اس شرعی فیصلے اور رائے کے مطابق آپ نہ وجود ہلال پر اتفاق کریں نہ ممکنہ رویت پر بلکہ چودہ سو سال پرانے پیارے

آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی پر اتفاق کریں کہ چاند کو یقینی ثبوت دے کر ماہ رمضان کے روزے شروع کرو اور چاند کے یقینی ثبوت لے کر روزے ختم کرو اور عید مناؤ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر عمل ہی سرمایہ اسلام اور دولت ایمان اور آخرت کی نجات ہے اللہ تعالی ہم سب کو اس غلامی میں تاقیامت رکھے اس دامن کو چھوڑ کر نہ روزہ روزہ ہے نہ عید عید ہے بلکہ جہنم کی زنجیر ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

فقط والسلام ۹۲/۴ ۱۹

صاحبزادہ اقتدار احمد خان۔ مفتی اسلام حنفی قادری نعیمی ساکن حال لندن

فتوی نمبر ۳۰

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں۔ کہ بعد نماز جماعت فرض پنجگانہ تمام مقتدیوں کا مل کر بلند آواز سے مسجد میں کلمہ شریف پڑھنا جائز ہے یا ناجائز۔ کچھ لوگ اس کو جائز مان کر ہر نماز جماعت کے بعد سلام پھیرتے ہی بہت بلند آواز سے تین دفعہ کلمہ شریف پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ اس طرح پڑھنے کو سخت ناجائز کہتے ہیں۔ لہذا قرآن مجید اور احادیث مطہرات اور فقہاء ائمہ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں ثابت کیا جائے کہ اس طرح بلند آواز سے بعد نماز فوراً کلمہ شریف جائز ہے یا ناجائز۔

بینوا توجروا!

(حضرت قبلہ) پیر معروف حسین شاہ صاحب نوشاہی

دستخط۔ السائل قادری بریڈفورڈ۔ انگلینڈ۔ برطانیہ) تاریخ ۳۰/۸/۸۳

الجواب بعون العلام الوھاب

قانون شریعت اسلامیہ کے مطابق پنجگانہ فرائض نماز باجماعت کا سلام پھیرنے کے فوراً بعد بلند آواز سے کلمہ شریعت یا تکبیرین یا کوئی بھی ذکر اللہ کرنا بالکل جائز اور سنت اور باعث ثواب وخیر وبرکت ہے۔ قرآن مجید اور حدیث پاک و قانون فقہ اسلامی کے متعدد دلائل سے ثابت ہے

پہلی دلیل قانون شریعت اسلامیہ کے مطابق پنجوقتہ فرضوں کی جماعت کے فوراً بعد بلند آواز سے ذکر اللہ واجب بھی ہے اور سنت بھی۔ تمام سال بارہ مہینہ آواز

بلند اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بعد سلام مساجد میں سنت ہے اور ایام تشریق کے پانچ دن یوم عرفہ کی فجر سے لے کر تیرہ ذوالحجہ کی عصر تک تکبیر تشریق پڑھنا ہر مرد مسلمان پر واجب ہے۔ خیال رہے کہ واجب وہ ہوتا ہے جس کا ثبوت قرآن مجید کی اقتضاء النص کی ظنیت سے اور یا حدیث پاک کی نص ظنی سے ہو۔ اس کا تارک گناہ گار ہے۔ کرنیوالا بہت ثواب پانے والا ہے۔ سنت کی تین قسمیں ہیں۔ ۱ سنت مؤکدہ ۲ سنت غیر مؤکدہ اکثریہ ۳ سنت غیر مؤکدہ غیر اکثریہ! جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو اور کبھی بھی چھوڑنا ثابت نہ ہو وہ سنت مؤکدہ ہے۔ احادیث میں ان کا ذکر ماضی استمراری کے صیغہ سے آتا ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کرتے تھے۔ اس کا تارک بھی گناہ گار ہے۔ سنت غیر مؤکدہ اکثریہ کو سنت کفایہ بھی کہتے ہیں۔ ذکر بالجہر بعد نماز ہمیشہ سنت کفایہ ہے۔ اگر ذکر بالجہر کو سب نمازی چھوڑ دیں گے تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر کچھ لوگ یا ایک آدمی بھی کرے گا۔ تو سب کو ثواب ہوگا۔ احادیث پاک میں بہت جگہ بلند ذکر کا ثبوت ہے۔ چنانچہ صحاح ستہ میں سے حدیث پاک کی مشہور کتاب نسائی شریف جلد اول ص۱۹۶ اور احادیث کی دوسری مشہور کتاب مشکوۃ شریف ص۸۵ اور تیسری مشہور کتاب ابوداؤد شریف ص۱۴۳ ج ا پر ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ ترجمہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں (بچپن میں اپنے گھر میں ہی) نبی کریم کی جماعت ختم ہونے کو پہچان لیا کرتا تھا۔ تکبیر کی بلند آواز سے۔ اس حدیث پاک میں۔ كُنْتُ اَعْرِفُ۔ ماضی استمراری ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ واقعہ روزانہ ہوتا تھا۔ انقضاء کے معنیٰ ہے۔ نماز ختم ہونا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ سب صحابہ مل کر ذکر اللہ کیا کرتے تھے۔ جس سے آواز بلند ہوتی تھی اور دور گھروں میں پہنچتی تھی۔ جس سے گھریلو عورتیں چھوٹے بچے گھروں میں جان لیتے تھے کہ اب جماعت ختم ہوگئی۔ ابن عباسؓ ابتدائی مدنی زندگی میں چھوٹے بچے تھے۔ نماز فرض نہ ہوئی تھی۔ تو بہت دفعہ حاضری نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ یہ واقعہ اگرچہ بچپن کا ہے مگر روایت بڑی عمر کی لہذا معتبر ہے لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ وَقَالَ عَيَاضٌ اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ لَمْ يَحْضُرِ الْجَمَاعَةَ لِاَنَّهٗ كَانَ صَغِيْرًا مِمَّنْ لَا يُوَاظِبُ عَلٰى ذَالِكَ۔ ترجمہ: فرمایا قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے کہ بے شک حضرت ابن عباس اس وقت چھوٹی نابالغی کی عمر میں تھے۔ جماعت میں حاضر نہ ہوتے تھے مگر کبھی کبھی۔ یہ حدیث شریف مسلم شریف اور بخاری شریف نے درج فرمائی۔ اس کا مطلب بالکل صاف اور ظاہر ہے کسی توڑ مروڑ کی ضرورت نہیں۔ اس سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ فرض جماعت

کے بعد ہر طرح کا ذکر اللہ کرنا بلند آواز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام کی سنتِ پاک ہے۔ اسی لیے تمام محدثین نے ان حدیثوں کے لیے جو باب بنایا ہے اس کا نام بھی باب الذکر بعد الصلوٰۃ رکھا ہے۔ یعنی نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا۔ بعض فقہا کرام نے فرمایا کہ یہاں تکبیر سے مراد عام بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا ہے۔ خواہ اللہ اکبر اللہ اکبر ہو یا کلمہ شریف ہو یا استغفار وغیرہ۔ چنانچہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد دوم صـ۳۵۷ پر اور لمعات جلد سوم صـ۲۱۱ پر ہے فَاَرَادَ بِالتَّکْبِیْرِ فِی الْاَوَّلِ مُطْلَقَ الذِّکْرِ۔ ترجمہ، پس ارادہ فرمایا ابن عباسؓ نے تکبیر سے مطلق ذکر کا اور چونکہ لفظِ تکبیر کبیر سے بنا ہے۔ اس لیے لغوی مراد بلند ذکر ہوا۔ بڑا ذکر بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال اس حدیث پاک سے صاف صاف ظاہر ہوا کہ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ کا ذکر کرنا بالکل جائز ہے اور اسلامی حکم ہے۔ جن بعض لوگوں نے ایسی صاف حدیث میں بھی اپنی خیالی تاویلیں اور توڑ مروڑ کی ہیں وہ بالکل غلط کسی طرح بھی الفاظِ حدیث کے مطابق نہیں ہوتی۔ **دوسری دلیل** ۔مشکوٰۃ شریف صـ۸۸ اور مسلم شریف جلد اول میں ہے۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلٰوتِهٖ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْاَعْلٰى۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ (الخ) ترجمہ: فقہا صحابہ میں سے عظیم المرتبت فقیہ صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جماعت نماز کا سلام پھیرتے تھے تو بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھتے تھے۔ یہ روایت پاک بھی بالکل صاف اور ظاہر ہے۔ کوئی ایچ پیچ یا تاویل تحریف کی ضرورت نہیں۔ **تیسری دلیل**: نسائی شریف جلد اول صـ۱۹۷ مشکوٰۃ شریف صـ۸۸ پر ہے۔ عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ (الخ) ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے جب فارغ ہوتے تھے تو آپ نے تین دفعہ استغفار پڑھی اور پھر فرضوں والی دعا پڑھی۔ اس روایت میں بلند آواز سے استغفار پڑھنے کا ذکر ہے کیونکہ بلند آواز سے پڑھی گئی تھی۔ تب ہی تو حضرت ثوبان نے سنی اور پھر فرضوں والی دعا تو سب ہی بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو فوراً بعد نماز ہوتی ہے۔ **چوتھی دلیل**: زمانہ پاک نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تمام صحابہ کا بعد نماز جماعت سے سلام پھیر کر فارغ ہوتے ہی بہت بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابوداؤد شریف جلد اول صـ۱۴۴ پر ہے۔ اَخْبَرَنَا

عَمْرُو بْنُ دِیْنَارٍ اَنَّ اَبَا مَعْبَدٍ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ حِیْنَ یَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَکْتُوْبَۃِ کَانَ ذٰلِکَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (الخ) ترجمہ، محدثین کرام فرماتے ہیں کہ ہم کو حضرت عمرو بن دینارؓ نے حدیث کی خبر دی کہ بے شک حضرت ابو معبد، حضرت عبد اللہ ابن عباس کے آزاد کردہ غلام نے خبر دی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عام طریقہ تھا کہ جب بھی لوگ نماز فرض سے فارغ ہوتے تو فورًا بلند آواز سے ذکر الٰہی کرتے۔ بلکہ دوسری احادیث میں یہاں تک لکھا ہے۔ صحابہ اپنے بچوں کو بھی وہ کلمے سکھایا کرتے تاکہ وہ بھی بعد نماز فرض سب کے ساتھ مل کر پڑھیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کے ص۸۸ پر بحوالہ بخاری شریف ایک دراز حدیث بیان فرمائی جس کے کچھ ابتدائی الفاظ اس طرح ہیں۔ عَنْ سَعْدٍ اَنَّہٗ کَانَ یُعَلِّمُ بَنِیْہِ ھٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ (الخ) ترجمہ: حضرت سعد سے روایت ہے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ کلمے اور ذکر سکھایا کرتے تھے اور فرماتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نماز فرض کے بعد بآواز بلند پڑھا کرتے تھے۔ ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ بعد جماعتِ فرض سلام پھیرنے کے فورًا بعد بلند آواز سے ذکر کرنا بہت عظیم قانون اسلامی ہے اور نبی کریم کا یہ طریقہ رائج کرنا قیامت تک کی امت مسلمہ کو اس طریقہ سے پڑھنے کی تعلیم دینا ہے۔ چنانچہ حاشیہ ابی داؤد جلد اول ص۱۴۴ پر ہے وَحَمَلَ الشَّافِعِیُّ ھٰذَا الْحَدِیْثَ عَلٰی اَنَّہٗ جَھَرَ لِیُعَلِّمَھُمْ صِفَۃَ الذِّکْرِ۔ ترجمہ: حضرت امام شافعی نے اس حدیث کو اس بات پر محمول فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ذکر کرنے کا طریقہ سکھانے کے لیے یہ جہر یعنی بلند آواز سے پڑھنے کا شرعی رواج جاری فرمایا۔ تاکہ قیامت تک میری سب امت پر مسجد میں ہر دن ہر فرض نماز کے بعد اسی طرح بلند آواز سے ذکر کریں۔ سبحان اللہ کیسی صاف وضاحت ہے۔ تمام کتب احادیث کی کتابوں کی سب حدیثیں اگر جمع کی جائیں تو کم از کم بیس احادیث مبارکہ وہ ہیں۔ جن میں بلند آواز سے ذکر اللہ کا ثبوت موجود ہے دس حدیثیں تو صرف نسائی شریف میں دو ابوداؤد میں ہیں۔ پانچ مشکوٰۃ شریف میں ہیں۔ اتنی کثیر روایات واحادیث سے، مسئلہ عظیم الشان طریقے سے واضح ہوا کہ تمام سال پنجوقتہ نماز فرض کے بعد مسجدوں میں سلام پھیرتے ہی بلند آواز سے سب نمازیوں کا مل کر کلمہ شریف پڑھنا بالکل جائز سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ صحابہ کرام ہے۔ **پانچویں دلیل** فقہاء کرام کی کتب میں بھی ایسا ہی ثابت ہے۔ چنانچہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف جلد دوم ص۲۵ پر ہے

لکنْ ھذَا التَّاوِیْل یُخَالِفُ الْبَاب (لا) اِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ حِیْنَ یَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَکْتُوْبَۃِ کَانَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ ترجمہ: ذکر بالجہر کی احادیث اتنی صاف اور واضح ہیں کہ ان میں کوئی بھی تاویل یعنی توڑ مروڑ کر کے اپنے پاس سے مطلب بنانا قطعاً غلط اور پورے باب کے مخالف ہے۔ کیونکہ فرض نمازوں کے بعد ذکر بلند کا نبی پاک کے زمانۂ اقدس میں عام مشہور رواج تھا ثابت ہوا کہ یہ ہی اسلامی طریقہ ہے۔ **چھٹی دلیل** مشہور دیو بندی عالم رشید احمد صاحب گنگوہی کے استاد الشیخ محمد تھانوی صاحب نے اپنی کتاب رسالہ اذکار مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۹ پر ایک حدیث پاک اس طرح نقل فرمائی ہے۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْھَرُ مَعَ الصَّحَابَۃِ بِالْاَذْکَارِ وَالتَّھْلِیْلِ وَالتَّسْبِیْحِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ۔ ترجمہ: بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ صحابہ کرام کے ساتھ مل کر ہمیشہ ذکر اللہ اور کلمہ اور تسبیح کو فوراً بعد نماز فرض بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ فتاوٰی شامی قانون اسلامی کی مشہور کتاب جلد اول صفحہ ۶۶ پر ہے۔ فَقَالَ بَعْضُ اَھْلِ الْعِلْمِ اَنَّ الْجَھْرَ اَفْضَلُ لِاَنَّہٗ اَکْثَرُ عَمَلًا وَفِیْ حَاشِیَۃِ الْحَمَوِیْ عَنِ الْاِمَامِ الشَّعْرَانِیْ اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا عَلٰی اِسْتِحْبَابِ ذِکْرِ الْجَمَاعَۃِ فِی الْمَسَاجِدِ ترجمہ: بعض علم والوں نے فرمایا کہ بلند آواز سے اللہ کا ذکر کرنا بہت ہی افضل ہے۔ اس لیے (شروع زمانۂ اسلام سے لے کر اب تک) ذکر بالجہر پر ہی عمل ہوتا رہا اور امام شعرانی نے اپنے حاشیے حموی میں فرمایا کہ تمام علماء فقہاء نے اسی مسئلہ کو درست فرمایا کہ جماعتِ نماز کے بعد والا ذکر مسجدوں میں بلند آواز سے ہو۔ غرض کہ تمام مسلمان پہلے ہوں یا بعد والے سب ہی بلند آواز کے ذکر کو اچھی عبادت اور افضل کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ سنت ہے اور سنت کثیرہ پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ جو لوگ اس بعد نماز بلند ذکر کو منع کرتے ہیں۔ یا ناجائز کہتے ہیں۔ وہ بہت بڑی غلطی اور نادانی نا سمجھی میں ہیں۔ کیونکہ بلند ذکر کرنے کا تو بہت ثبوت ہے جیسا کہ کچھ ہم نے پیش کر دیا۔ مگر ممانعت کا کوئی بھی ثبوت نہیں۔ **ساتویں دلیل**: ابھی تک وہ ثبوت پیش کئے گئے ہیں۔ جن میں بلند ذکر بعد نماز فرض سنت ہونا مذکور تھا۔ اب اس دلیل میں نماز کے بعد زور کی آواز سے اللہ کا ذکر یعنی کلمہ تکبیر پڑھنے کا ثبوت دیا جائے گا۔ چنانچہ رب تعالٰی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ پارہ دوم آیت ۲۰۳ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ۔ ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کا ذکر کرو۔ کچھ دن۔ اس آیت کریمہ سے مل کر ذکر کرنے کا وجوب ثابت ہوا۔ کیونکہ یہ آیت ذکر اللہ کا حکم دے رہی ہے اور صیغہ امر جب مطلق ہو تو وجوب ثابت ہوتا ہے

جیسا کہ اصول فقہ کی کتاب تلویح توضیح کے صـ۲۴۰ پر لکھا ہے اور اس آیت میں لفظِ ایام سے مراد چند ایام تشریق اور ایک یوم نحر مراد ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی اور دیگر تمام معتبر تفاسیر میں ایسا ہی لکھا ہے۔ روح المعانی پارہ دوم آیت عـ۲۰۳ صـ۸۰ پر ہے۔ وَھِيَ ثَلٰثَةُ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ وَھُوَ الْمَرْوِیُّ فِی الْمَشْھُوْرِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِیٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَاَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اِنَّھَا اَرْبَعَۃُ اَیَّامٍ (الخ) اِسْتَدَلَّ بِالْاٰیَۃِ عَلٰی اِبْتِدَاءِ التَّکْبِیْرِ خَلْفَ الصَّلٰوۃِ۔ ترجمہ:۔ ایک قول میں ایام تشریق تین ہیں یہی روایت حضرتِ فاروق اور علی مرتضیٰ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مشہور حدیث ہے۔ لیکن ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے ایک یہ روایت بھی فرمائی ہے کہ ایام تشریق چار دن ہیں اور اس آیت کریمہ سے دلیل حاصل ہوئی کہ نمازوں کی جماعت کے فورًا بعد تکبیر شروع کرنی چاہیے۔ حدیث وقرآن کے مطابق یہ تکبیریں پڑھنی بھی واجب ہیں اور ان کا بلند آواز کرنا بھی واجب ایک مرتبہ پڑھنی واجب تین دفعہ مستحب۔ نمازِ فرض کی جماعت کے بعد فورًا تمام مسلمان مردوں پر واجب ہیں۔ گاؤں میں اور عورتوں، مسافروں پر یا اکیلے، نمازی پر واجب نہیں لیکن پڑھ لیں تو مستحب ہے۔ تکبیراتِ تشریق واجب ہیں۔ تین ثبوت۔ پہلا ثبوت۔ فتاویٰ فتح القدیر جلد دوم صـ۸۲ پر ہے۔ وَالْاَصْلُ فِیْہِ قَوْلُہٗ تَعَالٰی۔ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ۔ فَاِنَّہٗ جَاءَ فِی التَّفْسِیْرِ اَنَّ الْمُرَادَ بِہٖ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ فَیَکُوْنُ وَاجِبًا عَمَلًا بِالْاَمْرِ۔ ترجمہ: تکبیراتِ تشریق کے واجب ہونے کی اصل دلیل اور قانون اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ اے سب مسلمانو تم چند دن اللہ کا خوب ذکر کیا کرو۔ تمام تفسیروں میں چند دن سے مراد ایام تشریق ہیں۔ لہٰذا اس وَاذْکُرُوْا کے امر کی وجہ سے یہ تکبیریں پڑھنا واجب ہوگیا۔ **دوسرا ثبوت،** فتح القدیر جلد دوم صـ۸۱ پر ہے۔ وَالْاَکْثَرُ عَلٰی اِنَّھَا وَاجِبَۃٌ وَدَلِیْلُ السُّنَّۃِ اَنْھَضُ وَھُوَ مُوَاظِبَتُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ ترجمہ: اور اکثر علماء اسلام کا مذہب یہ ہے کہ تکبیراتِ تشریق پڑھنی واجب ہیں اور سنت کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ ان دنوں میں زور سے تکبیرات پڑھنے کا عمل شریف ہے۔ یعنی قرآن مجید سے بھی ثابت ہوا کہ تکبیریں پڑھنی فورًا سلام کے بعد واجب ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہمیشہ ہی ان دنوں میں بلند آواز سے بعد نماز پڑھتے تھے۔ **تیسرا ثبوت:** یہ کہ تمام صحابہ بھی اپنے زمانوں میں تکبیراتِ تشریق جماعت کے بعد فورًا بہت بلند آواز سے پڑھتے رہے۔ چنانچہ فتح القدیر جلد دوم صـ۸۰ پر ہے۔

فَكُبَّارُ الصَّحَابَةِ كَعُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالُوْا يُبْدَءُ بِالتَّكْبِيْرِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَبِهٖ اَخَذَ عُلَمَاءُنَا فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَتِ وَصِغَارُهُمْ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ عُمَرَ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ (الخ) ترجمہ۔ تمام بڑے صحابہ کرام۔ جیسے فاروق اعظم۔ شیر خدا۔ فقیہ اعظم ابن مسعود عرفہ کے دن بعد نماز فجر سے تکبیریں پڑھنا شروع کرتے تھے اور چھوٹے صحابہ بھی جیسے عبداللہ ابن عباس۔ ابن عمر زید بن ثابت۔ ان تمام ثبوت سے معلوم ہوا کہ تکبیرات تشریق پڑھنا چار پانچ دن واجب ہے اور جس طرح ان کا پڑھنا واجب ان کو بلند آواز سے ادا کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی مرد غازی ان کو آہستہ پڑھے تو گناہ گار ہو گا۔ اس بلندی آواز سے واجب ہونے کے دو ثبوت ہیں۔ **پہلا ثبوت**: فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ لفظ تشریق شرق سے بنا ہے اور اس کے بیس معنے ہیں۔ جن میں سے ایک معنیٰ ہے بلند آواز سے بولنا چنانچہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صـ۲۴۸ پر ہے۔ وَقِيْلَ التَّشْرِيْقُ اَلْجَهْرُ بِالتَّكْبِيْرِ ترجمہ: تشریق کا لغوی ترجمہ ہے۔ بلند آواز سے تکبیر پڑھنا واجب ہے **دوسرا ثبوت**: فتاوی بحرالراق جلد دوم صـ۱۱ پر ہے۔ ثُمَّ صَرَّحَ فِي الْبَدَائِعِ بِاَنَّ التَّشْرِيْقَ فِي اللُّغَةِ كَمَا يُطْلَقُ عَلَى اِلْقَاءِ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيْ بِالْمُشَرَّقَةِ يُطْلَقُ عَلٰى رَفْعِ الصَّوْتِ بِالتَّكْبِيْرِ قَالَهُ النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ ۔ ترجمہ: بدائع میں تصریح کی گئی ہے کہ لفظِ تشریق کے یہ معنیٰ بھی ہیں کہ گوشت کو دھوپ میں سکھانا اور یہ معنیٰ بھی ہیں۔ کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھنا۔ یہی قول امام لغت حضرت نضر بن شمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ ذوالحجہ کے چار دن کو ایام تشریق صرف بلند تکبیر کی وجہ سے کہا جاتا ہے نہ کہ گوشت سکھانے کی وجہ سے۔ اس لیے کہ گوشت سکھانے کا عربی رواج زمانہ جاہلیت سے جاری شدہ۔ ذوالحجہ دس سے گیارہ۔ بارہ۔ تیرہ تک ہوتا ہے جب کہ تکبیراتِ تشریق نو ذی الحجہ یعنی یوم عرفہ سے شروع ہوتی ہیں۔ شریعت اسلامیہ کی زبان میں تکبیر پڑھنے کے پہلے دن کا نام یوم عرفہ دوسرے دن کا نام صرف یومِ النحر اور گیارہ، بارہ تاریخ کو ایام نحر مع دس ذی الحج۔ مگر ان ہی پانچ ایام کو نو ذی الحج سے تیرہ ذوالحج تک تشریق کے دن کیوں کہا جاتا ہے۔ صرف بلند تکبیر پڑھنے کی وجہ سے۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ تشریق کے دنوں میں اللہ تعالیٰ نے نمازیوں کو زور سے تکبیر پڑھنے کا حکم دیا ہے اور یہ زور سے پڑھنا بحکم قرآنی واجب ہے۔ کیونکہ اس مندرجہ بالا آیت میں لفظِ

اُذْکُرُوْا اَمْر مطلق ہے اور امر مطلق حکم کو واجب کرتا ہے۔ چنانچہ بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۷۱ پر ہے۔ وَمُطْلَقُ الْاَمْرِ لِلْوُجُوْبِ۔ ترجمہ: بغیر کسی قید کے مطلق امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ جن فقہاء نے تکبیراتِ تشریق کو سنت کہا ہے۔ وہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشگی پڑھنے کی وجہ سے کہا ہے۔ ورنہ مراد اُن کی بھی سنت سے واجب ہے۔ اس لیے کہ بہت دفعہ واجب کو۔ سنت کہہ دیا جاتا ہے۔ صرف سنت سے ثابت یا ظاہر ہونے کی وجہ سے چنانچہ فتاوی بحر الرائق صفحہ ۱ پر ہے۔ وَاِطْلَاقُ اِسْمِ السُّنَّةِ عَلَى الْوَاجِبِ جَائِزٌ لِاَنَّ السُّنَّةَ عِبَارَةٌ عَنِ الطَّرِيْقَةِ الْمَرْضِيَّةِ اَوِ السِّيْرَةِ الْحَسَنَةِ وَكُلُّ وَاجِبٍ هٰذَا صِفَتُهٗ۔ ترجمہ: سنت پاک کا نام واجب کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ لفظ سنت نام ہے نبی پاک کی پسندیدہ اور عبادتِ عملی کا اور تمام واجبات نبی کریم کی سنت ہیں۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ نبی پاک واجبات پر عمل شریف نہ فرمائیں۔ **آٹھویں دلیل**: ابھی تک ہم نے قرآن مجید اور احادیثِ مطہرات اور اقوال فقہاء اسلام سے وہ دلائل پیش کیے جس میں عبارت النص کے طریقے سے ظاہر ظہور ثابت ہوا کہ ہر نماز فرض کی جماعت کے فوراً بعد سلام پھیرتے ہی باآواز بلند اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا سنت اسلام اور واجب خداوندی ہے اور مستقل بہت شاندار روحانی عبادت ہے۔ اب قرآن مجید سے اشارۃ النص اور دلالۃ النص کی آیتوں سے بلند آواز پڑھنا ثابت کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔ (الخ) ترجمہ: پس جب تم نماز پڑھ چکو تو فوراً اللہ کا ذکر کرو۔ خواہ کھڑے ہو کر خواہ بیٹھے بیٹھے یا کہیں لیٹ کر اس آیت کریمہ کا شان نزول اگرچہ خاص وقت کی نشان دہی فرما رہا ہے مگر عبارت النص تا قیامت ہر فرض نماز۔ ہر وقت ہر مسلمان کے لیے ذکر اللہ کو باآواز مطلق واجب کر رہی ہے اور اشارت النص۔ بلند آواز سے ذکر کو ثابت کر رہی ہے۔ کیونکہ اس آیت پاک میں تین عموم ہیں جن پر عمل کرنا ہر مسلمان نمازی پر بوقت نماز لازم ہے۔ **پہلا عموم** حرف اذا ظرفیہ کا عموم جس نے تا قیامت ذکر اللہ کے لیے وقت کو عام کر دیا۔ یعنے قیامت تک جب بھی دوسرا عموم لفظ صلوٰۃ یعنی جو بھی نماز ہو۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء۔ فجر۔ لفظِ قَضَيْتُمْ نے اجتماعی جماعت والی نماز کو ظاہر کیا۔ یعنے جو بھی نماز باجماعت پڑھ کر فارغ ہو جاؤ۔ خواہ رکوع سجدے والی نماز ہو یا ذکر کو۔ یعنے جو بھی نماز باجماعت پڑھ کر فارغ ہو جاؤ

خواہ رکوع سجدے والی یا بغیر رکوع سجدے والی جیسے نماز جنازہ۔ **تیسرا عموم** اُذْکُرُوْا
صیغہ امر مطلق ہے۔ یعنی جس طریقۂ ادا سے چاہو۔ خواہ ذکر جلی یا خفی۔ یا اخفیٰ یا ذکر خفی
الخفی یہ تین عموم ظاہر ہیں۔ چوتھا عموم مضمر ہے۔ یعنی کھڑے۔ بیٹھے۔ لیٹے۔ خیال رہے
کہ ذکر عوام جلی ہے۔ ذکر خواص۔ ذکر خفی ہے۔ ذکر اَخَصُّ الْخَوَاص ذکر اخفیٰ ہے اور
ذکر اخفیٰ سے زیادہ ذکر محبوبین ذکر خفی الخفی ہے۔ ذکر جلی بلند آواز سے ذکر اللہ۔ ذکر خفی
بہت آہستہ زبان کا ذکر اللہ۔ ذکر اخفیٰ سانس کا ذکر اللہ۔ ذکر خفی الخفی جس میں دم یعنی سانس
بھی نہ چلے اور ذکر الٰہی ہو۔ یہ آیت کریمہ چونکہ سب مسلمانوں کے لیے ہے۔ جس میں عوام کی
اکثریت ہوتی ہے۔ اس لیے رسماً رواجاً اور اصطلاحاً منشاءِ کلام کے لحاظ سے ذکر جلی یعنی
بلند آواز سے ذکر مراد ہے اور اولاً منزل شریعت میں یہی ذکر محبوب بارگاہ ہے۔ اس کا
اصل مقصد فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث پاک میں ہے۔ جو مشکوٰۃ شریف
ص۱۰۷ پر بروایت حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ
وَاَنْتَ تُصَلِّيْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا بَكْرٍ ارْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ
اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ۔ ترجمہ اور فرمایا
پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو کہ ہم نے آج رات تم کو اور ابو بکر کو دیکھا کہ
وہ بہت ہی آہستہ ذکر الٰہی کر رہے تھے اور تم کو دیکھا کہ بہت ہی زور سے ذکر اللہ
کر رہے تھے۔ اس کی کیا وجہ۔ فاروق اعظم نے عرض کیا یا رسول اللہ میں غافلوں کو جگا
رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ تو پیارے کریم نبی رحیم آقا نے فرمایا اے ابو بکر تم
کچھ اونچی آواز ذکر اللہ کے وقت کیا کرو اور اے عمر تم کچھ نیچی آواز کرو۔ اتنا زور نہ
لگایا کرو۔ اس حدیث پاک میں تصلی سے مراد تلاوت[۱] ہے۔ اسی لیے صدیق اکبر کو
اونچی آواز سے ذکر کا حکم دیا اور فاروق اعظم کو آہستہ نہ کیا گیا جس سے ثابت ہوا کہ اونچی
آواز سے ذکر کرنا اللہ رسول کو پسند ہے اور با آواز بلند ذکر کا مقصد غفلتوں کو دور کرنا۔

۱؎ مراد تلاوت، مراد نماز نفل نہیں کیونکہ وہ تو ہوتے ہی آہستہ آہستہ ہیں بلکہ ذکر اللہ یا درود شریف
مراد ہیں۔ کیونکہ وہ بھی لغوی صلوٰۃ ہے یا مراد تلاوت۔

شیطانوں کو بھگانا ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو سنانا۔ وہ اکرم الاکرمین تو یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَهْرَکُمْ کی شان والا ہے۔ غرض کہ اس آیت کریمہ سے بھی بلند آواز کا ذکر اللہ مراد ہے۔ کیونکہ اصطلاح شریعت میں اور عمومی رواج میں ذکر کا لفظ اور ذکر کرنا زور سے بولنے کو ہی کہتے ہیں۔ عام ہے اس بات کو کہ وہ ذکر الٰہی یا کلمہ یا تسبیح ہو۔ یا استغفار یا تعوذ یا دعا اور التجا ہو۔ اس عموم سے یہ بھی ثبوت حاصل ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔ کیونکہ دعا بھی ذکر اللہ ہے۔ نماز جنازہ بھی صلوٰت ہے اور فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ سب کو شامل ہے۔ اسی لیے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھ چکو تو اس کے لیے خالص دعا کرو۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صـ۱۴۶ پر ہے۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔ ترجمہ: وہی ہے جو اوپر گزرا اسی طرح ابو داؤد (جلد دوم صـ۱۰۰ پر ہے۔ اس حدیث پاک میں میت کے لیے خالص دعا کا حکم ہے۔ حالانکہ نماز جنازہ کے اندر خالص دعا میت کے لیے نہیں ہے۔ وہ تو عام دعا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ۔ ترجمہ: یہ دعا عام مسلمانوں کے لیے ہے اور یہی دعا نبی پاک کے زمانے سے لے کر اب تک ہر مسلمان نماز جنازہ میں پڑھتا ہے اور یہ دعا خالص میت کے لیے نہیں پس ثابت ہوا کہ خالص دعا نماز جنازہ کے بعد مانگی جاتی ہے اور اس فَاَخْلِصُوْا لَهٗ والی حدیث سے شارحین کے نزدیک بعد نماز جنازہ خالص دعا مانگنا جائز بلکہ واجب ہوتی ہے۔ چنانچہ حاشیہ ابو داؤد صـ۱۰۰ پر ہے۔ اَنَّهٗ قَالَ فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى وُجُوْبِ تَخْصِيْصِ الْمَيِّتِ بِالدُّعَاءِ۔ ترجمہ: اس حدیث سے یہ دلیل ملی کہ میت کے لیے خالص دعا کرنی واجب ہے۔ اب اگر نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے خالص دعا نہ مانگی جائے تو اس حدیث پر کس طرح عمل ہو۔ جو لوگ نماز جنازہ کے بعد دعا کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد نماز جنازہ کے اندر دعا مانگنے کا حکم ہے۔ وہ لوگ بہت غلطی پر ہے۔ کیونکہ اس بات سے یا ان کے جنازے غلط ہوں گے۔ اس لیے کہ نماز جنازہ میں خالص دعا نہیں اور یا اس حدیث کو غلط کہنا پڑے گا۔ مگر میں کہتا ہوں نماز جنازہ

بھی درست ہے کیونکہ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا اور یہ حدیث بھی تمام محدثین کے نزدیک درست ہے۔ کیونکہ بعد نماز جنازہ دعا مانگنے کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دفعہ نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے خالص دعا مانگی چنانچہ مسلم شریف جلد اول اور مشکوۃ شریف ص۱۴۵ پر ہے۔ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ (الخ) ترجمہ: حضرت عوف بن مالک نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جنازہ پر نماز پڑھائی تو میں نے آپ کی ایک دعا حفظ کرلی آپ یہ فرماتے تھے۔ اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اس کو آرام دے اور اس کو معاف کر دے (الخ) یہ بہت لمبی دعا ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ نبی پاک نے اتنی لمبی اور پیاری دعا مانگی کہ میرا دل چاہا کاش میں اس جگہ میت ہوتا۔ اس حدیث پاک سے صاف صاف ظاہر ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز جنازہ کے بعد فوراً میت کے لیے خالص دعا مانگا کرتے تھے۔ کیونکہ یہاں لفظ ہے۔ فَحَفِظْتُ فَ تعقیبیہ نے بتایا فوراً بعد اور حفظتُ نے بتایا نماز جنازہ کے اندر والی دعا کے علاوہ دعا۔ نماز جنازہ کے اندر سب کچھ آہستہ پڑھا جاتا ہے۔ خاص کر دعائیں تو سب ہی آہستہ پڑھتے ہیں اور یاد وہ الفاظ کیے جا سکتے ہیں جو زور سے ہوں اور پھر نماز جنازہ والی دعا تو سب مقتدی پڑھتے ہیں۔ لہذا وہ دعا پہلے یاد نہ تھی یہ دعا تو پہلے یاد ہونی چاہیئے اگر عوف بن مالک کو نماز جنازہ کے اندر والی دعا پہلے یاد نہ تھی تو جنازہ کیوں سننے آئے اور جنازے میں کیا پڑھا ماننا پڑیگا کہ یہ دعا بعد نماز جنازہ تھی۔

بہرحال اس آٹھویں دلیل سے ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید اور احادیث پاک میں ذکر بالجہر اور نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت موجود ہے۔ کتنی حیرانی ہے ان لوگوں کے دماغوں پر جو اندھا دھند ذکر بالجہر اور نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا انکار کر دیتے ہیں۔ **نویں دلیل**۔ باری تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ (الخ) ترجمہ: اور اس سے بڑا ظالم کون ہے۔ جس نے اللہ کی مسجدوں میں اس بات کو روکا کہ ان میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے۔ ہماری پیش کردہ مندرجہ بالا آٹھ دلیلوں میں باآواز بلند ذکر الہی کرنے کا حکم اور زور سے ذکر اللہ کرنے والوں کی اچھائی۔ قرآن پاک کی آیات اور احادیث طیبات وعبادات فقہ سے ثابت ہوئی۔ اب اس دلیل میں ذکر بالجہر کے منکروں

اور اللہ کے ذکر سے روکنے والوں کی برائی آیت کے دلالت النص سے ثابت ہو رہی ہے اس آیت پاک میں مساجد اللہ مفعول ہے اور اَنْ یُّذْکَرَ۔ مفعول ہاء ہے اور مطلب یہ کہ کائنات دنیا میں سب سے بڑا بدبخت ظالم وہ ہے جو مسجدوں سے ذکر اللہ کو روکے۔ قانونِ فطرت ہے کہ روکا اسی کو جاتا ہے۔ جو ظاہر ہو اور ظاہر وہی ہوتا ہے۔ جس کا روکنے والے کو پتہ چلتا ہو۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ذکر بالجہر ہی کا پتہ سننے والے کو لگتا ہے۔ ذکر خفی یا ذکر اخفیٰ کا کسی کو کیا پتہ لگ سکتا ہے ان خفیہ ذکروں کو کس طرح روکا جا سکتا ہے وہ آہستہ زبان یا سانس کے ساتھ جاری ہیں جس ذکر سے روکا جا سکتا ہے وہ یہی باآواز بلند ذکر ہے۔ اسی ذکر سے شیطان کو تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے شیطان لعین کو بقول فاروق اعظم رض بھگایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی فرقہ کوئی گروہ ذکر خفی کا یا اخفیٰ کا منکر نہیں ہوا۔ مگر ذکر بالجہر کے ایک گروہ والے منکر ہیں۔ جن کا مشہور نام دیوبندی وہابی ہے۔ یہ حضرات ذکر اللہ روکنے کے لیے طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں اور بجز بہانے بازیوں کے کوئی دلیل ان کے پاس نہیں کبھی کہتے ہیں کہ اس سے نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں سونے والے کی نیند خراب ہوتی ہے۔ کبھی کہتے ہیں۔ تلاوت میں حرج ہوتا ہے۔ پوچھو ان نادان اللہ کے بندوں سے کہ ہم نے فرض جماعت کے فوراً بعد ذکر اللہ کا عمل ثابت کیا ہے اور وہ بھی مسجدوں میں بتاؤ سلام پھیرنے کے بعد کس کی نماز خراب ہوگی۔ اسی کی جو نماز میں دیر سے پہنچا اگر اس کو اپنی نماز خراب ہونے کا اتنا ہی اندیشہ تھا تو پہلے آیا کرے خود مجرم بھی ہے اور جرم سے تائب ہونے کی بجائے ذکر اللہ پر اعتراض کرے۔ گویا کہ مجرم کا جرم ٹھیک ہے اور حدیث و قرآن کا ذکر اللہ غلط (معاذ اللہ) اور پھر فرض جماعت کے وقت تو مسجد میں وہی سوئے گا۔ جس پر خاص شیطان سوار ہوگا۔ نمازوں کے تو وقت معین ہیں آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ تلاوت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ تو کیا ضروری ہے کہ فرض جماعت کے وقت ہی تلاوت کی جائے۔ منکرین ذکر اللہ کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بجز اس کے کہ کہتے پھرتے ہیں۔ ھدایہ نے لکھا ہے۔ امام اعظم ذکر بالجہر کو بدعت کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اوّلاً تو یہ بات ہی غلط ہے کہ امام اعظم رض نے اس کو بدعت کہا۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ قرآن و حدیث نے جس ذکر بالجہر کا شدت سے حکم دیا۔ بلکہ تشریق کے دنوں میں واجب کر دیا۔ امام اعظم اس کو بدعت کہہ دیں۔ ہاں صاحب ھدایہ نے جو بدعت کہا تو اس کا معنیٰ وہ نہیں جو منکروں نے سمجھا بلکہ بدعت کے لغوی معنیٰ یعنی شاذ و نادر ہونا مراد ہے اور مقصد کلام یہ ہے کہ

صحابہ کرام اخصُ الاخص حضرات تھے۔ غوث وقطب بلکہ ملائکہ سے اعلیٰ ان کا اصل ذکر تو خفی تھا ذکر بالجہر ان کے لیے غیر اصلی یعنی شاذ اور عجیب تھا۔ اسی کو لغت میں بدعت بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ لغت کی مشہور اور معروف اور معتبر کتاب لسان العرب جلد دوم میں اسی طرح ہے۔ ھدایہ کی عبارت کی وضاحت اسی طریقے سے فتاویٰ فتح القدیر نے مختصراً جمالاً فرمائی ہے۔ چنانچہ جلد دوم صہ ۸۱ پر ہے۔ وَالْاَصْلُ فِی الْاَذْکَارِ الْاِخْفَاءُ وَالْجَھْرُ بِہٖ بِدْعَۃٌ ترجمہ: اور ذکر اللہ کا اصل قانون یا اصل درجہ ذکر خفی ہے اور بلند آواز کا ذکر صحابہ کرام سے ہونا بدعت یعنی شاذ ہے۔ اگر فتاویٰ فتح القدیر کی یہ بات نہ مانی جائے تو ہماری پیش کردہ احادیث پر کس طرح عمل کیا جائے گا۔ جن میں صاف عمل نبوی اور طریقہ صحابہ اور رب تعالیٰ کا حکم وجوبی موجود ہے۔ فتاویٰ نے یہاں اصل اور بدعت کا تقابل کیا ہے نہ کہ بدعت وسنت کا۔ خیال رہے کہ بدعت کبھی سنت کے مقابل ہوتی ہے وہ گمراہی ہے اور کبھی حسنہ کے مقابل ہوتی ہے وہ سیئہ ہے۔ یہ دونوں ناجائز اور کبھی اصل کے مقابل ہوتی ہے وہ شاذ و نادر ہے۔ وہ جائز ہے۔ ان منکرین کو فقط یہ غور کرنا چاہیے کہ آپ لوگوں کو نمازوں میں خلل پڑنے کی زیادہ فکر ہے۔ یا اللہ رسول کو جن کی یہ نمازیں ہیں۔ اگر ذکر بلند سے نماز میں خلل پڑتا ہوتا تو رب تعالیٰ ایام تشریق کی تکبیرات کبھی واجب نہ کرتا۔ حالانکہ اس کے جہر وجوبی کا کوئی بھی منکر نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہمارے پیش کردہ کتب معتبرہ احادیث مشہور روایات قرآنیہ مندرجہ ذیل میں بصراحت ذکر بلند کا ثبوت موجود ہے۔ **حدیث اوّل**: ابوداؤد ج۱ صہ ۱۴۳ نسائی صہ ۱۹۶ مشکوٰۃ صہ ۹۸ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالتَّکْبِیْرِ متفق علیہ تکبیر سے مراد مطلق ذکر بالجہر۔ مرقات جلد دوم صہ ۳۵۷ اور لمعات جلد سوم صہ ۲۲ پر فَاَرَادَ بِالتَّکْبِیْرِ فِی الْاَوَّلِ مُطْلَقُ الذِّکْرِ۔ **حدیث دوم**۔ مسلم شریف جلد اول اور مشکوٰۃ صہ ۸۹ پر ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلٰوتِہٖ یَقُوْلُ بِصَوْتِہِ الْاَعْلٰی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ (الخ) **حدیث سوم**: نسائی جلد اول مشکوٰۃ صہ ۹۸، صہ ۱۹۷ پر ہے عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِہٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَقَالَ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ (الخ) **حدیث چہارم**: ابوداؤد جلد اول صہ ۱۴۴۔ اَخْبَرَنَا

عمرو بن دینار ان ابا معبد مولی ابن عباس اخبرہ ان رفع الصوت للذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان ذالک علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الخ) مشکوٰۃ ص۸۹ پر ہے عن سعد انہ کان یعلم بنیہ ھٰؤلاء الکلمات۔ حاشیہ ابوداؤد جلد اول ص۲۲۳ وحمل الشافعی ھذا الحدیث علی انہ جھر لیعلمو صفۃ الذکر عبارات فقہاء علام مرقات شرح مشکوٰۃ جلد دوم ص۳۵۶ پر ہے لکن ھذا التاویل یخالف الباب (الخ) ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ شیخ محمد تھانوی استاذ رشید احمد صاحب گنگوہی کی کتاب رسالہ اذکار مطبوعہ دہلی ص۳۰ پر ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجھر مع الصحابۃ بالاذکار والتھلیل والتسبیح بعد الصلوٰۃ۔ شامی جلد اول ص۶۶۳۔ فقال بعض اھل العلم ان الجھر افضل۔ لانہ اکثر عملا وفی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد۔ پارہ دوم بقرہ کی آیت ۲۰۳ واذکروا اللہ فی ایام معدودات پ۲ روح المعانی آیت ۲۰۳ ص۸۰ پر ہے وھی ثلثۃ ایام التشریق وھو المروی فی المشھور عن عمر وعلی وابن عباس۔ واخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباس انھا اربعۃ ایام۔ (الخ) استدل بالایۃ علی ابتداء التکبیر خلف الصلوٰۃ۔ فتح القدیر دوم ص۸۲۔ والاصل فیہ قولہ تعالٰی واذکروا اللہ فی ایام معدودات فانہ جاء فی التفسیر ان المراد بہ ایام التشریق فیکون واجبا عملا بالامر فتح القدیر جلد دوم ص۸۱ والاکثر علی انھا واجبۃ ودلیل السنۃ انھض وھو مواظبتہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح القدیر دوم ص۸۱ فکبار الصحابۃ کعمر وعلی وابن مسعود قالوا یبدء بالتکبیر بعد صلوٰۃ الفجر من یوم عرفۃ وبہ اخذ علماؤنا فی ظاھر الروایۃ وصغارھم کعبد اللہ بن عباس وعبد اللہ بن عمر وزید بن ثابت (الخ) حاشیہ شرح وقایہ اول ص۲۴۸ وقیل التشریق الجھر بالتکبیر۔ بحر الرائق دوم ص۱۶۴۔ ثم صرح فی البدائع بان التشریق فی اللغۃ کما یطلق علی القاء لحوم الاضاحی بالمشرقۃ یطلق رفع الصوت بالتکبیر قالہ نضر بن شمیل۔

واللہ ورسولہ اعلم!

ہمارے محترم پیر اختر صاحب سجادہ نشین علی پور شریف بھی اس غلطی کا شکار تھے کہ نماز

فرض کے بعد ذکر جہری منع ہے۔ جب آخری بار گجرات تشریف لائے تو میرا ان کا چند منٹ مکالمہ ہوا جب میرے دلائل سنے تو بالکل خاموش ہو گئے اور مسکراتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ حضرت ابن عباس کی یہ روایت معتبر نہیں کیونکہ وہ بچے تھے اور بچپن کی روایت معتبر نہیں ہوتی۔ میں نے کہا حضرت! واقعہ بچپن کا ہے مگر روایت جوانی کی ہے۔ اسی لیے تمام محدثین نے اس کو معتبر مانا۔ اب کس کی جرأت ہے کہ اس روایت کو معتبر نہ مانے پھر فرمانے لگے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ سونے والے کی نیند میں، قرآن پاک کی تلاوت میں، نمازی کی نماز میں خلل آئے یا بیمار کو تکلیف آئے تو ذکر بلند منع ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت کا فرمان بعد نماز فرض با جماعت مساجد کے ذکر کے متعلق نہیں بلکہ یہ ذکر جہری گھر، ہسپتال یا مدرسوں یا بے وقت بلندی ذکر سے متعلق ہے۔ میری اس ایک گھنٹہ خوشگوار، باادب با دلائل گفتگو کے بعد پیر صاحب علیہ الرحمۃ بالکل خاموش ہو گئے اور کچھ بات تو نہ کی مگر چہرے کے پر رونق تاثر سے پتہ لگتا تھا کہ آپ اپنے نظریئے سے رجوع پر آمادہ ہیں مجھ کو امید ہے کہ اگر زندگی وفا کرتی تو ضرور رجوع فرما لیتے۔ اللہ معاف فرمائے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

فتوای ۲۱

صرف اسلام عالمگیر دین ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین، اس مسئلہ میں کہ دنیا کے تمام دینوں میں ہر اعتبار سے سب سے اعلیٰ دین کون سا ہے؟ آج ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میرا دین سب سے اعلیٰ ہے۔ مگر صرف زبانی کہنے سے غیروں کو تو یقین ہونے کا امکان نہیں۔ مسلمان کہتے ہیں کہ اسلام اللہ کا آخری دین ہے اور عالمگیر دین ہے۔ غیر مسلم اس دعوے کو نہیں مانتے۔ لہذا ہم کو بڑے آسان طریقے سے ایسے دلائل سے سمجھایا جائے کہ مخالف بھی ان دلائل کو توڑ نہ سکے! بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا!

دستخط سائل:

مہر محمد اقبال ولد مہر اللہ بخش ساکن گلاسگو۔ جی ایم شیلڈز روڈ جنرل سیکرٹری انجمن غوثیہ گلاسگو ۱۲ ۸۲/۴ ۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

نَحْمَدُهٗ تَعَالٰی وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ الرَّءُوْفِ الرَّحِیْمِ۔

اَمّا بعد! جاننا چاہیے کہ آغازِ انسانیت سے آج تک سینکڑوں دین آئے اور بنتے بگڑتے رہے۔ اصلاحِ انسانیت کے لیے رب تعالیٰ کی طرف سے بھی تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام اپنے دین اور شریعت لے کر تشریف لاتے رہے۔ اُن دینوں کے نام اپنے اپنے دور میں مختلف رہے۔ اصل ادیان سب الٰہی دینوں کی ایک ہی رہی یعنی توحید باری تعالیٰ لیکن شریعت اعمال عبادات سب دینوں کے مختلف ہوتے رہے۔ ان ادیان الٰہیہ کے نام ان کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر ہوتے رہے۔ مثلاً دین موسوی۔ دین عیسوی وغیرہ الہامی دینوں میں سب سے آخری دین آقائے دو عالم حضور اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور اس کا نام اسلام رکھا گیا۔ اس سے پہلے کسی نبی کے دین کا نام اسلام نہیں رکھا گیا۔ وہ جو لفظ مسلمین یا اسلمتُ وغیرہ سابقین کے لیے مستعمل ہے۔ وہاں لغوی معنیٰ یعنی تسلیم و رضا اور جھکنا مراد ہے۔ ہمارے اکثر مفسرین نے فرمایا کہ اسلام حضرت آدمؑ سے شروع ہوا۔ وہاں مراد توحید باری تعالیٰ ہے نہ کہ شریعت۔ اصطلاحی طور پر شریعت کا نام دین ہے اور اسلام اصطلاحاً صرف شریعت مصطفےٰ کا نام ہے۔ یہی قرآن و حدیث سے ثابت ہے زمانۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر تا ایندم مصنوعی دین بھی دنیا میں سینکڑوں ہوئے مگر اس وقت دنیاء انسانیت میں صرف بارہ دین موجود ہیں۔ جن کا پورا زائچہ آخر میں بیان کیا جائے گا۔ میں نے ادیانِ عالم پر جو معلومات حاصل کی ہیں۔ ان تمام سے مقابلہ کرتے ہوئے عقلاً۔ نقلاً۔ اصلاً۔ فرعاً۔ تجربے اور مشاہدے سے غرض کہ ہر طرح ہر عقلِ سلیم رکھنے والے پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ فقط دین اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر دور میں ہر قوم ہر فرد کے لیے مکمل دین اور زندگی گذارنے کا باعزت آسان طریقہ ہے۔ اسی لیے فقط اسی دین کو عالمگیر دین کہا جاسکتا ہے۔ یہی وہ مکمل دین ہے جس نے ہر شخص کو عزت محبت سے نوازا۔ زندہ تو زندہ فوت شدگان کو بھی عزت سے دیکھا اور قوم میں دشمنوں کا بھی احترام قائم کیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام کے سب سے سخت دشمن یہودی ہیں۔ لیکن احادیث نے بتایا کہ کسی یہودی کا جنازہ بھی نکلتا تھا تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دلجوئی کے لیے کھڑے ہو

جانتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول، مسلم شریف اور مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۴۴ پر ہے۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ مَرَّتْ جَنَازَۃٌ فَقَامَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقُمْنَا مَعَہٗ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّہَا یَھُوْدِیَّۃٌ فَقَالَ اِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَاِذَا رَاَیْتُمُ الْجَنَازَۃَ فَقُوْمُوْا۔

ترجمہ: اور روایت ہے حضرت جابر سے انہوں نے فرمایا کہ ایک جنازہ گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور ہم بھی کھڑے ہوگئے آپ کے ساتھ پھر ہم نے عرض کیا یارسول اللہ یہ تو یہودیہ کا جنازہ ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ موت سب کے لیے پریشانی ہے۔ لہٰذا جب کبھی کسی کا بھی جنازہ دیکھو تو لواحقین کی دلجوئی کے لیے تم بھی کھڑے ہوجایا کرو۔ اس حدیث پاک نے قیامت تک کے مسلمانوں کو اغیار بلکہ غیر مسلموں سے بھی حسن سلوک اور دشمن کے دل میں گھر کرنے والی عزت افزائی کا درس دیا۔ اب ہر مسلمان اپنی اسلامی تہذیب کی پابندی کرتے ہوئے سخت کافر کی بھی دلجوئی کرنے پر مجبور ہے۔ اس ہی سے ثابت ہوگیا کہ اسلام نے انسانی عظمت کا کتنا خیال رکھا۔ دنیا میں کوئی دین والا بھی اس طرح کا حسن سلوک اپنے دین کی تعلیم میں نہیں دکھا سکتا۔ انسانوں سے تو اسلام نے حسن سلوک سکھایا ہی ہے جانوروں حیوانوں سے محبت کا بھی اسلام نے ہی اپنی قوم کو بہترین درس سکھایا ہے۔

کتنے ظالم اور جاہل ہیں وہ لوگ جو کہتے پھرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ حالانکہ تلوار سے کوئی بھی دین نہیں پھیل سکتا۔ تلوار سے تو حکومت اور بادشاہتیں پھیلتی ہیں۔ دین ہمیشہ محبت اور شفقت و رحمت سے پھیلتا ہے اس لیے کہ حکومت و سلطنت جسم پر ہوتی ہے اور دین دلوں پر قبضہ کرتا ہے۔ تلوار سے ڈرا کر جسم پر تو قبضہ ہو سکتا ہے۔ مگر دل پر قبضہ نہیں ہو سکتا۔ دین اسلام نے تو کائنات کے دلوں پر قبضہ جمایا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ تب تو یہ بانیٔ اسلام حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خصوصی معجزہ ہوا کہ تلوار سے دلوں کو قابو کرلیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام نے تلوار اٹھائی مگر مسلمان بنانے کے لیے نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو مکہ مکرمہ میں تلوار اٹھتی۔ زندگی شریف کے ترپن ۵۳ سال تو تلوار نہ اٹھائی گئی۔ حالانکہ مکہ مکرمہ سے لے کر یمن کی وادیوں تک اسلام پہنچ چکا تھا اور مدینہ طیبہ کے گھر گھر میں روشنیٔ اسلام پھیل چکی تھی۔ ہزاروں کی تعداد تو مکی زندگی میں ہی اسلام قبول کرچکی تھی۔ جبکہ کثیر تعداد نے ابھی چہرہ انور کی زیارت بھی نہ کی تھی۔ حبشے پر کون سی تلوار اٹھی تھی۔ کہ بادشاہ حبش تک گھائل ہوگیا اور آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔ ہاں اسلام نے تلوار اٹھائی لیکن دشمن کے دفاع کے لیے، مظلوموں اور بے بسوں۔

یتیموں۔ غلاموں کی امداد کے لیے اٹھائی۔ ظالموں۔ مغروروں کے ظلم وغرور کو توڑنے کے لیے اٹھائی یہی نہیں بلکہ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جب ظالموں غیرمسلموں کا ظلم کمزوروں، پر انتہاکو پہنچا۔ تب مسلمانوں نے غیرمسلموں کی صرف بادشاہتوں اور آمریتوں کو ختم کرکے اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور یہ کوئی انوکھی یا نرالی بات نہ تھی۔ یہ تلوار تو حضرت موسیٰ حضرت ہارون۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان۔ حضرت عزیر علیہم السلام نے بھی اٹھائی۔ ان کے بارے میں۔ یہود ونصاریٰ کیا کہیں گے۔ دنیا کا کون سا دین ہے جس نے تلوار نہ اٹھائی کیا عیسائیت کے مذہب والے یورپ وغیرہ نے اپنے مذہب کی اشاعت اور آمریت قائم کرنے کے لیے جنگیں نہ کیں۔ یہودی اور عیسائی تاریخ تو خون ریزی سے بھری پڑی ہے اسلام نے جہاد سے صرف بچوں، عورتوں، کمزوروں، ضعیفوں کی مدد کی۔ جبکہ دوسرے مذہبی جنون والوں نے کسی کو نہ بخشا۔ غیرمسلموں کی سفاکیوں سے تاریخ کے ورق سیاہ ہیں۔ اسلام نے اپنے حسن اخلاق کے ایسے انمٹ درس دیتے ہیں کہ کائنات کا ہر انسان غیرانسان اس سے فائدہ حاصل کر رہا ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو دنیا کے ہر شخص سے محبت اور باہمی تعلق رکھنے کے اس طریقے سے سبق دیئے کہ مسلمان ان پر عمل کرنے کے لیے دینی طور پر مجبور ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مسلمان جان بوجھ کر فرقہ پرستی میں مبتلا ہوجائیں یا دنیا کی انسانی برادری سے بے تعلق ہوجائے لیکن جہاں تک اسلامی تعلیمات اور روابط وضوابط اور عبادات دینیہ کا تعلق ہے کوئی مسلمان علیحدہ رہ کر یا فرقے بازی کے تعصب میں مبتلا ہوکر کما حقہ، انجام نہیں دے سکتا۔ اگر کوئی مفکر یا محرر غور وخوض کی گہرائی میں چلا جائے تب تو لکھنے، بیان کرنے کے لیے اسلام کی اخلاقی۔ روحانی۔ جسمانی معاشرتی انسانی، ہمدردی۔ کمزوروں پر شفقت وغیرہ ہزارہا خوبیاں اسلام میں ایسی خصوصی موجود ہیں۔ جس کی مثال تو درکنار عشر عشیر بھی کسی دین میں نہیں مگر میں آپ کے سوال کے پیش نظر صرف وہ خوبیاں بیان کروں گا۔ جس کی وجہ سے اسلام ہی صرف عالمگیر مذہب کہلانے کا حقدار ہے اور ان خوبیوں کو دوست دشمن اپنا پرایا خوبی کہنے پر مجبور ہے۔ ان خصوصیات اسلامیہ سے کوئی بے عقل متعصب اور حاسد ہی انکار کرسکتا ہے۔ ورنہ ذرا بھی عقل سلیم رکھنے والا اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ پہلی خوبی: بہت سے مصنوعی دینوں نے صرف روحانی تعلیم دی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ ہر پیروکار اس کی مشکلات کو برداشت

نہ کرتے ہوئے اس پر عمل نہیں کرسکتا۔ اسی لیے ہر دین میں پورے عمل کرنے والے صرف چند ہی دیکھے جاتے ہیں۔ بقیہ نفری صرف نام کی مذہبی ہوتی ہے۔ مثلاً افرادی اور مردم شماری کے لحاظ سے دنیا میں عیسائی بہت زیادہ ہیں کہ مسلمانوں کے بعد ان کا ہی نمبر آتا ہے۔ لیکن اپنے مذہب پر عملی طور پر ہزار میں شاید ایک ہی ہوگا اور جو تعلیم انجیل یا بائبل دیتی ہے۔ اس پر پورا عامل کوئی ہوگا۔ خاص کر یورپ کا علاقہ جو نفری اور افرادی قوت کے اعتبار سے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاں کی اکثریت صرف عیسائیت کے نام سے واقف ہے عمل سے اتنے دور ہیں کہ چرچ فروخت ہو رہے ہیں۔ دہریت رواج پا رہی ہے۔ مذہبی تعلیم سے بیخبری تو علیحدہ اصولِ مذہب پر بھی عمل نہیں کرسکتے صرف پوچھنے پر بس اتنا کہہ دیتے ہیں کہ ہم کرسچین ہیں۔ اسی لیے تمام دینوں کو ہر زمانے میں اپنا لبادہ تعلیم بلکہ اصول و فروغ بدلنے کی ضرورت درپیش آئی اور مذہبی، پرانی تعلیم کو چھوڑ کر نئے ضابطے بنانے پڑتے ہیں کوئی دین بھی اس نرمی گرمی سے خالی نہیں۔ یہ اسلام کی خصوصی شان ہے کہ جس قدر آج سے چودہ سو سال پہلے تھا اتنا ہی آج ہے اور جس طرح عام مسلمان پہلے دور کے اسلام پر عمل کرتے رہے۔ بعینہٖ اسی شکل میں تمام مسلمان ہر قوم ہر ملک میں آج بھی کر رہے ہیں چند اوباش بے فکرے سست مسلمانوں کی بات نہیں دیکھنا اکثریت کو ہے بلکہ بدست نیا طبقہ بھی فقط سستی کی بناء پر بے عمل ہو جاتے ہیں۔ ورنہ تعلیماتِ اسلام میں کوئی ایسی سختی نہیں کہ اس کو نہ کیا جاسکے۔ یہ اسلام کی ایسی خصوصی شاندار خوبی ہے کہ دنیا کے کسی دین میں نہیں۔ بخلاف دیگر ادیان کے کہ ان کی مذہبی تعلیم ہی یا تو اتنی سخت ہے کہ اس پر عمل دشوار ہے یا اتنی نرم ہے کہ شرفاء کو زندگی گزارنا مشکل ہے اور یا اتنی غلط ہیں کہ ان کو اپنا کر معاشرہ تباہ ہو رہا ہے۔ **اسلام کی دوسری خصوصی خوبی:** اسلام اپنے ماننے والی دنیا کی ہر قوم کو بچپن سے بڑھاپے بلکہ حکومت تک مکمل ضابطۂ حیات اور معاشرے کے ایسے سنہری اصول اور اخلاقِ حسنہ عطا فرماتا ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہ جاتا اور ایک سمجھدار مسلمان کو دنیا کے کسی اسٹیج پر۔ کسی غیر مسلم راہبر یا کسی غیر مسلم لائبریری کی طرف نگاہ اٹھانے کی حاجت نہیں رہتی۔ بلکہ غیر مسلموں کو دنیوی معاشرے کو مہذب و شریف بنانے کے لئے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا اشد ضروری ہے دنیا میں آج جتنے بھی غیر مسلم کچھ اچھے و مہذب نظر آرہے ہیں وہ سب اسلامی لائبریری سے تعلیم یافتہ ہیں یہ اخلاقی قوانین ان کو اسلامی قرآن و حدیث سے ہی ملے ہیں ورنہ دنیا کی پرانی مذہبی کتب وید۔ گیتا۔ استا۔

ژاژا۔ تھشترا۔ جیکی۔ بائبل۔ موجودہ توریت۔ زبور۔ انجیل وغیرہ میں۔ موجودہ غیر مسلم حکومتوں اور قانونوں وعوام میں رائج شدہ اخلاقیات کی راہنمائی قطعاً نہیں ملتی۔ یہ تمام اخلاقیات وتہذیب احادیث پاک اور آیات قرآن مجید میں آج سے چودہ صدی پیشتر اس وقت ظاہر ہوئیں۔ جب دنیا کا ہر مذہبی پیشوا ان مہذب باتوں سے بے خبر تھا۔ ہمارے اس دعویٰ کو دنیا کا کوئی غیر مسلم نہیں توڑ سکتا۔ اسلام کی تیسری خوبی: اسلام کسی مسلمان مرد وعورت کو بے علم نہیں رہنے دیتا۔ صرف عباداتِ اسلامیہ ادا کرنے کے لیے مسلمان کو درجنوں علم سیکھنے پڑتے ہیں۔ مثلاً ادائیگی نماز کے لیے پانچ علم سیکھنے پڑتے ہیں۔ ۱؎ علم قرآن ۲؎ علم فقہ۔ ۳؎ علم توقیت یعنی ریاضی ۴؎ علم حدیث ۵؎ علم نقشہ نویسی۔ ان علم کی نمازی کو اس لیے ضرورت کہ ۱؎ نماز میں قرآن مجید پڑھنا ہے۔ اس کے لیے حفظ قرآن تجوید قرآن۔ صحیح لوائیگی غلط ادائیگی کہ کس ادا سے نماز بالکل درست ہوتی ہے اور کس ادا سے مکروہ اور کس ادا سے فاسد یا باطل ہوتی ہے۔ سجدہ آئے تو کیا کرے۔ کتنی آیات کس نماز میں پڑھے کس نماز میں کس جگہ سے قرآن مجید پڑھے وغیرہ ۲؎ نماز کے فرائض۔ سنن۔ نوافل، واجبات پاکی پلیدی جاننے کے لیے فقہ ضروری ۳؎ رات دن سردی۔ گرمی۔ برسات وغیرہ تمام موسموں میں پنجوقتہ نماز کے وقتوں کو درست کرنے کے لیے علم توقیت ضروری ۴؎ نماز کا طریقہ ادا سیکھنے کے لیے احادیث کا علم راویان کی چھان بین درایت وروایت کا فرق محدثین کے طبقات اور ان کے درجات۔ جرح حدیث کی قسمیں جاننا اشد ضروری ہے کہ کس امام نے کس طرح نماز کی ادا کا طریقہ اختیار کیا کس حدیث سے استدلال کیا کون سی حدیث کس درجے قابل عمل ہے امام اعظم نے ہاتھ باندھ کر کیوں پڑھی۔ امام مالک نے ہاتھ کھول کر کیوں پڑھی ۵؎ نماز کے لیے قبلہ کا احترام اور کعبہ معظمہ کی سمت کا پتہ لگانا اشد ضروری ہے اس کے لیے مساجد کا بنانا کہ کدھر محراب ہو۔ کہاں خارج مسجد ہو کہاں خارج مسجد اذان کہی جائے۔ اذان کے لیے کیسی جگہ بنائی جائے۔ بیت الخلاء طہارت خانے کس رخ پر بنائے جائیں گھروں میں یا مسجدوں میں صفوں کے لحاظ سے فرش مسجد کیسا بنایا جائے۔ دروازے۔ کھڑکیاں کدھر بنائی جائیں سمت قبلہ میں گذرگاہ بنانی منع ہے۔ دوسری جانب درمیان میں دروازہ بنانا بہت لازم ہے تاکہ خطبہ جمعہ کی دوسری اذان احادیث طیبات کے مطابق خطیب کے سامنے خارج مسجد

ہو سکے ان تمام چیزوں کی وجہ سے مسلمان کو مذہبی طور پر نقشہ نویسی سیکھنا لازم ہے۔ حج کی عبادت ادا کرنے کے لیے مسلمان کو ساری دنیا کا جغرافیہ جاننا ضروری۔ زکوٰۃ اور فطرانہ کی عبادات ادا کرنے کے لیے ہر مسلمان کو دنیا کے ہر ملک کا حساب جاننا ضروری۔ اسی طرح حق مہر سمجھنے کے لیے۔ اسلامی جرموں خطاؤں میں کفارہ دینے کے لیے علم حساب حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ کس ملک کا سکہ رقم اور پیمانہ ناپ تول کس حساب سے ہے۔ روزمرہ دنیا میں سونے چاندی کا بھاؤ کس درجے میں ہے۔ ہر مسلمان کے لیے مذہبی اور دینی اعتبار سے ضروری ہے۔ کسی دین نے ان علوم کے سیکھنے پر اپنے پیروکار کو مجبور نہیں کیا ہے یہ اسلام ہی کی خصوصی شان ہے کہ اس نے ہر مسلمان کو یہ علوم سیکھنے پر مجبور کر دیا۔ کوئی مذہبی مسلمان جاہل نہیں رہ سکتا۔ اسلام کی چوتھی خوبی۔ اسلام نے ایسی تعلیم وتدریسی عبادات عطا فرمائیں کہ کوئی مسلمان مذہبی دینی اعتبار سے۔ اجتماعی اتحاد کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا اور حسن معاشرہ اتفاق اور میل ملاپ سے علیحدہ نہیں رہ سکتا۔ قوم اور برادری کی سب سے بڑی خوبی اور حسن اخلاق یہ ہے کہ ہر شخص بلا امتیاز غریب، امیر ایک دوسرے سے ملتا جلتا رہے اور سب کے حالات سے خبردار رہے۔ اتحاد ومحبت یگانگت پیار کا سب سے عظیم طریقہ یہی ہے۔ کسی مذہب نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ ان دینوں میں برہمن۔ اچھوت۔ کالے گورے کی نفرت والی بیماریاں بڑی شدت سے موجود ہیں۔ مگر اسلام نے ایسے حسن وخوبی سے اس بیماری کو روکا کہ ایک محلے کی راہ ورسم اور باہمی شفقت تعاون کے لیے پنجوقتہ نماز باجماعت فرض کر دی۔ پورے شہر کے مسلمانوں کے باہمی ربط وتعلق کے لیے نماز جمعہ فرض کیا گیا اور پورے علاقے کے مسلمانوں کے ملنے جلنے ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے سال میں دو عیدیں مقرر فرمادیں اور حکم دیا کہ جمعہ وعیدین کی امامت کے فرائض حاکم شہر یا بادشاہ یا قوم کا بڑا لیڈر انجام دے تاکہ حاکم ورعایا میں دوری اور منافرت نہ پیدا ہو نہ بغاوتیں اور غداریاں سر اٹھائیں۔ یہ سالانہ ہفتہ وار اور پنجگانہ نمازیں۔ روحانی جسمانی عبادات الٰہیہ کے ساتھ ساتھ بیحد خوشگوار ماحول۔ اتحاد۔ اخوت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ پوری دنیا کے اسلامی ممالک کے اتحاد اخوت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ۔۔۔ پوری دنیا کے اسلامی ممالک کے اتحاد اور عالمی کانفرنس کے لیے حج بیت اللہ شاندار ذریعہ ہے۔ جس میں دنیا بھر کے امیر غریب کالے

سلطان و رعایا باہمی واقفیت اور ایک دوسرے سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے حالات سے خبردار ہوتے ہوئے آپس میں مشورے کرنے کا بہترین موقعہ فراہم کیا گیا۔ پھر سب کو ایک لباس پہنا کر۔ نخوت و غرور کو جڑوں سے اکھیڑ دیا۔ امیر غریب کا فرق ہی مٹا دیا۔ دنیا کا کوئی دین اخوت کا ایسا نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ اسلام کی پانچویں خوبی: اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان ازراہ انسانیت تمام دنیا سے رابطہ و تعلق رکھیں اس رابطے کے بغیر مسلمانوں کی بہت سی عبادات دشوار ہو جاتی ہیں مثلاً حج و عمرہ اس کے لئے دنیا کے اطراف سے مسلمانوں کو سفر ضروری اور سفری ہو گیا کے لئے زمانے کے مطابق ہوائی اور بحری جہاز کی مسلم و غیر مسلم کمپنیوں سے رابطہ اور دوستانہ ضروری۔ آج بہت سے غیر مسلم کارخانے، فیکٹریاں اور چھاپے خانے کمپنی ادارے مسلمانوں کے دم قدم سے نفع بخش قائم ہیں اور جب رمضان پاک کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو ہم نے ہندوستان وغیرہ غیر مسلم ممالک میں دیکھا کہ ہندوؤں۔ سکھوں۔ یہودیوں عیسائیوں کے بازاروں۔ دکانوں۔ منڈیوں میں بھی عجیب گہما گہمی شروع ہو جاتی ہے۔ مشروبات و مطعومات سے دکانیں۔ بھر جاتی ہیں اور مسلمانوں کے اس بابرکت مہینہ سے غیر مسلموں کو بھی لاکھوں کا دنیوی فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ یہ انسانیت کی یکجہتی کا کتنا انوکھا طریقہ ہے جو صرف اسلام نے پیش فرمایا۔ کسی بھی دین کی عبادت سے غیروں کو فائدہ نہیں پہنچتا یہ اسلام کا نسل انسانی پر کتنا بڑا احسان ہے کہ مسلمانوں کی عبادات سے دنیا بھر کے غیر مسلم بھی نفع مند ہو رہے ہیں۔ اسلام کی چھٹی خوبی: اسلام نے عبادات فرضیہ کا کچھ ایسا نقشہ بنایا ہے کہ دنیا کی ہر کار آمد ایجاد مسلمان کو خریدنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا مذہبی طور پر لازم و ضروری ہو جاتا ہے۔ غور کرتے چلے جاؤ کہ قطب نما اور ٹائم گھڑی سے لے کر بحری اور ہوائی جہاز تک سب ایجادات عالم سے فائدہ حاصل کرنا مسلمانوں کو لزومی حکم ہے۔ کیونکہ ان اشیاء سے مسلمانوں کی عبادات وابستہ ہوتی جاتی ہیں۔ اسلام کی ساتویں خوبی: اسلام اپنے مسلمانوں کو صرف ظاہری کتب کے علم ہی سیکھنے پر مجبور نہیں فرماتا بلکہ باطنی علوم یعنی غور و تدبر بھی مسلمان کے فرائض میں شامل ہے۔ اس کی ایک مختصر مثال وہ قانون ہے جب مسلمان مسافر جنگل یا اجنبی جگہ میں نماز پڑھنے لگے۔ سمت قبلہ کا پتہ نہ ہو نہ کوئی بتانے والا ہو تو مرد نمازی پر واجب ہے کہ آسمان و زمین میں غور و فکر کرے۔ سورج۔ چاند۔ ستاروں میں تدبر کرے۔ سیاروں کی گردش کا اندازہ لگائے۔ زمین کے مشرق مغرب پہچانے۔ اندازہ لگائیے کہ ہر مسلمان پر اسلام نے کتنے علوم لازم کر دیئے۔ یہاں تک کہ سوچ و تدبر کو بھی دین کی طرف

لگا دیا گویا کہ ساری سائنس اور علم فلکیات کا حصول مسلمانوں کا خاصہ ہے جہاں سے ملے حاصل کر لو۔ کائنات کے ذرے ذرے پر غور و فکر کرنا شمس و قمر اور کواکب سماوی کا علم سیکھنا مسلمانوں کو اس لیے ضروری ہوا کہ اس علم سے مسلمانوں کی عبادات کا پتہ چلتا ہے۔ ہر مسلمان پر مذہبی حکم سے سال کے مہینوں کی ابتداء و انتہا کا خیال رکھنا۔ جنتریوں کو درست کرنا رویت ہلال کے لیے دوڑ دھوپ کرنی واجب ہے۔ **اسلام کی آٹھویں خوبی:** دین اسلام چاہتا ہے کہ دنیا کی ہر تجارت پر مسلمان چھا جائے اور اسلامی منڈی سب سے بڑی منڈی ہو۔ دنیا کے سب تاجر مسلمانوں کے حاجت مند بنے رہیں یہ بھی ایک قومی وقار ہے۔ گویا کہ مسلمان کو اس کا دین اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی باعزت بنائے اسلام نے مسلمان کو ایجادات عالم کی خرید و فروخت لازم قرار دی۔ خواہ وہ مسلم منڈیوں سے یا غیر مسلم منڈی سے ہر مسلمان پر اپنی اسلامی عبادتوں کیلئے گھڑی مصلّٰے۔ لوٹا مسواک۔ تسبیح۔ قطب نما وغیرہ خریدنا دینی ضرورت ہے۔ اگرچہ وہ کفار ایجاد کریں۔ مگر اس کا برتنا دینی حکم سے مسلمانوں ہی کو لازم ہے کسی بھی دین نے ان چیزوں کو خریدنے کی طرف زور نہ دیا۔ گویا کہ مسلمان ہی وہ قوم ہے جو دنیا کے ہر موجد کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ دیکھو اکثر ایجادات کفار نے کیں اور اس کا برتنا مسلمان نے شروع کیا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو چیزیں بنانے کی طرف لگایا اور مسلمانوں کو برتنے کی طرف غیروں سے تعاون کی ایسی مثال دنیا کے کسی دین میں نہیں۔ آج سینکڑوں فیکٹریاں مصلے۔ رومال۔ تسبیحیں۔ لوٹے۔ احرام کی چادریں بنا کر ہزاروں، لاکھوں کے حساب سے زر مبادلہ کما رہے ہیں۔ ہزاروں تجارتیں صرف مسلمانوں کے دم قدم سے قائم ہیں اور مسلمان مذہبی طور پر ضرورت دینی کی وجہ سے ان کی خرید و فروخت کرتا ہے۔ غرضیکہ دنیا کی چہل پہل اور دنیا میں دین کی بہار صرف اسلام نے پیدا کی۔ **اسلام کی نویں خوبی۔** دنیوی زندگی کے ہر شعبے میں اسلام نے مسلمان کو اخلاق تہذیب امانت و دیانت اور حسن معاشرے کے درس دیئے یہ سب اخلاقیات قرآن و حدیث طیبات میں ہی ملتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ دنیا کی جس قوم نے بھی کوئی اچھا قانون۔ یا تہذیب۔ حسن معاشرہ اختیار کیا وہ اسلامی کتاب سے ہی حاصل کیا۔ دنیا کے جھمیلوں سے گھبرا کر جنگل میں جا بیٹھنا تو علیٰحدہ بات ہے۔ لیکن معاشرہ حکومت اور گھر بلو زندگی بنانے۔ چلانے اور سنبھالنے کے لیے قرآن مجید اور احادیث پاک سے ہی راہنمائی حاصل کی گئی ہے۔ کسی مذہبی کتاب نے زندگی گذارنے کا تاقیامت۔ عالمگیر فارمولا پیش

نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہنا بھی عین حقیقت ہے کہ جو بھی غیر مسلم قوم یا فرد۔ دنیوی کاروبار تجارت حکومت وغیرہ میں مشغول ہے وہ اپنے دین کی مخالفت کر رہی ہے۔ کیونکہ کسی دین نے نہ دنیوی باتوں کا حکم دیا نہ طریقہ سکھایا۔ مگر مذہبی پیروکار اپنے مذہب کی مخالفت پر مجبور ہیں اسی لیے ہر دین والا اگرچہ خود غیر مسلم دیندار کہلاتا ہے۔ مگر صرف نام کا مذہبی تعلیم سے بیزار ہے۔ کیونکہ ہر انسان فطرتی تقاضے سے دنیا چلانے پر مجبور اور ان کے دین فطرت کے خلاف حکم دیتے ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی انسان ان دینوں پر عمل نہیں کر سکتا یہ تو اسلام کی شان ہے کہ اس کی تمام تعلیم عین فطرت کے مطابق ہے۔ اس لیے آج دنیوی عمل میں تقریباً ہر غیر مسلم اپنے دین سے جدا ہے اور اسلامی اخلاقیات پر عمل پیرا ہے۔ **اسلام کی دسویں خوبی؛** فقط اسلام ہی وہ دین ہے جس کو اپنا کر بیک وقت ہر مسلمان چھوٹا بڑا امیر غریب ہر ملک۔ ہر قوم کا باشندہ عابد۔ زاہد اور معاشرے اور گھریلو زندگی کے اعتبار سے کامیاب ترین انسان بن سکتا ہے۔ کیونکہ اسلام نے تھوڑی تبدیلی اور فائدہ مند مختصر کمی زیادتی سے اور نیت خیر کا حکم دے کر انسانی لوازمات و ضروریاتِ زندگی کو ہی عبادت بنا دیا جس کی وجہ سے ایک مسلمان تختِ شاہی پر بیٹھ کر اتنا ہی عابد و زاہد بن سکتا ہے۔ جتنا کوئی دوسرا ہمہ وقت جنگلوں میں چلہ کشی کرنے والا۔ ایک چکی چولہا چلانے والی بال بچے پالتے ہوئے چار دیواری میں رہ کر باپردہ پاکباز متقیہ عورت اتنا ہی قربِ الٰہی اور ولایتِ کبریٰ کی لذت پا سکتی ہے۔ جتنی ہمہ وقت معتکف رہنے والی تارکہ۔ اسلام کی کتنی عظیم الشان طریقت ہے کہ مسلمان کو زاہد بننے کے لیے ترکِ دنیا ضروری نہیں۔ یہ وہ پاکیزہ اصول ہیں۔ جو شروع دن سے اسلام نے ہم کو سکھائے۔ کسی مذہب کتب میں ایسے اسباق نہیں ملتے۔ **اسلام کی گیارھویں۔** اسلام کا دین اختیار کرکے مسلمان۔ فطرت کی ہر چیز سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق کائنات نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور اسلام نے اس کو برتنے کا طریقہ سکھایا۔ ہر لذت کو حاصل کرنے کا با اصول ضابطۂ اخلاق کے مطابق کیا طریقہ ہے۔ یہ صرف اسلام نے ہی سکھایا ہے۔ اسلام کے قلعہ میں ہر مومن بلا مشقت نہایت اطمینانِ قلبی سے زندگی گذار سکتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی کوئی ایسی عبادت نہیں جو دنیوی انسان کی طاقت سے باہر ہو۔ صرف مسلمان ہی زندگی کے ہر میدان میں اپنی دینی کتاب کا سہارا لے سکتا ہے۔ اسلام کے علاوہ باقی مذہبی کتب۔ روحانیت ترکِ دنیا کا تو سبق دیتی ہیں۔ مگر

زندگی چلانے کے اصول بتانے میں خاموش ہیں۔ اسلام نے قوم مسلم کو مہد سے لحد تک تخت شاہی سے میدانِ جنگ تک گھر سے بازار تک شادی سے غمی تک۔ مسجد سے عدالت تک چولہے ہانڈی سے ماں بیٹی بننے تک۔ عرب سے عجم تک ہر دور میں ہر قوم کو خوشگوار ماحول پیدا کرنے کا طریقہ سکھایا کہ غیر بھی تحسین و آفرین پکار اٹھے۔ اسلام کی بارھویں خوبی۔ ان تمام باتوں کے باوجود پھر اسلام کی انوکھی دلربا ایک یہ خوبی بھی اظہر من الشمس ہے کہ اسلام اپنے خدائی اور آسمانی ہونے کا پورا جغرافیہ اور مکمل پتہ نام ابتداء، انتہا، زبان، مقصد بلطریقہ چیلنج ارشاد فرمایا۔ آج تک کوئی غیر مسلم نہ اس چیلنج کا مقابلہ کرسکا نہ انکار نہ کرسکا یہ خوبی دنیا کے کسی دین میں نہیں ملتی۔ ان تمام حقائق پر غور کرنے سے اسلام کی یہ خصوصی خوبیاں اس عالم دھر کے گلستان رنگ و بو میں۔ گلدستہ سدا بہار کی طرح ابھر کر سامنے آجاتی ہیں جس کو اپنے پرائے آغوش عمل میں لے کر حیات دنیا کو مزین کر رہے ہیں۔ اسلام کی تیرھویں خوبی۔ باوجود اس کے کہ سب دین والوں کی طرف سے اسلام کی بھرپور مخالفت اور طرح طرح کے جھوٹے الزام لگائے گئے پھر بھی اسلام نے سب کی طرف دست شفقت و محبت بڑھایا کم از کم یہود و نصاری کو تو مخالف اسلام کا بالکل ہی حق نہیں پہنچتا کیونکہ اسلام نے ان کے بزرگوں کی شاندار عظمت بیان کی ہے مگر بلند حوصلگی ہے دین اسلام کی کہ اس نے مسلمانوں کو ذرہ بھر جذباتی نہ بننے دیا۔ بلکہ ہر طبقے کی حوصلہ افزائی کی۔ دنیا کے غیر مسلموں نے مختلف ایجادات ریڈیو، دور بینیں گھڑیاں۔ چھاپہ خانہ وغیرہ ایجاد کیں۔ تو اسلام نے مسلمانوں کو خریداری پر مجبور کیا کہ ریڈیو وقتِ نماز معلوم کرنے کے لیے گھڑیاں وقتِ نماز دیکھنے کے لیے۔ دور بین ماہ رمضان و عیدین کا چاند دیکھنے کے لیے ضرور خریدو۔ کسی کے دین نے یہ نہ کیا کتنا افسوس ناک اور کتنا حیران کن ہے وہ سلوک جو غیر مسلم ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے متعصبانہ ذہنیت سے اسلام پر الزام تراشی سے کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ اسلام سے بڑھ کر انسانی برادری کو محبت کس نے دی ہے۔ اسلام نے جس طرح سلاطین کو زندگی گذارنے کا طریقہ سکھایا۔ وہ انتہائی باوقار اور شاہانہ طرز عمل ہے کہ ساری دنیا اشیاء ایجاد کرتے بناتے رہیں اور مسلمان ان کو برتتے رہیں۔ جیسے کہ نوکر خدام اشیاء مہیا کرتے ہیں اور شہنشاہ استعمال کرتے ہیں۔ اس طریقہ فطرت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیر مسلم دنیا کے بکھیڑوں کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور مومن مسلمان رب تعالی کے

کاموں کے لیے۔ ایک مسلمان کو اس بات پر رشک نہیں ہو سکتا۔ کہ غیر مسلم سائنسدان تو سینکڑوں چیزیں ایجاد کرتے چلے جارہے ہیں اور مسلمان ابھی تک مسجد و خانقاہ میں ہے۔ یا کعبہ و حرم میں۔ اس لیے کہ مومن جانتا ہے۔ سب جہاں میرے لیے اور میں خدا کے واسطے۔ جس طرح بادشاہ یا شہزادے کو کسی لوہار، ترخان، معمار کی مصنوعات پر رشک نہیں آتا۔ بلکہ اس کو اپنی قوت شاہی پر ناز ہوتا ہے اسی طرح مرد مومن کو بھی دیوی فیکٹریوں۔ کارخانوں یا غیر مسلم سائنسدانوں پر رشک نہیں آتا۔ اس کو اپنی قوتِ ایمانی پر ناز ہوتا ہے۔ غیر مسلم سائنسدان مادی ایجادات کے لیے بنے تو مومن مسلمان روحانی عرفانی ایجادات کے لیے دنیا میں آیا ہے۔

اگر سائنسدان نے اب ٹیلی فون ایجاد کر لیا تو نہاوند کی پہاڑیوں میں چودہ سو سال پہلے ایک مسلمان نے ہی مسجد نبوی کے منبر سے کھڑے ہو کر آواز پہنچائی تھی۔ اگر سائنسدان نے اب سمندر پر بحری جہاز چلا دیئے تو سینکڑوں سال پہلے دریاؤں کے سینے پر گھوڑے لشکر اسلام نے ہی دوڑائے تھے۔ اگر سائنس دان نے اب زمین سے تیل نکال دیا۔ تو صدیوں پہلے بڑھیا کا چوسا ہوا تیل زمین سے ایک مسلمان نے واپس منگایا تھا۔ اگر سائنس دان نے آج ٹیلی وژن بنا دیا۔ تو داتا دربار کے محراب میں کھڑے ہو کر ہزاروں میل دور خانہ کعبہ کا نظارہ ایک مردِ مسلمان نے کرا دیا تھا۔ اگر ہوائی جہاز اور راکٹ آج اڑائے جا رہے ہیں۔ تو سالوں پہلے اجمیر میں راجہ داہر کے سامنے اپنی کھڑاؤں کو ایک مردِ مومن مسلمان نے ہی اڑایا تھا۔ اسلام نے تو ہم کو بہت کچھ سکھایا پڑھایا بتایا ہے۔ بس بات صرف اتنی ہے کہ آج بھی ہو جو براہیم سا ایمان پیدا ؎۔

آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

ان ہی خصوصیات اسلامیہ نے عقلاً۔ نقلاً۔ عملاً تجربے اور مشاہدے و تاریخی اعتبار سے اسلام کو عالمگیر دین ثابت کر دیا ہے۔ کسی پنڈت۔ پادری یا کسی گرو کا پبلک جلسے میں یہ کہہ دینا کہ انسانوں سے محبت کرو یا کسی کتاب میں لکھ دینا۔ یا لینن مارکس یا ماؤزے تنگ کی مزدور دوستی۔ صرف ایک سیاسی یا انفرادی نعرہ تو ہو سکتا ہے۔ مگر عالمگیر مشن نہیں بن سکتا اسلام کے سوا کسی دین نے ایسی تعلیم نہیں دی کہ مذہب پر عمل پیرا ہونے کے لیے انسانی برادری سے مکمل تعلق جوڑنا پڑے اور عالمی بھائی چارے بین الاقوامی اخوت امیر، غریب کالے گورے، بیمار، تندرست اپنے پرائے خوب صورت، بد صورت۔ مقیم مسافر

واقف ناواقف کو ایک اسٹیج پر لانے کے لیے مجبور ہو مسلمان اپنے مذہبی امور پر باسہولت اس وقت تک عمل نہیں کرسکتا جب تک ساری انسانیت سے تعلق نہ جوڑے نفرت اور تعصب سے اسلام نے مسلمان کو بچنے اور دور رہنے کی تعلیم دی ہے۔ **اسلام کی چودہویں خوبی**: اسلام نے مسلمانوں کی عالمی برادری سے تعلقات استوار کرنے کے باوجود قوم مسلم کو باوقار، باعزت اور سب اقوام پر غالب رکھا ہے اس لئے کہ مسلمانوں کو دینے والا بنایا اور دوسروں کو لینے والا اور ہر معاشرے میں دینے والا ہی عزت دار ہوتا ہے دین اسلام کی کیسی پیاری تعلیم ہے کہ امیر تو امیر، غریب مسکین محنت کش مزدور خون پسینے سے دولت کما کر اولاد کے خرچہ سے بچا بچا کر کچھ رقم جمع کرتا ہے اور سال بھر کے بعد اپنی خوشی بلکہ عشق و محبت سے بلا مذہبی امتیاز کسی جہازران کمپنی کو دے دیتا ہے اور بڑی عزت وقار سے سفر کرتا ہوا حج کی زیارت سے مستفیض ہوتا ہے دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے امراء ٹھیکیداران جو کسی غریب سے بات کرنا پسند نہیں کرتے موسم حج میں بوڑھے غریب مسلمان کی خدمت عزت میں کمربستہ نظر آتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ دینے والا ہر میدان میں غالب ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی عبادات نے ہی ان کو عالمی منڈیوں میں سربلند کر دیا ہے۔ اسلام کی سچی تعلیم نے مسلمانوں کو ذلت سے بچایا ہے۔ ذاتی بے دیانتی کا تو ہر شخص خود ذمہ دار ہے۔ جہاں تک مذہبی تعلیم و عبادات و عملیات کا تعلق ہے۔ اسلام سے بہتر کسی دین نے پیش نہ کیں۔ **اسلام کی پندرھویں خوبی**: باوجود اس بات کے کہ اسلام اپنی قوم کو تجارت و دولت کمانے کا حکم فرماتا ہے۔ مگر مسلمان کو دولت سے محبت خزانے کا سانپ مال کا بچاری بننے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ اسلامی عبادات، زکوٰۃ صدقات، خیرات۔ فطرانہ قربانی حج کفارات۔ فرضی۔ نفلی، واجبی خرچ سے مسلمانوں کے دلوں سے دولت کی محبت مٹانے کی تعلیم ملتی ہے اور غریب پروری کا سبق بھی اگر مسلمان مکمل اپنے مذہب پر عمل پیرا ہو جائیں اور ہنود یہود و نصاریٰ کی صحبت کا اثر نہ لیں تو کوئی مسلمان غریب نہیں رہ سکتا۔ **اسلام کی سولہویں خوبی**۔ آج دنیا کے لیڈر ہزار ہا جتن کرتے ہیں کہ عوام ہماری محبت میں آجائیں طرح طرح کے وقتی نعرے اور کئی قسم کی لالچیں ووٹ کی خاطر دیتے ہیں۔ اپنی کرسیوں کو بچانے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے مگر پھر بھی عوام کی سچی محبت حاصل نہیں ہوتی۔ کسی بھی دین نے دائمی سچی محبت کے حصول کا کوئی موثر طریقہ نہ بتایا۔ ہاں اسلام کی ہی یہ خصوصی شان ہے کہ اس نے امراء قوم لیڈران وقت۔ کرسیوں کو حاصل کرنے والوں کو حکم دیا کہ سال بھر بعد کبھی تو اپنی زکوٰتوں سے

غرباء کی جھولیاں بھر دو اور کبھی فطرانوں سے یتیموں، بیواؤں کو اپنی عیدوں، خوشیوں میں برابر کا شریک کرو اور کبھی قربانی کے گوشت سے نوازو اور کبھی قربانی کی کھالوں سے ان کی تنگدستی دور کرو۔ سال کے دیگر ایام میں ختم ایصالِ ثواب کے نفلی کاموں سے ان کی دلجوئی کرتے رہو۔ ان کو بھیک نہ دو۔ بھکاری نہ بناؤ مگر ان طریقوں سے ان کو خاموشی سے نوازتے رہو۔ پھر ساتھ ہی اسلام نے حکام و سلاطین اور امراء پر یہ حکم بھی لگا دیا کہ خبردار زکوٰۃ فطرانہ اور قربانی کی چیزیں یا بیچ کر کسی ادارے کسی مسجد پر نہیں لگ سکتیں نہ سڑکوں، گلیوں میں خرچ نہ عوامی رفاہی اداروں میں خرچ ہو سکے نہ کوئی سیاسی لیڈر اپنی سیاسی اغراض کی خاطر صرف کر سکے۔ صرف اور صرف غریب کو ان چیزوں کا مالک بنا دو۔ اب کون سا غریب یتیم ہوگا جو تم سے اتنی امداد لے کر بھی تمہاری محبت کا دم نہ بھرے۔ تم اللہ رسول کی رضا کے لیے دو۔ وہ اللہ رسول کی رضا کے لیے تم سے دل کی گہرائیوں سے سچی ابدی محبت کرے۔ دنیا کے لیڈر۔ لینن و مارکس تو ووٹ کی خاطر مزدور دوستی کے وقتی نعرے لگا لیں۔ مگر ایک سچے مسلمان کو غرباء کی محبت جیتنے کے لیے ان نعروں کی ضرورت نہیں اس کو تو اس کے دین نے ہی غریبوں، یتیموں، مزدوروں سے محبت کے وہ طریقے بتائے ہیں کہ محبت تو محبت عوام اس لیڈر پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ کس دین نے کہا کہ مزدور کا پسینہ سوکھنے سے پہلے اس کی اجرت دے دو۔ کس دین نے سرداروں سے مزدور کی عزت کرادی کہ سرکار اعلیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھرے مجمع میں ایک مزدور کے گرد آلود ہاتھ چوم لیے۔ ایسی تعلیم بجز اسلام کوئی دین پیش نہیں کر سکتا۔ **اسلام کی سترھویں خوبی :**

اسلام نے صرف اپنی قوم سے ہی محبت کے درس نہ دیئے۔ بلکہ پوری انسانیت کے علاوہ جانوروں سے بھی ہمدردی کرنے کا شاندار حکم اور طریقہ سکھایا۔ آج دنیا کے مفکر اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اسلام نے مسلمانوں پر ایک سال بعد قربانی واجب لازم کر کے قربانی کے جانور میں عمر اور صحت کی چند شرطیں لگا کر جسم حیوانات سے متعلق ہر مسلمان پر کتنے علوم حاصل کرنے لازم کر دیئے کم از کم ہر مسلمان نے قربانی دینے یا قربانی کے لیے بیچنے کے لیے سال بھر تک تو جانور پالنا ہی ہے۔ اتنے عرصے میں جانور کی نشوونما دیکھ بھال۔ بیماری۔ تندرستی علاج معالجے کا علم حاصل کرنا مسلمان پر واجب لازم ہو گیا اور جانور کی موسمی اور ملکی علاقائی لحاظ سے خوراک و رہائش کا علم سیکھنا مسلمان پر ضروری اسی طرح جانوروں کی عمر کی وہ نشانات جو ان کے جسم پر وارد ہوتے ہیں۔ ان کا جاننا سمجھنا ہر مسلمان پر مذہبًا لازم ہیں۔ ذبح تو آخر ہونا ہی ہے۔ ہر ذی روح

کی روح کو تو ایک دن جدا ہونا ہی ہے۔ مگر سال بھر تک یا دو سال یا پانچ سال تک جتنے ناز نخرے قربانی کے جانور پالتے ہیں اور جیسی خوراک مسلمان ان جانوروں کو کھلا دیتے ہیں۔ شاید پنڈت جی کی گائے اور گاندھی جی کی بکری یا لاٹ صاحب کی گھوڑی نے بھی نہ کھائی ہو اور جتنی سجاوٹ بناوٹ دیکھ بھال صحت تندرستی ان جانوروں کی ہوتی ہے اتنی کسی بھی دین میں سال بہ سال تو کجا عمر میں ایک بار بھی نہیں ہوتی۔ دنیا کے کروڑوں بلکہ اربوں جانور اسلام کی اس عبادت سے بہرہ مند ہو رہے ہیں گویا کہ حیوانات پر بھی اسلام کی کمال شفقت ہے۔ میں نہیں کہتا کہ غیر مسلموں نے حیوانات سے محبت نہ کی اور ضرور کی ہے۔ لیکن وہ محبت ان کے دین نے ان کو نہ سکھائی۔ نہ کسی مذہبی کتاب میں ان کے لیے لکھی گئی بلکہ ان کی محبت و ہمدردی ان کی ذاتی عقل نے ان کو بتائی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کی محبت نے یہاں تک چڑھائی کی کہ گائے۔ بیل ہاتھی۔ چوہے۔ بندر کو۔ دیوتا۔ معبود اور اوتار سمجھ لیا۔ کسی محبت نے کتے بلے کو اپنا معشوق اور پیار کے لائق جان لیا۔ یہ تو اسلام ہی کی تعلیم ہے جس نے بتایا کہ ہمدردی رحم دلی سب سے کرو۔ مگر معبود و محبوب اور قابل احترام صرف اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ والوں کو سمجھو۔ اسلام کی

اٹھارہویں خوبی۔ اسلام ایک فطری دین ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اسلام نے انسانی فطرتوں کو بالکل فطرت کے مطابق برتنے کی تعلیم دی ہے۔ ہر انسان میں فطرتی چھ امانتیں ہیں ۱۔ عشق ۲۔ محبت ۳۔ عقل ۴۔ ہمدردی ۵۔ شہوت ۶۔ نفرت۔ اسلام ان کو مندرجہ ذیل طریقے پر تقسیم فرماتا ہے ۱۔ عشق صرف اللہ رسول سے کیا جائے کیونکہ یہ عشق حقیقی ہے اسی لیے دین کی بنیاد عشق پر رکھنی چاہیے۔ ان کے علاوہ کا عشق مجازی اور فانی ہے ۲۔ محبت صرف دین سے ہونی چاہیے۔ باقی محبتیں اس کے تابع ہوں۔ مغلوب رہیں نہ کہ غالب ۳۔ عقل کو دنیا میں خوب استعمال کرو بے عقل سے دنیا بنا نقصان دہ ۴۔ ہمدردی تمام مخلوق سے کی جائے مگر ان ہی ضابطوں کے تحت جو اسلام نے مقرر کیے۔ اسلام نے ہمدردی کے لیے تین ضابطے مقرر فرمائے ۱۔ یہ کہ کسی کی ہمدردی سے دوسرے کو نقصان نہ پہنچے نہ نقصان کا اندیشہ ہو ۲۔ ہمدردی سے ہر قسم کا نقصان ختم ہو جائے ۳۔ ہمدردی ہر شخص کے حالات کے مطابق ہونی چاہیئے۔ جیسی ہمدردی کی اس کو ضرورت ہو۔ ویسی ہمدردی اس کو دی جائے اگرچہ قابل رحم اس کو ہمدردی نہ سمجھے۔ یہ وہ ضابطے ہیں جو اسلام کے سوا کسی نے نہ دیئے۔ ۵۔ قوت شہوانی کو جائز اور با اخلاق طریقے سے استعمال کیا جائے جس کے لیے صرف اسلام

نے ازدواجی زندگی کا مذہبی حکم دیا ہے۔ دیگر ادیان میں اس کا کوئی طریقہ نہیں ملتا ہے نفرت صرف جرم، کفر اور گناہ سے کی جائے۔ مجرم کافر گنہگار سے نفرت تعلیم اسلام کے خلاف ہے۔ ان کی دینوی یا اخروی اصلاح کا حکم دیا ہے۔ اسلامی سخت سزائیں بھی مجرم کی اصلاح کے لیے ہیں۔ خواہ وہ سزا پاتے پاتے مرجائے۔ تاکہ وہ مجرم دنیا اور آخرت کی رسوائی اور عذاب سے بچ جائے۔ گنہگار سے ہمدردی یہ ہے کہ اس کی اصلاح کی جائے۔ آزاد نہ چھوڑا جائے۔ یہ ضابطہ اخلاق کسی مذہب نے پیش نہ کیا۔ اسلام نے کسی انسانی فطرت کو دبانے بند کرنے کا حکم نہ دیا۔ اسی لیے اسلام کے دامن میں آکر ہر انسان ہر وقت امن چین کی زندگی گزار سکتا ہے۔ دوسرے دینوں نے بھی ان انسانی فطرتوں کو تسلیم کیا ہے۔ مگر ایسی تقسیم نہ کی جس سے ہر انسان ان کو استعمال کر کے اپنی جگہ مطمئن ہو جائے۔ کسی دین نے دنیا سے اتنا عشق اور پیار محبت کیا کہ اللہ کو ہی بھلا دیا بلکہ ذات باری کا انکار ہی کر دیا۔ جیسے دھریت کسی نے حیوانات سے ایسا عشق کیا کہ خدا بنا لیا۔ جیسے ہندو۔ کسی نے جانوروں سے اتنی ہمدردی کی کہ ان کا ذبیحہ ہی ناجائز قرار دیا۔ اور جانوروں کی اتنی بہتات ہو گئی کہ انسانی زندگی اور خوراک رہائش دشوار ہو گئی۔ جیسے بدھ مت۔ یہ ہمدردی کتنی نقصان دہ ثابت ہوئی۔ کسی نے مجرم کی سزائیں اتنی نرم کر دیں کہ شرفا کو زندگی دوبھر ہو گئی۔ جیسے بت پرستی یا جین ازم اور زرتشتی ازم کسی نے دین کے معاملات میں عقل سے ہاتھ دھو لیے۔ یہ تو سب دینوں نے فرمایا کہ محبت اور انسانی ہمدردی اچھی چیز ہے مگر طریقہ استعمال نہ بتایا یا یہ تو کہا کہ چوری نہ کر زنا نہ کر مگر چور کی اصلاح کا طریقہ نہ بتایا۔ میرا خطاب صرف دینی کتابوں سے ہے۔ ملکی خود ساختہ قانون اور سزاؤں سے نہیں یہ بناوٹی سزائیں جیل وغیرہ تو جرم اور مجرم کی پرورش کرتی ہیں۔ نہ کہ اصلاح۔ دائمی اصلاح صرف اسلام نے کی ہے کہ ایسی سزا دی جائے جس کے بعد یا تو دنیا میں رہ کر جرم نہ کر سکے یا اخروی دائمی عذاب سے بچ جائے یہی سچی ہمدردی ہے جو اسلام نے مجرموں گنہگاروں سے کی یہ کوئی ہمدردی نہیں کہ ایک مجرم کو سزا سے بچاتے بچاتے ہزاروں شریفوں کو مصیبت میں ڈال دو اور پھر غیر قانونی انتقامی جذبے ہر طرف سے بھڑک اٹھیں کہ حکومت کو سنبھالنا مشکل ہو جائے۔ غدر یا بغاوتیں اور خانہ جنگیاں انہی بیجا نرمیوں ہمدردیوں سے سر اٹھاتی ہیں جس دین میں شہوتِ انسانی کو بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دیکھ لو وہاں کتنی بے حیائی کا دور دورہ ہے۔ بہر حال اپنے پرائے کو یہ حقیقت ماننی پڑے گی کہ اسلام ہی ہر طریقے ہر قوم کے ساتھ ایسا

ایسا شاندار سلوک فرماتا ہے کہ ہر غلام۔ آقا۔ مزدور، مالک، غریب۔ امیر۔ شریف اور مجرم۔ نیک، بد۔ بیمار۔ تندرست سب اپنی اپنی جگہ اطمینان کی زندگی گذارتے ہیں۔ پھر اسلام نے ایسے حقوق بیان فرمادیئے کہ ان کو اپنا کر خاوند۔ بیوی۔ اولاد۔ والدین۔ آس پڑوس شہری۔ دیہاتی کبھی جھگڑا نہیں کرسکتے۔ فساد تب ہی ہوتے ہیں جب حقوق غضب کیے جائیں۔ کسی دین نے کوئی حقوق نہ بتائے بلکہ گھریلو زندگی۔ شادی۔ بیاہ رسم ورواج کی طرف تو کسی دین نے توجہ تک نہ کی۔ ہر شخص اپنی عقل سے جو مرضی ہے خود سری کرتا پھرے۔ مگر اسلام ایسی کسی بے ضابطگی بے راہروی کو برداشت نہیں کرتا۔ کیونکہ عقل انسانی یہاں بھی ناکافی ہے۔ ہم نے جواب تک اسلام کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ وہ فقط زبانی باتیں نہیں بلکہ ہر چیز ہماری کتب دینی میں مرقوم ہے۔ جس سے غیر مسلم ذی عقل بھی ناواقف نہیں۔ ان خوبیوں کی بناء پر اسلام ہی عالمگیر اور آخری دین الٰہی اور تمام کائنات کو اپنے دامن شفقت میں لینے کا حقدار ہے۔ اگر یہ دین تمام عالم انسانیت کو دعوتِ اسلام دے تو اس کا ازلی ابدی حق ہے۔ کیونکہ اسلام کے پاس سب کو سنبھالنے کی قوت۔ سب کو پالنے کا سرمایا اور سب کو مطمئن کرنے کی صلاحیت اور سب کو نبھانے سنوارنے بگڑنے سے بچانے کے ضابطے اور لازوال قانون ہیں۔ ایسے دین کے ہوتے ہوئے کسی ایسے دین کو تبلیغ یا دعوتِ عام کا حق نہیں پہنچتا جس کے پاس ایسا کوئی ضابطۂ حیات نہ ہو۔ **اسلام کی انیسویں خوبی** : دنیائے انسانیت میں سب سے بڑی تحریک اور سب سے زیادہ خطرناک نقصان دہ بیماری فرقہ پرستی اور تفرقہ بازی کی ہے کہ اس بیماری نے گھروں کو اجاڑا۔ قومیت کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ مذہبی دینی قوت کو مفلوج کردیا۔ مذہبی سلطنتوں کو خانہ جنگی سے تباہ کیا۔ اتحادِ ملی کا شیرازہ بکھیر دیا اور یہ بیماری اور دشمن کی سازشی تحریک صدیوں سے ہر دین میں چلی آرہی ہے۔ کوئی مذہب اس فرقہ بازی کی لعنت سے محفوظ نہ رہا مگر کسی بھی دین نے اس بدترین بیماری کے روکنے کی کوئی ابدی دائمی مؤثر تدبیر نہ بتائی یہاں بھی دینِ اسلام ہی ایسی مضبوط اور دائمی اثر کرنیوالی لائن پر مسلمانوں کو چلاتا ہے کہ قومِ مسلم جہان بھر میں اتحاد واتفاق پر مجبور ہو جائیں دیکھو اسلام میں عباداتِ الٰہیہ کی اتنی کثرت ہے کہ مسلمان کا کوئی دور عبادت سے خالی نہیں ہوسکتا سالانہ، ماہانہ، ہفتہ وار۔ روزانہ۔ شبانہ یومانہ۔ غرض کہ چوبیس گھنٹے عبادت خداوندی سے خوشکن پر ہیں گویا کہ مسلمان ہر ساعت ہر حالت میں عبادت ہی کررہا ہے یہ لذت بھی کسی دین والے کو حاصل نہیں۔ اسی بناء پر اسلام نے مسلم عبادات کو دو طرح تقسیم کیا۔ ۱۔ انفرادی عبادت۔ مثلاً سال بھر روزمرہ فرضی، نفلی، واجبی

عبادات ہے۔ اجتماعی عبادت مثلاً سال کے مخصوص دنوں میں فرضی واجبی عبادات اسلام نے مسلمانوں کے سب دنیوی کام اور انفرادی عبادات کو سورج سے متعلق کر دیا اور اجتماعی عبادتوں کو چاند سے۔ چاند سے جن عبادتوں کو متعلق کیا گیا وہ رمضان کا ماہِ صیام۔ عیدین۔ حج ہے۔ ان سے ہر نیک و بد مومن کی خوشیاں وابستہ ہیں۔ ان عبادتوں میں چاند سے وابستگی کی ہزاروں حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ مگر عام فہم حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ منشاء اسلام یہ ہے کہ مسلمان اپنی اجتماعی خوشیوں میں ایک دوسرے سے جدا نہ رہ سکیں۔ اپنی نادانی سے ہزار فرقہ بازی کرتے رہیں مگر دوسری قوموں کی طرح ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکیں اور فرقے بازی یا شرارت پسند عناصر کے مہلک اثرات سے بچ جائیں اور تفرقوں کی منافرت مٹانے پر مجبور ہو جائیں اور اگر جہالت و خود غرضی کی بناء پر فرقہ بازی کی وجہ سے سال بھر ایک دوسرے کو بُرا کہتے رہیں مگر جب ماہ رمضان یا عیدین قریب ہوتے ہیں تو بلا امتیاز فرقہ و گروہ ہر مسلمان مفکر خطیب علماء اسلام۔ لیڈران قوم چاند دیکھنے گواہی لینے اور دنیا بھر کے مسلمانوں سے رابطہ رکھنے میں مجبور ہیں۔ اسلام نے سب کو مل بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ جب رویت ہلال کمیٹی کی صورت میں سب فرقے والے مل بیٹھیں گے تو دوستی اور ایک دوسرے کی رائے کا احترام بھی ہوگا۔ آنا جانا بلانا بھی ہوگا۔ یہ کچھ ایسے شاندار ضابطے ہیں کہ مسلمان ان کو اپنی مرضی سے بند کر سکتا ہے پھر نہ ختم کر سکتا ہے نہ چھوڑ سکتا ہے۔ پھر ایک دو سال کے لیے بلکہ تاقیامت ہر مسلمان کو سال میں تین دفعہ تو مل کر بیٹھنا، دوستی کرنا ہی پڑتی ہے۔ اس طرح اسلام نے مسلمانوں کی تفرقے بازی اور آپس کی منافرت کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ پھر بھی اگر مسلمان فرقے بازی سے باز نہ آئے تو یہ اس کی نفسانی بدبختی ہے۔ جب ایک چاند کے لیے سب مسلمان دوستی اور محبت سے جمع ہو جاتے ہیں۔ تو ایک اللہ ایک رسول پاک ایک قرآن مجید ایک نبی کی حدیث ایک آقا کے صحابہ کی ایک رب کے ولیوں کی محبت میں جمع نہ ہوں تو کتنی نادانی ہے۔ اسلام نے ایسے مضبوط اور شاندار طریقے سے فرقے بازی کو مٹایا جس کی مثال کسی دین میں نہیں غیر مسلموں کی خوشیاں کرسمس ہولی، دیوالی وغیرہ جس طرح منائے جاتے ہیں۔ اولاً تو ان کی مذہبی کتاب میں اس کا ہی ثبوت نہیں۔ مگر پھر بھی ان تیوہاروں سے مذہبا کسی طرح فرقے بازی ختم ہونے کا کوئی طریقہ نہ سمجھایا جس پر چلنے کے لیے غیر مسلم اپنی فرقے بازیوں سے بچکر متحد ہو کر بیٹھنے پر مجبور ہو جائے۔ کرسمس ہولی۔ دیوالی وغیرہ آکر گزر بھی جاتے ہیں۔ مگر سب غیر مسلم فرقے والے ایک دوسرے سے دور ہی رہتے ہیں ان کے دین نے ان کو اتحاد باہمی پر بالکل مجبور نہ کیا۔ مگر مسلمان یک روزہ

عید منانے میں جدا نہیں رہ سکتا۔ فرقے بازی کی سازش سے تو ہر دین متنفر ہے۔ مگر اس سازش کی اگر کسی دین نے توڑ کی ہے۔ تو وہ اسلام ہے۔ یہ تو اسلام کی وہ ظاہری اور عام فہم خصوصیات ہیں جن کو غیر مسلم بھی ذرا سے غور و تفکر کے بعد سمجھ لے گا اور تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا۔ لیکن اسلام کی باطنی، روحانی، ایمانی، عرفانی اور اُخروی فلاح و بہبود اور آخرت کی عظمت کے حاصل کرنے کے لیے اسلام میں روحانی خوبیاں بھی بے شمار ہیں۔ **اسلام کی بیسویں خوبی؛** اسلام کے ظاہری باطنی قانون کچھ اس طرح مضبوط اور اٹل بنے ہیں کہ ان کو دیکھ کر خود بخود اندازہ ہو جاتا ہے کہ آخری دین تو یہ ہے۔ کیونکہ انسان جب تک بچہ ہوتا ہے اس کے لیے کوئی قانون یا ضابطہ اٹل اور مکمل نہیں بنایا جاتا۔ بلکہ اس کی خوراک لباس باتیں تعلیم اور گھریلو ماحول بدلتا رہتا ہے۔ نہ ہی کسی ایک قانون کا اس کو پابند کیا جاتا ہے۔ بلکہ قانونِ زندگی بھی اس کے حالات کے اعتبار سے تبدیل کیے جاتے ہیں۔ مگر جب وہی انسان مکمل تندرست جوان ہو جاتا ہے تو اب ہر چیز اس کی مکمل اور مضبوط کر دی جاتی ہے۔ خوراک۔ لباس اور قانونِ حیات اس پر متغیر نہیں ہوتے۔ یہی حال کچھ روحانیتِ انسانیت کا ہے کہ ادیان اور انبیاء مختلف آتے تبدیل ہوتے رہے۔ کسی نے صرف شریعت دی۔ کوئی صرف طریقت لایا کبھی نرمی ہوئی کبھی سختی حالاتِ انسانیت کے ساتھ ساتھ الٰہی قانون بھی نرم گرم ہوتے رہے۔ مگر ؎

جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دنیا تو زندگی کے لیے آخری پیام آیا

اور انسان کو خبردار کر دیا گیا کہ اب وہ وقت گیا جب دین دنیا علیحدہ تھے۔ اب تو دنیا کو دین بنانا پڑے گا مومن کا ہر کام شادی غمی مرت۔ زندگی رسم و رواج عید بقرعید کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ چلنا پھرنا غرض کہ ہر فعل کسی قانون اور ضابطے کے ماتحت ہوگا۔ کسی چیز میں انسانی بناوٹ کا دخل برداشت نہ ہوگا۔ وہ ضابطہ اور قانون کیا ہے؟ دین اسلام ہے۔ اے انسانوں سب کام اسلام کے مطابق ہی کرو گے۔ تب ہی مقبول ہوں گے۔ ہر دین والا اپنی خوشی۔ ھولی۔ دیوالی۔ کرسمس۔ نوروز۔ مہرجان۔ وغیرہ اپنی مرضی سے بناتا پھرے مگر مسلمان کی سب عید بقر عید اسلام بنائے گا۔ دیگر ادیان نے اپنی قوموں کو کوئی خوشی نہ بتائی۔ مگر اسلام ہر خوشی میں اس طرح رہنمائی فرماتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے عید و خوشی منانے میں اسلام بھی اس کے ساتھ شریک ہے یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم کی ہر خوشی صرف دنیوی اور جسمانی ہوتی ہے مگر مومن کی ہر عید بلکہ ہر کام دین اور ایمان بن جاتا ہے۔ اسلام نے ایسے طریقے بتائے کہ مومن کی دنیا بھی آخرت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

مرنا تو سب نے ہے مگر کسی دین نے موت کو عید نہ بنایا نہ قبر حشر کے حالات بتائے۔ نہ یہ بتایا کہ موت کیوں آتی ہے۔ کس طرح آتی ہے۔ سب مذہبی کتب ان جوابات سے خاموش ہیں مگر اسلام نے ان کے جوابات دیتے ہوئے اخروی زندگی کا ازلی ابدی اس طرح نقشہ کھینچا کہ مومن کو اپنی موت بھی ایک شاندار عید معلوم ہوتی ہے۔ یہ مضمون جو آج ۸۲-۷-۲۳ کو بریڈ فورڈ میں لکھ رہا ہوں۔ اس سے قبل بہت سے غیر مسلموں کو دکھایا جاچکا ہے اور تحریرًا تقریرًا دعوتِ غور وفکر دی جاچکی ہے۔ مگر بحمدہٖ تعالیٰ آج تک کسی غیر مسلم کی طرف سے اس پر تنقید نہ ہوسکی۔ مندرجہ ذیل سطور میں ادیانِ عالم کا نقشہ کھینچا جارہا ہے۔ جس سے ہر دین کے پورے خاکے کا علم ہوجائے گا اور اندازہ ہوگا کہ کس دین کی کیا حالت ہے۔ اصول وعبادات کیا ہیں۔ پیروکار کتنے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

نمبر شمار	نام دین	عقیدہ	عبادت	مذہبی کتاب	افراد تعداد	بانی مذہب	زمانہ ابتدا	خصوصی علامتیں	حوالہ جات
۲	زرتشتی ازم	زرتشت پیغمبر ہے	روح پرستی	ژند اوستا یا اوستا	ایک لاکھ چالیس ہزار	زرتشت	۶ صدی قبل مسیح	فلسفہ دان	مذاہب عالم ص ۲۰۰ ″ اسلام ص ۱۵۵
۳	جین ″	گوتم بدھ معبود ہے	بت پرستی	کوئی نہیں	سولہ لاکھ	گوتم بدھ	ایک صدی ″ ″	بدھ مت کی نقل	″ ص ۱۹۶
۴	آریہ ″	کرشن اوتار ہے	فطرت پرستی چھوت چھات	وید	۲۵ لاکھ	کرشن گوپال	آدم علیہ السلام سے پرانا	تعصب و تعصب	″ ص ۲۰۱
۵	بت پرستی ″	شرک	لکڑی یا پتھر پرستی	″ ″	بجز اسلام و یہود و نصاریٰ کی سب	ہندی ابن نوح		اللہ کا شریک کرنا	انسائیکلوپیڈیا ص ۱۰
۶	بدھ ″	ترک دنیا	زہد و مراقبہ	″ ″	[illegible]	گوتم بدھ لقب ساکیہ منی	پانچ صدی ق م	خون نہ بہاؤ	مذاہب عالم ص ۱۵۰
۷	شنتو ″	ہر خوفناک چیز معبود ہے	آفتاب پرستی	جیکی ٹیکی شیگی	[illegible] چار کروڑ ۵۰ لاکھ	قدیم بادشاہ	آٹھ صدی ق م	اشیاء عالم کی [illegible]	″ ص ۲۵۰
۸	تاؤ ″	بادشاہ ہمارا حق ہے	جادوگری	تاؤتی کن	۵ کروڑ	لاوتسے	چھ صدی ق م	جنگ وجدال	″ ص ۲۲۱
۹	کنفیوشی ″	علم و فکر انسانی ہے	خدمت خلق	نظریہ طریق	ایک کروڑ	حکیم کنفیوشس	چھ صدی ق م	علم پڑھنا [illegible]	″ ص ۲۰۹
۱۰	سکھ ″	عبادت ترک ہے توحید فقط	گرنتھ پڑھنا	گرنتھ صاحب	۶۲ لاکھ	گرونانک	سنہ ۱۵۶۳ء	[illegible]	تاریخ گرونانک ص [illegible]
۱۱	ہندو ″	شرک تمام	آفتاب بت پرستی	گیتا	۲۴ کروڑ اچھوت ۵ کروڑ	نامعلوم	دو صدی قبل مسیح	[illegible]	مذاہب عالم ص ۲۳۹
۱۲	یہودیت ″	عزیر ابن اللہ	توریت پڑھنا	توریت زبور [illegible]	ایک کروڑ ۲۰ لاکھ	یہودا کے نام سے	آٹھ صدی ق م	اپنی شریعت [illegible]	″ ص ۲۹۶
۱۳	عیسائیت ″	عیسیٰ ابن اللہ	انجیل پڑھنا	انجیل مقدس	۷۰ کروڑ	حضرت عیسیٰ	۵ صدی قبل ہجرت	[illegible]	″ ص ۲۶۷
۱۴	دین اسلام	توحید و رسالت	خدا پرستی علم [illegible]	قرآن و حدیث پاک	۷۵ کروڑ	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۱۴ صدی قبل	[illegible] شفقت و محبت	″ ص ۴۲

مذاہب اسلام کا مصنف نجم الغنی رحمہ اللہ ۔ مذاہب عالم کا مصنف احمد عبداللہ المداسی رحمہ اللہ

اسلام کی اکیسویں خوبی: اسلام صرف زبانی اور وقتی نعروں کو پسند نہیں کرتا، بلکہ عملی تبلیغ کو اولین مقام عطا فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کو لانے والے ہادیِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدائی تبلیغ اپنے ذاتی عمل اور کردار کے اسوۂ حسنہ سے قوم کو فرمائی اور خطا پیشہ انسانوں کے سامنے، اسلام کی بارہ [12] اخلاقی بنیادوں کو بیان فرمایا: ۱ امانت ۲ دیانت ۳ شرافت ۴ لیاقت ۵ عبادت ۶ ریاضت ۷ محبت ۸ شفقت ۹ خطابت ۱۰ رفاقت ۱۱ لطافت ۱۲ نظافت پھر ان کو اس طرح عملی جامہ پہنایا کہ دشمن بھی پکار اٹھے۔ اَنْتَ اَمِیْنٌ اَنْتَ صَادِقٌ اُدْعُ عَلانِیَہ وہ پیکرِ حسن وجمال وجلال ہے۔ جس کی عملی تبلیغ نے غلاموں کو آقا، چرواہوں کو شہنشاہ اور بے پڑھوں کو اخلاقِ حسنہ کا مجسمہ بنا دیا۔ اسی طرز کی تبلیغ غلاموں کو نبی پاک نے فرمائی۔ یہی آپ کی انتہائی ابتدائی تبلیغ تھی جس کے سبب ساری دنیا کو مسخر فرمایا۔ اسلام کی نگاہوں میں وہ شخص سب سے بُرا ہے۔ جو لوگوں کو اچھائی اور نیکی کرنے کا حکم دے لیکن خود اعمال افعال کردار لباس۔ رہائش خوراک میں اسلام اور اچھائیوں سے دور ہو۔ اسلام کے نزدیک اللہ کی باتیں نہ ماننے کا نام کفر ہے اور اللہ کی باتیں اس چودہ سو سالہ دور میں صرف اسلام اور دین نے بتائیں اور یہ اس کا چیلنج ہے۔ جو آج تک کسی نے قبول نہیں کیا، اسی لیے مسلمان حق بجانب ہیں۔ کہ ان لوگوں کی طرف کفر کو منسوب کردیں۔ جو تین چیزوں کے منکر ہوں۔ ۱ توحید و خالقیت و رازقیتِ ربِ تعالیٰ ۲ نبوت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اخلاقِ حسنہ ۳ اسلام اور اس کی تعلیم۔ چونکہ اسلام کے نزدیک چودہ سو سال سے کوئی دین کسی بھی چیز میں اعمال یا عقائد میں یا اخلاقیات میں منجانب اللہ نہیں ہیں۔ اس لیے ابتداء سے آج تک جس کسی غیر مسلم کو مسلمان کیا جائے گا۔ تو اس کو اس کے سابقہ عقائد و اعمال سے پکی توبہ کرا کر اسلامی نظریات پر کاربند کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے سابقہ دینی نام اور نشانات لباس و رہائش کو بھی تبدیل کیا جائے گا۔ ہاں جس نام یا لباس یا رہائش سے اس کے سابقہ دین و عقائد کا ظہور نہیں ہوتا۔ اس کو تبدیل نہ کیا جائے گا۔ یہی طریقہ کسی کو مسلمان کرنے کا زمانہ نبوی سے آج تک جاری ہے۔ اسی کو پہلے دور میں بیعتِ اسلام کہا جاتا تھا اور آج مسلمان کرنا یا اسلام قبول کرنا، کہا جاتا ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد اسلام کسی کو کسی کام میں من مانی نہیں کرنے دیتا۔ چونکہ اسلام خود ہی انسانی زندگی کا ضابطہ اور خاکہ اسوۂ حسنہ کی شکل پیش فرماتا ہے۔ اس لیے کسی کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں نہ عقائد میں نہ اعمال میں نہ اخلاقیات و رسومات میں لہٰذا جو عقائد میں من مانی اور خود ساختگی کرتا ہے۔ اس کو نظریاتِ اسلامیہ میں کافر قرار دیا جاتا ہے اور جو اعمالِ دنیا کے کسی شعبہ میں من مانی کرتا ہے

اس کو اسلام میں فاسق۔ فاجر۔ گناہ گار کہا جاتا ہے۔ **اسلام کی بائیسویں خوبی** : آج دنیا میں ہر انسان ظاہری صفائی کا خواہش مند ہے اور بعض دین والے جسم تو نہ سہی مگر لباس اور جگہ کو صاف رکھنے کی ہر انسان کوشش کرتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صفائی عقلی طور پر بھی اچھی چیز ہے۔ مگر حیران کن حقیقت ہے کہ کسی بھی دین نے صفائی کا مذہبی حکم نہیں دیا یہ تو اسلام کی ہی بے مثال خوبی ہے کہ جس نے جسم و لباس کے علاوہ زمین کو بھی پاک و صاف رکھنے کو فرض عبادت بنا دیا۔ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ اپنی مسجدوں کو پاک و صاف اور خوب صورت رکھو۔ یہاں تک کہ تھوک اور پانی کے قطرے بھی مت ڈالو اور دوسری حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ اَلْاَرْضُ کُلُّهَا مَسْجِدٌ۔ تمام روئے زمین ہی مسجد ہے عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۷۱ رواہ ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ) اس ایک روایت پاک نے مسلمانوں پر ساری زمین گھر دکان بازار گلیاں، سڑکیں، ہوٹل، ہسپتال وغیرہ پاک صاف ستھرے رکھنا فرض کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ مسلمان کبھی اپنے خالق مالک معبود کی عبادت سے دور نہیں رہ سکتا اس کے پاس عبادت چھوڑنے کا کوئی بہانہ نہیں دریاؤں صحراؤں، پہاڑوں جہاں بھی وقت آ جائے اپنی عبادت سے اس سرزمین کو مزین کر دے مگر دوسرے کسی دین میں اس طرح کی مثال کہاں کون دکھا سکتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوا کہ ہر وقت بندہ کا تعلق اپنے خالق سے صرف اسلام نے ہی جوڑا ہے اور ساری انسانیت کو مذہبی طور پر پاک و صاف رہنے اور رکھنے کا حکم صرف دینِ اسلام نے ہی دیا۔ لہٰذا عقل و خرد اور طبیعتِ انسانی کے تقاضے اسلام ہی پورے کرتا ہے۔ اس لیے وہی تا قیامت عالمگیر دین ہونے کا حقدار، اور وہی ساری کائناتِ انسانیت کو دعوتِ عام دینے کا مجاز ہے کیونکہ اس کے دامنِ بسیط میں ساری اقوام کی تربیت کا سامان موجود ہے۔ اسی کی دعوت کو قبول کرنا کامیابی ہے عقل کے مطابق کسی اور دین کو یہ حق نہیں پہنچتا۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ الصَّوَاب

کَتَبَہٗ : صاحبزادہ اقتدار احمد خاں نعیمی۔ قادری، بدایونی!

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

❖

بتیسواں فتویٰ

اللہ تعالیٰ کے نام اور خصوصی صفت کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا ناجائز ہے

کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے علاقہ لندن میں ایک خطیب نے اپنے خطبۂ جمعہ میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قرآن مجید کی قسم کھانا اور کھلانا جائز ہے۔ بلکہ اپنے ایک اشتہار میں بھی اسکا ذکر کیا ہم نے کچھ علماء سے پوچھا تو انہوں نے اسکو ناجائز کہا اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم بولنا ناجائز ہے۔ خطیب مذکور کہتا ہے۔ کہ بہار شریعت حصہ ۹ صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے کہ قرآن کی قسم جائز ہے۔ نیز خطیب کہتا ہے کہ لوگ دن رات کچہریوں میں قرآن کی قسم کھاتے ہیں۔ اسکے علاوہ خطیب مذکور کہتا ہے کہ قرآن اللہ کی صفت ہے اسلئے قرآن کی قسم کھانا جائز ہے۔

لہذا ہم کو مدلل فتویٰ دیا جائے کہ کیا خطیب مذکورہ کا یہ مسئلہ درست ہے یا غلط۔ دستخط حاجی محمد یونس چشتی بقلم خود۔

الجواب ــــــــــــــــ بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

قانونِ شریعت کے مطابق قرآن مجید کی قسم کھانا یا کھلوانا ناجائز اور گناہ ہے۔ مذکور فی السوال خطیب کا مسئلہ غلط اور تمام دلائل کمزور ہیں۔ صحیح شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ذاتی نام اور دیگر اسماء صفات خصوصیہ مثلاً خالق رازق اور اسی طرح صفاتِ خصوصیہ کے لفظوں سے قسم بولنا جائز ہے۔ یعنی صرف تین طریقے سے قسم کھانا جائز ہے (۱) لفظِ اللہ سے مثلاً اللہ کی قسم (۲) اللہ تعالیٰ کے خصوصی نام سے مثلاً رحمٰن کی قسم۔ غیر خصوصی نام سے قسم کھانا بھی جائز نہیں مثلاً وکیل کی قسم مالک، ملک وغیرہ کی قسم۔ یہ سب قسمیں ناجائز ہیں ہاں البتہ غیر خصوصی نام سے اگر قسم کھانا ہو تو کسی خصوصی نام سے جوڑ کر قسم بول سکتا ہے۔ مثلاً اللہ وکیل کی قسم اللہ بادشاہ کی قسم۔ بعض علمائے کرام کے نزدیک کریم رحیم بھی صفت غیر خصوصی ہے کیونکہ قرآن مجید میں نبی کریم کو بھی رحیم فرمایا گیا اور بعض دیگر لوگوں کو کریم کہا گیا ہے جیسے: ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ: اس لئے ان علماء کے نزدیک صرف یہ کہنا بھی غلط ہے کہ کریم کی قسم۔ رحیم کی قسم۔ ہاں اس طرح کہنا جائز ہے۔ اللہ کریم کی قسم۔ رحمٰن ورحیم کی قسم۔ (۳) صفاتِ خصوصیہ سے قسم کھانا بھی جائز ہے مثلاً کبریائی کی قسم جلال کی قسم وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ غیر اللہ کی قسم پر سخت وعید ہے اس لئے صفاتِ خصوصیہ سے قسم کھانے میں بھی احتیاط یہ ہے کہ ایسے موقع پر صفت خصوصیہ کے ساتھ اضافت کرلی جائے خواہ لفظ اللہ ورحمٰن وخالق۔ رازق معبود کے لفظ سے یا انکی ضمیر واحد مذکر غائب سے مرجع ذہنی رکھکر۔ مثلاً۔ اسکی کبریائی کی قسم۔ یا رحمٰن کے جلال کی قسم۔ عربی زبان میں اس طرح ہے بِاللّٰهِ۔ بِالرَّحْمٰنِ۔

بکبر یانہ۔ وغیرھم۔ہماری یہ تقسیم اور قسم کہنے کے شرعی ضوابط مندرجہ ذیل دلائل سے مستخرج ہیں۔پہلی دلیل۔ عن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من حلف بغیر اللہ فقد کفر او اشرک۔ ترمذی شریف باب النذور ونسائی باب الایمان۔ابن ماجہ باب الکفارات دارمی۔ باب النذور۔ مسند احمد بن حنبل۔دوسری دلیل۔ابو داؤد شریف جلد دوم صفحہ ۱۰۴ کتاب الایمان حدثنا محمد بن العلاء عن ابن ادریس الخ۔ فقال لہ ابن عمر انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من حلف بغیر اللہ فقد اشرک۔ترجمہ دونوں حدیثوں کا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بیشک میں نے خود سنا حضور اقدس آقاء کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی تو وہ مشرک ہوگیا۔سافرمایا کہ وہ کافر ہوگیا۔یہ کسی راوی کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان فرماتے ہوئے کفر کہا تھا یا اشرک۔مگر ابو داؤد کے الفاظ میں یہ لفظ مشکوک بھی نہیں بلکہ فقد اشرک ہے۔تیسری دلیل۔ابو داؤد شریف کے حاشیہ پر ہے قولہ فقد اشرک بلیغاً اشرک غیر اللہ بہ فی التعظیم البلیغ فکانہ مشرک اشراکا جلیا فیکون زجرا بلیغا۔ترجمہ حدیث شریف پاک میں فقد اشرک فرمانے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس شخص نے عظیم ترین عزت اور تعظیم میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو بھی شریک کردیا تو گویا کہ وہ شرک جلی یعنی ظاہر ظہور (کھلم کھلا) سے مشرک ہوگیا لہذا یہ انتہائی سخت رجز اور جھڑک ہے۔چوتھی۔ دلیل ترمذی شریف اور مسند احمد بن حنبل باب النذور میں ہے۔قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اذا حلف احدکم فلیحلف باللہ او یصمت۔ترجمہ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کبھی تم میں سے کوئی مسلمان قسم کھانے لگے تو فقط اللہ تعالیٰ کی قسم اور حلف اٹھائے۔پانچویں دلیل مسند امام احمد بن حنبل۔قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حلفت بالکعبۃ فاحلف برب الکعبہ۔ترجمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص (مدعی علیہ وغیرہ) سے فرمایا کہ جب تو کعبے کی قسم کھانے کا ارادہ کرے تو اپنی قسم میں برب الکعبہ یعنی کعبے کے رب کی قسم کہنا چھٹی دلیل:۔بخاری شریف باب نمبر ا مناقب الانصار اور باب الادب اور باب الایمان اور باب التوحید۔ابو داؤد باب الایمان ترمذی باب النذور نسائی باب الایمان ابن ماجہ باب الکفارات۔دارمی باب النذور۔مؤطا امام مالک اور مسند امام احمد بن حنبل میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا من کان حالفا فلا یحلف الا باللہ۔ترجمہ۔آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار جو شخص بھی کسی وقت قسم کھانے کا ارادے کرے تو صرف اللہ کی ہی قسم کھائے۔دلیل ہفتم:۔ابو داؤد شریف کتاب الاقضیہ جلد دوم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یعنی لرجل حلفہ احلف باللہ۔ترجمہ۔راوی نے فرمایا کہ ایک دفعہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص سے حلف لینے لگے تو آپ نے پہلے اس کو خبردار کردیا سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ہی قسم بولنا۔ان مندرجہ تمام احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور شے کی قسم کہنا ممنوع ہے اور بفرمان نبوت غیر اللہ کی قسم بولنے والا کافر و مشرک ہوجاتا ہے۔آٹھویں دلیل حدایہ اولین جلد دوم صفحہ ۴۵۵ پر ہے۔ ومن حلف بغیر اللہ لم یکن حلفا کالنبی والکعبہ لقولہ علیہ السلام من کان منکم حالفا فلیحلف باللہ او

لیذر کذا اذا حلف بالقرآن لانہ غیر متعارف قال محماہ ان یقول والنبی والقرآن۔ ترجمہ۔ اور وہ شخص جس نے قسم اٹھائی اللہ کے سوا اسکی قسم درست نہ ہوئی یعنی غیر اللہ کی قسم غلط ہے جیسے کہ کوئی شخص کہتا ہو کہ نبی کی قسم اور یا اسطرح قسم کھائے کہ قرآن کی قسم۔ اس طرح قسم بولنی ناجائز ہے۔ مندرجہ بالا حدیث وفقہ سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی قسم بولنی نامناسب ہے لہذا بہار شریعت کا قول ممنوع ہے۔ صاحب ھدایہ نے فرمایا قرآن مجید کی قسم بولنا غیر متعارف ہے یعنی زمانہ نبوی دور صحابہ تابعی تبع تابعی اور ائمہ اربعہ کے زمانوں میں کہیں بھی قرآن مجید کی قسم کھانے کا ذکر یا ثبوت نہیں ملتا۔ نویں دلیل۔ قسم کھانے کے لیے شریعت اسلامیہ میں صرف تین طریقے جائز کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا نمبر۱ اللہ کے ذاتی نام پاک سے جیسے باللہ واللہ تاللہ۔ نمبر۲ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام سے مگر اس میں یہ قید ہے کے وہ نام خصوصی ہو جیسے رحمن رزاق۔ اس طرح الہ معبود۔ غیر خصوصی نام سے بھی قسم کہنا منع ہے۔ مثلاً سمیع بصیر وغیرہ، چنانچہ ھدایہ شریف اولین جلد دوم کتاب الایمان باب مایکون یمینا ومالا یکون۔ ۴۵۴|۱۱ پر ہے۔ قال الیمین باللہ اوباسم آخر من اسماء اللہ تعالیٰ کالرحمان والرحیم او بصفتہ التی یحلف بھا عرفا کعزۃ اللہ وجلالہ وکبریائہ لان الحلف بھا متعرف۔ ترجمہ۔ متن کے مصنف سے فرمایا قسم اللہ تعالیٰ کی ہی ہونی چاہئے یا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کسی نام پاک کی جیسے کہ رحمن اور رحیم یا اس کی صفات میں سے فقط ان صفات کی قسم ناجائز ہے جس سے عرف شریعت میں قسم کھانے کے اجازت ہے جیسے کہ جلال اور عزت اور کبریائی کی قسم اس لیے کہ شریعت کی عرف میں ان ہی صفات کی قسم متعارف وثابت ہے۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ غیر متعارف اور ہر قسم کی صفت سے قسم بولنی جائز نہیں ہے۔ دسویں دلیل۔ چنانچہ خود صاحب ھدایہ اگلی سطور میں صفات الہیہ کی تین اقسام ثابت کرتے ہوئے مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہیں نمبر۱ باری تعالیٰ کی کچھ صفات تو وہ ہیں جو اپنے الفاظ اور معانی میں ہر اعتبار سے صرف ایک ہی معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص صفت ہے فقط ایسی صفت کی ہی قسم کھائی جا سکتی ہے جیسے کبریائی معبودیت جلال۔ عزت وغیرہ کہ اسکا ایک ہی معنیٰ میں اللہ کی خصوصی صفت ہے۔ نمبر۲ اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات وہ ہیں جو چند معنیٰ میں مشترک ہیں اگرچہ ہر معنیٰ میں وہ اللہ تعالیٰ کی ہی صفت ہے مگر مشترک ہونیکی وجہ سے وہ المعنی نہیں ہو سکتی اس لئے ایسی صفت سے قسم کھانی جائز نہیں اور اگر کھائی گئی یا کھلوائی گئی تو قسم درست نہ ہو گی جیسے اللہ تعالیٰ کا علم اس لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ کے علم کی قسم کیونکہ علم بمعنی معلومات بھی ہے چنانچہ فتاویٰ ھدایہ دوم ۴۵۵ پر ہے "قال الا قولہ وعلم اللہ فانہ لا یکون یمیناً لانہ غیر متعارف ولانہ یذکر ویراد بہ المعلوم"

ترجمہ مصنف متن نے فرمایا کہ تمام صفات الہیہ کی قسم کھانی جائز ہے مگر علم اللہ کی قسم منع ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ شریعت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا دوسری وجہ یہ کہ علم کے معنیٰ معلوم بھی ہوتے ہیں اس اشتراک کی بنا پر قسم منع ہو گئی ثابت ہوا کہ قسم اتنا نازک معاملہ ہے کہ ذرا معنوی تغیر سے بھی قسم ممنوع ہو جاتی ہے حالانکہ معلومات الہیہ بھی صفت الہیٰ ہی ہے۔ نمبر۳: باری تعالیٰ کی کچھ صفات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہیں بلکہ کسی اور مخلوق کی بھی وہ صفت ہے۔ اور وہ صفت بول کر کسی اور مخلوق و مجسم کو بھی مراد لیا جا سکتا ہے اس

قسم کی بھی کثیر صفات ہیں مثلاً سمیع و بصیر وغیرہ مگر صاحب ھدایہ نے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے صفت رحمت غضب اور ناراضگی و غصہ کا ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد ہے ولو قال و غضب اللہ و سخطہ لم یکن حالفاً و کذا و رحمۃ اللہ لان الحلف بھا غیر متعارف لان الرحمۃ قد یراد بھا اثرھا و ھو المطر و الجنۃ و الغضب و السخط یراد بھما العقوبۃ "ترجمہ: اور اگر قسم والے نے کہا کہ اللہ کے غضب کی قسم اور یا کہا اللہ کی ناراضگی کی قسم تو قسم درست نہ ہوگی اور اس طرح اللہ کی رحمت کی قسم کھانی بھی منع ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ یہ قسمیں شریعت اسلامیہ میں ان کا کوئی ثبوت نہیں دوم یہ کہ ان صفتوں سے مخلوق بھی مراد لی جاتی ہے مثلاً رحمت سے اس کا اثر یعنی بارش بھی مراد ہوئی ہے اور جنت (یعنی ثواب) کو بھی رحمت کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی غضب اور سخت سے مراد عذاب و سزا یعنی جہنم وغیرہ بھی ہے۔ اس لئے یہ صفات خصوصی نہ رہیں الاحرف استثناء نے صفت کی نفی و استثناء نہ فرمائی بلکہ خصوصیت کی نفی کا اشارہ کیا ہے ان دلائل سے ثابت ہوا ہر مطلقاً صفت کی قسم کھانا بھی جائز نہیں بلکہ بے شمار قیود و شرائط ہیں اسلام کوئی بے ضابطہ دین نہیں اس میں ہر چیز و ہر فعل و عمل کے لئے ضابطے مقرر ہیں ہر بات سنبھل کر کرنی پڑتی ہے یہ کوئی بازیچہ اطفال نہیں کہ جیسی چاہو بے لگام قسمیں کھاتے پھرو۔ ہمارے ان مندرجہ بالا دلائل سے خطیب مذکور کی پیش کردہ دلیل بھی ختم ہو گئی کہ چونکہ قرآن صفت الٰہی ہے اور ہر صفت کی قسم کھانی جائز ہے لھذا قرآن مجید کی قسم جائز ہے یہ باتیں عدم کفر کی نشانیاں ہیں اس لئے کہ قرآن مجید صرف صفت الٰہی ہی نہیں بلکہ گتے کاغذ کتابت سیاہی سلائی کے مجسم مجموعے کو بھی قرآن مجید ہی کہا جاتا ہے۔ جو ہمارے گھروں اور الماریوں لائبریریوں میں رکھا ہوتا ہے۔ جس کو مختلف مطبعوں میں چھاپا او فروخت کیا جاتا ہے۔ کیا کوئی شخص اس ہمارے ہاتھوں میں موجود قرآن مجید کو صفت الٰہی کہہ سکتا ہے؟ کیا باری تعالٰی کی صفت مجسم ہو کر ہماری الماریوں میں مقفل ہو سکتی ہے؟ انسان کو کچھ تو غور کرنا چاہیئے۔ حضرت امام احمد بن حنبل کے ساتھ جب معتزلیوں نے مناظرہ کیا تو آپ نے پہلے واضح فرمادیا کہ ہمارا متنازعہ فیہ مسئلہ وہ قرآن مجید نہیں جو ان مجلہ گتوں کاغذوں میں ہے یہ کاغذ کا مجسم قرآن مجید صفت الٰہیہ نہیں ہے بلکہ صفت الٰہی وہ قرآن مجید جو کلام باری تعالٰی ہے اور جس کا ذات باری تعالٰی سے ازل قدیم میں ہوا چنانچہ رسالہ رد جہمیہ جلد اول صہ ۲۷۰ ہے "قال الامام الکلام الذی کان صدورہ من اللہ تعالٰی فی لازل القدیم یقال لہ ایضا کلام النفی فذالک صفۃ اللہ تعالٰی و قدیم لاما کان بین الدفتین"

ترجمہ: فرمایا امام احمد بن حنبل نے کہ وہ کلام جس کا صدور ازل قدیم میں ذاتی باری تعالٰی جل مجدہ کی طرف سے ہوا جس کو کلام نفسی بھی کہا جاتا ہے وہ ہی رب تعالٰی کی صفت ہے ہم اس کو قدیم کہتے ہیں نہ کہ وہ مجسم قرآن جو گتوں کے اندر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لفظ قرآن دو چیزوں کا نام ہے نمبر ۱ کلام نفسی: نمبر ۲ کلا لفظی: کلام نفسی اللہ تعالٰی کی صفت ہے اور قدیم ہے۔ لیکن کلام لفظی جو ہمارے ہاتھوں الماریوں میں ہے وہ اللہ تعالٰی کی صفت نہیں اور چونکہ قرآن مجید دو نوعیتوں کا ہو گیا اس لئے مندرجہ بالا ضابطہ فقہ اسلامیہ کے مطابق کسی بھی نوعیت کو مراد لے کر قسم کھانا جائز نہ ہوا اس لئے کہ دوسری نوعیت بھی مراد ہوتی ہے بلکہ عام طور پر عوام و خواص کے ذہن میں دوسری نوعیت یعنی مجلہ مجسم قرآن پاک ہی مراد ہوتا ہے ازلی قدیمی کلام نفسی کی طرف کسی کا بھی ذہن نہیں جاتا۔

گیارھویں دلیل میں تقسیم کا استدلال و استخراج قرآن مجید کی متعدد آیات سے ہے۔ قرآن پاک میں تقریباً بہتر دفعہ مختلف آیات میں لفظ قرآن کا ذکر ہے ایک آیت پاک میں ارشاد ہے "بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ" ترجمہ: بلکہ وہ قرآن مجید لوح محفوظ میں (لکھا) ہے اس آیت پاک سے قرآن مجید کا مجسم اور لفظی عبارت ہونا ثابت ہوا ہے یہ تحریر بحکم پروردگار ملائکہ نے لکھی یا خود قلم نے لکھی ملائکہ بھی حادث اور قلم بھی حادث۔ اسی لوح محفوظ والے قرآن مجید کی وجہ سے اس کو کتاب کا نام دیا گیا۔ اس آیت میں قرآن مجید کو مظروف اور لوح کو ظرف بنایا گیا۔ اور لوح بھی حادث حادث کا مظروف بھی حادث ہوتا ہے۔ اس لئے یہ فی لوح محفوظ والا قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت قدیم ازلی نہیں کیونکہ صفات باری تعالیٰ کسی بھی چیز کا مظروف نہیں ہو سکتا مظروف کے لئے تجسم ضروری اور صفات باری تعالیٰ ذات باری تعالیٰ کی طرح جسمانیت سے پاک ہے اس لئے کلام الٰہی قرآن مجید جو کلام نفسی ہے وہ دیگر صفات باری کی طرح مجسم ہونے سے پاک ہیں جیسے کبریائی وغیرہ۔ اور جب اس آیت سے قرآن مجید کی ایک کیفیت صفت باری نہیں تو اس کی قسم بھی ممنوع ہوئی بارھویں دلیل: حدیث مبارکہ سے بھی اس مسئلے کی تائید ہو رہی ہے چنانچہ ابو داؤد شریف جلد دوم کتاب الحدود صہ ۲۵۴ پر ہے اور یہی حدیث پاک ابن ماجہ شریف "باب بما یستخلف اھل الکتاب صہ ۱۶۹ حدثنا علی بن محمد (الخ) عن عبد اللہ ابن مرہ عن البراء ابن عازب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادعی رجلا من علماء الیھود فقال انشدک داعی اقسمتک باللہ الذی انزل التوراہ علی موسیٰ "ترجمہ: حضرت براء ابن عازبؓ سے روایت ہے کہ بے شک آقا کائنات حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی علماء میں سے ایک عالم کو پاس بلایا فرمایا کہ میں تجھ کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے نازل فرمائی تورات موسیٰ علیہ السلام پر کہ کیا تمہاری اس کتاب میں رجم زانی کا حکم ہے یا نہیں (الخ) اس حدیث پاک کی اشارۃ النص یہ ہے کہ قرآن کی قسم کھانا جائز نہیں اس لئے کہ جیسے کلام الٰہی قرآن مجید ہے ایسے ہی کلام الٰہی تورات ہے قرآن مجید بھی صفت باری تعالیٰ اور تورات بھی تو اگر اس قسم کی صفت الٰہیہ سے قسم کھانی جائز ہوتی تو آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی دراز عبارت کہ میں تجھ کو اس اللہ کی قسم کھلواتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی ہے کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ آپ اس طرح فرما دیتے کہ تورات کی قسم کھا۔ عربی میں فرماتے "انشدک التوراۃ" ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن کریم کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ تیرھویں دلیل: خطیب مذکور کی پہلی دونوں دلیلیں تو ٹوٹ گئیں خطیب کی تیسری دلیل کہ لوگ دن رات کورٹ کچہریوں میں قرآن مجید کی قسم کھاتے ہیں یہ دلیل بھی نہایت لغو ہے تین وجہ سے ایک یہ کہ عدالت یا کچہری میں قرآن مجید کی قسم نہیں کھاتے نہ کوئی جج قرآن کریم کی قسم کھلواتا ہے بلکہ اللہ کی قسم کو سخت اور مضبوط کرنے کی حالت میں خوف آخرت و عذاب اجاگر کرنے کے لئے قرآن مجید پر صرف ہاتھ لگوایا جاتا ہے یا فقط سر پر رکھوایا جاتا ہے۔ جس کی مثال ابھی اوپر یہودی کے استحلاف میں ظاہر ہوئی دوم یہ کہ ہماری یہ موجودہ عدالتیں احکام شریعت سے اکثر ناواقف ہیں ان کا کوئی عمل شریعت اسلامیہ کا مسئلہ یا مسلمانوں کے لئے مستند اور دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ فی زمانہ ہماری کچہریوں میں انگریزی قانون جاری ہیں جو انگریزوں کا بنایا ہوا ہے۔ اور انگریز تو خود اپنی بائیبل

کے مخالف قانون عمل اختیار کر رہے ہیں خود موجودہ انگریزوں کی کتاب بائبل میں غیر اللہ کی قسم کو گناہ بتایا گیا ہے۔ پرانا عہد نامہ کتاب پر سیاہ باب نمبر ۵ عبارت نمبر ۸ میں ہے۔ "تجھے کیونکر معاف کروں تیرے فرزندوں نے مجھ کو چھوڑا اور ان کی قسم کھائی جو خدا نہیں ثابت ہوا کہ ادیان سابقہ میں بھی خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا جائز نہ تھی نمبر ۳ خطیب مذکور نے کچہری کورٹ کی مثال غالباً فقہی متعارف کا ثبوت دینے کے لئے بیان کی ہے مگر یہ مزید نادانی ہے کیونکہ فقہاء کرام کے متعارف کا معنیٰ متعارف شرعی ہے نہ متعارف علاقائی ورنہ تو شریعت کھیل بن جائے گا اس لئے کہ رواج تو ہر قوم کا علیحدہ ہوتا ہے اور پھر ہر شخص اپنا علیحدہ علیحدہ تعارف بنا سکتا ہے۔

چودھویں دلیل: فتاویٰ تنویر الابصار مکمل مع شرح در مختار صہ ۲۹۴ پر ہے "فان الایمان مبنیة علی العرف فما تعورف الحلف به فیمین وما لا فلا لا یقسم بغیر اللہ تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبة" ترجمہ: اللہ تعا کے سوا کسی کی قسم کھانی جائز نہیں ہے مثلاً نبی کی قسم قرآن کی قسم یا کعبہ کی قسم یہ سب قسمیں ناجائز ہیں در مختار نے اس کی شرح میں عرف کی قید لگا دی۔ چنانچہ آگے لکھتے ہیں کہ "قال الکمال لا یخفی ان الحلف بالقرآن الان متعارف فیکون یمینا" ترجمہ: کمال نے کہا ہے کہ چونکہ قسم کا مدار تعارف پر ہے پہلے زمانوں میں قرآن کی قسم متعارف نہیں تھی اسلئے منع تھی مگر اب قرآن کی قسم بولنا متعارف ہے اس لئے یہ قسم صحیح قسم بن جائے گی در مختار کی یہ توجیح اگرچہ بہت کمزور اور غلط واحادیث کے سراسر خلاف ہے جیسا کہ ہم نے ابھی پہلے ارشادات نبوت سے ثابت کر دیا مگر فتاویٰ شامی نے در مختار کی اس عبارت کی شرح فرما کر ہمارے موقف اور نظریہ کی بالوضاحت تائید فرما دی چنانچہ فتاویٰ شامی جلد سوم صہ ۷۰ پر ہے "ای لا ینعقد القسم بغیرہ تعالیٰ ای غیر اسمائه وصفاته ولو بطریق الکنایة کما مر بل کرم کما فی القهستانی بل یخاف منه الکفر" (قال کمال۔ الخ) مبنی علی ان القرآن بمعنی کلام اللہ فیکون من صفاته تعالیٰ (الخ) لن التعارف انما یعتبر فی الصفات المشترکة لا فی غیرها" ترجمہ: یعنی اللہ ناموں اور صفات خصوصیہ کے علاوہ کی قسم کھانا ہرگز درست اور جائز نہیں اگرچہ کنایہ طریقے سے ہو جیسا کہ پہلے گزرا بلکہ اللہ کے سوا کی قسم بولنا حرام ہے جیسا کہ فتاویٰ قہستانی میں وضاحت سے لکھا ہے بلکہ اندیشہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم بولنے والا کافر ہو جائے۔ لیکن کمال نے جو متعارف ہونے کا ذکر کیا ہے وہ اس بات پر مبنی ہے کہ قرآن مجید سے اللہ تعالیٰ کا ازلی ابدی قدیم کلام مراد لیا جائے۔ (نہ کہ یہ موجود ہماری المباری والا قرآن) لھذا وہ ازلی قدیمی قرآن پاک چونکہ صفت الٰہیہ ہے اسلئے اس کی قسم جائز ہوگی اس لئے کہ تعارف صرف ان صفتوں میں ہوتا ہے جو مشترک ہیں نہ کہ خصوصی صفات میں۔ اور قرآن مجید غیر خصوصی مشترک صفت ہے اس لئے جب تک اس کو خصوصی صفت نہ بنایا جائے۔ تب تک قرآن کریم کی قسم کھانا جائز نہ ہوگا۔ آج ہمارے اس زمانے میں عوام تو درکنار خواص سے بھی پوچھ کر دیکھ لو کہ قرآن مجید کیا ہے تو وہ اسی کو قرآن مجید کہیں گے جس کو ہم پڑھاتے ہیں کلام قدیم کی طرف کسی کا ذہن تک نہیں جاتا۔ واللہ ورسولہ اعلم

صاحبزادہ اقتدار احمد خان قادری نعیمی۔ مفتی دار العلوم غوثیہ نعیمیہ

فہرست مضامین

۱۔ پہلا فتویٰ: فاسق شخص نیک لوگوں کا کفو نہیں بن سکتا اور طلاق یا طھیا کا بیان، فنعنت النفقہ کا نکاح فسخ ہو سکتا ہے ۱

۲۔ والد اور بیٹے پوتے بیوی خاوند کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قبول نہیں ہوتی بحوالہ ھدایہ جلد سوم ۳

۳۔ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیاں فیصلے کا شرعی طریقہ ۴

۴۔ فی زمانہ مفتی حضرات پر لازم ہے کہ یک طرفہ فتویٰ نہ دیا کریں ۷

۵۔ بیوی کو بہن کہنے سے بھی طلاق پڑ جائے گی بحوالہ تفسیر ابن کثیر ۸

۶۔ مفتی۔ اسلام کن حالات میں نکاح فسخ کر سکتا ہے ۱۱

۷۔ دوسرا فتویٰ عید میلاد النبیؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثبوت ۱۲

۱۳ عید میلاد کی اصل تاریخ بارہ ربیع الاول شریف ہے ۱۳

۸۔ جشن عید میلاد کیا ہے اور اس کی اصلیت وحقیقت ۱۶

۹۔ عید میلاد النبیؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ صفات کا مجموعہ ہے ۱۷

۱۰۔ زمانہ نبویؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میلاد النبیؐ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ۲۳

۱۱۔ جشن آمد مصطفیٰؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روشنی اور چراغاں کا ثبوت ۲۴

۱۲۔ جشن عید میلاد منانے والے بزرگوں کے نام ۲۶

۱۳۔ خوشی اور تعظیم کے وقت کھڑا ہونا جائز ہے۔ ۲۸

۱۴۔ اللہ تعالیٰ نے یادگار منانے کا حکم دیا ۳۰

۱۵۔ جشن میلاد النبیؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دینی دنیوی اور آخروی فائدے ۳۲

۱۶۔ خوابوں کی اہمیت وحقیقت ۳۵

۱۷۔ سعودی فتوے کی فکری نظری غلطیاں اور کذب بیانیاں ۳۷

۱۸۔ جشن میلاد منانے کا مروجہ پاکیزہ طریقہ پہلی محفل ۴۰۔

۱۹۔ جشن میلاد کی دوسری محفل سحر ۴۱

۲۰ جشن میلاد کی تیسری محفل یوم النبیؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۴۴

۲۱۔ قصائد منظومیہ لمیلاد نبویہ ۴۸

۲۲ دعا۔ عید میلاد شریف ۵۱

۲۳ تیسرا فتویٰ حضرت اسماعیل ذبیح

	اللہ ہیں	۵۳
۲۴	کسی شخص کے پیارا ہونے کی وجوہ اور اسباب	۶۰
۲۵	نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک لقب ابن ذبیحین بھی ہے۔	۷۱
۲۶	چوتھا فتویٰ۔ سجدہ سہو کا بیان	۷۳
۲۷	سجدہ سہو واجب ہونے کے لئے شرعی قاعدہ کلیہ	۷۵
۲۸	مفتی اسلام اور مفتی اعظم بننے کے لئے کے لئے کتنے علم کی ضرورت ہے۔	۷۶
۲۹	نماز میں ارکان بنانے کا قانون و قاعدہ	
۳۰	فتویٰ پانچواں غوث پاک کی مدح میں سیف الملوک کے تین۔ شعروں کی شرعی حیثیت کا بیان	۸۱
۳۱۔	علمی مسائل وقوانین کو سمجھنے کے لئے بھی عقل وعلم چاہیئے	۸۳
۳۲	غوث پاک کا فرمان قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی کا معنیٰ۔	۷۵
۳۳	بعض محبتیں کافر بنا دیتی ہیں	۹۰
۳۴	معراج میں روح غوث اعظم کا پہنچنا اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا	۹۱
۳۵	روح اللہ اور روح محمدی میں فرق	۹۳
۳۶	دینی دنیوی تمام مراتب و مدارج روح مع الجسد کو حاصل ہوتے ہیں	۹۷
	نعت خواں مارکہ مولوی اور خطیب قوم کے لئے زہر قاتل ہیں	۹۹
۳۸	چھٹا فتویٰ جرم ثابت کرنے کا شرعی طریقہ	۱۰۱
۳۹	بری شہرت بھی انسان کو شرافت سے نکال دیتی ہے	
۴۰	قوم لوط پر فرشتے نوجوان خوبصورت لڑکوں کی شکل میں کیوں آئے	۱۰۲
۴۱۔	انتم شہداء اللہ فی الارض	۱۰۴
۴۲	زنا اور لواطت میں فرق	۱۰۵
۴۳	برائی اور برے کا حمایتی بھی مستحق عذاب ہوتا ہے	۱۰۵
۴۴	قیامت میں بعض حکام کو سزائیں ہوں گی	۱۱۱
۴۵	ساتواں فتویٰ نامرد کی بیوی کی تنسیخ نکاح کا حکم	۱۱۳
۴۶	لفظ عنین کا ترجمہ اور کونسا مرد عنین ہوتا ہے	۱۱۶
۴۷	عربی لغت میں مرد کی قسمیں	۱۱۸
۴۸	سال شمسی سال قمری سے بڑا ہوتا ہے	۱۱۸
۴۹	امام اعظم کا مسلک نہایت مضبوط ہے باقی ائمہ کا مسلک	

	کمزور ہے	۱۲۰
۵۰	آٹھواں فتویٰ تمام آسمانی کتابیں قرآن مجید توریت زبور انجیل سب اللہ تعالیٰ کا کلام اور صفت الٰہیہ قدیم ہے نہ خالق ہے مخلوق	۱۲۱
۵۱	فرقہ معتزلہ کی ابتدائی تاریخی شخصت	۱۲۵
۵۲	فرقہ معتزلہ کے عقائد	۱۲۶
۵۳	قرآن مجید کے قدیم یا مخلوق ہونے کا مسئلہ	۱۲۷
۵۴	روئداد مناظرہ (از رسالہ جہمیہ حنبلیہ)	۱۲۹
۵۵	ایک سید صاحب اور صاحبزادہ صاحب کے مناظرے کا مختصر بیان	۱۳۵
۵۶	روئداد مناظرہ	۱۳۷
۵۷	مناظرے کے بعد کی روئداد	۱۵۶
۵۸	شاہ صاحب کی غلط تقریر	۱۵۷
۵۹	شاہ صاحب کا اب نیا عقیدہ جس پر شاہ صاحب نے دستخط کئے	۱۵۸
۶۰	وضاحت	۱۵۸
۶۱	فرقہ معتزلہ کے خلاف اسلامی دلائل	۱۶۰
۶۲	سورہ نور کی مختصر صحیح باصول	
	تفسیر	۱۶۸
۶۳	فتویٰ نمبر۹ مجبور خاوند کی تحریر یا زبانی طلاق کا بیان ۔ طلاق دینے کے اعتبار سے خاوند کی قسمیں ۔ کراہ کا پورا بیان	۱۷۵
۶۴	مجبوری میں کیا گیا نکاح ۔ صدقہ، طلاق، عتاق جاری ہوجاتا ہے	۱۸۴
۶۵	ائمہ ثلاثہ کے دلائل کمزور ہیں اور انکے جوابات	۱۸۴
۶۶	علم اصول فقہ میں مجبوری کی تین قسمیں	۱۸۹
۶۷	مجبوری کے شرعی احکام	۱۸۹
۶۸	دسوان فتویٰ ۔ طلاق بالوکالت کا بیان	۱۹۰
۶۹	گیارھواں فتویٰ ۔ بد دیانت لوگونکو مسجد کے انتظام سے نکال دینے کا بیان	۱۹۳
۷۰	بارھواں فتویٰ دارالحرب کے سود کا بیاں	۱۹۷
۷۱	علماء اسلام اور فتویٰ نویسی کی اھمیت	۲۰۱
۷۲	حربی ربوا کے جواز پر دلائل	۲۰۳
۷۳	امام اعظم کے نزدیک سود کی وحدیثیں تین طرح مقید ہیں	۲۰۶
۷۴	علم اسلام کے چار زمانے	۲۱۴
۷۵	سائل کا دوسرا سوال ۔ سود کی	

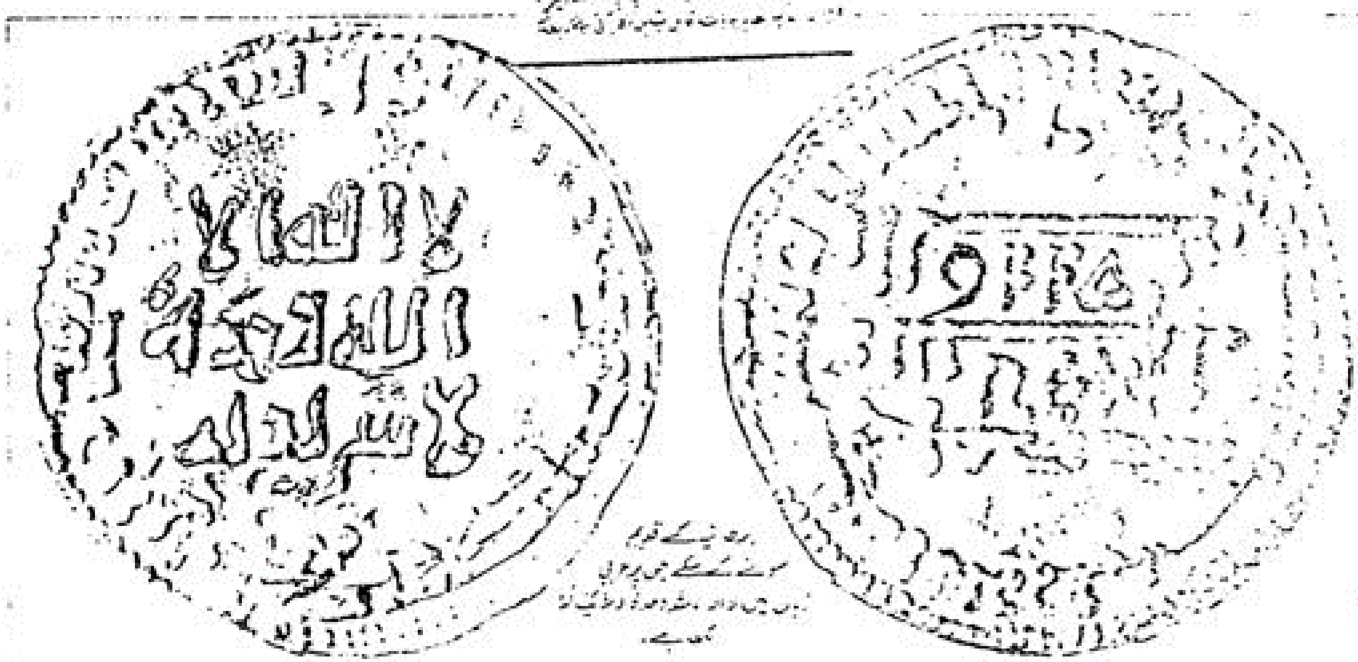
نمبر	عنوان	صفحہ
	تعریف وپہچان کے بارے میں	۲۱۹
۷۶	سائل کا تیسرا سوال ۔ مسلم اور غیر مسلم بینکوں کا فرق	۲۲۳
۷۷	مخالفین کے دلائل کا جواب	۲۲۴
۷۸	امام اعظم کی عظمتیں	۲۲۸
۷۹	امام اعظم اور فہم حدیث	۲۳۰
۸۰	سب سے پہلے فقہ اسلامی کی تدوین امام اعظم نے فرمائی	۲۳۲
۸۱	تیرھواں فتوی ۔ ایک غلط استدلال کا مکمل تردیدی جواب	۲۳۹
۸۲	برطانیہ میں آج سے پانچ صدی پہلے مسلمانوں کی حکومت تھی	۲۳۹
۸۳	چودھواں فتوی ۔ آداب مفتی و قاضی ۔ فیصلہ شرعی لکھنے کا اسلامی طریقہ اور فتوی نویسی کے اصول و ضوابط	۲۵۶
۸۴	پندرھواں فتوی ۔ شریعت اسلامیہ میں مدعی علیہ ۔ قاذف منکر اور مقر کا بیان	۲۷۰
۸۵	سولھواں فتوی ۔ روزہ رمضان کے سحری بند کرنے اور افطاری کا وقت معلوم کرنے کرنے کا مسئلہ	۲۷۴
۸۶	سترھواں فتوی ۔ طلاق بالوکالت کا بیان	۲۸۰
۸۷	اٹھارھواں فتوی ۔ اپنی بیوی کے بارے میں کہنا کہ یہ میری بیوی نہیں ہے اسکا شرعی حکم	۲۸۲
۸۸	کنایہ الفاظ کو جھوٹ کہنا کمزور دلیل ہے	۲۸۷
۸۹	انسواں فتوی ۔ تین مسائل کے بارے میں مختصر ومدلل بیان نمبر ا نفلوں کی جماعت نمبر ۲ میت کے سامنے سجدہ کرنا نمبر ۳ نماز میں جلد بازی کرنا ۔	۲۹۱
۹۰	شریعت میں صرف فرض اور واجب نماز کیلئے جماعت مقرر ہے	۲۹۲
۹۱	نماز کی جماعت کی چھ قسمیں ہیں	۲۹۴
۹۲	مکروہ کی دو قسمیں ہیں ۔ مطلق مکروہ سے تحریمی مراد ہوتا ہے	۲۹۶
۹۳	دوسرے مسئلے کا مدلل بیان	۲۹۶
۹۴	کتنی چیزیں ہیں جن کے سامنے نماز وسجدہ منع ہے	۲۹۷
۹۵	علامہ شامی کا استدلال غلط ہے	۳۰۱
۹۶	سونے والے کے سامنے بھی نماز و سجدہ منع ہے	۳۰۲
۹۷	سعودی حکومت کی ایجاد کردہ بدعتیں	۳۰۳
۹۸	تیسرا مسئلے کی شرعی وضاحت	۳۰۵
۹۹	اکیسواں فتوی ۔ فتاوی رضویہ پر ایک وہابی کے چند جاہلانہ اعتراضات اور انکے جوابات	۳۰۶
۱۰۰	کونسی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا	۳۱۹
۱۰۱	اعلیٰ حضرت کی ایک الجھن کی وضاحت	۳۲۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۲	دیوبندی وہابی لوگوں کے غلط ...	۳۳۰
۱۰۳	بائیسواں فتوی۔ آبِ زمزم شریف کی مکمل تحقیق کہ یہ حضرت اسماعیل کے پیر کی رگڑ سے جاری و ظاہر ہوا	۳۳۳
۱۰۴	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے نکلا ہوا پانی تمام پانیوں سے افضل تھا	۳۴۱
۱۰۵	اللہ تعالیٰ کی تمام بڑی بڑی قدرتیں اَجسامِ انبیا علیہم السّلام سے ہی ظاہر ہوتی ہیں	۳۴۲
۱۰۶	آبِ زمزم کا معنیٰ اور وجہ تسمیہ	۳۴۴
۱۰۷	تیئیسواں فتویٰ۔ ذ... درود شریف کا بیان۔ مجدد الف ثانی کہنے کا معنیٰ۔	[illegible]
۱۰۸	آجکل چند روایتیں ایسی مشہور ہیں جنکا ثبوت نہیں ملتا	۳۵۴
۱۰۹	ذکر اور صلوٰۃ وسلام کا فرق	۳۶۳
۱۱۰	اربعین نعیمیہ فی تذکرۃِ صلوٰۃِ کریمیہ	۳۶۵
۱۱۱	آٹھویں بحث فضائل درود شریف	۳۶۶
۱۱۲	... بزرگوں کے ورد والے چالیس عدد درود پاک	[illegible]
۱۱۳	چوبیسواں فتویٰ۔ طواف میں رُکنِ یمانی کو اُسی طرح چومنا لازم ہے جس طرح حجرِ اسود کو	۳۹۵
۱۱۴	استلامِ رُکن کے چار طریقے	۳۹۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۱۵	استلام رُکنِ یمانی کا ثبوت۔ تین فصلوں میں پہلی فصل احادیث	۳۹۷
۱۱۶	دوسری فصل۔ ائمۂ اربعہ کے مسلک سے ثبوتِ استلامِ یمانی	۴۰۴
۱۱۷	تیسری فصل شارحین اور فقہا کے اقوال سے رکنِ یمانی چومنے کا ثبوت	۴۰۷
۱۱۸	پچیسواں فتویٰ۔ کتنے موقعوں پر سلام کرنا منع ہے	۴۱۱
۱۱۹	وضو کرتے وقت نور کی چادر سر پر آ جاتی ہے۔ اور دنیوی باتیں کرنے سے چلی جاتی ہے	۴۱۲
۱۲۰	وضو کرتے وقت پڑھی جانیوالی دعائیں	۴۱۳
۱۲۱	اٹھائیس قسم کے لوگوں کو سلام کرنا یا جواب دینا منع ہے	۴۱۴
۱۲۲	چھبیسواں فتویٰ۔ زمین کے ایک جگہ ساکن ہونیکا بیان	۴۱۹
۱۲۳	ستائیسواں فتویٰ۔ امامت کرانیکا شرعاً حقدار کون ہے	۴۲۲
۱۲۴	مق... ت کی شان اور ... بیان	۴۲۳
۱۲۵	سیاسی اتحاد میں نماز کو شامل نہیں کرنا چاہئے	[illegible]
۱۲۶	اہلسنت مسلمان سعودی اماموں کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے	۴۲۴
۱۲۷	فی زمانہ اہلسنت کا خصوصی لقب بریلوی ہے	۴۲۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۸	وہابیت تیرہ فرقوں کا نام ہے فہرست المقبوضین (بد عقیدہ لوگ)	۴۲۶
۱۲۹	جس جگہ کسی جاندار کی فوٹو ہو یا فوٹو تصویر والے نوٹوں کا ہار گلے میں ہو تو نماز منع ہے	۴۲۷
۱۳۰	اکتالیس عدد اماموں کے پیچھے نماز منع ہے	۴۲۷
۱۳۱	اٹھائیسواں فتویٰ عید الفطر کے متعلق چند مولویوں کے غلط فیصلے کی مکمل بادلائل تردید	۴۲۸
۱۳۲	جنگل میں عیدگاہ بنانے کی حکمت اور	۴۳۲
۱۳۳	۔ ...صبح کو کیوں منائی جاتی ہیں	۴۳۳
۱۳۴	عبادات کی قسمیں	۴۳۵
۱۳۵	...ر کے تین معنیٰ ہیں	۴۴۱
۱۳۶	...یواں فتویٰ ۔ رویتِ ہلال کا مسئلہ	۴۴۳
۱۳۷	چاند سورج سے کس طرح روشنی لیتا ہے	۴۴۹
۱۳۸	ایک مقالہ ۔ رویتِ ہلال کے بارے میں	۳۰۱
۱۳۹	تمیسواں فتویٰ ۔ بعد نماز باجماعت پنجگانہ بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا	۴۵۶
۱۴۰	بعد نماز ذکر بالجہر کے بارے میں پیر اختر حسین صاحب ۔ اختر حسین سجادہ نشین علی پور کا لاجواب ہونا	۴۶۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴۱	اکتیسواں فتویٰ ۔ صرف اسلام ہی عالمگیر دین ہو سکتا ہے	۴۷۰
۱۴۲	اسلام دینِ مصطفوی کا نام ہے	۴۷۱
۱۴۳	اسلام تلوار سے نہیں حُسنِ اخلاق سے پھیلا اور کوئی دین بھی تلوار سے نہیں پھیل سکتا ۔ کیونکہ دین دلوں پر قبضہ کرتا ہے	۴۷۲
۱۴۴	اسلام کی خصوصی اور انوکھی خوبیاں	۴۷۳
۱۴۵	نماز کی ادائیگی کیلئے پانچ علوم سیکھنے ضروری ہیں	۴۷۵
۱۴۶	پنجوقتہ اور جمعہ و عیدین و حج کا دنیوی فائدہ	۴۷۶
۱۴۷	کفار دنیا سازی کیلئے اور مسلمان آخرت بنانے کیلئے پیدا کیے گئے ہیں	۴۸۰
۱۴۸	انسان کے اندر چھ فطرتی امانتیں ہیں	۴۸۳
۱۴۹	اسلامی عبادات دو طرح تقسیم ہیں	۴۸۶
۱۵۰	نمبر ۱ انفرادی: نمبر ۲ اجتماعی	
۱۵۱	تمام دنیا کے دین اور مذاہب کی فہرست	۴۸۹
۱۵۲	اسلام کی بارہ عدد اخلاقی بنیادیں	۴۹۰
۱۵۳	تمام زمین اسلام کی مسجد ہے اور مسجد کی زینت و صفائی فرض ہے	۴۹۱
۱۵۴	بتیسواں فتویٰ ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی قسم بولنا منع ہے	۴۹۲
۱۵۵	کعبہ ۔ قرآن مجید کی قسم کھانا بجوا...	



آٹھویں صدی میں برطانیہ پر مسلمانوں نے حکمرانی کی تھی

علامہ سید شبیر بخاری کے دورۂ یورپ اور امریکہ کے تاثرات

العطایا الاحمدیہ

فی

فتاویٰ نعیمیہ

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خاں نعیمی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

مجموعہ

العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ

۱۳۹۶ھ و ۱۹۷۶ء

جلد چہارم

مُصنّفہ

مفتی دار العلوم غوثیہ نعیمیہ و شیخ الحدیث

صاحبزادہ اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

ملنے کا پتہ نعیمی کتب خانہ گجرات

ناشر ضیاء القرآن پبلیکیشنز ۹، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
فون: ۷۲۲۵۰۸۵ - ۷۲۲۱۹۵۳

نام کتاب ——— العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ

جلد ——— چہارم

نام مصنف ——— صاحبزادہ اقتدار احمد خان قادری اشرفی

اشاعت ——— نومبر ۱۹۹۹ء

تعداد ——— ۱۱۰۰

کتابت ——— سیف اللہ شاہد کاتب حضرت کیلیانوالہ

ہدیہ ———

ناشر ——— نعیمی کتب خانہ گجرات
ضیاء القرآن لاہور

ملنے کا پتہ

نعیمی کتب خانہ احمد یار خان روڈ گجرات پاکستان

۷۸۶ ——————— ۹۲

فتوی ۔ تمام مسلمان مردوں کو خواہ کسی بھی عمر والا ہو کالا خضاب لگانا حرام ہے

سوال نمبر ۱:۔
کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ کیا مسلمان مرد اور عورت کو جب کہ اُس کے بال بڑھاپے سے سفید ہو جائیں۔ سر یا داڑھی پر کالا خضاب لگانا جائز ہے یا حرام یا مکروہ تنزیہی یا تحریمی۔ آج کل اکثر مساجد کے امام داڑھی اور سر کے بالوں پر بالکل سیاہ خضاب لگاتے ہیں اور امامت بھی کراتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جائے تو کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیتے مگر خضاب لگانے سے باز بھی نہیں آتے۔ ابھی حال ہی میں مکتبہ ضیاءُ القرآن لاہور کی مطبوعہ ایک چھوٹی سی کتاب ہماری نظر سے گزری جو تقریباً اٹھائیس صفحات کی ہے۔ اُس کے مصنف خطیبِ اہلِ سنت علامہ اوکاڑوی ہیں۔ ہم ان کو بہت اچھی طرح بچپن سے جانتے ہیں پہلے یہ نعت خوان تھے پھر دینی علوم حاصل کر کے عالم دین بنے اہلِ سنت والجماعت کے بہت بڑے قابلِ فخر خطیب ہیں۔ مولانا قبلہ غلام علی اکاڑوی صاحب کے شاگرد ہیں۔ وعظ اور تقریروں کی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ نقشبندی سلسلے سے ہیں خود کو سنی بریلوی کہتے ہیں مگر یہ کتاب دیکھ کر ہم کو افسوس بھی ہوا اور حیرانی بھی۔ کہ انہوں نے کالے خضاب لگانے کو جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ تمام علماءِ اہل سنت اس کو حرام کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلوی امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو حرمتِ خضابِ سیاہ پر ایک کتاب لکھی ہے اُس کے ہوتے ہوئے پھر جواز پر کتاب لکھنا ہم نہیں سمجھتے کہ ایک بریلوی سنی کے لیے یہ کہاں تک مناسب ہے۔ اس لیے آپ کے آستانے پر رجوع کر رہے ہیں کہ آپ اس کتاب کا مکمل جواب تحریر فرمائیں اور مکمل تردید فرماتے ہوئے اعلحضرت کا مسلک روشن فرمائیں۔ اس وقت آپ کے سوا کوئی ایسا صاحبِ قلم عالم نظر نہیں آتا جو ہماری

علمی تشنگی دور کر سکے۔ بَیِّنُوا تُوجَرُوا۔
دستخط سائلین۔ منجانب علماءِ اہل سنت سیالکوٹ وڈسکہ۔
عبداللطیف شیرازی وغیرہ 9/9/91

بعونِ العلّام الوہاب

الجواب

آپ کا مرسلہ استفتاء اور کتاب مسمّٰی ء مسئلہ سیاہ خضاب۔ وصول ہوئی۔ میں نے اس کتاب کا بہت غور سے مطالعہ کیا، اس کتاب کی علمی کمزوریوں نے مجھے حیران کر دیا مزید حیرانی یہ کہ ٹائٹل پر القابات کے سلسلے میں حضرت علامہ مرحوم کو مجددِ مسلک اہل سنت بنایا گیا ہے۔ حضرت علامہ کو میں بھی بہت اچھی طرح قریب سے جانتا ہوں۔ مگر ان کی اس کتاب کا مجھ کو علم نہیں تھا۔ حضرت علامہ اب وفات پا چکے ہیں اس لیے ان سے تو کچھ استفسار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اُن کی زندگی میں جب ایک دفعہ گجرات شہر میں میری اُن سے ملاقات ہوئی اور ان کی خضاب سیاہ لگی داڑھی مبارک کی وجہ سے ان کی اعزازی امامت میں اُن کے پیچھے میں نے باجماعت نماز پڑھنے سے انکار کر دیا تو وہ از راہِ احترام یا لحاظ مصلّے سے ہٹ گئے تھے اور نماز نہ پڑھائی تھی بعدہٗ میں نے مسئلہ خضاب پر اُن سے گفتگو کرنا چاہی تو یہ فرما کر کہ اس وقت میرا ذہن اِس مسئلے پر حاضر نہیں ہے۔ معذرت چاہ لی تھی ایک اور ساتھی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے صاحبزادہ سے اس مسئلے پر گفتگو کیوں نہ فرمائی تو بقول اُس ساتھی کے فرمایا کہ یہ میرے استاد کا استاد خانہ ہے میں یہاں کسی مسئلہ پر مباحثہ نہیں کر سکتا۔ حضرت علامہ کمال نیاضانہ طبیعت کے مالک تھے اور ہم میں سب سے زیادہ اخلاقِ حسنہ والے کسی مسئلے پر اختلاف ہونا علیحدہ بات ہے مگر جہاں تک علمی قابلیت اور وجاہت بشری کا تعلق ہے تو حضرت مرحوم بہت بلندیوں پر تھے۔ اس کتاب کی علاوہ دیگر کتب عظیم علمی سرمایہ ہے۔ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار تھے۔ تمام اہل سنت اور خاص کر اہل کراچی پر آپ کے علمی احسانات بہت ہیں۔ وہ مفتی شفیع دیوبندی جن کو وہابیوں اور اہل دیوبند نے خدا بنایا ہوا تھا ان کی طاغوتیت کو اگر کسی نے توڑا تو وہ

ان کی ہی باکمال ذات تھی ان کارہائے درخشاں کو بھلایا نہیں جا سکتا۔میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اُن کے خاندانی چمن میں ہمیشہ بہار رہے۔آپ کی مرسلہ کتاب جو غالباً اُن کی وفات کے بعد پہلی مرتبہ طبع ہوئی اس کے مسئلے سے مجھ کو واقعی اختلاف ہے جس کا تردیدی جواب بھی ضرور ضرور آپ کو دوں گا کیونکہ آپ کے استفتا کے بعد یہ تسلی بخش جواب دینا مجھ پر فرضِ علمی ہے مگر تعظیمی اعتبار سے حضرت علامہ مرحوم کی یہ کتاب بہت اہمیت اور ادب والی ہے۔مسئلہ دلائل اگرچہ کمزور ہے لیکن طرزِ تحریر بہت میٹھی باادب واحترام ہے۔رہا ٹائٹل پر لفظ مجدد کا لقب لکھنا تو اس بات کا مجھ کو یقین ہے کہ ان کی خواہش سے یا اُن کے اپنے قلم سے یہ نہیں لکھا گیا بلکہ بعد کے کسی ایسے عقیدت مند نے یہ لکھا ہے جو مجدد کی شرعی حیثیت اور اسلام کے اس اعلیٰ منصب کی حقیقت سے قطعاً ناواقف ہے یہ منصب وھبی ہے کسبی نہیں جو کسی ڈگری سند، سرٹیفکیٹ، یا تمغہ کی طرح کسی تھالی میں رکھ کر پیش کر دیا جائے اور جسے چاہا دیدیا جائے یا جو شخص چاہے جس کو چاہے مجدد بناتا پھرے یہ مرتبہ عظمیٰ تو خاص عطیۂ الٰہیہ ہے۔جس کو حاصل کرنے اور نبھانے سنبھالنے کے لیے ہزار ہا صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔فی زمانہ اسلامی مناصب۔مدارج اور دینی ذمہ داریوں والے مخصوص تعارفی صفاتی القابات کا استعمال ایک فیشن بنتا جا رہا ہے۔ہر شخص مفتی و علامہ اور مجدد و مجتہد بنا پھر رہا ہے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں جب کہ دنیوی عہدوں میں کوئی اپنے آپ کو پولیس کا سپاہی یا تھانیدار نہیں کہہ سکتا۔ڈی۔سی۔ایس پی۔کہنا کہلوانا یا لکھنا تو بڑی بات ہے اور اگر کوئی بیوقوف ایسا کرے بھی تو اُس کو جعلی تھانیدار بننے کے جرم میں گرفتار کر کے قانونی سزا دی جاتی۔کہ یہ اس عہدے اور منصب کی توہین ہے۔مگر آج اسلامی عظیم عہدوں کی کوئی بھی توہین کرتا پھرے کوئی گرفت نہیں۔لیکن کوئی شخص یہ نہ بھولے کہ جس طرح جعلی تھانیدار وغیرہ بننا اس عہدے کی توہین ہے اور ایسے جعلی بننے بنانے والوں کو ملکی قانون سزا دیتا ہے۔اسی طرح جعلی مفتی۔مجدد مجتہد وغیرہ بننا بنانا بھی ان اسلامی عہدوں کی توہین و گستاخی ہے جس کی سزا آخرت میں یقیناً ملے گی اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔دنیا میں تو لوگوں نے اس چیز کو کھیل بنا لیا ہے لیکن آخرت میں۔دیگر جرائم کی طرح اس جرم کا پتہ چل جائے گا۔نیز مجدد

مسلک اہل سنت لکھ کر۔ لکھنے یا لکھانے والے نے مزید نادانی کا ثبوت دیا کیونکہ اضافت سے مجددیت کو تقسیم کر دیا۔ حالانکہ یہ خدا داد عہدہ علاقہ یا حصہ دار عملی یا علاقائی منصب نہیں ہے تو بفرمانِ حدیثِ مقدس۔ ہر صدی بعد پورے عالمِ اسلام کے لیے ایک ہی خوش قسمت و با اصلاحیت شخصیت پر عطیۂ الٰہیہ ہوتا ہے اور اسلام کے ہر شعبہ میں پورے سو سال تک اس ہی ایک مجدد منجانب اللہ کے فیوض و برکات و تجدیدی کارنامے جاری و طاری رہتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص مجددِ مسلک اہل سنت ہو اور دوسرا کوئی مجدد مسلک اہل حدیث ہو۔ یا نماز کا مجدد علیحدہ زکوٰۃ کا مجدد علیحدہ۔ صبح کا علیحدہ شام کا علیحدہ۔ پھر تو ایک ایک وقت میں سینکڑوں مجدد بنتے چلے جائیں گے ہر شوقین آدمی اپنے گھر کا علیحدہ مجدد بن بیٹھیگا۔ یہی وہ غلط عقیدت مندی ہے جو قیامت کی نشانیاں ہیں وَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى یہ تو تھا پہلے ٹائٹل کی القابی عبارت پر تبصرہ اور شرعی گرفت اب آئیے اندر کے مسئلے کی طرف تو چونکہ اس مسئلے کے جواز پر میرے پاس ایک چھوٹی سی اور مکمل کتاب بھیجی گئی ہے اس لیے میں بھی اس کا تحریری تردیدی جواب صرف سطری فتوے کی شکل میں نہیں بلکہ مکمل ہر ہر سطر کا مدلل جواب دیتے ہوئے ایک کتاب ہی کی شکل میں پیش کروں گا۔ اور اصول جواب کے مطابق پہلے شرعی مسئلہ اور کالے خضاب کا اسلامی حکم۔ پھر اس کے تمام دلائل اور پھر دیگر فقہاءِ کرام ائمہ مجتہدین کے نظریات و مسلک اور پھر حضرت محترم علامہ مرحوم کے پیش کردہ تمام دلائل کا نمبروار جواب تاکہ موافقین سائلین کی تسلی و تشفی کے لیے اور مخالفین کی مزید مخالفت و اعتراض و سوال کرنیکی کی رکاوٹ میں کوئی گوشہ تشنہ یا کسر باقی نہ رہے سب توفیقیں میرے اللہ تعالیٰ کو ہیں وہ ہی مجھ پر اس تحریر میں آسانیاں اور درستیاں نازل فرمانے والا ہے وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔

قانونِ شریعت کے مطابق متفقہ طور پر تمام ائمہ اربعہ مجتہدین کے نزدیک مسلمان کو اپنے سر اور داڑھی شریف کے بالوں پر بالکل سیاہ خضاب لگانا قطعاً حرام ہے جو دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہے۔ اگرچہ متعدد احادیث سے اس کی حرمت ثابت ہے اور ایک مسلمان کی تسلی کے لیے تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی کافی ہیں۔ مگر فی زمانہ مخالفین کے جاہلانہ اعتراض کے پیش نظر۔ احادیثِ مبارکہ

کے ذکر کے بعد فقہاءِ اُمت کے اَقوال بطورِ دلائل پیش کیے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔
پہلی دلیل۔ مسلم شریف جلد دوم کتاب اللباس ص ۱۹۹۔ اور ابو داؤد جلد دوم ص ۲۲۲، نسائی شریف دوم ص ۲۳۶ مطبوعہ سعید کراچی۔ پر ہے کہ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد محترم فتح مکّہ کے دن جو ۸ھ میں ہوئی جب حاضر بارگاہِ رسالت ہوئے اس وقت حضرت ابو قحافہ کی عمر اکانوے سال تھی چھ سال بعد ۱۴ھ میں وفات ہوئی ہے۔ ستانوے سال شمسی سال ۶۲۹ء۔ اور ۶۳۵ء تو سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی داڑھی اور سر کے بال سفید دیکھ کر ارشادِ پاک فرمایا۔ غَيِّرُوا هٰذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ (الخ) ترجمہ:۔ اے لوگو اس طرح کے بالوں کو متغیر کر دو۔ اور سیاہ رنگ کرنے سے بچتے رہنا۔ اس کو مسند احمد اور ابن ماجہ میں بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس حدیثِ مُقدّس کی مختصر تشریح۔ حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت کردہ یہ حدیث ظاہراً تو حضرت ابو قحافہ رض کو دیکھ کر فرمائی گئی لیکن غَيِّرُوا اور وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ جمع کے صیغے بتا رہے ہیں کہ یہ حکم ہر مومن مسلمان مرد کے لیے ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی تا قیامت ہر مسلمان بلا قید عمر اپنے کسی بھی سفید بال پر جو بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہوئے ہوں کالا رنگ نہیں لگا سکتا اور بیماری سے سفید ہوتا یہ شاذونادر ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ طبی اور فقہی لحاظ سے عام طور پر پچاس سال کے بعد بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا فَاجْتَنِبُوا کی تنبیہ شدید سے حرمتِ خضاب اَسْوَد ہی ثابت ہو رہی ہے اس کو کراہت یا مکروہ تنزیہی پر محمول نہیں کیا جا سکتا امام نووی مالکی محی الدین ابو زکریا یحیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرح مسلم میں اسی حدیث پاک کے اسی لفظ وَاجْتَنِبُوا سے استدلال بیان کرتے ہوئے کالے خضاب کے حرام قطعی ہونے پر مذہب امام مالک بیان فرمایا جس کی مکمل عربی عبارت انشاء اللہ تعالیٰ اگلی سطور میں بیان کی جائے گی۔ بعض نفس کے بندوں نے یہاں وَاجْتَنِبُوا۔ کے ساتھ ہ ضمیر کا اضافہ وضع کر دیا۔ احادیث میں اس طرح کی ملاوٹ کرنا تخریب کاری ہے اور اس ملاوٹ وضعی سے ناجائز فائدہ حاصل کرتے ہوئے کتاب ھذا کے مصنف مرحوم نے اس ضمیر کا مرجع ابو قحافہ کو بنایا جو سراسر غلط اور نادانی ہے۔ اس کا مکمل جواب اگلی

سطور میں دیا جائے گا اِنْشَاءَ اللہ تعالیٰ۔ بہر حال تقریباً تمام کتبِ احادیث میں۔ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ ہی ہے۔ ضمیر کو شامل کرنا اور حدیث پاک کو توڑ موڑ کر بیان کرنا ایک نفسانی خواہش ہے۔ دوسری دلیل۔ ابوداؤد شریف جلد دوم صـ۲۲۲ اور نسائی شریف جلد دوم صـ۳۳۶۔ طبع کراچی ایچ ایم سعید میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یَکُوْنُ قَوْمٌ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ یَخْضِبُوْنَ بِھٰذَا السَّوَادِ کَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ۔ لَا یَجِدُوْنَ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ۔ ترجمہ:۔ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ فرمایا آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانے میں ایسی قومیں بھی پیدا ہو جائینگی جو اس کالے رنگ والی جڑی بوٹی اور مسالے سے اپنے بالوں کو خضاب کیا کریں گی کبوتر کے پوٹوں کی طرح وہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے۔ اس حدیث کی مختصر شرح۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ آخر زمانے میں ایسی قومیں بھی پیدا ہو جائیں گی جو اس کالے رنگ والی جڑی بوٹی اور مسالے سے اپنے بالوں کو خضاب کیا کرینگی کبوتر کے پوٹوں کی طرح وہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے۔ اس حدیث کا معنیٰ اور شرح۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی سیاہ خضاب لگانا۔ بتائی کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ مسلمان ایسے بھی پیدا ہو جائیں گے جو سیاہ خضاب کو جائز سمجھ کر لگائیں گے اور اپنے بالوں کو کبوتروں کے پوٹوں کی طرح سیاہ کرتے پھرینگے۔ وہ جنت کی خوشبو نہ پائیں گے شارحین حدیث نے اس جملے کے تین مطلب بیان فرمائے ہیں ۱۔ وہ جنت میں تو جائیں گے مگر جنت کی یا جنت کی چیزوں پھول پھل فروٹ دودھ شہد وغیرہ کی روح پرور خوشبو سے تا ابد محروم رہیں گے۔ اور یہ بڑی محرومی ہو گی ۲۔ یا یہ جملہ محاورۃً استعمال فرمایا گیا کہ جنت سے اتنی دور کسی اور عالم میں ان کو چند یوم سزا ملے گی جہاں وہ جنت کی خوشبو تک نہ پاسکیں گے۔ دوری کا فاصلہ بتانا مقصود ہے۔ (از حاشیہ ابوداؤد و نسائی) ۳۔ یا یہ زمانۂ قبر و حشر کی کیفیت بتائی جا رہی ہے۔ اور میت شخص کے لیے یہ محرومی بھی ایک سخت عذاب ہے۔ یہاں حدیث پاک

میں خضاب کی سیاہی کو کبوتر کے پوٹوں سے تشبیہ دی گئی ہے اس لیے کہ دنیا میں کبوتر بہت سی قسم کے ہوتے ہیں تقریباً اسی نوّے قسم کے کبوتر تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے جن میں ہر رنگ کے کبوتر ہیں اور مختلف جسامت والے ۱۹۹۱ء میں منیٰ کے برآمدے میں دوپہر کے وقت میں نے چڑیا کے برابر کبوتر جوڑے دیکھے اور اپنے ساتھیوں کو دکھائے سب نے عرب کے ان کبوتروں پر تعجب کیا۔ عرب میں ہی بالکل سخت سیاہ کبوتر بھی پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ بعض کبوتر اتنے سخت کالے پروں والے ہوتے ہیں کہ ان کی کھال بھی سیاہ ہوتی ہے۔ یہاں کالے خضاب سے منہ کالا کرنے والوں کو کبوتروں کے پوٹے سے تشبیہ دینے کی تین وجہ ہو سکتی ہیں (۱) یا اس لیے کہ جس طرح کبوتروں کے سیاہ پوٹوں کی دیگر پروں کے علاوہ اُن کی کھال بھی سیاہ ہوتی ہے اس طرح کالا خضاب لگانے والوں کے بال بلکہ نیچے کی کھال بھی سیاہ ہو جاتی ہے بلکہ یہاں تو دل بھی سیاہ ہو جاتا ہے (۲) یا اس لیے کہ جس طرح کبوتر کا پوٹا بھرا ہو تو بہت گردن اکڑا کر چلتا ہے اس طرح یہ بڈھے میاں بھی بال سیاہ کر کے مغرور ہو کر اپنی جوانی دکھاتے پھرتے ہیں (۳) یا اس لیے کہ عام جنگلی کبوتروں کے پوٹے پر دیگر پروں کے علاوہ ذرا سی ہلکی سیاہی ہوتی ہے۔ تو ارشاد نبوی کا اشارہ اس طرف ہے کہ خالص سیاہی اگر ہلکی بھی ہو گئی تب بھی حرام ہے اس حدیث پاک میں بِھٰذَا السَّوَادِ۔ کے سخت تاکیدی اشارے سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ جنت کی خوشبو نہ پانا اسی کالے خضاب لگانے کی وجہ سے ہے۔ یہ خضاب لگانے کا ذکر اس قوم کی نشاندہی یا شناخت کی وجہ سے نہیں جیسا کہ بعض احمق لوگوں نے یہ مطلب نکالا ہے۔ اگر خضاب کا ذکر صرف شناخت کے لیے ہوتا تو جنت کی خوشبو نہ پانے کی وجہ ضرور بتائی جاتی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے بڑے وعیدی عذاب کا ذکر کر دیا جائے اور اُس کی وجہ نہ بتائی جائے ماننا پڑے گا کہ یہ وجہ یہی کالا خضاب ہے۔ اور انشاء اللہ یہ بدنصیب کالا خضاب لگانے والے لوگ کل قیامت میں سر پکڑ کر روئیں گے کوئی بھی اس حرام کام کرنے کی سزا سے نہ بچ سکے گا۔ خواہ کوئی پیر فقیر ہو یا مولوی خطیب۔ دنیا میں تو توڑ موڑ کر کے دلیلیں بنا سکتے ہیں آخرت میں یہ ہیرا پھیری نہ چلے گی۔ (تیسری دلیل۔ مسند احمدؒ بن حنبلؒ میں ہے حدیث نمبر ۳

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَیِّرُوا الشَّیْبَ وَلَا تَقْرَبُوا السَّوَادَ۔ ترجمہ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑھاپے تبدیل کرو۔ لیکن سیاہی کے قریب بھی مت جانا۔ چوتھی حدیث پاک حاکم مستدرک جلد سوم ص۲۰۲ اور طبرانی نے معجم کبیر میں حدیث شریف بیان فرمائی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلصُّفْرَۃُ خِضَابُ الْمُؤْمِنِ وَالْحُمْرَۃُ خِضَابُ الْمُسْلِمِ وَالسَّوَادُ خِضَابُ الْکَافِرِ۔ ترجمہ:۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فرمایا آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کا خضاب پیلا رنگ بالوں کا خضاب لگانا ہے۔ اور عام مسلمانوں کا خضاب سرخ رنگ لگانا ہے۔ کفار کا خضاب کالا رنگ لگانا ہے دونوں حدیثوں کی مختصر شرح۔ سب سے بدترین رنگ بالوں کے لیے کالا خضاب ہے اس سے جتنا دور ہٹا جائے ہٹنا چاہیئے اس لیے متقی مومن لوگ اس حرام سیاہ خضاب سے دور ہٹنے کے لیے سرخ رنگ کا خضاب بھی نہیں لگاتے اس لیے کہ سرخ رنگ سیاہی کے قریب ہے سرخی کو جتنا تیز کیا جائے وہ سیاہی بنتی چلی جاتی ہے۔ لہٰذا مشابہ بہ سیاہی سے بھی بچنا تقویٰ ہے جو مومن کی احتیاط ہے سرخی کو جتنا ہلکا کیا جائے وہ پیلا رنگ بنتا جاتا ہے۔ اور اس طرح سیاہی بلکہ اُس کی جھلک سے بھی کافی دوری ہو جاتی ہے اس طرح۔ لَا تَقْرَبُوا السَّوَادَ۔ والی حدیث پاک پر مکمل عمل ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ سرخ رنگ سے خضاب بھی شرعاً بالکل جائز ہے۔ اس لیے جو شخص سرخ خضاب لگائے تو جواز کی حد تک اس کو فائدہ ہوگا۔ حدیث ۵۔ لیکن تقویٰ مومن کے زمرے میں احتیاط کا ثواب نہ ملے گا۔ چوتھی دلیل۔ امام عقیلی رح نے اپنی مسند میں حدیث بیان فرمائی۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلشَّیْبُ نُوْرٌ مَنْ خَلَعَ الشَّیْبَ فَقَدْ خَلَعَ نُوْرَ الْاِسْلَامِ۔ ترجمہ۔ بالوں کی بوڑھی سفیدی نور ہے جس نے اُس کو چھپایا۔ یعنی ختم کیا اُس نے اسلام کا عطا کردہ نور ختم کیا۔ (اور یہ ہی سب سے بڑی بدنصیبی ہے) مختصر شرح۔

علامہ محمد حفنی علیہ الرحمۃ اِسی کتاب میں اسی مقام پر حاشیے میں اس کی شرح فرماتے ہیں۔ لہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مَنْ خَلَعَ الشَّيْبَ أَيْ أَزَالَهُ فَسَتَرَهُ بِأَنْ خَضَبَهُ بِالسَّوَادِ فِي غَيْرِ جِهَادٍ۔ ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ پاک کا معنی یہ ہے کہ جس نے بالوں کی سفیدی کو زائل کر دیا چھپا دیا۔ یعنی لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا۔ اور یہ لوگوں کو دھوکا دینا ہے اسی وجہ سے غالباً کالا خضاب حرام ہوا ہے۔ امام مناوی فقیہ اُمت علیہ الرحمۃ اور علامہ عزیزی اِس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ فَنَتْفُهُ مَكْرُوهٌ۔ وَصِبْغُهُ بِالسَّوَادِ لِغَيْرِ الْجِهَادِ حَرَامٌ۔ ترجمہ۔ سفید بال اکھیڑنا مکروہ ہے اور سیاہ خضاب لگانا جہاد کی حالت کے علاوہ حرام ہے یعنی مجاہد کے لیے بھی کسی حالت میں کالا خضاب جائز نہیں۔ صرف میدانِ جہاد میں جب کفار کا سامنا کرنا ہو۔ اس لیے کہ کالا خضاب سراسر دھوکا دینا ہے اور کفار کو بحالتِ جنگ اپنی جوانی کا دھوکا دینا جائز ہے کیونکہ جوانی ہاتھ پاؤں کی طاقت کی نشانی ہے خیال رہے کہ مجاہد کے لیے صرف بحالتِ جنگ سیاہ خضاب کا جواز بھی احادیث سے ثابت نہیں ہے یہ فقہاءِ کرام کا اِستنباطی مسئلہ ہے۔ نیز سفیدی اور بڑھاپے کے بالوں کو بدلنا صرف کالے رنگ سے ہوتا ہے پیلا یا سرخ رنگ بڑھاپا نہیں بدلتا۔ اس لیے کہ بالوں کا اصلی رنگ جوانی میں کالا اور بڑھاپے میں سفید ہوتا ہے۔ پیلا یا سُرخ رنگ کسی بھی انسانی بالوں کا کبھی کسی عمر میں نہیں ہوتا اس لیے پیلا یا سرخ رنگ بڑھاپے کے لیے دھوکا نہیں بن سکتا۔ اِسی وجہ سے حرام بھی نہیں۔ پانچویں دلیل۔ حدیث نمبر ۶ اس کو مسند دیلمی نے صحیح کہا ہے مسند دیلمی جلد پنجم صفحہ ۳۰ پر ہے۔ عَنِ ابْنِ تَجَّارٍ عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ قَالَ۔ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلُ مَنْ خَضَبَ بِالْحِنَاءِ وَالْكَتَمِ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَوَّلُ مَنِ اخْتَضَبَ بِالسَّوَادِ فِرْعَوْنُ۔ ترجمہ۔ سب سے پہلے بالوں کو مہندی اور کتم کی گھاس سے جس نے رنگ کیا وہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام تھے اور سب سے پہلے جس نے کالا خضاب لگایا وہ فرعون تھا۔ مختصر شرح۔ اَوَّلاً تو ایمانی عرفانی عقلِ سلیم والوں کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام

اور خاص کر آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال و ارشادات کوئی تاریخ بنانے یا قصہ گوئی حکایت سازی کے لیے نہیں اور انبیاءِ کرام علیہم السّلام مؤرخ و قصہ گو بن کر تشریف نہیں لاتے بلکہ ان پاکیزہ مقدس ہستیوں کا ہر قول و کلام قانونِ الٰہی اور حکم شریعت و مسئلہ دینی ہوتا ہے خواہ کسی وقت کسی جگہ کسی بھی انداز یا کسی بھی طرزِ بیانی سے ارشاد ہو۔ لہٰذا یہ مندرجہ بالا حدیث مطہرہ اَوَّلُ مَنْ خَضَبَ۔ (الخ) بھی اگرچہ بطرزِ خبرِ اطلاعی بیان فرمائی گئی ہے مگر اس سے مقصود تاریخی معلومات نہیں بلکہ تا قیامت ایک شرعی قانون بیان فرما دیا گیا۔ اور علماءِ مجتہدین نے اس حدیث پاک سے تین مسئلے مستنبط فرمائے۔ پہلا مسئلہ یہ کہ حناء و کتم سے ملا کر خضاب کرنا جائز اور مستحن ہے کیونکہ اس سے سیاہی بالکل نہیں آتی بال سرخی تیز ہوتی ہے اور سفید بالوں کو سرخ کرنا دھوکے بازی نہیں لہٰذا حرام بھی نہیں کالا رنگ کرنا اس لیے حرام کہ وہ دھوکے بازی اور بد دیانتی ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ اس حدیث شریف میں کالے خضاب سے مسلمانوں کو نفرت دلانا ہے کیونکہ کُفّار کے اعمال و کردار مومن مسلمان کے لیے یقیناً قابلِ نفرت ہونا چاہئیں۔ تیسرا مسئلہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانۂ مقدسہ سے لے کر زمانۂ موسیٰ علیہ السّلام تک اور زمانہ موسوی سے زمانۂ اسلام تک ہزاروں بلکہ لاکھوں انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور اولیا علما صالحین دنیا میں گزرے مگر اس فرمانِ عظمت تک کسی نے بھی کالا خضاب نہ لگایا ورنہ اولیت فرعون کو نہ ملتی۔ اور حدیث پاک میں بطور نشانی فرعون کا ذکر نہ ہوتا اور اگر فرعون کے بعد کسی اور مسلمان نے لگایا ہوتا۔ تو دوسرے نمبر پر اس کا بھی ذکر ہوتا مگر احادیث میں کسی مسلمان مومن کے لگانے کا ذکر نہیں۔ اس حدیث پاک کی طرزِ بیانی بالکل ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی کسی عالم سے عرض کرے کہ میں اپنے ماتھے پر تلک لگاؤں کیا اجازت ہے یا کوئی اجازت چاہے کہ میں ہاتھ میں کڑا پہن لوں۔ یا سکھوں کی طرز پر پگڑی باندھلوں تو یہی کہا جائے گا کہ دیکھو بھئی یہ ہندؤں اور سکھوں کی نشانی ہے۔ یعنی اس سے بچو۔ ورنہ لوگ ہندو یا سکھ سمجھیں گے۔ چھٹی دلیل۔ حدیث ۲ طبرانی شریف جلد سوم میں بسندِ حسن ہے۔ عَنْ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ مَثَّلَ بِالشَّعْرِ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللهِ خَلَاقٌ۔ ترجمہ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اپنے بالوں کا مُثلہ کرے یعنی بگاڑے اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے لیے اُخروی ثواب کا کوئی حصہ نہیں۔ مختصر شرح۔ شرح تیسیر میں فرمایا کہ بالوں کا مُثلہ تین قسم کا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ قولہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ مَثَّلَ بِالشَّعْرِ اَیْ غَیَّرَهٗ مُثْلَةً بِالضَّمِّ بِاَنْ نَتَفَهٗ اَوْ حَلَقَهٗ مِنَ الْخُدُوْدِ اَوْ غَیَّرَهٗ بِالسَّوَادِ ترجمہ۔ داڑھی وغیرہ بالوں کا مُثلہ یہ ہے کہ یا ان کو اکھاڑے یا منڈوائے یا کالا خضاب لگائے۔ ساتویں دلیل، طبقات ابن سعد جلد پنجم ص۱۴۰ پر ہے حدیث ۸۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ۔ ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ منع فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کالا خضاب لگانے سے۔ اس سے بحث نہیں کہ خضاب کس چیز سے لگاؤ کس چیز سے نہ لگاؤ۔ ہم حنا کتم وسمہ نیل وغیرہ کی چھان بین میں نہیں پڑتے نہ ان اُلجھوں پریشانیوں کی ضرورت نہ کتب لغات کی جامہ تلاشی لینے کی حاجت۔ نہ لوگوں کی عملی علمی اور شرعی عبارتوں میں پھنسنے کا وقت ہے حرمت تو کالے رنگ میں ہے اگر کسی شخص نے اپنے بالوں پر دوات کی سیاہی لگائی اور سفید بالوں کو کالا کر لیا تب بھی یہ فعل حرام ہوگا۔ نیز مجھے اس فتویٰ لکھنے میں وقت خرچ کرنے سے یہ غرض نہیں کہ کوئی ضد میں بھرا ہوا عالم خطیب امام یا کسی پیر کا مرید میرے اس فتوے کو مانتا ہے یا نہیں مجھ کو اپنی اور اپنی قوم مسلم کی نمازوں کی فکر ہے فی زمانہ ایک پنج وقتہ نماز ہی تو مومن کا سرمایۂ آخرت رہ گیا ہے اور یہی تو عملِ صالحہ باقی بچا ہے اگر اس کو بھی یہ مسجدوں کے امام وخطبا اپنے بالوں پر حرام خضاب سیاہ لگا کر اپنی اور ہم مقتدیوں کی نمازیں برباد کر دیں۔ تو ہم بے چارے مقتدی مسلمان تو مفت میں مارے گئے۔ میں ان ضدی مولویوں سے کہتا ہوں کہ تم شوق سے کالا خضاب لگاؤ۔ ہم تو تم کو کچھ نہیں کہتے مگر اپنے اس فعلِ بد سے ہمارا اور تمام مقتدیوں کا نقصان تو نہ کرو ان کی نمازیں تو برباد مت کرو۔ اگر کالا خضاب ضروری ہی لگانا ہے

تو امامت چھوڑ دو۔ اور نیز اپنے اِس برے عمل کے لیے بزرگوں کو ملوث مت کرو کہ فلاں بزرگ ایسا کرتے تھے یہاں تک کہ اِن لوگوں نے قبلہ حضرت اعلیٰ پیر مہر علی شاہ صاحب کو بھی اس زمرے میں شامل کر دیا کہ وہ بھی سیاہ خضاب لگاتے تھے اور جائز جانتے تھے حالانکہ یہ قطعاً غلط اور الہام تراشی ہے جس کا کوئی تحریری ثبوت آج تک تلاش بسیار کے باوجود نہ مِل سکا اور نہ ان کو اس دھوکہ دہی کی ضرورت تھی۔ تصوراتی طور پر بھی جب انسان کالا خضاب لگا رہا ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ لوگ مجھ کو جوان سمجھیں اور دھوکہ کھائیں احادیث مبارکہ تو اور بھی بہت ہی ہیں مگر ہم نے اتمام حجت کے لیے صرف یہ آٹھ حدیثیں نقل کر دیں یہ احادیث پاک اپنے اپنے مدارج میں محدثین کے نزدیک سنداً و متناً۔ روایتاً و درایتاً۔ صحیح۔ حسن و مشہور ہیں۔ ان میں سے کوئی حدیث شریف ضعیف یا موضوع نہیں اس کی پوری تحقیق کرلی ہے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی بھی روایت کو ضعیف۔ شاذ یا منکر کہے تو اس کی اپنی عقل ضعیف ہے۔ صرف زبانی ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا ثبوت نہ دینا تو احمقانہ کردار ہے اگرچہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے مومن مسلمان کے لیے کسی اور قول و عقیدے کی ضرورت نہیں ایک مسلمان کے لیے تو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہی کافی۔ مگر فی زمانہ بعض لوگ حدیث پاک سن کر بھی مطمئن نہیں ہوتے۔ غالباً اسی زمانے کی طرف اُس حدیث پاک میں اشارہ فرمایا گیا کہ یَکُوْنُ قَوْمٌ فِی آخِرِ الزَّمَانِ۔ یہ حدیث پاک تو ہم بچپن سے سنتے اور پڑھتے چلے آئے ہیں مگر یہ گمان تک نہ تھا کہ اُس بدقسمت قوم میں ہمارے ہی گروہ کے امام و خطیب وغیرہ شامل ہوں گے۔ مجھے اس کتاب کالا دیکھنے کی اس لیے بھی ضرورت پیش آئی کہ یہ کتاب ظاہراً اُس انداز میں لکھی گئی کہ عام آدمی اُس کو پڑھ کر مرعوب ہو جائے اور عاشقانِ خضابِ سیاہ اس کو اپنی بہت بڑی ڈھال اور سند سمجھ بیٹھیں۔ حالانکہ ذرا سا غور کرنے پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب اور اس کے دلائل تارِ عنکبوت سے زیادہ پائیدار نہیں بلکہ یہ کتاب سراسر خود ہی خضابِ سیاہ ہے۔ احادیث مبارکہ کے بعد اگر مسلمانوں کے پاس دلائل ہیں تو وہ فرمودات مجتہدین اور اقوالِ ائمہ اربعہ ہی ہیں۔ ان ہی اقوال و فرمودات کی تقلید سے مسلمان

حنفی مالکی شافعی حنبل بنتے ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اس لیے اب ہم مجتہدین کرام کے فرامین سے حرمتِ خضاب سیاہ کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ بیروت کی طبع کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد دوم کے ص۴۶ اور ص۴۷ پر اس کے مصنف علامہ امام عبدالرحمٰن الجزیری فرماتے ہیں کہ چاروں ائمہ کالا خضاب لگانا ناجائز فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ۔ اَلْمَالِكِيَّةُ يُكْرَهُ تَنْزِيهًا لِلرَّجُلِ صِبَاغَةُ شَيْبِهِ بِالسَّوَادِ مَحَلُّ الْكَرَاهَةِ إِذَا لَمْ يَكُنْ ذَالِكَ لِغَرَضٍ شَرْعِيٍّ كَإِرْهَابِ عَدُوٍّ فَإِنَّهُ لَاحَرَجَ فِيهِ بَلْ يُثَابُ عَلَيْهِ وَاَمَّا إِذَا كَانَ لِغَرَضٍ فَاسِدٍ كَاَنْ يَغُشَّ اِمْرَأَةً يُرِيدُ زَوَاجَهَا فَإِنَّهُ يَحْرُمُ۔ (الْحَنَفِيَّةُ) قَالُوا وَكَذَا يُكْرَهُ لَهُ صِبَاغَةُ شَعْرِهِ بِالسَّوَادِ۔ (الْحَنَابِلَةُ) قَالُوا يُسَنُّ الْخِضَابُ بِالْحِنَاءِ وَنَحْوِهَا كَالزَّعْفَرَانِ إِمَّا الصِّبَاغَةُ بِالسَّوَادِ فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ مَا لَمْ يَكُنْ لِغَرَضٍ شَرْعِيٍّ فَإِنَّهُ لَا يُكْرَهُ اَمَّا إِذَا كَانَ لِغَرَضٍ فَاسِدٍ كَالتَّلْبِيسِ عَلَى اِمْرَأَةٍ يُرِيدُ زَوَاجَهَا فَإِنَّهُ يَحْرُمُ (اَلشَّافِعِيَّةُ) قَالُوا يُكْرَهُ صِبَاغَةُ اللِّحْيَةِ وَالشَّعْرِ بِالسَّوَادِ إِلَّا الْخِضَابُ بِالصُّفْرَةِ وَالْحُمْرَةِ فَإِنَّهُ جَائِزٌ۔ ترجمہ۔ یعنی چاروں ائمہ اسلامیہ کے نزدیک کالا خضاب لگانا حرام مکروہ اور ناجائز ہے۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے بلکہ حرام ہونا متفق علیہ ہے۔ دلیل آٹھویں۔ مسلک حنفی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی کالا خضاب لگانا حرام ہے۔ فقہ حنفی کی صحاح ستہ ۱۔ فتاوی درمختار شامی ۲۔ فتاویٰ عالمگیریہ ۳۔ فتاویٰ فتح القدیر ۴۔ فتاویٰ بحرالرائق ۵۔ فتاویٰ قاضیخان ۶۔ فتاویٰ برازیہ۔ اور فتاویٰ امام محمد کے ظاہر روایت میں کالے خضاب لگانے کو حرام اور مکروہ تحریمی لکھا ہے ان فقہاءِ احناف کے فرمودات ہی مسلک حنفی ہے اور پھر اس زمانے میں امام احمد رضا مجدد ملت سے بڑا حنفی کون ہے آپ نے تو حرمتِ خضاب سیاہ کے بارے میں نہایت مضبوط دلائل سے ایک کتاب لکھ دی جس کا نام مبارک حَكُّ الْعَيْبِ فِي حُرْمَةِ تَسْوِيدِ الشَّيْبِ ہے۔ تمام فقہاءِ احناف کی عبارات کا خلاصہ فتاویٰ عالمگیری کی یہ عبارت ہے جلد ۴ ص ۱۳۹ پر ہے

وَ اَمَّا الْخِضَابُ بِالسَّوَادِ (الخ) فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ لِيُزَيِّنَ نَفْسَهُ لِلنِّسَاءِ اَوْ يُحَبِّبَ نَفْسَهُ اِلَيْهِنَّ فَذَالِكَ مَكْرُوْهٌ وَعَلَيْهِ عَامَّةُ الْمَشَائِخِ۔ ترجمہ جو مرد مسلمان کالا خضاب صرف عورتوں کے لیے لگائے۔ جہاد میں جانے کے وقت یا کفار کے رکھاوے کے لیے نہ ہو تو اس کو کالا خضاب مکروہ تحریمی یعنی حرام ظنی ہے۔ نویں دلیل۔ مسلک مالکی۔ حضرت امام علامہ محی الدین شرف الدین ابو زکریا نووی شارح مسلم شریف جن کے متعلق مشہور ہے مالکی مسلک کے تھے بعض لوگوں نے ان کو شافعی المذہب لکھا ہے واللہ اعلم اپنے مذہب کے نہایت مستند فقیہ تھے۔ وہ شرح مسلم جلد دوم ص۱۹۹ مطبوعہ سعید کراچی میں لکھتے ہیں وَ يَحْرُمُ خِضَابُهُ بِالسَّوَادِ عَلَى الْاَصَحِّ وَقِيْلَ يُكْرَهُ كَرَاهَةَ تَنْزِيْهِيَّةً وَالْمُخْتَارُ التَّحْرِيْمُ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ وَهٰذَا مَذْهَبُنَا وَقَالَ الْقَاضِيْ اِخْتَلَفَ السَّلَفُ (الخ) هٰذَا مَا نَقَلَهُ الْقَاضِيْ وَالْاَصَحُّ وَالْاَوْفَقُ لِلسُّنَّةِ مَا قَدَّمْنَاعَنْ مَذْهَبِنَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ترجمہ۔ اور قطعاً حرام ہے کالا خضاب لگانا۔ صحیح مذہب میں اور (بعض مجہول افراد کی طرف سے) کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اور صحیح و مختار (سب فقہا کا اختیار کیا ہوا) مذہب یہ ہی ہے کہ کالا خضاب حرام ہے اُس فرمانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے کہ اور بچتے رہنا ہمیشہ خضاب کی سیاہی سے۔ یہ ہی ہمارا مذہب ہے۔ لیکن قاضی نے کہا ہے کہ گزشتہ کچھ لوگوں نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے یہ باتیں تو قاضی کی نقل کردہ ہیں۔ مگر صحیح سچا اور سنت کے مطابق وہی مذہب ہے جو ہم نے ابھی پہلے بیان کیا جو ہمارا مذہب ہے۔ اس تمام عبارت سے کتنا صاف ثابت ہوا کہ امام مالک اور یا امام شافعی (بقول شخصے) کا مذہب بھی یہ ہے کہ کالا خضاب لگانا حرام ہے امام نووی اپنے امام مالکؒ یا شافعیؒ کا مذہب اس ابو قحافہ والی حدیث وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ سے استنباط و استعمال کر کے بیان فرما رہے ہیں۔ اور قاضی کی بات کی سخت الفاظ میں تردید فرما رہے ہیں۔ دسویں دلیل۔ امام شافعی کا مسلک۔ فتاویٰ بحوری جلد دوم ص۱۶۶ پر ہے۔ وَ الْاِخْضَابُ بِالسَّوَادِ حَرَامٌ عِنْدَ الْجَمَاهِيْرِ وَ عِنْدَ

عَلَیْہِ وَعِیْدٌ شَدِیْدٌ فِی الْاَحَادِیْثِ۔ ترجمہ۔ سیاہی سے خضاب لگانا حرام ہے ہر مسلک کے جمہور فقہا علما کے نزدیک اور احادیث مبارکہ میں تو اس خضاب سیاہ لگانے پر سخت عذاب کی وعید آئی ہے۔ گیارھویں دلیل) مسلک حنبلی ابھی پہلے مسند احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ یَکُوْنُ قَوْمٌ فِی اٰخِرِ الزَّمَانِ (الخ) والی حدیث ہم نے بیان کر دی اس سے بھی حنبلی مذہب واضح وثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی کالا خضاب حرام اور باعث عذاب ہے ومحرومی جنت ہے چنانچہ فتح الباری جلد دھم ص۲۵۵ پر امام احمد وامام شافعی کا مذہب ان لفظوں سے نقل فرما رہے ہیں وَفِی السَّوَادِ عَنْہُ کَالشَّافِعِیَّۃِ رِوَایَتَانِ۔ اَلْمَشْھُوْرَۃُ یُکْرَہُ وَقِیْلَ مُحَرَّمٌ۔ نیز حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ والی حدیث امام احمد نے نقل فرمائی۔ اور اس میں وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ کے الفاظ ہیں ان الفاظ سے فقہا نے حرمت کا استدلال کیا ہے۔ امام احمد حنبل بھی اسی سے حرمت کا استدلال فرماتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔ ابھی تک دلائل سے ہم نے ثابت کر دیا کہ احادیث میں بھی خضاب سیاہ سے سخت نفرت وممانعت فرمائی گئی اور ائمہ اربعہ کے مذاہب سے بھی حرمتہ خضاب ثابت اب اگر اب بھی کوئی نہ مانتے ضد پر اڑا رہے تو وہ منکر احادیث ہونے کی گستاخی وگمراہی کے علاوہ اپنے امام مذہب کی تقلید سے منہ موڑ کر انحراف کر رہا ہے اور دین میں نئے فرقے کو جنم دے رہا ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی۔

ان گیارہ دلائل کے بعد اب ہم علامہ خطیب پاکستان اکاڑوی نقشبندی صاحب مرحوم کی اس کتاب کا مکمل طور پر تردیدی جواب دیتے ہیں۔ مگر اس سے پہلے دو باتیں اچھی طرح ذہن نشین کر لی جائیں۔ (پہلی بات) یہ کہ اس کتاب میں مندرجہ ذیل کمزوریاں ہیں (۱) ایک کمزوری یہ کہ اس کے بعض حوالے غلط ہیں ان کتابوں میں وہ عبارتیں سرے سے ہی نہیں ہیں جو اس کتابچی میں بڑے فخر سے لکھ دی گئی ہیں (۲) دوسری یہ کہ کچھ عبارتوں کا مطلب اور معنی مصنف نے نہیں سمجھا اور اوٹ پٹانگ الفاظ لکھ کر دلیل بنانے کی کوشش بے فائدہ کی ہے (۳) کچھ حوالے ایسے پیش کیے گئے ہیں کہ اس مصنف کی اصل مسلکی عبارت چھوڑ کر وہ عبارت درج کر دی جس کی خود صاحب کتاب تردید کر رہے

ہیں ۴ چوتھی کمزوری یہ کہ بعض حوالوں میں توڑ موڑ کر کے خیانت کی گئی ہے ۵ اپنا باطل نظریہ بچانے کے لیے جھوٹی من گھڑت روایتوں کا سہارا پکڑا گیا ہے ۶ چھٹی کمزوری یہ کہ بعض بڑوں کی طرف بلا ثبوت اور غلط بات منسوب کی گئی ہے کہ وہ بھی خضاب سیاہ لگاتے تھے اور جواز کے قائل تھے حالانکہ آج تک اس کا کوئی ثبوت پیش نہ سکا ۔ ۷ ساتویں کمزوری یہ کہ بعض عبارتوں کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے ۸ آٹھویں یہ کہ صحیح احادیث کو صرف اپنی مطلب برآری کے لیے نہایت خستہ اور غلط انداز میں غیر صحیح کہا گیا ہے ۹ بعض جگہ حدیث پاک کو صحیح مانتے ہوئے اس میں غلطی نکالی گئی۔ والعیاذ باللہ ۔ غرض کہ مصنف کتاب ھذا نے اللہ رسول سے بے خوف ہو کر نہایت غصیلے اور جذباتی انداز میں اپنی پوری ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس تصور سے یہ کتابچہ لکھی ہے کہ گویا اس وقت پورے جہان میں اس کتاب کا تردیدی جواب کوئی نہیں دے سکتا ۔ کاش اس وقت علامہ بقید حیات ہوتے تو تحریر سے پہلے لفظاً ۔ تقریراً و مکالمۃً ان سے گفتگو ہو جاتی میں یقین کرتا ہوں کہ حضرت علامہ خطیب کراچی صاحب مضمون مرحوم اپنی اس تحریر سے ضرور رجوع فرماتے اور ان کو اپنی علمی فکری تحریری کمزوریوں کا شدت سے احساس ہو جاتا ۔ بہرکیف اب ہم اگلی سطور میں تردیدی جواب کے ساتھ ان کمزوریوں کی با دلائل نشاندہی بھی کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ ۔ دوسری دلیل ۔ یہ کہ کسی ایک حدیث شریف میں بھی کالے خضاب کا جواز ثابت یا مذکور نہیں نہ ہی اس کتاب میں کوئی حدیث پیش کر سکے ۔ صرف ایک من گھڑت اور موضوع روایت کو ابن ماجہ سے پیش کر کے فخریہ سہارا حاصل کر رہے ہیں حالانکہ تمام محدثین اس روایت کو غلط اور ضعیف کہتے ہیں جیسا کہ ثابت کیا جائے گا تقریباً اٹھارہ احادیث مبارکہ میں حرمت خضاب سیاہ مذکور ہے ۔ یہاں تک کہ کسی مجاہد کے لیے بھی کسی جنگ کی حالت میں کالا خضاب لگانے کی اجازت کسی حدیث پاک سے صراحتاً ثابت نہیں ۔ مجاہدین کو صرف بحالت جہاد کالے خضاب کی اجازت فقہاء کرام نے ایک حدیث سے استنباط کر کے دی ہے گویا کہ مجاہد کو کالے خضاب کی اجازت ملنا فقہی اور استنباطی مسئلہ ہے نہ کہ حدیث و قرآن کا یہ باتیں تمام مسلمانوں کو اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہئیں اور یہ استنباط اس حدیث پاک سے مستنبط فرمایا گیا کہ جنگ میں دھوکہ دینا جائز ہے

تو چونکہ سیاہ خضاب سراسر دھوکے بازی ہی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں اس لیے کفار پرانی جوانی کا دھوکہ ڈالنے کے لیے جائز ہوا اور جس طرح دیگر مسلمانوں کو دھوکہ دینا جائز نہیں اسی طرح خضاب کالا لگانا بھی جائز نہیں خاص کر نکاح کرنے کے لیے کسی عورت یا اس کے لواحقین کے سامنے کالا خضاب لگا کر جانا تو بہت ہی بڑا ظلم ہے۔ مگر عیش پرست لوگ اس کو نہیں سمجھیں گے۔ مندرجہ بالا فتوے کا خلاصہ۔ اس فتوے میں پانچ چیزیں بیان کی گئیں اوّلاً یہ کہ احادیث مبارکہ میں خضاب سیاہ کی صرف حرمت اور ممانعت ہی مذکور ہے۔ جواز یا تحسین کا کسی بھی شخص کے لیے کسی بھی وقت کسی بھی حالت میں کوئی ذکر نہیں لہٰذا جو شخص مرد مسلمان کالا خضاب لگائے وہ سراسر نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے۔ اور شریعت کا مقابلہ۔ ثانیاً یہ مجاہد کے لیے کالا خضاب لگانا احادیث سے ثابت نہیں ہے۔ یہ فتاویٰ فقہاءِ کرام کا استنباطی مسئلہ ہے اور اس میں بوقتِ مجبوری کی شرط کے ساتھ سینکڑوں قیدیں لگائی گئیں ہے مثلاً ۱۔ جہاد کے لیے نکلتے وقت لگائے ۲۔ سب بال سفید ہوں تب لگائے ۳۔ سفر میں کالا خضاب ساتھ رکھے تاکہ آدھا کالا آدھا چٹا نہ بن سکے اور بجائے دشمن پر رعب ڈالنے کے خود مذاق ہی نہ بن جائے ۴۔ جہاد سے واپس آکر مجاہد کے لیے بھی کالا خضاب حرام ہے اور فی زمانہ مجاہدین کے لیے کالا خضاب جائز نہیں کیونکہ آج کل کے جہاد کی نوعیتیں ہی بدل گئی ہیں نہ آج کل دوبدو آمنے سامنے لڑائیاں ہوتی ہیں نہ تیر تلوار چلانے کی مشقت کے بہادرانہ مظاہرے بلکہ آج کل تو سفید بال آنے سے پہلے پہلے فوجی کو نوکری سے سبکدوش و ریٹائر کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے آج کل میدان جہاد میں بھی کالا خضاب جائز نہیں۔ ثالثاً اپنی بیوی کے دکھلاوے کے لیے یا دوسری کرنے کے لیے خضاب سیاہ لگانا بھی حرام ہے کیونکہ یہ سراسر دھوکہ ہے اور دھوکہ دینا حرام ہے۔ رابعاً یہ کہ کالے خضاب میں زینت نہیں ہے بلکہ بدزینتی ہے کیونکہ خضاب سے نیچے کی کھال بھی سیاہ ہو جاتی ہے۔ اور چند دن بعد جب کہیں کہیں سفید بال ظاہر ہوتے ہیں تو آدھا تیتر آدھا بٹیر بن کر انسان زیادہ بدصورت لگتا ہے۔ بلکہ مضحکہ خیز بن جاتا ہے۔ حاشا یکہ کسی بھی بزرگ مشائخ یا علماء نے کبھی کالا خضاب نہ لگایا نہ ہی جائز کہا یہ جو بعض لوگ پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرّہٗ کی جانب

جواز کا فتویٰ منسوب کرتے ہیں یہ سراسر جھوٹ اور مطلب برآری کے لیے اتہام کاذبہ ہے نہ عملاً ثابت نہ تحریراً۔ اس کی وضاحت انشاء اللہ تعالیٰ اگلی سطور میں کی جائے گی ہاں البتہ پہلے زمانوں کے فقہاء کرام علیہم الرضوان اپنی اپنی کتب میں حرمت خضاب یا کراہتِ خضاب سیاہ کا ذکر کرنے کے بعد قال بعض یا قیل کے صیغہ تمریض سے کچھ مجہول لوگوں کا ذکر کرتے ہیں کہ بعض غیر معروف لوگوں نے اس کو جائز کہا ہے تو یہ کوئی دلیل یا سند نہیں ایسے تخریب کار فاسقین تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ حدیثِ رسول اللہ کے مقابل ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

علامہ خطیب مصنف صاحب اکاڑوی کی کتاب خضاب سیاہ کا تردیدی جواب

غلطی نمبر۱۔ اس کتاب کے سرورق (ٹائٹل) پر لکھا ہے۔ مجدد مسلک اہل سنت۔ **جواب**۔ یہ لقب دنیا قطعاً جھوٹ اور غلط ہے۔ بلا ثبوتِ شرعی کسی کو مجدد کہنا گناہ ہے۔ خاص کر نقشبندی حضرات تو مجددِ الف ثانی کے بعد کسی کو بھی مجدد نہیں مانتے۔ اگر علامہ مرحوم حیاتِ ظاہری میں ہوتے تو یہ لقب کبھی نہ لکھنے دیتے۔ ۲ صفحہ ۵ پر ایک سوال لکھا ہے جس میں چھ باتیں درج ہیں۔ جواب۔ سوال کی اس جذباتی اور غقیلی طرز سے ہم متفق نہیں۔ مسائل میں گرم مزاجی نامناسب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ دین میں تشدد اور تندخوئی نہیں ہونی چاہیئے اس لیے کہ اس کا اثر ہمیشہ اُلٹا ہوتا ہے۔ سوال اشتہاری کی سخت گیری کا ہی یہ اثر ہے کہ جواب میں خاصہ تشدد ہے۔ غلطی نمبر۳ صفحہ ۶ پر الجواب کے ضمن میں سطر ۲ میں لکھا ہے۔ جواب۔ اس طرح سیاہ خضاب بھی مجاہدین کے لیے بالاتفاق جائز ہے لیکن یہ جواز احادیث میں سے نہیں حدیث سے کبھی ثابت نہیں صرف فقہا کا استنباطی مسئلہ ہے وہ بھی کئی طرح کی قیود کے ساتھ گھر بیٹھے مجاہد کے لیے بھی جائز نہیں اسی صفحہ کی سطر ۳ پر لکھا ہے۔ البتہ محض زینت کے واسطے سیاہ خضاب کرنے میں

اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک حرام ومکروہ ہے اور بعض کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے
جواب ۔ یہ عبارت اگلی ساری کتاب کی بنیاد ہے اسی عبارت کو مصنف نے سہارا بنا کر یہ
کتاب اور اسی چند حرفی عبارت کی اساس پر اپنے اس کتابی گھروندے کو تعبیر کرنے کی
لغزش کر گئے۔ حالانکہ اسی ذرا سی ایک فطری عبارت میں بھی مصنف مرحوم نے تین لغزشیں
کیں ۔ پہلی لغزش یہ کہ مصنف نے کالے خضاب کو زینت کا نام دیا۔ حالانکہ کالے خضاب
لگاتے ہیں تو تھوڑی سی بھول چوک سے چہرہ انتہائی بدصورت اور بھیانک ہو جاتا ہے
جیسا کہ خضاب زدہ لوگوں سے پوشیدہ نہیں۔ دوسری لغزش یہ کہ مصنف مذکور نے
فرمایا کہ بعض کے نزدیک حرام ومکروہ ہے۔ مصنف کی کتنی عجیب بھول ہے یا عمداً
لغزش ہے کہ خود اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۳ پر فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ شامی
کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فَذَالِكَ مَكْرُوْهٌ وَعَلَيْهِ عَامَّةُ الْمَشَائِخِ اور
اسی طرح صفحہ ۱۴ پر اشعۃ اللمعات سے محدث اہل سنت حضرت عبدالحق دہلوی علیہ
الرحمۃ کا قول نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ خضاب بسواد مکروہ بود نزد اکثر
مشائخ۔ ترجمہ تینوں عبارتوں کا) کہ عام اور اکثر مشائخ کے نزدیک سیاہ خضاب
مکروہ ہے۔ مگر یہاں لکھتے ہیں کہ بعض کے نزدیک کالا خضاب مکروہ ہے مکروہ
تحریمی جس کو اصطلاحِ فقہ میں حرام ظنی کہا جاتا ہے ، کیا ہم سمجھ لیں کہ مصنف علام
کا عام علم عام ۔ اکثر اور بعض کے فرق سے بھی ناآشنا ہے ۔ مصنف صاحب کو اتنا
بھی نہیں پتہ کہ اکثریت کا درجہ عند الاسلام و اسلامی فقہ میں کیا ہے۔ اس لیے اس سخت
فحش اور خود ساختہ غلطی کی نشاندہی اور اصلاح ضروری ہے ۔ فقہاء کرام کے نزدیک
۱ لفظ عامۃ المشائخ سے جمہور فقہاء عظام مراد ہوتے ہیں ۔ مصنف نے دونوں
مسلوں یعنی سیاہ خضاب کے جائز و ناجائز ہونے میں ۔ بعض کہہ کر عمداً غلطی کا
ارتکاب کیا ہے جو امانت داری کے سراسر خلاف ہے۔ ۲ لفظ اکثر سے حکم شرعی کی
مراد کلیت ہوتی ہے چنانچہ علم اصولِ فقہ میں لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ ۔ اکثر کو تمام افراد کا
درجہ دیا گیا ہے ۔ لہٰذا عامۃ المشائخ اور اکثر مشائخ کا معنی ہوا کہ اسلام کے تمام
فقہا علما فضلا سیاہ خضاب کو مکروہ تحریمی ہی کہتے ہیں ۳ اصطلاح فقہ میں لفظ
بعض۔ لفظِ قیل۔ لفظ قَالَ بَعْضٌ سے ایک یا چند مجہول اور غیر مشہور نامعتبر فرد

افراد اور لوگ مراد ہوتے ہیں جو خود مصنف کتاب محولہ کے نزدیک مردود و ناپسندیدہ ہوتے ہیں ۔(۴) اصلاح فقہ میں لفظِ مکروہ مطلقاً سے مراد ہمیشہ مکروہ تحریمی لیا جاتا ہے (۵) اور مکروہ تحریمی سے مراد حرام ظنی ہوتا ہے ۔ فقہاء کرام کی یہ اصطلاحیں کتب اصول فقہ اور کتبِ فتاویٰ میں موجود ہیں ۔ مگر مصنف مذکور نے کراہت خضاب سیاہ کو منسوب الی البعض کر کے اپنی بے علمی اور اس بات کا ثبوت مہیا کیا کہ مصنف صاحب فقہاءِ عظام کی اِن اصطلاحات وکتبِ اصول سے بالکل ناواقف ہیں ۔ اگر خدانخواستہ واقعی ایسا ہی ہے تو پھر ایسی مشکل کتابیں لکھنے کا شوق ہی کیوں ہوا پہلے کتب بینی کرنی چاہیئے تھی تاکہ لکھنے میں احتیاط ہوتی ۔ ایسی بے احتیاطیاں تو مسلک کا سراسر نقصان و تضیع وقت ہے ۔ مصنف کی (نمبری غلطی) یہ کہ ، زینت کے واسطے سیاہ خضاب کرنے میں اختلاف ہے یہ بھی غلط ہے ۔ سیاہ خضاب کی حرمت اور کراہت میں کوئی اختلاف نہیں ۔ اس غلطی سے یہ ثابت ہوا کہ مصنفِ صاحب کو فقہی لحاظ سے متفق علیہ ، اور مختلف فیہ کی تعریف نہیں آتی ورنہ وہ بعض ، بعض کہہ کر اس کو اختلافی مسئلہ نہ بناتے ۔ آج کل یہ عام رواج پیدا ہو گیا ہے کہ جس مولوی کو کوئی مسئلہ یاد نہ ہو اور غلط مسئلہ سنائے جب اُس کو ٹوکا روکا جائے تو جان چھڑانے کے لیے یہ ہی کہتا ہے کہ جناب یہ اختلافی مسئلہ ہے بالکل یہی روش اس کتاب میں اختیار کی گئی ہے اختلاف اختلاف کہہ کر مسئلے بتانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ، اسلام میں ہر چیز کے لیے ضابطے مقرر ہیں ضابطوں کو توڑنا مروڑنا فرقہ بازوں کا وطیرہ ہے خیال رہے کہ اختلافی مسئلہ صرف وہ ہوتا ہے جن میں آئمہ اربعہ کا اختلاف ہو اس طرح فقہ میں متفق علیہ مسئلہ بھی وہی ہے جس میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو اور یہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا کہ کالا خضاب لگانا ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم ، امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل ، تمام کے نزدیک حرام ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام میں سے کسی نے بھی اس مسئلہ حرمتِ خضاب کو اختلافی مسئلہ نہ فرمایا ، اس لیے کہ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے نہ کہ اختلافی اس کے لیے مصنف مرحوم کو شرح نبراس اور عقود رسم المفتی جیسی قانونی کتابیں پڑھنی چاہیئے تھیں تب ایسی غلطی نہ فرماتے ۔ خیال رہے کہ مسئلہ کا اختلافی ہونا اور مسئلے میں مختلف اقوال ہونا اس میں فرق ہے ۔ ہمارے بھولے

بھلا مصنف کو بھلا ان باریکیوں سے کیا غرض کسی مسئلے میں مختلف اقوال ہونا اس کو اختلافی نہیں بناتا ورنہ تو پھر کوئی مسئلہ بھی متفق علیہ نہ ملے گا۔ اسلام کے ہر ہر مسئلے میں تخریب کار شامل ہیں۔ تاریخ ہو یا تفسیر شرح ہو یا فقہ وغیرہ وغیرہ۔ لطیفہ۔ اس طرح کا ایک لطیفہ مشہور ہے کہ کراچی ہی کے ایک صاحب سے اچانک کسی نے سوال کر دیا کہ جناب بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ ہو گیا یہ کون سے ملک میں ہے سوءِ اتفاق سے خطیب صاحب کو اس کا علم نہ تھا مگر اس کہنے میں کہ مجھے معلوم نہیں۔ انہوں نے اپنے مقتدیوں کے سامنے خفت اور شرمندگی محسوس کی۔ فوراً کہتے ہیں کہ یہ ملک عراق میں ہے۔ اس پر کسی دوسرے صاحب نے کہا کہ نہیں جناب یہ غلط ہے ابھی وہ شاید کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ خطیب صاحب نے فوراً فرمایا۔ دراصل یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ اور اختلافی مسئلے نہ پوچھا کرو۔ اس طرح کہہ کر جان تو چھڑا لی مگر بات بہت مشہور ہوئی۔ کچھ لوگوں کا یہ لفظ تکیہ کلام بن چکا ہے۔ اگر یہ حرمت خضاب کا مسئلہ اختلافی ہوتا تو مصنف صاحب کو چاہئے تھا کہ اس پر بھی کسی کتاب مستند کا حوالہ پیش کرتے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ جس کی ممانعت پر صاف صاف احادیث کثیرہ صحیحہ وارد ہیں اس میں بعد والا کوئی شخص مجتہد یا فقیہ اختلاف کی جرأت کرے۔ احادیث مبارکہ کے صریح حکم سے مخالفت تو کوئی گمراہ ہی کر سکتا ہے۔ بہرحال یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے اس کو اختلافی کہنا مصنف مذکور کی خاصیت ہے۔ چوتھی غلطی۔ کتابچے کے صفحہ ۷ پر کچھ روایتیں نقل کی ہیں جس میں صرف خضاب کا ذکر ہے کسی رنگ کا ذکر نہیں صفحہ ۸ پر مصنف نے اس سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کو مطلق خضاب قرار دیا ہے۔ اور اپنی اس لغزش پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لو حضرات احادیث سے ہر قسم کے خضاب کی اجازت مل گئی اب کھلی چھٹی ہے خوب جی بھر کر من مانیاں کر لو اور اپنی بات پر آنکھیں بند کر کے فتح الباری شرح بخاری کا حوالہ بھی جڑ دیا۔ لکھتے ہیں۔ وَقَدْ تَمَسَّكَ بِهٖ مَنْ اَجَازَ الْخِضَابَ بِالسَّوَادِ۔ ترجمہ۔ اور بے شک اس حدیث سے تمسک کیا ہے اس نے جس نے کالے خضاب کی اجازت دی ہے۔ (جواب) اس عبارت سے مصنف مذکور کو یہ دھوکہ لگا کہ انہوں نے سمجھ لیا شاید فتح الباری شرح بخاری کے مصنف شارح

ابن حجر عسقلانی کا اپنا مذہب بھی خضاب سیاہ کے جواز میں ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ مصنف ابن حجر اس سے پہلے جمہور فقہا کا مسلک نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام علما کے نزدیک کالا خضاب لگانا حرام یا مکروہ ہے۔ پھر بعد کی سطور میں اُس شخص کا مسلک نقل فرماتے ہیں جو جواز کا قائل ہے۔ اور یہ عبارت فقط اسی کے مسلک کی دلیل ہے۔ اور یہ تذکرہ تائید میں نہیں بلکہ تردید میں ہے کہ اس حدیث میں خضاب کے رنگ کے ذکر نہ فرمانے سے مخالف کو موقعہ ہاتھ لگ گیا اور فوراً اس روایت سے استدلال بنا بیٹھا کہ کالا خضاب جائز ہے شارح علیہ الرحمۃ نے اس استدلال کرنے والے کی حماقت ظاہر فرمائی ہے ہیں ان الفاظ کی سختی پر ذرا غور فرمایئے کہ اس حدیث سے تمسک کیا ہے۔ (فقط) اس نے جس (اکیلے) نے کالے خضاب کی۔ قَدْ تَمَسَّکَ اور مَنْ کی وحدت سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اُس بدبخت انسان کی جرأت تو دیکھو کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو منع فرمائیں اور وہ مقابلتاً اجازت دیتا پھرے۔ اسی کا نام تو ضلالت ہے۔ خیال رہے کہ شارحین اور مفسرین کا طریقہ یہ ہے کہ ہر جائز ناجائز۔ صحیح وغلط۔ مقبول ومردود قول کو نقل کر دیتے ہیں۔ لیکن ان کا اپنا مسلک اس میں شامل نہیں ہوتا۔ اُن کے مسلک کے لیے چند الفاظ مقرر ہیں۔ مثلاً ۱۔ عندنا الجمہور ۲۔ علیہ عامۃ المشائخ ۳۔ والاصح ۴۔ ومذھبنا ۵۔ وعندنا ۶۔ والفتویٰ علیہ۔ انہی الفاظ میں مؤلف اور صاحبِ کتاب کا اپنا مسلک ہوتا ہے مردود اور غلط عقیدوں کو وہ قَالَ بعضُ، وعند البعض۔ وقیل جیسے تمریض کے صیغوں سے نقل کر دیتے یہی طریقہ فتح الباری میں ہے بلکہ تمام ان کتابوں میں ہے جن کے حوالے اس مصنف صاحب کی کتاب میں ہیں۔ مثلاً طبقات ابن سعد۔ عالمگیری۔ شامی۔ اشعت اللمعات وغیرہ۔ علامہ مرحوم نے یا تو بذاتِ خود ان کتابوں کا مطالعہ نہیں فرمایا رسالوں یا کسی اور کتاب سے یہ حوالے نقل کر دئے ہیں یا سیاق وسباق پر نظر نہ ڈالی یا پھر جان بوجھ کر عبارات مردودیہ کو نقل کر کے عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کیا گیا ہے۔ صاحب فتح الباری کا اپنا مسلک یہی ہے کہ کالا خضاب مکروہ تحریمی ہے ہماری اس بات کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ علامہ مرحوم خود اسی ہی صفحہ ۵ پر فتح الباری ہی کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت

ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے بوڑھوں پر گزرے جن کی داڑھیاں سفید تھیں تو آپ نے ان سے فرمایا۔ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ حَمِّرُوْا وَصَفِّرُوْا وَخَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ۔ (بحوالہ مسند احمد۔ عینی شرح بخاری ص۵ اور فتح الباری ص۲۹۹ جلد ۱۰) ترجمہ۔ اے گروہ انصار اپنی داڑھیوں کو سرخ اور زرد کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ اس حدیث پاک میں۔ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی مخالفت میں جو خضاب لگانا ہے اُس کی وضاحت فرما دی گئی۔ کہ پہلی احادیث میں جو فقط خضاب کا ذکر ہے تو اُس کو کوئی اپنی حماقت سے مطلقاً نہ سمجھے نہ سیاہ خضاب کے جواز پر دلیل بنائے۔ نہ دھوکہ کھائے اور نہ دھوکہ دینے کی کوشش کرے بلکہ وہاں خضاب سے مراد حَمِّرُوْا وَصَفِّرُوْا۔ والا سرخ و زرد ہے۔ شارح علیہ الرحمۃ نے تو فَقَدْ تَمَسَّكَ و اے احمق شخص کی کمر توڑی ہے اور اُس کے تمسک کو باطل کیا ہے مگر وہ ہمارے علامہ مرحوم فتح الباری کا سہارا لے کر پھر اُسی باطل کی طرف مائل ہو گئے فتح الباری میں جس کی تردید ہے۔ اور تمام شارحین اُس غلط تمسک کی کیوں نہ تردید کریں جب کہ وہ جانتے ہیں کہ مطلق کیا ہوتا ہے اور مقید کیا بلکہ آج مدرسے کا چھوٹا طالب علم بھی علم اصول فقہ اصول شاشی اور شرح تہذیب نورالانوار تلویح وغیرہ سے جانتا ہے کہ مطلق اور مقید کیا ہوتا ہے خیال رہے کہ کسی چیز کی ترکیب اضافی یا توصیفی چھوڑ دینے اور اس کو مفرد ذکر کر دینے سے وہ چیز مطلق نہیں بن جاتی بلکہ مطلق و مقید کے لیے کچھ شناختی شرائط ہیں جو اصول فقہ کی کتب میں درج ہیں مثلاً مطلق ہونے کی سات شناختی شرطیں ہیں ۱۔ وہ چیز کسی مرکب اضافی کا مضاف نہ ہو ۲۔ کسی مرکب توصیفی کا موصوف نہ ہو ۳۔ کسی اسم اشارہ کا مشار الیہ نہ ہو ۴۔ نکرہ معینہ نہ ہو ۵۔ وہ چیز کسی معنوی اشارے سے بھی معین نہ ہو (یعنی ہاتھ یا آنکھ کے غیر لفظی اشارے سے نہ ہو) مثلاً اندھا آدمی کہے۔ یَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي اے مرد میرا ہاتھ پکڑ۔ یہاں رَجُلًا مطلق ہے لیکن اگر آنکھوں والا دیکھ کر کہے یَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي۔ یہاں رَجُلًا مقید ہے ۶۔ متکلم کے کسی لفظ سے اُس چیز کا تعین مستنبط نہ ہوتا ہو ۷۔ یا متکلم خود اپنے کسی اشارے یا لفظ اور کلام سابق یا مسبوق میں اس چیز کی وضاحت کر دے جس سے یہ مفرد چیز مقید بن جائے ان سات

شناختی قیود میں سے اگر ایک بھی کسی جگہ پائی جائے تو وہ چیز مقید ہوگی ورنہ مطلق۔ مصنف مذکور کی صفحہ ۷ پر پیش کردہ احادیث میں لفظ خضاب یا اس کا اشتقاقی صیغۂ امر مطلق نہیں۔ بلکہ ممانعت والی تمام احادیث اور حمّروا وصفّروا کے وضاحتی کلام مقدس نے اس کو مقیّد بنا دیا۔ مگر علامہ مرحوم کو ان باریکیوں میں جانے کی زحمت کرنا کب گوارہ تھا۔ اگر مؤلف کتاب ھذا ان اصولی باتوں کے مطابق چلتے تو احادیث کی روشنی اور سچی سمجھ حاصل کر لیتے پھر ایسی غلط کتاب تالیف نہ کرتے۔ اب میں سوچتا ہوں کہ مصنف نے اپنی زندگی میں یہ کتاب کیوں نہ چھاپی نہ شائع کرائی غالباً وہ اس کو ان ہی کمزوریوں کی بنا پر اور تردیدی جواب کے اندیشے سے چھپائے رکھنا چاہتے تھے۔ پانچویں غلطی۔ اسی صفحہ ۸ پر فتح الباری کا تحریری ایک یہ قول بھی نقل کرتے ہیں۔ وَإِنَّ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ رَخَّصَ فِيهِ فِي الْجِهَادِ وَمِنْهُمْ مَنْ رَخَّصَ فِيهِ مُطْلَقًا۔ جواب۔ یہاں بھی حضرت شارح علیہ الرحمۃ نے اپنے آپ کو بچا لیا۔ رہا دوسرے مخالف گروہ کو مِنْهُمْ کہکر زمرۂ علماء میں شامل کرنا۔ یہ صرف ظاہری نسبت اور ظاہر داری ہے ورنہ ایسے گمراہ اور مخالفِ احادیث لوگوں کو علماء میں شامل نہیں کیا جاتا۔ آج ہم بھی بہت سے امام و خطیب و مشرع داڑھی والے حضرات کو جبّہ و دستار کے ساتھ دیکھ کر عالم کہہ دیتے ہیں حالانکہ حقیقت میں عالم نہیں ہوتے۔ صرف شعلہ بیان خطابت یا وعظ شیریں بیان یا قرأت پُرسوز امامت سے تو عالم و محقق نہیں بن سکتا اس کے لیے تو بہت مستند ہونا پڑتا ہے چھٹی غلطی کتابچے کے صفحہ ۹ پر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت بحوالہ نسائی ترمذی اوّل صفحہ ۳۰۵ ابن ماجہ، شرح عینی، شرح فتح الباری۔ نقل کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ اَلْحِنَاءُ وَالْكَتَمُ وَفِي رِوَايَةٍ اَنَّهُ اَفْضَلُ۔ ترجمہ۔ بے شک بہت ہی اچھا ہے جو تم مہندی اور وسمہ سے بالوں کی سفیدی کو بدلتے ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بے شک وہ بہت افضل ہے۔ جواب۔ اس روایت پاک کا مضمون ہے کہ حنا اور کتم یعنی مہندی میں برابر کی مقدار سے وسمہ ملا کر خضاب کرنا بہت ہی اچھا اور افضل ہے۔ اس مضمون کی سات ۷ روایتیں مصنف مذکور نے اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔ چنانچہ ۲ روایت اس کتاب کے صفحہ ۱۶ پر بحوالہ عینی

شرح بخاری جلد ۲۲ صفحہ ۵۰ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ اِخْتَضَبَ اَبُوْ بَكْرٍ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ روایت ۲ صفحہ انیس ۱۹ پر لکھتے ہیں رَاَیْتُ مُحَمَّدَ ابْنَ الْحَنَفِیَّةِ یَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ (بحوالہ طبقات ابن سعد ص ۱۱۴ جلد ۵) روایت ۴ محمد ابن عمرو وعَنْ اَبِیْ سَلَمَه (کتاب کا ص ۲۰) اَنَّهٗ كَانَ یَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ (بحوالہ طبقات ابن سعد ص ۱۶۳ جلد ۵۔ مصنف نے کتاب کے صفحہ ۲۲ پر روایت ۵ لکھی۔ حضرت عمرو بن سعید ابن العاص رَاَیْتُ اِبْرَاهِیْمَ وَاَبَانَ اِبْنَیْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَجَدِّیْ یَخْضِبُوْنَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ (بحوالہ طبقات ابن سعد ص ۲۹۰ جلد ۶) مصنف صاحب کی پیش کردہ روایت ۶ صفحہ ۲۲ پر ہی لکھتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن ابی سبرہ رض فرماتے ہیں۔ وَكَانَ اَبُوْعُبَیْدَةَ یَصْبِغُ رَاْسَهٗ وَلِحْیَتَهٗ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ (بحوالہ طبقات ابن سعد ص ۲۸۵ جلد ۲) مصنف صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰ پر لکھا روایت ۷ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ اَوَّلُ مَنْ اَخْضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ اِبْرَاهِیْمُ وَاَوَّلُ مَنِ اخْتَضَبَ بِالسَّوَادِ فِرْعَوْنُ (بحوالہ سراج منیر شرح جامع صغیر ص ۸۲ جلد ۲) ان ساتوں روایتوں کا مضمون یہی ہے کہ حنا میں کتم ملا کر خضاب کرنا جائز بھی ہے اور صحابہ کرام نے ایسا خضاب لگایا بھی ہے۔ بلکہ بہت زمانوں سے اہل ایمان ایسا خضاب لگاتے چلے آ رہے ہیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت عملی ہے۔ یہاں پہلی اور ساتویں روایت میں فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے۔ پہلی میں حنا وکتم کے خضاب کی تعریف ہے ساتویں میں اس کی وجہ ہی بیان فرمائی گئی۔ بقیہ پانچ روایتوں میں صحابہ رض وتابعین کا عمل مبارک بیان کیا گیا مگر چونکہ یہاں حنا وکتم کے ملاپ سے پیدا ہونے والے رنگ کی وضاحت نہیں فرمائی گئی اگرچہ دلالۃً واقتضاءً واشارۃً اور دوسری روایات کے تفسیری وتشریحی فرمودات وارشادات نبوی سے سرخ اور پیلے رنگ کی وضاحت ثابت ہے یہ ہمارے ان مصنف صاحب نے کمال لاعلمی سے ان روایت مقدسات میں بھی تخریب کاری کر کے عوام کو لغزش دینے کی کوشش کی اب وہ اس کوشش میں ہیں کہ حنا وکتم کی ملاوٹ والے خضاب سے بھی کالا رنگ ثابت کریں جس کے لیے انہوں

نے اشعتہ اللمعات اور المنجد کے حوالوں سے سہارا تلاش کرنا چاہا مگر بات پھر بھی نہ بنی۔ اور یہاں تک حد سے بڑھے کہ اعلیٰ حضرت کی ایک عبارت کا غلط مطلب لیتے ہوئے جھوٹ تک بول گئے۔ مثلاً صفحہ ۱۰ پر اعلحضرت کا قول نقل کرتے ہیں کہ۔ حنا وکتم کا خضاب لگانے سے سیاہی کی جھلک ہوتی ہے مگر اگلے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں کہ اعلحضرت کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ (الخ) حنا اور کتم کے خضاب سے سیاہی غالب اور سرخی مغلوب ہوتی ہے اب غور کیجئے کہ اگر انسان اس طرح کی غلط بیانیاں اور کج فہمیاں ہی کرتا رہے تو اپنے باطل نظریئے اور خود ساختہ مسلک ومذہب کو کب تک بچا سکے گا۔ ایسی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحب کو اُردو زبان تک کی سمجھ نہیں فرمودات نبوت سمجھنا تو بے انتہائی دشوار ہے۔ لفظ جھلک کا معنیٰ ہے شائبہ بہت ہی خفیف مثل سایہ جس کو فارسی میں پرتو کہتے ہیں۔ جس طرح کہ بعض ریشمی سرخ۔ ہرے وغیرہ کپڑے پر۔ بوجہ چمک۔ اِدھر اُدھر کرنے سے دوسرے رنگ کی جھلک پڑتی ہے۔ اسی طرح حنا وکتم سے خضاب کر کے داڑھی اور بال ایسے سرخ ہوتے ہیں کہ اِدھر اُدھر پھرانے سے سیاہی کا سایہ اور جھلک پڑتی۔ اُردو میں یہ لفظ ہر اُس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو نظر نہ آتی ہو صرف کسی طرح کا اشارہ ملتا ہو۔ اتنے عام استعمال محاورے کو بھی کوئی نہ سمجھے تو پھر کیا کہا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ باطل نظریات بچانے کے لیے انسان کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ ہمیں حنا وکتم ملے خضاب کے رنگ کی وضاحت کے لیے اشعتہ اللمعات یا منجد کو کھولنے کھکھوڑنے کی ضرورت کیا ہے جب کہ خود آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ ارفع اور ارشادات مقدسہ کی تین احادیث مبارکہ اس کی بہترین ومکمل تشریح فرما رہی ہیں صرف بصیرت وعقل سلیم چاہیئے۔ پہلی وہ روایت کہ۔ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ حَمِّرُوْا وَصَفِّرُوْا۔ دوسری یہ روایت کہ اَوَّلُ مَنِ اخْتَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ اِبْرَاهِيْمُ وَاَوَّلُ مَنِ اخْتَضَبَ بِالسَّوَادِ فِرْعَوْنُ۔ یہاں حنا وکتم کے مقابلے اور مخالفت میں بالسواد ارشاد ہے کم سے کم عقل والا بھی جان جاتا ہے کہ حنا وکتم کا خضاب سیاہی نہیں لاتا اگر بقول مصنف حنا وکتم سے بھی سیاہی غالب آتی اور اس سے خضاب بالسواد ہی بنتا تو پھر اس تقسیم نبوی کی ضرورت کیا تھی اور فرعون کی

اولیت کیسے ہوتی لیکن اگر اشعت اللمعات ومنجد کے حوالے ضرور ہی لکھنے ہیں اور عوام پر حوالوں کی بھر مار سے رعبِ علمیت ڈالنا ہی ہے تو آیئے اِس پر بھی غور کر لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت علامہ کے یہ حوالے علامہ مرحوم کا کب تک اور کس طرح ساتھ دیتے ہیں۔ مصنف علام نے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۹ و ۱۰۰ پر عبدالحق محدثؒ دہلوی کی کتاب اشعت اللمعات کے چار حوالے نقل کئے ہیں۔ پہلا حوالہ جلد ۳ ص۶۱۸ پر ہے۔ وسمہ آن گیا ھیست و بعضے گفتہ اند درختے است بہ یمن کہ سیاہ کردہ میشود ببرگ وے موئے۔ دوسرا حوالہ جلد سوم ص۶۱۸ واز کلام بعضے مفہوم نی شود کہ خضاب بکتم صرف۔ موجب سواد خالص است و بخلط وجمع آں بحنا سرخ آید پختہ مائل بسواد۔ نہ سواد پس مرادِ خضاب بمجموع حنا وکتم باشد کذا قیل۔ تیسرا حوالہ۔ یہی مقام جلد سوم ص۶۱۸ و بعضے گفتہ اند کہ کتم ہماں وسمہ است کذا قال الطیبی۔ تینوں عبارتوں کا معنیٰ یہ ہے کہ صرف کتم سے خضاب کرنے سے بالکل خالص سیاہی آتی ہے۔ مہندی کے ساتھ ملا کر خضاب کرتے سے پختہ اور مکمل سرخی آتی ہے جس سے میلان یعنی جھلک سیاہی کی آتی ہے نہ کہ سیاہی اور کتم و وسمہ ایک ہی پودے کا نام ہے۔ یعنی کتم اُس کا صفاتی نام ولقب ہے۔ کیونکہ "کتم" کا لغوی ترجمہ ہے چھپانا۔ پوشیدہ کرنا۔ تو چونکہ اُس بوٹی سے بڑھاپا چھپکر بے نشان ہو جاتا ہے اس لیے اس کو کتم کہا گیا۔ اس کا ذاتی نام ہر زبان میں وسمہ ہے۔ چونکہ یہ تینوں حوالے علامہ موصوف کے منشا و باطل نظریات کے خلاف جاتے تھے۔ اس لیے مطلب بر آری لیے۔ چوتھا حوالہ وہی مقام ص۶۱۸/۳) نقل کرتے ہیں چنانچہ حنا چوں خلط کردہ شود با کتم خضابِ سیاہ افتد۔ ترجمہ کہ مہندی اور کتم یعنی وسمہ کو ملا دینے سے خضاب سیاہ ہو جاتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ یہ بیہودہ حوالہ حقیقت کے قطعًا خلاف ہے اگر یہ حوالہ درست ہے اور یہ عبارت اشعت اللمعات میں موجود ہے تب تو حضرت عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ پر تضاد بیانی کا اعتراض آتا ہے۔ کہ یہ حوالہ وعبارت پہلی عبارت ۲،۱ کے سراسر خلاف ہے۔ اور یا پھر مصنف مذکور نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اور یا اصل عبارت کو آگے پیچھے سے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ جو ایک

مولف کی دیانت داری کے خلاف۔ اور اس طرح کا ارتکاب علامہ مرحوم سے کئی جگہ سرزد ہوا ہے۔ جو اگلی سطور میں انشاء اللہ ظاہر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمانے والا۔ صفحہ ۸ پر المنجد کی عبارت نقل کی ہے۔ (الکتم والکتمان) نَبْتٌ يُخْضَبُ بِهِ الشَّعْرُ وَ يُصْنَعُ مِنْهُ مِدَادُ الْكِتَابَةِ۔ (الوسم) شجرۃ ورقہا خضابٌ۔ یہ حوالے لکھ کر علامہ بہت خوش ہو رہے ہوں گے کہ میں نے اللہ رسول کے حرام کو حلال ثابت کر دیا حالانکہ یہ حوالہ بھی ان کو مفید نہیں کیونکہ یہاں صرف کتم اور وسمہ کی لغوی تشریح کی گئی ہے جس میں یعنی لغوی تشریح میں کسی کا اختلاف نہیں اور یہی خضاب حرام ہے۔ بات تو حنا وکتم کی ہے اس کی سیاہی ثابت کرو تو بات بنتی ہے۔ اور یہی ناممکن لہٰذا یہ ساری کتاب اور آپ کی محنت برباد۔ **ساتویں غلطی** ۔ مصنف صاحب نے ۹ پر ابن ماجہ کتاب اللباس کے ص۲۶۷ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

عَنْ صُهَيْبٍ الْخَيْرِ۔ قَالَ قَالَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اَحْسَنَ مَا اخْتَضَبْتُمْ بِهِ هٰذَا السَّوَادُ اَرْغَبُ لِنِسَائِكُمْ فِيْكُمْ وَاَهْيَبُ لَكُمْ فِيْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمْ۔ ترجمہ۔ بے شک سب سے زیادہ اچھا وہ چیز جس سے خضاب کرتے ہو تم یہ سیاہی ہے جو زیادہ رغبت دینے والا ہے تمہاری عورتوں کو تم میں اور زیادہ ہیبت میں ڈالنے والا ہے تمہارے بیے تمہارے دشمن کے سینوں میں۔ **جواب**۔ فقط ایک یہ ہی روایت دستیاب ہوسکی کالے خضاب کے دلدادگان اور ان مصنف صاحب کو اس کے علاوہ کوئی بھی کسی قسم کی بھی روایت دنیا بھر میں کسی بھی کتب حدیث سے نہ ملسکی ورنہ مصنف مذکور فوراً وہ بھی وہاں سے لکھ ڈالتے۔ مگر اس روایت میں چار قسم کی غلطیاں اور کمزوریاں ہیں جس کی وجہ سے اس روایت کو کبھی حدیث رسول اللہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس روایت کی پہلی کمزوری۔ یہ روایت بناوٹی اور موضوع ہے۔ چنانچہ اس روایت کے متعلق شرح انجاح کی عبارت حاشیہ ابن ماجہ ص۲۶۷ پر ۳ میں صاف لکھا ہے کہ هٰذَا الْحَدِيْثُ ضَعِيْفٌ۔ دَفْعُ عَبْدِ الْحَمِيْدِ ابْنِ حَنِيْفِيٍّ لَيِّنُ الْحَدِيْثِ (حوالہ از اسماء الرجال کی مشہور کتاب تقریب التہذیب ص۱۰۹) یہ بات مصنف مرحوم کو یقیناً معلوم تھی مگر نہ اس کا ذکر

کیا نہ اِس کا رَدّ کر سکے نہ کوئی تبصرہ۔ بس خاموشی سے گول کر گئے اسی کو کہتے ہیں مطلب پرستی اور حقیقت سے روگردانی۔ ایسی کج روی اور ریت کی دیواریں کھڑی کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا اُلٹا بد نامی کا سبب بنتا ہے۔ دوسری کمزوری یہ روایت اُن تمام احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے جن میں بڑی شدت سے کالے خضاب کی ممانعت اور وعید مذکور ہے۔ خاص کر اس حدیث مقدسہ کے جس کے بحوالہ ترمذی اوّل کتاب اللباس صفحہ ۲۰۵ اور بحوالہ نسائی دوم صفحہ ۲۲۶ اور بحوالہ ابوداؤد دوم صفحہ ۲۲۲ الفاظ اس طرح ہیں۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا غُیِّرَ بِہِ الشَّیْبُ اَلْحِنَّاءُ وَالْکَتَمُ۔ ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک سب سے زیادہ اچھا وہ خضاب جس سے بڑھاپا متغیر کیا جاتا ہے وہ حنا اور کتم کی ملاوٹ والا خضاب ہے۔ اس حدیث میں بھی اَحْسَن اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور مصنف کی پیش کردہ ابن ماجہ والی حدیث میں بھی اَحْسَنَ ہے اور اُس روایت میں سیاہ خضاب کو اَحْسَنَ فرمایا جا رہا ہے جس کو بہت سی احادیث میں حرام و ممنوع فرمایا گیا اور اس ترمذی وغیرہ کی حدیث مقدسہ میں حنا و کتم کے خضاب کو اَحْسَنَ فرمایا گیا۔ اس حدیث پاک کو بہت سی کتابوں نے بہت سی سندوں کے ساتھ روایت فرمایا اور شارحین نے اس وجہ سے اس حدیث پاک کو حَسَنٌ صحیح فرمایا اور لکھا کہ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔ لیکن مصنف مرحوم کی پیش کردہ روایت کو صرف ابن ماجہ نے لیا صرف ایک ہی سند سے اس میں بھی ایک راوی عبدالحمید ابن صیفی ہے جو اسماء الرجال میں لَیِّن ہے۔ محدثین کے نزدیک لین کے معنیٰ ہے کمزور، نرم ضعیف لین کی تین قسمیں ۱۔ لین فی الحفظ ۲۔ لین فی العقل ۳۔ لین فی الدیانت راوی کے لین ہونے کی وجہ سے روایت ضعیف اور ناقابلِ قبول ہو جاتی ہے (دیکھو اصولِ حدیث کی کتب) اگر اس ابن ماجہ کی غلط روایت کو بھی صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں تضاد بیانی پائی جاتی ہے کہ کبھی کچھ اور کبھی کچھ (معاذ اللہ) اور یہ سراسر گستاخیٔ نبوت ہے مولف مرحوم اگر زندہ ہوتے تو اُن سے توبہ کرائی جاتی اور

وہ یقیناً اپنی اس پوری کتاب سے توبہ ورجوع فرما لیتے۔ تیسری کمزوری۔ اگرچہ اب اس روایت کے موضوع ثابت ہو جانے کے بعد مزید جرح کی ضرورت نہیں ہے مگر باطل کی یہ غلط بیانی ختم و توڑنے کے لیے اِتمامِ حجت ضروری ہے اس لیے یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ روایت اخلاقاً بھی غلط ہے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی ایسی بات نہیں فرما سکتے۔ یہاں کہا گیا ہے اَنْ تَعِیْبَ لِیَتَ ثُکُمْ۔ نِسَاؤُکُمْ کے تین معنی ہو سکتے ہیں ۱۔ تمہاری بیویاں ۲۔ تمہارے پیغامِ نکاح کے لیے تمہاری پسندیدہ عورتیں جن کو تم پیغام نکاح دینا چاہتے ہو ۳۔ عام عورتیں جن کو تم نفسانی خواہش سے اپنا جوان چہرہ دکھا کر اپنی طرف راغب کرنا چاہو۔ مصنف نے پہلا ترجمہ کیا ہے مگر تدبّر سے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ بھی نہ سوچا کہ بیوی جو تمہاری جوانی سے تمہارے ساتھ ہے تمہارے دن رات خلوت جلوت اور پیچھے کے سب حالات سے باخبر ہے تمہارے سفید بالوں کو بھی جانتی ہے اور تمہارے بڑھاپے کو بھی تمہاری عمر کو بھی وہ صرف منہ کالا کرنے سے کس طرح تمہاری طرف راغب ہو سکتی ہے اس بیچاری کا پلّہ تمہارے ساتھ بندھا ہوا ہے تو وہ جانتی ہے کہ بڈھے میاں اب کالا خضاب لگانے جا رہے ہیں اب منہ سیاہ کر کے آئے ہیں وہ ان ہتھکنڈوں اور شعبدہ بازیوں سے راغب نہیں ہو سکتی۔ اس کو تو تمہاری مردمی طاقت ہی راغب اور مائل کر سکتی ہے جو تمہاری داڑھی کے کالے اور خضاب آلودہ بالوں میں نہیں بلکہ نیچے ہے جس کو وہ جانتی ہے کہ حقیقتِ باطنی کیا ہے۔ اس کے بغیر ایک داڑھی اور سر کیا پورے جسم کو کالا کر کے آجاؤ وہ کبھی راغب تو درکنار متاثر بھی نہ ہوگی بلکہ بڈھے میاں کا مذاق ہی اُڑ اُٹھے گی۔ اور اگر تمہارے پاس قوتِ مردمی ہے تو اس کے لیے تمہارے سفید بال اور کانپتے بڑھاپے کے ہاتھ بھی منظور ہیں پھر خضاب سیاہ کی فریب کاریوں کی ضرورت ہی نہیں۔ حاجتِ مشاطہ نیست قوتِ مردانہ را۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کو ایک عام گھریلو آدمی بھی جانتا ہے۔ تو کیا نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جن کو پوری کائنات کا علم ہے ان باتوں کو نہ سمجھتے ہوں گے اور بیکار بے فائدہ بات فرما دیں۔ ناممکن ہے اور بقولِ مصنف نبی کریم بھی سرخ یا پیلا خضاب لگایا کرتے تھے۔ داگرچہ بھی حقیقتاً

غلط ہے) تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ازواجِ پاک کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے کالا خضاب کیوں نہ لگایا صرف دوسروں کو کیوں حکم دیا اور اَحْسَن کہہ کر آمادہ کیا۔ سیاہ خضاب کو عملی سنت کیوں نہ بنایا۔ یہ وہ سوالات ہیں جو اس موضوع اور بناوٹی روایت پر وارد ہوتے ہیں جن کا جواب کوئی سیاہی والا نہیں دے سکتا بحمد اللہ تعالیٰ۔ اور اگر لِلنِّسَاءِ لَکُمْ سے مُنتخب لِلنِّکَاح عورتیں مراد ہیں اور بوڑھے میاں ان کو راغب کرنے پیغامِ نکاح منوانے کے لیے کالا خضاب لگا کر عورت والوں کے سامنے منہ دکھلاوا کرتے ہیں تو یہ سراسر دھوکہ دہی ہے اگر اس فریب میں آ کر وہ عورت اور لواحقین بڈھے پیغامِ نکاح دینے والے کو جوان سمجھ کر پیغام مان لیتے ہیں نکاح ہو جاتا ہے، پھر جب عیب کھلے گا۔ عورت اور اس کے لواحقین پچھتانے ہوں گے تو اس فریب دہی کا گناہ کہاں تک جائے گا۔ خاوند کہے گا مجھ کو فریب کاری کا یہ طریقہ ابن ماجہ کی ایک روایت نے سکھایا اور بیوی عدالت وکچہری میں خیارِ عیب حاصل کرتی پھرے گی۔ بھائیوں کچھ تو سوچو کیوں اندھے بن کر جہنم کا راستہ تلاش کرتے پھر رہے ہو۔ اور اگر لِلنِّسَاءِ لَکُمْ سے مراد عام چلتی پھرتی گلی محلے کی عورتیں ہیں ان کے دکھلاوے کے لیے اور ان کو راغب کرنے کے لیے کالا خضاب لگا کر سرِ راہ عورتوں کو دکھانا مقصود ہو تو یہ کھلی بدمعاشی۔ بے غیرتی فحاشی وعیاشی ہے کیا اس کا حکم نبی کریم دے سکتے ہیں (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) غور تو کرو کہ ابن ماجہ کی اس ذرا سی بے احتیاطی نے کتنوں کے ایمان برباد کر دیئے اس روایت خود ساختہ سے۔ سراسر ناموسِ رسالت کی گستاخی ہو رہی ہے ایک ابن ماجہ کی کیا حیثیت ہے ہزاروں ابن ماجہ عزتِ آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کیئے جا سکتے ہیں۔ یہی وہ روایت ہے جس کو لکھ کر مصنف مذکور خوشی سے بغلیں بجاتے ہوں گے۔ اس کا بھی حشر آپ نے دیکھ لیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

چوتھی کمزوری۔ اس روایت میں۔ کالے خضاب کا دوسرا فائدہ یہ لکھا ہے کہ وَاَھْیَبُ لَکُمْ فِی صُدُوْرِ عَدُوِّکُمْ۔ یہ عبارت لفظاً بھی نحوی قواعد سے کچھ غلط لگتی ہے کیونکہ عَدُوِّ واحد ہے اور صدور جمع ہے ایک عدو کے بہت سے صدور (سینے) کیسے ہو سکتے ہیں علماءِ نحات کے نزدیک واحد سے جمع مراد لینے کی تین شرطیں ہیں (۱) وہ واحد الف لام استغراقی سے معرّف ہو (۲) نکرہ مفرد غیر مخصوصہ ہو مضاف نہ ہو (۳) یا تکرارِ لفظ ہو۔ جیسے عَدُوِّیْ وَعَدُوِّکُمْ

مگر یہاں یہ کوئی شرط نہیں اس لیے اِس کی وحدت متعین ہے۔ لہٰذا حدیث کے اندر ایسی غلطی نہیں ہوسکتی۔ نیز یہاں لفظ عَدُوَّکُم مجمل اور غیر واضح ہے یہ پتہ نہیں کہ دشمن سے ذاتی دشمن مراد ہے یا دینی ایمانی دشمن کسی بھی دوسری حدیث نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی نہ کسی شارح کے قول نے حالانکہ احادیث کے احکام قیامت تک سب مسلمانوں کے لیے یکساں ہیں۔ اگر ذاتی دشمن مراد ہیں تو یہ اس طرح داڑھیاں اور سر کے بال کالے کر کے اپنے ذاتی دشمنوں کو دھوکہ دینا اور مرعوب و موھوب (ہیبت زدہ) کرنے کے لیے حکم نبوی نہیں ہوسکتا۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو ذاتی دشمنیاں ختم کرنے تشریف لائے ہیں مگر یہ روایات دشمنی بھڑکانے کا سبق سکھاتی ہے اور اگر کفار دشمن مراد ہوں تو یہ صرف ایک تخیل ہے کہ کالی داڑھی سے کفار ہیبت زدہ ہوجائیں خاص کر آج کل کے ہتھیاروں کے زمانے میں تو زمانہ جنگ و جہاد میں نہ دوبدو آمنے سامنے لڑائی ہوتی ہے نہ تیر و تلوار کی مشقت نہ جوانی کے زورِ بازو کا استعمال اسی لیے کسی بھی مجاہد کے لیے کسی حدیث پاک میں کالے خضاب کی کوئی اجازت مذکور نہیں۔ صرف فقہاءِ کرام نے فقط اُس زمانے کی جنگوں میں مجاہد کے سفید بالوں کے لیے کالے خضاب کی وقتی طور پر بحالتِ جنگ استنباطی اجازت دی تھی اب وہ بھی نہیں (صفحہ ۱۲) پر ان ہی الفاظ کی ایک اور روایت بحوالہ عینی شرح بخاری صـ۵۱۔ فاروق اعظمؓ کی طرف بھی منسوب کی گئی مگر یہ بھی بناوٹی جھوٹی روایت ہے اور فاروق اعظمؓ پر تہمت کیونکہ خود فاروق اعظمؓ نے کبھی کالا خضاب نہیں لگایا حالانکہ آپ کی بھی بیویاں تھیں اور آپ نے بڑھاپے میں حضرت کلثومؓ بنت علیؓ سے نکاح بھی کیا تھا۔ آپ خود ہمیشہ خالص مہندی کا خضاب لگایا کرتے تھے۔ چنانچہ جمع الوسائل جلد اوّل صـ۹۱ شرح مناوی جلد اوّل صـ۹۱ مشکوٰۃ شریف صـ۳۸۴ بحوالہ مسلم و بخاری ہے اِنَّ اَبَا بَکْرٍ کَانَ یَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ وَعُمَرُ بِالْحِنَّاءِ بَحْتًا۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ خود تو ممنوعہ خضاب سے بچیں اور لوگوں کو محض عورتوں کے لیے سیاہ خضاب پر آمادہ کریں وہ بناوٹی روایت بھی ان خرابیوں سوالوں اور اعتراضات اور اندیشوں کے زد میں آتی ہے، جن کا جواب ان آشفتگانِ خضابِ اسود کے پاس نہیں ہے۔ آٹھویں غلطی۔ اسی

کتاب کے ص۱۲ اور ص۱۴ پر فتاویٰ عالمگیری چہارم ص۱۳۹ اور فتاویٰ شامی پنجم ص۲۹۵ کی عبارت نقل کرتے ہوئے بڑے فخر سے لکھتے ہیں۔ وَرُوِیَ عَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ قَالَ کَمَا یُعْجِبُنِیْ اَنْ تَتَزَیَّنَ لِیْ یُعْجِبُهَا اَنْ اَتَزَیَّنَ لَهَا۔ کَذَا فِی الذَّخِیْرَۃ ترجمہ۔ اور روایت کیا گیا ہے امام یوسفؒ سے انہوں نے فرمایا۔ جیسے مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میری بیوی میرے لیے زینت و آرائش کرے اسی طرح اُسے بھی اچھا لگتا ہے کہ میں اس کے لیے زینت و آرائش کروں۔ جواب) اسی عبارت سے ایک دو سطر پہلے فتاویٰ عالمگیری و شامی دونوں نے فرمایا کہ عام مشائخ کے نزدیک عورتوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے کالا خضاب مکروہ تحریمی ہے۔ اسی سے ان ہر دو فتاویٰ کا اپنا مسلک ظاہر ہو گیا کہ ان حنفی علما فقہا کے نزدیک سیاہ خضاب ناجائز ہے بلکہ پہلی سطور میں لکھا ہے کہ سرخ خضاب مسلمانوں کی علامت خصوصیہ ہے گویا سرخ خضاب چھوڑ کر کالا رنگ کرنا مسلمانوں کی نشانی سے ہٹنا ہے اور کفار کی نشانی اپنے آپ پر لگانا ہے۔ اس بات سے بھی ان کا اپنا مسلک ثابت ہو رہا ہے آگے امام یوسف کے متعلق ایک منسوب شدہ قول نقل کرتے ہیں کہ کسی نامعلوم شخص نے امام یوسف کی طرف سے کہا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مجھ کو بیوی کا بناؤ سنگھار اور نہائی دھوئی اُجلی ہونا پسند ہے اس طرح وہ بھی چاہتی ہے اُس کا خاوند بھی اپنی زینت کرے۔ یہاں فتاویٰ عالمگیری نے فتاویٰ ذخیرہ سے اور شامی و عالمگیری نے یہ قول مجہول راوی کی طرف سے نقل کر دیا کوئی پتہ نہیں امام یوسف نے کس کتاب میں فرمایا۔ ان دونوں فتاویٰ نے اس کو خضاب کے مسئلے کے ساتھ لکھ کر مصنف کو مزید موقعہ فراہم کیا کہ وہ کالے خضاب کے جواز پر اس عبارت سے استدلال پکڑیں مگر دو وجہ سے مصنف مرحوم کا اس سے استدلال پکڑنا غلط ہے اولاً تو اس لیے کہ زینت سے مراد کالا خضاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خاوند بیوی تو شروع دن سے چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کے لیے دونوں زینت کریں بلکہ ہر شخص دوست احباب وغیرہ بھی زینت کو پسند کرتے۔ یہاں تک کہ رب تعالیٰ بھی زینت کو پسند کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ ترجمہ۔ ہر مسجد کے پاس زینت اختیار کرو۔ اس آیت سے

ثابت ہو رہا ہے کہ زینت سے پاکیزگی صفائی نہانا دھوتا۔ اچھا عمدہ خوب صورت مکمل لباس پہنا ہے اور جسم۔ بالوں، ہاتھوں پیروں، سر اور چہرے کا میل دھونا ہے نہ کہ صرف بال کالے کرنا یعنی خاوند، بیوی کے علاوہ ہر شخص صاف ستھرے مہذب نہائے دھوئے آدمی کو پسند کرتا ہے۔ گندے منہ کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ امام یوسف کی روایت کا معنی اور آیت کا منشا فقط یہ ہی ہے۔ اس کا خضاب سے کوئی تعلق نہیں۔ زینت کا معنی کالا خضاب کسی لغت نے نہیں کئے۔ عالمگیری و شامی کا یہ روایت یہاں لکھنا بلا وجہ ایک دوسرے کی نقل مارنا ہے لیکن اس نقل سازی سے بھی مصنف کا مطلب حل نہیں ہوتا کیونکہ۔ اگر زینت سے خضاب ہی مراد لیا جائے تب بھی مسلک اور جائز خضاب مراد ہے یعنی سرخ خضاب۔ نہ کہ ناجائز خضاب۔ اور اگر مصنف کے نزدیک بوڑھے میاں کے کالے خضاب میں ہی زینت ہے تو ان فتاوی کے نزدیک فقط سرخ خضاب میں زینت ہے اس لیے جمہور نے اسی کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ صفحہ ۱۴۱ پر بالکل اسی فتاویٰ شامی و ذخیرہ جیسی فارسی عبارت بحوالہ اشعت اللمعات ص۲۱۰ نقل کی ہے۔ اسی عبارت میں محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا اپنا مسلک یہی بیان کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک بھی کالا خضاب حرام و مکروہ تحریمی ہے۔ نویں غلطی ص۱۵ پر پانچ عبارتیں نقل کی گئیں ہیں ۱۔ حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب فرماتے ہیں۔ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی اُمِّ سَلْمَۃَ فَاَخْرَجَتْ اِلَیْنَا شَعْرًا النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم مَخْضُوْبًا۔ ھٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَزَادَ ابْنُ مَاجَہ وَاَحْمَدُ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ۔ ترجمہ۔ عثمان بن عبداللہ نے فرمایا کہ میں حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ہمارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے ایک بال شریف نکالا جو خضاب کیا ہوا تھا یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور ابن ماجہ واحمد نے اس روایت میں یہ الفاظ بڑھائے ہیں وہ بال مبارک مہندی اور وسمہ سے خضاب کیا ہوا تھا۔

عبارت دوم۔ ابی رمثہ فرماتے ہیں۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم یَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ۔ وَھٰذَا لَرِوَایَتٌ صَرِیْحَۃٌ فِیْ خِضَابِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ ترجمہ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خضاب کیا کرتے تھے

مہندی اور وسمہ کا۔ اور یہ آپ کے خضاب کرنے میں صریح روایت ہے۔ عبارت سوم۔ حضرت ابو جعفرؓ (امام محمد باقر) فرماتے ہیں۔ شَمِطَ عَارِضَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم فَخَضَبَ بِحِنَّاءٍ۔ ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخساروں کے بال سفید ہو گئے تو آپ نے مہندی اور وسمہ سے خضاب کیا۔ عبارت چہارم حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رَأَیْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم مَخْضُوْبًا ترجمہ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک خضاب کیا ہوا دیکھا۔ عبارت پنجم صفحہ ۱۶ پر ہے کہ حضرت عبد اللہؓ بن محمدؓ بن عقیلؓ فرماتے ہیں۔ رَأَیْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم عِنْدَ اَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ مَخْضُوْبًا۔ ترجمہ میں نے انسؓ بن مالک کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک خضاب کیا ہوا دیکھا یہ پانچوں روایتیں مصنف صاحب نے رکتاب جمع الوسائل شرح شمائل ترمذی ملّا علی قاری سے علی ترتیب الصفحات نقل فرمائیں ص ۹۶ ص ۹۸ ص ۹۷ ص ۹۸ ص ۱۰۰ جلد اوّل۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہندی اور وسمہ کا خضاب کیا۔

جواب۔ نامعلوم مصنف نے یہ پانچ عبارتیں کیا ثابت کرنے کے لیے نقل فرمائیں۔ مہندی اور وسمہ ملا کر خضاب کرتے ہیں تو کسی کا اعتراض یا انکار نہیں تمام مسلمان اس کو جائز احسن اور بہتر کہتے ہیں بلکہ حدیث پاک میں خود آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابراہیم علیہ السّلام کا خضاب اَلْحِنَّاءِ وَالْکَتَم کا فرمایا ہے اور اس خضاب کا تقابل بالسّواد سے فرمایا یعنی اس کے مقابل و مخالف خضاب سیاہ ہے جو سب سے پہلے دنیا میں فرعون نے لگایا اس تقابل سے ثابت ہوا کہ حنا اور کتم (وسمے) کا خضاب اَسْوَد یعنی کالا نہیں ہوتا اس حدیث پاک کو ہم اپنی پانچویں دلیل میں سنداً دیلمی کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں یہ حدیث پاک سنداً متناً عباداً روایتاً درایتاً ہر اعتبار سے درست اور صحیح ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اس کی صحت کے تین دلائل ہیں ۱ محدثانہ جرح سے صحت ثابت ۲ اس کے سب ثقہ راوی ہیں جو جرح محدثین میں ہر اعتبار سے صحیح قابل قبول ہیں ۳ سب سے بڑی وجہ یہ کہ اعلحضرت مجدد بریلوی نے اپنی کتاب حک العیب

کے ص۵ پر اس حدیث مقدسہ سے حرمتِ خضاب سیاہ اور جوازِ خضاب سرخ پر استدلال فرمایا اور اعلیٰ حضرت کا کسی دلیل کو قبول فرمالینا ہی صحت کے لیے کافی ہے۔ غالبًا مصنف مرحوم اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کتم وحنا کا ملا ہوا خضاب بھی سیاہ کرتا ہے۔ اگر یہ بات ہے جیسا کہ ان کے اشاروں سے اندازہ ہو رہا ہے تو یہ مصنف صاحب کی بدترین غلطی و کم فہمی ہے۔ ہاں البتہ جن روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنا وکتم کا خضاب لگایا وہ غلط ہے اور ایسی سب روایتیں جھوٹی و کذب بیانی ہیں اس لیے کہ آقاءِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک سفید ہوئے ہی نہیں صرف چند بال مبارک سفید تھے باقی سب سیاہ ہی رہے اور سیاہ بالوں پر تو کبھی خضاب لگایا ہی نہیں جاتا۔ چنانچہ ابن ماجہ شریف ص۲۶۷ پر ہے۔ باب مَنْ تَرَکَ الْخِضَابَ۔ پہلی حدیث پاک۔ محمد بن مثنّٰی۔ ابوداؤد زُھَیر۔ ابی اسحٰق۔ ابی جحفہ۔ قَالَ رَأَیْتُ رسولَ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم ھٰذِہٖ مِنْہُ بَیْضَاءَ یعنی عَنْفَقَتَہٗ۔ دوسری حدیث پاک۔ عَنْ حُمَیْدٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ ابْنُ مَالِکٍ اَخَضَبَ رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم۔ قَالَ اِنَّہٗ لَمْ یَرَ مِنَ الشَّیْبِ اِلَّا سَبْعَۃَ عَشَرَ اَوْ عِشْرِیْنَ شَعْرَۃً فِیْ مُقَدَّمِ لِحْیَتِہٖ۔ تیسری حدیث پاک۔ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ شَیْبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ نَحْوَ عِشْرِیْنَ شَعْرَۃً۔ ترجمہ تینوں احادیث کا آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی قسم کا کسی رنگ کا خضاب نہ لگایا کیونکہ آپ کے بال شریف صرف سترہ عدد یا بیس عدد سفید ہوئے تھے۔ یہ فرمان حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے ہر وقت پاس رہنے والے صحابہ کرام کا ہے۔ اور ابوجحیفہ صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے خود بغور دیکھا کہ آپ کی عنفقہ شریف یعنی نچلے ہونٹ مقدس کے نیچے والے بالوں مبارکوں میں کچھ سفیدی آگئی تھی۔ یہاں ہی حاشیہ میں ہے ۳ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ دَاؤُدَ کَانَ یُصَفِّرُ لِحْیَتَہٗ بِالْوَرْسِ وَالزَّعْفَرَانِ۔ ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کبھی کبھی اپنی داڑھی مبارک کو ورس اور زعفران کی خوشبو لگا لیتے تھے۔ (ابوداؤد ص۲۲۲ جلد اوّل) مصنف صاحب کی یہاں نقل کردہ پہلی روایت کا جواب ابن ماجہ کے حاشیہ ۹ ص۲۶۶ پر اس

اس طرح ہے ۔ قَالَ الْقَاضِیُ اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ هَلْ خَضَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ امْ لَا فَمَنَعَهُ الْاَكْثَرُوْنَ بِحَدِیْثِ اَنَسٍ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَضِیْبَ فَقَالَ لَمْ یَبْلُغِ الْخِضَابَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (الخ) یَكُوْنُ ذَالِكَ مِنَ الطِّیْبِ الَّذِیْ كَانَ یُطَیِّبُ بِهٖ شَعْرَهٗ لِاَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَسْتَعْمِلُ الطِّیْبَ كَثِیْرًا وَهُوَ یُزِیْلُ سَوَادَ الشَّعْرِ۔ ترجمہ ۔ فرمایا قاضی نے کہ علماء نے مختلف باتیں کی ہیں اس بارے میں کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خضاب لگایا ۔ یا کہ نہ لگایا ۔ تو اکثر فقہاءِ کرام نے یہ ہی فرمایا ہے کہ کبھی خضاب نہ لگایا ۔ حضرت انس کی اس (مندرجہ بالا) حدیث کی وجہ سے (جو اوپر ہم نے نقل کی) کہ اُن سے لوگوں نے پوچھا کیا نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خضاب لگایا تھا ۔ تو حضرت انس نے جواباً فرمایا کہ بال مبارک خضاب لگانے کی حالت (سفیدی) تک پہنچے ہی نہ تھے ۔ اس حدیث کو مسلم شریف نے بھی روایت کیا ہے ۔ یہ پیلا رنگ جو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مقدس میں دیکھا جا رہا ہے یہ اُس خوشبو کا رنگ ہے جو آپ اپنے بالوں میں لگایا کرتے تھے اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو بہت استعمال فرماتے تھے ۔ اور یہ خوشبو ہی بالوں کی اصلی قدرتی سیاہی کو تھوڑا سا زائل کر کے پیلاہٹ کو غالب کر دیتی تھی ۔ ثابت ہوا کہ یہ خضاب نہ تھا حاشیہ ابوداؤد شریف جلد اول صفحہ ۲۲۳ پر ہے ۔ ۵ مِنْ كَلَامِ اَنَسٍ ۔ فَقَالَ مَا اَدْرِیْ فِیْ هٰذَا الَّذِیْ یُحَدِّثُوْنَ اِلَّا اَنْ یَكُوْنَ ذَالِكَ مِنَ الطِّیْبِ الَّذِیْ كَانَ یُطَیِّبُ بِهٖ شَعْرَهٗ ، لِاَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَسْتَعْمِلُ الطِّیْبَ كَثِیْرًا وَهُوَ یُزِیْلُ سَوَادَ الشَّعْرِ فَاَسْنَدَ اَنَسٌ اِلٰی اَنْ تَغَیَّرَ ذَالِكَ لَیْسَ بِصِبْغٍ وَاِنَّمَا هُوَ بِضُعْفِ لَوْنِ سَوَادِهٖ بِسَبَبِ الطِّیْبِ قَالَ وَیُحْتَمَلُ اَنَّ تِلْكَ الشَّعْرَاتِ تَغَیَّرَتْ بَعْدَهٗ لِكَثْرَةِ تَطْیِیْبِ اُمِّ سَلَمَةَ لَهَا اِكْرَامًا ۔ ترجمہ ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کے وہ مختلف معنیٰ جو لوگ اپنی رائے میں بیان کرتے ہیں ان سب اقوال کا نتیجہ صرف یہی نکلتا ہوں اور یہی سب کا خلاصہ ہے کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بالوں میں وہ اس خوشبو کا رنگ تھا جو آپ اپنے داڑھی

مبارک کے بالوں کو لگایا کرتے تھے اس لیے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو بہت کثرت سے استعمال فرمایا کرتے تھے اور وہ خوشبو ہی تھی جو بالوں کی اصلی قدرتی سیاہی کو زائل کر دیا کرتی تھی (اور بال سرخ معلوم ہونے لگتے تھے) پس حضرت انس نے خضاب کا انکار کر کے اشارہ فرمایا ہے کہ یہ تبدیلی کسی خضابی رنگ سے نہیں تھی۔ بلکہ وہ فقط بالوں کی سیاہی کے رنگ کے ہلکا پڑنے سے تبدیلی تھی خوشبو لگانے کی وجہ سے۔ شارح نے فرمایا اور یہ احتمال بھی درست ہو سکتا ہے کہ جو بال شریف حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دکھائے اُن کا سرخ اور بھورا ہونا اُس خوشبو کی وجہ سے ہو جو خود حضرت اُم سلمہ ہی کثرت سے ان کو خوشبو لگاتی تھیں بالوں کی تعظیم کی بنا پر۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتنا صاف ہو گیا یہ مسئلہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی کوئی خضاب نہ لگایا۔ یہ تھیں وہ اُلجھنیں اور غلطیاں جو ہمارے متقدمین و متاخرین محققوں کی لکھے ہر جھوٹے سچے قول کو لکھ دینے سے پیدا ہو کر ہر مسئلے کو اُلجھا دیتی ہیں۔ مگر ان میں الجھنا اور نیا مسلک بنا لینا یہ وہ غلطیاں ہیں جن میں اُن متقدمین کو معذور سمجھ کر تو معاف رکھا جا سکتا ہے مگر موجودہ دور کے کسی مصنف کا اِن تشریحات سے منہ چھپا کر نکل جانا معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ پہلے زمانوں میں کسی روایت کی غلط بیانی یا اُلجھاؤ سے نکل جانا اور سچی وضاحت کا پا لینا اتنا آسان نہ تھا جتنا آج ہے اُس زمانے میں نہ مکتبے نہ پریس۔ نہ لائبریریاں ہوتی تھیں نہ اتنی کتابیں آج کے مصنف اور سچائی کے متلاشی کو کتنی سہولتیں ہیں کہ ایک ایک مسئلے کے لیے سینکڑوں کتابیں۔ شرحیں۔ تفسیریں وضاحتیں چند لمحوں میں میسّر آجاتی ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مصنف مرحوم کو ہمارے پیش کردہ صحاح ستّہ کے حوالے اور شرحیں اور پیچھے وضاحتی اقوال میسر نہ آئے یا نظر نہ آئے۔ ایسا ہرگز نہیں یہ سب کچھ جان کر غلط اور باطل نظریے کو بچانے کے لیے کیا گیا ہے اور ان وضاحتوں سے مصنف منہ لپیٹ کر نکل گئے۔ کیا اِس حرکت کو دیانتدار مصنفین کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اِن لغزشوں کم ظرفیوں سے مسلک بچانا کوئی صحت مند تصنیف نہیں دسویں غلطی مسئلہ ۱۶ پر ہی ہے۔ اِختضَبَ

اَبُوْبَکْرٍ بِالْحِنَاءِ وَالْکَتَمِ ۔ ترجمہ ۔ حضرت ابوبکر صدیق حناء وکتم سے خضاب کیا کرتے تھے ۔ جواب ۔ بالکل ٹھیک کرتے تھے یہ خضاب شرعاً جائز ہے ۔ اس میں کوئی تنازعہ نہیں ۔ آپ کو کیا اعتراض ہے ۔ گیارھویں غلطی ص ۱۶ پر ہی ہے ۔ امام بدر الدین عینی حنفی شارح بخاری کی ایک دراز عبارت نقل کرتے ہیں اس کی پہلی سطر اس طرح ہے اَنَّ عُثْمَانَ کَانَ یَخْضِبُ بِہٖ (الخ) ترجمہ بے شک عثمان اس کا خضاب لگاتے تھے ۔ جواب ۔ یہ عبارت مجہول ہے نہ یہ پتہ کہ یہ عثمان کون سے ہیں ۔ اسماء الرجال میں صحابہ وتابعین کے دس حضرات عثمان نامی ہیں ۔ یہاں کون سے عثمان مراد ہیں صحابی ہیں یا تابعی اس کی کوئی وضاحت نہیں مصنف اپنے ترجمے میں ان کو عثمان غنی بتا رہے ہیں مگر کوئی ثبوت نہیں اس طرح خضاب کے بارے میں بھی کوئی وضاحت نہیں یخضب بہ میں ہ ضمیر کا معنی ہے اس اب اس سے کوئی کیا سمجھ سکتا ہے اس کا معنی سرخ بھی ہو سکتا ہے پیلا بھی ۔ حنا وکتم بھی ۔ مصنف نے اپنی مرضی کا ترجمہ سیاہ کر لیا دوسرا کوئی اٹھے گا وہ اپنی مرضی کا ترجمہ کرے گا ۔ مسئلہ تو اس طرح حل نہ ہوا یہ ذمہ داری تو مصنف صاحب کی تھی کہ سیاق وسباق کی پوری عبارت نقل کر کے بات صاف کرتے اس طرح کی درمیان سے کانٹ چھانٹ کر کے عبارت لکھ دینی تو اور مشکوک کر دیتی ہے یہ بھی تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ مصنف نے جان بوجھ کر اپنے خلاف عبارت چھوڑ کر درمیانی عبارت لکھ کر اپنے مطلب کا غلط ترجمہ کر دیا ہو جس طرح کہ مصنف نے چندجگہ ایسا کیا ہے جس کو ہم ابھی آئندہ ثابت کریں گے ۔ بارھویں غلطی ۔ اسی عبارت کی آخری سطور میں لکھتے ہیں ۔ وَرَوَی ابْنُ وَھْبٍ عَنْ مَالِکٍ قَالَ لَمْ اَسْمَعْ فِیْ صَبْغِ الشَّعْرِ بِالسَّوَادِ نَھْیًا مَعْلُوْمًا ۔ (الخ) ترجمہ ۔ ابن وہب نے مالک سے روایت کی انھوں نے فرمایا کہ بالوں کو سیاہ کرنے کے بارے میں میں نے کوئی معلوم حدیث ممانعت کی نہیں سنی ۔ (جواب) اس عبارت میں تین لغزشیں اور چشم پوشیاں ہیں (۱) یہ حوالہ مؤطا امام مالک کا دیا گیا ہے ۔ حالانکہ یہ الفاظ امام مالک رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمائے وہاں اس طرح روایت ہے ۔ مؤطا جلد دوم باب مَاجَاءَ فِیْ صَبْغِ الشَّعْرِ ۔ ہمارے پاس اس وقت مؤطا علی حاشیہ

ابن ماجہ مطبوعہ سعید کراچی ہے اُس کے صفحہ ۲۶۶ پر ہے۔ قَالَ مَالِكٌ فِي صَبْغِ الشَّعْرِ بِالسَّوَادِ لَمْ اَسْمَعْ فِي ذَالِكَ شَيْئًا مَعْلُوْمًا۔ وَغَيْرُ ذَالِكَ مِنَ الصَّبْغِ اَحَبُّ اِلَيَّ (الخ) قَالَ مَالِكٌ فِي هٰذَا الْحَدِيْثِ بَيَانُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَصْبُغْ وَلَوْ صَبَغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَرْسَلَتْ عَائِشَةُ بِذَالِكَ اِلٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ الْاَسْوَدِ (اس عبارت میں جس روایت کی طرف اشارہ ہے وہ اوپر اس طرح لکھی ہے۔ مَالِكٌ عَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ الْاَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوْثَ قَالَ وَكَانَ جَلِيْسًا لَّهُمْ وَكَانَ اَبْيَضَ الرَّاسِ وَاللِّحْيَةِ فَغَدَا عَلَيْهِمْ ذَاتَ يَوْمٍ وَقَدْ حَمَّرَهَا قَالَ فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ وَهُوَ الْحَسَنُ۔ فَقَالَ اِنَّ اُمِّيْ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَتْ اِلَيَّ الْبَارِحَةَ جَارِيَتَهَا نُخَيْلَةَ فَاَقْسَمَتْ عَلَيَّ لَاَصْبُغَنَّ وَاَخْبَرَتْنِيْ اَنَّ اَبَا بَكْرِ الصِّدِّيْقَ كَانَ يَصْبُغُ۔ ترجمہ امام مالک نے فرمایا بالوں میں سیاہ رنگ کرنے کے بارے میں میں نے کوئی معلوماتی چیز یا مشہور بات نہ سنی۔ لیکن میرے نزدیک سیاہ رنگ کے علاوہ زیادہ محبوب ہیں یعنی سرخ یا پیلا۔ امام مالک نے فرمایا اس اوپر والی حدیث میں یہ چیز ثابت اور ظاہر ہو رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی رنگ کا خضاب اپنے بالوں کو نہ لگایا اگر لگایا ہوتا تو اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی بات کا حوالہ بھیجتیں عبدالرحمٰن اسود کے پاس۔ وہ اوپر والی حدیث شریف یہ ہے کہ امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی کہ عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث صحابہ کرام کے ایک گروہ میں اکثر بیٹھا کرتے تھے اور آپ کی داڑھی اور سر کے بال سب سفید تھے۔ ایک دن وہ صبح صبح ان ہی صحابہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن کے سارے بال سرخ تھے اُن سب صحابہ نے دیکھ کر اُن سے فرمایا اب یہ اچھا لگتا ہے یہ کام اچھا کیا تو عبدالرحمٰن بن اسود نے اُن کو بتایا کہ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے کل گزشتہ رات اُن کے پاس لونڈی نخیلہ کو بھیجا اُس نے مجھ کو قسم دلائی کہ میں ضرور ضرور اپنے بالوں کو (سرخ) رنگ لوں۔ اور یہ خبر بھی دی کہ صدیق اکبر بھی ایسا ہی رنگ لگایا کرتے تھے۔ (الخ) اس تمام

حدیث اور امام مالک کے فرمان سے چار باتیں ثابت ہو رہی ہیں ۱۔ امام مالک اپنی معلومات کے متعلق فرمار ہے ہیں کہ میں نے کالا خضاب کے بارے میں ابھی تک کسی کا کوئی قول نہ سنا۔ (نہ جواز کا نہ حرمت و کراہت کا) ۲۔ یہ کہ صدیق اکبر سرخ خضاب لگایا کرتے تھے اس لیے تو عبدالرحمٰن نے اُمّ المومنین کے قسم دلانے اور صدیق اکبر کا حوالہ دینے پر سرخ خضاب لگایا ۳۔ سرخ رنگ دیکھ کر ان تمام صحابہ نے تعریف کی اور سرخ رنگ کو حَسَن فرمایا ۴۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بھی خضاب کبھی نہ لگایا۔ مصنف مرحوم نے مؤطا کی عبارت میں شیئاً معلوم کے بجائے نَھْیاً مَعْلُوْمٌ۔ لکھا یہ خیانتی تبدیلی ہم کس کے ذمہ لگائیں۔ بدرالدین عینی صاحب کے یا ان مصنف صاحب کے۔ اگر حیات ہوتے تو ضرور اس خیانت پر توجہ کروائی جاتی نیز مصنف مذکور صاحب نے مؤطا کی اُس اوپر والی صاف اور واضح حدیث پاک کو چھوڑ دیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے یا تو انہوں نے یہ غلط حرکت جان بوجھ کر کتاب کو دیکھتے بھالتے کی ہے اپنے خلاف اس حدیث پاک سے منہ لپیٹ کر نکل گئے اور یا پھر یہ ساری کتاب رسالوں اخباروں سے دیکھ کر نقل کی ہے خود کسی بڑی کتاب کو دیکھنے کی زحمت نہ کی ورنہ یہ باطل عقیدہ و عمل نہ بناتے۔ اس ساری عبادت سے بھی امام مالک کا مسلک ظاہر ہو گیا کہ امام مالک کے نزدیک پیلا و سرخ خضاب محبوب ہے اور کالا مردود ہے۔ مصنف کی اس عبارت میں۔ دوسری لغزش۔ مصنف اس عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مؤطا سے معلوم ہوا کہ نہی اور ممانعتِ اسود خضاب کی کوئی حدیث قطعی موجود نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں توڑ پھوڑ اور ردّو بدل کر کے انسان جو چاہے کہتا چلا جائے مگر حقیقت میں مؤطا سے ہرگز یہ ثابت نہیں کہ احادیث کی کتب میں کوئی حدیث ممانعت ہے ہی نہیں بھلا یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ دیگر تمام محدثین حرمتِ خضاب اسود پر کثیر احادیث بیان فرماتے ہیں اور شارحین اس کا تذکرہ کر رہے ہیں اور جمہور علما نے بھی حرمتِ خضابِ اسود کا مسلک اُن احادیث مبارکہ کی وجہ سے بنایا ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ کے حاشیہ ۷ ص ۲۶۶ اور ۲ ص ۲۶۶ پر ہے۔ وَاَکْثَرُ الْاَحَادِیْثِ تَدُلُّ عَلٰی تَحْرِیْمِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ وَمَذْھَبُ الْجُمْھُوْرِ اَلْمَنْعُ۔ ترجمہ :۔ اور بہت ساری حدیثیں صاف صاف

بتاتی ہیں کہ کالا خضاب حرام ہے۔ ؀ اور جمہور یعنی تقریباً تمام ہی فقہا کا مسلک یہ ہے کہ کالا خضاب ممنوع ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ مصنف مرحوم کو یہ عبارتیں نظر نہ آئیں یا جان کر آنکھیں بند کر لیں۔ تیسری لغزش یہ کہ مصنف نے اپنی پیش کردہ عبارت میں لفظی خیانت کے علاوہ ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ معلوماً کا ترجمہ قطعی روایت کرتے ہیں۔ اور اگلی پچھلی عبارت جو ان کے مخالف ہے اس کو چھوڑ جاتے ہیں۔ نیز امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ مجھ کو یہ روایت نہ ملی یا میں نے نہ سنی۔ حدیث پاک نہ ہونے کی دلیل نہیں امام مالک صرف اپنی معلومات کی کمی کا انکار کر رہے ہیں اور اس زمانے میں یہ بات کہنا معذوری تھی مگر آج کوئی ایسا کہیگا تو اس کی جہالت اور کم علمی و نادانی یا آرام طلبی ہوگی (تیرھویں غلطی)۔ مصنف مرحوم اپنی اس کتاب کے صفحہ ۱۷۱ پر امام نووی رح شافعی رض کا نام لے کر ایک عبارت لکھتے ہیں اور تاثر یہ دینا چاہتے ہیں کہ گویا امام نووی کا یہ مسلک ہے۔ چنانچہ ۱۷۱ پر لکھا ہے۔ (۱۹) امام نووی شافعی علیہ الرحمۃ شارح صحیح مسلم شریف فرماتے ہیں۔ وَخَضَبَ جَمَاعَۃٌ بِالسَّوَادِ (الخ) اور اس دراز عبارت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ اور ایک جماعت نے سیاہ خضاب کیا ہے روایت کیا گیا ہے اس کو حضرت عثمان اور حسن اور حسین بن علی و عقبہ بن عامر و ابن سیرین اور دوسرے بزرگوں سے امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ (الخ) **جواب**۔ اس عبارت کو خطیب مجدد نے اس طرح سے توڑا پھوڑا ہے اور کترا کر کے لکھا ہے کہ میں حیران رہ گیا۔ سوچتا ہوں کہ کیا اس کو بھی دیانت داری کہا جا سکتا ہے کیا قیامت میں ایسی تخریبات کی سزا نہ ملے گی عوام کو تو دھوکہ دیا جا سکتا ہے مگر اپنے نامۂ اعمال کا کیا بنے گا۔ باطل نظرئے اور عورتوں کی دلچسپی کے لیے اپنا ایمان تو نہ بیچو ابھی پہلی سطروں میں اپنے دلائل کے تحت اپنی نویں دلیل میں ہم نے امام نووی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک مذہب درج کر دیا۔ امام نووی اسی صفحہ ۱۹۹ پر اپنا صاف صاف اور بالوضاحت عقیدہ لکھ رہے ہیں کہ۔ وَیَحْرُمُ خِضَابُہٗ بِالسَّوَادِ عَلَى الْاَصَحِّ (الخ) وَھٰذَا مَذْھَبُنَا (الخ) پوری دلیل ۹ میں دیکھئے۔ مصنف نے عبارتوں کو آگے سے کاٹا پیچھے سے نوچا درمیان سے کھسوٹا۔ اور ٹوٹی پھوٹی عبارت لکھ کر اپنی دیانتداری کا اچھا نقشہ چھوڑا آنے والی نسلیں کیا یاد کریں گی

کہ بریلوی کہلاتے والے اہل قلم ایسے ہوتے ہیں۔ (یا اسفا) مصنف صاحب نے جو عبارت وَخِضَابُ جَمَاعَةٍ سے شروع کی ہے۔ وہ امام نووی نے اس طرح مکمل واضح شروع فرمائی ہے وَالْمُخْتَارُ التَّحْرِيمُ بِقَوْلِهِ صلى الله عليه وسلم وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ وَهٰذَا مَذْهَبُنَا۔ وَقَالَ الْقَاضِي اِخْتَلَفَ السَّلَفُ۔ (الخ) ترجمہ: امام نووی نے فرمایا کہ کالے خضاب کے بارے میں پسندیدہ اور صحیح مذہب یہ ہی ہے کہ وہ حرام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے مسلمانو بچو اس سے (اور یہی نہی والا حکم حرام ہونے کی دلیل ہے) اور یہی ہمارا مذہب ہے اور صرف قاضی نے کہا ہے کہ سلف نے اختلاف کیا ہے۔ امام نووی اس عبارت کی پُر زور طریقے سے تردید کر رہے ہیں اور اس قاضی کو جھوٹا قرار دے رہے ہیں اسی لیے یہ پوری عبارت لکھ کر آخر میں امام نووی پھر فرماتے ہیں هٰذَا مَا نَقَلَهُ الْقَاضِي۔ وَالْاَصَحُّ الْاَوْفَقُ لِلسُّنَّةِ مَا قَدَّمْنَاهُ عَنْ مَذْهَبِنَا۔ ترجمہ۔ یہ (تمام خرافات اور غلط بیانی) وہ ہے جو قاضی نے کہیں سے نقل کر دی ہے۔ اور صحیح و سچا مذہب اور سنتِ نبوی کے مطابق وہی مذہب ہے جو ہم نے ابھی پہلے اپنے مذہب سے ظاہر کیا۔ دیکھ لیا کہ امام نووی علیہ الرحمۃ کتنے واضح اور ٹھوس انداز سے اس مجہول قاضی کی مکذوبہ عبارت کی تردید فرماتے ہیں امام نووی نے نہیں بتایا کہ یہ قاضی کون ہے۔ مگر مصنف مرحوم اپنی اختراع سے اس کو قاضی عیاض کہہ رہے ہیں۔ امام نووی اس قاضی کی تکذیب و تردید کر رہے ہیں۔ تاریخ اسلامی میں تین قاضی مشہور ہیں ۱۔ قاضی شریح ۲۔ قاضی عیاض ۳۔ قاضی ابوبکر بن الطیب باقلانی۔ یہاں نہ جانے کون قاضی مراد ہے۔ مصنف اپنی خود ساختہ مرضی سے اس کو عیاض کہہ رہے ہیں یہ بھی علما کے نزدیک سخت غلط بیانی میں شمار ہے نیز قاضی اپنی اس عبارت میں لکھتا ہے۔ بالوں کے بدلنے نہ بدلنے میں احادیث مروی ہیں۔ (الخ) یہ بھی قاضی کا ایک جھوٹ ہے۔ کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جو سیاہ خضاب سے بدلنے کو جائز کہتی ہو۔ جواز کی سرے سے کوئی حدیث شریف ہے ہی نہیں اگر کوئی ذرا سی بھی حدیث ہوتی تو قاضی ضرور نقل کرتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتا ہاں البتہ مصنف مرحوم کو اپنا پورا زور لگا کر ابن ماجہ کی ایک بناوٹی روایت ملی جس کا حشر آپ نے ابھی پہلے

سطور میں دیکھ لیا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ اب اندازہ لگاؤ کہ جب شرح مسلم میں مصنف مرحوم نے ایسی غلطیاں یا غلط بیانیاں خوب زور شور سے کر ڈالیں تو باقی کتب کو کب بخشا ہوگا۔ اُن کے ساتھ بھی ایسی ہی توڑ پھوڑ کی ہوگی۔ کیونکہ۔ مشتے نمونہ از خروارے۔ دیگ کے تین چاول دیکھ کر ساری دیگ کا پتہ لگ جاتا ہے۔ تو اس کتاب کا بھی اسی ایک انداز سے پتہ لگ گیا۔ اِس کتاب میں طبقات ابن سعد کے بہت حوالے دیئے گئے ہیں اور یہی ثابت کرنے کی ناجائز کوشش کی گئی ہے کہ طبقات والے امام ابن سعد کا مسلک بھی سیاہی کے جواز کا ہے۔ حالانکہ ہم نے پہلے دلیل ۷ میں ابن سعد کا مسلک طبقات ہی کی عبارت سے ثابت کر دیا کہ وہ بھی کالے خضاب کو حرام سمجھتے ہیں۔ نیز ہم آخر میں اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ۔ اِن تمام مصنفین کا مسلک و مذہب لکھیں گے جن کی کتب کے حوالے ان مصنف صاحب نے اپنی کتاب میں دے کر دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ کالے خضاب کی طرح یہ کتاب بھی سراسر دھوکہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کالا خضاب نئی نئی عورتوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہوتا ہے اور یہ کتاب عوام کو۔ چودھویں غلطی۔ اِس کتابچہ کے ص۱۸ سے ص۲۲ تک مصنف صاحب بارہ عبارتیں لکھتے ہیں۔ ۱۔ امام عینی شارح بخاری کی کتاب عمدۃ القاری شرح بخاری سے ایک دراز عبارت نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ ابن ابی عاصم نے کئی سندوں سے ذکر کیا ہے کہ بے شک امام حسن رضؓ و حسین رضؓ دونوں سیاہ خضاب کرتے تھے۔ اس طرح ابن شہاب کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک وہ خضاب پسندیدہ ہے جو اعلیٰ درجہ کا سیاہ ہو (تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی پوری پوری ہو کسی طرح گستاخی و مقابلہ بازی میں کمی نہ رہ جائے)، ایسا ہی شرجیل بن سمط نے فرمایا ہے اور عقبہ بن سعید فرماتے ہیں کہ تمہارے بال بمنزلہ تمہارے کپڑوں کے ہیں تو رنگو جس رنگ سے چاہو (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جی بھر کر مخالفت کرو) اور ہمیں تو اعلیٰ درجہ کا سیاہ خضاب پسند ہے اور اسماعیل بن ابو عبداللہ بھی سیاہ خضاب کرتے تھے۔ اِس کتاب کے صفحہ ۱۹ پر فتح الباری شرح بخاری کی عبارت ۲ لکھتے ہیں۔ اِس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ اور بے شک سیاہ خضاب

کی رخصت دی ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے ان میں (مصنف نے ترجمہ غلط کیا۔ عربی کا لفظ ہے فَهُمْ۔ اس کا ترجمہ ان میں نہیں ہو سکتا۔) سعد بن ابی وقاص اور عقبہ بن ابی وقاص اور عقبہ بن عامر۔ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم وجریر ابن ابی عاصم نے اپنی خضاب کی کتاب میں اسی کو اختیار کیا۔ اسی صفحہ ۱۹ پر طبقات ابن سعد جلد پنجم ص۱۴۲ کی عبارت نقل کرتے ہیں اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن موہب فرماتے ہیں میں نے نافع بن جبیر کو مہندی اور وسمے کا خضاب کرتے دیکھا (یہاں عربی عبارت خود مصنف نے ہی اس طرح لکھی ہے۔ رَأَيْتُ نَافِعَ ابْنَ جُبَيْرٍ يَخْضِبُ بِالسَّوَادِ۔ اس کا ترجمہ کیا مہندی اور وسمہ۔ یہ کتنا اپنے ہی خلاف غلط اور دھوکہ دہی والا ترجمہ ہے) اسی صفحہ ۱۹ پر تیسری عبارت طبقات بن سعد پنجم ص۱۸ کی جس کا ترجمہ ہے محمد بن عمرو فرماتے ہیں۔ حضرت عروہ خضاب کرتے تھے جو قریب قریب سیاہ ہوتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں وسمہ ڈالتے تھے یا نہیں۔ صفحہ ۲۰ پر طبقات کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ عبداللہ ابن موہب نے فرمایا۔ کہ میں نے موسیٰ بن طلحہ کو دیکھا وَقَدْ خَضَبَ بالسواد۔ انہوں نے سیاہ خضاب کیا ہوا۔ ۶ اسی کتابچے کے صفحہ ۲۰ پر طبقات ابن سعد پنجم ص۱۶۳ سے یہ عبارت نقل کی جس کا ترجمہ اس طرح ہے۔ سعید مقبری کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے فرزندوں کو سیاہ خضاب کرتے دیکھا ان میں سے ایک عمرو بن عثمان بن عفان ہیں۔ ساتویں عبارت صفحہ ۲۱ پر طبقات ابن سعد کی ہی عبارت نقل کرتے ہیں جلد پنجم ص۲۲۳۔ ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ عبدالاعلیٰ نے فرمایا کہ میں نے محمد بن علی کرم اللہ وجہہ سے وسمہ اور سیاہ خضاب کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا هُوَ خِضَابُنَا اَهْلِ الْبَيْتِ وہ ہم اہل بیت کا خضاب ہے۔ آٹھویں عبارت۔ مصنف اپنی اسی کتابچے کے ص۲۱ پر طبقات ابن سعد پنجم ص۳۱۴ کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ اس کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے (عطاف بن خالد) ابو بکر فرماتے ہیں میں نے علی بن عبداللہ بن عباس کو سیاہ خضاب کرتے دیکھا نویں عبارت۔ کتابچے کے ص۲۲ پر طبقات ابن سعد جلد ہفتم ص۱۸۵ سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہوئے عُقبہ بن ابی صہبا۔ ابو قلابہ کے

متعلق فرماتے ہیں۔ اَنَّہٗ کَانَ یَخْضِبُ بِالسَّوَادِ۔ بے شک وہ سیاہ خضاب کیا کرتے تھے۔ دسویں عبارت۔ صفحہ ۲۲ پر ہی ہے۔ از طبقات ابن سعد ہفتم ص۲۱۱ زیاد بن ابی مسلم ابو عمر فرماتے ہیں کہ میں نے بکر بن عبد اللہ کو دیکھا وہ سیاہ خضاب کیا کرتے تھے گیارھویں عبارت ص۲۲ پر ہی از طبقات ابن سعد ہفتم ص۴۹۸ ابو عشانہ فرماتے ہیں ہیں میں نے عقبہ بن عامر کو دیکھا وہ سیاہ خضاب کرتے تھے۔ بارھویں عبارت۔ کتابچہ ص۲۲ سعد بن ابراہیم اپنے باپ سے راوی انہوں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمن کو دیکھا وہ سیاہ خضاب کرتے تھے (طبقات ابن سعد پنجم ص۱۵۶) جواب) محترم مصنف صاحب مرحوم نے اپنی اس کتاب صفحہ ۱۸ سے ص۲۲ تک تین کتابوں فتح الباری عینی اور طبقات ابن سعد سے یہ بارہ عبارتیں نقل کی ہیں اور ان کا آخری ایڑی چوٹی کا زور ہے جس پر ان کو فخر ہونے کا حق ہے مگر یہاں بھی عبارات میں وہی توڑ پھوڑ اور کتر و بیونت ہے جیسا کہ امام نووی کی شرح مسلم میں انہوں نے کیا۔ اس قسم کے اُڑتے پھرتے آوارہ اقوال تو اسلام کے ہر مسلّم و متفق علیہ مسئلے کے خلاف مل جائیں گے یہی تو پرانے دشمنانِ اسلام کی دینِ اسلام کے خلاف زبردست سوچی سمجھی تخریب کاری ہے کہ اسلام کا ہر مسئلہ الجھا کر رکھ دو مسلمانوں کو کسی بھی دینی مسئلے میں اطمینان و سکون کا سانس نہ لینے دو۔ لیکن مخلصین مومنین خادمینِ اسلام علما فقہاء نے اِس لغو یاری تخریب کاری واقوالِ آواری کا سدِّ باب بھی شروع ہی سے فرماتے ہوئے ایک مکمل و مضبوط ضابطہ بنا دیا کہ خبردار ائمہ اربعہ کے اقوالِ طیبات کے سوا کسی بھی اِدھر اُدھر کے قول کو نہ ماننا۔ بس وہی مسئلہ اختلافی ہوگا جس میں ائمہ اربعہ کی آرا مختلف ہوں۔ اور جس مسئلے میں ائمہ اربعہ کی رائے متفق ہو وہ مسئلہ قیامت تک متفق علیہ رہے گا۔ اگرچہ ہزارہا اقوالِ آوارہ اُس کے خلاف سر نکالتے رہیں گے بھٹکتے پھریں گے مصنف صاحب نے تو بڑے جوش و جذبے سے یہ بیمار اقوال چن چن کر جمع کر لیے مگر ہم مصنف مرحوم سے پوچھتے ہیں کہ جن کتابوں سے آپ نے یہ قول نقل کیے ہیں اُن کتابوں کے مصنفین۔ امام ابن حجر عسقلانی مصنف فتح الباری اور امام بدر الدین عینی و امام ابن سعد مؤلفِ طبقات کا اپنا مسلک کالے خضاب کے بارے میں کیا ہے؟ ذرا ہمت کر کے اوپر کی سطور میں وہ بھی دیکھ لیتے۔ اور اپنی اس

کتاب میں جرأت کر کے وہ بھی لکھ دیتے تو زمانہ آپ کو انصاف پسند کہتا۔ یہ سراسر بے انصافی و کج خلقی ہے کہ نام ان کا استعمال کر کے اقوال وہ لکھتے ہو جن کی یہ سب مصنفین تردید کر رہے ہیں اور ان آوارہ اور باطل و مردود اقوال کو تغرید و تمریض کے طریقے پر لکھ کر مسلمانوں کو ان عقیدوں سے بچا رہے ہیں۔ کیسی کم فہمی ہے کہ جن باطل اقوال سے یہ شارحین بچا رہے ہیں اُن ہی بیماروں کی گود میں مصنف مرحوم پناہ لے رہے ہیں۔ خیال رہے کہ امام ابن حجر عسقلانی۔ امام بدر الدین عینی اور ابن سعد علیہم الرحمۃ کا اپنا مسلک واضح الفاظ میں یہ ہے کہ کالا خضاب حرام ہے۔ اور اس پر انہوں احادیث کی وعیدیں بھی نقل فرمائیں ہیں جیسا کہ ہم آخر میں ثابت کریں گے۔ مگر ان حقائق سے مصنف کی آنکھیں بند ہیں وہی یہ بات کہ امام عالی مقام امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سیاہ خضاب لگایا تو اس کی وجہ فقہاء کرام نے تاریخی ثبوت کے ساتھ یہ بیان فرمائی کہ امامین کریمین نے میدانِ جنگ میں سیاہ خضاب لگایا تھا وہ بھی ایک دفعہ۔ دیبند دھویں غلطی۔ کتابچی کے صـ۲۲ پر لکھا ہے کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اور اُن کے فرزند رشید غلام محی الدین شاہ بابوجی۔ میاں غلام اللہ صاحب قبلہ لاثانی شرقپوری۔ علامہ عبدالغفور ہزاروی اور حضرت پیر خواجہ قمر الدین سیالوی اور اُستاذ العلماء علامہ عطا محمد صاحب بندیالوی وغیرہم جیسے اکابر سیاہ خضاب لگاتے رہے اور لگا رہے ہیں۔ حالانکہ علماء و مشائخ کے افعال دین میں سند ہوتے ہیں (الخ) جواب: اس اُردو عبارت میں مصنف مرحوم نے چھ بزرگوں کے نام لکھے ہیں کہ وہ کالا خضاب لگاتے رہے اور اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی کی کتاب بریق المنار صـ۸ سے ثابت کیا ہے کہ اہل دین کے افعال سند ہوتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے واقعی اہلِ دین یعنی فقہاءِ عظام اکابرِ دین کے ذاتی اعمال بھی امت کے لیے سند ہیں لیکن اہل دین کے لیے فقہاءِ کرام نے چھ شرطیں بیان فرمائی ہیں ۱۔ ہر کام سنت نبوی کے مطابق ہو ۲۔ اس کا علم و فکر اجتہاد فی التصحیح تک پہنچا ہوا ہو ۳۔ دیگر اکثر علماء ہم عصر اس کو سند مانتے ہوں ۴۔ اس کا کوئی کام بھی اپنی رائے سے نہ ہو اپنے امام کی تقلید میں ہو یعنی مجتہد فی الاصول ائمہ اربعہ میں سے اپنے امام کا ہمہ وقتی

پوری احتیاط سے عمل مقلد ہو ۴ ۵ خود بھی صاحبُ الرّائے اور اہلِ فتوٰی ہو لیتے ہر عمل پر دلیل و مَاخذ کا ماہر ہو ۶ تقوے اور خشیت سے معمور ہو (از شرح نبراس) اہل دین کا امتِ مسلمہ کے لیے سند ہونا اِن چھ شرطوں سے مشروط ہے۔ جہاں اور جس شخصیت میں یہ شرطیں پائی جائیں گی وہ واقعی امت کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے اگر ایک بھی کم ہوگی تو معیار ختم ہوگا۔ علم اصول کے اس قاعدے سے ماضی قریب کی صرف چند شخصیات ہی سندِ اسلام ہونے کے مقام پر فائز نظر آتی ہیں۔ خشیت اور تقویٰ طہارت تو بحمد اللہ تعالیٰ اِن سب شخصیات کو بدرجہ اتم حاصل ہے۔ مگر اجتہاد فی الفروع اور صاحبُ الرّائے و مَاخذِ دلائلِ فی المسائل کا ملکہ۔ اور اہلِ فتویٰ ہونا۔ اِس مقام پر صرف چند بزرگ ہی نظر آتے ہیں۔ مثلاً اعلیٰحضرت مجدد بریلوی ۲ صدر الافاضل مراد آبادی ۳ پیر سید مہر علی شاہ حضرتِ اعلیٰ محدث گولڑوی ۴ امیر ملت پیر جماعت علی شاہ علی پوری فنا فی الرّسول و عاشقِ سنت مصطفیٰ ۵ حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہی وہ آئینۂ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو دیکھ کر دورِ صحابہ کی یاد تازہ ہوتی تھی یہی مقدس ہستیاں کفش بردارِ صحابہ تھیں۔ شیخ الحدیث لائلپوری یہ ہستیاں واقعی سندِ اسلام حجۃ اللہ البالغہ ہیں۔ لیکن میری تحقیق کے مطابق ان میں سے کسی نے کبھی بھی کالا خضاب نہیں لگایا نہ ہی جواز کا فتویٰ دیا۔ میں نے کالے خضاب سے متعلق اپنے دور کے تین بزرگوں سے گفتگو کی تھی ۱ حضرت قبلہ پیر ابوالحقائق شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی ۲ حضرت محترم صاحبزادہ بابوجی گولڑوی مرحوم ۳ حضرت علامہ مولانا عطا محمد صاحب بندیالوی مدظلہ العالی ۴ اور خواجہ قمرالدین سیالوی علیہ الرحمۃ کو بہت ہی قریب سے چند بار دیکھنے اور زیارت کا شرف حاصل ہوا حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ نے کبھی بھی سیاہ خضاب نہیں لگایا بلکہ ان کا خضاب تیز سرخ ہوتا تھا جس میں سیاہی کی جھلک ہوتی تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ تیز خضاب لگا ہے اصل سیاہی کا رنگ نہیں نہ کسی کو بالوں کے اصلی رنگ کا دھوکہ ہو سکتا تھا۔ غالباً ۱۹۶۷ء کا واقعہ ہے کہ آپ گجرات میں سید عبدالغنی شاہ صاحب کے گھر تشریف لائے میں نے بھی حاضری دی۔ یہ ان کی کرامت

تھی یا فراستِ ملی کے میرے بار بار دیکھنے سے از خود لوگوں سے فرمانے لگے۔ میں مہندی اور وسمے کا خضاب لگاتا ہوں۔ وہ بھی کبھی کبھی۔ خالص سیاہ تو حرام ہے۔ لوگ مشہور کرتے پھرتے ہیں کہ محدث گولڑوی حضرت اعلیٰ کالا خضاب جائز بھی سمجھتے تھے اور لگایا بھی کرتے تھے اور یہاں تک اڑائی گئی ہے کہ ایک دفعہ اعلیٰحضرت بریلوی اور پیر مہر علی شاہ کا مسئلہ خضاب پر مناظرہ ہونے لگا تھا۔ مگر پھر محدث گولڑوی نے انکار فرما دیا اور مناظرہ ملتوی ہو گیا میں کہتا ہوں یہ سب باتیں غلط جھوٹی اور افواہیں ہیں۔ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی علیہ الرحمۃ کی طرف یہ اتہام و نسبت دلدادگانِ خضاب کے چھوڑے ہوئے شوشے ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ اسی سلسلے میں نے پہلے وزیر آباد جا کر علامہ ہزاروی علیہ الرحمۃ سے شرفِ زیارت حاصل کیا اور اُن سے پوچھا کہ محدث گولڑوی کی کوئی تحریری عبارت دکھاؤ جس میں آپ نے جوازِ سیاہ کا فتویٰ دیا ہو یا اپنے عمل کا ذکر کیا ہو۔ علامہ ہزاروی نے فرمایا کہ عجالہ بر دو سالہ کا مطالعہ کرو۔ میں نے عرض کیا کئی مرتبہ پڑھ چکا ہوں مگر نہ وہ حضرتِ اعلیٰ کی تحریر ہے نہ اس پر حضرت کی تائیدی تحریر ہے۔ اس پر حضرت قبلہ ہزاروی صاحب فرمانے لگے کہ گولڑے شریف جاؤ اور پیر صاحب سجادہ نشین بابوجی صاحب سے ملو۔ وہ تحریری ثبوت یقیناً دیں گے۔ میں چند دن بعد گولڑے شریف حاضر ہوا سب سے پہلے مزار اقدس پر حاضری دی پھر مسجد میں نماز عصر پڑھنے کے لیے گیا دیکھا کہ ایک امام صاحب مصلیٰ پر تشریف فرما ہیں کالا خضاب لگا ہوا ہے اور اوپر سے سفید چمکتے ہوئے بالوں نے چغلی کھائی کہ یہ خضاب ہے اصل قدرتی رنگ نہیں اس لیے جب جماعت کھڑی ہوئی تو میں نے اور میرے ساتھی نے علیحدہ نماز پڑھی جب جماعت ختم ہوئی تو امام صاحب اور اُن کے مقتدیوں نے ہم کو علیحدہ نماز پڑھتے دیکھا۔ ہم دونوں اٹھ کر حضرت بابوجی کی تلاش میں مسجد سے باہر نکلے تھوڑی ہی دور پر آپ اپنی گاڑی کے قریب کھڑے راولپنڈی جانے کی تیاری میں تھے مجھ کو دیکھ کر میری طرف تشریف لائے اور مجھ کو اپنے گیرج میں لے گئے اور مجھ سے خیریت پوچھنے لگے اتنی دیر میں مسجد کے امام صاحب محترم صاحب اور چند نمازی اُن کے ہمراہ وہیں تشریف لائے۔ بابوجی قبلہ کی دست بوسی کر کے فرمانے لگے کہ حضرت

صاحب اِن بزرگوں نے ہمارے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ گیراج میں دو چار پائیاں بچھی تھیں ایک پر بابوجی قبلہ تشریف فرما ہوئے دوسرے پر مجھ کو بیٹھنے کا اشارہ فرمایا درمیان میں پیچھے خوب صورت صاف ستھری پاکیزہ دری بچھی تھی اُس پر پیچھے امام صاحب اور اُن کے چند ساتھی بیٹھ گئے۔ امام صاحب کے سوال پر بابوجی قبلہ مسکرائے اور میری طرف دیکھتے ہوئے فرمانے لگے کہ اس کا جواب تو یہ ہی دے سکتے ہیں میں نے عرض کیا کہ نماز سے پہلے مجھ کو شک گزرا تھا کہ شاید امام صاحب محترم نے کالا خضاب لگایا ہوا ہے اگر یہ صحیح ہے تو چونکہ میری تحقیق کے مطابق کالا خضاب لگانا حرام ہے اور جس نے یہ ناجائز خضاب لگایا ہو میں اُس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا بلکہ کوئی بھی شرعی گناہ جب کسی امام کے ساتھ نماز میں نظر آتا ہو تو اُس کے پیچھے نماز منع ہے اگر پڑھی گئی تو لوٹانی واجب ہے۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ کالا خضاب تو حضرتِ اعلیٰ قبلہ بڑے پیر صاحب علیہ الرحمۃ لگایا کرتے تھے اور جائز فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے ہم بھی اس کو جائز مانتے ہیں میں نے عرض کیا کہ دنیائے اسلام میں پیر صاحب قبلہ کی ذات بابرکات سند کی حیثیت ہے۔ اگر حضرت علیہ الرحمۃ کا کوئی تحریری فتویٰ یا ذاتی عمل شریف کا ثبوت مجھ کو مل جائے تو میں بھی تسلیم کرلوں گا بشرطیکہ ذاتی عمل شریف میں حضرت کی اپنی تحریر ہو۔ اس پر امام صاحب نے بھی رسالہ مجالہ بردو سالہ کا ہی حوالہ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ رسالہ نہ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کی تحریر ہے نہ تصنیف نہ تالیف نہ اس پر آپ کی تحریری تائید لہٰذا یہ کوئی ثبوت نہیں امام صاحب اس پر خاموش ہو گئے اور کافی دیر خاموش رہے۔ اس دوران میں بھی اور بابوجی قبلہ بھی امام صاحب کی طرف دیکھتے اور جواب کا انتظار کرتے رہے جب وہ خاموش ہی رہے تب قبلہ بابوجی نے اُٹھتے ہوئے اپنے مخصوص پنجابی لہجے میں فرمایا۔ آپ کے اِس سوال کا جواب مجھ پر اُدھار ہے۔ میں نے عرض کیا یہ جواب بہت ضروری ہے میں کب حاضر ہوں ارشاد فرمایا اُس کے لیے آنے کی ضرورت نہیں وہیں گجرات آپ کو مل جائے گا۔ اِس کے بعد قبلہ محترم اپنی گاڑی میں روانہ ہو گئے اور ہم اپنی گاڑی میں واپس آ گئے۔ اسی دوران حضرت نے چائے سے ہماری دعوت بھی فرمائی۔ اتنی بڑی شخصیت اور مجھ جیسے کی یہ عزت و قدر افزائی

میرے لیے سدا بہار پھول ہے۔ مگر وہ اُدھار آج تک ادا نہ ہوا نہ ہی مجھ کو پھر اَب گولڑہ شریف جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس کے علاوہ میں نے اور بھی بہت سے حضرات قبلہ محدث گولڑوی علیہ الرحمۃ کے متوسّلین سے اس بارے استفسار اور تحریر طلب کی مگر مجھ کو آج تک کوئی تحریر نہ مل سکی۔ نہ کسی نے دکھائی جس سے میں اندازہ لگا لیا ہے کہ یہ نسبت غلط ہے۔ اور پھر ہو کیسے سکتا ہے کہ اتنا عظیم انسان درویشِ رسالت عاشقِ کفشِ نبوّت وہ خضاب لگائے جس کو صریحی احادیث میں وعید شدید سے منع فرمایا گیا ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ پیر صاحب کو کِس کِس غلط طریقوں سے ملوث کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ گولڑوی سرکار کی طرف کالے خضاب کی نسبت (معاذ اللہ) درست ہوتی تو اُس دور کے فقہاءِ اسلام سے ضرور مباحثہ تحریری و تقریری کہیں نہ کہیں مذکور ہوتا۔ نیز گولڑوی سرکار آخر کس عورت کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے لگاتے۔ یا کالا خضاب لگاتے وقت کس کو جوانی کا دھوکہ دینے کا ارادہ فرماتے۔ بات بنانے سے پہلے کم از کم یہ ہی سوچا ہوتا۔ اسی زمرے میں مصنف صاحب مرحوم نے بلا سوچے سمجھے اڑتی خبر کو اپنی دلیلوں میں شامل کر لیا ہو سکتا ہے کہ حضرت قبلہ لاثانی شرقپوری علیہ الرحمۃ کے متعلق بھی بناوٹی اور بے پر کی کسی نے چھوڑی ہو اور ان کے متعلق تو یہ خضاب سیاہ لگانے والی بات میں نے اس سے پہلے سنی ہی نہیں یہ صرف مصنف صاحب کی اس تحریر سے پتہ لگا۔ اور سابقہ حوالوں کو دیکھتے ہوئے مصنف صاحب کو یہ خبر بھی غلط ہی معلوم ہوتی ہے۔ علامہ عبد الغفور ہزاروی صاحب قبلہ محترم سے میں نے خود پوچھا کہ آپ یہ کالا خضاب کیوں لگاتے ہیں تو آپ نے اپنے مخصوص پنجابی لہجہ میں فرمایا کہ میں تو صرف اپنے پیر کی نقل کرتا ہوں۔ رہا مسئلہ حضرت محترم علامہ مولانا عطا محمد صاحب بندیالوی مدظلہ کا تو واقعی آج تک کالا خضاب لگا رہے ہیں۔ مگر ان کا لگانا تو ہمارے مصنف مرحوم کے نزدیک بھی حرام ہے اس لیے کہ علامہ بندیالوی حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تک پہنچے ہوئے ہیں یا پہنچنے والے ہیں۔ اور مصنف صاحب اپنی اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۵ پر اپنے ہی محولہ ص۱۷ ص۱۸ کشیبِ ابی قحافۃ پر شرح نووی کے قاضی کی خود ساختہ تطبیق کا سہارا لے

سے کر سکتے ہیں کہ جن کے سر کے بال بالکل سفید ہو گئے ہوں حضرت ابو قحافہ کی عمر کے برابر علماء اصول کے ان ضوابط سے معلوم ہو گیا کہ کون سند ہو سکتے ہیں کون نہیں ہو سکتے جنہوں نے اپنے کسی فعل پر فرمانِ شریعت کو مقدم نہ رکھا۔ خیال رہے کہ سند استدلال کا یقینی خزانہ ہوتی ہے یعنی اس شخص کی ذات سند ہوتی ہے جس نے کبھی کوئی عمل بغیر دلیل نہ کیا ہو۔ اور وہ شخصیت اس بات میں اتنی مشہور ہو جائے کہ اس کے عمل کو دیکھتے ہی ہر شخص جان لے کہ اس عمل کی یقیناً دلیل ہو گی جب تک کسی بزرگ کی یہ قدادا و احتیاط نہ ہو وہ سند نہیں ہو سکتا اس لیے ہر عالم امام وخطیب اُمت کے لیے سند نہیں ہو سکتا۔ یہ تو تھا عملی سند کا تعارف قولی سند اور دلیل میں فرق یہ ہے کہ۔ لغوی معنیٰ میں دلیل وہ ہے جس سے کسی مسئلہ یا کسی شی کی رہنمائی حاصل کی جائے اور اصطلاح شریعت میں دلیل وہ ہے کہ جس کے علم اور جاننے سے کسی دوسری شی کا علم حاصل ہو۔ دلیل۔ دَل سے مشتق ہے بمعنی راستہ دکھانا دلالت کرنا پتہ یا نشانی بتانا۔ اور سَند کا لغوی معنیٰ ہے ٹیک لگانا بھروسہ کرنا۔ اعتماد کرنا چنانچہ مناظرہ رشیدیہ ص۲۲ پر ہے۔ اَلسَّنَدُ مَایُذْکَرُ لِتَقْوِیَۃِ الْمَنْعِ وَالدَّلِیْلِ سَوَاءٌ کَانَ مُفِیْدًا فِی الْوَاقِعِ اَوْلَا۔ یعنی سند اصطلاحاً وہ ہے جو ممانعت اور دلیل کو قوی کرنے کے لیے ذکر کی جائے اصلاً خواہ وہ مفید ہو یا نہ ہو۔ بہرحال مصنف صاحب مرحوم مغفور کی یہ بات بھی صحیح ثابت نہ ہو سکی کہ فلاں فلاں بزرگ کالا خضاب لگاتے تھے اس لیے جواز ثابت ہوا جو بزرگ جو شخصیات واقعی سند اہل سنت ہیں اُن کے نزدیک کالا خضاب حرام ہے ان کا لگانا درست نہیں اور دیگر بزرگانِ دین جو واقعی لگاتے ہیں ان کے پاس جواز کی کوئی دلیل موجود نہیں (سولہویں غلطی) صفحہ ۲۵ سے آگے مصنف مذکور اُن احادیث کا جواب دیتے ہیں جن سے خضاب سیاہ کی حرمت ثابت ہے جواب کیا ہیں بس بہلانا طفل تسلیاں ہیں۔ بلکہ اتنے بڑے اور مشہور علامہ مرحوم سے ایسی کمزور باتیں حیران کن ہیں۔ چنانچہ ص۲۵ پر جواب الزامی کے طریقے یوں فرماتے ہیں کہ جن چھ احادیث میں کالے خضاب کی حرمت مذکور ہے وہ سب مطلق ہیں تو کیا ان ارشادات میں مجاہدین کے لیے استثنا ہے اگر ہے تو کہاں

اور اگر مطلقاً ہیں تو پھر ان ارشادات کی رو سے تو مجاہدین بھی ان کا مصداق قرار پا گئے اور اگر بالفرض کسی وجہ سے غازی مجاہدین کے لیے استثنا ثابت بھی کر دیا جائے (جو کہ ہے) تو کیا آپ جانتے ہیں کہ جہاد اور مجاہدین کی کتنی قسمیں ہیں اگر نہیں تو ملاحظہ فرمائیے۔ اگلے صفحہ ۲۶ اور ص ۲۷ پر مصنف صاحب نے مجاہدین کی چھ قسمیں بیان کی ہیں اور حوالوں میں فتح الکبیر ص ۲۱۸ ج ۲ اور مشکوٰۃ کتاب الجہاد کا ذکر کیا ہے۔ جواب۔ کیا عجیب لغزش ہے کہ دین میں مجاہدہ کرنے والے حکمی مجاہدین کو حقیقی مجاہدین اور لغت کو اصطلاحات کی صف میں شامل کیا جا رہا ہے خیال رہے کہ شریعت ہو یا طریقت رسم ہو یا رواج اصطلاح یا عرف عام کبھی بھی لغوی معنی کو اصطلاحی اور اصطلاحی کو لغوی نہیں بنایا جا سکتا۔ اور حقیقی کو مجاز یا مجاز کو حقیقت نہیں کہا جا سکتا۔ اصطلاحات شریعت کی ہوں یا عرف عام کی ہر لفظ کا حقیقی معنیٰ ہی مراد ہوتا ہے نہ کہ مجازی یا لغوی۔ یہ قاعدہ کلیہ مصنف کو بھی معلوم ہے مگر یہاں یہ فرق نہ رکھنا اور حقیقت و مجاز کو مخلوط کرنا مصنف کی عمداً لغزش ہے۔ یہ بھی مصنف صاحب کو معلوم ہے کہ دنیا کی ہر زبان کے ہر لفظ کا لغوی اور مجازی معنیٰ بھی ہوتا ہے اور حقیقی و اصطلاحی معنیٰ بھی مگر استعمال میں صرف حقیقی معنیٰ مراد ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اگر حقیقت کسی جگہ متعذر ہو تو مجبوراً مجازی معنیٰ مراد ہوں گے بلا وجہ کھلے عام نہ مجازی معنیٰ مراد ہو سکتے ہیں نہ بیک وقت ایک لفظ سے دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ علم اصول کے یہ قواعد مشہور و مضبوط ہیں۔ اسی کلیہ سے۔ نبی۔ رسول۔ شریعت۔ شہید۔ مجاہد۔ پیغمبر وغیرہ الفاظ کا معنیٰ متعین ہو جاتا ہے۔ ان الفاظ کے لغوی معنیٰ کچھ اور ہیں اصطلاحی معنیٰ کچھ اور ہیں۔ لیکن جب مطلقاً بغیر قید یہ لفظ بولے جائیں تو حقیقی معنیٰ مراد ہوں گے نہ کہ مجازی یا حکمی نیز مجازی معنیٰ تو حقیقت کے مشکل ہونے کے وقت مستعمل ہیں اور حکمی معنیٰ اس وقت مراد ہوتے جب تھوڑی سی تشبیہ یا مشابہت و مماثلت بین الحقیقی والمجازی۔ اس وقت اس معنیٰ مراد کو حکمی کہا جائے گا۔ لیکن اصلی معنیٰ پھر بھی حقیقی ہی رہیں گے مجازی معنیٰ عارضی ہوں گے۔ مثلاً شیر اصلی تو جنگل کا جانور ہے مگر مجازاً و حکماً صرف بہادری کی مشابہت سے زید وغیرہ انسان کو بھی کہدیا جاتا ہے

یہی حال شہید کا ہے اور یہی حال مجاہد کا ہے اسی مشابہت پر شہید کی بھی دو قسمیں ۱؎ شہید حقیقی ۲؎ شہید حکمی اسی طرح مجاہد بھی ۱؎ مجاہد حقیقی ۲؎ مجاہد حکمی۔ مجاہد اصلی حقیقی ہی کو کہا جائے گا۔ وہ وہی ہوگا جو ہتھیار بند ہو کر میدانِ جہاد میں کفار سے لڑنے کے لیے چلا جائے۔ مگر مصنف صاحب کی عقل نے یہ فرق نہ رکھا اور لگے بیوقوف بنانے اگر مصنف ہی کی طرح قلمی پچکاریاں چھوڑی جائیں تو دین اسلام کا پھر اللہ ہی حافظ ہے مصنف کی تقسیم سازی کتنی خطرناک ہے، آج مصنف نے مجاہد کی چھ قسمیں بنا کر ہر ایک بستر پر لیٹے آرام طلب مولوی خطیب اور امام کے لیے کالا خضاب جائز کر دیا۔ کل کوئی اور ایسا ہی گمراہ کن قلم اٹھا کر نبی رسول، پیغمبر کا لغوی ترجمہ کر کے ہر ایرے غیرے کو نبی رسول اور پیغمبر کہتا پھرے گا۔ ہم مصنف سے پوچھتے ہیں کہ اگر نیکی کا حکم دینے والا ۲؎ برائی سے منع کرنے والا ۳؎ مشکل جگہ صدق و حق سے قائم رہنے والا ۴؎ فاسق و بد عقیدہ سے نفرت کرنے والا ۵؎ نفس کی ناجائز خواہشات کو کچلنے والا ۶؎ فاسق و بد عقیدہ ویے دین کی دلائلِ حقہ سے تردید کرنے والا اور مذہب حق کی تائید کرنے والا بھی حقیقی مجاہد اور میدانِ جنگ میں حاضر ہونے والے شخص کی طرح ہی مجاہد ہیں تو پھر چاہیئے کہ ان تمام مولویوں کے لیے۔ ریشم کا لباس اور کذب بیانی۔ دھوکہ فریب دینا بھی جائز ہو جائے۔ کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ مجاہدین کے لیے جائز ہے کہ کفار کو دھوکہ دے سکتا ہے ان سے جھوٹ بول سکتا ہے صرف کالے خضاب تک کیوں رہا جائے۔ چنانچہ مجاہدین کے لیے احادیث مبارکہ اس طرح ہیں ۱؎ بخاری جلد اول ص۴۲۵۔ بابُ اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ۔ طبع سعید کراچی۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ۔ مَعْمَر۔ ھَمَّام عن ابی ھریرۃ۔ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم وَسَمَّی الْحَرْبَ خُدْعَۃً (۲؎) عن ابی ھریرۃ قَالَ سَمَّی النَّبِیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحرب خُدْعَۃً (۳؎) عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عبدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ (۴؎) ابو داؤد اوّل بابُ المَکْرِ فی الحَرْبِ ص۳۵۵ پر ہے۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ (۵؎) ابو داؤد۔ عن محمد بن عبید۔ ابو ثور۔ معمر۔ الزھری۔ عبد الرحمٰن بن کعب۔ بن مالک۔ عَنْ اَبِیْہِ۔ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

كَانَ إِذَا أَرَادَ غَزْوَةً وَرَّى غَيْرَهَا۔ وَكَانَ يَقُوْلُ اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ
(۶) بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۴۲۵ پر ایک باب ہے۔ اَلْكِذْبُ فِي الْحَرْبِ (۷) بخاری اوّل صفحہ ۴۰۹ بَابُ الْحَرِيْرِ فِي الْحَرْبِ۔ طبع کراچی عن احمد بن مقدام۔ خالد بن حارث۔ سعید۔ قتادہ۔ اَنَّ اَنَسًا حَدَّثَهُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ فِيْ قَمِيْصٍ مِنْ حَرِيْرٍ مِنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا۔ (۸) اِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ وَالزُّبَيْرَ شَكَوَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم يَعْنِيْ اَلْقَمْلَ فَارْخَصَ لَهُمَا فِي الحرير۔ فَرَأَيْتُهُ عَلَيْهِمَا فِيْ غَزَاةٍ۔

ترجمہ۔ خلاصہ ان آٹھوں حدیثوں کا یہ ہے کہ مجاہدین کو میدانِ جنگ میں اور جنگ کی تیاری میں کفار سے مکر کرنا۔ ان کو دھوکا دینا۔ ان سے جھوٹ بولنا۔ بوقت ضرورت کپڑے کے ریشم کا لباس پہننا۔ سب کچھ جائز ہے۔ حالانکہ میدانِ جہاد اور تیاری جہاد کے علاوہ یہ سب کام ہر مسلمان پر حرام ہیں۔ چنانچہ حاشیہ ابوداؤد صفحہ ۳۵۵ پر ہے لہ وَاِنْ كَانَ مَحْظُوْرًا فِيْ غَيْرِهَا۔ ترجمہ۔ اگرچہ جنگ کے علاوہ یہ تینوں کام ہر مسلمان پر ہر شخص کے ساتھ مسلم غیر مسلم کے ساتھ جھوٹ فریب مکر ممنوع ہیں۔ اور ہر مرد پر ریشم بھی حرام ہے۔ آپ بتائیے عاشقِ خضاب سیاہ مصنف صاحب کہ آپ کا فتویٰ اپنے لیے اور دیگر حلکی مجاہدین عاشقانِ سوادِ خضاب مولویوں کے لیے۔ ان چیزوں کے جواز کے بارے میں کیا ہے روٹی توڑ براٹھا مچھوڑ مجاہد بنتا ہے تو صرف خضاب جائز کیوں؟ جھوٹ مکر بھی جائز کر دو۔ یقیناً اُن مولویوں اماموں کی طرف سے بہت دعائیں ملیں گی۔ خیال رہے کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ احادیث اور فرمانِ نبوت سے مجاہدین کے لیے بھی کالے خضاب کی رخصت و اجازت ثابت نہیں بلکہ کسی بھی حدیث شریف میں ہاں۔ نا۔ کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ یہ اجازت صرف فقہا کے استنباطی مسئلے سے ہے اور کئی شرائط کے ساتھ۔ چنانچہ کتاب جمع الوسائل شرح شمائل مقدسہ جلد اوّل کے صفحہ ۱۰۲ پر ہے۔ فَذَهَبَ اَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ اِلٰى كَرَاهَةِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ وَجَنَحَ النَّوَوِيُّ اِلٰى اَنَّهَا كَرَاهَةُ التَّحْرِيْمِ وَاِنَّ

مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ رَخَّصَ فِيْهِ فِي الْجِهَادِ وَلَمْ يُرَخِّصْ فِيْ غَيْرِهٖ وَاسْتِحْبَابُ الْخِضَابِ بِالْحُمْرَةِ اَوِ الصُّفْرَةِ لِحَدِيْثِ جَابِرٍ۔ ترجمہ۔ علماءِ اسلام کی اکثریت یعنی جمہور علما فقہا (تقریباً سارے ہی علما نے) سیاہ خضاب کو حرام بکراھتہ تحریمی کا مذہب بتایا ہے۔ یہی امام نووی کا مذہب ہے ہاں چند علما نے صرف مجاہد کو صرف جہاد میں کالے خضاب کی (عارضی) اجازت دی ہے۔ اور جہاد کے علاوہ کوئی اجازت ان کو بھی نہیں ہے اور عام حالات میں تمام مسلمانوں کے لیے انہوں نے بھی سرخ یا پیلے خضاب کو پسند فرمایا ہے حدیث جابر رض کی دلیل سے۔ (ستارھویں غلطی) صفحہ ۲۸ پر ایک مشہور حدیث پاک کی توہین وگستاخی کے ساتھ کذب بیانی اور غلط تاویلیں کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نسائی شریف کی وہ حدیث۔ يَكُوْنُ قَوْمٌ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ يَخْضِبُوْنَ بِهٰذَا السَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَا يَجِدُوْنَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔ اس ارشاد گرامی میں جو باتیں ارشاد ہوئیں کہ وہ قوم آخر زمانے میں ہوگی۔ سیاہ خضاب کرے گی کبوتر کے پوٹوں جیسا ۳ جنت کی خوشبو نہ پائے گی۔ یہ تینوں باتیں سیاہ خضاب کی حرمت ثابت نہیں کرتیں بلکہ سیاہ خضاب صرف ان کی نشانی کے لیے بیان کیا گیا ہے جرم کچھ اور ہوگا جس کی وجہ سے اُس قوم کو جنت سے بالکل محروم ہوگی۔ اپنی اس فضول اور لایعنی تاویل کی تائید میں وہ مصنف صاحب دو روایتیں تمثیلاً پیش کرتے ہیں ایک عربی اور ترجمہ کے ساتھ دوسری کا صرف ٹوٹا پھوٹا اور ادھر اُدھر سے ادھورا ترجمہ لکھتے ہیں اصل عبارت عربی اور حوالہ درج نہیں کیا اس لیے کہ یہ اُن کے خلاف جاتی ہے۔ چنانچہ پہلی تقابلی تمثیل میں بحوالہ ترمذی لکھتے ہیں کہ دجَّالُ يَخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّانِ (الخ) آخر زمانے میں کچھ لوگ ایسے نکلیں گے جو دنیا کو دین میں ملائیں گے لوگوں کے لیے دنبوں کی کھالوں کی پوستینیں پہنیں گے (الخ) مصنف مرحوم اس روایت سے اپنا مطلب نکالتے ہوئے لکھتے ہیں دیکھئے اس ارشاد میں ایک گمراہ قوم کی نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ پوستینیں پہنیں گے اور نرم زبان شیریں کلام ہوں گے۔ حالانکہ پوستین پہننا۔ نرم زبان ہونا

حرام یا عیب وگناہ نہیں۔ مگر یہ ان کی نشانی بتائی گئی۔ اس طرح آخری قوم کا سیاہ خضاب لگانا بھی صرف ان کی نشانی بتایا گیا نہ کہ گناہ یا حرام یا باعثِ محرومی (اپنی اس غلط تشریح میں امام ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری جلد دھم ص۳۰ کا عربی حوالہ بھی پیش کرتے ہوئے بتاتے ہیں خضاب والی روایت کا یہ مطلب فتح الباری نے کیا ہے نہ کہ فقط ہم نے۔ دوسری تمثیل میں لکھتے ہیں کہ۔ اسی طرح ایک حدیث میں فرمایا کہ وہ سرمنڈائیں گے۔ سکون سے نمازیں پڑھیں گے۔ یہ بھی ایک قوم کی نشانی ہے کیونکہ سرمنڈانا اور سکون سے نمازیں پڑھنا اچھی بات ہے حرام یا بری نہیں۔ پس اس طرح کالا خضاب لگانا بھی اس قوم کی نشانی بتائی نہ کہ حرمت کے لیے نیز لکھتے ہیں کہ گزشتہ صفحات میں گزرا (یعنی مصنف نے ثابت کر دکھایا) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سیاہ خضاب کو احسن فرمایا۔ متعدد صحابہ وتابعین۔ اہل بیت۔ ائمہ محدثین فقہا حنفیہ اور ہزاروں علماء ومشائخ اس کے جواز کے قائل اور اس پر عامل ہیں۔ نیز جنگلی کبوتر کے پوٹے سیاہ نہیں ہوتے بلکہ سیاہی کے ساتھ بہت زیادہ نیلا پن ہوتا ہے (الخ) جواب۔ یہاں ہمارے محترم مصنف مرحوم نے تقریباً پانچ زبردست غلطیاں کیں جو غلط بیانیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ حدیث پاک نے فرمایا کہ سیاہ خضاب کبوتر کے پوٹوں کی مثل۔ یعنی حدیث پاک نے کبوتر کے پوٹوں کو سیاہ فرمایا اور ان کے ساتھ خضاب کو تشبیہ دی مگر مصنف لکھتے ہیں کہ پوٹے سیاہ نہیں ہوتے۔ گویا کہ مصنف صاحب حدیث پاک کی غلطی نکال رہے ہیں۔ کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو سیاہ فرمائیں اور یہ کہیں سیاہ نہیں ہوتے اپنی معلومات کو زیادہ سمجھتے ہیں۔ یہ طرزِ تکلم سراسر گستاخی وگمراہی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مصنف کی معلومات ناقص ہے۔ کبوتر کی ہزار ہا قسمیں اور سینکڑوں رنگ ہوتے ہیں۔ جنگلی کبوتر بھی بہت سے رنگ والے ہوتے ہیں۔ بستر پر لیٹے لیٹے کتابیں لکھنا تو بہت آسان ہے علم حاصل کرنا مشکل ہے اسی چیز کی مصنف مرحوم کے پاس کمی ہے ورنہ ایسی گستاخی نہ کرتے ہم نے پہلے اسی حدیث پاک کی شرح میں ثابت کر دیا کہ جنگلی کبوتر سے پوٹے سیاہ بھی ہوتے ہیں بلکہ بعض جنگلی تو بالکل پورے سیاہ بھی ہوتے ہیں۔ مصنف اوران

کی معلومات غلط ہیں دوم یہ کہ۔ اس آخری قوم کی جنت سے محرومی اسی سیاہ خضاب کی وجہ سے ہوگی یہ سیاہ خضاب کا ذکر فرمانِ رسول کریم میں فقط نشانی کے لیے نہیں ہے۔ تین وجہ سے ۱۔ وجہ یہ کہ تمام فقہا اور محدثین نے اس حدیث پاک سے حرمت اور کراہت کا استدلال کیا ہے۔ بلکہ اس حدیث کو جس باب میں لکھا ہے اس باب کا نام بھی۔ باب منع الخضاب بالسواد۔ باب ترک الخضاب السواد۔ رکھا ہے۔ ۲۔ وجہ یہ کہ تمام احادیث۔ اللہ رسول کے شرعی احکام بتلانے کے لیے ہوتی ہیں خواہ کسی طرز بیانی سے ہوں۔ فرمانِ نبوت نہ تو تاریخی مقولے ہوتے اور نہ ہی پہیلیاں۔ مصنف نے جو اوٹ پٹانگ غلط تشریح کر ڈالی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آخری قوم کی نشانی تو بتا دی اور سزا بھی بتا دی۔ یعنی نشانی سیاہ خضاب لگانا اور سزا جنت سے محرومی مگر قوم کا نام اور جرم نہ بتایا جس سے یہ حدیث ایک پہیلی بن گئی کہ تا قیامت لوگ سوچتے رہیں۔ وہ قوم کونسی ہو گی۔ خود مصنف بھی نہیں بتا سکتے کہ وہ قوم کون سی ہوگی۔ مصنف کی اس خود ساختہ تشریح نے حدیثِ رسول اللہ کو ایک مذاق بنا دیا۔ امام عسقلانی کی عبارت بھی مصنف کو اس گستاخیِ حدیث سے نہ بچا سکی نہ یہ حوالہ ان کو کارآمد۔ کیونکہ یہ تشریح امام عسقلانی خود نہیں فرما رہے بلکہ یہ بتا رہے ہیں کہ کسی کم عقل نے اس بہترین واضح اور صاف حرمتِ خضاب والی حدیث پاک میں بھی ایسی جہالت کا مظاہرہ کیا کہ سیاہ خضاب کو قوم کی نشانی بنا دیا حالانکہ یہ سیاہ خضاب لگانا اس قوم کی نشانی نہیں بلکہ اصل جرم ہے۔ اور صرف سیاہ خضاب لگانے کی پاداش میں جنت سے محرومی یا قربِ جنت سے محرومی یا جنت کی خوشبو سے محرومی ہوگی۔ عبارتِ حدیث تو صاف یہی فرما رہی کہ قَوْمٌ یَخْضِبُوْنَ۔ وہ قوم خضاب سیاہ لگایا کرے گی۔ بلکہ اب ایسی کتابیں پڑھ کر صاف معلوم ہو رہا ہے کہ شاید حدیث پاک میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی زمانے کا ارشارہ فرمایا ہو۔ کیونکہ یہ زمانہ بھی آخری زمانوں میں سے ہے۔

۳۔ وجہ یہ کہ حدیث پاک کے واضح الفاظ بھی حرمت خضاب کو ثابت کر رہے ہیں اور علی الترتیب وضاحت ہے کہ پہلے قوم کا جرم بتایا جا رہا ہے پھر نشانی پھر سزا۔ اس حدیث پاک میں ایسا ہی کیا گیا کہ قوم کا زمانہ اور جرم و نشانی اور سزا

سب کچھ بیان فرما دیا گیا۔ ۱؎ قوم کا زمانہ آخری ہے ۲؎ جرم خضاب لگانا ہے ۳؎ اور نشانی کبوتروں کے پوٹوں کے مثل کالے سیاہ اور سزا محرومی جنت اب کوئی اعتراض وسوال حدیث پر نہیں پڑتا۔ یہ ہے حدیث پاک کی سچی سمجھ اور صحیح تشریح مصنف کی عقل کی رسائی اگر یہاں تک نہ ہو سکے تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ سوم یہ کہ مصنف نے ابن ماجہ والی پیش کردہ غلط اور ضعیف روایت کا ذکر کیا معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کالے خضاب کو اَحْسَنْ فرمایا۔ ہم نے پہلے اِس کا جواب عرض کر دیا کہ یہ جھوٹی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کالے خضاب کو اَحْسَنْ نہ فرمایا بلکہ بہت سی کتاب اور خود ابن ماجہ نے کتم وحنا کے ملے ہوئے خضاب کو اَحْسَنْ فرمایا اور اسی حدیث پاک کو سب محدثین نے صحیح فرمایا۔ اگر غلط روایت کو بھی حدیث کہہ دیا جائے تو نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی ہے کیونکہ تضاد بیانی ثابت ہوتی ہے کہ نبی کی زبان کبھی حنا کتم کے سرخ خضاب کو اَحْسَنْ فرماتی ہے کبھی اس کے خلاف سیاہ کو اَحْسَنْ فرماتی ہے اور کبھی سیاہ سے منع کرتی ہے اور مطابقت ناممکن منکرین حدیث کو انکار وگستاخی کا موقع دیتا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ جھوٹی روایت کو جھوٹا ہی رہنے دیا جائے اس کو باطل نظریئے کا سہارا نہ بنایا جائے۔ اسی طرح صحابہ وتابعین وہزاروں علماء مشائخ کا ذکر کرنا بھی کذب بیانی اور جھوٹ تہمت ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا۔ اسی لیے تمام مصنفین متقدمین ومتاخرین عامۃ المشائخ وجمہور فقہا کا مسلک یہی بیان فرماتے ہیں کہ ان سب کے نزدیک کالا خضاب حرام ہے۔ مصنف کی چوتھی لغزش۔ مصنف مرحوم نے ترمذی کی ایک عبارت بطریقہ حدیث نقل فرمائی کہ آخر زمانے میں ایک قوم نکلے گی جو لوگوں سے بیے کھال کی پوستین پہنیں گے۔ یہ روایت ترمذی میں نہیں ملی میں نے تو بہت تلاش کی۔ بہر کیف اگر ہو بھی تو یہاں بھی مصنف کی عقل وفکر نے کام نہیں کیا۔ اور غلط مطلب سمجھا۔ یہ روایت بھی پوستین پہننے کو ہی اُس قوم کا جرم قرار دے رہی ہے۔ اُس لیے فرمایا گیا۔ یَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ۔ ان کا پوستین پہننا لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہوگا فرمایا گیا لِلنَّاسِ اور ان کی میٹھی گفتگو بھی لوگوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے ہوگی۔ اور واقعی اس فریب کاری کے لیے پوستین

پہننا میٹھی چاپلوسی کی باتیں کرنا سب حرام ہیں۔ہاں اگر ویسے اپنی عزت یا عجز وانکسار کے لیے کوئی پہنے تو جائز ہے۔ایسے ہی اگر کوئی جاہل آدمی جبّہ ودستار۔اور علماء جیسا لباس پہنے تاکہ لوگ اُس کو عالم سمجھیں اُس سے مسئلے پوچھیں اور جھوٹے غلط شلط مسئلے بتانا شروع کر دے تو یہ جبّہ ودستا اُس کے لیے حرام ہوگی۔کوئی جعلی پولیس بن جائے تو حکومت کا مجرم ہوگا یا نہیں بس یونہی سمجھ لو کہ پوستین اور گودڑی اولیا اور درویشوں کا لباس ہے۔اگر کوئی جھوٹا پیر فقیر بنے تو یہی گودڑی۔پوستین اور تسبیح ومرقع اُس کے لیے منع ہے۔اور وہ اس فریب دہی کے لباس سے شرعی مجرم ہوگا۔مصنف کی پیش کردہ روایت کا سچا مطلب یہی ہے۔مصنف صاحب نے۔جُلُودُ الضَّانِ اور یَلبَسُونَ کو دیکھا لِلنَّاس کو نہ دیکھا اگر اتنی ہی فہم تھی تو کتاب وقلم پکڑنے کی کیا ضرورت تھی۔پانچویں لغزش یہ کہ مصنف نے دوسری تمثیلی روایت کی عبارت پیش نہ کی صرف ادھورا ترجمہ کانٹ چھانٹ کر لکھ دیا۔اصل روایت اس طرح ہے کہ نبی کریم غیب دانِ عالم نے وہابی نجدی گروہ کا نام لے کر ان کی نشانیاں بتائی ہیں کہ وہ سر منڈایا کریں گے اور لمبی نمازیں پڑھا کریں گے۔صرف۔یَکُونُ قَومٌ۔ یَا یَخرُجُ فِی آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ۔ نہیں فرمایا۔لہٰذا یہاں بھی مصنف کی بات نہیں بنی۔پس ثابت ہوا کہ یَخضِبُونَ بِھٰذَا السَّوَادِ۔سے۔حرمت خضاب سیاہ ہی ثابت ہو رہی ہے۔(اٹھارھویں غلطی۔)مصنف مرحوم صفحہ ۳ پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو ضعیف کہہ رہے ہیں جس میں ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حِنَاءُ کَتم کا خضاب سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے اور کالا خضاب فرعون نے لگایا۔اور حوالے میں سراج منیر شرح جامع صغیر صفحہ ۴۲ عبارت نقل کر رہے ہیں کہ۔قَالَ الشَّیخُ حَدِیثٌ ضَعِیفٌ۔(جواب) باطل لوگوں کا یہ ایک فیشن بن چکا ہے کہ جس حدیث پاک کو نہ مانتا ہو اُس کو ضعیف کہہ دیا۔کتنا آسان ہے بچ نکلنا۔یہ عادت وہابیوں سے چلی ہے۔مصنف صاحب کو جب اس کا جواب نہ آیا تو باطل عقیدے کو بچانے کے لیے ضعیف کہہ دیا۔اور پھر استدلال میں کیسی مجہول فنا کارہ عبارت۔کہ۔قَالَ الشَّیخُ حَدِیثٌ ضَعِیفٌ۔نہ معلوم کہ قال کا متکلم کون

ہے شیخ کون ہے۔ کس حدیث کو ضعیف کہہ رہا ہے کیوں کہہ رہا ہے۔ کیا ثبوت ہے ضعیف ہونیکا حالانکہ ہم پہلے اپنی پانچویں دلیل میں مسند دیلمی کی سند سے اس روایت کو صحیح ثابت کر چکے ہیں اِس کو جمع الوسائل جلد اوّل ص۱۰۲ پر ملا علی قاری رح نے اپنے دلائل میں بیان کیا ہے وہ اِس کو ضعیف نہیں کہتے۔ علامہ مناوی نے اس کو صحیح فرمایا اور سب سے بڑی سند اس روایت کے صحیح ہونے کی یہ ہے کہ اعلحضرت مجددِ بریلوی رض نے اِس کو اپنی دلیلوں میں شامل و شمار فرمایا۔ لہذا صرف مصنف صاحب اور اُن کے شیخ کے سرپھیرتے اور میں نہ مانوں کہنے سے تو یہ ضعیف نہیں ہوسکتی۔ آگے اسی ص۳۰ پر۔ مصنف ایک الزامی سوال قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دیکھو فتاوی عالمگیری جلد پنجم ص۳۳۴ میں ہے۔ وَعَنِ الْقَاسِمِ الصَّفَّارِ اَلْخُفُّ الْاَحْمَرُ خُفُّ فِرْعَوْنَ وَالْخُفُّ الْاَبْيَضُ هَامَانَ یعنی سرخ رنگ کا موزہ فرعون کا ہے اور سفید رنگ کا موزہ ھامان کا ہے۔ تو اگر کالا خضاب اس لیے منع ہے کہ وہ فرعون نے لگایا تو سرخ و سفید موزہ بھی فرعون و ھامان کا ہے وہ بھی منع ہونا چاہیئے۔ نیز اسی کتابچی کے ص۳۱، ص۳۲ پر ٹوپی اور عمامے کی مثال دی ہے کہ ٹوپی صرف بغیر عمامہ کفار کی نشانی ہے۔ تو چاہیئے کہ صرف ٹوپی بغیر عمامہ پہننا بھی حرام ہونا چاہیئے۔ (جواب) فتاوی عالمگیری جلد پنجم ص۳۳۴ کا یہ قاسم الصفار جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ بہر کیف اگر سچ بھی ہو تب بھی فتاوی عالمگیری کے عام مصنفین کی عبارت کو فرمانِ نبوت کے مقابل لانا اور مساوی درجہ دینا سراسر گمراہی و گستاخی حدیث ہے۔ کہاں وہ وحیِ الٰہی کی زبان شریعتِ اسلام کے کلمات ترجمانِ خداوندی کے الفاظ۔ چشمۂ فیض و حکمت سرکارِ کائنات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ جن کی ہاں اور نا کا نام شریعت اور جن کی ہر ہر ادا قانونِ الٰہی ہے۔ جن کے منہ مقدس کے ادا کئے ہوئے جملے نطقِ قرآن وحکمِ رحمٰن بن جاتے ہیں۔ اور کہاں یہ بیچارے عالمگیری کے مولوی و مفتی۔ عالمگیری کا یہ کہنا غلط اور جھوٹ بھی ہوسکتا ہے۔ تاریخ کی یا وہ گوئی بھی ہوسکتی ہے۔ یا صرف تاریخی معلومات بھی ہوسکتی ہے قصہ کہانی بھی بنائی جاسکتی ہے عالمگیری کا یہ قول کوئی شریعت کا پیمانہ نہیں کہ اُس کو ایمان کی بنا دیا حرام وحلال کا معیار سمجھ لیا

جائے ایسے لاکھوں اقوال ٹھکرائے وجھٹلائے جا سکتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ واقعتاً یہ بات کسی نے بے پَرکی چھوڑی ہو۔ اس لیے کہ عالمگیری نے جہاں یہ عبارت لکھی ہے وہاں کے سیاق وسباق سے یہ عبارت بے تکی سی معلوم ہوتی ہے سمجھ نہیں آتا کہ مؤلف نے یہ بیکار بے فائدہ بے جوڑ عبارت کس مقصد کے لیے یہاں لکھ دی ہاں اگر یہ عبارت فرمانِ نبوت ہوتا تو واقعی سرخ اور سفید موزے سے مسلمانوں کو نفرت ہو جاتی اور عبارت لکھنے کا مقصد سمجھ آجاتا۔ اسی بے جوڑ۔ بے تکی ہونے کی وجہ سے دل کہتا ہے کہ یہ عبارت جھوٹی ہے۔ اور اگر سچی بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس کو تاریخی معلومات میں شمار کیا جائے گا۔ لیکن وہ فرعون وخضاب کی حدیثِ مقدسہ اُن کے الفاظ ہیں جن کی زبان پر قرآن بولتا ہے۔ جن کے لب ودہان مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُوْحٰی کے نقشِ عظیم سے مزین ہیں۔ افسوس مولانا کرتم نے کس کے مقابل کس کو لا کھڑا کیا۔ مَا قَدَرُوا الْحَدِیْثَ الْمُقَدَّسَةَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی مؤرخ بن کر نہیں آئے کہ صرف تاریخی معلومات سمجھاتے رہیں۔ آپ کا ہر ہر لفظ قانون ساز ہے اس حدیث پاک سے یہی فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانوں کالے خضاب سے نفرت کرو کیونکہ اس کی ابتداہی ظالم وکافر سے ہے اس طرح اور بھی بہت سے قانونِ اسلامی ہیں جس کی وجہ کراہت فقط کفار سے نفرت پیدا کرنا ہے۔ رہا عالمگیری کی عبارت تو اُس کی فرمانِ نبوت کے مقابل حیثیت ہی کیا ہے۔ نیز وہ عبارت لفظاً بھی غلط ہے۔ کیونکہ لکھا ہے وَالْخُفُّ الْاَبْیَضُ هَامَان۔ یہ عبارت بتا رہی ہے کہ اس کو بنانے والا عربی سے جاہل ہے۔ اِس عبارت کا ترجمہ بنتا ہے۔ کہ سفید موزہ ھامان ہے۔ مصنف صاحب بے چارے شاید نیند میں ایسی عبارت بنا گئے جس کا سر پیر ہی نہیں رہا ٹوپی عمامے کا مسئلہ تو وہ اپنی جگہ درست ہے۔ مگر خطیب مذکور مولوی صاحب کی سمجھ میں نہیں آسکتا ایسے ارشاد سمجھنے کے لیے وسیع علم تدبر، تفکر، تجربہ مشاہدہ۔ اور ذہن وعقل کی محنت کرنی پڑتی ہے خیال رہے کہ اسلامی قانون دو قسم کے ہیں ۱۔ محکم ومستقل ۲۔ عارضی وہنگامی۔ قانون محکم وہ ہوتا ہے جو کسی وجہ سے نہ ہو وہ دائمی ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے یا فقط مرد یا فقط عورت

کے لیے ہر وقت ہر جگہ ہر ملک میں فرض واجب یا نفل سنت مستحب رہتا ہے۔ لیکن ہنگامی قانون کسی خاص وجہ سے عارضی طور پر واجب لازم یا مستحب کیا جاتا ہے جب وہ وجہ ختم ہو جائے یا جس جگہ وہ وجہ نہ پائی جائے وہاں سے وہ حکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مستحکم و مستقل کی مثال تو پوری شریعت اسلامیہ ہے لیکن ہنگامی و عارضی حکم تو اُس کی دو صورتیں ہیں ۱۔ جب کوئی کام کسی کافر قوم کا مذہبی شعار بن جائے تو وہ کام اُس وقت تک تمام مسلمانوں پر وہ حرام ہو گا جب تک وہ کفار کا مذہبی نشان بنا رہے گا۔ لیکن جب وہ کافر قوم ختم ہو جائے یا ان کا مذہبی نشان بدل جائے۔ اُس وقت وہ کام حرام نہ رہے گا۔ مثلاً پہلے زمانے میں یہودی کفار کا نشان زنار باندھنا تھا۔ آج کل عیسائیوں کا صلیب لٹکانا وغیرہ وغیرہ ۲۔ جب کوئی کام کفار کی دنیوی نشانی اور شناخت بن جائے۔ وہ کام مسلمانوں پر اس وقت اور اُس علاقہ تک حرام ہے جب تک اور جہاں تک وہ کفار رہتے ہوں یا مشہور ہوں۔ یہ کام مسلمانوں پر حرام اور ممنوع ہوں گے مگر صرف اسی ماحول میں اُسی علاقہ میں جہاں تک لوگ ایسے کام کو دیکھ کر یہ محسوس کریں کہ وہی کافر ہے۔ مثلاً۔ یہاں برطانیہ اور یورپ میں سر پر چھوٹی سی گول کپڑے کی ٹوپی یہودیوں کی شناخت ہے اس طرح کالا اونچا ہیٹ عام یہودیوں کی نشانی ہے مگر ہندو پاک میں اسے کوئی نہیں جانتا نہ وہاں کوئی یہودی دکھائی دیتا ہے تو یہ ٹوپی اور یہ ہیٹ جس کا نام یہودی لغت میں ۱۔ کپّاہ ۲۔ کوپلے ۳۔ یَملکا ہے ہیٹ کا نام۔ اسٹیر بمر ہے۔ شرعی طور پر مسلمانوں کو پہننا یورپ میں حرام ہے پاکستان میں جائز ہے۔ اسی طرح سکھوں کی طرز پر پگڑی ان علاقوں میں پہننا حرام ہے جہاں لوگ سکھوں کو جانتے ہیں اگرچہ ان کی پگڑی بھی ٹوپی کے ساتھ ہے مگر جہاں سکھوں کا نام و نشان بھی نہیں وہاں ان کی طرز پر پگڑی مسلمان کو حرام نہ ہو گی۔ یہی حالت خضاب لگانے کا ہے۔ کہ سرخ پیلا رنگ والا خضاب اُن علاقوں میں لگانا ضروری ہے جہاں یہودی رہتے ہوں کہ وہ نہ لگائیں تو مسلمانوں کو اپنی شناخت بنانے کے لیے ضروری ہے تاکہ خالفوھم پر عمل ہو جائے لیکن جہاں یہودی نہیں رہتے مثلاً ہندوستان پاکستان تو وہاں اپنے سفید بالوں کو سرخ یا پیلا رنگ کا خضاب لگانا ضروری

نہیں۔ حدیث خضاب ہیں خالفوھم کا جملہ خضاب حنا وکتم کی وجہ بتا رہا ہے اور جو حکم کسی وجہ سے ہو وہ عارضی وہنگامی ہوتا ہے۔ اگر آج یہودی تمام رواجی طور پر سرخ خضاب لگانا شروع کر دیں تو مسلمانوں کو منع کر دیا جائے گا۔ لیکن خضاب سیاہ کی ممانعت وکراہت تحریمہ میں کوئی وجہ نہیں بیان فرمائی گئی اس لیے کالے خضاب کی حرمت دائمی ومستقل قانون ہے۔ کہ دنیا بھر میں کسی وقت کسی عمر کسی حالت کا مرد مسلمان ہو یا اس کے بال پورے سفید ہوں یا ملے جلے سب کے لیے کالا خضاب حرام ہے۔ ہاں عورت پر کالا خضاب لگانا حرام یا مکروہ نہیں مسلمان عورت کو خضاب لگانا جائز ہے۔

چنانچہ جمع الوسائل شرح شمائل جلد اوّل ص۲۰۱ پر ہے۔ وَلِحَدِیْثِ اَبِیْ دَرْدَاءٍ رَفَعَهٗ مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ سَوَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِیْ وَابْنُ عَاصِمٍ وَسَنَدُهٗ لَیِّنٌ۔ وَمِنْهُمْ مَنْ فَرَّقَ فِیْ ذَالِكَ بَیْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْاَةِ فَاَجَازَهَا دُوْنَ الرَّجُلِ وَاخْتَارَهُ الْحَلِیْمِیُّ (الخ) ترجمہ ابو درداء کی ایک مرفوع حدیث پاک ہے جس کو طبرانی اور محدث ابن عاصم نے بھی روایت فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص دنیا میں کالا خضاب لگائے گا اللہ تعالیٰ اس کا منہ قیامت کے دن کالا کر دے گا۔ اس کی سند نرم ہے۔ اور کچھ فقہاء کرام نے کالے خضاب کے مسئلے کو عورت مرد کے لیے متفرق کیا ہے کہ عورت کے لیے کالا خضاب لگانا جائز رکھا اور مرد کے لیے حرام وناجائز۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ کالے خضاب کی حرمت دھوکہ دینے اور فریب کرنے کی وجہ سے ہے مرد کا کالا خضاب لگانا سراسر دھوکہ بازی ہے کیونکہ وہ داڑھی کو لگائے گا اور داڑھی کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ جو دیکھے گا وہ اس کو جوان سمجھے گا اور کالے خضاب کی نیت بھی یہی ہوتی ہے خواہ پیر صاحب لگائیں یا مرید صاحب عالم لگائیں یا عوام۔ لیکن عورت صرف سر کے بالوں کو لگا سکتی ہے اور ڈھکنا ہر عورت پر فرض ہے تو اس کے بالوں کا خضاب نہ کسی کو نظر آئے نہ کوئی دھوکہ کھائے دھوکہ ہمیشہ اجنبیوں کو دیا جا سکتا ہے اور اجنبی سے سر ڈھکنا فرض ہے۔ جب یہ عارضی وہنگامی حکم کا فرق سمجھ لیا تو ٹوپی اور پگڑی بھی عارضی وہنگامی

حکم ہے۔ اس لیے کہ صرف ٹوپی کی ممانعت زِیُّ الْمُشْرِکِین کی وجہ سے ہے یعنی کفار کی نشانی ہونے کی وجہ سے اور کفار کی مخالفت تو واجب تو اُن کی نشانیت بچنا و ہٹنا بھی واجب ہو گیا، بالکل سرخ خضاب جیسا مسئلہ ہے۔ تو جہاں جہاں ٹوپی پہننا کسی قسم کے کفار کی نشانی بن جائے وہاں کے لیے اعلیحضرت کا یہ فرمان بھی اور حدیث پاک کا شرعی حکم بھی لیکن جہاں پر کفار کی نشانی ٹوپی نہیں یا اس طرز کی ٹوپی نہیں وہاں صرف ٹوپی پہننا بغیر عمامہ جائز ہوگا۔ ثُمَّ مَا جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا مصنف صاحب کو چاہئے تھا کہ زندگی میں یہ حدیث و عبارت استادوں سے سمجھ لیتے پھر قلم اٹھاتے۔ انیسویں غلطی۔ ص۲۳ پر مسلم دوم ص۱۹۲ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر زرد رنگ کے دو کپڑے دیکھے۔ فَقَالَ إِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبِسْهُمَا وَفِي رِوَايَةٍ قُلْتُ أَغْسِلُهُمَا. قَالَ بَلْ أَحْرِقْهُمَا۔ ترجمہ تو فرمایا بے شک یہ کفار کے لباس میں سے ہیں ان کو مت پہنو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میں ان کو دھو کر رنگ اتار دوں۔ فرمایا بلکہ ان کو جلا دو آگے مصنف اپنی نادانی کم فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ زرد رنگ کے کپڑوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس کفار قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ صحابی عرض کرتے ہیں کہ میں دھو کر رنگ اتار دوں تو ارشاد ہوتا ہے کہ نہیں بلکہ جلا دو۔ حضور کی اس صریح اور شدید ممانعت اور لباس کے رنگ کو دھو دینے کے باوجود جمہور علما صحابہ و تابعین۔ امام اعظم ابو حنیفہ امام شافعی امام مالک ثوب مُعَصْفَر یعنی زرد رنگ کے کپڑے پہننا (الخ) مباح فرماتے ہیں چنانچہ امام نووی شرح مسلم میں اسی جگہ فرماتے ہیں۔ وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي الثِّيَابِ الْمُعَصْفَرَةِ قَالَ۔ وَالْمَصْبُوغَةِ بِعُصْفُرٍ فَأَبَاحَهَا جُمْهُورُ الْعُلَمَاءِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَبِهٖ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَأَبُوحَنِيفَةَ وَمَالِكٌ لٰكِنَّهُ قَالَ غَيْرُهَا أَفْضَلُ مِنْهَا ترجمہ۔ علما نے پیلے رنگ کے کپڑے پہننے میں اختلاف کیا ہے جمہور (یعنی اکثر) علمائے صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد والے علما نے پیلے کپڑے

پہننا بالکل جائز اور مباح حلال فرمائے اور یہی امام شافعی، امام ابوحنیفہ، اور امام مالک نے فرمایا ہے کہ مباح ہے۔ لیکن صرف امام مالک نے یہ بھی فرمایا کہ پیلے کپڑوں سے دوسرے رنگ کے کپڑے افضل ہیں مصنف صاحب خود ہی اپنی اوندھی سمجھ کی وجہ سے اُلجھتے ہیں اور پھر خود ہی حیران ہو کر سوال کرتے ہیں کہ جس طرح لباسِ معصفر کو ثیاب الکفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح سیاہ خضاب کو کافر کا خضاب فرمایا۔ تو یہ کیا وجہ ہے کہ پیلا لباس تو گناہ بھی نہ ہو مگر (ہائے ہمارا پیارا) کالا خضاب کرنا۔ حرام قطعی۔ اور کرنے والا جہنمی ہو اور آخرت میں منہ کالا ہو۔ اس عظیم فرق کی کیا وجہ۔ (جواب) ہاں آؤ ہم بتاتے ہیں کہ اس عظیم فرق کی کیا وجہ ہے مگر پہلے اتنا سُن لو کہ خدا جب دین لیتا ہے سمجھ بھی جاتی رہتی ہے۔ سچ فرمایا بزرگوں نے کہ انسان جب باطل پر چل پڑتا ہے تو اُس کا چراغِ شعور بجھ جاتا ہے اور معمولی اور نہایت آسان بات بھی نہیں سمجھ پاتا۔ اوّلاً تو یہ غور کرو کہ حدیث پاک میں صریح وسعید وشدید ممانعت ہو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جمہور اپنا مذہب اس کام کے جواز و مباح پر بنالیں گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریحی مخالفت اور مقابلہ کریں۔ کیا ان جمہور کو جہنم کا خوف نہیں۔ کیا ان کو اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ کی آیت غضبِ الٰہی یاد نہیں۔ پھر مصنف نے جمہوریت تک ہی بات نہ رکھی اِس سے اپنی نادانی میں امام اعظم امام شافعی مالک کو بھی ملوث کرنا چاہا اور امام نووی کو بھی بے شعور ہی سمجھ لیا۔ اور پھر کمال نادینی ہے۔ فَمَا جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔ کا جملہ بے موقعہ محل بطورِ تکیہ کلام بول دیا۔ اور اندھے کی لاٹھی ہوا میں چلا دی۔ اللہ کے بندو اگر تم کو اپنی خود ساختہ اِس اُلجھاؤ کا سلجھاؤ نہیں آتا تھا تو کتاب لکھنے کی کیا مصیبت پڑی تھی اور پھر گھبرا کر اور جواب کی سمجھ نہ پا کر علماءِ حق کی منتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ بزرگو خدا کے لیے جواب سمجھاؤ۔ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔ اے علماءِ کرام جو تم جواب دوگے وہ ہی ہم اپنا جواب سمجھ لیں گے اور گمراہی سے نکل آئیں گے۔ مصنف صاحب نے اس کتاب میں بہت جگہ یہ جملہ تحریر فرمایا ہے یعنی پہلے اپنی ناسمجھی سے خار دارِ عقلیات میں پھنس جاتے ہیں پھر جب نکلنے کا راہ

نہیں پاتے تو۔ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ (الخ) کہ بچاؤ۔ بچاؤ۔ آیئے مجدد یہاں ہم انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی غلط فہمی سے بچاتے ہیں۔ لہٰذا یاد رکھیے اس حدیث پاک میں کسی بھی رنگ سے بحث نہیں نہ پیلے رنگ کے کپڑوں سے ممانعت ہے نہ شدید نہ خفیف۔ نہ امام نووی نہ جمہور نہ امام اعظم امام شافعی و امام مالک نے اس حدیث پاک میں رنگ کی بحث سمجھی سب کی سمجھ بحمدہ تعالیٰ اس حدیث مبارکہ کی فہم میں بالکل درست ہے۔ صرف ہمارے مصنف صاحب اور اس طرح کی کم سمجھی والے حضرات جو پہلے زمانوں میں ہوئے اور انہوں نے اپنی کم فہمی سے اس فرمان پاک سے پیلے رنگ کی ممانعت سمجھ لی امام نووی علیہ الرحمۃ اپنی شرح میں ائمہ اربعہ کے حوالے سے ان ناسمجھوں کو جواب دے رہے ہیں کہ نادانوں اس حدیث پاک کی ممانعت شدید پیلے رنگ کی وجہ سے نہیں۔ نہ ہی مذہب اسلام رنگ و روپ میں کسی کو الجھاتا ہے۔ کیونکہ دین اسلام نہ تو ہندوؤں کی طرح کسی کالے یا سبز رنگ کا پجاری بنائے کہ ان رنگوں کی مسلمانوں کو تعظیم کا حکم دے جیسا کہ فی زمانہ بعض کم عقل نادان پیر لوگ ہر کالے اور سبز رنگ کی تعظیم میں جھکے پڑتے ہیں اپنے مریدین کو بھی ان دو رنگوں کی تعظیم کا حکم دیتے ہیں کہ کالے رنگ کی جوتی نہ پہنو سبز رنگ کا فرش نہ بناؤ کہ یہ غلاف کعبہ کا رنگ ہے اور یہ سبز گنبد کا رنگ ہے۔ اسلام ان خرافات کو نہیں مانتا اللہ تعالیٰ نے کالی بھینس کالا ریچھ بہت سے کالے حرام جانور پیدا فرما دیئے۔ یہاں تک کہ ہر مرد کے کالے بال ناف سے پیروں تک اگا دیئے۔ اب کرو ان کی تعظیم سجا کر رکھو شو کیس میں۔ اس طرح سبز گھاس کے میدان سجا دیئے کہ ہر طرح ان پر چلو پھرو گھٹنے دوڑاؤ۔ مسلمان صرف اس رنگ کی تعظیم کرے گا جو غلاف کعبہ سے لگ چکا ہے آج کل کالا ہے تو کالے غلاف کی تعظیم ہے اگر کل کسی حکومت نے سرخ یا پیلا غلاف ڈال دیا تو اس غلاف کی تعظیم ہو گی یہ تعظیم فقط کعبہ کی نسبت اور اس کلمہ طیبہ کی وجہ سے ہے جو اس پر لکھے ہوئے ہیں نہ کہ کپڑے یا کالے رنگ کی وجہ سے اسی طرح صرف اس سبز رنگ کی تعظیم ہو گی جو سبز گنبد میں لگ چکا ہے۔ اس لگے ہوئے رنگ کا ٹکڑا اگر ہم کو مل جائے تو تاج شاہی سے بھی زیادہ اس کی تعظیم کریں گے یہ مومن کا فرض ہے۔ لیکن اس کے علاوہ

کسی بھی ہرے کالے پیلے سرخ رنگ میں شریعتِ اسلامیہ مسلمانوں پر کوئی بھی حکم صادر نہیں فرماتی نہ کوئی رنگ واجب نہ کوئی حرام نہ مکروہ نہ تحریمی نہ تنزیہی۔ اسلام اِن بناوٹوں اور خود ساختہ پابندیوں کے خلاف ہے۔ اسلام قرآن وحدیث کا نام ہے۔ ان کے تمام قوانین نہایت ٹھوس مضبوط بنیادوں پر ہوتے ہیں۔ ایسی ہی اڑتی باتیں نہیں ہوتیں اسلام کی حرام وحلال کی ہوئی چیزوں کی وجہ کوئی شناخت یا نشان یا نفع نقصان کی کی بنیاد ہوتی ہے روایت میں عورتوں جیسے کپڑے مردوں کو پہننے منع ہیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فقہاءِ کرام نے مسئلہ بتایا کہ ہر قسم کا چمکدار اور بھڑکیلے رنگ کا کپڑا بھی مرد کو حرام ہے اگرچہ اُس کی بناوٹ ونمونہ مردانہ طرز پر ہو۔ صرف اس لیے کہ چمکیلا کپڑا عورتوں کے لیے مخصوص ہوگیا وہ عورتوں کی شناخت بن گیا۔ اگرچہ سفید رنگ میں ہی چمک ہو لیکن بغیر چمک کے ہر قسم کے رنگ کا لباس مرد کو جائز ہے معلوم ہوا کہ رنگوں میں حلت حرمت نہیں بلکہ شناخت ومشابہت کی وجہ سے ہے اس طرح اصل حدیث پاک میں بھی کہ جب آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو کو پیلے رنگ کے کپڑے پہنے دیکھا تو منع فرماتے ہوئے رنگ کا بالکل ذکر نہ کیا۔ بلکہ فرمایا اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ۔ یہ کپڑے اپنی بناوٹ اور نمونے میں کفار کے ہیں ان کو پہنے تو دیگر اجنبی مسلمان دھوکا کھا سکتے ہیں کہ یہ پہننے والا شاید کافر چلا آرہا ہے اس لیے لَا تَلْبَسْهَا اس کو کبھی نہ پہننا۔ (بلکہ اس ایک اشارے میں تاقیامت مسلمانوں کے لیے ایک قانون وضع فرما دیا کہ کسی دور میں کسی بھی رنگ میں ہو کفار کا شناختی اور مروجہ لباس کسی مسلمان کو پہننا جائز نہیں۔ خواہ پورا لباس ہو یا فقط ٹوپی۔ پگڑی۔ یا مخصوص ہیٹ کی شکل میں ہو) مگر حضرت عبداللہ بن عمرو جلدی میں فرمانِ نبوت کا اصل اشارہ اور وجہ ممانعت نہ سمجھ سکے آپ کا دھیان پیلے رنگ کی طرف چلا گیا۔ اور عرض کیا۔ کہ کیا! میں اس رنگ کو دھو ڈالوں پھر کیا یہ لباس جائز رہے گا۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نہیں بلکہ ان دونوں کپڑوں کو جلا دو۔ یعنی یہ ممانعت رنگ کی وجہ سے نہیں وہ تو واقعی دُھل کر ختم ہو جائے گا۔ اصل ممانعت تو اس کی نشانِ کفار والی بناوٹ کی وجہ سے ہے جو دھلنے سے ختم نہیں ہو سکتی اس کا ایک ہی علاج ہے

کہ جلا کر اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دو۔ یہ اتنی شدید ممانعت ہے کہ اس نشان کفر اور کفار کی اس وردی کو تم نہ کسی کو دے سکتے ہو کافر کو بھی نہیں کہ تعاون علی الکفر کے مشابہ ہے اور نہ اس کو اپنے پاس اپنے گھر میں ظاہر یا پوشیدہ رکھ سکتے کہ کل کوئی دوسرا مسلمان نہ پہن لے یا کوئی آدمی کچھ زمانے گزرنے کے بعد صحابی کے گھر سے ملا ہوا تبرک سمجھ کر تعظیماً تبرکاتِ صحابہ میں شامل نہ کر دے۔ ان تمام خدشات کے پیش نظر فرمایا۔ بل اَحرِقھُمَا۔ اس نشانِ کفر کو جلا کر فنا کر دو۔ تمام فقہا نے اسی حدیث پاک کے استدلال و استنباط سے ہر دور کے کفریہ نشانات و شناخت والے لباس کو مسلمانوں کے لیے حرام فرمایا۔ لیکن نووی دور کے چند کم فہم علماء نے اس حدیث پاک سے پیلے رنگ کی ممانعت سمجھی ان کی تردید فرماتے ہوئے امام نووی نے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاءِ صحابہ و تابعین کا مذہب و مسلک ظاہر فرمایا کہ نادانوں حدیث پاک کا وہ منشا نہیں جو تم سمجھ بیٹھے ہو۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ زبانِ نبوت تو ایک چیز کو شدت سے منع فرمائیں اور جمہور فقہا تو درکنار کوئی ایک مسلمان ہی اُس کو مباح کہہ دے۔ زبانِ رسالت سے شدت کی ممانعت کو فقہاءِ اسلام حرامِ قطعی کہتے ہیں۔ نہ کہ مباح۔ یہاں لباسِ معصفر کو مباح کہکر حدیث کی سچی فہم کا اشارہ فرما دیا۔ کیوں مصنف صاحب اب آپ کو حدیث کی سچی سمجھ آئی ؟

رب تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے میری قلبی دعا ہے۔ کیونکہ آپ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نعت خواں ہیں یقیناً رب تعالیٰ رحمٰن و رحیم بندوں کی ایسی لغزشیں معاف فرما دیتا ہے۔ یہ تردیدی جواب صرف اس لیے لکھ رہا ہوں کہ خطرہ موجودہ زندہ لوگوں سے ہے کہ وہ کہیں اس غلط کتاب سے گمراہ ہو کر کالے خضاب کی حرمت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ وَاللّٰہُ یَھدِی مَن یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّستَقِیم۔

(بیسوی غلطی) صفحہ ۳۵ پر لکھا ہے کہ مسلم شریف میں ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ۔ لَا تَاکُلُوا بِالشِّمَالِ فَاِنَّ الشَّیطٰنَ یَاکُلُ بِالشِّمَالِ۔ ترجمہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا فعل شیطان ہے۔ (جواب)

مصنف کی یہ بات بالکل درست ہے واقعی بائیں یعنی اُلٹے ہاتھ سے کھانا تمام فقہا اور شارحین کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے کیونکہ بفرمانِ نبوت شیطان کا کام ہے۔ اور کسی صورت میں کسی مرد یا عورت مسلمان کے لیے کبھی بھی جائز نہیں اور اگر کوئی مسلمان بلا سخت مجبوری۔ اور بغیر عذر الٹے ہاتھ سے کھائے گا تو گناہِ کبیرہ و فعل حرام کا مرتکب ہوگا۔ یہاں تک تو مصنف ٹھیک چلے مگر آگے چل کر بے عقلی و کج فہمی کا ثبوت دے دیا کہ اس حدیث مبارکہ پر ایک الزامی سوال قائم کر دیا۔ فرماتے ہیں۔ امام بدر الدین عینی اپنی شرح عمدۃ القاری جلد ۲۱ ص ۲۵ پر لکھتے ہیں دائیں ہاتھ سے کھانا ہمارے اکثر اصحاب کے نزدیک مستحب ہے یہی امام غزالی اور امام نووی کی تصریح ہے۔ دوم یہ کہ حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمت مراۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ دودھ یا پانی وغیرہ ہمیشہ داہنے ہاتھ سے برتن تھامے جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے۔ اس شرح سے ثابت ہوا کہ دائیں ہاتھ سے کھانا پینا مستحب ہے۔ آگے اپنی بیچر لگاتے ہیں۔ اگر بائیں ہاتھ سے کھائے پیئے گا تو مستحب کے خلاف کا مرتکب ہوگا۔ اور مستحب کا خلاف یا ترک گناہ نہیں۔ تو کیا فرماتے ہیں۔ اشتہاری مولوی کہ سب سے بڑے کافر ملعون دشمنِ خدا شیطان کے فعل کو کرنے والا اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کرنے والا گنہگار کیوں نہیں۔ (جواب۔) مصنف صاحب کی عقل و فکر پر کبھی تو ہنسی آتی ہے اور کبھی رونا۔ واللہ اگر میرے علم میں اُس وقت یہ تحریر آجاتی تو میں اُن کا یہ قلم پکڑ کر ہمیشہ کے لیے جلا دیتا۔ یہاں محترم مرحوم نے چار ٹھوکریں کھائیں ہیں ایک یہ کہ عینی کی پوری عبارت نہیں لکھی دوم یہ کہ بائیں اور دائیں سے کھانے کی ممانعت اور استحبابی جواز میں فرق نہ جانا۔ سوم یہ کہ اُلٹے (بائیں) ہاتھ سے کھانے کو ترکِ مستحب کے زمرے میں شامل کیا۔ چہارم یہ کہ ہر مستحب کو مصنف نے ایک ہی درجہ دیا کہ ان کے نزدیک ہر مستحب کا ترک گناہ نہیں۔ حالانکہ یہ سب باتیں غلط ہیں۔ اور پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اس پوری عبارت اور الزامی سوال میں دائیں بائیں سے کھانے نہ کھانے کا تعلق اس کتاب سے کیا ہے۔ اور حرمتِ خضابِ سیاہ کے بیان اور مخالفت میں اس چلنے کی کیا

ضرورت و نسبت تھی۔ بہر حال قلم ہاتھ لگ گیا ہے جو چاہیں لکھتے پھریں۔ واضح رہے کہ عینی نے اِن ہی صفحات پر یہ بھی لکھا کہ۔ وَقَدْ نَصَّ الشَّافِعِیُّ فِی الْاُمِّ عَلٰی وُجُوْبِہٖ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے سیدھے ہاتھ سے کھانے کو واجب قرار دیا ہے۔ اور عینی جلد ۲۱ کے ص۲۹ پر ہے۔ وَاَمَّا الْاَکْلُ بِالْیَمِیْنِ فَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰی اَنَّهٗ وَاجِبٌ لِظَاهِرِ الْاَمْرِ وَلِوُرُوْدِ الْوَعِیْدِ فِی الْاَکْلِ بِالشِّمَالِ ترجمہ دائیں (سیدھے) ہاتھ سے کھانا بعض علما کے نزدیک واجب ہے کیونکہ حدیث شریف کے ظاہری امر سے وجوب ثابت ہوا کرتا ہے۔ (اور کسی حکم کو مستحب بنانے کے لیے کسی دلیل یا قید کی شرط ہے) اور بائیں ہاتھ سے کھانے پر سخت وعید آئی ہے۔ نیز یہ کہ سیدھے ہاتھ سے کھانا مستحب ہے اور مستحب کا ترک گناہ نہیں لیکن اس ترک سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ضرور وہ بائیں اور اُلٹے سے ہی کھائے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ دائیں ہاتھ سے نہ کھائے نہ پیئے بلکہ منہ لگا کر پیئے۔ بغیر کوئی ہاتھ استعمال کیے ہوئے جیسے کہ عموماً دیہاتی کرتے ہیں یا وہ ہاتھ کے بجائے چمچے سے کھالے۔ اس صورت میں ترک مستحب ہو گیا مگر بائیں ہاتھ سے سراسر گناہ ہی ہوگا۔ کیونکہ سخت وعیدیں وارد ہیں۔ اس لیے مصنف صاحب کا الزامی سوال غلط ہے۔ خلاصہ یہ کہ سیدھے ہاتھ سے نہ کھانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی بندہ اُلٹے ہاتھ ہی سے کھائے کھانے پینے کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں دائیں کے استحباب سے اُن دیگر طریقوں کا جواز و اجازت ثابت ہوئی دائیں سے کھانا شرعاً مستحب اور بائیں سے کھانا حرام دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

اکیسویں غلطی۔ صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں عَنْ اَبِیْ رَیْحَانَۃَ۔ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ عَشْرٍ۔۔۔۔ وَلُبُوْسِ الْخَاتَمِ اِلَّا لِذِیْ سُلْطَانٍ۔ (مشکوٰۃ) دیکھئے اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے بادشاہوں کے اور کسی کے لیے انگوٹھی پہننا منع فرمائی۔ باوجود اس ممانعت کے آپ لوگ انگوٹھی کیوں پہنتے ہو (جواب) مصنف صاحب کی اِن کچی پکی بچگانہ باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف صاحب کو نہ تو فقہ کے

مسائل سے کچھ لگاؤ اور واقفیت ہے اور نہ ہی احادیث کے علوم و معارف کی تحقیق ہے۔ ابو ریحانہ (جن کا نام مبارک شمعون بن زید ازدی ہے انصار کے حلیف اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں) کا یہ فرمانا منسوخ ہے حضرت انس کی اس حدیث پاک سے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو چاندی کی انگوٹھی کی اجازت دی ہے۔ خیال رہے کہ احادیث پاک میں سونے پیتل لوہے تانبے وغیرہ کی انگوٹھی سے منع فرمایا گیا ہے۔ لیکن چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں روایت اس طرح ہے۔

بحوالہ عُمْدَۃُ الْقَارِی جلد ۲۲ صفحہ ۳۲ وَمِنْ ذَالِکَ مَا رَوَاہُ اَحْمَدُ اَیْضًا مِنْ حَدِیْثِ عَمَّارِ بْنِ عَمَّارٍ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رَاٰی فِیْ یَدِ رَجُلٍ خَاتَمًا مِنْ ذَھَبٍ فَقَالَ اَلْقِ ذَا۔ فَتَخَتَّمَ بِخَاتَمٍ مِنْ حَدِیْدٍ فَقَالَ ذَا اَشَرُّ مِنْہُ فَتَخَتَّمَ مِنْ فِضَّۃٍ فَسَکَتَ۔ ترجمہ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا تو فرمایا اتار دے اس کو۔ ان صحابی پاک نے اتار دیا اور پھر لوہے کی انگوٹھی بنا کر پہن لی جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھی تو فرمایا یہ تو اس سے بھی زیادہ شر ہے (بری ہے) پھر اس نے چاندی کی انگوٹھی پہنی تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر کچھ نہ فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ چاندی کی انگوٹھی جائز ہے امام عینی نے ابو ریحانہ کی حدیث کا جواب دیا ہے کہ ابو ریحانہ والی حدیث کی نہی وجوب پر نہیں بلکہ اولویت پر ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

اَنَّ الْحَمْلَ بِہٖ لَا عَلٰی طَرِیْقِ الْوُجُوْبِ بَلْ عَلَی الْاَوْلَوِیَّتِ وَتَرْکُہٗ اَوْلٰی لِغَیْرِ ذِیْ سُلْطَانٍ لِاَنَّہٗ نَوْعٌ مِنَ التَّزَیُّنِ وَالْاَلْیَقُ بِالرِّجَالِ خِلَافُہٗ۔ (مصنف کا یہ الزامی اعتراض نَعِیْ عَنِ الْخِضَابِ الْاَسْوَدِ پر ہے۔ ترجمہ۔ بادشاہ اور حاکم کے علاوہ کسی اور شخص کو پہننا فقط فیشن ہے اور مردوں کو فیشن سے بچنا لائق ہے۔ ثابت ہوا کہ حرام یا مکروہ نہیں لہٰذا مصنف صاحب کا یہ اعتراض کہ انگوٹھی سے منع کے باوجود آپ سب لوگ کیوں پہنتے

ہو۔ غلط اور ناسمجھی کی بنا پر ہے علمی مطالعے کی کمی سے اکثر ایسی غلطیاں سرزد ہوجاتی ہیں ہاں یہ سوال کہ کالے خضاب کی ممانعت والی حدیث سے حرمت ثابت اور انگوٹھی والی ممانعت سے اولویت ثابت یہ کیا وجہ۔ تو خیال رہے کہ دین اسلام کے تمام مسائل احکام وقانون جن کا ماخذ صرف قرآن وحدیث ہے۔ وہ دس قسم کے ہیں ۱ جائز ۲ واجب ۳ فرض ۴ مستحب ۵ اولیٰ ۶ ناجائز ۷ مکروہ تحریمی (اس کو حرام ظنی بھی کہا جاتا ہے) ۸ مکروہ تنزیہی ۹ حرام قطعی ۱۰ ترکِ اولیٰ۔ مگر یہ الفاظ والقاب آیت یا احادیث سے ثابت نہیں یہ القاب فقہاءِ کرام نے خود مقرر کئے ہیں۔ یعنی فقہاء کرام نے آیات واحادیث سے استنباط فرماکر کسی کام کو فرض کسی کو واجب کسی کو مستحب کسی کو اولیٰ کا نام دیدیا۔ اسی طرح ممانعت کی آیات واحادیث سے فقہا نے استنباط کر کے کسی کو ناجائز کسی کو مکروہ کسی کو حرام کہدیا۔ اس کی تفصیل ایک علیحدہ کام ہے یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ جس عمل پر ممانعت کے ساتھ جھڑک اور شدت والی وعید بھی آجائے فقہاءِ عظام کے نزدیک وہ کام حرام ہوتا ہے تو چونکہ کالے خضاب کی ممانعت کے ساتھ سخت جھڑک اور عذاب شدید کی وعید بھی ہے اس لیے جمہور یعنی تمام فقہا علماء مشائخ خاص کر آئمہ اربعہ نے کالے خضاب کو تا قیامت ہر عمر والے ہر قسم کے بالوں کے لیے متفقہ طور پر حرام قرار دیا۔ جنہوں نے مکروہ فرمایا ان کا منشاء بھی مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی ہی کا دوسرا نام حرام ظنی ہے۔ ہاں انفرادی طور پر کسی کا خضابِ سیاہ کو جائز کہہ دینا یا لگانے لگوانے کا فیشن کرنا فرقہ بازی وتخریب کاری ہے ایسے تخریب کار ہر دور میں ہوتے رہتے ہیں اور جھوٹی بناوٹی عبارتوں روایتوں کا سہارا پکڑتے رہتے ہیں ہمارے مصنف صاحب بھی ایسے ہی لوگوں کی عبارتوں سے دھوکا کھاگئے۔ (بائیسویں غلطی) کتابچی کے ص۳ پر ہی۔ اس روایت پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ وَسَوَّدَ اللّٰہُ وَجْهَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور اس کی وجہ یہ کہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ سَنَدُهٗ لَيِّنٌ (جواب) علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ یا جمع الوسائل کا بس صرف اتنا کہدینا کسی حدیث کو ضعیف نہیں کرتا۔ دو وجہ سے۔ پہلی یہ کہ یہ حضرات صرف شارح

ہیں محدث نہیں علم اصولِ حدیث کے مطابق احادیث میں صرف محدث کی جرح وتنقیص وتقسیم معتبر ہوتی ہے نہ کہ غیر محدث کی کیونکہ محدث کی نگاہ اسماءُ الرجال پر ہوتی ہے لہٰذا علامہ عسقلانی یا مُلّا علی قاری کا اتنا سا جملہ لو لدینا۔ بالکل نامقبول ہے دوم یہ کہ لین ہونے کی وجہ بتانی ضروری ہے کیونکہ اُصولِ حدیث میں لین کی پانچ قسمیں ہیں ۱۔ لین فی الرّاوی ۲۔ لین فی اسم راوی ۳۔ لین فی الفاظ متن ۵۔ لین فی بیان حدیث۔ یعنی حدیث کس طرح پہنچی۔ حَدَّثَنَا سے یا اَخْبَرَنَا سے۔ نِی سے یا اَنَا سے اَخْبَرَنِیْ یا حَدَّثَنِیْ یا حٓ وحدّثنا یعنی تحویل سے۔ ان میں پہلی قسم روایت کو صرف نرم کرتی ہے ضعیف وہ بھی نہیں کرتی اور باقی چار قسمیں کوئی فرق نہیں ڈالتیں اُس سے حدیث پر کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مگر مصنف صاحب نے جھٹ سے حدیث پاک ضعیف کہہ دیا اس سے ان کا اپنا لین ہونا ثابت ہوگیا۔ عسقلانی علیہ الرحمۃ کو بتانا چاہیئے تھا کہ کیوں لین ہے۔ دیکھئے حقانیت تو یہ ہے کہ عسقلانی علیہ الرحمۃ نے فقط لین کہا ضعیف انہوں نے بھی نہ کہا۔ یہ ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا مصنف کی اپنی بناوٹی لغزش ہے۔ تیئیسویں غلطی کتابچے کے صفحہ ۳۷ پر مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت لکھ کر اُس پر ایک اِلزامی سوال قائم کرتے ہیں اور آخر میں وہی تکیۂ کلام کہ۔ فَمَا جَوَابُکُمْ فَھُوَ جَوَابُنَا۔ یعنی ہم کو اس سوالِ خود کردہ کا جواب نہیں آتا تم جواب دو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جو جواب تم دو گے ہم اسی کو اپنا جواب بنا لینگے اور تمہارے جواب سے متفق ہو جائیں گے چنانچہ لکھتے ہیں۔ حضرت اسماء بنتِ یزید سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَیُّمَا امْرَأَۃٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَۃً مِّنْ ذَھَبٍ قُلِّدَتْ فِیْ عُنُقِھَا مِثْلَھَا مِنَ النَّارِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاَیُّمَا امْرَأَۃٍ جَعَلَتْ فِیْ اُذُنِھَا خُرْصًا مِّنْ ذَھَبٍ جَعَلَ اللّٰہُ فِیْ اُذُنِھَا مِثْلَہٗ مِنَ النَّارِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (مشکوٰۃ) ترجمہ۔ کہ جو عورت سونے کا ہار پہنے گی قیامت کے دن اُس کی گردن میں اس طرح کا آگ کا ہار پہنایا جائے گا اور جو عورت اپنے کانوں میں سونے کی بالی پہنے گی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کے کانوں میں اس طرح کی آگ کی بالی ڈالے گا۔ اس حدیث میں سونے کے ہار اور بالیوں کی ممانعت وعیدِ سخت کے ساتھ ہے اِس کے باوجود آپ کے گھروں میں سونے کے زیورات

پہنتے بھی جاتے ہیں اور آپ اس کے جواز کے بھی قائل ہیں ایسا کیوں ہے۔ مصنف صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ خضاب سیاہ پر اگر سخت وعید کے ساتھ ممانعت آجائے تو آپ لوگ اس کو ناجائز و حرام کہہ دیتے ہو۔ مگر یہاں ممانعت اور وعید شدید کے باوجود یہ سونے کا زیور جائز رہا۔ یہ فرق کیوں اس کا جواب کیا (جواب) مصنف صاحب اپنے کالے نظریے کو بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہوئے ہر جائز ناجائز مفید و غیر مفید حربہ استعمال کر رہے ہیں مگر بات پھر بھی نہیں بنتی۔ ایسی آسان اور واضح حدیث پاک میں بلاوجہ اُلجھاؤ اور الزامی سوال پیدا کر رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ دنیا میں اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں مگر اہل عقل جانتے ہیں کہ یہ سوال نہیں بلکہ بچگانہ ضد ہے اور اس طرح کی ضدوں سے اپنا فائدہ کبھی نہیں ہوتا۔ بلکہ مسلمانوں کو اَحادیثِ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکوک و شبہات میں ڈالا جا رہا ہے اور منکرینِ حدیث کو اَحادیث کی گستاخی کرنے کا موقعہ فراہم کیا جا رہا ہے۔ مصنف کی ان حرکات سے تاثر یہ لیا جائے گا۔ کہ معاذ اللہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات میں تضاد بیانیاں ہیں۔ سوچنے والا کیا سوچے گا کہ اسی مشکوٰۃ کے ص۳۷۵ کتابُ اللّباس میں ہے۔ عَنْ اَبِی مُوسٰی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُحِلَّ الذَّھَبُ وَالْحَرِیْرُ لِلْاِنَاثِ مِنْ اُمَّتِیْ وَحُرِّمَ عَلٰی ذُکُوْرِھَا۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔ ترجمہ۔ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی تمام عورتوں کے لیے سونا اور ریشم پہننا حلال کیا گیا ہے اور مردوں کے لیے حرام کیا گیا ہے۔ اس حدیث پاک کو دیکھ کر مسلمان عورتیں ہر قسم کا سونا ہار بُندے بالیاں پہنتی ہیں ہر مسلمان کے گھر میں اور ساتھ ہی اسی مشکوٰۃ کے تین صفحہ بعد ص۳۷۹ پر مصنف کی نقل کردہ یہ حدیث ہے پس اگر ہر مسلمان کی کم عقلی اور نافہمی مصنف صاحب کی طرح ہو تو اسلام میں مصیبت پڑ جائے۔ کاش مصنف کسی دینی مدرسے میں پڑھ لیتے تو اس طرح کی اُلجھنوں میں نہ پڑتے یہ حدیث پاک صاحبِ مشکوٰۃ نے مصابیح کی نقل کرتے ہوئے

کتاب اللباس باب الخاتم کے ص ۳۷۹ پر لکھ ڈالی اس لیے مصنف صاحب کو اس اُلجھانے بیوقوف بنانے کا موقعہ مل گیا۔ حقیقت میں یہ حدیث پاک کتاب الزکوٰۃ کی ہے اور اس طرح کی سخت وعید والی بہت سی احادیث وہاں مشکوٰۃ شریف نے درج کی ہیں۔ حدیث میں فرمایا جا رہا ہے کہ اَیُّمَا امْرَأَۃٍ (الخ) یعنی جو مسلمان عورت اپنے استعمال زیور کی زکوٰۃ نہ دے گی تو اسی زیور (ہار بندے بالیوں) کی شکل قیامت کے دن آگ کے بندے بالیں اور ہار پہنائے جائیں گے۔ اسی طرح کی دوسری حدیث مشکوٰۃ شریف کتاب الزکوٰۃ ص ۱۶۰ پر ان الفاظ سے ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ امْرَأَتَیْنِ اَتَتَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم وَفِیْ اَیْدِیْھِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَھَبٍ فَقَالَ لَھُمَا تُؤَدِّیَانِ زَکٰوتَہٗ قَالَتَا لَا فَقَالَ لَھُمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم اَتُحِبَّانِ اَنْ یُّسَوِّرَکُمَا اللّٰہُ بِسِوَارَیْنِ مِنْ نَارٍ قَالَتَا لَا۔ قَالَ فَاَدِّیَا زَکٰوتَہٗ۔ ترجمہ۔ دو عورتیں بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں اُن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم نے ان کی زکوٰۃ نکالی ہے عرض کیا نہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تم پسند کرتی ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں میں آگ کے کنگن پہنائے ان دونوں عورتوں نے (گھبرا کر ڈر کر) عرض کیا کہ نہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر ان کی زکوٰۃ ادا کر دیا کرو۔ یقیناً یہ کنگن آٹھ تولے کے ہوں گے۔ اس حدیث پاک نے مشکوٰۃ کی اُس بعد والی حدیث کی شرح کر دی یعنی یہ وعید زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے ہے اور وہ زیور جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ عورت کو پہننا حرام ہے۔ مصنف صاحب نے سوال کیا ہے کہ اس ممانعت کے باوجود آپ کے گھروں میں زیور کیوں پہنا جاتا ہے تو جواب صاف ظاہر ہے کہ ایسا زیور کوئی مسلمان متقی نہیں پہنتا اور مسلمان اس کو تا قیامت حرام سمجھتے رہیں گے۔ اس لیے کہ یہ قانونِ شریعت ہم نے پہلے بیان کر دیا کہ جس چیز پر وعید شدید وارد ہو گی۔ وہ چیز اور اس کا استعمال حرام ہو جاتا ہے خواہ وہ سونے کا زیور ہو یا کالا خضاب دونوں حرام۔ اس حدیث پاک میں صرف سونے کا ذکر کیا گیا ہے

چاندی کا ذکر نہیں کیونکہ چاندی کا زیور اگرچہ پورے جسم کا بنالیا جائے چاندی کے نصاب تک نہیں پہنچتا کہ چاندی کا نصاب ۵۲½ تولے ہے جو آدھے کلو سے زیادہ بن جاتا ہے چاندی کے کسی زیور میں اتنی چاندی استعمال نہیں ہوسکتی نہ کوئی عورت اتنا بوجھ پہننا برداشت کرتی ہے۔ خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک استعمالی زیور میں زکوٰۃ فرض ہے امام اعظم نے اپنے اس مسلک میں آٹھ حدیثیں پیش فرمائی جن میں یہ آسمانت یزید والی حدیث بھی شامل ہے۔ کتاب الدرایہ نے ان احادیث کو کتاب الزکوٰۃ میں نقل فرمایا ہے امام اعظم اور امام محمد نے بھی کتاب الزکوٰۃ میں اس کو لکھا۔ لیکن امام شافعی امام احمد بن حنبل کے مسلک میں استعمالی زیور پر زکوٰۃ نہیں وہ ان آٹھ حدیثوں سے دلیل نہیں لیتے کیونکہ اُن کے زمانے تک ان احادیث کے راویوں میں ضعف آگیا تھا۔ اور ضعیف راوی سند میں شامل ہوگئے تھے جس کی وجہ سے ان ائمہ ثلاثہ کو یہ احادیث ضعیف ہوکر ملیں۔ فقط اسی وجہ سے انہوں نے استعمالی زیور پر زکوٰۃ فرض نہ جانی۔ یہ ائمہ استعمالی سونے کو استعمالی کپڑوں پر قیاس کرتے ہیں۔ مگر غلط قیاس کرتے ہیں۔ کہ یہ قیاس نہایت کمزور ہے۔ یا ان کے پاس پانچ صحابہ کے ذاتی فعل کی اور قول وعمل کی روایتیں ہیں جیسا کہ درایہ نے ذکر فرمایا۔ بہر کیف ان ائمہ کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول مبارک نہیں جس میں اس زکوٰۃ کی معافی کا ذکر ہو لیکن امام اعظم کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مقدس کی مرویٰ آٹھ احادیث صحیحہ موجود ہیں امام کا ان سے دلیل لینا اس بات کی سند ہے کہ امام اعظم کے زمانے تک اس میں کوئی ضعیف راوی نہ تھا۔ ہوسکتا ہے امام اعظم نے خود صحابہ کرام سے یہ احادیث سنی ہوں کیونکہ ائمہ اربعہ میں صرف امام اعظم ہی تابعی ہیں۔ بہرحال صحیح اور مضبوط یہ ہی مسلک ہے کہ گھریلو استعمالی سونے کے زیور پر زکوٰۃ فرض ہے۔ ہدایہ شریف میں عبارت اس طرح ہے۔ جلد اول ص ۱۵۴ پر ہے۔ قَالَ وَفِی تِبْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَحُلِيِّهِمَا وَاٰنِيَتِهِمَا الزَّكوٰةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَجِبُ فِی حُلِيِّ النِّسَاءِ۔ اور بین السطور میں ہے۔ وَبِهٖ قَالَ اَحْمَدُ وَمَالِكٌ۔ ترجمہ۔ فرمایا کہ سونے اور چاندی کے ٹکڑوں میں اور ان کے زیور اور برتنوں میں زکوٰۃ فرض ہے لیکن

امام شافعی امام مالک واحمد بن حنبل نے فرمایا کہ عورتوں کے زیور پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جیسا کہ استعمالی کپڑوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ سونا چاندی ہر حال میں مالِ منتقدم اور نامی یعنی بڑھنے والا ہے۔ اور مالِ نامی پر زکوٰۃ فرض ہے۔ نیز آٹھ احادیث سے بھی فرمان شریعت واضح فرضیت کا ثبوت موجود ہے ان ہی آٹھ میں یہ مصنف صاحب کی پیش کردہ حدیث پاک ہے جس کی وعید شدید غیر زکوٰتی زیور کے پہننے استعمال کرنے کی حرمت بتا رہی ہے اسی طرح وعید شدید کی وجہ سے کالا خضاب حرام ہوا۔ (چوبیسویں غلطی) اس کتابچے کے ص۲۷ پر ہی شرح نووی سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں۔ کہ آپ نے لشکرِ اسلام کے سپاہ سالار حضرت عتبہؓ بن فرقد کو آذربائیجان میں خط لکھا کہ تم چادر اور تہبند پہنو موزے اور سلواروں کا پہننا چھوڑ دو اپنے باپ اسماعیل علیہ السلام کا لباس اپنے اوپر لازم کر لو خبردار عیش وعشرت سے بچو۔ اور لکھا کہ مالِ غنیمت کو سب مسلمانوں کی ضروریات کے لیے بلاتخصیص خرچ کرو اور اپنے عیش وعشرت سے بچو۔ یہ مال سب مسلمانوں کا ہے نہ کہ فقط تمہارا (از شرح نووی جلد ۲ ص۱۹۱) اس کے بعد ص۲۸ پر اس پر الزامی سوال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کیوں جناب مشتہر صاحب فرمائیے اب کیا خیال ہے موزے اور سلوار کو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ منع فرما رہے ہیں۔ آپ کیوں پہنتے ہیں اور پہننے کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ یہاں بھی مصنف مرحوم نے تحریری وعدہ کیا ہے کہ۔ فَمَا جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔ کاش مصنف صاحب زندہ رہتے اور اس وعدے پر قائم رہتے۔ خیر کسی کو تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے اس جواب سے ہدایت مل ہی جائے گی۔ جواب۔ اَسْتَغْفِرُ اللہ۔ اَسْتَغْفِرُ اللہ۔ سچ بات یہ ہے کہ میں اس کتاب سے پہلے حضرت علامہ کو اہل سنت کا بہت بڑا عالم اور محقق سمجھتا تھا اگرچہ بجز چند تاریخی اور واعظین کی کتابوں کے ان کی کوئی علمی محققانہ تصنیف میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ مگر اس کتاب کو دیکھ کر مجھ کو بہت مایوسی ہوئی کہ یا اللہ اہل سنت کی قسمت میں ایسے کمزور اور نقصان دِہ قلم رہ گئے ہیں فاروق اعظم کا یہ فرمان نہ تو کسی چیز کو حلال و حرام کرنے کے لیے ہے۔ اور نہ دائمی

تاقیامت۔ اور نہ فاروقِ اعظم کسی چیز کو حلال یا حرام کر سکتے ہیں۔ بلکہ نہ صدیق اکبر نہ عثمان غنی نہ مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ کوئی صحابی نہ تابعی۔ تبع تابعی نہ امام اعظم ابوحنیفہ نہ مالک نہ احمد بن حنبل نہ شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ غرض کہ تاقیامت کوئی عالم فقیہ مجتہد نہ کسی چیز کو حرام کر سکتا ہے نہ حلال اسی لیے ان کے فرمودات میں وعید یا وعیدِ شدید نہیں ہو سکتی۔ خیال رہے کہ وعید یا وعیدِ شدید صرف عذابِ الٰہی یا قہرو ناراضگی رب تعالیٰ کو کہا جاتا ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں اور وہ صرف انبیا علیہم السلام ہی بتا سکتے ہیں۔ کیونکہ حرام و حلال کرنا صرف اللہ تعالیٰ اور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔ ائمہ اربعہ علیہم الرحمۃ تو فقط حدیث و قرآن کے استنباط سے حلت و حرمت ثابت اور ظاہر کر سکتے اور کرتے ہیں فاروقِ اعظم تو اس فرمانِ شاہی کے ذریعے صرف مجاہدین کو عیش و عشرت اور زینت و فیشن سے بچنے بچانے کی تلقین فرما رہے ہیں تاکہ دنیوی لذات میں پھنس کر مسلمان جہاد اور عبادات ریاضات میں کمزور کسل مند اور غافل نہ ہو جائیں۔ اس فرمان کے بعد بھی کسی مجاہد پر سلوار اور موزے حرام یا ناجائز یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی نہ ہوئے تھے نہ کسی صحابی وغیرہ کا قلمی لسانی تحریری و تقریری فرمان شریعت سازی کی جرأت کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ کسی صحابی کے مسئلے بتانے پر دوسرے صحابہ اُن سے اس مسئلہ پر حدیث و قرآن کے دلائل پوچھا کرتے تھے۔ اگر مسئلہ بتانے والے صحابی پاک اُس کی دلیل نہ پیش کر سکتے یا اُن صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استنباط یا استدلال کمزور ہوتا تو دیگر صحابہ اُس مسئلے کو تسلیم نہ فرماتے۔ اِس کی مثالیں کتبِ احادیث و فقہ میں بہت ہیں۔ اسی طرح فاروقِ اعظم نے بھی اپنے قلم سے کسی مسلمان پر کسی چیز کو کبھی حرام یا حلال نہ فرمایا۔ مصنف صاحب کی یہ پیش کردہ تحریر بھی ایک خاص موقعہ اور جنگی حالات کے پیشِ نظر دنیوی زینتوں سے بچانا مقصود ہے وہ بھی وقتی طور پر۔ ورنہ حقیقت ہے کہ مسلمان مرد و عورت پر نہ شرعی جواز والی لذتیں حرام نہ زینتیں بلکہ قرآن و حدیث میں تو لذت و زینت کا مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت ۳۱) اور مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۷ پر ہے۔

باب اللباس. عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّرٰی اَثَرُ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ۔ رواہ الترمذی۔ ترجمہ۔ آیت پاک کا اے مسلمانوں اپنی زینت خوب کرو، مسجدوں کے پاس یعنی جب مسجد میں آتے تو اپنے اپنے جسم ولباس کو خوب مزین کرو، (خوشبو، طہارت اور صفائی خوب صورتی وغیرہ سے) ترجمہ حدیث پاک کا۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ یہ بات بہت پسند فرماتا ہے کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کو بندہ خوب اور ہر وقت استعمال کرے اور ہر وقت اُس کے جسم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اثر ہو۔ اللہ تعالیٰ کو فقیر بنا رہنا۔ گندہ منہ ہونا پسند نہیں۔ بھلا فاروق اعظم اللہ رسول کے اِس فرمان کے خلاف کس طرح لکھ سکتے تھے فاروق اعظم کا فرمان مال غنیمت کے بارے میں ہے یعنی اے فوج کے افسرو مجاہدین کے مشترکہ غیر تقسیم شدہ مال میں سے صرف کم سے کم ضروریات پوری کرو اور تمام فوجیوں کی ضروریات پر ایک جیسا خرچ کرو۔ اپنے لیے مہنگی شلواریں اور موزے مت خریدو نہ پہنو۔ نہ دنیا کی عیاشیوں کے خوگر بنو۔ اس طرح کے وقتی اور خصوصی احکام تو احادیث نبوی سے بھی ثابت ہیں۔ چنانچہ۔ عمدۃ القاری شرح بخاری امام بدرالدین رح عینی۔ اسی ترک زینت کے خصوصی حکم کے لیے جلد ۲۲ صفحہ ۳۰ پر لکھتے ہیں۔ کَمَا کَانَ یَنْھٰی اَھْلَہٗ عَنِ الْحِلْیَۃِ مَعَ اَنَّھَا کَانَتْ مُبَاحَۃً لِلنِّسَاءِ۔ ترجمہ۔ آقائے کائنات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہل یعنی ازواج پاک کو زیور پہننے اور رکھنے بنانے سے منع فرمایا کرتے تھے حالانکہ (خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہی) تمام مسلمان عورتوں کے لیے تاقیامت سونے چاندی کا زیور حلال ہے۔ اِس فرمان سے بھی ازواج مطہرات پر زیور حرام نہ ہوا تھا نہ مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔ کیونکہ اِس کَانَ یَنْھٰی اَھْلَہٗ کی ممانعت میں کسی قسم کی وعید نہیں تھی حرمت صرف اُس ممانعت سے آتی ہے جس میں ممانعت کے ساتھ وعید شدید بھی ہو۔ جیسا کہ کالے خضاب میں وعید بھی ہے۔ ثابت ہوا کہ اِس قسم کی ہنگامی خصوصی ممانعتیں۔ قانونِ شرعی نہیں بن جاتیں نہ دوسروں کے

کے لیے ممانعت ہوتی ہے مگر مصنف کو ان باتوں اور فقہی و اصولی احکام کی سمجھ نہیں ہماری اِس شرح کے بعد مصنف صاحب کا یہ سوال کہ تم اب کیوں موزے اور شلواریں پہنتے ہو کتنا بھونڈا اور بے موقع لگتا ہے (چھبیسویں غلطی) صفحہ ۳۹ پر لکھتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نَھیٰ اَنْ یَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا۔ (مسلم شریف) ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔ ۲ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا یَشْرَبَنَّ اَحَدٌ مِّنْکُمْ قَائِمًا فَمَنْ نَسِیَ مِنْکُمْ فَلْیَسْتَقِیْٔ۔ ترجمہ۔ تم میں کوئی کھڑے ہو کر ہرگز نہ پیئے جو بھول کر کھڑے کھڑے پانی پی لے وہ قے کر دے۔ اِن دو روایت کو لکھ کر پھر اپنا اِلزامی سوال کرتے ہیں۔ اور چار بزرگوں کے حوالے پیش کرتے ہیں ۱ حضرت حکیم الامت بدایونی کی مراۃ شرح مشکوٰۃ سے ۲ امام بدر الدین عینی کی عمدۃ القاری شرح بخاری سے ۳ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کی اشعۃ اللمعات ص ۵۵۸ ج ۲ سے ۴ اعلیٰحضرت امام اہل سنت بریلوی کے فتاویٰ رضویہ ص ۴۵۱ ج ۲ سے۔ کہ چاروں بزرگ بیٹھ کر پینے کو صرف مستحب فرماتے ہیں اور کھڑے ہو کر پینے والی ممانعتِ نبوی کو تنزیہی کہتے ہیں حالانکہ ترکِ مستحب اور تنزیہی کام کو کر لینا گناہ نہیں ہے اور کھڑے ہو کر پینے والا گناہگار نہیں ہوتا۔ صفحہ ۴۲ پر سوال اِلزامی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ ایسی صریح اور شدید ممانعت کی خلاف ورزی کرنے والا گنہگار کیوں نہیں ہوتا۔ (جواب) یہاں بھی حضرت علامہ کو اُلجھن صرف اس لیے ہے کہ اصولِ فقہ کے قواعد و ضوابط حضرت کو یاد نہیں ہے بلکہ مندرجہ بالا چار بزرگوں نے حدیثِ ممانعت کے باوجود کھڑے ہو کر پینے کو حرام نہ فرمایا بلکہ وہ تنزیہی فرمایا اور بیٹھ کر پینے کو مستحب فرمایا۔ انہوں نے اَحادیثِ پاک کو صحیح سمجھا اور اصولِ فقہ کے مطابق اِن احادیث کی شرح اور وضاحت فرمائی۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ ممانعت کِس قسم کی ہے۔ مگر مصنف صاحب اس ممانعت کو کالے خضاب جیسی ممانعت سمجھ رہے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط کم فہمی ہے۔ جمہور علما نے کالے خضاب کی ممانعت والی احادیث کو دیکھ سمجھ کر حرمتِ خضابِ اسود کا فتویٰ صادر فرمایا مگر

اُن ہی جمہور علماء نے کھڑے ہو کر پینے والی ممانعت کو دیکھ کر کھڑے پینے کو مکروہ تنزیہی اور بیٹھ کر پینے کو مستحب فرمایا۔ ان علمی باریکیوں کو مصنف مرحوم نہ سمجھ سکے اور بے سوچے سمجھے قلم سے کر دوڑ پڑے حالانکہ بات بالکل صاف و آسان ہے کہ کالے خضاب پر وعید شدید ہے کیونکہ یہ خضاب سراسر دھوکہ دیتا ہے اور دھوکہ کسی کے حقوق النفس پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔ مگر کھڑے پینے کی حدیث ممانعت میں نہ وعید ہے نہ وعید شدید نہ زجر نہ توبیخ۔ رہا قے کرنے کا معاملہ تو اُس کی چند وجہ ہو سکتی ہیں نیز قے کرنا وعید نہیں۔ اس کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صرف نبی اور رسول ہی نہیں بلکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری امت تا قیامت کے لیے ہزاروں والدین سے بڑھ کر مربی اور شافیِ امراض حکیم وطبیب بھی ہیں آپ کے بہت احکام بلکہ حقوق النفس والے تقریباً سارے ہی احکام طبی جسمانی لحاظ سے فقط مربیانہ ہیں۔ مثلاً رات کو چراغ جلتا چھوڑ کر مت سوؤ ۔۲ برتن کھانے پینے والی چیزوں کے کھلے مت چھوڑا کرو ۔۳ زیادہ گرم چیز مت کھایا کرو۔ کھڑے ہو کر پیشاب مت کرو وغیرہ وغیرہ اس طرح بہت سی ممانعتیں احادیث میں وارد ہیں مگر کسی پر وعید نہیں کیونکہ ان منہیات کا تعلق صرف جسمانی وطبی حقوق النفس سے ہے اور ان ممنوعہ کاموں سے بندے کو طبی اعتبار سے نقصان ہے۔ اس طرح کھڑے ہو کر کھانا پینا طبی لحاظ سے نقصان دہ ہے لہٰذا فرمایا کہ اگر بھول کر کھڑے کبھی پی لو تو قے کر دو یعنی بہتر ہے کہ قے کر دو۔ اِس قے میں طبی فائدے ہیں۔ اور کیا کیا فائدے ہیں اُن کو وہی مولائے کل دانائے سُبل ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی بھی نہی میں کوئی وعید نہیں کرتے نہ کرنے میں بھی ذاتی نفع نقصان اور ذاتی اختیار ہے۔ اب یقیناً جواب سمجھ آ جائے گا اور فھو جوابنا کا وعدہ پورا ہو گا وہ نہیں تو اُن کے پس ماندگان لواحقین و معتقدین کو یہ وعدہ بھی نبھاتے ہوئے آئندہ ایسی غلط کتاب چھاپنے چھپوانے سے گریز کرنا چاہیئے اور کالے خضاب لگانے کو حرام جاننا چاہیئے۔ ورنہ سراسر نافرمانی اسلام ہے۔ اور جہنم کی راہ۔ والعیاذ باللہ، کم از کم لوگوں کی نمازیں بچانے کے لیے آئمہ مساجد کو

توکالا خضاب نہ لگانی چاہیئے۔ چھبیسویں غلطی، مصنف مرحوم اپنی کتابچی کے صفحہ ۴۲ سے ۴۶ تک دراز عبارت میں اعلحضرت بریلوی کے فتاویٰ رضویہ ص ۲۲۴ و ص ۲۲۵ و ص ۲۲۶ پر دراز عبارت سے ایک اور الزامی سوال تراشتے ہیں۔ اوّلاً تارک نماز کو کافر کرنے کی ناجائز کوشش کرتے ہیں پھر اپنے گمان میں اس کو کافر کرنے کے بعد الزامی سوال پیدا کر دیتے ہیں۔ ایسے اہل قلم بھی قیامت اور آخری زمانے کی نشانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آخری زمانے کی تمام خرابیوں سے مسلمانوں کو بچائے۔ آمین بجاہِ حبیبہ الامین صلی اللہ علیہ وسلم از ص ۴۲ تا ص ۴۶ پانچ صفحات پر مصنف نے اعلحضرت کے فتاویٰ سے چھ روایتیں اور دس قول۔ اور ایک آیت۔ اور اعلحضرت کی تین تشریحی عبارتیں اور پھر آخر میں اپنی تشریح سے سات چیزوں کو ثابت کیا اور اس کے آخر میں الزامی سوال درج کیا چنانچہ روایت ۱ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَرَوْنَ شَیْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْکُہٗ کُفْرٌ غَیْرَ الصَّلٰوۃِ ۲ عَنْ عَلِیٍّ مَنْ لَمْ یُصَلِّ فَھُوَ کَافِرٌ۔ ۳ عن عبد اللہ بن عَبَّاسٍ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ فَقَدْ کَفَرَ ۴ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ فَلَا دِیْنَ لَہٗ۔ ۵ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ ۶ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم اِنَّ تَارِکَ الصَّلٰوۃِ کَافِرٌ ۷ آیت قرآن مجید۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ دس قول علما کے نقل کئے ۱ امام ایوب سختیانی ۲ ابن حزم ۳ حکم بن عتبہ ۴ ابو داؤد طیالسی ۵ ابوبکر بن ابی شیبہ ۶ زہیر بن حرب ۷ امام احمد بن حنبل ۸ عبد اللہ بن مبارک حنفی ۹ امام ابراہیم بن نخعی ۱۰ امام العلما حضرت معاذ بن جبل اعلحضرت کے تین قول ۱ صدرِ اوّل میں نماز مطلقاً ہر مسلمان کا شعارِ دائم تھی اب بعض لوگوں سے نمازیں چھوٹنے لگیں تو امارتِ مطلقہ و علامتِ فارقہ ہونے کی حالت نہ رہی۔ ۲ زمانہ سلفِ صالح خصوصاً صدرِ اوّل کے مناسب یہی حکم تھا اس زمانے میں ترکِ نماز علامتِ کفر تھا کہ واقع نہ ہوتا تھا مگر کافر سے جیسے اب زنار باندھنا ماتھے پر قشقہ لگانا علامتِ کفر ہے ۳ جب وہ زمانہ خیر گزر گیا اور لوگوں میں تہاون (سستی) آیا وہ علامت ہونا جاتا رہا اور اصل حکم نے عود کیا کہ ترکِ نماز فی نفسہٖ

کفر نہیں۔ مصنف کی اپنی تشریحی تحریریں۔ ۱ اعلیٰ حضرت کے ارشادات سے ثابت ہوا کہ صدہا صحابہ۔ تابعین، مجتہدین۔ أئمہ اسلام کا یہ ہی مذہب کہ تارکِ نماز کھلا کافر ۲ یہی بات متعدد احادیث سے منصوص اور قرآن کریم سے مستفاد ۳ اس وقت کے لحاظ سے یہی مذہب مناسب ۴ عہد نبوی وعہدِ صحابہ میں اس طرح علامت کفر تھا جس طرح اب ہمارے زمانے میں قشقہ ذیلک لگانا، یا زنار ۵ جب اسلام میں ضعف آیا اور سستی نے جگہ پائی تو اب اس کا ترک علامتِ کفر نہ رہا ۶ ترک نماز فی نفسہ کفر نہیں یہی مذہب ہمارے امام اعظم کا ہے ۷ اب ہمارے زمانے میں تارکِ نماز کو کافر یا مرتد کہنا خطاء وخلافِ تحقیق ونا منصوص ہے۔ اور آخر میں اِلزامی سوال۔ تو اب کیا فرماتے ہیں سیاہ خضاب کو حرام کہنے والے مشتھر اینڈ کمپنی کہ ترک نماز عہد نبوی وصحابہ میں بالاتفاق علانیہ کفر تھا وہ اب سُستی کی وجہ سے کفر نہ رہا۔ یہ تھیں مصنف صاحب کی اتنی لمبی چوڑی ناسمجھی کی باتیں۔ جواب۔ نامعلوم مصنّف صاحب کو فتاویٰ رضویہ کی یہ آسان اردو تحریر کیوں سمجھ نہیں آئی جس کو ایک عام طالب علم آدمی بھی سمجھ لے اعلحضرت مجدد بریلوی بار بار اتنے صاف انداز میں فرما رہے ہیں کہ ترکِ نماز کبھی کسی مسلمان کو کسی بھی دور میں کافر نہیں بناتا۔ کوئی مسلمان کسی نماز کو چھوڑ دینے سے کافر نہیں ہوتا۔ نہ صدرِ اوّل یعنی زمانۂ صحابہ وتابعین میں نہ سلف صالح میں نہ قرآن مجید سے یہ حکم مُستفاد نہ روایت ودرایت سے منصوص نہ ائمہ اربعہ اِس کے قائل نہ کسی فقیہ بزرگ کا یہ مسلک۔ ترکِ نماز پہلے زمانوں میں صرف کفار یا مرتدین کی نشانی تھی۔ جیسے کہ اعلحضرت کے زمانے تک آریہ ہندوں کی نشانی تھی کہ ریشم سے بنی زنار کی موٹی پیلے رنگ کی رسی گلے میں ڈالتے تھے اور مجوسی کافر پیٹی کی شکل کی سرخ پیٹی نمازِ زنار کمر پر باندھتے تھے۔ اس کو عربی میں زنار اردو میں جنیوا۔ ہندی میں جینو کہتے تھے۔ اسی طرح اعلحضرت نے فرمایا کہ ہندو کفار ماتھے پر قشقہ لگاتے ہیں۔ یعنی ہندو مرد وعورت ماتھے پر تلک لگاتے ہیں مختلف طرز پر یہ نشانی اب بھی موجود ہے مگر اب زنار کوئی نہیں باندھتا نہ گلے میں نہ کمر پر۔ اس طرح پہلے زمانوں میں کوئی مسلمان مرد یا عورت ترکِ نماز کا سوچ بھی نہ سکتا تھا ہر مسلمان پانچ وقت کی حاضریِ مسجد اتنی پابندی

سے کرتا تھا جیسے سورج طلوع وغروب کی پابندی اور لیل ونہار آنے جانے کی پابندی کرتے ہیں اور وقت مقررہ پر ہر مسلمان کی حاضری مسجد ایک عظیم الشان نشان وعلامت بن گئی تھی اِس نشانی سے صرف وہی شخص علیحدہ ہوتا جو یا شروع کا کافر ہوتا یا مرتد ہوجاتا۔ وہ شخص نماز پڑھنا چھوڑ دیتا تھا گویا اُن وقتوں میں نماز پڑھنا مسلمان کی نشانی اور ترکِ نماز کفار اور مرتدین کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ نماز کا ترک کسی کو کافر نہ بناتا تھا بلکہ مرتد کافر بن کر اسلام سے علیحدہ ہوکر نماز چھوڑتا تھا اُس زمانے میں محلے کا اگر کوئی آدمی مسجد میں نہ آتا تو یہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کہ یہ کافر ہے یا مسلمان بلکہ مسلمان لوگ خود بخود سمجھ جاتے تھے کہ یہ کافر ہے کیونکہ نماز ہی چوبیس گھنٹے کا ایک ایسا اسلامی عمل وعبادت ہے جو کفر واسلام کی نشانی بن سکتی ہے بلکہ نماز کے دم سے مسجدیں ہیں اذانوں کی آوازیں ہیں۔ اور نماز صرف مرد وعورت کی ہی اسلامی نشانی نہیں بلکہ شہروں محلوں کی بھی نشانی ہے آج بھی ہندوستان اور دیگر مخلوط کفرستانوں میں یہی نشانی ہے کہ جس شہر اور محلے میں مسجد آباد تر وتازہ اور صاف ستھری نظر آئے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ محلہ مسلمانوں کا ہے اگر وہاں مندر یا گرجہ گردوارہ آباد ملے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ محلہ کفار کا ہے۔ اعلیٰحضرت بہت شفاف انداز آسان اُردو صاف زبان نہایت عمدہ طریقے سے با دلائل شفاف انداز میں یہی سمجھا رہے اور فتاویٰ رضویہ میں جتنی احادیث جمع کی گئیں اُن سب کا معنیٰ یہی ہے کہ ترکِ نماز کفر کی نشانی ہے نہ کہ کفر۔ مگر مصنف صاحب اتنے صاف انداز میں سمجھانے کے باوجود اُلٹا ہی سمجھتے ہوئے تارکِ نماز مسلمان کو کافر بنا رہے ہیں زنار اور قشقے کی مثال پر بھی غور نہیں کرتے اگر مرحوم مصنف زندہ ہوتے تو ہم اُن سے پوچھتے کہ محترم اگر کوئی مسلمان عورت کسی موقعے پر ماتھے پہ تلک یعنی قشقہ لگائے تو کیا وہ کافر ہوجائیں گی۔ ظاہر بات ہے صرف ماتھے پر تلک لگانے سے کوئی مسلمان مرد یا عورت کافر نہ ہوگا کیونکہ یہ تلک کفر نہیں کفار کا نشان ہے بس اسی طرح ترکِ نماز کفر نہیں کفار کا نشان ہے یہی حضرت ابوہریرہ مولیٰ علی۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن مسعود کی روایات کا معنیٰ ہے

یہی آیتِ قرآنی کا منشا اور حدیثِ رسول اللہ کا منصوص ہے اور یہی مسلک ائمہ مجتہدین کا ہے۔ مصنف مرحوم سے پہلے ترکِ نماز کو کفر کہنے کا باطل مذہب اسلام کے سب سے کم عقل فرقۂ معتزلہ نے بنایا۔ انہوں نے ہی اپنے بہت سے غلط عقیدوں میں یہ عقیدہ بھی شامل کیا کہ نماز چھوڑنا کافر بنا دیتا ہے وہ فرقہ اور اُس کا نام ونشان دنیا سے مٹ گیا پھر اس کا جانشین وہابی نجدی فرقہ نکلا جن میں سے کچھ اپنے آپ کو حنبلی کہتے ہیں اور کچھ غیر مقلد اہلحدیث بنے پھرتے ہیں انہوں نے یہ بھی عقیدہ بنا لیا کہ تارک نماز مسلمان کافر ہو جاتا ہے۔ اور دھوکہ انہی روایتوں و آیتوں سے دیا جاتا ہے جو مصنف صاحب نے فتاویٰ رضویہ سے نقل کیں۔ پس ترجمہ غلط کر کے اپنا مطلب نکال لیا۔ مثلاً اُن چھ روایتوں میں سے ایک روایت۔ اِنَّ تَارِکَ الصَّلٰوۃِ کَافِرٌ۔ یا مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ فَقَدْ کَفَرَ۔ معتزلی اور وہابی فرقے نے اِس کا ترجمہ کیا۔ بے شک نماز کو چھوڑنے والا کافر ہو گیا۔ اور جس نے نماز کو چھوڑا وہ بے شک کافر ہو گیا یہی ترجمہ مصنف نے کیا۔ حالانکہ یہ ترجمہ عربی لغت اور قواعد صرف و نحو کے اعتبار سے غلط ہے۔ عربی لغت میں ہو گیا کے لیے صَارَ فعل ناقصہ آتا ہے۔ اگر ترکِ نماز کسی مسلمان کو کافر بناتی تو عبارتِ حدیث اس طرح ہوتی۔ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ فَقَدْ صَارَ کَافِرًا۔ یا۔ اِنَّ تَارِکَ الصَّلٰوۃِ صَارَ کَافِرًا۔ مگر کسی بھی حدیث پاک میں الفاظ ایسے نہیں ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ ترکِ نماز سے کوئی کافر نہیں بنتا۔ نہ اب نہ پہلے زمانوں میں یہ معتزلانہ ترجمہ بزرگوں میں سے کسی بزرگ نے بھی نہ کیا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ اِنَّ تَارِکَ الصَّلٰوۃِ کَافِرٌ۔ بے شک کافر شخص ہی نماز کا تارک ہوتا ہے۔ یا۔ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ فَقَدْ کَفَرَ۔ جس نے نماز کو چھوڑا وہ تو پہلے سے کافر ہے۔ فَقَدْ کَفَرَ فعل ماضی قریب ہے اس لیے۔ فَقَدْ کَفَرَ۔ کا ترجمہ ہوگا وہ تو پہلے سے کافر ہے ق کا معنیٰ ہے تو۔ یہ روایت آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظِ مقدسہ سے ہے یہ ہی فرمان دیگر اقوال کی سند و دلیل ہے اس لیے ان کا ترجمہ بھی ایسا ہی ہوگا کافر" اسم فاعل اس میں تینوں زمانے ہو سکتے ہیں اس لیے یہاں ماضی کے معنیٰ میں ہوگا۔ مصنف کی منقولہ پہلی روایت حضرت ابوہریرہ

کا فرمان۔ کَانَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم لَا یَرَوْنَ شَیْئًا (الخ)
لَا یَدْرُوْنَ۔ کا ترجمہ ہے نہیں سمجھتے تھے وہ۔ یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانے میں جو شخص نماز نہ پڑھتا تھا صحابہ کرام سمجھ لیتے تھے
یہ کوئی کافر شخص ہے۔ اور ایسی کبھی نوبت نہ آئی کہ کوئی مسلمان صحابی یا تابعی
نماز ترک کرتا۔ بس کفار ہی نماز اور مسجد سے دور دور رہتے تھے۔ اور مسلمان
سمجھے جاتے تھے۔ صرف نماز ہی ایک ایسا عمل تھا جو کسی اجنبی کا فرکی نشاندہی
کرتا تھا۔ یہ ہے تمام احادیث اور آیت کا معنیٰ مقصد اور یہی ہے صدہا صحابہ کرام
و تابعین و مجتہدین وائمہ اسلام کا مذہب اور اعلحضرت کا مسلک کہ ترکِ نماز
اُس زمانے میں کفر کی علامت تھی۔ یعنی ترکِ نماز حکم کفر نہ تھا بلکہ نشانِ کفر تھا
دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر عمل پہلے اور کفر اُس عمل کی وجہ سے ہو تو حکم کفر ہے
لیکن اگر کفر پہلے ہو مگر ظاہر نہ ہو اور اُس عمل سے کفر کا اظہار ہو جائے تو وہ عمل نشانِ
کفر ہے جیسے ہندوؤں کا تلک قشقہ سکھوں کی پگڑی جوڑا کڑا۔ یہودیوں کی چھوٹی
ٹوپی گول کپڑے کی یا اونچا کالا ہیٹ۔ وہابیوں کا موجودہ دور میں سرخ نقطوں
کا عربی سعودی رومال عیسائیوں کے سینے پر صلیب یا ٹائی۔ خیال رہے کہ
نشان دینی ہو یا دنیوی ہر قوم میں کچھ ہوتا ہے۔ اور زمانے کے بدلنے سے
بدلتا بھی رہتا ہے۔ مثلاً فوج کی، پولیس کی وردی۔ وکیلوں کا کالا کوٹ ہائی کورٹ
کے وکلا کا کالا جُبّہ اور ججوں کا دھوکہ دینے والی سفید وِگ یہ سب نشانات
دنیوی ہیں۔ اور بدلتے رہتے ہیں پہلے پولیس و فوج کی وردی کچھ اور ہوتی تھی
اب کچھ۔ اور اسی طرح ہر قوم کے دینی نشانات بھی بدلتے رہتے ہیں ہندوں کا پہلے
مذہبی نشان زنار تھی مگر اب نہیں ہے۔ اس لیے مصنف کا الزامی سوال کہ ترکِ نماز
پہلے کفر سمجھا جاتا تھا اب نہیں سمجھا جاتا۔ آخر کیوں۔ یہ سوال نادانی کی بنا پر ہے
اور غلط ہے ترک نمازِ کفر نہیں علامتِ کفر سمجھا جاتا تھا اگر علانیہ کفر ہوتا تو یقیناً نہ
بدلتا کیونکہ حکم شریعت نہیں بدلتا۔ نشان و علامات بدلتے رہتے ہیں۔ تو چونکہ خضاب
اسود بحکم شریعت حرام ہے اس لیے ہر جوان بوڑھے پورے سفید اور تھوڑے
سفید ہر قسم کے بالوں پر تا قیامت حرام ہی رہے گا بے شک مصنف ایڑی

چوٹی کا زور لگالیں جواز ثابت نہیں کر سکتے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کسی بزرگ کا ذاتی عمل پیش کرنا بھی گستاخی ہے۔ (ستائیسویں غلطی) مصنف صاحب صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالص سفید داڑھی دیکھ کر فرمایا کہ اِن کی سفیدی کو بدل دو وَجَنِّبُوْهُ السَّوَادَ۔ اور ان کو سیاہی سے بچاؤ امام عسقلانی لکھتے ہیں کہ اِس کو یعنی ابو قحافہ کو سیاہی سے بچاؤ۔ بلا شبہ یہ اس کے حق میں ہے جس کے سر کے بال بالکل سفید ہوگئے ہوں اور یہ حکم ہر ایک کے حق میں درست اور جاری نہ ہوگا۔ نیز امام ابن حجر عسقلانی ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سیاہ خضاب کرتے تھے جب کہ چہرہ تروتازہ ہوتا تھا پھر جب چہرے پر جھریاں پڑگئیں اور دانت ہلنے لگے تو اس کو چھوڑ دیا۔ آگے مصنف صاحب تشریح کرتے تھے جب کہ سیاہی نہ لگانے کا حکم حضرت ابوقحافہ کے متعلق فرمایا کہ ان کو سیاہی سے بچاؤ یہ حکم ان کے لیے تھا سب کے لیے نہیں جواب۔ مصنف صاحب نے امام عسقلانی کا نام لکھ کر یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ یہ امام عسقلانی کا مسلک ہے حالانکہ امام ابن عسقلانی ان تمام اقوال کی تردید فرما رہے ہیں۔ اور کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ابن شہاب زہری جیسے لوگ من پسند تشریحیں کرنے والے لوگ اُس زمانے میں بھی موجود تھے اسی قسم کے تر لیپدو مَن پسند لوگوں نے ہی تو اسلام میں یہ اُلجھاؤ پیدا کر کے مسلمانوں کی عبادات کو برباد کیا اور مسلک پرستی سے اپنا اِنفرادی ڈیڑھ اینٹ کا مذہب بنالیا امام حجر عسقلانی کا اپنا مسلک یہی ہے کہ ہر قسم کے بالوں پر سیاہ خضاب حرام جیساکہ ہم ابھی آگے بیان کریں گے ابن شہاب جیسے لوگوں کے اقوال کو صریح احادیث کے مقابل لانا اور ترجیح دینا شریعت کی گستاخی ہے ابن شہاب زہری کی یہ تقسیم اور بالوں کی یا عمر کی یہ تقسیم کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ حدیث پاک میں ہر قسم کے بالوں پر سیاہ لگانا حرام قرار دیا گیا جیساکہ خود مصنف صاحب نے اس کتابچے کے ص۳ پر۔ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ حَمِّرُوْا وَصَفِّرُوْا۔ والی مسند احمد حنبل کے حوالے سے درج کی مگر وہاں چالاکی کرتے ہوئے اوپر اُردو میں لکھ دیا (انصار کے بوڑھوں پر گزرے) حالانکہ مسند احمد میں یا عینی میں بوڑھے

کا لفظ نہیں ہے۔ اور اگر فرض کسی کتاب میں یہ لفظ ہو بھی تو وہ اس کی ذاتی تشریحی وضاحت ہے اس لیے کہ خضاب کی ضرورت ہوتی ہی اُن بالوں کو ہے جو تمام سفید ہوں کالے یا مخلوط بالوں کو تو خضاب کی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ مخلوط (سفید و کالے) بالوں کو خضاب کرنے کی حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے جیساکہ ہم آگے ثابت کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں مصنف صاحب نے ایک اور سخت غلطی بھی کی ہے کہ حدیث ابی قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بعد تمام معتبر کتب احادیث کے الفاظ مشہورہ وصحیحہ۔ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ کو چھوڑ کر ملاوٹ شدہ الفاظ۔ جَنِّبُوهُ السَّوَادَ۔ کو اختیار کیا۔ حالانکہ حضرت ابی قحافہ کا یہ واقعہ ایک ہی دفعہ ہوا۔ اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو دیکھ کو سیاہ خضاب کی ممانعت کا فرمانا ایک ہی بار ثابت ہے۔ اس واقعے کو جب مسلم شریف جلد دوم ص ۱۹۹ اور ابو داؤد شریف جلد دوم ص ۲۲۲ اور نسائی شریف دوم ص ۲۳۶ نے لکھا تو آخری الفاظ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ باب افتعال کے فعل امر سے لکھا اور باب افتعال لازم ہے نہ کہ متعدی۔ چنانچہ کتب نحو وعلماء نحو کے علاوہ ملا علی قاری نے اپنی کتاب جمع الوسائل شرح شمائل میں بھی ص ۹۱ پر لکھا کہ۔ اِدَّهَنَ مِنَ الافْتِعَالِ وَهُوَ لَازِمٌ۔ لہٰذا وَاجْتَنِبُوا۔ بھی لازم ہے اور لازم کا ترجمہ اس طرح ہوگا۔ کہ اے مسلمانو بچو تم کالے خضاب سے۔ اس حدیث کے اس ہی امر سے تمام شارحین محدثین فقہا علماء مشائخ نے کالے خضاب کے حرام ہونے کی دلیل بنایا۔ چنانچہ امام نووی کی عبارت ہم نے پہلے بیان کردی آپ نے اپنا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھا۔ وَالْمُخْتَارُ التَّحْرِيمُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ وَهُوَ مَذْهَبُنَا۔ ترجمہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیث قحافہ میں وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ فرمانے کی وجہ سے تمام فقہا کا پسندیدہ واختیار کردہ مذہب یہی ہے کہ کالا خضاب حرام ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ اسی طرح ابو داؤد جلد دوم ص ۲۲۲ کے حاشیہ ۵ پر ہے۔ قَوْلُهُ اجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ فِيهِ اَنَّ الْخِضَابَ بِالسَّوَادِ حَرَامٌ اَوْ مَكْرُوهٌ وَسَيَجِيْءُ فِيهِ اَحَادِيثُ اُخَرُ قَالَ فِي مَطَالِبِ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ

بَعْضُ الْعُلَمَاءِ اِنَّ الْخِضَابَ بِالسَّوَادِ جَائِزٌ لِلْغُزَاةِ لِيَكُونَ اَخْوَفَ لِلْعَدُوِّ وَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ لِيُزَيِّنَ نَفْسَهُ وَلِيُحَبِّبَ نَفْسَهُ اِلَى النِّسَاءِ فَذَالِكَ مَكْرُوْهٌ عِنْدَ عَامَّةِ الْمَشَائِخِ دالخ وَالْمُخْتَارُ فِي السَّوَادِ اَلْكَرَاهَةُ وَالْحُرْمَةُ ـ كَذَا قَالَ الشَّيْخُ عبد الحق قُدِّسَ سِرُّهٗ فِي اللمعات ـ ترجمہ ۔ یعنی حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۔ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ ۔ فرمانے سے تمام علماء کے نزدیک کالا خضاب حرام ہو گیا ۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو کالے خضاب کو حرام فرما رہی ہیں ۔ ہاں بعض علماء نے نمازیوں کے لیے (میدانِ جنگ میں) دشمن پر رعب جوانی ڈالنے کے لیے کالا خضاب جائز کیا ۔ لیکن جو شخص اپنے نفس امارہ کو مزین کرنے کے لیے ۔ یا عورتوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے کالا خضاب لگائے گا ۔ یہ برا کام جمہور مشائخ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے یعنی حرام ظنی ہے ۔ اور تمام کا پسندیدہ مذہب یہی ہے کہ کالا خضاب مکروہ اور حرام ہے ایسا ہی شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے فرمایا ۔ اب اندازہ لگاؤ کہ صرف اپنے باطل جھوٹے بیہودہ مذہب کو بچانے کے لیے حدیث مبارکہ کے اصل لفظ مٹا کر جنبوہ کر دیا ۔ اسی کو ابلیسی شرارت کہتے ہیں ۔ دینوی اعتبار سے کتنا آسان ہے کہ جس حدیث کو چاہا توڑ پھوڑ دیا ۔ اور اپنا جھوٹا مذہب بنا لیا میں نہیں کہتا کہ یہ لغزش صرف مصنف صاحب کی بلکہ یہ لغزش ابن ماجہ سے شروع ہوئی اور وہ ایسی موضوع روایات لینے میں مشہور ہیں مصنف صاحب کی غلطی یہاں صرف یہ ہے کہ انہوں نے اپنا باطل مذہب بچانے کے لیے ۔ سچائی کو چھوڑا صداقت سے آنکھ بچا کر نکل گئے ۔ اور جھوٹ کا سہارا پکڑا ۔ اور پھر بھی مدعیٰ حاصل نہ ہوا کیونکہ جَنِّبُوْهُ السَّوَادَ سے بالوں کی تقسیم کیسے ہوئی امام نووی کے قاضی نے یہ تقسیم کی تو امام نووی نے فوراً سخت تردید کر دی ۔ مگر مصنف اس سے آنکھ بچا کر نکل گئے بلکہ ایک جگہ پچھلے صفحات پر اس غلط بیانی کا سہارا لیا ۔ اللہ ہی معاف فرمانے والا ہے ورنہ نفس امارہ بھی بڑے بڑوں کو جھٹکا دیتا ہے ۔ (اٹھائیسویں غلط) مصنف صاحب اسی کتابچی

کے صلا ۳۹ پر انتہائی گھبرائے ہوئے ایک الزامی سوال کی شکل میں لکھتے ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ یہود و نصاریٰ خضاب نہیں کرتے۔ وَخَالِفُوْھُمْ اور تم ان کی مخالفت کرو یعنی خضاب کرو۔ اور غَیِّرُوْا الشَّیْبَ وَاجْتَنِبُوْا السَّوَادَ۔ کہ بالوں کی سفیدی کو بدلو اور سیاہی سے بچو۔ کے متعلق عرض یہ ہے کہ۔ خَالِفُوْھُمْ اور غَیِّرُوْا۔ دونوں امر کے صیغے ہیں۔ تو یہ امر وجوبی ہے یا استحبابی۔ اگر وجوبی ہے تو خضاب لگانا اور یہود کی مخالفت واجب ہو گئی۔ اب اگر کوئی نہیں لگاتا تو مکروہ تحریمی ہوا اور مکروہ تحریمی کا بار بار ارتکاب گناہ کبیرہ ہے تو اب نہ لگانے والے گناہگار ٹھہریں گے۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ امر وجوبی نہیں۔ بلکہ استحبابی ہے۔ اسی طرح احتمال یہ ہے کہ وَاجْتَنِبُوْا بھی امر استحبابی ہے اور مستحب کی مخالفت کوئی گناہ نہیں۔ خَالِفُوْھُمْ غَیِّرُوْا۔ اور وَاجْتَنِبُوْا۔ تینوں امر کے صیغے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ پہلے دو حکموں پر تو عمل نہ کیا جائے اور تیسرے حکم پر اس قدر سختی کی جائے جواب۔ کیا شاندار تانا بانا بُنا ہے۔ بزرگ سچ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو کھیل کود اور وعظ تقریر اور شعر و شاعری میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے پہلے اپنے علم کو مکمل کرنا چاہیے۔ حضرت محترم مرحوم بھی اگر اس بزرگانہ نصیحت پر عمل کرتے تو آج اس اُلجھن میں نہ پڑتے اور لوگوں سے نہ پوچھتے پھرتے کہ یہ تینوں امر کس قسم کے ہیں۔ واجبی کون سا ہے استحبابی کون اور کیوں ہے اور پھر یہ تو خیر ہوئی کہ محترم مرحوم صرف خضاب اسود کی حلت و جواز کے پیچھے پڑے رہ کر صرف حدیث و فقہ و شروح کی ہی توڑ پھوڑ کرنے میں لگے رہے اگر خدانخواستہ قرآن مجید کے مختلف صیغہائے امر و نہی دیکھ کر کہیں نماز روزے وغیرہ کی فرضیت اور قرآن کریم کی حلت و حرمت کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے اور اس طرح کی فضول کتابچی خلاف قرآن لکھ دیتے تو غضب آجاتا۔ مصنف محترم شاید آپ بھول رہے ہیں کہ علم اصول فقہ کے مطابق فعل امر سولہ بلکہ اٹھارہ قسم کا ہے۔ اور نہی اپنے صیغوں میں نو قسم کی ہے بحوالہ توضیح تلویح جلد اول صلا ۳۲۸ یہاں بھی یہ تینوں امر کے صیغے اپنے اپنے موقع میں مختلف حکم رکھتے ہیں۔ لہٰذا۔

خَالِفُوْا اور اس کے ساتھ غَیِّرُوْا الشَّیْبَ کا امر ھنگامی وجوبی ہے۔ اور علیحدہ غَیِّرُوْا الشَّیْبَ۔ استحبابی امر ہے۔ اور وَاجْتَنِبُوْا السَّوَادَ۔ مطلقاً ہر وقت تا قیامت ہر مسلمان مرد کے لیے وجوبی امر ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اسلامی تعلیمات سے یہ بات ظاہر ہے اسلام ہر مقام پر ہر کام میں مسلمانوں کو دنیا بھر کے ہر غیر مسلم سے بالکل علیحدہ شناخت بنانے کی تربیت عطا فرماتا ہے خواہ وہ کام بذاتِ خود جائز ہو یا ناجائز مگر کفار کے عمل کی بنا پر وہ کام مسلمان کو چھوڑنا لازم ہے تاکہ ہر دیکھنے والے اجنبی کو بغیر پوچھے ہی مسلمان کی شناخت ہو جائے۔ یہ شناخت کبھی تو مکمل طور پر کفار کے اُس شناختی قول و عمل کو چھوڑ کر بنانے کا حکم دیا گیا اور اگر پورا عمل چھوڑنا ممکن نہ ہو تو اُس عمل کی کافرانہ اور غیر مسلم طرز و طریقہ چھوڑنا لازم قرار دیا گیا۔ اور صرف لباس یا چال ڈھال ہی کی تبدیلی نہیں بلکہ مسلم معاشرے کی حیاتِ دُنیوی کا پورا ڈھانچہ ہی غیر مسلموں سے مکمل طرز پر شناختی طور سے علیحدہ کرنے کا حکم ہے۔ گھر سے دکان تک صبح سے شام تک کھانے پینے سے اوڑھنے بچھانے تک۔ سر سے پیر تک سونے سے جاگنے تک دینوی تعمیرات سے دینی عبادت گاہ تک۔ شکل صورت لباس سے نام و القاب تک کفار کے عمل سے ترکِ عمل تک ہر چیز میں مسلمان کی شناخت کفار کی شناخت سے علیحدہ کرنے کا حکم ہے۔ خواہ وہ دینی مذہبی شناخت ہو یا دینوی علاقائی۔ معمولی کام ہو یا بہت اہم۔ غرضکہ بحکمِ شریعت ہر طرح سے مسلمان کو کفار سے علیحدگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور قرآن و حدیث میں یہ حکم اتنی سختی سے اور بار بار دیا گیا کہ ہر مسلمان کو اپنی شناخت قائم رکھنا اور کفر کے رنگ ڈھنگ عمل دخل سے علیحدہ ہونا واجبِ شرعی کا درجہ بن گیا ہے۔ یعنی اگرچہ وہ کام اپنی ذات میں جائز ہی تھا کسی قسم کی قباحت نہ تھی مگر کفار میں رہنے بسنے اور آس پڑوس کی وجہ سے بے شناختی کے دھوکے سے بچنے بچانے کے لیے تعارفاً کفار کی مخالفت مسلمان پر واجب ہے وہ کفار یہود و نصاریٰ ہوں یا ہندو سکھ مجوسی ہوں زندگی کے ہر طرزِ معاشرہ میں غیر مسلم کی مخالفت واجب ہے۔ اور چونکہ دینوی عملیات اور رہائشی علاقہ بدلتے رہتے ہیں اس لیے شناختیں بھی بدلتی

رہتی ہیں۔ اور اسی طرح مسلمان کا کفر کی مخالفت کا عمل بھی زمانے کے لحاظ سے بدلتا رہے گا یعنی جس زمانے میں کسی کافر قوم کا جو طرزِ عمل ہوگا اُسی طرز کی ممانعت فقط اسی دور میں مسلمانوں پر واجب ہوگی۔ اور جب وہ کفار کی شناخت یا خود کفار اس علاقہ میں نہ رہیں تو مخالفت کا وہ وجوب بھی نہ رہے گا اس ضابطۂ اسلامیہ کو سمجھنے کے بعد اب ان احادیث کا سمجھنا اور اُن کے وجوب کے وقت کا تعین کرنا آسان ہو جاتا ہے جن احادیث میں فرمایا گیا کہ۔ إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ لَا يَصْبِغُونَ فَخَالِفُوهُمْ۔ کہ یہودی عیسائی بالوں کو خضاب نہیں لگاتے تم ان کی مخالفت کرو۔ یعنی ضرور لگاؤ۔ یہ حکم مسلمانوں کو اُس وقت اور اُس علاقہ میں دیا گیا جہاں اُس وقت سفید بالوں والے یہودیوں، عیسائیوں کی رہائشیں ہوا کرتی تھیں اور اجنبی لوگ پہچان نہ سکتے تھے کہ مسلمان کون لوگ ہیں اِس لیے اُس وقت کے مسلمانوں پر واجب تھا بالوں کی سفیدی کو خضاب لگانا سرخ یا پیلا کرنا لیکن جب نہ تو مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں یہود و نصاریٰ رہے اور مسلمان بھی دنیا میں پھیل گئے تو دیگر ہنگامی وقتی قوانین کی طرح خضاب لگانا بھی واجب نہ رہا۔ نہ یہ شناختی مخالفت باقی و ضروری رہی اس۔ لیے مصنف صاحب کا یہ سوال و تعجب غلط ہے کہ اب خَالِفُوا وغَیِّرُوا پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا اس لیے کہ خَالِفُوا وغَیِّرُوا کا وجوب وقتی قانون تھا۔ اب وہ یہودی نہ رہے نہ ان کا عمل لہٰذا وجوب بھی ختم ہو گیا۔ اب سرخ خضاب لگانا صرف مستحب ہے کوئی چاہے تو لگائے چاہے تو سفید ہی رہنے دے۔ یہ تینوں امر علمِ اصول کے مطابق تین قسم کے ہیں وَخَالِفُوا الْيَهُودَ۔ یہ امر۔ اُس وقت ہنگامی وجوبی مگر اب نہ واجب نہ مستحب ۲۔ غَيِّرُوا کا امر اس وقت واجب اب مستحب۔ لیکن وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ کا قانون کسی وقتی شناخت کے لیے نہ تھا اس لیے یہ سختی اور وعید اور اسی وعیدِ شدید کی وجہ سے حرمت بھی باقی ہے۔ اور تا قیامت ہر مسلمان کو کالا خضاب حرام ہے۔ انتسویں غلطی۔ مصنف صاحب مرحوم ص۴۶ پر لکھتے ہیں کہ مشتہر اینڈ کمپنی سے گزارش ہے کہ آپ صرف سیاہ خضاب کے پیچھے کیوں پڑے ہو صرف اسی کی حرمت کے قائل کیوں ہو جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً

خضاب کو خواہ کسی رنگ کا ہو، مکروہ سمجھتے تھے۔ ملاحظہ ہو پہلی حدیث۔ عبداللہ ابن
بن مسعود فرماتے۔ اَنَّہٗ صَلَّی اللہُ علیہ وسلّم کَانَ یَکْرَہُ تَغْیِیْرَ الشَّیْبِ
(از مشکوٰۃ ص ۳۷۸)۔ دوسری حدیث پاک۔ عمرو بن شعیب اپنے
دادا سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ شَابَ شَیْبَۃً فِی الْاِسْلَامِ
کَانَتْ لَہٗ نُوْرًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلَّا اَنْ یَّنْتِفَھَا اَوْ یَخْضِبَھَا۔ تیسری حدیث
عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہ علیہ وسلم کَانَ یَکْرَہُ
خِصَالًا فَذَکَرَ مِنْہُ تَغْیِیْرَ الشَّیْبِ۔ ترجمہ۔ تینوں کا۔ ۱ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم بڑھاپے کو بدلنا مکروہ سمجھتے تھے۔ ۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا جس مسلمان نے بڑھاپا پایا وہ بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لیے
نور بن جائے گا لیکن اگر وہ مسلمان ان بڑھاپے کے سفید بالوں کو اکھیڑ دے
یا ان کو خضاب لگا دے تو نور نہیں بنے گا۔ ۳ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند
خصلتوں کو مکروہ سمجھتے تھے ان میں سے ایک بڑھاپے کو بدلنا ہے۔ ان
تین احادیث سے ثابت ہوا کہ ہر قسم کا خضاب سرخ۔ زرد۔ حنا وکتم وغیرہ سب
مکروہ ہیں تو پھر یہ کیا کہ کالا حرام اور سرخ وزرد جائز۔ جب تم یہاں خضاب
لگانے والی احادیث میں تطبیق دے لیتے ہو تو پھر خدا کے لیے ہم پر ترس
کھاؤ ہم عورتوں کو چکمہ دینے کے لیے کالا خضاب لگانے والوں کا بھی کچھ خیال
رکھو) اور۔ کالے خضاب والی احادیث اور سرخ خضاب کی احادیث میں بھی
تطبیق دینے کی کوئی صورت نکالو۔ ورنہ آپ کے فتوے کی مار میں بڑی بڑی
معتقد ہستیاں آگئی ہیں۔ (جواب) تمہاری ان بڑی بڑی معتقد ہستیوں کو
کس نے کہا تھا کہ حرام خضاب کی لیپا لاپی کرو۔ کہ دنیا میں شرعی فتووں کی اور
آخرت میں جہنم کی مار کھاؤ۔ اپنی ان بڑی بڑی ہستیوں کو پہلے ہی سمجھا دیا ہوتا تمہاری
معتقد ہستیوں نے یہ ناجائز کام کیا ہی کیوں جواب تم ان سب کے لیے منت
سماجت کرنے آ گئے۔ بحمدہ تعالیٰ ہماری کسی معتقد ہستی نے یہ ناجائز کام کبھی
نہ کیا۔ گولڑے والی سچی سرکار (قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ سے لے کر
اعلیٰحضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمۃ تک سب ہی اس حرام خضاب سے بچے رہے

نیز مصنف کہتے ہیں کہ کالے خضاب کے جواز والی احادیث کے ساتھ تطبیق کرلو۔ ہم کہتے ہیں کن خلاؤں میں پھر رہے ہو کالے خضاب کے جواز کی حدیث تو دنیا میں ہے ہی کوئی نہیں کس سے مطابقت کریں۔ مصنف صاحب کو بھی کوئی نہ مل سکی حالانکہ یہ عاشق سیاہی ہیں۔ اپنی اس پوری کتابچی میں ابن ماجہ کی ایک گھسی پٹی عبارت وروایت لکھ ڈالی وہ بھی ضعیف بناڈٹی یا چند حضرات کے ذاتی انفرادی اقوال وعمل کی روایتیں۔ تو ان کا ہم نے پہلے جواب دیدیا ہے کہ کسی کے ذاتی عمل بغیر دلیل واستنباط شریعت کا قانون نہیں بن سکتے نہ کسی حرام شرعی کو حلال کرسکیں اس طرح سے اگر ہزار بھی منہ پر سیاہی لگاتے پھریں شرعاً اُس کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن مصنف صاحب کی پیش کردہ تین حدیثیں تو یہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں ہم کو تطبیق دینے کی ضرورت نہیں اِن کے اپنے الفاظ مبارک ہی سچی تقسیم فرما رہے ہیں۔ ذرا سا عقلی تدبر چاہیئے۔ چنانچہ امام بدرالدین عینی اپنی شرح بخاری عمدۃ القاری بائیسویں جلد صفحہ ۵۱ پر لکھتے ہیں۔ وَالصَّوَابُ عِنْدَنَا اَنَّ الْاٰثَارَ الَّتِیْ رُوِیَتْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم بِتَغْیِیْرِہٖ وَالنَّھْیُ عَنْہُ صِحَاحٌ وَلٰکِنَّ بَعْضَھَا عَامٌّ وَبَعْضَھَا خَاصٌّ فَقَوْلُہٗ خَالِفُوْا الْیَھُوْدَ وَغَیِّرُوْا الشَّیْبَ الْمُرَادُ مِنْہُ الْمَخْصُوْصُ۔ اَیْ غَیِّرُوْا الشَّیْبَ الَّذِیْ ھُوَ نَظِیْرُ شَیْبَۃِ اَبِیْ قُحَافَۃَ وَاَمَّا مَنْ کَانَ اَشْمَطَ فَھُوَ الَّذِیْ اَمَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَنْ لَّا یُغَیِّرَہٗ وَقَالَ مَنْ شَابَ شَیْبَۃً الحَدِیْثَ لِاَنَّہٗ لَا یَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَوْلَانِ مُتَعَارِضَانِ وَلَا نَسْخٌ، تَتَعَیَّنُ الْجَمْعُ۔ فَمَنْ غَیَّرَہٗ مِنَ الصَّحَابَۃِ فَمَحْمُوْلٌ عَلَی الْاَوَّلِ وَمَنْ لَمْ یُغَیِّرْہُ فَعَلَی الثَّانِیْ مَعَ اَنَّ تَغْیِیْرَہٗ لَوْ یَکُنْ فَرْضًا وَکَانَ النَّھْیُ نَھْیَ کَرَاھَۃٍ لَا تَحْرِیْمٍ لِاِجْمَاعِ سَلَفِ الْاُمَّۃِ وَخَلَفِھَا۔ ترجمہ۔ کچھ احادیث فرما رہی ہیں کہ خضاب لگاؤ اور کچھ احادیث فرماتی ہیں کہ نہ لگاؤ تو کوئی کم فہم انسان اس کو تضاد بیانی نہ سمجھے نہ کسی حدیث کو منسوخ سمجھے اس لیے کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مقدسہ طیبہ کو متضاد کہنا سخت ناجائز ہے اور بلا ثبوت

کسی فرمان کو منسوخ کہنا بھی جہالت ہے۔ لہٰذا جواب اور صحیح حقیقی تشریح یہی ہے ہمارے نزدیک کہ خضاب سے منع والی احادیث ان لوگوں کے لیے ہیں جن کے بال پورے سفید نہیں ہیں وہ لوگ کسی قسم کا خضاب سرخ یا پیلا نہ لگائیں یعنی جن کا بڑھاپا شَیبَۃُ الحدیث (دنیا بڑھاپا) ہے (یہ لفظ حَدَثٌ سے بنا ہے) اور جن کا بڑھاپا حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل ہے کہ تمام بال سفید ہو چکے ہیں ان کو حنا وکتم کا سرخ یا پیلا خضاب لگانے کی اجازت ہے۔ آگے امام عینی فرماتے ہیں کہ ہماری یہ تشریح اپنی ذہنی نہیں بلکہ صحابہ کرام کے عمل کی دلیل سے ہے کہ جن صحابہ کرام نے خضاب لگایا ان کا عمل پاک غَیِّرُوْا الشَّیبَ والی احادیث پر ہے کیونکہ ان کے تمام بال سفید ہو چکے تھے اور جن داڑھی عمر کے تازہ وجدید چہرے والے صحابہ کرام نے اپنے مخلوط (کالے سفید) بالوں پر کسی طرح کا قطعاً کوئی خضاب نہ لگایا ان کا عمل شریف ممنوعہ احادیث پر ہے۔ لہٰذا دونوں قسم کی احادیث اپنی اپنی جگہ درست وتاقیامت محکم ہیں۔ لیکن اِس کے باوجود خضاب لگانے کا حکم صرف مستحب ہی ہے فرض یا واجب نہیں اب کوئی سخت بوڑھا بھی سرخ یا پیلا خضاب نہ لگائے تو کوئی بات نہیں (وجوب تو صرف اُس وقت یہود ونصاریٰ کی مخالفت کی وجہ سے تھا) اسی طرح ممانعت ونہی کی احادیث کراہتِ تحریمی کی ممانعت نہیں بلکہ صرف تنزیہی ہے۔ امت کے سلف وخلف کا اِسی شرح پر اجماع ہے۔ سُبْحَانَ اللہ کتنے شاندار اور مدلل طریقے سے امام عینی نے احادیث کی شرح بیان فرما دی۔ حضرت شارح نے تین چیزیں واضح فرمائیں ۱ دونوں قسم کی احادیث موجود بھی ہیں اور صحیح بھی ۲ مگر تضاد بیانی نہیں بلکہ دو قسم کے مردوں کے لیے علیحدہ علیحدہ حکم ہیں ۳ اس تشریح کی دلیل بھی ہے بے دلیل قول نہیں ۴ اس شرح پر فقہاء وسلف وخلف کا اجماع واتفاق وتائید ہے آج تک اس شرح کی کسی نے کسی بھی طرز پر تردید نہیں کی۔ بخلاف شرح نووی کے کہ کسی مجہول نامعلوم قاضی کی تشریح کے کہ اس میں صرف جھوٹ اور غلط بیانی ہی تھی نہ دلیل نہ ثبوت اِسی لیے امام نووی کو اُسی وقت فوراً اُس کی پُرزور تردید کرنی پڑی کہ هٰذَا مَا قَالَ الْقَاضِی یعنی یہ لغویات صرف قاضی کی اپنی بناوٹی ہے نہ سند نہ دلیل نہ ثبوت نہ اجماعِ سلف

وخلف ۔۔ اس لیے اگرچہ ہماری شرح میں لکھی گئی ہے مگر بے مردود اور مصنف صاحب ہر مقام پر ایسے ہی بیکار اقوال کا سہارا پکڑتے ہیں۔ امام عینی اور اجماع سلف وخلف کی یہ تشریح اس لیے بھی ضروری ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال طیبات کو جہلا کے تضاد بیانی والے اتہام سے بچایا جائے۔ اور یہ سب سے اہم فریضہ ہے کہ قرآن وحدیث کو گمراہوں کی گستاخیوں سے بچایا جائے۔ لیکن مصنف صاحب نے ہر جگہ تضاد بیانی کی اُلجھن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر کسی اُلجھن کا خود جواب نہ دیا بلکہ بطور طنز فَمَا جَوَابُکُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا کہہ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اِن احادیث کی الجھن کوئی عالم دور نہیں کرسکتا حضرت مصنف کی یہ حرکت کسی کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی بلکہ احادیثِ پاک سے عوام کو بدظنی پیدا ہوسکتی ہے۔ اسی گمراہی وگستاخی کے خطرہ سے ہم نے یہ کتاب لکھ کر مصنف صاحب کی ہر ہر بات کی تردید کردی کہ مولانا تو دنیا سے بغیر توبہ ورجوع چلے گئے۔ بعد کے عوام تو گمراہ نہ ہوں اور حرام خضاب کو حلال وجائز نہ سمجھ لیں۔ مُلّا علی قاری علیہ الرحمۃ نے مشکوٰۃ شریف کی اس۔ کَانَ یَکْرَہُ تَغَیُّرَ الشَّیْبِ کی تشریح کرتے ہوئے اپنی کتاب شرح مرقات میں فرمایا کہ تغیّرُ الشَّیب کا معنیٰ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ کالے خضاب بڑھاپے کے آثار وشناخت مٹانے کو مکروہ فرمایا۔ علامہ قاری کی یہ شرح تغیر کے لغوی معنیٰ کے اعتبار سے ہے۔ تغیر کے لغوی معنیٰ ہوتے ہیں ۱۔ بدلنا ۲۔ مٹانا، ۳۔ مٹانا ۴۔ چھپانا۔ حنا وکتم سے تغیرِ شیبۃ کا فقط معمولی رنگ بدلتا ہے۔ سرخ یا پیلے رنگ سے بڑھاپا چھپتا نہیں اس لیے یہ فریب دینا نہیں لہٰذا جائز ہے حرام نہیں۔ غیّروا الشیب کا یہی معنیٰ ہے۔ لیکن سیاہ خضاب سے بڑھاپے کو مکمل چھپانا ہے اور نتف یعنی سفید بال اکھیڑنے سے بڑھاپے کو مٹانا ہے۔ سیاہ خضاب سے تغیر الشیب بمعنی چھپانا۔ اکھیڑ کر تغیر بمعنیٰ مٹانا۔ اور یہ دونوں کام فریب دینا ہے اس لیے جن احادیث میں تغیر الشیب سے منع کیا گیا وہاں تغیر بمعنیٰ مٹانا اور چھپانا ہے یہی دونوں حرام ہیں۔ یہی ملا علی قاری رح کی تشریح لغوی وضاحت ہے مصنف کا ملنجیا نہ الزامی سوال ختم ہوگیا۔ (تیسویں غلطی) مصنف صاحب محترم بہت

ہی اچھے اور ملنجیانہ انداز میں کتابچی کے صفحہ آخری ۴۷ و ۴۸ پر لکھتے ہیں۔
حرف آخر اس ساری بحث کو پیش کرنے کے بعد بھی عرض یہ ہے کہ مسئلہ سیاہ خضاب ایک اختلافی مسئلہ ہے لہذا اس میں تشدد نہ کرنا چاہیئے بلکہ ہمارے نزدیک سیاہ خضاب کرنا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے یعنی نہ کرے تو بہتر۔ کرے تو حرج نہیں اگرچہ ہمارے بعض بزرگوں نے سیاہ خضاب کو حرام لکھا ہے انہوں نے تو لڑکیوں کو لکھنا سکھانا اور بالا خانوں میں رہنا اور لڑکیوں کو سورۂ یوسف پڑھانا بھی ناجائز و حرام لکھا ہے۔ ان بزرگوں پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور یہ ہمیں جواب لکھنے کی بھی ضرورت نہ تھی لیکن اشتہار میں ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان فرعون کا پیروکار۔ اللہ کا دشمن۔ بڈھا کتا۔ جانور۔ بدترین گناہ کا مرتکب جنت کی خوشبو نہ پانے والا۔ جہنمی۔ قیامت کے دن اللہ سے منہ کالا کروانیوالا سب سے کمتر اور ہمارے مقتدیوں کی نماز کو فاسد قرار دیا گیا۔ تب یہ جواب دیا گیا تاکہ مقتدی اس پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ وغیرہ وغیرہ۔ (یعنی مصنف صاحب کو صرف مقتدی بھاگ جانے کا خطرہ تھا جس کی وجہ سے شاید امامت ختم ہو جاتی اس خدشے سے یہ جواب لکھا گیا گویا کہ بقولِ خود اقرار ہے کہ اس تحریر میں خلوصِ دین شرعی مسئلے کے اظہار اور دینی خدمت کی نیت نہیں ہے) جواب۔ مصنف صاحب نے جاتے جاتے اپنی تمنا اور آرزو اور کتاب کا مقصدِ تحریر بتاتے ہوئے بھی کچھ طرح کی غلطیاں کر دیں ۱۔ لکھتے ہیں کہ یہ فروعی و اختلافی مسئلہ ہے۔ جواب بالکل غلط ہم نے ثابت کر دیا کہ تمام فقہا علماء جمہوری اور متفقہ طور پر فرماتے ہیں کہ کالا خضاب حرام ہے نمبر ایک بھی حدیث کالے خضاب کی کسی بھی شخص کو عارضی اجازت بھی نہیں دیتی نہ جوان نہ ادھیڑ نہ بوڑھے مسلمان کو نہ مجاہد کو ۲۔ لہذا اس میں تشدد نہ کرنا چاہیئے۔ جواب۔ تشدد کسی ذات پر نہ کرنا چاہیئے نہ بُرے لفظوں والقاب سے نہ سخت برا بھلا کہنے سے لیکن جہاں تک شرعی مسئلے کا تعلق ہے اُس کی اہمیت شدت علت و حرمت حدودِ اخلاق میں رہ کر ضرور بتانا اور ظاہر و مشہور کرنا چاہیئے اگر یہ بات بھی کسی مخالف کو بری لگے تو پھر

کسی بھی حق گو کو کسی لومۃ لائم یا ناراضگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بہت کا فی پرچم بلند ہی رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ علم اور دین چھپانا بھی گناہ ہے غالباً کچھ لوگوں نے مصنف صاحب کے کالے خضاب لگانے پر اعتراض بطریقہ اشتہار چھاپ کر دیا ہوگا اور اس میں حضرت مصنف کو کالے خضاب سے روکنے کے لیئے شدت انتہا کی ہوگی جو بحوالہ اس تحریر کے کچھ زیادہ ہی شدید ہوگی جس نے مصنف صاحب کو سخت غصہ میں جذباتی بنا دیا۔ اُن لوگوں کا مصنف صاحب اپنی اس کتاب میں کئی جگہ۔ مشتہر اینڈ کمپنی۔ کے لقب سے تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ اشتہار اور وہ لوگ تو ہماری نظر و ملاقات سے نہیں گزرے جو حقیقتِ حال کا یقینی پتہ چلتا مگر ہم نے اپنے طور پر اندازہ لگایا ہے کہ ہر دو طرف سے کافی شدید مظاہرے ہوئے ہوں گے۔ بہر حال یہ اچھی بات نہیں کسی بھی موقعہ پر مسلمانوں کو حدود شرعی اور اخلاق کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ ۳ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سیاہ خضاب مکروہ تنزیہی ہے۔ جواب۔ چلو جاتے جاتے اتنا ماننا بھی غنیمت ہے جب کہ پہلے صفحات پر یہ ماننے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ وہ شدتِ جذبات کی بنا پر سختی تھی۔ اب آخر میں یقیناً کچھ شدت کم ہوئی تو ہماری تحریر میں مکروہ تک آ گئے۔ اگر زندگی وفا کرتی تو مجھے کامل یقین ہے کہ بہت پیارے اخلاق والے تھے کم از کم میری ضرور مانکر رجوع فرما لیتے اور مسلکِ جمہور کو سر آنکھوں سے لگاتے ہوئے کالے خضاب کو حرام ہی کہتے ۴ فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض بزرگوں نے سیاہ خضاب کو حرام لکھا ہے جواب۔ بعض نے نہیں بلکہ تمام بزرگوں نے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ثابت کیا اور ابھی آگے بھی باحوالہ ثابت کریں گے۔ بحمدہ تعالیٰ آپ ہماری ہی اہل سنت جماعت سے ہیں۔ آپ ہمارے ہی ہیں ہمارے ہی رہیں گے آپ کے بزرگ وہی ہیں جو ہمارے ہیں از صدیق اکبر تا خواجہ حسن بصری اور از امام اعظم تا شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور از سرکار حضرت اعلیٰ گولڑوی تا۔ امام اعلحضرت مجدد بریلوی۔ یہ سب ہم دونوں بلکہ تمام امتِ مسلمہ اہل سنت والجماعت کے بزرگ و پیشوا ہیں ۵ فرماتے ہیں کہ بزرگوں نے تو لڑکیوں کو لکھنا سکھانا

بالاخانوں میں رہنا۔ سورۃ یوسف کا ترجمہ پڑھانا بھی ناجائز وحرام لکھا ہے یہ اُن کا کمال تقوی ہے۔ جواب۔ لڑکیوں کو لکھنا سکھانا اور بالاخانوں میں رہنا۔ آج کل کے کالج کے بد معاشی و فحاشی و بے پردگی کے ماحول کو دیکھتے ہوئے کون سا باغیرت والد یا بھائی ہوگا جو ایسی لکھائی پڑھائی کو حرام نہ کہے گا کالج سکول کی وجہ سے اخباروں میں آئے دن جو چیزیں چھپتی ہیں کیا کوئی غیرت مند اپنی بہن بیٹی پر برداشت کرے گا بس اُن کی دور رس نگاہوں نے اسی ماحول بے تمیزی کو وقت سے پہلے محسوس کر لیا تھا اس کو تقوی نہیں شرعی فتوے کے طور پر اُن بزرگوں نے قرآن و حدیث کا فیصلہ ثابت کیا تھا ہمیں حیرت ہے کہ مصنف مرحوم اس طوفان بے غیرتی فحاشی سے بچاؤ کو بھی ذاتی تقوی کہہ کر گناہِ علم کو حرمت سے نکال کر حلت میں لانے کی خود غاجرانہ کوشش کر رہے ہیں۔ اکبر الہ آبادی علیہ الرحمۃ نے اپنے وقت کے سرسید کو بھی علی گڑھ کالج بنانے پر سخت تنبیہ کرتے ہوئے یہ رباعی لکھ کر بھیجی تھی۔

بار بار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال حضرتِ سید سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش
درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہٗ باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

بے پردگی حسن کی نمائش حسن پرستی۔ اغواء۔ بد چہ بازی۔ فلم ناول عشقیہ افسانے سب اسی کالج کی پڑھائی لکھائی کی وجہ سے ہی تو ہے۔ اتنے بڑے بڑے گناہ اور قوم کی تباہی کے اسباب کیا مصنف کے نزدیک حرام نہیں کیا ان کو بُرا سمجھنا محض بزرگوں کا ذاتی تقوی ہے یہی حال بالاخانوں اور ان کی کھڑکیوں کا ہے۔ نوجوان طبقے کے لیے خلوت اور بلندی کے مقامات شیطانی جال ہیں فقہاءِ کرام نے لڑکیوں کو تنہا بالاخانوں کی رہائش سے ممانعت کا فتوی حدیث، قرآن کی روشنی ہدایت و استنباط سے دیا ہے اور تاقیامت جاری و نافذ ہے حدیث پاک میں ارشاد ہے عورت کے لیے باہر سے گھر کی چاردیواری بہتر ہے اور اگر آنگن ہے تو برآمدہ اور برآمدے سے کمرہ اور کمرے سے پچھلا کمرہ بہتر ہے۔ ازواج اُمہات المومنین کے گھروں میں تو صحن

وبرآمدہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ حرمٰی علی شیر خدا کے گھر میں آگے پیچھے دو کمرے ہوتے تھے اور فاطمۃ الزہرا نے عمر کا زیادہ حصہ پچھلے کمرے میں گزارا دن کے وقت کبھی دوسرے کمرے میں نہ آئیں۔ آپ کے چہرۂ پاک کو تو کبھی چاند سورج نے نہ دیکھا حضرت حکیم الامت نے شعر فرمایا ہے کہ۔

وہ چادر جس کا آنچل چاند سورج نے نہیں دیکھا — بنے گی حشر میں پردہ گنہگاران اُمت کا

فقہا کے اس شرعی حکم کا مقصد یہ ہے کہ عورت کو عورت بنا کر رکھو۔ بقول حضرت اکبر الٰہ آبادی۔ کہ خاتون خانہ ہو۔ وہ صبا کی پری نہ ہو۔ نہ معلوم مصنف صاحب کو کیا ہو گیا ہے اپنے ایک باطل نظریے کو بچانے کے لیے اسلام کے کتنے کتنے بڑے فرامین پر طعن کرتے چلے جارہے ہیں۔ قرآن وحدیث کے دلالۃُ النص، کو ذاتی تقویٰ کہہ کر عوام کی نگاہ میں بے معنیٰ کرنا چاہتے ہیں۔ لوہی مصنف کی تیسری بات کہ سورۃ یوسف کا ترجمہ لڑکیوں کو نہ پڑھاؤ۔ یہ گستاخانہ بات ہمارے کسی بزرگ نے نہ فرمائی نہ معلوم وہ مصنف کا کون بد بخت بزرگ ہوگا جس نے ایسی بیہودہ بات کہہ کر جہنم کا ایندھن بننا پسند کیا سورۃ یوسف میں کون سی ایسی غلط یا شرمندگی والی بات ہے جو رب تعالیٰ نے بیان فرمادی اور اللہ تعالیٰ کو لڑکیوں کا خیال نہ آیا۔ اسی کم بخت شیطانی بزرگ کو احساسِ غیرت نے ستا مارا۔ اور پھر یہ نہ بتایا کہ کونسی زبان کا ترجمہ نہ پڑھاؤ اردو فارسی یا پشتو انگریزی۔ اور یا پھر عربی کی یا عربی زبان جاننے والی لڑکیوں کے لیے کیا کیا جائے گا وہاں سورۃ یوسف سے لڑکیوں کو کس طرح بچاؤ گے۔ کیا وہاں کوئی ابلیسی بزرگ یہ کہے گا کہ سورۃ یوسف کو لڑکیوں والے قرآنِ مجید سے نکال دو۔ (العیاذ باللہ) مصنف صاحب کو ذرا بھی اگر غور وفکر ہوتا تو یہ گستاخی نہ لکھتے۔ محترم مرحوم یہ کوئی بائبل یا یہود ونصاریٰ کی بناوٹی انجیل وتالمود نہیں کہ مبلغِ اسلام حضرت محترم احمد دیدات مدظلہ نے ایک محفل مناظرہ میں عیسائی پادریوں کے سامنے بائبل کے بعض مقامات پڑھ کر سنائے تو پادریوں کے سر شرم سے جھک گئے۔ اور غیرت سے نگاہیں نیچی ہوگئیں۔ مصنف قرآنِ مجید کے متعلق ایسی غلط بات لکھ کر عیسائیوں کو قرآن مجید پر زبان طعن دراز کرنے کا موقع فراہم کر رہے ہیں کسی نے سچ فرمایا کہ

خدا جب دین لیتا ہے عقل بھی چھین لیتا ہے۔ رب تعالیٰ تو اس واقعہ یوسف کو احسن القصص فرمائے۔ مگر مصنف صاحب یہ گستاخی لکھ کر کفر کھانے کے درپے ہیں۔ کیا اچھا ارشاد فرمایا تھا کسی درس قرآن کے موقعہ پر حضرت علامہ احمد حسن نوری صاحب خطیب جامعہ حنفیہ فاروقیہ ڈاکخانہ مغلپورہ لاہور نے دورۂ برطانیہ کے دوران کسی محفل میں۔ کہ کیا حسین اندازِ قرآن ہے کہ جس محفل میں چاہو جس کو چاہو پڑھاؤ سناؤ قرآنِ کریم جدھر سے چاہو کھولو اور سناتے سمجھاتے اور ترجمہ سکھاتے چلے جاؤ اپنے پرائے دوست دشمن چھوٹے بڑے جوان بوڑھے ماں بہن بیٹی کو پڑھاتے چلے جاؤ کبھی شرمندگی نہ ہوگی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ہم مسلمان جو سچا اور صحیح اعتراض بائبل پر کرتے ہیں۔ اُس کے مقابل مصنف صاحب نے غیر مسلموں کو الزامی اعتراض کا ایک جھوٹا موقعہ فراہم کر دیا۔ مصنف نے دو لفظ لکھ کر قلم کا نشتر چلا دیا مگر یہ نہ سوچا کہ اس سے عوام مسلمانوں کے سینوں میں کتنا بڑا زخم پڑے گا۔ ان ہلاکت خیز تحریروں کو سوچو کہ یہ کتاب مسلمانوں کے لیے کتنی خطرناک زہر ڈال گمراہ کن۔ نشتر زخم دار ہے کیا ابھی بھی مصنف کو مجددِ مسلک کہا جا سکتا ہے۔ جب کہ اُن کی یہ کتاب تو مخالفِ مسلکِ اہل سنت ہے۔ مشتہرین نے مصنف صاحب کو تقریباً دس قسم کے بُرے خطاب دیئے۔ اللہ کا دشمن بڈھا کوا۔ جانور۔ بدترین گناہ گار۔ اس کے پیچھے کسی کی نماز جائز نہیں۔ وغیرہ وغیرہ صرف اِن بُرے لفظوں کی وجہ سے ہم نے اُس اشتہار کا جواب دینے کے لیے یہ کتاب لکھی تاکہ مقتدی لوگ اشتہار کے غلط پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں۔ جواب۔ ان لفظوں میں بعض تو واقعی محض برے اور غیر مہذب الفاظ ہیں جو کسی مسلمان کو اخلاقی طور پر زیب نہیں دیتے۔ اور کہنے لکھنے والے کی کم علمی ظاہر کرتی ہے۔ مگر بعض الفاظ احادیثِ پاک کا ترجمہ ہیں۔ مثلاً جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ اللہ تعالیٰ سیاہ خضاب لگانے والے کا منہ کالا کرے گا۔ رہی یہ بات کہ کالا خضاب لگانے والے امام کے پیچھے کسی مسلمان کی نماز جائز نہیں۔ تو یہ ایک فقہی مسئلہ ہے جن کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا کہ کالا خضاب باستنباطِ احادیث اور باستدلالِ فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حرام ہے تو اُن کے نزدیک تو یقیناً مُوکالے امام کے پیچھے نماز جائز نہ ہو گی اور وہ اِس مسئلے میں حق بجانب ہیں۔ نماز کا مسئلہ نازک ہے اور نماز ہر مسلمان کی اپنی اپنی دینی ذاتی دولت ہے اس کی حفاظت ہر مسلمان پر خود واجب ہے اس لیے اِس بات سے مصنف کو غصہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی امام اِس خضاب کو جائز مانتا ہو تو کم از کم اُن مقتدیوں کی نماز کا خیال رکھے جو اس کو حرام کہتے ہیں ان کی امامت کرانے والا امام امامت کے وقت نہ لگائے یا امامت کے دنوں میں کالا خضاب چھوڑ دے امامت کی چھٹی کے دنوں میں لگایا کرے۔ اگر نہیں چھوڑ سکتا تو پھر امامت چھوڑ دے اور شوق سے کالا خضاب لگاتا پھرے کوئی شخص اعتراض یا اشتہار نہ نکالیگا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

اب آخر میں ہم اُن کتابوں کے مصنفیں کا اصل ذاتی مسلک کالے خضاب کے بارے اُن کی اُسی کتاب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں جن کتابوں کا نام لکھ کر محترم مصنف نے ان کی ہی تردید کردہ عبارتوں اور قولوں کو اپنے باطل نظرئے کے حق میں نسبتی دھوکہ دیتے ہوئے اِستدلال اور ڈھال بنا کر لکھیں، اور عوام کو دھوکہ دیا کہ یہ ہی مصنف کتاب ھذا کا مسلک ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ یہ چالاکی صرف دکانِ باطل چمکانے کے لیے کی گئی ہے۔ مصنف صاحب نے اپنی اِس اڑتالیس۴۸ صفحات کی کتابچی میں گیارہ۱۱ کتابوں کا حوالہ لکھا ہے۔ ۱ نووی شرح مسلم ۲ عمدۃ القاری عینی شرح بخاری ۳ جمع الوسائل شرح شمائل ۴ مناوی شرح شمائل ۵ اشعۃ اللمعات ۶ احناف کا مشہور فتاویٰ عالمگیری ۷ فتح الباری شرح بخاری ۸ سراج منیر شرح جامع صغیر ۹ طبقات ابن سعد ۱۰ طبرانی کبیر ۱۱ فتاویٰ درمختار شامی۔ مصنف صاحب مرحوم نے اِن کُتب سے سہارا لے کر اِس انداز میں اپنا باطل نظریہ شائع کیا ہے کہ یہ کتابچی بذاتِ خود از اول تا آخر سیاہ خضاب بن گئی ہے۔ اور عوام کو اس طرز پر دھوکہ دیا گیا ہے کہ لوگ سمجھیں کہ شاید یہ سب بزرگ بھی کالے خضاب کو جائز مانتے ہیں حالانکہ اصل کتاب دیکھ کر صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ کیسی کیسی چالاکیاں کی گئیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے بزرگوں کے صاف

اندازکے حوالے دینے کے باوجود آخر میں تھکے ہارے معلوم ہوتے ہیں ورنہ سچے اور صاف گو انسان کو اس طرح ملتجیانہ انداز میں گھگھیاتے ہر بیانے کی ضرورت کیا ہے لیکن ہم مندرجہ ذیل سطور میں یہ پول ضرور کھولیں گے صرف یہ بتانے کے لیے کہ بھلا اتنے عظیم بزرگ حضرات فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنا مسلک کس طرح بنا سکتے تھے۔ چنانچہ امام نووی شرف الدین ابوزکریا شارح مسلم شریف ان کی عبارت ہم پہلے بھی دوبار لکھ چکے ہیں آپ نہایت واضح الفاظ میں باستدلال حدیث پاک فرماتے ہیں ص ۱۹۹ پر وَیَحْرُمُ خِضَابُہٗ بِالسَّوَادِ عَلَی الْاَصَحِّ (الخ) وَالْمُخْتَارُ التَّحْرِیْمُ لِقَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ وَھٰذَا مَذْھَبُنَا۔ ترجمہ۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ کالا خضاب قطعاً حرام ہے یہی تمام فقہاء کا پسندیدہ و اختیار کردہ مذہب ہے کیونکہ آقائے کائنات نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سیاہی سے بچو ۔ ۲ امام بدرُ الدین عینی اپنی شرح بخاری میں اپنا مذہب اس طرح بیان فرماتے ہیں عمدۃ القاری جلد بائیسویں ص ۵۱ پر ہے فَالْجُمْھُوْرُ عَلٰی اَنَّ الْخِضَابَ بِالْحُمْرَۃِ وَالصُّفْرَۃِ دُوْنَ السَّوَادِ لِمَا رُوِیَ فِیْہِ الْاَخْبَارُ الْمُشْتَمِلَۃُ عَلَی الْوَعِیْدِ۔ ترجمہ تقریباً تمام فقہاء امّت، مجتہدین ملّت کا متفقہ مذہب اس بات پر ہے کہ خضاب صرف سرخ اور پیلا ہی جائز ہے کالا خضاب قطعاً جائز نہیں بلکہ حرام ہے اس وجہ سے کہ اس کالے خضاب کے ناجائز ہونے کی دلیل میں بہت احادیث مبارکہ روایت کی گئی ہیں جن میں کالا خضاب لگانے والے کو سخت عذاب کی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ ثبوت کے طور پر کچھ آگے چند حدیثیں نقل فرماتے ہیں ۱ اَقْوَامٌ آخَرُوْنَ یَخْضِبُوْنَ بِالسَّوَادِ۔ یہ حدیث پاک پہلے بیان کر دی گئی ہے۔ ترجمہ۔ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ نشانی ہے کہ آخری زمانوں میں مسلمان (یعنی خطباء واعظین اور ان کی دیکھا دیکھی عوام) بڑی خوشی خوشی کالا خضاب لگایا کریں گے (جہاد کے لیے نہیں بلکہ عورتوں کو دکھانے پھنسانے کے لیے) مگر یہ سوچ لیں کہ چار دن کی حرام عیاشی سے پھر جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکیں گے ۲ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰہُ

اِلَیْہِ۔ ۲۔ مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ سَوَّدَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ۔ ۴۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ غَیِّرُوْا وَلَا تُغَیِّرُوْا بِالسَّوَادِ۔ ان چاروں فرمانوں کا معنیٰ یہی ہے کہ اے دنیا میں کالے خضاب سے منہ کالا کرنے والو، قیامت میں منہ کالا کیا جائے گا اور خضاب کے کالے چہرے کو رب تعالیٰ دیکھے گا بھی نہیں۔ اگر خضاب کرنے کا ہی شوق ہو تو سرخ وغیرہ کرو کالا ہرگز نہ کرو۔ ۳۔ امام علامہ ملا علی قاری کالے خضاب کے بارے اپنا مذہب اس طرح بیان فرماتے ہیں چنانچہ جمع الوسائل شرح شمائل جلد اوّل ص۹۵ پر ہے۔ وَشَیْبُہٗ اَحْمَرُ۔ اور آپ کا بڑھاپا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے والے چند سفید بال مبارک جب راوی نے دیکھے تو وہ سرخ کئے گئے تھے۔ اس بات سے ملا علی قاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سفید بالوں کو سرخ کرنا جائز ہے اگرچہ کسی خوشبو سے ہو۔ کیونکہ سرخ رنگ سے بڑھاپا چھپتا نہیں دور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے بال سفید ہیں کسی کو دھوکا نہیں لگتا۔ اور دھوکہ دینا حرام ہے اسی لیے کالا خضاب حرام ہے۔ جمع الوسائل ص۹۰ پر ہے ثَبَتَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ کَانَ یَصْفِرُ لِحْیَتَہٗ وَلٰکِنْ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ۔ (الخ) وَفِی الْفَائِقِ ھُوَ نَبْتٌ یُخْلَطُ مَعَ الْوَسْمَۃِ لِلْخِضَابِ الْاَسْوَدِ۔ فَاِنَّ الْخِضَابَ بِھِمَا یَجْعَلُ الشَّعْرَ اَسْوَدَ۔ وَقَدْ صَحَّ النَّھْیُ عَنِ السَّوَادِ۔ ترجمہ۔ عبد اللہ ابن عمر پیلا خضاب اور صدیق اکبر سرخ خضاب (حنا وکتم) ملا کر لگاتے تھے۔ فائق (کتاب) میں لکھا ہے کہ کتم ایک پودہ ہے اس کے پتے جب وسمہ سے ملائے جائیں تو کالا خضاب بن جاتا ہے۔ (اسی لیے صدیق اکبر وسمہ سے نہ ملاتے تھے بلکہ مہندی سے ملاتے تھے تاکہ سرخ رنگ چڑھے نہ کہ سیاہ) کیونکہ صحیح احادیث میں سیاہ خضاب سے سخت منع فرمایا گیا۔ ملا علی قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔ قَدْ صَحَّ النَّھْیُ عَنِ السَّوَادِ۔ فرما کر اپنا مذہب بیان فرما دیا کہ ممانعت صحیح احادیث سے ثابت ہے اور احادیث ہی مومن مسلمان کا مذہب ہے ۴۔ جمع الوسائل کے حاشیے پر۔ علامہ عبد الرؤف مناوی کی شرح شمائل ہے۔ علامہ مناوی علیہ الرحمۃ مصری کے اپنے مذہب میں بھی کالا خضاب حرام ہے۔ چنانچہ شرح

مناوی جلد اوّل صفحہ ۹۰ پر ہے۔ فِیْ مُسْلِمٍ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ کَانَ یَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ وَعُمَرُ بِالْحِنَّاءِ وَحْدَہٗ۔ فَفِیْہِ اِشْعَارٌ بِاَنَّ اَبَا بَکْرٍ کَانَ یَجْمَعُ بَیْنَھُمَا لَا بِالْکَتَمِ الصِّرْفِ الْمُوْجِبِ لِلسَّوَادِ الصِّرْفِ لِاَنَّہٗ مَذْمُوْمٌ ترجمہ۔ صدیق اکبر صرف کتم کا خضاب نہ لگاتے تھے۔ اس لیے کہ صرف کتم کا خضاب صرف سیاہ کرتا ہے۔ اور وہ کالا خضاب شریعت میں مذموم ہے یعنی قابل نفرت اس عبارت سے دو بزرگوں کے مذہب کا پتہ لگا ایک صدیق اکبرؓ کا مذہب اور دوسرے امام عبدالروٴف مناوی کا مسلک۔ دونوں کے مذہب ہیں کالا خضاب مذموم قابل نفرت ہے۔ اور قابل نفرت چیز حرام ہی ہوتی ہے ۵ امام اہل سنت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا مذہب بھی یہ ہی ہے کہ کالا خضاب لگانا مسلمانوں کو حرام ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف جلد سوم میں فرماتے ہیں پیری نور الٰہی است و تغیر نورِ الٰہی بظلمت مکروہ و وعید درباب خضاب سیاہ شدید آمدہ (الخ) خضاب بسواد حرام است۔ ترجمہ بڑھاپے کے سفید بال اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور ہے اور نور کو سیاہی سے بدلنا مکروہ تحریمی۔ اور احادیث ہیں کالے خضاب لگانے کے لیے عذاب و قہر کی بہت شدید وعیدیں آئی ہیں لہٰذا کالا خضاب حرام ہے ۶ کالے خضاب کے حرام اور ناجائز ہونے کے بارے ہیں فتاویٰ عالمگیری کا اپنا مذہب چنانچہ جلد پنجم صفحہ ۳۵۹ پر ہے۔ اِتَّفَقَ الْمَشَائِخُ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَّ الْخِضَابَ فِیْ حَقِّ الرِّجَالِ بِالْحُمْرَۃِ سُنَّۃٌ وَاَنَّہٗ مِنْ سِیْمَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَلَامَاتِھِمْ وَاَمَّا الْخِضَابُ بِالسَّوَادِ۔ فَمَنْ فَعَلَ ذَالِکَ مِنَ الْغُزَاۃِ لِیَکُوْنَ اَھْیَبَ فِیْ عَیْنِ الْعَدُوِّ فَھُوَ مَحْمُوْدٌ مِنْہُ اِتَّفَقَ عَلَیْہِ الْمَشَائِخُ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَنْ فَعَلَ ذَالِکَ لِیُزَیِّنَ نَفْسَہٗ لِلنِّسَاءِ وَیُحَبِّبَ نَفْسَہٗ اِلَیْھِنَّ فَذَالِکَ مَکْرُوْہٌ وَعَلَیْہِ عَامَّۃُ الْمَشَائِخِ وَبَعْضُھُمْ جَوَّزَ ذَالِکَ مِنْ غَیْرِ کَرَاھَۃٍ۔ (الخ) پھر آگے ارشاد ہے وَعَنِ الْاِمَامِ اَنَّ الْخِضَابَ حَسَنٌ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ وَالْوَسْمَۃِ وَلَا بَأْسَ بِغَالِیَۃِ الرَّأْسِ وَاللِّحْیَۃِ وَنَتْفُ الشَّیْبِ مَکْرُوْہٌ لِلتَّزْیِیْنِ لَا لِتَرْھِیْبِ الْعَدُوِّ وَکَذَا نُقِلَ عَنِ

الْاِمَامِ۔ ترجمہ ۔ تمام مشائخ علیہم الرحمۃ کا اس مسئلے میں اتفاق ہے کہ مسلمان مردوں کے لیے صرف سرخ رنگ کا خضاب لگانا ہی سنت (قولی) ہے اور یہ سرخ خضاب مسلمانوں کی نشانی و علامت بن چکی ہے ۔ لیکن کالا خضاب تو وہ صرف غازیوں کے لیے اس لیے جائز ہے کہ دشمن کفار کی نظر میں جوان اور طاقتور نظر آئیں ۔ اور تمام مشائخ علیہم الرحمۃ نے متفقہ طور پر میدان جہاد میں کالا خضاب لگانا محمود اور جائز رکھا ہے ۔ لیکن جو شخص عورتوں کو اپنی جوانی دکھانے کے لیے کالا خضاب لگائے گا یا اپنے آپ کو عورتوں کے سامنے پسندیدہ بنا سنوار کر آنے کے لیے کالا خضاب لگائے گا اس کے لیے کالا خضاب مکروہ تحریمی ہے یہ مسلک عام مشائخ اسلام کا ہے یعنی اس پر عام مشائخ کا اتفاق ہے ۔ ہاں کسی ایک بعض شخص نے ان میں سے اس کالے کو بغیر کراہت کے جائز بھی کہدیا ہے (مگر اس بعض کا کوئی اتہ پتہ نام نسبت معلوم نہیں) آگے لکھتے ہیں ۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خضاب صرف وہی حسن اور شرعاً جائز ہے جو مہندی کتم ۔ وسمہ سے ملا کر بنایا و لگایا جائے ۔ اور ایسا سرخ خضاب سر اور داڑھی پر لگانا شریعت میں اس کا کوئی مضائقہ نہیں یعنی جائز ہے ۔ اور بڑھاپے کے بالوں کو اکھیڑنا میدان جہاد میں جائز ہے مگر عورتوں کے لیے زینت کی نیت سے مکروہ تحریمی ہے (کیونکہ یہ دھوکے بازی ہے)، ۲ فتح الباری شرح بخاری دسویں جلد ص ۳۵۴ پر مطبوعہ بیروت میں ہے ۔ مسئلہ اسْتِثْنَاءِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ لِحَدِيْثَیْ جَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَاِنَّ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ رَخَّصَ فِيْهِ فِي الْجِهَادِ وَمِنْهُمْ مَنْ رَخَّصَ فِيْهِ مُطْلَقًا وَاَنَّ الْاَوْلٰى كَرَاهَتُهٗ وَجَنَحَ النَّوَوِيُّ اِلٰى اَنَّهٗ كَرَاهَةُ تَحْرِيْمٍ (الخ) وَمَا قَالَهٗ خِلَافَ مَا يَتَبَادَرُ مِنْ سِيَاقِ الْحَدِيْثَيْنِ ۔ (الخ) ثُمَّ ۔ قَالَ فَمَنْ كَانَ فِيْ مِثْلِ حَالِ اَبِيْ قُحَافَةَ اِسْتَحَبَّ لَهُ الْخِضَابُ لِاَنَّهٗ لَا يَحْصُلُ بِهِ الْغُرُوْرُ لِاَحَدٍ وَمَنْ كَانَ بِخِلَافِهٖ فَلَا يُسْتَحَبُّ فِيْ حَقِّهٖ (الخ) وَقَدْ نُقِلَ عَنْ اَحْمَدَ اَنَّهٗ يُحِبُّ وَعَنْهُ يُحِبُّ فَلَوْمَرَّةً وَعَنْهُ لَا اُحِبُّ لِاَحَدٍ تَرْكَ الْاِخْضَابِ وَيَتَشَبَّهُ بِاَهْلِ الْكِتَابِ وَفِي السَّوَادِ

كَالشَّافِعِيَّةِ رِوَايَتَانِ. اَلْمَشْهُوْرَةُ يُكْرَهُ - وَقِيْلَ يَحْرُمُ وَيَتَأَكَّدُ الْمَنْعُ لِمَنْ دَنَسَ بِهٖ. ترجمہ۔ کالے خضاب کی حرمت علیحدہ ثابت اور مستثنیٰ ہوئی ہے حضرت جابر اور حضرت ابن عباس کی دو حدیثوں سے، اور بے شک علما میں سے کسی نے تو صرف جہاد کے موقعہ پر کالے خضاب میں اجازت دی ہے اور ان میں سے ہی کسی نے مطلقاً اجازت دی ہے۔ اور بے شک (بلا شبہ) بہترین مسئلہ کالے خضاب کے مکروہ ہونے کا ہے اور امام نووی نے تو اسی پر زور دیا ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے۔ لیکن — لیکن جن غیر معروف لوگوں نے کالے خضاب کی اجازتِ مطلقہ کے بارے میں کچھ باتیں کہیں ہیں وہ سب اُن دو حدیثوں کے سیاق وسباق کے خلاف ہے۔ جو ذہن میں اُن احادیث سے جلدی سمجھ میں آتا ہے۔ (اس لیے وہ سب اقوال غلط وخلافِ حدیث ہیں) تمام احادیث کے قرائین کا انطباقی ثمرہ ونتیجہ یہ ہے کہ جن کا بڑھاپا یعنی سفید بال ابو قحافہ کے حال کی مثل ہو اس کو تو خضاب لگانا مستحب ہے کیونکہ اُن کا خضاب کسی کو دھوکہ نہیں دیتا اور جو حضرت ابو قحافہ کے حال جیسا نہ ہو اُس کو خضاب لگانا مستحب ہی نہیں ہے امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ خضاب لگانا پسندیدہ چیز ہے خواہ عمر میں ایک ہی بار لگائے اور امام احمد سے یہ روایت بھی ہے کہ میں خضاب چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ اور اہلِ کتاب کی مشابہت بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن کالا خضاب تو اس کے بارے میں امام احمد کی بھی دو روایتیں ہیں امام شافعی کی طرح۔ ایک روایت میں امام احمد نے کالے خضاب کو مکروہ تحریمی فرمایا ہے۔ یہ روایت مشہور ہو چکی ہے دوسری روایت میں کہا گیا ہے کہ کالا خضاب حرام ہے۔ اور امام احمد کالے خضاب کو بڑی سختی اور تاکید سے منع فرماتے تھے اُن کو جو اُس کالے سے ملوث ہو (ص ۵) سراج منیر شرح جامع صغیر جلد دوم ص ۹۲ پر اور جلد اوّل ص ۲ اپنا مسلک لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عام اور جمہور مشائخ کالے خضاب کو حرام سمجھتے ہیں اور جمہور علما کا مذہب ہی صاحبِ کتاب کا مذہب ہوتا ہے نیز اِسی شرح میں کالے خضاب کو بفرمانِ نبوت فرعون کا خضاب ثابت کیا گیا ہے۔ مصنف صاحب مرحوم اِس بات سے بہت ناراض ہیں کہ مشتمر اینڈ کمپنی نے کالے خضاب والے کو

فرعون کا پیروکار کہا ہے بھلا نقل سے پیروکاری کیسے ہوگئی۔ مگر اسی اپنی کتابچی کے صلا پر ثابت کر رہے ہیں کہ صحابہ کرام کے عمل کے مطابق عمل کرنا اُن کی پیروی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔ دوسری حدیث شریف میں ارشاد فرمایا۔ اِقْتَدُوا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ۔ اس کا ترجمہ کرتے ہیں ان دونوں کی پیروی کرو جو میرے بعد وَالیِ امت ہوں گے ابوبکر وعمرؓ یہاں یہ حدیث لانا اسی خضاب کے مسئلے کے لیے ہے گویا کہ ابوبکر صدیق اور فاروقِ اعظم کی طرح خضاب لگانا اُن دونوں کی پیروی ہے تو مشتہر اینڈ کمپنی کا کہنا بھی یہ درست ہے کہ پھر کالا خضاب لگانا فرعون کی پیروی ہے یہی وجہ ہے کہ کسی نبی کسی صحابی کسی تابعی تبع تابعی اور تا ابندم کسی عالم پیر ولی غوث و قطب نے کالا خضاب نہ لگایا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا صلا طبقات جلد ۵ صلا ابن سعد کا مسلک ہم پہلے دلیل ۵ میں بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے حدیث بیان فرمائی کہ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ کالے خضاب سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ یہ حدیث پاک بہت لحاظ سے صحیح ہے اور سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کو اعلیحضرت مجدد بریلوی نے اپنی کتاب حک العیب میں دلیل بنایا ہے۔ ملا طبرانی کبیر کو ہم تلاش نہیں کر سکے کیونکہ مصنف نے اس کا کوئی اتہ پتہ تحریر نہ کیا نہ مصنف کا نام لکھا نہ جلد نمبر نہ صفحہ نمبر۔ طبرانی دو تین قسم کی مشہور ہیں پتہ نہیں یہ کونسی طبرانی ہے اور کس مسلک و مذہب کی ہے۔ ہمارے مصنف مرحوم خود بھی اس کے حوالے سے کالے خضاب کے جواز پر مفاد حاصل نہ کر سکے۔ صرف مطلقاً خضاب کا ہی تذکرہ نقل فرمایا ہے۔ ملا فتاوی شامی نے اپنا مسلک اس طرح بیان فرمایا چنانچہ شامی شرح دُرِّ مختار جلد پنجم ص۲۹۵ پر ہے۔ وَمَذْھَبُنَا اَنَّ الصَّبْغَ بِالْحِنَّاءِ وَالْوَسْمَةِ حَسَنٌ۔ وَاَمَّا الْخِضَابُ بِالسَّوَادِ لِلْغَزْوِ لِیَکُوْنَ اَھْیَبَ فِیْ عَیْنِ الْعَدُوِّ فَھُوَ مَحْمُوْدٌ بِالْاِتِّفَاقِ وَاِنْ لِیَزِیْنَ لِلنِّسَاءِ فَمَکْرُوْہٌ وَعَلَیْہِ عَامَّةُ الْمَشَائِخِ وَبَعْضُھُمْ جَوَّزَہٗ بِلَا کَرَاھَةٍ۔ ترجمہ۔ اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ بے شک مہندی اور وسمہ سے ملا ہوا خضاب ہی اچھا ہے۔ لیکن کالا خضاب صرف غازی کے لیے میدانِ جہاد میں جائز ہے تاکہ دشمن کافر پر

رعب پڑے مگر عورتوں کو دکھلاوے کے لیے خضاب سے سیاہ کرنا مکروہ تحریمی ہے اِسی پر جمہور مشائخ کا مذہب ہے۔ ہاں ایک عالِم نے عورتوں کو دھوکا دینے کے لیے لگانے کو بھی جائز کہا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہم نے ثابت کر دیا کہ جن کتب کا نام لے کر مصنّف نے عوام کو پھسلانے پریشان کرنے کی کوشش کی تھی کہ اُن کتابوں کے مصنفین بھی کالے خضاب کو جائز کہتے ہیں، وہ سب کتابیں خضاب سیاہ کو صاف صاف حرام لکھ رہی ہیں مصنّف صاحب کی چالاکی پاش پاش ہوگئی۔ اِن کتب سے مصنّف صاحب نے جن عبارتوں کو بیچ بیچ سے اُچکا ہے اُن کی تو صاحبِ کتاب تردید کر رہے۔ ہم نے پہلے بھی بیان کر دیا ہے کہ مذھبنا، اور مذھبی۔ ھٰذا حَسَنٌ ھٰذا صحیح۔ عَلَیْہِ عامۃ المشائخ مذھب الجمھور۔ عند الجمھور۔ یہ تمام اَلفاظ مصنّفِ کتاب کے اپنے مسلک کی دلیل ہوتے ہیں۔ واللہ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمْ۔ آخر میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کالے خضاب کی حرمت اور جواز کے دلائل میں واضح فرق یہ ہے کہ حرمت کی تمام دلیلیں جو ہم نے پیش کی ہیں وہ ۱؎ اَحادِیث مبارکہ کے واضح اور صاف فرمان اور شدید وعیدیں ہیں ۲؎ آئمہ اربعہ کا مذہب ہے ۳؎ جمہور فقہاءِ امت کا مسلک ہے لیکن جواز کے دلائل جو مصنّف مرحوم نے پیش کئے وہ ۱؎ اِنفرادی اَقوال عام اور غیر معروف راویان کے اپنے اپنے ہیں ۲؎ یا بعض صحابہ وتابعین کا صرف اپنا اپنا عمل ہے جس سے جواز کا دائمی فتوے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ذاتی عمل کئی خصوصی نوعیتوں کا ہو سکتا ہے مثلاً ۱؎ بوجہ جہاد جیسے کہ امام حسن رضؓ و حسینؓ نے صرف جہاد کے لیے لگایا ۲؎ کسی جسمانی بالوں کی بیماری کی بنا پر ۳؎ ذاتی ایک دفعہ ۴؎ خاص جگہ پہنچ کر۔ جیسے کہ میدانِ جہاد ۵؎ کسی مجبوری کی وجہ سے وغیرہ وغیرہ صحابہ وتابعین کا لگانا کسی ایسی ہی عارضی نوعیت کا ہو سکتا ہے۔ ورنہ وہ شمعِ رسالت کے پروانے اَحادیث کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں۔

وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

دوسرا فتویٰ۔ نعلین پاک کے نقشے پر بسم اللہ لکھنا یا۔ اللہ لکھنا یا کوئی آیت وحدیث شریف لکھنا شرعاً قطعاً ناجائز اور بے ادبی ہے۔ نہ دائیں نہ بائیں نہ نیچے نہ اوپر کہیں بھی اللہ تعالیٰ کا اسم پاک نہ لکھا جائے جو شخص جانتے بوجھتے سمجھتے عقل رکھتے ایسی گستاخی کرے وہ گمراہ ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ پاکستان کے ایک نوعمر بزرگ جیلانی صاحب نے آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشۂ نعلین پاک بہت کثیر تعداد میں چھاپ کر بہت سے شہروں میں شائع کیا ہے مختلف سائزوں میں اس کو مختلف قیمت سے فروخت کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جس کو لوگ تبرکاً خریدتے ہیں۔ ہم کو بھی بوجہ اہل سنت ہونے کے اس ہی نقشۂ نعلین پاک سے عقیدۃ و محبت واحترام ہے۔ لیکن جب ہم نے اس کو خریدا تو ہم خوفِ الٰہی سے کانپ گئے ڈر گئے کیونکہ جوتی مبارک کے نقشہ اور ارد گرد نیچے اوپر اللہ مولیٰ تعالیٰ کا نام اور قرآن مجید کی آیت پاک پوری بسم اللہ شریف لکھی تھی کچھ اشعار بھی تھے۔ یہاں کے سب لوگ جیلانی کی اس بات اور اس حرکت پر سخت ناراض ہیں۔ دیوبندی مولوی لوگ تو صاف کہتے ہیں کہ یہ شخص بریلوی ہے اور بریلوی سب ہی گمراہ اور گستاخ ہوتے ہیں ہم لوگ بریلوی اہل سنت ہونے کی وجہ سے اُن کی اس بات کا جواب نہیں دے سکتے۔ ابھی تک تو ہم لوگ وہابیوں کو گستاخ بے ادب کہہ کر عوام مسلمانوں کو ان سے بچایا کرتے دور ہٹایا کرتے تھے اب اُن کے ہاتھ نقشہ آگیا ہے اور وہ ہمارے عوام کے گھروں میں جا جاکر دکھاتے ہیں کہ دیکھو تم ہم کو بے ادب کہتے ہو دیکھو بریلویوں کی یہ گستاخانہ کفریہ حرکت۔ اور یہ بات عوام کے دل میں جلدی بیٹھ جاتی ہے۔ اور دیوبندیوں وہابیوں کی اس چرب زبانی سے عوام اہل سنت کے گمراہ ہونے کا سخت خطرہ ہے بلکہ بہت سے لوگ یہ نقشہ دیکھ کر توبہ کرتے اور ہم سے نفرت اور طعن وتشنیع کرتے ہیں چونکہ اس علاقے میں ہم ہی چند احباب اہل سنت بریلوی

جماعت کے مبلغ مشہور ہیں اس لیے ہم ہی اُن کے طعنوں اور بُری بھلی باتوں کی زد میں آتے ہیں۔ اس نقشے کی وجہ سے اب تو ہماری اپنی جماعت میں گروہ بندی اور انتشار پیدا ہوتا جا رہا ہے غرضکہ جیلانی کی اس حرکت نے معاشرے میں فساد کا بیج بو دیا ہے۔ جس سے سخت پریشانی ہے مجبور ہو کر ہم سب کے مشورے سے آپ کی خدمت عالیہ میں عرض گزار ہیں کہ ہم کو شریعتِ اسلامیہ کا ٹھوس مضبوط مکمل اور مدلّل بدلائلِ قرآن وحدیث فتویٰ عطا فرمایا جائے اور بتایا جائے کہ پاکستان کے یہ بزرگ صاحب آپ نے اس کام میں صحیح ہیں یا غلط اگر غلط ہیں تو کیا یہ جیلانی شخص جو اس وقت بہت سے لوگوں کا پیر بھی بنا ہوا ہے گمراہ ہے یا جاہل۔ اور ایسے شخص کو اپنا رہنما پیر مرشد یا امام بنانا جائز ہے یا نہیں ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا منع۔ آپ ہمیں جاندار جلد پہلی فرصت میں جواب عطا فرمائیں ہم اس فتوے کو انشاء اللہ تعالیٰ پورے پاکستان میں شائع کریں گے۔ بینوا توجروا۔

دستخط سائل۔ بندہ غلام علی توکلی مجددی ساکن حال راولپنڈی ۱۱/۵/93

و دیگر سائلان

(نوٹ) یہ سوال تین جگہ سے ہمارے پاس آیا ہم نے یہی جواب سب کو اسی کی نقل دی۔

بعون العلام الوھاب

الجواب

قانون شریعت کے مطابق نقشۂ نعلین پاک جس کو مدت دراز سے بہت معتبر تاریخی روایات کے مطابق آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جوتی مبارک سے مشابہتی نسبت دی جاتی ہے اور جس کے حقیقی دلائل میں ایک دلیل یہ بھی تجربہ شدہ ہے کہ اس کے توسل سے بارگاہِ الٰہیہ میں بہت سی دعائیں قبول ہوئی ہیں۔ اور بہت سے مشکل کام بآسانی انجام پذیر ہوئے۔ بلکہ اس نقشۂ نعلین پاک کا توسل اسلامی استخارے کے لیے بھی اکسیر ثابت ہوا ہے۔ اور یہ صرف عقیدت کی بات نہیں حقیقت کی انتہا

تک پہنچی ہوئی ہے جس کا تحریری ثبوت نامہ یہ ہے کہ پیشواءِ دیابنہ مریدِ ازمریدانِ تھانوی شیدا ءِ ابنِ قیم جناب اشرف علی صاحب تھانوی وہابی ہونے کے باوجود نقشۂ نعلین پاک کے توسل کے قائل مجرب ہونے کے معترف ہیں۔ یہ نقشہ سرورِ کائنات کی جوتی مبارک کے مشابہ ہونے کی وجہ سے رؤس المومنین ومقبولِ المسلمین کے لیے تاجِ رفعتِ شاہانہ ہے۔ حضرت مولانا حسن رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے توصرف اصل استعمالی جوتی پاک کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ۔

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاک حضور تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

مگر ہم جیسے محروماں حرماں نصیبوں کے لیے یہ نقشۂ مبارک جو کسی بھی کاتب کے قلم اور کسی بھی پریس کی طباعت سے فوٹو ہو۔ تاج داریٔ تاج بلکہ مجرب مشکل کشا اور حاجت روا ہے بلکہ صحابہ تابعین تبع تابعین علما ائمہ مشائخ اولیا غوث وقطب ابدال واوتاد کے لیے بھی یہ نقشۂ نعلین پاک وسیلۂ عظمیٰ ہے اور باعث قرب بارگاہ اسی لیے سب پر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تشبیہی نسبت کا احترام واجب ہے بعض بزرگان علیہم الرضوان تو اس کو بے وضو ہاتھ بھی نہیں لگاتے کیا شان کمال ہے نسبتِ تشبیہی کی کہ ایک کاتب ایک مصور اپنے قلم سے چند لکیریں ڈالتا ہے اور وہ لکیریں نقشۂ نعلینِ پاک بن جاتا ہے تو وہی نقشہ عین اصلِ نعلین مبارک کی طرح اہلِ ایمان غوث وقطب کے سروں کا تاج بن جاتا ہے۔ یہ کیوں ہے صرف اس لیے کہ ہر چیز کا نقشہ اصل چیز کی مثل حکم رکھتا ہے۔ اور دینِ اسلام میں تو مشابہت نسبت کا بہت ہی دخل ہے۔ یہاں تک کہ انسان حیوان جمادات ونباتات۔ بلکہ قوانینِ اسلامیہ کے حلال حرام جائز ناجائز تعظیم وتحقیر۔ اعلیٰ ادنیٰ۔ گھٹیا بڑھیا۔ عزت وذلت دنیا وآخرت غرض کہ ہر چیز میں مشابہت اصل کے ساتھ ساتھ ایک ہی حکم میں ملتی ہے۔ چنانچہ مشکوۃ شریف کتاب اللباس فصل دوم ص۳۷۵ پر بحوالہ مسند احمد اور ابوداؤد شریف ہے وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں جس

قوم کی مشابہت کی وہ اسی قوم میں شمار کیا جائے گا یعنی جو شخص اپنے اعمال وافعال کردار اخلاق لباس چال ڈھال ذھن پر جس شخص کا نقشہ بنائے گا مذہبی یا رواجی وہ مشابہت کرنے والا شخص اسی مشبہ شخص کے حکم اور مثل میں شمار ہوگا مثلاً ایک کافر ہر وقت مسلمانوں جیسا بنا رہتا ہے تو رب تعالیٰ کو اُس کی یہ ادا محبوب ہو جاتی ہے اور آخر کار اس کو ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی نعوذ باللہ مسلمان ہو کر سکھ یا ہندو یا عیسائی کی طرح طرزِ زندگی بنا لیتا ہے اپنے کسی بھی طریقے سے اسلام ظاہر نہیں کرتا تو شرعاً قانوناً رواجاً ظاہراً عیاناً اس کو اسی قسم کا غیر مسلم ہی سمجھا جائے گا اور اُس کے لباس کلام کی وجہ سے اس کو اُسی قوم پر قیاس کر کے اُس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے قہر الٰہی سے اس کا قلب بھی اسی کے مشابہ کر دیا جائے۔ یا کم از کم لعنت کا مستحق تو ہو ہی جائے گا (العیاذ باللہ تعالیٰ) چنانچہ بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۸۷۴ پر ہے۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ الْمُتَشَبِّھِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ۔ ترجمہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرما دی اُن مردوں پر جو اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ بنائے رکھیں ثابت ہوا ان دونوں حدیثوں سے کہ شریعت میں کسی کا نقشہ بنانا اور اُس کی مشابہت اختیار کرنا اُسی کے حکم میں ہے اسی ناجائز مشابہت پر اور ناجائز نقشے پر لعنت کی وعیدِ شدید وارد ہوئی یہ بھی ثابت ہوا کہ نقشہ کو اصل پر ہی قیاس کیا جائے گا۔ اگر اصل اعلیٰ ہے تو نقشہ بھی اعلیٰ اور اصل حقیر شمار کیا جاتا ہے تو اس کا نقشہ فوٹو تصویر بھی حقیر ہی ہوگا۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں مثلاً اگر کوئی پنسل سے چند لکیریں بنائیں اور وہ لکیریں پھول کا نقشہ بن جائیں تو اُس کاغذ کو ہر شخص پسند کرتا ہے سر اور چشم۔ تکیے اور دیواروں پر سجاتا ہے بلکہ کاغذ کے پھولوں کے ہار گلے میں ڈالے جاتے ہیں اسی طرح اگر کوئی نقشہ نویس چند لکیریں ڈالے اور وہ لکیریں کسی حیوانی انسانی چہرے کا ناک نقشہ بن جائے تو وہ نقوش حرام ناجائز بنانے والا گناہگار جہنمی اور وہ نقشہ مومن کے گھر دکان مسجد میں ٹانگنا سجانا سخت منع اُس کی تعظیم حرام مثل شرک اُس کے سامنے نماز پڑھنا باطل

جس گھر میں ہو بارشادِ حدیث مقدسہ رحمت کے فرشتے نہ آئیں جس کمرے میں ایسی فوٹو ٹنگی ہو اُس میں نماز مکروہ۔ ذکر تلاوت ختم ایصال ثواب درست نہ ہو۔ آخر کیوں اس چند لکیری نقشے کا کیا قصور ہوا کہ اتنی برائیاں نمودار ہوگئیں صرف یہی کہ وہ بت اور مورتی کا نقشہ ہے اور نقشے کو اصل ہی کا نام دیا جاتا ہے اور ان جاندار نقشوں کی وجہ سے وہ مُصوِّر اور فوٹو گرافر بُت تراش و بُت کش و بُت ساز مانا گیا اور وہ تصویروں سے سجا ہوا کمرہ یا گھر مندر و بتخانہ بن گیا یہ صرف شریعتِ پاک ہی کے احکام و قانون نہیں بلکہ عرفِ عام میں نقشے کو اصل کا نام دیا جاتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد دھم ص۴۵ مطبوعہ اکیڈمی المجدد رضا دار العلوم مجددیہ کراچی میں مجدد بریلوی فرماتے ہیں۔ اور حرام جانور کی تصویر میں ایک تشنیع دیدنسبت کھانے والے کی طرف ہوگی کہ اہلِ عرف تصویر کو اصل ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تو مثلاً تصویر کا کتا کسی نے کھایا تو اسے یہی کہا جائے گا کہ فلاں شخص نے کتا کھایا۔ (الخ) یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ کسی شخص نے اعلیحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مسئلہ پوچھا کہ کچھ دکان دار لوگ شکر کے کھلونے بناتے ہیں جن میں حرام حلال جانوروں کی مورتیں تصویریں بناتے ہیں تو کیا یہ تصویریں مسلمانوں کو خریدنی اور کھانی جائز ہیں یا نہیں۔ اعلیحضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تصویر کو اصل ہی کا نام دیا جاتا ہے۔ ان تمام دلائل عقلیہ نقلیہ عرفیہ سے ثابت ہوا کہ ہر نقشہ کو اصل پر ہی قیاس کیا جائے گا۔ لہٰذا نقشہ نعلین کو بھی جوتی ہی کا حکم دیا جائے گا اور دنیا بھر میں جس کسی کی جوتی کا جو مقام ہوگا اُس کے نقشہ کو بھی وہی مقام دیا جائے گا۔ مثلاً شاگرد کے لیے اُستاد کی مرید کے لیے پیر کی بیٹے کے لیے والد کی والدہ کی جوتی کا جو احترام ہے وہی اُس کے نقشے کا بھی اور ان تمام سے بڑھ کر اُمتی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی جوتی مبارک کا جو احترام ہے وہی ان کے نقشۂ نعلین کا ہے بلکہ اصل جوتی کا درجوں زیادہ مرتبہ ہے اس کے نقشے سے اس طرح جو جوتی جس کے لیے حقیر ہے اس کے لیے اس کا نقشہ بھی حقیر کیونکہ بقول اعلیحضرت نقشے کو اصل ہی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ بلا نسبت ہر جوتی حقیر ہی ہوتی ہے خواہ وہ نئی ہو یا پرانی استعمالی

ہو یا غیر استعمالی۔ اُن کی عزت صرف ان کے لیے ہی اُن کی نسبت کی بنا پر ہوتی
ہے جو شخصیات لوگوں کے لیے قابلِ عزت ہوں یعنی نبی ولی عالم استاد شیخ کی
نعلین صرف امتی مرید شاگرد کے لیے ہی محترم ہوگی نہ کہ ان سے بڑے کے لیے
نسبت کی بھی کیا نرالی بات ہے کہ ایک چمڑے سے کچھ حصہ کاٹ کر قرآن مجید کی جلد
بنادی تو غوث وقطب اس کو چوم رہے ہیں اور اسی چمڑے کے کچھ حصہ سے جوتی
بنادی تو ہر نظر میں حقیر و ذلیل۔ اور قرآن کریم کے قریب لانا تو درکنار کسی عظیم دینی
یا دنیوی انسان کے قریب بھی نہیں لائی جاسکتی۔ کتنی عام سی بات ہے کاغذ کے پھول
بنا کر کسی کے گلے میں ڈالا تو اُس کی عزت افزائی ہے اسی کاغذ کی جوتی کا نقشہ
گلے میں ڈالا تو تحقیر و تذلیل۔ ان عام فہم شرعی منقولی معقولی حدیث وفقہ کے دلائل
کی بنا پر ہی ہم نے اس استفتاء کے مختصر جواب سے جیلانی صاحب کو آگاہ کرتے
ہوئے نصیحت کی کہ نقشۂ نعلین پاک پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا سراسر گستاخی اور
گمراہی ہے اس لیے اس فعلِ شنیع سے باز آجاؤ اور آئندہ کے لیے توبہ کرو۔
نقشہ ضرور چھاپو مگر بالکل سادہ بغیر کسی تحریر آیات واسماءِ الٰہیہ کے۔ مکمل فتویٰ
لکھنے سے پہلے ہم نے ان کو تین وجوہ سے سمجھانا ضروری جانا۔ پہلی وجہ یہ کہ
محترم جیلانی صاحب اگرچہ عمر میں بقولِ خود اُن کے مجھ سے بہت ہی چھوٹے ہیں
مگر میں ان کا اس لیے بہت احترام کرتا ہوں کہ فی زمانہ وہ اس وقت خدمتِ
اہل سنت میں بہت عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ
سچے محسنِ اہل سنت ہیں رب تعالیٰ نے ان کی بہت بڑی ڈیوٹی لگائی ہے میں اُن
کے لیے اکثر محافل ومجالس میں طولِ بقا کی دعا کرتا ہوں۔ اس انتشار وافتراق و
خلفشار کے دورِ بے تمیزی میں ان کی ذات والا صفات نوجوانانِ اہل سنت
کے لیے سایۂ عاطفت ہے۔ میری اُن سے ایک ملاقات ایک دفعہ ہی ہوئی ہے
میں نے ان کو خلوص وانکسار عجز واحترام کا پیکر پایا اُسی ملاقات میں جیلانی صاحب
نے مجھ سے فرمایا کہ یہ ہماری دوسری ملاقات ہے بقول جیلانی صاحب پہلی ملاقات
سنہ ۱۹۷۴ء جنوری میں کراچی بندرگاہ پر اُس وقت ہوئی تھی جب ہمارے استاد
محترم نے ہم سے فرمایا کہ دنیاءِ اہل سنت کے مفکرِ اسلام حضرت حکیم الامت

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان حج سے واپس آرہے ہیں اُن کی زیارت اور اُن سے دعا کے لیے بحری اڈے پر چلنا ہے ہم چند طالب علم مع استاد محترم آپ کی زیارت سے بندرگاہ پر مشرف ہوئے اور آپ نے سب سے ملاقات و دعا کے بعد میرے متعلق فرمایا تھا کہ اس طالب علم کے جسم سے مجھ کو مدینہ منورہ کی خوشبو آتی ہے۔ تو حضرت قبلہ آج میں وہی جیلانی ہوں۔ یہ تھے وہ الفاظ جو جیلانی صاحب نے اپنی یادداشت کے مطابق پہلی ملاقات کے بارے میں بتائے۔ اگرچہ مجھے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ اس لیے آج ان استفتا کے جواب سے پہلے احتراماً اُن کو آگاہ کرنا ضروری تھا۔ کہ انسان آخر انسان ہے غلطی اور لغزش یا کسی وجہ سے دھوکہ کھانا انسانی فطرت ہے اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِّنَ الْخَطَأِ وَالنِّسْیَانِ کے مصداق سمجھانا فرض بنتا ہے دوسری وجہ۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جیلانی صاحب کو اس حرکتِ نازیبا اور فعلِ بیہودہ کا علم نہ ہو اُن کی بغیر اجازت اُن کے عملے نے ایسا کیا ہو اس لیے ہمارا یہ خط اُن کے علم میں لانے کی ایک اطلاع بن جائے اور فتویٰ لکھنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ تیسری وجہ۔ بطورِ مفتی بر اسلام ہونے کے مجھ پر فرض بنتا ہے کہ سائل مدعی نے اپنی استفتا میں جس کو مدعیٰ علیہ بنایا ہو اس کے خلاف شرعی فیصلہ و فتویٰ اسلامیہ جاری کرنے سے پہلے اس کو مطلع کرنا بحکمِ شریعت لازم و واجب ہے۔ تاکہ اسلامی جج مدعیٰ علیہ کے موقف سے بھی واقفیت حاصل کرے اور اس کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقعہ ملے۔ کیونکہ یک طرفہ فتویٰ دینا ظلم اور گناہ اور مفتی کی جہالت ہے ایسے یک طرفہ فتویٰ دینا ظلم حق تلفی کی بنا پر عدالتِ اسلامیہ کے وقار کو مجروح کرتے اور گمراہی پھیلاتے ہیں خاص کر مفتیانِ اسلام کو اس زمانے میں لازماً یک طرفہ فیصلوں فتووں سے بچنا چاہیے مدعی کا بیان غلط و اتہام ناجائز بھی ہوسکتا ہے۔ ہم نے اپنا یہ اطلاعی خط مع اپنے شرعی موقف کے بذریعہ مستفتی جیلانی صاحب کو بھیجا جس کا جواب بہت دنوں کے بعد ممبئی کے دو غلط فتووں کے ساتھ اور جیلانی صاحب کا ایک اپنا خط ہم تک پہنچا۔ جس کے طرزِ تحریر میں تین انداز اختیار کیے گئے پہلا اندازِ احترام دوسرا انداز جذباتی و غصیلا تیسرا اپنے پر لگے ہوئے اتہام کا اعتراف

اور اُس کی صحت پر غیر علمی عقلی فکری ضد اور اصرار اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے گستاخ موقف پر کمزور دلائل جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل سطور میں کچھ اس طرح ہے ۔ا بمبئی کا فتویٰ ۔ا بمبئی کے کسی طالب علم نے فتویٰ لکھا کہ نقشۂ نعلین پاک پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا جائز ہے دلیل یہ ہے کہ دیکھو یہاں انڈیا میں اخبار چھپتے ہیں جن میں اکثر ایسے اشتہارات چھپتے رہتے ہیں کہ مکمل عام جوتوں کا نقشہ تصویر بنی ہوتی ہے اور جوتوں کے دکاندار نے اُس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا انشاء اللہ تعالیٰ لکھوایا ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اخبار کے ایک طرف جوتے کا اشتہار بمع تصویر ہوتی ہے اور دوسری طرف بالمقابل اسی جگہ یعنی جوتے کے تلے کے نیچے کسی دوسرے مضمون یا اشتہار میں کوئی آیت یا اللہ کا نام لکھا ہوتا ہے۔ جب یہ جائز ہے تو نعلین پر کیوں ناجائز ہوگا۔ دوسرا فتویٰ ۔بمبئی ہی کے کسی نووارد سے اِن ہی جیلانی صاحب نے لکھوایا جس میں بھی اِس گمراہ وگستاخی کو جائز کہتے ہوئے دلیل یہ لکھی کہ دیکھو تابوت سکینہ میں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے ۔ اِس میں توریت کی تختیاں بھی تھیں اور موسیٰ وہرون علیہما السلام کی جوتیاں بھی تھیں ۔جس سے ثابت ہوا کہ توریت کی تختیوں پر جب وہ جوتیاں رکھنا جائز ہے تو نقشۂ نعلین پر اللہ کا نام یا آیت کیوں ناجائز ہوگا۔ اس کے بعد جیلانی صاحب کا خط مختصراً اس طرح ہے ۔سگِ مدینہ جیلانی کی جانب سے نبیرۂ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت وغیرہ وغیرہ وغیرہ اقتدار احمد خان صاحب دامت . . . کی خدمت میں مرکزِ تجلیات مدینۃ المرشد بریلی شریف کی پُر بہار فضاؤں کی برکتوں سے مالا مال جھومتا ہوا اسلام ۔اس خط کے پورے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے۔ مدینہ ،مدینہ، مدینہ ، مدینہ ، مدینہ غالبًا سگِ مدینہ سے مراد بھی مدینۃ المرشد ہے اور تمام حاشیے سے مراد بھی مدینۃ المرشد ہے۔ حالانکہ باادب علما فرماتے ہیں کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر پاک کا نام جب سے مدینہ (المنورہ) رکھا گیا ہے اُس کے بعد سے کسی بھی شہر کا نام مدینہ رکھنا یا مدینہ کہنا اخلاقًا جائز نہیں یہ تقویٰ قلبی ہے اور اگر جیلانی صاحب کی مراد سگ مدینہ ۔اور حاشیہ کے مدینہ مدینہ سے مراد بلدُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو پھر اُس بلدِ مقدس کو مدینہ منورہ کہنا واجب ہے صرف مدینہ کہنا یا لکھنا گستاخی

اور بے ادبی ہے خفیفت ہے کہ یہ سب کیاں کمزوریاں علمی فقدان عقلی معدومی کی وجہ سے ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ آپ کی ایک تحریر کا عکس موصول ہوا جس میں تمثالِ نعلِ اقدس پر اسماءِ الٰہیہ۔ لکھنے کو آپ نے گمراہی و کفریہ عقیدت اور گستاخی بے ادبی قرار دیا ہے اس کے جواب میں سگِ مدینہ نے یہ فتاوٰی حاصل کئے ہیں اور میرے پاس مندرجہ ذیل دلائل اس کے جواز پر موجود ہیں۔ (الخ) خیال ہے کہ نقشۂ نعلین کو جیلانی صاحب نے نعلِ اَقدس کا لقب دیا ہے حالانکہ کسی بھی جوتی کو اگرچہ وہ اصل جوتی ہو جو اپنی بڑی عظیم نسبت میں نقشے و تمثال سے درجوں بلند ہے اس لیے کہ نسبت کا جو قرب اصل استعمالی جوتی کو حاصل ہے وہ نقشے و تمثال کو حاصل نہیں اُس کو بھی اَقدس یا مقدّس کہنا جائز نہیں خود آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ تعالٰی وسلم کی جوتی شریف کو اُقدس یا مُقدّس کہنا جائز نہیں یہ مسئلہ قرآنِ مجید کی اس آیت کریمہ سے مستنبط ہوا۔ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی۔ (الخ) پ۱۶ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲ ترجمہ اے موسٰی اپنی جوتیں اتار دو، بے شک تم مقدّس وادیِ طوٰی میں ہو۔ ہمارا یہ استدلال اس آیتِ کریمہ کے اقتضاءُ النص سے ہے یعنی موسٰی علیہ السّلام کی اصلی جوتی شریف جس کو قربِ نبوت کی نسبت کا شرف بہت زیادہ حاصل اور موسٰی علیہ السّلام خود بھی نبی مُرسَل اُولُوالعَزم صاحبِ کتاب کلیم اللہ رسولُ اللہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہیں مگر اُن کی نعلین شریف مقدّس اور اقدس نہیں۔ بلکہ وادی مقدّس ہے اس لیے اتروائی گئی وادی کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے یعنی یہ جوتی وادی کے لیے معزز نہیں ہے۔ اس طرح دیگر انبیا بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین پاک یا تمثال کو مقدّس کہنا جائز نہیں اَقدس تو اُس سے بھی زیادہ بڑا لقب ہے، ہاں پاک طاہر مطہر، مکرّم محترم، شریف کا لقب دیا جانا چاہیئے۔ وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب محترم جیلانی صاحب آگے لکھتے ہیں۔ پہلے مجھ کو تم سے بہت عقیدت اور محبت تھی اور میں تم کو علمی گھرانے کا ایک صاحبِ علم شخصیت سمجھتا تھا مگر تمہارے تمثالِ نعلینِ شریف پر اللہ کا نام اور قرآن کی آیت لکھنے کو گستاخی بے ادبی کہنے سے اور مجھ کو منع کرنے سے میری دل سے تمہاری ساری عقیدت ختم ہوگئی۔ اس سے آگے جیلانی صاحب اپنے دلائل لکھتے ہیں۔ دلیل (۱) فاروقِ اعظم نے صدقہ وزکوٰۃ

کے جانوروں کی رانوں پر حُبِیْسٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ داغ فرمایا تھا۔ جب جانوروں کی رانوں پر اللہ کا نام لکھنا جائز تو جوتی شریف کے نقشہ پر بھی جائز حالانکہ رانوں پر لید پیشاب گوبر جیسی پلیدی کا زیادہ احتمال بلکہ وقوع یقینی اور جانور بذاتِ خود بھی حلال و حرام ہوتے ہیں مثلاً اونٹ گائے بکری اور گھوڑا، خچر، گدھا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نقشۂ نعلین پر بدرجۂ اولیٰ جائز ہوا۔ ہاں البتہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی جاتی کہ آپ کی جوتی شریف پر نامِ الٰہی یا بسم اللہ شریف لکھی جائے تو پسند نہ فرماتے۔ دلیل نمبر ۲ دارمی میں بروایت مالک بن اسمٰعیل عَنْ مَنْدَلْ بِنْ عَلِیِ اَلْعَنْزِیْ عَنْ جَعْفَرْ بِنْ اَبِی الْمُغِیْرَہْ عَنْ سَعِیْد بِنْ جُبَیْر ہے کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا انہوں نے کاغذ پر ایک مضمون لکھنا شروع کیا کاغذ کم پڑ گیا تو انہوں نے بقیہ مضمون کے لیے میری جوتیوں کو اُلٹا کیا اور جوتیوں کی پشت پر لکھا۔ یہ جوتیں سعید بن جبیر کے استعمال میں تھیں اور پہنکر آئے تھے دلیل نمبر ۳ اصلی استعمال جوتی پر نقشہ اور قلم سے بنے ہوئے تمثال کو قیاس کرنا قیاس مَعَ الْفَارِق ہے۔ جو یقیناً غلط ہے۔ اصل جوتی مبارک پر لکھنا منع ہے مگر نقشۂ نعلین پر نام الٰہی لکھنا جائز ہے۔ دلیل نمبر ۴ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے ہماری نیت اِس لکھنے سے بسم اللہ شریف کی توہین کرنا نہیں۔ بس یہ تھیں وہ کمزور بیکار اور خود اِن کے اپنے اس غلط عقیدے کے لیے نقصان دِہ دلیلیں جن کے سہارے پر انہوں نے اِس بے ادبی گستاخی کا ارتکاب کیا۔ اور اپنے ان چار دلائل میں یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ یہ دلائل انہوں نے کہاں سے اخذ یا نقل کئے ہیں ان دلیلوں کو دیکھ کر کم از کم ہم نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے مخاطب جیلانی صاحب جاہل یا بے علم کم عقل نہیں ماشاءاللہ پڑھے لکھے اور صاحبِ نظر ہیں عربی دینی کتب زیر مطالعہ ہیں رہا دلائل سے لغزش کھا جانا تو یہ ایک انسانی فطرتی کمزوری ہے۔ بہر حال ہم اُن کے اِس خط سے ان کی علمیت کے معترف ہو گئے تھے اور غالباً نسبت دلائل کی پردہ پوشی سے یہی علمی دھاک بٹھانا ان کا مقصد تھا وہ ان دلائل میں حق بجانب تھے مگر اُن کو دلائل کی کمزوری کا احساس نہ ہوا حالانکہ یہ مسئلہ بڑا نازک ہے عظمت الٰہیہ کا معاملہ ہے ورنہ ہم بھی اِن سے درگزر کر جاتے مگر کاتِمُ الْعِلْمِ مَلْعُوْنٌ کی وعید یاد ہے کہ کم علم تو لغزش کرتے ہی ہیں لیکن علماء سے بھی چشم

پوشیاں اور لغزشیں ہو جاتی ہیں خواہ آں ہوں یا ماو شما۔ لیکن جُہلا و علماء میں فرق یہ ہے کہ بے علم اپنی لغزش پر ضد و اصرار کرتا ہے جب کہ علماءِ حق پسند رجوع سے آخرت سنوارتے ہیں اسی فکر کی بنیاد پر ہم نے اِس جوابُ الجواب خط اور دونوں فتووں کی علمی فکری استدلالی کمزوریاں ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ چند آیات و احادیث اور تاریخی واقعات سے یہ ثابت کرتے ہوئے اُن کو پھر خط لکھا کہ ہمارے ان دلائل کی روشنی میں اسماءِ باری تعالیٰ کے ساتھ اور آیتِ قرآنِ مجید سے ایسا گستاخانہ سلوک اور بے بے ادبانہ برتاؤ کرنا آپ کو جہنم کی آگ سے نہ بچا سکیں گے اور آپ کے یہ سب دلائل اور فتوی میدانِ قیامت و قبر و حشر میں کام نہ آسکیں گے اپنے اسی ہی خط میں ہم نے اپنے جیلانی صاحب پر کچھ سوالات بھی قائم کیے اور لکھا کہ یا ان سوالات کے جوابات دے کر اپنی کمزوریوں کی مضبوطی ثابت کرو اور یا آئندہ کے لیے اس طرح کی گستاخی بے ادبی سے توبہ و رجوع فرماؤ۔ اور صرف سادہ صاف بغیر کچھ لکھے نقشہ طبع فرمایا جائے۔ اور ہم نے اُن کو اپنے اِس دوسرے خط میں یہ بھی لکھا کہ آپ اِس کے جواب میں جلدی نہ فرمائیں بلکہ اچھی طرح اپنے ہم خیال تمام علما فقہا سے مشورہ کر کے جواب لکھیں بلکہ ہم کو بھی ہمارے سوالات و اعتراضات کی کمزوریوں سے آگاہ و مُطلع فرمائیں بحمدہٖ تعالیٰ مجھ کو کسی موقعہ پر آپ ضدی یا متعصب نہ پاؤ گے نہ مجھ کو حق کی جانب رجوع سے شرمساری ہوتی ہے۔ یہ میرا ذاتی مسئلہ نہیں بلکہ حرمتِ اسماءِ مقدسات و عزتِ آیاتِ مطہرات کا سوال ہے۔ ہمارے اس خط کے جواب میں بہت دنوں کے بعد جیلانی صاحب کا جواب تشریف لایا جس کا مختصر خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔ جناب مولوی اقتدار احمد صاحب سلام مسنون میرے خط کا جواب بھیجے ۵ جمادی الاول سنہ ۱۴۱۴ھ میرے نام وصول ہوا جس میں میرے بھیجے ہوئے فتاویٰ اور میرے خط میں لکھے ہوئے دلائل کا آپ نے رد کرتے ہوئے مزید کچھ عقلی دلائل دئیے ہیں اور کچھ مجھ پر سوالات کئے ہیں جواباً عرض ہے کہ میں نے جو دلائل لکھے تھے وہ دراصل میرے نہیں بلکہ امام اہل سنت عظیم البرکت مجددِ دین و ملت پروانۂ شمع رسالت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرحمٰن کے فتاوی رضویہ جلد دہم ص ۵۰ سے نقل کر کے

بھیجے تھے اگر یقین نہ آئے تو میں اس صفحہ کا فوٹو کاپی ساتھ ہی بھیج رہا ہوں اگر اب بھی یقین نہ آئے تو خود فتاوی رضویہ بعینہٖ ملاحظہ فرمالیں۔ مگر حیرت بالائے حیرت کہ حکیم الامت علیہ الرحمۃ کے صاحب زادے ہوکر اور متصلب سنی ہونے کے باوجود ایک سنی کا رد کرتے ہوئے مجدد ملت امام اہل سنت کے دلائل نقلیہ کا اپنے براہین عقلیہ سے رد کرنا شروع کر دیا اور صفحات بھر ڈالے۔ عالی جاہ گستاخی معاف میں اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کے در کا ادنیٰ کتا ہوں لہٰذا فرمودات اعلیٰحضرت اور فتاوی رضویہ کے خلاف سننے سے میرے کان بہرے ہیں۔ ہم نے تو کوئی بات نہ کی ہماری یہ بحث تو خط و کتابت سے ہے اور لکھنے پڑھنے کا تعلق آنکھ سے ہے نہ کہ کان سے چاہئے تھا کہ لکھتے میری آنکھیں فتاوی کے خلاف سننے سے اندھی ہیں۔ اور حقیقت بھی ہے گویا کہ "صُمٌّ" کے ہونے کا اقرار اور "عُمْیٌ" ہونے کی حقیقت۔ اور توہین الٰہی سے توبہ نہ کرکے "بُکْمٌ" ہونے کا لسانی ثبوت۔ اور یہ صفات اللہ تعالیٰ نے جس کی فرمائی ہیں اس کو وہ خوب جانتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) (در کا ادنیٰ کتا) ہونے سے سمجھ آگیا کہ سگ مدینہ سے مراد بھی سگ مدینۃ المرشد ہے۔ میں اس سے پہلے کسی اور نسبت سے سمجھتا تھا مگر ایک دوست نے اس خط کو پڑھ کر یہ نکتہ سمجھایا۔ (واللہ اعلم) اگر آپ نے نقشہ نعلین پر اللہ کا نام لکھنے کو منع اور حرام کہا یا اس کو گستاخی کہا تو اہل سنت کی رسوائی اور جگ ہنسائی ہوگی۔ خدارا جذبات کی رو میں بہکر مغلوب الغضب ہوکر اہل سنت کی رسوائی کا باعث نہ بنو آپ کی اس تحریری ضد سے اہل سنت کی جگ ہنسائی ہوگی اور سنیت اس وقت جس نازک دور سے گزر رہی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں۔ بالفرض اگر مجدد ملت اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کے فتوی سے بھی آپ کا دل مطمئن نہ ہو۔ تب بھی سکوت ہی میں عافیت ہے (خلاصہ یہ کہ اعلیٰحضرت اور فتاوی کی گستاخی بے ادبی ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اور ہم اللہ کا نام با آیت قرآن مجید جوتی شریف کے نقشہ پر لکھیں تو تم چپ رہو اور سکوت کرو ہم کو مت روکو اگر اس کو گستاخی سمجھتے ہو تو بھی برداشت کرو چپ رہو) اللہ آپ کے سینے کو مدینہ (مدینۃ المرشد) بنائے میں امید کرتا ہوں آئندہ میرے خلاف اور

نقشۂ نعلین کے خلاف جواب جارحانہ نہیں بھیجو گے۔ فقط والسّلام مع الاکرام ایک سنی۔
اس خط میں جیلانی صاحب نے ہمارے اُن سارے دلائل کو جن میں قرآنِ مجید کی آیت حدیثِ پاک اور عباراتِ فقہاءِ کرام تاریخی واقعات کو یہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ سب عقلیات ہیں۔ اور جو دلیلیں اُن کے فتووں اور خود ان کی تحریریں تھیں جن کو بعد میں مجددِ ملت کی طرف منسوب فرمایا اُن پر جو سوالات و اعتراضات قائم کئے تھے ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب ان کے کسی ساتھی نے آج تک نہ دیا اور انشاء اللہ نہ دے سکتے ہیں اور یہی ان کے دلائل کی کمزوری ہے۔ ہم نے ان کو سمجھاتے ہوئے پھر جوابی خط بھیجا کہ دیکھو اس گستاخانہ بے ادبانہ حرکت سے باز آجاؤ۔ اگر میرا یہ اعتراض اور تحریرًا سمجھانا جنگ ہنسائی بقول آپ کے بن رہا ہے تو آپ کی یہ حرکت بے ادبانہ جنگ رلائی اور اہل سنت کے خلاف مخالفین کی بدزبانی اور سنیوں کی بدنامی شرمندگی کی باعث بن رہی ہے جیسا کہ مستفتی نے اپنے استفتا میں حالات بیان کئے۔ اور جہاں جہاں یہ نقشۂ نعلین شریف پہنچا وہاں وہاں جیلانی صاحب کے اِس غیر شرعی عمل و گستاخانہ بے ادبانہ تخریب کاری نے فساد فی الامت پیدا کر دیا۔ اور بھی ہر طرح سمجھایا گیا مگر اس خط کا ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔ اور نہ ہی انکار توبہ یا رجوع شائع ہوا نہ انہوں نے جوتی شریف کے نقشہ پر اللہ تعالیٰ کا نام اور قرآنِ مجید کی آیت و بسم اللہ شریف لکھنا ترک کیا۔ بلکہ سنا گیا ہے کہ کسی سے انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بعض لوگ نقشۂ نعلین پاک پر بسم اللہ اور اللہ کا نام لکھنے کو ناجائز کہہ رہے ہیں وہ بے عقل ہیں ان کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ یہ نقشہ کتنی معزز معظم جوتی پاک کا ہے۔ اور کتنی عظیم الخلائق ہستی کی جوتی ہے۔ یہ تمام خط و کتابت اور ہمارے پاس استفتا کی وصولی ۹۳/۳/۱۱ کو ہوئی ہم نے بہت تحقیق و تفتیشی چھان بین سوچ و فکر، تدبر و تحمل اور آگاہی و اطلاعی وصیت و نصیحت کے بعد اور مخالف کے تمام دلائل و ضوابط نہایت غور و فکر تسلی و تشفی سے سننے کے بعد اتمام حجت کر لیا لہٰذا آج پورے ایک سال بعد مورخہ ۲۲ مطابق گیارہ محرم الحرام سنہ ۱۹۹۴ء ۶ سنہ ۱۴۱۵ھ بروز بدھ، مندرجہ ذیل سطور میں شرعی فتویٰ جاری کر رہے ہیں طریقہ کار

فتویٰ کا یہی ہوگا کہ پہلے اپنا موقف پھر اپنے دلائل پھر مخالف کی دلیلوں کا تردیدی جواب انشاءَ اللہ تعالیٰ۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللہِ۔ وَ ھُوَ الْمُسْتَعَانُ وَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

اَلْجَوَابُ

قانونِ شریعت کے مطابق جوتی شریف کا وہ نقشہ جو مشہور ہے کہ یہ آقائے کائنات حضورِ اقدس نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کا نقشہ ہے اُس پر اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کا نام لکھنا یا قرآن مجید کی آیت لکھنا خواہ بسم اللہ شریف ہو یا کوئی اور دوسری آیت ہو سخت ترین حرام حرام اشد حرام ہے اور اگر خدانخواستہ تحقیر کا ارادہ ہو تو لکھنے والا کافر ہے اور اگر لکھنے والا اپنی حماقت وجہالت سے اسماءِ الٰہیہ و آیت قرآنیہ کا درجہ و مرتبہ نقشۂ نعلین شریف کے برابر سمجھتا ہو یا کمتر تو وہ شخص گمراہ اور ضال و مُضل ہے۔ ایسے گمراہ اور گستاخ شخص کے پیچھے نماز پڑھنا غلط اس کو اپنا پیرومرشد یا رہنما تسلیم کرنا شرعًا منع اور ناجائز ہے اگر ایسا گستاخ اور بے ادب انسان توبہ نہ کرے ضد پر اڑا رہے تو جملہ مسلمانوں کو اس سے قطع تعلق لازم ہے۔ فی زمانہ پاکستان کے جس صاحب کے متعلق مستفتی مذکور نے یہ فتویٰ طلب کیا ہے اُس شخص سے اتمامِ حجت کرنے کے بعد مندرجہ ذیل دلائل قرآن مجید حدیث پاک فقہ اسلام اور حالات اولیاءُ اللہ کے واقعات کی روشنی میں یہ شرعی اسلامی قانونی فتویٰ جاری کیا جا رہا ہے اِس فتوے کی رو سے جو بھی اسماءِ الٰہیہ جوتی شریف کے نقشے پر لکھے وہ بدترین انسان ہے آخر دم تک اُسی سے توبہ کرائی جائے اُس کا چھاپہ ہوا یہ نقشہ فسادٌ فِی الْاَرْض ہے۔ ہم نے مدعیٰ علیہ کے دلائل میں فتاویٰ رضویہ کے حوالہ کی بنظرِ غور تفتیش کی وہ عبارت تو پانچ سطور میں واقعی محرّر ہے مگر اُسی فتاویٰ کے سیاق وسباق سے ظاہر و بیّن ہو رہا ہے کہ اعلیٰحضرت جیسی باادب ہستی اِس قسم کا جواز نہیں فرما سکتے اور خود اسی پانچ سطری عبارت کا ایک ایک لفظ

پکار پکار کر فرما رہا ہے کہ یہ تحریر مجددِ بریلوی کی نہیں ہے یقیناً مرتبین وناشرین سے یہاں بہت کچھ سہو ہوا ہے۔ بہر کیف ہم آخر میں مخالفین کے دلائل کے تردیدی جواب کے دوران اس بات کا مکمل و مدلل ثبوت خود فتاویٰ رضویہ سے ہی پیش کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس بات کی پہلی دلیل کہ نقشۂ نعلین شریف پر قرآن کریم کی آیت مقدس یا اسماءِ الٰہیہ لکھنا قطعاً ناجائز ہے یہ بات کسی کی سمجھ سے دور نہیں کہ دنیا کی ہر چیز میں اس کا نقشہ تمثال اور شکل وصورت ہی اس چیز کی ہر حالت وکیفیت کی بنیاد ہے۔ اشیاءِ کائنات کو عزت کا مقام ذلت کا درجہ اعلیٰ ہونا ادنیٰ ہونا حلال ہونا حرام ہونا۔ حقیر ہونا معظم ہونا سب کچھ اُس کے نقشے اور شکل وصورت کی بنا پر ہے اور جو عزت ذلت حقارت وتعظیم شکل وصورت سے حاصل ہوتی ہے وہ دائمی اصلی اور اٹل ہوتی ہے استعمال یا غیر استعمال نئی یا پرانی ہونے کا اس توقیر وحقیر میں کوئی دخل نہیں۔ جو قدر و قیمت نئی پرانی ہونے کی وجہ سے ملتی وہ عارضی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک ہی چمڑے کی کھال سے ٹکڑا کاٹ کر جلد بنا دیا قرآن مجید سے لگا دیا دائمی عزت پا گیا۔ اسی کھال سے جوتی بنا دی دائمی ذلت وحقارت نصیب ہوئی اب اُس جوتی کو خواہ وہ کتنی نئی غیر استعمالی خوب صورت اور قیمتی ہو قرآن مجید کے اوپر نہیں رکھ سکتے بلکہ اُس کے ساتھ بھی نہیں رکھ سکتے بلکہ لگا کر قریب بھی مسجد وکعبہ میں نہیں پہنکر لا سکتے۔ اگرچہ کتنی ہی پاکیزہ ہو۔ یہ حقارت اس کو کیوں ملی صرف اُس کے نقشے کی وجہ سے۔ ایک ہی درخت کی لکڑی منبر یا بیٹھنے کا پٹلہ یا چڑھنے کا زینہ سیڑھی بنا لیا اب اس پر کوئی دینی کتاب بلکہ اردو فارسی عربی کے الفاظ وحروف والی عام دنیوی کتاب نہیں رکھ سکتے ہاں اس پر پیر رکھ سکتے ہو جوتی لا سکتے ہو۔ اسی طرح کوئی میز بنائی عام استعمال یا دفتر کے لیے مگر بوقت ضرورت اس پر پاؤں یا جوتا رکھ کر چڑھ کر بھی کچھ کام کر لیا جاتا ہے اب اس میز پر قرآن مجید اور احادیث کی کتب نہیں رکھ سکتے لیکن اگر اسی درخت کی لکڑی سے رحل بنالی تو اب تاقیامت اس پر پاؤں یا جوتی نہیں رکھی جاسکتی خواہ ابھی اس کو قرآن مجید کے لیے استعمال کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس طرح کی ہزار ہا مثالیں ہیں ایک ہی لکڑی ایک چمڑے کے ٹکڑوں

سے یہ امتیازی سلوک کیوں صرف اُن کی شکل وصورت اور نقشے کی بنا پر ہے۔ اس طرح ایک ہی جسم انسانی کے اعضا چہرہ ہاتھ پاؤں منہ متھا سر کمر بازو اور پیر قدم اپنی اپنی شکل وصورت بناوٹ کی بنا پر ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے ہاتھ منہ ماتھا سر قرآن مجید سے لگا سکتے ہیں مگر پیر قدم قرآنِ مجید سے یا کسی بھی اُردو عربی حروف والی کتاب وتحریر سے نہیں لگا سکتے بلکہ قریب بیٹھ کر بلند اونچا تک نہیں کر سکتے۔ وہ پیر خواہ کسی صحابی تابعی کا ہو یا کسی غوث وقطب ابدال اوتاد افرادِ عالم پیر فقیر کا ہو چنانچہ دیگر فقہاءِ کرام کے علاوہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاوی رضویہ جلد دہم ص۴۵ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔ سوال یہ کہ۔ بعض استاد چارپائی پر بیٹھے یا لیٹے رہتے ہیں اور شاگرد کتابیں لئے ہوئے جن میں بسم اللہ شریف اور آیت قرآنیہ ہوتی ہیں وہ نیچے چٹائی پر بیٹھے رہتے ہیں یہ فعل کیسا ہے اور وہ کتابیں قابلِ تعظیم ہیں یا نہیں اور شروع پر بسم اللہ لکھنے سے کلام الناس ہو جاتی ہے یا کلام اللہ۔ الجواب ہمارے علما تصریح فرماتے ہیں کہ نفسِ حروف بھی قابلِ ادب ہیں اگر چہ جُدا جُدا لکھے ہوں۔ یہ حروف تہجی خود کلامُ اللہ ہیں کہ ہُود علیہ السّلام پر نازل ہوئے۔ کتابِ دینی پر تو دوات رکھنی بھی منع ہے اِلّا بالضرورۃ اور فقہا تصریح فرماتے ہیں کہ اگر کسی صندوق یا الماری میں کتابیں رکھی ہوں تو ادب یہ ہے کہ اُس کے اوپر کپڑے نہ رکھے جائیں۔ ھٰکذا فی عالمگیریہ۔ تو کیونکر ادب ہوگا کہ کتابیں نیچے رکھی ہوں اور آپ اوپر بیٹھیں کیا ایسے لوگوں کو بے ادبی کی شامت سے خوف نہیں۔ اور آیتِ قرآنی پر بے وضو ہاتھ لگانا اور رکھنا منع۔ مکروہ ہے۔ اب میں جیلانی صاحب سے امام اعلیٰحضرت کی زبان میں ہی پوچھتا ہوں کہ تم کو جوتی کی نوک پر اسماءِ الٰہیہ لکھتے ہوئے بے ادبی کی شامت سے خوف نہیں۔ کان ادب منبعِ احترام مصدرِ تعظیم مجدّدِ عظیم امام احمد رضا نے اس طرح ادب سکھایا کہ پیر تک اوپر نہیں کئے جا سکتے اگر چہ بعُد قریب ہی میں ہوں۔ جب یہ بات سمجھ لی تو یہ بھی سمجھ لو کہ ہر چیز کی تصویر۔ تمثال۔ فوٹو۔ نقشہ اپنی اصل ہی کے درجہ اور نام پر ہوتا ہے جیسا کہ ابھی کچھ سطور پہلے ہم نے اعلیٰحضرت کے فتاوی رضویہ جلد دہم ص۴۵ سے ہی حوالہ دیا تھا کہ اہلِ عرف تصویر کو اصل ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یعنی کتے کی تصویر کو کتا ہی کہا جائے گا۔ یہ

قیاس مع الفارق نہیں ہوگا۔ بس یہی ہم کہتے ہیں کہ نقشہ نعلین کو بھی نعلین ہی کہا جائے گا۔ اگر جوتی اور نعلین شرعاً عرفاً۔ عقلاً۔ نقلاً۔ رواجاً۔ اخلاقاً اپنی علت نمائی کے اعتبار سے حقیر ہے تو اس کی تمثال بھی بقول اعلحضرات حقیر ہی ہوگی اگر نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی مبارک پر اللہ تعالیٰ کا اسم مقدس لکھنا ناپسند فرماتے تو یقیناً اس طرح نقشۂ نعلین مبارک پر بھی ناپسند فرماتے۔ اور خیال رہے کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی چیز کو پسند نہ فرمانے کا نام ہی حرام ہونا ہے۔ فتاویٰ رضویہ دسویں جلد کی ان تمام عبارات سے ثابت ہوا کہ نقشۂ نعلین پاک پر بسم اللہ شریف یا اسماءِ الٰہیہ لکھنا حرام قطعی ہے۔ یہ تمثالِ نعلین پاک صرف اہل ایمان اور عالم مخلوق کے لیے تاجِ عظمت ہے نہ کہ اسماءِ الٰہیہ کے لیے یا آیتِ قرآنیہ کے لیے۔ مردود ازلی ہے جو اس فرق کو نہ سمجھ سکے۔ ہر جوتی میں تقریباً چار چیزیں ہوتی ہیں ۱۔ چمڑہ ۲۔ سلائی کا دھاگہ ۳۔ چھوٹی کیلیں ۴۔ جوتی کا نقشہ شکل وصورت جس کی وجہ سے کسی چیز کا نام رکھا جائے وہ اُس چیز کی شکل وصورت اور نقشہ ہوتا ہے۔ اُسی کو علتِ غائی کہتے ہیں تو ہر جوتی کی علتِ غائی جسنے جوتی کو جوتی کا نام دیا وہ جس کی وجہ سے چمڑہ دھاگہ کیلیں وغیرہ مل ملا کر جوتی کہلائیں وہ اس کا نقشہ اور صورت ہے۔ علت غائی یعنی نقشہ جہاں بھی پایا جائے گا جس چیز کا بھی بنا ہوگا اس کو جوتی ہی کہا جائے گا ہر چیز کا یہی حال ہے۔ یہ بات نہ چمڑے میں ہے نہ دھاگے اور کیلوں میں اس لیے وہ علت نمائی نہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ جہاں چمڑہ لگا دو یا موٹا دھاگہ یا چھوٹی کیلیں وہ جوتی بن جائیں اس کا نام جوتی ہو جائے۔ چمڑے دھاگے سے تو اٹیچی کیس بٹوے جلدیں بہت سی چیزیں بنتی ہیں مگر ان کو جوتی نہیں کہا جاتا۔ اس لیے یہ علت نہیں اور نام سے ہی اشیا کی عزت ذلت ہے خواہ چمڑے پر ہو لکڑی پر یا کاغذ پر کسی کے سر پر قیمتی نئی جوتی رکھ دو یہ اُس کی ذلت ہے کاغذ کے پھولوں کا سستا سا ہار گلے میں ڈال دو یہ اُس کی عزت ہے یہ تمام کیفیات نقشے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اتنی صاف اور اہم و آسان بات بھی اگر کوئی سمجھ نہ سکے تو یقیناً اُس کے دل پر شیطان کا قبضہ ہے۔ حیرت ہے کہ جیلانی صاحب کو فتاویٰ رضویہ کے اول صفحات کی یہ باادب ایمان افروز عبارتیں نظر نہ آئیں اور نفس امارہ نے کہاں صفحہ ۱۱۹ کا راستہ دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ہی بے ہدایتوں کو ہدایت دینے والا ہے شیطان و

ونفس سے بچانے والا ہے۔

دوسری دلیل۔ قرآن مجید میں باری تعالیٰ عز اسمہٗ ارشاد فرماتا ہے وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ (سورۃ فتح پ۲۶ آیت ۹) ترجمہ اے مسلمانوں اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کی مدد کرو اور تعظیم کرو۔ یعنی قرآن مجید حدیث پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رب تعالیٰ کی ذات وصفات اسماءِ الٰہیہ اسماءِ نبوت احکام شرعیہ وغیرہ سب کی تعظیم اور ہر طرح عزت کرو۔ اس کی تفسیر میں روح المعانی نے پارہ ۲۶ ص۹۶ پر فرمایا۔ كَمَا رُوِيَ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَرْفُوْعًا وَاَخْرَجَهٗ جَمَاعَةٌ عَنْ قَتَادَةَ وَالتَّعْزِيْرُ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ وَنُصْرَتُهٗ سُبْحَانَهٗ بِنُصْرَةِ دِيْنِهٖ وَرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ترجمہ۔ اے مسلمانو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد اور اس کے حبیب آقائے کائنات محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعاون کرو توقیر و احترام وادب کرو۔ وَتُوَقِّرُوْهُ اور اللہ کی ذات وصفات اسماء و آیات کلمات و فرمودات کی ہر وقت عزت و توقیر کرو۔ تفسیر صاوی جلد چہارم ص۸۲ پر ہے۔ وَيُؤْخَذُ مِنْ هٰذَا اَنَّ مَنِ اقْتَصَرَ عَلٰى تَعْظِيْمِ اللّٰهِ وَحْدَهٗ اَوْ عَلٰى تَعْظِيْمِ الرَّسُوْلِ وَحْدَهٗ فَلَيْسَ بِمُؤْمِنٍ بَلِ الْمُؤْمِنُ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ تَعْظِيْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَتَعْظِيْمِ رَسُوْلِهٖ وَلٰكِنَّ التَّعْظِيْمَ فِيْ كُلٍّ بِحَسْبِهٖ... تفسیر نیشاپوری جلد ۱۱ پارہ ۲۶ ص۵۴ (بیروتی) وَقَالَ جَارُ اللّٰهِ اَلضَّمَائِرُ كُلُّهَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَتَعْظِيْمُ اللّٰهِ۔ تَعْظِيْمُ دِيْنِهٖ وَرَسُوْلِهٖ۔ اور تفسیر طبری جلد یازدھم پارہ ۲۶ آیت ۹ ص۴۷ پر ہے۔ فَاَمَّا التَّوْقِيْرُ فَهُوَ التَّعْظِيْمُ وَالْاِجْلَالُ وَالتَّفْخِيْمُ۔ ترجمہ۔ یہاں تُوَقِّرُوْهُ کی واحد مذکر ضمیر سے یہ مسئلہ لیا گیا ہے کہ جس شخص نے صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہ کی وہ بھی مومن نہیں اور جس نے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی اللہ تعالیٰ کی تعظیم نہ کی وہ بھی مومن نہیں۔ بلکہ مومن وہ ہے جس نے اپنے مقام پر دونوں کی تعظیم کی اور لیکن تعظیم ہر ذات وصفات میں ان کی شانِ ارفع کے حساب سے ہو۔ ۔ ۔ اور فرمایا امام جار اللہ نے اس آیت کی تمام ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہی اس کے دین کی اور اس کے پیارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے...... اور توقیر

وعزت یہ ہے کہ اس کی ہر چیز کو بلند و بالا اور جلال و ہیبت والا اور اونچے مقام والا سمجھا جائے۔ اب بتائیے کیا نعلین پر یا اُس کے نقشے پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا یا آیت لکھنا اس کی تعظیم و توقیر ہے اور پھر یہ تو عام محاورہ بھی ہے کہ جس کی بے عزتی اور تحقیر مقصود ہو۔ اُس کے لیے کہا جاتا ہے کہ میں تو اُس کو جوتی کی نوک پر رکھتا ہوں۔ فلاں کو جوتی برابر سمجھا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہاں لندن میں ابھی چند ماہ پیشتر ایک عیسائی نے اپنی ایک فیکٹری کے ایک مضبوط جوتے پر۔ علی۔ لکھوا دیا تھا۔ تو یہاں کے باغیرت مسلمان چیخ پڑے تھے اور اس کی دکان کو آگ لگا دی تھی جس میں یہ جوتے بکنے رکھے گئے تھے۔ اور اس کو معافی مانگنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اُس نے یہ کہتے ہوئے معافی مانگی کہ مجھ کو پتہ نہیں تھا کہ یہ نام مسلمانوں کے لیے بڑی یعنی بہت قابلِ تعظیم ہے میں نے تو محمد علی کلے کی قوت کی نسبت سے بطور اشتہار نام رکھا تھا۔ اسی کا نام مومن کی غیرت ایمانی ہے۔

تیسری دلیل۔ سورۃ اعلیٰ کی پہلی آیت۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ (الخ) کی تفسیر میں۔ تفسیر صاوی والے فرماتے ہیں جلد چہارم ص۲۶۱) سَبِّحْ بمعنی نَزِّهْ۔ وَتَنْزِيهُ الْأَسْمَاءِ عَدَمُ ذِكْرِهَا بِالْأَسْمَاءِ الَّتِي تُوهِمُ نَقْصًا بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ لَيْسَ بِمُتَعَيَّنٍ بَلْ كَمَا تُنَزَّهُ الذَّاتُ يُنَزَّهُ الْاِسْمُ اَيْضًا وَمِنْ جُمْلَةِ تَنْزِيهِ الْاَسْمِ اَنْ لَا يُذْكَرَ فِي مَوْضِعِ الْاَقْذَارِ بَانْ يُذْكَرَ عَلٰى وَجْهِ التَّعْظِيمِ وَالتَّفْخِيمِ ترجمہ۔ سبّح کا معنی تعظیم و تکریم ہے اور اسماءِ الٰہیہ کی تعظیم یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے اسماءِ مقدسہ کو ایسے طریقہ اور ایسے لفظوں سے نہ ذکر کیا جائے کہ جس سے نقص اور بے حرمتی کا وہم ہو۔ کوئی بھی صورت اور طریقہ معین نہیں بلکہ کوئی بھی گھٹیا طریقہ اسماءِ الٰہیہ کے لیے استعمال نہ کیا جائے ہونا یہ چاہیے کہ جس طرح ذاتِ رب تعالیٰ کی تعظیم واجبوں سے زیادہ واجب ہے اور ذاتِ مولیٰ عزّوجلّ کی تعظیم کی جاتی ہے اسی کی طرح اسماءِ الٰہیہ کی بھی توقیر و تعظیم احترام و اہتمام کیا جائے اور تعظیم کیا جائے تمام قسموں اور صورتوں طریقوں میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی ذاتی یا صفاتی نام مقدس کو کسی کمتر جگہ یا گھناؤنی جگہ پر نہ لکھا جائے نہ بولا جائے۔ اور ہمیشہ ہر حالت میں تعظیم اور تفخیم کے طریقے سے ذکر کیا

جائے اور اسماءِ ربانی کو ہر اعتبار سے بزرگ و برتر ثابت کیا جائے۔ کمتری کا شائبہ بھی نہ ہو۔ تفسیر طبری میں ہے کہ تشبیح امر وجوبی ہے یعنی ہر مسلمان پر بلکہ خود آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ پر بھی اسماءِ الٰہیہ کا احترام واجب ہے کیونکہ اسماءِ الٰہیہ اسماءِ صفات ہیں اور صفت عینِ ذات ہے۔ اس لیے تفسیر صاوی شریف نے کما تنزّہ الذات کی مماثلت بیان فرمائی۔ تو گویا اسماءِ پاک کی توہین ذات پاک کی توہین بلکہ اعلحضرت کی طرف اس منسوب شدہ عبارت میں یہ جملہ کہ اگر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی جاتی کہ نام الٰہی یا بسم اللہ شریف حضور اقدس کے نعل پاک پر لکھی جائے تو پسند نہ فرماتے۔ یہ عقل وعلم والے مومن کے لیے تو اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔ کیونکہ علم والے جانتے ہیں کہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناپسندیدگی ہی کا نام کراہتِ تحریمی اور حرام ہے جس کو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند فرما دیں وہ ہی شریعت اسلام کا حرام اشد حرام ہے مگر یہ عقلاً فضلاً علماً کی بات ہے بہروں گونگوں اندھوں کی نہیں۔ اور پھر حیرت در حیرت ہے کہ ایسی صریحی بے ادبی گستاخی اور توہین کو اعلحضرت مجدد ملت کے سر تھوپنا جن کے دستے آج ہم سب کو ادب واحترام کی خیرات مل رہی ہے۔ اور طرفہ یہ کہ ابھی بھی مجدد ملت کی محبت وعقیدت کا دعویٰ ہے یہ محبت نہیں احمقانہ دشمنی ہے۔ میرا بس چلے تو میں ایسے بدعقل جھوٹے دعویداروں سے قلم چھین لوں۔

چوتھی دلیل۔ فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم مطبوعہ امجدیہ کراچی ص۵۷۴ پر ہے۔ الجواب۔ دالخ) حدیث میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ کَانَ یُحِبُّ اَنْ یَّعْلَمَ مَنْزِلَتَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ فَلْیَنْظُرْ کَیْفَ مَنْزِلَۃُ اللّٰہِ عِنْدَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ یُنْزِلُ الْعَبْدَ مِنْہُ حَیْثُ اَنْزَلَہٗ مِنْ نَفْسِہٖ۔ جو یہ جاننا پسند کرے کہ اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ کتنا ہے وہ یہ دیکھے کہ اس کے دل میں اللہ کی قدر کیسی ہے۔ کہ بندے کے دل میں جتنی عظمت اللہ کی ہوتی ہے۔ اللہ اسی کے لائق اپنے یہاں اسے مرتبہ دیتا ہے۔ رَوَاہُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ وَالدَّارُقُطْنِیُّ فِی الْاَفْرَادِ عَنْ اَنَسٍ وَاَبُوْنُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَۃِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَعَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ۔ فتاویٰ رضویہ شریف

کی اس عبارت میں عظیم عبرت کا سامان ہے اگر کوئی سمجھے تو۔ اللہ تعالیٰ کا اسم مقدس جوتی کی نوک پر لکھنا اور جوتی کو اللہ کے اسم پاک سے زیادہ متبرک سمجھنا کیا یہی ایمان اور قدر دانی ہے۔ صَدَقَ اللّٰہُ مولٰنا العظیم۔ وما قدروا اللہ حق قدرہٖ۔ (انعام آیت ۹۱۔ حج آیت ۷۴ زمر آیت ۶۷)

پانچویں دلیل۔ تذکرۃ الاولیا طبع لاہور ص۱۱۶ پر ہے کہ۔ سرتاج الاولیاء حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ پہلے ایک عام سے آزاد منش آدمی تھے ایک مرتبہ کہیں سرِ راہ سڑک پر ایک پرچہ پڑا دیکھا جس پر بسم اللہ شریف لکھی تھی کانپ گئے فوراً اٹھایا اور خوفِ الٰہی سے رونے لگے اس کو صاف کیا چوما آنکھوں سے لگایا خوشبو لگائی اور پرچہ کو مخاطب کرتے جاتے روتے جاتے کہ اے پرچہ اے میرے خالق رازق محبوب رب تعالیٰ کے نام والے کاغذ یہ زمین یہ سڑک تیرا مقام نہیں یہ مجھ جیسے گندے مندے انسان کا مقام ہے تو تو عرش مقامی لوح قیامی ہے اور پھر کسی اونچی پاک ستھری جگہ رکھدیا۔ بس اِس ادب اور احترام بسم اللہ شریف کی وجہ سے تقدیر پلٹ گئی اس عمل کے صدقہ ان کو ولایتِ عظمیٰ کاملہ کا درجہ مل گیا اِس عمل تعظیم اسماءِ الٰہیہ کے طفیل ولی کامل بنا دیا گیا مسلکِ اہل سنت تو یہ کر رہا ہے خدانخواستہ اِن صاحب جیسے ہوتے تو اپنی جوتی میں رکھ لیتے اور جہنم کو سدھارتے

چھٹی دلیل۔ کتاب حضرات القدس دفتر دوم ص۱۱۳ مکاشفہ ۳۵۔ حضرت مجدد الف ثانی کا ایک واقعہ اس طرح درج ہے کہ۔ ایک دن قضاءِ حاجت کے لیے بیت الخلا گئے وہاں ایکبار دیکھا کہ مٹی کا ایک بڑا پیالہ جو ایک طرف سے ٹوٹا تھا۔ بھنگی اس کو اپنے استعمال میں لاکر اس سے کوڑا اٹھایا کرتا تھا۔ اس پر آپ کی بغور نظر پڑی تو دیکھا اس پر اللہ کا لفظ ایک طرف کندہ ہے اور پیالہ لتھڑا ہوا ہے۔ آپ نے لپک کر جلدی سے وہ پیالہ اٹھایا۔ اور خادم سے فرمایا کہ جلدی آفتابہ یعنی لوٹا بھر کر لاؤ۔ اور آپنے خود اپنے ہاتھوں سے اس کو خوب مَل مَل کر دھویا بالکل صاف ستھرا پاکیزہ کر دیا (کئی بار پانی سے دھویا سو کھایا) پھر اس کو ایک نہایت پاکیزہ سفید کپڑے میں لپیٹ کر کسی اونچی جگہ رکھدیا۔ اور آپ اسی میں پانی پیتے تھے۔ اسی اثنا میں ربّ العزت کی طرف سے آپ کو اِلہام فرمایا گیا کہ جس طرح تم

میرے نام کی تعظیم کی ہیں بھی تمہارے نام کو دنیا و آخرت ہیں اونچا کرتا ہوں آپ فرمایا کرتے تھے کہ وہ مرتبہ مجھ کو سوسال کی عبادت و ریاضت سے بھی حاصل نہ ہو سکتا تھا جو اس اسم الہٰی کے ادب و تعظیم سے مجھے نصیب ہوا۔ سبحان اللہ وبحمدہ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم ما شاء اللہ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم کرنیکی تو پھر یہ بد نصیب لوگ اسم مقدس کی تحقیر کے پیچھے کیوں پڑے ہیں کس نفس و خناس نے ان کو ضدی بنا دیا۔ میں کہتا ہوں کہ جوتی شریف کے نقشے پر۔ اللہ تعالیٰ جل و علی کا نام لکھنے۔ میں بجز تحقیر آخر اور کونسا مقصود ہو سکتا ہے۔

ساتویں دلیل علامہ امام عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی حنفی۔ متوفی (۷۰۱ھ) اپنی تفسیر مدارک علی اربعہ تفاسیر (حاشیہ بالا) ص۱۸۹ پر لکھتے ہیں۔ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ۔ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ ذَالِکَ اِحْتِرَامٌ لِلْبُقْعَۃِ وَتَعْظِیْمٌ لَّہَا فَخَلَعَہَا وَاَلْقَاھُمَا مِنْ وَّرَاءِ الْوَادِی۔ ترجمہ۔ قرآن کریم سورۃ طٰہٰ کی آیت ۱۲ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی۔ یعنی اے موسیٰ اپنی دونوں جوتیوں کو اتار دو کیونکہ بے شک تم اس مقدس وادی طویٰ میں ہو۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام۔ جو نبی مرسل ہیں وادیٔ مقدس کے احترام اور تعظیم کی بنا پر ان کو جوتیں اتارنے کا حکم ملا آپ نے دونوں جوتی شریف اتار دیں اور وادی سے باہر ہی ان کو چھوڑ دیا۔ اندازہ لگائیے کہ جب ایک وادی کا کا یہ احترام تو نام الٰہیہ کی کیا شان و عظمت ہو گی اس آیت قرآنیہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ معزز جگہ میں جوتی لے جانا اس جگہ کی توہین و بے حرمتی ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ جوتی اپنی علتِ غائی یعنی شکل و صورت کی وجہ سے حقیر ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ معزز جگہ میں جوتی خواہ نبی مرسل کی ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقدس نہیں۔ لہذا جوتی یا نقشۂ جوتی کو اقدس یا مقدس کہنا منع ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ جو نام و القاب اللہ تعالیٰ کی معزز و محترم چیزوں کے ہوں وہ نام و القاب کسی ایسی چیز کو نہیں دیا جا سکتا جو عند اللہ محترم نہ ہو۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل جوتی شریف اور اس کا نقشہ مبارکہ اللہ کے نزدیک محترم نہیں جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوتی۔ اس لیے کسی بھی جوتی کو مقدس و اقدس نہیں کہنا چاہئے اگرچہ

وہ جوتی عندالناس معظم و محترم و تاجِ رفعت و شان ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی نعلینِ پاک سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین پاک کا درجہ زیادہ ہے اگر یہ آپ کا معاملہ ہوتا تو شاید وادی مقدس میں نہ اتروائی جاتی۔ جیسا کہ عرشِ اعظم پر نہ اتروائی گئی کہ پہنچ کر جانا تو عقلاً اور روایتاً ثابت مگر اتروانا ثابت نہیں پہنکر جانے کا صریح ثبوت مانگنا عبث ہے پہنکر جانا تو اِن فاخلع سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی صریح ثابت نہیں۔ اگر یہاں فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ۔ نہ ہوتا۔ تو صراحتاً پہننے نہ پہننے اور پہننے کے ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ رواجی و اخلاقی چیزیں ہیں۔ بغیر لباس تو کوئی بھی کہیں نہیں جاتا اور جوتی بھی لباس کا ایک حصہ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔ اب یک کی عبارت سے ہم نے بدلائل ثابت کر دیا کہ نقشۂ نعلین پر بسم اللہ شریف یا کوئی آیت یا اللہ تعالیٰ کا ذکر ذاتی و صفاتی نام لکھنا حرام ہے کیونکہ گستاخی و بے ادبی ہے۔ یہ تمام دلائل سبعہ ہم نے مختصر انداز میں مدعیٰ علیہ کو لکھ کر ان کو اپنی صفائی دلائل بھیجنے کی پیشکش کی چنانچہ انہوں نے اپنے مسلک و موقف کی تائید میں کچھ فتوے اور کچھ اپنے خط میں دلیلیں ہم کو ارسال کیں۔ جو نہایت غلط اور کمزور تھیں جن سے مدعیٰ علیہ کو آگاہ کر دیا گیا تھا مگر پھر جواب الجواب اور مزید دلیل کوئی وصول نہ ہوئی اس لیے مندرجہ ذیل سطور میں ان کی دلیلوں کے ساتھ ان کی کمزوری بھی اسی فتویٰ کا حصہ بناتے ہوئے تحریر کی جا رہی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

مدعیٰ علیہ کی پہلی دلیل۔ مدعیٰ علیہ نے اپنی تحریر کے ساتھ دو فتوے ہمارے پاس بھیجے جس میں سے ایک فتوے میں اسمائے الٰہیہ آیت قرآنیہ کی بے ادبی اور مذکورہ فی السوال گستاخی کے جواز میں اخبارات کے اشتہارات و تحریرات کو دلیل بناتے ہوئے لکھا کہ نقشۂ نعلین پر اللہ کا نام لکھنا یا آیت لکھنا جائز ہے۔ دیکھو اخباروں میں آئے دن ایسے اشتہارات چھپتے ہیں کہ کسی جوتے بنانے والی فرم کی مشہوری کے لیے اشتہار میں جوتیوں کا فوٹو بنا ہوتا ہے اور اس میں بسم اللہ شریف، انشاء اللہ وغیرہ لکھا ہوتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسی کاغذ کے دوسری طرف عین اُسی اشتہار کی جگہ اللہ کا نام لکھا نظر

آتا ہے اگر یہ جائز ہے اور کوئی عالم غیر عالم مسلمان نہیں بولتا تو پھر نقشہ نعلین پر بدرجہ اولیٰ جائز ہوا۔ جواب ہم نے آج تک ایک کوئی کفریہ اشتہار نہیں دیکھا نہ پاکستان میں نہ یہاں انگلستان میں۔ ہندوستان انڈیا کے ہندو پریس میں اگر ایسے گستاخانہ اشتہارات چھپتے ہوں اور آپ جیسے مردہ ضمیروں کی نظر سے گزرتے ہوں تو یہ آپ کی غیرتِ ایمانی کو چیلنج اور امتحان ہے۔ خدانخواستہ اگر کبھی کوئی اخبار اس طرح کا اشتہار یہاں چھاپتا تو پاکستان اور برطانیہ کے مسلمان تڑپ جاتے اور کٹ مرنے پر تیار ہوجاتے بلکہ ایسے اخبار واہل اخبار کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے اور ایسے چند ایک حقیقی واقعات گزر چکے ہیں غازی علم دین۔ غازی برادر قاری غلام رسول لاہوری۔ اور غازی قادر کنجاہی وغیرہ وغیرہ پاکستان میں ہی پیدا ہوتے رہے آج تک انڈیا ہندوستان کی تاریخ نے تو ایسا کوئی غیرت مند مجاہد ثابت و ظاہر نہیں کیا۔ ہاں البتہ ہندوستان کے بمبئی وغیرہ بلدیات میں مسلمان رُشدی اور ایسے اخبار ورسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ حیرانی تو اس غیرتِ ایمانی پر ہے جو اس طرح کے بد ترین ایمان سوز اشتہارات دیکھ کر بجائے مذمت کرنے کے اُلٹا ان کو دلیل جواز بنا رہے ہیں کیا ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت میں ایسے ہی مفتی جنم لیتے رہیں گے۔ شرعی اعتبار سے ایسے اشتہارات لکھنا۔ لکھوانا، چھپوانا، چھاپنا، شائع کرنا کرانا سب حرام ہے اور ان کفریہ ذرائع سے روزی کھانا بھی حرام ہے۔ اور کاغذ کے دوسری طرف عین اُسی جوتے کی ٹوٹو کی جگہ اللہ تعالیٰ کا مقدس و محترم نام لکھنا تو اور بھی زیادہ اشد حرام کیونکہ جب اس کاغذ کو دھوپ یا روشنی کی طرف کر کے دوسری سمت پر نظر ڈالو تو اللہ تعالیٰ کا نام اقدس۔ عین جوتے کے تلوے پر لکھا معلوم ہوتا ہے۔ اور مزید تعجب تو خود مدعیٰ علیہ جیلانی پر ہے جس نے ایسے مجرمانہ گستاخانہ فتوے کو اپنی تائیدی ڈھال بنایا۔ سچ فرمایا کسی بزرگ نے کہ خدا جب دین لیتا ہے۔ حماقت آہی جاتی ہے۔ نیز اس شیطانی دلیل سے تو عام کھلی چھٹی مل رہی ہے کہ ہر جوتے کے تلے نیچے بھی نام لکھ سکتے ہو شاید آگے چل کر مدعیٰ علیہ کا یہ ہی ارادہ ہو۔ مدعیٰ علیہ کی (دوسری دلیل) دوسرے فتوے میں اسم الٰہی کے لکھنے اور بے ادبی گستاخی کرنے کے جواز پر یہ دلیل لکھی ہے کہ دیکھو۔

جالوت کافر کے مقابل جب طالوت کو بادشاہ بنایا گیا اور بنی اسرائیل نے ان کی بادشاہت پر اعتراض کیا تو اُن کی بادشاہی کی حقانیت پر رب نے ملائکہ کے ہاتھ بنی اسرائیل کے پاس تابوتِ سکینہ بھیجا۔ اُس تابوت میں موسیٰ علیہ السّلام کی نعلین بھی تھیں اور توریت کی تختیاں بھی خیال رہے کہ اُن پر تورات لکھی تھی اور تورات بھی اسی طرح کلامُ اللہ تھی اب جس طرح قرآنِ مجید تو جب اُن کے ساتھ قریب یا اوپر یا نیچے نبی مرسل حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی جوتیاں مبارک رکھنا جائز تھا تو نقشہ نعلین پاک پر اللہ کا نام لکھنا بھی جائز ہوا جو ناجائز کہتا ہے وہ تابوت پر کیا فتویٰ لگائیگا۔ جواب کیا قیامت کی جہالت ہے کہ ہر مشکوک و مضعوف بات کو دلیل حماقت بناکر صرف ایک آیت یا ایک اسم کی توہین نہیں بلکہ اب تو اصل جوتی استعمالی نعلین کو بھی قرآن مجید کے برابر درجہ دینے کی دلیلیں ڈھونڈی۔ اور بنائی جا رہی ہیں جس کو بقول مجدد ملت بریلی شریف۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی پسند نہ فرماتے۔ اور پھر دلیل بھی کس تابوتِ سکینہ کی جس کے متعلق آج تک مفسرین شارحین اور مؤرخین کوئی متفق علیہ بات نہ بیان کر سکے۔ نہ روایت نہ درایت نہ اعتماد نہ بھروسہ۔ اس بات میں تو سب کا اتفاق ہے کہ تابوتِ سکینہ کوئی صندوق تھا اور اس میں حضرت موسیٰ اور حضرتِ ھٰرون علیہما السّلام کے کچھ تبرکات تھے مگر تبرکات کیا تھے صندوق کس چیز کا بنا ہوا تھا۔ کتنا بڑا اور کتنا لمبا چوڑا تھا اور دوبارہ بنی اسرائیل کے پاس کس طرح لایا پہنچایا گیا۔ اس میں بیسوں اقوال کی بھرمار ہے اور یہاں تک بے باکی کہ تصاویر جیسی ہر شریعت کی ممنوعہ اشیا کو بھی تبرکات میں شامل کر دیا گیا کہ معاذ اللہ اُس میں انبیاء علیہم السّلام کے فوٹو بھی تھے۔ اور ہمارے مفسرین ہیں کہ آنکھیں بند کئے ہر چیز کو لکھتے چلے جارہے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ دشمنِ خدا یہود و نصاریٰ کی ملاوٹیں ہیں اسرائیلیات کی بناوٹیں ہیں۔ یہ مسئلہ عام مشہور ہے کہ جاندار کی تصویر ہر شریعت میں حرام رہی اور ابلیس کی ایجاد ہے یہاں تک ظلم پہنچا کہ اَحْسَنَ الْقَصَصْ کتاب میں لکھ ڈالا کہ یوسف علیہ السّلام فوٹو تصویریں بنایا کرتے تھے اور اپنے مصری محل میں ہر جگہ بھائیوں اور اپنے اہل خانہ کی تصویریں بنائی ہوئی تھیں۔ وغیرہ وغیرہ (معاذ اللہِ تعالیٰ عن ھذا الکذبیات

(افترایات) اس وقت میرے پاس تابوتِ سکینہ کے بارے میں چھ کتابیں ہیں جن میں مختلف اقوال اس طرح ہیں ۱ اس تابوت پاک میں تورات کی تختیاں موسیٰ علیہ السّلام کا جبہ ہٰرون علیہ السّلام کا جُبّہ اور عصاءِ موسیٰ اور سلیمان علیہ السّلام کی انگوٹھی تھی۔ (از تفسیر ملا محمد حسین واعظ کاشفی وفات ۱۵۱۵ء ۹۱۰ھ) اس قول میں نعلین کا ذکر نہیں۔ ۲ تابوتِ سکینہ میں تورات کی تختیوں کے کچھ ٹکڑے تھے موسیٰ علیہ السّلام کا عصا عمامہ جبہ نعلین۔ ہٰرون علیہ السّلام کا عصا عمامہ جبہ نعلین اور کپڑے تھے۔ (از تفسیر طبری معانی) اس قول میں سلیمان علیہ السّلام کی انگوٹھی کا ذکر نہیں ۳ اس تابوت مبارک میں تورات کی تختیوں کے کچھ ریزے تھے موسیٰ و ھٰرون علیہما السلام کے عمامے تھے۔ اس قول میں نہ عصا کا ذکر ہے نہ نعلین شریف کا نہ تختیوں کا بلکہ ریزوں کا ذکر ہے۔ چوتھا قول تابوت ساگوان کی لکڑی کا بنا تھا اور اس کی لمبائی تین ہاتھ چوڑائی دو ہاتھ تھی۔ پانچواں قول تابوت سونے کا بنا ہوا تھا لمبائی ساڑھے تین ہاتھ چوڑائی ڈھائی ہاتھ۔ چھٹا قول یہ تابوت لوہے کا بنا ہوا تھا اوپر سونے کا پترا چڑھایا گیا تھا ساتواں قول موسیٰ علیہ السلام کا عصا شریف دس گز لمبا تھا۔ آٹھواں قول دس ہاتھ لمبا تھا۔ قول ۹ اس تابوت میں توریت کی تختیوں کے ٹکڑے عصاءِ موسیٰ ھٰرون علیہما السّلام کا جُبّہ اور تمام انبیاءِ کرام کے فوٹو (تصویریں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصویر کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں آپ کے گھر کی بھی فوٹو تھی (العیاذ باللہ) اس قول میں نعلین کا ذکر نہیں عصا کو چالیس گز بلکہ ساٹھ ہاتھ تک بھی کہا گیا۔ (یہ اقوال تفسیر روح البیان اور صاوی ابن عباس مدارک معانی کبیر وغیرہ میں لکھے موجود ہیں اب بتاؤ کون سی بات سچی ہے کون سی جھوٹی۔ سلیمان علیہ السّلام کی انگوٹھی کا بھی ذکر ہے حالانکہ اس وقت سلیمان علیہ السّلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے داؤد علیہ السلام نوجوان تھے ابھی شادی نہیں کی تھی۔ پھر لکھنے والوں کے تفکر کا اندازہ لگاؤ کہ تابوت شریف تین ساڑھے تین ہاتھ لمبا اور اس میں عصا دس گز لمبا۔ یا دس ہاتھ لمبا مجھے تین ہاتھ لمبے صندوق میں دس ہاتھ لمبا ڈنڈا کوئی رکھ کر دکھائے کیا وہ عصا مبارک ربڑ یا پلاسٹک کا تھا جس کو مروڑ مراڑ کر رکھ دیا۔ لازمًا کہنا پڑے گا کہ یہ سب باتیں غلط ہیں۔ لہٰذا اس تابوت میں تختیوں کا ہونا غلط معلوم

ہوتا ہے۔ یا پھر نعلین کا ہونا غلط۔ اتنے مشکوک اقوال کو اپنی دلیل بنا لینا۔ حماقت کے سوا کیا ہے۔ بہرکیف مدعی علیہ کتنی بھی کروٹیں بدلے اپنا گستاخانہ مسلک ثابت نہیں کرسکتا۔ یہ تھا ان دونوں کا حال جس پر مدعی علیہ کو شاید بڑا ناز ہو۔ اب ان دلائل کو دیکھئے جو کچھ لوگوں نے فتاوی رضویہ کی طرف منسوب کئے ہیں ہمیں اس پر کچھ تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں اس کی توسطر سطر خود ہی پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ اعلیٰحضرت کی تحریر نہیں۔ چند وجوہ سے پہلی وجہ یہ کہ فتاوی مکمل طور پر اعلیٰحضرت کی حیات طیبہ میں شائع نہیں ہوا۔ ایک قول ہے کہ صرف پہلی جلد آپ کی موجودگی میں شائع ہوا۔ ایک قول ہے کہ بالکل آخری ایام میں شائع ہوئیں مجدد ملت بریلوی مطبوعہ کو دیکھ نہ سکے۔ ایک قول ہے کہ آپ کے بعد نزدیکی دور میں شائع ہوا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ باقی مجلدات تو بہت بعد میں شائع ہوئیں۔ اور فتاوی رضویہ تقریبًا آٹھ یا نو جلدوں کا مسودہ تو طابعین حضرات کو بدست مفتیٔ اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اس حالت میں وصول ہوا کہ طبع تو درکنار اس کی ترتیب بھی ایک دشوار اور محنت طلب کام تھا۔ طابعین کرام خصوصًا مولانا قاری رضاءُ المصطفیٰ اعظمی اور اراکین دارالعلوم امجدیہ و مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی اور مکتبہ علویہ فیصل آباد والے محبوبین کی اس فتاوی سے عقیدت اور محبت اور عشق کی حد تک قلبی فکری محنت و لگن کا نتیجہ ہے کہ اسلام کا یہ عظیم ذخیرہ آج مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے یہ مسوّدات از جلد سوم تا جلد یازدھم مضبوط مجلد مبوّب اور محفوظ شکل میں نہ تھا بلکہ کاپیوں۔ غیر مجلد اکھڑے پکھڑے رجسٹر سائز کاغذوں ورقوں اور چھوٹے پُرزوں کی شکل میں طابعین و ناشرین کو ملا اور کئی اوراق تو کیڑوں نے بھی کھائے تھے بعض اتنے مدھم ہو چکے تھے کہ پڑھنا دشوار بعض مسائل اپنے اندازے سے عبادت بنا کر لکھے گئے جس کا اعتراف خود ناشرین و طابعین نے کیا ہے چنانچہ فتاوی رضویہ جلد سوم مقدمہ۔ عرض حال۔ صفحہ بحساب حروف ابجد صک پر لکھا ہے کہ دو فتاوی اوّل و دوم شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن تیسری جلد جو مسودہ مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم عالیہ کے پاس تھا۔ یہ مسودہ بکھرا ہوا مبوّب اور منفصل نہ تھا۔ اصل مفقود نقل در نقل یہ چوتھی نقل تھی۔ کاپیاں۔ بڑی عرق ریزی کرنا پڑی اپنی بساط بھر مبوّب و منفصل کرنا پڑی۔ اس کے باوجود ہمیں مکمل حالت میں

میں دستیاب نہ ہوا۔ کچھ رسائل چوری ہو گئے کچھ کرم فرماؤں نے واپس نہ کئے۔ کچھ رسائل وجوابات ناقص ملے بعض اوراق کیڑوں نے بری طرح چاٹ لئے تھے۔ جہاں عبارتیں خود بنانی پڑیں۔ ماسبق و مالحق پر غور کیا گیا۔ صفحہ ۔ش پر لکھا ہے۔ الغرض صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے پھر بھی اگر کہیں کوئی کمی رہ گئی ہو تو یہ ہماری نظر کی کوتاہی ہے اور بصیرت کی کمی ہوگی اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن اس سے پاک ہوگا فتاوی جلد ہشتم ص۶ پر لکھا ہے۔ گذشتہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بہت سی جگہ الفاظ بلکہ (پوری پوری) عبارت اندازہ سے درست کی گئی ہے ان نقلی مسودوں میں کتابت کی بھی غلطیاں تھیں حتی الامکان درست کیا گیا۔ چند جگہیں ایسی ہیں جہاں ہم کوئی فیصلہ نہ کر پائے، وغیرہ وغیرہ یہ تمام باتیں یہاں لکھنے کا صرف مقصد یہ ہے کہ اگرچہ ناشرین طالعبین معاونین نے ان بکھرے موتیوں کو درست صاف اور جمع کرتے میں بہت خلوص لگن اور محنت سے کام کیا ہم کو اُن کے خلوص میں کوئی ذرہ بھر شک نہیں مگر پھر آخر انسان ہیں بہت کمزوریاں رہ سکتی ہیں خود ان کو بھی اعتراف ہے جس کے لیے انھوں اپنی کوتاہ نظری اور کمی بصیرت کا ذکر تے ہوئے علماً عقلاً فضلاً کو دعوت مطالعہ مرحمت فرمایا۔ اور بتایا ہے کہ اگر کسی مسئلے میں کوئی استدلالی یا استنباطی یا فکری کوتاہی اور چشم پوشی پائی جائے تو اعلیٰحضرت کا دامن اُس سے پاک ہوگا۔ لہذا اور اگر کوئی عالم مفکر فتاوی رضویہ کے کسی مطبوعہ مسئلے سے اختلاف کرے تو وہ اعلیٰحضرت کی تحریر سے اختلاف نہ ہوگا۔ بلکہ یہی کہا جائے گا کہ یہ عبارتیں بعد میں اندازے سے لکھی گئی ہیں۔ بدیں وجہ طالعبین کی اس اعتراتی عبارت کی بنیاد پر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ نقشہ نعلین پر اسماءِ الٰہیہ لکھنے کا جواز اعلیٰحضرت کی طرف سے نہیں۔ غالباً ظنّاً یہاں بھی کرم خوردہ اوراق کو اندازے سے پُر کیا گیا ہے جس نے اصل مسئلے کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ اور اسی کوتاہ بینی وقلت بصیرت کے مظاہرے اور بھی چند جگہ ہیں جو اصل تحقیق و تفتیش و شرعی مسائل سے ہٹ گئے ہیں یقیناً وہ بھی مرتبین کے اندازے سے خانہ پُری کی لغزش ہے۔ مثلاً۔ اسی فتاوی رضویہ جلد ہشتم ص۳۶۸ پر ہے ظاہر ہے کہ چگادڑ پرند شکاری نہیں۔ اقول۔ حالانکہ مشاہدہ ہے کہ چگادڑ

شکاری پرندہ ہے میں نے خود اُس کو چھوٹی نسل کے مینڈکوں کو منہ سے شکار کرتے دیکھا ہے اس طرح چھوٹی چھوٹی مچھلی اور دیگر حشرات کا شکار کرتی ہے۔ اور اڑتے ہوئے باز اور عقاب کی طرح شکار کرتی ہے یعنی اڑ کر آتی ہے۔ اور شکار جھپٹ لے جاتی ہے اس پر مسئلے کی تحقیق کے لیے یہاں کے چڑیا گھر میں بھی مشاہدہ کیا۔ اور روڈ ڈاکیومنٹ بھی دیکھیں بلکہ حاصل کر کے رکھ لی۔ اس کے علاوہ علاوہ علامہ امام جاحظ کتابُ الحیوان جلد اوّل ص۶۰ طبع بیروت میں لکھتے لَا یَعْطَادُ اِلَّا فِی طَیَرَانِ اللَّیْلِ۔ ترجمہ خفاش یعنی چمگادڑ صرف رات میں ہی اڑتے ہوئے شکار کرتی ہے۔ اور شکاری ہونا ہی اس کے حرام ہونے کا باعث ہے کیونکہ ذوناب ہونے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ جن فقہا نے اس کو حرام کہا صرف ذوناب کی وجہ سے نہیں بلکہ اس ذوب کے شکاری ہونے کی وجہ سے۔ اور ذوناب شکاری کے حرام ہونے میں اتفاق ہے لہٰذا چمگادڑ متفقاً حرام ہوئی۔ چنانچہ ۱ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری اپنی کتابُ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص۱ پر لکھتے ہیں۔ اَلْحَنَفِیَّۃُ قَالُوْا یَحِلُّ اَکْلُ الْخُطَّافِ وَالْبُوْمِ وَیُکْرَہُ فِی الصَّرْدِ وَالْھُدْھُدِ۔ وَفِی الْخُفَّاشِ قَوْلَانِ الْکَرَاھَۃُ وَالْحُرْمَۃُ۔
اور کتاب ۲ رحمۃُ الاُمَّۃِ فِی اختلاف الائمہ جلد اوّل ص۱۵۰ پر ہے وَالْمَشْھُوْرُ اَنَّہٗ لَاکَرَاھَۃَ فِیْمَا نُھِیَ عَنْ قَتْلِہٖ کَالْخُطَّافِ وَالْھُدْھُدِ وَالْخُفَّاشِ وَالْبُوْمِ وَالْبَبْغَاءِ وَالطَّاؤُسِ اِلَّا عِنْدَ الشَّافِعِیِّ وَالرَّاجِحُ تَحْرِیْمُہٗ
ترجمہ۔ ۱ علماءِ احناف نے فرمایا حلال ہے خطاف یعنی غیر شکاری چیل اور بوم اور مکروہ کہا گیا ابابیل اور ھُدھُد کو (یہ دونوں شکاری نہیں غالباً ان کی حرمت ان کی عزت کی وجہ سے ہے) اور چمگادڑ میں دو قول ایک یہ کہ چمگادڑ مکروہ تحریمی ہے دوم یہ کہ حرام ہے۔ یعنی حلت کا کوئی قول نہیں ۲ اور مشہور کر دی گئی ہے یہ بات کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان پرندوں کا کھانا مکروہ نہیں ہے جن کے مارنے کی ممانعت روایات میں آئی ہے۔ جیسے کہ سفید چیل (جس کی چونچ اور پیر پیلے ہوتے ہیں) اور ھُدھُد اور چمگادڑ اور بوم اور طوطا اور مور۔ بجز امام شافعی کے (یعنی امام شافعی کے نزدیک مکروہ ہے)، لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی ترجیح ان پرندوں کی حرمت کو ہے۔ اندازہ لگاؤ کہ کیا چمگادڑ کے متعلق اتنی کمزور بات اعلحضرت جیسے محقق

انسان کہہ سکتے ہیں اور مثلاً فتاوٰی رضویہ ہشتم ص۲ پر مرتب عبدالمنان صاحب لکھتے ہیں کہ اعلحضرت سے سوال ہوا کہ گائے کا گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا ہے یا نہیں۔ اعلحضرت نے اس سے لاعلمی ظاہر کی ہے لیکن آپ کے صاحب زادے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف کے حوالے سے حاشیہ میں اس کا ثبوت پیش فرمایا ہے۔ کیا عجیب بات ہے گویا کہ اعلحضرت کو مسلم شریف نہیں آتی تھی۔ بس یہی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو طابعین ناشرین کی کوتاہ نظری سے پیدا ہو کر اصل مسائل میں کمزوریاں پیدا کر دیتی ہیں۔ ان کے حل کرنے کے لیے بہت تفکر چاہیئے یہاں اندھا بہرا گونگا ہونا کام نہیں دے گا۔ اور مثلاً اسی طرح فتاوٰی رضویہ جلد ہشتم ص۲۰۸ پر ایک شعر کے متعلق سوال ہے کہ یہ شعر کسی نعت کا مطلع بنایا جا سکتا ہے۔ شعر۔

نعتِ خیرُ البشر نہ ہو جائے ۔۔۔۔۔ دل حقیقت نگر نہ ہو جائے

اس کے جواب میں لکھا ہے کہ یہ مطلع سخت باطل و ناجائز ہے کہ اس میں نعتِ اقدس سے ممانعت ہے (الخ) اقولُ۔ نا معلوم یہاں اس بالکل درست شعر کو باطل و ناجائز کیوں کہا گیا۔ حالانکہ اردو محاورے اور طرزِ گفتگو کے اعتبار سے صحیح ہے۔ اس شعر میں نعت کہنے کی اجازت طلب کی گئی ہے۔ یہ نفی نہیں بلکہ سوالِ اجازت ہے جس طرح عام طور پر کہا جاتا ہے اگر آپ حکم دو تو کیا میں یہ کام نہ کر دوں شاعر یہاں بھی کہہ رہا ہے کہ حضرات سامعین کیا اس محفل میں بجائے دنیوی باتوں کے ایک نعت شریف نہ سنا دی جائے۔ اور قلبِ مومن دلِ مسلم۔ حقیقت کا آئینۂ حق نما نہ بنا دیا جائے۔ اب بتاؤ کہ اعلحضرت مجددِ بریلوی جن کی وطنیت اردو کا گہوارہ یعنی یوپی کا علاقہ جہاں اردو پیدا ہوئی وہی میرا بھی وطن بدایوں میری مادری وطنی زبان بھی اردو اعلحضرت کی بھی اردو جب میں ایسے محاوروں کو سمجھ سکتا ہوں تو کیا اعلحضرت عظیم البرکت جیسی شخصیت کے لیے یہ محاورہ اور سوالِ اقراری سمجھنا کچھ مشکل تھا۔ پتہ نہیں ایسے مقامات میں ان کاپیوں میں کیا لکھا ہوگا۔ کونسا لفظ کس طرح پڑھا گیا ناشرین نے اپنے اندازے سے کیا لکھ دیا ہوگا۔ بس یہی کچھ کوتاہ نظری اور قلتِ بصری اگر نقشۂ نعلین پاک پر لغزش کر گئی ہو تو کیا بعید

ہے۔ دوسری وجہ۔ بزرگوں کی کتابوں پر یہ ظلم عرصہ دراز سے ہوتا چلا آرہا ہے کہ جب کسی بزرگ و معتبر شخص کے عقیدت مندوں کی کثرت ہوئی تو ابلیس و نفس کے دلوں میں حسد جاگا اور طرح طرح کے ذریعوں منصوبوں سے عقیدت مندوں کو اُس کی عقیدت واطاعت سے دور کرنے ہٹانے گمراہ کرنے پر کمربستہ ہوگئے۔ اور سب سے بڑا مضبوط داؤ تحریر میں ملاوٹیں کرکے چلایا جو آج تک اور نہ جانے کب تک چلایا جاتا رہے گا۔ اس حاسدانہ تخریب کاری سے تو سابقہ کتبِ آسمانی بھی نہ بچ سکیں یہودیوں نے عیسائیوں کو اور عیسائیوں نے خود اپنے آپ کو اور آنے والے ہم مذہب نسلوں کو ان ہی ملاوٹوں کی تخریب کاری سے گمراہ و بے راہ کیا۔ آج تک کون سی کتاب ہے جو ان ظالموں کی زد سے بچ سکی۔ انجیل توریت میں تو کچھ اپنی سہولتوں دنیوی لالچوں کے لیے بھی ردو بدل تغیرو تبدل کیا جاتا رہا لیکن بعد والے خبثا نے تو صرف بزرگوں کو بدنام کرنے یا اُن کے عقیدت مندوں کو بدظن یا گمراہ کرنے کے لیے ایسا کیا۔ غوث اعظم کی کتابوں سے لے کر محی الدین عربی تک ہر ہر بزرگ کی کتابوں پر یہ ظالمانہ نشتر لگائے نہ ہی اعلحضرت کی بہت سی تصنیفات مخالف ہاتھوں سے بچ سکیں جب غلطی سے تاج کمپنی کو ترجمہ کنز الایمان مع تفسیر سید صدر الافاضل خزائن العرفان چھاپنے کی اجازت دی گئی تو تاج کمپنی کے بے ایمانوں نے کیا کیا تخریب کاریاں کیں یہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ حدائقِ بخشش حصہ سوم میں کیا کچھ کیا گیا کہ آج تک سنی شرم سے سرنگوں ہیں۔ ہمارا یہ دور تو خیر بہت ہی قریبِ قیامت ہے خود اعلحضرت کو اپنے دور میں بہت سی ملاوٹ شدہ کتابوں سے واسطہ پڑا جن کا ذکر اعلحضرت نے اپنے فتاویٰ رضویہ جلد ششم اور جلد نہم میں کیا ہے بلکہ بہت مضبوط و مبسوط انداز میں تخریب کاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے دھوکے بازوں ملاوٹیوں کے فریب سے مسلمانوں کو بچانے کے ساتھ ساتھ کتابوں کی سچی و صحیح تحریر کی نشاندہی فرمائی جس سے کم از کم اُن کتبِ بزرگان کی حقیقت کیفیت روزِ روشن کی طرح صاف اور واضح ہوگئی اور آئندہ کے لیے مسلمانوں کو بیدار و ہوشیار کردیا۔ مخالفین کی چابکدستیوں کا تھوڑا بہت سدِباب ہوا۔ آج میری یہ تحریر اور اپنے سنی مسلمانوں کو اس نقشۂ نعلین کے ساتھ احمقانہ حرکت سے آگاہ کرنا بچانا باز رکھنا۔ سب اعلحضرت

بِالْاَصْلِ الْمَقِیْسُ عَلَیْہِ وَ بِالْفَرْعِ الْمَقِیْسُ ۔ ترجمہ ۔ اصل کا حکم علت متحدہ کی وجہ سے فرع یعنی مقیس کے لیے ثابت کرنا۔ اصل سے مراد وہ پہلی چیز ہے جس پر کسی دوسری چیز کو مطابق کیا جائے اور فرع رہے جس کو مطابق کیا جائے۔ اور چاروں چیزیں درست ہو جائیں تو قیاس مع الفارق نہیں ہوتا بلکہ درست ہوتا ہے اور درست قیاس حجۃ شرعی ہے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتاب نور الانوار ص۲۲۸ پر ہے وَالْحَاصِلُ اَنَّ هٰهُنَا ثَلٰثَةُ اُمُوْرٍ اَلْاَوَّلُ اَنَّ الْاَصْلَ فِیْ کُلِّ نَصٍّ اَنْ یَّکُوْنَ مَعْلُوْمًا وَالثَّانِیْ اَنْ لَّا بُدَّ مِنْ دَلِیْلٍ مُسْتَقِلٍّ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ هٰذَا النَّصَّ فِی الْحَالِ مَعْلُوْلٌ بِقَطْعِ النَّظْرِ عَنْ ذٰلِكَ الْاَصْلِ وَالثَّالِثُ اَنْ لَّا بُدَّ مِنْ دَلِیْلٍ یُمَیِّزُ الْعِلَّةَ عَنْ غَیْرِهَا وَیُبَیِّنُ اَنَّ هٰذَا هُوَ الْعِلَّةُ دُوْنَ مَا عَدَاهُ فَاِذَا اجْتَمَعَتْ هٰذِهِ الثَّلٰثَةُ فَلَا بُدَّ اَنْ یَّکُوْنَ الْقِیَاسُ حُجَّةً ترجمہ ۔ خلاصہ یہ کہ یہاں تین چیزیں ہیں اگر وہ تینوں پائی جائیں تو قیاس درست ہے اور شرعی حُجّۃ یعنی دلیل ہے۔ پہلی یہ کہ اصل واقع میں معلول بن سکتا ہو دوم یہ کہ کوئی ایسی مستقل دلیل ہو جو ثابت کرے کہ یہ نص فی الحال معلول ہے اصل یعنی مُقیس علیہ کو بغیر دیکھے۔ سوم یہ کہ ایسی بھی دلیل ہونی لازم ہے جو علت کو ممتاز اور علیحدہ کر کے بتا دے کہ یہاں فقط یہی علت ہے نہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور پس جب یہ تینوں چیز پائی جائیں گی تو یقیناً و ضرورۃً قیاس شرعی حجت بن جائے گا۔ یعنی قیاس غلط یا مع الفارق نہ ہوگا۔ اب دیکھیے نعلین پاک اور نقشہ نعلین میں تمام چیزیں درست ہیں ۱ اصل نعلین پاک مُقیس علیہ ہے ۲ اس کا حکم نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ یہ حقیر ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ۔ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اس آیت کریمہ نے ہر جوتی کا حکم بنا دیا کہ وہ حقیر ہوتی ہے۔ مقدس مقامات پر نہ لے جانا چاہئے اگرچہ نبی مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بھی ہو۔ عند اللہ وہ حقیر ہے۔ ۳ اس کی تحقیر کی علت اس کا جوتی والا نقشہ اور شکل و صورت ہے۔ اس علت کی بنا پر ہی فقط اس کو حقیر کیا گیا۔ ۴ جب یہی شکل و صورت کاغذ پر بنائی گئی تو وہاں بھی وہی علت آگئی تو گویا دونوں جگہ یعنی اصل پیر کی جوتی اور کاغذ کی جوتی میں علت متحد ہو گئی اور جب علت متحد تو حکم متحد۔ تو جو حکم اصل

جوتی کو تحقیر کا لگا وہی نقشۂ نعلین کو لگے گا۔ یعنی وہ بھی حقیر یہ بھی حقیر تو جب اصل جوتی پر آیت یا اسم لکھنا ناپسند اور حرام تو نقشے پر بھی نام پاک لکھنا حرام ہے یہی وہ قیاس حقیقت ہے جس کو ناشرین طالعین نے فتاویٰ رضویہ کی اس عبارت میں نظرانداز کر دیا اور کچھ کا کچھ لکھدیا یہ کیسے ممکن ہے کہ اعلحضرت ایسی کمزور بات لکھیں۔ نمبر قیاس مع الفارق بھی چند قسم کا ہے جن میں صرف ایک باطل ہے باقی درست ہیں اگرچہ کمزور ہیں چونکہ قیاس کی بنا د علت پر ہے اور علت چار قسم کی تو قیاس بھی چار قسم کا ہوا جن میں ایک قیاس صحیح ہے باقی مع الفارق۔ علت کی اقسام یہ ہیں ۱۔ علتِ تامہ ۲۔ علتِ ناقصہ ۳۔ علتِ فاسدہ ۴۔ ضعیفہ۔ اگر کسی قیاس میں بالکل صحیح علت پائی جائے تو قیاس بالکل درست ہوگا اور اُس کو حجت شرعی کہا جاتا ہے ۲۔ لیکن اگر علت فاسدہ ہے تو قیاس مع الفارق باطل ۳۔ اگر علت ناقصہ ہے تو قیاس مع الفارق ناقص ۴۔ اگر علت ضعیفہ ہے تو قیاس مع الفارق ضعیف، اگر ایک ہی وجہ ایک ہی علت ہو اور بالکل صحیح ہو تو قیاس درست ہوگا۔ لیکن اگر ایک ہی علت ہو اور وہ بھی غلط تو قیاس مع الفارق باطل۔ اگر چند علتیں ہوں صحیح بھی لیکن قیاس غلط علت سے کیا گیا تو قیاس مع الفارق ناقص۔ اگر ایک ہی علت ہے مگر اصل کے لیے تو مکمل ہے فرع کے لیے مکمل نہیں تو قیاس مع الفارق ضعیف ہوگا۔ یعنی ایک قیاس صحیح ہوا اور تین قیاس مع الفارق۔ باطل۔ ناقص۔ ضعیف۔ ان تینوں میں باطل قیاس ہمیشہ ناجائز۔ شرعی دلیل نہیں بن سکتا۔ ناقص۔ بطریقہ قیاس حجت شرعی نہیں بن سکتا دوسری علت سے بن سکتا ہے یا تیسری علت سے۔ بن سکتا ہے۔ اس کی مثال یہ کہ اعلحضرت نے فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ص ۳۳۶ پر مذبوحہ حلال جانوروں کی اوجھڑی اور آنتوں کا کھانا مسلمانوں کے لیے مکروہ تحریمی فرمایا اور کراہت کو قیاس مع الفارق سے ثابت کیا۔ آپ سے پہلے کسی فقیہ و امام نے ان کو مکروہ تحریمی یا تنزیہی بھی نہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ۱۸۔ کرش یعنی اوجھڑی ۱۹۔ امعا یعنی آنتیں بھی اس علم کراہت میں داخل ہیں۔ بے شک دُبر اگر فرج و ذکر سے اور کرش و امعا مثانہ سے اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں۔ فرج و ذکر اگر گزرگاہِ بول و منی ہیں تو دُبر گزرگاہِ سرگین ہے۔ مثانہ اگر معدنِ بول ہے شکنبہ و روده مخزنِ فرث

ہیں یہاں مجدد ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آنتوں اور اوجھڑی کو مثانہ پر قیاس فرمایا مگر علتِ توافق نہیں تفاوت و تفارق ہے کہ مثانہ کی علت معدنِ بول ہونا ہے اور آنتوں کی علت مخزن ہونا بنایا گیا۔ معدن و مخزن میں کثیر تفریق ہے۔ معدن، وطن اور مولد ہوتا ہے لیکن مخزن صرف ظرف اور مظروف ہوتا ہے اس لیے یہ قیاس مع الفارق ہوا۔ لیکن چونکہ یہاں کراہت کی ایک دوسری علت بھی ہے جو مثانہ کی علت سے متحد ہے اس لیے یہ قیاس مع الفارق بھی جائز مانا جا سکتا ہے وہ علت ثانیہ ان کی خباثت نفسیہ کی وجہ سے کراہت طبعیہ ہے۔ چنانچہ یہیں پر امام اعظم کا قول نقل فرمایا گیا۔ کہ حاشیہ طحطاوی میں ہے۔

قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ رض اَلدَّمُ حُرَامٌ بِالنَّصِّ وَاَسْتَۃُ نُکْرِھُھَا لِاَنَّھَا تَسْتَخْبِثُہُ الْاَنْفُسُ۔ وَنُکْرِھُھَا الطِّبَاعُ۔ ترجمہ۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خون تو نصِ قطعی یعنی آیت پاک کی عبارۃ النص سے حرام ہوا ہے اور حدیث مبارکہ کی فرمودہ باقی چھ چیزیں اس لیے مکروہ فرمائی گئیں کہ انسانی طبیعت ان کو خبیث یعنی گھنونی اور ناپسند و کراہت کرتی ہے یہ دوسری علت مشترک ہے مثانہ اور اوجھڑی آنتوں وغیرہ میں ثابت ہوا کہ بعض قیاس مع الفارق۔ جائز و درست ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اعلحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کا استنباط درست نہ ہوتا اور اوجھڑی و آنتوں کا کھانا مکروہ نہ ہوتا۔ اس قیاس مع الفارق کا اثر یہ پڑا کہ علما صوفیا مشائخ اہلِ تقویٰ و مقتدا اصل وظائف بزرگوں کے لیے یہ ممنوع و نقصان دہ لیکن عوام میں سے کوئی اچھی طرح پاکیزہ کر کے پکائے تو گناہ نہ پڑے گا۔ کیونکہ اوجھڑی گندگی کا معدن نہیں صرف برتن ظرف و مخزن ہے اور آنتیں تو مخزن بھی نہیں صرف گزرگاہ ہیں اور نفاست کے خلاف گھنونی۔ بہت سی نفاستِ طبع تو مکھی گرے سالن یا بال پڑے شوربے سے بھی گھنیاتے ہیں اور کھا نہیں سکتے بخلاف دیگر فرمودۂ احادیث خصیتین وغیرہ کہ وہ ہر ایک مسلمان کے لیے حرام ہیں کھانے والا گنہگار۔ اس لیے کہ وہ اعضا یا تو خود نجس ہیں یا گھنونے شدید یا معدنِ نجاست ہیں۔ رہا تیسرا قیاس مع الفارِق یعنی قیاس ناقص۔ مثلاً۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ عورت کے استعمالی زیور پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ استعمالی سونے چاندی کے زیور پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ دونوں طرف سے قیاس

کیا گیا مگر ائمہ ثلاثہ کا قیاس مَعَ الفارق ہے اور ضعیف ہے۔ کیونکہ استعمالی زیور کی دو مشابہتیں ہیں اس لیے دو علتیں ہو گئیں ایک علت سونے چاندی ثمنیت دوم علت بذلیت چاندی سونے کی علتِ ثمنیت دائمی اور قوی لیکن بذلیت عارضی اور کمزور ہے۔ امام اعظم نے زیور کو اصل سونے پر قیاس فرمایا جس میں علت سونے کا ثمن (قیمت) ہونا۔ مالِ نامی ہوتا ہے۔ یہ دائمی علت ہے اس لیے امام اعظم کا قیاس مضبوط اور مطابق ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے زیور کو گھریلو سامان استعمالی کپڑوں برتنوں پر قیاس کیا۔ کہ جس طرح گھر کے استعمالی سامان پر زکوٰۃ نہیں، استعمال زیور پر بھی زکوٰۃ نہ ہونی چاہیئے۔ مگر یہ بالکل عارضی علت ہے جو ختم ہو جاتی ہے۔ ثمنیت کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتی اس لیے امام اعظم کا قیاس مضبوط اور حجۃ شرعی ہے مگر ائمہ ثلاثہ کا قیاس مَعَ الفارِق ہے اور ضعیف۔ لہٰذا شرعاً زیور پر زکوٰۃ ہر سال فرض ہے یہ قیاسات کی بات تھی۔ روایات واحادیث کے دلائل دو طرفہ اس کے علاوہ ہیں۔ مگر وہاں بھی ائمہ ثلاثہ کی دلیلیں نہایت کمزور ہیں یہاں اُن کے ضمنی بیان کی گنجائش نہیں۔ بہر کیف ہم جس قیاس مَعَ الفارق کا ذکر کر رہے ہیں یعنی اصل نعلینِ پاک اور ان کا نقشہ وتمثالِ پاک۔ یہاں تو سرے سے قیاس مع الفارق ہے ہی نہیں کیونکہ اصل وفرع میں ایک ہی دائمی علت ہے۔ یعنی شکل و صورت لہٰذا حکم بھی ایک یعنی تحقیر بلکہ جن اصاغر کے نزدیک اکابر کی نعلینِ پاک معظم ہیں اُن کے ذہن وتصور میں بھی جوتی اصلاً حقیر ہی ہوتی ہے اور بزرگ کی جوتی کی تعظیم وتوقیر کا مقصد اُن کے خیال میں بھی یہ ہوتا ہے کہ ہم اس بزرگ کی بارگاہ میں اِس حقیر جوتی سے بھی حقیر ہیں اور حقیر جوتی بھی ہمارے سر کا تاج ہے۔ بخلاف فتاوٰے کی اس عبارتِ منسوبہ مشکوکہ کے کہ یہاں استعمال کو علت بنا ڈالا حالانکہ یہ علت نہیں ہو سکتی۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نقشۂ نعلین کی عزت وتعظیم کے لیے تو شکل وصورت کو علتِ غائی بنا یا جائے۔ اور اس پر آیت لکھنے کے لیے شکل وصورت سے منہ موڑ کر استعمال وغیر استعمال کا تفاوت پیدا کیا جائے اگر علتِ غائی جوتی کی شکل وصورت ہے تو ہر جگہ یہی ہوگی اور اگر بذلیت واستعمال کا تفاوت مدِّ نظر رکھنا ہے تو پھر دونوں جگہ یہی ہوگا۔ اور پھر اس تفاوت کے تحت

نقشۂ نعلین کی تو عزت ثابت ہوگی اصل نعلِ پاک کی تعظیم ثابت نہ ہو سکے گی حضرت قبلہ حسن رضا خان علیہ الرحمۃ کا وہ شعر بھی غلط ہوگا۔ کہ جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاک حضور دالخ) یہ شرعی قواعد وضوابط ہیں کوئی عام بات نہیں کہ جس طرح چاہا جہاں چاہا توڑ موڑ کر لیا۔ فتاویٰ رضویہ میں منسوبہ عبارت کی دوسری دلیل کہ اور اعمال کا مدار نیت پر یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔ مگر بتایا جائے کہ نقشۂ نعلین پاک پر اسمِ الٰہیہ یا آیتِ قرآن مجید لکھنے میں آپ کی کیا نیت ہے۔ اس لیے کہ اَلْاَعمَالُ بِالنِّیات والی روایت مقدسہ میں نیت کا وجود مراد ہے نہ کہ نفیِ مطلق۔ کیونکہ توہین اور بے ادبی والے افعال میں نیت بے ادبی ہو یا نہ ہو۔ اور بلا کسی ارادے کے توہین آمیز کام کیا جائے تب بھی اُس کو گستاخی و توہین شمار کیا جائے گا۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد سوم ص ۲۹۲ پر ہے۔ وَیَظْھَرُ مِنْ ھٰذَا اَنَّ مَا کَانَ دَلِیْلَ الْاِسْتِخْفَافِ یَکْفُرُ بِہٖ وَاِنْ لَمْ یَقْصُدِ الْاِسْتِخْفَافَ۔ ترجمہ۔ اگر کوئی جانتے بوجھتے عمداً ایسا کام کرے جو ظاہراً توہین ثابت ہوتا ہو تو کرنے والے پر التزامِ کفر ہو جائے گا اگرچہ اُس کا ارادہ توہین کا نہ ہو۔ نیز مسئلہ ہے کہ کعبہ کی سمت منہ کرکے بڑا یا چھوٹا پیشاب کرنا منع ہے اگرچہ ہزاروں میل کے فاصلے سے آبادیوں اور گھروں دیواروں کے گھیروں میں ہو۔ کیونکہ یہ توہینِ کعبہ ہے اب اگر کوئی شخص توہین کی نیت نہیں کرتا بلکہ اُس کا کچھ بھی ارادہ نہیں بلکہ کعبہ کا خیال تک اُس وقت نہیں آیا۔ لیکن اس فعل سے وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو گیا قیامت میں سزا پائے گا۔ ایک دفعہ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امام مسجد کو سمتِ کعبہ تھوکتے دیکھا تو آپ نے مقتدیوں کو حکم فرمایا کہ اس کو آئندہ امام نہ بنایا جائے اس نے جب اپنے نمازیوں سے سرکار کا یہ حکم سنا تو گھبراتا لرزتا حاضر بارگاہِ سرکار کا یدقرار ہوا۔ اور عتاب کی وجہ پوچھی تو آپ نے یہ کام اُس کو یاد دلا کر فرمایا کہ تو نے اللہ رسول کو ناراض کر دیا پھر کبھی اس کو امامت کی اجازت نہ ملی۔ از مشکوٰۃ شریف ص۷۱ بَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلٰوۃِ فصل ثالث حدیث پاک ۲؎ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ خَلَّادٍ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ۔ حالانکہ اُس امام کی اس کام سے توہینِ کعبہ کی کوئی نیت وغیرہ نہ تھی۔ اللہ اکبر۔ مقامِ ادب بھی کتنا نازک مرحلہ ہے اب یہاں کہنے پھر کہ

ہماری نیت توہین کی نہ تھی۔ اگر یہاں بھی اعمال کا مدار نیت پر ہوتا۔ تو اَصْدَقُ الصَّادِقِین اَعْدَلُ الْعَادِلِین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ۔ سب سے پہلے اُس کی نیت پوچھتے۔ کعبہ کی سمت پیشاب یا تھوکنا تو بڑا جرم ہے اُس طرف تو کُلّی کرنا بھی حرام جب کعبہ معظمہ کی یہ عظمت تو اسماءِ پاک آیتِ قرآن کی کیا شان ہوگی۔ اور دلقشِ جوتی مُطہرہ پر لکھنا اللہ رسول کی کتنی ناراضگی کا باعث ہے کیا کبھی اس کا بھی اندازہ لگایا ہے یا قیامت ہی کا انتظار ہے۔ وہاں تو اندازہ ہو ہی جائے گا مگر وہ مفید نہ ہوگا۔ مخالف کی تیسری دلیل۔ لکھا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانورانِ صدقہ کی رانوں پر حُبِیْسٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ داغ فرمایا تھا حالانکہ اُن کی رانیں بہت محل بے احتیاطی ہیں کَمَا فِی رَدِّ المحتار۔ اَقُوْلُ۔ یہ روایت مجھ کو رَدُّ المحتار شامی میں تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی ہاں البتہ یہ عبارت فتاوٰی بزازیہ کتاب الاستحسان علٰی عالمگیری جلد ہشتم صفحہ ۳۰ میں اس طرح لکھی ہے۔ وَقَدْ رُوِیَ اَنَّہٗ کَانَ مَکْتُوْبًا عَلٰی اَفْخَاذِ اَفْرَاسٍ فِیْ اَصْطَبَلِ الْفَارُوْقِ۔ حُبِسَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ ترجمہ اور روایت کیا گیا ہے کہ بے شک لکھا ہوا تھا گھوڑوں کی رانوں پر فاروق اعظم رض کے اصطبل میں حُبِسَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یہ ہے وہ پوری عبارت جس کو ہمارے مدعٰی علیہ صاحب نے اپنی بے ادبی کے جواز پر دلیل بتایا۔ یہاں تک کہ فتاوٰی رضویہ شریف میں بھی اِس کو لکھ دیا گیا۔ لیکن ہم فتاوٰی رضویہ سے ہی اس کی تردید پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ فتاوٰی رضویہ جلد ہشتم صفحہ ۳۶۵ پر ہے کسی نے سوال کیا کہ اُلّو کے بارے میں لکھا ہے کہ عالمگیری میں لکھا ہے اَلْبُوْمُ یُؤْکَلُ۔ یعنی اُلّو کھانا جائز ہے۔ اِس کا جواب دیتے ہوئے اعلٰحضرت کا ارشاد ہے۔ الجواب عبارتِ عالمگیری جو امدادُ المسلمین میں نقل کی اُس کی۔ اُس کے شروع میں لفظِ قِیْلَ واقع ہے۔ یہ لفظ اُس قول کے ضعف پر دلیل ہے۔ یعنی اعلٰحضرت نے فتاوٰی عالمگیری کی اس عبارت کو فقط اس لیے رد فرمایا کہ وہ لفظِ قیل سے شروع تھا۔ اور قیل فعل مجہول کا صیغہ اور فعل مجہول ضعیف ہوتا ہے کیونکہ قائل و فاعل نامعلوم ہے۔ (پتہ نہیں کسنے ایسا غلط مسئلہ یا غلط بات لکھ ڈالی) اور اعلٰحضرت ہی کے نزدیک ضعیف قول پر فتوٰی دینا جہالت اور مخالفِ اجماع ہے۔ چنانچہ فتاوٰی رضویہ جلد ششم صفحہ ۳۱۵

سطر ۲ ص۸ میں بحوالہ درّ مختار اس طرح ارشاد ہے کہ اور قولِ ضعیف پر حکم وفتویٰ دینا جہل ومخالفتِ اجماع ہے۔ (الخ) ثابت ہوا کہ مجہول صیغے سے مسئلہ بیان یا لکھا گیا ہو تو وہ قولِ ضعیف ہے اُس کو ماننا اور اُس کے مطابق فتویٰ دینا یا عمل کرنا جاہلوں کا کام ہے یہ سب کچھ فتاویٰ رضویہ میں لکھا ہے۔ بس اسی بنیاد پر گھوڑوں کی رانوں پر لکھنے کا ذکر ہے۔ وہاں بھی یُذْکَرُ فعلِ مجہول قولِ ضعیف ہے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اعلیٰحضرت خود اپنے فرمان کی زد میں آکر جہالت کا فتویٰ دیدیں لازمًا ماننا پڑے گا کہ یہ ساری عبارت کوتاہ نظری کی نذر ہوگئی۔ اور ہمارے مدّعیٰ علیہ کو عقیدت جتانے کا گستاخانہ موقعہ ہاتھ آگیا۔ یہ تو تھی فتاویٰ رضویہ سے ہی فتاویٰ کی تردید۔ لیکن اس عبارت کے غلط اور مشکوک ہونے کی اور بھی بہت سی وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ فتاویٰ بزازیہ کی اس عبارت میں لکھا ہے۔ اَنَّہٗ کَانَ مَکْتُوْبًا۔ بے شک لکھا ہوا تھا۔ اقول لکھا ہونا یا قلم سے ہوتا ہے یا برش سے اور جانور کے جسم پر لکھنا وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ جو خود بخود تھوڑی دیر یا تھوڑے دنوں کے بعد جھڑ جاتا ہے یا بارش سے دُھل جاتا ہے۔ اگر یہ واقعہ سچا ہو تو ہو سکتا ہے جب زکوٰۃ اکٹھی کرنے والے لوگ وہ صدقات وزکوٰۃ لا رہے ہوں تو دیگر جانوروں سے مخلوط ہونے کے ڈر سے انہوں نے قلم یا برش سے لکھ دیا ہو۔ اور اصطبل میں بند کرتے وقت کسی مورخ راوی کی نگاہ اُس پر پڑ گئی ہو۔ اِس بات کا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو علم بھی نہ ہو۔ نامعلوم کون کاتب تھا کس کے مشورے سے تھا۔ پھر مقصد پورا ہونے کے بعد اُس پر ہاتھ پھیر کر جھاڑ دیا ہو۔ ایسی مجہول عبارت میں تو بے شمار احتمالات پیدا ہو سکتے ہیں فتاویٰ رضویہ کے ناقلین یا مصححین نے یہاں لکھدیا داغ فرمایا تھا۔ مَکْتُوْبًا کُتِبَ کا اسم مفعول ہے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے۔ داغ فرمایا تھا۔ لکھنا اور اسم مفعول مکتوبًا کا فاعل صاف صاف فاروق اعظم کو بنانا۔ نُعْتًا صَرْفًا۔ نحوًا۔ اور دیانۃً قطعًا غلط ہے۔ ایسی فحش غلطی کی نسبت اعلیٰحضرت کی طرف کرنا طابعین کی جلد بازی ہے۔ اور اِس جلد بازی سے فوری طور پر مدّعیٰ علیہ کا استفادہ کرنا مزید گمراہی پھر ڈھٹائی یہ کہ میرے کان بہرے ہیں کیا اعلیٰحضرت کو پتہ نہیں تھا کہ داغنے کے لیے عربی میں نقشٌ یا ختمٌ یا حفرٌ ہوتا ہے۔ تو

منقوشٌ یا مختومٌ یا محفورٌ۔ ہونا چاہئے تھا۔ (از لغات المعجم ص۵۳۰ و لغات کشوری ص۴۲۰) وجہ دوم یہ کہ شرعی اصول یہ ہے کہ طب کی بات طبیب یا کتب طب سے۔ منطق کی بات منطقی یا کتب منطق سے۔ تاریخ کی بات مؤرخ یا کتب تاریخ سے فقہ کی بات فقیہ یا کتب فقہ سے حدیث کی بات محدث یا کتب احادیث سے ہی ملے تو معتبر ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ فاروق اعظم کی طرف منسوب شدہ یہ واقعہ یا تاریخ سے تعلق رکھتا ہے یا سیر سے یا روایت و درایت سے مگر تلاش بسیار کے باوجود یہ واقعہ نہ معتبر کتب احادیث سے دستیاب ہو سکا نہ کسی سیر و تواریخ سے نہ مجھے نہ فتاوی رضویہ کو۔ مجھے ملتا ہے تو فتاوی بزازیہ سے یا ایک اخباری بیان سے اور فتاوی رضویہ کو حوالہ ملتا ہے رد المحتار سے (جو اگرچہ ابھی تک میرے نزدیک مجہول و گمنام ہے) وجہ سوم۔ اور وہ بھی ایسی اضطرابی کیفیت سے کہ نہ سند کا پتہ نہ رواۃ کا نہ ناقل کا علم نہ منقول کا۔ ہر چیز میں اضطراب انفطار دیکھو۔ فتاوی رضویہ میں ہے۔ امیر المومنین فاروق اعظم نے۔ یعنی خود دست اقدس سے بصیغہ فعل معروف۔ مگر فتاوی بزازیہ میں ہے کان مکتوبًا (بصیغہ مجہول۔ کاتب نہ معلوم) ص۲ فتاوی رضویہ میں جانوران صدقہ جن میں گائے بکری اونٹ گھوڑا خچر گدھا سب حلال حرام جانور شامل مگر بزازیہ میں ہے علی افخاذ افراس۔ یعنی صرف گھوڑے ص۳ فتاوی رضویہ میں ہے۔ جانوران صدقہ جن میں صرف زکوٰۃ کے جانور شامل مگر فتاوی بزازیہ میں کوئی تعین نہیں کہ گھوڑے کیسے تھے لشکری تھے یا زکوٰتی ص۴ فتاوی رضویہ میں ہے حُبیسٌ مگر فتاوی بزازیہ میں ہے حُبس۔ ایک اخباری بیان میں کسی کتاب سے نقل کرتے لکھا ہے۔ حَبِیسٌ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ حُبَیسٌ کا ترجمہ ہے زیادہ رکنے والا۔ مبالغ کا صیغہ بروزن فعیلٌ اور حُبس کا ترجمہ ہے روکا گیا۔ اور حبیسٌ کا ترجمہ ہے۔ لشکر ص۵ فتاوی رضویہ اور بزازیہ میں رانوں اور افخاذ مگر اس اخباری بیان میں ہے پیٹھوں پر۔ یہ افتراق و انتشار کے اقوال طالبین مصنفین۔ ناقلین اور ہمارے ان مدعی علیہ صاحب کے نزدیک تو شاید معمولی خیال کئے جاتے ہوں مگر محدثین کے نزدیک یہی اضطرابات روایت کو مشکوک اور ناقابل قبول بنا دیتے ہیں دیکھو اصول حدیث کی کتابیں اور ہدایہ جلد دوم ص۲۱۰

پر ہے فتاوی رضویہ میں ہے داغ فرمایا جس کے لیے لازمًا لفظ مکتوبًا نہیں آسکتا کیونکہ داغ اور کتابت میں کثیر فرق ہیں۔ مگر بزازیہ میں ہے مکتوبًا نہ منقوشًا نہ مختومًا اور فتاوی رضویہ میں ہے۔ حالانکہ رانین بہت محل بے احتیاطی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بے احتیاطی فاروق اعظم کو کیوں نظر نہ آئی اور جانور کے اتنے بڑے جسم میں کسی اور جگہ گردن ماتھا وغیرہ داغ کیوں نہ فرمایا اور صرف بے احتیاطی نہیں بلکہ یقینی بے احتیاطی اور یقینی غلاظت میں اللہ جل جلالہٗ کا نام۔ کیونکہ داغا ہوا لفظ تو کبھی ساری عمر مٹتا ہی نہیں۔ بلکہ بعد زندگی کھال اتر کر بھی نہ معلوم وہ کھال اتر کر کس کافر کے ہتھے لگے اور اس نام پاک و اسم مقدس والی جگہ کو کہاں ڈالا گیا یا پھینکا جائے۔ کیا فاروقِ اعظم ان تمام تصورات لرزہ خیز سے آنکھیں بند کئے تھے کیا فاروقِ اعظم پر اسماءِ الٰہیہ کی عزت و ادب لازم نہ تھا، کیا یہ جھوٹی تہمت بنا کر فاروقِ اعظم کے دشمن رافضیوں کی نگاہ میں فاروقِ اعظم کو بدنام کرنے کی حماقت نہیں، کیا فاروقِ اعظم کی عزت پر ایسے مضطرب و مشکوک و مجہول اقوال کو رد نہیں کیا جا سکتا؟ اور ایسے بے فکرے صدا جانِ فتاوی کو قدمِ فاروقی پر قربان نہیں کیا جا سکتا؟ اب بتائیے ایسی مضطرب روایات پر مدعیٰ علیہ کا اتنی بڑی گستاخی بے ادبی کی بنیاد رکھنا کہاں تک روا ہے۔ پھر یہ کہ رانوں پر لکھوانا تو ویسے بھی بیکار ہے کیونکہ جب جانور بیٹھے گا رانین چھپ جاتی ہیں۔ یا پھر ان پر گندی کیچڑ لگ جاتی ہے جس سے لکھائی چھپ جاتی ہے۔ آخری دلیل لکھا ہے۔ بلکہ سنن دارمی شریف میں ہے۔ اَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ ثَنَا مُنْدَلُ بْنُ عَلِيِّ الْعَنَزِيِّ حَدَّثَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ اَبِي الْمُغِيْرَةِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ كُنْتُ اَجْلِسُ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَاَكْتُبُ فِي الصَّحِيْفَةِ حَتّٰى تَمْتَلِئَ ثُمَّ اَقْلِبُ نَعْلَيَّ فَاَكْتُبُ فِيْ ظُهُوْرِهِمَا۔ (الخ) ترجمہ سعید بن جبیر نے فرمایا کہ میں ابن عباس کے طرف بیٹھا تھا پس انہوں نے کچھ لکھا ایک کاغذ میں یہاں تک کہ کاغذ بھر گیا پھر انہوں نے میری دونوں جوتیوں کو الٹا کیا اور دونوں جوتیوں کی پیٹھوں میں لکھا۔ یعنی تلووں پر اَقُوْلُ۔ اس روایت پر بحث کرنے اور جواب دینے سے پہلے اس کی عبارت پر غور سے تین لغزشوں کا پتہ لگتا ہے (۱) لکھا ہے۔ كُنْتُ اَجْلِسُ حالانکہ كُنْتُ جَلَسْتُ۔ ماضی بعید چاہیئے (۲) اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ۔ حالانکہ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ چاہیئے۔ (۳) ظُهُوْرِهِمَا حالانکہ ظَهْرَيْهِمَا چاہئے۔ اس لیے کہ ظہور جمع ہے۔ اور دو جوتیوں کی دو پشت ہوتی ہیں نہ کہ تین چار۔ ایک سطر میں تین علمی غلطیاں یہ کس کی کوتاہ نظری

کا نتیجہ ہے۔ علاوہ ازیں یہ دلیل خود مدعیٰ علیہ اور اس عبارت کی پہلی دلیل کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے کہ مدعیٰ علیہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ صرف نقشۂ نعلین نبی کریم پر آیتِ قرآنی لکھنی جائز۔ اصل جوتی پر نہیں۔ اگر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی جاتی کہ نامِ الٰہی یا بسم اللہ شریف حضور اقدس کے نعل پر لکھی جائے۔ تو پسند نہ فرماتے۔ مگر اس قدر ضروری ہے کہ نعل بحالتِ استعمال و تمثال محفوظ عن الابتذال میں تفاوت ہے (الخ) یعنی استعمالی جوتی گندی ہوتی ہے اور تمثال ابتذال سے محفوظ۔ اس لیے مستعمل جوتی پر منع۔ تمثال (نقشہ فوٹو) پر جائز۔ مگر ابن عباس رضؓ نے تو استعمالی جوتی پر اور وہ بھی نیچے تلوے پر مضمون لکھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ عربی الفاظ میں ہوگا۔ اور یہ اغلب ہے کہ کہیں نہ کہیں اللہ کا نام ضرور آیا ہوگا یا کم از کم آخر میں اپنا نام ہی لکھا ہوگا یعنی عبد اللہ ابن عباسؓ۔ اب بتائیے جواز کا یہ سلسلہ کہاں تک دراز ہوا۔ اور کس کس کی اصل جوتی پر اسماءِ مقدسہ لکھنے کی راہ کھل گئی۔ اب تو متبرک غیر متبرک کی بھی کوئی پابندی نہ رہی۔ جو چاہے جس کی جوتی کے نیچے چاہے آیتِ قرآن ڈالتا پھرے۔ صاحبِ عبارت نقشۂ نعلین پر اسمِ الٰہی لکھنے کے جواز کے ضمن میں ہی تو یہ دلیل پیش کر رہا ہے اور یہ دلیل کس فتاوی رضویہ میں لکھ ڈالی گئی جس کے ادب کی یہ شان ہے کہ اسی جلدِ دہم ص۲۵ پر لکھا ہے کہ نفسِ حروف قابلِ ادب ہیں اگرچہ جدا جدا لکھے ہوں۔ یا بُرا نام لکھا ہو جیسے فرعون ابوجہل وغیرھما تاہم حرفوں کی تعظیم کی جائے۔ (الخ) حروفِ تہجی خود کلام اللہ ہیں کہ ہود علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ اِدھر تو یہ ادب کہ حروف کی لکھی ایک عام تختی سے اوپر کوئی استاد اوپر نہ بیٹھے۔ بے ادبی کی شامت کا خوف۔ اور اُدھر یہ کہ ابنِ عباس جوتی کے تلوئے مستعملہ پر حروف والفاظ واسماءِ پاک کا پورا مضمون لکھ رہے ہیں تو جواز کی دلیل بنایا جا رہا ہے۔ یہ کیا الٹی منطق ہے کہ دور اوپر بیٹھے تو بے ادبی، اور جوتی کے تلوے پر لکھے تو کوئی بے ادبی نہیں۔ کیا حضرت ابن عباس پر ادب فرض نہ تھا۔ ماننا پڑے گا کہ یہ سب جھوٹی روایتیں صحابہ کرام اور فتاوی رضویہ کو بدنام کرنے کی کوئی خفیہ سازش ہے۔ ہوسکتا ہے یہ مدعی علیہ کی پیش کردہ پوری عبارت کسی مطبع خانے میں کسی دشمن کی سازش سے ہو۔ اور چھپنے کے بعد صرف مدعیٰ علیہ جیسے حمقا کی نظر میں گزری ہو۔ ناشرین کو ابھی تک پتہ نہ چل سکا ہو یا احساس نہ کیا ہو۔

بہر کیف یہ تمام دلیلیں ناکارہ ان پر اصرار گمراہی۔ اور نقشۂ نعلین پر آیت یا اسم مقدس لکھنا
شرعًا حرام ہے۔ یہی احادیث سے تو نہ فاروق اعظم رض کا داغ فرمانا ثابت نہ حضرت ابن
عباس رض کا تلوئے نعلین پر مضمون لکھنا ثابت البتہ یہ ثابت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السّلام
طور سے توریت کی تختیاں اُٹھا کر لائے اور بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کے شرک میں
مبتلا پایا تو جذباتِ غصہ سے بے انتہا مغلوب الحال ہوگئے اور اسی بے خبری بے شعوری
میں تختیاں زمین پر رکھ دیں یہ بے ادبی شریعت کی تادیب و تعزیر میں نہیں آتی مگر عتاب
میں آدھی تختیاں اُسی وقت غائب ہوگئیں (واپس اٹھالی گئیں) ادب اور احترام
کلامُ اللہ کی تو یہ اہمیت ہے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ باقی تختیاں حفظِ توریت
کے بعد یا کتابتِ توریت کے بعد حیاتِ موسیٰ علیہ السّلام میں ہی اٹھالی گئیں تھیں بعض
نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السّلام کی وفات کے دن ہی دفن سے پہلے ہی اٹھالی گئیں تھیں واللہ
اعلم۔ ان اقوال سے تابوتِ سکینہ کے بارے میں صحیح قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ اُس
تابوت میں نہ کوئی تختی تھی نہ عصا تھا۔ صرف چھ چیزیں تھیں۔ جبۂ موسیٰ و دستارِ ہارون
علیہما السّلام۔ دونوں کی نعلین۔ وہ پتھر جس سے چشمے نکلتے تھے۔ کچھ بال و ناخن شریف
بس عصائے موسوی ایک قول میں وفات کے بعد غائب ہوگیا اور جنت کا درخت طوبیٰ
اسی عصا کو بنایا گیا۔ ایک قول میں قبر مقدس میں ساتھ ہی دفن کردیا گیا تھا واللہ اعلم
خلاصہ یہ کہ مدعیٰ علیہ کی تمام دلیلیں بیہودہ و ناکارہ ہیں۔ نہ تابوتِ سکینہ میں توریت کی تختیاں
نہ تھی ورنہ تین ہاتھ لمبے تابوت میں دس گز لمبا عصا کو بھی رکھنا پڑے گا اسی طرح
باقی دلیلیں بھی گھسی پٹی و مصنوعی بناوٹی ہیں۔ مزید حیرانی یہ کہ فتاویٰ رضویہ تقریبًا
اسی ۸۰ سال سے لکھا رکھا ہے یقینًا یہ مذکورہ عبارت والا فتویٰ بھی جاری کیا گیا ہو
گا۔ اس کی نقل بھی دو یا سہ چند کی گئی ہوں گی مگر اس پر عمل کرنے کی جرأت مدعیٰ علیہ سے
قبل کسی نے نہ دکھائی۔ یہاں تک کہ خود امیر ملت مجدد بریلی علیہ الرحمۃ نے بھی اس طرح
کا نقشۂ نعلین نہیں چھاپا نہ ہماری نظر سے گزرا۔ نہ کسی بزرگ نے خبر دی۔ بلکہ حضرت
صدر الافاضل سید نعیم الدین قبلہ مرادآبادی علیہ الرحمۃ کے کتب خانہ خاص میں
ایک بہت پرانا ایک گتے پر بنا ہوا نقشۂ نعلین مبارک موجود ہے مگر بالکل
سادہ ایک بھی حرف نہیں جامعہ نعیمیہ لاہور اَدَامَ اللہُ فُیُوْضَہٗ کے در و دیوار پر

نقشۂ نعلین شریف بنا ہوا ہے مگر ایک بھی حرف نہیں کسی بھی سنی بریلوی قادری چشتی نقشبندی نے آج تک کوئی بھی ایسا گستاخانہ مظاہرہ نہ کیا۔ تو پھر مدعیٰ علیہ صاحب کو نفس امارہ نے کس راہ چلایا جس نے امت میں فساد مچایا۔ خوشی اس بات کی ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ ابھی دنیا میں ایسے عوام و خواص موجود ہیں جو ایسی گمراہیوں کا راستہ روک سکیں۔ میرے پاس تحریراً و تقریراً بہت سے ایسے سوالات آئے سب کو مدنظر رکھ کر یہ جواب لکھا گیا ہے۔ نقشۂ نعلینِ پاک صرف سادہ بغیر کسی تحریر کے بنایا جائے۔ اس پر کچھ متبرکات لکھنے یا کسی کتاب دینی پر نقشہ بنانا قطعاً گناہ ہے قرآن مجید یا کتب احادیث کے اوپر جلد کے گتے یا سرورق ٹائیٹل پر یا دینی کتاب کے اندر کسی درمیانی صفحہ پر نقشۂ نعلین پاک ہرگز ہرگز نہ بنایا جائے۔ مدعیٰ علیہ جیلانی صاحب کو اس حرکت سے باز آجانا چاہیئے بلکہ اللہ رسول کی خوشنودی کے لیے علی الاعلان توبہ کرنی چاہئے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

مفتی پواسلام صاحبزادہ اقتدار احمد خان ۱۹۹۶/۷/۱۰ بروز اتوار محرم ۳۰ ۱۴۱۵ھ

کتبہ

نوٹ اس طرح کی احمقانہ گستاخانہ حرکت فساد فی الارض اس لیے ہے کہ اس سے مزید گمراہیوں کا دروازہ کھل جائے گا جس کو بند کرنا دشوار بلکہ ناممکن ہوگا اور تمام کے گناہوں میں فسادِ باطل جیلانی برابر کا شریک ہوگا جیسے کہ قابیل تا قیامت ہر ظالمانہ قتل کے گناہ میں۔ ہر مرید اپنے پیر کی جوتی پر اسمُ اللہ اور آیتُ اللہ لکھنا شروع کر دے گا۔ اور دلائل میں اسی باطل کے قول و دلائل پیش کرنا پھرے گا۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی۔)

تیسرا فتویٰ

عورتوں کے استعمالی زیور پر سونے کا ہو یا چاندی کا پورے نصاب پر ہر سال زکوٰۃ فرض ہے، ہر عورت کو ادا کرنی واجب ہے

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ ہمارے محلے میں ہماری ایک ہیلی عورت کے پاس تقریبًا اسی تولے سونا ہے جس کے چار عدد سیٹ زیور کے ہیں اور وہ ان کو باری باری پہنتی ہے اس کا کہنا ہے ایک سیٹ بیس تولے کا اس کو میکے سے ملا۔ ایک سیٹ ۱۸ یا ۲۰ تولے کا سسرال سے اور کچھ زیورات اُس کو تحائف میں ملے کچھ اُس نے خود خریدے۔ یہ سب زیور اُس کی ذاتی ملکیت ہے اور پہنتی ہے پہلے وہ ان زیورات کی بحساب نصاب زکوٰۃ۔ ہر سال زکوٰۃ ادا کرتی تھی مگر اب تین سال سے اُس نے بالکل زکوٰۃ نہیں دی۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ تم اس زیور کی زکوٰۃ کیوں نہیں دیتیں تو اُس نے جوابًا کہا کہ سعودی عرب کے ایک عالم صاحب نے ہم کو منع کر دیا ہے اور ایک کتاب دکھایا ہے کہ عورت کے استعمالی زیور پر زکوٰۃ بالکل واجب نہیں ہوتی۔ پھر اُس کے بعد ایک نوروبی۔ دا فریقہ) کے ایک امام مسجد نے بھی یہی مسئلہ مجھ کو بتایا کہ جو سونا چاندی بشکل زیور بنا ہوا ہو۔ اور عورت کی ذاتی ملکیت ہو وہ اس کو پہنتی ہو۔ اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہاں ہمارے شہر برمنگھم برطانیہ میں بہت سی حبشن عورتیں ہیں جن کے پاس ڈھیروں سونے چاندی کا زیور ہے۔ مگر وہ بھی زکوٰۃ نہیں دیتیں وہ نماز بھی شیعوں کی طرح ہاتھ چھوڑ کر پڑھتی ہیں مگر شیعہ نہیں ہیں حضور غوث پاک کو مانتی ہیں انگوٹھے چومتی ہیں اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتی ہیں ختم ایصال ثواب کراتی ہیں بڑی نیک بیبیاں ہیں۔ مگر زکوٰۃ نہیں دیتیں ہم

نے ان سے بھی پوچھا تو انہوں نے بھی کہا کہ استعمالی زیور پر کبھی بھی زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ ہم چونکہ انڈیا اور پاکستان سے تعلق رکھتی ہیں ہم نے اس سے پہلے یہ مسئلہ کبھی نہیں سنا ہمیں یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ ہم لوگ اور پرانے بزرگ مائیں دادی نانی سب زکوٰۃ دیتی دلاتی تھیں۔ ہماری وہ سہیلی بھی پاکستانی ہے وہ بھی پہلے دیتی تھی اُس کے بزرگ بھی دیتے تھے مگر اب یہ انوکھا مسئلہ سن کر وہ تو بڑی خوش ہے مگر ہم سب پریشان کہ کہیں اللہ کا عذاب نہ آجائے سنا ہے کہ زکوٰۃ نہ دی جائے تو بارش بند اور قحط شروع قہر الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ لہٰذا بہت جلدی اس مسئلے کا جواب باحوالہ بادلائل عطا فرمایا جائے تاکہ ہم آپ کے فتوے شرعی کو مشہور کریں اور اپنی سہیلی۔ و دیگر اُن حبشن عورتوں کو دکھائیں۔ اور اگر ان کا مسئلہ صحیح ہو تو پھر ہم بھی آئندہ اپنے زیوروں کی زکوٰۃ نہ دیا کریں۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

سائلہ حمیدہ قریشی برمنگھم

8/9/88

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

نَحْمَدُہٗ تَعَالٰی وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔

اَمَّا بَعْدُ۔ عاقلہ بالغہ مالکِ نصاب مسلمان عورت کا استعمالی زیور سونے کا ہو یا چاندی کا جب شرعی نصاب پورا ہو جائے تو اُس پر ہر سال چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہے اگر کوئی مسلمان عاقلہ بالغہ اپنے ملکیتی نصابی زیور پر زکوٰۃ نہیں دیتی تو کل قیامت میں سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ اس مسئلے کی تحقیق میں ہمیں تین جدا اقوال ملتے ہیں پہلا قولِ مبارک ارشادِ قرآن مجید دوسرا قولِ مقدس فرمانِ احادیث پاک۔ تیسرا قول مسلک امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تینوں اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ استعمالی زیور اور عورت کے پہنتے ہوئے زیور پر مالکہ عورت پر زکوٰۃ دینا فرض ہے مزید یہ بھی ثابت ہوا کہ دیگر تمام حنفی مسائل کی طرح امام اعظم کا یہ مسئلہ بھی عین قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہم حنفی ہیں ہمیں رب تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے کہ اُس ذاتِ باری تعالیٰ نے مسلمانوں کی اکثریت کو حنفی سُنّی مسلمان بنایا۔ تھا

چوتھا قول امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک ۔ پانچواں قول امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک چھٹا قول امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک اِن تینوں اقوال میں استعمالی زیور پر عاقلہ بالغہ مسلمان عورت پر کبھی زکوٰۃ فرض نہیں خواہ ڈھیروں زیور بیسیوں سال تک عورت کے پاس ہو اور بدل بدل کر استعمال کرتی ہو۔ چونکہ ہماری تحقیق و تفتیش سے دو مسلک ظاہر ہوئے اس لیے ہم اِس فتوے کو دو فصلوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں مسلک حنفی اور اُس کے مضبوط دلائل بیان کئے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور دوسری فصل میں اُئمہ ثلاثہ کا مسلک۔ اُن کے دلائل اور اُن کے دلائل کا توڑ و تردیدی جواب۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلی فصل ۔ دسواں پارہ سورۃ توبہ آیت ۳۴ اور ۳۵ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔
وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ۔ اور وہ مسلمان جو سونا چاندی جمع کرتے بڑھاتے بڑھاتے ذخیرہ کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں بالکل خرچ نہیں کرتے پس اُن کو دردناک عذاب کی خبر دیدو جس دن میں تپایا جائے گا اُن سونے چاندیوں پر جہنم کی آگ میں داغا جائے گا اُن زیوروں سے اُن کی پیشانیوں کو اور ان کی کروٹوں کو اور اُن کی پیٹھوں کو۔ کہ یہ ہے وہ زیور سونا و چاندی جو تم جمع کر کر کے رکھتے تھے اپنوں کے لیے تو چکھلو مزہ اُس کا جو تم جمع کرتے تھے۔ یہ آیتِ کریمہ ان مسلمانوں کے لیے اُتری ہے خاص کر اُن مسلمان عورتوں کے لیے جو ڈھیروں زیور بنا بنا کر رکھتی اور پہنتی استعمال کرتی۔ اور دوسروں کو دکھلا وہ کرتی غرور سے اِتراتی ہیں مگر زکوٰۃ ادا نہیں کرتیں۔ بلکہ ترجیح اسی بات کو ہے کہ اگرچہ لفظ اَلَّذِیْنَ۔ جمع مذکر ہے مگر مراد مسلمان عاقلہ بالغہ عورتیں ہیں چار وجوہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ قرآن مجید کے احکام دو قسم کے ہیں ۱ ملکی انتظامی ۲ شرعی عبادتی۔ ملکی احکام تو سب عوام مسلم غیر مسلم ذمّی مستامن وغیرہ سب کے لیے ہیں۔ مگر شرعی عبادتی احکام صرف مسلمان عورت و مرد کے لیے ہیں اِس آیتِ پاک کے پہلے حصّہ میں دھوکا فریب اور

باطل طریقہ سے لوگوں کا مال کھا جانے کا ذکر ہے کہ راہب کاہن مال کھا جاتے ہیں یہ قانون چونکہ صرف ملکی انتظام سے متعلق ہے اس لیے سب غیر مسلموں پر بھی نافذ ہوگا خواہ وہ راہب پادری پنڈت ہو یا کوئی دوسرا عوامی سب کو ہی اس ظلم سے روکا جائے گا۔ کیونکہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے ظلماً کھانا سراسر حق العبد کی حق تلفی ہے۔ اسی آیت کے دوسرے حصے کو وَالَّذِیۡنَ سے شروع فرما کر مستقلاً علیحدہ کر دیا۔ اس حصے میں صرف مالی زکوٰۃ کا ذکر فرمایا گیا جو ایک شرعی عبادت ہے اور شرعی عبادت صرف مسلمانوں پر نافذ ہوتی ہے اس لیے آیت کے اس حصے کی عبارت سے صرف مسلمان بالغین عاقلین ہی مراد ہوں گے۔ اور مسلمانوں میں بھی مشہور رواجی سماجی طور پر سونا چاندی بشکل زیور صرف عورت ہی یا عورت کے لیے ہی جمع کیا جاتا ہے مرد پر زیور حرام ہے بدین وجہ اس آیتِ پاک کی توجہ و مراد مسلمان عورتوں کو ہی خطاب کرنا ہے۔

دوسری وجہ۔ کنزٌ کا لغوی ترجمہ ہے جمع کرنا۔ جمع کر کے رکھنا۔ یعنی تجارت وغیرہ میں شامل نہ کرنا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے دفینہ، خزینہ؛ ذخیرہ کرنا۔ مگر فی زمانہ یہ متروک ہے۔ لغوی ترجمہ شائع ہے المنجد لغت عربی ص۷۰ پر ہے۔ اَلْکَنْز۔ اے جَمْعٌ وَخَزِیۡنَۃٌ" اور تفسیر جامع البیان طبری جلد ششم پارہ دس سورۃ توبہ ص۸۵ پر ہے۔ قَالَ اِبْنُ زَیْدٍ فِیْ قَوْلِهٖ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ۔ قَالَ اَلْکَنْزُ مَا کُنِزَ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَفَرِیْضَتِهٖ وَذَالِكَ اَلْکَنْزُ وَقَالَ اِفْتَرَضَتِ الزَّکٰوةُ وَالصَّلٰوةُ جَمِیْعًا لَمْ یُفَرِّقْ بَیْنَهُمَا وَاِنَّمَا قُلْنَا ذَالِكَ عَلَى الْخُصُوْصِ لِاَنَّ اَلْکَنْزَ فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ کُلُّ شَیْءٍ مَجْمُوْعٌ بَعْضُهٗ عَلٰی بَعْضٍ فِیْ بَطْنِ الْاَرْضِ کَانَ۔ اَوْعَلٰی ظَهْرِهَا یَدُلُّ عَلٰی ذَالِكَ وَاِذَا کَانَ ذَالِكَ مَعْنَی اَلْکَنْزِ عِنْدَهُمْ وَکَانَ قَوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ۔ مَعْنَاهُ وَالَّذِیْنَ یَجْمَعُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ بَعْضَهَا اِلٰی بَعْضٍ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ ترجمہ۔ ابن زید نے فرمایا کہ اہلِ عرب کے نزدیک کنزٌ کا معنیٰ ہے جمع کرنا۔ اور اس میں سے اللہ کی اطاعت اور فریضہ زکوٰۃ ادا نہ کرنا اور فرمایا کہ مسلمانوں پر ہی زکوٰۃ فرض ہے جیسے کہ نماز بھی صرف مسلمانوں پر فرض

ہوئی اِن دونوں کی فرضیت میں کوئی فرق نہ کیا گیا۔ یہ بات خصوصیت سے ہم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ لفظِ کنز کلامِ عرب کی لغت میں اُس ہر چیز کو کہا جاتا ہے جو کثرت سے جمع کی جاتی ہے خواہ زمین کے اندر دفن کی جائے یا۔ پاس رکھی جائے۔ اسی معنیٰ پر دلالت کرتا ہے اور جب عربی لغت میں کنز کے معنیٰ جمع کرنا ہے تو آیت پاک کا مطلب و منشا یہ ہوا کہ وہ مسلمان لوگ جو سونا چاندی کو اپنے پاس جمع کرتے جاتے اور جمع رکھتے ہیں۔ اور یہ آیت کریمہ صرف مسلمانوں کے لیے اتری کیونکہ زکوٰۃ مثل نماز صرف مسلمانوں پر فرض ہے کسی غیر مسلم کافر پر کوئی شرعی حکم جو محض عبادت ہو لازم واجب فرض نفل سنت نہیں ان پر صرف ایمان لانا فرض ہے یہ احکامِ شریعت مسلمان بننے کے بعد نافذ ہوتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر غرائب القرآن نیشا پوری۔ جلد ششم ص۴۷ پارہ دہم سورۂ توبہ اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔ قِيلَ الْمَقْصُودُ مَانِعُوا الزَّكٰوةِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (الخ) عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ۔ قَالَ اَبُو ذَرٍّ۔ قُلْتُ نَزَلَتْ فِينَا وَفِيهِمْ۔ اور اسی کے ص۷۵ پر ہے۔ فَقَالَ الْاَكْثَرُونَ هُوَ الْمَالُ الَّذِي لَمْ تُؤَدَّ زَكٰوتُهُ عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ۔ مَالٌ اُدِّيَتْ زَكٰوتُهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ كُلُّ مَالٍ اُدِّيَتْ زَكَاتُهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ وَاِنْ كَانَ تَحْتَ سَبْعِ اَرْضِيْنَ وَكُلُّ مَالٍ لَمْ تُؤَدَّ زَكٰوتُهُ فَهُوَ كَنْزٌ وَاِنْ كَانَ فَوْقَ الْاَرْضِ (الخ) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ قَوْلُهٗ تَعَالٰى۔ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ لَا يُؤَدُّوْنَ زَكٰوةَ اَمْوَالِهِمْ۔ ترجمہ۔
اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے فرمایا کہ اس آیت میں کنز کا معنیٰ وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ نہ دی جاتی ہو۔ فاروق اعظم سے روایت ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ہر سال ادا کی جاتی ہو وہ کنز نہیں۔ اور فرمایا عبداللہ بن عمرؓ نے کہ جس مال کی زکوٰۃ نکلتی رہے وہ مال کنز نہیں ہے اگرچہ ساتویں زمین کے نیچے مدفون ہو۔ اور جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ کنز ہے اگرچہ وہ اوپر ہی کسی کے پاس جمع ہو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان۔ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ باری تعالیٰ کی اس سے مراد وہ مال ہے جس کی مسلمان زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ اور چونکہ زیور سونا چاندی عام طور پر عورتیں

ہی جمع کرتی ہیں اس لیے اس جگہ اس آیتِ مبارکہ میں عورتوں کو خطاب کرنا مقصود ہے۔
تیسری وجہ۔ قرآن مجید اور اس کا ہر حکم شرعی قیامت تک کے لیے ہے اور تا قیامت ہر رسم و رواج پر حاوی و نافذ ہے فی زمانہ کوئی بھی کہیں بھی مال دولت روپیہ پیسہ سونا چاندی زمین میں دفن نہیں کرتا۔ شاید پہلے زمانوں میں ایسا ہوتا ہو مگر اب تو شاذو نادر بھی کوئی ایسا نہیں کرتا۔ اور فی زمانہ مرد تاجر لوگ سونا چاندی سے صرف تجارت کرتے ہیں کسی طرح بھی جمع نہیں کیا جاتا۔ اب جمع کی صورت صرف زیور سازی ہے اور وہ صرف عورتوں کا کام ہے نہ کہ مردوں کا۔ عورت ہی ڈھیر سارے زیور کی حریص ہوتی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اس آیت میں کنز سے مراد عورتوں کا زیور ہی ہے۔ اسی کی زکوٰۃ نہ دینے پر اتنے سخت عذاب کی بشارت اور وعید ہے جو قیامت تک قائم ہے اگر زیور پر زکوٰۃ ختم کر دی جائے تو موجودہ دور میں اس آیت کی وعید کس پر نافذ کرو گے اور ہزار ہا ٹنوں سونا و چاندی کی زکوٰۃ سے غربا محروم رہ جائیں گے جس سے غریب پروری کا اسلامی نظام بہت سخت متاثر و مفلوج ہو کر رہ جائے گا مساکین کی حق تلفی کے علاوہ افراط زر سے معیشتیں تباہ ہو کر رہ جائیں گی۔ اور پھر ہر مرد عورتیں بیویوں کے نام پر ان کھلے یا ان کے ذریعے کنز۔ دفینہ ذخیرہ اندوزی کا دھندہ شروع کر سکتا ہے۔ لہٰذا قرآنِ مجید کی اس آیتِ پاک کے صریحی وعیدی حکم کے مطابق ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ شافعیؒ، احمدؒ کا مذہب قطعًا غلط ہے۔

چوتھی وجہ۔ اس آیتِ پاک کی عبارتُ النص تو سونے چاندی کا ذکر فرما رہی ہے مگر اس کی اقتضاءُ النص سے زیور ہی مراد ہے جو استعمال کے لیے ہر عورت گنز بنا لیتی ہے۔ اسی لیے بہت سے علماءِ ملّت فقہاءِ امت نے عورت کے استعمالی زیور پر زکوٰۃ واجب ہونے کا استدلال اسی آیت سے کیا ہے۔
چنانچہ تفسیر نیشاپوری جلد ششم پارہ ۱۰ ص۲۶ پر ارشاد فرمایا۔ وَلِمَنْ اَوْجَبَ الزَّكٰوةَ فِي الْحُلِيِّ الْمُبَاحِ اَلْاِسْتِدْلَالُ بِالْاٰيَةِ لِاَنَّ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ يَشْمُلُهُ۔ ترجمہ۔ جن فقہاءِ عظام کے نزدیک استعمالی زیور پر زکوٰۃ فرض ہے ان کی دلیل یہ آیتِ مبارکہ ہے۔ اس لیے کہ اصلی اور حقیقی طور پر سونا اور چاندی اسی زیور کو ہی شامل ہے۔ اور تا قیامت سونے چاندی کو زیور کے ذریعے

کنز بنایا جاتا رہے گا۔ اور مسلمانوں میں صرف عورت ہی زیور بنا تی ہے مسلمان مرد اپنے لیے نہ بنا سکتا ہے نہ پہن سکتا ہے۔ دوسرا قول مبارک از احادیث مبارکہ۔ پہلی حدیث شریف۔ ابو داؤد شریف جلد اوّل کتابُ الزکوٰۃ بابُ الکنز صت ۲۱۸
حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِیسٰی عَنْ عَتَّابٍ یَعْنِی بْشِیرٍ عَنْ ثَابِتِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ کُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ یَا رَسُولَ اللهِ أَکَنْزٌ هُوَ. فَقَالَ مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّی زَکٰوتُهٗ فَزُکِّیَ فَلَیْسَ بِکَنْزٍ ترجمہ۔ حضرت اُمُّ المومنین اُمِّ مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت فرمایا کہ میں سونے کے کنگن سے زیور پہنا کرتی تھی ایک بار میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ کیا یہ زیور کنز ہے۔ تو آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ زیور جو اتنے وزن کا ہو جس کی زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے تو اگر اس کی زکوٰۃ ہر سال زکوٰۃ ادا کر دی جایا کرے تب وہ کنز نہ ہوگا۔ اسی حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ عورت پر اس کی ملکیتی استعمالی زیور پر زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ ہی حدیث پاک صت ۱۶۰ پر درج ہے اور حاشیے میں اس کی شرح اس طرح ہے۔ بین السطور میں ہے۔ اَوْضَاحًا۔ جَمْعُ وَضَحٍ نَوْعٌ مِنَ الْحُلِیِّ۔ ترجمہ۔ حدیث پاک کا لفظ اَوْضَاحٌ یہ جمع ہے وَضَحٌ کی ایک قسم کا زیور ہوتا ہے۔ المنجد عربی صت ۹۰۴ میں اوضاح کا ترجمہ لکھا ہے الخلخال اور صت ۱۹۱ پر الخلخال کا معنیٰ لکھا ہے اَلْخَلْخَالُ وَ الْخَلْخَلُ وَالْخُلْخُلُ جمع خَلَاخِیلُ والخَلَاخِلُ۔ حِلْیَةٌ تَلْبَسُهُ فِی الرِّجْلِ کَالسِّوَارِ فِی الْیَدِ۔ ترجمہ خلخال بھی کہا جاتا ہے خلخل بھی خُلخُل بھی۔ خلخال کی جمع ہے خلاخیل اور خلخل و خلخل کی جمع ہے خلاخل۔ یہ عورتیں پیروں میں پہنتی ہیں جیسے سوار ہاتھوں میں پہنا جاتا ہے۔ ہم اردو میں اس کو چھاجھن کہتے ہیں اور سوار کا ترجمہ ہے کنگن۔ مشکوٰۃ شریف کا حاشیہ ۵ یہ ہے۔ قَوْلُهٗ فَزُکِّیَ سَوَاءٌ کَانَ حُلِیًّا أَوْ غَیْرَهٗ وَ اسْتَدَلَّ أَبُوْحَنِیْفَةَ رح بِهٰذَا الْحَدِیْثِ وَ رَأَیٰ قِبَلَهٗ بِأَنَّ الْحُلِیَّ تَجِبُ فِیْهَا الزَّکٰوةُ خِلَافًا لِلْإِمَامِ الشَّافِعِیِّ وَهٰذَا الْحَدِیْثُ صَرِیْحٌ فِی الْمَقْصُوْدِ قَالَ مَتْرُوْکٌ وَإِسْنَادُهٗ جَیِّدٌ قَالَ الشَّیْخُ الْجَزَرِیُّ قَالَ

ابنُ العربی رِجالُہٗ رِجالُ البُخارِیْ۔ (۲ مرقات) ترجمہ حدیث مقدس کا فرمان فَزُکِّیَ اس کا معنیٰ ہے کہ خواہ سونے کا زیور ہو یا کوئی دوسری چیز بنی ہوئی بہر صورت زکوٰۃ واجب ہے اسی حدیث پاک سے بھی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اردگرد دیگر تمام ان مشائخ کرام نے دلیل حاصل کی ہے جو عورتوں کے استعمالی زیوروں پر مکمل زکوٰۃ فرض ہونے کے قائل ہیں۔ امام شافعی اس مسلک کے خلاف ہیں یعنی ان کے نزدیک عورتوں کے استعمال زیور پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ حالانکہ یہ حدیث پاک صاف اور واضح ہے زیور کی زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یعنی مقصد امام اعظم کو ثابت فرما رہی ہے۔ علامہ مبارک نے فرمایا اس کی اسناد کا ہر راوی درست اور ثقہ ہے شیخ جزولی اور ابن عربی نے فرمایا اس کے رجال یعنی سب راوی محمد بن عیسیٰ۔ بشیر اور ثابت بن عجلان اور عطا وغیرہ نہایت متقی بخاری شریف کے راویوں میں سے ہیں۔ اس حدیث سے کتنا واضح ثابت ہوا کہ امام اعظم کا مسلک نہایت مضبوط اور صحیح ہے کہ زیور پر زکوٰۃ فرض ہے۔

دوسری حدیث شریف۔ مشکوٰۃ شریف باب فیہ الزکوٰۃ فصل ثانی ص۱۶۰ پر ہے۔ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ امْرَأَتَیْنِ اَتَتَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ وَفِیْ اَیْدِیْھِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَھَبٍ فَقَالَ لَھُمَا تُؤَدِّیَانِ زَکٰوتَہٗ قَالَتَا لَا فَقَالَ لَھُمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اَتُحِبَّانِ اَنْ یُّسَوِّرَکُمَا بِسِوَارَیْنِ مِنْ نَارٍ قَالَتَا لَا قَالَ فَاَدِّیَا زَکٰوتَہٗ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ۔

ترجمہ۔ حضرت عمرو بن شعیب روایت کرتے ہیں اپنے والد اور دادا سے کہ ایک دفعہ دو عورتیں حاضر بارگاہ ہوئیں ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ان دونوں سے کہ کیا تم اس زیور کی زکوٰۃ ہر سال ادا کرتی ہو ان دونوں نے عرض کیا کہ کبھی نہیں ادا کی تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم یہ بات پسند کرتی ہو کہ کل بروز قیامت اللہ تعالیٰ تم دونوں کو آگ کے کنگن پہنائے۔ دونوں نے

عرض کیا کہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ فرمایا نبی کریم رؤف و رحیم آقا صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم نے تو تم دونوں اس زیور کی زکوٰۃ ادا کر دیا کرو۔ اِس کو ترمذی شریف نے بھی روایت فرمایا۔ صاحبِ مشکوٰۃ آگے فرماتے ہیں۔ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ قَدْ رَوَى الْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ نَحْوَ هٰذَا وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَاحِ وَابْنُ لَهِيْعَةَ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيْثِ۔ وَلَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ۔ ترجمہ۔ ترمذی نے کہا کہ اِس حدیث کو مثنیٰ بن صباح نے روایت کیا حضرت عمرو بن شعیب سے بالکل اسی طرح۔ اور مثنیٰ بن صباح۔ وَابن لَهِيْعَةَ حدیث کے بارے ضعیف شمار کیے جاتے ہیں۔ اور اِس باب میں یعنی زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔ اَقُوْلُ۔ امام ترمذی کا یہ فرمانا کہ زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۔ یہ اُن کی اپنی معلومات کے مطابق ہے اور ان کی کم علمی ہے۔ اور اُس زمانے میں یہ کم علمی تعجب خیز یا انوکھی نہ تھی ان کی ہی نہیں ہر محدث کو بہت سی ایسی احادیث صحیحہ نہ ملیں جو دوسرے محدثین کو ملیں ترمذی کی کمزوری سے حدیث صحیح کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نیز امام ترمذی اس حدیثِ مقدسہ کو صرف مثنیٰ بن صباح کے روایت کرنے کی وجہ سے کمزور ضعیف کہہ رہے ہیں حالانکہ اس حدیث پاک سے امام اعظم نے اور امام یوسف امام محمد اور دیگر محدثین احناف نے استدلال فرمایا کیونکہ جس زمانے میں امام اعظم تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حدیث مبارکہ ملی اس وقت نہ ترمذی پیدا ہوئے تھے نہ مثنیٰ بن صباح امام اعظم کو صحیح راوی سے ملی۔ ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی اور ترمذی کی بات امام اعظم کے مقابل کم تر ہے۔ نیز مثنیٰ بن صباح کی وجہ سے صرف الفاظ میں ضعف پیدا ہو سکتا ہے اور فقط سنداً ضعیف کہا جا سکتا ہے مگر معناً وَدِرَايَةً یہ حدیث بالکل درست و صحیح ہے کیونکہ آیت پاک وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ کے مطابق ہے بلکہ یہ حدیث اُس آیت کی تفسیر و تائید ہے درایہ نے ص۱۶۱ پر فرمایا قَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ كَذَا قَالَ وَغَفَلَ عَنْ طَرِيْقِ خَالِدِ بْنِ الْحٰرِثِ۔ ترجمہ ترمذی کا یہ کہنا کہ زیور کی زکوٰۃ کے وجوب میں

کوئی صحیح حدیث نہیں ہے اور اس حدیث کو مثنیٰ بن صباح کی وجہ سے ضعیف کہنا یہ ترمذی کی سخت غفلت ہے کیونکہ یہ حدیث پاک تو خالد بن حارث کی سند سے بھی مروی ہے جو بہترین ثقہ ہیں۔ اس لیے ترمذی صاحب کا کہنا قطعاً ناقابل قبول ہے۔

تیسری حدیث پاک مشکوٰۃ شریف باب الخاتم فصل ثانی ص ۳۷۹ پر ہے۔ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَةً مِّنْ ذَهَبٍ قُلِّدَتْ فِيْ عُنُقِهَا مِثْلَهُ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی)۔ ترجمہ۔ روایت ہے اسماء بنت یزید سے کہ بے شک آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت سونے کا ہار پہنے گی قیامت میں اُس کے گلے میں آگ کا ہار ڈالا جائے گا اور جو عورت اپنے کانوں میں سونے کے بُندے پہنے گی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کے ہی اس کے کانوں میں آگ کے بُندے ڈالے گا۔ اس حدیث میں وجہ کا اظہار نہ فرمایا گیا کہ آگ کے ہار و بُندے کیوں پہنائے جائیں گے۔ مگر سابقہ مذکورہ بالا احادیث کی وعید اور اس کی مشابہت و مماثلت کی وجہ سے واضح و ظاہر ہے کہ یہ بھی ان زیوروں کا دہاروں اور بُندوں کا ہی ذکر ہے جن کی زکوٰۃ نہ دی جائے ورنہ اتنی سخت ممانعت کسی اور وجہ سے نہیں ہو سکتی۔ اس کی شرح اسی جگہ مرقات سے ماخوذ اس طرح مرقوم ہے۔ ؎ قَوْلُهُ مِثْلَهُ مِنَ النَّارِ (الخ) وَشَانِيْهِمَا اَنَّ هٰذَا الْوَعِيْدَ اِنَّمَا جَاءَ فِيْمَنْ لَّا يُؤَدِّيْ زَكٰوةَ الذَّهَبِ دُوْنَ مَنْ اَدَّاهَا۔ قَالَ الْاَشْرَفُ لَوْكَانَ هٰذَا الْوَعِيْدُ لِلْاِمْتِنَاعِ عَنْ اَدَاءِ الزَّكٰوةِ لَمَا خَصَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبَ بِالذِّكْرِ وَ لَرَخَّصَ فِي الْفِضَّةِ وَالْحَدِيْثَانِ يُنَادِيَانِ بِالْفَرْقِ بَيْنَهُمَا قَالَ الطِّيْبِيُّ وَ يُمْكِنُ اَنْ يُّجَابَ عَنْهُ بِاَنَّ الْحُلِيَّ الَّذِيْنَ يُصَاغُ مِنَ الذَّهَبِ اِذَا اُرِيْدَ اَنْ يُّصَاغَ مِنَ الْفِضَّةِ وَكَانَ حَجْمُهُ مِثْلَ حَجْمِهِ وَوَزْنُهُ اَقَلَّ مِنْ وَزْنِهِ بِقَرِيْبٍ مِّنْ نِصْفِهِ فَالذَّهَبُ يَبْلُغُ نِصَابَ النِّصَابِ بِخِلَافِ الْفِضَّةِ۔ مرقات (ترجمہ۔) ومختصر تشریح۔ چونکہ

الفاظِ حدیث میں خود کوئی وضاحت نہیں کہ کن عورتوں کو یہ وعیدِ عذاب سنائی جا رہی ہے اس لیے شارحین علما نے اپنی طرف سے کچھ مطالب بیان کر دئے ہیں چنانچہ اسی حاشیہ میں دو تاویلیں مذکور ہیں ایک یہ کہ یہ وعید شروع اسلامی دور میں تھی اس وقت عورتوں کو بھی سونے کا زیور پہننا حرام تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہوا اور عورتوں کو سونے کا زیور پہننا جائز ہوا۔ مگر یہ تاویل قطعًا غلط اور جاہلانہ ہے۔ کسی دور میں بھی مسلمان عورتوں کو سونا پہننا حرام نہ ہوا بلکہ سونا چاندی حضرتِ حوّا کے زمانے سے جائز چلا آ رہا ہے۔ بنی اسرائیل کی عورتوں نے موسیٰ علیہ السّلام کے حکم سے فرعونی قبطی عورتوں سے زیور اُدھار لیا تھا اور تمام اسرائیلی مومن عورتیں زیور پہنا کرتی تھیں۔ اسی استعمالی زیور سے بچھڑا بنایا گیا تھا۔ حضرت سارا اور حضرت ہاجرہ بھی زیور پہنا کرتی تھیں بلکہ بندے اور ناک کے سوراخ کا زیور تو ایجاد ہی حضرتِ ہاجرہ کی ہے اسلامی شریعت میں بھی عورتوں پر زیور حرام نہ ہوا۔ لہٰذا یہ تاویل غلط ہے بعض لوگوں نے تاویل یہ بیان کی کہ امیر عورتیں غریبوں کے سامنے سونے کا زیور پہنکر غرور کرتی تھیں اور خود کو غریب مسلمانوں سے اعلیٰ و افضل سمجھتی تھیں جس سے غریب مسلمان عورتوں کو رشک اور غم ہوا کرتا تھا۔ اس لیے اِس سونے کے زیور سے غرور و تکبّر کی بنا پر منع کیا گیا۔ مگر یہ تاویل غلط ہے اوّلاً اس لیے کہ مسلمان صحابیہ عورت کو غرور تکبّر نہیں ہو سکتا۔ دوم اس لیے کہ مسلمان صحابیہ عورت کو رشک و غم بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ غریبی پر غم اور دنیوی دولت پر رشک حرام ہے صحابیات جو اولیاءُ اللہ سے افضل و اعلیٰ ہیں ایسے حرام کام کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ سوم اس لیے کہ اگر فرضًا رشک و غم ہوتا بھی ہو تو پھر تو ریشم پہننے اور امیرانہ دولت پر بھی رشک ہو سکتا ہے حالانکہ عورتوں کو ریشم پر کوئی وعید نہ سنائی گئی۔ اس لیے یہ تاویل بھی غلط ہے حدیث پاک کا صحیح مطلب و مراد وہی ہے جو مرقات نے فرمایا کہ یہاں اُن مسلمان عورتوں کو وعید سنائی جا رہی ہے جو اپنے اپنے زیور کی زکوٰۃ۔ غفلت سستی یا لاعلمی کی بنا پر ادا نہ کرتی تھیں یا قیامت تک کی دیگر دنیادار مسائل سے غافل زیور کی حریص مسلمان عورتوں کو یہ فرمان سنایا جا رہا ہے۔ یہاں وہ عورتیں مراد نہیں جو ہر سال باقاعدگی سے مسلسل اپنے زیوروں کی زکوٰۃ دیتی رہتی ہیں صاحبِ

مرقات کے اس معنیٰ پر کسی اشرف صاحب نے اعتراض جڑ دیا کہ اگر یہ بات ہوتی تو صرف سونے کا نام حدیث پاک میں کیوں لیا جاتا جب کہ عورتیں چاندی کا زیور بھی پہنتی ہیں اور چاندی پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کا جواب سمجھاتے ہوئے صاحب مرقات نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا بھاری بھی ہوتا ہے اور اُس کا نصاب بھی تھوڑا ہے۔ چاندی ہلکی بھی ہوتی ہے اور اس کا نصاب بھی بہت زیادہ ساڑھے ستاون یا اٹھاون تولے ہے۔ سونے کا ایک ایک ہار ہی پورے نصاب میں بن جاتا ہے یا ایک ہار اور دو بُندے ایک نصاب کے وزن تک پہنچ جاتے ہیں مگر چاندی کے ایک نصاب میں زیوروں کے کئی سیٹ بن جاتے ہیں۔ تو چونکہ یہاں ایک ہار اور دو بندوں کا ذکر ہے اور یہ سونے کے نصاب کو پہنچ سکتے ہیں چاندی کے نصاب تک نہیں اس لیے چاندی کے ایک ہار بلکہ ایک سیٹ پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہو پاتی اور زکوٰۃ پورے نصاب پر ہوتی ہے نہ کہ کم پر اس لیے حدیث پاک میں صرف سونے کا ذکر ہوا نہ کہ چاندی کا نیز یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے چاندی کے زیور کا رواج شروع سے کم رہا بلکہ اب تو تقریباً ختم ہی ہو گیا ہے مگر یہ حدیث پاک قیامت تک کے قانون شریعت کے لیے ہے۔ اسماء بنت یزید کی اس حدیثِ پاک کو مجموعۂ احادیث کی معتبر و مشہور کتاب درایہ نے فَصْلٌ فِیْ زَکوٰۃِ الْحُلِیْ میں ذکر کیا ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مقدس۔ زیور کی زکوٰۃ نہ دینے والی عورتوں کے متعلق ہے۔ چوتھی حدیث پاک۔ درایہ فَصْلٌ فِیْ زَکوٰۃِ الْحُلِیْ ص۱۶۱ پر ہے وَاَخْرَجَہُ الدَّارُقُطْنِی مِنْ طَرِیْقِ الْحَجَّاجِ ابْنِ اَرْطَاۃَ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَیْبٍ وَمِنْ وَجْہٍ اٰخَرَ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ۔ وَاَنَّہٗ کَانَ یَکْتُبُ اِلٰی خَازِنِہٖ سَالِمٍ اَنْ یُّخْرِجَ زَکٰوۃَ حُلِیِّ بَنَاتِہٖ کُلَّ سَنَۃٍ۔ ترجمہ۔ عبد اللہ بن عمر اپنے خازن سالم کو لکھا کرتے تھے کہ میری بیٹوں کے زیور کی زکوٰۃ ہر سال میرے جمع شدہ مال سے نکال دیا کرو۔ پانچویں حدیث مقدسہ۔ درایہ ص۱۶۱ پر ہے ان سابقہ چار احادیث میں محدثین کے نزدیک کوئی ضعف نہیں۔ صحیح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک ہی کافی ہے۔ لیکن اتمام حجت اور وضاحت

مابعد کے لیے ہم وہ احادیث بھی یہاں نقل کر دیتے ہیں جو امام اعظم کو صحیح سند سے ملیں لیکن زمانے کے گزرتے کے ساتھ ساتھ ان کی سند میں ضعیف راوی بھی شامل ہوتے گئے اور سند دراز ہو کر بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر ملی۔ عَنْ فَاطِمَہ بِنْتِ قَیْسٍ قَالَتْ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ بِطَوْقٍ فِیْہِ سَبْعُوْنَ مِثْقَالاً مِنْ ذَھَبٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ خُذْ مِنْہُ الْفَرِیْضَۃَ فَاَخَذَ مِثْقَالاً وَثَلاَثَۃَ اَرْبَاعِ مِثْقَالٍ۔ ترجمہ۔ فاطمہ بنت قیس روایت فرماتی ہیں کہ میں اپنا ایک سونے کا ہار (طوق) لے کر آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں گئی اس طوق میں ستر مثقال سونا تھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا فریضہ یعنی زکوٰۃ وصول فرمالیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ایک مثقال پورا اور تین چوتھائی مثقال زکوٰۃ نکالی۔ یعنی پونے دو مثقال۔ درایہ نے فرمایا کہ اس روایت کو دارقطنی نے جس سند سے روایت کیا اس میں ایک ابو بکر ھذلی راوی ہیں وَھُوَ ضَعِیْفٌ۔ اور وہ ضعیف ہیں اور دوسرے راوی نصر بن مزاحم ہیں وَھُوَ اَضْعَفُ مِنْہُ۔ وہ ان سے بھی زیادہ ضعیف راوی ہیں۔ یعنی یہ دونوں ضعیف و اضعف دارقطنی کی سند میں ان کے زمانے میں شامل تھے۔ مگر جس وقت یہ ہی حدیث پاک امام اعظم نے سنی تھی اس وقت یہ دونوں پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ چھٹی حدیث پاک۔ اَخْرَجَہُ اَبُوْنُعَیْمٍ فِیْ تَرْجَمَۃِ شَیْبَانَ بْنِ زَکَرِیَّا مِنْ تَارِیْخِہٖ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ۔ اِنَّ لِاِمْرَاَتِیْ حُلِیًّا مِنْ ذَھَبٍ عِشْرِیْنَ مِثْقَالاً قَالَ فَاَدِّ زَکٰوۃَ نِصْفَ مِثْقَالٍ۔ ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بے شک میری بیوی کے پاس ۲۰ مثقال سونے کا زیور ہے ارشاد فرمایا کہ آدھا مثقال اس کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ درایہ نے فرمایا کہ اس کی اسناد بھی بہت ضعیف ہے یعنی راویوں میں کوئی راوی کمزور حافظے والا ہے یادداشت کی کمزوری سند کو ضعیف بنا دیتی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ تمام سنداً ضعیف حدیثیں متناً اور معناً بالکل صحیح ہیں۔ متناً اس لیے کہ پہلی چار صحیح احادیث کے مشابہ

ومطابق ہیں اور معناً اس لیے کہ قرآن مجید کی آیت وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ کے مطابق ہے۔ اگر زکوٰۃ حلیہ کے وجوب کی یہ احادیث ضعیف ہیں تو عدم وجوب میں ائمہ ثلاثہ کا تدبر و تفکر بھی سخت ضعیف ہے اُن ائمہ ثلاثہ نے نہ قرآنِ مجید میں غور فرمایا نہ قیاس میں نہ اپنے مُقتدا امامِ اعظم کے مسلک میں۔

ساتویں حدیث پاک۔ سابقہ چھ احادیث مقدسہ میں آقائے کائنات حضورِ اقدس نبی مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خود اپنے فرامین وارشادات مذکور ہیں اگلی احادیث میں صحابہ کرام کے اقوالِ پاک درج ہیں کہ صحابہ نے فرمایا عورتوں کے استعمالی ملکیتی زیوروں پر زکوٰۃ ہے چنانچہ درایہ ص۴۲ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فِی الْحُلِیِّ زَکٰوۃٌ اَخْرَجَہٗ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَمِنْ طَرِیْقِہِ الطَّبْرَانِیُّ مَوْقُوْفٌ۔ آٹھویں حدیث مبارکہ۔ وَرَوٰی ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ شَدَّادٍ وَعَطَاءٍ وَطَاؤُسٍ وَاِبْرَاہِیْمَ وَسَعِیْدِ ابْنِ جُبَیْرٍ قَالُوْا فِی الْحُلِیِّ زَکٰوۃٌ زَادَ ابْنُ شَدَّادٍ حَتَّی الْخَاتَمِ وَفِیْ رِوَایَۃِ عَطَاءٍ مِنَ السُّنَّۃِ اَنَّ فِی الْحُلِیِّ الذَّہَبِ وَالْفِضَّۃِ الزَّکٰوۃُ۔ ترجمہ۔ حدیث ۷ و ۸ کا عبد اللہ ابن مسعود، اور ابن ابی شیبہ۔ اور عبد اللہ بن شداد اور امام عطاء۔ اور امام طاؤس و ابراہیم تابعی وسعید ابن جبیر صحابی پاک ان سب مشائخ کرام نے فرمایا کہ سونے چاندی کے زیور میں زکوٰۃ فرض ہے۔ عطاء کی روایت میں مزید وضاحت ہے کہ عورتوں کے زیور کی زکوٰۃ میں انگوٹھی بھی سونے اور چاندی کی شامل ہوئی ان دونوں حدیثوں کو کسی نے ضعیف نہ کہا۔

نویں حدیث مبارک۔ درایہ ص۴۲ پر ہے۔ اِنَّ عُمَرَ کَتَبَ اِلٰی اَبِیْ مُوْسٰی مُرْ مَنْ قِبَلَکَ مِنْ نِسَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ اَنْ تُزَکِّیْنَ حُلِیَّہُنَّ۔ ترجمہ۔ فاروق اعظم رض نے ابوموسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ اپنی جانب سے تمام عاقلہ بالغہ مسلمان عورتوں کو حکم فرمائیں کہ وہ اپنے اپنے زیور کی زکوٰۃ نکالیں۔ بعض کتابوں میں آخری الفاظ اس طرح ہیں۔ اَنْ یُزَکِّیَ مِنْ حُلِیِّہِنَّ۔ یعنی ابوموسیٰ زکوٰۃ وصول کریں ان عورتوں سے اُن کے زیوروں کی۔ اس روایت کے متعلق درایہ نے لکھا۔ وَاَخْرَجَہٗ بِاِسْنَادٍ ضَعِیْفٍ۔ یعنی فاروقِ اعظم والی اس حدیث کو صاحبِ

کتاب نے ضعیف اسناد سے حاصل کیا ہے۔ یعنی محدث کو یہ جن لوگوں سے سنی سنائی ملی اُن میں کوئی ایک راوی کمزور حافظے والا بھی تھا جس کی وجہ اس محدث کو ضعیف ہو کر ملی۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ۔ مگر پہلے پانچ چھ صحابہ کے فرمودات اس زکوٰۃ حلیہ کے بارے میں بالکل صحیح و درست ملے۔ تیسرا قول۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امام اعظم کے نزدیک عورتوں کے ملکیتی استعمالی گھریلو زیور پر بھی مکمل نصاب پر اتنی ہی زکوٰۃ فرض ہے جتنی تجارتی سونے چاندی پر زکوٰۃ ہوتی ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر مدلل کتاب ھدایہ شریف جلد اول کتابُ الزکوٰۃ فصل فِی الذَّھَب ص۱۵۴ پر ہے۔ قَالَ وَفِی تِبْرِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَحُلِیِّھِمَا وَاٰنِیَتِھِمَا الزَّکوٰۃُ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ لَا تَجِبُ فِی حُلِیِّ النِّسَاءِ وَخَاتَمِ الْفِضَّۃِ لِلرِّجَالِ۔ اور بین السطور لکھا ہے وَبِہٖ قَالَ اَحْمَدُ وَمَالِکٌ۔ ترجمہ۔ فرمایا مصنف متن نے کہ سونے چاندی کے ٹکڑوں یعنی بغیر بنے ہوئے زیوروں میں۔ اور عورتوں کے ملکیتی استعمالی زیوروں اور سونے چاندی کے بنے ہوئے برتنوں میں زکوٰۃ فرض ہے اور امام شافعی امام احمد اور امام مالک تینوں ائمہ نے فرمایا کہ عورتوں کے ملکیتی استعمالی زیور پر اور مردوں کی ملکیتی استعمالی چاندی کی انگوٹھی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ کتابُ الفقہ علی مذاھب الاَرْبَعَۃ جلد اول ص۶۰۱ پر کتابُ الزکوٰۃ فصل زکوٰۃُ الذَّھَبِ وَالفِضَّہ میں ہے۔ اَلْمَالِکِیَّۃُ قَالُوا الْحُلِیُّ الْمُبَاحُ کَالسِّوَارِ لِلْمَرْاَۃِ وَقَبْضَۃُ السَّیْفِ الْمُعَدِّ لِلْجِھَادِ وَالسِّنِّ وَالْاَنْفِ لِلرَّجُلِ لَا زَکوٰۃَ فِیْہِ۔ اَلْحَنَفِیَّۃُ۔ قَالُوا اَلزَّکوٰۃُ وَاجِبَۃٌ فِی الْحُلِیِّ سَوَاءٌ کَانَ لِلرَّجُلِ اَوْ لِلنِّسَاءِ۔ اَلْحَنَابِلَۃُ قَالُوا لَا زَکوٰۃَ فِی الْحُلِیِّ الْمُبَاحِ الْمُعَدِّ لِلْاِسْتِعْمَالِ اَوِ الْاِعَارَۃِ وَ۔ الشَّافِعِیَّۃُ۔ قَالُوا لَا تَجِبُ الزَّکوٰۃُ فِی الْحُلِیِّ الْمُبَاحِ الَّذِیْ حَالَ عَلَیْہِ الْحَوْلُ۔ اسی طرح امام عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب المیزانُ الکُبریٰ جلد دوم باب زکوٰۃ الذہب والفضہ کے ص۵ پر لکھتے ہیں۔ وَمِنْ ذَالِکَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ فِیْ اَصَحِّ الْقَوْلَیْنِ وَاَحْمَدَ اَنَّہٗ لَا تَجِبُ الزَّکوٰۃُ فِی الْحُلِیِّ الْمُبَاحِ الْمُتَّخَذِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ اِذَا کَانَ مِمَّا یُلْبَسُ وَیُعَارُ۔ وَمِنْ ذَالِکَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ وَمَالِکٍ

فِی اَشْہُرٍ وَ اٰیَتِہٖ اَنَّہٗ لَوْ کَانَ لِرَجُلٍ حُلِیٌّ مُعَدٌّ لِلْاِجَارَۃِ لِلنِّسَاءِ فَلَا زَکٰوۃَ فِیْہِ۔ اور اسی طرح امام ابوعبد اللہ دمشقی اپنی کتاب رحمۃ الامۃ جلد اول باب زکوٰۃ الذھب والفضہ فصل الحلی ص۱۰۳ و ص۱۰۴ پر لکھتے ہیں۔ اَلْحُلِیُّ الْمُبَاحُ الْمَصُوْغُ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ اِذَا کَانَ مِمَّا یُلْبَسُ وَ یُعَارُ قَالَ مَالِکٌ وَ اَحْمَدُ لَا زَکٰوۃَ فِیْہِ وَ لِلشَّافِعِیِّ قَوْلَانِ اَصَحُّھُمَا عَدَمُ الْوُجُوْبِ وَ لَوْ کَانَ لِرَجُلٍ مُعَدٌّ لِلْاِجَارَۃِ لِلنِّسَاءِ فَالرَّاجِحُ مِنْ مَذْھَبِ الشَّافِعِیِّ اَنَّہٗ لَا زَکٰوۃَ فِیْہِ وَھُوَ الْمَشْھُوْرُ مِنْ مَالِکٍ۔ ترجمہ۔ تینوں عبارتوں کا اس طرح ہے کہ ہر وہ زیور جو استعمال کے لیے بنوایا جائے خواہ عورت بنوائے پہننے کے لیے یا مرد مسلمان بنوائے عورتوں کو کرایہ پر دینے کیلئے امام مالک شافعی احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے نزدیک اس سونے چاندی پر زکوٰۃ فرض نہیں اگرچہ سالوں گزر جائیں اور ڈھیروں زیور بنوالیا جائے۔ لیکن امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں ہر سونے چاندی پر زکوٰۃ فرض ہے خواہ تجارتی ہو یا استعمالی جب نصاب تک یا اس سے زیادہ ہو جائے۔ امام اعظم نے اپنے اس مذہب اعظم و اعلیٰ کو گیارہ دلائل سے ثابت فرمایا جن میں سے دس دلائل ہم نے اوپر بیان کر دئے یعنی ایک آیت قرآن مجید اور نو احادیث مبارکہ یہ دلائل منقولہ فقہیہ ہیں۔ امام اعظم کی گیارہویں دلیل عقلیہ و اصولیہ ہے۔ چنانچہ ہدایہ شریف جلد اول ص۱۷۷ پر ہے وَلَنَا اَنَّ السَّبَبَ مَالٌ نَامٍ وَ دَلِیْلُ النَّمَاءِ مَوْجُوْدٌ وَھُوَ الْاِعْدَادُ لِلتِّجَارَۃِ خِلْقَۃً وَ الدَّلِیْلُ ھُوَ الْمُعْتَبَرُ۔ ترجمہ۔ مسلک حنفی کی دلیل یہ ہے کہ سونا چاندی پیدائشی طور پر ازل سے ہر دور ہر زمانے ہر حکومت ہر ملک میں عالمی سطح پر تجارتی اور خرید و فروخت والا مال ہے بلکہ ہر شخص سونے چاندی کو کرنسی اور قیمت ہی سمجھتا ہے اس لیے یہ مال نامی ہے یعنی بڑھنے والا بخلاف دنیا کے دوسرے مال و سامان کے کہ وہ جامد ہوتے ہیں ان کو صرف بذریعہ تجارت بڑھایا جاتا ہے۔ اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار کے ص۲۳۲ پر ہے۔ فَالْوَصْفُ اللَّازِمُ اَنْ لَا یَنْفَکَّ عَنِ الْاَصْلِ کَالثَّمَنِیَّۃِ عِلَّۃٌ لِوُجُوْبِ

اَلزَّکوٰۃُ فِی الذَّھَبِ وَالفِضَّۃِ لَا یَنفَکُّ عَنھُمَا لِاَنَّھُمَا خُلِقَا فِی الْاَصْلِ عَلٰی مَعْنَی الثَّمَنِیَّۃِ وَھِیَ مُشْتَرَکَۃٌ بَیْنَ مَضرُوبِ الذَّھَبِ وَالفِضَّۃِ وَتِبْرِ ھِمَا وحلیھما فَیَکُوْنُ فِی حَلِّ النِّسَاءِ الزَّکوٰۃُ لِعِلَّۃِ الثَّمَنِیَّۃِ۔ ترجمہ قیاس کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وصفیت مشترک ہو یعنی مقیس علیہ مقیس رجس کو اصل وفرع کہتے ہیں) میں وصف ایک ہو۔ وصف دو قسم کا ہے ۱۔ وصف اصلی یعنی دائمی ۲۔ وصف عارضی یعنی وقتی ختم ہو جانے والا۔ وصفِ اصلی وہ ہے جو کسی وقت کبھی بھی اُس چیز موصوفہ سے جُدا نہ ہو سکے۔ جیسے ثمینۃ (یعنی چیزوں کی سامان کی قیمت بننا) علت ہے زکوٰۃ کے واجب ہونے کیلئے سونے چاندی میں۔ یہ علت اصلی ہے کبھی بھی سونے چاندی سے جدا نہیں ہوتی سونا چاندی خواہ مضروب یعنی دینار رہتا ہو یا اُن کے ٹکڑے، ہوں بغیر صاف کئے ہوئے کان سے نکلے ہوئے یا صاف کئے ہوئے۔ یا اِن دونوں سونے چاندی کا زیور بنا ہوا استعمالی عورت کا یا کر ائے کے لیے ہو مرد کا بہر حال ہر سال اُس پر زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ ثمینۃ بہر حال موجود ہے تا قیامت۔ یہ قانونِ کلیہ تمام فقہا و ائمۂ ثلاثہ کا بھی مسئلہ متفق علیہ ہے۔ امام شافعی اِسی وصفِ اصلی کی بنا پر حرمت سود کی علت اسی ثمینۃ کو بناتے ہیں چنانچہ نورالانوار میں اسی جگہ ص۲۲۴ پر آگے لکھا ہے۔ وَالشَّافِعِی یُعَلِّلُ حُرْمَۃَ الرِّبٰو بِھَا۔ ترجمہ امام شافعی اسی ثمنیہ دائمی کی وجہ سے سونے چاندی میں سود کو حرام کہتے ہیں۔ گویا کہ یہ قانون مسلّم ہے۔ مگر زیور کی زکوٰۃ میں اس قانون کو بھول گئے یا غلطی کھا گئے۔ اسی طرح توضیح تلویح جلد دوم بحث القیاس ص۵۵ پر ہے۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِیِّ یَجُوْزُ فَاِنَّہٗ جَعَلَ عِلَّۃَ الرِّبٰوا فِی الذَّھَبِ وَالفِضَّۃِ اَلثَّمَنِیَّۃَ۔ ترجمہ امام شافعی کو یہ تسلیم ہے کہ سونے چاندی کی علت اُن کا پیدائشی اور دائمی ثمن ہونا ہے اِسی کو علت بنا کر انہوں نے سونے چاندی میں سود کو حرام کہا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ قانون سب کو مسلّم مگر زکوٰۃ حلیہ کا انکار کر دیا گیا۔ فصل دوم۔ اِس انکار پر اُن کے دلائل حسب ذیل ہیں ائمۂ ثلاثہ کی پہلی دلیل استعمالی زیور مثل استعمالی کپڑوں کے ہے تو جب استعمالی کپڑوں پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپوں، درھموں۔ دیناروں کے ہوں تو اسی وجہ سے زیور پر بھی نہ ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ہدایہ شریف جلد اوّل ص۱۵۲ پر ان کی یہ دلیل اِن الفاظ

میں لکھی ہے۔ لِاَنَّهٗ مُبْتَذَلٌ فِيْ مُبَاحٍ فَشَابَهَ ثِيَابَ الْبِذْلَةِ. ترجمہ۔ عورتوں کے زیور میں اس لیے زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ استعمال ہوتا ہے تجارت کے لیے نہیں۔ اس لیے عورتوں کے زیور اُن کے استعمالی کپڑوں کے مشابہ ہو گئے۔ تو جب کپڑوں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہونے کے زیور پر بھی نہیں۔ جواب۔ یہ قیاس چار وجہ سے غلط اور انتہائی کمزور ہے پہلی وجہ کپڑوں پر قیاس کرنا مَعَ الْفَارِق ہے کیونکہ دونوں میں علتِ مذکورہ یکساں نہیں۔ اس لیے کہ لباس کا بذل ہونا یعنی پہن کر استعمال کرنا اُس کا اصل مقصد ہے زیور کا اصل اور پیدائشی مقصد استعمال نہیں کپڑا جب لباس بن گیا تو اب کچھ اور نہیں بن سکتا نہ کسی اور طریقے سے استعمال ہو سکے یہ بات سونے چاندی کے زیور میں نہیں۔ وہ ٹوٹ کر بھی اتنا ہی قیمتی ہے جتنا بنا ہوا اور توڑ کر بہت کچھ دوبارہ بنایا جا سکتا ہے۔ دوم وجہ۔ سونا چاندی ثمن ہے۔ کپڑے ثمن نہیں۔ تیسری وجہ۔ کپڑے سامان ہیں دولت نہیں۔ سونا چاندی کسی بھی شکل میں سامان نہیں۔ دولت ہے۔ شرعاً بھی رواجاً بھی اور دنیوی قانون میں چوتھی وجہ کپڑے مالِ نامی نہیں مگر سونا چاندی ہر حال ہر زمانے میں ہر ملک ہر رواج میں مالِ نامی ہے۔ اور اصل علتِ نامی ہونا ہی ہے جیسا کہ تلویح جلد دوم صـ ۵۵۳ پر ہے۔ فَالْعِلَّةُ فِي الْحَقِيْقَةِ اَلنَّمَاءُ لَا الثَّمَنِيَّةُ ترجمہ۔ سونے چاندی میں حقیقی علت نامی یعنی بڑھنے والا ہونا ہے نہ کہ ثمنیت ثمن ہونا فقط ذریعہ ہے نامی ہونے کا۔ ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل۔ مؤطا امام مالک جلد اوّل صـ ۱۷۱ پر کتاب الزکوٰۃ میں ہے مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ قَاسِمٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ تَلِيْ بَنَاتِ اَخِيْهَا يَتَامٰى فِيْ حَجْرِهَا لَهُنَّ الْحُلِيُّ فَلَا تُخْرِجُ مِنْ حُلِيِّهِنَّ الزَّكٰوةَ. ترجمہ۔ عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا والی وارث بن کر پرورش کرتی تھیں اپنی یتیم بھتیجیوں کی۔ ان بھتیجیوں کا زیور تھا مگر عائشہ صدیقہ اُس کی زکوٰۃ نہ دیتی تھیں۔ جواب یہ روایت ائمہ ثلاثہ کی اس مسئلے پر دلیل ہے کہ کسی بھی مسلمان عاقلہ بالغہ عورت پر اُس کے زیور میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ میں حیران ہوں کہ ائمہ ثلاثہ نے اپنے مسلک پر اتنی کمزور دلیل پیش کی ہے کہ یہ دلیل تین طرح کمزور ہے ۱۔ یتیم بچی نابالغہ ہوتی ہے اور کسی بھی

نابالغ بچے یا بچی کی کسی بھی چیز پر بلکہ نابالغوں پر کوئی بھی شرعی حکم فرض یا واجب نہیں نہ زکوٰۃ نہ نماز نہ روزہ وغیرہ ۲ یہ روایت ایک صحابیہ کے ایک واقعے کی خبر ہے نہ کہ حکم شرعی۔ اور واقعات کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں نامعلوم کیا وجہ تھی کہ آپ زکوٰۃ نہ دیتی تھیں سب سے بڑی وجہ تو یہ ہی نابالغی ہے۔ ہاں اگر ام المومنین منع فرماتیں کہ کوئی عورت کسی عمر میں بھی اپنے زیور کی زکوٰۃ نہ دیا کرے یا اپنا ذکر فرماتیں کہ ہم بھی اپنے زیور کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتیں تب یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کی دلیل بن سکتی تھی ۳ کسی بھی فقیہ نے اس روایت سے یہ مذکورہ بالا استدلال نہ کیا۔ ثابت ہوا کہ امام مالک وغیرہ کی یہ دوسری دلیل بھی حجت ناقابل تیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی تیسری دلیل اسی موطا مالک کے اسی صفحہ پر ہے۔ مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُحَلِّي بَنَاتَهٗ وَجَوَارِيَهُ الذَّهَبَ ثُمَّ لَا يُخْرِجُ مِنْ حُلِيِّهِنَّ الزَّكوٰةَ۔ ترجمہ۔ بے شک عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیٹیوں اور اپنی لونڈیوں کے لیے زیور بنایا کرتے تھے سونے کا پھر کبھی ان کے زیور کی زکوٰۃ نہ نکالتے تھے۔

جواب۔ یہ دلیل بھی چار وجہ سے کمزور ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ ابھی ہم نے امام اعظم کے دلائل میں چوتھی حدیث بیان کی کہ یہی عبد اللہ ابن عمر اپنے خزانچی سالم کو لکھتے تھے کہ میری بیٹیوں کے زیور کی زکوٰۃ تم خود ہر سال نکالدیا کرو۔ لہٰذا آپ عبد اللہ بن عمر کو نکالنے کی ضرورت نہ تھی دوسری وجہ کہ یہ بھی صرف ایک صحابی کے عملی واقعے کی خبر ہے کوئی شرعی حکم نہیں۔ یعنی عبد اللہ بن عمر وجوب زکوٰۃ کا انکار نہیں کر رہے دلیل تو حکم بتانے سے بنتی ہے۔ نہ کہ فقط واقعہ بتانے سے۔ تیسری وجہ یہ کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بیٹیاں نابالغہ ہوں۔ اور چوتھی وجہ یہ کہ۔ عبد اللہ بن عمر بحیثیت والد زیور بنا کر دیتے تھے۔ جو بیٹیوں کی ذاتی ملکیت ہوتا تھا۔ زکوٰۃ نکالنے کی ذمہ دار خود ان پر ہوتی ہے اور یقیناً بزمانہ بلوغت اور بوقت قبضہ وہ تا عمر ہر سال نکالتی رہتی ہوں گی۔ ائمہ ثلاثہ کو چاہیے تھا کہ ایسی روایت دکھاتے کہ جس سے ثابت ہوتا کہ بالغہ مسلمان اور صحابی عورت نے اپنے استعمالی زیور کی زکوٰۃ نہ نکالی یا صاف الفاظ میں کسی صحابیہ نے وجوب زکوٰۃ کا انکار کیا

چوتھی وجہ خیال رہے کہ نابالغہ اور یتیم عورت اور وہ عورت جس کا زیور اُس کے قبضے میں نہ ہو۔ اُس کی والدہ یا والد نے بیٹی کو دینے کے دینے زیور بنایا مگر دیا نہیں ایسے زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں نہ والد۔ والدہ پر نہ بیٹی پر۔ والدہ والد پر اس لیے نہیں کہ وہ مالک نہیں صرف امین رہ گئے۔ بیٹی پر اس لیے نہیں کہ اس کا قبضہ نہیں وہ استعمال تو درکنار اپنے پاس رکھ نہیں سکتی پہن نہیں سکتی بلکہ بعض والدین دیکھنے بھی نہیں دیتے ہو سکتا ہے یہی کچھ یہاں ہو۔ بہرحال یہ دلیل بھی کمزور ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی چوتھی دلیل۔ درایہ ص۲۲ فصل۔ قَالَ الْاَثْرَمُ قَالَ اَحْمَدُ خَمْسَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ كَانُوْا لَا يُؤَدُّوْنَ فِي الْحُلِيِّ زَكٰوةً۔ اِبْنُ عُمَرَ وَعَائِشَةُ وَاَنَسٌ وَجَابِرٌ وَاَسْمَاءُ۔ فَاَمَّا اِبْنُ عُمَرَ فَهُوَ عِنْدَ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْهُ وَاَمَّا عَائِشَةُ فَعِنْدَهُ اَيْضًا وَهُمَا صَحِيْحَانِ وَاَمَّا اَنَسٌ فَاَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مِنْ طَرِيْقِ عَلِيِّ بْنِ سُلَيْمَانَ سَاَلْتُ اَنَسًا عَنِ الْحُلِيِّ فَقَالَ لَيْسَ فِيْهِ زَكٰوةٌ۔ وَاَمَّا جَابِرٌ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ سَمِعْتُ رَجُلًا سَاَلَ جَابِرًا عَنِ الْحُلِيِّ اَفِيْهِ زَكٰوةٌ فَقَالَ لَا۔ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ فَاَمَّا مَا يُرْوٰى عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعًا لَيْسَ فِي الْحُلِيِّ زَكٰوةٌ فَبَاطِلٌ لَا اَصْلَ لَهُ وَاِنَّمَا يُرْوٰى عَنْ جَابِرٍ مِنْ قَوْلِهِ۔ وَاَمَّا اَسْمَاءُ فَرَوَى الدَّارَقُطْنِيُّ مِنْ طَرِيْقِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّهَا كَانَتْ تُحَلِّيْ بَنَاتِهَا الذَّهَبَ وَلَا تُزَكِّيْ۔ ترجمہ۔ امام اثرم نے فرمایا کہ امام احمد کا فرمان ہے صحابہ میں سے پانچ صحابی زیور کی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے ۱۔ ابن عمر رض ۲۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہ ۳۔ انس رض ۴۔ جابر رض ۵۔ اسماء۔ پس لیکن ابن عمر رض تو وہ روایت امام مالک کے نزدیک امام نافع سے ہے جو انہوں نے ابن عمر سے کی اور لیکن عائشہ صدیقہ تو یہ بھی امام مالک نے ہی روایت کی ہے اور یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ اور انس کی روایت اُس کو تخریج کیا ہے دارقطنی نے علی بن سلیمان کی سند سے ابن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا حضرت انس رض سے

زیور کے بارے میں تو آپ نے فرمایا کہ اُس میں زکوٰۃ نہیں ہے اور لیکن جابر والی روایت کو بیان کیا امام شافعی نے سفیان سے سن کر اور سفیان نے روایت کیا عمرو ابن شعیب سے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ بات ایک مرد سے سنی اُس نے بتایا کہ پوچھا جابر سے زیور کے بارے میں کہ کیا اس میں زکوٰۃ ہے۔ جابر نے فرمایا نہیں امام بیہقی نے فرمایا اپنی کتاب المعرفۃ میں کہ لیکن وہ روایت جو روایت کی گئی ہے جابر سے مرفوعًا کہ نہیں ہے زیور میں زکوٰۃ پس وہ روایت بالکل باطل ہے اُس کی کوئی اصل نہیں ہے کہا تو گیا ہے کہ عن جابر لیکن حقیقت وہ اس مرد کی اپنی جھوٹی بات ہے۔ اور لیکن اسماء والی روایت تو اُس کو دارِ قطنی نے ہشام بن عروہ کے طریقے سے روایت کیا۔ فاطمہ بنت منذر سے روایت لی انہوں نے اسماء بنت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ بے شک وہ اپنی بیٹیوں کا زیور بناتی تھیں اور زکوٰۃ انہوں نے نہ نکالی۔

جواب۔ یہ تھے ائمہ ثلاثہ کے دلائل کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام میں سے صرف پانچ صحابہ وصحابیات کی روایات انہیں مل سکیں اور وہ بھی اس طرح کہ کسی ایک میں بھی صاحبِ شریعت آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مقدس شامل نہیں۔ نیز ان پانچ صحابہ میں بھی تین صحابہ کا محض ذاتی عمل کہ انہوں اپنی بیٹیوں کی زیور والی زکوٰۃ نہ نکالی۔ حالانکہ کسی کی زکوٰۃ نہ نکالنے کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں اس لیے نہ نکالنے سے ان کے مسلک یا شرعی حکم کا پتہ نہیں لگ سکتا مسلک کا پتہ لگتا ہے خود اپنی زکوٰۃ نہ نکالنے سے اس چوتھی دلیل میں پانچ صحابہ کا ذکر کیا گیا۔ ذکر کرنے والے احمد بن حنبل اور حدیث کو روایت کرنے والے امام مالک وشافعی اِس سے بھی ان تینوں ائمہ کے مسلک ومذہب کا پتہ لگا کہ وہ زیور کی زکوٰۃ کے قائل نہیں۔ ان مذکورہ پانچ صحابہ میں عبد اللہ بن عمر رضی عائشہ صدیقہ۔ اور اُن کی چھوٹی بہن اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ان روایتوں کو دلیل بنانا سخت کمزور ہے چار وجوہ سے ۱ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ امانت داری ہے وہ خود دیتی ہوں گی۔ امین کو جائز نہیں کہ بغیر اجازتِ مالک کسی امانت دار کی زکوٰۃ نکالتا ہے یہ ذمے داری مالک کی ہے ۲ ہو سکتا ہے وہ زیور نصاب سے کم ہو۔ ۳ اُمّ المومنین کی بھتیجوں کی روایت میں

یُنْتِی کا لفظ آیا ہے جیسے کہ ہم نے ابھی پہلے ان کی دوسری دلیل میں یہ پوری عربی روایت نقل کر دی اور لفظ یتمیٰ والی ہے نابالغی پر اور نابالغہ پر زکوٰۃ واقعی فرض نہیں ہے سہ عبد اللہ بن عمرؓ کے بیٹوں کی زکوٰۃ نہ نکالنے کی وجہ ہم نے چوتھی حنفی دلیل میں پہلے ایک روایت درایہ ہی سے نقل کی ہے کہ آپ اپنے خازن حضرت سالم کو لکھا کرتے تھے کہ میری بیٹوں کی طرف سے اُن کے زیوروں کی زکوٰۃ نکالدیا کرو۔ اس روایت میں خود اُن کے نہ نکالنے کا ذکر ہے تو وجہ ظاہر ہے ڈبل تو نکالنا نہیں ہے اب رہ گئیں دو روایتیں پہلی یہ کہ علی بن سلیمان نے انسؓ سے پوچھا زیور کے بارے تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس روایت سے استدلال بھی کمزور ہے۔ اس وجہ سے کہ حضرت انس اپنا ذاتی قول بتا رہے ہیں۔ اس کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کرتے یعنی یہ نہیں فرماتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور انسؓ نہ فقیہ ہیں نہ مجتہد۔ فقہاءِ صحابہ میں صرف دس مشہور صحابہ کے نام آتے ہیں ۱ عبد اللہ ابن عمرؓ ۲ عبد اللہ ابن مسعودؓ ۳ عبد اللہ ابن عباسؓ ۴ تا ۷ چاروں خلفاءِ راشدین ۸ معاذ بن جبلؓ ۹ ابو موسیٰ اشعریؓ ۱۰ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ اور جابرؓ والی روایت کو امام بیہقی نے باطل کہتے ہوئے فرمایا کہ لَا اَصْلَ لَہٗ اس کی کوئی اصل وثبوت ہی نہیں غرضیکہ ان پانچ رواتیوں میں سے صرف ایک روایت ہی ایسی ہے جس کو دلیل بنایا جا سکتا ہے مگر وہ بھی صحابی کا قول ہے۔ اس میں بھی یہ کمزوری ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی پانچویں دلیل۔ تفسیر نیشاپوری پارہ دسواں ص۶۷ پر ہے۔ وَمَنْ لَمْ یُوْجِبِ الزَّکٰوۃَ فِیْہِ خَصَّصَ عُمُوْمَ الْاٰیَۃِ بِمَا رُوِیَ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا زَکٰوۃَ فِی الْحُلِیِّ الْمُبَاحِ۔ وَلَمْ یُصَحِّحْہُ اَبُوْ عِیْسَی التِّرْمِذِیُّ۔ ترجمہ۔ اور جو شخص زیور میں زکوٰۃ واجب نہیں مانتا وہ اس آیت وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ (الخ) کے عموم کو خاص سمجھتا ہے یعنی ہر قسم کا کنز مراد لیتا ہے اُس روایت کی وجہ سے جو روایت کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ استعمالی زیور میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ لیکن امام ابو عیسیٰ ترمذی نے اس روایت کو سرے سے غلط قرار دیا ہے۔ جواب یہ روایت سوائے اس تفسیر کے اور کسی بھی کتاب میں مجھ کو تلاشِ بسیار کے باوجود نہ ملی علامہ نظام الدین قمی مالکی اس تفسیر کے مصنف

نامعلوم یہ روایت کہاں سے بنا لائے اور خود ہی فرماتے ہیں امام ترمذی نے اس روایت کو غلط کہا ہے ہم نے ساری ترمذی دیکھ ڈالی نہ یہ روایت نظر آئی نہ یہ تردیدِ ترمذی شریف کتاب الزکوٰۃ باب ۲۹ مَاجَاءَ فِیْ زَکوٰۃِ الْحُلِیِّ ص۲۰۱ پر تین حدیثیں نقل فرمائیں پہلی حدیث پاک ص۱/۴ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَابُوْمُعَاوِيَةَ عَنْ اَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَمْرِوبْنِ حَارِثِ بْنِ مُصْطَلِقٍ عَنْ اِبْنِ اَخِیْ زَيْنَبَ اِمْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ فَاِنَّكُنَّ اَكْثَرُ اَهْلِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اسی حدیث پاک کو ایک اور سند سے روایت فرمایا۔ محمود بن غیلان۔ ابو داؤد عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَعْمَشَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاوَائِلٍ يُحَدِّثُ (الخ) عَنْ زَيْنَبَ اِمْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ۔ وَهٰذَا اَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ اَبِیْ مُعَاوِيَةَ وَاَبُوْمُعَاوِيَةَ وَهِمَ فِیْ حَدِيْثِهِ (الخ)

دوسری حدیث شریف۔ وَقَدْ رُوِیَ عَنْ عَمْرِوابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ رَاٰی فِی الْحُلِیِّ زَكٰوةً وَفِیْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ۔

تیسری حدیث شریف۔ ہم نے پہلے احناف کی دوسری دلیل میں ذکر کیا کہ دو عورتوں کو آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے ان کنگنوں کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ جب انہوں نے عرض کیا کہ نہیں تو آپ نے جہنم کی وعید سنائی اور فرمایا زکوٰۃ دیا کرو۔ اس کو ترمذی نے یہاں ہی نقل کیا ہے اور آخر میں ترمذی نے اس حدیث پاک کو ابن لہیعہ راوی کی وجہ سے ضعیف بنا ڈالا۔ اور پھر ترمذی نے کہا کہ اس زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ ترمذی کی اس لغزش کا ہم نے اسی جگہ جواب دیدیا کہ یہ ترمذی صاحب علیہ الرحمۃ کی ناواقفی ہے جس سے حقیقت واصلیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اوپر کی دونوں حدیثوں کا ترجمہ۔ ابو معاویہ سے روایت ہے وہ اعمش سے وہ وائل سے وہ عمرو بن حارث سے وہ عبد اللہ بن مسعود کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کے بھتیجے سے کہ خطبہ فرمایا آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم بہت

سی عورتوں کو کہ اے عورتوں کے گروہ تم ضرور ضرور اپنے مالوں کی زکوٰۃ نکالا کرو۔ اگرچہ تمہارے زیوروں کی ہو کیونکہ قیامت کے دن تم عورتیں زیادہ جہنم میں جائیں گی۔ ترمذی نے اسی حدیث پاک کی دوسری سند محمود بن غیلان۔ ابو داؤد شعبہ۔ اعمش ابو وائل جیسے معتبر ثقہ راویوں سے روایت کیا۔ ترمذی نے فرمایا یہ محمد بن غیلان کی سند والی حدیث پہلی ابو معاویہ کی سند والی حدیث پاک سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ ابو معاویہ نے اپنی سند میں فقط اتنی سی غلطی کر دی یا کر دی گئی کہ لکھدیا عَنِ ابْنِ حَارِثٍ عَنْ ابْنِ اَخِیْ زَیْنَبَ۔ یہاں عَنْ بڑھایا حالانکہ عمرو بن حارث بن مصطلق ہی خود بھتیجے ہیں۔ یعنی حارث اور زینب بنت مصطلق بھائی بہن ہیں عمرو بیٹے ہیں حارث کے لہٰذا بھتیجے ہوئے زینب کے بس یہ غلطی ہو گئی اُن سے عَنْ کہہ کر ابنِ اخی کو الگ راوی بنا دیا۔ اس غلطی سے روایت میں تھوڑا سا سُقم پیدا ہو گیا۔ مگر یہ روایت بھی ضعیف یا غلط نہیں بلکہ صحیح ہے فقط اَصَحّ نہ رہی دوسری حدیث پاک کا ترجمہ۔ عمرو بن شعیب راوی وہ اپنے والد شعیب سے راوی وہ اُن کے دادا یعنی اپنے والد سے راوی۔ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ زیور میں زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کی سند میں کچھ جرح ہے (بحث ہے) ترمذی شریف کی اس پہلی حدیث پاک کو بخاری۔ مسلم۔ نسائی دارمی نے بھی روایت فرمایا اور کسی نے اس کی صحت پر اعتراض نہ کیا۔ ہم نے اس سے پہلے احناف کے دلائل میں نو احادیث مقدسہ پیش کی ہیں ترمذی شریف کی یہ دو حدیثیں بھی ان میں شامل کر دی جائیں تو گیارہ احادیث پاک ہو کر تیرہ دلائل بن جاتے ہیں فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔ ان گیارہ احادیث میں چھ احادیث پر تو کسی محدث کا کوئی کسی قسم کا اعتراض نہیں پڑتا۔ مگر پانچ احادیث میں سے چار کو درایہ نے سنداً ضعیف کہا اور ایک حدیث کو ترمذی نے اور وہ بھی صرف سنداً۔ متنِ حدیث میں کسی کا کوئی اعتراض نہیں۔ اور اصولِ حدیث کے قوانین میں سنداً ضعف ہونا کوئی زیادہ اہم نہیں ہوتا۔ بہت سے مواقع پر ضعیف حدیث صحیح بن جاتی ہے۔ مثلاً ایک سند سے ضعیف ہو اور دوسری سند سے صحیح ہو۔ جیسا کہ خود ترمذی نے اگلے صفحہ ۲۰۳ پر باب مالِ یتیم کی زکوٰۃ

میں عمرو بن شعیب کی روایت کو ضعیف کہا ہے لیکن اسی حدیث کو عمرو بن شعیب کی دوسری سند سے صحیح کہا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ایک ہی راوی کسی ایک محدث کو صحت تندرستی حفظ وعقل کی قوت کی حالت وعمر میں ملتا ہے تو وہ اس کو ثقہ راویوں میں شامل کر دیتا ہے اور وہی راوی دوسرے محدث کو بڑھاپے میں ملتا ہے جب کہ عقل وحفظ کمزور ہو جاتی ہے تو وہ اس کو ضعیف راویوں میں لکھ دیتا ہے اس وجہ سے ایک ہی راوی کی ایک ہی روایت پہلے محدث کو صحیح ہو کر ملی اُس نے حدیث صحیح کہا۔ دوسرے کو وہی حدیث ضعیف ہو کر ملی اس نے ضعیف لکھ دیا۔ تو کسی حدیث کو کسی محدث کا ضعیف کہدینا۔ حقیقی نہیں بنادیتا حدیث کو ضعیف کہدینا تو اتنی کمزور بات ہے کہ خود ضعیف کہنے والے محدثین بھی فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث بہت سی صورتوں میں قوی وصحیح ہو جاتی ہے۔ ۱ جب ایک حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہوں اگرچہ سب میں ضعف ہو یہ کثرتِ سندات اُس کو قوی بنا دے گی ۲ محدثین تو اُس کو ضعیف کہتے ہوں مگر مجتہد امام نے اُس پر عمل کیا ہو۔ مجتہد کا مقام محدث سے علم وسمجھ میں درجوں بلند ہے ۳ ضعیف حدیث کے مطابق کسی اہلِ علم کا قول مشہور ہو ۴ محدث کو تو وہ حدیث ضعیف ہو کر ملی ہو مگر صالحین اُس پر عمل کر رہے ہوں ۵ محدث فرماتا ہو یہ حدیث ضعیف ہے مگر جو بات متنِ حدیث میں لکھی ہو وہ تجربے سے صحیح ثابت ہو چکی ہو ۶ ضعیف حدیث کسی ولی کامل صادق کے مکاشفے میں درست ثابت ہو ۷ سنداً اور روایتاً حدیث کو ضعیف کہا گیا ہو مگر درایتاً درست ہو۔

جب ان سات چیزوں میں سے کوئی چیز پائی جائے تو حدیث صحیح اور قوی ہوتی ہے محدث کے ضعیف کہنے کا اعتبار نہ ہوگا۔ البتہ کسی روایت کو باطل یا لا اصل لہٗ یا متروک کہنا۔ روایت کو پھر قوت نہیں دے سکتا۔ خیال رہے کہ ضعیف روایت کی آٹھ قسمیں ہیں ۱ مضطرب ۲ منقطع ۳ معلول ۴ مبہم ۵ منکر، ان پانچ میں اُن سات میں سے کوئی چیز پائی جائے تو وہ روایت قوی ہو کر حدیث صحیح بن جاتی ہے۔ لیکن اگر ساتوں میں سے کوئی بات نہ پائی جائے تو اُن کا نام ۶ متروک ۷ مطعون ۸ مجہول ہوتا ہے ان میں قوت نہیں آتی نہ صحت۔ بحمدہٖ تعالیٰ امام اعظم

کے دلائل والی احادیث منقولہ بالا میں تمام احادیث محدثین کے بعض کو ضعیف کہنے کے باوجود معناً۔ حکماً۔ درایۃً ہر طرح قوی ہیں۔ خیال رہے کہ کوئی حدیث اگر روایتاً ضعیف بھی ہو مگر درایتاً صحیح ثابت ہو تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ درایت میں تقریباً بارہ چیزیں دیکھنی پڑتی ہیں جب ان میں درستی ہو تو حدیث درست ہے چنانچہ علم اصول حدیث کی کتابوں میں لکھا ہے کہ۔ اولاً متنِ حدیث آیتِ قرآنی کے خلاف نہ ہو بلکہ اس کا ماحصل قرآنِ مجید سے اشارۃً یا اقتضاءً یا دلالۃً ثابت ہو۔ دوم کسی متواتر حدیث کے خلاف نہ ہو۔ سوم کسی مشہور تاریخی واقعے کے خلاف نہ ہو۔ چہارم مشاہدات کے خلاف نہ ہو۔ پنجم اجماعِ قطعی کے خلاف نہ ہو۔ ششم۔ فطرۃِ انسانی کے خلاف نہ ہو۔ جس پر عمل نہ کیا جا سکے۔ ہفتم مشہور شرعی عقائد کے خلاف نہ ہو۔ ہشتم جو عربی لغت صرف نحو قواعد و ضوابط کے خلاف نہ ہو۔ نہم۔ فصاحت و بلاغت کے قوانین کے خلاف عامیانہ تکلم نہ ہو۔ دہم متنِ حدیث میں اضطراب نہ ہو یعنی مختلف سندوں سے مروی ہو مگر ایک جیسا مضمون سب جگہ ہو۔ یازدہم۔ متنِ حدیث کے مضمون میں افراط یا تفریط نہ ہو یعنی کسی حکم میں نہ حد سے زیادہ سختی ہو نہ حد سے زیادہ نرمی۔ دوازدہم متن میں ظواہر و محسوسات کے خلاف کوئی حکم یا واقعہ نہ ہو۔ حنفی دلائل میں جو احادیث پیش کی گئیں ہیں وہ تمام کی تمام درایت کے اس اصول کے بالکل مطابق ہیں۔ ان دلائل میں دوسری خصوصیت یہ کہ تمام میں خود آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات موجود ہیں کسی صحابی تابعی وغیرہ کی ذاتی رائے نہیں تیسری خصوصیت یہ کہ ان میں سے کسی حدیث کو کسی محدث نے باطل یا بے اصل نہ کہا چوتھی خصوصیت یہ کہ امام اعظم کے اس مذہب و مسلک میں قرآنِ مجید اور احادیثِ متعددہ امام اعظم کے ساتھ ہیں۔ اور یہی مسلک نہیں بلکہ امام اعظم کا ہر مسئلہ ہی قرآنِ کریم و حدیث کی روشنی میں ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کتبِ حنفیہ سے ظاہر ہے۔ بخلاف ائمہ ثلاثہ کا یہ مسلک کہ اس میں پیش کردہ دلائل اور استدلال انتہائی کمزور ہیں صرف پانچ روایتیں میسر آئیں ان میں بھی ایک روایت ذاتی رائے دوسری روایت باطل بے اصل۔ اور باقی تین ذاتی عمل۔ لہٰذا یہ روایتیں شرعی حکم کی دلیل نہیں بن سکتیں اس لیے میں بحیثیت مفتیٔ اسلام ہونے کے اسلامی فتویٰ جاری کرتا ہوں کہ ہر مسلمان

عاقلہ بالغہ اہل سنت عقیدے کی عورت خواہ شافعیہ ہو یا مالکیہ یا حنبلیہ اپنے اپنے استعمالی نصاب برابر زیور پر ہر سال چالیسواں حصہ زکوٰۃ ضرور نکال دیا کرے تاکہ کل قیامت میں عذاب کی سزا سے بچ جائے۔ اور آخر میں میں سائلہ محترمہ کے لیے دعاءِ خیر و قبولیت کی دعا کرتا ہوں جنہوں نے فکر سے فتویٰ لکھوا لیا۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

کتبہ

چوتھا فتویٰ

جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اُس کو سننے کا شرعی حکم کیا ہے

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اِس مسئلے میں کہ مسلمانوں پر قرآن مجید کی تلاوت سننی فرض ہے یا واجب یا سنت۔ تفسیر نعیمی جلد اوّل چھٹی فصل "تلاوتِ قرآن مجید" صفحہ ۲۵ پر یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض کفایہ اور تفسیر خزائن العرفان میں پارہ ۹ سورۃ اعراف کی آیت ۲۰۴ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ (الخ) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کا سننا واجب ہے۔ لیکن ہم اب تک اپنے یہاں کے علماءِ کرام سے سنتے آئے ہیں کہ قرآن کریم کا سننا فرض ہے نیز آج کل عام رواج پڑ گیا ہے کہ آئے دن اپنے اپنے گھروں یا علاقہ کی مسجد میں تمام رات شبینہ پڑھا جاتا ہے۔ یعنی قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ خوب تیز لاؤڈ سپیکر لگایا جاتا ہے اور مسجد میں یا گھر میں سننے والا کوئی نہیں بیٹھتا۔ لوگ اپنے کام کاج یا سونے میں پڑے رہتے ہیں۔ صرف ایک طالب علم جس کے ساتھ فی سپارہ پانچ روپیہ مقرر کر لیا جاتا ہے۔ وہ قرآن مجید کھول کر اکیلا بیٹھا پڑھتا رہتا ہے۔ بعض جگہ تین آدمی مقرر ہوتے ہیں جو دس دس پارہ پڑھتے ہیں۔ ایک آدمی پڑھتا ہے باقی دو سوئے رہتے ہیں اپنی اپنی باری پر جاگتے ہیں اور اگلے دس پارہ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں پہلا چلا جاتا ہے اور تیسرا سویا رہتا ہے۔ بلکہ اب تو بعض جگہ ٹیپ ریکارڈ لگا دیتے ہیں اور مسجد کو مقفل

کر کے امام مسجد سوتا رہتا ہے اور لاؤڈ سپیکر کی آواز سارے شہر میں پہنچتی ہے۔ کیا اس طرح ہر دو طریقوں سے تبلیغ کرنا جائز ہے براہ کرم ان سب مسائل کا جواب ذرا تفصیل سے قرآن و سنت کی روشنی میں عطا فرمایا جائے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

دستخط سائل۔ السائل مقصود پرویز مقام چک ۹۱ ب تحصیل گوجرہ ضلع ٹوبہ ٹیک

۹۶/۵/۱۷

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ۔

الجواب

احادیث و آیات کی روشنی میں چونکہ تلاوت قرآن کریم بہت سی قسم کی ہے اس لیے اس کے سننے کے شرعی حکم بھی اتنے ہی اقسام کے ہیں چنانچہ تمام کتب فقہ کے مجموعۂ کلام سے تقریباً دس قسم کی تلاوت ہوتی ہے۔ پہلی تلاوت فی الصلوٰۃ یعنی پنجوقتہ جماعت کی نماز میں قرآن مجید کی قرأت اس کا سننا تمام نماز میں شامل مقتدیوں کو فرض عین ہے غیر نمازی کو سننا منع اور جماعت اولیٰ کے وقت بیٹھنا قرآن مجید سننے کی غرض سے یا بلاوجہ اور جماعت میں شامل نماز نہ ہونا شرعاً ناجائز ہے جماعت کی توہین ہے اگر کوئی شخص نماز کہیں اور پڑھ کر آیا ہے تب بھی جماعت کے وقت مسجد سے باہر رہے۔ ہاں البتہ جماعت ثانیہ کے وقت مسجد میں بیٹھ سکتا ہے مگر امام کی تلاوت سننا اس پر فرض یا سنت اور ضروری نہیں وہ آہستہ آہستہ اپنے وظائف یا سبق یاد یا دینی باتیں کر سکتا ہے جب کہ کسی نمازی کی نماز میں خلل نہ پڑے دوم تلاوت فی الخطبات۔ یعنی جمعہ و عیدین کے خطبے یا خطبۂ نکاح میں تلاوتِ قرآن مجید۔ یہ تلاوت حاضرین جمعہ و عیدین و مجلسِ نکاح میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر سننا واجب ہے۔ سوم تلاوت فی المدارس طالب علم بچوں کو تعلیم قرآن کریم کی تلاوت غیر طالب علم کو سننا مستحب ہے مگر آپس میں طلبا کو سننا ممنوع وہ اپنا سبق پڑھیں یاد کریں۔ ورنہ ممانعت شرعیہ کے علاوہ استاد کے ڈنڈے کا بھی خطرہ ہے۔ چہارم تلاوت فی المجالس۔ اسلامی جلسوں کی افتتاحی تلاوت سامعینِ جلسہ پر فرض کفایہ ہے۔ کہ اگر چند سامعین باادب خشوع خضوع سے سن رہے ہوں اور دیگر جلسے کے انتظام و انصرام میں مشغول و بے توجہ ہوں تو وہ گنہگار نہ ہوں گے

لیکن اگر حاضرین میں سے کوئی نہ سنے یا چند لوگ شور مچائیں اور سننے نہ دیں تو وہ سب گناہگار ہوں گے۔ کیونکہ ایسی بے حرمتی کی حالت میں تلاوت جاری رکھنا ناجائز ہے ۵ پنجم۔ تلاوت فی الختمات۔ ختم قرآن کے لیے ایک جگہ بیٹھ کر سب کا ملکر پورا قرآن کریم تلاوت کرنا۔ ایسی تلاوت لازم نہیں بلکہ بلند آواز سے ایسے موقعوں پر پڑھنا گناہ ہے۔ ششم۔ تلاوت فی الشارعات۔ سڑک اور عام چلتے رستے پر یا دکان پر خرید و فروخت کے دوران کوئی شخص بلا وجہ از خود تلاوت قرآن مجید کرنے لگے۔ تو پڑھنے والا گناہگار اور نہ سننے اور اس بے حرمتی کو نہ روکنے والے سب گناہگار ہوں گے ہاں اگر چند لوگ سننے لگیں مکمل توجہ کے ساتھ تو یہ سنت کفایہ ہے کہ ان چند مسلمانوں کے سننے سے باقی لوگ گناہگار ہونے سے بچ جائیں گے۔ ہفتم تلاوت فی الدعوات۔ کہ قرآن مجید سننے کے لیے عوام کو دعوت دی گئی تو جو مدعوین محفل تلاوت میں آ گئے ان سب پر فرض عین ہے اگر ان میں سے ایک محفل میں بیٹھا تو رہے مگر سننے سے بے توجہ یا کسی تسبیح وظیفے میں مشغول تو گناہگار ہوگا۔ ہشتم۔ تلاوت فی المظاہرات۔ یعنی طلبا سے حسن قرأت کے امتحان مدرسہ کی غرض سے تلاوت کرانا۔ تو سب حاضرین پر سننا مستحب اور اساتذہ پر سننا واجب ہے تاکہ غلطی باقی نہ رہ جائے۔ نہم۔ تلاوت نفسی۔ کوئی اپنے لیے کہیں بیٹھا بقدر ضرورت ذاتی ثواب کی نیت سے تلاوت کر رہا ہے تو اس کے پاس بیٹھ کر سننا جائز و باعث برکت اور مستحسن ہے۔ ثواب پا لے گا۔ لیکن فرض واجب سنت عین یا کفایہ نہیں ہے کوئی بھی نہ سنے تو کوئی بھی گناہگار نہ ہوگا۔ دہم۔ تلاوت تبلیغیہ۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جائز اور باعث برکت و ثواب۔ دوسری ناجائز شرعاً ممنوع باعث گناہ و عقاب و عذاب۔ تبلیغیہ تلاوت جائز تب ہے جب کہ مکمل طور پر آداب تلاوت احترام قرآن مجید اور اصول شریعت کی پابندی کو ملحوظ و معمول رکھا جائے۔ احادیث مبارکہ اور فقہاء کرام علیہم الرضوان کے اقوال و فرامین سے تقریباً تیرہ ۱۳ قسم کے آداب تلاوت ہیں ۱ قرآن مجید کا عشق و محبت ہر مومن کے دل میں ہونا چاہیے ۲ احترام قرآن کریم فرائض اسلامیہ میں سے اشد فرض ہے ۳ تلاوت کے لیے بنیت ثواب پڑھنا ہو تو وضو

کرنا لازم ہے بے وضو تلاوت کا ثواب نہیں۔ ہاں درس و تدریس یا کسی آیت کا حفظ کرنا بے وضو جائز ہے م۴ محفل سماعت کے لیے اہلِ محفل پر واجب ہے کہ پاکیزہ جگہ فرش زمین پر۔ دری قالین یا چٹائی بچھا کر محفل کا اہتمام کریں۔ کرسی پر یا بستروں چارپائیوں پر بیٹھ کر تلاوت کرنا یا سننا خلافِ سنّت و خلافِ ادب ہے م۵ جس گھر میں شبینہ تلاوت کرائی ہو اس گھر میں کوئی کتا اور کسی بھی جاندار کی تصویر نہ ہو نہ بجی نہ ٹنگی۔ یعنی وہ گھر ہندؤں کے مندر جیسا نہ ہو م۶ تلاوت کی جگہ میں پاکیزگی صفائی اور خوشبو ہو م۷ سب سننے والے جب تک اُس جگہ میں رہیں ہمہ تن گوش ہو کر اپنے دل میں رب تعالیٰ کا خوف قرآنِ مجید کی ہیبت اور آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم کا تصور رکھ کر تلاوتِ پاک کو سُنیں۔ اگر کوئی ضروری بات کرنی پڑ جائے تو خاموشی سے اُٹھ کر چلا جائے اور باہر نکل کر بھی آہستہ بات کرے م۸ تمام سننے والے بھی باوضو ہوں بے وضو ہرگز نہ بیٹھے وضو سے خوفِ الٰہی اور رقتِ قلبی بڑھتی ہے م۹ بدبو والی کوئی بھی چیز محفل میں نہ لائی جائے۔ م۱۰ تلاوت سنتے وقت رونے کی کوشش کی جائے م۱۱ اُس گھر کے تمام افراد سنیں سب کا سننا مستحب ہے مگر بعض کا سننا فرض کفایہ ہے لیکن بات چیت وغیرہ کا شور ڈالنا سب پر حرام ہے م۱۲ چھوٹے بچوں کو یا کسی اور گھر بھیجد یا جائے یا ان کو شور مچانے سے سختی کے ساتھ روکا جائے۔ تلاوت کی آواز صرف ان لوگوں تک محدود رکھی جائے جو سننے کے لیے تیار ہو کر آئے ہیں۔ اِس سے زیادہ آواز پیدا کرنا گناہ اور قرآن مجید کی بے ادبی ہے۔ ایسی محافلِ مبارکہ میں جو لوگ سُننے کے لیے کسی مجبوری سے بیٹھ نہیں سکتے اُن پر بھی شور مچانا بلند آواز سے بات چیت کرنا حرام ہے اِس لیے آوازِ تلاوت کو دھیما رکھنا واجب ہے اگر یہ بارہ شرائطِ آداب پورے کیے جا سکتے ہوں تب گھر یا مسجد میں شبینہ کرنا جائز اور ثواب ہوگا۔ ورنہ نہیں م۱۳ تلاوت کرنے والا حافظ قاری عالِم یا کوئی اور عام شخص بالکل صحیح تلفظ زیر زبر شَدّ مَدّ کی صحیح ادائیگی کے ساتھ اِس انداز میں قرآنِ مجید پڑھے کہ سننے والوں کو صحیح ایک ایک لفظ صحیح سمجھ آئے یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ تلاوت کے چودہ سجدوں میں سے ہر سجدہ واجب ہے۔ پہلا سجدہ نویں پارے میں دوسرا

تیرھویں میں سوم چودھویں چہارم پندرھویں میں پنجم سولھویں میں ششم ستارھویں میں ہفتم اور ہشتم انیسویں میں نہم اکیسویں میں۔ دھم تیئسویں ۲۳ میں گیارہواں سجدہ چوبیسویں پارے میں بارھواں سجدہ ستائیسویں میں۔ تیرھواں اور چودھواں تیسویں سیپارے میں۔ بہ ترتیب ہر مسلمان مرد اور عورت کو یاد رکھنی چاہئے۔ جب ان سجدوں کی کوئی آیت پڑھی جائے تو پڑھنے والے سننے والے پر فوراً سجدہ کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ اگر وقتِ مکروہ میں دن کے وقت تلاوت کر رہا ہے تو اُس وقت سجدہ کوئی نہ کرے بعد میں جائز وقت پر کریں دیئے ہیں تمام آدابِ تلاوت) شبینہ تلاوت کی دوسری قسم جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے وہ سخت ناجائز بلکہ باعث گناہ وعذاب ہے۔ ایسا طریقہ ہرگز ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔ ہمارے اس تمام جواب کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

پہلی دلیل۔ مشکوٰۃ شریف صٓ ۳۲ پر ہے۔ عَنْ شَقِیْقٍ قَالَ کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ یُذَکِّرُ النَّاسَ فِیْ کُلِّ خَمِیْسٍ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ یَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُ اَنَّکَ ذَکَّرْتَنَا فِیْ کُلِّ یَوْمٍ قَالَ اَمَا اِنَّہٗ یَمْنَعُنِیْ مِنْ ذٰلِکَ اِنِّیْ اَکْرَہُ اَنْ اُمِلَّکُمْ وَاِنِّیْ اَتَخَوَّلُکُمْ بِالْمَوْعِظَۃِ کَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَخَوَّلُنَا بِھَا مَخَافَۃَ السَّاٰمَۃِ عَلَیْنَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

ترجمہ۔ حضرت شقیق سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر جمعرات کو اللہ تعالیٰ کا کلام ہم کو سنایا کرتے تھے ایک شخص نے عرض کیا۔ اے حضرت ابو عبد الرحمٰن اگر آپ پسند کریں تو روزانہ ہم کو سنایا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ لیکن بے شک منع کرتی ہے مجھ کو اس روزانہ سنانے سے یہ بات کہ کہیں ہیں تم کو رنج و تکلیف میں نہ ڈالدوں اور بے شک میں بڑا خیال رکھتا ہوں تم سب کام کاج والوں محنت مزدوری کرتے والوں کا جس طرح آقائے کائنات حضور اقدس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا خیال رکھا کرتے تھے۔ ہم پر بوجھ و تکلیف بنانا پسند نہ کرتے تھے۔

دوسری دلیل۔ مشکوٰۃ شریف صٓ ۳۶۔ عَنْ عِکْرِمَۃَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ حَدِّثِ النَّاسَ کُلَّ جُمُعَۃٍ مَرَّۃً فَاِنْ اَبَیْتَ فَمَرَّتَیْنِ۔ فَاِنْ

اَکْثَرْتَ فَثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ۔ ترجمہ:
حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ بے شک ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا
لوگوں کو صرف جمعہ کے دن وعظ سنایا کرو بس ایک مرتبہ پس اگر پسند کرو تو ہفتے
میں دو مرتبہ کر لو اور اگر بہت ہی پسند کرو تو ہفتے میں تین مرتبہ وعظ کہا کرو۔ اور
خبردار لوگوں کو قرآن کریم کے ذریعے رنج نہ پہنچاؤ۔ یہ دونوں حدیثیں صاف فرما رہی
ہیں کہ کسی زمانے میں بھی کسی طریقے سے بھی کسی بھی انسان کو مت سناؤ آج کل
بلاوجہ لاؤڈسپیکر کا بے تحاشہ استعمال اور گھروں میں بچوں بوڑھوں بیماروں مسلموں
غیر مسلموں کو کس قدر تکلیف دے رہا ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن
کو اس ابلیسی ظلم سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اسلام نے ان لغویات سے سخت منع
فرمایا ہے۔ پھر جس شبینہ کا نقشہ سوال میں سائل نے بیان کیا ہے وہ سراسر قرآن مجید
کی سخت توہین بے ادبی ہے۔ اس طرح شبینہ تلاوت نہیں بلکہ کھیل تماشہ اور قرآن
مجید سے مذاق ہے۔ اس طرح کا شبینہ کرنے والے گناہگار ہوں گے قرآن مجید کا
سننا ہر مسلمان پر لازم ہے اور مختلف حالات میں مختلف احکام ہیں تقسیم پہلے بیان
کر دی گئی اور دلائل حسب ذیل ہیں۔

تیسری دلیل۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ (سورۃ اعراف آیت ۲۰۴) اس کی تفسیر علامہ نیشاپوری نے جلد
ششم پارہ نہم میں اس طرح فرمائی ص۱۰۲ پر کہ۔ اَلْاِنْصَاتُ اَلسُّكُوْتُ لِلْاِسْتِمَاعِ
قَالَ الْعُلَمَاءُ ظَاهِرُ الْاَمْرِ لِلْوُجُوْبِ فَمُقْتَضَاهُ اَنْ يَّكُوْنَ الْاِسْتِمَاعُ
وَالسُّكُوْتُ وَاجِبٌ وَقْتَ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فِیْ صَلٰوةٍ وَغَيْرِ صَلٰوةٍ۔
ترجمہ۔ انصات کا معنی ہے عقل دل دماغ سے ہمہ تن گوش ہو کر بالکل ساکت
ہو جانا اس جذبہ اور طریقے سے قرآن مجید کو سننا علماء کرام نے فرمایا چونکہ امر کے سولہ
معنی میں سے ظاہری معنی واجب ہوتا۔ اس لیے فَاسْتَمِعُوْا اور وَاَنْصِتُوْا۔ صیغۂ
امر کا تقاضہ یہ ہے کہ نماز میں یا بیرونِ نماز قرآنِ کریم کی قرأت کے وقت سننا اور
خاموش رہنا واجب ہے۔ اس دلیل سے تلاوت کا سننا واجب ثابت ہوا۔

چوتھی دلیل۔ تفسیر نیشاپوری جلد ششم ص۲۰۲ پر ہے۔ تَحُدُّ مَا ئِیْ

سُنَّۃً فِیْ غَیْرِ الصَّلٰوۃِ اَنْ یَّنْصُتَ الْقَوْمُ اِذَا کَانُوْا فِیْ مَجْلِسٍ یُّقْرَءُ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ۔ ترجمہ۔ پھر یہ تلاوت کلام پاک کا سننا نماز کے علاوہ قرئت میں سنت ہو گیا۔ اس طرح جب لوگ کسی محفل قرئت میں حاضر ہوں اور قرآن مجید پڑھا جائے تو سب پر سننا اور خاموش رہنا سنت ہے۔ اس دلیل سے تلاوت کا سننا سنت ثابت ہوا۔ نیز اس کے اطلاق سے تین صورتیں اور تین شقیں ثابت ہوئیں ۱ سنتِ مؤکدہ ۲ سننا سنتِ غیر مؤکدہ عین ۳ سنتِ غیر مؤکدہ علی الکفایہ۔

پانچویں دلیل۔ تفسیر طبری۔ للامام ابو جعفر محمد بن جریر طبری جلد ششم ص۱۱۱ پر ہے۔ قَالَ اَخْبَرَنَا الثَّوْرِیْ عَنْ لَیْثٍ عَنْ مُجَاھِدٍ قَالَ لَا بَأْسَ اِذَا قَرَءَ الرَّجُلُ فِیْ غَیْرِ الصَّلٰوۃِ۔ اَنْ یَّتَکَلَّمَ۔ (الخ) قَالَ اِبْنُ زَیْدٍ فِیْ قَوْلِہٖ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ قَالَ ھٰذَا اِذَا قَامَ الْاِمَامُ لِلصَّلٰوۃِ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا ترجمہ۔ جب کوئی شخص تلاوت کرے نماز کے علاوہ تو لوگوں پر سننا ضروری نہیں ہے اگر وہ بات چیت گفتگو کلام یا بے توجہی بے التفاتی کریں تو کوئی حرج و گناہ نہیں ہو گا اس سے ثابت ہوا کہ تلاوت کا سننا فرض کفایہ ہے۔ کچھ لوگ نہ بھی سنیں تو ان پر گناہ نہ ہو گا یا معنیٰ یہ ہے کہ ایک شخص سرِ راہ یا کسی دکان میں خرید و فروخت کے وقت اپنی مرضی سے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دے زور زور سے تو وہ ہی گناہگار ہو گا لوگوں پر سننا ضروری نہیں۔ ابن زید نے فرمایا کہ اِذَا قُرِئَ والی آیت نماز با جماعت کے لیے نازل ہوئی تھی۔ یعنی نماز میں ہر نمازی پر تلاوت کا سننا واجب ہے۔

چھٹی دلیل۔ تفسیر طبری للابن جریر جلد ششم ص۱۱۲ پر ہے۔ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ وَجَبَ الْاِنْصَاتُ فِیْ اِثْنَتَیْنِ عِنْدَ الرَّجُلِ یَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَھُوَ یُصَلِّیْ وَعِنْدَ الْاِمَامِ وَھُوَ یَخْطُبُ (الخ) عَنْ مُجَاھِدٍ قَالَ وَجَبَ الْاِنْصَاتُ قَالَ وَجَبَ فِیْ اِثْنَتَیْنِ فِی الصَّلٰوۃِ وَالْاِمَامُ یَقْرَءُ وَالْجُمُعَۃِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ۔ (الخ) عَنْ بَقِیَّۃِ ابْنِ الْوَلِیْدِ قَالَ

سَمِعْتُ ثَابِتَ بْنَ عَجْلَانَ يَقُوْلُ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ يَقُوْلُ فِيْ قَوْلِهٖ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا قَالَ اَلْاِنْصَاتُ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ وَفِيْمَا يَجْهَرُ بِهِ الْاِمَامُ مِنَ الصَّلٰوةِ قَالَ اَوْجَبَ الْاِنْصَاتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَفِي الصَّلٰوةِ وَعِنْدَ الذِّكْرِ۔ ترجمہ جابر نے عطا سے روایت فرمایا عطا نے فرمایا کہ دو جگہ خاموش رہنا واجب ہے ایک یہ کہ جب کوئی شخص نماز میں شامل ہو اور امام تلاوت کر رہا ہو۔ دوم یہ کہ امام جمعہ کا خطبہ دے رہا ہو اور لوگ سامعین صفوں میں ہوں۔ سب سامعین کا خاموشی سے کلام پاک کی آیت سننا واجب ہے یعنی لازم ہے لفظِ واجب ضروری کی تمام قسموں کو شامل ہے۔ روایت ہے بقیہ بن ولید سے کہ فرمایا سنا میں نے ثابت بن عجلان سے وہ فرماتے ہیں کہ سعید بن جبیر فرماتے تھے کہ آیتِ پاک اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ (الخ) کا معنیٰ یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے خطبے اور نماز۔ عید الفطر کے خطبہ و نماز نمازِ جمعہ کے خطبے وغیرہ میں سامعین اور مقتدی لوگوں کا تلاوت سننا واجب ہے۔ اس طرح فرمایا جمعہ کے دن اور ہر نماز اور ہر محفل ذکر کی تلاوت کو سننا سب حاضرین پر سننا لازم ضروری ہے اس دلیل سے تلاوت کی پانچ قسمیں ثابت ہوئیں ۱۔ محفل عید بقر ۲۔ عید الفطر کے موقعہ پر ۳۔ جمعہ کی نماز خطبہ ۴۔ عام محافل اور جلسے ۵۔ اور ہر نماز کی تلاوت۔

ساتویں دلیل۔ فتاویٰ شامی جلد چہارم باب الاذاب ص۲۱۱ پر ہے۔ وَالْاَصْلُ اَنَّ الْاِسْتِمَاعَ لِلْقُرْاٰنِ فَرْضُ كِفَايَةٍ لِاَنَّهٗ لِاِقَامَةِ حَقِّهٖ بِاَنْ يَكُوْنَ مُلْتَفِتًا غَيْرَ مُضِيْعٍ وَذَالِكَ يَحْصُلُ بِاِنْصَاتِ الْبَعْضِ۔ ترجمہ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے اس لیے کہ قرآن مجید کا حق قائم کرنا۔ اور ادا کرنا شدید ضروری ہے حق یہ ہے کہ ہوش و گوش سے متوجہ ہو کر سنا جائے اور یہ حق حاصل ہو جاتا ہے بعض حاضرین کے خاموشی کے ساتھ سننے سے۔

آٹھویں دلیل۔ فتاویٰ عالمگیری جلد سوم ص۳۰ پر ہے۔ يُكْرَهُ لِلْقَوْمِ اَنْ يَقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ جُمْلَةً لِتَضَمُّنِهَا تَرْكَ الْاِسْتِمَاعِ وَالْاِنْصَاتِ الْمَامُوْرِ بِهِمَا۔ ترجمہ۔ مکروہ ہے حاضرینِ محفل کے لیے کہ ایک دم مل کر سب

باآوازِ بلند قرآنِ مجید پڑھیں اس لیے کہ اس طرح ملکر پڑھنے سے استماع اور انصات (سننا اور خاموش رہنا) دونوں کا ترک لازم آئے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں کا حکم دیا ہوا ہے کہ قرآنِ مجید جب ایک آدمی تلاوت کرے تو باقی لوگ خاموشی سے سنیں۔ اس دلیل میں محفلِ ختمات کی تلاوت کا ذکر ہے اور ایسی محفلوں میں قرآن مجید پڑھنے کے آدابِ شریعت سکھائے گئے ہیں۔

نویں دلیل۔ فتاویٰ نابلسیہ جلد دوم میں ہے۔ نَقَلَ الْحَمَوِیُّ عَنْ اُسْتَاذِہٖ قَاضِی الْقُضَاۃِ یَحْیٰی الشَّہِیْرِ بِمُنْقَارِیْ زَادَہ اَنَّ لَہٗ رِسَالَۃً حَقَّقَ فِیْھَا اَنَّ اِسْتِمَاعَ الْقُرْاٰنِ فَرْضُ عَیْنٍ۔ ترجمہ۔ امام حموی اپنے استاد قاضی القضات امام یحییٰ المعروف منقاری زادہ سے نقل کرتے ہیں کہ بے شک ان کے پاس یا ان کی تصنیف ایک رسالہ تھا جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ قرآنِ مجید کا سننا سب حاضرین موجودین پر فرضِ عین ہے۔ فقہاءِ کرام نے تقریباً آٹھ مقامات بیان فرمائے ہیں جن میں تلاوت کرنا مکروہ تحریمی فرمایا ہے مثلاً ۱ گندی جگہ ۲ بھیڑ بھاڑ میں ۳ بازاروں میں ۴ خرید و فروخت کے وقت دکانوں میں ۵ جنابت کی حالت میں ۶ بھیک مانگنے کے لیے ۷ بت خانے میں ۸ سوتے ہوئے لوگوں کے پاس جب کہ وہ اپنے جائز مقام پر سو رہے ہوں اور ان کا اس وقت سونا بھی جائز ہو اگر کوئی ان ممنوع مقام پر تلاوت کر رہا ہو تو اس کو جبراً روکا جائے گا۔ ایسی تلاوت کا سننا ضروری نہیں۔ خلاصہ یہ کہ فقہاءِ کرام کی مختلف عبارات کو متفقہ طور پر جب جمع کیا جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن مجید کا سننا اپنے مواقع کے اعتبار سے فرضِ عین بھی ہے۔ فرضِ کفایہ بھی واجب بھی ہے سنتِ عین بھی ہے، سنتِ کفایہ بھی۔ مستحب بھی ہے مستحسن بھی۔ اور مکروہ بھی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ ______________

پانچواں فتویٰ

ارکانِ حج کی ترتیب واجب ہے قرآنِ مجید اور احادیث سے ثبوت موجود ہے

اس ترتیب کو سنت کا درجہ دے کر جانتے بوجھتے لاپرواہی برتنا قطعاً غلط ہے۔ اس بارے میں ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مسلک نہایت کمزور اور ناقابلِ قبول ہے۔ منشاءِ احادیث کو نہ سمجھنے کی بنا پر ہے۔ امام اعظم کا مسلک مضبوط ہے اسی کو ترجیح ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ یہ تو تقریباً پچیس سال سے دیکھا جا رہا ہے کہ حکومتِ سعودیہ کا مذہبی گروہ جس پر وہابی بدوؤں کا قبضہ ہے ہر سال ہی مسلمانوں کا حج آٹھ ذی الحج کو کرا دیتے ہیں حالانکہ شریعتِ اسلامیہ میں نو ذی الحج کو میدانِ عرفات میں حج ہونا فرض ہے مگر مسلمانوں کے حج برباد اور تباہ کرنے کے لیے آٹھ ذی الحج کو عرفات میں پہنچا دیا جاتا ہے وہ اس طرح ایک دن پہلے آخری ذی قعدہ کو بغیر چاند دیکھنے کے ذی الحج کی یکم کا اعلان کر دیا جاتا ہے اور کبھی دو دن پہلے جھوٹے چاند کا اعلان کر دیا جاتا ہے لیکن اب تو مزید پریشانی پڑ گئی ہے کہ اسی مذہبی لیڈروں کا ایک گروہ سعودیہ حکومت کے زیرِ انتظام پیدا ہے جس کا نام۔ اسلامی ڈیولپمنٹ بینک ہے اس نے قربانی کے پیسے لوٹنے کھسوٹنے کی عجیب طرز اختیار کی ہے کہ جگہ جگہ دفتر بنا کر لاؤڈ سپیکر لگا کر صبح سے شام تک چیخ چیخ کر لوگوں کو لوٹا جا رہا ہے اور کہنا یہ ہے کہ اپنی قربانی کے پیسے ہمیں دو ہمارے پاس جمع کراؤ۔ وہ پیسے لے کر رسید دیتے ہیں اور کوئی پتہ نہیں کہ وہ قربانی کرتے ہیں یا نہیں اور تمام مال نہ معلوم کہاں کھا جاتے ہیں جب مسلمانوں نے اُن کے اس ظلم پر احتجاج کیا اور اُن کے خلاف آواز بلند کی تو وہ ایک تحریر بشکلِ فتویٰ ایک پمفلٹ چھپوا کر لے آئے۔ یہ پندرہ صفحاتی چھوٹی

سی تحریری مضمون ہے جس کا اصل مضمون بعنوان دو تحقیقی مقالے کسی عالم دین یا مفتی اسلام کے محققانہ قلم سے نہیں بلکہ پروفیسر اور ڈاکٹر قسم کے لوگوں کے عامیانہ قلم سے لکھا ہوا ہے لیکن ابتدائی صفحات پر بعض محققین علماءِ اسلام کے تائیدی طور پر نام لکھے گئے ہیں جن میں ایک نام مفکرِ اسلام فخر الاماثل حضرت مفتی محمد حسین نعیمی صاحب کا نام نامی ہے۔ اگلے مضمون کی مندرجات اور مقصدِ کلام کچھ اس طرح ہے تحریرِ مضمون کے صـ۷ پر لکھا ہے قیامِ عرفات ومزدلفہ کے دسویں ذی الحج کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں تین کام اس ترتیب سے کیے کہ پہلے جمرہ عقبیٰ کی رمی کی اس کے بعد پھر ہدی کی قربانی کی۔ پھر اپنا سر منڈایا پھر ام المومنین نے خوشبو لگائی یعنی احرام سے کھل گئے۔ پھر آپ نے مکہ مکرمہ جاکر طواف افاضہ فرمایا۔ لکھتے ہیں کہ متمتع، قارن اور مفرد کے لیے یہ ترتیب شرعی طور پر لازم ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ ترتیب امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ترتیب واجب ہے لیکن امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اور امام ابوحنیفہ کے دو ممتاز شاگردوں (صاحبین ۱) امام یوسف ۲) امام محمد بن حسن کے نزدیک یہ ترتیب واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ آگے صـ۸ پر لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر کوئی اس ترتیب میں تبدیلی کردے یعنی قربانی سے پہلے سر منڈالے تو اس پر کفارہ دم واجب ہے اس لیے کہ ترکِ واجب سے ایک بکری ذبح کرنی پڑتی ہے جو جرم کا کفارہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کے دلائل میں ۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ترتیب سے یہ تمام کام کرنے ہیں ۲) سورۃ حج کی آیت ۲۸ و ۲۹ ہے۔ ۳) طحاوی حضرت ابن عباس کی حدیث ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے حج میں کوئی عمل آگے پیچھے کردیا تو اس پر ایک اور قربانی لازم آئے گی۔ پھر لکھتے ہیں کہ باقی پانچ اماموں کا استدلال اس حدیث سے ہے جس کو بخاری مسلم نے روایت کیا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک شخص نے آکر عرض کیا۔ چنانچہ اس پمفلٹ کے صـ۱۳ پر لکھا ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں آکر عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو علم نہ تھا۔ میں نہیں جانتا تھا بھول کر میں نے قربانی سے پہلے ہی سر منڈا لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اب

قربانی کر لو اور کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اس دن جو شخص بھی آیا اور اس نے آکر عرض کیا کہ میں نہ جانتا تھا اور یہ کام میں نے پہلے کر لیا تو نبی کریم نے یہی فرمایا کہ جو کچھ رہ گیا ہے اب کر لو، اور کوئی حرج نہیں۔ اس حدیث میں نہ تو دم کا کوئی اشارہ ہے نہ ترتیب بدلنے پر کفارہ کا کوئی ذکر ہی ہے ص۸ پر امام ابو حنیفہ کا مسلک اس طرح لکھا ہے کہ اگر کسی حاجی شخص نے جان بوجھ کر حج کے ان تین کام رمی قربانی اور سر منڈانے میں ترتیب کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ترتیب بدل کر آگے پیچھے کر دیا تو واجب کی خلاف ورزی کی پاداش (سزا) میں کفارہ کے طور پر قربانی یعنی ذبح کرے۔ لیکن اگر یہ خلاف ورزی لاعلمی یا بھول چوک کی بنا پر ہوئی ہے تو ایسے شخص پر کفارہ لازم نہیں ہے۔ دیگر ائمہ ثلاثہ و صاحبین کا مسلک ص۱۰ پر اس طرح لکھا ہے کہ کوئی جان بوجھ کر ترتیب توڑے یا بھول کر مسئلہ سے بے علمی کی بنا پر دونوں طرح اجازت ہے کوئی کفارہ دم نہ پڑے گا کسی فعل کے چھوٹ جانے کا تدارک بعد میں اس کے انجام دینے سے ہو جاتا ہے اگر ایک بار اس چھوٹے ہوئے فعل کو انجام دیدیا تو پھر کچھ اور لازم نہیں۔ ص۸ پر یہ بھی لکھا ہے کہ شاید امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک وہ احادیث نہیں پہنچیں جن کی بنا پر دوسرے ائمہ مسلمانوں کو ترتیب کے خلاف عمل کی اجازت دیتے ہیں۔ اصول فقہ کی رو سے علما اور مسائل جاننے والے کی رائے کو بے علم باتوں کی رائے اور بے علم لوگوں کی رائے پر حجیت اور ترجیح ہے۔ صاحب مضمون یہاں امام اعظم ابو حنیفہ کی شانِ ارفع میں کچھ گستاخیاں کرتے ہوئے قرآن کریم کی آیات کا ناجائز سہارا لیتا ہے ص۲ یہاں تو امام اعظم کو (معاذ اللہ) بے علم لکھا۔ پھر آگے سورۂ نساء کی آیت ۵۹ اور سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۰ اور سورۂ حشر کی آیت ۷ میں تفسیر کرتے ہوئے جھگڑالو اور اہل حق کے خلاف چلنے والا اور اللہ رسول کے امر و نہی کی مخالفت کرنے والا۔ اور سورۂ نور کی آیت ۵۶ میں یہ ثابت کیا ہے کہ ابو حنیفہ نماز و زکوٰۃ کی پابندی نہ کرتے تھے اور دیگر امور میں رسول اللہ کی اطاعت نہ کرتے تھے۔ ان جیسے لوگوں کے لیے یہ آیت ۵۶ نازل ہوئی۔ نیز سورۂ نور کی آیت ۶۳ میں صاحب مضمون نے اتنی خیانت کا اظہار کیا ہے

کہ منافقین کے بارے میں نازل شدہ آیت کو امام اعظم پر چسپاں کیا ہے۔ اور دنیا و آخرت کے فتنے وعذاب الیم سے ڈرایا ہے اور صاحبین کا حوالہ جس انداز میں دیا گیا ہے اس سے عوام احناف پر یہ تاثر ڈالا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ احادیث کے عالم نہیں ان کے شاگرد زیادہ عالم تھے۔ آخر میں ایک جگہ ص۱۱ پر لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قربانی کے صرف تین دن ہیں دسویں گیارھویں بارھویں ذی الحج یعنی ایک یوم النحر (دسویں) اور بقیہ ایام تشریق کے دو دن۔ اگر قربانی کرنے میں تاخیر ہو جائے تو دم واجب ہے کیونکہ ان تینوں دنوں میں ہی قربانی ہے۔ بعد میں کسی دن بھی قربانی جائز نہیں۔ ص۱۲ پر لکھا ہے کہ صاحبین کے نزدیک صرف ان تین دونوں میں ہی قربانی واجب نہیں بعد میں بھی کسی دن قربانی کرے تب بھی کچھ کفارہ وغیرہ نہیں۔ ہاں البتہ بعد میں قربانی کرنا صرف مکروہ ہے یعنی ہر مسلمان سارا سال جب چاہے قربانی کرتا پھرے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کیا بیہودہ بات خلاف حدیث و قرآن لکھ ماری ان تمام باتوں کو لکھنے کے بعد اپنی اس بیہودہ تحریر کا اصل مقصد و منشا بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خود منی میں قربانی نہ دیا کریں بلکہ ہمارے بینک ڈیویلپمنٹ کو اس کی رقم دی جائے آخر ص۱۵ پر لکھا ہے کہ وکالت کے ذریعہ قربانی جائز ہے جب وکیل (ہمارے بینک نمائندے) کو قربانی کا اختیار دیدیا تو حاجی اپنی ذمہ داری سے آزاد ہو گا وکالت نامہ اور قربانی کے پیسے دینے کے بعد حاجی کو یہ جاننے کی ضرورت اور حق نہیں ہے کہ اس کی قربانی کس وقت ذبح کی جائے گی۔ یعنی اپنے پیسے دینے کے بعد ہم سے کوئی پوچھ نہیں سکتا کہ تم نے قربانی کب دینی ہے یا کب دی (دی بھی یا نہیں) یہ اب ہماری مرضی ہے جب چاہیں دیں۔ دیں یا نہ دیں پیسے تو لے ہی لئے ہیں یہی کچھ پیسے بٹورنا ہمارا مقصد ہے) اس تشریح کا اشارہ ص۱ پر اس طرح ملتا ہے کہ لکھتے ہیں۔ جب چاہیں دیں لوگ حج کی نیت سے مکہ کی جانب روانہ ہوتے ہیں تو وہ اکثر حالات میں مقیم نہیں رہتے اس لیے ان پر اُضحیہ (قربانی) واجب نہیں ہوتی اور یہ ہی مسافر کے لیے ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اپنے وطن میں کسی کو

وکیل بناکر اپنے گھر پر قربانی کرائے اور اُس کو پیسے دے کر آجائے۔ یعنی پھر ہم اپنی لوٹ کھسوٹ کیسے جاری رکھ سکیں گے۔ کتنا آسان ہے یہ اندازہ لگانا کہ یہ سب کچھ آیتوں حدیثوں کی دلیل دینا۔ امام اعظم کی گستاخی پر اُتر آنا۔ صرف اس لیے ہے کہ مسلمانوں کی قربانیاں حج احرام بھلے سے خراب و برباد ہوں ہم لوگ مسلمانوں کی دولت پر خوب لوٹ کھسوٹ کا ڈاکہ ڈال لیں اپنے بینک بھر لیں ص۱۰ پر لکھتے ہیں کہ ہماری اس مہم اور منصوبہ بندی کا مقصد یہ ہے کہ ۱۔ تمام قربانیوں سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے ایک ہی دن میں یہ قربانیاں نہ کیں جائیں اِس سے فساد کثیر ہوتا ہے اور ان قربانیوں سے پیدا ہونے والی بدبو حجاج کے لیے ایذا رسانی کا باعث ہوتی ہے۔ اور اتنی ڈھیر ساری قربانیوں سے مال بھی ضائع ہوتا ہے ہماری شریعت میں مسلمانوں کی ایذا رسانی اور مال کا ضائع کرنا ممنوع ہے۔ ص۱۵ پر لکھا ہے۔ ہمارا بینک یہ پوری کوشش کرتا ہے کہ قربانی کر کے مسلم دنیا میں قربانی کا گوشت فقرا کے درمیان تقسیم کر کے شرعی اصولوں سے پوری مطابقت انجام پائے۔ یعنی ہمارے علاوہ کوئی اور وکیل یہ لوٹ کھسوٹ نہ مچائے اس لیے کہ ہمارا طریقہ اور ہماری کمیٹی کے کام میں قربانی کے گوشت سے فائدہ حاصل کرنے کے عظیم امکانات پوشیدہ ہیں۔ (ظاہر نہیں ہیں نہ ہونے دیں گے) آگے لکھتے ہیں کہ اِس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مناسک کی ترتیب میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی ترتیب کی اِتباع اور پیروی کرنے میں بہت نقصان ہے ھدیٰ قربانی کے گوشت کا ضیاع ہے اس طرح اللہ کی بخشی ہوئی نعمت ضائع ہوگی اور اسراف کی حد میں آئے گی جب کہ اسلام میں اِسراف حرام ہے۔ یعنی گوشت بچاؤ نبی کریم کی اتباع چھوڑ دو ص۱۵ پر یہ بھی لکھا ہے کہ قربانی اور تحلل یعنی احرام سے کھلنا کے درمیان کوئی تعلق نہیں خلاصہ یہ کہ اس ساری تحریر کا مقصد مفاد پرستی ہے کہ بس لوگوں سے پیسے لوٹ لو۔ اِس تحریر میں اگرچہ ضمناً رمی جمار اور فرض طواف افاضہ کا بھی ذکر ہے مگر زیادہ زور قربانی پر ہے کہ ۱۔ قربانی حاجی خود نہ کرے ہم کو پیسے دے ۲۔ ہمارے سوا اور کسی کو وکیل بھی نہ بنائے ہمارے علاوہ سب لوگ سب وکیل غلط ہیں ۳۔ پیسے دیدے تو بس حاجی کی

چھٹی اب وہ ہم سے پوچھ بھی نہیں سکتا کہ کب قربانی دو گے انہی قربانی کے دنوں میں یا پھر کبھی بعد میں کہ احرام سے کھلنے کے لیے قربانی پہلے ہونا ضروری نہیں بس ہمیں پیسے دو ہماری جیب اور مٹھی گرم کرو۔ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت موکدہ پامال ہوتی ہو۔ پیسے دیتے ہی احرام سے کھل جاؤ یہ ضروری نہیں کہ ایام تشریق میں ہی قربانی ذبح کی جائے بعد میں بھی جب چاہو قربانی دو۔ ہمارا یہ پیسے لینے کا منصوبہ اتنا بہترین ہے کہ اس کو چھوڑنا نقصان وضیاع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں نقصان ہے (معاذ اللہ) یہ تھے وہ کفریہ مقاصد جو اس تحریر سے واضح ہوتے ہیں ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق صاحب مضمون کے مافی الضمیر کا خطرناک منصوبہ وضاحتی اشاروں میں بیان کر دیا ہمارے نزدیک سعودیہ حکومت کی اب یہ نئی چال ہے جس سے مسلمانوں کی قربانیوں کو برباد کرنے اور حج تباہ کرنے کا ارادہ ہے۔ ہمیں شرعی فتویٰ مکمل مدلل عطا فرمایا جائے اور بتایا جائے امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک درست ہے یا ائمہ ثلاثہ وصاحبین کا۔ اگر ائمہ ثلاثہ کا مذہب غلط ہے تو کیا واقعی ائمہ ثلاثہ نے ایسی غلطیاں کی ہیں جس کا ذکر اس تحریر میں ہے اس صاحب مضمون نے کسی کتاب کا حوالہ صفحہ نمبر وغیرہ نہ لکھا جس سے اندیشہ ہے کہ شاید یہ بھی کہیں خیانت اور جھوٹ الہام ہی نہ ہو۔ فتویٰ جلدی عطا فرمائیے ہم انشاء اللہ یہ فتویٰ شائع کریں گے اور مسلمانوں کے حج بچانے کی کوشش کریں گے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

سوال منجانب چشتیہ ٹرسٹ یوکے ۸/۸/۹۴
حاجی محمد یونس

بعون العلّام الوھّاب

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

سائلین کا سوال درخواست اور مذکورہ بالا مدعی علیہ کا پمفلٹ حاصل وموصول ہوا اور استفتا اور پمفلٹ بغور مطالعہ کرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ سائل مدعی نے اپنے تشریحی وضاحتی الفاظ میں جو مخالف کا مافی الضمیر بیان کیا ہے وہ کسی حد تک

درست ہے۔ واقعی صاحب مضمون نے جس جذباتی انداز میں اس مختلف فیہ مسئلے کو تحریر کیا ہے اُس سے امام اعظم کی گستاخی کے علاوہ عملِ نبوت کی توہین بھی ظاہر ہوتی ہے اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالیٰ۔

اگرچہ دبے لفظوں کی خفیفہ زبان میں ہے۔ اور یہ سب کچھ اپنی بات منوانے اور مفاد حاصل کرنے کے لیے ہے۔ کسی امام کی تائید میں نہیں مالکیوں شافعیوں حنبلیوں کو اُن کے امام کا مسلک بتاکر اور حنفیوں کو امام اعظم سے ہٹاکر صاحبین کا مسلک بتاکر۔ اور آخر میں تو ترتیب نبوت کے عملِ مبارک کو نقصان دِہ ضیاع اور اسراف قرار دے کر گستاخی کا ارتکاب کیا جس کا افسوس ہے کہ خودغرضی انسان کو کہاں تک پہنچا دیتی ہے بہرکیف جہاں تک مسئلے اور شرعی فتوے کا تعلق ہے۔ دیگر تمام مسائل کی طرح امام اعظم کا یہ مسئلہ بھی بہت مضبوط نہایت مُدلّل اور قرآن وحدیث کے مطابق ہے دیگر ائمۂ ثلاثہ اور صاحبین کا مسلک اجتہادی لغزش اور عدم تدبر کے سوا اور کچھ نہیں۔ بلکہ صاحبین کے اکثر اختلاف شدہ مسائل نہایت کمزور ناقابلِ قبول ہوتے ہیں اسی لیے فقہاءِ اُمت صاحبُ الرّائے علماء اور اہل فتویٰ اصحاب علم فرماتے ہیں کہ صاحبین کے صرف اُس مسئلے کو مانا جائے گا اور اُس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا جہاں امامِ اعظم ابوحنیفہ کا قول وفرمان نہ ملے گا۔ جہاں جہاں امام اعظم کا قول موجود ہے وہاں امام اعظم کے قول پر حنفی فتویٰ جاری ہوگا۔ اور اُس کے مخالِف صاحبین کا قول رَدّ ہوگا جیساکہ ہم انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ سطورِ ذیل میں ثابت کریں گے ہم اِس فتوے کو آسانی اور وضاحت کے لیے تین فصل میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی فصل امام اعظم کے مسلک اور ان کے دلائل کے بیان میں دوسری فصل میں۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مسلک اُن کے دلائل اور اُن دلائل کی کمزوری اور ان کا توڑ۔ تیسری فصل میں اِس پمفلٹ کی غلط اور کمزور باتوں کی نشان دہی اور ان کا مدلّل جواب مولیٰ تعالیٰ سے ہدایت اور آسانی کے حصول کی دعا ہے ھُوَ الْمُسْتَعَانُ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْر۔

فصلِ اوّل۔ تفصیل سے پہلے تمہید اس طرح ہے کہ یوم نحر یعنی دس ذی الحج کو میدانِ منیٰ میں قیام کے دوران تمام حجاج کو چار کام کرنے لازم ہیں پہلا کام

جمرۂ عقبی کی رمی کرنا دوم قربانی کرنا سوم سر منڈانا اور احرام سے کھل جانا۔ چہارم مکہ مکرمہ جاکر طواف افاضہ (طواف زیارت) کرنا۔ ان چاروں کاموں کے لزوم میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ جمرۂ عقبی کی رمی ہر حاجی پر واجب ہے۔ چنانچہ امام جزری کی تصنیف کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اوّل ص۶۶۵ پر ہے۔ اَلشَّافِعِيَّةُ قَالُوْا وَاجِبَاتُ الْحَجِّ الْعَامَّةُ خَمْسَةٌ (الخ) اَلثَّالِثُ رَمْيُ الْجِمَارِ ص۶۶۶ پر ہے اَلْحَنَفِيَّةُ قَالُوْا وَاجِبَاتُ الْحَجِّ الْاَصْلِيَّةُ خَمْسٌ (الخ) ثَالِثٌ رَمْيُ الْجِمَارِ لِكُلِّ حَاجٍ ص۶۶۷ پر ہے۔ اَلْحَنَابِلَةُ قَالُوْا۔ لِلْحَجِّ وَاجِبَاتٌ سَبْعَةٌ (الخ) اَلْخَامِسُ رَمْيُ الْجِمَارِ عَلَى التَّرْتِيْبِ اَلْمَالِكِيَّةُ قَالُوْا وَاجِبَاتُ الْحَجِّ (الخ) وَمِنْهَا تَقْدِيْمُ رَمْيِ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فِي الْيَوْمِ الْعَاشِرِ۔ ترجمہ تمام ائمہ کے نزدیک رمی جمار یعنی کنکر مارنا واجب ہے۔ اس طرح قربانی واجب ہے لیکن صرف تمتع اور قران کرنے والے حاجی پر۔ حج افراد کرنے والے۔۔ حاجی پر قربانی واجب نہیں بلکہ نفلی مستحب ہے۔ چنانچہ اسی کتاب فقہ کے ص۶۸۹ پر ہے اَلشَّافِعِيَّةُ قَالُوْا (الخ) وَيَجِبُ عَلٰى كُلٍّ مِّنَ الْمُتَمَتِّعِ وَالْقَارِنِ هَدْيٌ وَقَدْ وَرَدَتِ السُّنَّةُ بِمَا يُفِيْدُ الْمَالِكِيَّةُ قَالُوْا (الخ) غَايَةُ الْاَمْرِ اَنَّهٗ يَلْزَمُهٗ هَدْيٌ لِلْقِرَانِ كَمَا اَنَّ الْمُتَمَتِّعَ اَيْضًا يَلْزَمُهٗ هَدْيٌ وَقَدْ وَرَدَتِ السُّنَّةُ بِمَا يُفِيْدُ وُجُوْبَ الْهَدْيِ عَلَى الْقَارِنِ وَيُشْتَرَطُ لِوُجُوْبِ الْهَدْيِ لِلْقِرَانِ كَمَا اَنَّ الْمُتَمَتِّعَ اَيْضًا يَلْزَمُهٗ وَيَجِبُ عَلَى الْمُتَمَتِّعِ هَدْيٌ (الخ) وَيَلْزَمُ هَدْيُ التَّمَتُّعِ وَالْقِرَانِ بِطُلُوْعِ فَجْرِ يَوْمِ النَّحْرِ ص۶۹۵ پر ہے۔ اَلْحَنَفِيَّةُ قَالُوْا۔ (الخ) وَيَجِبُ عَلٰى كُلٍّ مِّنَ الْقَارِنِ وَالْمُتَمَتِّعِ هَدْيٌ يَذْبَحُ يَوْمَ النَّحْرِ بَعْدَ رَمْيِ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ ترجمہ۔ چاروں اماموں کے نزدیک حج قران اور حج تمتع کرنے والے حاجی پر قربانی کرنا واجب ہے۔ اس طرح ہر حاجی پر (قارن مفرد متمتع) پر سر منڈانا واجب ہے۔ چنانچہ اسی کتاب الفقہ جلد اوّل ص۶۶۷ پر ہے۔ اَلْحَنَفِيَّةُ قَالُوْا وَاجِبَاتُ الْحَجِّ۔ الْاَصْلِيَّةُ خَمْسٌ (الخ) رَابِعًا اَلْحَلْقُ اَوِ التَّقْصِيْرُ (الخ)

اَلْحَنَابِلَۃُ قَالُوْا اَلْحَجُّ وَاجِبَاتُہٗ سَبْعَۃٌ (الخ) اَلسَّادِسُ اَلْحَلْقُ اَوِ التَّقْصِیْرُ
ص۶۶۸ پر ہے۔ اَلْمَالِکِیَّۃُ قَالُوْا۔ (الخ) وَمِنَ الْوَاجِبَاتِ اَلْحَلْقُ فَلَوْ تَرَکَہٗ لَزِمَہُ الدَّمُ۔ امام شافعی کا مسلک اُن کے فتاوی بجوری
اوّل ص۲۰۱ پر ہے۔ وَالْحَلْقُ اَوِ التَّقْصِیْرُ وَاجِبٌ عَلَی الْحَاجِّ ترجمہ چاروں اماموں کے نزدیک سر منڈانا، یا کترانا واجب
ہے۔ اور اس میں بھی تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر حج کا واجب رہ جائے تو حاجی پر
دم فدیہ وکفارہ کی قربانی واجب ہوتی ہے۔ چنانچہ کتاب الفقہ للامام عبدالرحمٰن
الجزری جلد اوّل ص۶۶۶ پر ہے۔ اَلْحَنَابِلَۃُ قَالُوْا۔ اَوْ تَرَکَ شَیْئًا مِنْ وَاجِبَاتِ
الْحَجِّ کَرَمْیِ الْجِمَارِ فَعَلَیْہِ الْفِدْیَۃُ عَلَی التَّرْتِیْبِ ص۶۶۴ پر ہے
اَلْمَالِکِیَّۃُ قَالُوْا۔ وَوَاجِبٌ یَلْزَمُ فِیْ تَرْکِہٖ دَمٌ ص۶۶۷ پر ہے۔ اَلْحَنَفِیَّۃُ
قَالُوْا (الخ) وَالضَّابِطَۃُ اَنَّ کُلَّ مَا یَتَرَتَّبُ عَلٰی تَرْکِہٖ دَمٌ فَھُوَ
وَاجِبٌ۔ کتاب میزان الکبریٰ جلد دوم لِلامام شعرانی ص۴۶ پر
ہے۔ وَمِنْ ذَالِکَ قَوْلُ مَالِکٍ وَالشَّافِعِیِّ اِنَّ السَّعْیَ رُکْنٌ فِی الْحَجِّ
مَعَ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَحْمَدَ فِیْ اِحْدٰی رِوَایَتَیْہِ اَنَّہٗ وَاجِبٌ
یُجْبَرُ تَرْکُہٗ بِدَمٍ۔ فتاوی بجوری جلد اوّل میں ہے یُجْبَرُ فِیْ کُلِّ تَرْکٍ
وَاجِبَاتِ الْحَجِّ بِدَمٍ۔ ترجمہ۔ چاروں اماموں کا متفقہ مسلک ہے کہ اگر کسی حاجی
سے حج کا کوئی ایک واجب رہ جائے تو اس پر فدیہ جرمانے کا دم واجب
ہوتا ہے۔ اسی طرح اِس بات میں بھی تمام کا اتفاق ہے کہ قربانی کرنے کے لیے
صرف تشریق کے دن ہیں اگر اِن دِنوں کے بعد کوئی قربانی کرے گا صحیح ادا نہ ہو
گی۔ چنانچہ کتاب الفقہ للجزری جلد اوّل ص۶۹۷ پر ہے اَلْحَنَابِلَۃُ قَالُوْا (الخ)
فَاَیَّامُ النَّحْرِ ثَلَاثَۃٌ۔ یَوْمُ الْعِیْدِ وَتَالِیَاہُ (الخ) فَاِنْ فَاتَ وَقْتُہٗ
فَاِنْ کَانَ تَطَوُّعًا سَقَطَ عَنْہُ۔ وَاِنْ کَانَ وَاجِبًا ذَبَحَہٗ قَضَاءً (الخ)
اَلْحَنَفِیَّۃُ قَالُوْا۔ تَتَعَیَّنُ اَیَّامُ النَّحْرِ اَلثَّلَاثَۃُ یَوْمُ الْعِیْدِ وَتَالِیَاہُ
لِذَبْحِ ھَدْیِ الْقِرَانِ وَالتَّمَتُّعِ وَیَکُوْنُ الذَّبْحُ بَعْدَ رَمْیِ جَمْرَۃِ
الْعَقَبَۃِ کَمَا تَقَدَّمَ فَاِنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَیَّامِ النَّحْرِ لَمْ یَجُزْ لَہٗ وَاِنْ
ذَبَحَ بَعْدَھَا اَجْزَءَہٗ وَعَلَیْہِ ھَدْیٌ لِتَاخِیْرِ الذَّبْحِ عَنْ اَیَّامِ
النَّحْرِ اَلشَّافِعِیَّۃُ قَالُوْا۔ (الخ) وَیَمْتَدُّ ذَالِکَ اِلٰی غُرُوْبِ الشَّمْسِ

مِنْ آخِرِ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ۔ اور میزان الکبریٰ جلد دوم میں صـ۵۲ پر امام شعرانی نے امام مالک کا مذہب اس طرح لکھا ہے۔ وَمِنْ ذَالِكَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ اَنَّ اٰخِرَ وَقْتِ التَّضْحِيَةِ هُوَ اٰخِرُ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ مَعَ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكٍ اِنَّ اٰخِرَ وَقْتِ التَّضْحِيَةِ هُوَ اٰخِرُ الْيَوْمِ الثَّانِيْ مِنْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ (الخ) وَمِنْ ذَالِكَ قَوْلُ الْاَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ اَنَّ الْاُضْحِيَةَ اِذَا كَانَتْ وَاجِبَةً لَمْ يَفُتْ ذِبْحُهَا بِفَوَاتِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ بَلْ يَذْبَحُهَا وَتَكُوْنُ قَضَاءً۔ اسی طرح کتاب رحمۃ الامۃ جلد اوّل صـ۱۴۷ پر ہے ترجمہ تمام عبارات کا یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک قربانی کرنے کے لیے صرف تشریق کے دن ہیں تین امام کے نزدیک تین دن دسویں گیارھویں بارھویں اور امام شافعی کے نزدیک چار دن تیرھویں ذی الحج بھی۔ اور امام مالک شافعی حنبلی کے نزدیک اگر کوئی حاجی تمتع و قران کی قربانی ان دنوں سے بعد کرے تو اس کی قربانی صحیح ادا نہ ہو گی بلکہ قضا ہو گی اور عبادت قضا کرنے کا جو گناہ ہوتا ہے وہ سب پر ظاہر ہے یعنی ایام تشریق کے بعد جو قربانی کرے گا وہ گنا ہگار ہو گا۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اگر تمتع یا قران کی قربانی میں دیر کر دی اور بارہویں ذی الحج کے بعد قربانی کی تو تاخیر کی وجہ سے اس پر دَم واجب ہو گا۔ ان تمہیدی عبارات اور مذاہب اربعہ لکھنے میں ہمارے مندرجہ ذیل مقصد ہیں پہلا یہ کہ دسویں ذی الحج کے دن کرنے والے افعالِ حج کے واجب ہوتے ہیں کسی کا اختلاف نہیں سب ائمہ اس کو واجب فرماتے ہیں۔ دوم یہ کہ حج کا واجب ترک ہو جائے تو دم کفارہ (جرمانہ) واجب ہے جیسے نماز کا واجب رہ جانے سے سجدہ سہو کا کفارہ (جرمانہ) واجب ہوتا ہے اسی طرح حج کا واجب رہ جانے سے دَم اور خون ذبح کرنے کا کفارہ واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ میزانُ الکبریٰ جلد دوم صـ۳۷ پر امام عبدالوھاب شعرانی فرماتے ہیں۔ وَوَجْهُ وُجُوْبِ الدَّمِ فِيْ تَرْكِهَا اَنَّهَا صَارَتْ شِعَارًا فِي الْحَجِّ كَالْاَبْعَاضِ فِي الصَّلٰوةِ۔ فَكَمَا يُجْبَرُ تَارِكُ الْبَعْضِ ذَالِكَ بِسَجْدَتَيِ السَّهْوِ كَذَالِكَ يُجْبَرُ تَارِكُ التَّلْبِيَةِ (وَغَيْرِهَا) بِالدَّمِ فَافْهَمْ۔ ترجمہ حج کی بعض عملی چیزیں نماز کی بعض عملی چیزوں کی طرح ہیں تو جیسے نماز کے ان اعمال کا

تارک سجدۂ سہو کرنے پر مجبور کیا جائے گا اسی طرح حج کے واجبات تلبیہ وغیرہ کے تارک کو ایک جانور کا دم یعنی خون ذبح کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ مقصدِ سوم چونکہ صاحبِ مضمون نے محض اپنی مطلب پرستی اور حاجیوں سے رقم بٹورنے کی خاطر اور قربانی سے بچنے کی خاطر۔ صاحبین کی طرف یہ اتہام لگایا ہے جیسا کہ مذکورہ فی السوال صاحبِ مضمون کی کتابچی کے صفحہ ۱۲ سطر ۲ میں ایک لغو اور بے سمجھی کا الزام لگایا ہے۔ صاحبین کا یہ مسلک کہیں مذکور و منقول نہیں۔ البتہ ہم نے یہاں باحوالہ ثابت کر دیا کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک قربانی دیر ہو جائے وقت نکلنے چلے جانے سے قربانی قضا ہو گی اور ہر عبارت کو جان بوجھ کر قضا کرنے سے گناہِ کبیرہ لازم آتا ہے تو اس طرح قربانی بعد میں کرنے سے بھی قضا کا گناہ لازم ہو گا جو آخرت میں ملے گا۔ لیکن امام اعظم تو اسی وقت اس پر دم واجب فرماتے ہیں بہر کیف بینک والی کمیٹی کے اس چھینا جھپٹی سے حج تو خراب ہو گیا۔ ان مقاصد سے ہم نے یہ تمہیدی حوالے پیش کئے اب رہا ترتیب ارکانِ حج کا مسئلہ اسی میں اختلاف اور تنازعہ ہے اور اس میں بھی صاحبِ مضمون نے زیادہ زور صرف قربانی کی تاخیر کے جواز پر دیا ہے تاکہ حاجی سے پیسے چھین لیے جائیں پھر قربانی کریں یا نہ کریں۔ حاجی کو پوچھنے سوال کرنے کا کوئی حق نہیں کہ میری قربانی کی ہے یا نہیں اور کب کرنی ہے۔ کرنی بھی ہے یا نہیں۔ ترتیبِ ارکان کے بارے میں صاحبِ مضمون ۱۸ پر لکھتا ہے کہ صرف امام ابو حنیفہ نے ترتیبِ افعالِ حج کو لازم و واجب قرار دیا ہے ان کے سوا باقی ائمہ ثلاثہ میں سے کسی نے بھی غیر مفرد کے بیٹے ہدی اور ذبح اور سر منڈانے کے درمیان ترتیب کو لازم قرار نہیں دیا۔ میں کہتا ہوں کہ صاحبِ مضمون پروفیسر عرفان بوجل کی یہ بات بھی عالمانہ اور سچائی کی نہیں بلکہ پروفیسرانہ قلم کاری ہے۔ ہماری تحقیق اس طرح ہے کہ امام اعظم کے نزدیک تو یہ وجوبِ ترتیب کا مسئلہ کا کثیر دلائل کے ساتھ مسلّم و مشہورہ ہے جس کی وضاحت و تفصیل آئندہ مندرجہ ذیل سطور میں کی جائیگی انشاء اللہ تعالیٰ لیکن المیزان الکبریٰ جلد دوم ص ۴۸ اور کتاب رحمۃ الامۃ جلد اول ص ۱۴۵ پر لکھا ہے کہ وَقَالَ اَحْمَدُ هٰذَا التَّرْتِيْبُ وَاجِبٌ ترجمہ امام احمد نے

فرمایا کہ یوم نحر کے افعال چار ہیں رمی پھر قربانی پھر حلق پھر طواف افاضہ ان کو ترتیب وار کرنا واجب ہے۔ اور مسلم شریف کی شرح نووی شافعی جلد اول باب جواز تقدیم الذبح ص۴۲۱ پر ہے۔ قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ وَمَالِكٌ وَعَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ وَالْحَسَنِ الْبَصَرِيِّ وَالنَّخْعِيِّ وَقَتَادَةُ وَرِوَايَةٌ شَاذَةٌ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ مَنْ قَدَّمَ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ لَزِمَهُ دَمٌ۔ ترجمہ۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک نے فرمایا اور سعید ابن جبیر سے روایت ہے اور خواجہ حسن بصری اور امام نخعی تابعی اور امام قتادہ نے فرمایا اور ایک شاذ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے کہ جو شخص حج کے افعال واجبہ میں ترتیب بدل کر بعض کو بعض سے پہلے کرے تو دم واجب ہو جاتا ہے تفسیر صاوی مالکی جلد ص۸۲ پر ہے۔ لِاَنَّ الْوَاجِبَ فِعْلُهُ يَوْمَ النَّحْرِ اَرْبَعَةُ اَشْيَاءٍ عَلَى التَّرْتِيْبِ اَلرَّمْيُ فَالنَّحْرُ فَالْحَلْقُ فَطَوَافُ الْاِفَاضَةِ۔ ترجمہ امام مالک کے نزدیک نحر کے دن حج کے چار کام ترتیب سے واجب ہیں رمی پھر ذبح پھر حلق پھر طواف افاضہ ان دونوں حوالوں کی عبارتوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ترتیب افعال حج واجب ہے۔ کیونکہ ترک واجب پر ہی دم واجب ہوتا ہے۔ اب صرف امام شافعی کا مسلک ہوا کہ ترتیب واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ تو ان بینک ڈیولپمنٹ والے لوگوں کا حاجیوں پر کتنا بڑا ظلم ہے کہ چند روپوں اور تھوڑی سی حرص دولت کی خاطر تمام حنفی مالکی حنبلی حجاج کے حج برباد کر دیتے ہیں نہ اللہ کا خوف نہ آخرت کا ڈر اب ہم مندرجہ ذیل سطور میں امام اعظم کے وہ دلائل پیش کرتے ہیں جو ترتیب افعال حج کے وجوب پر ہیں۔

مسلک حنفی

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یوم نحر کے چاروں افعال حج کی ترتیب واجب ہے اگر جان کر کوئی شخص اس ترتیب کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تبدل و تغییر اور تقدم و تاخر کرے تو دم واجب لیکن اگر کوئی مسئلے سے ناواقف

ہوا ور بھول کر ایسا کرے تو دم واجب نہ ہوگا۔ گویا کہ امام اعظم کے نزدیک جان کر غلطی کرنے اور بھول کر ایسا ترتیب میں غلطی کرنے والے کے جرم میں فرق ہے جان کر ترتیب والے کو سزاءً کفارہ پڑے گا بھول کر کی تمعاق ہے۔ ان دونوں حکموں کے حوالے اس طرح ہیں مذہب حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ اولین جلد اول ص۲۲۱ پر ہے۔ وَمَنْ اَخَّرَ الْحَلْقَ حَتّٰی مَضَتْ اَیَّامُ النَّحْرِ فَعَلَیْہِ دَمٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ۔ (الخ) ۔۔۔ وَ نَحْرُ الْقَارِنِ قَبْلَ الرَّمْیِ وَ الْحَلْقُ قَبْلَ الذَّبْحِ لِاَنَّ التَّاخِیْرَ عَنِ الْمَکَانِ یُوْجِبُ الدَّمَ۔ ترجمہ۔ جس شخص نے مؤخر کر دیا سر منڈانے کو یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے تو اس پر دم واجب ہے امام اعظم کے نزدیک اور قران والے (اور تمتع والے) نے رمی سے پہلے ذبح کر دیا اور ذبح سے پہلے سر منڈا دیا تب بھی دم واجب ہے۔ اس لیے کہ جان بوجھ کر (خود یا کسی کے بہکانے پر) ایک رکن حج کو دوسرے رکن حج سے آگے پیچھے کرنا جرم ہے اس سے کفارے کا دم واجب ہوتا ہے۔ یہ تو تھا جان بوجھ کر جرم کرنے والے کا حکم۔ بے علمی سے ناواقفی سے کرنے والے پر کفارہ نہیں مگر اُس کو فوراً وہ کام کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اَلْمِیْزَانُ الْکُبْرٰی جلد دوم ص۳۱ پر ہے وَمِنْ ذٰلِکَ قَوْلُ الْاَئِمَّۃِ الثَّلٰثَۃِ اَنَّہٗ لَوْ حَلَقَ رَاْسَہٗ اَوْ غَیْرَہٗ اَوْ قَلَّمَ ظُفْرَہٗ نَاسِیًا اَوْ جَاھِلًا فَلَا فِدْیَۃَ عَلَیْہِ۔ ترجمہ۔ اور ان ہی احکام فقہیہ میں سے تین امام یعنی امام اعظم امام مالک، امام احمد بن حنبل کا فرمان ہے کہ اگر کسی حاجی نے بھول کر یا مسئلے کی ناواقفی بے علمی سے پہلے سر منڈا لیا یا اپنے ناخن کاٹ لیے تو اُن پر اس بے شعوری کی وجہ سے فدیہ کا ذبح واجب نہیں ہے۔ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ حنفی وغیرہ مسلک میں علمی اور بے علمی کے جرم میں فرق ہے اور یہ مسلک مشہور ہے۔ صاحب مضمون کو بھی تسلیم ہے جیسا کہ سائل نے بھی لکھا اور موصولہ کتابچی میں بھی لکھا ہے۔ بعض حنفی علما فرماتے ہیں کہ بے علمی اب معتبر نہیں اور مسائل شرعیہ سے ناواقفی بے علمی اب معاف نہیں کی جائیگی بے علمی خود بذاتہ ایک جرم ہے اور فرض سے کوتاہی کیونکہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ۔ ہاں شروع زمانۂ صحابہ میں ناواقفی مسائل عذر سمجھا

جاتا تھا جیسا کہ حج وداع میں تمام مسلمانوں کو پہلی دفعہ حج کی سعادت حاصل ہوئی تھی اور باوجود بارگاہِ نبوت سے نہایت تاکید وتکرار سے تمام مسائلِ حج سمجھانے کے پھر بھی کچھ لوگوں تک نہ پہنچ سکے یا ذہن میں نہ رہے۔ اسی لیے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے محض بے شعوری کی وجہ سے ان کو اس گناہ سے معافی اور معذور قرار دیتے ہوئے ٹھیک ہے کوئی حرج نہیں اب جلدی سے وہ کام کر لو۔ دیر نہ لگانے کا حکم فرمایا۔ بہرکیف امام اعظم کے اس مسئلۂ ترتیب کی دونوں دعلی وجے علی کی شقوں پر حسبِ ذیل دلائل ہیں۔

امام اعظم کی پہلی دلیل۔ سورۃ حج آیت ۲۸ و ۲۹ پارہ ۱۷۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ۔ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ۔ (الخ) ترجمہ۔ تاکہ مشاہدہ کریں اُن نفعوں کا جو اُن حاجیوں کے لیے ہیں مکہ مکرمہ میں اور ان ایامِ نحر میں اُن قربانیوں کو ذبح کریں جو اُن حاجی مسلمانوں کو ہم نے قران وتمتع کے لیے واجب کی ہیں اللہ تعالیٰ کے نام کی تکبیر پڑھ کر تو کھائیں کھلائیں غریبوں محتاجوں کو پھر ان قربانیوں کے بعد احرام سے کھلنے کے لیے اپنے بال منڈائیں۔ یعنی پہلے بال نہیں منڈا سکتے اس لیے کہ یہاں لفظِ ثُمَّ حرفِ عطف استعمال فرمایا گیا ہے اور ثُمَّ مکمل ترتیب وتراخی یعنی بعدیت کے لیے آتا ہے اور جب یہ لفظ کسی حکم شرعی کے لیے بولا جائے تو وجوب ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اصولِ فقہ کی مشہور ومعتبر کتاب توضیح تلویح جلد اول ص۲۴۵ پر ہے۔ ثُمَّ لِلتَّرْتِیْبِ مَعَ التَّرَاخِیْ۔ اور اس کے حاشیہ ۲ میں ہے۔ وَاسْتَدَلَّ الْحَنَفِیَّةُ عَلَی الشَّافِعِیَّةِ الْمُجَوِّزِیْنَ تَقْدِیْمَ الْكَفَّارَةِ عَلَی الْحِنْثِ بِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَاٰی غَیْرَهَا خَیْرًا مِّنْهَا فَلْیَاْتِ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ثُمَّ لْیُكَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَذٰلِكَ لِاَنَّ ثُمَّ لِلتَّرْتِیْبِ وَالتَّرَاخِیْ فَیَكُوْنُ التَّكْفِیْرُ بَعْدَ الْاِتْیَانِ وَالْحِنْثِ۔ ترجمہ۔ چونکہ ثُمَّ ترتیب وتراخی کو واجب کرتا ہے اس لیے حنفی علماءِ اہلِ فتویٰ نے اُن شوافع کے مسلک کے خلاف حدیثِ پاک

سے دلیل فرمائی جو شافعی علماءِ کرام قسم ٹوٹنے سے پہلے ہی کفارہ دیدینے کو جائز مانتے ہیں۔ یہ کہ فرمایا آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھائے پھر بعد میں اسے احساس ہو کہ یہ تو میں نے برا کیا یہ کام تو دینی یا دنیوی اعتبار سے بہت ضروری ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ کام کرے پھر اُس قسم کا کفارہ دے۔ یعنی پہلے کفارہ دینا جائز نہ ہو گا۔ حرفِ ثُمَّ کی وجہ سے ثُمَّ نے لازم کر دیا کہ کفارہ بعد میں واجب ہو۔ اصولِ فقہ کی دوسری مشہور کتاب نور الانوار صفحہ ۱۲۰ پر ہے۔ ثُمَّ یُفْهَمُ التَّرْتِیْبُ وَهُوَ تَقْدِیْمُ الْحِنْثِ عَلَی الْکَفَّارَةِ مِنَ الرِّوَایَةِ الْاُخْرٰی وَلَمْ یُعْکَسْ لِاَنَّ۔ تَقْدِیْمَ الْکَفَّارَةِ عَلَی الْحِنْثِ غَیْرُ وَاجِبٍ بِالْاِتِّفَاقِ۔ (الخ) فَلَوْ عَمِلْنَا بِالرِّوَایَةِ الْاُوْلٰی یَلْزِمُ وُجُوْبُ تَقْدِیْمِ الْکَفَّارَةِ عَلَی الْحِنْثِ وَهُوَ خِلَافُ الْاِجْمَاعِ۔
اس عبارت کا تفصیلی معنیٰ یہ ہے کہ تمام فقہاء مجتہدین اور ائمۂ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ صرف ثُمَّ سے ترتیب اور تراخی واجب ہو جاتی ہے اس قانونِ کلیہ کو امام شافعی علیہ الرحمۃ بھی مانتے ہیں۔ اس لیے احناف کی طرف سے اُن پر اعتراض کیا گیا کہ جب تم بھی کہتے ہو کہ ثُمَّ ترتیب و تراخی کو واجب کرتا ہے۔ تو پھر قسم کے ٹوٹنے سے پہلے کفارہ کیوں جائز مانتے ہو۔ حالانکہ حدیثِ مقدس میں ارشادِ نبوی ہے کہ۔ فَلْیَاْتِ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ثُمَّ یُکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِهٖ۔ پہلے وہ کام کر کے قسم توڑ دے جس کے نہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی پھر کفارہ دے اور اے امامِ شافعی آپ نے جس خبر واحد سے پہلے کفارہ دینے کا جواز نکالا ہے وہاں بھی ثُمَّ ہے اور ثُمَّ سے صرف وجوب ثابت ہوتا ہے نہ کہ جواز تو آپ کو چاہیئے کہ اُس حدیث میں بھی پہلے کفارہ دینے کا وجوب تسلیم کرو۔ یعنی قسم توڑنے سے پہلے ہی کفارہ دینا واجب ہو جائے۔ ہم تو دونوں حدیثوں میں اس طرح مطابقت کر لیں گے کہ آپ کی پیش کردہ حدیث میں ثُمَّ اپنے معنیٰ میں نہیں بلکہ مجازی معنیٰ بمعنیٰ واؤ ہے۔ امام شافعی والی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔ فَلْیُکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِهٖ ثُمَّ لْیَاْتِ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ۔ یہاں حرفِ ثُمَّ بمعنیٰ واؤ ہے اس لیے کہ اِس کا تعلق قسم والے کے ذہنی احساس سے ہے اور پوری حدیث

کا معنیٰ یہ ہے کہ جو کسی اچھے مفید کام کے نہ کرنے کی جلد بازی میں قسم اٹھائے پھر پچھتائے تو اس کا حل یہ ہے کہ کفارہ دینے پر تیار ہو جائے اور تب وہ قسم والا کام کرے ہماری پیش کردہ روایت میں ثُمَّ اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے اسی حدیث مقدس کے استدلال واستنباط سے تمام ائمہ کہتے ہیں کہ قسم کا کفارہ قسم ٹوٹنے کے بعد واجب ہوتا ہے نہ کہ پہلے خود امام شافعی کے نزدیک بھی بعد میں کفارہ واجب۔ پہلے صرف جواز کے قائل ہیں۔ مگر ہمارے اعتراض سے تمام شوافع لاجواب ہیں یہاں ان عبارات کا پیش کرنا اس لیے ہے کہ جس طرح حدیث پاک میں ثُمَّ آیا تو تمام فقہا نے فرمادیا کہ اس ثُمَّ کی وجہ سے کفارہ بعد میں واجب ہوا اسی طرح قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے قربانی اور حلق میں ترتیب وتراخی کو واجب کرنے کے لیے ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ۔ ارشاد فرمایا۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترتیب اعمالِ حج کے وجوب پر آیت کریمہ سے اتنی صاف واضح اور مضبوط دلیل ہے کہ کسی امام ومجتہد کے پاس اس کا جواب نہیں۔ ایسے ہی روشن دلائل کی وجہ سے تمام ائمہ کی گردنیں امام اعظم کے حضور جھکی ہوئی ہیں۔ توڑنے کی جرأت نہیں بولنے کا یارا نہیں۔

امام اعظم کی دوسری دلیل۔ بخاری شریف جلد اوّل ص۲۴۳ پر ہے۔ حَدَّثَنَا مَحْمُوْدٌ ثَنَا عَبْدَ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّہْرِیِّ عَنْ عُرْوَۃَ عَنِ الْمِسْوَرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ اَنْ یَّحْلِقَ وَاَمَرَ اَصْحَابَہٗ بِذٰلِکَ۔ ترجمہ۔ حضرت مسور فرماتے ہیں کہ بے شک آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سر منڈانے سے پہلے قربانی فرمائی اور تمام صحابہ کو ایسا ہی کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ واقعہ دراصل حجۃ الوداع کا ہے اسی لیے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حج وداع میں ایسا ہی کیا کیونکہ یہ امر تھا اور امر مطلق وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ صرف ایک حاجی صحابی ایسے تھے جنہوں نے غلطی لاعلمی سے سر پہلے منڈا لیا جن کی بے علمی کے عذر کی وجہ سے لَا حَرَجَ کہہ کر اُن کو معافی دیدی گئی۔ امام بخاری نے غلطی سے اس حدیث پاک کو باب الفقر میں لکھ دیا حالانکہ حدیثِ پاک میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ ترتیبِ ارکانِ حج واجب اور امام

اعلم کا مذہب صحیح اور مضبوط اور قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔

تیسری دلیل۔ بخاری شریف جلد اول کتاب الحج۔ عَنْ اَبِیْ موسیٰ (الخ) كُنْتُ اُفْتِی بِهَا النَّاسَ حَتّٰی خِلَافَةِ عُمَرَ فَذَكَرْتُهُ لَهُ فَقَالَ اِنْ نَاخُذْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنَّهُ يَامُرُنَا بِالتَّمَامِ وَاِنْ نَاخُذْ بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَحِلَّ حَتّٰی بَلَغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهُ۔ ترجمہ۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں لوگوں کو حج کے مسائل پر فتویٰ دیا کرتا تھا یہاں تک کہ خلافت فاروقی کے زمانے میں۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ بے شک اگر ہم قرآن مجید پر غور کرتے ہیں تو بے شک وہ ہم کو حکم فرماتا ہے اَتِمُّوا الْحَجَّ (الخ) کا اور اگر بے شک ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کو لیتے ہیں تو بے شک سنت طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احرام سے نہیں کھلتے تھے جب تک کہ آپ کی ہدی قربانی ذبح نہ ہو جاتی۔ یعنی ہم تو اسی کو سنت لازمی سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اسی پر عمل کرتے ہیں اس دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ ترتیب لازمی ضروری۔ واجبی ہے کسی صحابی نے کبھی ساری عمر کسی حج میں بھی فرض یا نفلی اس ترتیب کی مخالفت نہ کی۔

چوتھی دلیل۔ مسلم شریف جلد اول ص۴۱۹ پر ہے۔ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ ابْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ جَمِيْعًا عَنْ عِيْسَى بْنِ يُوْنُسَ قَالَ ابْنُ خَشْرَمٍ اَخْبَرَنَا عِيْسٰى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِیْ اَبُو الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا يَقُوْلُ رَاَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِیْ عَلٰى رَاحِلَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَقُوْلُ لِتَاخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَاِنِّیْ لَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِیْ هٰذِهِ۔ اس کی شرح نووی میں ہے هِیَ لَامُ الْاَمْرِ وَمَعْنَاهُ خُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ وَهٰكَذَا وَقَعَ فِیْ رِوَايَةِ غَيْرِ مُسْلِمٍ وَتَقْدِيْرُهُ هٰذِهِ الْاُمُوْرُ الَّتِیْ اَتَيْتُ بِهَا فِیْ حَجَّتِیْ مِنَ الْاَقْوَالِ وَالْاَفْعَالِ هِیَ اُمُوْرُ الْحَجِّ وَصِفَتُهُ وَهِیَ مَنَاسِكُكُمْ فَخُذُوْهَا عَنِّیْ

وَاقبَلُوْهَا وَاحفظُوهَا وَاعْمَلُوا بِهَا وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ وَهٰذَا الحَدِيْثُ أَصْلٌ عَظِيْمٌ فِيْ مَنَاسِكِ الْحَجِّ وَهُوَ نَحْوُ قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ۔ ترجمہ۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے رمی فرمائی اپنی سواری پر بیٹھ کر نحر کے دن اور آپ فرماتے تھے کہ مسلمانو اپنے حج کے پورے اعمال مجھ سے سیکھ لو کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ شاید میں اپنے اس (پہلے اور آخری) حج کے بعد حج نہ کروں۔ اس کی شرح میں امام نووی نے فرمایا کہ یہاں لِتَأْخُذُوْا میں۔ لام امر ہے۔ اور اس حدیث پاک کا معنیٰ یہ ہے کہ تم لوگ اپنے حج کے کام سیکھ لو یہ روایت مسلم کے علاوہ بھی دیگر کتب میں ہے مکمل معنیٰ یہ ہے کہ یہ کام جو میں نے اپنے حج میں ادا کئے ہیں وہی اقوال افعال حج کے امور ہیں اور جس طریقے اور جس صفت و ترتیب سے میں نے ادا کئے ہیں بس اسی طریقے سے تمہارا حج ہے لہٰذا اچھی طرح دھیان رکھو مجھ سے لے لو قبول کر لو اور یاد کر لو اور بالکل اسی طرح عمل کرنا خبردار آگے پیچھے نہ کرنا اور تاقیامت اپنے بعد والے مسلمانوں کو سکھاتے چلے جاؤ۔ یہ حدیث پاک مناسکِ حج کے فرائض واجبات سنن و مستحبات کے بارے میں بہت ہی بڑی دلیل ہے۔ اور یہ دلیل بالکل اسی طرح دلیل ہے جس طرح آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مسلمانوں تاقیامت اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھو یعنی جس طرح نماز میں ذرہ بھر مخالفت کرنے سے نماز یا ٹوٹ جاتی ہے یا سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے اسی طرح حج میں بھی ذرا سی مخالفت حج کو فاسد کر دیتی ہے یا دَم واجب کر دیتی ہے۔ اور یا جس طرح نماز کے افعال فرض اور واجب سنت مستحب ہوتے ہیں اس طرح حج کے ارکان بھی فرض واجب سنت مستحب ہیں اور جس طرح نماز کے افعال میں ترتیب واجب ہے اسی طرح حج کے اعمال میں بھی ترتیب واجب ہے۔ نماز کی ترتیب بدلنے سے سجدہ سہو واجب حج کی ترتیب بدلنے دم واجب۔ ایسے دلائل کو فقہ اسلامیہ کی اصطلاح میں دلیلِ تشبیہی کہتے ہیں اسی

قسم کی ایک دلیل تشبیہی آمین آہستہ کہنے کے لزوم۔ اور بلند کہنے کی ممانعت میں علماءِ احناف پیش فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک محفل میں حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ دیکھو بخاری شریف جلد اوّل بَابُ الآمین صہ ۱۰۷ میں ہے۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُسْلَمَۃَ (الخ) عن اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّالِیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُہٗ قَوْلَ الْمَلٰئِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ (الخ) ترجمہ جب امام وَلَا الضَّالِیْنَ کہے تو تم مقتدی آمین کہو۔ (کیونکہ آسمان پر فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اسی باب کی ایک دوسری حدیث) تو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے مطابق ہوجائیگی اُس کے بخش دئے جائیں گے (اگلے پچھلے گناہ) اس سے چند سطور آگے بَابُ فَضْلِ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ میں ہے کہ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ (الخ) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ۔ فَقُوْلُوْا۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔ فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلَ الْمَلٰئِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ (الخ) ترجمہ۔ جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تمام مقتدی اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہیں۔ پس بے شک جس کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہوگیا اس کے اگلے پچھلے گناہ بخشے گئے۔ یہاں دونوں حدیثوں میں ایک جیسے ہی لفظ ہیں۔ یعنی تم مقتدیوں کی آمین بھی تا قیامت فرشتوں کی آمین کے موافق ہونی چاہیئے اور بعد رکوع تحمید بھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ موافقت۔ قرأت تلاوت اور زیر زبر میں نہیں کیونکہ وہ تو ہم سنتے ہی نہیں یہ موافقت محال ہے۔ بلکہ اقتضاءً یہ موافقت خاموشی میں ہے یعنی جس طرح فرشتوں کی آمین اور تحمید ربنا لک الحمد سنائی نہیں دیتی اس طرح تمہاری بھی آمین وتحمید سنائی نہ دینی چاہیئے تب تمہارے گناہ بخشے جائیں گے۔ اگر موافقت نہ ہوئی تو نہ بخشے جائیں گے جب اس حدیثِ پاک کی بنا پر سب مسلمان مقتدی رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ آہستہ کہتے ہیں تو آمین بھی آہستہ کہنی چاہیئے سُبحان اللہ کیا مضبوط دلیل ہے۔ اس کو دلیلِ تشبیہی کہتے ہیں۔

یہ تنبیہی دلیل توضمناً آگئی ہے مگر مندرجہ احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ حج اور ترتیب نبوی بھی واجب ہے۔ تمام صحابہ کرام آخری عمر تک اسی طریقۂ نبوی کے مطابق حج کرتے رہے۔

پانچویں دلیل۔ ھدایہ شریف جلد اوّل ص ۲۱۲ پر ہے۔ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ اَوَّلَ نُسُکِنَا فِیْ یَوْمِنَا ھٰذَا۔ اَنْ نَرْمِیَ ثُمَّ نَذْبَحَ ثُمَّ نَحْلِقَ۔ ترجمہ۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے حج کے اِس یوم نحر میں ارکان حج اس ترتیب سے ہیں کہ پہلے ہم رمی کریں پھر اس کے بعد ہم قربانی ذبح کریں پھر اس کے بعد ہم سر منڈائیں۔ یعنی اے تمام تاقیامت مسلمانو تم سب یہ ترتیب یاد رکھو یہ لازم ہے اس کی تحقیق میں صاحب درایہ فرماتے ہیں ص ۱۹۱ پر۔ لَمْ اَجِدْہُ لٰکِنْ اَخْرَجَہُ الْخَمْسَۃُ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتٰی مِنًی فَاَتَی الْجَمْرَۃَ فَرَمَاھَا ثُمَّ مَنْزِلَہٗ بِمِنًی فَنَحَرَ۔ ثُمَّ قَالَ لِلْحَلَّاقِ خُذْ (الخ) ترجمہ صاحب درایہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان لفظوں سے یہ روایت صحاح ستہ میں نہ پائی لیکن اِس مضمون کی حدیث پاک صحاح ستہ میں سے پانچ محدثین نے اپنی کتب میں تخریج فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم جب مزدلفہ سے منٰی میں تشریف لائے تو سب سے پہلے جمرۂ عقبٰی کے پاس گئے اور رمی فرمائی پھر منزل پر آئے اور قربانی فرمائی پھر بعد میں حجام کو فرمایا کہ لو اِس جانب ایمن سے بال کاٹو۔ پھر بائیں جانب سے۔ اس سب دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ ترتیب ارکان ہی لازم ہے۔

چھٹی دلیل۔ یہاں تک تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے دلائل سے امام اعظم کا مسلک ثابت ہو۔ اب ذرا صحابہ کرام کے اقوال و اعمال کے دلائل ملاحظہ فرمائیے۔ چنانچہ درایہ باب الجنایات فی الاحرام میں ہے، وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَنْ قَدَّمَ نُسُکًا عَلٰی نُسُکٍ فَعَلَیْہِ دَمٌ۔ لَمْ اَجِدْہُ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَاِنَّمَا ھُوَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَکَذَا ھُوَ فِیْ بَعْضِ النُّسَخِ اَخْرَجَہُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ مِنْ طَرِیْقِ مُجَاھِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

مَنْ قَدَّمَ شَیْئًا مِنْ حَجِّهٖ اَوْ اَخَّرَهٗ فَلْیُهْرِقْ لِذٰلِكَ دَمًا وَاَخْرَجَهٗ الطَّحَاوِیُّ مِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ اَحْسَنَ مِنْهُ۔ حضرت ابن مسعود یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس حاجی نے اپنے حج کے کسی رکن اور واجب کو کسی رکن واجب پر مقدم کر دیا تو اُس پر دم واجب ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ترتیب ارکان بھی واجب ہے درایہ نے فرمایا کہ یہ حدیث شریف میں نے ہدایہ میں دیکھی مگر کسی حدیث کی کتاب میں مجھے نہ ملی ہاں البتہ یہی حدیث پاک حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے اور ہدایہ کے بہت سے نسخوں میں بھی ابن مسعود کے بجائے ابن عباس یعنی حضرت عبداللہ کی ولدیت غلط لکھی گئی اور مصنف یا کاتب غلطی کھا گیا بہر کیف اس حدیث پاک کو ابن عباس کی روایت سے امام محدث ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حسن اسناد سے تخریج فرمایا محدث کبیر امام مجاہد کی طرز اسناد پر (ثقہ راویوں سے) ہے کہ عن ابن عباس (عبداللہ ابن عباس سے) روایت ہے کہ جس حاجی نے اپنے حج کا کوئی بھی واجب کام آگے پیچھے کر دیا تو اُس پر دم واجب ہے کہ اس جرم کی سزا میں ایک جانور ذبح کرے یعنی دم واجب ہے۔ اس حدیث پاک کو طحاوی نے بھی ایک دوسری سند سے تخریج (نقل) فرمایا جو ابن ابی شیبہ کی سند سے زیادہ اچھی اور ثقہ ہے۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہ کرام کے نزدیک ترتیب ارکان واجب ہے۔

ساتویں دلیل۔ مؤطا امام مالک۔ باب مَنْ نَسِیَ مَالِكٌ عَنْ اَیُّوْبَ بْنِ اَبِیْ تَمِیْمَةَ السَّخْتِیَانِیِّ عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ جُبَیْرٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ نَسِیَ مِنْ نُسُکِهٖ شَیْئًا اَوْ تَرَکَهٗ فَلْیُهْرِقْ دَمًا۔ یعنی جو شخص اپنے حج کا کوئی کام بھول گیا یا اُس نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا تو اُس کا کفارہ یہ ہے کہ بکری وغیرہ کو ذبح کرے۔ یہ حدیث عام ہے حج کے ہر واجب کو جس میں ترتیب بھی شامل اور امام مالک کے نزدیک ترتیب واجبات حج بھی واجب ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا مزید ابن ماجہ شریف کے حاشیہ ۵ میں صفحہ ۲۲۵ پر ہے۔ قَوْلُهٗ لَا حَرَجَ [illegible] عَدَمُ اَنَّ التَّرَمِیَ

وَالذَّبْحُ وَالْحَلْقُ وَالطَّوَافُ وَاخْتَلَفُوْا فِيْ اِنَّ هٰذَا التَّرْتِيْبُ سُنَّةٌ اَوْوَاجِبٌ فَذَهَبَ جَمَاعَةٌ وَمِنْهُمُ الْاِمَامُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكٌ اِلَى الْوُجُوْبِ وَقَالُوْا اَلْمُرَادُ بِنَفْيِ الْحَرَجِ وَرَفْعُ الْاِثْمِ بِالْجَهْلِ وَالنِّسْيَانِ لٰكِنَّ الدَّمَ وَاجِبٌ (از لمعات) ترجمہ ۔ یوم نحر کے اعمال کی ترتیب میں مجتہدین کا اختلاف ہے کہ یہ ترتیب سنت ہے یا واجب ایک جماعت نے اس کو واجب کہا ہے اُن میں امام اعظم اور امام مالک بھی ہیں یعنی اِن دونوں کے نزدیک بھی ترتیب واجب ہے اِن تمام فقہاءِ مجتہدین نے فرمایا۔ روایت میں لَا حَرَجَ فرماتے کا معنٰی یہ ہے کہ اُخروی گناہ اور عذاب نہیں۔ لیکن دم واجب ہوگا صاحبِ لمعات شرح مشکوٰۃ آگے لکھتے ہیں کہ ابن عباس نے وضاحت سے ایک فرمان جاری کیا تھا کہ جس نے ترتیب چھوڑی اُس پر دم واجب ہے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابیٔ رسول مفتیٔ صحابہ ہیں انہوں نے اپنے کانوں سے لَا حَرَجَ والا ارشادِ اقدس یقیناً سنا ہوگا اگر لَا حَرَجَ کا معنٰی لَا اِثْمَ نہ ہوتا تو عبد اللہ ابنِ عباس کبھی بھی یہ فتویٰ وجوب دم عَلٰی تَرْکِ التَّرْتِیْبِ پر جاری نہ فرماتے۔ تمام صحابہ میں صرف تین صحابہ کرام ہی فتویٰ جاری فرماتے تھے اور تمام صحابہ اس کو مانتے تھے۔ گویا ان کا فتویٰ تمام صحابہ کرام کا عمل اور آواز ہوتا تھا اور ان تینوں بزرگوں کے نام عبد اللہ تھا ۱ عبد اللہ ابن عمر ۲ عبد اللہ ابن عباس ۳ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ان دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ ترکِ ترتیب تین قسم کا ہے ۱ ترک بالجہل۔ اس میں دم واجب نہیں لَا حَرَجَ کا ایک معنٰی امام اعظم کے مسلک میں یہ بھی کہا گیا ہے۔ ۲ ترک بالنسیان یعنی مسئلہ تو معلوم تھا مگر غلطی سے بھول کر تقدم و تاخر کر دیا۔ اس میں دم واجب ہے جیسا کہ مُوطا کی پیش کردہ روایت سے ثابت کیا گیا ۳ ترک بالارادہ یعنی سب کچھ جانتے بوجھتے محض غفلت و سستی یا کسی کے ورغلانے بہکانے سے قربانی سے پہلے سر منڈا دیا جیسا کہ اب ظلم ہو رہا ہے اور یہ اس قسم کی بنک ڈویلپمنٹ پارٹیاں لوٹنے کھسوٹنے پر لگی ہوئی ہیں ایسی صورت میں ترکِ ترتیب پر دم بھی واجب اور گناہ بھی لازم ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ میری دعا ہے کہ ہر حاجی کو اللہ تعالیٰ اِن جہلاء کے ڈاکوؤں سے بچائے۔

آٹھویں دلیل۔ امام اعظم کے مسلک کی آٹھویں دلیل اِس کو عقلی کہا جاتا ہے یہ کہ مسلم شریف جلد اوّل باب حَجَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ص۳۹۴ پر ہے حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (الخ) فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنْ حَجَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عليه وَسَلَّمَ فَعَقَدَ تِسْعًا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وَسَلَّمَ مَكَثَ تِسْعَ سِنِينَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ أُذِّنَ فِي النَّاسِ فِي الْعَاشِرَةِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلم حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِينَةَ بَشَرٌ كَثِيرٌ كُلُّهُمْ يَلْتَمِسُ أَنْ يَأْتَمَّ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَيَعْمَلُ مِثْلَ عَمَلِهِ فَخَرَجْنَا مَعَهُ (الخ) فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ رَكْعَتَانِ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتَّى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ عَلَى الْبَيْدَاءِ نَظَرْتُ إِلَى مَدِّ بَصَرِي بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ رَاكِبٍ وَمَاشٍ وَعَنْ يَمِينِهِ مِثْلُ ذَالِكَ وَعَنْ يَسَارِهِ مِثْلُ ذَالِكَ وَمِنْ خَلْفِهِ مِثْلُ ذَالِكَ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلم بَيْنَ أَظْهُرِنَا۔ (الخ) جابر بن عبد اللہ سے اُن کے بھتیجے ابو جعفر نے کہا کہ چچا جان مجھ کو حَجَّةُ الْوَدَاعِ کے حالات سنایئے انہوں نے ہاتھ پر گن کر فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد نو سال تک حج نہ فرمایا (کیونکہ حج فرض ہوا ہے سورۂ آلِ عمران کی آیت ۹۷ کے نزول سے جو اس وقت تک نازل نہ ہوئی تھی ہجرت کے نویں یا دسویں سال یہ آیت نازل ہوئی اور ذیقعد میں سنہ ۹ھ تاریخ کو حج فرض ہوا) ہجرت کے دسویں سال آپ نے حج فرمایا (یہی پہلا اور آخری حج ہوا) اعلان کیا گیا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم اِس سال حج فرمانے والے ہیں لوگ (صحابہ کرام) اُس سال حج کے لیے اتنے کثیر تعداد میں جمع ہوئے کہ جب ہم مکّہ شریف کے قریب مقام بیدا میں پہنچے تو تا حدِ نظر حاجیوں کی بھیڑ تھی سواری بھی پیدل بھی آپ کے داہنیں بھی بائیں بھی پیچھے بھی اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے ہمارے جلو میں تھے (بھلا وہ آگے کیسے ہو سکتے تھے اور جانبِ آقا پیٹھ کیسے کر سکتے تھے وہ صحابی تھے وہابی نہ تھے۔ یہ تو وہابی خبیث ہی ایسا کر سکتا ہے کہ اگلی صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور پیٹھ اور سجدے کے

قدم مواجہ شریف کی طرف کرے)۔ اس سے عقلاً یہ ثابت ہوا کہ حجۃ الوداع میں تقریباً اسّی ہزار صحابہ تھے۔ جنہوں نے حج ادا فرمایا اُن تمام میں سے صرف ایک حاجی بارگاہِ اقدس میں آکر عرض کرتا ہے یا رسول اللہ میں نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا کیونکہ لَمْ اَشْعُرْ۔ مجھ کو مسئلے کا پتہ نہ لگا۔ اس کو فرمایا گیا لَا حَرَجَ تجھ پر حرج نہیں جا جلدی ذبح کرے خود اندازہ کیجئے اِن مفاد پرست ٹولے کی حماقت و جلد بازی کا کہ تمام ہزاروں کی تعداد کا عمل چھوڑ کر ایک شخص کی بے علمی کے عمل کا سہارا پکڑ کر یہ ظلم کر رہے ہیں۔ تمام صحابہ کا عمل تو ترتیب کے وجوب پر ہے۔ ایک اپنی غلطی کا اعتراف کر رہے ہیں مگر کثرت و جمہور کے عمل کو چھوڑ کر ایک غلط عمل پر اصرار کرنا کتنی بڑی غلطی ہے۔ صحابہ کے اس اجماعی عمل سے بھی ثابت ہوا کہ ترتیبِ ارکانِ حج واجب ہے۔

نویں دلیل۔ ہدایہ شریف صہ ۲۱۲ جلد اوّل کتاب الحج میں ہے۔ وَلِاَنَّ الْحَلْقَ مِنْ اَسْبَابِ التَّحَلُّلِ۔ ثُمَّ الْحَلْقُ مِنْ مَحْظُوْرَاتِ الْاِحْرَامِ فَیَتَحَقَّقُ ثُمَّ عَلَیْهِ الذَّبْحُ۔ ترجمہ۔ اور ترتیبِ ارکان واجب ہونے اور سر منڈانا ذبح کے بعد لازم ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حدیث و قرآن کی رُو سے سر منڈانا احرام کے کھولنے کے لیے واجب کیا گیا ہے۔ اسی لیے سر منڈانا احرام کے ممنوعات میں سے ہے۔ تعلیم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور حجۃ الوداع میں عملِ صحابہ سے ثابت ہے کہ قربانی اور اُس سے پہلے جمرہ عقبیٰ کی رمی بحالتِ احرام واجب ہے یعنی احرام بندھا ہو تب ہی رمی کرتا ہے اور تب ہی قربانی کرنی ہے عام لباس میں یہ قربانی وغیرہ نہیں کر سکتے۔ اسی لیے شریعت نے سر منڈانے کو قربانی سے بعد میں واجب کیا۔ اور قربانی کو حلق پر مقدم کیا۔ یہ تو تھی شریعت کی قیاسی دلیل اب جب کہ حاجی لوگ اپنا پیسہ بینک کو دیدیں گے تو وہ تو آتے ہی کھُل جائیں گے احرام اتار دیں گے سر منڈالیں گے۔ اب اگر قربانی ہوئی بھی کسی کو خوفِ خدا آبھی گیا اور امانت داری کا خیال کر بھی لیا (جس کا اگرچہ اِمکان کم ہے) تب بھی احرام تو پہلے ضائع ہو گیا حاجی پر دم واجب ہو گیا۔ اس لیے اے کمپنیوں کمیٹیوں والو خدا کے لیے مسلمانوں بے چاروں کے حج پر رحم کرو ان کے

حج کو اُن کے عمدی جرائم سے برباد مت کرو۔

دمودب دلیل۔ حنفی مسلک میں ترتیب کے وجوب کی دو شقیں ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ایک یہ کہ کوئی حاجی بے علمی کی وجہ سے ترتیب توڑ دے تو حنفی مسلک میں اُس پر جرم شرعی عائد نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کو مسئلہ معلوم نہ تھا۔ اگرچہ فی زمانہ اِس کا امکان کم ہے، ایسی ناواقفی بے شعوری سے کوئی شخص ارکان آگے پیچھے کر دے تو دم واجب نہ ہوگا۔ چنانچہ مسلم شریف جلد اوّل کتاب الحج باب ما صت ۴۲۱ پر ہے۔ حَدَّثَنِیْ حَرْمَلَۃُ بْنُ یَحْیٰی (الخ) اَنَّہٗ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ یَقُوْلُ وَقَفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ وَطَفِقَ نَاسٌ یَسْئَلُوْنَہٗ فَیَقُوْلُ الْقَائِلُ مِنْھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَمْ اَکُنْ اَشْعُرُ اَنَّ الرَّمْیَ قَبْلَ النَّحْرِ فَنَحَرْتُ قَبْلَ الرَّمْیِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَارْمِ وَلَا حَرَجَ قَالَ وَطَفِقَ اٰخَرُ یَقُوْلُ اِنِّیْ لَمْ اَشْعُرْ اَنَّ النَّحْرَ قَبْلَ الْحَلْقِ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَنْحَرَ فَیَقُوْلُ اَنْحَرْ وَلَا حَرَجَ۔ قَالَ فَمَا سَمِعْتُہٗ سُئِلَ یَوْمَئِذٍ عَنْ اَمْرٍ مِمَّا یَنْسَی الْمَرْءُ وَیَجْھَلُ مِنْ تَقْدِیْمِ بَعْضِ الْاُمُوْرِ قَبْلَ بَعْضٍ وَاَشْبَاھِھَا اِلَّا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِفْعَلُوْا ذٰلِکَ وَلَا حَرَجَ۔ ترجمہ حرملہ بن یحییٰ نے حدیث پاک بیان فرمائی لمبی سند کے ساتھ کہ بے شک انہوں نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تشریف فرما ہوئے (منیٰ میں)، تو لوگ آکر آپ سے مسائل پوچھنے لگے تو ایک شخص نے ان میں سے عرض کیا یا رسول اللہ۔ بے شک مجھ کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ رمی قربانی سے پہلے واجب ہے پس میں نے (بے علمی کی غلطی سے) قربانی پہلے کر لی ہے اب کیا کروں تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب جلدی رمی کر لو اور کوئی حرج نہ ہوا۔ راوی نے فرمایا کہ پھر دوسرا شخص آیا عرض کیا بے شک مجھ کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ قربانی سر منڈانے سے پہلے ہے اس لیے میں نے غلطی سے پہلے سر منڈا لیا ہے قربانی ابھی تک نہیں کی آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جلدی جاؤ ذبح کرو۔ اور کوئی حرج نہیں۔ راوی

نے فرمایا کہ پھر تیسرا شخص آیا اور عرض کیا بے شک مجھ کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ سر منڈانے سے پہلے ہے اس لیے میں نے غلطی سے پہلے سر منڈا لیا ہے ابھی تک نہیں کی آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جلدی جاؤ رمی کرو۔ اور کوئی حرج نہیں۔ راوی نے فرمایا کہ اس دن جو بھی اس قسم کا مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو میں نے جہالت سے بھولنے والے سائل اور بعض امور کو بعض سے مقدم کرنے والے یا اس کے مشابہ سوالات کے جواب میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف یہی سنا کہ اب فوراً اس کام کو کر لو اور کوئی حرج نہیں۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ صرف بے علمی اور مسئلے سے ناواقفی کی بنا پر کوئی قربانی وغیرہ سے پہلے سر منڈا لے تو اُس کو فوراً اپنی نگاہوں کے سامنے قربانی اُسی دن کرنی چاہئے۔ لیکن اگر کوئی جان کر کسی وجہ سے پہلے سر منڈا لے تو دم واجب ہے۔

گیارھویں دلیل۔ سورۃ بقرہ ع ۲ آیت ۱۹۶ پارہ ع ۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ۔ (الخ) ترجمہ۔ اے حاجی مسلمانو اپنے سر نہ منڈا لینا جب تک ھدی قربانی اپنی آخری جگہ نہ پہنچ جائے یعنی ذبح نہ ہو جائے۔ ہاں جو حاجی تم میں سے بیمار ہو جائے یا اُس کے سر میں کسی قسم کی بیماری ہو جائے تو سر منڈانے سے اُس پر فدیہ کفارہ واجب ہوگا اُس کے ادائیگی کی تین صورتیں ہیں یا وہ شخص روزے رکھے یا مالی صدقہ دے یا بکری ذبح کرے۔ اس کی وضاحت حدیث پاک میں اس طرح ہے کہ مؤطا امام مالکؒ جلد اوّل کتابُ الحج بابُ فِدْيَةُ مَنْ حَلَقَ قَبْلَ اَنْ يَّنْحَرَ۔ مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ ابْنِ مَالِكٍ الْجَزَرِيِّ (الخ) عَنْ كَعْبِ ابْنِ عُجْرَةَ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمًا فَاٰذَاهُ الْقَمْلُ فَاَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّحْلِقَ رَاْسَهٗ وَقَالَ صُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اَوْ اَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا۔ مُدَّيْنِ لِكُلِّ اِنْسَانٍ اَوْ اُنْسُكْ بِشَاةٍ اَيَّ ذٰلِكَ فَعَلْتَ اَجْزَاَهٗ عَنْكَ (الخ)

قَالَ مَالِكٌ فِي فِدْيَةِ الْأَذَى اَنَّ الْاَمْرَ فِيهِ اَنَّ اَحَدًا لَا يَفْتَدِي حَتَّى يَفْعَلَ مَا يُوجِبُ عَلَيْهِ الْفِدْيَةَ وَاَنَّ الْكَفَّارَةَ اِنَّمَا تَكُونُ بَعْدَ وُجُوبِهَا عَلَى صَاحِبِهَا وَاَنَّهُ يَضَعُ فِدْيَتَهُ حَيْثُ مَا شَاءَ اَلنُّسُكَ اَوِ الصِّيَامَ اَوِ الصَّدَقَةَ ۔ (الخ) ترجمہ۔ امام مالک نے فرمایا کہ کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحالت احرام تھے اُن کو اُن کے سر کی جوئیں بہت تکلیف دیتی تھیں نبی کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مشورہ دیا کہ سر منڈا لو اور کفارہ دیدو۔ کیونکہ یہ جانتے بوجھتے قربانی سے پہلے سر منڈانا تھا۔ یہ حج کے واجبات کا ترک ہے یہ کفارہ اور فدیہ تین روزے یا صدقہ یا دم واجب ہے اور یہ کفارہ ترکِ واجب کا کام کر لینے کے بعد واجب ہوگا۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ مسئلہ کا علم ہوتے ہوئے جان کر اگرچہ کسی مجبوری بیماری کی وجہ سے قربانی سے پہلے حلق کر لیا تب بھی دم وغیرہ کفارہ واجب ہے اُس زمانے میں ترکِ واجب کی عمدی صورت بس یہی تھی اس لیے اس کا ذکر فرمایا گیا۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کبھی کسی زمانے میں چند پیسوں کی لوٹ کھسوٹ کی خاطر خاص منصوبہ بندی کر کے قرآن وحدیث اور اللہ رسول کی صاف صاف مخالفت کی جائیگی بلکہ یہاں تک کفر کیا جائے گا کہ ترتیبِ حج میں صرف اپنی خیانت پالنے کے لیے اعمالِ رسول اور تعلیم قرآن مجید کو نقصان دہ کہا جائے گا۔ مقامِ غور ہے کہ جب بیماری کی وجہ سے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا تب بھی کفارہ معاف نہ ہوا تو جو بلا وجہ اپنی قربانی کے پیسے ایک گروہ کے سپرد کر دے اُس پر کفارہ کیوں نہ واجب ہوگا۔ یہ تھے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجوبِ ترتیب پر قرآن وحدیث کے دلائل جس کے مقابل بولنے کی نہ امام شافعی کو جرأت ہے نہ امام مالک نہ امام حنبل کو۔ ابن ماجہ صفحہ ۲۲۵ کتاب الحج باب مَنْ قَدَّمَ نُسُكًا قَبْلَ نُسُكٍ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ ابْنُ مُحَمَّدٍ (الخ) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّنْ قَدَّمَ شَيْئًا قَبْلَ شَيْءٍ اِلَّا يُلْقِيْ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا قَالَ لَا حَرَجَ۔ ترجمہ۔ علی ابن محمد نے حضرت عبد اللہ ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمائی انہوں نے فرمایا کہ جس شخص نے حج کے کسی رکن کو آگے پیچھے کر دیا اس کا کیا حکم ہے جب کہ اس نے اپنے ہی ہاتھوں سے وہ رکن ادا کر بھی لیا ہو تو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تب کوئی گناہ نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آگے پیچھے کرنے میں یہ لازم شرط ہے کہ اپنے ہاتھ سے وہ رکن خود ادا کرے جس کو پیچھے کر دیا تھا تاکہ اس کام کو پہلے کرنا چاہیے۔ اور پھر نفی گناہ کی ہے۔ نہ کہ فدیہ کی اور دم کی۔

دوسری فصل۔ صاحب مضمون نے اپنے مضمون میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ارکانِ حج کی ترتیب صرف امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک واجب ہے اور واجب کی خلاف ورزی سے صرف امام ابوحنیفہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک دم کفارہ واجب باقی تین ائمہ امام مالک احمد بن حنبل امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک یہ نہ ترتیب واجب بلکہ سنت نہ اس کے ترک اور آگے پیچھے کرتے پر دم واجب حالانکہ مضمون نگار کی یہ بات قطعاً غلط ثابت ہوئی ہم نے حنفی دلائل میں مختلف کتب کے حوالوں سے ثابت کر دیا کہ امام اعظم کے علاوہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے مسلک و مذہب میں بھی ارکان کی ترتیب واجب ہے۔ اور ترتیب کی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ واجب ہے۔ اور ہر واجب کے ترک پر کفارہ اور دم واجب ہوتا ہے۔ البتہ صرف امام شافعی علیہ الرحمۃ تو اکثر مسائل میں اختلاف کرتے ہیں اگرچہ اُن کے دلائل اکثر بہت کمزور ہوتے ہیں جن کو اجتہادی غلطی ہی کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس مسئلے میں بھی امام شافعی کے پاس صرف ایک دلیل ہے اور اسی کا ذکر کیا ہے صاحب مضمون نے جب کہ صاحب مضمون نے امام ابوحنیفہ رض کی دو دلیلیں پیش کر کے اس مسلک کی مضبوطی کا در پردہ اعتراف کر لیا۔ مگر ہم نے بحمدہٖ تعالیٰ قرآن مجید اور احادیث پاک سے گیارہ انتہائی مضبوط دلیلیں پیش کر کے امام اعظم بلکہ ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی حقانیت ثابت کر دی۔ اگر اب بھی کسی کو اصرار ہو کہ ائمہ ثلاثہ یعنی مالک حنبل شافعی کا مسلک وجوبِ ترتیب اور وجوبِ دم کا نہیں یا فرضاً تسلیم کر لیا جائے کہ یہ تینوں ائمہ ثلاثہ ترتیب ارکان کو واجب نہیں مانتے اور اس کی

مخالفت پر دم کفارہ نہیں کرتے تب یہ بھی مسلک غلط ہے قرآن وحدیث اور عمل نبوی وصحابہ کے خلاف ہے بہر کیف دلیل ایک ہی ہے۔ اور وہ بھی نہایت کمزور رہا صاحبین کا مسلک تو وہ صرف اُس وقت قابل قبول ہوتا ہے جب اُس مسئلے میں امام اعظم ابوحنیفہ کا قول نہ ملے۔ اور امام اعظم کے قول کے ہوتے ہوئے صاحبین کا قول رد کر دیا جاتا ہے چنانچہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ۔ اپنی اصول کی کتاب عقود رسم المفتی میں فرماتے ہیں۔ وَ اَلْفَتْوٰی عَلٰی قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ مُطْلَقًا وَاِنْ لَمْ یُوْجَدْ قَوْلُ الْاِمَامِ فَعَلٰی قَوْلِ صَاحِبَیْنِ۔ اس دلیل سے مسلکِ صاحبین کی حقیقت آشکارا ہوگئی مگر صاحبین کے پاس بھی ترتیب واجب نہ ہونے کی دلیل صرف یہی ایک روایت ہے۔ چنانچہ امام شافعی اور امام یوسف و امام محمد علیہم الرحمۃ اپنی اِس دلیل میں بخاری شریف جلد اول صفحہ ۲۳۴ اور مسلم شریف جلد اول صفحہ ۴۲۱ ابوداؤد شریف جلد اول کتاب الحج باب مَنْ قَدَّمَ شَیْئًا قَبْلَ شَیْءٍ فِیْ حَجَّتِہٖ صفحہ ۲۷۵ اور ترمذی شریف جلد اول صفحہ ۱۸۳۔ ابن ماجہ یہی کتاب یہی باب صفحہ ۲۲۵ اور مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۳۳ کی ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں۔ فصل اول عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ بِمِنًی لِلنَّاسِ یَسْئَلُوْنَہٗ فَجَاءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ فَقَالَ اِذْبَحْ وَلَا حَرَجَ وَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ فَقَالَ اِرْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ شَیْءٍ قُدِّمَ وَلَا اُخِّرَ اِلَّا قَالَ اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں منیٰ میں قیام فرمایا تاکہ لوگ اپنے مسائل پوچھیں ایک شخص حاضر بارگاہ ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو اِس مسئلے کا شرعی حکم معلوم نہ تھا اس لیے میں نے لاعلمی اور غلطی سے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا لیا۔ (اب کیا کروں) تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا اب فوراً ذبح کرلے اور کوئی گناہ نہ رہے گا۔ اور پھر دوسرا شخص آیا اُس نے عرض کیا مجھے مسئلے کا علم نہ تھا

اس یلے میں نے رمی جمرہ عقبیٰ کرنے سے پہلے قربانی ذبح کر دی تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا اب رمی کر لے اور گناہ نہیں رہا۔ پس اُس دن جس نے بھی اپنے حج کے کاموں میں آگے پیچھے کسی کام کے کر لینے کا مسئلہ پوچھا تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ اب فوراً کر لے اور گناہ نہیں۔ یہ ہی ایک وہ روایت ہے جس کی بنا پر امام شافعی امام یوسف امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے یہ مسئلہ بنایا کہ ارکانِ حج کی منیٰ میں ترتیب واجب اور ضروری نہیں اگر کوئی حاجی جان کر یا بھول کر آگے پیچھے کر دے تو دم واجب نہیں ہوگا۔ لیکن اس روایت سے دلیل پکڑنا انتہائی کمزور ہے۔ یہ دلیل پانچ وجہ سے کمزور ہے اور اُس کو دلیل بنا کر ترتیب ارکان کو واجب نہ سمجھنا سخت غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ سائل عرض کر رہا ہے کہ لَمْ اَشْعُرْ یارسول اللہ میں نے یہ غلطی جانتے بوجھتے نہیں کی مجھ کو مسئلے کا پتہ نہیں تھا۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرج نہیں ہوا۔ اور یہ کام جلدی سے کر لے خود اُسی کو فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے جا کر ذبح کر یہ نہیں فرمایا کہ اچھا ہم کو قربانی کے پیسے دیدے اور موقعہ بھی ایسا ہے کہ دنیائے اسلام کا ابھی پہلا حج ہے جو ابھی پچھلے سال ۹ ہجری ذیقعد کی ستائیس بروز پیر فرض ہوا ۱۰ ہجری شوال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج ادا فرمانے کا اعلان فرمایا لوگ اس مبارک اور عظیم حج میں شامل ہونے کا شوق لے کر دنیائے اسلام کے کونے کونے سے اس حج میں شامل ہو کر برکت سعادت لینے کے لیے جوق در جوق صحابہ کرام آ رہے ہیں کیونکہ تاریخ اسلام کا اتنا شاندار برکتوں رحمتوں والا یہ حج مبارک کہ اس میں خود صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں۔ یہ پہلا اور آخری حجۃ الوداع ہے۔ ابھی بہت سے صحابہ کو مسائلِ حج معلوم نہیں حج کی باریکیوں سے ناواقف ہیں یہ تو آفرین ہے صحابہ کرام کے ذوق و شوق علمی اور یادداشت پر کہ جلدی جلدی سب مسائل سن لیے سیکھ لیے یاد کر لیے اور مشاہدۂ جمال پاک سے مستفید ہو ہو کر اعمالِ حج ادا کر رہے ہیں اور کعبہ میں ہی کعبے والے کی زیارت کر رہے ہیں۔ ان ابتدائی حالات میں کسی بھی ایک کو کسی ایک مسئلے کا پتہ نہ لگنا اور غلطی کر جانا کوئی تعجب ناک

نہیں۔ ایسی بے علمی ناواقفی ہیں تو امام اعظم بھی لَا حَرَجَ ہی فرماتے ہیں جیسا کہ صاحب مضمون کو اعتراف ہے اس روایت سے امام شافعی یا صاحبین کا دلیل پکڑنا بذاتِ خود تعجب خیز ہے ان بزرگوں نے لَمْ اَشْعُرْ پر غور نہیں فرمایا اور آنکھیں بند کر کے مطلقاً ہر قسم کے غلطی کرنے والے کو جان کر علم رکھتے ہوئے اور لاعلمی سے غلطی والے کو دونوں کو لَا حَرَجَ کہہ کر خود اس حدیث پاک کی مخالفت کی کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو لَمْ اَشْعُرْ کی وجہ سے لَا حَرَجَ فرمائیں۔ اور یہ فی زمانہ شعور اور علم والے کو بھی معافی دیتے چلے جائیں اتنا زبردست عدم تفکر اور کیا ہوگا۔ استدلال کی دوسری کمزوری یہ کہ۔ اس حج میں ہزاروں کی تعداد میں صحابہؓ حج کے لیے موجود ہے جس کو مسلم شریف نے تاحد نظر فرمایا۔ لمعات میں لکھا ہے (ماخوذ از حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص۲۲۴ بابُ قِصَّۃِ حَجَّۃِ الْوَدَاع) کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہیں ہے کہ حج وداع میں کثیر آدمی تھے اُس کے حاشیہ ۵ میں لمعات شرح مشکوٰۃ کی شرحی عبارت اس طرح درج ہے۔

۵ قَوْلُہٗ بَشَرٌ کَثِیْرٌ (الخ) وَلَمْ یُعَیِّنُوْا عَدَدَھُمْ وَقَدْ بَلَغُوْا فِیْ غَزْوَۃِ تَبُوْکَ الَّتِیْ اٰخِرُ غَزَوَاتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِائَۃَ اَلْفٍ وَحَجَّۃُ الْوَدَاعِ کَانَتْ بَعْدَ ذَالِکَ وَلَا بُدَّ اَنْ یَّزْدَادُوْا فِیْھَا۔ وَیُرْوٰی مِائَۃٌ وَّاَرْبَعَۃٌ وَّعَشَرَ اَلْفًا۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ مِائَۃٌ وَّعِشْرُوْنَ اَلْفًا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ترجمہ حَجَّۃُ الوداع میں بے شمار صحابہ تھے جن کی تعداد معین نہیں کی جا سکتی۔ اندازاس طرح ہے کہ آخری غزوۂ تبوک تھا اس ہیں صحابہ کی تعداد پوری ایک لاکھ تھی اور حجۃ الوداع تو اُس کے بعد ہے اور یقیناً تعداد اس میں زیادہ ہی ہوگی۔ ایک روایت ملتی ہے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار تھے دوسری روایت ملتی ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی یعنی حجۃ الوداع میں حج کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ اتنے کثیر صحابہ میں سے صرف ایک صحابی عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ میں نے غلطی سے قربانی ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا لیا اور کوئی شخص یہ شکایت نہیں کرتا ثابت ہوا کہ بڑے اہتمام سے تمام صحابہ نے ترتیب احکام کا خیال رکھا اگر یہ ترتیب واجب نہ ہوتی تو اتنا سخت اہتمام کیوں کیا جاتا اس

غلطی کرنے والے نے بھی جب ہر طرف ہی دیکھا کہ قربانی پہلے ہی ہے سر منڈانا بعد میں تب اُس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی لاعلمی کی وجہ سے اس کو معافی دیدی لیکن ساتھ ہی قربانی کرنے کا بھی فوراً ہی حکم دیا۔ اب ایسی روایت کو اپنے پسندیدہ مسلک کی دلیل بنانا اتنے کثیر صحابہ کے عمل کو چھوڑ کر ایک غلطی لاعلمی کے حکم سے استدلال کر لینا تو درست نہیں۔ امام شافعی کے استدلال کی تیسری کمزوری۔ اس روایت میں یہ بھی احتمال نکل سکتا ہے کہ وہ غلطی کرنے والے صحابی اپنا سر منڈانے کے باوجود ابھی احرام سے نہ نکلے ہوں یعنی آناً فاناً یہ غلطی کر کے گھبرا کر بارگاہِ اقدس میں آگئے ہوں اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چونکہ تم ابھی بلا سلے کپڑوں کے احرام میں ہو۔ لہٰذا جلدی جاکر ذبح کر دو ابھی کچھ حرج نہ ہوا۔ اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ان حاجی صاحب کا حج افراد ہو اُن پر قربانی فرض ہی نہ ہو۔ اور اِذبح کا ارشاد نفلی قربانی کے لیے ہو اور لا حرج سے یہ مسئلہ سمجھانا مقصود ہو کہ مفرد پر قربانی واجب نہیں۔ یہ احتمال اگرچہ کمزور ہے مگر پیدا ہو سکتا ہے چوتھی کمزوری۔ لا حرج کے معنی میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے کتب لغت نے اگرچہ حرج کا معنی گناہ ہی لکھا ہے اور قرآن مجید میں یہ لفظ تقریباً پندرہ جگہ ارشاد ہوا ہے ان میں سے اکثر جگہ اس کا ترجمہ گناہ کیا گیا ہے اور چند جگہ قلب و سینے کی تنگی مگر ہم اس کا معنی مراد خود آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ابو داؤد شریف جلد اوّل کتاب الحج صـ۲۷۶ باب فصل ثالث صـ۲۳۳ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَاْتُوْنَهٗ فَمِنْ قَائِلٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعَيْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ۔ اَوْ اَخَّرْتُ شَيْئًا اَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُوْلُ لَا حَرَجَ اِلَّا عَلٰى رَجُلٍ اِقْتَرَضَ عِرْضَ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِكَ الَّذِيْ حَرِجَ وَهَلَكَ۔ رواہ ابو داؤد۔ ترجمہ۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بن شریک سے روایت ہے انہوں نے فرمایا۔ میں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حجۃ الوداع میں) حج کرنے کے لیے نکلا۔ تو کچھ لوگ آپ کی خدمت میں مسائل پوچھنے آتے تھے۔ تو ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی۔ یا کسی شخص نے پوچھا کہ میں نے حج میں کوئی کام پیچھے کر دیا یا کسی نے

عرض کیا میں نے حج کے کسی کام کو آگے کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے جواب میں یہی فرماتے کہ تم پر گناہ نہیں ہوا۔ ہاں البتہ گناہ اُس شخص پر ہے جس نے کسی مسلمان کی عزت بگاڑی اور وہ ظالم ہے۔ پس وہ ہی شخص گناہ میں پڑا اور ہلاک ہوا۔ اس حدیث نے کتنا واضح طریقے سے بتا دیا کہ نبی کریم کا ترتیب ارکانِ حج کی بے علمی سے آگے پیچھے کر کے تبدیلی کرنے والے کو لَا حَرَجَ فرمانے کا معنیٰ یہ ہے کہ اُس پر گناہ نہیں۔ اسی معنیٰ کو سمجھانے کے لیے ایک بے موقعہ بات ارشاد فرمائی۔ اور اِس بات کو سب أئمہ مجتہدین اور فقہا علماء تسلیم کرتے مانتے ہیں کہ واجب کے ترک سے گناہ نہیں آتا بلکہ کفارہ واجب ہوتا ہے جو واجب نماز کے ترک سے سجدہ سہو کی صورت میں ادا کرنا پڑتا ہے اور حج کے واجب کے ترک کی صورت دَم دینا واجب ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص یہ کفارہ نہ ادا کرے تو نماز بھی دوبارہ پڑھنی پڑتی ہے اور حج کا کفارہ دَم نہ کرے تو حج ختم ہو جاتا ہے دوبارہ اُس کے بدلے حج کرنا پڑتا ہے۔ گناہِ اُخروی بہر حال نہیں ہوتا۔ یہ نیکی ختم ہو جاتی ہے۔ اور صرف فرضیت ناقصہ مل جاتی ہے۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حرج کا معنیٰ یہاں گناہ ہے۔ لہٰذا نفی گناہ کی ہوئی نہ کہ کفارے کی تو امام شافعی اور صاحبین کا اِس لَا حَرَجَ سے کفارے کی نفی پر دلیل بنانا کتنا کمزور استدلال ہوا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ روایت ان بزرگوں کو نہیں ملی۔ کیونکہ واقعہ ایک ہی حجۃ الوداع کا ہے۔ سوال وجواب کا طریقہ بھی ایک ہی ہے۔ آقاءِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اِسی اندیشے کے پیشِ نظر کہ آئندہ چل کر کوئی شخص لَا حَرَجَ سے دھوکہ نہ کھائے خود اس کا معنیٰ واضح فرما دیا۔ استدلال کی پانچویں کمزوری۔ امام شافعی کے مقلدین فرماتے ہیں کہ چونکہ لَا حَرَجَ مطلق ہے اور اِس کے بعد وجوبِ دم کا ذکر نبی کریم نے نہیں فرمایا یعنی اس سائل کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف لَا حَرَجَ اور فقط اصل قربانی کے ذبح کرنے کا حکم فرمایا دمِ کفارہ کا کوئی تذکرہ نہیں اس لیے ثابت ہوا کہ دم واجب نہیں اگر اس تقدم وتاخر سے دم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ توجیہ بھی بہت کمزور ہے۔ چند طرح سے ۱ اس لیے کہ کسی کا فرداً فرداً ذکر کرنا ضروری نہیں ہوتا ۲ یہ لَا حَرَجَ مطلق ہے مگر صرف لَمْ اشعُرْ کے لیے ۳ نیز

یہ لاحرج صرف حجۃ الوداع میں تھا کیونکہ اسلام کا پہلا حج تھا۔ دوسرے یا تیسرے حج میں اقوالِ صحابہ سے ثابت ہے کہ لَمْ اَشْعُرْ کا عذر بھی قبول نہیں ہوا اور صاف فرما دیا گیا کہ مَنْ تَقَدَّمَ مِنْ اَرْکَانِ الْاَرْبَعَۃِ اَلْحَجِّ فِیْ یَوْمِ النَّحْرِ اَوْ تَاَخَّرَ فَعَلَیْہِ دَمٌ۔ جیسا کہ ہم نے پہلے باحوالہ ثابت کر دیا کہ کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے نفی لازم نہیں آتی بہت سے مسائلِ حج میں کسی غلطی ہو جانے پر امام شافعی نے بھی دم واجب کیا ہے حالانکہ اُس دَم کا ذکر کسی حدیث پاک میں نہیں اس کی وجہ یہ ہے کفارے اور دم کا واجب ہونا ایک قاعدے کلیے کے تحت ہے وہ یہ کہ جو کام واجب ہو بس اُس کے چھوڑنے سے دم واجب ہوتا ہے تو اب حدیث میں ہم نے یہ نہیں ڈھونڈنا کہ اس غلطی پر دم کا ذکر کیا گیا ہے یا نہیں بلکہ دیکھنا صرف یہ ہے کہ یہ کام واجب ہے یا نہیں وہ ثابت ہو گیا کہ عملِ نبوی اور تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متفقہ بالاہتمام عمل نے ترتیب کے وجوب کو ثابت کر دیا جب کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً حکم بھی دیا کہ پہلے ہدی قربانی ذبح کرو پھر سر منڈاؤ۔ اور فرمایا کہ حج کے ارکان و افعال مجھ سے لو یعنی جیسے میں کروں ویسا کرو۔ یہ احکام و فرمان اس عمل کے وجوب کو ثابت کر دیتے ہیں اور جب صحابہ سے وجوبِ ترتیب ثابت تو اب قاعدہ کلیہ کے تحت کہ ہر ترکِ واجب پر دم واجب ہوتا ہے۔ ترکِ ترتیب پر بھی دم واجب ہوگا یہ تھیں وہ کمزوریاں جو امام شافعی و صاحبین کی اس اکلوتی دلیل میں تھیں جس کی بنا پر استدلال غلط ثابت ہو گیا۔ کتنا بڑا ظلم ہے آج کہ کوئی شخص محض دنیوی لالچ کی خاطر اس ایک کمزور دلیل کو پکڑ کر تمام صحابہ اور خود آقاءِ دوجہان صاحبِ شریعت اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے عملِ پاک کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لوگوں کے حج برباد کرے۔

تیسری دلیل۔ صاحبِ مضمون کی اس کتابچی کی علمی فکری غلطیاں اس کتابچی میں تقریباً بیس غلطیاں قابلِ اصلاح ہیں غلطی ۱۰ تحریری مضمون کے ص ۵ پر کچھ علما اور ڈاکٹروں کے اسماءِ گرامی لکھے گئے ہیں اس کا اپنے منصوبے کی تائید ثابت کر کے عوام ناس کو اپنے منصوبے میں ملوث کرنا اور ان کی قربانیوں کی دولت (قیمت) اپنی جیبوں میں بھرنی اس نو رکنی فہرست میں علماءِ اہلِ سنت کے سربراہ مفتی محمد حسین آف جامعہ نعیمہ لاہور کا بھی نام ہے ہم نے بذاتِ خود اُن کے بہت ہی قریبی حلقوں

سے ۱۹۹۳ء اکتوبر میں ملاقات کر کے معلومات حاصل کیں تو پتہ لگا کہ بہت دن پہلے ایک گروہ آیا تھا اور حضرت مفتی صاحب محترم مدظلہ کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ہا مگر مفتی صاحب مذکور نے سختی سے اس کی تردید فرمادی تھی۔ اور آپ نے ایک حرف بھی ان کی تائید میں نہیں لکھا لیکن اس کے باوجود ان منصوبہ ساز لوگوں نے اس انداز میں آپ کا نام شامل و شائع کر دیا کہ لوگ خاص کر اہل سنت اور حنفی عوام یہ سمجھیں کہ مفتی صاحب تائید کر رہے ہیں اور اسی کو سیاسی بداخلاقی کہا جاتا ہے۔ نیز مشتے نمونہ از خروارے کہ باقی فہرست بھی مشکوک ہوگئی۔ غلطی نمبر ۲ صفحہ ۲ پر شیخ عبدالعزیز بن باز (مفتی مکہ) کی طرف بھی تحریری اجازت نامہ کا ذکر کیا ہے مگر اُن کے حنبلی مسلک کے پیش نظر یہ بات ان پر ایک افترا ہی لگتا ہے اس لیے کہ تمام اہل سعود کا مسلک حنبلی ہے اور یہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی ترتیب ارکان واجب ہے اور تارک پر کفارہ واجب ہے۔ نیز مزید یہ کہ ترمذی شریف جلد اول کتاب الحج صفحہ ۱۸۲ پر اسی لَا حَرَجَ والی حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے امام شاذلیؒ نے اپنی شرح قوۃ المغتذی میں فرمایا وَعِنْدَ اَحْمَدَ لَوْ اَسَاءَ الترتیبَ عَمَدًا فَجَزَاءٌ وَاِنْ كَانَ سَهْوًا فَلَاجَزَاءَ۔ ترجمہ۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے لہذا اگر کسی حاجی نے مسئلہ جانتے ہوئے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا تو کفارہ دَم واجب ہے لیکن اگر بھول کر ایسا کیا تو دم واجب نہیں ہے۔ اس سے پہلے فرماتے ہیں کہ ثُمَّ مَذْهَبُ الشَّافِعِي وَصَاحِبَيْ اَبِي حَنِيفَه عَدَمُ الْجَزَاءِ فِي سُوْءِ التَّرْتِيْبِ وَتَمَسَّكُوْا بِحَدِيْثِ الْبَابِ۔ ترجمہ۔ صرف امام شافعی نے اور صاحبین نے یہ مذہب بتایا کہ ترتیب ارکان حج غلط ہو جانے سے بھی دَم جزا کفارہ واجب نہیں ہوتا اور ان کی دلیل صرف یہی ایک حدیث لَمْ اَشْعُرْ اور لَا حَرَجَ والی ہے۔ ان حوالوں کے باوجود امام احمد بن حنبل کے مقلدین پر اجازت دینے کا اتہام لگانا صرف اپنی مفاد پرستی کے لیے کتنا غلط رویہ ہے۔ تیسری غلطی صاحب مضمون صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں کہ متمتع قارن اور مفرد کے لیے یہ ترتیب شرعی طور پر لازم ہے۔ جواب۔ عجیب دورنگی چال ہے کہ ترتیب کو شرعی طور پر لازم بھی کہتے ہیں اور پھر اس کے خلاف کو درست کہتے ہیں حالانکہ شرعاً لازم ہونے کا نام ہی واجب ہے چنانچہ تمام

اصولِ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اَللَّازِمُ وَاللُّزُوْمُ بِمَعْنَی الْوَاجِبِ وَالْوُجُوْبِ۔ ترجمہ
لازم کا معنٰی واجب ہی ہوتا ہے اور لزوم کا معنٰی وجوب مضمون نگار کی خود اپنی اِس
عبارت سے ترتیب کا وجوب ثابت ہوا۔ اور ترکِ واجب سے متفقاً کفارہ لازم
ہوتا ہے۔ فقہاءِ کرام نے حکم واجب کے لیے تین الفاظ مقرر فرمائے ہیں ۱۔ وَجَبَ عَلَیْہِ
۲۔ یَلْزَمُ عَلَیْہِ ۳۔ عَلَیْہِ کَذَا۔ اسی قسم کی جلد بازیاں بوکھلاہٹ کی نشانیاں
ہوتی ہیں۔

چوتھی غلطی۔ مضمون نگار۔ اسی مضمون کے ص۸ اور ص۹ پر سات آیتیں
درج کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رح نے ترتیبِ ارکانِ حج کو
واجب مان کر اور تارک پر دم واجب کر کے قرآنِ مجید کی اِن آیت کی خلاف
ورزی کی۔ (معاذ اللہ) آیت ۱۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۱۸۵)۔ ترجمہ
اللہ تعالٰی کو تمہارے (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے۔ یعنی گویا کہ امامِ اعظم ترتیب
کو واجب اور ترکِ واجب سے دم واجب کر کے تم پر سختی کر رہے ہیں جس سے آیت
کی خلاف ورزی ہوئی جواب کیا عجیب استدلال ہے کہ شریعت کے کسی حکم کو واجب
کہنا یُسر اور آسانی کے خلاف ہے تو اس سے لازم آیا کہ پھر صرف ترتیب ارکان حج کے
ہی پیچھے کیوں پڑتے ہو تمام واجباتِ اسلام کو ختم کر دو۔ دیگر ائمہ نے بھی بہت سے
واجبات تسلیم کیے ہیں وہ بھی اسی مخالفینِ قرآن میں شامل ہو گئے۔ آیت دوم۔
وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (سورۃ حج آیت ۷۸) اور اُس
نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔ یعنی امام ابوحنیفہ رح نے ترتیبِ
ارکان واجب کر کے تنگی کر دی۔ جواب۔ فرض تو واجب سے زیادہ سخت ہوتا
ہے اگر واجب کہنا تنگی ہے تو جو چیز اللہ تعالٰی نے فرض کی ہیں کیا وہ تنگی نہیں ہے۔
تمہاری اس تفسیر سے تو خود اللہ پر اعتراض آ رہا ہے کہ ادھر فرماتا ہے اللہ نے کسی
پر تنگی نہیں کی اُدھر بہت سی عبادات و احکام کو فرض کر دیا کہ خود حج فرض نماز روزہ
زکوٰۃ یہ تمام فرض عبادات ہیں بقولِ آپ کے یہ سب تنگی ہوئی (معاذ اللہ) آیت سوم
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ إِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (الخ) سورۃ النساء آیت
۵۹ ترجمہ۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس

کے رسول کے حوالے کر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ سب امور بہتر ہیں اور ان کا انجام خوش تر ہے۔ اِس آیت میں مضمون نگار یہ کہنا چاہتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی مَن مرضی سے ترتیبِ ارکان واجب کر دی۔ اللہ رسول کے سپرد نہ فرمایا اور اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ کے باوجود۔ یا پھر شاید اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ (الخ) کے خلاف امام اعظم کو سمجھا گیا۔ جواب۔ ہم نے امام اعظم کی کتب اور دلائل سے ثابت کر دیا کہ امام اعظم کا یہ مسلک بھی قرآن وحدیث کے صریحی حکم کے عین مطابق ہے جو امام ترتیب کو واجب نہیں مانتے جیسے امام شافعی اور صاحبین۔ بقولِ مضمون نگار اِس آیت کی زد میں وہ آتے ہیں۔ نہ کہ امام اعظم۔ مگر یہ بات اُلٹی عقل والوں کو سمجھ نہیں آسکتی۔ چوتھی آیت۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗ اِلَى اللّٰهِ (سورۃ شوریٰ آیت ۱۰) ترجمہ۔ اور جس جس بات میں تم (اہلِ حق کے ساتھ) اختلاف کرتے ہو اُس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔ جواب۔ مضمون نگار نے اس ترجمے میں اپنے پاس سے ملاوٹ بھی کی ہے جو خیانت فی القرآن کے مرادف ہے۔ اِس ترجمانی خیانت کا مقصد یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ معاذ اللہ اہلِ حق نہیں ہیں اور ان کے شاگرد صاحبین فقط دو شاگرد امام شافعی اہلِ حق ہیں۔ ہاں بھئی کیوں نہ ہوں تمہاری ڈکیتی اور لوٹ کھسوٹ کا سہارا جو بنتے ہیں تمہیں تو ایسے ہی لوگ اہلِ حق نظر آئیں گے خواہ حاجیوں کا حج برباد ہو جائے پانچویں آیت سورۃ الحشر آیت ۷۔ وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ ترجمہ۔ اور رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے روک دیں اُس سے تم رُک جایا کرو۔ جواب۔ یہ آیت کریمہ تو امام اعظم کی زبردست دلیل ہے۔ اِس سے بھی ترتیبِ ارکانِ حج کے واجب ہونے کا ثبوت مل رہا ہے۔ اس لیے کہ ہم نے پہلے امام اعظم کے اِس وجوبِ ترتیب کے مسلک پر دلیل ۲۲ میں بروایت مسلم شریف جلد اول ص۴۱۹ سے ایک حدیث شریف درج کی جس میں وہی الفاظ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے جس کا حکم رب تعالیٰ اِس آیت میں پوری اُمت مسلمہ کو تا قیامت عطا فرما رہا ہے۔ دیکھو یہاں آیتِ مبارکہ میں ارشاد ہے

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ۔ اور وہاں حدیث پاک میں ارشاد ہے۔ یَقُوْلُ لِتَاخُذُوْا مَنَاسِکَکُمْ۔ اس کی شرح امام نووی فرماتے ہیں۔ وَمَعْنَاہُ خُذُوْا مَنَاسِکَکُمْ (الخ) وَتَقْدِیْرُہٗ ھٰذِہٖ الْاُمُوْرُ الَّتِیْ اَتَیْتُ بِھَا فِیْ حَجَّتِیْ مِنَ الْاَقْوَالِ وَالْاَفْعَالِ ھِیَ اُمُوْرُ الْحَجِّ وَصِفَتُہٗ۔ وَھِیَ مَنَاسِکُکُمْ فَخُذُوْھَا مِنِّیْ (الخ) ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آیت قرآن مجید میں جو تم کو میرے رسول دیں بس وہی لو اپنی بیہودہ عقلیں اور قیاس آرائیاں مت چلاؤ اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا اے مسلمانو اپنے حج کے اعمال واقوال مجھ سے لو یعنی جو مجھ کو کرتا دیکھو وہی کرو جو مجھ کو پڑھتا دیکھو وہی پڑھو۔ اس میں سب متفق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ارکانِ حج کی ترتیب قائم فرمائی اور تمام صحابہ کرام نے بھی تو مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ پر امام اعظم ابو حنیفہ نے عمل کیا نہ کہ امام شافعی وصاحبین نے مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ کا امر واجب ہے لہٰذا ترتیب ارکان کو عملِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے لینا واجب ہو گیا۔ آیت چھٹی سورۃ نور آیت ۵۶ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ ترجمہ۔ اور (اے مسلمانو) نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (باقی احکام میں بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر (کامل) رحم کیا جائے۔ جواب اولاً تو یہ ترجمہ ہی لاعلمی کا ہے کا لفظ کامل کی زیادتی جاہلانہ خیانت ہے۔ صاحب مضمون اس آیت سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رسول اللہ کی اطاعت میں نہ تھے اور ترتیب ارکان کو واجب کر کے اطاعتِ رسول کی خلاف ورزی کی۔ یہ تو تھی مصنف کی کم سمجھی مگر آیئے ہم قرآن مجید سے ہی پوچھ کر بتاتے ہیں کہ اطاعت رسول کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ترجمہ۔ اے حبیب کریم فرما دیجئے اگر اے مسلمانوں تم چاہتے ہو کہ اللہ کے محبوب بن جاؤ تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو محبوب بنا لے گا۔ اسلام دو ہی چیزوں کا نام ہے اتباع اور اطاعت۔ اتباع نقل ہے اور اطاعت امر ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے ہر فعل ہر عمل شریف کی نقل کرنا اتباع ہے اور ہر قول ہر امر پر عمل کرنا اطاعت ہے ارکانِ حج کی ترتیب وار ادائیگی اتباع بھی ہے اطاعت بھی اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ترتیب سے ادا فرمائے اور تمام صحابہ کو ترتیب کا حکم بھی دیا جیسا کہ ہم نے دوسری دلیلِ امام اعظم میں بحوالہ بخاری شریف ثابت کردیا کہ۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ اَنْ یَّحْلِقَ وَاَمَرَ اَصْحَابَہٗ بِذٰلِکَ یعنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیبِ ارکان کا اتنی شدت سے اہتمام فرمایا کہ خود بھی یوم نحر کے ارکان ترتیب وار ادا فرمائے اور صحابہ کرام کو اسی ترتیب کا حکم فرمایا اب کسی مجتہد یا مقلد کی ترتیب اعمال کی پرواہ نہ کرنا۔ اتباع نبوی کی بھی مخالفت ہے اور اطاعتِ نبوی کی بھی۔ تو اِس پیش کردہ آیت کی زد میں وہ ائمہ آتے ہیں جو ترتیب ارکان تو واجبُ الاتباع اور لازمُ الاطاعت نہیں مانتے۔ اور ترتیب کو سنت کہہ کر لاپرواہی برتتے ہیں۔ نہ کہ امام اعظم ساتویں آیت۔ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (سورۃ نور آیت ۶۳) ترجمہ سو جو لوگ اللہ کے حکم کی (جو بواسطۂ رسول پہنچا ہے) مخالفت کرتے ہیں ان کو اِس سے ڈرنا چاہیئے کہ ان پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آپڑے یا اُن پر (آخرت میں) کوئی دردناک عذاب نازل (نہ) ہوجائے۔ مضمون نگار نے یہ آیت جو منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی اپنی بد باطنی اور خباثتِ نفسی سے امام اعظم پر چسپاں کرنے کی ناپاک جسارت کی گویا کہ یہ امام اعظم امامُ الائمہ جیسی بزرگ ہستی کو نافرمانی اور مخالفتِ نبی کریم کی تہمت لگاتے ہوئے فتنۂ دنیوی اور دردناک عذاب سے ڈرا رہا ہے۔ جواب مضمون نگار کی جہالت سے بچ کر اگر اس آیت کی بھی سچی تفسیر کی جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ترتیب ارکانِ حج واجب ہے اور اس کی خلاف ورزی کرکے دم کفارہ نہ دینا حج برباد کردیتا ہے اور جس نے حج برباد کیا اور حاجیوں سے پیسے لوٹ کر جیبیں بھریں اُس کو فتنۂ دنیوی اور عذابِ آخرت سے ڈرنا چاہیئے۔ یا ان کو جنہوں نے ترتیب کے وجوب کا انکار کرکے تاقیامت مسلمانوں کے حج میں فساد ڈالا یہاں تک مضمون نگار کو گویا دس

غلطیاں ہوئیں کیونکہ ہر آیت کا استدلال ایک احمقانہ غلطی ہے۔
گیارھویں غلطی۔ مضمون نگار تقریباً چار یا پانچ جگہ مختلف صفحات پر اس بات کو بار بار دہراتا ہے کہ ترتیب کا وجوب صرف امام ابو صنیفہ کا مسلک ہے۔ ان کے علاوہ اور کسی امام کا یہ مسلک نہیں یہاں تک کہ امام ابو صنیفہ کے دو ممتاز شاگرد بھی اس ترتیب کے وجوب کی مخالفت کرتے ہیں۔ جواب۔ یہ بار بار لکھنا صاحب مضمون کی یا تو جہالت ہے یا حماقت یا مطالعۂ کتب دینیہ معتبرہ کی کمی ہے جو ایسی کذب بیانی کا مرتکب ہو رہا ہے ورنہ حقیقت وہی ہے جو ہم نے بہت سی کتب کے متن اور انکی شرح سے باحوالہ تامہ ثابت کر دی کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل بھی ترتیب ارکان حج کو واجب مانتے ہیں اور تارک ترتیب پر دَم واجب کرتے ہیں یہ کمزور مسلک تو صرف امام شافعی نے بنا لیا اور اُن کی دیکھا دیکھی صاحبین نے اور وہ بھی صرف ایک اکلوتی دلیل لَا حَرَجَ سے جس میں بھی بے حد استدلالی لغزشیں ہیں۔
بارھویں غلطی۔ صاحب مضمون صہ پر لکھتا ہے۔ شاید امام ابو صنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک وہ احادیث نہیں پہنچیں جن کی بنا پر دوسرے ائمہ مسلمانوں کو ترتیب کے خلاف عمل کی اجازت دیتے ہیں۔ جواب۔ کیا عجیب کور عقلی و جہالت ہے یہ سچ فرمایا بزرگوں نے کہا کہ بہرے کو سب لوگ بہرے لگتے ہیں اور اندھے کو سب اندھے۔ عقل و علم اپنا کم ہے بہتان تراشی امام اعظم پر کہ معاذ اللہ یہ احادیث ان کو نہ پہنچیں۔ اور طرہ یہ کہ ایک واقعے کی ایک حدیث کو حدیثیں اور احادیث لکھا ہے۔ صرف خشک رعب کے لیے حالانکہ یہ کہ ایک حدیث بھی امام اعظم کی ہی دلیل ہے جیسا کہ ہم نے دلیل نمبر ۱ میں وضاحت کر دی ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شاگردوں کو حدیث کا علم ہو جائے اور اُستاد کو علم نہ ہو۔ ایسی حماقت کو کوئی بھی تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو سکتا۔
تیرھویں غلطی۔ لوٹ پھر کر لَا حَرَجَ سے دلیل پکڑتا ہے مختلف صفحات پر جواب ہم نے خود حدیث پاک سے ہی ثابت کر دیا کہ لَا حَرَجَ سے گناہ کی نفی ہے نہ کہ کفارے کی۔ غلطی چودھویں۔ صہ پر لکھا ہے کہ ترتیب کی خلاف ورزی کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ حلق اگر پہلے ہو اور قربانی بعد میں تو طویل مدت تک تمام قربانیوں

کے گوشت سے ممکنہ استفادہ کیا جا سکے. بجائے اِس کے کہ تمام قربانیوں کو ایک ہی دن میں کر دیا جائے جس سے فسادِ کثیر پیدا ہو سکتا ہے اور ان قربانیوں سے پیدا ہونے والی بدبو حجاج کے لیے ایذا رسانی کا باعث ہو سکتی ہے۔ ہماری شریعت کے مطابق مسلمانوں کی ایذا رسانی اور مال کا ضائع کرنا ممنوع ہے۔ الجواب. کیا خوب دلیل ہے۔ یعنی چودہ سال گزرنے کو آئے کہ قربانی کی بدبو اور بدبو سے حاجیوں کی ایذا رسانی کا خیال اللہ تعالیٰ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صحابی کسی تابعی تبع تابعی امام مجتہد۔ علما فقہاءِ اسلام یا کسی بھی حکومت کو نہ آیا آج تم اُمت کے خیر خواہ پیدا ہو گئے مسلمانوں کے حامی بن گئے۔ نیز تمام مسلمان جانتے ہیں کہ قربانی زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہو سکتی ہے۔ دسویں گیارھویں بارھویں ذی الحج اِس کے بعد قربانی جائز نہیں نہ کرنے والے کے ذمے گناہ باقی رہ گیا۔ تو صاحب مضمون کا طویل مدت تک کا ذکر کرنا کس طرف اشارہ کرتا ہے یعنی یہ کہ اِن دنوں میں قربانی کرنا ضروری نہیں بعد میں دیکھی جائے گی کرو یا نہ کرو۔ معلوم ہو گیا کہ مقصد حج پر ڈاکہ ڈالنا ہے یہ خیر خواہی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کا خیال ہے یا دشمنی! اِس طرح کا ایک خیر خواہ جنت کے دروازے پر بھی آدم علیہ السلام کو قَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ۔ کہتا ہوا ملا تھا۔ اگر گوشت سے استفادہ ہی طویل مدت تک کرنا ہے تو اور بھی بہت طریقے ہو سکتے جو بغیر اس لوٹ کھسوٹ کے حاصل ہو سکتے ہیں۔ رہا بدبو کا مسئلہ تو تاریخ شاہد ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک نشان ہے کہ آج تک کسی نے بدبو محسوس نہیں کی، بدبو کی شکایت صرف اِسی مضمون میں بیان کی گئی ہے کسی اور نے کبھی ذکر نہ کیا۔ اور پھر گوشت سے استفادہ تو اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ حاجی لوگ خود اپنے جانور کی قربانی اپنی نگاہوں کے سامنے کروائیں اور فوراً بعد تم لوگ جانور اٹھا لو گوشت لے لو تمہیں کون روکتا ہے آخر زمانوں صدیوں سے ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔ آپ کی یہ تخریب عبادت کی سکیمیں تو اب نکل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِس قسم کے ہر شر سے مسلمانوں کو بچائے۔

پندرھویں غلطی۔ صلا پر لکھا ہے۔ جب لوگ حج کی نیت سے مکہ کی جانب روانہ ہوتے تو وہ اکثر حالات میں مقیم نہیں رہتے اس لیے اُن پر اُضحیہ واجب نہیں

ہوئی۔ جواب یہ بات لکھ کر غلط مسئلے کے علاوہ حج کی قربانی کی اہمیت مزید ختم کرنے کی ایک ناجائز کوشش ہے۔ بیچارے صاحبِ مضمون کو یہ بھی علم نہیں کہ حج میں تو اکثریت مسافر ہوتی ہے خاص کر قران اور تمتع کرنے والے حاجی لوگ۔ اس مسافرت کے باوجود قارن اور متمتع پر قربانی متفقاً واجب نیز اگر مسافر پر یہ قربانیاں بھی واجب نہ ہوں تو پھر تم لوگ ہر حاجی سے کیوں پیسے وصول کر لیتے ہو۔ صرف یہ سمجھانا چاہتے ہو کہ اے حاجی تجھ پر بوجہ مسافرت قربانی نہیں ہے اس لیے تیرے پیسوں سے جو ہم نے تجھ سے لے لئے ہیں۔ اگر قربانی نہ بھی دی گئی تو فکر مند نہ ہونا۔

سولہویں غلطی ص۱۲ پر لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو قربانی کے تین دن ہیں مگر صاحبین کے نزدیک ان تین دنوں میں سے ہی کسی دن قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ یہ سنت ہے اس لیے قربانی میں تاخیر ہو جانے سے بھی کفارۂ دم لازم نہیں ہوگا۔ جواب کیا لغو طفل تسلیاں ہیں۔ خیال رہے کہ صاحبین کے نزدیک بھی تین دن ہی ایام قربانی ہیں۔ مضمون نگار نے صاحبین پر افترا کیا ہے جیسا کہ وجوبِ ترتیب کی نفی میں امام مالک و امام حنبل پر۔ صاحبین پر یہ افترا بھی حجاج کی گرفت اور محاسبے سے بچنے کے لیے ہے کہ کہیں ہمیں نہ کرتے دیکھ کر اپنی رقمیں واپس نہ مانگیں ہم یہ تو کہہ سکیں کہ ہم مسلکِ صاحبین پر عمل کرتے ہوئے اگلے مہینے تمہاری قربانی دیں گے گویا یہ فرار کا ایک رستہ نکالا ہے۔

سترھویں غلطی ص۱۳ پر لکھا ہے۔ کہ اگر ترتیبِ ارکان کو چھوڑنے سے دم واجب ہوتا تو لا حرج والی یا کسی اور فرمانِ نبوی میں دم کا ذکر تو ہوتا یا کفارے کا اگر یہ ترتیب واجب ہوتی اور ترک کا دم واجب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرود اس کی صراحت فرما دیتے۔ مزید برآں امام ابو حنیفہ کے سوا کسی اور نے غیر مفرد کے لیے ترتیب کو لازم قرار نہیں دیا۔ جواب یہ استدلال بھی ناقص ہے اس لیے کہ کسی کا ذکر نہ کرتے سے اس کی نفی نہیں ہوتی نیز سائل لَمْ اَشْعُرْ عرض کر رہا ہے۔ یہ معافی صرف لَمْ اَشْعُرْ کی وجہ سے ہے نیز منشاءِ اَحادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنا صحابہ کرام سمجھے ہیں اتنا کوئی دوسرا کس طرح سمجھ سکتا ہے صحابہ کرام تو اس حجۃ الوداع کے بعد ہر حج میں یہ تا قیامت حکم نافذ و جاری فرما رہے ہیں کہ جس نے بھی ارکان

حج میں ترتیب کے خلاف تقدم یا تاخر کیا فعلیہ دم۔ اُس پر دم واجب ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا اور خود صاحب مضمون کو بھی دلائل امام اعظم میں یہ تسلیم ہے تو کیا صحابہ کرام کو لا حرج والی حدیث معلوم نہ تھی یا ان کو اِس کی سمجھ نہ تھی۔ صحابہ تو ترتیب کو واجب سمجھ کر تارک پر دم واجب کر رہے ہیں مگر آپ بھی منکر ہوئے پھرتے ہو۔ کیا یہ آیت جو مضمون نگار امام اعظم پر چسپاں کر رہا ہے کیا صحابہ کو یاد نہ تھیں کچھ تو آپ لوگوں کو اپنے دین کا خیال چاہیئے سوچنا تماتے کے لیے اتنی بے باکی درست نہیں کہ انسان صحابہ کے فرمودات کو بھی پُشت پیچھے ڈال دے۔ یہ کہنا کہ امام ابو حنیفہ کے سوائے کسی اور امام نے ترتیب واجب نہ کی نہ تارک پر دم واجب کیا مضمون نگار نے یہ جھوٹ کئی دفعہ لکھا ہے۔ یہ غلط بیانی ہے ہم نے پہلے ثابت کر دیا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا یہ ہی مسلک ہے کہ ترتیب ارکانِ حج واجب ہے اور تارک پر دم واجب ہے۔

اٹھارویں غلطی ص۱ پر لکھا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قربانی کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حجاج خود بھی کھائیں اور مساکین کو بھی کھلائیں اور یہ مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ قربانی کے گوشت سے صحیح طور پر استفادہ نہ کیا جائے۔ جواب عبارت تو یہ چھوٹی سی چند لفظی ہے مگر اتہام اور جھوٹ کتنا بڑا ہے۔ گویا کہ مضمون نگار کے نزدیک سورۃ حج کی آیت ۲۸، ۳۶، ۳۷ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک کسی نے عمل و استفادہ نہ کیا اب یہ پیدا ہو گئے ہیں ان آیات پر عمل کرنے کرانے کے لیے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیوی لالچ بھی کتنی بری بلا ہے کہ انسان کو کہیں کا نہیں رکھتی نہ دنیا کا نہ دین کا۔ افسوس۔

انیسویں غلطی۔ اسی ص۱۵ پر لکھا ہے کہ وکالت کے ذریعے قربانی جائز ہے جب وکیل کو قربانی کا اختیار دے دیا تو حاجی اپنی ذمے داری سے آزاد ہو گیا وکالت نامہ دینے کے بعد حاجی کو یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ اس کی ھدی کس وقت ذبح کی جائے گی دی بھی جائے گی یا نہیں) جواب گویا کہ یہ راہ ہموار کی جا رہی ہے آزادانہ طور پر اپنی من مانیاں کرنے کی کہ بس پیسے ہماری جیب میں ڈال دو پھر ہم سے پوچھو بھی مت تمہیں کوئی حق نہیں پوچھنے کا۔ کیسی صاف چال ہے۔ اب بھی کوئی نہ سمجھے تو اُس کی مرضی۔

بیسویں غلطی۔ اسی صفحہ کی آخری سطور میں لکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مناسک کی ترتیب کا اِتباع کرنے سے ہدی کے گوشت کا ضیاع ممکن ہے اس طرح اللہ کی بخشی ہوئی نعمت ضائع ہوگی اور اِسراف کی حد میں آئے گی جب کہ اسلام میں اِسراف حرام ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ جواب۔ اس عبارت میں صاف کفریہ عبارت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع کرتے ہوئے ترتیبِ ارکان کرنے میں دو خرابیاں ہیں پہلی یہ کہ گوشت ضائع ہوگا اور دوم یہ کہ ضیاع اسراف ہے اور اسراف حرام ہے کتنی بڑی گستاخی ہے۔ گویا آج تک جن مسلمان حاجیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے حج ادا کیا ترتیب وار ارکان حج ادا کئے اور قربانی پہلے کر کے بعد میں سر منڈایا اُن سب حاجیوں نے جن میں صحابہ کرام تابعی اولیا علماء بلکہ خود آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ترتیب وار حج کر کے قربانی کے گوشت کا ضیاع کیا جو اِسراف بھی ہے حرام بھی۔ اپنی گستاخیوں گمراہیوں میں اِس ظالم نے کسی کو نہیں بخشا۔ ع۔ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے۔؟ آخر میں ہماری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ آج کل تخریب کاروں اور عبادت کے ڈاکوؤں سے ہر مسلمان کو محفوظ فرمائے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَرَسُوْلُہٗ۔

چھٹا فتویٰ

نماز کے آخری تشہد میں درود شریف کے بعد دعا پڑھنے کا بیان

رَبِّ اجْعَلْنِی وَالی دعا صحابہ تابعین سے ثابت نہیں۔ نیز یہ دعا اُن نو مسلموں کو پڑھنا منع ہے جن کے وَالِدَیْن کفر پر فوت ہوئے۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اِس مسئلے کہ، نماز میں آخری تشہد کے درود شریف

کے بعد کونسی دعا پڑھنی چاہیئے۔ آج کل ہم لوگ سب مسلمان نمازوں میں یہی دعا پڑھتے ہیں جس کو دعاءِ ابراہیمی کہا جاتا ہے کوئی رَبِّ اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ کہہ کر دعا پڑھتا ہے اور کوئی رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ کہتا ہے۔ اکثر نماز کی کتابوں میں اس طرح دعا لکھی ہے۔ اَللّٰھُمَّ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ۔ بعض کتابوں میں مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ کے بعد۔ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ بھی لکھا ہے کچھ سُنی مسلمان فرماتے ہیں کہ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّفِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ والی دعا نماز میں پڑھنی چاہیئے مگر وہابی لوگ اس دعا سے منع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ دعا نماز کے اندر پڑھنی ناجائز ہے۔ ہاں البتہ بعد نماز پڑھنا جائز ہے۔ مجھے یہ پریشانی لاحق ہے کہ اس دعاءِ ابراہیمی میں والدین کے لیے دعاءِ مغفرت کی طلب ہے جب کہ قرآن مجید اور متعدد احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ کافر والدین کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا ناجائز ہے بلکہ حرام ہے۔ حالانکہ اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور دیگر مومنین کے والدین مثلاً تابعین تبع تابعین اور نومسلم حضرات کے والدین مشرک و کافر فوت ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس دعاءِ ابراہیمی کو مانگتے رہے۔ اور قیامت تک ہر مسلم نومسلم مانگتا رہے گا۔ اس بارے میں فرمایا جائے کہ صحابہ پاک اور ان مومنین کی یہ دعا جن کے والدین کفر پر فوت ہوئے کس زمرے میں شمار ہوگی۔ براہِ مہربانی دلائل اور حوالاجات سے جواب عطا فرمائیں۔ تاکہ ہر طرح تسلی ہو۔

بَیِّنُوۡا تُوۡجَرُوۡا۔ السائل۔ احقر عاجز خاکسار راؤ جمشید علی رزاقی۔
رزاقیہ منزل حمید پارک گلی نمبر۱ نیو شاد باغ کالونی۔ ملتان روڈ لاہور
۱۲/۵/۹۵

بِعَوۡنِ الۡعَلَّامِ الۡوَھَّابِ

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق تشہد کے آخر تمام نمازوں فرض واجب سنت نفل

میں مسلمانوں کو درودِ ابراہیمی کے بعد یہ دونوں دعائیں پڑھنا ہر طرح بالکل جائز ہیں پہلی دعا کا نام دعاءِ ابراہیمی ہے اور دوسری دعا کا نام دعاءِ حسنہ یہ دونوں دعائیں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ دعاءِ حسنہ تو ہر مسلمان مسلم نو مسلم اور خاندانی اُصولی فروعی مسلمان پڑھ سکتا ہے نماز میں بھی اور دیگر اوقات میں بھی ہر وقت لیکن دعاءِ ابراہیمی صرف خاندانی مسلمان پڑھ سکتا ہے یعنی جس کے اصول خاص کر والدین مسلمان ہوں لیکن وہ نو مسلم جس کے والدین کافر ہوں زندہ یا مُردہ وہ شخص یہ دعاءِ ابراہیمی نہیں پڑھ سکتا۔ اگر زندہ ہوں تو اپنے کافر والدین کے لیے دعاءِ ہدایت مانگ سکتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے چچا آذر کے لیے اُس کی زندگی بھر مانگتے رہے لغوی معنیٰ میں اس دعاءِ ہدایت کو بھی مجازاً استغفار کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ میں قولِ خلیل منقول ہے۔ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ (الخ) سورت مریم آیت ۴۷ لیکن بعد وفات تو مطلقاً کسی کافر کے لیے کسی قسم کی دعا مانگنی جائز نہیں۔ نہ ہدایت کی کہ یہ اب بیکار ہے نہ بخشش کی کہ یہ ممنوع ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۱۱۳۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (سورۃ توبہ آیت ۱۱۴) ترجمہ کسی نبی کے لیے جائز نہیں نہ کسی مومن کے لیے یہ کہ استغفار پڑھے یعنی بخشش مانگے مشرکین کے واسطے اگرچہ وہ مشرکین کافر بن قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں اس کے بعد کہ یقین سے علم ہو جائے کہ یہ کافر ابدی جہنم والا ہو چکا ہے اور ابراہیم کی استغفار اپنے مربّی چچا آذر کو صرف ایک وعدہ کے تحت تھی یعنی ابراہیم علیہ السلام نے دعاءِ ہدایت کا وعدہ کر لیا تھا پھر جب آپ کو اُس کے مرنے کے بعد ظاہر ہو گیا کہ اب تو یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہی رہے گا۔ آپ بیزار ہو گئے اُس سے رب تعالیٰ کا یہ حکم تا قیامت ہے۔ اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ۔ (سورۃ نساء آیت ۴۸) بے شک اللہ تعالیٰ کبھی بھی قیامت میں شرک نہیں بخشے گا۔ اس قانونِ الٰہی ابدی کی وجہ سے نو مسلم حضرات اپنی نمازوں میں دعاءِ ابراہیمی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس میں والدین کی بخشش کی دعا

ہے اور نو مسلم کے والدین یقیناً کفر میں ہی دنیا سے گئے ہیں۔ اگر شاذونادر کسی نو مسلم کے والدین بھی مسلمان ہی ہوں تو گناہوں کی بخشش کے لیے نماز میں دعاء ابراہیمی پڑھ سکتا ہے۔ کوئی ممانعت نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وعدہ اپنے چچا سے اُس کی زندگی میں تھا جب کہ آپ کی عمر تقریباً بیس سال تھی اور جب آذر فوت ہوا ہے اُس وقت حضرت ابراہیم کی عمر پچاس سال تھی جس وقت آپ نے اپنی دعاءِ ابراہیمی عرض کی اُس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی آپ کے والدین بچپن میں فوت ہو گئے تھے وہ دونوں مومن تھے۔ اِن تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ یہ دعا صرف وہی اپنی نماز یا بیرونِ نماز پڑھ سکتا ہے جس کے والدین مومن ہوں۔ وہابی لوگوں کا۔ دعاءِ حسنہ کو نماز کے اندر پڑھنے سے منع کرنا ان کی جہالت ہے۔ یہ دعا نماز کے اندر پڑھنا بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح نماز کے بعد چنانچہ قرآنِ مجید مطہر نمازی غیر نماز مسلمان کی ایک یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ ترجمہ۔ اور لوگوں میں سے اہلِ ایمان وہ ہیں جو ہر وقت عرض کرتے رہتے ہیں اے رب عطا فرما ہم کو دنیا میں بھی نیکیاں اور آخرت میں بھی نیکیاں۔ یعنی دنیا میں ہم کو اچھے عمل اور آخرت میں اچھے ثواب اِس کی تشریح فرماتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ (سورۃ انعام آیت ۱۶۰) ترجمہ۔ جو بندہ دنیا سے اپنے ساتھ ایک نیکی لے کر آئے گا تو اُس کو اُسی کی مثال دس اور حسنہ دی جائینگی دنیا میں حسنہ کی توفیق ملے گی تب آخرت میں دس گنا ملے گی اور سورۃ نحل آیت ۱۲۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ ترجمہ۔ اور ان کو ہم نے دنیا میں نیکیاں دیں وہ آخرت میں یقیناً بے شک صالحین میں سے ہیں۔ ان ارشادات کی بنا پر ہر نمازی اپنی نماز میں یہ دعا پڑھتا ہے لیکن یہ دونوں دعائیں نماز میں پڑھنا صحابہ کرام اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں کسی صحابی تابعی نے نماز کے اندر کبھی یہ دعائیں نہیں پڑھیں

چنانچہ بخاری شریف جلد اوّل بابُ الدُّعاءِ قبلَ السَّلام ص۱۱۵ پر ہے۔
پہلی حدیث پاک۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْیَمَانِ عَنْ شُعَیْبٍ عَنْ زُھْرِیْ عَنْ عُرْوَۃَ ابْنِ الزُّبَیْرِ۔ عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَدْعُوْا فِی الصَّلٰوۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَفِتْنَۃِ الْمَمَاتِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔ ترجمہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ (الخ) حدیث دوم۔ اَنَّ عَائِشَۃَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَعِیْذُ فِیْ صَلٰوتِہٖ۔ مِنْ فِتْنَۃِ الدَّجَّالِ۔ ترجمہ ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نمازوں میں فتنہ دجال سے پناہ والی دعا پڑھا کرتے تھے۔ حدیث سوم۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ۔ عَنْ لَیْثٍ عَنْ یَزِیْدِ بْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ عَنْ اَبِی الْخَیْرِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلِّمْنِیْ دُعَاءً اَدْعُوْا بِہٖ فِیْ صَلٰوتِیْ قَالَ قُلْ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ ترجمہ۔ حضرت قتیبہ بن سعید رض روایت فرماتے ہیں حضرت صدیق اکبر نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے نماز کے اندر پڑھنے کے لیے دعا سکھا دیجئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نماز میں پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَاَرْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ ان احادیث مبارکہ سے صاف ظاہر و ثابت ہو رہا ہے کہ کسی صحابی پاک نے نہ کبھی خود ہی۔ دعاءِ ابراھیمی نماز میں پڑھی اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم ہی فرمائی نہ خود پڑھی

حدیث چہارم۔ مشکوٰۃ شریف بَابُ الدُّعَاءِ فِی التَّشَھُّدِ ص۸۷ پر ہے فصل اوّل۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ اَحَدُکُمْ مِنَ التَّشَھُّدِ مِنَ الْاٰخِرِ فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ مِنْ اَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔ ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ۔ فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم پورا آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہو جایا کرو تو چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو ۱ عذاب جہنم سے ۲ اور عذاب قبر سے ۳ زندگی اور موت کے فتنوں سے ۴ دجال کے شر سے۔ یہ حدیث شریف مسلم شریف سے لی گئی ہے اس سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہ کرام کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھنے کے لیے یہ دعا سکھاتے تھے بلکہ حکم فرماتے تھے اور صدیق اکبر کو وہ دعا سکھائی جو ابھی حدیث سوم میں بیان ہوئی۔ لازمی بات ہے کہ صحابہ یہ دعا اور صدیق اکبر وہ دعا ہی پڑھتے ہوں گے۔ اور تا عمر ایسا ہی ہوگا۔

حدیث پنجم۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُعَلِّمُھُمْ ھٰذَا الدُّعَاءَ کَمَا یُعَلِّمُھُمُ السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ یَقُوْلُ قُوْلُوْا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔ ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم یہ (چار پناہوں والی دعا نماز میں پڑھنے کے لیے) اس اہتمام اور حکماً سکھاتے تھے جس طرح قرآن مجید کی سورتیں سکھاتے تھے۔ (الخ) یہ بھی مسلم سے لی گئی ہے۔

حدیث ششم۔ مشکوٰۃ شریف کی تیسری فصل ہی ص۸۸ بَابُ الدُّعَاءِ فِی التَّشَھُّدِ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ صَلٰوتِہٖ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَۃِ

عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ ۔ وَاَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا ۔ وَلِسَانًا صَادِقًا ۔ وَاَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ اَحْمَدُ نَحْوَهٗ ۔

حدیث ہفتم ۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ ۔ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ صَلٰوتِهٖ بَعْدَ التَّشَهُّدِ ۔ اَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ ۔ وَاَحْسَنُ الْهُدٰى هُدٰى مُحَمَّدٍ ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تعالیٰ ۔ ہم نے آٹھ دلائل سے ثابت کر دیا کہ نبی کریم آقاءِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام جو دعائیں نماز میں آخری التحیات درود شریف کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے جو دعائیں پڑھا کرتے تھے وہ نہ دعاءِ حسنہ تھی نہ دعاءِ ابراہیمی ۔ یہ دونوں دعائیں آج بھی اہل عرب نہیں پڑھتے یہ دعائیں ہندوستانی علماء و مشائخ نے نماز میں شامل فرمائی ہیں اور اچھی ہیں مگر دعاءِ ابراہیمی اُس نو مسلم کو نماز اور بیرونِ نماز پڑھنا شرعًا منع ہے جس کے والدین کافر ہوں زندہ ہوں یا فوت شدہ ۔ ہاں البتہ زندہ کفار کے لیے اپنے والدین یا اہلِ قرابت کے لیے ہدایت ملنے کفر سے نکلنے کی دعا ان کی وفات تک مانگ سکتا ہے بعد وفات وہ بھی نہیں ۔ پہلی دلیل قرآن مجید سے باقی سات دلائل احادیث مبارکہ سے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تین دعائیں منقول ہوئیں اور صحابہ کرام کی دو دعائیں ایک صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور ایک دعا باقی صحابہ کی اسی طرح نسائی شریف جلد اول ص۱۴۵ اور ص۱۴۶ پر دعاءِ تشہد کے باب میں یہ احادیث درج ہے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔

کتبہ ـــــــــــــــــــــــــ

مفتی ء دارا لعلوم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ ۔

ساتواں فتویٰ۔

لفظِ ذنب کی تشریح۔ داڑھی مبارک رکھنا فرض ہے۔ اس کی حد چار انگل واجب ہے آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر حکم پر عمل کرنا واجب ہے وہ حکم قولی ہو یا فعلی۔ ایک غلط کار جاہل مصنف کی چند تحریری خرافات کا تردیدی مختصر جواب۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ابھی حال ہی میں میری نظر سے ایک کتاب شرح مسلم گزری پہلے تو میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ شاید یہ کتاب کسی سنی مسلمان کی تصنیف ہوگی کیونکہ مصنف کے نیچے کسی مولوی غلام رسول سعیدی کا نام لکھا ہے عام طور پر وہابیوں کا نام غلام رسول نہیں ہوتا لیکن جب چند جگہ پڑھا تو یہ مصنف وہابیوں سے بھی زیادہ گمراہ نظر آیا۔ میں نے اس کے بارے میں چند علما سے استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ شخص پہلے سنی مولوی تھا۔ مگر اب گمراہ ہو چکا ہے۔ مصنف مذکور اپنی اس کتاب شرح صحیح مسلم جلد اول کے دیباچہ طبع چہارم صفحہ پر لکھتا ہے کہ ہم نے شرح مسلم جلد ثالث میں لکھا تھا کہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ (سورۃ فتح آیت ۲) کا یہ ترجمہ احادیث کے خلاف ہے۔ کہ تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ ہم نے جلد ثالث میں وہ احادیث بیان کر دیں جن میں صحابہ کرام نے آپ کے سامنے ذنب کی نسبت آپ کی طرف کی اور آپ نے اس نسبت کو مقرر اور ثابت رکھا۔ پھر آگے لکھتا ہے کہ ذنب کے معنی اثم اور جرم ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کی وجہ سے اس آیت میں ذنب کا اطلاق مجازاً خلاف اولیٰ کام پر کیا گیا ہے۔ اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ کام معاف فرما دے۔ یہاں میرا سوال یہ ہے کہ یہ مصنف جس ترجمے کی تردید کر رہا

ہے وہ اعلیٰحضرت مجدد ملت امام الائمہ قبلہ عالم الشاہ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ یہ بد نصیب مصنف اُن کے آستانے سے ہٹ کر شیطان کی جھولی میں گر گیا ہے اس لیے کہ یہ حقیقت ہے کہ آستانۂ بریلی شریف سے ہٹ کر انسان وہابیت سعودیت یہودیت کی ہی گود میں گرے گا۔ دوسرا میرا سوال یہ ہے مصنف مذکور نے اپنا بیہودہ ترجمہ پیش کیا۔ اس میں وَذَنْبِکَ کا معنیٰ خلاف اَولیٰ کرتا ہے اور بریکٹ میں لکھتا ہے (بظاہر) یہ بظاہر کس لفظ کا ترجمہ ہے یعنی حقیقت میں وہ کام خلافِ اَولیٰ بھی نہیں صرف ظاہراً خلاف اَولیٰ ہے۔ کیا نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خلاف اَولیٰ کام کئے تھے۔ میرا تو ایمان ہے کہ آپ نے کبھی خلافِ اَولیٰ بھی کوئی کام نہیں کیا بتایا جائے کہ خلافِ اَولیٰ کیا چیز ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی مقدس میں کتنے خلافِ اَولیٰ کام کئے اگر نہیں تو اس مصنف نے کیوں لکھا۔ پہلی سطور میں اسی صفحہ پر لکھا ہے۔ دو مسئلوں میں بعض لوگوں نے مجھ سے اختلاف کیا۔ ایک داڑھی کی مقدار کا مسئلہ ہے میں نے لکھا تھا کہ نفسِ داڑھی رکھنا واجب ہے اور قبضہ بھر داڑھی رکھنا واجب نہیں کیونکہ وجوب کے ثبوت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ضروری ہے۔ پھر آگے لکھا ہے کہ اُن لوگوں نے ہم کو حسب عادت طعن و تشنیع کی اور ہم پر تبرا کیا۔ بہر حال ہم نے اُن دشنام طرازیوں پر صبر کر لیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی اُمید رکھی۔ مجھے حیرانگی ہے کہ اتنی ابلیسی تحریر پر بھی اس کو اجر و ثواب کی امید ہے یہ بالکل ویسی ہی امید ہے جیسی مرزا غلام قادیانی مسلمانوں کے لعن طعن کے جواب میں گھبرا کر اللہ سے ثواب ملنے کی اُمید رکھتا ہے۔ آگے لکھا ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض حسن نیت اور للٰہیت سے لکھا ہے یہ عبارت بھی بالکل مرزا غلام قادیانی کا چربہ ہے مجھ کو تو یہ کوئی دھوکہ باز مرزائی معلوم ہوتا ہے اکثر جگہ بالکل مرزائیوں کی طرح توڑ موڑ کرتا ہے اور اپنے پاس سے بیہودہ اور ناکارہ خلاف علم مطلب نکال لیتا ہے۔ یہ اچھی للٰہیت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرتے رہو اور مسلمانوں کو گمراہ بناتے رہو مرزائیت، وہابیت کے رستے پر چلو اور نام رکھو حسن نیت۔ ان ابلیسی باتوں

سے اللہ رسول کی خوشی و رضا نہیں ملتی۔ میں تو سمجھتا ہوں اس سے لعنت ہی ملتی ہے۔ یہاں میرا سوال ہے کہ داڑھی شریف کے متعلق اسلامی شرعی حکم کیا ہے۔ اس کی حد کیا ہے۔ داڑھی کے متعلق مصنف مذکور نے اسی کتاب کی چھٹی جلد کے ص۴۲۶ سے ص۴۵۱ تک پچیس صفحات پر مضمون لکھا ہے۔ مگر کہیں جگہ ایسا لگتا ہے کہ مصنف گھبرایا ہوا ہے بات نہیں بنتی تو جھٹ سے توڑ موڑ کر دیتا ہے۔ میں نے ایک بزرگ کی زبانی سنا کہ یہ مولوی یہاں برطانیہ کے ایک شہر برمنگھم میں آیا ہے دوران گفتگو چند بہرے گونگے چھوٹے خطیبوں کے سامنے اندھوں میں کانا راجہ بن کر۔ داڑھی کے متعلق بڑے چیلنج کرتا رہا۔ مگر اس محفل میں کسی نے کوئی جواب نہ دیا ہو سکتا ہے مہمان سمجھ کر لحاظ کر دیا ہو یا اس وقت اس مسئلے پر ان کا علم حاضر نہ ہو۔ واللہ اعلم تیسرا مسئلہ یہ کہ یہ مصنف اپنی اسی شرح کی جلد ہفتم کے ص۴۲۸ پر لکھتا ہے کہ دجال کے وقت اس کا پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ دجال لوگوں پر ایسا جادو کرے گا کہ لوگوں کو وہ دن سال بھر کا نظر آئے گا۔ مگر حقیقت میں وہ سال بھر کا دن نہیں ہوگا۔ سورج اسی طرح روزانہ طلوع و غروب ہوگا۔ اس بات میں ملا قاری کا حوالہ اپنی تائید میں پیش کرتا ہے سوال یہ ہے کہ کیا یہ بات درست ہے مجھ کو تو یہ بات قطعاً غلط لگتی ہے کہ دجال کا جادو سورج پر چل جائے۔ براہِ مہربانی ان تینوں باتوں کا جواب تسلی بخش عطا فرمائیں۔ فی الحال ہم نے ایسی کتابیں پڑھنی چھوڑ دی ہیں اور اپنے دوستوں کو بھی خریداری سے منع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس مصنف اور اس کی بیہودہ جاہلانہ کتابوں سے بچائے۔ ہم آپ کے جوابی فتوے کے منتظر ہیں۔ جنابِ والا کا وجودِ بابرکت اہلِ سنت کے لیے باعثِ فخر ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی جناب کی تحریرات سے ائمہ فقہا کے ادوار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ واقعی جناب کی تحریر امامِ اعظم۔ امام رازی۔ امام سیوطی۔ اعلیٰحضرت فاضلِ بریلی۔ حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جانشینی کا حق ادا کر رہی ہے۔ فقط والسلام مع الاکرام۔ بیّنوا توجروا۔ السائل مستفتی جہانگیر اختر نعیمی بریڈفورڈ ۱۳/ نومبر ۱۹۹۵ء

بعون العلام الوھاب

الجواب

سائل کے تمام کاغذات مع نقول اور فوٹو سٹیٹ وصول ہوئے گہرے مطالعے کے بعد سائل کا خدشہ درست معلوم ہوا کہ واقعی مصنف مذکور بد عقیدہ ہے یا بد عقیدہ ہو چکا ہے۔ اور اس کے علاوہ مصنف مذکور علمی فکری اعتبار سے بھی بہت کمزور ہے۔ یا پھر جان بوجھ کر خیانت و بد دیانتی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ بہر حال ان اغلاط کی نشاندہی سے پہلے ہم اصل مسئلے کو واضح کرتے ہیں۔ سائل کا پہلا مسئلہ۔ لفظ ذنب کی تشریح قرآن مجید میں یہ لفظ تقریباً انتالیس جگہ آیا اور سب جگہ اس کا معنیٰ شرعی گناہ ہی ہے۔ یا دنیوی جرم۔ لہٰذا مذکورہ فی السؤال آیت سورۃ فتح میں بھی یہی ترجمہ کیا جائے گا کسی شخص کا اپنی ذاتی بناوٹ سے اس کا ترجمہ بگاڑ کر خلاف اَولیٰ کرنا اور مزید۔ لفظ مجازاً۔ اور (لظاہر) کی بحر لگانا۔ انتہائی غلط اور نا اہلی نا لائقی ہے اور دین بگاڑنا گمراہی پھیلانا ہے۔ بات صرف نسبت کی ہے کہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ میں ذَنْبِكَ کی نسبت کس کی طرف ہے۔ آیا نبی کریم کے گناہ مراد ہیں۔ یا نبی کریم کی اُمت کے گناہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ مراد لیئے جائیں تو یہ حقیقت کے خلاف ہے اسی طرح ذنب کا معنیٰ خلاف اَولیٰ کر کے نسبت نبی کریم کی طرف ہی رکھنی اور صحابہ کی کسی حدیث کا سہارا پکڑنا بھی حقیقت کے خلاف ہے۔ اور پھر قرآن مجید کلام الٰہی کو اسی خلاف حقیقت بات میں ملوث کرنا تو کفریہ گستاخی باری تعالیٰ ہے (معاذ اللہ) گویا کہ یہ کہہ کر کہ نبی کریم کے گناہ یا نبی کریم کے خلاف اَولیٰ افعال اللہ معاف فرما دے رب تعالیٰ پر الزام لگاتا ہے کہ جس بات کا وجود ہی کوئی نہیں۔ اس کو معاف فرمایا۔ یہ صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ تا عمر بچپن سے وصال تک آقاء دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی گناہ لغزش بھول چوک جرم خطا۔ خلاف اَولیٰ کام سرزد ہوا ہی نہیں۔ ساری تاریخ اسلام چھان مارو لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی گناہ یا خلاف اَولیٰ کام کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا۔ ابلیسی ترجمے میں آکر یہ بکتے رہتا کہ۔ از گناہِ تو (شاہ ولی اللہ)، یا از موجب عتابِ تو (مُلّا کاشفی)

یا۔ یہ کہنا کہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں۔ (از اشرف علی تھانوی) یا۔ لکھنا کہ۔ تیرے گناہ (عاشق الٰہی میرٹھی وہابی) یا یہ کہنا کہ۔ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ (محمود الحسن دیوبندی وہابی) یا یہ کہنا کہ۔ آپ کے لیے آپ کے تمام اگلے پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اَولٰی کام (مصنف مذکور) یہ سب ابلیسی ترجمے ہیں۔ کسی صحابی سے یہ ترجمہ ثابت نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی گناہ خطا یا خلافِ اَولٰی کام کا پوری ارضی سماوی کائنات میں کوئی وجود ہی نہیں تو بخشنا معاف کرنا کیسا۔ اور پھر نبی کریم آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی صرف نہیں بلکہ اہل سنت والجماعت کا صحیح سچا عقیدہ حقیقت کے مطابق نظریہ یہ ہے کوئی نبی علیہ السلام اپنی پوری حیاتِ نبوی میں از آدم علیہ السلام تا عیسٰی علیہ السلام کبھی کسی گناہ خطا نسیان بھول لغزش یا خلافِ اَولٰی کام کے مرتکب نہ ہوئے۔ اس لیے کہ انبیا علیہم السلام کا خلافِ اَولٰی کام کرنا بھی ترکِ واجب کی مثل گناہ ہے۔ اور گناہ ہونا انبیا کی ذات مقدسات سے محال بالغفلت ہے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتاب التوضیح والتلویح جلدِ دوم۔ فَصْلٌ فِیْ اَفْعَالِہٖ ص۴۹۱ (طبع میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی) پر ہے وَلِاَنَّ تَرْکَ الْاَفْضَلِ عَنْھُمْ بِمَنْزِلَۃِ تَرْکِ الْوَاجِبِ عَنِ الْغَیْرِ یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام سے ترکِ اَولٰی۔ اور خلافِ اَولٰی کام کرنا بھی اتنا ہی بُرا ہے جتنا۔ دوسروں سے واجب کام ترک کرنا۔ اور اصطلاحِ فقہا میں واجب فرض کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی کتاب توضیح تلویح جلد اوّل بابُ الفِقہ ص۲۹ پر ہے۔ ثُمَّ الْمُرَادُ بِالْوَاجِبِ مَا یَشْمَلُ الْفَرْضَ اَیْضًا لِاَنَّ اِسْتِعْمَالَہٗ بِھٰذَا الْمَعْنٰی شَائِعٌ عِنْدَھُمْ کَقَوْلِھِمْ اَلزَّکٰوۃُ وَاجِبَۃٌ وَالْحَجُّ وَاجِبٌ۔ ترجمہ۔ پھر واجب سے مراد فرض بھی ہوتا ہے اس لیے کہ لفظِ واجب کا استعمال فرض عبادت کے معنیٰ میں فقہاءِ کرام کے نزدیک مشہور ہے۔ جیسے کہ زکوٰۃ اور حج جو فرض ہیں ان کو کہدیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ واجب ہے۔ حج واجب ہے۔ یہاں واجب کا معنیٰ فرض ہی ہے۔ لہٰذا۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا خلافِ اَولٰی کام کرنا ایسا ہی محال ہے جس طرح خلافِ فرض۔ اس لیے اگر فرضِ محال کوئی نبی اپنی نبوت ملنے کے بعد کسی خلافِ اَولٰی کام کا ارتکاب

کرے تو اس پر عتابِ الٰہی آجائے، یہی وجہ ہے کہ کسی نبی علیہ السّلام سے زمانۂ نبوّت میں کسی بھی خلافِ اَولیٰ کام کا ثبوت نہیں ملتا۔ نہ کسی بدباطن میں ثبوت پیش کرنے کی ہمت ہے۔ خیال رہے کہ خلافِ اَولیٰ وہ کام ہوتا ہے جس کا خلافِ اَولیٰ ہونا مشہور یا معلوم ہوا اور معلوم ہونے کے بعد وہ کام کیا جائے۔ اِس قاعدۂ کلیّہ حقیقیہ کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ کسی نبی علیہ السّلام سے کبھی کوئی خلافِ اَولیٰ صادر ہوا ہو۔ جہلا کے صرف بکتے رہنے کا اعتبار نہیں ہے۔ آدم علیہ السّلام کا جنتی شجر کھالیا یہ آپ کی نبوّت ملنے سے پہلے کا ارتکاب ہے۔ آپ کو نبوّت تقریبًا تین سو سال بعد۔ قبولیتِ توبہ کے وقت ملی اِس کے بعد نہ کسی لغزش کا ثبوت نہ خطا نہ خلافِ اَولیٰ کا ثبوت نہ ابلیس ورغلا سکا۔ دیگر انبیا علیہم السّلام کو شکمِ مادر میں نبوّت مل جاتی ہے اس کا پورا بیان ہماری تفسیر نعیمی پارہ سولہ ذکرِ آدم علیہ السّلام میں دیکھو۔ اسی طرح نوح علیہ السّلام کا اپنے بیٹے کے بارے میں سوال آپ کا حق تھا۔ نہ یہ خلافِ اَولیٰ تھا۔ نہ اس کا خلافِ اَولیٰ ہونا ثابت وشائع یا معلوم۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السّلام کا قبطی کا مار ڈالنا شرعی جرم نہ تھا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس طرح کا بھی کوئی کام ثابت نہیں تو پھر اِس آیتِ فتح کا ترجمہ توڑ موڑ کر حقیقت کے خلاف کرنا ابلیسیت نہیں تو اور کیا ہے اور وہابیوں کی طرح گناہ کی نسبت یا مثلِ وہابیت خلافِ اَولیٰ کی نسبت آقاءِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بالکل ہی جہالت ہے اور صحابی کی حدیث سے ناجائز سہارا حاصل کرنا ہے کسی صحابی نے نہیں فرمایا کہ نبی کریم نے اپنے بچپن جوانی یا بڑھاپے میں فلاں گناہ کیا یا فلاں خلافِ اَولیٰ کام کیا۔ اگر احادیث سے ثبوت دینا ہے تو اس طرح کا ثبوت دو ورنہ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ۔ مصنف مذکور کو کون سمجھائے کہ قرآن مجید کا سمجھنا ان کے بس کا کام نہیں ابھی کسی عشقِ مصطفیٰ والے استاد سے پڑھیں۔ یہ تو تھی وہابیانِ مَا تَقَدَّمَ اور وہابیِ مَا تَاَخَّرَ یعنی مفسرِ مذکور کے اندھے ترجموں کی تردید۔ اب ہم سورۃ فتح شریف کی آیت ۱ اور آیت ۲ کی صحیح سچی اور حقیقی تفسیر بیان کرتے ہیں جس سے منشاءِ کلام نکھر کر سامنے

آجائے گا۔ اور ماننا پڑے گا کہ اس نئے وہابی مصنف مذکور اور اس کے پہلے وہابیوں کا ترجمہ نہایت غلط اور مقصدِ باری تعالیٰ کے سراسر خلاف ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ یہاں چار لفظوں کو اہمیت سے بیان فرمایا گیا۔ ۱۔ فتح مبین ۲۔ مغفرت ۳۔ مَا تَقَدَّمَ ذَنْبُ ۴۔ مَا تَاَخَّرَ ذَنْبُ اِنَّا فَتَحْنَا کے فعل ماضی نے بتایا کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہیں اُس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مبین حاصل ہو چکی تھی اور لِيَغْفِرَ کا فعل مستقبل بتا رہا ہے کہ ابھی مغفرت نہیں ہوئی بلکہ آئندہ ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ لِيَغْفِرَ کا تعلیلیہ لام کہ گئے بتا رہا ہے کہ یہ مغفرت فتح کے وسیلے سے ہوگی یہ فتح ہی آئندہ مغفرت کا وسیلہ بنے گی۔ لَكَ میں لام سببیہ ہے اور سببیہ ماننا پڑے گا۔ اور معنیٰ ہے کہ مغفرت کا سبب اے نبی آپ ہوں گے مگر یہ مصنف اِن علوم سے جاہل ہے۔ آگے ارشاد ہوا کہ مغفرت ہے مَا تَقَدَّمَ گناہ اور مَا تَاَخَّرَ گناہ کی۔ اب غور طلب یہ بات ہے کہ وہ کون سے اگلے پچھلے گناہ ہیں جن کی بخشش کے لیے اتنی عظیم بشارت اتنی بڑی فتح مبین۔ اور اتنا اہتمام فرمایا جا رہا ہے وہ کس نوعیت کے گناہ ہیں۔ جو توبہ سے استغفار سے یا کسی عمل یا عبادت سے ابھی تک معاف نہیں ہوئے حالانکہ احادیث میں آتا ہے کہ بندہ گناہ کرتا ہے تو وضو سے اتنے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ استغفار سے اتنے۔ فلاں عمل سے اتنے فلاں سے اتنے پھر اگر بدبخت وہابی ترجمے کو یا مصنف مذکور کے اندھے ترجمے کو سامنے رکھ کر (معاذ اللہ) نبی کریم کے ہی اگلے پچھلے ذنب مراد لیے جائیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے اِس ذنب کے لیے توبہ نہ کی نہ روئے نہ معافی مانگی نہ کسی کو بتایا۔ جب کہ آدم علیہ السلام سے ایک معمولی نسیانی خطا ہو گئی تھی تو آپ تین سو سال تک اتنا روئے توبہ کی کہ عرشِ اعظم کو ہلا دیا اور سارے جہان میں آپ کی توبہ اور خطا مشہور ہو گئی حالانکہ وہ خطا ذنب نہ تھی اور پھر نہ کبھی اِس ذنب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عتاب ہوا۔ اِن باتوں پر غور کرنے کے بعد یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ یہ ذنب نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں نہ صحابہ کرام کے۔ بلکہ اُن اگلے پچھلے کفارِ مکہ کے زمانۂ

کفر کے اگلے پچھلے تمام گناہ مراد ہیں جو اس طرح معاف ہوں گے کہ صلح حدیبیہ کی فتح مبین سے مکہ فتح ہوا اور فتح مکہ سے کفارِ مکہ نے ملک اے محبوب آپ کے سبب سے اسلام قبول کیا اور اسلام لانے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہجرت کے پہلے والے گناہ مَا تَقَدَّمَ اور ہجرت کے بعد والے گناہ مَا تَاَخَّرَ بھی ایسے بخشے کہ مٹا کر رکھ دئے۔ اب بڑھو بریلی کے چاند سنیوں کے نور تاجدارِ اہلِ سنت کا روشن ایمان کے کنز والا ترجمہ۔ بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی ۞ تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے یہ کیا شان ہے اس ترجمے کی کہ چند لفظوں نے علم العرفان اور کنز الایمان کی دھومیں مچا دیں۔ بلکہ فتوحاتِ اسلامیہ کا پورا نقشہ، بیعتِ رضوان کا واقعہ صلح حدیبیہ کا منظر اور فتحِ مکہ کا پیش خیمہ سمجھا دیا۔ یہ ترجمہ الہامی کرامت ہے کہ اس نے رَبُّ الْعٰلَمِیْن کی مغفرت اور رحمۃٌ عالَمِین کی سببیت کی حکمت سمجھا دی کہ اے پیارے ہم تو کبھی اُن بدبخت موذیوں کو نہ بخشتے آپ کی وجہ سے یَغْفِرَ اللّٰهُ کا ظہور ہوگا کہ آپ ہی اُن خون کے پیاسوں موذیوں کو فرما دیں گے۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ اور وہ سارے مسلمان و مطیع و متبع فرمان بلکہ جانثار بن جائیں گے اگر آپ کا یہ جملہ لَا تَثْرِیْبَ نہ ہوتا تو ہم کبھی نہ معاف کرتے نہ توفیقِ ایمانی ملتی نہ اسلام لانے سے اُن کے اگلے یعنی ہجرت سے پہلے والے گناہ اور پچھلے یعنی ہجرت کے بعد والے گناہ مٹاتے آپ کے سبب سے توفیق ملی اور توفیق سے اسلام اور اسلام سے سارے گناہ ختم۔ مصنف مذکور لکھتا ہے۔ صحابہ کرام نے آپ کے سامنے ذنب کی نسبت آپ کی طرف کی اور آپ نے اِس نسبت کو مقرر اور ثابت رکھا میں کہتا ہوں اعلیٰحضرت نے بھی اور ہم تمام اہلِ سنت نے بھی اِس نسبت کو باقی رکھا۔ مگر مصنف کی طرح اندھا بن کر نہیں بلکہ صحابہ کی طرح حقیقتِ حال کے مطابق کہ ذَنْبِكَ۔ یعنی تمہاری قوم کے اگلے پچھلے گناہ۔ اگر ذَنْبِكَ کا شیطانی ترجمہ کیا جائے کہ تیرے گناہ یا تیرے اگلے پچھلے خلافِ اَولیٰ کام تو صحابہ پر بھی اعتراض آتا ہے کہ وہ ایک معدوم چیز کی غلط نسبت کر رہے ہیں۔ اور میں تو کہتا ہوں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نسبتِ رحمۃ سمٹ کر نکھری اور نکھر کر ایسی

پھیلی کہ اگر۔ یَغفِرَ اللّٰہُ کا ترجمہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے بخشتا ہے گنا ہگاروں کو قیامت تک تب بھی بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ یَغفِرَ کا مستقبل ابد تک وسیع واستمرار ہے۔ کوئی رکاوٹ نہیں۔ یعنی ہجرت سے مدینے تک مدینے سے فتح مکہ تک فتح مکہ سے وصال تک وصال سے میدانِ محشر تک محشر سے شفاعت تک اور شفاعت سے جہنم کے اندر سے چھڑالانے تک یَغفِرَ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب سے آپ کے اگلے پچھلوں کے گناہ صغیرہ کبیرہ بخشتا ہے آگے مصنف مذکور لکھتا ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض حسن نیت اور للّٰہیت سے لکھا ہے خواہ اس سے کوئی خوش ہو یا ناخوش۔ میں کہتا ہوں حسن نیت نہیں بلکہ کور چشمی اور ظلمت قلبی جہالت عقلی سے اور للّٰہیت سے نہیں بلکہ ابلیست سے لکھا ہے۔ ہاں البتہ یہ فہرست ہم واضح کرتے ہیں کہ کون اس گستاخ ترجمے سے خوش ہوا ہے اور کون ناخوش۔ خوش ہوا ہے شیطن اور قرنِ شیطان۔ اور شیخ نجدی اور ناخوش ہوئے ہیں صحابہ کرام، اولیاءِ عظام، اور تمام عاشقانِ نبوّت اہلِ سنت اور اللہ ربّ العلمین وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

سائل کا دوسرا مسئلہ داڑھی شریف کے متعلق

یہ مسئلہ ہم نے نہایت اہتمام اور دلائل سے اپنے العطایا جلد دوم از ص۹۸ تا ص۱۱۶ پر لکھ دیا ہے وہاں مطالعہ فرمائیے۔ ہم نے اس فتوے میں گیارہ چیزیں با دلائل واضح اور ثابت کی ہیں (پہلی) یہ کہ مطلقاً داڑھی رکھنا ہر مرد مومن مسلمان پر فرض عین ہے۔ (دوم) یہ کہ چار انگلی کے برابر داڑھی رکھنا واجب ہے نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ قبضہ داڑھی حد شرعی ہے اگر ایک انگلی بھی کم کرے گا کوئی شخص تو وہ گنا ہگار اور فاسق مُعلِن ہوگا (سوم) یہ کہ تمام اُمت پر نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم پر بھی عمل کرنا واجب و لازم ہے اور ہر فعل شریف پر بھی۔ اور یہ دونوں باتیں قرآنِ مجید سے ثابت ہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ ترجمہ۔ اے مسلمانوں ہمارے رسول یعنی اپنے آقا محمد

پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ یہاں آپ کے احکام مراد ہیں۔ پھر رب تعالیٰ نے دوسری جگہ سورۂ آلِ عمران آیت ۳۱ میں ارشاد فرمایا۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ یہاں آپ کے اَفعالِ پاک مراد ہیں کیونکہ اطاعت حکم کی ہوتی اور اِتّباع فعل کی اور دونوں جگہ۔ رب تعالیٰ نے جمع مذکر امر کا صیغہ ارشاد فرمایا اور امرِ مطلق اپنے حقیقی معنیٰ میں یعنی وجوب کے لیے مستعمل ہوتا ہے ثابت ہوا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم بھی اُمّت پر فرض و واجب اور ہر فعل بھی (چہارم) قرآن مجید کی اِن آیتوں کے بعد ہم نے علمِ اصول کی کتاب توضیح تلویح کی عبارت سے بھی ثابت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل ہر قول پر عمل کرنا واجب ہے۔ مزید یہ کہ توضیح تلویح جلدِ دوم مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص۱۹ پر ہے فَصْلٌ فِیْ اَفْعَالِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ فَمِنْهَا مَا یُقْتَدٰی بِهٖ وَهُوَ مُبَاحٌ وَمُسْتَحَبٌّ وَوَاجِبٌ وَفَرْضٌ۔ وَغَیْرُ الْمُقْتَدٰی بِهٖ فَهُوَ اِمَّا مَخْصُوْصٌ بِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَوْ زِلَّةٌ۔ عبارتِ توضیح کی شرح میں تلویح نے فرمایا۔ قَوْلُهٗ وَاجِبٌ وَفَرْضٌ یَعْنِیْ اَنَّ فِعْلَهٗ بِالنِّسْبَةِ اِلَیْنَا یَتَّصِفُ بِذٰلِكَ۔ ترجمہ نبی کریم آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے افعالِ مقدسہ کی فصل۔ پس ان میں سے کچھ افعال وہ ہیں جن کی اِقتدیٰ کی جاتی ہے۔ اور وہ چار قسم کے ہیں ۱ مباح ۲ مستحب ۳ واجب ۴ فرض اور کچھ افعال وہ ہیں جن کی اقتدا نہیں کی جاتی۔ وہ دو قسم کے ہیں ۱ آپ کے خصوصی افعال ۲ آپ کے بھول چوک نسیان سے ادا ہو جانے والے اَفعال۔ تلویح نے اِس کی شرح فرمائی۔ کہ واجب اور فرض کا معنیٰ ہے اُمّت پر یعنی ہم پر یہ کام واجب و فرض ہیں کہ جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کریں اگر وہ خصوصی اور یا بھول سے نہ ہوں تو امت پر ۱ جائز حلال ہیں ۲ یا مستحب ۳ یا واجب ہیں ۴ یا فرض ہیں بلکہ ایک جگہ توضیح تلویح نے یہ بھی فرمایا کہ بہت جگہ قرآن کریم میں امر کو بھی فعل فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ جلد اوّل ص۲۴ پر ہے۔ لِاَنَّ فِعْلَهٗ اَمْرٌ حَقِیْقَةً وَكُلُّ اَمْرٍ لِلْاِیْجَابِ اِحْتَجُّوْا عَلَی الْاَصْلِ۔ وَهُوَ اَنَّ الْاَمْرَ حَقِیْقَةٌ فِی الْفِعْلِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ اَیْ فِعْلُهٗ) وَعَلَی الْفَرْعِ وَهُوَ اَنَّ فِعْلَهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ لِلْاِیْجَابِ۔ ترجمہ۔ اس لیے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل شریف حقیقت میں حکم ہی ہے اور ہر حکم (امت پر عملاً واجب ہے) وجوب کے لیے ہوتا ہے، اس اصلی قاعدے پر فقہاء نے دلیل بنائی اصلی قاعدہ یہ کہ امر حقیقتۃً کام کرنے میں ہی ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل فرمانا درحقیقتہٗ یہ بتاتا ہے کہ امتیو تم پر یہ واجب اسی لیے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (سورۃ احزاب آیت ۲۱) ترجمہ۔ البتہ بے شک تم تمام مومنین کے لیے رسول اللہ کے افعال میں اچھا نمونہ ہے۔ یعنی نبی کریم کے افعال ایسے ہیں۔ جیسے مدرسے کی کلاس میں (جماعت میں) استاد کے افعال۔ اگر استاد نہ کرے تو طلبا کو پتہ نہ لگے کہ کیا کرنا ہے اگر نبی اعمالِ عبادت نہ کریں تو امت کو پتہ نہ لگے کہ عبادت کس طرح کرنی ہے مدرسے استاد کا پڑھنا طلباء کیلئے ہے لہٰذا طلباء پر اس کی نقل واتباع واجب دیکھا میں نبی کریم علیہ السلام کے اعمال امت کے لیے ہیں اس لیے امت پر ان کی نقل واتباع واجب امر بمعنی فعل ہونے کی ایک دلیل یہ آیت ہے وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ۔ (سورۃ ھود آیت ۹۷) ترجمہ۔ اور فرعون کے کام اچھے نہ تھے (دیکھو) وَاعْفُوا اللُّحٰی۔ یعنی داڑھیوں کو بڑھاؤ (مسلم جلد اول) سے اور اس کے تواتر و کثرت اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرضیت داڑھی ثابت ہوتی ہے۔ یہ احادیثِ مبارکہ مجمل اس لیے ہیں کہ ان میں یہ حکم تو ہے ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ مگر بڑھانے کی حدبندی کا ذکر وتفصیل وضاحت بیان نہ فرمائی گئی (دیکھو) یہ کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی داڑھی مقدس چار انگل سے زائد کاٹ کر۔ اس اجمال کی تفصیل اور حدبندی فرمادی اور جو فعل شریف کسی اجمال کی تفصیل ہو۔ اس پر عمل کرنا بھی امت پر واجب ہے چنانچہ۔ توضیح تلویح جلد اول صـ۳۲۴ پر ہے فَاِنَّ الْاَصْلَ اَنَّهٗ اِذَا نُقِلَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فِعْلٌ فَاِنْ كَانَ سَهْوًا۔ اَوْ طَبْعًا۔ اَوْ خَاصًّا فَلَا اِيْجَابَ اِجْمَاعًا وَاِنْ كَانَ بَيَانًا لِمُجْمَلِ الْكِتَابِ يَجِبُ اِتِّبَاعُهٗ اِجْمَاعًا۔ ترجمہ خلاصہ یہ کہ بے شک جب منقول ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی کام کرنا۔ تو اگر وہ سہواً ہو یا عادتاً۔ یا خصوصیت والا تب وہ امت پر واجب نہ ہوگا یہ مسئلہ اجماعی

ہے اور اگر وہ کام کتاب کے کسی اجمالی حکم کو بیان اور واضح کرنے کے لیے ہو تو اُس کی اتباع امت پر واجب ہے یہ مسئلہ اجماعی ہے (ہفتم) یہ کہ صحابہ کرام نے جب نبی کریم آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی داڑھی شریف چار انگل سے زائد کاٹتے ہوئے دیکھا تو سمجھ لیا کہ یہ وَاعْفُوا اللحیٰ کے اجمالی حکم کی تشریح اور وضاحتی حد بندی ہے۔ اب کوئی مسلمان اس سے زائد بھی نہیں کاٹ سکتا اور اس سے کم بھی نہیں کاٹ سکتا اس فعل شریف اور عملِ مقدس کو دیکھ کر نہایت انضباط سے اپنی اپنی داڑھی شریف کو ناپ کر زائد کاٹ دی صحابہ کا یہ عمل اپنی مرضی سے نہ تھا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف کی وجوبی اتباع تھی اس نبیانی حد بندی نے بتایا کہ شرعی داڑھی صرف چار انگل لبی ہے اس سے کم بھی غیر شرعی اور زائد بھی غیر شرعی۔ تمام صحابہ، تابعین۔ تبع تابعین اور علما اولیا سے یہی عملی نمونہ ثابت ہے کبھی کسی بھی صحابی وغیرہ سے تین انگلی داڑھی ثابت نہیں۔ نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی جواز کے لیے کبھی ایسا عمل فرمایا (ہشتم) یہ کہ ہم نے وہاں فتاویٰ دوم میں ثابت کیا ہے کہ لفظ سُنّت پانچ معنیٰ میں مشترک ہے اور کسی عبادت کو مسنون کہنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ مسنون کا معنیٰ ہے عمل۔ جس میں فرض واجب اور سنت، نفل سب داخل ہیں۔ یہ ہم نے اس لیے واضح کیا ہے کہ عام طور پر شیطان صفت مصنفین اور گمراہ مسلمان لفظِ سنت کو معمولی سمجھ کر ترک کرتے کرانے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ یہ مصنف مذکور۔ نیز سنت کی دو قسمیں بھی ہیں ۱ سنت مؤکدہ جس کا دوسرا نام سنتِ ھُدای ہے اِس کا تارک گناہگار ہوتا ہے (از کتب فقہ وھدایہ جلد اول بابُ الامامت و نوافل ص۸۵ و ص۱۰۵) (نہم) یہ کہ انبیاء علیہم السلام کا ہر کام امت کو سکھانے سمجھانے بتانے اور عمل کرانے کے لیے ہوتا ہے کسی بدبخت کا یہ سمجھ لینا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی فعل ہے ہم پر واجب لازم نہیں اُس کی گمراہی ہے۔ یہی گمراہی مصنف مذکور نے پھیلائی (دھم) یہ کہ تمام شارحین تمام فقہا نے آقاءِ کائنات حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی قطعِ لحیہ کے عمل شریف سے استدلال کر کے فرمایا کہ اَللِّحْیَۃُ اِذَا کَانَتْ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَھُوَ وَمَا وَرَاءَ ذَالِکَ یَجِبُ

قَطْعُہٗ۔ فَکَذَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَاخُذُ مِنَ اللِّحْیَۃِ مِنْ طُوْلِھَا وَعَرْضِھَا۔ اَوْرَدَہٗ اَبُوْ عِیْسٰی یَعْنِی تِرْمَذِیْ۔ وَمُقْتَضَاہُ الْاِثْمُ بِتَرْکِہٖ (از فتاوی شامی جلد اوّل ص۱۵۵ اور شرح نہایہ) ترجمہ۔ داڑھی مبارک کی شرعی حد عملی سنّت کے مطابق ہے۔ اس سے زائد کاٹ دینا واجب ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی مقدس کو لمبائی چوڑائی سے کاٹ دیا کرتے تھے۔ اِس عمل شریف کا تقاضا ہے کہ نہ کاٹنا۔ اور داڑھی کو چھوڑ رکھنا گناہ ہے۔ ہم نے اِن تمام عبارات سے واضح کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف بھی اُمّت پر واجب ہے (گیارھویں) یہ کہ داڑھی کو مٹھی سے کم کرنا حرام ہے یعنی تین انگلی یا دو انگلی برابر رکھنا حرام ہے وَاعْفُوا اللُّحٰی کی سراسر مخالفت اور حکم عدولی ہے۔ اور زائد رکھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ عملی تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ اب ہم مصنف مذکور کے مضمون شرح ابو داؤد کی اغلاط کی نشاندہی کریں گے۔ ہمیں سائل کی طرف سے۔ تیئس صفحات کے فوٹو سیٹ وصول ہوئے جن میں ایک صفحہ جلد اوّل کا دیباچہ ص۲۰ اور باقی صفحات داڑھی سے متعلق۔ جلد سادس از ص۴۲۶ تا ص۴۵۳ ہے داڑھی کے متعلق مضمون ص۴۵۱ تک ہے۔ میں نے بغور اُن کا مطالعہ کیا مجھ کو اس میں دس قسم کی غلطیاں گمراہیاں نظر آئیں۔ ۱ مصنف مذکور میں علمی ۲ فکری ۳ تدبّر کی بے حد کمی ہے ۴ مصنف کی عقل بھی معدومیت کی حد تک کمزور ہے ۵ بہت سے حوالوں میں خیانت کی گئی ہے ۶ بعض جگہ بددیانتی کا مظاہرہ کیا گیا ۷ مصنف مذکور بہت جگہ خود اپنے پیش کردہ حوالوں کو نہ سمجھا ۸ بعض جگہ خود مصنف اپنی بات کے ہی خلاف چل پڑا ۹ مصنف مذکور کو کتب پر عبور نہیں یعنی مطالعہ اور معلومات بہت کم ہیں ۱۰ بعض جگہ مصنف نے جان بوجھ کر گستاخی رسالت کا اِرتکاب کیا۔ ان غلطیوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی بچہ کو قلم پکڑا دیا ہو نہ معلوم مصنف نے کس کے کہنے پر شرح لکھنے کی جسارت کی اور کتاب کے کاغذات کے علاوہ اپنے نامۂ اعمال کو

بھی سیاہ کر ڈالا۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کئی جگہ کذب بیانی سے بھی کام لیا ہے۔ واللہ اعلم۔ چنانچہ مصنف مذکورہ کی پہلی غلطی۔ دیباچہ کے صفحہ ن؟ پر لکھتا ہے میں نے لکھا تھا کہ نفس داڑھی رکھنا واجب اور قبضہ بھر داڑھی رکھنا واجب نہیں ہے کیونکہ وجوب کے ثبوت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ضروری ہے اور یہ آپ سے ثابت نہیں ہے۔

جواب۔ مصنف کی یہ دونوں باتیں (۱) قبضہ بھر داڑھی رکھنا واجب نہیں۔ (۲) وجوب کے ثبوت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ضروری ہے) غلط اور جاہلانہ ہے۔ غلط اس لیے کہ یہ کوئی قانون نہیں کہ وجوب کے لیے امر ضروری ہے فعل سے بھی وجوب ثابت ہو جاتا ہے مصنف کو علم پڑھنے میں محنت کرنی چاہئے تھی۔ جاہلانہ اس لیے کہ یہ بات خود مصنف کے اپنی عبارت اور حوالوں کے بھی خلاف ہے مصنف مذکور اسی عملِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لمبی داڑھی رکھنے کو گناہ اور قبضہ سے زائد کاٹنے کو واجب قرار دے رہا ہے۔ مصنف صرف چھوٹی داڑھی کی حمایت میں کسی رشوت خوری کی بنا پر یہ خود ساختہ قانون بنا کر تخریب کاری اور فسادفی الامت پیدا کر رہا ہے۔ یا پھر بقولِ شخصے جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا۔ مصنف کذب بیانی سے یادداشت قائم نہ رکھ سکا کہ یہاں تو لکھتا ہے وجوب کے لیے امر ضروری۔ اور جلدِ سادس میں لکھتا ہے کہ فعلِ نبی سے کاٹنا واجب ہے۔ غلطی نمبر ۲۔ اسی دیباچہ ص؟ پر لکھا ہے کہ جن لوگوں کے خیال میں قبضہ بھر داڑھی رکھنا واجب ہے ان پر لازم تھا کہ وہ یہ بیان کرتے کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ بھر داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے ہم مان لیتے اور بات ختم ہو جاتی۔ لیکن ان لوگوں نے ہم کو حسبِ عادت طعن تشنیع کی اور ہم پر تبرا۔

جواب۔ مصنف نے یہاں تین جھوٹ بول کر لعنتِ الٰہی کا استحقاق لیا (۱) ہم پر تبرا کیا۔ ہر باطل کا یہ وطیرہ ہے کہ ہار کھا کر بھی کہتا ہے کہ مخالف کے پاس دلیل نہیں صرف تبرا بازی ہے۔ مخالف کے دلائل بھی باطل کو تبرے نظر آتے ہیں مصنف کو چاہئے تھا کہ مخالف کا پورا بیان دیانت داری سے

شائع کرتا ۲ یہ کہنا کہ اُن پر لازم تھا (الخ) غلط ہے لازم نہ تھا کیونکہ یہ قانون ہی نہیں تو لازم کیوں تھا۔ کیا مصنف کے گھر کی شریعت ہے کہ جو اُس کے منہ سے نکل جائے وہ شریعت کا قانون بن جائے۔ مصنف پر لازم تھا اور ہے کہ قرآن و حدیث سے صراحتاً دکھائے کہ وجوب کے ثبوت کے لیے اَمرِ نبی ضروری ہے تب اِس کی یہ بات درست ہوتی ۳ مصنف کا یہ کہنا کہ ہم مان لیتے اور بات ختم ہو جاتی۔ یہ تحریر مصنف کا عیارانہ جھوٹ ہے۔ ہر باطل ضدی سے ضدی بھی اسی طرح کی چاپلوسی کرتا ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں۔ ضد بازی باطل کی جبلی عادت ہوتی ہے اور مصنف خود بھی اس میں آزمودہ ہے اتنا بھولا اور نیک سیرت نہیں جس طرح آسانی سے لکھ دی ہے۔ غلطی ۳ اسی صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض حسنِ نیت اور للٰہیت سے لکھا ہے۔۔

جواب (نعوذ باللہ) کیسا عجیب دعویٰ ہے۔ کہ دبے لفظوں میں نبی کریم پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ترین گستاخی بھی کی جا رہی آپ کو مُذنِب خطاکار گناہ گار اور خلافِ اَولیٰ کاموں کا مرتکب بھی کہا جا رہا ہے اِس کے باوجود پھر بھی حسنِ نیت اور للٰہیت کا تمغہ بھی سجایا جا رہا ہے ایسی للٰہیت کا اظہار تو سب سے پہلے ابلیس نے اُس وقت کیا تھا جب آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا کہ میں اللہ کو سجدہ کرنے والا ہوں۔ میں موحد ہوں۔ میں کیوں آدم کو کروں۔ یہ للٰہیت کے خلاف ہے۔ اُس کے بعد آج تک اِس قسم کی للٰہیت وہابی دیوبندی کرتے چلے آ رہے ہیں کہ نبوت کی گستاخی کا نام توحید رکھ دیا گیا۔ اور توہینِ رسالت ولایت کو للٰہیت کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہی راستہ اب مصنف مذکور نے اپنایا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اِن سب کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ غلطی ۴ مصنف لکھتا ہے۔ ہم نے جلد ثالث میں وہ احادیث بیان کر دیں جن میں صحابہ کرام نے آپ کے سامنے ذنب کی نسبت کی۔

جواب۔ سائل نے جلد ثالث کے اُن ورقوں کی فوٹوسٹیٹ ہمارے پاس نہیں بھیجی جن میں یہ احادیث مصنف نے لکھ دی ہیں ورنہ ہم ان کا بھی جواب دیتے اور مصنف مذکور کی کورمغزی و جہالت و ناسمجھی کو ظاہر کر دیتے۔ بہرکیف اگر

موقع ملا تو اس پوری شرح ابو داؤد کا تردیدی جواب شائع کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ تاکہ مسلمانوں کو اس زہر بلی شرح سے بچایا جائے۔ اگر مصنف واقعی ضدی نہیں ہے اور ہمارا سابقہ تجربہ اب غلط ہے۔ اور اپنی اس بات پر قائم کہ۔ ہم مان لیتے اور بات ختم ہو جاتی۔ تو آیئے ہم دکھاتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کاٹنے سنوارنے اور داڑھی کی حدبندی کرنے کا حکم دیا ہے اگرچہ وجوب کے ثبوت کے لیے یہ کوئی شرعی قانون نہیں۔ چنانچہ خود مصنف ہی اپنے اس مضمون کے ص۴۲۱ پر لکھتا ہے۔ اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنِ الْھَیْثَمِ عَنْ رَجُلٍ اَنَّ اَبَاقُحَافَۃَ۔ (الخ) یعنی مسند امام اعظم میں ہے کہ حضرت ابو قحافہ حاضر بارگاہ ہوئے تو آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی داڑھی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ کاش تم ان بالوں کو اطراف سے کم کر لو ۲۔ مصنف اسی مضمون کے ص۴۲۲ پر لکھتا ہے۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ (الخ) وَاَشَارَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی لِحْیَتِہٖ وَرَاْسِہٖ یَقُوْلُ خُذْ مِنْ لِحْیَتِکَ وَرَاْسِکَ (بیہقی شعب الایمان جلد پنجم ص۲۲۱ مطبوعہ بیروت) ترجمہ۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی داڑھی بڑھی ہوئی دیکھی تو فرمایا کہ اس کے بال کاٹ کر کم کرو۔ ان دونوں حدیثوں میں کاٹنے کا — اور چار انگلی چھوڑ کر کاٹنے کا حکم ہے اس سے کم کرنے اور چار انگلی سے زیادہ کاٹنے کی ممانعت اقتضاء النص سے ثابت اسی پر صحابہ کا عمل۔ اگر مصنف کو یہ اقتضاء کی دلیل تسلیم نہیں اور بقول اُس کے چار انگلی سے زیادہ کاٹنی جائز ہے تو ثابت کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یا کسی صحابی نے قبضہ سے کم داڑھی رکھی تھی۔ آخر صحابہ نے چار انگلی ناپ کر زائد داڑھی کو کاٹا کیوں! یہ کس سے سیکھا یا سنا یا کس کو ایسا کرتے دیکھا۔ یہ صحابہ کا دائمی عمل کس کی سنت پر عمل ہے۔ اس سنت پر لزوم کیوں کیا گیا۔ یہ لزوم ہی وجوب کو ثابت کر رہا ہے مصنف اس کا جواب دیں۔ اگر بقول مصنف چار انگلی سے زائد کاٹنا اور تین انگلی برابر داڑھی جائز ہوتا تو کبھی ایک مرتبہ ہی جواز ظاہر کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلی برابر داڑھی کرتے اور چار انگلی سے زائد کاٹتے

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو کام مکروہ تحریمی نہ ہو بلکہ جائز ہو تو اُس کو نبی کریم کبھی ایک مرتبہ ضرور ادا فرما لیتے تھے تاکہ تا قیامت امت کو اس کا جواز مل جائے۔ چنانچہ ہدایہ شریف جلد اوّل صلا باب النوافل طبع کراچی پر ہے۔ وَلَوْ کَانَ الْکُرَاھَۃُ لَزَادَ تَعْلِیْمًا لِلْجَوَازِ۔ ترجمہ۔ اگر رات کے نفل آٹھ رکعت سے زیادہ ملا کر ایک سلام سے پڑھنے مکروہ نہ ہوتے اور جائز ہوتے تو کبھی ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بھی ایک سلام سے۔ جمع کر کے پڑھتے امت کو جواز بتانے کے لیے اس سے پہلے صدایہ میں ہے۔ وَدَلِیْلُ الْکُرَاھَۃِ اَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یَزِدْ عَلٰی ذَالِکَ۔ ترجمہ۔ مکروہ تحریمہ ہونے کی دلیل امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس سے زیادہ رکعتیں ایک سلام سے نہ پڑھیں۔ یہ فعل نبی وجوب کو ثابت کر رہا ہے کیونکہ ترکِ دائمی سے کراھتِ تحریمی لازم آتی ہے اور تعلیمًا للجواز کے لفظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ کراھتِ تحریمی ہے نہ کہ تنزیہی۔ نیز مطلقًا کراھت سے تحریمی مراد ہوتی ہے۔ کما فِی فتاوٰی شامی وَفِی کُتُبِ اُصُوْلِ الْفِقْہِ۔ اسی قانونِ حنفی کے تحت ثابت ہوا کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک کی اتباع ہر امتی پر واجب ہے اور ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے جس طرح نوافل میں اسی عمل مبارک نے وجوب پیدا کیا بالکل اسی طرح داڑھی شریف میں اُخرِ لحیۃ کے عمل شریف نے وجوب پیدا کیا اور جس طرح رات کے نوافل میں ترکِ عمل مبارک اور عمل مقدس کی خلاف ورزی مکروہ تحریمی ہے اسی طرح داڑھی شریف میں عمل پاک کی مخالفت مکروہ تحریمی ہے کم از کم مصنف ہدایہ شریف کو ہی غور سے پڑھ لیتا تو یہ جہالت وگمراہی سرزد نہ ہوتی۔ پانچویں غلطی۔ مصنف مذکور جلد اوّل کے صہ پر لکھتا ہے نفس داڑھی رکھنا واجب ہے اور اپنی شرح مسلم کے ص۴۴۲ پر لکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا اُن کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لیے نہیں تھا اگر اُن کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لیے ہوتا اور داڑھی بڑھانا واجب ہوتا تو وہ صحابہ اپنی داڑھیوں کو ہرگز نہ کاٹتے۔ جواب۔ ہم مصنف مذکور سے پوچھتے ہیں کہ اگر داڑھی بڑھانے کا حکم یعنی وَاعْفُوا اللُّحٰی کا امر وجوب کے لیے نہیں

تو نفس داڑھی رکھنے کا وجوب کہاں سے ثابت ہوتا ہے کس آیت یا کس حدیث سے دوسرا سوال ہم یہ کرتے ہیں کہ صحابہ نے اپنی داڑھیاں اِس حکم کے باوجود کیوں کاٹیں اُن کو کیسے پتہ چلا کہ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں پھر سب صحابہ نے قبضہ بھر داڑھی کیوں کاٹی کم و بیش کیوں نہ کاٹی۔ کیا انہوں نے نبی کریم کو کاٹتے دیکھ کر کاٹی یا بغیر دیکھے اس کا ثبوت دیجئے اگر دیکھ کر اس طرح عمل کیا تو اِتباعِ اعمال ثابت ہوا اور فَاتَّبِعُوْنِیْ تو واجب لہٰذا ہر فعلِ عبادت پر عمل واجب ہوا۔ اور اگر بغیر دیکھے اپنی مرضی سے کاٹی تو وَاعْفُوا اللُّحٰی کی نافرمانی ثابت ہوئی کیونکہ مطلقاً اَمر وجوب کے لیے ہوتا ہے یہی اصولِ فقہ کا قانون ہے اور یہی تمام فقہا کا مسلک اسی بنا پر قبضہ سے زائد داڑھی کو کاٹنا واجب کہتے ہیں۔ اگر ان کا جواب مع دلائل مصنف نہ دے سکے تو ماننا پڑے گا جو ہم نے پہلے صراحت کی ہے وَاعْفُوا اللُّحٰی حکم وجوبی ہے مگر مجمل ہے جس کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی داڑھی مبارک چار انگلی سے زائد کو کاٹ کر وَاعْفُوا کی حد بیان فرما دی اور صحابہ نے سمجھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل شریف اجمال کی وضاحت اور اِعْفَاءُ اللُّحٰی کی حد بندی ہے اسی لیے صحابہ نے اس عمل کے مطابق عمل شروع کر دیا۔ نہ صحابہ نے اپنی مرضی سے داڑھی بڑھائی نہ اپنی مرضی سے قبضہ بھر چھوڑ کر کاٹی مصنف مذکور اگر مصری گمراہوں کی اِتباع کرتا ہے تو یہ اُس کی کاسہ لیسی ہے نہ کہ علم و تفکر۔ چھٹی غلطی۔ مصنف مذکور ص۴۲۸ سے ص۴۳۰ تک وہ احادیث درج کرتا ہے جو مشرکین کی داڑھیوں کے لیے بتایا گیا ہے چنانچہ پہلی حدیث پاک مجمع الزوائد جلد پنجم ص۱۶۶ سے نقل کرتا ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْلَ الشِّرْكِ يُعْفُوْنَ شَوَارِبَهُمْ وَ يُحْفُوْنَ لِحَاهُمْ فَخَالِفُوْهُمْ یہاں مصنف ترجمہ کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں بہت زیادہ کترواتے ہیں۔ سو تم ان کی مخالفت کرو۔ مصنف نے یہاں يُحْفُوْنَ کا ترجمہ کیا ہے بہت زیادہ کترواتے ہیں۔ یہ ترجمہ غلط ہے اور مصنف نے جان بوجھ کر اپنی مطلب برآری کے لیے یہ ترجمہ کیا ہے۔ اِحْفَاءٌ کا ترجمہ ہے کتروانا

یا کترنا ہے جس سے بات کرتے وقت ہوا میں نہ ہلیں۔ اس اعتبار تین انگلی بال بھی بولتے میں نہیں
ہلتے نہ اس سے کم ہاں البتہ چار انگلی بال بات کرتے میں ہلتے ہیں جس سے دیکھنے
والے کو پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ شخص کچھ پڑھ رہا ہے آقائے دو عالم حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک بھی اسی چار انگلی کی حد تک تھی اور پچھلی صف
کے صحابہ جان لیتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ پڑھ رہے ہیں جیسا کہ حدیث
پاک میں ہے کہ ایک صحابی نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں
اس وقت کچھ پڑھتے دیکھا تو دوسرے صحابی نے پوچھا کہ تم کو کیسے پتہ لگا تو پہلے
صحابی نے جواب میں کہا میں نے ڈاڑھی مبارک ہلتی دیکھی تھی اس حدیث پاک سے
صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ چار انگلی سے کم داڑھی رکھنا مشرکین کی نشانی ہے خواہ
تین انگلی ہو یا دو یا ایک۔ ہم اپنے مشاہدے کے مطابق کہتے ہیں کہ مشرکین
کی داڑھی چھ قسم کی ہے (۱) بالکل منڈی ہوئی یہ اکثریت ہے (۲) ایک انگلی (۳)
دو انگلی (۴) تین انگلی (۵) بہت ہی دراز (۶) کوچی اور بروش مارکہ کو صرف تھوڑی پر
ساتویں قسم صرف اسلامی داڑھی ہے۔ جس کی حد نبوی چار انگلی ہے نہ کم نہ زیادہ
چار انگلی سے کم اِحْفَاءُ اللِّحٰی ہے جس کو حدیث مبارکہ نے مشرکین کی نشانی فرمایا
مصنف مذکور نے اسی مضمون کے ص۴۲۹ پر مجمع الزوائد سے ایک حدیث نقل
کی جس کے الفاظ اس طرح ہیں عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم مَکَّۃَ (الٰی) قَالَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ عَمِلَ سُنَّۃَ غَیْرِنَا
ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے غیر کی سنت (طریقے)
پر عمل کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں (۱) کہ داڑھی
میں غیر مسلم کا طریقہ اختیار کرنا بہت سخت گناہ ہے اس پر لیس منا کی وعید ہے
دوم یہ کہ چار انگلی سے کم داڑھی بھی غیر کی سنت ہے کیونکہ اِحْفَاءِ لحی ہے۔ مگر
مصنف مذکور احفا کا غلط ترجمہ کر کے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ایک انگلی برابر
داڑھی کترنا ہے۔ یہ مصنف کی اپنی اختراع اور بناوٹ ہے۔ احادیث میں
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عمل سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ چار
انگلی سے کم رکھنا مشرکین کی علامت اور احفا ہے۔ اور یحفون لحاھم سے

یعنی انگلی تک داڑھی کاٹنا مراد ہے۔ ہاں اگر اسی کو بہت زیادہ کتروانا کہا جائے تو درست ہے یعنی چار انگلی سے زیادہ کاٹنا اِحفا ہے اور مشرکین کی نشانی ہے تو یہ ترجمہ درست ہے مگر مصنف کا یہ ارادہ نہیں جیسا کہ اگلی عبارت سے ظاہر ہے۔ ساتویں غلطی۔ مصنف مذکور صفحہ ۴۲۱ سے صفحہ ۴۲۲ تک جو احادیث نقل کرتا ہے۔ اُن تمام سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے بہت احتیاط سے ناپ کر چار انگلی داڑھی سے زائد بال کاٹ دئے یہی آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کیا گیا ہے۔

جواب۔ لیکن مصنف مذکور آگے چل کر صحابہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ابدی مواظبی عمل مبارک کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ اُن کا (معاذ اللہ) ذاتی عمل تھا۔ اس لیے ہم پر نہ واجب ہے نہ سنتِ مؤکدہ ہے د آٹھویں غلطی۔ اسی طرح مصنف مذکور صفحہ ۴۲۴ سے صفحہ ۴۳۹ تک ائمۂ اربعہ کا مسلک لکھتا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۴۲۴ پر امام شافعی کا مسلک یہی یہ لکھا ہے کہ داڑھی ایک قبضہ یعنی ایک مشت (چار انگلی برابر) سے زائد کاٹ دینے میں حرج نہیں یعنی گناہ نہیں۔ اس سے قولاً اشارۃً ثابت ہوتا ہے کہ چار انگل سے کم داڑھی رکھنا گناہ اور حرج ہے چار انگلی برابر بال کاٹنا گناہ ہے۔ اس سے زائد ہوں تو کاٹنا جائز صفحہ ۴۲۵ امام مالک کا مسلک لکھا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ علامہ دشتانی اَبی مالکی لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے۔ کہ لمبی داڑھی رکھنا بھی اسی طرح مکروہ ہے جس طرح داڑھی کٹوانا مکروہ ہے۔ (الخ) بعض متقدمین نے داڑھی کم کرنے کی کوئی حد مقرر نہیں کی اور یہ کہا ہے کہ داڑھی کو حدِ تمسخر تک نہ چھوڑا جائے اور بعض علما نے قبضہ کو حد مقرر کیا ہے۔

جواب۔ یہاں مصنف مذکور یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ فقہاءِ مالکیہ کے نزدیک بعض نے داڑھی کم کرنے کی کوئی حد مقرر نہیں کی خواہ کوئی انگلی داڑھی رکھے یا دو یا تین یا چار۔ گویا کہ عملِ نبوت وعملِ صحابہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا مصنف نے اس عبارت کی نہ کوئی عربی لکھی نہ حوالہ دیا۔ نامعلوم کیا کیا خیانتیں کی ہیں۔ مگر یہی عبارت بھی تمام فقہاءِ مالکیہ کی حد بندی کو ثابت کر رہی ہے صرف

مصنف کی عقل میں یہ بات سمجھ نہیں آئی یہ مصنف کی ذاتی بدعقلی ہے۔ فرق یہ ہے کہ بعض نے اجمالاً داڑھی کی حد بیان کر دی بعض نے پیمائش۔ اور بعض نے زمانہ۔ پہلے گروہ نے فرمایا کہ داڑھی کو حدِ تمسخر تک نہ چھوڑا جائے۔ یہی حد بندی ہے یعنی چار انگل تک داڑھی چھوڑنا حدِ تمسخر نہیں کیونکہ یہ عمل صحابہ اور طریقۂ نبوی کے مواظبت کے مطابق اس کو تمسخر کہنے والا تو کافر ہو جائے گا۔ تمسخر یا اس سے کم میں ہو گا یا زیادہ میں تو فقہاءِ مالکیہ کا یہ پہلا گروہ کہنا چاہتا ہے کہ حدِ تمسخر تک داڑھی نہ چھوڑنی بلکہ حدِ شرعی یعنی حدِ نبوی قائم رکھنی واجب ہے اور وہ صرف اور صرف قبضہ بھر داڑھی ہے نہ کم نہ زیادہ۔ نہ ایک دو تین انگلی برابر نہ پانچ چھ سات انگل وہ کم بھی تمسخر اور مذاق اور یہ زیادہ بھی مذاق۔ دوسرا گروہ تبیانی طور پہ حد بندی کی وضاحت کر رہا ہے کہ قبضہ بھر داڑھی ہی شرعی اسلامی داڑھی ہے چار انگلی سے کم داڑھی بھی غیر اسلامی ہے اور زیادہ بھی۔ فقہاءِ مالکیہ کا تیسرا گروہ بھی یہی فرما رہا ہے کہ داڑھی شرعی اسلامی حد تو یہی قبضہ بھر ہے مگر یہ عمرے اور حج کی تیاری کے وقت کرائے۔ اور عمرہ تو سارا سال ہوتا ہے۔ لہٰذا سارا سال یہ داڑھی کو کاٹ کر کم کر سکتا ہے البتہ لمبائی میں اگر تاخیر ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن چار سے کم ہرگز نہ ہونی چاہیئے یہ ان تینوں گروہ کے اندازِ بیان کا اختلاف ہے نہ کہ اصل مسئلے کا۔ اور پھر فقہا کی یہ جرأت کہاں کہ عملِ نبوت کے خلاف اپنا مسلک بنالیں یہ تو اس زمانے کے شیطان صفت علامّوں مصنفوں شارحوں باطلوں کی جرأتِ ضلالت پیدا ہو گئی ہے اللہ تعالیٰ ان زہریلی کتابوں سے مسلمانوں کو بچائے۔ مصنف مذکور ص۲۳۶ پر لکھتا ہے۔ کہ داڑھی کی مقدار حنبلی فقہا کے نزدیک۔ چنانچہ۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی حنبلی کی کتاب الفقہ اسلامی جلد اول ص۳۰۰ کے حوالے سے لکھا ہے۔ وَقَدْ حَرَّمَ الْمَالِكِيَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ حَلْقَهَا وَلَا يُكْرَهُ مَا زَادَ عَلَى الْقُبْضَةِ وَلَا أَخْذُ مَا تَحْتَ حَلْقِهِ لِفِعْلِ ابْنِ عُمَرَ۔ ترجمہ۔ مالکی حنبلی فقہا کے نزدیک داڑھی منڈانا حرام ہے لیکن قبضہ سے زائد جو بال ہوں ان کا کاٹنا مکروہ نہیں۔ یعنی قبضہ برابر بال کاٹنے مکروہ ہیں۔

جواب۔ کتنی واضح اور صاف عبارت ہے کہ چار انگل سے زیادہ بال کاٹنے

مکروہ نہیں۔ تو پھر مکروہ کیا ہے؟ یہی کہ اگر چار انگلی برابر داڑھی ہو جائے تو کاٹنا مکروہ ہے ثابت ہوا کہ چار انگلی سے کم یعنی تین انگلی داڑھی مکروہ ہے مگر بے چارے مصنف مذکور کو یہ باریکیاں سمجھ نہیں آئیں۔ اسی ص۴۳۶ پر حنفی مسلک بیان کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی کی کتاب بنایہ جلد اول ص۱۲۴ و ص۱۱۴۵ کا حوالہ دیتے ہوئے دراز عبارت لکھتے ہیں خلاصہ یہی ہے کہ عملِ صحابہ کے مطابق داڑھی کی شرعی حد قبضہ بھر ہے۔ کسی صحابی سے قبضہ سے کم رکھنا ثابت نہیں اگر ذرہ بھر بھی کوئی حوالہ ملتا تو یہ مصنف اُچھل کر لکھتا۔ اور ہم نے پہلے بتا دیا کہ صحابہ کا عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اُن کے اسی عمل کی اتباع میں تھا۔ اگر کوئی بدرالدین عینی یہ کہے کہ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث اِس پر دلالت نہیں کرتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کو قبضہ کے بعد کاٹتے تھے۔ تو عینی کی یہ بیہودہ بات اُن کا ذاتی تصور ہوگا۔ بہر کیف عملِ صحابہ زیادہ معتبر ہے عینی کی بات دیوار پر ماری جائے گی۔ مصنف مذکور ص۴۳۷ پر علامہ زبیدی حنفی کے حوالے سے لکھتا ہے اُس میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ داڑھی کی درازی میں شرعی حد کوئی نہیں خواہ کوئی ایک انگلی رکھے یا تین یا چار۔ ہم زبیدی کی عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کریں گے کیونکہ علامہ زبیدی خود فاسق و فاجر شخص تھا پہلے اُس کی چار انگلی داڑھی ہوتی تھی پھر کم کرتے کرتے ایک انگلی رکھی پھر آخری عمر میں داڑھی منڈاتا تھا اور بھی بہت سی گمراہیاں اُس نے مصری قوم میں پھیلائیں بلکہ مصر کے جامع ازہر کو اسلام سے دور حکومت سے قریب کرنے والا یہی شخص تھا۔ مصر کے نوخیز ائمہ خطبا اسی کی تعلیم سے داڑھیاں منڈانے لگے ہیں۔ مصر کی بے راہ روی آزاد خیالی بھی اسی کی کتابوں کا زہر ہے۔ اِس کا خود کو حنفی لکھنا ایسا ہی جھوٹ ہے جیسا کہ ابنِ تیمیہ کا خود ساختہ حنبلی ہونا۔

غلطی نمبر ۹ اسی ص۴۳۷ پر مصنف مذکور علامہ زبیدی کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ جمہور ائمہ کے نزدیک داڑھی بڑھانا اَولیٰ ہے جس کا تقاضا ہے کہ داڑھی کاٹ کر کم کرنا خلافِ اَولیٰ ہے حرام نہیں ہے۔

جواب۔ یہ تصریح اور یہ تقاضا تم جیسے فاسقین کی عقل کا ہے نہ جمہور سے

یہ ثابت نہ عمل صحابہ سے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود مصنف کی پیش کردہ عبارتوں سے ثابت ہو گیا کہ جمہور کے نزدیک حدِ شرعی قبضہ ہے۔ کہیں سے اس سے کم داڑھی کی عملی یا قولی صراحت نہیں ملتی۔ (دسویں غلطی) مصنف مذکور ص۴۳۸ پر ملا علی قاری کے حوالے سے لکھتا ہے۔ کہ واجب کا معنیٰ ہے مناسب یا واجب کا معنی ہے سنتِ مؤکدہ۔ ورنہ قبضہ سے زائد داڑھی کاٹنے کو مطلقاً واجب کہنا صحیح نہیں ہے (از مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ہشتم ص۲۹۸)

جواب۔ یہ عبارت مصنف کو مفید نہیں قبضہ سے زائد بڑھتے ہوئے بالوں کو کاٹنا واجب ہے یا نہیں اس میں تنازع نہیں۔ تنازع تو اس میں ہے کہ قبضہ سے کم داڑھی رکھنا جائز ہے یا ناجائز۔ عملِ صحابہ اور سنتِ موکدہ سے تو تین انگلی داڑھی ناجائز ثابت ہے۔ تم کوئی جواز کا صریح حوالہ دکھاؤ۔ لفظوں کو توڑ موڑ کر کے واجب کا معنیٰ مناسب کرنا یہ تو پھر آگے بھی جرأت پیدا کر سکتا ہے اس طرح تو کوئی واجب نہ رہے گا۔ نہ کوئی فرض۔ جہاں دل چاہا توڑ موڑ کر لیا گیارھویں غلطی۔ مصنف ص۴۳۹ پر لکھتا ہے کہ بعض متاخرین علما نے قبضہ کو واجب کہا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے سب سے پہلے قبضہ کو واجب لکھا لیکن یہ شیخ محقق کی انفرادی رائے ہے ص۴۲۹ پر محدث دہلوی کی گستاخی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ شیخ محقق عبدالحق دہلوی بشر اور انسان تھے نبی اور رسول نہ تھے۔ ان کی رائے میں خطا ہو سکتی ہے نیز ان کو ایک محدث کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے اُن کو فقیہ نہیں مانا گیا۔

جواب۔ جاہل کو یہ پتہ نہیں کہ کسی چیز میں شہرت ہونا دوسری لیاقتوں قابلیتوں کی نفی نہیں کرتا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اُن ہستیوں شخصیتوں میں سے تھے جو بیک وقت محدث مفسر محقق مفتی شارح اور فقیہ تھے آج تک آپ کے اقوال و عبارات پر فتاویٰ جاری کئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ اعلیٰحضرت بریلوی اگرچہ تفسیر ترجمہ اور فتاویٰ میں مشہور ہوئے مگر علمی لیاقت کو دیکھا تو امام احمد رضا حدیث میں امام ترمذی کا مقام رکھتے تھے فلسفہ میں اگر امام رازی کے ساتھیوں میں تھے تو منطق میں امام غزالی تھے۔ اور نعت گوئی میں حسانِ وقت تھے

یہی کیفیات ہمارے دیگر بزرگوں کی ہے بے چارہ علم سے کورہ تحقیق سے عاری تدبر سے خالی اگر کوئی بستر پر بیٹھے بیٹھے قلم لے کر محقق دوران محدث دہلوی کے خلاف ہنمنا نا شروع کر دے تو اُس کی کیا حیثیت ہے۔ بارہویں غلطی ص۲۱۴ پر فتاوی فتح القدیر جلد دوم ص۲۷ کی عبارت لکھتا ہے۔ وَاَمَّا الْاَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُوْنَ ذَالِكَ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ اَحَدٌ۔ مصنف فتاوی کے سیاق وسباق سے آنکھیں بند کرکے جاہلانہ ترجمہ کرتا ہے کہ۔ اور اس (یعنی داڑھی کے اکثر حصے) سے مزید داڑھی کم کرنا جیسا کہ بعض مغاربہ اور ہیجڑے کرتے ہیں اس کو کسی نے مباح نہیں کہا
جواب۔ یہاں مصنف نے منھا کی ضمیر ھا کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ اس کا مرجع داڑھی کا اکثر حصہ نہیں نہ فتاوی میں کہیں یہ مرجع مذکور ہے۔ بلکہ درست ترجمہ یہ ہے کہ اور لیکن اِس داڑھی سے بال کاٹنا کہ قبضہ سے کم ہو جائے جیسا کہ بعض انگریز (چھوٹی چھوٹی داڑھی رکھتے ہوئے) کرتے ہیں یا مرد ہیجڑے (سب داڑھی منڈاتے ہوئے) کرتے ہیں اس کام کو کسی نے حلال نہ فرمایا۔ یہ دونوں عبارتیں یعنی محدث دہلویؒ اور علامہ ابن ھمام کی عبارتیں۔ چار انگل داڑھی کے وجوب پر اور چار سے کم کرنے کی حرمت دنا جائز ہونے پر اتنی واضح ثبوت کی دلیلیں ہیں کہ مصنف ان سے بھاگ نہیں سکا۔ لہٰذا اپنے شیطانی ابلیسی باطل نظرئے کو بچانے کے لیے تین طرح کی تخریب کاری کرتا ہے ۱۔ لکھتا ہے کہ۔ یہ ٹھیک ہے کہ کسی نے اس کو مباح نہیں کہا۔ لیکن کسی نے قبضہ سے کم داڑھی کاٹنے کو حرام یا مکروہ تحریمی بھی تو نہ کہا۔

جواب۔ کیا ڈھٹائی اور ضد بندی ہے کہ اتنی صاف عبارت کے ہوتے ہوئے جس میں صاف کہا گیا ہے کہ قبضہ برابر داڑھی رکھنا واجب ہے اس سے زیادہ کاٹنے اور چھوٹی داڑھی رکھنے کو لَمْ يُبِحْهُ اَحَدٌ کسی نے مباح
کا معنیٰ ہے حلال اور جائز۔ کتب فقہ میں اس معنیٰ کے بے شمار حوالے ہیں مثلاً حاجی کو شکار مباح نہیں جب کہ احرام میں ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسی ضدی ذہنیت والا تو اگر ہم نے کل اِس کی عبارت بھی دکھا دی تو کہدے گا

کہ یہ اُس کی انفرادی رائے ہے یا کہہ دے گا کہ یہ ہمارے لیے نہیں کیونکہ اس میں ہمارا نام نہیں جس طرح کہ ایک بار ہم نے حرمتِ سیاہ خضاب کا فتویٰ لکھا تو ایک اسی قسم کے ضدی ذھنیت والے خطیب نے صرف یہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا کہ اس میں میرا نام نہیں یہ فتویٰ میرے لیے نہیں ہے اگلی عبارت میں مصنف مذکور عوام کو دھوکہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ قبضہ داڑھی اس لیے واجب نہیں ہے کہ علامہ ابن ھمام نے بھی اور دیگر کئی فقہاء نے اِس کو مسنون لکھا ہے۔ اس پر مصنف مذکور نے اگلی سطور میں از ص۲۲۴ تا ص۲۲۵۔ بارہ حوالے پیش کئے ہیں ۱؎ فتاویٰ فتح القدیر جلد دوم ص۲۷۰ وَھُوَ اَیِ الْقَدْرُ الْمَسْنُوْنُ فِی اللِّحْیَۃِ اَلْقُبْضَۃُ ۲؎ ھدایہ اوّلین ص۲۰۱ اِذَا کَانَتْ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ ۳؎ علامہ عینی۔ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَھُوَ الْقُبْضَۃُ ۴؎ فتاویٰ بحرالرائق جلد دوم ص۲۸ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَھُوَ الْقُبْضَۃُ ۵؎ علامہ عثمان بن زیلعی بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَھُوَ الْقُبْضَۃُ ۶؎ حاشیہ دُرر والغرر جلد اوّل ص۲۰۸ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَھُوَ الْقُبْضَۃُ ۷؎ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ہشتم ص۲۹۱ مِقْدَارُ قُبْضَۃٍ عَلٰی مَاھُوَ السُّنَّۃُ وَالْاِعْتِدَالُ الْمُتَعَارَفُ ۸؎ دُرِّ مختار جلد دوم ص۱۵۵ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَھُوَ الْقُبْضَۃُ ۹؎ فتاویٰ شامی جلد پنجم ص۳۵۹ وَالسُّنَّۃُ اَنْ یَّقْطَعَ مَا زَادَ عَلٰی قُبْضَۃِ یَدِہٖ۔ یَقْبِضُ الرَّجُلُ لِحْیَتَہٗ مِمَّا زَادَ عَلٰی قُبْضَۃٍ قَطَعَہٗ ۱۰؎ حاشیہ طحطاوی ص۳۱۶ اَنَّ السُّنَّۃَ اَنْ یَّقْطَعَ مَا زَادَ عَلٰی قُبْضَۃِ یَدِہٖ ۔ ۱۱؎ فتاویٰ عالمگیری وَالْقَصُّ سُنَّۃٌ فِیْھَا۔ وَھُوَ اَنْ یَّقْبِضَ الرَّجُلُ لِحْیَتَہٗ فَاِنْ زَادَ مِنْھَا عَلٰی قُبْضَۃٍ قَطَعَہٗ ۱۲؎ ملا علی قاری شرح مسند امام اعظم ص۲۱۰ وَتَرْکُہُمْ قَدْرَ الْمُسْتَحَبِّ۔

جواب۔ نامعلوم کس کم بخت نے اس مصنف کو ایسی غلط شرح مسلم لکھنے کو کہا اِس بے چارے کو مسنون اور سنت فرض واجب کا فرق نہیں معلوم۔ اتنی کم علمی میں قلم پکڑ لینا گمراہی اور تباہی نہیں تو اور کیا ہوگی۔ خیال

خیال رہے کہ اصطلاحِ فقہا میں مسنون کا معنیٰ ہے اَلْمَسْنُوْنُ مَا یُثْبَتُ مِنَ السُّنَّةِ ۔ یعنی ہر وہ چیز جو سنت سے ثابت کی جائے وہ مسنون ہے خواہ حکماً فرض ہو یا واجب یا مستحب فقہا کا یہ معنیٰ ماخوذ ہے احادیث مبارکہ سے چنانچہ مشکوٰۃ شریف بحوالہ ابن ماجہ ص۱۱۹ پر ہے وَعَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَالْوِتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ دائمہ طریقۃ مسنونۃ لا تترک ۔ لمعات شرح مشکوٰۃ) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه ۔ ترجمہ ۔ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ سنت سے حکم فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ سفر میں دو رکعت فرض ہیں اور وتر سفر میں بھی اسی طرح پر قائم ہیں جس طرح حضر میں ۔ یہاں سَنَّ اور سنۃ کا معنیٰ طریقہ اور سنّت سے ثابت ہونا ہے نہ کہ حکمی سنّت ۔ یعنی حدیث فرمودات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتاً سنت کا معنیٰ حدیث نبی ہے چنانچہ مقدمہ دارمی میں ہے ۔ كَانَ جِبْرِيْلُ يَنْزِلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالسُّنَّةِ كَمَا يَنْزِلُ عَلَيْهِ بِالْقُرْاٰنِ ۔ ترجمہ ۔ حضرت جبرئیل احادیث لے کر بھی نازل ہوئے جیسے آیات قرآن لے کر ۔ مجمع البحار جلد دوم ص۱۴۵ پر ہے ۔ اَلسُّنَّةُ فِي الْاَصْلِ الطَّرِيْقَةُ وَالسِّيْرَةُ وَفِي الشَّرْعِ يُرَادُ بِهَا مَا اَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَهٰى عَنْهُ وَنَدَبَ اِلَيْهِ قَوْلًا وَفِعْلًا مِمَّا لَمْ يَاْتِ بِهِ الْكِتَابُ ۔ ترجمہ ۔ لغت میں سنت کا معنیٰ طریقت وسیرت ہے شریعت میں نبی کریم کے ہر حکم اور نہی کا نام سنت ہے قولی ہو یا فعلی (یعنی حدیث کے ہر فرض واجب مستحب کا نام سنّت ہے) سنّت کا طریقہ ۔ نہ کہ حکماً سنت ۔ اسی معنیٰ کے اعتبار سے مسنون کی گیارہ قسمیں کی جاتی ہیں (پہلی مسنون فرضی ۔ جیسے ارشادِ نبوی صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ ۔ یعنی نماز اس طریقے سے پڑھو جس طرح مجھ کو پڑھتے دیکھو میرے افعال کی اتباع کرو اسی حدیث سے علماءِ اصول فقہ فرماتے ہیں نبی کریم کی اتباع فرض واجب ہے (از توضیح تلویح جلد اوّل ص۳۰۱) اس کو مسنونِ فرضی کہا گیا ہے ۔ دوم مسنون واجبی ۔ مثلاً ارشادِ نبوی ہے ۔ لَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ ۔ یعنی اقامت

سنتے ہی جماعت کے لیے نہ کھڑے ہو جایا کرو۔ جب تک مجھ کو نہ دیکھ لو (از مشکوٰۃ رواہ مسلم)، سوم مسنونِ مباح چہارم مسنونِ سنت مؤکدہ پنجم مسنون سنتِ غیر مؤکدہ۔ ششم مسنونِ نفلی۔ ہفتم مسنونِ خصوصی مثلاً قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے خالصۃً لک۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال خصوصی جیسے نمازِ تہجد کی فرضیت اور صوم وصال وغیرہ۔ ہشتم مسنونِ عارضی۔ مثلاً نماز میں ایک دفعہ جوتی اتارنا نہم مسنونِ نسیانی۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول کر کوئی کام کر دیا۔ دہم مسنونِ عادت جو عادت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعمال فرمائے یازدہم مسنونِ عبادت جو کام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبادت کے طریقے پر کئے ان کو سنتِ ہدیٰ بھی کہتے ہیں ان تمام کو مسنون اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہوتے ہیں اور آپ کے طریقے کا منقول شرعی نام سنت ہے اس لیے اس طریقے کو مسنون کہتے ہیں یہ مسنون اعمال حکماً صرف سنت ہونے کے درجے میں نہیں ہوتے بلکہ یہ مسنون واجب بھی فرض بھی نفل بھی سنتِ مؤکد۔ بھی غیر مؤکدہ بھی مستحب بھی نفل بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا مسنون کہہ دینے سے اس سے عمل کا حکمی سنت ہونا شرط نہیں۔ جیسا کہ مصنف نے اپنی نادانی سے سمجھ لیا۔ فقہاءِ کرام کے نزدیک حکمی سنت صرف دو قسم کی ہے (۱) سنت مؤکدہ (۲) سنت غیر مؤکدہ۔ مسنون اور حکمی سنت کو بیان کرنے میں فقہا نے تین طرح فرق کیا ہے ایک یہ کہ اس کے لیے مسنون کا لفظ بولیں دوم یہ کہ اس کے لیے مقدار بتائیں یا طریقہ نحوی کا ذکر کریں۔ جیسا کہ مصنف کے پیش کردہ حوالوں میں سے سات جگہ قدرِ مسنون کا لفظ ہے۔ اور ایک جگہ مقدارُ قُبْضَۃٍ عَلٰی مَا ھُوَ السُّنَّۃُ کا لفظ ہے۔ ایک جگہ وَالسُّنَّۃُ فِیْھَا کا لفظ اور ساتھ ہی طریقۂ نحوی بتایا جا رہا ہے اور ایک جگہ اَنَّ السُّنَّۃَ اَنْ یُّقْطَعَ۔ کا لفظ ہے اور ایک جگہ وَالْقَصُّ سُنَّۃٌ کا لفظ ہے۔ یعنی ان تمام حوالوں میں کہیں بھی داڑھی چار انگل برابر کو حکمی سنت نہ فرمایا گیا۔ نہ سنتِ مؤکدہ نہ سنتِ غیر مؤکدہ اگر یہ قبضہ بھر داڑھی حکمی سنت ہوتی تو یا اس کو سنتِ مؤکدہ کہا جاتا یا غیر مؤکدہ ثابت ہوا کہ یہاں مسنون اور سنت سے مراد طریقہ ہے۔ لیکن یہ طریقہ حکماً واجب ہے یا فرض یا سنتِ حکمی اس کا یہاں ذکر نہیں نہ یہ ذکر ہے کہ

چار انگل سے کم داڑھی رکھنا جائز ہے۔ بلکہ علامہ ہمام کی پوری عبارت کا معنیٰ یہ ہے کہ داڑھی کاٹنے کا طریقہ تو مسنون ہے مگر کاٹنا واجب ہے اور قبضہ بھر رکھنا لازم ہے کم رکھنا لَمْ يُبِحْهُ اَحَدٌ کسی نے اس کو حلال نہ جانا۔ اگر ہماری یہ تشریح نہ مانی جائے تو خود مصنف کے بھی خلاف مصیبت بن جائے گی۔ مصنف کے ان حوالوں میں ص۹ و ص۱۰ و ص۱۱ شامی۔ طحطاوی۔ اور عالمگیری میں ہے کہ قبضہ سے زیادہ بڑھے ہوئے بالوں کو کاٹنا سنّت ہے حالانکہ یہی مصنف پہلے حوالے لکھ چکا ہے کہ زائد بالوں کو کاٹنا واجب ہے۔ مصنف تو پھنس گیا کسی طرح مطابقت نہیں کرسکتا مگر ہماری اس تشریح نے بحمدہٖ تعالیٰ شاندار مطابقت کردی کہ دونوں حوالے اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ کاٹنا حکماً تو واجب ہے۔ مگر کاٹنے کا طریقہ اور حد بندی سنّتِ نبوی سے ثابت ہے اور جب یہ حد بندی ثابت تو کم داڑھی لَمْ يُبِحْهُ اَحَدٌ کسی کے نزدیک حلال اور جائز نہیں۔ یہ تو لفظ مسنون کا معنیٰ ہے لیکن جب فقہاءِ کرام کسی کام کو حکمی سنت کہیں گے تو اُس کی طرزِ بیانی اس طرح ہوگی کہ هٰذَا الْعَمَلُ وَاجِبٌ اَوْ سُنَّةٌ یا فرمایا جائے گا هٰذَا الْعَمَلُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ اَوْ غَيْرُ مُؤَكَّدَةٍ۔ جیسا کہ خود مصنف نے ص۲۴ پر لکھا ہے کہ۔ وَاشْتَبَهَ الْمَذْهَبُ فِيْ صَلٰوةِ الْعِيْدِ اَنَّهَا وَاجِبَةٌ اَمْ سُنَّةٌ۔ یا جیسا کہ ہدایہ میں ہے اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ

تیرھویں غلطی ص۴۲ پر مصنف نے واجب کی تعریف لکھی ہے مگر سنت مؤکدہ کی تعریف چھوڑ دی۔ حالانکہ سنتِ مؤکدہ کے ترک پر بھی اُخروی عذاب کے استحقاق کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ ہدایہ اوّلین ص۸۳ پر ہے۔ اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْجَمَاعَةُ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى۔ اس کے حاشیہ ص۱۸ میں۔ قَوْلُهٗ مُؤَكَّدَةٌ اَيْ يُشْبِهُ الْوَاجِبَ فِي الْقُوَّةِ۔ اور حاشیہ ۳ میں ہے قَوْلُهٗ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى اَلْمُرَادُ بِالسُّنَنِ الْهُدٰى مَا وَاظَبَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَرِيْقِ الْعِبَادَةِ۔ اور حاشیہ ۱۲ میں ہے۔ قَوْلُهٗ الْهُدٰى اَلسُّنَنُ الَّتِيْ اَخْذُهَا هُدًى وَتَرْكُهَا ضَلَالَةٌ۔ ترجمہ۔ جماعت نماز

سنتِ مؤکدہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنن ھُدیٰ میں شامل فرمایا۔ حاشیہ ۳۵ مؤکدہ کا معنیٰ ہے قوت میں واجب کے مشابہ۔ حاشیہ ۳۵ سنن ھدیٰ وہ کام ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے انداز میں ہمیشہ کیا ہو حاشیہ ۳۶ اس کو ھُدیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فعلوں پر ہر امتی کو عمل کرنا ہدایت ہے اور چھوڑنا گمراہی ہے لہٰذا اگر مصنف داڑھی کو قبضہ بھر سنتِ مؤکدہ مانے تب بھی اس کا ترک ضلالت گمراہی ہے اور چار انگل سے کم داڑھی گمراہی وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ (الحدیث)

دچودھویں غلطی۔ ص۱۴۲ پر وجوب کو ثابت کرنے کے پانچ طریقے لکھے ہیں جن میں ۵ یہ ہے کہ جس کام کے ترک پر وعید ہو۔

جواب سنتِ مؤکدہ کے ترک پر بھی وعید ہے۔ جیسا کہ ہم نے ہدایہ سے ثابت کیا۔ ۵ پانچ میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کو صیغہ علیٰ کے ساتھ مقیّد کر کے بیان کیا ہو۔ جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ۔ یعنی واجب ہے تم پر میرے افعال کی اتباع کرنا۔ اور خلفاءِ راشدین کے افعال پر عمل کرنا از مشکوٰۃ شریف ص۳۰ فصل ثانی رَوَاہُ ترمذی بقول مصنف اس حدیث پاک میں علیٰ کے ساتھ مقیّد کر کے بیان فرمایا گیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں بلکہ خلفاءِ راشدین کی سنتوں پر عمل کرنا بھی واجب ہے اور سنّت فعل کا نام بھی ہے نہ کہ فقط قولی حکم کا۔ پندرھویں غلطی۔ مصنف مذکور ص۱۴۲ پر لکھتا ہے آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ (الخ) بعض نے کہا ہے اس صورت میں آپ کے افعال کی اتباع واجب ہے۔ اور اکثر نے کہا نہیں ہوگی اور یہی مختار ہے۔

جواب۔ یہاں ضلالت کی حد کر دی۔ اکثریت کا ذکر نفی میں کرنا مصنف کی کذب بیانی ہے۔ اور یہی مختار ہے۔ کہنا مصنف کی اپنی بدعقیدگی ہے۔ مصنف نے توضیح تلویح اور نور الانوار کا حوالہ دیا ہے مگر۔ ان دونوں کتابوں میں چند قول نقل کئے ہیں مگر قوی قول یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال شریف

چھ قسم کے بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ توضیح تلویح جلد دوم صفحہ ۴۹۱ پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعالِ پاک امت پر عمل کے لیے چھ قسم کے ہیں ۱۔ مباح یعنی جائز ۲۔ مستحب یعنی بہتر ۳۔ واجب ۴۔ فرض یعنی نبی پاک کے ذاتی افعال امت کو کرنا جائز مباح۔ کچھ مستحب کچھ آپ کے افعال امت پر واجب کچھ کام امت پر فرض ۵۔ کچھ مخصوص افعال ۶۔ عارضی یا بھول چوک۔ توضیح تلویح اور نور الانوار میں بہت سے قول مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال جن پر عبادت کے طور سے آپ نے ہمیشگی فرمائی اور اس کے ترک سے نفرت فرمائی۔ وہ اعمال امت پر واجب ہیں داڑھی شریف ایک قبضہ پھر ان ہی اعمال میں سے ہیں۔ لہٰذا ایک مشت داڑھی ہر مسلمان مرد کو رکھنا واجب ہوئی۔ اس سے کم کرنا گناہ ہے۔ مصنف مذکور کی کور چشمی دیکھئے کہ ان تمام عبارتوں سے آنکھیں پھیر کر ایک گھسی پٹی عبارت پر اپنی بدعقیدگی کی عمارت تعمیر کرتا ہے مصنف نے اپنے اس مضمون کے صفحہ ۴۴۲ پر توضیح کی عبارت میں دو مثالیں دے کر دھوکہ دینے کی کوشش کی ایک صوم وصال کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا دوم نماز میں جوتی مبارک اتارنے کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے جوتی اتارنے پر سوال فرمایا کہ تم لوگ نے جوتی کیوں اتاری۔ ان دونوں مثالوں سے توضیح تلویح والے اور مصنف مذکور یہ دلیل لیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل واجب العمل نہیں۔ حالانکہ یہ استدلال نہایت کمزور اور غلط ہے اس لیے کہ صوم وصل خصوصیت تھا اور جوتی نہ اتارنا نسیان یا بھول چوک تھا۔ اور عارضی فعل تھا۔ بلکہ صحابہ کے طرز عمل سے تو ثابت یہ ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام مع خلفاء راشدین اور فقہاء صحابہ آقاء دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو واجب العمل سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض فعل کی اتباع سے منع کرنا پڑتا تھا۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جوتیں اتارنے سے منع نہ فرماتے یا آپ خاموش رہتے تو وجوب ثابت تھا اور جن افعال کی اتباع واجب ہے ان کی اتباع سے نہ روکا گیا بلکہ بعض افعال کی اتباع کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم عطا فرمایا اور بعض کی اتباع سے منع نہ فرمایا یہ دونوں قسمیں ہر امتی پر

واجب یا مستحب ہو گئیں اور جن کی اتباع ممنوع ان سے آپ نے خود منع فرما دیا۔
اس لیے افعال کی یہ تقسیم ضروری ہے۔ چار انگل برابر داڑھی کا واجب ہونا اُن ہی
افعال میں سے ہے جن پر عمل کرنا واجب ہے۔ سولھویں غلطی۔ جب مصنف
اپنے ہی پیش کردہ حوالوں کے جال میں پھنس کر گھبرا گیا۔ اور نکلنے کا راستہ نہ
پایا تو توڑ پھوڑ کرتے۔ ایک جگہ لکھتا ہے کہ واجب کے معنیٰ ہیں مناسب
ص۴۳۸، پھر ص۴۴۶ پر لکھا ہے کہ محدث دہلوی کی عبارت میں واجب بمعنی ثابت
ہے پھر لکھتا ہے اباحت کے معنیٰ تحسین ہیں اور فَلَمْ یُبِحْهُ کا معنیٰ ہے لَمْ یُحْسِنْهُ
اَحَدٌ ص۴۳۹۔

جواب۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ اگر اسی طرح توڑ پھوڑ کر کے
تخریب کاری فساد فی الارض کا دروازہ کھولنا ہے تو پھر تو کوئی چیز بھی سلامت
نہ رہے گی فرض کو نفل بنا دو۔ واجب کو مستحب کر دو چار کے معنیٰ پانچ کر دو۔
دو اور دو چھ گنتے رہو۔ صبح کو شام اور شام کو صبح کا نام دے دو سفید کو کالا
اور کالے کو ہرا کہدو۔ گنّے کو بکری بکری کہہ کر کھا جاؤ۔ تمہاری کھلی چھٹی ہے
پھر مصنف نے اپنی ان تحریفات اور لفظی قلا بازیوں پر کوئی حوالہ پیش نہ کیا
جس سے ثابت ہوا کہ مصنف مفتری اور نیا دین اختراع کرنے والا ہے
خیال رہے کہ مباح کسی لغت و شرح میں تحسین کے لیے نہیں ہوتا۔ مباح
قطعاً علیحدہ چیز ہے اور مستحسن علیحدہ۔ ان فضولیات اور توڑ موڑ کرتے
وقت سمجھتا ہے کہ دنیا میں کوئی شخص اُس کی گردن پکڑنے والا نہیں ہے
اس لیے وہ کھلا میدان سمجھ کر اُچھل کود کر رہا ہے۔

سترھویں غلطی۔ مصنف مذکور ص۴۴۶ پر لکھتا ہے کہ وَاَعْفُوا اللُّحٰی
کا امر بھی وجوب کے لیے نہیں تھا۔

جواب۔ تو پھر مصنف مطلقاً نفس داڑھی کو واجب کس دلیل سے کہتا
ہے یا یہاں بھی کوئی توڑ مروڑ کر کے اپنی شریعت بنالی ہے۔ اور دلیل لیتا
ہے صحابہ کرام کے داڑھی کاٹنے کے عمل سے جواب کوئی سمجھائے اس نادان
کو کہ صحابہ کا یہ کام اتباعِ عملی تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کاٹتے دیکھا

اور جہاں تک نبی کریم نے کاٹی بڑی احتیاط سے وہیں تک ہی صحابہ نے کاٹی یہ عملی اتباع تھی نہ کہ اپنی من مرضی۔ ورنہ اپنی مرضی سے امر کے واجب ہونے کی نفی نہ ہوتی بلکہ صحابہ کی مخالفتِ نبوی ہوتی (معاذ اللہ) اور یہ صحابہ سے ناممکن تھا لہٰذا دماغ وعقل کو درست کرو اور خیالی تانے بانے بنا کر دین کو بگاڑنے کی کوشش نہ کرو۔

اٹھارویں غلطی۔ ص۴۴۳ مصنف مذکور داڑھی کے وجوب کو خضاب لگانے پر قیاس کرتا ہے مگر نادان کو یہ پتہ نہیں کہ ہنگامی وقتی عارضی قانون کو محکم اور ابدی قانون پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہ قیاس تو خود مصنف کو بھی مصیبت ڈال دے گا کیونکہ داڑھی نہ بڑھانے اور مجوس کی طرح داڑھی منڈانے کو وہ حرام کہتا ہے۔ مگر چونکہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ یہاں بھول گیا کہ پہلے کیا کہدیا اب کیا کہدیا۔ بہر کیف حرمت سیاہ خضاب میں ہم نے وضاحت کر دی ہے کہ داڑھی رنگنے کے مسئلے میں خَالِفُوا الْيَهُودَ کا حکم کس نوعیت کا ہے۔

اُنیسویں غلطی۔ ص۴۴۳ سنن زوائد اور سننِ ھُدیٰ کی بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ دائیں عضو کو پہلے دھونا مستحب ہے واجب نہیں اور یہ سنن ھدیٰ ہے۔ جواب یہاں بھی مصنف نے غلطی کی دائیں عضو کو پہلے دھونا سنتِ مؤکدہ ہے نہ کہ مستحب۔ اور سنتِ مؤکدہ کا ترک گناہ ہے جیسا کہ ہم نے ہدایہ اولین کے حوالے سے ثابت کر دیا۔ مصنف بار بار لکھتا ہے ہمارے علم کے مطابق فلاں ایسا ہے۔ میں کہتا ہوں اپنی ناقص علمی کو علم میں شمار نہ کرو۔ بیسویں غلطی۔ ص۴۴۶ پر ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے عید کے واجب ہونے کے قول کو ترجیح دی اور سنت کے قول کی تاویل کی کہ اس کا معنیٰ ہے سنت سے ثابت شدہ۔ جواب۔ ثابت ہوا کہ سنت کی تاویل ہو سکتی ہے لہٰذا جہاں جہاں فقہا نے داڑھی مسنون یا سنت کہا ہے وہاں بھی یہ تاویل چلے گی ورنہ قطع واجب والے اقوال میں تعارض ہوگا۔ امام اعظم اور دیگر تمام فقہا نے بھی قبضہ سے زائد بالوں کو کاٹنا واجب کہا ہے اور سنت بھی

کہا ہے تو جیسے عیدین میں صاحب ہدایہ کی تاویل تم کو منظور ہے تو داڑھی میں بھی سنت کی تاویل ماننی پڑے گی۔ اکیسویں غلطی۔ ص۲۴۲ پر لکھا ہے کہ یاد رکھئے کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہی ثابت نہ ہو اُس وقت تک کسی کام کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں کہا جا سکتا مکروہ تحریمی تو بہت دور کی بات ہے۔

جواب۔ مکروہ تحریمی تنزیہی ہوتے ہیں تنازعہ نہیں بات واجب نہ واجب کی اور ترکِ واجب کے گناہ کی ہے مصنف صاحب اوٹ پٹانگ کروٹیں نہ بدلو۔ ہم کہتے ہیں کہ قبضہ بھر داڑھی رکھنا واجب ہے اس کا ترک دو قسم کا ہے داکم کرکے یا زیادہ کرکے اور دونوں قسم کے ترک پر مرتکب فاسق معلن اور گنا ہگار۔ بائیسویں غلطی۔ مصنف مذکور ص۲۴۹ پر لکھتا ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس احکام شرعیہ کو مقرر کرنا فلاں اور فلاں کا منصب نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے کہ جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں۔ اور جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں ہم لوگ تو صرف مبلغ ہیں۔ جواب۔ جہالت کی حد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اِسیات پر قلبی اعتقادی ہے تو پھر اتنے فقہا کے حوالے اور علامہ زبیدی کو پوری شریعت کا ٹھیکہ کیوں دیدیا اُس پر کامل ایمان کیوں بنا لیا۔ محدثِ دہلوی کے اگر دلائل پیش ہوئے تو تم اُن کے مقابل کس علم کے دعویدار ہو۔ مصنف نے کہا ہم صرف مبلغ ہیں۔ میں کہتا ہوں تم تو مبلغ ہونے کے بھی حق دار نہیں ہو۔ اسلامی تبلیغ کے لیے کچھ علم ہونا ضروری۔ امام اعظم امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل تمام ائمہ کے نزدیک داڑھی قبضہ بھر رکھنی واجب ہے اور مسنون ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ وجوب سنّتِ عملی و قولی سے ثابت ہے جیسا کہ خود مصنف کے ہی پیش کردہ حوالوں سے ہم نے ثابت کر دیا مگر مصنف کی کم عقلی کو کیا کہا جائے کہ اس کو خود اپنے حوالے سمجھ نہ آئے۔ تیئیسویں غلطی ص۲۵۰ پر لکھا ہے کہ یہ واضح رہے کہ ہم خشخشی رکھنے یا فرنچ کٹ داڑھی رکھنے یا داڑھی کی زیادہ مقدار کا ٹھیکے مجوز نہیں۔ داڑھی کی اتنی مقدار رکھنی ضروری ہے جس پر عرف میں داڑھی کا اطلاق ہوتا ہو۔ جواب۔ کیوں مُلا صاحب اب تم کیا اللہ رسول سے زیادہ حق دار بن گئے کہ بقول تمہارے اللہ رسول نے تو خشخشی

داڑھی اور فریچ کٹ اور زیادہ مقدار کو حرام یا ناجائز نہیں کیا مگر تم مجوز نہیں اور حرام و ناجائز کر رہے ہو۔ اب تم کو یہ حق کس نے دیا۔ نیز عرف میں داڑھی کا اطلاق کیا تمہارے گھر کی پیداوار ہے کہاں سے یہ عرف لاؤ گے کس قوم کس شہر کس ملک کس رواج کا عرف کیا شریعت تمہارے گھر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تو ذاتی فعل بھی قابل عمل نہیں امر بھی واجب نہیں داڑھی سنت مؤکدہ بھی صحابہ کا عملی نمونہ بھی نا قابلِ قبول عمل اور تمہاری یہ خود ساختہ عرف بہت قابلِ احترام سچ فرمایا خدا جب دین لیتا ہے عقل بھی ماری جاتی ہے۔ عقل جب ماری جاتی ہے جہالت آہی جاتی ہے۔

چوبیسویں غلطی ص۱۵۴ پر مصنف کا موقف داڑھی کے متعلق اس طرح لکھا ہے وَاعفُوا اللحیٰ کا حکم وجوبی نہیں یعنی وہ حدِ شرع تک رکھنا واجب نہیں ۲ لمبی داڑھی مسلمانوں کا شعار ہے ۳ قبضہ تک رکھنے کا حکم نہیں دیا۔ اب اگر مشت بھر کو واجب کہا جائے تو دو خرابیاں ہیں۔ ایک یہ کہ نبی کریم نے واجب نہیں کیا اپنی رائے سے واجب کیا جائے دوم یہ کہ اگر قبضہ کو واجب کہا جائے تو جس شخص نے قبضہ سے ایک انگل بھی داڑھی کم رکھی ہو تو اس کو فاسق معلن کہا جائے گا اور اس سے بغیر کسی وجہِ شرعی کے ایک مسلمان کی عزت مجروح کرنا لازم آئے گا آگے لکھا ہے کہ یہ قبضہ بھر داڑھی سنتِ مؤکدہ بھی نہیں بلکہ غیر موکدہ ہے پھر لکھتا ہے۔ داڑھی میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی نبی کریم اور صحابہ کے عمل کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کے نزدیک عرف کا اعتبار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے پھر لکھتا ہے مُلا علی قاری نے قبضہ بھر داڑھی کو مستحسن کہا گویا کہ ملا علی قاری اِس کے نزدیک شارع ہے۔ پھر لکھتا ہے کہ علامہ زبیدی نے کہا کہ داڑھی بڑھانا مستحب ہے گویا کہ اِس کے نزدیک علامہ زبیدی۔ محدثِ دہلوی سے زیادہ اہم ہے پھر لکھتا ہے کہ اگر میرا یہ موقف غلط ہے تو اللہ تعالیٰ رسول اِس سے بری ہیں یہ آخری فقرہ بہت مغرورانہ اور متکبرانہ ہے گویا کہ یہ مصنف اللہ رسول کو بری کر رہا ہے۔ نادان کو کہنا چاہئے تھا کہ اگر یہ غلط ہے تو اللہ رسول مجھ کو معاف فرمائیں۔ اسی تکبر کا نام ابلیسیت ہے۔ جواب۔ مصنف مذکور نے

اپنے اس موقف میں گیارہ نادانیاں کی ہیں اور اصل مقصد مصنف کا یہ ہے کہ تین انگلی برابر داڑھی رکھنے والے شخص کو فاسق معلن نہ کہا جائے اُس کی عزت مجروح ہوگی یہ تھی وہ رشوت خوری جس کا حق ادا کرنے کے لیے مصنف نے اتنی بڑی بدعقیدگی پھیلانے کا تانا بانا بنا۔ کسی تین انگلی والے فاسق معلن مولوی یا خطیب یا ڈاکٹر پروفیسر نے مصنف کو بھاری رشوت دے کر یہ مضمون لکھوایا بنوایا ہے مگر مصنف کا نامۂ اعمال سیاہ کروادیا۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ خشخشی داڑھی والا ایک انگلی دو انگلی والا فرنچ کٹ تو فاسق معلن ہوں اُن کی عزت بھلے سے مجروح ہو تو کوئی پرواہ نہیں مگر صرف تین انگلی داڑھی والے کی ہے۔ اس طرح اگر رشوت خوری سے مسئلے بنائے جاتے رہے تو کل نہ جانے کون کون فاسق معلن اس مصنف کو رشوت دے کر اپنی من مرضی کے مسئلے بنوائے گا۔ اور ایسی جاہلانہ غلط کتابیں لکھوائے گا اور شرحیں بنوائے گا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ایسے باطل رشوت خور مصنفوں سے مسلمانوں کو بچائے۔ اب ہم مصنف مذکور سے چند سوال کرتے ہیں مصنف مذکور پر ان کا باحوالہ جواب دینا فرض ہے۔ سوال ۱ یہ کہ باحوالہ ثابت کیا جائے کہ وَاَعْفُوا اللُّحٰی کا حکم وجوبی نہیں کسی مصنف جیسے کی ذاتی خیالی رائے نہیں چلے گی سوال ۲ صحابہ کرام نے قبضہ سے زائد بال باقاعدہ ناپ کر کیوں کاٹے اگر یہ اُن کی من مرضی تھی تو سب نے یہ ایک ہی طریقہ کیوں رکھا کہ چار انگلی ہی سے زائد بال کاٹے صحابہ کا عمل متفرق کیوں نہ ہوا کسی صحابی نے تین انگلی برابر داڑھی کیوں نہ رکھی یا دو انگلی۔ سوال ۳ خشخشی داڑھی یا دو انگلی یا ایک انگلی برابر کیوں ناجائز ہے اور ایسی داڑھی والا فاسق ہوگا یا نہیں اور اس کی عزت مجروح ہوگی یا نہیں احادیث سے ثابت کیا جائے۔ ورنہ جس داڑھی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز نہ فرمایا مصنف اُس کا شارع کیوں بن گیا اور مبلغیت کی حد سے باہر کیوں نکلا۔ سوال ۴ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین انگلی یا پانچ انگلی برابر داڑھی رکھی؟ اگر نہیں تو چار انگلی مقرر ہوگی اور یہی حدِ شرعی اور اسی کو دیکھ کر صحابہ کا اتباعی عمل ہوا۔ یا نہیں؟ سوال ۵ یہ حدیث کہ صَلُّوا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ اس میں اتباعِ افعال کے واجب ہونے

کا ثبوت ہے یا نہیں کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے افعالِ نماز و عبادت کی اتباع تم پر واجب ہے بس جو بھی مواظبت کی عبادت کروں حکم دوں یا نہ دوں تم پر اُس کا عمل لازم ہے۔ واجب ہو کر یا سنتِ موکدہ ہو کر مٹھکر۔ صلوٰۃ سے صرف نماز کا حکم ثابت نہیں بلکہ اتباعِ افعال کا حکم ثابت ہو رہا ہے یا نہیں؟ سوال ۶ لمبی داڑھی شعارِ مسلین ہے کیا اس سے لمبی داڑھی کا وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور آپ باحوالہ بتائیں کہ کتنی لمبی داڑھی شعارِ مسلین ہے؟ ایک دو تین انگلی برابر، یا قبضہ بھر، یا پانچ چھ سات آٹھ وغیرہ انگلی برابر؟ سوال ۷ اگر بقول مصنف مذکور داڑھی رکھنا قبضہ بھر سنت موکدہ بھی نہیں سنت غیر مؤکدہ ہے تو پھر باحوالہ سنت موکدہ اور غیر موکدہ کی تعریف بیان کی جائے سوال ۸ داڑھی کے متعلق عرف کیا ہے صحابہ کے زمانے سے آج تک اور اس کا باحوالہ ثبوت دیا جائے۔ سوال ۹ مُلا علی قاری کا قبضہ بھر داڑھی کو مستحن کہنا یہ اُن کی انفرادی رائے ہے یا نہیں اگر نہیں تو جمہور سے مستحن ہونے کا ثبوت دیا جائے اور اگر یہ بھی انفرادی رائے ہے تو تم نے اس کو کیوں قبول کیا اور محدث دہلوی کے انفرادی قول پر اس انفرادی کو کیوں ترجیح دی۔ کیا یہ سب رشوت کا کرشمہ ہے۔ سوال ۱۰ علامہ زبیدی کو محدث دہلوی پر کیا فوقیت حاصل ہے کہ اس کی ہر بات پسند اور امامِ اہل سنت عبدالحق محدث دہلوی کی مسلمہ بات بھی ناپسند اس ترجیح بلا مرجح کی وجہ بتائی جائے یہ دس سوال ہیں اگر مصنف صاحب کا دعوئے للہیت درست ہے تو یا جواب باحوالہ دیں یا پھر توبہ کریں کیونکہ اُن کے اس مضمون سے افعال نبوت اور اُسوۂ حسنہ کی سراسر گستاخی ہوتی ہے ہمیں امید ہے کہ مصنف مذکور اپنے وعدے کے مطابق اس شرعی گرفت کو صراحتے اور پسند کرتے ہوئے ٹھنڈے دل سے سوچینگے اور اپنی شرح اس تمام عبارت کو کاٹ دیں گے اور توبہ و رجوع کر کے اپنی آخرت سنوار لیں گے۔ کیونکہ یہ مضمون آئندہ نسلِ اسلامی کے لیے نقصان دہ ہے۔ کیونکہ اس کا خلاصہ یہ کہ مصنف مذکور اپنی علیحدہ شریعت بنانا چاہتا ہے اور افعالِ نبوت اور اعمال

صحابہ کی عزت اہمیت گھٹانا چاہتا ہے۔ اس کی بدعقیدگی چار حماقتوں پر مبنی ہے ایک یہ کہ معاذ اللہ صحابہ کرام شریعت میں اتباعِ نبی علیہ السلام کو چھوڑ کر اپنی من مانیاں کرتے تھے دوم یہ کہ طرز اور طریقۂ نبوت ضروری نہیں مصنف کا خود ساختہ طریقہ اہم ہے سوم یہ کہ فساق کی عزت بچانی لازم ہے پہلے سے شریعت اور شعار سلمین کی توہین ہوتی رہے چہارم یہ کہ مصنف مذکور نے الفاظ و معانی میں توڑ پھوڑ کر کے خود ساختہ مطلب بنایا ہے جس کا ثبوت و حوالہ کوئی نہ دیا اس طرح اس نے فسادِ فی الامت کا دروازہ کھولا ہے اور اس طریقے سے اپنی اور اپنے نظریئے کی جان بچائی ہے۔ ہمارا گیارھواں سوال مصنف سے یہ کہ واجب کا معنیٰ ثابت یا مناسب۔ اور مباح کا معنیٰ مستحن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعلِ مواظبت کا معنیٰ سنتِ غیر مؤکدہ کہاں لکھا ہے کسی حدیث یا لغت سے دکھایا جائے یہ مسائل کا تیسرا سوال کہ مصنف مذکور نے شرح مسلم میں۔ حدیثِ دجال کی غلط تشریح کرتے ہوئے ایک دن کی سال بھر درازی کو حقیقی درازی تسلیم نہ کیا بلکہ اس درازی کو دجال کی جادوگری بتایا ہے اس کا جواب اس طرح ہے کہ مصنف مذکور اپنی شرح کی آخری کی جلد ہفتم کے ص۸۲۸ پر اسی حدیث دجال کی شرح کرتے ہوئے درازیِ دن کی وجہ میں سات قول نقل کرتا ہے ۱ امام نووی کا قول ۲ قاضی عیاض کا قول ۳ علامہ شتابی ابی مالکی ۴ علامہ خطابی ۵ علامہ ابن جوزی ۶ علامہ ابوالحسن بن مناوی ۷ ملا علی قاری۔ ان اقوال میں امام نووی شافعی۔ قاضی عیاض، علامہ شتابی۔ علامہ خطابی۔ علامہ ابن جوزی کا قول یہ ہے کہ اس دن کی درازی بالکل حقیقی درازی ہوگی کوئی جادو وغیرہ نہ ہوگا۔ لیکن ابوالحسن بن مناوی کا قول یہ ہے کہ اس دن درازی حقیقی نہ ہوگی صرف گھبراہٹ اور دہشت دہشت کی وجہ سے درازی محسوس ہوگی اور دن کاٹے۔ نہ کٹے گا جیسے کہ مغموم یا بیمار کا دن)، مگر اس قول کو علامہ ابن جوزی نے ابوالحسن کے اس قول کی تردید کی ہے۔ ملا علی قاری کے اقوال میں چند باتیں لکھ کر آخری فیصلہ اس طرح سناتے ہیں کہ چونکہ دجال بہت بڑا جادوگر ہے اور اس سے بڑے بڑے شعبدے۔ تلبیسات اور ملمع کاری ظاہر ہوگی

کسی کو مار کر زندہ کرے گا کسی کو باغات اور چراگاہوں موٹے تازے جانور۔ دولتوں سے نواز دے گا کسی کو قحط سالی وغربت میں پھنسا دے گا اپنے ساتھ اپنی جنت اور دوزخ لئے پھرے گا۔ اس لیے ہمارے نزدیک اس حدیث کی صرف یہ تاویل ہے کہ وہ (دجال) لوگوں کی سماعت اور بصارت کو مسخر کرے گا اور ان کے دماغوں میں یہ خیال پیدا کرے گا کہ صبح کی روشنی اور شام کے اندھیرے کے بغیر زمانہ ایک حالت پر ٹھہر گیا ہے اور وہ لوگ یہ گمان کریں گے کہ سورج کی روشنی دور نہیں ہو رہی اور رات کی سیاہی نہیں پھیل رہی سو وہ زمانے کے اس قدر طول سے حیران ہوں گے۔ یہ تھا مصنف مذکور کا وہ باطل قول جو اس حدیث کی شرح کے آخر میں لکھا۔ اور مصنف نے یہ عبارت اس انداز میں لکھی ہے کہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کا اپنا نظریہ اور خیال بھی یہ ہی ہے اور ملا علی قاری صاحب کا بھی۔ اگر ہمارا یہ اندازہ درست ہے تو مصنف اور ملا علی قاری نے گستاخیِ نبوت کے علاوہ قدرتِ الٰہی کا بھی انکار کیا۔ اور قدرتِ الٰہی اس لیے ماننے کے لیے تیار نہیں کہ فرمانِ نبوی پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی شرح جلد ہفتم ص۴۲۸ پر لکھتا ہے۔ لیکن اس (اندازے سے نمازیں پڑھنے والے فرمان) پر اعتراض یہ ہے کہ ہر نماز کے وجوب کا سبب اس کا مخصوص وقت ہے مثلاً طلوعِ شمس۔ زوالِ شمس۔ غروبِ شمس غروبِ شفق وغیرہ اور ان اوقاتِ مخصوصہ کا تحقق اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب دن اور رات کا حقیقۃً تعدد ہو اور وہ اس صورت میں مفقود ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں کہ اس دن اندازوں سے نمازیں پڑھی جائیں یہ مسئلہ کہ وقت پر نمازیں پڑھنی چاہیئے غلط ہو جاتا ہے اس لیے فرمانِ نبوت پر اعتراض پڑتا ہے۔ یہ تھی وہ شرح جس نے نبوت کی گستاخی کا ارتکاب کیا۔ اس بیہودہ قول کی تین طرح تردید کی جاتی ہے۔

اوّلاً یہ کہ جن بعض لوگوں نے اس دن کی طوالت کی وجہ غم و پریشانی حزن و گھبراہٹ کو بنایا ہے وہ ان کی ذاتی دماغی فتور اور افتراع ہے حدیث پاک میں صراحتً یا اشارۃً اس کا قطعاً کوئی ذکر نہیں اور یہ ہو بھی نہیں سکتا

خاص کر اہلِ ایمان اور اہلِ مدینہ و اہلِ مکہ کے لیے کیونکہ اہلِ ایمان کا دل دماغ ذکر الٰہی سے مطمئن رہتا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ کی وجہ سے لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ کا ظہور ہوگا۔ اہلِ مدینہ و اہلِ مکہ کو اس لیے بھی کوئی غم و پریشانی نہ ہوگی کہ وہاں دجال داخل ہی نہ ہو سکے گا ثانیا یہ کہ دنیا میں کوئی بھی کبھی بھی کسی کو بھی اب اغم پریشانی گھبراہٹ نہیں ہوتی جس سے دن ہی دن نظر آئے اندھیری رات کو بھی دن ہی سمجھے نہ ہی آج تک کوئی جنون ایسا نظر آیا نہ کسی مجنوں کو رات کے وقت کو دن کہتے سنا گیا۔ بجز ان مجنون شارحین کے حالانکہ دجال کا پہلا دن سب کے لیے ہی طویل ہوگا۔ پریشانوں کے لیے بھی مطمئن لوگوں کے لیے بھی مسلمانوں نمازیوں ذکر اللہ والوں کیلئے بھی غیر مسلموں بے نمازیوں غافلوں کے لیے بھی۔ جیسا کہ اس حدیث پاک میں اندازوں سے نمازیں پڑھتے (اذانیں دینے مسجدوں میں آنے صحیح اندازے لگانے درست وضو کرنے) کے حکم سے ثابت۔ ان پاگل اور باطل گمراہ شارحین سے کوئی پوچھے کہ۔ کیا وہ لوگ جنکی عقل اتنی بگڑ چکی ہو کہ آدھی اندھیری رات کو بھی دوپہر کا دن سمجھے وہ صحیح اندازے وضو اذان نماز ادا کر سکتے ہیں؟ اگر ان غلط شارحین کی بات درست ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے پوچھنے پر فرما دیتے کہ تم لوگ اس دن غم و گھبراہٹ کی شدت کی وجہ سے نمازیں پڑھ ہی نہ سکو گے مگر یہ نہ فرمایا بلکہ اندازے لگانے کا حکم دیا جس سے ثابت ہوا کہ اہلِ ایمان نمازی مسلمان اُس دن بھی بہت مطمئن عقل مند صاحبِ قلب و دماغ صحیح صحیح اندازے لگانے والے ہوں گے۔ ثالثاً یہ کہ جن حمقا شارحین نے یہ کہا ہے کہ اُس دن کی طوالت حقیقی نہیں بلکہ دجال کی جادوگری سے ہوگی اور اُس کی جادوگری کی وجہ سے کسی انسان کو سورج چلتا نظر نہ آئے گا۔ آدھی رات کو بھی سورج نظر آتا رہے گا۔ ہم اس بیہودہ قول کی پانچ طرح تردید کرتے ہیں۔

اولاً یہ کہ یہ قول بھی ان شارحین کا نفسانی اختراع اور نہایت کمزور ذاتی خیال ہے۔ مذکورہ حدیث پاک یا کسی بھی حدیث مقدس میں اس بات کا اشارۃً یا عبارۃً ذکر قطعاً نہیں۔ دجال نے اپنے جادو اور شعبدے کے ذریعے

جو کچھ کرنا ہے وہ سب کچھ ایک ایک کر کے حدیث پاک میں بیان فرما دیئے گئے مگر اس بات کا ذکر نہیں کہ سورج پر بھی دجال کا جادو چل جائے گا اور سورج ٹھیرا محسوس ہوگا۔ یا لوگوں کو ٹھیرا محسوس ہوگا۔ بلکہ حدیث پاک کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ قدرت الٰہی سے دن لمبا ہوگا۔ اور حقیقتًا دراز ہوگا نہ کہ صرف احساس۔ چنانچہ مسلم شریف جلد دوم ص۴۰۱ پر ہے۔ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا لَبْثُهٗ فِي الْاَرْضِ قَالَ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا۔ يَوْمًا كَسَنَةٍ وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ اَيَّامِهٖ كَاَيَّامِكُمْ۔ ترجمہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ دجال کا ٹھہرنا زمین میں کتنا ہوگا۔ فرمایا آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چالیس دن اُس کا پہلا دن سال کے برابر لمبا ہوگا اور پھر اُس کا دوسرا دن مہینے کے برابر تیسرا دن جمعہ یعنی ہفتہ سات دن کے برابر صحابہ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ دن جو سال برابر ہوگا کیا اُس پورے دن میں ہمیں ایک دن کی نمازیں (یعنی چار کافی ہوں گی۔ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ اندازے لگا کر (دن کی چوبیس ساعتوں میں پانچ نمازیں) پوری کرنی پڑیں گی۔ یہ تھے حدیثِ مقدسہ کے الفاظِ مبارک اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ سحرزدہ دن ہوگا۔ بلکہ اس حدیث پاک کے اگلے چند لفظ اشارۃً بتا رہے ہیں کہ درازیِ دن کی وجہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ حدیث ہے قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا اِسْرَاعُهٗ فِي الْاَرْضِ قَالَ كَالْغَيْثِ اِسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيْحُ۔ ترجمہ۔ صحابہ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اُس دجال کے چلنے کی رفتار کیا ہوگی زمین میں فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم وہ اتنا تیز چلے گا جیسے بادل جس کو ہوا اُڑا رہی ہو جس کے پیچھے ہوا لگی ہو۔ یعنی موجودہ دور کے ہوائی جہاز سے بھی تیز۔ اور یہ بات مشاہدے میں ہے کہ اگر ہوائی جہاز سمتِ آفتاب کی طرف اُڑ رہا ہو تو دن لمبا ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے دجال کی رفتار کی وجہ سمتِ سورج کی طرف ہوتا ہو۔ یا قدرتِ الٰہی سے آفتاب کی رفتار اتنی کم ہو جائے کہ اُس وقت پہلے دن آفتاب مشرق سے مغرب تک ایک سال میں پورہ کرے بہرکیف اِن مصنفین کی یہ لغو تشریح کسی

طور بھی اس حدیثِ پاک سے ثابت نہیں۔ اس لیے ہم اس شرح کی تردید کرتے ہیں ثانیاً یہ کہ اس شرح میں قدرتِ الٰہی کا انکار ہے ثالثاً یہ کہ اس میں فرمودات نبوت کی گستاخی ہے۔ کہ مصنف مذکور بے باک ہو کر فرمانِ نبوت پر اعتراض کرتا ہے یہ بڑی ایمان سوز جرأت ہے۔ رابعاً یہ کہ مصنف مذکور اور ملا علی قاری علماءِ اصولِ فقہ کے اس قاعدے کی آڑ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر اعتراض کر رہے ہیں جو انہوں نے آیات و روایات کے استنباط سے بنایا ہے کہ نماز کا سبب اس کا وقت ہے اور جب تک وقت نہ ہو نماز فرض ہی نہیں ہوتی اور جب تک رات و دن نہ ہوں وقت آ سکتا ہی گویا کہ مصنف مذکور اور ملا علی قاری کہنا یہ چاہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اندازہ لگا کر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا وہ غلط فرمایا (معاذ اللہ) اندازے سے نماز کبھی فرض نہیں ہوتی بلکہ ظاہر ظہورِ وقت آنے سے ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ شرح ہے یا نادانی و گمراہی۔ خیال رہے کہ فقہاءِ اصول کے جتنے بھی استنباط ہیں وہ سب ظنی ہیں غلط بھی ہو سکتے ہیں تو ایسی ظنی چیز کو فرمانِ نبوت کے مقابل زیادہ اہمیت دینا اور اپنی کم عقلی کور ذہنی سے دلائل قائم کرتے پھرنا غلطی و گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ نیز آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اندازے لگا کر نمازیں پڑھی جائیں یہ بھی اوقاتِ نماز ہی کا لحاظ بتاتا ہے کہ جس موسم میں جس نماز کو اتنی دیر میں پڑھا جاتا ہے تم اس دن اتنے گھنٹوں کا فاصلہ کر کے نمازیں پڑھنا۔ اور یہ اندازے تو برسات کے دنوں میں اُن زمانوں میں بھی لگائے جاتے تھے جب گھڑیاں نہ تھیں دن میں سورج نظر نہ آتا تھا۔ رات میں ستارے نہ دِکھتے تھے۔ رہا مصنف مذکور کا یہ خیال کہ حقیقی دن اتنا لمبا ہو سکتا ہی نہیں یہ مصنف کی معلوماتی کمی ہے۔ ورنہ آج بھی دنیا کے بہت سے علاقوں میں اتنے اتنے دراز دن ہوتے ہیں کہ عقل حیران ہے جیسا کہ ناروے اور سویڈن کے شمالی علاقے۔ بستروں میں لیٹے لیٹے ایسے اُلٹے پلٹے قلم چلا کر شرح لکھ دینی اور فرمانِ اقدس پر اعتراض کرنا کوئی دینی خدمت نہیں بلکہ ایسے قلم تو سیدھا جہنم کا راستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے قلم سے بچائے۔

خامساً یہ کہ مصنف مذکور مُلّا علی قاری کے اس لغو قول کا سہارا لے کر لکھتا ہے کہ یہ درازیِ دن حقیقی نہ ہوگی بلکہ دجّال کی جادوگری کا اثر ہوگا۔ یہ بات دو وجہ سے غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ کوئی بھی جادو آسمان یا آسمان کی کسی چیز پر نہیں چل سکتا نہ سورج پر نہ چاند پر نہ ستاروں پر۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد نہم صـ۲۶۲ پر سورۃ قمر کی آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوجہل اور سردارانِ مکہ نے ایک یہودی راہب کو بلوایا تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرے تاریخوں میں اس یہودی راہب کا نام حبیبِ یمنی لکھا ہے جب وہ آیا تو اُس سے کیا کہا کہ وہ نبی بہت بڑا جادوگر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجلس میں بلایا گیا جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حبیب یمنی یہودی نے کہا کہ مجھ کو کوئی معجزہ دکھایئے آپ نے فرمایا کہ جو تو کہے اُس نے کہا کہ اِس وقت چودھویں کا چاند نکلا ہوا ہے آپ اس کو توڑ کر دکھایئے۔ آپ نے فرمایا کہ چلو کوہِ ابی قبیس پر جب سب وہاں پہنچے تو آپ نے انگلی کا اشارہ فرمایا چاند ایک دم آدھا آدھا دو ٹکڑے ہوگیا ابوجہل کہنے لگا کہ محمد نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے لیکن حبیب یمنی یہ کہتے ہوئے مسلمان ہوگیا کہ جادو صرف زمین پر چل سکتا ہے آسمان پر نہیں چل سکتا افسوس ہے اِن آج کل کے نومولود شارحین نوخیز مصنفین پر کہ جو بات یہودی بھی جانتے ہیں مسلمان ہو کر ان کو اِسبات کا پتہ نہیں۔ یہ تھیں اس شرح کی کم عقلیاں کمزوریاں اب ہم اس حدیث مقدس کی صحیح اور سچی شرح کرتے ہیں چنانچہ مسلم شریف جلد دوم کے صـ۴۰۱ پر امام شرف الدین نووی فرماتے ہیں قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ۔ قَالَ الْعُلَمَاءُ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَلٰى ظَاهِرِهٖ وَهٰذِهِ الْأَيَّامُ الثَّلَاثَةُ طَوِيْلَةٌ عَلٰى هٰذَا الْقَدْرِ الْمَذْكُوْرِ فِي الْحَدِيْثِ۔ يَدُلُّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ۔ (الخ) ترجمہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ ایک دن سال برابر اور ایک دن مہینہ برابر اور ایک دن جمعے یعنی ہفتے برابر (سات دن) اور باقی تمام دن

تمہارے عام دنوں کی طرح۔ تمام علماءِ کرام نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث شریف بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ اور یہ تینوں دن اسی قدر لمبے ہوں گے جیسے حدیث شریف میں مذکور ہے۔ اور علماءِ کرام کے اس قول پر ایک دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باقی دن تمہارے عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ دوسری دلیل یہ کہ صحابہ نے جب عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس دن پورے سال برابر دن میں ہم کو پانچ نمازیں کافی ہوں گی فرمایا آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ عام موسمی دنوں کی ساعتوں کے برابر اندازہ لگا لگا کر پورے سال کی اور دوسرے دن پورے مہینے کی اور تیسرے دن پورے ہفتے کی نمازیں پڑھنی لازم یعنی ان تین دنوں میں علماءِ اصول فقہ کا قانون نہ چلے گا بلکہ اِن ایام میں تمہارے اندازے ہی اسبابِ نماز بن جائیں گے۔ تیسری دلیل یہ کہ مختارِ کل صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی درحقیقت عبادت الٰہی ہے جب چاہیں جس کو چاہیں عبادت کا سبب بتا دیں۔ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اندازہ کر کے نمازیں پڑھنا صرف انہی مخصوص دنوں کے لیے خاص ہے۔ یہی بیچ صاف واضح اور عام فہم تشریح ہے۔ کسی اوٹ پٹانگ مارنے کی ضرورت نہیں۔ اگر ان غلط مصنفین کے کہنے پر چلا جائے تو اسلام کا ایک مسئلہ بھی درست نہیں رہ سکتا۔ اِن لوگوں کی تو عادت ہے ہر بات میں اُلجھاؤ پیدا کرنا۔ ورنہ دن کا لمبا ہونا چھوٹا ہونا قدرتِ الٰہی کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اللہ تعالیٰ اپنی ہر مشیت پر قادر ہے ہاں البتہ اس میں کلام کیا جا سکتا ہے کہ اس طوالت کی صورت اور طریقہ کیا ہے محققین کے اس میں تین قول ہیں ۱۔ سورج کی رفتار کم کر دی جائے گی اور چونکہ دجال کا آنا صرف مسلمانوں کے امتحان کے لیے ہوگا اس لیے وہ دجال صرف اسلامی علاقوں میں جائے گا اور وہیں پر صرف ایک سال کا دن رہے گا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شروع ایام سے آج تک جتنے بھی ابتلا اور امتحان کسی بھی شکل میں کسی بھی ذریعے سے نازل ہوئے وہ صرف اہل ایمان کے لیے ہی ہوئے کفار کا کبھی امتحان نہ لیا گیا کیونکہ پیاروں کا ہی امتحان لیا جاتا ہے۔ فرعون ہامان نمرود شداد یزید۔ ابلیس دجال کے ذریعہ صرف

ایمان والوں کا ہی امتحان لیا جاتا رہا رہے گا۔ دجّال بھی صرف ان ہی علاقوں میں جائے گا جہاں مسلمان ہوں گے اُن ہی کو کافر بنانے کی کوشش کرے گا، کفار تو پہلے ہی کافر ہیں۔ اس لیے ان ہی علاقوں میں یہ دن لمبے ہوں گے باقی جگہ اتنے وقت رات ہوگی ۲؎ بعض نے فرمایا کہ دجال کی اپنی رفتار کی وجہ سے یہ درازی ہوگی کہ پہلے دن وہ سورج کی سمت پر مغربی جانب چلے گا دوسرے دن شمال مغرب کی جانب تیسرے دن وہ جانب جنوب پھر اُس کی واپسی ہوگی عام رفتار سے اس لیے بقیہ سینتیس دن بھی عام دنوں کی طرح ہوں گے ۳؎ بعض نے فرمایا کہ قدرتِ الٰہی سے وہ سورج ٹھہر جائے گا اور دجال صرف اُن ہی علاقوں میں جائے گا جہاں تک کھڑے سورج کا دن ہوگا۔ یہ سب اسلامی علاقے ہوں گے اس دن کو ایک سال برابر اس لیے کیا جائے گا کہ دجال اپنا پورا کام دل بھر کے کرے۔ اور جن لوگوں کا امتحان مقصود ہے ان کا پورا امتحان ہو جائے۔ پھر باقی ایام میں اس کی واپسی ہوگی اور اس طرح وہ چالیس دنوں میں پوری انسانی آبادی کا چکر لگائے گا۔ جن روایت میں آتا ہے کہ وہ پوری سرزمین کا چکر لگائے گا ان کا مطلب بھی یہ ہے انسانی آبادی والی سرزمین نہ کہ بے آباد۔ بہر کیف کچھ بھی ہو یہ درازیِ ایام قدرتِ الٰہی سے بالفعل حقیقی ہوگی نہ کہ غم و اندوہ کا احساس یا جادوگری کا کرشمہ لہٰذا مصنف مذکور کی یہ شرح مسلم غلط ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

آٹھواں فتویٰ: کوئی غیر نبی کسی بھی علم صنعت و حرفت میں کسی نبی علیہ السّلام سے بڑھ نہیں سکتا ہر اُمتی ہر کام میں اپنے نبی علیہ السّلام کا محتاج ہوتا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب تفسیر کبیر جلد پنجم ص۵۱۵ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے یَجُوْزُ اَنْ یَکُوْنَ غَیْرُ النَّبِیِّ فَوْقَ النَّبِیِّ فِیْ عُلُوْمٍ لَا تَتَوَقَّفُ نُبُوَّتُہٗ عَلَیْھَا۔ یعنی جائز اور ممکن ہے کہ غیر نبی اُن علوم میں نبی سے زیادہ عالم اور اونچا ہو جائے جن علوم پر نبوت

موقوف نہیں ہوتی۔ یہ واقعہ موسیٰ و خضر علیہما السّلام کے واقعے میں لکھا ہے فرمایا جائے
کہ خضر علیہ السّلام نبی ہیں یا ولی ہیں اگر ولی ہیں تو گویا ولی کا علم نبی سے زیادہ ہو گیا
دوسرا سوال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم برابر
ہیں! قرآن مجید سے تو یہی ظاہر ہو رہا ہے چنانچہ سورۃ نحل آیت ۸۹ میں ارشادِ
باری تعالیٰ ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ اور سورۃ
الانعام آیت ۱۵۴ میں ہے ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي
أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ دونوں جگہ لفظ کتاب بھی ہے۔ اور لفظ کُلِّ شَيْءٍ
بھی دونوں جگہ کُلِّ شَيْءٍ اپنے عموم پر ہے۔ یعنی قرآن مجید میں تمام کائنات کے
علوم ہیں اور توریت میں بھی جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ نبی کریم اور موسیٰ
علیہما السّلام کے علوم برابر ہے۔ یعنی قرآن مجید میں تمام کائنات کے علوم برابر ہیں۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ اعلحضرت کا ایک شعر
جس نے ٹکڑے کئے ہیں قمر کے وہ ہے ؛ نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی
لفظ ٹکڑا اور نورِ وحدت پر وہابیوں کو اعتراض ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ
اور نبی کریم دونوں کی ہی بے ادبی ہے۔ کیونکہ نورِ وحدت سے مراد اللہ تعالیٰ
اور ٹکڑے سے مراد ہمارا نبی ہے۔ نبی کریم کو ٹکڑا کہنا گناہ ہے۔ بَيِّنُوا تُؤْجَرُوا
براہِ کرم ان تمام سوالات کا تسلی بخش جواب عطا فرمایا جائے اور شعر کا صحیح معنی
سمجھایا جائے۔ د

دستخط سائل جاوید گولڈسمتھ بلاک ۲ صرافہ مارکیٹ
ڈیرہ غازیخان۔ پاکستان۔ ۱۵/ جولائی ۱۹۹۶ء بروز پیر

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق وحدیث قرآن کی روشنی میں یہ بات دلائل کثیرہ
سے ثابت ہے کہ تمام مخلوق سے زیادہ ہر قسم کا علم رب تعالیٰ نے اپنے
انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو عطا فرمایا کسی نبی علیہ السّلام سے کسی انسان جن
فرشتے کا علم زیادہ تو درکنار برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ انبیاء علیہم السّلام کے

علم پر بہت سی آیات شاہد ہیں، فخر الدین رازی صاحب کا تفسیر کبیر میں یہ لکھ دینا کہ غیر نبی اُن علوم میں نبی سے زیادہ ہو سکتا ہے جن علوم پر نبوت موقوف نہیں۔ یہ لغو بات ان کی ذاتی رائے سے ہے نہ اس پر کوئی دلیل نہ مشاہدہ نہ تجربہ۔ صرف بات کر دینی تو بڑی آسان ہے لیکن دلیل اور ثبوت کوئی بھی پیش نہ کر سکا نہ کر سکتا ہے۔ اگر رازی صاحب کے پاس ذرہ بھر بھی کوئی دلیل ہوتی تو ضرور لکھ دیتے دراصل رازی صاحب اُن شخصیات میں سے ہیں جن کے پاس سوائے عقلیات و نفسیات کے اور کچھ نہیں ساری زندگی فلسفے کی اُلجھنوں میں گزری اسی لیے ہر چیز کو عقلی استدلال کی ترازو میں تولنے کے عادی وہ یہی نہیں جانتے کہ دینی رموز عقل سے نہیں شعور سے حاصل ہوتے ہیں اور شعورِ ایقانی کشفِ اسرار سے اور کشفِ اسرار شرحِ صدر سے، اور شرحِ صدر رب تعالیٰ کے کرم و فیضانِ نبوت سے ہے، دینی کاموں کو عقلِ استدلالی نہیں سمجھ سکتی فخر الدین رازی صاحب کی ان ہی عقلیات کی تردید کرتے ہوئے مولانا روم نے مثنوی شریف میں فرمایا۔

گر بہ استدلال کارِ دیں بودے   فخرِ رازی رازدارِ دیں بودے
کارِ استدلالیاں چوبیں بُوَدْ   کارِ چوبیں سخت بے تمکین بُوَدْ

ترجمہ۔ اگر دین کے کام عقلی دلیلوں سے سمجھ آ سکتے۔ تو فخر الدین رازی دین کا سمجھ دار ہوتا۔ استدلالی کام تو لکڑی کے ہوتے ہیں۔ اور لکڑی کے کام سخت کمزور ہوتے ہیں۔ بہرکیف فخر الدین رازی صاحب کی یہ بات قطعًا غلط بے بنیاد اور بے ثبوت ہے۔ حقیقتِ ایمانی یہ ہے کہ کوئی غیر نبی دین و دنیا کے کسی بھی علم میں کسی بھی نبی علیہ السّلام پر فوقیت تو در کنار برابری بھی نہیں کر سکتا۔ تفسیر کبیر کی عبارت چار طرح غلط ہے پہلی یہ کہ کوئی دلیل ثبوت پیش نہ کیا گیا محض بات کر دینا غلط اور قابلِ تردید ہے دوم یہ کہنا کہ بعض علوم پر نبوت موقوف ہے بعض پر نہیں یہ بھی غلط ہے یا کہ بعض علوم کی نبی کو ضرورت ہے بعض کی نہیں یہ بھی غلط ہے بلکہ انبیا علیہم السّلام کو دین دنیا کے تمام علوم کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے اسی لیے رب تعالیٰ نے ہر علم۔ فن۔ صنعت۔ حرفت اپنے انبیاء

علیہم السّلام کو اپنی قدرت سے خود تعلیم فرمائی، دنیا میں جس کسی نے جو کچھ سیکھا وہ بلواسطہ یا بلا واسطہ سینہ بسینہ تعلیم رسالت و فیضانِ نبوت سے ہی سیکھا سوم۔ یہ کہ فخر الدین رازی کے پاس کوئی ایسی میزان نہیں جس سے وہ علوم کی تقسیم یا چھانٹ کرتے پھریں کہ یہ علوم نبوت کے لیے ضروری ہیں اور یہ ضروری نہیں چہارم یہ کہ تفسیر کبیر کی یہ بات قرآن مجید کے دلائل کے خلاف ہے۔ قرآن مجید کے دلائل سے ثابت ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا ہر علم تمام مخلوق کے علم سے زیادہ ہے۔

اس کی پہلی دلیل۔ کائناتِ مخلوق میں سب سے زیادہ علم والے فرشتے ہیں کیونکہ حصولِ علم کے سات ذرائع اور وہ سب ذرائع فرشتوں کو حاصل ۱ زبان دانی ملائکہ بلکہ ابلیس تمام مخلوق کی زبانوں کو جانتے ہیں ۲ تجربہ ۳ مشاہدہ ۴ سیر وسیاحت ۵ قلم سے ملائکہ لکھنا بھی جانتے ہیں بلکہ دن رات لکھ رہے ہیں ۶ پڑھنے سے ملائکہ پڑھنا بھی جانتے ہیں ۷ صنعت وحرفت سے ملائکہ ہر قسم کی چیز بنانا جانتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے جنت اور جنت کی آشیا ملائکہ ہی سے بنوائیں بلکہ اب بھی بہت سی اشیا بنا رہے ہیں جیسے جنتی زیور برتن وغیرہ۔ دوزخ کی زنجیریں وغیرہ بلکہ دنیا کی بہت سی چیزیں بھی فرشتے ہی بنا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ خود انسان کو بھی۔ مگر انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا علم ملائکہ سے بھی زیادہ اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السّلام کا مقابلہ مناظرہ تمام فرشتوں سے علم میں ہی کرایا۔ نتیجۂ اللہ آدم علیہ السّلام جیت گئے ملائکہ ہار گئے ثابت ہوا کہ نبی کا علم ملائکہ سے زیادہ ہے۔

دوسری دلیل۔ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ کسی علم پر نبوّت موقوف ہے کسی پر نہیں۔ بلکہ ہر نبی علیہ السّلام کے لیے کائناتِ ارضی وسماوی کے تمام علوم ضروری ہیں۔ نبی کو ہر علم کی ضرورت ہے کیونکہ ہر اُمّتی کو نبی علیہ السّلام کے آستانے سے ہی علم کا صحیح اور سچا حصول ہوتا ہے ذہنی عقلی قلبی علم ہو یا صنعت وحرفت کا علم۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ نبی کسی علم کسی فن میں کسی شخص کا محتاج نہیں نہ کسی

سے کم بھی مخلوق کا شاگرد۔ آدم علیہ السّلام زمین پر کھیتی باڑی چکی پن چکی کے موجد۔ ادریس علیہ السّلام کپڑے کے موجد۔ کتابت، اور ٹانگہ گاڑی اور پہیے کے موجد، نوح علیہ السّلام نے بغیر کسی سے سیکھے ہوئے ستائیس منزلہ آبدوز کشتی بنا دی۔ داؤد علیہ السّلام نے لوہے کی زرہ اور مختلف ہتھیار بنا دئے۔ عیسٰی علیہ السّلام نے زندہ پرندہ بنا دیا۔ لقمان علیہ السّلام نے علم طلب ظاہر فرما دیا اور بتا دیا کہ فلاں جڑی بوٹی میں یہ شفا فلاں میں یہ یہ تمام علوم انبیاء علیہم السّلام کو کس نے سکھائے۔ ماننا پڑے گا کہ رب تعالیٰ نے سکھائے اور اس لیے سکھائے کہ نبوت کے لیے یہ علوم ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ بیکار کام نہیں کرتا نبی علیہ السّلام ہی اپنی اُمت کے معلّم اکمل ہوتے ہیں۔ دنیا کی ہر ضرورت علم سے پوری ہوتی ہے اس لیے ہر نبی کے لیے ہر علم ضروری ہے۔ لہٰذا نبوت ہر علم پر موقوف ہے بغیر علم نبوت ناممکن۔ ثابت ہوا کہ امام رازی کی یہ تقسیم غلط ہے۔

تیسری دلیل۔ باری تعالیٰ نے اپنے تمام دنیوی دینی علوم اور صنعت و حرفت فن اور صناعی انبیاء کرام علیہم السّلام کے ذریعے ہی زمین پر بھیجے اور جاری فرمائے۔ گویا کہ وجودِ انبیا علوم الٰہیہ کے خزانے ہیں۔ یہ بات قرآن مجید کی ان مختلف آیات سے ثابت ہے جن میں انبیا علیہم السّلام کی علمی اور فعلی زندگی کا ذکر ہے۔ چنانچہ کہیں فرمایا گیا کہ ہم نے نوح کو کشتی بنانی داؤد کو صنعۃ لبوس سکھائی اور آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ ہم نے آپ کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ نہ جانتے تھے اور عالمِ ازل میں ہی سکھا دیا۔ انبیا علیہم السّلام نے ہی دنیا میں آ کر یہ علوم لوگوں کو سکھائے اور زمین پر جاری فرمائے۔ ورنہ بے نور تھا خرد کا ستارہ تیرے بغیر چوتھی دلیل کشفِ علم کا پہلا ذریعہ زبان ہے۔ جس کو جتنی زیادہ زبانیں آتی ہوں گی اُس کا علم اتنا ہی زیادہ وسیع ہوگا۔ اس چیز میں بھی انبیاء کرام علیہم السّلام کو سب مخلوق پر فوقیت ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمان کا ایک فرمان قرآن مجید میں اس طرح۔ وَعُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ۔ ترجمہ۔ اور ہم سکھائے گئے پرندوں کی بولی (سورۃ نمل آیت ۱۶)، یعنی صرف اپنا ذکر نہیں فرماتے کہ میں سکھایا گیا۔ بلکہ جمع متکلم کے صیغے سے تمام گروہِ انبیا کا ذکر فرما رہے ہیں۔ نیز تفسیر صاوی جلد چہارم ص۱۲۹ پر ہے۔ فَكَانَ يَتَكَلَّمُ بِسَبْعِ مِائَةِ لُغَةٍ۔ ترجمہ۔ یعنی

یعنی حضرت آدم علیہ السّلام سات سو زبانوں میں کلام کر سکتے تھے۔ اسی طرح تفسیر سورۃ یوسف میں ہے کہ یوسف علیہ السّلام سے جب شاہِ مصر نے گفتگو کی تو اپنا علم ظاہر کرنے کے لیے مختلف زبانوں میں بولنے لگا حضرت یوسف علیہ السّلام نے اسی زبان میں اس کو جواب دیا بیس زبانوں تک بادشاہ مصر بولتا رہا۔ لیکن جب یوسف علیہ السّلام نے اکیسویں زبان بولی تو وہ خاموش ہوگیا۔ یہاں تک کہ آپ نے چالیس زبانیں بولیں اور بادشاہ گنگ بنا بیٹھا رہا اور حیران ہوتا رہا۔ اپنے علم کا سارا غرور ٹوٹ گیا علم یوسفی سے مرعوب ہوگیا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نہ معلوم ابھی کتنی زبانیں اور بول لیتے یہ تو دیگر انبیا علیہم السّلام کے علم کی شان ہے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو سردارِ انبیا ہیں۔

پانچویں دلیل۔ رب تعالیٰ نے انبیاء علیہم السّلام کے علم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (سورۃ الانبیاء آیت ۹) اور تمام کو ہم نے بڑی حکمت اور بڑا علم عطا فرمایا۔ یہاں کُلًّا سے مراد تمام ہی ہے کُلًّا کا حقیقی ترجمہ یہی ہے اور حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ میں تنوین تعظیمی ہے یعنی بڑا حکم بڑا علم۔ اسی طرح بہت سی مختلف آیت میں مختلف انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے علم کی شان بیان کی گئی کہ۔ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ یعنی کہ ہر نبی علیہ السّلام کو ہم نے بڑی حکمت اور بڑا علم عطا فرمایا۔ ہر جگہ تنوین تعظیمی سے ارشاد ہے۔ لیکن جب غیر نبی انسان کے علم کی حالت بیان فرمائی گئی تو ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (سورۃ اسرا آیت ۸۵) اور اے انسانو تم بہت ہی تھوڑا علم دئے گئے ہو اندازہ لگایئے کہ کتنی واضح آیت سے رب تعالیٰ نے انبیا علیہم السّلام کے علم کی کثرت اور غیر انبیا انسانوں کے علم کی قلت بیان فرمائی۔ اس لیے فخر الدین رازی صاحب کی یہ بات نہایت غلط اور منشاءِ باری تعالیٰ کے خلاف ہے نیز خضر علیہ السّلام کی نبوت کے انکار میں رازی صاحب کے جتنے بھی استدلال ہیں وہ سب لغو ہیں اس لیے کہ وہ ان کی ذاتی عقلی باتیں ہیں کوئی ثبوت نہیں صرف اپنے منہ سے کسی چیز کا انکار کرتے چلے جانا تو بہت آسان ہے ایسا انکار تو ہر جاہل ضدی کر سکتا ہے۔ ائمۂ وقت کی

شان کے خلاف ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السّلام نبی ہیں اس کے مضبوط دلائل ہماری تفسیر نعیمی پارہ پندرہ میں دیکھئے جو لوگ حضرت خضر علیہ السّلام کو نبی نہیں مانتے وہ کم عقل اور غلط ہیں۔ ان کے اقوال کمزور ہیں، سائل کا دوسرا سوال سائل نے دو آیتیں پیش کر کے یہ سمجھ لیا کہ شاید موسیٰ علیہ السّلام اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر ہے۔ مگر یہ غلط ہے کسی بھی آیت سے علم کی برابری ثابت نہیں ہوتی بلکہ کثیر آیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام مخلوق کے علم سے زیادہ ثابت ہو رہا ہے۔ سائل کی پیش کردہ آیتوں میں بھی چار طرح فرق ظاہر ہے ۱۔ پہلی آیت میں وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ ہے۔ دوسری میں ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسٰی ہے ۲۔ پہلی میں تِبْیَانًا ہے۔ دوسری میں تِبْیَانًا نہیں ہے ۳۔ پہلی آیت میں عَلَیْکَ الْکِتَابَ ہے دوسری آیت میں تَمَامًا عَلَی الَّذِیْ اَحْسَنَ ہے ۴۔ پہلی آیت میں تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہے دوسری آیت میں تَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ ہے۔ نَزَّلْنَا اور اٰتَیْنَا میں یہ فرق کہ نزول میں تکلّم کا اشارہ۔ اِتْیَانٌ میں صرف تحریر کی عطا کا ذکر اور تکلّم کی طرزِ بیانی سے ایک علیحدہ علم کا حصول ہے جو دستی خط یا تحریر سے حاصل نہیں ہوتا۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبیانٌ کے ساتھ کتاب دی موسیٰ علیہ السّلام کو بغیر تبیان۔ پھر مزید یہ کہ قرآنِ مجید کا نزول عَلَیْکَ ہے۔ اور آپ کے وسیلے سے ہی پوری کائنات کو مگر توریت کی تحریر عَلَی الَّذِیْ اَحْسَنَ ہے یعنی بغیر وسیلہءِ موسیٰ علیہ السّلام بھی اس کو سمجھا جا سکتا تھا۔ مگر قرآن مجید بغیر تعلیمِ مصطفیٰ سمجھا نہیں جا سکتا خواہ آدمی کتنا ہی پڑھا لکھا سمجھ دار ہو۔ محققین کے نزدیک تِبْیَان اور تفصیل میں تین طرح فرق ہے ۱۔ تبیان وہ جو خود سمجھ نہ آسکے بلکہ مضمون والا سمجھائے تفصیل وہ جو ہر ایک کو خود سمجھ آجائے ۲۔ تبیان میں علم کی کثرت ہے اسی لیے سمجھانے پڑھانے والے کی حاجت ہے تفصیل میں زیادہ علم کی ضرورت نہیں اس لیے کہ خود ہر ایک کو سمجھ آجاتی ہے ۳۔ تبیان میں دو قسم کے علم ہوتے ہیں بعض مُفَصَّل بعض مُجْمَل لیکن تفصیل میں صرف ایک ہی علم ہوتا ہے۔ تفصیل ہی فقط۔ اجمال طریقت ہے تفصیل شریعت ہے۔ اجمال تھوڑی جگہ میں زیادہ علم اور معلومات سما سکتے ہیں۔ تفصیل زیادہ جگہ میں تھوڑا علم ہوتا ہے۔ اجمال

کو سمجھنے کے لیے چار علمی قوتیں ضروری ہیں ۱ تفکر ۲ تدبر ۳ تعقل ۴ تذکر۔ مگر تفصیل کو سمجھنے کے لیے صرف دو علمی قوتیں ضروری ۱ تعقل ۲ تذکر۔ نیز اگرچہ دونوں آیت میں کُلِّ شیءٍ اپنے اپنے عموم پر ہے مگر عموم چار قسم کا ہوتا ہے پہلا عموم جنسی۔ دوسرا عموم نوعی۔ تیسرا عموم صنفی۔ چوتھا عموم افرادی۔ سب سے زیادہ عموم جنسی ہوتا ہے۔ پھر نوعی پھر صنفی پھر سب سے کم افرادی، اس کی دو قسمیں ہیں ۱ کلی ۲ جزئی۔ قرآن مجید میں چونکہ ۱ شریعت ۲ طریقت ۳ حقیقت ۴ معرفت ۵ عبادات ۶ ریاضات۔ ۷ اذکار ۸ دعائیں ۹ حمد ۱۰ ثنا ۱۱ ہدایت ۱۲ رحمت ۱۳ اجمال ۱۴ تفصیل ۱۵ دین ۱۶ دنیا کے تمام طریقے ہیں اس لیے یہاں کُلِّ شیءٍ اپنے عموم جنسی پر ہے۔ مگر توریتِ مقدس جب طور پر عطا ہوئی تو اس میں شریعت کی ہدایت اور طریقت کی رحمت تھی جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم بنی اسرائیل کے مرتد ہو جانے کے غم و غصے میں توریت کی تختیوں کو زمین پر پھینک دیا تو رحمت و طریقت والی تختیاں غائب ہو گئیں صرف شریعت والی رہ گئیں۔ اب توریت کی کُلِّ شیءٍ صرف وہی ہدایتِ شریعت کی آیت ہیں۔ جب کہ قرآنِ مجید کی کُلِّ شیءٍ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ کی وسعت و کثرتِ عمومی کے ساتھ ہیں (سورہ انعام آیت ۵۹) چنانچہ سورۃ اعراف آیت ۱۵۰ میں وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ۔ اور پھینک دیا موسیٰ نے تختیوں کو۔ اور آگے آیت ۱۵۴ میں ہے۔ وَلَمَّا سَکَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّرَحْمَةٌ یعنی اور جب موسیٰ کا غصہ ختم ہوا تو انہوں نے تختیوں کو اٹھا لیا اور ان تختیوں کے نسخے میں یعنی لوحِ محفوظ سے منقولہ تختیوں میں ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی روایتوں میں آتا ہے کہ پھینکنے سے پہلے توریت میں ہدایت یعنی شریعت بھی تھی اور رحمت یعنی طریقت بھی مگر پھینکنے کی وجہ سے ہدایت اور موعظہ رہ گئی رحمت و طریقت کی تختیاں غائب ہو گئیں اس لیے اب توریت میں کُلِّ شیءٍ سے مراد فقط شریعت کی کُلِّ شیءٍ ہے۔ پس فرق ظاہر ہے قرآن مجید کے کُلِّ شیءٍ میں۔ نُسْخَتِهَا کا معنیٰ ہے وہ تحریر جو لوحِ محفوظ سے نقل کی گئی خیال رہے کہ تحریر پانچ قسم کی ہوتی ہے ۱ مسودہ ۲ مطبوعہ ۳ منقوشہ ۴ منسوخ

۵ معکوسہ۔ مسودہ وہ تحریر جو مصنف اپنے قلم سے خود لکھے مطبوعہ وہ تحریر جس کو چھاپ لیا جائے۔ منقوشہ وہ تحریر جو باریک کاغذ رکھ کر نیچے کے کاغذ کی تحریر پر قلم پھیر کر اوپر والے باریک کاغذ پر اتاری جائے۔ منسوخہ وہ تحریر جو مسودہ سے من وعن نقل کر لی جائے۔ یہاں آیت کریمہ میں یہی مراد ہے یعنی توریت کی تختیوں کی عبارت بعینہٖ لوح محفوظ سے نقل کی گئی تھی ذرہ بھر کمی بیشی نہ تھی اسی لیے توریت کو نسخہ فرمایا گیا۔ معکوسہ وہ تحریر کہ کاغذ کے ایک جانب تیز روشنی ڈال کر دوسرے کاغذ پر اُس کا عکس یعنی تصویر اور فوٹو لیا جائے اور پھر اس کو طبع کر لیا جائے۔ سائل کا تیسرا سوال۔ کہ نورِ وحدت سے مراد اللہ۔ اور ٹکڑا سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ دونوں باتیں بے ادبی ہیں۔ وہابیوں کی کم عقلی اور ناقص علمی کو کیا کہا جائے کہ اُن کو مصدر اور مشتق کے فرق کا پتہ ہے اور نہ اُردو محاورہ کا۔ اسی لاعلمی کی بنا پر اپنے کسی کا نام عبدالتوحید رکھدیتے ہیں اور کسی کا نام عبدالوحدت، حالانکہ اصل گناہ جہالت وگستاخی وبے ادبی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام مصدر بنا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ واحد ہے نہ کہ وحدت اور توحید۔ نورِ وحدت کا معنیٰ اللہ تعالیٰ نہیں۔ بلکہ نورِ وحدت مرکب توصیفی ہے اور اس کا معنیٰ ہے۔ یکتا، بے مثل نور۔ اور اردو محاورے میں لفظِ ٹکڑا مشترک ہے چار معنیٰ ہیں ۱۔ ٹکڑا کا معنیٰ پیارا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں میرے جگر کا ٹکڑا ہے دل کا ٹکڑا ہے یعنی فلاں میرے قلب وجگر کا پیارا۔ یہاں۔ نورِ وحدت کا ٹکڑا۔ میں یہی مراد ہے۔ یعنی بے مثل نور کا پیارا۔ ۲۔ ٹکڑا کے معنیٰ قریب جیسے کہا جاتا ہے فلاں میری جان کا ٹکڑا ہے یعنی میری جان سے قریب ہے ۳۔ ٹکڑا کا معنیٰ جزء۔ حصہ جیسے کہا جاتا ہے روٹی کا ٹکڑا۔ برتن کا ٹکڑا۔ وغیرہ وغیرہ ۴۔ ٹکڑا کا معنیٰ توڑنا۔ یہاں اعلیٰحضرت کے اس شعر کے پہلے مصرعے میں یہی معنیٰ لیے گئے ہیں۔

نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی کہ جس نے ٹکڑے کئے ہیں قمر کے وہ ہے

اب اس پورے شعر کا ترجمہ یہ ہوا کہ۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس نے آسمان کا چودھویں والا بڑا چاند توڑ دیا۔ وہ بے مثل نور پیارا۔ ہمارا ہی نبی

ہے۔ یہاں لفظِ کا اُردو محاورے میں اضافت کا نہیں بلکہ نسبتی ہے جیسے کہا جاتا ہے جگری پیار۔ قلبی لگاؤ۔ ظاہری حُسن باطنی محبت وغیرہ تو معنیٰ یہ ہے کہ ہمارا نبی وہ بے مثل نور ہے جو ہر ایک کو پیارا اور محبوب ہے۔ اور اگر ٹکڑا کے معنیٰ یہاں قریب کیا جائے تو ترجمہ اس طرح کیا جائے گا۔ نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی۔ وہ بے مثل نور جو ہم سے قریب ہے ہمارا نبی ہے۔ بہرحال اس شعر پر کوئی عالم اعتراض نہیں کر سکتا۔ اور جہلا تو اعتراض کرتے ہی رہتے ہیں نہ قرآن سے ٹلیں نہ حدیث سے۔ واللہ ورسولہٗ اَعلَمُہٗ۔

نواں فتویٰ۔

بنام حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب

السلام علیکم۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ چند دن سے پیشتر مجھ کو فتاویٰ رضوی جلد اوّل کی زیارت نصیب ہوئی جسے رضا اکیڈمی بمبئی نے شائع کیا ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلِ اقدس کا نقش بنا ہوا دیکھا۔ اس نقش مبارک کے اندر اوپر کی طرف اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَبَدًا۔ اس کے تھوڑا نیچے دو حصوں میں درود پاک اور نیچے ماشاءَ اللہ لکھا ہے۔ ساتھ ہی کچھ اور عبارتیں بھی ہیں۔ بیچ میں الفقیر احمد رضا القادری۔ لکھا ہوا ہے۔ الحمد للہ اس مبارک نقش کو دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ مگر یہاں ایک شخص زید واویلا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر اللہ رسول۔ عَزَّوَجَلَّ وَصَلَّی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھنا سخت بے ادبی ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی ایسا پیارا اور محبت بھرا جواب دیں اور ایسا فتویٰ تحریر فرمائیں کہ زید کو مطمئن کرتے میں مدد ملے اللہ تعالیٰ عزوجل آپ کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ جواب مع دستخط و مہرِ عنایت فرمائیے گا۔ میں اس استفتا کے ساتھ فتاویٰ رضویہ مذکورہ مطبوعہ جلد اوّل کے پہلے صفحے پر دیئے ہوئے نقشِ نعلِ اقدس کی فوٹو کاپی اور

جوابی لفافہ بھی بھیج رہا ہوں۔
دستخط سائل المستفتی محمد سلیم ولد عبدالحکیم کیفے سلیم لائٹ ہاؤس کراچی
۱۹۹۴/۱۱/۹۴ء براہِ کرم جلد جواب عطا فرمایا جائے۔

بِعَونِ العَلَّامِ الوَهَّاب

الجواب

محترم سائل محمد سلیم صاحب۔
وعلیکم السلام تمّ السلام علیکم۔
آپ کا یہ گرامی نامہ تشریف لایا۔ آپ کے جواب میں دیر اس لیے ہوتی رہی کہ جن کے نام یہ خط لکھا ہے وہ بزرگ ہستی ۱۹۷۱ء اور ۱۳۹۱ھ میں وفات پا چکے ہیں آپ کی کمزور معلومات یا تجاہلِ عارفانہ پر مجھ کو حیرت ہے کہ اتنی مشہور ہستی کی وفات شریف کا آپ کو پتہ نہ چل سکا جب کہ اخبارات اور ریڈیو کے ذریعہ پورے ملک کے علاوہ دیگر ممالک برطانیہ امریکہ ہندوستان، افغانستان اور عرب ممالک سے بھی تعزیت نامے آئے تھے۔ میں اسی سوچ میں رہا کہ کیا میں آپ کے اس استفتا کا جواب دوں یا نہ دوں۔ آج میں خود اپنے قلم سے جواب دے رہا ہوں تاکہ آپ کو انتظار کی زحمت مزید نہ اٹھانی پڑے آپ نے اِس سوال نامے میں جو فتویٰ طلب فرمایا ہے وہ مکمل و مدلل کچھ عرصہ پہلے کسی اور مستفتی شخص کے جواب میں لکھا جا چکا ہے اور اس کی نقول مدّعی و مدّعیٰ علیہ کو بھیجدی گئی ہیں ہم نے مدّعیٰ علیہ سے توبہ ورجوع کا مطالبہ کیا ہے جس کا انتظار ہے۔ اگر مدّعیٰ علیہ تحریری توبہ نامہ شائع کر دے گا تو شاید یہ فتویٰ ہم شائع نہ کریں کیونکہ مقصود صرف ہدایت واصلاح ہے نہ کہ تشہیر۔ وہ فتویٰ رجسٹر سائز پر قلمی مسودہ تقریباً تنتالیس صفحات میں ہے۔ آپ کے اِس سوال نامے کا جواب اس طرح ہے کہ آپ نے اپنے خط میں پانچ باتیں لکھی ہیں ۱؎ زید واویلا کرتا ہے ۲؎ نعل اقدس ۳؎ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں ۴؎ ایسا پیارا فتویٰ دیں کہ زید کو مطمئن کرنے میں مدد

ملے گا نقشہ فتاوی رضویہ جلد اول کے پہلے صفحہ پر ہے (گویا کہ یہ آپ کی دلیلِ جواز ہے) اس کے علاوہ آپ کے اِس خط میں ایک شرعی غلطی ہے وہ یہ کہ آپ نے لکھا ہے۔ اللہ و رسول عَزَّ وَجَلَّ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ شرعاً اس طرح لکھنا منع ہے۔ شرعی اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اقدس کے ساتھ ہی تعالیٰ و عزوجل لکھا جائے۔ فاصلہ کرنا کسی دوسرے کے نام سے ممنوع ہے یہی حکم درود پاک کا ہے۔ آپ کے اس خط میں دیگر باتوں کے جوابات اِس طرح ہیں۔ آپ نے لکھا ہے، نقش نعل اقدس۔ خیال رہے کہ نعل پاک اور نعلین شریف کو اقدس اور مقدس کہنا منع ہے۔ صرف پاک یا مبارک یا شریف کہنا چاہیئے۔ اقدس کہنا قرآن مجید کے فرمان کے خلاف ہے اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم نے اصل نعلین موسیٰ علیہ السلام کو اُتروا دیا اور وادی کو مقدس فرمایا نہ کہ نعلین پاک کو۔ اِس آیتِ پاک نے اِشارۃً فرمایا کہ کسی کی جوتی کو اقدس نہ کہا جائے اگرچہ وہ جوتی موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی ہو یا آقا حبیبُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو۔ ہاں البتہ قدمِ اقدس کی نسبت سے نعلین یا نقشِ نعلین کو پاک طیب مبارک اور شریف کہا جائے گا اور ادب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس لیے کہ جب آقاءِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور اقدس اور رسولِ مقدس کہا جائے گا تو آپ کی نعلین پاک کو وہی لقب دینا برابری پیدا کرکے گستاخی کا ارتکاب کرنا ہے۔ شریعت میں تو یہ بھی جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے القاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی نبی علیہ السلام کو دئے جائیں تو ادنیٰ سی عقل والا بھی سمجھ جاتا ہے کہ ایک عام آدمی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی جوتی عام سے چمڑے کی بنی ہوئی کو نبوت کے القاب کس طرح دئے جا سکتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ آپ لوگوں کی عقل کہاں چلی گئی ہے یہ اندھی عقیدت ایمان نہیں حماقت یا ضلالت ہے آپ نے دوسری بات لکھ دی کہ ہبری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ آپ کے اس جملے میں سوال یہ ہے کہ کس چیز سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اگر فقط نقشہٴ نعلین پاک سے

ٹھنڈی ہوتی ہیں تو آپ کے روشن ایمان کی نشانی اَللّٰھُمَّ زِدْ فِیْ دِ۔ اور اگر جوتی شریف پر اللہ تعالیٰ کا نام۔ قرآنِ مجید کی آیتِ کریمہ لکھنے سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں تو یہ آپ پر شیطان کا غلبہ ہے اور تلبیسِ ابلیس ہے۔ جلد از جلد اِس وسوسۂ شیطانی سے آپ کو توبہ کرنی چاہیئے۔ اِس ملعون نے بڑے بڑوں کا بیڑہ غرق کر دیا ہے یہ ازلی دشمن کسی سے نہیں ٹلتا۔ اللہ تعالیٰ میرے سب سنی بھائیوں کو ابلیسِ لعین و رجیم کے اِن خفیہ حملوں سے بچائے۔ موجودہ دور میں یہ خبیث ابلیس ہمارے بہروپ مولویوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کسی سے کالا خضاب جائز کروا رہا ہے۔ کسی سے داڑھی مبارک کی حدِ شرعی چار انگل سے کم کروا رہا ہے۔ اور سنتِ موکدہ نبویہ کی توہین کرواکر اِن علاّموں اور خطیبوں کو قوم کا لیڈر بناکر پیشوائے جہنم کروا رہا ہے۔ کسی سے نقشۂ نعلین پاک پر گستاخیِ الہٰی توہینِ قرآن عظیم کرواکر تمام خدماتِ اسلامی کو برباد کروا رہا ہے۔ کہیں جھوٹی خوابوں پر اُکساکر لیڈری چمکا رہا ہے۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔ آپ نے تیسری بات یہ لکھی کہ نقشِ نعلین پر آیت قرآنی اور درود شریف اللہ کا نام لکھنے پر زید واویلا کرتا ہے۔

جواب۔ زید کا واویلا درست ہے۔ یہ زید کی آوازِ حق بلند کرنا ہے اور آپ جیسے نرغے میں آئے ہوؤں کو سچی ایمانی راہ دکھاتا ہے۔ بلکہ اِس آوازِ حق کو واویلا کہنا بھی شیطانی افترا ہے۔ زید باادب معلوم ہوتا ہے یہ اُس کے ادب کی نشانی ہے آپ نے چوتھی بات یہ لکھی کہ ایسا پیارا اور محبت بھرا فتویٰ دیں کہ جس سے زید کو مطمئن کرنے میں مدد ملے۔ جواب پیار و محبت بہت قسم کا ہوتا ہے۔ غلط بھی صحیح بھی۔ بگاڑنے والا بھی۔ سنوارنے والا بھی۔ مجازی بھی حقیقی بھی عارضی بھی۔ سچا صحیح حقیقی دائمی پیار و محبت حق اور سچ میں ہے اگرچہ کسی کو کڑوا لگے۔ تندرست آدمی کے لیے پیار و محبت یہ ہے کہ اُس کو مٹھائی کھلائی جائے۔ لیکن بیمار آدمی کے ساتھ پیار و محبت یہ ہے کہ اُس کو کڑوی، دوائی اور دوائی کا ٹیکہ لگایا جائے۔ اندھی عقیدت اور جھوٹی تقلید تو زہر قاتل ہے۔ سچا حقیقی اور ایمانی محبت اسلامی پیار والا فتویٰ یہی ہے کہ نعلینِ پاک

کے نقشۂ مبارک پر کسی آیت کریمہ یا بسم اللہ شریف یا اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا اشد حرام ہے کیونکہ گستاخی اور ایمان سوز بے ادبی ہے۔ زید کا مسلک اور قول درست اور حکمِ قرآنی کے مطابق ہے۔ صرف خالی نقشۂ تعلین پاک بنانا چاہیئے۔ آپ نے یا بخوبی بات یہ لکھی کہ رضا اکیڈمی بمبئی کے چھپے ہوئے فتاوی رضویہ کے ٹائٹل (پہلے صفحہ) پر چھپے ہوئے نقشۂ تعلین پاک میں اللہ کا نام۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ مَاشَاءَ اللہ درود شریف۔ آیتِ قرآن لکھی ہے۔ جواب غالبًا آپ لوگوں کے نزدیک یہ ٹائٹل اس طرح جوتی کے نقشے پر لکھنے کے جواز پر دلیل ہو۔ میں کہتا ہوں اگر اسی طرح کی دشمنی حرکتوں سے آپ لوگ دلیلیں یعنی شروع کر دو گے تو پھر دشمن کے لیے آپ کو پاگل بنانا اور گمراہ کرنا بڑا ہی آسان ہو جائے گا۔ دشمن اس طرح کی مکاریاں بہت عرصے سے دکھاتا چلا آرہا ہے۔ یہودیوں کی انہی پُرفریب مکاریوں نے آج تک عیسائیوں کو پاگل بنایا ہوا ہے۔ پہلے دعویٰ کیا کہ ہم نے عیسیٰ یسوع مسیح کو صلیب پر چڑھا دیا جب عیسائیوں کے انتقام کا خوف ہوا تو کفارے کا مسئلہ بنا کر اسی صلیب کے ذریعے تمام دنیا کے عیسائیوں کو مشرک بنایا گیا، پھر کفارے کے فائدے سمجھاتے ہوئے تمام عیسائیوں کو بے عمل بلکہ بدعمل بنایا گیا اور شریعت کو لعنت کہلایا گیا۔ یعنی مسیح ابنُ اللہ نے خود مصلوب ہو کر اگلے پچھلے تمام عیسائیوں کا کفارہ دے دیا اور آئندہ سب کو شریعت کی لعنت (مصیبت) سے چھڑا لیا۔ اور آج تک تمام دنیا بھر کے عیسائی یہودیانہ مکر کے شکار بن کر اپنی آخرت تباہ کئے ہوئے ہیں۔ اور حماقت کی انتہا یہ کہ خود اپنی بائبلوں انجیلوں میں لکھتے پڑھتے سنتے بھی ہیں کہ یسوع مسیح یہودی قاتلوں دشمنوں ڈھونڈنے والوں سے چھپتے پھرتے تھے۔ روتے تھے۔ اِیْلِیْ اِیْلِیْ لِمَا شَبَقْتَنِیْ کہتے تھے۔ ترجمہ۔ اے اللہ۔ اے اللہ کیوں چھوڑ دیا تو نے مجھ کو۔ ان ظالموں میں۔ مگر دشمنوں نے پھر بھی پکڑ پکڑا کر صلیب چڑھا دیا۔ (متی کی انجیل باب ۲۷ آیت ۴۶ ص ۳۳)، کوئی پوچھے ان حمقا سے کہ جو صلیب سے چھپتا پھرے جس کو پکڑ کر تلاش کر کے صلیب چڑھایا جائے کیا اُس نے کفارہ دیا ہے

اور کیا اس طرح کے جبری قتل کو کفارہ کہا جا سکتا ہے۔ مگر عیسائی ان مکاریوں پر غور ہی نہیں کرتے اور پاگل بنے ہوئے ہیں ہم مسلمان عیسائیوں کی ان بیوقوفیوں پر ہنستے ہیں۔ لیکن میرے مسلمان بھائیوں کو اب کیا ہو گیا ہے کہ جو عیار دشمن کے عیارانہ نرغے میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔ نامعلوم کس عیاز دشمن نے بمبئی میں دشمن اکیڈمی کھولی اور نام رضا اکیڈمی رکھ کر ناجائز مفاد حاصل کیا۔ ٹائٹل پر گستاخانہ طریقے سے نقشۂ نعلین پاک چھاپ کر دشمنوں کو اعلحضرت کے خلاف بولنے کا موقعہ فراہم کیا۔ اگر اسی طرح کے کمزور اور احمقانہ دلائل کا سہارا لیا جائے تو پھر اعلحضرت کی حدائق بخشش حصہ سوم میں اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چند اشعار میں سخت ترین توہین و گستاخی بے ادبی کرنیکی غرض سے یہ اشعار ملاوٹ کئے اور بعد میں خود ہی اچھالا کہ دیکھو سنیوں کے اعلحضرت نے کیا لکھدیا۔ یہ بھی دشمن اکیڈمی نے کیا اور وہ بھی سوم یہ کہ اعلحضرت ہی کی کتاب ملفوظات حصہ چہارم مطبوعہ فرید بک سٹال ص ۳۶۱ پر ایک آیت کریمہ کو غلط لکھا ہے۔ ختم اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ حالانکہ اصل آیت۔ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔ ہے ملفوظات میں آیت غلط چھاپی گئی ہے اور اب تک چھپتی ہی چلی آ رہی ہے کسی کو اس کا ہوش نہیں اس کا قہر بروز قیامت کس پر پڑے گا؟ یا پھر اگر کوئی زید واویلا کرے تو بیچارے پر فتوے ڈھونڈے جاتے ہیں۔ یہ وہ چھوٹی چھوٹی دشمنوں کی عیارانہ ملاوٹیں ہیں جس نے نادان عقیدت مندوں کو پاگل بنایا ہوا ہے اور خود اُن ہی دشمنوں نے اعلحضرت کے خلاف زبان درازی کرنے کا موقعہ نکالا ہوا ہے۔ اور آپ لوگ ہیں کہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اعلحضرت کی کتاب میں یہ لکھا گیا ہے۔ بس دل و جان سے فدا ہیں اگر کوئی واویلا کر کے سچی بات سمجھانا چاہتا ہے تو اس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ مگر دشمنِ عیار کی چالوں کو نہیں سمجھتے اسی طرح اعلحضرت کی کتاب احکامِ شریعت میں بہت سے غلط مسائل چھپ گئے اور ملفوظات کے بعض مسائل کی تردید تو خود اعلحضرت کے چھوٹے فرزند مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کو فرمانی پڑی۔ اب بتائیے کہ کیا یہ غلطیاں صرف اس لیے مان لی جائیں کہ اعلیٰحضرت کی کتابوں میں چھپی ہیں یا چھاپ دی گئی ہیں حقیقت یہ ہے۔ کہ ان اکیڈمیوں نے اپنی حماقتوں سے کئی ایسے غلط کام بھی کیے ہیں جس سے اعلیٰحضرت کی بدنامی ہوتی ہے حالانکہ اعلیٰحضرت بریلوی کی ذاتِ طیبہ طاہرہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اعلیٰحضرت بریلوی نے جو نقشۂ نعلین پاک تخریج لکھکر فرمایا تھا اس پر کچھ نہیں لکھا بالکل خالی ہے۔ جس کی زیارت کرنے والے اب بھی بہت سے بزرگ موجود ہیں مگر آپ لوگوں کو پھر بھی لکھنے اور لکھ کر بے ادبی کا ارتکاب کرنے پر اصرار ہے۔ کراچی کے ایک بزرگ ستے تو اس شر انگیز ایمان سوز حرکت کے جواز پر ٹوکرا بھر کر اپنے حق میں تین تین سطری فتوے بھی حاصل کر لیے اور ان مولویوں اور صاحب زادوں نے جن کی عمر تعویذ لکھنے میں گزری تعویذ چھوڑ کر محض ان بزرگ کو خوش کرنے کے لیے فتویٰ نویسی میں لگ پڑے اور اسلام کی اس سپریم کوٹ عدالت کے وقار و مرتبے کے حقوق کا بھی خیال نہ رکھا۔ ان شہزادوں کو یہ معلوم ہی نہیں کے فتویٰ نویسی کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ نہ روایت کا پتہ نہ درایت کا شعور نہ استنباط کا ملکہ نہ سباق کا حافظہ نہ سیاق کی بصیرت نہ تخریج کی علمیت نہ تصحیح کی فہمیت نہ تحقیق کی محنت نہ تفتیش کی عادت اور شوق ہے مفتیِ فلاں کہلانے کا یہ فتوے یا تو خوشامدانہ لکھوائے گئے ہیں یا چاپلوسانہ لکھے گئے ہیں، ہمارا یہ اندازہ ان کمزور بے دلیلی گھسی گھسائی تحریر اور غیر مفتیوں کی قلم زنی سے ہے۔ ورنہ اہلِ فتویٰ حضرات اس طرح جلد بازی اور وَجَدْنَا آبَائَنَا کا مظاہرہ نہیں کیا کرتے ہیں اس زمانے قربِ قیامت میں عجیب اور خطرناک شوق پیدا ہو گیا ہے کہ ہر جاہل تبلیغیہ بنا پھرتا ہے۔ اور ہر کسلمند مفتی۔ تَعَالَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

9/11/96

کتبہ

دسواں فتویٰ

لمبے دن اور لمبی راتوں کا بیان اور ان دنوں میں نماز و روزے کی ادائیگی کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ دنیا میں بعض علاقے ایسے بھی پائے گئے ہیں جہاں نظامِ شمسی کے تحت سال بھر میں چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات رہتی ہے۔ احادیثِ کریمہ بلکہ نصِّ قطعی سے یہ ثابت ہے کہ روزہ کا وقت صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک ہے اور اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ چھ ماہ کا روزہ نہیں رکھا جا سکتا۔ تو فرمایا جائے کہ وہاں اُن علاقوں کے مسلمان باشندوں پر روزہ فرض ہے یا نہیں۔ اور اگر فرض ہیں تو دنیا کے کون سے علاقہ کی یومیہ مقدار کو مدِ نظر رکھا جائے گا۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔
دستخط سائل۔ قاضی نور حسین معرفت صوفی فضل حسین، نزد ڈاکخانہ سکھو تحصیل گوجر خان ۲۶/۱۰/۹۵

بعونِ العلام الوھاب

الجواب

میری مشاہداتی تحقیق کے مطابق پوری سرزمینِ آبادیات میں کوئی ایسا مقام نہیں جہاں چھ مہینے مسلسل دن رہے اور پھر موسم سرما میں چھ ماہ مسلسل رات رہے۔ نامعلوم سائل نے ایسے علاقوں کو کہاں سے پایا کہ جہاں انسانی آبادی بھی ہو اور چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات بھی ہو۔ میں نے اپنی سفری زندگی میں بہت دور دراز کے سفر کئے ہیں۔ مثلاً برطانیہ فرانس سویڈن ناروے ڈنمارک وغیرہ وغیرہ۔ ان میں کہیں بھی ایسا نہ کبھی سنا گیا نہ دیکھا ہاں البتہ یورپ کے بعض علاقوں میں موسم گرما کے کچھ دن بہت

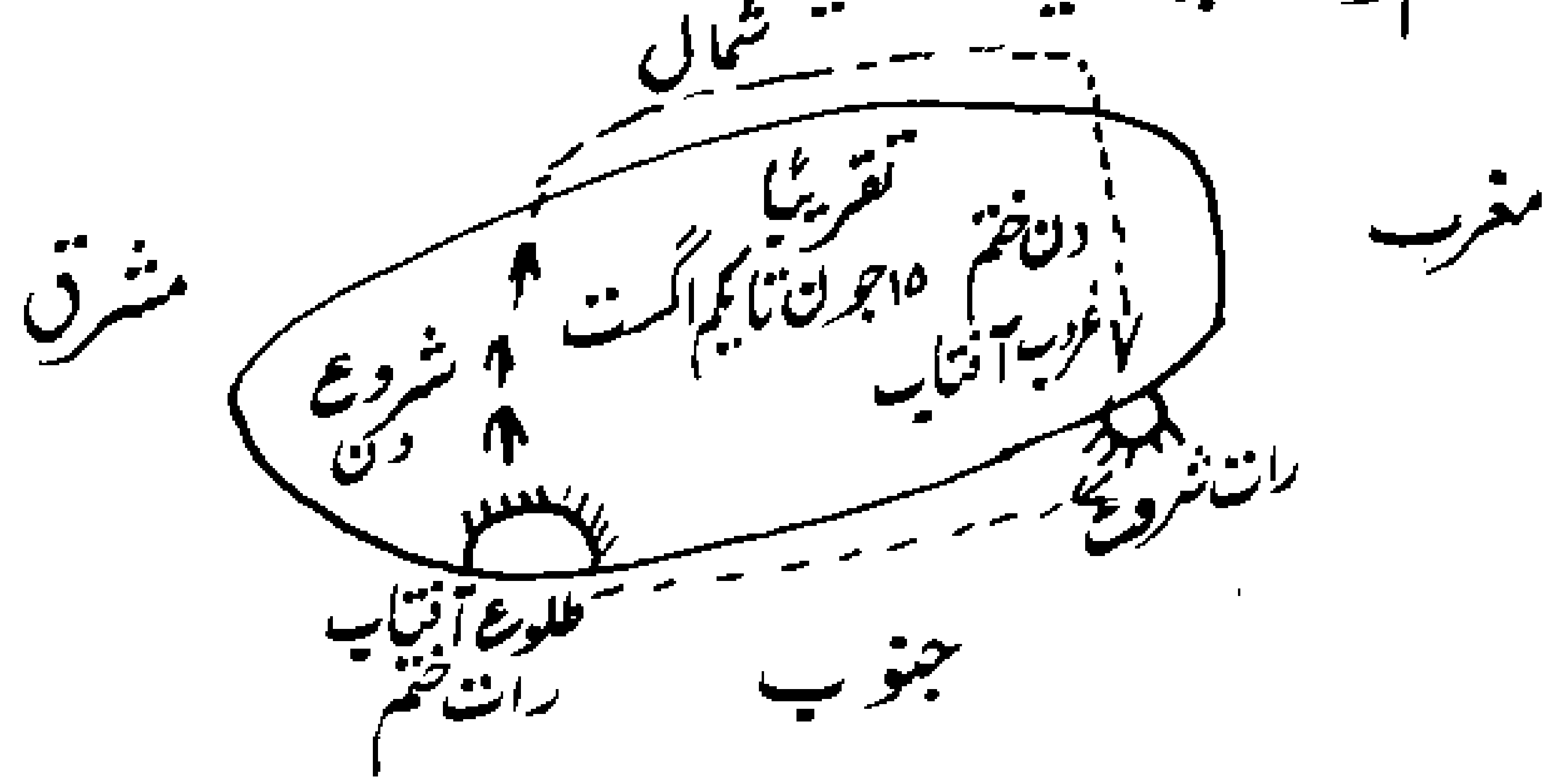
درازے ہوتے ہیں اور سردیوں کی کچھ راتیں بہت لمبی ہوتی ہیں۔ مگر یہ چھوٹا بڑا ہونا چوبیس گھنٹوں کے اندر ہی ہوتا ہے چوبیس گھنٹوں سے تجاوز نہ کبھی کسی جگہ کے دن میں ہوتا ہے نہ کبھی کسی جگہ کی رات میں مثلاً جنوبی ناروے میں بائیس جون کا ایک دن تئیس گھنٹے کا اور رات فقط ایک گھنٹے کی ہوتی ہے باقی علاقوں میں گرمی کا موسم مثلاً جون جولائی اگست کے چند دن اٹھارہ اور بیس بائیس گھنٹوں کے ہوتے ہیں اور راتیں چھ۔ چار اور دو گھنٹوں کی۔ اسی طرح سردیوں میں راتیں اسی حساب سے لمبی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ علامہ شامی نے اپنے فتاویٰ شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ۔ مطلب فی فاقد وَقْتُ الْعِشَاءِ کَاَھْلِ الْبُلْغَارِ میں ص۳۳۵ پر فرمایا فَاِنَّ فِیْھَا یَطْلَعُ الْفَجْرُ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّفَقِ فِی اَرْبَعِیْنِیَّۃِ الشِّتَاءِ۔ ترجمہ پس بے شک علاقۂ بلغاریہ میں گرمیوں کی چالیس راتیں ایسی آتی ہیں جب کہ غروب آفتاب کی شفق غائب ہونے سے پہلے فجر صادق کی روشنی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت میں نے بلے نظر خود برطانیہ سویڈن ڈنمارک کے بعض علاقوں میں دیکھی۔ علامہ شامی ان علاقوں میں عشا کی نماز کے بارے علما کے دو قول پیش کرتے ہیں ۱۔ بعض نے فرمایا کہ وہاں ان راتوں میں موجود مسلمانوں پر نمازِ عشا فرض ہی نہ ہوگی اس لیے کہ نمازوں کی فرضیت کا سبب اُن کے اپنے اپنے وقت ہیں عشا کی نماز کا وقت شفق غائب ہونا ہے جب شفق ہی غائب نہ ہو تو وقت نہ آیا اور سبب نمازِ عشا نہ پایا گیا لہٰذا عشا فرض ہی نہ ہوئی۔ ۲۔ بعض علما نے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ سببِ نماز اس کے وقت کا ظہور ہو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اتنی مقدار کا اندازہ بھی سببِ فرضیتِ نماز بن جاتا ہے جیسا کہ دجال کی حدیث پاک میں اندازے کو سببِ فرضیت نماز فرمایا گیا مگر میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں قول ضعیف ہیں۔ پہلا اس لیے کہ وہ علما فرماتے ہیں کہ چونکہ سببِ فرضیت غروب شفق یعنی شفق کا غائب ہونا ہے اس لیے نمازِ عشا فرض ہی نہ ہوئی یہ قول اس لیے غلط ہے کہ میرے ذاتی مشاہدے کے مطابق شفق غائب ہو جاتی ہے اگرچہ

آدھی رات کو ہو۔ اس طرح کہ شفق دو قسم کی ہے۔ پہلی شفق سرخی مغربی کناروں کی دوم آسمانی کناروں کی سفیدی۔ ہر جگہ غروب آفتاب کے بعد پہلے سرخی آتی ہے پھر سفیدی جب سفیدی غائب ہو جاتی ہے تو پھر سیاہی آتی ہے اب فقہا مجتہدین کا اس میں اختلاف ہے کہ شفق کس چیز کا نام ہے امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ شفق نام ہے سفیدی کا اور صاحبین یعنی امام یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ شفق نام ہے سرخی کا۔ اور اس میں سب کا اتفاق ہے کہ شفق کے غائب ہو جانے کے بعد عشا کا وقت شروع ہوگا۔ چنانچہ ہدایہ شریف جلد اول کتاب الصلوٰۃ صـ۲۶ پر ہے۔ ثُمَّ الشَّفَقُ هُوَ الْبَيَاضُ الَّذِیْ فِی الْاُفُقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَعِنْدَهُمَا هُوَ الْحُمْرَةُ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیْ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلشَّفَقُ هُوَ الْحُمْرَةُ۔ ترجمہ۔ پھر شفق وہ سفیدی ہے جو آسمان کے مغربی کناروں میں ہو سرخی کے بعد امام اعظم کے نزدیک، لیکن صاحبین کے نزدیک شفق سرخی کا نام ہے یہی ایک روایت میں امام اعظم کا قول ہے اور امام شافعی کے نزدیک بھی شفق سرخی کا نام ہے اور ان سب کی دلیل نبی کریم آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مقدس ہے کہ شفق وہ سرخی ہے اگرچہ ان اختلافی مسالک میں امام اعظم کا مشہور مسلک باعتبار استنباط کے مضبوط ہے مگر اُن یورپی علاقوں میں ہم صاحبین کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے سرخی کو شفق تسلیم کرتے ہیں تاکہ وقت عشا حاصل ہو جائے۔ اور یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ رات کو کبھی بارہ بجے کبھی ایک کبھی ڈیڑھ بجے سرخی غائب ہو جاتی ہے سرخی کو شفق تسلیم کرنے کی صورت میں گویا بارہ ایک بجے گرمیوں کے اُن طویل دنوں میں عشا شروع۔ پھر تقریباً آدھا گھنٹہ بعد فجر صادق۔ وہاں کے محتاط مسلمان اس آدھے گھنٹے میں نماز عشا ادا کر لیتے ہیں۔ اگرچہ ان مخصوص چند ایام میں سونے کا وقت میسر نہیں آتا تہجد کے عادی محروم تہجد رہتے ہیں مگر فرضیت عشا قائم و دائم رہتی ہے۔ غرضکہ بلغاریہ یا دنیا کے کسی علاقے میں کوئی ایسا پہاڑی یا غیر پہاڑی (میدانی) مقام نہیں ہے جہاں چھ ماہ کا

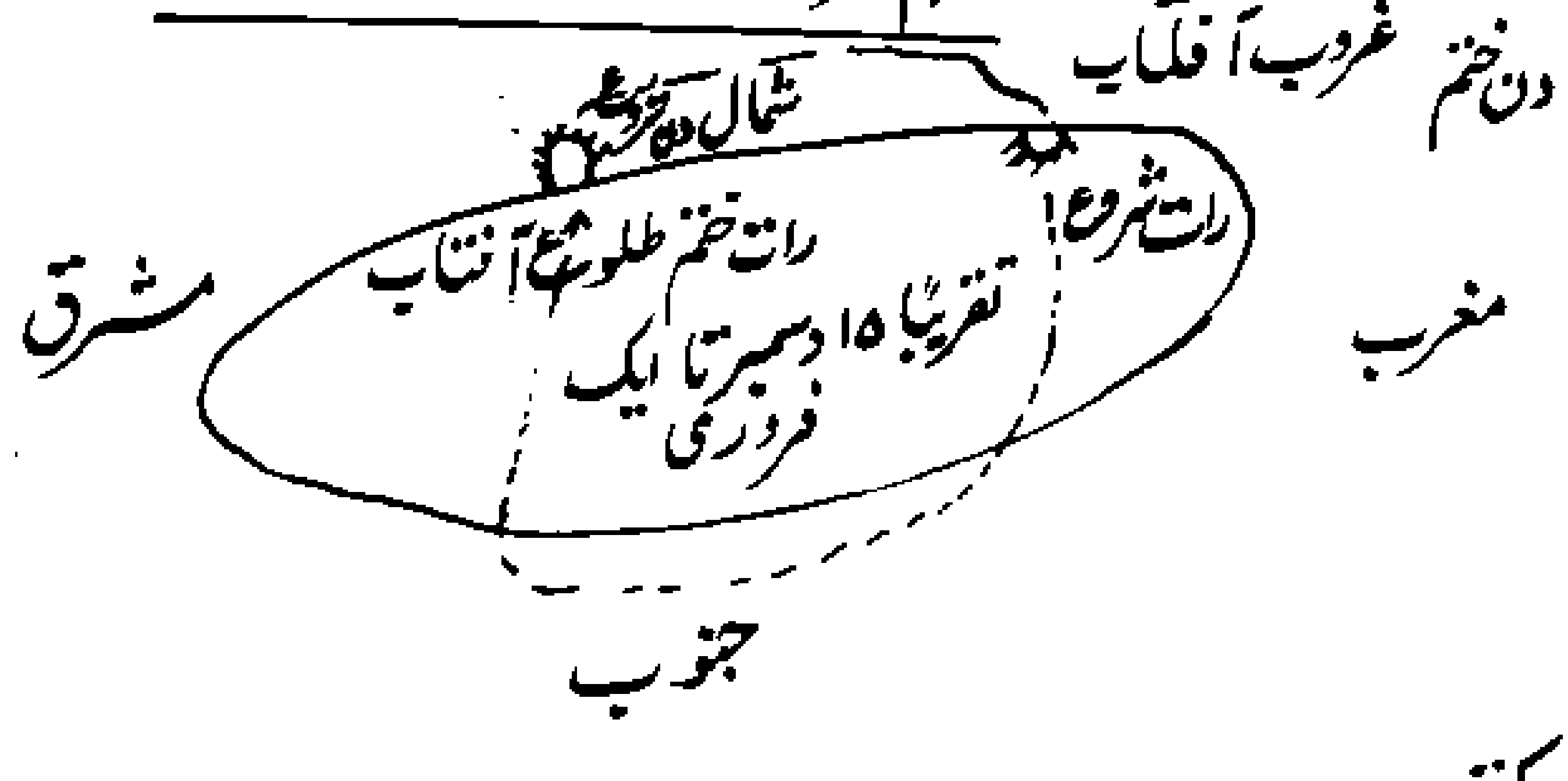
دن یا رات تو درکنار ایک ماہ یا ایک ہفتہ بھی مسلسل گرمیوں میں دن اور سردیوں میں رات طاری رہے اور رات کا اندھیرا یا دن کا سورج ظاہر رہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے اوپر بیان کیا کہ سویڈن ناروے وغیرہ میں گرمی میں دن اور سردی میں رات تقریباً بائیس ایام سردیوں میں صرف ایک گھنٹہ سورج ظاہر رہتا ہے اور گرمیوں صرف ایک گھنٹہ غروب رہتا ہے یعنی گرمی میں تیئس گھنٹے کا دن اور ایک گھنٹے کی رات ہوتی ہے۔ اسی طرح سردی کے موسم میں ۲۳ گھنٹے کی رات اور ایک گھنٹے کا دن ہوتا ہے یہ نظارہ صرف چند دن ہوتا ہے اسی گھنٹے میں پندرہ بیس منٹ کے پہلے شفقِ احمر سمتِ مغرب غائب ہوتی ہے۔ بس یہی پندرہ بیس منٹ وہاں کا وقتِ عشا ہے۔ پھر صبح یعنی ایک گھنٹے کے بعد سمتِ مشرق میں سورج نکلنے سے پہلے صبح صادق کا دھاگہ بھی نظر آتا ہے اور فجر شروع ہو جاتی ہے یہ بھی تقریباً پندرہ بیس منٹ کا وقفہ ہوتا ہے۔ اکثر سیاح لوگ ان چند مہینوں کے ان مخصوص دنوں میں اُن عجائباتِ قدرت کا نظارہ کرنے جاتے ہیں۔ مقامی ومسافر سیاح مسلمان اسی حساب سے اپنی نمازیں ادا فرماتے ہیں۔ بعض مقامی ومسافر وہابیوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ نہ عشا پڑھتے ہیں نہ فجر وہ کہتے ہیں کہ یہاں عشا اور فجر شروع ہی نہیں ہوتی لہٰذا فرض ہی نہیں ہوئی۔ ہم نے بہت سمجھایا شفق کے غائب ہونے فجر صادق کی روشنی کے سفید دھاگے (خیط ابیض) کے دیکھنے کی دعوت دی کہ آؤ دیکھو۔ مگر بستروں میں پڑے پڑے انکار کرتے رہے ہمارا کہنا نہ مانا تو یہ اُن کی ابلیسیانہ کسل مندی ہے۔ اس طرح کے نظارے اُن علاقوں میں ان چند مخصوص دنوں میں روزانہ ہی ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہو جاتا ہے۔ باقی ایام بھر اپنی اصلی حالت پر آتے جاتے ہیں۔ اور تمام برطانیہ میں، سویڈن ناروے کے باقی مغربی مشرقی علاقے میں سب سے بڑا دن موسم گرما میں انیس[۱۹] گھنٹے کا۔ رات پانچ گھنٹے کی۔ موسم سرما میں رات انیس یا بیس گھنٹے کی دن چار پانچ گھنٹے کا گرمی کے موسم میں برطانیہ میں ہم نے خود بیس گھنٹے کا روزہ رکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کہیں بھی چھ ماہ کا مسلسل دن یا رات نہیں ہوتی۔ یورپی ملکوں کے یہ بدلتے

موسم کے لمبے چھوٹے دن اور لمبی چھوٹی راتیں دراصل منزلِ آفتاب کی مشارق ومغارب کے بدلنے سے رفتارِ سیّارگی کے پھیلنے سمٹنے سے ہوتے ہیں جس کا نقشہ کچھ اس طرح ہے۔

موسم گرما جنوبی سویڈن کا طویل دن



موسم سرما جنوبی سویڈن کی لمبی رات



کتبہ

گیارھواں فتویٰ۔

کسی شخص کو جائز نہیں کے عبادات میں اپنی عقل سے ضرب وتقسیم کرکے ثواب مقرر کرتا پھرے۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ کراچی کے ایک بزرگ جن کا

تعلق ایک تبلیغی جماعت سے ہے انہوں نے حال ہی میں ایک چھوٹا سا پمفلٹ شائع کیا ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ اُنچاس کروڑ نمازوں کا ثواب۔ اس چند ورقی پمفلٹ میں انہوں نے دو حدیثیں مبارکہ کو جمع کر کے لکھا ہے کہ راہ خدا عزّوجلّ میں نکلنے کے لیے نماز۔ روزہ اور ذکرُ اللہ کا ثواب انچاس کروڑ گنا ہو جاتا ہے۔

پہلی حدیثِ پاک ابن ماجہ شریف ص۱۹۸ سے منقول ہے۔ مَنْ اَرْسَلَ بِنَفَقَةٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَقَامَ فِیْ بَیْتِهٖ فَلَهٗ بِکُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَمَنْ غَزٰی بِنَفْسِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَنْفَقَ فِیْ وَجْهِ ذٰلِكَ فَلَهٗ بِکُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ اَلْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَلٰی هٰذِهِ الْاٰیَةَ وَاللّٰهُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ۔

دوسری حدیث پاک۔ ابوداؤد شریف جلد اوّل ص۳۳۸ سے منقول ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّلٰوةَ وَالصِّیَامَ وَالذِّکْرَ یُضَاعَفُ عَلَی النَّفَقَةِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بِسَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ۔ ان دونوں حدیثوں کو جوڑ کر وہ اس طرح ضرب دیتے ہیں کہ راہِ جہاد میں ایک درہم کا ثواب خود مجاہد کو سات لاکھ درہم اور غیر مجاہد کو سات سو درہم برابر ہے اور نماز روزہ۔ ذکر اللہ کا ثواب راہِ جہاد میں خرچ کے ثواب سے سات سو گنا زیادہ یعنی اگر مجاہد کا ثواب حدیثِ دوم میں مراد ہے اور نماز روزہ۔ ذکر اللہ کا ثواب راہِ جہاد میں خرچ کے ثواب سے سات سو گنا زیادہ۔ یعنی اگر حدیث دوم کی فی سبیل اللہ سے کسی غیر مجاہد کے خرچ کا ثواب مراد ہو تو ایک نماز۔ ایک روزے۔ ایک بار ذکر اللہ کا ثواب سات سو دفعہ سات سو ہوگا۔ وہ بزرگ اپنے اس پمفلٹ میں کہنا یہ چاہتے ہیں کہ میری جماعت میں شامل ہو کر جو شخص راہِ خدا میں تبلیغ اور تعلیم کے لیے نکلے گا اُس کو واپس آنے تک ہر نماز ہر روزے اور ہر ایک بار ذکر اللہ کرنے کا ثواب انچاس کروڑ نماز۔ انچاس کروڑ روزوں کا ثواب ملے گا وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہاں ایک عالمِ دین زید کہتے ہیں کہ ایسا کہنا لکھنا کفر

ہے اور جو اس قول و تحریر کو درست سمجھے وہ گمراہ ہے۔ زید کی دلیل یہ ہے کہ ثواب دینا صرف رب کا کام ہے کسی شخص کا اپنے کسی گروہ کے لیے ثواب کا اس طرح ٹھیکہ کرنا اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنا ہے اور جو اللہ پر افتری باندھے وہ ظالم ہے اور ظالم کافر ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی سورۂ انعام کی آیت ۱۴۴ میں ارشاد الٰہی ہے۔ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ ترجمہ۔ اس جاہل آدمی سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتری باندھے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے علم کے بغیر ہی۔ اور سورۂ آلِ عمران آیت ۹۴ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَمَنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ ترجمہ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بناوٹی جھوٹی بات کا افتری باندھے تو وہ ہی لوگ ظالم ہیں۔ اور سورۂ مائدہ آیت ۱۰۳ میں ارشادِ پاک ہے۔ وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ۔ ترجمہ۔ اور لیکن کافر لوگ ہی اللہ پر جھوٹ کا افتری باندھتے ہیں۔ ان آیت سے ثابت ہوا کہ جس چیز کا یقین نہ ہو نہ کہیں ثبوت ہو تو وہ جھوٹی اور بناوٹی بات ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹی بات بناوٹی قول کا اپنی عقل سے تخمینے لگا کر افترای باندھنا ظالم کافر لوگوں کا کام ہے۔ اور لوگوں کو گمراہ کرنا ہے بے علمی اور جہالت ہے۔ کتنا بڑا مکر اور ظلم ہے کہ صرف اپنی جماعت بڑھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو اپچاس کروڑ ثواب دینے کا پابند کر دیا گیا۔ حالانکہ اس ضرب کا ثبوت نہ زبانِ نبوت سے نہ عملِ صحابہ و تابعین تبع تابعین سے نہ اقوالِ ائمہ مجتہدین سے۔ اس لیے ان بزرگ صاحب کا اس طرح پمفلٹ لکھ لکھ کر قوم کو گمراہ کرنا حدودِ شریعت سے تجاوز کرنا ہے۔ اور قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۲۹ میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ ترجمہ۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑتے ہیں تو وہ لوگ ہی ظالم ہیں۔ اور سورۂ طلاق آیت ۱ میں ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ۔ ترجمہ۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑے

تو اُس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ ثواب بھی اللہ تعالیٰ کی حدود میں ہے۔ ان بزرگ نے ان حدود کو توڑ کر من مرضی کا ثواب اپنے قلم کی ضرب و تقسیم سے مقرر فرمالیا۔ تو بحکم قرآنی اپنی ہی جان پر ظلم کیا محض مقصود ہے تعداد مریدوں کی بڑھانی۔ مگر بکر جو اُن بزرگ کا عقیدت مند ہے اور خود کو مفتی کہتا ہے۔ اُس نے تحریری طور پر ایک فتویٰ جاری کیا ہے کہ یہ پمفلٹ نہ کفر ہے نہ گمراہی۔ اس رسالے کے حق میں بہت سے علما کی تائیدیں و تصدیقیں حاصل کی گئی ہیں۔ یہ پمفلٹ اہل سنت کے مسلک کی تبلیغ اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے لکھا گیا ہے۔ نیز اعلحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک رسالے انوار البشارۃ میں ایک مقام پر پیدل حج کی نیکیوں کے ثواب پر ضرب دی ہے۔ حالانکہ نہ صحابہ سے ضرب ثابت نہ ائمہ مجتہدین سے۔ اسی طرح بہار شریعت حصہ ششم ص۵ پر ہے کہ ہو سکے تو پیادہ حج کو جاؤ کہ جب تک مکہ معظمہ پلٹ کر آؤ گے ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں لکھی جائیں گی یہ نیکیاں تخمیناً اٹھتر کھرب چالیس ارب آتی ہیں۔ اور اللہ کا فضل اس اُمت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے بے شمار ہے۔ بکر کہتا ہے کہ مصنفِ بہارِ شریعت کا یہ تخمینا ضرب ہی تو ہے حالانکہ یہ تخمینا بھی کسی حدیث میں صراحتاً نہیں۔ اب فیصلہ آپ پر ہے۔ آپ کے نزدیک اس طرح دو حدیثوں کو جمع کر کے ضرب دینا جائز ہے یا نہیں۔ ان بزرگ صاحب نے اپنی حمایت میں بہت سے فتوے حاصل کئے ہوئے ہیں۔ جن کی مہریں تو بہت بڑی بڑی ہیں مگر عبارتیں بہت پھس پھسی اور کمزور چند سطری ہیں۔ اور مفتیان بھی غیر معروف قسم کے لوگ ہیں۔ بہرکیف ہم وہ پمفلٹ اور تمام فتووں کی فوٹو کاپی بھیج رہے ہیں۔ جوابی لفافہ بھی ہمراہ ہے براہِ کرم جلدی جواب عطا فرمایا جائے۔ بَیِّنُوْا تُؤْجَرُوْا۔

دستخط سائل۔ ارشد محمود سرائے عالمگیر ضلع جہلم۔ بازار کلاں ۱۳/۵/۹۵

الجواب ـــــــ بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

سائل محترم کی طرف سے ہم کو بذریعہ ڈاک چھ چیزیں وصول ہوئیں ا۔ سائل

کا استفتاء ۲ استفتا میں زید کا بیان ۳ اور بکر کا بیان ۴ اُن بزرگ صاحب کا مصنفہ مطبوعہ پمفلٹ ۵ بارہ نمبرہ منقولہ فتاویٰ ۶ جوابی لفافہ۔ ہر چیز کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ جواب تحریر کر کے بھیجا جا رہا ہے۔ قانونِ شرعی کے مطابق زیرِ مطالعہ مرسلہ استفتا میں زید کا بیان بھی درست نہیں ہے اور بکر کا بیان بھی درست نہیں ہے۔ زید کا اس پمفلٹ کی تحریرات کو کفر کہنا اُس کی جلدبازی اور جذباتی کیفیت کا مظہر ہے۔ کسی چیز کو کفر کہنا اتنا آسان نہیں جتنا آج کل سمجھ لیا گیا ہے۔ نہ ہی جلدبازی میں گمراہی کا حکم جاری کرنا درست ہے۔ زید کے مندرجہ فی السؤال آیات سے کفر و گمراہی پر استدلال بھی کمزور ہیں۔ ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس پمفلٹ کی اشاعت سے فساد کا ایک نیا دروازہ کھلتا ہے اور باطل کو بھی من پسند ثوابات کی نئی نئی اختراعات کا موقعہ دیتا ہے جس سے عبادات الٰہیہ اور اُن کے اجر و ثواب ایک کھیل بنکر رہ جائیں گے اور اس طریقۂ قبیحہ و بدعتِ سیئہ کا سارا وبال اس پمفلٹ کے مصنف پر وارد ہوگا۔ بکر کا قول چار وجوہ سے غلط ہے۔ پہلی یہ کہ بکر کہتا ہے کہ یہ پمفلٹ مسلک اہل سنت کی تبلیغ اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ نہ اس طرح کی غلط باتوں سے تبلیغِ دین ہوتی ہے نہ گمراہی کی روک تھام۔ اہل سنت والجماعت ایک سچا مسلک ہے اُس کی تبلیغ بھی سچائی و یقینی کی باتوں سے ہوسکتی ہے نہ کہ نو ساختہ اختراعات و کذبیات سے دوم یہ کہ بکر کہتا ہے۔ اس رسالے (پمفلٹ) کے حق میں بہت سے علما کی تصدیقیں و تائیدیں حاصل کی گئی ہیں۔ یہ بات اس لیے غلط ہے کہ فی زمانہ تائیدیں حاصل کرنا کچھ مشکل نہیں اور نہ ہی ہمنواؤں کی تائیدیں تقریظیں جمع کر لینا کسی بات کی حقانیت کی دلیل ہے رہا یہ کہنا کہ تصدیقیں حاصل کی گئی ہیں۔ تو خیال رہے کہ کسی چیز کی تصدیق حاصل نہیں کی جاتی بلکہ صدق کی تصدیق اُس کی اپنی صداقت ہوتی ہے اور صداقت دلائل سے ہوتی ہے نہ کہ کسی باتوں سے۔ سوم یہ کہ بکر کہتا ہے اعلیٰحضرت مجدد بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنی کتاب انوار البشارہ میں ایک جگہ نیکیوں کے ثواب پر ضرب لگائی ہے بکر کی یہ انتہائی غلط

بیانی یا نادانی کم فہمی سے ہے یا جہالت سے۔ اعلحضرتؒ نے انوار البشارہ میں ضرب نہیں لگائی۔ بلکہ پیادہ حاجی کے قدموں کو جمع کرکے جاتے اور آتے ہر قدم کے سات سو ثواب کو جمع فرمایا ہے اور یہ ثواب بھی اعلحضرت خود نہیں بانٹ رہے بلکہ ایک حدیثِ مقدسہ کے ایک فرمان کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں آپ کی کتاب انوار البشارہ مکمل چھپی موجود ہے۔ اس میں ص۷۰۵ پر لکھا ہے جب آفتاب نکل آئے منیٰ کو چلو اور ہو سکے تو پیادہ کہ جب تک مکہ معظمہ پلٹ کر آؤ گے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اس سے آگے اس ثواب اور قدموں کو جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ سو ہزار کا لاکھ۔ سو لاکھ کا کروڑ۔ سو کروڑ کا ارب سو ارب کا کھرب یہ نیکیاں تخمیناً اٹھتر کھرب چالیس ارب آتی ہیں۔ اعلحضرت نے یہ جمع کا اندازہ یقیناً خود یہ راستہ ازمکہ مکرمہ تا منیٰ پھر تا عرفات پھر واپس تا منیٰ و مکہ مکرمہ پیدل چل کر ہی قدم گِنکر ہی لگایا ہوگا اور اس طرح زبانی یا تحریر کرکے جمع فرمایا ہوگا۔ بہار شریعت نے خود اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ انوار البشارہ کی عبارت بعینہٖ نقل فرمادی مگر مصنف یا کتابت کی غلطی یہ ہو گی کہ۔ ہر قدم پر سات سو نیکیاں کی بجائے۔ یہ لکھ ڈالا کہ ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں۔ بےچارا بکر کا غلط بیان بیچارے کو جمع اور تقسیم کا فرق بھی معلوم نہیں۔ چہارم یہ کہ بکر لکھتا ہے۔ تخمیناً ضرب ہی تو ہے۔ یہ بھی بکر کی جہالت ہے کہ تخمینے کو ضرب کہہ رہا ہے۔ حالانکہ ضرب یقینی ہوتی ہے اور جمع کا اندازہ ہوتا ہے اور تخمیناً کا معنیٰ اندازہ ہے اور اندازے میں یقینیت نہیں افراط و تفریط ہو سکتی ہے۔ ان بیانات کے علاوہ کچھ تحریری فتاویٰ کی نقلیں بھی مجھے وصول ہوئیں۔ میں نے ان تمام فتاویٰ کا بغور مطالعہ کیا۔ ان ہی فتاویٰ کے متعلق بکر کہتا ہے کہ یہ فتاویٰ جو علماءِ کرام نے لکھے وہ مصنف کے بیٹے خود اُن کے اس رسالے (پمفلٹ) کے حق میں تائیدوں اور تصدیقوں میں حاصل کیے گئے ہیں۔ فتاویٰ کی غیر مدلل اور کمزور عبارات کو دیکھ کر بکر کا یہ قول درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ فتاویٰ حق نوازی کے لیے نہیں بلکہ اپنی ضد پرستی۔ مسلک بچانے کی خاطر خوشامدانہ

حاصل کیے گئے فتاویٰ میں بھی اُن مفتیان کرام نے زیادہ تر اُن بزرگ صاحب کی شخصیت کے احترام کا پہلو مدِ نظر رکھا ہے نہ کہ عدالتِ اسلامیہ کے عدل وانصاف کا۔ حالانکہ مفتیٔ اسلام کو عادل قاضی اور انصاف پسند جج کے مقام پر بیٹھا ہونا چاہیئے اُس کا قلم تو میزانِ عدل ہونا چاہیئے اِس کرسی پر کسی ذاتی عقیدت کا احترام انصاف کے خون کے مترادف ہے اور فریق ثانی کے لیے زہر قاتل ایسے ہی فتاویٰ پہلے زمانوں کے بادشاہوں کو تائید باطل کے لیے بہت مل جاتے تھے۔ ہر ضد پرست اپنے غلط مسلک اور فاسد نظریے کو بچانے اپنی ضد قائم رکھنے حق سے ٹکر لینے کے لیے ہر دور میں کہیں نہ کہیں سے کسی نہ کسی طرح حاصل کرتا رہا۔ اِن فتووں کو دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان بزرگ صاحب کا ارادہ جستجوءِ حق نہیں صرف ہٹ دھرمی قائم رکھنا ہے۔ اس کے بعد اس پمفلٹ کا مطالعہ کیا گیا۔ اس پمفلٹ میں چھٹی قولی ایسی نادانیاں ہیں جو سراسر اللہ رسول اور شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہے۔ پہلی یہ کہ مصنف مذکور نے اپنی نادانی کم عقلی سے نہایت ہی غلط بات انچاس نمازوں کا ثواب مقرر کر کے اللہ تعالیٰ کی ایک خصوصی صفت میں دخل اندازی کا ارتکاب کیا یہ کام آقاءِ کائنات نے بھی باوجود مختارِ کل ربُّ العلمین کی محبوبیت رحمۃ اللعٰلمین کی فضیلت والے ہونے کے نہ کیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ نہ کسی صحابہ نے نہ تابعین نہ تبع تابعین نہ صاحبِ اجتہاد ائمہ مجتہدین نے نہ اولیا نہ علما نے نہ اعلیٰحضرت مجدد بریلوی نے نہ صدر الشریعت صاحبِ بہار شریعت نے۔ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کسی موقعہ پر کسی نیکی کے ثواب پر دُگنا تگنا ثواب بیان فرمایا بھی تو فوراً ہی ارشاد فرما دیا کہ

وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۶۱)

یعنی یہ جو ثواب میں نے بیان کیا ہے یہ میری اپنی طرف سے نہیں نہ میں ثواب دینے والا ہوں بلکہ یہ تمام ثوابات ہر نیکی کا اجر سینکڑوں گنا کر کے اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے وہ ہی ذاتِ باری جَلَّ مَجۡدُہٗ جس کا چاہے جتنا چاہے ثواب بڑھا دے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت عطا فرمانے والا ہر چیز کو جاننے

والا ہے۔ اسی طرح کی ایک حدیث پاک میں پیدل حج کرنے والے یعنی مکہ سے منیٰ عرفات تک اور واپس مزدلفہ منیٰ اور مکہ مکرمہ تک پیدل آنے جانے والے حاجیوں کے لیے ہر قدم پر سات سو قدم کے برابر ثواب ارشاد فرمایا تو اعلیٰحضرت نے اُن قدموں کو غالبًا خود پیدل چل کر گن کر قدم اور اُن کا سات سو گنا ثواب صرف جمع فرما کر بتایا ہے۔ مصنف مذکور اپنی ناوانی سے اس جمع کو ضرب سمجھ بیٹھا اور اپنی عقیدت مذموم کے ساتھ اعلیٰحضرت کے برابر بننے کی کوشش کرتے کی ٹھانی کہ جب اعلیٰحضرت ضرب دے سکتے ہیں تو میں کیوں کسی سے کم رہوں اور نہایت مفسدانہ تانا بانا بُن کر ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا۔ اور اہل باطل کو من مانیاں کرنے کا موقعہ فراہم کر دیا۔ اس سے پہلے ایک وہابی تبلیغی جماعت والے بھی اسی قسم کی حماقت کے پردے میں گستاخی کرتے چلے آرہے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جو ہمارے ساتھ تبلیغ میں نکلے گا اس کو ہر نماز کا ثواب سات لاکھ نماز ملے گا۔ اسی بہانے کہتے پھرتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی مسجد کا ثواب ایک لاکھ اور مسجد نبوی کا ثواب پچاس ہزار لیکن ہماری مسجد نور میں تبلیغ سننے اور نماز پڑھنے کا ثواب فی نماز سات لاکھ ہے اور بد بخت لوگ مسلمانوں کو مسجد حرم شریف و مسجد نبوی سے اٹھا اٹھا کر اپنی قریبی بنائی مسجد میں آنے کی دعوت دیتے مجبور کرتے ہیں۔ وہ تو بد بخت ہیں ہی جنم کے گستاخ و کذاب مگر میں تو حیران اِن بزرگ کی عقل پر ہوں کہ ان کو بیٹھے بٹھائے کیا سمائی کہ نقل شیطاناں کر بیٹھے ہیں اِن کی نیت میں فتور نہیں لگتا۔ خلوص ہی ملتا ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ وہ خدشہ جو مستفتی سائل نے اپنے سوال میں لکھا ہے کہ وہ بزرگ اپنے اس پمفلٹ میں کہنا یہ چاہتے ہیں کہ صرف میری جماعت میں شامل ہو کر چلنے والوں کو یہ ثواب ملے گا (الخ) یہ الفاظ پمفلٹ مذکورہ میں مجھے نظر نہیں آئے ۲ یہ کہ انہوں نے چند احادیث کا ذکر کر کے صاف گوئی سے یہ کہہ دیا کہ اگرچہ صریحی حدیث شریف کوئی بھی اس ثواب اور ضرب ثواب کے بارے میں میری نظر سے نہیں گزری۔ اِن دونوں صفائیوں سے ہمیں بزرگ کی نیت صاف معلوم ہوتی ہے کہ وہ صرف لوگوں کو اسلامی

تعلیم کی محبت کی طرف مائل کرنا چاہیئے تھا اگرچہ انہوں نے یہ طریقہ غلط اور نقصان دہ اختیار کیا۔ ان کو فوراً رجوع کر کے پمفلٹ ضائع کر دینا چاہیئے۔ اس پمفلٹ کی غلطی ۲ یہ کہ مصنف مذکور نے اس پمفلٹ کو لکھتے وقت اپنی عقل و فکر علم و فہم کو بالکل مدِ نظر نہیں رکھا نہ علماءِ حق سے مشورہ لیا اور جب اس نئی اختراع سے ذہنوں میں انتشار پیدا ہوا تو لگے بھاگنے فتوے حاصل کرنے اور فتووں کے ٹوکرے بھرنے۔ اللہ کے بندو بعد میں جو تم نے یہ راستہ اختیار کرنا تھا تو پہلے ہی علماءِ متبحرین کے پاس آجاتے اُن کے دلائل سن کر اس باطل کام سے باز آجاتے چنگاری نہ پھیلاتے نیا دین نئی شریعت بنانے کی کوشش نہ کرتے اس قسم کے نو خیز بزرگ اور نومولود مشائخ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید تمام مسلمان حماقت کی چادر میں بدمست و خرمست خوابِ غفلت میں پڑے ہیں ہم جو چاہیں لکھ دیں کہدیں سنا دیں۔ کان لپیٹ کر مان لیں گے۔ حالانکہ ایسا نہیں بقولِ شیخ سعدی۔

ممکن نیست کہ ھنرمنداں بمیرند ویے ہزاراں جائے ایشاں گیرند

لوگ بے وقوف نہیں۔ اندھے عقیدت مندوں کی بات نہیں وہ تو حقانیت سے کان لپیٹ لیتے ہیں۔ مگر زیرک انسان کے دل میں ہر باطل بات کھٹک جاتی ہے اگرچہ ان کو صحیح جواب کا علم نہیں ہوتا مگر۔ فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ پر عمل کرتے ہوئے بذریعہ استفتاء خط و کتابت حق و باطل کا فرق معلوم کرنے کی تگ و دو اور دوڑ دھوپ میں لگ جاتے ہیں جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ باطل لوگ کم از کم کھلے بندوں من مانیوں سے رک جاتے ہیں۔ اس پمفلٹ کی غلطی ۳ یہ کہ مصنف مذکور نے اپنے اس پمفلٹ میں دو حدیثیں لکھی ہیں۔ مگر کم علمی کا یہ حال ہے کہ ظاہر متنِ مقدس کو بھی نہ سمجھا۔ اور اسی کم علمی میں اپنی بناوٹی اختراع کی طرف کھینچا تانی شروع کر دی کہ جو شخص بھی تعلیم حاصل کرنے یا تبلیغ کرنے میں نکلے اور چلے گا اس کو راہِ جہاد میں خرچ کرنے والے مجاہدین سے بھی زیادہ ثواب ملے گا۔ بیچارے کو یہ پتہ بھی نہیں کہ ابو داؤد کی حدیث پاک مجمل ہے اور مجمل

حدیثِ پاک کی شرح پر عمل و علم ضروری ہے۔ ابوداؤد شریف جلد اوّل ص۳۴۹ کتاب الجہاد میں مذکور حدیث پاک کے الفاظ اس طرح ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ وَالصِّیَامَ وَالذِّکْرَ یُضَاعَفُ عَلَی النَّفَقَۃِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ بِسَبْعِمِائَۃِ ضِعْفٍ۔

ترجمہ۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک نماز اور روزہ اور ذکر بڑھا دیا جاتا ہے ان کا ثواب مالی خرچ کے ثواب پر اللہ کے راستے میں سات سو گنا۔ یہ حدیث اس اعتبار سے مجمل ہے کہ کس کی کس نماز روزے اور ذکر کا ثواب جہاد میں خرچ کرنے سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی لفظی وضاحت متنِ حدیثِ پاک میں نہیں ہے۔ اس اجمال کی وجہ سے ان بزرگ صاحب کو اپنی من مانی کرنے کا موقعہ مل گیا۔ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ مجمل حدیث پاک کا معنیٰ و مقصد علماءِ فقہاء سے پوچھا جائے۔ اور بغیر شرح کے خود پسندی سے تخمینے نہ لگائے جائیں ورنہ گمراہی کا خطرہ ہے۔ ہم اس اجمال کی تفصیل خود امام ابو داؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح سے پوچھتے ہیں۔ چنانچہ آپ اوّلاً۔ اس حدیث پاک کو کتاب الجہاد میں لاتے ہیں پھر اس کے لیے علیحدہ باب باندھتے ہیں۔ بَابٌ فِیْ تَضْعِیْفِ الذِّکْرِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ کا معنیٰ اسی حدیث کے ان الفاظ سے واضح ہوا کہ یُضَاعَفُ عَلَی النَّفَقَۃِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یعنی فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد ہے۔ اسی طرح ابن ماجہ شریف کی حدیث پاک میں۔ مَنْ اَرْسَلَ بِنَفَقَۃٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اور وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ سے مراد بھی جہاد اور غزوہ ہے۔ اس شرح کے تحت ابوداؤد شریف کی حدیث پاک کا ترجمہ یہ ہوا کہ۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میدانِ جہاد میں جو مجاہد نماز روزہ۔ اور ذکر اللہ بھی کرتا رہے اور جہاد بھی تو اس کو ہر نماز ہر ایک روزے اور ہر بار ذکر اللہ کرنے کا ثواب جہاد میں مجاہدین پر خرچ کرنے کے مقررہ بیان کردہ ثواب سے سات سو گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ یہ ثواب صرف

میدانِ جہاد میں قتال و جہاد کرنے والے نمازیوں کے لیے ہے مگر ان بزرگ صاحب کی عقل نے کچھ اور ہی کھینچا تانی شروع کر دی۔ پھر لگے اندھے نقتوں کا سہارا ڈھونڈنے نہ ان بیچارے نوخیز مفتیوں کو منشاءِ حدیثِ مقدسہ پر غور کرنے کا وقت ملا نہ ضرورت محسوس کی اسی کو کہتے ہیں عقیدت مندانہ خوشامد۔ یہی چیز مسند افتا اور کرسی عدل میں حرام ہے۔ اس پمفلٹ کی چوتھی غلطی۔ مصنف مذکور نے اپنے پمفلٹ میں ابن ماجہ کتاب الجہاد اور ابو داؤد کتاب الجہاد کی دو حدیثوں کو لکھ کر اپنی کم علمی سے یہ سمجھ لیا کہ شاید یہ دونوں علیحدہ مضمون ہیں۔ حالانکہ دونوں حدیثِ مبارکہ کا ایک ہی مضمون ہے کہ جہادِ اسلامی کے شرکا مجاہدین تین قسم کے ہیں ۱۔ ایک وہ جو صرف جہاد میں اپنا مال دولت خرچ کر کے فی سبیل اللہ مجاہدین کی خدمت کرے ۲۔ وہ جو اپنی تلوار اور اپنی شرکت قوت سے خدمت کرے ۳۔ وہ جو جہادِ اسلامی قتالِ مسلمین میں نماز روزے ذکر اللہ کی پابندی بھی کرے۔ پہلے آدمی کا ثواب سات سو گنا۔ دوسرے کا ثواب سات لاکھ گنا۔ تیسرے کا ثواب۔ خرچ کرنے والے کے ثواب سے سات سو گنا زیادہ۔ اور اس میں اجمال ہے کہ یہاں کون سے خرچے کا ذکر ہے گھر بیٹھے شخص کے نفقے کا سات سو برابر ثواب سے زیادہ کا۔ یا خود مجاہد کے خرچے کے سات لاکھ ثواب سے زیادہ کا۔ یعنی مجاہد نمازی روزے دار۔ ذاکر کا ثواب دونوں خرچوں میں سے کس خرچے سے یُضاعف ہے۔ اس دوسری حدیث ابوداؤد میں کسی طالب علم مبلغ یا ساتھ والی مسجد میں جا کر تبلیغ سننے سنانے والے کا ذکر نہیں۔ نہ اس قسم کے ان پڑھ کم عقل بے علم مبلغین کی تبلیغ کا یہ ثواب ہو سکتا ہے نہ کسی آیت یا حدیث میں مبلغین کے اتنے ثواب کا ذکر ہے۔ میدانِ جہاد کی نماز اور ماہ رمضان مبارک میں درمیانِ جہاد روزے رکھنے اور اس ہیبت ناک حالت میں ذکر کا ثواب اتنا زیادہ ہونا اس لیے ہے کہ۔ بارگاہ ربانی سے ثوابات کی کثرت چار وجہ سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیاتِ مبارکہ اور احادیث مقدسہ سے ثابت ہے

ما عظمت مقامات سے۔ چنانچہ احادیث مقدسہ میں ہے کہ حرم کعبہ (مسجد حرم شریف مکہ مکرمہ کی مسجد) میں نماز پڑھنے کا ایک لاکھ فی نماز مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا پچاس ہزار ثواب فی نماز۔ مسجد بیت المقدس میں بھی پچاس ہزار فی نماز ۲ فضیلت شخصیات سے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کی نیکیوں کا ثواب تمام اولیا علما کی نیکیوں سے زیادہ پھر تابعین پھر تبع تابعین ۳ خلوص فی النیات جیسا کہ ثابت ہے کہ جس کی عبادت میں جتنا زیادہ خلوص ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ ثواب بڑھتا جائے گا ۴ مشقت فی العبادات یعنی عبادات میں بندے کو جتنی زیادہ مشقت اٹھانی پڑے اتنا ہی اس کو ثواب زیادہ ملے گا۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ بیٹھ کر نماز سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔ تندرست کی نماز سے بیمار کی نماز کا ثواب گھر کی آرام دہ نماز سے مسجد میں چل کر نماز سے۔ کھلے موسم کی نماز و عبادات سے بارش کیچڑ سردی کے موسم کی نماز کا ثواب زیادہ مکہ مکرمہ سے سواری پر منیٰ عرفات جا کر حج کرنے سے پیدل جا کر حج کرنے کا ثواب زیادہ ہے وغیرہ وغیرہ تو چونکہ دنیوی زندگی میں سب سے زیادہ مشقت، مصیبت کلفت، ہیبت خطرناک حالت جنگ کے میدان میں مجاہدین کو ہوتی ہے۔ اس لیے حدیث پاک میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خطرناک ہولناک حالت میں بھی اپنے رب تعالیٰ کو یاد رکھنے نمازیں پڑھنے فرض روزے رکھتے رہنے والوں کو اس کثرت ثواب کی سچی بشارت عطا فرمائی ہے جو اس حدیث ابو داؤد شریف میں بیان ہوئی عقل ماری ہوئی ہے ان نو عمر بزرگوں کی جو گھسیٹ گھساٹ کر یہ ثواب اپنے گروہ کی طرف لے جانے کا چکر چلا رہے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک لڑکا آنکھیں ملتا ہوا جاہل گنوار قریبی مسجد میں جا کر آرام دہ قالینوں دریوں سردی کے گرم ہیٹروں، گرمی کے ٹھنڈے پنکھوں میں بیٹھ کر چند منٹ درس کی لکھی لکھائی تقریر کسی ان پڑھ مبلغ لڑکے سے سن لے تو آناً فاناً اس کا ثواب ان مجاہدین اسلام سے بڑھ جائے جو چلچلاتی دھوپ کی مصیبت بھوک پیاس کی شدت۔ مسافری کی کلفت خونخوار دشمن

کی مراست، قتال و جہاد کی ہلاکت اور جاں سوز مشقت میں پڑ کر اپنی جان و مال کا نذرانہ دینِ اسلام کی خاطر راہِ الٰہی میں پیش کر رہا ہے۔ اگر ان کی عقل و دماغ فہم و شعور پر بالکل ہی تعداد مریدان بڑھانے کی طمع پٹی بندھ جائے تو اس کا تو کوئی علاج نہیں ورنہ ذرا سی لالچ ہٹا کر دیکھا جائے تو یہ انچاس کروڑ کے ثواب والا پمفلٹ قطعاً غلط نظر آجائے کہ یہ صرف نیت پرستی ہے اور کچھ نہیں کم از کم ایسی مطلب پرستی کو تبلیغِ اسلام اور خدمتِ دین نہیں کہا جاسکتا مصنف کی پانچویں غلطی۔ اس پمفلٹ میں مصنف مذکور نے چند جگہ حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراۃ شرح مشکوٰۃ کا حوالہ پیش کیا اور یہ بتانے کی نادان کوشش کی ہے کہ حکیم الامت عام طالبعلم کو مجاہدین اسلام کا درجہ دیتے ہیں، مصنف کی یہ حرکت بھی عوام کو دھوکہ دینے یا دھوکہ کھانے کی کیفیت ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا کہ وہ شخص جو اپنے وطن سے علم کی جستجو میں علما کے پاس گیا وہ مجاہد فی سبیل اللہ غازی کی طرح گھر لوٹنے تک (الخ) اس عبارت میں نہ مجاہدین کی برابری ہے کی گئی ہے نہ مجاہدین اسلام کے ثواب سے زیادتی۔ صرف اس چیز میں تشبیہ ہے کہ ان کا آنا جانا فی سبیل اللہ ہے اس لیے عبادت میں شمار ہوگا کہ یہ مجاہد حکمی ہے یا مجاہد بمعنی مجاہدہ یعنی راہِ خدا میں بقدرِ وسعت و فرصت جدو جہد کرنے والا مراد ہے نہ کہ مجاہدِ حقیقی۔ ایسے حکمی مجاہد کا ثواب بھی اپنی ہمت کی بقدر ہوگا۔ مجاہد حقیقی کے عشر عشیر بھی نہ ہوگا۔ مگر مصنف مذکور اپنے اس پمفلٹ میں بظاہر ظہور میدانِ جہاد کے سر بکفن زرہ پوش ہتھیار بند مجاہدین اسلام کو گھٹا کر اپنے گروہ کے لڑکوں کی شان بڑھانے کی ناپاک کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ چھٹی غلطی کرتے ہوئے۔ امام غزالیؒ کی کتاب کیمیائے سعادت کے حوالے سے صـ۱۲۱ پر لکھتا ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ۔ تمام نیکیاں جہاد کے سامنے ایسی ہیں جیسے دریائے عظیم کے سامنے ایک قطرہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سامنے جہاد ایسے ہے جیسے دریائے عظیم کے سامنے ایک قطرہ۔ کیمیائے سعادت کی اصل مطبوعہ

عبارت اس طرح ہے ایضا ایں ہم فرمود کہ ہمہ نیکیاں بمقابلۂ جہاد چناں است کہ بمقابلۂ دریاءِ اعظم قطرۂ بیست وبمقابلۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر چناں است کہ بمقابلۂ دریاءِ عظیم یک قطرہ دکیمیاءِ سعادت امام غزالی مطبوعہ نول کشور باب ۱ امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب شدن ص ۳۷۸ اس عبارت میں تین ابہام ہیں ۱ یہ کہ یہ عبارت شروع ہوتی ہے ایضاً فرمود سے۔ یعنی نیز انہوں نے فرمایا۔ اس باب میں یہاں تک گیارہ سطروں میں امام غزالی نے اتنی الجھنیں بھر دی ہیں کہ پڑھنے والا پریشان ہو جاتا ہے کیا فیصلہ کرے کیا نہ کرے مثلاً پہلے کہتے ہیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب است پھر کہتے ہیں کہ فرضیت ثابت ہے۔ پھر کہتے ہیں فرض کفایہ ہے۔ حالانکہ یہ تینوں حکم ہر طرح بالکل مختلف ہیں ۲ اسی گیارہ سطری عبارت میں ارشادات نقل کئے ہیں ایک یہ کہ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے۔ دوم یہ کہ ارشادِ نبوی یہ ہے۔ سوم یہ کہ صدیق اکبر نے یہ روایت ارشاد فرمائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ۔ ایضاً ایں ہم فرمود۔ اب پتہ نہیں چلتا کہ اس فرمود کا فاعل متکلم کون ہے۔ اللہ تعالیٰ ہے۔ یا صدیق اکبرؓ۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۳ اس عبارت میں اگر خود ہی تخمینہ لگا لیا جائے کہ یہ فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ تب یہ الجھن ہے کہ کوئی حوالہ نہیں۔ نہ عربی متن نہ سند نہ کسی کتاب کا ذکر۔ ہم نے اپنے طور پر اس عبارت کو جس کو غالباً امام غزالی نے روایت بنایا ہے۔ احادیثِ مبارکہ کی نو مشہور کتابوں میں تلاش کیا ۱ بخاری شریف ۲ مسلم شریف ۳ ابو داؤد شریف ۴ نسائی شریف ۵ ترمذی شریف ۶ ابن ماجہ شریف ۷ دارمی ۸ مؤطا امام مالک ۹ مسند امام احمد بن حنبل۔ مگر بہت اور کئی بار تلاش کرنے کے باوجود اس روایت یا عبارت کا کہیں نشان تک نہ ملا۔ نہ پہلے کسی کتاب میں یہ روایت دیکھی نہ سنی۔ اب غور فرماؤ کہ ایسی مجہول اور الجھن والی عبارت کو حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح کہا جا سکتا ہے

اور صرف امام غزالی کا قول کس طرح معتبر ہوسکتا ہے جب کہ آپ علیہ الرحمۃ نہ محدث نہ مجتہد نہ صاحبِ تخریج فقیہہ۔ نہ راوی۔ نیز امام غزالی کی اس پوری عبارت میں مزید الجھن یہ کہ پانچ سطر اوپر ارشادِ باری تعالیٰ کے حوالے سے اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر کے درجے ومقام کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عنِ المنکر کو نماز وزکوٰۃ کے ساتھ ذکر فرمایا۔ یہاں تو یہ ثابت کیا کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر نماز وزکوٰۃ کی مثل ان کے برابر کا عمل ہے۔ اور پانچ سطر نیچے تمام عبادات کو جہاد کے مقابل قطرۂ ناچیز بنایا پھر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو دریاءِ عظیم بناکر جہاد کو قطرۂ ناچیز بنایا۔ یا للعجب کیا عجیب تماشہ ہے اور یہ بات بھی سمجھ سے باہر ہے کہ امام غزالی کی اصل عبارت میں ہے کہ ہمہ نیکیاں بمقابلۂ جہاد۔ اور آگے ہے۔ وبمقابلۂ امر بالمعروف ونہی عنِ المنکر چناں است یہاں یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ کون امر بالمعروف کے مقابل قطرہ ہے پتہ نہیں ہمہ نیکیاں سے مقابل ہے یا جہاد سے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ہمہ نیکیاں ہی جہاد کے مقابل ایسی ہوں جیسے دریاءِ اعظم کے مقابل قطرہ۔ اور ہمہ نیکیاں ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابل ایسی ہوں جیسے دریاءِ عظیم کے مقابل قطرہ یعنی امام غزالی نے جہادِ قتال کو دریاءِ اعظم اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو دریاءِ عظیم کا درجہ دیا ہو۔ دریاءِ اعظم کے معنیٰ ہے بڑا دریا۔ اور دریاءِ عظیم کا معنیٰ ہے بہت ہی بڑا یا ہمیشہ بڑا دریا۔ ان تمام الجھنوں کے باوجود اگر ہم پھر بھی محض احترام امام غزالی میں اس عبارت کو روایت مان لیں تب بھی یہ قابلِ فتویٰ اور شرعاً معتبر نہیں۔ چند وجوہ سے پہلی وجہ یہ کہ یہ عبارت مجہول ہے سنداً بھی متناً بھی نقلاً بھی تخریجاً بھی۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ روایت درایت کے خلاف ہے۔ درایتاً پندرہ چیزوں کا توافق ضروری ہے۔ روایت اور درایت کا فرق یہ ہے کہ صحیح روایت وہ ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہوں اس تحقیق کے لیے اسناد سے بحث اور چھان بین کی جاتی ہے۔ صحیح درایت

وہ ہے جس کا متن آیاتِ قرآن پاک اور دیگر مشہور و متواتر احادیث کے خلاف نہ ہو۔ یعنی روایت سند سے بنتی ہے اور درایت متن سے اس لیے ہر روایت کو درایت کے معیار پر تولا جائے گا تب اس کو حدیث پاک کہا جائے گا اور یہ کام بھی علماء راسخین کا ہے نہ کہ عوام کا۔ مگر امام غزالی کی اس عبارت کی نہ سند ظاہر نہ متن درست۔ متن نے جہاد اور مجاہد کی اہمیت و شان کو اتنا گھٹا دیا کہ قرآنِ مجید کی صریحی آیت کے خلاف ہو گیا۔ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو علیحدہ چیز بنا دیا حالانکہ امر بالمعروف و نہی المنکر کا مؤثر ترین ذریعہ و طریقہ یہ جہاد ہی ہے نہ کہ یہ چھوٹی چھوٹی تبلیغیں۔ یہ جہاد ہی کا نتیجہ ہے کہ آج سارے عالم دنیا میں اسلام موجود ہے اور کفر کا ظلم و جبر ٹوٹا ہوا ہے۔ قرآن مجید کی تقریباً چھیاسٹھ آیت میں جہاد اور مجاہدین کی شان عزت مرتبہ اور اخروی انعاماتِ خصوصی کا ذکر فرمایا گیا۔ ایسی شان و عظمت کسی نیکی و نیک کی بیان نہ فرمائی گئی۔ جہاد کی شانِ کرامت کا کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے کہ جس میں قتل ہو جانے والا شہید۔ اور جس کا مرنے والا دائمی حیات۔ جس کو ابدی عزت کی زندگی فضیلت کا رزق۔ فوراً جنت کا داخلہ زیارت الٰہی، جس کے لیے شریعت کے قانون بدل گئے۔ غسل معاف خون آلود جسم و لباس پاک سورۃ والعٰدیات کی پہلی پانچ آیت میں رب تعالیٰ نے مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم ارشاد فرمائی ہے اور رب تعالیٰ کا قسم فرمانا انتہائی عظمت و شان کی دلیل ہے۔ کیا کسی بھی مبلغ دین کو یہ مرتبہ مل سکتا ہے۔ غرضکہ جہاد اور مجاہدین کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے۔ امام غزالی کی مذکورہ عبادت ناقابلِ قبول ہے۔ اور مصنف مذکور کا اس سے ایک آڑ پکڑ کر جہاد و مجاہدین کا مرتبہ گھٹانا وسوسۂ نفسانی ہے۔ اپنے گروہ کے نوخیز مبلغوں کے لیے فی نماز انچاس کروڑ نمازوں کا ثواب بتانا بالکل غلط اور دین میں فتنہ پروری و تخریب کاری پھیلاتا ہے۔ ہم تو صرف یہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ ان بزرگ صاحب کو اپنی بزرگی کا خیال چھوڑ کر مذکا لبادہ اتار کر اللہ رسول سے بڑا بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ سادہ رہو سادگی اختیار کرو

سائل کو بھی چاہیئے کہ نہایت تحمل سے اُن بزرگ کو سمجھائے میرا یہ فتویٰ دکھائے۔ اختراع سے بچائے جہنم سے ہٹائے۔ اور سمجھانے کا ایسا پیارا باادب طریقہ اختیار کیا جائے کہ یہ بزرگ مصنف راہِ راست پر آجائے مندرجہ بالا احادیثِ مقدسہ میں آتا ہے کہ عبادات کا اجر و ثواب صرف اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اسی کے قبضۂ کرم میں ہے کہ یُضَاعِفُ لِمَن یَّشَاءُ۔ جس کے ثواب کو جتنا چاہے ضرب دے۔ اور یہ ضرب رب تعالیٰ نے اپنے بندوں سے مخفی نہ رکھی بلکہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سب کچھ ظاہر فرما دی۔ اب کسی انسان کو اجازت نہیں کہ احادیث میں نئے جوڑ توڑ کرتا پھرے اور لوگوں میں جہالت اپنے لیے جہنم کماتا پھرے۔ بس یہی ایمان رکھا جائے کہ عطا فرمانے والا رب تعالیٰ ہے بتانے والا اُس کے مقدس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی محبوبیت کا نشانِ اعظم آپ کی تقسیم ہے بلکہ آپ کی محبوبیت تو اتنی بااختیار ہے کہ بغیر اجر و ثواب بھی جسے چاہیں جنت دیدی۔ جیسے حضرت ربیعہ کو جنت کی عطا یہ کسی نیکی کے ثواب میں نہ تھی صرف عطاءِ نبوت تھی۔ اللہ تعالیٰ کے کسی یُضَاعِفُ کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپایا نہیں جو اَب کسی بزرگ کو ظاہر کرنے کی زحمت کرنی پڑے کہ فلاں حدیث کو فلاں سے جوڑو فلاں کو فلاں سے۔ اور بناوٹی فریبیں دو۔ مولیٰ تعالیٰ سب کو ان جہالتوں سے بچائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہی رہنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

۱۳/۱/ ۹۶

بارھواں فتویٰ

تین طلاقیں کسے کہتے ہیں اور ایک مجلس کی تین طلاقوں کا حکم؟

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ہماری بستی کے ایک شخص

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو ان الفاظ سے طلاق دی۔ میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ طلاق طلاق۔ زید کے ہندہ کے بطن سے دو چھوٹے بچے ہیں زید اس کے بعد بہت پچھتایا بچوں کی زندگی کا مسئلہ ہے۔ اب زید رجوع کرنا اور دوبارہ خانہ آبادی چاہتا ہے۔ ہم اہل سنت علما کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا تین طلاقیں ہوگئی ہیں اب بغیر حلالہ زید ہندہ کو واپس اپنی زوجیت میں نہیں لا سکتا۔ پھر ہم ایک دوسرے اہل سنت مدرسے میں گئے انہوں نے بھی تحریراً یہی فتویٰ جاری کیا۔ اس طرح چار جگہ سنی مدارس سے ہمیں یہی فتویٰ دیا گیا پھر زید کو کسی نے مشورہ دیا کہ وہابی مولویوں سے فتویٰ حاصل کرو زید اپنی پریشانی کی وجہ سے ایک وہابی مولوی سے فتویٰ لے آیا اس میں لکھا ہے کہ تین طلاقیں نہیں ہوئیں کیونکہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے۔ زید اگرچہ سنی مسلمان ہے وہابی نہیں ہے مگر اس کا یہ خانہ آبادی ہو جانے کی وجہ سے وہ وہابی فتوے پر خوش ہے لیکن ہندہ سخت قسم کی سنی مسلمان اپنے آپ کو اعلیٰحضرت بریلوی کی کنیز اور غلام سمجھتی ہے گوڑے شریف کی مریدنی ہے وہ کہتی ہے کہ میں ہرگز وہابی فتوے کو نہیں مانتی کسی سنی معتبر عالم سے فتویٰ لاؤ تو قبول ہے میں خانہ آبادی کو اہمیت و فوقیت نہیں دیتی مجھے تو اہلِ سنت علما کا معتبر فتویٰ چاہیئے چونکہ ہم نے اس سے پہلے سنی مدرسوں سے تین علما کے تین فتوے حاصل کیے ہیں جن تینوں نے لکھا ہے کہ تین طلاقیں ہو چکی ہیں ہم سب بہت پریشان تھے ہم اپنے پیرخانے شرقپور شریف حاضر ہوئے ان کو وہ سب فتاویٰ دکھائے انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ گجرات پنجاب حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آستانے پر چلے جاؤ وہاں تم کو مضبوط فتویٰ مل جائے گا اور اُسی کو آخری حتمی شرعی فتویٰ سمجھنا۔ اس لیے ہم حاضر ہوئے ہیں ہم کو شرعی فتویٰ عطا فرمایا جائے۔ بَیِّنُوا تُوجَرُوا۔

دستخط سائل۔ خالد حسین دہلی دروازہ لاہور شہر۔ نزد اکبر منڈی　　۱۵/۱/۹۷

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق یہ پانچوں فتوے غلط ہیں۔ زبانی بھی تحریری بھی اہل سنت علما کے بھی اور وہابی صاحب کے بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ سنی حضرات کے فتاوی میں عدمِ تدبّر و تفکّر ہے اور وہابی فتوے میں عدم علم ہے۔ قرآن مجید وحدیث اور فقہِ سلیم کی روشنی میں صحیح مدلل جواب یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ مذکورہ میں صرف ایک طلاق ہوئی ہے باقی دوبار خاوند نے پہلی اصلی طلاق کی تاکید کی ہے۔ شریعت اسلامیہ میں طلاق ثلاثہ کی تین قسمیں ہیں اور ان کی صورتیں پانچ ہیں ۱؎ یہ کہ خاوند نے اپنی بیوی کو یک دم ایک مجلس میں اسی طرح طلاق دی جس طرح سوال میں مذکور ہے اس کو طلاق بِالتاکید کہتے ہیں۔ اس میں پہلی طلاق پڑ جاتی ہے دوسری تاکیدِ طلاق اور تیسری طلاقِ تاکید بن جاتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ کل میرے پاس زید آیا تھا زید۔ زید۔ جیسے کسی کے گھر سانپ نکل آئے تو وہ ڈر کر گھبرا کر کہے سانپ سانپ سانپ یا چور کی خبر دیتے ہوئے کوئی کہے چور چور چور۔ تو ان صورتوں میں نہ زید تین ہوئے نہ سانپ نہ چور۔ باوجود تین بار کہنے کے زید بھی ایک سانپ بھی ایک چور بھی۔ اسی طرح جب خاوند نے بیوی سے کہا میں تجھے طلاق دیتا ہوں طلاق طلاق۔ تو طلاق بھی ایک ہی واقع ہوگی ۲؎ کوئی خاوند اپنی کسی مدخولہ بیوی کو کہے میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔ اس کو طلاقِ مُبَتّہ کہتے ہیں اس صورت میں طلاقِ اوّل تو فوراً واقع ہو جائے گی دوسری دو میں اگر اس کا ارادہ طلاق دیتے وقت طلاقِ دوم۔ اور طلاقِ سوم کا تھا تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی اگر اس کا ارادہ صرف پہلی طلاق کا تھا تو صرف پہلی طلاق ہوگی دوسری دو تو یہاں بھی تاکید بن جائے گی۔ اس کو طلاقِ مُبَتّہ اس لیے کہتے ہیں کہ لغت میں بَتّہ کا معنی ہے ۱؎ کاٹنا ۲؎ الجھن میں ڈالنا ۳؎ مشقت میں ڈالنا۔ تو چونکہ خاوند نے اس انداز میں الفاظِ طلاق ادا کیے کہ بیوی اور اس کے لواحقین کو الجھن اور مشقت میں

ڈالدیا کہ نہ پتہ چلتا ہے ایک طلاق دی نہ پتہ چلتا ہے تین دیں۔ اس لیے خاوند سے حلفیہ بیان لیا جائے گا کہ اُس وقت تیرا ارادہ کیا تھا جب تو نے اس طرح طلاقیں ادا کی تھیں۔ قسم بول کر جو ارادہ ظاہر کرے گا وہ ہی حکم جاری کیا جائے گا۔

چنانچہ ابوداؤد شریف جلد اوّل کتابُ الطلاق بابُ البَتۃ ص۳۰۰ پر ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرحِ وَ اِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ الْكَلْبِيُّ. عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِدْرِيسَ الشَّافِعِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ شَافِعٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَلِيِّ بْنِ سَائِبٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ اَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيدَ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ سُهَيْمَةَ. اَلْبَتَّةَ فَاَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ وَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتَ اِلَّا وَاحِدَةً؟ فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً. فَرَدَّهَا اِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ترجمہ۔ حضرت رُکانہ کے گھر والے بیان کرتے ہیں کہ حضرت رُکانہ نے اپنی بیوی سُهَيْمَةَ کو طلاق بتہ دی۔ اور خود آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور عرض کیا کہ میں نے اللہ کی قسم ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا کہ کیا واقعی تو اللہ کی قسم کے ساتھ کہتا ہے کہ تو نے ایک طلاق کا ہی ارادہ کیا تھا۔ عرض کیا رکانہ نے اللہ کی قسم میں نے صرف ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ کی بیوی اُن کو واپس کرا دی۔ اس حدیث مقدس سے ثابت ہوا کہ طلاقِ بتہ میں ارادے کے مطابق طلاق واقع ہوتی ہے تین کا ارادہ تو تین۔ ایک کا ارادہ تو ایک۔ ۳۔ کوئی خاوند اپنی مدخولہ بیوی کو ایک ہی مجلس میں یکدم تین طلاقیں عدد سے دے مثلاً کہے کہ میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا ہوں۔ تو فوراً تین طلاقیں پڑ جائے گی۔ یا تین طلاقیں گنتی سے دے مثلاً کہے کہ میں اپنی بیوی ایک طلاق دو طلاق تین طلاق دیتا ہوں۔ فوراً تینوں پڑ جائیں گی۔ یا تین طلاقیں نمبر سے دے۔

مثلاً کہے کہ میں اپنی بیوی کو پہلی طلاق، دوسری طلاق، تیسری طلاق دیتا ہوں تب بھی تینوں طلاقیں ایک دم پڑجائیں گی۔ ان صورتوں کو طلاق مغلظہ کہتے ہیں۔ غرضیکہ تین دفعہ طلاق کے الفاظ ادا کرنے کی تین صورتیں اور پانچ قسمیں اور تین نام ہو گئے ۱۔ طلاقِ تاکیدی ۲۔ طلاق بتّہ ۳۔ طلاقِ مغلظ طلاقِ تاکیدی میں نہ نیت شرط نہ ارادے کی ضرورت، طلاق بتّہ میں نیت شرط نہیں مگر ارادے کی ضرورت ہے اگر کچھ ارادہ نہ ہو تب بھی ایک طلاق ہوگی اگر ایک طلاق کا ارادہ تھا تب بھی ایک طلاق اگر تین کا ارادہ تھا تو تین طلاق طلاقِ مغلظہ میں بھی نہ نیت کی ضرورت نہ ارادے کی۔ ایک دم تین پڑجائیں گی۔ ہاں اَلْبَتَّہ طلاق کنایہ میں نیت کی شرط ہوتی ہے۔ طلاق بتّہ میں ارادے کی ضرورت کا ثبوت اس مندرجہ بالا حدیث مقدس سے ہوا اور کنایہ میں نیت کی شرط کتبِ فقہا سے ہوا چنانچہ حاشیہ ابو داؤد شریف جلد اول ص۳۰۰

ع۔ قَوْلُهٗ فَقُلْتُ لِامْرَاَتِیْ الخ) غَرَضُ اَبِیْ دَاوٗدَ مِنْ اِیْرَادِ هٰذَا الْحَدِیْثِ اَنَّ کَعْبَ ابْنَ مَالِكٍ تَکَلَّمَ بِلَفْظِ الطَّلَاقِ وَهُوَ قَوْلُهُ اَلْحِقِیْ بِاَهْلِكِ وَلَمْ یَقَعْ بِهِ الطَّلَاقُ لِاَنَّهٗ لَمْ یَنْوِ الطَّلَاقَ بِهٖ لِاَنَّ اللَّفْظَ لَمْ یَکُنْ صَرِیْحًا فِی الطَّلَاقِ بَلْ کَانَ کِنَایَةً عَنْهُ فَاحْتَاجَ اِلَی النِّیَّةِ فَلَمَّا لَمْ یَنْوِ الطَّلَاقَ لَمْ یَقَعْ بِهِ الطَّلَاقُ۔

ترجمہ۔ حضرت کعب بن مالک جو جنگِ تبوک سے رہ گئے تھے تو ان کو سزا میں حکم ہوا تھا کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دو۔ تب انہوں نے اپنی بیوی کو فرمایا تھا اَلْحِقِیْ بِاَهْلِكِ یعنی اپنے اہل و لواحقین کے پاس چلی جا۔ امام ابو داؤد محدث اس حدیث پاک کو اس باب میں اس لیے لائے تا کہ یہ معلوم ہو کہ کعب بن مالکؓ نے اگرچہ طلاق والے لفظ بول دیئے اور وہ یہی اَلْحِقِیْ بِاَهْلِكِ والے ہیں حالانکہ طلاق نہ پڑی ان لفظوں سے اس لیے کہ انہوں نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی تھی کیونکہ اس میں نیت ضروری تھی اور یہ صریحی طلاق والے لفظ نہ تھے بلکہ کنایہ طلاق والے

لفظ ہیں۔ لہٰذا نیت کی اس میں ضرورت ہے تو جب نیت نہ پائی گئی طلاق بھی نہ پڑی اس سے ثابت ہوا کہ طلاق کنایہ میں نیت ضروری اور طلاق بتہ میں ارادہ ضروری سا ارادے کا تعلق عقل کے انعقاد سے ہوتا ہے نیت کا تعلق دل کے اختیار سے ارادے میں وجود ہوتا ہے نیت میں معنیٰ ہوتا ہے۔ ارادہ ظاہر میں ہوتا ہے نیت باطن میں۔ لیکن طلاق تاکیدی اور طلاق مغلظہ میں نہ نیت کی ضرورت نہ ارادے کی۔ طلاقِ بتہ میں چونکہ ارادہ ضروری ہے اس لیے امام شافعی رح اور امام اعظم رض کے نزدیک خاوند جس نیت کا ارادہ کرے وہی طلاق واقع ہوگی اور امام مالک رح کے نزدیک طلاقِ بتہ میں تین ہی طلاق پڑیں گی اگرچہ اس کا ارادہ کچھ بھی ہو یعنی ایک کا یا تین کا۔ چنانچہ حاشیہ ابن ماجہ بحوالہ لمعات شرح مشکوٰۃ جلد اول ص۱۴۸ پر ہے۔

وَطَلَاقُ الْبَتَّةِ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَجْعِيَّةٌ۔ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ۔ وَاِنْ نَوَى اِثْنَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا فَهُوَ عَلٰى مَا نَوٰى وَعِنْدَ مَالِكٍ ثَلَاثٌ وَعِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ بَائِنَةٌ۔ تَاوِيْلُ الرَّدِّ عِنْدَهُ تَجْدِيْدُ النِّكَاحِ (لمعات)

ترجمہ۔ امام شافعی کے نزدیک طلاقِ بتہ ایک طلاق رجعی ہوتی ہے (خواہ کچھ بھی نیت نہ کرے یا ایک کی نیت کرے) اس حدیث پاک کی دلیل سے لیکن اگر طلاقِ بتہ دینے والا خاوند دو طلاق یا تین طلاق کی نیت کا ارادے کرے تو وہ ہی طلاق واقع ہوگی جو اس نے نیت کی ہوگی۔ اور امام مالک کے نزدیک طلاقِ بتہ ہر صورت میں تین طلاق ہی ہوں گی۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک طلاق بتہ ایک طلاقِ بائنہ ہوگی (یعنی اگر خاوند طلاقِ بتہ دے کر ایک کا ارادہ کرے تب ایک بائنہ ہوگی لیکن اگر دو یا تین کا ارادہ کرے جو نیت ارادے کرے تو نیت کے ارادے کے مطابق ہی دو یا تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اور حدیث رکانہ میں فَرَدَّهَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا معنیٰ یہ ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ کو ان کی بیوی تجدید نکاح کرا کے واپس دوبارہ خانہ آبادی کرائی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ واقعی اگر

تمہارا ارادہ ایک طلاق کا تھا اور یہ ارادہ قسمیہ درست ہے تب تم تجدیدِ نکاح کرو اور بیوی کو گھر لے آؤ احادیث سے طلاقِ ثلاثہ کی فقط یہ ہی تین قسمیں ثابت ہیں۔ تاکیدی۔ بتہ۔ مغلظہ۔ تاکیدی کبھی تین نہیں ہو سکتی اور مغلظہ کبھی ایک نہیں ہو سکتیں۔ صورتِ مسئولہ میں زید نے اپنی بیوی ہندہ کو یہی طلاقِ تاکیدی دی ہے۔ جس پر ہمارے مفتیانِ اربعہ نے غور نہ فرمایا۔ اور اس کو تین طلاقِ مغلظہ سمجھ بیٹھے۔ اگر ہر طلاقِ ثلاثہ مغلظہ ہوتی تو حدیثِ رکانہ میں حضرت رکانہ کی زوجہ کو واپسی کا حکم نہ دیتے۔ لیکن وہابی فتویٰ اس لیے غلط ہے کہ دنیا بھر کے تمام غیر مقلد حضرات اپنی بے علمی سے ایک ہی رٹ لگائے بیٹھے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔ اگر ان کی یہ ہی بات درست ہوتی تو اسی حدیث رکانہ میں آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو قسم دلا کر اُن سے اُنکا ارادہ نہ پوچھتے۔ اس حدیثِ پاک نے اقتضاءُ النص سے طلاقِ ثلاثہ کی تین قسمیں فرما دیں۔

حکایت۔ ایک مرتبہ گجرات کے ایک بہت بڑے وہابی اہلحدیث غیر مقلد حافظ عنایت اللہ صاحب سے میری اس مسئلہ پر کچھ دیر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔ میں نے عرض کیا حافظ صاحب کسی معتبر کتاب سے ایک ایسی حدیث دکھاؤ جس سے صاف ثابت ہو کہ یہ ہر قسم کی تین طلاقیں ایک طلاق بنے گی۔ فوراً ابن ماجہ شریف کھول کر یہی حدیثِ رکانہ دکھائی اور فرمانے لگے کہ دیکھو انہوں نے طلاقِ بتہ یعنی تین طلاقیں دیں۔ مگر فَرَدَّهَا اِلَيْهِ رسولُ اللہ۔ میں نے عرض کیا کہ اولاً تو طلاقِ بتہ کو یعنی کہہ کر تین کہنا تو آپ کا قول ہے۔ ورنہ طلاقِ بتہ کا تو یہ معنیٰ نہیں ہے۔ ثانیاً۔ اگر یہ طلاق بتہ بقول آپ کے ایک طلاق رجعی بائنہ ہی ہے تو پھر آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو قسم کیوں دلوائی اور ارادہ کیوں پوچھا اس کا کوئی مضبوط اور مدلل جواب دیجئے میں نے جب ذرا بحث کی تو خاموش ہو گئے۔ پھر میں نے پوچھا اچھا حافظ صاحب یہ بتائیے کہ اگر میرے گھر میں سانپ نکل آئے اور میں باہر نکل کر شور مچا دوں کہ سانپ

سانپ سانپ یا کوئی نابینا کوئیں کے قریب آجائے اور میں زور سے کہوں کنواں، کنواں، کنواں۔ تو بتایئے کتنے سانپ اور کتنے کوئیں ہوئے فرمانے لگے کہ ایک ہی۔ پھر میں نے کہا کہ اگر میں آپ سے کہوں کہ ہمارے گھر میں تین سانپ ہیں یا ہمارے محلے میں تین کوئیں۔ یا فلاں حوالات میں تین چور ہیں تو بتایئے۔ کتنے سانپ، کتنے کوئیں۔ اور کتنے چور مانوگے۔ حافظ صاحب تو ذرا سوچ میں پڑ گئے ساتھ ہی ایک ان کا مقتدی بیٹھا تھا کہنے لگا کہ تین ہی مانیں گے۔ میں نے کہا بلکہ ہر ذی عقل بھی تین ہی مانے گا۔ تو پھر اللہ کے بندو خاوند کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں مگر آپ دور بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ نہیں تین نہیں ایک دی ہے۔ پھر میں نے کہا کہ خیر یہ تو ایک سمجھانے کا طریقہ تھا میرا تو آپ سے یہ مطالبہ ہے کہ کوئی حدیث شریف ایسی دکھاؤ کہ خاوند ظاہر ظہور کہے کہ میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا ہوں۔ تین کا لفظ بولے اور سننے والی بیوی بھی کہے کہ مجھ کو میرے خاوند نے تین کا عدد بول کر تین طلاق دی ہیں پھر بھی کریم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک طلاق فرمایا ہو۔ آج تک کسی وہابی صاحب نے صحاح ستہ یا کسی معتبر و متواتر مجموعے سے ایسی صاف حدیث نہیں دکھائی۔ لیکن بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت ایسی حدیثِ مقدس ظاہر ظہور صاف صاف دکھا سکتے ہیں کہ خاوند نے ثلاثہ کے لفظ سے طلاق دی بیوی نے تصدیق کی اور ایک مجلس میں یکدم دی اور آقاءِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تینوں پڑ گئیں۔

چنانچہ ابن ماجہ جلد اول ص۱۴۵ پر ہے۔ بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قُلْتُ لِفَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ حَدِّثِيْنِيْ عَنْ طَلَاقِكِ قَالَتْ طَلَّقَنِيْ زَوْجِيْ ثَلَاثًا وَهُوَ خَارِجٌ إِلَى الْيَمَنِ فَاَجَازَ ذَالِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ۔ حضرت عامر شعبی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا کہ مجھ کو اپنی طلاق کا واقعہ سناؤ۔ فرمانے لگیں میرے خاوند نے ثلاثہ کے لفظ سے مجھ کو تین طلاقیں

دیں جب نکلنے والے تھے یمن کے سفر پر تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو جاری فرما دیا کہ پڑ گئیں میں نے یہ مطالبہ حافظ صاحب مذکور سے بھی کیا تھا مگر وہ بے چارے تو بغیر جواب دیئے فوت ہو گئے۔ میں نے برطانیہ امریکہ اور انڈیا میں بھی بڑے بڑے غیر مقلدین سے مطالبہ کیا کہ صرف ایک ہی صحیح حدیث پاک زمانۂ نبوی کی دکھا دو مگر آج تک انتظار ہے۔ طلاق ثلاثہ کا مزید بیان جاء الحق حصہ اول میں دیکھئے۔ خلاصہ یہ کہ طلاقِ ثلاثہ تین قسم کی ہے ۱۔ طلاقِ تاکیدی جیسے تجھے طلاق ہے طلاق طلاق ۲۔ طلاق بتہ۔ جیسے میں تجھے طلاق دیتا ہوں تجھے طلاق دیتا۔ تجھے طلاق دیتا ہوں ۳۔ طلاق مغلظہ جیسے تجھے تین طلاق دیتا ہوں۔ یا تجھے پہلی دوسری تیسری طلاق یا تجھے ایک دو تین طلاق دیتا ہوں۔ صورتِ مذکورہ میں زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاقِ تاکیدی دی ہے۔ اس کے ارادے یا تصور میں اگرچہ تین ہوں مگر شرعاً ایک ہی پڑی دو دوسری تاکید بن گئیں طلاقِ بتہ کا حکم پہلے بتا دیا گیا کہ جیسا خاوند کا ارادہ اتنی ہی واقع ہوں گی۔ طلاقِ مغلظہ میں مدخولہ بیوی کو اگر ایک مجلس میں کسی طرح بھی طلاق ثلاثہ دے یکدم تین کہہ کر یا یکدم ایک دو تین۔ یا پہلی دوسری تیسری کہہ کر سب پڑ جائیں گی بغیر حلالہ پھر واپسی خانہ آبادی نہیں ہو سکتی لیکن غیر مدخولہ کو متفرق طلاق دینے سے پہلی ایک پڑ گی دوسری ضائع۔ زید ہندہ سے نکاح کرے کیونکہ مذہبِ حنفی میں طلاقِ تاکیدی بھی بائنہ ہوتی ہے اور ایک طلاقِ بتہ بھی کیونکہ طلاق میں ذرا سی بھی شدت طلاق کو بائنہ بنا دیتی ہے اور تاکید بھی شدت ہے خلاصہ یہ کہ امام اعظم کا بتہ کو بائنہ فرمانا فردھا الیہ کی وجہ سے ہے یعنی رسول اللہ نے لوٹائی اس سے تجدیدِ نکاح ثابت ہوا کیونکہ رجعی میں ردّھا کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ تو خاوند کے رجوع سے ہی خود لوٹ آتی ہے۔ لیکن امام شافعی نے اسی ردّھا سے طلاقِ بتہ کو طلاقِ رجعی بنا دیا، حالانکہ یہ استدلال درست نہیں، شافعی علیہ الرحمۃ نے ردّھا میں تفکر نہیں فرمایا اس لیے ان کا نظریہ کمزور ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

۱۷/۱/۱۹۹۷

کتبہ

تیرھواں فتوٰی

شریعت اسلامیہ میں ہر قسم کی فوٹو تصویر کپڑے کاغذ وغیرہ پر بنانا حرام ہے۔ جو شخص اس کو جائز کہے وہ گمراہ اور فاسق ہے اُس کے پیچھے نماز منع ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ ہمارے علاقہ کے چند بیرون مولویوں کے دماغوں پر ابلیس لعین نے یہ نیا وسوسہ ڈالدیا ہے کہ کیمرے کی تصویر اور فوٹو تصویر نہیں بلکہ عکس ہے۔ اور احادیث میں تصویر کی حرمت آئی ہے نہ کہ عکس کی پاکستان میں آج کل ایک پروفیسر مشہور ہو رہا ہے جو بہت ہی عجیب عجیب مسئلے پھیلا رہا ہے کبھی کہتا ہے کہ کاغذ یا کپڑے پر تصویر بنانا یا بنوانا حرام نہیں صرف لکڑی لوہے پتھر پر مورتی تراشنا حرام ہے اور کہتا ہے کہ احادیث میں کپڑے پر فوٹو بنانے کی حرمت یا ممانعت نہیں ہے۔ صرف اس چیز کی حرمت ہے جس کا سایہ بنتا ہو۔ کبھی پردہ کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ صرف سر کے بالوں کا پردہ ضروری ہے چہرے کا پردہ ضروری نہیں۔ کبھی اسلامی شرعی چار انگلی داڑھی شریف کی مخالفت کرتا ہے اسی لیے اس کے معتقد خطیبوں نے داڑھیاں چھوٹی کرادی ہیں غرضکہ عجیب وغریب گمراہی کی باتیں کرتا ہے ہم اپنے علاقوں میں ان کے مقابل ڈٹے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے سب مریدوں سے کہدیا ہے کہ اس طوفانِ گمراہی کا سختی سے مقابلہ کرو۔ لوگوں کو اور اپنے بچوں نوجوانوں مردوں عورتوں کو ان لوگوں کی محفلوں تقریروں کتابوں سے بچاؤ۔ مگر چونکہ یہ تمام شرعی مسائل ہیں اس لیے ہمیں اس مقابلۂ حق و باطل میں ہر ہر قدم پر آپ کی شرعی رہنمائی کی ضرورت ہے اس سلسلے کی پہلی کڑی ہیں آپ ہم کو حرمت تصویر پر شرعی فتویٰ عطا فرمائیں اور وضاحت فرمائیں کہ عکس۔ اور تصویر

فوٹو، مورتی میں کیا فرق ہے کیا ان کا شرعی اور حکمی فرق ہے یا نہیں۔ اور اب تو دن بدن یہ پیر، مولوی اور ان کے پیروکار اتنے بے باک شوخ اور نڈر ہو گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کے سامنے شریعتِ پاک کا مسئلہ بتائے تو اس کا محفل میں کھلے عام مذاق اڑاتے ہیں۔ ابھی چند دن پیشتر میرا ایک مرید ایک پیر صاحب کی محفل میں چلا گیا۔ اسی کمرے میں پیر صاحب کی بڑی سی فوٹو لگی ہوئی ہے۔ میرے مرید نے کہا کہ یہ فوٹو اتار دو۔ کیونکہ جس گھر کسی جاندار کی فوٹو لگی ہو وہاں کوئی نماز کوئی عبادت ورد وظیفہ قبول نہیں ہوتا۔ یہ سن کر ان کا ایک معتقد مرید اہل خانہ میں سے اٹھ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ حضرات آپ ان کی باتوں سے پریشان نہ ہوں یہ تو ہر فوٹو سے الرجک ہیں۔ الرجک ہونا ایک نفسیاتی بیماری کا نام ہے لوگ یہ سن کر ہنس پڑے۔ میرے مرید نے کھڑے ہو کر کہا کہ صرف میں ہی الرجک نہیں۔ بلکہ میری شریعت میری طریقت میرے فرشتے میرا اسلام سب ہی ان سے الرجک یعنی متنفر ہیں۔ اس پر سب خاموش رہ گئے اور پیر صاحب پھیکے پڑ گئے اس لیے فی زمانہ یہ مقابلہ سخت ہے۔ شیطان اپنی جگہ ہتھیار بند مقابلے میں ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ پہلے ہی باطلین کے مقابل بہت عرصے سے قلم کی تیز اور مضبوط تلوار سے گمراہی کا مقابلہ فرما رہے ہیں اس لیے ہمارے ساتھ بھی تعاون کیجئے۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی خَیْرَ الْجَزَاءِ۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

دستخط سائل۔ پیر عبد اللطیف شیرازی ڈسکہ ۸۸ /۱/ ۱۷

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

آج کل کے جن چند پیروں خطیبوں نے فوٹو تصویر کے متعلق عکس وغیرہ کے الفاظ وضع کر لیے ہیں وہ بالکل بناوٹی ہیں احادیث پاک میں کسی تصویر کے لیے عکس کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا خواہ وہ تصویر کپڑے پر ہو یا کاغذ پر۔ شیطان نے یہ وسوسہ براستہ نفسِ امارہ دل میں ڈال دیا ہے۔ صرف فوٹو کھنچوانے کے شوقین پیروں خطیبوں کے لیے

نام بدل کر جواز پیدا کرنے کا ۔ حالانکہ کاغذ پر تصویریں ہو یا کپڑے پر قلم پنسل کی ہو یا کیمرے مشین کی سب حرام اشد حرام ہے تصویر کے متعلق شرعی احکام تو ہمارے فتاویٰ العطایا الاحمدیہ جلد دوم میں دیکھئے وہاں تفصیل موجود ہے یہاں اتنا سمجھ لو مسئلہ شرعاً حقیقتاً اس طرح ہے کہ عربی زبان میں ہر طرح کی شکل وصورت کے نقشے کو تصویر اور تمثیل کہا جاتا ہے ان کی جمع تصاویر اور تماثیل ہے صورت یعنی ناک کان وغیرہ کے علاوہ باقی ڈھانچے کے نقشے کو ہیکل یا تقویم کا نقشہ کہا جاتا ہے خواہ ڈھانچہ بے جان اشیا کا ہو یا جاندار اشیا کا دنیا میں ہماری نظر جس کو دیکھتی ہے ۔ وہ چار قسم کی ہیں ۱ اصل اشیا ۲ عکس ۳ تصویر اس کا انگریزی نام فوٹو ہے ۴ تمثیل ۔ انسانی نظر فقط ان چار چیزوں کو دیکھتی ہے ۔ وہ چار قسم یہی ہیں ۱ اصل ظاہری وجود کو کہتے ہیں ۔ عکس آئینے میں نظر آنے والی اشیا کو کہا جاتا ہے اور تصویر کاغذ یا کپڑے پر بنے ہوئے نقشے کو تمثیل عام ہے لکڑی پتھر لوہے کی بنی ہوئی مورتی اور کپڑے کاغذ پر بنے ہوئے نقشے کو کہتے ہیں یہ چاروں چیزیں اتنی مختلف ہیں کہ ہم ان میں سے کسی ایک کو دوسرے کا نام نہیں دے سکتے مگر بعض موقعے پر صرف مجازاً ۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے اصل کو نہ عکس کہہ سکتے ہیں نہ تصویر اسی طرح تصویر کو نہ عکس کہہ سکتے ہیں نہ اصل اور عکس کو بھی نہ اصل کہہ سکتے ہیں نہ تصویر مگر کبھی تمثیل کو تصویر اور تصویر کو تمثیل مجازاً کہا جاتا ہے صرف لغوی معنیٰ میں ورنہ حقیقتاً اور اصطلاحاً تمثیل عام مجسم اور مورتی ہے اصل وہ ہے جو اپنی پیدائشی حالت کے ساتھ خارج میں موجود ہے اصل کی دو قسمیں ہیں ۱ مخلوقی اشیا یعنی وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے بنائی ہوں ۲ ایجادی اشیاء یعنی وہ چیزیں جو بندوں نے ایجاد کی ہیں ۔ ایجادی اشیاء بھی ابتداً اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں بندوں نے تو فقط جوڑ کر ایک نقشہ بنا دیا ۔ عکس وہ ہے جو آئینے یا پانی یا کسی چمکتی چیز میں نظر آئے یہ عکس بنایا نہیں جا سکتا خود بخود بن جاتا ہے ۔ تصویر وہ ہے جو کسی کاغذ کپڑے پر برش قلم یا پنسل سے لکھ کر بنایا جائے یا کسی مشین کیمرہ وغیرہ سے چھاپ کر

بنایا جائے تمثیلی تصویر وہ نقشہ ہے جو کسی مورتی پر تراش خراش کر بنایا جائے لیکن ان تمام میں اصل ہی کی نقل ہے جو دستی بنائی جائے وہ تصویر جو خود بن جائے وہ عکس جاندار کی تصویر یعنی شکل صورت کا نقشہ شریعت نے حرام فرما دیا۔ اس لیے کہ یہ سب کاغذ کپڑے مورتی کی تصاویر و تماثیل بت ہیں ان کو کسی زبان لغت یا اصطلاح میں عکس نہیں کہا گیا اور کپڑے یا کاغذ پر چھاپہ شدہ نقوش کو ترقیم کہا جاتا ہے۔ چنکبرے سانپ یا گھوڑے کو ارقم اسی معنیٰ میں کہا گیا ہے۔ آج کل پاسپورٹ یا فارم کے نمبر کو رقم کہا جاتا ہے ہماری اصطلاح میں بیسوں کو رقم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کاغذ یا دھات پر چھپی ہوتی ہے اگر کپڑے پر پھول پتی کے نقش و نگار بنے ہوں تو احادیث مبارکہ میں ان کا تذکرہ رقماً فی الثوب کے الفاظ سے آیا ہے۔ بعض لغت کی کتابوں نے فوٹو کا ترجمہ منفی عکس کیا ہے مگر یہ اُس کے بنانے کا طریقے کی طرف اشارہ ہے معنیٰ نہیں ہے۔ اسی طرح آئینے یا پانی کے ذریعے فوٹو سازی کو عکس کی تصویر تو کہا جا سکتا ہے لیکن عکس نہیں کہہ سکتے۔ عکس کا لغوی معنیٰ ہے اُلٹ۔ اُلٹا کرنا اس معنیٰ میں ہم ہر دستی و مشینی تصویر کو عکس بندی کہہ سکتے ہیں انگلی برش قلم پنسل سے بنائی جائے یا کیمرہ مشین سے کیونکہ ہر تصویر، ہی اصل چیز کی دائیں بائیں سے الٹ ہوتی ہے خواہ لفظوں کی تصویر ہو یا کسی جسم کی۔ طباعت کتب میں بھی یہی الٹ پھیر کی تصویر ہوتی ہے کہ پہلی فوٹو تصویر الٹی پھر دوسری تصویر الٹ کی الٹ یعنی سیدھی۔ اس کو عکس بندی یا چھاپہ کہا جاتا ہے مگر عکس نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا کیمرے کے کام میں تین لفظ استعمال ہوئے (۱) عکس (۲) عکس بندی (۳) منفی عکس عکس وہ نقشہ جو خود بخود بنتا ہے اس کو کوئی بنا نہیں سکتا عکس بندی کیمرہ مین کا وہ کام ہے جو وہ عکس کے ذریعے اُس کی مثل تصویر بناتا ہے۔ منفی عکس اس کام کا نتیجہ تصویر کو عکس نہیں کہا جا سکتا جو شخص آئینے کے سامنے آجائے اور اپنے آپ کو دیکھے یا دکھائے وہ شخص عکاسی ہے نہ کہ کیمرہ مین کیمرہ مین کو انگریزی میں فوٹوگرافر اور عربی میں مصورِ کہتے ہیں عکس اور تصویر میں چار طرح فرق ہے پہلا یہ کہ تصویر بنائی جاتی ہے عکس آئینے میں خود بخود بن جاتا ہے۔ دوم یہ کہ تصویر کو بقا ہے کہ کاغذ کپڑے مورتی پر قائم

رہتی ہے مگر عکس کو بقا نہیں کہ جب تک عکاس آئینے کے سامنے ہے عکس باقی جب آئینے سے ہٹ گیا ہے تو عکس ختم اسی لیے آئینے کے سامنے نماز جائز ہے لیکن بڑی یا چھوٹی فوٹو کے سامنے نماز پڑھنا حرام ہے۔ اس لیے کہ اصل جب سجدہ کرے گا تو عکس بھی سجدہ ریز ہوگا۔ مگر تصویر ویسے ہی سامنے ڈٹی رہے گی۔ دوسرے کے عکس کے سامنے بھی نماز جائز کہ وہ پیچھے ہوگا اپنی تصویر کے سامنے بھی نماز ناجائز۔ تصویر (فوٹو) اور عکس میں تیسرا فرق یہ کہ تصویروں فوٹوؤں سے کمرے کو اور کمرے کی اونچی دیواروں کو آلودہ کیا جاسکتا ہے۔ عکس سے نہیں کیا جاسکتا۔ چہارم فرق یہ کہ جس کمرے میں فوٹو لگے ہوں وہ کمرہ مندر اور بت خانہ ہے لیکن عکس اور آئینوں والا کمرہ بت خانہ نہیں۔ تصویر اور فوٹو جیب میں رکھا جاسکتا ہے عکس نہیں رکھا جاسکتا کتنے دیوانے جاہل ہیں وہ پیر اور خطیب جو شیطانی نرغے میں آکر تصویر کو عکس کہہ رہے ہیں خیال رہے کہ جس طرح کہ اصل وجود اور اصل کی تصویر جداگانہ چیزیں ہیں کہ پیر کی ٹنگی ہوئی فوٹو کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پیر صاحب ٹنگے ہوئے ہیں۔ اسی طرح عکس اور تصویر دو مختلف چیزیں ہیں اور چونکہ لفظِ تصویر اور لفظ فوٹو اصلاً ایک ہی چیز ہے صرف زبانوں کا اختلاف ہے کہ تصویر عربی لفظ ہے اور فوٹو انگریزی لفظ۔ اس لیے ان کا شریعت میں ایک حکم ہے یعنی احادیث میں ہر تصویر کی ممانعت کہ بنانا حرام بنوانا مکروہ تحریمی، اور گھروں میں لگانا قطعاً ناجائز فی زمانہ ہر قسم کی جاندار کی فوٹو کا بھی یہ ہی حکم ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بنانے بنوانے کا موقع ہو تو فوٹو اور تصویر میں فرق کر دیا جائے اور کہا جائے کہ صرف تصویر کو حرام کیا گیا ہے فوٹو جائز ہے اور نماز پڑھنے کا وقت ہو تو تصویر کو بھی فوٹو کو بھی سامنے سے ہٹا دیا جائے اور فوٹو کے سامنے بھی نماز کو ناجائز کہا جائے فوٹو کے لیے وہ احادیث و آیات کہاں سے لاؤ گے جن میں فوٹو کے لفظی ذکر کے ساتھ ممانعت ثابت ہو، احادیث مبارکہ میں تو صرف تصویر اور تصاویر کا ہی نام آتا ہے، تو جس طرح نماز کے لیے یہ لوگ تصویر والی احادیث فوٹو پر چسپاں کر لیتے ہیں اسی طرح چاہیے کہ فوٹو بنانے بنوانے کے وقت تصاویر بنانے بنوانے کی حرمت والی احادیث مدِنظر رکھ کر فوٹو بناتے بنواتے کو حرام سمجھیں اپنی ابلیسی خرمستیوں

کے لیے شیطانی تاویلیں نہ کرتے پھریں۔ احادیثِ مقدسہ میں مطلقاً تصویر بنانے بنوانے سے منع فرمایا گیا اور بنانے والے کو سخت عذاب کی وعید ہے خواہ وہ تصویر بڑی ہو یا چھوٹی اور کسی طرح سے بھی بنائی گئی ہو۔ طریقہ تصویر سازی سے بحث نہیں یہ دنیا کی نت نئی کارسازیاں ہیں۔ ان میں تفریق کر کے شریعت کے خلاف چلنا اور فوٹوگرافی کے جواز کا کوئی راستہ نکالنا یا حیلہ بہانہ بنانا فقط تلبیس ابلیس ہے اور جہنم کا کھلا راستہ ابلیس نے ان پیروں خطیبوں کو ورغلایا اور ان پیروں خطیبوں نے اپنے مریدوں مقتدیوں کو وسوسایا۔ ان کی دیکھا دیکھی عوام بھی طرح طرح کے فضول و بیہودہ سوالات کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ اگر فوٹو حرام ہے تو شناختی کارڈ کیوں بنواتے ہو۔ پاسپورٹ پر کیوں لگواتے ہو وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جو حرمت اور وعید عذاب فوٹو سازی کے لیے احادیث مبارکہ میں وارد ہوئی ہے وہ بدستور قائم ہے کوئی حکومتی قانون اُسے ختم نہیں کر سکتا ہر فوٹوگرافر کو بہر حال بھگتنا پڑے گا۔ ہاں البتہ فوٹو بنوانے والے کی دو نوعتیں ہیں ۱۔ اختیاری ۲۔ اضطراری اگر بلا مجبوری کوئی شخص اپنے اختیار و خوشی سے بنوا رہا ہے تو اس پر گناہ لازم، لیکن اگر کوئی قانون وغیرہ اس کو مجبور کر رہا ہے اور اس کے بغیر اس کا گزارہ نہیں اور اس جبر و اکراہ اور مجبوری میں وہ شخص فوٹو بنوا رہا ہے تو اس بنوانے کا گناہ اُس قانون ساز شخص پر پڑے گا۔ لہٰذا پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے فوٹو بنوانے کا گناہ اس حاکم پر تا قیامت ہوگا جس نے یہ قانون بنایا۔ لوگ تو اپنے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ بنوانے کے لیے مجبور ہیں۔ کیونکہ پاسپورٹ سے دنیوی زندگی نوکری۔ بیرونی ملازمت روزی کمانے کی ضروریات وابستہ ہیں اور شناختی کارڈ سے اندرونِ ملک اپنے وطن میں رہنا اس طرح وابستہ کر دیا گیا کہ ان کے بغیر زندگی اور باعزت وقت گزارنا مشکل ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچی ہدایت نصیب فرمائے اور ہر شیطان و شیطان نما سے بچائے۔ وہ ہی ہر مسلمان کو دھوکے اور دھوکے پر ضد کرنے کے سبق

سکھاتا پڑھاتا ہے۔ اب ہم مندرجہ ذیل سطور میں وہ تمام احادیثِ مقدسہ نقل کرتے ہیں جن میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر سے ممانعت اور وعیدِ عذاب بیان فرمائی شدتِ ممانعت سے ہی حرمت ثابت ہے۔

جاندار کی تصاویر بنانے کی حرمت و ممانعت کی احادیثِ مبارکہ مقدسہ

۱۔ بخاری شریف جلد دوم کتاب اللباس باب التصاویر ص ۸۸۰ تا ص ۸۸۱ تیرہ احادیثِ مقدسہ۔

عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَّ لَا تَصَاوِیْرُ۔

ترجمہ۔ حضرت ابوطلحہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس کے گھر میں کتا ہو نہ اس گھر میں جس میں تصویریں لگی ہوں۔

۲۔ بخاری شریف جلد دوم باب۔ عذاب المصورین یوم القیامۃ عَنْ مُسْلِمٍ قَالَ کُنَّا مَعَ مَسْرُوْقٍ فِیْ دَارِ یَسَارِ بْنِ نُمَیْرٍ فَرَاٰی فِیْ صُفَّتِہٖ تَمَاثِیْلَ فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰہِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَلْمُصَوِّرُوْنَ۔

ترجمہ۔ مسلم سے روایت ہے کہ ہم حضرت مسروق کے ساتھ یسار بن نمیر کے گھر میں تھے تو اُن کے کمبل میں تصویریں دیکھیں تو مسروق نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبد اللہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ سخت عذاب تصویریں بنانے والوں کو ہوگا۔

۳۔ بخاری شریف دوم۔ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ عُمَرَ اَخْبَرَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَصْنَعُوْنَ ھٰذَا الصُّوَرَ یُعَذَّبُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُقَالُ لَھُمْ اَحْیُوْا مَا خَلَقْتُمْ۔

ترجمہ۔ حضرت نافع سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ ابن عمر نے ان کو خبر سنائی کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ ان جیسی جانداروں کی تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن عذاب دیے جائیں گے ان سے کہا جائے گا کہ زندہ کرو تم ان کو جو تم نے پیدا کیا۔

۴۔ بخاری دوم باب نقض الصور۔ عَنْ عِمْرَانَ ابْنَ حَطَّانَ اَنَّ عَائِشَۃَ حَدَّثَتْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکُنْ یَتْرُکُ فِیْ بَیْتِہٖ شَیْئًا فِیْہِ تَصَالِیْبُ (اَیْ تَصَاوِیْرُ) اِلَّا نَقَضَہٗ۔

ترجمہ۔ عمران بن حطان سے روایت ہے کہ بے شک عائشہ صدیقہ رضی نے مجھ سے بیان فرمایا کہ نبی کریم آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر مبارک میں ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑتے تھے جس میں بت بنے ہوں یعنی تصویریں مگر ان کو مٹا دیتے۔

۵۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ زُرْعَۃَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ دَارًا بِالْمَدِیْنَۃِ فَرَاٰی عَلٰی ھَا مُصَوِّرًا یُصَوِّرُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَھَبَ یَخْلُقُ کَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا حَبَّۃً وَّلْیَخْلُقُوْا ذَرَّۃً۔

ترجمہ۔ حضرت ابوزرعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک گھر میں داخل ہوا مدینہ منورہ کے تو انہوں اس گھر کی اوپری منزل میں ایک مصور کو دیکھا جو تصویریں بنا رہا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے آقا صلی اللہ

علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو میری مخلوق جیسے صورتیں بنانے لگے پس چاہیے کہ وہ لوگ دانے بنانے لگیں (اگر ہمت ہے تو) اور ذرّے پیدا کریں (اگر طاقت ہے)، یہاں جاندار کی تصویر کی برائی کا ذکر ہے۔

ملا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ وَمَا بِالْمَدِيْنَةِ يَوْمَئِذٍ أَفْضَلُ مِنْهُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِيْ عَائِشَةَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ وَقَدْ سَتَرْتُ بِقِرَامٍ لِيْ عَلٰى سَهْوَةٍ لِيْ فِيْهَا تَمَاثِيْلُ فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَتَكَهٗ وَقَالَ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ قَالَتْ فَجَعَلْنَاهُ وِسَادَةً۔

ترجمہ۔ حضرت سفیان نے ہم سے حدیث پاک بیان فرمائی انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبد الرحمٰن بن قاسم سے سنا، اور اُن دنوں مدینہ منورہ میں اُن سے افضل شخص کوئی نہ تھا (غالباً یہ آخری تابعی ہوں گے) انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے عائشہ صدیقہ اُمّ المومنین سے سنا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس تشریف لائے حالانکہ میں نے اپنی ایک چادر کا اپنی ایک الماری پر پردہ لٹکایا ہوا تھا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں تو جب آقا حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فورا اکھیڑ پھینکا اور فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی جاندار مخلوق کی فوٹو بناتے ہیں، حضرت صدیقہ رض نے فرمایا کہ بعد میں ہم نے اُس چادر کا بیرون والا گدیلا بنا لیا۔

۷ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ وَعَلَّقْتُ دُرْنُوكًا فِيهِ تَمَاثِيلُ فَأَمَرَنِي أَنْ أَنْزِعَهُ فَنَزَعْتُهُ ۔

ترجمہ ۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس تشریف لائے حالانکہ میں نے ایک موٹا پردہ لٹکایا ہوا تھا جس میں جانوروں کی تصویریں بنی ہوئی تھی تو آپ نے مجھ کو حکم دیا کہ میں اس پردے کو اتار دوں ۔ میں نے فوراً اتار دیا ۔

۸ بخاری شریف جلد دوم ۔ بَابُ مَنْ كَرِهَ الْقُعُوْدَ عَلَى الصُّوَرِ
عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَقُلْتُ أَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مِمَّا أَذْنَبْتُ قَالَ مَا هٰذِهِ النُّمْرُقَةُ قُلْتُ لِتَجْلِسَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا قَالَ إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ وَإِنَّ الْمَلٰئِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ الصُّورَةُ ۔

ترجمہ ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی سے روایت ہے انہوں نے ایک چادر خریدی جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر ہی کھڑے ہو گئے اندر تشریف نہ لائے میں نے گھبرا کر عرض کیا میں توبہ کرتی ہوں اس گناہ سے جو میں نے کیا ہو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چادر کیسی ہے ۔ میں نے عرض کیا یہ اس لیے ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے ٹیک لگائیں ۔ فرمایا کہ بے شک ان تصویروں کو بنانے والے عذاب دیئے جائیں گے قیامت کے دن ۔ ان سے کہا جائے گا زندہ کرو تم جن کو تم نے بنایا ہے ۔ اور بے شک فرشتے اس

گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔

۹ (بخاری دوم ص۸۸۱) عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ لَا تَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ الصُّوْرَۃُ۔ قَالَ بُسْرٌ ثُمَّ اشْتَکٰی زَیْدٌ فَعُدْنَاہُ فَاِذَا عَلٰی بَابِہٖ سِتْرٌ فِیْہِ صُوْرَۃٌ فَقُلْتُ لِعُبَیْدِ اللّٰہِ رَبِیْبِ مَیْمُوْنَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَمْ یُخْبِرْنَا زَیْدٌ عَنِ الصُّوَرِ یَوْمَ الْاَوَّلِ فَقَالَ عُبَیْدُ اللّٰہِ اَلَمْ تَسْمَعْہُ حِیْنَ قَالَ اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ۔

ترجمہ۔ روایت ہے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویریں ہوں۔ بسر نے فرمایا پھر زید بیمار ہو گئے تو ہم ان کی عیادت کے لیے گئے تو اچانک میں نے ان کے دروازے پر تصویروں والا پردہ پڑا دیکھا میں نے ام المومنین میمونہ رض کے ربیب عبید اللہ سے عرض کیا کہ ان حضرت زید نے ہی ہم کو پہلے دن تصویروں کی ممانعت کی خبر نہ دی تھی تو عبید اللہ نے جواباً فرمایا کہ کیا تم نے اسی وقت ان کی زبان سے یہ بھی نہ سنا تھا کہ اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ مگر نقش ونگار کپڑے میں ہوں تو جائز ہے۔

۱۰ بخاری دوم باب کراھیۃ الصلٰوۃ فی التصاویر عن انس قَالَ کَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَۃَ سَتَرَتْ بِہٖ جَانِبَ بَیْتِہَا فَقَالَ لَہَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمِیْطِیْ عَنِّیْ فَاِنَّہٗ لَا تَزَالُ تَصَاوِیْرُہٗ تَعْرِضُ فِیْ صَلَاتِیْ۔

ترجمہ۔ حضرت انس رض سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رض کا ایک کپڑا تھا جس کو اپنے دروازے کا پردہ بنایا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مجھ

سے اس پردے کو دور کر دو کیونکہ اس کی تصویریں میری نماز میں خلل ڈالتی ہیں۔

۱۱ بخاری دوم باب لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ صُوْرَۃٌ۔ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ وَعَدَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جِبْرِیْلُ فَرَاثَ عَلَیْہِ حَتّٰی اشْتَدَّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَقِیَہٗ فَشَکَا اِلَیْہِ مَا وَجَدَ فَقَالَ لَہٗ اِنَّا لَا نَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ صُوْرَۃٌ وَّلَا کَلْبٌ۔

ترجمہ۔ حضرت سالم اپنے والد سے راوی انہوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل امین نے ملنے کا وعدہ کیا تب انتظار فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک کہ شدید ہو گیا انتظار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ باہر ملاقات کیلئے کھڑے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شدتِ انتظار کی شکایت کی جو آپ نے محسوس کی تو حضرت جبرئیل امین نے عرض کیا آپ سے کہ ہم ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں یا کتا ہو۔

۱۲۔ بخاری جلد دوم۔ باب من لم یدخل بیتا فیہ صورۃ۔ عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْہُ اَنَّھَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَۃً فِیْھَا تَصَاوِیْرُ فَلَمَّا رَاٰھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَی الْبَابِ فَلَمْ یَدْخُلْ فَعَرَفَتْ فِیْ وَجْھِہِ الْکَرَاھِیَۃَ قَالَتْ اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ وَاِلٰی رَسُوْلِہٖ مَاذَا اَذْنَبْتُ قَالَ مَا بَالُ ھٰذِہِ النُّمْرُقَۃِ فَقَالَتْ اِشْتَرَیْتُھَا لِتَقْعُدَ عَلَیْھَا وَتَوَسَّدَھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحَابَ ھٰذِہِ الصُّوَرِ یُعَذَّبُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَیُقَالُ لَھُمْ اَحْیُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَیْتَ الَّذِیْ فِیْہِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُہُ الْمَلٰئِکَۃُ۔

ترجمہ۔ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت ہے انہوں نے اس کی خبر دی کہ انہوں نے ایک کپڑا خریدا جس میں تصویریں بنی تھیں تو جب اس کو آقائے کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ دروازے پر ہی کھڑے ہو گئے (اندر تشریف نہ لائے)، تو میں نے آپ کے چہرہ اقدس میں کسی چیز کی ناپسندیدگی پہچانی انہوں نے فرمایا میں نے توبہ کی اللہ رسول کی بارگاہ میں اس گناہ سے جو مجھ سے ہوا ہو۔ آپ نے فرمایا یہ چادر کیسی ہے انہوں نے عرض کیا یہ میں نے خریدی ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے ٹیک لگائیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ فوٹو گرافر قیامت کے دن شدید عذاب دئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا۔ ان کو زندہ کرو اِن میں جان ڈالو۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ گھر جس میں تصویریں ہوتی ہیں۔ ان میں فرشتے نہیں آتے۔

۱۳ بخاری جلد دوم۔ باب مَنْ لَعَنَ الْمُصَوِّرَ۔ عَنْ عَوْنِ ابْنِ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّہٗ اِشْتَرٰی غُلَامًا حَجَّامًا فَقَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ وَثَمَنِ الْکَلْبِ وَکَسْبِ الْبَغِیِّ وَلَعَنَ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَمُوْکِلَہٗ وَالْوَاشِمَۃَ وَالْمُسْتَوْشِمَۃَ وَالْمُصَوِّرَ۔

ترجمہ۔ عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے راوی انہوں نے ایک حجام غلام خریدا پھر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا خون کی قیمت سے اور کتے کی قیمت سے باغیہ کی کمائی سے اور ملعون فرمایا سود کھانے اور کھلانے والوں کو اور جسم گودھنے والے اور گدھوانے والے کو اور تصویریں بنانے والے کو۔

۱۴ مسلم شریف جلد اوّل ص ۲۰۱ عَنْ زُھَیْرِ ابْنِ حَرْبٍ عَنْ یَحْیٰی بْنِ سَعِیْدٍ یَعْنِی الْقَطَّانَ عَنْ ھِشَامٍ عَنْ اَبِیْ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ اُمَّ حَبِیْبَۃَ وَاُمَّ سَلَمَۃَ ذَکَرَتَا الْکَنِیْسَۃَ رَاَیْنَھَا

بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُولٰئِكَ إِذَا
كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا
وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ أُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ
عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔

ترجمہ۔ زُہیر بن حرب سے روایت ہے وہ یحیٰی بن سعید سے وہ ہشام سے وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ بے شک اُمِ حبیبہ رضی اور اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہما نے آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حبشے میں ایک لباس دیکھا جس میں تصویریں بنی تھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک کفارِ حبشہ میں رواج ہے کہ جب کوئی بزرگ بندہ ان میں مرجائے تو اس کی قبر کے اوپر سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں اور اُس کی تصویر بنا لیتے ہیں۔ اسی میں کی تصویریں اُس لباس میں ہوں گی وہ ہی لوگ اللہ کے نزدیک سب مخلوق سے زیادہ بدبخت ہوں گے قیامت کے دن۔

۱۵۔ مسلم شریف جلد دوم از ص ۱۹۹ تا ص ۲۰۲۔ تین احادیث

حَدَّثَنَا نَصْرُ ابْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ ابْنِ عَبْدِ
الصَّمَدِ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُسْلِمِ ابْنِ صُبَيْحٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ
مَسْرُوقٍ فِي بَيْتٍ فِيهِ تَمَاثِيلُ مَرْيَمَ فَقَالَ مَسْرُوقٌ
هٰذَا تَمَاثِيلُ كِسْرٰى فَقُلْتُ لَا هٰذَا تَمَاثِيلُ مَرْيَمَ
فَقَالَ مَسْرُوقٌ أَمَا إِنِّي سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ مَسْعُودٍ
يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدُّ
النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْمُصَوِّرُونَ ۔

ترجمہ۔ روایت ہے مسلم بن صبیح سے انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت مسروق کے ساتھ ایک گھر میں گیا جس میں حضرت مریم کی فوٹو میں

تصویریں تھیں تو حضرت مسروق نے فرمایا یہ کسریٰ بادشاہ کی تصویریں ہیں میں نے کہا نہیں یہ تو مریم کی تصویریں ہیں تو حضرت مسروق نے فرمایا کہ بے شک میں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رض سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے سب سے زیادہ سخت عذاب والے تو تصویر بنانے والے ہوں گے۔

۱۷۱ عن سعید ابن ابی الحسن قال جاء رجل الی ابن عباس فقال انی رجل اصور هذه الصور فافتنی فیها فقال له ادن منی فدنا منه ثم قال ادن منی فدنا منه حتی وضع یده علی راسه فقال انبئک بما سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل له بکل صورة صورها نفسا یعذب به فی جهنم۔ وقال ان کنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر وما لا نفس له فاقر به نصر بن علی۔

ترجمہ۔ روایت ہے سعید ابن ابی الحسن سے انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں مصور ہوں اس قسم کی (جانداروں کی) تصویریں بنایا کرتا ہوں مجھے اس کے جواز کا فتویٰ عطا فرمائیے آپ نے فرمایا میرے قریب آجا وہ آگیا فرمایا اور آجا وہ اور آگیا تب آپ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ جو میں نے آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس کی تجھ کو خبر دیتا ہوں۔ میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ہر مصور جہنم میں ہوگا اور جتنی بھی اس نے تصویریں اپنی زندگی میں بنائی ہوں گی ہر تصویر کے بدلے اس کا جہنم میں ایک جسم بنایا جائے گا۔ اور پھر فرمایا عبداللہ ابن مسعود رض نے کہ اگر

تجھ کو مصوری کا کام ہی ضرور کرنا ہے تو درختوں اور بے جان چیزوں کی تصویریں (سینریز) بنایا کر تب نصر بن علی نے اس بات کا اقرار کیا۔

۱۷ حَدَّثَنَا اَبُوبَکْرِ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ نُمَیْرٍ وَاَبُوکُرَیْبٍ وَالْفَاظُھُمْ مُتَقَارِبَۃٌ قَالُوْا حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَیْلٍ عَنْ عُمَارَۃَ عَنْ اَبِیْ زُرْعَۃَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ فِیْ دَارِ مَرْوَانَ فَرَاٰی فِیْھَا تَصَاوِیْرَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَھَبَ یَخْلُقُ خَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّۃً اَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّۃً اَوْ لِیَخْلُقُوْا شَعِیْرَۃً۔

ترجمہ۔ روایت ہے ابی زرعہ سے انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابوہریرہ کے ساتھ مروان کے گھر میں داخل ہوا تو اس کے گھر میں تصویریں دیکھیں تو حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ میں نے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو میری مخلوق کے مشابہ بنانے لگے اگر قدرت ہے تو ذرّے اور دانے اور جَو پیدا کر کے دکھائیں۔

۱۸ ابوداؤد شریف جلد دوم ص۵۷۳۔ بَابٌ فِی الصَّلِیْبِ۔ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَتْرُکُ فِیْ بَیْتِہٖ شَیْئًا فِیْہِ تَصْلِیْبٌ اِلَّا قَضَبَہٗ۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رض سے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کوئی چیز ایسی باقی نہ چھوڑتے تھے جس میں تصویر ہوتی مگر مٹا دیتے تھے اس کو۔

۱۹ ابوداؤد شریف بَابٌ فِی الصُّوَرِ۔ عَنْ عَلِیٍّ رض عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ

صُوْرَۃٌ وَّلَا کَلْبٌ وَّلَا جُنُبٌ۔

ترجمہ۔ مولا علی شیر خدا سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہوتی اس میں جس میں کتا ہو نہ اس میں جس میں پلید جنبی مرد ہو یا عورت۔

۲۰ عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَّلَا تِمْثَالٌ۔

ترجمہ۔ حضرت ابوطلحہ انصاری سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے جس میں کتا یا تمثال یعنی جاندار کی تصویر ہو۔

۲۱ عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَا تَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ صُوْرَۃٌ۔

ترجمہ۔ ابوطلحہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ بے شک آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے جس میں تصویر ہو۔

۲۲ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ زَمَنَ الْفَتْحِ وَھُوَ بِالْبَطْحَآءِ اَنْ یَّاْتِیَ الْکَعْبَۃَ فَیَمْحُوَ کُلَّ صُوْرَۃٍ فِیْھَا فَلَمْ یَدْخُلْھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی مُحِیَتْ کُلُّ صُوْرَۃٍ فِیْھَا۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت جابر سے کہ بے شک نبی کریم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا فاروقِ اعظم کو جب کہ فتح مکہ ہوئی اور آپ مقام بطحا میں تشریف فرما تھے کہ وہ کعبے میں جائیں اور جتنی تصویریں اس میں ہیں سب کھرچ دیں۔ تو آقاءِ کائنات نبی مکرم اس وقت تک کعبہ کے اندر تشریف نہ لائے جب تک کہ وہ تمام فوٹو مٹا نہ دیے گئے جو اس کعبے میں تھے۔

۲۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخْبَرَتْنِیْ مَیْمُوْنَۃُ زَوْجُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ وَعَدَنِیْ اَنْ یَلْقَانِیْ فِی اللَّیْلَۃِ فَلَمْ یَلْقَنِیْ۔ (الخ) فَلَمَّا لَقِیَہٗ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّا لَا تَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَّلَا صُوْرَۃٌ۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت ابن عباسؓ فرمایا کہ مجھے ام المومنین حضرت میمونہ نے خبر دی کہ ایک بار نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا کہ آج رات مجھے ملیں گے لیکن مجھ سے ملنے نہیں آئے (الخ) لیکن پھر جب ملاقات ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ بے شک ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

۲۴۔ عَنْ مُجَاهِدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ اَتَیْتُکَ الْبَارِحَۃَ فَلَمْ یَمْنَعْنِیْ اَنْ اَکُوْنَ دَخَلْتُ اِلَّا اَنَّہٗ کَانَ عَلَی الْبَابِ تَمَاثِیْلُ وَکَانَ فِی الْبَیْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِیْہِ تَمَاثِیْلُ وَکَانَ فِی الْبَیْتِ کَلْبٌ۔ فَمُرْ بِرَأْسِ التِّمْثَالِ الَّذِیْ فِی الْبَیْتِ یُقْطَعُ فَیَصِیْرُ کَهَیْئَۃِ الشَّجَرَۃِ۔

ترجمہ۔ حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ حدیث بیان فرمائی ہم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا انہوں نے کہ ارشاد فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے کہ کل رات میں آپ کے پاس آیا تھا مگر مجھ کو گھر میں داخل ہوتے سے صرف اس چیز نے منع کیا کہ گھر میں پردے کی چادر پر تصویروں کی شکل بنی تھیں اور اس وقت گھر میں ایک چھوٹا سا کتے کا پلا بھی

تھا اب آپ گھر والوں کو حکم دیجئے کہ تصویروں کے سر کاٹ دیں اس طرح وہ بے جان درخت کی طرح ہو جائیں گے۔

۲۵ ترمذی شریف جلد اول کتاب اللباس باب ماجاء فی الصورۃ ص ۳۰۵
عن جابر قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصورۃ فی البیت ونھی ان یصنع ذالک (الخ) حدیث جابر حدیث حسن صحیح۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا گھر میں تصویر لگانے سے اور منع فرمایا تصویر بنانے سے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ جابر کی یہ حدیث شریف حسن صحیح ہے علی رض۔ ابو طلحہ رض، عائشہ رض، ابو ہریرۃ ابو ایوب رض کی سند ہے۔

۲۶ عن عبید اللہ ابن عبد اللہ ابن عتبۃ انہ دخل علی ابی طلحۃ الانصاری یعودہ فوجد عندہ سھل ابن حنیف قال فدعا ابو طلحۃ انسانا ینزع نمطا تحتہ فقال لہ سھل لم تنزعہ قال لان فیھا تصاویر وقال فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما قد علمت قال سھل اولم یقل الا ما کان رقما فی ثوب قال ولکنہ اطیب لنفسی ھذا حدیث حسن صحیح" اس کی شرح فوت المغتذی ۵۵ میں ہے۔ قال محمد وبھذا ناخذ ما کان فیہ تصاویر من بساط یبسط او فراش یفرش او وسادۃ فلا باس بذالک انما یکرہ من ذالک فی الستر وما ینصب نصبا وھو قول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقھائنا۔

ترجمہ۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت ہے بے شک عیادت کرتے ہم حاضر ہوئے ابو طلحہ انصاری کے پاس تو ان کے پاس سہل بن حنیف کو بیٹھا پایا راوی نے فرمایا ابو طلحہ رض نے

ایک آدمی کو بلایا جو ہٹا دے وہ گدیلا جوان کے نیچے تھا تو حضرت سہل نے فرمایا تم اس کو کیوں ہٹوا تے ہو آپ نے فرمایا اس لیے کہ اس میں تصویریں ہیں اور جو فرمایا ہے آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن تصویروں کے بارے میں وہ تم کو بھی معلوم ہے تب حضرت سہل نے فرمایا کہ کیا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا تھا کہ مگر وہ جو نقش نگار بنے ہوں کپڑے میں ان کی معافی ہے فرمایا ابو طلحہ انصاری نے لیکن میں اس کو فخر و غرور سمجھتا ہوں اپنے دل میں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس کی شرح قوت مغتذی کتاب میں اس طرح ہے کہ امام محمد نے فرمایا کہ اور اسی حدیث پاک کی وجہ سے ہمارا مسلک یہ ہے کہ وہ کپڑا جس میں تصویریں ہی ہوں اگر وہ ہیروں کا بستر ہو بچھا ہوا یا فرش وقالین کی طرح پڑا ہوا ہو یا تکیے کی طرح زمین پر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں مکروہ تحریمی تو صرف وہ تصویروں والا کپڑا گھر وغیرہ میں لگانا ہے جو پردے کی طرح ٹانگا جائے یا خوب صورتی کے لیے لٹکایا جائے یہی امام اعظم رض اور ہمارے عام فقہا مشائخ کا قول ہے۔

۲۷ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَۃً عَذَّبَہُ اللّٰہُ حَتّٰی یَنْفُخَ فِیْھَا یَعْنِی الرُّوْحَ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ فِیْھَا (الخ) وَفِی الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَاَبِیْ جُحَیْفَۃَ وَعَائِشَۃَ وَابْنِ عُمَرَ حَدِیْثُ اِبْنِ عَبَّاسٍ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

ترجمہ۔ حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے کسی شکل وصورت کی تصویر بنائی تو اس مصوّر کو اللہ تعالیٰ عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ اس میں روح پھونکے حالانکہ وہ مصوّر کبھی بھی اس تصویر میں روح نہ پھونک سکے گا۔ اسی باب میں ہے کہ عبد اللہ رض ابن مسعود رض

اور ابوہریرہؓ اور ابوجحیفہؓ اور عائشہ صدیقہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ عبداللہؓ ابن عباس رضی کی حدیث حسن صحیح ہے۔

۲۸۔ ابن ماجہ شریف باب الصورۃ فی البیت ص۲۶۸۔

عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَّ لَا صُوْرَۃٌ۔

ترجمہ۔ حضرت ابوطلحہ سے روایت ہے وہ آقاءِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور اقدس نے فرمایا کہ اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

۲۹۔ عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَا تَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَّ لَا صُوْرَۃٌ۔

ترجمہ۔ مولیٰ علی شیرِ خدا سے روایت ہے وہ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے راوی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں جاتے۔

۳۰۔ ابن ماجہ شریف باب الصور فیما یوطأ ص۲۶۸۔

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ سَتَرْتُ سَھْوَۃً لِیْ تَعْنِی الدَّاخِلَ بِسِتْرٍ فِیْہِ تَصَاوِیْرُ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَتَکَہٗ فَجَعَلْتُ مِنْہُ مَنْبُوْذَتَیْنِ فَرَئَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی اَحَدِھِمَا۔

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا میں نے پردہ بنایا اپنے لیے ایک طاق پر یعنی داخلی اندرونی طرف میں ایسے پردے کا جس میں تو تصویریں تھیں پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اس پردے کو پھاڑ دیا تب میں نے اس کپڑے سے دو گاؤ تکیے بنائے پھر میں نے نبی کریم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے

ایک کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔

۳۱۔ نسائی شریف جلد دوم باب التصاویر ص۲۵۵

اَخْبَرَنَا قُتَیْبَةُ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ زُهْرِیِّ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِکَةُ بَیْتًا فِیْهِ کَلْبٌ وَّ لَا صُوْرَةٌ۔

ترجمہ:۔ ابو طلحہ سے روایت کہ بے شک نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو وہاں فرشتے نہیں جاتے۔

۳۲ عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِکَةُ بَیْتًا فِیْهِ صُوْرَةٌ قَالَ بُسْرٌ ثُمَّ اشْتَکٰی زَیْدٌ فَعُدْنَاهُ فَاِذَا عَلٰی بَابِهٖ سِتْرٌ فِیْهِ صُوْرَةٌ قُلْتُ لِعُبَیْدِ اللّٰهِ الْخَوْلَانِیِّ اَلَمْ یُخْبِرْنَا زَیْدٌ عَنِ الصُّوْرَةِ یَوْمَ الْاَوَّلِ قَالَ قَالَ عُبَیْدُ اللّٰهِ اَلَمْ تَسْمَعْهُ اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ۔

ترجمہ۔ روایت ہے ابو طلحہ سے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ اس گھر میں نہیں جاتے جس گھر میں تصویر ہو۔ بسر بن سعید نے فرمایا پھر ایک مرتبہ زید بیمار ہو گئے تو ہم اُن کی عیادت کے لیے گئے اچانک ہم نے دیکھا کہ اُن کے دروازے پر پردہ ہے جس میں تصویر ہے میں نے عبید اللہ خولانی سے پوچھا کیا زید نے تصویر کے بارے میں پہلے دن ہم کو خبر نہ دی تھی امام خولانی نے فرمایا کہ کیا اُس دن حضرت زید سے تم نے یہ نہ سنا تھا کہ مگر وہ نقش و نگار جو کپڑے میں بنے ہوں وہ منع نہیں ہیں۔ یعنی تصویری شکل وصورت تو حرام ہے مگر نقش ونگار جائز ہیں۔

۳۳ حَدَّثَنَا مَسْعُوْدُ ابْنُ جُوَیْرِیَةَ عَنْ وَکِیْعٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ مُسَیَّبٍ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ صَنَعْتُ طَعَامًا فَدَعَوْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ

فَدَخَلَ فَرَاٰی سِتْرًا فِیْهِ تَصَاوِیْرُ فَخَرَجَ وَقَالَ اِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ لَا تَدْخُلُ بَیْتًا فِیْهِ تَصَاوِیْرُ۔

ترجمہ۔ مولیٰ علی شیرِ خدا سے روایت ہے کہ فرمایا انہوں نے میں نے کھانا بنایا پھر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی حضور اقدس نبی کریم تشریف لائے اور گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے ایک تصویروں والا پردہ دیکھا تو آپ فوراً گھر سے نکل گئے اور فرمایا بے شک جس گھر میں تصویریں ہوں وہاں ملائکہ نہیں آتے۔

۳۴ عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ کَانَ لَنَا سِتْرٌ فِیْهِ تِمْثَالُ طَیْرٍ مُسْتَقْبِلُ الْبَیْتِ اِذَا دَخَلَ الدَّاخِلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عَائِشَۃُ حَوِّلِیْهِ فَاِنِّیْ کُلَّمَا دَخَلْتُ فَرَاَیْتُهٗ ذَکَرْتُ الدُّنْیَا۔

ترجمہ۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت ہے ہمارے پاس ایک پردہ تھا جس میں پرندوں کی شکلیں بنی تھیں جب کوئی داخل ہونے لگے تو وہ پردہ گھر کے سامنے ڈال دیا جایا کرے۔ لیکن آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ اس کو ہٹا دو کیونکہ بے شک جب میں گھر میں داخل ہوا تو میں نے اس کو دیکھا مجھ کو دنیا یاد آگئی۔ یعنی دنیوی شیطانی لہو ولعب۔

۳۵ نسائی شریف جلد دوم باب ذکر اشد الناس عذابا ص۲۵۲

اَخْبَرَنَا قُتَیْبَۃُ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ قَاسِمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ وَقَدْ سَتَرْتُ بِقِرَامٍ عَلٰی سَهْوَۃٍ لِّیْ فِیْهِ تَصَاوِیْرُ فَنَزَعَهٗ وَقَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الَّذِیْنَ یُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ۔

ترجمہ۔ روایت ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے طاق کا پردہ ایک ایسی چادر کا بنایا ہوا

تھا جس میں نقوش بریں تھیں تو آقائے کائنات رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت میں ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا مقابلہ بنائیں۔

۳۶ نسائی شریف دوم باب ذِکرِ مَا یُکَلَّفُ اَصْحَابُ الصُّوَرِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَنْ نَضْرِ ابْنِ اَنَسٍ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ اَتَاہُ رَجُلٌ مِنْ اَھْلِ الْعِرَاقِ فَقَالَ اِنِّیْ اُصَوِّرُ ھٰذَا التَّصَاوِیْرَ فَمَا تَقُوْلُ فِیْھَا فَقَالَ اُدْنُ اُدْنُ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَۃً فِی الدُّنْیَا کُلِّفَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَنْ یَنْفُخَ فِیْھَا الرُّوْحَ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت نضر ابن انس رضی اللہ عنہ سے انھوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اھلِ عراق میں سے اور اس نے کہا کہ بے شک میں اس قسم کی جاندار تصویریں بناتا ہوں تو آپ کیا اس کے بارے میں فرماتے ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا قریب آ قریب آ میں نے اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص دنیا میں تصویریں بنائے گا بروزِ قیامت مکلّف کیا جائے گا کہ روح ڈال اس میں، اور وہ ڈال نہ سکے گا۔

۳۷۔ اَخْبَرَنَا قُتَیْبَۃُ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ عِکْرَمَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَۃً عُذِّبَ حَتّٰی یَنْفُخَ فِیْھَا الرُّوْحَ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ فِیْھَا۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے انھوں نے فرمایا کہ ارشادِ مقدس فرمایا آقائے کائنات حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص تصویریں بنائے گا وہ عذاب دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس تصویر میں روح پھونکے اور وہ کبھی بھی روح نہ پھونک سکے گا۔

۲۹ر اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ الَّذِيْنَ يَصْنَعُوْنَهَا يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ۔

ترجمہ۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تصویروں والوں کو جو تصویریں بناتے ہیں عذاب دیا جائے گا اور اُن سے کہا جائے گا جو تم دنیا میں بناتے رہتے ہو ان کو زندہ کرو۔

۳۱:۔ اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ لَيْثٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ قَاسِمٍ عَنْ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ۔

ترجمہ۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک تصویریں بنانے والے بروز قیامت عذاب دئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے پیدا کیا ہے اُن تصویروں کو زندہ کرو۔

۳۲۔ نسائی شریف جلد دوم ص۲۵۷۔ اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ ابْنُ حَرْبٍ (الخ) عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلْمُصَوِّرُوْنَ۔

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام انسانوں سے زیادہ شدید عذاب تو لوگ اور

کو ہوگا قیامت کے دن۔

۱۴۱۔ اَخْبَرَنَا حَنَّادُ ابْنُ السَّرِيِّ عَنْ اَبِي بَكْرٍ عَنْ اَبِي اِسْحَاقَ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اِسْتَاذَنَ جِبْرِيْلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اُدْخُلْ فَقَالَ كَيْفَ اَدْخُلُ وَفِي بَيْتِكَ سِتْرٌ فِيْهِ تَصَاوِيْرُ فَاِمَّا اَنْ تَقْطَعَ رُؤُسَهَا اَوْ تُجْعَلَ بِسَاطًا يُوْطَاُ فَاِنَّا مَعْشَرَ الْمَلٰئِكَةِ لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ تَصَاوِيْرُ۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت چاہی حضورِ اقدس رسولِ پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آجاؤ۔ تو جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا اندر کیسے آؤں آپ کے گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا ہے جس میں فوٹو بنے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر اُن تصویروں کے سر چہرے مٹا دئے جائیں یا اُس پردے کو زمین کا فرشی بستر بنا دیا جائے کہ پیروں میں روندا جائے تو ٹھیک ہے۔ کیونکہ ہم فرشتوں کے گروہ اُن گھروں میں داخل نہیں ہوتے جن میں تصویریں ہوں (ہم کو اِن بتوں فوٹوؤں سے نفرت ہے)

۱۴۲۔ مؤطا امام مالک جلد دوم ص۲۳۰۔

حَدَّثَنَا مَالِكٌ (الخ) عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهُ دَخَلَ عَلَى اَبِي طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيِّ يَعُوْدُهُ فَوَجَدَ عِنْدَهُ سَهْلَ ابْنَ حُنَيْفٍ فَدَعَا اَبُوْ طَلْحَةَ اِنْسَانًا يَنْزِعُ نَمَطًا تَحْتَهُ فَقَالَ سَهْلُ ابْنُ حُنَيْفٍ لِمَ تَنْزِعُهُ فَقَالَ لِاَنَّ فِيْهِ تَصَاوِيْرُ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا مَا قَدْ عَلِمْتَ قَالَ سَهْلٌ اَوَلَمْ يَقُلْ اِلَّا مَا كَانَ رَقْمًا فِي ثَوْبٍ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنَّهُ اَطْيَبُ لِنَفْسِي۔ وَفِي شَرْحِهِ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ

وَبِهٰذَا نَأْخُذُ مَا كَانَ فِيْهِ تَصَاوِيْرُ مِنْ بِسَاطٍ يُبْسَطُ أَوْ فِرَاشٍ أَوْ وِسَادَةٍ فَلَا بَأْسَ بِذٰلِكَ إِنَّمَا أَنكَرَهُ فِي السِّتْرِ وَمَا يُنْصَبُ نَصْبًا وَهُوَ قَوْلُ (امام اعظم) أَبِي حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا۔

ترجمہ۔ حضرت امام مالک رض سے روایت ہے کہ عتبہ ابن مسعود رض حاضر ہوئے حضرت ابوطلحہ انصاری کے پاس آپ کی بیمار پرسی کرنے تو دیکھا کہ اُن کے پاس سہل بن حنیف تشریف فرما ہیں۔ حضرت ابوطلحہ نے کسی شخص کو بلایا کہ اُن کے نیچے کا گدیلا ہٹا دے تو سہل بن حنیف نے فرمایا کہ گدیلا کیوں ہٹواتے ہو۔ تو حضرت طلحہ نے فرمایا اس لیے کہ اس میں تصویریں ہیں حالانکہ آقاءِ کائنات رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن تصویروں کی برائی میں جو فرمایا ہے وہ تم بھی جانتے ہو حضرت سہل نے جواباً فرمایا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا تھا کہ مگر وہ نقش ونگار جو کپڑے میں بنے ہوں۔ یعنی ہر قسم کی جاندار تصویر تو حرام ہے مگر کپڑے میں بے جان اشیا کے نقش ونگار جائز ہیں۔ حضرت طلحہ نے جواب دیا۔ اور لیکن میرا دل الطیب ہے۔ یعنی میں اس قبیّن پرستی سے بھی بچنا چاہتا ہوں اس حدیث کی شرح میں امام محمد نے فرمایا کہ اسی حدیث مقدسہ کی وجہ سے ہمارا یہ مسلک ہے کہ اگر زمین کے بستر یا فرش یا تکیے میں تصویریں ہوں تو کوئی گناہ نہیں ایسے کپڑے کے استعمال میں دکیونکہ وہ ذلت کے ساتھ پیروں میں گرا پڑا رہتا ہے) ناپسندیدہ اور منکر ومکروہ وحرام تو صرف وہ تصویروں والا کپڑا ہے جو پردہ بنا کر لٹکایا ہوا ہو دکیونکہ اس طرح تصاویر کی تعظیم ہوتی ہے اور یہ تعظیم بُتاں ہے جو شرعاً حرام ہے۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ رض اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

۳۴۳ ۔ طحاوی شریف جلد دوم ص ۳۶۳ ۔ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ ابْنُ اَبِي الفَرَجِ

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِشْتَرَیْتُ نُمْرُقَۃً فِیْھَا تَصَاوِیْرُ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فَرَاٰھَا تَغَیَّرَ ثُمَّ قَالَ مَا ھٰذِہٖ فَقُلْتُ نُمْرُقَۃٌ اِشْتَرَیْتُھَا لَکَ لِتَقْعُدَ عَلَیْھَا قَالَ اِنَّا لَا نَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ تَصَاوِیْرُ۔

ترجمہ۔ روایت ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک باریک کپڑا خریدا جس میں تصویریں تھیں پھر جب میرے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اس کپڑے کو دیکھا آپ کا چہرہ مبارک غصے سے متغیر ہو گیا پھر آپ نے فرمایا کہ کیا ہے یہ میں نے عرض کیا یہ کپڑا میں نے آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک ہم اس گھر میں نہیں جایا کرتے جس میں تصویریں ہوں۔

۴۴ مشکوٰۃ باب النصاویر فصل اول ص ۳۸۵

عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَّلَا تَصَاوِیْرُ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو طلحہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا نبی کریم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں (مسلم بخاری)

۴۵ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَیْمُوْنَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَصْبَحَ یَوْمًا وَّاجِمًا وَقَالَ اِنَّ جِبْرِیْلَ کَانَ وَعَدَنِیْ اَنْ یَّلْقَانِیْ اللَّیْلَۃَ فَلَمْ یَلْقَنِیْ اَمَ وَاللّٰہِ مَا اَخْلَفَنِیْ ثُمَّ وَقَعَ فِیْ نَفْسِہٖ جِرْوُ کَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَّہٗ فَاَمَرَ بِہٖ فَاُخْرِجَ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِہٖ مَاءً فَنَضَحَ مَکَانَہٗ فَلَمَّا اَمْسٰی لَقِیَہٗ جِبْرِیْلُ فَقَالَ لَقَدْ کُنْتَ وَعَدْتَّنِیْ اَنْ تَلْقَانِیْ الْبَارِحَۃَ قَالَ اَجَلْ وَلٰکِنَّا لَا نَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَّلَا صُوْرَۃٌ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اُم المومنین

میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ بے شک آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح فرمائی رنجیدگی میں اور فرمایا کہ جبریل امین نے مجھ سے وعدہ کیا تھا گذشتہ رات کو ملنے کا لیکن ملاقات نہ کی حالانکہ وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کر سکتے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں وہ کتے کا بچہ آیا جو آپ کی چوکی کے نیچے تھا تو آپ نے اس کے نکالنے کا حکم دیا تب وہ نکال دیا گیا پھر آپ نے پانی لیا اپنے دست اقدس میں اور وہ جگہ دھو کر صاف فرمائی پھر جب کل شام جبریل علیہ السلام نے آپ سے ملاقات کی تو آپ نے فرمایا اے جبریل تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھ سے ملاقات کرو گے کل گذشتہ رات۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا ہاں وعدہ تو کیا تھا لیکن ہم ملائکہ اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں (رواہ مسلم)

۲۱۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکُنْ یَتْرُكُ فِیْ بَیْتِہٖ شَیْئًا فِیْہِ تَصَالِیْبُ اِلَّا نَقَضَہٗ (رواہ البخاری)۔

ترجمہ:۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک آقا صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں باقی چھوڑتے تھے جس میں بتوں کی تصویریں ہوتیں مگر اس کو مٹا دیتے ختم کر دیتے۔ (رواہ البخاری)

۲۲۔ وَعَنْہَا اَنَّہَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِیْہَا تَصَاوِیْرُ فَلَمَّا رَاٰہَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَی الْبَابِ وَلَمْ یَدْخُلْ فَعَرَفْتُ فِیْ وَجْہِہِ الْکَرَاہِیَةَ قَالَتْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ وَاِلٰی رَسُوْلِہٖ مَاذَا اَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ ہٰذِہِ النُّمْرُقَةِ قُلْتُ اِشْتَرَیْتُہَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَیْہَا وَتَوَسَّدَہَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوْرَةُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلٰئِكَةُ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

ترجمہ ۔ اُن ہی عائشہ صدیقہ رض سے روایت ہے کہ میں نے باریک کپڑا خریدا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں جب نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دیکھا تو آپ دروازے پر ہی کھڑے ہو گئے اندر تشریف نہ لائے تب میں نے آپ کے چہرۂ اقدس میں کراھیت و نفرت کے آثار دیکھے اُم المومنین نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں توبہ کرتی ہوں اللہ رسول کی بارگاہ میں اُس گناہ سے جو مجھ سے ہوا ہو ۔ تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نمرقہ کیسا ہے میں نے عرض کیا میں نے یہ آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور تکیہ لگائیں تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تصویر بنانے والوں کو قیامت میں عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ زندہ کرو ان کو جو تم نے بنایا ہے اور فرمایا کہ فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویریں ہوں متفق علیہ ۔

۴۸ ۔ وَعَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ قَدِ اتَّخَذَتْ سَهْوَةً لَهَا سِتْرًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الخ) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

ترجمہ ۔ روایت ہے انہی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ انہوں نے اپنے ایک طاقچہ پر تصویروں والے کپڑے کا پردہ لٹکایا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھاڑ دیا ۔ (مسلم بخاری)

۴۹ ۔ وَعَنْهَا ۔ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

ترجمہ۔ انہی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا قیامت کے دن تمام لوگوں سے زیادہ شدید عذاب اُن لوگوں کو ہوگا جو جو اللہ تعالیٰ کی جاندار مخلوق کی شکلیں بناتے ہیں۔ (بخاری مسلم)

۵۰۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ یَخْلُقُ كَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْ شَعِیْرَةً۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

ترجمہ:۔ روایت ہے حضرت ابوہریرۃ سے انہوں نے فرمایا کہ میں نے سنا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ فرماتے تھے کہ رب تعالیٰ عزّ وجلّ نے فرمایا کہ کون زیادہ ظالم ہے اُس شخص سے جو میری مخلوق کی مثل شکلیں بنانے لگے انہیں چاہیئے کہ وہ جُوار یا دانے یا جَو پیدا کر کے دکھائیں۔ (بخاری ومسلم)

۵۱۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ مُتَّفَقٌ علیہ۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ شدید عذاب فوٹو گرافروں کو ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

۵۲۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ یُجْعَلُ لَهٗ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا فَیُعَذِّبُهٗ فِیْ جَهَنَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَا رُوْحَ فِیْهِ۔ مُتَّفَقٌ علیہ۔

ترجمہ:۔ روایت ہے حضرت ابن عباس سے انہوں نے فرمایا میں نے سنا رسولِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے

آپ فرماتے تھے ہر فوٹوگرافر جہنم میں ہوگا اُس کی ہر تصویر کے عوض شخص بنایا جائے گا تو وہ شخص اُس مصوّر کو عذاب دیں گے دوزخ میں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اے مصوّرو اگر تم کو ضرور تصویریں ہی بنانی ہیں تو درختوں اور بے جان چیزوں کی تصویریں بناؤ۔ (بخاری و مسلم)

۵۳ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلُمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ وَمَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ اَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِيْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكُ وَمَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَكُلِّفَ اَنْ يَنْفُخَ فِيْهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

ترجمہ:۔ انہی حضرت ابن عباس سے روایت ہے فرمایا کہ سنا میں نے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ فرماتے تھے کہ جو شخص جھوٹی خوابیں بنائے حالانکہ دیکھی نہ ہو قیامت میں اس کو مجبور کیا جائے گا کہ دو جَوؤں میں گانٹھ لگا اور وہ یہ کام ہرگز نہ کر سکے گا اور جو لوگوں کی خفیہ باتیں سنتا ہو حالانکہ لوگ اس چیز کو ناپسند کرتے ہیں یا دور بھاگتے اس سے تو اُس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا اور جو شخص جاندار کی تصویر بنائے وہ عذاب دیا جائے گا اور سزاءً مجبور کیا جائے گا کہ اس میں جان ڈالے حالانکہ کبھی نہ ڈال سکے گا۔ (بخاری)

۵۴ مشکوٰۃ شریف باب التصاویر فصل ثانی ص ۳۸۷۔
عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اَتَيْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِیْ اَنْ اَكُوْنَ دَخَلْتُ اِلَّا اَنَّهُ كَانَ عَلَى الْبَابِ تَمَاثِيْلُ وَكَانَ فِی الْبَيْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِيْهِ تَمَاثِيْلُ وَكَانَ فِی الْبَيْتِ كَلْبٌ فَمُرْ بِرَاْسِ التِّمْثَالِ الَّذِیْ عَلٰى بَابِ الْبَيْتِ فَيُقْطَعُ

نَبْصِيرُ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُرْ بِالسِّتْرِ فَلْيُقْطَعْ فَلْيُجْعَلْ وَسَادَتَيْنِ (الخ) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے کہا میں کل رات آپ کے پاس آیا تھا تو مجھ کو اندر آنے سے صرف اس چیز نے منع کیا کہ دروازے پر تصویریں تھیں اور گھر میں پردے کا کپڑا تھا جس میں تو ٹوبنے تھے اور گھر میں ایک پلّہ تھا۔ پس آپ حکم فرمائیں کسی کو کہ اُن تصویروں کے سر چہرے مٹا دے جو دروازے پر ہیں تو وہ بقیہ دھڑ کا جسم درخت کی شکل کی مثل بے جان چیز ہو جائے گی اور گھر والے اُس پردے کے کپڑے کے بیے یہ حکم فرمائیں کہ اُس کو پھاڑ کر دو فرشی بستر بنا ڈالیں تاکہ پیروں میں رہے (الخ) (ترمذی ابوداؤد)

۵۵؎ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ عُنُقٌ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهَا عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَأُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَلِسَانٌ يَنْطِقُ يَقُولُ إِنِّي وُكِّلْتُ بِثَلٰثَةٍ بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ وَكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ وَبِالْمُصَوِّرِيْنَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ترجمہ:۔ انہی حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے فرمایا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ میں سے ایک جسم لمبی گردن والا نکلے گا اُس گردن میں دو آنکھیں ہوں گی جو ہر طرف دیکھیں گی دو کان ہوں گے جو سب کچھ سنیں گے ایک زبان ہو گی جو بولتی ہو گی اور کہے گی کہ میں تین شخصوں کے عذاب پر مقرر کی گئی ہوں ہر ضدی جابر سرکش پر اور ہر مشرک کافر پر اور تصویریں بنانے والوں پر (ترمذی)۔

۵۶؎ مشکوٰۃ شریف فصل ثالث ص ۳۸۶۔

عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي الْحَسَنِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذْ جَاءَهُ

رَجُلٌ فَقَالَ یَا ابْنَ عَبَّاسٍ اِنِّیْ رَجُلٌ اِنَّمَا مَعِیْشَتِیْ مِنْ
صَنْعَةِ یَدِیْ وَاِنِّیْ اَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِیْرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ
لَا اُحَدِّثُكَ اِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ یَقُوْلُ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَاِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهٗ
حَتّٰی یَنْفُخَ فِیْهِ الرُّوْحَ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ فِیْهَا اَبَدًا فَرَبَا الرَّجُلُ
رَبْوَةً شَدِیْدَةً وَاصْفَرَّ وَجْهُهٗ فَقَالَ وَیْحَكَ اِنْ اَبَیْتَ
اِلَّا اَنْ تَصْنَعَ فَعَلَیْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ وَكُلِّ شَیْءٍ لَیْسَ فِیْهِ رُوْحٌ
رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

ترجمہ:۔ روایت ہے سعید ابن ابی الحسنؓ سے انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص اُن کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا یا حضرت صاحب میں دستی کام کا کاریگر ہوں اور یہی کاریگری میرا واحد روزگار ہے اور اس قسم کی جاندار تصویریں بناتا ہوں۔ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا میں صرف وہ فرمان سناتا ہوں جو میں نے اپنے آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ میں نے آپ سے سنا کہ جو شخص تصویر بنائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ ذولوگرافر مصور اُس اپنی بنائی ہوئی تصویر میں جان ڈالے حالانکہ وہ مصور اس میں کبھی بھی جان نہ ڈال سکے گا۔ یہ سن کر وہ شخص خوف و دہشت سے ہانپ گیا اور چہرہ پیلا پڑ گیا یہ دیکھ کر حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ تجھ پر افسوس ہے اگر تو اس کاریگری کے بغیر زندگی کا کاروبار نہیں چلا سکتا تو تجھ پر لازم ہے کہ درختوں اور بے جان چیزوں کی تصویریں اور سینیریاں بنایا کر کہ اس میں زیادہ آمدنی بھی اور حلال روزی بھی) (بخاری)

۷۵۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهٖ كَنِيْسَةً يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَكَانَتْ اُمُّ سَلَمَةَ

وَ اُمّ حَبِیْبَۃَ اَتَتَا اَرْضَ الْحَبْشَۃِ فَذَکَرَتَا مِنْ حُسْنِھَا وَتَصَاوِیْرَ فِیْھَا فَرَفَعَ رَاسَہٗ وَقَالَ اِذَا مَاتَ فِیْھِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰی قَبْرِہٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا تِلْکَ الصُّوَرَ اُولٰئِکَ شَرَارُ خَلْقِ اللّٰہِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ بیمار ہوئے آپ کی بعض ازواجِ پاک نے ذکر کیا ایک گرجے کا جس کو خوب صورتی کی وجہ سے ماریہ کہا جاتا تھا اور حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ حبشہ کی ہجرت سے واپس مدینہ منورہ پہنچی تھیں۔ تو انہوں نے اس گرجے کے حسن کا ذکر کیا اور اس میں ان کے لگے ہوئے فوٹوؤں تصویروں کا ذکر کیا تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ کفارِ حبشہ کا رواج یہ ہے کہ جب ان میں کوئی نیک بزرگ ان کا مرتا ہے تو اس کی قبر کو پوجا پاٹ کا سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں پھر یہ تصویریں اس قسم کی وہاں ہی اپنی عبادت خانوں سجدہ گاہوں میں لگا دیتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا و آخرت میں بدترین مخلوق ہیں (بخاری و مسلم)

۵۸۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَنْ قَتَلَ نَبِیًّا اَوْقَتَلَہٗ نَبِیٌّ اَوْ قَتَلَ اَحَدَ وَالِدَیْہِ وَالْمُصَوِّرُوْنَ وَعَالِمٌ لَّمْ یَنْتَفِعْ بِعِلْمِہٖ

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آقائے کائنات سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تمام انسانوں میں سخت ترین عذاب والا قیامت کے دن ایک وہ شخص ہوگا جو کسی نبی علیہ السلام کو شہید کرے۔ یا وہ ہوگا جس کو کسی جہاد وغیرہ میں کوئی نبی علیہ السلام قتل کریں اپنے ہاتھ سے تیسرا وہ ہوگا جو اپنے والدین میں سے ایک یا دونوں کو قتل کرے چوتھا وہ ہوگا جو دنیا میں مصوِّر فوٹوگرافر ہو پانچواں وہ ہوگا جو عالم دین

مگر اس کے علم سے نفع نہ لیا جا سکے یا تو نقصان اور گمراہی پھیلائے یا بالکل اپنا علم چھپائے۔

مندرجہ بالا احادیث مقدسہ باعتبار سند کے اٹھاون ہیں اور باعتبار متن مبارک چونتیس ہیں سب احادیث تو عدد کتب معتبرہ و مشہورہ سے ہم نے نقل کی ہیں مقام غور ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی نہ عکس کا لفظ موجود نہ بناوٹ کے طریقے کا ذکر ہے کہ کس طرح بناؤ کس طرح نہ بناؤ جس سے صاف ظاہر و ثابت ہے کہ جاندار کے چہرے شکل کی ہر فوٹو تصویر حرام ہے خواہ کسی طرح بھی کوئی مسلمان بنائے قلم سے یا پنسل سے برش سے یا انگلی سے کیمرہ مشین سے یا کیمرہ وڈیو سے کاغذ پر یا کپڑے پر بلکہ ان احادیث میں کپڑے و کاغذ کا ہی عبارۃً و دلالۃً ذکر ملتا ہے اور اسی کو ہی تصویر تمثال اور صورت کہا گیا ہے۔ اور یہ سب نام ان احادیث پاک سے چہرے کے لیے ہی ثابت ہیں بنانے کی کوئی تقسیم نہیں ہے ہر طرح ہی تصویر بنانا حرام ہے۔ نا معلوم ہمارے ان پیروں خطیبوں کو کس شیطان نے ورغلا دیا جو تصویر کو عکس کہنا شروع کر دیا۔ اور پھر کچھ جہلا جب لفظ عکس اور اس کے جواز کو ثابت نہیں کر سکے تو انہوں نے ایک اور شیطانیت چھوڑ دی کہ پردے۔ کپڑے اور کاغذ پر تصویر بنانا حرام نہیں ہے صرف مورتی کی شکل بنانا حرام ہے۔ اور دلیل میں مسلم شریف و ترمذی۔ کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ کے الفاظ ہیں یہ لغویات صرف اس وجہ سے ہیں کہ ان جہلا کو رَقْمًا کا معنی نہیں آتا لغت عربی میں رقم کا معنی ہے نقش و نگار یعنی کپڑے میں پھول بوٹے بنانا۔ چنانچہ کتاب لغت مجمع البحار جلد دوم ص۲۹ پر ہے۔ وَالرَّقْمُ یُرِیْدُ النَّقْشَ وَالْوَشْیَ وَالْاَصْلُ فِیْہِ الْکِتَابَۃُ۔ ترجمہ: اور لفظ رقم سے مراد لیتے ہیں نقش و نگار اور وشی بنانا۔ وشی کا معنی المنجد عربی ص۹۰۲ پر اس طرح لکھا ہے۔ وَشَیْ وَشْیٌ یَشِیْ وَشْیًا وَشِیَۃً۔ اَلثَّوْبُ حَسَّنَہٗ بِالْاَلْوَانِ وَ نَمْنَمَہٗ وَ نَقَشَہٗ۔ ترجمہ: وشیٌ کے مشتقات ہیں وشی یشی و شیا و شیۃ یعنی کپڑے

کو خوب صورت بنانا رنگوں سے اور نقش و نگار بنانا۔ اردو منجد ص۱۳۲ پر لکھا ہے کہ رقم کا معنیٰ وشی اور وشی کا معنیٰ ہے نقش و نگار ہونا۔ مجمع البحار جلد دوم ص۳ پر ہے کہ جمہور فقہا کے نزدیک رقماً سے شجرات اور درختوں کی تصویریں مراد ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے۔ یَحْتَجُّ بِہٖ فِیْ اِبَاحَۃِ صُوَرِ ھِیَ رَقْمٌ وَاَجَابَ الْجُمْھُوْرُ بِاَنَّہٗ مَحْمُوْلٌ عَلٰی صُوْرَۃِ الشَّجَرِ۔ ترجمہ: بعض لوگوں نے رقماً کے لفظ سے ہر تصویر کے جواز کی دلیل لی ہے اور اکثریت علما نے اس کا جواب یہ دیا کہ رقماً کا معنیٰ صرف درخت وغیرہ کی تصویر ہے۔ ہماری تلاش میں الاّ رقماً فی ثوبٍ کی صرف دو حدیثیں ہیں۔ ایک ابوطلحہ انصاری رضی کی عیادت والی اور ایک زید رضی کی عیادت والی۔ ابوطلحہ کے فرش زمین پر ایک کپڑے کا ذکر ہے جس میں رقماً فی ثوب تھے اور حضرت زید کے دروازے پر ایسا پردہ تھا جس میں رقماً فی ثوب کا ذکر ہے ان دونوں روایتوں کو بخاری ترمذی، اور نسائی نے نقل فرمایا ہے اس کا جواب بخاری شریف جلد دوم کے حاشیے پر ص۸۸۱ میں اس طرح دیا گیا ہے۔ سلہ قَوْلُہٗ اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ بِفَتْحِ الْقَافِ وَسُکُوْنِھَا اَلنَّقْشُ وَالْکِتَابَۃُ۔ تنس۔ قَالَ فِی الْفَتْحِ فِیْ رِوَایَۃِ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ فَقَالَ اِنَّہٗ قَالَ۔ اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ اَلَا سَمِعْتَ قُلْتُ لَا۔ قَالَ بَلٰی قَدْ ذَکَرَہٗ وَوَقَعَ عِنْدَ النَّسَائِیِّ مِنْ وَجْہٍ اٰخَرَ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ عُبَیْدِ اللہِ ابْنِ سُفْیَانَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْ سَلَمَۃَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلٰی زَیْدِ ابْنِ خَالِدٍ نَعُوْدُہٗ فَوَجَدْنَا عِنْدَہٗ نُمْرُقَتَیْنِ فِیْھِمَا تَصَاوِیْرُ فَقَالَ اَبُوْ سَلَمَۃَ اَلَیْسَ حَدَّثْتَنَا فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ فَقَالَ زَیْدٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ قَالَ النَّوَوِیُّ یُجْمَعُ بَیْنَ الْاَحَادِیْثِ بِاَنَّ الْمُرَادَ بِاِسْتِثْنَاءِ الرَّقْمِ فِی الثَّوْبِ مَا کَانَتِ الصُّوْرَۃُ فِیْہِ مِنْ ذَوَاتٍ لَا رُوْحَ فِیْھَا کَصُوْرَۃِ الشَّجَرِ وَنَحْوِھَا (الخ)

ترجمہ: حدیث مقدسہ کا یہ فرمان کہ اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ قاف کے زبر سے بھی پڑھا جاتا ہے اور سکون سے بھی اس کا معنیٰ ہے نقش و نگار اور

کتابت یعنی لکھائی۔ اسی پر قیاس کر کے مسئلہ سمجھ لے۔ فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا عمرو بن حارث کی روایت کے بارے میں تو شارح نے فرمایا کہ عمرو بن حارث نے فرمایا کہ کیا تم نے اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ کے اَلفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نہ سنے تھے۔ راوی نے کہا کہ نہیں سنے تھے۔ محدث نے فرمایا ہاں بلکہ سنے تھے اس کا ذکر فرمایا تھا۔ اور امام نسائی کے نزدیک یہ روایت ایک اور طریقے سے ہے وہ روایت کرتے ہیں بسر ابن سعید سے وہ روایت کرتے ہیں عبیدہ بن سفیان سے انہوں نے فرمایا کہ میں اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن حاضر ہوئے زید ابن خالد کے پاس ان کی بیمار پرسی کے لیے ہم نے اُن کے پاس دو باریک پردے پڑے دیکھے جن میں تصویریں تھیں۔ یہ دیکھ کر ابو سلمہ نے حضرت زید سے کہا کہ آپ نے تو ہم کو حدیث سنائی تھی جس میں تصویروں کی حرمت و ممانعت کا ذکر تھا۔ (اور آپ خود یہ تصویر والے پردے رکھے ہوئے) حضرتِ زید نے جواباً فرمایا کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ مگر نقش و نگار والا پردہ جائز ہے۔ امام نووی نے اپنی شرح میں فرمایا کہ ان احادیث کے درمیان اس طرح مطابقت کی جاسکتی ہے کہ اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ سے مراد وہ تصویریں ہیں جو بے جان چیزوں کی ہوں مثلاً درختوں کی یا پھول پھل پتوں کی۔ اِن تمام لغوی اور شرعی حوالوں سے ثابت ہوا کہ رقم کا معنیٰ تمثال نہیں بلکہ پھول پتوں کے نقش و نگار ہیں مگر چونکہ عربی زبان میں ہر قسم کی جان بیجان چیزوں کے نقشے کو تصویر کہدیا جاتا ہے اس لیے بعض تابعین کو حدیث مبارکہ میں حرمتِ تصویر کے الفاظ دیکھ کر خیال گزرا کہ شاید بے جان اشیا کی تصاویر بھی حرام ہیں تو انہوں نے پھول پتوں کے نقشے والے کپڑے کو دیکھ کر بھی وہ سوال کر دیا جس کا ذکر اس روایت میں ہے اور جس کا جواب اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ کے استثناء سے دیکر جان دبے جان کی تصویر کا شرعی فرق بیان فرمایا گیا۔ اگر یہ فرق نہ ہوتا تو فرمانِ نبوت میں اِلَّا رَقْمًا نہ ہوتا بلکہ اِلَّا تِمْثَالًا یا تصویرًا یا تصلیبًا ہوتا۔ اتنی واضح عبارت اور آسان فہم اَلفاظ کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی کم ذہن نہ سمجھے اور تماثیل و بتوں کے بنانے بنوانے کے جواز پر اڑا رہے

توہم اُس کو جنت اور جہنم کے اَشَدِّ عذاب سے کس طرح بچا سکتے ہیں ہمارے پاس تو صرف قلم ہی ہے کہ لکھ کر فرمانِ نبوت سنا دیں سمجھا دیں منشاءِ حدیث بتا دیں اصل معنیٰ لغات و شرح سے بیان کر دیں وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ کوئی جاہل اٹھتا ہے تو کہتا ہے کہ جاندار کی تصاویر حرام نہیں بلکہ نبی کریم صَلَّی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے تصویروں والا پردہ ہٹا دیا تھا کہ آپ کو نماز میں خلل ڈالتا تھا۔ یا آپ کو دنیا یاد آتی تھی اور دلیل میں پیش کرتے ہیں نسائی شریف کی عَنْ عائشہ والی حدیث پاک کہ۔ فَاِنِّي كُلَّمَا دَخَلْتُ فَرَاَيْتُهُ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا اور بخاری دوم کی عَنْ اَنَس والی حدیث پاک کہ۔ اَمِيْطِي عَنِّي فَاِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيْرُهُ تَعْرِضُ فِي صَلَاتِي جہلا ان دونوں حدیثوں سے یہ لغو استدلال لیتے ہیں کہ تصویر لگانا سجانا حرام نہیں صرف اس لیے اتروانی چاہیئے کہ نماز میں خلل پڑتا ہے اور دنیا یاد آتی ہے اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو گھر میں تصویریں و فوٹیں لگانے میں کوئی حرج نہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ ان لغویات کا جواب اس طرح ہے کہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا اور تَعْرِضُ فِي صَلَاتِي۔ یہ تصاویر و تمثال سے نفرت بیان فرمانا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز سے نفرت کرنا ہی اُس کا حرام ہونا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی چیز سے نفرت فرمائیں لیکن امتی اس سے محبت اور اس کی تعظیم کرے اس سے اپنا گھر سجائے نیز جو چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ اکمل میں خلل ڈال دے وہ شیطانی چیز ہماری نمازوں کو کتنا سخت خراب اور نقصان پہنچائیں گی لہٰذا لازماً ثابت ہوا کہ ہماری نمازیں تو تصویروں سے قطعًا برباد ستیاناس ہو کر رہ جائے گی۔ اس لیے کہ جو چیز نماز میں خلل ڈالے وہ شیطانی ہے اور جو شیطانی ہو وہ حرام ہے پس صغریٰ کبریٰ منطق جوڑ کر ثابت ہوا کہ ہر جاندار کی تصویر حرام ہے۔ یہ تو صرف گھر میں لگانے کا ذکر ہے لیکن تصویریں بنانا بنوانا تو مطلقًا ہر طرح حرام ہے۔ اور اَشَدِّ عذاب کا باعث۔ کوئی جاہل اٹھتا ہے تو کہتا ہے کہ جس تصویر کا سایہ ہو وہ حرام ہے جس تصویر کے جسم کا سایہ نہ ہو وہ حرام نہیں مگر اسبات

ہر نہ کوئی حوالہ نہ دلیل۔ بس جو منہ میں آیا بول دیا گویا شریعت ان کی ذاتی چیز ہے۔ جیسے چاہا پھیری پھیری کر لی۔ اللہ تعالیٰ اِن گمراہوں کو ہدایت دے شیطان کے چنگل سے بچائے۔ اور ان کی گمراہ گری سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین۔ خلاصہ یہ کہ تصویر کی پانچ قسمیں ہیں ۱۔ تمثال ۲۔ ترقیم ۳۔ تصلیب ۴۔ مکتوب ۵۔ مورتی جن میں سے ترقیم اور مکتوب بنانا جائز ہے تمثال اور مورتی بنانا حرام ہے تصلیب اگر کفر یا کفر نوازی کی وجہ سے ہو تو اگرچہ بیجان چیز کی ہو مطلقاً حرام ہے اور اگر ارادۂ کفر نہ ہو تو جائز اور اگر تصلیب جاندار اشیا کی ہو تو بہر کیف حرام ہے خیال رہے کہ تمثال اور مورتی کا موجد ابلیس ہے تصویر و ایجادِ ابلیس کا پورا بیان ہمارے فتاویٰ العطایا کے دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

چودھواں فتویٰ

عورت اور مرد کی دِیت کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ قانونِ شریعت میں قرآن وحدیث کی رو سے عورت اور مرد کی دیت کا مسئلہ کیا ہے دیو بندی حضرات کہتے ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہوتی ہے اور اس مسئلے پر وہ بہت متشدد ہیں یہاں تک کہتے ہیں کہ جو شخص ہمارے اس مسئلے کی مخالفت کرے وہ گمراہ اور گمراہ گر ہے۔ لیکن بہت سے اہلِ سنت علما نے فرمایا ہے کہ عورت اور مرد کی دیت برابر ہے۔ ہمارے علاقہ میں اس لفظ نے انتشار ڈال دیا ہے کہ جو دیو بندیوں کی بات اور مسئلہ نہ مانے وہ گمراہ ہے لہٰذا ہم کو اس کے دلائل اور صحیح مسئلے سے آگاہ فرمایا جائے۔ تاکہ ہم جان سکیں کہ حق مسئلہ کیا ہے اگر وہابی دیو بندی مسلک اس مسئلے میں غلط ہے تو آپ کا فتویٰ مبارکہ ہم ان کو دکھائیں گے تاکہ اُن کے فساد فی الارض والے کام

وکلام بدلائل۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ فقط والسلام۔
دستخط سائل
۲/۱/۹۶

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

الجواب:

سوالِ مذکورہ میں جو مسئلہ سائلِ محترم نے پوچھا ہے وہ فی زمانہ کچھ زیادہ اہمیت کا نہیں ہے کیونکہ نہ کوئی اس پر قانون سازی کی گئی نہ اس ملک کی بدقسمتی سے ابھی تک اسلامی قانون جاری کیا گیا اس انگریزی عیسائی قانون کی غلامی میں ہم ابھی تک جکڑے ہوئے ہیں۔ نہ خطاءً قتل ہوتے ہیں نہ دیت کوئی دیتا ہے نہ لیتا ہے اس کے علاوہ بہت سے ایسے اشد ضروری مسائل موجود ہیں جس کو شرعًا حاصل کرنا ضرورۃ دین و ایمان کے علاوہ ضروریاتِ زندگی کے لیے بھی شدید ضروری ہیں۔ مگر ان کی طرف اتنی توجہ نہیں دی جاتی۔ آپ بھی جانتے ہیں اور میں نے بھی سنا کہ پاکستان میں چند ماہ پیشتر اس مسئلے پر مخالفین و معاندین نے اتنا شور مچایا کہ اخبارات و رسائل محافل و مجالس۔ راہ چلتے عوام و خواص نے بس یہی ایک مشغلہ بنا لیا تھا کہ آدھی دیت ہے یا پوری۔ اور اس غیر اہم مسئلے پر ستے نئے اہلِ قلم نے اتنا اودھم مچایا کہ جیسے انکو زندگی میں اور کوئی کام ہی نہیں اور اگر اس مسئلے میں ہماری بات نہ مانی گئی تو قیامت آجائے گی۔ ایسے ہی غیر ضروری مسائل کے لیے ہمارے اہل قلم تضیع اوقات میں لگے رہتے ہیں بس اخبار رسائل بھرنے خانہ پوری کرنے کے لیے شریعت و مسائل پر الٹے سیدھے قلم آزماتے رہتے ہیں۔ ان حرکات سے چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۱۔ یہ کہ قوانین اسلامیہ کی توہین ہوتی ہے ۲۔ یہ کہ ہر جاہل کو اسلامی اصول و فروع کے خلاف زبان درازی کا موقعہ ملتا ہے ۳۔ اخبارات و رسائل میں اسلام کے مسائل آیت و احادیث چھاپ کر بے ادبی بے حرمتی کی جاتی ہے۔ اخبار کی مدت ہی کیا ہے آج مطالعہ ہے تو کل وہی اخبار پیروں میں ہے سڑکوں پر ردی کی ترازو میں ہیں۔ مگر ہمارے دانشوروں کو عقل نہیں آتی بعض اخبارات تو اتنے حریص ہیں کہ کائنات کی ہر چیز کو اپنے اخبار میں سمونا چاہتے ہیں ۴۔ اغیار و کفار کی

نگاہ میں اسلامی قوانین کا وقار مجروح ہوتا ہے کسی کی زبان کہتی ہے۔ یہ مولویوں کی لڑائی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اسلام کا ہر مسئلہ ہی سراپا لڑائی ہے۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کبھی کسی اہلِ قلم کو ہائی کورٹ سپریم کورٹ اور انگریزی لاء پر اس طرح کی قلم زنی کی جرأت نہیں ہوئی مفتیٔ اسلام جو شریعت اسلامیہ کی عدالت کے چیف جسٹس کا درجہ رکھتا ہے اور جس کا قانونی قلم عرشی عدالت کی زینت ہونی چاہیے آج اخباروں رسالوں میں بکتا پھرتا ہے سڑکوں گلیوں میں پھکتا پھرتا ہے۔ کسی دین والے نے اپنے دین کی ایسی توہین نہ کرائی جیسی کہ ہمارے یہ خود ساختہ مولوی اور مفتی مضمون نویسی کے شوقین حضرات نے کرائی ہے۔ میں اس مسئلۂ دیت پر ہرگز اپنا قلم نہ اُٹھاتا اگر سائل کا یہ سوال نہ آتا۔ سائل کے سوال کی وجہ سے مجھ کو یہ مسئلہ لکھنا پڑا اوّلاً اس لیے کہ حدیثِ پاک میں ارشادِ اقدس ہے جس سے مسئلہ پوچھا جائے اور وہ نہ بتائے اپنے علم کو چھپالے کل قیامت کے دن اُس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ ثانیًا اس لیے کہ اس مسئلے پر بعض جہلاء نے اتنا تشدّد اختیار کیا کہ اپنے مخالفین کو گمراہ اور گمراہ گر کہنا شروع کر دیا حالانکہ اِس مسئلے پر بلکہ کسی بھی اجتہادی یا قیاسی مسئلے پر کسی مخالف کو ضال اور مُضِل کہنا بذاتِ خود جہالت ہے۔ ضلالت صرف یہ ہے کہ آیتِ قرآن مجید کی عبارۃُ النص یا حدیث متواترہ مشہورہ اور صحیحہ کی مخالفت کی جائے ثالثًا اس لیے کہ بقولِ سائل بعض جُہلا کے متشدّد رویے کی وجہ سے علاقہ میں انتشار پیدا ہو رہا ہے اور انتشار سے فسادِ فی الارض کا ظہور ہے جس کو ختم کرنا ضروری لہٰذا سائل کے سوال کا جواب اس طرح ہے کہ دیتِ رجال و نساء کی مقدار مشائخ فقہاءِ احناف میں مختلف فیہ ہے اگرچہ مجتہدین میں اختلاف ثابت و ظاہر نہیں مگر مشائخ میں اختلاف موجود ہے۔ خیال رہے کہ فقہی اختلاف تین قسم کا ہوتا ہے۔ پہلا اختلاف مجتہدین کا یہ اصول اور فروع میں ہو سکتا ہے دوسرا اختلاف مشائخ کا یہ صرف فروع میں ہو سکتا ہے تیسرا اختلاف متاخرین کا یہ صرف مفتا بِہ اور

غیر مفتا بہ بیں ہو سکتا ہے اِن تینوں قسموں میں جہاں کہیں اختلاف نہ ہوا اُس کو متفق علیہ کہا جاتا ہے۔ اِس تقسیم کے اعتبار سے فقہ کے ہزار ہا مسائل مختلف فیہ ہیں اور ہزار ہا مسائل متفق علیہ ہیں۔ عورت و مرد کی دیت کی مقدار کا مسئلہ مشائخ میں مختلف فیہ ہے چنانچہ امام اعظم رہ کے ایک شاگرد و صرف امام محمد رہ کے نزدیک عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہوتی ہے۔ لیکن امام اعظم کے ہی ایک شاگرد امام اصمّ رہ اور ایک اور شاگرد امام ابن علیتہ رہ ان ہر دو اماموں کے نزدیک عورت و مرد بچہ اور بڑا مسلمان، اور غیر مسلم مستامن و ذمی کافر کی دیت برابر ہے ہر امام کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں۔ مگر چونکہ امام اصم اور امام ابن علیتہ کے دلائل مضبوط ہیں اس لیے ہم پہلے ان کو بیان کریں گے۔ اور چونکہ امام محمد کے دلائل کمزور ہیں اس لیے ان کو بعد میں بیان کیا جائے گا۔ اور ہر دلیل پر اس کی کمزوری بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

برابر دیت کی پہلی دلیل۔ سورۃ نساء کی آیت ۹۲ پارہ پنجم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا۔ ترجمہ، اور وہ شخص جو کسی مومن آدمی (مرد یا عورت) کو غلطی سے قتل کر دے تو قاتل پر کفارہ یہ ہے مومن لونڈی یا غلام آزاد کرے اور دیت ادا کرے مقتول کے وارثوں کو مگر یہ کہ وہ وارثین خود ہی معاف کر دیں۔ اس آیت کی تفسیر میں اجماعِ صحابہ بھی ہے اور اجماعِ امت بھی کہ یہاں مومناً سے مراد عورت بھی ہے اور مرد بھی تو جتنی دیت مرد کی ہوگی اتنی ہی عورت کی کیونکہ آیت کریمہ نے دونوں کا ذکر فرمایا بلکہ دِیَۃٌ کا ایک ہی بار ذکر فرمایا اور قرآن مجید کا یہ مطلق اِس کا اطلاق عورت و مرد دونوں کی دیت پر برابر ہے اس لیے کہ علمِ اصول کا قاعدہ کلیہ ہے کہ اَلْمُطْلَقُ يَجْرِىْ عَلٰى اِطْلَاقِهٖ یعنی ہر مطلق اپنے اطلاق پر ہی قائم رہتا ہے ثابت ہوا کہ عورت و مرد کی دیت برابر ہے۔ اگر کوئی مخالف اس دلیل کو تسلیم نہ کرے تو پھر وہ قرآن مجید سے

عورت کی دیت بالکل ہی ثابت نہیں کر سکتا ہے نہ آدھی نہ پاؤ۔ کیونکہ قرآن مجید میں دیت کے واجب و ثابت ہونے کی فقط یہ ایک ہی آیت ہے اسی سے عورت کی دیت ثابت اس سے مرد کی۔ تو اگر یہاں دِیَۃٌ کا لفظ پوری دیت ثابت کر رہا ہے تو عورت و مرد برابر اور اگر آدھی دیت ثابت کر رہا ہے تو بھی عورت و مرد برابر۔ عقل و تدبر کے کتنے کمزور ہیں وہ لوگ جو اتنی واضح آیت کے ہوتے ہوئے پھر بھی عورت کی آدھی دیت کی رٹ لگائے پھرتے ہیں۔

دوسری دلیل۔ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں جتنی بھی فرضی واجبی عبادات کا ذکر فرمایا ہے وہ سب ہی مذکر کے صیغوں سے ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن ان تمام عبادات و احکام میں مرد و عورت برابر کے شریک۔ مثلاً اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ۔ وغیرہ ان تمام آیات میں جمع مذکر کے صیغوں کو ہی ارشاد فرمایا گیا۔ لیکن اس کے باوجود ان تمام میں مردوں کے ساتھ عورتیں ہر جگہ شامل بھی ہیں اور برابر کی حصہ دار بھی ہیں۔ مثلاً انہی آیت سے جتنی نمازیں مرد پر فرض اتنی ہی عورتوں پر فرض۔ یہی حال زکوٰۃ اور روزوں کا ہے اور جس طرح یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ سے مراد مرد ہیں اسی طرح عورتیں بھی مراد ہیں کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ عورت پر مرد سے آدھی نمازیں آدھے روزے آدھی زکوٰۃ فرض ہے۔ تو پھر دیت بھی تو اسی قسم کی آیت سے ثابت ہے یہاں اپنے ذہنی اختراع سے نصف کیوں بنا دیا۔ اگر دیت آدھی ہے تو پھر روزہ نماز زکوٰۃ بھی آدھی ہونی چاہئیے۔

تیسری دلیل۔ نسائی شریف جلد دوم ص۲۴۷ بَابُ عَقْلِ الْمَرْأَۃِ۔ اَخْبَرَنَا عِیْسَی ابْنُ یُوْنُسَ قَالَ حَدَّثَنَا ضَمْرَۃُ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ ابْنِ عَیَّاشٍ عَنْ ابْنِ جُرَیْجٍ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَقْلُ الْمَرْأَۃِ مِثْلُ عَقْلِ الرَّجُلِ حَتّٰی یَبْلُغَ الثُّلُثَ مِنْ دِیَتِہَا۔ ترجمہ۔ عمرو ابن شعیب کے دادا روایت فرماتے ہیں۔ فرمایا انہوں نے کہ فرمایا آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے۔ یہاں تک

کہ تہائی تک بھی ہو جائے چونکہ لفظ حتیٰ دو قسم کا ہے (۱) حتیٰ جارہ (۲) حتیٰ عاطفہ۔ حتیٰ جارہ صرف اسم ظاہر پر آتا ہے۔ چنانچہ شرح جامی ص ۳۶۸ پر ہے۔ وَتَخْتَصُّ اَیْ حَتّٰی بِالظَّاهِرِ اَیْ بِالْاِسْمِ الظَّاهِرِ فَلَا یُقَالُ حَتَّاهُ۔ ترجمہ:۔ اور حتیٰ جارہ خاص ہوتا ہے اسم ظاہر سے کسی ضمیر پر نہیں آسکتا۔ اس لیے نہیں کہا جاسکتا حَتَّاهُ۔ حتیٰ جارہ کے ترجمے دو طرح ہو سکتے ہیں کبھی اِلٰی کے معنیٰ میں اور اکثر مَعَ کے معنیٰ میں۔ چنانچہ شرح جامی ص ۳۶۸ وَحَتّٰی كَذٰلِكَ اَیْ مِثْلُ اِلٰی فِیْ كَوْنِهَا لِانْتِهَاءِ الْغَایَةِ وَبِمَعْنٰی مَعَ كَثِیْرًا۔ ترجمہ:۔ اور حتیٰ جارہ اِلٰی کی مثل مقصد کے انتہا کے لیے ہوتا ہے اور اکثر مَعَ کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور حتیٰ عاطفہ اسم ظاہر پر بھی داخل ہو سکتا ہے اور فعل پر بھی آجاتا ہے اور حتیٰ عاطفہ حرف ثُمَّ کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ شرح جامی ص ۳۸۵ پر ہے۔ حَتّٰی مِثْلُهَا اَیْ مِثْلُ ثُمَّ فِی التَّرْتِیْبِ بِمُهْلَةٍ - غَیْرَ اَنَّ الْمُهْلَةَ فِیْ حَتّٰی اَقَلُّ مِنْهَا فِیْ ثُمَّ۔ (الخ) ترجمہ۔ حتیٰ عاطفہ مہلت اور ترتیب میں ثُمَّ کی طرح ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ثُمَّ میں زیادہ مہلت ہوتی ہے حتیٰ میں اس سے کم۔ نسائی شریف کی اس حدیث مقدسہ میں آخری الفاظ ہیں۔ حَتّٰی یَبْلُغَ الثُّلُثَ۔ یہ حتیٰ عاطفہ ہے اور ترجمہ یہ ہوگا کہ عورت و مرد کی دیت برابر ہے پھر یہاں تک کہ تہائی تک بھی پہنچ جائے تب بھی۔

چوتھی دلیل۔ دیت اپنے معنیٰ مقصد اور سبب وجوب کے اعتبار سے بھی تقاضہ کرتی ہے کہ عورت مرد بچہ بوڑھا مستامن اور ذمی سب کی دیت برابر ہو اس لیے کہ دیت بنا ہے وَدْیٌ اس کا لغوی معنیٰ ہے عطا کرنا قاتل کا مقتول کے خون کا بدلہ اور اس کا شرعی معنیٰ ہے خونِ انسانی کی صیانت حفاظت کے لیے خطا اور غلطی سے قتل ہونے پر بھی خونِ آدمیت کی عزت و حرمت قائم رکھتے ہوئے اس کا عوض دیا جائے۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار شامی جلد پنجم کتاب الدیات ص ۴۰۵ پر ہے۔ اَلدِّیَةُ فِی الشَّرْعِ اِسْمٌ لِلْمَالِ الَّذِیْ هُوَ بَدَلُ النَّفْسِ۔ وَصِیَانَةُ الْحَیٰوةِ وَالْاَنْفُسِ وَفِی اللُّغَةِ مَصْدَرُ وَدَی الْقَاتِلُ الْمَقْتُوْلَ اِذَا اَعْطٰی وَلِیَّهُ الْمَالَ الَّذِیْ هُوَ بَدَلُ النَّفْسِ وَالتَّاءُ

فِیْ اٰخِرِھَا عِوَضٌ عَنِ الْوَاوِ فِیْ اَوَّلِھَا کَالْعِدَۃِ۔ ترجمہ۔ دیت کا شرعی معنیٰ وہ مال ہے جو جان کا بدلہ ہوتا ہے اور زندگی اور جان کی عزت کے لیے اور دیت کا لغوی معنیٰ ہے "وَدْیٌ" یہ مصدر ہے۔ یعنی غلطی سے قتل کر دینے کے بعد قاتل کا منقول کی عزت کرتے ہوئے اُس کے والی وارث کو اتنا مال دینا جو شریعت نے ایک جان کا بدلہ بنایا ہے اور اس کے آخر کی "ت" شروع کی واؤ کا عوض ہے جیسے "وَعْدٌ" سے "عِدَۃٌ"۔ اور فتاویٰ بحر الرائق جلد ہشتم کتاب الدیات ص۳۷۲ پر ہے۔ وَاَمَّا سَبَبُ وُجُوْبِھَا فَالْخَطَاءُ فَاِنَّ الْاٰدَمِیَّ لِمَا خُلِقَ فِی الْاَصْلِ مَعْصُوْمُ النَّفْسِ مَحْقُوْنَ الدَّمِ مَضْمُوْنًا عَنِ الْعُدْرِ فَیَجِبُ صَوْنُ حَقِّہٖ عَنِ الْبُطْلَانِ۔ ترجمہ۔ اور لیکن دیت کے واجب ہونے کا سبب بس غلطی سے قتل کر دینا ہے کیونکہ آدمی چونکہ اصلاً جان کی حفاظت کیلئے پیدا کیا گیا۔ اور معصوم النفس ہے۔ اس کے خون کی حفاظت واجب ہے اور ضائع کرنے کا ضمان دیا گیا۔ ہوا ہے لہٰذا آدمی کے حق کو ضائع ہونے سے بچانا واجب ہے۔ مؤطا امام محمد عربی کا حاشیہ ص۲۸۹ پر ہے۔ ۱؎ کِتَابُ الدِّیَاتِ جَمْعُ دِیَۃٍ (الخ) وَھُوَ اسْمٌ لِضَمَانٍ یَجِبُ بِمُقَابَلَۃِ الْاٰدَمِیِّ اَوْ طَرَفٍ مِنْھَا سُمِّیَ بِہٖ لِاَنَّہٗ یُوْدٰی عَادَۃً لِاَنَّہٗ عَقْلٌ مَا یَجْرِیْ الْعَفْوُ فِیْہِ لِحُرْمَۃِ الْاٰدَمِیِّ۔ ترجمہ: کتاب الدیات یعنی دیتوں کا بیان دیت کی جمع ہے اور وہ دیت نام ہے اُس بدلے کا جو واجب ہوتا ہے آدمی یا اُس کے اعضا کے مقابلے میں اس کا نام دیت اس لیے رکھا گیا ہے اس لیے کہ یہ عادۃً لوٹ کر ادا کی جاتی ہے کیونکہ یہ وہ تاوان ہے جس میں معافی جاری ہوتی ہے آدمی کی عزت کے لیے۔ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ شریعت اسلام نے مطلقاً ہر آدمی کی عزت و احترام ہر مقام پر بحال رکھی ہے بشرطیکہ وہ اسلامی ملک میں پُرامن طریقے سے رہتا ہو۔ آدمیت اور انسانیت پر یہ احسان کسی مذہب نے نہیں کیا دیت ادا کرنا انسانی جان کا احترام ہے اور چونکہ آدمیت و انسانیت تو عورت، مرد، بچے، جوان، بوڑھے مسلم، غیر مسلم میں برابر ہے

اس لیے ان کی آدمیت اور جان کا احترام بھی برابر ہے اور دیت شرعی احترام آدمیت ہے لہٰذا سب کی دیت برابر ہے۔

پانچویں دلیل تمام فقہا فرماتے ہیں ذمی کافر مستامن کافر اور مسلمان کی دیت سب کی برابر ہے چنانچہ شامی جلد پنجم ص۵۰۵ پر ہے وَ الذِّمِّيِّ وَالْمُسْتَامِنِ وَالْمُسْلِمِ فِي الدِّيَةِ سَوَاءٌ۔ ترجمہ ذمی مستامن اور مسلمان کی دیت برابر ہے۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جس طرح ان تینوں کا مال معصوم یعنی قابل حفاظت ہے کہ اگر مسلمان کا مال کوئی شخص ضائع کر دے تو اس کا پورا بدلہ دینا واجب ہے اسی طرح کوئی شخص ذمی کافر یا مستامن کافر کا مال ضائع کر دے تو پورا بدلہ دینا واجب تو جیسے تینوں کا مال معصوم تو بدلہ برابر اسی طرح ان تینوں کی جان معصوم ہے لہٰذا اس کا بھی بدلہ یعنی دیت برابر ہے۔

چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد ہشتم ص۳۷۵ پر ہے۔ لِاَنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ مُتَقَوِّمُوْنَ لِاِحْرَازِهِمْ اَنْفُسَهُمْ بِالدَّارِ فَوَجَبَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مُلْحَقِيْنَ بِالْمُسْلِمِيْنَ اِذْ يَجِبُ بِقَتْلِهِمْ مَا يَجِبُ بِقَتْلِهِمْ اَنْ لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ اَلَا تَرٰى اَنَّ اَمْوَالَهُمْ وَاَنْفُسَهُمْ لَمَّا كَانَتْ مَعْصُوْمَةً مُتَقَوِّمَةً يَجِبُ بِاِتْلَافِهَا مَا يَجِبُ بِاِتْلَافِ مَالِ الْمُسْلِمِ فَاِذَا كَانَ هٰذَا فِيْ اَمْوَالِهِمْ فَمَا ظَنُّكَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ۔ ترجمہ۔ ذمی مستامن اور مسلمان تینوں کا خون معصوم محفوظ اور قیمتی ہے اس لیے تینوں کی دیت برابر کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ تینوں کے مال معصوم اور شرعاً قیمتی ہیں تو اگر ذمی مستامن کفار کا مال کوئی ضائع کر دے تو اتنا ہی بدلہ دینا پڑے گا جتنا کہ کسی مسلمان کے مال ضائع کرنے پر اسی قسم کے مال کا بدلہ بنتا ہے تو پھر کفار کی جان ضائع کرنے پر تیرا کیا گمان ہے وہ تو مال سے بھی زیادہ معصوم اور قابل عزت و تکریم ہے لہٰذا اس کا بدلہ بھی مسلمان کے برابر ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مال اور معصومیت مال و جان پر قیاس کر کے ہی دیت مسلم و کافر کی برابری ثابت کرنی ہے تو پھر عورت کے مال کا

بدلہ بھی مرد کے مال کے بدلے کے برابر ہے کیونکہ عورت کا مال بھی مرد کے مال کی طرح معصوم ہے تو جب عورت کے مال کا بدلہ مرد کے مال کے بدلے کے برابر ہے فَمَا ظَنُّكَ فِي الْأَنْفُسِ۔ تو پھر عورت کی جان کی دیت مرد کی جان کی دیت کی برابری میں تیرا کیا گمان ہے۔ یہاں تو ایسا کیوں غلط ہو گیا۔ ذمی مستامن مسلمان کی طرح عورت کی جان مال بھی معصوم و متقوم ہے اور بدلہ برابر ہے تو دیت بھی برابر ہے۔

چھٹی دلیل۔ فتاوی ردّ المحتار جلد پنجم ص ۵۰۵ پر ہے۔ قَوْلُهُ وَدِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ فِي دِيَةِ النَّفْسِ وَمَا دُوْنَهَا وَهٰذَا فِيمَا فِيهِ دِيَةٌ مُقَدَّرَةٌ وَأَمَّا فِيمَا فِيهِ الْحُكُومَةُ فَقِيلَ كَالْمُقَدَّرَةِ وَقِيلَ يَسْوِيْ بَيْنَهُمَا كَمَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ (الخ) فَفِي التَّاتَرْخَانِيَّةِ عَنْ شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ مَا لَيْسَ لَهُ بَدَلٌ مُقَدَّرٌ يَسْتَوِي فِيهِ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ عِنْدَ أَصْحَابِنَا۔ ترجمہ۔ فتاوی تنویر کا یہ کہنا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے (اس میں بھی اختلاف ہے) اس طرح کہ فقہاء علما نے جو دیت مقرر کی ہے اس میں تو عورت کی دیت نصف ہے لیکن اگر دیت حکومت مقرر کرے تو اس میں عورت و مرد کی دیت برابر ہے بعض نے کہا کہ تب بھی آدھی ہے۔ لہٰذا فتاوی تاتر خانیہ میں ہے شرح طحاوی کے حوالے سے۔ وہ دیت کہ جس کو حکومت مقرر کرے (شریعت کی مقرر کردہ دیت سے ہو) تو اس میں عورت و مرد برابر ہیں۔ اس عبارت کے ماتحت آج کوئی دیت شریعت کی مقررہ کردہ نہ جاری ہوتی ہے نہ کی جاتی ہے خاص کر ہمارے علاقوں میں کیونکہ شریعت نے سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درھم مقرر فرمائے جیسا کہ فتاوی شامی وغیرہ نے فرمایا اور آج کل نہ اونٹ دستیاب نہ دینار نہ درھم جو بھی دیت ہو گی وہ حکومت وقت کی مقررہ کردہ ہو گی۔ لہٰذا برابر ہو گی یہ تھے وہ دلائل جو امام اصم اور امام ابن عطیہ کے مسلک پر ہیں اور قوی ہیں ان کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ دیت کے بارے میں ان دونوں سے امام محمد کا اختلاف ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ عورت کی دیت

آدھی ہے امام محمد اپنے مسلک پر پانچ دلائل پیش کرتے ہیں۔ اس کو تفسیر کبیر جلد سوم سورۃ النساء کی آیت ۹۲ میں ص۲۹۷ پر امام رازی علیہ الرحمۃ مندرجہ ذیل عبارت میں اس طرح بیان فرماتے ہیں (المسئلۃ الثامنۃ) مَذْهَبُ أَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ أَنَّ دِيَةَ الْمَرْأَةِ نِصْفُ دِيَةِ الرَّجُلِ وَقَالَ الْأَصَمُّ وَابْنُ عُلَيَّةَ دِيَتُهَا مِثْلُ دِيَةِ الرَّجُلِ۔ حُجَّةُ الْفُقَهَاءِ أَنَّ عَلِيًّا وَعُمَرَ وَابْنَ مَسْعُودٍ قَضَوْا بِذَالِكَ وَلِأَنَّ الْمَرْأَةَ فِي الْمِيرَاثِ وَالشَّهَادَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنَ الرَّجُلِ فَكَذَالِكَ فِي الدِّيَةِ وَحُجَّةُ الْأَصَمِّ وَابْنِ عُلَيَّةَ قَوْلُهُ تَعَالَى وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ دَخَلَ فِيهَا حُكْمُ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ فَوَجَبَ أَنْ يَكُونَ الْحُكْمُ ثَابِتًا بِالسَّوِيَّةِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔

ترجمہ:۔ اکثر فقہا کا مذہب یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے اور امام اصم اور امام ابن علیہ نے فرمایا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے بالکل برابر ہے۔ فقہا کی دلیل ایک یہ ہے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار اس طرح کا فیصلہ فرمایا تھا۔ اور دوسری دلیل چونکہ عورت میراث پانے اور گواہی دینے میں مرد سے آدھی ہے تو اسی طرح دیت میں آدھی ہونی چاہیئے۔ اور امام اصم و امام ابن علیہ کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً (الخ) اور تمام صحابہ و اُمت کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت کا وجوب بھی اسی آیت سے ثابت ہے (اور عورت و مرد کی دیت کے لیے ایک ہی لفظ وَدِيَةٌ تنوین تعظیمی کے ساتھ ہے یعنی مکمل پوری دیت) لہٰذا واجب ہے کہ دونوں کی دیت کے لیے برابری کا حکم ثابت ہو امام رازی رح کا بیان فرمانا کہ مَذْهَبُ أَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ۔ یہاں اکثر بمعنی زیادہ نہیں اور اکثریت مراد نہیں کہ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ کا قانون چڑھایا جائے۔ بلکہ یہاں اکثر بمعنی چند ہے کیونکہ اکثریت دو قسم کی ہے اکثریت حقیقی (۲) اکثریت اضافی۔ اکثریت حقیقی کا معنی مطلقاً زیادتی ہے جیسے کہ دو ایک سے اکثر ہے۔ ہم استعمال کے وقت اردو میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں چند یا کچھ

اور اکثریت اضافی کا معنیٰ ہے بہت زیادہ کثیر تعداد۔ تو تفسیر کبیر کی اس عبارت کا معنیٰ یہ ہے کہ کچھ فقہا کا مذہب۔ جیسے کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ یعنی اور کچھ لوگ ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا۔ یہاں آیت میں بھی کثرت حقیقی مراد ہے۔ ھدایہ شریف جلد چہارم ص۵ پر ہے قَالَ (اَیْ مُحَمَّدٌ فِی الْاَصْلِ لَا فِی الْجَامِعِ) وَدِیَةُ الْمَرْأَةِ عَلَی النِّصْفِ مِنْ دِیَةِ الرَّجُلِ۔ وَقَدْ وَرَدَ هٰذَا اللَّفْظُ مَوْقُوْفًا عَلٰی عَلِیٍّ وَمَرْفُوْعًا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلِاَنَّ حَالَهَا اَنْقَصُ مِنْ حَالِ الرَّجُلِ (وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ (سورۃ بقرہ آیت ۲۲۸) وَمَنْفَعَتُهَا اَقَلَّ وَقَدْ ظَهَرَ اَثَرُ النُّقْصَانِ فِی التَّنْصِیْفِ فِی النَّفْسِ فَكَذَا فِیْ اَطْرَافِهَا وَاَجْزَائِهَا اِعْتِبَارًا بِهَا وَبِالثُّلُثِ وَمَا فَوْقَهَا

ترجمہ:۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے یہ مسئلہ صرف اصل مبسوط میں لکھا ہے جامع میں نہیں لکھا۔ عورت کی دیت آدھی ہے مرد کی دیت سے اس کی پہلی دلیل یہ کہ مولیٰ علی کی حدیث موقوف اور دوسری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث ہے۔ تیسری دلیل یہ کہ عورت کا حال ناقص ہے مرد کے حال سے۔ چوتھی دلیل یہ کہ سورۃ بقرہ آیت ۲۲۸ میں ہے کہ مردوں کا ان عورتوں پر ایک درجہ ہے پانچویں دلیل یہ کہ عورتوں کا نفع مردوں سے کم ہے اور اس کمی کا اثر ظاہر ہو گا جان میں بھی آدھا ہونے کا پس ایسے ہی عورت کے اعضا میں اسی کمی کا اعتبار ہو گا اور تہائی دیت میں بھی اور زیادہ میں بھی۔ یعنی تہائی بھی آدھی زیادہ بھی آدھی۔ امام محمد کی چھٹی دلیل فتاویٰ بحر الرائق جلد ہشتم ص۲۷۵ پر ہے وَقَالَ وَلَا یُقَالُ اَنَّ نَقْصَ الْكُفْرِ فَوْقَ نَقْصِ الْاُنُوْثَةِ وَالرِّقِّ (الخ) لِاَنَّا نَقُوْلُ نُقْصَانُ دِیَةِ الْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ لَا بِاعْتِبَارِ نُقْصَانِ الْاُنُوْثَةِ وَالرِّقِّ بَلْ بِاعْتِبَارِ نُقْصَانِ صِفَةِ الْمَالِكِیَّةِ فَاِنَّ الْمَرْأَةَ لَا تَمْلِكُ النِّكَاحَ وَالْعَبْدُ لَا یَمْلِكُ الْمَالَ وَالْحُرُّ الذَّكَرُ یَمْلِكُهُمَا وَبَعْدَ اَزْدَادَتْ قِیْمَتُهُ وَنَقَصَتْ قِیْمَتُهُمَا۔

ترجمہ:۔ اور نہ کہا جائے کہ کفر کا عیب مؤنث ہونے اور غلام ہونے

کی نا قصیت سے زیادہ ہے (توجب عورت اور غلام کی دیت آدھی تو کافر ذمی و مستامن کی دیت بھی آدھی ہونے چاہیے یا پھر اگر کافر کی دیت مسلمان مرد کے برابر ہے تو عورت کی دیت بھی برابر ہونی چاہیے) یہ سوال نہ کیا جائے اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ عورت اور غلام کی دیت کا کم ہونا اُن کے مؤنث یا غلام ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اُن کی ملکیت کے کم ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ عورت نکاح کی مالک اور غلام مال کا مالک نہیں اور مذکر آزاد ان دونوں کا مالک ہے اس لیے مذکر کی جان کی قیمت زیادہ ہوئی اور عورت و غلام کی جان کی قیمت کم ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ امام محمد کی مندرجہ ذیل چار دلیلیں ہیں ایک یہ کہ حضرت علی کی موقوف حدیث سے ثابت ہے دوم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث سے ثابت ہے ان دونوں حدیثوں کو شرح نقایہ نے بیہقی شریف کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں (قَوْلُهٗ وَقَدْ وَرَدَ الخ) اَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ وَاَخْرَجَ اِبْرَاهِيْمُ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ قَالَ عَقْلُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ عَقْلِ الرَّجُلِ۔ شرح نقایہ (حاشیہ ہدایہ ص۵۰۰) دلیل سوم۔ یہ کہ عورت کا حال ناقص ہے مرد کے حال سے چار طرح (۱) گواہی میں (۲) میراث میں (۳) منفعت میں (۴) صفتِ ملکیت یعنی نکاح میں۔ دلیل چہارم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مقدس ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (سورۃ بقرہ آیت ۲۲۸ پارہ دوم)۔

اب ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ امام محمد رحمہ کے اس مذہب میں اکثر فقہا ہیں یا قلیل فقہا بلکہ ہم نے دلائل کی قوت دیکھی ہے۔ اس لیے کہ مذہب و مسلک کی حقانیت کثرتِ افراد پر نہیں بلکہ قوتِ دلائل پر ہے۔ پس غور کرنے کے بعد ہم نے اِن چاروں دلیلوں کے استدلال کو نہایت کمزور و ناقص پایا۔ چنانچہ پہلی دلیل کی کمزوری یہ ہے کہ اس موقوف حدیث کو بجز بیہقی کسی بھی کتاب نے نقل نہ فرمایا جس سے یہ حدیث خبرِ واحد بنی

کیونکہ ایک ہی سند ہوئی اور ایک ہی راوی۔ اس لیے محدثین کے نزدیک یہ پانچویں درجہ کی روایت ہوئی یعنی متواتر، مشہور، حسن۔ صحیح کے بعد اس کا درجہ ہے اور یہ قانون ہے کہ روایت جتنے درجہ پیچھے ہوگی اتنا ہی اس کا استدلال کمزور ہوگا۔ کیونکہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ خبر واحد ضعیف ہے یا موضوع ہے یا صحیح صرف مرفوع یا موقوف ہونا روایت کے صحیح ہونے کا مدار نہیں اس لیے کہ جس راوی نے جب بھی کہہ دیا۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تو وہ روایت مرفوع ہوگی خواہ صحیح کہا ہو یا غلط یا بھول چوک اور اگر کہہ دیا۔ قَالَ الصَّحَابِی وَقَالَ التَّابِعِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تو وہ روایت موقوف و مقطوع ہوگی۔ کہنے والا صحیح کہے یا غلط۔ لہٰذا کسی حدیث کا صرف مرفوع یا موقوف ہونا قوت کی دلیل نہیں جب تک کہ سند کی قوت کا پتہ نہ لگے۔ یہی کیفیت امام محمد کی دوسری دلیل کی ہے یعنی حضرت مولیٰ علی کی طرف موقوف حدیث کی۔

تیسری دلیل کی کمزوری۔ یہ اپنی چاروں شقوں سے اس لیے کمزور ہے کہ قیاسی ہے اور فتاویٰ فتح القدیر نے اسی لیے اس کو رد فرما دیا۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد ہشتم صـ۳۰۶ پر ہے اَقُوْلُ لِقَائِلٍ اَنْ یَّقُوْلَ حَاصِلُ هٰذَا التَّعْلِیْلِ اَلْقِیَاسُ وَلَا مَجَالَ لَهٗ فِیْ هٰذَا الْبَابِ لِاَنَّ الدِّیَةَ مِنَ الْمُقَدَّرَاتِ الشَّرْعِیَّةِ وَلَا یَجْرِی الْقِیَاسُ فِی الْمَقَادِیْرِ یُدْعٰی مَا نَصُّوْا عَلَیْهِ۔ ترجمہ۔ فتاویٰ فتح القدیر نے امام محمد کی یہی قیاسی دلیل کہ عورت ناقص ہے مرد سے ذکر کر کے فرمایا کہ میں کہتا ہوں اعتراض کرنے والے کا یہ اعتراض بالکل جائز اور درست ہے کہ یہ تعلیل اور دلیل قیاسی ہے اور اس دیت کے باب میں قیاس کی مجال نہیں یہاں قیاس کرنا غلط ہے اس لیے کہ دیت شریعت کی مقررہ کردہ چیز ہے اور شرعی مقررات و مقدورات کو قیاس سے نہیں روکا جا سکتا۔ جیسا کہ فقہا نے نص اور قاعدہ کلیہ مقرر کر دیا ہے۔ یہ تھی عبارت فتح القدیر کی۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں اس کے علاوہ امام محمد کے قیاس بھی قطعًا غلط بلکہ قیاس مع الفارق ہیں اس کی وجہ سے بھی یہ دلیل انتہائی کمزور ہے کیونکہ دیت کا تعلق روح

اور جان سے جب کہ عورت کے ناقص ہونے کا تعلق جسم سے ہے۔ جسم کی حیثیت کو روح کی حیثیت پر قیاس کرنا انتہائی غلط قیاس ہے۔ عورت صرف عقل۔ اور عبادت کی معافی ملنے میں مرد سے کم ہے۔ یعنی عورت کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اس لیے گواہی میں دو عورتوں کو رکھا گیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو یاد کرا سکیں یہ ناقصیت جسم سے متعلق ہے نہ کہ روح سے اس لیے ناقصیت کی وجہ سے عورت کی کسی مالی ملکیت پر فرق نہ پڑے گا۔ نہ میراث پر نہ ذاتی جائیداد پر نہ تجارتی منفعت پر تو پھر ربت پر کس طرح فرق پڑ سکتا ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں ایک عورت کی گواہی مکمل مرد کی گواہی کے برابر ہے مثلاً۔ دایا کی گواہی وغیرہ وغیرہ۔ عورت کی میراث کا مسئلہ بھی یہ نہیں ہے کہ ہر عورت کو ہر مرد سے میراث کم ملے بلکہ بہت دفعہ بعض وارثہ عورت کو وارث مرد سے میراث زیادہ مل جاتی ہے۔ ہاں البتہ بیٹے یا بھائی کے مقابل بیٹی اور بہن کو آدھی میراث ملتی ہے اس کی وجہ بھی عورت کا ناقص ہونا نہیں بلکہ اخراجات اور گھر بلو خرچے کی وجہ سے عورت کو میراث کم دی گئی کہ بیٹے کے اخراجات اور خرچہ زیادہ ہیں اس پر کچھ حقوق کی ذمہ داریں ہیں جو عورت پر نہیں عورت کا نان نفقہ اس کے خاوند پر ہے اس لیے اس کو میراث کم دی گئی۔ مرد کا وسیلہ دوسرا کوئی مالی وسیلہ نہیں بجز میراث یا اس کی ذاتی محنت کی کمائی۔ مسائل وراثت میں کبھی عورت کو مرد کے برابر میراث ملتی ہے اور کبھی عورت کو مرد سے زیادہ دیکھو باپ مرد ہے اور بیٹی عورت ہے اگر میت نے باپ بیٹا اور بیٹی چھوڑی تو باپ کو چھٹا حصہ ملا اور بقیہ مال میراث کو چھ حصے کر کے دو بیٹی کو دے جائیں گے۔ یہاں باپ کو بیٹی سے کم ملا۔ اور اگر میت نے صرف باپ اور بیٹی چھوڑی ہے تو بیٹی اور باپ کا حصہ برابر ہوگا۔ اسی طرح ماں شریکی اولاد یعنی اخیافی بھائی بہن ہیں کہ بھائی بہن کو برابر میراث ملتی ہے نہ کہ دگنی اور آدھی۔ حالانکہ اخیافی بھائی مرد ہے اور اخیافی بہن عورت ہے۔ اسی طرح اگر میت عورت ہے اور وارثوں میں خاوند اور ایک بیٹی ہے تو خاوند کو چوتھائی اور بیٹی کو کل مال کا آدھا حصہ ملے گا۔ چوتھا حصہ تھوڑا ہوتا ہے آدھا حصہ زیادہ ہوتا ہے

حالانکہ خاوند مرد ہے اور بیٹی عورت ہے یہاں عورت کو مرد سے زیادہ میراث ملے گی ایسی اور بھی بہت سی صورتیں ہیں کہ عورت کو میراث زیادہ ملی مرد کو کم یا برابر۔ میں کہتا ہوں کہ کیا امام محمد علیہ الرحمۃ کو یہ مسائل میراث نہ آتے تھے ان فقہا کو کیا ہو گیا تھا جنہوں نے آنکھیں بند کر کے کہدیا کہ چونکہ ہر عورت کی میراث بھی مرد سے آدھی ہے اس لیے ہر عورت کی دیت بھی آدھی ہونی چاہیئے حالانکہ آپ نے دیکھ لیا کہ فقہا کی یہ بات قطعًا غلط ہے لہٰذا دیت کا مسئلہ بھی اکثر فقہا کا غلط ہے صحیح یہی ہے کہ عورت و مرد کی دیت برابر ہے میں سمجھتا ہوں کہ امام رازی کے زمانے کے اُن اکثر فقہا نے اور ہمارے زمانے کے ان مصنوعی فقہا نے بلا سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے امام محمد رح کی تقلید کر لی۔ اسی کو غلط تقلید کہتے ہیں کاش یہ حضرات کچھ خود بھی تدبر کر لیتے۔ اور آگے امام محمد علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا کہ چونکہ عورت منفعت میں مرد سے ناقص ہے اس لیے عورت کی آدھی دیت ہے یہ بھی قطعًا غلط ہے اس لیے کہ مرد و عورت میں باعتبارِ منفعت کوئی کسی سے کم نہیں بلکہ یہاں بھی بعض عورتیں نفع میں مردوں سے زیادہ ہیں مثلًا چھوٹی اولاد کے لیے ماں کا نفع باپ سے زیادہ ہے۔ باری تعالیٰ نے عورت و مرد دونوں میں اُن کی اپنی اپنی خلقت اور بناوٹ کے اعتبار سے نفع ودلیعت فرمائے ہیں۔ جو منفعت مرد کی ذات سے وابستہ ہے وہ عورت میں نہیں اور جو نفع عورت کی ذات سے وابستہ ہیں وہ مرد میں نہیں گھریلو زندگی میں کوئی بھی ایک دوسرے کے بغیر باسہولت گزارہ نہیں کر سکتا۔ اسلامی ماحول میں اگر خارجی منفعتیں مصلحتیں مرد سے ملحق ہیں تو داخلی منفعتیں عورت سے ملحق ہیں مرد گھریلو حکومت حکومت کا اگر وزیر خارجہ ہے تو عورت وزیر داخلہ ہے کوئی بھی کسی سے منفعت میں ناقص نہیں۔ نامعلوم امام محمد رح نے یہ انوکھی بات کہاں سے نکال لی جس کا ذکر نہ قرآن کی آیت میں نہ احادیث کی تبنیات میں نہ صحابہ و تابعین کی لسانیات میں۔ امام محمد کے دلائل کی چوتھی بات یہ کہ عورت مرد سے صفت مِلکیتِ نکاح میں بھی ناقص ہے۔ اس کی دو مراد ہو سکتی ہیں یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عورت قطعًا نکاح کرنے کی مجاز و مختار نہیں بس مرد

ہی مختارِ نکاح ہے جب چاہے عورت کی مرضی کے بغیر اس کو بیوی بنائے اور بھیڑ بکری کی طرح ساتھ لے جائے اپنی زوجیت کے کھونٹے سے باندھ دے اگر یہ مراد ہے تو قطعاً غلط حقیقت کے خلاف شریعتِ اسلامیہ کے قانون کے منافی ہے جس نے بھی یہ دلیل اور بات بنائی احمقانہ بنائی۔ اس لیے کہ شریعتِ اسلام میں عورت بھی اپنے نکاح کی اتنی ہی مالک ہے جتنا مرد دونوں کی اس ملکیت کا نام ایجاب وقبول ہے۔ اگر مرد نکاح کی پیشکش کرے تو وہ ایجاب ہوگا اور عورت کی رضامندی کا نام قبول لیکن اگر کبھی عورت پیشکش کرے تو اس کا نام ایجاب ہوگا اور مرد کی رضامندی کا نام قبول یعنی ہر پیشکش کا نام ایجاب اور اس کو مان لینے کا نام قبول اور اس میں عورت و مرد کی ملکیت برابر ہے جس طرح اگر مرد کی طرف سے ایجاب یا قبول نہ ہو تو نکاح نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر عورت مرد کی پیشکش نہ مانے تو مرد کی جرأت نہیں کہ جبراً اس کو اپنی بیوی بنائے یا کہے۔ ہاں البتہ مرد صرف طلاق کا مالک ہے یہاں عورت کی کوئی ملکیت نہیں۔ تو پھر یہ کہنا کہ عورت ملکیتِ نکاح میں ناقص ہے قطعاً غلط اور اگر اس کا معنیٰ تعددِ ازواج کی ملکیت ہے کہ مرد تو چار نکاح کر سکتا ہے مگر عورت نہیں کر سکتی تو یہ بھی عورت کی ناقصیت نہیں۔ بلکہ اس کی فضیلت ہے کہ اس سے مقصود اس کی اور اس کی اولاد کی حفاظت ہے تاکہ نطفہ مخلوط اور حد سے زیادہ نہ ہو جائے جو اولاد کو مخدوش اور والدہ کو ہلاک نہ کر دے۔ اور پھر ملکیت نکاح میں تو مرد بھی پابندِ سلاسل شریعت ہے کہ اگر طاقت و دولت کے ذریعہ ازدواج میں عدل و انصاف نہ کر سکے تو وہ بھی دوسری بیوی نہیں بنا سکتا۔ اسی طرح پانچویں بیوی سے نکاح اس کو حرام۔ یہ تو مولیٰ تعالیٰ کے علیمانہ خبیرانہ حکیمانہ قوانین ہیں کہ عورت کے لیے یہ ہیں مرد کے لیے یہ ہیں ان قوانینِ الٰہیہ کو اپنی ذہنی اختراعات کے لیے آڑ یا بہانہ بنا کر ناقصیت کا مسئلہ گھڑ کر دینا سراسر نادانی ہے۔ نیز اگر ملکیتِ مال و دولت اور ملکیتِ نکاح وطلاق پر ناقصیت و کاملیت کا دارومدار ہو جیسا کہ انوثیت اور غلامیت میں ان فقہا نے قاعدہ بنا لیا تو پھر غریب و مسکین مرد ناقص ہو گیا امیر اور دولت مند عورت سے لہٰذا ان فقہا کو چاہیے کہ غریب مرد کی دیت امیر عورت سے آدھی کریں۔ مگر یہ تو نہیں کر سکتے لہٰذا عورت کی

آدھی دیت ہیں بھی خدا کا خوف کریں اور ایسے لایعنی بے دلیلے مسئلے نہ بنائیں جس کا ذکر اشارۃً یا عبارۃً دلالۃً یا اقتضاءً کنایۃً یا صراحتًا قرآن و حدیث میں نہیں ہے نہ صحابہ و تابعین کی زبان میں امام محمد علیہ الرحمۃ کی چوتھی دلیل کی کمزوری فرماتے ہیں۔ چونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ اور مردوں کے لیے ایک درجہ ہے عورت پر۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ عورتوں کی دیت آدھی ہے کیا عجیب اجتہاد ہے۔ کیا عجیب اجتہاد ہے۔ ایسے ہی کمزور اجتہادوں نے امت میں انتشار پیدا کر دیا۔ یہ اجتہاد قرآن مجید کی اس آیت کے بھی خلاف ہے اس کے سیاق و سباق کے بھی اور منشاءِ باری تعالیٰ کے بھی اور دیت کے مسئلے کا اس آیت سے دور دور تعلق نہیں۔ خیال رہے کہ قانونِ شریعت کے مطابق دیت کا مسئلہ دنیا کی تمام عورتوں اور مردوں سے ہے خواہ وہ کسی کی ماں بہن بیٹی ہو یا بیوی پوتی نواسی ہو۔ دیت کا مسئلہ مطلق انوثیت و رجلیت سے منسلک ہے جس میں عام مرد و عورت شامل ہیں دیت کا وجوب کسی رشتے داری یا خصوصی قرابت داری نسب و حسب نسل و اصل کا پابند نہیں۔ جب کہ اس آیت کریمہ میں ہر قسم کا عام مرد اور عام عورت مراد نہیں بلکہ صرف خاوند اور بیوی مراد ہیں جیسا کہ تم تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ وَلِلرِّجَالِ ای لِلْاَزْوَاجِ عَلَيْهِنَّ اَیْ عَلَى الزَّوْجَاتِ۔ اور تفسیر جلالین صاوی جلد سوم ص ۹۵ پر ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ فَضِيْلَةٌ فِي الْحَقِّ مِنْ وُجُوْبِ طَاعَتِهِنَّ لَهُمْ۔ اَیْ فَحَقُّ الرَّجُلِ زَائِدٌ عَلٰى حَقِّهَا۔ ترجمہ لِلرِّجَالِ سے مراد خاوند ہیں نہ کہ ہر مرد اور عَلَيْهِنَّ سے مراد بیویاں ہیں دَرَجَةٌ سے مراد یہ ہے کہ بیوی اطاعت کرے اپنے خاوند کی اسی اطاعت کے حق کا نام درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاوند کو بیوی پر ایک فضیلت حاصل ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کیونکہ اس آیت کریمہ کا سیاق و سباق بھی خاوند بیوی سے متعلق ہے چنانچہ از آیت ۲۲۱ تا آیت ۲۳۲ نکاح اور طلاق کا ہی تذکرہ و بیان ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس آیت میں رجال سے مراد خاوند اور نسا سے مراد بیویاں ہیں۔ منشاءِ باری تعالیٰ بھی یہ ہے کہ یہاں خاوند بیوی مراد ہیں اس لیے کہ دَرَجَةٌ کا معنی اطاعت کرنے کا حق فضیلت ہے اور شریعت میں صرف بیوی پر

ہی خاوند کی اطاعت کرنے کا حق واجب ہے۔ کسی اور دوسری عورت پر نہیں۔ عورتوں میں ماں بہن بیٹی سب ہی ہیں ہر عورت سے ہر مرد کو فضیلت نہیں ہے ماں بڑی بہن۔ ساس خالہ، پھوپھی وغیرہ اگرچہ عورت ہیں مگر اپنے تمام چھوٹے مردوں سے افضل اور درجہ میں بلند ہیں یہ شرعی قانون عام فہم و ظاہر ہے۔ اس کے باوجود آنکھیں بند کر کے اسی آیت کے سہارے عورت کو ناقص کہہ کر آدھی دیت کا اجتہاد کر لینا کہاں کا تفکر ہے، اور پھر آیت پاک کے صرف اس ایک لفظ دَرَجَۃٌ سے ہی خاوند کی اپنی بیوی پر فضیلت ظاہر ہو رہی ہے ورنہ اسی آیت کے پہلے لفظوں میں بھی خاوند بیوی کے حقوق کی برابری ظاہر ہو رہی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ ترجمہ۔ اور بیویوں کے لیے اُن کے خاوندوں کے ذمہ برابر کے وہی حقوق واجب ہیں جو بیویوں کے ذمے واجب ہیں اپنے خاوندوں کے لیے۔ یعنی شریعت اسلامیہ کے قانونِ عدل میں تو زندگی بھر عورت و مرد کے گھریلو حقوق بھی برابر ہیں چہ جائیکہ بعد قتل دیت آدھی ہو جائے جس شریعتِ پاک کے انصاف نے زندگی میں برابری کو ختم نہ فرمایا وہ قتل ہو جانے کے بعد دیت کی برابری کیوں ختم فرمائیگی یہ تو ہمارے فقہاء کرام کی نئی نئی سوچ ہے جو اس بے انصافی کا دروازہ کھول رہے ہیں۔ اسی طرح سورۃ نساء کی آیت ۳۴ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ۔ یہاں بھی خاوند بیوی مراد ہیں نہ کہ ہر عورت اور قَوّٰامُوْنَ کا معنی ہے افسر مُنتظم الامور نہ کہ افضل۔ افسر کا معنیٰ ہے ذمہ دار یعنی خاوند اپنی بیوی کے نان نفقہ رہائش اور خانہ آبادی کا پابندِ شریعت ہے اور بیوی پر اطاعتِ خدمت خاوند کی دیکھ بھال واجب۔ اور اس افسری سے نہ خاوند کی تکمیل مراد ہے نہ اِس اطاعت و خدمت سے بیوی کی ناقصیت مراد ہے یہ تو اپنے اپنے حقوق کی ادائیگی ہے۔ اس ادائیگی کو خاوند کی فضیلت و تکمیل اور بیوی کو نقصِ حال سمجھ لینا ہمارے فقہا کا بہت غلط اجتہاد ہے، خلاصہ یہ کہ قانونِ شریعت کے مطابق عورت مرد کی دیت بالکل برابر ہے

پہلے زمانوں کے فقہا اور ہمارے زمانے کے چند مولویوں کا یہ کہدینا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے قرآن وحدیث کے مطابق فیصلہ نہیں ہے بلکہ غلط ہے۔ اور پھر فی زمانہ بعض احباب اس قدر خودسری اور جذباتی کیفیت میں آجاتے ہیں کہ اپنے اس خود ساختہ غلط اور بے دلیل مسلک کو اجماعِ صحابہ اور اجماعِ اُمّت کہنا شروع کر دیتے ہیں پہلے خود مجتہدِ اعظم بن بیٹھے مجددِ مسلکِ اہلِ سنّت کا منبر سنبھال لیا پھر چند شاگردوں مریدوں مولویوں خطیبوں کو جمع کر کے اُن سے اپنے جائز ناجائز مؤقف پر تائید حاصل کر کے اِجماعِ صحابہ اور اِجماعِ اُمّت کا اشتہار لگا دیا۔ اور لگے قلم کے نشتر چلانے دوسروں کو ضال ومُضِل (گمراہ وگمراہ گر) کہنے نہ کوئی ضابطہ نہ دلیل نہ حوالہ نہ حدیث اگر اتنے بڑے مسلک وموقف کے لیے بیہقی جیسی کتاب کی روایتیں کافی ہوتیں تو محدثین اس کتاب کو صحاح ستہ میں شامل کر لیتے۔ اس کی کمزوری کی بنا پر اس کی روایات کو دسویں درجہ پر نہ رکھتے اگر نصف دیت پر اجماعِ صحابہ ہے یا اجماعِ اُمّت تو با حوالہ ثابت کیا جائے ان چند کہنے والوں کو اجماع کی تعریف نہیں آتی۔ فقہ کی چند کتب میں کسی ایک شخص کے ذاتی اجتہادی مسلک کو نقل در نقل کر دینا تو اِجماعِ اُمّت نہیں ہوتا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

پندرھواں فتویٰ

تنقیدات اقتدار بر نظریات اقبال

فہرست کتب

وہ کتب و رسائل جن کے حوالے اس کتاب میں پیش کیے گئے۔

۱۔ پس چہ باید کرد ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور، (۲) بال جبریل ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۳) بانگ درا ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۴) ضرب کلیم ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۵) ارمغان حجاز ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۶) پیام مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۷) جاوید نامہ ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۸) اسرار خودی ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۹) اسرار و رموز ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۱۰) زبور عجم ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۱۱) زندہ رود جاوید اقبال (۱۲) حیات اقبال ایس۔ ایم۔ ناز (۱۳) اقبال باکمال عظیم فیروز آبادی (۱۴) فکر اقبال سردار احمد علیگ (۱۵) روح اسلام اقبال کی نظر میں مصنف ڈاکٹر غلام محمد خان مطبوعہ نیشنل بکڈپو حیدرآباد دکن (۱۶) اقبال اور کشمیر مصنف جگن ناتھ آزاد مطبوعہ علی محمد اینڈ سنز بکسیلرز سرینگر (۱۷) تصوف کی حقیقت مصنف غلام احمد پرویز مطبوعہ لاہور (۱۸) نذر اقبال مصنف محمد حنیف شاہد (۱۹) اقبال اور اس کا عہد مصنف جگن ناتھ آزاد مطبوعہ ادارہ انیس الٰہ آباد انڈیا (۲۰) مطالعہ اقبال مصنف گوہر نوشاہی لاہور (۲۱) اقبال سب کے لیے (۲۲) اقبال (پتے روپے) (۲۳) باقیات اقبال (۲۴) قرآن اور اقبال (۲۵) اقبال کی دنیا (۲۶) رسالہ روزنامہ احسان (دہلی) کا اقبال نمبر جون ۱۹۳۸ء (۲۷) اخبار جنگ لندن ۲۰/ اکتوبر ۱۹۸۳ء ۱۵ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ ص ۷، (۲۸) جنگ لندن اخبار ۱۶/ نومبر ۱۹۸۳ء مضمون نگار عبد الحفیظ خان فرید کالج رحیم یار خان (۲۹) ہفت روزہ

مشرق انٹرنیشنل ، ۲۷ نومبر ۱۹۸۳ء لاہور نامہ انتظار حسین ص ۵ ، ۳۰ جنگ لندن ۱۵/ اکتوبر ۱۹۸۴ء ص ۵ بعنوان اقبال پاکستان کے خلاف تھے ڈ پروفیسر حامد حسین علیگڑھ یونیورسٹی) (۳۱) ماہنامہ ضیائے حرم لاہور اپریل ۱۹۸۰ء ص ۹۲ کالم نمبر ۲ سطر نمبر ۲ نظیر لدھیانوی (۳۳) رسالہ طلوع اسلام اقبال نمبر ۱۹۸۲ء ص ۱۲۶ ، (۳۳) جنگ لندن ، ۱/ اپریل جمعرات ۱۹۸۶ء شعبان ۱۴۰۶ھ ص ۳ ، (۳۴) رسالہ فیض اسلام راولپنڈی عرشی نمبر نومبر دسمبر ۱۹۸۵ء (۳۵) فیض اسلام فروری اور جون ۱۹۸۶ء ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شرعی اور اسلامی اعتبار سے ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال کے بارے میں علماء اسلام کا نظریہ کیا ہے ۔ ہمارے علاقہ میں کچھ لوگ اقبال کے متعلق بہت اچھا گمان رکھتے ہیں ۔ اور ان کو اسلام میں بہت اونچا مقام دیتے ہیں ۔ لیکن کچھ لوگ اقبال کی بہت سی باتوں کی وجہ سے سخت خلاف ہیں ہر دو گروہ کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں ۔ پہلا گروہ مداحین کا کہتا ہے ۔ کہ اقبال صاحب نے نبی کریم کی ایسی نعت خوانی کی ہے ۔ جو کوئی نہیں کر سکا اور ہمیں اقبال صاحب نے ہی اسلام اور قرآن اور نبی کریم کی ذات سے روشناس کرایا ۔ اور یہ کہ اقبال نے مردہ قوم کو زندہ کیا اور سوتے ہوؤں کو جھنجھوڑ کر جگایا اور یہ کہ پاکستان کا تصور سب سے پہلے اسلامی مملکت کی صورت میں اقبال نے پیش کیا ۔ لیکن دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اقبال کی شاعری میں اقبال کا مذہب اور عقائد و نظریات ایسے دکھائی دیتے ہیں جو اسلامی تعلیمات و کردار و اعمال کے بر خلاف ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی زندگی میں اقبال کے خلاف علماء شریعت کے فتوے ہی لگتے رہے اور یہ کہ اقبال کی نعت خوانی بھی کوئی ایسی نرالی یا انوکھی نہیں جس کے مقابل بزرگان دین کی نعت خوانی کو دوسرا نمبر دیا جائے ۔ یہ کہ اقبال ساری عمر انگریز نوازی اور انگریز دوستی و کاسہ لیسی کرتے رہے اور یہ کہ اقبال نے سوئی ہوئی قوم کو نہ جگایا نہ کوئی اپنے اعمال و کردار کا نمونہ قوم کو عطا فرمایا ۔ بلکہ اقبال کے بہت سے اشعار اسلامی افکار اور شریعت کے خلاف ہیں ۔ اور یہ کہ اقبال کی ذات سے مسلمانوں کو

کوئی بنیادی فائدہ نہیں پہنچا۔ بلکہ ظاہری باطنی نقصان ضرور پہنچا ہے ہاں البتہ ہندوؤں آریوں۔ اور انگریزوں کو اقبال سے بہت فائدہ پہنچا۔ اور یہ کہ علامہ اقبال کا پس منظر بھی کچھ ایسا تابناک نہیں جس سے مسلم قوم اقبال کی شخصیت پر ناز کر سکے نہ ہی کوئی زندگی کا روشن پہلو ایسا ظاہر ہے جس سے مسلمانوں کے لیے اقبال کوئی تمغۂ امتیاز ہو بلکہ خاندانی اعتبار سے اقبال پہلے برہمن ہندوؤں سے ہیں جو اسلام دشمنی اور قوم بلکہ خود پرستی اور تعصب ذہنی میں مشہور ہے۔ اور آبائی وطن کے لحاظ سے معری النسل ہیں۔ وہ معر جس کے خمیر میں فرعونیت ہے۔ اور اقبال کو اپنے برہمن ہونے پر فخر ہے اور یہ کہ اقبال نے اپنی پرورش قادیانیت کی آغوش میں پائی جس کا اثر یہ تھا کہ اقبال مرزا غلام احمد کے عظیم ترین مداح بلکہ کچھ عرصہ مرزا قادیانی کی بیعت میں مبتلا رہے۔ اور اقبال کا پہلا قلم مدحتِ مرزا میں مسلمانوں کے خلاف اٹھتا رہا۔ پھر جب اقبال کے والد صاحب نے مرزائیت سے علیحدگی اختیار کی تو اقبال بھی قادیانیت سے متنفر ہوئے مگر اقبال کے بہت سے قریبی آخر دم تک مرزائیت کے ساتھ رہے۔ چونکہ اقبال موجودہ دور کی مشہور ترین شخصیت ہے۔ اس لیے ہم لوگ ان مختلف خیالات سے کچھ مضطرب ہیں۔ براہ کرم آپ اپنا قیمتی وقت خرچ کر کے اقبال کے بارے میں ہماری صحیح رہنمائی فرمائیے تاکہ ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے راہِ راست اختیار کر لیں۔ اور بیجا نفرت یا اندھی تقلید سے بچ جائیں۔

بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا ! السائل : ظفر احمد بریڈ فورڈ ۸۳-۸-۲

لِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

اَلْجَوَابُ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ !

سائل محترم نے جس قسم کا سوال فرمایا ہے اس کا جواب کچھ آسان نہیں ہے کیونکہ کسی کی ذاتی شخصیت کے متعلق کچھ رائے قائم کرنا خاصا دشوار ہوتا ہے۔ اور پھر اقبال کی شخصیت پر نظر دوڑانا تو اس لیے بھی دشوار ہے کہ اقبال کو پہچاننا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے جب کہ خود اقبال بھی

کہتے ہیں کہ ؎

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے ، کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

اور بھلا کسی غیر کو تعارف یا آگاہی ہو بھی کیسے سکتی ہے ۔کہ تعارف و معرفت کے لیے یکجہتی اور تعیّن نشانات ضروری ہیں ۔مگر اقبال جو کئی روپ میں ظاہر ہوتے ہیں ان کو کما حقہٗ، کون پہچان سکتا ہے ۔اقبال صبح کچھ، شام کچھ، پہلے کچھ، بعد کچھ اول کچھ آخر، کبھی اپنوں کے روپ میں کبھی بیگانوں کے روپ میں شکل و صورت میں کچھ اور تصور ہے کردار و اعمال میں کچھ اور ہی نظر آتے ہیں۔ اشعار میں بھی کئی روپ ہیں ۔نثر میں علیحدہ روپ ہے ۔عقائد کا کوئی تعیّن نظر نہیں آتا ۔افعال میں یکسانیت دکھائی نہیں دیتی اگر اس دور میں اقبال کی اتنی بے وجہ عقیدت نہ بڑھتی تو اس مضمون پر قلم اٹھانا بیکار ہی تھا ۔آپ کے امراء اور عوام کے کچھ غلط اقدام کی وجہ سے چند سطور لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں اور یہ تحریر بھی کوئی شرعی فیصلہ یا حتمی رائے نہیں بلکہ فقط ذاتی تبصرہ ہے ۔جس پر عُقلا کو دعوت غور و فکر ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی کو مانتے اور معتقد ہوتے وقت کچھ تھوڑا بہت عقل اور تدبّر کو ضرور استعمال کرنا چاہیئے ۔ہماری قوم کی یہ کتنی تاریخی کمزوری ہے کہ جب مخالفت پر آتے ہیں تو اکثر بے سوچے سمجھے حق کی مخالفت کرتے ہیں اور دوستوں کو دشمن سمجھ لیتے ہیں ۔اور جب محبت و عقیدت کرنے لگتے ہیں ۔تو ذرّہ برابر غور و فکر تدبّر سے کام نہیں لیتے ۔جو بھی سنہرا پیالہ دکھائے بس ہماری قوم اس کی دلدادہ ہے ۔اگرچہ سنہری گلاس میں میٹھا زہر ہی کیوں نہ ہو ۔اسلام میں جتنی فرقہ بندی اور نئے مذہب گروہ بازی اسی غلط روش سے ہوئی اتنی کسی سے نہ ہوئی ۔مسلمانوں کی اس کمزوری سے بہت لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا بلکہ ہر طرح ۔اخلاقی ۔فکری نظری ۔دینی ۔ایمانی اعتبار سے مسلمانوں کو مفلوج کرنے کی کوشش کی اور باطل کچھ حد تک کامیاب بھی ہوئے یہ بات بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ جب بھی کوئی کسی باطل فرد یا قوم نے مسلم معاشرے پر نشتر آزمائی کی تو اوّلاً اپنے آپ کو سب سے بڑا مسلمان ظاہر کیا ۔اور قوم کے غم میں آنسو بہاتا ہوا

آیا۔ اور بھولی قوم فوراً بلا سوچے سمجھے مارِ آستین کو سچا مُقتدا سمجھ بیٹھی۔ تاریخ کے ورقوں سے ابھی تک جن باطل قوتوں کی کامیابی کا تذکرہ ملتا ہے ان کی مندرجہ ذیل نشانیاں دستیاب ہوئی ہیں۔

پہلی نشانی نمبر ا۔

یہ کہ باطل قوت اپنی تخریب کاری کے لیے بڑے دردمند اور میٹھے اور پیار بھرے انداز میں مسلم قوم کو ساری دنیا کے سامنے سب سے زیادہ بدکار، بزدل، بددیانت ضمیر فروش۔ اور ذہنی غلام۔ گنہگار۔ مجرم۔ فسادی۔ کم ظرف۔ لالچی اور مسلمان ہی کو سب قوموں سے زیادہ برا کہتے ہیں۔ اس کے لیے بڑے بڑے جھوٹ فریب کے جال پھیلائے جس کی کئی مثالیں غیر مسلموں کی تبلیغوں کتابوں اشتہاروں میں بہت موجود ہیں۔ ان ہی میں سے ایک وصیت نامہ ہے جو ایک یہودی کی شرارت سے شروع ہوا۔ ظاہراً مسلمانوں کو نصیحتیں ہیں مگر درحقیقت قوم مسلم کو بدنام کرنے کی ایک سازش اور جھوٹی تحریک ہے۔ جس میں شیخ احمد کا بناوٹی نام اور جھوٹی خواب کا حوالہ درج ہوا۔ قوم مسلم کی اس حماقت کو کیا کہا جائے کہ اسی کو خود ہی اشتہار بنالیا۔ اور چھاپنے کو کارِ ثواب سمجھ لیا۔ یہ بھی غور نہ کیا کہ ہر سال کتنی ہی تبدیلیاں اس میں ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ کیا سچی باتوں کی یہی نشانیاں ہوتی ہیں؟ خود اہلِ عرب کسی شیخ احمد سے متعارف نہیں نہ ہی اہل مدینہ منورہ۔ یہ وصیت نامہ نہیں بلکہ ایک کھلی سازش اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی علی الاعلان گستاخی اور سب مسلمانوں کی ذلت ہے۔

دوسری نشانی: نمبر ۲۔

باطل کی اس تخریب کاری کے بعد دوسرا قدم اسلام کے سچے خدمت گار علماءِ ذیشان کی توہین اور گستاخیوں پر اُٹھتا ہے۔ چونکہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہو کر باطل کو کچلنے والے صرف اور صرف علماء کرام ہی ہمیشہ دفاعی ڈھال بنتے رہے اور اس کی خاطر ان پیاروں نے اپنی عزت۔ آبرو۔ جان۔ مال۔ اولاد۔ آرام و آسائش کی بھی پرواہ نہ کی بلکہ اس دفاع میں باطل کی گالیوں کے ساتھ ساتھ اس کے بہکانے اور ورغلانے

اور اپنا اثر ڈالتے سے اپنی قوم مسلم کی بھی گالیوں گستاخیوں کے تیر سہتے رہے مگر دفاعی لائن نہ ٹوٹنے دی اور جہاں تک ہو سکا باطل کی لہروں میں ڈوبتے ہوئے مسلمانوں کو کھینچ کھانچ کر بچاتے ہی رہے۔ اس لیے باطل نے سمجھ لیا کہ یہ علماء ہی ہماری سازشی تحریک کی کامیابی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ لہٰذا اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے یہ باطل ہمیشہ علماء اسلام کا مخالف رہا یہی باطل کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ جب کسی باطل فرد یا باطل تحریک کا پتہ لگانا ہو کہ یہ باطل ہے یا نہیں تو یہ نشانی یاد رکھی جائے۔ جہاں یہ نشانی نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیئے۔ یہ باطل اور دشمنِ اسلام ہے۔ خواہ وہ شخصیت کسی بھی خوب صورت اور بھولے بھالے یا مَن موہنے روپ میں کیوں نہ ہو۔

باطل کی تیسری نشانی ، نمبر ۳

جب باطل قوت انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے اس مرحلہ پر کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس طرح کہ قوم مسلم کو علماءِ کرام سے متنفر کر دیا بلکہ خود مسلمانوں کو ہی اپنے دینی رہنماؤں کے خلاف صف آرا کر دیا تو پھر باطل کا تیسرا اقدام۔ صوفیاءِ کرام۔ اولیاءِ کرام اور اسلامی چمکتے ہوئے تصوف کے خلاف اٹھتا ہے حالانکہ اسلام کے تیز تاباں یہ صوفیاء اولیاء ہی ہیں۔ جن کے اعلیٰ کردار و اخلاق نے عالمِ کفر کا ہمیشہ سرنگوں رکھا۔ اور طریقت و معرفت کے سنہرے لقب سے مزین تصوفِ اسلامی دینِ اسلام کے قلب و جگر والا دوسرا بازو ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ اسلام کی بہار کا نظارہ علماء اولیاء جیسے پھولوں سے ہی ہے۔ موسمِ بہار تو آنا ہی ہے مگر بہار کا نظارہ اور دیدار اور علم اسی کو ہو گا جو چمن میں پھولوں کے پاس آ جائے۔ بلا تشبیہ اسلام کی بہار تو کائنات میں ہمیشہ ہی رہے گی۔ وہ کسی ما و شما کی مرہونِ منت نہیں مگر اس بہار کا دیدار اسی کو ہو گا جو اولیاء اللہ کے قدموں اور علماءِ اسلام کے دامن سے وابستہ رہے گا۔ اب جو ان سے دور کرے ان کے آستانوں سے روکے۔ خانقاہوں کو برا سمجھے مدرسوں سے مسلمانوں کو متنفر کرے۔ فقر اور فقہا کا دشمن ہو۔ وہ اسلام کا سچا کس طرح ہو سکتا ہے۔ اسلام اور قرآن پاک سے روشناس کس طرح

کرا سکتا ہے۔ مدینے والی سرکار صلے اللہ علیہ وسلم کا نقشہ تو مدرسوں اور خانقاہوں میں نظر آتا ہے۔ نبی پاک کی سچی نعت خوانی تو اُسوۂ حسنہ کو اختیار کرنا ہے جو اس سے دور ہو اور مسلم قوم کو دور کرے وہ خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ صرف غلاف بار ہیں ہے۔

باطل کی چوتھی نشانی، ۴

یہ ہے کہ نبی پاک کی اداؤں اور اُسوۂ حسنہ سے دور کرنا یہاں تک کہ احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منکر ہوتا۔ اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے محدثین کرام وَرَاوِیانِ عظام پر کیچڑ اُچھالنا۔ حالانکہ اِن خادمینِ اسلام کی جان گسل جگر سوز اَنتھک محنتوں اور خدمت اسلام نے اغیار داناؤں کو بھی حیرت سے انگشت بدندان کر دیا۔ یہ باطل فریب کار احادیث پاک کا تو منکر ہوتا ہے مگر چونکہ لباس مکر میں ہوتا ہے۔ اور دنیا ساز ہمیشہ زیرک ہوتا ہے۔ اس لیے لباسِ خُدا عت کو تار تار ہونے سے بچاتے ہوئے۔ قوم مسلم کو دھوکہ میں رکھنے کے لیے۔ ان کے نبیِ مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے گُن گاتے ہی پڑتے ہیں۔ ورنہ قوم مسلم کو تو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ اور ننگا ہو کر مسلمان کو کوئی فریب نہیں دے سکتا۔ اس لیے یہ چال بھی باطل نے بہت پرانی اختیار کی ہوئی ہے۔ جس سے آج تک کچھ گروہ دھوکہ کھاتے چلے آرہے ہیں۔

باطل کی پانچویں نشانی: ۵

یہ ہے کہ اپنے رہنما اس کے مخالف ہوتے ہیں اور دشمن اس کا مدحت سرا ہوتا ہے تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب بھی کسی باطل نے اسلامی لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو اسلامی روحانی۔ عرفانی تعلیم و تربیت سے دور کرنا چاہا اور اسلام کے سچے خوب صورت گہوارہ سے نکال کر باطل کی جھاڑ جھنکاڑ میں پھینکنے کی کوشش کی تو مسلمان عُرفا عُلماء لازمًا اس کے مخالف ہوئے اور اس کے غیر مہذب کردار خلاف شارع اقوال پر گرفت کی مگر ایسے باطل شخص کو پناہ اور سہارا غیر مسلموں نے دیا اور غیر مسلم لوگ ایسے افراد کے ثنا خوان بن گئے اور باطل شخص نے اس سہارے کو دل و جان سے قبول کیا

اور اس کو وہ لوگ دشمن نظر آئے جو ساری قوم وملت کے سچے دوست اور مصلح وخیر خواہ تھے۔ اور وہ غیر دوست نظر آئے جو قوم مسلم کے ازلی ابدی خون کے پیاسے دشمن تھے۔ باطل کی یہ نشانی بھی بہت یاد رکھنے کے قابل ہے۔

باطل کی چھٹی نشانی: نمبر 6

جب باطل مندرجہ بالا پانچ طریقوں سے مسلمانوں کو مسحور ومفلوج ومغلوب کر لیتا ہے تب چھٹا اور آخری قدم اس سازشی تحریک کی طرف اٹھاتا ہے۔ جو غالباً اس کا مقصد ہوتا ہے۔ اور جس کی طرف گھیر گھار کر لاتے کے لیے یہ ساری محنت قولی وفعلی کی گئی تھی۔ اور بڑے دل نشین میٹھے انداز میں اسی زبان سے جس سے پہلے مسلمانوں کو بدخصلت کہہ چکا تھا۔ علماء کی برائیاں صوفیاء کی گستاخیاں کر چکا تھا۔ بزرگان اسلام میں کیڑے نکال چکا تھا۔ غیر مسلموں کی کفار کی ثنا خوانی کرتا ہے۔ ان کو کافر کہنے سے روکتا ہے۔ ان کی کتابوں ان کی باتوں کو قابل تعظیم کہتا ہے۔ عوام مسلمان جو میٹھی باتوں سے سحر زدہ ہونے کے عادی ہیں بلکہ ایسی چاپلوسیوں پر دل وجان قربان کرنے پر تیار ہونے والے ہیں۔ وہ پہلی پانچ چالوں میں تو آہی چکے تھے۔ اس آخری معرکے میں بھی باطل کے ہمنوا ہو جانے میں دیر نہیں لگاتے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ عوام وخواص مسلمانوں کو باطل سے ہوشیار رہنے اور اپنا دین وایمان بچانے کے لیے ان چھ نشانیوں کو دو وجہ سے ہر وقت یاد رکھنا چاہیئے اور ہر ٹیے لبادے والے کو پہچاننے اور حق وباطل کا پتہ لگانے کے لیے ان ہی چھ نشانات سے مدد لینی چاہیئے۔

پہلی وجہ:۔ یہ کہ تمام مذاہب عالم نے اسلام سے ہر طرح دشمنی کی اور چونکہ خود ظاہر ہو کر تو مسلمانوں کے اخلاق وکردار کو مٹا نہ سکے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے پروردہ لوگوں کے ذریعے دین اسلام میں مذاہب اسلام اور فرقہ پرستی کا چکر چلایا۔ ان پس خوردہ لوگوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کو ان ہی چھ طریقوں سے ذہنی اور ایمانی طور پر کھوکھلا کیا۔ یہ ایس نبید آور گریلا

ہیں کہ مسلمان آغوشِ باطل میں بھی خراٹے لیتا رہا اور پھر اوپر سے باطل کی تھپکیاں ایسی کہ مسلم تو گھن خوردہ گندم کی طرح اندر سے ایمانی دولت اور عرفانی غذائیت سے بالکل کھوکھلا ہو چکا ہے۔ مگر باطل کی پیاری صدائیں اور سہانی لوریاں آرہی ہیں کہ تو ہی سچا مومن ہے۔ تو ہی پکا مسلمان ہے یہ مُلّا لوگ اسلام کو کیا جانیں۔ خانقاہوں میں اسلام کہاں۔ یہ دیمک زدہ مسلمان بس اسی لوری میں مست ہو کر علماء صوفیاء اور اسلام کی تعلیم سے متنفر ہوئے پھرتے ہیں۔ اور پھر ان مسلم کش مذاہب کے یہ تمام جال فریب اور چال بازی صرف مسلمانوں کو خراب و برباد کرنے کے لیے ہوتیں رہیں اور ہو رہی ہیں مادرِ گیتی نے صرف ایسے ہی نونہال پیدا کئے جو مسلمانوں کو بدکار قوم مسلم کے رہنماؤں کو بُرا کہتے پھریں کسی ماں نے ایسا اقبال مند بیٹا پیدا نہیں کیا جو ہندوؤں سکھوں کی بد دیانتیاں اور ظلم و فساد کو بیان کرتا یا اہلِ یورپ کی لوٹ مار اور تعصب پرستی کا برملا اظہار کر کے ان سے دوسروں کو بچاتا۔ یا ان کی خیر خواہی کا بھیس بدلتا۔ یا کسی پنڈت پادری کی بے ادبی میں زبان کھولتا۔ ایسے لوگ تو صرف قوم مسلم میں ہی گھسے چلے آتے ہیں جن کے ناموں کی فہرست سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ سبب یہی ہے کہ قوم مسلم اپنی ناسمجھی سے ایسے لوگوں کو جگہ دے دیتی ہے۔ اس لیے کیڑوں کی طرح پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دوسرے لوگ کسی تخریب کار کو جرأت ہی نہیں دیتے کہ کوئی ان کو یا ان کے پنڈت پادری کو برا کہنے کی جرأت کرے۔

دوسری وجہ: یہ کہ ان چھ نشانیوں کو یاد رکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ فریب کار کی چال میں آنا تو بڑا آسان ہے مگر فریبی۔ فسادی اور باطل کو سمجھنے اور اس سے بچنے کے لیے بڑی عقل خرد اور شعورِ ایمانی و دانشِ یزدانی کی ضرورت ہے کیونکہ کسی خفیہ کو پہچاننا بڑا مشکل ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے اب تک یہی نشانیاں باطل کی اُجاگر ہوئی ہیں۔ جیسا کہ مذاہبِ عالم اور مذہبِ اسلام پر لکھی ہوئی کتب سے ظاہر ہیں۔ مجھ کو اس سے غرض نہیں کہ کون سا گروہ اقبال کی مدح کرتا ہے۔ اور کون اس کو برا کہتا ہے

نہ مجھ کو اس سے غرض ہے کہ اقبال نے نعت خوانی لکھی کیونکہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فقط نعت خوانی کرنی یا نعتیہ اشعار لکھ دینے کسی کی صداقت کی دلیل نہیں۔ نہ حقانیت کا معیار ہے اس لیے کہ ہمارے نبی پاک صاحب لولاک علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کی نعت خوانی تو ہندوؤں، سکھوں نے کی اور آپ کی نعتیں تو یہود و نصاریٰ اور مرزا غلام قادیانی نے لکھیں۔ نہ مجھ کو اس سے سروکار ہے کہ کن لوگوں کو اقبال نے اسلام و قرآن اور نبی پاک سے روشناس کرایا اور وہ کون سے لوگ ہیں۔ جو مسلمان ہونے کے باوجود اقبال کے بغیر اسلام و قرآن سے یہاں تک کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی روشناس نہ تھے نہ دین سے اور یہ کہ اقبال نے ان کو کس طرح اسلام و قرآن و نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے روشناس کرایا اور وہ کون سے لوگ ہیں۔ جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے۔ اسلامی ماحول میں زندگی گزاری ہر طرف اسلام دیکھا۔ نام، کام مسلمانوں جیسا پھر بھی وہ اسلام اور قرآن سے بے خبر رہے۔ صرف اقبال صاحب کی کتابوں انکو سب کچھ دکھایا، اور اگر انہوں نے ہی ان بے خبر لوگوں کو اسلام کو کس طرح آیا اپنے کردار سے یا اپنے عقائد و اعمال سے یا اپنی شکل و صورت سے یا اپنی رہن سہن سے یا اپنے لباس و چلیے سے یا فقط زبانی باتوں اور شعروں سے۔ نہ مجھ کو اس میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ اقبال نے کس مردہ قوم کو زندہ کیا۔ آیا مسلم قوم کو یا غیر مسلم کو اور اگر وہ مسلم قوم تھی تو مردہ ان کو کس نے کیا تھا۔ آیا علماء و صوفیاء اور احادیث نبوی اور مدرسوں۔ خانقاہوں نے یا یورپ کے کلیساؤں۔ اور مغربی تہذیب انگریزیت کوٹ ہیٹ ٹائی پتلون اور غیر اسلامی شکل و صورت نے؟ نہ مجھ کو یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ اقبال نے سوتے ہوؤں کو جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ جگایا۔ اور یہ کہ وہ جاگی ہوئی قوم کہاں ہے؟ اور اس نے جاگ کر قوم و ملت کی کون سی خدمت کی اور یہ کہ اس کو سلایا کس نے تھا۔ امام غزالی و رازی کی تعلیم نے یا حضور بغدادی و اجمیری کی تربیت نے یا مغربی لوری نے مجھ کو نہ کچھ الجھن کہ آیا اقبال نے سب سے پہلے پاکستان کا تصور مملکت اسلامیہ کی شکل میں پیش کیا یا بقول ماہنامہ رضائے مصطفےٰ اگست ۱۹۸۲ء ص ۲۵ بحوالہ

روزنامہ جنگ ۲۴ جولائی۔ اقبال ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۰ء تک ہندو مسلم اتحاد ہی کے لیے کوشاں رہے۔ خطبہ الٰہ آباد کے بعد اقبال نے مسلم مملکت کا ذکر کیا جب کہ اعلیٰحضرت بریلوی نے کئی سال پہلے ہندوؤں سے علیحدہ مسلم سلطنت کا زور دیا۔ اور کتب و مضمون شائع کیں۔ (بحوالہ ماہنامہ نظر و فکر اسلام آباد) ۱۹۷۱ء ۵ جولائی تا ۱۰ جولائی یا بقول ہفت روزہ "چیلنج،، اخبار ۱۵ مارچ ۱۹۸۴ء کہ سب سے پہلے اسلامی سلطنت پاکستان کا نام چوہدری رحمت علی نے پیش کیا نہ کہ اقبال نے بہرحال یہاں اس اعادہ کی ضرورت نہیں نہ یہاں اس تذکرہ کی ضرورت ہے کہ اقبال کا کردار و اقوال، شریعت کے خلاف ہے۔ یا اس پر فتوے لگتے رہے اس لیے کہ میری نظر سے کوئی ایسا شرعی فتویٰ نہیں گزرا جو اقبال کے خلاف ہو۔ ہاں البتہ یہ حقیقت ہے کہ اقبال کے بہت سے اشعار شرعاً قابلِ گرفت ہیں۔ مثلاً ایک شعر میں اقبال صاحب فرماتے ہیں ؎

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم بخیلی ہے یہ رزّاقی نہیں ہے

اس میں رب تعالیٰ کی گستاخی صاف ظاہر ہے۔ دوسرے نعتیہ شعر میں کہتے ہیں۔ ؎

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است۔ اور جیسے خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا لفظِ یثرب مدینہ پاک کے لیے استعمال کرنا شرعاً گناہ ہے ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

ایک جلوہ تھا کلیم طورِ سینا کے لیے تو تجلی ہے سراسر چشمِ بینا کے لیے

اس شعر میں کوہ ہمالیہ کا درجہ کوہ طور سے زیادہ بتایا گیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ ع

طلب ہو خضر کو جس کی وہ جام ہے تیرا

اس مصرع میں حضرت خضر اللہ کے نبی کی توہین کی گئی ہے۔ خواجہ نظام الدین کا درجہ ان سے بڑا ظاہر کیا گیا ہے۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں۔

آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی

اس شعر میں دریائے گنگا کی اس طرح ثنا خوانی کی گئی ہے۔ کہ وہ دریائیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ حوضِ کوثر اور تسنیم کو ذلیل اور شرمندہ کیا گیا۔ دریائے گنگا ہندوؤں

کا معبود اور متبرک دریا ہے۔ اس شعر سے ہندو پرستی ظاہر ہوتی ہے۔ ایک شعر میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی منقبت میں فرماتے ہیں ؂

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

اس میں اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی گستاخی کی گئی۔ حضرت مسیح اور خضر علیہما السّلام اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم رسول ہیں۔ کسی جگہ لکھا ہے۔ ع

مری چشم گریاں کی تجھ کو قسم ہے!

اس شعر میں چشم گریاں کی قسم کھا کر شریعت کے بہت بڑے قانون کی مخالفت کی گئی ہے کیونکہ غیر اللہ کی قسم بولنا گناہ عظیم اور شرک کے مترادف ہے۔ اسی طرح لکھتے ہیں ؂

قسم ہے اس کے دل دردمند کی آقا تری ثنا کے لیے حق نے دی زباں مجھ کو

یہاں بھی غیر خدا کی قسم ہے۔ ایک اور جگہ رقم طراز ہیں۔

تو ذرا میری نظر کی جلوہ آشنائی تو دیکھ طور شرما جائے ایسا حوصلہ رکھتا ہوں میں

اس شعر میں طور جیسے مقدس مقام جس کے تقدس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اس کو اپنے مقابلے میں گھٹیا ذلیل اور شرمندہ سمجھ رہے ہیں کیونکہ شرمندگی دلانا ذلیل کرنے کے ہم معنی ہے۔ یہ وہ خلاف شرع اور خلاف اسلام اشعار ہیں۔ جن پر ضرور علماء اسلام نے گرفت کی ہوگی۔ اور یہ گرفت ان کا فرض منصبی ہے۔ ایک ٹریفک سپاہی آپ کے بے اصولی ٹریفک پر آپ کو ضرور سرزنش بلکہ آپ کا چالان تک کر سکتا ہے۔ تو علماء حق جو دینی ٹریفک کے باعظمت سپاہی ہیں وہ خلاف شریعت بولنے اور چلنے والے انسان کو ضرور آگاہ کرنے کے مجاز ہیں۔ ایک اقبال کیا کروڑوں اقبال شریعت کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتے ہیں جب پیارے آقا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں کہ میرے شہر کو یثرب (بیماریوں کا مقام) نہ کہو (بحوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف ششم ص ۱۴۳ اور تفسیر معانی پ ۲۱ سورۃ احزاب ص اور دلائل حدیث پاک سے) لیکن اقبال بلاوجہ بغیر ضرورت شعری لفظ طیبہ ہم وزن کو چھوڑ کر یثرب ہر جگہ استعمال کرتے ہیں تو اس کی ضد ہی سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس لحاظ سے تو اقبال کی نعت نویسی

بھی نامقبول ہے۔ اگر ان بنیادوں پر اقبال کو کسی عالم دین یا مفتی اسلام نے سرزنش اور خبردار کیا ہو تو اقبال یا ان کے دلدادگان کو برا نہ ماننا چاہیے۔ مگر آج ان باتوں میں مجھ کو الجھنے کی ضرورت نہیں نہ یہ بے علمی ناواقفی کی باتیں کسی کے باطل ہونے کا معیار ہیں صرف ان باتوں سے اقبال کو برا سمجھ لینا ٹھیک نہیں ہے نہ یہاں اقبال کی نعت خوانی کے انوکھا اور نرالا ہونے سے بحث ہے۔ نعت خوانی جس کی زبان بھی ہو ایک مسلمان کے قلب وجگر میں ہی اس کی جگہ ہے بلکہ ہمارے آقا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو کوئی نام بھی ادب و احترام سے لے تو وہ ہمارا پیارا اور محترم معظم ہے۔ ہاں البتہ بزرگان دین کے مقابل اقبال کو پہلا نمبر نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی میرے خیال میں اقبال یا کسی ذی عقل نے اس کی کوشش ہی کی۔ رہا یہ کہنا کہ اقبال نے ساری عمر انگریز نوازی کی۔ تو یہ اگرچہ تاریخی اعتبار سے درست ہے جیسا کہ اقبال نے ساری عمر انگریزی تعلیم وتربیت یا شکل ولباس وہ بہت سے اشعار سے ظاہر ہے۔ مگر یہ ان کا ذاتی مسئلہ اور سیاسی سمجھ بوجھ ہے۔ اقبال بھی آخر ملکی سیاست کو سمجھتے تھے اور سیاست میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ سیاسی لیڈر مرور ایام میں نہ جانے کتنی چالیں اپنی دانش میں چل جاتا ہے۔ لہٰذا اقبال کو اس پر بھی مطعون نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اقبال نے کسی قوم کو جگایا۔ یا نہیں یا اقبال قوم مسلم کے لیے مثالی نمونہ تھے یا نہیں؛ ان باتوں کو سوچ کر کسی کے خلاف عداوت کا محاذ کھڑا کر دینا بھی عقلاً کو زیب نہیں۔ یہ باصلاحیت کردار اگرچہ انفرادی طور پر خلوص طبعی اور محبت قلبی اور باطنی پاکیزگی کو تو ظاہر کرتا ہے۔ مگر حق و باطل کے امتیاز کا معیار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ کسی کے جاگنے میں سب سے بڑا دخل تو خود جاگنے والے کا ہے۔ وہ ہی کروٹیں بدل بدل کر سونا ہے تو جگانے والا کیا کرے۔ لیکن قوم مسلم کے لیے مثالی نمونہ تو وہ ہو گا جو اسوۂ حسنہ کا پیکر شریعت کا مظہر۔ طریقت کا منبع اور سرتاپا کردار و افعال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ہو جس کے چہرے سے تقدس اسلامی کا ظہور ہو تو زبان و دہن سے انوار و تجلیات کے سوتے پھوٹیں۔ مگر ہم اقبال

کی تعریف کرنے کے لیے اقبال میں ان چیزوں کے دیکھنے کے بھی خواہش مند نہیں نہ ان فیوضات کے نظر نہ آنے کی وجہ سے ہم اقبال کے مخالف بننا چاہتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کا مفقود ہونا بھی باطل کی دلیل نہیں۔ ہمارا جھگڑا اور مقابلہ مخالفت صرف باطل سے ہے۔ اور باطل کی مندرجہ بالا چھ نشانیاں ہیں۔ ہم نے صرف یہ دیکھنا ہے۔ کہ اقبال میں یہ نشانیاں ہیں یا نہیں اور اسی کی طرف قوم کو دعوتِ غور و فکر ہے۔ سائل کے سوال میں تو یہاں تک لکھ دیا گیا ہے کہ اقبال میں برہمیت اور قادیانیت کی بُو باس ہے۔ مگر یہ سب دشمنی کی باتیں ہیں۔ ایسے دوست دشمن تو سب کے ہوتے ہیں۔ دوست چاہتے ہیں۔ کہ فرشتوں سے آگے بڑھا دیا جائے اور دشمن کوشش کرتا ہے۔ کہ ابلیس کے بھی پیچھے لگا دیا جائے۔ اسی طرح اقبال کے دوست اور دشمن ہیں۔ دوستوں نے اقبال کو غوث و قطب سے آگے مقام دے ڈالا اور لایعنی خود ساختہ خوابوں کا مراقبوں کا سہارا لے کر کہیں کا کہیں پہنچا دیا۔ تو ادھر دشمنوں مخالفوں نے اقبال کو ہندو جیسی پست ذہنیت سے مُلوث کر دیا قادیانیت جیسے غلط کار فرقے میں شامل کر دیا۔ اور صرف زبانی نہیں بلکہ کتابیں چھاپ ڈالیں۔ چنانچہ ایک کتاب بنام اقبال سب کے لیے کے ص ۷ پر لکھا ہے کہ اقبال کے پردادا کٹر ہندو برہمن تھے۔ اور اقبال نے پہلے اپنی آبائی مذہبی کتاب اپنے خاندان والوں سے وید کو پڑھا۔ نیز ص ۸ پر لکھا ہے۔ اقبال کو اپنے برہمن زادہ ہونے پر فخر رہا ہے۔ چنانچہ اس کی دلیل میں مصنف اقبال کے تین شعر مندرجہ پیش کرتا ہے۔ نمبر ا میں اصل کا خاص سومناتی، میرے آبا لاتی و مناتی ؛

نمبر ۲ میر و مرزا بہ سیاست دل و دیں باختہ اند   جز برہمن پسرے محرمِ اسرار کجا است!

یعنے تقریباً سب مسلمانوں نے دین ہار دیا سیاست میں۔ صرف اب برہمن کا لڑکا ہی دینِ اسلام کا محرم راز ہے (یعنے اقبال)

نمبر ۳ مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی   برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

ترجمہ: صرف ہندوستان میں ایک ہندو لڑکا ہی مولائے رومی اور شمس تبریزی کے رمز میں سمجھنے والا ہے اور دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہا۔ اسی مضمون کو حیات

اقبال ص ۱۱ پر ایم ایس ناز بھی لکھ رہا ہے۔ اس کتاب میں ص ۱۵ اقبال کے تیسرے دادا نو مسلمان مسمیٰ صالح اکبر نے ایک سیدزادی سے نکاح کیا۔ یہی باتیں اور مزید کچھ غلط باتیں اقبال پر تہمتاً لگائی گئیں۔ کتاب اقبال باکمال کے ص ۱۰۵ تا ص ۱۰۶ پر مصنف عظیم فیروز آبادی نے اسی طرح کی باتیں کتاب اقبال اور کشمیر میں مصنف مولف جگن ناتھ آزاد لکھتا ہے۔ ص ۴۹ بحوالہ رسالہ امرتسر البیان دسمبر ۱۹۳۹ء ص ۱۶ پر لکھتا ہے کہ سر اقبال کے والد اور بھائی شیخ عطا محمد احمدی مذہب کے تھے۔ عطا محمد آخر دم تک اسی مذہب میں رہے اور ص ۵۹ پر ہے اقبال کے والد شیخ نور محمد عرف نتھو نے ۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد کی بیعت کی اس بنا پر ڈاکٹر اقبال اور ان کے بڑے بھائی عطا محمد دونوں احمدیہ جماعت کے رکن تھے۔ بحوالہ تاریخ احمدیہ مرد دوست شہید۔ کہ جب مرزا غلام احمد سیالکوٹ میں آئے۔ ۱۹۰۴ء میں تو شہر کی بھاری تعداد نے مرزا صاحب کی طرف رجوع کیا جس سے اقبال بہت متاثر ہوئے اس کے دو برس بعد جب کسی مولوی صاحب نے مرزا صاحب کے خلاف کوئی مضمون لکھا تو اقبال نے مرزا صاحب کی حمایت میں اپنا قلم اٹھایا اور اس مضمون میں اقبال نے مرزا کو آفتاب صدق کہا۔ اور دوسرے مضامین میں مرزا صاحب کو اقبال نے عظیم ترین مذہبی مفکر کا لقب دیا۔ اور لکھا کہ درحقیقت پنجاب میں اسلامی کردار کی صحیح ترین مثال قادیانی تحریک نے پیش کی ہے۔ اور ص ۱۴۰ پر جگن ناتھ نے لکھا ہے کہ ۱۹۱۳ء تک اقبال احمدی تحریک کے سرگرم رکن رہے اس کے بعد اندرونی مناقشت نے ان کو دل برداشت کر دیا اس لیے وہ اس تحریک سے علیحدہ ہو گئے ص ۱۴۱ پر لکھا کہ اقبال احمدیوں سے صرف سیاسی مخالف ہوئے ایک دفعہ اقبال نے ایک خط میں کہا تھا کہ میں احمدیوں سے صرف انفرادی دوستی رکھتا رہا۔ جس کے جواب میں ریویو آف ریلیجنز نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اقبال نے اس لیے احمدیت چھوڑی ہے کہ گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کی قیادت سر ظفر اللہ کے ہاتھ رہی۔ حالانکہ اقبال چاہتے تھے کہ میرے ہاتھ رہے اور یہ مقام اپنے پاس چاہتے تھے۔ اسی کتاب اقبال اور کشمیر کے ص ۱۹۲

پر ہے کہ اقبال ہندو مسلم کو ایک سمجھتے تھے۔ بقول شیخ عبداللہ (سرینگر ۲۷، ۱۹۷ء روزنامہ) اور گیتا و قرآن کو ایک جیسا سمجھتے تھے۔ ایسے ہی کتاب زندہ رود مصنف جاوید اقبال ص ۸ پر ہے۔ اقبال کا آبائی وطن مصر ہے۔ اقبال صاحب کے چوتھے دادا کا نام پریم چند رشی۔ سورج مندر کے پجاری۔ رام۔ راکا معنے سکرتی زبان میں سورج۔ رام کا معنے سورج دیوتا۔ اقبال کے اس دادا کا اسلامی نام بابا لولی حاجی رکھا گیا۔ پچیسواں دادا ہری ہر منت۔ ۲ صدی قبل مسیح۔ ہرات شہر اسی کے نام سے آباد ہوا۔ گنگا کے کنارے ہری دوار تیرتھ اسی کے بیٹوں نے اس کے نام پر بنایا۔ پنڈت نہرو اور اقبال بہت قریبی رشتہ دار ہیں۔ اور بہت گہرے دوست تھے۔ مصری نسل کشمیری نومسلم بڈھا شا سلطان نے ہندو مذہبی تعلیم مسلمانوں کو سکھانے کا رواج ڈالا۔ اس بادشاہ نے مسلمان ہو کر بھی اپنا نام تبدیل نہیں کیا تھا۔ بڈھ شا اس کا ہندوانہ نام ہے۔ بت شکن نہ تھا۔ اس لیے ہندوؤں میں بھی ہر دل عزیز رہا۔ اقبال کے خاندان نے ہی اس کو مسلمان کیا اور ان کی ہی صحبت کا یہ اثر تھا۔ بابا لولی۔ نصیر الدین نومسلم کا نام ہری دت تھا اس کا مرید ہوا۔ مگر باوجود مسلمان ہونے کے ویدانتی اور فکر وجودی (یعنی ملحدانہ خود پرستی) کی تعلیمات پر عمل کرتے اور ہندو مذہب کے دلدادہ ہے اسی کتاب کے ص ۹ پر ہے بابا لولی حاجی کے پیر بھائی پچھم رشی اول و دوم تھے ان کو رشی کا نام دیا گیا جس کا معنیٰ ہے تارک الدنیا عابد۔ زاہد مسلمان ہونے کے بعد بھی ترک دنیا کی پسندیدگی اور دعوت دیتے رہے۔ پہلے اقبال کو بھی وید پڑھائی گئی۔ اسی طرح اقبال اپنے روپ میں کتاب کے ص ۲۰ پر لکھا ہے۔ اقبال نے جوانی میں قرآن مجید پڑھا۔ اور ایم ایس ناز کی کتاب حیات اقبال ص ۲۴۹ پر لکھا ہے۔

کہ اقبال اردو اور عربی کا صحیح تلفظ ادا نہ کر سکتے تھے۔ (گویا کہ قرآن مجید صحیح نہ پڑھ سکتے تھے) ق کو ک اور ح کو ہ پڑھتے تھے۔ اور کتاب اقبال اور کشمیر ص ۱۱۶ ایک خط بنام منشی سراج دین از لاہور ۱۰ اگست ۱۹۲۱ء میں نقطہ وجہ کو وجوہات لکھتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ اس سے اقبال کی

علمی قابلیت واضح ہوتی ہے یہ تھیں وہ مخالفانہ باتیں جو اقبال کی طرف منسوب کی گئیں۔ اور پھر حیرانی ہے کہ یہ سب باتیں ان کتابوں میں ہیں۔ جو اقبال کی ثنا میں لکھی گئیں۔ اور کسی جانب سے بھی اس کی تردید نہ کی گئی۔ نہ اقبال کے گھر سے نہ رُفقاءِ اقبال کی طرف سے اب اس کو کیا کہا جائے۔ نادان دوستی یا عیار دشمنی یا تاریخی حقائق جو مورخ کی ذمہ داری ہے۔ حیات اقبال ص ۶۷ پر ہے۔ اقبال مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے۔ کہ اس کو ریاکاری سمجھتے تھے۔ (گویا کہ سب نمازی ریاکار ہیں۔ اولیاء۔ علماء۔ صحابہ تابعین سب) اسی کتاب کے ص ۱۴۸ پر ہے اقبال کے زمانے میں مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ ایک گروپ کا نام۔ شفیع گروپ تھا۔ یہ گروپ رجعت پسند اور سرکار نوازی میں مشہور تھا۔ اور حکومت کی خوشامد میں بدنام تھا اقبال نے اسی گروپ کی شمولیت اور شرکت پسند کی۔ بہرحال مجھ کو اس سے غرض نہیں یہ خاندانی معاملات ہیں۔ اس سے بھی کسی کی شخصیت کا اصل چہرہ سامنے نہیں آتا۔ کیونکہ یہ حسد، حاسد بھی ہو سکتی ہے۔ احباب اور مداح بھی محبوب کی تن بلندی میں کسر چھوڑنا گوارہ نہیں کرتے۔ بزرگوں نے فرمایا کہ گمراہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ دشمنی کے گمراہ اور محبت کے گمراہ۔ یہ اندھی محبت ہی کی باتیں ہیں کہ مثنوی مولانا روم کو۔ قرآن پہلوی کا لقب دے دیا۔ کتنا بد بخت تھا وہ شاعر اور گمراہ ہوا وہ شعر والا جنے یہ شعر بنایا۔ ؎

مولوی مثنوی ومعنوی ہست قرآن درزبان پہلوی

(معاذ اللہ) ایک بد بخت بد نصیب اٹھتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ قرآن مجید کے بعد اگر کسی کلام کا درجہ ہے تو مثنوی رومی ہے۔ (حیات اقبال ص ۲۰۱) گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی اس کی نظر میں کچھ نہیں یہی وہ گمراہیاں ہیں جو دوستوں دشمنوں کی طرف سے ہوتی ہیں اور بدنام بڑوں کو کر دیتی ہیں۔ لیکن حق وصداقت کی پرکھ کرنے والا ان خرافات کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ اسی طرح ہم نے بھی فقط یہ دیکھنا غور کرنا ہے کہ اقبال میں بطلان کی نشانیاں ہیں یا حقانیت کی۔ لہٰذا جب پہلی نشانی پر غور کیا جاتا ہے۔ اور اس ضمن میں کلیات

اقبال پر فکر کی جاتی ہے۔ تو جو سامنے آتا ہے وہ قارئین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ اقبال کی ایک وہ خصوصیت جو کسی شاعر میں نہیں پائی جاتی نہ ہندی و نورانی میں نہ اُردو و ایرانی میں نہ عربی و پنجابی میں وہ ہے اقبال کی جذباتی حالت اور تندی و تیزی۔ یہ جذباتی کیفیت کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ بارگاہِ رب تعالیٰ کے احترام کا خیال بھی نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ اقبال کے شکوے کے کثیر اشعار میں سخت بیباکی کے علاوہ دیگر اشعار میں بھی بڑی سخت کلامی پائی جاتی ہے۔ ایک شعر میں کہتے ہیں۔ ؎

از تو پرسم ایں فسوں سازی کہ چہ　　با قمار بد نشیں بازی کہ چہ!
مشتِ خاک وایں سپہرِ گرد گرد　　خود بگو می زیبدش کاری کہ کرد

ان اشعار میں اقبال شاہ علی ہمدانی سے تخلیقات خداوندی پر اعتراض و تنقیدی طور پر سوال کر رہے ہیں۔ اشعار کا ترجمہ:۔ اے شاہ ہمدان میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ رب تعالیٰ کا خیر و شر پیدا کرنا جادوگری اور فریب کاری نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ برے جوئے بازکی ہم نشینی نہیں تو اور کیا ہے کہ ادھر انسان کو پیدا کیا اور ادھر سارا شیطانی لشکر اس کے پیچھے لگا دیا۔ تو خود بتا کہ اللہ کو یہ زیب دیتا ہے (بحوالہ پس چہ باید کرد۔ اور فکرِ اقبال۔ اور اقبال اور کشمیر) بال جبریل ص ۶ میں ہے۔ ؎

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک!

یعنی قیامت میں جب میرا اور اللہ کا آمنا سامنا ہوگا تو میرا جنوں یا میرا اپنا گلا پھاڑے گا یا پھر یزدان (رب) کا دامن اسی جذباتی اور غصیلی حالت میں بال جبریل ص ۹۵ پر لکھتے ہیں۔

کرے گی داورِ محشر کو شرمسار اِک دن　　کتابِ صوفی و مُلّا کی سادہ اوراقی

ترجمہ:۔ یعنی داورِ محشر اللہ تعالیٰ کو اپنے صوفیوں اور عالموں پر بڑا ناز ہے۔ لیکن ایک دن میدانِ محشر میں ان دونوں کے نامہ اعمال و اسے خالی ورقے اللہ کو خوب شرمندہ کرے گی۔ اسی طرح بال جبریل ص ۱۳۷ پر ہے ع

شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تقدیر بھی!

اس شعر میں بھی سراسر رب تعالیٰ جَلَّ مَجْدُہٗ کی گستاخی ہے۔ کیونکہ شوخ کے معنیٰ اُردو لغت میں ہیں۔ بے حیا اکڑ باز۔ شرارتی۔ خالقِ تقدیر رب کریم ہے۔ اس کی پاک ذات کے لیے ایسے جملے استعمال کرنا بہت بے باکانہ ہیں۔ بانگ درا ص ۸۸ پر لکھتے ہیں ؎

اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا   جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

یہ رب تعالیٰ کی گستاخی والے اشعار ہیں۔ کوئی کس طرح نقل کر سکتا ہے۔ شکوہ اقبال میں اس سے بھی زیادہ بری زبان استعمال کی گئی ہے۔ یہاں ہم ان کو نقل نہیں کرتے کیونکہ زبان زدِ عام و خاص ہیں۔ غالباً ان شعروں کی وجہ سے ہی ہمعصر علماءِ اسلام نے اقبال پر فتویٰ لگایا ہوگا۔ کیونکہ کوئی بہت ہی دل گردے والا انسان ان اشعار کو سننا گوارہ کر سکتا ہے۔ ورنہ عام مسلمان کا تو یہ شعر سن کر پِتّہ پھٹتا ہے۔ دل شق اور جگر زخمی ہوتا ہے۔ لیکن مجھ کو وہ فتوے نظر نہ آئے میں نے اس مضمون کی تیاری کے لیے بہت سی لائبریریاں کھنگال ڈالیں۔ مجھ کو تو صرف اقبال کے مداحوں کی کتب ہی میسر آئیں یا اقبال کا اپنا کلام میں نے جو کچھ اس مضمون میں درج کیا ہے وہ سب تقریباً تمیں موافقانہ کتابوں سے درج کیا ہے نہ کہ مخالفانہ یا معاندانہ کتب سے۔ یہی جذباتی طبیعت اقبال اپنے نصیحت آمیز شعروں میں بھی غالب رکھتے ہیں۔ چنانچہ بالِ جبریل ص ۱۶۱ پر بہت تند خوئی کے لہجہ میں رقم طراز ہیں۔ ؎

وہ خدایا یہ زمین تیری نہیں تیری نہیں   تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں

یہ زبان بالکل ویسی معلوم ہوتی ہے جیسے دو عورتیں لڑتے وقت ایک دوسرے کو ملعون کرتے ہوئے کہتی ہیں۔ کہ یہ تو تیرے باپ کی بھی نہیں۔ دوسری کہتی تو کیا تیرے باپ کی ہے۔ بالکل یہی لہجہ نسلِ مسلم کے خورد و جواں کی صلاح بندی کرتے ہوئے استعمال کیا گیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی   کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ

یعنی موجودہ نسل انسانی نری بد کردار ہے۔ اور آباء سے نہ جانے کون مراد ہیں کیونکہ آباء تو نسل دراصل والے باپ دادا کو کہا جاتا ہے۔ خود کہتے ہیں ع

میرے آباء لاتی ومناتی!

یعنی بت پرست ہندو پنڈت۔ ایک جگہ ظاہراً خود کی نسبت رکھتے ہوئے قوم مسلم کو کہتے ہیں۔ ع

گفتار کا غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

یہاں بےعمل غلط کردار والا کہا گیا ہے۔ کہیں کہا گیا۔ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاجِ تنگی داماں بھی ہے!

ایک اور جگہ قوم مسلم کا اس طرح نقشہ کھینچا گیا ؎

دامنِ دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

یعنی قوم مسلم نہ دین کی رہی نہ ملت کی۔ ایک جگہ لکھا ہے ؎

ہوگئی رسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ

یعنی زمانے کی رسواترین قوم ترکی وہندی مسلمان ہیں۔ کلاہِ لالہ رنگ سے مراد ترکی سرخ ٹوپی ہے جو اس زمانے میں مسلمانوں کا نشان تھا جب کہ ہیٹ نصاریٰ کا اور کپڑے کی ٹوپی ہندوستان کی نشانی تھا۔ گویا دنیا میں ذلیل صرف ترکی ٹوپی والی قوم ہوئی۔ آگے فرماتے ہیں ؎

ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات

ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر!

یعنی اسلامی اتحاد میں نجات ہے مگر قوم مسلم اتنی بے نصیب ہے۔ کہ اس سے بے خبر ہے اور کوئی مسلمان اس سے باخبر نہیں۔ ایک جگہ مسلم قوم کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں ؎

اے بادِ صبا! کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا قبضے سے بیچاری امت کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی

یہ اشعار بانگ درا میں ہیں۔ بال جبریل میں فرماتے ہیں ص ۵۶، ص

دل سوز سے خالی ہے نگاہ پاک نہیں ہے!

یعنی قوم مسلم کا دل برا اور نگاہ پلید ہے۔ اور ص ۶۹ پر ہے ع

تیری نگاہ فرومایہ ہاتھ ہے کوتاہ!

یعنی اے مسلم بدبخت تیری نگاہ کمینی اور تیرے ہاتھ بخیل کنجوس لفظِ فرومایہ کا ترجمہ ہے

کینہ دیکھو لغات فارسی اور کریما سعدی۔
ص ۷۶ پر کہتے ہیں۔ بتوں کو تجھ سے امیدیں خدا سے نومیدی مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے اس شعر میں قوم مسلم کو ملحد و کافر کا خطاب دیا گیا۔ یہ تو وہ اشعار ہیں جن کا مطلب و معنیٰ صرف مندرجہ ہی ہو سکتا ہے لیکن بعض حضرات نے تو علامہ کے کئی تعنیبہ اشعار پر بھی اعتراض کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ سرمہ تھا میری آنکھ میں خاکِ مدینہ و نجف

اس شعر میں لفظِ خیرہ فارسی لغت کا ہے جس کے تقریباً چودہ معنیٰ ہیں جن میں ایک معنیٰ ہے مرعوب ہونا، آنکھیں چندھیا جانا، معترضین کا کہنا ہے کہ یہ شعر تو اپنی جگہ بالکل درست ہے مگر علامہ کی زندگی اور عملی نمونہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کا پورا گھریلو معاشرہ چال ڈھال طرز لباس بود و باش پوری طرح فرنگیت اور ان کی انگریزیت سے متاثر نظر آتا ہے۔ ؎ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اس شعر پر دو طرح سے اعتراض کیا گیا ہے۔ ۱۔ یہ کہ معراج جیسے خصوصی واقعے کی اہمیت گھٹائی گئی ہے اس لیے کہ معراجِ مصطفیٰ اتنا اہم اور خصوصی واقعہ کہ اللہ تعالیٰ نے بجز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام عالم میں کسی کو یہ ہمت و جرأت والی نعمت عطا نہ فرمائی۔ ہم بشریت تو درکنار کسی اولوالعزم نبی و مرسل اور ملائکہ مقربین کو بھی حاصل نہ ہوا۔ جب کہ اقبال صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے کہ عالمِ بشریت کا ہر بشر یہ سفر و سیاحت کر سکتا ہے اور کسی کی خصوصیت نہیں یعنی مسلم غیر مسلم ہر انسان کو معراج کی مثل گردش کرنے والے آسمان کی سیاحت اور فلکیاتِ مکانی لا مکانی تک عروج و رسائی ہو سکتی ہے۔ یہ نظریہ اور سبق معراج کی گستاخی کے علاوہ آیت قرآنیہ کی تعلیم کے بھی خلاف ہے۔ دوم یہ کہ فلکیات کو گردوں کہہ کر سیارگان میں شامل کیا گیا حالانکہ یہ بھی قرآنی آیت کے خلاف ہے ایک جگہ فرماتے ہیں دم پیری رہ طیبہ گرفتم، غزل خواں از سرودِ

عاشقانہ اچو آں مرغے کہ از صحرا بر شام کشاید پر بفکر آشیانہ۔
ترجمہ: بڑھاپے کے وقت مدینہ منورہ کا راستہ پکڑا عاشقانہ طرز پر غزلیں کہتے ہوئے جس طرح جنگل میں شام کے وقت پرندہ اپنے آشیانے کی فکر میں پر کھولتا ہے۔ یہ اشعار لفظی طور پر تو بہت ہی پیارے ہیں۔ مگر عملی طور پر یہاں بھی خالی شاعری ہی نظر آتی ہے کیونکہ ڈاکٹر اقبال صاحب کبھی بھی حرمین شریفین حاضری نہ دے سکے۔ حالانکہ براستہ حجاز مقدس کئی دفعہ گزر کر لندن کا سفر کرتے رہے۔ اس کے علاوہ علامہ صاحب نے نعت گو عاشقین شعراء کی طرح کوئی مستقل نعت ایک بھی نہ لکھی صرف چیدہ چیدہ کسی شاعرانہ موج میں آکر یہ چند اشعار لکھ ڈالے واللہ اعلم بالصواب۔

ص ۱۶۲ پر ہے ع ہو تجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
یعنی مسلمان دنیا میں سب سے زیادہ نکمے کام چور ہیں۔ ص ۱۶۸ پر مسلم کو نیا خطاب ملتا ہے۔ ے

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلمان نہیں خاک کا ڈھیر ہے!

ان کے علاوہ اور بھی بہت جگہ قوم مسلم کا نقشہ ایسی طرز سے بنایا جس سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل۔ کمینے بے ہنر۔ کام چور بدکردار۔ ضمیر فروش بے دین۔ راکھ کا ڈھیر۔ سست تن آسان۔ ملحد۔ خدا سے نا امید دور۔ گندی نگاہ والا۔ بخیل۔ اندھے دل والا۔ لالچی۔ بے دین ویے ملت رسوا زمانے بھر کا۔ بنجر۔ بے چارہ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ باعث رسوائی پیغمبر بت گر۔ قبر فروش۔ جاہل۔ ظالم۔ اور یہ نقشہ کس کو دکھایا۔ کس کے سامنے پھیلایا اغیار بد باطن کے سامنے کلام اقبال کو پڑھ کر غیر مسلم کے ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کا جو حلیہ ابھرتا ہے۔ اس کا خمیازہ سب اچھے برے مسلمانوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اقبال نے یہ سب جلی کٹی بڑے ہی پیارے انداز میں سنا ڈالیں۔ اور بہت ہی اصلاحی طریقے سے قوم مسلم کو سمجھانے کے انداز اختیار کئے۔ مگر غیر مسلموں نے تو سب مسلمانوں کو ہی ان برائیوں کا حامل قرار دیتے ہوئے قابل نفرت سمجھا۔ اچھے برے کہاں نہیں ہوتے۔ مگر اقبال

نے تو کوئی چھانٹ نہیں کی اس نے تو پوری قوم ساری امت مسلمہ کو اغیار کی نگاہوں میں ذلیل بنا کر پیش کیا۔ تو کسی کو چھانٹ کی کیا مصیبت پڑی تھی۔ میں تو کہہ دوں گا کہ اقبال غمگسار قوم مصلح امت تھا۔ مگر حالات کیا بتا تے ہیں تجربہ کیا بتاتا ہے یہی کہ فرمودات اقبال کا نقصان تو یہ ہوا کہ دنیا قوم مسلم کو دھتکار نے لگی۔ اور بروں کی بھی کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔

دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ اقبال نے قوم کو برا تو خوب کہا۔ گندا ذلیل تو بنایا مگر سدھرنے کا طریقہ نہ سکھایا۔ بلکہ وہ علماء صوفیا۔ مدارس و مساجد و خانقاہ جن میں قرآن وحدیث کی دلیل دل نشین۔ جاں گداز۔ تہذیب وتمدن کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ جن کے سوا مسلمانوں کی ترقی کا اور منزل مقصود کا کوئی راستہ نہیں۔ ان سے اقبال نے دور کیا۔ کیا حضرت اقبال کو ساری دنیا میں کوئی بھی سچا مسلمان نظر نہ آیا۔ جس کی تھوڑی دیر کے لیے اقبال تعریف لب کشائی کر دیتے۔ تاکہ ہم بھی کہہ سکتے کہ اقبال حق ہیں۔ یہ بات اقبال کے سارے کلام میں نمایاں ہے کہ اقبال نے کسی بھی مسلمان کی تعریف و ثنا نہیں کی۔ نہ معلوم اس میں کیا راز تھا۔ یا کس کے اشارے پر یہ چال چلی گئی دوسری وجہ یہ کہ۔ یہ بات بھی نہایت مجرب ہے کہ کسی کو راہ راست پر لانے کے لیے محض زبانی گفتگو شعر بازی یا طعنہ زنی یا مثالیں دینے سے کام نہیں چلتا۔ شاعری سے دل خوشکن لذت اور وقتی واہ واہ تو ہو جاتی ہے۔ مگر اصلاح ہوتے آج تک نہ دیکھی۔ اگر شعراء کے دم سے قومیں سدھر سکتیں تو رب تعالیٰ انبیاء کرام کو شاعر بنا کر بھیجتا۔ اور کتب سماوی دیوان خداوندی بن کر اترتیں۔ اور مولانا رومی کو خود اپنی اصلاح کے لیے صوفی شمس تبریز کی ضرورت نہ پڑتی۔ قوم کی اصلاح تو عملی زندگی سے ہوتی ہے۔ جو اسلام اور اہل اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ سردار قوم اور میر کارواں کے لیے یہ رخت سفر سب سے زیادہ ضروری واہم ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اہل اقبال کو شاید اقبال میں نگاہ بلند۔ اور جان پرسوز تو نظر آتی ہو۔ مگر سخن دلنواز اور عملی زندگی کا تقدس ڈھونڈے نہیں ملتا۔ نہ گفتار میں نہ شکل وصورت میں پھول کی خوشبو تو تب ہی آئے گی۔ جب شکل بھی پھولوں جیسی ہو۔ جس جلیے۔

شکل وصورت ۔ رہن سہن ۔ تعلیم وتربیت ۔ آمدورفت میں اقبال نظر آتے ہیں
قوم نے اسی طرف ہی توجانا ہے ۔ یورپ کی ریل میں بیٹھ کر خاکِ طیبہ کا راستہ
تونہیں دکھایا جاسکتا۔ نہ منوایا جاسکتا ہے۔ اس مذبذب دورخی پالیسی سے
ہرشخص جان سکتا ہے ۔ کہ اقبال پہلی نشانی میں کہاں تک حق ہیں۔ باطل سے نکلنے
کے لیے کون سا راستہ ہے ۔

دوسری نشانی ، شجرِ اسلام بھی عجب پُربہار درخت ہے ۔ اور اُس کے سایۂ عاطف
میں چلنے والے قافلے بھی کمال سدا خرام ہیں کہ ہزاروں باطل آندھی وطوفان آئے
مگر ان کی استقامت ورفتارِ منزل میں فرق نہ آیا۔ باطل کا شروع سے یہ طریقہ
رہا کہ اولاً اہلِ قافلہ کو مانوس کیا اور وہی خوش کُن نغمہ سرائی کی جو ازل سے مسافرانِ
قافلہ کے دل ودماغ میں سمائی ہوتی تھی ۔ تاکہ کوئی بدظن نہ ہو۔ رواں دواں قافلہ خواہ
جانوروں کا ریوڑ ہو یا مسافروں کا جتھہ ہر قافلے کو چلانے کے لیے دو راہنماؤں کی
ضرورت ہوتی ہے ۔ ایک قائد اور دوسرا راعی ۔ قائد آگے ہوتا ہے جو راستہ بتاتا
ہے اور راعی پیچھے ۔ راعی قافلے کو چلاتا ہے اور قائد راعی کو ۔ اسلام نے بھی امت
مسلمہ کو دو رہبر عطا فرمائے ۔ علماء اور اولیاء اللہ رسول نے قیامت تک قومِ مسلمہ کو
ان ہی دونوں راہنماؤں کے سپرد فرمادیا۔ علماءِ شریعت قائدِ اسلام وشریعت ہیں۔
آگے شریعت کا راستہ بتانے والے ۔ اور اولیاءاللہ قافلے کے پشت پناہ
ہیں ۔ چل دینے والی ساری امت اولیاء اللہ کے قبضے میں ۔ اور اولیاء اللہ
علماءِ شریعت کے قبضے میں ۔ یہ قافلے جمالِ مصطفٰے کے مدینے میں بن بن کر
جلالِ کعبہ کی طرف لگاتار جارہے ہیں ۔ اور تاقیامت جاتے رہیں گے ۔ اور
شریعت وطریقت والے آگے پیچھے رہ کر باطل سے بچتے بچاتے ان قافلوں
کو لیے چلے جارہے ہیں ۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس نے قافلۂ اسلام
میں شامل ہوتا ہے ۔ وہ پہلے مدینۂ رحمت میں جائے ۔ لیکن باطل اس
قافلے کو بھٹکانا اور تباہ کرنا چاہتا ہے ۔ اس کا پہلا بھرپور وار مسافرانِ
قافلہ پر یہ ہوتا ہے ۔ کہ ان کو مانوس نغمہ سرائی کے ضمن میں سناتا ہے کہ اے
قافلے والو! تم غلط ہو۔ تباہ ہوگئے ۔ تمہارا متاعِ کارواں لُٹ گیا ہے ۔ اور

تمہارے قلبوں سے احساسِ زیاں بھی جاتا رہا ہے۔ ارے کمزور و بزدلو میری مانو میری سنو! یہ راستہ اسلام کا نہیں ہے۔ جس پر تم چل رہے ہو۔ تم نکمے ہو ذلیل ہو اور خود اسی طرح چل کر مزید ذلیل کر رہے ہو جب وہ مسافرانِ راہِ منزل جب وہ عوام کالانعام والے ریوڑ کے جانور اس دِلرُبا مانوس نغموں کے ساتھ ان طعنوں تشنوں کو سنتے ہیں۔ تو اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور سب کے کان کھڑے ہوتے ہیں۔ پوچھنے والے کچھ پوچھتے ہیں کہ ہمارا متاع کس نے لوٹا۔ ہم کو غلط راستے پر کس نے ڈالا اور ہم کیوں ہلاک ہو گئے تو باطل کا دوسرا حملہ یہ ہی ہوتا ہے کہ وہ قوم قافلہ کو بکھیرنے توڑنے اور لائن سے ہٹاتے راہ منزل سے دور کرنے کے پیچھے۔ کہتا ہے۔ کہ یہ قائد و راعی ہی تمہارے متاع کو لوٹنے والے ہیں۔ یہ ہی دونوں تم کو تباہ کر دیں گے۔ اور ان ہر دو راہنماؤں کی اتنی برائی کی جاتی ہے کہ قوم اور اہل خانہ قافلہ کے ناسمجھ شرکاء اپنے محبوبوں سے متنفر ہو کر تباہی سے ہم کنار ہوتے لگتے ہیں اقبال کی تعلیم۔ اور کلامِ اقبال کا ہر پہلو بس اسی ڈگر پر عمل پیرا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ع

لے ڈوبے تجھے منطق مُلا کے طلسمات

اقبال کی نظر میں اسلام کا ہر پہلو ہر عالم فقیہ محدث مدرسہ درس گاہ دینی۔ اور صوفی اولیاء اللہ خانقاہ نشین مجاور سب ہی بری ہیں۔ یہاں تک کہ امام دہلوی سے لے کر محی الدین عربی حافظِ شیراز۔ حضرت میاں میر خواجہ حسن نظامی سب بزرگانِ اسلام و اکابرِ دین قابلِ نفرت ہیں۔ ان سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیئے۔ دینی علم اور تصوّف سے تو اقبال کو بہت ہی چڑھ ہے کوئی کتاب۔ کوئی نظم کوئی غزل کوئی رباعی کوئی منقبت اقبال کی ایسی نہیں جس میں اقبال نے اسلام کی ان پاک بازہستیوں کو مطعون نہ بنایا ہو۔ اور جذباتی انداز میں برا بھلا نہ کہا ہو۔ ان سب کو برا کہنے کے لیے اقبال صاحب نے اولاً ایک سوچا سمجھا نشان قائم کیا۔ اور سوچی سمجھی اسکیم کے تحت۔ خودی کا مسئلہ وضع کیا۔ اور خودی بھی وہ جس کو اقبال خودی کہہ دیں۔ اور پھر اس خودی کے مسئلہ میں اقبال اتنے خودسر ہوئے۔ کہ جو ہستی پاک بھی اقبال

کے معیار میں خودی سے ہٹا ہوا نظر آیا۔ اقبال نے اس کو معاف نہ کیا اور طعناً و تشنیع سے نوازا علماء سے صوفیاء تک شریعت سے طریقت تک۔ یہاں تک کہ ولایت و نبوت کا بھی احترام باقی نہ چھوڑا حالانکہ یہ خودی نہ قرآن مجید میں موجود ہے نہ احادیثِ مطہرات میں بلکہ اس خودی کا موجد اقبال سے پہلے باطل فرقوں میں سے ایک فرقہ یزیدیہ تاریکیہ ہے۔ جس کا بانی بایزید بن عبد اللہ۔ ایران سے چلا ہند میں بھی اس کے کچھ پیروکار موجود ہیں۔ چنانچہ مذاہب اسلام کتاب ص ۵۸۰ پر ہے۔ ان کے عقائد سے بنیادی عقیدہ۔ خودی اور خودشناسی ہے۔ اس فرقے کے نزدیک خودشناس ہندو ناخودشناس مسلمان سے اچھا ہے بعینہٖ یہی نظریات اقبال کے ملتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اقبال اسی فرقے سے متاثر ہوں۔ اقبال کی یہ سب باتیں اور جذباتی مخالفتیں ہم کو اقبال کی ہی کتب سے میسر آئیں۔ چنانچہ بانگ درا ص ۱۰۱ پر ہے ؎

عجب واعظ کی دینداری ہے یارب ۔۔۔ عداوت ہے اسے سارے جہاں سے

ضرب کلیم ص ۲۲ پر ہے ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ۔۔۔ ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

ضرب کلیم ص ۲۴ پر ہے۔ بعنوان ملاءِ حرم ؎

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو ۔۔۔ تری نگاہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال ۔۔۔ تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

ضرب کلیم ص ۲۵ پر ہے ؎

آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہ ۔۔۔ وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے ۔۔۔ اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

ان تمام اشعار میں کیسی سخت غصیلی جذباتی اور مردانگی سے ہٹی ہوئی زبان استعمال کی گئی ہے۔ اور ان کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ جو غیر مسلم اغیار کی نظروں میں بھی امت مسلمہ کے رہنمایانِ قوم ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ شاعرِ مشرق کے اشعار ہیں۔ یا بھٹیاروں کی لڑائی۔ یہ تو خیر ہوئی جو دوسری طرف سے کوئی نہ اٹھ کھڑے ہوا ورنہ وہ جوتم پیتل ہوتی اور جوتیوں میں دال بٹتی کہ توبہ ہی بھلی۔ ضرب کلیم ص ۲۸ پر لکھتے ہیں ؎

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے   دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
یعنی اب جنگ نہ کرنی چاہیئے۔ اقبال نے شیخ سے مراد یا علماء یا صوفیاء لیے ہیں۔ مگر یہ ان کا اتہام ہے کسی دینی عالم نے جنگ بندی کا فتویٰ نہ دیا۔ ہاں مرزا غلام قادیانی نے فتویٰ دیا تھا لہٰذا یہ تو اقبال کو مفید تھا کیونکہ قلم کی تلوار ہی تو مسلمانوں کے خلاف اقبال نے چلائیں جس کے زخم ابھی تک ہرے ہیں۔ ضرب کلیم ص ۳۸ پر ہے ۔

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں   بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ الست

ص ۳۹ پر ہے ۔

صوفی کی شریعت میں فقط مستیِ احوال   مُلّا کی شریعت میں فقط مستیِ گفتار

ص ۴۴ پر ہے ۔

پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں   نے جدتِ گفتار ہے نے جدتِ کردار

یعنی سب لوگ مذہبی برے ہیں کہ ان کا کردار گفتار نیا نہیں وہی پرانا ہے۔
ص ۱۰۱ پر ہے ۔

زجاج گر کی دکاں شاعری و مُلّائی

یعنی مُلّائی اور شاعری شیشہ کی دکان ہے۔ جو ایک دم ٹوٹ کر تباہ ہو جاتی ہے اس لیے اس کو توڑ پھوڑ دو۔ ص ۱۵۹ پر ہے ۔

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو   وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام

یعنی نماز کے سجدے سب غلط ہیں۔ ظاہرًا دعا ہے۔ باطن میں طنز ہے۔ یہ شعر اس وقت لکھا گیا جب ایک ترکی ملحد سوشلسٹ نے مسلمانانِ ہند کی نمازوں اور لمبے سجدوں پر اقبال کے سامنے اعتراض کیا تو اقبال نے چند اشعار میں اس ملحد کو تو مردِ مجاہد اور مومنِ آزاد کا لقب دیا۔ لیکن مسلمان علماء اور نیک پاک متقیوں کو لمبے ساجد بن کو غلام کی نماز قرار دیا اور علماء کے متعلق لکھا ہے کہ ان غریب بیہودہ مُلّاؤں کو سجدہ ریزی کے سوا کام کیا ہے۔ بانگ درا ص ۱۰۴ پر ہے ۔

ابھی حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو
یہ حضرت دیکھنے میں بھولے بھالے سیدھے سادھے ہیں ؟

بانگ دراص ۱۱۱ پر ہے۔ ؎
غرور زہد نے سکھلایا ہے واعظ کو کہ بندگان خدا پر زباں دراز کرے
ارمغان حجاز ص ۲۱۵ پر لکھتے ہیں۔ بعنوان شیطان کی باتیں ؎
یہ ہماری سعی پیہم کی کرامت ہے کہ آج صوفی وملّا
ملو کیت کے ہیں بندے تمام

ارمغان حجاز ص ۲۴۸ میں ہے۔ ؎
باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری اے کشتۂ سلطانی وملائی وپیری
یعنی علمائے اسلام صوفیائے عظام کے پاس بیٹھنے والا مردہ ضمیر ہوجاتا ہے
جیسے کہ بادشاہوں کے پاس بیٹھنے والا صوفیوں، ملاؤں کے ڈنگ سے بچو۔

ص ۲۵۷ پر ہے ؎
ملا کی نظر نور فراست سے ہے خالی بے سوز ہے میخانۂ صوفی کی مئے ناب
یعنی علماء اسلام دل کے اندھے اور صوفیاء اسلام مردہ روح والے ص ۲۶۴
پر ہے ارمغان حجاز ؎
کھلا جب کتب خانۂ گل چمن میں نہ کام آیا ملا کو علم کتابی!
یعنی دین دنیا کے کسی چمن میں علماء کو قرآن وحدیث کا علم کام نہ آسکا۔ اس سے
صاف پتہ چلا کہ اقبال کے نزدیک دینی علوم بیکار بے فائدہ ہیں۔ بال جبریل ص ۴۷
پر لکھتے ہیں۔ ؎
کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے فقیہ وصوفی وشاعر کی ناخوش اندیشی
اس شعر میں ان فقہاء ملت کی گستاخی ہے جن پر اسلام ناز کرتا ہے۔
اسلامی فقہاء علماء کے درخشندہ کارنامے روشن کردار سے تو غیر مسلم بھی
متاثر اور حیرانی سے انگشت بدندان ہیں۔ بال جبریل ص ۵۲ پر ہے ؎
کیا صوفی وملا کو خبر میرے جنوں کی ان کا سر دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

ص ۷۸ پر ہے ؎
پیر حرم کو دیکھا ہے میں نے کردار بے سوز گفتار واہی
پیر حرم سے مراد قرب کعبہ میں رہنے والے اولیاء اللہ۔ یعنی ان کا عمل بے سوز

ریا کاری۔ اور ان کی باتیں فقط واہی۔ کا ترجمہ اردو لغت میں ہے۔ بکواس اسی لیے فضولیات کو واہی تباہی بکنا کہا جاتا ہے۔ ص ۱۹۶ پر ہے ؎

وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدامست ۔ یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات

یعنی صحیح مذہب والے اور ذی عقل اور باعزت لوگ تو خودی کو جاننے والے ہیں۔ لیکن مُلّا کا مذہب گدھے گھوڑے اور کوڑے کرکٹ گھاس پھوس جیسا ہے۔ شاید آپ نے اقبال کے مردانِ خود آگاہ سے مراد کوئی مومن ہی سمجھا ہوگا۔ نہیں نہیں۔ اقبال کا مردِ خود آگاہ اور خدا مست مسلمان نہیں بلکہ کچھ اور ہی ہے۔ جو آگے پانچویں عنوان میں بتایا جائے گا۔ بالِ جبریل ص ۲۰۸ پر ہے ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ۔ مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

حدیث پاک میں ہے کہ بروزِ محشر شہید کے خون سے زیادہ افضل علماءِ اسلام کے قلم کی سیاہی ہوگی۔ مگر اقبال کا دین کچھ اور ہی کہہ رہا ہے۔ کتاب باقیاتِ اقبال ص ۱۰۱ پر ۵ شعروں کی ایک نظم میں اقبال نے علماء کو بہت گالیاں دیں۔ ان میں چار شعر درج کئے جاتے ہیں۔ ذرا تند مزاجی کا اندازہ لگائیے۔ ؎

دہلی دروازے کی جانب ایک دن جاتا تھا میں
شام کو گھر بیٹھے رہنا قابلِ الزام ہے

خضر صورت مولوی صاحب کھڑے تھے اک وہاں
وعظ کہتے تھے کوئی مسلم نہ انگریزی پڑھے
ہم مسلمانوں میں ایسی مولویت عام ہے

میں نے یہ سن کر کیا ان کو مخاطب اس طرح
کفر ہے آغاز اس بولی کا کفر انجام ہے

آپ کا ہونا بھی اپنی گردشِ ایام ہے

ان اشعار کے ہر نشتر سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دینی علم اور علماء اقبال کے لیے ایک بہت بڑی بدنصیبی ہے۔ ابتدائی دور میں واقعی علماءِ اسلام نے انگریزی زبان سیکھنے سے روکا تھا کیونکہ یہ زبان صرف زبان بن کر نہ آئی تھی بلکہ پوری اسلام دشمنی کفر دوستی۔ بد اخلاقی اور مغربی گھنونی ننگی تہذیب کا پورا

لبادہ ہے کرآئی تھی اقبال اور سرسید جیسے لوگ تو اس کے جھاڑ جھنکاڑ کے مالی بنے تھے۔ جب ان کے اشاروں پر نسلِ مسلم قرآن حدیث علماء صوفیاء سے ہٹ کر انگریزیت میں غرق ہونے لگی تب ڈوبتوں کو سہارا دینے کے لیے یہ بھی کہنا پڑا کہ تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو جاہے تو جہازوں پہ اڑو چرخ پہ جھولو۔ پر ایک سخن بندۂ مسکیں کی رکھو یاد اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو۔ (اکبر الہ آبادی عاشقِ رسول) باقیات اقبال ص ۳۳۶ سے

عجیب طرز ہے کچھ گفتگوئے واعظ کا　　خدا بچائے یہ باتیں سنی نہ تھیں میں نے

(ص ۳۵۱ پر ہے۔ باقیات اقبال) سے

زاہدِ شہر کہ ہے سوختہ طبعی میں مثالی　　خشک ہے اس کو غریقِ نمِ صہبا کردیں

یعنی یہ صوفیاء لوگ کینہ پرور جلی طبیعت والے تر سے خشک ہیں باقیات اقبال میں ۶۴ پر ہے سے

ہے اندھیرے میں فقط مولوی صاحب کی نمود　　بنکے شمس العلماء چمکے ہیں جگنو کی طرح

باقیات اقبال ص ۱۵۵ پر سے

واعظوں میں یہ تکبر کہ الٰہی توبہ　　اپنی ہر بات کو آوازِ خدا کہتے ہیں

بال جبریل ص ۵۴ پر ہے سے

میرے لیے تو ہے اقرارِ باللساں بھی بہت　　ہزار شکر کہ مُلّا ہیں صاحبِ تصدیق

یعنی ایمان تو یہ ہے کہ تصدیق بالقلب بھی ہو۔ اقبال کہتا ہے مجھ کو اس کی ضرورت نہیں صرف اقرار باللسان یعنی زبانی کلمہ گوئی بہت کافی ہے۔ حالانکہ یہ اقرار مسلمان نہیں بناتا۔ ص ۵۶ پر ہے سے

سکھا دیئے ہیں اسے شیوہائے خانقہی　　فقیہہ شہر کو صوفی نے کردیا ہے خراب

بال جبریل ص ۸۷ پر ہے سے

یہ پیرانِ کلیسا و حرم اے وائے مجبوری　　صلہ ان کی کدو کاوش کا ہے سینوں کی بےنوری

یعنی بت خانے اور کعبے والے دونوں کے اعمال کردار سے سینوں کے بےنوری ہے۔ اور صوفیاء کی محنتیں تلاوتیں چلے وظیفے سب کچھ بےنوری کا سبب ہیں۔ ص ۱۰۱ پر ہے نے فلسفی سے نہ مُلّا سے ہے غرض مجھ کو یہ دل کی موت وہ

اندیشۂ وفکر کا فساد۔ ص ۱۱۲ پر ہے۔
میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہو گا مسائل نظری میں اُلجھ گیا ہے خطیب
بال جبریل ص ۱۵۹ پر بعنوان۔ مُلّا اور بہشت۔ پانچ اشعار کی نظم میں مُلّا کو کہا گیا ہے
کہ یہ جنت کے لائق نہیں ہے کیونکہ یہ ہندو، عیسائی، یہودی، سکھ سے جھگڑے کا عادی
ہے جنت میں گرجہ نہ مسجد نہ مندر نہ گردوارہ نہ کلیسا۔ اس کا وہاں کیا کام یہ تو اقبال
کا اُردو کلام ہے جو عام مشہور ہے۔ جس کو پڑھ کر قوم گمراہ ہو رہی ہے اور غیر مسلم
اسلام سے متنفر۔ ان اشعار میں اقبال نے علماء صوفیاء کو مندرجہ ذیل برے القابات
سے نوازا، بے توفیق، سب کا دشمن بے جلال۔ اندھا۔ بیکار گی نماز والا۔
بیکار اذان۔ گھٹیا امامت گھٹیا نماز۔ بے عمل۔ فضول علم دین والا۔ بکواسی بہانے
باز۔ بزدل۔ سجدے غلط۔ غریب۔ بیہودہ۔ مفت خور۔ مکار۔ باطن خراب مغرور
متکبر زبان دراز۔ دل کا اندھا۔ روح مردہ۔ ڈھنگ مارنے والا۔ بڑا غرق کرنے
والا۔ اب ذرا اقبال کا۔ فارسی کلام ملاحظہ فرمایئے۔ چنانچہ پیام مشرق ص ۶۷ پر
فرماتے ہیں ؎

بہ علم غرہ مشو کار مے کشی دگر است فقیہ شہر گریبان و آستین آلودا

توجمہ۔ اے اسلام کے فقیہِ شہر تو اپنے علم پر مغرور مت ہو شراب نوشی
دوسرا کام ہے تو نے گریبان اور آستین کو آلودہ کیوں کر لیا۔ ارمغان حجاز ۹۳ پر
ہے ؎

متاعِ شیخ اساطیرِ کہن بود حدیثِ او ہمہ تخمین و ظن بود!
ہنوز اسلامِ او زنار دار است حرم چوں دیر بود او برہمن بود

توجمہ :۔ یہ مولوی اور صوفی اس کا سارا دینی سرمایہ پرانے قصے کہانیاں ہیں (یعنی
صحابہ و تابعین۔ قرآن و حدیث کی) اس کی حدیث اور روایتیں سب اندازے
اور توہمات ہیں۔ اس کا اسلام کفر والا ہے اور اس کا حرم شریف بتخانہ کی طرح
اور یہ خود ہندو برہمن کی طرح ہے۔ ارمغان حجاز ۶۵ پر ہے ؎

دلِ مُلّا گرفتارِ غمے نیست نگاہے ہست در چشمش نمی نیست
ازاں بگریختم از مکتبِ او کہ در ریگِ حجازش زمزمے نیست

سرِ ممبر کلاہش نیشدار است   کہ او را صد کتاب اندر کنار است

ترجمہ :۔ مولوی کا دل بالکل غمِ آخرت سے خالی ہے۔ اس کی آنکھیں تو ہیں مگر اس میں حیا یا خوفِ خدا کے آنسو نہیں ہیں۔ میں دینی مدرسوں اور فقہ حدیث تفسیر کی تعلیم سے اسی لیے بھاگا ہوں۔ کہ اس کے عربی ہیتے ہیں زمزم نہیں ہے۔ ممبر پر اس کی تقریر ڈنگ ہے۔ کیونکہ اس کو اپنی گود کی صد کتابوں پر غرور ہے۔ ارمغان حجاز ص ۹۰ پر ہے۔ سہ

حقیقت را بہ رندے فاش کردند   کہ مُلا کم شناسد رمز دیں را!

ترجمہ، اللہ تے اپنے سارے راز رند کو بتا دیئے کیونکہ مولوی دین کی رمز اور بھید کو بہت کم پہچان سکتا ہے۔ یہ اقبال کی مغرورانہ خودستائی و خود نمائی ہے۔ کہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ ولی اللہ سمجھتا ہے۔ ص ۱۰۰ پر ہے سہ

گرفتم حضرتِ مُلا ترش روست   نگاہش مغز را نشناسد از پوست

ترجمہ۔ میں تے مانا کہ مولوی بڑے غصہ والا کھٹے چہرے والا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ بیوقوف مغز اور کھال کو نہیں پہچان سکتا۔ ص ۱۰۱ پر ہے سہ

بہ بندِ صوفی و مُلا اسیری   حیات از حکمتِ قرآں نہ گیری!

ص ۱۰۲ پر ہے۔

زمن بر صوفی و مُلا سلامے   کہ پیغامِ خدا گفتند ما را
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت   خدا و جبرئیل و مصطفٰے را

ص ۱۰۳ پر ہے سہ

ز دوزخ واعظِ کافر گرے گفت   حدیث خوشتر از دے کافرے گفت

ترجمہ، اے مسلمان تو صوفی اور مولوی کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ اس لیے تو قرآن کی حکمت نہ لے سکے گا۔ میری طرف سے صوفی اور مُلا کو دور سے سلام جو کہ خدا کا پیغام ہم سے کہتے ہیں۔ لیکن اس کی تاویل ایسی کرتے ہیں۔ کہ خدا جبرئیل اور مصطفٰے حیرت میں ہیں۔ واعظ ہر ایک کو کافر بنانے والا جو دوزخ سے اس تے کہا۔ اس سے اچھی بات تو کافر کہہ لیتے ہیں۔ ص ۱۳۸ پر ہے سہ

بیک مسجد دو مُلا می نگنجد   ز افسونِ بتاں گنجد بیک دیر

ترجمہ: ملا کے مولوی ایک مسجد میں دو نہیں ٹھہر سکتے۔ بت پرست ایک بت خانے میں بہت ٹھہر جاتے ہیں۔ ص ۱۴۴ پر ہے ؎

مباش ایمن ازاں علمے کہ خوانی   کہ از وے روحِ قومی میتواں کشت

مت ہو مطمئن اس علم سے جو تو پڑھتا ہے کہ اس سے ایک قوم کی روح ہلاک کی جاسکتی ہے یعنی دینی علم ؎

کسے کو لا الٰہ را در گرہ بست   ز بندِ مکتب و ملّا بروں جست

ترجمہ: جس نے لا الٰہ کو دل میں جمایا۔ وہ مدرسوں اور مولویوں سے دور بھاگا۔ ص ۱۴۳ پر ہے۔ ؎

باں دین و باں دانش میرداز   کہ ازمانی بر د چشم و دل دوست

اے مسلمان اس دین میں اور اس عقل میں مشغول مت ہو کیونکہ یہ دین ہم سے عقل کی آنکھیں۔ دل اور ہاتھ لے جائے گا۔ اور تو بھی دین میں آکر اندھا کوڑھی بن جائے گا۔ ص ۱۵۶ پر ہے ؎

مرا کافر کند اندیشۂ رزق   ترا کافر کند علم کتابی

ترجمہ: مجھ کو کافر کیا رزق کی فکر نے اور اے مولوی تجھ کو کافر کیا تیرے کتابی علم نے ص ۱۵۷ پر ہے ؎

مرا یاد است از دانائے افرنگ   بسا رازے کہ از بود و عدم گفت

ترا دیلاتِ ملّایاں نکوتر   نشستن با خود آگاہے دمی چند

ترجمہ: مجھ کو عقل کے بادشاہ انگریز محبوب کے بہت سے وہ اسرار جو اس نے مجھ کو ہستی کائنات یا لا الٰہ کے بارے سمجھائے تھے یاد ہیں۔ ملاؤں مولویوں کی تفسیر قرآن سننے سے تو کہیں زیادہ اچھا ہے اس جیسے انگریز خود آگاہ کے پاس چند منٹ بیٹھنا۔ یہ تھے اقبال کے فارسی زہریلے خنجر۔ جو انہوں نے قوم مسلم کے سینے میں گھونپے۔ ان اشعار میں جو کچھ مفکر اعظم حضرت شاعر مشرق نے فرمایا۔ اس کا خلاصہ اور منشا یہ ہے۔ کہ ہندو اچھا مولوی برا۔ انگریز عقل والا مولوی بے وقوف مندر اچھا مدرسہ برا۔ دین کی تعلیم نقصان دہ اندھا کوڑھی کرنے والی۔ یہ سب اشعار تقریباً تہتر ہیں گویا کہ اقبال صاحب نے علماء صوفیاء کے خلاف اسلام اور

تعلیم اسلام کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکانے کے لیے پورا ایک مستقل دیوان لکھ ڈالا ابھی مزید اشعار موجود ہیں۔ گویا کہ اقبال کا سارا تفکر اور محرم رازی اسی میں تھی کہ قوم مسلم کو علماء صوفیاء علم مدرسہ اور اسوہ حسنہ سے متنفر اور دور کیا جائے۔ اقبال کا زیادہ کلام اسی قسم کا ہے۔ اور یہی باطل کا حملۂ اوّل ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کو رب تعالیٰ نے دو محافظ عطا فرمائے صوفیاء اسلام جو مثل راعی کے ایک لڑی میں پرونے والے ہیں اور علماء دین جو قائدین بن کر دشمنی بھیڑیوں کو روکنے والے ہیں۔ چونکہ راعی اپنے ریوڑ سے کسی جانور کو نکلنے نہیں دیتا اور قائد کسی دشمن کو اندر آنے نہیں دیتا۔ اس لیے باطل سمجھتا ہے کہ میری رکاوٹ یہی علماء اور صوفیاء ہیں تبھی وہ ان دونوں گروہوں کے خلاف سب وشتم بلند کرتا ہے۔ رہا عوام کا دلدادگانِ اقبال بنا تو یہ بھولی بھیڑوں کا شروع سے کام ہے جس شکاری نے چاہا۔ ان کو شکار کر لیا یہ تو بھیڑیے کو بھی ہم جنس سمجھ لیتے ہیں اب یہ دانشور فیصلہ کریں گے کہ کلام اقبال میں بطلان کا دوسرا۔ اور تیسرا نشان پایا جاتا ہے یا نہیں۔ یہ باطل کا تیسرا نشان ہے۔ ایک نظم میں اقبال صاحب لکھتے ہیں ؎

اس عہد میں مُلاؤں نے دیں بیچا افسوس — یہ طوقِ غلامی یہ تیری فطرتِ آزاد
اک لقمۂ روٹی کے لیے قرآں کی آیات — لے ڈوبے تجھے منطقِ مُلا کے طلسمات
لِلّٰہ گریبان میں منہ ڈال کے دیکھو — جینے کے یہ ساماں ہیں کہ مرنے کی علامات

ان اشعار میں قوم مسلم اور علماءِ اسلام کو سخت جذباتی اور غصیلے انداز میں گالیاں دی گئی ہیں۔ اور پھر قارئین خود غور فرمائیں کہ اقبال نے برا تو سب کو کہا مگر کوئی منزل کوئی راستہ کوئی سبق نہ دیا۔ گویا نشتر تو چبھویا مگر مرہم نہ رکھا اس لیے کہ مرہم اس کے پاس تھا ہی نہیں۔ اقبال صاحب حافظ شیرازی کے متعلق لکھتے ہیں۔ اسرار خودی پرانا نسخہ ص ۲۷۔ اب یہ تبدیل کر دیا گیا ہے کسی خوف سے ؎

بے نیاز از محفل حافظ گذر — الحذر از گوسفنداں الحذر!
ہوشیار از حافظِ صہبا گسار — جامش از زہرِ اجل سرمایہ دار

ترجمہ:۔ اے مسلمان حافظ شیرازی کی محفل سے دور بے پرواہ ہو کر گزر جا۔ ان بدنصیب بھیڑوں سے پرہیز کر اور بچ کیونکہ یہ اوندھی اور حماقت کی چال میں پڑا ہوا ہے۔ اس کا جام موت کے زہر سے بھرا ہوا ہے۔ حافظ شیرازی جو اسلام کے عظیم مصلحین میں سے ہیں ان کو اقبال غیروں کے سامنے اس طرح ذلیل کر رہا ہے اقبال صاحب نے پہلے اکبر الہ آبادی،، کا تعزیت نامہ پیام مشرق میں چھاپا تھا پھر اس لیے نکال دیا کہ حضرت اکبر الہ آبادی علماء کے ہم شکل اور صوفیاء کے ہمنوا اور مدح سرا تھے رباعیات اقبال ۲۳۹) اسرار خودی ص ۷۹ پر ہے۔ سہ

واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست　　اعتبار ملت بیضا شکست
واعظ ما چشم بر بُت خانہ دوخت　　مفتیِ دینِ مبین فتویٰ فروخت

ترجمہ:۔ واعظ اور صوفی سب کرسی اور نوکری کے اور عزت کے بچاری ہیں ملت بیضا کا اعتماد توڑ دیا۔ ہمارے واعظ نے بت خانے پر نگاہیں سی لیں دین مبین کے مفتی نے جھوٹے فتوے دے کر دولت خریدی۔ یہ اشعار حقیقت کے بالکل خلاف اس لیے کہ علماء ربانی کبھی نہ بکے نہ جھوٹے فتوے بیچے ہاں جھوٹوں نے لبادۂ علماء بہت دفعہ پہنا مگر ذی عقل نے ایسے بہروپیوں سے کبھی دھوکا نہ کھایا مگر اقبال کی نظر میں تو سب ہی یکساں ہیں جاوید نامہ ص ۸۷ پر ہے سہ

دینِ حق از کافری رسوا تراست　　ز انکہ مُلاّ مومنِ کافر گر است
بے نصیب از حکمت دین نبی　　آسمانش تیرہ از بے کوکبی!
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گو　　ملت از قال اقولُ فرو فرو!
مکتب و مُلاّ کہ اسرار کتاب　　کور مادر زاد و نور آفتاب
دین کافر فکر تدبیر جہاد　　دین مُلاّ فی سبیل اللہ فساد

ترجمہ:۔ اسلام کافری سے زیادہ ذلیل ہے۔ اس وجہ سے کہ مُلاّ مولوی مومنوں کو کافر بنا رہا ہے۔ نبی کے دین کی حکمت سے بے نصیب ہے۔ اس کا آسمان تاریک ہے۔ کیونکہ وہاں ہدایت کا کوئی ستارہ نہیں۔ کم نگاہ اور اندھی طبیعت والا اور بکواسیں کرنے والا۔ ملت اسلامی اس کی شرح اور فقہ کے قَالَ اَقُولُ

سے ٹکڑے ٹکڑے ہے۔
دینی مدرسہ اور مولوی اور کتاب اللہ کے اسرار ایسے ہی ہیں جیسے پیدائشی اندھے کے سامنے نور آفتاب۔ دین کافر اچھا ہے جو اللہ کے لیے جہاد کرنے کی تدبیر کے فکر میں ہے لیکن مُلا کا دین اس طرح کا مقابلہ کر کے اللہ کے راستے میں فساد ہے۔ یہ تو اقبال کے اشعار تھے جن میں علماء صوفیاء مدارسِ دینی مسلم قوم۔ فقہ۔ اور دینی تعلیم کو اقبال نے سبّ وشتم کیا اب نثریات اقبال ملاحظہ ہوں۔ کتاب اقبال اور کشمیر مصنف جگن ناتھ آزاد ص ۱۱۱۔ اقبال کا خط بنام محمد الدین فوق از لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۲۵ء کچھ مضمون یہ ہے۔ کیا یہ وہ تصوف ہے۔ اور وحدۃ الوجود کا مشرکانہ عقیدہ ہے۔ جس پر خواجہ حسن نظامی اور میاں میر وغیرہ کو ناز ہے۔ یہی ان لوگوں کی گھٹیا طریقت ہے۔ میں آئندہ بتاؤں گا کہ تصوف کہاں سے آیا۔ ۴۶ پر دوسرا خط از لاہور آٹھ جون ۱۹۱۷ء کچھ مضمون یہ ہے۔ عربی اسلام ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے ص ۱۲۲ پر ہے ۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء ایک تیسرا خط۔ کچھ مضمون اس طرح ہے۔ مثنوی حصہ اول میں تصوف کی خرابیاں لکھ دی گئی ہیں۔ لیکن دوسرے حصہ میں بتاؤں گا کہ تصوف کیا ہے اور کہاں سے آیا۔ یہ وہ اسلام نہیں جو نبی کریم کے منہ سے ظاہر اور شائع ہوا۔ کتاب فکر اقبال مصنف سردار احمد بیگ ص ۶۴۔ اقبال کے ایک اخباری مضمون کا کچھ حصہ۔ تصوف اور وحدتِ وجود خودی کی موت ہے۔ اس لیے کفر ہے۔ اس جگہ یہ شعر اقبال کا درج ہے ۔

منکرِ حق نزدِ مُلا کافر است　　منکرِ خود نزدِ من کافر تر است

ترجمہ:۔ مولوی کے نزدیک اللہ کا منکر کافر ہے۔ لیکن میرے نزدیک خودی کا منکر زیادہ کافر ہے۔ یعنی اقبال کے نزدیک اللہ کا منکر زیادہ کافر نہیں۔ کتاب روح اسلام اقبال کی نظر میں۔ مصنف ڈاکٹر غلام عمر خان۔ ناشر نیشنل بکڈپو حیدر آباد دکن ص ۱۲ پر اقبال کے اخباری مضمون کا کچھ حصہ عہد راشدین کے بعد منکرین اسلام کی نظروں سے اسلام پوشیدہ رہا اسلام کو صحیح کسی نے نہ سمجھا۔ گویا کہ امام اعظم۔ غوث اعظم جیسی بزرگ ترین ہستیوں نے بھی اقبال کے

خیالات میں اسلام کو نہ سمجھا ص ۱۲ پر ہے۔ اسلام کی مروّجہ تعبیر و تفسیر میں اسلام
کی حقیقی روح مفقود ہے۔ اسلام کی موجودہ حالت مسخ اور مسخ شدہ ہے۔ یہ
تھے کچھ اقبال کے نثری مضامین۔ یہی آج کا پرویز کہتا ہے کہ صوفی و مُلّا کا اسلام
صحیح نہیں پرویز نے بھی اپنی کتاب تصوّف کی حقیقت میں لکھا ہے کہ تصوّف نے
روحِ اسلام کو مسخ کیا۔ جس خودی میں اقبال بھٹک رہا ہے وہی خودی، زرتشت
اور فشتے کی ہے۔ گویا کہ اقبال۔ زرتشت۔ نٹشے۔ پرویز۔ سب ایک ہی شکلیں ہیں
ص ۱۲۸ پر ہے۔ اقبال لکھتے ہیں۔ محی الدین ابن عربی کا تصوّف اور فصوص الحکم کے
اسباق نقصان دہ ہیں۔ اور کفر کی طرح نقصان دہ۔ اور اسلام کے خلاف ص ۱۲۹ پر
ہے تمام صوفیاء اسلام کا تصوّف غیر اسلام ہے۔ اسلام میں تصوّف اجنبی ہے ص ۱۳۰
پر ہے اقبال تصوّف کے قائل ہیں مگر اسلام میں مروّجہ تصوّف کے خلاف ہیں ص
۱۳۱ پر ہے تصوّف بدقسمت نام ہے۔ اسلامی تصوّف اور خانقاہیت روباہیت
(یعنی مکاری دغابازی) ہے ص ۱۳۲ پر ہے صوفیاء اسلام نے جس مسلک اسلام
کی تلقین کی ہے۔ اور جس کے نمونے خود ان کی زندگیاں ہیں وہ بدھ مت سے
زیادہ قریب ہیں (نعوذ باللہ) ص ۱۳۹ پر اقبال کا ایک دراز مضمون ہے جس
کے چیدہ چیدہ نکات نمبر ا مسلک تصوف نے اسلام کو نقصان پہنچایا ۲ گوش و
چشم کو بند کرنا اور چشم باطن پر زور دینا ایک بیکار و لاحاصل فعل ہے۔ ۳ کرامتیں
غلط ہیں ۴ نٹشے اور رومی کا ایک مسلک ہے۔ ۵ ص ۱۴۶ پر ہے۔ اسلام
کی نمازیں بے جان۔ ورد و وظائف نے اسلام کی روح قبض کر لی۔ خانقاہیت
مکر کا جال ہے۔ روباہیت ہے۔ مسلم قوم کی پسماندگی کا سبب سائنسی علوم
نہ سیکھنا اور تصوّف میں گھس جانا۔ (یعنی مسجدوں اور خانقاہوں میں جانا) یہ ہی
قوم کی تباہی اور پسماندگی ہے۔ ۷ ص ۱۴۸ اقبال کی روح صوفی و مُلّا کے اسلام
سے بغاوت کرتی ہے ص ۱۵۲ پر ہے صوفی و مُلّا کا اسلام شیطانی اور ابلیسی
ہے۔ ص ۱۵۴ پر بالِ جبریل کے شعر ہیں۔ کہ ابلیس اپنے شاگردوں سے کہتا
ہے۔ ان مسلمانوں کو سہ

مست رکھو ذکر و فکر و صبح گاہی میں اسے پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی سے اسے

گویا کہ اقبال کے نزدیک اولیاء اللہ اور مسلمانوں کا صبح اور تہجد کا ذکر و فکر۔ اور خانقاہوں میں بیٹھ کر عبادت الٰہی کرنا شیطان کی تعلیم ہے۔ اور ابلیس کا حکم اور وسوسہ ہے واہ واہ کیا الٹی گنگا ہے۔ جو باتیں اقبال کے کلام سے ظاہر ہو رہی ہیں بالکل وہی باتیں اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کے عقائد میں تھیں۔ اکبر بادشاہ بھی علماء حق اور اولیاء کا دشمن فقہ احادیث و تفسیر کا مخالف اور دنیوی علوم نجوم فلکیات و طب کا حامی بالکل اسی روپ میں اقبال ہے۔ آج کے دور کے لوگ دل کو تسلی دینے کی غرض سے کہہ دیتے ہیں کہ اقبال نے ہم کو برا نہیں کہا بلکہ علماء سوء۔ اور غلط صوفیوں کو برا کہا ہے سنی یہ کہہ کر خوشیاں منا لیتے ہیں کہ اقبال نے وہابیوں کو برا کہا ہے اور وہابی یہ سمجھ کر دل بہلا وا کر لیتے ہیں کہ بریلویوں کو برا کہا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے سب کو برا کہا۔ اقبال کسی کا مخلص نہیں۔ اقبال کے نظریات کے مخالفت ہو کر کوئی عالم صوفی عام مسلمان وہابی سنی۔ دیوبندی۔ یہاں تک کہ نماز۔ سجدے۔ ورد۔ اور مدرسے خانقاہیں سب بری۔ لیکن اقبال کا ہمنوا وہابی بھی اقبال کا پیارا۔ چنانچہ کتاب اقبال اور کشمیر ص ۲۰۳ پر ہے۔ اقبال انور شاہ کشمیری کے بہت مداح تھے۔ اس کو ملا زادہ ضیغم لولابی (علاقہ لولاب کا جوان شیر) کا لقب دیا۔ اسی کتاب کے ص ۶۹ پر ہے۔ اقبال نے ۱۹ دسمبر ۱۹۲۲ء کو ایک خط بنام فوق از لاہور لکھا جس کا کچھ مضمون اس طرح ہے۔ مولوی عبداللہ غزنوی مرد مجاہد ہے۔ اسلام کا منکر ہے۔ توحید و سنت کا علمبردار ہے۔ ساری عمر بدعت کے خلاف جہاد کیا (یہ خط بحوالہ کتاب انوار اقبال سے درج ہے) حالانکہ عبداللہ غزنوی نبی کریم رؤف و رحیم صلے اللہ علیہ وسلم کا سخت ترین دشمن اور گستاخ وہابی تھا کشمیر میں سب سے پہلا گستاخ رسول پاک یہی گزرا ہے اگر اقبال صرف علماء سوء کے ہی مخالف ہوتے تو چاہیئے تھا کہ سچے اور حق پرست علماء کی شان بھی بیان کرتے۔ کیا اقبال کو دامن اسلام میں۔ امام اعظم۔ امام احمد بن حنبل۔ امام مالک۔ امام شافعی جیسے مجاہدین اور غیرت ایمانی والے یہ ائمہ بادشاہوں سے ٹکرا جانے والے یہ سنگلاخ قلعے۔ اور غوث اعظم۔ خواجہ نقش بند جیسے سدا بہار پھول نظر نہ آئے۔

یا کم ازکم اپنے دور کے مجاہدین۔ امام فضل حق خیر آبادی۔ امیر ملت حضرت اعلیٰ گولڑوی یا مجدد بریلوی جیسے غیرتِ ایمانے والے دکھائی نہ دیتے۔ مگر چونکہ یہ انگریزحکومت کے مخالف تھے اور نعرۂ حق کے بدلے کالے پانی جزائرِ انڈیمان کی جیلیں قیدیں برداشت کرنے والے اسیرانِ باصفا تھے لہٰذا اقبال کی نظرِ تحسین میں کس طرح آتے اور اقبال صاحب کو (سر) کا خطاب انگریزوں سے کیسے ملتا۔

باطل کی چوتھی نشانی ؛ حضرت اقبال کی نظریاتی تربیت اور ان کے ہی منظوم کلام سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ اقبال احادیث رسول کے خلاف محدثین کو برا سمجھنے والے ہیں چنانچہ اقبال کی کتاب اسرار خودی ص ۱۴۲ پر ہے ؎

واعظِ داستان زن افسانہ بند   معنیٔ او پست وحرفِ او بلند
از خطیب و د.یلمی گفتارِ او   با ضعیف وشاذ ومرسل کارِ او
از تلاوت بر تو حق دارد کتاب   تو ازو کامی کہ مے خواہی بیاب

ترجمہ :۔ یہ اسلام کے واعظین افسانہ بتانے والے اور عورتوں کی طرح جھوٹی سچی کہانیاں سنانے والے۔ کہ الفاظ تو بڑے دلچسپ ہیں مگر ان کے معنیٰ بڑے ہی پست اور جھوٹے ذلیل ہیں۔ محدث خطیب اور محدث دیلمی کی طرف سے اس کی باتیں ہیں۔ ضعیف اور شاذ اور مرسل حدیثوں میں ہی پھنسا ہوا اس کا کام ہے۔ حالانکہ تجھے حدیثوں سے کیا کام مسلمان کے لیے تو قرآن ہی کافی ہے تیرا جو بھی مقصود ہے وہ قرآن سے ہی پالے گا۔ ان حدیثوں کی کیا ضرورت ہے تجھے اقبال کی نظریات احادیثِ رسول اللہ کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ؎

یہ امت روایات میں کھو گئی   حقیقت خرافات میں کھو گئی

(بال جبریل ص ۱۶۷) اس شعر میں روایتوں۔ حدیثوں کو خرافات کہا گیا۔ اور امت مسلمہ کو احادیث ماننے کا طعنہ دیا گیا ہے کیا اس سے بڑا بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان ہو کر اپنے آقا رسول پاک کی احادیثِ مطہرات کو خرافات جیسے بیہودہ لفظ بولے اقبال مسلمان کی جنت کے بھی خلاف ہیں۔ چنانچہ جاوید نامہ ص ۱۳۹ پر ہے۔

جنتِ مُلّا مئے و حور و غلام جنت آزادگاں سیر دوام
جنت مُلّا خور و خواب و سرور جنتِ عاشق تماشاءِ وجود
حشرِ مُلّا شقِ قبر و بانگِ صور عشق شور انگیز خود صبح نشور

ترجمہ: مولوی کی جنت شراب طہور و حور غلمان ہیں لیکن آزادوں کی جنت یہ نہیں ہے بلکہ دائمی سیر، مولوی کی جنت۔ جنتی کھانا، سونا۔ اور سرور ہے۔ عاشق کی جنت وجود کا تماشا۔ مولوی کا یوم حشر قبروں کا شق ہونا۔ اور صور اسرافیل کی آواز لیکن عشق کا حشر یہ نہیں اقبال نے یہاں ان عقائد اور حقائق کا انکار کر دیا۔ جن کا ذکر صاف صاف قرآن مجید میں ہے۔ کتنی آسان اور نرم بات ہے کہ مولوی کا نام لیتے جاؤ اور پورے اسلام قرآن کعبے، نماز، روزے حشر نشر کا انکار کرتے چلے جاؤ اور پھر بھی مسلمان کے مسلمان ہی رہو۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ اقبال تو نبوت کی شان کے بھی منکر ہیں۔ چنانچہ ضرب کلیم ص ۵۶ پر لکھتے ہیں ؎

وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

یہاں حضرت عیسٰی علیہ السّلام مراد ہیں۔ اور ان کی نبوت کو بے قوت یعنی کمزور لاغر بے رونق۔ منحوس نقصان دہ اور برگ حشیش افیم کے پتے کے کفریہ الفاظ کہے گئے ہیں اسی طرح کتاب روح اسلام ص ۳۸ ا پر اقبال کے ایک مضمون میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو بزدل اور عورت کہا۔ اور جرمنی شاعر نٹشے کا فر کی عبارت اپنی تائید میں اس طرح لکھتا ہے اور اس کفریہ عبارت کو تلخ حقیقت کا لقب دیتا ہے۔ بحوالہ نٹشے کافر کی عبارت جوائے فل وزدم ص ۱۹۷ پر ہے یہ ضروری نہیں کہ ایک انسانِ اعظم مرد بھی ہو سکتا ہے۔ وہ صرف ایک عورت ہو مثلاً یسوع مسیح، یہ ہیں اقبال کے خیالات و عقائد اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اسکی بیہودہ خودی جہاں اس کو نظر نہیں آتی بس اسی کا منکر ہے چنانچہ لکھتا ہے۔ بال جبریل ص ۱۷ پر ؎

شیر مردوں سے ہوا بیشۂِ تحقیق تہی رہ گئے صوفی و مُلّا کے غلام اے ساقی

ارمغانِ حجاز ص ۲۶۷ پر ہے۔

تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کہ میخانہ

کتاب روح اسلام ص ۱۳۹ پر اقبال کے مضمون میں حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام

کی باتوں کو مکر اور فسوں کہتے ہوئے یہ مصرعہ درج ہے۔ رائے بے قوت ہمہ مکر و فسوں ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گستاخی اس طرح کی گئی ہے ۔باقیاتِ اقبال ص ۱۶۴ پر ہے۔

طور پر تو نے جو اے دیدۂ موسیٰ دیکھا وہی کچھ قیس نے دیکھا پس محمل ہو کر

شان کلیمی کی کتنی عظیم بے ادبی ہے کہ کس کو برابر کھڑا کیا گیا ہے۔ یہ تھا اقبال کے ایک سو پارہ اشعار کا مجموعۂ کلام جس میں اقبال نے سب ایمانیات سے دشمنی کا اظہار کیا ہے ۔یہ اقبال کا ایک رخ تھا ۔اب اقبال کا دوسرا رخ محبت ، پیار ، الفت دوستی تعظیم و تکریم والا ملاحظہ ہو تا کہ معلوم ہو کہ اقبال کو محبت پیار کس سے ہے۔ مندرجہ بالا سطور میں یہ تو پتہ لگ گیا کہ اقبال کو دشمنی کس کس سے ہے۔

باطل کی پانچویں نشانی: اقبال خود اپنی نظر میں۔ اقبال صاحب بانگ درا ص ۰۵ پر ایک پڑوسی کی باتیں اپنی ایک ۲۷ شعری نظم میں لکھتے ہیں۔ اس میں اس پڑوسی کو عالم دین اور پیر طریقت ظاہر فرماتے ہیں ۔صرف اس لیے تاکہ علماء شریعت اور بزرگان طریقت کے خلاف مزید خامہ فرسائی کا موقعہ مل سکے ۔حالانکہ بھاٹی گیٹ کے دائیں جانب دکانوں کے اوپر بالا خانوں میں کرائے دار پڑوسی نہ کوئی مولوی تھے ۔نہ پیر بلکہ ایک مسلمان بارلیش معزز پروفیسر تھے ۔عربی کے جیسا کہ کتاب نذر اقبال ص ۴۴ پر مصنف محمد حنیف شاہد نے اسی نظم کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ۔اس نظم کے ابتدائی چار شعر اس طرح ہیں۔

اک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی تیزی نہیں منظور طبیعت کی بتانی

شہرہ تھا بہت آپ کی صوفی منشی کا کرتے تھے ادب ان کا اعالی و معالی

اس نظم میں اقبال صاحب اپنی زبان میں مولوی صاحب کا نقشہ کھینچتے ہیں ۔اور مولوی صاحب کی زبان میں اپنا کھینچتے ہیں ۔مولوی صاحب کی حالت کچھ اس طرح ہے اقبال کی نظر میں مولوی صاحب پڑوسی ہیں ۔بہت مشہور ۔لوگ ان کا ادب کرتے تھے ۔شریعت اور تصوف کو ساتھ ساتھ سمجھتے تھے ۔بہت زاہد تھے اور بہت مغرور تھے ۔خود کو بہت بڑا عالم ۔ہمہ دانی یعنی سب کچھ جاننے کا گمان رکھتے تھے

اپنی کرامتیں بتاتے پھرتے تھے۔ تاکہ مریدوں کی تعداد بڑھے ہر ایک کو شریعت کی راہ بتاتے پھرتے تھے۔ اقبال کے بارے میں مولوی صاحب کے نظریات۔ اقبال شمشادِ معانی کے پھولوں کی بلبل ہے۔ اقبال کی جوانی سحر کی طرح بے داغ ہے۔ رندی بھی جانتا ہے تصوف میں بھی مہارت ہے اور شریعتِ قرآن وحدیث بھی پوری جانتا ہے۔ لیکن شریعت کا پابند نظر نہیں آتا۔ اقبال ہندو کو کافر نہیں سمجھتا اقبال تفضیلی شیعہ بھی ہے۔ حسن فروشوں سے یعنی رنڈیوں طوائفوں سے شرم وعار نہیں رکھتا۔ رات بھر تلاوت۔ صبح کو کانا مجرا کرتا ہے۔ مذہب کی خاک اڑانا چاہتا ہے۔ اس کو فلسفہ نے بے راہ کیا ہے۔ ہم کو تو اقبال کی سمجھ نہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ مولوی صاحب نے تو شاید اتنی باتیں کی ہوں۔ یا نہ مگر اقبال نے دنیا کو بتا دیا کہ مخالف بھی مجھے میرے علم سے مرعوب ہیں۔ حالانکہ علم شریعت وقرآنی سمجھ کا یہ حال ہے کہ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کو اپنا ہاتھ فرمایا۔ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ مگر اقبال اس آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ نے حضرت علی کے متعلق یہ فرمایا۔ چنانچہ اسرار رموز ص ۵۳ پر ہے ؎

مرشدِ حق کردنامش بوتراب حق یَدُ اللّٰه خواند درامّ الکتاب

ترجمہ: نبی کریم نے علی کا نام بوتراب رکھا اور اللہ نے علی کا نام قرآن مجید میں یَدُ اللّٰه فرمایا۔ یہ کتنی بڑی ناسمجھی اور اتہام بر قرآن اور تشبیہِ رفض ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ زبور عجم ص ۷ اپر ؎

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی برہمن زادۂ رمز آشنائے روم وتبریز است

ترجمہ:۔ مجھ کو دیکھ کر سارے ہندوستان میں مجھ جیسا کوئی دوسرا عالم فاضل پڑھا لکھا برہمن زادہ اور روم تبریز کی رمز پہچاننے والا نظر نہ آئے گا۔ یہاں اقبال خود کو سب سے بڑا عالم اور رمز آشنا سمجھ رہا ہے اور اپنے براہمن ہونے پر خوش ہو رہے ہیں۔ کتاب اقبال سب کے لیے ص ۸ پر ہے ؎

بیرو مرزا بہ سیاست دل ودین باختہ اند جز برہمن پسرِ محرمِ اسرار کجا است

ترجمہ:۔ اس وقت دنیا میں صرف برہمن لڑکا یعنی اقبال ہی۔ اسرار الٰہیہ کا محرم یعنی جاننے والا ہے شارحینِ اقبال کہتے ہیں کہ اقبال نے اپنی ایک بیماری سے

مایوس ہو کر یہ شعر کہا جو باقیاتِ اقبال ص ۲۵۵ پر ہے ۔

دِہ مرا فرصتِ ہُو حق دو سہ روزے دگرے ۔ کہ دریں دیر کہن بندۂ بیدار کجاست

ترجمہ ۱: اے اللہ مجھ کو دو تین دن ہُو حق کرنے کی اور مہلتِ زندگی دے دے کیونکہ اس پرانے بت خانہ دنیا میں بیدار بندہ میرے سوا کہاں ہے۔ ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ اقبال خود کو دنیا کی اعلیٰ اور افضل ترین انسانیت سمجھتے تھے اور صرف مسلمانوں کے مقابل یعنی مسلمانوں میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کے غلط اشعار اور برے رویہ اور جذباتی عادت پر کسی بزرگ نے جب بھی نصیحت آمیز سرزنش کی تو نصیحت کرنے والا اقبال کی نظر میں زاہدِ تنگ نظر ہو گیا۔ اور قرآن و حدیث کی روشنی والی مفید ترین نصیحت اور اصلاح زہر ہلاہل بن گیا اور بجائے اپنے عظیم محسنوں کی نصیحت پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے اقبال نے غوغا شروع کر دیا کہ ۔

اپنے بھی ہیں بیگانے اور بیگانے بھی ناخوش ۔ میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

اور باقیات اقبال ص ۱۴۲ پر ہے ۔

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا ۔ اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

لیکن میں کہتا ہوں کہ نہ زاہدِ تنگ نظر کا قصور ہے اور نہ کافر کا بلکہ قصور اقبال کی اُس روش کا ہے جس سے دونوں جگہ اعتماد اٹھ گیا۔ ۲: اقبال کی انگریز فرنگی اور اُس کی حکومت کے بارے میں کیا رائے ہے۔ چنانچہ یہ تو آپ نے دیکھ لیا کہ اقبال کے دل میں اسلام کی ہر چیز کی کتنی دشمنی ہے۔ اب ذرا فرنگی احترام ملاحظہ ہو۔ باقیاتِ اقبال ص ۹۱ پر ہے ۔

وکٹوریہ نمرد کہ نام نکو گزاشت ۔ ہے زندگی یہی جسے پروردگار دے

یعنی اسلامی علماء صوفیاء اولیاء اللہ کی زندگی اقبال کے لیے گردشِ ایام اور نحوست ہے۔ لیکن ملکہ وکٹوریہ کی زندگی خاص عطیۂ الٰہیہ ہے۔ آگے لکھا ہے کہ اقبال نے ملکہ وکٹوریہ کے لیے فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا اور ملکہ وکٹوریہ کو مرحومہ کے لقب سے نوازا حالانکہ یہ کام قرآن کریم کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ اور غیر مسلم کو مرحوم کہنا گناہِ عظیم ہے۔ باقیاتِ اقبال ص ۱۴۷: اقبال اپنے نثری مضمون میں بعنوان تنذرۂ تمہیدی

میں ایک فرنگی غیر مسلم انگریز مسٹر سر ولیم جونس کو مرحوم کا لقب دیتا ہے۔ باقیات اقبال ص ۲۰۴ پر ایک مسدس فرنگی برٹش حکومت کی تعریف میں ہے

اسی کے دم سے ہے عزت ہماری قوموں میں — اسی کے نام سے قائم ہے اعتبار اپنا
اسی سے عہدِ وفا ہندیوں نے باندھا ہے — اسی کے خاکِ قدم پر ہے دل نثار اپنا

مقام غور ہے کہ جو دل انگریز کی خاک قدم پر نثار رہو ااس میں اسلام کی کیا محبت ہو گی۔ باقیات اقبال ص ۲۹۳ پر ہے کہ سر اقبال نے ایک غیر مسلم عیسائی انگریز کے مرنے پر قرآن کی آیت سے تاریخ وفات نکالی لکھتا ہے ہے

تا بہ فردوسِ بریں ماوٰی گرفت — گفت ہاتف ذٰالِکَ الْفَوزُ الْعَظِیْم

اس انگریز کا نام۔ ڈاکٹر ای۔ جی براؤن تھا۔ یہ تو انگریز کی وہ تعظیم تھی جو زبان اشعار میں ہوئی۔ لیکن انگریزا اور انگریزی تہذیب انگریزی معاشرے کی جو اقبال کی تعلیم شکل وصورت سے ظاہر اس کا منکر کون ہو سکتا ہے۔ باقیات اقبال ص ۱۲۱ پر اور کشمیر اور اقبال مصنف جگن ناتھ آزاد ص ۷۵ پر اقبال کے ایک خط میں اس طرح لکھا ہے کہ لندن جاتے ہوئے سویز کے بندرگاہ پر سویزی مسلمانوں نے اس کی شکل اور لباس دیکھ کر اس کو مسلمان ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ جب اقبال نے کچھ آیتیں پڑھ کر سنائیں تو مسلمان تسلیم کر لیا مگر لعن طعن خوب کی اور اقبال کو سمجھایا کہ کم از کم ترکی ٹوپی ہی مسلمانوں جیسی پہن لیتے۔ جس سے اقبال لا جواب ہو گئے اور ہنس کر چپ ہو رہے۔ اور یہ تو آپ پڑھ ہی چکے تھے کہ دہلی دروازہ لاہور کے ایک مولوی صاحب نے انگریزی زبان کے خلاف کچھ بات کی تو اقبال کا پارہ کتنا چڑھ گیا۔ اور عالم دین کو کتنا سخت سُست کہا۔

۳۔ اقبال کے دل میں ہندو غیر مسلم کی عظمت،

بانگ درا ص ۱۱۷ پر ہے ہے

شانِ کرم پہ ہے مدار عشق گرہ کشائے کا — دیر و حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز دے

مطلب بے نیاز جس کو چاہے اپنے قرب اور ولایت سے نواز دے خواہ وہ مندر کا بندہ ہو۔ غیر مسلم ہو۔ خواہ وہ کعبہ کا رہنے والا ہو۔ صرف کعبے کی خصوصیت

نہیں۔ یعنی مسلمان ہونا۔ اللہ کی محبت کے لیے ضروری نہیں۔ ہندوؤں سے بھی رب تعالیٰ اتنی ہی محبت کرتا ہے۔ جتنی مسلمان سے صرف اس کے کرم کی بات ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہندو پہ کرم ہو جائے مسلمان پہ نہ ہو گویا اقبال مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔ یہ شعر قرآن مجید کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اس شعر میں یہ بتایا گیا ہے کہ عشق و معرفت اور تجلیات کے لیے کعبے میں جانے کی ضرورت نہیں نہ دامنِ مصطفیٰ کی حاجت۔ بانگِ درا ص ۱۱۸ پر پنڈت سوامی رام تیرتھ کی ثنا خوانی چھ اشعار کی نظم کے دو شعر اس طرح ہیں ؎

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بیتاب تو پہلے گوہر تھا بنا اب گوہر نایاب تو
آہ کھولا کس ادا سے تونے رازِ رنگ و بو میں ابھی تک ہوں اسیرِ امتیازِ رنگ و بو

مطلب۔ اے پنڈت سوامی رام تو معرفتِ الٰہی کے دریا سے بیتاب قطرے کی طرح جڑا ہوا ہے۔ پہلے تو قیمتی موتی تھا۔ مگر اب نایاب بے مثل موتی ہے۔ تو نے ہی دنیا و آخرت کے راز کو کھولا میں مسلمان تو ابھی تک فرق کو ہی نہ سمجھ سکے یہ وہی قلم ہے جو ابھی علماء صوفیاء کو جاہل بے نصیب کہہ چکا ہے۔ اور نبوت تک کی گستاخی کر چکا ہے۔ اور ان کے مقابل خود کو محرم راز بندۂ بیدار کہہ چکا ہے۔ بانگ درا ص ۱۹۵ پر ہے رام چندر کی تعریف

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جامِ ہند سب فلسفی ہیں خطۂ مغرب کے رامِ ہند
یہ ہندوؤں کے فکرِ فلک رس کا ہے اثر رفعت میں آسماں سے بھی اونچا ہے بامِ ہند
اس دیس میں ہوئے ہیں ہزاروں مَلک سرشت
مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نامِ ہند
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں مرد تھا پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا۔

اقبال کا قلم جو حضرت عیسیٰ ؑ کی ذات پر حملہ کر چکا ہے اور آپ کے لیے لفظِ عورت کمزور دل کہہ چکا ہے۔ رام چندر کی کس طرح ثنا خوانی کر رہا ہے باقیات اقبال ص ۲۶۶ پر گاندھی جیسے مسلم کش ہندو کی تعریف ہے پوری ایک نظم کا ایک

شعر ؎

مردِ میداں گاندھیِ درویش خو اور کونسل کے پیکر مالوی !

دوسری نظم کا ایک شعر ؎

بولا یہ سن کے بات کمالِ وقار سے وہ مردِ پختہ کار و حق اندیش و باصفا

مطلب یعنی گاندھی باوقار۔ سچے اور مضبوط کام والا۔ اللہ کی باتیں سوچنے والا۔ باصفا روشن دل والا۔ مرد میدان۔ درویشی کی عادت والا۔ جاوید نامہ ص ۱۹۷ پر ہے برتری ہری پنڈت کی تعریف اور ثنا خوانی ہوتی ہے ؎

زیرِ لب خندید پیرِ پاک زاد گفت اے جادوگر ہندی نژاد

آں نوا پرواز ہندی را نگر شبنم از فیضِ نگاہِ او گہر

نکتہ آرائے کہ نامش برتری ست فطرتِ او چوں سحابِ آذری ست

کارگاہِ زندگی را محرم است او جم است و شعرِ او جامِ جم است

ما بہ تعظیم ہنر برخاستیم باز یادے صحبتے آراستیم !

مطلب اقبال پیر پاک زاد رومی کو عالمِ تصور میں عقیدت مندوں کی حیثیت سے پنڈت برتری ہری کے دربار میں لے جاتا ہے۔ برتری ہری کی شان ہے کہ ہندی نسل سے ہے۔ اس کی ہر ادا گویا جادو ہے۔ اس کی نگاہ فیض سے شبنم بھی موتی ہے۔ معرفت کے نکتے سجانے والا برتری اس کا نام ہے۔ اس کی فطرت شاندار آذری بادل کی طرح زمانے پر چھائی ہوئی۔ کارخانہ قدرت کا محرم راز ہے۔ وہ خود زمانے کا جمشید ہے۔ اور اس کا کلام معرفت کی شراب ہے۔ ہم دونوں (یعنی اقبال اور رومی) اس سراپا ہنر کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور پھر کچھ دیر اس کے ساتھ محفل سجائی ہم نے۔ یہ تھا اقبال کا پیشوا پنڈت برتری ہری۔ یہ تھا اقبال کا اصل پیر۔ رومی کو پیر کہہ کر تو صرف مسلمانی کا بھرم رکھا ہے۔ اور معترضین کا منہ بند کیا ہے۔ بالکل اسی طرح جاوید نامہ ص ۲۲ پر ایک عارف ہندی المعروف جہاں دوست کی بے حد مدح و ثنا کی گئی ہے۔ اور مولائے رومی کو عارف ہندی کے حضور پیش کیا گیا ہے۔ یہ عارف ہندی نژاد کون ہے! چنانچہ کتاب اقبال سب کے لیے ص ۴۹ مصنف لکھتے ہیں کہ عارف ہندی سے

شیوجی مہاراج مراد لیتے ہیں۔ ایک اور شارح اقبالیات جگن ناتھ آزاد ہندو اپنی کتاب اقبال اور اس کا عہد ص ۰۰ ا پر یہی لکھتا ہے۔ کتاب قرآن اور اقبال ص ۰۴ پر ہے۔ رام کرشنا ہندو بہت باعزت وعظمت صوفی ہے۔ یہ تو آپ نے پہلے سن ہی لیا کہ اقبال کوہ ہمالیہ کی ندی کی اس طرح تعریف کر رہے ہیں کہ حوض کوثر کی گستاخی ہو رہی ہے معلوم ہونا چاہیے کہ اس ندی کا نام گنگا ہے چنانچہ کتاب مطالعہ اقبال ص ۹۴ مصنف گوہر نوشاہی پر اس طرح لکھا ہے۔ کتاب اقبال اور کشمیر (جگن ناتھ) ص ۱۹۲ پر ہے۔ بحوالہ تقریر شیخ عبد اللہ۔ اقبال گیتا اور قرآن کو ایک جیسا سمجھتے تھے اور ہندو مسلم کو ایک نظر دیکھتے تھے۔ پیام مشرق ص ۷ پر ہے ؎

خدائے ماکہ خود صورت گری کرد بتے را سجدۂ از قدسیاں خاست

مطلب: یعنی ہندوؤں کی بت سازی اور بت پرستی بری نہیں ہے کیونکہ ہمارے اللہ نے خود بت بنا کر فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ تو اگر پنڈت یا برہمن نے بت بنا کر ہندوؤں کو سجدے کا حکم دیا تو برا کیوں ہوگا۔ باقیات اقبال ص ۱۲۴ پر ہے اقبال کا شذرہ تمہیدی۔ نثر۔ اقبال کا مضمون جس کا خلاصہ ہے۔ وید بہت اچھی کتاب ہے اے مسلمان اگر تو روحانی پاکیزگی حاصل کرنا چاہتا ہے تو وید کو پڑھ۔ کیونکہ انسان کے روحانی نمو کی ابتدائی مراحل کا اسی سے پتہ لگتا ہے۔ اس شذرے میں اقبال وید کی فصاحت وبلاغت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ اس کے الفاظ دل نشین اور قدرتی ترتیب سے ہیں۔ یعنی یہ بھی خدائی کلام ہے۔ معاذ اللہ وید کے لفظوں کا ترجمہ کر کے لکھتا ہے کہ دیوتا نوراتی مخلوق ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ ہند ومذہب کو مشرک نہیں کہنا چاہیے باقیات اقبال ص ۲۲۱ پر اقبال وید منتر کا ایک منظوم ترجمہ کر کے پڑھا رہے ہیں۔ اور وید وگیتا کی بہت عظمت کا ذکر ہے تاکہ مسلمان صرف قرآن مجید کا ہی احترام نہ کریں وید سے بھی محبت کریں باقیات اقبال ص ۳۲۹ پر اقبال مسلمانوں کو منزل دکھاتے ہیں۔ اور ہندو سے اتحاد کا سبق پڑھا رہے ہیں۔ لکھتے ہیں اے مسلمان تیرا حلیہ یہ ہونا چاہیے کہ ؎

زنار ہو گلے میں تسبیح ہاتھ میں ہو یعنی صنم کدے میں شان حرم دکھادیں
مندر میں ہو بلانا جس دم پجاریوں کا آوازۂ اذاں کو ناقوس میں ملادیں

ان باتوں کا جواب میں اقبال سے اس کی ہی زبان میں پوچھتا ہوں۔ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟ اب صاف ظاہر ہو گیا کہ اقبال کو علماء صوفیاء کے خلاف اتنی شدت سے دشمنی کیوں ہے؟ اقبال مسلمان کا حلیہ اور تہذیبِ اسلامی بدل کر قوم مسلم کو دینی مسجدوں مدرسوں۔ خانقاہوں سے ہٹا کر مندروں میں لے جانا چاہتے ہیں اور حکم ہے کہ مسلم قوم پجاریوں کو مندر میں بلائیں۔ تو اذان کو ناقوس کے مشابہ کر دیں۔ ہندو قوم کو مسلمان کا حلیہ اور مسجد کا راستہ نہیں دکھایا۔ باقیات اقبال ص ۲۹۴ ہندوؤں پنڈتوں کی مدح و ثنا کے بعد گوتم بدھ کی ثنا کرتا ہے۔ ؎

ہاں سلامِ آخری اے مولدِ گوتم تجھے اب فضا تیری نظر آتی نہیں ہے سازگار

لندن جاتے ہوئے ہندوستان کو سلام ہو رہا ہے۔ اور گوتم کے وطن ہونے کی بناء پر ہند کی یہ تعظیم ہے۔ بانگ دراص ۲۷۰ پر آٹھ شعروں کی نظم میں گوتم بدھ اور گرونانک کی تعریف کرتا ہے۔ آخری شعر ہے ؎

پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے

یہ ہے اقبال کا مردِ کامل غیر مسلم نانک۔ اس نظم میں گرونانک کو تو ابراہیم کا لقب دیا گیا ہے۔ (معاذ اللہ) باقیات اقبال ص ۲۷۵ پر گرونانک کی اس طرح ثنا خوانی ہے ؎

تیرے پیمانے میں اے ساقی شراب ناب تھی
تیری شخصیت نے کھینچا ہر دلِ آگاہ کو

ہند کے بت خانے میں کعبے کا تو معمار تھا کتنا باطل سوز تیرا شعلۂ گفتار تھا!

مطلب۔ یعنی گرونانک مثلِ ابراہیم کعبے کا معمار ہے اور سارے سکھ لوگ مرد آگاہ زندہ دل ہیں۔ بدنصیب تو صرف مسلمان ہی ہیں۔ بانگ دراص ۲۸۲ پر سات شعروں میں شیکسپیر کی ثنا خوانی کی ہے۔ اس کے چار شعر اس طرح ہیں ؎

تجھ کو جب دیدۂ بیدار طلب نے ڈھونڈا تابِ خورشید میں خورشید کو پنہاں دیکھا
چشمِ عالم سے تو ہستی تری مستور رہی اور عالم کو تیری آنکھ سے عریاں دیکھا
حفظ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا رازداں پھر نہ کرے گی کوئی پیدا ایسا

مطلب۔ شیکسپیر کے سینے مثل اور تابندہ میں ایک سورج پوشیدہ ہے تو نے

ساری کائنات کو دیکھا مگر کسی میں تجھے دیکھنے کی مجال نہیں۔ اللہ کو اپنے بھید چھپانے کے لیے امانت شیکسپیر کے پاس رکھنی پڑی۔ ایسا راز دار الہٰی نہ پیدا ہوا نہ ہوگا

پیام مشرق ص ۱۸۴ پر ہے۔ گوئٹے غیر مسلم اور اس کی شہر کی عظمت ؎

صبا بہ گلشنِ ویمر سلامِ ما برساں کہ چشم نکتہ وراں خاکِ آں دیار افروخت

ترجمہ:۔ اے باد صبا گوئٹے کے شہر ویمر کے چمنستان میں ہمارا سلام پہنچا دے کیونکہ اس شہر کی خاک نے بڑے بڑے نکتہ دروں کی آنکھوں کو روشن کر دیا۔ اقبال کی دورنگی تو دیکھئے کہ کبھی خاکِ مدینہ و نجف کی تعریف کرتا ہے۔ کبھی اس کی دشمن خاکِ ویمر کی پیام مشرق ۲۴۰ پر ہے۔ حکیم آئن سٹائن یہودی غیر مسلم کی چھ شعری نظم میں مدحت سرائی ہے۔ آخری شعر اس طرح ہے ؎

من چہ گویم از مقامِ آں حکیم نکتہ سنج کردہ زردشتے زنسلِ موسیٰ وہاروں ظہور

ترجمہ:۔ میں کم عقل اور کم علم بھلا اس حکیم نکتہ ور کا مقام کیا بیان کر سکتا ہوں بس اتنا سمجھ لو کہ نسل موسیٰ و ہارون علیہم السلام سے ایک شاندار نیا زردشت پیدا ہو گیا۔ زردشت ایک بڑا کافر گزرا ہے۔ بال جبریل ص ۱۴۸ پر لینن کی تعریف میں دس اشعار ہیں۔ جس میں لینن کو محسنِ انسانیت غریب مزدور کا ہمدرد و غمگسار۔ نجات دہندہ بنایا گیا ہے حالانکہ لینن یہودی نسل سے تھا۔ اسلام کا بڑا دشمن مزدوروں کو جوڑا کو بنانے والا سوشل ازم کا بانی۔ بال جبریل ص ۲۰۱ پر نپولین کی شان بیان ہوئی اور اس کی قبر کو مزار مقدس کا لقب دیا گیا ہے۔ بال جبریل ص ۲۰۲ پر سات شعری نظم میں ایک متعصب کافر مسولینی کی خوب شان بیان کی گئی اور اس کو قدرت کا نمونہ کہا گیا ہے۔ ایک عورت گزری ہے قرۃ العین طاہرہ مریدہ تھی۔ علی محمد باب کی پھر مریدہ بنی اس کے مرید بہاء اللہ کی یہ بانیِ بہائی مذہب ہے۔ بہاؤ اللہ نے نیا دین نیا قرآن بنایا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں صرف سات مربی پیدا ہوئے، نمبر ۱ آدم نمبر ۲ ابراہیم نمبر ۳ نوح نمبر ۴ موسیٰ نمبر ۵ عیسیٰ نمبر ۶ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نمبر ۷ سب سے بڑا بہاؤ اللہ (معاذ اللہ) بہاؤ اللہ نے پہلے مہدیت پھر نبوت پھر خدائی کا دعویٰ کیا۔ جب اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تو قرۃ العین طاہرہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ (بحوالہ نمبر ۱ مطالب ضرب کلیم ۲ اثمہ تلبیس نمبر ۳ مذاہب اسلام نمبر ۴

جاوید نامہ) اس غیر مسلمہ قرۃ العین کی اقبال بہت تعریف کرتے ہیں۔ چنانچہ جاوید نامہ
ص ۱۲۲ تا ۱۲۵ پر ہے۔ سہ

پیشِ خود دیدم سہ روحِ پاک باز — آتش اندر سینہ شاں گیتی گداز
غالب و حلاج و خاتونِ عجم — شورہا افگندہ در جانِ حرم
این نواہا روح را بخشد ثبات — گرمی او از درونِ کائنات

ترجمہ: سیر ملکوتی میں میں نے آسمانوں پر تین روحیں دیکھیں جن کی سینے کی آتشِ
معرفت یا آتشِ عشق نے ساری زمین کو پگھلایا ہوا ہے۔ وہ روحیں غالب شاعر
۲ منصور حلاج ۳ عجم کی خاتون یعنی قرۃ العین طاہرہ ان کی رونقوں نے کعبۂ حرم
کو خوب صورتی بخشی۔ ان کے ذکر کی آوازوں نے روح کو بقا عطا کی ان کی گرمی
عشق کی آواز کائنات کے اندر ہے۔ یہ تھی اقبال صاحب کی باطل نوازی اور غیر مسلم
دوستی محبت جس میں غور و فکر سے بطلان کی پانچویں نشانی بخوبی ظاہر ہوتی ہے
اب دیکھئے باطل کی چھٹی نشانی مسولینی اقبال سے بہت محبت کرتا تھا جب
اقبال دوبارہ لندن جانے لگے تو مسولینی نے استقبال کی تیاریاں کی تھیں۔ مگر
سفر اقبال ملتوی ہو گیا۔ کتاب اقبال اور کشمیر، مؤلف جگن ناتھ آزاد ص ۱۸۱ اقبال
کے جگری دوست اور خاص مداح (۱) جگن ناتھ (۲) رام چندر دہلوی ہندو مناظر
بحوالہ مشاہیر کشمیر ۳ نمبر ۳ مدح خوان دوست مالک رام۔ اقبال اور کشمیر کے ص
۴۳ پر ہے۔ کہ ہندو اقبال سے اتنے خوش اور اتنے گہرے دوست تھے
کہ جب اقبال نے ترانہ ہند کے بعد ترانہ ملی لکھا تو ہندوؤں کو اقبال پر بہت
غصہ آیا۔ اور ہندو شاعروں نے اقبال کے خلاف غصہ اور رنج ظاہر کرتے
ہوئے بڑی بڑی نظمیں لکھیں جن کے کچھ شعر اس طرح ہیں سہ

ہندی ہونے پر ناز جسے کل تک تھا حجازی بن بیٹھا
اپنی محفل کا رند پرانا آج نمازی بن بیٹھا

(پنڈت آنند نرائن) اقبال اور کشمیر ص ۵۱ پر ہے۔ کہ ہندوؤں اور برہمنوں
کو اقبال پر بڑا ناز تھا اور فخر تھا کیونکہ اقبال برہمن اور مذہب کا خیر خواہ تھا
چنانچہ روزنامہ احسان الٰہی کا اقبال نمبر ۲۷ جون ۱۹۳۸ء میں رام چندر دہلوی مناظر

ہند پنڈت لکھتا ہے کہ ایشوری گیان اور کلام ربانی کو برہمن زادہ ہی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں کیا راز پنہاں ہے۔ یہی کہ اقبال کشمیری پنڈت تھے۔ ہزاروں برس تک ان کے آباؤ اجداد نے روحانیت کی تربیت کے بعد اقبال کو بنایا۔ یہ رام چندر جو اقبال کی اندرونی تصویر ہی پیش کر رہا ہے۔ اسلام کا سخت دشمن تھا۔ قرآن مجید اور نبی پاک کا گستاخ سارے مسلمانوں کے خون کا پیاسا مگر اقبال اس کا اور وہ اقبال کا سچا گہرا دوست تھا۔ اقبال اور کشمیر ص ۱۲۱/ اقبال کی مسلم ہندو اتحاد کی تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کے اپنے وطن کشمیر کے مسلمان اقبال پر اعتماد نہ کرتے تھے خود اقبال بحیثیت وکیل کے ایک مقدمہ قتل کی بابت منشی سراج کو ایک خط لکھتے ہیں جس کی آخری سطور اس طرح ہیں ڈیر منشی صاحب (الخ) چونکہ کشمیر میں یہ معاملہ ہندو مسلمان سوال بن گیا ہے۔ اس واسطے ممکن ہے رحمان راہ کے وارثوں کو یہ خیال ہو کہ گورنمنٹ آف انڈیا کا قانونی ممبر (اقبال) بھی تو ایک کشمیری پنڈت ہے۔ اور مجھ پر اعتماد نہ کریں۔ (الخ) جب اقبال کے متعلق ہندو نوازی کا خیال زیادہ بڑھا تو ان باتوں کے پیش نظر اقبال نے اپنی صفائی کے طور پر کچھ نظمیں لکھ کر اخبار کشمیر گزٹ اور کشمیر میگزین میں شائع کرائے تھے جن میں سے کچھ یہ ہیں ؎

بت پرستی کو مرے پیش نظر لاتی ہے — یادِ ایامِ گذشتہ مجھے شرماتی ہے
ہے جو پیشانی پہ اسلام کا ٹیکہ اقبال — کوئی پنڈت مجھے کہتا ہے تو شرم آتی ہے

خلاصہ کلام یہ کہ یہ جتنا مضمون لکھا گیا ہے سب کا سب اقبال کی اپنی کتب اور خاص اقبال کے نظم و نثر اور خطوط سے لکھا گیا ہے یا اقبال کے مداحین شارحین کی کتب سے ہے۔ بحوالہ نام بنام درج ہیں سب کتب مارکیٹ میں دستیاب ہیں میں نے اپنے پاس سے کچھ زیادتی کمی نہ کی صرف مشکل الفاظ کے مطلب اور ترجمے کئے۔ دعوت غور و فکر صرف اس بات کی ہے کہ آیا اقبال کے کلام و نظریات میں باطل کی چھ نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ یا نہیں۔ اگر پائی جاتی ہیں تو تقاضائے انصاف باطل کہنا چاہیئے۔ اور اگر نہیں تو حرف بحرف اصل مطلب اور ترجمہ بتا کر ہمارے مطالب کو بادلائل غلط کرنا چاہیئے۔ ہم نے اتنے گہرے مطالعے کے بعد یہی سمجھا ہے کہ اقبال صاحب مسلمانوں کو برا اور ذلیل سمجھتے رہے۔ لیکن مندرجہ ذیل غیر مسلموں کی عظمت احترام عزت اور

شان دنیا کے سامنے بیان کرتے رہے۔ نمبر ۱ وید نمبر ۲ گیتا نمبر ۳ پنڈت نیگو شوامتر
نمبر ۵ شیو جی مہاراج نمبر ۶ پنڈت بھرتری ہری نمبر ۷ گوتم بدھ نمبر ۸ گرو نانک نمبر ۹ لینن
روسی دھریہ نمبر ۱۰ برگساں فرانسی دھریہ نمبر ۱۱ ہیگل دھریہ نمبر ۱۲ اگٹس دشمنِ اسلام نمبر
۱۳ حکیم آئن سٹائن اسرائیلی دشمنِ مسلم ۱۴۔ نیٹشے منکرِ خدا ۱۵ کارل مارکس جرمنی غیر
مسلم۔ ۱۶ شوپن ہار نمبر ۱۷ ٹالسٹا روسی دھریہ نمبر ۱۸ بائرن یورپی دشمنِ اسلام نمبر ۱۹ پٹوفی
ہنگری کا دھریہ شاعر نمبر ۲۰ گوئٹے شاعر غیر مسلم نمبر ۲۱ لاک انگریز فلسفی نمبر ۲۲ کانٹ
جرمنی فلسفی نمبر ۲۳ براؤننگ یورپی شاعر۔ اقبال تمام عمر۔ ان سے متاثر اور ان کے مدح
خوان رہے۔ اور اقبال نے قوم کو کیا تربیت دی کیا سکھایا کس راہ پر چلنے کا آمرانہ
مشورہ دیا تو اس کا خلاصہ اس کے تربیتی کورس و عمل سے اسی طرح نمبر ۱ اقبال
کا خود اقبال کیا ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی۔ چال انگریزی ڈھال انگریزی دیسی
سر میں دماغ انگریزی۔ دیسی بدن پر لباس انگریزی۔ ۲۔ اقبال کے شاہین بچے
بتوں میں انگریزیت۔ دوڑ اور منزل کالج۔ دماغ میں لینن مارکس جسم پر فرنگیت
بدن۔ لڑکوں کا چہرہ لڑکیوں جیسا۔ روح میں شیو جی اور گوتم بدھ۔ ہاتھ میں گیند بلا علماء
سے متنفر۔ شریعت سے دور۔ کردار فاسقانہ۔ تعلیم اسلام سے بیگانہ مگر نام مسلمانہ
نمبر ۳ اقبال کا مردِ کامل کون ہے؟ گرو نانک اور گوتم بدھ نمبر ۴ اقبال کا مردِ صوفی
باصفا رام کرشنا۔ اور سوامی رام تیرتھ نمبر ۵ اقبال کا مردِ عارف۔ شیو جی مہاراج
اور پنڈت وشوامتر۔ نمبر ۶ اقبال کا مردِ مجاہد لینن کارل مارکس نمبر ۷ اقبال کا مرد
آگاہ۔ سکھ اور ہندو قوم نمبر ۸ اقبال کا دانا و راز پنڈت بھرتری ہری۔ نمبر ۹ اقبال کا نجات
دہندہ۔ رام چندر۔ گوئٹے۔ برگساں۔ براؤننگ۔ حکیم آئن سٹائن نیٹشے۔ شوپن ہار۔
گہرے مطالعۂ اقبالیات سے بطورِ خلاصہ اقبال کے دو رُخ سامنے آتے ہیں
نمبر ۱ مخالفت کا دوسرا محبت کا۔ اس کا مکمل زائچہ اس طرح ہے۔

پہلا رخ مخالفت اور عناد کا

۱	پوری مسلم قوم سے	انداز مخالفت ←	مصلحانہ
۲	علماءِ اسلام سے	〃	معاندانہ
۳	صوفیاءِ کرام سے	〃	عدُوانہ
۴	احادیثِ نبوی سے	〃	ناواقفانہ
۵	جنت اسلام سے	〃	مسخرانہ
۶	حوض کوثر و تسنیم سے	〃	عامیانہ
۷	نبوت سے	〃	جاہلانہ

دوسرا رخ محبت اور دوستی کا

۱	اپنی ذات سے	انداز محبت سے	خود نمایانہ
۲	انگریز قوم سے	〃	سیاسیانہ
۳	ہندو قوم سے	〃	رندانہ
۴	سکھ قوم سے	〃	درمیانہ
۵	غیر مسلم شعراء سے	〃	مخلصانہ
۶	وید اور گیتا سے	〃	برادرانہ
۷	دریاءِ گنگا سے	〃	خوش نمایانہ

اقبال کے بارے میں اس تمام تحریر کو پڑھ کر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مطالب اقبال کی معلومات میں نہیں اگر اقبال کو ان تشریح شدہ عبارات کا پتہ لگتا تو اقبال تردید کر دیتے۔ کیونکہ دلدادگانِ اقبال کا یہ کہہ کر پہلو بچانا تین طرح غلط ہے۔ نمبرا اوّلاً اس لیے کہ ان میں بہت سی کتابیں مطالب اقبال۔ اقبال کے زمانے میں چھپ گئی تھیں۔ مگر اقبال صاحب سے کوئی تردید ثابت نہیں نمبر۲ دوم اس لیے کہ جو کتب اقبال کے بعد شائع ہوئیں اس کو یقیناً ان کے اہلِ خانہ نے بڑھا ہوگا۔ مگر ان مفکرین نے بھی کسی بات کا انکار یا تردید نہ کی

نمبر۳ اس لیے کہ ہماری اس تحریر میں زیادہ حصہ خود اقبال کا اپنا کلام ہے۔ جس کا طبع ہونا ان کی زندگی میں جمہور سے ثابت ہے۔ اور اگر فرضاً نہ بھی چھپا ہو تب بھی کلام اقبال ہونے سے تو کسی کو انکار نہیں۔

آخر میں میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو سچی ہدایت نصیب ہو اور اپنے بزرگوں اولیاء علماء کے قافلہ محمدی میں شامل اور قائم دائم فرما۔ ہمارے مسلمانوں کی ناسمجھی کو کیا جائے کہ یورکے۔ اسلامک مشن برطانیہ میں یوم اقبال کے سلسلہ میں جلسے کی صدارت کے لیے غالباً جموں سے مسٹر جگن ناتھ آزاد کو بلایا گیا۔ اور اختتام کے وقت جگن ناتھ آزاد ہندو مذہب والے کو بغیر غلاف قرآن مجید کا تحفہ دیا گیا (خیال رہے کہ یورکے اسلامک دیوبندی علماء کی جماعت ہے)

حالانکہ تعلیم قرآنی اور بحکم خداوندی غیر مسلم کے ہاتھ میں قرآن مجید پکڑانا سخت گناہ اور توہین و بے ادبی ہے۔ جب کہ بغیر غلاف قرآن مجید کو ناپاک اور بے وضو مسلمان بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ (بحوالہ جنگ لندن فوٹو ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء ۱۵ محرم ۱۴۰۴ھ ص ۷) میں انتہائی افسوس سے پوچھتا ہوں کہ یوکے اسلامک مشن برطانیہ میں کوئی بھی ایسا پڑھا لکھا مسلمان نہیں جو اس مسئلہ کو جانتا ہو اور جس کو اس آیت کی عبارت اور اس کا ترجمہ و حکم آتا ہے۔ اللہ ہم سب کو معاف کرے اور مسٹر جگن ناتھ صاحب کو اسی قرآن مجید کی برکت سے دولت اسلام سے نواز دے۔

غم تو یہ ہے کہ آج کل ہی مسلم قتل عام اسی ہند میں ہو رہا ہے۔ اور یہاں تعلیم ہو رہی ہے۔ اور پھر کبھی کسی مسلمان لیڈر کی ہندو قوم نے یہ عزت افزائی نہ کی۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم۔

کتبہ

مفتی دارالعلوم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات (پاکستان) صاحبزادہ اقتدار احمد خان قادری نعیمی بدایونی۔۔۔۔۔۔ ابن حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔۔۔۔

یہ تو اقبال اور رفقاءِ اقبال کی کتابوں کے حوالے تھے اب اخبارات و رسائل کو ملاحظہ فرمائیے چنانچہ۔

نمبر ا روزنامہ جنگ لندن ۱۶ نومبر ۱۹۸۳ء صف ۲ مضمون نگار لیکچرار پروفیسر عبدالحفیظ خان آف گورنمنٹ فرید کالج رحیم یار خان پاکستان عنوان ہے۔ اقبال کا تصور تعلیم آخری سطور اس طرح ہیں۔ اقبال مُلاؤں کی رسمی نماز۔ روزے سے متنفر اور فقہی مباحث و مسائل سے بیزار ہو کر لکھتا ہے شعر۔

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک   نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

نمبر ۲۔ ہفت روزہ مشرق انٹرنیشنل ۲۷ نومبر ۱۹۸۳ء ص ۵۔

اقبال ڈے شہر لاہور (پاکستان) میں منایا گیا۔ زیر صدارت جسٹس جاوید اقبال۔ مہمان خصوصی جگن ناتھ آزاد نے کہا۔ اقبال کو گیتا سے محبت تھی اور انتہائی عقیدت تھی۔ اقبال نے گیتا کی اشاعت میں بہت کام کیا۔ پھر جاوید اقبال نے اپنے خطبہ صدارت میں اس بات کی تائید کی۔ (صاحب مضمون انتظار حسین لاہور نامہ) خیال رہے کہ گیتا ہندوؤں کی مذہبی کتاب ہے۔

نمبر ۳۔ روزنامہ جنگ لندن ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۴ء عنوان اقبال پاکستان کے خلاف تھے صاحب مضمون پروفیسر حامد حسن علی گڑھ یونیورسٹی۔ اقبال کے تین چار خط مکمل مضمون کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں جن کا خلاصہ ہے مسلمانوں کا علیحدہ سلطنت کا مطالبہ بیہودہ ہے اور محمد علی جناح کی مسلم لیگ غلطی پر ہے۔ اس کا جواب پاکستانی مفکرین نے صرف یہ دیا کہ اقبال اس وقت جوانی کے دور میں تھے بعد میں جب ذرا ذمے داری کی عمر میں پہنچے تو علیحدہ مملکت کا تصور پیش کیا تھا اور پاکستانی صاحب نے اقبال کی جوانی کی فوٹو بھی شائع کی۔ یہ سب عذر داریاں تو پیش کیں مگر خطوط کو جھٹلا بھی نہیں سکے۔ اور مزید کتب سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اقبال نے اپنی مسلم لیگ بھی اور بنا لی تھی جو شفیع گروپ سے موسوم تھی اور انگریز کی حامی تھی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اقبال کا مصورِ پاکستان ہونا کہاں تک یقینی ہے۔ یا یہ بھی فقط عقیدت کا ہی نعرۂ تشہیری ہے۔

نمبر ۴۔ ماہنامہ ضیاء حرم لاہور اپریل ۱۹۸۰ء ص ۹۲
مضمون نگار نظیر لدھیانوی۔ کالم نمبر ۲ سطر نمبر ۶
جب اقبال مرحوم کا جنازہ اٹھایا گیا تو جنازہ اٹھانے والے میں آگے جن جن

مردوں نے کندھا دیا۔ وہ دو ہندو تھے ایک لالہ منوہر لال جو اس وقت وزیر مالیات تھا دوسرا ماسٹر سر چھوٹو رام جو اس وقت وزیر تجارت تھا پیچھے کندھا دینے والے (۳) سر سکندر حیات خان اور (۴) میاں عبدالحی تھے۔

غور طلب بات صرف یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں آج تک کسی اور جنازے کی یہ مثال ملتی ہے کہ مسلمان کی میت کو ہندو کافر اٹھائیں۔ جب کہ شریعت اسلام تو میت کی ڈولی کے قریب آنا بھی پسند نہیں فرماتی۔ چہ جائیکہ کوئی کافر مشرک ہاتھ لگائے کیا یہ مسلمان میت کی توہین نہیں ہے؟ کیا اقبال صاحب مرحوم کے خاندان میں کوئی اس وقت ایسا موجود نہیں تھا جو شریعت کے اس قانون کی عزت بحال رکھتا۔ بادی النظر میں تو یہی سوچا جائے گا کہ یہ بھی ہندو نوازی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

کیا اقبال منکرینِ حدیث یعنی چکڑالوی مذہب رکھتے تھے؟

ہم نے اسی کتاب کے ص ۳۶ پر اقبال کے شعروں سے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبال سخت قسم کے منکرِ حدیث تھے اب ذرا ادھر اُدھر سے پوچھتے ہیں نمبر ازمانہ جانتا ہے کہ لاہور کے علامہ احمد پرویز، مشہور منکر حدیث تھے ان کے فرقے کا پہلا نام چکڑالوی تھا پھر مشہور ہو کر ان ہی کے نام پر پرویزی فرقہ کہلایا۔ یہ صاحب اپنے ماہنامے طلوع اسلام اقبال نمبر ۱۹۸۲ء کے ص ۱۳۶ پر لکھتے ہیں۔ علامہ اقبال کی صحبت نے قرآن حکیم کو صحیح سمجھنے کا طریقہ سکھا دیا۔ اور اقبال نے ان کو سمجھایا کہ قرآن خود روشنی ہے اس کو کسی خارجی ذریعے سے نہ سمجھو۔ (اقبال کی نظر میں خارجی ذریعہ یہی قدامت پرستانہ روایت کی بھرمار تھی) نیز یہی مضمون ۱۷ اپریل جمعرات ۱۹۸۶ء ۸ شعبان ۱۴۰۶ھ جنگ اخبار ص ۳ پر ہے۔ یہ دونوں حوالے میرے پاس محفوظ ہیں نمبر ۲ رسالہ فیض الاسلام راولپنڈی عرشی نمبر ماہ نومبر، دسمبر ۱۹۸۵ء اور فیض الاسلام فروری ۱۹۸۶ء نیز فیض الاسلام جون ۱۹۸۶ء کے مختلف موضوعات اور مضامین سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے خصوصی دوست، مشیر کار، واہل مجلس میں مندرجہ ذیل حضرات خاص اہمیت کے حامل تھے نمبر ا خواجہ احمد الدین امرتسری یہ سخت منکر حدیث بلکہ گستاخ حدیث تھے۔ اہل قرآن کہلاتے تھے

(اقبال ان سے بہت متاثر تھے) نمبر ۲ حکیم محمد حسین عرشی اہل قرآن نمبر ۳ مشہور چکڑالوی غلام احمد پرویز اسی رسالے فیض الاسلام جون ۱۹۸۶ء کے ص ۲۶ پر ہے کہ اقبال حکیم عرشی پر زور دیتے تھے کہ ایسی کتاب لکھو جس میں عبادات و معاملات کے متعلق صرف قرآن سے استدلال کیا گیا ہو یہ کتاب ہندوستان میں تو روائتی ملاؤں کی وجہ سے) مقبول نہ ہو گی۔ ہاں البتہ دیگر ممالک میں ضرورت ہے۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال منکر حدیث تھے اور احادیث مبارکہ سے جان چھڑانا چاہتے تھے اور احادیث مبارکہ کو (معاذاللہ) بیکار یا غلط سمجھتے تھے۔ ص ۳ ہم نے اپنی اسی کتاب کے ص ۴ اپر بحوالہ حیات اقبال ص ۲۲۷ یہ بتایا ہے کہ اقبال صاحب مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ گھر میں پڑھتے تھے۔ لیکن کتنی پڑھتے تھے تو ان کے مداحین کے مضامین سے صرف صبح شام یا تہجد کی نمازوں کا ذکر ملتا ہے۔ (بحوالہ کتاب اقبال کی دنیا ص ۱۰۱) اہل قرآن بھی صرف دو فرض نمازیں ہی مانتے اور پڑھتے ہیں (بحوالہ رسالہ فیض الاسلام عرشی مضامین فروری ۱۹۸۶ء در ص ۲۹) اور دیگر چکڑالوی لٹریچر) نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ اس کے باوجود جس طرح کوئی وہابی خود کو وہابی کہلانا پسند نہیں کرتا اسی طرح منکر حدیث خود کو منکر حدیث کہلانا پسند نہیں کرتے۔

اقبال کی مختصر گھریلو کہانی خود ان کے بیٹے جاوید اقبال کی زبانی

بحوالہ اخبار جنگ لندن صفحہ ۵۔ ۲۵۔ ۲۶ اپریل ۱۹۹۲ء ہفتہ اتوار

اباجان کی بڑی تمنا تھی کہ میں کشتی لڑنا سیکھوں۔ کبوتر بازی کا بھی بہت شوق تھا چھچہ اور کانٹے سے کھانا پسند کرتے تھے ہم کو چھچہ اور کانٹے سے کھانا سکھایا کرتے کرکٹ بھی کھیلا کرتے تھے اور پتنگ بھی اڑا لیتے تھے۔ صبح کی نماز بہت کم چھوڑتے تھے گرمیوں میں باہر رکھے ہوئے تخت پر ہی نیت باندھ لیتے دھوتی اور بنیان زیب تن ہوتی اور سر پر تولیہ رکھ لیتے ان کے کمرے کی حالت پریشان سی رہتی دیواریں گرد و غبار سے اٹی رہتیں۔ بستر ان کی اپنی دھوتی اور بنیان کی طرح میلا ہو جاتا مگر انہیں بدلوانے کا خیال

نہ آنا۔ منہ دھوتے اور نہانے سے گھبرانے اور اگر کبھی مجبوراً باہر جانا پڑتا تو کپڑے بدلتے وقت سرد آہیں بھرتے وہ فطرتاً سست تھے۔ ہم ان باتوں پر اس لیے تو تبصرہ نہیں کر سکتے کہ یہ ہر شخص کی گھریلو زندگی اور نجی معاملات کہلاتے ہیں تذکرے کا منشا محض یہ ہے کہ جو شخص حکیم الامت اور مفکرِ اسلام اور نباضِ مسلمین کے القاب سے نوازا جاتا ہو اس کی زندگی کے یہ ہمہ وقتی پہلو حیرت انگیز اور افسوس ناک ہیں خاص کر نماز کے ساتھ یہ عامیانہ اور غیر شرعی سلوک یقیناً اہمیتِ نماز و معراجِ مومن سے ناواقفی و لاعلمی کی بنا پر ہے یہ فقرہ کہ فجر کی نماز بہت کم چھوڑتے تھے بتا رہا ہے کہ باقی نمازیں اکثر چھوڑ دیتے تھے حالانکہ ترکِ نماز مشابہ کفر ہے اور پھر گندی میلی دھوتی اور بنیان میں نماز اور بدن پونچھنے والا تولیہ سر پر ڈال کر نماز پڑھ لینا شرعاً اس طرح نماز ہوتی ہی نہیں نیز منہ دھوتے اور نہانے سے گھبرانا یہ بھی شرعاً گناہ کبیرہ ہے ہر مومن مسلمان نمازی کو پانچ وقت وضو میں منہ دھونا پڑتا ہے کیا اقبال صاحب بے وضو نماز پڑھتے تھے! نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضورِ مقدس میں حاضری مقصود ہوتی ہے وہاں بحکم قرآن خوب زینت سے حاضری دینا چاہیے گندی میلی دھوتی بنیان اور تولئے میں نماز پڑھنا اور باہر دوستوں میں جانے کے لیے عمدہ لباس عزت دار ٹوپی پہننا کیا یہ شرعاً درست ہے کیا بارگاہِ الٰہیہ کی اس میں توہین نہیں ہے نیز اہلِ قرآن فرقے والے بھی صرف فجر کی زیادہ اہمیت سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

ملنے کا پتہ: ۳۲ گرینج پارک روڈ لیٹن لندن ای ۱۰۔ ۵ ای پی

ایک مطبوعہ کتاب علامہ اقبال اور دو ہزار سوالات سے کچھ اقتباسات اور ان پر مختصر تبصرہ

مطبوعہ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

محمد کلیم آرائیں ایم اے کی اس کتاب کے ص۵۵ اور ص۱۶۵ پر یہ شعر لکھا ہے

چناں بزی کہ اگر مرگِ تست مرگِ دوام
خدا ز کردۂ خود شرمسار تر گردد

تبصرہ :۔ اس شعر کا ترجمہ ہے کہ اے انسان اس طرح زندگی گزار کہ اگر تجھ کو خدا تعالیٰ دائمی فنا کی موت دیدے دے۔ تو اللہ اپنے اس کام پر سخت شرمندہ ہوجائے۔ اور اسے بعد میں محسوس ہو کہ مجھ سے کتنی غلطی ہوگئی کہ میں نے اتنی عظیم چیز کو ابدیت کے بجائے فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ اب کوئی ذرا سی عقل رکھنے والا مسلمان بتائے کہ کیا یہ کفریہ شعر نہیں ہے بالکل یہی عقیدہ ہندوؤں کا اللہ یعنی بھگوان کے متعلق ہے کہ بھگوان دنیا بنا کر پچھتا رہا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ بھگوان ہمارے خوشی سے ڈر گیا۔ (معاذ اللہ) اس شعر سے صاف ظاہر ہے کہ اقبال کا بھی اللہ تعالیٰ کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ اسی قسم کے اشعار دیگر ہندو شعراء نے بھی بنائے ہیں جو فلموں اور ان کی قوالیوں میں عام گائے جاتے ہیں۔ مثلاً۔ زندگی دینے والے سن۔ وغیرہ وغیرہ۔

صفحہ ۱۰۱ پر لکھا ہے اقبال نے سرکشن پرشاد مہاراجہ کی تعریف میں بہت شاندار قصیدہ لکھا تھا۔

تبصرہ :۔ یہ وہی اقبال صاحب ہیں جن کے شاعرانہ قلم نے کبھی کسی مسلمان کی تعریف تو درکنار اپنی کسی کتاب کو بھی حمد و نعت سے شروع نہ کیا۔ حالانکہ چھوٹے سے چھوٹا مسلمان شاعر بھی اپنی نظمیات کو حمد و نعت سے شروع کرتا ہے اور یہی اللہ رسول کا حکم بھی ہے حدیث پاک میں ہے کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَءْ بِحَمْدِ اللہِ

فَهُوَ اَبْتَرُ۔ (ترمذی) (اسی صفحہ ۱۷۰ پر مسولینی دہریہ کو مرد آہن کہا گیا ہے۔
ص۱۷۹ پر ہے کہ علما اور صوفیاء کے متعلق (مذمت کرتے ہوئے) اکبر الٰہ آبادی کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔ یہاں لاہور میں ضروریات اسلامی سے ایک شخص بھی آگاہ نہیں صوفیا کی دکانیں ہیں مگر وہاں سیرت اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔
تبصرہ۔ یہ وہی زبان ہے جو ابھی مہاراجہ سرکشن پرشاد کا قصیدہ گا چکی ہے۔
ص۲۰۵ پر ہے کہ اقبال نے کہا کہ تم لوگ اب کمال اتاترک کی درازیِ زندگی کی دعا کرو۔ انہیں اپنا مشن پورا کرنا ہے (فیروبی کی تقریر)
تبصرہ۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اتاترک جیسے دشمنِ اسلام اور اس کے اسلام دشمنی والے مشن سے اقبال صاحب کو بہت محبت اور عقیدت تھی اور یہ بات کس سے پوشیدہ ہے کہ دشمن کا دوست دشمن ہوتا ہے۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اتاترک کا مشن کیا تھا جس کی تکمیل کے لیے اقبال صاحب دعا مانگ رہے ہیں اور سب سے دعائیں منگوا رہے ہیں چنانچہ اسلامی انسائیکلوپیڈیا مصنفہ سید قاسم محمود۔ طبع شاہکار بک فاؤنڈیشن شمالی کراچی کے ص۱۰۲ پر ہے کہ کمال پاشا نے حکومت سنبھالتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دینِ اسلام کو اپنی سلطنت سے خارج کیا پھر ملک کے تمام دینی مدارس کو بند کر دیا مذہبی تعلیم کی جبراً ممانعت کر دی گئی عورتوں کا پردہ ختم کرا دیا گیا۔ بلکہ مردوں کے ساتھ مشترکہ شانہ بشانہ اجتماع پر زور دیا گیا۔ اور اس فحاشی کو فروغ دیا گیا۔ ترکی کے اسلامی لباس مہذب پہناوے کو ممنوع قرار دیا گیا ترقیِ ترکی کا قدیم قومی لباس بھی ممنوع قرار دیا گیا اور عیسائیت کی انگریزی تہذیب کو جاری کیا ترکی ٹوپی اسلامی عمامہ ممنوع کیا اس کی جگہ یورپی ٹوپی پہنتے پر مجبور کیا گیا۔ اور عورتوں کو انگریزی ننگا لباس پہننے پر جبر کیا گیا۔ درویشوں فقیروں مجذوبوں کا قلع قمع کیا گیا (قتل عام کیا گیا) پیری مریدی یعنی اسلامی بیعت کو ممنوع قرار دیا گیا۔ صوفیا اولیاء کی خانقاہوں تکیوں ڈیروں کو توڑ پھوڑ کر ختم کیا گیا اسلامی تاریخ کو رد کیا گیا۔ مصطفیٰ کمال نے جو دو کام سب سے زیادہ اہم (شدت اور سختی سے) کئے وہ یہ تھے کہ نہ صرف یہ کہ

عربی زبان کی ممانعت کر دی گئی اور عربی قرآن اور عربی نماز کا کلام تلاوت کو بھی ملک سے نکالا گیا اور اُس کی جگہ ترکی زبان میں قرآن اور نماز بنائی گئی (اس کام کے لیے عربی قرآنوں کو پھاڑا بکھیرا جلایا اور ڈبویا گیا) علماء کو مساجد میں قتل کیا گیا مساجد کی بے حرمتی کی گئی بعد ازاں مسجدوں کو تالے لگا دیئے گئے) ترکی کا رسم الخط بھی عربی سے ختم کر کے رومن یعنی انگریزی میں کیا گیا (اس دور میں نیک والدین اپنے بچوں کو غاروں اور جنگلوں میں چھپ کر اسلامی تعلیم اور عربی نماز سکھاتے تھے اگر کوئی پکڑا جاتا تو مع اولاد والدین کو قتل کر دیا جاتا) جمعہ کی اسلامی چھٹی منسوخ کر کے اتوار کی عیسائی چھٹی مقرر کی گئی۔ سن ہجری کو ختم کر کے اُس کی جگہ عیسائی نظام الاوقات مقرر کیا۔ استنبول اور انقرہ میں کمال پاشا کے بت بنا کر لگائے گئے حالانکہ اسلام میں ہر طرح کی بُت سازی حرام ہے (پاشا کو صرف اسلام سے نفرت تھی عیسائیت سے اور یورپی تہذیب سے محبت تھی۔ اسی لیے جب کسی کو داڑھی والا دکھائی دیتا تو اس سے پوچھا جاتا کہ تیرا مذہب کیا ہے اگر وہ کہتا کہ میں مسلمان ہوں تو اُس کی داڑھی مونڈ دی جاتی اگر کہتا کہ یہودی یا سکھ ہوں وغیرہ وغیرہ تو چھوڑ دیا جاتا) اُدھر ترکیہ میں ۲۴ نومبر ۱۹۳۴ء کو اس کی اپنی پارٹی بوک ملت مجلسی نے کمال پاشا کو اتاترک کا خطاب (لقب) دیا تو اِدھر ہندوستان میں اقبال صاحب اور ان کی پارٹی شفیع گروپ نے کمال پاشا کو غازی کا لقب دیا۔ حالانکہ صحابہ کرام کے علاوہ کسی بھی شخص کو غازی کہنا سراسر جہالت اور کذب بیانی ہے۔ اس لیے کہ غازی بنا ہے غزوے سے اور غزوہ وہ جہاد ہے جس میں آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذاتِ خود شرکت فرمائی ہو۔ یہ غزوات کل ستائیس ہوئے جو صحابہ ان میں سے کسی میں شریک ہوئے صرف ان کو ہی غازی کہا جاتا ہے۔ بعض جہلا اب بھی اپنے آپ کو یا اپنے کسی بڑے کو غازی کہہ دیتے ہیں یہ ان کی حماقت اور لاعلمی ہے جو گناہ ہے کیونکہ جھوٹ ہے۔ غرضکہ اقبال صاحب نے اسی اسلام دشمنی پر پاشا کو غازی کا لقب دیا جب کہ اس وقت ترکیہ کے علما اور صوفیا نے پاشا کو دجالِ اوّل کا لقب دیا تھا۔ یہ تھا پاشا صاحب کا وہ مشن جس کی تکمیل اور کامیابی کے لیے ڈاکٹر اقبال صاحب دعائیں کر رہے ہیں۔ کمال پاشا کی پوری

حکومت کی طاقت اور طاقت کی سیاست کا مشن قوم کو اسلام کے دامن سے نکال کر یورپ کی غلامی میں دینا جس سے قوم ذلت کی موت مرتی چلی گئی مگر ڈاکٹر اقبال صاحب کا اس مشن کی تائید اور دعائیں کرنے کرانے کا نامعلوم کیا مقصد تھا۔

ص۱۴۵ پر ہے کہ اقبال کے مشیر خاص مولوی احمد دین تھے۔

تبصرہ۔ حالانکہ مولوی احمد دین منکر حدیث تھے اور تین نماز کو مانتے تھے۔ پانچ نمازوں کے منکر تھے۔ چنانچہ ماہنامہ فیض الاسلام فروری ۱۹۸۶ء میں وضاحت سے یہی لکھا ہے۔

ص۱۶۳ پر لکھا ہے کہ ڈاکٹر اقبال میسولینی اور نپولین کی بہت تعریفیں کرتے تھے اور ان کو کلیم بے تجلی کا خطاب دیتے تھے۔ اور سربلندی کا نشانِ اول کہتے تھے۔

ص۲۱۹ پر ہے کہ اقبال روزہ رکھنے سے گھبراتے تھے۔

تبصرہ؛ حالانکہ روزہ وہ عظیم عبادت ہے جس کے بغیر کسی مسلمان کو بارگاہ الہیہ میں قبولیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

ص۲۱۱ پر لکھا ہے کہ اقبال کے نزدیک ہندوستان کا کوئی مسلمان بھی درست نہیں سب بیکار رونا کا رہ ہیں خصوصاً ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمان۔

تبصرہ۔ اقبال کی مسلمانوں سے یہ نفرت غالباً اس لیے تھی کہ ہندوستان کے مسلمان علما، اولیا، مساجد و عبادت کے بہت شیدائی تھے دین کی محبت سے بھرپور تھے مگر اقبال چاہتے تھے کہ ترکیہ کی طرح یہاں کے مسلمان بھی مساجد و مدارس سے بیزار ہو جائیں اور تلاوت و عبادت سے دور۔ ترکیہ میں تو فوجی طاقت سے دینی محبت کو کچلا گیا۔ یہ طاقت اقبال صاحب کو نہ مل سکی اس لیے اشعار کی طاقت استعمال کی جس کا اثر کچھ زیادہ نہ ہوا لہٰذا متنفر ہو گئے۔

ص۱۵۴ پر لکھا ہے کہ انگریزوں کی طرف سے اقبال کو سر کا خطاب ملا تو مسلمانوں کو برا لگا۔ (اس لیے کہ یہ چاپلوسی اور ضمیر فروشی تھی) اُس وقت لوگوں نے یہ کہنا مشہور کر دیا تھا کہ ؎

سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال

تبصرہ:۔ یعنی ڈاکٹر اقبال حکومت کی چوکھٹ پر اتنے جھکے کہ سجدہ ریز ہو گئے اندازہ لگائیے کہ صرف ایک سر کا خطاب حاصل کرنے کے لیے اقبال کو انگریز کی اتنی کاسہ لیسی اور قصیدہ خوانی کرنی پڑی کہ خود فروش بن گئے۔ علامہ صوفیا۔ مساجد و مدارس اور خانقاہ کی برائی صرف انگریز کو خوش کرنے کے لیے ہی کی گئی یہ سر کا خطاب انہی خدمات کا انعام تھا۔ یہی اقبال کارل مارکس کو کلیم و مسیح کا لقب دے رہے ہیں۔ یعنی مثل موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام۔

ص ۱۵۶۔ پر لکھا ہے کہ عطیہ بیگم کے درست کردہ ایوانِ رفعت بمبئی میں رقص کے دوران علامہ نے مس عطیہ کو یہ ایک پرائیوٹ قسم کا مزاجیہ شعر کاغذ پر لکھ کر دیا تھا۔

عالمِ جوشِ جنوں میں ہے روا کیا کیا کچھ
کہیئے کیا حکم ہے دیوانہ بنوں یا نہ بنوں

تبصرہ:۔ اقبال عورتوں کے ساتھ رقص کیا کرتے تھے۔؟
بتائیے کیا قوم مسلم کے مفکر و رہنما اور مردِ قلندر کی یہی تہذیب ہوتی ہے۔ کیا ان ہی اخلاقیات و عادات کی بنا پر ان کو حکیم الامت کہا جاتا ہے۔

ص ۱۴۹ پر لکھا ہے کہ گاندھی جی کو اقبال کی یہ نظم کہ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا بہت ہی پسند تھی۔

تبصرہ:۔ اس لیے کہ اس میں گنگا جمنا والے ملک کی شان کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بیت المقدس سے اچھا کہا گیا ہے۔ کیونکہ سارے جہان میں تو یہ شہر بھی داخل و شامل ہیں۔

ص ۱۰۰ پر ہے کہ اقبال حیات بعد الموت یعنی قبر و حشر کی زندگی کے مسئلے کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے (مانو یا نہ مانو)

تبصرہ:۔ قرآنِ مجید میں اس کو بہت اہم فرمایا گیا ہے مگر ہندو اور دیگر مشرکین اس کے منکر ہیں۔ غالباً اقبال صاحب اپنے ان ہی آبائی ہندوؤں مشرکوں کو خوش کرتے کے لیے۔ قبر و حشر کی زندگی کو غیر اہم یعنی بیکار کہہ رہے ہیں۔

ص ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ۔ اقبال اس لیل و نہار کی دنیا کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور دنیا

بنانے والے کو طعنہ دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

این چہ حیرت خانۂ امروز و فردا ساختی

تبصرہ۔ اس مصرعے کا ترجمہ ہے۔ اے اللہ تو نے یہ آج کل کی دنیا والا گھر کیوں بیکار پیدا کر دیا۔ مگر اسلام و قرآن کا فرمان ہے کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

ص۱۹۲ اور ص۲۰۱ اور ص۲۰۳ اور ص۲۱۰ پر ص۱۳۲ پر لکھا ہے کہ پہلے اقبال مذہبی امتیاز اور دو قومی نظریئے کے مخالف تھے اور تین سال تک ڈاکٹر اقبال کا قائد اعظم سے سیاسی تصادم ہوا اور اقبال قائد اعظم کے مخالف رہے۔ اقبال نے قائد اعظم کو چیف ایکٹر یعنی بڑا ڈرامہ باز کا لقب دیا تھا۔ ابتداءً ڈاکٹر اقبال قومیت کی بنیاد وطن کو سمجھتے تھے نہ کہ دین کو اور اسی کی حمایت میں یہ نظم لکھی تھی سارے

جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا۔

تبصرہ۔ ان ہی نظریات اور قائد کی مخالفت کی وجہ سے مشہور تھا کہ اقبال مسلمانوں کی علیحدہ حکومت کے مخالف تھے اور گاندھی کی چال بازی احراریوں دیوبندیوں کی حمایتی تحریک اور انگریزوں کی خواہش کے ساتھ ساتھ شانہ بشانہ چلتے رہے بہت عرصہ بعد جب قائد اعظم کی جاں سوز محنت علیحدہ اسلامی ریاست کے لیے اور مسلمانوں کا عملی رجحان قائد اعظم کی حمایت میں بڑھتا ہوا دیکھا تو صرف ایک بار الٰہ آباد میں تقریر کے دوران قائد اعظم سے متاثر ہو کر ان کی حمایت میں علیحدہ مسلم ریاست کو تسلیم کرتے ہوئے مطالبے اور خواہش کے طور پر چند جملے ارشاد فرمائے جس کو بعد میں خطبہ الٰہ آباد کے نام سے مشہور کیا گیا۔

ص۱۲۱ پر لکھا ہے کہ اقبال صاحب نے سر محمد شفیع کے ساتھ مل کر ۱۹۲۷ء میں علیحدہ مسلم لیگ بنائی جس کا نام پنجاب پروانشل مسلم لیگ رکھا۔

تبصرہ۔ اسی کا نام شفیع گروپ بھی تھا اقبال اس کے جنرل سیکرٹری اور صدر سر محمد شفیع تھے۔ یہ مسلم لیگ قائد اعظم کی مسلم لیگ کے خلاف تھی۔

ص۱۸۲ پر ہے کہ اقبال سلیمان ندوی کو ہندوستان کی آبرو، مشرق کی عزت اور فخر اسلام کہا کرتے تھے۔

تبصرہ۔ ندوۃ العلماء گروپ کے عقائد بالکل وہابیانہ تھے۔

ص۱۸۸ اور ص۲۱۱ پر لکھا ہے کہ اقبال کو پیرس دیکھنے کا بہت شوق تھا چنانچہ تیسری گول میز کانفرنس کے موقعے پر آپ نے اپنی خواہش کو پورا کرلیا۔
ص۲۱۶ اور ص۲۲۸ پر لکھا ہے کہ علامہ اقبال کو سب سے زبردست خواہش تھی کہ مدینے میں حضور کی بارگاہ میں حاضری دیں ۔ ۱۹۳۲ء میں موتمر عالم اسلامیہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے بیت المقدس گئے لیکن خواہش کے ہوتے ہوئے بھی دربار نبوی پر حاضری نہ دی اور قریب سے گزر گئے آپ نے ایک خط میں حج بیت اللہ کی خواہش کا اظہار کیا ہے ۔ مگر کبھی تیاری نہ کی لندن جاتے ہوئے کئی دفعہ قریب سے گزر گئے بیت المقدس میں قیام کے دوران ساتھیوں نے کہا بھی تھا کہ مدینہ منورہ اور حجاز مقدس قریب ہی ہے وہاں کی بھی حاضری ہو جانی چاہیئے مگر اقبال نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس طرح کی حاضری پر دل گوارہ نہیں کرتا ۔
ص۲۱۷ پر ہے کہ اقبال نے کبھی بھی بارگاہ رسالت کی حاضری نہ دی ہمیشہ کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی رہی ۔
تبصرہ :۔ مگر لندن ، پیرس ، جرمنی ، اٹلی ، میسور ، افغانستان ، اسپین ، مصر ، ہسپانیہ اطالیہ ، اندلس ، قرطبہ ، فلسطین کے بیسیوں سفر کئے مگر کبھی کوئی رکاوٹ نہ ہی بلکہ سفر انگلستان کا عشق تو اس حد تک تھا کہ ہر رکاوٹ کو توڑنے پر کمربستہ رہتے ، خود کہتے ہیں کہ ۔ توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو (رازنظم نالہ فراق) اور یہ صرف زبانی کلامی ہی نہ تھا بلکہ عملی طور پر ہر رکاوٹ کو چھوڑ کر ہر زنجیر کو توڑ کر انگلستان جانے کا جذبہ پورا کر دکھایا ۔
پھر ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ یہ خواہش پوری کی مگر مکہ مکرمہ مدینہ منورہ جانے کی خواہش ایسی کمزور تھی کہ ذرا سی رکاوٹ کا بہانہ بھی اس خواہش کو سرد کر کے رکھ دیتا اور باوجود دوستوں کے کہنے بلکہ پیش کش کرنے کے بعد بھی سفر حجاز مقدس میں ٹال مٹول کر دی جاتی چنانچہ اسی کتاب کے ص۱۷۶ پر ہے کہ ایک دفعہ مسولینی نے پرزور پیش کش کی تھی کہ ہم سارا خرچ دیتے ہیں تم حج کو آؤ مگر اقبال صاحب ٹال گئے اور حج وعمرہ و زیارت بارگاہ کے لیے کبھی نہ گئے ۔ اور

خود بھی غریب نہ تھے بلکہ اپنے زمانے کے لکھ پتی رئیس تھے چنانچہ اسی کتاب کے صہ ۲۱۳ پر لکھا ہے کہ وکالت میں اقبال کی ماہانہ آمدنی تقریباً ایک ہزار روپیہ تھی یعنی آج کل کے تقریباً ایک لاکھ روپیہ تھی اتنے بڑے رئیس اعظم ایک پیر صاحب کے گھر بجلی کا بلب برداشت نہ کر سکے۔ اور دیکھ کر طعنہ دیتے ہوئے غصے میں پوری نظم کے تیر چلا ڈالے کہ مرید کی زبانی کہتے ہیں۔

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

اقبال صاحب کے دل میں ایک بجلی کا بلب تو کھٹک گیا اور مٹی کے دیئے کا طعنہ مار دیا اور مرید کی غربت کا خیال آگیا۔ مگر اپنی کوٹھیاں۔ کاریں، روشنیاں، کیوں نظر نہ آئیں۔ ان فضول خرچیوں اور عیش کی زندگی میں کسی غریب کے دیئے کا خیال کیوں نہ آیا جب کہ اقبال صاحب کی یہ ماہانہ آمدنی بھی غریب مؤکلوں کی خون پسینے کی کمائی اور غربا کی جیب سے تھی۔

صہ ۱۰۷ پر لکھا ہے۔ اقبال نے اپنی زندگی میں جن لوگوں کے لیے کتابیں لکھیں ۱ دسویں جماعت کے لیے ۲ پانچویں ۳ چھٹی ۴ ساتویں ۵ آٹھویں جماعت کے لیے ۶ تاریخ ہند برائے مڈل کلاس ۷ اقبالِ ہند، اور اس کے علاوہ سترہ عدد کتب۔

تبصرہ۔ بتایا جائے کہ ان کتب میں اقبال نے اسلام کی کیا خدمت کی!

صہ ۱۱ پر لکھا ہے کہ اقبال قرآن کو مظلوم کہتے تھے اس لیے کہ اسلام و قرآن کے کتنے ہی ایسے پہلو اسرار و رموز ہیں جن پر مسلمانوں نے بہت کم غور کیا ہے۔

صہ ۹ پر ہے کہ اقبال صرف خود کو دانائے راز کہتے تھے۔

تبصرہ۔ یعنی صحابہ کرام تابعین تبع تابعین ائمہ اربعہ فقہا علما میں سے کسی نے بھی قرآن مجید پر غور نہ کیا۔ اور نہ کوئی مسلمانوں میں رازدان یا دانائے راز ہوا بس وہ خودی ہے جس کا دوسرا نام تکبر ہے۔

صہ ۴۱ پر لکھا ہے کہ خودی تکبر نہیں بلکہ غیرت ہے۔

تبصرہ: اور غیرت یہ ہے کہ انسان اپنی شکل صورت لباس کلام میں اپنی تہذیب اپنا طریقہ اختیار کرے۔ اگر اپنی قومی ایمانی مذہبی تشخص و تہذیب کو چھوڑ کر غیروں

کی شکل صورت لباس کلام اور معاشرہ اختیار کرے تو غیرت کا جنازہ نکالنا ہے۔ کیا اقبال صاحب نے اپنی زندگی پر اسلام کا نقشہ قائم فرمایا تھا؟
صلا پر ہے کہ اقبال ملٹن کی تقلید کے خواہش مند تھے۔
صلا پر لکھا ہے کہ اقبال کے والد شیخ نور محمد اقبال کو سمجھایا کرتے تھے کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم پر ہی اترا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے (یعنی نبی کریم کا واسطہ بیچ میں نہ سمجھو۔
تبصرہ۔ تاکہ نبی کریم اور احادیث پاک کا کُل کر انکار کرسکو یہی بات منکر حدیث کہتے ہیں کہ نبی تو محض ایک قاصد (ڈاکیہ) ہے معاذ اللہ۔ اقبال نے اس نصیحت کو تاعمر دل وجان سے قبول کیا یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ منکرین حدیث کی صحبت ومحبت میں رہے۔
ص۲۲ پر ہے کہ اقبال کے نزدیک حصول علم کے صرف چار ذریعے ہیں۔
۱ وحی (قرآن مجید) جو ختم ہو چکا ۲ آثار قدما (تاریخ) ۳ زمین کا سیر ۴ علم نفس۔
تبصرہ۔ یعنی اقبال کے نزدیک آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات جن کو احادیث مقدسہ کہا جاتا ہے، علم کا سرچشمہ اور ذریعہ نہیں ص۲۸، ص۲۹ اور ص۲۱۸ پر لکھا ہے کہ اقبال صاحب کو شطرنج اور انگریزی فلمیں اور کبوتر بازی بہت پسند تھی۔
تبصرہ۔ ایک مسلمان کے لیے یہ تینوں چیزیں شرعاً ناجائز ہیں۔
ص۵ا پر لکھا ہے کہ اقبال مسئلہ جبر وقدر میں معتزلہ کا رجحان وعقیدہ رکھتے تھے۔
تبصرہ۔ حالانکہ معتزلہ کے تمام عقیدے کفریہ تھے۔ اور چار اماموں کے خلاف جب کہ اسی کتاب کے ص۲۲۲ پر لکھا ہے اقبال خود کو حنفی کہتے تھے کوئی بتائے کہ یہ کیسی حنفیت ہے؟
ص۹۶ پر ہے کہ اقبال کو جرمن قوم بہت پسند تھی۔
تبصرہ، مگر نفرت مسلمان قوم سے تھی۔

ص۵۲ پر لکھا ہے کہ اقبال اکبرالہ آبادی کے مخالف تھے۔
تبصرہ :۔ اس لیے کہ اکبرالہ آبادی اسلامی نظریات اور تہذیب کے حامی تھے اس کو مغرب کی چیزیں بری لگتی تھیں اور اقبال کو مغرب کی چیزیں انگریزی فلمیں عریانی بے پردگی) اور مغربی لباس۔ صلیب والی ٹائی کوٹ پینٹ ھیٹ وصورت رہن سہن انگریزی پسند تھا۔
ص۸۰ پر لکھا ہے کہ جاوید نامہ میں معراج کو آسمانی ڈرامہ کا نام دیا گیا ہے۔
تبصرہ ۔ (معاذاللہ) یہ معراج شریف کی گستاخی ہے۔
ص۸۲ :۔ پر لکھا ہے کہ اقبال رامائن ۔ یعنی رام سنیا کی کہانی لکھنا چاہتے تھے۔
تبصرہ :۔ یہ ھندؤں کی بہت متبرک اور مذہبی (شرکیہ کفریہ) کہانی ہے ہندو رام کو بھگوان اور دیوتا (اوتار) کا درجہ دیتے ہیں اقبال اس کو اردو میں لکھ کر مسلمان کو گمراہ بد مذہب بدعقیدہ اور ہندؤں کو خوش کر کے اُن کے کفریات کی اشاعت کرنا چاہتے تھے۔ اور اپنے آبائی دین کا حق نمک ادا کرنا چاہتے تھے۔ اور ثابت کرنا چاہتے تھے کہ :۔
یں جنم کا سومناتی ۔ میرے آبا لاتی و مناتی۔ اور سب کو بتانا چاہتے تھے کہ میرے ماتھے اسلام کا ٹیکہ تو ہے مگر اصلاً تو میں پنڈت ہوں۔
ہے جو پیشانی پہ اسلام کا ٹیکہ اقبال کوئی پنڈت مجھے کہتا ہے تو شرم آتی ہے
یعنی بقول اقبال۔ اسلام صرف ظاہری پیشانی تک ہے دل و جگر میں کچھ اور ہے پنڈت اگر کوئی کہے تو صرف شرم آتی ۔ غصہ نہیں آتا۔
ص۷۲ اور ص۸۲ پر لکھا ہے کہ اقبال فقہ اسلامی کو نئے سرے سے تدوین کرنا چاہتے۔
تبصرہ : گویا کہ اقبال آئمہ اربعہ کی مدون و مرتب شدہ فقہ اسلامی سے بھی متنفر غیر مطمئن تھے۔ یہ موجودہ فقہ پوری اُمت مسلمہ از تابعین تا ایندم تمام اور علماء فقہا کا پسندیدہ رہا ہے۔ یہاں تک کہ غیر مسلم سکالر نے بھی مجتہدین کی اس محنت شاقہ کو سراہا ہے ہاں البتہ منکرین حدیث ہمیشہ اس کے مخالف رہے پتہ نہیں اقبال صاحب کو موجودہ فقہ کی تدوین میں کیا برائی نظر آئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے

کہ اقبال کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی ورنہ نجانے اقبال صاحب کس ادارے کے سپرد یہ کام کر دیتے اور کن جُہلا کی تخریب کاری ہو جاتی جس سے سینکڑوں مسلمان گمراہ ہو جاتے۔ غرضیکہ اقبال صاحب نے قوم کے دل میں اکابر اسلام کی طرف سے ہمیشہ نفرت کے بیج بوئے کبھی کسی اسلامی محنت کی تعریف نہ کی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلامی فقہ کے چمن سرسبز کو سدا بہار بنائے اور مخالفوں کی خورد برُد سے بچائے۔

ص۲۲۰ پر لکھا ہے کہ اقبال اُردو زبان پنجابی لہجے میں بولتے تھے۔

تبصرہ:۔ یعنی قاف کو کاف اور ح کو ھ حُقہ کو ھُگہ کہتے تھے۔

تب تو پھر یقیناً قرآن کو بھی کُرآن کہتے ہوں گے اور تلاوت میں بھی یہ غلطیاں کرتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ معافی دے قرآن مجید غلط پڑھنا تو سخت باعثِ عذاب ہے۔

ص۲۱۵ پر لکھا ہے کہ شرقپور کے بزرگ حضرت میاں شیر محمد نے علامہ اقبال کو کہا تھا کہ میں عام لوگوں کو داڑھی رکھنے کی تاکید کرتا رہتا ہوں لیکن میرے نزدیک آپ جیسے شخص پر جس نے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے قلوب میں ایمان اور عقل کے چراغ روشن کر دئیے ہیں داڑھی کے معاملے میں سختی کرنا مناسب نہیں۔

تبصرہ:۔ یہ بالکل قطعًا غلط ہے اور مصنف کی غلط بیانی ہے۔ ہم نے قریبی ذرائع سے پتہ کرایا ہے کہ اقبال صاحب جب شرقپور شریف حاضر ہوئے تو حضرت میاں صاحب نے اقبال سے صرف اسلیے ملنے سے انکار کر دیا کہ سنت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تارک ہیں۔ یعنی داڑھی منڈاتے ہیں۔ اقبال افسوس کرتے ہوئے یہ کہ کر واپس آئے تھے کہ گناہ سے نفرت چاہیئے نہ کہ گنہگار سے اور پھر مصنفِ کتاب ہذا کی یہ بات ویسے بھی غلط معلوم ہوتی ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ میاں صاحب علیہ الرحمۃ جیسا عاشقِ رسول سنتِ پاک کا شیدائی جو اپنی نماز یا جماعت کی پہلی صف میں بھی کسی داڑھی منڈے کو کھڑا نہ ہونے دیے وہ بھلا ایک رہبر قوم کا داڑھی منڈا ہونا کیسے پسند

فرماتے جب کہ رہبر قوم کا گناہ تو زیادہ خطرناک ہے کہ اس کی دیکھا دیکھی ہزاروں گمراہ و گناہگار بن جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ داڑھی مبارک کسی کا ذاتی فعل نہیں بلکہ یہ فرضی سنت اور شعائر اسلامی تعارف مومن ہے اور داڑھی منڈانے مونچھیں بڑھانے کو مجوسیوں کا نشان اور تعارف قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ مسند امام ابن ابی شیبہ جلد ہشتم ص۳۷۹ پر ہے عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمَجُوسِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَلَقَ لِحْيَتَهُ وَأَطَالَ شَارِبَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا قَالَ هٰذَا فِي دِيْنِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَجُزَّ الشَّارِبَ وَأَنْ نُعْفِيَ اللِّحْيَةَ شَعَائِرُ دِيْنِنَا۔

ترجمہ:۔ ایک مجوسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اس نے داڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں بڑی بڑی رکھی تھی نبی پاک نے پوچھا یہ کیا ہے اس نے کہا یہ ہمارے دین کی نشانی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے دین کی نشانی یہ ہے کہ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں گھٹاؤ۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

مورخہ ۱۰/رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ ۲۰/جنوری ۱۹۹۶ء بروز سوموار

سولہواں فتویٰ

لفظِ کُل کا بیان اکثر اور کُل کا فرق اور اعلیٰحضرت کے چند اشعار پر مخالفین کے جاہلانہ اعتراضات اور ان کے جواب۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ۔

۱۔ قرآن پاک کی اس آیتِ کریمہ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ النحل۔ ۸۹ (اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے) اسے عند العلماءِ اہلِ سنت یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ قرآن پاک میں ہر شے دینی ہو یا دنیاوی تمام کا بیان ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتدریج قرآنِ پاک کے مکمل نزول کے ساتھ ہر شی دینی و دنیوی کے تمام علوم مفصل طور پر بعطاءِ الٰہی حاصل ہوگئے ہیں کسی شی کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہ رہا۔ تو ایک مخالف کا اس پر اعتراض ہے کہ اگر کسی کو کُلُّ (مَا) ایسے الفاظ سے تشبیہ واقع ہو مثلاً وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اور مشکوٰۃ میں دارمی کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک مذکور ہے فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یا مثل اس کے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہاں عموم واستغراق حقیقی مراد نہیں بلکہ عموم واستغراق اضافی میں ہی مراد ہے یعنی باعتبار بعض علوم کے کہ وہ علوم ضروریہ متعلق بہ نبوت ہیں عموم فرمایا گیا پس اس کا مقتضا صرف اس قدر ہے کہ نبوت کے لیے جو علوم لازم و ضروری ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامہا حاصل ہوگئے تھے۔ الفاظِ عموم کا عموم اضافی میں مستعمل ہونا محاوراتِ جمیع السنہ میں بلا نکیر جاری ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور حضرت

سلیمان علیہ السلام کی نسبت فرمایا گیا ہے ، وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ (النمل ۱۶)
اور بلقیس کی نسبت فرمایا گیا ہے وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ (النمل ۲۳)
یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کے پاس تمام چیزیں تھیں یہ ظاہر ہے کہ ان کے پاس اس زمانہ کی ریل گاڑی ۔ ہوائی جہاز ۔ تار برقی ریلیں وگیاس اور فوٹو وغیرہ ہرگز نہ تھے ۔ وہاں بھی اشیائے ضروریہ لازمہ سلطنت کا عموم مراد ہے ۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ جس طرح ، کُلُّ شَیْءٍ ، کا لفظ مذکور سب آیات میں موجود ہے تو سب جگہ ایک ہی مفہوم مراد نہ لیا جائے تو کیا معقول وجہ ہے ۔ جب کہ قرآن پاک سے یہ بھی ثابت ہے کہ لفظ ، کُل ، بغیر کسی قرینہ کے بھی مقید ہو کر مستعمل ہے ۔ مثلاً ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ، (پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے) (البقرۃ ۲۶۰) اس آیت میں ، کُلِّ جَبَلٍ ، سے (بہ اخلاق مفسرین کرام چار یا سات یا دس پہاڑ مراد ہیں) حالانکہ آیت کے الفاظ عموم سے دنیا کے تمام پہاڑ مراد ہونا چاہئیں ۔ خلاصہ یہ کہ الفاظ عموم سے ضروری نہیں کہ عموم واستغراق حقیقی مراد ہو جیسا کہ قرآن حکیم کی آیات بطور دلیل مذکور ہو چکیں ۔ اگر عموماً قطعی مراد لیا جائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام و بلقیس کے لیے بھی عموم قطعی مراد لیا جائے ورنہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں بدلائل حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کے لیے ثابت کیا جائے کہ ان کے لیے اِن ہی الفاظِ عموم سے عموم قطعی مراد نہیں ۔

ب : یہ مسئلہ نداءِ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم سے متعلق ہے ۔ ہمارے مسلک بریلوی اہل سنت والجماعت کے نزدیک مقاماتِ بعیدہ سے بھی اولیائے عظام کو استعانت کے لیے ندا کرنا جائز ہے سوال یہ ہے کہ اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم کی اَرواحِ مقدسہ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو مستثنیٰ جانتے ہوئے اس لیے کہ ہمارے مسلک اہل سنت کے نزدیک حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعطائے الٰہی وبا علامِ خداوندی ہر شے کا تفصیلی علم حاصل ہے (ملخصًا الدولۃ المکیہ ۔

انباء المصطفےٰ۔ خالص الاعتقاد وغیرہم از افاضات امام اہل سنت اعلحضرت احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز) کیا دنیا کی ہر زبان سے واقف ہیں کہ فریاد کرنے والا کسی بھی زبان میں عرض معروض و استغاثہ کرے تو سماعت فرماسکیں کہ بیک وقت ہزاروں فریادیوں کی اسی لمحہ پکار و فریاد سن کر فریاد رسی فرماسکیں یہ کیونکر ممکن ہے! یعنی شرعی دلائل کی روشنی میں صراحتاً ایسی دلیل جو اس موقف کے اثبات پر دال ہو کہ ارواحِ مقدسہ ہر زبان سمجھتی ہیں تحریر فرما دیں۔

ج:۔ امام اہل سنت اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے نعتیہ کلام (فی حدائق بخشش حصہ دوم صلا ناشر شبیر برادرز لاہور) میں فرماتے ہیں ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

ندیم یہ کہتا ہے کہ مذکور شعر درست ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل غیب جانتے ہیں اور وسیم کہتا ہے کہ مذکور شعر درست نہیں ہے کہ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالےٰ کا علم مساوی ہے قرآن وسنت سے فیصلہ فرما دیں (آسان فہم توضیح کے ساتھ) کس کا قول صحیح ہے کس کا قول باطل ہے؟

د:۔ امام اہل سنت اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے نعتیہ کلام فی الحدائق بخشش حصہ دوم صلا (ناشر شبیر برادرز لاہور) میں فرماتے ہیں ؎

گرچہ ہیں بے حد قصور تم ہو عفو و غفور بخشش دو جرم و خطا تم پہ کروڑوں درود

اور صوفی اللہ دتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف کتاب الولایت (کیا خدا کے سوا کوئی مشکل کشا ہے)، صہ۲۳ (ناشر ادارہ اشاعت العلوم لاہور) میں تحریر فرماتے ہیں۔ مشکل کشائی، فریاد رسی۔ حاجت روائی۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جس میں نیابت جاری ہے جیسا کہ صدر کتاب میں ہم قرآن وحدیث پیش کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بالاصالت مشکل کشا فریاد رس اور حاجت روا ہے اور اولیاء اللہ بالتبع ہیں لیکن شانِ غفاری تو خاصۂ خداوندی ہے جس میں نیابت نہیں

اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے مَن یَّغفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اللہ ۔ یعنی کون ہے گناہ بخشنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے جس کام میں نیابت نہیں اُس میں ایماندار اصل کو ہی پکارے گا اور جس میں نیابت جاری ہے وہاں نائب کی طرف ہی رجوع کیا جائے گا۔ انتہٰی بلفظہٖ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ شعر کی تشریح فرما دیں۔

۵۔ غیر مقلدین حضرات و دیوبندی حضرات سے سلام دعا والاں کے نمازِ جنازہ میں شرکت جب کہ نماز پڑھانے والا سنی عالم ہو، جائز ہے یا نہیں؟ نیز کسی سنی العقیدہ مرد کی شادی وہابی یا دیوبندی عورت سے جائز ہے یا نہیں جب کہ مرد کی یہ نیت ہو کہ سمجھا کر قائل کر کے عورت کو سنی العقیدہ بنا لوں گا۔

امید ہے تمام سوالوں کے جوابات تحقیقِ عمیق کے ساتھ کافی وشافی عنایت فرمائیں گے۔

وَالسّلام مع الاکرام

المستفتی

احقر العباد جاوید گولڈسمتھ

بلاک ۲، صرافہ مارکیٹ۔ ڈیرہ غازیخان (پاکستان)

بِعَونِ العَلّامِ الوَھّابِ

الجواب

۱۔ صورتِ مسئولہ مذکورہ میں جو مخالف نے مسلکِ اہلِ سنت وعقیدۂ حقہ مطلب قرآنی پر اعتراض کیا ہے وہ انتہائی جہالت ہے۔ چار وجہ سے اوّلاً اس لیے کہ معترض علمِ نحو علمِ صرف اور علمِ اصول سے بالکل ناواقف معلوم ہوتا ہے ثانیاً اس لیے کہ فہمِ قرآنی صرف ترجمہ جان لینے کا نام نہیں بلکہ علماءِ محققین فرماتے ہیں فہمِ قرآنی کے لیے چالیس علوم حاصل کرنے کے علاوہ تقویٰ طہارت عبادت خوفِ الٰہی عشقِ مصطفائی شعورِ ذہنی فراستِ قلبی کی دولتِ کثیرہ کی ضرورت ہے

معترض مذکور کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہیں معلوم ہوتی۔ ثالثاً یہ کہ فہم قرآنی نام ہے منشاءِ باری تعالیٰ کے جاننے کا کہ رب تعالیٰ اِس آیت میں کیا بتا رہا ہے۔ رابعاً یہ کہ معترض نے اِن تمام آیات کے سیاق وسباق پر بھی غور نہ کیا اگر سیاق وسباق پر تھوڑا تدبر کر لیتا تو ایسے احمقانہ اعتراض نہ کرتا۔ خیال ہے کہ عربی زبان بہت ہی با اصول وضوابط کی زبان ہے۔ ہر معانی مطالب کے لیے ضابطے اور قانون وقرینے مقرر ہیں۔ اگر کوئی لفظ چند معانی میں مشترک یا چند اقسام میں منقسم ہے تو اُن کے تقرر وتعین کے لیے عبارت کے سیاق وسباق میں ایسے قرائن، علامات ونشانات موجود ہوتے ہیں جن سے اُس مطلوبہ ومراد معنیٰ کا تعین ہو جاتا ہے۔ اس لغتِ اُمّ اللسان میں کسی کو اجازت نہیں کہ جہالت کا قلم اٹھا کر اندھے کی لاٹھی چلاتا پھرے۔ معترض نے کچھ اسی طرح کی کورچشمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ معترض لفظِ کُل کو چار قسموں میں تقسیم کرتا ہے ۱۔ عمومی حقیقی ۲۔ استغراقی حقیقی ۳۔ عمومی اضافی ۴۔ استغراقی اضافی حالانکہ لفظ کُل کی یہ تقسیم غلط ہے۔ کہیں ثابت نہیں یہ تقسیم لفظِ کثرت اور اکثر وکثیر کی ہے کہ کثرت حقیقی بھی ہوتی ہے اور اضافی بھی مگر لفظ کُل اِس تقسیم سے مبّرا اس لیے کہ ہر کُل اپنی جزئیات میں محدود ہے۔ جس کُل کی جتنی زیادہ جزئیات ہوں گی وہ کُل اتنا ہی زیادہ وسیع وعظیم ہوتا چلا جائے گا۔ اور جزئیات کے بڑھنے سے کُل بڑا ہوتا رہے گا۔ اجزا کے کم ہونے سے کُل اتنا ہی محدود ہوتا چلا جائے گا کسی کی ذاتی رائے یا جہالت سے نہ کُل میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ اور یہ اجزاءِ کُل کی زیادتی کمی متکلم کی عبارت کے سیاق وسباق وروشِ کلام سے معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً قرآنِ مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے۔ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ ترجمہ ہر ایک اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔ یہاں بھی لفظِ کُل ہے مگر اُس کے اَجزا صرف چار ہیں۔ چنانچہ سباقِ آیت میں ارشاد ہے۔ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (سورۃ الانبیاء آیت ۳۳) اِس کُل کے چار اَجزا ہم کو کلام کے سباق نے بتائے ہم اپنی طرف سے نہ کم کر سکتے ہیں نہ زیادہ۔ اور یہ بات عام فہم ہے کچھ مشکل نہیں ہم دن رات اپنی

اپنی گفتگو میں بھی اس طرح کا کُل استعمال کرتے رہتے ہیں مثلاً اردو میں لفظ کُل کا ترجمہ ہے سب یا تمام، اگر ایک شخص کہے کہ میرے پاس چھ آدمی آئے تھے اور سب یہ کہہ رہے تھے، تو اس سب سے صرف چھ مراد ہوں گے نہ زیادہ نہ کم۔ غرضکہ ہر کُل میں چھ باتیں یاد رکھنی چاہئیں ایک یہ کہ اس کا سباق کیا بتاتا ہے۔ دوم یہ کہ اس کا سیاق کیا بتاتا ہے سوم یہ کہ اس کلام کی اپنی رَوِش کیا بتاتی ہے چہارم یہ کہ یہ کُل کتنی بڑی شخصیت کا کلام ہے۔ پنجم یہ کہ کُل کتنی بڑی چیز کے لیے ہے۔ ششم یہ کہ کُل کس شخصیت کی کس چیز سے متعلق ہے کیونکہ کُل کا گھٹنا بڑھنا ان ہی چھ باتوں میں ہے کُل کی حدود میں متکلم اور شخصیت کا بڑا دخل ہے۔ جس کی طرف نسبت ہوگی اسی کے حساب سے کُل میں کمی زیادتی ہوتی رہے گی۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہماری معلومات میں دونوں کُل لامحدود و بے انتہا ہیں۔ مگر حقیقتاً۔ پہلا کُل زیادہ وسیع وعظیم ہے دوسرے کُل سے کیونکہ پہلے کُل کا تعلق مشیتِ الٰہی وارادۂ باری تعالیٰ سے ہے اور دوسرے کُل کا تعلق صرف مخلوق سے ہے، مشیت میں صفات باری تعالیٰ ہیں، جو مخلوقات سے کہیں زیادہ بلکہ بے انتہا و لامحدود ہے۔ اب اگر کوئی جاہل یہ کہدے کہ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ کُل حقیقی نہیں۔ بلکہ اضافی ہے تو یہ اس کی اپنی حماقت وجہالت ہے۔ جب آپ نے یہ تمہید سمجھ لی تو اب ان آیات پر غور کیجئے جن کو معترض نے اپنے گستاخانہ ذہن اور متعصبانہ جہالت سے ایک ہی زمرے میں شمار کر لیا۔ حالانکہ آیات میں بہت ہی فرق ہے۔ جو سباق وسیاق کے علاوہ خود رَوِش کلام سے بھی ظاہر ہے۔ پہلا فرق یہ کہ معترض کی پیش کردہ پہلی آیت وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ۔ یہ خود باری تعالیٰ کا اپنا خبریہ فرمان ہے معترض کی دوسری پیش کردہ آیت وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اپنی بات ہے۔ معترض کی پیش کردہ تیسری آیت۔ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ۔ یہ ایک

جانور ہُدہُد کی بات ہے اب کوئی بد بخت کہہ سکتا ہے کہ سلیمان علیہ السّلام اور جانور کی بات اور اللہ تعالیٰ کا فرمان کُلیت میں برابر ہے (معاذ اللہ) دوسرا فرق پہلی آیت میں قرآن مجید کی کُلیت کا ذکر ہے اور قرآن مجید صفتِ باری تعالیٰ اور کلام الٰہی ہے۔ دوسری آیت میں دنیوی نبوی وشاہی قوتیں دولتیں مراد ہیں اس کُل میں حیاتِ دنیوی کی وہ اشیا مراد ہیں جو صرف سلیمان علیہ السّلام کی نبوت وسلطنت سے متعلق۔ اس کُل کے اجزا حیاتِ دنیوی کی حد تک محدود ہیں تیسری آیت میں صرف دنیوی ساز وسامان مراد ہے۔ اس کُل کی جزئیات اور بھی کم ہیں۔ تیسرا فرق۔ پہلی آیت میں تبیان ہے دوسری دو آیتوں میں عطا ہے۔ پھر دوسری اور تیسری آیت میں فرق یہ کہ دوسری آیت میں نبوت کی زبان نے اپنی عطا کا ذکر فرمایا کہ ہم یہ دئے گئے۔ اور بہر صورت اپنی عطا کی معلومات زیادہ مضبوط ہوتی ہیں یعنی اپنی چیز کا زیادہ علم ہوتا ہے دوسرے کی چیزوں سے اور بہر کیف نبی علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادہ اشیا عطا ہوتی ہیں دوسری سے دین ہو یا دنیا اگرچہ انبیا اس کا اظہار نہ فرمائیں اس قانون سے دوسری آیت کا کُل زیادہ وسیع ہوا تیسری آیت کے کُل سے کیونکہ تیسری آیت میں ایک پرندہ جانور کہہ رہا ہے اور غیر کی خبر دے رہا ہے جس کو اس نے پہلی بار دیکھا ہے۔ اس لیے یہ کُل بہت ہی محدود ہے اپنی جزئیات میں چوتھا فرق۔ پہلی آیت میں لِكُلِّ شَيْءٍ ہے لام بیانیہ کے ساتھ جس نے کُل کی کثرت بیان کی دوسری اور تیسری آیتوں میں مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ہے۔ مِنْ تبعیضیہ کے ساتھ جس نے کُل کی قلت اور بعضیت بیان کی یعنی یہ دونوں کُل اپنی موجودہ جزئیات میں بھی تمام اور پورے نہیں دئے گئے۔ غور فرمائیے کہ خود روشن کلام میں اتنے فرق ہوتے کے باوجود کوئی جاہل احمق اندھا قلم یا بھونڈی زبان چلا کر پہلے بناوٹی تقسیم سے لفظ کُل میں حقیقی واضافی کی پچر لگا دے اور پھر تینوں کُل کو ایک درجہ میں لا کر ہر کُل کو محدود وقلیل مان لے یہ ابلیسانہ حرکت صرف اس لیے کی جا رہی ہے کہ کہیں نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کثیر ثابت نہ ہو جائے۔ پہلے سے علم

قرآن کی وسعت کا انکار ہوتا رہے یا فرمانِ الٰہی کی شانِ عظمت کی توہین۔ یہ تو وہ فرق تھے جو خود روشِ کلام وعباراتِ آیت سے ظاہر ہیں۔ آیئے اب ان آیت کے سیاق وسباق کو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ پہلی آیت کے سباق میں ہے۔ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلٰى هٰؤُلَاءِ ترجمہ اے رسول کریم بروزِ قیامت ہم تم کو ان تمام کا گواہ بنائینگے۔ یعنی قیامت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اولین وآخرین کا گواہ بنایا جائے گا۔ یہاں تک جب کفار تبلیغ انبیا علیہم السّلام کا انکار کریں گے تو انبیا علیہم السّلام کی تائیدی گواہی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی دیں گے۔ اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ ایک گواہ کے لیے کتنے علم۔ ذھن، عقل، خرد شعور، فراست، قوتِ یادداشت فراستِ قلبی کی ضرورت اور پھر جو ذات پوری کائناتِ انسانیت کی گواہ ہو اس کو کتنے وسیع وکثیر عظیم وقوی علم کی ضرورت ہے۔ اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس لیے رب نے فرمایا کہ چونکہ ہم نے تم کو تمام اشخاص کا گواہ بنایا ہے اس لیے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ ہم نے تم پر ایسی ہی کتاب نازل فرمائی جو کائنات کی ہر چیز کو بیان کرنے والی اور اس کتاب کے ذریعے پوری کائناتِ آسمانی وزمینی کے سارے علوم عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ تم کو سکھا دیئے جو تم نہ جانتے تھے۔ چونکہ انبیا مختلف آسمانوں میں ہیں اس لیے تمام آسمانوں کے علوم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ضروری کیونکہ آپ تمام انبیا کے بھی گواہ ہیں اسی لیے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تاکہ آپ کی گواہی مکمل ومضبوط ہو جائے۔ اب آیت کے سباق وسیاق وروشِ کلام سے اندازہ لگایئے کہ اس کل کے کتنے اجزا وجزئیات ہیں اور تبیانِ قرآنی وذخیرۂ علومِ مصطفائی کتنا عظیم لامحدود بحرِ بیکراں ہے اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ گواہی کے لیے یہ سب علوم لازم ومتعلق یہ گواہی جس کا عقلِ انسانی تو درکنار رسیرِ ملائکہ بھی احاطہ نہیں کرسکتی۔ یہ تو اس آیت کے سیاق وسباق اور روش نے بتایا اب کوئی جہالت کی ترازو لے کر تبیانِ قرآن اور علومِ حبیب رحمٰن اور ان کی معلوماتِ عرفان کو تولنا شروع کر دے۔

تو اس کی حماقت کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں۔ غرضکہ اُس کُل کی جزئیات عقلِ انسانی کے نزدیک لامحدود ہیں جو شعورِ آدمیت میں نہیں سما سکتیں، دوسری آیت کا سباق اس طرح ہے کہ پہلے فرمایا گیا وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ۔ ترجمہ اور وارث ہوئے سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السّلام کے، حضرت داؤد کی وراثتیں دو قسم کی ہیں ۱۔ دینی نبوت ۲۔ دنیوی بادشاہت ان دونوں کا تذکرہ اور ذخیرۂ وراثت کے خزانوں کا اس طرح بیان ہوا کہ شانِ نبوت و معجزاتِ رسالت کا اظہار پہلے اس طرح فرمایا وَقَالَ یٰاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ اور فرمایا سلیمان نے کہ اے لوگو ہم گروہِ انبیا کا علم اتنا وسیع و عظیم ہے کہ پرندوں تک کی بولیاں بھی سکھا دی گئیں اس سے ثابت ہوا کہ ضرورتِ نبوت پوری کرنے کے لیے انبیا علیہم السّلام کو دیگر مخلوق کے علوم و لسانیات سیکھنے اشد ضروری۔ پھر وراثتِ شاہی کا اس طرح بیان ہوا کہ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ترجمہ: اور دیے گئے ہم بادشاہ دنیوی ہر چیز میں سے کچھ یعنی سب نہیں بلکہ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ پر ہر شئی میں سے بعض بعض۔ یہاں لفظِ کُل کو مِنْ تبعیضیہ نے بہت چھوٹا کر دیا۔ اور پہلے کُل کے مقابل یہ بہت ہی محدود ہو گیا اِس کے اجزا پہلے بِكُلِّ شَیْءٍ سے بہت کم ہو گئے تیسری آیت کا سباق اس طرح ہے کہ ھُدھُد پرندے نے اپنی بولی میں سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ ترجمہ، بے شک میں نے ایک ایسی عورت دیکھی جو اُس علاقے کے لوگوں کی ملکہ بنی ہوئی ہے اور اپنے مختصر علاقہ کی سلطنت چلانے کے لیے وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ۔ ہر چیز میں سے کچھ دولت دی گئی۔ اور ہاں البتہ اُس کا تخت اس کی حیثیتِ شاہی سے بڑا ہے۔ یعنی چھوٹے سے علاقہ کی ملکہ ہونے کے باوجود تخت بڑا شاندار بنا یا ہے۔ اس میں اشارہ ہے عورتوں کی فیشن پرستی کی فطرت کا۔ اس آیت کے سباق و سیاق نے بتا دیا کہ یہ کُل اپنے اجزا میں صرف امورِ مملکت چلانے والی ہر ضرورت کی چیزوں میں سے بھی بعض چیزوں تک محدود ہے اس لیے یہ کُل دوسری

آیت کے کُل سے بھی چھوٹا ہے کیونکہ سلیمان علیہ السّلام کی سلطنت بڑی تو اُن کے دُنیا کے خزانے بھی بڑے اس اعتبار سے اُس کی جزئیات بھی کثیر ملکہ بلقیس کی سلطنت مختصر تو یہاں کُل کے اجزا بھی مختصر۔ ثابت ہوا کہ کوئی بھی کُل اضافی نہیں ہوتا سب ہی اپنے حقیقی معنوں میں ہوتے ہیں مگر اپنے اپنے اجزا و جزئیات کی وجہ سے چھوٹے بڑے، کثیر و قلیل ہوتے ہیں لہٰذا کسی کو کسی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا یہ قرآنِ مجید میں تقریباً تین سو پچیس بار مختلف آیت میں ارشاد ہوا ہے اور ہر جگہ ہی اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے کہیں بھی حقیقی کے علاوہ اضافی وغیرہ نہیں نہ ہی کسی کُل کو اضافت کی ضرورت نامعلوم معترض نے یہ تخریب کاری کہاں سے سوچ لی کسی اصولی و قانونی کتاب میں لفظِ کُل کی یہ تقسیم مذکور نہیں۔ نیز یہ کہنا کہ نبوت سے متعلقہ ضرور یہ علوم ہی صرف نبی کو آتے ہیں باقی علوم سے نبی ناواقف ہوتا ہے یہ بات بھی کسی شیطان کی اڑائی ہوئی ہے۔ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ انبیا علیہم السّلام کو دنیا و آخرت کے کروڑ ہا علوم سکھائے گئے دیکھو سلیمان علیہ السّلام کا فرمانا کہ ہم یعنی گروہِ انبیاء علیہم السّلام پرندوں کی بولی سکھائے گئے اور آپ کا چیونٹی کی گفتگو سمجھ لینا سن لینا۔ اس کا قرآنِ مجید میں ذکر ہے اب یا تو یہ کہا جائے کہ یہ علوم بھی نبوت سے متعلقہ ضرور یہ ہیں اور یا اس بناوٹی شیطانی بات کو غلط قرار دے کر انبیاء علیہم السّلام کے لیے تمام علوم تسلیم کئے جائیں اور گستاخیِ انبیا علیہم السّلام سے باز آ کر جہنم سے خود کو بچایا جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کے عملِ کُلِ جبلٍ میں بھی کُل اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے۔ مگر اس آیت کے سیاق و سباق کے اشارات و کنایات سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہاں اس کُل کے جزئیات صرف چار پہاڑ ہیں۔ اور یہ کُل اپنے چار جزئیات میں محدود ہے اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا۔ اے ابراہیم چار پرندے پکڑو اور ان کو اپنے ساتھ ایسے مانوس کر لو کہ جب بلاؤ تو بھاگتے چلے آئیں پھر ان کو ذبح کر کے ان کے اجزا پہاڑوں پر رکھ دو۔ آپ نے چار اڑنے والے جانور لئے یعنی کوا، کبوتر، مور، مرغابی آپ نے ان کو چالیس دن تک اپنے

ساتھ مانوس کئے رکھا ان کے نام رکھے جب آپ نام لے کر پکارتے وہ دوڑتے بھاگتے اڑتے چلے آتے یہ چار پرندے اردگرد کے پہاڑوں پر رہنے والے تھے شام کو اپنے گھروں گھونسلوں میں چلے جاتے صبح کو حضرت ابراہیم کے بلانے پر آپ کے پاس اُڑ آتے آپ انہیں خوب کھلاتے پلاتے پھر چلہ پورا ہونے پر آپ نے ایک دن ان تینوں کو ذبح کیا اور چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک جگہ سب کے پر۔ ایک جگہ سب کے پیر اور ایک جگہ سب کے دھڑ۔ بعض نے فرمایا قیمہ کر کے اور ایک جگہ سب کے سر جمع۔ لازمی بات ہے کہ چار پرندے چار ہی پہاڑوں پر رہتے ہوں گے۔ پھر حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ ان کو ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو لازمی بات ہے اس علٰی کُلِّ جَبَلٍ سے وہ ہی چار پہاڑ مراد ہوں گے اور ان پر ہی رکھنے کا حکم ملا ہوگا نہ یہ کہ حضرت ابراہیم اس کام کے لیے دنیا کا سفر کریں آپ نے ایک پہاڑ پر ان سب کے پیر رکھدئے دوسرے پر سب کے پر رکھدئے تیسرے پر سب قیمہ شدہ دھڑ رکھدئے۔ چوتھے پہاڑ پر سب کے سر رکھ دئے اور وہیں آپ بھی موجود رہے۔ پھر وہیں سے نام بنام سب کو پکارا۔ تو پہلے تین پہاڑوں پر اعضا اُڑ اُڑ کر جڑتے گئے پھر باری باری چوتھے پہاڑ پر آکر اپنے اپنے سروں سے جڑ گئے اور زندہ ہو کر قریبی کھڑے ابراہیم علیہ السّلام کے پاس اُڑتے دوڑتے آگئے۔ روایتوں سے یہی کچھ ثابت ہے اس واقع کی دلالۃُ النص۔ اقتضاءُ النص اور اشارۃُ النص یہی بتا رہی ہے کہ یہاں صرف چار پہاڑ ہی مراد ہیں کیونکہ ایک پہاڑ پر ایک جزر رکھنے کا حکم تھا اور پرندوں کے چار ہی جز بنے تھے سر۔ پیر۔ پر۔ دھڑ۔ تو پہاڑ زیادہ کیونکر ہو سکتے ہیں اور ان چار کو ہی کُلِّ جَبَلٍ فرمایا گیا۔ اس کُل کے چار ہی جُز تھے اور یہی اس کے حقیقی معنٰی۔ اضافی کرنیکی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ لفظِ اکثر میں حقیقی واضافی کی تقسیم ہوتی ہے۔ حقیقی اکثر کا معنٰی بہت، بہت زیادہ بہت ہی زیادہ۔ یعنی کثرت۔ اکثر۔ کثیر اور اضافی کثرت کا معنٰی ہوتا ہے کچھ یا چند۔ مگر کسی قرینے سے ہی یہ معنٰی حقیقی یا اضافی متعین ہوں گے یہاں بھی کسی اندھے کی لاٹھی نہ چلے گی کہ جس کو چاہا حقیقی بنا دیا جس کو چاہا اضافی بنا دیا۔ قرینہ تلاش کرنے

کے لیے یہاں بھی روشِ کلام اور سیاق سباق میں تفکّر کرنا پڑے گا یہ کام بھی علما کا ہے۔ جہلا کا نہیں۔ جہلا کو تو قرآنِ مجید میں تفکّر و قلم زنی کی اجازت ہی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ انبیا علیہم السّلام کو رب تعالیٰ نے زمین و آسمان کے بے شمار علوم سکھائے پڑھائے بتائے اور عطا فرمائے ہیں اور یہ سب علوم نبوت کے لیے لازم و ضروری ہیں کسی بد بخت جاہل گستاخ کو تقسیم اور خود ساختہ بٹوارے کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ب:۔ اس سوالِ دوم میں معترض یا سائل کو صرف اس لیے اُلجھن واقع ہوئی کہ اس نے سمجھ رکھا ہے شاید دنیا میں فقط الفاظ و لغت کی ہی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ دنیا میں نمبرہ۱۲ قسم زبانیں ہیں ۱۔ زبانِ قال ۲۔ زبانِ حال ۳۔ زبانِ زار ۴۔ زبانِ کیفیت ۵۔ زبانِ عقل ۶۔ زبانِ فکر ۷۔ زبانِ شعور ۸۔ زبانِ فراست ۹۔ زبانِ اشارت ۱۰۔ زبانِ اُلفت ۱۱۔ زبانِ نسبت ۱۲۔ زبانِ تصور، ۱۳۔ زبانِ ماما۔ شیر خوار بچے کے پاس کون سی زبان ہے۔ گونگا کس زبان میں بولتا ہے ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہزار میل دور پڑے ہوئے بیٹے پر کوئی مصیبت آئی تو اُدھر ہزار میل کے فاصلے پر ماں کا دل تڑپ اٹھا چین ختم ہو گیا۔ یہ بزرگانِ دین کی بیعت کیوں کی جاتی ہے فنا فی الشیخ کے مراقبے کیوں کرائے جاتے ہیں۔ تصوّر و تخیّل کے چلے کیوں نبھائے جاتے ہیں خلوتوں کی یکسوئی کیوں سکھائی جاتی ہے صرف زبانِ نسبت کو بولنے سننے سمجھنے سمجھانے کے لیے ہی تو ہے۔ فریاد کے لیے کسی لغت کے الفاظ اور ڈکشنری کے حروف کی ضرورت نہیں۔ بس ایک آہِ سحر گاہی کی ضرب ہی کافی ہے جب ایک دردمند اپنے درد سے چیختا چلاتا آہیں بھرتا ہے تو ہر زبان کا دردمند دل والا اس کی مدد کو دوڑتا چلا آتا ہے۔ وہاں کسی لغت و الفاظ کی ڈکشنری نہیں کھولی جاتی۔ اُس کی آہیں۔ چیخیں ہی مدد کرنے والوں کو سب کچھ سمجھا دیتی ہیں۔ ہزاروں میل سے اولیاء اللہ کا اپنے فریادی کی مدد کرنا اور تو آزمارہ آمدی و من از بخارا آمدم کا نعرہ بلند فرمانا۔ یہ زبانِ قال سے نہیں ہوتا۔ زبانِ نسبت سے ہوتا ہے۔ مرید کو پیر سے جتنی نسبت و عقیدت زیادہ ہوگی اتنا

ہی قرب زیادہ ہوگا۔ اور قرب میں زبانِ لغت وَالفاظ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر بارگاہ کا یہی حال ہے۔ آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے۔ بادلو ہٹ جاؤ دیدو راہ جانے کے لیے۔ عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو۔ کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی فریاد اُمتی جو کرے حالِ زار سے ❊ ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو۔ سب سے زیادہ پُر تاثیر زبانِ زار یعنی آنسوؤں کی زبان ہے۔ جو ہزاروں میل پر بھی والدہ کا دل تڑپا دیتی ہے اور شیخ کامل کی توجہ لگا دیتی ہے ہمت گرما دیتی ہے قلب ہلا دیتی ہے۔ سائل کو چاہیئے کہ لغت والفاظ سے پیچھے نہ بھاگے مراحلِ ؑ سولیں کے پیچھے نہ پڑے۔ خدا تعالیٰ سے زبانِ زار کی طلب کرے اس زبان کے بغیر تو اللہ تعالیٰ بھی کسی کی نہیں سنتا۔ مشاہدہ ہے کہ لغت الفاظ کے چرب زبانی والے محروم رہ جاتے ہیں۔ آنسوؤں کی زبان والے سب کچھ لے جاتے ہیں۔ انہیں بولنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ طفلِ یک روزہ ہمیں داند طریق کہ بگرید تا شود دایہ شفیق۔ تو نمی دانی کہ دایہ دائگاں، اگے دہوے گریہ شیر اندر دہاں خلاصہ یہ کہ اولیاءِ کاملین کی فریاد رسی حاجت روائی ہر مرید کے لیے ہر دور و نزدیک جگہ سے ثابت و برحق ہے مگر اُس کے لیے مرید کے پاس زبانِ نسبت زبانِ عقیدت، زبانِ حال و زبانِ زار چاہیئے۔ اس کے بغیر تو ماں بھی بچے کی نہیں سنتی۔

ج:۔ ندیم کا قول درست ہے کیونکہ حدیث وقرآن کے مطابق ہے۔ لیکن وسیم کا قول غلط ہے کیونکہ وہابیانہ ہے۔ وہابیت بھی عجیب مذہب ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی جائے تو اُن کو اللہ تعالیٰ کی فکر پڑ جاتی ہے کہ ہائے ہمارے خدا کے پاس کیا بچا۔ خدا کے برابر کر دیا۔ اور اولیاء اللہ کی تعریف کی جائے تو ان کو نبی کی فکر پڑ جاتی ہے کہ ایک ولی اللہ کو بڑی سرکار کہدیا اور ایک ولی اللہ کو چھوٹی سرکار کہدیا، تو نبی کے پاس کیا بچا۔ عجیب احمقانہ دماغ لیے پھرتے ہیں۔ بھلا اس شعر میں مساوات کس طرح ظاہر ہوئی۔ اگر کوئی کسی کارخانے کا مالک اپنے کسی محبوب دوست کو اپنا پورا کارخانہ دکھا دے اس کے اندرونی خفیہ گودام بھی دکھا دے۔ غرضکہ کارخانے کا کونہ کونہ دکھا دے۔ اور خود اپنا

بھی دیدار کرا دے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مالک اور وہ دوست برابر ہو جائے
اگر اب بھی وسیم کو سمجھ نہ آئے اور حماقت ہی دکھائے تو پھر قرآن کریم میں رب تعالیٰ
کے کلام پر اعتراض کرے۔ اور کہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور وَمَا
اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ درست نہیں ہے کیونکہ دونوں جگہ عالمین
ہے جس سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ برابر
ہو گئے (معاذ اللہ) بہر کیف یہ سوچ احمقانہ ہے۔

د۔ سائل کے چوتھے سوال میں اعلحضرت مجدد بریلوی کے اس شعر پر کہ۔

گرچہ ہیں بحد قصور تم ہو عفو و غفور ٭ بخش دو جرم و خطا تم پہ کروڑوں درود

اعتراض ہے سائل اس سوال میں پانچ الفاظ بیان کر کے اپنی الجھن ظاہر کرتا
ہے۔ ۱۔ عفو۔ ۲۔ غفور ۳۔ جرم ۴۔ خطا ۵۔ ذنوب۔ یہ پانچوں الفاظ عربی لغت
کے ہیں مگر شعر میں جرم و خطا ہے اور آیت میں ذنوب ہے شعر میں ذنوب نہیں
اور آیت میں جرم و خطا نہیں۔ اس لیے ان پانچوں لفظوں کی تشریح ضروری ہے
شارحین اور مفسرین کے نزدیک منقول شرعی کی اصطلاح میں لفظِ جرم کا معنی
دانستہ نافرمانی۔ خطا کا معنی نادانستہ نافرمانی ذنوب جمع ہے ذنب کی ذنب
کا معنی فسق و فجور جس کو اردو میں گناہ کہا جاتا ہے۔ جرم و خطا عام ہے حق
العبد۔ حق النفس اور حق اللہ کو۔ ذنب خاص ہے حق اللہ کے لیے۔ عَفُوٌّ کا معنی
ہے معاف کرنے والا۔ غفور غفر سے بنا ہے اس کے دو معنی ہیں ۱۔ چھپانا
۲۔ بخشنا مٹانا۔ اس لغت سے غفور کے دو معنی کئے جا سکتے ہیں ۱۔ رحمت
کی چادر میں چھپانے والے ۲۔ اپنی خطائیں اور جرم معاف فرما دیتے بخش
دینے والے۔ یہاں جرم و خطا سے مراد ذنب نہیں بلکہ حق العبد کی خطائیں
اور جرم مراد ہیں اور شعر کا معنی یہ ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں
نے آپ کے لیے حد قصور کئے اتباع میں کوتاہی اطاعت میں سستی
مجھے اس کا اعتراف ہے لیکن میں نے قرآن مجید میں پڑھا ہے کہ آپ
معاف فرمانے والے بھی ہیں رؤف بھی رحیم و رحمت کی چادر میں چھپانے
والے بھی ہذا اس بھروسے اور سہارے پر عرض کرتا ہوں کہ بخش دو میرے

وہ تمام جرم وخطا جو میں نے دانستہ یا نادانستہ آپ کی بارگاہ میں کئے۔ خیال رہے کہ قانونِ شریعت کے مطابق حق العبد کے جرائم اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ وہ تو حق دار بندوں نے ہی معاف کرنے ہیں۔ ہم دن رات ایک دوسرے سے معافی مانگتے بخشتے بخشواتے ہیں۔ عربی زبان میں ہر بخشنے والے کو غفور کہہ سکتے ہیں، ہاں غفار کسی بندے کو نہیں کہہ سکتے۔ غرضکہ عفوٌ غفورٌ۔ رؤفٌ۔ رحیم وغیرہ یہ رب تعالیٰ کی غیر خصوصی صفات ہیں اور۔ غفار۔ رحمٰن رزاق وغیرہ خصوصی صفات ہیں۔ دیکھو کتبِ فقہ۔ اعلیٰحضرت کے کلام کو سمجھنے کے لیے علم وعقل چاہیئے۔ کلامُ الامام امامُ الکلام۔

۵۔ سائل نے اپنے اس پانچویں سوال میں پانچ شخصیتوں کا ذکر کیا ہے ۱ غیر مقلدین ۲ دیوبندی ۳ سنی عالم ۴ سنی العقیدہ مرد ۵ وہابی یا دیوبندی عورت اس پر تبصرہ اور شرعی جواب دینے سے پہلے خیال رہے کہ جن دیوبندیوں وہابیوں غیر مقلدین پران کی کفریہ گستاخیوں کی بنا پر اتمامِ حجت کے بعد فتوئے کفر لگایا گیا صرف وہ دیوبندی وہابی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں جو ان گستاخوں کی گستاخی بالکل صحیح قرار دیے اور قانونِ شریعت کے مطابق جو شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو اس کا نماز جنازہ پڑھنا پڑھانا سب گناہِ عظیم بلکہ اگر جانتے بوجھتے اور میت کے سب عقائد و نظریات سے واقف ہونے کے باوجود اس خارج از اسلام کا جنازہ پڑھایا پڑھا یا تو خود پڑھنے پڑھانے والے کفر میں ملوث ہو جائیں گے ان کے سارے اسلامی بندھن ٹوٹ جائیں گے یہاں تک کہ نکاح بھی ٹوٹ جائے گا۔ چونکہ ہر دیوبندی جن کو اپنے بڑوں کی کفریہ گستاخیوں کا پتہ نہیں ہے اور اگر ان کو بتایا جائے تو وہ یا تو حیران ہو کر توبہ توبہ کرتے ہیں اور گستاخیوں کو برا کہتے ہیں یا شرمندہ ہو جاتے ہیں اپنے بڑوں کی ان حرکتوں پر یا اپنے بڑوں کی عزت رکھتے ہوئے ان کی طرف منسوب گستاخیوں کو اتہام تراشی قرار دیتے ہیں بہرکیف وہ ان گستاخیوں کو کفریہ ہی سمجھتے ہیں وہ دیوبندی عورت و مرد شرعاً مسلمان ہی ہیں ان سے شادی نکاح جائز ہے ان کی میت کا نماز جنازہ بھی جائز

ہے اور درست رہا یہ تصور کہ میں کسی وہابیہ عورت کو درست کرنے کے ارادے سے اس سے نکاح کرلوں تو یہ کمزور تصور ہے۔ کیونکہ اولاً تو مذہبی عورت اپنے دین میں بڑی پختہ ہوتی ہے اگرچہ دین باطل ہی ہو۔ دوم یہ کہ ہوسکتا ہے کہ بیوی بھی اسی ارادے سے بنی ہو کہ میں خاوند کو درست کرلوں گی تو اس کے دو خراب نتیجے نکل سکتے ہیں ۱۔ یہ کہ دونوں اپنی اپنی بات پر جمے رہیں تب گھر کا سکون تباہ ہوگا۔ روز مذہبی بحث مناظرہ ہوگا ۲۔ یہ کہ خاوند محبت میں گرفتار ہو کر یا ہتھیار ڈال کر تھک ہار کر آہستہ آہستہ بجائے درست کرنے کے خود بگڑتا چلا جائے اس لیے ان تمام خدشات سے بچتے ہوئے بہتر یہی ہے کہ ایسی شادی ہی نہ کی جائے نہ ہو بانس نہ بجے بانسری۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

فتویٰ ۱۰۷

بیع مضاربت کا بیان اور اشتراکی کاروبار کی قسمیں، یعنی مشترکہ تجارت کا شرعی حکم و اقسام

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ہم چند لوگوں نے مل کر ایک کمپنی بنائی ہے جس کا نام التضامن کمپنی لمیٹڈ رکھا ہے ہم اس کو اسلامی بینک کی طرز پر بلا سود بنکاری سے چلانا چاہتے ہیں۔ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ اس بینک میں رقم جمع کروانے والے ہمارے شریک کار ہوں اس طرح کہ مال ان کا ہو اور کام ہماری کمپنی کا ہو اور نفع نقصان کی صورت میں اس طرح تقسیم ہو کہ اسیؔ فیصد نفع حصہ داروں کا اور بیسؔ فیصد کاروبار کرنے والی کمپنی کا ہم اس میں اپنی کمپنی کو باسہولت چلانے کے لیے چند طریقے اپنانا چاہتے ہیں ہم یہ آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہمیں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اور اجازت میں بتایا جائے کہ ہمارے وہ طریقۂ کار جائز ہیں یا ناجائز ہیں اس ضمن میں ہم چند سوالات آپ سے کرنا چاہتے ہیں۔

نمبر۱: کیا محدود ذمہ داری والی کمپنی کے لیے تجارت کی ہدایات اور کنٹرول کے مطابق کام کرنے کی صورت میں یہ تجارتی بینک چلانا اور کاروبار کرنا جائز ہے یا نہیں۔

نمبر۲: کیا کمپنی میں دو قسم کے حصے ہم رکھ سکتے ہیں یا نہیں (یعنی بنیادی حصے اور عام حصے) اور یہ سب کچھ باہمی رضامندی سے ہوگا۔

نمبر۳: کیا منافع کی تقسیم بقدر حصہ کے نفع دینے والا اصول بنانا جائز ہوگا یا نہیں۔

نمبر۴: کیا کمپنی کاروبار چلانے کے لیے ایک علیحدہ کمپنی سے معاہدے کی بنیاد پر کوئی معاملہ کرسکتی ہے یا نہیں۔

نمبر۵: اس تجارت میں لگائے ہوئے تمام فنڈ پر ایک ٹرسٹی کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے ایک علیحدہ کمپنی کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں۔

نمبر۶: کیا اس کاروبار کی جانب سے کمپنی کے فنڈ اور چلانے کے لیے ایک بینک کی تقرری جائز ہے یا نہیں۔

نمبر۷: اس تجارت اور کاروبار میں شرکت کرنے والوں کو کسی بھی وقت کمپنی میں نئے حصے انہی پہلی شرطوں کے مطابق داخل کرسکتے ہیں۔

نمبر۸: کیا یہ جائز ہے کہ اس کاروبار میں کسی بھی وقت کمپنی حصہ داروں سے کہے کہ اپنے حصے واپس خرید لو۔

نمبر۹: کیا ادائیگی اور وصول یابی پر مامور ایجنٹ کو یہ جائز ہے کہ وہ بینک کے ایڈمنسٹریٹر کو کاغذات بھیجے جانچ پڑتال کرتے پر اپنی تنخواہ کا بینک سے مطالبہ کرے۔

نمبر۱۰: اگر حصے دار اپنا سرمایہ واپس لینا چاہے تو کیا یہ جائز ہے کہ سرمایہ تو اسی وقت دے دیا جائے اور اس پر کمایا ہوا نفع جو بھی اس کا بنتا ہے وہ حساب کتاب کے بعد مقررہ وقت پر دیا جائے۔

نمبر۱۱: کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے کہ باقاعدگی کے ساتھ نفع تقسیم کیا جاتا رہے اور فنڈ میں کوئی نفع باقی نہ رکھا جائے۔

نمبر۱۲: کیا تھوڑے منافع کو حساب کتاب کرنے کی ایک مدت سے دوسری مدت تک کے لیے بھی روک کے رکھنا جائز ہے یا نہیں۔

۱۳۔ کیا تجارت کرنے کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ان تمام رقوم کو جو کمپنی کی ملکیت میں ہیں تجارت کی بنیاد پر اپنے نام سے تجارت میں لگا سکے جب کہ باہمی رضامندی بھی ہو۔
۱۴۔ کیا یہ جائز ہے کہ سامانِ تجارت تو ایک تجارت کرنے والے کے نام پر لیا جائے لیکن سودے کی قیمت کمپنی کو دی جائے۔
۱۵۔ کیا تجارت کرنے والے کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بحیثیت پرنسپل خود کام کرے یا ایسے ایجنٹ مقرر کرے جو اس کی جانب سے خرید و فروخت کے تمام معاملات طے کر سکے۔
۱۶۔ کیا اس تاجر کے لیے یہ جائز ہے کہ کمپنی کی شرطوں کی بنیادوں پر خرید و فروخت کے معاہدے کر سکے۔
۱۷۔ کیا تاجر کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ محدود ایجنسی کی بنیاد پر کسی ایجنٹ کو مقرر کرے جو تجارت کے لیے خرید و فروخت کے معاہدے کر سکے
۱۸۔ کیا یہ جائز ہے کہ سامان تجارت کی خرید و فروخت اور اُن کی قیمت طے کرنے کی ذمہ داری ایک ایجنٹ کو دے دی جائے۔
۱۹۔ کیا یہ بھی جائز ہے کہ تمام کاغذات اور وثیقہ کے حاصل کرنے کی ذمہ داری ایک ہی ایجنٹ کو دے دی جائے۔
۲۰۔ کیا تاجر کے لیے مندرجہ بالا ذمہ داریوں کا ادا کرنا جائز ہوگا جب کہ وہ خود کام کر رہا ہو۔
۲۱۔ کیا تاجر اپنے ماتحت کوئی اور تاجر مقرر کر سکتا ہے جو مندرجہ بالا طریقوں پر مختلف کاموں کو ادا کرے کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔
۲۲۔ کیا یہ جائز ہے کہ تاجر سامانِ تجارت خریدنے سے پہلے ہی کسی خریدار سے کوئی وعدہ کرے یا۔ اس کی خرید کو قبول کرے۔ یا کسی خریدار سے مضارب خود یا ادارہ ضرور خریدنے کا وعدہ لے لے اور خریدار مضارب سے اس کا سامان خرید لینے کا وعدہ کرے حالانکہ مضارب نے بھی وہ مال ابھی نہ خریدا ہو۔

۲۳۔ کیا یہ بھی جائز ہے کہ کمپنی اپنا قانون یہ بھی مقرر کرے کہ ہمیشہ خریداری عام بازار کے موقع سے اور اسی دن خریدی جائیں۔
۲۴۔ کیا اس تجارت کی بنیاد پر سامان تجارت کی قیمت کی ادائیگی موخر کی جاسکتی ہے۔
۲۵۔ کیا یہ بات بھی اس تجارت میں جائز ہے کہ تجارۃ والا بل کی ادائیگی میں خریدار کو ذمہ داری قبول کرنے کا اصرار کرے۔
۲۶۔ کیا تاجر اور خریدار میں یہ معاہدہ بھی جائز ہے کہ خریدار اپنی خرید شدہ چیز کی قیمت ایک خاص مقرر شدہ بنک کو ادا کرے۔
۲۷۔ کیا کمپنی کے معین شدہ تیسری چھوٹی پارٹی کے کفیل کو بل رکھنے کی اجازت ہے
۲۸۔ کیا یہ بات بھی جائز ہے کہ تمام بلوں کے جانچ پڑتال قابل ادا ہونے تک اپنے پاس رکھا جائے اور وہ کفیل یا تیسری پارٹی جلدی ادا نہ کرے بلکہ اچھی طرح بل کی تصدیق کر کے کرے۔
۲۹۔ کیا ضرورت پڑنے پر کمپنی کا ذمہ دار تاجر قرضہ حسنہ کے طریقے سے کچھ فنڈ مہیا کر کے دے سکتا ہے۔
۳۰۔ کیا ایسا کوئی فارمولا بھی حسبِ ضرورت مقرر کرنا جائز ہے جس کی رو سے تاجر اور مال والے کے درمیان منافع کی نسبت میں کچھ تبدیلی آجائے۔
۳۱۔ کیا تاجر کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے حصے کے منافع میں سے کچھ حصہ اپنی مرضی کے مطابق مال تجارۃ میں رہنے دے۔
۳۲۔ کیا یہ جائز ہے کہ دستور العمل کی درخواست والے فارم کو تجارت کے معاہدے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے جب کہ یہ بھی سمجھ لیا گیا ہو کہ اس فارم میں تجارت کی شرکت سے متعلق تمام پہلو بیان کر دیئے گئے ہیں۔
۳۳۔ کیا یہ بھی جائز ہے کہ تجارت کی پوری رپورٹ نفع نقصان سے متعلق نوسال میں صرف دو دفعہ شائع کی جائے جب کہ تجارت کے تمام حسابات ہر تیس ماہ بعد کئے جاتے ہوں۔

۳۴:۔ کیا یہ بھی جائز ہے کہ تجارت میں متوقع منافع کا اندازہ روزانہ کرلیا جائے۔
۳۵:۔ کیا یہ جائز ہے کہ فقہی باتوں میں مشورہ کرنے کے لیے مشیروں کو ایک خاص مذہب تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ ہر اسلامی فرقے کے مشیروں کو شامل کیا جائے۔
۳۶:۔ چونکہ یہ تجارت پہلی علانیہ تجارت ہے جو اسلامی شریعت کے مطابق چلائی جائے گی تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فنڈ اور تجارتی بینک بذات خود دعوت اسلامی کی ایک شکل ہے اور کیا اس قدر فنڈ میں اور تجارت میں شمولیت مدد اور تائید دعوت اسلامی کا ہی ایک عمل شمار کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام معاملات پر غور وفکر کرنے پر ہم آپ کے شکر گزار ہیں اور آپ کی رائے کے منتظر ہیں ہم نے تقریبًا ہر مذہب کا ایک ایک عالم اپنے مشیروں میں شامل کیا ہے جس کی موجودہ تعداد تقریبًا نو ہے ان کو اس مشورے کے لیے ہم نے اپنا مشیر بنایا ہے تاکہ کوئی مسلمان حصہ دار اس پر اعتراض اور بے اطمینانی ظاہر نہ کرسکے۔

دستخط سائل

11/5/97

بعون العلام الوھاب

الجواب:

صورۃ مسئولہ کی تمام عبارت اور سائل کے پیش کردہ چھتیس ۳۶ مختلف نوعیت کے سوالات کا بغور مطالعہ کیا گیا، قانون شرعی کے اعتبار سے اس تجارتی کاروبار کا نام، شرکت بیع مضاربت ہے اور شریعت اسلامیہ نے اس کی مکمل اجازت دی ہے مگر کسی حادثاتی ظلم وزیادتی سے بچنے کے لیے شریعت نے اس میں دس شرطیں قائم کی ہیں اگر ان تمام مندرجہ ذیل دس شرائط کا لحاظ وخیال رکھا جائے تو یہ تجارت اور شرکت ہر طرح ہر وقت ہر شخص کے ساتھ جائز ہے۔ اس تجارت کی تعریف اور معرفت یہ ہے کہ ایک

شخص کا پیسہ روپیہ ہوتا ہے اور دوسرے شخص ساتھی شریک کا کام، مال دینے والے کو رَبُّ المال کہتے ہیں، کام کرنے والے کو مضارب کہتے ہیں۔ اس معاہدے کا نام بیع مضاربت اور دی ہوئی رقم کو راس المال کہتے ہیں۔ اس تجارت سے حاصل کردہ آمدنی کا نام نفع مضاربت ہے شریعتِ اسلامیہ نے اس کے جواز کے لیے دس شرطیں لگائی ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ خرید و فروخت صرف ان چیزوں کی ہو جن کو شریعت نے تمام مسلمانوں کے لیے حلال کیا ہے۔ حرام کردہ اشیا کی تجارت بھی حرام ہے حرام سے مراد وہ چیزیں ہیں جو مسلمان مرد عورت بچہ جوان سب کے لیے حرام ہے دوسری شرط یہ کہ راس المال کرنسی رائج ہو۔ سامان یا کھوٹی یا غیر ملکی نہ چلنے والی کرنسی نہ ہو۔ تیسری شرط یہ کہ راس المال بالکل نقد ہو اور معین ہو کہ رب المال اور مضارب دستی نقد اتنا مال دیں اور جتنا مال مضاربت میں لگانا ہے اس پر دونوں کا بارضا معاہدہ ہو۔ وہ پورا ایک دم دیا جائے ادھار یا قسطوں میں یا سابقہ مضارب کے ذمہ قرض کو راس المال نہ شمار کر لیا جائے بلکہ قرض وصول کر کے پھر دستی دیا جائے۔ چوتھی شرط یہ کہ جس طرح بھی مضاربت کا معاہدہ ہونے کے بعد راس المال پورا مقرر شدہ کام کرنے والے کو دیا جائے۔ رَبُّ المال اپنے پاس کچھ روک کر نہ رکھے۔ بعد میں اگر مال بڑھانا مقصود ہو تو دونوں شریکین کی باہمی رضا مندی سے یا معاہدہ کر کے بڑھایا جا سکتا ہے۔ پانچویں شرط یہ کہ نفع کے حساب و کتاب کے لیے پہلے ہی مدت مقرر کر لی جائے یعنی یہ کہ اس کا حساب و کتاب اور نفع کی تقسیم کتنے عرصہ بعد ہوا کرے گی۔ روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہوار یا سہ ماہی شش ماہی۔ یا سالانہ۔ چھٹی شرط یہ کہ نفع کی تقسیم گنتی سے نہ ہو بلکہ حصوں سے ہو۔ مثلاً کوئی شریک یہ نہیں کہہ سکتا کہ حساب و کتاب کے تقسیم نفع کے وقت میں سو روپیہ یا اتنا روپیہ لیا کروں گا۔ بلکہ معاہدہ اس طرح کیا جائے کہ نفع کی تقسیم نصف نصف یا ایک کو دو تہائی یا ایک کو ایک تہائی یا بہت سے ربُّ المال شرکا ہونے کی صورت میں نفع کا دسواں حصہ یا بارھواں۔ یا اس طرح کیا جائے کہ اتنے رب المال کو کل نفع کا پانچواں اتنے مال والے کو کل نفع کا چھٹا

حصہ وغیرہ وغیرہ ساتویں شرط یہ کہ رأس المال معلوم اور ظاہر ہو۔ یعنی بتا دیا جائے یا دکھا دیا جائے کہ رأس المال کیا ہے کس ملک کی کرنسی ہے ہے کیسی ہے بس وہی کرنسی راس المال بن سکتی جو معاہدے کے وقت متفقہ طے پائی تبدیلی جائز نہیں۔ مثلاً پونڈ انگلینڈ کا یا سکاٹ لینڈ کا۔ روپیہ پاکستانی یا ہندوستانی کا یا اشرفی یا سونا چاندی وغیرہ یہ سب کچھ معاہدے کے وقت ہی طے کر لیا جائے۔ آٹھویں شرط یہ کہ معاہدے کے وقت ہی ہر شریک کو بتا دیا جائے کہ یہ تجارت ہو گی اور ہر اتنے دنوں کے بعد حساب و کتاب کر کے نفع تقسیم کیا جایا کرے گا اور ہر شریک کو کل نفع فلاں حساب سے دیا جائے گا۔ یا یہ کہ تم کو تمہارے رأس المال کے حساب سے اتنا حصہ ملے گا مثلاً نفع کا پانچواں حصہ چھٹا وغیرہ وغیرہ یا نصف نصف یا دو تہائی۔ یا ایک تہائی کسی بھی شریک کو تردیدی بیان سے نہ بتایا جائے۔ مثلاً یہ نہ کہا جائے گا کہ تم کو یا یہ ملے گا یا یہ ملے گا۔ یا یا کر کے مشکوک بات نہ کی جائے بلکہ ٹھوس یقینی معین بات کی جائے۔ نویں شرط یہ کہ معاہدہ کرتے وقت رب المال تقسیم نفع کے ساتھ کچھ حصہ راس المال واپس لینے کی شرط نہیں لگا سکتا۔ راس المال اُس وقت واپس لے سکتا ہے جب معاہدہ اپنی مدت مقررہ پر ختم ہو گا یا باہمی رضامندی سے پہلے ختم کر دیا جا سکتا ہے۔ معاہدہ چلنے اور قائم رہنے کی صورت میں ہر بار مقرر کردہ مدتِ تقسیم نفع کے وقت صرف نفع تقسیم ہو گا۔ نہ کہ رأس المال یہ مال سب مضارب کے قبضے میں رہ کر ہی تجارت میں لگا رہے گا۔ دسویں شرط یہ کہ بیع مضاربت کا معاہدہ کرتے وقت جتنے بھی ضابطہ اصول اور وعدہ کئے گئے ہوں تا مدتِ مضاربت دو طرفہ سے کوئی بھی وعدہ شکنی نہیں کر سکتا۔ یہ وہ شرائط اور پابندیاں ہیں جو حدیث قرآن کی روشنی میں فقہاءِ اسلام نے بیع مضاربت میں ہر دو فریقین شریکین یا شرکا پر لازم اور واجب فرمائیں۔ اگر سوال مذکورہ میں بینکاری کے طریقے پر چلائی جانے والی اِس بیع مضاربت میں بھی اُن مندرجہ بالا شرائط کی پابندی کی جائے تو یہ بینکاری کاروبار بالکل جائز اور شریعت اسلامیہ کے مطابق ہے ہر مسلمان مرد و عورت اِس بینکاری تجارت میں شرکت کر سکتا ہے۔ ان

شرائط و پابندیوں کی اسلامی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ زمین کی عالمِ انسانیت میں فساد فی الارض پسند نہیں فرماتا، فساد فی الارض معاشرے کی خرابی سے واقع ہوتا ہے اور معاشرے کی خرابی دو چیزوں سے پیدا ہوتی ہے ۱ ظلم ۲ بے غیرتی، حیاتِ دنیوی کے بہت سے شعبے ہیں مگر معاشرے کا سب سے بڑا شعبہ اور ضروریات تجارت ہے۔ پوری مخلوقِ کائنات میں یہ شعبہ صرف انسانوں کو دیا گیا۔ انسانوں کی ذہنی عقلی، اور معروفیاتی اعتبار سے بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً ذہین۔ غبی، امیر غریب، تجربہ کار نا تجربہ کار۔ مصروف غیر مصروف۔ بیمار تندرست وغیرہ وغیرہ۔ انسانوں کی ان قسموں کے پیشِ نظر تجارت کی دو قسمیں ہو گئیں ایک قسم انفرادی تجارت، دوسری قسم اشتراکی تجارت شریعتِ اسلامیہ نے ضرورتِ انسانی کے تحت دونوں قسم کی تجارت کو کچھ شرائط کے ساتھ مسلمانوں کے لیے جائز رکھا ہے۔ تجارتِ انفرادی کی باون قسمیں ہیں اور تجارتِ اشتراکی اٹھارہ قسمیں چونکہ تجارتِ انفرادی میں صرف دو بندوں کا تعلق ہوتا ہے ۱ بیچنے والا ۲ خریدنے والا تجارتِ اشتراکی میں تین بندوں کا تعلق ہوتا ہے ۱ ربُّ المال ۲ مضارب ۳ خریدار انسانی عقل و فکر حرص و ہوس کے اعتبار سے دونوں قسم کی تجارتوں میں ظلم، و بے غیرتی کا اندیشہ شامل ہے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ انسانوں میں ظلم یا بے غیرتی پھیلے اس لیے شریعتِ اسلام نے سامانوں کی دونوں قسم کی تجارت میں کچھ شرائط اور پابندیاں لگا دی ہیں، تو جس تجارت میں وہ شرائط اور پابندیاں جب تک موجود رہیں گی وہ تجارت جائز رہے گی انفرادی تجارت ہو یا اشتراکی اور اگر وہ اسلامی شرائط کسی تجارت میں ابتداءً یا اوسطاً نہ رہیں تو وہ تجارت ہر مسلمان کو نا جائز اور حرام نہ اس کی بیوپاری جائز نہ خریداری نہ اس میں اشتراک جائز نہ انفراد، تجارتی ظلم کی تقریباً دس قسمیں ہیں ۱ خیانت ۲ فراڈ ۳ لاعلمی ۴ وعدہ خلافی ۵ بے ایمانی ۶ نفع سے محروم کر دینا ۷ ملاوٹ ۸ ذخیرہ اندوزی ۹ چور بازاری ۱۰ جھوٹ، اسی طرح بے غیرتی بے حیائی پھیلانے میں تجارت کا بھی بڑا دخل ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل تقریباً پانچ چیزوں سے بے غیرتی پیدا ہوتی ہے ان کی تجارت میں خرید و

فروخت حرام کر دی گئی (۱) حرام (۲) پلید چیزیں (۳) ناجائز (۴) مکروہ چیزیں کھانا (۵) یا استعمال کرنا۔ قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہر وہ چیز جو مسلمان مرد اور عورت دونوں کو استعمال کرنا حرام ہے اس کی تجارت بھی مسلمان کو حرام ہے سودی کاروبار بینکاری ہو یا انفرادی صرف اس لیے حرام ہے کہ اس میں سراسر ظلم ہوتا ہے اور حرام اشیا کی تجارت اس لیے حرام ہے کہ اس سے بے غیرتی پھیلتی ہے اور دونوں سے معاشرہ تباہ اور فساد فی الارض ہے۔ اشتراکی تجارت کی اٹھارہ قسمیں ہیں جن میں ایک شرکت۔ بیع مضاربت ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے ایک آدمی کا مال ہو دوسرے آدمی کا کام ہو۔ منافع کی تقسیم طے شدہ معاہدے کے مطابق حصوں سے سائل کا سوال و استفسار اسی شراکت کے بارے میں ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے اس طرح کی شرکتِ تجارت کی مندرجہ بالا شرائط کی پابندی کے ساتھ مطلقاً اور مکمل ہر قسم ہر مذہب کے مرد و عورت کو اجازت دی ہے مسلم غیر مسلم بھی شریک بن سکتے ہیں۔ بیع مضاربت میں رب المال شرکا ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر مضارِب ایک ہی رہے گا ہاں البتہ مضارب کو شریعت نے آٹھ اختیار دئے ہیں جن کو وہ اپنی صوابدید پر تجارت کی کامیابی اور ترقی کے لیے استعمال کر سکتا ہے پہلا یہ کہ مضارب اپنے کام کے لیے محنتی قسم کے مزدور نوکر رکھ سکتا ہے دوم یہ کہ سامانِ تجارت کے لیے دکان اور گودام کرائے پر لے سکتا ہے سوم یہ کہ سفر کرا بھی سکتا ہے اور خود بھی کر سکتا ہے چہارم یہ کہ اپنی ذمہ داری کسی اور کو بھی کچھ حصہ مضاربت پر دے سکتا ہے پنجم یہ کہ جائز نفع زیادہ کرنے کی نیت سے موسم اور زمانے اور ملک و مقام کے اعتبار سے تجارتی سامان بدل بھی سکتا ہے۔ ششم یہ کہ سامانِ تجارت بیچنے کے لیے ایجنٹ دلال اور پھیری لگا کر بیچنے والوں کو ماہانہ کرائے یا تنخواہ پر لے بھی سکتا ہے۔ یہ تمام اجرت کرائے تنخواہیں اور سفری اخراجات نفع سے حاصل کیے جائیں گے۔ ان اخراجات کو نکال کر بقیہ نفع شرکا اور مضارب میں معاہدے کے مطابق تقسیم ہوگا۔ ساتواں یہ کہ مضارب تجارت کے مال یا سامانِ تجارت کو بوقتِ ضرورت رہنا یا امانتاً

کسی ایمان دار شخص کے پاس رکھ سکتا ہے۔ ہشتم یہ کہ بوقتِ ضرورت بلا معاوضہ کسی سے اس تجارت کے لیے قرضہ بھی لے سکتا ہے معاوضہ پر قرضہ نہیں لے سکتا کیونکہ یہ معاوضہ سود ہوگا۔ اور رب المال کا مال قرضہ پر دے نہیں سکتا نہ معاوضے سے نہ بلا معاوضہ۔ یہ وہ اختیارات ہیں جو کتبِ فقہ میں لکھے ہوئے ہیں اس کے علاوہ بھی زمانے علاقے اور نئے تجارتی ترقی کے اصول اور تجربے مشاہدے کے مطابق مضارب کو دئیے جا سکتے ہیں لہٰذا اس ضمن میں سائل کے پیش کردہ سوالات میں سے بجز ایک بائیس ۲۲ نمبر کے سوال کے باقی تمام سوالیہ امور اور اس کے مطابق کارکردگی جائز ہے شریعت ان اختیارات میں سے کسی کو منع نہیں کرتی، سوال ۲۲ بھی اس لیے ناجائز ہے کہ دوطرفہ تاجر یا خریدار کو نقصان ہونے کا خطرہ ہے۔ یا جھگڑا فساد کی اندیشہ، اور شریعت اسلام کسی شخص کو نہ نقصان کرنے کی اجازت دیتی ہے نہ نقصان برداشت کرنے کی نہ جھگڑا فساد کی۔ مثلاً جو مال موقع پر موجود نہ ہو اس کی خریداری کا وعدہ کرنا یا وعدہ لینا اس لیے نقصان دہ ہے کہ مال دیکھنے پر وہ مال ناقص اور گھٹیا سستا اور کم منافع والا ہو سکتا ہے جو خسارہ بھی کر سکتا ہے۔ اب یا تو مضارب نقصان خود برداشت کرے گا یا اگلے کسی خریدار سے دھوکے میں وعدہ لے کر اس کا نقصان کرے گا۔ پھر مال دیکھ کر خود مضارب کو یا مضارب سے خریدنے کا وعدہ کرنے والے کو وعدۂ خریداری توڑنا پڑے گا جس سے جھگڑا بڑھے گا اور جھگڑے سے فساد۔ اس قسم کے پیشگی وعدے کو بیع مجہول کہتے ہیں۔ بیع مجہول کی چند اور صورتیں بھی ہیں اور سب ہی ناجائز ہیں مثلاً ۱ خریدکردہ چیز معدوم ہو یعنی ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی ۲ وہ چیز نامعلوم ہو اور مکمل خرید لی جائے یا خریدنے کا پکا وعدہ کر لیا جائے جیسے کہ ۲۲ کی صورت ۳ ادھار لی اور ادائیگی کی مدت معلوم نہیں جیسا کہ سوال ۲۱ میں خریدکردہ اشیا کی قیمت میں تاخیر کرنے کا جواز پوچھا گیا ہے تو وہاں تاخیر کی مدت مقرر کرنا اور تاجر کو اس مدت تاخیر سے آگاہ کرنا ضروری ہے اگر تاخیر کی مدت مقرر نہ کی گئی یا اس کو نہ بتائی گئی جس سے

اشیاء خریدی ہیں تو بیع مجہول ہو کر ناجائز ہو جائے گی غرضیکہ ان چھتیس سوالات میں دو سوالوں کی صورتوں کے علاوہ باقی سب صورتیں جائز ہیں ۲۲ بالکل ناجائز اور ۱۴ اُسسے مجہولیت ختم کی جائے۔ دراصل اسلام دنیا سے ظلم، جبر، جھگڑا فساد، جنسی بے غیرتی۔ عملی بے حیائی مٹانا چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ انفرادی اشتراکی تجارت کی کل اٹھتر اقسام میں سے تیس ۳۰ اقسام ناجائز کر دی گئیں۔ کیونکہ ان میں خریدار یا تاجر پر ظلم اور نقصان ہوتا ہے اور انتالیس قسمیں جائز رکھی گئیں۔ اور ان کو بھی کچھ شرطوں کچھ پابندیوں کے ذریعے ظلم و زیادتی سے سے بچایا گیا ہے۔ اشتراکی تجارت کی کل بیس ۲۰ قسمیں ہیں۔

نمبر شمار	نام	تعریف	حکم
۱	شرکتِ مضاربت	ایک کا مال (کرنسی)، دوسرے کا کام نفع حصوں سے معاہدے کے مطابق	شرعاً جائز
۲	شرکتِ معاوضہ	دو شریک دونوں کا نقد مال بھی کام بھی۔ مال نفع تصرف کا اختیار برابر نقصان بھی برابر دونوں ایک دوسرے کے کفیل بن سکیں وکیل بھی۔	، جائز
۳	شرکتِ عنان	مال و کام دونوں کا مال کام نفع نقصان میں برابری جو معاہدہ ہو جائے دونوں ایک دوسرے کے صرف وکیل بنیں کفیل نہ بنیں، ہر قسم کی تجارت کر سکیں عام یا خاص۔	شرعاً جائز
۴	شرکتِ مِلک	ایک چیز کے دو یا چند آدمی مالک ہو جائیں بغیر کسی معاہدے کو منعقد کئے مثلاً میراث تحفہ، وقف۔	جائز ہے
۵	شرکت عقد	ایک چیز کے چند یا دو آدمی مالک بن جائیں کوئی معاہدہ منعقد کرکے	جائز ہے
۶	شرکتِ ملک جبری	دو آدمیوں کی چیزیں ایسی مخلوط ہو جائیں کہ جدا نہ	جائز ہے

نمبر شمار	نام	تعریف	شرعی حکم
		ہوسکیں یا مشقت سے جدا ہوں وہ دونوں اس کے مالک ہوں گے۔ جیسے شربت، یا میراث بلا تقسیم یا گندم میں جو۔	جائز ہے
۷	شرکتِ ملکِ اختیاری	دونوں نے خود اپنی چیز دوسرے کی چیز میں ملا دی دونوں مالک، مثلاً شربت یا گندم۔	جائز ہے
۸	شرکتِ عقد بالمال	دو یا چند لوگ کسی کاروبار میں اپنی دولت روپیہ لگائیں۔	جائز ہے
۹	شرکتِ عقد بالعمل	کسی مزدوری میں دو یا چند آدمی شریک ہوں۔	جائز ہے
۱۰	شرکتِ عقد بالوجاہت	اپنے اعتماد پر ادھار چیزیں لے کر مشترکہ کاروبار کریں۔	جائز ہے
۱۱	شرکتِ عقد بالمال مفاوضہ	شریکوں میں مال کام نفع نقصان تصرف برابر کا معاہدہ ہو دونوں آپس میں کفیل بھی ہوں۔ وکیل بھی۔	جائز ہے
۱۲	شرکتِ عقد بالمال عنان	دو شریکوں میں مال کام نفع نقصان و تصرف کی برابری شرط نہ ہو اور صرف آپس میں وکیل ہوں	جائز ہے
۱۳	شرکتِ عقد بالعمل مفاوضہ	دو شریک لوگوں سے کام لائیں مل کر کریں نفع برابر ہو۔ آپس میں کفیل بھی ہوں وکیل بھی	جائز ہے
۱۴	شرکتِ عقد بالعمل عنان	دو شریک لوگوں سے کام لائیں مل کر کریں نفع برابر کی شرط نہیں آپس میں صرف وکیل ہوں۔	جائز ہے
۱۵	شرکتِ عقد بالوجاہت مفاوضہ	بازار سے اپنے اعتماد پر ادھار سامان لا کر مشترکہ تجارت کریں نفع نقصان برابر ایک دوسرے کے کفیل بھی وکیل بھی بنیں۔	جائز ہے
۱۶	شرکتِ عقد بالوجاہت عنان	بازار سے اعتماد پر چیزیں خرید کر مشترکہ بیچیں نفع نقصان برابر شرط نہ ہو ایک دوسرے کے صرف وکیل بنیں۔	جائز ہے

نمبر شمار	نام	تعریف	شرعی حکم
۱۷	شرکتِ ابضاع	ایک کا مال ایک کا کام نفع سب مال والے کا تنخواہ مقررہ کام والے کو۔	جائز ہے
۱۸	شرکت بالقرض	ایک کا مال دوسرے کا کام نفع سب کام والے کا مال والے کو صرف پورا مال واپس مدتِ معاہدہ کے بعد۔	جائز ہے
۱۹	شرکتِ فاسدہ بالمال	جو چیزیں ہر شخص کو بلا وضہ حلال ہیں اس کی مشترکہ تجارت کرنا۔ مثلاً بری بحری، شکار، جنگل کی لکڑی مٹی، گھاس پھل، پہاڑی خودرَو پھل	ناجائز ہے
۲۰	شرکتِ فاسدہ بالعمل	حرام کام اور مزدوری میں شرکت کرنا۔ مثلاً گداگری سودی جوا چوری شراب فروشی	ناجائز ہے

کفیل وہ شخص ہے جو اپنے مکفل کی طرف سے بااختیار ضامن یعنی دینے کا ذمہ دار۔ اگر مکفل نہ دے یا نہ دے سکے۔ اور وکیل وہ شخص ہے جو اپنے مؤکل کے لیے وصول کرنے خریدنے، بیچنے کا بااختیار ذمہ دار ہو۔ شرکت مفاوضہ میں چونکہ دو طرفہ ہر ایک دوسرے کے لیے وکیل ہوتے ہیں اور کفیل بھی اس لیے ان دو شخصوں کے درمیان شرکتِ مفاوضہ منع ہے جو آپس میں کفیل نہ بن سکیں مثلاً۔ بالغ نابالغ۔ مسلمان غیر مسلم۔ عاقل مجنون۔ دونوں نابالغ، دونوں بیوقوف وغیرہ ان میں شرکت مفاوضہ منع ہے کیونکہ غیر مسلم مسلمان کا کفیل نہیں بن سکتا اور نابالغ یا بیوقوف نہ تصرف کر سکتا ہے نہ کفیل بن سکے۔ شرکتِ عنان میں صرف مجنون کی شرکت جائز نہیں کیونکہ وہ وکیل نہیں بن سکتا۔ لیکن عورت مرد، مسلم غیر مسلم، نابالغ اور بالغ کی شرکتِ عنان جائز ہے بشرطیکہ اُس کا ولی اُس کو اجازت دے دے شرکت بالعمل کے تین نام ہیں ۱ شرکت بالابدان ۲ شرکتِ صنائع ۳ شرکتِ تقبل۔ اس کی صرف ایک شرط ہے کہ مزدوری حلال ہو۔ کام کاریگری خواہ ایک ہو یا چند ا ایک ہو یا مختلف اس

شرکت میں دونوں شریک آپس میں وکیل بنتے ہیں اس لیے حلال کام شرط ہے حرام میں کوئی کسی کا وکیل یا کفیل نہیں اس کو شرکت مفاوضہ بھی بنایا جا سکتا ہے شرکت عنان بھی، شرکت وجاہت یہ کہ بازار سے چیزیں ادھار خرید کر بیچیں آمدنی سے پہلے چیزوں کی قیمت مالک کو دیں نفع آپس میں تقسیم کریں مفاوضہ بنا کر یا عنان بنا کر۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

اٹھارواں فتویٰ

ننگے سر نماز پڑھنا ناجائز و مکروہ تحریمی ہے!

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ننگے سر کوئی نماز فرض واجب یا سنت نفل پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ جو شخص ننگے سر نماز پڑھے اس کو گناہ ہوتا ہے؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ دستخط سائل

محمد نواز (لندن)

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ننگے سر نماز پڑھنا سخت گناہ مکروہ تحریمی یعنی حرام ظنی اور بدعتِ سیئہ ہے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

پہلی دلیل۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ اے مسلمانوں مسجد کے پاس پوری زینت کر کے آؤ اور ہر ذی عقل جانتا ہے کہ اصل زینت لباس سے ہے اور لباس میں سر بھی شامل ہے۔ دنیا کی کسی بھی قوم مسلم غیر مسلم میں کوئی بھی ایسی وردی نہیں جس میں ٹوپی شامل نہ ہو۔ ہر قوم نے اپنی وردی میں ٹوپی کو شامل کیا ہے اور ٹوپی سے لباس کی زینت ہے اسی طرح اسلامی لباس میں بھی ٹوپی کے بغیر نامکمل ہے اور نامکمل لباس سے نماز پڑھنا گناہ ہے۔ دوسری دلیل کتاب کشف الغمہ جلد اول ص ۸۵ پر ہے۔ قَالَ الْاِمَامُ عَبْدُ الْوَهَّابِ شَعْرَانِیْ عَنْ قَتَادَةَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُ بِسَتْرِ الرَّاْسِ بِالْعِمَامَةِ اَوِ الْقَلَنْسُوَةِ وَیَنْهٰی عَنْ کَشْفِ الرَّاْسِ فِی الصَّلٰوةِ! حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرمایا کرتے تھے سر کو ڈھکنے کا پگڑی سے یا ٹوپی سے

اور نماز میں ننگا سر کرنے سے منع فرماتے تھے۔ تیسری دلیل انبیاء کرام علیہم السلام بھی کبھی ننگے سر نہ ہوتے تھے چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد ہشتم پارہ ۱۶ سورۃ طٰہٰ ص ۱۶۹ پر علامہ آلوسی ترمذی شریف کی ایک حدیث روایت فرماتے ہیں۔ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ عَلٰی مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یَوْمَ کَلَّمَہٗ رَبُّہٗ کِسَاءُ صُوْفٍ وَکُمَّۃُ صُوْفٍ وَجُبَّۃُ صُوْفٍ وَکُمَّۃُ صُوْفٍ اَیْ قَلَنْسُوَۃٌ صَغِیْرَۃٌ وَسَرَاوِیْلُ صُوْفٍ: جس دن موسیٰ علیہ السلام سے آپکے رب تعالیٰ نے مقام طور پر پہلا کلام کیا اس دن آپ کا لباس اون کا تھا کہ کمبل اونی ٹوپی اونی اور جبہ اونی شلوار اونی یہاں کُمَّۃ سے مراد چھوٹی ٹوپی ہے۔ چوتھی دلیل تمام صحابہ کرام ہمیشہ نماز میں یا پگڑی باندھتے تھے یا ٹوپی پہنتے تھے۔ کسی صحابی نے کبھی بھی کوئی نماز فرض واجبی نفلی ننگے سر نہ پڑھی چنانچہ بخاری شریف جلد اول کتاب الصلوٰۃ ص ۵۶ پر ہے قَالَ الْحَسَنُ یَسْجُدُوْنَ عَلَی الْعِمَامَۃِ اَوِ الْقَلَنْسُوَۃِ وَیَدَاہُ فِیْ کُمِّہٖ: حضرت حسن فرماتے ہیں کہ ہمیشہ صحابہ کرام کو اسی طرح دیکھا گیا کہ وہ پگڑی یا ٹوپی میں ہی سجدے نمازیں ادا فرماتے تھے۔ یعنی ننگے سر کسی صحابی کو نماز پڑھتے کبھی نہ دیکھا گیا: پانچویں دلیل، اوپر کے دلائل سے ثابت ہوا کہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا سنت مؤکدہ سنت عملی بھی ہے قولی بھی اور سنت صحابہ اور انبیاء کرام علیہم السلام بھی اور سنت مؤکدہ کا تارک گنہگار ہوتا ہے۔ تمام آئمہ مجتہدین بھی منع فرماتے ہیں ننگے سر نماز پڑھنے سے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۱۰۷ پر ہے۔ قَالَ یُکْرَہُ الصَّلٰوۃُ عَنْ کَشْفِ الرَّاْسِ فِی الصَّلٰوۃِ حنفی علماء کرام کے نزدیک ننگے سر نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ چنانچہ بلغۃ السالک فقہ امام مالک جلد اول ص ۱۹۰ پر ہے۔ قَالَ مَالِکٌ لَا یَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ مَکْشُوْفَ الرَّاْسِ امام مالک نے فرمایا کہ ننگے سر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ مؤطا امام مالک جلد اول میں ہے کہ بکھرے بال ننگے سر رہنا شیطان کی شباہت ہے۔ ساتویں دلیل۔ فقہ شافعی کی کتاب فتاویٰ بیجوری جلد اول ص ۱۳۱ پر ہے لَا یَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ مَکْشُوْفَ الرَّاْسِ۔ ننگے سر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ آٹھویں دلیل فتاویٰ مُغنی میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا اَلصَّلٰوۃُ مَکْشُوْفَ الرَّاْسِ بِدْعَۃٌ کھلے سر نماز پڑھنا بدعت ہے، یعنی کبھی کسی صحابی نے یا خود آقائے کائنات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگے سر نماز نہ پڑھی بعض جہلاء آج کل ننگے سر نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے ننگے سر نماز پڑھنے کا اسی طرح صاف صاف اور واضح ثبوت ملے جس طرح ممانعت کی دلیلوں میں وضاحت سے ننگے سر کا ذکر

ہے۔ آج تک اس طرح کوئی روایت قول فرمان نہیں دکھایا جا سکتا جس میں صاف ننگے سر نماز پڑھنے کا جواز یا ذکر ہو۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَرَسُوْلُہٗ

انیسواں فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ زید بن خالد نے اپنی ناراض اور میکے میں بیٹھی ہوئی بیوی زینب بنت بکر کو ایک اسٹام پر ایک خط لکھا جس میں ابتداءً کچھ گھریلو ناچاقی کی الزام تراشی کے بعد اپنی بیوی کو اسی خط میں لکھتا ہے جس خط کا عنوان پہلی سطر میں اس طرح لکھا ہے۔ نوٹس طلاق۔ دوسری سطر میں لکھا ہے۔ بنام زینب بنت بکر زوجہ زید بن خالد۔ آخری سطور میں طلاق کے الفاظ اس طرح لکھے ہیں کہ اگر تم یکم رمضان ۱۳۹۵ھ تک اپنے سسرالی گھر میں واپس نہ آئیں تو میری طرف سے تم کو تین مرتبہ طلاق، طلاق طلاق۔ از طرف تمہارا خاوند زید۔ یہ خط زید نے ستائیس شعبان یعنی ماہ رمضان شروع ہونے سے تین دن پہلے لکھا اور اٹھائیس شعبان کو یہ خط اس کی بیوی زینب کو وصول ہوا۔ بیوی مذکورہ غالباً طلاق سے بچنے کے لیے یکم رمضان روزہ رکھ کر تقریباً عصر کے وقت اپنے سسرال زید کے گھر چلی گئی بغیر کسی سامان اور بغیر کسی بچے کے اکیلی اور صرف بیس منٹ بیٹھ کر واپس میکے چلی آئی۔ اس کے بعد پھر اب تک نہ گئی۔ اب بیوی والے کہتے ہیں کہ طلاق ہوگئی ہے۔ خاوند اور اس کے لواحقین کہتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی، خاوند مذکور نے تین چار مدرسوں کے علما اور مفتیوں سے فتوے حاصل کئے ہیں پہلا فتویٰ لاہور کے ایک مفتی سے دوسرا فتویٰ مضافات گجرات پاکستان کے ایک مفتی سے پھر ہم نے لندن کی ایک علما کونسل سے فتویٰ حاصل کیا۔ ان تینوں فتووں میں لکھا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی کیونکہ یکم رمضان تک کہنے میں یکم رمضان اس میں شامل ہوگا اور چونکہ بیوی یکم رمضان بوقت عصر سسرال چلی گئی اس لیے اس نے شرط پوری کردی لہٰذا طلاق واقع نہ ہوئیں، لاہوری فتوے میں دلیل یہ لکھی ہے کہ ہمارے محاورے اور عرف میں زمانے کی تحریر میں جس دن کا ذکر ہو وہ دن اس تحریر میں شامل ہوتا ہے۔ دیکھو قانونی نوٹس میں لکھا ہوتا ہے کہ یہ کاروائی فلاں تاریخ تک یا فلاں دن تک ہوگی تو یہ مذکورہ تاریخ اور دن اس کاروائی میں شامل مانا جاتا ہے۔ یہی بات یہاں کی علما کونسل نے کہی۔ ہم نے ان علماءِ کرام سے پوچھا کہ اس محاورے اور عرف کا کوئی رواجی یا تحریری ثبوت ہے؟ تو سب نے سر جھکائے اور

کہنے لگے کہ تحریری ثبوت تو کوئی نہیں، جس سے ہم نے اندازہ لگا لیا کہ یہ بات اُن کے اپنے ذہن کی بناوٹ ہے پھر یہ تینوں فتوے ایک دیوبندی خطیب صاحب کو جو عرب سے تعلق رکھتے ہیں دیکھائے تو وہ اُن کو پڑھ کر کہنے لگے کہ یہ سب فتوے غلط ہیں اور یہ علما کونسل نہیں جہلا کونسل ہے، انہوں نے ہمیں بتایا کہ اہلِ عرب کے نزدیک ایسے موقعوں پر تک بمعنیٰ پہلے ہوتا ہے تو یکم رمضان تک کا معنیٰ ہوا یکم رمضان سے پہلے، ہم نے اُن سے تحریری فتوے کا مطالبہ کیا تو کہنے لگے کہ میں نے کبھی فتویٰ نہیں لکھا۔ آپ کسی بڑے عالم سے لکھواؤ یا دارالعلوم دیوبند سے منگوا لو، پھر ایک اور شخص نے آپ کا پتہ بتایا۔ اس لیے آپ کی خدمت میں تینوں فتوے لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ ہمیں مضبوط اور مدلّل فتویٰ عطا فرمایا جائے تاکہ ہم اس پر عمل بھی کریں اور مخالف فریق اور اُس کے ان تمام اہلِ فتویٰ علما کو بھی دکھائیں تاکہ یا وہ اپنے فتووں سے رجوع کریں یا آپ کے فتوے کا مدلّل جواب دیں، چونکہ تین طلاقوں کا معاملہ نہایت نازک ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ حق نکھر کر سامنے آجائے بَيِّنُوْا تُوجَرُوْا

دستخط سائلان، عبداللطیف زرگر، وعبدالعلی، منہاس، برمنگھم انگلینڈ، ۱۳/۴/۱۹۸۸

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

صورتِ مسئولہ میں بہت تحقیق و تفتیش کی گئی سائل کا بیانِ حلفی اور تینوں فتاویٰ بغور دیکھے بار بار پڑھے واقعی وہ تینوں فتوے غلط اور جلد بازی ویے غور و فکر بلا تدبر لکھے گئے، خود ساختہ عرف اور جھوٹے بناوٹی محاوروں کا سہارا لیا گیا۔ ایسے کم علم لوگوں کی فتویٰ نویسی پر قابض و جامد ہونا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے حالانکہ نہ کوئی ایسا محاورہ ہے نہ کوئی اس قسم کی عرف کسی رواج میں قائم کی گئی حقیقت یہ ہے کہ قانونِ شریعت کے مطابق صورتِ مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں، کیونکہ بیوی مذکورہ دیر سے سسرال گئی اُس کو چاہیئے تھا کہ ہلال رمضان سے پہلے پہلے اپنے سسرال چلی جاتی۔ ہمارے اس فتوے کے دلائل حسب ذیل ہیں

دلیلِ اوّل۔ کسی بھی محاورے یا عرف میں یہ بات مروّج نہیں کہ اردو زبان میں لفظ تک کے بعد والی تاریخ لفظِ تک سے پہلے والی شرط یا کسی فعل میں شامل ہو، یہ محاورہ یا عرف کہیں ثابت نہیں نہ اردو لغت میں نہ اردو ادب میں نہ اردو شعرا کے کلام میں نہ

اُردو فقہ میں نہ رواجاً نہ قانوناً۔ اِن تینوں فتووں میں بھی کسی کتاب کا حوالہ نہ دیا گیا نہ کسی ملک و قوم کا۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ ان کا خود ساختہ محاورہ ہے گھر بیٹھے جیسے چاہے محاورے بنانے بھولے۔ لاھوری فتوے میں یہ کہنا کہ قانونی نوٹس میں لکھا ہوتا ہے کہ یہ کاروائی فلاں تاریخ تک یا فلاں دن تک ہوگی۔ یہ بالکل غلط ہے کسی بھی نوٹس میں اس طرح نہیں لکھا ہوتا۔ بلکہ لکھا ہوتا ہے کہ فلاں تاریخ یا فلاں دن میں یا فلاں دن کو یہ کاروائی ہوگی۔ تک کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اس طرح لکھے گا تو یہ اُس کی خصوصی حماقت ہوگی۔ بہر حال کسی نوٹس میں ایسا لکھا دیکھا۔ گیا نہ سنا۔ دلیلِ دوم ہاں البتہ اس طرح کا محاورہ اور اصطلاح دنیوی بات چیت کاروبار اور عدالتوں میں عام مروج و مشہور ہے کہ اگر کوئی کہے کہ ہم نے یہ زمین اُس دیوار تک بیچی یا خریدی یا اُس درخت تک تو وہ دیوار یا درخت اور درخت کے ساتھ والی زمین کی بٹی اس تجارت خرید و فروخت میں شامل نہ ہوگی اگر کوئی شخص اُس دیوار یا درخت یا اتنی زمین لینے یا دینے کی ضد کرے تو دنیوی یا شرعی قانون اُس کے خلاف فیصلہ کرے گا اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ میں ماہِ رمضان تک گھر آجاؤں گا۔ یا کہے کہ میں رات تک یا شام تک گھر آجاؤں گا، تو یہ رمضان کا مہینہ اور شام یا رات اِس آنے میں شامل نہ ہوگی یہ عام فہم بات ہے ہر شخص جانتا سمجھتا ہے ہاں البتہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں صبح تک گھر آجاؤں گا۔ تو صبح کا پورا وقت آنے میں شامل ہوگا۔ اِس کی وجہ یہ کہ لفظِ تک عربی کے لفظِ اِلیٰ کی مثل ہے اور علمِ اصول کی اصطلاح میں اِلیٰ کے مَاقبل کو غایت کہا جاتا ہے اور مابعد کو مُغیّاً ہم اردو میں کہیں گے کہ تک کا ماقبل مقصد ہے اور لفظِ تک کا بعد والا مقصد کی انتہائی حد۔ اب یہ سوال کہ انتہائی حد مقصد میں داخل مانی جائے گی یا خارج تو اس کے لیے شریعت نے یہ قاعدہ کلیہ مقرر فرمایا ہے کہ اگر غایت و مغیّا کی جنس ایک ہے اور ایک چیز تصوّر کئے جاتے ہیں تو مغیّا یعنی انتہائی حد غایت میں داخل ہوگی، اگر جنس دونوں کی جدا ہے تو مغیّا اپنے غایت میں داخل نہ ہوگی یا اس طرح کہلو کہ اگر لفظِ تک یا لفظ اِلیٰ کے ذریعے روکنا مقصود ہے تو مغیّا غایت میں داخل ہوگی اور اگر اِلیٰ کے ذریعے کھینچنا مقصود ہے تو مغیّا غایت میں داخل نہ ہوگی یہ قاعدہ قانون اٹل اور کلیہ ہے ہر عدالت میں شرعی ہو یا دنیوی اسی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جاسکتا ہے معاملہ خرید و فروخت کا ہو یا طلاق نکاح کا ہو یا نماز روزے کا یا وضو غسل کا، تو زمین خریدنے بیچنے میں دیوار اور درخت مغیّا ہے زمین غایت ہے، دونوں کی جنس علیحدہ لہٰذا جب کسی نے

کہا کہ میں نے اُس دیوار یا درخت تک خریدی تو دیوار یا درخت اُس خریداری میں شامل نہیں ہوگا۔ اگرچہ وہ خریدار کہے کہ میری نیت دیوار یا درخت شامل کرنیکی تھی وہ نیت مردود ہوگی کھینچنے اور روکنے کی مثال۔ جیسے کوئی کہے کہ ہاتھ کہنیوں تک دھولو۔ تو چونکہ ہاتھ کندھوں تک ہوتا ہے اس لیے اُس نے کہنیوں تک کہہ کر روکا ہے۔ لہٰذا کہنیاں دھونے میں شامل ہوں گی۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ اپنی ٹانگیں پیٹ تک دھولو تو پیٹ دھونے میں داخل نہ ہوگا کیونکہ حکم دینے والے نے دھونے کو کھینچ کر پیٹ تک پہنچایا ہے۔ جب یہ قانون علیحدہ سمجھ لیا تو یاد رکھو کہ قمری تاریخ میں رات پہلے دن بعد میں اور رات نام ہے غروب آفتاب کا سورج ڈوبتے ہی رات شروع اور تاریخ بدل گئی، ہر تاریخ علیحدہ جنس ہے پوری تاریخ رات اور دن کا نام ہے۔ جب زید خاوند نے کہا کہ یکم رمضان تک تو چونکہ یکم رمضان سے پہلی والی تاریخ اور یکم رمضان کی جنس جدا ہے۔ خاوند نے بیوی کے آنے کو غایت بنایا اور یکم رمضان کو مغیا۔ جنس کے جدا ہونے کی وجہ سے آنے میں یکم رمضان شامل نہیں ہوسکتا جب رمضان کا چاند نکل آیا اور بیوی نہ آئی تو گویا یکم رمضان تک نہ آئی۔ چاند دیکھتے ہی یکم رمضان شروع۔ شرط پوری نہ ہوئی لہٰذا معلق کردہ طلاقیں پڑ گئیں۔ **دلیل سوم**۔ ہمارے محاورے رواج، منقولات، ملفوظات، لغات، عرفیات اصطلاحات، صرف ہمارے دنیوی معاملات میں تو اثر انداز اور قابلِ اعتماد ہوسکتے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں مگر کسی شرعی قانون کے مقابل نہیں آسکتے نہ کسی قرآنی، حدیثی، فقہی قاعدے وضابطے کو توڑ سکیں اس لیے کہ قواعدِ شرعیہ واصولِ فقہیہ کلماتِ الٰہیہ ہیں جن کی شان ہے لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون وکلمات میں تاقیامت نہ کبھی تبدیلی ہوسکتی ہے نہ کوئی شخص اس میں ہیرا پھیری کی جرأت دکھا سکتا ہے۔ (سورۃ یونس آیت ۶۴) **دلیل چہارم** لفظِ الیٰ اور اس کے ہم معنیٰ ہر زبان کا لفظ انتہائیہ کا مندرجہ بالا حکم قاعدہ کلیہ ابدیہ ہے۔ کبھی تبدیل نہیں ہوسکتا، اولاً تو اُس کے خلاف کوئی عُرف اور محاورہ یا اصطلاح کسی ملک وقوم میں موجود ہی نہیں، اِن مفتیانِ عظام نے بالکل جانتے بوجھتے خودساختگی کا ارتکاب کیا ہے اگر فرضاً کہیں کسی علاقہ میں ہو بھی تو وہ صرف علاقائی رسم ورواج تک محدود رہے گا، اسلامی قواعد وقوانین پر اثر انداز نہیں ہوسکتا خواہ کوئی اردو زبان استعمال کرے یا فارسی، پنجابی، انگریزی، سندھی، پشتو، خاوند مذکور کے یہ الفاظ کہ آپ اپنے

گھر واپس آجاؤ۔ یہ الفاظ شرعاً نحوی قانون اور قواعد اصول کے مطابق۔ تک کا ماقبل اور غایت ہے اور یکم رمضان کی حد بندی مغیّا ہے کیونکہ وہ لفظ انتہا یعنی تک کے بعد میں ہے اب یہ مسئلہ کہ یہاں مغیّا غایت میں داخل ہے یا نہیں تو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں ما و شما یا کسی مفتی مولوی کا ذاتی بناوٹی یا رواجی عرف نہ چلے گا یا محاورے کی بات نہ چلے گی بلکہ قطعی یقینی طور پر قرآن و حدیث اور فقہ و اُصولِ فقہ کا قانون نافذ ہوگا اس لیے کہ طلاق کا واقع ہونا یا نا واقع ہونا خاص شرعی حق ہے۔ غایت مغیّا کے لیے قانون و قاعدہ معیّن ہے چنانچہ اصولِ فقہ کی کتاب نور الانوار ص۱۳۵ اور نحو کی کتاب شرح مائۃ عامل ص۱۵ اور علم نحو کی ھدایۃ النحو ص۱۰۲ اور کافیہ ص۱۱۳ اور شرح جامی ص۲۰۳ پر ہے وَاِلٰی لِانْتِھَاءِ الْغَایَۃِ (الخ) وَقَدْ یَکُوْنُ مَا بَعْدَ ھَا دَاخِلاً فِیْ مَا قَبْلَھَا اِنْ کَانَ مَا بَعْدَ ھَا مِنْ جِنْسِ مَا قَبْلَھَا نَحْوُ قَوْلِہٖ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ۔ وَقَدْ لَا یَکُوْنُ مَا بَعْدَ ھَا دَاخِلاً فِیْمَا قَبْلَھَا اِنْ لَّمْ یَکُنْ مَا بَعْدَ ھَا مِنْ جِنْسِ مَا قَبْلَھَا نَحْوُ قَوْلِہٖ تَعَالٰی ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ۔ ترجمہ لفظِ اِلٰی یعنی لفظِ تک مقصد کے انتہا کے لیے آتا ہے تو اگر اِلٰی اور تک کا مابعد یعنی مغیّا مقصد کی انتہا ماقبل غایت و مقصد کی جنس سے ہو تو مغیّا غایت میں داخل و شامل ہوگا، لیکن اگر مغیّا غایت کی جنس سے نہ ہو تو مغیّا غایت میں شامل نہ ہوگا، علماء نحو اور علماء اصول نے اپنے اس قاعدہ کلیہ ابدیہ پر قرآنِ مجید کی آیات سے استدلال اور استنباط پیش کیا ہے۔ چنانچہ ایک جنس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ وضو میں ہاتھ دھویا کرو کہنیوں تک۔ اور غایت مغیّا کی ایک جنس نہ ہونے کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ پورا کرو کہ تم روزوں کو رات تک۔ پہلی آیت میں کہنی مغیّا ہے اور ہاتھ کی جنس سے ہے لہٰذا دھونے میں داخل و شامل دوسری آیت میں رات مغیّا ہے روزے کی جنس سے نہیں ہے لہٰذا روزے میں داخل نہیں۔ بالکل اسی طرح یکم رمضان مغیّا ہے گھر آنے کی جنس سے نہیں ہے لہٰذا یکم رمضان گھر واپس آنے کی شرط میں داخل نہ ہوگا۔ دلیل پنجم قرآن مجید میں ہے کہ وضو میں ہاتھ کہنیوں تک دھویا کرو۔ اور ہر روزے کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ روزوں کو پورا کرو تم رات تک دونوں آیتوں میں لفظِ اِلٰی ہے مگر حکم میں فرق ہے کہ کہنیاں دھونے میں داخل لیکن رات روزے میں داخل نہیں اگر کوئی روزے دار

دیر سے روزہ افطار کرے تو گناہگار ہوگا اور اُس کا روزہ مکروہ کیونکہ اُس نے رات کا کچھ
حصہ اپنے روزے میں داخل و شامل کرلیا یہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی ہے۔ اس فرق کی وجہ
یہ ہے کہ کبھی ہاتھ کی جنس ہے اور لیل روزے کی اور اُس سے پہلے دن کی جس میں روزہ رکھا
ہوا ہے جنس نہیں، ہر تاریخ دوسری تاریخ کی غیر ہوتی ہے قیامت تک ہر معاشرے میں یہ
قانون نافذ ہے، کسی کا کوئی محاورہ اِس پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اسلامی قمری تاریخ سورج
ڈوبتے ہی بدل جاتی ہے۔ تو اگر لاہوری فتوے کے مطابق محاورے یا عرف کا اعتبار کیا جاتا
تو چاہیے تھا کہ پاکستان میں رات ۱۲ بجے تک روزہ رکھا جاتا اس لیے کہ پاکستانی محاورے
اور عرف میں اور کورٹ کچہری پر انگریزی محاورے اور عرف کی حکومت ہے اس انگریزی
محاورے اور عرف میں رات بارہ بجے تاریخ اور جنسِ زمانی بدلتی ہے، مگر شریعتِ اسلام
آیتِ قرآن نے اِس محاورے کو روزے کے لیے قبول نہ فرمایا، کیونکہ روزے کے ہونے
نہ ہونے کے تمام قوانین و احکام خالصتًا شرعی ہیں۔ بس اسی طرح سمجھ لو کہ طلاق کا مسئلہ بھی
خالص شرعی مسئلہ ہے تو جس طرح شریعت نے روزے میں رات کے کسی حصے کو ذرہ بھر
روزے میں شامل نہ ہونے دیا کہ دوسری تاریخ کی رات سے جنس بدل گئی اسی طرح مذکورہ
طلاق کے نوٹس میں یکم رمضان شامل نہ ہوگا۔ کیونکہ دوسری اگلی رات تاریخًا دوسری جنس
ہے۔ نوٹس شعبان کے آخر تک مؤثر ہوگا شعبان کا ہر حصہ داخل کیونکہ باعتبار مہینہ سب
ایک جنس ہے ماہِ رمضان دوسری جنس، جب جنس بدل گئی اور شرط پوری نہ ہوئی تو
طلاقیں پڑ گئیں۔ **دلیل ششم** مضافات گجرات کے غلط فتوے اور غیر ذمہ دارانہ تحریر
میں اِس چیز کو دلیل بنایا گیا کہ خاوند مذکور نے اُن کے سامنے جو بیان دیا اس میں کہتا
ہے کہ میری نیت یکم رمضان شامل کرنے کی تھی، اولًا تو اُس کا اب یہ کہنا ہی کذب بیانی
معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ پہلے لاہوری فتوے میں اس نیت کا ذکر نہیں۔ لیکن
اگر نیت شروع سے ہی ہو بھی تب بھی شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لیے
کہ شرعًا صرف طلاقِ کنایہ اور طلاقِ بتّہ میں خاوند کی نیت معتبر مانی جاتی اور اُس سے
نیت پوچھ کر اُس کی نیت کے مطابق شرعی فیصلہ کیا جاتا ہے، لیکن مذکورہ سوال میں
طلاقِ صریحی ہے اس میں نیت پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ طلاقِ کنایہ اور طلاقِ بتّہ
میں اس لیے نیت پوچھی اور مانی جاتی ہے کہ کنایہ میں الفاظِ ہم معنٰی نے اُلجھن ڈال دی اور

نیتہ میں ادائیگی طلاق نے اُلجھن ڈالدی، یعنی پتہ نہیں لگتا کہ خاوند نے الفاظ کنایہ سے کیا مراد لیا طلاق یا دھمکی، اور بتہ سے کیا مراد لیا۔ طلاقِ تاکیدی یا طلاقِ مغلظہ۔ مگر مذکورہ سوال اور طلاقی نوٹس میں طلاق معلقہ ہے جو صریحی مغلظہ ہے نہ کوئی اُلجھن نہ پریشانی اب بھلا کیوں نیت پوچھی اور نیت کی کیا ضرورت، خاوند تو حیران علمی شرعی مسائل سے ناواقف ہے وہ جو جاہے سہارے پکڑتا ہاتھ مارتا پھرے، حیرانگی تو ان مفتیان صاحبان کی کورچشمی پر ہے جو سب کچھ جانتے ہوئے بھی فتویٰ نویسی کی امانت میں خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ دلیلِ مفتیم الیٰ اور تک کے متعلق اصولِ فقہ اور علماءِ نحو کا یہ بیان کردہ قاعدہ وقانون صرف معقولات ومنقولات سے ہی نہیں بلکہ احادیثِ مقدسات بھی ثابت ہے چنانچہ نبی کریم آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کے شروع دنوں سے ہی الیٰ کے متعلق یہی ضابطہ قائم فرمایا وضو میں آپ نے ہمیشہ کہنیوں کو دھویا، اور کبھی بھی رات کو روزے کا حصہ نہ بنایا گیا نہ کلی نہ جزوی طور پر جس سے ثابت ہوا کہ الیٰ کے بیلے یہ قانونِ مندرجہ بالا فقہا علما کا بنایا ہوا نہیں بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقرر کردہ اور منشاءِ الٰہی کا فرمودہ ہے، تو کسی محاورے اور عرف کا بہانہ بنا کر اس قانونِ ربانی کی مخالفت اور اس کے مخالف فتویٰ جاری کرنا سراسر سرکشی وگمراہی ہے اور پھر طلاقِ مغلظہ جیسے حرام وحلال کے نازک مسئلے میں بدفکری جلد بازی دکھانا تو نری جہنم کمانا ہے۔ اور دین کو کھیل بنانا ہے۔ کیونکہ اگر دین وشریعت کے ضابطوں کو محاوروں کے چنگل میں پھنسا دیا جائے تو ہر شخص اپنی من مانی کرے گا، پاکستان، ہندوستان اور تمام یورپی علاقوں میں رہنے والے مسلمان اپنے انگریزی محاوروں کے مطابق بارہ بجے رات روزہ ختم کیا کرتے اور عرب ممالک افغانستان ایران وغیرہ اسلامی ممالک میں بعد مغرب افطار کیا کرتے اور وہ اپنے محاورے پر چلتے وہ اپنے پر اس طرح دین تو کھیل بن جاتا اور صرف روزہ نماز ہی نہیں بلکہ اسلام کی ہر چیز ہی قومی رسم ورواج کے ماتحت ہو جاتی کیونکہ عرف محاورے تو ہر قوم کے اپنے اپنے ہیں، نیز اگر ذاتی نیت سے اسلامی ضابطوں کو توڑنے کی اجازت دیدی جائے تو زمین میں فساد برپا ہو جائے ہر شخص اپنی نیت پر بدعملی کرتا پھیلاتا پھرے۔ میں ان مفتیانِ مکرمین سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی زمین کا خریدار یہ کہے کہ میں یہ زمین خریدتا ہوں۔ اُس دیوار تک بائع کہے مجھے منظور ہے

بیع منعقد ہو گئی جب نشاندہی کرنے لگے تو خریدار کہے کہ میری نیت میں وہ دیوار خریداری میں شامل تھی تو یہ مفتیانِ کرام کیا فتویٰ دیں گے۔ اگر ایسا ہی فتویٰ جیسا یہاں خلافِ اسلام فتویٰ دیا تو فساد کا نیا دروازہ ہی کھولتا ہے۔ **دلیل ہشتم** علمِ اصولِ فقہ کی مشہور و مختصر کتاب نورُ الانوار ص۱۳۵ اور ص۱۳۶ پر ہے۔ وَاِلٰی لِانْتِهَاءِ الْغَايَةِ فَاِنْ كَانَتِ الْغَايَةُ قَائِمَةً بِنَفْسِهَا لَا تَدْخُلُ الْغَايَةُ فِي الْاِقْرَارِ وَالْاِنْعِقَادِ (الخ) وَاحْتَرَزْنَا بِقَوْلِنَا مَوْجُوْدَةً قَبْلَ التَّكَلُّمِ عَنِ الْآجَالِ الْمَضْرُوْبَةِ لِلدُّيُوْنِ وَالثَّمَنِ فِي قَوْلِهِ بِعْتُ هٰذَا وَاَجَّلْتُ الثَّمَنَ اِلٰى شَهْرٍ اَوْ اَجَرْتُهُ اِلٰى رَمَضَانَ اَوْ اِلٰى غَدٍ وَنَحْوِهٖ فَاِنَّ كُلَّ هٰذِهٖ وَاِنْ كَانَتْ قَائِمَةً بِنَفْسِهَا لِمَا هِيَ لٰكِنَّهَا وُجِدَتْ بَعْدَ التَّكَلُّمِ۔ اس کے حاشیے قمر الاقمار ص۱۳۸ میں ہے قَوْلُهٗ عَنِ الْآجَالِ (الخ) اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَيْسَ اِخْتِلَافُ رِوَايَةٍ فِي آجَالِ الدُّيُوْنِ وَالثَّمَنِ وَالْبَيْعِ وَالْاِجَارَةِ بَلِ الْغَايَةُ لَا تَدْخُلُ فِيْهَا بِالْاِتِّفَاقِ (الخ) نور الانوار میں آگے ارشاد ہے۔ وَاِنْ لَمْ تَكُنْ قَائِمَةً بِنَفْسِهَا فَاِنْ كَانَ صَدْرُ الْكَلَامِ مُتَنَاوِلًا لِلْغَايَةِ كَانَ ذِكْرُهَا لِاِخْرَاجِ مَا وَرَاءَهَا فَتَدْخُلُ كَمَا فِي الْمَرَافِقِ فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى (الخ) وَاِنْ لَمْ يَتَنَاوَلْهَا اَوْ كَانَ فِيْهِ شَكٌّ فَذِكْرُهَا لِمَدِّ الْحُكْمِ اِلَيْهَا فَلَا تَدْخُلُ كَاللَّيْلِ فِي الصَّوْمِ فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى۔ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ۔ مِثَالٌ لِمَا لَمْ يَتَنَاوَلْهَا الصَّدْرُ۔ ترجمہ۔ اور لفظ اِلٰی غایت (مقصد) کی انتہا کے لیے آتا ہے۔ جس کی تین صورتیں ہیں (۱) ایک یہ غایت پہلے سے خود قائم و موجود ہو تب غایت اِبتداءً و اِنتہاءً کلام و اقرار میں داخل نہ ہو گی۔ بذاتِ خود قائم ہونے کا معنی یہ ہے کہ گفتگو کے وقت غایت موجود ہے جیسے زمین کی خریداری کے وقت دیوار کا وجود۔ یہ قید لگا کر ہم مدتوں اور تاریخوں وقتوں سے بچ گئے جو بذاتِ خود قائم تو ہوتے ہیں مگر گفتگو کے وقت موجود نہیں ہوتے۔ اور گفتگو کے وقت موجود ہونے کی مثال وہ دیوار ہے جس کو خریداری کی حد بنایا۔ ان دونوں غایتوں میں اُن کے مغیا داخل نہ ہوں گے۔ نہ وہ دیوار زمین کے پلاٹ میں نہ تاریخ مدت اور وقت جیسے یہ کہنا کہ ایک مہینے تک یا رمضان تک یا کل تک

اگر یہ کام نہ ہوا تو ایسا ہو جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ محشی حاشیہ ص۲۸ میں فرماتے ہیں کہ جان لو اِس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے بلکہ تمام علماء فقہا مجتہدین اس بات میں متفق ہیں کہ ہر قسم کا مغیا اپنے غایت میں داخل نہیں ہوتا، مغیا اور غایت کی مدت خواہ قرض میں بیان کی جائے یا ثمن میں یا بیع میں یا بیع کی مثل کسی بھی عقد یا انعقاد میں جیسے (طلاق عتاق نکاح) یا اجارے میں ۲ اور اگر مغیا وغایت قائم بنفس نہیں یعنی تکلم کے وقت موجود نہیں تو اُس کی دو صورتیں ۱ باطنی غیر موجودگی کہ صدرِ کلام یعنی غایت مغیا کا ایک حصہ ہے شامل تب مغیا غایت میں داخل ہوگی، جیسے کہنیاں وضو کے دھونے میں شامل و داخل ہوں گی کیونکہ کہنیاں ہاتھوں میں شامل ہیں ۲ اور اگر صدرِ کلام غایت اپنے مغیا کا حصہ نہیں یا تو یقیناً یا شک ہو تب یہ دیکھنا ہے کہ اِس مغیا کا ذکر مدِّ حکم کے لیے ہے یا سدِّ حکم کے لیے اگر مدِ حکم کے لیے ہے تو مغیا یعنی الیٰ کا ما بعد غایت یعنی ما قبل میں داخل نہیں ہوگا۔ جیسے رات روزے میں داخل نہیں۔ یہی حال تمام وقتوں، زمانوں، مدتوں اور تاریخوں کا ہے۔ خاوند مذکور نے بھی اپنے نوٹس میں ایک تاریخ یعنی یکم رمضان کو مغیا بنایا جو اپنے غایت کا جز ہے نہ جنس نہ معیار نہ ظرف نہ متناوِل نہ سَدِّ حکم نہ گفتگو بولتے اور لکھتے کے وقت یہ یکم رمضان ظاہراً باطناً موجود۔ لہٰذا اس قاعدہ کلّیہ کے تحت یکم رمضان آنے میں داخل نہ ہوگا اگرچہ خاوند اپنی حماقت سے اُس کو اپنی نیت میں شامل مانے۔ اگر ہلال رمضان سے پہلے بیوی آجاتی تو طلاق نہ پڑتی لیکن چونکہ بیوی رمضان کے چاند سے پہلے نہ آئی اس لیے تینوں طلاقیں پڑ گئیں۔ بعد مغرب بیوی مطلّقہ تھی اور مطلّقہ اپنی عدت کی حالت میں خاوند کے گھر گئی وہ بھی خانہ آبادی کے لیے نہیں صرف عارضی طور پر پندرہ منٹ کے لیے بغیر اپنے سامان و اولاد کے۔ اصولِ فقہ کی مشہور و معتبر کتاب تلویح توضیح جلد اوّل کے ص۲۷ پر ہے کہ غایت اور مغیا کی آٹھ صورتیں ہیں جن میں پانچ صورتیں یہ کہ مغیا غایت میں داخل ہوگا ۱ اگر غایت اور مغیا کی جنس ایک ہو تو داخل ہوگا ۲ مغیا اور غایت قائم بالغیر ہو تب بھی مغیا۔ غایت میں داخل ہوگا ۳ غایت مغیا قائم بالنفس ہو موجود بھی ہو تب بھی مغیا غایت میں داخل و شامل ۴ اِلیٰ سے حد بندی سَدِّ حکم یعنی حکم کو روکنے کے لیے ہو تب بھی مغیا غایت میں داخل ۵ مغیا صدرِ کلام میں شامل تھا۔ تب حکم میں بھی مغیا اپنے غایت میں داخل ہوگا ۶ اگر غایت مغیا قائم بالنفس ہو مگر

تکلم کے وقت موجود نہ ہو تو منتہا غایت میں داخل نہ ہوگا ۵ اگر الیٰ کی حدبندی سدِ حکم کے لیے یعنی کھینچنے بڑھانے کے لیے ہو تو بھی منتہا اپنے غایت میں داخل نہ ہوگا ۶ اگر صدرِ کلام منتہا میں پہلے شامل نہ تھا تو بھی منتہا غایت میں شامل نہ ہوگا۔ **دلیل نہم**۔ اِن فتووں میں تو آنکھیں بند کر کے لکھ دیا گیا کہ محاوروں اور عرف سے اسلام کا یہ قانون توڑا جا سکتا ہے اور صورتِ مسئولہ میں عرف پر عمل کرتے ہوئے طلاقیں نہ ہونے کا بیہودہ بے علمی کا فتویٰ دیدیا مگر حقیقت یہ ہے کہ قانونِ شرعی کے مطابق غایت و منتہا کے باب میں عرفِ عام کا قطعًا اعتبار نہیں ہوتا۔ چنانچہ نورُ الانوار صہ ۱۳۶ پر ہے۔ وَيَنْتَقِضُ هٰذَا بِقَوْلِهٖ قَرَأْتُ هٰذَا الْكِتَابَ اِلٰى بَابِ الْقِيَاسِ۔ فَاِنَّ بَابَ الْقِيَاسِ خَارِجٌ عَنِ الْقِرَاءَةِ وَاِنْ كَانَ الْكِتَابُ مُتَنَاوِلًا لَهٗ عَمَلًا بِالْعُرْفِ ترجمہ: اور یہ مندرجہ بالا قاعدہ ایسی صورت میں ختم ہو جاتا ہے جب کہ کسی شخص نے کہا کہ میں نے یہ کتاب پڑھی ہے قیاس کے باب تک تو بے شک قیاس کا باب پڑھنے میں داخل و شامل نہ ہوگا بلکہ پڑھنے سے خارج ہوگا۔ اگرچہ عرف عام اور محاورے کے اعتبار سے کتاب باب قیاس کو بھی شامل ہے عرف کے لحاظ سے تو یہاں اِلیٰ اور تک کا منتہا باب اپنے غایت قرأت میں شامل ہونا چاہیئے تھا مگر شریعت کے اُس قاعدے نے اِس عرف اور محاورے کو رد کر دیا۔ اب اگر کوئی مفتی مولوی شامل مانیں تو یہ اُن کی ذاتی غلطی ہے شرعی اصول کے خلاف ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمارا یہ فتویٰ قرآنِ مجید، حدیث مقدسہ علم فقہ، قواعد اصولِ فقہ، قوانینِ نحو یہ غرضکہ شرعًا، عقلًا، نقلًا دلائل پر مشتمل ہے جس میں ثابت کر دیا گیا کہ مندرجہ بالا سوال کی صورت میں خاوند کی طرف سے اُس کی بیوی مذکورہ کو طلاقِ مغلّظہ پڑ گئی ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ

(نوٹ) یہ فتویٰ میری ذاتی تحقیق تفتیش سوچ فکر کا نتیجہ ہے۔ اِس میں غلطی یا کمزوری کا بھی امکان ہے اس لیے علماءِ محققین و مفکرین اور اہلِ تدبر مشائخ کو دعوت غور و فکر ہے کیونکہ یہ طلاق کا نازک معاملہ ہے۔ دو طرفہ حرام وحلال کی دلدل ہے اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔ مفتی کو جہنم بھی مل سکتی ہے جنت

ہی۔ لہٰذا اگر کسی کے تدبر، تفکر، تعقل، تفہم میں شریعت کی رُو سے میرا یہ فتویٰ غلط ثابت ہو تو میرے ان تمام دلائل کو توڑ کر یا دلائل با حوالہ مطلع فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ رجوع میں تعصب اور ضد یا عار محسوس نہ ہوگی اور اگر یہ فتویٰ ہر طرح درست ہی نظر آئے تو غلط فتویٰ لکھنے والوں کو اپنے فتاویٰ سے رجوع کر کے بارگاہِ الٰہیہ میں سچی توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ فتویٰ لکھنے میں جلد بازی چھوڑ کر احتیاط کرنی چاہیے۔ کیونکہ روایت میں ہے۔ مَنْ اَفْتٰی بِغَیْرِ عِلْمٍ فَھُوَ مَلْعُوْنٌ ۔ وَالسَّلَامُ مَعَ الْاِکْرَام۔

اقتدار احمد خان ۱۱/۵/۸۸

بیسواں فتویٰ
ایک شیعہ اعتراض کا مدلل و محقق جواب۔ اور غُسلِ شرعی کا طریقہ تقویٰ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس بارے مسئلے میں کہ بخاری شریف جلد اول ص ۳۹ طبع کراچی بابُ الغسل میں ایک حدیث شریف اس طرح منقول ہے۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ مُحَمَّد (الخ) قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَةَ یَقُوْلُ دَخَلْتُ اَنَا وَاَخُوْ عَائِشَةَ فَسَاَلَهَا اَخُوْهَا عَنْ غُسْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدَعَتْ بِاِنَاءٍ نَحْوٍ مِنْ صَاعٍ فَاغْتَسَلَتْ وَاَفَاضَتْ عَلٰی رَاْسِهَا وَبَیْنَنَا وَبَیْنَهَا حِجَابٌ اس حدیث کو لے کر کراچی کے چند جاہل شیعہ مولوی حضرات اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْہَا کی شان میں ایسی ناپاک گستاخیاں کرتے ہیں کہ قلم ان کے لکھنے سے قاصر ہے۔ ان گستاخیوں کی بنا پر یہاں سُنّی شیعہ لوگوں میں بہت فساد اور سُنّی شیعہ جھگڑا مچا ہوا ہے یہاں تک کہ کافی مار کٹائی بھی ہوئی اور لانڈھی کراچی کے علاقہ میں ایک سب سے زیادہ علانیہ گستاخ شیعہ ذاکر کا قتل بھی ایک سنی مسلمان نے کر دیا جس کا مقدمہ کچہری کراچی میں زیر سماعت ہے۔ اس حدیث کو لے کر شیعہ گستاخ حضرتِ صدیقہ کو فاحشہ اور بے شرم بھی کہنے سے نہیں چوکتے، کچہری کے جج نے ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ اپنے سُنّی علما سے اس حدیث پاک کا صحیح معنیٰ پوچھو ہم نے

یہاں کراچی میں بہت سے علما سے اس کا معنیٰ پوچھا ہے مگر سب خاموش ہیں۔ لاہور جامعہ نعیمیہ جامعہ نظامیہ میں بھی سوال بھیجا گیا مگر دو ماہ تک ان کا جواب نہیں آیا اب کسی نے ہم سے کہا کہ گجرات مدرسہ غوثیہ نعیمیہ میں سوال لکھ کر بھیجو جوابی لفافہ ساتھ ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ مدلل اور جلدی تسلی بخش جواب آئے گا۔ وہاں حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک بیٹا بہت محنت اور دلچسپی سے ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔ یہاں ایک چکڑالوی پرویزی فرقے کا شخص ہے وہ کہتا ہے کہ یہ حدیث سرے سے ہی غلط اور بناوٹی بلکہ اکثر حدیثوں کا وہ انکار کرتا ہے۔ اس لیے اب ہم سب آپ کی طرف یہ سوال مع جوابی لفافہ بھیج رہے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ جلد از جلد مدلل و مکمل جواب ارسال فرمائیں گے۔ ہم یہ فتویٰ عدالت میں پیش کریں گے تاکہ اس کے مطابق عدالت فیصلہ کرے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا - 2/1/1998

دستخط سائل۔ عبد الغفور ساکن لانڈھی کراچی پاکستان وآبالیانِ لانڈھی۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

سائلِ محترم کا یہ سوالنامہ آج ہی وصول ہوا واقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے آج ہی اس کا جواب لکھنا شروع کر دیا۔ اس لیے کہ اس قسم کا اگر جواب نہ دیا جائے یا جواب میں دیر لگائی جائے تو جہلا سمجھتے ہیں کہ وہی حق ہے جو ہم نے سمجھا ہے اور ان کی جہالت و گستاخی کا فساد بڑھتا جاتا ہے اور اس سستی کوتاہی سے جاہلوں کی ضد اور عوام کا شک اور اپنوں کی مایوسی و غمگینی بڑھتی جاتی ہے جس سے حق مسلک کو اور اہل حق کو شدید نقصان پہنچتا ہے باطل فائدہ اٹھا جاتا ہے۔ آج کل ہمارے مدارس میں اس چیز کا خیال نہیں رکھا جاتا اور فتویٰ نویسی کو کچھ اہتمام نہیں دیا جاتا اولاً تو بہت سے مدارس میں فتویٰ نویسی کا شعبہ اور دار الافتاء ہی نہیں ہے اور اگر کسی میں ہے بھی تو فتویٰ لکھنے پر ان طالب علم شاگردوں کو لگا دیا گیا جن کو قلم پکڑنے کا سلیقہ نہیں حالانکہ فتویٰ نویسی عدالت اسلامیہ کا بہت بڑا اور نازک شعبہ ہے یہی وجہ ہے درسِ نظامی میں پورا نصاب پڑھنے اور پاس کر لینے کے بعد پھر مفتی بننے کے لیے ڈھائی سالہ نصاب پڑھنا پڑتا ہے اور مفتی اعظم بننے کے لیے مزید تین سال کا کورس کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح تقریباً اکیس سال تک پڑھ کر دار الافتا کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی اجازت ملتی ہے یہی وہ نصاب ہے جس کو بعض ذہین طلبا جلدی

بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ فتاویٰ نویسی کا اچھا اور سچا اہتمام واحترام اوّلاً بریلی شریف پھر مراد آباد شریف اور پھر حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مدرسہ غوثیہ نعیمیہ میں دیکھی گئی، میری فتویٰ نویسی بھی ان ہی اکابر بزرگوں استادوں کی کفش برداری اور اتباع وتعلیم وتربیت کی وجہ سے ہے احضرت حکیم الامت فرمایا کرتے تھے کہ مدارس اور علما کی دینی اور مسلکی خدمات میں سب سے بڑی خدمت سچی پکی اور مضبوط فتویٰ نویسی اور مدلّل ومکمل فتویٰ لکھنا ہے اس سے پانچ فائدے ہیں ۱ احقاقِ حق ۲ ابطالِ باطل ۳ عوام کی سچی رہنمائی ۴ عدالت اسلامیہ کا وقار ۵ قرآن وحدیث کی تحریری تبلیغ، اور تحریر ہی دیر پا چیز ہے یہی علم وعلما کی شناختِ ابدی، آج اگر رازیؒ وغزالیؒ کی تصنیفات ہمارے سامنے نہ ہوتیں تو ہم اپنے ان اکابر کی علمیت وخدمتِ دینی کو کس طرح پہچانتے اور ہمارا علم کس طرح وسیع ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچی سمجھ عطا فرمائے آپ کے اس **استفتا** میں پیش کردہ حدیث مقدسہ بالکل اور اتنی آسان معنی والی ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی شرح بخاری غیر مطبوعہ میں بین السطور ایک لفظ لکھ کر تمام الجھنوں کو دور فرمایا اور پوری حدیث پاک کا تمام مطلب ومقصد سمجھا دیا۔ میں نے آپ کو جواب لکھنے سے پہلے بہت سی کتب شروح وحواشی کا مطالعہ کیا مگر کسی نے بھی اس موجودہ دَور کی الجھن کی طرف توجہ نہ فرمائی نہ کچھ حل پیش کیا غالباً ان شارحین سابقین اکابر کے ذہن وخیال میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ کبھی کسی زمانے میں کچھ گستاخ جُہلا اس حدیثِ مقدس میں یہ الجھاؤ پیدا کرکے حضرتِ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گستاخی کا راستہ نکالیں گے اور کچھ منکرین اصلی معنیٰ سمجھ نہ آنے کی صورت میں حدیثِ پاک کا ہی انکار کردیں گے اس لیے اُن بزرگوں نے اُس کے حل کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی حضرت حکیم الامت سے شاید کسی نے یہ الجھن بیان کی ہوگی یا ازخود آپ کے شرح صدر میں یہ بات آئی ہوگی کہ کہیں کوئی گستاخ یہ الجھن اور اپنی جہالت سے اس قسم کی گستاخی نہ کرے آپنے ایک لفظ میں الجھن دور فرما کر گستاخوں کا منہ توڑ دیا اور منکروں کا منہ بند کردیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ حدیث وقرآن کی سچی سمجھ بھی رب تعالیٰ کی طرف سے ہی عطا کی جاتی ہے، چنانچہ سورۃ انعام کی آیت ۱۲۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا۔ (الخ) پس وہ شخص کہ ارادہ فرمائے اللہ تعالیٰ یہ کہ ہدایت دے اس کو کھول دیتا ہے اُس کا

سینہ اسلام کے لیے اور وہ شخص کہ ارادہ فرمائے اللہ تعالیٰ یہ کہ گمراہ رہنے دے اُس کو بنا دیتا ہے اُس کا سینہ سخت تنگ بد عقلیوں گناہوں والا۔ اور جس کے سینہ میں تنگی بھری ہو اُس کو آسان بات بھی سمجھ نہیں آتی، قرآن و حدیث کی سمجھ تو اُس سے بہت دور ہوتی ہے۔ مذکورہ فی السوال حدیث پاک کو نہ شیعوں نے سمجھا نہ چکڑالویوں پرویزیوں منکرین حدیث نے اور سُنی علما خطبائے خود تدبر نہ فرمایا بلکہ قرآن مجید کی اس آیت پر عمل فرمایا کہ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ یعنی اے لوگو اگر تم خود کسی بات کا معنیٰ نہیں سمجھ پاتے تو بڑے علم والوں سے پوچھ لو۔ شیعہ لوگوں نے اپنی نادانی اور اندھی عقل سے یہ سمجھا کہ شاید حضرت صدیقہ نے کپڑے اتار کر نہانا شروع کر دیا اور بیچ میں ایک چادر تان لی جو درمیان میں حجاب بن گیا۔ اور پوچھنے والے اُن کے غسل کو دیکھتے سمجھتے رہے۔ (معاذ اللہ) عقل کے اندھوں نے یہ نہیں سوچا کہ ایسا تو کوئی عام جاہل اَن پڑھ عورت بھی نہیں کرتی تو بھلا اُمّ المؤمنین سَیِّدَةُ النِّسَاءِ علم النبی کی امانت دار ہستی ایسا کر سکتی ہے۔ ان دشمنانِ صحابہ نے اپنی اسی بد عقلی سے گستاخی کا راستہ تلاش کر لیا۔ اور کافر بن کر جہنم خرید لی لیکن منکرین حدیث نے جلد بازی سے کام لیا نہ خود غور و تدبر کیا نہ اہل علم سے اور جہلا کے مطلب کو صحیح سمجھتے ہوئے انکارِ حدیث کا بہانہ بنا لیا اور منکرین حدیث کا ہر جگہ یہی احمقانہ حال ہے محض اِس بنا پر حدیثِ پاک کا انکار کر دیتے ہیں کہ اُن کی سمجھ میں حدیثِ مقدسہ کا صحیح معنیٰ مراد نہیں آتا۔ حضرت حکیم الامت بدایونی نے اپنی شرح بخاری کے بَیْنَ السِّتْرِ فَاغْتَسَلَتْ کے نیچے تحریر فرمایا۔ اَیْ مَعَ اللِّبَاسِ۔ یعنی اُم المؤمنین حضرتِ صدیقہ نے اپنے لباس کے ساتھ ہی غسل فرمایا۔ یعنی لباس اتار کر غسل نہ فرمایا تھا۔ اور یہ صرف اس دفعہ کی ہی بات نہیں تھی بلکہ ہمیشہ ہی ایسا طریقہ رہا کہ تمام صحابہ و صحابیات بلکہ تابعین تبع تابعین اور اکابر دین اولیا علما کبھی خلوت اور علیحدگی تنہائی میں بھی ننگے ہو کر نہ نہائے بلکہ مرد حضرات ناف سے گھٹنوں تک تہبند باندھ کر اور عورتیں کندھوں سے گھٹنوں تک لباسِ غسل کا ایک لمبا کرتہ پہن کر غسل فرمایا کرتی تھیں۔ اس پردہ نشینی اور تنہائی کی شرم و حجاب کی وجہ۔ بخاری شریف جلد اول باب الغسل ص۴۲ کی وہ حدیث پاک ہے جس میں تنہائی کے غسل کا طریقہ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ چنانچہ منقول ہے۔ بَابُ مَنِ اغْتَسَلَ وَحْدَهٗ عُرْیَانًا فِی الْخَلْوَةِ وَمَنْ تَسَتَّرَ وَالتَّسَتُّرُ اَفْضَلُ۔ وَقَالَ بَهْزٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ یُّسْتَحْیٰ مِنْهُ مِنَ النَّاسِ

ترجمہ: کچھ وہ مسلمان ہیں جو تنہائی میں بالکل ننگے ہو کر نہاتے ہیں اور کچھ وہ مسلمان ہیں جو تنہائی میں بھی ستر ڈھانک کر نہاتے ہیں۔ اور بہر حال ستر ڈھانک کر نہانا ہی افضل ہے اور فرمایا حضرت بہز نے وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد سے وہ روایت کرتے ہیں اُن کے دادا سے۔ وہ آقائے کائنات نبی کریم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے راوی کہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اُس سے حیا کی جائے بمقابلے لوگوں کے۔ اسی حدیث پاک کے حکم فرمودہ سے تمام فقہائے کرام فرماتے کہ خلوت کے بند غسل خانے میں بھی ستر ڈھانپ کر تہبند یا لباسِ غسل سے نہانا افضل ہے۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے مذکورہ فی السوال حدیث پاک کا پورا بیان اس طرح ہے کہ عبداللہ ابن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ مجھ کو ابو سلمہ نے سنایا، وہ فرماتے تھے میں حضرت صدیقہ کے رضاعی بھائی کے ساتھ ایک بار حاضرِ بارگاہ اہلِ بیت ہوا جب اہلِ بیتِ نبوی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی بارگاہِ اقدس میں ہم دونوں حاضر ہوئے تو حضرت صدیقہ کے رضاعی بھائی نے اُمّ المومنین سے آقائے کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کے بارے میں پوچھا۔ حضرت صدیقہ سمجھ گئیں کہ یہ صرف نہانے کا سوال نہیں بلکہ غسل کرنے کا اسلامی طریقہ اور شرعی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ دنیائے اسلام میں عورتوں مردوں کی آئندہ اسلامی نسل کو نہانے کا شرعی طریقہ مشہور کر دیا جائے، اور چونکہ طریقۂ نبوی ہی شریعتِ اسلام ہے اس لیے انہوں نے عَنْ غُسْلِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ و سَلَّم کا سوال عرض کیا اور چونکہ یہ چیز اندرونِ خانہ کی تھی اس لیے اس کو اُمّ المومنین ہی جانتی تھیں اور وہی بتاسکتی تھیں کیونکہ اصلِ اہلِ بیت تو بیوی ہی ہوتی ہے پھر اولاد پھر داماد پھر اولاد کی اولاد۔ قرآن مجید تو صرف بیوی کو ہی اہلِ بیت فرماتا ہے۔ اولاد کو داماد کو صرف حدیثِ پاک نے خصوصی طور پر ایک بار اہلِ بیت فرما دیا۔ ان وجوہ سے غسلِ اسلامی کی مکمل و سچی تعلیم لینے کے لیے درِ صدیقہ پر سوال کیا۔ آپ نے بھی اصل مدعا سمجھ کر زبانی کلامی جواب نہ دے دیا۔ بلکہ غُسلِ نبوی کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ تاکہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو تا قیامت نہانے کا باحیا مہذب اور افضل طریقہ معلوم ہو جائے، یہ حدیثِ مبارکہ کہ جس کو بعض بد بخت جاہل شیعوں نے گستاخی کرنے کا ذریعہ بنا یا۔ اور منکرین حدیث نے جلد بازی سے اس کا انکار کر دیا۔ وہ درحقیقت تعلیمِ اسلام کی بہترین جامع مانع حدیث ہے۔ مگر حدیث مقدس کو سمجھنے کے لیے ایمان کی روشنی چاہیے

یہی روشنی نہ شیعوں کے پاس ہے نہ منکرین حدیث کے پاس نہ تیمیائی وہابیوں کے پاس حضرت عبدالرحمٰن بن زید نے اس حدیث میں چار چیزیں بیان فرمائیں، پہلی یہ کہ اگرچہ رضاعی بھائی ہو مگر غیرت تقوی یہ ہے کہ اُس سے بھی حجاب کیا جائے، اسی لیے حضرت ابوسلمہ نے واضح فرما دیا کہ بَیْنَنَا وَبَیْنَهَا حِجَابٌ۔ یعنی ہمارے درمیان اور اُم المومنین کے درمیان مکمل پردہ تھا، یہ پردہ صرف غسل کے وقت ہی نہ تھا بلکہ اس پوری ملاقات میں بَیْنَنَا وَبَیْنَهَا حِجَابٌ ہمارے اور اُن کے درمیان چادر وغیرہ کا بڑا پردہ تھا، یہاں حِجَابٌ میں تنوین تعظیمی ہے یا پردہ دونوں مردوں سے یا ابُوسلمہ کی وجہ سے کیا تب یہ شرعی فتوٰی ہے یا یہ پردہ دونوں کی وجہ سے کیا تب یہ تقوٰی ہے، دوسری بات یہ کہ آپ نے اپنا لباس نہ اُتارا اور مع لباس ہی غسل فرمایا، قیامت تک غسل نبی اور غسل اہل تقوٰی کی تعلیم دیدی کہ اے مسلمان مرد وعورت اگرچہ پردے کی چار دیواری میں تنہا غسل کیا جائے تب بھی اپنا ستر ڈھکنا افضل ہے جس کا جتنا ستر ہو وہ اتنا ہی ڈھکے مردوں کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ان کے لیے تہبند کافی، عورتوں کا ستر کندھوں سے گھٹنوں تک اُن کے لیے لباس غسل ایک لمبا ڈھیلا کرتہ، تمام بزرگانِ دین کا یہی طریقہ رہا ہے۔ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ آپ بھی ایسا ہی لباس غسل پہن کر نہایا کرتی تھیں جب جبرائیل امین علیہ السلام بشکلِ بشری آپ کے پاس آئے تو آپ اِس قسم کے لباس غسل میں تھیں اور جس گریبان میں جبرئیل علیہ السلام نے ولادتِ مسیح علیہ السلام کی پھونک ماری وہ اسی لبادے کا تھا جو آپ نے ہر غسل کے لیے مخصوص کیا اور اُس وقت پہنا ہوا تھا یہ واقعہ بعد غسل پیش آیا تھا وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

تیسری بات یہ کہ آپ نے ایک برتن منگوایا، یا خود اُٹھا کر لائیں جس میں ایک صاع یعنی دو کیلن آٹھ کلو پانی تھا۔ یعنی تعلیماتِ اسلامی کے مطابق ہر غسل کرنے والے پر پانی کی مقدار کی بھی پابندی ضروری ہے تاکہ کوئی بھی مسلمان مرد یا عورت اندھا دُھند کثرتِ بلا ضرورت سے پانی استعمال نہ کرے اور فضول خرچی واسراف کا گناہگار نہ بنے۔ اُمّ المومنین نے یہ ایک صاع بھرا پانی کا برتن لاکر بتا دیا کہ تمہیں پانی کی فراوانی کے باوجود آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ایک صاع پانی سے مکمل غسل فرمایا کرتے تھے اور یہ کہ اتنے پانی سے غسل کے تمام فرائض وواجبات ادا ہو جاتے ہیں اِس سے زیادہ فضول خرچی ہوگی۔ چوتھی بات یہ کہ آپ نے اوّلاً سر پر پانی ڈالا۔ اور بتا دیا کہ غسل کی ابتدا سر پر پانی ڈالنے سے ہو پھر بائیں

کندھے پر پھر دا ہنے کندھے پر پھر سارے جسم پر، اور ایک صاع پانی صرف اسی غسل کے لیے استنجا اور پورا وضو اس کے علاوہ پانی سے کیا جائے اور یہ کہ استنجا و وضو غسل کا حصہ نہیں وہ پہلے بھی کیا جا سکتا ہے۔ ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر غسل کرنے والے کے سر کے بال یا اُٹھا ہوا پانی ڈالتا ہاتھ کسی دیکھنے والے کو نظر آجائے تو وہ بے حجابی نہ ہوگی، کیونکہ اصل پردہ چہرے کا ہے نہ کہ بالوں کا۔ بعض جاہل پردہ قبیسرنما خطیبوں نے لکھنا اور کہنا شروع کر دیا کہ اصل پردہ سر کے بالوں کا ہے نہ کہ چہرے کا یہ اُن کی شیطانی جہالت، قرآنِ مجید کی متعدد آیت و احادیث کے خلاف ہے یہاں بھی اُن دونوں غسلِ نبوی کو دیکھنے والوں نے یہ دیکھ لیا کہ غسل کی ابتدا سر پر پانی ڈالنا ہے اور باقی سارے غسل کا خود بخود پتہ لگ گیا۔ انہوں نے حضرت صدیقہ کے سر کے بال بھی دیکھے اور اٹھتا ہوا ہاتھ بھی دیکھا اس کے باوجود بَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ ہی رہا۔ اس کو بے حجابی نہ فرمایا گیا۔ یہ حجاب صرف اسی دفعہ نہ تھا بلکہ ہمیشہ ہر غسل میں ہی مکمل ستر ہوتا تھا۔ چنانچہ۔ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ ردّ المحتار شامی جلد اول ص۱۴۵ باب الغسل میں ایک حدیث سے استنباط فرما کر ثابت فرماتے ہیں کہ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کبھی بھی بغیر لباس غسل نہ فرمایا مستور غسل خانے میں بھی آپ لباسِ غسل پہن کر نہاتی تھیں، وہ حدیث پاک اس طرح مشکوٰۃ شریف کے ص۴۳ پر بحوالہ مسند احمد، ابو داؤد، اور ابن ماجہ، منقول ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَخْرُجِ الرَّجُلَانِ۔ یَضْرِبَانِ الْغَائِطَ کَاشِفَیْنِ عَنْ عَوْرَتِھِمَا یَتَحَدَّثَانِ فَاِنَّ اللّٰہَ یَمْقُتُ عَلٰی ذٰلِکَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ، اسی صفحہ کے حاشیے ۸ پر ہے۔ قَوْلُہٗ مُحْتَضَرَۃٌ اَیْ یَحْضُرُھَا الْجِنُّ وَالشَّیَاطِیْنُ یَتَرَصَّدُوْنَ بَنِیْ آدَمَ بِالْاَذٰی وَالْفَسَادِ لِاَنَّہٗ مَوْضِعٌ یُکْشَفُ الْعَوْرَۃُ فِیْہِ وَلَا یُذْکَرُ اسْمُ اللّٰہِ فِیْہِ۔ ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی اکٹھے نہ نکلیں دو مرد گھر سے کہ آئیں بیت الخلا یا جنگل میں پیشاب وغیرہ کرنے کے لیے۔ اپنے ننگے ستر مقام کو کھولیں اور باتیں کرتے رہیں، تو بے شک اللہ تعالیٰ بیزاری فرماتا ہے اس کردار اور ایسی حرکت پر یَمْقُتُ مَقْتٌ سے بنا ہے اس کا معنیٰ بیزاری ناپسندیدگی بھی

ہے اور غضب ڈالنا بھی، ثابت ہوا کہ جب بھی انسان مسلمان مرد یا عورت ننگا ہو تو باتیں کرنا بہت ہی برا ہے باعثِ غضبِ الٰہی ہے۔ حاشیے میں فرمایا کہ مُحْتَضَرَةٌ کا ترجمہ ہے کہ جب انسان ننگا ہو تو جن شیاطین اُس کے پاس آجاتے ہیں اور اُس سے چھیڑ خانی کرتے ہیں اذیت روحانی سے بھی فسادِ اعمالی سے بھی، اس لیے کہ وہ ایسی جگہ ہے جس میں شرمگاہ کھولی جاتی ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ ننگی حالت میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے نہ ایسی جگہ میں جہاں مسلمان ننگا ہوتا ہے اس حدیث مقدسہ سے علامہ شامی استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں وَآدَابُہٗ کَآدَابِہٖ وَیُسْتَحَبُّ اَنْ لَّا یَتَکَلَّمَ بِکَلَامٍ مُطْلَقًا اَمَّا کَلَامُ النَّاسِ فَلِکَرَاھَۃِ حَالِ الْکَشْفِ وَاَمَّا الدُّعَاءُ فَلِاَنَّہٗ فِیْ مَصَبِّ الْمُسْتَعْمَلِ وَمَحَلِّ الْاَقْذَارِ وَالْاَوْحَالِ۔ ترجمہ: اور غسل کے آداب شرعی بھی وضو کے آدابِ شرعی کی طرح ہیں صرف ایک یہ فرق ہے کہ بحالتِ غسل کوئی بھی مسلمان مطلقاً کوئی دینی دنیوی کلام نہ کرے۔ انسانی بات چیت اس لیے مکروہ ہے کہ وہ شرمگاہ کھلنے کی حالت ہے اور دعائیں وَذِکْرُ اللہ اس لیے بھی منع ہیں کہ غسل خانہ گندگیوں اور میل کچیل کی جگہ ہے۔ اس قانون کو بیان کرنے کے بعد علامہ شامی ص۱۴۶ پر ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں جس کو مشکوٰۃ شریف نے ص۴۸ پر بحوالہ مسلم بخاری اس طرح نقل فرمایا۔ وَعَنْ مُعَاذَۃَ بِنْتِ عَبْدِ اللہِ الْعَدَوِیِّ قَالَتْ۔ قَالَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا کُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ فَیُبَادِرُنِیْ حَتّٰی اَقُوْلَ دَعْ لِیْ دَعْ لِیْ۔ قَالَتْ وَھُمَا جُنُبَانِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ فتاویٰ شامی کی عبارت اس طرح ہے۔ فِیْ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ کُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ وَاحِدٌ فَیُبَادِرُنِیْ حَتّٰی اَقُوْلَ اَنَا دَعْ لِیْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِلنَّسَائِیْ یُبَادِرُنِیْ وَاُبَادِرُہٗ حَتّٰی یَقُوْلَ دَعِیْ لِیْ وَاَقُوْلُ اَنَا دَعْ لِیْ۔ اس کے بعد علامہ شامی استنباط فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اَقُوْلُ اَوِالْمُرَادُ اَلْکَرَاھَۃُ حَالَ الْکَشْفِ فَقَطْ کَمَا اَفَادَہٗ التَّعْلِیْلُ السَّابِقُ وَالظَّاھِرُ مِنْ حَالِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَنَّہٗ لَا یَغْتَسِلُ بِلَا سَاتِرٍ (الخ) فَلَوْ کَانَ مُتَّزِرًا فَلَا بَأْسَ بِہٖ۔ ترجمہ: اور حضرت معاذہ بنت عبداللہ عدوی سے روایت ہے انہوں

نے فرمایا کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ میں اور آقا رسولُ اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کئی مرتبہ ایک ہی ایسے برتن کے پانی سے غسل کر لیتے تھے جو میرے اور اُن کے درمیان رکھا ہوتا تھا۔ تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی پانی لیتے تھے تب میں کہتی تھی کہ میرے لیے بھی کچھ پانی چھوڑئے میرے لیے بھی چھوڑئے۔ معاذہ نے بتایا کہ یہ اُن دونوں کا غسلِ جنابت ہوتا تھا۔ اس حدیث کو مسلم۔ بخاری دونوں نے روایت کیا، فتاوی شامی کی روایت کا بھی یہی ترجمہ ہے شامی نے صرف مسلم کی روایت کی نقل کی۔ بعد میں نسائی کی روایت نقل کی جس کا ترجمہ اس طرح ہے کہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ میں بھی جلدی جلدی پانی لیتی تھی اور آقا رسولُ اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم بھی تو وہ مجھے کہتے تھے کہ کچھ پانی میرے لیے چھوڑو اور میں اُن سے کہتی تھی کہ میرے لیے بھی کچھ چھوڑئے یہ تکلم کبھی تو ایک ہی غسل میں دو طرفہ ہوتا تھا۔ یا معنی یہ ہے کہ کبھی کسی غسل میں وہ جلدی فرماتے تو میں کہتی تھی دَعْ لِیْ دَعْ لِیْ۔ اور اگر کبھی میں جلدی جلدی پانی لیتی تو آپ فرماتے تھے دَعِیْ لِیْ دَعِیْ لِیْ۔ استنباطی عبارت کا ترجمہ۔ میں کہتا ہوں کہ احادیث مقدسات کا بحالتِ غسل باتیں کرنے کو مکروہ تحریمی فرمانا یہ تب ہے جب کہ نہانے والا بالکل برہنہ ہو کر غسل خانے میں ہو تو اندر سے باتیں نہ کرتا جائے بالکل خاموشی سے نہائے نہ دنیوی بات کرے نہ دینی دعائیں کلمہ کلام وغیرہ۔ یہ بات سابقہ تعلیل سے سمجھ آئی لیکن نبی کریم و عائشہ صدیقہ کی اُس مندرجہ بالا حدیثِ پاک کے ظاہر حال سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کبھی بھی بغیر ستر ڈھانکے غسل نہ فرماتے تھے۔ لہذا اُن دونوں مندرجہ بالا حدیثوں سے تا قیامت ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے یہ شرعی قانون بن گیا کہ اگر نہانے والا اپنے ستر پر تہبند وازار باندھ کر نہا رہا ہے تو نہاتے ہوئے دینی دنیوی بات کرتے میں لَا بَأْسَ بِہٖ۔ کوئی مضائقہ نہیں، ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک حدیثِ پاک میں بحالتِ غسل باتیں کرنے میں غضب و ناراضگیِ الٰہی کی وعید ہو اور دوسری حدیث میں خود نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا باتیں کرنا مذکور ہو۔ فرق ظاہر ہے کہ وعید برہنہ نہانے والوں کے لیے ہے اور باتیں کرنے کی اجازت تب ہے، جب عورت اپنا پورا ستر ڈھانپ کر نہاتی ہو اور مرد اپنا ستر ڈھانپ کر ثابت ہوا کہ اُمّ المومنین اور آقائے دو عالَم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی لیے دَغۡرِلی کہتے تھے کہ دونوں کا ستر اپنے اپنے لباسِ غسل کے اندر ہوتا تھا۔ خیال رہے کہ آدابِ غسل میں علامہ شامی کا یُسۡتَحَبُّ اَنۡ لَّا یَتَکَلَّمَ فرمانا اور باتیں کرنے کو مکروہ تحریمہ فرمانا اِس سے کوئی شخص تضاد بیانی کا دھوکہ نہ کھائے اس لیے کہ مستحب کی تین قسمیں ہیں ۱۔ مستحب اختیاری کہ وہ عمل کرنا بھی جائز اور کرنے سے زیادہ ثواب اور نہ کرنا بھی جائز۔ جیسے نفلی نماز کو تندرست بیٹھ کر بھی پڑھ سکتا مگر صرف نفل کا ثواب ملے گا کھڑے ہو کر پڑھنا مستحب اس میں ثواب زیادہ ہے یعنی نفل کا بھی ثواب اور استحباب کا بھی ثواب ۲۔ مستحب لزومی کہ وہ عمل کرنا مستحب بہتر ہے نہ کرنا بھی جائز مگر اس کا الٹ کرنا مکروہ تحریمی جیسے سیدھے ہاتھ سے کھانا مستحب اور اس کا ثواب ہے لیکن اگر کوئی سیدھے ہاتھ سے نہ کھائے بچچے سے کھائے یا منہ لگا کر کھائے تب بھی گناہ نہ ہو۔ مگر الٹے ہاتھ سے کھانا مکروہ تحریمی ہے کھانیوالا سخت گناہگار ہے ۳۔ مستحب مسنون، وہ عمل کرنا مستحب اور بہتر ہو اور بلا وجہ چھوڑنا مکروہ تحریمی ہو۔ جیسے یہاں ہے کہ ننگے ہو کر باتیں نہ کرنا مستحب اور کرنا گناہ و مکروہ تحریمی ایسے مستحب کو سنت بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فتاوی رَدُّ المحتار جلد اوّل ص۷۷ پر ہے۔ یُطۡلَقُ الۡمُسۡتَحَبُّ عَلَی السُّنَّۃِ۔ وَ اِنَّمَا سَمَّاہُ مُسۡتَحَبًّا لِاِشۡتِمَالِ السُّنَّۃِ عَلَی الۡمُسۡتَحَبِّ قَالَ نُوۡحُ آفَنۡدِیۡ وَحَاصِلُہٗ تَجۡوِیۡزُ اِطۡلَاقِ اِسۡمِ الۡمُسۡتَحَبِّ عَلَی السُّنَّۃِ وَعَکۡسِہٖ۔ ترجمہ، کبھی سنت پر بھی مستحب کا نام بولا جاتا ہے اور اس کا عکس بھی یعنی سنت کو مستحب اور مستحب کو سنت کہدیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ سنت سے ثابت ہونا مستحب کو شامل ہے یہی کچھ علامہ نوح آفندی نے فرمایا، ہمارے ایک دوست خطیب مرحوم نے اسی لفظ مستحب سے دھوکہ کھا کر ایک غلط مسئلہ لکھ دیا۔ نیز اصطلاحِ فقہا میں جب مطلقًا مکروہ فرمایا جائے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے چنانچہ فتاوی شامی جلد اوّل ص۲۰۷ پر ہے۔ وَاعۡلَمۡ اَنَّ الۡمَکۡرُوۡہَ اِذَا اُطۡلِقَ فِیۡ کَلَامِہِمۡ، فَالۡمُرَادُ مِنۡہُ التَّحۡرِیۡمُ (الخ) قَالَ اَبُوۡ یُوۡسُفَ قُلۡتُ لِاَبِیۡ حَنِیۡفَۃَ اِذَا قُلۡتَ فِیۡ شَیۡءٍ اَکۡرَہُہٗ فَمَا رَاۡیُکَ فِیۡہِ۔ قَالَ اَلتَّحۡرِیۡمُ۔ ترجمہ، جان تو کہ بے شک جب فقہاء کرام کے کلام میں صرف مکروہ کا لفظ بولا جائے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے

امام یوسفؒ نے فرمایا کہ میں نے امام اعظمؒ امام ابوحنیفہؒ سے عرض کیا کہ جب آپ کسی چیز کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ اُکْرِهُهٗ۔ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں تو آپ کی کیا مراد ہوتی ہے اس مکروہ سے تحریمی یا تنزیہی، تو امام اعظم نے جواباً فرمایا۔ اس سے مراد مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ بزرگانِ دین اور اہلِ تقوی حضرات کبھی بھی خلوت وجلوت میں برہنہ جسم نہیں نہاتے۔ صحابہ وتابعین وتبع تابعین تو تقوئے الہی کے عظیم مخزن ہیں ہم نے تو اپنے بزرگوں عورتوں مردوں کو دیکھا کہ کبھی خلوت میں ننگے بدن غسل نہ کیا۔ مرد متقی تہبند باندھ کر اور مستوراتِ منقبہ ہلکے کپڑے کا کھلا کرتہ کندھوں سے گھٹنوں تک جو لباسِ غسل کے لیے بنایا جاتا، ہمیشہ خلوت میں اس کو پہن کر غسل فرماتیں۔ یہ تو نہاتے کی بات ہے صحابیات وصحابہ تو خاوند بیوی ہو کر شرعی اجازت پا کر بھی کسی ساتھی رفیقہ ورفیق کی شرمگاہ نہ دیکھتے تھے۔ حضرت صدیقہ خود ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی اپنے خاوند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شرمگاہ کبھی نہ دیکھی، صدیق اکبر فرماتے ہیں کہ جب سے چہرۂ انور پر نگاہ پڑی ہے اس وقت سے آج تک کبھی اپنی شرمگاہ بھی نہ دیکھی ایسی پاکیزہ ہستیوں کے متعلق شیعوں کی خرافات کفر نہیں تو اور کیا ہے اپنے بزرگوں کی ان باتوں اور پاکیزہ افعال سے وہ مسلمان مرد وعورت خاوند بیوی سبق حاصل کریں جو جوانی کی خرمستیوں میں صحبت کرتے وقت کافروں اور جانوروں کی طرح ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

اکیتسواں فتوی

جان بوجھ کر غلط اذان دینے والوں کے دنیوی اُخروی عذاب ذلت کا بیان

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں۔ ہمارے علاقہ کی مسجد بلکہ اکثر مساجد میں ہم نے دیکھا ہے کہ مسجد بھی بڑی خوب صورت ہے امام بھی بہترین حافظ وقاری ہے مقرر شدہ ہے مگر مؤذن کوئی مقرر نہیں کیا جاتا۔ اور ہر جاہل سے جاہل عام بے علم بلکہ فاسق وفاجر

شخص اذان دینی شروع کر دیتا ہے، اور جس وقت جس کا جی چاہتا ہے نماز کی اذان دینے لگ جاتا ہے، ہمارے علاقہ کی جامع مسجد کا بھی یہ ہی حال ہے کہ ہر نماز کے وقت ایک نیا مؤذن ہوتا ہے۔ اور پھر اتنی غلط اذان دیتے ہیں کہ توبہ توبہ۔ ہم لوگ تو اتنی سمجھ نہیں رکھتے مگر چند دن بیشتر ہمارے علاقہ میں ایک عالم کسی کے گھر مہمان آئے جب وہ مسجد میں نماز کے لیے تشریف لائے اور انہوں نے مؤذن کی اذان سنی تو بہت ناخوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ اس شخص نے بہت غلط اذان دی ہے۔ بجائے ثواب کے گناہ کمایا، پھر عصر کی اذان دوسرے شخص نے دی تو انہوں نے فرمایا یہ بھی غلط اذان ہے پھر مغرب میں تیسرے شخص نے اذان دی تو انہوں نے اُس کو بھی غلط اذان کہا، پھر چوتھے شخص نے عشا کی اذان دی تو انہوں نے اُس مؤذن کی تعریف کی اور فرمایا کہ اس شخص کی اذان اول سے آخر تک بالکل صحیح ہے اِسی کو ہر نماز کی اذان کہنی چاہیئے۔ فجر کی اذان بھی اس شخص نے کہی تو وہ عالم بزرگ بہت خوش ہوئے مگر دوسرے مؤذن لوگ ناراض ہوگئے کہ اِن عالم صاحب نے ہماری اذانیں بند کرا دیں ہم کو بھی اذان دینے کا شوق ہے۔ اُن عالم صاحب نے فرمایا اگر شوق ہے تو پہلے اپنی اذانیں درست کرائو۔ آؤ میں تمہاری غلطیاں درست کراؤں تو سوائے ایک کے اور کوئی شخص اُن کے پاس اذان سیکھنے نہیں آیا کسی نے کہدیا میرے پاس ٹائم نہیں ہے کسی نے کہدیا کہ یہ ہم سے چھوٹی عمر کا عالم اب ہمارا استاد بنے گا اور منہ پھرا کر چلے گئے۔ ہم نے اُن سب لوگوں کو اذان دینے سے منع کر دیا ہے انہوں نے مسجد میں آنا باجماعت نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں تم لوگوں نے ٹوک بازی کر کے پرانے نمازی کم کر دیئے اور مسجد کی ویرانی بے آبادی کا باعث بنے ہو۔ وہ عالم صاحب تو چلے گئے ہیں لیکن ہم نے اُن کی نصیحت پر عمل کیا ہوا ہے اور ہم کو خیال آیا ہے کہ واقعی اذان مکمل صحیح ہونی چاہیئے۔ اس لیے آپ سے عرض ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرماتے ہوئے ہم کو مکمل مدلل فتویٰ شرعی عطا فرمائیں اور بتائیں کہ غلط اذان دینے کا عذاب کیا ہے گناہ کیا ہے۔ کون سی اذان بالکل صحیح ہوتی ہے اور کونسی غلط۔ اور اذان میں کل کتنی غلطیاں ہوسکتی ہیں، کیا کیا غلطیاں ہیں اور صحیح الفاظ کس طرح ادا کرنے چاہئیں۔ اُن عالم صاحب نے سب اذانیں سنی تھیں اور فرمایا تھا کسی کی ایک غلطی ہے کسی کی اذان میں

دو غلطیاں، کسی میں تین یا چار، کسی کے اول میں غلطی کسی کے آخری الفاظ کی ادائیگی غلط ہے۔ مگر ہم اُن سے تفصیل پوچھ نہ سکے لہٰذا آپ ہم کو پوری تفصیل لکھ کر بھیجیں تاکہ آپ کی تحریر کے مطابق ہم صحیح مؤذن بھی تیار کریں اور مسجدوں کی انجمنوں کمیٹیوں کو اسلامی شوق دلائیں تاکہ ائمہ مساجد کی طرح مسجدوں میں مؤذن بھی مقرر کئے جائیں۔ اگرچہ تنخواہ دینی پڑے غلط اذان سے بچ جائیں گے۔ اور غلط اذان سن کر گنا ہگار نہ بنیں گے۔ بَیِّنُوْا تُوجَرُوْا
دستخط فخرالدین مرید کے منڈی ۱۹۹۷/۴/۱۵

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق پنجوقتہ نماز اور نماز جمعہ کے لیے اذان و اقامت اتنی اہم عبادت ہے کہ اگرچہ یہ سنتِ مؤکدہ ہے مگر اس کو مثلِ واجب درجہ حاصل ہے چنانچہ فتاویٰ درمختار مع شامی جلد اول ص۲۵۶ پر بابُ الاذان میں ہے۔ وَهُوَ سُنَّةٌ لِلرِّجَالِ فِي مَكَانٍ عَالٍ مُؤَكَّدَةٌ هِيَ كَالْوَاجِبِ فِي لُحُوقِ الْاِثْمِ۔ اور اس کی شرح فتاویٰ شامی جلد اول ص۲۵۷ پر ہے۔ بَلْ اَطْلَقَ بَعْضُهُمْ اِسْمَ الْوَاجِبِ عَلَيْهِ۔ ترجمہ۔ ہر نماز کی اذان پنجوقتہ صرف مردوں کے لیے کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر کہنی اتنی عظیم و شدید و اہم سنتِ مؤکدہ ہے کہ مثلِ واجب عبادت ہے اگر کسی نماز باجماعت کے لیے اذان نہ دی جائے تو اتنا سخت گناہ پڑتا ہے جتنا واجب عبادت چھوڑنے سے پڑتا ہے۔ بلکہ بعض فقہاء کرام نے تو فرمایا ہے کہ اذان بھی واجب عبادت ہی ہے اس کی وجہ علما فقہا نے یہ بیان فرمائی ہے کہ پنجوقتہ باجماعت نماز کے لیے اذان شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان جلد اول ص۷۶ بابُ الاذان میں ہے۔ وَاِنَّهُ مِنْ شَعَائِرِ الْاِسْلَامِ۔ ترجمہ۔ اور بے شک وہ اذانِ پنجوقتہ اسلام کے اعلیٰ نشانات میں سے ہے۔ اور شعائرِ اسلام کا معنی ہے شعائر اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم مسلمانوں پر واجب و لازم ہے کیونکہ اس تعظیم و آداب احترام سے دل کا تقویٰ ہے اور اذان کی تعظیم اور ادب احترام یہ ہے اذان دینے والا عالم عاقل بالغ اور نیک متقی صحیح تلفظ اچھے طریقہ سے ادا کرتا جانتا ہو۔ لہٰذا جس طرح امامت خطابت اور

تمام دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے اس طرح اذان دینے کے لیے بھی اوّلاً اذان کی پوری تعلیم اور طریقہ حاصل کرنا واجب لازم ہے احادیث مبارکہ اور عباراتِ فقہا میں اس پر بہت تاکید فرمائی گئی۔ بلکہ احادیث مقدسہ سے ثابت ہے کہ ہر مسجد میں جس طرح امام مقرر کرنا لازم ہے ہر شخص جس کا دل چاہے مصلہ امامت پر کھڑا نہیں ہو سکتا اور قوم کا امام نہیں بن سکتا اسی طرح مؤذن بھی ہر شخص نہیں بن سکتا بلکہ مؤذن کو مقرر کیا جائے، چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب فضل الاذان فصل ثانی ص۶۵ پر ہے۔ وَعَنْ عُثْمَانَ ابْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ. قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اجْعَلْنِیْ اِمَامَ قَوْمِیْ. قَالَ اَنْتَ اِمَامُھُمْ وَاقْتَدِ بِاَضْعَفِھِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا یَاْخُذُ عَلٰی اَذَانِہٖ اَجْرًا. رَوَاہُ احمد، ابوداؤد، نسائی،

ترجمہ: حضرت عثمان ابن ابی العاص سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک دن میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھے میری قوم کا امام مقرر فرما دیجئے۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ٹھیک ہے آج سے تم اُن کے امام بنا دیے گئے ہو لہٰذا دو کام کرنا ۱ایک یہ کہ اپنی اقتدا میں آنے والے بوڑھوں ضعیفوں کا خیال رکھنا اور ۲اپنی مسجد میں تم خود کوئی مؤذن مقرر کرنا، ایسا مؤذن ہو جو اذان پر تنخواہ نہ مانگے فی سبیل اذان کہا کرے اس حدیث کو مسند احمد، ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کیا۔ اس حدیثِ مقدسہ سے تین باتیں ثابت ہوئیں ۱ایک یہ کہ بندہ خواہ کتنا ہی نیک متقی بلکہ ولی اللہ ہو خود اپنی مرضی سے کسی قوم کا امام مقرر نہیں ہو سکتا بلکہ امام بنانے کے لیے بڑے علما فقہا اور اساتذہ کی اجازت شرط ہے وہ اچھی تعلیم دے کر یا امتحان لے کر امام کی علمیت عقلیت کو سمجھ سمجھا کر تب اُس کو امام مقرر کریں۔ مدارس میں فارغ التحصیل طلبا کو جو سند دی جاتی ہے وہ دراصل اسی چیز کی اجازت ہوتی ہے کہ یہ طالب علم اب اتنا علم پڑھ چکا ہے کہ اب قوم کی امامت خطابت مسئلے مسائل بتانے کی صحیح اور سچی پکی ذمہ داری نبھا سکتا ہے۔ اسی لیے سند دینا بھی بہت اہم ذمہ داری ہے غلط آدمی یا غیر معروف آدمی کو سند دینا بہت بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ سند دینے والا سند پانے والے کے عقائد، علم، عقل، شعور کا ذمہ دار بن گیا۔ اب سند یافتہ شخص کی ہر علمی فکری اور امامت خطابت مسند، مصلّے، منبر کی غلطی کا گناہ سند دینے والے پر دگنا ہوگا

اور یہ سلسلہ غلط سند یافتہ کے گناہوں خلیلیوں بے علیموں جاہلوں کا تاعمر چلے گا سند دینے والا کسی لالچ یا مروت میں آکر اگر جاہل یا بدعقیدہ کو سند دیدے اور قوم سند کو دیکھ کر اُس شخص پر اعتماد کرتے ہوئے اُس کو اپنا امام ومقتدا بنالے تو اُس جاہل کو بدعقیدہ امام خطیب وسجادہ نشین کی خلیلیوں کے جتنے گناہ ہوں گے ان میں سند دینے والا برابر کا شریک ہوگا اگرچہ فوت ہوگیا ہو۔ ہاں البتہ اگر سند دیتے وقت اس کو اچھا اور عالم صحیح العقیدہ شرعاً لائق سند پایا تب سند دی بعد میں وہ سند یافتہ گمراہ یا جاہل پاگل ہوگیا تو دینے والا بری ہے۔ دوسری بات یہ کہ جس طرح امام مقرر کرنے میں بڑی احتیاط اور کسی بڑے صاحب سند مستند عالم کی اجازت لازم واجب ہے اس طرح موذن بھی ہر مسجد میں مقرر کیا جائے اور اُس کو بھی عالم دین امام وقت ہی مقرر کرے تاکہ ہر وقت اذان بھی صحیح پڑھی جائے۔ ہر ایرے غیرے فاسق جاہل کو اذان کہنے کی بھی اجازت نہیں کہ جس کا دل چاہے جب چاہے منہ سر اُٹھاکر اذان دینے کے لیے دوڑا چلا آئے تیسری بات اِس حدیث پاک سے یہ ثابت ہوئی کہ اذان دینا ایک عظیم عبادت ہے اس لیے مؤذن ایسا مقرر کیا جائے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر اور خوف خشیت رکھ کر اذان کی ذمہ داری نبھانے کا وعدہ کرے نہ دنیا کی لالچ میں ہو اور نہ دنیا کی خوشنودی میں ہو، جب مؤذن میں یہ وصف ہوگا اور محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اذان دے گا تو صحیح بھی دے گا اور وقت پر بھی دے گا دیکھو حضرت عثمان بن ابوالعاص صحابی بھی ہیں متقی نیک بھی ولیوں سے بلند مرتبے والے بھی مگر اس کے باوجود خود اپنی قوم کے امام نہ بن گئے بلکہ سردار انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی تاکہ اُن کی امامت میں شرعی قباحت نہ رہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے اُن کے علم، عقل فہم وفراست اور لیاقت وقابلیتِ امامت کو اس لیے آپ نے اپنی اجازت سے اُن کو امام مقرر فرما دیا۔ اور ساتھ ہی اذان کی اہمیت سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنی مسجد میں اپنے علم وفہم سے اچھی جانچ پڑتال پرکھ کر کسی عالم و متقی سمجھدار شخص کو مؤذن مقرر کرلینا نہ تو بغیر تقرر کوئی جاہل اذان کہے اور نہ کوئی جاہل بے علم آدمی کسی کو مؤذن مقرر کرے۔ غرضکہ حدیث پاک نے یہ فرمایا کہ نمازوں کا امام بھی کسی بڑے عالم کا مقرر کردہ عالم امام ہو۔ مؤذن مقرر کرنے والا بھی عالم ہو اور مؤذن کی پوری تعلیم کا عالم ہو یہی وجہ ہے آج بھی عرب ممالک خاص کر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی تمام مساجد میں بڑے شاندار علم والے مؤذن مقرر ہیں۔

وہ خود تو تنخواہ نہیں مانگتے مگر عوام یا حکومت کی طرف سے اُن کی اچھی خدمت کی جاتی ہے۔ اہل عرب میں کبھی کسی نے غلط اذان دینے والا نہ دیکھا نہ سنا، یہ بدنصیبی ہمارے مُلک پاکستان اور پاکستانیوں میں ہے کہ مسجد اچھی خوبصورت اچھی۔ امام بھی اچھا۔ مگر اذان کے لیے شریعتِ پاک نے جو دو حکم دئیے ہیں ان کا قطعاً کوئی شخص بھی کسی مسجد میں بھی خیال نہیں رکھتا، ایک اذان کے لیے مخصوص جگہ جو بیرونِ مسجد ہونا لازمی ہے کیونکہ مسجد کے اندر کوئی بھی اذان دینا جائز نہیں نہ پنجوقتہ نہ جمعہ کی اوّل و دوم بعض عُلماء نے جمعہ کی اذانِ ثانی کو داخلِ مسجد پہلی صف میں محراب کے پاس کہنا جائز مانا ہے مگر یہ اُن کی کم فہمی اور تنخواہ کی ضد ہے اذان کے متعلق شریعت کا دوسرا حکم یہ کہ مُؤذن وہ مقرر ہو جو عالم متقی عاقل بالغ سمجھدار اذان کے الفاظ بالکل صحیح اور صاف آواز میں ادا کر سکنے والا مرد مسلمان ہو۔ جاہل فاسق بچے اور عورت کی اذان منع ہے اگر کسی نماز کے لیے بے سمجھ بچے یا جاہل غلط الفاظ بولنے والے آدمی، یا فاسق معلن نے یا عورت یا غیر مسلم نے اذان کہدی تو اذان دوبارہ کہی جائیگی۔ چنانچہ فتاویٰ دُرِّ مختار جلد اول ص۳۶۵ پر ہے۔ وَيُعَادُ نَدْبًا وَقِيْلَ وُجُوْبًا اَذَانُ جُنُبٍ وَكَذَا اَذَانُ امْرَئَةٍ وَ مَجْنُوْنٍ وَ سُكْرَانٍ وَصَبِيٍّ لَا يَعْقِلُ وَكَافِرٍ وَفَاسِقٍ لِعَدَمِ قُبُوْلِ قَوْلِهٖ فِي الدَّعْوَةِ اور اس کی شرح میں فتاویٰ شامی اوّل ص۳۶۵ پر ہے وَالرَّاكِبِ وَالْقَاعِدِ وَالْمَاشِيْ وَالْمُنْحَرِفِ عَنِ الْقِبْلَةِ (الخ) ثُمَّ قَالَ وَيَنْبَغِيْ اَلَّا يَصِحَّ اَذَانُ الْفَاسِقِ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى قُبُوْلِ خَبَرِهٖ وَالْاِعْتِمَادِ اِلَيْهِ اَيْ لِاَنَّهٗ لَا يُقْبَلُ قَوْلُهٗ فِي الْاُمُوْرِ الدِّيْنِيَّةِ فَلَمْ يُوْجَدِ الْاِعْلَامُ وَحَاصِلُهٗ اَنَّهٗ يَصِحُّ اَذَانُ الْفَاسِقِ وَاِنْ لَمْ يَحْصُلْ بِهِ الْاِعْلَامُ اَيِ الْاِعْتِمَادُ۔ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَاَنَّهٗ يُكْرَهُ اَذَانُ الْمَرْئَةِ وَالصَّبِيِّ الْعَاقِلِ (الخ) ثُمَّ اَعْلَمُ اَنَّهٗ ذُكِرَ فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ مِنْ سُنَنِ الْمُؤَذِّنِ كَوْنُهٗ رَجُلًا عَاقِلًا صَالِحًا عَالِمًا بِالسُّنَّةِ وَالْاَوْقَاتِ

ترجمہ، گیارہ شخصوں کی اذان شرعاً مکروہ ہے اور اُس کا لوٹانا مستحب ہے اور بعض علمانے فرمایا لوٹانا واجب ہے ۱ ناپاک مرد کی ۲ عورت کی ۳ مجنون پاگل کی ۴ نشے والے کی ۵ بے سمجھ بچے کی ۶ کافر کی ۷ فاسق کی کیونکہ ان لوگوں کا بلاوہ اور اطلاع شرعاً قبول نہیں ۸ چلتے پھرتے ہوئے اذان دینا ۹ کعبے سے منہ موڑ کر اذان دی ہوئی، پھر فرمایا کہ لائق

ہے یہ کہ فاسق فاجر بدمعاش گنا ہگار کی اذان اس لیے قبول اور معتبر نہیں کہ دینی کاموں میں ایسے بدکار کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا لہٰذا اُس کی اذان میں نماز کے لیے بُلاوا بھی قبول اور پسندیدہ نہیں ہوتا خلاصہ یہ کہ فاسق بدمعاش آدمی اگرچہ بالکل صحیح تلفظ سے اذان دے تب بھی منع ہے اور لوٹائی جائیں گی کیونکہ شریعت میں اُس کی اذان کا اِعْلَامْ یعنی بُلاوا معتبر نہیں ظاہر روایت میں بھی ہے کہ عورت اور سمجھ دار عاقل بچے کی اذان معتبر اور جائز نہیں اگر دیدی تو لوٹائی جائیں گی یعنی بڑا عالم عاقل متقی آدمی پھر اذان کہے تب نماز جائز ہو گی پھر یاد رکھو کہ بے شک فتاوٰی حاوی قدسی میں ہے کہ مؤذن کے لیے سنتِ پاک کا حکم یہ ہے کہ اذان دینے والا مرد ہو عاقل بالغ ہو نیک متقی ہو اور سنتِ اذان اور نماز کے وقتوں کا عالم ہو، فتاوٰی قہستانی میں ہے کہ فاسق اور برا سوار اور بیٹھ کر ۱۲ اذان دی گئی تو وہ بھی لوٹائی جائیں گی۔ فتاوٰی ردّ المحتار جلد اول کے صـ۳۶۴ پر ہے۔ وَاِنَّمَا يَسْتَحِقُّ ثَوَابَ الْمُؤَذِّنِيْنَ اِذَا كَانَ عَالِمًا بِالسُّنَّةِ وَالْاَوْقَاتِ بِاَنَّ فِي اَذَانِ الْجَاهِلِ جَهَالَةً مُوْقِعَةً وَيُكْرَهُ اَذَانُ جُنُبٍ وَامْرَأَةٍ وَخُنْثٰى وَفَاسِقٍ وَلَوْ عَالِمًا لٰكِنَّهُ اَوْلٰى بِاِمَامَةٍ وَاَذَانٍ مِنْ جَاهِلٍ تَقِيٍّ وَظَاهِرُهُ اَنَّ الْكَرَاهَةَ تَحْرِيْمِيَّةٌ۔ ترجمہ: اور اذان دینے والا مؤذنوں کے ثواب جیسے ثواب کا مستحق فقط اُس وقت ہوگا جب کہ اذان دینے والا اذان کے سنت طریقے کو بھی جاننے والا ہو یعنی اچھی طرح صحیح صحیح الفاظ اذان ادا کر سکے اور نماز کے وقتوں کا بھی عالم ہو تاکہ اذان وقت سے پہلے نہ کہدے اس وجہ سے کہ جاہل شخص کی اذان میں جہالت کا اندیشہ ہے اور مکروہ ہے جنبی، اور عورت اور خُسرے اور فاسق کی اذان اگرچہ یہ لوگ اذان کے عالم ہوں۔ لیکن پھر بھی عالم کی امامت اور اذان جاہل متقی سے بہتر ہے، اور مکروہ سے مراد کراھۃ تحریمی ہی ظاہر ہے۔ فتاوٰی شرح عنایہ جلد اول صـ۱۷۱ اور صـ۱۷۲ پر ہے۔ وَالثَّانِي وَهُوَ اَنْ يَّكُوْنَ ذَكَرًا عَاقِلًا صَالِحًا عَالِمًا بِالسُّنَّةِ۔ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيُؤَذِّنُ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَخِيَارُهُمْ مَنْ كَانَ عَالِمًا بِاَحْكَامِ الشَّرْعِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ اور فتاوٰی فتح القدیر جلد اول صـ۱۷۳ پر ہے۔ ثُمَّ اسْتَدَلَّ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُؤَذِّنُ لَكُمْ خِيَارُكُمْ فَعَلِمْنَا اَنَّ الْمُرَادَ اَنَّ

اَلْمُسْتَحَبُّ کَوْنُہٗ عَالِمًا عَامِلاً لِاَنَّ اِنْعَامَہُ الْفَاسِقَ لَیْسَ مِنَ الْاَخْیَارِ (الخ) وَصَرَّحُوْا بِکَرَاھَۃِ اٰذَانِ الْفَاسِقِ مِنْ غَیْرِ تَقْیِیْدٍ بِکَوْنِہٖ عَالِمًا اَوْغَیْرَہٗ ترجمہ۔ اور اذان کی دوسری شرط یہ ہے کہ مؤذن مذکر عاقل نیک متقی سُنّۃِ اذان کا عالم ہو۔ کیونکہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمانِ اقدس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے وہ شخص اذان دیا کرے جو تم سب سے اعلیٰ افضل بہتر ہو۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جو عالم ہے شریعت کے احکام کا۔ اس حدیث پاک کو ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت فرمایا ہے فتاویٰ فتح القدیر نے اس حدیثِ مقدسہ سے دلیل یہ نکالی کہ مؤذن عالم بھی ہو عامل متقی بھی ہو کیونکہ خِیَارُکُمْ یعنی سب سے بہتر تو وہی ہوگا جو باعمل عالم ہو۔ فاسق عالم خِیَارُکُمْ نہیں ہوسکتا، مؤذن کا عالم باعمل ہونا مستحب ہے، پھر آگے وضاحت فرمائی کہ فاسق کی اذان مکروہ ہے عالم ہو یا غیر عالم یعنی جاہل ہو۔ پس حدیثِ رسول اللہ سے ثابت ہوا کہ مؤذن کا عالم متقی ہونا لازم ہے اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل باب الثانی فی الاذان ص۵۳ پر ہے۔ وَیَنْبَغِیْ اَنْ یَّکُوْنَ الْمُؤَذِّنُ رَجُلاً عَاقِلاً صَالِحًا تَقِیًّا عَالِمًا بِالسُّنَّۃِ (الخ) وَالْاَحْسَنُ اَنْ یَکُوْنَ اِمَامًا فِی الصَّلٰوۃِ۔ ترجمہ، اور لائق واجب ہے یہ کہ ہو اذان دینے والا مرد عاقل بالغ، سمجھدار نیک متقی اذان کی سنت اور طریقے کو بہت اچھی طرح جاننے والا، اور سب سے بہتر مؤذن وہ شخص ہے جو اتنا بڑا عالم ہو کہ نمازوں کا امام بھی بن سکے لیکن مقرر شدہ امام کو خود اذان نہ دینی چاہئے کیونکہ حدیثِ پاک میں منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ جامع صغیر جلد دوم ص۱۹۲ پر بحوالہ بیہقی شریف بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، منقول ہے۔ نَھٰی اَنْ یَکُوْنَ الْاِمَامُ مُؤَذِّنًا ترجمہ: حضرت جابر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ مسجد کا مقرر شدہ امام ہی مؤذن مقرر ہو اور امام ہی کی ذمہ داری بنادی جائے کہ وہی اذان بھی دیا کرے یہ شرعاً ممنوع ہے۔ ان تمام احادیث وعبارات سے ثابت ہوا کہ اذان بہت اہم عبادت ہے اور اس کے لیے بہت عمدہ آدمی پڑھا لکھا قرأت وتجوید کا ماہر شخص ہونا ضروری ہے تاکہ اذان میں کسی قسم کی لفظی اوقاتی ادب واحترام

کی شرعی غلطی نہ ہو سکے کیونکہ غلط اذان پڑھنا بھی گناہ سننا بھی گناہ اور اس اذان سے نماز ادا کرنا جماعت کرانا بھی گناہ ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ مؤذن قوم کا امین ہے اگر وہ غلط اذان کہے یا وقت سے پہلے یا جہالت سے تو گویا اس نے امانت میں خیانت کی اور اس کی خیانت سے قوم کی عبادتیں برباد ہوں گی۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ مؤذن امین ہوتا ہے چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب فضل الاذان فصل ثانی ص۶۵ پر بحوالہ مسند احمد ابوداؤد، ترمذی و مسند امام شافعی حدیث اس طرح منقول ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ۔ ابوداؤد، ترمذی، والشافعی۔ ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، نمازوں کا امام مسلمانوں کی نمازوں کا ذمہ دار ہے اور مؤذن مسلمانوں کا امانت دار ہے اے اللہ اماموں کو سچی ہدایت عطا فرما اور مؤذنوں کے گناہ بخش دے اور مجموعہ احادیث کی مشہور و معتبر کتاب کنوز الحقائق جلد دوم ص۱۲۴ پر ہے۔ اَلْمُؤَذِّنُوْنَ اُمَنَاءُ النَّاسِ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ وَسُحُوْرِهِمْ وَعَلٰى فِطْرِهِمْ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ وَطَبْرَانِیْ۔ ترجمہ: بیہقی اور طبرانی نے حدیث پاک روایت فرمائی کہ مؤذن حضرات مسلمانوں کی نمازوں، سحریوں۔ اور افطاریوں کے امانت دار ہیں۔ اسی صفحہ ۱۲۲ پر دوسری حدیث مقدسہ اس طرح ہے کہ اَلْمُؤَذِّنُ اَمْلَكُ بِالْاَذَانِ وَالْاِمَامُ اَمْلَكُ بِالْاِمَامَةِ رَوَاهُ الدَّیْلَمِیُّ۔ ترجمہ مسند دیلمی نے حدیث پاک بیان فرمائی کہ فرمان نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے مؤذن مالک بن گیا اذان کے ذریعہ اور امام نماز مالک بن گیا امامت کے ذریعہ۔ یعنی مسلمانوں کی عبادتوں کا با معنیٰ ہے کہ مؤذن اذان کا اور امام امامت کا مالک بن گیا۔ کل قیامت انہی سے پوچھ ہوگی۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مؤذن تین چیزوں کا امانت دار ہے۔ ۱ نمازوں ۲ روزوں کی سحریوں ۳ افطاریوں کا۔ لہٰذا اگر اوقات میں ذرا غلطی کرے گا تو لوگوں کی نمازیں سحریں، افطاریں برباد عبادت غلط روزے تباہ یہ بہت بڑی خیانت ہے اور ایک دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ الفاظ اذان بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں مسلمانوں کے لیے اگر اس میں بھی غلطی کرے گا تو خیانت کا گنہگار ہوگا۔ چنانچہ مشکوٰۃ

شریف باب فضل الاذان فصل اول ص۶۴ پر ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ علیہ وآلہ وسلّم اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ (الخ) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اے مسلمانوں جب تم مؤذن کی اذان سنو تو بالکل اُسی کی مثل تم بھی وہ الفاظ ادا کرو۔ اور پھر مجھ پر درود شریف پڑھو۔ اس حدیث مقدسہ سے ثابت ہوا کہ مؤذن لوگ الفاظِ اذان کے بھی امانت دار ہیں۔ اس لیے کہ مؤذن سے سن کر ہر مسلمان نے اُسی کی مثل ادا کرنے ہیں تو اگر مؤذن نے صحیح کلمات ادا کئے سننے والا بھی صحیح ادا کرے گا اور مؤذن نے امانت صحیح پہنچا دی لیکن اگر مؤذن نے غلط اذان کہی تو سننے والا بھی غلط الفاظ ادا کرے گا اور سب کا گناہ اس کو بھی پڑے گا، تو اس طرح غلط اذان پڑھنے والے مؤذن پر تین طرح گناہ پڑے گا پہلا گناہ اُس کی اپنی غلطی کا دوسرا گناہ، خیانت کا تیسرا گناہ سننے والے کی غلط ادائیگی کا۔ اِن ہی وجوہ سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ میرا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر غلط اذان پڑھتا ہو اس کو زندگی میں غربت ذلت ملتی ہے اور مرتے وقت چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے یہ ظاہری سزا ہے، قبر وحشر میں نہ جانے کیا سزا ملے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تعالیٰ جان بوجھ کر غلط اذان کہنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اذان دینے کا شوق ہو مگر نہ درست کرنے نہ سیکھنے کی طرف توجہ کرے اگر کوئی غلطی نکالے تو غصہ کرے۔ اور ضد کر کے غلط اذان دے یہ بیماری آجکل عام ہے یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ چنانچہ کتاب کنوز الحقائق جلد اول ص۱۲۵ پر ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ علیہ وسلّم سَیَاْتِیْ زَمَانٌ سُفَلَتُهُمْ مُؤَذِّنُوْهُمْ۔ رَوَاهُ الدَّیْلَمِیُّ وَمُسْنَدُ الْفِرْدَوْسِ۔ ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ قوم کے کمینے جاہل بیوقوف مسلمانوں کے مؤذن بن جائیں گے۔ خیال رہے جس طرح غلط اذان پڑھنے والے کو عذاب وگناہ بہت سخت ہے اسی طرح صحیح اذان پڑھنے والے کو ثواب بھی بہت عظیم الشان ہے جس کی بشارت بہت سی احادیث مقدسہ میں ارشاد ہوئی۔ چنانچہ کنوز الحقائق جلد دوم ص۱۰۳ پر ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تعالیٰ علیہ وسلم مَنْ حَافَظَ عَلَی الْاَذَانِ سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ۔ ترجمہ۔ آقائے دوعالم حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مؤذن شخص نے اپنی اذان پر ایک سال تک حفاظت فرمالی اُس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ کتنا عظیم الشان اجر وثواب ہے اللہ تعالیٰ ہر مؤذن کو یہ اجر حاصل کرنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے، اور جُہلا حمقا مؤذنوں سے مسجد کو بچائے اذان کی حفاظت کی سات صورتیں ہیں ۱؎ عقیدے کی حفاظت ۲؎ اوقات کی حفاظت ۳؎ پاکیزگی کی حفاظت بے غسل تو بالکل ہی ناجائز ہے بے وضو بھی بلا وجہ و مجبوری منع ہے ہاں البتہ سخت مجبوری میں بغیر وضو اذان جائز ہے تکبیر منع ہے ۴؎ مؤذن اپنی نیت کی بھی حفاظت کرے یعنی خالصتًا اللہ تعالیٰ کے لیے بنیتِ ثواب اذان کہا کرے تنخواہ وغیرہ نہ لے ۵؎ اذان کے لفظوں کی بھی حفاظت کرے کوئی لفظ غلط ادا نہ ہو۔ یعنی پہلے اذان کسی عالم دین سے سیکھے پھر مؤذن بنے ۶؎ مؤذن اپنی اذان میں کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اذان لوٹانی پڑے ۷؎ مؤذن بھی وہ شخص ہو جس کی اذان شریعت میں جائز ہوتی ہے یعنی مرد عاقل بالغ عالم نیک متقی سمجھ دار ہو۔ ۱؎ عورت، ۲؎ بچہ، خنثیٰ، ۳؎ جاہل، شرابی، بدمعاش نہ ہو، ایک جگہ کھڑے ہو کر قبلہ رُخ ہو کر اذان دے یہ ہے سچی پکی حفاظتِ اذان ہو تب اُس کے لیے وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ کی بشارت ہوگی، فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اذان پڑھنے میں تین قسم کی غلطیاں ہوسکتی ہیں اِن سے بچنا ہر مؤذن کو لازم واجب ہے ۱؎ ترجیع ۲؎ تلحین ۳؎ تنحنح، ترجیع یہ ہے کہ مؤذن اذان کے کلمات کسی وجہ سے تعدادِ معینہ سے زیادہ کہدے مثلاً اذانِ چار وقتہ میں پندرہ ۱۵ کلمات ہیں اور اذانِ فجر میں سترہ ۱۷ کلمات ہیں، ہر تکبیر واقامت میں سترہ ۱۷ کلمات ہیں تو کوئی مؤذن لوٹ لوٹ کر زیادہ کلمات ادا کرے اللہ اکبر کو پہلے پانچ بار کہدے یا تشہادتین کو بجائے دو، دو بار کہنے کے چار، چار بار کہدے یہ کام جان کر کرے یا بھول کر کرے بہرحال شرعًا منع اور اذان غلط ہو جائے گی، تلحین یہ ہے کہ اذان یا تکبیر و اقامۃ میں ایسی طرزیں، سُر بین نکال کر نغمہ سرائی کرے جس سے اذان واقامۃ کے الفاظ بگڑ جائیں، عام مؤذنوں میں اِسی قسم کی غلطیاں اِن کی جہالت کی وجہ ہوتی ہیں۔ سائل نے بھی اِسی قسم کی لحنی غلطیوں کا ذکر سوال میں کیا ہے تنحنح یہ ہے کہ مؤذن یا مکبر اپنی اذان یا تکبیر میں بلا عذر کھانسے، کھنکارے یا کھنکھارے، فقہاءِ کرام نے اِن تینوں غلطیوں سے مؤذن و مکبر کو منع کیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد اوّل صفحہ ۲۵۹ پر ہے وَلَا تَرْجِیْعَ فَاِنَّہٗ مَکْرُوْہٌ وَلَا لَحْنَ فِیْہِ اَیْ تَغَنِّیْ بِغَیْرِ کَلِمَاتِہٖ فَاِنَّہٗ لَا یَحِلُّ فِعْلُہٗ

آی بِزِیَادَۃِ حَرَکَۃٍ اَوْحَرْفٍ اَوْمَدٍّ وَغَیْرِھَا فِی الْاَوَائِلِ وَالْاَوَاخِرِ. ترجمہ
اور ناجائز ہے اذان میں ترجیع کیونکہ وہ ترجیع مکروہ تحریمی ہے۔ اور اذان میں لحن یعنی
نغمہ سرائی بھی ناجائز ہے۔ یعنی اذان کے کلمات اور لفظوں کو بگاڑ کر ادا کرنا، کیونکہ حرام
ہے یہ کام اذان میں کہ زیر زبر کی زیادتی ہو جائے یا حرفوں کی یا مدّ وغیرہ کی زیادتی کی ہو
جائے لفظوں کے شروع میں یا آخر میں۔ اور فتاوٰی عالمگیری جلد اول ص۵۶ بابُ الاذان میں
ہے وَالْمَدُّ فِی اَوَّلِ التَّکْبِیْرِ کُفْرٌ وَفِی اٰخِرِہٖ خَطَاءٌ فَاحِشٌ. وَیُکْرَہُ التَّلْحِیْنُ وَ
ھُوَ التَّغَنِّیْ بِحَیْثُ یُؤَدِّیْ اِلٰی تَغْیِیْرِ کَلِمَاتِہٖ کَذَا فِیْ شَرْحِ الْمَجْمَعِ لِابْنِ
الْمَالِکِ وَتَحْسِیْنُ الصَّوْتِ لِلْاَذَانِ حَسَنٌ مَا لَمْ یَکُنْ لَحْنًا. ترجمہ۔ اور تکبیر
یعنی۔ اللہ اکبر، کے اوّل میں مد لگانا کفر ہے۔ اگر جان بوجھ کر لگائے گا تو مؤذن کافر ہو جائے
گا اس لیے کہ اوّل میں مدّ لگانے سے یہ فقرہ سوالِ انکاری کا بن جائے گا اور ترجمہ ہو گا
کیا اللہ سب سے بڑا ہے اور یہ کہنا کفر ہے اور آخر میں مد لگایا تو بہت فاحش غلطی کی
اگر جہالت سے ناسمجھی میں آگے یا پیچھے مد لگایا تو اگرچہ کافر نہ ہو گا مگر بدترین گناہ کبیرہ کیا
اور اذان غلط ہو گئی دوبارہ کہی جائے گی۔ اور مکروہ تحریمی ہے اذان میں تلحین کرنا اور
تلحین کا معنٰی ہے اس طرح نغمہ سرائی کرنا کہ اذان کے الفاظ متغیر ہو جائیں یعنی بگڑ جائیں ابن مالک
کی شرح مجمع میں بھی یہ مسئلہ ایسا ہی لکھا ہے، یہ ٹھیک ہے کہ اذان میں اچھی آواز بنانا
اچھا ہے مگر لحن نہیں بننا چاہیئے لحن سے الفاظ بگڑ جاتے ہیں اذان غلط ہو جاتی ہے
اسی طرح فتاوٰی فتح القدیر جلد اوّل ص۱۷۳ پر ہے۔ وَیَدْخُلُ فِی الْخِیَارِ اَیْضًا مَنْ
لَا یَلْحَنُ الْاَذَانَ لِاَنَّہٗ لَا یَحِلُّ وَتَحْسِیْنُ الصَّوْتِ مَطْلُوْبٌ (اِلخ) فَنَفْھَمُ مِنْ
ھٰذَا اَنَّ التَّلْحِیْنَ ھُوَ اِخْرَاجُ الْحُرُوْفِ عَمَّا لَا یَجُوْزُ فِی الْاَذَانِ وَھُوَ
صَرِیْحٌ فِیْ کَلَامِ الْاِمَامِ الْاَحْمَدِ فَاِنَّہٗ سُئِلَ عَنْہُ فِی الْقِرْاٰنِ تَمْنَعُہٗ،
فَقِیْلَ لَہٗ لِمَ. قَالَ مَا اِسْمُکَ. قَالَ مُحَمَّدٌ. قَالَ لَہٗ اَیُعْجِبُکَ
اَنْ یُقَالَ لَکَ. یَا مُوْحَامِدُ. قَالُوْا وَاِذَا کَانَ لَمْ یَحِلَّ فِی الْاَذَانِ
فَفِی الْقِرَاۃِ اَوْلٰی حَیْثِیَّۃٍ لَا یَحِلُّ سَمَاعُھَا اَیْضًا. وَیُکْرَہُ التَّنَحْنُحُ
عِنْدَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَۃِ لِاَنَّہٗ بِدْعَۃٌ. ترجمہ: حدیث مقدسہ
کا ارشاد کہ تمہارے مؤذن تم میں سب سے بہتر لوگ ہوں تو اُن بہتروں میں وہ لوگ بھی

شامل ہیں جو اپنی اذان میں لحن یعنی نغمہ سازی سُر بازی نہ کریں کیونکہ اذان میں لحن بنانا حرام ہے حلال نہیں، خوب صورت آواز مطلوب ہے نہ کہ لحن اِس حکم سے ظاہر ہوا کہ لحن کا معنی ہی یہ ہے کہ اس طرح سے الفاظ نکالنا جو اذان میں جائز نہیں ہیں اور یہی وضاحت ہے امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں کہ پس بے شک پوچھا گیا ایک بار اُن سے قرأت میں لحن کرنے کے متعلق تو آپ نے لحن سے منع فرمایا، تو عرض کیا گیا اُن سے کہ لحن کیوں منع ہے۔ آپ نے سائل سے فرمایا تیرا نام کیا ہے۔ اُس نے کہا میرا نام محمد ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تجھ کو یہ بات پسند ہے کہ کوئی شخص تجھ کو مُوحَامِد کہہ کر بلائے۔ مقصد کلام یہ کہ جب کسی بھی شخص کو یہ پسند نہیں کہ اُس کا نام بگاڑ کر لیا جائے تو اللہ رسول کو یہ بات کب پسند ہو گی کہ کوئی شخص اذان کے الفاظ و کلمات بگاڑ کر ادا کرے اور لحن کرنے سے الفاظ بگڑ تے ہیں۔ فقہاءِ کرام نے فرمایا کہ جب اذان میں لحن ناجائز ہے تو تلاوت میں لحن بنانا الفاظ بگاڑنا اِس سے بھی زیادہ گناہ ہے ز پس جس وقت غلط اذان یا تلاوت کی جائے تو اُس کو سننا بھی حلال وجائز نہیں۔ اسی طرح اذان اور اقامت میں تیسری قسم کی مثل یعنی کھانسنا کھنکارنا ٹھارنا بھی مکروہ ہے تحریمًا۔ اس لیے کہ بلاوجہ کھانسنا اذان یا تکبیر میں بدعت ہے سَیِّئہ۔ خلاصہ کلام یہ کہ کسی قسم کی غلطی کرنا اذان یا اقامت میں اذان واقامت کو بالکل خراب کر دیتی ہے نحنحہ کی غلطی ہو یا لحنی یا ترجیعی یا اوقاتی یا اخلاقی یا شرعی قانونی اذان میں ہو یا مؤذن میں تکبیر میں ہو یا مکبر میں۔ فی زمانہ عام طور پر اذان میں مختلف مؤذنوں سے تقریبًا تیرہ ۱۳ قسم کی غلطیاں سرزد اور ظاہر ہوتی ہیں جن حضرات کو اذان دینے کا شوق ہو وہ پہلے علماءِ کرام یا قاری حضرات سے اپنی اذان بالکل درست کرائیں تاکہ ایک بھی لفظی غلطی باقی نہ رہے۔ بلکہ ہر مسجد میں علماءِ کرام از خود اسی چیز کا خیال رکھیں کہ جو شخص اذان دینا چاہے پہلے علیحدگی میں اُس سے اذان سنیں اگر کوئی غلطی ہو تو اُس کو اچھی طرح درست کرائیں پھر اُس کو اذان اور تکبیر پڑھنے کی اجازت دیں۔ اگر کسی نے اذان یا تکبیر غلط پڑھی دی تو دوبارہ کسی دوسرے اُس شخص سے اذان پڑھائی جائے جس کی اذان واقامت بالکل صحیح و درست ہو غلطی ۱ آ اللّٰہُ اَکْبَرْ اس طرح کی غلطی کرنا کفر ہے ۲ اللّٰہُ اَکْبَارُ اس طرح کی غلطی کرنا حرام منیۃ المصلی میں ہے کہ اکبار شیطان کا نام ہے۔ لہٰذا

ایسا کہنا بھی کفر ہے ۳ اِیلاہُ اَکْبَرُ یہ بھی گناہ کبیرہ ۴ اَلاہُ اکبر، یہ بھی گناہ ۵ اَشْہَادُ اَلَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ۶ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّوْ لَا۔ ۷ اَشْہَدُ اَنَّا مُحَمَّدَ رَّسُوْلُ اللہ ۸ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدُ رَّسُوْلِ اللہ ۹ حَیَّا عَلَی الصَّلٰوۃ ۱۰ اَحَیَّ عَلَی الْفَلَاۃَ ۱۱ اَحَیَّ عَلَی الْفَلَا۔ ۱۲ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْ ۱۳ لَا اِیْلَاہَ اِلَّا اللہ یہ غلطیاں ہیں جو جاہل مؤذنوں سے ظاہر ہوتی ہیں کسی سے ایک کسی سے دو، وغیرہ وغیرہ

یعنی ۱ اَللہ کو اَللہ ۲ اَکْبَرُ کو اکبار ۳ یا اَللہُ کو اِیلَاہُ کہنا ۴ یا اَللہُ کو اَلاہُ پڑھنا ۵ اَشْہَدُ کو اَشْہَادُ پڑھنا ۶ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو اِلَّوْ لَا۔ پڑھنا ۷ اَشْہَدُ اَنَّ کو اَشْہَدُ اَنَّا۔ پڑھنا ۸ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللہ کو اَنَّ مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللہ پڑھنا ۹ حَیَّ کو حَیَّا پڑھنا ۱۰ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کو حَیَّ عَلَی الْفَلَاۃ پڑھنا ۱۱ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کو مِنَ النَّوْ پڑھنا ۱۳ لَا اِلٰہَ کو لَا اِیْلَاہَ کہنا صحیح اذان اس طرح ہے۔ ۱ اَللہُ اَکْبَرُ ۲ اَللہُ اَکْبَرُ۔ ۳ اَللہُ اَکْبَرُ ۴ اَللہُ اَکْبَرُ۔ ۵ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ۶ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ۷ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللہ۔ ۸ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللہ۔ ۹ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ۱۰ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ۔ ۱۱ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ۱۲ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ۱۳ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ۱۴ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ۱۵ اَللہُ اَکْبَرُ ۱۶ اَللہُ اَکْبَرُ۔ ۱۷ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح تلاوت، اذان اقامۃ کی توفیق عطا فرمائے اور لفظی غلطیوں سے بچائے، زیادہ تر غلطیاں اذان میں ہوتی ہیں اقامۃ میں نہیں ہوتیں اس لیے کہ لمبی گلے بازی اور مختلف لحن کی طرزیں نکالی جاتی ہیں لہٰذا ہر مؤذن کو چاہیے کہ اذان کی طرف سیکھنے سکھانے میں زیادہ توجہ دے اور استاد کے سامنے علیحدگی میں خوب دل لگا کر پریکٹس کرے جب ہر طرح مکمل درست ادائیگی ہو جائے اُستاد عالم کہہ دے کہ اب تیری اذان بالکل درست ہے تب نماز کا مؤذن بنے تاکہ عند اللہ ثواب واجر پائے۔ اور دنیا کی ذلت وقتِ موت کی عبرت، قبر وحشر کی نفرت سے بچے کیونکہ تلاوت کی غلطیوں سے غربی آتی ہے اذان کی غلطیوں سے چہرے پر سیاہی آتی ہے خاص کر مرتے کے وقت اور دونوں بے پرواہیوں سے قبر وحشر کی نفرت ملتی ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو دینا و آخرت کی ہر نفرت ذلت غربت سے بچائے۔ وَاللہُ تعالیٰ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

کتبہ

بائیسواں فتوٰی

اقامۃ پنجوقتہ کے کلمات بھی مثل اذان ہیں تعداد میں یعنی سترہ عدد شرعی قانون سے سعودیہ نمازوں کی اقامت غلط ہے احادیث کے خلاف ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اِس مسئلے میں کہ ہمارے محلے کی مسجد میں عرصۂ دراز سے تکبیر اقامۃ کے الفاظ بھی اذان کے الفاظ کی تعداد کے مطابق ہی ادا کیے جاتے تھے یعنی اَوَّلاً چار مرتبہ اللہ اکبر، پھر دو بار شہادۃِ توحید پھر دو بار شہادتِ رسالت پھر دو بار حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ پھر دو بار حَیَّ عَلَی الْفَلَاح، پھر دو بار قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ پھر آخر میں دو بار اَللہُ اَکْبَر، پھر ایک بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ صرف ہماری مسجد میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، بنگال، عراق، یعنی تقریباً آدھی دنیا کی مساجد میں ہر نماز کی اقامۃ اسی طرح تعداد اذان کی مثل ہر دن پانچ وقت کہی جاتی ہے ہندوستان پاکستان کی مسجد میں تو ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے۔ افغانستان عراق سے وہاں کے باشندوں نے ہم کو بتایا ہے۔ بنگال کے بہت سے لوگ ہمارے پڑوسی ہیں، وہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں بھی اسی طرح مثل اذان اقامۃ اور تکبیر کے کلمات ہوتے ہیں۔ لیکن پچھلے سال ہمارے محلے کے چند لوگ حج کرنے گئے واپس آکر انہوں نے شور مچا دیا کہ تمہاری اقامت غلط ہے ہم نے سعودی عرب کی مسجد حرام اور مسجد نبوی میں تکبیر سنی ہے ہر نماز پنجوقتہ بھی اور نماز جمعہ میں بھی کہ اَللہُ اَکْبَر۔ شروع میں دو بار کہتے ہیں پھر اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ایک بار پھر اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ۔ ایک بار حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ۔ ایک بار

پھر حَیَّ عَلَی الْفَلَاح۔ ایک بار، پھر قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ دو بار، پھر اَللّٰہُ اَکْبَر۔ دو بار، پھر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ایک بار۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اُن کی مسجد میں بھی تکبیر پنجوقتہ اسی طرح کہی جائے۔ یعنی اذان سے چھوٹی کر کے کہ اذانِ ظہر، عصر، مغرب، عشا، جمعہ کے پندرہ کلمات، اذانِ فجر کے سترہ کلمات ادا کئے جائیں مگر ہر تکبیر واقامت کے گیارہ کلمات ادا کئے جائیں اس بات پر ہر نماز کے وقت جھگڑا ہوتا ہے اگرچہ ابھی تک ہم نے ان کی نہیں مانی اور حسبِ سابق ہی مکمل سترہ کلمات سے اِقامۃ ہو رہی ہے مگر ان کے جھگڑے سے اہلِ محلہ نمازی مسلمان پریشان ہیں۔ ہم نے اُن چند نمازی جھگڑا لوؤں کو بہت سمجھایا کہ دیکھو سعودی عرب کے لوگ حکومت سے ڈر کر ایسا کر رہے ہیں وہاں نجدی وہابیوں کی حکومت ہے وہ تو ہر سال رمضان، عیدالفطر اور حج بھی غلط کرا رہے ہیں۔ لہذا اُن کی تکبیر غلط ہے ہندوستان، پاکستان اور افغانستان وغیرہ دنیا کے اکثر حصے میں صدیوں سے اِس طرح مثلِ اذان سترہ کلمات سے ہر نماز پنجوقتہ کی اِقامت کہی جاتی ہے اور ان ملکوں کے جید بڑے بڑے علما بذات خود تکبیر پڑھتے پڑھاتے چلے آرہے ہیں سعودی عرب میں بھی اس نجدی وہابی حکومت سے پہلے ترکی حکومت کے وقت اِسی طرح سترہ کلمات کی تکبیر ہوتی تھی۔ مگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں پہلی حکومتوں پہلے زمانوں کا پتہ نہیں اور اب دنیا میں مرکزِ اسلام ہندوستان، پاکستان، افغانستان یا عراق نہیں بلکہ حرمین شریفین مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ ہے اس لیے ہر مسلمان کو مرکزِ اسلام کی بات ماننی چاہیئے۔ وہ لوگ سچے اور صحیح ہیں تب ہی تو وہاں پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو قبضۂ وحکومت دی ہے۔ آخر فیصلہ اس بات پر ہوا ہے کہ علماءِ اسلام سے شرعی فتویٰ منگایا جائے۔ اور ہم سب دونوں گروہوں کا آپ کے فتویٰ پر اتفاق ہوا ہے لہٰذا ہم کو قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں مکمل و مدلل شرعی فتویٰ عطا فرمایا کہ نمازوں کے لیے کونسی اِقامت درست ہے سترہ کلمات والی یا سعودی تکبیر کلمات والی سب لوگ آپ کے فتوے کے منتظر ہیں۔ فقط والسّلام۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

دستخط سائلان۔ سائونتھ ناظم آباد کراچی، اقبال، ایاز، عمران خان گردیزی، وغیرہ وغیرہ بقلم خود۔ ۱۹۹۲/۴/۲

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّاب

الجواب

بحمدہٖ و تعالیٰ امامِ اعظم سراجِ امت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہر نمازِ روزمرّہ باجماعت کی اقامۃ وتکبیر بھی اپنے کلمات ہیں اور کلمات کی ادائیگی تعدادی میں بالکل پنجوقتہ اذان کی مثل ہے صرف فرق یہ ہے کہ اذان مسجد کے باہر کانوں میں انگلیاں لگا بلند آواز سے الفاظ کھینچ کر کہی جائے گی مگر اقامۃ مسجد کے اندر پہلی صف میں ہاتھ کھلے چھوڑ کر جلدی جلدی اتنی آواز سے کہی جائے گی جو مسجد کی حدود میں مسجد میں موجود بکھرے نمازیوں تک پہنچ جائے لیکن اقامت کے الفاظ و کلمات کی ترتیب، تعداد و تکرار میں اذان و اقامت کا کوئی فرق نہیں، چنانچہ جتنے کلمات اور جس طرح تکرارِ کلمات اذان کے ہیں اتنے ہی اقامت کے ہیں صرف اتنی زیادتی ہے کہ ہر تکبیر میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ کے بعد دوؔ مرتبہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ ہے اور فجر کی اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ کے بعد دوؔ مرتبہ ۔اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ ہے اس طرح چہار وقت کی اذان میں پندرہ ۱۵ کلماتِ طیبات اور فجر کی آذان میں سترہ ۱۷ کلمات اور پنجوقتہ تکبیر میں سترہ ۱۷ کلمات ہیں، احادیثِ مقدسہ و عملِ صحابہ سے یہی ثابت ہے لہٰذا حنفی مسلک بھی یہی ہے۔ مگر ائمہ ثلاثہ امام مالک امام شافعی امام احمد حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا یہ مسلک یہ ہے کہ ہر اقامت میں شہادتین یعنی اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ۔ اور حیعلتین یعنی حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ۔ یہ چاروں کلمات ایک ایک بار کہے جائیں۔ مگر تکبیر یعنی اللہ اکبر پہلے ابتدا میں بھی دوؔ بار اور بعد میں بھی دوؔ بار اور آخر میں ایک بار تہلیل یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ کے دوبار قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ اسی طرح اِقَامَۃ کے الفاظ و کلمات گیارہ عدد بنتے ہیں۔ یہ تینوں ائمہ کا مسلک ہے چنانچہ فتاوٰی درمختار شامی جلد اوّل ص ۲۶۰ ہے۔ وَالْاِقَامَۃُ کَالْاَذَانِ فِیْمَا مَرَّ وَعِنْدَ الثَّلَاثَۃِ ھِیَ فُرَادٰی اَیِ الْاِقَامَۃُ وَالْاَوْلٰی ذِکْرُہٗ عِنْدَ قَوْلِہٖ وَھِیَ کَالْاَذَانِ۔ ترجمہ، اور نمازوں کی اِقامۃ تکبیر بالکل اذان کی طرح ہے ان دلائل سے جو گزرے اور وہ اقامتُ تینوں اماموں کے نزدیک ایک ایک بار ہے مصنفِ درمختار اور صاحب تنویر الابصار کو چاہیئے تھا کہ تینوں اماموں کا مسلک ھِیَ فُرَادٰی والا وہیں ساتھ ہی ذکر فرما دیتے جہاں امام اعظم کا مسلک ھِیَ کَالْاَذَانِ ذکر کیا تھا یہی بہتر تھا۔ فاصلہ کر کے علیحدہ نہ لکھتے، حاشیہ مشکوٰۃ بحوالہ مرقات حاشیہ نمبر ۹

ص۲۳ پر ہے۔ اَنَّ الاِقَامَةَ فُرَادَی وَاِلَیْهِ ذَهَبَ الزُّهرِی وَمَالِکٌ وَالشَّافِعِی وَالاَوْزَاعِی وَاَحْمَد۔ وَسِیَاقِی، دَلِیْلُ اَبِی حَنِیْفَةَ وَمَنْ وَافَقَهٗ مِنَ الْعُلَمَاءِ

ترجمہ۔ ایک دلیل سے ثابت ہے کہ بے شک اِقامتہ ایک ایک مرتبہ ہے اور اسی طرف گئے ہیں یعنی یہی مسلک بنالیا ہے علامہ زُہری نے اور امام مالک نے اور امام شافعی نے اور علامہ اوزاعی نے اور امام احمد بن حنبل نے اور امام اعظم امام ابو حنیفہ اور آپ کے ہم مذہب علماء کرام کی دلیل عنقریب آگے احادیثِ مبارکہ مقدسہ میں آرہی ہے۔ ان عبارات سے ثابت اور واضح ہوا کہ حنفی مسلک میں اقامت اپنی ترتیب ترکیب میں مثلِ اذان ہے اور کلمات کی تعداد سترہ ہے۔ اور باقی اَئمہ کے مسلک میں اقامۃ فُرادی یعنی ایک ایک بار ہر لفظ ہے۔ اگر تمام کلمات کو فُرادی یعنی ایک ایک بار کہا جائے تو کُل کلمات آٹھ عدد بنتے ہیں اَئمہ ثلاثہ کے ذاتی اور زمانی عمل کا نوبت نہیں چلتا نہ کہیں وضاحت ملتی ہے کہ یہ حضرات خود یا اُن کی موجودگی میں ان کے مقلدین کس طرح اِقامت کہتے تھے مکمل فرادی آٹھ کلمات کہتے تھے یا کم و بیش مگر موجودہ دور میں ان کے مقلدین اور اُن کی دیکھا دیکھی غیر مقلدین بھی اور سعودی لوگ بھی تکبیر و اقامت میں گیارہ کلمات ادا کرتے ہیں جو فرادی کے بھی خلاف ہے اور حنبلی شافعی، مالکی مسلک کے بھی اور سعودی لوگ تو اپنی ضد و جہالت میں اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ اپنی حکومت کے زور پر ہر سال لاکھوں مسلمانوں کا حج، رمضان اور عیدُالفطر غلط کرارہے ہیں، کئی بار غلطی سے آگاہ کیا گیا اخباروں میں چھاپا گیا غلطی تسلیم بھی کرلی مگر ضد کے پکے باز نہیں آتے، جن کو نماز روزوں اور حج کے غلط ہونے کی پرواہ نہیں ان کو ایک اِقامت کے غلط اور اپنے ہی مسلک کے خلاف چلنے کی کیا پرواہ ہوگی جب خوفِ الٰہی اور شرم نبی نہ رہے تو جو چاہے کرتا پھرے اسی لیے میں نے کبھی اُن کو امام کے پیچھے کوئی نماز نہ پڑھی جب بھی حاضری نصیب ہوئی ہمیشہ بعد از جماعت حاضرِ مسجد ہو کر اپنی جماعت کرا کر نماز پڑھی ایک بار مسجد نبوی میں منتظم بلدیہ نے مجھ سے پوچھا بھی تھا کہ تم روزانہ اپنی نماز باجماعت علیحدہ کیوں پڑھتے ہو ہمارے امام کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے کیا تمہیں ہم سے نفرت ہے۔ تو تقریباً ایک گھنٹہ سوالاً جواباً گفتگو کر کے اُس کی تسلی کرادی اور وہ خاموش ہوگیا۔ پوری تفصیلی گفتگو پھر کبھی سناؤں گا میں تو اپنے دوستوں سے بھی کہتا ہوں کہ اگر نمازیں بچانی ہیں تو بے شک مسجد میں جا کر بغیر جماعت پڑھو مگر سعودی امام کے پیچھے کوئی فرض

وغیرہ نماز نہ پڑھو۔ بہرکیف اِقامت کے کلمات آٹھ عدد ادا کئے جائیں یا گیارہ عدد ائمہ ثلاثہ کا یہ مسلک بھی اُن کے دیگر مسلکوں مسئلوں کی طرح دلائل واستدلال کے اعتبار سے انتہائی اور حیران کن حد تک کمزور ہے۔ ائمہ ثلاثہ اپنے اس مسلک کے دلائل میں بخاری و مسلم کی ایک حدیث پاک سے استدلال کرتے ہیں اور دوسری حدیث پاک، ابو داؤد، نسائی، اور دارمی میں مذکور ہے اُن کے مذاہب کی کتب میں فقط یہ دوؔ حدیثیں ہی منقول ہیں جن سے استدلال کر کے اپنے کمزور مسلک کی دلیلیں بنا ڈالیں۔ ان دو روایتوں کے علاوہ کوئی دلیل مذکور نہیں جیسا کہ کتابِ فقہ مذاہب اربعہ جلد اوّل صـ۱۲۰ پر تفصیل موجود ہے یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف نے مندرجہ بالا کُتبِ احادیث کے حوالے سے ہی نقل فرمائی ہیں چنانچہ مشکوٰۃ شریف بابُ الأذان فصل اوّل صـ۶۳ پر ہے۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ وَذَكَرُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَّشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُّوتِرَ الْإِقَامَةَ قَالَ إِسْمٰعِيلُ فَذَكَرْتُهُ لِأَيُّوبَ فَقَالَ إِلَّا الْإِقَامَةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ اور اصل بخاری جلد اوّل بابُ الْأَذَانِ مَثْنٰى صـ۲۲۵ پر الفاظ اس طرح ہیں۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَّشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُّوتِرَ الْإِقَامَةَ إِلَّا الْإِقَامَةَ۔ اگلی عبارت۔ قَالَ إِسْمٰعِيلُ۔ والی وہاں نہیں ہے ترجمہ حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک بار محفلِ صحابہ میں اذان کے مسئلے پر مشاورت ہو رہی تھی تو کسی نے آگ جلانے کا ذکر کیا اور کسی نے بگل بجانے کا مشورہ دیا اور یہود ونصاریٰ کا ذکر کیا کہ یہودی لوگوں کو کنیسے میں بلانے کے لیے آگ جلاتے ہیں اور عیسائی ناقوس بجاتے ہیں (آج کل تو گرجے میں گھنٹہ۔ بجاتے ہیں) تب اس مشورے کے بعد حکم دیئے گئے حضرت بلال رضی (غالبًا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہی بلال کو حکم دیا ہوگا) کہ اے بلال تم ہر نماز کے لیے گھر گھر دروازے دروازے پر ہر مسلمان کو مسجد میں آنے کی دوؔ دوؔ بار اطلاع دیا کرو۔ اور مسجد میں اِقامۃ کے لیے ایک بار آواز دیا کرو۔ اسماعیل راوی نے فرمایا کہ میں نے اس روایت کا ذکر ایّوب راوی سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مگر اَب اِقامۃ میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ تو ایک بار نہیں کہا جاتا تو وہ دوبارہ ہوتا ہے یہ ترجمہ تشریح وہ ہے جو مراۃ شرح مشکوٰۃ جلدِ اوّل میں حضرت حکیم الاُمّت نے بیان فرمائی وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں مسجد نبوی یا مدینہ منورہ کے کسی گھر میں اُس پہلی محفل

مشاورت کا ذکر ہے جو اذان و اقامت کے بارے میں منعقد ہوئی تھی اس میں آقاء کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا تھا کہ ہر نماز کے وقت نمازوں کے لیے مسلمانوں کو کس طرح بلایا جائے، کسی نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے یہودی طریقے کا ذکر عرض کیا اور کسی نے عیسائیوں کی طرح ناقوس یعنی بگل بجانے کا ذکر کیا لیکن نبی کریم آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آخر میں بلال کو حکم فرمایا کہ فِی الحال تم ہر نماز کا وقت شروع ہونے کی اِطلاع مسلمانوں کے گھروں میں پہنچا دیا کرو اور دو دو بار آواز لگایا کرو۔ اور جماعت کھڑی ہونے کی اِطلاع ایک بار ہی کافی ہے۔ یہاں لغوی معنیٰ مُراد ہے اَذان بمعنیٰ اطلاع دینا اور اِقَامَتْ بمعنیٰ جماعت کھڑا ہونا اور حاضر موجود نمازیوں سے کہنا کہ صفیں بنالو جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ یہ لغوی معنیٰ کرنا اس لیے ہے کہ یہ پہلی میٹنگ ہے ابھی تو اذان کے الفاظ مسلمانوں کو ملے ہی نہیں وہ تو چند دن بعد دوسری یا تیسری محفلِ مشاورت کے دوران رات کو چند صحابہ کرام کی خوابوں میں ملے گئے اس لیے اُن خوابوں سے قبل اُمِرَ بِلَالٌ کا تذکرہ عام اِطلاع دینے کا بیان ہے نہ کہ اصطلاحی مشہورہ مروجہ اذان، یہ تشریح مضبوط ہے۔ اس لیے کہ اس کی تائید بخاری شریف کی ایک دوسری حدیث پاک سے بھی ہو رہی ہے چنانچہ بخاری شریف جلد اوّل باب بَدْءِ الْاَذَانِ صفحہ ۲۲۴ پر ہے۔ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رض کَانَ یَقُوْلُ کَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِیْنَ قَدِمُوا الْمَدِیْنَۃَ یَجْتَمِعُوْنَ فَیَتَحَیَّنُوْنَ الصَّلٰوۃَ لَیْسَ یُنَادِیْ لَھَا فَتَکَلَّمُوْا یَوْمًا فِیْ ذَالِکَ فَقَالَ بَعْضُھُمْ اِتَّخِذُوْا نَاقُوْسًا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰی وَقَالَ بَعْضُھُمْ بَلْ بُوْقًا مِثْلَ قَرْنِ الْیَھُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا یُنَادِیْ بِالصَّلٰوۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوۃِ۔ یعنی جب مسلمان مدینہ منورہ میں آئے اور ان کو نمازوں کے لیے بلاوے کی ضرورت پڑی تو اس کے لیے جو پہلی میٹنگ ہوئی اس میں بعض نے کہا منادی کے لیے ناقوس بجایا کرو بعض نے کہا قرن کا بگل (بوق) بجایا کرو تو فاروق اعظم رض نے کہا کہ اب پہلے تو تم کسی آدمی کو بھیجو جو ابھی تو جاکر منادی کرے نماز کی تو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بلال اُٹھو اور نماز کی منادی کرو۔ مگر فقہاءِ متقدمین نے۔ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ کا معنیٰ کیا ہے کہ اذان لمبی آواز سے دی جائے تاکہ کلمات اپنی درازی کی بنا پر ڈبل ہوتے جائیں اور ایک کلمے کی ادا ئیں اتنا

وقت لگے جتنا دوّ بار کہنے میں لگتا ہے اور اذان سے یہ مشہورہ مروّجہ اذان ہی مراد ہے۔
اور اَنْ یُّوْتِرَ الْاِقَامَۃَ۔ کا معنی یہ ہے کہ اَقَامَۃ وتکبیرِ جماعت، جلدی جلدی کہی جائے تاکہ الفاظ درازنہ ہوں اور کوئی لفظ ڈبل محسوس نہ ہو۔ چنانچہ، فتاویٰ بحرُالرّائق جلد اوّل ص۲۵۵ پر ہے۔ وَاَمَّا مَا رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ اُمِرَ بِلَالٌ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَیُوْتِرَ الْاِقَامَۃَ فَمَحْمُوْلٌ عَلٰی اِیْتَارِ صَوْتِہَا بِاَنْ یَّحْدُرَ فِیْہَا (الخ) لَا اِیْتَارَ اَلْفَاظِہَا۔ اور فتاویٰ رَدُّالمحتار شامی جلد اوّل ص۳۶۱ پر ہے۔ وَدَلِیْلُ الْاَئِمَّۃِ الثَّلَاثَۃِ مَا رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ اُمِرَ بِلَالٌ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَیُوْتِرَ الْاِقَامَۃَ وَھُوَ مَحْمُوْلٌ عَلٰی اِیْتَارِ صَوْتِہَا بِاَنْ یَّحْدُرَ فِیْہَا تَوْفِیْقًا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ النُّصُوْصِ الْغَیْرِ الْمُحْتَمِلَۃِ۔
ترجمہ، دونوں عبارتوں کا، بحرُالرّائق۔ اور لیکن وہ حدیث پاک جو روایت فرمائی بخاری شریف نے کہ اُمِرَ بِلَالٌ۔ یعنی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کو شفع کریں اور تکبیر کو وتر کریں تو یہ محمول ہے اِس معنی پر کہ اقامت کی آواز میں وتر کریں اس طرح کہ اقامت میں حدر کریں یعنی جلدی جلدی تکبیر پڑھیں، یہ معنی نہیں ہے کہ الفاظ میں وتر کریں یعنی تکبیر واقامت کے لفظوں کو ایک ایک بار کہنا مراد نہیں ہے ۲؎ شامی کا ترجمہ اور تینوں اماموں کی دلیل وہ حدیث پاک ہے جو بخاری نے روایت فرمائی کہ بلالؓ کو حکم دیا گیا وہ اذان کو شفع کریں اور اقامتؔ کو وتر کریں تو وہ حدیث محمول ہے آواز کے اِیتار پر نہ کہ الفاظ کے ایتار پر۔ یعنی اقامت میں حدر کریں۔ (جلدی جلدی پڑھیں) اذان میں آواز کھینچیں لمبی طرزیں لگائیں۔ یہ معنی اس لیے مراد لینا ضروری ہے تاکہ یہ حدیث اُن احادیث کے مطابق وموافق ہو جائے جن احادیث میں کوئی احتمال واندیشہ نہیں اور صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ اقامت اپنی تعداد میں مثلِ اذان ہے۔ یہ حنفی فقہا کی طرف سے اِس حدیثِ پاک کا معنیٰ واحتمال ہے۔ لیکن اَئمہ ثلاثہ، اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ یُّوْتِرَ الْاِقَامَۃَ کا معنی کرتے ہیں کہ حضرت بلال کو حکم دیا گیا، وہ اذان کو دوّ، دوّ بار کہا کریں، شَفَعَ کا معنیٰ ہے ایک لفظ کو دوبار کہنا اور اقامت وتکبیر کو ایک ایک بار کو کہیں، وتراور اس کے مصدر اِیتار کا معنیٰ ہے ایک لفظ کو ایک بار کہنا۔ اسی حدیث مقدسہ سے اَئمہ ثلاثہ نے استدلال کیا یعنی اپنے مسلک پر دلیل حاصل کی با اپنے اس مندرجہ معنی سے اپنا یہ مسلک ومذہب بنا لیا کہ اذان کے تمام کلمات دو دوبار اور تکبیر

کے سب کلمات ایک ایک بار، حالانکہ یہ استدلال بہت ہی کمزور ہے اس لیے کہ یہ حدیث مجمل ہے اور اس میں اتنے اجمال ہیں کہ ان کی وجہ سے اس میں بہت سے احتمال پیدا ہو گئے اور قانونِ فقہ ہے کہ جس حدیث میں اجمالات و احتمالات ہوں اُس سے استدلال کرنا غیر مدبرانہ اور کمزور فعل ہے۔ اس روایت کے اجمالات ۱: پہلا اجمال، اس حدیثِ پاک میں اُمِرَ بلالٌ ہے یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ حکم دئے گئے یہ معلوم نہیں کہ کس نے حکم دیا، اس اجمال سے دو احتمال پیدا ہوئے ایک یہ کہ کسی صحابی نے حکم دیا، دوم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا، دوسرا اجمال، اس پوری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ذکر نہیں، پتہ نہیں کہ اس محفل میں نبی کریم شامل بھی تھے یا نہیں اس اجمال سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ محفل صرف صحابہ کرام کا ذاتی تبادلہ خیالات ہو یہاں تک کہ کسی نماز کا وقت ہو گیا ہو تو خود صحابہ نے بلال سے کہا ہو کہ جاؤ گھر گھر نماز کی اطلاع دے آؤ اور دوبارہ اطلاع دینا۔ مگر جماعت کے وقت بکھرے حاضرین مسجد کو ایک بار اطلاع دینا کافی ہے۔ تیسرا اجمال یہ معلوم نہ ہوا کہ اُمِرَ بلالٌ کا واقعہ کب ہوا۔ الفاظِ اذان کے نزول سے پہلے یا بعد میں اس اجمال کی وجہ سے ہی اس حدیثِ پاک کے معنیٰ و مطلب میں کسی نے کوئی احتمال نکال لیا کسی نے کوئی اور دوسرا کسی نے لغوی اذان و اقامت مراد لی یعنی اطلاع دینا، کسی نے شفع کا معنیٰ ترسیل (لمبی آواز کرنا) کیا اور اِیتار کا معنیٰ اِیثار صوت یعنی تحدیر کرنا (جلدی جلدی کہنا) چوتھا اجمال یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اذان شفع اور اقامت کو وتر کیوں کیا گیا، عقل و فہم تو چاہتی ہے کہ دونوں کہ دونوں ترتیب و تعداد میں ایک جیسی ہوں، بلا وجہ تکبیر کو کم کرنا کیوں، پانچواں اجمال متنِ حدیث کے بعد ہے قَالَ اسماعیل معلوم نہیں اسماعیل سے امام بخاری مراد ہیں یا کوئی اور یہ تذکرہ تعجب ہے یا خبر دینا یا کوئی سوالیہ استفسار، پھر اس کے جواب میں اَیُّوب راوی کا کہنا کہ اِلَّا الاِقَامَۃ، معلوم اعتراض ہے یا جواب یا وضاحت، اگر اعتراض ہے تو معنیٰ یہ ہوئے کہ یُوتِرُ اِلاَّ اقَامَۃَ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ میں اِیتار نہیں، اور اگر یہ خبر ہے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ ساری اقامت میں وتر نہیں کیونکہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ میں شفع (دو بار کہنا) ہے اگر یہ وضاحت ہے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ یہ روایت قابلِ عمل نہیں ہے کیونکہ روایت کہتی ہے کہ سب اقامت وتر ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کا کلمہ وتر نہیں بلکہ شروع سے تنتے

آئے ہیں کہ وہ دو بار یعنی شفع ہے، حنفی علماً فقہا ایوب راوی سے بھی بڑا اعتراض کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں اس روایت میں مطلقاً یُوتِرُ الاِقَامَۃَ ہے جس سے ثابت ہوا کہ اقامۃ کا ہر کلمہ ہر لفظ ایک بار کیا جائے۔ اس طرح اقامت کے صرف آٹھ لفظ بنتے ہیں یعنی۔ اَللّٰہُ اَکبر۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ان ثابت شدہ آٹھ کلمات کی تکبیر و اقامۃ پر کوئی بھی عمل نہیں کرتا، نہ تینوں امام، نہ اُن کے مقلدین۔ یعنی نہ مالک نہ مالکی نہ احمد حنبل نہ حنبلی نہ شافعی نہ شوافع بلکہ ان لوگوں نے اس حدیث پاک کے خلاف عمل کرتے ہوئے پہلے بھی اللہ اکبر دو بار کہا، اور بعد میں بھی دو بار کہا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کو دو بار کہا۔ اس طرح بجائے آٹھ کلمات کے گیارہ کلمات اپنی مرضی سے خود اپنی ہی پیش کردہ دلیل کے خلاف بنالئے اور اپنی مرضی و رائے سے بنالیے کیا یہ بدعت اور دین میں ذاتی عقلی رائے کی مداخلت نہیں؟ اس اعتراض کا تسلی بخش مدلل باحوالہ جواب نہ ائمہ ثلاثہ کے پاس اُس وقت تھا نہ اُن کے مقلدین کے پاس اب ہے، اگر کسی کے پاس ہے تو لاؤ، یہ تھی اقامۃ نماز کو کم کرنے کی ائمہ ثلاثہ کے پاس ایک دلیل جس کی کمزوریاں آپ نے دیکھیں، ائمہ کی **دوسری دلیل**، مشکوٰۃ شریف بابُ الاذان، فصل ثانی ص۶۳ پر ہے۔ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ الْاَذَانُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَالْاِقَامَۃُ مَرَّۃً مَرَّۃً غَیْرَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔ ترجمہ، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اذان دو دو مرتبہ تھی اور اقامۃ تکبیر ایک ایک مرتبہ علاوہ اس کے کہ بے شک وہ کہتا تھا۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ۔ اس حدیثِ پاک کو روایت کیا ابوداؤد شریف نسائی شریف، دارمی شریف نے بھی۔ اس روایت میں اتنی الجھنیں اور غلطیاں کمزوریاں ہیں لگتا ہے جس نے بھی یہ روایت وضع کی ہے وہ بہت جلد بازی میں بنا گیا۔ پہلی الجھن تو یہ کہ یہ روایت ابن عمر کی طرف منسوب کی گئی ہے ابن عمر کا نام عبداللہ تھا وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان دو دو بار تھی اور تکبیر (اقامۃ) ایک ایک بار، جس سے ثابت ہوا کہ صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمانِ غنی، مولیٰ علی شیرِ خدا

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانوں میں تکبیر ایک ایک بار نہ تھی، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ زمانے نہ ملے، کیونکہ حضرت عبد اللہ ابن عمر کی ولادت تبلیغ نبوت سے ایک سال پہلے ہوئی اور آپ کی عمر چھیاسی سال ہوئی، آپ کا وصال ۷۳ھ تہتر ہجری میں ہوا حجاج بن یوسف کے زمانے میں آپ نے خلفاءِ راشدین کے تمام زمانے دیکھے اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ کَانَ الْاَذَانُ عَلٰی عَہْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صرف آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے اقدس کا ذکر کرتے ہیں یعنی اس کے بعد صحابہ نے تکبیر بھی مثل اذان کر دی تھی، آخر اس تبدیلی کی وجہ! صاحب مشکوٰۃ کی کتاب اَلْاِکْمَالُ فِیْ اَسْمَاءِ الرِّجَالِ ص۲۱ پر ہے۔ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عُمَرَ وُلِدَ قَبْلَ الْوَحْیِ بِسَنَۃٍ وَمَاتَ سَنَۃَ ثَلٰثٍ وَّ سَبْعِیْنَ بَعْدَ قَتْلِ ابْنِ الزُّبَیْرِ بِثَلٰثَۃِ اَشْھُرٍ وَّ قِیْلَ بِسِتَّۃِ اَشْھُرٍ فِیْ زَمَنِ الْحَجَّاجِ وَلَہٗ اَرْبَعٌ وَّ ثَمَانُوْنَ سَنَۃً وَقِیْلَ سِتٌّ وَّثَمَانُوْنَ۔ ترجمہ عبد اللہ ابن عمر وحی سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے اور ۷۳ھ ہجری میں فوت ہوئے حضرت عبد اللہ رضی ابن زبیر رضی کے قتلِ شہادت کے تین ماہ یا چھ ماہ بعد۔ ظالم حجاج بن یوسف کے زمانے میں اور ابن عمر رضی کی کل عمر چوراسی یا چھیاسی سال ہوئی ہے، دوسری اُلجھن، اس روایت میں کہا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ پاک میں اذان مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ تھی، یہ عبارت لفظاً بھی غلط ہے معنیً بھی چاہیئے تھا کہا جاتا کَلِمَاتُ الْاَذَانِ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ کیونکہ کلمات دو مرتبہ ہو سکتے ہیں نہ کہ اذان، اس کا معنیٰ تو یہ ہوا کہ زمانۂ نبوی میں ہر نماز کے لیے دو دو مرتبہ اذان ہوتی تھی حالانکہ نہ یہ درست ہے نہ اس کا کوئی قائل، تیسری اُلجھن اذان کے تمام کلمات بھی دو دو مرتبہ نہیں کیونکہ اذان اَوَّلاً اَللّٰہُ اَکْبَرُ، چار مرتبہ ہے اور آخر میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ ایک بار ہے۔ لہٰذا مطلقاً تمام اذان کو مَرَّتَیْنِ کہنا جائز و صحیح نہ ہوا بلکہ جھوٹ ہوا۔ چوتھی اُلجھن، غَیْرَ اَنَّہٗ کے بعد کَانَ یَقُوْلُ کے فاعل متکلم کا پتہ نہیں لگا یعنی علاوہ اس کے بے شک وہ کون کہتا تھا۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ آیا۔ ابن عُمَر یہ کہتے تھے یا ہر اِقامۃ کا مکبّر تکبیر میں یہ کہتا تھا۔ پانچویں اُلجھن، یہاں بھی یہ سوال اُبھرتا ہے جو پہلی دلیل والی حدیث میں ہوا تھا کہ مطلقاً پوری اِقَامَۃ مَرَّۃً مَرَّۃً نہیں ہے۔ اِقامۃ میں بھی پہلے اَللّٰہُ اَکْبَرُ، دو بار، پھر آخر میں اللہ اکبر دو بار ہے غَیْرَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ (الخ) کہہ دینا کافی نہیں نہ اس پر کسی کا عمل، اب غور فرماؤ کہ اتنی

الجھنوں کے ہوتے ہوئے اِس بناوٹی موضوع روایت سے استدلال اور اِن اعتراضات سے آنکھیں بند کر لینا کہاں تک مناسب ہے، پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اِن دونوں روایتوں میں راویان کا نام تو موجود ہے کہ حضرت انس نے یہ کہا اور حضرت ابن عمر نے یہ کہا مگر تعلیم نبی اور فرمانِ رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دونوں جگہ کوئی ذکر نہیں، حالانکہ مسائلِ شرعیہ وقوانین اسلامیہ اور عباداتِ الٰہیہ میں اصل اور مضبوط حتمی ویقینی فیصلہ تو تبلیغ نبوی وتعلیم نبوت سے ہی ہو سکتا ہے، ائمہ ثلاثہ کے اکثر وہ مسائل جو امامِ اعظم کے مسلک سے مختلف بنائے گئے اِس قسم کی کمزوریوں سے بھرپور ہیں، مسئلہ اقامت میں یہ وہ اعتراضات ہیں جو حنفی علمانے آئمہ ثلاثہ اور ان کے مقلدین پر بار ہا کئے مگر مدلل جواب کوئی بھی نہ دے سکا، اب بھی یہ چیلنج بنے ہوئے ہیں دوسری جانب سے خاموشی وروپوشی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سعودی لوگوں کی اِقامت شریعتِ اسلامیہ کے خلاف اور بے ثبوت ہے یہ تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ قوت ہے کہ آپ کا ہر ہر مسئلہ قرآن وحدیث سے مستنبط ہے آیئے دیکھتے ہیں اِس مسئلے اِقامَۃ میں **حنفی دلائل** کیا ہیں اور کس قوت وشان کے ہیں **پہلی دلیل**۔ مشکوٰۃ شریف بابُ الاَذانِ فصل ثانی ص۶۲ پر ہے۔ وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم عَلَّمَہُ الاَذَانَ تِسْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً وَالاِقَامَۃَ سَبْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ، وَابْنُ مَاجَہ۔ (بَیْنَ السُّطُوْرِ) وَبِھٰذَا قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ **ترجمہ**۔ روایت ہے حضرت ابو محذورہؓ سے کہ بے شک نبی کریم آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اذان کے ۱۹ انیس کلمات سکھائے اور اقامت کے ۱۷ سترہ کلمات سکھائے اِس حدیثِ مقدسہ کو مسند امام احمد بن حنبل نے اور ابو داؤد نے اور نسائی نے اور دارمی نے اور ترمذی نے اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا یہاں سطروں کے درمیان میں لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پاک سے اپنا مسلک بنایا، تمام محدثین وشارحین کے نزدیک یہ حدیث مبارک سنداً ومتناً بالکل درست ہے۔ اور ابو محذورہؓ کی اذان اُنیس کلمات کا واقعہ اس طرح ہے کہ ابو محذورہ ابن مغیرہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اس سے پہلے یہ اسلام کے

خلاف اتنے شدید تھے کہ گلی محلّوں میں توحید ورسالت کے خلاف نعرے لگاتے پھرتے تھے اور مکے کا ہر شخص کافر و مسلمان اُن کی مخالفت و دشمنیٔ اسلام کو جانتا تھا بلکہ ان کو دشمنی کا دیوانہ کہا جاتا تھا جب فتح مکہ ہوا تو خوف سے چھپتے پھرتے تھے۔ لیکن آقاءِ کائنات رحمتِ عالمین حضور اقدس نبی مکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حُسنِ سلوک دیکھ کر اور خون کے پیاسے دشمنوں کو عام معافی دینے کا اعلان سن کر نہایت ادب واحترام سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگئے اور سچی قلبی عقیدت سے اہلِ مکہ میں سے سب میں پہلے ایمان لے آئے۔ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ آپ کی آواز بہت بلند تھا آپ کو حرم شریف کعبہ کا مؤذن مقرر فرما دیا۔ اور اُسی دن جب مسجدِ حرم شریف میں پہلی بار اذان کہی تو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کلمات سکھاتے جاتے تھے اور ابو محذورہ کلمات اذان ادا کرتے جاتے تھے، بہت سے کفار و مسلمان قریب موجود سن رہے تھے تمام کلمات تو بلند آواز سے ادا کئے لیکن اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه پر پہنچے تو سابقہ دشمنی اور مخالفانہ نعروں کا خیال کر کے پاس کھڑے کافروں مسلمان سے شرمندگی کی بنا پر یہ کلمات بہت ہی آہستہ کہے تب آقاءِ دو جہان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ شہادتین کے کلمات باآوازِ بلند دوبارہ دو دو بار کہلوائے۔ اس طرح کلماتِ شہادتین چار مرتبہ ہوگئے یہ واقعہ صرف ایک بار ہی پیش آیا اس نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابو محذورہ نے خود ہی اُسی دِن اپنی اس اذان کا واقعہ لوگوں کو سنایا، جس کا ایک حصہ یہاں محدثین نے نقل فرمایا کہ ابو محذورہ فرماتے ہیں ان کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان کے انیس کلمات تعلیم فرمائے بعد میں جماعت کھڑی ہونے کے وقت اِقامت کے سترہ کلمات سکھائے۔ پورے واقعے کا ذکر اور شہادتین پہلے آہستہ کہنے پھر بلند آواز سے کہلوانے کا ذکر شارحین نے کیا ہے اس پہلی اذان کے بعد باقی تمام اذانیں تاعمر حضرت ابو محذورہ عام اذان چار وقتہ پندرہ کلمات سے ہی ادا کرتے رہے خیال رہے کہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار مؤذن مقرر فرمائے ۱۔ مسجد نبوی شریف کے لیے عام حالات میں حضرت بلال ۲۔ حضرت بلال کی غیر موجودگی میں اور ماہِ رمضان میں اذانِ فجر کے لیے حضرت عبداللہ ابن اُمِّ مکتوم ۳۔ مسجد قبا میں حضرت عبدالرحمٰن بن سعد بن عمّار بن سعد قُرظی ۴۔ مکہ مکرمہ

مسجد حرم کے مؤذن ابو محذورہ ابن مغیرہ مقرر فرمائے گئے ابو محذورہ آپ کی کنیت تھی آپ کے اصل نام میں تین قول ہیں مراۃ شرح مشکوٰۃ شریف جلد اول ص۴۰۴ پر ہے کہ بعض نے فرمایا آپ کا نام سمرہ تھا، بعض نے کہا آپ کا نام اوس تھا بعض نے لکھا کہ آپ کا نام سلمان تھا۔ اکمال فی اسماء الرجال کے ص۳۳ پر ہے۔ ابو محذورۃ۔ هُوَ اَبُو مَحْذُوْرَةَ اِسْمُهٗ سَمُرَةُ بْنُ مِغْيَرَةَ بِكَسْرِ الْمِيْمِ وَقِيْلَ اَوْسُ بْنُ مِغْيَرَ كَ وَهُوَ مُؤَذِّنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ بِمَكَّةَ مَاتَ بِهَا سَنَةَ تِسْعٍ وَّ خَمْسِيْنَ وَلَمْ يُهَاجِرْ۔ وَلَمْ يَزَلْ مُقِيْمًا بِمَكَّةَ حَتّٰى مَاتَ۔ ترجمہ: ابو محذورہ کا نام سمرہ ابن مغیرہ تھا کہا گیا ہے آپ کا نام اوس بن مغیر تھا یہ مکہ مکرمہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر کردہ مؤذن تھے، انہوں نے مکہ مکرمہ سے بالکل ہجرت نہ فرمائی تاعمر مکے ہی میں رہے یہاں تک کہ ۵۹ھ ہجری میں وفات پائی مکے شریف ہی میں، حضرت ابو محذورہؓ کی یہ بیان کردہ حدیث پاک کتنی واضح اور صاف ہے نہ کوئی مجہولیت نہ کوئی الجھن نہ اجمال نہ اخفا نہ مرتین مرتین نہ مرۃً مرۃً تعلیم نبوی کا بھی ذکر ہے اور تعدادِ کلمات کا بھی اقامۃ کے لیے سترہ کلمات مقرر ہو جانے کے بعد پھر تکبیر و اقامۃ کو کم کر دینا ظاہراً تو امام اعظم کے مقابل مسلک بتانا ہے مگر حقیقت میں حدیث پاک کی سراسر مخالفت ہے۔

دوسری دلیل ۔ مشکوٰۃ شریف باب الاذان فصل ثالث ص۶۴ پر ہے۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ۔ طَافَ بِيْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ۔ قَالَ مَا تَصْنَعُ بِهٖ قُلْتُ نَدْعُوْ بِهٖ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِّنْ ذَالِكَ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى قَالَ فَقَالَ تَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اِلٰى اٰخِرِهٖ وَكَذَا الْاِقَامَةَ۔ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا رَاَيْتُ۔ فَقَالَ اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَاَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَاَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَاِنَّهٗ اَنْدٰى صَوْتًا مِّنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ اُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ۔ فَقَالَ فَسَمِعَ بِذَالِكَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَاَيْتُ مِثْلَ مَا اُرِيَ

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، رَوَاہُ التِّرْمِذِی وَاَبُو دَاوُد وَالدَّارمی وَابْنُ مَاجَہ وَقَالَ التِّرْمِذِی ھٰذَا حَدِیثٌ صَحِیحٌ۔ اس کی شرح میں مرقات کی عبارت حاشیہ مٹ پر اس طرح لکھی ہے۔ قَوْلُہٗ لَقَدْ رَأَیْتُ مِثْلَ مَا رَأٰی۔ ھٰذَا الْقَوْلُ صَدَرَ عَنْہُ بَعْدَ مَا حُکِیَ لَہٗ بِالرُّؤْیَا السَّابِقَۃِ۔ ترجمہ حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ جب آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ لوگوں کو نماز کے واسطے جمع کرنے کے لیے یہ عمل کیا جائے کہ کوئی چیز (دف نقارہ یا ناقوس) بجائی جایا کرے تو رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مرد چکر لگا رہا ہے یعنی چل پھر رہا ہے اور اس نے ہاتھ میں ناقوس اٹھایا ہوا ہے، تو اس کو میں نے آواز دی کہ اے اللہ کے بندے کیا تو یہ ناقوس بیچے گا، اس نے پوچھا تم اس کا کیا کرو گے میں نے جواباً کہا کہ ہم اس کو بجا کر لوگوں کو نماز کے لیے بلایا کریں گے، اس شخص نے جواب میں کہا کہ کیا میں تم کو اس سے اچھا طریقہ نہ بتا دوں نماز کے لیے بلانے کا۔ میں نے کہا ہاں ضرور بتایئے تب اس نے مجھ سے کہا کہ تم لوگ ہر نماز کے وقت کہا کرو اللہ اکبر اور آخر تک اس نے مجھے یہ تمام کلمات اذان بتائے سکھائے، اور اتنے ہی آخر تک اس شخص نے خواب میں اقامت کے کلمات سکھائے پھر جب صبح فجر کا وقت شروع ہوا میں حاضر بارگاہ رسالت ہوا اور میں نے رات کی خواب کا یہ پورا واقعہ نبی کریم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا جو کچھ میں نے دیکھا تھا۔ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ خواب انشاءاللہ تعالیٰ حق سچ ہے، لہٰذا اے عبداللہ تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور بلال کو یہ کلمات بتاتے جاؤ اور وہ خوب بلند آواز سے ان کلمات کی آذان دیتے جائیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز والے ہیں تب میں بلال کے ساتھ کسی اونچی جگہ کھڑا ہوا میں اذان کے الفاظ بلال کو بتاتا جاتا تھا اور بلال اذان دیتے جاتے تھے۔ یہ آوازِ اذان سن کر حضرت عمر فاروق اپنے گھر سے جلدی جلدی نکل کر مسجد میں آئے حالانکہ بستر کی چادر بھی اوڑھنے گھسیٹتے چلے آرہے تھے آپ نے یہ خواب کا واقعہ صحابہ سے سنا تو عرض کرنے لگے یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے البتہ بے شک میں نے بھی بالکل ویسی ہی خواب دیکھی ہے جیسے انہوں نے خواب دیکھی، تو

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ (شکر الحمد للہ) اس جگہ مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ ۶۵ میں بحوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ لکھا ہے کہ فاروق اعظم کا یہ کہنا۔ لَقَدْ رَاَیْتُ مِثْلَ مَا رَاٰی۔ آج رات میں نے بھی خواب میں وہی کچھ دیکھا ہے جو عبد اللہ بن زید نے دیکھا یہ خواب سننے کے بعد عرض کیا تھا اس حدیث پاک سے بھی یہ ثابت ہو رہا ہے کہ خواب میں آنے والے بشکل انسانی فرشتے نے اذان کے جتنے کلمات بتائے اتنے ہی تکبیر کے بتائے، یعنی جتنی بار اذان کے کلمات دہرائے اتنی ہی بار تکبیر کے کلمات دُہرائے تکرار کلمات میں تفریق نہ کی، کیونکہ لفظ کَذَا الْاِقَامَۃَ کا معنیٰ ہے کہ تکرار کلمات وتعدادِ کلماتِ اذان وتکبیر کی مقدار میں برابر ہے۔ لفظ کَذَا اسماءِ کنایات میں سے ہے، چنانچہ کافیہ کے ص۴۲ پر ہے۔ اَسْمَاءُ الْکِنَایَاتِ اَرْبَعَۃٌ۔ کَمْ وَکَذَا وَکَیْتَ وَذَیْتَ وَکَذَا لِلْعَدَدِ۔ اے اَلْکِنَایَۃُ لِلْعَدَدِ۔ ترجمہ اسماءِ کنایات چار ہیں۔ کم (۲) کذا (۳) کیت (۴) ذیت، اور کذا عدد ومقدار کے لیے ہوتا ہے، تو کَذَا الْاِقَامَۃُ کا معنیٰ ہوا کہ نمازوں کی تکبیر کی مقدار بھی اتنی ہی ہے جتنی اذان، آج تک بلکہ قیامت تک اسی خواب کے مطابق اذان ہو رہی ہے لہٰذا اقامت بھی خواب کے مطابق ہی ہونا لازم وضروری، خواب کو حق فرمانا بتا رہا ہے کہ یہ خواب الہامِ ربانی تھا، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اذان واقامت میں کوئی تبدیلی نہ فرمائی نہ ہی زبانِ نبوت سے تبدیلی ثابت، اس لیے ادھر اُدھر ہاتھ مار کر بناوٹیں بنا کر اقامۃ کم کرنا گناہ عظیم ہے۔

تیسری دلیل۔ فتاویٰ فتح القدیر جلد اول ص۱۶۹ پر ہے۔ اَلْاِقَامَۃُ مِثْلُ الْاَذَانِ اِلَّا اَنَّہٗ یَزِیْدُ فِیْھَا بَعْدَ الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ مَرَّتَیْنِ ھٰذَا فِعْلُ الْمَلَکِ النَّازِلِ مِنَ السَّمَآءِ وَھُوَ الْمَشْھُوْرُ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ عَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ مُعَاذٍ وَسَمّٰی صَاحِبَ الرُّؤْیَۃِ قَالَ فَجَآءَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ زَیْدٍ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ۔ اِلٰی اَنْ قَالَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ یَعْنِی الْمَلَکَ قَالَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اِلٰی اٰخِرِ الْاَذَانِ۔ قَالَ ثُمَّ اَمْھَلَ ھُنَیْئَۃً۔ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ مِثْلَھَا اِلَّا اَنَّہٗ قَالَ زَادَ بَعْدَ مَا قَالَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ (الخ) وَرَوٰی اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی بِسَنَدٍ قَالَ فِی الْاِمَامِ رِجَالُہٗ رِجَالُ الصَّحِیْحَیْنِ قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ

زَیْدِ الْاَنْصَارِیْ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَاَنَّ رَجُلًا قَامَ وَعَلَیْہِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ فَقَامَ عَلٰی حَائِطٍ فَاَذَّنَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَاَقَامَ مَثْنٰی مَثْنٰی (الخ) ترجمہ۔ اِقَامَۃ بالکل اذان کی مثل ہے (تعداد اور ترتیب وترکیب میں) صرف فرق یہ ہے کہ پنجوقتہ اِقامۃ میں فلاح کے بعد دو مرتبہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ ہے۔ اِسی طرح خواب میں آسمان سے نازل شدہ فرشتے نے اذان اور اِقَامَۃ سکھائی، اور مشہور حدیثِ پاک ہے جو امام ابو داؤد نے روایت فرمائی ابن رض ابی لیلٰی سے انہوں نے روایت کیا حضرت معاذ رض سے اور انہوں نے نام رکھا صَاحِبُ الرُّؤْیَت یعنی خواب والا، حضرت معاذ رض نے فرمایا کہ ایک انصاری شخص عبد اللہ رض بن زید آئے اور انہوں نے اپنی اسی رات کی خواب سنائی، یہاں تک کہ فرمایا خواب میں آنے والے شخص یعنی فرشتے نے اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لیا اور کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، آخر اذان تک کلمات مثل اذان ادا کیے راوی نے فرمایا کہ پھر کچھ دیر وہ فرشتہ خاموش رہا پھر اِقَامَۃ ادا کی تو تمام کلمات اذان کی تعداد وترتیب وترکیب اذان کی طرح ہی ادا کیے مگر راوی صَاحِبُ الرُّؤْیَت عبد اللہ نے فرمایا کہ زیادہ کیا اُس کے بعد جب کہ فرشتے نے کہدیا حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، تو دو مرتبہ کہا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ (الخ) اور روایت فرمایا اسی حدیث پاک کو ایک اور دوسری سند سے ابن ابی شیبہ نے عبد الرحمٰن ابن اَبی لیلٰی سے روایت کر کے، انہوں نے امام ابو داؤد کے بارے میں فرمایا کہ اُن کی سند کے تمام راوی صحیحین (مسلم بخاری) کے راویوں کی طرح ثقہ ہیں اس روایتِ ابن ابی شیبہ میں بیان فرمایا کہ حدیث بیان کی صحابہ نے کہ بے شک عبد اللہ بن زید انصاری حاضر ہوئے بارگاہ رسالت میں پس عرض کیا یا رَسُوْلَ اللّٰہِ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مرد کھڑا ہے اور اُس پر دو سبز چادریں ہیں پھر وہ کھڑا ہوا ایک دیوار پر تب اُس نے دو دو مرتبہ اذان کہی اور اِقَامَۃ بھی دو دو مرتبہ ہی کہی، یہی حدیثِ پاک مشکوٰۃ شریف نے ذرا اختصارًا بیان کی ہے۔ ابو داؤد کی روایت کچھ زیادہ تفصیلی ہے۔

چوتھی دلیل، فتاوٰی شرح عنایہ جلد اوّل علٰی فتح القدیر ص۱۶۹ پر ہے۔ وَرُوِیَ اَنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مَرَّ بِمُؤَذِّنٍ یُوْتِرُ الْاِقَامَۃَ فَقَالَ اِشْفَعْھَا لَا اُمَّ لَکَ۔ ترجمہ۔ اور مروی ہے کہ بے شک مولیٰ علی شیرِ خدا ایک دفعہ ایک مؤذن کے پاس سے گزرے جو اِقَامَۃ کو وتر کر رہا تھا یعنی ہر کلمہ ایک بار کہہ رہا تھا تو آپ نے جھڑکتے ہوئے فرمایا کہ تیری

بیان نہ رہے اقامۃ کو بھی شفع کر یعنی ہر کلمہ کو دو۲ دو۲ بارہ ادا کر (مثلِ اذان) اس حدیث پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں ۱ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ابن عمر رض کی طرف منسوب روایت کہ کَانَ الاَذَانُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم (الخ) جھوٹی بناوٹی ہے، ورنہ مولیٰ علی وتر کرنے سے کبھی منع نہ فرماتے کیا مولیٰ علی زمانۂ نبوی کی اذان و اقامۃ کو جانتے نہ تھے ؟ ۲ مَرَّ بِمُؤَذِّنٍ کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا نہیں نہ عہد نبوی صدیقی وفاروقی وعثمانی کا بلکہ زمانۂ علوی کا ہے جب کہ مولیٰ علی نے اپنا دار الخلافہ کوفے میں بنالیا تھا اور کوفے میں خارجی فرقہ اور ان کی مسجدیں بھی تھیں خارجیوں نے اسلام میں بہت سی بدعتیں اور تخریب کاریں داخل کر دیں تھیں، یہی فرقہ بعد میں معتزلی کہلایا، پھر تیمیائی اور پھر وہابی دیوبندی ان کے بڑے لیڈروں میں ایک یزید پھر حجاج بن یوسف وغیرہ ہوئے سب سے پہلا لیڈر عبد اللہ بن صبا خارجی مصری تھا، اموی حکمران بھی ان ہی میں سے تھے ان کی تخریبات میں سے ۱ تراویح کو کم کرنا ۲ اقامۃ صلوات کو بگاڑنا ۳ مرد کے لیے ریشم کو حلال سمجھنا ۴ خطبۂ جمعہ کو بعد نماز کرنا، مولیٰ علی شیر خدا ان کی ہی کسی مسجد کے پاس سے گزر رہے تھے تب آپ نے اس طرح غلط تکبیر سنی اور مکبر کو جھڑکا اور صحیح مکمل اقامت کہنے کا حکم فرمایا، ورنہ تکبیر و اقامۃ جماعت نماز کے وقت گزرتے کا کیا مقصد، اگر وہ مسجد اہل سنت کی ہوتی تو جماعت بھی وقت پر ہوتی اور مولیٰ علی اس میں شامل ہونے کے لیے مسجد میں ہوتے یا اس وقت اپنی مسجد میں ہوتے ثابت ہوا کہ یہ مسجد خارجیوں کی تھی نہ کہ اہل سنت کی اس وقت مسلمانوں کے دو ہی فرقے تھے ۱ بڑی جماعت اہل سنت ۲ خارجی ٹولہ، رافضی شیعہ ٹولہ مولیٰ علی کے بعد وجود میں آیا، تیسری بات اس حدیث پاک کے آخری الفاظ لَا اُمَّ لَکَ سے ثابت ہو رہی ہے کہ وہ اِقَامَۃ کہنے والا کوئی خارجی شخص ہی تھا ورنہ مولیٰ علی اس قسم کے بد دعائیہ سخت الفاظ سے اس کو جھڑک نہ فرماتے، لَا اُمَّ لَکَ کا اردو آسان ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تیری ماں مرے، بہر حال اس حدیث پاک نے بھی صاف صاف بتا دیا کہ اقامت بھی اذان کی مثل دو۲ دو۲ بار کہنی چاہیے۔ اس طرح کہ اولاً اللہ اکبر کو دو۲ شفع بنائے پھر ہر کلمہ ایک ایک شفع یعنی جوڑا جوڑا، جیسے اذان کہی جاتی ہے۔ پانچویں دلیل۔ فتاویٰ شامی جلد اول صـ ۳۵۶ پر ہے۔ اِنَّ بَدْءَ الاَذَانِ کَانَ بِالْمَدِیْنَۃِ عَلٰی مَا فِیْ مُسْلِمٍ۔ ترجمہ، اذان کی ابتدا مدینہ منورہ سے ہوئی، اسی

حدیث شریف کے فرمان سے جو مسلم شریف میں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل صفحہ ۵۵ پر ہے وَالْاِقَامَةُ سَبْعَ عَشَرَ كَلِمَةً، خَمْسَ عَشَرَةَ مِنْهُ كَلِمَاتُ الْاَذَانِ وَكَلِمَتَانِ قَوْلُهُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ كَذَا فِي فَتَاوىٰ قَاضِي خَان (جلد اوّل صفحہ ۴۷) ترجمہ تکبیر اقامۃ سترہ کلمات ہیں، ان میں پندرہ کلمات تو اذان والے اور دو کلمے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ دو مرتبہ۔ اسی طرح فتاویٰ قاضی خان جلد اوّل صفحہ ۴۷ پر ہے اور فتاویٰ بحر الرائق جلد اوّل صفحہ ۳۵۶ پر ہے وَلِاَنَّ اِقَامَتَ الصَّلٰوةِ اَيْ مِثْلُ الْاَذَانِ فِي كَوْنِهِ سُنَّةَ الْفَرَائِضِ وَفِي عَدَدِ كَلِمَاتِهِ وَفِي تَرْتِيْبِهَا لِحَدِيْثِ الْمَلَكِ النَّازِلِ مِنَ السَّمَاءِ فَاِنَّهُ اَذَّنَ مَثْنٰى مَثْنٰى وَاَقَامَ مَثْنٰى مَثْنٰى۔ ترجمہ نمازوں کی تکبیر و اقامۃ اس کی مثل ہے یعنی اذان کی مثل ہے تین چیزوں میں ۱ فرضوں کی جماعت کی سنت ہے اور ۲ اذان کے کلمات کے تعداد کی برابری میں ۳ ترتیب وار ادا کرنے میں اس حدیث مقدسہ کے حکم کی وجہ سے جس میں آسمان سے اُترنے والے فرشتے کا ذکر ہے اس فرشتے نے اذان کے کلمات بھی دو دو بار ادا کئے تھے اور اقامۃ کے کلمات بھی دو دو بار ادا کئے تھے چھٹی دلیل، فتاویٰ دُرّ مختار (جلد اوّل صفحہ ۳۶۰ پر ہے وَقَدْ قَالَ الطَّحَاوِيُّ تَوَاتَرَتْ عَنْ بِلَالٍ اَنَّهُ كَانَ يُثَنِّي الْاِقَامَةَ حَتّٰى مَاتَ وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ وَغَيْرِهِ۔ ترجمہ، اور طحاوی شریف نے متواتر احادیث کثیرہ کا ذکر فرمایا کہ حضرت بلال مؤذنِ مسجد نبوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ ہر نماز کی اقامۃ کے کلمات دو دو بار ہی ادا فرماتے تھے تا عمر۔ یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے اس کا پورا تفصیلی بیان فتاویٰ بحر الرائق اور دیگر کثیر کتبِ فتاویٰ میں موجود یعنی حضرت بلال رض کے متعلق ایسی تو بے شمار احادیث موجود اور حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جن میں اقامت مثلِ اذان دو دو مرتبہ ادا کرنے کا ذکر ہے مگر ایسی ایک بھی صحیح حدیث موجود نہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ حضرت بلال رض نے کبھی کسی نماز کی تکبیر ایک بار پڑھی ہو۔ یہاں تک تو نہایت مضبوط دلائل سے ہم نے ثابت کر دیا کہ نمازوں کی اقامت بھی ہر کلمے کو دو دو بار ادا کرنا ہی سنتِ صحابہ سنتِ خلفاءِ راشدین سنتِ تابعین سنتِ تبع تابعین اور چاروں نبوی مؤذنین بلال رض، ابن اُمّ مکتوم رض، عبد الرحمٰن بن سعد، ابو محذورہ رض کی سنتِ ابدی دائمی ہے۔ ایک ایک بار کہنے پر عقلی، نقلی، سمعی کوئی بھی مضبوط دلیل موجود

نہیں، تو پھر یہ اقامت کو بگاڑنے اور کم کرنے کی تخریب کاری وسنتِ مقدسہ کی خلاف ورزی کب اور کیوں شروع ہوئی، آیئے ہم بتاتے ہیں۔ ساتویں دلیل، فتاویٰ فتح القدیر جلد اوّل صفحہ ۱۷۸ پر ہے۔ وَعَنْ اِبْرَاهِیْمَ النَّخَعِیْ، کَانَتِ الْاِقَامَةُ مِثْلَ الْاَذَانِ حَتّٰی کَانَ هٰؤُلَاءِ الْمُلُوْکُ نَجْعَلُوْهَا وَاحِدَةً وَاحِدَةً لِلسُّرْعَةِ اِذَا خَرَجُوْا یَعْنِیْ بَنِیْ اُمَیَّةَ کَمَا قَالَ اَبُوالْفَرَجِ بْنُ جَوْزِیْ کَانَ الْاَذَانُ وَالْاِقَامَةُ مَثْنٰی مَثْنٰی۔ فَلَمَّا قَامَ بَنُوْ اُمَیَّةَ اَفْرَدُوا الْاِقَامَةَ۔ ترجمہ۔ اور حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شروع زمانے میں ہر نماز باجماعت کی اقامت (تعداد کلمات و ترتیب ادا میں) اذان کی مثل ہی تھی اور ہوتی رہی یہاں تک کہ ان لوگوں کی ملوکیت و بادشاہت آگئی تو ان ظالموں فاسقوں نے اقامت کو بھی بگاڑ کر کسی جلد بازی کی بنا پر کم کر کے ایک ایک مرتبہ کر دیا۔ جب خروج کیا انہوں نے یعنی بنی اُمیہ نے۔ جیسا کہ فرمایا امام ابوالفرج بن جوزی نے کہ پہلے ہر دور میں اذان اور اقامت کا ہر کلمہ دو دو بار ہی کہا جاتا تھا، پھر جب دین میں تخریب کاری کرنے والے بنی اُمیہ کے بادشاہ اُٹھ کھڑے ہوئے تو انہوں نے اقامت کو ایک ایک مرتبہ کر دیا۔ یہ ہم نے پہلے بتا دیا کہ اقامت کو بگاڑنے کم کرنے کی ابتدا انفرادی فرقہ بازی کے طور پر کوفہ کے خوارج نے کی۔ مگر حکومت اور بادشاہی کے زور پر اقامت کو خلافِ سنتِ نبوی قولی بنا کر کم کرنے کا رواج بنو اُمیہ کے اُمرا و زرا سلاطین نے ڈالا، اور غالباً سابقہ دونوں روایتیں (حضرت انس و ابن عمر والی) انہی کے کہنے پر بنائی گئی ہوں گی، ائمہ ثلاثہ نے ذرہ تدبر نہ فرمایا اور آنکھیں بند کر کے اُن کے استدلال سے خلافِ حقیقت اپنا مسلک بنا لیا۔ اور اسی کمزور مسلک کو سعودیوں وغیر مقلد وہابیوں نے اپنا لیا۔ سعودی لوگ اپنی حکومت کے زور پر اسلامی شعائر میں اس قسم کی بدعاتِ سیئات داخل کرتے چلے جا رہے ہیں، مسلمانوں کی عبادات اور اپنے ایمانیات خراب و برباد کر رہے ہیں۔ مگر کوئی روکنے ٹوکنے منع کرنے والا نہیں۔ وَاِلَی اللّٰهِ الْمُشْتَکٰی۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

۲۳

تئیسواں فتویٰ

سجدے میں زمین پر لگنے والے ضروری اعضا کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ سجدے میں کتنے اعضا زمین پر لگنے ضروری ہیں جن کے بغیر سجدۂ نماز اور سجدہ سہو یا تلاوت یا سجدۂ شکر اور سجدۂ دعا مکمل نہیں ہوتا، ہماری مسجد کا امام صاحب فرماتا ہے کہ سجدے میں زمین پر ناک لگنا بھی واجب ہے۔ اگر کسی نے ناک سجدے میں نہ لگائی تو سجدہ غلط ہو گیا اور جس نماز کا سجدہ غلط ہو وہ ساری نماز خراب ہو گئی، وہ نماز دوبارہ پڑھنی لازم ہے فرض ہو یا واجب سنت ہو یا نفل اسی طرح تلاوت کے سجدے اور تمام سجدوں کا یہی حکم ہے۔ یعنی اگر کسی بھی سجدے میں ناک زمین پر نہ لگی تو وہ سجدہ غلط ہوا دوبارہ سجدہ کرنا پڑے گا۔ یہ مسئلہ ہمارے امام صاحب نے ایک درس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ مگر ایک نمازی نے کہا کہ مولوی صاحب نے یہ مسئلہ غلط کیا ہے، ہم نے علماء سے سنا ہے کہ اگر کسی وقت کسی سجدے میں کسی نمازی نے جان بوجھ کر بھی ناک زمین پر نہ لگائی بغیر عذر کے تب بھی سجدہ درست ہو گا۔ نہ نماز خراب ہو گی نہ کوئی دوسرا سجدہ تلاوت وسہو وشکر وغیرہ، اور نہ نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی نہ کوئی سجدہ، فرمایا جائے کہ کس کی بات درست ہے امام صاحب کی یا اُس نمازی کی جو کہتا ہے کہ ہم نے علماء سے سنا ہے کہ ناک زمین پر لگانا ضروری نہیں۔ فقط والسلام بَیِّنُوا تُؤجَرُوا، دستخط سائل نذیر حسین ولد کبیر حسین ملتان پاکستان، براہِ کرم جلدی مکمل با دلائل باحوالہ شرعی فتویٰ عطا فرمایا جائے۔ ہم سب منتظر ہیں۔ واضح رہے کہ ہم سب لوگ مقتدی اور امام صاحب حنفی مسلک ہیں۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

۹۸/۵/۳

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق ہر سجدے میں زمین پر ماتھا لگانا فرض ہے اور ناک لگانا نفل ومستحب ہے کیونکہ ناک بذاتِ خود سجدے میں شامل نہیں ہے وہ صرف ماتھے کو اُس کے زاویے پر درست رکھنے کیلئے لگائی جاتی ہے اس لیے کہ اگر ناک اُٹھی رہے تو اُٹھنا

زیادہ بھی ہو سکتا ہے تھوڑا بھی اگر ناک زیادہ اُٹھی رہے تو سجدے میں پیشانی اور ماتھے کے بجائے سر کا اگلا حصہ زمین پر لگے گا اور سجدہ پگڑی کے پیچ پر یا ٹوپی کے اگلے کنارے پر ہوگا اور یہ مکروہ ہے اگر پگڑی یا ٹوپی ڈھلک کر ماتھے پہ آجائے تب تو پگڑی کے پیچ اور ٹوپی کے کنارے پر سجدہ جائز ہے کیونکہ اس طرح ماتھا ہی زمین پر ہوگا۔ لیکن اگر ماتھے پہ پگڑی ٹوپی نہیں ماتھا ننگا ہے تو پھر بھی سر گردن ٹیڑھی کر کے پگڑی یا ٹوپی پر سجدہ ممنوع ہے کیونکہ یہ ماتھا لگائے بغیر سجدہ ہوگا

یعنی زمین پر سر لگایا نہ کہ ماتھا، تو ناک اس لیے لگانا مستحب ہوئی تاکہ ماتھا اپنے زاویہ پر درست لگ جائے، بذاتِ خود ناک زمین پر لگانا سجدے کا حصہ نہیں ہے۔ اگر کسی نمازی یا کسی سجدۂ شکر، تلاوت یا سہو کرنے والے نے زمین پر ناک نہ لگائی اور تھوڑی سی اٹھی رہنے دی تو سجدہ درست ہوگا۔ اور ناک نہ لگنے میں کوئی مضائقہ نہیں جن امام مسجد صاحب نے ناک لگانے کو واجب کہا ہے وہ غلطی پر ہیں سجدہ میں زمین پر ناک واجب نہیں ہے۔ چنانچہ مجموعہ احادیث کی مشہور کتاب کنوز الحقائق علی جامع صغیر جلد اول ص۱۴۷ پر ہے۔ اَلسُّجُوْدُ عَلَی الْجَبْهَةِ فَرِيْضَةٌ وَعَلَی الْاَنْفِ تَطَوُّعٌ رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ مُسْنَدُ الْفِرْدَوْسِ ترجمہ پیشانی پر سجدہ فرض ہے اور ناک پر سجدہ کرنا نفل ہے یعنی سجدے میں ماتھا لگانا فرض ہے اور زمین پر ناک لگانا نفلی مستحب ہے نہ کہ فرض یا واجب اور مستحب و نفلی کام کے بغیر بھی عبادت درست رہتی ہے۔ لہذا اگر کسی شخص نے ناک سجدے میں نہ لگائی تب بھی سجدہ اور نماز درست رہیں گے دوبارہ نہ پڑھی جائے گی۔ اس حدیث پاک کو دیلمی شریف نے بھی روایت کیا اور مسند فردوس نے بھی اور اگر بغیر عذر بھی کسی وقت کبھی کبھو جہ سے۔ بحالتِ سجدہ ناک زمین پر نہ لگائی تب بھی جائز ہے اور آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول طبع ایچ، ایم سعید کراچی ص۱۱۵ پر ہے عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّيْنِ حَتّٰى رَاَيْتُ اَثَرَ الطِّيْنِ فِيْ جَبْهَتِهِ ترجمہ حضرت ابو سلمہ رض سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک بار ابو سعید خدری رض سے (یہی ناک لگانے کا مسئلہ) پوچھا تو آپ نے جواباً فرمایا کہ میں نے کئی بار آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ جب ... سجود میں

بارش سے چھت ٹپکنے کی بنا پر کیچڑ ہوتی) اور آپ اُسی مٹی پانی والی زمین پر سجدہ کرتے تو مٹی کا اثر صرف آپ کی پیشانی پر ہوتا۔ ناک پر نہ ہوتا، حضرت ابوسعید خدری اِس جواب اور چشم دید واقعے سے یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ زمین پر بحالتِ سجدہ ناک لگانا ضروری نہیں، کیونکہ نبی کریم آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی بینی اقدس زمین پر نہ لگاتے تھے جس کو ایک روز کیچڑ کی وجہ سے ہم نے خود بھی دیکھ لیا کہ گیلی مٹی کا اثر یعنی گیلی مٹی صرف جبین سعادت پر لگی ہوئی ہے بینی مبارک پر نہیں لگی اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ناک مبارک بھی زمین سے لگائی ہوتی تو یقیناً اس پر بھی گیلی مٹی لگی ہوتی ثابت ہوا کہ سجدہ میں زمین پر ناک لگانا نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ عمل شریف نے واضح بتا دیا کہ ناک لگانا نفلی مستحب ہے لگاؤ تو بہتر نہ لگاؤ تب بھی جائز اور سجدہ درست ہوگا۔ اس روایتِ مقدسہ میں لفظ رَاٰیتُ اور لفظ یَسْجُدُ نے بتایا کہ یہ واقعہ ایک دفعہ نہیں ہوا بلکہ چند بار کیا ہوا رَاٰیتُ فعل ماضی نے یَسْجُدُ فعل مضارع کو ماضی استمراری بنا دیا۔ اب یَسْجُدُ کا ترجمہ یہ نہیں کہ سجدہ کرتے ہیں یا کر رہے ہیں۔ بلکہ اِس کا معنی ہے کَانَ یَسْجُدُ کئی بار ایسا سجدہ کرتے تھے (کہ ناک زمین پر نہ لگی ہوتی) اگر ناک لگانا واجب یا فرض ہوتا تو آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ناک مبارک بھی زمین پر لگایا کرتے، حالانکہ ثابت ہو چکا کہ ایسا نہیں، فرض و واجب ہونا تو بڑی بات ہے ناک لگانا تو سنت موکدہ بھی نہیں۔ اس کی وجہ یہ کہ اسلامی شریعت میں صرف سات اعضا کا زمین پر لگنا سجدہ ہے ۱ سیدھے پیر کی انگلیاں قبلہ رُخ کرنا ۲ اُلٹے یعنی بائیں پیر کی انگلیاں قبلہ رخ کرنا ۳ داہنا گھٹنا زمین پر لگانا ۴ بایاں گھٹنا زمین پر لگانا ۵ داھنا ہاتھ یعنی کھلی ہتھیلی پوری طرح زمین پر لگانی ۶ بایاں ہاتھ یعنی پوری طرح کھلی کفِ دست (ہتھیلی) زمین پر لگانی ۷ پیشانی ماتھا زمین پر لگانا، غرضکہ دو پاؤں دو ہاتھ، اور دونوں گھٹنے اور ایک پیشانی زمین پر لگانے کا نام اسلامی سجدہ ہے چنانچہ ابو داؤد شریف جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ باب اَعْضَاءِ السُّجُوْدِ ص ۱۲۹ پر ہے۔ قَالَ حَمَّادٌ اُمِرَ نَبِیُّکُمْ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اَنْ یَّسْجُدَ عَلٰی سَبْعَۃٍ۔ ترجمہ، حضرت حماد نے فرمایا کہ تمہارے نبی آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (رب تعالیٰ کی طرف سے) حکم دئے گئے کہ سجدہ فرمایا کریں سات اعضاء پر حاشیہ ابو داؤد میں اِس حدیث پاک کی تشریح اس طرح لکھی ہے۔ قَوْلُہٗ عَلٰی سَبْعَۃٍ

اَیْ عَلَی الْجَبْھَۃِ وَالْیَدَیْنِ وَالرُّکْبَتَیْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَیْنِ اِعْلَمْ اَنَّ فِیْ مَذْھَبِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ لَوْ وَضَعَ جَبْھَتَہٗ دُوْنَ اَنْفِہٖ جَازَ بِالْاِتِّفَاقِ۔ ترجمہ حدیث پاک کا فرمان کہ سات اعضا پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اُس کا معنٰی ہے کہ پیشانی پر اور دو ہاتھوں پر اور دو گھٹنوں پر اور دونوں قدموں کے اگلے کناروں پر جان لے کہ بیشک امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے سجدے میں ماتھا زمین پر لگا دیا ناک نہ لگائی تو بھی سجدہ جائز و درست ہے تمام کے اتفاق سے یعنی اُن حنفی فقہا کا اس مسئلے میں اتفاق ہے جو مجتہد فی الفروع ہیں جیسے امام یوسف امام محمد امام ظفر امام حسن، امام اکثم امام ابن عطیہ وغیرہم یہ حضرات ائمہ مجتہد فی الفروع ہیں اور امام اعظم کے شاگرد ہیں کئی مسائل میں آپس میں بھی اور اپنے اُستادِ جلیل سے بھی فروعی اختلاف کر جاتے ہیں اگرچہ امام اعظم رض کے دلائل نہایت مضبوط ہوتے ہیں اسی لیے جن مسائلِ مختلفہ میں امام اعظم کا قول موجود ہوتا ہے وہاں قولِ امام پر ہی فتویٰ جاری ہوتا ہے۔ یہاں بالاتفاق فرما کر شارح علیہ الرحمۃ نے یہ بیان فرمایا کہ سجدے کے اِس مسئلے میں تمام اُن مندرجہ بالا مجتہدین فی الفروع حنفی فقہا کا امام اعظم کے ساتھ اتفاق ہے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ یہاں لفظ بالاتفاق فرمانے سے ائمہ ثلاثہ کا اتفاق مراد نہیں۔ یہ تو اعضاءِ سجدہ کے بارے میں شارحین کا قول تھا خود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی اعضاءِ سجدہ کی یہی تفصیل مذکور ہے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول ص۱۱۲ پر ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اُمِرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّسْجُدَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَعْضَاءٍ وَلَا یَکُفَّ شَعْرًا وَّلَا ثَوْبًا اَلْجَبْھَۃِ وَالْیَدَیْنِ وَالرُّکْبَتَیْنِ وَالرِّجْلَیْنِ

ترجمہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین چیزوں کا حکم دئیے گئے ایک یہ کہ سجدہ سات اعضا پر کیا جائے یعنی ہر سجدے میں زمین پر سات اعضا لگائے جائیں دوم یہ کہ بحالتِ نماز بالوں کا جوڑا نہ باندھا جائے (نہ عورت اپنے بالوں کی چٹیا کا نہ مرد اپنی زلفوں کا کیونکہ اُس زمانے میں یہ آتش پرستوں کا مذہبی نشان تھا اور آج کل سکھوں کا) سوم یہ کہ لباس پہنے ہوئے کپڑے کو بھی بحالتِ نماز نہ لپیٹا جائے (نہ آستینوں کو نہ پائچوں کو اگر وضو کے لیے آستینیں چڑھا کر لپیٹی ہوں یا کسی وجہ سے پائنچے چڑھائے لپیٹے ہوں تو نماز پڑھنے سے پہلے اُتار کر سیدھے کر لے) بعض جاہل بیوقوف نماز کے وقت پائنچے

چڑھا لیتے ہیں ان کو جاہل خطیبوں نے یہ مسئلہ بنا یا ہوا ہے کہ نماز میں ٹخنے ننگے رکھنے چاہئیں حالانکہ یہ حکم صرف نماز کے لیے نہیں بلکہ ہر وقت کے لیے ہے اور ٹخنے ننگے رکھنے کا مسئلہ نہیں بلکہ پائنچے ٹخنوں سے اونچے رکھنے کا حکم ہے ایسے ہی تہبند کا حکم ہے تاکہ چلتے پھرتے پائنچے اور بندھا ہوا تہبند زمین سے لگ کر پلید نہ ہو۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے مگر ابلیسِ لعین نے مسلمانوں کی نمازیں برباد کرنے کے لیے عجیب احمقانہ مسئلہ اور وسوسہ پھیلا دیا۔ رب تعالیٰ مسلمانوں کی جہالت دور فرمائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اعضاء کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے بتایا کہ سجدہ کرنے میں ایک پیشانی دو ہاتھ دو گھٹنے اور دو پاؤں زمین پر لگانے کا حکم دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام سے یہ تفصیل اس لیے مروی ہوئی کہ خود آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہی تفصیل ارشاد فرمائی۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اوّل ہی ص۱۱۲ پر انہی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت ہے۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وآلہٖ وسلّم قَالَ اُمِرْنَا اَنْ نَّسْجُدَ عَلٰی سَبْعَةِ اَعْظُمٍ۔ ترجمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روایت فرمایا آقاءِ کائنات حضورِ اقدس نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ہم سب حکم دئے گئے ہیں اس بات کا ہم جب بھی سجدہ کریں تو ہمیشہ سات ہڈیوں پر کریں یعنی سات ہڈیاں زمین پر لگائیں۔ مشکوٰۃ شریف بابُ السُّجُوْدِ وَفَضْلِہٖ فصلِ اوّل ص۸۳ پر ہے ان ہی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت ہے۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَی الْجَبْهَةِ وَالْیَدَیْنِ وَالرُّکْبَتَیْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَیْنِ (الخ) مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ ترجمہ، روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ آقاءِ دوجہان سرورِ عالمین نے ارشاد فرمایا کہ میں حکم دیا گیا ہوں کہ سجدہ کروں میں سات ہڈیوں پر ایک پیشانی، دو ہاتھ، دو گھٹنے اور دونوں قدموں کے اگلے کنارے پر۔ اس کو بخاری نے بھی نقل کیا اور مسلم نے بھی۔ اس کی شرح بحوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ، حاشیہ ۹ ص۸۳ پر اس طرح مذکور ہے۔ قَوْلُہٗ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَةِ اَعْظُمٍ۔ جَمْعُ عَظْمٍ اَیْ اُمِرْتُ بِاَنْ اَضَعَ هٰذِهِ الْاَعْضَاءَ السَّبْعَةَ عَلَی الْاَرْضِ اِذَا سَجَدْتُ۔ قَالَ الْقَاضِیْ قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وآلہٖ وسلّم اُمِرْتُ یَدُلُّ عُرْفًا عَلٰی اَنَّ الْاٰمِرَ هُوَ اللّٰہُ تعالیٰ وَذَالِكَ یَقْتَضِیْ وُجُوْبَ وَضْعِ هٰذِهٖ

هٰذِهِ الْاَعْضَاءِ فِي السُّجُوْدِ عَلَى الْاَرْضِ - وَلِلْعُلَمَاءِ فِيْهِ اَقْوَالٌ - فَاَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ ... اَنَّ الْوَاجِبَ وَضْعُ جَمِيْعِهَا اَخْذًا بِظَاهِرِ الْحَدِيْثِ وَالْقَوْلُ الْاٰخَرُ اَنَّ الْوَاجِبَ وَضْعُ الْجَبْهَةِ وَحْدَهُ لِاَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اقْتَصَرَ عَلَيْهِ فِي قِصَّةِ رِفَاعَةَ - ثُمَّ قَالَ وَعِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ يَجِبُ وَضْعُ اَحَدِ الْعُضْوَيْنِ مِنَ الْجَبْهَةِ وَالْاَنْفِ لِوُقُوْعِ اِسْمِ السُّجُوْدِ عَلَيْهِ (الخ) وَعِنْدَ مَالِكٍ وَالْاَوْزَاعِيِّ وَالثَّوْرِيِّ وُجُوْبُ وَضْعِهِمَا مَعًا - ترجمہ، حدیث مقدسہ کا فرمان نبوی کہ میں حکم دیا گیا ہوں کہ سجدہ کیا کروں سات ہڈیوں پر ان کو زمین پر لگا کر اعظم جمع ہے عظم کی بمعنی ہڈی یعنی میں اسباب کا حکم دیا گیا ہوں کہ جب سجدے کروں کرواؤں تو ان سات اعضا کو زمین پر لگا دوں۔ قاضی نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اُمِرْتُ عرفا یہ بتا رہا ہے کہ بے شک حکم دینے والا وہ اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کا حکم دینا اس چیز کو بندوں پر واجب کر دیتا ہے یہ کلیہ قاعدہ قانونی تقاضا کرتا ہے کہ زمین پر یہ اعضاء رکھنے واجب ہیں۔ اور علماء فقہاء کے اس مسئلے میں چند قول ہیں امام شافعی رضی اللہ عنہ اور امام احمد بن حنبل کے سجدے کے اس مسئلے میں دو قول مشہور ہیں۔ ۱۔ کچھ لوگ فرماتے ہیں کہ ان دونوں اماموں کے نزدیک سجدے میں ان سب سات اعضا کا زمین پر لگانا واجب ہے حدیث پاک کے ظاہری الفاظ لیتے ہوئے یہی بات ان دونوں کے نزدیک درست ہے کہ دونوں پاؤں دونوں گھٹنے دونوں ہاتھ اور ایک ماتھا زمین پر رکھنا واجب ولازم ہے ۲۔ اور کچھ لوگوں نے ان دونوں اماموں کا دوسرا قول بیان کیا کہ دونوں کے مسلک میں فقط اکیلی پیشانی زمین پر رکھنی سجدے میں واجب وضروری ہے اس دوسرے قول کی دلیل یہ کہ حضرت رفاعہ کے واقعہ کے دوران نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ سجدے میں صرف اپنی پیشانی زمین پر لگائی تھی اور اس سے سجدہ مکمل فرما لیا تھا۔ ثابت ہوا کہ صرف پیشانی زمین لگا دینا ہی اصل سجدہ ہے اس سے ہی سجدہ مکمل ہو جاتا ہے۔ باقی چھ اعضا تو پیشانی رکھنے میں مدد دینے کے لیے رکھے جاتے ہیں، پھر قاضی نے فرمایا، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے کہ پیشانی اور ناک میں سے ایک عضو ضرور رکھا جائے کیونکہ ان دونوں (ماتھا وناک) میں سے ایک زمین پر لگا دینے کا نام سجدہ کرنا ہے۔ (پھر آگے چل کر فرمایا) اور امام مالک وعلامہ اوزاعی ثوری کے نزدیک سجدے ان دونوں (ماتھے اور ناک) کا زمین پر لگانا ایک ساتھ واجب ہے اس تشریحی عبارت سے ثابت ہوا کہ تین اماموں کے مسلک میں اصل سجدہ صرف ماتھا لگانا ہے۔ امام اعظم کے نزدیک

اگر ماتھا نہ لگایا جا سکے کسی عذر کی وجہ سے (مثلاً ماتھے پر زخم وغیرہ ہو) تو صرف ناک لگانے سے بھی بوجہ مجبوری سجدہ مکمل اور درست ہو جائے گا، ہاں البتہ امام مالک کے نزدیک ناک اور ماتھا دونوں لگانے واجب ہیں۔ مذکورہ فی السوال امام مسجد نے غالبًا امام مالک علیہ الرحمۃ کا مسلک کسی کتاب میں دیکھ کر بیان کر دیا مگر یہ نہ سوچا کہ وہ خود بھی اور تمام مقتدی بھی حنفی مسلک والے ہیں دوسرے مسلک کا مسئلہ بتانا درست نہیں، نیز امام مالک کا یہ مسلک کمزور بھی ہے کیونکہ شارحین اور صحابہ کرام بلکہ خود فرمانِ نبوی کی تفصیلی وضاحت کے خلاف ہے، ان تینوں تفصیلات میں اعضاءِ سجدہ کے اندر کہیں بھی ناک لگانے کا ذکر تک نہیں نہ ہی سات اعضاءِ سجدہ میں کسی کے تفصیلی بیان نے ناک کو شمار کیا۔ امام مالک کے پاس اپنے مسلک پر صرف یہ ایک دلیل ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں زمین پر چہرہ رکھا جاتا ہے اور چہرے میں ماتھا اور ناک شامل لہٰذا دونوں واجب، فقہ مالکی کی کتب میں بس یہی ایک دلیل لکھی ہوئی ہے میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل انتہائی کمزور ہے اس لیے کہ احادیث مبارکہ کے تفصیلی بیان میں جَبْهَةٌ کا لفظ ہے نہ کہ وَجْهَةٌ یا وَجْهٌ کا اور لفظ جَبْهَةٌ کا معنی پیشانی اور ماتھا ہے نہ کہ چہرہ، چہرے کی عربی وَجْهَةٌ اور وَجْهٌ ہے، نیز اگر سجدے میں چہرہ رکھنے کا حکم دیا جاتا تو پھر تو اگر کوئی دا ھنا رخسار زمین پر لگا دیتا یا بایاں رخسار یا ٹھوڑی (ذَقَنُ داڑھی) تب بھی سجدہ درست ہو جاتا کہ ناچہرے میں تو یہ بھی شامل ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگر کسی نے سجدے میں زمین پر قدم بھی درست لگا دئیے دونوں ہاتھ بھی لگا دئیے مگر ماتھا نہ لگایا بلکہ اُس کی بجائے کوئی سا رُخسار زمین لگایا، یا ٹھوڑی اور ذقن لگا دی تو سجدہ قطعًا نہ بنے گا۔ ثابت ہوا کہ اصل سجدہ ماتھا لگانا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ہاتھ پاؤں گھٹنے کسی سجدے میں نہ بھی لگیں یا نہ لگائے جاسکیں بوجہ معذوری اور صرف ماتھا زمین یا کسی اونچی نیچی جگہ پر لگ جائے تو سجدہ درست ہو جائے گا۔ جو نمازی شخص بوجہ معذوری زمین تک نہیں جھک سکتا وہ اگر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس پر فرض ہے کہ سامنے اپنے برابر اونچی میز رکھے اور سجدہ کرتے وقت اُس پر پیشانی لگائے تب درست ہوگا، صرف سر جھکا دینے کا اشارہ کافی نہ ہوگا۔ اشارہ کا سجدہ صرف اس معذور کے لیے جائز ہے جو بیٹھ کر بھی نماز نہ پڑھ سکے صرف لیٹ کر پڑھے، کیونکہ اصل سجدہ ماتھا لگانا ہے اسی لیے فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے مصافحہ کرتے ہوئے

دوسرے کے ہاتھ پر پیشانی رکھدی یا کسی مزار پر جھک کر کھڑے کھڑے پیشانی لگادی تو ایسا کرنے والا سخت گناہِ کبیرہ کا گناہگار ہوگا۔ کیونکہ اُس نے سجدے کا ارتکاب کیا اور یہ اُس کا کسی کے ہاتھ پر ماتھا لگانا یا قبر کے پاس کھڑے کھڑے جھک کر قبر پر ماتھا لگانا بھی سجدۂ تعظیمی ہے اور غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی کرنا ہر شریعت میں حرام ہے۔ فتاوٰی شامی جلد اول ص ۴۱۶ پر ہے وَمِنْهَا السُّجُوْدُ هُوَ لُغَةً اَلْخُشُوْعُ۔ قَامُوْس۔ وَفَسَّرَهُ فِي الْمُغْرِبِ بِوَضْعِ الْجَبْهَةِ عَلَى الْاَرْضِ۔ ترجمہ: فرائض نماز میں سے ایک فرض سجدہ کرنا بھی ہے قاموس اللغات میں سجدے کا معنٰی ہے خضوع یعنی انتہائی عاجزی دکھانا۔ اور فتاوٰی مغرب میں سجدے کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ماتھا زمین پر لگانا ہی اصل سجدہ ہے۔ مذکورہ بالا احادیث سجدہ کے الفاظ اُمِرْنَا اور اُمِرْتُ کی تشریح میں علماء شارحین فرماتے ہیں کہ یہ سات اعضاء پر سجدہ صرف شریعتِ اسلام کا سجدہ ہے اسی لیے اُمِرْنَا اور اُمِرْتُ کی خصوصیت فرمائی گئی اس کے باوجود کہ پہلی شریعتوں میں سجدہ موجودہ اسلامی سجدے سے کچھ مختلف ہوتا تھا مگر زمین پر پیشانی لگانا ہر شریعت کے سجدے میں قائم رہا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ ماتھا لگانا ہی اصل حقیقتِ سجدہ ہے ناک لگانا اتنا ضروری نہیں ہے، چنانچہ فتاوٰی فتح القدیر کے حاشیہ پر فتاوٰی اَلعنایہ علی الہدایہ جلد اوّل ص ۲۱۳ پر ہے۔ اَنَّ مَحَلَّ السُّجُوْدِ هٰذِهِ الْاَعْضَاءُ لَا عَلٰى اَنَّ وَضْعَهَا لَازِمٌ لَا مُحَالَةَ وَالْاَنْفُ غَيْرُ هٰذِهِ الْاَعْضَاءِ الْمَذْكُوْرَةِ فَلَا يَكُوْنُ مَحَلًّا لِلسَّجْدَةِ۔ ترجمہ بے شک سجدہ کا محل اور سجدے کی جگہ یہ سات اعضا ہیں اس کا معنٰی یہ نہیں ہے کہ یہ سب ہی لازم فرض ہیں اور یہ ناک اور ناک ان مذکورہ سات اعضا کے علاوہ ہے اس لیے کہ وہ ناک سجدے کا محل نہیں ہے۔ اور فتاوٰی فتح القدیر جلد اول ص ۲۱۳ پر ہے۔ فَفِي النِّهَايَةِ اَنَّ وَضْعَ الْجَبْهَةِ يَتَاَدّٰى بِهِ الْفَرْضُ بِاِجْمَاعِ الثَّلَاثَةِ وَهُوَ ظَاهِرٌ مِنَ الْهِدَايَةِ ترجمہ، فتاوٰی نہایہ میں ہے کہ بے شک پیشانی کا رکھنا ادا ہو جاتا ہے اس سے سجدے کا فرض تینوں اماموں کا اس میں اجماعی اتفاق ہے، ہدایہ شریف کی عبارت سے بھی یہ ہی ثابت وظاہر ہے کہ سجدے میں ماتھا پیشانی زمین پر رکھدینا کافی ہے اسی سے فرضِ سجدہ ادا ہو جاتا ہے ناک لگے یا نہ لگے۔ اسلامی سجدے پانچ قسم کے ہیں اور ہر سجدے میں سات کام ہوتے ہیں ۱۔ نماز کے سجدے کہ ہر رکعت کے ساتھ دو

سجدے یہ عالمِ ارواح کے روحانی سجدوں کی یادگاری نقل ہے کہ تمام ارواح نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا قولی جواب دیا تھا قَالُوْا بَلٰی سے اور مومن روحوں نے لسانی جواب کے ساتھ عملی جواب بھی دیا تھا، سجدہ کر کے جب ایک سجدے سے سر اٹھایا تو دیکھا کہ کچھ روحوں نے سجدہ نہ کیا ان کو بتایا گیا یہ کافر روحیں ہیں انہوں نے صرف قولی اقرار کیا ہے عملی اقرار نہیں تب مومن روحوں نے اپنی خوش قسمتی پر دوسرا سجدۂ شکر ادا کیا۔ یہ ہر رکعت کے دو سجدے انہی دو سجدوں کی یادگار اور نقل ہے از فتاوی بحر الرائق، فتاوی فتح القدیر نے فرمایا کہ یہ دو سجدے ابلیس شیطان کو جلانے تڑپانے کے لیے ہیں جب مومن دو سجدے کرتا ہے تو ابلیس جلتا کڑھتا افسوس کرتا ہوا اپنے شیطانوں سے کہتا ہے کہ ہائے افسوس مجھے ایک سجدے کا حکم ہوا تھا میں نے وہ بھی نہ کیا مگر ایمان والے اپنے رب تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے دو دو سجدے کرتے ہیں ۲ سجدۂ سہو ۳ سجدۂ تلاوت ۴ سجدۂ شکر ۵ سجدۂ دعا ہر سجدے میں تین فرض ہیں ۱ دونوں قدم زمین پر لگانا ۲ پیشانی زمین پر لگانا ۳ اور ہر سجدے میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھنا۔ اور ہر سجدے میں دو واجب ہیں ۱ دونوں گھٹنے لگانا ۲ دونوں ہاتھ لگانا سجدے میں ایک نفل یعنی ناک زمین پر لگانا اور سجدے میں دو مستحب ہیں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں کانوں کے نیچے رکھنا ۲ سجدے کی تسبیح تین بار سے زیادہ طاق بار کہنا یعنی پانچ بار یا سات بار یا نو بار۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں ۱ فتاوی دُرِّ مختار جلد اول ص۴۱۶ پر ہے۔ وَمِنْھَا السُّجُوْدُ بِجَبْھَتِہٖ وَقَدَمَیْہِ وَوَضْعُ اِصْبَعٍ وَاحِدَۃٍ مِنْھَا شَرْطٌ۔ ترجمہ اور نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض سجدہ کرنا ہے اپنی پیشانی پر اور اپنے دونوں قدموں پر اور دونوں کی کم از کم ایک ایک انگلی زمین پر کعبہ رخ لگنا شرط لازم ہے۔ اس کی شرح فتاوی شامی جلد اول ص۴۱۱ پر اس طرح ہے۔ وَاَفَادَ اَنَّہٗ لَوْ لَمْ یَضَعْ شَیْئًا مِنَ الْقَدَمَیْنِ لَمْ یَصِحَّ السُّجُوْدُ۔ ترجمہ: دُرِّ مختار کی اس عبارت سے یہ فائدہ یعنی شرعی مسئلہ حاصل ہوا کہ اگر بحالتِ سجدہ قدم سے کوئی چیز زمین پر نہ لگے گی تو سجدہ صحیح نہ ہوگا۔ فتاوی دُرِّ مختار نے ص۴۶۶ پر مزید وضاحت سے فرمایا۔ وَفِیْہِ یُفْتَرَضُ وَضْعُ اَصَابِعِ الْقَدَمِ وَلَوْ وَاحِدَۃً نَحْوَ الْقِبْلَۃِ وَاِلَّا لَمْ تَجُزْ وَالنَّاسُ عَنْہُ غَافِلُوْنَ اور اسی فتاوی درمختار جلد اول ص۴۷ پر ہے وَیَسْتَقْبِلُ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَیْہِ

الْقِبْلَةَ وَيُكْرَهُ اَنْ تَمَّ يَفْعَلْ ذٰلِكَ كَمَا يُكْرَهُ لَوْ وَضَعَ قَدَمًا وَرَفَعَ اُخْرٰى بِلَا عُذْرٍ۔ ترجمہ: پہلی عبارت کا۔ اور فتاوٰی میں ہے کہ فرض کیا جاتا ہے بحالتِ سجدہ ہر قدم کی انگلیوں کا زمین پر رکھنا اگرچہ ہر قدم کی ایک انگلی ہی ہو۔ یعنی انگوٹھا، قبلہ کی طرف انگلی کا رخ کر کے ورنہ سجدہ جائز نہ ہوگا اور عوام لوگ اِس ضروری مسئلے سے زیادہ تر غافل ہیں۔ یعنی بحالتِ سجدہ قدم رکھتے ہیں بہت غلطیاں کرتے ہیں کبھی دونوں پیر اُٹھا لیتے ہیں۔ کبھی ایک پیر۔ کبھی دونوں یا ایک پیر کی انگلیاں کھڑی کر کے زمین پر لگاتے ہیں کبھی پیچھے کی طرف کر کے زمین پر لگاتے ہیں۔ یہ سب طریقے غلط ہیں ان سے سجدہ باطل اور برباد ہو جاتا ہے۔ سجدے کا پہلا صحیح فرض یہ ہے کہ دونوں پیروں کی جتنی بھی انگلیاں آسانی سے مُڑ سکیں قبلے کی طرف موڑ کر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما کر لگایا جائے۔ دوسری عبارت کا ترجمہ اور قبلے کی طرف کرے ہر نمازی مسلمان ہر قسم کے سجدے میں اپنے دونوں پیروں کی انگلیوں کے کنارے، اور مکروہ ہو جاتا ہے سجدہ اگر کوئی شخص پیروں کی انگلیاں بحالتِ سجدہ قبلے کی جانب نہ کرے جیسے کہ مکروہ ہو جاتا ہے وہ سجدہ کہ جس میں ایک قدم زمین پر لگایا ہوا اور دوسرا اٹھایا ہو بغیر کسی عذر اور بیماری تکلیف کے۔ سجدہ کا دوسرا فرض ماتھا لگانا جیسے کہ ابھی پہلے کنز الحقائق ص۱۴۷ پر مذکور حدیثِ مبارکہ سے ثابت کیا گیا۔ سجدے کا تیسرا فرض تسبیح پڑھنا ہے۔ چنانچہ فتاوٰی شامی جلد اوّل ص۴۲۶ پر ہے

اَيْ بِنَاءً عَلَى اَنَّ الْاَمْرَ بِالتَّسْبِيْحِ لِلْاِسْتِحْبَابِ۔ بَحْرٌ۔ وَفِي الْمِعْرَاجِ قَالَ اَبُوْ مُطِيْعِ الْبَلْخِيُّ تِلْمِيْذُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الثَّلَاثَ فَرْضٌ۔ وَعِنْدَ اَحْمَدَ يَجِبُ مَرَّةً كَتَسْبِيْحِ السُّجُوْدِ۔ (الخ) وَالْحَاصِلُ اَنَّ فِيْ تَثْلِيْثِ التَّسْبِيْحِ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ ثَلَاثَةَ اَقْوَالٍ (الخ) وَصَرَّحُوْا بِاَنَّهُ يُكْرَهُ اَنْ يَنْقُصَ عَنِ الثَّلَاثِ وَاَنَّ الزِّيَادَةَ مُسْتَحَبَّةٌ بَعْدَ اَنْ يَخْتِمَ عَلَى وِتْرٍ خَمْسٍ اَوْ سَبْعٍ اَوْ تِسْعٍ۔ ترجمہ۔ یعنی بنا ہے اسی مسئلے کی اس بات پر کہ بے شک امرِ تسبیح پڑھنے کا بہتری کے لیے ہے۔ یہ فتاوٰی بحرالرائق کا مسئلہ ہے اور فتاوٰی معراج میں ہے کہ فرمایا امام ابو مطیع بلخی علیہ الرحمۃ نے جو امام اعظم کے ایک شاگرد ہیں۔ سجدے رکوع میں تین بار تسبیح پڑھنا فرض ہے۔ اور امام احمد کے نزدیک ایک مرتبہ تسبیح پڑھنا رکوع میں واجب ہے جیسے سجدے کی تسبیح بھی ایک بار واجب ہے۔ اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بے شک رکوع سجود میں تین مرتبہ تسبیح کے

بارے میں فقہا کے تین قول ملتے ہیں، اور تمام علما فقہا نے تصریح اور وضاحت فرما دی ہے اس بات کی کہ بے شک تین سے کم تسبیح پڑھنا مکروہ ہے (تحریمی)، اور سجدے کا مستحب ہے تین سے زیادہ پڑھنا وتر بار کہ پانچ بار یا سات بار یا نو بار سجدے رکوع میں تسبیح پڑھے اسی طرح فتاوی عالمگیری میں ہے جلد اول ص۷۵ پر۔ وَیَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ثَلَاثًا وَذٰلِکَ اَدْنَاہُ کَذَا فِی الْمُحِیْطِ وَیُسْتَحَبُّ اَنْ یَّزِیْدَ عَلَی الثَّلَاثِ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اَنْ یَّخْتِمَ بِالْوِتْرِ کَذَا فِی الْھِدَایَۃِ۔ فَالْاَدْنٰی فِیْھِمَا ثَلَاثُ مَرَّاتٍ وَالْاَوْسَطُ خَمْسُ مَرَّاتٍ وَالْاَکْمَلُ سَبْعُ مَرَّاتٍ کَذَا فِی الزَّادِ۔ ترجمہ اور سجدہ کرنے والا ہر سجدے میں کہے۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ تین مرتبہ۔ اور یہ تین بار کہنا کم از کم ہے اس سے کم جائز نہیں گویا یہ مقدار فرض ہے۔ ایسے ہی فتاوی محیط سرخسی میں ہے۔ اور سجدے کا مستحب یہ ہے کہ تین سے زیادہ بار کہے رکوع میں بھی سجدے میں بھی۔ مگر ہر تعدادِ مقداری ختم کرے وتر سے ایسے ہی ہدایہ میں ہے۔ پس ان دونوں رکوع وسجود میں کم از کم تین بار اور درمیانہ تعداد پانچ بار اور مکمل تعداد سات بار ہوئی آدابِ سجدہ ہر سجدے کے آداب یہ ہیں کہ سجدے میں جاتے ہوئے پہلے دونوں قدم شرعی طریقے پر درست کر کے رکھے پھر دونوں گھٹنے اس طرح رکھے کہ نہ دونوں جڑے ہوں نہ زیادہ فاصلہ بلکہ چار انگل برابر فاصلہ ہو جیسا کہ بوقتِ قیام دونوں قدموں میں واجب ہے (از فتاوی شامی جلد اول ص۴۱۵) پھر دونوں ہاتھ کانوں کے نیچے رکھے، پھر ناک زمین سے لگائے، پھر ماتھا زمین پر رکھے، یہ سب کچھ بہت دھیان سے درست کرنے کے بعد تین بار یا پانچ بار تسبیح پڑھے، اور پھر اٹھتے وقت پہلے پیشانی اٹھائے پھر ناک پھر دونوں ہاتھ، پھر بیٹھے بقدر ایک تسبیح پھر اسی طرح جاتے آتے دوسرا سجدہ پھر اگر کھڑا ہو تو ہاتھوں کے بعد دونوں گھٹنے اٹھائے۔ یہ جوان اور تندرست کا سجدہ ہے مگر بوڑھا، بیمار، کمزور، معذور اپنی حالت کے مطابق جیسے چاہے سجدے میں آئے جائے لیکن خیال رکھے کہ آنے جانے میں سینہ اور چہرہ کعبے سے نہ پھرے۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ ________________

چوبیسواں فتویٰ

عدالتی تنسیخ نکاح کے بعد اگر اسی خاوند سے پھر خانہ آبادی مقصود ہو تو نکاح کیا جائے گا حلالہ کرانے کی ضرورت نہیں ہے، اور تنسیخ نکاح کی دو قسمیں ۱۔ فسخ ۲۔ طلاق بائنہ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ چند سال پہلے ہماری ایک لڑکی نے اپنے خاوند کے ظلم اور بے جا مار پیٹ سے تنگ آکر اپنے شہر ضلع جھنگ کی کچہری میں خلع اور تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر دیا۔ عدالت نے خوب چھان بین کر کے دو سال کے بعد تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دیا۔ خاوند مدعیٰ علیہ ایک دفعہ بھی عدالت میں پیش نہیں ہوا۔ سیشن کورٹ کے سیشن جج نے اچھی طرح تحقیق و تفتیش حالات اور گواہوں کی حلفیہ گواہی لے کر بیوی مدعیہ کو مظلومہ پا کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ بیوی نے ڈگری تنسیخ لے لی عدت بھی گزر گئی۔ فیصلے کو تقریباً عرصہ تین سال ہو چکا ہے۔ اب خاوند مدعیٰ علیہ اپنے سابقہ رویہ پر معذرت خواہ ہے، وہ خود اور اس کے لواحقین بھی اب اچھی طرح خانہ آبادی کی گارنٹی دیتے ہیں اور ہر طرح خوش اسلوبی کا تحریری وعدہ کرتے ہیں۔ اس لیے اب یہ بیوی مدعیہ اور اس کے لواحقین اسی خاوند مذکور کے ساتھ دوبارہ خانہ آبادی پر رضامند ہو گئی ہے۔ لیکن ایک عالم خطیب صاحب نے کہا ہے کہ بیوی کو حلالہ کرانا پڑے گا اور خلوت صحبت طلاق پھر عدت کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ اس کے بغیر یہ نکاح جائز نہیں ہے۔ واضح رہے کہ خاوند مذکور مدعیٰ علیہ نے خود کبھی کوئی طلاق نہیں دی۔ صرف عدالت کے فیصلے سے ہی نکاح فسخ ہوا ہے ہمیں بزرگوں نے مشورہ دیا ہے کہ آپ علماء دین سے فتویٰ شرعی مکمل و مدلل حاصل کرو۔ جو فتوے کا حکم ہو اس پر عمل کرو۔ لہٰذا خدمت عالیہ میں گزارش ہے کہ ہم کو مدلل شرعی فتویٰ عطا فرمایا جائے۔ اور بتایا جائے کہ کیا صورت مذکورہ میں بغیر حلالہ سابقہ خاوند کے ساتھ دوبارہ خانہ آبادی نہیں ہو سکتی؟ شریعت مقدسہ کا جو حکم ہوگا ہم وہی عمل کریں گے۔

بینوا توجروا۔ ۹۷-۹-۲

دستخط سائل غلام علی جھنگوی بین بازار جھنگ شہر، پاکستان، فی الحال برطانیہ برمنگھم۔

بعونِ العلّام الوھّاب

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق صورتِ مسئولہ مذکورہ میں حلالہ کرانے کی ضرورت نہیں ہے نہ عدت گزرنا شرط تھی جو مذکورہ فی السوال تین سالہ مدت گزر جانے کی بنا پر لازماً گزر چکی ہے۔ اور تنسیخ نکاح کا فیصلہ تین سال قبل ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب صرف سابقہ خاوند بیوی میں شرعی نکاح کیا جائے۔ اور خاوند بیوی دوبارہ آباد رہ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ تنسیخ نکاح شرعی ضابطوں کے مطابق طلاقِ بائنہ ہے۔ اور طلاق بائنہ میں دوبارہ خاوند بیوی کی صلح اور خانہ آبادی کے لیے نکاح کرنا لازمی ہے مگر حلالہ کی ضرورت نہیں۔ مذکورہ مولوی صاحب کا حلالے کا حکم دینا غلط ہے۔ حلالے کا حکم صرف طلاقِ ثلاثہ مغلظ کے بعد ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی تنسیخ نکاح طلاقِ ثلاثہ مغلظہ نہیں ہوتی۔ بلکہ فیصلہ تنسیخ یا فسخ اور فسادِ نکاح ہے یا طلاقِ بائنہ۔ تنسیخ کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جس کو مفتی ءِ اسلام یا حکومت کا مقرر کردہ قاضی یا جج توڑے۔ تنسیخ نکاح کی دوؔ قسیں اور دسؔ صورتیں ہیں۔ پہلی قسم۔ اگر تنسیخ نکاح کا فیصلہ بیوی یا بیوی کے والی وارثوں کی وجہ سے ہو تو وہ تنسیخ فسخ نکاح ہوگی اور اگر تنسیخ نکاح کا فیصلہ خاوند کی وجہ سے ہو تو وہ تنسیخ طلاق بائنہ ہوگی۔ اس لیے کہ بیوی طلاق دینے کی اہل نہیں ہوتی۔ خاوند ہی طلاق کا کا مالک اور طلاق دینے کا اہل ہوتا ہے۔ تنسیخ کی ان دونوں قسموں کی دسؔ صورتیں بنتی ہیں پہلی صورت خیارِ ولی۔ یعنی اگر کوئی لڑکی بالغہ اپنی مرضی سے والی وارثوں کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کرے تو جب بھی والی وارثوں کو پتہ چلے وہ یہ نکاح ختم کرانے کا حق رکھتے ہیں۔ ایسا نکاح معلق اور موقوف رہتا ہے۔ اگر والی جائز رکھیں تو جائز ہو جائے گا ہمیشہ کے لیے توڑوانا چاہئیں تو ٹوٹ جائے گا۔ اگر ایسے نکاح کی خبر سن کر وارثین خاموش ہو گئے کوئی کاروائی نہ کی نہ ارادہ ظاہر کیا تو یہ خاموشی بھی شرعاً نکاح پر رضامندی تصور ہوگی۔ ۲۔ خیارِ بلوغت۔ کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور شخص نے کسی مرد سے کر دیا۔ تو بیوی کو بالغہ ہوتے ہی اختیار ملتا ہے کہ چاہے اُس نکاح کو منسوخ کرا دے چاہے اسی نکاح پر راضی ہو جائے۔ یہاں بھی اس کی خاموشی رضامندی تصور کی جائے گی۔ اور شریعت کی طرف سے ملا ہوا یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ اس لیے چاہیئے کہ اپنے اپنے اختیار پر جلدی

عمل کریں۔ اطلاع ملتے ہی کاروائی یا ارادہ ظاہر کردیں۔ ۳ خیارِ عتق۔ مگر یہ صورت اب نہیں ہوتی۔ یہ اختیار لونڈی غلام کے زمانے میں ملتا تھا۔ ان تینوں صورتوں میں تنسیخ نکاح کا عدالتی حکومتی یا فتوئے شرعی کا فیصلہ طلاق نہ بنے گا فسخ نکاح ہوگا۔ لیکن بیوی کے مدخولہ یا خلوت صحیحہ ہونے کی حالت میں عدت واجب ہوگی۔ خیارِ ولی میں تو خلوت یا صحبت کا یقینی امکان ہے مگر خیارِ بلوغت میں اگر خاوند نے قریب بلوغ بیوی سے خلوت یا صحبت کرلی ہو تو بھی بالغہ ہوکر جب تنسیخ کرائے تو فیصلے کے بعد عدت واجب ہوگی۔ لیکن بالکل چھوٹی تین یا پانچ سالہ بیوی سے خلوت معتبر نہیں۔ اگر ایسا کچھ بھی کبھی بھی نہ ہوا تو تنسیخ کے بعد عدت واجب نہ ہوگی۔ لیکن اگر بلوغت کے بعد خلوت صحیحہ ہوگی تو خیارِ بلوغت ہی ختم ہو گیا۔ ۴ یہ کہ خاوند ظالم بدمعاش شرابی ہو بیوی نیک ہو اسے جان کا خطرہ ہو یا عزت وآبرو کا تو چونکہ بدکار بدمعاش مرد خاندانی نیک بیوی کا کفو نہیں ہو سکتا اگرچہ قوم قبیلہ ایک ہو۔ چنانچہ فتاوی رضویہ جلد پنجم ص پر بحوالہ فتاوی شامی جلد دوم باب الکفائت ہے۔ کہ اَلْکَفَائَۃُ فِی الدِّیَانَتِ وَالتَّقْوٰی اس بنا پر تنسیخ نکاح مطلوب ہو ۵ یہ کہ خاوند اپنی بیوی کو بے آباد . . . . اور منعنت النفقہ کر دے اس لیے بیوی تنسیخ نکاح کا دعوی اور مطالبہ کرے ۶ یہ کہ خاوند دیوانہ ہوجائے اور درست ہونے کا امکان نہ رہے تو بیوی تنسیخ نکاح کا دعوی دائر کرے ۷ یہ کہ خاوند بغیر اطلاع کہیں غائب اور لاپتہ ہوجائے اور بیوی کو زندگی گذارنا مشکل ہوجائے تب مجبور ہوکر بیوی تنسیخ نکاح کا دعوی دائر کرے۔ ان مندرجہ چار صورتوں میں جب بھی عدالت سے یا فتوئے شرعی سے تنسیخ نکاح کا فیصلہ ہوگا تو وہ تنسیخ طلاقِ بائنہ بنے گی اور بیوی تین حیض عدت گزار کر آزاد ہوگی ۸ چنانچہ فتاوی عالمگیری جلد اول ص۵۱۵ پر ہے۔ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْفُرْقَۃُ الْوَاقِعَۃُ فِی اللِّعَانِ اَلْفُرْقَۃُ بِتَطْلِیْقَۃٍ بَائِنَۃٍ فَیَزُوْلُ مِلْکُ النِّکَاحِ وَتَثْبُتُ حُرْمَۃُ الْجِمَاعِ وَالتَّزَوُّجِ مَادَامَا عَلٰی حَالَۃِ اللِّعَانِ کَذَا فِی الْبَدَائِعِ۔ یُشْتَرَطُ طَلَبُهَا۔ یعنی تنسیخ نکاح کی آٹھویں صورت یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور بیوی عدالت میں دعوی کردے تب حاکم جج۔ قاضی۔ یا مفتی اسلام دونوں خاوند بیوی کی زبان سے پانچ پانچ شہادتیں لے کر لعان کرائے جب لعان شرعی طریقہ پر مکمل ہوجائے تو حاکم جج

قاضی وغیرہ تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر کے دونوں کا نکاح ختم کر دے اور دونوں کو ہر طرح خانہ آبادی و رہائشی طریقہ سے جدا کر دے یہ جدائی شریعت اسلامیہ میں طلاقِ بائنہ ہوگی۔ یہی فرمایا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگرد امام محمد رضی اللہ عنہ نے لہٰذا اس طلاق بائنہ والی جدائی اور فرقت سے نکاح کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور اس وقت تک صحبتِ وطی اور نکاح کو ناحرام رہے گا جب تک وہ دونوں خاوند بیوی اپنی حالتِ لعان پر قائم اور مصر رہیں گے ایسے ہی فتاوی بدائع میں ہے۔ ہاں البتہ تنسیخ نکاح میں شرط یہ ہے کہ بیوی اس کا مطالبہ کرے۔ نہ حاکم جج قاضی مفتی اپنی مرضی سے نکاح منسوخ کر سکتا ہے نہ لعان کرا سکتا ہے نہ ہی حاکم جج قاضی۔ مفتی کے شرعی فیصلے کے بغیر کوئی نکاح کوئی والی وارث یا خود بیوی تنسیخ نکاح کر سکتی ہے اگر کسی کو کوئی نکاح ناپسند ہو تو عدالت کے جج و قاضی یا اسلام کے مفتی سے فیصلہ کرائے وہ شریعتِ اسلام کے مطابق نہایت احتیاط سے تحقیق و تفتیش اور تصدیق حالات کے بعد تنسیخ نکاح کا فیصلہ کریں تب صحیح تنسیخ ہوگی۔ عدالت یا فتوے اسلامی کے بغیر کوئی تنسیخ نکاح جائز نہیں۔ اور اگر عدالت کے جج یا قاضی و مفتیٔ اسلام نے صحیح تحقیق کے بغیر جلد بازی سے تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دیا تب بھی وہ جائز نہ ہوگا۔ اور نکاح بدستور قائم رہے گا۔ بڑی عدالت یا بڑے مفتیٔ اعظم اور قاضی القضاۃ کے پاس اپیل برائے نظرِ ثانی کر کے سابقہ شرعاً غلط فیصلے کو کالعدم قرار دیا جا سکتا ہے۔ تنسیخ نکاح کا ہر درست فیصلہ جس کی وجہ خاوند ہو وہ طلاقِ بائنہ ہی ہوتا ہے۔ نہ طلاق مغلظہ نہ طلاق رجعی نہ فسخ۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری اول ص ۵۲۴ پر ہے۔ اِنِ اخْتَارَتِ الْفُرْقَةَ اَمَرَ الْقَاضِی اَنْ يُّطَلِّقَهَا طَلْقَةً بَائِنَةً فَاِنْ اَبٰى فَرَّقَ بَيْنَهُمَا هٰكَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى الْاَصْلِ كَذَا فِى التَّبْيِيْنِ وَالْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ كَذَا فِى الْكَافِى وَلَهَا الْمَهْرُ كَامِلًا وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ بِالْاِجْمَاعِ اِنْ كَانَ الزَّوْجُ قَدْ خَلَا بِهَا وَاِنْ لَّمْ يَخْلُ بِهَا فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَلَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ اِنْ كَانَ مُسَمًّى وَالْمُتْعَةُ اِنْ لَّمْ يَكُنْ مُسَمًّى كَذَا فِى الْبَدَائِعِ۔ ترجمہ: اگر بیوی تنسیخ نکاح سے جدائی کی خواہش مند ہو تو اولاً قاضی اور جج خاوند کو حکم دے گا کہ اس اپنی بیوی کو طلاقِ بائنہ دیدے لیکن اگر خاوند طلاق دینے سے انکار کرے تو حاکم جج قاضی یا مفتیٔ اسلام خود ان دونوں

خاوند بیوی کے درمیان نکاح تنسیخ کا فیصلہ کر کے تفریق اور جدائی کر دے گا۔ ایسے ہی ذکر فرمایا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب اصل مبسوط میں۔ اور ایسے ہی امام محمد کے فرمان کا ذکر فتاویٰ تبیین میں بھی ہے اور جج وقاضی کی یہ تنسیخ نکاح والی جدائی دونوں کے لیے طلاقِ بائنہ بنے گی۔ یعنی صرف رجوع کر کے خانہ آبادی اور ملاپ نہ کر سکیں گے اب اگر کبھی یہی خاوند بیوی پھر خاوند بیوی بننا چاہیں تو دوبارہ نکاح کریں گے۔ نہ رجوع جائز نہ حلالے کی ضرورت۔ یہی مسئلہ فتاویٰ کافی میں لکھا ہوا ہے۔ قاضی و جج کی اس تفریق کے بعد مہر کا مسئلہ ہے اگر خاوند نے بیوی سے خلوت یا صحبت کی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا۔ اور دخول وخلوت نہیں ہوئی تو اگر حق مہر نکاحِ اوّل کے وقت مقرر کیا گیا تو آدھا مہر دینا پڑے گا۔ اگر مقرر نہ کیا گیا تھا تو صرف ایک کپڑوں کا جوڑا پہنے ہوئے کے علاوہ خاوند کی حیثیت والا دینا پڑے گا۔ مدخولہ اور خلوت والی بیوی پر عدت واجب ہوگی غیر مدخولہ پر عدت واجب نہ ہوگی۔ تنسیخ نکاح کی نویں قسم۔ یہ کہ خاوند یا بیوی اپنا مذہب بدل لے۔ یا اس طرح کہ خاوند بیوی میں سے کوئی اسلام سے مرتد ہو جائے۔ یا کفار خاوند بیوی میں سے کوئی مسلمان ہو جائے۔ تو ان دونوں صورتوں عدالت سے تنسیخ نکاح ہو گا۔ اس طرح تنسیخ کی کُل دس صورتیں ہو گئیں۔ اگر بیوی نے دین بدلا تو تنسیخ نکاح فسخ ہوگا اور اگر خاوند نے دین بدلا تو تنسیخ نکاح طلاق بائنہ ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۳۲۸ پر ہے۔ وَاِنْ اَسْلَمَ الزَّوْجُ وَاَبَتْ زَوْجَتُهٗ لَمْ تَكُنِ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا وَفِيْ عَكْسِهٖ طَلَاقٌ۔ لِاَنَّ سَبَبَهُ الزَّوْجُ وَفِي الشَّرِيْعَةِ يَقَعُ الطَّلَاقُ مِنَ الرِّجَالِ فَقَطْ۔ ترجمہ، اور اگر خاوند مسلمان ہو گیا تو بیوی سے کہا جائے گا کہ تو بھی مسلمان ہو جا تاکہ تم دونوں کا نکاح برقرار رہے اگر بیوی نے انکار کر دیا تو اور عدالت نے تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دیا تو یہ تنسیخ اور فرقت طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس تنسیخ کی وجہ بیوی بنی ہے۔ لیکن اُس کے اُلٹ میں یعنی بیوی مسلمان ہو گئی تو خاوند سے کہا جائے گا کہ تو بھی مسلمان ہو جا اگر وہ انکار کرے اور عدالت نکاح تنسیخ کرے تو یہ تنسیخ طلاق ہوگی کیونکہ یہاں تنسیخ کا سبب خاوند بنا ہے اور شریعتِ اسلام میں طلاق صرف خاوندوں کی طرف سے واقع ہوتی ہے خواہ دیدیں یا طلاق کا سبب بن جائیں اس کی وضاحت فتاویٰ درِمختار جلد دوم ص ۴۲۱

پر ہے۔ ثُمَّ الفُرقَۃُ اِنْ مِّنْ قِبَلِھَا فَفَسْخٌ۔ وَاِنْ مِّنْ قِبَلِہٖ فَطَلَاقٌ ترجمہ
پھر یہ تنسیخ کے ذریعے جدائیاں اگر بیوی کی طرف سے ہوں یعنی بیوی اس تنسیخ کا
سبب بنے تو یہ تنسیخ فسخ نکاح ہے۔ اور اگر یہ کوئی بھی تنسیخ خاوند کی وجہ سے ہو تو
یہ تنسیخ طلاق بنے گی۔ اس کی شرح میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے مزید وضاحت
کرتے ہوئے اسی جگہ جلد دوم ص۴۲۱ پر فرمایا۔ فِیْہِ نَظَرٌ فَاِنَّہٗ یَقْتَضِیْ اَنْ یَکُوْنَ
الْتَبَایُنُ۔ ترجمہ: اس شرعی حکم میں انتہائی غور طلب یہ بات ہے کہ یہ تنسیخ طلاق بنے
کی صورت میں کونسی طلاق بنے گی تو یہ شک حالات کیفیات کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ
طلاق بائنہ بنے گی۔ نہ رجعی نہ ثلاثہ مغلظہ۔ کیونکہ طلاقِ رجعی خاوند کی زبانی یا خوشی
رضا والی تحریری صریحی ایک یا دوبار طلاق ہوتی ہے۔ اور طلاقِ ثلاثہ تین بار طلاق زبانی
یا تحریری صریحی دینے سے ہوتی ہے۔ اور حلالہ صرف طلاقِ مغلظ کے بعد ہوتا ہے۔
چنانچہ قرآنِ مجید سورۃ بقرہ آیت نمبر۲۳۰ میں اسی حکم شرعی کا بیان ہے کہ پہلے آیت ۲۲۹
میں فرمایا گیا۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ یعنی
دوبارہ بھی کوئی خاوند طلاق صاف صاف لفظوں میں دیدے تو وہ طلاقِ رجعی ہے
چاہے تو عدت کے اندر اندر رجوع کر کے بیوی کو روک لے آباد کرلے چاہے
تو نہ رجوع کرے اور احسان کر کے چھوڑ دے کسی قسم کا ظلم نہ کرے لیکن اگر
ان دو طلاقوں کے بعد۔ فَاِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَلَا تَحِلُّ لَہٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ۔
ترجمہ، پھر اگر اے خاوندو تم میں سے کسی نے اپنی اسی رجوع کردہ بیوی کو ایک
طلاق دی یا بغیر رجوع کئے عدت کے اندر اندر ایک طلاق اور دیدی تو اب
اگر اسی بیوی کو پھر آباد رکھنا چاہئے ہو تو بغیر حلالہ کرائے ہوئے یہ تیسرے بار طلاق
یافتہ بیوی اس طلاق دینے والے کے لیے حلال نہ ہوگی۔ اور حلالہ یہ ہے کہ
دوسرا شخص خاوند بن کر اس بیوی سے مکمل وطی صحبت کرے۔ یہاں تَنْکِحَ کا معنیٰ ہے
وطی صحبت کرنا۔ تنسیخ نکاح کے بارے میں فتاویٰ شرح وقایہ جلد دوم نے ص۱۴۲ پر
ارشاد فرمایا وَ تَبِیْنُ بِطَلْقَۃٍ وَلَھَا کُلُّ الْمَھْرِ اِنْ خَلَا بِھَا وَ تَجِبُ الْعِدَّۃُ
ترجمہ: اور تنسیخ نکاح سے بیوی کو ایک طلاقِ بائنہ ہو جائے گی۔ اور خاوند پر پورا
حق مہر دینا واجب ہے اگر اس نے اپنی اس بیوی سے خلوت کی ہوگی اور بیوی

سے خلوت کی ہو گی۔ اور بیوی پر خلوتِ صحیحہ کاملہ ہونے کی وجہ سے عدت بھی واجب ہے۔ اور فتاوٰی حاشیہ عمدۃ الرعایہ جلد دوم ص ۱۴۲ پر ہے وَ لَمَّا كَانَ الْوَاجِبُ عَلَى الزَّوْجِ التَّسْرِيحُ بِإِحْسَانٍ وَ نَابَ الْقَاضِي عَنْهُ دَفْعًا لِلظُّلْمِ عَنْهَا صَارَ فِعْلُهُ مُضَافًا إِلَيْهِ فَكَأَنَّهُ طَلَّقَهَا بِنَفْسِهِ وَ إِنَّمَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ التَّسْرِيحُ وَ دَفْعُ الظُّلْمِ يَحْصُلُ فِيهِ فَإِنَّ الرَّجْعِيَّ يَحْصُلُ فِيهَا الرَّجْعَةُ ترجمہ: اور جب کہ واجب تھا خاوند پر کہ اپنی بیوی پر ظلم نہ کرے بلکہ احسان کر کے تمام حقوق ادا کر کے باعزت طریقے سے آزاد کر دے لیکن اس ظالم نے یہ نہ کیا تو عدالت کا قاضی جج یا مفتیٔ اسلام نائب ہو گیا خاوند کا بیوی سے ہر طرح کا ظلم ختم کرنے کے لیے۔ اب قاضی کا فیصلہ خاوند کا ہی عمل مانا جائے گا۔ یعنی تنسیخِ نکاح ایسا ہی ہے گویا خاوند نے ہی خود طلاق دی ہے اور یہ تنسیخ نکاح صرف طلاق بائنہ بنے گی اس لیے کہ نکاح منسوخ کرنے کا مقصد مظلومہ بیوی کو چھڑانا اور ظلم ختم کرنا ہے جو صرف طلاقِ بائنہ ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ طلاقِ رجعی میں خاوند کو ہر وقت رجوع کرنے کا حق حلال اور جائز رہتا ہے۔ وہ ظالم خاوند فیصلۂ عدالت کے بعد فوراً باہر نکلتے ہی رجوع کر لے اور ظلم کا باب پھر کھل جائے۔ تو مقصد تنسیخ فوت ہو گیا۔ لہذا شریعتِ اسلامیہ نے اس اندیشے کو ختم کرنے کے لیے ہر اس تنسیخ کو جس کا سبب خاوند ہے طلاق بائنہ بنا دیا اور وہ تنسیخ جس کا سبب بیوی ہے اس کو فسخ بنا دیا یعنی یہ نکاح بالکل ہی ایک دم اس طرح ختم ہوا گویا ہوا ہی نہ تھا۔ اس آخری دلیل نے اس کی وجہ بتائی کہ بیوی کی وجہ سے تنسیخ نکاح فسخ کیوں ہے اور خاوند کی وجہ سے طلاق بائنہ کیوں ہے خلاصہ یہ کہ تنسیخ کی دو قسمیں ۱ فسخ اور ۲ طلاقِ بائنہ۔ اور دونوں کی دس صورتیں ہیں۔ ان کے زائچہ کا نقشہ حسبِ ذیل ہے۔ تنسیخ کی چار صورتیں فسخ نکاح ہیں اور چھ صورتیں طلاق بائنہ ہیں۔

۱	خیارِ بلوغ میں تنسیخ نکاح فسخ ہے	۴	خاوند مسلمان ہو جائے مگر بیوی مسلمان ہونے سے انکار کرے تو تنسیخ نکاح فسخ ہے۔
۲	خیارِ ولایت میں تنسیخ نکاح فسخ ہے		
۳	خیارِ عتق میں تنسیخ نکاح فسخ ہوتا تھا	۵	بیوی مسلمان ہو جائے خاوند مسلمان ہونے سے انکار کرے تو تنسیخ نکاح طلاق بائنہ ہے۔

۶	خاوند متعنت النفقہ ہو تو تنسیخِ نکاح طلاقِ بائنہ ہے۔	۹	خاوند لاپتہ غائب ہو جائے تو تنسیخ نکاح طلاقِ بائنہ ہے۔
۷	خاوند دائمی دیوانہ ہو جائے تو تنسیخِ نکاح طلاقِ بائنہ ہے۔	۱۰	خاوند بیوی کا لعان سے تنسیخ نکاح ہو تو طلاقِ بائنہ ہے۔
۸	غیر کفو میں غلطی سے نکاح ہو جائے تو تنسیخ نکاح طلاقِ بائنہ ہے۔		

وَاللهُ تَعَالیٰ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

کتبہ

تفضیلی اور تبرائی شیعہ فرقے کا تاریخی پس منظر

پچیسواں فتویٰ: مسلمانوں میں سب سے پہلے تابعین کے زمانے میں تفضیلی شیعہ فرقہ پیدا ہوا پھر تبرائی شیعہ فرقہ ان میں سے ہی بنا۔ اِن دونوں فرقوں کا موجد ایک یہودی تھا۔ اور فرقہ بازی کی عیارانہ شرارت سب سے پہلے مسلمانوں میں یہودیوں نے پھیلائی۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تفضیلی شیعہ اور تبرائی شیعہ میں فرق کیا ہے اور یہ دونوں فرقے کب پیدا ہوئے کس نے ایجاد کیئے، کیوں ایجاد کیئے۔ ان دونوں فرقوں کے بنیادی عقائد کیا ہیں۔ اور ان دونوں میں سے اچھا کونسا فرقہ ہے اور کونسا برا۔ مسلمانوں کو اُس سے کیا نقصان ہے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

۲/۵/۱۹۹۸ سائل۔ حاجی محمد یونس (چوہدری) والتھم سٹو۔ لندن، برطانیہ۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّاب

الجواب

قانون شریعت کے مطابق دونوں فرقے باطل ہیں، تفضیلی شیعہ بھی اور تبرائی شیعہ بھی ان

دونوں فرقوں کا اصل اور ابتدائی نام رافضی ہے۔ تفضیلی شیعہ گمراہی کی حد تک باطل ہے اور تبرائی شیعہ کفر کی حد تک باطل ہے اس کی چھ وجہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ تفضیلی شیعہ مولیٰ علی شیر خدا کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم سے افضل مانتے ہیں حالانکہ صدیق و فاروق سے افضل ماننا قرآن مجید اور احادیث پاک اور اجماع صحابہ اور کثرت تابعین و تبع تابعین تمام ائمہ مجتہدین اور فقہاء علماء محدثین بلکہ خود تمام ائمہ اہلبیت بشمول مولیٰ علی کے خلاف ہے۔ یعنی تفضیلی شیعہ علی مرتضی کو ان دونوں سے افضل مانکر اللہ رسول اجماع صحابہ، اجماع امت، اور مولیٰ علی و تمام اہل بیت کی مخالفت کرتے ہیں، دوسری وجہ یہ کہ یہ دونوں فرقے یہودی سازش کی پیداوار اور ایجاد ہیں۔ تیسری وجہ یہ کہ ان دونوں فرقوں کے عقائد اسلام کے خلاف ہیں چوتھی وجہ یہ کہ وہ عقائد یہودیوں کی ایجاد ہیں ان کے پاس عقلی۔ نقلی۔ علمی دلائل سے نہ کوئی دلیل نہ ثبوت یعنی صدیق و فاروق سے مولیٰ علی کے افضل ہونے کی کسی کے پاس قطعًا کوئی دلیل نہیں ہے نہ قرآن مجید سے نہ حدیث پاک سے نہ عقلی نہ فطری۔ پانچویں وجہ۔ فضیلت علی کو صدیق و فاروق سے بڑھانا مسلمانوں کی افتراق اور خانہ جنگی فرقے بازی کا باعث ہے اور اس کی بنیادی اور ابتدائی وجہ محبت علی نہ تھی بلکہ امت مسلمہ میں انتشار، افتراق، فرقہ بازی کی تخریب کاری کا مقصد تھا۔ چھٹی وجہ یہ کہ ان دو فرقوں نے اسلام اور مسلمانوں کے دینی اصولی نظریات کو بہت نقصان پہنچایا۔ ان وجوہ ستہ کے دلائل و حقائق از روئے قرآن و حدیث و تاریخ حسب ذیل ہیں پہلی وجہ کی پہلی دلیل۔ حرام، حلال اور فرضیت و اجبیت کی طرح فضیلت بھی ایسی چیز نہیں کہ ہر انسان اپنی مرضی کی فضیلت دیتا پھرے۔ بلکہ قانون شریعت کے مطابق کسی کو کسی پر فضیلت دینا بھی صرف اللہ رسول کا حق ہے۔ چنانچہ قرآن مجید سورۃ آل عمران آیت ۷۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔ ترجمہ: اے پیارے نبی رحمت۔ فرما دیجئے ان تمام لوگوں سے کہ بے شک فضیلت دینا اور کسی شخص کو کسی شخص پر افضل کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قبضے میں ہے جس کو چاہے فضیلت عطا فرمائے کسی دوسرے انسان کو حق نہیں کہ اپنی پسند سے کسی آدمی کو کسی سے افضل سمجھے نہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے نہ اہل بیت میں سے نہ صحابہ میں سے نہ اولیاء اللہ نہ علماء عظام میں سے۔ لہذا اس دلیل قرآنی سے ثابت ہوا کہ تفضیلی شیعہ رافضی فرقے کا اپنی پسند سے مولیٰ علی شیر خدا کو صدیق و فاروق رض سے افضل کہنا قرآن مجید کے خلاف ہے اور

جو عقیدہ قرآنِ مجید کے خلاف ہو وہ گمراہی ہے اس لیے تفضیلی رافضی شیعہ گمراہ فرقہ ہے۔
دوسری دلیل۔ آیت قرآنِ مجید سے تمام صحابہ کرام کی فضیلتیں ثابت ہیں کسی کی فضیلت ایک آیت سے کسی کی چند آیت سے کسی کی اجتماعی طریقے سے کسی کی انفرادی حیثیت سے، چنانچہ صدیق اکبر کی فضیلت گیارہ متعدد آیتوں میں بیان فرمائی گئی۔ فاروق اعظم رض کی پانچ آیتوں میں۔ عثمان غنی رض کی چار آیتوں میں۔ علی مرتضیٰ رض کی دو آیتوں میں شانِ کثیر اور فضیلت عظمیٰ بیان فرمائی گئی۔ ان کی وضاحتی تفسیر و تفصیل، تفسیری حاشیہ نور العرفان و فہرست القرآن مصنفہ و مرتبہ حضرت حکیم الامت بدایونی میں دیکھیے۔ لیکن قرآن مجید کی بین آیتیں ایسی ہیں جن سے وضاحت ملتی ہے کہ صدیق اکبرؓ تمام صحابہ سے افضل ہیں، مولیٰ علی شیر خدا سے بھی بلکہ افضلُ الخلق بَعدَ الاَنبیاء ابوبکر صدیق ہی ہیں۔ چنانچہ سورۃ زمر کی آیت ۳۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ
ترجمہ، اور وہ ذاتِ محبوب جو لائے صداقتِ کاملہ تامہ دائمہ کو اور وہ شخص جس نے اس محبوب اور لائی ہوئی صداقت کی تصدیق کی وہی لوگ ہیں تقوے والے۔ اس آیت پاک نے صدیق اکبر کی اولیت اور آپ کی صدیقیت کا اظہار فرمایا کیونکہ ابوبکر صدیق رض نے ہی سب سے پہلے مسلمان ہوکر نبی کریم آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید (وحی الٰہی) اور دین اسلام کی حقانیت و صداقت کی تصدیق فرمائی۔ اور سب سے پہلے مومن صحابی متقی بن گئے یہ سورۃ زمر مکی ہے اس کی یہ سب آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب کہ ابھی نہ فاروقِ اعظم ایمان لائے تھے نہ عثمانِ غنی اور مولیٰ علی تو ابھی بچے ہی تھے اس سورت کا نمبر تلاوت انتالیس ہے مگر نمبر نزول ۵۹ ہے جب کہ آخری مکی سورۃ مطففین کا نمبر نزول ۸۶ ہے۔ اس کی کل آیت پچھتر ہیں غرضکہ اولیتِ ایمان تصدیقِ صدیقیت اور تقوے کا سہرا صدیق اکبر کے ہی سر ہے اور اوّل ہونا افضلیت کی دلیل ہے۔ پھر ایک اور جگہ سورۃ توبہ کی آیت ۴۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا
ترجمہ، دو شخصوں میں سے دوسرا جس وقت وہ دونوں ہستیاں غار میں تھیں اس وقت بھی ثانی تھا جس وقت محبوب فرما رہا تھا اپنے ثانی ساتھی کو فکر و اندیشہ نہ کر بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر کو اپنے محبوب

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ثانی فرمایا۔ اور یہ ثانیت کا مقام و شان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زندگی میں چار مرتبہ نصیب ہوئی۔ پہلی مرتبہ دین اسلام کے ماننے والوں میں جب کہ پوری زمین پر کوئی بھی مسلمان نہ تھا بجز آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تب جس وقت تبلیغ نبوت فرمائی تو دوسرے مسلمان ہی ابوبکر صدیق تھے اور اس طرح اسلام کے ثانی اثنین بنے، پھر دوسری بار معراج النبی کی تصدیق فرماکر ثانی اثنین بنے اُس وقت بھی چند ساعتوں کے لیے صدیق اکبر ہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معراج کو حق و سچ کہنے والے دوسرے شخص صدیق اکبر ہی تھے۔ تیسری بار یہ سفر ہجرت اور غارِ ثور کی ساعتیں جس کا ذکر قرآن مجید کی اِن آیت میں بڑی شان و فضیلت سے بیان فرمایا گیا۔ چوتھی بار وفات کے بعد چند سال روضۂ اقدس میں ثانی اثنین بنائے گئے اور یہ وہ خصوصیات ہیں جو محض رب تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمائی گئیں کسی انسان کا اس عطیۂ خصوصیہ میں دخل اور کاوش نہیں۔ ان خصوصیات میں کوئی تیسرا آپ کے ساتھ نہیں، کسی صحابی کو یہ فضیلتیں حاصل نہیں نہ خلفاءِ ثلاثہ یعنی نہ فاروقِ اعظم نہ عثمانِ غنی نہ مولیٰ علی کو سورۂ فتح کی آخری دراز آیت ۲۹ میں خلفاءِ اربعہ کی صفاتِ عالیہ کو اس ترتیب سے بیان کیا گیا کہ جس سے ترتیب خلافت کے ساتھ ساتھ ترتیب فضیلت بھی ظاہر فرما دی گئی چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس وقت پوری کائنات کے لیے وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ، اور وہ شانوں والے جو حضر، سفر تیرہ حیات و ممات میں ہر وقت اُن کے ساتھ ہیں۔ ابتداءِ دینوی زندگی سے انتہاءِ حیات تک۔ یعنی ابوبکر صدیق، اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ۔ اور وہ جو کفار و شیاطین پر بڑے سخت ہیں تا قیامت کفار اُن کے نام سے جلتے مرتے رہیں گے یہ عمر ابن خطاب ابوحفص فاروقِ اعظم ہیں۔ ابوحفص کا لقب آپ کو خود آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا۔ حفص کا معنیٰ ہے غضب ناک شیر فاروق کا لقب بذریعہ جبرئیل علیہ السلام رب تعالیٰ نے عطا فرمایا جس کا اشارہ سورۂ انفال کی آیت ۶۴ میں ملتا ہے رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ اور وہ جو مسلمانوں کے درمیان اتنے عظیم ہمت والے مہربان رحیم۔ کریم رحم دل کہ اگر کوئی جھوٹے منہ سے بھی مسلمان ہو جائے اُس پر بھی رحم فرمانے والے پناہ دے کر جان بچانے والے اپنی جان کی پرواہ نہ

کرتے ہوئے مسلمانوں کے خون جان و مال کی حفاظت کرتے ہوئے مدینہ منورہ کی زمین مقدس کو خون آلود ہونے سے محفوظ رکھنے والے۔ اور اسی رحم دلی میں اپنا تن من دھن جان مال مسلمانوں پر قربان کر دینے والے یعنی عثمانِ غنی۔ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا۔ اور وہ جو کہ جب بھی دن رات صبح شام ان کو تم دیکھو تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قرب کے مقرب اور رکوع سجدوں میں رہنے والے نمازوں کا نور عبادتوں کا سرور فرش و عرش تک پھیلانے والے، یعنی مولیٰ علی شیر خدا۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ چاروں ساتھی عَلَى التَّرتيب اسی ترتیب ربانی سے اپنے اپنے وقتوں خلافتوں میں چاہتے رہے پاتے رہے فضیلتوں کو اپنے مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی رضا لیتے رہے۔ قرآنِ مجید کی یہ ترتیب کس شان و وضاحت سے، خلافتِ راشدہ و فضیلت خالدہ کو اُمتِ احمدیہ کے لیے بیان فرما رہی ہے اب اس ترتیب الٰہی کے خلاف جو شخص مولیٰ علی کو فضیلت و خلافت میں صرف اپنی دل پسندی سے آگے لانے کی کوشش کرے وہ گمراہ ہی ہوگا۔ تیسری دلیل قرآن مجید کی مندرجہ دو دلیلوں سے بالوضاحت ثابت ہو گیا کہ مولیٰ علی شیر خدا، اُن تین خلفاءِ راشدین سے افضل نہیں جن کو رب تعالیٰ نے اوّلیت دی یعنی صدیق، فاروق، عثمانِ غنی، یہ چاروں جس طرح خلافت میں عَلَى التَّرتيب تھے اسی طرح فضیلت میں بھی ان قرآنی دلائل سے ثابت ہوا کہ تفضیلی شیعہ گمراہ فرقہ ہے اور ان کا یہ عقیدہ باطل ہے، احادیث مبارکہ مقدسہ سے بھی عبارۃً، دلالۃً، اقتضاءً و اشارۃً یہ ہی ثابت ہو رہا ہے کہ افضلُ الخلقِ بعدَ الانبیاء صرف صدیق اکبر ہیں، اُن کے بعد عمر فاروق، ان کے بعد عثمانِ غنی، اُن کے بعد مولیٰ علی صدیق و فاروق کی افضلیت اوّلی میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں مگر عثمان و علی کی ترتیب میں کچھ اکابر اختلاف کرتے ہیں مگر اکثریت علی مرتضیٰ کو چوتھا خلیفہ اور فضیلت میں چوتھا درجہ ہی مانتے ہیں۔ اور یہی بات ترتیب قرآنی سے بھی ثابت کر دی گئی لہٰذا یہ عقیدہ ہی درست ہے۔ آقاءِ دو عالم کی زبان اقدس سے بھی یہ ہی ثابت ہے چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۵۶۰ پر ہے۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اَبُوْ بَكْرٍ وَّ عُمَرُ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ۔ وَرَوَاہُ اِبْنُ مَاجَہ عَنْ عَلِیٍّ۔ ترجمہ، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا آقا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ابوبکر اور عمر تمام اولین آخرین جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں یعنی جو مسلمان اور مومن بڑھاپے کی عمر پاکر فوت ہوا اُن جنتی لوگوں کے سردار صدیق وفاروق ہوا۔ سوائے انبیاء ومرسلین کے سابقہ امتی اہل ایمان ہوں یا بعد والے تا قیامت اس حدیث پاک کو ترمذی نے تو حضرت انس سے روایت کیا مگر ابن ماجہ نے مولی علی سے روایت کیا گھُولُ ساٹھ سالہ عمر والے کو کہتے ہیں دوسری حدیث پاک۔ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ۔ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم قَالَ لِاَبِیْ بَکْرٍ اَنْتَ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ وَصَاحِبِیْ عَلَی الْحَوْضِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ ترجمہ، حضرت عبداللہ رض ابن عمر رض سے مروی ہے کہ روایت کیا انہوں نے آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ارشاد فرمایا آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُبوبکر صدیق رض سے تم میرے غار میں بھی ثانی اثنین ساتھی رہے ہو اور ایک وقت آئے گا جب کچھ دیر کے لیے میدان محشر میں حوض کوثر پر بھی تم میرے ثانی اثنین ساتھی ہوگے اُس وقت فقط میں حوض کوثر پر ہوں گا اور تم ہوگے تیسرا کوئی نہ ہوگا ثانی اثنین کی شان۔ پانچویں بار میدانِ محشر میں بھی تم کو ہی نصیب ہوگی۔ تیسری حدیث۔ مشکوٰۃ شریف ص۵۵۵ پر بحوالہ مسلم۔ بخاری بروایت عَنْ جُبَیْرِ ابْنِ مُطْعَمٍ فرمایا کہ ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر ایک بات پوچھتی ہے آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس سے ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر کبھی لوٹ کر آنا۔ اُسنے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں آپ کو نہ پاؤں اس کے کہنے کا مقصد تھا کہ آپ فوت ہوچکے ہوں تو پھر کس سے پوچھوں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھ کو نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آنا۔ یعنی میرے بعد وہ ہی خلیفہ ہوں گے۔ یہ فرمان خلافتِ صدیقی کا اشارہ ہے۔ چوتھی حدیث پاک مشکوٰۃ شریف بحوالہ ترمذی شریف بروایت عَنْ عَائِشَۃَ فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جس قوم میں ابوبکر موجود ہوں تو اُن کے ہوتے ہوئے کسی کو جائز اور لائق نہیں کہ اُن کے سوا کسی دوسرے کو امام المومنین بنائے۔ یہاں صرف امامتِ نماز کا ذکر نہیں بلکہ الفاظ

حدیث اس طرح ہے۔ لَا یَنْبَغِیْ لِقَوْمٍ فِیْہِمْ اَبُوْ بَکْرٍ اَنْ یَّؤُمَّہُمْ غَیْرُہٗ۔ یعنی مطلقاً ہر معاملے میں صدیق اکبر کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص قوم کا امام نہیں بن سکتا۔ اِن کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث مقدسات ہیں جو صدیق وفاروق کی تمام صحابہ کرام سے افضلیت واولیت پر دلالت بالوضاحت فرماتی ہیں۔ لیکن تفضیلی شیعوں رافضیوں کے پاس ایک بھی ایسی حدیث نہیں جو ثابت اور واضح کرے کہ مولیٰ علی شیرِ خدا صدیق وفاروق سے افضل ہوں۔ تمام اُن بناوٹی سنیوں کو چیلنج ہے جو درپردہ تفضیلی رافضی ہیں صرف دھوکا دیتے اور سنیوں کی مسجدوں میں قبضہ جمانے کے لیے سنی بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام عوام اہل سنت کو ان دھوکے باز شیعوں تفضیلی رافضیوں سے بچائے آمین۔ پانچویں دلیل۔ اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی یہی ثابت ہے کہ صدیق وفاروق وعثمان غنی تمام صحابہ اور مولیٰ علی شیرِ خدا سے **افضل** ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵ پر بحوالہ بخاری والوداؤد شریف فصل اول میں۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کُنَّا فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم لَا نَعْدِلُ بِاَبِیْ بَکْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُکُ اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّمَ۔ لَا نُفَاضِلُ بَیْنَہُمْ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِاَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ کُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ اَفْضَلُ اُمَّۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہ علیہ وسلم بَعْدَہٗ اَبُوْ بَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ۔ ترجمہ، حضرت عبداللہ ابن عمر رض سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں حضرت ابوبکر صدیق سے بڑا مرتبہ کسی کو نہ دیتے تھے پھر ان کے بعد حضرت عمر کو پھر حضرت عثمان کو (کیونکہ یہی سب میں بزرگ عمر رسیدہ بھی تھے اور مقربِ بارگاہِ رسالت بھی) پھر ان تین کے بعد فضیلت کا درجہ بیان کرتا آگے نہ چلاتے تھے اصحابِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں یعنی باقی صحابہ کا مقامِ فضیلت بیان نہ کرتے تھے۔ اُن کے درمیان کسی کو فضیلت نہ دیتے تھے سب میں برابری سمجھتے تھے روایت کیا اس حدیث پاک کو بخاری شریف نے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں الفاظ اس طرح ہیں۔ فرمایا ابن عمر نے کہ جب

آقا دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی حیاتِ ظاہری میں تھے تو ہم سب کا عقیدہ یہ بنا ہوا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں سب سے افضل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہم۔ یعنی ہمارا یہ قولی عقیدہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا اور آپ ہمارے اس عقیدے پر راضی تھے ورنہ ہمیں منع فرما دیتے۔ اس حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ افضل الخلق بعد الانبیاء ابوبکر صدیق ہیں، نہ کہ علی مرتضیٰ۔ کسی صحابی کا عقیدہ تفضیلی شیعوں کی طرح نہ تھا۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا تھا کہ کوئی صحابی قرآنِ مجید اور فرمانِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے مولیٰ علی کی فضیلت شیخین سے بڑھا دے۔ ایک غالی تبرائی رافضی شیعہ ابن ابی الحدید جو معتزلی بھی تھا اپنی شرح نہج البلاغہ کے ص۱۹۸ پر لکھتا ہے کہ سولہ صحابہ فضیلتِ علی کے قائل تھے اور کہتے تھے مولیٰ علی صدیق وفاروق سے افضل ہیں اُن کے نام اس طرح گنتا ہے ۱ عمار بن یاسر ۲ مقداد بن اسود ۳ ابوذر غفاری ۴ سلمان فارسی ۵ جابر بن عبد اللہ ۶ اُبی ابن کعب ۷ حذیفہ ۸ بُریدہ ۹ ابو ایّوب ۱۰ سہل بن حنیف ۱۱ عثمان بن حنیف ۱۲ ابو الہیثم ۱۳ خزیمہ بن ثابت ۱۴ ابو طفیل ۱۵ عامر بن واثلہ ۱۶ عباس بن عبد المطلب ۱۷ اور تمام بنی ہاشم ابن ابی حدید شیعہ شارح نہج البلاغہ آگے لکھتا ہے کہ بنو اُمیّہ میں بھی بعض لوگ اسی فضیلت علی کے قائل تھے مثلاً خالد بن سعید بن عاص اور عمر بن عبد العزیز۔ مگر یہ سب کچھ ابن ابی حدید تبرائی شیعہ کی کذب بیانی ہے۔ اور حقیقتاً وعقلاً بھی یہ بات قطعاً غلط ہے۔ چھ وجہ سے۔ پہلی وجہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام میں سے صرف سولہ صحابی اجماع صحابہ اور قرآن وحدیث کا بیان کردہ حکم چھوڑ کر فضیلتِ علی کو صدیق وفاروق پر اولیت دینے لگیں۔ دوم یہ کہ سوائے ابن ابی حدید کے کسی کتاب میں کسی بھی صحابی یا بنو امیہ میں سے کسی کا بھی یہ تفضیلی شیعہ والا عقیدہ نہیں لکھا۔ نہ ہی تابعین وتبع تابعین کے متعلق یہ عقیدہ کسی نے لکھا فقط ابن ابی حدید نے یہ کذب بیانی کی یا پھر اسی کی شرح نہج البلاغہ سے نقل کر کے الشیخ ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب حیاتِ امام ابو حنیفہ میں لکھا۔ اور شیخ ابو زہرہ

مصری خود بھی مائل بر فض ہیں۔ سوم یہ کہ مشہور شرح بخاری فتح الباری جلد سوم صـ ۳۵۸ پر ہے کہ وَ ثَبَتَ بِالاَحَادِیثِ الکَثِیرَۃِ المشھورۃ اَنَّ اَفضَلَ الصَّحَابَۃِ اَبُو بَکرٍ۔ وَالنَّبِیُّ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فِی حَیَاتِہِ المُبَارَکَۃِ۔ ترجمہ: بہت سی مشہور حدیثوں سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں افضلِ صحابہ ابوبکر سمجھے جاتے تھے۔ چہارم یہ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صدیق اکبر کی فضیلت تمام صحابہ پر ہے اجماع صحابہ و اجماع تابعین سے مسلمہ ہے۔ پنجم اسی فتح الباری شرح بخاری جلد سوم صـ ۳۵۸ پر ابن ابی حدید شیعہ کی تردید فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت کا منکر کافر ہے کیونکہ خلافت صدیقی پر اجماع صحابہ ہے تمام صحابہ نے آپ کی بیعت کر کے آپ کی خلافت کو حق مان لیا حالانکہ خلافت کی اولیت افضلیت کی اولیت ہے۔ یعنی آپ کو خلیفۂ اول ماننا افضل الصحابہ ماننا ہے۔ ان بیعت کرنے والوں میں یہ سولہ صحابہ بھی شامل بلکہ مولیٰ علی بھی شامل ہیں۔ چنانچہ فتح الباری کی عبارت ہے۔ فَاِذَا ثَبَتَ ھٰذَا فَقَدْ ثَبَتَ اِستِحقَاقُ الخِلَافَۃِ لِاَنَّہٗ لَا یَنبَغِی اَن یَّجعَلَ المَفضُولَ خَلِیفَۃً مَعَ وُجُودِ الفَاضِلِ۔ ترجمہ: تو جب یہ فضیلت ثابت تب ہی بے شک خلافت کا مستحق ہونا ثابت ہوا۔ اس لیے کہ یہ جائز نہیں کہ فضیلت والے کے ہوتے ہوئے افضل کو چھوڑ کر مفضول (غیر افضل) کو خلیفہ بنا لیا جائے یعنی تمام صحابہ کے ساتھ ان سولہ مندرجہ بالا صحابہ نے بھی صدیق اکبر کو خلیفہ مان کر ثابت کر دیا کہ صدیق اکبر تمام صحابہ اور فاروق و عثمان غنی و مولیٰ علی سے افضل ہیں اگر مولیٰ علی افضل ہوتے تو یہ بیعت صدیقی جائز نہ تھی کیونکہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی بیعت کر کے اس کو خلیفہ بنا لینا جائز نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں جس طرح یہاں خلافت سے افضیلت ثابت ہوئی اسی طرح فاروق و عثمان کی ترتیب خلافت سے ترتیب افضیلت ثابت ہوئی۔ فتح الباری نے کیسا مضبوط عقلی علمی فطری ضابطہ بیان فرمایا۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں بھی یہ ہی بات بیان فرمائی گئی ہے کہ صحابہ کرام کا بالاتفاق تمام صدیق اکبر پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی کی بیعت خلافت ان کی افضیلت کی ترتیب کو ہی تسلیم کرنا ہے اگر مولیٰ علی ان سے افضل ہوتے تو تمام صحابہ کرام پہلے ان کو خلیفہ بناتے کیونکہ افضل کو چھوڑ

کہ غیر افضل کو خلیفہ بنانا لَا یَنْبَغِیْ۔ ناجائز کام ہے اور مولیٰ علی و دیگر صحابہ یہ ناجائز کام ہرگز نہ کرتے ششم وجہ یہ کہ شاہ وَلِیُّ اللّٰہ نے اپنی کتاب قُرَّۃُ العین فی تفضیل الشیخین کے ص۳۶ پر اور منہاجُ السُّنَّۃ جلد اوّل ص۱۶۵ پر لکھا کہ جن صحابہ کرام کے متعلق ابن ابی حدید نے کذب بیانی کی ہے۔ اُن میں کچھ صحابہ کرام نے صراحتًا صاف صاف لفظوں سے صدیق اکبر کو مولیٰ شیرِ خدا سے افضل تسلیم کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے وہ تمام مستند و مشہور احادیث نقل فرمائی ہیں۔ چھٹی دلیل۔ کثرت تابعین اور تبع تابعین اور فقہ کے چاروں امام اور ان کے مقلدین بھی صدیق و فاروق کی افضیلت کو مولیٰ علی پر تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ ابھی فقہ شافعی سے امام شافعی کا قول بیان کیا گیا۔ جب آئمہ کا مذہب و مسلک یہ ہے تو اُن کے مقلدین کا مسلک خود بخود ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ جو حنفی شافعی مالکی حنبلی مقلد ہو کر پھر تفضیلی شیعہ بنے وہ دھوکے باز جھوٹا حنفی شافعی وغیرہ مقلد بنتا ہے۔ وہ مقلد نہیں بہروپیہ ہے۔ دیگر فقہا اور تمام محدثین بھی کسی نہ کسی امام کے مقلد ہوئے کیونکہ احادیث جمع کرنے والے محدثین کو احادیث کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید لازمی کرنی پڑتی ہے۔ محدث خود فقیہ مجتہد نہیں ہوتا۔ امام اعظم نے فرمایا کہ محدث مثل عطار یعنی پنساری کی طرح ہے کہ جو دوائیں تو جمع کرتا ہے مگر اسے معلوم نہیں کہ کس حدیث سے کیا مستنبط اور فقیہ مجتہد مثل حکیم ہے کہ جانتا ہے کہ کس دوائی سے کیا علاج اور کس حدیث سے کیا مستنبط ہے (ازالمناقب للمکی جلد دوم ص۹)۔ ساتویں دلیل۔ اسلام کے بارہ امامِ اہل بیت بھی صدیق و فاروق کی اولین افضیلت کے عقیدہ سے پر تھے۔ اور تفضیلی رافضی شیعہ فرقہ کو گمراہ اور اسلام سے خارج سمجھتے تھے۔ چنانچہ سیرت امام ابو حنیفہ للشیخ ابو زہرہ مصری ص۱۲۷ پر ہے کہ ایک مرتبہ چند عراقی تفضیلی شیعوں نے حضرت امام باقر کی مجلس میں صدیق اکبر و فاروق اور عثمان غنی کی شان میں نامناسب طریقہ سے باتیں کیں تو امام محمد باقر رضؓ ان پر سخت ناراض ہوئے اور ڈانٹ کر فرمانے لگے۔ کیا تم مہاجر ہو جو اہل و مال سے نکال دیئے گئے ہو؟ وہ بولے نہیں، پھر آپ نے دریافت کیا۔ تم انصار میں سے ہو جنہوں نے اُن کو اپنے یہاں ٹھیرایا اور اُن کے ذریعے ایمان سے مشرف ہوئے وہ کہنے لگے نہیں۔ پھر امام باقر رضؓ نے فرمایا۔ تم وہ بھی نہیں جن کی شان میں وارد

ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ امِنْۢ بَعْدِ ھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ (سورۃ الحشر آیت ۱۰) پھر آپ نے سخت غصہ سے فرمایا نکل جاؤ یہاں سے خدا تعالیٰ تمہیں دور کرے تم لوگ زبان سے تو اسلام کے دعویدار ہو لیکن تم کو اسلام سے کچھ واسطہ نہیں۔ سبحان اللہ کیسا عظیم کلام امام ہے کہ اس ایک کلام نے پورے بارہ امام کی عقیدت اور مسلک و مذہب کا نقشہ کھینچ دیا کیونکہ امام باقر پانچویں امام ہیں انہوں نے لازمًا یہ مسلک اپنے والد محترم امام زین العابدین سے لیا ہوگا اور انہوں نے اپنے والد امام حسین اور اپنے تایا امام حسن سے لیا ہوگا اور امام حسن و حسین نے اپنے والد مولیٰ علی شیر خدا سے۔ جب ان پانچ اماموں کا مسلک حضرات خلفاء ثلاثہ کے متعلق یہ تھا تو بعد کے سات آئمہ اہل بیت امام جعفر صادق امام موسیٰ کاظم۔ امام علی رضا۔ امام تقی۔ امام نقی۔ امام حسن عسکری۔ امام مسلم کا مسلک ان کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے۔ آٹھویں دلیل۔ خود مولیٰ علی شیر خدا کا مسلک بھی یہی تھا کہ صدیق وفاروق کی فضیلت تمام صحابہ واہل بیت سے زیادہ ہے۔ چنانچہ جب یہودی سازش سے تفضیلی شیعہ فرقہ نے جنم لیا تب روز روز کی تشہیر فضیلت سے چند تابعین متاثر ہوئے تو اُن میں مولیٰ علی کے غیر فاطمی بیٹے حضرت محمد بن حنیفہ بھی میلان پوری کی وجہ سے متاثر ہو کر اپنے والد گرامی مولیٰ علی شیر خدا سے پوچھتے ہیں کہ صحابہ میں سب سے افضل کون ہے۔ اس واقعے کی حدیث پاک مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵ پر ہے کہ وَعَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِیَّةِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ۔ وَخَشِیْتُ اَنْ یَقُوْلَ عُثْمَانُ قُلْتُ ثُمَّ اَنْتَ۔ قَالَ مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ رَوَاہُ الْبُخَارِیْ۔

ترجمہ، محمد بن حنیفہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک بار اپنے والد (مولیٰ علی) سے پوچھا کہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل شخص کون ہے۔ مولیٰ علی نے فرمایا کہ سب سے افضل ابو بکر ہیں میں نے پوچھا پھر کون۔ فرمایا، عمر۔ تب تیسری بار میں نے اس اندیشے سے کہ اب آپ عثمانِ غنی کا نام نہ لے لیں اور اپنا نام نہ لیں تو میں نے تیسری مرتبہ عرض کیا کہ پھر آپ۔ یعنی اُن دو کے بعد آپ سب میں افضل ہیں۔ تو مولیٰ علی

نے اپنے متعلق (انکساری کرتے ہوئے) فرمایا کہ میں صرف ایک عام مسلمان آدمی ہوں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ اس کی تشریح میں فقہا فرماتے ہیں کہ محمد بن حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سوال اس لیے کیا کہ بعض لوگ جو آپ چند دنوں سے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ مولیٰ علی بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے افضل ہیں۔ میں اس کی حقیقت خود مولیٰ علی سے ہی پوچھلوں اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ صدیق و فاروق کی افضیلت بیان کریں گے تو میں سوال ہی نہ کرتا۔ جب آپ نے دونوں کا نام لیا تو پھر میرا دل نہ چاہا کہ پھر ثُمَّ مَنْ کا سوال کروں کہیں عثمانِ غنی کا نام لے کر اپنی فضیلت اور پیچھے نہ لے جائیں (اور تفضیلی شیعوں رافضیوں کا بالکل ہی رد فرمادیں) اس لیے تیسری بار میں نے خود ہی ثُمَّ اَنْتَ۔ کہہ دیا۔ مگر جو جواب مولیٰ علی نے دیا وہ سب نے سن لیا اس جواب کے بعد محمد بن حنفیہ بھی تفضیلی فرقہ سے علیحدہ ہو گئے۔ لمعات شرح مشکوٰۃ جلد ششم ص۲۰ پر ہے کہ جب ایک دن آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے صدیق اکبر کی افضیلت مولیٰ علی اور دیگر صحابہ نے سنی تو۔ قَالَ سَیِّدُنَا عَلِیُّ الْمُرْتَضٰی قَدَّمَكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَمْرِ دِیْنِنَا فَمَنِ الَّذِیْ یُؤَخِّرُكَ فِیْ دُنْیَانَا۔ ترجمہ، سیدنا علی مرتضیٰ نے صدیق اکبر سے فرمایا کہ تم کو ہمارے تمام دینی معاملات میں خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگے بڑھایا ہے تو کون شخص تم کو پیچھے کرسکتا ہے ہماری دنیوی معاملات میں شارحین اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ دینی معاملات سے مراد امامت خطابت عبادت ہے اور دنیوی معاملات سے مراد خلافت، امارت ہے اسی طرح یہودی تخریب کاری کی ایجاد فرقہ تفضیلیہ کی تردید کرتے ہوئے مشکوٰۃ شریف ص۵۶۵ پر ہے۔ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فِیْكَ مَثَلٌ مِنْ عِیْسٰی اَبْغَضَتْہُ الْیَہُوْدُ حَتّٰی بَہَتُوْا اُمَّہٗ۔ وَ اَحَبَّتْہُ النَّصَارٰی حَتّٰی اَنْزَلُوْہُ بِالْمَنْزِلَۃِ الَّتِیْ لَیْسَتْ لَہٗ۔ ثُمَّ قَالَ یَہْلِكُ فِیَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ یُقَرِّظُنِیْ بِمَا لَیْسَ فِیَّ۔ وَمُبْغِضٌ یَحْمِلُہٗ شَنَاٰنِیْ عَلٰی اَنْ یَّبْہَتَنِیْ۔ رواہ احمد۔ ترجمہ۔ حضرت علی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا آقا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اے علی تم میں

عیسٰی علیہ السّلام کی شبیہت ہے یہودیوں نے اُن سے بغض رکھا یہاں تک کہ اُن کی والدہ
کو تہمت لگائی۔ اور ان سے عیسائیوں نے محبّت کی یہاں تک کہ عیسائی حضرت عیسٰی
کو اُس درجہ تک لے گئے جو ان کے لیے نہ تھا، پھر مولیٰ علی نے فرمایا کہ میرے بارے
میں ہلاک ہوں گے دو قسم کے لوگ۔ ایک وہ فرقہ جو شرعی حدود سے بڑھ کر مجھ سے
محبت کرنے والا ہے مجھ میں وہ فضیلتیں بیان کرتے پھریں گے جو مجھ میں نہیں
اور دوسرا وہ فرقہ جو بغض اور دشمنی رکھنے والا ہے۔ میری دشمنی ان کو یہاں تک اکسائے
ورغلائے گی کہ وہ مجھ پر تہمتیں لگائیں گے۔ جھوٹے بہتان باندھیں گے۔ اس حدیث
پاک کو مسند احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث پاک کی مختصر شرح۔ یہاں چار الفاظ
قابل غور ہیں ۱۔ مُفْرِطٌ ۲۔ یُقَرِّظُنِیْ ۳۔ شَانِی ۴۔ ترتیبِ الفاظِ حدیث۔ مُفْرِطٌ اِفراط
کا اسم فاعل ہے۔ ترجمہ ہے حد سے بڑھنے والا یعنی شریعت کی حد سے بڑھنے والا رب تعالیٰ
نے ہر ایک کے لیے فضیلت کی بھی حد مقرر فرمائی ہے جس کو جو اور جس سے فضیلت ملی
اُس کے اندر ہی اس کو مانا جائے تو عنداللہ درست ہے ورنہ ہلاکت و گمراہی اسی کا
ذکر اس لفظ میں فرمایا گیا۔ تفضیلی شیعہ اسی حد پر آکر بھٹک جاتے ہیں اور اپنی مرضی
کی فضیلتیں دیتے پھرتے ہیں اسی لیے بقول مولیٰ علی ہلاک و گمراہ ہیں۔ لفظ یُقَرِّظُنِیْ
کا معنیٰ حاشیہ مشکوٰۃ نے بحوالہ لمعات اس طرح بیان فرمایا یُقَرِّظُنِیْ اَیْ یَمْدَحُنِیْ
وَالتَّقْرِیْظُ۔ بِالظَّاءِ مَدْحُ الْحَیِّ وَوَصْفُہٗ۔ وَفِی الْقَامُوْسِ مُوَافِقًا
لِمَا فِی الصِّحَاحِ۔ اَلتَّقْرِیْظُ مَدْحُ الْاِنْسَانِ وَھُوَ حَیٌّ بِحَقٍّ اَوْ بَاطِلٍ (حاشیہ
مشکوٰۃ صـ ۵۶۵) ترجمہ یُقَرِّظُنِیْ۔ کا معنیٰ ہے۔ میری مدح کرتے ہیں۔ تقریظ ظ سے اس
کا معنیٰ ہے کسی زندہ موجود انسان کی مدح اور وصف و فضیلت بیان کرنی۔ اور قاموس
اللغات میں بالکل لغت کی مشہور کتاب صحاح کے مطابق کی تقریظ بمعنیٰ انسان کی مدح
بیان کرنی جب کہ وہ زندہ موجود ہو۔ حق مدح ہو یا باطل جھوٹی بِمَا لَیْسَ فِیْہِ کا معنیٰ
ہے وہ گروہ تفضیلی شیعہ فرقہ میری ایسی فضیلت بیان کرتا ہے میری موجودگی میں
بھی جو فضیلت مجھ سے میں نہیں ہے۔ اس عبارت سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ تفضیلی
فرقہ مولیٰ علی کی موجودگی میں ایجاد ہو چکا تھا۔ لفظ شَانِی کا معنیٰ ہے۔ میری عداوت
اور ناحق دشمنی، پھر اس حدیث کے ترتیبی الفاظ اِن چاروں فرقوں کے زمانوں کو بیان

فرما رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں پہلے دشمنی والے یہودی ہوئے پھر غلط محبت کرنے والے عیسائی ہوئے۔ لیکن مولیٰ علی نے پہلے محبِ مُفرط کا ذکر فرمایا پھر مُبغِض کا اس ترتیب نے بتایا کہ مولیٰ علی کے زمانے میں پہلے تفضیلی رافضی شیعہ ایجاد ہوئے پھر خارجی فرقہ بنا۔ یَھْلِكُ فِیَّ کی عبارت بتا رہی ہے کہ تفضیلی رافضی شیعہ بھی گمراہ اور ہلاک، خارجی فرقہ بھی گمراہ و ہلاک ہے۔ ایک بار مولیٰ علی شیرِ خدا نے تفضیلی ٹولے کی تردید کرتے ہوئے اور مسلمانوں کو اس گمراہ ٹولے سے بچانے کے لیے کوفہ کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اَلْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَالْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ وَ اَلْفَضِیْلَۃُ مَا فَضَّلَ اللّٰہُ فَلَا تُفَضِّلُوْنِیْ مُفْرِطًا۔ فَلَا تُفَضِّلُوْنِیْ مُفْرِطًا۔ فَلَا تُفَضِّلُوْنِیْ مُفْرِطًا۔ (ثَلَاثًا) وَاِلَّا ھَلَکْتُمْ وَضَلَلْتُمْ۔ (از خطباتِ علی مطبوعہ مصر ص۱۰۴) ترجمہ۔ اے لوگو یاد رکھو کہ حرام صرف وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ حرام فرمائے اور حلال صرف وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ حلال فرمائے اور فضیلت صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ پس نہ فضیلت دو تم مجھ کو شریعت کی حدود سے نکل کر (یہ جملہ آپ نے تین بار فرمایا) غور کرو کہ وہ کونسی فضیلت تھی جو مولیٰ علی کو ناپسند تھی اور جس سے اس شدت کے ساتھ منع فرما رہے ہیں کہ یہ حدودِ شریعت کے خلاف فضیلت ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ وہ یہی فضیلت تھی جو آج بھی تفضیلی شیعہ رافضی دیتے پھرتے ہیں چنانچہ الشاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب قُرّۃُ العَین فی تفضیل الشیخین میں لکھتے ہیں کہ اگر میری طبیعت کو اس کی آزادی پر چھوڑ دیا جائے تو وہ حضرت علی کی فضیلت کی قائل ہوتی نظر آتی ہے۔ لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت کا اقرار کروں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کس کے حکم کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ یہی کہ مجھ کو قرآن مجید اور احادیث مقدسات اور خود مولیٰ علی شیرِ خدا کا حکم ہے۔ اسی حکم کو پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید وضاحت سے اپنی کتاب تصفیہ مابین سنی و شیعہ کے ص۲۲ پر بیان فرماتے ہیں۔ اور آپ کی سوانح حیاتِ مہر منیر کے صفحہ ۲۳ پر ہے۔ لیکن یاد رہے کہ مسئلہ فضیلت میں حضرت شیخ اکبر رح بھی اکابر اہلِ سنت کے ہم نوا ہیں۔ جیسا کہ فتوحاتِ مکیہ میں فضیلتِ حضرت صدیقِ اکبر کو واضح انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا ہی حضرتِ اعلیٰ گولڑوی رح نے تصفیہ مابین سنی شیعہ

میں ذکر فرمایا ہے۔ اسی صـ۲۳ پر آگے پیچھے مل کر لکھتے ہیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ جیسے شرح العقائد وتبراس میں تحریر ہے۔ حضرت علی کی یہ فضائل مسئلہ فضیلتِ شیخین کے منافی نہیں ہیں۔ ان سے حضرات شیخین کی فضیلت میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں ہوتی ہے۔ **نویں دلیل** تفضیلی شیعہ اور تبرائی شیعہ فرقہ کے باطل ہونے کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں فرقوں کے موجد یہودی ٹولہ ہے۔ اور تاریخ عالم شاہد ہے کہ یہودی گروہ اپنے ابتدائی دور سے ہی مکاری حسد، بغض، فریب کاری جعلسازی منصوبہ بندی میں اتنے ملوث ومبتلا ہوئے کہ اب یہ ٹولہ عیاری، دھوکہ دہی اور تخریب کاری میں ضرب المثل ہو چکا ہے۔ کنجوسیت اور ہیروپیت ان کے قومی نشان مشہور ہو چکے ہیں۔ ان کا نسلی آبائی نام بنی اسرائیل ہے اور مذہبی نام یہودی ہے ان کے آباؤ اجداد نے سب سے پہلے اپنے والد یعقوب اور علاتی بھائی حضرت یوسف علیہما السلام سے دھوکا فریب کیا۔ اگرچہ اُس کی معافی تو بہ ہو گئی پھر انبیاء علیہم السلام کو ستایا اور متعدد انبیا علیہم السلام کو شہید کرتے رہے بات بات میں جھوٹ فریب ان کا پیشہ وان وطیرہ بنا رہا۔ موسیٰ علیہ السلام کو بار بار ستایا۔ ھرون علیہ السلام کی ہر کام میں نافرمانی گستاخی کے مرتکب ہوئے۔ یحییٰ وزکریا علیہما السلام کو انہوں نے ستایا اور قتل کیا۔ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت زنی کی عیسیٰ علیہ السلام کی بار بار گستاخی ونافرمانی کی یہاں تک کہ صلیب پر مارنے کی پوری پوری کوشش کی بلکہ اپنے خیال میں مار ہی ڈالا اور جس صلیب پر مسیح علیہ السلام کے شبہ میں اُن کی ہی مخبری کرنے والے حواری کو صلیب پر چڑھا کر مار ڈالا اور مشہور کر دیا کہ ہم نے عیسیٰ کو مار ڈالا اسی صلیب کے بارے میں تمام عیسائیوں کو دھوکہ دے کر آج تک پاگل بنایا ہوا ہے۔ یعنی جب یہودیوں نے محسوس کیا کہ اب تمام عیسائی ہمارے دشمن بن جائیں گے اور صلیب مسیح کا بدلہ لیں گے تو عیسائی دشمنی سے بچنے کے لیے ایک سخت ترین دشمنِ مسیح یہودی پولوس کو جھوٹا عیسائی بنایا۔ اُس نے عیسائی بن کر پہلے کفارے کا مسئلہ ایجاد کیا پھر اُس کو درست کرنے کے لیے مسیح کو ابن اللہ ٹھہرایا اور عیسائیوں کو یاد کرایا کہ مسیح ابن اللہ تھے، پھر تمام گناہوں کے کفارے میں مسیح کا اپنی خوشی سے صلیب پر چڑھ جانے کا ڈھونگ رچایا، پھر پولوس یہودی بناوٹی عیسائی نے شریعت کی گستاخی کی اور تمام عیسائیوں سے کروائی۔ اس پھندے میں پھنسا کر تمام نیکیاں بند کرا کر گناہ خوب کروائے اس طرح

تمام عیسائیت کے پیچھے اور پاکیزہ دین کو تا قیامت تباہ و برباد کیا۔ اور عیسائی پولوس کے یہودیانہ فریب میں مبتلا ہو کر آج تک پاگل بنے ہوئے ہیں پھر جب اسلام کا دور آیا تو یہودیوں نے اپنی پرانی فریب کارانہ خصلت کی عادت کی بنا پر مسلمانوں کو گمراہ و کافر بنا کر ہلاک و برباد اور دینی طور پر تباہ کرنے کا ایک خطرناک منصوبہ بنایا چنانچہ یہودیت کا پہلا فریب کارانہ وار دورِ صدیقی میں چلانا چاہا، جس کا مختصر ذکر تفسیر روح البیان جلد ششم صفحہ ۱۴۴ سورۃ حج کی آخری آیت میں کیا گیا کہ مسجد نبوی میں ایک یہودی آیا اور با آواز بلند پکارا کہ تم میں نبی کا وصی کون ہے۔ صحابہ نے یہ لفظ وصی پہلی بار سنا تھا سب نے صدیق اکبر کی طرف اشارہ کیا کہ ان سے پوچھو وہ صدیق اکبر کی طرف متوجہ ہو کر بولا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے۔ میرے تین سوال ہیں ان کا جواب یا نبی جانتا ہے یا نبی کا وصی جانتا ہے پھر اس نے تین سوال کئے صدیق اور دیگر صحابہ نے کہا کہ اس کو علی مرتضیٰ کے پاس لے جاؤ۔ وہاں جا کر بھی اس نے تین سوال کئے جب مولیٰ علی نے اس کے جواب دیدئے تو بلند آواز سے وہ یہودی کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ہی اپنے نبی کی وصی ہو، یہودیوں کی یہ وہ پہلی شرارت تھی جس کے ذریعے انہوں نے مسلمانوں میں فرقے بازی خانہ جنگی کرانے کی ناکام کوشش کی۔ اس وقت سے وصی کا لفظ مسلمانوں کی سماعت میں آگیا۔ مگر چونکہ یہ سازش و شرارت ظاہر یہودی نے پھیلائی تھی اس لیے کامیاب نہ ہوئی پھر خاص منصوبہ بندی کے تحت عبداللہ بن سبا یمنی یہودی دورِ عثمانی کے دسویں سال، مدینہ منورہ میں آکر مسلمان بنتا ہے۔ تقریباً بالکل وہی چال جو پولوس یہودی نے عیسائیوں سے چلی اور پھر اسی انداز میں مسلمانوں میں تفضیلت علی اور حقدارِ خلافت کا چکر چلایا کہ خلافت کے حقدار صرف مولیٰ علی ہیں۔ پہلی دو خلافتیں بھی غلط تھیں اور اب یہ موجودہ خلافت عثمانی بھی غلط ہے۔ پولوس اور ابن سبا میں فرق صرف یہ رہا کہ پولوس کی مکاری چالبازی چرب زبانی سے سارے عیسائی کافر و برباد و ضلالتِ اُخروی میں جاگرے مگر عبداللہ بن سبا کے مکر میں صرف چند نو مسلم تابعی مبتلا ہو کر تفضیلی شیعہ بن گئے جن میں شاہی نسلوں کے پجاری ایرانی نو مسلم سب سے پہلے ورغلائے گئے کیونکہ ان کی جبلت نسلی میں شاہ پرستی شامل تھی۔ وہ نسلی حکومت کے خوگر اور عادی تھے۔ لہٰذا ابن سبا کا بھی اس بات میں ساتھ دیا کہ نبی کریم کے بعد ان کی نسل و برادری کا فرد ہی خلافت کا

حقدار ہے اور وہ علی ہیں، ایران میں صدیوں پرانی یہ ربیت چلی آرہی تھی۔ ابتدا میں ان کا یہ تفضیلی گروہ خفیہ کام کرتا رہا، ایرانیوں کے بعد کوفی۔ بصری، مصری نومسلم تابعین نے اس کی دعوت کو مان کر اس کے گروہ میں شامل ہوئے۔ دوسرا فرق یہ کہ پولس یہودی نے عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ بنایا۔ اور عبد اللہ بن یمنی یہودی نے مولیٰ علی کو وصی بنا کر مسلمانوں فرقہ بنایا صحابہ کرام نے اس گروہ کا نام رافضی رکھا۔ رافضی رِفضٌ سے بنا ہے اس کا معنیٰ ہے قرآن و حدیث کو یا اللہ رسول کو یا دین حق صراطِ مستقیم کو چھوڑ دینے والا فرقہ مدینے منورہ سے صحابہ کرام نے اس گروہ کو نکالا تو یہ ٹولہ اور ان کا سرغنہ عبد اللہ بن سبا بصرے چلا گیا وہاں اپنا مرکز بنایا پھر وہاں کوفہ پہنچ کر مرکز بنایا اور وہاں سے دمشق میں اپنا مرکز بنانا چاہا مگر اہل دِمشق نے وہاں زدوکوب کر کے نکالدیا۔ وہاں سے بھاگ کر یہ مصر پہنچا اور وہاں اپنا گروہ بنایا۔ یہ ہے تفضیلی شیعہ رافضی فرقے کا تاریخی پس منظر جس سے ثابت ہوا کہ تفضیلی شیعہ یہودی ایجاد ہے اوّلاً ان کا تفضیلی فرقہ مولیٰ علی کی موجودگی میں بن گیا تھا۔ پھر اِن ہی کے عقائد بگڑتے گئے اور تبرائی شیعہ رافضی بننے لگے۔

(از تاریخ ابن خلدون۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، تہذیب التہذیب لابنِ حجر عسقلانی)

دسویں دلیل۔ عقل و فطرت سے حق و باطل کی تفریق و تمیز اور پہچان کرنے کا آسان اور مضبوط طریقہ عقائد کو پرکھنا ہے اور ادیان عقائد کی پرکھ اور میزان دلائل نقلیہ و عقلیہ کا وجود ہے۔ جس مذہب و مسلک کے عقائد قرآن و حدیث اور اجماع امت سے لئے گئے ہوں وہ حق مذہب ہے۔ اور جس مذہب و مسلک کے عقائد قرآن و حدیث اور اجماع امت کے خلاف جاتے ہوں اور کسی کافرانہ سازش سے بنے ہوں وہ مذہب باطل ہے اس معیار اور قاعدۂ کلیہ سے جب تفضیلی و تبرائی رافضی شیعہ فرقوں کے عقائد دیکھیں جائیں تو سراسر قرآن و حدیث کے خلاف اور یہودی سازش کی پیداوار ہونے کی وجہ سے یہ دونوں فرقے باطل ہیں۔ چونکہ تفضیلی فرقہ پہلے بنا اس لیے پہلے اُن کے عقائد لکھے جاتے ہیں۔ تفضیلی شیعہ کے عقائد۔

عبد اللہ بن سبا یہودی کے بنائے ہوئے عقائد پہلا عقیدہ اپنے گروہ کا نام ان لوگوں نے شیعانِ علی اور محبانِ اہل بیت رکھا۔ جب کہ صحابہ کرام نے اس فرقے کا نام رافضی رکھا تھا رافضی، رفضٌ سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے ... اسلام، قرآن اور صراطِ مستقیم

کو چھوڑنے والا فرقہ۔ عقیدۂ دوم، امامت جمہوری اور عام مشوروں کی چیز نہیں بلکہ امامت ہی کا دوسرا نام خلافت ہے۔ اور یہ دین کا ستون اسلام کی اساس و بنیاد ہے۔ کسی نبی کے لیے اس سے غفلت برتنا جائز نہیں بلکہ نبی پر ہی واجب ہے کہ صاف صاف لفظوں میں اپنا خلیفہ مقرر کر کے جائے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر نہیں فرمایا تو یہ اُن کی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) غلطی ہے۔ عقیدۂ سوم، ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصی علی ہیں اور وصی ہی خلیفہ اور امام ہو سکتا ہے عقیدہ چہارم۔ علی تمام صحابہ اور صدیق و فاروق سے افضل ہیں، عقیدہ پنجم۔ مولیٰ علی دنیا میں افضل الخلق اور آخرت و جنت میں ان کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہوگا۔ عقیدۂ ششم علی کا دشمن اللہ کا دشمن اور کافر ابدی جہنمی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سخت خلاف اور گستاخ ہیں اور ان کو کافر کہتے ہیں جو ان کو کافر نہ سمجھے اس کو بھی کہتے ہیں معاذ اللہ وغیرہ وغیرہ (از مقدمہ ابن خلدون فصل فی مذاہب الشیعہ ص ۱۹۴)

یہ وہ چند عقیدے ہیں جو اُس وقت عبد اللہ بن سبا نے پھیلائے۔ اس کے بعد تفضیلی شیعوں نے چند ایک دیگر عقیدے بنائے جو بہت بعد کی پیداوار ہیں مثلاً، اہل بیت کے لیے علیہ السلام کہنا۔ یہ پہلے تبرائی شیعوں کی نشانی تھی ان سے تفضیلی شیعوں نے بھی یہ عقیدہ اپنایا۔ ان کا کہنا ہے کہ چونکہ اہل بیت تمام صحابہ سے افضل ہیں اس لیے اُن کے لیے اعزازی دعائی کلمات بھی صحابہ سے مختلف ہونے چاہیئے اہل سنت لوگ جواب دیتے ہیں کہ اگر اہل بیت کے لیے علیحدہ کلمات ضروری ہوتے تو اللہ رسول ہی مقرر فرما دیتے اور جس زبانِ اقدس نے مولیٰ علی کے لیے کرم اللہ وجہہ کے خصوصی کلمات ارشاد فرمائے اسی سے علیہ السلام بھی ارشاد ہو سکتا تھا۔ مگر قرآن مجید میں تمام صحابہ و اہل بیت کے لیے ایک ہی طرح کے الفاظ ارشاد ہوئے (رضی اللہ عنہم) اور جو یہ گمراہ لوگ اصل اہل بیت ازواج کے لیے یہ کلمات نہیں بولتے۔ (نعرہ) گمراہی کی حد ہے کہ صحابہ سے تو تفریق کرتے ہیں مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے برابر کھڑا کرتے ہیں، کیا اس طرح بزرگی اُن سے ظاہر نہیں ہوتی اگر تفریق ہی کرنی تھی تو کوئی اور کلمات ہی مقرر کر لیتے۔ بعد کا دوسرا عقیدہ یہ بنایا کہ سید زادہ تا قیامت جہاں چاہے جس سے چاہے اونچی نیچی جگہ غیر برادری میں نکاح کرتا پھرے اُس کو کھلی چھٹی ہے۔ لیکن سید زادی کا نکاح کبھی

بھی کسی غیر سید سے نکاح جائز نہیں، خواہ کتنا بڑا قبیلہ نیک پاک مومن مسلمان شرافت وعزت والا ہو اگرچہ قریشی عالم فاضل محدث معتبر ولی کامل ہو۔ اور سیدزادی نکاح پر مجبور ہو والی وارث بھی راضی ہوں۔ اگر سیدزادی کو سید گھرانے کا رشتہ نہ ملے تو بھی غیر سید اد بچے شریف گھرانے میں نکاح جائز نہیں۔ اگرچہ سیدزادی بغیر نکاح بوڑھی ہو کر مرجائے ان گمراہوں کا خلافِ اسلام یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ ابتدائی دور میں یہ فرقہ مدینہ منورہ بصرہ کوفہ اور مصر میں کچھ قدرے بہت تھوڑی تعداد میں پھیلا، پھر بصرے اور مصر سے یہ لوگ ہندوستان کے شہر متھرا، لکھنو، بمبئی میں آیا وہاں سے پاکستان کے سرحدی علاقہ مضافاتِ ضلع ہزارہ اور حویلیاں میں نمودار ہوا۔ تبرائی شیعوں کے عقائد۔ یہ فرقہ خلافتِ عثمانی کے بعد وجود میں آیا ان کے عقائد تفضیلی شیعوں کے عقائد میں مزید اضافہ سے بنے چنانچہ ان چار مندرجہ بالا تفضیلی عقائد کو شامل کرکے پانچواں عقیدہ تمام اہل بیت معصوم ہیں ان سے کوئی خطا لغزش گناہ سرزد ہو سکتا ہی نہیں۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ معصوم صرف انبیاء کرام ہیں۔ آسمانوں میں ملائکہ معصوم ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جس طرح آخری نبی ہیں آخری معصوم بھی ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہو سکتا ہے نہ کوئی معصوم، چھٹا عقیدہ خلیفہ ہی امام ہے اور خلیفہ وامام کا معصوم ہونا شرط ہے۔ غیر معصوم نہ خلیفہ بن سکتا ہے نہ امام۔ ساتواں عقیدہ علی میں اُلوھیت اس طرح داخل ہے جس طرح جسم میں روح اور پھول میں خوشبو۔ اسی بنا پر تبرائی شیعوں کا نعرہ ہے علی رب۔ آٹھواں عقیدہ امامت نبوت سے افضل ہے لہٰذا بارہ امام تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ بعض شیعہ مولیٰ علی کو نبی کریم سے بھی افضل مانتے ہیں۔ (معاذ اللہ) نواں عقیدہ۔ جبرئیل بھول کر وحی نبی کریم کی طرف لے گئے۔ اصلاً علی کی طرف لانی چاہیے تھی۔ دسواں عقیدہ۔ اس موجودہ ظاہر قرآن میں صحابہ نے ملاوٹیں کر دیں لہٰذا یہ قرآن صحیح نہیں۔ اصل قرآن امام مہدی غار سرّہ مرّہ میں چھپا کر بیٹھے ہوئے ہیں قریب قیامت لے کر باہر آئیں گے۔ (از مقبول ترجمہ مقبول احمد رافضی کا ترجمہ قرآن) گیارھواں عقیدہ بارہ اماموں کی روحوں میں تناسخ ہوتا ہے ہر امام کی روح میں اُلوھیت موجود ہے اور پہلے امام کی روح بعد میں آنے والے امام کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ مندرجہ بالا گیارہ عقائد ہر تبرائی شیعہ کا متفقہ ہے اس کے علاوہ بہت سے باطل عقیدے وہ ہیں جو متفقہ نہیں بلکہ ان کے آپس کے گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں

مثلاً کچھ کہتے حضرت علی فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ روپوش ہو گئے ہیں۔ کچھ کہتے ہیں معراج میں لامکان میں اللہ کی جگہ علی جلوہ گر تھے (معاذ اللہ) کچھ کہتے ہیں مخلوق میں سب سے پہلے پنجتن پاک پیدا ہوئے یعنی محمد علی فاطمہ حسن حسین، اور یہ سب انبیاء سے افضل ہیں (معاذ اللہ) کچھ کہتے تھے کہ جس نے بارہ اماموں کو معصوم مان لیا وہ بخشا گیا وہی مومن اور صالح ہے۔ اُس کے لیے کوئی چیز حرام نہیں شراب مردار خنزیر، اور محرمات عورتیں بھی اس کے لیے حلال ہیں اور دلیل میں سورۃ مائدہ کی آیت ۹۳ پڑھتے ہیں۔ لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں کہیں مُردار، خمور، خنزیر کی حرمت کا ذکر ہے اُس سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے عداوت رکھنا ضروری ہے مثلاً صدیق، فاروق، عثمان، اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور جہاں فرائض اور احکام شریعت عبادت، عمل صالح کا ذکر ہے تو اُس سے مراد محبت اہل بیت یعنی علی حسن و حسین اور ان کی اولاد سے محبت کرنا ان کو ساری مخلوق پر افضلیت دینا مراد ہے (از تاریخ مقدمہ ابن خلدون ص۲۰۱ اور مقریزی کی کتاب الخطط اور شہرستانی کی کتاب الملل والنحل) ان مندرجہ بالا عقائد میں ساتواں عقیدہ عیسائیوں سے لیا گیا کہ وہ بھی عقیدہ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مانتے ہیں۔ اور گیارھواں عقیدہ ہندوؤں سے لیا گیا ہے۔ وہ تناسخ کو ہندی میں آواگون کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شیعہ فرقہ فارس سے چلا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہودیوں کی ایجاد ہے کیونکہ اُس کا موجد عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ امام شعبی نے اپنی کتاب العقد الفرید میں یہی لکھا۔ (از سیرت امام ابوحنیفہ ابوزہرہ مصری ص۲۰۲) غرضکہ تبرائی شیعوں کے عقیدے عیسائیت، یہودیت، بُدھ مت، ہندو مت، برہمن اور آریہ عقائد کا مجموعہ ہے۔ گیارھویں دلیل۔ ان دونوں فرقوں تفضیلی و تبرائی کے باطل ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اُن کے یہ جتنے بھی عقائد بنائے گئے ہیں وہ سب اسلام قرآن اور تعلیم نبوی کے سراسر خلاف ہیں۔ یہاں تک کہ ان دونوں فرقوں کی تلاوت و قرأت کے کچھ طریقے اسلام کے خلاف، اور نماز روزہ افطار و سحری، کلمہ، اذان، نماز سب اعمال بھی اسلام سے جداگانہ۔ چنانچہ نمبر۱ اسلامی قرأت ہے سلام علیٰ اِلْیَاسِیْنَ، انہوں نے بگاڑ کر بنادی کی سلامٌ علیٰ آلِ یٰسین۔ اور مراد لیا کہ اہل بیت پر سلام ہو۔ نمبر۲ اسلامی قرأت ہے۔

اِن بِنی مِنَ اَھلی۔ مگر انہوں نے کہا اِنَّ بِنْتِی مِنْ اَھْلِھَا۔ صرف اس لیے تاکہ کافر شیعوں کو بھی کوئی برا نہ کہے ۳ اسلام نے کہا ابولہب وکافر جہنمی ہے تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ مگر انہوں نے کہا کہ ابولہب کو برا نہ کہو کیونکہ اہل بیت میں شامل ہے۔ ہاں البتہ یہ سورۃ لہب پڑھنا چھوڑ دو شیعوں کے سلف صالحین نہ پڑھتے تھے اگر ان کا بس چلے تو یہ ظالم تفضیلی و تبرائی لوگ اس سورۃ پاک کو قرآن مجید سے ہی نکالدیں ۴ اسلام نے فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ۔ قرآن لاریب ہے۔ اس کتاب قرآن مجید میں کوئی شک اور ملاوٹ کمی بیشی نہیں مگر شیعوں نے کہا اس میں بہت سی ملاوٹیں تبدیلیاں کمی بیشی ہے یہ قرآن لاریب نہیں ہے۔ ۵ اسلام نے فرمایا اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ غروب ہوتے ہی روزہ افطار کرلو۔ رات کا ذرہ حصہ روزے میں شامل نہ کرو۔ مگر شیعوں نے کہا کہ نہیں بلکہ کافی رات کا اندھیرا چھا جائے تب روزہ افطار کرو۔ ۶ اسلام نے فرمایا عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ۔ تم اپنے آپ کو اہل سنت کہا کرو سنی بن کر رہو۔ مگر ان تفضیلی و تبرائی شیعوں نے اپنے آپ کا شیعان علی نام رکھا ۷ اسلام قرآن نے فرمایا وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ۔ اے ایمان والوں اپنا ہر کام باہمی مشورے سے کیا کرو۔ اگرچہ خلافت کا تقرر ہو۔ مگر شیعوں نے کہا کہ خلافت الٰہی مقرر کردہ منصب ہے۔ اور معاذ اللہ نبی کریم نے خود یہ تقرر نہ کر کے غلطی کی اپنی ذمہ داری پوری نہ کی ۸ اسلام نے فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سورۃ نور آیت ۵۵ یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تم نیک مسلمانوں سے کہ ان میں چند کو اللہ تعالیٰ خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو بنایا۔ مگر شیعوں نے کہا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے صرف وہی خلیفہ ہوسکتا ہے ۹ تاریخ اسلام نے فرمایا کسی نبی کا کوئی وصی نہ ہوا۔ از آدم تا عیسٰی نہ کوئی اس کا ثبوت دے سکتا ہے۔ مگر شیعوں نے کہا کہ علی مرتضیٰ نبی کریم کے وصی ہیں۔ مگر ہر نبی کا وصی ہونا ثابت نہ کرسکے۔ ۱۰ اسلام قرآن نے فرمایا کہ نبی سب سے افضل اور نبی کے ثانی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لہذا نبی کے بعد وہ سب سے افضل مگر شیعوں نے کہا کہ علی سب سے افضل۔ نبی سے بھی صدیق سے بھی ۱۱ اسلام نے فرمایا ابوبکر و عمر سَیِّدَا کُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ تمام اولین آخرین جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں۔ مگر شیعوں نے کہا کہ نہیں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ دنیا و آخرت و جنت میں سب سے بلند

مرتبے پر ہیں ۱۲ اسلام قرآن نے فرمایا تمام صحابہ و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم مگر تفضیلی و تبرائی شیعوں نے صرف پنجتن پاک اور بارہ اماموں کو مثلِ انبیاء علیہ السلام کہنا شروع کر دیا۔ اور اصل اہل بیت ازواج پاک اور تین بڑی صاحبزادیوں کو اہل نہ سمجھا نہ ان کو یہ الفاظ دیئے ۱۳ اسلام نے فرمایا اذان میں صرف اللہ رسول کا نام لیا جائے۔ مگر شیعوں نے کہا کہ ہم اسلام کی اذان نہیں مانتے ہم تو عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ بھی ہر اذان میں شامل کریں گے ۱۴ اسلام نے فرمایا زمین پر انبیا کے سوا کوئی معصوم نہیں مگر شیعوں نے کہا ائمہ اہل بیت بھی معصوم ہیں ۱۵ اسلام نے فرمایا۔ اَللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ فقط اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات میں الٰہ واحد ہے۔ مگر شیعوں نے کہا علی میں بھی الوہیت ہے۔ ۱۶ اسلام فرماتا ہے کہ نبوت سب سے اونچا مقام ہے مگر شیعہ فرقہ کہتا ہے امامت نبوت سے بھی اونچا مقام ہے معاذ اللہ۔ غرضکہ ان دونوں فرقوں کے تمام عقائد اسلام قرآن و حدیث کے سخت خلاف ہیں اس لیے باطل و گمراہی و کفریہ ہیں۔ **بارھویں دلیل** یہ دونوں فرقے اس لیے بھی باطل ہیں کہ ان کے کسی عقیدے کسی عمل پر کوئی دلیل نہیں بس یہودی ان کے نظریات بناتے رہے اور یہ لوگ ان کے جال میں پھنس کر اپنا دین بگاڑتے رہے۔ یہودی سازش نے عیسائیت کو تو بالکل تباہ کر دیا مگر بحمد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اکثریت ان کے فریب میں نہ آئی صرف تھوڑے سے کم عقل نومسلموں کا اوّلاً تفضیلی پھر انہی میں سے تبرائی شیعہ ٹولہ بن گیا۔ جو آج تک نسل در نسل تھوڑا بہت چلا آرہا ہے۔ یہ لوگ اپنے عقائد پر دلیلیں قائم کرنے کے لیے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر نہ مضبوط دلیل ہاتھ آتی ہے نہ بات بنتی ہے۔ مثلاً اپنی آزاد روی اور محرمات کو اپنے لیے جائز و حلال سمجھتے ہوئے سورۂ مائدہ کی آیت ۹۳ پیش کرتے ہیں جو ابھی پہلے بیان کی گئی۔ مگر بیوقوف یہ نہیں سمجھتے کہ یہ آیت گذشتہ کے لیے ہے نہ کہ آئندہ کے لیے۔ اور آیتِ پاک میں بتایا جارہا ہے کہ شراب وغیرہ وہ اشیا جو اب حرام ہوئی ہیں، حرام ہونے سے پہلے جن مومن متقی مسلمانوں نے اس کو پیا تھا وہ فوت ہو گئے ہیں یا زندہ موجود ہیں اور اب آئندہ کے لیے پکا پرہیز کرتے ہیں تو ان پر پچھلا کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس وقت تو حرام ہی نہ ہوئی تھیں۔ ہاں البتہ اب اگر کوئی شراب پیئے گا تو بڑا سخت گناہ پڑے گا۔ اسی طرح شیعہ لوگ فضیلتِ علی کے لیے غدیر خم کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانِ مقدس کو

افضلیت اور خلافت بلافصل اور وصی رسول ہونے کی دلیل بناتے ہیں۔ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ یعنی جس کا میں مولیٰ اس کے علی مولیٰ ثابت ہوا کہ علی ہی خلیفہ اور علی ابوبکر صدیق وفاروق وعثمان سے افضل اور علی وصی رسول۔ اور اس تاریخ کو عید غدیر مناتے ہیں مکہ مکرمہ سے چھ میل اور جحفہ سے تین میل دور حرمین کے درمیان مقام خُم ہے غدیر یعنی بڑا حوض میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل صرف شان علی پر ہے نہ کہ خلافت وفضیلت ووصی ہونے پر کیونکہ مولیٰ کا معنی ہے مددگار تو اس فرمانے حدیث کا صرف یہ معنیٰ ہے کہ جس مسلمان کا میں مددگار ہوں اس کے علی بھی مددگار ہوں گے۔ یعنی مولیٰ علی اس کے دشمن اور مخالف نہیں ہو سکتے۔ اور اگر مولیٰ بمعنیٰ دوست بھی کیا جائے تب بھی یہ معنیٰ ہے کہ جس کا میں دوست اُس کے علی بھی دوست اس معنیٰ میں بھی وصی اور خلیفہ یا صدیق وفاروق سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا کچھ لوگوں نے مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ کی تشریح میں فرمایا ہے کہ یہ فرمان اتنا ایسا بھی ہو سکتا ہے جیسے کوئی بادشاہ کہے کہ آج سے جس کا میں مددگار ہوں میرے سب گھر والے بھی اس کے مددگار ہوں گے۔ یا میری فوج اور پولیس بھی اس کی مددگار ہوگی تو اس فرمان سے کسی فوجی کا درجہ وزیر اعظم سے زیادہ نہ ہو جائے گا۔ شیعوں کی تیسری دلیل یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے علی تمہاری صلح میری صلح اور تم سے لڑائی میرے خلاف اعلان جنگ۔ دیکھو دیکھو اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ علی صدیق وفاروق سے افضل۔ اور علی ہی وصی اور خلیفہ بلافصل۔ شیعوں کی چوتھی دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی۔ یا اللہ علی کے دوست کو دوست اور علی کے دشمن کو دشمن بنا۔ دیکھو ہو گیا نا ثابت کہ علی صدیق وفاروق سے افضل۔ خلیفہ بلافصل اور وصی رسول اللہ۔

شیعوں کی پانچویں دلیل۔ ایک بار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی تم کو صرف مومن ہی پیار کرتا ہے اور منافق ہی تمہارے خلاف بغض وعناد رکھتا ہے اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوا کہ مولیٰ علی صدیق وفاروق سے افضل ہیں اور علی ہی وصی ہیں اور علی ہی خلیفہ بلافصل ہیں حالانکہ یہ شان تو تمام انصار کی بھی ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب جامع المناقب فصل اول حدیث۔ آپ متفق علیہ روایۃ وعَنِ البراء متفق علیہ کیا عجیب دلائل ہیں۔ تو سر تا پیر بس ان تمام کی کمزور اور بے معنیٰ باتوں دلیلوں سے اپنا مذہب قائم رکھے ہوئے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا سوال گندم جواب جو۔ ان مندرجہ

روایات نے صرف شانِ علی بتائی نہ کہ فضیلت وخلافت اور وصیت، اور یہ وہ دلیلیں ہیں جو ان کے بڑے بڑے علما و اکابر دیتے پھرتے ہیں۔ اور کتابوں میں لکھی ہیں ان کچی باتوں سے بھی ثابت ہوا کہ ان لوگوں کے پاس خلافت بلافصل اور وصیِ رسول یا فضیلت پر کوئی ٹھوس مضبوط دلیل نہیں مگر بحمداللہ تعالیٰ صدیق دفاروق کی فضیلت وخلافت پر قرآن وحدیث کے کثیر دلائلِ حقہ موجود ہیں جن کو یہ توڑ نہیں سکتے۔ **تیرھویں دلیل**۔ ان دونوں تفضیلی اور تبرائی رافضی شیعہ فرقوں کی وجہ سے مسلمانوں میں فساد در انتشار، خانہ جنگی ہوئی اس لیے بھی یہ دونوں فرقے باطل ہیں۔ اسی یہودی سازش نے تفضیلِ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آڑ لے کر اٹھارہ ۱۸ ذی الحج بروز جمعرات بوقت عصر ۳۶ھ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی کو ان کے ہی گھر میں پچاس ۵۰ دن محصور رکھ کر۔ گھر کے پچھواڑے سے دیوار پھلانگ خفیہ طریقے سے شہید کر دیا۔ جب ایک بار عبداللہ بن سبا نے ایک محفل میں برملا کہا کہ علی سب میں افضل ہیں پہلی دو خلافتیں بھی غلط تھیں اور یہ خلافتِ عثمانی بھی غلط ہے اور کہنے لگا کہ میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور محمد رسول اللہ کے وصی علی ہیں تو حضرت عبداللہ بن سلام توراۃ لے آئے اور فرمایا کہ دکھا کہاں لکھا ہے۔ نیز کسی بھی نبی کا وصی بتا کہ آدم علیہ السلام سے عیسٰی علیہ السلام تک کسی ایک نبی کے وصی کا نام بتا اس پر ابن سبا یہودی پریشان ولاجواب ہو گیا۔ پھر عبداللہ بن سلام نے اسی محفل میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے نو مسلو یا غیرو میں توریت کا عالم ہوں۔ میں تم کو سابقہ تاریخ عالم بتاتا ہوں کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نبی کو قتل کیا جائے تو اس کے عذاب میں کم ازکم ستر ہزار انسان قتل نہ ہوئے ہوں۔ اور ایسا بھی کبھی نہ ہوا کہ کسی نبی کے خلیفہ کو غارت کر کے قتل کیا گیا ہو اور اس کے بعد کم ازکم پینتیس ۳۵ ہزار انسانوں کا قتل نہ ہوا ہو۔ اس کے جواب میں ایک باغی نے کہا کہ ہم عثمان کو نبی کا خلیفہ مانتے ہی نہیں۔ یہ خلافت تو علی کا حق ہے۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ تمام صحابہ مع علی مرتضیٰ کی رائے سے ان کو خلیفہ بنایا گیا اور دس سال تک خلافتِ عثمانی کا قائم رہنا کیا یہ حقانیت کی دلیل نہیں ہے۔ تم کو آج دس سال بعد ایک یمنی یہودی کے بھڑکانے پر یہ ناجائز خیال آیا اور بغاوت پر اُترآئے نیز خود علی مرتضیٰ تمہارے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ وہ خلافتِ عثمانی کو حق مان رہے ہیں اور ان کی حفاظت میں شامل ہیں اُن کے بیٹے حسن وحسین عثمانِ غنی کے پہریدار ہیں

کیا تم لوگ علی مرتضیٰ کے زیادہ خیر خواہ نکل آئے ہو۔ آپ کی اِس تقریر سے تمام باغی لاجواب ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ تم کو محبتِ علی نہیں بلکہ ایک شرارتی انسان کی شرارت کے پیچھے چل پڑے ہو۔ مگر باغیوں کو پھر بھی عقل نہ آئی اور چند دن بعد دھوکے سے عثمانِ غنی کو شہید کر دیا۔ جس کے نتیجے میں خلافتِ مولیٰ علی کا سارا دور چار سال آٹھ ماہ پندرہ دن خانہ جنگی میں ہی گزرا۔ جنگِ جمل، جنگ صفین، جنگِ نہروان، یہ سب خانہ جنگیاں اسی فضیلتِ علی کے بہانے میں یہودی شرارتیں ہی تھیں۔ اِن جنگوں میں دو طرفہ تقریباً کم و بیش چوراسی ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان شہید ہوئے۔ فتوحات کا دروازہ تقریباً بند ہی رہا۔ اور پھر یہودیوں کا بنایا ہوا تفضیلی شیعہ ٹولہ ابتداً حُبِّ علی میں بھی مخلص نہ تھا۔ نہ ان کو مولیٰ علی سے قلبی محبت تھی ان کو تو بس خانہ جنگی کرانا تھی چنانچہ جب مسلمانوں میں صلح ہونے لگی اور اُن سے خبثیوں کو اپنا منصوبہ بگڑتا نظر آتا تو راتوں کو چھپ کر کبھی مولیٰ علی کے لشکر پر شب خون مارتے اور نام لگا دیتے کہ یہ امیر معاویہ کے لشکر والوں نے صلح کی عہد شکنی کر کے حملہ کیا ہے۔ اور کبھی عائشہ صدیقہ کے لشکر پر شب خون مار کر نام مولیٰ علی کا لگا دیتے کہ یہ علی نے صلح کی عہد شکنی کی ہے اس طرح جنگ صفین میں امیر معاویہ اور مولیٰ علی کی کسی صلح کو کامیاب نہ ہوتے دیا۔ جب کبھی ان کی یہ شرارت پکڑی جاتی تو ایک دوسرے پر الزام رکھ کر بچ نکلتے اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر ان کو کچھ نہ کہا جاتا۔ بلکہ ایک بار تو عبداللہ بن سبا کو مولیٰ علی نے قتل کرنا چاہا، تو عبداللہ ابن عباس نے عرض کیا کہ اس کو قتل نہ کرو کہیں اس کے ساتھی آپ سے جدا نہ ہو جائیں اور آپ نے ابھی شامیوں سے لڑنا ہے۔ یہ سن کر آپ نے اس کو قتل تو نہ کیا البتہ ملک بدر کر دیا۔ اور امام حسن کی خلافت کے دور میں تو اِس تفضیلی شیعہ فرقے کی دو طرفہ شرارتیں ضرب المثل مقولہ بن چکی تھیں کہ یہ حُبِّ علی نہیں بلکہ بغضِ معاویہ ہے اور اسی یہودی سازش سے جلیل القدر صحابہ طلحہ، زبیر، عمار ابن یاسر، بلکہ خود مولیٰ علی بھی شہید کر دیے گئے۔ امیر معاویہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا مگر وہ زخمی ہو کر بچ گئے عمرو بن العاص پر حملے کا منصوبہ بنایا مگر کسی وجہ سے وہ اس پروگرام میں نہ پہنچے تو ان کی بجگہ دوسرا شخص شہید ہو گیا اور باغیوں کا اصل منصوبہ ناکام ہو گیا۔ ان سارے فتنوں کی آگ بھڑکانے والا یہ عبداللہ بن سبا اور اس کا تفضیلی شیعہ ٹولہ ہی تھا۔ ورنہ صحابہ کرام

آپس میں دشمن نہ تھے اگر ایسا ہوتا تو جنگِ جمل میں مولیٰ علی۔ عائشہ صدیقہ کا احترام اور حفاظت نہ فرماتے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ غلط فہمیاں ڈالی جارہی ہیں۔ ان شرارتیوں کا بڑا سرغنہ عبد اللہ بن سبا تھا اس کی والدہ کالی یہودن حبشیُ النسل تھی۔ اس لیے اس کا نام ابن السوداء یا ابن اسود بھی آتا ہے یہ خود بھی کالا حبشی تھا۔ دمشق میں اس کا نام عبد اللہ بن حرب اور مصر میں عبد اللہ بن وہب مشہور ہوا۔ اس کا دوسرا یہودی ساتھی مالک بن اُشتر نخعی تھا۔ یہ بھی مولیٰ علی کے ہاتھ پر نومسلم بنا تھا (از مقدمہ ابن خلدون۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۱۰۴۸) پھر ایک خارجی فرقہ بنا جس نے مولیٰ علی کو ۴۱ھ میں ۲۱ رمضان المبارک بروز اتوار بوقت فجر کوفہ کے جامع کے دروازے پر چھپ کر قاتلانہ وار کیا اور آپ اسی دن شام کو شہید ہو گئے ان ہی تفضیلی شیعوں نے صرف اس غصے میں امام حسن کو زہر دے کر شہید کیا کہ انہوں نے امیر معاویہ سے صلح کیوں کی۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ شیعہ حضرات آئمہ اہل بیت کو معصوم بھی مانتے ہیں اور پھر امام حسن کی اس صلح پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ معصوم تو ان کے نزدیک بھی وہ ہے جس سے کوئی غلطی سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ تو ابتدائی تفضیلی ٹولے کی حالت تھی۔ اب موجودہ تفضیلی شیعوں کی محبتِ علی بھی بالکل عیسائیوں کی محبتِ مسیح کی طرح گمراہی ہے۔ اور جس طرح عیسیٰ علیہ السلام دنیا و آخرت میں عیسائیوں سے ناخوش ہیں اسی طرح مولیٰ علی بھی ان تفضیلیوں کی محبت سے راضی نہیں ہیں عیسیٰ علیہ السلام نزولِ آسمانی کے بعد نصاریٰ اور اُن کے صلیب کو ہلاک کریں گے۔ اس طرح مولیٰ علی نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ان تفضیلیوں کو برا سمجھا اور ہلاکت کی تبر عبد سبائی۔ میدانِ محشر میں جس طرح عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں سے نفرت و بیزاری فرمائیں گے۔ اسی طرح مولیٰ علی بھی بے جا فضیلت دینے کی بنا پر شیعوں سے نفرت بیزاری اور برائت فرمائیں گے۔

چودھویں دلیل یہ دونوں تفضیلی شیعہ رافضی اور تبرائی شیعہ رافضی فرقہ اس لیے بھی باطل ہے کہ اُن کے تمام عقائد اور نظریات اسلام، قرآن اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان مسلمانوں کے ایمان کے بالکل مخالف و متقابل ہیں۔ ان کے سبب آج تک مسلمانوں کو نقصانات ہی پہنچا۔ اسلامی تاریخ سے ثابت ہے کہ ان فرقوں نے ہمیشہ مسلمانوں کی جاسوسیاں ہی کی ہیں مسلمانوں سے قلبی محبت ان کی کبھی ثابت نہ ہو سکی۔ جب کہ اہل سنت نے ہمیشہ ان کی اور ان کے اکابر کی عزت ہی کی۔ خیال رہے کہ جس طرح دہابی لوگ اب کچھ عرصے سے اپنے کو

اہل سنت کہنے لگ گئے ہیں محض سنیوں کو دھوکہ دینے کے لیے اس طرح یہ تفضیلی شیعہ بھی سُنی بن کر دھوکہ دیتے ہیں تاکہ سنیوں کی مساجد پر قبضہ جما سکیں۔ امامت وخطابت چمکا سکیں۔ مگر ہر چیز، ہر شخص اپنی قولی علامات ونشانات سے پہچانا جاتا ہے۔ اہل سنت والجماعت عقائد ونظریات کا مختصر خلاصہ حسب ذیل ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ یعنی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ اس آیت پاک نے تین چیزیں واضح اور ثابت فرمائیں اوّل خصائلِ پنجتن پاک کہ پنجتن پاک کا پہلا گروہ ۱ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۲ اُن کے ساتھی ابو بکر صدیق ۳ پھر فاروقِ اعظم اشداء علی الکفار ۴ پھر رحیم وسخی عثمان غنی ۵ پھر عابد وزاہد مولیٰ علی۔ دوم ترتیبِ خلافت، سوم ترتیب فضیلت، یہی وجہ ہے کہ۔

جن کا ڈنکہ بج رہا ہے چار سُو لیل ونہار
وہ ابوبکر وعمر، عثمان وحیدر چار یار

مذہب اہلسنت کا خلاصہ ۱ افضلُ الخلق مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ علیہ وسلم ۲ اَفضلُ الْخَلْقِ بَعْدَ الانبیا ابوبکر صدیق ۳ افضل الخلق بعد ابوبکر فاروق اعظم عمر ۴ افضل الخلق بعد عمر فاروق۔ عثمانِ غنی ۵ افضل الخلق بعد عثمانِ غنی۔ مولیٰ علی مشکل کشا شیرِ خدا۔ رضی اللہ عنہم۔ واللّٰہ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

اِس فتوے کے ماخوذات ۱ قرآنِ مجید ۲ مشکوٰۃ شریف ۳ کتاب تہذیب التہذیب مصنفہ حافظ ابن حجر عسقلانی ۴ تاریخِ اسلام ۵ تاریخِ فرشتہ ۶ مقدمہ ابنِ خلدون ۷ اسلامی انسائیکلو پیڈیا ۸ حیات امام ابوحنیفہ مصنفہ الشیخ ابوزہرہ مصری ۹ علامہ مقریزی کی کتاب الخطط ۱۰ علامہ شہرستانی کی کتاب الملل والنحل ۱۱ قرۃ العینین للشاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی ۱۲ حاشیہ مشکوٰۃ شریف ۱۳ فتح الباری شرح بخاری۔ تمت بالخیر۔

بچیس فتووں پر مشتمل یہ فتاویٰ العطایا جلد چہارم مکمل شد۔ بروز اتوار صفر المظفر ۱۴۲۰ھ ۱۶ مئی ۱۹۹۹ء

فہرست مضامین العطایا الاحمدیہ فی فتاوای نعیمیہ جلد چہارم

نمبر شمار	مضامین	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	پہلا فتویٰ۔ کالا خضاب شریعت میں حرام ہے۔	۳	۶	حضرت اعلیٰ پیر مہر علی شاہ صاحب نے کبھی کالا خضاب نہ لگایا نہ جواز کا فتویٰ دیا۔	۲۰
۲	کالے خضاب کے حرام ہونیکی وجہ اُس کو دھوکہ دینے کے لیے لگایا جاتا ہے۔	۱۸	۷	دہ احادیث مقدسہ جن سے کالے خضاب کی حرمت ثابت ہے	
۳	کالے خضاب کے جواز کی کوئی حدیث پوری دنیا میں کہیں ثابت نہیں ابن ماجہ کی روایت بناوٹی ہے	〃	۸	ائمہ اربعہ کا متفقہ مسلک ہے کہ کالا خضاب ناجائز ہے۔	۱۷
۴	مجاہدین کے لیے بھی کسی حدیث سے کالے خضاب کی اجازت ثابت نہیں ہے، یہ اجازت فقہانے استنباط کرکے بہت سی پابندیوں اور قیدوں شرطوں کے ساتھ عارضی وقتی طور پر جائز کی ہے۔	۱۹	۹	مصنف نے حنفی ہوکر بھی امام اعظم کا مذہب نہ مانا۔	۳۰
			۱۰	فقہانے اَلْجِهَادُ خُدْعَةٌ کی حدیث سے مجاہدین کے لیے صرف میدانِ جہاد میں جواز کا استنباط فرمایا۔	۳۱
			۱۱	صرف بحالتِ جنگ مجاہدین کے لیے ہر طرح کفار کو دھوکہ دینا جائز ہے کسی اور مسلمان کے لیے کسی کو دھوکہ دینا جائز نہیں ہے۔ اس لیے بھی کالا خضاب حرام ہے۔	〃
۵	حدیث پاک میں ہے کہ سب سے پہلے کالا خضاب فرعون نے لگایا بہ فرمانِ عزت کالے خضاب سے نفرت دلانے کے لیے ہے۔	〃			

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲	مصنف کی اس چھوٹی سی کتابچی میں تقریباً تیس بڑی بڑی علمی غلطیاں ہیں۔ پہلی غلطی۔	۳۵ ۳۵
۱۳	کالے خضاب کا مسئلہ اختلافی نہیں بلکہ سب کے نزدیک حرام ہے مصنف نے اعلیٰ حضرت کا کلام نہ سمجھا۔	۴۰
۱۴	متفق علیہ۔ مجمع علیہ، اور مختلف اقوال ہونے میں فرق۔	
۱۵	کبھی بھی کسی مستند عالم یا شیخ نے کالا خضاب نہ لگایا۔	۴۲
۱۶	مستند اور غیر مستند عالم کا فرق اور سند کی اُصولی تعریف اور شرطیں کونسا عالم مستند ہو سکتا ہے	۴۹
۱۷	مجاہد کی حقیقی اور مجازی دو حکمی تقسیم ہر لفظ کے دو معنیٰ ہوتے ہیں۔	۵۵
۱۸	مصنف نے جہاد اور مجاہدے میں فرق نہ جانا اور دینی مجاہدہ کرنے والوں کو غازیوں کی فہرست میں شامل کر لیا (عجیب لغزش)	۵۶
۱۹	مصنف صاحب نے ایک حدیث پاک کا غلط ترجمہ کر کے حدیث مقدس کی گستاخی۔	۵۸
۲۰	مصنف نے بزرگوں کی کتابوں کے نام غلط استعمال کئے اور ان کے صحیح مسلک کو چھپا گئے۔	۶۰
۲۱	شریعت کے احکام دس قسم کے ہیں۔	۷۵
۲۲	عورت پر اپنے زیور کی زکوٰۃ فرض ہے جو نہ دے اس کی سزا کا بیان۔	۷۶
۲۳	مصنف کی چند غلط تشریحات	۸۵
۲۴	تارک نماز کافر نہیں ہوتا، نماز چھوڑنے سے کوئی مسلمان کافر نہیں ترک نماز کفر نہیں بلکہ پہلے زمانے میں علامت کفر تھا۔	۸۶
۲۵	مصنف نے اپنی اس کتاب میں تردید کردہ عبارتوں سے استدلال کیا۔	۹۰
۲۶	امر کی سولہ قسمیں اور نہی کی نو قسمیں ہیں۔	۹۳
۲۷	کفار سے مشابہت حرام ہر چیز میں فرق ہونا چاہیئے۔	۹۴
۲۸	مصنف کے چند الزامی سوالات اور ان کے مدلل جوابات۔	۹۷
۲۹	مصنف نے احادیث مبارکہ پر	۹۸

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	الزامی اعتراضات کر کے تین جرم کئے ۱ فرمانِ نبوت میں تضاد بیانی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۲ منکرینِ حدیث اور غیر مسلموں کو گستاخیِ حدیث کا موقعہ دیا ۳ عام مسلمانوں کو حدیث کے متعلق مشکوک کیا نیز اُلجھاؤ پیدا کیا۔	۹۸
۳۰	سورۂ یوسف کی گستاخی کی گئی ہے	۹۹
۳۱	اس کتاب لکھنے میں مصنف کی کی نیت اسلامی خدمت نہیں بلکہ دنیا طلبی ہے۔	۱۰۰
۳۲	مصنف کے پیش کردہ حوالوں کی کتب کے مصنفین کا اپنا مسلک	۱۰۵
۳۳	مصنف کی علمی غلطیوں کی فہرست	
	پہلی غلطی صفحہ دوسری غلطی صفحہ ۲۱ پر، تیسری غلطی صفحہ ۲۲ پر، چوتھی غلطی صفحہ ۲۳ پر، پانچویں غلطی صفحہ ۲۶ پر، چھٹی غلطی صفحہ ۲۶، ساتویں غلطی صفحہ ۳۰ پر، آٹھویں غلطی صفحہ ۳۴ پر، نویں غلطی صفحہ ۳۶ پر، دسویں غلطی صفحہ ۴۰ پر گیارھویں غلطی صفحہ ۴۱ پر بارھویں غلطی صفحہ ۴۱ پر، تیرھویں غلطی ۴۲ پر، چودھویں غلطی صفحہ ۴۶ پر، پندرھویں غلطی صفحہ ۴۹ پر، سولھویں غلطی صفحہ ۵۴ پر، ستارھویں غلطی صفحہ ۵۸ پر اٹھارھویں غلطی صفحہ ۶۲ پر، انیسویں غلطی صفحہ ۶۷ پر، بیسویں غلطی صفحہ ۷۱ پر، اکیسویں غلطی صفحہ ۷۳ پر، بائیسویں غلطی صفحہ ۷۵ پر تیئیسویں غلطی صفحہ ۷۶ پر چوبیسویں غلطی صفحہ ۸۰ پر پچیسویں غلطی صفحہ ۸۳ پر چھبیسویں غلطی صفحہ ۸۵ پر ستائیسویں غلطی صفحہ ۹۱ پر اٹھائیسویں غلطی صفحہ ۹۲ پر انتیسویں غلطی صفحہ ۹۵ پر تیسویں غلطی صفحہ ۹۹ پر	
۳۳	دوسرا فتویٰ۔ نقشہ نعلین پاک پر کوئی آیت یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے۔ آیت وَاسما کی گستاخی ہے۔	۱۱۳
۳۴	حدیث مقفلّ سہ مَن تَشَبَّہَ	۱۱۵

۵۹۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کی تشریح	۱۱۵
۳۵	ہر چیز کا نقشہ اسی چیز کے حکم میں ہے۔ یعنی گھٹیا چیز کا نقشہ گھٹیا اور بڑھیا کا بڑھیا ہوتا ہے۔	۱۱۶
۳۶	نبی کریم آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے شہر مقدس کا نام جب سے مدینہ منورہ رکھا گیا ہے کسی اور شہر کو مدینہ کہنا تقوئے مومن کے خلاف ہے۔	۱۲۰
۳۷	مدینہ منورہ کو صرف مدینہ کہنا بے ادبی ہے۔	″
۳۸	نعلینِ پاک یا نقشۂ نعلینِ پاک کو اقدس کہنا منع ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اقدس کہا جاتا ہے	۱۲۱
۳۹	مخالف کے کمزور دلائل اور ان کا ردّ۔	۱۲۴
۴۰	دنیا کی ہر چیز کی حقارت وعزت اس کے نقشے کے لحاظ سے ہے۔	۱۲۷
۴۱	تعظیم کرنے کی شان کے دو واقعے۔	۱۳۲
۴۲	جاندار کی تصویر ہر شریعت	۱۳۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	میں حرام رہی۔	۱۳۵
۴۳	فتاوی اعلیحضرت کی بعد وفات چھاپا گیا بہت مشکلات سے بعض جگہ عبارتیں بنانی پڑیں۔	۱۳۸
۴۴	جیلانی صاحب کے پیش کردہ فتووی اور دلیلوں کی کمزوری اور ان کا رد۔	۱۴۰
۴۵	قیاس اور قیاس مَعَ الفارق کب ہوتا ہے۔	۱۴۶
۴۶	**تیسرا فتویٰ**۔ عورتوں کے استعمالی زیور پر ہر سال زکوٰۃ فرض ہے۔ یہ امام اعظم کا مسلک ہے۔ ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک استعمالی زیور پر زکوٰۃ فرض نہیں	۱۵۸
۴۷	امام اعظم کے دلائل	۱۶۰
۴۸	ائمۂ ثلاثہ کے دلائل۔ اور اُن کا جواب۔	۱۷۰
۴۹	دس فقہاءِ صحابہ کرام کے اسماءِ مقدسہ۔	۱۷۹
۵۰	سات وجہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے ضعیف روایت کی آٹھ قسمیں ہیں۔	۱۸۲
۵۱	ضعیف اور قوی حدیث پہچاننے والا بہترین قانون۔	۱۸۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۲	ہدایہ میں بارہ چیزیں ہوتی ہیں	۱۸۳
۵۳	امام اعظم کے دلائل کی خصوصیات	"
۵۴	**چوتھا فتویٰ**۔ قرآنِ مجید پڑھنے اور سننے کا شرعی حکم۔	۱۸۴
۵۵	تلاوت کی دس قسمیں۔	۱۸۵
۵۶	آدابِ تلاوت کی تیرہ قسمیں	۱۸۶
۵۷	قرآنِ مجید میں چودہ عدد تلاوت کے سجدے واجب ہیں اور ان کی ترتیب وار گنتی۔	۱۸۷
۵۸	آدابِ تلاوت کے دلائل	۱۸۸
۵۹	وہ آٹھ مقامات جہاں تلاوت منع اور گناہ ہے۔	۱۹۲
۶۰	**پانچواں فتویٰ**۔ ارکانِ حج کی ترتیب واجب ہے۔	۱۹۳
۶۱	شائع شدہ پمفلٹ میں نبوت کی گستاخی اور اسلام سے گمراہی ہے۔	۱۹۷
۶۲	اس مسئلے کے بیان میں تین فصلیں ہوں گی۔ پہلی فصل امام اعظم کے عظیم دلائل۔	۱۹۹
۶۳	واجباتِ حج مثل واجباتِ نماز ہیں۔ کہ نماز کا واجب رہ جائے تو سجدہ سہو اگر واجبِ حج چھوٹ جائے تو دَم واجب۔	۲۰۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۴	ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ارکانِ حج کی ترتیب واجب ہے صرف امام شافعیؒ کے نزدیک سنّت ہے	۲۰۴
۶۵	مسلک حنفی کے دلائل۔	"
۶۶	کسی مسلمان کا شرعی مسائل سے بے علم رہنا بھی ایک بڑا جرم اور فرض سے کوتاہی ہے۔	۲۰۵
۶۷	دلیل تشبیہی کی تعریف، ارکانِ حج کی تشبیہ افعالِ نماز سے	۲۱۰
۶۸	آہستہ آمین کی ایک تشبیہی مضبوط دلیل۔	۲۱۱
۶۹	حجۃ الوداع کا واقعہ اور صحابہ کا ادب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔	۲۱۵
۷۰	دوسری فصل	۲۲۰
۷۱	اس کتابچی کی غلطیاں	۲۲۴
۷۲	**چھٹا فتویٰ**۔ نماز کے آخری تشہد میں درودِ پاک کے بعد دعا پڑھنے کا بیان۔	۲۲۶
۷۳	کافر والدین اگر زندہ ہوں تو اُن کے لیے ہدایت کی دعا کرنا جائز ہے۔ اس کو مجازاً استغفار بھی کہتے ہیں۔	۲۲۷
۷۴	فوت شدہ کافر کے لیے کوئی	"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	دعا جائز نہیں۔	〃
۷۵	نماز کی وہ دعائیں جو احادیث میں منقول ہیں۔	۲۴۱
۷۶	دعاءِ ابراہیمی اور دعاءِ حسنہ بہت زمانوں بعد التحیات بعد تشہد و درود پاک شامل کی گئی۔	۲۴۲
۷۷	ساتواں فتویٰ۔ ذنب کا معنیٰ اور داڑھی مبارک کی شرعی حد غلام رسول سعیدی صاحب کے چند غلط نظریات مکمل بادلائل تردید۔	۲۴۳
۷۸	چند وہابی ترجموں کی غلطیاں	۲۴۶
۷۹	اَولیٰ بمعنیٰ واجب اور واجب بمعنیٰ فرض بھی ہوتا ہے۔	۲۴۷
۸۰	آدم علیہ السلام کو توبہ کے بعد نبوت ملی دیگر تمام کو شکم مادر میں نبوت ملی۔ موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو مار ڈالنا شرعی جرم نہ تھا، نوح علیہ السلام کا سوال بھی خلافِ اولیٰ نہ تھا۔	۲۴۸
۸۱	ذَنْبِکَ سے مراد کفارِ مکہ کے گناہ ہیں۔ ہجرت کے پہلے اور ہجرت کے بعد والے۔ اعلحضرت کے ترجمہ کی شان۔	۲۵۰
۸۲	سائل کا دوسرا مسئلہ داڑھی شریف	۲۵۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	کے بارے میں۔	
۸۳	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے افعال مقدسہ کی قسمیں اور امت کے لیے ان کی اطاعت یا اتباع کے احکام۔	۲۵۳
۸۴	یہ قانون ہی نہیں ہے کہ وجوب کے لیے امر ضروری، فعل سے بھی وجوب ثابت ہو جاتا ہے	۲۵۵
۸۵	کسی فعل کے مکروہ یا جائز ہونے کی پہچان کے لیے ایک ضابطہ کلیہ۔	۲۵۹
۸۶	چار انگلی برابر داڑھی کی نشانی اور غیر مسلم و مسلم کی داڑھی چھ طرح فرق۔	۲۶۱
۸۷	الشیخ عبدالحق محدث دہلوی اور اعلحضرت بریلوی کی علمی شان۔	۲۶۵
۸۸	مسنون اور سنت ہونے کا معنیٰ	۲۶۷
۸۹	مسنون کی گیارہ قسمیں۔	۲۶۸
۹۰	حکمی سنت صرف دو قسم کی ہے ۱ مؤکدہ ۲ غیر مؤکدہ۔	۲۶۹
۹۱	فقہاءِ کرام نے مسنون اور سنتِ حکمی کے بیان کرنے میں تین طرح فرق کئے ہیں۔	۲۶۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۲	مصنف سے چند سوال	۲۷۷
۹۳	سائل کا تیسرا سوال دجال کے بارے میں۔	۲۸۱
۹۴	دجال کی آمد صرف اہلِ ایمان کا امتحان ہوگا اس لیے صرف مسلمان علاقوں میں دجال پھرے گا، ہمیشہ دنیا میں اہلِ ایمان کا ہی امتحان لیا جاتا رہا۔	۲۸۵
۹۵	**آٹھواں فتویٰ** کوئی غیر نبی شخص کسی بھی علم میں کسی نبی علیہ السلام سے زیادہ یا برابر نہیں ہر انسان نبی کی بارگاہ میں مثلِ جاہل ہے	۲۸۶
۹۶	دنیا کے تمام علوم انبیاءِ کرام علیہم السلام کے ذریعے زمین پر جاری ہوئے۔ اور کونسا علم، صنعت و حرفت کس نبی علیہ السلام نے زمین پر جاری فرمائی لوگوں کو سکھائی۔	۲۸۹
۹۷	تفصیل اور اجمال کا فرق	۲۹۲
۹۸	اجمال کو سمجھنے کے لیے چار اور تفصیل کو سمجھنے کے لیے دو علمی قوتیں ضروری ہیں۔	۲۹۳
۹۹	علوم کی چار قسمیں	
۱۰۰	قرآن مجید اور توریت مقدس کے	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	علوم کا بیان۔	
۱۰۱	تحریر کی پانچ قسمیں ہوتی ہیں۔	۲۹۳
۱۰۲	اعلیٰحضرت کے شعر پر اعتراض اور وہابیوں کی جہالت۔	۲۹۴
۱۰۳	عبد التوحید نام رکھنا گناہ ہے شعر کا اصل معنیٰ۔	〃
۱۰۴	**نواں فتویٰ** نقشہءِ نعلین پاک کے بارے میں۔	۲۹۵
۱۰۵	اللہ رسول کا نام لکھ کر پھر عزوجل لکھنا منع ہے۔	〃
۱۰۶	ادب یہ ہے کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لکھنا چاہیئے۔ نعلین پاک کو اقدس کہنا منع ہے۔	۲۹۷
۱۰۷	**دسواں فتویٰ** لمبے دن اور لمبی راتوں کا بیان۔	۳۰۲
۱۰۸	دنیا میں کسی جگہ چھ ماہ کا دن رات نہیں ہوتا۔	۳۰۳
۱۰۹	دنیا میں ہر جگہ شفق بھی طلوع ہوتی اور فجر صادق بھی۔	۳۰۴
۱۱۰	سویڈن میں موسم سردی گرمی کے طلوع و غروب اور دن و رات کا نقشہ۔	۳۰۶
۱۱۱	**گیارھواں فتویٰ** کسی شخص کو	۳۰۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	جائز نہیں کہ عبادات میں ضرب تقسیم کر کے ثواب مقرر کرتا پھرے۔	۳۰۶
۱۱۲	احادیثِ مقدسہ میں میدانِ جہاد کی عبادتوں کا ثواب مراد ہے نہ کہ گھریلو نماز روزے۔	۳۱۵
۱۱۳	مجمل کی حدیث پاک کی شرح ضروری ہے صرف فقہا کرام ہی کی شرح معتبر ہے۔ جہاد کے ثواب کی تین قسمیں	۳۱۶
۱۱۴	ثوابات کی کثرت چار وجہ سے ہوتی ہے۔	″
۱۱۵	امام غزالی کی ایک عبارت پر محدثانہ جرح۔	۳۲۰
۱۱۶	روایت وہ معتبر ہوتی ہے جو درایت کے مطابق ہو۔	۳۲۱
۱۱۷	روایت اور درایت کس طرح بنتی ہے۔ جب روایت درایت کے مطابق تب اس کو حدیثِ مقدس کہا جائے گا۔	″ ″
۱۱۸	مجاھد کی شان فی القرآن۔	″
۱۱۹	آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جسے چاہیں بغیر عمل بھی ثواب دیدیں۔	۳۲۲
۱۲۰	بارھواں فتوی، تین طلاقیں کسے کہتے ہیں اور ایک مجلس کی تین طلاقوں	″

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	کا حکم۔	
۱۲۱	تین طلاقوں کی تین قسمیں۔	۳۲۴
۱۲۲	ایک مجلس میں عدد یا گنتی یا نمبر سے تین طلاقیں دینا تین ہی بنتا ہے اور بیکدم تین پڑ جائیں گی	۳۲۵
۱۲۳	تین بار طلاق کا لفظ بولنا، اس کی تین صورتیں یا پانچ قسمیں اور تین نام۔	۳۲۶
۱۲۴	طلاقِ تاکیدی، طلاقِ کنایہ، طلاقِ بتہ۔ طلاقِ مغلظہ کا فرق	
	نیت اور ارادے کا فرق	۳۲۷
۱۲۵	حکایت، طلاقِ ثلاثہ کے ثبوت	۳۲۹
۱۲۶	میں وہابیوں کی بے علمی ذرا سی شدتِ طلاق صریح کو بائنہ بنا دیتی ہے۔	۳۳۰
۱۲۷	تیرھواں فتوی، شریعت اسلام میں ہر قسم کی فوٹو تصویر کپڑے یا کاغذ وغیرہ پر بنانا حرام ہے جو شخص اس کو جائز کہے وہ گمراہ ہے اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔	۳۳۱
۱۲۸	اصل، تصویر، عکس اور تمثیل کا فرق، ہماری نظر کتنی چیزیں دیکھتی ہے۔	۳۳۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۹	رقم کا معنیٰ	۳۳۴
۱۳۰	آئینے کے سامنے نماز پڑھی جاتی ہے تصویر کے سامنے حرام۔	۳۳۵
۱۳۱	جاندار کی تصویر بنانے کو حرام کہنے والی احادیثِ مبارکہ	۳۳۷
۱۳۲	جھوٹی خوابیں بنانے والے کو عذاب	۳۶۲
۱۳۳	قیامت میں پانچ شخصوں پر سخت عذاب ہوگا۔	۳۶۶
۱۳۴	تصویر کی پانچ قسمیں	۳۷۰
۱۳۵	چودھواں فتوای عورت اور مرد کی دیت کا بیان۔	۳۷۰
۱۳۶	فقہی مسائل میں تین قسم کے اختلاف ہوتے ہیں۔	۳۷۲
۱۳۷	حرفِ حتّٰی کی دو قسمیں اور اُن کا فرق۔	۳۷۵
۱۳۸	دیت کی شرعی اور لغوی تعریف اور معنیٰ۔	۳۷۶
۱۳۹	لفظ اکثر کے معنیٰ اور اکثریت کی قسمیں۔	۳۷۹
۱۴۰	خبرِ واحد، حدیث موقوف اور مرفوع کا بیان	۳۸۲
۱۴۱	امام محمد کے سب قیاسی وغیر قیاسی دلائل کمزور ہونے کی وجہ اور دیت کا تعلق روح سے ہے نہ کہ جسم سے۔	〃
		۳۸۲
۱۴۲	نکاح میں خاوند بیوی کی ملکیت برابر ہے۔ ایجاب وقبول کا معنیٰ	۳۸۵
۱۴۳	پندرھواں فتوٰی: تنقیداتِ اقتدار برنظریاتِ اقبال۔	۳۸۶
۱۴۴	اس مضمون میں جن ۴۴ عدد کتب ورسائل واخبارات کے حوالے دئے گئے اُن کی فہرست	〃
۱۴۵	باطل کی چھ نشانیاں ہوتی ہیں	۳۹۲
۱۴۶	علّامہ صاحب کے بعض اشعار میں رب تعالیٰ کی گستاخی ہے۔	۴۰۵
۱۴۷	علامہ صاحب کے بعض تعلیمات قابلِ گرفت اور قابلِ اعتراض ہیں	۴۰۸
۱۴۸	ابتدا میں علماءِ اسلام نے انگریزی زبان سے مسلمانوں کو روکا تھا	۴۱۷
۱۴۹	ایک مطبوعہ کتاب: اقبال سے دو ہزار سوالات۔ پرکچھ تبصرہ	۴۴۵
۱۵۰	مونچھیں بڑھانا اور داڑھی منڈانا مجوسی دین ہے	۴۵۸
۱۵۱	سولہواں فتوٰی	۴۵۹
۱۵۲	لفظِ کُل کا بیان۔ اکثر اور کُل کا فرق اور اعلیٰحضرت کے چند اشعار پرمخالفا	۴۵۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	جُہلاء کے اعتراض، اور اُن کے جوابات۔	۴۵۶
۱۵۳	فہمِ قرآنی کے لیے چالیس علوم پڑھنے پڑتے ہیں۔	۴۶۲
۱۵۴	آیتِ قرآنی کو سمجھنے کے لیے چھ باتیں یاد رکھنی چاہئیں	۴۶۴
۱۵۵	کتنے بڑے گواہ کے لیے کتنے علوم کی ضرورت ہوتی ہے۔	۴۶۶
۱۵۶	دوسرے سوال کا جواب، دنیا میں تقریباً تیرہ قسم کی زبانیں ہیں	۴۷۰
۱۵۷	چوتھے سوال کا جواب۔ خطا اور ذنب کا فرق	۴۷۲
۱۵۸	ستارھواں فتویٰ، بیع مضاربت کا بیان اور اشتراکی کاروبار کی قسمیں۔ یعنی مشترکہ تجارت کا شرعی حکم و اقسام عربی میں اس کا نام بیع مضاربت ہے	۴۷۴
۱۵۹	بیع مضاربت کے لیے دس شرطیں	۴۷۶
۱۶۰	سب سے بری چیز فساد فی الارض ہے اور اس کی دو قسمیں ظلم اور بے غیرتی۔ انسانوں کی قسمیں	۴۸۱
۱۶۱	تجارت کی دو قسمیں انفرادی اور اشتراکی۔ انفرادی اور اشتراکی اقسام	۴۸۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۶۲	تجارت میں دس طریقے سے ظلم ہو سکتا ہے۔	۴۸۱
۱۶۳	پانچ چیزوں سے بے غیرتی پھیلتی ہے	۴۸۲
۱۶۴	مضاربت کو شریعت اسلام نے آٹھ اختیار دیئے ہیں۔	"
۱۶۵	بیع مجہول اور اس کی قسمیں	۴۸۳
۱۶۶	اسلام دنیا سے چھ خرابیاں دور فرماتا ہے۔	۴۸۵
۱۶۷	تجارت کی جائز و ناجائز کل اقسام	"
۱۶۸	اقسام تجارت کی فہرست	"
۱۶۹	اٹھارھواں فتویٰ۔ ننگے سر نماز پڑھنا ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے۔	۴۸۷
۱۷۰	قرآن مجید احادیث مقدسہ، فقہ اربعہ سے متفقاً ثابت ہے کہ ٹوپی یا پگڑی کے ساتھ نماز پڑھنی لازم ہے۔	۴۸۸
۱۷۱	ننگے سر نماز پڑھنا بدعت ہے	"
۱۷۲	اُنیسواں فتویٰ طلاق معلق کا بیان۔	۴۸۸
۱۷۳	شریعت میں عام رواج کا اعتبار نہیں ہے۔	"
۱۷۴	غائیت و مغیا کا ترجمہ تعریف	۴۹۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	اور قسمیں	۴۹۰
۱۷۵	لا تبدیل بکلمات اللہ	۴۹۱
۱۷۶	طلاقِ صریحی میں نیت کا اعتبار نہیں ہے۔	۴۹۲
۱۷۷	طلاقِ کنایہ طلاقِ بتہ اور طلاق صریحی میں فرق۔	۴۹۳
۱۷۸	غایت اور مغیا کی آٹھ صورتیں ہیں۔	۴۹۶
۱۷۹	بیسواں فتویٰ ایک شیعہ اعتراض کا مُدلل و محقق جواب اور غسل شرعی کا طریقۂ تقویٰ، یعنی عائشہ صدیقہ پر شیعوں کا جاہلانہ اعتراض اور اس کا عالمانہ جواب۔	۴۹۹
۱۸۰	اھل بیت کی قسمیں	۵۰۲
۱۸۱	اصل اسلامی پردے کا بیان	۵۰۵
۱۸۲	مستحب کی تین قسمیں۔	۵۰۸
۱۸۳	اکیسواں فتویٰ جان بوجھ کر غلط اذان دینے والوں کے دنیوی اُخروی عذاب ذلت کا بیان۔	۵۰۹
۱۸۴	موذن کی شرطیں اور صحیح سند دینے	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	کی اہمیت غلط سند دینا گناہ عظیم ہے۔	۵۱۲
۱۸۵	گیارہ لوگوں کی اذان غلط ہوتی ہے لوٹانا واجب ہے	۵۱۴
۱۸۶	اذان کی حفاظت کے سات طریقے واجب ہیں	۵۱۹
۱۸۷	اذان و تکبیر کے کلمات کی تعداد اور ان میں تین قسم کی غلطیاں	"
۱۸۸	جاہل مؤذن اپنی اذان میں تیرہ قسم کی غلطیاں کرتے ہیں۔	۵۲۱
۱۸۹	بائیسواں فتویٰ اقامۂ پنج وقتہ کے کلمات بھی مثل اذان ہیں تعداد میں۔	۵۲۳
۱۹۰	امام اعظم اور ائمہ ثلاثہ کے مسلک میں کلمات اقامت کا فرق ائمہ ثلاثہ کا مسلک کمزور ہے۔	۵۲۵
۱۹۱	سعودیوں کی تکبیر نماز غلط ہے	۵۲۶
۱۹۲	ائمہ ثلاثہ کی دوسری کمزور دلیل	۵۳۱
۱۹۳	امام اعظم کے مضبوط دلائل	۵۳۳
۱۹۴	نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چار مؤذنین کے اسماءِ پاک۔	۵۳۴
۱۹۵	خارجی اور وہابی فرقے کی تاریخی	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	ابتداء	۵۳۹
۱۹۶	تکبیرِ اقامت کو کم کر کے خراب کرنا خارجیوں اور بنو امیہ کے حاکموں کی تخریب کاری ہے۔	۵۴۱
۱۹۷	بحالت سجدہ زمین پر لگنے والے اعضاء کا بیان زمین پر ناک لگانا فرض نہیں ہے	۵۴۲
۱۹۸	نماز میں تین چیزوں کا حکم دیا گیا۔	۵۴۵
۱۹۹	ہر مسلمان پر ہر حالت میں ٹخنوں سے اوپر پائنچا کرنا واجب ہے لیکن پائنچے کو موڑنا فقط نماز کی حالت میں منع ہے۔	۵۴۶
۲۰۰	اعضاءِ سجدہ کے بارے میں امام مالک کی انتہائی کمزور دلیل اور معذورین کے سجدے کا طریقہ	۵۴۸
۲۰۱	ہر رکعت میں دو سجدوں کی وجہ	۵۵۰
۲۰۲	سجدے میں پاؤں لگانے کا صحیح اور غلط طریقہ	۵۵۱
۲۰۳	چوبیسواں فتویٰ۔ عدالتی تنسیخ کے بعد اگر کسی خاوند سے پھر خانہ آبادی مقصود ہو تو نکاح کیا جائے گا، حلالہ کرانے کی ضرورت نہیں اور تنسیخ نکاح کی دو قسمیں ۱۔ فسخ ۲۔ طلاق بائنہ	۵۵۳
۲۰۴	تنسیخ کی دس صورتیں ہیں۔	۵۵۴
۲۰۵	تنسیخ نکاح کا عدد زائچہ یعنی نقشہ	۵۵۹
۲۰۶	پچیسواں فتویٰ۔ تفضیلی اور تبرائی شیعہ فرقے کا تاریخی پس منظر	۵۶۰
۲۰۷	ہر قسم کے شیعہ کا اصلی نام رافضی ہے۔	۵۶۱
۲۰۸	تفضیلی اور تبرائی شیعہ عیسائیوں اور یہودیوں کی مثل ہیں۔	۵۷۴
۲۰۹	رافضی کا لغوی معنی اور رافضیت کے وجود کی تاریخ	۵۷۶
۲۱۰	تفضیلی شیعہ کے چند عقائد	۵۷۶
۲۱۱	تبرائی شیعوں کے چند عقائد	۵۷۸
۲۱۲	اسلامی اور رافضی شیعہ عقیدوں میں فرق	۵۷۹
۲۱۳	مذہب اہل سنت کا خلاصہ	۵۸۶
۲۱۴	فہرست مضامین	۵۸۷

تصنیفات صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

خلف الرشید حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قادری بدایونی علیہ رحمۃ

تفسیر نعیمی پارہ ۱۲ تا ۱۷	تفسیر القرآن
العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ۵ جلد	فقہ حنفی کا مدلل زرین فتاویٰ
سیرت امام اعظم	سوانح امام اعظم ابو حنیفہ
خطبات نعیمیہ	جمعہ و عیدین و نکاح و دیگر خطبات مع ضروری مسائل
نظریاتِ اقبال	علامہ اقبال پر تنقید اور اُن کی فکری غلطیوں کی نشاندہی

تصنیفات صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

خلف الرشید حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قادری

بدایونی علیہ الرحمۃ

حرمت سیاہ خضاب	جوازِ سیاہ خضاب میں تشفیع اوکاڑوی صاحب کی کتاب کا رد
درود تاج پر اعتراضات و جوابات	درود تاج پر نجدیوں کے اعتراضات کا مسکت جواب
راہ جنت بجواب راہ سنت	سرفراز خان گکھڑوی کی کتاب راہ سنت کا منہ توڑ جواب
ازبلا	رد عیسائیت میں لاجواب کتاب (بطرز ناول)
المصادر العربیہ	عربی چار ہزار مصادر کا خزانہ مع مشتقات و نحوی اصولوں کی وضاحت
تنقیدات علی مکتوبات	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ

مصنفہ
مفتی دار العلوم غوثیہ نعیمیہ و شیخ الحدیث
صاحبزادہ اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

ناشر: نعیمی کتب خانہ گجرات
مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات۔ پاکستان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پنجتن پاک

[illegible]

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

○ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ○ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ○ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ○ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[illegible]

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

○ حضرت جبرائیل علیہ السلام ○ حضرت میکائیل علیہ السلام ○ حضرت اسرافیل علیہ السلام ○ حضرت عزرائیل علیہ السلام

حقیقی پنجتن پاک

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

○ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ○ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ○ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ○ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرتبہ: صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

مجموعہ

العطایا الاحمدیہ فی فتاوی نعیمیہ

سنہ ۱۳۹۶ھ و سنہ ۱۹۷۶ء

جلد پنجم

مصنفہ

مفتی دار العلوم غوثیہ نعیمیہ و شیخ الحدیث

صاحبزادہ اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

ملنے کا پتہ نعیمی کتب خانہ گجرات

نام کتاب	العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ (جلد پنجم)
مصنف	صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی
ناشر	نعیمی کتب خانہ مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات
تعداد	گیارہ سو

تقسیم کار

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور۔فون:۔7221953

فیکس:۔7238010

تعــــارف

العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ علماء اہلسنت کی نظر میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۱۸/رجون ۱۹۷۸ء کو یہ فقیر حقیر غلام محی الدین نعیمی مرادآبادی مع اپنے رفقائے سفر مولیناً محی الدین نعیمی، مولینا عبدالرزاق نعیمی، مولینا محمد میاں نعیمی سلمہم کراچی سے مزارات اولیاء پر حاضری دیتا ہوا گجرات پہنچا تو آستانۂ حضرت حکیم الامہ علیہ الرحمہ پر حاضری کے بعد آپ کے صاحبزادۂ والا جاہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی سلمہ سے ملاقات کرکے ہم سب کو بیحد مسرت ہوئی میں آپ سے متعارف تھا لیکن آپ مجھے نہ پہچانے۔ عزیزی مولناً محمد میاں نعیمی نے جب میرا تعارف کرایا تو آپ بڑی گرمجوشی سے ملے اور نہایت خلوص ومحبت کے ساتھ پیش آئے۔ دورانِ گفتگو آپ نے اپنے بدایوں سے جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے جانے کا ذکر کیا تو جامعہ اور اس کے بانی حضرت محی واستاذی ومرشدی سیدی صدرالافاضل قدس سرہ کی یاد تازہ ہوگئی۔ پھر آپ نے اپنی تصنیف لطیف العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ہدیۃً مجھے عنایت فرمائی اور حد درجہ میری عزت وتوقیر فرمائی اور بھی تحائف ودعاؤں سے نوازا ورنہ من آنم کہ من دانم اس مختصر سی تمہید کے بعد قلبی دلی تاثرات کے لئے کتاب کے سرسری مطالعہ سے جو چند خاص باتیں ذہن میں آئی ہیں بغیر کسی تصنع اور مبالغہ کے عرض کررہا ہوں۔

عطایا احمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ کے خصائص سرمدیہ

عطایا احمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ مصنفہ شیخ الحدیث فقیہ اعظم مفسر القرآن فاضل جلیل شان مفتی اقتدار احمد خان نعیمی قادری کے متعدد فتاویٰ مطالعہ فقیر میں آئے ہر فتویٰ عطر تحقیق اور ہر مسئلہ حقیق وانیق پایا۔ اس ضخیم کتاب کی ترتیب وتصنیف میں کس قسم کی محنتِ شاقہ سے کام لیا ہے اور کتنی عرقریزی کی ہے اس کا صحیح علم واندازہ صرف مصنف کو ہی ہوسکتا ہے۔ بہرکیف اس مجموعہ محاسن کے خصائص کو دیکھ کر مصنف کی جلالت علمی کا مظاہرہ ہوسکتا ہے یہ کتاب اردو زبان میں فقہ کی ایک نہایت جامع اور مستند کتاب ہے۔ دینی معلومات فقہی توضیحات کا عظیم شاہکار ہے اس کی زبان وبیان میں ایسی سلاست وروانی ہے کہ علماء، طلبہ اور دیگر تعلیم یافتہ حضرات اس سے بخوبی استفادہ کریں گے۔ معمولی اردو دان احباب کو بھی اس دین کے دینی مسائل واحکام شرعیہ کے سمجھنے میں کوئی خاص دقت و دشواری پیش نہ آئے گی۔ غرض کہ موجودہ دور کی سلیس اردو میں یہ مایۂ صد ناز وافتخار کتاب اپنی مثال آپ ہی ہے۔ یوں تو اس کے مصنف ابھی فاضل نوجوان ہیں لیکن ان کے اسلوب تحریر قلم وزبان کی پختگی، مہارت فنی اور اقامۃِ ادِلّہ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی پختہ کار اور کہنہ مشق معمر فاضل کی تصنیف ہے ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کرنا چنداں دشوار نہیں لیکن فقہ کی کتاب تصنیف کرنا اور صرف اہل علم وفضل ہی نہیں بلکہ جادلین کے سامنے بے جھجک پیش کر کے دعوت تنقید دینا بہت مشکل ہے۔ مسائل مختلف فیہا کی توضیحات، قضایا وتحکیمات کتاب و سنت واجماع وقیاس کی روشنی میں متعین کرنے کے اصول بیان کرنا۔ مخالفین ومعترضین کے غلط الزامات واعتراضات کی مکمل تردید اسلئہ کے اجوبہ کے ذریعے اپنے مسلک کی تائید اس کی حقانیت کا اثبات ماوشما کا کام نہیں اس کے لئے عظیم علم وفضل درکار ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ ۔ رب العزۃ نے اپنے کرم سے جامع فقہی صلاحیت مفتی اقتدار احمد خان کو عطا فرمائی ہے۔ آپ نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کی مسند پر جلوہ گر ہو کر فقہی احتیاطوں کے ساتھ قلم حق رقم چلایا اور فخر و تمکنت سے گریز کر کے عجز وانکسار کو اپنایا ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِّاَبِیْہِ آپ حکیم الامت شیخ الحدیث مفسر قران مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی احمد یار خانصاحب قدس سرہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ بھی اپنے والد ماجد کی طرح مرجع خلائق ہیں ملک کے اطراف واکناف سے مستفتی صاحبان آپ سے فتوے طلب کر رہے ہیں اور آپ کا دارالافتاء مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔

موجودہ دور سائنس اور فلسفہ کی ترقی کا دور ہے اس لئے طبیعتیں عام طور پر عقلی دلائل کی طرف مائل نظر آتی ہیں۔ لوگ اس زمانہ میں شرعی احکام کو بھی عقلی دلائل کی روشنی میں سمجھنا اور جاننا چاہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ آج کل عقلی دلائل کے طلب کرنے کا ذوق اور عقلی سوالات قائم کرنے کا شوق اور عقلی جوابات حاصل کرنے کا رجحان بہت تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے عطایا احمدیہ میں فاضل مصنف نے اس نزاکت کا پورا پورا خیال رکھا۔ جس فتوے میں جہاں دلائل نقلیہ کے علاوہ دلائل عقلیہ کی ضرورت محسوس کی وہاں دلائل عقلیہ کو اس خوبی کے ساتھ قائم کیا ہے کہ ان کے امتزاج فتوے کی صحت وحقانیت سائل اور ہر مطالعہ کرنے والے کے دل ودماغ میں ایسی راسخ ہوگئی کہ مزید کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی حسن اتفاق سے چین کا مسئلہ جس میں لوگوں کو بہت بے چینی پیدا ہو رہی تھی اس کو فاضل مصنف نے ایسے دلائل قاہرہ اور براہین قاطعہ کے ساتھ بیان کر دیا کہ جس سے تمام بے چینیوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اس جامعہ کتاب میں ایسے بے شمار علمی اسرار ورموز اور فنی نکات کو عمل کی افادیت عام کرنے کی غرض سے صراحۃً بیان کر دیا جن کو فقہا ومحدثین اپنا مابہ الامتیاز سمجھ کر پردۂ خاص میں رکھنا ہی مستحسن سمجھتے ہیں۔ آخر میں امید کرتا ہوں کہ ملت اسلامیہ کا ہر طبقہ اور ہر فرد العطایا الاحمدیہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھے گا۔ چونکہ اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے موجب سعادت دارین ہے اس لئے ہر دیندار شخص اس کو خرید کر اپنے پاس رکھے گا۔ خدا کرے اس کی اشاعت میں دم بہ دم اضافہ ہوتا رہے اور لوگ ہمیشہ اس کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہیں۔ رب تبارک وتعالیٰ مصنف کی عمر دراز کرے اور ان سے بیشمار دینی خدمات لے اور دارین کی نعمتوں اور سعادتوں سے مالا مال رکھے آمین ثم آمین ین دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

خادم العلماء وفقراء غلام محی الدین نعیمی مراد آبادی غفرلہٗ الہادی

۴۸۶
۹۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرعی اسلامی فتویٰ

قانونِ شریعت کے مطابق سیدزادی کا نکاح غیر سید نیک متقی معظم باوقار باکردار اونچے خاندانی عالم مرد سے سیدہ کے ولی قریبی کی اجازت اور رضا سے جائز ہے۔

فاروقِ اعظمؓ کا نکاح سیدہ امِ کلثومؓ بنتِ مولیٰ علیؓ سے ہونا ثابت ہے۔ تفضیلی شیعہ رافضی اور تبرائی شیعہ اس نکاح ہونے کے منکر ہیں

کتبہ
مفتیِ اسلام صاحبزادہ اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی۔ گجرات پاکستان

ملنے کا پتہ
نعیمی کتب خانہ گجرات پنجاب پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پہلا فتویٰ

سیدزادی کا نکاح غیر سید مرد سے جائز ہونے یا نہ ہونے کا مکمل مدلل بیان

اسلام میں کفو کی قیمیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ہمارے علاقے حویلیاں ضلع ہزارہ پاکستان میں تفضیلی شیعوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید مرد سے ہرگز ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام قطعی ہے یہ نکاح باطل خاوند بیوی کی صحبت ناجائز اولاد غلط، کوئی والی وارث باپ دادا بھی اپنی رضا سے یہ نکاح اپنی بیٹی کا غیر سید مرد سے نہیں کرسکتا کیونکہ اس میں سیدزادی کی ذلت اور دنیا بھر کے سادات کی توہین ہے ہاں اگر ساری دنیا کے سید راضی ہوں تب اُس ایک سیدزادی کا غیر سید سے نکاح جائز ہو سکتا ہے۔ یعنی سیدہ کا باپ پوری دنیا کے سیدوں کو راضی کرے پھر غیر سید سے اپنی بیٹی بیاہ سکتا ہے۔ اگرچہ مرد قریشی خاندان سے ہو، پوری دنیا کے سید حضرات اپنی بیٹیوں کا نکاح سوائے سید لڑکوں کے کسی سے بھی نہیں کرسکتے، اگر سید لڑکے کا رشتہ نہ ملے تو خواہ سیدزادی بوڑھی ہو کر مر جائے مگر غیر سید اُس کا خاوند ہرگز نہیں بن سکتا، سیدزادہ اگرچہ نیک ہو یا فاسق فاجر یا بدعقیدہ شیعہ ہو یا سُنّی، بلکہ سیدزادہ اگر فاسق فاجر بدمعاش بدقماش یا بدعقیدہ بھی ہو۔ تب بھی غیر سید متقی مسلمان بلکہ غوث وقطب عالم فقیہ سے افضل ہے کیونکہ نبی کریم کی اولاد ہے، یہاں تک کہ موجودہ ہر سید کا درجہ غیر سید صحابی سے بھی زیادہ ہے یہ حویلیاں کے رافضی شیعہ یہاں تک کہتے ہیں کہ ابولہب اگرچہ کافر تھا مگر اس کا بھی احترام اس لیے کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ نبی کریم کا چچا اور قرابت دار تھا، ہمارے سلف صالحین نے تَبَّتْ یَدَا والی سورۃ اپنی نمازوں تلاوتوں میں پڑھنی چھوڑ دی تھی کہ اس میں ابولہب کی توہین کی گئی ہے اس سورت کو پڑھنے سے نبی کریم کو تکلیف ہوتی ہے، نیز یہ فرقہ کہتا ہے

کہ ابولہب کا درجہ امیر معاویہ سے زیادہ ہے، یہ فرقہ امیر معاویہ کو کافر کہتا ہے (معاذ اللہ) یہاں تک کہتا ہے سیدوں کو امتی کہنا بھی گناہ ہے کیونکہ یہ عام مسلمانوں کا لقب ہے، ان کی شان و عظمت کے لیے یہ لفظ گھٹیا ہے۔ سادات کا درجہ قرشیوں عرشیوں سے بلند ہے اسی وجہ سے کوئی بھی غیر سید شخص سیدزادی کا کفو اور برابری کا رشتہ دار نہیں ہو سکتا، ہاں البتہ سیدزادہ ہر عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ چند ماہ پیشتر میرے پاس حویلیاں کے ایک سید صاحب آئے تھے اُن کی روائیداد حسبِ ذیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان کی تین جوان بیٹیاں ہیں مگر کسی شریف سید گھرانے کا رشتہ نہیں ملتا، وہ خود صحیح العقیدہ حنفی سنی متبع سنت باشرع نیک عابد زاہد تہجد گزار ہیں اور گھر کا ماحول بھی بہت پاکیزہ ہے سب بچیاں تہجد اور نفلی عبادت تلاوت کے پابند ہیں۔ گھر کی مستورات سختی سے پردہ نشین ہیں ویسے تو سادات سے بستیاں بھری ہوئی ہیں مگر حنفی سنی قادری یا چشتی نقشبندی، پاکیزہ خصلت والا پابند صوم و صلوٰۃ رشتہ اب تقریباً کہیں کوئی مشکل سے ہی ملتا ہے۔ بہت سے رشتے آئے مگر پاکیزہ صحیح العقیدہ نیک متقی رشتہ نہیں آیا کوئی سید آوارہ ہے تو کوئی داڑھی منڈا تماشہ باز اور لڑاکا قاتل اور تبرائی شیعہ ہے کوئی تفضیلی شیعہ، بے نمازی بے روزہ خراب سادات کی اکثریت ہے ایسے بدقماش اور جواری خاوند کے ساتھ ایک نہایت پاکیزہ نیک نمازی باپردہ سیدھی سادی سیدزادی کا گزارہ کیسے ہو سکتا ہے یا ہر وقت جان کا خطرہ یا ہر وقت لڑائی کا خطرہ یا عزت و آبرو کا خطرہ، جو رشتہ آتا ہے وہ نیکی کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ اور میں خود چونکہ بیٹیوں والا ہوں لہٰذا خود تلاش رشتے کے لیے جا نہیں سکتا ورنہ لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید ان کی بیٹیوں میں نقص ہے جو یہ خود رشتے تلاش کرتے پھر رہے ہیں کوئی ان کا رشتہ مانگنے نہیں آتا۔ ایک سید گھرانے کا رشتہ آیا تھا ہم نے اسے پسند بھی کر لیا مگر انہوں نے اتنا بڑا جہیز مانگا اور وہ وہ چیزیں مانگیں جو ہماری پہنچ سے بھی باہر تھیں اور شرعاً بھی ہم اس کو ممنوع سمجھتے ہیں۔ بعد میں یہ بھی پتہ لگا کہ وہ تفضیلی شیعہ ہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سخت دشمن اور تبرائی، اور کتوں کے لڑانے والے شرطیں لگانے والے، گھر میں بھی کوئی خاص شرعی پابندی نظر نہیں آئی جگہ جگہ فوٹو تصویریں لگی ہوئیں۔ میرے پیر و مرشد سید محمد حسین شاہ صاحب علی پور شریف والے جو حیدرآباد دکن میں رہتے تھے امیرِ ملت پیر قبلہ سید جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرزند ارجمند رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ فرمایا کہ متقی تھا اور سچا سید کبھی بدمعاش فاسق و فاجر اور بدعقیدہ نہیں ہو سکتا نہ تفضیلی شیعہ رافضی ہو سکتا نہ تبرائی شیعہ رافضی ہو کر۔ جو سید فاسق و فاجر بے نمازی بدمعاش قاتل ڈاکو جب ہو یا تفضیلی شیعہ و تبرائی شیعہ ہو سمجھ لو یہ جھوٹا بناوٹی سید ہے اگرچہ کوئی نسبی سید ہی یا علوی ہو مگر مذکورہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان کو [illegible] سے تو نہیں ہیں ایک زمیندار چوہدری خاندان ہے دوسرا پٹھان [illegible] ہے۔ لیکن دونوں خاندان نہایت پاکیزہ نیک پابندِ صوم صلوٰۃ [illegible] اہل [illegible] لڑکے بھی نیک باشرع حنفی سنی متشرع چہرہ خوب صورت [illegible] جماعت علی شاہ صاحب محدثِ علی پوری علیہ الرحمۃ سے بیعت ہے اور پٹھان گھرانہ بریلی شریف سے بیعت ہے، پٹھان لڑکا عالمِ دین بھی ہے اور میرے گھر والوں کو بچوں بچیوں کو بھی یہ رشتہ پسند ہے۔ ان دونوں گھروں اور خاندانوں کی علاقہ میں بہت عزت اور تعظیم ہے لڑکے تو بہت ہی شریف نیک اور عاجز مسکین ملنسار ہیں، دونوں خاندان مالی اعتبار سے بھی مخیر ہیں۔ ایک زمیندار ہے اور پٹھان لوگ تجارت پیشہ ہیں، فی الحال کپڑے کا وسیع کاروبار ہے۔ گھر میں ہر چھوٹا بڑا مرد عورت نمازی ہے۔ غرضکہ ہر طرح صحیحُ العقیدہ اور باعزت لوگ ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میری دونوں بیٹیوں کا رشتہ یہاں ان گھرانوں میں ہو جائے مگر میرے علاقے حویلیاں کے یہ تفضیلی شیعہ اس نکاح کو باطل اور حرام کہتے ہیں۔ اور معاذ اللہ بہت بری بڑی شرمناک باتیں بناتے ہیں کہتے ہیں کہ اس میں سید زادی کی ذلت ہے یہ ہیں تو چند لوگ ہی مگر شور بہت ڈالا ہوا ہے۔ ظاہراً سنی بنے ہوئے ہیں مگر ان کا ہر کام شیعوں جیسا ہے اور خود کو محبتِ اہل بیت اور شیعانِ علی بھی کہتے ہیں، یہ شاہ صاحب ایک ماہ پیشتر میرے پاس ڈھوک کشمیریاں راولپنڈی تشریف لائے اور اپنی پریشانی سنا کر مجھ سے شرعی مسئلہ پوچھا میں یہاں اس علاقہ میں امام اور خطیب ہوں میں نے اس وقت ان کو مشورہ دیا تھا کہ تم گولڑے شریف سے فتویٰ منگواؤ۔ انہوں نے گولڑے شریف خط لکھا اور اپنی یہ ساری پریشانی بھی لکھ کر بھیجی تھی پندرہ دن بعد وہاں سے واپسی جواب وہاں کے امام مسجد صاحب نے ایک ستر صفحات کا چھپا ہوا کتابچہ فوٹو سٹیٹ کرا کر بھیجا جس کا نام ہے۔ تعارفِ مفتیانِ گولڑہ شریف۔ اس رسالچی میں تیئیس ۲۳ فتاوے ور

ایک چوبیسواں نمبر روزنامہ اخبار ذوالفقار لکھنؤ کا ایک مضمون ہے۔ اس میں پہلا فتویٰ خود حضرتِ اعلیٰ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ قبلہ کا ہے جو فتاوی مہریہ سے نقل شدہ ہے اور آخری فتویٰ خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے، جو گولڑے شریف کے پیر خانے سیال شریف سے جاری ہوا، میرے اپنے ذاتی علمی خیال میں مسلکِ حنفی کے مطابق صرف پہلا فتویٰ اور آخری سیالوی فتویٰ ہے۔ باقی تمام فتوے شرعاً غلط معلوم ہوتے ہیں کیونکہ پیر مہر علی شاہ صاحب حضورِ گولڑوی کے فتوے کے بھی خلاف ہیں اور سیالوی فتوے کے بھی اور مسلکِ حنفی کے بھی زیادہ تر فتاویٰ میں حویلیاں کے ہی ایک شاہ صاحب کے مسلک و تحریر کا سہارا پکڑا گیا ہے کسی حنفی فقہ کی معتبر و مشہور کتاب کا کوئی حوالہ نہیں، اس کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ کہاں سے مدلل و مضبوط فتویٰ منگوایا جائے کہ ایک دن ایک مدرسے میں جانے کا اتفاق وہاں آپ کا فتاویٰ تین حصوں میں دیکھنے کا موقعہ ملا پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا کہ اتنا مضبوط فتاویٰ اتنے کثیر دلائل اور عجیب و غریب تحقیق و تفتیش، اور ہر ایک ایک فتوے میں اتنی محنت کہ کمال کر دیا، اس سے پہلے ایسا عظیم الشان فتاویٰ میری نظر سے نہیں گزرا واقعی آپ نے فتویٰ لکھنے کا حق ادا کر دیا اور ایک مفتیٔ اسلام کی شان بتا دی۔ یہی وہ فتویٰ ہیں جن کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مؤدبانہ گزارش ہے کہ ہمیں بھی اسی شان کا ایک فتویٰ سیدزادی کے نکاح کے متعلق مندرجہ بالا جات حالات کی کیفیت کے حل کے لیے عطا فرمایا جائے بری یہ تحریر استفتا سمجھی جائے۔ شاہ صاحب کی طرف سے بھی یہی استفتا ہے اُن کے اور بری دستخطوں کے ساتھ جوابی لفافے کے ہمراہ یہ خط آپ کو بھیجا جا رہا ہے اور ساتھ ہی گولڑے شریف سے آیا ہوا وہ کتابچہ بھی بھیج رہا ہوں۔ اس کا تردیدی یا تائیدی جواب بھی ہم کو عطا فرمایا جائے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ سب حضرات اُس پر ہی عمل کریں گے فقط والسلام۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

دستخط سائل سید نصیب علی شاہ حنفی سنّی نقشبندی، حویلیاں ضلع ہزارہ پاکستان

دستخط۔ مُرسلہ منجانب مولوی مہربان خاں کوٹلوی مال خطیب جامع مسجد ڈھوک کشمیریاں۔

۱۹/۵/۹۴

بعونِ العلام الوہاب

الجواب

محترم و مکرم حضرت ... صاحب اور حضرت علامہ خطیب صاحب آپ کے تمام کاغذات موصول ہوئے اور بغور ان کو پڑھنے کے بعد یہ شرعی فتویٰ اسلام قرآن اور احادیث مصطفیٰ اور فقہ حنفیہ کے مطابق ارسال کیا جا رہا ہے۔ گولڑوی کتابچہ کا جواب تردیدی بھی بحمدہٖ تعالیٰ جلد ہی دیا جا رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس فتوئے شرعیہ کے حکم سے مذکورہ فی السوال کیفیات کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کو مکمل اجازت دی جاتی ہے کہ آپ اپنی بیٹیوں کے نکاح ان کے ہم عصر گھرانوں میں فوراً کر دیں جن کا تذکرہ آپ نے سوال میں فرمایا ہے یہ اجازت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی طرف سے ہے۔ آپ اپنی بیٹیوں کے وَلیِ اَقرَب ہیں اور آپ کی عاقلہ بالغہ بیٹیاں بھی اس نکاح سے راضی ہیں آپ بھی خوش اور مطمئن ہیں، نیز جو کیفیات اور پاکیزہ حالات آپ نے اُن دونوں گھرانوں کے بتائے ہیں اُس اعتبار سے وہ لوگ شریعتِ اسلامیہ کے فرمودات سے آپ کے حسبی کفو ہیں اور بحکم قرآنی حسبی کفو زیادہ مضبوط ہوتا ہے نسبی کفو سے۔ لہٰذا جہلاءِ حویلیاں اور حمقاءِ تفضیلی شیعوں کو شور مچانے دو ان کے لغو شور و غوغا کی پرواہ نہ کرو، ان کی ہر بات باطل ہے اور باطل کا کام ہی شور مچانا ہے یہ لوگ اگرچہ اس مسئلے پر ہزاروں کتابیں لکھتے رہیں۔ قلم گھساتے اور صفحات سیاہ کرتے رہیں مگر حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کا ہر نظریہ قرآنِ مجید حدیث پاک اور فقہ حنفی کے خلاف ہے۔ قرآن عظیم اور حدیث مبین سے ہر مسلمان شخص مرد و عورت کے دو قسم کے کفو ہیں۔ پہلا کفو نسبی اور دوسرا کفو حسبی۔ مگر حسبی کفو کو نسبی کفو پر فوقیت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے کسی بھی دین نے عورت کی اتنی حفاظت نہیں کی جتنی مضبوط و دائمی ایک مسلمان عورت کی ہر روپ میں اسلام نے حفاظت فرمائی عورت خواہ ماں کے روپ میں ہو یا بیٹی کے یا بہن کے یا بیوی کے روپ میں۔ یہودیت نے امیر و غریب کا فرق کر کے عورت کو ذلیل کیا۔ عیسائیت نے کالے و گورے کا فرق کر کے عورت کو ذلیل کیا۔ ہندو مت نے اونچی نیچی ذات کا فرق کر کے عورت کو ذلیل کیا۔ اور ان سب دینوں کے اس امتیازی سلوک میں سب سے زیادہ بیوی کو ذلت ملی، کبھی جہیز کا مسئلہ کھڑا کر کے بیوی

کو ذلیل کیا گیا، کہیں حق مہر کا نام و نشان مٹا کر بیوی اور بیوی کے والیان کو ذلیل کیا، حالانکہ کثرت جہیز بیوی کی ذلت ہے اور کثرتِ حق مہر اس صنفِ نازک کی عزت ہے۔ اسلام سے پہلے بیوی کی حیثیت ایک جانور سے زیادہ نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ عورت کا وجود ہی حقیر شمار کیا جاتا تھا۔ آج بھی عالمِ کفر میں بیوی کی یہی حیثیت ہے۔ خاوند اور اُس کے لواحقین کی نگاہ میں دولت کی عزت زیادہ بیوی کے مقابل۔ مگر اسلام نے دنیا میں تشریف لا کر اس پُرانی کفریاتی رواج اور ذلتوں کو ختم کیا اسلام نے ہی فرمایا کہ اے مسلمانوں تم میں آج سے کالے گورے امیر غریب اور نیچے اونچے کا کوئی فرق نہیں۔ اور یہ بات صرف عجمیوں کے لیے ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے تا قیامت تمام مسلمان مرد و عورت عربی عجمی سیّد غیر سید کے لیے ایک جیسا قانون ہے۔ کسی کو کسی پر غرور و تکبّر کرنے کا حق نہیں۔ تبلیغِ نبوی کی کیا عظیم الشان غرور توڑ تعلیم ہے کہ سیّد سیدوں کو فرمایا۔ خبردار اپنی سیادت پر شیطانی غرور نہ کرنا، کیونکہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ اور غیر سیّدوں کو فرمایا کہ خبردار اپنی چوہدراہٹ دولت تجارت ثروت، حکومت پر غرور نہ کرنا تم کچھ بھی ہو یا کچھ بھی بن جاؤ۔ قُوْمُوْا لِسَیِّدِکُمْ۔ سادات کے احترام کے لیے اپنی عزت کی کرسیاں چھوڑ کر کھڑے ہو جاؤ۔ ظاہراً تو یہ چند کلماتِ طیبات کسی خاص موقع کے لیے ارشاد فرمائے گئے لیکن حقیقتاً تا قیامت پورے عالمِ اسلام کے لیے اصلاح معاشرے کی تعلیم عظیم ہے ان پر عمل کر کے پورا اسلامی معاشرہ اسلامی تہذیب آداب کا نقشہ پیش کر سکتا ہے اسی اسلامی تعلیم کو بھلا کر اور کافرانہ ہندوانہ رسمیں و طریقے اپنا کر مسلمانوں نے ظلم و تعدی کا جال پھیلا رکھا ہے۔ لفظ آقا بھی عربی لفظ ہے اور سیّد بھی مگر زبانِ علم و حکمت نے آقا نہ فرمایا۔ نہ قُوْمُوْا لِاٰقَاکُمْ نہ آقَاءُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ۔ فرمایا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ آقائیت کا وجود دنیا سے ناپید اور ختم ہونے والا ہے مگر سیّد و سادات تا ابد سدا بہار ہیں اور اِن کی تعظیم بحکمِ قرآنی جزوِ ایمانی ہے۔ لیکن غرور و تکبّر ہر سیّد غیر سیّد مومن مسلمان کے لیے ایمان سوز زہر قاتل ہے۔ عالمِ انسانیت میں ہر انسان کو اسلام نے بہترین تحفظ عطا فرمایا مردوں کو بھی عورتوں کو بھی مگر چونکہ عورتیں صنفِ نازک ہیں بعض موقعوں پر یہ اپنے خاندانوں اور اپنے گھروں میں بھی غیر محفوظ ہو جاتی ہیں، کبھی جان کا خطرہ کبھی عزت و آبرو کا خطرہ کبھی ایمان کا خطرہ اس لیے اسلام نے مسلمان عورت کی حفاظت کے لیے خاصہ مضبوط انتظام و اہتمام فرمایا ہے، ان خطرات سے بیوی سب

میں زیادہ مبتلا ہوتی ہے اور ظالم فاسق لالچی شکی مزاج، خاوند اور اسی قسم کے سسرالیوں کے ہاتھوں مظلوم بیوی ظلم کا شکار ہو جاتی ہے، اسلام میں کفو کا مسئلہ اور کفو کی تقسیم، غیر کفو سے عورت کو بچانا، والی وارث کی حاکمیت کو عورت پر قائم فرمانا حق مہر کا مسئلہ اور زیادہ سے زیادہ حق مہر دلوانا، جہیز کی رسم وغیرہ کو ختم کرنا، اور تفویض طلاق کے قوانین یہ سب کچھ مسلمان عورت کے تحفظ اور خاوند کے ظلم و تکبر و لالچ کو توڑنے کے لیے ہی ہیں، مگر نادان اور دنیا ساز و مغرور مسلمان ان کو سمجھتے نہیں، سوال مذکورہ میں تفضیلی شیعہ روافض کی اسی قسم کی ساختہ نادانیاں نقل کی گئی ہیں اور سب محض جہالت، کور چشمی، اوندھی عقل اور گمراہی ہیں، پہلی نادانی یہ کہ سیدزادی کا غیر سید مرد سے قطعاً نکاح جائز نہیں بلکہ باطل و حرام ہے یہاں تک کہ قریشی مرد سے بھی ناجائز، دوسری نادانی یہ کہ لڑکی سیدزادی اگرچہ عاقلہ بالغہ ہو اور غیر سید نیک مرد سے نکاح پر راضی ہو اس کے والی وارث بھی راضی ہوں تب بھی نکاح جائز نہیں ہاں تمام دنیا کے سید لوگ اگر راضی ہوں تب نکاح جائز ہے یہ نظریات سب غلط اور ضلالتِ ابلیسی اور سیدزادی پر ظلم ہے اس لیے کہ اسلام قرآن اور واقعاتِ احادیث کے خلاف ان شیعوں نے اپنا یہ عقیدہ سراسر اسلام کے خلاف بنا لیا ہے۔ بلکہ ان کے تمام اقوال و اعمال ہی خود ساختہ غیر شرعی ہیں، ذاتی ایجادات ہیں، زمانۂ نبوی سے ایسے نکاح ہوتے چلے آئے ہیں بے شمار سیدزادیاں غیر سید بزرگوں ولیوں عالموں کے نکاح میں رہیں۔ جیسا کہ ہم مندرجہ ذیل دلائل میں ثابت کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ، یہ کہنا بھی حماقت ہے کہ ساری دنیا کے سید راضی ہوں تب غیر سید سے نکاح جائز ورنہ نہیں، کیونکہ اسلام نے صرف قریبی ولی کی رضامندی شرط لگائی ہے، اور صرف سیدوں کے لیے ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لیے تاقیامت اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ غیر سید سے نکاح میں سیدزادی کی ذلت ہے اگر ایسا ہوتا تو اسلام یعنی قرآن و حدیث میں سیدزادیوں کے لیے علیحدہ صاف الفاظ میں قانون کفو بنا دیا جاتا، حالانکہ ایسا خصوصی کوئی قانون موجود نہیں نہ قرآن مجید میں نہ حدیث پاک میں نہ فقہ ائمہ اربعہ میں۔ اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے مطابق شریعت مطہرہ کے فرمودات کی حد میں رہ کر جو نکاح کیا جائے وہ تو خاوند بیوی کی عزت و عظمت اور وقار کا باعث ہے نہ کہ ذلت و رسوائی کا قرآن مجید فرماتا ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (سورۃ بقرہ آیت ۱۸۷) اے

مسلمان خاوند و تمہاری بیویاں تمہارے لیے عزت کا لباس ہیں اور تم اُن کے لیے عزت کا لباس ہو اسلام قرآن تو ہر خاوند بیوی کو بذریعہ شرعی نکاح عزت کا مقام دے رہا ہے۔ مگر یہ ظالم بد نصیب تفضیلی شیعہ کون سی عزت ڈھونڈتے پھر رہے ہیں دنیا اور آخرت کی جتنی بھی عزتیں ہیں وہ اسلامی اصول و شرائع میں ہیں ان سے ہٹ کر اپنے ڈیڑھ اینٹ کے گھروندے میں عزتیں بانٹتے پھرنا وساوس شیطانی اور تلبیس ابلیس کے سوا کچھ نہیں، کیا یہ دنیوی عزت کم ہے ایک سیدزادی نیک پاک باوفا متقی مسلمان غیر سید بادشاہ کی بیوی بن کر پورے ملک کی ملکہ بنے جس پر حکمرانی کرے یا ایک معظم متقی نیک پاک مومن مسلمان زمیندار چوہدری اپنے علاقہ کا سردار پانچ وقت کا نمازی باحیثیت غیر سید مرد سے، مجبور مظلوم سیدزادی کا نکاح کر دیا جائے تاکہ وہ انتہائی احترام و عزت کے ساتھ زندگی گزار سکے یا معاشرے میں اونچے معزز و معظم خاندان کے نیک متقی مومن مسلمان عالم باعمل فقیہ پٹھان قبیلے کے نوجوان باادب بااخلاق مرد سے کسی سیدزادی کا نکاح کر دیا جائے تاکہ گھر کی چار دیواری میں باپردہ باعزت ہم مسلک صحیح العقیدہ شخص کے ساتھ اپنی خاندانی وجاہت وسیادت کے ساتھ عزت گزار سکے۔ کیونکہ بفرمانِ الٰہی صرف علماءِ اسلامی ہی خوف خدا رکھنے والے اور سب کی عزت پہچاننے والے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (سورۃ فاطر آیت ۲۸) اور میرا مشاہدہ ہے کہ جن غیر سیدوں کے گھروں میں سیدزادی بیاہ کر آئی ہیں وہ ہی لوگ اپنی بیویوں بہوؤں کی صحیح عزت کرتے ہیں سیدزادیاں وہاں انتہائی عزت و احترام سے رکھی جاتی ہیں انہی غیر سید سسرال والوں میں سیدزادی بہو، بیوی کی صحیح اور حق سادات کے مطابق عزت ہوتی ہے اور انہی گھروں میں اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا سچا نقشہ نظر آتا ہے۔ ہمارے علاقے یوپی انڈیا میں اکثر نیک شریف سنی سادات گھرانوں نے اپنے خاندان کے بدقماش و بدعقیدہ سیدوں سے اپنی اور اپنی بیٹیوں کی جان و عزت بچا کر نیک متقی سنی معظم و معزز اونچے خاندان صاحب وقار و حیثیت گھرانوں کے علما فقہا کو اپنی بیٹیاں بیاہی ہوئی ہیں سارا سسرال یہاں تک کہ ساس اور سسر بھی اُس کی عزت کرتے ہیں صرف اس لیے کہ یہ سیدزادی ہے ہمارے گھر کا چراغ اور قبر و حشر کی روشنی ہے، بھلا یہ عزت کسی سیدزادی کو فاسق و فاجر بدعقیدہ ظالم لالچی بددماغ سید خاوند اور اُس کے گھرانے سے مل سکتی ہے۔ اِن عقل کے اندھوں تفضیلی شیعوں کو کیا معلوم کہ اگر کوئی نیک شریف مومن مسلمان متقی عابدہ زاہدہ کو کسی فاسق فاجر

چونکہ اگر کسی سید زادی کی شادی غیر سید سے کر دی جائے تو بیچاری سیدزادی اور اُس کے نیک شریف میکے والوں کی ساری عمر کی ذلت و خواری ہوتی ہے یہ مجھے معلوم ہے کہ اس قسم کے نیک شریف بیٹیوں والے انہی کے ہاتھوں عذاب میں مبتلا ہیں۔ تعویذ و فتاوی کے لیے جب سیدزادیاں میرے پاس آتی ہیں تو سیدزادوں کے ہاتھوں اذیت ناک حالات سنے نہیں جاتے اور پھر حیرت اس بات پہ ہے کہ یہ نسبی کفو کی سخت پابندی صرف سیدزادی پر ہے، نہ سیدزادوں پر نہ کسی اور ظاہری مسلمان اونچی جاتی قوم قبیلے اور معزز خاندان کے لڑکوں لڑکیوں پر یہ امتیازی تفریق سلوک ان تفضیلی رافضیوں نے صرف بے چاری سیدزادیوں اور ان کے مذکورہ فی السوال قسم کے والدین کے لیے بنائے ہیں کہ سید لڑکا جہاں چاہے اونچی نیچی ذات میں جھک مارتا پھرے اس کو کھلی چھٹی ہے۔ ان حمقاء دیہات سے کوئی پوچھے کہ جب سید لڑکے غیر سیدوں میں اپنی من پسند کی شادیاں کرتے پھریں گے تو پھر سیدزادیوں کے رشتے سیدوں میں کہاں سے آئیں گے۔ تمہارے خود ساختہ دین نے اس کا کیا حل سوچا ہے، اور پھر اگر سیدزادی کی اولاد کو غیر سید والا کا طعنہ پڑ سکتا ہے تو سید مرد کی اولاد کو بھی پنچ قوم کی والدہ کا طعنہ پڑ سکتا ہے۔ یہ تفریق صرف انہی دیہاتی ان پڑھ تفضیلی شیعوں نے اپنے بناوٹی دین و مذہب میں بنائی ہے۔ اسلام میں ایسی کوئی ظالمانہ تفریق اور امتیازی سلوک کہیں ثابت نہیں ہے۔ اس ظالمانہ نظریے کا نام محبتِ اہل بیت رکھا ہے یہ محبت نہیں بلکہ سیدات اور شرفاءِ سادات پر ظلم ہے، یہ تفضیلی شیعہ محبتِ اہل بیت کی دعویداری میں اتنے اندھے ہو چکے ہیں کہ ابولہب کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی مردودیت اور ملعونیت میں رب تعالیٰ نے جو سورۃ لہب نازل فرمائی اس سورۃ کے بھی گستاخ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ پر معترض کہ اس نے یہ سورۃ کیوں نازل فرمائی اس سے نبی کریم کو دکھ پہنچتا ہے کہ اس میں اُن کے چچا ابولہب کی برائی اور ہلاکت بیان فرمائی معاذ اللہ، پھر کل آذرِ بت تراش کی تعریفیں شروع کر دینا کیونکہ وہ بھی ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہی تھا، یہی وہ گمراہ لوگ ہیں جن کے بارے میں خود مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ و کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ هَلَكَ فِيَّ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ۔ ترجمہ:۔ ہلاک ہوتے رہیں گے جہنم کے اندر میرے بارے میں وہ محبت کرنے والے جو میری محبت میں شریعت کی حدیں توڑ گئے۔ سورۃِ تَبَّتْ يَدَا کی گستاخی اور کلامِ الٰہی سے نفرت بیان کر کے اپنے کافر ہونے کا خود اظہار کر دیا۔ یہی تفضیلی شیعہ رافضی صرف اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کو برا کہتے ہیں کہ انہوں نے مولیٰ علی سے جنگ صفین کی تھی یہ میں صرف اس سوال کی تحریر سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اس سوال کے بعد تحقیق و تفتیش کرتے ہوئے میں نے بنظر خود ان کی کتابوں میں یہ کفریہ عبارتیں پڑھی ہیں۔ حالانکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عظیم صحابی کاتب وحی اور معتمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ مولانا روم ان کی تعریف کریں داتا صاحب ان کا ذکر خیر فرمائیں علما فقہا ان کی خدمات اسلامیہ کو سراہیں، قاضی عیاض کی کتاب الشفا کی شرح نسیم الریاض جلد اول ص۱۳ پر ہے۔ وَمَنْ یَکُوْنُ یَطْعَنُ فِیْ مُعَاوِیَۃَ فَذٰلِکَ مِنْ کِلَابِ الْھَاوِیَۃِ۔ ترجمہ۔ جو بد بخت انسان حضرت معاویہ کو برا کہے وہ جہنم کے کتوں میں سے ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ سیدوں کو اُمتی نہ کہو، کیونکہ یہ لفظ گھٹیا ہے، سیدوں کا درجہ غیر قریشیوں سے زیادہ ہے یا یہ کہ تمام سیدوں کا درجہ غیر سید صحابی سے بھی زیادہ ہے اگرچہ سید فاسق فاجر یا بدعقیدہ بھی ہو غوث و قطب سے بھی اس کا درجہ بلند ہے یہ سب اقوال اُن کے ذاتی بنائے ہوئے خرافات و گمراہیاں ہیں۔ اسلام قرآن سے ان لغویات کا کوئی تعلق نہیں، ان ہی خود ساختہ فضائل سادات کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ سیدزادی کا کوئی غیر سید کفو نہیں۔ کفو کا معنی کرتے ہیں برابر اور ہم پلّہ یہ ترجمہ بھی ان کی جہالت اور کفریات میں سے ہے کیونکہ اسی ترجمہ کے بلبوتے پر وہ اہل بیت کو معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے برابر سمجھتے ہیں جیسا کہ ان کی کتب عقائد میں لکھا ہے۔ ان تمام خرافات لغویات ظلمات کی وجہ سے ہی تبرائی شیعوں رافضیوں کو کافر کہا جاتا ہے اور تفضیلی شیعوں رافضیوں کو گمراہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ شرنبلالی اپنی کتاب تنبیہ المقاصد شرح وصیانیہ کتاب السیر ص۳۰ پر فرماتے ہیں۔ اَلرَّافِضُ اِذَا سَبَّ اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَوْ لَعَنَھُمَا یَکُوْنُ کَافِرًا وَاِنْ فَضَّلَ عَلَیْھِمَا عَلِیًّا لَا یَکْفُرُ وَھُوَ مُبْتَدِعٌ۔ ترجمہ: رافضی شیعہ جب صدیق و فاروق پر تبرا بولے تو کافر ہے اور اگر صرف تفضیلی ہے اور صدیق و فاروق سے مولیٰ علی کو افضل مانے تو گمراہ ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ اہل سنت ہیں۔ اور مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ۔ تبرائی شیعہ ہیں اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ تفضیلی شیعہ اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی۔ (سورۃ شوریٰ آیت ۲۳) کا صحیح نقشہ صرف اہل سنت کے پاس ہے رافضیوں تفضیلیوں کی حُبِ اہل بیت تو جہنم کی ہلاکت ہے۔ آج دنیا میں محبانِ علی بنے

پھر جن ظلم کا [illegible] کتنا ہی [illegible] کریں مگر قیامت میں مولیٰ علی کے ہاتھوں ہی یہ تفضیلی رافضی ذلیل و خوار ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ قرآن وحدیث نے اِن کے اسی ظلم کو توڑنے کے [illegible] نے محبت اہلبیت کی آڑ میں سیدزادیوں پر روا رکھا ہے۔ کفو کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم کفو نسبی دوسری قسم کفو حسبی یعنی دینی۔ کفو کا معنی ہے تعلق رشتے داری نسبی کفو میں خون کا تعلق ہے یہ کفویت بچے کے پیدا ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے جو بھی بچہ کا پیدا ہوا تو پیدا ہوتے ہی اس کے خونی رشتے قبیلے والے اُس کے نسبی خاندانی کفو بن گئے نسبی کفو میں دو چیزیں شرط کفویت ہیں ۱ قومیت ۲ حرفت یعنی خاندانی پیشہ کفو کی قسم دوم حسبی اور دینی کفو میں دینی تعلق دینی رشتے داری ضروری۔ حسبی کفو میں پانچ چیزیں شرط کفویت ہیں ۱ خاوند بیوی کا دین ایک ہو عقیدہ ایک ۲ معاشرے میں معزز معظم ہو ۳ نیک سیرت متقی ہو ۴ عالم عاقل ہو ۵ خاوند غریب مسکین محتاج وَ قلاش نہ ہو بلکہ کم از کم اتنا مال رکھتا ہو کہ بیوی کا حقِ مہر ادا کر سکے اور دونوں خاوند بیوی اپنے اِخراجات میں باعزت زندگی کی رہائشی نان نفقہ پورے کر سکیں۔ سورۃ اِخلاص میں وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ کا معنی بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی رشتے دار نہیں کفو کا یہ معنی کرنا کہ فضیلت میں برابری اور پھر تفضیلی شیعوں کا یہ کہنا کہ مولیٰ علی نبی کریم کے کفو ہیں اور پھر کہتے پھرنا کہ علی کرم اللہ وجہہ بالکل نبی کریم کے برابر اور اُن کی مثل ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ علی کو نبوت نہ ملی وہ بھی صرف اس لیے کہ نبی کریم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے معاذ اللہ یہ سب باتیں کفریہ ہیں۔ کفو کے سلسلے میں تفضیلی شیعوں کا موقف اور عقیدہ یہ ہے کہ فاطمی سیدزادی لڑکی کا نکاح غیر فاطمی سیدزادے کے علاوہ کسی اور دوسرے شخص سے جائز نہیں۔ اگرچہ وہ مرد ھاشمی ہو یا قریشی کے دس قبیلوں میں سے کسی قبیلے کا ہو یا اگرچہ عجمی النسل عالم فقیہ نیک متقی مومن مسلمان معظم صاحبِ حیثیت بالو جاہت ہو۔ اور اگرچہ غیر فاطمی شخص سے نکاح کرتے میں خود عاقلہ بالغہ سیدزادی بھی راضی ہو اور اُس کے ولی قریبی بھی راضی ہوں کتنی ہی مجبوری ہو، سید لڑکے کا رشتہ ملے یا نہ ملے۔ لڑکی سیدزادی بے شک بے نکاحی محتاجی میں حقیرنی بوڑھی ہو کر مر جائے۔ اگر کسی غیر سید سے نکاح سیدزادی کا کسی بھی مجبوری کے تحت کیا یا کرایا گیا تو باطل اور وطی صحبت زنا ہو گی اور اولاد ناجائز ہو گی۔ سیدزادی کا خاوند صرف اور صرف سید لڑکا ہی ہو سکتا ہے اگرچہ وہ سید لڑکا جاہل فاسق فاجر قاتل ڈاکو یا

ایا ہیچ قلاش اور بدعقیدہ ہی ہو، شیعوں رافضیوں کے پاس اپنے اس موقف اور خود ساختہ عقیدے پر کوئی بھی واضح دلیل نہیں نہ قولی نہ عملی، نہ عقلی نہ نقلی، نہ قرآن مجید سے نہ حدیث پاک سے نہ فقہ ائمہ اربعہ سے نہ متقدمین علما فقہا کے قول وعمل سے نہ متاخرین علما فقہا کے قول وعمل سے جو ان کے اس مندرجہ بالا صرف سیدزادی کے لیے بنائے گئے عقیدے کو صاف صاف لفظوں میں ثابت کرے، جو گولڑوی رسالہ میرے پاس بھیجا گیا ہے اس میں بھی حضرت اعلیٰ پیر مہر علی شاہ صاحب کا فتویٰ صاف صاف ان تفضیلی شیعوں کے اس موقف کی تردید فرما رہا ہے۔ جیساکہ ہم ابھی اگلی سطور میں اس رسالے کی مکمل تردید کرتے ہوئے بتائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کفو کے مسئلے میں اہل سنت والجماعت کا مسلک و مذہب مندرجہ ذیل ہے۔

چنانچہ مسلک امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ہے کہ مسلمان مومنہ متقیہ کے لیے صرف دین اور دیانت میں کفو ہونا ضروری ہے نسبی کفو ضروری نہیں۔ یعنی مسلمان متقیہ لڑکی کے لیے صرف ایسا خاوند ضروری ہے جو مومن مسلمان متقی صحیح العقیدہ دین اور دیانت والا ہو اور تمام مسلمان عورتوں کے لیے یہ ایک ہی قانون ہے خواہ لڑکی سیدزادی ہو یا غیر سیدہ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد دوم ص۳۴۵ پر ہے۔ خِلَافًا لِمَالِكٍ فِي اعْتِبَارِ الْكَفَاءَةِ وَالثَّوْرِيِّ وَ وَالْكَرْخِيِّ وَجَصَّاصٍ مِنْ مَشَايِخِنَا لَمْ يَعْتَبِرُوا الْكَفَاءَةَ فِي النِّكَاحِ وَلَوْ لَمْ تَثْبُتْ عِنْدَهُمْ هٰذِهِ الرِّوَايَةُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لَمَا اخْتَارُوهَا۔ ترجمہ نسبی کفو کے ضروری ہونے کا اعتبار کرنا مسلک امام مالک کے خلاف ہے اور علامہ ثوری اور علامہ کرخی اور علامہ جصاص جو ہمارے حنفی مشائخ میں سے ہیں وہ بھی کبھی نکاح میں نسبی کفو کا اعتبار نہ کرتے اگر امام اعظم ابوحنیفہ کی یہ روایت (نسبی کفو کے اعتبار والی) ان مشائخ کے نزدیک ثابت نہ ہو جاتی اور حاشیہ ترمذی جلد اول ص۲۰۷ پر بحوالہ مجمع البحار ہے وَفِيهِ حُجَّةٌ عَلَى الْجُمْهُورِ فَإِنَّهُ يُرَاعِي الْكَفَاءَةَ فِي الدِّينِ فَقَط۔ ترجمہ اور امام مالک کے اس قول و مسلک میں جمہور کے خلاف دلیل ہے کیونکہ امام مالک صرف دینی کفائۃ کی رعایت اور اعتبار فرماتے ہیں اور قاضی خان فتاویٰ جلد اول ص۳۴۹ پر ہے اَلْكَفَاءَةُ مُعْتَبَرَةٌ فِي النِّكَاحِ خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَسُفْيَانَ وَجَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ۔ ترجمہ:۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو نکاح میں نسبی کفائۃ معتبر ہے مگر امام مالک رح کے خلاف اور

[illegible] علماء کرام کی ایک جماعت کے بھی خلاف ہے یعنی وہ صرف حسبی نسبی [illegible] کفو کو ضروری سمجھتے ہیں جبکہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مسلک بھی یہی ہے [illegible] تو لڑکی کی عزت بھی مسلمان کے لیے اصل کفو اسلامی رشتے داری ہونا چاہیئے [illegible] مسلمان کی عزت [illegible] دین اور دیانت میں ہے یہی اصل تحفظ ہے۔ چنانچہ [illegible] اکثر الاقوال [illegible] ہے۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ هِيَ مُعْتَبَرَةٌ فِي الْإِسْلَامِ [illegible] ترجمہ۔ امام شافعی رح اور امام احمد کے مسلک میں وہ کفائۃ فقط اسلام ہونے [illegible] یعنی صرف [illegible] مسلمان متقیہ عورت کا کفو ہوتا ہے جو نیک متقی مسلمان ہو۔ نسبوں [illegible] نسبت [illegible] قوم پرستی پیدا ہوتی ہے سب سے پہلے نسب واصل پر شیطان ابلیس نے غرور و تکبر کیا جیسا کہ سورۃ اعراف آیت ۱۲ میں ہے۔ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ۔ ترجمہ۔ ابلیس نے کہا اے اللہ میں اچھا ہوں آدم سے کیونکہ مجھ کو تو نے آگ سے بنایا جو اعلیٰ نسب والی ہے اور اس کو تو نے حقیر مٹی سے پیدا کیا۔ اس نسبی فخر کرنے کو رب تعالیٰ نے تکبر فرمایا، کہ ارشاد ہوا۔ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ۔ پھر زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب نے یہ ابلیسی روش اختیار کی وہ بھی اپنے نسب پر فخر کرتے رہے۔ چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد سوم ص ۱۴۱ پر ہے۔ وَإِنَّمَا يَتَفَاخَرُونَ بِالنَّسَبِ۔ ترجمہ۔ زمانۂ جاہلیت سے اہل عرب اپنے نسبوں پر فخر کرتے چلے آرہے ہیں۔ اسلام نے اِس غرور سے مسلمانوں کو بچایا، فخر کا معنیٰ ہے غرور و تکبر شیخی حدیث پاک میں ارشادِ مقدس ہے۔ أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ ترجمہ۔ میں تمام انسانوں کا سردار بنایا گیا مگر مجھے اس پر غرور نہیں۔ نسب پر فخر غرور ہے اور غرور سے ظلم نافرمانی۔ بدکرداری، بدعقیدگی جیسے مرض پیدا ہوتے ہیں اسی لیے ائمہ ثلاثہ نے فرمایا کہ نکاح میں نسبی کفویت اتنی زیادہ ضروری نہیں جتنی دینی ایمانی اخلاقی شرافت دیانت وجاہت ضروری اور اہم ہے لہٰذا ہر مسلمان کو بیٹیوں کے لیے اہلِ ایمان و تقویٰ رشتوں کو ترجیح دینی چاہیئے اِسی میں ہی بیٹی کی عزت و حفاظت ہے، دلیل ۲ رب تعالیٰ نے ایک آیتِ پاک میں خاوند بیوی کو ایک دوسرے کا لباسِ عزت فرمایا ہے اور سورۃ اعراف کی آیت ۲۶ میں فرمایا۔ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ۔ یعنی تقویٰ لباس سب سے اچھا ہے۔ دونوں آیتوں کو ملانے سے یہ مفہوم ملتا ہے کہ متقی خاوند ہی بیوی کے لیے عزت و حفاظت کا

لباس ہے۔ اور منتقیہ بیوی ہی اپنے خاوند کے لیے عزت وشرافت وامانت کا لباس ہے۔ لہٰذا اے والی وارثو سیدو غیر سیدو۔ نسب پرستی مت کرو ایمان پرستی کرو صرف سیادت لائٹ کار کوٹھی نہ دیکھو ایمان اسلام شرافت دیانت وجاہت کو دیکھو۔ اگر سیدزادہ فاسق فاجر بدعقیدہ ہو کر تبرائی یا تفضیلی شیعہ بن جائے تو وہ نیک پاک متقیہ سنی سیدزادی کا کفو نہیں رہتا۔ نسب پر غرور حرام ہے۔

امام اعظم کا مسلک، صرف امام اعظم ابو حنیفہ رض کفو میں نسبیت کی پابندی لگاتے ہیں مگر حسبیت کے ساتھ مقید کر کے، فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان عورت کا خاوند وہی مرد ہو سکتا ہے جو اُس عورت کی قومیت اور نسبیت کا ہو بشرطیکہ اُس مرد کا حسب اور سبب بھی عورت کے حسب وسبب جیسا ہو۔ مسلک حنفی کا خلاصہ یہ کہ عورت ومرد کا حسب ونسب ایک جیسا ہو تب وہ مرد اُس عورت کا کفو بنے گا اور تب ہی وہ شرعاً خاوند بیوی بن سکتے ہیں۔ اگر نسب تو ایک جیسا ہو مگر دونوں کا حسب وسبب ایک جیسا نہ ہو تو وہ مرد اُس عورت کا کفو نہ بنے گا۔ ہاں البتہ اگر دونوں عورت ومرد کا نسب وقوم قبیلہ جدا جدا ہو۔ مگر حسب وسبب ایک جیسا ہو تو وہ مرد کفو بن جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حقی نسبی کفویت کمزوری اور عارضی ہے اسلام میں اصلی اور مضبوط کفائت حسبی وسبی کفویت ہے۔ امام اعظم کے اس مسلک پر کثیر دلائل ہیں قولی بھی اور عملی بھی ہم پہلے قولی دلائل عرض کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ قولی دلائل قانون کو ثابت کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ اور عملی دلائل قانون کی اہمیت ثابت کرنے کے لیے ہوتے۔ پہلی دلیل سورۃ حجرات آیت ۱۳ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ اس آیت مقدسہ میں کفو کی دونوں قسموں کا ذکر ہے۔ آیت کے پہلے حصہ میں نسبی کفائۃ کا ذکر ہے جس کا ترجمہ ہے۔ اور ہم نے ہی بنایا ہے تم سب انسانوں کو قومیں اور قبیلے، تاکہ تم ایک دوسرے کو کما حقہٗ پہچان سکو (کہ اُس کا خاندان و خاندانی شان وعزت کیا ہے) آیت کے دوسرے حصہ میں حسبی وسبی کفو کا ذکر ہے۔ اور فرمایا جا رہا ہے کہ خاندانی کفویت تو دنیا کے ہر انسان وقوم قبیلے کے لیے ہے، مومن ہو یا کافر، مسلم ہو یا غیر مسلم، یہی اللہ تعالیٰ کی رضا وحکمت ہے اسی نے تمہاری ذاتیں قومیں بنائی ہیں۔ لہٰذا ہر انسان کو بھی حتی الامکان اس کی حفاظت کرنی چاہیئے مگر مسلمان قوم کو اس نسبی کفو کی حفاظت

[illegible] ایمانی قرابت و حابت والی کفائت کی حفاظت کرنی چاہیئے
[illegible] کفائۃ ایمانی رشتے داری اور متقی خاندان بنانا زیادہ پسند
[illegible] کیے جائیں لیکن بامرِ مجبوری نسبی کفائۃ میں اگر حبیت اور
[illegible] تقوی [illegible] کو چھوڑ دے۔ حبیت کو فوقیت و ترجیح دے اِس
[illegible] تعلق [illegible] خاندان سازی سے ہی ہے نہ کہ فقط آخرت سے
[illegible] اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ اس آیت کے پہلے حصہ۔ وَجَعَلْنٰکُمْ
[illegible] کا تعلق دنیا سے ہے۔ اور آیت کے دوسرے حصے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ (الخ) کا تعلق
آخرت سے ہے۔ اور دلیل میں۔ کنز العمال جلد سوم صفحہ ۹۴ کی روایت پیش کرتا ہے، کہ لَا
یَسْئَلُکُمْ عَنْ اَحْسَابِکُمْ وَ اَنْسَابِکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ
یہ روایت صحیح ہے مگر [illegible] و قیاسی تائید لینا بالکل غلط ہے جب بندے کی عقل
[illegible] ہو تو قلم سے ایسی ہی جہالتیں ٹپکتی ہیں۔ اگر یہاں تعلق صرف آخرت سے ہے
تو مستدرک حاکم جلد سوم صفحہ ۱۵۸ والی روایت کا تعلق بھی صرف آخرت سے ہے کہ مُنْقَطِعٌ
یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کُلُّ سَبَبٍ وَّ نَسَبٍ اِلَّا سَبَبِیْ وَ نَسَبِیْ۔ لہٰذا اب دنیا میں نبی کریم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حسب و نسب کی خصوصی فضیلت کے لیے اس روایتِ مستدرک
کو دلیل نہ بنانا چاہیئے۔ نیز اگر ذرا بھی عقل ہو تو پتہ یہ چلتا ہے حسب سبب نسب کا تعلق آخرت
سے نہیں ہے کیونکہ تفضیلی شیعہ کی پیش کردہ کنز العمال کی روایت لَا یَسْئَلُکُمْ (الخ) تو
اُخروی تعلق کی نفی کر رہی ہے، اور یہ رافضی اسی کو ثبوت کی دلیل بنا رہا ہے۔ کیا انہی کم عقلوں
پر محبتِ اہلبیت کی دعویداری ہے! دلیل دوم۔ سورۃ مجادلہ آیت ۱۱ میں ارشادِ باری
تعالیٰ ہے۔ یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ
ترجمہ۔ بلند فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تم تمام انسانوں میں سے صرف ان لوگوں کو جو مومن بن
گئے اور مومن مسلمانوں میں سے صرف ان لوگوں کو جو علم دیئے گئے دین اسلام کا عالم و فقیہ
بنائے گئے بہت درجے۔ اس آیت میں قیامت تک انسانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ
ایمان والوں کی فضیلت دنیا کے تمام انسانی خاندانوں قوموں قبیلوں پر ہے اور ایمان
والوں میں علم و فقہ والوں کا درجہ و فضیلت تمام بے علم عوام خاندانوں قبیلوں پر ہے اور
کفو میں چونکہ شرط ہے کہ مرد کا عورت سے فضیلت میں درجہ بلند ہو، اور یہ آیتِ مقدسہ

بتا رہی ہے کہ علم کے ذریعہ درجہ بلند ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ معظم و معزز صاحب وجاہت
عالم دین سیدزادی کا کفو ہو سکتا ہے اس لیے اگر کسی سیدزادی کے لیے نیک متقی سید کا
رشتہ نہ ملے تو لڑکی کے والی وارث اپنی رضا اور عاقلہ بالغہ سیدزادی کی خوشی و پسند
سے غیر سید معظم خاندان کے عالم دین سے اپنی سیدہ بیٹی کا نکاح کر سکتے ہیں یہ نکاح شرعاً بالکل
جائز اور مضبوط ہے، کیونکہ نکاح کا مقصود بیوی کی عزت آبرو جان مال کی حفاظت کرنا
ہے لڑکی کے خاندانی وقار کو قائم رکھنا ہے اور یہ حفاظتیں ایک عالم دین ذی عقل وذی
وقار کے گھر سے ہی مل سکتی ہیں۔ عام تجربہ جس کا مشاہد ہے۔ دلیل سوم۔ سورۂ زُمُر
آیت ۹ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ ترجمہ اے
حبیب پاک سوالیہ انداز میں تمام لوگوں سے فرمایئے کہ کیا علم والے اور بے علم لوگ
فضیلت میں برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ سوال انکاری کا فرمان ہے۔ یعنی بے علم لوگ اپنے
خاندانی اعتبار سے کتنے ہی بلند ہوں مگر علم و فقہ والے ذی وقار سے ان کی فضیلت
زیادہ نہیں ہو سکتی لہٰذا کوئی بے علم فاسق وفاجر بدعقیدہ شخص محض اپنی چودراہٹ
وسیادت پر مغرور و مُفتخر یا مُفتخر نہ ہو۔ اس آیتِ مقدسہ سے بھی حسبی و نسبی کفو
کی فوقیت کا ثبوت ملا۔ دلیل چہارم۔ سورۃ ہود آیت ۴۵ و ۴۶ میں ارشادِ باری
تعالیٰ ہے۔ وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ
الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ (۴۵) قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ
إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ تفسیری ترجمہ، اور اپنے بیٹے کنعان کے ڈوب مرنے
کے بعد نوح علیہ السلام نے ندا عرض کی اپنے رب تعالیٰ سے تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار
بے شک میرا وہ ڈوب مرنے والا بیٹا بھی تو میرا اہل تھا اور بے شک میری تمام اہل کو
بچا لیا جانے والا تیرا وعدہ بھی حق سچ ہے (لیکن وہ میرا بیٹا نہ بچا) اور تو اپنے ہر فعل
میں ہزار ہا حکمتوں والا احکم الحاکمین ہے تو ہی اُس کی ہلاکت کی حکمت جانتا ہے
رب تعالیٰ نے فرمایا اے نوح بے شک وہ (تیرا بیٹا کنعان) تیرا اہل نہ رہا تھا، کیونکہ وہ
بدعمل یعنی فاسق وفاجر بدعقیدہ ہو گیا تھا۔ علماءِ احناف اِس آیتِ مقدسہ سے یہ دلیل
پکڑتے ہیں کہ فاسق مُعلن بدعمل مرد نیک متقی خاندان والی عورت کا کفو نہیں بن سکتا اگرچہ
نسبیت قوم قبیلے میں بہت ہی قریبی رشتے دار ہو فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص

[illegible] ختم ہو جاتی ہے اور اگر فاسقِ معلن ہو جائے تو اُس کی [illegible] ثابت ہوا کہ اصل اور مضبوط ابدی کفویت حسبی ہے کہ [illegible] آپ کی شرافت و دیانت کفو بنا دیتی ہے۔ اس قانونِ [illegible] سیّد ہی نہیں رہتا۔ اور فاسق ظالم مرد، نیک [illegible] کا ہو۔ کیونکہ وہاں ایمانی اور یہاں اخلاقی رشتہ [illegible] نیچری بن گیا تو امام احمد رضا اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ [illegible] جاری فرمایا تھا کہ اب اُس کو سیّد نہ کہا جائے کیونکہ نیچری [illegible] ختم ہو گئی۔ اسی بنا پر آذر ابراہیم علیہ السّلام کا اور ابو لہب [illegible] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اہلِ قرابت نہ رہا۔ اسی طرح حضرت ابو طالب [illegible] قرابتِ نبوی نہ پا سکے۔ یہ قانون "تا قیامت نافذ ہے [illegible] اور [illegible] غیر سیّد کے ساتھ۔ دلیل پنجم۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد چہارم صفحہ ۳۲۳ پر ہے۔ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یَنْقَطِعُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ اِلَّا سَبَبِیْ وَنَسَبِیْ۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے۔ اِنَّ کُلَّ حَسَبٍ وَّنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا حَسَبِیْ وَسَبَبِیْ۔ ترجمہ بے شک ہر حسب و سبب اور نسب قیامت میں جدا ہو جائیں گے ٹوٹ جائیں گے مگر میرا حسب سبب اور نسب نہیں ٹوٹے گا نہ جدائی ہو گی۔ اور جامع صغیر لامام سیوطی دوم صفحہ ۹۲ و صفحہ ۹۵ پر اور اس کے حاشیہ کنوز الحقائق جلد دوم صفحہ ۴۱ پر ہے۔ کُلُّ نَسَبٍ وَّصِھْرٍ یَنْقَطِعُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا نَسَبِیْ وَصِھْرِیْ۔ ترجمہ۔ قیامت میں تمام نسبی وسسرالی رشتے ختم ہو جائیں گے مگر میرا نسبی اور سسرالی تعلّق ختم نہ ہو گا خواہ داماد بن کر علماءِ احناف اِن تینوں روایتوں سے اس طرح استدلال فرماتے ہیں کہ سورۃ حجرات آیت ۱۳ وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ (الخ) کی طرز بیانی سے حسبی کفو کی فوقیت و اہمیت بیان فرمائی گئی اور اِن روایتوں کی ترتیبِ ذکری سے بھی یہ بتایا گیا کہ نسبی کفو سے زیادہ ضروری اور اہم کفو حسبی سببی ہے۔ دیکھو ابتداءِ آفرینش سے ہر انسان کے تین رشتے بنتے ہیں باعتبارِ وجود پہلا رشتہ نسبی ہوتا ہے، دوسرا رشتہ حسبی سببی، تیسرا رشتہ صھری (سسرالی) نسبی رشتہ پیدا ہوتے ہی، حسبی رشتہ بالغ ہونے کے بعد اور جب دو عورت و مرد کے نسبی حسبی یا صرف حسبی

کفو میسر آجائیں تو نکاح ہوتے ہی سسرالی رشتہ وجود میں آجاتا ہے یہ تین رشتے تمام انسانوں عورت و مرد کے لیے تاقیامت موجود ہیں مومن ہوں یا کافر مسلم ہوں یا غیر مسلم، لیکن باوجود اس بات کے کہ ترتیب وجودی میں نسبی پہلے اور حسبی سببی بعد میں ہوتا ہے لیکن آقاء کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ترتیب ذکری میں حسبی سببی کا پہلے ذکر فرمایا نسبی کا بعد میں جس سے صاف ظاہر ہوا کہ حسبی سببی کفو کا مرتبہ و درجہ اور فوقیت اہمیت نسب سے زیادہ ہے اگر چہ نسب سید کا ہو۔ نیز آقاء کائنات کے ان فرمودات میں تمام اُمت مومن متقی مسلمان بھی شامل ہو گئے اور تمام سسرالی تعلق ورشتے والے بھی یعنی جن کے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سسر ہیں وہ سب بھی اور جو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سالے سسر ہیں وہ سب اور سسرالی رشتہ بنانے والی ازواجِ مطہرات بھی کُلُّ سَبَبٍ یَنْقَطِعُ اور کُلُّ حَسَبٍ یَنْقَطِعُ کا معنی یہ ہے کہ مسلمان متقی شریف عابد زاہد عاشقِ رسول مطیع و متبع بننے کے بغیر کوئی کتنا ہی نیک شریف با اخلاق مہذب بن جائے کل قیامت میں اُس کی یہ سب حسبیت سببیت یَنْقَطِعُ بیکار ہو جائے گی حسبیت وسببیت وہی کارآمد ہے جو دامنِ مصطفیٰ سے لپٹ کر میدانِ محشر میں پہنچے۔ اسی طرح دنیا میں کوئی کتنے ہی اونچے خاندانی نسب والا ہو چوہدری ہو پٹھان مغل مرزا ہو کل قیامت میں یہ خاندانی حیثیت بیکار ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سید خاندان کل قیامت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقطع اور جدا نہ کیا جائے گا بشرطیکہ ایمان لے کر جائے یہی کیفیت اور فرق عام لوگوں کی سسرالی رشتوں اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سسرالی رشتوں میں ہے۔ اسی لیے فاروقِ اعظم نے مولیٰ علی کو پیغام بھیجا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے میرا سببی وحسبی تعلق تو پہلے ہی قائم ہے بلکہ ہر مومن متقی عابد وزاہد کا بھی حسبی سببی تعلق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قائم ہے میں چاہتا ہوں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میرا نسبی وصِہری رشتہ بھی قائم ہو جائے اس لیے تم میرا نکاح اُمِّ کلثوم بنتِ فاطمۃُ الزہرہ سے کردو، آپ کا یہ پیغام قبول ہوا۔ اور نکاح ہو گیا جیسا کہ ہم ابھی آگے ثابت کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اِن احادیث مقدسہ اور فرمودات نبوی کا مقصد یہ ہے کہ اے تاقیامت مسلمانوں تم متقی مومن با اخلاق شریفانہ زندگی باکردار اور عاقل عالم فاضل بن کر اپنی حسبیت آقاءِ کائنات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جوڑ کر قیامت میں آنا، اور اے تاقیامت سیدو تم اپنی بدکرداری بدعقیدگی سے اپنی نسبت

رہا مت کو بتا دیا کہ ہر مسلمان متقی بن کر نبوی حسب سے اور سید متقی بن کر نبوی نسب کے ساتھ
کل قیامت میں آ ملے گا۔ صرف نسبت پر مغرور ہو کر کافر فاسق ظالم نہ بن جائے رنہ کوئی مسلمان
صرف نام کا مسلمان رہے وہ دنیا میں عند الناس کفایت دا ہلیت ختم اور آخرت میں عند اللہ قرب
و قربت نبوی کی کرامت ختم۔ نسب رسول ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ سادات اسی نسبت پر مغرور ہوتے
پھریں یا تفضیلی شیعہ ان کی نسبت کے نعرے لگا کر ان کو مغرور و بے عمل بنا دیں ان فرمودات
میں حب و محبت کو مقدم فرما کر بتا دیا گیا کہ کوئی نسب بغیر حسب بارگاہ نبوت سے لَا يَنْقَطِعُ
کا تمغہ ابدی وا نعام سرمدی نہیں پا سکتا۔ آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو رحمۃ عالمین ہیں
خود سیدوں کے لیے نہیں بلکہ اپنی پوری امت فرشی و عرشی زمینی و آسمانی کے لیے اسی
لیے ان چند کلمات میں تمام امت کو شامل فرمایا گیا۔ اب امت کی اپنی اپنی تقدیر و تدبیر ہے
کہ کون حسبیت کو بنا لیتا ہے اور کون نسبیت پر ہی مغرور ہو کر عمر برباد اہلیت تباہ
اور کفائت و کرامت ختم کر لیتا ہے کیونکہ کفائۃ حسبی کسبی چیز ہے اور کفائۃ نسبی وھبی چیز
ہے۔ دلیل ششم: ترمذی شریف جلد اول ص ۲۵۷ اور مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷ پر ہے۔ عَنْ اَبِی
هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِلَيْكُمْ
مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ وَاِنْ لَا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ
وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ۔ قَالَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنْ كَانَ فِيْهِ شَيْءٌ۔ قَالَ وَاِنْ كَانَ
فِيْهِ شَيْءٌ قَالَ فَانْكِحُوْهُ۔ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ اس کی شرح حاشیہ ترمذی ص ۲۵۷
پر ہے۔ قَوْلُهٗ اِنْ كَانَ فِيْهِ شَيْءٌ اَيْ اِنْ كَانَ فِيْهِ شَيْءٌ مِنْ قِلَّةِ الْمَالِ اَوْ
عَدَمِ الْكِفَاءَةِ۔ ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
انہوں نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا آقائے کائنات حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم نے اے دنیا بھر کے تا قیامت مومن مسلمانو سید غیر سید جب کوئی ایسا
مسلمان مرد تمہاری طرف تمہاری بیٹی بہن سے نکاح کرنے کا پیغام بھیجے جس کے دین اور
جس کے اخلاق حسنہ یعنی دیانت شرافت وجاہت عبادت سے تم راضی اور خوش ہو تو اس
رشتے کو اپنی بیٹی یا بہن کے لیے قبول و پسند کر کے نکاح کر دیا کرو پھر فرمایا اور اگر اس
قسم کے دین و شرافت والے رشتے تم نے قبول نہ کیے اور مال و دولت قوم قبیلے کی نسبی
کفائۃ کے انتظار میں بیٹھے رہے تو زمین میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بہت لمبا چوڑا

فساد پھیل جائے گا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگرچہ اُس مرد میں کچھ دنیوی کمی کی چیز ہو، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا اگرچہ کچھ دنیوی کمی ہو، پھر فرمایا لہٰذا ایسا اچھا اور مناسب رشتہ ملتے ہی فَانْکِحُوْهُ فوراً اُس مرد سے اپنی بیٹی، بہن کا نکاح کر دو، حاشیہ ترمذی کا ترجمہ (اِنْ کَانَ فِیْهِ شَیْءٌ سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ وہ مرد بہت زیادہ دولت مند نہ ہو مال کی کمی والا سفید پوش عزت دار ہو اور اگرچہ نسبی کفو میں لڑکی کا کفو نہ ہو دیہ حسبی کفائت ہی کافی ہے) اور حاشیہ مشکوٰۃ ص ۲۶۷ پر ہے ۱۰

قَوْلُهٗ اِنْ لَّا تَفْعَلُوْهُ - اَیْ اِنْ لَّمْ تَزَوَّجُوْا مَنْ هٰذَا صِفَتُهٗ وَرَغِبْتُمْ فِیْ مُجَرَّدِ الْحَسَبِ وَالْمَالِ تَکُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ لِاَنَّ الْمَالَ وَالْحَسَبَ یُوْجِبَانِ الطُّغْیَانَ وَالْفَسَادَ وَیَبْقٰی اَکْثَرُ النِّسَآءِ بِلَا زَوْجٍ وَالرِّجَالُ بِلَا زَوْجَةٍ فَیَکْثُرُ الزِّنَا وَتَقَعُ الْفِتْنَةُ وَهٰذَا اَوْجَهُ لمعات. ترجمہ لمعات شرح مشکوٰۃ نے فرمایا کہ حدیثِ مقدس کا یہ ارشادِ اقدس کہ اگر تم یہ نہ کرو گے یعنی اگر تم غیر نسبی کفو والے نیک متقی مسلمان سے نکاح نہ کرو گے اور اپنی رغبت فقط مال و دولت اور عہدے والے مرد کی تلاش و انتظار میں لگائے منتظر بیٹھے رہو گے تو زمین میں فتنہ فساد پھیل جائے گا اس لیے کہ دولت اور دنیوی بڑائی یہ دونوں چیزیں سرکشی اور فساد کا موجب ہیں اور اس لالچی انتظار میں اکثر عورتیں بغیر خاوند کے رہ جائیں گی اور اکثر مرد بغیر بیوی کے رہ جائیں تو پھر زنا اور بدکاری کی دو طرفہ کثرت ہو گی۔ اور فتنہ واقع ہو گا اور یہ لڑکی والوں کے لیے زیادہ ذلّت کا باعث ہو گا، اس فرمانِ عالی سے ثابت ہوا کہ غیر نسبی کفو میں شرعی اور شریفانہ طریقے سے معزز متقی مرد کے ساتھ نکاح کر دینے سے بیٹی بہن اور سیدزادی کی ذلت نہیں بلکہ ذلّت تب ہے جب کہ ولی وارث کی ضد بازی اور ہٹ دھرمی اور نسبی کفو کے انتظار یا دولت ثروت کے لالچی والدین کے اچھے نیک شریف غیر نسبی رشتے ٹھکرا دینے سے بیٹی بہن غلط راہ پر چل پڑے اور خاندانی عزت پامال و برباد کر دے، مجھے حیرانگی ہے کہ ان تفضیلی رافضیوں کی اوندھی عقل یہ بات نہیں سوچتی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمان چشمۂ حکمت تاقیامت ہر مسلمان کے لیے ہے سیدخاندان ہو یا غیر سید اس لیے حالاتِ زمانہ سب کے ساتھ یکساں ہیں شیطان سب کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ یہ صرف زبانی بات نہیں بلکہ مشاہدہ ہے کہ جن سیدوں غیر

سیدوں نے بھی اس فرمانِ نبوی پر عمل نہ کیا اور ان بے عقل تفضیلی شیعوں کی ورغلاہٹ میں آکر ایسی کمزوری کی اور ضد بازی کی اور ان کی سیّدزادیاں آخر کار مجبور ہو کر والدین اور والی وارثوں سے بغاوت کر گئیں، یہ ہر دو لتیں خاندانی کا باعث نہیں یا عبرت زمانی کا سبب نہیں۔ خیال رہے کہ یہاں لغات کی عبارت میں حَسَب کا معنیٰ ہے دنیوی وجاہت وقار مرتبہ، اور اِلَّا الحَسَبِیَّ وَالنَّسَبِیَّ میں حسب کا معنیٰ ہے دینی وجاہت وقار مرتبہ دلیل ہفتم۔ سابقہ دلیل نے واضح فرما دیا کہ اگر تم لوگوں نے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کا نکاح جلدی نہ کیا اور تم خاندانی سادات وغیر سادات وغیرہ کفو کے لیے نسبی کفو یا مال وجمال ڈھونڈتے رہے تو تمہاری لڑکیاں یا بے نکاحی بوڑھی ہو کر مر جائیں گی اور ان کو بہت قسم کی بیماریاں لگ جائینگی اور یا پھر بدکاری ہوگی یہ سب سے بڑا فساد اور بے غیرتی کا فتنہ ہوگا۔ اب اس دلیل ہفتم میں تمام مسلمانوں کو شادی بیاہ کا ایک شریفانہ باعزت طریقہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر نسبی کفو کا رشتہ کبھی کسی لڑکی کے لیے نہ ملے اور غیبی کفو ملے تو اس کو قبول اور پسند کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ اسلام کا یہ ضابطہ بھی تمام مسلمانوں کے لیے یکساں ہے سید لوگ ہوں یا غیر سید۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف بابُ الولی فی النکاح فصل ثانی ص ۲۷۰ پر ہے۔ پہلی حدیث پاک۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤٗد وَابْنُ مَاجَہ وَالدَّارِمِیُّ۔ دوسری حدیث پاک۔ وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَیُّمَا امْرَاَۃٍ نُکِحَتْ نَفْسُھَا بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّھَا فَنِکَاحُھَا بَاطِلٌ۔ فَنِکَاحُھَا بَاطِلٌ۔ فَنِکَاحُھَا بَاطِلٌ فَاِنْ دَخَلَ بِھَا فَلَھَا الْمَھْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِھَا فَاِنِ اشْتَجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لَّا وَلِیَّ لَہٗ رَوَاہُ اَحْمَدُ، تِرْمِذِیْ، اَبُوْدَاؤٗد۔ اِبْنُ مَاجَہ، دَارِمِیْ۔ ترجمہ۔ پہلی حدیث پاک حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم رؤف رحیم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے راوی، فرمایا آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نکاح نہیں ہوتا مگر لڑکی کے ولی کی اجازت سے اس حدیث اقدس کو روایت کیا امام احمد نے ترمذی نے، ابو داؤد نے ابن ماجہ نے۔ دارمی نے۔

دوسری حدیث پاک۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، جو عورت بھی اپنا نکاح اپنے ولی وارث کی مرضی کے خلاف غیر نسبی کفو میں کرے گی تو اس کا یہ نکاح باطل ہے اس کا یہ نکاح باطل ہے

باطل کا معنیٰ ہے قابلِ تنسیخ ولی وارث کو بذریعہ عدالت نکاح ختم کرانا پڑے گا۔ اور یہ نکاح حرام و زنا نہیں کیونکہ آگے ارشادِ مقدّس ہے۔ پس اگر خاوند نے اپنی اس بیوی سے دخول (وطی) کیا تو بیوی کے لیے پورا حق مہر واجب ہو گیا اس وجہ سے کہ بیوی کی فرج سے خاوند نے حلّت حاصل کر لی، پھر اگر مسلمان، کسی عاقلہ بالغہ مسلمان عورت کے اولیا میں اختلاف پائیں تو سُلطانِ اسلام اس کا ولی ہے جس کا ولی نہ ہو۔ اس حدیث پاک کو بھی، امام احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی نے روایت فرمایا، ان دونوں حدیثوں میں غیر نسبی کفو سے نکاح کر لینے کا ذکر ہے۔ اس لیے کہ اگر نسبی حسبی کفو والے مرد سے عاقلہ بالغہ مسلمان عورت نکاح کرنا چاہے تو اُس کو ولی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب الولی مـ۲۷ پر ہے وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِھَا مِنْ وَلِیِّھَا وَالْبِکْرُ تُسْتَاْذَنُ فِیْ نَفْسِھَا وَاِذْنُھَا صُمَاتُھَا (الخ) رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔ ترجمہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَلْاَیِّمُ یعنی عاقلہ بالغہ ثیّبہ عورت اپنے آپ کی (نکاح کرنے میں) زیادہ حق دار ہے اپنے والی وارث سے اور بالغہ باکرہ سے اجازت لی جائے گی اُس کے اپنے بارے میں اور باکرہ (کنواری) لڑکی کی اجازت اُس کی خاموشی ہے اس حدیثِ مقدّسہ کو مسلم شریف نے روایت فرمایا۔ اِن احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نکاح کی اجازت لینے کی صورت میں صرف ایک قریبی والی وارث کی اجازت اور رضامندی کافی ہے لہٰذا اگر کسی سیّدزادی کا نکاح کسی غیر سیّد حسبی سبی کفو میں لڑکی کا والد بوجہ اپنی مجبوری اجازت خوشی و رضا سے کر دے تو نکاح شرعًا و قانونًا بالکل جائز مضبوط اور درست ہو جائے گا کسی دیگر سیّد کو اس میں ناراض ہونے یا ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں نہ اُس کی ناراضگی کی شرعًا کوئی حیثیت ہے۔ اس لیے کہ حدیث پاک میں لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ اور بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّھَا۔ دونوں حدیثوں میں ولی واحد ہے نہ کہ اولیا جمع۔ لہٰذا تفضیلی رافضی شیعوں کا یہ کہنا کہ ساری دنیا کے سیّد راضی ہوں تب ایک سیّدزادی کا نکاح غیر سیّد حسبی کفو کے ساتھ ہو سکتا ہے ورنہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بات نری جہالت و ضلالت ہے اور خود ساختہ پابندی، اس لغو بات کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ہے آٹھویں دلیل۔ نافع کبیر شرح جامع صغیر امام محمد مـ۱۴۵ پر ہے قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

[illegible] وسلم [illegible] بعضھم اکفاء بعض بطن ببطن۔ ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش بعض بعض کے لئے کفو ہیں۔ یعنی ہر قریشی کسی بھی قبیلے کا ہو ایک دوسرے کا کفو ہے ہر بطن دوسرے بطن سے جڑا ہوا ایک ہی نسب ہے تمام قریش کے دس قبیلے ہیں ۱ قریشی ہاشمی ۲ قریشی اموی (بنی امیہ) ۳ قریشی [illegible] عدی ۴ قریشی [illegible] (بنی کلاب) ۵ قریش بنی کنانہ ۶ قریشی بنی نوفل ۷ قریشی بنی [illegible] تیم ۹ قریش بنی مخزوم ۱۰ قریش بنی زھرہ۔ صدیق اکبرؓ قبیلہ [illegible] بنی عدی کے ہیں۔ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے [illegible] ابو العاص بن ربیع خدیجۃ الکبریٰ کے بھانجے، بنی کلاب کے ہیں [illegible] کریم [illegible] کے تیسرے داماد مولیٰ علی شیرِ خدا ہاشمی ہیں۔ قبائلِ قریش کے [illegible] موجودہ نام ۱ صدیقی ۲ فاروقی ۳ عثمانی، یہ بنی عثمان، عثمانِ غنی کی تیسری بیوی [illegible] سے ہے ۴ علوی ۵ عباسی ۶ ہاشمی ۷ جعفری ۸ فاطمی (سادات) یہ تمام قریشی قبیلے حسب نسب بھی ان میں ہو تو آپس میں کفو ہیں اور ہر ایک بالغہ عاقلہ لڑکی ہر قبیلے کے مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔ بذاتِ خود بلا رضاءِ ولی بھی اور اپنے ولی کی رضامندی سے بھی، نکاح کے باب میں اِن دس قبائل میں سے کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں۔ لہٰذا سیدزادی کسی بھی قریشی مسلمان متقی مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب جامع صغیر ص۱۲۵ پر ہے۔ قَالَ مُحَمَّدٌ عَنْ یَعْقُوبَ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔ قُرَیْشٌ بَعْضُھُمْ اَکْفَاءُ بَعْضٍ۔ اس کی شرح نافع الکبیر میں اسی جگہ ہے۔ وَبِھٰذَا تَبَیَّنَ اَنَّ الْفَضِیْلَۃَ بَیْنَ الْھَاشِمِیِّیْنَ سَاقِطَۃٌ فِیْ ھٰذَا الْحُکْمِ۔ اَلَا تَرٰی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَوَّجَ بِنْتَہٗ سیدہ رُقَیَّہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَکَانَ اُمَوِیًّا لَا ھَاشِمِیًّا وَکَذَالِکَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ زَوَّجَ بِنْتَہٗ سیدہ اُمِّ کُلْثُوْمَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَکَانَ عَدَوِیًّا لَا ھَاشِمِیًّا فَثَبَتَ اَنَّ قُرَیْشًا کُلَّھُمْ اَکْفَاءٌ وَسَوَاءٌ فِی النِّکَاحِ۔ ترجمہ امام محمد نے فرمایا کہ روایت ہے یعقوب سے وہ امام اعظم سے راوی رضی اللہ عنہم کہ تمام قریشی ایک دوسرے کے نسبی کفو ہیں، شرح کا ترجمہ اور اِس حدیث وفقہ کے فرمان سے

ظاہر ہوا کہ نکاح کے لیے ہاشمی قریشی کو دوسرے قریشی قبائل پر کوئی فضیلت نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ آقاءِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کیا تھا حضرت عثمان بن عفان سے حالانکہ وہ قریشی اُموی تھے نہ کہ قریشی ہاشمی اور ایسے ہی مولا علی نے اپنی سیدہ بیٹی اُم کلثوم کا نکاح کیا تھا حضرت عمر فاروق سے رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حالانکہ فاروق اعظم بھی قریشی عدوی تھے نہ کہ قریشی ہاشمی، پس ثابت ہوا کہ بے شک قریشی قبائل تمام آپس میں کفو ہیں اور نکاح میں سب برابر ہیں۔ نافع کبیر اور جامع صغیر کی بیان کردہ اس مندرجہ حدیثِ مقدسہ کو تفضیلی رافضی ضعیف کہہ دیتے ہیں یہ ان کی جہالت ہے یہ حدیثِ مقدسہ اگرچہ منقطع ہے مگر سات وجہ سے یہ مضبوط اور صحیح حدیث ہے پہلی وجہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل شریف نے اس حدیثِ پاک کو مضبوط کر دیا۔ دوسری وجہ یہ کہ مولیٰ علی کے عمل شریف نے اس کو مضبوط کر دیا۔ تیسری وجہ یہ کہ تمام فقہاءِ کرام نے اس حدیث پاک کو قبول کیا اور اپنے مسلک کی دلیل بنایا اُصولِ حدیث کے مطابق فقہاءِ کرام کا کسی حدیث کو اپنی سند بنانا بھی اس حدیث کی قوت کی دلیل ہے، چوتھی وجہ۔ اس حدیث پاک کو محدِّث حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی نے اپنی کتاب نصبُ الرایہ تخریج احادیثِ ھدایہ ہدایہ جلد سوم ص۳۹۸ پر بہت شواہد و دلائل سے صحیح ثابت فرمایا۔ پانچویں وجہ یہ کہ تدریب الرّاوی ص۱۰۱ پر لکھا ہے کہ منقطع حدیث قابلِ حجت ہوتی ہے۔ چھٹی وجہ یہ کہ ہدایہ شرح ھدایہ جلد سوم ص۲۶۷ پر بہت طریقوں سے اس کو چند سندوں کے ساتھ روایت کیا ساری سندیں تو ضعیف نہیں ہو سکتیں۔ ساتویں وجہ یہ کہ اس کو امام اعظم نے بھی قبول کیا جیسا کہ ابھی اوپر ذکر ہوا ضعف اگر ہوا بھی تو کسی بعد کے ضعیف غیر ثقہ راوی کے شامل ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ ایسا ضعف پہلے والے محدثین و فقہا کے لیے مضر نہیں لہٰذا بعد میں بھی اس ضعف کا اعتبار نہیں ہوتا۔ نیز اگر اس حدیث پاک کو ضعیف مان کر ترک کر دیا جائے تب بھی تفضیلیوں کو نقصان ہے۔ اس لیے کہ یہی حدیث ہے جس میں نسبی کفو کا ذکر ہے اس کے علاوہ کسی اور حدیث صحیح میں نسبی کفو کے ضروری ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بھی بے ثبوت ہو جائے گا کہ سیدزادی کے لیے نسبی کفو اہم ضروری ہے اس حدیث کو نہ مانو تو کہنا پڑے گا کہ اسلام میں نسبی کفو کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہی ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں

نویں دلیل [illegible] مسئلہ اَلْکَفَاءَۃُ تُعْتَبَرُ فِی الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ دِیَانَۃً [illegible] مُعْلِنًا کَانَ اَوْ لَا عَلَی الظَّاھِرِ
ترجمہ [illegible] دیانت تقوے والی کفاءۃ کو معتبر قرار دیا ہے۔ ہر [illegible] متقیہ نیک عورت کا کفو نہیں ہے وہ [illegible] اسی طرح جس لڑکی کا والد متقی ہو مگر وہ لڑکی خود [illegible] مرد اس کا کفو نہیں اور بدکردار مرد سے نیک عورت کا نکاح [illegible] جلد پنجم حصہ دوم صلا پر بھی لکھا ہے۔ بہار شریعت حصہ ہفتم [illegible] عالمگیری لکھا ہے کہ (نسبی وحسبی) کفو میں چھ چیزوں کا [illegible] حرفت یعنی خاندانی پیشہ ۱۵ حریت یعنی پہلے زمانوں [illegible] آج کل اس سے مراد اونچا خاندان، نیچ قوم نہ ہو ۵ تقوٰی دیانت و دینداری [illegible] مال مرد کے پاس ہوتا جس سے وہ حق مہر اور نان نفقہ رہائش میاں بیوی [illegible] ادا کر سکتا ہو۔ بالکل قلاش مفلس غریب نہ ہو اس دلیل سے ثابت ہوا کہ فاسق بدکردار سید مرد کسی سیدزادی کا کفو نہیں ہو سکتا۔ اور نیک پاک سیدزادی کا نکاح بدمعاش سید لڑکے سے جائز نہیں ہے۔ دسویں دلیل امام برہان الدین فرغانی اپنی کتاب ہدایہ شریف جلد اول ص۲۹۰ پر فرماتے ہیں۔ فَقُرَیْشٌ بَعْضُھُمْ اَکْفَاءٌ لِبَعْضٍ بَطْنٌ بِبَطْنٍ وَلَا یُعْتَبَرُ التَّفَاضُلُ فِیْمَا بَیْنَ قُرَیْشٍ بِمَا رَوَیْنَا۔ ترجمہ: تمام قریشی قبائل ایک دوسرے کے کفو ہیں اور کسی کو کسی پر کوئی فضیلتِ نسبی قومی نہیں ہے اسی حدیثِ مقدسہ کے فرمان کی وجہ سے جو ہم نے پہلے روایت کر دی۔ ھدایہ کے حاشیہ پر اس کی شرح عنایہ میں اسی ص۲۸۹ پر ہے۔ مِنْ قَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ قُرَیْشٌ بَعْضُھُمْ اَکْفَاءٌ لِبَعْضٍ قَابَلَ الْبَعْضَ مِنْ غَیْرِ اِعْتِبَارِ الْفَضِیْلَۃِ بَیْنَ قَبَائِلِھِمْ اَلَا تَرٰی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَوَّجَ اِبْنَتَہٗ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَکَانَ مِنْ بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ۔ ترجمہ حدیث پاک کا ارشاد ہے کہ قریش سب قبیلے آپس میں کفو ہیں بغیر کسی فضیلت قومی کے کیا تو دیکھتا نہیں کہ آقاءِ دو عالم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کا نکاح عثمان غنی سے کر دیا تھا اور وہ بنی عبد شمس کے اموی قریشی تھے۔ بہارِ شریعت حصہ ہفتم ص۴۶ پر ہے کہ قریش میں جتنے خاندان ہیں وہ سب باہم کفو ہیں یہاں تک کہ غیر ہاشمی قریشی

ہاشمی (سید وغیرہ) کا کفو ہے اور کوئی غیر قریشی، قریش کا کفو نہیں، عجمی النسل عربی کا نسبی کفو نہیں مگر عالِم فقیہ متقی کہ اس کی شرافت نسب کی شرافت پر فوقیت رکھتی ہے۔ گیارھویں بارھویں، تیرھویں دلیل۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص۲۹ پر اور فتاویٰ قاضی خان (خانیہ) جلد اوّل (حاشیہ عالمگیری) ص۲۴۹ پر ہے۔ فَقُرَیْشٌ بَعْضُهُمْ اَکْفَاءٌ لِبَعْضٍ کَیْفَ کَانُوْا حَتّٰی اَنَّ الْقُرَشِیَّ الَّذِیْ لَیْسَ بِهَاشِمِیٍّ یَکُوْنُ کُفَاءً لِلْهَاشِمِیِّ اور کنز الدقائق بابُ اَوْلِیَاءِ الْاَکْفَاءِ فَصْلٌ بِمَنْ تَنْکِحُ ص۹۹ پر ہے وَالْکِفَائَةُ تُعْتَبَرُ نَسَبًا فَقُرَیْشٌ اَکْفَاءٌ فِی النِّکَاحِ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ بِلَا اِمْتِیَازٍ۔ ترجمہ دلیل ۱۱ و ۱۲ پس تمام قریش قبائل آپس میں کفو ہیں جو بھی قبیلہ ہو۔ یہاں تک کہ جو قریشی ہاشمی بطن سے نہیں ہے وہ ہاشمی کا کفو نسبی ہے۔ ترجمہ دلیل ۱۳ اور نسبی کفائۃ معتبر ہے اسلام میں۔ لہٰذا تمام قریشی آپس میں نکاح کے لیے کفو ہیں ایک دوسرے کے بغیر کسی امتیازی فضیلت کے۔ فقہاءِ اسلام میں امام قاضی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بہت بلند مقام ہے۔ چنانچہ عیونُ البصائر شرح اَشباہ وَالنظائر ص۲ اور شامی جلد اوّل ص۶۹ پر ہے۔ اِنَّ مَا یُصَحِّحُهُ قَاضِیْخَانَ مِنَ الْاَقْوَالِ یَکُوْنُ مُقَدَّمًا عَلٰی مَا یُصَحِّحُهُ غَیْرُهٗ لِاَنَّهٗ کَانَ فَقِیْهَ النَّفْسِ ترجمہ:۔ بے شک جس قول کو قاضی خان صحیح فرما دیں وہ اُن تمام اَقوال سے مقدم ہو جاتا ہے جن کو کوئی دوسرا فقیہ صحیح فرمائے، اس لیے کہ علامہ قاضی خان فقیہ نفس یعنی فقہ کے اونچے مقام پر ہیں۔ اور ان کی عبارت سے بھی ثابت ہوا کہ سیدزادی کا نکاح ہر متقی نیک قریشی مرد سے بلا امتیاز ہو سکتا ہے فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص۳۵۹ پر ہے کہ امام قاضی خان کے متعلق سب دیگر فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ وہ مجتہد فی الفروع اور فقیہ النفس کے مقامِ اعلیٰ پر تھے۔ اسی طرح علامہ برھانُ الدین فرغانی مصنف ہدایہ کے متعلق اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک امام برھانُ الدّین فرغانی صاحب ہدایہ ہیں جن کی شانِ جلالت آفتابِ نیم روز و ماہتابِ نیم ماہ سے اظہر ہے۔ صاحبِ ہدایہ کا مقام و شان علماءِ اسلام میں بہت بلند ہے۔ ان کی عبارت سے بھی ان کا یہ مسلک ثابت ہو رہا ہے کہ سیدزادی کا نکاح ہر قریشی نیک متقی سے جائز ہے یہ سب حنفی اکابر فقہا ہیں ان کی بات، عبارت و دلائل نہ ماننے والا حنفی نہیں ہو سکتا۔ چودھویں دلیل۔ کفو کا یہ مسئلہ لازم و واجب ہے تمام دنیا کے ہر مسلمان گھرانے کی لڑکی کے لیے تا قیامت یہ اس لیے ہے

[illegible] عورت میں عزت آبرو جان و مال کا تحفظ حاصل ہو کیونکہ متقی مومن مسلمان [illegible] بیوی بچوں کی جان و آبرو کا محافظ ہو سکتا ہے کسی [illegible] معاشرہ [illegible] اگر فاسق کرنا نمائی و تماریکی کب فکر ہوتی ہے ۔ اس لیے دین [illegible] ہر عورت کے نکاح کے لیے عجمی ہو یا عربی سیدہ [illegible] سب کے لیے ایک ہی قانون ہے ۔ غیر کفو [illegible] ہزاروں قسم کی ذلتیں معیبتیں ہیں اور بیوی کے نیک [illegible] رسوائیاں ہو سکتی ہیں ۔ فتاوی عالمگیری جلد اوّل ص ۲۹۰ [illegible] لِلنِّسَاءِ لِلُزُومِ النِّكَاحِ ۔ كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرْخَسِي [illegible] قوم اور ہم مذہب اور نیک ہونا لازم و اجب ہے بیویوں [illegible] کے لیے نکاح کا لازمی حق ہے ایسا ہی فتاوی محیط سرخسی میں لکھا ہے ۔ نسبی کفو اور [illegible] میں ایک فرق یہ ہے کہ نسبی کفو کا مرد ہو تو عورت عاقلہ بالغہ خود مختار ہے [illegible] اجازت کے بغیر اپنا نکاح ہم کفو مرد سے کر سکتی ہے کسی والی وارث کو شرعًا کوئی اعتراض [illegible] نہیں ۔ چنانچہ قرآن مجید سورۃ بقرہ آیت ۲۳۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۔ ترجمہ جب عورتیں عاقلہ بالغہ ہو جائیں تو اے والی وارثو تم پر کوئی گناہ نہیں ان نکاحوں میں جو عورتیں خود اپنی مرضی سے معروف طریقے سے کر لیں ۔ یہاں معروف سے مراد حسبی نسبی کفو میں نکاح کرنا ہے اب مسئلے کی پانچ صورتیں ہو گئیں ۱۔ نسبی حسبی کفو کا مرد ۲۔ صرف نسبی کفو ۳۔ صرف حسبی کفو کا مرد ۴۔ مرد بھی صرف نسبی کفو ہو اور عورت کا خاندان بھی صرف نسبی کفو ہو ۔ دونوں طرف حسبیت نہ ہو ۵۔ مرد اور عورت کا نسب تو ایک ہو مگر دین جدا ہو ۔ پہلی صورت کا شرعی حکم یہ ہے کہ عورت بغیر رضاءِ ولی نکاح کر سکتی ہے ، دوسری صورت کا شرعی حکم ، اگر بیوی کا خاندان نیک ہو مگر مرد کا خاندان یا اکیلا مرد فاسق ہے کفائۃ ختم نکاح نا جائز نہ عورت اپنی مرضی سے کر سکتی ہے نہ اُس کا ولی ۔ چنانچہ فتاوی عالمگیر جلد اوّل ص ۲۹۱ پر اور فتاوی قاضی خان جلد اوّل ص ۳۵ پر ہے ۔ تُعْتَبَرُ الْكَفَاءَةُ فِي الدِّيَانَتِ وَهٰذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى وَهُوَ الصَّحِيحُ كَذَا فِي الْهِدَايَةِ ۔ فَلَا يَكُونُ الْفَاسِقُ كُفْأً لِلصَّالِحَةِ كَذَا فِي الْمُجْمَعِ سَوَاءٌ كَانَ مُعْلِنَ الْفِسْقِ أَوْ لَمْ يَكُنْ

خانیہ کی عبارت۔ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلْفَاسِقُ اِذَا کَانَ مُعْلِناً یَخْرُجُ سُکْرَانًا لَا یَکُوْنُ کُفُوًا لِلصَّالِحَۃِ مِنْ بَنَاتِ الصَّالِحِیْنَ اِذَا زَوَّجَتْ الْمَرْءَۃُ نَفْسَھَا غَیْرَ کُفُوءٍ کَانَ لِلْاَوْلِیَاءِ مِنَ الْعُصْمَۃِ حَقُّ الْفَسْخِ۔ ترجمہ: دین اور دیانت یعنی مرد کی شرافت سعادت تقویٰ کا بھی کفو بننے میں سختی سے اعتبار رکھا گیا ہے خاندانی نیک پاک متقیہ عورت کے لیے اور یہ مسلک امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے بڑے شاگرد و امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا ہے اور یہی مسلک ہر طرح مضبوط اور صحیح ہے ایسے ہی یہ مسلک ہدایہ میں لکھا ہے۔ لہٰذا فاسق مرد نیک عورت کا کفو نہیں بن سکتا ایسا ہی فتاویٰ مجمع میں لکھا ہے۔ خواہ مرد فاسق فاجر ظاہر علانیہ ہو یا خفیہ پوشیدہ، قاضی خان نے لکھا کہ فرمایا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہ فاسق مرد جب کہ علانیہ شرابی اور نشئی ہو تو کبھی بھی نیک لوگوں کی نیک بیٹی بہن کا کفو نہیں بن سکتا اگر کسی عاقلہ بالغہ لڑکی نے خود اپنا نکاح اس فاسق مرد سے کر لیا تو نکاح باطل ہو گا اور لڑکی کے والی وارثوں کو اپنی عزت داری کی وجہ سے نکاح ختم کرانے کا شرعاً پورا حق ہو گا یہ قانون سب خاندانوں کے لیے برابر ہے لہٰذا بدعقیدہ اور بدکردار سید لڑکا نیک سیدزادی کا کفو نہیں ہے۔ تیسری صورت کا شرعی حکم یعنی اگر نسبی کفو نیک شریف مرد کا نہ ملے تو حسبی کفو یعنی دوسرے اونچی معزز قوم کا نیک شریف مرد اس نیک صالحہ عورت کا کفو حسبی و نسبی بن جائے گا مگر وہاں نکاح کرنے میں ولی قریبی کی رضا و اجازت لازمی شرط ہے۔ اگر ولی راضی نہ ہو تو نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے نِکَاحُھَا بَاطِلٌ (الخ) والی حدیث سے دلیل ہفتم میں ثابت کر دیا گیا۔ وہاں مشکوٰۃ شریف میں ص۲۷ پر اس حدیث کی شرح بَیْنَ السُّطُوْرِ میں لکھا ہے اَیْ عَلٰی حَدِّ الْبُطْلَانِ اِنِ اعْتَرَضَ الْوَلِیُّ عَلَیْھَا۔ ترجمہ۔ نِکَاحُھَا بَاطِلٌ کا معنی یہ ہے کہ باطل کیا جا سکتا ہے اگر لڑکی کے ولی کو اس لڑکی کے اس حسبی نسبی کفو والے نکاح پر اعتراض ہو۔ کیسا واضح فرق ثابت ہوا نسبی فاسق اور حسبی غیر فاسق متقی کفائۃ میں کہ وہاں ہے کَانَ لِلْاَوْلِیَاءِ مِنَ الْعُصْمَۃِ حَقُّ الْفَسْخِ یعنی فاسق سے نکاح فسخ کرانا حق لازمی ہے۔ لیکن یہاں ہے۔ اِنِ اعْتَرَضَ الْوَلِیُّ وہاں اولیا جمع ہے یہاں لفظ ولی واحد ہے وہاں لفظ ولی واحد نہ ہے یعنی فاسق سید سے پس اگر نکاح کسی سیدزادی کا ہو جائے تو سب اولیا پر حق ہے کہ فوراً فسخ کرا دیں، چوتھی صورت کا شرعی حکم، اگر قومیت عورت مرد کی ایک ہو اور دونوں ہی خاندان فاسق و فاجر ہوں تو بھی فاسقہ کا نکاح فاسق مرد سے بذات خود بھی جائز

ولی کی رضا سے ہی جائز۔ چنانچہ سورۂ نور آیت ۲۶ میں ہے۔ اَلْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ۔ ترجمہ۔ فاسق بیویاں فاسق خاوندوں کے لیے ہیں اور متقیہ بیویاں متقی خاوندوں کے لیے ہیں۔ پانچویں صورت کا شرعی حکم۔ اگر دین جدا ہو تو مسلمان عورت کسی بھی قوم قبیلے کی ہو نیک خاندان کی ہو یا بد خاندان کی غیر مسلم مرد سے اُس کا نکاح قطعاً نہیں ہو سکتا ہاں مسلمان مرد کا نکاح کتابیہ عورت سے ہو سکتا ہے اگرچہ بہتر نہیں۔ پندرھویں دلیل قانون شریعت کے مطابق جب کسی مسلمان والدین کو ان کا نسبی کفو نہ ملے تو حسبی کفو میں فوراً ہی نکاح کر دیا جائے لیکن نسبی فاسق اور غیر نسبی فاسق میں ہرگز نکاح جائز نہیں اگر لڑکی خود بغیر رضا ولی کرے گی تب بھی باطل ہو گا اور والد یا دادا کرے گا تب بھی باطل یعنی قابلِ تنسیخ ہو گا جبکہ نابالغہ بالغہ ہو کر اور یا لڑکی اِس جبری نکاح کی اطلاع ملتے ہی اور ولیوں کو اپنی بیٹی کے کردہ نکاح کی اطلاع ملتے ہی تنسیخ نکاح کا اختیار اور حق ہے عدالت کے ذریعے فسخ کرا دیں۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان جلد اول ص۳۲ پر ہے وَلَا يَكُونُ الْفَسْخُ بِعَدَمِ الْكَفَاءَةِ إِلَّا عِنْدَ الْقَاضِي لِأَنَّهُ مُخْتَلَفٌ فِيهِ۔ ترجمہ۔ جو تنسیخ کفو نہ ہونے کی وجہ سے کرائی جائے وہ صرف عدالت کا قاضی ہی کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ وہ تنسیخ نکاح میں مجاز و مجتہد ہے۔ یہ تنسیخ نکاح اسی لیے ضروری ہے کہ فاسق مرد ہم قوم ہو یا غیر قوم لڑکی کا کفو نہیں ہو سکتا کیونکہ نیک مسلمان خاندان کا کفو فاسق مسلمان نہیں ہوتا اگر والد جبراً جانتے بوجھتے کر دے تو وہ سوءِ اختیار والا ہو گا اور سوءِ اختیار والد کی ولایت ختم ہے۔ اسی فتاویٰ قاضی خان ص۱۵۳ پر آگے لکھا ہے۔ وَقَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الزَّاهِدُ فَخْرُ الْإِسْلَامِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَزْدَوِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى۔ اَلْفَقِيهُ يَكُونُ كُفُوًا لِلْعَلَوِيَّةِ لِأَنَّ شَرَفَ الْحَسَبِ فَوْقَ شَرَفِ النَّسَبِ۔ ترجمہ۔ امام فخر الاسلام نے فرمایا کہ فقیہ عالم مولیٰ علی کی ہر بیٹی کا کفو بن سکتا ہے۔ اس لیے کہ حسبی شرافت نسبی شرافت سے بلند ہے یہاں علوی سے صرف موجودہ اصطلاح کے علوی مراد نہیں بلکہ مولیٰ علی کی تمام اولاد کو پہلے علوی کہا جاتا تھا فاطمی بھی غیر فاطمی بھی۔ چنانچہ تبصیر البصائر للامام شاذلی مصری جلد اوّل ص۱۹۹ پر ہے۔ اَلْمُرَادُ مِنَ الْعَلَوِيِّ كُلُّ أَوْلَادِ عَلِيٍّ مِنَ الْفَاطِمَةِ بِنْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهَا۔ ثُمَّ اصْطُلِحَ تَفْرِيقًا مِنَ السَّادَاتِ وَغَيْرِ السَّادَاتِ لِلتَّعَارُفِ۔ ترجمہ۔ پہلے زمانوں میں علوی سے مولیٰ علی کی تمام

اولاد مراد لی جاتی تھی فاطمی بھی غیر فاطمی بھی، پھر بہت عرصے بعد اصطلاح تفریق کرنے کے لیے اور تعارف کرانے کے لیے سادات علوی اور غیر سادات علوی۔ سولھویں دلیل۔ فتاوٰی درمختار جلد دوم صفحہ ۳۵ پر ہے۔ وَاِنَّ بِالْعَالِمِ فَکُفُوٌّ لِاَنَّ شَرَفَ الْعِلْمِ فَوْقَ شَرَفِ النَّسَبِ وَالْمَالِ کَمَا جَزَمَ بِہٖ الْبَزَّازِیُّ وَارْتَضَاہُ کَمَالٌ وَغَیْرُہٗ۔ اس کی شرح میں فتاوٰی شامی اول صفحہ ۳۵ پر ہے۔ وَذَکَرَ الْخَیْرُ الرَّمْلِیُّ عَنْ مَجْمَعِ الْفَتَاوٰی، اَلْعَالِمُ یَکُوْنُ کُفُوًا لِلْعَلَوِیَّۃِ لِاَنَّ شَرَفَ الْحَسَبِ اَقْوٰی مِنْ شَرَفِ النَّسَبِ۔ ترجمہ، اور بے شک عالم مرد کفو ہے ہر اونچے خاندان کا اس لیے کہ علم کی شرافت نسبی شرافت سے بلند ہے اور مالی شرافت سے بھی۔ اسی مسلک پر جزم فرمایا علامہ بزازی نے اور اسی مسلک کو منتخب فرمایا علامہ کمال الدین اور دیگر فقہا مشائخ نے عبارت شامی کا ترجمہ۔ اور ذکر کیا علامہ خیر الدین رملی نے مجمع الفتاوٰی سے کہ بڑا معزز و مکرم عالم دین علویہ سیدزادی و غیر سید علویہ لڑکی کا کفو ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حسبی شرافت زیادہ قوی ہے نسبی شرافت سے، جماعت فقہا میں علامہ کمال الدین کا مقام بہت بلند ہے۔ چنانچہ فتاوٰی شامی جلد اول صفحہ ۷ پر ہے۔ وَقَدْ مَنَا غَیْرَ مَرَّۃٍ اَنَّ الْکَمَالَ مِنْ اَھْلِ التَّرْجِیْحِ کَمَا اَفَادَہٗ فِیْ قَضَاءِ الْبَحْرِ بَلْ صَرَّحَ بَعْضُ مُعَاصِرِیْہِ بِاَنَّہٗ مِنْ اَھْلِ الْاِجْتِھَادِ۔ ترجمہ، اور ہم نے کئی مرتبہ پہلے بیان کیا ہے کہ بے شک امام کمال الدین اہل ترجیح فقہا میں سے ہیں جیسا کہ فتاوٰی بحر الرائق کے باب القضا سے افادہ ہوا بلکہ بہت سے ہم عصر مشائخ کرام نے اس بات کی تصریح فرمائی کہ بے شک وہ (علامہ کمال الدین) اہل اجتہاد سے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ اتنے بڑے فقیہ اعظم کا یہ فرمان کہ علمی شرافت نسبی شرافت سے اقوٰی اور فوق ہے بغیر ثبوت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ فوقیت و قوت قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالٰی نے اسی علم کی وجہ سے فرشتوں سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مولٰی علی پر فضیلت بخشی کہ مولٰی علی کے ہوتے ہوئے صدیق اکبر کو امت کا امام بنایا۔ اور مولٰی علی کو مقتدی حالانکہ نسبی فضیلت مولٰی علی کی زیادہ ہے کیونکہ مولٰی علی ہاشمی قریشی ہیں اور تمام قریش قبائل پر ہاشمی نسب کو فضیلت مگر دینی امور میں علمی و حسبی فضیلت زیادہ اور شادی بیاہ میں سب خاندان برابر۔ علمی شرافت کی فوقیت کی بنا پر ہی۔ اِنَّ حَسَبِیْ وَنَسَبِیْ

والی حدیث [illegible] حسین کو پہلے ذکر فرمایا۔ تو جس طرح زمانۂ نبوی میں علم کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو تمام ملائکہ پر فضیلت [illegible] اور تمام صحابہ پر فضیلت و فوقیت ملی اسی طرح آج بھی تا قیامت عالم [illegible] شخص کو غیر عالم پر فوقیت ہے اور اس فوقیت کی وجہ [illegible] علم [illegible] کا کفو ہے۔ قرآن و حدیث اور مشہورہ معتبرہ کتبِ فقہ [illegible] ثابت [illegible] ہے۔ [illegible] تفضیل رافضی لکھتے ہیں کہ اگر سیدزادی کا غیر سید [illegible] یا [illegible] معزز معظم باوقار شریف مرد سے کر دیا تو بھی اس میں [illegible] اور [illegible] خاندان کی رُسوائی ہے۔ مگر یہ بات احمقانہ بھی ہے بے دلیل [illegible] کے خلاف بھی۔ چنانچہ ہدایہ شریف جلد اوّل ص۲۸۵ پر ہے۔

[illegible] الْقِيَادَةِ وَهٰذَا قَوْلُ اَبِي حَنِيْفَةَ وَاَبِي يُوْسُفَ [illegible] الصَّحِيْحِ لِاَنَّهٗ مِنْ اَعْلَى الْمَفَاخِرِ۔ اَلْمَرْئَةُ تُعَيَّرُ بِفِسْقِ الزَّوْجِ فَوْقَ مَا تُعَيَّرُ بِضِعَةِ نَسَبِهٖ۔

ترجمہ۔ اور نسبی کفو کے ساتھ ساتھ حسبی یعنی دین و دیانت کفو بھی معتبر اور [illegible] ضروری ہے اور یہ مسلک امامِ اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا ہے اور ہر طرح صحیح ہے۔ اس لیے کہ دین و دیانت شرافت صداقت علمی لیاقت اعلیٰ عزت و عظمت اور قابلِ فخر و خوشی ہے۔ عورت (بیوی) جتنی ذلت و عار شرمندگی خاوند کے فسق و فجور بدکرداری سے محسوس کرتی ہے اتنی نسبی خاندانی صنعت و حرفت پیشہ و تجارت کاروبار میں نہیں کرتی یعنی ایک نیک متقی خوش عقیدہ سنی عابدہ زاہدہ سیدزادی کے لیے یہ ذلت ہے اور اس کے پاک مقدس اہلِ سنت خاندان کے لیے اصل ذلت و عار شرمندگی رسوائی یہ ہے کہ اس کا خاوند اور اس کے والدین کا داماد کوئی فاسق قاتل ڈاکو یا شرابی جواری یا بدعقیدہ رافضی شیعہ سید لڑکا ہو۔ نہ کہ نیک پاک عالم خاوند معاشرے میں باعزت شخص۔ اٹھارویں دلیل۔ مسلک حنفی میں اوّلاً حسبی اور نسبی کفو کا رشتہ تلاش اور قبول کیا جائے گا اگر نسبی حسبی کفو نہ ملے تو صرف حسبی کفو میں بیٹی کا نکاح کیا جائے گا مگر صرف نسبی کفو چونکہ ہر نیک شریف خاندان کے لیے باعث ذلت ہے اگرچہ سید ہو اس لیے صرف نسبی کفو سیدزادی اور کسی بھی معزز باعزت نیک خاندان کی لڑکی کے لیے جائز نہیں اس لیے کہ فسق و فجور کفویت ختم کر دیتا ہے اگرچہ ذات قبیلہ عورت و مرد کا ایک ہی ہو۔ چنانچہ۔ فتاویٰ شامی دُرِّ مختار جلد دوم ص۳۲۳ پر ہے۔ وَيُفْتٰى فِيْ غَيْرِ الْكُفْوِ بِعَدَمِ جَوَازِهٖ اَصْلًا۔ هٰذَا رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ اَبِي حَنِيْفَةَ وَهٰذَا

اِذَا کَانَ لَھَا وَلِیٌّ لَمْ یَرْضَ بِہٖ قَبْلَ الْعَقْدِ فَلَا یُفِیْدُ الرِّضَا بَعْدَہٗ۔ بَحْرٌ۔ وَاَمَّا اِذَا لَمْ یَکُنْ لَھَا وَلِیٌّ فَھُوَ صَحِیْحٌ نَافِذٌ مُطْلَقًا اِتِّفَاقًا۔ کَمَا یَاتِیْ۔ لِاَنَّ عَدَمَ وَجْہِ عَدَمِ الصِّحَّۃِ عَلٰی ھٰذِہِ الرِّوَایَۃِ دَفْعُ الضَّرَرِ مِنَ الْاَوْلِیَاءِ وَاَمَّا ھِیَ فَقَدْ رَضِیَتْ بِاِسْقَاطِ حَقِّھَا۔ فَتْحٌ۔ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَھَا وَلِیٌّ فَھُوَ اَیِ الْعَقْدُ صَحِیْحٌ نَافِذٌ مُطْلَقًا اَیْ کُفُوًا اَوْ غَیْرَہٗ۔ اور فتاوٰی بحر الرائق جلد سوم ص ۱۲۸ پر ہے وَھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ کَثِیْرًا مِنَ الْمَشَائِخِ اَفْتَوْا بِاِنْعِقَادِھَا فَقَدِ اخْتَلَفَ الْاِفْتَاءُ۔ ترجمہ، عبارتِ شامی۔ اگر کوئی عورت غیر قوم میں بغیر رضاءِ ولی نکاح کرے صرف مرد کی حیثیت دیکھ کر تو فتوٰی دیا جاتا ہے اس نکاح کے بالکل ناجائز ہونے کا۔ یہ بات حسنؒ کی روایت ہے امام ابوحنیفہؓ سے مروی۔ لیکن اور یہ جب ہے جب کہ اس لڑکی کا ولی اس عقد سے پہلے ہی ناراض تھا تو اب نکاح ہو جانے کے بعد اگر ولی راضی بھی ہو گیا تب بھی یہ رضا مفید نہ ہو گی۔ یہی فتاوٰی بحر میں ہے اور لیکن اگر لڑکی کا ولی زندہ موجود ہی نہ ہو تو یہ حسبی نسبی کفو میں کیا ہوا نکاح صحیح ہو گا اور مطلقاً نافذ و جائز ہو گا تمام فقہاءِ اسلام کے اتفاق سے جیسے کے شامی میں آگے آئے گا۔ اس لیے کہ وجہ جواز نہ ہونا صحیح نہ ہونا اس روایتِ حسن کی بنا پر تا قیامت والی وارثین کے شرعی اختیار کے نقصان کو ختم کرنے کے لیے ہے۔ اور لیکن وہ لڑکی جس نے اپنی مرضی سے بغیر رضاءِ ولی غیر نسبی کفو میں صرف حسبی دیکھ کر اپنا نکاح کر لیا تو بے شک اپنے ولی وارثوں کی رضا کی خاطر راضی ہے اپنے حقِ بلوغت کو ختم کرنے پر۔ یہ مسئلہ فتاوٰی فتح القدیر کا بھی ہے۔ اور اگر کسی شریف لڑکی کا ولی موجود ہی نہ ہو تو اس لڑکی کا کیا ہوا اپنا نکاح بالکل صحیح نافذ ہو گا مطلقاً خواہ نسبی حسبی کفو میں کیا ہو یا غیر نسبی فقط حسبی کفو میں ولی سے مراد ولیِ قریبی ہے نہ کہ ساری دنیا کے قومی بزرگ، سیدزادی غیر سید زادی ہر نیک مسلمان لڑکی اور نیک مسلمان خاندان کے لیے یہ قانونِ نکاح ہے۔ بحر الرائق کا ترجمہ اور یہ قول دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ بے شک کثیر مشائخ فقہا نے نکاح کے صحیح منعقد ہو جانے کا ہی فتوٰی دیا ہے۔ پس بعض مختلف بھی ہو گئے۔ اس دلیل سے بھی یہ ثابت ہوا کہ سیدزادی کا نکاح ولی کی اجازت سے غیر نسبی کفو میں صرف حسبی کفو غیر سید سے جائز ہے اور اگر سید زادی کا ولی وارث موجود نہ ہو تو حسبی کفو میں اس کی اپنی مرضی بھی جائز و نافذ ہے۔

اُنیسویں دلیل۔

فتاوٰی شامی جلد دوم ص ۳۲۰ پر ہے۔ لَزِمَ النِّکَاحُ بِغَیْرِ کُفُوءٍ اِنْ کَانَ الْوَلِیُّ اَبًا اَوْ جَدًّا لَمْ یُعْرَفْ مِنْھُمَا سُوْءُ الْاِخْتِیَارِ وَاِنْ عُرِفَ لَا یَصِحُّ النِّکَاحُ اِتِّفَاقًا۔ ترجمہ

نکاح لازم و مشہور ہے اگر لڑکی کا ولی والد ہو یا دادا جن دونوں سے اس سے قبل سوء اختیار ثابت و ظاہر نہ ہوا ہو اور اگر والد یا دادا سے اسی نکاح سے پہلے کسی بیٹی کے نکاح میں سوء اختیار ثابت نہ ہو اور باپ پھر ایک بیٹی پوتی کا نکاح غیر نسبی حسبی کفو میں نابالغہ یا بالغہ کا بغیر اس کی اجازت کے پھر نکاح کر دیتا ہے تو تمام فقہاء عظام کے نزدیک منعقد ہو گئے نہیں ہے اور منکوحہ لڑکی بالغہ ہو یا بالغہ منکوحہ اطلاع ملتے ہی فوراً اس نکاح سے بیزاری کا اظہار کر کے بعد میں بذریعہ عدالت فسخ کرا سکتی ہے۔ اس کو خیار بلوغ بھی کہا جاتا ہے یعنی اگر باپ والد نے یا دادا نے اپنی بیٹی پوتی کا کسی لالچی یا دباؤ یا ظلم بہت سے نکاح کر دیا تو اگر یہ اس کا پہلا کام ہے تب تو نابالغہ یا بالغہ بیٹی کو قطع کرنے کا اختیار نہیں نکاح صحیح اور مضبوط ہو جائے گا۔ ہاں بعد میں ظلم ہونے کی صورت میں خود والد یا دادا کسی ظلم کی بنا پر تنسیخ یا خلع کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ دوسری بار ہے تو یہ نکاح شفقتاً غلط ہوا ظلم خاوند ظاہر ہو یا نہ ہو خود منکوحہ تنسیخ نکاح کرا سکتی ہے۔

ناکح مرد خواہ ہم قوم ہو یعنی فقط نسبی کفو یا غیر نسبی اور غیر حسبی، اور منکوحہ خواہ سیدزادی ہو یا عربی یا عجمی۔ اسلام کے تمام دینی دنیوی قانون تمام اُمتِ مسلمہ کے لیے یکساں ہیں سادات کے لیے علیحدہ کوئی خصوصی قانون ثابت نہیں بجز ان کی تعظیم و توقیر کے اور یہ بات ثابت ہے کہ صحیح شرعی نکاح اور نیک خاوند کی وطی و صحبت سے تعظیم و توقیر میں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ مودتِ قربیٰ اور تعظیم سادات غیر سید معزز اور اونچے خاندان اور نیک متقی خاوند سے ہی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ یہ بات ما و شما کی نہیں بلکہ ان سیدزادیوں اور اُن کے سادات گھر والوں سے پوچھی جا رہی جن کی سیدزادیاں غیر سید حسبی کفو میں بیاہ کر گئی ہیں

بیسویں دلیل۔ مسلک اعظم کی آخری دلیل۔ فتاویٰ بحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد سوم صـ۱۳۰ پر ہے۔ وَالْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ نَسَبًا۔ فَقُرَيْشٌ أَكْفَاءٌ فِي النِّكَاحِ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ۔ وَبِهٰذَا اسْتَدَلَّ الْمَشَايِخُ عَلٰى أَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ التَّفَاضُلُ فِيمَا بَيْنَ قُرَيْشٍ وَهُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِهِ فَقُرَيْشٌ أَكْفَاءٌ حَتّٰى لَوْ تَزَوَّجَتْ هَاشِمِيَّةٌ قُرَشِيًّا غَيْرَ هَاشِمِيٍّ لَمْ يُرَدَّ عَقْدُهَا۔ وَإِنْ عَرَبِيًّا غَيْرَ قُرَشِيٍّ لَهُمْ رَدُّهُ۔ ترجمہ:۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رض کے مسلک میں نسبی کفائت بھی معتبر ہے وجیب کہ آئمہ ثلاثہ کے مسلک میں نکاح کرنے کے لیے مرد میں نسبی کفو ہونا ضروری

معتبر نہیں جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا) پس حنفی مسلک میں قریش قبائل آپس میں کفو ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی ہاشمی قریشی سیدزادی (غیر سید ہاشمی) قریشی نیک مرد سے بغیر رضاء ولی اپنا نکاح کر لیتی ہے تو اس کا یہ عقد توڑا نہیں جا سکتا کیونکہ سیدزادی نے نسبی حسبی کفو میں نکاح کیا لہٰذا مضبوط اور معتبر ہے، لیکن اگر سیدزادی عورت کسی غیر قریشی مرد سے نکاح کرے تو والی وارثوں کے لیے شرعی حق ہے اس نکاح کے رد کرنے تنسیخ کرانے کا بحمدہ تعالیٰ ہم نے مندرجہ بالا دلائل میں قرآنِ مجید کی آیات اور احادیثِ مقدسات کے فرمودات اور معتبر و مشہور کتبِ فقہ مفتا بہ مکتوبات سے ثابت کر دیا کہ سیدزادی کا نکاح اُس غیر سید مرد سے بالکل جائز ہے جو کسی بھی قریش قبیلے سے ہو۔ اور اُس غیر سید مرد سے بھی جائز ہے جو علم عقل تقوے شرافت وجاہت اور نہایت پاکیزہ اونچے باعزت باوقار خاندان کی وجہ سے سیدزادی کا کفو بن جائے۔ نیز اسلام میں صرف نسبیت کوئی فضیلت نہیں نسبیت کے ساتھ حسبیت ہونا لازمی ضروری ہے، تفضیلی شیعہ کہتے ہیں کہ اگر سیدزادی کا نکاح غیر سید مرد سے کیا گیا تو اُس کی اولاد کی نسبیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کٹ جائے گی لیکن قرآن و حدیث فرماتے ہیں کہ اگر سیدزادی کا نکاح فاسق فاجر یا بدعقیدہ سید مرد سے کیا گیا تو بُرے ماحول کی وجہ سے خود اُس سیدزادی اور اُس کی اولاد کی حسبیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کٹ جائے گی، شریف متقی خاوند و خاندان میں اگرچہ نسبیت کٹ جائے گی مگر حسبیت تو قائم رہے گی کیونکہ صحبتِ صالح ترا صالح کند ۔ صحبتِ طالح ترا طالح کند۔ اور یارِ بد بدتر بود از مارِ بد۔ اور حسبیت کی فکر کرنی زیادہ ضروری ہے کیونکہ حدیث و قرآن نے اُس کو مقدم رکھا ہے۔ لہٰذا اُسی کی فوقیت ہے اور وہی اقوٰی ہے۔ خیال رہے کہ دنیا رات ہے۔ زندگی سفر ہے تمام اہلِ بیت کسفینۃ نوح ہیں اور تمام صحابہ کالنجوم ہیں، یہ تمثیلات چشمۂ علم و حکمت کی زبانِ اقدس نے بیان فرمائیں ان تمثیلات کے اشارے کیا بتا رہے ہیں؟ یہی کہ ستارے بلندیوں پر ہیں، کشتی دریا کی سطح پر ہے۔ ماحول ظلمت ہے، کشتی کو ستاروں کی ضرورت ہے نہ کہ ستاروں کو کشتی کی۔ ہم نے جن کتبِ فقہ کی دلیلیں پیش کی ہیں ان کتبِ معتبرہ مشہورہ سے پورا عالمِ اسلام فیض بار ہا ہے۔ اُن کے ہی پُر جلال و پُر جمال فتاوٰی سے اسلامی حکومت، عدالت، عبادت، نظامت کا کام چل رہا ہے۔ یہ کوئی معمولی کتب نہیں کہ جب چاہا اور جس مسئلے کو چاہا مان لیا جس کو چاہا نہ مانا، کبھی حنفیت کا سہارا پکڑ لیا اور کبھی

بھٹک رہے تھے لیکن گمراہی کی گود میں کود پڑے۔ وہاں بھی کام نہ بنا تو غیر معروف یا بدعقیدہ کتب کا سہارا پکڑ لیا۔ مطلب کی بات مل گئی خلاف مطلب نہ مانی۔ اولیاء اللہ کے تفضیلی رافضیوں کا یہی طریقہ ہے اور اسی طرح بھٹکتے ہیں جیسے سورۃ البقرہ آیت ۸۵ میں قرآن مجید کی جھڑک ہے کہ بدبختو۔ أفتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔ ترجمہ: کیا کسی آیت کو مانتے ہو کسی کا انکار کرتے ہو۔ اب نبی کریم کی صاحبزادیوں کے نکاح کا غیر سید مرد سے جائز اور صحیح ہونے کا ثبوت نقلی و عقلی تو ہو چکا یہ مختصر ذیلی سطور ہیں، اس کے عملی دلائل ملاحظہ فرمائیے۔

سیدزادی کا نکاح غیر سید سے کرنے کے جائز ہونے کے عملی دلائل

مشہورہ ومعتبرہ

تمام کتب احادیث، تواریخ کے علاوہ تاریخ یعقوبی جلد دوم ص۱۲۹ و ص۱۵۰ اور تاریخ عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب کے ص۶۳ پر اور بخاری شریف جلد اوّل ص۴۰۳ طبع کراچی پر اور تاریخ طبری ابن خلدون اور تاریخ کامل اور اصابہ، اسد الغابہ اور دیگر اکثر سیر اور فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آقائے کائنات حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بڑی بیٹی سیدہ زینب کا نکاح اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے بھانجے ابو العاص رضؓ بن ربیع قریشی کلابی سے کیا۔ ۲ اور اپنی دوسری بیٹی سیدہ رقیہ کا نکاح عثمان غنی رضؓ سے کیا۔ ۳ اور اپنی تیسری بیٹی سیدہ اُمّ کلثوم کا نکاح بھی سیدہ رقیہ رضؓ کے وصال شریف کے بعد حضرت عثمانِ غنیؓ سے کیا حالانکہ عثمان غنی قریشی اُموی تھے۔ ۴ اور اپنی چوتھی آخری بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرا کا نکاح مولیٰ علیؓ قریشی ہاشمی سے کیا، یہ تینوں داماد سید نہیں تھے اگر سیدزادی کا نکاح غیر سید سے حرام و باطل ہے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیوں کئے۔ اس کا جواب ان تفضیلی رافضیوں کے پاس کچھ نہیں، صرف جان بچانے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ یہ مجبوراً مصلحت کے تحت تھے میں پوچھتا ہوں ان حمقاء سے کہ مصلحت کے تحت حرام بھی کبھی جائز ہو سکتا ہے۔ اور اگر مجبوری تھی تو کم از کم اپنی ہاشمی قوم میں ہی کرتے کیا اس وقت کوئی ہاشمی مرد دنیا میں نہ تھا؟ نہ کوئی مجبوری تھی نہ کوئی خصوصی مصلحت صرف یہ قانون بنانا بتانا تھا کہ سیدزادی کا کفو قریشی غیر سید بھی ہے اور پھر مجبوری تو آج بھی ہے کہ نیک پاک سنی سیدزادی کے لیے نیک پاک سنی سید لڑکا

مشکل سے ملتا ہے، جیسا کہ سوالِ مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے جن کے لیے یہ فتویٰ لکھا جارہا ہے ۵ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنتِ جحش کا نکاح ایک آزاد شدہ غلام حضرت زید سے کر دیا حالانکہ حضرت زینب ہاشمیہ تھیں، زید ایک عجمی غلام تھے۔ بعض نے کہا غیر قریشی عربی تھے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ اس کا جواب بھی تفضیلیوں کے پاس بجز آئیں شائیں کرتے بغلیں جھانکنے کے کچھ نہیں، گھبرا کر کبھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو صرف سیدزادی کی بات کر رہے ہیں اور صرف اُس پر یہ سخت ظالمانہ پابندی لگا رہے ہیں کہ اس کا غیر سید سے کبھی کسی بھی صورت میں نکاح جائز نہیں۔ گویا کہ شریعت اِن کے گھر کی خود ساختہ ہے جس پر چاہی من مرضی کی پابندی لگا دی ۶ حضرت مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک بیٹی اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کر دیا جن سے اولاد بھی پیدا ہوئی۔ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو مجبوری نہ تھی نہ کوئی رشتوں کی کمی تھی گھر میں ہاشمی رشتے موجود تھے۔ فاروق اعظم قریشی عدوی تھے نہ کہ ہاشمی، تفضیلی شیعہ رافضی حویلیاں والے اس نکاح کے منکر ہیں ایک مصنف اپنی کتاب حسب نسب جلد سوم ص ۲۶۳ پر اس حقیقتِ متواترہ کا فقط اس لیے انکار کرتا ہے کہ مولیٰ علی نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کرنا تھا یعنی عبد اللہ بن جعفر سے اس لیے فاروقِ اعظم کا پیغامِ نکاح دینا شرعاً جائز ہی نہ تھا کیونکہ نبی کریم نے پیغام پر پیغامِ نکاح کو ناجائز فرمایا فاروقِ اعظم اس مسئلے کو جانتے تھے لہٰذا پیغامِ نکاح نہیں دے سکتے تھے۔ مصنف کی یہ بات بھی غلط ہے مولیٰ علی کے پاس ابھی تک کسی کا پیغام نہیں آیا تھا۔ صرف مولیٰ علی کا اپنا ارادہ تھا کہ اپنے بھتیجے سے اپنی بیٹی کا نکاح کریں۔ اسی کا مولیٰ علی نے فاروقِ اعظم کے سامنے پیغامِ نکاح ملنے پر اظہار فرمایا۔ لیکن جب فاروقِ اعظم نے اپنے نکاح کی وجہ بتائی تو مولیٰ علی نے اپنا دلی ارادہ بدل کر فاروقِ اعظم سے نکاح کر دیا مصنف مذکور اسی دلی ذاتی ارادے کو اپنی حماقت سے پیغامِ نکاح سمجھا اس لیے مندرجہ ذیل سطور میں اِس حقیقتِ واقعی کے تحریری ثبوت پیش کیے جا رہے ہیں (ان شاء اللہ تعالیٰ)

چنانچہ پہلا ثبوت :۔ بخاری شریف جلد اوّل طبع کراچی ص ۴۵۲ کتاب الجہاد میں لکھا ہے کہ مولیٰ علی نے فاروقِ اعظم کے پیغامِ نکاح کو قبول کر کے اپنی بیٹی اُمِ کلثوم کا نکاح فاروقِ اعظم سے کر دیا۔ اور ان سے اولاد بھی ہوئی تھی۔

دوسرا ثبوت۔ علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رح نے اپنی کتاب الاصابہ جلد ہشتم طبع مصر ص ۲۹۷ پر لکھا ہے کہ مولا علی رض نے اپنی بیٹی ام کلثوم رض کا نکاح فاروقِ اعظم رض سے کیا۔

تیسرا ثبوت۔ علامہ ابن عبدالبر مالکی رح نے اپنی کتاب الاستیعاب جلد چہارم طبع مصر ص ۴۶۷ پر بھی لکھا ہے کہ مولا علی نے سیدہ ام کلثوم کی شادی فاروقِ اعظم سے کر دی تھی۔

چوتھا ثبوت۔ مؤرخ علامہ طبری نے اپنی کتاب تاریخ طبری جلد سوم ص ۲۷۰ طبع کراچی میں بھی لکھا ہے کہ سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ و علی کا نکاح فاروقِ اعظم سے ہوا تھا، اور اُم کلثوم کے بطن سے فاروقِ اعظم کے دو بچے پیدا ہوئے خود علی مرتضیٰ نے بیٹے کا نام زید اور بیٹی کا نام رقیہ رکھا۔

پانچواں ثبوت۔ علامہ ابن اثیر رح نے بھی اپنی کتاب اسد الغابہ کے ص ۶۱۱ پر فاروق اعظم رض اور سیدہ اُم کلثوم رض کے نکاح کا ذکر کیا اور اولاد کا بھی ذکر کیا۔

چھٹا ثبوت۔ علامہ ابن حبان رح نے بھی اپنی کتاب الثقات کے ص ۲۱۴ پر سیدہ اُم کلثوم و فاروق اعظم عمر بن خطاب رض کے نکاح و اولاد کا ذکر کیا۔

ساتواں ثبوت۔ علامہ ابن قتیبہ نے بھی اپنی کتاب المعارف ص ۱۰ پر مطبع مصری میں فاروقِ اعظم رض و سیدہ اُم کلثوم بنتِ علی کے نکاح ہونے کا ذکر کیا ہے۔

آٹھواں ثبوت۔ علامہ ابن رح اثیر نے اپنی کتاب تاریخ الکامل جلد دوم طبع بیروت کے ص ۴۱۱ پر وضاحت سے لکھا کہ سیدہ اُم کلثوم جن کا پورا نام صغریٰ اُم کلثوم بنت فاطمۃ الزہرا تھا فاروقِ اعظم کی زوجہ محترمہ تھیں فاروقِ اعظم ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ فاروقِ اعظم نے ان کے نکاح سے پہلے بھی ایک اور عورت سے نکاح کیا تھا جن کا نام بھی اُم کلثوم تھا وہ ملیکہ بنت جرول خزاعی کے نام سے مشہور تھیں، مگر ان ملیکہ سے اولاد نہیں تھی۔ اور سیدہ سے آپ کی اولاد ہوئی۔

نواں ثبوت، علامہ ابن کثیر نے بھی اپنی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ہفتم کے ص ۱۳۹ پر لکھا ہے کہ فاروق اعظم کی دو بیویاں تھیں پہلی کا نام اُمّ کلثوم ملیکہ بنتِ جرول خزاعی تھا، اور دوسری بیوی کا نام سیدہ اُم کلثوم صغریٰ بنتِ علی و فاطمۃ الزہرا تھا۔ اِن کے بطن سے دو بچے زید و رقیہ ہوئے۔

دسواں ثبوت، علامہ ابنِ حبانؒ نے اپنی کتاب الثقات کے ص ۱۹۰ پر لکھا ہے کہ فاروق اعظم کا نکاح سیدہ صغریٰ اُم کلثوم بنتِ علی مرتضیٰ سے ۱۷ھ میں ہوا تھا اور حق مہر چالیس ہزار درہم

مقرر ہوا تھا۔ اتنا مہر کسی اور بیوی کا نہ تھا یہ عظمتِ سیدہ کی وجہ سے تھا۔
گیارھواں ثبوت۔ قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین جلد دوم ص۱۱۰ پر لکھا ہے کہ فاروق اعظم نے سیدہ اُم کلثوم بنتِ علی سے نکاح کیا۔ اور اولاد ایک بیٹا زید۔ ایک بیٹی رقیہ کا ذکر کیا ہے۔
بارھواں ثبوت۔ علامہ شبلی نعمانی نے بھی اپنی کتاب الفاروق ص۲۹۳ پر فاروق و سیدہ بنتِ علی کے نکاح کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔
تیرھواں ثبوت۔ علامہ ابن حزم نے بھی اپنی کتاب جامع السیرت کے ص۲۰۰ پر اس نکاح بنتِ علی و فاروقِ اعظم رض کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔
چودھواں ثبوت۔ دائرہ معارفِ اسلامیہ جلد اوّل ص۲۵۲ مطبوعہ لاہور میں بھی تفصیل سے ذکر ہے کہ فاروق و سیدہ بنت علی کا نکاح ہوا تھا۔
پندرھواں ثبوت۔ فتاویٰ درّ مختار شامی جلد دوم ص۳۴۵ پر بھی فاروق اعظم اور سیدہ بنت علی کے اس نکاح کا ذکر موجود ہے۔
سولھواں ثبوت۔ علامہ الشیخ سعید نے اپنی کتاب الارشاد طبع تہران کے ص۱۶۷ پر لکھا ہے کہ مولیٰ علی رض کی دو بیٹیاں اولادِ فاطمہ الزہرا سے تھیں بڑی بیٹی حضرت زینب کبریٰ رض یہ کربلا میں گئی تھیں۔ چھوٹی بیٹی صغریٰ ام کلثوم رض یہ دونوں سیدزادیاں امام حسن رض و حسین رض کی چھوٹی سگی بہنیں تھیں۔ چونکہ تفضیلی شیعہ صغریٰ ام کلثوم کے نام کا انکار کرتے ہیں کہ صغریٰ نام کی کوئی بیٹی علی مرتضیٰ رض کی نہ تھی، خود شیعہ کتاب سے ثبوت پیش کیا گیا ہے۔
ستارھواں ثبوت۔ کتاب تہذیبُ الاحکام طبع تہران ایران کے ص۳۸۹ پر بھی فاروق و سیدہ بنت علی صغریٰ اُم کلثوم کے نکاح کا ذکر لکھا ہے۔
اٹھارھواں ثبوت۔ حضرت مولانا عبدالحق محدّث دہلوی نے بھی اپنی کتاب مدارج النبوت فارسی جلد دوم ص۴۸۸ پر لکھا ہے کہ فاروق اعظم نے مولیٰ علی شیرِ خدا کو صغریٰ ام کلثوم سے نکاح کرنے کی خواہش کا کا پیغام دیا جس کو علیِ مرتضیٰ نے قبول کر کے نکاح کر دیا تھا۔
انیسواں ثبوت۔ داتا صاحب رح نے اپنی کتاب کشفُ المحجوب فارسی کے باب ۲۹ آداب نکاح و تجرد کے ص۵۶۷ پر پوری تفصیل سے اس نکاح کا ذکر فرمایا ہے کہ فاروقِ اعظم نے مولیٰ علی کے پاس پیغام نکاح بھیجا تو مولیٰ علی نے عمروں کے بہت زیادہ فرق کا عذر پیش کیا تو آپ نے نکاح کرنے کی وجہ بتائی کہ

میری جسمت اور سببیت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس نکاح کے ذریعہ میری جسمیت اور سببیت بھی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جڑ جائے تب مولا علی نے یہ رشتہ قبول کر کے اپنی بیٹی سیدہ ام کلثوم کا نکاح کر دیا، پھر اولاد ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔

بیسواں ثبوت۔ امام جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی شافعی نے بھی اپنی کتاب خصائص کبریٰ جلد دوم ص۲۷۹ پر اس نکاح نسب و سببیت کا ذکر کیا ہے۔

اکیسواں ثبوت۔ بحر الرائق شامی جلد دوم ص۳۲۵ پر ہے۔ فَقُرَيْشٌ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِلْبَعْضِ بِالْحَدِيثِ وَلِهٰذَا لَا تَفَاضُلَ فِيمَا بَيْنَهُمْ مِنَ الْهَاشِمِيِّ وَالنَّوْفَلِيِّ وَالتَّيْمِيِّ وَالْعَدَوِيِّ وَغَيْرِهِمْ وَلِهٰذَا زَوَّجَ عَلِيٌّ وَهُوَ هَاشِمِيٌّ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ فَاطِمَةَ لِعُمَرَ وَهُوَ عَدَوِيٌّ" ترجمہ: پس قریش قبیلے سب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں اس فرمان نبوی سے نتیجہ ملا اس بات کا کہ قبائل قریش کی آپس میں کسی پر کسی کی خاندانی قومی کوئی فضیلت نہیں ہاشمی ہی سے ہو خواہ نوفلی تیمی، عدوی ہو یا ان کے علاوہ دیگر قریشی اسی وجہ سے مولیٰ علی ہاشمی قریشی نے اپنی بیٹی ام کلثوم بنتِ فاطمۃ الزہرا کا نکاح عمر فاروق سے کر دیا حالانکہ وہ عمر عدوی قریشی تھے۔ یہ بات تمام کتبِ فقہ احناف نے کفو کے باب میں لکھی ہے ثابت ہوا کہ فاروقِ اعظم رض اور سیدہ فاطمۃ الزہرا کا نکاح ایک حقیقت واقعہ صادقہ ہے۔

بائیسواں ثبوت:۔ امام علاؤ الدین کاشانی جن کی وفات ۵۸۷ھ میں ہوئی اپنی کتاب بدائع صنائع جلد دوم ص۳۱۹ پر لکھتے ہیں۔ وَلَا تَكُونُ الْعَرَبُ كُفَاءً لِقُرَيْشٍ لِفَضِيلَةِ قُرَيْشٍ عَلَى سَائِرِ الْعَرَبِ وَلِذٰلِكَ اخْتَصَّتِ الْإِمَامَةُ بِهِمْ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ، بِخِلَافِ الْقُرَشِيِّ أَنَّهُ يَصْلُحُ كُفَاءً لِلْهَاشِمِيِّ. وَإِنْ كَانَ لِلْهَاشِمِيِّ مِنَ الْفَضِيلَةِ مَا لَيْسَ لِلْقُرَشِيِّ. لٰكِنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ اعْتِبَارَ تِلْكَ الْفَضِيلَةِ فِي بَابِ النِّكَاحِ عَرَفْنَا ذٰلِكَ بِفِعْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ. فَإِنَّهُ رُوِيَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَوَّجَ ابْنَتَهُ مِنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَكَانَ أُمَوِيًّا لَا هَاشِمِيًّا وَزَوَّجَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ابْنَتَهُ أُمَّ كُلْثُومٍ مِنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَلَمْ يَكُنْ هَاشِمِيًّا بَلْ عَدَوِيًّا. ترجمہ: آخری عبارت کا مولیٰ علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح

کر دیا تھا فاروق اعظم سے حالانکہ حضرت عمر ھاشمی نہ تھے بلکہ عدوی قریشی تھے۔

تیئیسواں[۲۳] ثبوت۔ حضرت اعلیٰ پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب تحقیق حق فی کلمۃ الحق ص۱۵۲ پر لکھا ہے وام کلثوم را بنکاح آورد امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پس پسرے زید نام برائے او بزاد ترجمہ، سیدہ ام کلثوم کو امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے نکاح میں لائے ان کا ایک بیٹا زید پیدا ہوا۔ یہ سب کتاب زبان فارسی میں ہے۔ اس سے پہلے پیر صاحب علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ امیر المومنین مولیٰ علی کے نکاح میں تھیں ان سے صاحبزادوں (حسن وحسین) کے علاوہ، رقیہ، ام کلثوم، زینب متولد ہوئیں رقیہ قبل بلوغت فوت ہوگئیں تھیں۔ زینب سیدہ رض کو عبد اللہ بن جعفر نکاح میں لائے اور وہ اُن کے پاس ہی فوت ہوئیں، پھر لکھا ہے کہ سیدہ ام کلثوم فاروق اعظم نکاح میں لائے۔ فاروق اعظم کی وفات کے بعد عون بن جعفر نے سیدہ سے نکاح کیا۔ عون بن جعفر کی وفات کے بعد محمد بن جعفر کے نکاح میں آئیں ان کی وفات کے بعد عبد اللہ بن جعفر کے نکاح آئیں اور وہیں فوت ہوئیں۔ (از تحقیق حق مصنفہ حضرت اعلیٰ گولڑوی ص۱۵۲) پیر صاحب کے کلام سے ثابت ہوگیا کیا اب بھی کسی کو دم مارنے کی جرأت ہے۔ یا صرف مطلبی عقیدت ہے۔

چوبیسواں ثبوت۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی کتاب شرح کنز الدقائق ص۹۹ پر لکھا ہے وکان علیٌّ زوّج ابنتہ من عمر وکان عدویًا لکنّ کلھم من قریش، فلماذا عبرۃ بفضل بعض بطون قریش علی بعضھا۔ ترجمہ، اور مولیٰ علی نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا تھا عمر فاروق سے حالانکہ وہ عدوی قریشی تھے لیکن یہ تمام مولیٰ علی وشیر خدا وغیرہ قریشی ہی تھے۔ پس اس بات اور عمل سے جان لیا گیا کہ قریش کے کچھ قبیلوں کا کچھ قبیلوں پر فضیلت کا نکاح میں کوئی اعتبار واہمیت نہیں ہے۔

پچیسواں ثبوت۔ علامہ ابن نجیم مصری بھی اپنی کتاب فتاویٰ بحر الرائق جلد سوم ص۱۳۰ پر فاروق اعظم رض کے اس نکاح سیدہ ام کلثوم بنت علی کا ذکر فرماتے ہیں، چنانچہ لکھا ہے۔ وزوّج علیٌّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنتہ ام کلثوم من عمر وکان عدویًا لا ھاشمیًا فاندفع بذالک قول من قال انہ تعتبر الزیادۃ بالخلافۃ حتی لا یکافئ اھل البیت الخلافۃ غیرھم من القریشیین۔ ترجمہ، اور نکاح کر دیا مولیٰ علی رض نے اپنی بیٹی سیدہ ام کلثوم کا فاروق اعظم سے حالانکہ حضرت عمر عدوی تھے نہ کہ

[illegible] زیادتی اس قدر [illegible] عقیدہ بھی باطل اور غلط ہو گیا جو اُس نے بنایا کہ خلافت کی زیادتی فضیلت [illegible] ترتیب میں یہاں تک کہ حضرت علی تھے جو خلافت کی فضیلت [illegible] اہل بیت کے [illegible] جو خلافت والے ہیں یہ تقسیم لغو ہے۔ یہ ایک دراز عبارت [illegible] ہم نے لکھا ہے۔

[illegible] ام کلثوم سے ہونا حقیقت صادقہ واقعہ [illegible] ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھا اپنی دوپہر [illegible] ثبوت فتاوی در مختار و شامی جلد اول ص [illegible] [illegible] رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا۔ قُلْنَا هٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلٰى بَقَاءِ الزَّوْجِيَّةِ [illegible] عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ اِلَّا سَبَبِيْ وَنَسَبِيْ [illegible] الْحَدِيْثَ الَّذِيْ ذَكَرَهُ الشَّارِحُ وَفَسَّرَ بَعْضُهُمْ [illegible] بِالْاِسْلَامِ وَالتَّقْوٰى وَالنَّسَبَ بِالْاِنْتِسَابِ وَلَوْ بِالْمُصَاهَرَةِ وَالرِّضَاعِ [illegible] اَنَّ الْمُرَادَ بِالسَّبَبِ الْقَرَابَةُ السَّبَبِيَّةُ [illegible] وَالْمُصَاهَرَةِ وَبِالنَّسَبِ الْقَرَابَةُ النَّسَبِيَّةُ لِاَنَّ سَبَبِيَّةَ الْاِسْلَامِ وَالتَّقْوٰى لَا تَنْقَطِعُ عَنْ اَحَدٍ فَيَبْقٰى الْخُصُوْصِيَّةُ فِيْ سَبَبِهٖ وَنَسَبِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِهٰذَا قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَتَزَوَّجْتُ اُمَّ كُلْثُوْمِ بِنْتَ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ [illegible] وَاَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰى فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ فَهُوَ مَخْصُوْصٌ بِغَيْرِ نَسَبِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا نَافِعٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ ترجمہ [illegible] نے دلیل بیان کر حل دیا مولیٰ علی نے حضرت فاطمہ کو۔ ہم نے جواب کہا کہ یہ غسل دینے [illegible] روایت اگر صحیح بھی ہو تب بھی خصوصیت پر) محمول ہے زوجیت باقی رہنے کی وجہ سے اس لیے کہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے، ہر سبب ونسب موت سے ختم ہو جاتے ہیں مگر میرا سبب ونسب ختم نہیں ہوتا۔ فتاویٰ شامی میں ہے۔ وہ حدیث جس کا شارح [illegible] نے ذکر کیا کچھ فقہا نے اس کی تفسیر کی ہے کہ سبب سے مراد اسلام و تقویٰ ہے اور نسب سے مراد رشتہ [illegible] اگرچہ سسرالیت یا رضاعت سے ہو۔ لیکن میرے نزدیک زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سبب سے مراد سسرالی رشتہ داری ہے۔ جیسے زوجیت و مصاہرت اور نسب سے مراد نسبی رشتہ [illegible] ہے کیونکہ سببیت اسلام و تقویٰ تو کسی بھی مسلمان کا ختم نہ ہو گا موت سے۔ لہٰذا خصوصیت [illegible]

صرف رشتے داری میں ہی ہو سکتی ہے اسی لیے فاروقِ اعظم نے فرمایا تھا کہ میں نے اُمِ کلثوم بنت علی سے اسی نبوی نسبت قائم کرنے کے لیے نکاح کیا ہے۔ اور لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ قیامت میں کوئی رشتے داری قائم نہ رہے گی۔ یہ فرمان بھی مخصوص ہے نسبِ نبوی کے علاوہ کے لیے نبوی نسب دنیا و آخرت میں نفع دینے والا ہے۔

سیدزادی کے غیر سید حسبی کفو کے ساتھ نکاح جائز ہونے کے عملی دلائل میں، دلیل[27]۔ یہ بات بھی تمام سنی شیعہ کی کتب میں لکھی ہے کہ سیدہ زینب بنت فاطمہ زہرا کا نکاح عبد اللہ بن جعفر طیار قریشی ہاشمی غیر سید سے ہوا یہ مولیٰ علی کے بھتیجے تھے[28] ان ہی سے مولیٰ علی رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کرنا چاہتے تھے مگر پھر ان کا نکاح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ ان دونوں واقعات سے جو خود مولیٰ علی نے انجام دیئے تفضیلی شیعوں کے اس باطل عقیدے کی جڑ کٹ گئی کہ سیدزادی کا بجز سید مرد کے کسی غیر سید سے نکاح جائز نہیں۔ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ان دونوں بیٹیوں کا نکاح کسی مجبوری سے نہ کیا تھا بلکہ تا قیامت یہ مسئلہ اور قانون بتانے کے لیے کیا تھا کہ سیدہ کے لیے اگر اس کی شایانِ شان کوئی معزز متقی گھرانے کا غیر سید مرد کا رشتہ ملے تو فوراً نکاح کر دو شرعاً بالکل جائز ہے۔ دلیل ۹ بحار الانوار جلد دوم صفحہ ۱۰۶ پر ہے کہ سیدہ فاطمہ بنت علی کا نکاح ابو سعید قریشی تیمی سے ہوا تھا۔ ۱۰ اسی کتاب بحار الانوار دوم کے اسی صفحہ ۱۰۶ پر ہے، سیدہ میمونہ بنت علی کا نکاح عبد اللہ بن عقیل سے ہوا۔ سیدہ رقیہ بنتِ علی کا نکاح قبل بلوغت مسلم بن عقیل سے ہوا مگر رخصتی سے پہلے فوت ہو گئیں تھیں اور سیدہ خدیجہ بنتِ مولیٰ علی کا نکاح عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عقیل رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، اور سیدہ نفیسہ رضی اللہ عنہا بنت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا نکاح مِلت بن عبد اللہ بن نوفل بن حرث بن عبد المطلب سے ہوا۔ دلیل ۱۱ علامہ جمال الدین احمد اپنی تالیف شجرہ طیبہ کے صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں کہ ۱۲ سیدہ نفیسہ بنتِ امام حسن بن مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا نکاح عبد اللہ بن زبیر سے ہوا یہ ابن زبیر بھی سید نہیں بلکہ ہاشمی بھی نہیں تھے۔ ۱۳ یہیں صفحہ ۲ پہ ہے کہ سیدہ نفیسہ بنت زید بن امام حسن بن مولیٰ علی کا نکاح ولید بن عبد الملک بن مروان اموی قریشی سے ہوا ۱۴ اور سیدہ اُمِ حسن بنت امام جعفر صادق کا نکاح سلیمان بن علی بن عبد اللہ بن عباس سے ہوا۔ ۱۵ اور سیدہ ام کلثوم بنت عبد اللہ بن امام حسن بن مولیٰ علی کا نکاح اسماعیل بن عبد اللہ بن عباس سے ہوا ۱۶ سیدہ زینب بنت محمد نفسِ ذکیہ بن عبد اللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن کا نکاح محمد بن ابو العباس عبد اللہ

[illegible] سے ہوا جب [illegible] فوت ہو گئے تو ان ہی سیدہ زینب کا نکاح عیسٰی بن علی بن عبد اللہ ابن عباس [illegible] سب مرد قریشی اموی عباسی تھے سید نہ تھے۔ دلیل ۱۸ اسی کتاب [illegible] جمال الدین احمد کے ص۳ پر لکھا ہے کہ سیدہ اُم الحسین بنت امام زین العابدین کا نکاح ابراہیم بن محمد بن علی عباسی غیر سید سے ہوا ۱۹ اور سیدہ اُم موسیٰ بنت امام [illegible] کا نکاح [illegible] بن علی بن عبد اللہ ابن عباس سے ہوا۔ ۱۹ سیدہ ام موسیٰ کی وفات [illegible] کا نکاح اُم موسیٰ کی ہمشیرہ سیدہ فاطمہ بنت امام زین العابدین سے ہوا [illegible] اور سیدہ زینب بنت حسین الاعرج بن امام زین العابدین کا [illegible] عباسی سے ہوا (از شجرہ طیبہ مؤلفہ علامہ جمال الدین احمدؒ) دلیل ۲۱ کتاب [illegible] جلد دوم ص۱۴۳ پر ہے کہ عبد الرحمٰن یار باز عباسی خلفاءِ عباسیہ کی اولاد [illegible] تھے ان کی پہلی بیوی سیدہ محمد شاہ بہرائچی کے خاندان میں سے تھیں اور ان کی دوسری بیوی [illegible] سادات میں سے تھیں ص۱۴۶ پر بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ دلیل ۲۲ علامہ سید تصدق [illegible] نے اپنی کتاب تاریخ و تحقیق ص۲۴۶ اور کتاب عمدۃ المطالب ص۹۹ پر لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ سیدہ بیوہ بنت امام حسین رض کا دوسرا نکاح عبد اللہ بن عمرو بن عثمان ذوالنورین سے ہوا تھا۔ دلیل ۲۳ کتاب آغانی جلد چودھویں ص۱۶۳ اور کتاب روضۃ الاصفیا ص۲۶۲ پر اور کتاب تاریخ و تحقیق اہلبیت ص۲۴۲ پر لکھا ہے کہ سیدہ سکینہ رض بنت امام حسین رض کا پہلا نکاح مصعب بن زبیر بن عوام قریشی اموی سے ہوا تھا جب بیوہ ہو گئیں تو دوسرا نکاح عمرو ابن حکیم بن حزام انصاری سے ہوا تھا پھر بیوہ ہوئیں تو تیسرا نکاح عبد العزیز بن مروان سے ہوا اور تاریخ ابن سعد جلد ہشتم ص۴۷۵ پر ص۴۷۶ پر ہے کہ سیدہ سکینہ بیوہ کا چوتھا نکاح زید بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا اور پھر بیوہ ہوئیں تو پانچواں نکاح ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف قریشی تیمی سے ہوا ان میں سے کوئی بھی سید نہ تھا۔ دلیل ۲۵ علامہ واقدی کی کتاب طبقات کبریٰ جلد ہشتم ص۴۷۸ طبع بیروت میں ہے کہ حسن عسکری ابن امام حسن رض کی چار بیٹیاں تھیں پہلی بیٹی سیدہ زینب کا نکاح ولید بن مروان قریشی اموی سے ہوا۔ دوسری بیٹی سیدہ فاطمہ بنت امام حسن عسکری کا نکاح معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب قریشی ہاشمی غیر سید سے ہوا جب بیوہ ہو گئیں تو ان کا نکاح ایوب بن مسلمہ ابن عبد اللہ بن ولید بن مغیرہ قریشی کلابی سے ہوا ۲۶ تیسری بیٹی سیدہ ملیکہ بنت امام حسن رض عسکری ابن امام حسن رض بن مولیٰ علی رض کا نکاح جعفر بن مصعب بن زبیر قریشی تیمی سے ہوا۔ چوتھی بیٹی سیدہ اُم قاسم رض بنت امام حسن رض عسکری کا نکاح مروان بن ابان بن عثمان غنی سے ہوا یہ بھی قریشی اموی تھے (حوالہ از کتاب انساب العرب مؤلفہ

ابو محمد علی اُندلسی طبع بیروت ص۴۲) ۲۸ اسی کتاب میں یہیں ص۴۲ پر لکھا ہے کہ سیدہ خدیجہ بنت حسین ابن امام حسن بن مولیٰ علی اور ۲۹ سیدہ حمادہ بنت امام حسن عسکری دونوں کا نکاح اسماعیل بن عبدالملک قریشی اُموی سے ہوا۔ دلیل ۳۰ چار مستند و مشہور کتابیں ۱ شجرہ طیبہ مؤلفہ جمال الدین احمد ص۹ ۲ نسب نامہ رسولِ اَنام مرتبہ علامہ مولانا پیر دستگیر ص۱۶۳ ۳ کتاب شیر و شکر مؤلفہ علامہ پیر دستگیر ۴ کتاب تواریخ آئینہ تصوف مصنفہ علامہ شاہ محمد حسن ص۴۷ اِن کتب میں لکھا ہے کہ سیدہ خدیجہ رض بنت امام زین العابدین رض کا نکاح ثابت بن زوطی تابعی امام اعظم ابوحنیفہ کے والد عجمی فارسی النسل سے ہوا ۳۱ اور سیدہ فاطمہ رض سکینہ بنت امام جعفر صادق رض کا نکاح امام اعظم ابوحنیفہ سے ہوا۔ ۳۲ اور سیدہ فاطمہ رض بنت امام موسیٰ رض کاظم بن امام جعفر رض صادق کا نکاح حماد بن امام اعظم عجمی فارسی النسل سے ہوا تھا، ۳۳ اور آئینہ تصوف تواریخ ص۴۸ پر ہے کہ سیدہ بی خاتونِ اکبر بنت سید عبدالرزاق کا نکاح الشاہ عثمان سے ہوا یہ امام اعظم کی اولاد سے تھے (عجمی فارسی النسل) ۳۴ اسی کتاب تواریخ آئینہ تصوف ص۴۷ پر ہے کہ سیدہ ہاجرہ بنت سید محی الدین کا نکاح الشیخ عبدالقادر سے ہوا یہ بھی امام اعظم کی اولاد سے تھے فارسی النسل ۳۵ فتاویٰ درِمختار و شامی جلد اول ص۴۷ پر ہے کہ۔ اَلْاِمَامُ مُحَمَّدُ بنِ حَسَنْ شَيْبَانِي مَوْلُودٌ ۱۳۲ھ وَمُتَوَفّٰی ۱۸۹ھ فِي الرَّيّ مُصَنِّفٌ فِي الْعُلُوْمِ الدِّيْنِيَّةِ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ كِتَابًا وَمِنْ تَلَامِذَتِهِ الشَّافِعِيُّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَتَزَوَّجَ بِاُمِّ الشَّافِعِيِّ وَفَوَّضَ اِلَيْهِ كُتُبَهُ وَمَالَهُ فَبِسَبَبِهِ صَارَ الشَّافِعِيُّ فَقِيْهًا

ترجمہ:۔ امام اعظم کے دوسرے شاگرد امام محمد رح بن حسن شیبانی نے علوم دینیہ میں نو سو ننانوے ۹۹۹ کتابیں لکھیں آپ کی ولادت بھی اور وفات بھی بغداد کے مضافات علاقہ رے میں ہوئی آپ کے شاگردوں میں امام شافعی رض بھی تھے حضرت امام محمد نے امام شافعی کی والدہ سے نکاح کیا تھا اس طرح امام محمد امام شافعی کے سوتیلے باپ بن گئے تھے حالانکہ امام شافعی کی والدہ ہاشمیہ تھیں امام محمد ہاشمی نہ تھے۔ بلکہ امام محمد ابو عبداللہ بن حسن بن فرقد شیبانی عراق کے گاؤں واسط میں پیدا ہوئے کوفے میں پرورش پائی اور خراسان کے علاقہ رے میں وفات ہوئی یہ مضافاتِ ایران ہے رے میں ہی آپ کا مزار ہے عجمی قبیلہ بنی شیبان سے تھے۔ امام محمد نے اپنی ساری کتابیں اور سارا مال امام شافعی کو دے دیا تھا تو ان کتابوں کے سبب سے امام شافعی فقیہِ اعظم بن گئے۔ بعض جہلا کہتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رض کی خاندانی

نیت اور آئمہ اہل بیت نبوی سے کوئی واقفیت نہیں بالکل اجنبیت تھی اور دلیل میں کہتے ہیں کہ امام اعظم کے دشمنوں نے بہت سے امام اعظم کے خلاف امام محمد باقر کو یہ باتیں سنائی ہوئی تھیں کہ ابو حنیفہ کا ایک عالم احادیث کے خلاف اپنی عقل سے مسئلے بناتا ہے پھر جب امام ابو حنیفہ رض ایک مرتبہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور ان کی پہلی ملاقات امام باقر رض سے ہوئی تو بالکل اجنبیوں کی طرح امام باقر رض نے آپ سے فرمایا کہ سنا ہے تم نے میرے جد امجد کے دین و احادیث کو تبدیل کر دیا ہے اس وقت امام ابو حنیفہ نوجوان ہی تھے۔ تب امام ابو حنیفہ نے اس طرح سے امام کی تردید میں ایسے مسکت جواب دیئے کہ امام باقر رض خوش ہو گئے۔ اسی جہالت کی بنا پر تفضیلی جاہل رافضی ان نکاحوں کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ اُجنبیت والی بات بالکل غلط ہے۔ حق سچ بات یہ ہے کہ خاندانِ ابو حنیفہ کا تعلق خاندانِ اہل بیت سے جدی پشتی چلا آرہا ہے چنانچہ فتاوٰی درمختار شامی جلد اول ص۵۹ پر ہے کہ امام ابو حنیفہ کے دادا محترم حضرت زوطی نعمان کی حضرت مولا علی سے بہت اچھی اور گہری ملاقات تھی اور حضرت نعمان زوطی رض مولا علی کی بارگاہ میں تحفہ تحائف اکثر بھیجا کرتے تھے زوطی رض کوفے کے رؤسا میں سے تھے کپڑے کی تجارت تھی ایک مرتبہ عید مہرجان کے موقعہ پر حضرت زوطی رض نے مولا علی رض کے پورے اہلِ دربار کے لیے فالودہ بنا کر بھیجا تھا تاریخوں میں یہ دعوت بہت مشہور ہوئی پھر امام اعظم کے والد حضرت ثابت رض کا بھی حضرت مولا علی رض اور امام حسن رض و حسین رض کی بارگاہوں میں حاضری و ملاقاتیں کثرت سے ہوتی رہیں یہاں تک کہ مولا علی رض نے حضرت ثابت رض کو کئی مرتبہ اپنی دعاؤں کا شرف بخشا اور امام ابو حنیفہ جیسے بیٹے کی بشارت بھی دی اور برکت کی دعائیں بھی دیں یہ واقفیت اور روزمرہ کی ملاقاتیں ہی اس نکاح کا پیش خیمہ ہوئیں کہ امام زین العابدین نے اپنی بیٹی سیدہ خدیجہ سے کر دیا۔ یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ حضرت ثابت کا یہ پہلا نکاح تھا یا دوسرا تیسرا اور امام ابو حنیفہ کس کے بطن سے تھے۔ جس کی بنا پر مشکوک ہو گیا کہ امام ابو حنیفہ امام باقر کے سگے بھانجے تھے یا سوتیلے بہر حال اجنبیت نہ تھی۔ اور امام باقر سے یہ مدنی ملاقات نہ پہلی تھی نہ اجنبی بلکہ دشمنوں کی شکایت سن کر امام باقر نے خود امام ابو حنیفہ کو بلوایا تھا اور شاندار گفتگو ہوئی تھی۔ نیز اُس وقت امام ابو حنیفہ نوجوان نہ تھے بلکہ ۳۵ یا ۳۸ سال کے تھے۔ نوجوانی کے بعد تو آپ نے ایک بزرگ کے مشورے پر علم پڑھنا شروع کیا تھا۔ بہر کیف ان نکاحوں کا انکار محض جہالت اور ضد بازی ہے۔ دلیل ۳۶ سیدہ عظمت خاتون بنت سید سلطان قدسی بخاری

کا نکاح اولادِ امام اعظم سے الشیخ نظام الدین عجمی فارسی سے ہوا ۳۷ سیدہ ہاجرہ بنت سید ابن حسین سادات حسینی کا نکاح اولادِ امام اعظم میں سے الشیخ نصیر الدین ولی اللہ درویش سے ہوا۔ ۳۸ سیدہ بی بی اکبری خاتون بنت مخدوم جہاں گشت سید جلال الدین کا نکاح اولادِ امام اعظم میں سے پیر طریقت شیخ صفی الدین سے ہوا۔ ۳۹ سیدہ حلیمہ بیگم بنت سید عبداللہ بابا ابن سید علی ترمذی کا نکاح اولادِ امام اعظم الشاہ عبدالمجید عجمی فارسی سے ہوا ۴۰ سیدہ نیاز بی بی بنت سید احمد ابن سید قادر علی ابن سید محمد اسحاق بن سید عنایت الدین بن سید محمد بن سید محمود عالم بن سید یوسف بن سید جلال بخاری کا نکاح اولادِ امام اعظم میں سے الشیخ پیر محمد حیات المعروف شیخ کبیر گجراتی سے ہوا۔ اور سید نیاز بی بی کے بطن سے مشہور ولی اللہ اور عالم دین حافظ برخوردار پیدا ہوئے۔ ان تمام نکاحوں کا ذکر تواریخ آئینۂ تصوف ص۴۸۷ و ص۴۸۸ و ص۴۹۲ و ص۴۹۳ پر ہے۔ دلیل ۴۱ اسی کتاب تواریخ آئینۂ تصوف مؤلفہ علامہ الشاہ محمد حسن انصاری ص۴۹۳ پر لکھا ہے کہ، سیدہ قمر النساء بنت سید شفیع احمد برادر سید کبیر الدین شاہ دولہا گجراتی کا نکاح امام اعظم کی اولاد میں سے الشیخ حافظ برخوردار ابن پیر الشیخ محمد حیات سے ہوا ۴۲ آگے لکھتے ہیں ص۴۹۴ پر کہ سیدہ فاطمہ بنت سیدہ احمد آنوالہ والے کا نکاح اولادِ امام اعظم میں سے الشیخ علامہ رحمۃ اللہ ابن حافظ برخوردار سے ہوا۔ اسی ص۴۹۴ پر ہے ۴۳ کہ علامہ الشیخ رحمت اللہ کا نکاح ثانی سیدہ بی بی انور خاتون بنت سید یوسف علی بن سید قمر علی سے ہوا۔ سیدہ انور خاتون آٹھویں پشت میں امام تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتی ہیں دلیل ۴۴ اسی تواریخ کے ص۴۹۵ پر لکھا ہے کہ سیدہ عجیب النساء بنت سید علی شاہ آنوالہ والا کا نکاح اولادِ امام اعظم میں سے الشیخ نعمت اللہ سے ہوا ۴۵ تواریخ آئینہ کے اسی ص۴۹۵ پر ہے کہ سیدہ مریم فاطمہ بنت سید اکبر بن سید زاہد کا نکاح الشاہ محمد حسن انصاری عجمی مصنف تواریخ آئینہ تصوف سے ہوا۔ سیدہ مریم فاطمہ پندرہ پشتوں کے واسطوں سے سید عبدالقادر جیلانی بغدادی غوث پاک سے مل جاتی ہیں ۴۶ ان ہی الشاہ محمد حسن کی دوسری بیوی سیدہ اعجوبہ خاتون بنت سید نصرت علی منصب دار بدخشانی ملقب خان بہادر تھیں، علامہ محمد حسن انصاری عجمی بھی امام اعظم کے ننھال سے تھے دلیل ۴۷ علامہ ابراہیم عبدالغنی اپنی کتاب سیدنا عبدالقادر گیلانی و اولادہٗ کے ص۴۸۹ پر لکھتے ہیں کہ سیدہ زمزم بنت سید سلیمان نقیب

شریف بن سید مصطفیٰ گیلانی کا نکاح عقیل بند قبیلے کے ایک بزرگ معزز عالم دین فقیہ العصر
عمر احمد میاں سے ہوا۔ دلیل ۳ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب
نفحات الانس کے صفحہ پر اور علامہ شیخ عطا محمد نے اپنی کتاب مفتاح الغیب کے صـ۱۲
پر اور علامہ مولوی احمد علی نے اپنی کتاب قصر عارفاں کے صـ۱۶۰ پر لکھا ہے کہ سید بہاؤ الدین
ذکریا ملتانی نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت علامہ فخر الدین عراقی عجمی سے کیا تھا ان ہی فخر الدین
عراقی کا دوسرا نکاح سید نعمت اللہ ہمدانی کی بہن سیدہ حافظہ جمال سے ہوا۔ پہلی بیوی سیدہ
بی بی کے بطن سے شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نواسے پیدا ہوئے
دوسری بیوی کے بطن سے سید نعمت اللہ ہمدانی کے بھانجے شرف الدین بوعلی شاہ قلندر پانی پتی
پیدا ہوئے اور دوسرے لڑکے نظام الدین متولد ہوئے۔ علامہ فخر الدین عراقی نویں پشت میں
امام اعظم سے جا ملتے ہیں۔ یہ بات علامہ فضل الرحمٰن پانی پتی نے اپنی کتاب انوار قلندر کے
صـ۱۸ پر بھی لکھی ہے۔ دلیل ۴۹ علامہ شیخ عطا محمد اپنی کتاب مفتاح الغیب کے صـ۱۳ پر
اور علامہ مولوی احمد علی اپنی کتاب قصر عارفان کے صـ۹۲ پر لکھتے ہیں کہ سید نعمت اللہ کرمانی
نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت پانی پتی کے بھائی نظام الدین عراقی سے کیا تھا یہ انصاری
عجمی قبیلے سے تھے ۵۰ اور علامہ مولوی احمد علی اپنی کتاب قصر عارفاں جلد اوّل صـ۲۴ پر۔
اور علامہ حاجی نجم الدین اپنی کتاب مناقب محبوبین کے صـ۵۷ پر لکھتے ہیں کہ الشیخ نظام
الدین اورنگ آبادی کا نکاح سید صدر الدین ابو الفتح گیسودراز گلبرگہ شریف کی اولاد
میں سے ایک سیدزادی عائشہ سے ہوا ان کے بطن سے مشہور چشتی بزرگ محمد فخر الدین
پیدا ہوئے دلیل ۵۱ عاشق الٰہی میرٹھی نے اپنی کتاب تذکرۃ الخلیل کے صـ۱۴ پر لکھا
ہے کہ سیدہ محفوظ بی بی بنت سید نظام الدین بن سید محمد باقر بن شاہ ابو المعالی کا
نکاح الشیخ غلام محمد انصاری سہارنپوری سے ہوا یہ غلام محمد اکتسویں پشت میں حضرت
ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتے ہیں۔ دلیل ۵۲ کتاب ازالۃ الخفا جلد
اوّل صـ۱ پر لکھا ہے کہ شیخ عبدالرحیم محدث دہلوی عجمی کا نکاح ایک کاظمی سیدزادی سے
ہوا جن کے بطن سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پیدا ہوئے۔ دلیل
۵۳ کتاب استاذ العلما مؤلفہ علامہ حبیب الرحمٰن شیروانی صـ۵ و صـ۶ پر لکھا ہے کہ مفتی لطف اللہ
جو استاد تھے پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ان کے والد انصاری تھے عبید اللہ

بن جراح انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے لیکن مفتی لطف اللہ کی والدہ سیدزادی تھیں ۵۴ اسی کتاب کے ص۴۷ پر لکھا ہے کہ مفتی لطف اللہ انصاری جراحی کا نکاح انڈیا یوپی کے شہر جلیسر میں سید رونق بخاری کی بڑی بیٹی سیدہ جمیلہ سے ہوئی۔ دلیل ۵۵ علامہ پیر غلام دستگیر نے اپنی کتاب تاریخ بزرگانِ لاہور، طبع نوری بکڈپو لاہور کے ص۲۲۱ پر لکھا ہے کہ سیدہ بی بی حاج بنتِ سید احمد توختہ ترمذی حسینی سید لاہوری کا نکاح شہزادہ بہاؤ الدین محمد بن سلطان قطب الدین محمد والیِ مکران سے ہوا یہ شہزادہ بہاؤ الدین محمد الشیخ ابوالحسن ھنکاری قریشی عدوی کی اولاد سے تھے ہم نے مسئلہ کفو اور سیدزادی کے غیر سید مرد سے نکاح کے جواز پر مسلکِ حنفی کو بیس قولی دلائل اور پچپن ۵۵ عملی دلائل سے ثابت کر دیا مسلکِ حنفی کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا بھر کی تمام مسلمان عورتوں کے لیے قرآن و حدیث کا ایک ہی قانونِ نکاح ہے۔ اس قانونِ نکاح میں سید اور غیر سید سب عورتیں شامل ہیں۔ قانونِ نکاح یہ ہے کہ ہر عورت کا نکاح نسبی حسبی کفو کے مرد کے ساتھ کیا جائے کفو نسبی یہ ہے کہ خاوند بیوی کا قوم قبیلہ ایک جیسا ہو۔ قوم قبیلہ آبائی خونی رشتے اور آبائی پیشے سے بنتا ہے۔ اس نسبی کفو میں مرد کی قومیت عورت کی قومیت سے نیچی نہیں ہونی چاہیئے یا برابر ہو یا اونچی ہو۔ نسبی اعتبار سے دنیا کی کوئی قوم بھی سادات سے بلند نہیں ہو سکتی لہٰذا صرف نسبت کو دیکھتے ہوئے صرف قریشی قبائل ہی سادات کے نسبی کفو ہیں۔ ان کے علاوہ دنیا کی کوئی قوم بھی دنیوی اعتبار سے کتنی ہی بلند و معظم ہو سادات کے برابر نہیں ہو سکتی لہٰذا سیدزادی کا کفو بھی نہیں ہو سکتی خواہ چوہدری ہوں یا مغل پٹھان یا شہزادہ ہو یا سلطان اس لیے کہ یہ سادات آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں۔ اور وہ ہیں عینِ نور ان کا سب گھرانہ نور کا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نعیمی بدایونی فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر سید کی حیثیت بھی محفوظ رہے تو وہ عام فرشتوں سے بھی افضل ہے کیونکہ حسبی نسبی سید عرش کا نور ہے زمین کا یاقوت ہے، حسبی کفو یہ ہے کہ عورت و مرد مسلمان ہوں نیک اور متقی شرافت و دیانت والے ہوں، علم و فقہ اور عقل والے ہوں، معاشرے میں معزز و معظم صاحبِ حیثیت صحیح العقیدہ اور وجاہت و وقار والے اہلِ سنت ہوں۔ اگر مرد میں یہ تمام صفات قائم ہوں تو کسی بھی اونچی ذات کا ہو سیدزادی کا کفو ہے اور ایسے غیر سید مرد

ہے سیدزادی کا نکاح شرعاً جائز ہے۔ کیونکہ سید حضرات نبی کریم کا نسب ہیں۔ اور نیک متقی عالم حضور مکرم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حسب ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نسب بھی تا قیامت قائم اور حسب بھی اور آخرت میں حسب بھی ابدی باقی اور نسب بھی۔ حسب کا ہی دوسرا نام سبب ہے۔ طرزِ قرآنی و ترتیبِ حدیث سے ثابت ہے کہ حسب کا درجہ و فضیلت نسب سے بھی زیادہ ہے لہٰذا فاسق مرد دنیوی اعتبار سے کتنا ہی بڑا اور بلند ہو متقیہ نیک خاندان مسلمان عورت کا کفو نہیں ہو سکتا اسی قانون بنیاد پر مسلکِ ائمہ ثلاثہ متفقہ ہے کہ فاسق فاجر سید مرد نیک متقیہ اور شرافت و دیانت والے سید اہل سنت خاندان کا کفو نہیں ہے۔ لیکن غیر سید متقی نیک سنی سیدزادی کا کفو ہے۔ مسلکِ حنفی میں لیکن حسبی کفو مرد کے ساتھ نکاح کرنے میں عاقلہ بالغہ لڑکی خود مختار ہے ولی کی اجازت و رضا ضروری نہیں۔ لیکن صرف حسبی کفو میں نکاح کے لیے ولی قریبی کی اجازت شرطِ لازمی ہے اگر ولیِ اقرب راضی نہ ہو تو نکاح باطل ہے بذریعہ عدالت تنسیخ و باطل کرا سکتا ہے۔ فقہاءِ احناف فرماتے ہیں کہ نیک خاندان والی سنی سیدزادیاں لعل و گہر ہیں كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ہیں۔ یہ علم و عقل شرافت دیانت وجاہت کرامت کے تاجِ شاہی میں تو تزویج و پیوست کیا جا سکتا ہے مگر فسق و فجور اور بدعقیدگی والے سیدوں کی گندی کیچڑ میں پھینکنا جائز نہیں۔ اسلام نے نکاح میں مرد کی شرافت دیانت وجاہت کرامت کی شرط اور پابندی لازمی کر کے مسلمان عورت کی جان و شان عزت و آبرو کی حفاظت فرمائی ہے لہٰذا سیدزادی کا نکاح غیر سید مومن مسلمان شریف کریم مرد معزز سے باجازتِ ولی قریبی کرنے میں سیدزادی کی ذلت نہیں بلکہ یہی عزت اور سچی مودتِ فی القربیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانۂ نبوی و فاروقی سے لے کر آج تک سید والدین اپنی سیدہ بیٹیوں کا نکاح غیر سید علماء اولیا فقہا سے برضاء و رغبت کرتے چلے آرہے ہیں جس کا عملی ثبوت کثیر تعداد میں ہم نے پیش کر دیا۔ پوچھو اُن تلبیسِ ابلیس میں جکڑے ہوئے تفضیلی رافضی شیعوں سے جو بے دلیل و بے ثبوت بکتے اور لکھتے پھرتے ہیں دنیا میں کتابوں کو آخرت میں اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرتے پھرتے ہیں کہ سیدزادی کا نکاح کسی بھی غیر سید سے جائز نہیں حرام اور باطل ہے اگرچہ ولی راضی خوش ہو پوچھو اِن جہلا سے کہ یہ اتنے کثیر نکاح جن کا ہم نے دلائلِ علیہ میں باحوالہ ذکر کیا ہے کیا سب

باطل تھے اور معاذ اللہ جو اولاد اُن نکاحوں سے ہوئی جن سے بڑے بڑے اولیا فقہاء دیانت و شرافت پھیلانے والے متولد ہوئی وہ سب باطل نکاحوں کی اولاد تھی، ہمارے اس سوال کا بجز ضد بازی کے اور کیا جواب ہو سکتا ہے اور ضد ہمیشہ جہالت کی حماقت سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دنیا و آخرت میں جہالت و حماقت سے بچائے آمین یا ربّ العالمین۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ اعلم۔

مفتیانِ گولڑہ شریف کے فتووں کا مکمل و مدلّل تردیدی جواب

اس استفتا کے ساتھ ہمارے پاس الکبیر ۱۶ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ بھیجا گیا جس میں تیئیس ۲۳ سوالاً جواباً تحریریں ہیں جن کو فتویٰ کا نام دیا گیا ہے۔ اس کتابچے کا نام وعنوان۔ تعارفِ مفتیانِ گولڑہ شریف ہے اس کتابچے کی دو تحریروں کے علاوہ باقی تحریریں اتنی کمزور اور عامیانہ ہیں کہ مفتیءِ اسلام ہونا تو علم و فقہ کی بہت بڑی سند ہے عام مولوی بھی سمجھ جاتا ہے کہ یہ تحریریں محض غالی تبرّائی شیعوں کی ترجمانی ہے۔ کیونکہ یہ تحریریں قرآن و اسلام کے سراسر خلاف ہیں ان تحریروں کو گولڑہ شریف جیسے علمی آستانے اور مرکزِ شریعت کی طرف وابستہ کرنا فقط گولڑہ شریف کا نام چمکانے کے لیے ہے ان مضمون نگاروں کی بے عقلیوں پر حیرت ہے کہ سب سے پہلا فتویٰ حضرت اعلیٰ قبلہ گولڑوی علیہ الرحمۃ کا لکھا ہے جو سراسر اِن بقایا مضامین وَ اہلِ مضامین کے خلاف ہے اور بالکل مسلکِ حنفی و احادیث مبارکہ کے مطابق ہے، چنانچہ اس کتابچہ کے صٓ پر استفتا یعنی سوال کی عبارت میں صاف لکھا ہے کہ غَیْرُ مُسْتَرْضٍ مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْوُلَاۃِ الْقَرِیْبَۃِ اَوِ الْبَعِیْدَۃِ هَلْ یَجُوْزُ هٰذَا النِّکَاحُ اَمْ لَا۔ اور مذکور اس پورے سوال کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے، کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ مسمّی محمد خان ساکن ملہوٹ نے مولوی عبدالحق ساکن ملہوٹ کے حسبِ حکم و اجازت ایک سیدہ ہاشمیہ فاطمیہ سے نکاح کیا ہے اور کسی قریبی و بعیدی وَلی کی رضامندی اس پر نہیں۔ کیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں اس کا جواب پیر صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ نے بزبان فارسی یہ دیا کہ نکاحِ مذکور جائز نیست صاف ظاہر ہے کہ یہ ناجائز ہونا فقط اس لیے ہے کہ سیّد زادی لڑکی کے والی وارث ناراض تھے اور اگر وَلیِ قریبی راضی ہوتا تو پیر صاحب کا فتویٰ یہ عدمِ جواز کا نہ ہوتا۔ یہی مسلکِ حنفی ہے

اور احادیث سے ثابت نہیں پیر صاحب نے اپنے دلائل میں صرف مسلکِ حنفی کو ہی ثابت نہ فرمایا بلکہ مسلک کی شان بھی ظاہر فرما دی۔ کیونکہ رضاءِ ولی کی اہمیت و ضرورت کو اجاگر فرمایا اور بتایا کہ رضاءِ ولی کیوں ضروری ہے۔ بغیر رضا نکاح کر لینا دل آزاریِ ولی ہے۔ اور سید کی دل آزاری بہت ہی بڑا ظلم و جرم ہے۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں جو ہم نے اس فتوے میں سے ثابت کیا ہے۔ لیکن ولی کی کسی مجبوری کی بنا پر خود ولی کی رضا سے غیر سید کا سیدزادی سے نکاح کر لینے میں کوئی دل آزاری نہیں بلکہ جب سید عالی جناب صاحب شایانِ شان رشتہ دیکھ کر غیر سید سے اپنی بیٹی کا خود نکاح کر دے تو اس میں جھوٹے محبِ اہل بیت بن کر رکاوٹ ڈالنا یا اپنی ضدّی جہالت سے مسئلہ باطل کہنا زیادہ دل آزاری ہے۔ اور اس نکاح کو باطل کہنے والے زیادہ بڑے جہنمی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے۔ پیر صاحب کا اپنے فتوے میں آگے یہ لکھنا کہ ہزارہا دل بوجہ ہتک حرمتِ اہل بیت رنجیدہ و شکستہ خواہند بود۔ ترجمہ: ہزاروں دل اہل بیت کی بے حرمتی بے عزتی کی وجہ سے رنجیدہ و شکستہ ہوں گے کیونکہ ولی کو ناراض کیا بغیر اجازت اس کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ اس ظلم جبر کو جو مسلمان سنے گا وہ بھی برا کہے گا۔ اس طرح ہزاروں دل مجروح مغموم ہوں گے۔ رہا یہ مطلب ہے کہ اگر اس طرح کا جبریہ نکاح کا رواج چل پڑا تو ہزاروں سیدزادیوں کے ہزاروں سید والدین کے دل رنجیدہ ہوں گے۔ ایک جاہل تفضیلی شیعہ نے اس کا یہ مطلب نکالا کہ ایک سیدزادی کے غیر سید سے نکاح کرنے کے لیے ساری دنیا کے سیدوں کو راضی کرنا پڑے گا۔ گویا کہ ایک سید والدین ایک بیٹی کے نکاح کے لیے پوری دنیا کا چکر لگائے۔ کیا ظالمانہ عقیدہ ہے۔ اور پھر بھی حُبِّ اہل بیت کا دعویٰ ہے۔ پیر صاحب نے درِّ مختار کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ متونِ فقہ مملو اند و مشحون از عدمِ ایں چنیں نکاح لِعَدَمِ كِفَاءَةِ الْعَجَمِيِّ لَا يَكُوْنُ كُفُوًا لِلْعَرَبِيَّةِ وَ لَوْ كَانَ عَالِمًا اَوْ سُلْطَانًا وَ هُوَ الْاَصَحُّ ۔ ترجمہ: فقہ کے متن لکھے ہوئے ہیں اس طرح کے نکاح کے نہ ہونے پر اس وجہ سے کہ عجمی مرد عربی عورت کا کفو نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ عجمی عالم ہو یا بادشاہ۔ اس مسئلے میں فقہا کا اختلاف ہے مگر مسلکِ حنفی میں یہی صحیح مسئلہ ہے اس عبارت میں ایں چنیں کے لفظ نے بتا دیا کہ صرف وہ نکاح غلط ہو گا جس میں ولی ناراض ہو۔ کیونکہ سوال ایسے ہی نکاح کا پوچھا گیا ہے نہ کہ ہر غیر نسبی کفو والے نکاح کا۔ اور جب کسی لڑکی کا ولی راضی نہ ہو تو فقہی ضابطے کے مطابق نہ غیر کفو عالم کفو بن سکتا ہے نہ غیر کفو بادشاہ

ہاں البتہ اگر والد یا دادا اپنی صحیح سچی سمجھ و عقل سے کسی مصلحت و اچھائی کی بنا پر اس غیر کفو کو اپنی بیٹی کے لیے پسند کر لیتا ہے تو وہ ہی شخص حسبی کفو بن جائے گا۔ درمختار کی اس عبارت میں تمام عربی عجمی کا ذکر ہے نہ کہ فقط سیدزادی کا۔ اور جب ولی نے اپنی رضا نہ بتائی اور نکاح کو غلط قرار دیا تب اس ناراضگی و بطلان کے بعد جو وطی ہو گی وہ ناجائز ہو گی...... اظہارِ ناراضگی سے پہلے والی وطی صحبت زنی نہ ہو گی اسی لیے حضرت علیہ الرحمۃ نے۔ پس درصورت مسطورہ کی قید لگا دی۔ بہرکیف یہ فتوای تفضیلی شیعہ کے خلاف ہے۔ اسی لیے ان پیش کنندہ شیعوں کو چنداں مفید نہیں۔ اس کتابچے کے ص۱۴ پر دوسرا فتوای بقلم محمد بخش مولوی غلام محمد کی تحریر ہے جس کا سوال گول مول ہے رضاءِ ولی یا ناراضگی کا ذکر نہیں مگر جواب بالکل پیر صاحب علیہ الرحمۃ کے فتوے کی نقل ہے لہٰذا یہ تحریر مجہول ہونے کی بنا پر ناکارہ ہے۔ اسی کتابچے کے ص۱۶ پر سجادہ نشین گولڑہ شریف کی ایک عبارت درج ہے اس میں بھی رضاءِ ولی کی وضاحت نہیں ہے اور نہ ہی وہ تحریر بقول اُن کے شرعی فتوای ہے۔ خیال رہے کہ سیدزادی کی عزت کا مسئلہ صرف والدین والی وارثین کا حق ہے وہ اپنے خداداد حق کو ہر طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ کسی غیر ولی کو تڑپنے پھڑکنے کی ضرورت نہیں لہٰذا کوئی بھی شخص نئی شریعت بنا کر دین یا محبتِ سادات کا جھوٹا ٹھیکیدار بننے کی کوشش نہ کرے۔ یہاں تک کہ غیر ولی سید بھی ولی سید کی مخالفت کا حق نہیں رکھتا۔ ص۱۱ پر کسی مولوی محبت النبی صاحب کا تین سطری مضمون ہے۔ جو علمی اعتبار سے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ اُن کی ذاتی دخل اندازی ہے اور شریعت میں رائے زنی حرام ہے۔ ص۱۱ پر ایک سوالیہ استفتاء ہے۔ کہ ایک عورت اپنی لڑکی کی شادی کسی اُمتی یعنی غیر سید سے کرنا چاہتی ہے لڑکا چوہدری خاندان سے ہے تو کیا سیدہ کا نکاح غیر سید چوہدری سے جائز ہے یا نہیں۔ اس کا جواب بھی مولوی محبُّ النبی صاحب نے تین سطروں میں سادات اور اُس سائلہ سید زادی کی گستاخی کرتے ہوئے غیر اخلاقی لفظ استعمال کئے اور نہ کوئی دلیل نہ حوالہ نہ ثبوت گویا تمام شریعت کا ٹھیکہ اُنہوں نے ہی اٹھا رکھا ہے۔ اگر کوئی اہلِ علم و عقل اس کا جواب دیتا تو سب سے پہلے وہ عالمِ دین اس سیدہ کے والد یا دادا کے متعلق پوچھتا کہ وہ کہاں ہیں اُن کی رضا ہے یا نہیں ہے اگر وہ دنیا میں نہ ہوتے تب والدہ سے غیر سید سے نکاح کرنے کی وجہ اور

مجبوری پیش جاتی، پھر یہ دیکھا جاتا کہ وہ چوہدری لڑکا خود اور خاندانی اعتبار سے نیک پاک متقی شریف اور دین و دیانت کو سمجھنے اور سیدزادی کی قدر و منزلت پہچاننے والا اور معاشرے میں باعزت باوقار ہے یا نہیں۔ اگر ہر اعتبار سے والدہ صاحبہ اختیار ہوتی اور لڑکا شرعی معیار پر سیدزادی کا ہمسر کفو بن سکتا تب بفرمانِ قرآن و حدیث نکاح کے جواز کا فتویٰ دیدیا جاتا ورنہ عدمِ اختیار کی بنا پر والدہ کو نکاح سے روک دیا جاتا، اور یہ عدم جواز کی رکاوٹ تو فاسق و بدعقیدہ سید لڑکے کے ساتھ نکاح کرنے پر بھی لگتی ہے۔ بہرکیف ایک محقق مفتی و اسلام میں فرقہ کے غلط اور اندھے فتوے جاری نہیں کر سکتا، نیز یہ بھی خیال رہے کہ سید اور غیر سید میں اُمتی اور غیر اُمتی یا امتی اور سید یا مومن اور مسلمان سے تفریق ڈالنی بھی تبرائی شیعوں کی ایجاد ہے، ہر سید بھی اُمتی ہے، جو سید اپنے آپ کو امتی نہ سمجھے وہ اسلام سے خارج ہے اس لیے یہ تفریق و اصطلاح شرعاً گناہِ عظیم اور تلبیسِ ابلیس ہے، تفریق صرف سید اور غیر سید کے لفظ سے کی جائے۔ پس محبّ النبی صاحب کا یہ مضمون بے تحقیق و جلد بازی و جذباتی ہے۔ اس کو اسلامی فتویٰ نہیں کہا جا سکتا ص۱۸ پر محمود شاہ صاحب ہزاروی کی کتاب کے بارے میں ان کے چند مریدوں کا استفتاء ہے ص۱۹ پر اُس کا جواب بھی اُن ہی مولوی محبّ النبی صاحب نے دیا ہے اور کتاب و صاحبِ کتاب کی خوب ثناگوئی کی گئی ہے۔ میری نظر سے چونکہ وہ کتاب نہیں گزری لہٰذا میں اُس ثناگوئی پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا اگر ٹھیک ہے تو فبہا اور اگر غلط ہے تو دروغ برگردنِ راوی۔ ثناگوئی کے اس آٹھ سطری مضمون کی درمیانی دو سطروں میں سیدہ کے غیر سید سے نکاح کو مطلقاً ناجائز قرار دیا ہے اور دلیل میں صرف امامِ اعظم کا نام استعمال کیا ہے، یہ ان مولوی صاحب کی غلط بیانی ہے امامِ اعظم کا یہ مسلک نہیں ہے اور ہو بھی کس طرح سکتا ہے بھلا امام اعظم بناتُ النبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بناتِ علی کرّم اللہ وجہہ اور بناتِ امام زین العابدین اور خود اپنے اس نکاح اور تمام اُن نکاحوں کے خلاف کیسے مسلک بنا سکتے ہیں جو غیر سیدوں سے ہوئے محبّ النبی صاحب کی یہ سب تحریریں شیعہ رفض کی ترجمانی ہیں اور شیعہ نوازی ہیں۔ اِس پورے کتابچے کے تمام سوالات و جوابات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پوچھنے والے بھی جاہل شیعہ لوگ ہیں اور جواب دینے والے بھی اگر رافضی شیعہ نہیں تو شیعہ رافضی نواز ضرور ہیں۔ کیونکہ سوالات میں اکثر شیعوں کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ یعنی اُمتی اور سید

بلکہ شیعوں میں سے یہ مراثیوں کی ایجاد ہے جس کو اب رافضی شیعوں نے اپنا لیا ہے۔ ان شیعہ سائلین کا صرف گولڑے شریف ہی اس طرح کے سوالات استفسارات و استفتا بھیجنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ سائلین جانتے تھے کہ شیعہ نوازی اور روافض کی ترجمانی صرف گولڑے شریف میں اب قابض و براجمان مفتی و مولوی صاحبان ہی کر سکتے ہیں کوئی مخلص و محقق سنی عالم و فقیہ نہیں کر سکتا اس کتابچے کو دیکھنے کے بعد اہل سنت عوام گولڑے شریف پر قابض ان مولویوں سے محتاط ہو گئے ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰالِكَ۔ ص۲۲ و ص۲۳ پر مولوی محمود شاہ گولڑوی کا دو صفحاتی مضمون ہے (جس میں اپنے شیعہ مسلک کو بچانے کے لیے تین حنفی کتب کے حوالے اور عربی عبارتیں لکھی ہیں ۱۔ در مختار مگر اس عبارت کی شرح شامی دوم ص۳۲۳ میں موجود ہے کہ ولی کی رضا کے بغیر غیر سید واقعی غیر سید زادی کا کفو نہیں لیکن ولی کی رضا سے کفو بن جاتا ہے۔ ہم نے یہ تمام عبارات اپنی قولی دلیل ۱۸ میں باوضاحت لکھ دی ہیں ۲۔ یہ مولوی محمود شاہ اپنے مضمون میں فتاویٰ ھندیہ کا حوالہ دیتا ہے یعنی فتاویٰ عالمگیری کا اور بددیانتی سے تھوڑی سی عبارت بتا کر لکھتا ہے۔ وَفِي الْهِنْدِيَةِ وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ اَيِ الْعَالِمُ لَا يَكُوْنُ كُفُوًا لِلْعَلَوِيَةِ۔ حالانکہ فتاویٰ ھندیہ (عالمگیری) جلد اول ص۲۹۰ بَابُ الْخَامِسِ فِي الْاَكْفَاءِ میں صاف لکھا ہے کہ قَالُوْا اَلْحَسِيْبُ كُفُوٌ لِلنَّسِيْبِ حَتّٰى اَنَّ الْفَقِيْهَ يَكُوْنُ كُفُوًا لِلْعَلَوِيَةِ ذَكَرَهٗ قَاضِيْ خَان۔ وَالْعَتَابِيُّ فِيْ جَوَامِعِ الْفِقْهِ۔ وَفِي الْيَنَابِيْعِ وَالْعَالِمُ كُفُوٌ لِلْعَرَبِيَّةِ وَالْعَلَوِيَةِ وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ لَا يَكُوْنُ كُفُوًا لِلْعَلَوِيَةِ كَذَا فِيْ غَايَةِ السَّرُوْجِيِّ۔ ترجمہ: تمام فقہاءِ عظام نے متفقہ فرمایا ہے کہ حسبیت کفو بن جاتی ہے نسبیت کی حتیٰ کہ بے شک عالم فقیہ یعنی بڑا معظم عالم کفو ہوتا ہے علوی لڑکی کا ایسا ہی قاضی خان نے فرمایا اور امام عتابی نے اپنے جوامع الفقہ میں فرمایا۔ اور لیکن ینابیع میں دو قول نقل کئے پہلا یہ کہ عالم مرد عربیہ اور علویہ کا کفو ہے۔ اور دوسرا یہ کہ عالم مرد علویہ کا کفو نہیں۔ صرف ینابیع کے نزدیک صحیح یہ قول ہے کہ عالم مرد علویہ کا کفو نہیں ہے۔ یہ ہے مکمل عبارت مگر اس مولوی محمود شاہ نے اپنی ناسمجھی یا خیانت عمدی سے صرف ینابیع کا مسلک لکھ دیا اور سمجھا کہ شاید یہ عالمگیری ھندیہ کا مسلک ہے پہلی سب عبارت حنفی مسلک والی چھوڑ دی۔ حالانکہ قاضی خان ان سب میں بڑے فقیہ ہیں ینابیع ایک غیر معروف کتاب ہے۔ ایسی خیانتوں سے باطل و بے دینی

یہ مسئلہ ... نے اپنی کتاب حسب نسب جلد سوم ص۱۰۹ پر لکھا ہے کہ قالُوا کا اشارہ ضعف کی طرف ہوتا ہے ... ص۵۳۹ کا نام لیتا ہے۔ حالانکہ فتاوی ... صرف قیل ... تعریض کہا گیا ہے نہ کہ قالُوا کو یہ مصنف کی خیانت وملاوٹ ہے۔ قالُوا ... اور کثرت مسئلے کی مضبوطی پر ثبوت ہے۔ قیلَ وغیرہ ... واللہ اعلم آتا ہے۔ کیونکہ یہ صیغے فعل مجہول کے ہیں ... جیسا کہ یہ مسئلہ قیلَ سے پہنچا ہو۔ لیکن اگر یہی مسئلہ ... قال ... سے پہنچا ہو تو آپ کے لیے یہ مسئلہ مضبوط وقوی ہوگا اور اس کے ... مضبوط قابل قبول ہوگا۔ فقہ کا یہ مشہور قانون ہے۔ قالُوا کو ضعیف کہنا جہالت ہے ... گولڑوی کی تیسری عبارت کبیری کی ہے مگر وہ اس مسئلہ سے غیر متعلق ہے محمود شاہ نے توڑ موڑ اور پھیر پھار کر زید پر کیچڑ اچھالنے کی ناپاک حرکت کی ہے۔ ص۳۲ پر بھی مولوی محب النبی صاحب کا ڈیڑھ سطری مضمون ہے۔ اس کا سوال یہ تھا کہ ایک سید آدمی کہتا ہے کہ میری سوتیلی ماں بیوہ غیر سیدہ نے میری سیدہ سگی بیٹی کا نکاح خفیہ میری مرضی کے خلاف کسی غیر سید سے کر دیا کیا یہ نکاح جائز ہے اس کا شرعی جواب یہی ہے کہ یہ نکاح باطل وغلط قابل تنسیخ ہے۔ مگر اتنا مختصر لکھنا فتویٰ نہیں ہے ص۳۲ پر مولوی گولڑوی محمود شاہ کا قطعًا غلط اور ناکارہ خلاف مسلکِ حنفی مضمون لکھا ہے۔ اور دلیل میں وہی ہیرا پھیری کر کے درِّمختار کی عبارت پیش کی گئی ہے جس کا جواب ہم نے اپنی قولی دلیل ۱۸ میں وضاحت سے دیدیا ہے۔ اس مضمون میں آیت کریمہ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ کا ترجمہ کرتا ہے۔ یعنی میں نے تم کو قبیلہ قبیلہ قوم قوم بنایا ہے تاکہ تم آپس میں اپنی اپنی قوم میں قومی برتاویں کیا کرو جیسا کہ رشتے داری وغیرہ۔ یہ معنی کرنا انتہائی جاہلانہ بددیانتی ہے آیت کے کسی لفظ کا یہ ترجمہ نہیں ہے۔ آگے لکھتا ہے کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ یہ آیت احکامِ اُخروی میں ہے۔ یعنی دنیا میں تقوے اور نیک بننے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات بالکل شیعہ جہلا والی ہے۔ یہ ترجمہ بھی غلط اور یہ تفسیر بھی بے علمی بے عقلی والی ہے۔ خیال رہے کہ مومن مسلمان کا ہر کام ہی دنیا سے متعلق ہے آخرت صرف جزا کے لیے ہے یعنی دنیا میں متقی بنو اپنے نسبوں پر غرور مت کرو حسبیت نہیں تو نسبیت نفع نہ دے گی۔ اسی لیے

آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی نسبیت کا ذکر فرمایا تو پہلے حسبیت کی پابندی لگا دی۔ اگر علبیت کو دیکھا جائے تو اِنَّ اَکْرَمَکُمْ (الخ) کا تعلق دنیا سے ہی ہے۔ اور اگر جزا کو دیکھا جائے تو اِلَّا حَسَبِیْ وَنَسَبِیْ یا اِلَّا سَبَبِیْ وَنَسَبِیْ کا تعلق بھی آخرت سے ہے نہ کہ دنیا سے تو پھر تم تفضیلی رافضی دنیا میں فضیلتِ سادات کے لیے یہ حدیثِ پاک کیوں پڑھتے پیش کرتے ہو جب کہ اِس حدیث میں تو یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کے الفاظ صراحتًا موجود بھی ہیں۔ مگر آیتِ پاک میں تو یہ الفاظ موجود ہی نہیں ہیں پھر تم اس آیت کو صرف احکامِ اُخروی میں کیوں شمار کرتے ہو۔ کیا آیت میں جاہلانہ مطلب پرستی جائز ہے۔ نا معلوم کس شخص نے اس ناسمجھ مولوی کو گوڑے شریف جیسے آستانۂ مرکزِ علم ودانش کا مفتی بنا دیا۔ آگے لکھا ہے ھٰکَذَا فِی الْکُتُبِ۔ یعنی میرا یہ غلط ترجمہ وغلط تقریر ایسی ہی کتابوں میں لکھی ہے۔ چنانچہ پتہ نہیں وہ کونسی جاہلانہ کتابیں ہیں جن کا نام مخفی رکھا۔ اسی کتابچہ کے ص۳۱ سے ص۴۳ تک مولوی فیض احمد صاحب کا ایک مضمون درج ہے مگر وہی ناسمجھیاں اور کمزوریاں جس نے اس مضمون کو قابلِ تردید بنا دیا۔ مفتیانِ گولڑہ شریف بے چاروں کو نہ تو عربی عبارتوں کی سمجھ آتی ہے نہ علمِ اصولِ فتوٰی سے واقفیت ہے نہ ہی مفتیٔ اسلام کی ذمہ داریوں کو جانتے ہیں۔ مولوی فیض احمد صاحب نے اپنے اس مضمون میں تین کتابوں کے حوالے پیش کئے ہیں ۱ بہارِ شریعت جلد دوم ص۲۵ یہ عبارت ہم نے بھی پیش کی ہے یہ متنازعہ نہیں ہے۔ واقعی کفائت نکاح میں معتبر ہے مگر صرف سید زادی کے لیے بلکہ ہر مسلمان خاتون کے لیے ہے اور صرف نسبی کفائت نہیں بلکہ سببی اور حسبی کفایت نسبی سے بھی زیادہ اشد ضروری اُسی لیے فاسق وبدعقیدہ سید مرد کسی نیک خوش عقیدہ سیدہ کا کفو نہیں کیونکہ بدکرداری سے کفائت ختم ہو جاتی ہے اور بدعقیدگی سے اہلیت ہی ختم ہو جاتی ہے بدعقیدہ شخص سید ہی نہیں رہتا۔ جیسے کہ سر سید علی گڑھی نیچری یعنی منکرِ جنت دوزخ اور منکرِ ملائکہ ۲ درِ مختار کا حوالہ یہ بھی متنازعہ نہیں اور ہم نے بھی اپنے قولی دلائل میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے تو تھوڑا سا صرف اپنے مطلب کی عبارت پیش کر دی ہے آگے پیچھے سے توڑ کر مگر ہم نے پوری عبارت مع شرح شامی کی عبارت جس نے درِ مختار کی اس عبارت کا صحیح مقصد بیان کیا دیکھو ہماری قولی دلیل ۱۸ ہم نے اسی عبارت سے ثابت کیا ہے کہ ہر سیدہ کا نکاح ہر قریشی مرد صالح سے جائز ہے۔ جب کہ مولوی فیض احمد صاحب نے

بدعقیدگی، خیانت، جہالت کہ کبھی سادات کو قریش سے علاوہ غیر کفو مانا ہے اپنی اس بدعقیدگی پر کوئی صاف، واضح صریح عبارت النص کی دلیل پیش نہ کر سکے یہ ان کی خیانت یا جہالت اور شیعہ خیانت ہے کہ اسی صفحہ میں تیسرا حوالہ عالمگیری جلد دوم سے پیش کیا۔ حالانکہ یہ پیش کردہ عبارت جلد اوّل صفحہ پر ہے کہ عالم مرد کفو نہیں ہے علویہ عورت کا۔ یہ عالمگیری یا حنفی فقہا کا مسلک نہیں ہے یہ عقیدہ صرف شیعہ کا ہے کہ الاصح اَنَّهٗ لَا یَکُوْنُ کُفُوًا لِلْعَلَوِیَّةِ۔ ترجمہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ عالم مرد کفو نہیں ہے علویہ عورت کا یہ عالمگیری یا حنفی فقہاء کا مسلک نہیں ہے یہ عقیدہ صرف شیعہ کا ہے اور صرف ان کے اپنے نظریئے میں عالم مرد علویہ کا کفو نہیں ہے۔ اصطلاح فقہائے کرام میں اَلْاَصَحُّ سے ذاتی عقیدہ مراد لیا جاتا ہے۔ عمومی اور اکثری مذہب و مسلک کا الفاظ اَلْمُخْتَارُ، بِهٖ یُفْتٰی، عَلَیْهِ الْاِعْتِمَادُ کے الفاظ ارشاد ہوتے ہیں لفظ اَصَحُّ عِنْدِیْ یا عِنْدَنَا چند افراد کے لیے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ درِّ مختار شامی جلد اوّل صفحہ ۲۹ پر ہے اَنَّهٗ یُفْتٰی بِقَوْلِ الْاِمَامِ عَلَی الْاِطْلَاقِ ثُمَّ بِقَوْلِ الثَّانِیْ ثُمَّ بِقَوْلِ الثَّالِثِ ثُمَّ بِقَوْلِ زُفَرَ وَالْحَسَنِ بْنِ زِیَادٍ۔ یعنی اگر کسی مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ احناف کے چند اختلافی اقوال کتب میں موجود ہوں۔ اس طرح کہ امام اعظم کا بھی امام ابو یوسف کا بھی امام محمد و زفر و حسن بن زیاد کا بھی تو مفتیٔ اسلام پر واجب ہے کہ امام اعظم کے قول پر ہی فتویٰ جاری کرے مطلقاً کسی بارے میں بھی ہو۔ اگر امام اعظم کا قول نہ ملے تو امام یوسف کے قول پر وہ نہ ملے تو امام محمد ورنہ امام زفر یا حسن بن زیاد کے قول پر فتویٰ جاری کرے شامی صفحہ ۶۱ پر ہے۔ فَاِنِ اخْتَلَفُوْا یُؤْخَذُ بِقَوْلِ الْاَکْثَرِیْنَ ثُمَّ۔ اَلْاَکْثَرِیْنَ مِمَّا اعْتَمَدَ عَلَیْهِ الْکِبَارُ الْمَعْرُوْفُوْنَ مِنْهُمْ۔ اور درِّ مختار میں صفحہ ۶۲ پر ہے۔

مَتٰی کَانَ فِی الْمَسْئَلَةِ قَوْلَانِ مُصَحَّحَانِ جَازَ الْقَضَاءُ وَالْاِفْتَاءُ بِاَحَدِهِمَا وَفِیْ اَوَّلِ الْمُضْمَرَاتِ اَمَّا الْعَلَامَاتُ لِلْاِفْتَاءِ فَقَوْلُهٗ وَعَلَیْهِ الْفَتْوٰی وَبِهٖ یُفْتٰی وَبِهٖ نَاْخُذُ وَعَلَیْهِ الْاِعْتِمَادُ وَبِهٖ عَمَلُ الْیَوْمِ وَعَلَیْهِ عَمَلُ الْاُمَّةِ وَهُوَ الصَّحِیْحُ اَوِ الْاَصَحُّ اَوِ الْاَظْهَرُ اَوِ الْاَشْبَهُ اَوِ الْاَوْجَهُ اَوِ الْمُخْتَارُ وَنَحْوُهَا (الخ) وَبَعْضُ الْاَلْفَاظِ آکَدُ مِنْ بَعْضٍ فَلَفْظُ الْفَتْوٰی آکَدُ لَفْظِ الصَّحِیْحِ وَالْاَصَحِّ وَالْاَشْبَهِ۔ فتاویٰ شامی اوّل صفحہ ۶۷ پر ہے۔ لِاَنَّ مُقَابِلَ الصَّحِیْحِ اَوِ الْاَصَحِّ وَنَحْوِهٖ وَقَدْ یَکُوْنُ هُوَ الْمُفْتٰی بِهٖ لِکَوْنِهٖ هُوَ الْاَحْوَطُ وَالْاَرْفَقُ بِالنَّاسِ

اَوِ الْمُوَافِقُ لِنَفَامُلِھِمْ۔ ترجمہ: تمام عبارتوں کا اگر کسی مسئلے میں فقہاءِ عظام اختلاف کرتے ہیں تو اکثریت کا قول مانا جائے گا پھر اکثریت میں بھی اُن فقہا کا جن پر بڑے اور مشہور اہلِ فتویٰ بزرگ اعتماد کرتے ہوں اُن اکثر میں سے۔ دُرِمختار میں ہے۔ جب کسی مسئلے میں دو قول ہوں اور دونوں کو اپنی اپنی کتاب میں صحیح کہا گیا ہو تو جائز ہے ہمیشہ ان دونوں میں سے فقط ایک پر فتویٰ جاری کرنا اور صحیح کہے جانے کے معرات یعنی فقہی اصطلاحی الفاظ میں سے اوّل پر فتویٰ دیا جائے۔ لیکن اُن اصطلاحی الفاظ کی علامتیں فتویٰ دینے کے لیے یہ یاد رکھنی چاہئیں۔ پہلا لفظ وَعَلَیْہِ الْفَتْوٰی دوم وَبِہٖ یُفْتٰی۔ سوم وَبِہٖ نَاخُذُ چہارم وَعَلَیْہِ الْاِعْتِمَادُ پنجم وَبِہٖ عَمَلُ الْیَوْمِ ششم وَعَلَیْہِ عَمَلُ الْاُمَّۃِ ہفتم وَھُوَ الصَّحِیْحُ ہشتم وَھُوَ الْاَصَحُّ نہم اَوِ الْاَظْھَرُ۔ دھم اَلْاَشْبَہُ یازدھم اَلْاَوْجَہُ ۱۲ اَلْمُخْتَارُ۔ اور ان کی مثل دالخ) قابلِ قبول مقبول الفاظِ اصطلاحی میں ترتیبی درجہ سے اَلْاَصَحُّ آٹھویں درجہ پر ہے۔ مگر مفتیانِ گولڑہ اسی پر پھولے سمارہے ہیں حالانکہ ہم نے پہلے اپنے دلائل میں ان ہی کتب سے ثابت کر دیا ہے کہ فتویٰ اور اعتماد و اعتبار اس قول پر ہے کہ عالم متقی غیر سیدّ مرد سیدّزادی کا کفو ہے اِن مُفتابِہ اقوال کے ہوتے ہوئے صرف تبا بیع کے نزدیک اس مُفتابِہ

کے خلاف کسی دوسرے قول کو وَ اَصَحُّ کہہ دینا غلط اور قابلِ تردید ہے

اسی لیے دُرِّمختار کی اگلی عبارت میں صاف ارشاد ہے کہ۔ اِن مندرجہ بالا اصطلاحی لفظوں میں بعض لفظ بعض سے زیادہ مؤکّد و مضبوط ہیں۔ پس لفظِ فتویٰ زیادہ مؤکّدہ و مضبوط ہے لفظِ صحیح اور اَصَحُّ اور اَشْبَہُ سے عبارتِ شامی کا ترجمہ۔ یہ مُسلّم ہے کہ اعتبار و اعتماد وَ لفظِ فتویٰ وغیرہ۔ صحیحٌ اور اَلْاَصَحُّ وغیرہ کے مقابل ہے۔ اور بے شک علما فقہا کے نزدیک فتویٰ اُن ہی مؤکّد و مضبوط اقوال پر دیا جاتا ہے نہ کہ صحیح اور اَصَحُّ کے قولوں پر ہی زیادہ احتیاط والا فتویٰ ہوتا ہے۔ اور لوگوں پر زیادہ آسانیاں کرنے والا اور لوگوں کے معاملات میں زیادہ موافقت کرنے والا۔ یعنی مضبوط اقوال پر فتویٰ جاری کرنا سیدّزادیوں وغیرہ کو حالاتِ زمانہ اور خاندانی ظلم سے بچانا۔ گولڑے شریف کے ان مفتیوں نے یہ اصولِ فتویٰ و ذمہ داری نہ جانی نہ سمجھی اور لگے اندھے فتوے لکھنے اور ایسے کمزور و غلط فتووں سے آستانہ شریف کو بدنام کرنے کا سبب بنے۔ مولوی فیض احمد

صاحب اپنے فتویٰ میں عبدالوہاب شعرانی کی کتاب کشف الغمۃ جلد دوم کی عبارت لکھتے
ہیں کہ: اِنَّ آلَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُکَافِئُھُمْ فِی النِّکَاحِ اَحَدٌ مِّنَ الْخَلْقِ
علامہ ابن حجر عسقلانی مصری کی کتاب صواعق محرقہ کی عبارت لکھتے ہیں کہ فَلَا یُکَافِئُ
شَرِیْفَۃً غَیْرُ شَرِیْفٍ۔ ترجمہ: اور آلِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کا نکاح میں کوئی کفو نہیں ہے۔ ترجمہ صواعق محرقہ: پس نہیں کفو ہو سکتا شریفہ
لڑکی کا غیر شریف لڑکا۔ پہلی عبارت ہمیں کشف الغمۃ میں نہیں ملی ہو سکتا ہے بعد میں
کسی نے ملاوٹ کر دی ہو۔ اگر ہو بھی تب بھی یہ دونوں عبارتیں ناقابلِ قبول اور قابلِ تردید ہیں
دو وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ مفتیانِ گولڑہ شریف اپنے کو حنفی کہتے ہیں اور فتوے مانگنے
والے بھی احناف ہیں جبکہ عبدالوہاب شعرانی حنبلی تھے اور ابو الفضل شہاب الدین احمد
ابن حجر عسقلانی قاہری مصری شافعی مذہب تھے تو حنفی مفتی کو جائز نہیں کہ اپنے مسلک
کے خلاف فتویٰ جاری کرے۔ مولوی فیض احمد صاحب نے مقلد ہونے کی وجہ سے
یہ فتویٰ لکھ کر دو جرم کئے۔ ایک جرم یہ کہ فتاویٰ عالمگیری میں سے فَالْکُفُوْ والے اکثری
مسلک اور درمختار و شامی کے مُفتا بِہٖ قول کو چھوڑ کر فتاویٰ عالمگیری سے
ہی یا بیع کے اَمَّہٗ والے مرجوع قول کو ترجیح دی، دوسرا جرم یہ کہ حنفی مسلک چھوڑ کر
شافعی و حنبلی کتب سے عبارات لکھ کر فتویٰ جاری کیا یہ دونوں جرم ہیں چنانچہ فتاویٰ
درمختار جلد اول ص۱۹ پر ہے۔ وَاَنَّ الْحُکْمَ وَالْفُتْیَا بِالْقَوْلِ الْمَرْجُوْعِ جَھْلٌ
وَّخَرْقٌ لِلْاِجْمَاعِ۔ جرم دوم۔ وَاَنَّ الرُّجُوْعَ عَنِ التَّقْلِیْدِ بَعْدَ الْعَمَلِ بَاطِلٌ
اِتِّفَاقًا وَھُوَ الْمُخْتَارُ فِی الْمَذْھَبِ۔ ترجمہ: بے شک مرجوح قول پر فتویٰ
اور حکم جاری کرنا جہالت ہے اور تقلید سے ہٹ کر فتویٰ دینا عملی مقلد بننے کے بعد تمام فقہا
کے نزدیک باطل ہے یہی بات مذہب میں مختار ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ علامہ شعرانی اور
علامہ ابن حجر حنبلی اور شافعی مقلد ہیں اور اُنکی فقہ حنبلی و شافعی سے ہم نے پہلے اپنے قولی دلائل
میں ثابت کر دیا ہے کہ حنبلی و شافعی مسلک میں نسبی کفو کا بالکل اعتبار نہیں ہے اِن کے
مسلک میں تو صرف حسبی کفو یعنی علم و عقل دین و دیانت ہی اصل کفو ہے، پھر اِن
مقلدین کا یہ عبارتیں لکھنا اور سادات کے لیے نسبی کفو پر زور دینا دینی علم کو نیچا
سمجھنا یہ ان دونوں علاموں کا اپنے مذہب سے انحراف ہے اور یہ شرعی جرم ہے

جیسا کہ ابھی ہم نے مندرجہ بالا سطور میں فتاوی درِ مختار و شامی کی متفقہ آئمہ اربعہ کا ضابطہ تقلید و افتا پیش کیا۔ تیسری وجہ یہ کہ یہ دونوں بزرگ فقیہ نہیں نہ ان کی یہ کتب، کتبِ فقہ میں شمار یا مُسلّم شریف بلکہ یہ محدث اور مورخ اور صوفی ہیں۔ ان کی یہ کتب بھی صوفیانہ ہیں، جب کہ فتویٰ دینے کے لیے کتبِ فقہ سے دلائل دینے واجب ہیں، تو کتبِ فقہ کو چھوڑ کر مولوی فیض احمد صاحب کا ادھر اُدھر ہاتھ چلانا اُن کی فقہی بصیرت کی کمزوری پر دال ہے۔ چوتھی وجہ کہ یہ عبارتیں بذاتِ خود بھی ناکارۂ استدلال ہیں، اس لیے کہ شعرانی صاحب نے تو آلِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطلقاً مطلقاً کفو کی نفی کر دی کہ سیّد کا کوئی بھی کفو نہیں نہ خود آل آل کی کفو نہ غیر آل لہٰذا یہ مجہول عبارت قابلِ اعتماد و استدلال نہیں، اور ابن حجر صاحب کی عبارت میں ہے کہ شریفہ لڑکی کا کفو غیر شریف ہاشمی بھی نہیں، اگر یہ لفظ شرافت سے ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی نیک شریف لڑکی کا کفو غیر شریف فاسق و فاجر ہاشمی مرد بھی نہیں ہو سکتا، جیسا ہم نے پہلے اپنے دلائلِ قولی میں عبارتِ کتبِ فقہ سے ثابت کر دیا کہ فاسق مرد نیک خاندان کی لڑکی کا کفو نہیں ہے اگرچہ ہم قوم ہو، دونوں کا نسب ایک ہو فتویٰ لکھنے کے لیے اتنی دقیق بصارت و بصیرت کی ضرورت ہے فتویٰ لکھنا بچوں کا کھیل نہیں، اور اگر لفظ شریف سیادت سے ہے تو یہ اصطلاح بذاتِ خود مجہول ہے نہ یہ اہلِ عرب کی اصطلاح ہے نہ عجم کی، عرب میں ہر سردار کو شریف کہتے ہیں مسلم ہو یا کافر۔ بلکہ فی زمانہ گورنر کو شریف کہتے ہیں چنانچہ گورنرِ مکہ کو شریفِ مکہ کہا جاتا ہے اور اب بھی کہا جاتا ہے اور عجم میں ہندوستانی لوگ سیّد کو میاں صاحب کہتے ہیں اور پنجاب پاکستان میں سیّد کو شاہ کہتے ہیں جب کہ یو پی بھارت میں الشاہ بزرگ سلمان کو اور صرف شاہ دولت مند کو اگرچہ ہندو ہو۔ اور عام اصطلاحِ عالم میں شریف صرف نیک مرد کو اور شریفہ نیک عورت کو ایک پھل کا نام بھی شریفہ ہے۔ تو ایسا مشترکُ المعانی لفظ سے شرعی استدلال پکڑنا کارِ حمقاں است۔ مولوی فیض احمد صاحب نے درِ مختار کی عبارت لکھی ہے وَیُفْتیٰ فِیْ غَیْرِہٖ لکُفُوْءٍ بِعَدَمِ الْجَوَازِ اَصْلاً (الخ) یہاں پوری عبارت نہیں لکھی یہ اُن کی خیانت ہے ہم نے اپنے قولی دلائل میں اس کی پوری عبارت وضاحت کے ساتھ کر دی ہے، نیز یہ عبارت صرف سیّدزادی کے لیے نہیں بلکہ ہر مسلمان لڑکی کے لیے اور اس کے خاندان کے لیے شریعتِ اسلامیہ کا ضابطہ کلیہ ہے۔ مولوی فیض احمد آگے دو کتابوں کے حوالے دیتے ہیں ملا رشفۃ الصاوی طبع مصر ص٤٢ اور م٢ نجبتہ المسترشدین مصری۔ حالانکہ یہ دونوں

تاہیں صرف تبرائی رافضی شیعوں کی تصنیف ہیں، ان کے حوالے پیش کرنے سے ثابت ہو رہا ہے کہ مولوی فیض احمد بھی بریدہ رافضی شیعہ ہیں، نیز یہ عبارت مسلکِ آئمہ اربعہ کے قطعاً خلاف ہے۔ اسی کتابچے کے صفحہ ۲۴ پر طحاوی سطری فتویٰ ان ہی فیض صاحب کا ہے وہ بھی بالکل [illegible] اور خلاف قرآن و حدیث اور خلاف مسلکِ آئمہ اربعہ ہے بالکل شیعہ نوازی، اسی صفحہ ۳۴ پر ایک فقیہانہ سطری مضمون ہے۔ لکھتے ہیں کہ اگر سیدہ کے ورثاء بطیبِ خاطر کسی غیر سید سے نکاح کر دیں اور سیدہ (لڑکی سیدہ) خود بھی رضامند ہو تو بعض علماء اس نکاح کو جائز کہتے ہیں اور محققین علماء اور اکثر ساداتِ عظام اس نکاح کو ناجائز قرار دیتے ہیں تفصیل کے لئے کتاب جامع البرکات مصنفہ محمد شاہ محدث ہزارہ ملاحظہ کریں۔ مولوی فیض احمد صاحب کا یہ کہنا کہ بعض علماء جائز کہتے ہیں، یہ کذبِ بیانی یا نادانی ہے بلکہ اکثر فقہاءِ عظام جائز کہتے ہیں اور صرف تفضیلی رافضی ناجائز کہتے ہیں جو محقق تو درکنار یہ چاروں کو تحقیق کا ہی پتہ نہیں ہے کہ تحقیق کیا چیز ہوتی ہے اور جامع البرکات الکتاب اس میں بجز شیعہ کتب کے حوالوں کے یا فقہا کے نظریات کو توڑ موڑ کتر و بیونت کر کے پیش کرنے کے اور کچھ نہیں۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کا مکمل مظاہرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی کتابوں اور مفتیانِ گولڑہ شریف کی ایسی شیعہ نوازیوں سے مسلمانوں کو بچائے آمین۔

صفحہ ۳۶ پر ایک غلط اور لغو مضمون کو فتویٰ قرار دیا گیا ہے۔ اور فتاویٰ مہریہ کا فتویٰ تو خود مولوی فیض احمد صاحب کے بھی خلاف ہے صفحہ ۴۲ پر بھی مولوی فیض احمد صاحب نے کشف الغمہ کی عبارت پیش کر کے غلط فتویٰ دیا اور ہدایہ شریف کی عبارت کا جان بوجھ کر غلط ترجمہ کر کے اپنی مطلب پرستی کی ہے۔ ہدایہ میں لَا يُزَوِّجْنَ اِلَّا مِنَ الْاَكْفَاءِ ہے اس کا اصل ترجمہ ہے کہ کوئی عورت خود اپنا نکاح غیر کفو میں نہ کرے بغیر رضاءِ ولی۔ مگر مولوی فیض احمد اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ عورتوں کا نکاح غیر کفو میں نہ کیا جائے۔ اب اس غلط ترجمہ کو نادانی کہا جائے یا بددیانتی خیانت کہا جائے۔ اسی طرح درِ مختار کی عبارت میں توڑ پھوڑ کر کے مطلب پرستی کی گئی ہے اس کی صحیح مکمل عبارت متن اور شرح کے ساتھ ہم نے اپنے قولی دلائل میں لکھ دی ہے صفحہ ۴۲ پر مولوی فیض احمد ایک مقولہ لکھتے ہیں۔ اَلشَّيْخُ فِىْ قَوْمِهٖ كَالنَّبِىِّ فِىْ اُمَّتِهٖ۔ قانونِ شریعت کے مطابق یہ مقولہ کفریہ ہے جو اس بات کا برابری والا عقیدہ رکھے گا نعوذ وہ مرتد ہو جائے گا۔ اس فتوے میں

اور بھی بہت گھبراہٹیں ہیں۔ مثلاً پہلے مضمونوں میں تو اسی بات پر اصرار و ضد اور ہٹ دھرمی ہے کہ کسی صورت بھی سید زادی کا غیر سید مرد سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ مگر یہاں لکھتے ہیں کہ ہاں اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَب کی بنا پر جہاں خود پیر کے حکم سے کبھی ایسا ہوا وہ مستثنیٰ ہے یعنی کیا عجیب بازی ہے کہ جس نکاح کو ابھی پہلے باطل حرام اور ص۴۱ پر زنا کہا ہے وہ پیر کے حکم سے جائز ہو گیا۔ آگے لکھا ہے ص۴۳ پر ہے کہ جو شیعہ ضروریاتِ دین پر یقین رکھتے ہوئے صحابہ کرام کو سب و شتم (گالی گلوچ تبرا بازی) جائز سمجھتے ہوں وہ ظالم اور بدعتی ہے اُن سے سنی مسلمان کو رشتہ کرنا مناسب نہیں۔ اس مولوی فیض احمد نے شیعہ رافضی لوگوں کے لیے کتنے نرم پیار بھرے لفظ استعمال کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مولوی خود بھی شیعہ ہے۔ یعنی سنی عالم غیر سید سے سیدہ کا نکاح تو باطل حرام اور صحبت صحبتِ زنا (معاذ اللہ) لیکن تبرائی شیعہ صرف بدعتی ہے ان سے رشتہ کرنا مناسب نہیں۔ حالانکہ اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ صدیق و فاروق کو تبرا کرنے والا بدترین کافر نہ سمجھنے والا خود کافر ہے۔ اس کے ص۴۵ پر عجیب اُوٹ پٹانگ باتیں لکھی ہیں، کبھی خود ہی ایک چیز کو مطلقاً ناجائز کہہ دیتے ہیں پھر خود ہی قیدیں لگا کر جائز کہہ دیتے ہیں یہ فتویٰ نویسی نہیں بلکہ شریعت سے من مرضی کا کھیل کیا گیا ہے ص۴۶ پر مولوی فیض صاحب نے تین کتابوں کے صرف نام سے حوالہ دئے ہیں ۱۔ احیاءُ الْاَدَب ۲۔ نعمۃ مسترشدین ۳۔ جامعُ البرکات۔ حالانکہ ان تینوں کتب میں علی الترتیب تبرائی و تفضیلی شیعہ عبارات ہیں ص۴۶ پر بناتُ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح کے بارے میں لاجواب ہو کر اور گھبرا کر جواب لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان وغیرہ سے نکاح حسبِ وحیِ الٰہی تھا اُس پر قیاس درست نہیں نیز اُس وقت سب اَقربا راضی تھے۔ اور اب بوجہ کثرتِ سادات کرام سب کی رضا معلوم کرنا متعذر ہے لہٰذا قرونِ اولیٰ کا معاملہ مستثنیٰ ہے بہرحال قائلینِ عدمِ جواز کو برا کہنا سخت مذموم ہے۔ کیونکہ مسائل اجتہادیہ میں ہر صاحب علم و بصیرت کو کتاب و سنت کی روشنی میں رائے کا شرعی حق حاصل ہے جس پر اعتراض جہالت ہے۔ یہ چھ سطری عبارت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ انتہائی نادان بچے کے ہاتھ میں قلم پکڑا دیا گیا ہے۔ اس میں چھ غلطیاں ہیں ۱۔ بناتِ پاک کے نکاح کو وحیِ الٰہی سے کہنا کذب بیانی ہے کہیں ثبوت نہیں ۲۔ سیدہ کے نکاح کے لیے سب اَقربا کو راضی

کرتا نظر آتا ہے اور شیطانی تخریب کاری نہ پہلے اس کا ثبوت ہے نہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی بنات کے نکاح کے بعد گھر گھر ہر قرابت دار کو راضی کیا نہ اس کی ضرورت ہے بات بیت تفضیل شیعوں نے ایجاد کیا ہے ص۳ یہ مستثنیٰ کرنے کا قاعدہ بھی جُہلا و شیعہ کا بنایا ہوا ہے یعنی سیدہ کا نکاح غیر سید سے حرام باطل زنا ہے مگر پیر کہے تو مستثنیٰ [illegible] مستثنیٰ ہو کر جائز تھے۔ یہ سب شیطانی وسوسے ہیں ص۴ آگے [illegible] لکھتے ہیں کہ سیدہ کا غیر سید سے نکاح کو جو نا جائز کہتے ہیں [illegible] مقدم ہے یعنی چھوٹے کو چھوٹا نہ کہا جائے ص۵ لکھتے ہیں کہ اجتہادی مسائل میں ہر صاحب علم کو رائے کا حق حاصل ہے۔ یہ بھی جاہلانہ بات ہے۔ فقہاءِ عظام فرماتے ہیں کہ مقلد کو اجتہادی مسائل میں قطعاً اپنی رائے زنی کا حق حاصل نہیں۔ اگر ہر شخص کو یہ حق دیا جائے تو اسی طرح ہر مسئلے میں گمراہی پھیلے گی جس طرح کفو کے مسئلے میں ان تفضیلی شیعوں نے گمراہی پھیلائی ہے ص۶ لکھتے ہیں ہر شخص کی رائے کے حق پر اعتراض کرنا جہالت ہے میں کہتا ہوں کہ اعتراض کرنا جہالت نہیں بلکہ اعتراض نہ کرنا ابلیسی خرافات کا دروازہ کھولنا ہے بلکہ صرف اعتراض ہی نہ کرو ایسے شر پسند عناصر کے قلم چھین لو اور تقریری تحریری طریقے سے ان کے سارے تخریب کاری دینی فساد فی الارض کے منصوبے خاک میں ملا دیئے جائیں۔ فیض احمد صاحب آگے لکھتے ہیں کہ حسبِ حدیثِ صحیح فاطمہ سیدہ کو دیگر دخترانِ طیبہ پر فضیلت حاصل ہے بالکل غلط ہے۔ فاطمہ زہرہ اُس حدیثِ مقدّسہ کی بنا پر تمام اُمّت کی عورتوں کی سردار ہیں سب پر فضیلت ہے مگر ازواج اور اپنی بڑی ہمشیرگان سے افضل نہیں ازواجِ مطہرات کی تمام امت پر فضیلت ہے فاطمہ زہرہ پر بھی اور باقی بناتُ النبی و اہلِ بیت النبی پر بھی اور بڑی دختران علی الترتیب بلحاظ عمر درجہ بدرجہ افضل ہیں جب عمر میں چوتھے نمبر ہیں تو فضیلت میں بھی چوتھے نمبر پر ہیں یہی مسلکِ اہلِ سنّت ہے جو اس مسلک کے خلاف ہے وہ شیعہ رافضی ہے فیض احمد صاحب نے یہاں یہ بات مسلکِ اہلِ سنّت کے خلاف لکھ کر اپنی شیعیت یا شیعہ نوازی و ترجمانی کا اشارہ دیا ہے ص۴۸ پر بھی بے دلیل خود ساختہ عقیدہ لکھا گیا ہے اور اس کتابچے میں جگہ جگہ غیر نبی کے لیے علیہ السّلام کا لفظ لکھا گیا ہے یہ بھی شیعہ نشانی ہے ص۵ پر بھی مولوی فیض احمد صاحب غیر متعلقہ و غیر متنازعہ باتوں سے خانہ پُری کرتے

ہیں، جن کا فتوئے حنفی سے کوئی تعلق نہیں اور تفضیلی شیعوں کی فضیلتِ اہلِ بیعت کو کفو کا معیار بناتے ہیں حالانکہ تمام فقہا فرماتے ہیں کہ کفو اور نکاح کے باب میں کسی ہاشمی سید کو کسی قریشی پر فضیلت نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے قولی دلائل میں ثابت کر دیا ہے ایک جگہ ذریت اور ابنیت کا فرق کرتے ہیں مگر جو دلیل لکھتے ہیں وہ نادانی سے اپنے ہی موقف کے خلاف لکھ جاتے ہیں ۵۱ پر ابن حجر کی عبارت فتاوا کبریٰ سے پیش کرتے ہیں مگر ہم نے پہلے بتا دیا کہ ابن حجر شافعی کا قول بے دلیل احناف کو مفید و مستدل نہیں ہو سکتا، حنفی کو اِدھر اُدھر ہاتھ مارنا ہی منع ہے۔ ص۵۲ پر اپنے مضمون میں کوئی دلیل نہیں صرف اکثر محققین کا نام بار بار لیتے ہیں اور جب پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے وہ اکثر محققین کس کونے میں بیٹھے ہیں تو اشارہ کتاب جامع البرکات کی طرف کر دیتے ہیں ص۵۳ سے ص۵۵ تک محمود ہزاروی صاحب کا سہارا پکڑا گیا ہے۔ ص۵۶ پر حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ مدلل وَمحقق بزبانِ عربی منقول ہے، مجھے حیرانگی ہے کہ ان تفضیلی شیعوں نے مفتیانِ گولڑہ شریف کے ساتھ یہ دونوں فتوے کیوں نقل کر دئے یہ دونوں فتوے ابتدا میں پیر صاحب علیہ الرحمۃ کا فتویٰ اور آخر میں یہ شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کا فتویٰ۔ ان مفتیانِ گولڑہ شریف اور شیعانِ حویلیاں وَمفتیانِ گولڑہ شریف کے خلاف ہے، خواجہ سیالوی کا فتویٰ اُس سے بھی زیادہ مسلکِ حنفی اور ہماری تائید میں ہے۔ خواجہ صاحب رضہ نے نسبتِ روحانیہ وجسمانیہ کا ذکر فرما کر تمام صحابہ کرام تمام اولیاء علما فقہا شرفا، اتقیا کو سادات کا کفو ثابت فرما دیا، اور تمام کفار فساق کو اہلیت وکفائت سے خارج کر دیا اگرچہ سید ہی فاسق و بدکار ہو۔ یہی حنفی موقف ہے۔ اسی کتابچہ کے آخری صفحات ص۶۴ سے ص۷۰ تک ایک انتہائی غلط اور لغو تبرائی شیعوں کا مضمون منقول ہے جو روزنامہ رسالہ اخبار ذو الفقار لکھنو سے ماخوذ ہے اس مضمون کی نسبت خواجہ حسن نظامی دہلوی کی طرف کی گئی اور عنوان باندھا ہے۔

عدمِ جوازِ نکاحِ سیدہ با غیر سید۔ قرآن کی روشنی میں۔ کذابیت کی حد ہے کہ دعویٰ ہے قرآن کی روشنی میں عدمِ جواز۔ مگر پورے مضمون میں ایک آیت بھی اس موقف پر نہیں لکھی گئی اور لکھتے کیسے جب کہ کوئی آیت اس موقفِ کفو پر ہے ہی نہیں نہ کوئی حدیث نہ فقہِ اہل سنت کی کوئی عبارت، بعض جگہ عربی عبارت کا جاہلانہ ترجمہ۔ بعض جگہ بناوٹی عربی عبارات کو حدیثِ رسول کہا گیا ہے۔ مگر کسی کتاب کا نام نہیں لکھا غالی شیعہ کتب میں

۵ تبرائی کتابچہ کا ذکر کیا ہے ما فراتی مث۲ تہذیب الاحکام۔ اگر یہ واقعی حسن نظامی دہلوی
کا ہے تو معاملہ بیان ہے کہ حسن نظامی دہلوی غالی تبرائی رافضی شیعہ تھا۔ اس لقب سے اس
کی حضرت رو ضہ ... عاجز ہو تا بھاگ جائے گا کیونکہ شیطان ہر وقت ساتھ ہے کیا خبر کوئی
... مرتد ہو جائے ... میں رافضی تبرائی شیعوں کا لقب مکمل ہے اس مضمون کی تبرائی
رافضی ... امام جعفر صادق کی عبارت عربی لکھی ہے۔ لَا تُزَوِّجُوْهُمْ
... (الخ) ان کا ترجمہ لکھتا ہے یعنی نہ نکاح کرو اے
مومنو اپنی عورتیں ... مومنوں کے ساتھ کیونکہ عورت اختیار کر لیتی ہے دین اپنے شوہر
کا ... لکھتا ہے ... مسلم بھی ہے جو مسلم ہے وہ ضروری نہیں مومن بھی ہو۔ ان
دونوں عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ لکھنے والا تبرائی شیعہ ہے اس کو مسلمانوں سے کوئی
تعلق نہیں کیونکہ یہ رافضی اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں اہلِ سنت کو مومن نہیں مانتے یہ ان کی ذاتی
اصطلاح ہے یہاں اپنی بات بنانے کے لیے امام جعفر صادق رضی کی عبارت کا ترجمہ بھی غلط
کرتا ہے امام کی عبارت میں مومن و مسلم کا کوئی لفظ یا تعلق نہیں۔ مث۶ پر عجیب احمقانہ خلاف
عقل کو اسلام تانہ بانہ بنا گیا ہے جس کے حرف حرف سے جہالت ٹپک رہی ہے مث۶ پر لکھا
ہے۔ ہر ایک آدمی حتّی الاِمکان اپنی دختر یا خواہر وغیرہ کو ایسے شخص کے عقد میں دینا پسند
کرتا ہے جو حسب و نسب ایمان و اسلام و ملت و مذہب میں اپنے سے افضل و اکمل
یا اپنے مساوی و برابر ہو۔ (الخ) یہی وہ کفریہ عبارت ہے جس کی بنا پر شیعہ رافضی مولیٰ
علی کو معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ افضل کہتے ہیں اور کہتے ہیں
کہ مولیٰ علی نبی کریمؐ سے بھی زیادہ محبوبِ ربِّ کریم ہیں اسی وجہ سے شیعہ تبرائی پہلی تین بنات
النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی کی فقط ایک ہی بیٹی
فاطمہ تھیں اور ایک ہی داماد مولیٰ علی تھے مگر آپ نے اِن ہی تبرائی و تفضیلی رافضیوں کو جہنم میں
ہلاک ہونے والے محبِ مُفرِط فرمایا (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۵) کتابچہ کے ص۶۸ پر لکھتا ہے یہ
حضرات حسب و نسب و ملت و مذہب میں نبی کریم کے برابر و یکساں تھے۔ جواب بالکل غلط
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کسی بھی چیز میں کوئی بھی شخص زمین و آسمان عرش و فرش میں
نہیں ہو سکتا نہ صدیق و فاروق نہ مولیٰ علی نہ جبرئیل و میکائیل یہ سب نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کروڑوں درجہ ادنیٰ ہیں۔ نبی کریم کے برابر یا یکساں

نہ کوئی حسب ہیں ہو سکتا ہے نہ کوئی نسب ہیں نہ ملت و مذہب ہیں کفو کا معنی برابر و ہمسر کرنا نری جہالت ہے وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ کا معنی ہے کہ اُس کا کوئی شریک و رشتے دار نہیں، نیز یہ ضابطہ بھی غلط و لغو ہے کہ ہر آدمی اپنی دختر کو اپنے سے افضل و اکمل کو دینا پسند کرتا ہے یہ بدترین ضابطہ بھی اِن شیعوں کی ذاتی ایجاد ہے۔ اور پھر اگر یہ ضابطہ ہے تو یہ مفتیانِ گولڑہ شریف اِس کا کیا جواب دیں گے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک بیٹی پاک کا نکاح ابو العاص بن ربیع قریشی کلابی سے کیا اور اپنی دو صاجزادیوں کا یکے بعد دیگرے عثمان غنی رض سے کیا اور آپ عثمان ذوالنورین رض بن گئے۔ آگے عجیب اوٹ پٹانگ باتیں لکھ کر اپنی ہی پہلی کلیات کا انکار و تردید کرتا ہے ص۶۹ پر لکھتا ہے کہ قربیٰ سے مراد صرف علی فاطمہ حسن و حسین ہی مراد ہیں غلط اور کذب ہے بلکہ قربیٰ سے اولاً ازواج پھر اولاد پھر تمام داماد اور پنجتن پاک۔ محققین فرماتے ہیں کہ قربیٰ میں سلمان فارسی بھی شامل ہیں کیونکہ ان کو بھی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا اہلبیت فرمایا۔ خیال رہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت تین قسم کے ۱ جو قرآن مجید نے بنائے یعنی ازواج پاک ۲ جو خود بن گئے یعنی اولاد ۳ جو صحبت پاک نے بنائے یعنی مولا علی اور سلمان فارسی اسی ص۶۹ پر امامیہ شیعوں کی دو بناوٹی روایتیں لکھی ہیں جن کا موجد ابو جعفر شیعہ امامیہ ہے آخری ص۷ پر چند بناوٹی روایتیں لکھی ہیں، جن کا کوئی ثبوتی حوالہ نہیں بتایا گیا۔ کتابچہ بنانے والے تو مفتیانِ گولڑہ کا تعارف آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کی نسبت سے کرایا ہے تاکہ آستانے کے تقدس میں ان کی عزت بن جائے اور ان کی شیعہ نوازی مان لی جائے مگر ان کا اصلی تعارف اِس آخری شیعہ مضمون سے سہارا پکڑنے سے ہو گیا۔ اور ان مفتیانِ گولڑہ شریف کا اصلی چہرہ کھُل کر سامنے آگیا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

ماخوذات: اُن کتابوں کے نام جن کے حوالے اس فتوے میں پیش کئے گئے

۱ قرآن مجید ۲ بخاری شریف ۳ ترمذی شریف ۴ مشکوٰۃ شریف ۵ فتاویٰ درِ مختار و شامی

۶ فتاویٰ عالمگیری ہندیہ ۷ فتاویٰ فتح القدیر ۸ فتاویٰ بحرالرائق ۹ فتاویٰ کنز الدقائق ۱۰
فتاویٰ قاضی خان ۱۱ ملا علی قاری خلاصہ ۱۲ فتاویٰ ہدایہ ۱۳ فتاویٰ رضویہ ۱۴ مسند احمد ۱۵
تیسیر المقاصد شرح جامع صغیر ۱۶ تیسیر البصائر ۱۷ امام شاذلی رح ۱۸ نسیم الریاض دوم شرح شفا
۱۹ عنایہ شرح ہدایہ ۲۰ بہار شریعت ۲۱ کنوز الحقائق ۲۲ مجمع البحار علی حاشیہ ترمذی ۲۳
۲۴ شرح کنز الدقائق ۲۵ مستدرک حاکم ۲۶ جامع صغیر امام سیوطی ۲۵ لمعات شرح مشکوٰۃ ۲۶
۲۷ تیسیر شرح جامع صغیر امام محمد یہ قولی دلائل کے حوالے ہیں۔ دلائلِ ثبوتیہ کے حوالے
۲۷ بخاری شریف جلد اول ۲۸ الاصابہ جلد ہشتم ۲۹ الاستیعاب جلد چہارم ۳۰ تاریخ طبری
۳۱ اسد الغابہ ۳۲ الثقات ۳۳ المعارف ۳۴ تاریخ کامل ۳۵ البدایہ والنہایہ جلد ہفتم
۳۶ رحمۃ للعالمین جلد دوم ۳۷ الفاروق شبلی ۳۸ جوامع السیرت ۳۹ دائرہ معارفِ اسلامیہ
جلد اول ۴۰ فتاویٰ درمختار و شامی جلد اول و جلد دوم ۴۱ الارشاد ۴۲ تہذیب الاحکام
۴۳ مدارج النبوت جلد دوم ۴۴ کشف المحجوب فارسی ۴۵ خصائص کبریٰ ۴۶ بدائع صنائع
۴۷ تحقیقِ حق فی کلمۃ الحق حضرت اعلیٰ گولڑوی ۴۸ عینی شرح کنز الدقائق ۴۹ فتاویٰ بحرالرائق
جلد دوم۔

دلائلِ عملیہ کے حوالے۔ ۵۰ تاریخِ یعقوبی جلدِ دوم ۵۱ عمدۃ المطالب فی انسابِ
ابی طالب ۵۲ بخاری شریف جلدِ اول ۵۳ تاریخ طبری ۵۴ تاریخ ابن خلدون ۵۵ تاریخ
کامل ۵۶ اصابہ اسد الغابہ ۵۷ بحار الانوار جلدِ دوم ۵۸ شجرہ طیبہ ۵۹ قصر عارفاں
جلدِ اول جلدِ دوم ۶۰ تاریخ و تحقیق ۶۱ کتبِ آغانی جلد چودھویں ۶۲ روضۃ الاصفیا۔
۶۳ تاریخ ابن سعد جلد ہشتم ۶۴ طبقاتِ کبریٰ واقدی جلد ہشتم ۶۵ نسب نامہ رسولِ انام
۶۶ شیر و شکر ۶۷ تواریخ آئینہ تصوف ۶۸ کتاب سیدنا عبد القادر گیلانی و اولادہٗ ۶۹
مناقبِ محبوبین ۷۰ مفتاح الغیب ۷۱ انوارِ قلندری ۷۲ تذکرہ خلیل ۷۳ ازالۃ الخفا
جلدِ اول ۷۴ کتاب استاد العلماء ۷۵ تاریخ بندگانِ لاہور ۷۶ نفحات الانس۔

آخری بات خلاصہ مضمون، ہم نے پچھتّر کتبِ احادیث و فقہ معتبرہ مشہورہ اور تاریخ متعدّدہ سے قولاً وعملاً دلائلِ کثیرہ سے ثابت کر دیا کہ سیّدزادی کا نکاح غیر سیّد مردجسی کفو والے سے جائز ہے۔ اور جو لوگ اس کے منکر ہیں اُن کے چند گنتی کے کمزور دلائل کو ہم نے جوابی کارروائی سے توڑ کر رَد کر دیا ہے فالحمد للہ علیٰ ذالک دراصل ہفنیانِ

گولڑہ وشیعانِ حویلیاں کو محض عدمِ تدبر اور نا سمجھی کی بنا پر تین غلط فہمیاں ہوئیں ۱۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید اگر سیدزادی کا نکاح غیر سید مردِ صالح سے کیا گیا اگرچہ خود سیدہ و لیِ سیدہ کی رضا و اجازت سے کیا جائے تب بھی مُوَدَّتِ فی الْقُرْبیٰ کے خلاف ہے اور سیدہ وسادات پر ظلم ہے ۲۔ ہندو ذہنیت سے متاثر ہو کر یہ سمجھ لیا ہے کہ بیوی بننا ذلت ہے اور کہتے ہیں کہ بیوی اپنے خاوند کی لونڈی غلام نوکرانی بلکہ پاؤں کی جوتی کے مثل ہوتی ہے بوقتِ صحبت فراش بننا بھی ذلت ہی کی ایک صورت ہے ۳۔ کہتے ہیں کہ آیت اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ۔ کا معنی یہ ہے کہ خاوند اپنی بیویوں کے آقا مولیٰ حاکم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مفتیانِ گولڑہ نے اپنے مرسلہ کتابچہ کے ص۲۲ پر اشارۃً لکھا ہے ان کی دیگر کتب میں تفصیل سے یہ وہی لغویات درج ہیں۔ مگر اسلامی تعلیمات و اِزدواجی شرعی احکام و ضوابط کے قطعًا خلاف ہیں اس لیے یہ سب شیطانی وسواس ہیں۔ اسلام نے بیوی کو بہت عزت کا مقام دیا ہے۔ اور بیوی کے متعلق یہ نظریات دَورِ جہالت کی پیداوار، ہندو رسم ورواج کی خلفشار اور شیطان کی یلغار ہے۔ اِسی ذہنیتِ فاسدہ نے نسب پرستی کو جنم دیا۔ جس طرح ہندو لوگ برہمن پرستی کا شکار ہیں یہ کہ عقیدۂ تعلیماتِ ہندو مذہب کے مطابق دنیا میں کوئی بھی۔ برہمن کی ہمسری و برابری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ہندوانہ صحبت بد کے نتیجے میں یہ تفضیلی شیعہ رافضی فرقے والے سادات پرستی کا شکار ہو گئے کہ کوئی عالم فقیہ ایمان و دیانت اور سینے میں قرآن وحدیث کا خزانہ علم وتقویٰ رکھنے والے دنیا کے مکرّمین آخرت کے مقرّبین کی بھی شیعوں کے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہیں رہی، اور اسی نسب پرستی کو محبتِ اہلِ بیت کا نام دیا اسلام نے تشریف لاکر ایسی ہی نسب پرستی کو مٹایا اور

ایسے ہی جھوٹے احمق محبین کو خود مولیٰ علی شیرِ خدا نے محبِّ مُفرِط کا لقب دے کر ہلاکت کی وعید سنائی ہے۔ تعلیمِ نبوت نے ایسی نسب پرستی کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا اللہ تعالیٰ نے سورۃ شوریٰ کی آیت ۲۳ میں، مُوَدَّتِ فِی الْقُرْبیٰ کا حکمِ ربانی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی عطا فرمایا، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِلَّا سَبَبِیْ وَنَسَبِیْ والی پوری حدیثِ مقدّس فرما کر سادات سے مودّت وعزت کرنے کا طریقہ سکھایا۔ اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بنتِ علی کے لیے پیغامِ نکاح دے کر اور مولیٰ علی نے قبول فرما کر طریقہ

اُمت کو نسبِ [illegible] کا تمام اُمت کو عملی نمونہ بتایا۔ کہ اے مسلمانوں تم مثلِ فاروق
شایانِ شان مومن متقی عشقی ہو اور سادات تم مثلِ علی و علما فقہا متقی مسلمانوں کے معاون
ہوگا [illegible] اگر ایک متقی عالم فقیہ عابد و زاہد بلند مرتبہ معظم مرد کی بیوی بنتا اور فراش
[illegible] ہوتا یا [illegible] ان کی [illegible] تو نہ عثمان غنی سے بناتِ نبی کا نکاح کیا جاتا
[illegible] کہ اُس وقت مجبوری تھی کوئی مناسب رشتہ نہ
تھا اور یہ خیال [illegible] ہے کوئی مجبوری نہ تھی اور نہ ہی کسی ایسی مجبوری کی بنا پر حرام
[illegible] جائز ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر فرضاً مجبوری مان ہی لی جائے تو آج
[illegible] یہ مجبوری بدرجہ اتم موجود ہے کیونکہ سادات کی اکثریت میں فسق و بدعقیدگی آوارہ
مزاجی داخل ہوگئی ہے نیک متقیہ صحیح العقیدہ سنی سیدہ کے لیے نیک متقی سنی سید مرد
کا رشتہ ملنا مشکل ہو گیا ہے۔ ارشادِ قرآن اور نبی کریم کے فرمان کا یہ مقصد نہیں کہ دورِ
جہالت کی طرح پھر نسب پرستی آجائے اگر ان ارشاد و فرمان سے بھی فقط سادات کو
تختِ عزت پر بٹھا کر ظلم و فسق بدعقیدگی کی کھلی چھٹی دینے کا نام ہی مودتِ قربیٰ و الا سببی
و نسبی کا مقصود و منشا ہو تو پھر کفر اسلام اور جہل و عقل نور و ظلمت میں فرق کیا رہا، مسلمان
کو کچھ تو عقل و تدبر سے سوچنا چاہیے کہ حدیث و قرآن کا یہ منشا نہیں نہ ہی اُمت کو
نسب پرستی سکھایا ہے۔ بلکہ بتایا یہ جا رہا ہے کہ اے مسلمانوں تم کو تا قیامت دعوتِ
عام دی جا رہی ہے کہ تم اپنی حیاتِ دنیوی میں اتنے بڑے عابد و زاہد عالم و عادل معاشرے
میں باوجیہ و معظم عاقل و فقیہ بنو کہ مثلِ فاروقِ اعظم اگر تمہارے سائے سے شیطان نہ بھاگے
تو کم از کم تمہارے ہمہ وقتی اعمالِ صالحہ سے شیطان بھاگتا ہی رہے۔ اور تم سب اپنے
ان اعمالِ صالحہ کے ذریعے اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا حسب سبب بن جاؤ
اور حبیب سیدزادی و ساداتِ اہل سنت کی شایانِ شان تم نے اپنے آپ کو ان کا حسبی
کفو بنا لیا تو پھر مثلِ فاروقِ اعظم سیدزادی سے نکاح کے جائز حقدار بن سکتے ہو اور
تم کو جائز ہے کہ والیانِ سادات کو پیغامِ نکاح بھیجو اور سیدہ کے ولی کو چاہیے کہ
مولیٰ علی کے عملی کردار اور نمونۂ حیدری کو اپناتے ہوئے خوب تحقیق و تفتیش کر کے
رشتہ قبول کر لیں اور اپنی سیدہ بیٹی کا نکاح عالم متقی معظم و جیہ مرد سے کر دو تاکہ اس
سیدہ کے وسیلے سے وہ غیر سید بھی نسبِ نبوت میں داخل و شامل ہو کر الا سببی و نسبی

کا مصداق بن جائے۔ کیونکہ متقی عزت وکردار، شرافت اسلام اور دیانتِ ایمان والا ہی مودتِ قربیٰ کو صحیح جاننا سمجھتا اور محبتِ سادات کا پورا حق ادا کرسکتا ہے صرف فضیلت فضیلت کی مالا جپنے سے مودت ومحبت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ حدیث پاک کی دعوتِ عامہ یہ ہے کہ ہر مسلمان فلاحِ آخرت کے لیے نبوی حسب ونسب میں مثلِ فاروق داخل ہوجائے صحابہ کی اقتدا ہدایت کا دروازہ ہے بایّھم اقتدیتم اھتدیتم مودت وا) آیتِ قرآن مجید کا بھی منشا ومقصد یہی ہے۔ اسی منشا کو عام ظاہر کرنے کے لیے فاروقِ اعظم نے مولیٰ علی کے پاس جب پیغامِ نکاح بھیجا تو وجہِ مناکحت یہی بتائی کہ میرا حسب سبب تو پہلے ہی نبوی ہے میں چاہتا ہوں کہ نسب نبوی میں بھی شامل ہوجاؤں۔ اسی منشاءِ حدیث وقرآن ونظریۂ فاروقی کو سمجھتے ہوئے یہ رشتہ قبول فرمایا اور اپنی بیٹی ام کلثوم کا اُن سے نکاح کردیا۔ نکاح کے بعد کئی بار فاروقِ اعظم نے اپنے کلامِ خطبات میں فرمایا کہ میں نے بنتِ علی سے صرف دعوتِ قرآن وحدیث پر لبیک کہتے ہوئے نکاح کیا ہے تاکہ میں اس وسیلے سے نسبِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہوجاؤں۔ صدیقِ اکبر نے بیٹی دے کر نسبتِ نبوی پائی عثمان وعلی نے بیٹی لے کر عمر بن خطاب ابوحفص نے پوتی لے کر نسبت نبوی پائی۔ اور پھر تا عمر اپنی سیدہ بیویوں سے ان سب نے ایسا حُسنِ سلوک فرمایا کہ ان کی مودتِ قربیٰ عرشیوں فرشیوں کے لیے نمونۂ عظمیٰ بن گئی۔ خاص کر فاروقِ اعظم نے کہ ان کی دوسری ازواج کو رشک آتا تھا کہ کاش ہم بھی سید زادیاں ہوتیں۔ ایک بار سیدہ ام کلثوم نے فرمایا کہ یا امیرالمومنین آپ خلیفۂ وقت بھی ہیں اور میرے خاوند بھی مگر پھر بھی میری اتنی تعظیم ومحبت فرماتے ہیں کہ میں شرمندہ ہوجاتی ہوں میں چاہتی ہوں کہ دیگر ازواج کی طرح میں بھی آپ کی خدمت کروں مگر آپ مجھ سے ذرہ بھر خدمت نہیں کرواتے بلکہ آگے بڑھ کر میرا استقبال کرتے ہیں اور میرے لیے اظہارِ محبت فرماتے ہوئے کھڑے ہوجاتے ہیں تو آپ نے جواباً فرمایا کہ تم صرف میری بیوی ہی نہیں بلکہ مجھ کو نسبِ نبوی میں شامل کرنے والا دنیا وآخرت کا وسیلۂ عظیم ہو، تم سے ہمبستری بھی صرف اس لیے کرتا ہوں تاکہ تم حقوقِ زوجیت سے محروم نہ رہو۔ ورنہ مجھ کو حاجت نہیں نہ اس حاجت کے لیے میں نے یہ نکاح کیا ہے یہ ہے قرآن وحدیث کا منشاء اور تعلیم فاروقی وتائیدِ حیدری اسی تعلیم وتائید ومنشا پر ان بزرگوں نے عمل کیا جن کا ذکر ہم نے عملی دلائل میں کیا ہے اور

بھلا فرمایا کہ اے مسلمانو اگر تم بھی نسبِ نبوی میں شامل ہونا چاہتے ہو تو حیثیتِ نبوی میں امام اعظم و امام محبت بھی بن جاؤ [illegible] تعلیم سادات کا طریقہ آجائے اور سیدوں کی شایانِ شان لیاقت پا کر ان کے حسبی کفو بن جاؤ۔ پھر مجبور مظلوم غریب سیدزادیوں کو بیوی بنا کر گھر کا ملکہ بنا کر تاعمر ان کو فلاحِ آخرت و نسبِ رسالت کا وسیلہ سمجھ کر [illegible] سادات کا سا برتاؤ و سلوک کرتے ہوئے سادات کی عزت و حفاظت [illegible] ان کے شوہر باوفا بن کر ظالم فاسق بدعقیدہ لالچی شکی بدکردار بے دین لوگوں [illegible] ان کو [illegible] سے بچاؤ، خود بھی تعلیم کرو اور اپنے معاشرے و ماحول سے [illegible] قرآن و حدیث و تعلیم صحابہ کی بتائی ہوئی سچی محبتِ اہلِ بیت ہے جس کو یہ بصیرت کے اندھے بصارت کے حامل لوگ نہیں سمجھتے [illegible] احمقانہ نقصان دِہ عقیدت کو محبت کا نام دیتے ہیں اللہ ان کو سمجھ دے۔ خیال رہے، نیک خاوند کا فراش بننا ہزار درجہ بہتر ہے بدکردار و بدکار فاسق کا فراش بننے سے۔ نیز اسلامی بیوی نہ تو نوکرانی ہوتی ہے نہ لونڈی نہ مثلِ جوتی بلکہ بحکمِ قرآنی گھر کی شریکِ ملکیت اولاد کی اصل بننے والی باپ کی نسل بنانے والی خاوند کا لباسِ عزت اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ کا معنیٰ حاکم و آقا ہونا نہیں بلکہ اس کا معنیٰ ہے منتظم محافظ ذمہ دار۔ فرمایا یہ جارہا ہے کہ اے مسلمانوں سادات سے محبت کرو اکابر سے فیض لے کر۔ اصاغر کو فیض دے کر سیدزادیوں کے شوہر باوفا باوقار بن کر اور سیدزادوں کے مربی و سرپرست اور اساتذہ بن کر، سیدزادوں کو ہمہ وقتی تربیت و نگاہ داشت سے ایسی تعلیم دی جائے کہ وہ زمانے کے پیشوا و مقتدا بن جائیں اور ان کی حیثیتِ نبوی و نسبتِ رسالت تاعمر باقی رہے اور ان ہی خزانوں کے ساتھ میدانِ محشر میں حاضریِ بارگاہ نصیب ہو۔ ان سیدوں پر ایسی کڑی نگاہ رکھو کہ نہ فسق و فجور کی وجہ سے ان کی کفویتِ حسبی ختم ہو نہ بدعقیدگی کی وجہ سے اصلیتِ نسبی ختم ہو۔

یہ طریقہ تعلیم ہم نے حضرت حکیم الامت نعیمی بدایونی سے سیکھا کہ آپ نے ساری عمر سیدزادوں کو پڑھایا اوّلاً اُستاذ خانے کے سادات صاحبزادوں کو مراد آباد میں پڑھایا پھر گجرات پنجاب میں شاہِ ولایت اور اُن کے شہزادوں کو پڑھایا۔ اور چورہ شریف کے سادات کو پڑھایا۔ آپ کی تربیتِ سادات و غیر سادات میں نو طرح نمایاں فرق تھے ۱ سادات کو مدرسہ کا لنگر نہ کھانے دیتے کیونکہ اس میں زکوٰۃ و صدقات شامل ہوتے ہیں بلکہ سید طلبا کو شہر و مضافاتِ شہر کی مساجد میں امام و مؤذن کی ڈیوٹی پر متعین فرما دیتے تاکہ لوگوں کو

سادات کی خدمت و تعظیم کا موقعہ ملتا رہے اور سیدزادوں کو نماز کی عادت و پابندی ملحوظ رہے
۲ ہر بات بلکہ تحفہ تحائف میں سادات طالب کو زیادہ اہمیت دیتے ۳ تعلیمی وقت سادات کے لیے
زیادہ اور خصوصی دیا جاتا ۴ سید طلبا پر ہر وقت کڑی توجہ رکھی جاتی کسی بھی اخلاقی یا تعلیمی
تدریسی غلطی کوتاہی غفلت پر سید طلبا کو دُگنی سزا دیتے تھے۔ کہ انہوں نے کل پیرو مرشد بننا ہے
۵ صحبتِ بد سے سختی سے بچایا جاتا ۶ حضرت نے کبھی کسی سیدزادے سے ذاتی خدمت نہ لی
یہاں تک کہ پانی برائے وضو بھی نہ لانے دیتے ۷ کبھی سید شاگردوں کی طرف پیٹھ کرکے نہ
بیٹھنے ۸ کبھی ایسا نہ ہوا کہ حضرت اوپر بیٹھے ہوں اور سیدزادہ نیچے بیٹھا ہو یا کھڑا ہو۔
۹ تعلیم اور اسباق کی کوتاہی پر سخت سرزنش و سزا فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ جب یہ سیدزادے
پڑھ کر رخصت ہوتے تو فقیہِ اعظم مفتیٔ اسلام ہونے کے ساتھ ساتھ ولیٔ کامل بھی بنتے ہوتے
ایک بار چورے شریف کے ایک پیرزادہ صاحب نے ایک درخواست میں عرض کیا کہ حضور
مجھے داتا صاحب کی زیارت نہیں ہوئی آپ مجھے زیارت کرادیں میں نے آپ کے شاگرد اپنے
ہم سبق حافظ سید علی صاحب سے یہ بات کی تھی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ تم تین دن حضرت
کو تہجد کا وضو کراؤ تو تم کو زیارت ہوجائے گی۔ تو کیا آپ مجھ کو اس خدمت کا موقع عطا
فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا یہ انُ کا تجربہ تھا۔ مگر تم کو میں جس طرح کہوں تم چپ چاپ ویسے
کرنا تو تم کو مدعا حاصل ہو جائے گا۔ آج عشا کے وقت میرے پاس آجانا، جب وہ سید شاگرد آئے
تو آپ نے ان کو ایک پیڑھی پر بٹھایا اور فرمایا کسی بات میں نہ انکار کرنا نہ بولنا بس کرتے جانا۔ تب
آپ نے خود اپنے دستِ اقدس سے ان کو پورا وضو کرایا، پیر دھوئے، پھر فرمایا اب جاؤ دو نفل پڑھو
اس طرح سے یہ وظیفہ اور فاتحہ پڑھ کر داتا صاحب کو ایصالِ ثواب کرو پھر سو جاؤ اگر زیارت
ہو جائے تو جب آنکھ کھلے اُسی وقت میرے پاس خاموشی سے آجانا، خوش قسمتی سے اُسی رات
زیارت ہوگئی حضرت نے پھر ان کو اپنے ہاتھ سے وضو کرایا اور اسی طرح تہجد کے نفل وظیفہ اور
فاتحہ کا ایصال کرنے کا حکم دیا۔ غرضیکہ اصل مودت قربیٰ یہ ہے کہ سادات کو جہالت بُری صحبت
بدعملی بدعقیدگی سے بچایا جائے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ آپ نے کبھی کسی انسان
کے منہ پر نہ مارا فرماتے تھے یہ ناجائز ہے۔ حدیث میں منع ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرعی فتوٰی

چھ سوالات کے جوابات مدلل قرآنِ مجید حدیثِ پاک اور فقہ سے

۱۔ غیر نبی کو علیہ السلام کہنا شرعاً ناجائز شیعہ روافض کی ایجاد و علامت ہے
السلامُ علیکم اور علیہ السلام میں فرق۔
۲۔ حضرت سیدہ ام کلثوم بنت مولیٰ علی کا نکاح فاروقِ اعظم سے ہونا حقیقتِ صادقہ ہے انکار کرنے والوں کی تینوں وجہیں کمزور اور غلط ہیں۔
۳۔ مولیٰ علی کا علم خلفاءِ ثلاثہ سے کم۔ اور فقیہِ اعظم عبد اللہ بن مسعود کے ہم پلہ تھا، مولیٰ علی نے کئی بار مسائل دیگر صحابہ سے پوچھے۔ مدلل ثبوت باقی دیگر تمام صحابہ سے زیادہ انکا علم ہے۔
۴۔ خلفاءِ راشدین کی تعداد چار ہے امام حسن خلفاءِ راشدین میں سے نہیں تھے بلکہ بارہ خلفاءِ مطلقہ میں سے پہلے تھے۔
۵۔ اسلام لانیوالوں میں تمام انسانوں سے پہلے صدیقِ اکبرؓ، تمام عورتوں سے پہلے خدیجہ کبریٰ تمام بچوں سے پہلے مولیٰ علی تمام بچیوں سے پہلے سیدہ زینب بنت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
۶۔ کفر سے رشتہ اسلامی ٹوٹ جاتا ہے، نسبت ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جو سید مرتد ہو جائے اُس کا نسب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ختم ہو گیا، وہ سید ہی نہ رہا نہ کسی سید کا وارث اُس کو نسبتِ رسول سے دیکھنا مرتد کا قرنہ ماننا بھی کفر ہے، نہ ماننے والا بھی مرتد ہو جائے گا۔ (از کتب فقہ، و احادیثِ مقدسہ بابُ المیراث)

مؤلف

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان دیوسف زئی، قادری، نعیمی مہتمم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات
پاکستان

دوسرا فتویٰ

مندرجہ ذیل مسائل کو تاریخ اور قرآن مجید، احادیث اور اقوال فقہا کے دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ انبیاء و ملائکہ کے سوا کسی بزرگ شخصیت کا نام لے کر علیہ السلام کہنا شرعاً گناہ، اور شیعہ رافضی فرقے کا مذہبی نشان ہے ۲۔ خلفاءِ راشدین صرف چار خلفاء صدیق و فاروق اور عثمانِ غنی و علی المرتضیٰ ہیں ۳۔ اِن خلفا کی علیت و فضیلت بھی اِسی ترتیب خلافت سے ہے ۴۔ انسانوں میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق مسلمان ہوئے پھر خدیجہ الکبریٰ پھر چند دن بعد مولیٰ علی مسلمان ہوئے، ۵۔ جو سید مرتد ہو جائے وہ سید نہیں رہتا۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے اس مسئلے میں کہ ہمارے علاقہ میں ایک مولوی صاحب مقرر و خطیب ہیں مگر اُن کے تمام کام شیعہ فرقہ سے مشابہ ہیں وہ اکثر اپنی گفتگو میں اہل بیت عظام کے ساتھ علیہ السلام کا لفظ استعمال کرتے ہیں حالانکہ اہلِ سنّت حضرات ایسا نہیں کرتے ہم سنّی لوگ تمام اہلِ بیت اور تمام صحابہ کرام کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، ہم نے اُن مولوی صاحب کو کئی دفعہ سمجھایا ہے کہ یہ شیعوں والا لفظ نہ بولا کرو۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ کوئی بات نہیں، اچھی بات میں شیعوں کی مشابہت جائز ہے، کہنے لگے دیکھو شیعہ نماز پڑھتے ہیں اور تم بھی نماز پڑھتے ہو، یہ بھی مشابہت ہو گئی تو کیا تم اس مشابہت سے بچنے کے لیے نماز پڑھنا چھوڑ دو گے حال ہی میں انہوں نے ایک اٹھارہ ورقی پمفلٹ شائع کیا ہے، جس کا نام انہوں نے رکھا ہے غیر نبی پر (علیہ السلام) کے جواز کا شرعی ثبوت اس میں انہوں نے چند دلیلیں پیش کی ہیں ۱۔ سورۃِ بقرہ کی آیت ۱۵۷ پر ہے اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔" اس سے ثابت ہوا کہ اہلِ بیت کو علیہ السلام کہنا جائز ہے، ۲۔ سورۃِ توبہ کی آیت ۱۰۳ میں ہے۔ وَصَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۳۔ سورۃِ طٰہٰ کی آیت ۴۷ میں ہے وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۴۔ سورۃِ احزاب کی آیت ۴۳ میں ہے هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ، دلیل ۵۔ ابو داؤد جلد اوّل ص۲۱۲ پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت کو اس طرح دعا دی۔ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكِ وَعَلٰى زَوْجِكِ۔ یعنی تجھ پر اور تیرے خاوند پر اللہ کی صلوٰۃ ہو، دلیل ۶ اصولِ فقہ کی پہلی کتاب اصول شاشی کے خطبے میں لکھا ہے وَالسَّلَامُ عَلٰى اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ

اُٹھایا ہے۔ [illegible] لکھتے ہیں کہ جب ان پر جائز ہے تو اہلبیت کو علیہ السّلام کہنا بھی جائز ہے، اس کے علاوہ [illegible] مولوی صاحب نے پانچ کتابیں لکھی ہیں۔ جو بڑی ہیں اُس کے پانچ حصے کئے ہیں ان میں [illegible] شیعہ فرقے کی ثنا گوئی کی گئی۔ اہلِ بیت کے متعلق جو عقیدہ [illegible] شیعوں کے ہیں [illegible] بیان کئے گئے ہیں، مجھ سے ایک عالم صاحب فرما رہے تھے [illegible] کتابیں لکھی ہیں جو یا تو شیعوں کی ہیں یا جن میں شیعوں سے [illegible] کر دی ہیں یہ مولوی صاحب صحابہ کرام کا نام بہت پھیکے اور عامیانہ انداز میں لیتے ہیں اور [illegible] صحابہ کو اہلبیت سے بہت ہی گھٹیا انداز میں مقابلۃً بیان کرتے ہیں اور دوم اگر کہیں اہلِ صحابہ کی تعریف کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بہت مجبوری میں کر رہے ہیں۔ یعنی تعریف بھی کرتے ہیں تو یہ شبیہ مرے دل سے۔ اِن پانچ حصّوں میں بار بار ایک ہی بات کی زیادہ رٹ لگائی ہوئی ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید سے نہیں ہو سکتا کیونکہ پورے جہاں میں کوئی شخص سادات سے افضل نہیں ہو سکتا، لہٰذا کفو نہیں ہو سکتا، اس ضمن میں وہ مولوی صاحب فاروقِ اعظم سے امِ کلثوم بنتِ علی کے نکاح کا انکار کرتے ہیں، اور اس کی تین وجہ بیان کرتے ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ اس نکاح کو بیان کرنے والی روایتیں بہت مختلف ہیں ان میں کوئی یکسانیت نہیں ہے لہٰذا سب غلط اور اُن میں سے کسی سے نکاح ثابت نہیں کیا جا سکتا دوسری وجہ یہ کہ، جب عمر فاروق نے علی مرتضیٰ کو بنتِ علی کے لیے پیغامِ نکاح بھیجا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ چھوٹی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ نکاح نہیں ہوا تیسری وجہ یہ کہ مولیٰ علی نے حضرت عمر سے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ اُمِ کلثوم کا نکاح اپنے بھتیجے عون بن جعفر سے کروں، اور آپ حضرت عمر کو جائز نہیں تھا کہ پیغامِ نکاح دیتے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیغامِ نکاح پر پیغامِ نکاح دینے سے منع فرمایا ہے حضرت عمر کو یہ مسئلہ معلوم تھا لہٰذا پیغامِ نکاح نہیں دے سکتے تھے۔ اِن ہی کتابوں میں لکھا ہے کہ امام حسن بھی خلیفۂ راشد تھے اور خلافتِ راشدہ آپ کے بعد ختم ہوئی، کہیں لکھا ہے کہ مولیٰ علی کا علمی پلّہ سب پر بھاری تھا، یعنی صدیق و فاروق سے بھی زیادہ علم والے تھے، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت علی مسلمان ہوئے ابوبکر وغیرہ سب بعد میں مسلمان ہوئے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ بات جھوٹ ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ سید اگر کافر بھی ہو جائے تب بھی سب سے افضل اور قابلِ احترام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد ہے، اور بھی بہت سی باتیں قابلِ اعتراض ہیں فی الحال آپ ہم کو ان باتوں کے متعلق شرعی فتویٰ عطا فرمائیں کہ یہ باتیں اہلِ سنّت کے خلاف ہیں یا نہیں، اور کیا ایسے شخص کو اہلِ سنّت کہا جا سکتا ہے۔ ہم شہر کے بہت سے دوستوں نے اُن کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے، اور دل نہیں چاہتا کہ اس ادارے کو چندہ دیا جائے جس میں ایسے عقیدے رکھنے والے امام صاحب ہوں، ہم سب لوگوں کی التجا ہے کہ آپ بہت مدلّل فتویٰ عطا فرمائیں۔

اُن کا یہ چند ورقی پمفلٹ اور کچھ کتابیں پیشِ خدمت ہیں آپ خود بھی مطالعہ فرمائیں۔

بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ دستخط سائل۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

محترم سائل صاحب کا بھیجا ہوا استفتا اور پمفلٹ اور مصنف مدعیٰ علیہ کی تصنیف کردہ چند کتب وصول پائیں، جن کا سرسری اور بغور مطالعہ کیا، مذکورہ فی السوال پمفلٹ کے جن دلائل کا ذکر استفتا میں کیا گیا ہے یا دیگر مزید چند دلائل جو صاحب پمفلٹ نے اپنے موقف کی تائید میں پیش فرمائے ہیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے سوال گندم جواب جو دیا جائے۔ اس لیے کہ سوال تو یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام یا ملائکہ عظام کے علاوہ کسی اسلامی بزرگ کا نام لے کر یا انفرادی اور اجتماعی شخصیات کا ذکر کر کے علیہ السّلام کہنا مسلکِ اہلِ سنت میں جائز ہے یا نہیں مگر صاحب پمفلٹ اس کے جواز میں دلیل پیش فرماتے ہیں کہ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ (الخ) وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ (الخ) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ اور، هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ (الخ) یا حدیث پاک میں ارشاد، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ (الخ) یا اُصول شاشی کے خطبے میں، اَلسَّلَامُ عَلٰى اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَحْبَابِهٖ کہ اِن دلائل سے عَلٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ کہنا ثابت ہوتا ہے، حالانکہ اِن دلائل سے فلاں علیہ السّلام کہنا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اَلسَّلَامُ فلاں اور فلاں علیہ السّلام میں بہت فرق ہے، اور اِسی فرق کی بنا پر، تعلیم نبوی وتعامُلِ صحابہ سے ثابت ہے کہ پہلے السّلام کہہ کر بعد میں نام لینا ہر ایک شخصیت کے لیے جائز ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام ہوں یا کوئی غیر نبی، ہم دن رات زندہ مُردہ انسان کو گلی محلّوں اور قبرستان میں کہتے رہتے ہیں۔

السلام علیکم، تحیۃً بھی جائز اور مستقلاً بھی مندرجہ بالا مصنف صاحب کے پیش کردہ تمام دلائل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کی ہی شکل سب کے لیے جائز ہیں اس میں کوئی بھی کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ میں بھی حنفی اہل سنت ہوں اور میرے یہ مستفتی صاحب بھی حنفی ہیں اور غالباً یقیناً مستفتی علیہ مصنف صاحب بھی حنفی سنی ہیں، اسی لیے میں اپنے اِس فتوے میں صرف اہل سنت حنفی علماء معتمدین کی کتب مشہورہ کے حوالوں سے دلائل کا استدلال پیش کروں گا۔ نہ دوسرے مذہب تبرائی و تفضیلی کی باطل کتب سے نہ غیر حنفی کتب کے حوالے پیش کروں گا۔ کیونکہ مسلک سے ہٹ کر باطل اور غیر مشہور کتب کے حوالے لکھنا ابن الوقتی ہے اور اپنے مذہب و مسلک سے ہٹ کر دوسری مسلک کے حوالے دینا مطلب پرستی ہے۔

مشائخ ربانی و علماءِ حقانی کے نزدیک مسلک سے ہٹنے والا ابن الوقت بھی گمراہ ہے اور مطلب پرست بھی ہر مقلد کے نزدیک اپنے ہم مسلک اقوال ہی راجح (ترجیح و پسندیدہ قبولیت والے) ہوتے، دیگر مسالک و مذاہب کے اقوال مرجوح یعنی نا قابلِ قبول ہیں، کسی بھی سنی حنفی مفتی اور مصنف کے لیے جائز نہیں ہے کہ سنیت چھوڑ کر شیعہ رافضی کتب کے حوالوں سے اپنے فتوے بنائے یا کتابیں سجائے، اور حنفیت چھوڑ کر ائمہ ثلاثہ کی مسلکی کتب سے فتوے لکھے ایسا کرنے والا بدترین گمراہ و گمراہ گر (ضَالٌ و مُضِلٌ) اور جاہل ہے۔ اُس کے فتوے اور مصنفہ کتابیں جہالتِ کُلّیہ اور دینِ حق میں تخریب کاری و فساد فی الارض ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی اور دُرِّ مختار جلد اول صفحہ ۶۹ پر ہے۔ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْمُفْتِيْ وَالْقَاضِيْ إِلَّا أَنَّ الْمُفْتِيَ مُخْبِرٌ عَنِ الْحُكْمِ وَالْقَاضِيْ مُلْزِمٌ بِهٖ. وَأَنَّ الْحُكْمَ وَالْفُتْيَا بِالْقَوْلِ الْمَرْجُوْحِ جَهْلٌ وَخَرْقٌ لِلْإِجْمَاعِ وَأَنَّ الْحُكْمَ الْمُلَفَّقَ بَاطِلٌ بِالْإِجْمَاعِ وَأَنَّ الرُّجُوْعَ عَنِ التَّقْلِيْدِ بَعْدَ الْعَمَلِ بَاطِلٌ بِالِاتِّفَاقِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ فِي الْمَذْهَبِ۔ ترجمہ: فقیہ اعظم صاحبِ درِّ مختار نے علامہ الشیخ قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول اُن کی کتاب تصحیح سے بیان فرمایا کہ مفتی اور قاضی میں صرف یہ فرق ہے کہ مفتی عِ اسلام شریعتِ اسلامیہ کا حکم بتانے والا ہے اور قاضی عدالتِ اسلامیہ وہ شرعی حکم بذریعہ عدالت جاری کرنے والا ہے، اور بے شک مرجوح قول پر فتویٰ یا حکم جاری کرنا یعنی اپنی تحریر یا تقریر سے لوگوں کو بتانا جہالت ہے، اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہے اور بے شک مُلَفَّق حکم پر عمل کرنا یا بتانا اور کسی مسلمان سے اُس پر عمل کرانا باطل ہے اور اِس

طرح کے قولِ مرجوح یا حکمِ مُلَفَّق پر فتویٰ لکھنے والا مفتی یا مصنف باطل و گمراہ ہے۔ یہ بات اجماعِ اُمّت سے ثابت ہے (اور اجماعِ امت کی مخالفت کفر اور ضلالت ہے) اور بے شک مقلّد کے لیے باطل اور ناجائز ہے اپنے امام کی تقلید پھیرنا کسی دوسرے امام کی طرف اپنے فقہا کی بغیر اجازت رجوع کرنا، اس بات میں بھی تمام کا اتفاق ہے۔ اور یہی مختار و پسندیدہ ہے تمام ائمہ مشائخ کے نزدیک حکم مُلَفَّق، اُسے کہتے ہیں کہ ایک چیز کو ایک امام جائز فرماتا ہو دوسرا امام ناجائز فرماتا ہے تو ناجائز فرمانے والا امام کا مقلد اُس چیز پر دوسرے امام کی وجہ سے عمل کرے، مثلاً جسم کے کسی حصے سے ذرا بھر خون نکلنے سے حنفی مسلک میں وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر حنبلی شافعی مسلک میں خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، تو اگر کسی حنفی مقلد کا وضو کرنے کے بعد خون نکل آئے اور وہ شافعی یا حنبلی مسلک لے کر اُسی طرح نماز پڑھ لے تو اس کی نماز باطل، اور یہ طریقہ بھی باطل کیونکہ اُس نے اُس مسئلے پر عمل کیا جو حنفی شافعی مسلکوں کے درمیان مُلَفَّق تھا، اسی کو مطلب پرستی اور آرام طلبی کہا جاتا ہے ایسے ہی نمازیوں کے لیے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ (الخ) کی وعیدِ شدید ہے۔ اسی لیے ہم سُنّی حنفی لوگ نجدی وہابی سعودی اماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، کیونکہ وہ حنبلی مسلک رکھتے ہیں اور مصلّوں پر کھڑے ہو کر مسواک کرتے رہتے ہیں، دانتوں سے خون بھی کئی بار نکل آتا ہے اور وہ امام اس طرح خون چاٹتا ہوا جماعت کرا دیتا ہے، ہمارے مسلک میں وہ امام گندا پلید اور بے وضو ہے۔ جو حنفی لوگ اُس کے پیچھے نماز پڑھیں گے انھوں نے حکمِ مُلَفَّق پر عمل کیا جو قطعاً باطل یعنی حرام ہے اُن سب کی نماز باطل، اور حج و عمرہ بھی برباد کہ جب نمازیں ہی باطل ہو رہی ہیں تو حج و عمرہ کس طرح مقبول و مبرور ہو سکتا ہے، اِن تمہیدی قواعد و ضوابط کو سمجھنے کے بعد اب ہم صرف حنفی مسلک سے، علیہ السّلام کہنے کا مسئلہ بیان کریں گے کہ علیہ السّلام کس کے لیے کہنا جائز ہے اور کس کے لیے ناجائز ہے۔ ہاں البتہ حنفی مسلک کی تائید کے لیے دوسری کتب کا حوالہ ضرور عرض کیا جائے گا، کیونکہ تائیدِ حق میں باطل کتب اور غیر مسلکی کتب کے حوالے دینا بھی جائز بلکہ ضروری ہیں اس لیے کہ اس سے اپنے مسلک کی مضبوطی اور حقانیت ثابت ہوتی ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ شامی جلد اوّل ص۶۵ پر ہے۔ لَا يَجُوْزُ اِذْ فَسَادٌ کے تحت استثنا کرتے ہوئے، اَوّلاً علیہ السّلام کہنے کے جواز یا عدمِ جواز میں یہ قاعدہ کلیہ ضروریہ ذہن نشین کرنا ہر مسلمان پر واجب و لازم ہے

کسی پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی دو نوعیتیں ہیں، ایک یہ کہ بطریقۂ دعا کہی جائے، دوم یہ کہ بطریقۂ تعظیم و اعزاز کہی جائے لہٰذا فرمانِ شریعت کے مطابق ہر مومن مسلمان کے لیے بطریقۂ دعا صلوٰۃ کہنا بھی جائز ہے اور سلام کہنا بھی نبی ہو یا غیر نبی، بزرگ ہو یا غیر بزرگ اپنے سے چھوٹا ہو یا اپنے سے بڑا، صحابی ہو یا تابعی ہو یا تبع تابعی، اہلِ بیتِ رسول اللہ ہو یا آلِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہو یا عالم تا قیامت سب کے لیے جائز بلکہ حکمِ قرآن وحدیث ہے لیکن بطریقۂ تعظیم و اعزاز صلوٰۃ وسلام کہنا صرف اُن ہستیوں کے لیے جائز ہے جن کو رب تعالیٰ نے معصوم بنایا ہے۔ قرآن وحدیث کے فرمانِ مقدس کے مطابق گروہِ معصومین صرف انبیاءِ کرام و رسل و مرسلین اور ملائکہ ہی دو قسم ہیں، عصمت کی نعمت رب تعالیٰ کا بہت بڑا خصوصی اعزازی انعام ہے جو صرف ان دو قسم کی ہستیوں کو ہی بارگاہِ الٰہی سے ملا۔ معصوم شخص کبھی کوئی گناہ، خطا، لغزش کر سکتا ہی نہیں، محال و ناممکن ہے۔ اسی لیے صلوٰۃ وسلام کی تعظیم اور اعزاز صرف ان کو عطا فرمایا، چنانچہ شرح ابو داؤد تعلیقاتِ محمود میں بحوالہ ابن الملک اور ابن حجر لکھا ہے۔ قَالَ ابْنُ الْمَلِكِ اَلصَّلٰوةُ بِمَعْنَى الدُّعَاءِ وَالتَّبَرُّكِ قِيْلَ يَجُوْزُ عَلٰى غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الخ) وَالصَّلٰوةُ الَّتِيْ لِغَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ يُكْرَهُ وَاِنْ اُرِيْدَ بِهٖ مُطْلَقُ الرَّحْمَةِ وَقِيْلَ يَحْرُمُ وَقِيْلَ خِلَافُ الْاَوْلٰى وَقِيْلَ لَا بَاْسَ بِهٖ وَقِيْلَ يُبَاحُ اِنْ اَرَادَ بِهَا مُطْلَقَ الرَّحْمَةِ وَيُكْرَهُ اِنْ اَرَادَ بِهَا مَقْرُوْنَةً بِالتَّعْظِيْمِ (الخ) وَفِيْ بَعْضِ شُرُوْحِ الْبُخَارِيِّ اَنَّهٗ مَكْرُوْهٌ تَنْزِيْهِيٌّ۔ ترجمہ، صلوٰۃ کہنے کی دو صورتیں ہیں ۱ صلوٰۃ بطریقۂ دعا ۲ صلوٰۃ بطریقۂ تعظیم اور وہ صلوٰۃ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوتی ہے وہ تعظیم اور اعزاز کے طریقے پر ہوتی ہے۔ پس وہ طریقہ خاص ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اس سے پہلے ابن ملک کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے کہ فرمایا ابن مِلک نے کہ صلوٰۃ بطریقۂ دعا اور تبرک دینا کسی کی طرف سے کہا گیا کہ غیر نبی پر جائز ہے۔ یعنی ہر مسلمان پر صلوٰۃ کے لفظ سے دعا کرنا جائز ہے فرمایا ابن حجر نے کہ صلوٰۃ کے لفظوں سے دعا کے بارے میں چھ قول ملتے ہیں ۱ یہ بھی کہا گیا ہے کسی غیر نبی کے لیے صلوٰۃ کے لفظ سے دعا کرنا مکروہ ہے اگرچہ اس دعا و صلوٰۃ سے مطلق رحمت مراد لی جائے ۲ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرام ہے ۳ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلافِ اَولیٰ ہے ۴ یہ بھی کہا گیا ہے دعا کے طریقے سے غیر نبی کو صلوٰۃ کی دعا دینے میں کوئی مضائقہ کوئی حرج نہیں ۵ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جائز ہے بشرطیکہ اگر صلوٰۃ کہنا بطریقۂ دعا ہو کہ اُس سے مطلق رحمت ہی مراد لے سکے (نہ کہ درود وسلام پڑھنے کی طرح)

اور اگر تعظیمی صیغوں و طریقوں سے ملا کر (مشابہ کر کے) غیر نبی کو صلوٰۃ کہے گا تو مکروہ ہے ۱۲ اور
بخاری شریف کی چند شرحوں میں لکھا ہے کہ کسی غیر نبی کو دعا کے طریقے پر بھی مستقل بلا تبع صلوٰۃ
کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔ پہلے اقوال میں مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے بعض ابن الوقت
اور مطلب پرست قسم کے مصنفین اپنے باطل نظریات کو بچانے کے لیے مکروہ تنزیہی کو بالکل
جائز کہہ دیتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے فقہ اور فرمودات فقہا کے خلاف ہے اِس قسم کے جلد
باز مصنفین علم فقہ سے عاری وخالی ہیں۔ علامہ امام سید ابن عابدین فقیہ اہل سنت اپنے فتاویٰ
رد المحتار اور شامی جلد اوّل ص۵۹۷ پر فرماتے ہیں فَحِینَئِذٍ اِذَا ذَکَرُوْا مَکْرُوْھًا فَلَا بُدَّ مِنَ النَّظْرِ
فِیْ دَلِیْلِهٖ فَاِنْ کَانَ نَهْیًا ظَنِّیًّا یُحْکَمُ بِکَرَاھَةِ التَّحْرِیْمِ (الخ) وَاِنْ لَّمْ یَکُنِ الدَّلِیْلُ
نَهْیًا بَلْ کَانَ مُفِیْدًا لِلتَّرْکِ الْغَیْرِ الْجَازِمِ فَهِیَ تَنْزِیْهِیَّةٌ قُلْتُ وَیُعْرَفُ اَیْضًا
بِلَا دَلِیْلِ نَهْیٍ خَاصٍ بِاَنْ تَرَکَ وَاجِبٍ اَوْ تَرْکَ سُنَّةٍ فَالْاَوَّلُ مَکْرُوْهٌ تَحْرِیْمًا
وَالثَّانِیْ تَنْزِیْهًا وَلٰکِنْ تَتَفَاوَتُ التَّنْزِیْهِیَّةُ فِی الشِّدَّةِ وَالْقُرْبِ مِنَ التَّحْرِیْمِیَّةِ
بِحَسَبِ تَاکُّدِ السُّنَّةِ فَاِنَّ مَرَاتِبَ الْاِسْتِحْبَابِ مُتَفَاوِتَةٌ (الخ) فکذا اضدادھا
اور ص۱۱۵ پر ہے۔ اَنَّ مَرْجِعَ کَرَاھَةِ التَّنْزِیْهِ خِلَافُ الْاَوْلٰی۔ قَالَ وَلَا
شَکَّ اَنَّ تَرْکَ الْمَنْدُوْبِ خِلَافُ الْاَوْلٰی۔ اَقُوْلُ لٰکِنَّ الشَّارِحَ التَّحْرِیْرِ اِلٰی اَنَّهٗ
قَدْ یُفَرَّقُ بَیْنَهُمَا بِاَنَّ خِلَافَ الْاَوْلٰی مَا لَیْسَ فِیْهِ صِیْغَةُ نَهْیٍ کَتَرْکِ صَلٰوةِ الضُّحٰی
بِخِلَافِ الْمَکْرُوْهِ تَنْزِیْهًا اور ص۱۲۲ پر ہے وَعَلَی الْمَکْرُوْهِ تَنْزِیْهًا وَھُوَ مَا کَانَ
تَرْکُهٗ اَوْلٰی مِنْ فِعْلِهٖ وَیُرَادِفُ خِلَافَ الْاَوْلٰی (الخ) قَوْلُهٗ تَنْزِیْهًا لِمَا قَدْ
مَنَاعَنِ الْفَتْحِ مِنْ اَنَّ تَرْکَهٗ اَدَبٌ (الخ) فَالنَّهْیُ عَنْهُ نَهْیُ اَدَبٍ ص۱۲۳ پر
ہے۔ قَوْلُهٗ وَمِنْ مَنْهِیَّاتِهٖ۔ یَشْمَلُ الْمَکْرُوْھَةَ تَنْزِیْهًا فَاِنَّهٗ مَنْهِیٌّ عَنْهُ اِصْطِلَاحًا
حَقِیْقَةً اور ص۶۰۸ پر ہے وَاَجَابَ فِی النَّهْرِ بِاَنَّ الْمَکْرُوْهَ تَنْزِیْهًا غَیْرُ مُبَاحٍ
اور ص۶۱۱ پر ہے۔ لِاَنَّ الْکَرَاھَةَ حُکْمٌ شَرْعِیٌّ فَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْ دَلِیْلٍ۔ ترجمہ
تمام عبارتوں کا، پس جس وقت جب فقہا نے ذکر کیا مکروہ کا تو ضروری ہے اُس کی دلیل میں نظر
کرنا اگر ممانعت دلیلِ ظنی سے ہو تو حکم کیا جائے گا یہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر ممانعت کی
دلیل موجود نہ ہو بلکہ اُس کام کو چھوڑنا بغیر شدت کے ثابت ہو رہا ہو تو وہ مکروہ تنزیہی ہوتا
ہے (مثلاً یہ کہنا کہ یہ کام ہرگز مت کرو۔ یہ مکروہ تحریمی ہے اور یہ کہنا کہ تمہارے لیے بہتر

بھی ہے کہ اس کام کا چھوڑ دو تو یہ مکروہ تنزیہی ہے)۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ میرا کہنا یہ ہے
کہ اور مکروہ تنزیہی کی معرفت و پہچان اس بات سے بھی ہو جاتی ہے کہ ممانعت کی خاص طور
پر دلیل کوئی نہ ہو ایسے کہ چھوڑنا واجب ہو جانا یا چھوڑنا سنت ہو جانا تو پہلا چھوڑنا مکروہ
تحریمی ہے اور دوسرا مکروہ تنزیہی ہے اور دونوں میں یہ بھی فرق ہے کہ دونوں مکروہوں
کی شدت اور حرمت سے قریب ہونے میں تفاوت اور فرق ہے۔ سُنَّۃ کے مؤکدہ ہونے
کے حساب سے اسی طرح تاکید کے بہت سے مرتبے درجے اور قسمیں ہیں متفرق۔ تو ایسے ہی
ہے کہ مندوب یعنی مکروہات کی بھی بہت قسمیں اور صورتیں ہیں، پھر فرمایا ص۱۱۵ پر کہ بے شک
مکروہ تنزیہی کا مرجع خلافِ اَولیٰ ہے۔ یعنی مکروہ تنزیہی والا کام کرنا مفید اور بہتر نہیں۔
فرمایا کہ اور نہیں ہے شک اس بات میں کہ مندوب یعنی ضروری و مفید کام کر چھوڑنا بھی خلافِ اَولیٰ
ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ تحریرِ فقہا میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دونوں
یعنی خلافِ اَولیٰ اور مکروہ تنزیہی میں یہ بھی فرق کیا جاتا ہے کہ خلافِ اَولیٰ وہ کام ہے جس میں نہی کا
صیغہ نہیں ہے۔ مثلاً اِشراق کی نماز چھوڑنا، بخلاف مکروہ تنزیہی کے دکہ اس میں نہی کا صیغہ ہوتا
ہے) پھر فرمایا ص۱۲۲ پر اور مکروہ تنزیہی کے لیے فرمایا گیا ہے کہ کراہتِ تنزیہی وہ ہے جس کا
چھوڑنا بہتر ہے کرنے سے اور یہ خلافِ اَولیٰ کا ساتھی ہے۔ مکروہ تنزیہی کا بیان ہم نے ابھی
پہلے بھی فتاویٰ فتح القدیر کے حوالے سے بیان کیا کہ بے شک اُس کا چھوڑنا ہی ادب ہے۔
پس تنزیہی ممانعت ادبی ممانعت ہے، پھر فرمایا ص۱۲۳ پر کہ مصنفِ درّمختار کا فرمانا۔ وَمِنْ
مَنْھِیَّاتِہٖ یہ تمام ممانعتیں شامل ہیں مکروہ تنزیہی کو کیونکہ مکروہ تنزیہہ بھی اِصطلاحًا حقیقتً
ممنوعاتِ شرعیہ میں سے ہی ہے، پھر فرمایا ص۶۰۸ پر، اور جواب فرمایا فتاویٰ نہریں۔ اسی طرح سے
کہ بے شک مکروہ تنزیہی بھی ناجائز کام کو ہی کہتے ہیں، پھر فرمایا ص۶۱۱ پر، اس لیے کہ ہر کراہت
شریعت کا حکم ہے لہٰذا اُس کے لیے بھی دلیل ضروری ہوتی ہے۔ ابھی تک کی تمام عبارتوں
سے یہ ثابت ہوا کہ صلوٰۃ کہنے کے دو طریقے ہیں ۱۔ بطورِ تعظیم و تکریم و اِعزاز ۲۔ بطورِ دعا،
اور یہ کہ مکروہ تنزیہی بھی ناجائز ہے مگر اُس کے ناجائز ہونے میں اتنی شِدّت و سختی
نہیں جتنی مکروہ تحریمی یا حرام میں ہے۔ یہ ممانعتیں درجہ بدرجہ ہیں دیکھو مرقات شرح
مشکوٰۃ جلد دوم ص۵ پر پہلے لکھا ہے کہ اَلصَّحِیْحُ اَنَّ الصَّلٰوۃَ عَلٰی غَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ اِبْتِدَآءً
مَکْرُوْھَۃٌ کَرَاھَۃً تَنْزِیْھِیَّۃً۔ ترجمہ: غیر نبی پر صلوٰۃ کہنا ابتداءً و مستقلاً مکروہ

تنزیہی ہے، پھر اسی صفحہ پر آگے لکھا ہے۔ اَلسَّلَامُ کَالصَّلوٰۃِ یَعْنِیْ لَا یَجُوْزُ عَلٰی غَیْرِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمَلٰئِکَۃِ اِلَّا تَبْعًا۔ ترجمہ:۔ سلام کہنے کا حکم بھی شریعتِ اسلام میں صلوٰۃ کی ہی طرح ہے یعنی ناجائز ہے انبیا اور ملائکہ کے علاوہ کسی اور دوسرے شخص کے لیے کہنا مگر تابع وشامل کر کے کہنا جائز ہے۔ مرقات نے یہاں مکروہ تنزیہی فرما کر پھر لَا یَجُوْزُ فرمایا۔ ثابت ہوا کہ مکروہ تنزیہی بھی ناجائز ہی ہوتا ہے۔ نیز تعلیقاتِ محمود کی عبارت میں صرف صلوٰۃ کا ذکر ہونا اور اس میں بھی صرف دعائیہ صلوٰۃ غیر نبی کے لیے کہنے کے بارے میں چند اختلافی اقوال کا ذکر کرنا صرف اس لیے ہے کہ وہاں جس حدیث پاک کی شرح کی جا رہی ہے اس حدیثِ پاک میں صرف صلوٰۃ علیٰ غیر النبی کا ذکر ہے۔ ورنہ عام کتبِ فقہ میں اَلسَّلَامُ کَالصَّلوٰۃِ کی کھلی وضاحت موجود ہے۔ جیسا کہ ابھی مرقاۃ کی عبارت سے ثابت وواضح ہوا۔ لہٰذا تعلیقات کی عبارت سے کوئی شخص یہ دھوکہ دیتے یا دھوکہ کھاتے کی کوشش نہ کرے کہ اختلاف تو صرف صلوٰۃ میں ہے نہ کہ سلام میں نیز یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اختلافی اقوال بھی صرف دعائیہ صیغوں اور لفظوں سے کہنے میں ہے نہ کہ تعظیمی صیغوں سے۔ یعنی امام ابن مَلک اور علامہ ابن حجر نے جو چند اختلافی اقوال ذکر فرمائے ہیں وہ بطورِ دعا غیر نبی کے لیے صلوٰۃ وسلام کے جواز وعدمِ جواز میں ہیں یعنی فقط دعا کے لفظوں سے بھی غیر نبی پر صلوٰۃ وسلام کو اکثر فقہاءِ کرام حرام یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی فرماتے ہیں۔ لیکن تعظیم کے طریقے میں کوئی اختلاف نہیں سب ہی ناجائز اور گناہ فرماتے ہیں۔ چونکہ صلوٰۃ وسلام اداکرنے کی شریعت میں دو۲ قسمیں ہوگئیں ا بطریقہ تعظیم ۲ بطریقۂ دعا، لہٰذا صیغوں اور لفظوں کی بھی تقسیم ہو کر دو قسمیں ہوگئیں۔ تاکہ لفظ بولتے ہی سننے والے کو پتہ لگ جائے کہ صلوٰۃ وسلام کہنے والا بطورِ تعظیم یہ لفظ استعمال کر رہا ہے یا بطورِ دعا۔ چونکہ یہ مسئلہ جائز وناجائز بلکہ حرام وحلال اور گناہ ونیکی کا ہے اس لیے فقط قلبی نیت پر نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ لفظوں صیغوں کو متفرق ومتعین واضح کر کے ہر دو طریقوں کو علیحدہ کر دیا تاکہ کوئی شرپسند قلبی نیت کا ڈھونگ رچا کر دھوکہ نہ دے سکے۔ چنانچہ دعائیہ صلوٰۃ وسلام کے الفاظ بھی قرآن وحدیث اور تعلیم نبوی وتعامُلِ صحابہ نے آنے والی مسلمان نسلوں کو بتا دئے اور تعظیمی واعزازی صلوٰۃ وسلام کے الفاظ بھی قابلِ تعظیم وتکریم شخصیات کے لیے مخصوص ومعیّن فرما دئے۔ اور اس کے لیے ضابطہ یہ مقرر فرمایا کہ اگر پہلے کسی شخصیت کا انفرادی یا اجتماعی ذاتی یا صفاتی نام لیا جائے اور پھر صلوٰۃ یا سلام کے الفاظ کہے جائیں تو تعظیم واعزاز وتکریم ہوگی۔ اور اگر پہلے صلوٰۃ یا سلام کے لفظ بولے جائیں اور

بعد میں شخصیت کے [illegible] یا صفاتی اسم ظاہری یا اسم ضمیری سے نام لیا جائے تو وہ دعا ہوگی۔ یہ اسلامی شرعی ضابطہ ہے۔ اسلام ہر چیز کا فلسفہ وقانون بنا کر حکم نافذ فرماتا ہے۔ تاکہ کسی دھوکے باز شیطان کی کسی لادینی دجل کی نہ چل سکے کہ پہلے تو الٹ پلٹ لفظ استعمال کر لیے پھر دھوکہ دیتے ہوئے کہہ دیا کہ میری تو نیت تھی شریعت پاک اور تعلیم نبوی نے کسی اہم عبادت کو فقط نیت پر نہیں چھوڑا کیونکہ نیت مخفی دل میں اور اظہار بالفاظ لہٰذا نیت میں بدل بھی ہو سکتا ہے۔ تعظیم و اعزاز میں بھی الفاظ مخصوص ہو چکے ہیں اور معانی بھی۔ صلوٰۃ وسلام سے تعظیم صرف انبیا وملائکہ کے لیے جائز۔ غیر نبی کے لیے قطعاً ناجائز صحابہ ہوں یا اہل بیت۔ مولیٰ علی ہوں یا حسن و حسین ہوں یا صدیق وفاروق ہوں کیونکہ یہ سب تعالیٰ کی طرف سے تحفۂ عصمت ہے اور معصوم صرف انبیا اور ملائکہ ہیں ان کے علاوہ کائنات میں کوئی معصوم نہیں، جس طرح نبی اور فرشتہ بنانا ما و شما کا کام نہیں نہ کسی عمل وکسب کا دخل یہ وہبی عطائی اعزازی تحفہ ہے اسی طرح معصوم بنانا یا بتانا بھی میرا تیرا کام نہیں نہ کوئی شخص اپنے عمل وکسب سے بن سکتا ہے کہ جسے چاہو معصوم کہتے پھرو یا جو چاہے خود کو معصوم سمجھتا پھرے بلکہ یہ عصمت بھی خداداد اعزازی تحفہ ہے جو صرف انبیاء وملائکہ کو رب تعالیٰ کی طرف سے ملا، اور بوجہ عصمت صلوٰۃ وسلام کا اعزاز وتعظیم دیا گیا ہاں البتہ غیر نبی کو صلوٰۃ کی دعا میں فقہا کا اختلاف ہے بعض اس کو جائز مانتے ہیں، بعض ناجائز حرام یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔ لیکن سلام بطورِ دعا اور بطریقۂ دعا تا قیامت ہر مسلمان کے لیے ہر وقت جائز، چھوٹا ہو یا بڑا، زندہ ہو یا فوت شدہ، یہی تعلیم رسالت اور تعاملِ صحابہ سے ثابت، چنانچہ بطریقۂ اعزاز وتکریم وتعظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مخصوص، اور علیہ السلام کے الفاظ انبیاء ملائکہ کے لیے مخصوص، رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام اور اہل بیت کے لیے ہیں، رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اولیا علماء کے لیے۔ مگر اصطلاح و رواج میں صرف فوت شدہ کے لیے، مرحوم کا لفظ صرف فوت شدہ ہر عام مسلمان کے لیے، مدظلہ زندہ بزرگوں کے لیے مخصوص ہیں۔ ان الفاظِ مخصوصہ کو صرف انہی شخصیات کے لیے استعمال کرنا جائز ہے جن جن کے لیے شریعت نے مخصوص فرمائے غیر جگہ استعمال کرنا بعض ناجائز بعض مکروہ تحریمی بعض مکروہ تنزیہی بعض خلافِ اولیٰ بعض خلافِ رواج، لہٰذا لفظ علیہ السلام انبیاء وملائکہ کے لیے خاص ہیں تعلیم نبوی سے یہی ثابت ہے چنانچہ کثیر احادیث میں ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ (ازمشکوۃ شریف باب حُرْمَۃِ تَصَاوِیْرو ذکر معراج اور ابن ماجہ فِتْنَۃِ دَجَّالُ صفحہ ۳۰۸ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِی۔ (الخ) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ ۔ فَیَکُوْنُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ اُمَّتِیْ حَکَمًا عَدْلًا وَ اِمَامًا مُقْسِطًا۔ (الخ) اور ابو داؤد جلد دوم صفحہ ۲۱۷ بَابُ فِی الْقُبُوْرِ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخْبَرَتْنِیْ مَیْمُوْنَۃُ زَوْجُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ جِبْرَائِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ وَعَدَنِیْ (الخ) ان تمام احادیثِ مبارکہ سے اور نبی کریم آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم مقدس سے ثابت ہوا کہ علیہ السّلام کے الفاظ تعظیمی و اعزازی تک بھی کلمات ہیں اور صرف فرشتوں اور انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے لیے جائز ہیں اگر کسی غیر نبی کے لیے جائز ہوتا تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کبھی نہ کبھی ضرور کسی غیر نبی کے لیے بھی یہ لفظ فرما دیتے آپ نے تو بالتبع حضرت مریم کے لیے بھی نہ فرمائے تاکہ کوئی سرکش و شر پسند فرقۂ باطلہ والا اس بالتبع سے ناجائز فائدہ و سہارا نہ حاصل کرلے یہ آپ کی احتیاط تھی ورنہ فقہا بالتبع کو جائز مانتے ہیں لیکن احادیثِ مقدسات سے بالتبع بھی ثابت نہیں۔ یہاں تک اسی فتنۂ دجّال کے باب کے بعد حضرت امام مہدی کا ذکر ہے چار یا پانچ احادیثِ مبارکہ میں امام مہدی کا نام ہے بلکہ ایک حدیث میں ابن ماجہ صفحہ ۳۰۹ پر حضرت حمزہ مولیٰ علی امام حسن و حسین امام مہدی کے اسماءِ پاک اکٹھے مذکور ہیں مگر کسی نام کے ساتھ علیہ السّلام نہیں فرمایا گیا، پس اس تعلیمِ نبوی سے ثابت ہوا کہ غیر نبی کو علیہ السّلام کہنا قطعًا ناجائز ہے۔ تمام صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین نے اسی تعلیمِ نبوی پر عمل کرتے ہوئے تاعمر کبھی کسی غیر نبی کو علیہ السّلام نہ کہا، یہاں تک کہ امام حسن و حسین یا کسی بھی اہل بیت کو یا مولیٰ علی کو یا فاطمہ زہرا کو علیہ السّلام یا علیہا السّلام یا سلامُ اللّٰہ علیہا نہ کہا نہ کہیں کسی معتبر و مشہور کتب احادیث سے ثابت، مصنف صاحب کو چاہیے تھا کہ بجائے ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے اور اُلٹے سیدھے اقوال کی غلط دلیلیں دینے کے احادیث کی تعلیم نبوی یا تعامُلِ صحابہ و اہل بیت سے علیہ السّلام کہنا ثابت کرتے یا اب کردیں اگر سب جہان کہتا پھرے کہ علی علیہ السّلام کہنا جائز ہے مگر صحابہ اور امامین کریمین حسن و حسین کی تعلیم و عمل سے ثابت نہ ہو تو مسلمانوں کے نزدیک سب جہان کا کہنا ناقابلِ قبول بلکہ قابلِ تردید ہے اور وہ نظریہ و مسلک جو عملِ صحابہ و خلفاءِ راشدین کے خلاف ہے

وہ مردود سب ہے کیونکہ ہم سب مسلمانوں کو صرف صحابہ کا اقتداء اور سنتِ نبوی و سُنّتِ خلفاءِ راشدین پر عمل کا حکم ہے۔ چنانچہ صحاح کی کتاب ابن ماجہ ص۵ پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فَسَيَرَوْنَ مِنْ بَعْدِي اخْتِلَافًا شَدِيدًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ترجمہ۔ اور عنقریب دیکھو گے تم لوگ میرے بعد مسلمانوں کے فرقوں میں شدید اختلاف لہٰذا تم سب تا قیامت مسلمان صرف میری سنتِ پاک اور جماعتِ خلفاءِ راشدین مہدیین کی سنتِ پاک پر مضبوطی سے ہر قول و فعل میں عمل کرنا، گویا دانتوں سے پکڑ لینا، سخت پکڑنے اور مضبوط طریقے و عمل کو عربی محاورے میں عَضُّوا کہتے ہیں، دوسری حدیثِ پاک میں ارشاد ہے۔ اَلصَّحَابِيُّ كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ (مشکوٰۃ باب مناقب الصحابہ فصل ثالث ص۵۵۴) ترجمہ: میرا ہر صحابی ستاروں کی مثل ہے۔ اے تا قیامت مسلمانو تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کروگے تب ہی ہدایت پاؤ گے یعنی اگر عملِ صحابہ کو چھوڑ کر کسی ایسے غیرے کی کتابوں کے اقوال و تحریر لیتے پھرو گے تو بدترین گمراہ ہو جاؤ گے، اور غیر نبی کو علیہ السلام کہنا تو صحابہ کرام کی سُنّتِ عملی کے خلاف ہے لہٰذا ثابت ہوا کسی غیر نبی کو علیہ السلام کہنا گمراہی اور بے ہدایتی ہے۔ ہاں اَلْبَتَّہ السَّلَامُ علیٰ مولیٰ علی، علیٰ امام حسین کہنا جائز ہے۔ اس لیے کہ السَّلَامُ عَلیٰ عَلِي دعا ہے اور علیہ السلام تعلیم و تکریم ہے، دعا جملہ انشائیہ ہوتا ہے۔ تعلیم جملہ خبریہ ہوتا ہے جملہ خبریہ کا سلام اور سلامتی معصومین سے خاص ہے کسی اور کے لیے واقعۃً نہیں ہے، اور جو چیز کسی کے پاس نہ ہو اس کی دعویداری کرنا کذب ہے۔ لہٰذا جو شخص علی علیہ السلام کہے وہ کاذب ہے، یہی وجہ ہے کہ نہ حکمِ قرآنِ مجید سے ثابت نہ تعلیمِ حدیثِ پاک سے نہ تعاملِ صحابہ و تابعین سے نہ تکلّمِ اہلِ بیت سے، قرآنِ مجید نے تمام صحابہ و تابعین اور اہلِ بیت کے لیے تعلیم و تکریم کا اعزازی جملہ خبریہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ فرمایا۔ جیسا کہ سورۃ توبہ کی آیت ۱۰۰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اور مولیٰ علی کے لیے خصوصی طور پر حدیثِ پاک نے كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ، کا جملہ خبریہ ارشاد فرمایا جیسا کہ ابو داؤد شریف جلدِ دوم کتابُ الفتن بابُ المہدی ص۲۳۲ پر ہے، چونکہ یہ جملہ صرف مولیٰ علی کے لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس سے ارشاد ہوا تمام صحابہ کرام نے اس کو تعلیم نبوی سمجھ کر اختیار کر لیا اور سب نے مولیٰ علی کے لیے یہ تعظیمی اعزازی جملہ نامِ پاک کے ساتھ کہنا شروع کر دیا۔ اگر علی علیہ السلام

کہنا بھی جائز ہوتا تو زبانِ جنتہ علم وحکمت کبھی ایک بار ہی مولی علی کے لیے علیہ السلام ارشاد فرما دیتی اور صحابہ بھی اس کو تعلیم نبوی سمجھ کر بولنا شروع کر دیتے مگر اُس زمانہ صحابہ میں ایسا نہیں ہوا تو آج کا یہ فرقہ رافضیہ کیوں اس ناجائز کام پر مُصر اور بضد ہے۔ اگر کہنے کا شوق ہے تو قرآن وحدیث وعملِ صحابہ سے صاف صاف لفظوں میں علی علیہ السلام وغیرہ دکھاؤ، ان مصنف صاحب نے اپنے پمفلٹ میں جو آیت و احادیث اور اصول شاشی کی عبارتیں اس کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ سب استدلال غلط اور بے موقع ہیں کیونکہ وہ سب دعائیہ جملے ہیں اس طرح کہنا جائز ہے۔ السلام علیکم یا علی کہنے اور علی علیہ السلام میں بڑا فرق ہے۔ یہ علیہ السلام کہنا شیعوں کی ایجاد ہے اس کا تاریخی پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ جب یہودی بہروپیے عبد اللہ ابن سبا نے شیعہ فرقہ ایجاد کیا تو اس فرقے نے اپنا ایک عقیدہ یہ بنایا کہ اہلِ بیت نبی، نبی کریم سے پانچ چیزوں میں ہم مرتبہ اور مساوی ہیں۔ ۱ امامت میں، اور امامت نبوت سے افضل ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْكُفْرِيَاتِ) ۲ معصومیت میں، یعنی اہلِ بیت بھی معصوم ہیں ۳ مستقل صلوٰۃ وسلام کہنے میں ۴ آل ہونے میں یعنی آلِ نبی صرف اہلِ بیت ہیں اور وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ میں آل سے مراد صرف اہلِ بیت ہیں۔ حالانکہ آل کا معنیٰ صرف اہل بیت یا صرف نسل واولاد کرنا قرآنِ مجید وکلامِ الٰہی وفرمانِ خداوندی کے خلاف ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ آیت ۵۰ میں ارشاد ہے۔ وَاَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ ترجمہ اور ہم نے فرعون کی آل کو غرق کر دیا۔ یہاں آل بمعنیٰ اولاد یا نسل یا اہلِ بیت ہو سکتے ہی نہیں۔ بلکہ آل سے فقط مطیع متبع قوم اور لوگ مراد ہیں۔ اسی طرح وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ میں بھی آقائے کائنات حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام مطیع، متقی، متبع مراد ہیں۔ اگر کوئی شیعہ رافضی لوگ مراد ہیں کو نہیں مانتا تو اُسے چاہیئے کہ قرآن وحدیث سے اسی طرح صراحتاً واضح الفاظ میں آل کا معنیٰ اہلِ بیت یا اولاد یا نسلِ نبی دکھائے جس طرح ہم نے قرآن مجید سے آل کا معنیٰ مطیع ومتبع دکھائے تو ہمیں بھی تسلیم ہے۔ کسی اِدھر اُدھر کے جھوٹی سچی یا غیر مشہور غیر حنفی کُتُب کے حوالے نہ مانے جائیں گے۔ یہ شیعہ لوگ اہلِ بیت سے بھی صرف نسل مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ مراد بھی قرآنِ مجید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ازواجِ مطہراتِ نبوی کو اہلِ بیت فرمایا ہے نہ کہ اولاد یا نسل کو، فاطمہ زہرہ۔ مولی علی وامام حسن وحسین رضی اللہ

تعالیٰ عنہم کو تو خصوصی طور پر حیثیت پاک سے اہل بیت بنایا ہے۔ یہ حضرات اہل البیت نہیں۔ بلکہ خصوصی بنائے ہوئے اہل بیت ہیں۔ اگر کوئی شخص شیعہ یہ بات نہیں مانتا تو اسے چاہیئے کہ صراحتًا واضح الفاظ سے اولاد کے لیے اہل بیت کا لفظ قرآن مجید سے دکھائے، تو ہمیں بھی تسلیم ہے، قرآن مجید نے تو صرف بیوی کو اہل بیت فرمایا ہے یہ حقیقت ہے۔ یعنی شیعہ رافضی فرقہ مولیٰ علی وَ اہل بیت کو علم میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مساوی مانتے ہیں۔ اصلاً اس بدعقیدگی کے لیے شیعوں نے چند جھوٹی باتیں گھڑ لیں جیسے ایک کذب بیانی اس طرح کی گئی کہ نبی کریم نے فرمایا۔ مَا اَحَدٌ فِیۡهَا اِلَّا کُلَّفَنِیۡ عَلِیٌّ" ترجمہ۔ نہیں پاتا ہوں میں زیادہ علم اس فیصلے میں مگر اتنا ہی جو کہدیا علی نے یعنی علم نبی کریم کے علم کے مساوی ہے (معاذ اللہ) دوسری کذب بیانی۔ اس طرح کی گئی کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ جَعَلَ فِیۡنَا الْحِکْمَةَ اَهْلَ الْبَیۡتِ۔ ترجمہ۔ خود شیعوں نے اس طرح کیا ہے، کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت کو حکمت وَدِیۡعَت کی۔ یعنی صرف مولیٰ علی ہی نبی کریم کے اہل بیت نہیں، نبی کریم بھی مولیٰ علی کے اہل بیت ہیں، اہل بیت میں نبی و علی مساوی ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں (مَعَاذَ اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْکُفْرِیَاتِ) ان بدعقیدگیوں کی بنا پر شیعوں رافضیوں نے اہل بیت کو نبی کریم اور دیگر انبیاءِ کرام کے مساوی اور ہم مثل سمجھتے ہوئے۔ علیہ السّلام کہنا شروع کر دیا۔ اس ہم مثلیت اور مساویت کی بدعقیدگی بچانے کے لیے شیعوں نے کفو کا معنیٰ کیا ہے، برابر اور ہم مثل، اور یہ جاہلانہ معنیٰ کر کے دراصل اسی بدعقیدگی آڑ میں اہل بیت کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے برابر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کفو کا معنیٰ برابر اور ہم مثل نہیں بلکہ کفو کا معنیٰ ہے شریک رشتے دار ہم قوم جوڑ۔ یہی معنیٰ ہے۔ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ یعنی اور نہیں ہے اُس کا کوئی شریک، سورۃِ اخلاص میں دنیا کے پانچ بڑے کافر گروہ کا تردیدی جواب دیا گیا ہے۔ کہ مجوس نے کہا الٰہ دو ہیں ۱ اہرمن ۲ یزدان اُن کی تردید فرمائی گئی۔ قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اِلٰہ فقط ایک اللہ ہی ہے صابئی گروہ نے کہا اللہ بھی حاجت مند ہے ملائکہ وغیرہ کا، اُن کی تردید فرمائی اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ اللہ صَمَدُ ہے کسی کا حاجتمند نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کے لیے ابنیت اور وَلدیت کا کفریہ عقیدہ بنایا۔ اُس کی تردید میں فرمایا۔ لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ۔ نہ وہ کسی کا والد ہے نہ کسی کا وَلَدُ ہے، بُت پرستوں نے کہا، ہمارے یہ بُت اللہ کے شریک ہیں۔ اُن کی تردید میں فرمایا۔ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ اور اُس اللہ کا کوئی

شریک نہیں ہے۔ اگر جہلاء شیعہ کی طرح کفو کا معنی مثل اور برابر کیا جائے تو یہ آیت وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ بیکار ہو جائے کیونکہ کوئی کافر بھی اپنے بتوں وغیرہ کو اللہ کے برابر اور مثل نہیں کہتا بلکہ مجوسی اہرمن کو چھوٹا اور یزدان کو بڑا مانتے ہیں۔ صابئین اللہ کو بڑا جنات وملائکہ کو چھوٹا مانتے ہیں یہود و نصارٰی بھی اللہ کو باپ اور بڑا، عزیر و عیسٰی علیہما السّلام کو بیٹا اور چھوٹا مانتے ہیں، بت پرست بھی اللہ کو بھگوان اور بڑا مانتے ہیں اپنے بتوں کو چھوٹے شریک الوہیت مانتے ہیں۔ غرضکہ اسی مساویت اور برابری نبوت کے کفریہ عقیدے کی بنا پر صرف رافضی شیعوں نے اہل بیت کو علیہ السّلام کہنا شروع کیا اور یہ صرف اُن کی عادت و علامت ہی نہیں بلکہ اُن کی ہی ایجاد بھی ہے۔ چنانچہ سوانح عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ صفحہ ۱۸ پر یہ ہی لکھا ہے، اور تفسیر روح البیان ہفتم صفحہ ۲۲۸ پر ہے۔ وَاَمَّا السَّلَامُ فَهُوَ فِی مَعْنَی الصَّلٰوةِ فَلَا تُسْتَعْمَلُ بِالْغَائِبِ فَلَا یُفْرَدُ بِهٖ غَیْرُ الْاَنْبِیَاءِ فَلَا یُقَالُ عَلِیٌّ عَلَیْهِ السَّلَامُ كَمَا تَقُوْلُ الرَّوَافِضُ وَتَكْتُبُهٗ وَسَوَاءٌ فِیْ هٰذَا الْاَحْیَاءُ وَالْاَمْوَاتُ۔ اور عقائد اسلامیہ سنیہ کی مشہور و معتبر کتاب نبراس علی شرح العقائد صفحہ ۱۱ پر ہے۔ لَا یَجُوْزُ التَّصْلِیَةُ وَالتَّسْلِیْمُ عَلٰی غَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ اِسْتِقْلَالًا عِنْدَ الْمُحَقِّقِیْنَ مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ خِلَافًا لِلرَّوَافِضِ

ترجمہ: عبارۃ روح البیان، اور لیکن سلام تو وہ صلوٰۃ ہی کے درجے اور حکم میں ہے لہٰذا قانونِ شریعت کے مطابق نہیں استعمال کیا جا سکتا سلام کا لفظ غائب ضمیر کے لیے یعنی علیہ السلام، تو انفرادی اور مستقل طور پر اس لفظ کو انبیا کے سوا کسی کے لیے نہیں بولا جا سکتا (انسانوں میں)، لہٰذا ناجائز ہے شریعت میں علی السّلام کہنا۔ جیسے کہ رافضی شیعہ کہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں، شریعت کے اِس عدم جواز کے حکم میں زندہ لوگ اور فوت شدہ حضرات سب برابر ہیں یعنی صحابی ہوں یا اہلِ بیت یا تابعی تبع تابعی یا تا قیامت کوئی بھی بزرگ، یہ لفظ اسی شکل میں مخصوص ہے، انبیا اور ملائکہ علیہم السّلام کے ساتھ اس عبارت نے کتنی وضاحت کے ساتھ شیعوں کا ایجاد کردہ لفظ دوسرے صلوٰۃ و سلام کے لفظوں سے متفرق کر دیا۔ اب مصنّف صاحب اپنے حوالوں سے سنی عوام کو دھوکہ نہیں دے سکتے، ترجمہ نبراس کی عبارت کا۔ قطعًا ناجائز ہے۔ صلوٰۃ اور سلام کا لفظ غیر انبیا کے لیے مستقل طور پر اُسی انداز میں بولنا جس طرح شیعہ رافضی بولتے ہیں، تمام علماءِ محققین اہلِ سنّت کے نزدیک ثابت ہوا کہ علیہ السّلام اہلِ بیت کے لیے بولنا شیعوں کی بدعقیدہ ایجاد اور علامت ہے، کوئی

میں ایسا نہیں کہہ سکتا جو ایسا کہے یا کہلوائے وہ یا ظاہراً شیعہ ہے یا درپردہ، کیونکہ اس طرح کہنے میں تین بدعقیدگیاں ہیں۔ اہلِ بیت کو انبیا علیہم السّلام کے برابر و مساوی ماننے کا کفر کہنا پڑتا ہے۔ اور کسی غیر نبی کو کسی نبی علیہ السلام سے صلوٰۃ یا سلام یا کسی بھی شانِ امتیازی و شرعی میں مساوی کا درجہ دینے کے درجہ میں لانا کفر ہے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی حنفی سُنّی ص۱۰۱ پر ہے: ولا یبلغ ولی درجۃ الانبیاء ترجمہ اور کوئی بھی ولی کسی بھی زمانے کا کتنا بڑا کوئی قطب ہو یا ابدال کا سردار ہو کسی نبی علیہ السّلام کے درجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح شامی بحرالرائق جلد چہارم ص۲۰۸ پر ہے۔ مولیٰ علی رض اور اہلِ بیت رض اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اولیاءِ کاملین میں سے ہیں شریعت کا یہ حکم اور مسئلہ، شرح نووی جلد اوّل ص۱۷۶ اور ص۳۲۶ پر بھی لکھا ہے۔ وہاں امام نووی لکھتے ہیں صلوٰۃ اور سلام دونوں لفظوں کا ایک حکم ہے کیونکہ قرآنِ مجید میں دونوں ایک ہی جگہ ایک حکم میں ہی عَلَى النَّبِیِّ کے لیے مستقلاً شروع ہوئے ہیں۔ لہٰذا نہ علی علیہ الصّلوٰۃ کہنا جائز نہ علی علیہ السّلام کہنا جائز نہ صدیق و فاروق کے لیے اس طرح کہنا جائز۔ اور امام نوویؒ نے یہ بھی فرمایا کہ السّلام علیکم کہنا جائز ہے مگر علیہ السّلام کہنا ناجائز ہے، اس لیے کہ دونوں میں بہت طرح فرق ہے۔ میں کہتا ہوں ایک فرق یہ بھی ہے کہ السّلام علیکم دعا ہے اور علیہ السّلام تعظیم ہے اس لیے خاص ہے انبیاء و ملائکہ معصومین سے، نسیم الریاض شرح شفا جلد سوم ص۵۰۹ پر ذرا تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے کہ شریعتِ اسلام تعلیم القرآن تبلیغ حدیث نے کس کے لیے کونسا لفظ مخصوص فرما دیا ہے جو دوسرے کو جائز نہیں۔ شامی جلد پنجم ص۵۲۳ پر ہے کہ صلوٰۃ و سلام دونوں کا حکم شرعی ایک ہے محققین علماءِ اہل سنت کا کسی میں اختلاف نہیں دونوں لفظ بطرزِ تعظیم غیر نبی علیہ السلام کے لیے بولنے ناجائز ہیں وغیرہ وغیرہ تفسیر مظہری جلد ششم سورۂ احزاب ص۴۱۴ پر بھی یہ ناجائز ہونے کا مسئلہ لکھا ہے۔ اعلحضرت مجددِ بریلوی نے بھی المعتمد و المستند کے ص۱۴۹ پر بڑی تفصیل سے قرآن و حدیث و فقہ کے حوالوں سے لکھا ہے کہ فلاں لفظ فلاں شخصیت کے لیے خاص کر دیا گیا۔ اور یہ کہ شریعت پاک نے جو لفظ جس کے لیے خاص فرما دئے بس اسی کے لیے جائز غیر کے لیے ناجائز۔ غرضکہ تمام سنّی علما فقہا کا متفقہ مسلک ہے کہ علیہ السّلام کسی غیر نبی کے لیے بولنا کہنا ناجائز اور گناہ ہے کیونکہ کذب بیانی ہے۔ ہم نے مندرجہ کتب کی اصل عربی عبارات یہاں اس لیے نہیں لکھیں کہ ہم نے اسی موضوع پر ایک فتویٰ اپنے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں لکھا ہے وہاں مکمل حوالوں کے

ساتھ اصل عربی عبارات درج کی گئی ہیں۔ وہاں ملاحظہ ہوں۔ بہر کیف عبداللہ بن سبا کے رافضی ٹولے نے جب علیہ السلام کا لفظ اہلِ بیت کے لیے بولنا شروع کیا تو خارجی گروہ نے اس کے انتقام میں۔ یزید پلید اور امیر معاویہؓ اور صدیق رضؓ و فاروق رضؓ کے لیے بولنا شروع کر دیا۔ رافضی اپنے خطبوں اور کلاموں میں اصحابِ ثلاثہ وغیرہم کو تبرّا کرتے اور اہل بیت کی قصیدہ خوانی کرتے بات بات میں ہر ایک کے نام کے ساتھ علیہ السلام اور علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے اور اہلِ بیت کو انبیاءِ کرام علیہم السلام کے مساوی سمجھتے ہوئے یہ علیہ السلام کا خصوصیاتِ نبوت والا اعزازی و تعظیمی لفظ ہر اہلِ بیتِ نبوت کے لیے استعمال کرتے تو جواباً خارجی ٹولہ دیگر صحابہ کرام و خلفاءِ ثلاثہ کے لیے بھی بولتے اور اپنے خطبوں کلاموں میں اہلِ بیت پر تبرّا کرتے، عجیب دلخراش ماحول ہو گیا تھا ہر طرف ہڑ بونگ مچی تھی کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ نبی غیر نبی میں کوئی تمیز باقی نہ چھوڑی تھی۔ یہاں تک کہ ۹۹ھ میں ایک خلیفۂ اسلام حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا اور آپ نے یہ اسلام و شریعت کے خلاف تکیہ کلام سنا کہ کسی نے عقیدۃً کسی نے انتقاماً و جواباً اس طرح کا کلام شروع کر رکھا ہے، تب آپ نے بزورِ حکومت دیگر کثیر اصلاحات کے علاوہ اس مذھبی مقابلے بازی اور منافرت کو بھی ختم کیا اور تمام رافضیوں، خارجیوں کو امامت، خطابت، محراب و منبر سے ہٹا کر سنّی علما فقہا کو معین و مزین فرمایا اور ہر خطبے میں حمد و صلوٰۃ کے بعد چاروں خلفاءِ راشدین کے اسماءِ پاک شان و عظمت کے ساتھ داخل کیے گئے۔ اور ہر دو فریق خارجی، رافضی تفضیلین لوگوں کو علیہ السلام کہنے سے سختی کے ساتھ منع کیا۔ جو پھر بھی باز نہ آتا اس کو دلائل سے سمجھایا جاتا کہ دیکھو اگر یہ علیہ السلام کہنا غیر نبی کے لیے جائز ہوتا، تو ائمہ اہلِ بیت بھی ایک دوسرے کو آپس میں کہتے کیا کبھی امام حسنؓ و حسینؓ نے بھی مولا علی کو علیہ السلام کہا۔ اسی طرح خارجیوں کو سمجھاتے اور فرماتے کہ رب تعالیٰ نے تمام اہلِ بیت و صحابہ کے لیے ایک ہی تعظیمی جملہ ارشاد فرمایا رضی اللہ عنہم بس ہر شخص اپنے بزرگ کے نام کے بعد یہی تعظیمی و اعزازی جملہ بول سکتا ہے اگر پھر بھی کوئی نہ مانتا تو اُس کو تعزیری سزا دی جاتی تب کہیں جا کر خارجیت رافضیت کی یہ بدعت سیئہ ختم ہوئی مگر پھر بھی اس بد عقیدگی بد فطرتی کی جڑ نہ ختم ہوئی یہی نہیں بلکہ ہر برائی کا یہی حال ہے کہ جڑ نہیں مٹتی اگرچہ حق کے مقابل دب جاتی ہے جس طرح تاریخ شاہد ہے۔ یہی حال اس ناجائز عادت کا ہے اس لیے اب بھی کہیں کہیں اور کبھی کبھی یہ شجر

خلافت میں خلفائے ... جو آپ تک جاری ہے ایک شیعہ صاحب کہنے لگے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے صرف امویہ خاندانوں کو بنی امیہ کے امیروں کی قصیدہ خوانی اور فقط اُن کے لیے علیہ السلام کہنے سے روکا تھا نہ کہ اہل بیت کے لیے میں نے کہا اس کا کوئی تاریخی ثبوت ... جواب ہو گئے۔ نیز یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ناجائز کام ہے ایک کو روکا جائے ... کو نہ روکا جائے اس سے تو مزید فساد و بغاوت پھیلتی ہے۔ اگر ناجائز ہے تو سب کے لیے اور اگر جائز ہے تو سب کے لیے خلاصہ یہ ہے کہ علیہ السلام یا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتیازی و تکریمی تعظیمی الفاظ کہنا، عقلاً ... متفقاً اور فضائلِ صحابہ و اہلِ بیت کے اعتبار سے ناجائز ہے۔ اگر آپ بھی کسی کو اس شیعی عادات و ایجاد کو اپنانے اور شائع کرنے کا شوق ہے تو اُلٹے دلائل کا استدلال سے نہیں بلکہ سیدھے صاف و واضح صریحی عبارتی دلائلِ فقہ و قرآن و حدیث و عملِ صحابہ و تعلیم نبوی سے لفظِ علیہ السلام کہنے کو ثابت کرے جس طرح بحمدِ اللہ تعالیٰ ہم نے ناجائز و شیعہ ایجاد، عادت و علامت ہونے کو ثابت کیا ہے ورنہ اس عادتِ شیعہ سے توبہ کرے۔

ایک سائل کے بھیجے ہوئے پمفلٹ کا مکمل و مدلّل تردیدی جواب دیا جاتا ہے

صاحبِ پمفلٹ مصنف صاحب کسی فرضی نام کے زید شخص پر اعتراض کرتے ہوئے پمفلٹ کے صفحہ سات پر لکھتے ہیں کہ اصول شاشی ص۵ پر خطبے میں ہے وَالصَّلٰوۃُ عَلَی النَّبِیِّ وَ اَصْحَابِہٖ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَ اَحْبَابِہٖ۔ زید نے وَالسَّلَامُ کو بالتّبع سلام قرار دیا ہے مصنف صاحب نے زید کی غلطی پکڑی کہ یہ بالتّبع سلام نہیں بلکہ مستقل علیحدہ ہے، پھر اس خطبے سے مصنف محترم استدلال کرتے ہیں علیہ السلام کہنے کے جواز پر کہ جب اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ جائز ہے تو علی علیہ السلام کہنا بھی جائز ہے۔

جواب۔ مگر میں کہتا ہوں کہ زید کا قول بھی غلط ہے اور مصنف صاحب کا استدلال بھی غلط ہے، اصول شاشی کا خطبہ شرعًا بالکل درست و جائز ہے، کیونکہ السّلام علی اور علیہ السّلام میں بہت فرق ہے۔ پہلا دعائیہ جملہ ہے یہ ہر ایک کے لیے مستقلاً بولنا جائز ہے ہم دن رات ملاقاتوں میں کہتے ہیں السّلام علیکم اپنی نمازوں میں کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ

اِلصّالِحِیْن لیکن علیہ السلام یہ تعظیم و اعزاز کا جملہ ہے انبیاء و ملائکہ سے خاص ہے اس لیے وہ ہر ایک کے لیے جائز نہیں اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِیْ حُنِیْفَۃَ بھی اَلسَّلَامُ عَلٰی مولٰی علی بھی جائز اس پر قیاس و استدلال درست نہیں ہے۔ صفحہ ۹ پر دلیل اور سند میں فرق کرتے ہیں۔ مگر مصنف صاحب خود بھی علم مناظرہ کے ان اصولی قاعدوں تعریفوں کو نہ سمجھے اور غیر جگہ اس سے سہارا پکڑ لیا۔ اولاً تو یہ ہی ثابت نہیں کہ اہلِ سنت کی بخاری و ابو داؤد میں علی علیہ السلام لکھا ہے، میرے پاس بہت پرانی بخاری موجود ہے اس میں مجھے یہ الفاظ کہیں نہ ملے ثانیاً یہ ثابت نہیں کہ اگر کسی کتاب میں کوئی ناجائز لفظ لکھا گیا ہے تو خود صاحبِ کتاب نے لکھا ہے یا کسی تخریب کار نے۔ ثالثاً مصنف صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے غیر انبیاء کی شان میں لفظِ علیہ السّلام کہنا۔ یہ بات بھی غلط ہے کہیں بھی علیہ السلام کا جواز ثابت نہیں اگر مصنف صاحب کو نظر آتا ہے تو بِعَینہٖ علی علیہ السّلام کا فقرہ دکھائیں اَلسَّلَامُ عَلٰی فلاں، یا سلامٌ عَلٰی سے بات نہ بنے گی وہ سب دعائیہ فقرے ہیں اور اس میں کوئی تنازع نہیں، مصنف محترم اِن تمام کمزوریوں کو شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے کھاتے میں ڈال رہے لیکن ہمارے سامنے اِس وقت صرف یہ پمفلٹ ہے اس لیے ہم ان سب باتوں کو مصنف صاحب کی ہی سمجھ کر اِن ہی کو مخاطب کریں گے۔ اگر اس طرح محض کتاب میں لکھے ہونے کو سند یا دلیل بنانا جائز کر دیا جائے تو تخریب کاروں کی تخریب کاری کامیاب ہو گئی آج کون سی پرانی کتاب بچی ہے جس میں تخریب کاروں نے ملاوٹوں بناوٹوں کی تخریب کاری نہ کر دی ہو۔ اِلاَّ مَا شَاءَ اللہ، توریت زبور، انجیل سے لے کر محی الدین ابن عربی کی کتب اور غوثِ اعظم کی غنیۃُ الطالبین تک موجود ہ دور میں بھی کسی اہلِ سنّت کی کتاب مسلک و عقیدہ کو کسی وہابی دیوبندی، شیعہ رافضی، قادیانی وغیرہ مطبعوں سے چھپوا کر تو دیکھو۔ کیا کیا حشر کرتے ہیں، جس کا تجربہ مشاہدہ ایک دفعہ تاج کمپنی وہابی سے۔ ترجمہ قرآن کنز الایمان حاشیہ تفسیر خزائن العرفان چھپوا کر دیکھ لیا بہر کیف محدث دہلوی ابن شاہ ولی اللہ ہوں یا ہمارے یہ مصنف صاحب کسی کا یہ کہنا کہ قرآن و حدیث سے علیہ السّلام کہنے کا جواز ثابت ہے۔ ایسی ہی کمزور ضد ہے۔ جیسے سوالِ گندم جواب جَو دیا جائے۔ یا پتنی دوپہر کو رات کہنے پر ضد کی جائے، مصنف صاحب پمفلٹ کے صلا پر لکھتے ہیں کہ متاخرین کا فتویٰ ائمہ اربعہ اور جمہور صحابہ اور تابعین کے خلاف بھی ہوتا

ہے اور اس حرکت [illegible] لغویات ہے۔ بحوالہ ردّ المحتار ص۵۲۱ عربی عبارت اس طرح لکھی ہے کہ [illegible] بِلَا مُتَابَعَةِ الْأَرْبَعَةِ وَجُمْهُورِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ۔ [illegible] کہ [illegible] جمہور کی رائے راجح نہیں ہوتی۔ جواب مصنف صاحب نے اس عبارت کا [illegible] نہیں لکھا صرف اتنا لکھا ہے دردّ المحتار ص۵۲۱ نہ [illegible] نہ پوری عبارت، نا معلوم یہ عمداً ہے یا نسیان۔ بظاہر تو [illegible] ردّ المحتار شامی کی چھ ضخیم جلدیں ہیں تو اس طرح کا گمنام و مجہول حوالہ [illegible] دے گا۔ نیز جو قول آئمہ اربعہ کے خلاف ہو جمہور صحابہ کرام کے خلاف ہو جمہور تابعین کے بھی، جمہور صحابہ میں مولیٰ علی بھی شامل تو جو فتویٰ ان سب کے خلاف ہو وہ جہالت اور شیطانیت کے سوا اور کیا ہوگا۔ ایسے فتوے ایسی جہالت کے حامل ہو سکتے ہیں اور جو ایسے جاہل متاخرین کے جاہلانہ فتووں کو ترجیح دے وہ بجز تخریب کار گمراہ و گمراہ گر کے اور کیا ہو سکتا ہے، حالانکہ علامہ شامی اپنے فتاویٰ ردّ المحتار جلد اول ص۴۶ پر لَا يَجُوزُ إِحْدَاثُ قَوْلٍ خَارِجٍ عَنِ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ ہے ترجمہ: وہ قول یعنی ایسا فتویٰ جو مذاہبِ اربعہ سے خارج اور ان کے خلاف ہو وہ قطعاً ناجائز ہوتا ہے جائز ہی نہیں ہے۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ کے مخالف فتویٰ دینا کسی کو جائز نہیں، اور پھر متاخرین کے پاس اتنا علم اور تمیز کہاں کہ چاروں ائمہ کے خلاف فتویٰ دینے کی جرأت کرے پتہ نہیں مصنف صاحب کس مسلک کے حامی ہیں کہ ان کے سلف صالحین کو قرآن مجید کی بعض سورتوں سے نفرت اور ان کے متاخرین بھی جمہور صحابہ و خلفاءِ راشدین و تابعین و ائمہ اربعہ کے خلاف۔ غالباً مصنف صاحب کو جمہور کی تعریف نہیں آتی ورنہ ایسی غلط بات کبھی نہ لکھتے۔ بہر کیف جمہوریت کے خلاف کوئی فتویٰ ترجیح نہیں پا سکتا۔ خاص کر صحابہ کرام کی جمہوریت۔ ایسی غلط بات کہنا اور لکھنا ہی مردود ہے ان کچی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف صاحب کو بہت سی فقہی عبارتیں سمجھ نہیں آتیں۔ پمفلٹ کے ص۱۲ پر مصنف صاحب اس بات پر ضد باندھے ہوئے ہیں کہ صلوٰۃ میں اختلاف ہے سلام میں نہیں ہے۔ جواب: مصنف صاحب نے یہاں ذرا تدبر و تحمل نہیں فرمایا، اگر کچھ تدبر فرماتے تو حقیقت واضح ہو جاتی کہ صلوٰۃ و سلام

کی شرعاً دو دو قسمیں ہیں ۱۔ صلوٰۃِ تعظیمی ۲۔ صلوٰۃِ دعائی ۳۔ سلامِ تعظیمی ۴۔ سلامِ دعائی یہ کُل چار قسمیں اور نوعیتیں ہو گئیں، اِن میں سے تین میں کسی کا اختلاف نہیں نہ فقہاءِ مجتہدین کا نہ مشائخ فقہا کا، نہ متقدمین کا نہ متاخرین کا نہ موجودہ علماءِ اہلِ سنت کا، چنانچہ سب کا متفقہ مسلک ہے کہ صلوٰۃِ تعظیمی و اعزازی مثلاً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے الفاظ صلوٰۃ نبی کریم آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے خاص ہیں، کسی دوسری بزرگ ہستی کے لیے نہیں بولے جا سکتے لہٰذا علیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کہنا قطعاً ناجائز ہے، کچھ دیوبندی وہابیوں نے موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام وغیرہما کے لیے کتبِ احادیث میں لکھ دئیے ہیں یہ اُن کی شرارت و جہالت ہے ۲۔ اس میں بھی سب کا اتفاق ہے کہ سلامِ دعائیہ ہر مسلمان کے لیے مستقلاً ہر وقت جائز ہے حاضر ہو یا غائب زندہ ہو یا فوت شدہ نبی علیہ السلام یا غیر نبی، جیسے بوقت ملاقات السلام علیکم کہنا نماز میں السلام علینا کہنا، قبرستان میں السلام علیکم یا اَھلَ القبور کہنا۔ غائب کے لیے السلام علیٰ اَخی علیٰ اَبی علیٰ اِبنی علیٰ علی علیٰ صحابہ علیٰ اہلِ بیت علیٰ اَبی حَنیفۃ وغیرہ کہنا ۳۔ سب فقہا و علماءِ اہلِ سنت کا اتفاق ہے کہ سلامِ تعظیمی کسی غیر نبی کے لیے بولنا ناجائز گناہ اور کذب بیانی ہے، کیونکہ سلامِ تعظیمی جملہ خبریہ سے ہے اور عصمت کی وجہ سے انبیاءُ ملائکہ سے خاص ہے تو جو معصوم نہیں اس کے لیے سلامِ تعظیمی جائز نہیں انسانوں میں یہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا خاصّہ ہے اور علیہ السلام کہنا یہ سلامِ تعظیمی ہے، لہٰذا سب کا متفقہ مسئلہ ہے کہ غیر نبی کو علیہ السلام کہنا ناجائز و گناہ ہے، یہ ناجائز عادت صرف شیعہ روافض کی ایجاد و علامت ہے۔ مصنف صاحب نے کہا ہے کہ سلام میں اختلاف نہیں ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی سلام میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ سب ہی کہتے ہیں کہ علیہ السلام غیر نبی کے لیے بولنا ناجائز و گناہ ہے کوئی بھی جائز نہیں کہتا ۴۔ اختلاف صرف صلوٰۃِ دعائیہ میں ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ کے الفاظ سے غیر نبی کو دعا دینی ممنوع ہے، یہ جو حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک بار کسی عورت کی عرض پر فرمایا صلی اللّٰہُ علیکِ وعلیٰ زوجِکِ۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے کسی اور دوسرے شخص کو ایسا کہنا جائز نہیں ہے، ورنہ جھوٹی نبوت کا اشتباہ پیدا ہو جائے گا، کیونکہ پہلے زمانے میں مسیلمہ کذاب کے لیے اُس کے پیروکار کہتے تھے اب قادیانی لوگ مرزے کے لیے کہتے ہیں اس لیے جمہور کا یہی مسلک حق ہے۔ جمہور کے خلاف قول مردود ہوتا ہے۔ دیکھو کتب

قول فقہ۔ چند محدثین مثلاً امام ابو داؤد و بخاری وغیرہ فرماتے ہیں کہ صرف دعائیہ صلوٰۃ غیر نبی پر جائز ہے ان کے نزدیک اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَی الصَّحَابَۃِ کہنا جائز ہے۔ مگر یہ قول جمہور صحابہ تابعین کے خلاف ہے اور قول فقہ کے مسائل میں معتبر نہیں ہوتا۔ علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں چند اقوال نقل فرمائے ہیں جن کو ہم نے پہلے ابو داؤد کے حوالے سے بیان کر دیا خیال رہے کہ جمہور کے خلاف چلنا خاص کر صحابہ کے خلاف کرنا ضلالت وجہالت ہے مصنف صاحب کو چاہیئے کہ کتب فقہ کی عبارت مطلب کا ادا کریں۔ حق کے متلاشی کے لیے صرف مطلب برآری زیب نہیں دیتا صلوٰۃ تعظیمی میں کوئی اختلاف نہیں سب کے نزدیک صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مخصوص ہے دیگر علاوہ کے لیے ممنوع ہے سلام تعظیمی میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے، سب کے نزدیک غیر نبی کے لیے ناجائز وگناہ علیہ السّلام کے الفاظ سلام تعظیمی ہے، لہٰذا سب کے نزدیک ابوبکر یا علی یا عمر علیہ السّلام، کہنا ناجائز وگناہ ہے صرف صلوٰۃ دعائیہ میں محدثین کے اختلاف ہیں، پمفلٹ کے صہ۱۲ پر لکھا ہے کہ، مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے اور حوالے میں شامی اوّل صہ۱۲۰ کی یہ عبارت لکھی ہے۔ وَقَدْ یُقَالُ اُطْلِقَ الْجَائِزُ وَاُرَادَ بِہٖ مَا یَعُمُّ الْمَکْرُوْہَ لٰکِنَّ الظَّاھِرَ اَنَّ الْمُرَادَ الْمَکْرُوْہُ التَّنْزِیْھِیُّ کہ جائز کا اطلاق مکروہ تنزیہی پر بھی ہوتا ہے، جواب، مصنف صاحب نے یہاں بھی عمداً یا نسیانًا بہت غلطیاں کیں ہیں۔ پہلی غلطی یہ کہ مکروہ تنزیہی کو جائز کہا ہے۔ حالانکہ تمام فقہا مکروہ تنزیہی کو بھی ناجائز فرماتے ہیں جیسا ہم نے ابھی مرقات اور فتاویٰ شامی کی چند عبارات سے ثابت کر دیا۔ مصنف صاحب کی دوسری غلطی یہ کہ شامی کی پیش کردہ عبارت قَدْ یُقَالُ سے شروع ہو رہی ہے۔ یہ فعل مجہول ہے۔ اور فعل مجہول صیغۂ تمریض ہوتا ہے اور صیغۂ تمریض سے بیان کردہ قول خود مصنف صاحب کے نزدیک بھی کمزور ونامقبول ہے، دیکھو ان کی کتاب جلد سوم صہ۱۹۰۔

حیرت ہے، کہ اپنے مطلب کی بات ہو تو صیغۂ تمریض بھی قبول وپسند اور مطلب کے خلاف ہو تو قالوا جیسے مضبوط وجمہور صیغے کو بھی خود ساختہ تمریض کہہ کر ناپسند کر دیتے ہیں۔ تیسری غلطی، مصنف صاحب نے اس چھوٹی سی عبارت کا ترجمہ بھی صحیح نہیں فرمایا۔ صحیح لفظی ترجمہ اس طرح ہے اور کسی مجہول شخص کی طرف سے کہا

جاتا ہے کہ جائز کو مطلق کیا گیا ہے اور ارادہ کیا اُس مجہول نامعلوم شخص نے اپنی اِس اطلاق سے وہ کام جو عام ہوتا ہے ہر مکروہ کو لیکن ظاہر یہ ہے کہ مراد ہر مکروہ نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اس عبارت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مکروہ تنزیہی جائز ہے۔ بلکہ یہاں یہ بتایا جارہا ہے بعض جائز کام بھی مکروہ تنزیہی اور ناپسندیدہ ہوتے ہیں: اُطْلِقَ الْجَائِزُ مَا یَعُمُّ الْمَکْرُوْہَ ہے نہ کہ اُطْلِقَ الْمَکْرُوْہُ مَا یَعُمُّ الْجَائِزَ۔ اور شخص مجہول کی مراد ہر مکروہ ہی ہے بَرْ لٰکِنَّ الظَّاہِرَ کا احتمال علامہ شامی کی اپنی سوچ ہے شخصِ مجہول کی نہیں، وہ شخص کہنا یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں بہت سے ایسے کام ہیں جو جائز بھی ہیں مکروہ تحریمی بھی۔ مکروہ تنزیہی بھی۔ جیسے طلاق دینا جائز بھی ہے مگر مکروہ تنزیہی بھی اس لیے حدیث پاک میں طلاق دینے کو اَبْغَضُ الْحَلَالُ فرمایا گیا، اور جیسے بازار جانا جائز بھی ہے اور مکروہ تنزیہی بھی کہ بازار کو شیطان کی آماجگاہ فرمایا گیا۔ اور جیسے کہ شرعی بیوی سے صحبت کرنا جائز ہے مگر سب کے سامنے کرنا مکروہ تحریمی یا حیض میں کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ جب مصنف صاحب اتنی سی عبارت نہ سمجھ سکے تو دراز کتبِ فقہ واصولِ فقہ میں کیا حال ہوتا ہوگا، خیال رہے کہ علماءِ اصولِ فقہ نے جواز کے چار معنی بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ فتاوی بحرالرائق جلد اوّل کتاب الطہارت باب المیاہ ص۲ پر ہے کہ ۱ جواز بمعنی صحت و درستی ۲ جواز بمعنی حلت حلال ہونا ۳ جواز بمعنی نفاذ، نافذ و جاری کرنا ۴ جواز بمعنی لزوم کسی کام کا لازم ہونا۔ (از فتاوی رضویہ جلد پنجم ص۱۷) پمفلٹ کے ص۱۴ پر ہے کہ چونکہ سلام میں اختلاف نہیں اس لیے علی علیہ السلام کہنا جائز ہوا، جواب ہم نے ثابت کر دیا کہ چونکہ سلام میں اختلاف نہیں اس لیے علی علیہ السلام، کہنا ناجائز اور گناہ ہے۔ اس لیے کہ عدمِ اختلاف عدمِ جواز میں ہے نہ کہ جواز میں۔ ہاں صرف سلامِ دعائیہ میں عدمِ اختلاف جواز میں ہے۔ لہٰذا۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی عَلِیٍّ کہنا جائز ہے، مگر علی علیہ السلام کہنا ناجائز ہے، دونوں میں فرق یہ کہ وہ دعا ہے۔ یہ اعزاز ہے دعاءِ سلام سب کو جائز اعزازِ سلام صرف انبیاء وملائکہ کو۔ پمفلٹ ص۱۵ پر تفسیر روح البیان کی ایک عبارت میں اُن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی نبوت میں اختلاف ہے۔ اُن میں حضرت مریم کا نام بھی لکھا گیا ہے۔ مگر یہ یا سہو ہے یا ملاوٹ ہے بہرکیف ناجائز و غلط ہے۔ اس سے دلیل پکڑنا اور اِس کو صاحب تفسیر کی غلطی و چشم پوشی نہ سمجھنا انتہائی کم فہمی ہے۔ ایسی کچی باتیں عُقَلَا کو زیب نہیں

ہیں۔ دانشمندوں کی نظر میں یہی باتیں ابن الوقتی اور مطلب پرستی کہلاتی ہیں، بہارِ شریعت کا حوالہ دینے کی کیا ضرورت تھی صاحب بدیع البیان ہر جگہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا لکھتے ہیں اور کہیں بھی حضرت مریم میں اختلاف قول نقل نہ کیا، اور بہت جگہ صاف صاف لکھتے ہیں کہ انبیاء صرف مرد ہی ہوتے ہیں۔ مصنف صاحب کو چاہیئے کہ کتابوں کا بغور مطالعہ فرمایا کریں ذرا آگے پیچھے بھی دیکھ لیا کریں۔ پمفلٹ کے صد پر پھر وہی ہیں نہ مانوں کی رٹ ہے کہ قرآن و حدیث میں علیہ السلام کہنے کا ثبوت ہے اور یہ کہ ابن حجر مکیؒ بحوالہ فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں میں اہلِ بیت نبی کریم کے مساوی ہیں۔ جواب۔ ہم نے پچھلا صفحہ حوالوں سے ثابت کر دیا کہ یہ مساوی ہونے کا کفریہ عقیدہ ہونا بھی شیعہ فرقے کی ابتدائی ایجادات میں سے ہے کوئی غیر نبی کسی نبی علیہ السلام کے مساوی کسی بھی چیز میں نہیں ہو سکتا۔ مصنف صاحب نے تو وہ پانچ چیزیں نہ بتائیں مگر ہم نے بتا دیں ہیں فخر الدین رازی صاحب، یا ابن حجر صاحب کی کیا جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ سنی ہو کر شیعوں کی بد عقیدگیاں بلا تردید نقل کریں۔ اور سنیوں کے خلاف چلیں، اگر انہوں نے لکھا ہے تو یقیناً سیاق سباق میں اس مردود عقیدے کی تردید کر دی ہو گی۔ مصنف صاحب کو چاہیئے کہ کتابوں کو سیاق و سباق سے بھی پڑھ لیا کریں، اگر فخر الدین رازی صاحب نے تردید نہیں کی تو ہم تردید کرتے ہیں کیونکہ فخر الدین رازی فقیہِ اسلام نہیں ہیں ان کی باتیں مضبوط نہیں ہوتیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے ؛ فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے

کارِ استدلالیاں چوبیں بُوَد ؛ کارِ چوبیں سخت بے تمکین بُوَد

لہٰذا ثابت ہے کہ علیہ السلام کہنا نہ قرآن و حدیث سے ثابت نہ فقہِ اسلام سے نہ کسی چیز میں مساوات ثابت۔ انبیاء علیہم بے مثل ہوتے ہیں نہ ان کا کوئی مساوی ہو سکے نہ ان کا کوئی مثل و نظیر ہو سکے۔ پمفلٹ صد ۱۸ پر آل کا معنیٰ اولاد کیا ہے، جواب یہ ترجمہ قرآنِ مجید اور کلامِ الٰہی کے خلاف ہے آل کا معنیٰ اولاد نہیں بلکہ متبع و مطیع ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۵۰ میں ہے۔ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ۔ اور ہم نے فرعون کی آل کو غرق کر دیا۔ فرعون کی صرف اولاد کا غرق ہونا مراد نہیں بلکہ تمام متبعین مطیعین مراد ہیں آل کا معنیٰ صرف اولاد یا اہلِ بیت کرنا بھی قرآن و حدیث

کے خلاف اور شیعہ اختراع ہے۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو اُسے چاہیئے کہ قرآن و حدیث کی عبارت النّص سے صریحی الفاظ دکھائے اِدھر اُدھر کے تڑے مڑے جھوٹے سچے حوالے دینے کی ضرورت نہیں یا آغرَقنا آلَ فِرعَونَ سے اولاد کا مراد ہونا ثابت کرے، پمفلٹ کے صـ۲۳ پر لکھا ہے کہ پانچویں صدی میں ابو محمد جوینی نے سلام کو بھی صلوٰۃ کے ساتھ منسلک کر دیا جس کو علماءِ محقّقین اور شاہ عبد العزیز تسلیم نہیں کرتے، جواب ابو محمد جوینی نے صلوٰۃ سے سلام کو منسلک نہیں کیا اُن پر غصّہ نہ اُتارئیے بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صَلُّوا عَلَیہِ وَسَلِّمُوا فرما کر صلوٰۃ سے سلام کو منسلک فرما دیا، یہی بات امام نووی شافعی نے شرح مسلم جلد اوّل کے صـ۱۷۶ اور صـ۲۴۶ پر لکھ کر فرمایا کہ صلوٰۃ وسلام دونوں ہی غیر نبی کے لیے مستقلاً ناجائز مزید وضاحت کرتے ہوئے صاف لکھا کہ عَلی علیہ السّلام کہنا قطعاً ناجائز ہے۔ ہاں البتہ اَلسَّلامُ عَلَیکَ یا عَلِیُّ کہنا جائز ہے، اسی طرح اَلسَّلامُ عَلیٰ مَولیٰ عَلِیّ بھی جائز ہے، دونوں میں فرق کی وضاحت پہلے چند بار کر دی گئی مصنّف صاحب نے اگر غصّہ کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ پر کریں یا اپنے سلف صالحین کی مثل قرآن مجید اور سورۃ لہب پڑھتے ہوئے صَلُّوا عَلَیہِ وَسَلِّمُوا کی آیت پر کریں۔ پمفلٹ کے صـ۲۴ پر زید کے رسالے کے صـ۳ کی عبارت تفسیر ابن کثیر سورۃ احزاب کے صـ۳۱۹ کے حوالے سے لکھی کہ خلیفۃُ المسلمین حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے ایک گورنر کو خط لکھا کہ جب تیرے پاس میرا یہ خط پہنچے تو اپنے علاقہ کے لوگوں، اور مولویوں خطیبوں سے کہہ دینا کہ صلوٰۃ صرف نبیوں کے لیے ہے اور عام مسلمانوں کے لیے اِس کے سوا جو چاہیں دعا کریں۔ (الخ) زید نے اس عبارتِ ابن کثیر سے یہ دلیل لی ہے کہ غیر نبی کے لیے علیہ الصّلوٰۃ اور علیہ السّلام، کہنے سے عمر بن عبد العزیز نے تمام لوگوں کو منع کیا تھا، کچھ پہلے تاریخی حوالے سے ہم نے بھی اس کی زیادہ وضاحت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے اور ہم نے ثابت کیا ہے حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ نے خارجی، رافضی ہر دو ٹولے کو منع فرمایا تھا، اور صاف فرمایا تھا کہ نہ امیر معاویہ علیہ السّلام کہنا جائز ہے نہ علی علیہ السّلام کہنا جائز دونوں ناجائز۔ مگر مصنّف صاحب کو زید کی اس دلیل پر اعتراض ہے چنانچہ پمفلٹ کے صـ۲۵ پر لکھتے ہیں کہ یہ دلیل غلط ہے عمر بن عبد العزیز نے صلوٰۃ صرف اُموی حکمرانوں پر بند کرائی تھی نہ کہ اہلِ بیت پر بھی جو صلوٰۃ تھی اُس کو بھی اہل بیت

پر صلوٰۃ کو بند کیا تھا پھر ہم زید سے پوچھتے ہیں کہ عمر بن العزیز نے کہا تھا کہ صلوٰۃ صرف نبیوں کے لیے ہے، تو تم لوگ کیوں اہل بیت پر کیوں صلوٰۃ پڑھتے ہو۔ اس سے پہلے مصنف صاحب حضرت خلیفۃ المسلمین عمر بن عبدالعزیز کے منع کرنے کی وجہ لکھتے ہیں کہ اموی حکمرانوں نے علی و آلِ علی پر جمعہ کے خطبوں میں سبّ و شتم (گالی گلوچ) کرنے کا اپنے علماءِ سُو کو حکم دیا تھا، نیز ان علماءِ سوء نے اموی حکمرانوں کی حمد و ثنا شروع کر دی تھی تب عمر بن عبدالعزیز نے صرف موی خطیبوں قصا مین دو اعظین (کو منع کیا تھا۔ اہلِ بیت پر صلوٰۃ سے منع نہیں کیا تھا۔ جواب: جب کسی پر تعصب سے یک چشمی اور اَعوَر بیت کی پٹی بندھ جائے تو ایسی ہی یک طرفہ چشم پوشیاں ہوتی ہیں کیا عجیب بے انصافی ہے کہ مصنف کو اُمویوں کے خارجی ٹولے کی سبّ و شتم تو نظر آ گئی جو اَب صرف کتابی قصے کہانیاں بن گئیں، اب کسی کے کان یہ سب و شتم کے تبرّے نہیں سنتے۔ مگر مصنف صاحب کو شیعہ رافضی ٹولے کی وہ سبّ و شتم گالی گلوچ کے تبرّے نظر نہیں آئے جو آج بھی خلفاءِ راشدینِ ثلاثہ اور صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شانِ اقدس میں ہر شیعی رافضی محفل میں بکے جاتے ہیں، اور بکتے ہوئے سنے جاتے ہیں، مصنف صاحب نے تو توڑ موڑ کر کے زید کو جواب دیا۔ مگر یہ سب جواب حقیقت کے بالکل خلاف ہے حقیقت اصلیہ یہ ہے جب علوی رافضیوں نے اکابرِ صحابہ رض پر سبّ و شتم اور تبرّا بازی شروع کی اور مولیٰ علی و اہلِ بیت کے لیے خلافِ قرآن و سنّت علیہ السّلام کہنا شروع کیا تو اُموی خارجیوں نے انتقاماً و جواباً، اہلِ بیت کے لیے سبّ و شتم اور صحابہ کے لیے علیہ السّلام کہنا شروع کر دیا، اس دو طرفہ ناجائز طرزِ عمل سے اسلامی معاشرے میں عجیب مذہبی منافرت اور سخت ذہنی خلفشار پھیلنے لگا، تو اِسی چار سُو پھیلی ہڑبونگ کو ختم کرنے کے لیے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے راہِ راست اور سخت قدم اٹھا کر دو طرفہ رافضیوں خارجیوں کی تبرّا بازی کو ختم فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے دلائل سے سمجھاتے ہوئے صلوٰۃ یعنی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ یہ صرف نبیوں کے لیے ہے۔ یعنی غیر نبی کے لیے بولنا شرعاً جائز نہیں، اس ایک جملے نے پوری حقیقت واضح کر دی کہ عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک علیہ السّلام کہنا نہ علی و آلِ علی کے لیے جائز نہ اہلِ بیت کے لیے نہ ائمہ دوازدہ کے لیے نہ صحابہ کے لیے جائز، یہی اہلِ سنّت کا عقیدہ و عمل ہے، جو صحابہ کرام سے عمر بن

عبدالعزیز تک اور عمر بن عبدالعزیز سے آج تک تمام سنی خواص و عوام میں جاری و ساری ہے مولیٰ تعالیٰ سنی عقیدہ و عمل کو تا قیامت قائم فرمائے، اور شیعوں رافضیوں اُن کی ایجادات و علامات سے تمام مسلمانوں کو بچائے، اسی تبرے کی بنا پر ہی شیعوں کا نام تبرائی شیعہ رکھا گیا ہے، شیعہ لوگ تو ہر جگہ تھوڑے سے بہت موجود ہیں مگر بحمد اللہ تعالیٰ خارجی ٹولہ ہمارے علاقوں میں نہیں ہے۔ مصنف صاحب اپنی ہر کمزوری یا شاہ عبدالعزیز صاحب کے سر تھوپ دیتے ہیں یا امام شافعی کے سر یہاں ص۲۵ پر بھی اپنی ایک غلط بات امام شافعی کے ذمے ڈالتے ہیں تاکہ سنی مرعوب ہو جائیں کوئی بول نہ سکے لکھتے ہیں کہ امام شافعی کے نزدیک اگر اہلِ بیت پر صلوٰۃ نماز میں نہ پڑھی جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ نسبت بھی غلط ہے یہی وجہ ہے کہ نہ حوالہ نہ عبارت، اور بات بھی غلط ہے۔ حقیقتؔ بھی ایسا نہیں ہے، فقہ شافعی میں پورے درود شریف کے متعلق یہ مسئلہ ہے کیونکہ مسلک شافعی میں صلوٰۃ ابراہیمی پڑھنا واجب ہے، نیز نماز میں اہل بیت پر صلوٰۃ نہیں پڑھی جاتی بلکہ آل پر پڑھی جاتی ہے وہ بھی مستقل نہیں بلکہ بالتبع اور اس میں شیعہ سنی کا کوئی اختلاف نہیں، نماز میں وَعَلٰی آلِ محمدٍ کہا جاتا ہے نہ کہ وَعَلٰی اہلِ بیتِ محمدٍ یا اولادِ محمدٍ نہ وَعَلٰی نَسْلِ محمد نہ وَعَلٰی عِتْرَةِ محمدٍ۔ اور آل کا معنی بحکمِ قرآنی اہل بیت یا اولاد نہیں ہے، اس کی وضاحت پہلے کر دی گئی لہٰذا مصنف صاحب کا اس سے ناجائز فائدہ حاصل کرنا درست نہیں پمفلٹ کے ص۲۶ پر بحوالہ تفسیر روح المعانی جز ۲۲ ص ۸۶ لکھا ہے کہ صلوٰۃ وسلام انبیاء اور ملائکہ سے خاص نہیں نہ اس خصوصیت پر کوئی دلیل ہے، جواب۔ مصنف صاحب نے سیاق و سباق سے پوری عبارت نہیں لکھی بیچ کی مجمل عبارت لکھ کر دلیل بنالی یہ کوئی انصاف نہیں۔ اصل مسئلہ تفسیر روح المعانی والے یہ بیان فرما رہے ہیں کہ دعائیہ صلوٰۃ وسلام میں انبیا و ملائکہ کی خصوصیت پر کوئی دلیل نہیں ہے تو جن لوگوں نے دعائیہ صلوٰۃ وسلام کو بھی غیر نبی کے لیے ناجائز مانا ہے صاحبِ معتمد ان کی تردید فرما رہے ہیں، لیکن تعظیم و اعزاز کے صیغوں لفظوں سے صلوٰۃ و سلام سب شوافع کے نزدیک بھی انبیاء و ملائکہ معصومین سے خاص ہے اور غیر نبی کے لیے سب شوافع کے نزدیک ناجائز ہے، جیسا کہ شرح نووی شافعی اور دیگر کتب فقہ شافعی میں تصریح و تفریق موجود ہے۔ اگر مصنف صاحب دعائیہ اور

جیسی اعتراضی تقریروں کی باریکی کو نہ سمجھیں یا محض اپنی بات بچانے کے لیے نظر انداز کر جائیں تو ان میں ہمارا کیا قصور۔ پمفلٹ صکا پر لکھا ہے۔ علیہ السلام کہنے میں اگرچہ شیعہ کی مشابہت ہے مگر پھر بھی جائز ہے کیونکہ اچھی چیز میں مشابہت جائز ہے اور اسی میں فتاوٰی عزیزی اور تفسیر روح المعانی جزو ۱۷ صفحہ کا ذکر کرتے ہیں کہ امر خیر میں اہلِ بدعت کی مشابہت مذموم نہیں صرف بُری چیزوں میں مشابہت منع ہے، اگر شیعہ نماز پڑھیں گے تو کیا ہم نماز نہیں پڑھیں گے، نیز جب تشبیہ کا ارادہ ہو تب مشابہت منع ہے ورنہ نہیں، جواب، مصنف صاحب کا یہ فرمانا کہ اگر شیعہ نماز پڑھیں گے تو ہم نماز نہیں پڑھیں گے۔ ہاں واقعی ہم شیعوں جیسی نماز نہیں پڑھیں گے بلکہ شیعوں جیسی اذان اُن کی مثل کلمہ بھی نہ پڑھیں گے باطل کو باطل اور اہلِ بدعت مان کر پھر ان کی کسی عادت یا عبادت وعلامت کو اچھا کہنا بھی گناہ اور باطل ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ ترجمہ جو شخص جس قوم سے مشابہت بنائے (بارادہ یا بلا ارادہ) وہ بروزِ قیامت ان میں سے ہوگا۔ شاہ عبد العزیز صاحب اور تفسیر روح المعانی کی عبارتوں کا معنیٰ ہے دنیوی عام باتوں میں مشابہت کرنا یہ اچھی باتوں میں جائز بُری باتوں میں منع وگناہ اور مَنْ تَشَبَّهَ والی حدیث پاک میں دینی باتوں اور دینی مذہبی علامتوں میں مشابہت مراد ہے۔ مذہبی مشابہت باطل سے حرام ہے دیکھو پگڑی عمامہ باندھنا اور داڑھی رکھنا اچھا بلکہ کارِ ثواب ہے مگر سکھوں جیسی پگڑی اور داڑھی رکھنا حرام ہے۔ ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے داڑھیوں کو رنگو وَخَالِفُوا الْيَهُودَ۔ اور یہودیوں کی مخالفت کرو۔ داڑھی سفید رہنے دینا حرام نہیں لیکن یہودی علاقوں میں سفید رکھنا ممنوع ہے اگرچہ اُن کی مشابہت کا ارادہ نہ ہو، کیونکہ سفید رکھنا یہودیوں کا شعار ہے۔ اسی طرح علیہ السلام کہنا شیعہ روافض کی ہی خلافِ شریعت ایجاد اور ان کی مذہبی نشانی ہے اس لیے بھی علی علیہ السلام کہنا ناجائز ہوا۔ دیکھو یا علی مدد کہنا گناہ نہیں بلکہ جائز ہے۔ لیکن شیعوں نے اس کو اپنا سلامِ ملاقات وَوِداع بنا لیا ہے لہٰذا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کی جگہ کسی سُنی مسلمان کا یا علی مدد کہنا حرام ہوگا مصنف صاحب کی علمی پہنچ ابھی ان شرعی باریکیوں تک نہیں ہوئی، پمفلٹ کے صـ۴۸ پر لکھا ہے کہ ابن عباس کی اِس روایت کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ جواب جی ہاں بستر پر لیٹے لیٹے وہابیوں کی طرح پیٹھ دکھا کر بھاگنے کا یہ آسان راستہ ہے کہ جس

کا جواب نہ بن پڑے اس کو ضعیف کہدو مصنف صاحب کو چاہیئے تھا کہ ہر سند کا ضعف بطریقۂ اصولِ حدیث مدلّل محقّق ثابت کرتے، نیز لفظ یُنۃ کہدینے سے ضعف ثابت نہیں ہوتا اور پھر کسی حدیث پاک کو فقہاءِ کرام کا قبول کر لینا اُس کے ضعف کو ختم کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ ضعف پیدا ہوتا ہے راوی کے ذہنی کمزوری وغیرہ کی وجہ سے اور سلسلۂ رواۃ کی درازی شروع ہوتی ہے محدثین کے زمانے میں۔ لیکن جب فقہا نے اس حدیث کو لیا اس وقت وہ راوی پیدا بھی نہ ہوا تھا جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہوئی۔ تو پمفلٹ کے صہ۲۹ پر۔ آلِ لیٰسین پڑھنے کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مفسّرین کی ترجمہ وتشریح کرنے کو تاویل وتفسیر کہا جاتا ہے نہ کہ تحریف، آگے مصنف صاحب سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاسِیْنَ کو بگاڑ کر سَلَامٌ علی آلِ لیسین پڑھتے ہیں اور پھر اس کا معنٰی کرتے ہیں۔ سَلَامٌ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔ اور پھر اس شبعہ غلط بیانی میں ابن عباس ودیگر مفسرین وَعلماء کو ملوّث کرتے ہیں اور پھر اپنا کارنامہ بتا دیا کہ دیکھو ہم نے قرآن سے اہلِ بیت پر سلام کو ثابت کر دیا۔ جواب میں کہتا ہوں کہ اس طرح کے دعائیہ سلام کو ثابت کرنے کے لیے اتنے لمبے چوڑے تلفّ بانے بننے اور آیتِ قرآنیہ کو بگاڑنے کی ضرورت کیا ہے۔ اس طرح کے دعائیہ سلام میں تو کسی کا آپ سے اختلاف نہیں ویسے ہی کہدو کہ سَلَامٌ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔ ہم سب بھی اس کے جواز میں آپ کے ساتھ ہیں اختلاف تو فقط سلام تعظیمی کے جملے علیہ السّلام میں ہے۔ اس کے جواز کا ثبوت آپ ابھی تک ایک بھی نہ دکھا سکے۔ نہ علی علیہ السّلام کہنے کا ثبوت ملا نہ حسین علیہ السّلام رہا اِلْیَاسِیْنَ کو بگاڑ کر آلِ لیٰسین کرنا۔ یہ صرف تحریفِ لفظی ومعنوی ہی نہیں بلکہ بچگانہ حرکت بھی ہے نہ ابنِ عبّاس ایسا کر سکتے ہیں نہ کوئی ادنٰی عالم بھی اس لیے کہ اِلیاس ایک نبی علیہ السّلام کا اسمِ مقدّس ہے عبرانی لغت کا لفظ ہے۔ عبرانی میں بہت سے الفاظ دو طرح پڑھے جاتے ہیں۔ مثلاً جبرئیل اور جبریل میکائیل ومیکال، ابراہیم ابراھام، اسی طرح اِلیَاس اور اِلیاسین ایک ہی شخص کا نام مقدّس ہے۔ نہ یہ جمع ہے نہ تثنیہ بلکہ ایک ہی واحد لفظ ہے۔ تمام علماءِ مفسرین اور اہلِ عقل یہی فرماتے ہیں۔ مگر بعض بے عقل شیعوں نے یہاں بھی بگاڑ پیدا کرنے کی ناجائز وبیفائدہ کوشش کی اس بگاڑ کو تلاوت وکتابتِ قرآن مجید میں تو شامل نہ کر سکے اَلبتّہ اپنی کتابوں اپنی رسالچوں پمفلٹوں کو ملوث کر لیا اور پھر کسی بگاڑ کو مولیٰ علی رضی کی طرف منسوب کر دیا اور کسی کو ابنِ عباس

کی طرف بھی کیا امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف، حالانکہ ان بزرگوں کے دامن اِس گستاخی سے پاک ہیں اور تخریب سے بری ہیں، اس تخریب کاری کی بناوٹ اس طرح ہوئی کہ لفظ یٰسٓ میں علماء اُمت کے دو نظریے ہیں ۱۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ حروف مقطعات کی قسم سے ہے۔ حروف مقطعات کے کل چودہ عدد ہیں اور سب ہی کسی نہ کسی سورۃ کا پہلا لفظ ہیں جیسے الٓمّٓ اور الٓرٰ۔ اسی طرح یٰسٓ، وہ بھی اوّلِ سورۃ مقطعات کی جگہ ہے اور ان کی تحریر بھی الف، مد سے اس کی بھی کھڑی زبر دالف اور مد سے، یہ ہے کہ ایک قول کی دلیل۔ ۲۔ بعض علما فرماتے ہیں یٰسٓ حروفِ مقطعات میں سے نہیں بلکہ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ندائیہ خطاب ہے یا حرفِ ندا اور سین لفظِ سید کا مخفف، سید نبی پاک کا لقب اس کا معنیٰ ہے سردارِ انبیاء اس قول کی دلیل یہ ہے کہ بعد میں اِنَّکَ، ہے اس لیے یا سے خطاب درست ہے اس قول کا سہارا لے کر شیعوں کو تخریب کاری کا موقعہ مل گیا۔ انہوں نے بنا دیا کہ یٰسٓین نبی کریم کا نام ہے اور پھر اُن کی نظر سورۃِ اَلصّٰٓفّٰت کی آیت نمبر ۱۳۰ پر پڑ گئی سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ میں موقعہ ہاتھ آ گیا بات بنے نہ بنے تخریب کے لیے ہاتھ پاؤں تو مارتے ہیں۔ ایک ہی موقعہ ملا ہے نفسِ امارہ نے سمجھایا ہے، ابلیس نے وسوسایا ہے، بدعقیدگی کے مُحِبِّ متوطِّے نے کسمایا ہے۔ کیوں ہاتھ سے جانے دیں آیت بگڑتی ہے تو بگڑے، فوراً، اِلْ کو آل بنایا یاسین کو محمد بنایا، اور کہدیا، آلِ محمد پھر مشہور کر دیا کہ دیکھو قرآن نے آلِ محمد پر سلام کہا ہے تو ہم کیوں نہ کہیں بلکہ ہم تو اللہ رسول اور قرآن سے بھی آگے بڑھ کر سلامٌ علیٰ کا دعائیہ جملہ نہیں بلکہ علیہ السّلام کا تعظیمی و اعزازی جملہ بولیں گے اور گھر بیٹھے ایسے کچے گھروندوں سے دلیلیں بنائیں گے۔ کہ سَلامٌ علیٰ سے علیہ السّلام کا جواز نکال کر خوشی سے بغلیں بجائیں گے۔ اہلِ عقل نے سمجھایا بھی کہ اے بے عقلو، اتنی مشکل سے اتنا دراز تانہ بانہ بُننے کے باوجود بات تمہاری پھر بھی نہیں بنتی تم نے اِلْیَاسِیْن کو آلِ یٰسین کو آلِ محمد بنایا پھر آلِ محمد کو اہل بیتِ محمد بنایا، پھر اہل بیتِ محمد کو اولادِ محمد میں مخصوص کیا اتنی پھیر پھار کر اپنی ناک پکڑی اور علی علیہ السّلام کے جواز کے عقیدوں کا شوشہ چھوڑا۔ حالانکہ یہ تین وجہ سے غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ لفظِ یٰسٓ، دوسرے قول کو مانو تب بھی یہ جملہ ندائیہ ہے اور جملہ ندائیہ مضاف نہیں ہو سکتا۔ آلِ محمد آلِ حسین، آلِ علی تو کہا جا سکتا ہے آل یا محمد

آل یا حسین آلِ یا علی نہیں کہا جا سکتا، یہ کہنا بچگانہ حماقت ہے۔ دوسری وجہ، آلِ محمد کا بھی وہ ہی معنیٰ ہے جو آلِ فرعون کا ہے، یہی معنیٰ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں نہ قرآن مجید نے آل بمعنی اہلِ بیت کئے اور اہلِ بیت بمعنیٰ صرف اولاد کئے نہ حدیثِ پاک نے آل کا معنیٰ اہلِ بیت یا اولاد یا نسل یا عزت کئے۔ آپ لوگ خلافِ قرآن و حدیث یہ کھینچا تانی کیوں کرتے ہو کیا اپنی جگ ہنسائی و مذاق بازی ضرور کرانی ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ سَلَامٌ عَلٰی فلاں اور علیہ السّلام میں بڑا فرق ہے، وہ دعا ہے یہ اعزاز ہے۔ وہ اول ہے یہ آخر ہے، وہ متفقاً ہر ایک کے لیے جائز یہ متفقاً غیر نبی کے لیے ناجائز، انبیا و ملائکہ کے لیے مخصوص پمفلٹ کے ص۳۲ پر لکھا ہے کہ ہم جب اِس مسئلہ پر تفصیلی کلام کریں گے تو اِس کے جواز کے ثبوت پر حوالجات کے انبار لگا دیں گے۔

جواب: یہ انتہائی ابلیسی متکبرانہ جملہ ہے، کیونکہ مصنف صاحب نے حکمِ قرآنی و طریقۂ ایمانی اور شیوۂ مسلمانی کو ترک کرتے ہوئے انشاءاللہ تعالیٰ نہ کہا، ابلیس نے بھی جب کہا تھا کہ میں تیرے بندوں کو بہکاؤں بھٹکاوں گا تو اُس نے بھی انشاءاللہ نہ کہا تھا، میں کہتا ہوں کہ ثبوتوں کے انبار لگانے کی ضرورت کیا ہے۔ ایک مومن متقی کے لیے تو نبوت کی زبانِ اقدس کا ایک لفظ ہی کافی یقینی مضبوط ثبوت ہے بشرطیکہ صاف صریح عبارۃ النص کا ہو جیسا کہ لفظِ علیہ السّلام جبرئیل علیہ السّلام اور عیسیٰ علیہ السّلام کے لیے زبانِ نبوت سے ہم نے بحوالہ کتبِ صحاح ستہ سے ثابت کیا، مصنف صاحب کو چاہیئے کہ بالکل اسی طرح صاف و صریح علی علیہ السّلام یا کسی اہل بیت کے لیے علیہ السّلام زبانِ نبوی یا عملِ صحابہ و اہلِ بیت سے ثابت کریں تو سب جھگڑا ہی ختم ہو جائے، ایسے انبار کا کیا فائدہ جو ایک جھٹکے سے بکھر جائے اسی ص۳۲ سے ص۳۵ تک مصنف صاحب نے مشتے نمونہ از انبارے میں سے انیس ۱۹ عدد ثبوت پیش فرمائے آیئے ان کی کیفیت و حیثیت دیکھتے ہیں، خود مصنف صاحب کو تو ان پر بڑا ناز محسوس ہوتا ہے۔ ۱۔ لکھتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ (سورۃ بقرہ آیت ۱۵۷) ۲۔ لکھتے ہیں۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (سورۃ توبہ آیت ۱۰۳) ۳۔ لکھتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ

مصنف نے سورۂ احزاب آیت (۴۳) سے لکھتے ہیں: هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلٰئِكَتُهٗ۔
سورۂ احزاب آیت سے لکھتے ہیں۔ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ (سورۃ الصّٰفّٰت آیت
۱۳۰) مصنف صاحب لکھتے ہیں کہ ان پانچ آیتوں سے غیر نبی بلکہ صرف اہلِ بیت کے لیے
علیہ السلام کہنا جائز ثابت ہوگیا ہے۔ اسی پر جناب محترم غالباً پھولے سمارہے ہیں۔
جواب: ان آیات سے مصنف صاحب کا موقف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان سب آیتوں
میں صلوٰۃ دعائیہ مراد ہے جب کہ علیہ السّلام کہنا سلام تعظیمی ہے۔ صلوٰۃ دعائیہ
میں علماء اہل سنت کا اختلاف ہے۔ اکثر و جمہوریت کا موقف و مسلک یہ ہے کہ صلوٰۃ
دعائیہ کے لفظوں سے علماء کو جائز نہیں کہ کسی کو دعا دیں۔ لہٰذا عام مسلمانوں کو یہ کہنا
جائز نہیں کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الصَّحَابَةِ یا صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ۔ کہیں صرف
اللہ تعالیٰ فرما سکتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ اور صَلِّ عَلَيْهِمْ
اور هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلٰئِكَتُهٗ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
بھی فرما سکتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰٓى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى، اور نبی پاک ہی صرف یہ فرما
سکتے ہیں۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى زَوْجِكِ، کیونکہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کو رب تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا تھا کہ صَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ
ہم کو اسی طرح کہنا جائز نہیں ہم کو صرف يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کا حکم ہے۔ یہی وجہ
ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کبھی کسی صحابہ یا کسی اہل بیت نے کسی کو کبھی
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى زَوْجِكِ نہ کہا۔ نہ کبھی اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ فُلَانٍ یا عَلٰى
فُلَانٍ کہا۔ اس مسلک میں صلوٰۃ کے الفاظ سے دعا دینی بھی انبیا سے خاص اور
تعظیمی صلوٰۃ یعنی بھی انبیا سے خاص ہے۔ بعض لوگوں کا موقف ہے کہ صلوٰۃ کے لفظوں
سے غیر نبی کو دعا دینی ہر مسلمان کو جائز ہے۔ یعنی ہر مسلمان کہہ سکتا ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى
مَوْلٰى عَلِيٍّ۔ اور کہہ سکتا ہے صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ یا عَلَى الصَّحَابَةِ۔ علامہ ابن حجر
اس اختلاف میں چھ قول بیان فرماتے ہیں کہ کسی نے جائز کہا کسی نے حرام کہا، وغیرہ وغیرہ
ناجائز کہنے والے جمہور علما ہیں اس لیے وہ مسلک مضبوط ہے اور اس لیے کہ کسی صحابی
تابعی، تبع تابعی یا اہلِ بیت کے عمل سے ثابت نہیں کسی غیر نبی کے لیے دعائیہ صلوٰۃ
کہنا بھی۔ اور جن لوگوں نے دعائیہ صلوٰۃ کو غیر نبی کے لیے جائز مانا ہے۔ ان میں القول

مصنف ملا صواعق محرقہ م۲ شبیر احمد عثمانی دیوبندی م۳ امام بخاری م۴ علامہ بدر الدین صاحب عمدۃ القاری م۵ ابو داؤد م۶ تفسیر روح المعانی م۷ تعلیق محمود فخر الحسن گنگوہی وہابی م۸ بنا بیع الموَدّہ (مناظرہ اسلام علامہ مولانا محمد عمر صاحب اچھروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ ینابیع غالی تبرائی شیعہ کتاب ہے) م۹ صاحب معلم الاصول م۱۰ فتاوٰی عزیزی م۱۱ مصنف تاریخ نواب م۱۲ علامہ ابن عبد البر مصنف کتاب تمہید جلد م۱۱ یہ مندرجہ بالا بارہ حضرات فرماتے ہیں کہ غیر نبی خصوصًا اہل بیت پر مستقلًا صلوٰۃ کی دعا دینا جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰتَكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰی اٰلِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَۃ۔ اور ایک بار دعا فرمائی تھی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی اور ایک بار ایک عورت کی عرض پر اس کو دعا دی تھی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكِ وَعَلٰی زَوْجِكِ۔ اور ملائکہ قبر میں حشر میں مومن کو کہیں گے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ وَعَلٰی جَسَدِكَ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ملائکہ علیہم السّلام اس طرح دعا دے سکتے ہیں تو آج ہم کیوں نہیں کہہ سکتے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ مسلک بھی کمزور ہے اور یہ دلیل بھی کمزور ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس لیے دعاءِ صلوٰۃ دیتے تھے کہ آپ کو صَلِّ عَلَیْھِمْ کا حکم الٰہی تھا۔ ہم کو یہ حکم نہیں ہے۔ ہم کو صرف صَلُّوْا عَلَی النَّبِیِّ کا حکم ہے لہٰذا ہم کو اپنی حدود میں رہنا چاہیئے، اپنی حدود سے نکل کر اللہ رسول کے مقابل و مخالف نہیں آنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت کو بہتر جانتا ہے، کہ اُس ذاتِ باری نے نبی کریم کو صَلِّ عَلَیْھِمْ کا حکم عطا فرمایا، اور ہم کو صرف صَلُّوْا عَلَی النَّبِیِّ کا۔ اگر صَلِّ عَلَیْھِمْ کا حکم نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت نہ ہوتی تو صحابہ کرام بھی آپس میں ایک دوسرے کو اَللّٰھُمَّ صَلِّ۔ یا صَلَّی اللہ علیہ کہا کرتے مگر ایسا کہیں ثابت نہیں اگر مصنف صاحب کو اہل بیت کے لیے کہنے اور کہلوانے کا شوق ہے تو پہلے عملِ صحابہ یا عملِ اہل بیت سے ثبوت دکھائیں۔ رہا ملائکہ کا یہ دعا کرنا وہ قبر و حشر میں ہوگا نہ کہ دنیا میں یہ تھے مصنف محترم کے دلائل اور ان کا تردیدی جواب۔ یہ دلائل بھی صرف دعاءِ صلوٰۃ کے لیے ہیں اس سے علی علیہ السّلام کہنا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ وہ تعظیم و اعزاز کا جملہ ہے نہ کہ دعا کا، اور تعظیمی صلوٰۃ وسلام صرف انبیا کے لیے ہے خلاصہ یہ کہ صلوٰۃ دعائیہ میں اختلاف ہے اکثریت ناجائز کہتی ہے۔ مگر صلوٰۃِ تعظیمی، سلامِ تعظیمی، سلامِ دعائی

میں کسی کا اختلاف نہیں ہے علمائے اہلسنت کا متفقہ مسلک ہے کہ غیر نبی کے لیے صلوٰۃ تعظیمی اور سلام تعظیمی کے الفاظ بولنا جائز نہیں بلکہ گناہ و کذب ہے۔ اسی لیے نہ تعلیم قرآنی سے ثابت نہ تعلیم نبوی نہ عمل صحابہ و اہل بیت سے ثابت علیہ السلام کہنا سلام تعظیمی ہے۔ اگر مصنف صاحب بجائے اس فتوے غریبہ کے لکھنے کے اپنے علیہ السلام غیر نبی کے لیے کہنے کے موقف پر مصر ہوں تو ان کو چاہئیے کہ قرآن و حدیث و عمل صحابہ کی عبارۃ النص سے حوالہ پیش فرمائیں صلوٰۃ دعائیہ اور سلام دعائیہ کے حوالوں اور ثبوتوں سے علیہ السلام کے جواز ثابت نہیں ہو سکتے سلام دعائیہ میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہے ہم دن رات عِندَ المُلَاقَات وَفِی اَلتحیات السلام علیکم السلام علینا کہتے ہیں۔ لہٰذا السلام علیٰ ابی حَنِیفَۃَ بھی جائز اور السلام علیٰ مولیٰ علی و حسن و حسین بھی جائز۔ اس پر علی علیہ السلام کو قیاس نہیں کر سکتے۔ اور بلا دلیل بلا ثبوت ضد کرنا اہل سنت علما کا شیوہ نہیں بلکہ جہلاءِ روافض کا طریقہ ہے، ثبوتوں کے انبار لگانے کی بھی ضرورت نہیں صرف قرآن و حدیث و عمل صحابہ یا عملِ اہل بیت سے فقط ایک ایک ثبوت پیش فرما دو جس میں صاف علی علیہ السلام کے الفاظ کا جواز یا استعمال ظاہر ہو جیسا کہ ہم نے جبریل علیہ السلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے الفاظ زبانِ نبوی سے ثابت کر دکھائے وَاللہُ تَعَالیٰ وَرَسُولُہٗ اَعْلَمُ۔ سائل نے اپنے اس استفتا میں دوسری بات سیدزادی کے نکاح کے بارے اِن مصنف کی دیگر کتب کے حوالے سے ان کا موقف بیان کرتے ہوئے اصل مسئلہ اور سنی حنفی مسلک پوچھا ہے اور اُمِ کلثوم بنتِ مولیٰ علی کا نکاح فاروقِ اعظم سے ہونا حقیقتِ واقعی ہے یا نہیں۔ مصنف مذکور تین وجہ سے اس نکاح کا انکار کرتے ہیں۔

جواب: سیدزادی کے نکاح اور نکاح بنتِ علی کے ثبوت میں بہت عرصہ پہلے ہم نے ایک فتویٰ جاری کیا تھا اُس کو منگا کر مطالعہ فرمائیں۔ ہم یہاں مصنف مذکور کے انکار کی تین وجہ کا جواب عرض کرتے ہیں۔ مصنف صاحب کا یہ فرمانا کہ نکاح اُمِ کلثوم میں بہت سی مختلف روایتیں ہیں جن میں یکسانیت نہیں ہے اس لیے یہ نکاح ہوا نہیں یہ توجیہ بہت کمزور اور لغو ہے۔ اگر اس طرح حقیقتوں کا انکار کیا جائے تو پھر ہزاروں حقیقتوں کا انکار کرنا پڑے گا اسلام کی کونسی چیز ہے جس میں دشمن تخریب کاروں نے اختلافات کی بھرمار نہیں کی شریعت میں طریقت میں، عبادت، تلاوت، فرقتوں میں

تاریخوں میں یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔ کی ولادت وفات، جیسے وفات، سب میں کثیر اختلافات و مختلف روایات کسی میں کوئی یکسانیت نہیں۔ امام زین العابدین کی بیٹیوں کے بارے میں بے شمار اختلافات تو خود مصنف صاحب نے بھی بیان کئے ہیں مگر ان اختلافات کی وجہ سے انکارِ حقیقت تو نہیں کیا جا سکتا نہ انہوں نے کیا، تو پھر یہاں نکاحِ اُمِّ کلثوم و فاروق کے انکار کے لیے روایتوں کی یکسانیت نہ ہونے کا بہانہ کیوں تراشا گیا، اور اُمِّ کلثوم کو شانِ فاروقی میں بدتمیز کیوں بنایا گیا۔ اہلِ تحقیق تو انھیں کانٹوں میں سے پھول نکال لیتے ہیں اور اختلافات کی خرابات میں سے حقیقت نکھار لیتے ہیں بشرطیکہ طبیعت حقیقت پسند ہو، مصنف صاحب کے انکارِ نکاح کی دوسری وجہ بھی غلط اور کمزور ہے یعنی چونکہ فاروقِ اعظم کے پیغامِ نکاح دینے پر مولیٰ علی نے فرمایا کہ اُمِّ کلثوم چھوٹی ہے۔ مصنف صاحب کہتے ہیں کہ مولیٰ علی کا اس بات سے انکارِ علی ثابت ہوا، لہٰذا یہ نکاح نہیں ہوا، جواب مصنف صاحب کا یہ ذاتی اندازہ اور تخمینہ ہے ورنہ حقیقت اِس کے خلاف ہے حقیقتًا نکاح ہوا، اور مولیٰ علی کا یہ کہنا کہ یہ چھوٹی ہے اسلام میں یہ کوئی عذر نہیں۔ عائشہ صدیقہ بھی چھوٹی عمر کی تھیں، سیدہ اُمِّ کلثوم کی عمر پیغامِ فاروقی کے وقت صحیح قول کے مطابق دس سال تھی اور جب رخصتی ہوئی تو پندرہ ۱۵ سال تھی، اَوّلًا واقعی مولیٰ علی نے یہ عذر پیش کیا مگر جب فاروق نے وجہِ نکاح بتائی تو مولیٰ علی نے پیغام قبول فرما لیا اور کچھ عرصے بعد بڑی محفل بلا کر نکاح کر دیا اس محفلِ نکاح میں بہت سے صحابہ کے علاوہ مولیٰ علی کے دوسرے بھائی بھی شریک ہوئے تھے۔ مصنف صاحب کے انکار کی تیسری وجہ بھی غلط ہے وہ یہ کہ پیغامِ نکاح پر پیغامِ نکاح دینا ناجائز ہے۔ لہٰذا فاروقِ اعظم یہ ناجائز پیغام کس طرح دے سکتے تھے جواب یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ پیغامِ فاروقی سے پہلے سیدہ اُمِّ کلثوم رضی بنتِ علی رضی کے لیے کسی کا پیغامِ نکاح نہیں آیا تھا، صرف مولا علی کا اپنا ذاتی ارادہ تھا کہ میں اُمِّ کلثوم کا نکاح اپنے بھتیجے عون ابن جعفر سے کروں، اور بیٹی کے والد کا ذاتی قلبی ارادہ پیغامِ نکاح نہیں ہو سکتا بہرکیف یہ نکاح تاریخی واقعاتی حقیقت ہے۔ بستر پر لیٹے لیٹے کسی کے ذاتی اندازہ کی توڑ موڑ سے حقیقت مسخ نہیں ہو سکتی۔ سائل کا نمبر۲ سوال کہ مصنف صاحب نے اپنی کتاب کے حصہ چہارم میں صہ۱۵۱ پر لکھا ہے کہ مولیٰ علی کے علم کا پلہ سب صحابہ پر بھاری تھا اسی لیے

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ اَقْضَاكُمْ عَلِيٌّ۔ ترجمہ، علی زیادہ بڑے قاضی ہیں تم سے۔ فاروق اعظم نے ایک بار فرمایا، عَلِيٌّ اَقْضَانَا۔ پھر ایک بار فرمایا لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ۔ ترجمہ، علی ہم سے بڑے قاضی ہیں، پھر فرمایا۔ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ عبد اللہ ابن مسعود نے ایک بار فرمایا۔ اَفْرَضُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَاَقْضَاهَا عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ۔ ترجمہ۔ اہل مدینہ میں علم فرائض کا ماہر اور اس علم میں سب سے اچھے اور بہتر فیصلے کرنے والے علی ابن ابی طالب ہیں۔ اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ اِنَّهٗ اَعْلَمُكُمْ بِالسُّنَّةِ۔ ترجمہ، بے شک جو لوگ اب زندہ موجود ہیں ان میں سنت نبوی کو سب سے زیادہ جاننے والے آپ علی ہیں۔ یعنی اس وقت اہل سنت کے سب سے بڑے عالم علی مرتضیٰ ہیں۔ نیز ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ اجلہ صحابہ نے حضرت علی سے مسائل پوچھے ہیں۔ لیکن حضرت علی نے صحابہ سے پوچھا ہو ایسی مثال نہیں ملتی۔ ایک بار خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا۔ مَا اَجِدُ فِيْهَا اِلَّا مَا قَالَ عَلِيٌّ۔ ترجمہ، نہیں پاتا ہوں میں اس فیصلے میں کچھ علم مگر وہی جو کہا علی نے۔ ایک بار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْنَا الْحِكْمَةَ اَهْلِ الْبَيْتِ۔ ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم اہل بیت میں حکمت وَدیعت فرمائی۔ ان دو روایتوں کے متعلق بہت سے علما فرماتے ہیں کہ بناوٹی ہیں اسی لیے نہ مصنف صاحب نے ان کا کوئی حوالہ لکھا نہ ہم کو تلاشِ بسیار کے باوجود یہ روایتیں کہیں نظر آئیں غالباً روافض کی منگھڑت ہیں۔ معناً بھی غلط معلوم ہوتی ہیں۔ بہرکیف مصنف محترم نے ان تمام عبارتوں سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ مولیٰ علی کا علم صدیق و فاروق و عثمانِ غنی سے زیادہ تھا اور یہ کہ علی نے کبھی کوئی مسئلہ یا فیصلہ کسی سے نہ پوچھا، اور یہ کہ مولیٰ علی کے فیصلے سے کبھی کسی صحابی کا فیصلہ اچھا نہ تھا جواب مصنف صاحب کی یہ سب باتیں غلط اور ان کے دلائل کمزور ہیں۔ چار وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تین نعمتیں عطا فرمائیں افضیلت کی، اکرمیت کی، اشرفیت کی افضیلت علم سے ملی اکرمیت عمل سے ملی اور اشرفیت خاندان (قومیت اور قبیلہ برادری) سے۔ یہ بات متفقاً تمام مسلمان مانتے ہیں کہ خلافت کی ترتیب افضیلت کی بنا پر ہے تمام مخلوق میں صحابہ کرام افضل اور تمام صحابہ میں چار خلفاءِ راشدین اور چاروں خلفا میں اَفْضَلُ الْخَلْقِ

بعد الانبیاء والمرسلین ابو بکر صدیق رضی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور کی آیت ۲۲ میں صدیق اکبر کو اُولُوا الفضل فرمایا۔ یعنی افضیلت والا، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی آخری حیاتِ طیبہ میں اپنا مصلٰی وامامت صدیقِ اکبر کے حوالے کرتے ہوئے اپنے بعد امامت کا حق دار صدیق اکبر کو قرار دیا اور بحکمِ شریعت امامُ المسلمین وہی نامزد ہو سکتا ہے جو سب میں زیادہ علم والا ہو۔ ثابت ہوا کہ علم کا پلہ چاروں خلفا میں صدیقِ اکبر کا بھاری ہے نہ کہ علیِ مرتضیٰ شیرِ خدا کا ہے۔ نیز جب سنِ اسلامی مقرر کرنے کا مشورہ ہوا تو مولیٰ علی کی رائے صائب اور مناسب نہ تھی کسی نے قبول نہ کی بلکہ صحابہ نے مختلف وجوہ بیان کر کے نامنظور کر دی مولیٰ علی نے بھی اُن اعتراضی وجوہ کو تسلیم کیا۔ اُس وقت فاروق اعظم کی رائے سب نے پسند فرمائی سب سے پہلے خود مولیٰ علی نے ہی اُٹھ کر فاروقِ اعظم کی تائید فرماتے ہوئے فرمایا کہ فاروقِ اعظم کی رائے سنِ اسلامی کے بارے میں بالکل درست اور ہر اعتبار سے مناسب ہے جیساکہ الفاروق جلدِ دوم شبلی صفحہ ۴۶ تاریخِ طبری، تاریخ ابن جوزی بابِ حیاۃِ فاروقِ اعظم صفحہ ۱۰۱ مواہبِ لدنیہ جلدِ اوّل صفحہ ۲۵۲، اور علامہ جبلہ سہیلی کی کتاب الروض الانف جلد دوم صفحہ ۲۴۹ پر لکھا ہے۔ ثابت ہوا کہ مولیٰ علی کے بہت سے فیصلے خود مولیٰ علی کی نظر میں بھی افضاءِ صحابہ نہ تھے۔ بہت دفعہ ویسے دیگر صحابہ کے فیصلوں کو ترجیح ہوتی تھی خاص کر جنگی فتوحات اور اسلامی جہادوں کے منصوبے، یا احکاماتِ عدل کے فیصلے، اور تعزیرات کے فیصلے اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں کہ مولیٰ علی نے کبھی کسی سے نہیں پوچھا دیگر اجلّہ صحابہ نے حضرت علی سے مسائل پوچھے۔ اس لیے کہ خود مولیٰ علی نے اِس بات کو تسلیم کیا ہے چنانچہ ایک بار کسی نے عرض کیا یا مولیٰ علی اِس کی کیا وجہ کہ پہلے تین خلفا کے عہدِ سلطنت میں فتوحاتِ اسلامیہ بہت ہوئیں مگر آپ کے زمانے میں خانہ جنگی ہی ہوتی رہی۔ اسلامی فتوحات بند ہو گئیں۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ اِس کی ایک وجہ یہ کہ اُن کے ہم مشیر تھے ہمارے تم مشیر ہو۔ ثابت ہوا کہ مولیٰ علی کے بھی مشیر ہوتے تھے۔ آپ اُن سے پوچھا کرتے تھے اور پوچھ کر عمل کرتے تھے۔ عبد اللہ ابنِ عباس مولیٰ علی کے مشیرِ تفسیر تھے۔ عبد اللہ ابن مسعود مشیرِ فقہ اور امام حسن ابن علی مشیرِ قضا تھے۔ چنانچہ اِن ہی مصنف صاحب کی کتاب جلد پنجم صفحہ ۲۸۳ پر ہے کہ ایک بار مولیٰ علی نے ایک مجرم قاتل پر آپ نے قصاص کا فیصلہ فرمادیا اتنے میں ایک دوسرا شخص دوڑا آیا اس نے بھی اقبال و اقرارِ جرم کیا تب مولیٰ علی نے اس دو

امیر المومنین نے امام حسن سے پوچھا کہ اب کیا فیصلہ کیا جائے حضرت امام حسن نے ایسا شاندار فیصلہ کیا کہ مولیٰ علی نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ اگر امام حسن بروقت یہ فیصلہ نہ سناتے اور مولیٰ علی اپنے فیصلے کے مطابق بے گناہ کو قتل کرا دیتے تو ساری عمر یقیناً پچھتاتے لہٰذا امام حسن کا یہ فیصلہ بالکل ایسا ہی ہوا کہ مولیٰ علی زبانِ حال سے فرما رہے تھے لَوْ لَا حَسَنٌ لَهَلَكَ عَلِيٌّ۔

لیکن اس فیصلے کی وجہ سے کوئی شخص اگر یہ کہے کہ امام حسن کا علمی پلہ حضرت علی پر بھاری تھا تو ہم کہیں گے کہ غلط ہے۔ اسی طرح اگر ایک بار حضرت علی کے اچھے فیصلہ کو سن کر حضرت فاروقِ اعظم نے زبانِ قال سے فرما دیا کہ لَوْ لَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ۔ تو یہ قول فاروقِ اعظم کی مشفقانہ دلجوئی ہے۔ جیسے کہ بڑے بزرگ آدمی چھوٹوں کی دلجوئی کے لیے ایسے مشفقانہ الفاظ کہہ دیا کرتے ہیں۔ تو ان مشفقانہ کلمات سے نہ واقعتاً مولیٰ علی کا علمی پلہ بھاری ہوا نہ ہی مولیٰ علی کے دل میں کبھی ان دلجوئیوں سے فخر آیا۔ امام حسن کا فیصلہ سن کر اگر مولیٰ علی۔ لَوْ لَا حَسَنٌ لَهَلَكَ عَلِيٌّ زبانِ قال سے فرما دیتے تو یہ بھی ایک مشفقانہ دلجوئی ہی ہوتی۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا۔ اَقْضَاكُمْ عَلِيٌّ اور فاروقِ اعظم کا فرمانا اَقْضَانَا عَلِيٌّ اور اُمُّ المؤمنین حضرتِ صدیقہ کا فرمانا۔ اِنَّهٗ اَعْلَمُ مَنْ بَقِيَ۔ وغیرہ وغیرہ ان تمام فرمودات کے تین مقصد ہو سکتے ہیں (۱) یا ان اقوالِ مبارکہ کا مقصد محض مشفقانہ دلجوئی ہے نہ کہ واقعتاً حقیقتاً، جیسا کہ اُستادِ مشفق اپنے شاگردِ لائق سے خوش ہو کر فرما دیتا ہے کہ تمہاری باتیں تو بہت اچھی سب سے شاندار ہیں۔ ایک بار صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے شاگرد حضرت حکیم الامت بدایونی علیہ الرحمۃ کی مہارتِ علمِ فرائض (علمِ میراث) کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ بھئی تم علمِ میراث کے امام ہو، تمہاری مہارت تو ہم سے بڑھ گئی، تو یہ صرف مشفقانہ دلجوئی اور آئندہ کے لیے اور محنت و لگن کی ترغیب دلانا تھی، بس سمجھ لو کہ اَقْضَاكُمْ و اَقْضَانَا۔ اسی قسم کی مشفقانہ دلجوئی و ترغیب و تلقین ہے۔ اُمُّ المومنین حضرتِ صدیقہ کا فرمان۔ اِنَّهٗ اَعْلَمُ مَنْ بَقِيَ بِالسُّنَّةِ یہ الفاظ تو صاف بتا رہے ہیں کہ علی سب سے بڑے عالم نہیں بلکہ مَنْ بَقِيَ سے بڑے عالم ہیں یہ کلام خلفاءِ ثلاثہ کے بعد ارشاد فرمایا گیا۔ (۲) اور یا ان کلاموں سے علمی قابلیت میں سب سے زیادہ ہونا مراد نہیں بلکہ بعض فنون میں مہارت مراد ہے، یہ ایک خدا داد صلاحیت اور ذاتی محنت و لگن ہمت انہماک اور بار بار کے تجربے سے پیدا ہونے والی فنکاری ہے۔ جیسے کہ علم میں حضرت داؤد علیہ السلام

زیادہ تھے مگر فیصلہ کرنے کی مہارت اور صلاحیت رب تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو زیادہ عطا فرمائی تھی البتہ فنکاریاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں تقسیم فرمائی ہوئی ہیں۔ مثلاً صدیق اکبر میں موقعہ شناسی اور منشاءِ الٰہی سمجھنے کا ملکہ مہارت و صلاحیت سب صحابہ سے زیادہ فاروق اعظم کا عدل مشہور ہے۔ عثمانِ غنی میں فراستِ مومن کی مہارت سب میں زیادہ اور مولیٰ علی میں عدالتِ اسلامیہ کا قاضی بننے کی صلاحیت سب میں زیادہ، یہی وجہ ہے کہ زبانِ نبوت نے اَقْضَاکُمْ اور زبانِ فاروقی نے اَقْضَانَا فرمایا نہ کہ اَعْلَمُکُمْ وَ اَعْلَمُنَا۔ یعنی علی مرتضیٰ تم میں۔ ہم میں سب سے بڑے قاضی بننے کی مہارت رکھتے ہیں۔ اگرچہ علم میں سب سے بڑے نہیں۔ یہی معنیٰ ہے عبد اللہ بن مسعود کے فرمانِ عالی کا کہ اَفْرَضُ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَ اَقْضَاهَا عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ۔ یعنی اہلِ مدینہ میں سب سے بڑے قاضی اور علمِ میراث کے مسائل حل و تقسیم کرنے میں ماہر علی بن ابی طالب ہیں۔ مقصد یہ کہ عالمِ میراث و قضا تو سب صحابہ ہیں مگر مہارت سب میں زیادہ عَلِیِّ مرتضیٰ کو ہے، ماہر اور غیر ماہر میں فرق یہ ہے کہ جس مسئلے کو غیر ماہر دیر میں حل کرے۔ اس کو ماہر جلدی اور فوراً حل کر لیتا ہے۔ تیسرا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باری تعالیٰ نے بندوں میں علوم تقسیم فرمائے ہیں کسی کو علمِ صنعت کسی کو منطق کسی کو فلسفہ کسی کو فنِ تقریر کسی کو فنِ تدریس، کسی کو فتویٰ نویسی کسی کو جادو بیانی، کسی کو شیریں کلامی وغیرہ صحابہ کرام میں فنِ تقریر فصاحتِ کلام بلاغتِ لسان میں سب سے زیادہ ماہر صدیقِ اکبر، فتوحاتِ اسلامیہ اور جنگی طریقوں میں سب سے زیادہ ماہر فاروقِ اعظم شیریں کلامی اور قلبی تدابیر و تدبیرِ قرآنی میں سب سے زیادہ ماہر عثمانِ غنی شمشیر زنی میں سب سے زیادہ ماہر سیف اللہ خالد بن ولید اور فقہی مسائل میں مولیٰ علی سب میں زیادہ ماہر۔ اسی لیے عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں، اِذَا حَدَّثَنَا ثِقَةٌ عَنْ عَلِیٍّ اَلْفُتْیَا لَا نَعْدُ وْهَا۔ ترجمہ، جب کوئی ثقہ شخص ہمیں بتا دے کہ مولیٰ علی کا فلاں فقہی بات میں یہ فتویٰ ہے تو ہم اس کے بعد مزید تحقیق و تفتیش نہیں کرتے (ان ہی مصنف صاحب کی کتاب جلد چہارم ص۱۵۱) اس عبارت سے بھی مطلقاً ہر علم میں پلّہ بھاری ہونا مراد نہیں، بلکہ صرف فقہی مسائل کی مہارت مراد ہے۔ علامہ شامی فتاویٰ جلد اول ص۴۶ پر فرماتے ہیں کہ علم فقہ میں مولیٰ علی رضؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کا مقام و درجہ اور پلّہ برابر ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔ قَوْلُهٗ۔ اَلْفِقْهُ زَرَعَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ۔ اَیْ اَوَّلُ مَنْ تَكَلَّمَ بِاسْتِنْبَاطِ فُرُوْعِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلصَّحَابِیُّ اَلْجَلِیْلُ اَحَدُ السَّابِقِیْنَ وَالْبَدْرِیِّیْنَ

والعلماء من الصحابة ... سلمة بن عمر رضي الله تعالى عنهما قال النووي في التهذيب وعن مسروق انه قال انتهى علم الصحابة الى ستة عمر وعلي وابي وزيد وابي الدرداء وابن مسعود ثم انتهى علم الستة الى علي وعبد الله ابن مسعود ترجمه، فتاوی درمختار کا فرمانا کہ علم فقہ کو عبد اللہ ابن مسعود نے بویا ... اس کا معنی یہ ہے کہ پہلے وہ شخص جس نے قرآن و حدیث سے فقہی مسائل کے استنباط کے کلام کا آغاز فرمایا وہ عبد اللہ ابن مسعود تھے جلیل الشان صحابی اور اولین صحابہ میں سے ایک تھے اور غزوۂ بدر کے شرکا میں سے تھے تمام صحابہ میں سے پہلے ... صدیق اکبر سے پہلے اسلام لائے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

امام نووی نے اپنی کتاب التہذیب میں فرمایا کہ، اور حضرت مسروق سے روایت ہے آپنے فرمایا تمام صحابہ کرام کا علم فقہ منتہی ہوتا ہے چھ صحابہ تک ۱ فاروقِ اعظم ۲ مولیٰ علی ۳ اُبَیّ بن کعب ۴ زید ۵ حضرت ابی درداء ۶ فقیہِ اعظم عبد اللہ ابن مسعود، پھر ان کا علم فقہ منتہی ہوتا ہے دو میں (۱) علی مرتضیٰ ۲ اور عبد اللہ ابن مسعود تک یعنی فقہ تو سب صحابہ کرام جانتے تھے مگر ماہرینِ فقہ یہ چھ حضرات ہیں اور ان چھ میں سے بھی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ ابن مسعود رضی کی فقہی مہارت زیادہ ہے ثابت ہوا کہ مہارت فقہی میں مولیٰ علی اور عبد اللہ بن مسعود کا پلہ برابر ہے۔ لیکن صدیق اکبر کی شان ہر علم میں ہر صحابی سے زیادہ ہے، صرف مہارت میں تقسیم ہیں اور تقسیم الٰہی دو وجہ سے ہوئی پہلی یہ کہ تا کہ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ کا مظاہرہ ہوتا رہے نہ کوئی اپنے آپ کو سب سے بڑا عالم سمجھے اور نہ کسی کا کوئی جھوٹا سچا عقیدت مند محبتِ مفرط اپنے امام کا علمی پلہ سب سے بھاری سمجھے دوم یہ کہ تا کہ ہر شخص دنیا و آخرت کے کاموں میں ایک دوسرے کا محتاج رہے نہ اپنی ذات پر مغرور ہو نہ نسل، نسب صنعت پر بدین وجہ لوگوں کے دنیوی علم و نسب کے غرور کو توڑنے کے لیے فتاویٰ شامی جلد اوّل ص۳۲ پر ہے کہ مولیٰ علی نے اپنے دیوان میں فرمایا کہ نسب و نسل پر فخر مت کرو کیونکہ اصل چیز شرعی علم ہے نہ کہ کفویت۔ خلاصہ یہ کہ مولیٰ علی کا پلہ خلفاءِ ثلاثہ پر بھاری نہ تھا بلکہ خلفاءِ ثلاثہ سے کم اور فقہاءِ صحابہ کے برابر تھا ہاں اَلبتّہ باقی تمام صحابہ سے زیادہ تھا۔ لہٰذا مصنف صاحب کا کہنا کہ سب پر بھاری تھا غلط اور خلافِ حقیقت ہے اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ مولیٰ نے کبھی کسی سے مسئلہ نہیں پوچھا۔ بہت سے گھریلو مسائل آپنے عائشہ صدیقہ سے پوچھے خاص کر عورتوں کے مسائل کے فیصلہ کرنے

وقت اور امام حسن سے بہت سے اہم فیصلے پوچھے اس کا تو خود مصنف صاحب کو بھی اقرار ہے سائل نے چوتھی بات یہ پوچھی ہے مصنف صاحب نے اپنی کتاب کی جلد پنجم کے ص۲۹۲ پر لکھا ہے کہ امام حسن بھی خلفاءِ راشدین میں سے تھے اور اس کی دلیل میں دو حوالے نقل کرتے ہیں پہلا بدایہ والنہایہ جلد ہشتم ص۱۷ کا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ یَصِیْرُ مَلِکًا عَضُوْضًا۔ اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ کہ میرے بعد تیس۳۰ سال خلافت رہے گی اور اس کے بعد کٹھ کھنی بادشاہت آجائے گی، دوسرا حوالہ حافظ ابن کثیر کا۔ لکھتے ہیں کہ۔ اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَکُوْنُ مُلْکًا۔ یعنی میرے بعد خلافت تیس۳۰ سال ہوگی پھر بادشاہۃ ہوگی پھر مصنف صاحب حساب لگاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابوبکر صدیق کی خلافت کی مدت ۲ سال تین ماہ عمر فاروق کی خلافت، دس۱۰ سال چھ۶ ماہ ہوئی عثمانِ غنی کی خلافت چند دن کم بارہ سال ہوئی۔ علی شیر خدا کی خلافت ۴ سال ۹ ماہ ہوئی پھر امام حسن کی خلافت چھ ماہ اور کچھ دن رہی۔ مصنف صاحب کا دعویٰ ہے کہ اگر امام حسن کو خلافت راشدہ میں شامل نہ کیا جائے تو تیس۳۰ سال پورے ہی نہیں ہوتے کیا مصنف صاحب کا یہ حساب اور یہ بات درست ہے ہم نے تو اب تک یہی سنا تھا کہ خلافتِ راشدہ صرف خلفاءِ اربعہ کی ہے۔ جواب، مصنف صاحب کی یہ بات اور یہ حساب قطعًا غلط اور لغو ہے دو۲ وجہ سے، پہلی وجہ یہ کہ مصنف صاحب کا حساب غلط ہے۔ مصنف صاحب نے تو اپنے حساب کا حوالہ مکمل نہیں لکھا۔ مگر ہم نے تین کتابوں سے یہ حساب جمع کیا ہے ۱۔ اکمال فی اَسْمَاءِ الرِّجَال ۲۔ تاریخ الخُلَفَا، عربی بیروت ۳۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، خلافۃِ صدیقی کی مدت دو سال آٹھ ماہ۔ خلافۃِ فاروقی کی مدت دس۱۰ سال چھ۶ ماہ چار۴ دن، خلافۃِ عثمانی کی مدت بارہ سال تین ماہ، خلافۃِ حیدری علوی کی مدت چار سال آٹھ ماہ پندرہ دن۔ کل مجموعہ اٹھائیس سال پچیس ماہ اُنیس دن۔ یعنی تیس۳۰ سال ایک ماہ ۱۹ دن حضرت امام حسن کی خلافت اس کے بعد شروع ہوئی، مولیٰ علی شہید ہوئے اکیس۲۱ رمضان ۴۰ھ اُسی دن امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور آپ نے سولہ جمادی الاول ۴۱ھ میں اپنی خلافت چھوڑ دی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے۔ اس حساب سے آپ کی خلافت اکیس۲۱ رمضان سے شروع ہو کر سولہ جمادی الاولیٰ کو ختم ہوئی، شوال، ذیقعد، ذی الحج، محرم، صفر، ربیع الاول اور ربیع الآخر یہ سات ماہ پورے، نو۹ دن رمضان کے، پندرہ دن جمادی الاول کے کل ۲۴ دن لہٰذا خلافۃِ حسن کی

کل مدت سات ماہ چھبیس دن ہوئی، اور خلفاءِ راشدین کی مدت صرف تیس سال ہونی چاہیئے ایک ماہ ۹ دن کی زیادتی بھی حساب میں باقی نہیں رہتی، خلافتِ حسنی ان تیس سال میں کسی طرح شامل نہیں ہو سکتی نہ شمسی حساب سے نہ قمری حساب سے لہٰذا امام حسن خلافتِ راشدہ میں شامل نہیں، مصنف صاحب بلا وجہ دخل اندازی نہ فرمائیں مصنف صاحب کی بات غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام میں وفاتُ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد دو قسم کی خلافتیں قائم ہوئیں۔ پہلی خلافتِ راشدہ اور دوسری خلافتِ مطلقہ، خلافتِ راشدہ کی تعداد چار[۴] قرآن مجید کی اشارۃُ النص سے ثابت ہے۔ اور خلافتِ مطلقہ کی تعداد بارہ[۱۲] عدد احادیث متعددہ کی عبارۃُ النص سے ثابت ہے۔ خلافتِ راشدہ کو خود رب تعالیٰ نے قائم و معین مقرر مرتب فرمایا۔ لیکن خلافتِ مطلقہ کو عام مسلمانوں نے قائم فرمایا۔ خلافتِ راشدہ کے پہلے خلیفہ صدیق اکبر اور آخری علی مرتضیٰ خلافتِ مطلقہ کے پہلے خلیفہ امام حسن بن علی بن ابی طالب، دوسرے ولید بن یزید بن عبد الملک تیسرے عبد اللہ بن زبیر چوتھے زید بن حسن بن علی، پانچویں عمرؓ بن عبد العزیز وغیرہ وغیرہ اور آخری خلیفۂ مطلق امام مہدیؓ قریبِ قیامت۔ خلافتِ راشدہ کی امتیازی شان و نشان یہ ہے کہ کسی بھی خلیفہ راشد کو تا عمر یہ جائز نہیں ہے کہ اپنی خلافت کو چھوڑے اور کسی کے حق میں دست بردار ہو جائے، ہر خلیفۂ راشد پر واجب ہے کہ تا وفات خلافت خود نہ چھوڑے اگرچہ جان جاتی رہے اور قتل کر دیا جائے، ورنہ وہ خلیفہ گنا ہگار عند اللہ مجرم ہوگا، کیونکہ یہ خلافتِ راشدہ رب تعالیٰ کا تقرر و ترتیب ہے اگر امام حسنؓ بھی خلیفہ راشدین میں سے ہوتے تو کچھ بھی ہو جاتا کتنی ہی خونریزی قتلِ عام ہوتا ہرگز ہرگز نہ چھوڑتے نہ امیر معاویہ رضؓ کو حکومت دیتے نہ وظیفہ یاب گوشہ نشین دست بردار ہوتے۔ امامِ حسن کا یہ عملی اقدام ثابت کر رہا ہے کہ آپ کی خلافت مطلقہ تھی راشدہ نہ تھی ہماری ان پانچ باتوں کے دلائل حسبِ ذیل ہیں۔ پہلی دلیل، سورۂ نور آیت ۵۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ ترجمہ اللہ تعالیٰ نے تم تمام اُن ایمان والوں سے وعدہ کیا ہوا ہے جو ایمان لا کر اعمالِ صالحہ بھی کرتے رہیں یہ کہ البتہ ضرور ضرور اُن کو زمین میں اللہ تعالیٰ خود خلیفہ بنائے گا جیسے اِن خلفاءِ مسلمین سے پہلے زمانوں میں رب تعالیٰ نے خود کچھ خلیفے بنائے تھے۔ اِس آیتِ پاک سے تین باتیں

ثابت ہوئیں۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اِن مسلمانوں میں مسلمانوں کے لیے خلیفہ خود مقرر فرمائے دوم یہ کہ خلیفہ ایک نہیں بلکہ جمع ہیں، سوم یہ کہ، یہ خلفا اپنی تعداد میں کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ہیں۔ یعنی سابقہ امتوں کی تعداد کے برابر اور قرآنِ مجید کی آیت سے واضح طور پر چار خلفاءِ عظام کا ذکر ملتا ہے ۱۔ آدم علیہ السلام ۲۔ نوح علیہ السلام ۳۔ داؤد علیہ السلام ۴۔ سلیمان علیہ السلام۔ چنانچہ سورۂ بقرہ آیت ۳۰ میں ہے۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً اس میں خلافتِ آدم علیہ السلام کا ذکر ہے اور سورۂ اعراف آیت ۶۹ میں ہے وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ ترجمہ اور اے بنی اسرائیل اُس نعمت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے خلیفے بنائے اُمّتِ نوح کے بعد۔ اس میں یہ بتایا گیا کہ نوح علیہ السلام اپنی قوم میں واحد مکمل دین دنیا کی ذمہ داری والے خلیفۃ اللہ تھے مگر اُن کے بعد میں یک وقت بہت سے خلیفے ہر ہر قوم میں بنائے جاتے رہے یہ زمین میں خلیفۂ دوم تھے، سورۂ صٓ آیت ۲۶ میں ہے۔ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ۔ یہ خلیفۂ سوم تھے، سورۂ نمل آیت ۱۶ میں ہے وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ۔ ترجمہ داؤد علیہ السلام کے بعد وفات اُن کی خلافتِ تامّہ کے وارث ہوئے سلیمان علیہ السلام، یہ چوتھے خلیفہ مستقل تام ہر دین دنیوی ذمہ داری والے یعنی آدم علیہ السلام مستقل مکمل خلیفہ پھر نوح علیہ السلام اپنی پوری قوم میں مستقل مکمل دینی دنیوی امور میں خلیفۃ اللہ پھر داؤد علیہ السلام اپنے وقت میں پوری قوم کے خلیفہ مکمل دینی دنیوی امور میں، پھر سلیمان علیہ السلام اپنی اُمت کے پورے مکمل خلیفہ دیگر انبیاء خلیفۃ اللہ تھے مگر فقط دینی مگر دنیوی امور علیحدہ بادشاہوں کے سپرد ہوتے تھے سورۂ نور آیت ۵۵ میں کَمَا اسْتَخْلَفَ کی تشبیہ میں تعدادِ خُلفا اور مدارج و مراتبِ خُلفا دونوں کی مثلیت اور برابری بیان فرمائی گئی، کہ وہ چار تو یہ بھی چار، وہ مستقل دین دنیا میں ذمہ دار تو یہ چاروں بھی دینی مبلّغ دنیوی سلطنت میں حاکمِ مطلق نہ وہاں کوئی پانچ نہ یہاں کوئی پانچواں بخلاف دیگر انبیاء کے ایک ایک وقت میں صرف اپنی اپنی اُمتوں کے نبی، اور اُن کے بادشاہ بھی الگ غیر نبی، اسی طرح اِن چاروں خلیفوں کے بعد خلافت و ملوکیت بٹتی ہی چلی گئی، خلافتِ راشدہ کے زمانوں میں پوری امت کا ایک خلیفہ وہی امام وہی سلطان وہی امیر المومنین، مگر اِن کے بعد امت ایک مگر گروہ دو، کوئی خلافتِ مطلقہ کے جھنڈے تلے کوئی

...ت کے حضرات تھے ۔ نیز اس آیت کے کما نے تین باتیں بتائیں ۔ خلفاءِ راشدین کی تعداد ... اور نشان ۔ دوسری دلیل ابن ماجہ باب فضل عثمان رض ص۱ پر ہے حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عُثْمَانُ اِنْ وَلَّاكَ اللّٰهُ هٰذَا الْاَمْرَ یَوْمًا فَاَرَادَكَ الْمُنَافِقُوْنَ اَنْ تَخْلَعَ قَمِیْصَكَ الَّذِیْ قَمَّصَكَ اللّٰهُ فَلَا تَخْلَعْهُ ۔ یَقُوْلُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۔ ترجمہ : حضرت علی بن محمد تابعی رض نے ہم کو حدیث سنائی کہ مروی ہے اُم المومنین عائشہ صدیقہ سے انہوں نے فرمایا کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عثمان اگر (یقیناً) تجھ کو اللہ تعالیٰ والی وحاکم بنائے اُمت کے امور دینی دنیوی کا کسی زمانے میں تو اگر منافقون نے ارادہ کیا کہ تمہاری قمیص خلافت تم سے اتروالیں جو اللہ نے تم کو پہنائی ہے ، تو خبردار ہرگز نہ اتارنا ، یہ حکم ... عثمانِ غنی کو تقریباً تین بار فرمایا ۔ (الخ) اسی حکم پر عمل کرتے ہوئے عثمانِ غنی نے شہادت حاصل ہونا قبول کر لیا مگر کسی کے کہنے سے خلافت نہ چھوڑی ، کیونکہ یہ رب تعالیٰ کی دی ہوئی خلافتِ راشدہ تھی ، اگر امامِ حسن کی خلافت بھی راشدہ ہوتی تو آپ بھی کبھی نہ چھوڑتے یا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو بھی منع فرما دیتے کہ خبردار اے امام تم بھی یہ خلافت نہ چھوڑنا نہ کسی کو دینا ، مگر نہ فرمایا تو ثابت ہوا کہ امام حسن کی خلافت راشدہ نہ تھی مطلقہ تھی ، تیسری دلیل ، بخاری ، مسلم ، ابو داؤد جلد دوم ص۲۳۲ اور مشکوٰۃ باب مناقب قریش فصل اوّل ص۵۵۱ پر ہے ۔ وَعَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ علیہ وسلم ۔ یَقُوْلُ لَا یَزَالُ الْاِسْلَامُ عَزِیْزًا اِلٰی اِثْنَیْ عَشَرَ خَلِیْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ (الخ) مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ۔ ترجمہ : ابن سمرہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ یہ اُمت و دین اسلام خوب غالب رہے گا بارہ۱۲ خلیفوں کے زمانوں تک وہ تمام خلیفے قریش قبیلے سے ہوں گے ۔ اس حدیث پاک میں خلافتِ مطلقہ کا ذکر ہے ، ہماری اتنی کثیر دلیلوں کے بعد اب بھی کوئی ضد کرے تو ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ۵ سائل نے پوچھا ہے کہ مصنف صاحب نے اپنی کتاب کی جلد پنجم کے ص۲۱۳ پر لکھا ہے کہ ۱ سب میں پہلے مولیٰ علی مسلمان ہوئے ، ابوبکر سے بھی پہلے ابوبکر صدیق صرف اپنی قوم یعنی باہر کے

آدمیوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ ۲ اور ایمان لانے کے وقت مولیٰ علی کی عمر سولہ ۱۶ سال تھی ۳ اور یہ کہ حضرت علی بھی حضور کے ساتھ رہتے تھے کیونکہ حضرت ابوطالب چونکہ کثیر العیال تھے لہٰذا رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو اپنی کفالت میں لے لیا تھا اور آپ نے اپنے زیرِ سایہ حضرت علی کی پرورش وتربیت فرمائی۔ کیا یہ باتیں درست ہیں۔

جواب۔ مصنف صاحب کی یہ تینوں باتیں عقل علم اور تاریخ کے خلاف ہے لہٰذا غلط ہیں تاریخی اعتبار سے ناقابلِ تسخیر یہ حقیقت ہے کہ تمام انسانوں میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق مسلمان ہوئے پھر دو دن بعد خدیجۃ الکبریٰ، پھر تین دن بعد علیِ مرتضیٰ، مولیٰ علی نبی کریم کے پاس نہیں رہتے تھے اپنے والد کی تا حیات وہ اپنے والد ابوطالب کے گھر ہی رہتے رہے کہیں ثابت نہیں کہ خدیجۃ الکبریٰ نے علیِ مرتضیٰ کو گود لیا ہو، اور ایمان لانے کے وقت حضرت علی کی عمر دس ۱۰ سال تھی سولہ ۱۶ سال کہنا غلط ہے، مصنف صاحب کی اسباب کو ہم مصنف صاحب کی کتاب سے ہی غلط ثابت کر دینگے، انشاء اللہ تعالیٰ تاریخی واقعہ اس طرح کہ جب غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے جلالِ کلام سے آپ کو بخار ہو گیا، حضرت خدیجہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی راہب عیسائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئیں جنہوں آپ کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کرتے ہوئے بشارت سنائی، پھر دوسرے دن سورۂ قلم کا نزول ہوا پھر دو دن بعد سورۂ مزمل شریف کا نزول ہوا، پھر ایک دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کمبل شریف اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے تقریباً چاشت کا وقت تھا تو سورۂ مدثر کی ابتدائی چند آیت کا نزول ہوا۔ یہ سورۃ نزول میں چوتھی ہے اس میں حکم دیا گیا کہ قُمْ فَاَنْذِرْ، اُٹھیے اور بلا امتیاز ہر قوم کو کفر اور عذابِ کفر سے ڈرائیے اور تبلیغ اسلام فرمایئے، تب آپ فوراً اُٹھے وضو فرمایا اور کوہِ صفا پر تشریف لے گئے وہاں آپنے چار سو آواز دے کر لوگوں کو بلایا جب کثیر لوگ جمع ہو گئے تو آپنے پہلی تبلیغ تبشیر وانذار سے فرمائی جب آپ اس تبلیغ سے فارغ ہوئے تو ابوبکر صدیق وہیں کوہِ صفا پر ہی سب کے سامنے عَلَی الْاِعْلَان مسلمان ہو گئے۔ از تاریخ اسلام جلدِ اوّل صفحہ ۲، اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔ تاریخ ابنِ خلدون جلد دوم پھر نبی کریم گھر تشریف لائے، اور حضرت خدیجہ کو تمام قصہ تبلیغ اور مخالفتِ قریش وبنی ہاشم وسردارانِ مکہ کی

نبوت کا ذکر فرمایا، حضرت خدیجہ بھی مسلمان ہو گئیں، پھر تبلیغ اسلام کا چرچہ سن کر مولا علی جو اس وقت تقریباً دس سال کے طفل فرزند تھے حاضر بارگاہ ہوئے اور مسلمان ہو گئے مگر چند ماہ تک اپنا اسلام چھپائے رکھا لیکن چند بعض مورخین لکھتے ہیں کہ چھ سال تک چھپائے رکھا جب آپ تیرہ سال کے ہو گئے اور سورۃ الشعراء نازل ہوئی جس کی آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ ترجمہ: اے نبی اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈر سناؤ یعنی تبلیغ اسلام فرماؤ، تب آپ نے مولا علی سے فرمایا کہ ایک دعوت کا انتظام کرو اور تمام بنو ہاشم کو دعوت دو تیسرے دن سب بنی ہاشم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گھر اقدس پر دعوت میں شامل ہوئے کھانا کھانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ مجھے اپنے اہلِ قرابت کو تبلیغِ اسلام کا حکم ہوا ہے تم میں سے کون اللہ تعالیٰ کے دین میں میری مدد کرے گا۔ ان میں صرف مولیٰ علی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا میں آپ کا ساتھ دوں گا، آپ نے دوبارہ پھر سب سے پوچھا تو دوبارہ پھر صرف علی مرتضیٰ اٹھ بولے آپ نے تین بار پوچھا تینوں بار مولیٰ علی ہی بولے باقیوں نے تیسری بار کہا ہمیں سوچنے کا موقعہ دیا جائے محفل برخاست ہو گئی اُس دن مولیٰ علی نے سب کے سامنے اپنے دین اسلام کا اظہار فرمایا اس سے پہلے صرف نبی کریم اور خدیجہ الکبریٰ اور سیدہ زینب بنت النبی کو آپ کے اسلام کا پتہ تھا امام محدث خیثمہ بن سلیمان حافظ الحدیث اور امام دارقطنی اور امام محدث محبُّ الدین طبری نے اپنی اپنی سُنن و مسند میں روایت فرمایا۔

عَنْ حَسَنِ ابْنِ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ عَلِیُّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اِنَّ اَبَا بَکْرٍ سَبَقَنِیْ اِلٰی اَرْبَعٍ لَمْ اُوْتَ ھُنَّ۔ سَبَقَنِیْ اِلٰی اِفْشَآءِ الْاِسْلَامِ۔ وَقَدَّمَ الْھِجْرَۃَ وَمُصَاحَبَتَہٗ فِی الْغَارِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاَنَا یَوْمَئِذٍ بِالشِّعْبِ ھُوَ یُظْھِرُ اِسْلَامَہٗ وَاُخْفِیْہِ۔ ترجمہ، امام حسن سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مولیٰ علی نے ارشاد فرمایا کہ بے شک ابوبکر سبقت لے گئے مجھ سے چار چیزوں کی طرف وہ چار چیزیں مجھ میں نہ دیا گیا ۱۔ پہل کی انہوں نے مجھ سے اپنا اسلام ظاہر کرنے میں ۲۔ اور انہوں نے ہجرت میں پہل کی۔ اور اُن کو مصاحبت ملی غار میں ۳۔ اور انہوں نے ظاہر ظہور نماز قائم فرمائی ۴۔ اور میں اُن دنوں شعب یعنی شعبِ ابی طالب میں رہائش رکھتا تھا، (اپنے آبائی گھر میں) تو ابوبکر اپنا اسلام ہر جگہ ظاہر کرتے پھرتے تھے اور میں (اہلِ خاندان کی؟) ؟

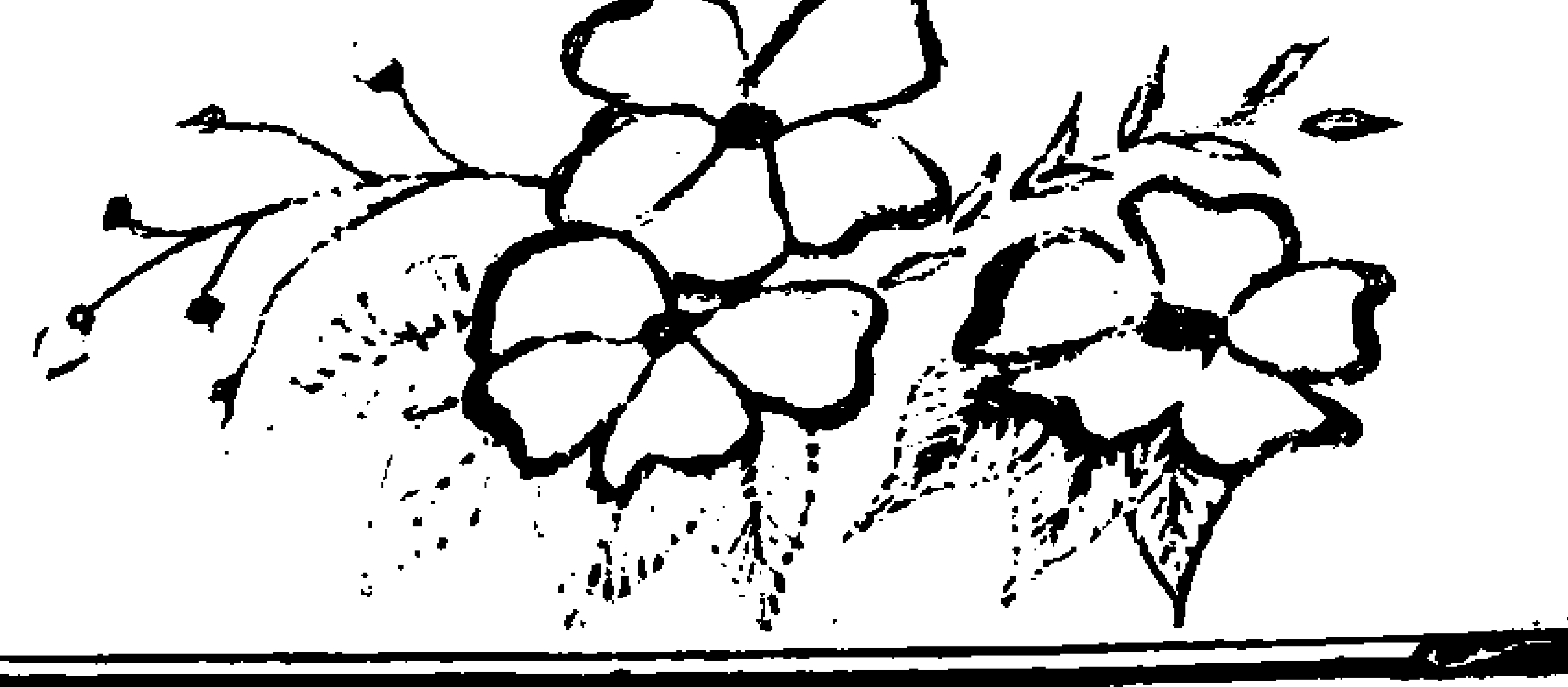
سے غالباً چھوٹا ہونے کی وجہ سے) چھپاتا پھرتا تھا۔ روایتوں میں آتا ہے مولیٰ علی بچپن میں شرمیلے بہت رہتے تھے۔ یہ اخفا غالباً یقیناً شرمیلے پن کی وجہ سے تھی۔ امام قسطلانی مواھب لدنیہ جلد اوّل ص۱۱ پر لکھتے ہیں۔ اَوَّلُ ذَكَرٍ اَسْلَمَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَهُوَ صَبِیٌّ لَمْ یَبْلُغِ الْحُلُمَ وَكَانَ مُسْتَخْفِیًا بِاِسْلَامِهٖ وَاَوَّلُ عَرَبِیٍّ بَالِغٍ اَسْلَمَ وَاَظْهَرَ اِسْلَامَهٗ اَبُوْبَكْرِ ابْنِ اَبِیْ قُحَافَةَ۔ تاریخی اعتبار سے بھی مصنف صاحب کی یہ بات کہ مولیٰ علی کی عمر بوقتِ اسلام لانے کے سولہ برس کی تھی غلط ہے اس لیے کہ اِس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ مولیٰ علی ترلیسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں شہید ہوئے چنانچہ خود مصنف صاحب اپنی کتاب کے حصہ پنجم ص ۲۶۲ پر فرماتے ہیں۔ آپ نے ۶۳ سال کی عمر پائی۔ مولیٰ علی کی ولادت میں چار قول ہیں۔ ۱۔ صحیح قول یہ ہے کہ ۳۰ھ میلادی ماہِ رجب کی تیرہ ۱۳ بروز جمعہ، در درِزہ طواف کرتے ہوئے اٹھا۔ آپ کی والدہ طواف چھوڑ کر گھر تشریف لے گئیں جو کوہِ صفا کے قریب ہی تھا وہاں علیؑ مرتضیٰ کی ولادت ہوئی بالکل اسی سال اسی ماہ چھ رجب کو بروز جمعہ سیدہ زینب بنت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی بعثت کے سال سیدہ زینب اور مولیٰ علی کی عمر بس دس دس ۱۰ سال تھیں بچیوں میں سب سے پہلے سیدہ زینبؓ بچوں میں مولیٰ علی رضؓ، عورتوں میں خدیجہ رضؓ الکبریٰ تمام انسانوں میں صدیق اکبر سب سے پہلے مسلمان ہوئے ۲۔ بعض نے لکھا کہ ۲۵ھ میلادی ولادتِ علی ہوئی ۳۔ بعض نے ۲۴ھ میلادی لکھا ۴۔ بعض نے ۲۲ھ میلادی لکھا، اس حساب سے علی الترتیب بعثت وتبلیغ اسلام کے وقت مولیٰ علی کی عمر ۱۔ دس ۱۰ سال ۲۔ پندرہ ۱۵ سال ۳۔ سولہ ۱۶ سال ۴۔ اٹھارہ سال بنتی ہے، لیکن پہلا اس لیے صحیح ہے کہ اگر ۳۰ھ میلادی ولادت مانی جائے تب ہی آپ کی عمر ترلیسٹھ سال بن سکتی ہے، یعنی بعثتِ نبوی کے وقت ۱۰ سال ہجرتِ نبوی کے وقت بیس ۲۰ سال وفاتُ النبی کے وقت ۳۳ سال، پھر تیس ۳۰ سال خلافتِ راشدہ کے ترلیسٹھ ۶۳ سال اور پھر منبر ص۶۵ پر تو اور بھی عمر کم لکھی ہے فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں مولیٰ علی کی عمر سترہ ۱۷ برس کی تھی انہوں نے تو پانچ سال اور کم کر دیئے ان کے حساب سے ۳۵ھ میلادی میں ولادتِ علی بنتی ہے اور بعثت کے وقت ۵ سال عمر بنتی ہے۔ بہر کیف مصنف صاحب کا قول اور باقی سب اقوال غلط ہیں اصلیت کے خلاف ہیں۔ سائل نے اپنی کتاب جلد اوّل ص۱۷ اور جلد سوم ص۲۳۲ پر لکھا ہے کہ سید اگرچہ بدعقیدہ اور بدعمل ہو تب بھی نسبتِ رسول اللہ

[illegible] کیا جائے گا اس کے دلائل میں کسی شیخ محمد صبان مصری کی کسی کتاب کا ذکر [illegible] اور مدینہ منورہ کے کسی سید رافضی کے حکایت لکھتے ہیں کہ وہ رافضی سید اہلسنت کے خلاف تعصب رکھتا تھا، دلیل دوم میں اِسعاف الراغبین صفحہ ۱۲۶ [illegible] کہ سید کافر ہو تب بھی اس کا احترام بوجہ نسبت رسول کرنا لازم [illegible] کا گناہ ہے اور بد عقیدگی کفر ہے اگر سید عقیدۂ [illegible] کے تمام [illegible] کے خلاف ہے مگر صرف آوارہ بدمعاش بے نمازی یا [illegible] تو اس کی تذلیل حرام ہے مگر جرائم کی شرعی سزا یا عبرت کی تعزیری سزا [illegible] یا محض ذلت نہ کی جائے گی اسی طرح استاد اپنے سید شاگرد کو [illegible] سنوارنے نکھارنے قابلِ تعلیم و تعریف بنانے کے لیے ضرور سزا دے لیکن وہ سید جو بد عقیدگی کے کفر میں چلا گیا اس کو کافر نہ سمجھنا بذاتِ خود کفر ہے، جو بد عقیدہ [illegible] بد عقیدہ نہ سمجھے وہ خود کافر ہے، سید کے کافر ہو جانے سے اُس کی نسبتِ رسول ختم ہو گئی اب وہ نسل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نہ رہا یہاں تک کہ اپنے والد والدہ اور بھائی بہنوں کا بھی وارث و قرابت دار قوم قبیلے والا نہ رہا کیونکہ قرآنِ و حدیث کا صاف حکم ہے کہ دین کی تبدیلی سے اہلبیت و قرابت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کی کفریہ بدعقیدگی والے کو سید کہنا ہی منع ہے مصنف صاحب کے یہ حوالے سب فضول اور قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ محمد صبان مصری ایک نامعلوم مجہول انسان ہے۔ اسی طرح اِسعاف الرّاغبین بھی کسی تبرّائی شیعہ کی تصنیف لگتی ہے مہرِ منیر کے مؤلف کو اسی قسم کے شیعہ نوازی اقوال نے مشکوک بنا دیا۔ یہ لغو اور جھوٹے حوالے کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ بعض لوگوں کی فطرت ہوتی ہے کہ اپنے ایک جھوٹ کو بچانے کے لیے کئی جھوٹ لوٹنے بناتے چلے جاتے ہیں، اِن مصنف صاحب کو بھی اپنے اس کفریہ جھوٹ کو بچانے کے لیے کئی جھوٹ بنانے پڑے۔ یہاں دو حوالے بنائے اپنی کتاب کی جلد دوم کے صفحہ ۱۲۶ پر سورۃ تَبَّتۡ یَدَا کی کفریہ گستاخی لکھ ڈالی، اور جلد چہارم کے صفحہ ۱۵۲ پر سورۂ ھود کی آیت ۴۵ وَنَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَھۡلِیۡ کو بگاڑ کر۔ اِنَّ ابۡنَھَا مِنۡ اَھۡلِیۡ۔ بنایا، اور اس بگاڑ کا الزام و بہتان مولیٰ علی پر لگایا کہ مولیٰ علی کی قرأت یہ ہے وہ اسی طرح پڑھا کرتے تھے۔ مصنف صاحب محترم اور اُن کے لواحقین نے محض شیعہ روافض کو خوش کرنے کے لیے آنکھوں پر پٹی باندھ کر آیت

کو توبک قلم بگاڑ دیا مگر ذرا تدبر نہ فرمایا کہ اس ذرہ بھر تخریب کاری سے کتنے بزرگوں کی شانِ اقدس میں گستاخی سرزد ہوگئی وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ اور تم لوگوں کو شعور بھی نہ ہو سکا۔ پہلی گستاخی یہ کہ بقانونِ علمِ نحو ضمیر لانے کے لیے یہ شرط لازمی ہے کہ اُس ضمیر کا مرجع موجود ہو ۲ اور ذکرِ مرجع قبل اِضمار ہو تا کہ اضمار قبل الذکر ۳ اگر مرجع مذکور نہ ہو تو مرجع کا قرینہ موجود ہو جیسے اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ۔ یہاں اوّل آخرہ ضمیر کے مَرجع کا قرینہ موجود ہے۔ اوّل میں اَنْزَلْنَا آخر میں فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ۔ قرینہ اُسے کہتے ہیں کہ جس کے بولتے ہی سننے والے کو پتہ چل جائے کہ ضمیر سے کیا مراد ہے۔ یہاں اِنَّ اَبْنَھَا پڑھنے میں یہ جہالت ہے کہ دور دور تک نہ کوئی سیاق وسباق میں ھَا ضمیر کا مَرجع موجود نہ مرجع کا قرینہ موجود، اس طرح کی خلاف علمِ قرئت وہی بنا سکتا ہے جو قواعدِ علم سے لاعلم ہو، لہٰذا مولیٰ علی کی طرف یہ قرئت منسوب کرنا اُن کی گستاخی ہے دوم یہ کہ بیٹے کی نسبت والد کی طرف ہی کی جاتی ہے نہ کہ والدہ کی طرف مثلاً خالد ابن زید کہا جا سکتا ہے نہ کہ خالد ابن ھندہ والدہ کی طرف نسبت اہلِ عرب میں متروک اور مجہول ہے۔ اہلِ علم وعقل ایسا نہیں کرتے تو اگر کنعان کا باپ کوئی دوسرا شخص تھا تو بقاعدۂ علمیت حضرت نوح یا کنعان کے باپ کا ظاہر نام لیتے یا اِنَّ اَبْنَہٗ عرض کرتے۔ اِنَّ اَبْنَھَا کہنا قانونِ عرب میں بے علمی ہے۔ کیا مصنف صاحب کے نزدیک حضرت نوح حضرت علی سب بے علم ہیں۔ مَعَاذَ اللہ، سوم یہ کہ بقاعدۂ مروجہ عربیہ وشرعیہ، ابن کو اصل کہنے کا معنٰی نسل ہے۔ تو قرئۃ منسوب اِلٰی مولیٰ علی میں آیت کا ترجمہ یوں بنتا ہے۔ وَنَادٰی نُوْحٌ رَبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ اَبْنَھَا مِنْ اَھْلِیْ۔ ترجمہ:۔ اور ندٰی عرض کی نوح نے اپنے رب سے پس عرض کیا اے میرے رب بے شک اس عورت کا بیٹا میری نسل سے ہے۔ اب اگر وہ بیٹا دوسرے خاوند سے تھا۔ تو اپنی نسل کہنا سخت گناہ وجہالت اور اگر وہ بیٹا نسلِ نوح ہی تھا تو قرئت بدل کر آیت بگاڑنا بیکار۔ بہر حال ہر طرف تخریب ہی تخریب ہے۔ کیا اِن اُلجھنوں کا کوئی مضبوط وباحوالہ حل مصنف صاحب کے پاس ہے!۔ پھر ہم مصنفِ محترم سے چار سوال کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ صرف اکیلے مولیٰ علی نے یہ قرئت بنائی ۲ کسی صحابی تابعی تبع تابعی نے اِس قرئت میں مولیٰ علی کا ساتھ نہ دیا۔ یہاں تک کہ امام حسن وحسین اور عبد اللہ ابن عباس نے اِس قرئت کو اختیار نہ کیا ۳ مولیٰ علی نے بھی صرف زبانی قرئتِ تلاوت بنائی کسی مصحف

میں نہ خود کبھی دکھوائی، آج تک کسی شیعہ رافضی بلکہ خود مصنف صاحب کو بھی اس لکھنے لکھوانے کی جرأت نہ ہوئی۔ بلکہ کسی بھی شیعہ اور مصنف صاحب کو تو جہرًا تلاوت کی بھی ہمت عَلَی الْاِعْلَان نہ ہو سکی، نہ اندرون جہری نماز نہ بیرون نماز۔ باآوازِ بلند جلسۂ عام میں اگر یہ قرأت درست ہے تو خود نماز میں یا بیرونِ نماز میں پڑھ کر دکھائیں عوام کے سامنے بلند آواز سے۔ یا خود مولیٰ علی نے عوام کے سامنے کبھی ایسی قرأت کی تلاوت کا جہرًا مظاہرہ نہ فرمایا۔ اگر کبھی اس طرح باآوازِ بلند قرأت فرمائی ہوتی تو صحاحِ ستہ اور کتبِ فقہ میں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے اگر بستر پر لیٹے لیٹے چھپ کر یہ قرأت تلاوت فرماتے ہوں تو مصنف صاحب ہی جان سکتے تھا، مرنا جیانی بھی اور کوئی نہیں جانتا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ چونکہ سائل نے صرف یہ چند سوال ہی استفتا کئے ہیں اس لیے ہم نے مختصر تبصرہ کر دیا، ورنہ ہم نے مصنف صاحب کی ان کتابوں میں ہر ہر جلد کے اندر بہت سی علمی فکری چشم پوشیاں و جلد بازیاں دیکھی ہیں، اگر کبھی کسی سائل نے تبصرہ پر فرمائش کی اور زندگی تندرستی فرصت نے مہلت و سہولت دی تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور تبصرہ عرض کروں گا۔ مصنف صاحب کی جلد اوّل پر چشتیہ ٹرسٹ نے کچھ اعتراضات شائع کئے ہوئے ہیں۔ اُن کے جوابات مصنف صاحب نے جلد سوم میں کچھ دئے ہیں نے دونوں کا سرسری مطالعہ کیا ہے، میری بصیرت میں اعتراضات قوی ہیں۔ جلد سوم کے جوابات تقریبًا سب ہی کمزور ہیں بلکہ بعض اعتراضات کو تو مصنف صاحب نے سمجھا ہی نہیں اور جلد بازی میں سوال گندم جواب جَو دیدیا، ہمیں حضرت مصنف صاحب کی علمیت، سنیت و حنفیت میں شک نہیں صرف جلد بازی کو جذباتیت و یک طرفہ کاروائی پر افسوس ہے۔ اب یقینًا حضرت مصنف اپنے اِس رویّہ پر نظرِ ثانی فرمائیں گے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِكَ۔

کتــــــــــــــــه



فتویٰ سوم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ایک دوست کو الجھن پڑ گئی ہے اس بات میں کہ تفسیر نعیمی جلد اول پارہ آلٓم سورۃ البقرہ کی آیت ۳۴ اور صفحہ ۲۷۲ پر سجدے کی تقسیم کی گئی ہے کہ سجدہ دو قسم کا ہے۔ ۱: سجدۂ عبادت ۲: سجدۂ تعظیمی اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی تھا۔ ہاں اس کو شریعت محمدیہ میں جائز قرار نہیں دیا۔ اور نہ ہی پچھلی شریعتوں میں حکم کی طرح جائز مانا ہے۔ اور لکھا ہے کہ پچھلی شریعتوں میں ہر شخص کو تعظیمی سجدہ کرنا جائز تھا۔ لیکن تفسیر نعیمی پارہ سترہ (۱۷) سورۃ حج کی آیت ۷۲ اور ۷۳ کے تحت احکام القرآن کے بیان میں صفحہ ۱۰۷۳ پر لکھا ہے کہ ایک گمراہ فرقے نے سجدے کی دو قسمیں کر دی ہیں ایک سجدہ عبادت دوم سجدہ تعظیمی۔ سجدہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور سجدہ تعظیمی سب کے لیے جائز ہے اور لکھا ہے کہ سجدہ تعظیمی کسی بھی آدمی اور کسی مخلوق کے لئے کرنا کسی شریعت میں جائز نہ ہوا یہ دونوں تفسیروں کی دونوں عبارتیں آپس میں متضاد ہیں تو اب پارہ اول اور پارہ سترہ کی عبارتوں میں بظاہر بڑا اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ خاص طور پر یہ فقرہ کہ ایک گمراہ فرقہ نے سجدے کی دو قسمیں کر دیں۔ حالانکہ میرے خیال میں دو قسمیں کرنا گمراہی نہیں بلکہ دوسری قسم یعنی تعظیمی کا جواز بنانا یا سجدہ تعظیمی کو جائز ماننا گمراہی ہے۔ تو کیا اس قسم کی عبارتی ترمیم ممکن ہے تاکہ عام قاری کو اس سے الجھن نہ رہے۔ براہِ کرم تسلی بخش جواب جلد عطا فرمایا جائے۔

دوسرا سوال

تفسیر نعیمی پارہ سترہ کے اسی صفحہ نمبر ۱۰۷۳ پر لکھا ہے کہ جو دعا مُخُّ الْعِبَادَۃِ ہے اس کا طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھا دیا اور اس کا قبلہ آسمان ہے۔ ایسی دعا اس طریقے سے مخلوق سے مانگنی شرک ہے۔ ہاں البتہ سوال گزارش التجا، فریاد، مطالبے کے طریقے سے ہر شخص سے مانگنا جائز ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ بعض لوگ بزرگ قسم کے نمازوں کے بعد ہاتھ قبلہ رو کر کے دعا مانگنے کے دوران یہ الفاظ بھی پڑھتے ہیں۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْ حَالَنَا، یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ اِسْمَعْ قَالَنَا یا کہتے ہیں۔ قَلَّتْ حِیْلَتِی اَنْتَ وَسِیْلَتِیْ اَدْرِکْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ کیا ان صورتوں میں شرک فی العبادت کا وقوع ہوگا یا نہیں۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ دستخط سائل عبدالقادر صاحبزادہ ۲۰۰۰-۴-۲۲

الجواب

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّاب

سائل مذکور کا سوالنامہ وصول ہوا یہ الجھن صرف اس لئے پڑی کہ تفسیر نعیمی پارہ اول اور تفسیر نعیمی پارہ ستارھواں کی ان عبارات اور طرز تحریر و تصنیف پر غور نہیں کیا گیا۔ دراصل پہلی تفسیر مفسرانہ طرز پر مختلف اقوال ذکر کرنے پر اکتفا فرماتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ اور ستارھواں پارہ محققانہ انداز میں بحث جرح تردید و تائید اور دلائل کے طریقے پر لکھی گئی ہے۔ سجدۂ آدم علیہ السلام کے بارے میں پارہ اول میں بارہ اقوال مختلفہ نقل فرمائے گئے کہ بعض یہ فرماتے ہیں۔ اور بعض یہ فرماتے ہیں اگرچہ بعض اقوال کی سرسری تائید بھی کی گئی ہے۔ مگر دلائل وجیہ نقلاً یا عقلاً کسی قول میں مذکور نہیں۔ چنانچہ تفسیر نعیمی پارہ اول مطبوعہ کے ص ۲۷۰ پر اختلافی اقوال اس طرح ترتیب وار بیان کئے گئے ہیں۔ **پہلا قول:** آدم علیہ السلام کو یہ سجدہ اس وقت ہوا جبکہ فرشتوں سے علمی مقابلے کے بعد فرشتوں کے استاد ہو گئے اور یہ سجدۂ ملکہ استادی کی تعظیم تھا۔ **دوسرا قول:** بعض علماء فرماتے ہیں کہ سجدے کا یہ حکم آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ سب فرشتوں سے پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا کہ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (سورۃ ص: ۷۲)۔ **تیسرا قول:** بعض لوگوں نے یہاں زمین کے فرشتے مراد لئے ہیں۔ **چوتھا قول:** مگر صحیح یہی ہے کہ یہاں سارے ہی فرشتے مراد ہیں۔ **پانچواں قول:** سجدہ دو قسم کا ہے۔ ۱۔ سجدہ تعبدی۔ ۲۔ سجدہ تعظیمی۔ وہ یہ ہے کہ کسی کو بزرگ سمجھ کر اس کے سامنے سر زمین پر رکھے۔ **چھٹا قول:** سجدۂ تعظیمی پہلی امتوں میں جائز تھا چنانچہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اُن کو سجدہ کیا۔ (یہاں کاتب یا قائل یا مصحح یا خود مصنف علیہ الرحمۃ سے بھول ہوئی۔ یوسف علیہ السلام کو انکے والد یعقوب علیہ السلام اور انکی ماں نے بھی سجدہ کیا تھا (بیک وقت) **ساتواں قول:** سجدۂ آدم علیہ السلام سے فقط لغوی سجدہ مراد ہے یعنی صرف ادب کرنا، زمین پر سر رکھنا مراد نہیں ہے۔ **آٹھواں قول:** سجدۂ آدم فقط رکوع کی مثل جھکنا تھا نہ کہ سر زمین پر رکھنا۔ (از جلال الدین سیوطی)۔ **نواں قول:** یہاں سجدے سے مراد زمین پر پیشانی لگانا ہی ہے اور فرشتوں کو اسی کا حکم ہوا تھا۔ **دسواں قول:** بعض فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ عبادت تھا یعنی تعظیمی نہ تھا کہ سجدہ اللہ کو تھا اور آدم علیہ السلام مثل قبلہ کے۔ جیسے ہمارا قبلہ کعبہ ہے (از شاہ عبدالعزیز) تفسیر کبیر نے اسکی تردید کی۔ **گیارھواں قول:** یہ سجدۂ تعظیمی تھا اور آدم علیہ السلام کے لئے ہی تھا۔ پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ہمارے اسلام میں منسوخ ہو گیا۔ سائل نے اس قول پر اپنا سوال کیا ہے۔ یہاں تین باتیں قابل غور ہیں۔ ۱۔ خود مصنف تفسیر نعیمی پارہ اول علیہ الرحمۃ نے اس کو ایک قول قرار دیا ہے۔ ۲۔ اس قول کی نہ تائید فرمائی نہ تردید نہ اس کے حق میں یا خلاف کوئی عقلی نقلی دلیل پیش فرمائی۔ ۳۔ اس قول میں سجدۂ تعظیمی حضرت آدم کے لئے تھا کا لفظ استعمال کیا گیا یعنی کبھی سجدۂ تعظیمی کا وجود تھا۔ لہٰذا اگر اب دورِ اسلام میں کوئی شخص یا گروہ سجدے کی دو قسمیں بنائے اور سجدۂ تعظیمی کا وجود نکالے

اور پھر جائز بھی کہے تو اس کو گمراہ ہی کہا جائیگا۔ اس لئے کہ قسمیں بنتی ہیں وجود سے جب وجود ہی نہیں رہا تو دو قسمیں کہنا کیونکر درست ہے۔ غرضیکہ اس قول کو درست مان کر بھی اب سجدے کی دو قسمیں کرنا جائز نہیں۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس قول کے اعتبار سے کبھی پہلے زمانوں میں سجدے کی دو قسمیں ہوا کرتی تھیں۔ مگر اس قول کی تائید اور تائید میں کوئی دلیل مصنف" سے ثابت نہیں۔ **بارھواں قول:** اب رب کے سوا کسی کو کسی قسم کا سجدہ کرنا جائز نہیں۔ یہی قول درست ہے اور اسی کی قرآنی آیات واحادیث صحیحہ سے تائید ہوتی ہے (یہ تائیدی الفاظ صرف قول نمبر ۱۲ کے لئے ہیں نہ کہ قول نمبر ۱۱ کے لئے اور یہ تائیدی الفاظ بھی نقلی یا عقلی دلیل نہیں۔ تفسیر نعیمی پارہ اول کے مصنف علیہ الرحمۃ نے اس جگہ سجدۂ آدم علیہ السلام کے بارے میں صرف یہ بارہ عدد اقوال ہی نقل کئے ہیں۔ مگر تفسیر نعیمی پارہ ستارھواں کے صفحہ ۱۰۷۳ پر سورۃ حج کی آیت نمبر ۷۳ کے تحت احکام القرآن کی فصل میں سجدۂ آدم علیہ السلام سے متعلق تیرھواں قول ہی نقل فرمایا۔ اور اسکی تائید وحمایت بھی کی۔ چنانچہ تیرہواں قول اس طرح ہے کہ کسی بھی شریعتِ الٰہیہ میں کبھی بھی سجدہ تعظیمی جائز نہ ہوا۔ از حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ علیہم السلام۔ سجدہ آدم علیہ السلام سجدۂ کفارہ تھا۔ اور سجدہ یوسف علیہ السلام تعبیرِ خواب تھا۔ یہ ہی قول حق اور مدلّل ومضبوط ہے۔ جو اس کے خلاف ہو کر اب بھی سجدۂ تعظیمی کو غیر اللہ اور کسی مخلوق کے لئے جائز مانے وہ گمراہ ہے۔ اس مسلک وموقف پر دس دلائل نقلیہ وعقلیہ قائم ہیں۔

پہلی دلیل

کوئی انسان کسی انسان کو سجدۂ تعظیمی کرے اس کا موجد ابلیس لعین ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ آج سے ہزاروں سال پہلے غالباً یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں قبیلہ بنی ثقیف کا ایک نیک بزرگ شخص جس کا نام نبطی تھا وہ باجلی میں رہتا تھا ایک مرتبہ وہ حج کرنے آیا دورانِ زمانۂ حج اس نے گھی اور ستوؤں سے حاجیوں کی دعوت کی مقامی ومسافر حاجی لوگ اس لذیز دعوت سے بہت خوش ہوئے۔ حجاج کی یہ خوشی اس کو بہت پسند آئی اب تو ہر سال وہ سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں آتا ایک جگہ خیمہ زن ہو کر ڈیرہ لگالیتا اور ایک قریبی چوکور اونچے پتھر پر بیٹھ کر وہ گھی ستو اور گڑ کی شکر ملا کر حاجیوں کو کھلاتا اور آبِ زم زم سے ضیافتِ حجاج کرتا۔ کچھ عرصے بعد وہ مستقل مکہ مکرمہ کا رہائشی ہو گیا لیکن حجاج کی دعوت وہ اسی پتھر پر بیٹھ کر کرتا۔ اس دعوت کی وجہ سے اس کا لقب لَاتّ پڑ گیا۔ کیونکہ عربی میں لَتّ کا معنیٰ ہے دو چیزوں کو آپس میں ملانا گوندھنا (مکس کرنا)۔ اس کا اسم فاعل ہے لَاتّ یعنی ملانے گوندھنے والا تو چونکہ یہ بزرگ شخص گھی ستو ملا کر دیا کرتا تھا۔ اس لئے سب لوگوں میں اس کا یہ لقب مشہور ہو گیا تقریباً پچاس سال اس نے یہ دعوت قائم رکھی۔ پھر اس کا انتقال ہو گیا اہل عرب اسکی بزرگی، اسکی مخلصانہ دعوت اور اس کے اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے اس کے بہت عقیدت مند ہو گئے تھے جب وہ فوت ہو گیا تو عقیدت مند اس پتھر کے پاس جمع ہوتے اور اس کو یاد کر کے روتے رہتے۔ ایک دن عرب کا ایک بہت بڑا سردار کافر عمرو بن لحی جو کافی عرصہ سے کہیں لاپتہ تھا اچانک نمودار ہوا اور اس پتھر کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہنے لگا کہ تمہارا بزرگ مرا نہیں بلکہ اپنی روحانیت سے اسی پتھر میں سما گیا ہے۔ اگر اسکی زیارت کرنا چاہتے ہو تو اس پتھر

سجدہ کیا کرو۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا اور لوگوں نے اس پتھر کو اسی بزرگ کی نسبت سے تعظیمی سجدہ کرنا شروع کر دیا ۔۔۔ کہا کہ یہ کہنے والا عمرو بن لحی نہ تھا بلکہ اسکی شکل میں ابلیس تھا جو تم کو یہ غلط بات ۔۔۔ کہ لوگ تو سجدہ ۔۔۔ سے بت ۔۔۔ گے۔ مگر ضدی عقیدت مند باز نہ آئے بلکہ اس پتھر کی ہر طرح تعظیم کرنے لگے یہی پتھر آگے چل کر اہل عرب کا بڑا بت لات کہلایا اور دوسرا مونث بت عزیٰ بنایا گیا۔ اس چوکور پتھر کا نام بھی رکھا گیا تواریخ عرب اور قرآن مجید میں لات و عزیٰ و منات الثالثہ سے یہی لات پتھر مراد ہے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال کہتے ہیں۔ میں ازل کا سومناتی۔ میرے آباء لاتی ومناتی۔ اس شعر میں لاتی سے مراد وہی لات پتھر ہے۔ جس کو سب پہلے ابلیس نے سجدہ تعظیمی کیا۔ یہ ہم نے یہ حوالہ تین کتابوں سے لیا ہے۔ ۱۔ اساطیر العربیہ قبل اسلام جلد پنجم صفحہ نمبر ۔۔۔ مطبوعہ مصر۔ ۲۔ انسائیکلوپیڈیا اسلامی اردو صفحہ نمبر ۱۲۰۹۵ طبع لاہور۔ ۳۔ تاریخ عرب جلد سوم صفحہ ۱۱۳ طبع بیروت۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ سجدہ تعظیمی کا موجد ابلیس شیطان ہے تو بھلا کس طرح ہوسکتا ہے کہ شیطان کی یہ ایجاد پہلی شریعتوں میں جائز ہو جائے۔ (معاذ اللہ معاذ اللہ) ہر شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

دوسری دلیل

حدیثوں اور روایتوں سے یہ تو ثابت ہے کہ بہت سے کام پہلی شریعتوں میں حرام تھے مگر شریعت اسلام میں وہ جائز و حلال ہو گیا۔ جیسے قربانی کا گوشت یا مال غنیمت وغیرہ مگر اس کی کوئی مثال نہیں ملتی نہ تواریخ میں نہ احادیث میں کہ کوئی عمل کوئی چیز پہلی شریعتوں میں حلال اور جائز ہو مگر شریعت اسلام میں حرام کر دیا گیا ہو تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پہلی شریعتوں میں غیر اللہ کو سجدہ جائز ہو لیکن اسلام میں حرام کر دیا جائے کیا مسلمان بزرگ اور خاص کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس تعظیم کے مستحق نہیں تھے۔ ماننا پڑے گا کہ سجدۂ تعظیمی غیر اللہ کو پہلے بھی حرام تھا اب بھی تا قیامت بھی حرام ہی حرام ہے۔ ذرہ بھر قطعاً کسی لحہ کسی زمانے میں نہ جائز تھا نہ جائز ہے نہ جائز ہو۔ پہلے یا اب جو غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی کرے یا کرائے یا کروائے وہ سب مردود گمراہ شیطان ہیں۔ نہ پیر کو نہ فقیر کو نہ والدین کو نہ استاد کو نہ قبر کو۔ غیر اللہ کی تعظیم تو سجدے سے ہو سکتی ہی نہیں کیونکہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کیلئے بنا ہے تو پھر بندے کی تعظیم سجدے سے کیسے جائز ہوسکتی ہے شرعاً بھی رواجاً بھی ہر ایک کی تعظیم کا طریقہ مختلف ہوتا بھی ہے اور ہونا بھی چاہیے تا کہ فرق مراتب کے ساتھ ساتھ۔ امتیاز ظاہری بھی قائم رہے صرف قلبی مخفی نیت بدلنے سے ظاہرًا فرق کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی شخص کسی قبر کو معبود سمجھ کر ہی سجدہ کر رہا ہو۔ اس لئے ہر شریعت نے غیر اللہ کو ہر سجدہ حرام کر کے سب وسوسے ہٹا دئے کہ نہ ہوگا، بانس نہ بجے گی، بانسری، ہر شریعت میں ہر حکم کا یہ قانونِ امتیازی قائم رہا۔ ہر سجدہ تعظیمی ہو یا شکرانہ ہو یا تلاوت ہو یا دعائیہ ہو یا نماز کا یا عبادت کا تمام سجدے صرف اللہ تعالیٰ کو جائز ہیں۔ بس جن لوگوں نے پہلی شریعتوں میں جائز مانا وہ بے دلیل ہیں لہٰذا غلطی پر ہیں بعض اشکال میں انہوں نے تدبّر نہ فرمایا اور جلد بازی کر گئے۔ کیونکہ پہلے زمانوں میں تو لفظ تعظیمی سجدے کا وجود ہی نہیں ملتا۔

تیسری دلیل

سورۃ انبیاء کی آیت ۹۲ میں ارشاد ربانی ہے" اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ٘ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ "۔ تفسیری ترجمہ: بے شک اے انسانو یہ تمہارا دین (جسکا نام اب اسلام رکھا گیا ہے، شروع زمانوں سے اصول و فروع میں) اُمَّةً وَاحِدَةً۔ ایک ہی دین ہے اور میں ہی تم سب مخلوق کا رب ہوں تو صرف میری ہی عبادت کرو۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ از آدم علیہ السلام تا قیامت بنیادی اصول اور بنیادی فروع ہر شریعت میں ایک ہی رہے۔ بنیادی اصول عقائد کا نام ہے وہ آٹھ ہیں۔ ۱۔توحید، ۲۔رسالت ۳۔کتب الٰہی۔ ۴۔ملٰئکہ۔ ۵۔قیامت کا حساب۔ ۶۔جنت دوزخ پر ایمان بالغیب کہ یہ سب موجود اور حق ہیں۔ ۷۔اقرار باللسان۔ ۸۔تصدیق بالقلب۔ بنیادی فروع عمل بالعقائد کا نام ہے اور وہ دو ہیں۔ (۱) حرام (۲) حلال یعنی وہ چیزیں جن کو اللہ رسول نے اہل ایمان کے لئے قانوناً حلال یا حرام فرمایا۔ ان دس چیزوں کے مجموعے کا نام دینِ ربانی ہے۔ اسی کو اُمَّةً وَاحِدَةً فرمایا۔ ابتداء حیات انسانی سے قیامت تک ہر مومن کے لئے اشد لازم ہے کہ ان دس چیزوں کو دل و جان سے مانے ہر حرام کو حرام سمجھے ہر حلال کو حلال تا عمر۔ ایک آن کی تبدیلی یا تغیری یا انکار مومن کو کافر بنا دے گی۔ اُمۃً واحدۃً کی قانونی آیت سے یہی سمجھایا جارہا ہے کہ جو عقائد اب اسلام نے بتائے وہی آدم علیہ السلام سے چلے آرہے ہیں اور جو عمل واشیا اسلام نے حلال فرمائیں وہ شروع سے ہی قانوناً حلال و جائز چلی آرہی ہیں اور جو چیزیں اسلام نے حرام فرمائی ہیں وہ شروع سے ہی قانوناً حرام ہیں۔ بنی اسرائیل یا دیگر شریعتوں میں جو بعض چند چیزیں خصوصاً حرام ہوئی تھیں وہ قانونی حرام نہ تھیں بلکہ امتحاناً یا سزاءً حرام تھیں یا خصوصاً مثلاً پچھلی سب شریعتوں میں قربانی کا گوشت کھانا منع تھا وہ صرف امتحاناً منع تھا تاکہ بتا دیا جائے کہ کس کی قربانی قبول ہے کس کی مردود۔ کون اپنے خلوص میں پاس ہوا کون فیل۔ اسی طرح ہفتہ کے دن (یوم السبت) شکار حرام ہونا یہ تعزیراً وسزاءً تھا اور مالِ غنیمت بھی بنی اسرائیل پر حرام ہونا سزاءً تھا یا امتحاناً کہ دیکھو کون بلا غنیمت صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے کون کون دشمنانِ دین کفار سے جنگ کرنے نکلتا ہے۔ کچھ چیزیں ان سابقہ لوگوں نے خود اپنے پر حرام کرلی تھیں۔ شرعاً حرام نہ تھیں۔ جو چیزیں قانوناً شرعاً حرام ہیں وہ اُمَّةً وَاحِدَةً ہیں۔ ان ہی میں غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی۔ ۲۔فوٹو سازی۔ ۳۔حرمتِ رشوت۔ ۴۔سود۔ ۵۔جوا۔ ۶۔حرمتِ خنزیر، کتا، بلا اور وہ تمام درند پرند جو اسلام میں حرام ہیں پہلی شریعتوں میں بھی اسی طرح حرام تھے۔ امۃً واحدۃً کی آیت پاک نے یہی سمجھایا ہے اور ساتھ ہی وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنَ۔ فرما کر اِقْتِضَاءُ النَّص سے بتا دیا کہ بس مجھے ہی سجدہ کرو بندوں کے سجدوں کا۔ حق استحقاق صرف رب تعالیٰ کو ہے کیونکہ سجدہ ہی۔ فَاعْبُدُوْن کی عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اصل وخالص عبادت سجدہ ہی ہے تو فَاعْبُدُوْنِ کا معنیٰ ہوا کہ سجدہ صرف مجھ کو کرو خواہ کسی قسم یا کسی ارادہ سے ہو۔ تعظیماً یا شکراً یا تلاوۃً یا دعاءً یا صلوٰۃً کیونکہ ہر سجدہ خالصتاً عبادت ہی ہے مثلاً صورتاً بھی نماءً بھی نہ یہ ضرورۃً ہوتا ہے نہ عادتاً بخلاف قیام رکوع قومہ جلسہ قعدہ کے کہ وہ عادۃً ضرورۃً بھی کیے جاتے ہیں اور عبادتاً بھی۔

چوتھی دلیل

یہ کہ اس وقت مسلمانوں کے تین طبقے ہو گئے ہیں۔ (۱) وہ مفسرین جو فرماتے ہیں کہ سجدہ تعظیمی غیر اللہ کے لئے کسی شریعت میں کبھی بھی جائز نہ ہوا۔ ہر شریعت میں ہی حرام رہا۔ یہی قول حق ہے۔ (۲) وہ مفسرین جو لکھتے ہیں کہ پہلی شریعتوں میں سجدہ تعظیمی غیر اللہ کو جائز تھا۔ شریعت اسلام میں حرام ہوا۔ (۳) وہ گمراہ لوگ جو کہتے ہیں کہ شریعت اسلام میں بھی غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی جائز ہے اور پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ بعض مفسرین کا یہ کہنا بھی قطعاً غلط ہے کہ پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ اور گمراہ فرقہ کا یہ کہنا بھی قطعاً غلط ہے کہ شریعت اسلام میں بھی سجدہ تعظیمی غیر اللہ کو جائز ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں طبقوں کے پاس اپنے اپنے قول پر کوئی بھی دلیل نہیں نہ صراحتاً نہ عبارۃً نہ اقتضاءً نہ دلالۃً نہ اشارۃً نہ قیاساً نہ عقل نہ نقل۔ نہ دلیل اِنّی نہ دلیل لِمّی۔ اور قانون اسلامی و قرآنی کے مطابق کسی مسلک مذہب، موقف پر کوئی دلیل نہ ہونا بھی مسلک و موقف کے جھوٹا اور غلط ہونے کی نشانی و دلیل ہے۔ چنانچہ سورۃ حج کی آیت ۸ میں ارشاد ربانی تعالیٰ ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ۔ اور سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۱۷ میں ہے۔ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ترجمہ: ''اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کے دین میں جھگڑے ڈالتے ہیں بغیر علم بغیر ہدایت اور بغیر کسی روشن دلیل کے۔'' دوسری آیت کا وَمَنْ اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ دوسرے معبود کی عبادت کرتا ہے۔ (وہ اس لئے بھی جھوٹا ہے کہ) اس کے پاس اپنے مسلک و عقیدے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ کسی قول و مذہب کی سچائی پر دلیل نہ ہونا بھی اس مذہب کے غلط اور باطل ہونے کی نشانی ہے لہٰذا سجدہ تعظیمی کہ بارے میں بھی دوسرا قول غلط اور تیسرا قول وعقیدہ باطل ہے کیونکہ دونوں کے پاس اپنی اپنی مسلکی دموقفی ومذہبی بات پر کوئی کسی قسم کی دلیل نہیں ہے۔

پانچویں دلیل

یہ کہ سورۃ رعد کی آیت ۱۵ اور سورۃ اعراف کی آیت ۲۰۶ اور سورۃ حج کی آیت ۱۸ میں علی الترتیب ہے۔ ۱: وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ ۲: وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ۔ ۳: اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ، ان آیت میں۔ لِلّٰہ اور لَهٗ اور اِنَّ اللّٰہ کے پہلے ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ اور ترجمہ اس طرح ہے پہلی آیت اور اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں یعنی فرشتے، انسان، جنات، خوشی و ناخوشی سے۔ دوسری آیت اور اُسی کو سجدہ کر رہے ہیں تیسری آیت: اے حبیب کریم تم دیکھ ہی رہے ہو کہ زمینی و آسمانی لوگ بیشک اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کر رہے ہیں۔ ان آیت میں مطلقاً ہر سجدہ کے لئے اور ہر زمانے ہر شریعت کے لئے فرمایا اور بتایا جا رہا ہے کہ ہر شریعت میں ہر قسم کا سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہوتا رہا۔ کبھی کسی شخص نے کسی شریعت کے حکم سے غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا۔ نہ تعظیم کا نہ شکریے کا۔

چھٹی دلیل

یہ کہ جن مفسرین نے پہلی شریعتوں میں جواز کو لکھا ہے وہ حضرات واقعہ آدم اور واقعہ یوسف و یعقوب علیہم السلام پر اپنا پنا اندازہ لگاتے ہیں اور فقط ذاتی ذہنی اندازے کے بل بوتے پر یہ غلط موقف ونظریہ بنا بیٹھے۔صراحتی وضاحت و دلیل ان کو بھی کہیں سے نہ ملی نہ قرآن و حدیث سے نہ تواریخ واقوال سے اور ذہنی اندازہ بھی نہایت ناقص و کمزور۔اسی طرح فرقۂ باطلہ ضالہ بھی اپنے عقیدہ جواز پر فقط ان دو واقعوں پر قیاس کرتے ہیں۔یہ قیاس بالکل ناکارہ ہے کیونکہ نہ سجدۂ آدم تعظیمی تھا نہ سجدۂ یوسف۔سجدہ آدم کفارے کا تھا کیونکہ جب رب تعالیٰ نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً فرمایا تو تمام فرشتوں نے ابلیس کے مشورے سے عیب جوئی کی غیبت و برائی بیان کردی۔تو سب سے اسی وقت رب تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔اس آیت پاک کی طرز بیانی یعنی اقتضاء النص سے ثابت ہوا کہ یہ سجدہ غیبت آدم علیہ السلام کا کفارہ تھا۔فَاِذَا کی ف سببیہ ہے اور مقصود بیان یہ کہ چونکہ تم نے بن دیکھے بن جانے آدم علیہ السلام کی غیبۃ وعیب جوئی کی ہے۔انہوں نے تو پیدا ہونا ہی ہے کیونکہ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔جو میں جانتا ہوں وہ تم سب نہیں جانتے۔تم نے بلا جانے یہ غیبت کردی۔فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ۔اس لئے آج ہی سن لو کہ اور جب میں اُنکو مکمل کردوں اور ان میں اپنی روح پھونک دوں تو تم ان کو سجدہ کرتے ہوئے زمین سے لگ جانا۔تو سجدے کا سبب غیبت تھی۔فرشتوں سے بطور کفارہ سجدہ آدم اس لئے کرایا گیا کہ فرشتے اس کے سوا کسی دوسرے طریقے سے کفارہ ادا کر سکتے ہی نہ تھے۔نہ روزے رکھ کر نہ غلام آزاد کر کے نہ مسکینوں کو کھانا کھلا کر یہ سجدہ تعظیمی نہ تھا۔ہاں اس سجدہ کفارہ سے تعظیم آدم علیہ السلام خود بخود ہوگئی۔سجدہ کرتے وقت ملئکہ کی نیت محض تعظیم آدم نہ تھی۔ابلیس بھی چونکہ جرم غیبت میں برابر کا شریک تھا۔اس لئے حکم کفارہ میں بھی شامل رکھا گیا۔اسی لئے انکار پر مردودیت کی ابدی سزا ملی کہ یہ دوسرا جرم تھا۔اگر یہ سجدہ تعظیمی ہوتا تو (۱) تمام جنات کو بھی حکم ہوتا۔(۲) تمام موجودہ حیوانات کو بھی۔(۳) اور بار بار حکم ہوتا۔کیونکہ تعظیم بار بار کی جاتی ہے۔کفارہ صرف ایک بار۔(۴) یا پھر ملائکہ کے خصوصی حکم کی بنا پر ابلیس جن بھی شامل نہ ہوتا۔ثابت ہوا کہ بار بار نہ ہونا ابلیس پر واجب ہونا۔باقی موجودہ مخلوق کو حکم سجدہ نہ ہونا یہ سب کچھ سجدہ کفارہ کی علامات ہیں۔کیونکہ سجدہ تعظیم مظہر تعظیم اور چونکہ تعظیم ہمیشہ واجب ہوتی ہے تو اگر سجدہ غیر اللہ سے تعظیم غیر اللہ ثابت یا جائز ہوتی تو بار بار سجدہ آدم کا وقوع ہوتا۔اسی لئے جو گمراہ لوگ سجدہ تعظیمی کو غیر اللہ کے لئے جائز مانتے ہیں وہ اپنے مریدوں سے شاگردوں عقیدت مندوں سے بار بار خود کو اور اپنے بڑوں کی قبروں کو سجدے کراتے ہیں۔اس طریقے اور رسم ورواج سے بھی ثابت ہوا کہ سجدہ آدم تعظیمی سجدہ نہ تھا۔یہی حال کیفیت سجدہ یوسف کی ہے کہ وہ بھی سجدہ تعظیمی نہ تھا بلکہ خواب کی تعبیر تھا۔واقعہ اس طرح ہے کہ جب حضرت یوسف آٹھ سال کے تھے تو ایک دن اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا۔یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ (سورۃ یوسف:۴) اے میرے ابا جان بیشک میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند

سب کو خواب میں دیکھا کہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ ایک نبی کی خواب تھی۔ خواب پر کسی کا قابو نہیں ہوتا یہ بے اختیار و بے ارادہ آ جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی خواب وحی الٰہی۔ صالحین کی خواب وحی کا چالیسواں حصہ عوام کی خواب طبعی یا شیطانی یا اتفاقی احلام ہوتی ہیں۔ زمانہ گزرتا رہا۔ حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے تخت شاہی پر جلوہ گر کر دیئے گئے۔ اپنے وطن بستی کنعان سے اپنے والدین اور سب بھائیوں کو اپنے پاس مصر بلوایا اور آتے ہی سب سے پہلے ان سب کو وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۔ (سورۃ یوسف:۱۰۰) ترجمہ: اور اونچا بٹھایا اپنے دونوں ماں باپ کو تخت پر اور وہ سب والدین و گیارہ بھائی ایک دم (بلا ارادہ) جھکتے اور زمین سے لگتے ہی چلے گئے یوسف کے لئے سجدہ کرتے ہوئے۔ تب حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی وقت ان سب کے بحالت سجدہ ہی اپنے والد سے عرض کیا اے میرے ابا جان آپ لوگوں کا یہ سجدہ ریز ہونا میری اس پہلی خواب کی تعبیر پوری ہوئی ہے۔ اس خواب کو میرے رب تعالیٰ نے آج سچا کر دکھایا۔ یہ تھا اس سجدہ یوسف کا واقعہ۔ نہ وہ خواب حضرت یوسف کے اختیار میں تھی نہ یہ سجدہ ان بزرگوں کے اختیار اور ارادے میں تھا۔ اسی لئے جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اچانک بغیر کسی کے کہے سنے سب کو سجدے میں گرتے دیکھا تو فوراً اس بچپن کے خواب کی طرف دھیان گیا اور هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ۔ کا کلام عرض کیا اور سمجھایا کہ یہ اختیاری کیفیت کا سجدہ نہیں بلکہ اضطراری سجدہ ہے کیونکہ تعبیر خواب میں بھی کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ اور غیر اختیاری سجدہ تعظیمی نہیں ہوتا۔ اگر تعظیمی سجدہ ہوتا تو (۱) بار بار ہوتا (۲) اور یوسف اپنے والد کو سجدہ کرتے نہ کہ والد بیٹے کو۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ سجدہ بلا ارادہ اضطراری تھا۔ اس لئے ان حضرات کو اس سجدے پر کوئی ثواب نہیں ملا۔ جبکہ ملئکہ کو یقیناً سجدہ آدم پر ثواب ملا۔ اس لئے کہ جب ترک سجدہ پر عذاب ہوا تو اداء سجدہ پر ثواب بھی یقینی ہے۔

ساتویں دلیل

یہ کہ حدیث پاک میں شریعت کا ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ (مشکوۃ شریف از مسلم بخاری صفحہ ۱۰) یعنی اعمال کی نوعیت نیتوں سے بنتی ہے تو چونکہ سجدہ آدم کے وقت ملئکہ کی نیت تعظیم آدم علیہ السلام نہ تھی بلکہ حکم الٰہی کی بجا آوری اور ادائیگی کفارہ کی نیت تھی جیسا کہ دلیل نمبر ۶ ف سیئیہ کے فرمانِ الٰہی سے ثابت کیا گیا۔ اور سجدہ یوسف میں کسی کا کوئی بھی ارادہ نہ تھا بلکہ سجدے پر اختیار ہی نہ تھا۔ جبکہ آج یہ گمراہ سجدۂ تعظیمی کرنے کرانے سے تعظیم ہی کا ارادہ کرتے ہیں پہلے ارادہ بناتے ہیں پھر سجدہ کرتے ہیں۔ سجدۂ آدم اور سجدۂ یوسف میں سجدے سے پہلے یا بعد مَسْجُوْدٌ لَهٗ کی تعظیم کی کوئی نیت و ارادہ کہیں ثابت نہیں نہ قرآن مجید میں نہ احادیث مقدسات سے۔

آٹھویں دلیل

یہ کہ از حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ علیہم السلام کسی نبی نے نہ خود کو سجدہ کرایا نہ کسی کو اجازت دی بلکہ سجدۂ تعظیمی کا تو پچھلی شریعتوں میں تصور بھی نہیں ملتا۔ اس لفظ کا بھی کہیں کوئی ذکر و تلفظ نہیں ملتا۔ یہ تو اب مسلمانوں میں شرکیہ بیماری غداری

پیدا ہوگئی ہے۔ یا چند مفسرین نے اپنے ذاتی خیال اور ذہنی اختراع سے سجدۂ آدم وسجدۂ یوسف کو تعظیمی بنا ڈالا۔ اور اسی اختراع کو گمراہوں نے اپنے باطل قیاس کا سہارا بنالیا۔

نویں دلیل

یہ کہ عقل بھی چاہتی ہے کہ سجدۂ تعظیمی غیر اللہ کے لئے حرام قطعی ہو۔ اس لئے کہ سجدہ غیر اللہ کسی کی تعظیم نہیں بلکہ مزاحیہ توہین و گستاخی ہے۔ اس لئے کہ سجدہ کرنا زمین سے مکمل طور پر خود کو لگا دینے کا نام ہے۔ قیام سے نیچا رکوع۔ رکوع سے نیچا قعدہ اور قعدہ سے نیچا سجدہ۔ سجدہ سے نیچا کوئی رکن عبادت نہیں۔ گویا کہ سجدہ انتہائی پستی کا نام ہے۔ سجدہ کرنے والا سجدہ کر کے یہ ثابت کرتا ہے کہ میرا مَسۡجُوۡدُلَہٗ سب بلندیوں کا مالک ہے اور میں سب پستیوں کمزوریوں، محتاجیوں والا ہوں اور جب میں اشرف المخلوقات ہو کر ہر چیز میں اس مسجودلہٗ سے کمتر وذلیل و پست و ادنیٰ گھٹیا ہوں۔ تو دیگر مخلوقات جن و ملک وغیرہم بدرجۂ اولیٰ اس ذات سے مکمل ہر طرح گھٹیا ہیں۔ ہر ساجد بحالتِ سجدہ اپنے قال و حال سے اپنے مسجودلہٗ کیلئے اس کلی بڑائی کا اقرار کر رہا ہے۔ حالانکہ ہر بلندی اور آخرت و قدرت کا مالک کائنات میں صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی کلی بڑائی کا مالک نہیں نہ حقیقی ذاتی نہ عطائی ہر بندہ کتنا ہی بڑا بن جائے کسی نہ کسی چیز میں دوسروں کا محتاج ہے۔ کلی غیر محتاجی صرف شانِ وَحدہٗ لاشریک ہے۔ اس بنا پر انتہائی پستی اور عاجزی کا مظاہرہ جس کی شکل سجدہ ریزی ہے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوسکتا ہے۔ غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا ایسا ہی اس غیر اللہ کا مذاق بنانا ہے جیسے کسی جاہل کو لوگوں کے سامنے عالم کہا جائے۔ یا پتلے دبلے ہڈیوں کے ڈھانچے آدمی کو لوگوں کے سامنے پہلوان کہا جائے تو جس طرح اس جاہل و کمزور دبلے کی حقیقت شناس لوگوں کے سامنے اس طرح کی جھوٹی ثناخوانی دراصل اس کی مذاق و گستاخی ہے۔ کیونکہ وہ جاہل و دبلا شخص ایسی ثناخوانی کا مستحق نہیں اور وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ اس ثناخوانی کے میں لائق نہیں کرنے والا میرا مذاق بنا رہا ہے۔ اسی طرح کسی بھی بندۂ محتاج کے لئے سجدہ جیسی عظیم ترین ثناخوانی حرام ہے کیونکہ کوئی بھی انسان کسی انسان کے سجدے کا مستحق نہیں اور جب مستحق نہیں جس کو ساجد و مسجودلہٗ دونوں سمجھتے ہیں تو گویا مرید سجدہ کر کے پیر کا مذاق اڑا رہا ہے اور جاہل و گمراہ پیر اپنی جہالت وحماقت سے اپنا مذاق بنوا رہا ہے۔ اہل عقل ایسا کبھی نہیں ہونے دیتے۔ سجدے کی شکل ہی بتا رہی ہے کہ بجز رب تعالیٰ کسی کے لئے جائز نہ ہو اور غیر اللہ کے سامنے سجدہ اس غیر اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ گستاخانہ تحقیر و تذلیل ہے کہ آج تو وہ مرید اپنے پیر کو تعظیماً سجدہ کر رہا ہے اور کل وہی پیر چندوں نذرانوں و دیگر ہزار طرح کی ضروریات میں اپنے اسی مرید کا محتاج نظر آ رہا ہے۔ سجدہ جیسی پستی تو صرف اس کے لئے جائز جو کبھی بھی کسی چیز میں بھی کسی کا محتاج وضرورت مند نہ ہو۔

دسویں دلیل

یہ کہ ایک بزرگ نے مجھے فرمایا کہ مسلمان کا سجدہ بجز پروردگارِ عالم کسی کے سامنے ناجائز وحرام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سجدہ کرنے سے لفظ محمد کا نقشہ بنتا ہے اور نام ذات کا مظہر۔ اس وجہ سے اسم محمد کے نقشے کو اس سے اعلیٰ کے

[illegible] کے سامنے ہیں اور اسم محمد ہے اصل تو صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے اس لئے سجدہ صرف اسی کے لئے جائز [illegible] کا اظہار مولانا حامد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے ایک شعر میں اس طرح کیا۔

نام خدا ہے ہاتھ میں نام نبی ہے ذات میں ۔ مہر غلامی ہے لگی لکھے ہوئے ہیں نام دو

[illegible] دلائل کی روشنی میں [illegible] کی تقسیم کرتے ہوئے سجدے کی دو قسمیں کرنا اور یہ کہنا کہ پہلی شریعتوں میں سجدۂ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے اور سجدۂ تعظیمی ہر نیک کو کرنا جائز تھا۔ یہ قول قطعاً غلط ہے اور بے دلیل و بے ثبوت ہے کسی شریعت میں کبھی کوئی ایسا [illegible] کے لئے جائز نہ ہوا جو خالصتاً عبادت ہی ہے بجز عبادت کوئی شخص اس طرح سات اعضاء زمین پر لگا ہی نہیں سکتا قیام تو اور رکوع تک جھکنا تو ضرورتاً بھی ہو سکتا ہے اسی طرح ناف پر ہاتھ رکھتے یا جھکتے ہوئے گھٹنے پکڑنا سہارے کے لئے یا بیٹھ کر ہاتھ رانوں پر رکھنے ضرورتاً بھی ہو سکتا ہے۔ مگر سجدے تک گرنا اور زمین پر سات اعضاء لگانا تو ضرورۃً کبھی بھی نہیں ہوتا یا اب کسی گمراہ جاہل مسلمان فرد یا فرقہ کا یہ کہنا کہ دو قسم کے سجدے اسلام میں جائز ہیں عبادت کا اللہ کے لئے اور تعظیم کا ہر بزرگ کے لئے سراسر گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس جہالت وحماقت والے عقیدے کو گمراہ ہی کہا جائے گا۔ اور چند مفسرین کے نظریے کو بھی غلط ہی کہا جائے گا۔ بحمدہ تعالیٰ اسلام اور شریعت اسلام کا کوئی قانون اگر مگر یا شک وشبہ یا تخمینے اندازے یا ذاتی ذہنی اختراع بناوٹ قساوت سے نہیں بلکہ ٹھوس مضبوط براہین ودلائل مشاہدات وتجربات و سچے صحیح قیاسات سے بنے ہیں یہاں کسی کو اندھی لاٹھی چلانے کی اجازت نہیں سائل کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حدیث پاک کی صریح عبارت میں ہے کہ دعا بھی عبادت ہے دوسری حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنی دعا عبادت کا مغز و اصل مقصود ہے۔ تیسری حدیث پاک میں ہے کہ اَلسَّمَاءُ قِبْلَةُ الدُّعَاءِ۔ یعنی دعا کا قبلہ آسمان ہے۔ اسی لئے بوقت دعا ہاتھ کی ہتھیلیوں کو گدایانہ مانگنے کے انداز میں آسمان کی طرف کرنا قولی وعملی تعلیم نبوی اور سنت مؤکدہ ہے۔ اور قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ۔ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ۔ (سورۃ ہود: ۲) ترجمہ: دین اسلام کا یہ حکم ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہی کرو۔ بیشک میں (نبی کریم) تم سب کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نذیر اور بشیر ہوں۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ (سورۃ فصلت: ۱۴) ترجمہ: پچھلی شریعتوں میں بھی انبیاء رسل علیہم السلام اگلی پچھلی شریعتوں کا یہی حکم اپنی اپنی امتوں کے پاس لائے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرو۔ نہ کسی اور کو شریک کرو نہ کسی غیر اللہ کی عبادت کرو ان آیت اور احادیث کی مجموعی تعلیم سے ثابت ہوا کہ چونکہ دعا بھی عبادت ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری شخصیت سے بطریقہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے۔ سائل محترم نے لکھا کہ بعض لوگ بزرگ قسم کے ہاتھ قبلہ رو کر کے دعا مانگنے کے دوران یہ الفاظ بھی پڑھتے ہیں۔ تو جواباً گذارش ہے کہ وہ لوگ جو ایسا کرتے ہیں وہ بزرگ قسم کے تو ہو سکتے ہیں مگر بزرگ نہیں ہو سکتے اگر زندہ موجود ہیں تو ان کو منع کیا جائے

کیونکہ دعا میں اس طرح غیر دعائیہ کام کرنا تربیت نبوی و تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ اس دعا کا کیا فائدہ جو تعلیم اسلام و قانونِ شریعت کے خلاف ہو غالباً و یقیناً وہ بزرگ قسم کے حضرات اس مسئلہ شرعی سے ناواقف ہونگے اگر واقعتاً بزرگ ہوئے تو مان جائینگے ضد نہیں کرینگے۔ کسی بزرگ سے اس طرح دعا مانگنا ثابت نہیں۔ اگر یہ شعر استمدادی پڑھنا ہی ہے تو دعا سے پہلے یا دعا کے بعد ہاتھ منہ پر پھیر کر پھر علیحدہ بطور فریاد وسوال بارگاہِ رسالت میں عرض کرے کہ یَارَسُولَ اللّٰہِ اُنْظُرْ حَالَنَا یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ اِسْمَعْ قَالَنَا۔ بعض بزرگ تو اس شعر فریادی کو بطور وظیفہ تسبیح پر تعداد حروفی کے مطابق پڑھتے ہیں اور ہر مشکل حل ہو جاتی ہے کیونکہ فریاد امتی جو کرے حال زار سے۔ ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو۔ ہاں البتہ بطور دعا یہ شعر پڑھنا منع ہے۔ حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا جامی علیہ الرحمۃ کے اس شعر کا استنباط۔ لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا (الخ) کی آیات پاک سے ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فتویٰ چہارم

اسلامی فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ہمارے مانچسٹر میں اس سال ۱۹۸۸ء سترہ اپریل بروز اتوار کچھ لوگوں نے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ بنا کر روزہ شروع کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ سعودی حکومت نے رمضان کا اعلان کر دیا ہے اس لئے ہم انکے کہنے پر عمل کرتے ہوئے سترہ اپریل کو ہی یکم رمضان مانتے ہیں ہم نے خود نہ چاند دیکھا ہے نہ برطانیہ میں ہمہ وقتی بادل کی وجہ سے چاند نظر آ سکتا ہے۔ اس میں سے ہی کچھ وہابی دیوبند مولوی کہتے ہیں کہ سولہ اپریل بروز ہفتہ کو چاند نظر آ سکتا ہے اس لئے سترہ اپریل یکم رمضان ہو سکتی ہے۔ لہٰذا روزہ درست ہے۔ لیکن مانچسٹر اور برطانیہ کے اکثر کی اطلاع کے مطابق انہوں نے بروز پیر اٹھارہ اپریل رمضان المبارک منایا اور پہلا روزہ بروز پیر اٹھارہ اپریل کو رکھا ہم سائلین بھی اسی دوسرے گروپ سے ہیں۔ اب تو روزے شروع ہو چکے ہیں اور آج ہمارا دوسرا اور دوسرے گروپ کا تیسرا روزہ ہے۔ وہ تو اب بدلا نہیں جا سکتا لیکن اب فکر تو عید الفطر کی ہے کہ یا انکی عید غلط ہو گی یا ہماری۔ بہت سے ہمارے ہم مسلک اہلسنت بھی شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں لہٰذا اب ہمیں شرعی فتویٰ عطا فرمایا جائے کہ ہم کس روزے کو صحیح تسلیم کریں اور کس حساب سے عید الفطر منائیں کیونکہ روزوں کا اتنا سخت مسئلہ نہیں جتنا کہ عید کا ہے نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ عید کے دن روزہ رکھیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ روزے کے دن عید کریں کیونکہ ابتداء رمضان قضا بھی ہو سکتی ہے۔ نفلی بھی مگر عید کے دن روزہ بھی گناہ کبیرہ ہے اور روزے کے دن عید منا لینا بھی شیطانی عمل ہے۔ اس لئے ہمیں ان الجھنوں سے بچانے کے لئے مضبوط و مدلل شرعی فتویٰ عطا فرمایا جائے نیز دوسرے گروپ نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اگر مضبوط و مدلل فتویٰ آ گیا تو ہم بھی اسی کے مطابق عمل کریں گے اور اگر وہ فتویٰ آپ کے روزے کے حق میں ہوا تو ہم

عید الفطر آپ سب کے ساتھ ہی منائیں گے۔ لہذا عید الفطر سے پہلے پہلے فتویٰ عطا فرمایا جائے۔ بَیِّنُوا تُوجَرُوْا۔
دستخط سائلان مورخہ 19 اپریل بروز منگل ۱۹۸۸ء

الجواب

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابُ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ تَعَالٰى وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ۔ برطانیہ کے مختلف شہروں سے علماء کرام اور عوام اہلسنت نے مجھ سے تحریراً رابطہ قائم کر کے یہ اسلامی فتویٰ طلب کیا ہے۔ اس لئے میں نے دنیا کے مختلف اسلامی ممالک اور اسلامی برادری کے مسلمان باشندوں سے رابطہ قائم کر کے شریعتِ اسلامیہ کے قانون کے مطابق مکمل تحقیق وتدقیق وتفتیش کی اور بذریعہ ٹیلیفون اور فیکس معلومات حاصل کیں جس سے ثابت ہوا کہ اس سال ۱۹۸۸ء سترہ اپریل کا روزہ رکھنا اور اس دن کو یکم رمضان سمجھنا غلط ہے۔ کیونکہ اسلام کی تمام تاریخی عبادتوں کا تعلق چاند کے طلوع ہونے اور انسانی آنکھ کے دیکھنے سے ہے۔ سولہ اپریل کو شعبان کی اٹھائیس تاریخ تھی اس لئے ماہ رمضان کا نیا چاند اس شام طلوع ہو سکتا ہی نہیں اور حتماً یقیناً سترہ اپریل کو شعبان کی انتیس تاریخ تھی۔ تو جن لوگوں نے سترہ اپریل کو روزہ رکھا وہ رمضان مبارک کا فرض روزہ نہیں ہو سکتا کیونکہ قانونِ قدرت کے اعتبار وحساب سے کسی قمری مہینے کی اٹھائیس تاریخ کی شام بعد غروبِ آفتاب اگلے دوسرے مہینے کی پہلی تاریخ کا چاند نظر آ سکتا ہی نہیں۔ یہ قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اسلامی مہینہ ہمیشہ چاند کے آنکھوں دیکھا نظر آنے سے شروع ہوتا ہے۔ اور اسلام کی تاریخی عبادتیں مثلاً سالانہ روزہ رمضان، عید الفطر، عید الاضحیٰ، حج اسی طرح تمام اسلامی تقریبات بھی رُویتِ ہلال سے ہی متعلق اور وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور نبی کریم ﷺ نے بہت سی احادیث مقدسات میں بھی ہر مسلمان کو چاند دیکھنے اور چاند دکھائی دیئے جانے کے بعد ہی عبادت شروع کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ جس کے بہت دلائل ہیں یہاں صرف چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلی دلیل

قرآن مجید سورۃ بقرہ کی آیت ۱۸۹، يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ۔ ترجمہ: اے حبیب کریم لوگ آپ سے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں تو فرما دیجئے یہ چاند لوگوں کی تاریخوں کے وقت بتانے کے لئے ہے اور حج کا مہینہ وتاریخ اور حج کا دن بتانے کے لئے ہے۔ اس آیت پاک سے ثابت ہوا کہ چاند نظر آنے سے ہی مسلمانوں کا قمری مہینہ اور تاریخی عبادتیں شروع ہوتی ہیں۔

دوسری دلیل

مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری مسلم شریف صفحہ ۱۷۴ پر حدیث مبارکہ اس طرح ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ صُوْ مُوْالِرُوْیَتِهٖ وَاَفْطِرُوْالِرُوْیَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِیْنَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔ ترجمہ: اے مسلمانوں چاند کا ثبوت دیکھ کر فرضی روزے رکھنا شروع کرو۔ اور چاند کا ثبوت دیکھ کر ہی روزے رکھنا ختم کیا کرو۔ اور اگر چاند (قدرتی) چھپا دیا جائے تم سے تو شعبان کے پورے تیس دن مکمل کرو۔ یعنی چاند دیکھ کر اور مکمل ثبوت شرعی حاصل کر کے ہی ماہ رمضان کی ابتدا کرو اور چاند کا مکمل شرعی ثبوت لے کر ہی عید مناؤ اگر کسی وقت چاند نظر نہ آسکے تو مہینے کے تیس دن پورے کرو۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہو گیا کہ چاند دیکھنا کتنا ضروری ہے اور اگر چاند نظر نہ آئے تو پیچھے نہ آؤ بلکہ آگے کو چلو۔ یعنی ایک دن پہلے شروع نہ ہو جاؤ بلکہ ایک دن بعد مہینہ شروع کرو۔ اسلامی مہینے قمری ہیں اور قمری مہینوں کی تاریخیں یا انتیس دن ہوتے ہیں یا تیس دن۔ نہ انتیس سے کم اور نہ تیس سے زیادہ۔ اسی لئے حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ اگر انتیس کی شام کو بعد غروب چاند نظر نہ آئے تو تیس دن مکمل کرو۔

تیسری دلیل

تمام فقہاء کرام احادیث مطہرات کی روشنی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا کے کسی بھی ملک میں چاند نظر آجائے اور شرعی طریقے و ضابطے کے مطابق چاند ہونے کا ثبوت مل جائے یعنی وہاں کے علماء اسلام رویتِ ہلال کا فیصلہ فرما دیں تو ساری دنیا کے لئے وہ فیصلہ کافی و قابل قبول ہے اور چاند مانا جائے گا۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار شامی جلد دوم صفحہ ۱۳۲ پر ہے۔ فَیَلْزَمُ اَهْلَ الشَّرْقِ بِرُوْیَةِ اَهْلِ الْغَرْبِ اِذَاثَبَتَ عِنْدَهُمْ رُوْیَةَ اُوْلٰئِکَ بِطَرِیْقٍ مُوْجِبٍ۔ ترجمہ: اگر کبھی کسی دور دراز مغربی علاقے میں یکم کا چاند نظر آجائے مگر کسی مشرقی علاقہ میں کسی وجہ سے نظر نہ آسکے تو اس مشرقی علاقوں میں بھی چاند کا ہونا مانا جائے گا اور مغربی علاقہ کے شرعی فیصلہ پر تمام دنیا بھر کے مسلمانوں کو عمل کرنا لازم واجب ہو گا جبکہ مغربی علاقے کے علماء نے شرعی ضابطے کے مطابق چاند ہونے کا فیصلہ کیا ہو۔ اور مشرقی و دیگر علاقہ والوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ وہاں علماء کرام نے شرعی فیصلہ سنا دیا ہے۔ شریعت مطہرہ کے اسی قانون کے تحت میں نے مفتیٔ اسلام اور ذمہ دار عالم ہونے کی حیثیت سے مندرجہ ملکوں کی معلومات جمع کیں اور مکمل شرعی ضابطوں سے تحقیق و تفتیش کی جس سے ثابت ہوا کہ اس سال سترہ اپریل بروز اتوار کا روزہ شریعت کے قانون سے قطعاً غلط ہوا ہے۔ نہ فرض بنے گا نہ نفلی بلکہ محض فاقہ کشی شمار ہو گی۔ کیونکہ لَایَجُوْزُ الصَّوْمُ یَوْمَ الشَّکِّ نَفْلًا اَیْضًا۔ ترجمہ: شک کے دن نفلی روزہ بھی ناجائز ہے۔ تو چونکہ سولہ اپریل بروز ہفتہ بعد مغرب پوری دنیا میں کہیں بھی چاند نظر نہیں آیا لہٰذا سترہ اپریل کا روزہ غلط ہوا۔ شرعی ضابطوں کو توڑ کر اسلام قرآن و حدیث سے لاپرواہی بیگانگی کر کے اللہ رسول کی مخالفت میں روزے اور عید منانا نہ عبادت ہے نہ خدمتِ اسلام چاند کے ثبوت کے بغیر نہ روزے جائز نہ عید۔ اگر ان پہلے دن روزہ رکھنے والوں نے بغیر ثبوت چاند انتیس روزے رکھ کر عید منائی اور عوام بے متوالی تو انکی عید الفطر بھی غلط عید پڑھنے پڑھانے کا عذاب [illegible]

پوری قوم کا جو ملت اسلامیہ کا اعلان کریں گے اور غلط دن نماز عید پڑھائینگے اور روزہ بھی قضا کرنا پڑے گا۔ ہم نے مندرجہ ذیل ملکوں سے رابطہ قائم کیا۔ نمبر ۱: سعودی عرب میں اپنے دوستوں سے بذریعہ ٹیلیفون پتہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ چاند نظر نہیں آیا مگر حکومت کے قانونی اعلان پر روزہ رکھ لیا گیا۔ وہاں کے بہت سے مسلمان بعد میں ایک روزہ قضا کریں گے اور عید بھی عید کی طرح غلط کرائی گئی۔ وہاں بہت سے لوگوں نے سترہ اپریل شام کو بہت ہی باریک چاند دیکھا جو کیم تاریخ کا ہی معلوم ہوتا تھا۔ سنا گیا ہے سعودی حکومت میں عیدین اور ماہ رمضان کا چاند دیکھنا اور اس کی تشہیر کرنی قانوناً جرم ہے وغیرہ۔

(۱) مصر میں سولہ اپریل ۱۹۸۸ء بعد مغرب چاند نظر نہیں آیا۔

(۲) پاکستان میں چاند نظر نہیں آیا۔ اس لئے پہلا روزہ پاکستان میں پیر اٹھارہ اپریل کو رکھا گیا۔ اطلاع فون اور اخبارات سے۔

(۳) ہندوستان: چاند نظر نہیں آیا۔ اس لئے پہلا روزہ پیر اٹھارہ اپریل کو رکھا گیا۔ اطلاع فون واخبارات۔

(۴) بنگلہ دیش: چاند نظر نہیں آیا۔ اس لئے پہلا روزہ پیر اٹھارہ اپریل کو رکھا گیا۔ اطلاع فون واخبارات۔

(۵) الجزائر: چاند نظر نہیں آیا۔ اس لئے پہلا روزہ پیر اٹھارہ اپریل کو رکھا گیا۔ اطلاع ٹی وی BBCIاور آئی ٹی وی کی خبریں۔

(۶) تیونس: چاند نظر نہیں آیا۔ اس لئے پہلا روزہ پیر اٹھارہ اپریل کو رکھا گیا۔ اطلاع ٹی وی BBCI کہ پہلا روزہ اٹھارہ اپریل کو۔

(۷) کویت: چاند نظر نہیں آیا۔ اس لئے پہلا روزہ پیر اٹھارہ اپریل کو رکھا گیا۔ اطلاع ٹی وی BBCI کی کہ پہلا روزہ اٹھارہ اپریل کو۔

(۸) ایران: چاند نظر نہیں آیا۔ اس لئے پہلا روزہ پیر اٹھارہ اپریل کو رکھا گیا۔ اطلاع سفارت خانہ ایران لندن سے بذریعہ فون کی گئی۔

(۹) الجیریہ: چاند نظر نہیں آیا۔ اس لئے پہلا روزہ پیر اٹھارہ اپریل کو رکھا گیا۔ اطلاع ٹی وی BBCI کی خبروں سے ملی کہ پہلا روزہ اٹھارہ اپریل کو ہوا۔

(۱۰) امریکہ: چاند نظر نہیں آیا۔ اس لئے پہلا روزہ پیر اٹھارہ اپریل کو رکھا گیا۔ اطلاع فون پر مسلمان دوستوں سے لی گئی۔

(۱۱) مراکش: چاند نظر نہیں آیا۔ اس لئے پہلا روزہ پیر اٹھارہ اپریل کو رکھا گیا۔ اطلاع فون پر مسلمان دوستوں سے لی گئی۔

(۱۲) ہم نے محکمہ موسمیات لندن سے تحریری اور فون پر اطلاع حاصل کی کہ سولہ اپریل کو دنیا میں کسی جگہ بھی چاند نظر

نہیں آسکتا تھا۔محکمہ موسمیات کی اصل تحریر اور اس کا اردو ترجمہ آخر میں بشکل فوٹو سٹیٹ کاپی شامل فتویٰ کیا جائے گا۔انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱۳) جن خطیبوں نے اتوار سترہ اپریل کے روزے کا غلط اعلان کر کے غلط روزہ رکھوایا اور مسلمانوں کو خراب کیا ہم نے ان سے بھی رابطہ کر کے پوچھا کہ آپ لوگوں کے پاس شریعت کے قانون کے مطابق چاند کا کیا ثبوت ہے۔تو انہوں نے اعتراف کیا کہ ہمارے پاس چاند کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ہم نے لندن کی ریجن پارک والی ایک مسجد سے سن کر چاند اور یکم رمضان ہونے کا اعلان کیا تھا۔جب ہم نے ریجن پارک کی مسجد والوں سے پوچھا تو انہوں نے سعودی عرب کی حکومت کے اعلان کا حوالہ دیا۔پھر ہم نے سفارت خانہ سعودی سے رابطہ کیا اور پوچھا چاند کا ثبوت مانگا تو انہوں نے فون پر بتایا کہ ہمارے پاس چاند ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ہر سال ہماری حکومت سعودیہ کا سرکاری فیصلہ ہم کو بھیج دیا جاتا ہے۔یہ فیصلہ ہر ملک میں متعین سفارت خانہ سعودیہ کو بھیجا جاتا ہے۔یہ سرکاری فیصلہ ہوتا ہے۔ہم نے ان تمام تفتیشی معلومات کے بعد یہ شرعی اسلامی فتویٰ جاری کیا ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام مسلمانانِ برطانیہ کی خدمت میں گزارش کی جاتی ہے کہ سترہ اپریل کو روزہ غلط رکھا گیا ہے۔سعودی عرب کا سرکاری فیصلہ شریعت اسلام کے قانون اور ضابطوں کے خلاف ہے۔اور ان کی دیکھا دیکھی بغیر ثبوت چاند ورمضان کا اعلان کرنے کروانے روزہ رکھنے رکھوانے والے سب غلطی پر ہیں۔لہٰذا اے مسلمانوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور شریعت پاک کا احترام کرو تا کہ عذابِ قبر وحشر سے بچ جاؤ۔غلط فیصلے کر کے مسلمانوں کی عبادتیں خراب نہ کرو۔سابقہ غلطی کی بارگاہِ الٰہی میں معافی مانگو توبہ کرو۔اور اگلے روزے چاند دیکھ کر ختم کرو یا چاند کا شرعی ثبوت حاصل کر کے اگرچہ تیس روزے یا ایک سے زیادہ بھی رکھنا پڑیں کیونکہ چاند نظر نہ آنے تک وہ ہی اصل فرض اور ماہ رمضان کی شرعی روزے بنیں گے۔جو رویۃ ہلال سے پہلے پہلے ہونگے۔آپکی ذاتی گنتی کا حساب نہ لگایا جائے گا۔اس لئے کہ آپکا پہلا روزہ غلط ہوا شاید وہ نفلی بن جائے۔ رمضان المبارک کی اصل پہلی تاریخ اٹھارہ اپریل کو ہوئی اس حساب سے محکمہ موسمیات کے مطابق اس دفعہ عید الفطر یعنی یکم شوال سولہ مئی کے بعد ہوگی۔اس لئے کہ اسلام کی تمام تاریخی عبادتوں کا تعلق قرآن وحدیث کے فرمان کے مطابق چاند سے ہے اور اس دفعہ عید الفطر کا چاند ساری دنیا میں سولہ مئی سے پہلے کہیں بھی نظر نہیں آسکتا۔کیونکہ پندرہ مئی کو اٹھائیس رمضان ہوگی اور سولہ مئی کو انتیس رمضان اس تاریخ کی شام کو نیا چاند نظر آسکتا ہے یہ محکمہ موسمیات کی اطلاع ہے حتمی فیصلہ نہیں اگر اس دفعہ اگلا چاند انتیس کو نہ ہو تو سترہ مئی کی شام کو ماہِ رمضان اپنے تیس دن پورے کر کے ختم ہوگا اور چاند یقیناً طلوع ہوگا اور اٹھارہ مئی کو یکم شوال وعید الفطر ہوگی اگر ماہ رمضان انتیس دن کا ہوا تو ان لوگوں کے روزے تیس ہو جائیں گے ایک پہلا نفلی اور باقی انتیس روزے صحیح۔اور اگر یہ رمضان تیس دن کا ہوا تو ایک دن پہلے والوں کے اکتیس روزے بنیں گے یعنی پہلا غلط اور تیس صحیح فرضی۔ خلاصہ یہ کہ یکم شوال آئندہ سترہ یا اٹھارہ مئی کو ہوگی۔کچھ لوگ اور فرقے پچھلے چند سالوں سے مسلمانوں کے روزے نمازیں عیدین اور حج قربانیاں خراب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جن میں منہاج فرقہ پیش پیش ہے۔اس لئے قرآن وحدیث کا یہ فیصلہ سنایا اور شائع کیا جا رہا ہے۔اگر ایک دن بھی چاند کے نکلنے نظر آنے سے آگے یا پیچھے۔عیدین یا حج یا قربانی وغیرہ کی گئی تو

[illegible] قضا کرنا پڑے گا۔ جنہوں نے اس دفعہ سترہ اپریل کو یکم رمضان سمجھ کر روزہ
[illegible] غلطی پر ہیں [illegible] اب وہ تیس روزے پورے کریں اور اپنے پہلے روزے کو شمار
[illegible] سولہ مئی کو عید فطر منائی گئی تو غلط ہوگی کیونکہ چاند
[illegible] کے تمام مسلمانوں کے لئے برابر ہے۔

محکمہ موسمیات کا فیصلہ

NATIONAL MARITIME MUSEUM

Dates of Ramadan 1988

Starts on April 16/17

New Moon at 12:00 hrs. on 16th. The Moon will set at 19:25 hrs. and rise at 4:58 hrs. on the 17th. They should see the Moon's crescent either early morning of the 17th or more likely after sunset.

Ends on May 15/16

New Moon 22:11 hrs. on 15th. Thy won't be able to see the Moon until the 16th. It will rise at 3:45 hrs and set at 21:15 hs. They should see cresent after sunset on the 16th.

Rosaly

انگریزی عبارت کا ترجمہ: پہلی رمضان کا چاند سولہ اپریل کو دوپہر بارہ بجے دن پیدا ہوا اور 19:25 یعنی سات بج کر پچیس منٹ پر نیچے چلا گیا۔ اس کو دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ پھر دوبارہ سترہ اپریل کو صبح 4 بج کر 58 منٹ پر پیدا ہوا اور وہ چاند ساری دنیا میں شام کو غروب آفتاب کے بعد نظر آ سکتا ہے۔ اس لئے ماہِ رمضان کی پہلی تاریخ اٹھارہ اپریل کو ہوئی۔ عید کا نیا چاند پندرہ مئی کو رات دس بج کر گیارہ منٹ پر پیدا ہوگا جو پندرہ مئی شام کو نظر نہیں آ سکتا۔ پھر سولہ مئی صبح تین بج کر پینتالیس منٹ پر پیدا ہوگا وہ چاند سولہ مئی شام کو غروب آفتاب کے بعد نظر آ سکتا ہے۔ مگر یقینی نہیں اس کے بعد سترہ مئی کی شام کو رمضان تیس دن کا ہوگا اس لئے یکم شوال کا چاند یقینی ہے۔ یہ فتویٰ اکیس اپریل ۱۹۸۸ء کو جاری اور شائع کیا گیا تھا اور پورے برطانیہ کی ہر مسجد میں پہنچا دیا گیا نیز مختلف مجالس میں اعلان کرایا گیا۔ بحمدہ تعالیٰ اس سال فتوے کا بہت اثر اور فائدہ ہوا ہزاروں برطانوی مسلمانوں کے روزے نمازیں بچ گئیں عیدیں درست ہو گئیں۔ جس کا ثواب ہمارے معاونین کو بارگاہ رب تعالیٰ سے بروز محشر یقیناً ضرور ہوگا۔ لیکن اب اس کو بذریعہ طباعت شائع کرانے کا مقصد محض یہ ہے کہ اس کے بعد اب چند سال پیشتر پھر بعض شیطان صفت خبیث النفس لوگ مسلمانوں کے روزے اور نماز عیدین

اور قربانیاں برباد کرنے کرانے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں برطانیہ میں گمراہ لوگوں کی پشت پناہی کرنے میں ادارہ منہاج القرآن اور اس کے بانیاں ولیڈران پیش پیش ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ خود بانی ادارہ منہاج ڈاکٹر طاہر القادری صاحب پاکستان میں بیٹھ کر اپنے روزے اور عید درست کر رہے ہیں مگر جبراً وحکماً اپنے تمام بیرون پاکستان اداروں سے منسلک عقیدتمندوں کے روزے اور عیدین وقربانیاں اپنے ظالمانہ حکم سے ہر سال برباد کرا رہے ہیں اور دن رات قہر الٰہی وعذاب قبر وحشر کو دعوت دے رہے ہیں۔ کیا ان بانیان ولیڈران ادارہ منہاج میں عذاب الٰہی کو برداشت کرنے کی ہمت وقوت ہے۔ اور کیا یہ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُحْضَرُوْنَ۔ اپنے ان صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ عقیدتمندوں کو بروز محشر عذاب سے بچایا چھڑا سکیں گے۔ شاید میرا یہ فتویٰ میرے ان عزیز الکریم بانیاں ولیڈران وبرادران میں سے کسی کی عاقبت سنوار جائے اور آئندہ کے لئے سچی پکی پیاری پیاری توبہ نصیب ہو جائے۔

میرے اللہ برائی سے بچانا ہمکو سیدھا جو راہ ہے اس راہ پہ چلانا ہم کو

شاید کہ اتر جائے کسی دل میں میری بات۔ اور مسلمانوں کی قربانیوں کے چور لٹیرے ڈاکو تو اب مکہ ومنیٰ میں بھی جگہ جگہ دفتر سجا کر سپیکر لگا کر پیسے چھیننے قربانی سے پہلے احرام کھلوا کر حج برباد کرنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے مسکین نادان و ناسمجھ بندوں کی حفاظت فرمانے والا ہے۔ اس کا فتویٰ ہمارے فتاویٰ العطایا جلد چہارم میں دیکھئے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ ۲۰۰۰-۴-۲۲/۲۰۰۰-۶-۲۲

یہ فتویٰ منجانب مفتی اسلام صاحب زادہ اقتدار احمد خان نیوکاسل کی طرف سے شائع کیا گیا ہے

فتویٰ پنجم

سوال

درود ابراہیمی نماز سے مخصوص ہے۔ نماز کے علاوہ پڑھنا مکروہ اور گناہ ہے۔ کیونکہ حکم قرآنی کی خلاف ورزی ہے۔ حکم ربانی میں درود وسلام دونوں کے پڑھنے کا حکم ہے۔ وہابی لوگ حکم الٰہی کی مخالفت کرتے ہیں۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ہمارے علاقہ کے دیوبندی وہابی لوگ ہر وقت درود ابراہیمی پڑھتے ہیں۔ اور دوسرے تمام درود صلوٰۃ سے منع کرتے ہیں اور ہر درود کو بدعت اور گناہ کہتے ہیں۔ الصلوٰۃ والسلام علیک پڑھنے کو شرک کہتے ہیں۔ لیکن ہم اہلسنت مسلمان درود ابراہیمی صرف نماز میں پڑھتے ہیں۔ اس بنا پر سنی وہابی لوگوں میں دن رات یہاں جھگڑا پڑا رہتا ہے۔ یہاں کے سنی مسلمانوں نے استدعا کی ہے کہ آپ ہمیں رہنمائی عطا فرمائیں اور شرعی مدلل فتویٰ تحریری عطا فرمائیں تا کہ حق بات ظاہر ہو اور معلوم ہو کہ درود ابراہیمی نماز کے باہر پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ نیز دوسری بات یہ پوچھنی ہے کہ حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہمیں تعلیم فرمائی تھی کہ جب نماز

... درود شریف ابراہیمی پڑھو تو اس طرح پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ ہم یہاں سب اہلسنت عوام وخواص میں چھوٹے بڑے اس حکم پر محبت وعقیدت کے ساتھ نماز میں درود ابراہیمی پڑھتے ہیں مگر وہابی لوگ کہتے ہیں کہ یہ زیادتی الفاظ حدیث پاک سے ثابت نہیں اس لئے بدعت ہے۔ فرمایا جائے کہ کیا آقا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سیدنا ومولانا کہنا بدعت ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اکثر دیوبندی وہابی لوگ اپنی تحریر تقریر میں درود شریف کی بجائے صلعم کہتے اور لکھتے ہیں ان کی کتب میں اس سے بھی چھوٹا نشان پڑا ہوتا ہے مثلاً ؐ یا علیہ۔ یا صلے۔ ہم نے ان سے کہا کہ اس طرح کہنا اور لکھنا گناہ ہے تو کہتے ہیں اس کے گناہ ہونے کا ثبوت لاؤ۔ اس لئے آپ ہمیں شرعی مدلل فتویٰ عطا فرمائیں۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ فقط والسلام۔ دستخط سائل: حافظ عبدالکریم و دیگر اہلسنت والجماعت محلہ گرجاکھی گوجرانوالہ۔ شہر پنجاب، پاکستان۔ ۹۹/۱۰/۶۔

الجواب

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ نَحْمَدُهٗ تَعَالٰی وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَرَؤُفِ الرَّحِیْمِ۔ قرآن مجید کے حکم اور حدیث مبین کے ارشاد کے مطابق درود ابراہیمی صرف نماز کے لئے مخصوص ہے۔ نماز کے علاوہ درود شریف ابراہیمی پڑھنا منع ہے۔ اگر کوئی وہابیانہ ضد کر کے نماز کے علاوہ بیرون نماز بھی صرف یہی درود ابراہیمی پڑھے تو وہ گنہگار ہوگا۔ اس لئے کہ نماز سے باہر درود ابراہیمی پڑھنا اللہ تعالیٰ کے حکم کو اپنی من پسندی سے تبدیل کرنا ہے اور بحکم قرآنی رب تعالیٰ کے حکم میں تبدیلی کرنا گناہ اور باعث عذاب ہے۔ تبدیلی حکم کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ تبدل بالاختصار یا بالاقتصار کیا جائے۔ دوم یہ کہ تبدل بتغیّرِ الفاظ ذو معنیٰ ہو۔ یعنی جن لفظوں کے بولنے پڑھنے لکھنے کا حکم دیا گیا ہو اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا لفظ دوسرے معنیٰ مراد کا بولا یا لکھا جائے۔ تیسری قسم کی تبدیلی یہ ہے کہ جن لفظوں کے بولنے اور لکھنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو چھوڑ کر اس کی جگہ کوئی بے معنیٰ لفظ بولا یا لکھا جائے۔ اس طرح کی تبدیلی سب سے بڑا جرم اور گناہ ہے۔ نماز کے علاوہ درود ابراہیمی پڑھنا یا اسم سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لکھنا پہلی قسم کی تبدیلی ہے اور شریعت میں ہر قسم کی تبدیلی حکم ناجائز ہے حکم اللہ تعالیٰ کا ہو یا رسول اللہ کا صلی اللہ علیہ وسلم۔ شریعت کے اس ضابطہ کلیہ پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

پہلی دلیل

قرآن مجید سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۵۶ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود مبارک بھیجتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اے ایمان والو تم سب بھی درود شریف پڑھا کرو ان پر اور سلام تو ضرور ضرور پڑھا کرو۔ اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو تا قیامت دو حکم عطا فرمائے ہیں۔ پہلا حکم صلوا۔ دوسرا حکم سَلِّمُوْا اور اس دوسرے حکم پر تسلیماً فرما کر سخت تاکید فرمائی ہے اور علم اصول کا مشہور قانون ہے کہ صیغہ امر حکم کو واجب کرتا ہے۔ چنانچہ اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار صفحہ ۲۵ پر ہے۔ كُلُّ الْاَمْرِ لِلْوُجُوْبِ۔ ترجمہ امر کا صیغہ اصل میں فعل کو واجب و لازم کرتا ہے اور آیت پاک میں دونوں صیغے فعل امر ہیں۔ صَلُّوا بھی سَلِّمُوْا بھی واضح ہوا کہ درود شریف پڑھنا بھی واجب اور سلام پڑھنا بھی واجب بلکہ سَلِّمو اکیساتھ تسلیماً۔ کا فرمان سلام پڑھنے کو اور زیادہ اہم وضروری کر رہا ہے۔ کیونکہ لفظ تسلیما مفعول مطلق ہے جس سے کلام میں تاکید وسختی پیدا ہوتی ہے۔ اس تسلیما نے بتایا کہ سَلِّموا کا حکم صلوا سے زیادہ ضروری ہے۔ اور فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ تَرْكُ الْوُجُوْبِ مَعْصِيَةٌ۔ ترجمہ: واجب حکم کو چھوڑنا گناہ ہے۔ ثابت ہوا کہ سلام نہ پڑھنا زیادہ سخت گناہ ہے۔ درود ابراہیمی میں صلوٰۃ ہے مگر سلام نہیں ہے۔ نماز میں تو پہلے حاضر و ناظر کے صیغہ مخاطب سے۔ سلام آ گیا کیونکہ ہر نمازی عرض کرتا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ ترجمہ: آپ پر سلام ہوا ے آقا نبی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی اور برکتیں بھی۔ اس سلام کے بارے میں دیو بندی وہابی عوام تو درکنار انکے بڑے بڑے علما بھی ایسی احمقانہ خلاف حقیقت بناوٹی بات کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ وہابی لوگ کہتے ہیں کہ یہ سلام ہم معراج کے سلام کی نقل کرتے ہیں کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں گئے تو ان لفظوں سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو سلام کیا تھا۔ ہم نمازی صرف نقل کرتے ہیں مقصود سلام کرنا نہیں۔ کیسی عجیب جاہلانہ بات ہے یہ بات دو وجہ سے قطعاً غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ وہابیوں کی اسبات کا کہیں ثبوت نہیں۔ نہ قرآن مجید میں نہ حدیث پاک میں حالانکہ معراج پاک کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے حدیث پاک میں بھی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بات وہابیوں کی اپنی بناوٹ و کذب بیانی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ السلام علیک۔ یہ دعائیہ جملہ ہے اور اللہ تعالیٰ دعا مانگنے۔ دعا دینے سے پاک ہے۔ دعا یہ ہے کہ کسی سے دلوائی جائے یا کسی سے مانگی جائے اور یہ دونوں کام محتاج کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محتاجی سے پاک ومنزہ ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ نِسْبَةُ الدُّعَاءِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى كُفْرٌ۔ یعنی یہ کہنا کہ اللہ دعا کرتا ہے یا دعا مانگتا ہے یا یہ کہنا کہ فلاں کام اللہ کی دعا سے ہوا ہے کفر ہے۔ مگر یہ مسائل تو اہل علم جانتے ہیں۔ دیوبندی وہابیوں کو اس سے کیا غرض انہوں نے تو عداوت نبوت میں ہر جھوٹ بنا لینا ہے۔ بہر حال نماز میں یہ سلام کی نقل نہیں اصل سلام ہی کرنا ہے۔ جیسا کہ اگلے دلائل میں ہم یہ بھی ثابت کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور چونکہ نماز میں سلام پہلے آ گیا اس لئے نماز میں درود ابراہیمی درست ہے لیکن نماز کے باہر درود ابراہیمی پڑھنا اس لئے منع ہے کہ اس درود

ابراہیمی صرف ایک جگہ پڑھا تشہد کے بعد۔ نمبر۱: ترکِ واجب لازم آیا کہ صَلُّوْا کے حکم وجوبی پر عمل نہ ہوا۔ نمبر۲: یہ کہ آدھی آیت پر عمل ہوا آدھی پر نہ ہوا اور یہ حرکت کفار کی نشانی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۸۵) یعنی کیا تم آدھے حکم کو مانتے ہو آدھے کا انکار کرتے ہو اور یہ دونوں کام مسلمانوں کے لئے گناہ ہیں۔ واجب کا چھوڑنا بھی گناہ اور آدھی آیت نہ ماننا بھی گناہ لہٰذا ثابت ہوا کہ درود ابراہیمی نماز کے علاوہ پڑھنا دو وجہ سے گناہ ہے۔ اب اگر دیوبندی وہابی ضد کر کے یہ درود شریف نماز کے باہر پڑھیں تو گویا اللہ تعالیٰ کی سراسر مخالفت ہے اور مخالفت کی وجہ یہ کہ وہابیوں نے شیعوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی مخالفت و مقابلے کو اپنا دین بنالیا ہے۔ وہابیوں نے درود ابراہیمی پڑھ کر اور شیعہ روافض نے روزہ افطار میں دیر لگا کر کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔ ترجمہ: رات تک روزہ ختم کردو۔ رات کا ذرہ حصہ روزے میں شامل نہ ہو۔ سورج ڈوبتے ہی روزہ ختم کردو مگر شیعہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی مخالفت کرتے ہوئے رات کا کچھ حصہ بھی روزے میں شامل کر لیتے ہیں۔

دوسری دلیل

چونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دونوں حکم ایک ساتھ تمام مسلمانوں کو دیے ہیں۔ صَلُّوا کا بھی، سَلِّمُوا کا بھی لہٰذا ہر درود شریف میں سلام پڑھنا بھی واجب ہے اور وہی درود فضیلت والا ہے جس میں سلام بھی ہو۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۸۷ پر ہے۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِبْنِ عَوْفٍ۔ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى دَخَلَ نَخْلًا (الخ) قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِىْ اَلَا اُبَشِّرُكَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلٰوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ۔ ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ ایک بار آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے تشریف لائے اور ایک باغ میں تشریف لے گئے پھر آپ نے بہت ہی لمبا سجدہ فرمایا۔ جب آپ نے سر اقدس اٹھایا تو میں نے لمبے سجدے کی وجہ پوچھی۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے کہا کہ کیا میں آپ کو خوشخبری نہ سناؤں کہ بیشک اللہ تعالیٰ عزوجل آپ کے لئے فرماتا ہے کہ جو بندہ آپ پر درود شریف پڑھے گا اور سلام پڑھے گا تو میں اس بندے پر رحمت بھیجوں گا اور سلامتی بھی۔

اس حدیث مقدس سے ثابت ہوا کہ سلام کے بغیر درود اللہ تعالیٰ کو قبول و پسند نہیں۔

تیسری دلیل

احادیث کی کتاب جامع صغیر جلد دوم صفحہ نمبر ۴۵ پر ہے۔ بحوالہ مسند ابویعلیٰ محدث ضیاء نے امام حسن ابن علی مرتضیٰ سے روایت بیان کی عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا عَلَىَّ وَسَلِّمُوْا فَاِنَّ صَلٰوتِكُمْ تَبْلُغُنِىْ حَيْثُمَا كُنْتُمْ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔ ترجمہ: اے مسلمانوں مجھ پر درود شریف پڑھا کرو اور سلام بھی کیونکہ تم جہاں بھی ہو تمہارا وہ درود شریف مجھ کو مل جاتا ہے یہ حدیث مقدس ہر طرح صحیح ہے۔ اس حدیث پاک سے اشارہ ملتا ہے کہ بغیر سلام والا درود

شریف آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لیتے ہی نہیں۔

دلیل چہارم

تفسیر روح البیان جلد ہفتم صفحہ نمبر ۲۲۸ پر ہے۔ وَاَمَّا السَّلَامَ فَهُوَ فِیْ مَعْنَی الصَّلٰوۃِ۔ ترجمہ: اور لیکن سلام تو صلواۃ کی مثل وہم معنی ہے یعنی لازم اور واجب ہے۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ بغیر سلام والا درود پاک نہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند۔

دلیل پنجم

مسلم شریف کی شرح نووی خطبہ مسلم جلد اول صفحہ نمبر ۲ پر ہے۔ وَقَدْنَصَّ الْعُلَمَاءُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ عَلٰی کَرَاهَةِ الْاَقْتِصَارِ عَلَی الصَّلٰوۃِ عَلَیْهِ ﷺ مِنْ غَیْرِ تَسْلِیْمٍ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ترجمہ: اور بیشک تمام علماء اسلام نے قرآن و حدیث سے دلیل لے کر یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ بغیر سلام کے صرف درود شریف پر اقتصار کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ نمبر ۲۰۰ پر ہے کہ مطلقاً مکروہ سے ہمیشہ مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ تمام علماء اسلام کے مسلک میں بغیر سلام والا درود شریف پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی پر عمل کرنا گناہ کبیرہ ہے لہٰذا واضح ہوا کہ نماز کے علاوہ درود ابراہیمی پڑھنا گناہ ہے۔

دلیل ششم

اسی لئے احادیث سے ثابت ہے کہ درود ابراہیمی صرف نماز کے لئے فرمایا گیا ہے چنانچہ مسلم شریف جلد اول صفحہ ۱۷۵ بَابَ الصَّلٰوۃ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ بَعْدَ التَّشَهُّدِ۔ میں ہے عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ فِیْ مَجْلِسِ سَعْدِابْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهٗ ﷺ بَشِیْرُ ابْنُ سَعْدٍ۔ اَمَرَنَا اللّٰهُ اَنْ نُّصَلِّیَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔ فَکَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ قَالَ فَسَکَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰی تَمَنَّیْنَا اَنَّهٗ لَمْ یَسْئَلْهُ۔ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ (الخ) پورا درود شریف۔ وَالسَّلَامُ کَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ۔ یَا کَمَاقَدْ عُلِّمْتُمْ مشکوٰۃ فصل اول صفحہ نمبر ۸۶ و مسلم اول صفحہ نمبر ۱۷۵ دوسری حدیث مقدس عَنِ الْحَکَمِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ لَقِیَنِیْ کَعْبُ ابْنُ عَجْرَةَ قَالَ اَلَا اَهْدِیْ لَکَ هَدِیَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلٰی فَاهْدِهَالِیْ فَقَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا قَدْعَرَفْنَا کَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْکَ فَکَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ۔ فَقَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ۔(الخ) مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ پورا درود پاک ابراہیمی مسلم اول صفحہ نمبر ۱۷۵۔ تیسری حدیث مقدس: عَنْ عَمْرُوْ بِنْ سَلِیْمٍ(الخ) اوپر والی عَنِ الْحُکْمِ کی روایت کی مثل۔ مگر یہاں درود ابراہیمی میں صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے بعد وَّعَلٰی اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ کے الفاظ ہیں۔ جس نے آل کی وضاحت و تشریح فرما دی۔ ترجمہ: پہلی حدیث مقدس حضرت ابو مسعود انصاری سے روایت

ہے انہوں نے فرمایا کہ تشریف لائے آقا و کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اور ہم سعد بن عبادہ کی مجلس میں حاضر تھے۔ تو بشیر ابن سعد نے عرض کیا آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ ہم آپ پر درود شریف پڑھیں تو ہم کیسے پڑھیں آپ ﷺ پر درود راوی ابو مسعود نے کہا کہ اس سوال پر آقا صلی اللہ علیہ وسلم بہت دیر خاموش رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے دل میں سوچا کاش وہ بشیر ابن سعد یہ سوال نہ کرتا۔ پھر فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اس طرح پڑھا کرو پھر پورا مشہور درود ابراہیمی ہم کو سکھایا۔ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ تک پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ اور سلام کرنا تو تم نے جان ہی لیا ہے یا فرمایا قَدْ عُلِّمْتُمْ تم کو سکھا ہی دیئے گئے ہو۔ یہ راوی کا شک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ عَلِمْتُمْ فرمایا تھا یا قَدْ عُلِّمْتُمْ فرمایا تھا۔ مطلب یہ کہ نماز کی تشہد میں سلام کا طریقہ تو تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جان ہی لیا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھا ہی دیئے گئے ہو اور درود شریف کا طریقہ اب تم کو یہ میں سکھا رہا ہوں۔ اس حدیث سے چار باتیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ یہ سوال صرف نماز میں درود شریف پڑھنے کا تھا نہ کہ نماز کے علاوہ کیونکہ خود ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے والسلام قد علمتم فرما کر بتا دیا کہ تمہارا سوال میں سمجھ گیا۔ نماز کے بارے میں ہے۔ دوئم یہ کہ سلام کرنا اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ نماز میں پڑھنا۔ یہ معراج کی حکایت ونقل نہیں بلکہ ہر نمازی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم طریقہ سلام ہے تا قیامت۔ سوم یہ کہ زمانہ صحابہ کرام میں بھی بہت قسم کے درود شریف رائج و جاری تھے۔ جیسے کہ سلام کرنے کے بھی چند طریقے جاری تھے۔ (۱) السلام علیکم (۲) السلام علیک (۳) السلام علیکما (۴) سلام علیکم (۵) سلام علیک وغیرہ وغیرہ مگر نماز میں آقا ﷺ کو سلام کرنے کا طریقہ ان سب طریقوں سے علیحدہ سکھایا گیا جو ہم نماز کے باہر کرتے ہیں۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی تھی تا کہ انکے قلبی ارادے کا پتہ لگے کہ یہ سوال کیوں کیا گیا ہے جبکہ یہ لوگ بہت عرصہ سے درود شریف پڑھ رہے ہیں۔ اس خاموشی میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے سائلین کے دل کی بات کا پتہ لگا لیا کہ یہ صرف نماز کے بارے میں سوال ہے۔ نہ کہ بیرونِ نماز کا۔ چہارم: یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود وَالسَّلَامُ قَدْ عَلِمْتُمْ فرما کر ان کے سوال کی نوعیت کی نشاندہی فرمانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ سلام بھی ضروری ہے اور یہ درود ابراہیمی جو بغیر سلام ہے وہ میں نماز کے لئے اس لئے بتا رہا ہوں کہ وَالسَّلَامُ قَدْ عَلِمْتُمْ نماز میں سلام کا طریقہ تمہیں معلوم ہے۔ لہٰذا وہ درود ابراہیمی بھی سلام کے بغیر نہ رہا۔ اسی وَالسَّلَامُ قَدْ عَلِمْتُمْ سے ثابت ہوا کہ سلام کے بغیر درود شریف نہ نماز میں جائز نہ بعد نماز۔ نیز تمام محدثین فقہا نے بھی اس حدیث مقدس سے یہی سمجھا ہے کہ یہ درود ابراہیمی صرف نماز کے لئے ہے چنانچہ محدث امام مسلم نے اس باب کا نام ہی یہ رکھا ہے کہ باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ بعد التشہد یعنی نماز میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کا باب۔ اسی باب کی دوسری و تیسری حدیث مقدس کا ترجمہ۔ پہلی حدیث حضرت حکم سے روایت ہے دوسری حدیث عمرو ابن سلیم سے روایت ہے کہ فرمایا حکم اور عمرو نے کہ میں نے ابن ابی لیلیٰ سے سنا انہوں نے فرمایا۔ ایک بار مجھ سے کعب بن عجرہ نے

ایک جگہ ملاقات فرمائی تو فرمانے لگے۔ کیا میں تم کو کوئی تحفہ نہ دوں۔ وہ یہ کہ ایک بار آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے یہ تو پہچان لیا کہ آپ پر ہم سلام کیسے پڑھا کریں لیکن اب یہ بتا دیں کہ ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھا کریں۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور الفاظ والا درود ابراہیمی ہم کو سکھایا۔ صرف فرق یہ ہے کہ عمرو ابن سلیم کی روایت میں وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کی بجائے وَعَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ ہے۔ اس حدیث مقدس میں خود صحابہ کرام نے قَدْ عَرَفْنَا کَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْکَ کہہ کر وضاحت کر دی کہ ہمارا یہ سوال صرف نماز کے اندر درود شریف پڑھنے کے بارے میں ہے۔ جو سلام ہم نے پہچان لیا ہے وہ نماز ہی کے اندر ہے۔

دلیل ہفتم

نووی شرح مسلم جلد اول صفحہ نمبر ۱۷۵ پر ہے۔ اَلرِّوَایَۃُ الْاُخْرٰی کَیْفَ نُصَلِّی اِذَا نَحْنُ صَلَّیْنَا عَلَیْکَ فِیْ صَلٰوتِنَا۔ فَقَالَ ﷺ۔ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ اِلٰی آخِرِہٖ۔ وَھٰذِہِ الزِّیَادَۃُ صَحِیْحَۃٌ رَوَاھَا الْاِمَامَانِ الْحَافِظَانِ اَبُوْحَاتِمِ بْنُ حَبَّانَ الْبُسْتِیِّ وَالْحَاکِمُ اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ فِیْ صَحِیْحَیْھِمَا۔ قَالَ الْحَاکِمُ ھِیَ زِیَادَۃٌ صَحِیْحَۃٌ وَاحْتَجَّ بِھَا اَبُوْحَاتِمٍ وَاَبُوْعَبْدِاللّٰہِ اَیْضًا فِیْ صَحِیْحَیْھِمَا۔ اِنَّمَا رَوَایَاہُ عَنْ فَضَالَۃَ ابْنِ عُبَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔ ترجمہ: دوسری روایت کا کہ کیسے درود شریف پڑھیں جب ہم اپنی نمازوں میں آپ پر درود شریف پڑھنے لگیں تو فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔ آخر تک درود ابراہیمی کا ذکر فرمایا اور یہ دوسری روایت ہر طرح صحیح ہے روایت فرمایا ان کو حدیث کے دو اماموں اور حافظان احادیث نے ایک ابو حاتم بن حبان البستی نے اور دوم حاکم ابو عبداللہ نے اپنی اپنی مستدرک صحیح میں فرمایا حافظ امام حاکم نے یہ لفظی زیادتی صحیح ہے اس روایت سے محدث ابو حاتم اور ابو عبداللہ نے بھی دلیل بنائی ہے۔ اپنی اپنی صحیح ہیں۔ ان ہی لفظوں کیساتھ جن کو روایت کیا فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محدثین فقہاء کرام نے اس حدیث مقدس سے یہ دلیل بنائی ہے کہ صحابہ کرام درود ابراہیمی صرف نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور یہ سوال بھی نماز میں درود پڑھنے کا تھا نہ کہ بعد نماز۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱ پر بھی لکھا ہے کہ درود ابراہیمی صرف نماز کیلئے ہے۔

آٹھویں دلیل

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوال کرنے کا طریقہ بھی بتا رہا ہے کہ درود ابراہیمی صرف نماز کے اندر پڑھنا چاہیے چنانچہ مسلم شریف جلد اول صفحہ نمبر ۱۷۵ پر باب بھی اس طرح بنایا ہے۔ کتاب الصلوٰۃ۔ بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ بَعْدَ التَّشَھُّدِ۔ اور نووی شرح مسلم صفحہ نمبر ۱۷۵ پر ہے۔ اَمَرَنَا اللّٰہُ اَنْ نُّصَلِّیَ عَلَیْکَ وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ فِی الصَّلٰوۃِ قَالَ وَھُوَ الْاَظْھَرُ۔ قُلْتُ وَھٰذَا ظَاھِرُ اِخْتِیَارِ مُسْلِمٍ وَلِھٰذَا ذَکَرَ ھٰذَا الْحَدِیْثَ فِیْ ھٰذَا الْمَوْضِعِ۔ ترجمہ: صحابہ کرام کا یہ عرض کرنا کہ اَمَرَنَا اللّٰہُ۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم فرمایا ہے کہ ہم آپ پر درود شریف پڑھیں سوال کے اس طریقے سے غالب یقین یہی ہو رہا ہے کہ یہ سوال صحابہ نماز کے اندر درود پاک پڑھنے کا ہے۔ امام

نووی کہتے ہیں کہ یہی بات زیادہ ظاہر ہے کیونکہ محدث امام مسلم نے بھی اس حدیث مقدس کیلئے ایسا ہی باب بنایا جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان محدثین کے نزدیک بھی درود ابراہیمی صرف نماز کے لئے ہے۔

نویں دلیل

ابن ماجہ شریف کتاب الاقامت والسنۃ فیہا باب صفحہ نمبر ۲۹۲ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ. قَالَ : قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا السَّلَامُ عَلَیْکَ قَدْ عَرَفْنَا فَکَیْفَ الصَّلٰوۃُ. قَالَ قُوْلُوْا (الخ) ترجمہ حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا کہ ایک دن ہم سب صحابہ نے آقائے کائنات حضور اقدس نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ یہ نماز میں سلام کا طریقہ تو ہم نے پہچان لیا یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ. فَکَیْفَ۔ تو ہم درود شریف (نماز میں) کس طرح پڑھا کریں۔ نبی کریم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پڑھو (الخ) اور پھر آپ نے درود ابراہیمی پڑھ کر سنایا۔ مسلم شریف کی شرح نووی صفحہ نمبر ۱۷۵ پر ہے۔ وَاَمَّا السَّلَامُ قَدْ عَلِمْتُمْ مَعْنَاہُ قَدْ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ بِالصَّلٰوۃِ وَالسَّلَامِ عَلَیَّ فَاَمَّا الصَّلٰوۃُ فَھٰذِہٖ صِفَتُھَا وَاَمَّا السَّلَامُ فَکَمَا عَلِمْتُمْ فِی التَّشَھُّدِ وَھُوَ قَوْلُھُمْ. اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ ترجمہ: صحابہ کرام نے جب سوال عرض کیا تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلام تو تم نے سیکھ لیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دو چیزوں کا حکم دیا ہے۔ نمبر ۱: صلوٰۃ کا نمبر ۲: سلام پڑھنے کا مجھ پر۔ سلام تو تم ہر نماز میں پڑھتے ہو یا پڑھو گے وہ یہ کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

لیکن درود تو یہ درود ابراہیمی ہے جو میں نے ابھی تم کو سکھایا۔ اس شرح سے صاف ظاہر ہوا کہ درود ابراہیمی کا سوال صرف نماز کے لئے تھا۔

دسویں دلیل

مسند ابو اسحٰق محدث صفحہ نمبر ۲۰۱ پر ہے۔ وَاَمَّا الصَّلٰوۃُ الْاِبْرَاھِیْمِیُّ فَمَخْصُوْصٌ بِالصَّلٰوۃِ بَعْدَ التَّشَھُّدِ۔ ترجمہ: اور لیکن درود ابراہیمی تو وہ مخصوص ہے نماز سے تشہد کے بعد۔

گیارہویں دلیل

وہابیوں کے امام محمد بن علی بن محمد شوکانی اپنی کتاب تحفۃ الذَّاکِرِیْنَ طبع بیروت کے صفحہ نمبر ۱۴۸ باب چہارم فصل صفت الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ وَفِیْہِ تَقْیِیْدُ الصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالصَّلٰوۃِ فَیُفِیْدُ ذَالِکَ اَنَّ ھٰذِہِ الْاَلْفَاظَ الْمَرْوِیَّۃَ مُخْتَصَّۃٌ بِالصَّلٰوۃِ وَاَمَّا خَارِجَ الصَّلٰوۃِ فَیَحْصُلُ الْاَمْتِثَالُ بِمَا یُفِیْدُ قَوْلَہٗ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ. یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا فَاِذَا قَالَ قَائِلٌ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ (الخ) ترجمہ: صحابہ کرام کے سوال میں فِیْ صَلَاتِنَا کی قید لگانا درود شریف پڑھنے میں یہ فائدہ دے رہا ہے کہ بیشک درود ابراہیمی کے مروی الفاظ صرف نماز سے خاص کئے ہوئے ہیں اور لیکن

نماز کے باہر وعلاوہ تو حاصل ہونے چاہیے ان لفظوں کی مثل درود شریف کے الفاظ جو فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے جو اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ والی پوری آیت پاک سے ہے۔ پس جب کوئی نماز کے علاوہ درود کے الفاظ کہے تو اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ پڑھے۔ اس دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ درود ابراہیمی صرف نماز کے لئے مختص ہے۔ نماز کے باہر یہ درود پاک پڑھنا منع ہے۔

بارہویں دلیل

امام الوہابیہ محمد بن علی شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر جلد چہارم صفحہ نمبر ۳۰۱، صفحہ نمبر ۳۰۲ پر فرماتے ہیں۔ وَالَّذِىْ يَحْصُلُ بِهِ الْاَمْتَثَالُ لِمُطْلَقِ الْاَمْرِ فِىْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ هُوَاَنْ يَقُوْلَ الْقَائِلُ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى رَسُوْلِكَ اَوْعَلٰى مُحَمَّدٍ اَوْعَلَى النَّبِىِّ اَوْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ۔ وَمَنْ اَرَادَاَنْ يُّصَلِّىَ عَلَيْهِ وَيُسَلِّمَ عَلَيْهِ بِصِفَةٍ مِّنَ الصِّفَاتِ الَّتِىْ وَرَدَ التَّعْلِيْمُ بِهَا وَالْاِرْشَادُ اِلَيْهَا فَذَالِكَ اَكْمَلُ۔ (الخ) وَكَانَ ظَاهِرُ هٰذَا الْاَمْرِ بِالصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِيْمِ۔ فِى الْاٰيَةِ(الخ) لِاَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ اَمَرَنَا بِاِيْقَاعِ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ وَالتَّسْلِيْمِ مِنَّا۔(الخ) اِنَّ الصَّلٰوةَ وَالتَّسْلِيْمَ الْمَامُوْرَ بِهِمَا فِى الْاٰيَةِ۔(الخ) اِنَّ هٰذِهٖ هِىَ الصَّلٰوةُ الشَّرْعِيَّةِ۔ ترجمہ: اور وہ درود شریف جو اس آیت يَصَلُّوْنَ کے مطلق حکم سے حاصل ہو رہا ہے اس کی مثل الفاظ یہ ہیں کہ درود شریف پڑھنے والا اسطرح درود شریف پڑھا کرے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى رَسُوْلِكَ۔ یا کہے عَلٰى مُحَمَّدٍ یا کہے عَلَى النَّبِىِّ یا اس طرح پڑھا کرے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ اور وہ شخص جس نے ارادہ کیا کہ درود پاک پڑھے اپنے نبی پر اور سلام بھی پڑھے ان پر ان طریقوں میں سے کسی طریقے سے جس کی تعلیم اور جس پر ارشاد و راہنمائی وارد ہوئی ہے اس آیت درود سے تو جان لے کہ یہی مکمل درود ہے اور آیت کا ظاہری حکم صلاۃ وسلام دونوں پڑھنے کا ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ نے صلاۃ واقع کرنے کا بھی حکم دیا اور سلام کا بھی ہم سب مسلمانوں کی طرف سے نبی کریم پر۔ بیشک آیت درود میں دونوں ہی صلوۃ وسلام مامور ہیں۔ بے شک یہ درود مکمل ہی شرعی صلوۃ ہے۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ درود ابراہیمی نماز کے علاوہ پڑھنا شرعی درود نہیں ہے کیونکہ اکمل نہیں ہے اور نماز کے باہر درود شریف کے الفاظ وہ ہیں جو علامہ شوکانی نے بتائے یعنی صلوۃ وسلام کے صیغے۔

تیرھویں دلیل

علامہ شوکانی نے تحفۃ الذاکرین کے صفحہ نمبر ۱۴۷ پر بیہقی ودار قطنی کے حوالے سے لکھا اور مستدرک حاکم جلد اول صفحہ نمبر ۲۶۸ پر ہے۔ اَقْبَلَ رَجُلٌ حَتّٰى جَلَسَ بَيْنَ يَدَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ عِنْدَهٗ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَّا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ نُصَلِّىْ عَلَيْكَ اِذَا نَحْنُ عَلَيْنَا فِىْ صَلَاتِنَا فَصَمَتَ حَتّٰى اَحْبَبْنَا اَنَّ الرَّجُلَ لَمْ يَسْئَلْهُ۔ ثُمَّ قَالَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَىَّ فَقُوْلُوْا۔(الخ) قَالَ الْحَاكِمُ هٰذَاحَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَاَخْرَجَهٗ اِبْنُ حَبَّانَ و مسنداحمد وَابْنُ خُزَيْمَةَ فِىْ صَحِيْحِهٖ۔ ترجمہ: صحابہ کرام نے فرمایا کہ ہم بارگاہ مقدس میں آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ ایک شخص حاضرِ بارگاہ ہوا اور عرض کیا یارسول

اللہ یہ تو ہم نے جان لیا کہ آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہم نے پہچان لیا۔ مگر جب ہم اپنی نمازوں میں آپ پر درود شریف پڑھنا چاہیں تو کس طرح پڑھا کریں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم بہت دیر خاموش رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے اپنے دلوں میں چاہا کہ کاش یہ شخص یہ سوال نہ کرتا۔ پھر فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم مجھ پر درود شریف پڑھنا چاہو تو اس طرح پڑھا کرو۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درود ابراہیمی کے الفاظ صحابہ کو یاد کرائے۔ مسند حاکم نے فرمایا یہ حدیث مقدس مسلم شریف کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ اس حدیث پاک کو سات بڑے بڑے محدثین نے اپنی کتب حدیث لکھا ہے یعنی (۱) علامہ طبرانی (۲) بیہقی (۳) مستدرک حاکم (۴) صحیح ابن حبان (۵) مسند امام احمد بن حنبل (۶) امام دار قطنی (۷) صحیح ابن خزیمہ۔ اس حدیث شریف سے تین باتیں ثابت واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ صحابہ کرام نمازوں کے علاوہ دیگر اوقات میں درود سلام پڑھا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی صحابی نے کبھی فِیْ اَوْقَاتِنَا کا سوال عرض نہ کیا۔ دوم یہ کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کے الفاظ مبارکہ سے سلام عرض کرنا۔ یہ معراج کی حکایت و نقل نہیں۔ بلکہ تا قیامت امتی غلاموں کو اپنے آقا پر سلام بھیجنے کا طریقہ خود اللہ تعالیٰ نے ہی بتایا سکھایا اور دیگر اذکار نماز کی طرح یہ الفاظ سلام بھی مُنَزَّلْ مِنَ اللہ ہیں نماز کا ذکری حصہ واجبہ ہیں۔ سوم یہ کہ صحابہ کرام کے سامنے ان صاحب نے خاص طور پر فِیْ صَلَاتِنَا عرض کر کے واضح کر دیا کہ یہ سوال صرف نماز میں پڑھنے والے درود شریف کے لئے ہے اس لئے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر خاموش رہ کر جواب عطا فرمایا صحابہ کرام کا حَتّٰی اَحْبَبْنَا فرمانا بھی یہ فرما رہا ہے کہ دیگر درود شریف صحابہ کرام کو پہلے ہی یاد تھے۔ ان تمام چندرہ کتب کے حوالوں اور احادیث و آیت کے الفاظ سے ثابت ہو گیا کہ بغیر سلام کے درود شریف پڑھنا گناہ و منع ہے۔ اس لئے نماز جنازہ میں درود ابراہیمی کے اندر سلام کا لفظ شامل کیا گیا ہے چنانچہ نماز جنازہ میں اس طرح پڑھا جاتا ہے کَمَا صَلَّیْتَ وَسَلَّمْتَ وَرَحِمْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ۔ (الخ) اس لفظ کَمَا کی تشبیہ نے پورے درود ابراہیمی کو سلام والا بنا دیا۔

چودھویں دلیل

بغیر سلام درود شریف پڑھنا حکم الٰہی کو تبدیل کرنا ہے اور حکم الٰہی کو تبدیل کرنا باعث عذاب الٰہی ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرۃ آیت نمبر ۵۹ میں ہے۔ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَھُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ۔ اور سورۃ بقرۃ آیت نمبر ۱۸۱ میں ہے۔ فَمَنْ بَدَّلَہٗ بَعْدَ مَا سَمِعَہٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَہٗ ؕ اِنَّ اللہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اور سورۃ فتح آیت نمبر ۱۵ میں ہے۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللہِ ؕ یعنی منافقین زمانہ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیں۔ اور اپنی من مانیاں عقل کی خرابیاں دین میں داخل عبادت میں شامل کر دیں۔ یہ آیت اگرچہ اپنے اپنے واقع و موقع کے اعتبار سے خاص ہیں مگر تا قیامت قانون شریعت ہیں۔ ان چاروں آیتوں میں یہی بتایا سمجھایا جا رہا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو چھوٹا بڑا کر کے بدلتے ہیں وہ ظالم منافق اور قابل عذاب ولائق سزا ہیں۔ غرض کہ ہم نے چودہ دلیلوں سے ثابت کر دیا کہ آیت قرآنِ مجید روایت احادیث مبین صحابہ

کرام، تابعی تبع تابعی، فقہا، علما محدثین، شارحین سب فرماتے ہیں کہ درود ابراہیمی نماز کے لئے خاص ہے۔ نماز کے علاوہ پڑھنا گناہ ہے کیونکہ مکروہ تحریمی ہے۔ نمعلوم دیوبندیوں وہابیوں کو کیوں جہالت کی ضد چڑھی ہوئی ہے کہ یہ بدعت بنائے بیٹھے ہیں۔ ان ہی جہالتوں ضلالتوں کی بنا پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حدیث وقرآن سے ناواقفی بے علمی کا نام ہی وہابیت ہے۔ یہاں تک کہ بہت سی احادیث جو کسی چیز کو ناجائز کہتی ہیں۔ یہ وہابی اسی حدیث کو لیکر اس ناجائز کام کو جائز بلکہ اپنی شیطانی ضد سے اس کو واجب کہتے ہیں۔ ان جہالتوں کی بہت سی مثالیں ہیں مگر ایک مثال بیان کرتا ہوں مثلاً ہر وہابی کہتا ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں پہلوانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنی طاقت دکھاتے ہوئے خوب اکڑ کر کھڑے ہونا چاہیے کہ گردن اکڑی ہو سینہ تنا ہوا، ہاتھ خم ٹھوک کر سینے پر بندھے ہوں۔ قدم پھیلے ہوں گویا کہ نماز میں نہیں بلکہ کسی سے کشتی کرنے لگے ہیں۔ ان وہابیوں کا موقف ہے کہ نماز باجماعت میں ہر نمازی کا ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم جڑا ہو حالانکہ یہ ناممکن ہے کندھے سے کندھا جوڑنا تو ممکن ہے مگر بیکوقت کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم جوڑنا قطعاً ناممکن ہے اگر کندھے سے کندھا جوڑنے کی کوشش کی جائے تو قدم سے قدم نہیں جڑ سکتا یہ اُن کا نہایت احمقانہ مسلک ہے لیکن حیرت اُس جہالت پر یہ ہے کہ جس حدیث مبارک سے اپنے اس بیہودہ موقف پر دلیل لیتے ہیں وہی حدیث دراصل اس احمقانہ حرکت کی ممانعت فرما رہی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف نمبرا کتاب الصلوٰۃ باب نمبر ۴۶۹ پر ہے۔ حَدَّثَنَا عَمْرُوَابْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّ ثَنَازُهَيْرٌ عَنْ حَمِيْدٍ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔ قَالَ اَقِيْمُوْا اَصُفُوْفَكُمْ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ۔ وَكَانَ اَحَدُنَا يَلْزِقُ مَنْكَبَهٗ بِمَنْكَبِ صَاحِبِهٖ وَقَدَمَهٗ بِقَدَمِهٖ۔ اس حدیث پاک کے ابتدائی الفاظ مقدس مشکوٰۃ شریف باب تَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ فصل اول صفحہ نمبر ۹۷ پر بھی ہیں۔ بحوالہ بخاری اور مسلم بخاری۔ ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت نماز کے بعد فوراً اَلْتَفَتَ اِلَيْنَا ہم نمازیوں کی طرف رخ انور متوجہ فرما کر فرمایا۔ اے لوگو! اپنی صفوں کو درست رکھا کرو۔ پس بیشک میں وَرَاءِ ظَهْرِيْ بھی تم سب کو دیکھتا ہوں۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ بات یہ تھی کہ پیچھے کسی صف میں ہم نمازیوں میں سے کوئی شخص صف میں یہ حرکت اور گڑبڑ کر رہا تھا کہ وہ شخص اپنے کندھے کو اپنے دوطرفہ ساتھی نمازی کے کندھے سے اور اپنے قدم کو دوطرفہ ساتھیوں کے قدم سے جوڑنے ملانے کی نازیبا و ناممکن کوشش کر رہا تھا۔ جس سے یقیناً لوگوں کی نماز خراب ہو رہی تھی۔ حضرت انس یا تو اسی صف میں تھے اور آپ نے جان لیا کہ یہ گڑبڑ کون پھیلا رہا تھا اور یا بعد میں کسی اسی صف والے نے آپ کو اس کی یہ حرکت بتائی۔ کتنی صاف اور واضح حدیث پاک ہے جس سے صاف پتہ لگ رہا ہے کہ نماز میں قدم سے قدم جوڑنا ممنوع و ناممکن ہے اور ایسی کوشش کرنا صف بگاڑنا ہے اور صف بگاڑنا نماز خراب کرنا ہے۔ یہ وضاحت آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے متوجہ ہو کر جھڑک فرمانے اور حضرت انسؓ کے اَحَدُنَا فرمانے سے ہے۔ یعنی صحابہ کرام ایسا نہ کرتے تھے وہ صفوں میں صرف کندھوں سے کندھے جوڑتے تھے اور یہ ممکن بھی ہے حکم شریعت بھی ہے

[illegible] اور مستدرک حاکم جلد اول صفحہ نمبر ۵۷۳ پر ہے۔ لیکن قدم سے قدم جوڑنا نہ [illegible] سے کوئی منافق مراد ہوگا جو یہ تخریب کاری کر کے مسلمانوں کی نماز [illegible] کے باوجود آج کل کے وہابی اس تخریب پر بضد اور مُصِرّ ہیں اور ان کے [illegible] لیتے ہیں۔

[illegible]کا دوسرا سوال

[illegible] آقا علیہ [illegible] کی ہر کتب وشکایت ہی نظر آتی ہے۔ ان کا الزامی جواب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے مولویوں کو بڑے بڑے القاب دیتے ہوئے علامہ فہامہ کہتے ہیں تو کس دلیل وثبوت سے کہتے ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ کو سیدنا ومولانا کہنا قرآن مجید سے ثابت ہے چنانچہ سورۃ یٰسین کا یہی پہلا لفظ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ لفظ یٰسین کا معنیٰ ہے اے سردار خود باری تعالیٰ نے مسلمانوں کو تعلیم دینے کیلئے یہ لفظ ارشاد فرمایا تا کہ مسلمان آقا ﷺ کو سیدنا کہہ کر کلام، صلوٰۃ سلام عرض کیا کریں اور سورۃ نور کی آیت نمبر ۶۳ میں ارشاد ہے۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ ترجمہ: اے تا قیامت ایمان والو نبی کریم رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کبھی نہ بلانا جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ یہ حکم قرآنی تا قیامت تمام مسلمانوں کو ہے یعنی اے مسلمانوں نبی کریم ﷺ کو نہ صرف نام لے کر پکارنا نہ رشتے داری کے لقب سے پکارنا یا ابا، چچا، تایا کہہ کر یا خاوند کہہ کر بلکہ اونچے سے اونچا لقب جو کسی بھی بڑے کیلئے تم بطور ادب احترام وتعظیم کے لئے بولتے ہو۔ اس سے بھی اونچا اور تہذیب واخلاق والے الفاظ بولا کرو مثلاً صرف حضور مت کہو بلکہ حضور پُر نور حضور اقدس ﷺ۔ آقا ومولیٰ کہا کرو چنانچہ سورۃ احزاب آیت نمبر ۶ میں ارشاد ہے۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ ترجمہ: یہ نبی کریم زیادہ مالک ہیں تمام مومنین کے (مرد ہوں یا عورت) خود ان سے بھی زیادہ مفسرین نے لفظ اولیٰ کے تین معنیٰ کیے ہیں۔ نمبر ۱: سب سے زیادہ مالک نمبر ۲: سب سے زیادہ حقدار نمبر ۳: سب سے زیادہ قریب۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس ﷺ کیلئے رب تعالیٰ نے یہ لفظ یہاں ان تینوں معنیٰ میں ارشاد فرمایا۔ تفسیر صاوی جلد سوم صفحہ نمبر ۲۲۲ پر ہے۔ فَحَقُّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اُمَّتِهٖ اَعْظَمُ مِنْ حَقِّ السَّيِّدِ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ پہلے صفحہ نمبر ۲۲۱ پر فرمایا۔ اَیْ اَنَّهٗ ﷺ اَحَقُّ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ۔ ترجمہ: یعنی بیشک نبی کریم ﷺ ہر مومن کے زیادہ حقدار ہیں خود ان سے لہٰذا نبی کریم ﷺ کا حق اپنی امت پر اس سے بھی زیادہ بڑا ہے جتنا کہ کسی مالک کا اپنے غلام پر اس سے صاف ظاہر ہے کہ آقاء کائنات ﷺ عرشی، فرشی، ارضی، سماوی تمام مخلوق کے مالک اعظم ہیں۔ ملکیت تین قسم کی ہوتی ہے پہلی ملکیت ذاتی حقیقی یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جو قدیمی بھی ہے ازلی بھی ابدی بھی۔ دوم ملکیت وہبی عطائی یہ نبی کریم ﷺ کی ہے یہ ازلی نہیں ابدی ہے۔ سوم ملکیت کسبی یہ ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہے مگر عارضی ہے صرف موت تک۔ تفسیر فتح القدیر جلد چہارم صفحہ نمبر ۲۶۱ پر ہے۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ اَیْ هُوَ اَحَقُّ بِهِمْ فِیْ كُلِّ اُمُوْرِ الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَاَوْلٰى بِهِمْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔

ترجمہ: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کے زیادہ حقدار ہیں تمام دینی۔ دنیوی معاملات میں خود ان سے بھی زیادہ اور تفسیر قرطبی جلد ہفتم صفحہ نمبر ۹۱ پر ہے۔ جز نمبر ۱۴ میں بحوالہ مسلم بخاری الفرائض باب نمبر ۴ قال النبی ﷺ۔ فَاَیُّکُمْ تَرَکَ دَیْنًا اَوْضِیَا عًا فَاَنَا مَوْلَاہُ۔ ترجمہ: فرمایا آقاء کائنات حضورِ اقدس ﷺ نے اے مسلمانوں تم میں سے جو شخص اپنے پر قرضہ مالی یا زمینی نقصان چھوڑے یا کسی کا نقصان کر کے فوت ہو گیا۔ یا جس میت کا کوئی تجہیز تکفین کا کوئی والی وارث نہ ہو تو میں اس کا مولیٰ ہوں ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ بحکم قرآنی آقا ﷺ کو سیدنا و مولانا کہنا اخلاقاً و تعظیماً لازم واجب ہے۔ صلوۃ ہو یا سلام ہو تخاطب ہو یا کلام عام ہو یہی ادب و تہذیب کا تقاضہ ہے۔ رہا یہ کہ حدیث مقدس نے درود ابراہیمی میں سیدنا و مولانا کے الفاظ ذکر نہ فرمائے یعنی ان احادیث سے ان لفظوں کا ثبوت نہیں تو اس کی وجہ یہ کہ الفاظِ درود شریف خود نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائے اور کوئی بھی خود اپنے لئے الفاظ احترام مقرر یا بیان نہیں کر سکتا۔ انکسارِ ذاتی کرتے ہوئے معمولی الفاظ ہی بولے جاتے ہیں۔ بادشاہ کہتا ہے میں مسکین فقیر خادم قوم ہوں کبھی کسی والد نے بھی اپنی اولاد سے یہ نہ کہا کہ مجھے ابا حضور کہا کرو۔ مگر خود خدام و اولاد پر یہ واجب ہے کہ وہ احترام کے الفاظ بولیں مگر یہ سب دلائل آپ جیسے عشاقانِ آقا ﷺ کو سمجھانے بتانے کے لئے ہیں کیونکہ وہی ان سے فائدہ اور ادب لے سکتے ہیں ان پر ہی اثر ہو سکتا ہے لیکن مرد ناداں پر کلام نرم نازک بے اثر۔ وہابی قوم ایسی ضدی ہے کہ اگر سارا قرآن مجید پڑھ کر بھی تعظیم رسول اللہ ﷺ کا وجوب ثابت کر دیا جائے تب بھی نا مانیں۔ اگرچہ لاجواب و بدحواس ہو جائیں۔ ان کے ماننے کی دو ہی صورتیں ہیں نمبر ۱: حکومتی دباؤ نمبر ۲: یا دنیوی لالچ۔ دیکھو ان کے مذہب میں جشنِ عید میلاد النبی ﷺ منانا شرک و بدعت ہے مگر حکومت کے دباؤ میں آ کر منا رہے ہیں اور حکومتی خوشنودی و انعام کی لالچ میں خوب چراغاں کر رہے ہیں اپنا نام انعام والوں میں لکھا رہے ہیں۔ ایسے ہی ان کا مذہب ہے کہ مزارات پر چڑھاووں کی آمدنی کھانا حرام ہے مگر داتا صاحب و دیگر مزارات اوقاف کمیٹیوں میں گھسے ہوئے ہیں۔ خوب مرغ مٹھائیاں کھائی کھلائی و سمیٹی جا رہی ہیں۔ اپنے لئے نہ حرام رہا نہ شرک و بدعت خلاصہ یہ کہ آپ لوگ حضرت حکیم الامت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی بتائی ہوئی تعظیم پر عمل کئے جاؤ اور اس تعلیم و طریقۂ درود ابراہیمی پڑھنے کو اپنے چھوٹوں بڑوں میں عام کرو بلکہ پیار و محبت سے عوام وہابی دیوبندی کو بھی سمجھاؤ۔ اگر کوئی ضدی شخص ثبوت و وضاحت مانگے تو اس سے کہو کہ پہلے تم اپنے مولویوں کو علامہ فہامہ اور مولانا کہنے کا ثبوت پیش کرو میں کہتا ہوں کہ اگر آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ کو صرف نام لے کر یا تُو تا کر کے یا بشر، انسان، بھائی، بیٹا، چچا تایا کہہ کر ہی پکارنا ہے تو تجھ میں اور ابوجہل، ابولہب اور دیگر کفار و خبثا میں فرق کیا رہے گا۔ اسطرح کی سوکھی پھیکی بدتمیزی و بداخلاقی سے تو ابوجہل بھی بات کر لیتا تھا۔ میں نے سعودی نجدی وہابی خطیبوں کے چند خطبات جمعہ سنے ہیں۔ محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ کہتے ہیں۔ یہ وہی ابوجہل کی طرز تکلم ہے۔ لیکن کوئی شریف مہذب معظم با اخلاق باادب مسلمان اپنے آقا کا نام اس طرز ابوجہلی سے لے سکتا ہی نہیں۔

مسائل کا تیسرا [illegible]

مسلمانوں میں سب سے بڑا دشمن فرقہ دیوبندی وہابی ہے انکی دیگر بہت سی بدعات سیئہ میں سے ایک یہ بدعت بھی ہے کہ انہوں نے اپنی مرضی سے درود شریف کیلئے چند نشانات ایجاد کر لئے تا کہ درود شریف نہ پڑھنا پڑے حالانکہ درود شریف کی جائے صلعم، صلے، علیہ، وغیرہ کے نشانات بولنا یا لکھنا قطعاً ناجائز اور حکم الٰہی کی سراسر خلاف ورزی اور باعث عذاب الٰہی ہے۔ اور شرعی حکم یہ ہے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ کا نام مقدس بولا جائے یا لکھا جائے یا سنا جائے تو پورا مکمل درود شریف ایک بار پڑھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ درود شریف کو مختصر کرنا ناجائز ہے۔ مندرجہ ذیل دلائل سے۔

پہلی دلیل

وہابی حضرات فرماتے ہیں کہ ممانعت کا ثبوت دکھاؤ یہ کیسی عجیب حماقت ہے کہ اگر اہلسنت کوئی اچھا کام کریں تو ان سے جواز کا ثبوت مانگتے ہیں اور اگر خود کوئی برا کام ایجاد کریں تو منع کرنے والوں سے ممانعت کا ثبوت مانگتے ہیں۔ گویا کہ پٹ بھی ان کی چت بھی ان کی کیا وہابیوں کے ذمہ کوئی ثبوت دینا ضروری نہیں۔ یہ انکی نفسانی چالاکی ہے۔ حالانکہ اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہے کہ اس طرح درود پاک کے تخفیفی اشاروں کا تحریری یا تقریری عمل نہ دور صحابہ میں ملتا ہے نہ تابعین نہ تبع تابعین میں نہ دور محدثین نہ مجتہدین نہ شارحین کے دور میں وجود وہابیت سے پچاس سال پہلے اس طرح کی کسی بھی بدعتِ سیئہ کا وجود کہیں نہیں ملتا اور یہ بھی ممانعت وحرمت کی ایک دلیل ہے۔

دوسری دلیل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ ترجمہ: ایمان والو نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھو اور سلام بھی خوب اچھی طرح۔ یہ حکم الٰہی ہے جس کو پورا کرنا بجالانا ہر مسلمان پر واجب مگر صلے، صلعم، علیہ، یہ ایک بیکار و بے معنیٰ نشان ہیں۔ ان کو درود پاک کی جگہ لکھنا بولنا۔ حکم الٰہی کی خلاف ورزی ہے اور خلاف ورزی گناہ کبیرہ۔

تیسری دلیل

سورۃ یونس آیت نمبر ۶۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے احکام میں نہ تبدیلی ہوتی ہے نہ کوئی شخص کر سکتا ہے۔ یعنی اگر کوئی انسان اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو اپنی مرضی سے بدلے تو وہ یقیناً دنیا و آخرت میں مردود و ملعون ہے۔

چوتھی دلیل

سورۃ بقرہ آیت نمبر ۵۸، ۵۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ (الخ) وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ (الخ) فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ تفسیر جلالین صفحہ نمبر ۱۳ پر ہے۔ فَقَالُوا حَبَّةٌ

فِیْ شَعْرَۃٍ وَادْخُلُوْا۔ یَزْحَفُوْنَ عَلٰی اَسْتَاھِھِمْ۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں کفریات یہود کا ذکر فرمایا اور جب کہا ہم نے بنی اسرائیل سے (غرق فرعون کے بعد) کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ تم اور داخل ہوتے وقت دروازہ شہر میں سجدہ کرتے ہوئے جانا اور سجدے میں دعا مانگنا کہ حِطَّۃٌ حِطَّۃٌ یا اللہ ہمارے گناہ بخش دے۔ مٹا دے تو ہم اس عاجزانہ سجدے اور محتاجانہ دعا کے طفیل نَغْفِرْلَکُمْ خَطٰیٰکُمْ۔ ہم تمہارے تمام خطاو گناہ بخش دیں گے۔ تو بہت سے یہودی ظالموں فاسقوں ضدی نافرمانوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو بدلدیا جو ان سے کہا گیا تھا۔ اس طرح کہ حِطَّۃٌ کی جگہ حِنْطَۃٌ اور حَبَّۃٌ فِیْ شَعْرَۃٍ کہا اور داخل ہوتے وقت سجدہ کرنے کے بجائے چوتڑوں کے بل گھسٹتے رینگتے ہوئے داخل ہوئے یعنی گھیسی کرتے ہوئے۔ (معاذ اللہ) تفسیر صاوی جلد اول میں صفحہ نمبر ۳۱ پر اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھا۔ (قَوْلُہٗ قَوْلًا) اَیْ وَفِعْلًا فَفِیْہِ اِکْتِفَاءُ اَلْمُرَادُ بِالْقَوْلِ الْاَمْرُ الْاِلٰھِیُّ وَھُوَ یَشْمِلُ الْقَوْلَ وَالْفِعْلَ کَاَنَّہٗ قَالَ۔ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْ اَمْرًا غَیْرَ الَّذِیْ اُمِرُوْابِہٖ (وَقَوْلُہٗ، دَخَلُوْا یَزْحَفُوْنَ) وَقِیْلَ دَخَلُوْا مُسْتَلْقِیْنَ عَلٰی ظُھُوْرِھِمْ (قَوْلُہٗ عَلٰی اِسْتَاھِھِمْ) جَمْعَ سِتْہٍ وَھُوَ الدُّبُرُ اَیْ عَلٰی اَدْبَارِھِمْ۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ۔ یہاں قول سے مراد قول اور فعل دونوں ہیں تو اس میں ایک لفظ پر کفایت فرمائی گئی ہے مگر مراد دونوں ہیں یا اس طرح کہا جائے کہ قول سے مراد حکم الٰہی ہے اور حکم دونوں قول وفعل کو شامل گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ پس بدلدیا ان کے ظالموں نے اس حکم کو جس کا حکم دئے گئے تھے۔ اور سورۃ فتح آیت نمبر ۱۵ میں ہے۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰہِ اور چونکہ حکم دو تھے۔ نمبر ۱: سجدہ فعل کا نمبر ۲: حِطَّۃٌ قول کا ان ظالموں نے دونوں حکم بدلدئے۔ قول بھی فعل بھی۔ اور مفسر کا فرمان کہ دَخَلُوْا یَزْحَفُوْنَ۔ یعنی رینگتے گھسٹتے داخل ہوئے بعض نے لکھا ہے کہ پیٹھ کے بل لیٹ کر گھسٹتے داخل ہوئے اور مفسر صاحب کا یہ فرمان کہ عَلٰی اِسْتَاھِھِمْ۔ یہ سِتْہٌ کی جمع ہے۔ جس کا معنیٰ ہے دبر یعنی وہ ظالم یہودی اپنی دبروں کے بل رینگتے گھسٹتے داخل ہوئے۔ پھر آگے ارشاد ہے کہ ان یہودیوں کے اس تبدیلی حکم الٰہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ۔ ترجمہ: لہٰذا نازل کیا ہم نے ان کے ان ظالموں پر عذاب آسمان سے۔ اس وجہ سے کہ وہ حکم ربانی بدل کی نافرمانی کرتے تھے۔

دیکھو ان یہودیوں نے حکم الٰہی کو ایک بامعنیٰ عبارت سے بدلا جس میں انکی کچھ لالچ وخواہش کی دعا تھی مگر پھر بھی ان پر عذاب آ گیا۔ یہ وہابی ظالم تو صلوٰۃ وسلام کے حکم الٰہی کو بالکل ہی بے معنی آواز واشارات سے بدلتے ہیں۔ اس کو اردو میں منہ چڑانا کہتے ہیں۔ عربی میں اسخاط والماص کہتے ہیں۔ گویا کہ دیوبندی وہابی لوگ ؐ، صلے، صلعم جیسے بے معنی فضول آواز ونقوش لکھ کر حکم الٰہی کا منہ چڑاتے ہیں۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ) اب خود سوچلیں کہ قبر حشر میں ان کا کیا انجام ہو گا۔ دنیا میں جتنا چاہیں۔ ضد، عناد مخالفت کر کے کفر و نافرمانی کمالیں مگر اب بوجہ وعدۂ رحمانی دنیا میں عذاب نہ آئیگا۔

پانچویں دلیل

فتاویٰ طحطاوی حاشیہ درمختار و تتارخانیہ، جلد اول میں ہے۔ مَنْ کَتَبَ عَلَیْہِ السَّلَامَ بِالْھَمْزَۃِ وَالْمِیْمِ اَوِ الْعَیْنِ وَالْمِیْمِ

يُكَفِّرُ لِاَنَّهٗ تَخْفِيْفٌ وَتَخْفِيْفُ الْاَنْبِيَاءِ كُفْرٌ۔ ترجمہ: جس شخص نے علیہ السلام کی بجائے ام یا عم لکھا وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ ایسا لکھنا گستاخی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی گستاخی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ادب و احترام صلوٰۃ وسلام کو بجالانا اور معمولی سمجھنا کفر ہے۔ اور شرح مسلم جلد اول کا مقدمہ صفحہ نمبر ۱۸ پر ہے۔ يُسْتَحَبُّ لِكَاتِبِ الْحَدِيْثِ اِذَا مَرَّ بِذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَّكْتُبَ عَزَّوَجَلَّ اَوْ تَعٰلٰى اَوْسُبْحَانَهٗ تَعٰلٰى اَوْتَبَارَكَ وَتَعٰلٰى اَوْ تَبَارَكَ اسْمُهٗ اَوْ جَلَّتْ عَظْمَتُهٗ اَوْ مَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ وَكَذٰلِكَ يَكْتُبُ عِنْدَ ذِكْرِ النَّبِيِّ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَمَالِهِمَا لَا رَامِزًا اِلَيْهِمَا وَلَا مُقْتَصِرًا عَلٰى اَحَدِهِمَا۔ ترجمہ: مستحب ہے یہ عمل کہ جب کوئی بات لکھنی ہو اور اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے لگے یا عمل کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کے نام مقدس کے ساتھ عزوجل لکھے یا تعالیٰ لکھے یا سُبْحَانَهٗ تَعَالٰی یا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی یا جَلَّ ذِكْرُهٗ یا تَبَارَكَ اسْمُهٗ یا جَلَّتْ عَظَمَتُهٗ یا ان سے مشابہ تعظیمی الفظ لکھے اور ایسے ہی آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ کے نام اقدس لکھنے کے وقت نام کے بعد لکھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دونوں کے کلمات پورے مکمل لکھے یعنی درود شریف کے الفاظ بھی مکمل اور سلام پاک کے حروف بھی مکمل لکھے خبردار ہرگز صلوٰۃ وسلام کے الفاظ و حروف نہ رمز واشارے سے لکھے نہ صلوٰۃ پر اختصار اور کمی کرے۔ رمز سے مراد یہی وہابیانہ اشارے ہیں۔ اور اقتصار سے مراد یہ ہے کہ بغیر سلام والا درود شریف نہ لکھے یہ تینوں کام گناہ کبیرہ ہیں۔ نمبر ۱: یعنی اللہ تعالیٰ کا نام اقدس بغیر تعظیمی الفاظ لکھنا یا بولنا اور نمبر ۲: درود شریف کو وہابی بناوٹ والے رموز واشارات سے لکھنا یا صرف نام مقدس لکھنا اور بولنا بغیر صلوٰۃ وسلام یا نمبر ۳: صلاۃ بغیر سلام لکھنا یا بولنا۔ نیز یہاں طحاوی اور نووی کی عبارات سے دو باتیں مزید واضح ہوئیں۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام کے اسماء پاک کے ساتھ تعظیمی الفاظ دعائیہ وانشائیہ نہیں بلکہ خبریہ ہیں یہی معنیٰ ہے علیہ السلام کہنے کے علیہ السلام کا ترجمہ ہے کہ انبیاء کرام پر ازل سے ابد تک سلامتی ہے اس معنیٰ کی وجہ سے کسی دیگر انسان کو علیہ السلام کہنا ناجائز اور گناہ ہے۔ نہ اہلبیت کو نہ آل کو نہ اصحاب کو لکھنا بھی شرعاً منع ہے بولنا بھی کیونکہ جھوٹ ہے تفضیلی وتبرائی رافضی شیعہ مولیٰ علی وغیرہ کیلئے بولتے ہیں جو انکی کاذبانہ حماقت اور قرآن وحدیث کی خلاف ورزی ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمام متقدمین ومتاخرین فقہاء علما مفسرین محدثین کے مسلک وعقیدے میں علیہ السلام کہنا صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے نام کے ساتھ خاص ومخصوص ہے۔ اس لئے طحاوی شریف نے لکھا کہ مَنْ كَتَبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْهَمْزَةِ وَالْمِيْمِ اَوِالْعَيْنِ الْحَمِيْمِ يَكْفُرُ. لِاَنَّهٗ تَخْفِيْفٌ وَتَخْفِيْفُ الْاَنْبِيَاءِ كُفْرٌ۔ یعنی جس نے علیہ السلام کی بجائے ام یا عم لکھا وہ اس لئے کفر ہے کہ اس شخص نے انبیاء علیہم السلام کی گستاخی کی اور گستاخی انبیاء کرام علیہم السلام کفر ہے۔ مقصد یہ کہ ام یا عم لکھنے سے صرف انبیاء علیہم السلام کی تخفیف ہوتی ہے نہ کہ کسی اور کی۔ ثابت ہوا کسی دوسرے کے لئے علیہ السلام لکھنا جائز ہی نہیں۔ یہ الفاظ تحیہ مخصوص ہیں انبیاء علیہم السلام سے واللہ ورسولہ اعلم۔

فتویٰ ششم

مدینہ منوّرہ کو یثرب کہنا اور لکھنا حرام ہے یثرب کہنا منافق کفار کا طریقہ خبیثانہ تھا۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کہ آجکل بہت سے لوگ مدینہ منورہ کو یثرب کہنے لگے ہیں۔ ہمارے مولوی صاحب نے ان کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ یثرب کہنا حرام ہے مگر ان عام لوگوں نے جواباً کہا کہ ڈاکٹر اقبال نے اپنے اشعار میں یثرب لکھا ہے ان کا ایک شعر ہے۔ خاکِ یثرب از دو عالم خوشتراست۔ مشہور عالم مولانا شوکت علی جو ایک اخبار زمیندار کے ایڈیٹر تھے وہ اپنی ایک نظم میں لکھتے ہیں۔ خوشا وہ وقت کے دیدار عام تھا انکا۔ خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا ان کا۔ اور ایک مشہور نظم ہے جو آجکل قوالی کی طرز پر گائی جاتی ہے۔ جس کا ایک پہلا شعر اس طرح سے ہے۔ شاہِ مدینہ، شاہِ مدینہ یثرب کے والی۔ سارے نبی تیرے در کے سوالی۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر یثرب کہنا ناجائز ہوتا تو یہ اتنے اتنے بڑے بزرگ اپنے اشعار میں کیوں کہتے اور کسی بھی عالم دین نے ان اشعار کو کبھی برا یا ناجائز نہ کہا۔ اور اگر اشعار میں جائز ہے تو نثر میں بھی جائز ہونا چاہیے۔ اس لئے مولوی صاحب غلط کہتے ہیں۔ ہمارے مولوی صاحب تو اس کا جواب نہیں دے سکے اس لئے آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ ہمیں شرعی فتویٰ عطا فرمائیں کہ کیا مدینہ منورہ کو یثرب کہنا شریعت اسلامیہ میں جائز ہے یا حرام اور سوال میں جن شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے اس اشعار کے جائز و ناجائز ہونے کے متعلق شریعت پاک کا کیا حکم ہے۔ بَیِّنُوا تُوجَرُوا۔ سائلان محمد زبیر، محمد لئیق ساکنان مانچسٹر برطانیہ۔
۹۰-۱۱-۱۱

الجواب

بعون العلاّم الوهّاب

قانون شریعت کے مطابق مدینہ منورہ کو یثرب کہنا حرام ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس حرمت کو جانتے ہوئے بھی مدینہ منورہ کو یثرب کہتا ہے تو وہ بحکم فرمان قرآنی منافق ہے اور اگر مسئلے سے ناواقفی کی بنا پر کہتا ہے تو وہ بدنصیب شخص جاہل ہے اور اگر علماء کرام سے ضد کی بنا پر کہتا ہے اور دین سے بے پرواہ ہے تو وہ شخص گستاخ شریعت ہے معترض کا ڈاکٹر اقبال وغیرہ کا حوالہ دینا اور ان کے اشعار پیش کرنا دلیل جواز نہیں بن سکتے کیونکہ یہ شاعر لوگ عام طور پر دینی علوم سے جاہل ہوتے ہیں اور یہ محولہ حضرات تو بالکل ہی دینی مسائل سے ناواقف تھے۔ ان کے اکثر اشعار خلاف شریعت ہیں۔ قرآن مجید کی سورۃ شعرا آیت نمبر ۲۲۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ۔ ترجمہ: شعر کہنے والے لوگ انکی پیروی صرف گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ اے مسلمان کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یہ شعر

بناتے پھرتے والے لوگ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یعنی شاعر کا کوئی دین مذہب نہیں ہوتا کبھی لاٹھی کی بھینس، کبھی ایک کا چمچہ کبھی پڑے سورج کا پجاری وہ کہ پیسے مل گئے تو قصیدہ خوانی نہ ملے تو مرثیہ خوانی۔ آج وہ جس کو زندہ باد کہتا ہے تو کل وہی شاعر اسی کو مردہ باد کہہ رہا ہے۔ ان تمام شاعروں کی وہی کیفیت تا عمر وہی کاسہ لیسی رہی جو قرآن مجید نے بیان فرمائی۔ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ ہر ابن الوقت ان کا پیر بن جاتا ہے۔ بہرحال سوال میں پیش کردہ اشعار سراسر جہالت و گمراہی ہے اور انکو بنانا انکو پڑھنا سب ہی منع ہے قرآن و حدیث کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ اس لئے کہ لفظ یثرب سے اللہ رسول کو نفرت و کراہت ہے یثرب بنا ہے ثرب سے اس کا معنی ہے الزام لگانا گناہ، جھڑک مصیبت، بیماری، آفت، نحوست، غم، فکر، سوا غرضکہ یہ لفظ عربی لغت میں برے معنی میں ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ کی وادی کا موسم ہمیشہ خراب اور ناموافق اور بیماریوں والا تھا۔ جو بھی نیا مہمان مسافر چند دن کے لئے آتا تو قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا۔ انہی موسمی و ماحولیاتی، فضائی مصیبتوں نحوستوں کی بنا پر لوگوں نے اس علاقے کا نام وادی یثرب رکھ دیا تھا۔ یعنی بیماریوں نحوستوں کی وادی۔ سورۃ یوسف آیت نمبر ۹۲ میں ہے کہ جب برادران یوسف نے مصر میں یوسف علیہ السلام کو پہچان لیا تو بہت ڈرے کہ اب عزیز مصر حاکم اعلیٰ یوسف ہم سے ہمارے سابقہ تمام ظلم زیادتیوں کا بدلہ لے گا سزا دیگا۔ تب آپ نے ڈرتے کانپتے بھائیوں سے فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ اے بھائیو نہ ڈرو آج تم پر کوئی آفت مصیبت نہ پڑے گی۔ یہاں بھی تثریب و ثرب کا معنیٰ آفت نحوست مصیبت ہی ہے بعض مورخین نے لکھا کہ جس شخص نے اس وادی مدینہ کو آباد کیا تھا وہ اکثر بیمار رہتا تھا تو لوگوں نے اس کا لقب ہی یثرب رکھ دیا اور اس کے لقب کیوجہ سے پوری وادی کا نام یثرب پڑ گیا۔ قوم عمالقہ کا یثرب بن عمل بن ہلائیل بن عوص بن عملاق بن لاوق بن ارم بن سام بن نوح۔ بعض نے کہا یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن ارم بن عبیل بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ بہر کیف وجہ کچھ بھی ہو معنیٰ وہی ہے بیماریوں مصیبتوں، تکلیفوں کی بستی۔ جب ہجرت ہوئی اور مہاجر مسلمان مدینہ منورہ میں آباد ہوئے تو بہت سے نو آباد کار مسلمان بیمار اور بیماری سے کمزور ہو گئے۔ تب آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں دعا عرض کی۔ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ ترجمہ: حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ دعا مانگی نبی کریم ﷺ نے۔ یا اللہ محبوب بنا دے ہم سب مسلمانوں کے لئے مدینہ منورہ کو جیسے کہ ہماری محبت ہے مکہ مکرمہ سے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور صحت والا بنا دے اس مدینہ منورہ کو اور برکت دے ہمارے لئے یہاں کے صاع میں اور یہاں کے مد میں اور منتقل فرما دے یہاں سے اس بستی کے بخار و بیماریاں اور ڈالدے ان بیماریوں کو جحفہ کی ویرانیوں میں (مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۲۳۰ از بخاری مسلم) دوسری حدیث مقدس عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ فِيْ رُؤْيَا النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَدِيْنَةِ رَاَيْتُ اِمْرَاءَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَ الرَّاْسِ خَرَجَتْ مِنْ مَدِيْنَةٍ حَتّٰى نَزَلَتْ مَهْيَعَةَ فَتَاَوَّلْتُهَا اَنَّ وَبَاءَ الْمَدِيْنَةِ نُقِلَ اِلٰى مَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔ ترجمہ:

مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۲۳۹ پر ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ﷺ نے مدینہ منورہ میں خواب دیکھی کہ ایک سیاہ عورت کھلے بکھرے بال ننگے سر۔ مدینہ منورہ سے نکلی اور مہیعہ بستی میں اتر گئی اور اسی علاقہ کا نام جحفہ ہے۔ اسکی تعبیر یہ فرمائی کہ مدینہ منورہ سے وباء بیماری ہمیشہ کے لئے نکل گئی اس وقت جحفہ میں اسی یثرب کا قبیلہ بنو عمیل رہتے تھے۔ اس خواب میں نبی کریم ﷺ کو سابقہ دعا کی قبولیت دکھائی گئی۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے حکم صادر فرمایا کہ آج کے بعد کوئی شخص مدینہ منورہ کو یثرب نہ کہے۔ اس حکم کے بعد سے آج تک کسی سچے مسلمان نے مدینہ منورہ کو یثرب نہ کہا بلکہ ہر دور میں جس جاہل انسان نے بھی نظم یا نثر میں یثرب کہا تو علماء کرام نے اس جاہل کو سختی سے منع فرمایا۔ جب ڈاکٹر اقبال وغیرہ نے اس قسم کے خلافِ شریعت بے علمی کے اشعار کہے ہونگے تو یقیناً علماء کرام نے منع کیا ہوگا اور اسی قسم کی ممانعتوں کی وجہ سے ڈاکٹر اقبال ساری عمر علماء اسلام کے دشمن و مخالف بنے رہے۔ لہٰذا مذکورہ فی السوال معترضین کا یہ کہنا کہ کسی بھی عالم دین نے کبھی ان اشعار کو برا یا ناجائز نہ کہا۔ ایک جھوٹ اور لغو ہی ہے۔ علماء کبھی اپنے علم کو نہیں چھپاتے نہ کسی غلط کام پر خاموش رہ سکتے ہیں کیونکہ حدیث مقدس میں ہے کہ جس عالم نے علم دین اور حکم شریعت کو جانتے ہوئے چھپایا۔ علانیہ بیان نہ کیا تو بروز قیامت آگ کی لگام ڈالا جائے گا۔ چنانچہ ابن ماجہ شریف صفحہ نمبر ۲۳ پر حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ۔ يَقُوْلُ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَّارٍ۔ ترجمہ: فرمایا آقا ﷺ نے جو کوئی شخص پوچھا جائے اس کے کسی علمی مسئلے کے بارے اور وہ عالم دین اس شرعی مسئلے کو کسی وجہ سے چھپا جائے۔ تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام ڈالی جائے گی اسی وعید شدید کی وجہ سے کبھی کسی عالم دین نے کوئی بھی دینی مسئلہ نہ چھپایا۔ کوئی پوچھے یا نہ پوچھے کسی کو برا لگے یا اچھا لگے لیکن جو لوگ شرعی مسئلہ سن کر اور یہ جان کر بھی کہ یہ چیز اللہ رسول کی ناپسندیدہ حرام یا مکروہ ہے پھر بھی باز نہیں آتے تو وہ منافقین ہیں۔ چنانچہ جب منافقین مدینہ نے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے اس شہر کا نام مدینہ طیبہ رکھ دیا ہے اور لفظ یثرب نبی کریم ﷺ کو ناپسند ہے تو وہ منافقین اور انکے ساتھی یہودی صرف آقاء رحمت ﷺ کو ستانے کے لئے بار بار مدینہ منورہ کو یثرب کہتے منافقوں کی ان خباثتوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور حدیث مقدس میں بھی سورۃ احزاب آیت ۱۲ و ۱۳ میں ہے۔ وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا۔ ترجمہ: اور جب یہ منافقین کہتے پھرتے ہیں اور وہ لوگ بھی جنکے دل میں (یہودیت کی) بیماری ہے کہ اللہ رسول نے ہم سے جو بھی وعدہ کیا وہ نرا دھوکہ غرور ہی ہے۔ یعنی سچا کوئی وعدہ بھی نہیں اور جب ان ہی منافقوں میں سے کچھ منافقوں کے ایک طائفہ گروہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا اے یثرب والو اب تمہارے لئے یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اس لئے واپس لوٹ چلو اور مسلم شریف جلد اول صفحہ نمبر ۴۴۴ پر اور مشکوٰۃ شریف باب حرم مدینہ فصل اول بحوالہ بخاری مسلم صفحہ نمبر ۲۳۹ پر ہے۔ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَاْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبَ وَهِيَ

الْمَدِينَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ۔ ترجمہ: راوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ فرمایا آقا ﷺ نے مجھ ہجرت کا حکم دیا گیا ایسی بستی کی طرف کا جو تمام بستیوں پر
غلبہ حاصل کرے گی اس کو لوگ یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے۔ دور کرے گا برے لوگوں کے جیسے کہ بھٹی دور کرتی ہے
لوہے کی میل وخباثت کو۔ اس حدیث شریف کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں اپنی شرح جلد اول صفحہ نمبر ۴۴۴ پر۔
(قَوْلُهُ ﷺ يَقُولُونَ يَثْرِبَ وَهِيَ الْمَدِينَةُ) يَعْنِي أَنَّ بَعْضَ النَّاسِ الْمُنَافِقِينَ وَغَيْرِهِمْ يُسَمُّونَهَا يَثْرِب وَإِنَّمَا
اسْمُهَا الْمَدِينَةُ وَطَابَةُ وَطَيْبَةُ فَفِي هَذَا كَرَاهَةُ تَسْمِيَتِهَا يَثْرِبَ لَفْظُ التَّثْرِيبِ الَّذِي هُوَ التَّوْبِيخُ وَالْمَلَامَةُ وَ
سُمِّيَتْ طَيْبَةَ وَطَابَةَ لِحُسْنِ لَفْظِهِمَا وَكَانَ ﷺ يُحِبُّ الْاِسْمَ الْحَسَنَ وَ يَكْرَهُ اِسْمَ الْقَبِيحَ وَاَمَّا تَسْمِيَتُهَا
فِي الْقُرْآنِ يَثْرِبَ فَإِنَّمَا هُوَ حِكَايَةٌ عَنْ قَوْلِ الْمُنَافِقِينَ وَالَّذِينَ قُلُوبُهُمْ مَرَضٌ۔ وَاَمَّا طَابَ وَالطَّيْبَةُ فَمِنَ
الطِّيبِ وَهُوَ الرَّائِحَةُ الْحَسَنَةُ وَالطَّابُ وَالطِّيبُ لُغَتَانِ وَقِيلَ مِنَ الطَّيِّبِ بِفَتْحِ الطَّاءِ وَتَشْدِيدِ الْيَاءِ وَهُوَ
الطَّاهِرُ لِخُلُوصِهَا مِنَ الشِّرْكِ وَطَهَارَتِهَا۔ وَقِيلَ مِنْ طِيبِ الْعَيْشِ۔ ترجمہ: آقا ﷺ کا یہ فرمان کہ لوگ اس
بستی کو یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے یعنی منافقوں وَغیرُھُمْ میں سے کچھ منافق مدینہ منورہ کو یثرب کہا کریں گے اور
یہی نام (پرانا متروک نام) یثرب ہی رکھیں گے۔ حالانکہ اس کا نام فقط مدینہ طیبہ اور طابہ ہے اس فرمان نبوی میں بتایا گیا
کہ نبی کریم ﷺ کو یثرب نام سے نفرت ہے کیونکہ لفظ تثریب کا معنیٰ ہے لعنت ملامت کرنا اور طیبہ وطابہ نام رکھا گیا
ہے لفظی حسن وخوبصورتی کی وجہ سے اور آقا ﷺ اچھے حسین ناموں کو پسند فرماتے تھے اور برے ناموں سے نفرت
کرتے اور قرآن مجید میں یثرب نام لینا وہ منافقوں اور دل کے بیمار کفار کی ہی حکایت بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ ایسا
کہتے ہیں (صرف نبی کریم ﷺ کو ستانے کے لئے) اور لیکن لفظ طاب وطیبہ وہ طِیْبٌ سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے
بہترین خوشبو اور طاب وطیب یہ دولغت ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ دونوں لفظ طیب سے بنے ہیں ط کی زبر اور یٰ کی شد
سے اس کا معنیٰ ہے شرک سے پاک صاف خالص اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طیب کا معنیٰ ہے عیش آرام صحت وشفا۔ مدینہ
منورہ کا نام طاب خود اللہ تعالیٰ نے رکھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۲۳۹ پر ہے۔ عَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ
رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ سَمَّى الْمَدِيْنَةَ طَابَ۔ رواہ مسلم۔ ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
فرمایا کہ آقا ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہی مدینہ منورہ کا نام طیبہ رکھا۔ معجم البلدان جلد پنجم صفحہ نمبر ۴۳۰ پر ہے۔
قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ الزَّجَاجِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَمَّا نَزَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَمَّاهَا طَيْبَةَ وَطَابَةَ۔ كَرَاهِيَةً
لِلتَّثْرِيْبِ وَقَالَ يُقَالُ اَهْلَ التَّثْرِيْبِ اَلْاِفْسَادُ (الخ) وَذَكَرَ عَنِ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَوْلَهُ مَنْ قَالَ لِلْمَدِيْنَةِ يَثْرِبَ
فَلْيَسْتَغْفِرْ ثَلَاثًا اِنَّمَا هِيَ طَيْبَةُ۔ ترجمہ: معجم البلدان کتاب میں امام ابوالقاسم زجاجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ جب
آقا حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اس بستی مدینہ کا نام طیبہ اور طاب رکھا کیونکہ آپ کو لفظ
تثریب سے سخت نفرت وکراہت ہے اس لئے کہ تثریب کا معنیٰ ہے فساد ڈالنا۔ اور امام زجاجی نے حضرت عبداللہ ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول روایت فرمایا کہ جس نے بھی مدینہ منورّہ کو یثرب کہا وہ تین مرتبہ استغفار کرے اور اس گناہِ کبیرہ کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے کیونکہ یہ مدینہ منورّہ اب صرف طیبہ ہے یعنی اب یہ یثرب و بیماریوں، مصیبتوں، فسادوں کا شہر نہیں اور مسند امام احمد جلد ششم مطبوعہ دارالفکر مصر صفحہ نمبر ۱۸۵۴ پر ہے۔ عَنْ بَرَاءِ اِبْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ سَمَّی الْمَدِیْنَةَ یَثْرِبَ فَلْیَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ هِیَ طَابَةٌ هِیَ طَابَةٌ۔ ترجمہ: براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے خود نبی کریم آقا حضور ﷺ سے سنا آپ فرماتے ہیں جس نے بھی مدینہ منورّہ کا نام یثرب لیا اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے کیونکہ یہ مدینہ منورّہ اب طابہ ہے۔ یہ اب طابہ ہی ہے یہ تمام احادیث مقدسات تفسیر قرطبی جز نمبر ۱۴ جلد ہفتم صفحہ نمبر ۱۱ اور تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ نمبر ۴۷۳ پر بھی منقول ہیں۔ اہل بصیرت و مشاہدہ فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے مدینہ دارالوبا تھا اس لئے اس کو یثرب کہتے تھے لیکن ہجرت کے بعد مدینہ دارالشفاء اور اسکی مٹی خاک شفا ہے۔ اس لئے اس کا نام مدینہ منورّہ اور طیبہ رکھا گیا۔ لہٰذا اب اس شہر مقدس کو یثرب کہنا اس لئے حرام اور گناہ کبیرہ ہے کہ جھوٹ اور غلط بیانی ہے اور یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی معافی کیلئے تین بار استغفار کا حکم ہے۔ اب اندازہ لگاؤ کہ اَن پڑھ شاعر اور ان کے پرستار اور چاہنے والے مدینہ منورّہ کو یثرب کہہ کر کتنے بڑے شرعی جرم و گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ لفظ طیبہ خوبصورت بھی ہے اور اللہ رسول کا پسندیدہ اور عرب وعجم میں مشہور بھی اور شعروں کا ہم وزن بھی اس کے باوجود ان شعرا نے لفظ طیبہ چھوڑ کر لفظ یثرب لکھا۔ اس کو کیا کہا جائے ضد کی منافقت یا جہالت کی حماقت۔ الاعمال بالنیات۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے مگر اب ان مذکورہ اشعار کو۔ اس طرح پڑھا جائے نمبر ۱: خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر است نمبر ۲: خوشا وہ وقت کے طیبہ مقام تھا ان کا خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا انکا نمبر ۳: اور قوالوں سے کہا جائے کہ قوالی کا وہ شعر بھی اس طرح پڑھا جائے۔ طیبہ کے والی سارے نبی تیرے در کے سوالی۔ شاعروں کی پیروی نہ کی جائے کیونکہ بفرمان قرآنی۔ یَتَّبِعُهُمَ الْغَاوٗنَ شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گمراہی سے بچائے سچی سمجھ عطا فرمائے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

فتویٰ ہفتم

قضاء وقدر کا بیان۔ تقدیر کی قسمیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بہار شریعت جلد اول۔ پہلا حصہ کے صفحہ نمبر ۵ پر لکھا ہے کہ قضا تین قسم کی ہے۔ نمبر ۱: مبرم حقیقی نمبر ۲: معلق محض نمبر ۳: معلق شبیہ بہ مبرم۔ آگے لکھا ہے کہ سیدنا غوثِ اعظم فرماتے ہیں میں قضاء مبرم کو رد کر دیتا ہوں اور اسی کی نسبت حدیث میں ارشاد ہوا کہ اِنَّ الدُّعَاءَ یَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ مَا اُبْرِمَ۔ اس کا ترجمہ:

بہار شریعت میں ہی جگہ اسی طرح لکھا ہے دعا قضاء مبرم کو ٹال دیتی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں یہ مسئلہ درست نہیں ہے۔ اسی طرح بہار شریعت حصہ دوم صفحہ پر لکھا ہے مسئلہ: دکھتی آنکھ سے جو پانی نکلے وہ نجاست غلیظہ ہے مگر اس مسئلے کا کوئی حوالہ یا وجہ نہ تھی۔ ایک مولانا صاحب نے کہا کہ یہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اپنا قیاس واستنباط ہے۔ فرمایا جائے کیا یہ کہنا صحیح ہے اور کیا حضرت علیہ الرحمہ مجتہد تھے۔ بینوا توجروا۔ ۹۹-۱۱-۱۱

دستخط سائل ... نذیر حسین ... لندن برطانیہ

الجواب

بعون الملک العلام الوہاب

سوال مذکورہ بالا میں بہار شریعت کے بیان کردہ دو مسئلوں کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ پہلا مسئلہ تقدیر ازلی کے بارے میں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ علماء محققین کے نزدیک بہار شریعت کی اس مسئلے میں بیان کردہ تینوں باتیں غلط ہیں اور بلا ثبوت ہیں صاحب بہار شریعت کا یہ فرمانا کہ تقدیر ازلی یعنی قضا تین قسم کی ہے۔ یہ بات قطعاً غلط ہے تمام کتب عقائد وکتب فقہ میں تقدیر وقضا کی صرف دو قسمیں ثابت ہیں تیسری قسم کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ چنانچہ شرح عقائد کی شرح نبراس کے صفحہ نمبر ۲۹۷ پر ہے۔ اَلْقَضَاءُ قِسْمَانِ مُبْرَمٌ لَا يَتَغَيَّرُ وَ مُعَلَّقٌ يَتَغَيَّرُ وُالدُّعَاءُ اِنَّمَا يَنْفَعُ فِي الثَّانِيْ۔ ترجمہ: قضا کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم تقدیر مبرم یہ کبھی نہیں بدل سکتی۔ دوسری قسم تقدیر معلق یہ بدل سکتی ہے اور بندے کی دعا اور عرض والتجاء بارگاہ الٰہی تقدیر کے بدلنے میں نفع اور فائدہ دیتی ہے۔ اگرچہ صاحب نبراس نے اس تقسیم کو بھی تسلیم نہیں کیا چنانچہ آگے فرماتے ہیں۔ وَالْحَقُّ اِنَّ كُلَّهٗ مُبْرَمٌ فِي الْحَقِيْقَةِ مَحْفُوظٌ عَنِ التَّبَدُّلِ۔ یعنی حق یہ ہے کہ ہر تقدیر ہی مبرم ہے حقیقۃً میں محفوظ ہے بدلنے سے مگر انکا یہ کہنا غلط اور انکی ذاتی خرافات میں سے ہے۔ انہوں نے سمجھا ہی نہیں کہ معلق کی تبدیلی کا معنیٰ کیا ہے۔ اس لئے جب ان پر محققین نے احادیث مقدسات کے حوالے سے اعتراض کیا تو صاحب نبراس نے وہی جواب دیا جو تقدیر معلق کا اصل معنیٰ ہے۔ چنانچہ نبراس صفحہ نمبر ۲۹۶ پر لکھتے ہیں۔ فَنَقُوْلُ اَحَدُهَا حَدِيْثُ زِيَادَةِ الْعُمْرِ بِالطَّاعَةِ وَاِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ وَاُجِيْبَ بِمَا ذَكَرَ اَلشَّارِحُ وَمُلَخَّصَةً اِنَّ السَّبَبَ اَيْضًا مُقَدَّرٌ كَالْمُسَبَّبِ بِلَا تَرَدُّدٍ وَشَكٍّ. اَمَّا الذِّيَادَةُ وَالرَّدُّ فَمَجَازٌ عَنِ السَّبِبِيَةِ وَهٰذَا الْجُوَابُ مُسْتَفَادٌ مِنْ جَنَابِ النَّبُوَّةِ ﷺ حَيْنَ سُئِلَ اَنَّ اَلْاَدْوِيَةَ وَالرُّقٰى هَلْ تَرُدُّ قَدَرَ اللّٰهِ تَعَالٰى. فَقَالَ هِيَ مِنْ قَدْرِ اللّٰه۔ ترجمہ: (محققین کے جواب میں) ہم کہتے ہیں ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ اعمال صالحہ سے عمر کا زیادہ ہو جانا اور دعا سے تقدیر کا رد ہو جانا اس کا وہی جواب دیا گیا ہے جو شرح عقائد کے مصنف نے دیا ہے کہ یہ اعمال اور دعا بھی تقدیر الٰہی ہی ہے جیسے کہ اصل سبب پہلی تقدیر ہے یعنی یہ بھی تقدیر ہی ہے کہ فلاں کی تقدیر دعا سے یا اعمال صالحہ صدقہ وخیرات سے بدل جائیگی۔ مصنف نبراس کہتے ہیں کہ گویا پہلی مذکورہ تقدیر حقیقی ہے اور اس کا بدل جانا مجازی تقدیر

تقدیر ہے اور یہ جواب فرمانِ نبوی سے حاصل ہوا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ دوائیں اور دم درود تعویذات کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل سکتے ہیں۔ تو فرمایا آقا ﷺ نے کہ دوائیں اور دم درود تعویذ سے شفا ہو جانا بھی اللہ تعالیٰ کا تقدیری ازلی فیصلہ ہی ہے۔ یہ سب باتیں ماننے کے باوجود صاحب نبراس کا تقدیر معلق سے منکر ہونا محض انکی کم فہمی ہے کیونکہ اسی کو تقدیر معلق کہتے ہیں۔ جن محققین نے تقدیر کی دو قسمیں کی ہیں وہ بھی تقدیر معلق کی یہی تعریف کرتے ہیں جو صاحب نبراس نے اپنے جواب اور فرمانِ نبوی سے مُستفاد بیان فرمایا۔ ہاں البتہ تقدیر معلق کی دو نوعیتیں ہیں۔ نمبرا: تقدیر معلق منسوب یعنی فلاں بندے کو یہ تکلیف یا آرام آئیگا۔ مگر پھر کسی دعا مبرم ومقبول سے وہ تکلیف ٹل جائیگی یا آ کر اور یا راستے سے ہی یا آرام وراحت کا ملنا پھر کسی بداعمالی یا کسی کی بددعا سے وہ راحت نعمت ختم ہو جانا۔ نمبر ۲: تقدیر معلق غیر منسوب: اسکی تعریف یہ ہے کہ فلاں کی قسمت میں یہ ہے لیکن اگر ایسا ہوا تو تقدیر ٹل جائیگی نہ ہوا تو نہ ٹلے گی لیکن تقدیر مبرم اس کو تقدیر محکم بھی کہتے یہ قطعاً نہیں بدلتی نہ کسی کی دعا بددعا سے نہ کسی کے اچھے برے عمل سے لہٰذا صاحب بہار شریعت کا یہ فرمانا کہ حضور سیدنا غوث اعظم فرماتے ہیں میں تقدیر مبرم کو رد کر دیتا ہوں۔ یہ بات قطعاً غلط بلکہ غوث پاک پر بہتان و افترا ہے اور فیصلہ الٰہیہ کی بے ادبی کے علاوہ خود غوث اعظم۔ سرکار کی بھی گستاخی ہے تین وجہ سے پہلی یہ کہ ان الفاظ کا دعویٰ کوئی ولی اللہ علیہ الرحمۃ تو درکنار کوئی نبی علیہ السلام بھی نہیں کر سکتا کیونکہ اس طرز بیانی میں شرکیہ تقابل کی بو ہے کسی کمزور انسان کا اللہ تعالیٰ کے محکم اور اٹل فیصلے کیلئے یہ کہنا کہ میں اس کو توڑ سکتا ہوں ایسی جرأت نہ کسی انسان میں ہے نہ غوث پاک ایسا کہہ سکتے ہیں۔ ایسی کفریہ بیہودگی مشرکین اپنے دیوتاؤں اور اپنے بھگوان کیلئے کہتے ہیں کہ دیوتا بھگوان کے شریک ہیں اور دھونس سے منوا سکتے ہیں اس کے فیصلے کو توڑ سکتے ہیں۔ مگر کوئی مسلمان اس عقیدے کا اللہ تعالیٰ کے مقابل کسی ولی کے لئے تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تو تقدیر مبرم ہے۔ اس کے بدلنے کی دعا سے تو انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی روک دیا جاتا ہے۔ کوئی ولی اللہ تو تقدیر معلق کو بھی خود بدلنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وہاں بھی رب تعالیٰ سے دعا التجا فریاد رونے گڑگڑانے عرض کرنے کا سہارا پکڑنا پڑتا ہے۔ بدلتا تقدیر معلق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی خود ولی اللہ تقدیر معلق بھی نہیں بدل سکتا۔ ہاں البتہ دعا سے بدلوا سکتا ہے۔ غالباً انہیں باتوں کو سوچکر صاحب بہار شریعت نے اپنا یہ نظریہ بچانے کے لئے تقدیر کی خود ساختہ تقسیم کر دی۔ دوسری وجہ یہ کہ صاحب بہار شریعت کا طریقہ یہ ہے کہ ہر مسئلے پر کتاب کا حوالہ پیش کرتے ہیں مگر اس قول پر کوئی حوالہ پیش نہیں کیا میں نے خود سرکار غوث پاک کی کتب کا مطالعہ کیا مگر کسی کتاب میں یہ قول نہیں ملا۔ بہت سے محقق بزرگوں سے پوچھا مگر سب نے کہا ہم نے یہ قول آپ کی کسی کتاب میں نہ پڑھا۔ ہاں البتہ صاحب نبراس اپنی کتاب نبراس کے صفحہ نمبر ۲۹۷ پر لکھتے ہیں۔ وَمِنْهَا قَوْلُ بَعْضِ الصُّوْفِيَةِ اِنَّهُ لَمْ يَتَصَرَّفَ فِي الْمُبْرَمِ اِلَّا الشَّيْخُ عَبْدُالْقَادِرْ جِيْلَانِي قُدِّسَ سِرُّهُ الْعَزِيْزُ۔ ترجمہ اور لغو اقوال میں سے بعض صوفیوں کا یہ کہنا ہے کہ تقدیر مبرم میں اور تو کوئی شخص تبدیلی وتصرف نہیں کر سکتا مگر شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کر سکتے ہیں۔ گویا کہ بیہودہ وگمراہ صوفیوں کی بات کو صاحب بہار شریعت نے خود غوث

پاک کی طرف منسوب کیا۔ حالانکہ یہ گمراہ صوفی وہ ہیں جن سے علماءِ حق اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں چنانچہ حاشیہ نمبر اس نمبر ۷ صفحہ نمبر ۲۹۷ پر ہے۔ عصمنا اللہ من اللغویات۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو بچائے ایسی لغویات سے ایسے بدعتی وگمراہ صوفی اولیاء کی تعریف میں غوث پاک کا درجہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی بڑھا دیتے ہیں۔ اور رسل ملائکہ کی تحقیر کرتے ہیں۔ ایسی ایسی کرامتیں بنا ڈالیں کہ جن سے گستاخی نبوت اور بے ادبی ملائکہ صاف ظاہر۔ ایسے گمراہ صوفی ہی سجدہ تعظیمی کا شرک کرتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ کہ فرمانِ نبوی سے ثابت ہے کہ قضاء معلق بھی صرف دعاء مقبول سے بدل سکتی ہے۔ اس حدیث مقدس کے اعتبار سے کوئی شخص کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں تقدیر بدل سکتا ہوں چہ جائیکہ غوث پاک جیسی پاکیزہ ہستی ایسی تکبر کی بات کہیں۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے تو اس قول کو بچانے کیلئے تقدیر کی تین قسمیں فرمادیں مگر منسوبہ قول میں تو اس تقسیم کا بالکل ذکر نہ کوئی اشارہ وہاں تو ہر مبرم کو بدلنے کا دعویٰ ہے۔ یہ تو سراسر حکم الٰہی وفرمانِ مصطفیٰ سے مقابلہ کرنا ہے۔ اسی حدیث پاک کی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر غلط ہے کہ:

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں   جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

بلکہ یہ ترمیم کرنی چاہیے کہ دعاءِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔ تا کہ یہ شعر حدیث مقدس کے مطابق ہو جائے۔ مسئلہ اول میں لکھی ہوئی بہار شریعت کی تیسری بات کہ اور اسی کی نسبت حدیث میں ارشاد ہوا۔ إِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ مَا أُبْرِمَ۔ یہ نسبت بھی غلط یہ روایت بھی اور یہ ترجمہ بھی غلط جو صاحب بہار شریعت نے کیا ہے۔ نسبت اس لئے غلط کہ جب کہ قول غوث پاک ہی ثابت نہیں تو اس معدوم کی طرف کسی روایت کو نسبت کیسے کر سکتے ہیں۔ روایت مذکورہ اس لئے غلط کہ کتب احادیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں نہ راوی کا پتہ نہ سند کا ذکر۔ مصنف علام علیہ الرحمۃ نے بھی ایسے مجہول انداز میں بلا حوالہ چند الفاظ لکھ دیئے جو اس کے موضوع و بناوٹی ہونے کو ثابت کر رہا ہے۔ مصنف بہار شریعت علیہ الرحمۃ نے جو ترجمہ ان الفاظ کا فرمایا ہے۔ وہ لفظاً بھی غلط ہے معناً بھی غلط ہے۔ لفظاً اس لئے غلط کہ لفظی صحیح ترجمہ یہ ہونا چاہیے۔ بے شک دعا بدل دیتی ہے قضا کو اس کے بعد کہ مبرم کردی جائے۔ اب اگر اُبْرِمَ کا نائب فاعل قضا کو بنایا جائے تو یہ ترجمہ معناً غلط ہوگا۔ اس لئے کہ اس ترجمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تقدیریں بہت عرصہ پہلے بنائی جاتی ہیں اور ان کو مبرم بعد میں کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بات حکمۃ الٰہی کے بھی خلاف ہے قرآن مجید کے بھی دیگر احادیث مشہورہ کے بھی حکمت کے اس لئے کہ غیر مبرم اور غیر معلق تقدیر ناقص ہوئی جب مبرم والی کو مبرم معلق والی کو معلق کردیا جائے گا تب کامل ہوگی تو گویا رب تعالیٰ نے جلدی میں پہلے ناقص تقدیریں بنادیں پھر بعد میں کامل کیا۔ یہ عیب صنّاعی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مخلوقِ الٰہی میں کوئی چیز کسی بھی حالت میں ناقص نہیں۔ ہر چیز کامل ہے۔ نطفہ سے بڑھاپے تک انڈے سے پرندے تک بیج سے شجرِ تناور تک پھول سے پختہ پھل تک۔ قرآن مجید کے اس لئے خلاف کہ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔ (سورۃ یٰسین آیت نمبر ۸۲) ترجمہ: اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو فرماتا ہے ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ عربی میں شی کہتے ہی اس چیز کو ہیں جو کامل ہو۔ ناقص چیز کو شی

نہیں کہا جاتا۔احادیث کے اس لئے خلاف کہ مشکوٰۃ شریف باب ایمان بالقدر فصل اول صفحہ نمبر ۱۹ پر ہے۔ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ۔ کَتَبَ اللّٰہُ مَقَادِیْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔ترجمہ۔حضرت عبداللہؓ بن عمر سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی سب تقدیریں لکھدی تھیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے بھی پچاس ہزار سال پہلے۔ اس حدیث مطہر مقدس سے ثابت ہوا کہ ہر تقدیر ازل سے ہی مکمل ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے جو روایت پیش کی ہے اگر اس کو حدیث اور فرمانِ نبوی ہی مانا جائے تب بھی مصنف علیہ الرحمۃ کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ بَعْدَ مَا اُبْرِمَ کا تعلق قضاء سے نہیں بلکہ دعاء سے ہے اور پوری عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ بیشک دعا پھیر دیتی ہے تقدیر معلق کو اس کے بعد کہ دعا محکم مضبوط مقبول ومنظورِ بارگاہ الٰہی ہو جائے۔ یعنی عام بندے کی دعا سے تقدیر معلق نہیں بدلتی بلکہ تقدیر معلق بدلنے کیلئے بندہ محبوب اور دعا مقبول اور فریاد منظور ہونی چاہیے۔ ایسے ہی خاص متقی مردمومن کی دعاء خاص مبرم ومحکم ہوتی ہے۔ لفظ اُبْرِمَ بَرْمٌ سے بنا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے سخت مضبوط وبہتر (المنجد عربی صفحہ نمبر ۳۳) روایت میں اُبْرِمَ کا نائب فاعل دعا ہے نہ کہ قضا۔ صاحبِ بہارِ شریعت نے اسطرف توجہ نہ فرمائی یہ ان کی چشم پوشی ہے۔ تقدیر مبرم اتنا مستحکم فیصلہ ہے جو انبیاء کرام علیھم السلام جیسی مقبول بارگاہ ہستیوں کی دعاؤں سے بھی نہیں بدلتا بلکہ اگر کوئی نبی علیہ السلام تقدیر مبرم کے بدلنے کی دعا مانگنے لگے یا مانگنے کا ارادہ فرمائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکو منع فرما دیا جاتا ہے۔ اگرچہ خلیل ہو یا حبیب۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین فصل اول صفحہ نمبر ۵۱۲ پر ہے۔ عَنْ سَعْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ۔ سَاَلْتُ رَبِّیْ ثَلَاثًا (الخ) وَسَاَلْتُہٗ اَنْ لَّا یَجْعَلَ بَاسَھُمْ بَیْنَھُمْ فَمَنَعَنِیْھَا رَوَاہُ مُسْلِمٌ اور اسی باب کی فصل دوم صفحہ نمبر ۵۱۳ پر ہے۔ عَنْ خَبَّابِ ابْنِ الْاَرَتِّ (الخ) وَسَاَلْتُہٗ اَنْ لَّا یُذِیْقَ بَعْضَھُمْ بَاسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِیْھَا رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ وَالنَّسَائِیْ۔ترجمہ: دونوں حدیثوں مبارکہ کا حضرت سعد اور حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے وایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آقا ﷺ نے ارشاد مقدس فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں مانگیں تو دو دعائیں قبول ہوئیں اور تیسری یہ مانگی تھی کہ یا اللہ تا قیامت میری امت آپس میں نہ لڑیں اور ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اس دعا مانگنے سے مجھے منع فرما دیا۔ روایت کیا پہلی حدیث مقدس کو مسلم نے اور دوسری کو ترمذی و نسائی نے اس سے ثابت ہوا کہ تیسری دعا تقدیر مبرم کیخلاف تھی اس لئے اس دعا سے ہی منع فرما دیا مگر تقدیر مبرم نہ بدلی گئی۔ تیسری حدیث مقدس۔ مشکوٰۃ شریف باب فضائل فصل اول صفحہ نمبر ۵۱۲ ۔عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ (الخ) وَاِنَّ رَبِّیْ قَالَ یَا مُحَمَّدُ۔ اِنِّیْ اِذَا قَضَیْتُ قَضَاءً فَاِنَّہٗ لَایُرَدُّ۔(الخ) رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میرے رب تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ اے محمد! بیشک میں نے جب تقدیری فیصلے فرمائے تھے تو بیشک اب کبھی تبدیل نہیں کئے جاسکتے۔ اس حدیث پاک کو مسلم شریف نے روایت کیا۔ اس حدیث مقدس سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ جب تقدیر وقضا بنی تو اسی وقت مبرم

وہی مبرم ہوتی تھی۔ یعنی وہی معلق جو کہ ابھی معلق ہے دوم یہ کہ تقدیر مبرم کو کوئی بھی بدل نہیں سکتا نہ نگاہ سے نہ دعا سے نہ دوا دے سے نہ ہی تعویذ پیر و مرشد سے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن وحدیث سے صرف دو قسم کی تقدیر ثابت ہے۔ ایک تقدیر مبرم دوم تقدیر معلق۔ مصنف علیہ الرحمۃ کی بیان کردہ تیسری قسم کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ملتا یہ ان کی ذاتی اختراع ہے۔ قرآن مجید کی تقریباً تیرہ سورتوں میں تقدیر مبرم کا ذکر ارشاد ہوا ہے چنانچہ (۱) سورۃ اعراف آیت نمبر ۳۴ میں ارشاد ہے۔ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ۔ ترجمہ: تو جب ان کی موت آئیگی تب نہ وہ پیچھے کر سکتے ہیں نہ آگے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ تقدیر مبرم ہے۔ (۲) سورۃ یونس آیت نمبر ۴۹۔ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ۔ ترجمہ: جب ان کی موت آئی تو وہ ایک منٹ اسے پیچھے کر سکے نہ آگے۔ (۳) سورۃ ہود آیت نمبر ۶۵ میں ارشاد ہے۔ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ۔ ترجمہ: یہ وہ وعدہ ہے جس کو جھوٹا نہیں کہا جا سکتا یعنی بدلا نہیں جا سکتا۔ (۴) سورۃ ہود آیت نمبر ۷۶ میں ارشاد ہے۔ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ۔ ترجمہ: اور بیشک وہی ہیں کہ ان پر ایسا عذاب ضرور آنے والا جو کسی بھی وجہ سے پھیرا نہیں جائیگا۔ (۵) سورۃ الحجر آیت نمبر ۵۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ۔ ترجمہ: کوئی قوم اپنی موت کو نہ آگے کر سکتی ہے نہ پیچھے۔ (۶) سورۃ نحل آیت نمبر ۶۱: فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ۔ ترجمہ: جب موت آجائے تو کوئی ٹال نہیں سکتا نہ آگے کر کے نہ پیچھے کر کے۔ (۷) سورۃ اسراء آیت نمبر ۱۶۔ فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ۔ ترجمہ: پس مضبوط و محکم ہو گیا ان پر قضاء الٰہی کا فرمان۔ (۸) سورۃ مریم آیت نمبر ۲۱ میں ارشاد ہے۔ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ ترجمہ: اور اے مریم غلامًا زکیًا۔ مولود ہونے کا فیصلہ بدل نہیں سکتا کیونکہ یہ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ہو گیا ہے یعنی قضاء مبرم۔ (۹) سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۱۲۹ میں ارشاد ہے۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ ترجمہ: اور اگر پہلے ہی مبرم نہ ہو چکا ہوتا کلمہء فیصلہ تقدیر تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے تو یقیناً عذاب آجاتا۔ یہ دیری عذاب تقدیر مبرم کی وجہ سے ہے جو پہلے ہی لکھی جا چکی ہے اب تبدیل نہ ہو گی۔ نہ کوئی انسان بدل سکے۔ (۱۰) طٰہٰ آیت نمبر ۱۲۹۔ أَجَلٌ مُّسَمًّى ترجمہ: تقدیر مبرم اٹل و مسمی فیصلہ ہے۔ (۱۱) سورۃ مومنون آیت نمبر ۴۳ میں ارشاد ہے۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ۔ ترجمہ: کوئی قوم اپنی تقدیر مبرم کو نہ پہلے کر سکتی ہے نہ پیچھے۔ (۱۲) سورۃ سبا آیت نمبر ۳۰ میں ارشاد ہے۔ قُلْ لَّكُمْ مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً۔ ترجمہ: فرما دو کہ تمہارے لئے ایک میعاد کا دن مقرر ہو چکا ہے تم اس کو ایک منٹ پیچھے نہیں کر سکتے۔ (۱۳) سورۃ نوح آیت نمبر ۴ میں ارشاد ہے۔ إِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ ترجمہ: اے لوگو اگر تم جانتے ہو تو یاد رکھو کہ بیشک جب اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا فیصلہ آگیا تو پھر مؤخر نہیں کیا جاتا۔ ان تمام آیات میں تقدیر مبرم کا ہی ذکر ہے اور بتا دیا گیا کہ تقدیر مبرم نہ کوئی انسان ٹال سکتا ہے نہ دعا سے نہ جلد بازی سے ٹالنا بدلنا تو درکنار کوئی ذرہ برابر ساعت نہ آگے کر سکے نہ پیچھے۔ تقدیر مبرم کے بارے میں احادیث پہلے بیان کر دی گئیں۔ تقدیر معلق کا ذکر بھی قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ رعد آیت نمبر ۳۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ أُمُّ الْكِتٰبِ۔ ترجمہ:

مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جس فیصلے کو چاہے اور باقی رکھتا ہے جس فیصلے کو چاہے۔ یہاں فیصلے سے مراد تقدیر معلق ہی ہے۔ اکثر مفسرین نے یہی معنیٰ کیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات فصل ثانی صفحہ نمبر ۱۹۵ پر ہے۔ وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِی قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهُ ﷺ لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمْرِ اِلَّا الْبِرُّ رَوَاهُ التِّرْمِذِی۔ ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا۔ کہ ارشاد مقدس فرمایا نبی کریم ﷺ نے صرف دعا سے ہی تقدیر ٹل سکتی ہے اور صرف نیک اعمال سے ہی عمر بڑھتی ہے۔ روایت کیا اس حدیث کو ترمذی نے۔ اس حدیث مقدس کی شرح میں لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے بحوالہ حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۱۹۵ پر ہے۔ قَوْلُهٗ لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ (الخ) وَحَقِيْقَةُ الْمَعْنٰى اَنَّ الْمُرَادَ الْقَضَاءُ الَّذِىْ عُلِّقَ رَدُّهٗ بِهٖ وَجُعِلَ مُسَبَّبًا لَّهٗ۔ ترجمہ: حدیث پاک کا یہ فرمانا کہ صرف دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ اس کا حقیقی معنیٰ یہ ہے کہ یہاں وہ قضا مراد ہے۔ جو معلق ہو اور جس کا بدلنا اس دعا سے معلق کر دیا گیا ہو اور یہ تقدیر اس دعا کیلئے مسبباً بنا دی گئی ہو۔ اس شرح سے تقدیر کی دو قسمیں ثابت ہوئیں۔ حدیث دوم بحوالہ ابن ماجہ شریف کتاب الدعا صفحہ نمبر ۱۰۔ عَنْ ثَوْبَانَؓ۔ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايَزِيْدُ فِي الْعُمْرِ وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَاِنَّ الرَّجُلَ بِمُحْرَمِ الرِّزْقِ بِخَطِيْئَتِهٖ يَعْمَلُهَا۔ ترجمہ: فرمایا حضرت ثوبانؓ نے کہ ارشاد فرمایا۔ آقا ﷺ نے بندوں کی عمر نیک عمل کرنے سے بڑھ جاتی ہے اور دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے اور جو انسان گناہ کرتا رہے اس کا رزق گھٹ جاتا ہے اور وہ رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اپنی خطاؤں کی وجہ سے جو وہ کرتا ہے۔ حدیث سوم جامع صغیر جلد دوم صفحہ نمبر ۸۶ بحوالہ ترمذی ومسند احمد۔ عَنْ عَلِيٍّؓ قَدَّرَ اللّٰهُ الْمَقَادِيْرَ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔ یعنی آسمانوں وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھدی گئیں تھیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر قسم کی تقدیر اسی وقت مکمل کر دی گئی تھی۔ اور یہ کہ تقدیر صرف دو قسم کی ہے مبرم ومعلق تقدیر کو قضاؤ قدر بھی کہتے ہیں۔ لفظ قضا مصدر بھی ہے۔ بمعنیٰ فیصلہ کرنا۔ اسی سے ہے قاضی بمعنیٰ فیصلہ کرنے والا اور یہ حاصل مصدر بھی ہے بمعنیٰ فیصلہ، قدر کا لغوی معنیٰ ہے اندازہ لگانا تقدیر بنانا، مگر اصطلاحاً ہر تقدیر کو قضا وقدر کہہ دیتے ہیں۔ دونوں لفظوں میں فرق یہ ہے کہ تقدیر الٰہی کے وہ فیصلے جو پورے ہو چکے ہیں وہ قضا ہے اور جو ابھی وارد ہونے ہیں وہ قدر ہیں۔ تقدیر کے عقیدے میں پہلے زمانوں سے تین گروہ بنے۔ (۱) اہلسنت (۲) جبریہ (۳) فرقہ قدریہ فرقہ جبریہ کہتا ہے کہ بندہ محض مجبور ہے جو کچھ ہو رہا ہے اچھا ہو یا برا وہ سب تقدیر میں لکھا گیا۔ بندے کا کسی عمل میں کوئی اختیار نہیں بندہ صرف مشین ہے چلانے والا تو کوئی اور ہی ہے۔ اسی لئے یہ فرقہ عذاب وثواب کا منکر ہے۔ فرقہ قدریہ کہتا ہے کہ بندہ اپنے عمل کا خود خالق ہے اچھا کرے اچھائی پائے برا کرے تو برائی پائے۔ اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کے کسی عمل سے کوئی تعلق نہیں اللہ تعالیٰ صرف اعمال کی سزا و جزا دینے والا ہے۔ یہ دونوں فرقے گمراہ اور انکے یہ نظریات گمراہی ہیں۔ اہلسنت فرماتے ہیں کہ ہر خیر وشر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور ہر خیر وشر کا کاسب بندہ ہے۔ انسان نہ مطلقاً مختار ہے نہ مطلقاً مجبور ہے۔ یہی عقیدہ حق ہے آیت وروایت سے ثابت ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

سوال کا دوسرا حصہ

قانون شریعت میں دکھتی ہوئی آنکھ سے پانی نکلنا آنسو نہیں ہے بلکہ یہ آنکھ کی بیماری کی وجہ سے نکلتا ہے۔ تمام فقہاء کرام فرماتے ہیں یہ پانی پلید ہے جس کا حکم وضو ٹوٹنے کا ہے۔ صاحب بہار شریعت نے اگرچہ یہ مسئلہ لکھتے وقت کوئی حوالہ نہیں لکھا مگر یہ نہ انکا مسئلہ ہے نہ اجتہاد ہے نہ قیاس بلکہ سب فقہا کا متفقہ مسئلہ ہے نیز یہ حکم غلاظت نہ واجب حتمی ہے نہ واجب شرعی بلکہ واجب احتیاطی ہے۔ اس لئے کہ دکھتی آنکھ کا پانی مشکوک ہے اس بات میں کہ وہ آنسو ہے یا زخم کا پانی اگر آنسو ہے تو پاک ہے اور اگر زخم کا پانی ہے تو خون کی طرح نجاست غلیظہ ہے۔ چونکہ دونوں احتمال ہیں اور زخم ہونے کا قوی احتمال ہے اس لئے واجب ہے کہ اس کو ناپاک مانا جائے۔ چنانچہ منیۃ المصلی باب الطہارت صفحہ نمبر ۳۰ پر ہے۔ عَنْ مُحَمَّدٍ اِنَّه كَانَ فِيْ عَيْنِهٖ رَمَدٌ وَ يَسِيْلُ الدَّمْعُ مِنْهَا اٰمُرُ بِالْوَضُوْءِ لِاَنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّكُوْنَ مَا يَسِيْلُ مِنْهُ صَدِيْدًا۔ ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ جب کسی کی آنکھوں میں رمد یعنی دکھن ہو اور آنسو کی مثل پانی بہتا ہو تو میں اس نمازی مسلمان کو وضو کرنے کا حکم دونگا۔ اس لئے کہ مجھے خطرہ ہے وہ آنسو جو بہر ہے ہیں وہ پیپ ہے یعنی اگرچہ گاڑھا پیپ نہیں آنسو کی مثل پتلا ہے۔ مگر شک ہے کہ یہ اندرونی زخم سے بہہ رہا ہو اور زخم کا ہر پانی پیپ ہے اور پیپ ناپاک ہوتا ہے۔ ناپاک چیز جسم سے نکلے تو وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور جس جگہ یا جس کپڑے سے لگے وہ جگہ اور کپڑا بھی ناپاک ہو جائیگا۔ فتاویٰ بحر الرائق جلد اول کتاب الطہارت صفحہ نمبر ۸۰ پر ہے۔ لَوْ كَانَ فِيْ عَيْنِهٖ رَمَدٌ يَسِيْلُ دَمْعُهَا يُؤْمَرُ بِالْوُضُوْءِ لِكُلِّ وَقْتٍ لِاِحْتِمَالِ كَوْنِهٖ صَدِيْدًا۔ ترجمہ: اگر آنکھوں میں دکھن کی بیماری ہو پانی بہتا ہو تو اس بیمار کو حکم دیا جائیگا کہ ہر نماز کیلئے نیا وضو کرے۔ اس پانی کے صدید (پیپ) ہونے کے احتمال اور شک ہونے کی وجہ سے اور فتاویٰ فتح القدیر جلد اول فصل فی النفاس صفحہ نمبر ۲۰۰ پر ہے۔ قَالَ فِيْ عَيْنِهٖ رَمَدٌ يَسِيْلُ دَمْعُهَا يُؤْمَرُ بِالْوُضُوْءِ لِوَقْتِ كُلِّ صَلٰوةٍ لِاِحْتِمَالِ صَدِيْدٍ۔ وَاَقُوْلُ هٰذَا التَّعْلِيْلُ يَقْتَضِيْ اِنَّهُ اَمْرُ اِسْتِحْبَابٍ فَاِنَّ الشَّكَّ وَالْاِحْتِمَالَ فِيْ كَوْنِهٖ نَاقِضًا لَا يُوْجِبُ بِالنَّقْضِ اِذَا الْيَقِيْنُ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ۔ نَعَمْ لَوْ عَلِمَ مِنْ طَرِيْقِ غَلَبَةِ الظَّنِّ بِاِخْبَارِ الْاَطِبَّاءِ اَوْ عَلَامَاتٍ تَغْلِبُ ظَنُّ الْمُبْتَلٰى يَجِبُ۔ ترجمہ: فرمایا کہ جس کی آنکھوں میں دکھن ہو اور آنسو جیسا پانی بہتا ہو اس کو حکم دیا جائے گا ہر نماز کے وقت نیا وضو کرنے کا اس احتمال کی وجہ سے کہ شاید یہ آنسو پیپ ہیں اور میں کہتا ہوں کہ یہ تعلیل یعنی نئے وضو کی وجہ تقاضہ کرتی ہے کہ یہ وضو کا ٹوٹنا اور نیا وضو کرانا استحبابی حکم ہے کیونکہ پانی و آنسو کے پیپ ہونے میں شک اور احتمال ہے اور ناقض وضو میں بے یقینی ہونا وضو کے ٹوٹنے کے لئے وجوبی حکم نہیں اس لئے کہ آنسوؤں کا پاک ہونا یقینی ہے اور ان کا پیپ ہونا مشکوک ہے اور شک یقین کو زائل نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ جب غالب یقین سے جان لیا کسی ڈاکٹر حکیم طبیب کے کہنے خبر دینے سے یا ایسی علامت سے کہ مبتلی بیمار کو ظن غالب ہو جائے کہ واقعی یہ آنسو پیپ ہی ہے تو وضو کرنا واجب ہو گا۔ فتاویٰ فتح القدیر جلد اول باب نواقض الوضو صفحہ نمبر ۱۰۰ پر ہے۔ ثُمَّ الْجَرْحُ وَالنَّفْطَةُ وَمَاءُ الثَّدْيِ وَالسُّرَّةِ وَالْاُذُنِ اِذَا كَانَ لِعِلَّةٍ سَوَاءٌ۔ عَلَى الْاَصَحِّ وَعَلٰى هٰذَا قَالُوْا مَنْ

رَمَدَتْ عَيْنَهُ وَسَالَ الْمَاءُ مِنْهَا وَجَبَ عَلَيْهِ الْوُضُوْءُ وَفِي التَّجْنِيْسِ الْغَرْبِ فِي الْعَيْنِ إِذَا سَئَلَ مِنْهُ مَاءٌ نَقَضَ لِأَنَّهُ كَالْجَرْحِ وَلَيْسَ بِدَمْعٍ۔ ترجمہ: پھر ہر قسم کا زخم اور چھالا اور پستان کا پانی اور ناف سے اور کان سے نکلنے والا پانی اگر کسی بیماری کی وجہ سے ہو تو وہ سب حکم میں برابر ہیں۔ صحیح مذہب میں اور اسی قانون کی بنا پر تمام فقہا نے فرمایا کہ جس شخص کی آنکھ دکھنے آ جائے اور اس سے پانی بہتا ہو اس پر وضو کرنا واجب ہے۔ اور فتاویٰ تجنیس الغرب میں ہے کہ آنکھ میں بیماری ہو اور اس سے پانی بہے تو وضو ٹوٹ گیا۔ اس لئے کہ وہ پانی بہنا زخم ہونے کی مثل ہے اور وہ پانی آنسو نہیں ہے ۔ ان تمام اقوال سے ثابت ہوا کہ بیمار آنکھ سے پانی بہتا ہو اس لئے ناپاک ہے کہ آنکھ میں زخم ہونے کا شک ہے اور جو پانی زخم سے نکلے وہ پیپ ہے اور ہر پیپ ناپاک ہے کیونکہ پیپ بگڑے ہوئے گندے خون کو کہتے ہیں۔ پیپ تین قسم کا ہوتا ہے۔ اوّلاً قیح یعنی کچلہو اس کا رنگ سرخی ملا پیلا، پھر صدید یعنی بالکل گاڑھا مادہ ہلکا پیلا رنگ۔ پھر پتلا پانی سفید رنگ، شریعت میں تینوں نجاستِ غلیظہ ہیں ایسے ہی وہ رموص کیچوے جو دکھتی آنکھ کے کونوں پر جمع ہو جاتے ہیں کہ پہلے رنگ کے وہ بھی پلید ہیں۔ جس ہاتھ یا کپڑے کو لگیں گے وہ بھی ناپاک ہو جائے گا لیکن جب تک اپنی جگہ پر آنکھ کے کونے میں رہے گا اس وقت تک وضو نہ ٹوٹے گا لیکن جب اس کیچوے کو ہاتھ یا کپڑے سے اس کی جگہ سے صاف اٹھا لیا جائے تو وضو ٹوٹ جائیگا۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد اول صفحہ نمبر ۹۰ پر ہے۔ فَلَوْ خَرَجَ مِنْ جَرْحٍ فِي الْعَيْنِ دَمٌ فَسَالَ إِلَى الْجَانِبِ الْأٰخِرِ مِنْهَا لَا يَنْقُضُ لِأَنَّهُ لَا يَلْحِقُهُ حَكَمٌ هُوَ وُجُوْبُ التَّطْهِيْرِ أَوْ نَدْبُهُ۔ ترجمہ: پس اگر زخم سے خون نکلا آنکھ کے اندر ہی دوسری جانب بہہ کر جمع ہو گیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ یہ خون اُس جگہ تک نہیں آیا جس کا دھونا وضو یا غسل میں واجب یا مستحب ہو۔ یعنی اندر ہی اپنے مقام میں رہا۔ ہاں جب اپنی جگہ سے ہٹا لیا تو وضو ٹوٹ گیا لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر ایسی احتیاط سے اٹھایا کہ آنکھ کا بیرونی حصہ بالکل نہ سنا تو وضو نہیں ٹوٹے گا یہاں دم سے مراد ہر قسم کا خون ہے۔ خالص سرخ رنگ کا یا دم صدید بن کر یا دم قیح بن کر یا پانی کی شکل بن کر۔ خلاصہ یہ کہ صاحب بہارِ شریعت کا یہ مسئلہ بالکل درست اور محققۃ الفقہا ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

فتویٰ ہشتم

مولیٰ علی مولودِ کعبہ نہیں بلکہ مولودِ خانہ ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ شیعوں کی کتابوں میں لکھا ہے۔ حضرت علی شیرِ خدا کعبے میں پیدا ہوئے اس لئے شیعوں نے حضرت علی کا لقب مولودِ کعبہ رکھا ہوا ہے۔ اس طرح کہ آپکی والدہ طواف کر رہی تھیں تو ان کو دردِ زہ شروع ہوا تب کعبے کی دیوار پھٹی اور آپ اندر چلی گئیں وہاں حضرت علی پیدا ہو گئے۔ اس کی دلیل میں ایک شعر بھی لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شعر خواجہ اجمیری کا ہے۔

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت — بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

لہٰذا شیعہ کتابوں کو تو چھوڑیئے کہ علاوہ بعض سنی خطبا بھی اپنی تقریروں میں یہی بیان کرتے ہیں مگر پچھلے سال ۱۹۷۰ء میں مجھ کو حج کی سعادت نصیب ہوئی تو مکہ مکرمہ میں زیارات کرانے والے ایک معلم عربی نے بتایا کہ یہ گھر ہے جس میں مولیٰ علی کی ولادت ہوئی تھی وہ گھر مقام مروہ کے پچھلی طرف تھا ایک گلی میں۔ میں نے اس عربی سے کہا کہ فِیْ الْبَاکِسْتَانَ مَشْهُوْرٌ اَنَّ الْعَلِیَّ وُلِدَ فِی الْکَعْبَةِ تو اس نے حیران ہو کر میری طرف دیکھا اور کہا غَلَطٌ وَّلَا مُمْکِنٌ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پھر اس گھر کے اندر گئے تو وہاں ایک کمرے کے اوپر لکھا دیکھا هٰذَا مَوْلِدُ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔ گھر میں ایک معلم عربی رہائش رکھتا تھا۔ اس وقت میں نے زیارت کی اور خاموش رہا۔ اس لئے اب میں آپ سے پوچھنے حاضر ہوا ہوں کہ یہ مسئلہ کہاں تک درست ہے یا کہ ویسے ہی شیعوں نے بنالی اور مشہور کر دی ہے اور ہمارے بعض اہل سنت خطیبوں نے قبول کر لی ہے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ سائل عبدالرحیم راجوروی مظفر آباد آزاد کشمیر ۱۱-۱۰-۱۹۷۱

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں گزارش یہ ہے کہ میری دکان میں ہر وقت ہر قسم کے لوگ آتے ہیں بالخصوص شیعہ حضرات آج کل ایک مسئلہ الجھا ہوا ہے وہ یہ کہ ان شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی کی ولادت کعبے کے اندر ہوئی اس پر سنی عوام وعلما بھی اتفاق کرتے ہیں۔ خاص کر نزہۃ المجالس جلد دوم میں عبدالرحمٰن صفوری تحریر فرماتے ہیں کہ علی شیرِ خدا کی ولادت کعبے کے اندر ہوئی۔ پھر شواہد النبوۃ میں عبدالرحمٰن جامی بھی یہی تحریر فرماتے ہیں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی اپنی کتاب میں یہی تحریر فرماتے ہیں انکی کتاب کا نام۔ اِزَالَةُ الْخِفَا عَنْ خِلَافَةِ الْخُلَفَا ہے اس کے ایک اسی صفحے کی فوٹو کاپی بھی اسی خط کے ساتھ ارسال کر رہا ہوں۔ لیکن آپ نے اپنی کتاب فتاویٰ العطایا الاحمدیہ جلد دوم کے صفحہ نمبر ۱۲۸ پر لکھا ہے کہ کعبے میں ولادت ہونا کہیں ثابت نہیں ہے بلکہ مولیٰ علی کی ولادت اپنے والد حضرت ابوطالب کے گھر میں ہی ہوئی تھی۔ لہٰذا آپ ہماری رہنمائی فرمائیں اور مضبوط دلائل سے یہ مسئلہ واضح و ثابت فرمائیں۔ تا کہ شیعوں کو جواب دیا جا سکے۔ بینوا توجروا۔ دستخط سائل محمد سجاد نعیمی قادری۔ بحرین شوز کچہری روڈ مقام ایبٹ آباد ضلع ہزارہ پاکستان ۱۸-۱-۲۰۰۲

الجواب

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابُ

یہ سوال ہمیں دو جانب سے ملا۔ ایک پہلا سوال بالمشافہ دوسرا بذریعہ خط ہم نے دونوں سوال اسی ترتیب بحوالہ تاریخ یہاں درج کر دیئے تا کہ دونوں کا ایک ہی جواب دیا جائے۔ نیز پہلے سوال کا جواب اپنی کتاب تنقیدات علی مطبوعات کے صفحہ نمبر ۹۶ پر بھی لکھا جا چکا ہے وہ جواب یہاں بھی شامل تحریر کر دیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت نبی مکرم آدم علیہ السلام سے لے کر تا ایندم کبھی بھی کوئی بھی کعبہ معظمہ کی چار دیواری یعنی بیت اللہ شریف کے اندر

بلکہ پورے حرم شریف کی مسجد میں کسی بھی انسان کی ولادت نہیں ہوئی نہ کہیں ثابت ہے۔ البتہ تبع تابعین کے بعد پہلے بنی امیہ کے اہل قریش نے حکیم ابن حزام کے متعلق یہ مشہور کیا کہ وہ کعبے میں پیدا ہوئے تھے پھر انکے مقابل شیعوں نے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت علی بھی کعبے میں پیدا ہوئے تھے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں۔ تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ حکیم ابن حزام بھی اپنے والد حزام کے گھر میں پیدا ہوئے تھے اور مولیٰ علی بھی اپنے والد ابو طالب کے گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ حکیم ابن حزام کے بارے میں ابن صباغ محدث مالکی مکی اپنی کتاب التاریخ کے صفحہ نمبر ۲۰۴ پر لکھتے ہیں کہ لَمْ يُوْلَدْ فِي الْكَعْبَةِ بَلْ فِي بَيْتِهٖ وُلِدَ۔ دوسری وجہ یہ کہ حکیم ابن حزام کے واقع میں اضطراب ہے۔ کوئی کچھ لکھتا ہے کوئی کچھ لکھتا ہے۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ کی کتاب اکمال فی اسماء الرجال صفحہ نمبر ۷ پر ہے۔ حَكِيْمُ ابْنُ حَزَامٍ يُكَنّٰى اَبَا خَالِدِ الْقَرَشِيُّ الْاَسَدِيُّ وَهُوَ ابْنُ اَخِيْ خَدِيْجَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ وُلِدَ فِي الْكَعْبَةِ قَبْلَ الْفِيْلِ بِثَلٰثِهٖ عَشَرَ سَنَةً وَكَانَ مِنْ اَشْرَافِ قُرَيْشٍ وَوُجُوْهِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْاِسْلَامِ۔ وَتَاَخَّرَ اِسْلَامُهٗ اِلٰى عَامِ الْفَتْحِ وَمَاتَ بِالْمَدِيْنَةِ فِيْ دَارِهٖ سَنَةَ اَرْبَعٍ وَخَمْسِيْنَ وَلَهٗ مَاةٌ وَّعِشْرُوْنَ سَنَةً سِتُّوْنَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَسِتُّوْنَ فِي الْاِسْلَامِ وَكَانَ عَاقِلًا فَاضِلًا تَقِيًّا۔ حَسُنَ اِسْلَامُهٗ بَعْدَ اَنْ كَانَ مِنَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ۔ ترجمہ: حکیم ابن حزام جو اپنی کنیت ابو خالد رکھتے تھے قرشی اَسدی تھے اور ام المومنین حضرت خدیجہ کے ابن اخی یعنی بھتیجے تھے۔ کعبے میں مولود ہوئے تھے عام فیل سے تیرہ سال پہلے قریش کے سرداروں میں سے تھے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں قریش کی وجاہت قائم رہی۔ انکا اسلام لانا فتح مکہ تک مؤخر رہا۔ یہ مدینہ منورہ میں اپنے گھر میں ہی فوت ہوئے۔

۵۴ھ میں ان کی پوری عمر ایک سو بیس سال ہوئی۔ ساٹھ سال کفر میں اور ساٹھ سال اسلام میں بہت عاقل فاضل متقی تھے۔ ان کا ایمان حسین تھا۔ لیکن مؤلفۃ قلوب میں سے تھے۔ اکمال کی اس عبارت نے بتایا کہ مولود کعبہ حکیم ابن حزام ہے۔ لیکن علامہ عبدالرحمٰن صفوری اپنی کتاب نزہۃ المجالس جلد دوم صفحہ نمبر ۲۰۵ پر لکھتے ہیں۔ وَاَمَّا عَمْرُو ابْنُ حَزَّامٍ فَوَلَدَتْهُ اُمُّهٗ فِي الْكَعْبَةِ اِتِّفَاقًا لَاقَصْدًا۔ ترجمہ: اور لیکن عمرو ابن حزام کعبے میں پیدا ہوئے تو جنا اس کو اس کی ماں نے کعبے کے اندر اتفاقاً نہ قصداً۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ مولودِ کعبہ حکیم ابن حزام نہیں ہیں بلکہ عمرو ابن حزام ہیں۔ اسماء الرجال میں آپ کو حضرت خدیجہ کا بھتیجا فرمایا گیا لیکن اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے صفحہ نمبر ۸۱۰ حضرت خدیجہ کے بھائی لکھا گیا ہے۔ اسی طرح مولیٰ علیؓ کی ولادت میں بہت اضطراب ہے کسی نے کہا رجب میں کسی نے کہا شعبان میں کسی نے کہا تیرہ رجب کسی نے تیئس رجب لکھا کسی نے کہا بوقت اشراق کسی نے کہا بوقت عصر کسی نے کہا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد اکیلی عورت طواف کر رہی تھیں۔ کسی نے کہا کہ حضرت ابو طالب بھی ساتھ تھے۔ کسی نے لکھا کہ ابو طالب سے انکی زوجہ فاطمہ بنت اسد نے اپنی تکلیف خفیف سی دردِ زہ کا ذکر کیا تو ابو طالب ان کو کعبے کے اندر لے گئے اور خود باہر تشریف لے آئے تب علی مرتضیٰ پیدا ہوئے۔ ایک شیعہ خطیب اپنی پانچ جلدی کتاب کے پانچویں حصے میں صفحہ نمبر ۲۱۲ پر لکھتا ہے کہ عمرو ابن حزام کا کعبے میں پیدا ہونا، اتفاقی امر ہے اور حضرت علی کا کعبے میں پیدا ہونا قصدی ہے اور اس قول کی

[illegible] بحوالہ نزہۃ المجالس نقل کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کیسا احمقانہ جھوٹ ہے جس کا [illegible] پہلے من و عن [illegible] کرتے ہیں اور اتنا نہیں سوچتے کہ اہل علم ان باتوں پر کیا سمجھیں گے۔ [illegible] اتفاقی امر اچانک کام کو کہتے ہیں جس کا پہلے کسی کو پتہ نہ ہو اور قصدی امر [illegible] منصوبہ سازی [illegible] قصدی امر کا پہلے سے سب کو یا بعض مخصوص کو پتہ ہوتا ہے۔ علم الٰہی کے اعتبار سے کوئی امر بھی اتفاقی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام امور کو ازل قدیم سے جانتا ہے جو کچھ جب کبھی ہونا ہے اس کے علم و ارادے میں ہے [illegible] ہوتا ہے۔ اسی کے حکم سے ہے۔ عمر و ابن حزام ہوں یا حکیم ابن حزام ہوں یا مولیٰ علی کسی کی بھی ولادت اتفاقی امر نہیں ہو سکتا بلکہ ازلی تقدیری قصد سے ہوا ہے۔ اگر عبدالرحمٰن صفوری اور مذکورہ [illegible] کی یا اتفاق و قصد کی تقسیم اللہ تعالیٰ کے لئے ہے تو یہ کفر ہے اور اگر یہ تقسیم بندوں کے اعتبار سے ہے تو کیا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ علی مرتضیٰ [illegible] اور حضرت فاطمہ بنت اسد نے یا دوسرے قول کے مطابق حضرت علی کے والد و والدہ نے پہلے سے قصداً پروگرام اور منصوبہ بنا لیا تھا کہ عین اس دن طواف کرنے جائیں اور دردِزہ ہوتے ہی [illegible] گھر آنے کے کعبہ کے اندر کھلے دن بھرے اجتماع مردوں کی موجودگی میں گھس جائیں۔ حالانکہ خود یہ شیعہ مجتہد لکھتا ہے کہ طواف کرتے ہوئے خفیف دردزہ ہوا تھا نہ کہ شدید اور ڈاکٹری طبی ہر والد والدہ بلکہ لواحقین کا تجربہ ہے کہ خفیف دردزہ ولادت حمل سے تقریباً چار پانچ گھنٹے پہلے شروع ہوتا ہے یہ قدرت کا نظام غالباً اسی لئے ہے کہ اس عرصے میں زچہ کو ہسپتال یا محفوظ جگہ پر لایا جا سکے۔ یہی آج بھی عام تجربہ و مشاہدہ ہے تو کیا وجہ ہے فاطمہ بنت اسد اسی وقت اپنے قریبی گھر نہ آئیں جو کوہِ صفا کے قریب پچھلی طرف دار ارقم کی گلی میں تھا۔ حرم کعبہ سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا بہرحال یہ تمام اضطرابی و اختلافی اقوال ہم نے شیعہ کتب سے ہی لئے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ یہ سب دروغ گوئی ہے اور دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ اسی وجہ سے اضطراب پیدا ہو کر سب کو مشکوک کر جاتا ہے۔ سائل دوم نے اپنے سوال میں لکھا ہے کہ سنی عوام و علما بھی اتفاق کرتے ہیں کہ حضرت علی کعبے کے اندر ہی پیدا ہوئے۔ سائل نے تین سنی کتب کا نام لکھا ہے۔ لیکن میری نظر میں اس وقت پانچ کتابیں ہیں جن میں تین سنیوں کی مشہور ہیں اور دو کتابیں شیعوں کی (۱) نزہۃ المجالس جلد دوم صفحہ نمبر ۲۰۵ مصنف عبدالرحمٰن صفوری اس کتاب کی عبارت ہم نے پہلے نقل کر دی۔ (۲) شواہد النبوت جلد اول صفحہ نمبر ۲۸۰ مصنف مولانا عبدالرحمٰن جامی۔ ان دونوں کتابوں میں کعبے کے اندر پیدا ہونے کا صرف تذکرہ کیا ہے ثبوت پیش نہیں کیا اور یہ دونوں کتابیں محض وعظ کی کتابیں ہیں۔ وعظ کی کتابیں مستند اور معتبر اور قابل فتویٰ نہیں ہوتیں۔ عبدالرحمٰن صفوری تو بالکل ہی صوفی درویش تھے معمولی کتب پڑھے ہوئے تھے لیکن ولی اللہ بزرگ قریہ قریہ فی سبیل اللہ وعظ فرماتے تھے۔ چند واعظانہ کتب کے مصنف تھے مگر فقیہ و محقق نہ تھے۔ اسی طرح مولانا عبدالرحمٰن جامی علاقہ فارس کے فارسی شاعر تھے پہلے غزل گو شاعر بنے پھر نعت گو شاعر۔ علم نحو میں ان کی ایک کتاب شرح جامی بہت مشہور ہوئی یہ بھی صوفی بزرگ تھے۔ بہرحال فقیہ و محقق نہ تھے۔ شواہد النبوت بھی وعظ اور سیرت و معجزات کا مجموعہ

ہے۔ ان دونوں کتابوں کا حضرت علی کے لئے کعبے میں ولادت کا ذکر محض شیعہ کتب کی نقل ہے ایسا بلا ثبوت تذکرہ کسی حقیقۃ کی دلیل نہیں بن سکتا۔ تیسری کتاب ازالۃ الخفا جلد دوم صفحہ نمبر ۲۵۱ مصنف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ یہ شخصیت اہلسنت میں مشکوک ہے کبھی ان پر سنیت کبھی وہابیت کبھی شیعیت کا غلبہ اس لئے کسی بھی مسئلے میں انکا کوئی قول علماء اہلسنت کو قبول نہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی اکثر مسائل میں تردید فرمائی ہے۔ وہابی دیوبندی ان کو اپنا امام سمجھتے ہیں۔ نیز انہوں نے بھی ولادت مولیٰ علی کے مسئلے کو ثابت نہیں فرمایا بلکہ مستدرک حاکم کی طرف پھیر دیا ہے۔ اس لئے اب مستدرک حاکم کے متعلق کچھ تحقیقی گفتگو ضروری ہے تاکہ مولود کعبہ ہونے کی حقیقت واضح ہو۔ مستدرک کے مولف حاکم نیشاپوری کو فقہا اور محدثین زمانہ نے شیعہ رافضی کہا۔ چنانچہ امام دار قطنی اور محمد بن طاہر المقدسی نے فرمایا کہ اَلْحَاکِمُ شِیْعِیٌ وَالرَّافِضِیُ اور فقیہ امام ابو اسماعیل عبداللہ انصاری نے لکھا۔ اَلْحَاکِمُ رَافِضِیٌ خَبِیْثٌ اور امام محدث حافظ الحدیث الذہبی اپنی کتاب تلخیص علیٰ حاکم جلد سوم صفحہ نمبر ۳۲ پر لکھتے ہیں۔ عَنْ عَمْرٍو ابْنِ اَبِیْ سَلْمَۃَ حَدَّثَنَا الثَّورِیَ۔ عَنْ بَھزِبْنِ حَکِیْمٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ مَرْفُوْعًا لِمَبَارِزَۃِ عَلِیٍّ لِعَمْرِ بْنُ عَبْدِوُدٌ اَفْضَلَ مِنْ اَعْمَالِ اُمَّتِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ(قُلْتُ) قَبَّحَ اللّٰہُ رَافِضِیًا اِفْتَرَاہُ۔ ترجمہ: حاکم کی بیان کردہ یہ روایت کہ علی مرتضیٰ کا عمرو ابن ود سے جنگ کر کے اس کو قتل کرنا۔ فرمان نبوی میں سب امت کے اعمال سے تا قیامت افضل ہے۔ میں کہتا ہوں یہ روایت اسی حاکم رافضی نے خود بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رافضی کو ذلیل کرے۔ یعنی یہ روایت من گھڑت ہے اور حاکم نے بنائی ہے اور یہی حافظ ذھبی محدث اپنی کتاب میزان الاعتدال جلد سوم صفحہ نمبر ۶۰۸ پر حاکم کو شیعہ لکھتے ہیں اور اسلامی انسائیکلوپیڈیا صفحہ نمبر ۷۴۲ پر لکھا ہے کہ حاکم کی تصنیفات پر بہت تنقید کی گئی اور بعض لوگوں نے اس کو شیعہ لکھا ہے مگر جنگی نے اس کی تردید کی ہے۔ ان تمام اقوال سے ثابت ہوا کہ مستدرک حاکم ظاہراً سنی تھا باطناً شیعہ رافضی تھا۔ اس کی مستدرک حاکم جلد سوم میں صفحہ نمبر ۱۰۷ سے صفحہ نمبر ۱۴۶ تک فضائل مولیٰ علی کا باب ہے اور بہت سی روایتیں نقل کی ہیں مگر کسی بھی روایت میں ولادت علی کا ذکر نہیں کیا۔ نہ کعبے میں نہ کسی اور جگہ کا نام لیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ مولیٰ علی کی ولادت عام طریقے پر گھر میں ہی ہوئی تھی جس کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ ذکر ہمیشہ خصوصیۃ کا کیا جاتا ہے مگر مولیٰ علی کی ولادت میں کوئی خصوصیت نہ تھی جس کا ذکر ضروری ہوتا۔ اگر مولیٰ علی کی ولادت کعبے میں ہوئی ہوتی تو مناقب علی یا مناقب والدہ علی میں ضرور ذکر ہوتا۔ حالانکہ مستدرک حاکم سوم میں صفحہ نمبر ۱۰۸ پر والدہ مولیٰ علی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل لکھے ہیں۔ مگر وَلَدَتْ عَلِیًّا فِیْ جَوْفِ الْکَعْبَۃِ کے الفاظ نہیں ہیں۔ جبکہ یہ لکھنے کا اصل موقعہ یہی تھا۔ ہاں البتہ مستدرک حاکم جلد سوم صفحہ نمبر ۴۸۲ اور صفحہ نمبر ۴۸۳ پر باب ذکر مناقب حکیم ابن حزام القرشی رضی اللہ عنہ میں دو روایتیں بھی سند کے ساتھ منقول ہیں۔ پہلی روایت۔ سَمِعْتُ اَبَا الْفَضْلِ الْحَسَنِ بِنْ یَعْقُوْبَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا اَحْمَدَ مُحَمَّدَ بِنْ عَبْدِالْوَھَّابِ یَقُوْلَ سَمِعْتُ عَلِیَّ اِبْنِ غَنَامِ الْعَامِرِیَّ۔ یَقُوْلُ وُلِدَ حَکِیْمُ اِبْنُ حِزَامٍ فِیْ جَوْفِ الْکَعْبَۃِ دَخَلَتْ اُمُّہٗ الْکَعْبَۃَ فَمَخَضَتْ فِیْھَا فَوَلَدَتْ فِیْ الْبَیْتِ۔ ترجمہ: حاکم کہتے ہیں میں نے

سنا ابو اسحٰق حسن بن ... سے وہ کہتے ہیں میں نے سنا ابو محمد بن عبدالوہاب سے وہ کہتے ہیں میں نے سنا علی بن غنام عامری سے وہ کہتے ہیں کہ حکیم ابن حزام پیدا ہوئے کعبے میں اس طرح کہ داخل ہوئیں ان کی والدہ کعبے میں تو اس کو دردِ زہ شروع ہوا کعبے کے اندر ہی بلکہ انہوں نے جنم دیدیا بیت اللہ میں ہی۔ یہاں بھی حاکم نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔
دوسری روایت صفحہ نمبر ۴۸۳ پہ اس طرح ذکر ہے۔ اَخْبَرَنَا اَبُوْبَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ بَالَوَيْهِ، حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْم بْنُ اِسْحٰقَ الْحَرْبِيُّ۔ حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ فَذَكَرَ نَسَبَ حَكِيْمِ ابْنِ حِزَامٍ وَزَادَ فِيْهِ وَاُمُّهُ فاختہ بنت زُهَيْرِ بْنِ اَسَدٍ وَكَانَتْ وَلَدَتْ حَكِيْمًا فِي الْكَعْبَةِ وَهِيَ حَامِلٌ فَضَرَبَهَا الْمَخَاضُ وَهِيَ فِيْ جَوْفِ الْكَعْبَةِ فَوَلَدَتْ فِيْهَا فَحُمِلَتْ فِيْ نَطْعٍ وَغُسِلَ مَا كَانَ تَحْتَهَا مِنَ الثِّيَابِ عِنْدَ حَوْضِ زَمْزَمَ وَلَمْ يُوْلَدْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ فِي الْكَعْبَةِ اَحَدٌ قَالَ الْحَاكِمُ وَهَمَ مُصْعَبٌ فِي الْحَرْفِ الْاَخِيْرِ۔ فَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَسَدٍ وَلَدَتْ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ فِيْ جَوْفِ الْكَعْبَةِ۔ ترجمہ: پوری سند بیان کرتے ہوئے مصعب بن عبداللہ کا قول ذکر کیا کہ حکیم ابن حزام کی والدہ فاختہ بنت زہیر ایک دن کعبے میں داخل ہوئی حالانکہ وہ حاملہ تھی تو اس کو دردِ زہ لگا تو جوف کعبہ میں ہی حکیم بن حزام کو جنم دیدیا۔ یہ ایسا واقعہ ہے کہ نہ حکیم ابن حزام سے پہلے کوئی کعبے میں پیدا ہوا نہ بعد میں۔ امام حافظ ذہبی اپنی کتاب تلخیص میں لکھتے ہیں۔ قَالَ الْحَاكِمُ وَهَمَ مُصْعَبٌ فِي الْحَرْفِ الْاَخِيْرِ فَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ اَنَّ عَلِيًّا وُلِدَ فِيْ جَوْفِ الْكَعْبَةِ۔ ترجمہ: صرف مستدرک حاکم نے کہا کہ مصعب نے آخری بات میں وہم کیا پس بیشک متواتر روایتیں ہیں کہ مولیٰ علی کعبے میں پیدا ہوئے۔ حافظ ذہبی کی یہ عبارت اشارۃً حاکم کی تردید کرتی ہے یعنی پوری دنیا میں صرف حاکم کہتا ہے کہ علی کعبے میں پیدا ہوئے اور اپنے اکیلے کی بات کو متواتر روایت کہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کتنی بڑی کذب بیانی ہے حاکم کی اور حاکم کے حوالے سے اَزَالَةُ الْخِفَا کی کہ جس بات کا کہیں ثبوت نہیں اس کو متواتر کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ متواتر کی تعریف میں مقدمہ مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۶ پر ہے۔ وَاِنْ بَلَغَتْ رُوَاتُهُ عَلَى الْكَثْرَةِ اِلٰى اَنْ يَسْتَحِيْلَ الْعَادَةُ تَوَاطُئَهُمْ عَلَى الْكِذْبِ يُسَمّٰى مُتَوَاتِرًا۔ ترجمہ: اور اگر روایت کے اتنے زیادہ راوی ہوں کہ عادۃً مشکل ہو انکا جھوٹا ہونا ایسی روایت کو متواتر کہا جاتا ہے۔ علم اصول کی مشہور کتاب نور الانوار کے صفحہ نمبر ۱۷۶ پر ہے۔ وَهُوَ اِمَّا اَنْ يَكُوْنَ كَامِلًا كَالْمُتَوَاتِرِ وَهُوَ الْخَبَرُ الَّذِيْ رَوَاهُ قَوْمٌ لَا يُحْصٰى عَدَدُهُمْ وَلَا يَتَوَهَّمُ بِتَوَاتُئِهِمْ عَلَى الْكِذْبِ لِكَثْرَتِهِمْ۔ ترجمہ: اور وہ روایت یا یہ ہے کہ ہو کامل جیسے کہ متواتر روایت متواتر وہ خبر ہے جس کو اتنی بڑی قوم نے روایت کیا ہو جن کی تعداد کا جھوٹ پر جمع ہونا انکی کثرت کی وجہ سے تصور بھی نہ کیا جا سکے۔ مگر کعبے کے اندر ولادت علی کے متعلق کوئی روایت خبر متواتر تو درکنار خبر واحد یا مشہور بھی نہیں ہے خود حاکم جو اس قول کا موجد ہے انہوں نے بھی کوئی حدیث پیش نہیں کی صرف یہ کہہ دینا کہ متواتر روایتیں ہیں یہ کوئی قابل اعتبار نہیں بلکہ صاف غلط بیانی ظاہر ہے۔ اگر بہت سی روایتیں ہیں تو سامنے لاؤ۔ کہاں اور کیوں سنبھال کر رکھی ہیں۔ اسی مستدرک حاکم نے حکیم بن حزام کی ولادت پر باسند دو روایتیں پیش کر دیں مگر ولادت مولیٰ علی پر ایک چھوٹی سی

باسند روایت بھی پیش نہ کر سکے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ کعبے کے اندر ولادت کا واقعہ بالکل من گھڑت شیعوں کی ایجاد اور حکیم بن حزام کی خارجی ایجاد کے مقابل محض ضد بازی ہے اور اس بناوٹ کو چند سنی واعظوں نے تحریراً وتقریراً آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا نہ سند نہ ثبوت۔ ان چھوٹی چھوٹی واعظانہ کتابوں سے متاثر ہو کر پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ مولیٰ علی کعبے ہی کے اندر پیدا ہوئے بلکہ خود حکیم الامت بھی یہی سمجھتے تھے لیکن جب تحقیق کی گئی اور حقیقت سامنے آئی تب پتہ لگا کہ یہ قطعاً جھوٹ رافضی تبرائی شیعوں کی بناوٹ تفضیلی شیعوں کی تشہیر محض ہے۔ اور نادان سنی واعظین ہیں کہ بس لکیر کے فقیر بنے سن ہوئے جا رہے ہیں۔ سنی لوگوں کی نادانیوں کو کوئی کیا کہے۔ کبھی اسرائیلیات کے پیچھے چل پڑتے ہیں کبھی رافضیات کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ تفسیریں اسرائیلیات سے تحریریں رافضیات سے بھری پڑی ہیں۔ اس بھرمار کا نام ثبوت نہیں ہر چیز کا ثبوت مضبوط دلائل سے ہوتا ہے اور دلائل بھی اس کی حقانیت کے مطابق ہونے چاہییں۔ مولود کعبہ ہونا ایک واقعہ ہے اور واقعات کے ثبوتی دلائل قرآن مجید، احادیث مبارکہ، تاریخی بیانات اور اسماء الرجال سے ہی ہونے چاہیے مگر ولادت کعبہ کا ہونا اتنا اہم وخصوصی مگر نہ آیات سے ثبوت نہ روایات سے نہ تاریخ معتبرہ سے اگر ان سے ثبوت نہیں تو چوتھے نمبر اسماء الرجال کا ثبوت بھی معتبر نہیں۔ اس قاعدے کے تحت نہ حکیم ابن حزام کی ولادت کعبے میں ثابت نہ مولیٰ علی کی، حکیم ابن حزام کی ولادت کا ذکر بلا کسی تاریخی یا روایتی ثبوت کے اسماء الرجال میں ہے لہٰذا غیر معتبر اور ولادت علی کا ذکر تو اسماء الرجال میں بھی نہیں۔ ہاں البتہ اس بناوٹی بات کے غلط ہونے پر بہت سے دلائل ہیں۔

پہلی دلیل

سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۲۵ میں ارشاد ہے۔ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ ترجمہ: اور مضبوط وعدہ لیا ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے اس بات کا کہ وہ پاک صاف رکھیں گے میرے گھر (کعبہ) کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لئے۔ اسی طرح سورۃ حج آیت نمبر ۲۶ میں ارشاد ہے۔ وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْقَآىِٕمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ ترجمہ: اے ابراہیم پاک وصاف ستھرا رکھنا میرے گھر کعبے کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور نمازیوں رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے۔ ان دونوں آیتوں کا معنیٰ ومنشا یہ ہے کہ ہرگز ہرگز کبھی بھی کعبے میں گندگی غلاظت نہ ہونے دینا۔ تو اب سوچو کہ جو رب تعالیٰ بار بار حکم دے رہا ہے اور وعدہ لے رہا ہے کہ کعبے میں غلاظت نجاست نہ آنے پائے بھلا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ خود ہی اپنے کعبے کو زچہ خانہ بنا دے اور بار بار نفاس کی گندگی سے کعبے کو گندہ کرنے کا ماحول پیدا فرمائے اس لئے کہ ولادت بچہ انسانی ٹائم ٹیبل کے اختیار سے نہیں ہو سکتی۔ خالصتاً قدرتی پروگرام سے ہوتی ہے اور بشری تقاضوں کے مطابق ولادت حمل سے کافی گندگی پھیلتی ہے۔ اور ولادت کی نجاست تو اتنی سخت پلید ہے کہ حیض ونفاس والی عورتیں باوجود ظاہراً صاف ہونے کے پھر بھی ایام حیض ونفاس کے دوران کسی بھی مسجد میں نہیں جا سکتیں چہ جائیکہ مسجد حرام میں بلکہ کعبے میں بھلا خود اللہ تعالیٰ اس طرح گندگی پھیلانے کا پروگرام کس طرح بنا سکتا ہے۔ انسان کو کچھ تو عقل سے کام لینا چاہیے۔ کسی محبت

[illegible] نے [illegible] تعالیٰ نے زندگی کا یہ پروگرام بھی غیر مسلمہ مشرکہ کافرہ عورتوں کے ذریعے کروایا کیونکہ [illegible] دونوں عورتیں غیر مسلم مشرکہ تھیں۔ حکیم ابن حزام کی والدہ فاختہ بنت زہیر بھی اور علی مرتضیٰ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بھی اگر کعبے میں ولادت اشرفیت یا افضلیت ہوتی تو یہ کفار کو نہ ملتی بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ولادت کعبے میں ہوتی۔ اس دلیل قرآن سے بھی ثابت ہوا کہ یہ بات بالکل جھوٹ و کذب بیانی ہے اور حاکم مستدرک شیعہ رافضی کی [illegible] اس سند میں کہ مصعب بن عبداللہ نے حکیم بن حزام کو مولودِ کعبہ بنایا تو شیعوں نے سوچا ہم [illegible] علی کو مولودِ کعبہ بنا لیں گے۔ اور مصعب بن عبداللہ نے کہا کہ حکیم بن حزام کے سوا کوئی بھی مولودِ کعبہ نہیں [illegible] اگلی صدی میں علامہ شبلنجی رافضی شیعہ نے اپنی کتاب نورالابصار صفحہ نمبر ۱۳۵ پر لکھا کہ مولیٰ علی کے سوا کوئی دوسرا مولودِ کعبہ نہیں نہ پہلے نہ بعد میں۔ اُدھر عبدالرحمٰن صفوری کو جوش چڑھا تو نزھۃ المجالس صفحہ نمبر ۲۰۴ پر لکھا کہ۔ وَاَمَّا حَکِیْمُ بْنُ حِزَامٍ فَوَلَدَتْهُ اُمُّهٗ فِی الْکَعْبَةِ اِتِّفَاقًا لَا قَصْدًا وَاِنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ بِجَوْفِ الْکَعْبَةِ شَرَّفَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی وَهِیَ فَضِیْلَةٌ خَصَّهُ اللّٰهُ بِهَا۔ ترجمہ: اور لیکن عمرو بن حزام پس جنم دیا اس کو اس کی والدہ نے کعبے میں اتفاقاً نہ کہ قصداً اور بیشک علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنم دیا ان کو انکی والدہ نے کعبہ شرفہا اللہ تعالیٰ میں اور یہ علی کی فضیلت ہے خاص کیا انکو اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت سے مگر اس خصوصی فضیلت دینے کی دلیل کوئی بھی نہیں۔ بس لغویات ہیں جیسے چاہو بولتے چلے جاؤ۔ مولوی آں باشد کہ چپ نہ شود۔

دلیل دوم

جس انداز میں جن شخصیتوں کے لئے یہ واقعہ مشہور کیا گیا ہے وہ دونوں عہد نبوی میں موجود ہیں۔ حکیم ابن حزام ساٹھ سال عمر میں فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے پھر تاعمر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے ساتھ ہی رہے مگر نہ آقا ﷺ نے کبھی حکیم ابن حزام کو مولودِ کعبہ کہا نہ کسی صحابی نے۔ احادیث کی اڑتیس قسم کی کتب میں سے کسی میں بھی ولادت فی الکعبہ کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح مولیٰ علی کو کبھی کسی زبان نے مولودِ کعبہ نہ کہا۔ آقا ﷺ کی زبان اقدس نے نہ کبھی کسی صحابی نے نہ تابعی نے نہ تبع تابعی نے کسی کتاب حدیث نے نہ راوی نے نہ سند نے نہ محدث نے نہ شارح نے نہ فقہا نے نہ علما نے۔ آخر کیا وجہ کہ وہ علی جن کے بدن کو ایک دن ذرا سی مٹی لگ گئی تو تا قیامت لقب پڑ گیا ابوتراب۔ ذرہ بتوں سے نفرت دکھائے تو کرم اللہ وجہہ کی ابدی دعا ملجائے۔ بہادری کا جوہر چلائے تو اسد اللہ کہلائے، دشمن پر پلٹ کر حملہ کرے تو حیدر کرار کی شہرت پائے مگر ولادت کعبہ کی فضیلت پائے تو کسی بھی طرف سے مولودِ کعبہ کی آواز نہ آئے۔ تین صدی بعد۔ ایران کے ایک شہر نیشاپور سے محمد بن عبداللہ حاکم اپنی مستدرک سوم میں اس بناوٹ کی بنیاد ڈالتے ہیں یہ علاقہ چونکہ پہلے ہی شیعوں کا ہے اس لئے مولیٰ علی کا یہ لقب وہیں بنا اور وہیں مشہور ہوا۔ خیال رہے کہ ان دونوں واقعوں کی بناوٹ کو اس چیز نے سہارا دیا کہ حکیم ابن حزام کی والدہ حکیم ابن حزام کی ولادت کے بعد اپنے گندے کپڑے دھونے کے لئے حرم شریف میں آب زمزم کے کوئیں پر آئیں اور آب زمزم سے ان کو دھویا۔ دیکھنے والے نے سمجھا

شاید یہیں کعبے میں ولادت ہوئی جبکہ بچہ جو بعد میں حکیم ابن حزام کہلایا وہیں ایک نطع یعنی چمڑے کے ٹکڑے پر پڑا تھا۔ حالانکہ والدہ اس کو دیکھ بھال کیلئے اور کپڑوں کو دھونے کے لئے قریبی گھر سے لے کر آئی تھی۔ گھر میں پانی نہ ہونے کی وجہ سے اور کفار کو آب زمزم کی کیا قدر ہو سکتی ہے جبکہ آج نجدیوں کو بھی نہیں ہے اور مولیٰ علی کی والدہ کو طواف کرتے ہوئے دردزہ شروع ہوا تھا۔ شیعوں نے اسی درد کی ابتدا کو پوری ولادت کا سہارا بنا کر مولودِ کعبہ کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ آپکی والدہ فوراً طواف چھوڑ کر گھر چلی گئیں تھیں جو کوہِ صفا کے قریب چند قدم پر تھا۔ اور مولیٰ علی کی ولادت نہایت باپردہ شریفانہ طریقے پر اپنے گھر میں ہی ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی صحابی کسی تابعی کسی تبع تابعی، کسی محدث کسی مؤرخ کسی مُدبّر کسی مفکر کسی فقیہہ عالم نے اس تذکرے کے ذکر کو اہمیت نہیں دی۔ یہاں تک کہ اسماء الرجال میں بھی مولیٰ علی کی جاء ولادت کا ذکر نہیں ہے یہ تو زمانوں بعد چند نوعمروں کی جذباتی بناوٹ ہے۔

دلیل سوم

محقق اعظم حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے سفرنامہ دوم کے صفحہ نمبر ۲۵۳ پر لکھتے ہیں پھر آج صبح سیٹھ احمد صاحب بیرسٹر کیساتھ اندرون مکہ معظمہ کی زیارات نصیب ہوئیں۔ بیت ارقم جواَبْ سعی میں داخل ہو چکا ہے صفا کے قریب جگہ ہے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے۔ جاء ولادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو باب الصفا سے کچھ فاصلے پر ہے یہاں اب لائبریری بنی ہوئی ہے۔ مکان حضرت خدیجہ یہاں حضور کا نکاح بی بی خدیجہ سے ہوا یہاں ہی حضرت فاطمہ زہرا کی ولادت ہوئی اب یہاں مدرسہ ہے جاء ولادت حضرت علی۔ اب یہاں ایک معلم کا مکان ہے۔ یہ تمام مقامات حرم شریف سے قریب ہی ہیں اس چشم دید دلیل سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ مولیٰ علی کی ولادت کعبے میں نہیں ہوئی بلکہ انکے آبائی گھر میں ہوئی۔ اس گھر کی ہزار ہا حاجیوں نے زیارت کی ہے۔ زیارت کراتے وقت اہل مکہ ہر زائر کو اس مکان کا یہی تعارف کراتے ہیں اس لئے تواتر روایات و دیدارت و زیارات سے تو یہ گھر مولد علی ثابت ہوا نہ کہ کعبہ اور مولیٰ علی مولودِ خانہ ثابت ہوئے نہ کہ مولودِ کعبہ دوم یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ گھر جو جاء ولادتِ مولیٰ علی بنی وہ حرم کعبہ کے بالکل قریب چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ ابتدائی درد میں بخوبی گھر آ سکتی تھیں اور ایسا ہی انہوں نے کیا اور یہی ایک باعزت مہذب باپردہ باشرم باوقار بلند خاندان عورت کا کام ہے۔

دلیل چہارم

آج بھی طواف کعبہ کرتے ہوئے ایسے بہت سے مشاہدے ہیں کہ حاجیہ عورت کو دردِ زہ شروع ہوا تو معلّم سے کہہ کر فوراً ایمبولینس منگائی گئی اور نظام قدرت نے اتنی مہلت عطا فرمائی کہ ہسپتال تک ولادت نہ ہوئی۔ جب ابتداء آفرینش سے یہ نظام قدرت قائم ہے تو لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ کے مطابق ولادت مولیٰ علی میں قانون قدرت کے خلاف اتنی جلد بازی کیسے ہو سکتی ہے کہ والدہ محترمہ باعزت طریقے سے چند قدم چل کر اپنے قریبی گھر بھی نہ جا سکیں۔

دلیل پنجم

تاریخ مکہ صفحہ نمبر ۱۴ تصنیف مصنف ابو جبار میں ہے۔ وَعِنْدَ الصَّفَا سُكَّةٌ فِيْهَا دَارُ اَرْاقَمِ اَوَّلُ مَدْرِسَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ وَفِيْهَا اَيْضًا بَيْتُ اَبِيْ طَالِبِ ابْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَهُوَ مَوْلِدُ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبِ۔ ترجمہ: کوہِ صفا کے قریب ایک گلی ہے۔ جس میں دار ارقم ہے اسلام کا پہلا مدرسہ اور اسی گلی میں حضرت ابو طالب ابن عبد المطلب کا بھی گھر ہے اور وہی گھر حضرت مولیٰ علی کی جائے ولادت ہے۔ یہ جغرافیائی دلیل کتنا بڑا تاریخی ثبوت ہے۔ کیا یہ تمام ثبوت ان شیعوں اور شیعہ نواز مصنفین کی آنکھوں سے اوجھل گزریں۔

دلیل ششم

محمد ساکن اول عبد الرحیم راجو یدی صاحب اور مزور معلم کا بیان اور ہزاروں دور کے حاجیوں کا اس مقدس گھر کی زیارت کرنا کیا یہ چشم دید گواہیاں تواتر کے حد تک نہیں ہیں کیا مستدرک حاکم کے اکیلے ایک بناوٹی بیان کو بچانے کے لئے ان تمام تواریخ ومشاہدات وزیارات اور کتابت علی بیت ابو طالب اور کثیر حجاج کے بیانات کو جھٹلا دیا جا سکتا ہے۔ اتنے کثیر شہادتی بیانات پر تو شریعت کا بڑے سے بڑا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ علم اصول کا قانون ہے کہ لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ۔ ترجمہ: اکثریت سے کلیت ثابت ہوتی ہے۔ اور اکثریت سے تو حکومتیں بدل جاتی ہیں۔ اکثریت تو اللہ تعالیٰ کو بھی قبول و محبوب ہے۔

دلیل ہفتم

اندھی عقیدت کی دیوانگی کا تو کوئی علاج نہیں ورنہ اگر انسان میں ذرا سی بھی عقل ہو تو کعبہ معظم کی صدیوں پرانی کیفیت و تعمیری نقشہ دیکھ کر بھی پتہ لگ جاتا ہے کہ بلا پروگرام اچانک واتفاقاً زچگی کی صورتحال میں کوئی عورت کعبے میں نہیں جا سکتی ولادت نبوی سے تین سو سال پہلے جب تولیتِ کعبہ قبیلہ قریش کے قبضے میں آئی تو بوجہ بارشی سیلابوں کے کعبے کا فرش پانچ فٹ اونچا کیا گیا جو آج تک قائم ہے اسی حساب سے کعبے کا دروازہ بھی فرشِ کعبہ کے برابر پانچ فٹ بلند کیا گیا۔ آج تک یہی نقشہ ہے۔ فتح مکہ کے دن زید بن حارث سیڑھی لے کر آئے تھے تب اس سیڑھی کے ذریعے چڑھ کر کعبے کے اندر گئے تھے اور غلاف کعبہ تو قبضۂ قریش سے بھی پہلے پہنایا جاتا تھا۔ ان وجوہ سے کعبے کے اندر کسی کی ولادت ہونا ناممکن ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ فاطمہ بنت اسد دردِ زہ کی تکلیف کے ہوتے ہوئے بغیر سیڑھی کعبے کے اندر کیسے پہنچیں۔ سوال دوم کون سیڑھی لایا۔ سوال سوم: جتنی دیر میں سیڑھی آئی اتنی دیر میں وہیں مطاف میں ہی ولادت کیوں نہ ہوگئی اور اگر ولادت میں وقفہ ودیری تھی تو اس وقفے میں اپنے قریبی گھر کیوں نہ چلی گئیں وہیں اکیلی لوگوں کے سامنے کیوں دردِ زہ سے کراہتی رہیں۔ سوال چہارم: اولاً تو ہر عورت کو اپنے ایام فراغت کا پتہ ہوتا ہے۔ فاطمہؓ بنت اسد ایسی نازک حالت میں گھر سے نکلیں ہی کیوں با اخلاق عورتیں تو احتیاطاً پانچ چھ دن پہلے گھر سے نکلنا بند کر دیتی ہیں۔ سوال

پنجم: بعض جہلا کہتے ہیں کہ جب دردِ زہ (مخاض) شروع ہوا تو کعبے کی دیوار پھٹ گئی اور فاطمہ بنت اسد چلی گئیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ دیوار پھٹنے کی ضرورت کیا تھی۔ اس زمانے میں سارا دن کعبے کا دروازہ کھلا رہتا تھا بعد مغرب بند ہوتا تھا اور عورتیں صرف دن میں طواف کرسکتی تھیں رات میں عورتوں کو کعبے میں آنے کی اجازت نہ تھی۔ دیکھو تاریخ طبری جلد دوم و دیگر کتب تاریخ۔ سوال ششم: اگر دیوار پھٹی تھی تو کس جانب پھٹی اور چونکہ کعبے پر غلاف پڑا ہوتا تھا تو محترمہ کو کیسے پتہ لگا کہ کعبے کی دیوار کہاں سے پھٹی ہے اور کتنی پھٹی کیا اتنی پھٹی تھی کہ اس میں ایک آدمی داخل ہوسکے یا کم اگر کم پھٹی تھی تو بیکار نیز پھر وہی سوال کہ کتنی اونچائی پر دیوار پھٹی تھی اگر نیچے پھٹی تھی تو بیکار کیونکہ فرشِ کعبہ تو بلند تھا اور ہے اور اگر اوپر سے پھٹی تو پھر چڑھنے کا مسئلہ اور حالت زچگی نازک۔ سوال ہفتم: کون سیڑھی لایا۔ پھر بعد میں دیوار کسنے بند کی۔ سیمنٹ سے یا مسالے سے یا گارے سے۔ سوال ہشتم: بوقت ولادت کراہنے شور مچانے کے علاوہ رحم سے کافی گندی اشیاء بھی نکلتی ہیں اس سے فرشِ کعبہ خراب ہوا ہوگا وہ کسنے صاف کیا۔ ولادت کے فوراً بعد کئی گھنٹے زچہ عورت چلنے کے قابل نہیں ہوتی تو کون ان محترمہ کو اٹھا کر گھر لایا۔ سوال نہم: کعبہ کھلا ہوا ہے دن کا وقت ہے۔ طواف ہورہا ہے کچھ مشرکین دروازہ کعبہ کے پاس کھڑے ہوکر اندر کے بتوں کی پوجا کررہے ہیں بتوں سے دعائیں مانگ رہے ہیں کچھ مشرکین باہر کے بتوں کی پوجا کررہے ہیں۔ کچھ صفا مروہ پر رکھے ہوئے بتوں کی پوجا کررہے ہیں۔ ان طوافیوں پجاریوں میں مقامی بھی ہیں مسافر بھی ہیں غرضیکہ ارد گرد اپنوں پرایوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ اب ذرا غور کرو کہ اتنی بھیڑ اور لوگوں کی موجودگی میں سب کے سامنے ولادت ہونا کیا کوئی غیرت مند انسان اس کو برداشت کرسکتا ہے۔ سوال دہم: کعبہ کی عمارت کو اس وقت بت خانہ بنایا ہوا ہے اس لئے کعبے کے قریب آکر اس کی طرف سجدہ کرنا بھی حرام اسی وجہ سے اولاً بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھوائی گئیں اور اسی کو قبلہ اول بنانے میں یہی حکمۃ تھی۔ فاطمہ بنت اسد بھی اور انکے خاوند ابو طالب بھی حالت کفر میں تینوں کی حالت غیر اسلامی اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ تو ایسی ناپسندیدہ حالتوں میں مولیٰ علی کی ولادت ہونے میں کیا فضیلت ہوسکتی ہے۔ اس وقت عمارتِ کعبہ سے تو دیگر ذاتی گھر بہتر تھے کم از کم وہاں بت خانے تو نہ تھے۔ نیز کعبے کی عمارت میں اس وقت بعینہٖ تعمیر ابراہیمی کا تقدس بھی نہ تھا کئی تبدیلیوں کے علاوہ چار دیواریں بھی دیگر قبیلوں کی از سرِ نو تعمیر تھی۔ غرضکہ ظاہراً باطناً عقیدتاً کعبے کی چار دیواری میں اس وقت کوئی ایسی بات نہ تھی جس کو مولیٰ علی کے لئے فضیلت قرار دیا جائے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس وقت مولیٰ علی کا وجود ان تینوں چیزوں سے افضل تھا۔ اس کو کسی اور فضیلت کی ضروت نہ تھی۔ یہ دس سوالات ہیں انکے جواب ان شیعوں اور سنی خطیبوں کے پاس کیا ہیں۔ بہر کیف جہلا حمقا تو ایسی باتیں بنا سکتے ہیں مگر اہل علم اس کو کبھی نہیں مان سکتے۔ رہا وہ شعر جو خواجہ اجمیریؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ میں نے پہلے بھی سنا ہوا ہے مگر یہ ایک ہی شعر ہر ایک کی زبان پر چڑھا ہوا ہے اس کے ساتھ کا کوئی دوسرا شعر کسی کو بالکل معلوم نہیں۔ اگر یہ خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کا ہی شعر ہے تو پھر اس ایک شعر سے کسی کے مولودِ کعبہ ہونے کا ثبوت یا دلیل لینا بالکل ہی حماقت ہے۔ اس ایک شعر میں تو ظاہر ظہور اس بات کی نفی فرمائی جارہی ہے۔ یعنی شاعر فرمارہا ہے کہ دنیا

میں آج تک کسی بھی شخص کو یہ سعادت میسر نہیں ہوئی کہ اسکی ولادت کعبے میں ہوئی ہو اور وفات کے وقت مسجد کے اندر شہادت ہوئی ہو یہ دونوں سعادتیں کسی بھی ایک شخص میں جمع نہ ہوئیں نہ مولیٰ علی کو میسر نہ کسی دوسرے کو بلکہ مولیٰ علی کو تو مسجد کے اندر شہادت بھی نہ ملی آپکی شہادت کوفے کی مسجد کے دروازے پر شروع ہو کر تین دن بعد گھر میں وفات کے ذریعے مکمل ہوئی۔ صحابہ کرام میں صرف فاروق اعظم کو یہ شرف و سعادت ملی کی آپ کی شہادت بحالتِ نماز فجر محراب مسجد نبوی میں عین رکعت کی ادائیگی کے دوران ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ شیعہ لوگ اکثر ایسی ہی احمقانہ غلط باتیں بنا لیتے ہیں اور جھوٹی روایات مولیٰ علی کی گھڑتے ہیں حالانکہ مولیٰ علی کی شان میں تو آیت و روایت کثیرہ ہیں اور زمین بھری پڑی ہے تو کیا ضرورت ہے ایسی من گھڑت تحقیق کرنے کی۔ سنی بھی دیوانے ہوئے پھرتے ہیں ذرا عقل سے کام نہیں لیتے۔ بعض جاہلوں میں ولادت مولیٰ علی کا مشہور واقعہ اس طرح ہے کہ تیرہ رجب ۳۳ میلادی بوقت اشراق آپکی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد اپنی پانچ سہیلیوں کے ساتھ طواف کعبہ کر رہی تھیں کہ تیسرے چکر میں آپ کو دردِ مخاض شروع ہوا تو آپ طواف چھوڑ کر گھر تشریف لے آئیں اور گھر میں کچھ دیر بعد ولادت مولیٰ علی ہوئی۔

دلیل ہشتم

حضرت مریم کے درجے حضرت فاطمہ بنت اسد سے افضل ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درجے مولیٰ علی سے افضل لیکن ولادتِ مسیح کے وقت۔ بیت المقدس سے نکال کر دور بیت اللحم کے علاقے میں پہنچا دیا گیا۔ اگر عبادت گاہ میں ولادت ہونا جائز ہوتا یا نفاس والی عورت کا کسی بھی مسجد میں آنا جائز ہوتا تو حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مستحق کون ہو سکتا تھا جبکہ حضرت مریم تو پہلے ہی ہر وقت محراب بیت المقدس میں رہتی تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ولادت وہاں نہ ہونے دی بلکہ دور نکال دیا۔ یہی شرعی حکم بھی ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

فتویٰ نہم

زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی تملیک واجب ہے کسی وقف ادارے کی تعمیر وغیرہ پر لگانا ناجائز ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ آج سے دس سال قبل ۱۹۹۱ء میں ہم نے برطانیہ کی ایک مسجد کے لئے پاکستان سے ایک مولوی صاحب کو بطور ٹیچر بلایا پھر ان کو ہی مسجد کا امام وخطیب بنا لیا۔ پھر وہ خود ہی چیف امام بن کر اپنے آپکو چیف امام کہنے اور لکھنے لگے ہم کو ان کے چند کردار وکارنامے حسب ذیل شریعت کے خلاف نظر آئے اس لئے یہ شرعی فتویٰ درکار ہے۔ (۱) آج سے سات سال قبل ۱۹۹۵ء میں ہم نے مرکزی جامعہ مسجد کے ساتھ ایک دارالعلوم

بنانے کی تجویز بنائی اور دار العلوم کیلئے ساٹھ ہزار پونڈ سے ایک بلڈنگ خریدی اس کا نام دار العلوم نمبر دوم رکھا گیا۔ مقامی انتظامیہ نے پوری جامعہ مسجد بنائی خریداری بلڈنگ سے تعمیر و تزئین تک کبھی ایک پنس بھی زکوٰۃ یا فطرہ وغیرہ کا خرچ نہ کیا اسی طرح اب جبکہ دار العلوم کے لئے بلڈنگ خریدی گئی تو بھی زکوٰۃ و صدقات کا ایک پنس بھی چندہ نہ کیا گیا نہ لیا گیا عوام مسلمانوں نے بطور عطیہ لاکھوں پونڈ چندہ دیا جس سے یہ سب دینی کام یعنی خرید و تعمیر و تزئین انجام پاتے رہے نہ ہی ان چیف امام سے پہلے کسی عالم دین امام و خطیب نے ان مسجدوں و مدرسوں کیلئے زکوٰۃ کے چندوں کا اعلان کیا۔ نہ کسی انتظامیہ کمیٹی نے ان امور تعمیرات کے لئے زکوٰۃ وصول کی لیکن جب ہمارے اس دار العلوم کی تعمیر کا وقت آیا یعنی ۱۹۹۶ء میں تو انہی چیف امام صاحب نے ایک جلسہ منعقد کیا اور اس بھری محفل کی ایک گھنٹہ تقریر میں چیف امام نے بار بار اعلان کیا کہ مسلمانوں اپنی زکوٰۃ صدقات سے دل کھول کر تعمیر دار العلوم کیلئے چندہ دو اور فرمایا کہ میں گارنٹی دیتا ہوں کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ مساجد و مدارس کی تعمیر میں لگ سکتے ہیں اور گھنٹے بھر کی تقریر میں بار بار یہی کہتے رہے کہ تعمیر مدارس و مساجد میں زکوٰۃ و صدقات لگانا خرچ کرنا جائز ہے۔ نہ کوئی پابندی ہے نہ کوئی بندش۔ انتظامیہ کمیٹی نے انکے بتائے ہوئے اس مسئلے پر مکمل یقین اور ایمان رکھتے ہوئے مقامی مسلمانوں سے اپیل کی کہ ہر مسلمان کم از کم پانچ سو پونڈ سے تعمیر میں تعاون کرے۔ تب مسلمانوں نے تعمیر مدرسہ کیلئے خوب بھر پور تعاون سے چندہ دیا جن میں زکوٰۃ بھی تھی اور غیر زکوٰۃ عطیہ بھی مگر بجز چند لوگوں کے نہ لوگوں نے زکوٰۃ کا بتایا نہ اس نئے مسئلے و گارنٹی جواز کی بنا پر ہم نے ہی زکوٰۃ کی رقم علیحدہ رکھی بلکہ بلا تفریق تمام رقم تعمیر دار العلوم پر خرچ کی گئی۔ ہمارے اندازے میں تعمیر دار العلوم کے چند ماہ ہم کو زکوٰۃ کے پونڈ تقریباً تیس ہزار ملے۔ (۲) ان ہی چیف امام نے دیگر بیرونی مدارس کی خریداری کیلئے بھی بڑی دلیری کے ساتھ اپنی اسی مسجد کے اجتماع مسلمین سے زکوٰۃ و صدقات کی اپیل کی اور دوسری مساجد و مدارس کی خریداری وغیرہ کے لئے دیگر چندہ گیروں کو زکوٰۃ کے چندے دلواتے رہے اور اُس وقت اعلان چندہ میں کہتے رہے کہ زکوٰۃ کا مال تعمیر مدارس میں خرچ کرنا جائز ہے۔ (۳) کچھ عرصہ پہلے ہم نے ایک اور دوسرے خطیب صاحب کو پاکستان سے بلوایا۔ ان موجودہ خطیب صاحب نے ایک دن درس قرآن مجید کے دوران فرمایا کہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی رقم تعمیر مساجد یا مدارس میں لگانا خرچ کرنا قطعاً ناجائز ہے اور ان لوگوں کے وہ صدقات واجبہ اور زکوٰۃ و فطرہ ابھی تک ادا نہیں ہوئی جو اس دار العلوم یا کسی بھی دار العلوم کی تعمیر پر لگائے گئے یہ مسئلہ سن کر چیف امام نے بہت شور مچایا کہ نئے خطیب کا یہ مسئلہ غلط ہے اخبار میں بھی اپنے حق میں ایک بیان دے دیا۔ پھر لندن کے ایک مولوی صاحب سے چند ورقی ایک فتویٰ لکھوا کر لے آئے جو ۱۹-۰۱-۲۰۰۲ کو لکھا گیا اور چند دن بعد ہمیں ملا۔ ہمارے موجودہ امام و خطیب فرماتے ہیں کہ یہ فتویٰ درست نہیں۔ میں اس سے مطمئن نہیں۔ یہ غلط فتویٰ یا زر خرید ہے یا دباؤ میں آ کر لکھا گیا ہے۔ لیکن سابقہ چیف امام خوب شور مچا رہے ہیں کہ نئے مولوی امام نے مسئلہ بتا کر فتنہ برپا کر دیا۔ علماء حق کا وقار مجروح کیا اور عوام کو تشکیک میں مبتلا کیا۔ (۴) انڈیا سے ایک مولوی صاحب کو بلایا گیا جس نے اپنی انگلیوں میں دو انگوٹھیاں پہنی ہوئی تھیں۔ ہمارے نئے خطیب صاحب

نے ان کو حدیث پاک دکھا کر منع کیا کہ مسلمان مرد کو بحکم حدیث پاک بیک وقت دو انگوٹھیاں پہننا منع ہے۔ ان مولوی صاحب نے غصے کر کہا تو چیف امام بحکم حدیث پاک سے بے پرواہی کرتے ہوئے کہنے لگے کوئی بات نہیں تم الٹی سیدھی کر کے دونوں پہنے رہو لہٰذا مولوی مذکور نے انگوٹھی نہ اتاری نئے خطیب فرماتے ہیں کہ سابقہ امام مذکور چیف نے سراسر حدیث پاک کی گستاخی کی ہے اور مولوی مذکور سے حکم عدولی کرائی ہے۔ (۵) اب کچھ عرصے سے ان خود ساختہ چیف امام صاحب نے دوبارہ جنگ شروع کر دی ہے اور دارالعلوم کو بھی وہ اپنا پیرخانہ بنانا چاہتے تھے اور دارالعلوم پر اپنا نام لکھوانا چاہتے تھے مگر ہم نے پسند نہ کیا۔ جس پر وہ بہت ناراض و مایوس ہوئے۔ اب انہوں نے ایک بلڈنگ خریدی ہے اپنے نام پر جس کے ایک حصے میں مع اہل و عیال اپنی ذاتی رہائش اور دوسرے حصے میں مدرسہ جامع الزہرہ نام کا بورڈ لگا کر مدرسے کی تعمیر کا اعلان ہے۔ اس مدرسے میں پیرخانہ گیارہویں شریف پیری کی مجلسیں سجیں گی۔ اسی ذاتی گھر کے لئے بذریعہ اشتہار زکوٰۃ صدقات واجبہ فطرہ وغیرہ مانگ رہے ہیں۔ جبکہ یہ چیف امام خود امیر بھی ہیں اور سید بھی پھر بھی زکوٰۃ لیتے پھرتے ہیں۔ غرضیکہ جب سے نئے خطیب آئے ہیں اور انہوں نے زکوٰۃ کا مسئلہ بتایا۔ سابقہ چیف اور ان کے مریدین بھی اس مسئلے سے اور نئے امام صاحب اور انتظامیہ کمیٹی سے سخت ناراض ہیں۔ اس لئے براہ کرم تحریری فتویٰ عطا فرمایا جائے کہ کیا پہلے خطیب چیف امام کا زکوٰۃ لینا اور اپنے ذاتی گھر پر لگانا جائز والا مسئلہ درست ہے یا نئے امام و خطیب کا بیان کردہ مسئلہ زکوٰۃ لگانا ناجائز والا درست ہے۔ اور کیا دولتمند سید کو اپنے ذاتی مکان پر زکوٰۃ وغیرہ کی رقم لگانا جائز ہے؟ اور یہ کہ فتنہ پروری و شرارت کا مرتکب کون ہو رہا ہے۔ پہلے خطیب چیف امام یا دوسرے خطیب نئے امام اور اگر چیف امام کی ساری باتیں غلط خلاف شریعت ہیں تو کیا آئندہ ایسے شخص کے پیچھے نمازیں پڑھنی جائز ہیں یا ناجائز اور بتایا جائے کہ لندن سے آیا ہوا فتویٰ صحیح ہے یا غلط۔ کیا ایسا شخص جو غلط فتویٰ لے یا دے امامِ قوم کہلانے کا حقدار ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔ دستخط سائلان حاجی محمد بشیر، حاجی لعل دین، محمد سلطان، حاجی پنوں خان، قاری سید تنویر الحسن، نائب خطیب و امام مسجد ہذا۔ ۲۰۰۲-۰۲-۲۰ بروز بدھ، مطابق ۷ ذی الحج ۱۴۲۲ھ۔ ۱۴۲۲-۱۲-۷)

اس سال لوگوں نے پھر ہمیں زکوٰۃ دی تقریباً سولہ ہزار مگر ہم نے انہی لوگوں کو واپس کر دی کہ خود مستحقین کو پہنچا دو۔

الجواب

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابُ

صورۃ مسئولہ میں بحیثیت مفتی اسلام میں نے حتی المقدور تحقیق و تفتیش کی۔ سائلین مذکورین نے تمام ضروری تحریری بیانات، اخباری تراشے مدعیٰ علیہ کی تحریرات اور لندن سے منگوایا ہوا فتویٰ اور دیگر ضروری کاغذات میرے پاس مہیا کیں اور میں نے کئی بار سب تحریریں بغور پڑھیں۔ اِن تحریروں کی تحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ نئے امام صاحب کا موقف درست ہے اور مدعیٰ علیہ چیف امام کا موقف قطعاً غلط ہے اور چیف صاحب کا کردار و کارنامہ گناہِ کبیرہ و ظلم عظیم ہے۔ گناہ

اس لئے کہ قرآن مجید کے حکم حدیثِ مقدس کے مقصد فقہاء کرام کے ضابطے شارحین عظام و مفسرینِ بالا مقام کے فرمودات کے خلاف ہے اور عقل و قیاس کے مخالف ہے۔ ظلم اس لئے کہ انہوں نے اپنے غلط نظریئے کے ذریعے زکوٰۃ و صدقات واجبہ کا مال خلافِ شریعت اور غیر مصرف پر لگوایا خرچ کروایا اور قانونِ اسلامی اصول میں ہر وہ چیز جو اپنے مَصرف و موضوع لہٗ سے ہٹا کر رکھی و لگائی جائے وہ ظلم ہے۔ پہلے امام چیف نے زکوٰۃ و صدقات غلط جگہ لگوا کر تین ظلم کئے۔ پہلا اپنی جان پر دوم مالِ زکوٰۃ پر۔ سوم مستحقینِ زکوٰۃ غربا فقرا پر اور جو فتویٰ اپنی تائید میں حاصل کیا وہ بھی علمی، فکری، عقلی اعتبار سے اماناً و دیاناً غلط ہے۔ فتویٰ لکھنے والے نے ذرہ بھر علم و تدبر سے کام نہیں لیا۔ ایسی صاف غلطیاں اور توڑ موڑ کی گئی جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ فتویٰ یاد باؤ میں لکھا گیا ہے یا زر خریدی میں کیونکہ قانون شریعت کے مطابق کوئی بھی صدقہ فرضی ہو یا واجبی غربا کے لئے اسکی تملیک لازم ہے۔ کسی وقف یا غیر وقف ادارے یا مسجد یا مدرسے دار العلوم تعلیم و تربیت گاہ یا کسی رفاہِ عام جگہ گلی، سڑک یا قبرستان یا کسی ہسپتال، سکول وغیرہ کی خرید و تعمیر و تزئین کیلئے استعمال کرنا سخت ناجائز ہے منشاء الٰہی کے خلاف ہے۔ یہ مال صدقات آیت و روایت کے حکم سے فقرا کے لئے ہے۔ فقیری، غریبی، عمومی، دائمی ہو یا وقتی عارضی و خصوصی ہو، کلی ہو یا جزئی۔ اس متفقہ مسلک و شرعی قانون ابدیہ پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔ پہلی دلیل سورۃ توبہ آیت نمبر ۶۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ ترجمہ: صدقات صرف فقیروں کی ملکیت کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے بھی اور ان لوگوں کی مقررہ تنخواہ کیلئے بھی جو زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے حکومت کی جانب سے عاملین مقرر ہوں اور نو مسلم مولفۃ قلوب کیلئے بھی اور مکاتب غلاموں کو غلامیۃ سے چھڑانے کے لئے بھی اور غریب مقروضوں کو قرض سے چھڑانے میں بھی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے والوں کی ضروریات کیلئے امداد میں بھی اور سفر میں غریب ہو جانے والے مسافروں کو وطن واپس پہنچانے کی امداد میں بھی جو بحالتِ سفر غریب ہو جائیں۔ یہ زکوٰۃ صدقات اور انکے مصارف اور مستحقین۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ فرائض ہیں۔ اس آیت پاک سے پانچ باتیں ثابت ہوئیں۔ پہلی یہ کہ لفظ اِنَّمَا نے بتایا کہ زکوٰۃ وغیرہ صرف ان آٹھ قسم کے غریبوں کے لئے ہیں۔ یعنی ان مصارف کے علاوہ کسی بھی جگہ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ خرچ نہیں کئے جا سکتے۔ دوم یہ کہ لفظ صدقات نے بتایا کہ صدقہ ایک قسم کا نہیں بہت سی اقسام ہیں تقریباً چار قسمیں (۱) سالانہ نصاب کی زکوٰۃ (۲) ماہِ رمضان میں فطرہ (۳) شرعی عملی جرم کا کفارہ مالی (۴) کسی مسلمان کی منت کا مال۔ سوم یہ کہ لِلْفُقَرَآءِ کے لام نے بتایا کہ مال زکوٰۃ و صدقہ ان آٹھ قسم کے غریبوں میں سے جس کو دینا چاہو تو مستقل و مکمل اس غریب کی ملکیت کر دو پھر وہ جیسے چاہے خرچ کرے کیونکہ لام ملکیت کا ہے۔ چہارم یہ کہ لفظ فقراء نے بتایا کہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے اصل حقدار اور مستحق صرف غریب لوگ ہی ہیں اگرچہ غریبی دائمی ہو جیسے فقرا و مساکین یا غریبی عارضی ہو جیسے عاملین زکوٰۃ اور مؤلفۃ قلوب نو مسلم اور مکاتب غلام یا قرضے میں پھنسے ہوئے غریب مقروض مسلمان یا جیسے مجاہد اور سفر حج میں غریب ہو

یعنی ادا ہونے تک غریب طالب علم جیسے تا تکمیل بحالت سفر غریب ہو جانے والا کوئی مسافر مسلمان۔ یہ چھ قسم کے لوگ اگرچہ اصلی دائمی محتاج نہیں مگر اپنی وقتی عارضی مجبوری میں غریب ہی ہیں۔ ایسے ہی عاملین زکوٰۃ اپنے عمل کے دوران دوسری نوکری و مزدوری نہیں کر سکتے اس لئے ضروریات زندگی کی گزر اوقات میں وہ محتاج تنخواہ ہیں لہٰذا غریب ہیں پس ان کی محتاجی اور وقتی غربت دور کرنے یا گزر بسر جاری رکھنے کی امداد میں زکوٰۃ فنڈ سے تنخواہ لینا دینا شرعاً جائز ہے۔ یہاں آیت میں پہلے چار مصارف کیلئے لام ملکیت ارشاد ہوا۔ جس نے بتایا کہ یہ چار قسم کے غربا مطلق غریب و اصلی محتاج ہیں ان کے لئے انکو بلا قید و شرط کے مطلق مالک کر دیا جائیگا۔ یہ غربا لوگ مال زکوٰۃ وغیرہ کے مالک بن کر جہاں چاہیں اپنی ہر ضرورت میں خرچ کر سکتے ہیں بلکہ ہدیۃً بھی جسے چاہیں دے سکتے ہیں۔ پنجم یہ کہ تفسیر روح البیان و دیگر چند تفاسیر میں اس آیت کے بیان میں فرمایا کہ وَفِي الرِّقَابِ میں فی ظرفیہ سببیہ ہے۔ كَمَا يُقَالُ عِنْدَ أَهْلِ الْعَرَبِ يُحْبَسُ فُلَانٌ فِي الْقَرْضِ أَيْ بِسَبَبِ الْقَرْضِ۔ ترجمہ: جیسے کہ اہل عرب کے محاورے و اصلاح میں کہا جاتا ہے کہ فلاں قرض میں قید کیا گیا یعنی قرض کی وجہ سے قید کیا گیا۔ یہ محاورہ تو اردو زبان میں بھی رائج ہے۔ عام کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص چوری میں گرفتار ہوا یعنی چوری کرنے کی وجہ سے پکڑا گیا۔ وہی محاورہ یہاں مراد ہے اور آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ صدقات و زکوٰۃ کا مال مکاتب غلام کی غلامیت ختم کرنے اور غریب مقروض کو قرض سے بچانے کے لئے دیا جائے۔ ان چار میں حرفِ لام نہیں بلکہ حرف فی ہے جس نے بتایا کہ یہ دیگر چار قسم کے غریب لوگ مالِ زکوٰۃ کے مالک بن کر یہ مال اپنی دیگر ضروریات میں خرچ نہیں کر سکتے۔ بلکہ مکاتب صرف اپنی کتابت ختم کرنے میں اور غارمین یعنی مقروض لوگ صرف اپنا قرض اتارنے میں اور غریب مجاہد اپنا جنگی سامان خریدنے میں اور غریب طالب علم اپنی علمی ضروریات مہیا کرنے میں مسافر غریب اپنے وطن واپس آنے میں اور حاجی غریب ہو جائے تو اپنی ضروریاتِ حج پوری کرنے اور کرایہ واپسی میں خرچ کر سکتا ہے۔ کسی دوسری ضرورت میں یا کسی کو ہدیہ تحفہ دینے میں لیا ہوا مالِ زکوٰۃ و صدقات خرچ نہیں کر سکتے۔ تفسیرِ خازن (لباب التنزیل) جلد دوم میں اسی آیت پاک کے تحت ہے کہ فی کے بعد لفظ نَفَقَةِ پوشیدہ ہے اور اس میں تین قسم کے عارضی غریب مراد ہیں۔ اولاً غریب مجاہد، دوم غریب طالب علم، سوم غریب ہو جانے والا حاجی مسافر لیکن امام محمدؒ کے نزدیک فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ میں غریب مجاہد اور غریب طالب علم مراد ہیں اور اِبْنِ سَبِيْل میں وقتی غریب ہو جانے والا حاجی اور وقتی غریب ہو جانے والا مسافر مراد ہے۔ یہاں آیت مقدسہ میں دوبارہ فی ارشاد ہونا تاکید کے لئے ہے۔ بعض حمقا نے سمجھا یہ فی کا دوبار ہونا اہمیت بتانے کے لئے ہے مگر یہ بات غلط ہے۔ غرضکہ یہ آٹھوں مصرف صرف غربا کی غربت ہے اور ان سب میں مال زکوٰۃ وغیرہ کے لئے دینے کا جواز صرف انکا غریب ہونا ہے اگر انمیں سے کوئی عارضی یا دائمی غریب نہ ہوگا یا نہ رہے گا تو اس کو مالِ زکوٰۃ وغیرہ نہ دینا جائز نہ لینا جائز۔ اگر کسی شخص نے بلا تحقیق و تفتیش زکوٰۃ یا فطرہ۔ منت یا کفارہ کا صدقہ دے دیا تو ادا نہ ہوگا دوبارہ دینا پڑیں گے۔ زمانہ نبوی میں زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصرف تھے پھر زمانہ صحابہ میں اجماع صحابہ نے مولفۃ قلوب کا مصرف ختم فرما دیا کیونکہ اب تالیف قلوب کی ضرورت نہ رہی ہاں البتہ غریب

مسکین نو مسلم کی غربت دائمی دور کرنے کے لئے اب بھی مال زکوٰۃ لینا دینا جائز ہے یہ تالیف نہیں بلکہ تعاونِ اسلامی ہے۔ پھر اب مرورِ زمانہ سے مکاتبت بھی ختم ہوگئی لہٰذا وَفِی الرِّقَابِ کا مصرف بھی ختم ہوگیا۔ ایسے ہی اب رضا کارانہ لشکر سازی بھی نہ رہی بلکہ اب ہر ملک میں مستقل مضبوط تنخواہ دار حکومتی انتظام سے فوجیں بنادی گئیں ہیں۔ اب ہر فوجی کی تمام ضروریات ملکی حکومت پر ہوتی ہے اس لئے فی سبیل اللہ میں سے یہ مصرف بھی فی الحال تقریباً ختم ہی ہے۔ لہٰذا اگر اب کوئی شخص کہے کہ میں نے جہاد پر جانا ہے میں غریب ہوں سامانِ جنگ خریدنے کے لئے مجھے زکوٰۃ وغیرہ دو تو دینا جائز نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت پاک کا لفظ لفظ بتا رہا ہے کہ زکوٰۃ صرف غریب آدمی کو ہی دے سکتے ہیں اور ادائیگی زکوٰۃ یہ ہے کہ غریب مسلمان کو مکمل خود مختار مالک بنادیا جائے گھر بٹھا کر دعوت کھلا دینے سے بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

دلیل دوم

مشکوٰۃ شریف کتاب الزکوٰۃ فصل اول صفحہ نمبر ۱۵۵ پر ہے۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ اِنَّکَ تَاتِیْ قَوْمًا اَھْلَ کِتَابٍ۔ فَادْعُھُمْ اِلٰی شَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ (الخ) فَاَعْلِمْ ھُمْ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُوْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ۔ (الخ) مُتَّفِقٌ عَلَیْہِ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ سے کہ آقاء کائنات نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف روانہ فرماتے وقت فرمایا کہ اے معاذ تم قوم اہل کتاب کی طرف جارہے ہو۔ تو پہلے ان کو اس ایمان کی طرف دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اگر وہ قوم اس پر ایمان لانے میں فرماں برداری کریں تو پانچوقتہ فرضیہ نماز کی دعوت دینا اس کو بھی مان لیں تو انکو زکوٰۃ کی فرضیت بتانا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر سالانہ زکوٰۃ فرض فرمائی ہے۔ یہ زکوٰۃ دولت مند مسلمانوں سے لے کر غریب فقیر مسلمانوں کو دیجاتی ہے۔ یہ حدیث مقدس بخاری و مسلم نے روایت کی اور مستدرک حاکم جلد سوم میں بھی یہ حدیث مقدس موجود ہے۔ اور سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۷۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْھَا وَتُؤْتُوْھَا الْفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ؕ۔ ترجمہ: اگر اے مسلمانوں تم اپنے صدقات ظاہر کر کے نکالو تو بھی ٹھیک ہے اور اگر چھپا کر نکالتے اور صرف فقیروں کو دیا کرو تو وہ یہ ادائیگی تمہارے لئے بہت ہی خیر ہے۔ حدیث دوم۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الزکوٰۃ۔ تیسری فصل صفحہ نمبر ۱۵۷ پر ہے۔ عَنْ عَائِشَۃَ (صِدِّیْقَہ) رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ۔ یَقُوْلُ مَاخَالَطَتِ الزَّکٰوۃُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَھْلَکَتْہُ۔ رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ وَالْبُخَارِیُّ فِیْ تَارِیْخِہٖ وَالْحُمَیْدِیُّ۔ وَقَالَ اَحْمَدُ فِیْ خَالَطَتْ تَفْسِیْرُہٗ اَنَّ الرَّجُلَ یَاخُذُ الزَّکٰوۃَ وَھُوَ مُوْسِرٌ اَوْغَنِیٌّ۔ وَاِنَّمَا ھِیَ لِلْفُقَرَاءِ۔ ترجمہ: روایت ہے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے انہوں نے فرمایا میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے آپ فرماتے ہیں جب کبھی بھی مال زکوٰۃ کسی کے مال میں مخلوط و شامل ہوگی تو اس کو ہلاک ہی کرے گی۔ (مالک کو یا مال کو) اس کو روایت فرمایا امام شافعیؒ نے بھی اور امام بخاریؒ نے بھی اپنی کتاب التاریخ میں اور محدث حمیدیؒ نے بھی اور امام احمدؒ

نے غنا کے لئے کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ یعنی کوئی مسلمان صاحب نصاب امیر دولت مند ہو یا بہت غنی ہو پھر بھی اپنے لئے لوگوں سے زکوٰۃ مانگے ... (الرماوی حدیث و قرآن سے) مال زکوٰۃ صرف فقیروں کیلئے ہی ہے۔ یہی حکم دیگر صدقات واجبہ کا ہے۔ چنانچہ صدقہ فطر کے متعلق حدیث شریف میں ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب صدقۃ الفطر فصل ثانی صفحہ نمبر ۱۶۰ پر ہے۔ وَعَنْهُ (ای عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ) قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرُ الصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ۔ ترجمہ: روایت ہے انہی یعنی عبداللہ ابن عباس سے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر فرض فرمایا۔ مسلمانوں کے روزوں کو لغویات اور بے ہودگیوں سے پاک وستھرا کرنے کے لئے اور مسکینوں غریبوں کی خوراک و طعام کے لئے۔ ان تمام آیتوں روایتوں سے صاف اور واضح ثابت ہوا کہ مال زکوٰۃ وغیرہ تمام صدقات فرض واجبہ صرف فقیروں مسکینوں کے لئے ہی ہیں۔ کتنا ظالم ہے وہ شخص جو غریبوں مسکینوں سے چھین کر قرآن و حدیث کی سراسر مخالفت کرکے، دوسری جگہ مال زکوٰۃ خرچ کرے کرائے اور انتہائی ضد و جہالت سے بلا دلیل اپنی من مرضی کرے۔ کیا ایسے ظالم کو حساب قیامت و عذاب آخرت کا خوف نہیں ہے۔

دلیل سوم

احادیث مطہرات سے ثابت ہے کہ تبلیغ نبوی چار قسم کی ہی ہوتی رہی (۱) تبلیغ قولی (۲) تبلیغ عملی سنۃ موکدہ قریب الواجب (۳) تبلیغ عملی سنت غیر موکدہ لِلْاِسْتِحْبَابِ (۴) تبلیغ عملی سنۃ غیر موکدہ للجواز یعنی سنت موکدہ وہ عمل شریف ہے جو واجب تو نہیں مگر وجوب کے قریب اور مثل واجب ہر مسلمان پر لازم ہے اور تارک گناہگار ہے لیکن سنت غیر موکدہ مستحبہ وہ عمل شریف ہے جو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی ادا فرمایا کبھی چھوڑ دیا ایسا عمل نبوی ہر مسلمان پر ہر وقت بہتر ہے مگر تارک گناہگار نہیں سنۃ غیر موکدہ مستحبہ سے عمل کا استحباب ثابت ہوتا ہے اور سنۃ غیر موکدہ للجواز۔ وہ عمل شریف جو نبی کریم ﷺ نے صرف ایک دفعہ ادا فرمایا یا کسی صحابی کو کرتے دیکھا یا کسی صحابی نے کسی تابعی کو کرتے دیکھا مگر منع نہ فرمایا۔ سکوت و خاموشی فرمائی۔ صرف یہی وہ عملی تبلیغ ہے جس سے تا قیامت اعمال امت کا جواز یا عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔ جس کام کو نبی کریم ﷺ نے یا صحابہ کرام نے زندگی بھر کسی بھی شکل میں ادا نہیں فرمایا حالانکہ ان چیزوں اور اس کام کا وجود اس زمانے میں موجود تھا۔ تو وہ امت مسلمہ کے لئے ہرگز ہرگز کسی بھی وقت کسی بھی شکل میں جائز نہیں۔ اس شرعی ضابطے کے تحت ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ اقدس اور زمانہ صحابہ کرام و زمانہ تابعین و تبع تابعین میں بلاد اسلامیہ کے اندر ہزاروں مسجدیں، مدارس، تعلیمی ادارے، تربیت و تبلیغ گاہیں تعمیر کئے گئے مگر کسی بھی مسجد یا مدرسے وغیرہ کی خرید و تعمیر و تزئین میں زکوٰۃ و فطرہ وغیرہ کا مال ذرہ برابر خرچ نہ کیا گیا۔ پوری تاریخ اسلام میں اس کا کہیں ثبوت نہیں۔ اگر یہ کام جائز ہوتا تو کم از کم ثبوت جواز کیلئے ایک دو مثال تو قائم ہوتی۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ نمبر ۴۹۴ پر بحوالہ احادیث و تواریخ ہے کہ عہد فاروقی میں ایک ہزار تریسٹھ علاقہ فتح ہوئے جن میں فاروق اعظمؓ نے چار ہزار مسجدیں بنوائیں۔ ایک ہزار نو سو منبر بنوائے اور اتنے کثیر مسلمان ہوئے کہ چار ہزار کنیسے یعنی یہود و نصاریٰ کے گرجے ویران ہو

گئے۔ ان میں سے کوئی مسجد یا منبر زکوٰۃ فنڈ سے نہ بنایا گیا۔ آج چودھویں صدی کے بعد ایک شخص مدعیٰ علیہ اور اس کا تائیدی مفتی نکل پڑا۔ ایسے ہی غلط کار تائیدیوں کے متعلق قرآن مجید میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔ وَلَاتَكُنْ لِّلْخَائِنِيْنَ خَصِيْمًا۔ (سورۃ نساء آیت نمبر ۱۰۵) ترجمہ: اور اے مسلمان تو کبھی بھی کسی خیانت کرنے والے شخص کا تائیدی طرفدار اور وکیل صفائی نہ بننا۔ مسلمانوں سے زکوٰتیں وصول کر کے غلط جگہ یا اپنے مفاد میں خرچ کرنا یہ بھی بدترین اور بڑی خیانت ہے کیونکہ مسلمانوں کی زکوٰۃ برباد کرنا ہے اور عذاب الٰہی کو بلانا ہے۔ اس فرمان الٰہی کے تحت مدعیٰ علیہ چیف امام اور اس کا تائیدی مفتی دونوں برابر کے شرعی مجرم ہیں۔

دلیل چہارم

فتاویٰ درمختار شرح تنویر الابصار جلد اول صفحہ نمبر ۸۶ پر ہے۔ وَلَا يُصْرَفُ مَالُ الزَّكٰوةِ وَالْفِطْرِ لِلْاَوْقَافِ لِعَدَمِ التَّمْلِيْكِ وَهُوَ رُكْنٌ۔ اور اس کی شرح فتاویٰ رد المحتار شامی اسی صفحہ نمبر ۸۶ پر ہے۔ وَكَذَا كُلُّ صَدَقَةٍ وَّاجِبَةٍ۔ ترجمہ: کسی بھی اوقاف میں مال زکوٰۃ وفطرہ خرچ نہ کیا جائے۔ اس طرح خرچ کرنا قطعاً ناجائز ہے اس لئے کہ اوقاف میں تملیک نہیں ہوسکتی حالانکہ شرعاً تملیک یعنی کسی غریب کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دینا فرض رکنی ہے۔ فتاویٰ فتح القدیر جلد ہشتم صفحہ نمبر ۸۵ پر ہے۔ لَايُصْرَفُ اِلٰى مَجْنُوْنٍ وَّلَا صَبِيٍّ غَيْرِ مُرَاهِقٍ وَلَا يُصْرَفُ اِلٰى مَسْجِدٍ وَّلَا اِلٰى كَفَنٍ لِعَدَمِ صِحَّةِ التَّمْلِيْكِ وَلَا اِلَى السِّقَايَاتِ وَاِصْطِلَاحِ الطُّرُقَاتِ وَكُلِّ مَالَا تَمْلِيْكَ فِيْهِ۔ ترجمہ: زکوٰۃ و صدقات واجبہ کا مال نہ مجنون پاگل کو دینا جائز نہ غیر مراہق نابالغ ناسمجھ بچے کو دینا جائز نہ ہی کسی مسجد یا مدرسے میں لگانا خرچ کرنا جائز نہ کسی میت کے کفن دفن میں خرچ کیا جائے۔ یہ تمام اس لئے ناجائز ہیں کہ ان میں تملیک نہیں ہوتی لہٰذا تملیک صحیح نہ ہونے کی وجہ سے ان میں اموال زکوٰۃ وصدقات صَرف کرنا قطعاً ناجائز ہیں۔ اور نہ حوضوں تالابوں کوؤں نلکوں وغیرہ پانی کے سقائے بنانے پر مالِ زکوٰۃ خرچ کیا جائے نہ سڑکیں گلیاں بنانے اور درست کرنے پر خرچ کیا جائے اور ایسے ہی ہر اس شخص یا ہر اس جگہ مال زکوٰۃ خرچ کرنا حرام ہے۔ جس میں شرعی تملیک نہ پائی جائے مثلاً قبرستان، ہسپتال دارالعلوم، فتاویٰ شامی جلد پنجم صفحہ نمبر ۲۸۶ پر ہے۔ فَهٰذِهٖ كُلُّهَا سَبِيْلُهُ التَّصَدُّقُ عَلَى الْفَقِيْرِ۔ ترجمہ: ان تمام اموال صدقات کے خرچ کرنے وادا کرنے کا بس ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ فقیر کو صدقہ دیکر مالک بنا دیا جائے اور یہ کام لازم واجب ہے۔ فتاویٰ ہدایہ اولین صفحہ نمبر ۲۰۵ پر ہے۔ وَلَا يُبْتَنٰى بِهَا مَسْجِدٌ وَلَا يُكَفَّنُ بِهَا مَيِّتٌ لِاِنْعِدَامِ التَّمْلِيْكِ وَهُوَ الرُّكْنُ۔ ترجمہ: اور نہ بنائی جائے ان زکوٰتی مالوں سے کوئی مسجد اور نہ کسی میت کو کفن دیا جائے تملیک نہ ہونیکی وجہ سے حالانکہ اموال صدقات میں تملیک کرنا فرض ورکن ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ نمبر ۱۸۸ پر ہے۔ وَلَا يَجُوْزُاَنْ يُّبْتَنٰى بِالزَّكٰوةِ الْمَسْجِدُ وَكَذَاالْقَنَاطِيْرُ وَالسِّقَايَاتُ وَاِصْلَاحُ الطُّرُقَاتِ وَكَرَى الْاَنْهَارِ۔ ترجمہ: زکوٰۃ وغیرہ کے مالوں سے نہ مسجد بنائی جاسکتی ہے نہ کسی میت کا کفن دفن کیا جاسکتا ہے اور ایسے ہی پُل اور سقاوے یعنی حوض تالاب نہروں کا اجرا وغیرہ نہ بنائیں جائیں۔ اس لئے کہ ان تمام مذکورہ صورتوں میں کسی کی تملیک

لیکن اہلِ جہالت ملاؤں کو کیا معلوم کہ زکوٰۃ کا رکن فرض تملیک یعنی غریب کو مالک بنا دینا ہی ہے۔ ہم نے اس دلیل فقہی میں فقہ کی کتب معتبرہ کے حوالہ جات مختصراً نقل کئے ہیں۔ محض اختصار کیلئے جبکہ فقہ ائمہ اربعہ کے تقریباً باون عدد کتب معتبرہ فقہ مشہورہ میں بھی یہ حکم شرعی تملیک صدقات و زکوٰۃ کے بارے میں تمام ائمہ و مشائخ فقہ متفقہ کا مسلک و موقف یہی ہے بلکہ حکم قرآنی فرض ہے۔ تمام فقہا فرماتے ہیں کہ تملیکِ صدقات و زکوٰۃ رکن ہے۔ قانونِ شریعت میں فرض کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شرط (۲) رکن۔ شرط خارجی فرض کو کہا جاتا ہے جس کا بدل بھی ممکن ہے جیسے وضو شرط نماز ہے اس کا بدل تیمم بھی ہو سکتا ہے مگر رکن عبادت کا جز ہے جسکا بدل ناممکن ہے۔ اس قاعدہ کلیہ وضابطۂ شرعیہ سے ثابت ہوا کہ صدقات و زکوٰۃ میں تملیک فرض زکوٰۃ کا جز ہے اس کے بغیر زکوٰۃ قطعاً ادا ہو سکتی ہی نہیں۔ تو ان جہلاء زمانہ کا کتنا ظلم ہے جو ... کی اندھی تقلید کا فساد و فتنہ ہے جو اسلام و قرآن کے عظیم رکن کو توڑ رہے ہیں محض ... فتوے دیتے رہے جن سے باطل بادشاہوں نے ذاتی مفاد حاصل کئے۔ مستدرک حاکم جلد اول صفحہ نمبر ۱۰۲ اور صفحہ نمبر ۱۲۶ پر ہے۔ عَنْ مُسْلِمِ ابْنِ يَسَارٍ (هُوَ اَبُوْ عُثْمَانِ) قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَالَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّءْ اِتْيَانَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ وَمَنْ اَفْتٰی بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ اِثْمُهٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاهُ. هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ۔ ترجمہ: فرمایا آقا ﷺ نے جو شخص میری طرف ایسی بات لگائے جو میں نے نہ کہی ہو تو وہ شخص اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لے اور جو شخص بے علمی و جہالت کا فتویٰ دے تو اس کا گناہ فتویٰ لینے والے پر ہوگا یعنی جس کو فتویٰ دیا۔ کنز العمال اول صفحہ ۱۱۱ پر ہے، مَنْ اَفْتٰی بِغَيْرِ عِلْمٍ لَعَنَتْهُ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ مشکوٰۃ کتاب العلم فصل اول صفحہ ۳۳۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابن عَمْرٍو قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الخ) اِتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا۔ فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔ متفق علیہ

دلیل پنجم

عقل کا بھی تقاضہ ہے کہ اوقاف میں مالِ زکوٰۃ و صدقات خرچ کرنا جائز نہ ہوں دو وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ وقف دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وقف لِلّٰہِ جیسے مسجد و مدرسہ دوم وقف للناس جیسے شاہراہیں سڑکیں گلیاں پل وغیرہ۔ ان میں سے سب میں زیادہ مقدس و مطہر مسجدیں ہیں۔ پھر اسلامی مدرسہ، دارالعلوم وغیرہ۔ یہ تمام اوقاف مقامات مقدس ہیں جبکہ زکوٰۃ و صدقات کا مال لوگوں کا میل کچیل ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب مَنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ فصل اول صفحہ نمبر ۱۶۱ پر ہے۔ وَعَنْ عَبْدُالْمُطَّلِبِ ابْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا يَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ ترجمہ: حضرت ابن ربیعہ نے فرمایا کہ فرمایا آقا ﷺ نے۔ بیشک یہ تمام فرضی واجبی صدقے لوگوں کے گندے میل ہیں۔ اور وہ گندے میل نہ محمد ﷺ کے لئے حلال و جائز نہ تا قیامت نبی کریم کی آل کے لئے حلال و جائز۔ یہ فرمانِ مقدس۔ ذاتِ نبوی و آلِ نبوی کی شان تقدس بتانے کے لئے ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ مقدس شخصیات و مقدس مقامات پر میل کچیل کی گندگی لگانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے تو پھر

مساجد ومدارس جیسی مقدس تعمیری چیز میں گندگی لگانا کیا کوئی علم وعقل والا گوارہ کرے گا ہرگز نہیں ایسا ناجائز کام صرف وہی کرسکتا ہے جو علم وعقل سے خالی ہو۔ حدیث دوم مشکوٰۃ شریف باب صدقۃ الفطر فصل ثانی صفحہ نمبر ۱۶۰ پر ہے۔ وَعَنْهُ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةُ الْفِطْرِ طُهْرُ الصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةٌ لِلْمَسٰكِيْنَ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤد۔ ترجمہ: اور انہیں (عبداللہؓ ابن عباسؓ) سے روایت ہے کہ فرض فرمایا نبی کریم ﷺ نے روزے دار مسلمانوں پر صدقہ فطر ماہ رمضان میں روزوں کو گناہوں قصوروں کے میل کچیل سے پاک وصاف کرنے کے لئے اور یہ صدقہ فطر صرف مسکینوں کے کھانے کے لئے واجب ہوا ہے۔ اس حدیث مقدس نے دو باتیں بیان فرمائیں۔ ایک یہ کہ مال فطرہ بھی مثل زکوٰۃ اس پانی کی طرح ہے جو روزے داروں کے گناہوں کے میل کچیل کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ کوئی شان مقدس والا ایسے گندے پانی کو اپنے اوپر استعمال نہیں کرسکتا تو بھلا مسجد ودینی تعلیم گاہ میں لگانا استعمال کرنا کوئی شخص کیسے جائز کہہ سکتا ہے۔ کوئی پاکیزہ ذہن والا اور طاہر القلب انسان ایسی میلی کچیلی چیز کو مقدس مقامات وشخصیات پر ہرگز خرچ نہیں کرسکتا نہ لگا سکتا ہے۔ ایسا جواز کا فتویٰ تو کوئی گندی ذہنیت کا ہی دے سکتا ہے۔ اس حدیث مقدس نے دوسری بات یہ بتائی کہ صدقہ فطر بھی مثل زکوٰۃ صرف مسکینوں کے لئے ہے۔ فرض کا لفظ بتا رہا ہے کہ خبردار تا قیامت کوئی بھی شخص غربا کا یہ حق نہ چھینے ورنہ ترک فرض کے جرم وظلم کا مرتکب ہوگا اور عذاب آخرت کا مستحق کیونکہ تارک فرض فاسق وفاجر ہوتا ہے دوسری وجہ یہ کہ علماء اصول فرماتے ہیں ہر وہ چیز جس سے ہر ایک کو فائدہ پہنچے وہ چیز مثلِ امرا ہے دنیا میں ہر وقف کی یہی شان ہے کہ ہر شخص کو خاص ہو یا عام فائدہ حاصل ہے۔ خواہ وقف للہ ہو جیسے مسجدیں ودینی مدرسے یا وقف للناس ہو جیسے عام سڑکیں گلیاں یا حوض کوئیں تالاب وغیرہ۔ تو جسطرح امرا پر صدقات واجبہ خرچ نہیں کئے جاسکتے اسی طرح اوقاف پر بھی صدقات واجبہ لگانا خرچ کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ اگر آج کوئی کہے کہ امیر آدمی کو زکوٰۃ لینی جائز ہے تو ایسا کہنے والا ظالم وجاہل ہے اسی طرح وہ شخص بھی اسلام میں ظالم وتخریب کار ہے جو یہ انوکھا نرالا مسئلہ نکالے اور بتائے کہ مسجدوں ودار العلوم دینی تعلیم گاہوں میں زکوٰۃ لگانی جائز بتائے۔

دلیل ششم

بہار شریعت جلد دوم حصہ دسواں صفحہ نمبر ۳۸ پر ہے۔ باب الوقف میں کہ فقہاء کرام کے نزدیک چھ قسم کے الفاظ اصطلاحاً وروا جاً غربت پر دلالت کرتے ہیں۔ (۱) لفظ یتیم (۲) لفظ طالب علم (۳) لفظ بیوہ (۴) لفظ مسافر (۵) لفظ اپاہج معذور (۶) لفظ اندھا۔ لہٰذا یہ الفاظ جب مطلقاً باب الصدقات اور مصارف زکوٰۃ میں بولے جائیں تو وہاں غریب طالبعلم، غریب یتیم، غریب بیوہ، غریب مسافر، غریب اپاہج ومعذور، غریب اندھا ہی مراد ہوگا اگرچہ یہ لوگ امیر بھی ہوتے ہیں۔ یہی اصطلاح مذکورہ بالا آیت مصارف میں مراد ہے کہ فی سبیل اللہ کے حاجی لوگ، مجاہدین طلبہ اور ابن سبیل کے مسافرین اور مولفۃ القلوب کے نومسلم سب وقتی غریب ہی مراد ہیں۔ ان تمام مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ و صدقات کے اموال مقدس وامیر شخصیات پر خرچ کرنا بھی حرام وناجائز ہے اور مقدس وامیر مقامات پر خرچ کرنا لگانا

بھی حرام ہے جیسے بعض اشخاص جیسے سادات بنی ہاشم اور امیر شخصیات جیسے دولتمند صاحب نصاب لوگ اور مقدس مقامات جیسے حرمین شریفین اور دینی مدارس اور خاص مقامات جیسے شاہراہیں، گلی گلیاں، عام راستے سڑکیں یا امرا کے ذاتی مکانات یہ مسئلہ کے تحت ہیں اور بلا دلیل چیف نے اس مذکورہ مسئلے میں اپنی من مانی کرتے ہوئے پانچ گناہ کئے۔ پہلا گناہ یہ کہ اپنی ایک کھوکھلی تحریر کے ذریعے بے علمی کے باوجود خلاف شریعت مسئلہ بیان کیا۔ دوسرا گناہ یہ کہ اموال زکوٰۃ و صدقات کو خلاف قرآن و سنت ناجائز جگہ لگا کر تین ظلم کئے۔ اپنی جان پر ظلم، مال زکوٰۃ پر ظلم، مستحقین زکوٰۃ پر ظلم، کیونکہ شرعی و لغوی اصطلاح میں ظلم یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر غلط رکھا جائے اور لگایا خرچ کیا جائے۔ چنانچہ تفسیر طبری جلد پنجم صفحہ نمبر ۳ پر اور تفسیر کبیر رازی بارھویں جلد جز نمبر ۲۴ کے صفحہ نمبر ۵۱ پر اور تفسیر فتح القدیر جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۱ پر ہے۔ سورۃ فرقان آیت نمبر ۴ کی تفسیر میں۔ اِنَّ مَعْنَی الظُّلْمِ وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِهٖ فَقَدْ وَضَعُوا الشَّیْءَ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِهٖ وَهٰذَا هُوَ الظُّلْمُ۔ ترجمہ: بیشک ظلم کے معنی یہ ہیں کہ کوئی چیز اسکی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری غلط جگہ اور ناجائز مقام پر رکھی یا لگائی جائے۔ پس بیشک ان لوگوں نے چیز کو غلط و غیر جگہ پر رکھا و لگایا اور اسی غلط کاری کو ظلم کہا جاتا ہے۔ یہی ظلم ہے۔ چیف امام کا تیسرا گناہ۔ دیگر شرعی مسائل میں بھی یہ شخص شریعت اسلامی کی توہین اور گستاخی کا مرتکب ہوا ہے مثلاً انگوٹھی وغیرہ کے حکم شرعی سے بے پرواہی و ضد برتتے ہوئے مجرم شرعی کو گناہ و شریعت کی مخالفت پر اکسایا اور دلیر کیا یہ ظلم عظیم ہے حالانکہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ:۲) ترجمہ: اے ایمان والو ہمیشہ نیکوں کی نیکی متقیوں کے تقوے طہارت پاکیزگی کا تعاون اور حمایت سے ساتھ دیا کرو۔ بروں اور سرکشوں کے گناہوں کا ساتھ نہ دیا کرو کہ گناہ کی حمایت وطرفداری کرو لیکن جو شخص اس آیت پاک کے خلاف اُلٹا عمل کرے کہ بروں کا ساتھ دے اور حمایت کرے وہ خود بھی بروں کی مثل برا اور گناہگار مجرم شرعی ہوگا۔ چوتھا گناہ: ہمیں مصدقہ اطلاع و ثبوت دیا گیا ہے کہ یہی مدعیٰ علیہ چیف امام اپنے ذاتی رہائشی گھر کے ایک حصے کو ذاتی جزوقتی سکول بنا کر اسکی تعمیر و تزئین کیلئے بذریعہ اشتہار عوام مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات واجبہ طلب کر رہا ہے حالانکہ مدعیٰ علیہ امیر بھی ہے اور سید بھی۔ قانون شریعت کے مطابق دونوں اعتبار سے اس کو ذاتی مکان کیلئے زکوٰۃ وصدقات لینا بحکم احادیث قطعاً حرام ہے اور ایسا حرام کام کرنے والا فاسق و فاجر ہے۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ نمبر ۲۱۹ پر ہے۔ غنی کو صدقہ لینا حرام ہے۔ اگر امام غنی ہے اور صدقات وفطرہ لیتا ہے اور لینے پر ضد کرتا ہے تو وہ فاسق مُعلِن ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اور فتاویٰ شرح قدوری میں صفحہ ۲۰۳ پر ہے۔ اِنَّ الرَّجُلَ یَاخُذُ الزَّکٰوةَ وَهُوَ مُوْسِرٌ اَوْ غَنِیٌّ فَهُوَ فَاسِقٌ وَاِنَّمَا هِیَ لِلْفُقَرَاءِ۔ ترجمہ: بیشک ایک ایسا شخص زکوٰۃ لیتا ہے جو صاحب نصاب ہے یا بہت زیادہ مالدار ہے تو وہ شخص شرعاً فاسق فاجر ہے کیونکہ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ صرف غریبوں فقیروں کے لئے ہیں۔ خود ساختہ چیف کا پانچواں گناہ مدعیان کی طرف سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ یہی مدعیٰ علیہ چیف اپنے اس ادارے کے علاوہ دیگر اداروں کے لئے بھی بلا جھجک پُرزور اعلان سے سراسر شریعت کی خلاف ورزی دیدہ و دانستہ ضد

بازی کرتے ہوئے عوام مسلمانوں سے زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ دینے کی اپیل کرتا رہا ہے اور مالِ زکوٰۃ وغیرہ جمع کر کے لوگوں سے وصول کر کے دیگر مدرسوں کی خرید وتعمیر وتزئین کے لئے دیتا رہا ہے۔ اور اس فعل ناجائز کے جواز کے لئے اپنی ذاتی گارنٹی دیتے ہوئے کہتا رہا ہے کہ اے مسلمانوں اپنی زکوٰتیں مجھے دو میں گارنٹی دیتا ہوں کہ مال زکوٰۃ مدرسوں کی خرید وتعمیر وتزئین میں لگانا جائز ہے۔ مدعیٰ علیہ چیف کا یہ دعویٰ گارنٹی بذاتِ خود گناہ کبیرہ ہے کیونکہ یہ گارنٹی شریعت اسلام وحکم قرآن حدیث کے فرمان کی مخالفت پر دلیر ہونا ہے اور یہی دلیری اور بیباکی اللہ تعالیٰ سے بے خوفی فسق کبیرہ وظلم عظیم ہے۔

دلیل ہفتم

ازل سے قدرتِ قدیم کا ایک نظام ہے کہ جب کسی وقت کوئی باطل اپنی سرکشی وخودسری کا شروفتنہ فساد کسی بھی شکل وصورت میں اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ عرصہ اس باطل کو من مانی وضدبازی کرنے کی ڈھیل ملتی ہے پھر قدرت غیبی سے کسی جانب حق نمودار ہوتا ہے اور اس حق سے ایسی حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ اس حق بیانی سے باطل کی عقل ماری جاتی ہے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ دماغ چکرا جاتا ہے بلکہ وہ باطل زمانے میں رسوا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ انبیاء آیت نمبر ۱۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔ ترجمہ: بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں حق وحقانیہ کو غلط کار باطل پر تو وہ حق اس باطل کا دماغ اڑا دیتا ہے۔ تب ہی فوراً وہ باطل ضدی اور اسکی تمام باطل حرکتیں مٹ کر ختم ہو جانیوالی ہوتی ہیں۔ صورتِ مسئولہ میں مدعیٰ علیہ مصنوعی چیف خلاف شریعت ہونے کی وجہ سے ضدی اور باطل ہے اور اس کے تمام مذکورہ بالا کارنامے، کردار، حرکات وبیانات بھی باطل اس لئے قدرت الٰہی نے نظام ازلی کے تحت نئے خطیب کو حق بنا کر بھیجا جس نے حق مسئلہ بیان فرما کر بہت سوں کو جہنم سے بچا لیا۔ لہٰذا اب تائیدِ حق اور تعاونِ حقانیت یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ ہر طرح کی ضد وانانیت چھوڑ کر اس مشفقانہ قدرت کبریائی کو قبول کرتے ہوئے بلاجھجک علی الاعلان سب کے سامنے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی پکی توبہ کرے اور باطل پر ضد واکڑ نہ دکھائے اور اپنی سابقہ غیر شرعی غیر اسلامی خلاف قرآن وحدیث فقہ حرکات وبیانات واعلانات سے معافی بارگاہ طلب کرے اور اپنے غلط مسئلے کے بیان کرنے اور نادانی کی گارنٹی دینے پر ندامت کا اظہار کرے۔ ابھی ساری عمر توبہ کا دروازہ کھلا ہے توبہ میں شرم نہ کرنی چاہیے۔ اس سمجھانے کے باوجود اگر پھر بھی توبہ وندامت پر آمادہ نہ ہو تو جب تک معافی بارگاہ نہ مانگے اس وقت تک اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ کوئی شخص اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا کردار وحرکات کی وجہ سے یہ شخص شرعی فاسق ہے فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار علی تنویر الابصار صفحہ نمبر ۷۲ پر اور فتاویٰ صغیری علی منیہ صفحہ نمبر ۶۴ پر ہے وَيُكْرَهُ اِمَامَةُ عَبْدٍ وَّاَعْرَابِيٍّ وَفَاسِقٍ۔ ترجمہ: اور مکروہ ہے غلام اور گنوار وفاسق کی امامت۔ صغیری شرح منیہ کی عبارت اس طرح ہے۔ وَيُكْرَهُ تَقْدِيْمُ الْفَاسِقِ كَرَاهَةَ تَحْرِيْمٍ وَعِنْدَ مَالِكٍ لَايَجُوْزُ تَقْدِيْمُهٗ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَحْمَدَ۔ ترجمہ: اور کراہتِ تحریمی سے مکروہ ہے فاسق فاجر لنا ہگار کو امام بنانا۔ امام

مالک اور امام احمد حنبل بھی فاسق کی امامت کو ناجائز کہتے ہیں اور فتاویٰ غنیتہ شرح منیہ صفحہ نمبر ۱۴۵ پر ہے۔ وَلَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقًا يَاثَمُوْنَ۔ ترجمہ: اور اگر لوگوں نے کسی جماعت نماز میں فاسق فاجر شخص کو امام بنایا تو وہ سب لوگ گناہگار ہو گئے۔ ان تمام بیانات وتحریرات اور اخباری تراشیات کے ساتھ ہمارے پاس کسی شخص فرد واحد کی فتویٰ نما پانچ ورقی تحریر بھی سائلین مستفیان کی جانب سے پہنچائی گئی۔ میں نے اس کو بھی کئی بار بغور پڑھا کہ شاید کوئی کام کی بات یا مضبوط دلیل لکھی ہو۔ مگر اس پانچ ورقی فتویٰ نما تحریر میں بجز حیرہ قسم کی علمی عقلی فکری چشم پوشیوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ ایسی ہی چشم پوشیاں شرعاً صریحی غلطیاں ہوتی ہیں ایسی نادانیاں قیامت کی نشانیاں ہیں۔ چنانچہ مستدرک حاکم جلد سوم صفحہ نمبر ۵۴۷ پر ہے۔ عَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تَفْتَرِقُ اُمَّتِي عَلَى بِضْعٍ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً اَعْظَمُهَا فِتْنَةً عَلَى اُمَّتِي قَوْمٌ يَقِيْسُوْنَ الْاُمُوْرَ بِرَاْيِهِمْ فَيُحِلُّوْنَ الْحَرَامَ وَيُحَرِّمُوْنَ الْحَلَالَ۔ ترجمہ: حضرت عوف ابن مالکؓ سے روایت ہے وہ روایت فرماتے ہیں آقا ﷺ سے کہ فرمایا نبی کریم آقا ﷺ نے میری امت ستر اور کچھ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ان فرقوں میں سب سے بڑا باعتبار فتنے کے میری امت پر۔ وہ فرقہ ہوگا جو شریعت کے احکام کو اپنی جاہلانہ عقل کی رائے سے قیاس کیا کریں گے۔ پس وہ لوگ حرام کو حلال کر لیا کریں گے اور حلال کو حرام کہہ دیا کریں گے۔ اس حدیث مقدس میں ایسے ہی کم علم لوگوں کی غلط فتویٰ نما تحریروں اور بناوٹی اسلامی کونسلوں کی طرف غیبی پیشگوئی فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ مفتی تحریر کی پہلی غلطی۔ اس تحریر میں زیادہ تر مطلب پرستی پائی جاتی ہے کہ نہ حنفیت کی پرواہ نہ مالکیت، شافعیت، حنبلیت سے لگاؤ وتعلق بس جس کی عبارت سے مطلب نکلتا ہو خواہ اس عبارت والا کتنا ہی جاہل وگمراہ کیوں نہ ہو وہ شخص اس تحریر کے مفتی کے نزدیک محقق بھی ہے شیخ المشائخ بھی ہے لیکن جس کی عبارت وحق بیانی سے اس مفتی مولف کا اپنا مطلب نہ بنتا ہو وہ غلط بھی قابل ترک بھی اسی حرکت جاہلانہ کو مطلب پرستی کہتے ہیں۔ یہ حق پرستی نہیں بلکہ باطل نوازی ہے۔ اس فتویٰ نما پوری تحریر میں کہیں پتہ نہیں لگتا کہ یہ مفتی مولف حنفی ہے یا مالکی۔ شافعی، حنبلی ہے۔ تحریر کی دوسری غلطی۔ اس تحریر میں پہلا حوالہ تفسیر مدارک صفحہ نمبر ۵۰۲ کا ہے۔ اس عبارت میں حرف فی اور حرف لام سے بحث کی گئی ہے۔ اس کا اصل مسئلے سے کوئی تعلق نہیں اس لئے یہ لکھنا بیکار وفضول ہے نہ اس بات میں کسی کا اختلاف ہے۔ تیسری غلطی۔ اس فتویٰ نما تحریر کا دوسرا حوالہ فتاویٰ درالمختار جلد دوم صفحہ نمبر ۱۷۵ کی عبارت ہے۔ یہ بھی یہاں لکھنا بے مقصد ہے کیونکہ اس عبارت کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار کے حکومتی علاقوں میں مسلمان لوگ خود کسی محقق مدقق متبحر عالم دین کو اپنا حاکم بنالیں وہ عالم ربانی بلاد کفار اور ولاۃ کفر میں جمعہ وعیدین قائم کرے مگر مفتی مولف نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ عوام مسلم قوم اپنی بے علم و بے عقل صوابدید پر جس شخص کو چاہیں اپنا امام و قاضی وحاکم بنالیں۔ اگرچہ وہ شخص بے علم اور بے عقل وفہم ہو قواعدِ اسلامیہ وضوابط شرعیہ سے اجہل و ناواقف ہو۔ اس طرح سے بے علم اور خود ساختہ مولویوں مفتیوں کے لئے راہ ہموار کی گئی ہے ایسے ہی زرخرید لوگوں کے مضامین سے بے علم ادارے و ناسمجھ دارالافتا اور من مانی کی گھریلو سنی حنفی کونسلیں اور مسلم لاء کونسلیں بنتی چلی جاتی ہیں۔ جبکہ مفتی اسلام و

قاضی قضاۃ بننے کے لئے عام مولوی تو در کنار صرف مدرس و مصنف بن جانا بھی کافی نہیں بلکہ تفقہ فی الدین اور نصاب دارالافتا پڑھنا و پاس کر کے سند یافتہ ہونا اشد ضروری ہے۔ چہ جائیکہ بالکل ہی ان پڑھ جاہل نا سمجھ منبر و محراب پر قابض ہو کر دارالافتا جیسے عظیم ذمہ دارانہ اسلامی ادارے پر بندر بانٹ شروع کر دیں اور تو مرا قاضی بگو من ترا حاجی بگویم کا راگ الاپنا شروع ہو جائیں۔ حالانکہ فتاویٰ ردالمحتار کی عبارت کا ہرگز یہ مقصد نہیں جو اس مصنف نے سمجھا۔ چوتھی غلطی: اس فتویٰ نما تحریر کی۔ اگلی سطور میں صفحہ نمبر ۴ پر فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ نمبر ۱۴۶ اور فتاویٰ عبدالحی صفحہ نمبر ۱۶۷ اور احکام سلطانیہ جیسی مجہول کتاب صفحہ نمبر ۷۶ کا صرف نام اور صفحہ نمبر لکھا ہے کوئی عبارت نہیں لکھی۔ غالبًا یہ سوکھی دھاک بٹھانا ہے جیسا کہ غریب العقل اور اوچھے لوگوں کا طرہ امتیاز ہے۔ پانچویں غلطی: اس مفتی تحریر کا تیسرا حوالہ۔ عمدۃ الرعایہ جلد اول صفحہ نمبر ۳۰۹ کی یہ عبارت ہے۔ اَلْعَالِمَ الثِّقَةُ فِیْ بَلْدَةٍ لَاحَاكِمَ فِیْهِ قَائِمٌ مَقَامَهٗ۔ ترجمہ: جس شہر میں حکومت کی جانب سے کوئی مسلمان حاکم نہیں ہوتا تو وہاں کوئی بہت بڑا مستند عالم ہی حاکم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ صاحب مضمون مفتی کی اس عبارت کا بھی اصل مسئلے سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ متنازعہ نہیں ہے۔ چھٹی غلطی: اس تحریر کا چوتھا حوالہ یہ لکھا ہے کہ کتاب سلطانیہ (یہ ایک غیر معروف کتاب ہے) وَنَفَذَتْ اَحْكَامُهٗ عَلَیْهِمْ ترجمہ: اور اس کے احکام ان پر نافذ ہونگے۔ یہ لکھنا بھی بیکار ہے کیونکہ اصل مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ساتویں غلطی: فتویٰ کا پانچواں حوالہ: مصنف لکھتا ہے کہ احکام سلطانیہ صفحہ نمبر ۷۲ میں ہے۔ فَاَمَّا اَمْوَالُ الصَّدَقَاتِ تَدْخُلُ فِیْ عُمُوْمِ وَلَایَةٍ فَیَقْبَضُهَا مِنْ اَهْلِهَا فَیُصْرِفُهَا فِیْ مُسْتَحِقِیْهَا۔ ترجمہ: پس لیکن صدقات کے اموال داخل ہیں انکی حکمرانی میں وہ ان مالوں کو لے گا انکے اہل سے پھر ادا کرے گا۔ ان صدقات کے مستحقین میں صاحب مضمون نے حماقت و نادانی سے یہ عبارت لکھدی حالانکہ یہ عبارت خود مفتی مولف کے موقف و مسلک کے خلاف ہے اور مستفتی کے مقصد کے بھی یہ عبارت تو انکے مخالف ہے مگر ہمارے مسلک کے موافق ہے اس لئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ زکوۃ و صدقات کے اموال صرف انکے مستحقین کو دیئے جائیں۔ فقط وہی غرباء انکا مصرف ہیں خبردار ادھر اُدھر نا جائز جگہ نہیں لگا سکتے۔ آٹھویں غلطی: اس فتویٰ نما کی تحریر کا چھٹا حوالہ۔ مولف لکھتا ہے احکام سلطانیہ: كَذَالِكَ حَوَائِجُهُمْ ترجمہ: اسی طرح انکی حاجتیں ہیں۔ یہ عبارت بھی بے معنی بے مقصد ہے نہ مفتی کو فائدہ نہ مستفتی کو۔ نہ اس میں کسی کا اختلاف صرف قلم چلانے کاغذ بھرنے کا شوق۔ نویں غلطی: مذکورہ مولف کا اپنی تحریر میں ساتواں حوالہ۔ تفسیر صاوی علی جلالین جلد دوم صفحہ نمبر ۱۳۳ پر ہے۔ اِنَّ طَلَبَةَ الْعِلْمِ لَهُمَ الْاَخْذُ مِنَ الزَّكٰوةِ وَلَوْ كَانُوْا اَغْنِیَاءَ اِذَا انْقَطَعَ حَقُّهُمْ مِنْ بَیْتِ الْمَالِ۔ ترجمہ: بیشک دینی مدرسوں کے طالبعلم لوگ جائز ہے انکو مال زکوۃ لینا اگرچہ وہ اپنے گھروں میں امیر ہوں۔ فقط اس صورت میں جب وہ گھر سے دور ہوں اور بیت المال سے انکی ضروریات علمی پوری نہ کی جاتی ہوں اور انکا حق ختم کر دیا گیا ہو۔ پوچھو ان عقلمندوں سے کہ یہ حوالہ یہاں کیوں لکھا گیا اس میں تو کوئی اختلاف نہیں اگر صاحب تحریر میں ذرا بھی ذوقِ تدبر شوقِ تفکر ہوتا تو یہ حوالہ نہ لکھتا نہ خود اپنے خلاف چلتا۔ یہ عبارت تو خود مفتی و مستفتی کے خلاف ہے بلکہ سوال گندم جواب جو کی مثل اندھے کی لاٹھی ہے

بدمذہبی پھیلا رہے۔ اللہ کے بندے سوال تو یہ ہے کہ مسجد و مدرسہ کی تعمیر و خرید میں اموالِ زکوٰۃ خرچ کرنا جائز ہیں یا ناجائز۔ اور جواب میں لکھا جا رہا ہے کہ طالب علم کو مال لینا جائز ہے۔ یا للعجب۔ اسی علمیت عقلیت کے ناز پر قلمند ان [illegible] اور سی کونسلیں بلا لیں۔ [illegible] دیکھ لیا برطانیہ کی ان کونسلوں مفتیوں کا حال کہ ابھی تک ایک ایسا حوالہ الٰہی و دلیل نہ لکھی جا سکی جس میں یہ ثابت ہوتا کہ دارالعلوم یا مسجد وغیرہ کسی اوقاف کی تعمیر و خرید پر مال زکوٰۃ لگایا اور خرچ کیا جا سکتا ہے بلکہ اس قسم کے حوالہ جات سے بھی ہمارا ہی مسلک و موقف ثابت ہو رہا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

دسویں غلطی صاحب مضمون اگلی سطر میں تفسیر ضیاء القرآن کا حوالہ دیتا ہے۔ اور یقیناً غالباً یہ حوالہ دیکھتے اور لکھتے وقت خوشی سے خوب اچھلا کودا ہوگا مگر یہ خوشی بھی نادانی ہے اس لئے کہ کتاب ضیاء القرآن نہ فقہ کی کتاب ہے نہ اصول فقہ کی نہ ہی یہ عبارت مصنف کتاب ضیاء القرآن کا ذاتی عملی قلبی موقف نہ عقیدۃً مسلک۔ بلکہ کتاب ضیاء القرآن ایک تفسیر ہے اور محدثین کی طرح بعض مفسرین بھی ہر حوالے سے و آیت میں مختلف اشخاص کے مختلف اقوال درج کر دیتے ہیں ان اقوال سے ہر وقت مصنف کتاب کا متفق ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اسی تفسیری روش و طریقے پر چلتے ہوئے صاحب کتاب ضیاء القرآن نے اس آیت کی تفسیر میں اٹھارہ اقوال نقل کئے جن میں نو اقوال درست اور فرمانِ الٰہی و ارشاداتِ نبوی کے مطابق ہیں۔ اور نو اقوال غلط قرآن و حدیث و فقہ اسلامی کے خلاف ہیں لیکن یہاں یہ وضاحت نہیں ہے کہ خود صاحب کتاب مصنفِ ضیاء القرآن کا اپنا مسلک و موقف کیا ہے۔ بلکہ کثیر علماء کا مشاہدہ ہے کہ صاحب کتاب ضیاء القرآن علیہ الرحمۃ نے خود کبھی بھی مال زکوٰۃ تعمیر مدرسہ و مسجد پر خرچ نہ فرمایا اور جب کسی نے ان کے مدرسے کیلئے مال زکوٰۃ و فطرہ پیش کیا تو فوراً اس کو حیلۂ شرعی سے تملیک غریب کر کے عطیہ و ہدیہ منجانب غریب بنوا لیا تب اپنے مدرسے کی ضروریات پر خرچ فرمایا۔ اس عملی طریقے سے ثابت ہوگیا کہ یہ تفسیری اقوال حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ کا اپنا موقف و مسلک نہیں نہ یہ ان کا پسندیدہ۔ صرف مختلف اقوال کے ضمن میں تفسیری طریقہ پورا کرتے ہوئے یہ غلط قول بھی لکھدیا کہ فلاں شخص یہ بھی کہتا ہے۔ مفتی مذکور کی گیارہویں غلطی۔ ہماری اس وضاحت کے بعد یہ ثابت ہوگیا کہ لندنی فتویٰ نما تحریر میں۔ حوالہ دیکھتے اور لکھتے وقت ذرہ بھر تفکر تعقد، تدبر سے کام نہ لیا گیا بس بلا سوچے سمجھے کسی دباؤ یا طمع ذہنی میں آ کر محض مستفتی کو خوش کرنے کی بے جا کوشش کی گئی ہے۔ ایسے ہی حسب فرمائشی مفتی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ بارہویں غلطی: اس فتویٰ نما تحریر میں چار حماقتیں کی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ آیت قرآنی کے حکم کبریا کی مخالفت دوم یہ کہ فرمان مصطفویٰ سے روگردانی، سوم یہ کہ فقہاء ائمۂ اربعہ کے مسلک سے منہ پھیرا، چہارم یہ کہ مشائخ فقہ کے اقوال کو بھی ترک کیا گیا۔ یہاں تک کہ خود اپنے پیش کردہ ضیاء القرآن کے حوالوں میں سے تمام اچھے و درست مطابق شریعت اقوال چھوڑ کر حق و حقانیت سے منہ موڑ کر صرف ذاتی مطلب پرستی اور باطل نوازی کرتے ہوئے مصر کے ایک گمراہ شخص پروفیسر الشیخ رشید رضا کی جاہلانہ تفسیر المنار کا ایک مردود قول پسند کر لیا۔ پوری دنیا میں صرف اسی ایک گمراہ شخص نے فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کے حقیقی معنیٰ کو چھوڑ کر ذاتی جہالت سے توڑ پھوڑ کر کے موڑ توڑ کرتے ہوئے۔ فی سبیل اللہ سے مدارس اور عام مصالح دین و دنیا مراد لیا

ہے۔ اور یہ کتنی سخت سراسر کفریہ حرکت ہے کہ آقاء کائنات حضور اقدس نبی اکرم ﷺ تو فی سبیل اللہ سے افراد مراد لیں مگر یہ مردود شیخ کہتا ہے کہ اِنَّ سَبِیْلَ اللّٰهِ هُنَا مَصَالِحُ الْمُسْلِمِیْنَ عَامَّةَ الَّتِیْ بِهَا قِوَامُ اَمْرِ الدِّیْنِ وَالدَّوْلَةِ دُوْنَ الْاَفْرَادِ۔ ترجمہ: یہاں سبیل اللہ سے افراد مراد نہیں بلکہ مسلمانوں کی دینی دنیوی عام مصلحتیں مراد ہیں اور پھر اپنے اس کفریہ مردود قول کو محققین کی تحقیق کا نام دیتا ہے۔ پتہ نہیں وہ کون سے خبثاء محققین ہیں جو فرمانِ رسول اللہ ﷺ کے مقابل اپنی مردودیت وضلالت پھیلاتے پھر رہے ہیں۔ مصر میں ایسے گمراہ و مردود دین ڈاکٹر پروفیسر بہت پھرتے پھر رہے ہیں جو کبھی قربانی کو ضیاع، کبھی حج کو وقت بربادی، کبھی داڑھی مبارک کے خلاف، کبھی کثرتِ نماز وطویل سجود کے دشمن بنے پھرتے ہیں اور اب مصارف زکوٰۃ واحکام آیت ومنشاء فرمودات کی توڑ موڑ پر قلم کا زہریلہ خنجر چلا دیا اور مفتی مذکور کو باطل نوازی کا سہارا مل گیا۔ میں تو کہتا ہوں کہ ایسے مردودوں کے اقوالِ خبیثانہ نقل ہی نہ کرنے چاہیے کیونکہ ان کی تشہیر بھی گناہ وفساد ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں شیخ رشید رضا کا یہ قول جاہلانہ مردود وخرافات ہے کیونکہ مصالح عامہ میں تملیک زکوٰۃ نہیں پائی جاتی جبکہ تملیک کرنا فرض ورکن ہے۔ احادیث مقدسات وفقہ مطہرات کے فرمودات میں فِیْ سَبِیْل سے غریب مجاہد کا راہ جہاد اور غریب ہو جانے والے حاجی کا سفر حج مراد ہے۔ اور فقہاء کرام کے فرامین میں دینی طالبعلم بھی بحالت غربت فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ میں داخل وشامل۔ چنانچہ ابوداؤد شریف جلد اول کتاب الحج صفحہ نمبر ۱۰۲ پر ہے۔ عَنْ اُمِّ مُقْفَلٍ۔ قَالَتْ لَمَّا حَجَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَجَّةَ الْوِدَاعِ وَكَانَ لَنَا جَمَلٌ فَجَعَلَهٗ اَبُوْ مَقْفَلٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَصَابَنَا مَرَضٌ وَهَلَکَ اَبُوْ مُقْفَلٍ وَ خَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ حَجِّهٖ جِئْتُهٗ فَقَالَ یَااُمَّ مُقْفَلٍ مَامَنَعَکِ اَنْ تَخْرُجِیْ مَعَنَا۔ قَالَتْ لَقَدْ تَهَیَّئْنَا فَهَلَکَ اَبُوْ مُقْفَلٍ وَكَانَ لَنَا جُمَلٌ هُوَ الَّذِیْ نَحُجُّ عَلَیْهِ فَاَوْصٰی بِهٖ اَبُوْ مُقْفَلٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَهَلَّا خَرَجْتِ عَلَیْهِ فَاِنَّ الْحَجَّ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت ام مقفل سے کہ جب آقاء کائنات نبی کریم ﷺ نے حج وداع کا ارادہ فرمایا تو اس وقت ہمارے پاس صرف ایک اونٹ تھا اس کو بھی ابومقفل نے فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ ہم کو ایک بیماری پہنچی جس سے ابومقفل فوت ہو گئے اور اُدھر آقا ﷺ حج کیلئے تشریف لے گئے۔ جب حضور اقدس ﷺ حج سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو میں زیارت کیلئے حاضر ہوئی آپنے مجھے فرمایا اے ام مقفل تم کو کس نے روکا کہ تم حج کے لئے ہمارے ساتھ نہ نکلیں۔ عرض کیا کہ ہم تو حج کیلئے بالکل تیار تھے مگر ابومقفل فوت ہو گئے اور ہمارا ایک ہی اونٹ تھا جس کو ابومقفل نے وفات کے وقت سبیل اللہ میں وقف کر دیا تھا۔ تب آقا ﷺ نے فرمایا کہ اسی وقف فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اونٹ پر کیوں نہ نکل پڑیں۔ راہِ حج بھی تو فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ہی ہے۔ اس حدیث مقدس نے آیۂ قرآنی کے فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کی تفسیر و وضاحت فرما دی کہ آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد راہ حج بھی سبیل اللہ ہی ہے۔ دوسری حدیث مقدس، بخاری شریف کتاب الجہاد جلد اول صفحہ نمبر ۲۴۵ پر ہے۔ قَالَ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ سَئَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ یَارَسُوْلِ اللّٰهِ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ۔ قَالَ الصَّلٰوةُ عَلٰی مِیْقَاتِهَا۔ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ۔ قَالَ بِرُّالْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ

اَیٌّ قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں نے آقا ﷺ سے پوچھا کہ افضل عمل کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا وقتوں پر پابندی نماز۔ میں نے عرض کیا کہ پھر کونسا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا والدین سے حسن سلوک۔ میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل افضل ہے۔ آپنے فرمایا فی سبیل اللہ جہاد کرنا۔ اس حدیث مقدس نے بتایا کہ مجاہد کا سفر جہاد بھی فی سبیل اللہ ہی ہے۔ فقہاء کرام کے نزدیک بھی سبیل اللہ سے مراد غریب مجاہد و غریب حاجی کا سفر جہاد و سفر حج ہے۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد دوم صفحہ نمبر ۴۵۴ پر اسی آیت مصارف کی تفسیر میں ہے کہ (فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ) اَیْ فُقَرَاءُ الْغُزَاۃِ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ وَھُمُ الَّذِیْنَ عَجَزُوْا عَنِ اللُّحُوْقِ بِجَیْشِ الْاِسْلَامِ لِفَقْرِھِمْ اَیْ لِھَلَاکِ النَّفَقَۃِ اَوِالدَّابَّۃِ اَوْ غَیْرِ ھِمَا فَتَحِلُّ لَھُمُ الصَّدَقَۃُ وِانْکَانُوْا کَا سِبِیْہِ اِذِا الْکَسْبُ یُقْعِدُھُمْ عَنِ الْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ وَسَبِیْلٌ وَاِنْ عَمَّ کُلَّ طَاعَۃٍ اِلَّا اِنَّہٗ مَخْصُوْصٌ بِالْغَزْوِ اِذَا اُطْلِقَ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ھُوَ الْحَجِیْجُ الْمُنْقَطِعُ بِھِمْ ھٰکَذَا ھِدَایَہ اَوَّلَیْن صفحہ نمبر ۲۰۵۔ ترجمہ: آیت مصارف زکوٰۃ صدقات میں فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سے مراد امام یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک صرف وہ غریب مجاہدین ہیں جو اپنی غریبی کی وجہ سے لشکر اسلام میں شامل ہونے سے رہ جائیں یعنی انکا خرچہ اور گھوڑا یا اس کے علاوہ جنگی سامان وغیرہ ہلاک ہو گیا ہو تو ان مجاہدین کو جہاد میں جانے کے لئے صدقہ زکوٰۃ لینا اور لیکر جنگی سامان خریدنا جائز و حلال ہے اگرچہ وہ لوگ وطن میں کاسبین ہوں یعنی کمانے کمانے والے ہنرمند و صحت مند کیونکہ دنیوی کام کاج محنت مزدوری تو جہاد فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سے بٹھا کر روک رکھتی ہے اور سبیل اللہ اگرچہ ہر اطاعت کیلئے عام ہے مگر جب مطلق بلا اضافت یہ لفظ بولا جائے تو اس سے مراد صرف جہاد ہی ہوتا ہے۔ لیکن امام محمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد سفر حج میں غریب رہ جانے والا حاجی بھی مراد ہے۔ ایسا ہی ہدایہ اولین صفحہ نمبر ۲۰۵ پر ہے۔ تیسری حدیث مقدس مشکوٰۃ شریف کتاب الزکوٰۃ فصل ثانی صفحہ نمبر ۱۵۷ پر ہے۔ عَنْ رَافِعِ ابْنِ خَدِیْجٍ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْعَامِلُ عَلَی الصَّدَقَۃِ بِالْحَقِّ کَالْغَازِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلٰی بَیْتِہٖ۔ رَوَاہُ التِّرْمَذِیْ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ۔ ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دیانتداری سے زکوٰۃ و صدقات میں عاملیہ کا کام کرنے والا مال زکوٰۃ یا اجر ثواب لینے میں مجاہد فی سبیل اللہ کی مثل ہے گھر آنے تک۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ فی سبیل اللہ سے غریب مجاہد اور غریب ہو جانے والے حاجی وغیرہ افراد ہی مراد ہیں نہ کہ مصالح عامہ لہٰذا ثابت ہوا کہ رشید رضا کی تفسیر المنار والی بات غلط اور ذاتی بناوٹ ہے۔ کسی بھی مفسر محقق فقیہ نے ایسی بیہودہ اور خلاف قرآن و حدیث بات نہیں کی۔ مفتی مولف کو چاہیے تھا کہ آنکھیں بند کر کے ایسے بیہودہ و گمراہ شخص کے پیچھے نہ لگ جاتا بلکہ اَلطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ کا نمونہ ہی قائم فرماتا۔ اسی جگہ تفسیر روح البیان نے ایک حدیث قدسی نقل فرمائی۔ اَلْمَالُ مَالِیْ وَالْفُقَرَاءُ عَیَالِیْ وَمَنْ لَمْ یُنْفِقْ مَالِیْ عَلٰی عَیَالِیْ اُنْزِلُ عَلَیْہِ وَبَالِیْ وَلَا اُبَالِیْ۔ ترجمہ: ہر مال میرا ہی ہے اور فقرا میرے عیال یعنی میری پرورش میں ہیں اور جو شخص میرے مال کو میرے عیال (فقراء غربا) پر خرچ نہ کرے یعنی فقیروں

مسکینوں کو زکوٰۃ وغیرہ نہ دے تو میں ان پر اپنا عذاب وبال نازل کروں گا۔ پھر کون ہلاک و برباد اور ویران ہوتا ہے مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ اس حدیث قدسی سے بھی ثابت ہوا کہ زکوٰۃ وصدقات صرف غریبوں کا حق ہے۔ ان کو محروم رکھ کر ادھر اُدھر خرچ وصرف کر دینا باعث عذاب ہلاکت ہے۔ مدعیٰ علیہ چیف کو اور اس کے مذکورہ مفتی تحریر کر عذاب وبال سے ڈرنا چاہیے کیا ان لوگوں کو موت وقیامت وحساب قیامت یاد نہیں آتا جو اس طرح کے اندھے فتوے لکھ رہے ہیں۔ مفتی مذکور کی تیرھویں غلطی۔ اولاً تو مفتی مذکور کو اپنے مطلب کا مضبوط حوالہ وثبوت ہی کوئی نہیں ملا اس لئے اپنا غلط اور باطل نظریہ بچانے کیلئے اِدھر اُدھر بیہودہ اور لغو ہاتھ پاؤں مارتا ہے کہ کاش کسی طرف سے کوئی بات بنے۔ پھر کبھی ترجموں میں زیادتی کمی کی توڑ پھوڑ والی خیانت کرتا ہے اور کبھی غلط حوالے۔ کبھی غلط ترجمہ۔ مثلاً ایک عبارت میں صرف طلبا کا ذکر ہے مگر یہ مولف اپنے ترجمے میں مبلغین کا نام بھی لکھ دیتا ہے اور پھر جب قرآن مجید حدیث پاک فقہ عظیم تفسیر وشرح وغیرہ سے کوئی دلیل وثبوت ہاتھ نہ آیا تو بجائے باطل سے ہٹنے تائید حق کرنے اور بر وتقویٰ کے تعاون پر سرِ تسلیم خم وکمر بستہ ہونے کے انتہائی نادانی سے ایک تفسیری قول مردودہ کو اپنی دلیل بنا کر فتویٰ لکھ ڈالا۔ حالانکہ اصول فتویٰ کے مطابق فتویٰ ہمیشہ فقہی قول پر ہوتا ہے اور وہ بھی مستفتی یا مفتی کے تقلیدی فقہ میں مفتیٰ بہ قول پر۔ اس بیچارے مفتی تحریر کو پتہ ہی نہیں کہ اصول فتویٰ کیا ہیں ورنہ کبھی ایسی فحش اصولی غلطی نہ کرتا۔ ان غلطیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص نصاب فتویٰ نویسی پڑھ کر کامیاب سند یافتہ نہیں بلکہ خود ساختہ ہے۔ حدیث مقدس میں ایسے ہی فتویٰ بازوں کو قیامت کی نشانی فرمایا گیا ہے۔ جب اتنی سی تحریر میں اتنی غلطیاں ہوئیں تو بڑی ضخیم کتب کا کیا حال ہوا ہوگا۔ قانونِ شریعت کے مطابق شرعی فتویٰ اس کو کہا جاتا ہے جو قرآن وحدیث فقہ اور اصول فقہ اور مستفتی کے فقہی تقلیدی مسلک کے دلائل کے ساتھ ہو۔ اس ضابطے سے یہ تحریر فتویٰ نہیں ہوسکتی۔ صورت مسئولہ میں چونکہ خطیب سابق کے کہنے اور احمقانہ گارنٹی دینے کی وجہ سے انتظامیہ کمیٹی نے تقریباً تیس ہزار پونڈ زکوٰۃ کے مال سے دار العلوم کی تعمیر پر خرچ کر دیئے ہیں اس لئے وہ زکوٰۃ ابھی تک ادا نہیں ہوئی۔ اب اس کے وبالِ دنیوی وعذابِ اخروی سے بچنے کے لئے انتظامیہ پر لازم ہے کہ تیس ہزار پونڈ کا حیلۂ شرعی کرا کر زکوٰۃ ادا کی جائے حیلہ شرعی کا طریقہ یہ ہے کہ تیس ہزار پونڈ یکمشت یا قسط وار ذاتی ملکیت سے جمع کئے جائیں اور ان پونڈوں کو ان مسلمانوں کی زکوٰۃ کا نام دیا جائے جنہوں نے اس سابقہ چیف کے کہنے پر اپنی زکوتیں انتظامیہ کمیٹی کے ذمہ دار اراکین کو دیں۔ پھر کسی غریب بالغ مسلمان غیر سید وغیر ہاشمی کو بلا کر اس کو پہلے حیلہ شرعی کا مسئلہ وطریقہ سمجھایا جائے پھر وہ رقم اسی طرح یکمشت یا قسطوں میں اس غریب کو بطور ملکیت دے دی جائے اور بتایا جائے کہ ہم یہ مال زکوٰۃ تجھے دیتے ہیں۔ وہ غریب آدمی بارادۂ تملیک اپنے ہاتھ میں لے کر قبضہ کرے پھر اسی وقت ہدیہ یا تحفہ بنا کر اور تحفہ کا لفظ بولکر دینے والے کو یہ کہہ کر واپس کرے کہ یہ میری طرف سے تمہیں ہدیہ ہے جہاں چاہو خرچ کرو۔ اس طریقۂ شرعیہ سے انتظامیہ میں سے یہ غریب کو دینے والا شخص پھر ہدیہ کا ذاتی مالک بن جائے گا۔ اور پھر بطور انعام وامداد کم از کم ایک فی صد اسی وقت اسی غریب کو بالکل دے دیئے جائیں یعنی اگر ہزار کا حیلہ کرایا تو دس پندرہ پونڈ اس غریب

کو پھر واپس کئے جائیں۔ ہاں البتہ موجودہ فی السوال صورت میں اسبات کا خیال رکھا جائے کہ وہ غریب ہدیہ یا تحفہ بنا کر واپس کرے۔ حیلہ فقط بنا کر واپس نہ کرے اگر حیلہ بنایا تو وہ رقم وقف فنڈ بن جائے گی اور واپس لینے والا نہ مالک بنے گا نہ اپنے لئے استعمال کر سکتا ہے لیکن واپس ہدیے کی شکل میں زکوٰۃ بھی ادا ہو جائیگی اور مالک کو رقم واپس بھی مل جائیگی صرف ایک فی صد کم ہوگی۔ اس حیلۂ شرعی کا ذکر حدیث پاک میں بھی ہے اور تمام بڑی کتب فقہ میں بھی۔ کتب فقہ میں اس باب کا نام فقہی اصطلاح ہے کتاب الحیل ہوتا ہے۔ چنانچہ بہار شریعت جلد اول حصہ پنجم صفحہ نمبر ۱۴ اور صفحہ نمبر ۱۳ پر اس کا ذکر موجود ہے۔ اور مستدرک حاکم جلد اول نمبر ۱۸۴ پر ہے۔ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلَاتِہٖ فَلْیَاْخُذْ بِاَنْفِہٖ وَیَنْصَرِفْ وَلْیَتَوَضَّاءْ سَمِعْتُ عَلِیَّ ابْنَ عُمَرَ الدَّارَقُطْنِیَّ الْحَافِظَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَابَکْرٍ شَافِعِیْ صَیْرَفِیْ یَقُوْلُ کُلُّ مَنْ اَفْتٰی مِنْ اَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ مِنَ الْحِیَلِ اِنَّمَا اَخَذَہٗ مِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ۔ ترجمہ: فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی تم میں سے نماز میں بے وضو ہو جائے تو اپنی ناک پکڑ کر صفوں سے نکل جائے اور وضو کرے۔ راوی کہتے ہیں میں نے سنا حافظ علی بن عمر دار قطنی سے انہوں نے سنا ابوبکر شافعی صیرفی سے کہ علماء امت اسی حدیث پاک سے حیلۂ شرعی کا جواز نکالتے ہیں۔ اور تلخیص حافظ ذہبی صفحہ نمبر ۱۸۴ پر ہے۔ وَمَنْ اَفْتٰی بِالْحِیَلِ یَحْتَجُّ بِہٖ۔ ترجمہ: حیلۂ شرعی کا ثبوت اسی دلیل شرعی سے لیا جاتا ہے اور فتاویٰ عالمگیری جلد ششم صفحہ نمبر ۳۰۲ پر کتاب الحیل میں ہے۔ وَکُلُّ حِیْلَۃٍ یَحْتَالُ بِہَا الرَّجُلُ لِیَتَخَلَّصَ بِہَا عَنْ حَرَامٍ اَوْلِیَتَوَصَّلَ بِہَا اِلٰی حَلَالٍ فَہِیَ حَسَنَۃٌ وَالْاَصْلُ فِیْ جَوَازِ ھٰذَا النَّوْعِ اٰیَۃُ وَخُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِہٖ وَلَا تَحْنَثْ۔ ترجمہ: اور ہر وہ حیلہ جو کوئی مسلمان اس لئے کرے کہ حرام سے بچ جائے یا اس حیلے کے ذریعے حلال تک پہنچ جائے تو وہ حیلہ شرعاً بہت حسن اور خوب اچھا ہے اور اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونے کی اصل دلیل اور ثبوت سورۃ ۳۸ سورۃ ص کی یہ آیت نمبر ۴۴ ہے۔ جس میں حضرت ایوب علیہ السلام کو انکی قسم کے پورا ہونے اور کوڑوں سے بچنے کا حیلہ وطریقہ بتایا گیا کہ اے ایوب۔ وَخُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِہٖ وَلَا تَحْنَثْ۔ ترجمہ: اور پکڑ لو اپنے ہاتھ میں جھاڑو پس ایک بار مار دو۔ قسم ہو جائیگی۔ قسم تو ژومت یہ قرآن مجید سے حیلے کا ثبوت ہوا۔ حدیث پاک میں بھی حیلہ شرعی کے جائز ہونے کا ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف بَابُ مَنْ لَا تَحِلُّ لَہُ الصَّدَقَۃُ فصل اول صفحہ نمبر ۱۶۱ پر ہے۔ عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ کَانَ فِیْ بَرِیْرَۃَ (الخ) وَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَالْبُرْمَۃُ تَفُوْرُ بِلَحْمٍ۔ فَقُرِّبَ خُبْزٌ وَّاُدُمٌ مِنْ اُدُمِ الْبَیْتِ۔ فَقَالَ اَلَمْ اَرَ بُرْمَۃً فِیْہَا لَحْمٌ قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنْ ذَالِکَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ عَلٰی بَرِیْرَۃَ وَاَنْتَ لَا تَاْکُلُ الصَّدَقَۃَ۔ قَالَ ھُوَ عَلَیْہَا صَدَقَۃٌ وَلَنَا ھَدِیَّۃٌ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت صدیقہؓ سے انہوں نے فرمایا حضرت بریرہؓ کے بارے میں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ بریرہ کے گھر میں تشریف لائے اور چولہے پر ہانڈی گوشت سے ابل رہی تھی یعنی ہانڈی میں گوشت پک رہا تھا۔ تو نبی کریم ﷺ کے پاس روٹی اور کوئی دوسرا گھر کا سالن پیش کیا گیا تب فرمایا آقا ﷺ نے کیا میں نے چولہے

پر گوشت بھری ہانڈی نہیں دیکھی۔ گھر والوں نے عرض کیا ہاں لیکن وہ بریرہ کو صدقے کا گوشت دیا گیا ہے اور آپ تو صدقہ کھاتے ہی نہیں۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ بریرہ کیلئے صدقہ ہے اور بریرہ کی جانب سے ہمارے لئے ہدیہ ہوگا۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں یہ حدیث مقدس حیلۂ شرعی کا ثبوت ہے اور تا قیامت یہ قانون کلیہ محکم ہوگیا۔ اسی دلیل سے ہر وہ حیلہ شرعاً جائز ہوگیا جو کسی حرام کو ختم کرے اور حلال و جائز عمل حاصل ہو۔ سابقہ امام اور مذکور مفتی نے انتظامیہ کمیٹی سے یہ حرام و ناجائز کام کرایا۔ جس کا وبال ابھی تک باقی ہے اس لئے اس عملِ بد کو ختم کرنے اور ظاہر کرنے کے لئے یہ حیلۂ شرعی اشد ضروری ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

دسواں فتویٰ

برطانیہ میں رویتِ ہلال کمیٹی کا قیام ضروری ہے تا کہ شرعی اسلامی قوانین و ضابطوں کے مطابق مسلمانوں کی عیدیں روزے قربانیاں شرعی صحیح وقت پر ادا ہوا کریں اور سعودیہ کے باطل طریقوں سے مسلمانوں کو نجات ملے۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ برطانیہ میں ہر سال مسلمانوں کی عیدیں قربانیوں اور ماہِ رمضان کے موقعہ پر عجیب پریشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ہر سال تقریباً دو دو عیدیں اور دو دو دن یکم رمضان منایا جاتا ہے۔ اس طرح کچھ مسلمانوں کی قربانیاں بھی ضائع جاتی ہیں اور عید کے دوسرے دن نفلی روزے بھی رکھے جاتے ہیں۔ کئی سال سے اس طرح کی مصیبتیں دیکھنے میں آرہی ہیں۔ غیر مسلم ہمارا مذاق اڑاتے ہیں اور ہماری نئی نسل انہی متفرقہ فرقے بازی کی بنا پر دین سے برگشتہ ہوتی جارہی ہے۔ عیدین و رمضان و قربانی کا یہ تفرقہ اس بنا پر ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ برطانیہ میں چونکہ مطلع ابر آلود رہنے کی بنا پر چاند نظر نہیں آتا اس لئے ہم از خود چاند تسلیم کرنے میں سعودی عرب کی اتباع میں ان کے اعلان کے مطابق رمضان و عیدین و قربانی کرتے ہیں کیونکہ وہ مرکزِ اسلام ہے۔ لہٰذا جس دن حج ہوگا ہم اس کے دوسرے دن عید الاضحیٰ منائیں گے۔ اس لئے کہ حج کے دوسرے دن عید و قربانی واجب ہے مگر دوسرے لوگوں کا کہنا ہے رمضان و عیدین کا تعلق کسی حکومت کی اتباع سے نہیں بلکہ چاند دیکھنے سے ہے اگر آنکھ سے دیکھنے کی حد تک چاند مطلع پر نہ ہو تو نہ رمضان کی ابتداء جائز نہ عیدین کی نہ قربانی جائز نہ حج جائز۔ سعودی اتباع کرنے والے پہلے دن روزہ و عیدین و قربانی کر لیتے ہیں جبکہ چاند کی اتباع کرنے والے دوسرے دن ابتداء کرتے ہیں مگر دو طرفہ مسلمانوں کو اس تفرقہ بازی سے بدمزگی بہت ہوتی ہے پہلے دن عیدین وغیرہ منانے والے دوسرے دن والوں کو الزام دیتے ہیں تم لوگوں نے اتحاد اسلامی کو توڑا، مرکزِ اسلامی سے منہ موڑا۔ دوسرا فریق پہلے گروہ کو الزام دیتا ہے کہ تم نے فرمانِ قرآنی کو توڑا اور حکمِ اسلامی سے منہ موڑا پہلا فریق کہتا ہے کہ اتحاد کرو اور ایک دن ہی عید مناؤ اسی میں وقار ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ باطل سے اتحاد جائز نہیں اگر اتحاد کرنا ہے تو حقانیت پر اتحاد کرو۔ لہٰذا ہماری گزارش ہے کہ فتوئے شرعی کی رو سے بتایا

جائے کہ ہم کیا طریقہ اختیار کریں جس کے ذریعے سے سب مسلمانوں کا کم از کم عیدین وغیرہ میں حکم اسلامی کے مطابق اتحاد پیدا ہو جائے اور عیدین و ماہ رمضان ایک دن منایا جا سکے۔ جو قارسولہ و طریقہ شریعت اور قرآن وحدیث سے ہوگا ہم کوشش کریں گے کہ ہر فرقے کے مسلمانوں کو اس طریقے پر اتحاد کے لئے آمادہ کریں اور ہمیں یقین ہے کہ سب مسلمان اس شرعی قارسولے پر متحد و متفق ہو جائیں گے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل امور کی وضاحت فرمائی جائے۔ نمبر ا لفظ ہلال کی شرعی اصطلاح اور فقہاء کرام کی تصریحات کیا ہیں کیا مطلق نئے چاند کی پیدائش کی خبر سے نئے ماہ کی ابتداء شرعاً ہو سکتی ہے۔ یہاں کی مرکزی جماعت اہلسنت نے مطلق چاند کے لئے رویتِ بصری کی شرط نہیں رکھی کیا یہ بات شریعتِ مطہرہ سے مطابقت رکھتی ہے۔ نمبر ۲ موجودہ دور میں بذریعہ آلاتِ مواصلات چاند کی خبر و اطلاع شریعت پاک میں معتبر ہو سکتی ہے یا نہیں اور جو لوگ اس نئے طریقے کو رائج کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں ان کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے کیا دیگر مسلمانوں کو ان لوگوں سے تعاون ان کی تائید وحمایت کرنی چاہئے یا نہیں۔ موجودہ دور میں برطانیہ وغیرہ یورپ ملکوں کے لئے اس مسئلے رویت ہلال کا حل کیا ہے۔ نمبر ۳ جو ائمہ وخطباءِ مساجد ایسے موقعوں پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ غلط عید و رمضان کا فیصلہ اراکین مسجد کمیٹی کا ہے۔ ہم مجبور ہیں کیا کریں۔ ایسا کہہ دینے سے ائمہ وخطبا عند اللہ بَرِیُ الذِّمَہ ہو جائیں گے یا نہیں اور مطابق شریعت ائمہ وخطبا کا اس بارے میں کیا کردار ہونا چاہئے۔ نمبر ۴ جو علماء دانستہ شریعت کے خلاف فیصلہ کریں اور کہیں کہ ہم نے یہ فیصلہ اتحاد امت کی خاطر کیا ہے تو کیا ایسا غیر شرعی فیصلہ اور اتحاد امت کا بہانہ کرنا عند اللہ درست و منظور ہے یا نہیں شرعی گواہی کا طریقہ اور گواہ کے شرعاً معتبر ہونے کی علامت کیا ہیں۔ بَيِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ مورخہ قمری 4-1-1423 مورخہ شمسی 20-03-2002 دستخط سائلان۔ نمبر ا۔ راجہ محمد فاضل۔ نمبر ۲۔ ملک سردار علی نمبر۔ ۳ حاجی محمد یونس۔ نمبر ۴۔ ڈاکٹر بدر منیر مجددی۔ نمبر ۵۔ عبدالخالق۔

الجواب

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابُ

عیدین، رمضان، حج وقربانی بلکہ بارہ مہینے کا اسلامی نظام الاوقات تو آج سے صدیوں پہلے خود قرآن وحدیث نے ایسا آسان وعظیم فرما دیا کہ اگر سعودیہ کی ضد بازی ہٹ دھرمی وخلافِ اسلام طریقے پر توجہ نہ دی جائے تو کبھی بھی نہ دو عیدیں ہوں نہ ابتداء ماہِ رمضان واختتام کی پریشانی ہو۔ یہ پریشانی صرف برطانیہ میں ہے کہ یہاں کے کچھ فرقہ پرست لوگوں نے اپنی آنکھیں احکامِ قرآن وحدیث سے بند کر کے سعودیہ کے نقشِ قدم پر چلنا شروع کر دیا ہے ورنہ جن ملکوں میں احکامِ قرآن وحدیث کو ہی مقدم واہم سمجھا جاتا ہے وہاں برسوں سے کبھی کوئی انتشار، پریشانی اور دو عیدین۔ دو بار کیم رمضان نہیں منائے گئے۔ اگر برطانیہ کے مسلمان بھی خدا کرے اس یقینِ صادق اور احکام کامل پر متفق ہو جائیں تو یکدم پریشانیاں ختم ہو جائیں۔ کسی نے کبھی نہ سنا کہ پاکستان، ہندوستان، ایران، مراکش وغیرہ میں دو عیدیں یا دو کیم

رمضان منائے ہیں۔ یہ مصیبت صرف برطانیہ میں ہر سال ظاہر ہوتی ہے اور اس کی وجہ صرف تقلید سعودیہ کا بطلان ہے۔ باطل کی ہمیشہ سے یہ ضد رہی ہے کہ اپنا نظریہ وطریقہ ایک نقطہ و ذرہ چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا مگر چاہتے ہیں کہ اہلِ حق اپنا پورا حق چھوڑ کر باطل کے نقشِ قدم پر چل کر اتحاد کریں۔ بعض نادان بے علم لوگوں کو یہ کہتے بھی سنا گیا ہے کہ فاصلہء زمینی کی وجہ سے سعودیہ میں چاند ایک دن پہلے نظر آجاتا ہے اور پاکستان وغیرہ میں ایک دن بعد نظر آتا ہے۔ حالانکہ رفتارِ فلکیات کے نظام سے یہ بات ناممکن ہے کیونکہ آسمان پر چاند بھی ایک ہے اور سورج بھی ایک ہی ہے۔ سورج کی رفتار سے شمسی تاریخیں سال و ماہ بنتے ہیں اور چاند کی رفتار سے قمری تاریخیں سال و ماہ بنتے ہیں۔ سموات بھی وہی ہیں زمین بھی وہی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ شمسی مہینے اور ابتدائی و انتہائی تاریخیں پوری دنیا میں ایک ہی دن جنوری فروری کی یکم پاکستان میں بھی وہی دن سعودیہ میں بھی وہی دن اور سب سے دور ملک امریکہ میں بھی وہی دن حالانکہ امریکہ و پاکستان کا وقتی فاصلہ بارہ گھنٹے ہے لیکن چاند کی تاریخوں میں پورے چوبیس گھنٹے یعنی ایک تاریخ اور کبھی کبھی دو تاریخ کا فاصلہ ہو جائے جبکہ سعودیہ اور پاکستان میں صرف اڑھائی گھنٹے کا فاصلہ اور برطانیہ وسعودیہ و برطانیہ میں بھی صرف اڑھائی گھنٹے کا وقتی فاصلہ۔ اس فاصلے سے پوری چوبیس گھنٹے کی تاریخ کیسے بدل سکتی ہے۔ خیال رہے کہ پوری دنیا میں کہیں بھی پورے چوبیس گھنٹے کا وقتی فاصلہ قطعاً موجود نہیں۔ اسی لئے پوری تاریخ کا کہیں بھی فرق نہیں پڑ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا میں جنوری وغیرہ کی یکم ایک ہی دن ہوتی ہے۔ نہ کوئی اختلاف نہ پریشانی۔ صاف ظاہر ہے کہ قمری تاریخوں میں سعودیہ کی شرارت دیدہ و دانستہ مسلمانوں کی عبادات خراب کرنے کے لئے شیطانی ورغلاہٹ اور تلبیسِ ابلیس ہے۔ ابلیس نے ازل سے عہد کیا ہوا ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو انسان کو گمراہ کروں گا کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دور کر کے اپنا ساتھی بناتا رہوں گا۔ ادوارِ سابقہ میں تو نہ معلوم کن کن ذریعوں سے ابلیس نے گمراہی پھیلائی ہوگی۔ فی زمانہ تو حکومت سعودیہ کو اپنا ایک ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ اب یہ برطانوی مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ہوش وخرد سے کام لیں اور صرف سعودیہ کے پیچھے لگ کر اپنی عبادات خراب نہ کریں۔ اور اپنی عبادتیں خراب کر کے آخرت برباد نہ کریں۔ اب اللہ تعالیٰ لوگوں کو بچانے، گمراہوں کو سمجھانے کے لئے کوئی نبی رسول نہ بھیجے گا۔ اب تو ان ہی قوانین قرآن وفرامین احادیث کی روشنی کے ذریعے ہی فقہاء امت علماء ملت مسلمانوں کو سمجھائیں گے۔ گمراہوں سے بچائیں گے جو قوانین وفرامین آج سے چودہ سو سال پہلے آقائے کائنات حضورِ اقدس نبی مکرم نورِ مجسم ﷺ کی زبان اقدس سے نافذ ہوئے تا قیامت وہ قوانین وفرامین اٹل ہیں۔ نہ ان کو سائنسی دور ختم کر سکے نہ محکمہ موسمیات کی عقلی خرافات مٹا سکیں نہ کسی کے نئے ذہنی علوم توڑ سکیں۔ قرآن وحدیث کے مقابل ومخالف یہ سب بجز شیطانیت کے کچھ نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید سورۃ یونس آیت نمبر ۶۴ میں ارشاد خالق کائنات ہے۔ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے قوانین میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا اور سورۃ احزاب آیت نمبر ۶۲ میں ارشاد ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔ ترجمہ: اور اے مسلمان تو اللہ تعالیٰ کے طریقوں میں کبھی تبدیلی نہیں پائے گا اور سورۃ فاطر آیت نمبر ۴۳ میں ارشادِ ربانی ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا۔

ترجمہ: اور اے بندے تو اللہ تعالیٰ کے طریقہ کار میں کبھی ادھر ادھر ہونے کی پھیر نہ پائے گا۔ ان آیات پاک سے ثابت ہوا کہ دنیا والوں کے بڑے بڑے قانون قارہوئے تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ مشینی و سائنسی وفلسفی منطقی کلیات و جزئیات میں تبدیلی، تحویل، کمی بیشی، تغیر اور ادھر پھیر ہو سکتی ہے ہونا ممکن ہے مگر اللہ تعالیٰ کے کسی بھی قانون میں چھوٹا ہو یا بڑا تاریخی ہو یا تحریری، شمسی ہو یا قمری نظام الاوقات ہو یا نظام احکام ہو۔ موسمیات زمینی ہوں یا فلکیاتِ آسمانی ذرہ بھرتا قیامت نہ تبدیل و تحویل ہے نہ کوئی جن فرشتہ انسان کر سکتا ہے۔ انہیں قوانین وفرامین میں رویتِ ہلال کا قانون نبوی ہے کہ صدیوں پہلے آقائے کل واتائے سبل ختم الرسل ﷺ نے فرمایا۔ صُوْمُوْا لِرُؤیَتِہٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤیَتِہٖ۔ (نسائی ومسند احمد ومشکوٰۃ کتاب الصیام ص ۱۷۴ فصل ثانی) اور ابوداؤد کتاب الصوم میں ہے۔ ثُمَّ صُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْھِلَالَ۔ اور بخاری ومسلم کی کتاب الصوم میں ہے۔ وَاِذَا رَاَیْتُمُ الْھِلَالَ فَصُوْمُوْا۔ اور موطا امام مالک میں ہے۔ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَا تَصُوْمُوْا قَبْلَ رَمَضَانَ۔ اور مشکوٰۃ شریف باب رُؤْیَۃِ الْھِلَالِ فصل اول ص ۱۷۴ پر ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْھِلَالَ وَ لَا تُفْطِرُوْا حَتّٰی تَرَوْہُ (الخ) متفق علیہ۔ ان سب احادیث مقدسات کا ترجمہ وتشریح۔ فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہ ارشاد فرمایا نبی کریم آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ نے کہ پہلی تاریخ یکم رمضان کا چاند آنکھوں سے دیکھ کر فرضی روزے رکھنا شروع کیا کرو اور آنکھوں سے چاند دیکھ کر ہی فرض روزے ختم کیا کرو۔ اور کبھی بھی کسی کے بھی کہنے ورغلانے بہکانے سے ماہِ رمضان کا پہلا چاند آنکھوں سے نظر آنے کی حالت سے پہلے رمضان سے قبل فرضی روزہ نہ رکھو۔ یعنی چاند اپنی رفتار سے جب آسمان پر اس جگہ آ جائے جہاں سے انسانی آنکھ اسے دیکھ سکے تو سمجھ لو کہ مہینہ شروع۔ اور اے مسلمانو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ تمہاری ماہانہ تاریخی عبادتوں کے لئے رفتارِ چاند کے اوقات کو بنایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۸۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ۔ ترجمہ: اور لوگ پوچھتے ہیں آپ سے ہلال کے بارے میں آپ فرما دیجئے کہ وہ تمام انسانوں کے لئے وقتوں تاریخوں اور حج کے اوقات بتانے والا ہے۔ یہ ہے قرآن وحدیث کا بیان کردہ قانون جو تا قیامت جاری ونافذ ہے کبھی کسی زمانے میں کسی بھی علاقہ سے ختم نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی علاقہ سے بذورِ حکومت یا بذریعہ شرارت یا بطریقہ تقلید باطل ختم کرنے کی کامیاب یا ناکام کوشش کرے تو وہ محض بطالت و ضلالت ہو گی اور عبادات کی ضیاع۔ فرمانِ حدیث میں صُوْمُوْا لِرُؤیتہ کا معنی ہے چاند اس جگہ آجائے جہاں انسانی آنکھ دیکھ سکے خواہ دوربین لگا کر یا ہوائی جہاز وہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر بلندی پر جا کر یا اونچی بلڈنگ پر چڑھ کر۔ ان ذرائع میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے۔ غرضیکہ قانونِ شرعی صرف رویتِ بصری ہے ہاں البتہ رویتِ بصری کو ثبوت شرعی بنانے کے لئے فقہاء کرام نے چار طرح تقسیم فرمائی ہے۔ نمبر 1 حکایتِ ہلال۔ یہ شریعت میں معتبر نہیں اور حکایت ہلال پر عمل کرنا گمراہی ہے۔ برطانیہ میں سعودیہ سے حکایتِ ہلال ہی وصول ہوتی ہے۔ نمبر ۲ شہادت ہلال اس کی دوصورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ

چاند دیکھنے کی گواہیاں شریعت کے معیار کے مطابق حاصل ہو جائیں ان کو سن کر لکھ کر علاقہ کا مفتی قاضی فیصلہ کر دے۔ شرعاً یہ معتبر ہے دوم یہ کہ گواہیاں بلحاظِ مطلع یا بلحاظِ شخصیت شرعاً معتبر نہ ہوں تو ایسی شہادت کا اعتبار نہ ہوگا۔ نمبر ۳ خبرِ ہلال یہ بھی شرعی شرائط و قیود کے ساتھ ہی معتبر ہے ورنہ نہیں۔ نمبر ۴ خبرِ مستفیض قانونِ شریعت کے مطابق ایک خبرِ مستفیض پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے معتبر و قابلِ عمل ہے۔ پاکستان، ہندوستان ایران و مرکش اور جہاں جس ملک میں بھی رویتِ ہلال کمیٹی بنی ہوئی ہے اس فیصلے کی نشر کردہ ریڈیو خبر اصطلاح فقہ میں خبرِ مستفیض ہے دنیا کے جس حصے میں بھی یہ خبرِ مستفیض سنی جائے تو وہاں کے مسلمانوں پر اس خبرِ مستفیض کے مطابق عمل کرنا واجب و لازم ہے اور جب دنیا کے چار پانچ ملکوں سے خبرِ مستفیض ثبوتِ ہلال نشر ہو جائے تب تو اس کی مطابقت کرنا اور بھی زیادہ شدت سے واجب ہے۔ فتاویٰ شامی جلد دوم ص ۱۲۸ پر ہے۔ شَهِدُ وَاَنَّهُ شَهِدَ عَنَدَ الْقَاضِیُ مِصَرَ کَذَا شَاهِدَانِ بِرُوَیَةِ الْهِلَالِ فِیْ لَیْلَةِ کَذَا وَقَضَی الْقَاضِیُ بِهٖ وَوُجِدَ اِسْتِجْمَاعُ شَرَائِطِ الدَّعْوٰی قَضٰی اَیْ جَازَ لِهٰذَا الْقَاضِیُ اَنْ یَّحْکُمَ بِشَهَادَتِهِمَا لِاَنَّ قَضَاءَ الْقَاضِیُ حُجَّةٌ وَ قَدْ شَهِدُوْا بِهٖ۔ ترجمہ: چند لوگوں نے اپنے شہر کے مفتی قاضی کے پاس گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس دو گواہوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور اس فلاں قاضی نے گواہی لے کر چاند ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے اور اس شہر کے قاضی کے نزدیک گواہ ہونے کے دعوے چاند کی شرعی شرطیں بھی پائی گئیں تو جائز ہے اس دوسرے شہر کے قاضی مفتی کے لئے یہ کہ حکم جاری کر دے ان دو گواہوں کی گواہی کی وجہ سے چاند ہو جانے کا اس لئے کہ اس شہر فلاں کے قاضی کا فیصلہ اس دوسرے شہر کے قاضی مفتی کے لئے شرعی دلیل ہے اور بیشک اس دوسرے شہر کے قاضی کے پاس اس فلاں قاضی کے فیصلے کی گواہی چند معتبر لوگ دے ہی چکے۔ اور فتاویٰ تنویرُ الابصار علیٰ درمختار علیٰ ردالمختار شامی جلد دوم ص ۱۲۸ پر ہے۔ لَوِ اسْتَفَاضَ الْخَبْرُ فِی الْبَلْدَةِ الْاُخْرٰی لَزِمَهُمْ عَلَی الصَّحِیْحِ۔ ترجمہ: اور اگر ایک علاقے کی خبرِ مستفیض دوسرے شہر میں آئے تو اس دوسرے شہر والوں پر بھی اس فیصلے کے مطابق عمل کرنا لازم واجب ہے۔ صحیح مذہب کی بنا پر اور فتاویٰ شامی جلد دوم ص ۱۳۲ پر ہے۔ فَیَلْزِمُ اَهْلَ الشَّرْقِ بِرُوَیَةِ اَهْلِ الْمغرب اِذَا ثَبَتَ عِنْدَهُمْ رُوَیَةُ اُولٰئِکَ بِطَرِیْقٍ مُوْجِبٍ اَوْ یَشْهَدُ عَلٰی حُکْمِ الْقَاضِیُ اَوْ یَسْتَفِیضُ الْخَبْرُ۔ ترجمہ: قانونِ شریعت کے حکم سے لازم واجب ہے ہزاروں میل دور مشرق والوں پر چاند کو تسلیم کرنا مغرب والوں کے چاند دیکھ لینے سے جبکہ ان مغرب میں چاند دیکھنے والوں کا دیکھنا شریعت کے موجب و معیار کے اعتبار پر ثابت ہو جائے یا علاقہ ءِ مغرب کے قاضی کے حکم پر گواہی حاصل ہو چکی ہو یا علاقہ ءِ مغرب کی خبرِ مستفیض پہنچے علاقہ ءِ مشرق میں ان تمام صورتوں میں دور دراز سے آنے والوں کو بھی چاند ماننا لازم ہے۔ آج فی زمانہ برطانیہ جیسے ابدی اکثر ابر آلود علاقوں کے لئے اسلام قرآن اور فرمان پر عمل کرنے میں یہ فقہی اصول و ضوابط ہی اختیار کرنا لازم ہے۔ سعودی حکومت کی اسلام قرآن فرمان اور فقہی ضوابط کے خلاف نہ معلوم یہ کیا ضد ہے اور برطانیہ کے بعض لوگ ان سعودیوں کی بے جا ہم نوائی میں حتی کہ مرکز اسلام بنا لیتے ہیں اور کبھی قربانی کو حج سے جوڑ کر ناجائز غیر شرعی بہانہ بازی بناتے ہیں حالانکہ حج

عرفات کا بیک شہریوں کی قربانیوں سے کوئی تعلق نہیں ابتداء اسلامی دور تھا ابھی حج فرض بھی نہیں ہوا تھا کہ مدنی وغیرہ مسلمانوں پر قربانی واجب ہوتی۔ مسئلہ کی بنیاد رویت ہے چاند دیکھنا ایک دن پہلے یکم رمضان اور ایک دن پہلے عید منانا قطعاً عبادات جماعت کو خراب کرنا ہے۔ ایسی وحدت کا ذریعہ شرعی اتحاد نہیں باطل نوازی ہے۔ سائلین محترمین نے سوال لکھا آخر میں پانچ باتوں کی وضاحت طلب فرمائی ہے۔ پہلی یہ کہ لفظ ہلال کی شرعی اصطلاح وتصریحات فقہا کیا ہیں۔ جواب لغوی اعتبار سے ہلال کہتے ہی اس کو ہیں جو انسانی آنکھ سے نظر آ سکے۔ اور فقہی تصریحات ثبوتِ ہلال میں اوپر بیان کر دی گئیں۔ دوم یہ کہ جدید آلات سے چاند کی اطلاع قطعاً معتبر ہے یا نہیں۔ جواب قطعاً معتبر نہیں اس لئے اس اطلاع پر شرعی حکم فیصلہ کرنا شرعاً مردود و باطل ہے ایسے آلات کی توثیق وتائید کرنا گمراہی ہے اور گمراہوں کی تائید یا معاونت وتعاون بھی شرعاً گناہ و گمراہی ہے۔ اگر محکمہ موسمیات کے آلات مواصلات چاند کے بارے میں کوئی اطلاع دیں بھی تو اس پر یقین کامل نہ کیا جائے بلکہ تاریخ مقررہ پر رویتِ بصری کا اہتمام کرنا واجب ہے۔ سوم یہ کہ ائمہ وعلماء خطبا کا غلط عیدین و رمضان کرنے کا فیصلہ اراکین مسجد کمیٹی کے سپرد کر کے خود کو مجبور و بری ذمہ کہہ دینا اور غلط عید وغلط تراویح پڑھا دینا غلط روزہ رکھوا دینا قربانیاں غلط کرا دینا کیا عند اللہ معتبر و قابل معافی ہو سکتا ہے۔ علماء کا کیا کردار ہونا چاہئے۔ جواب ائمہ خطباء وغیرہ کی عذر تراشی قطعاً غلط ہے بلکہ سب سے بڑے مجرم ہی وہ ائمہ ہیں جو غلط عیدین وغیرہ کرا دیتے ہیں۔ عیدین کو نماز، روزہ وقربانی خالص دینی مسائل ہیں ان کو سنبھالنا اور تحفظ کرنا علماء کی ذاتی ذمہ داری ہے۔ ان عبادات کی حفاظت کے لئے ہے۔ منبر ومحراب ان کے سپرد کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی رکنِ کمیٹی اپنی من مرضی کرنی بھی چاہے تو جبراً اس کو روکا جائے کیونکہ یہ مداخلت فی الدین ہے۔ اراکین کمیٹی صرف تعمیراتی و امورِ انتظامی کے اہل ہیں ان کی ذمہ داریاں صرف دنیوی انتظامی امور تک محدود رہنی چاہئیں۔ دین سے ناواقف حضرات کو مداخلت فی الدین جائز نہیں ہے لیکن پھر بھی اراکینِ انجمن کمیٹی عیدین وغیرہ میں اپنی غیر شرعی حکمرانی ٹھونسنے پر بضد ہوں تو خطیب و امام کو جی حضوری چھوڑ کر حق گو بننا چاہئے اور عوام کے سامنے حق و باطل صحیح وغلط صاف صاف بیان کر دینا چاہئے۔ اس صاف گوئی سے ہی خطیب عند اللہ بری الذمہ ہو سکتا ہے۔ چہارم یہ کہ جو علماء دانستہ شریعت کے خلاف فیصلہ کریں اور اتحاد امت کا بہانہ تراشیں تو کیا یہ بہانہ عند اللہ درست منظور ہے یا نہیں۔ جواب۔ ایسے لوگ علماء حق نہیں ہوتے اور یہ اتحاد اتحادِ امت نہیں ہے اتحاد باطل ہے۔ شریعت کے خلاف ہرگز ہرگز یہ درست ومنظور نہیں۔ چنانچہ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۸۵ میں ارشاد الٰہی ہے۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔ ترجمہ: جو شخص اسلام کے خلاف کوئی راستہ دینی نکالے اور چاہے تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ پنجم یہ کہ شرعی گواہی کا طریقہ اور گواہ کے شرعاً معتبر ہونے کی علامات کیا ہیں۔ جواب۔ فقہاء کرام نے مطالع آسمانی کی دو قسمیں فرمائی ہیں اور دونوں کے لئے رویتِ ہلال کی شہادت کا نصاب علیحدہ ہے۔ نمبر ا۔ مطلع صاف ہو۔ نصابِ شہادت کثیر افراد۔ نمبر ۲۔ مطلع ابر آلود تو نصابِ شہادت صرف دو فرد اور شریعت میں معتبر گواہ وہ شخص ہے جو عادل یعنی نیک نمازی متقی ہو اور دینیات سے محبت کرنے والا حساب قیامت سے

ڈرنے والا جھوٹ سے بچنے والا ہو۔ سوالِ مذکورہ میں یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ موجودہ دور میں یورپ برطانیہ وغیرہ ملکوں میں اس مسئلہ رویتِ ہلال کا حل کیا ہے۔ جواب۔ قانونِ شریعت کا احترام کرتے ہوئے اولاً یہ پختہ حتمی ارادہ کیا جائے کہ ہم قرآن وحدیث کے قانون وفرمان سے کسی بھی صورت کیسی بھی حالت کیفیت رکاوٹ ہو ایک انچ ایک منٹ ایک نقطہ ادھر ادھر نہ ہٹیں گے۔ اس ہی پرخلوص عزم وارادے کے ساتھ ملکِ برطانیہ میں ایک متحدہ رویۃ ہلال کمیٹی بنائی جائے جس میں گلاسگو سے لندن تک ہر فرقہء اسلامی کا معتبر عالمِ دین اس ہلال کمیٹی کا رکن بنے۔ صدر کمیٹی کا ہر سال کے لئے انتخاب کیا جائے۔ پھر اسی رویۃ ہلال کمیٹی کو ملکی حکومت کا قانونی تحفظ حاصل ہو۔ جیسے ہندوستان اور پاکستان وغیرہ ممالک میں ہے۔ اس کے علاوہ ہر فرقے کا عالم دین بحیثیت قائدِ گروہ اپنی عوام وخواص کو اس کمیٹی کے اعلاناتِ رویت کا پابند بنائے اور سمجھائے پھر ان مضبوطیوں کے بعد ہر رویت کے موقع پر اراکین کمیٹی کے ساتھ نمبروار مختلف شہروں میں یا متفقہ رائے سے ایک ہی معینہ شہر میں ہر سال رویۃ ہلال کا اجلاس قائم کیا جایا کرے اور مطلع ابرآلود ہونے کی صورت میں بادلوں سے اوپر جا کر بذریعہ ہیوی دوربین سے چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے پھر بھی نظر نہ آئے تو مندرجہ بالا کسی بھی ایک ملک سے رابطہ کر کے وہاں کی خبرِ مستفیض کا پتہ لگا کر اس پر عمل کرنے کا اعلان بذریعہ ریڈیو کیا جائے۔ کمیٹی بنانے۔ تحفظ دلانے میں کچھ دشواریاں ضرور ہوں گی۔ اگر یہ دو مرحلے پورے ہو گئے تو باقی کام آسان ہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمْ۔

گیارہواں فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ تفسیر نعیمی جلد نمبر ۱۵ پارہ پندرھواں ص ۱۵۸ پر زیرِ عنوان تیسرا مسئلہ میں لکھا ہے کہ نطفہ یا حمل علقہ اور مضغہ (لوتھڑا) وغیرہ اولاد نہیں ہے اور نہ ہی بیجان حمل کو گرانا قتل ہے البتہ جب حمل میں مکمل جان پڑ جائے تب وہ اولاد ہے اور اس کو پیٹ سے مار کر نکلوانا قتل ہے۔ سوال یہ ہے کہ مرد کا جرثومہ اور عورت کا بیضہ کیا جاندار نہیں پھر ان کے ملاپ کے بعد انسانی آنکھ سے نہ دکھنے والا یہ وجود جب بڑھتے بڑھتے بقولِ مصنف لوتھڑا بن جاتا ہے تو کیا اس بڑھوتی کے عمل میں جان نہیں کیا بے جان وجود بڑھ سکتا ہے۔ نیز مکمل جان سے صاحب تفسیر کا مفہوم کیا ہے۔ سائنسی وطبی نقطۂ نظر سے صرف زندہ وجود ہی بڑھتا ہے اور قدرتی لحاظ سے صرف زندہ وجود ہی بڑھ سکتا ہے۔ امید یقین ہے کہ آپ وضاحت فرمائیں گے۔ شکریہ اللہ آپ کو جزاء خیر دے۔ اپنے سب ساتھیوں کو میری طرف سے السلام علیکم کہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین ثم آمین والسلام خیر اندیش۔ سائل حکیم افتخار احمد خان یوسف زائی رجسٹرڈ پریکٹیشنز احمد دارالشفا۔ تحصیل روڈ۔ جہلم مورخہ 20-05-2002

دستخط سائل۔ حکیم افتخار یوسف زئی

الجواب

بعون العلام الوهاب

سوال مذکورہ میں سائل محترم کی طرف سے جو سوالنامہ موصول ہوا اس میں دو باتیں قانونِ شریعت کے مطابق قابلِ وضاحت ہیں ایک وہ جو سائل محترم نے خود پوچھی ہے اور دوسری وہ جو اس سوالنامہ کے لیٹر پیڈ پر درج شدہ عنوانِ دکان سے ظاہر ہے کیونکہ سائل محترم نے اپنی دکان طب و حکمت کا نام رکھا ہے۔ دارالشفاء۔ قانونِ شریعت اور فرمودات قرآن و حدیث سے کوئی بھی انسان طبیب ہو یا ڈاکٹر حکیم ہو معالج نہ وہ شافعِ امراض ہوسکتا ہے نہ اس کی دکان و ہسپتال دارالشفا ہوسکتی ہے۔ دارالشفا صرف بارگاہِ الٰہی ہے۔ دنیا میں اطباء حکماء اور ان کی طبی ڈاکٹری دوائی خانوں کو دارالدوا تو کہہ سکتے ہیں مگر دارالشفا کہنا یا لکھنا یا سمجھنا اور عقیدہ بنانا شرکیہ گناہ عظیم ہے۔ پرانی عربی لغت میں و کتب فقہ میں ہسپتال کو بیت العلاج یا دارالتشخیص کہا گیا ہے۔ اور میڈیکل سٹور یا پنساری کی دکان کو برازیہ اور پنساری کو بزاز یا مطب اور طبی کہتے ہیں۔ فارسی میں مارستان کہتے ہیں اور دوائی خانہ کہتے ہیں۔ غرضیکہ دنیا میں کسی دوائی خانے کو یا ڈاکٹر و حکیم طبیب کے چھوٹے بڑے ادارے کو شفا خانہ یا دارالشفا کہنا شرعی لحاظ سے قطعاً غلط جھوٹ اور شرکیہ گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو حکمت طبابت، ڈاکٹری تشخیص امراض اور علم الادویہ تو عطا فرمایا ہے مگر کسی بندے کو شافی الامراض نہیں بنایا۔ اس لئے شفاء امراض صرف اور صرف رب تعالیٰ کے قبضہء قدرت میں ہے اس لئے اسی ذات باری تعالیٰ کی بارگاہِ مقدس دارالشفا کہلانے کا حق رکھتی ہے۔ چنانچہ سورۃ شعراء کی آیت نمبر ۸۱ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے مشرک بت پرستوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی معبودیت پر جو چار دلائل پیش فرمائے ان میں سے ایک یہ دلیل بیان فرمائی کہ۔ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ ترجمہ: جب بھی کبھی میں بیمار ہوتا ہوں تو رب تعالیٰ ہی میرا معبود مجھ کو شفا عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شفا کی عطا کو معبودیت کی صفت خصوصی فرمایا۔ اس لئے شفا کو کسی بھی طرف نسبت کرنا یا عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ کے سوا شرک ظاہر ہوا۔ دوا اور دوائیوں کے بیچنے بنانے والے سب غیر اللہ ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ جب کوئی بیمار کوئی بھی دوائی کھانے لگے تو دوائی ہاتھ میں رکھ کر تین مرتبہ یہ دعائیہ الفاظ عرض کرے۔ اللّٰهُمَّ يَا شَافِيَ الْاَمْرَاضِ هٰذَا دَوَائِيْ وَ فِيْ اِسْمِكَ شِفَائِيْ وَبِاِذْنِكَ شِفَائِيْ۔ ترجمہ: یا اللہ بیماروں کو شفا بخشنے والے یہ میرے داہنے ہاتھ میں میری دوائی ہے لیکن میری شفا تیرے نام اقدس میں ہے اور میری اس دوا سے شفا ملنا تیری اجازت سے ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب بیمار اپنے منہ میں دوائی ڈالتا ہے تو دوائی رب تعالیٰ سے اجازت مانگتی ہے کہ میں اس کو فائدہ دوں یا نہ دوں۔ اس عرضِ دوا پر رب تعالیٰ اس دوا میں شفا عطا فرماتا ہے تب مریض کو دوا کے ذریعے شفا ملتی ہے۔ اگر منع فرما دیتا ہے تو دوا شفا کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ اس لئے بحکم قانونِ شریعت مطہرہ آپ فوراً بلا حیل و حجت دارالشفا کا لفظ ختم کر کے دارالدوا لکھیں اور یہی سب کو سمجھائیں۔ آپ کے اصل اور پوچھے

ہوئے سوال کا جواب اس طرح ہے۔

کہ قرآن وحدیث کے فرمودات کے مطابق مخلوقات کائنات میں سے بجز انسان جنات ملائکہ زمین وآسمان کی کسی چیز میں روح نہیں ہے۔ البتہ حیات وموت ہر چیز میں ہے کیونکہ حیات چار قسم کی ہیں۔ ایک حیاتِ روحانی جسم و روح کے ملنے سے یہ حیات انسان اور جنات وملائکہ کو عطا فرمائی گئی۔ دوم۔ حیاتِ نمائی۔ یہ تمام نباتات کو عطا فرمائی گئی۔ اس حیات کی وجہ سے نباتات بڑھتے اور نشوونما پاتے ہیں۔ سوم حیاتِ قابلیت یہ زراعتی قابل کاشت زمین کو عطا فرمائی گئی۔ چنانچہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۶۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ ترجمہ: اور نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے پانی پھر زندہ کیا اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد۔ حیات چہارم۔ نطق شعوری ہے۔ یہ ہر جمادات نباتات کو عطا فرمائی گئی۔ حدیث مقدس ہے کہ کچھ پتھر آقاء کائنات حضورِ اقدس ﷺ کو سلام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب المعجزات فصل ثانی ص ۵۴۰ پر ہے

عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَخَرَجْنَا فِيْ بَعْضِ نَوَاحِيهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَّ لَا شَجَرٌ اِلَّا وَهُوَ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ ترجمہ: روایت ہے مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا انہوں نے ایک بار آقا حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں میں ساتھ تھا تو نکلے ہم مکہ کے بعض علاقوں میں تو راستے میں کوئی ایسا پہاڑ اور درخت نہ آیا جس نے یہ نہ کہا ہو۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یعنی ہر پہاڑ اور ہر درخت با آواز بلند نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو السَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ کہتا تھا۔ اس حدیث مقدس کو ترمذی شریف نے روایت فرمایا۔ اور بخاری شریف کی وہ حدیث تو مشہورِ زمانہ ہے جس میں ستونِ حنانہ کے رونے کا ذکر ہے فراقِ نبوی کی وجہ سے۔ یہ سب کون سی زندگی ہے۔ یہی نطقِ شعوری کی زندگی ہے۔ اس حیات میں روح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حیات کی چار قسموں کی طرح موت کی بھی چار قسمیں۔ پہلی حیات کی موت روح کا نکلنا۔ حیاتِ دوم کی موت نباتات کی جڑ ختم ہونا۔ حیات سوم کی موت زمین کا بنجر ہوجانا۔ حیاتِ چہارم کی موت ذکرِ الٰہی وسجدہ وہ یائی سلام مصطفائی کا ترک کر دینا۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ نطفے کے جراثیم جرثوموں میں نہ روح ہے نہ وہ جاندار ہیں بلکہ ان کی زندگی مثالِ نباتات ہے۔ صرف نشوونما والی۔ اسی چیز کو ظاہر کرنے کے لئے سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۲۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ۔ ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں لہٰذا تم (خاوند) آؤ اپنی کھیتیوں کے پاس جس وقت چاہو جیسے چاہو اس کی تفسیر میں علامہ زرقانی نے فرمایا۔ رَحْمُ اُمٍّ مِثْلُ الْاَرْضِ وَالرَّجُلُ مُزَارِعٌ وَّ حَارِثٌ وَالنُّطْفَةُ صُوْلِبٌ وَّ بَذْرٌ وَنَمَآءُ النُّطْفَةِ مِثْلُ نَمَاءِ النَّبَاتَاتِ فِيْ بَطْنِ الْاَرْضِ لَارُوْحَ فِي النُّطْفَةِ وَهِيَ مِثْلُ الْجَمَادِ قَبْلَ الْوَطْيِ وَالْجَرَاثِيْمُ وَالْجُرْثُوْمَةُ كُلُّهَا بَذْرُ النَّسْلِ فَلِهٰذَا نُشُوْؤُهُ فِي الرَّحْمِ خَاصَّتًا كَالصُّوْلِبِ فِي الْاَرْضِ لَا لِخَارِجٍ۔ از عجائب المخلوقات علامہ دمیری بحوالہ زرقانی جلد اول) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیوی اپنے خاوند کی کھیتی ہے۔ یعنی والدہ ماں کا رحم زمین کی مثل ہے اور خاوند مزارع

اور کسان کی محنت ہے اور نطفہ بیج ہے اور نطفہ کا رحم میں بڑھنا نشوونما پانا ایسا ہی ہے جیسے نباتات زمین میں بڑھتے نشوونما پاتے ہیں۔ نطفے میں روح نہیں ہوتی اور نشوونما سے پہلے جمادات کی طرح ہے (اس میں بڑھنے کی قوت واستعداد و ہمت نہیں ہوتی) اور نطفے کے اندر جراثیم و جرثومے تمام کے تمام نسلی بیج ہیں۔ پس اس لئے خاص طور پہ یہ بیج نسلی رحمِ مادر میں پاکر ہی اس کا جسم بنانا اور نشوونما پانا شروع ہوتا ہے جیسے کہ ہر بیج صرف زمین میں جا کر ہی بڑھتا نشوونما پاتا اور جڑیں نکالتا ہے نہ کہ زمین سے باہر۔ پس اگر بیج یا نطفے میں روح ہوتی تو رحم اور زمین کے بغیر بھی بڑھتا رہتا جیسے کہ ہر ذی روح مولود ہو کر بڑھتا ہے۔ اس وضاحت سے واضح فرق معلوم ہو گیا کہ کسی چیز کا بڑھنا اس میں روح ہونے کی ہی وجہ سے نہیں ہوتا بغیر روح والے اجسام بھی بڑھتے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ پھل پھول، سبزیات، نباتات کے بیج اور ذی روح (روح والے) اجسام بھی بڑھتے ہوتے ہیں مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ بیج کا بڑھنا مخصوص جگہ و زمین سے پابند ہے۔ زمین سے باہر کسی برتن یا تھیلے میں برسوں پڑے رہیں ہرگز بڑھ نہیں سکتے لیکن روح والے جاندار اجسام اپنی نشوونما بڑھنے بڑا ہونے میں کسی سے کے پابند نہیں۔ اس قاعدہ کلیہ وضابطہ ابدیہ سے ثابت ہوا کہ نطفہ اور نطفے کے جراثیم و جرثومے ذی روح نہیں بلکہ مثلِ نباتات شجرات بے جان ہیں۔ مرد کا جرثومہ ہو یا عورت کا بیضہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ نطفہ رحم سے باہر برسوں صُلبِ والد میں پڑا رہتا ہے مگر بڑھتا نہیں۔ ایسے ہی اگر نطفے کو بذریعہ احتلام وغیرہ صُلب والد سے نکال کر زمین پر یا کسی ٹیسٹ ٹیوب شیشی میں بحفاظت رکھ دیا جائے تب بھی کئی سال پڑا رہنے کے باوجود ذرہ بھر نہیں بڑھتا۔ اگر ذی روح ہوتا تو ہر جگہ رہ کر مثلِ جاندار بڑھتا نشوونما بھی پاتا۔ رہا یہ سوال کہ جب خوردبین کے ذریعے نطفے کو دیکھا جائے تو اس میں جراثیم چلتے حرکت کرتے نظر آتے ہیں تو اس حرکت اور۔ روش کو بھی وجودِ روح پر دلیل نہیں بنایا جا سکتا اس لئے کہ آج کے دور میں مشینی آلات کے ذریعے نباتات کا بڑھنا۔ غنچوں شگوفوں کا تیزی سے نکلنا پھولوں کا یکدم کھلنا پانی کے پودوں کا شیشے کے برتن میں اگا کر جڑوں کا تیزی سے آگے سرکنا دیکھا جا سکتا تو یہ ان کا بڑھنا سرکنا نظر آنا ان پودوں کے جاندار اور ذی روح ہونے کی نشانی و علامت نہیں بلکہ یہ سرسراہٹ وجودی و جماداتی ہے جیسے کہ کھڑے پانی کی سرسراہٹ وخفیف حرکت یا جیسے بند کواڑوں دراڑوں میں سے آتی ہوئی سورج کی کرن میں ذرے اڑتے تیرتے چلتے نظر آتے ہیں تو کوئی بھی ذی عقل ان کو جاندار ذرے نہیں کہتا۔ ان ذروں کو عربی میں هَبَاءً مَّنْثُوْرًا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جراثیم و جرثومے کی خوردبینی سراسرہٹ حرکت دیکھ کر ذی روح نہیں کہا جا سکتا اگر کوئی سائنسدان یا طبیب حکیم یہ کہے کہ روح کے بغیر بے جان وجود بڑھ سکتا ہی نہیں تو وہ سائنس دان وطبیب حکیم جاہل و بے عقل ناتجربے کار ہے اور ایسے جہلا کی بات پر اندھی عقیدت رکھنے والا شخص گمراہ ہے۔ قرآن وحدیث کے مخالف خیال رہے کہ نطفہ حیوانی (انسانی ہو یا جانوری) میں خالق تعالیٰ نے دو امانتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ پہلی امانت بدنی جسمانی اس سے شکل وصورت و اعضاء خارجی باطنی کا ڈھانچہ (هَيُولَا) مراد ہے۔ دوم امانتِ روحانی۔ اس سے روح کا جسم میں داخل و مقیم ہونا مراد ہے۔ اشرف المخلوقات (مرد وعورت) کی پہلی امانت کا نام آدمیت ہے اور دوسری امانت کا انسانیت ہے۔ چنانچہ حدیثِ

مقدس میں اس تخلیقی تقسیم کا اس طرح ذکر فرمایا گیا۔ مشکوٰۃ شریف باب الایمان بالقدر۔ فصل اول بحوالہ بخاری و مسلم ص ۲۰ پر ہے۔ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اِنَّ خلق اَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ وَاَجَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ۔ (الخ) متفق علیہ۔ ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ نے یہ بات فرمائی اور وہ ہی کائنات میں سب سے بڑے سچے ہیں اور سچے بنائے گئے ہیں کہ بیشک تم میں سے ہر ایک آدمی کی پیدائش والدہ کے رحم میں چالیس دن تک نطفہ بنا کر جمع کی جاتی ہے پھر وہ نطفہ علقہ یعنی لوتھڑا بن جاتا ہے اتنے ہی دن تک یعنی چالیس دن تک پھر وہ علقہ لوتھڑا مضغہ یعنی مضبوط گوشت ہڈی والا بن جاتا ہے۔ اتنے ہی دن تک یعنی چالیس دن تک پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے چار کلمات دے کر تو وہ فرشتہ مضغہ کے جسم پر وہ چار باتیں لکھ دیتا ہے۔ نمبر ۱ اس بندے کے اعمال۔ نمبر ۲ اس کے لئے اس کی مدتِ زندگی۔ نمبر ۳ اس آدمی کا پوری زندگی والا رزق۔ نمبر ۴ یہ آدمی جہنمی ہے یا جنتی پھر اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (مسلم بخاری) یہ وہی روحِ انسانی ہے جس سے عالم ارواح میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا عہد لیا گیا تھا اسی نفخ روح کا نام مکمل جان پڑنا ہے اس سے پہلے نطفہ علقہ مضغہ جراثیم سب بے جان۔ اس حدیث مقدس سے ثابت ہوا کہ نطفہ علقہ مضغہ میں جان نہیں ہوتی حالانکہ ان کی نشو و نما ہے کہ نطفہ بڑا ہو کر علقہ بنا اور علقہ بڑا ہو کر مضغہ بنا۔ اس حدیث مبارک کی شرح میں ملا علی قاری اپنی کتاب مرقات جلد اول میں فرماتے ہیں۔ نمبر ۳ قَوْلُهٗ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَالِكَ وَيَظْهَرُ التَّصْوِيْرُ فِيْ هٰذِهِ الْاَرْبَعِيْنَ۔ ترجمہ: فرمانِ حدیث مبارک میں مضغہ کا چالیس دن تک بنا رہنا اس لئے ہے کہ ان چالیس دنوں میں مضغہ پوری آدمیت کی تصویر بن کر مکمل ہو جاتا ہے یعنی ان دنوں میں شکل و صورت ہاتھ پاؤں پیٹ پیٹھ گردن کندھے اور اندرونی اعضاء بن کر جسمِ آدمی مکمل ہو جاتا ہے مگر ابھی تک یہ جسم ڈھانچہ بے جان و بے روح ہے حالانکہ دن رات بڑھ رہا ہے۔ ثُمَّ يُنْفَخُ پھر اس تکمیلِ آدمیت کے بعد اس بے جان جسم میں روح پھونکی جاتی ہے تب جسم و روح کے ملاپ سے جاندار ہو کر انسانِ کامل بن جاتا ہے۔ اسی تکمیل انسانیت کا نام اولاد ہونا ہے غرضکہ مضغہ کی تصویری عضوی تکمیل کا نام آدمیت ہے اور جسم و روح کے ملاپ کا نام انسانیت ہے۔ اور انسانیت ہی بیٹا بیٹی پیدا ہونا ہے۔ اسی کو اولاد کہتے ہیں۔ بے جان نطفہ، علقہ، مضغہ نہ کسی کا بیٹا نہ بیٹی اگرچہ بڑھ بڑھ کر بڑے ہو جائیں۔ حدیث پاک میں آدمیت کے بیجوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب القدر فصل ثانی بحوالہ موطا مالک و ترمذی و ابوداؤد ص ۲۱ پر ہے۔ عَنْ مُسْلِمِ ابْنِ يَسَارٍ قَالَ سُئِلَ عُمَرُ ابْنَ الْخَطَّابِ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (الخ) سورۃ اعراف آیت نمبر ۱۷۲۔ قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْئَلُ عَنْهَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّتَهٗ۔ (الخ) رَوَاهُ مَالِكٌ

وَالْيَوْمِئِنَ وَاَنُوْ وَاَلْوَقْ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۲۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ (الخ) کی تفسیر کیا ہے۔ جواباً فرمایا فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ میں نے اس کی تفسیر خود آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ کی زبان اقدس سے سنی ہے جبکہ نبی کریم ﷺ سے پوچھی گئی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا آدم کو (علیہ السلام) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا داہنا دستِ قدرت پھیر ان کی پیٹھ پر تو ان کی پیٹھ سے ان کی ساری ذریت نکالی۔ (الخ) اس حدیث مبارکہ کو روایت فرمایا مؤطا امام مالک اور محدث امام ترمذی اور محدث امام ابوداؤد نے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ ذریت وہی نسلی بیج تھے جو نطفہ انسانیت کے لئے پشت آدم میں محفوظ رکھے گئے تھے۔ اور حضرت آدم کی تقریباً چار ہزار نسبی وصہری اولاد میں تا قیامت آدمیوں کے لئے ہر مذکر کی ظہر وصلب اور مونث کی صدر و ترائب میں تقسیم ہوتے چلے آرہے ہیں اور یہ تقسیمی سلسلہ قیامت میں بند ہوگا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ (نوٹ) نطفے کی مزید تحقیق کے لئے ہمارے فتاویٰ العطایا الاحمدیہ جلدِ سوم ملاحظہ فرمائیں۔

بارھواں فتویٰ

پاکستانی بینکاری سے متعلق جمع شدہ پونجی پر زکوٰۃ اور نفع کی شرعی حیثیت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فوج سے پنشن آیا۔ زید کو مروجہ قانون کے مطابق پنشن کا نصف حصہ ہر ماہ ملتا ہے اور باقی نصف حصہ مقرر کردہ عمر کے مطابق یکمشت اکٹھا دیا گیا۔ زید نے یکمشت وصول شدہ پنشن میں کچھ اپنی ضرورت پر خرچ کر ڈالے اور بقیہ وصول شدہ پنشن حکومت کے پاس یعنی (آرمی ویلفیئر سکیم) میں رکھ دیئے۔ حکومت کا یہ فوجی ادارہ اس سکیم سے جو کاروبار کرتی ہے، وہ آرمی کی فلاح ضروریات وغیرہ پر خرچ کر کے آرمی کی بہتری میں اضافہ کرتی ہے۔ اور زید کو اس کے عوض ہر ماہ مقرر کردہ انعام یا منافع دیتی ہے۔ اس طرح کے انعام کے عوض انعام کے جواز میں جناب حکیم الامت مفتی احمد یار خانؒ صاحب نے فتاویٰ نعیمیہ فتویٰ نمبر ۳۰ صفحہ نمبر ۴۶ پر فتویٰ ارشاد فرمایا ہوا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید کی حکومت کے پاس موجود رقم پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں۔

جواب ارشاد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ دستخط سائل۔

از غلام محی الدین کوٹلہ ارب علی خان۔ ضلع گجرات (پاکستان)

۲۹ جمادی الآخر ۱۴۲۲ھ مطابق۔ ۱۸-۹-۲۰۰۱

الجواب

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابُ

آپ کے اس سوال میں ایک چیز کی وضاحت نہیں کی گئی اس لئے یہ جواب اگر مگر سے دیا جا رہا ہے۔ قانونِ شریعت کے مطابق اگر آپ کی تمام وہ رقم جو آپ نے خود یا حکومت نے ہی از خود آرمی ویلفیئر سکیم میں مثل بینک اماناً جمع کرائی ہے اور ہر وقت آپ وہ رقم جو آپ نے جمع کرائی آپ کے قبضے میں ہے کہ جس وقت چاہو نکلوا سکتے ہو۔ حالانکہ بینک بھی سودی نفع دیتا ہے تب تو آپ پر ہر سال اس جمع شدہ تمام رقم کی زکوٰۃ دینی فرض ہے۔ اور جتنے سال اس سے پہلے زکوٰۃ آپ نے نہیں دی وہ تمام زکوٰۃ یہ فتویٰ دیکھتے ہی دینی پڑے گی۔ اور آئندہ بھی ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی فرض ہے لیکن اگر آپ کو اپنی اس رقم پر جو ویلفیئر سکیم میں جمع کرائی ہوئی ہے پورا قبضہ حاصل نہیں اور جب آپ چاہو نہیں نکلوا سکتے جیسا کہ تجارت بیع مضاربت میں ہوتا ہے کہ بیع مضاربت کے لئے اپنا روپیہ دوسرے شخص کو دے دیا جاتا ہے اور وہ دوسرا شخص تجارت کرتا ہے۔ اس رقم پر بھی مال والے کا قبضہ نہیں رہتا نہ وہ مال والا جس وقت چاہے واپس لے سکتا ہے۔ تب ایسی صورت میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ شریعت میں سالانہ زکوٰۃ صرف اس صورت میں فرض ہوتی ہے جب روپیہ مکمل طریقے سے مال والے کے قبضے میں ہو جب چاہے نکلوا لے۔ مال جمع کرنے کی تیسری صورت قرضہ دینا ہے۔ قرضے میں بھی مال والا اپنے دیئے ہوئے مال پر پورا قبضہ نہیں رکھتا۔ اس لئے کسی کو دیئے ہوئے قرضے پر زکوٰۃ ہر سال فرض نہیں لیکن قرض میں شریعت کا یہ حکم ہے کہ جب قرض واپس ملے گا تو جتنا واپس ہوا اگر وہ نصابِ زکوٰۃ کے برابر ہے تو گذشتہ برسوں کی زکوٰۃ بھی دینی پڑے گی۔ اس طرح روپیہ جمع کرانے کی تین صورتیں ہوگئیں۔ نمبر ا امانۃً جمع کرایا جیسے کہ بینک میں اسے جب چاہو نکلوا سکتے ہو۔ اس میں شرعی حکم یہ ہے کہ زکوٰۃ ہر سال فرض بینک کا نفع سود ہے لہٰذا لینا حرام ہے۔ نمبر ۲ تجارۃً جمع کرایا۔ جیسے بیع مضاربت کے لئے کسی شخص یا ادارے کو اپنا روپیہ دیا۔ اس میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ مال دینے والے پر ہر سال یا روپیہ واپس ملتے وقت سابقہ برسوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہے مگر نفع لینا جائز وحلال وطیب ہے یہ نفع سود نہیں بنتا۔ جمع کرانے کی تیسری صورت یہ ہے کہ قرضاً کسی کو روپیہ دیا جیسے کسی ذاتی ضرورت مند کو بطور ادھار دیا۔ اس میں حکمِ شرعی یہ ہے کہ جب تک قرض واپس نہ ملے سالانہ زکوٰۃ دینا فرض نہیں ہے مگر جب وہ قرضے کی رقم واپس ملے گی تو نصاب زکوٰۃ پر گذشتہ برسوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی اور ہر قرض پر نفع لینا حرام ہے کیونکہ یہ سود ہے اور سود حرام ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آرمی ویلفیئر سکیم میں روپیہ جمع کرانا امانۃً ہے یا قرضاً ہے یا تجارۃً ہے۔ اگر اماناً ہے تو زکوٰۃ ہر سال فرض نفع لینا حرام۔ اگر قرضاً ہے تو زکوٰۃ اس وقت گذشتہ برسوں کی بھی دینا پڑے گی جب قرضہ وصول ہوگا بشرطیکہ قرضہ نصاب برابر ہو۔ اور نفع لینا حرام اگر تجارتاً جمع کرایا ہے تو مال والے پر اس جمع کردہ مال کی زکوٰۃ فرض نہیں ہے اور نفع لینا جائز ہے۔ آج کل پاکستان میں جو بینکاری ہو رہی ہے وہ اماناً ہے۔ کرنٹ اکاؤنٹ بھی۔ سیونگ اکاؤنٹ

بھی۔ بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ اکاؤنٹ ہولڈر یعنی مال جمع کرانے والا ہر اکاؤنٹ میں سے جب چاہے اپنی پوری رقم نکلوا سکتا ہے۔ اس لئے چونکہ بینک میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ ہر سال فرض ہے مگر نفع لینا حرام ہے۔ اگر پاکستانی بینکاری امانۃ کی بجائے تجارۃً شروع ہو جائے تو نفع لینا بھی جائز بینک والوں پر دینا بھی جائز اور نفع معین کرنا بھی جائز۔ کیونکہ دنیا میں ہزاروں قسم کی ایسی تجارتیں ہیں جن میں کبھی نقصان نہیں ہوتا۔ مثلاً کتب فروشی وغیرہ اور جس تجارت میں نقصان نہ ہوتا ہو وہاں نفع مقرر کرنا جائز ہے نفع اور نقصان عام طور پر ہوتا۔ چاہئیے۔ کرنسی و غذائی اشیاء جیسی ضروریاتِ زندگی کے اترتے چڑھتے بھاؤ کی وجہ سے ہوتا ہے جہاں اللہ کے فضل کا اثر نہیں وہاں قیمتیں مقرر لہٰذا نفع بھی مقرر۔ نقصان کا دخل نہیں۔ برطانوی بینکوں میں بھی اس قسم کی نہ نکلوا سکنے والی پابندیوں کی تجارتی اکاؤنٹ کھولے جاتے ہیں۔ اس لئے برطانوی سوسائٹی بینکوں میں تین قسم کے اکاؤنٹ ہوتے ہیں۔ نمبر ۱ کرنٹ اکاؤنٹ۔ اس میں نفع بالکل نہیں ملتا یا بہت ہی کم۔ نمبر ۲ سیونگ اکاؤنٹ اس میں تھوڑا نفع ملتا ہے مگر ان دونوں اکاؤنٹ سے مال والا جب چاہے اپنا سارا مال نکلوا سکتا ہے۔ نمبر ۳ فکسڈ کولڈ اکاؤنٹ۔ یہ تجارتی اکاؤنٹ ہے اس میں نفع بھی زیادہ ملتا ہے لیکن اس اکاؤنٹ میں جمع کرانے والا بینک والوں کی معینہ مدت گزرنے سے پہلے اپنی رقم کچھ بھی نہیں نکلوا سکتا۔ ہاں البتہ ہفتانہ یا ماہانہ یا سالانہ ضروریاتِ زندگی کے لئے نفع کی رقم سے نکال سکتا ہے۔ ایسا بہت ہوتا ہے بلکہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنا مال جمع کرا کر صرف نفع سال بسال لیتے رہتے ہیں۔ اگر پاکستانی بینک بھی سود خواری کی حرمت ولعنت سے بچنا چاہتے ہیں تو تیسری قسم کا تجارتی اکاؤنٹ جاری کریں جس میں پابندی ہو کہ اکاؤنٹ سے اپنی رقم نہیں نکلوا سکتا۔ نیز سالانہ زکوٰۃ بھی رقم والے پر صرف کرنٹ وسیونگ والے مال کی فرض ہوگی۔

تیرھواں فتویٰ

درود شریف پڑھنے اور لکھنے کا فرق اور ضابطہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ ہم نے اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات اور کتب مطبوعات میں دیکھا ہے کہ کہیں پر نبی کریم ﷺ کے نام پاک کے ساتھ درود شریف لکھا ہوتا ہے اور کئی جگہ نہیں لکھا ہوتا۔ اس کی کیا وجہ چاہئے تو یہ تھا کہ ہر جگہ لکھا ہوتا۔ ایسے ہی حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مطبوعہ کتب میں بھی کہیں لکھا ہے کہیں نہیں۔ خود آپ کی تصنیفات مطبوعہ میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے مثلاً ایک جگہ لکھا ہے فرمایا نبی کریم حضور اقدس ﷺ نے یہاں درود شریف لکھا ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے جب عشقِ رسول ہو تب ہی اعمال مقبول ہوتے ہیں۔ یہاں درود شریف نہیں لکھا۔ لکھنا چاہئے تھا۔ اسی طرح ایک جگہ مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب کفار سے فرما دو۔ یہاں بھی درود شریف نہیں لکھا چاہئے تھا کہ اس

طرح ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب ﷺ کفار سے فرما دو۔ ایسے ہی آپ کی تفسیر پارہ نمبر ۱۲ میں لکھا ہے۔ تفسیر سورۃ یوسف چاہئے تھا کہ لکھا جاتا تفسیر سورۃ یوسف علیہ السلام۔ اعلیٰ حضرت کی کتاب فتاویٰ رضویہ جلد ششم میں ایک جگہ لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ نبی کریم حضور اقدس ﷺ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ یہاں تو درود شریف لکھا ہوا ہے مگر چند سطور آگے لکھا ہے۔ کفار مکہ نے کہا اے مسلمانو تمہارے نبی نے یہ کہا۔ تمہارے نبی نے وہ کہا۔ ان تمام جگہ درود نہیں لکھا۔ آپ کے ایک فتوے میں لکھا ہے کہ ابوجہل نے ایک بار بارگاہِ رسالت میں آ کر کہا۔ اے محمد از وجودِ تو حیاتم زار زار از حیاتِ تو وجودم پاش پاش۔ اس عبارت میں کہیں بھی درود شریف نہیں لکھا۔ میرے ایک پڑھے لکھے مولوی دوست نے کہا کہ اس عبارت کو مسلمان کے قلم سے اس طرح لکھنا چاہئے تھا کہ ابوجہل نے ایک بار بارگاہِ رسالت ﷺ میں آ کر کہا۔ اے محمد ﷺ۔ اسی طرح آپ نے اپنی ایک تفسیر نعیمی میں حاشیے پر ہر صفحے میں لکھا۔ سورۃ ابرہیم۔ سورۃ ابراہیم۔ چاہئے تھا کہ لکھا جاتا۔ سورۃ ابراہیم علیہ السلام چند دیگر دیوبندی تفاسیر میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں لفظ ابراہیم لکھا ہے وہاں آپ نے علیہ السلام بھی لکھا ہے مگر حاشیے میں سورۃ ابراہیم علیہ السلام کیوں نہیں لکھا۔ اس فرق کی کیا وجہ۔ کیا سہواً ہے یا عمداً ہے یا کاتب کی غلطی ہے آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ عزیز مصر نے کہا۔ اے یوسف در گزر کرو۔ چاہئے تھا کہ لکھا جاتا۔ اے یوسف علیہ السلام درگزر کرو۔ ترمذی شریف میں ایک جگہ لکھا ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ۔ یہاں بھی درود شریف نہیں لکھا چاہئے تھا کہ لکھا جاتا۔ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ علیه وسلم۔ غرضکہ کہیں درود شریف لکھا ہوتا ہے کہیں نہیں لکھا ہوتا۔ اس کی کیا وجہ۔ یہ سوال اعتراضاً نہیں کر رہا ہوں صرف اپنی معلومات اور اطمینانِ قلبی کے لئے عرض کر رہا ہوں میری ناقص عقل اس فرق کو نہیں سمجھ سکی۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ دستخط سائل۔ مقبول احمد روہتکی محلہ۔ مقام شہر جھانسی انڈیا ہندوستان۔ براہِ کرم جواب جلدی اور تسلی بخش عطا فرمایا جائے۔ آج مورخہ ۹۰۔۱۲۔۱۹

الجواب

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّاب

اسلام کی لاکھوں خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کا ہر حکم و قانون ظاہری باطنی ہزاروں حکمتوں مصلحتوں اصول وضوابط و روابط سے مُزَیَّن ہوتا یہ کوئی بھی حکم عمومی ہو یا خصوصی بے ضابطہ و بلا وجہ و بے قاعدگی یا بے ضابطگی کا نہیں ہے۔ حکم قولی ہو یا عملی۔ کلام ہو یا سلام۔ حمد کبریائی ہو یا نعتِ مصطفائی ہو۔ درود شریف ہو یا تسبیح و تہلیل۔ ہر حکم کے لئے قرآن و حدیث نے کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں۔ ان طریقوں پر چلنا ہر مومن مسلمان کے لئے لازم و ضروری اور ان اصول کی پابندی کرنا ہی شانِ مومن و فراست مسلم ہے ان کی خلاف ورزی فسادت کے علاوہ حماقت بھی ہے اور بجائے قابل ثواب ہونے کے باعثِ عتاب ہے۔ اصول وضوابط کی یہ خصوصی خوبی سواء دین اسلام کے کسی بھی مخلوقی دین میں

نکتی ہے۔ انہی اصول کو اپنانے کا نام عبادات الٰہیہ و اعمال صالحہ ہے ان سے ہٹ کر نہ افراط جائز نہ تفریط نہ کمی کی جا سکتی ہے نہ زیادتی۔ انسان اپنی اعتقادی عقیدت میں اگر کچھ زیادتی کمی کی بے ضابطگی دکھائے بھی تو وہ عبادت کے اعمال نہ ہوں گے حماقت کے وبال ہوں گے۔ یہی کیفیت حمد و صلوٰۃ اور ملاقاتی سلام کی ہے۔ دیکھو بوقتِ ملاقات السلام علیکم کہنا سنت موکدہ لازمہ ہے جس کا بہت زیادہ ثواب ہے اور جواباً وعلیکم السلام کہنا فرض ہے۔ مگر شریعتِ اسلام نے اس حکم سلام و جواب کو بھی کھلے بندوں نہیں چھوڑا بلکہ بہت سے ضابطے اور پابندیاں مقرر فرمائیں کہ کہاں فرض کہاں واجب کہاں مستحب۔ کہاں ممنوع۔ کس کو کیا کہا جائے کس کو نہ۔ کتنی بار سلام کرنا ضروری۔ کس حد تک منع۔ کب جائز کب ناجائز کب سلام کرنا عبادت کب حماقت ہے۔ ہر مومن مسلمان کو سلام کی یہ سب نوعیتیں باہتمام یاد کرنا یاد رکھنا واجب ہے۔ اسی یاد اور حفظ کے لئے فقہاء کرام نے سلام و جوابِ سلام کی تقریباً تیس قسمیں بیان فرمائیں نمبر۱ سلام ملاقات نمبر۲ سلام اطلاع نمبر۳ سلام اذن نمبر۴ سلام دیدار نمبر۵ سلام وداع نمبر۶ سلام حاضری نمبر۷ سلام سرِ راہ نمبر۸ سلام فی الحیات نمبر۹ سلام بعد الممات نمبر۱۰ سلام فرض نمبر۱۱ سلام واجب نمبر۱۲ سلام سنت موکدہ نمبر۱۳ سلام سنت غیر موکدہ نمبر۱۴ سلام مستحب نمبر۱۵ سلام مکروہ تحریمی نمبر۱۶ مکروہ تنزیہی نمبر۱۷ سلام ممنوع نمبر۱۸ سلام حرام نمبر۱۹ سلام حماقت نمبر۲۰ سلام نفرت نمبر۲۱ سلام کراہیت نمبر۲۲ سلام محرومی نمبر۲۳ سلام تحیۃ نمبر۲۴ سلام استقبالی نمبر۲۵ سلام قولی نمبر۲۶ سلام مکتوبی نمبر۲۷ سلام منقولی نمبر۲۸ سلام استہزاء نمبر۲۹ سلام فضولی نمبر۳۰ سلام قبولی۔ اب اگر کوئی شخص سلام کرنے کو عبادت سمجھتے ہوئے سلام کرنے کی بھر مار کر دے کہ آتے جاتے ہر کمرے سے نکلتے۔ السلام علیکم۔ السلام علیکم۔ ہر بات کے شروع پر مخاطب کو سلام کرے تو وہ شریعت میں فاسق گناہ گار۔ یا احمق دیوانہ شمار ہوگا۔ پاکستان میں ایک نئے عاشقِ مدینہ صوفی صاحب کا ایک مکتوبہ مطبوعہ سلام نظر سے گذرا۔ جس میں انہوں نے مدینہ منورہ کی نسبت ایک منظوم سلام ترتیب دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ جھنڈیوں۔ تریوں۔ سبزیوں کو سلام۔ مکھیوں مچھروں مکڑیوں کو سلام۔ وغیرہ وغیرہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی۔ یہ وہ حماقت و پاگل پن ہے جس سے توہینِ سلام و گستاخی شعائرِ اسلام ظاہر ہے ان ہی صوفی صاحب کو پیر بننے کا شوق چڑھا اور اپنے مریدوں کے گروہ کو مدینہ منورہ کی نسبت سے لفظِ مدینہ کا تکیہ کلام دیا۔ اولاً تو مدینہ منورہ کو صرف مدینہ کہنا ہی شہرِ مقدس کی بے ادبی و توہین ہے۔ اس بے ادبی سے تو اب سعودی نجدی بھی بچنے لگے ہیں۔ ثانیاً مگر ان صوفی صاحب نے ضدی بن کر باوجود تحریراً سمجھانے کے اسی لفظ کو بطورِ تکیہ کلام جاری رکھا ہوا ہے ہر مرید ہر بچہ جوان بوڑھا۔ بطور اجازت و بطور اطلاع۔ آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے۔ ہاتھ اٹھا کر کہتے ہیں۔ مدینہ۔ مدرسے کے چھوٹے بڑے طالب علم کو حکم ہے کہ ہر رخصت و اجازت لینے پر ضرورت و حاجت کا نام لینے کی ضرورت نہیں صرف کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر کہہ دو مدینہ۔ تو استاد سر کے اشارے سے اجازت دیتا ہے کئی لوگوں نے مجھ کو بتایا کہ ہر کوئی شاگرد اگر استنجہ یا پیشاب کی بھی اجازت طلب کرتا ہے تو کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے۔ مدینہ۔ استاد یہ سن کر اجازت دیتا ہے (استغفر اللہ۔ استغفر اللہ) اسی قسم کی کم عقلیوں کو بعض لوگ عاشقانہ عقیدت سمجھتے ہیں۔ سوال میں سائلِ محترم نے بھی درود

شریف لکھنے نہ لکھنے پر جو سوال تحریر فرمایا ہے وہ بھی اسی بنا پر ہے کہ سائلِ محترم کو درود شریف یعنی صلوٰۃ و سلام کے پڑھنے اور لکھنے کا شرعی حکمی فرق بھی معلوم نہیں اور درود شریف پڑھنے اور لکھنے کے آداب و مدارج کا بھی علم نہیں ہے۔ واضح رہے کہ سلام کہنے کی طرح درود شریف پڑھنے کی بھی بہت سی شرعی حکمی صورتیں ہیں کچھ جائز کچھ ممنوع۔ یہی صورتیں حمد الٰہی کہنے کی بھی ہیں۔ بعض موقعوں پر حمد الٰہی کہنا بھی منع شرعی ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا اسم مقدس زبان سے بول کر یا کان سے سن کر درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ نے اسی پڑھنے کا حکم دیا ہے لیکن اسمِ مقدس لکھ کر درود شریف لکھنے کا زمانہء نبوت اور زمانہء صحابہ میں اس تحریری درود شریف لکھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ نہ دورِ حاضرانہ خطابانہ کا۔ یعنی صلی اللہ علیک وسلم لکھنے کا نہ درودِ غائبانہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا کسی بھی صحابی سے یہ لکھنا ثابت نہیں۔ تمام صحابہ کرام ہر وقت صرف زبان سے صلوٰۃ و سلام حاضرانہ و غائبانہ پڑھا کرتے تھے۔ درود شریف ادا نہ کرنے کی وعید میں جتنی بھی احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں وہ صرف قولاً ولساناً نہ پڑھنے پر وارد ہوئی ہیں نہ کہ قلم سے لکھنے پر۔ نمبرا چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصلِ ثانی ص ۸۶ پر ہے۔ وَعَنْهُ (ای عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ) قَالَ. قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. رُغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ وَرُغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَیْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ اِنْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ یُّغْفَرَلَهٗ وَرُغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ یُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ۔ ترجمہ۔ اور انہی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ۔ ارشاد فرمایا نبی کریم آقا حضور ﷺ نے کہ خاک میں رگڑی جائے اس شخص کی ناک جن کے پاس میرا نام لیا جائے (قولاً یا قلماً) پھر وہ شخص درود شریف نہ پڑھے مجھ پر۔ اور خاک میں رگڑی جائے ناک اس شخص کی جس کی تندرستی میں ماہ رمضان اس پر آئے اور گذر جائے اس سے پہلے کہ اس شخص کو بخشا جائے۔ اور خاک میں رگڑی جائے ناک اس نوجوان تندرست شخص کی جس کی زندگی تندرستی میں اس کے دونوں والدین یا ان میں ایک بڑھاپا پائے تو وہ والدین اس بیٹے کو جنتی نہ بنا ڈالیں۔ (اپنی خدمت گزاری سے) نمبر ۲ اور ریاض الصّٰلحین ص ۳۹۰ پر ہے۔ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ تیسری حدیث شریف۔ کتاب نیل الاوطار جلد دوم ص ۳۲۶ پر ہے۔ عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ رَوَاهُ الطِّبْرَانِیُّ بِلَفْظِ شَقِیَ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ ترجمہ۔ روایت ہے مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ۔ ارشاد فرمایا آقا حضور اقدس ﷺ نے۔ بخیل ہے وہ شخص جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔ امام طبرانی کے الفاظ حدیث بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ہیں کہ۔ ارشاد فرمایا آقائے کائنات ﷺ نے کہ شقی یعنی بد بخت ہے وہ شخص جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے تو وہ پھر بھی مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔ ان جیسی تمام وعدہ و وعید کی احادیث میں درود شریف زبانی پڑھنے کا ہی ذکر ہے۔ صرف درود شریف لکھنے یا نہ لکھنے کا کسی روایت میں کوئی ذکر نہیں نہ لکھنے کے ثواب کا ذکر ہے نہ نا لکھنے کی وعید کا ذکر۔ ہاں البتہ زمانہء تحریر

احادیث اور کتب حدیث میں جبکہ محدثین کا زمانہ آیا تب محدثین کرام نے صرف یاد دہانی کے لئے ہر روایت میں اسم مقدس کے ساتھ درود شریف لکھنا شروع فرمایا۔ فقہاء عظام نے اس کتابت درود شریف کو مستحب فرمایا ہے نہ کہ واجب یا فرض لیکن ساتھ ہی حکم فرمایا کہ جو شخص بھی اسم مقدس کے ساتھ قلم سے درود شریف لکھے وہ اس وقت زبان سے بھی پڑھے کیونکہ اصل ثواب تو زبان سے پڑھنے پر ہے۔ ایسے ہی جو مسلمان کسی جگہ تحریر وغیرہ میں اسم مقدس لکھا ہوئے دیکھے وہاں درود شریف کے الفاظ لکھے ہوں یا نہ لکھے ہوں تحریر پڑھنے والا زبان سے درود شریف ایک بار ضرور پڑھے۔ صرف آنکھوں سے پڑھ لینا کافی نہیں۔ بہرحال درود شریف پڑھنے کے آداب فقہاء عظام کے نزدیک سلام کرنے کے احکام مختلف کی طرح درود شریف پڑھنے اور لکھنے کے احکامِ شرعیہ بھی مختلف ہیں۔ نمبر ۱ کبھی فرض نمبر ۲ کبھی واجب نمبر ۳ کبھی مستحب نمبر ۴ کبھی مکروہ نمبر ۵ کبھی ممنوع وغیرہ وغیرہ۔ یہ اختلافی احکام متکلم اور مخاطب مقرر کی طرز بیانی اور محررِ مصنف کی طرز تحریر کے اعتبار سے ہے۔ یہ طرز بیانی و تحریری مجموعی حساب سے تین قسم کی ہے نمبر ۱ یہ کہ نامِ اقدس سے ذاتِ مقدس ہی مراد ہو نہ کہ اضافت یا نسبت تو حکم یہ ہے کہ درود شریف پڑھا اور لکھا جائے۔ نمبر ۲ نام اقدس سے ذات اقدس مراد نہ ہو بلکہ مضاف یا منسوب مراد و مقصود ہو تو حکم شرعی یہ ہے کہ ہرگز درود شریف نہ لکھا جائے۔ نمبر ۳ متکلم یا مصنف کسی کا کلام نقل کر رہا ہے۔ تب اگر صاحب کلام نے بھی اپنے اس منقولی کلام میں درود شریف ادا کیا تھا تب تو ناقل بھی درود شریف قولاً یا قلماً نقل کر دے۔ ورنہ اپنے پاس سے درود شریف نہ کہے۔ نہ لکھے تاکہ نقل مطابق اصل ہو۔ کذب کی ملاوٹ نہ ہو اور یہ طرزِ بیانیاں انفرادی حساب سے تقریباً چھ قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ نامِ اقدس کو بطریقہ فاعل بولا یا لکھا تو شرعی حکم یہ ہے کہ درود شریف بولا اور لکھا جائے۔ دوم یہ کہ نامِ اقدس کو بطریقہ مفعول بولا یا لکھا جائے تو حکم شرعی یہ ہے کہ درود شریف بولا یا لکھا جائے۔ دونوں کی مثال جیسے کہ نمبر ۱ نبی کریم نے فرمایا۔ نمبر ۲ نبی کریم کو بلایا۔ یا نبی کریم سے عرض کیا۔ یا نبی کریم سے روایت ہے ان تمام جگہ درود شریف لکھا جائے گا۔ سوم یہ کہ نامِ اقدس کو مضاف الیہ بنا کر بولا یا لکھا جائے تب حکم شرعی یہ ہے کہ درود شریف نہ بولا جائے نہ لکھا جائے اگر لکھے گا تو لکھنے والا گناہ گار ہوگا۔ اس لئے کہ اضافت کی صورت میں نامِ اقدس اور ذاتِ مقدس مقصود نہیں ہوتی بلکہ مقصد و مراد مضاف ہوتا ہے تو اس طرزِ بیانی و تحریری سے درود شریف کی نسبت بھی مضاف کی جانب ہوگئی جو قطعاً گناہ ہے مثلاً کسی شخص کا نام غلام رسول ہو تو لفظِ رسول کی وجہ سے صلی اللہ علیہ وسلم کسی نے کہہ دیا تو کہنے والا احمق و گناہگار ہوگا۔ یہی حکم لفظ عشق نبی و محبت رسول و عبدالرسول غلام نبی وغیرہ اسماء کا ہے کہ ان لفظوں کے ساتھ درود شریف بولنے یا لکھنے کا تاثر یہ ہوگا کہ اس شخص پر درود شریف پڑھا جا رہا ہے جس کا یہ نام ہے۔ یا اس لفظِ عشق و محبت پر درود و شریف پڑھا جا رہا ہے جو مضاف مرکب اضافی ہے نہ کہ ذاتِ مقدس پر۔ اس لئے درود شریف منع ہے۔ یہی حکم اسماء باری تعالیٰ کا ہے کہ اسماء طیبات کے ساتھ۔ لفظ تعالیٰ یا جَلَّ جَلَالُہٗ لکھنا ضروری ہے مثلاً اللہ تعالیٰ۔ رب تعالیٰ۔ یا اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ وغیرہ۔ مگر جب اسماء طیبات کو مضاف الیہ بنایا جائے تو لفظ تعالیٰ اور لفظ جَلَّ جَلَالُہٗ بولنا یا لکھنا گناہ ہے مثلاً رسول اللہ۔ حبیب اللہ۔ محبوب الٰہی وغیرہ

کے ساتھ تعالیٰ گناہ ہے۔ چہارم یہ کہ اسماء انبیاء میں سے کسی اسمِ پاک کو کسی عام شخصیت یا کسی دوسری چیز کا نام رکھ دیا۔ تو وہاں بھی علیہ السلام بولنا یا لکھنا گناہ ہے۔ مثلاً کسی مولوی صاحب یا چوہدری صاحب کا نام موسیٰ یا ابراہیم وغیرہ ہو تو ان کا نام بولتے یا لکھتے وقت ساتھ میں علیہ السلام لکھنا سخت گناہ ہے۔ ایسے ہی جب کسی سورۃ قرآنی کا نام سورۃ ابراہیم۔ یا سورۃ یوسف وغیرہ ہو تو وہاں بھی علیہ السلام لکھنا جہالت اور کاتب کی حماقت و بے علمی ہے۔ پنجم یہ کہ متکلم کلام یا مصنف کی تحریر کلام ہونہ کہ اصل کلام یعنی متکلم و مصنف کہے کہ فلاں نے یہ کہا۔ یا یہ لکھا۔ تو فقہاء فرماتے ہیں کہ چونکہ ناقل امانتدار ہوتا ہے اور بوقت نقل ذرا سی بھی کمی زیادتی خیانت و بددیانتی بن سکتی ہے جس سے نقل مشکوک ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ناقل پر واجب ہے کہ کلامِ غیر کی نقل نہایت احتیاط سے من و عن بالکل ویسے ہی کرے جیسی کہ سنی یا پڑھی ہو۔ ایک نقطے کی بھی کمی زیادتی نہ ہونی چاہیے ورنہ دعا سے دغا یا دغا سے دعا بن کر خاصی پریشانی بن جاتی۔ کلامِ غیر کی نقل میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں نمبر۱ اللہ تعالیٰ کے کلام کی نقل کرنا مثلاً کوئی شخص کہے یا لکھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نبی۔ اب یہاں درود شریف لکھنا منع ہے۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ کذب بیانی ہوگی اور نقل مطابق اصل نہ رہے گی۔ دوم یہ کہ بندوں کا درود شریف بولنا یا لکھنا دعاء درود ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو دعا نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دعا کی نسبت کرنا بھی جہالت و گناہ ہے۔ دعا سے دلوایا جاتا ہے جبکہ رب تعالیٰ دلواتا نہیں بلکہ خود دیتا ہے۔ اس لئے بندہ رب تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے نہ کہ رب۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اللہ نے فرمایا اے محبوب ﷺ منع ہے۔ نقل کلام کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کے کلام کی نقل کرنا۔ وہاں بھی کسی اسمِ اقدس کے ساتھ درود شریف بولنا یا لکھنا منع ہے کیونکہ نقلِ کلامی کی وجہ سے وہ درود شریف کلامِ غیر مسلم سے منسلک ہو جائے گا۔ حالانکہ غیر مسلم نہ درود شریف پڑھتے ہیں نہ پڑھا ہوگا۔ تو یہ کذب بیانی بن کر نقل کو مشکوک کر دے گا۔ نقلِ کلام کی تیسری صورت یہ کہ کسی مسلمان کے کلام کی ہی نقل کی جائے اور اس مسلمان نے اپنے اصل کلام میں اسم اقدس کے ساتھ درود شریف نہ بولا نہ لکھا۔ تو اب ناقل کو بھی اپنی طرف سے درود شریف نہ بولنا۔ نہ لکھنا چاہیے۔ تاکہ نقل میں زیادتی کمی کا ارتکاب نہ آئے اور نقل مطابق اصل ہی رہے۔ ہاں البتہ تیمناً و تبرکاً۔ کچھ فاصلے سے نقل ختم کرنے کے بعد اس انداز میں درود شریف بول اور لکھ سکتا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ درود شریف منقول نہیں بلکہ ناقل کی اپنی جانب سے مقولی یا مکتوبی ہے۔ ششم یہ کہ کسی اسم اقدس کو یاءِ نسبتی سے بولا یا لکھا جائے۔ تب بھی بحکمِ شرعی درود شریف لکھنا یا بولنا منع ہے یاءِ نسبت کی وجہ سے کیونکہ نسبت کی صورت میں بھی ذاتِ مقدس مراد و مقصود نہیں ہوتی بلکہ وہاں نسبتِ نبوت مراد ہوتی ہے۔ مثلاً لفظ یوسفی۔ ابراہیمی۔ موسوی۔ عیسوی وغیرہ۔ یہاں اس طرح لکھنا منع ہے درودِ ابراہیمی علیہ السلام۔ دینِ موسوی علیہ السلام یا مسجدِ نبوی۔ سیرت محمدی نظامِ مصطفوی کے ساتھ درود شریف لکھنا یا بولنا منع۔ یہ ہیں وہ احکامِ درود شریف کہ ہر مسلمان کو ان کا یاد رکھنا اور کاربند ہونا واجب ہے۔ اس کی خلاف ورزی وجہ جہالت و باعثِ حماقت و خجالت و موجب عتاب ہے سائلِ محترم نے سوالِ مذکورہ میں اپنی جن الجھنوں کا استفتاء و استفسار فرمایا ہے وہ اپنی مصنفات میں اپنی اپنی جگہ بالکل درست ہے اور مطابقِ احکامِ شریعت

ہیں۔ مسائل وذکر حدیث باندھ لگی ہیں پڑھی ہیں نمبر ا فرمایا نبی کریم ﷺ نے سوال یہاں درود شریف لکھا ہے۔ جواب۔ اس لئے کہ یہاں اسم اقدس کا ذکر ہے اور مقصود ذات اقدس ہے اس لئے درود شریف ضروری مستحب ہے۔ نمبر ۲ جب عشق و وصل ہو تب ... ہوتے ہیں سوال یہاں درود شریف نہیں لکھا۔ جواب۔ اس لئے کہ یہاں اسم اقدس کو مضاف الیہ علم کیا نہ کہ ذات مقدس کا ذکر مقصود نہیں۔ اس لئے یہاں درود شریف لکھنا شرعاً منع ہے۔ نمبر ۳ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب ... سوال۔ یہاں بھی درود شریف نہیں لکھا۔ جواب۔ اس لئے کہ کلامِ الٰہی کی نقل ہے اور اصل کلام ... درود شریف ... ہے اور بندے کا درود شریف دعا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے خطاب میں لکھنا شرعاً گناہ ہے۔ نمبر ۴ تفسیر سورۃ یوسف۔ سوال۔ یہاں لفظ علیہ السلام کیوں نہیں لکھا۔ اس طرح لکھنا چاہئے تھا۔ تفسیر سورۃ یوسف علیہ السلام۔ جواب۔ یہاں لفظ یوسف سے اسم نبوی مراد نہیں بلکہ یہ سورۃ کا نام ہے اور سورۃ قرآنی پر درود یا سلام پڑھنا جائز نہیں۔ ورنہ پھر ہر سورت کے ساتھ درود یا سلام لکھنا پڑے گا۔ نمبر ۵ یہود ونصاریٰ نبی کریم ﷺ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ سوال۔ یہاں درود شریف لکھا ہے۔ جواب۔ اس لئے کہ یہ اصل کلام ہے اور لفظ نبی کریم سے ذاتِ مقدس ہی مراد ومقصود ہے اس لئے درود شریف لکھنا۔ عین مستحب لازمی ہے۔ نمبر ۶ کفارِ مکہ نے کہا اے مسلمانو۔ تمہارے نبی نے یہ کہا وہ کہا۔ سوال۔ یہاں کسی جگہ بھی درود شریف نہیں لکھا۔ جواب۔ اس لئے کہ یہ کفار کے کلام کی نقل ہے اور کفار نے واقعی اپنے اس کلام کے وقت کبھی بھی درود شریف نہ پڑھا تھا۔ اور اگر کتاب میں اپنی طرف سے لکھ دیا جاتا تو یہ ملاوٹ کذبیانہ ہوتی جو خیانت وگناہ ہے۔ نمبر ۷ ابوجہل نے ایک بار بارگاہِ رسالت میں آ کر کہا۔ سوال۔ یہاں بھی درود شریف نہیں لکھا۔ اس طرح لکھنا چاہئے تھا۔ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم۔ جواب۔ اس لئے نہیں لکھا کہ اس طرح لکھنا گناہ ہے کیونکہ لفظ رسالت سے نسبت نبوت مراد ہے نہ کہ ذاتِ مقدس۔ نمبر ۸ ابوجہل نے کہا اے محمد۔ سوال۔ یہاں بھی درود شریف نہیں لکھا۔ اس طرح لکھنا چاہئے تھا۔ ابوجہل نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ جواب۔ یہاں درود شریف شرعاً ناجائز ہے کیونکہ یہ کلامِ کافر کی نقل ہے جو مطابقِ اصل ہونا لازم ہے۔ درود شریف لکھ دینے سے کاذبانہ ملاوٹ ہوتی کیونکہ ابوجہل نے واقعتاً درود شریف نہ پڑھا تھا۔ نمبر ۹ تفسیرِ نعیمی میں ایک جگہ بعض صفحات کے ہر حاشیے پر لکھا ہے۔ سورۃ ابراہیم سورۃ ابراہیم۔ سوال۔ چاہئے تھا کہ لکھا جاتا۔ سورۃ ابراہیم علیہ السلام۔ چند دیگر دیوبندی تفاسیر میں ایسا ہی لکھا ہے۔ جواب۔ لفظِ سورۃ ابراہیم کے ساتھ علیہ السلام لکھنا شرعاً قطعاً منع ہے کیونکہ یہ مرکب توصیفی ایک سورۃِ قرآنی کا نام ہے یہاں لفظِ ابراہیم سے ذاتِ نبوی مراد نہیں رہا۔ چند دیوبندی تفاسیر کا علیہ السلام لکھ دینا یہ ان کی جہالت وحماقت اور شرعی آداب وضوابط سے ناواقفی ہے۔ نمبر ۱۰ اس کے علاوہ آپ نے اپنی تفسیر میں جہاں کہیں بھی لفظِ ابراہیم لکھا ہے وہاں علیہ السلام ضرور لکھا ہے۔ سوال۔ مثلاً آپ نے لکھا ہے۔ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی ابراہیم علیہ السلام نے وغیرہ وغیرہ۔ مگر سورۃ ابراہیم کے ساتھ علیہ السلام نہیں لکھا اس فرق کی کیا وجہ۔ جواب۔ وجہ ظاہر ہے کہ فرمایا میں ذاتِ مقدس مراد ہے اور سورۃ ابراہیم میں ذاتِ ابراہیمی مراد نہیں۔ نمبر

۱۱۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ عزیز مصر نے کہا۔ اے یوسف درگزر کرو۔ سوال۔ اس طرح لکھنا چاہئے تھا۔ عزیز مصر نے کہا اے یوسف علیہ السلام۔ درگزر کرو۔ جواب یہاں بھی علیہ السلام لکھنا شرعاً منع ہے کیونکہ یہ نقل کلام ہے اور نقل مطابق اصل ہونا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت عزیزِ مصر نے علیہ السلام نہ کہا تھا۔ نقل میں زیادتی کی خیانت و بددیانتی ہے اور جھوٹ بھی۔ نمبر ۱۲ ترمذی شریف میں ایک جگہ لکھا ہے۔ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ۔ سوال۔ یہاں بھی درود شریف نہیں لکھا۔ اس طرح لکھنا چاہئے تھا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ۔ جواب۔ صاحبِ ترمذی کو ضوابطِ شرعی معلوم تھے اور ان کی یہ روایت حدیث مبارک نقلِ کلام ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اس لئے امام ترمذی نے اپنی طرف سے درود شریف نہ لکھا تاکہ نقل مطابق اصل رہے حضرت عبد اللہ بن مسعود کے کلامِ اصل میں ان کو درود شریف نہ ملا اس لئے نقل میں زیادتی نہ فرمائی۔ نیز یا رسول اللہ کہنے کے حاضرانہ کلام کے بعد غائبانہ درود شریف تو ویسے بھی جائز نہیں ہوتا غرضکہ قانونِ شرعی میں صرف ذاتِ مقدس پر درود شریف پڑھنا جائز ہے۔ نبوت کی اضافت۔ نسبیہ۔ اسمیت۔ نقلیت پر درود پڑھنا شرعاً ممنوع ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

چودھواں فتویٰ

غلط کتابیں لکھنے والے مصنف کی دوسری غلط کتاب حسب ونسب جلد اول میں بے شمار علمی فکری، مسلکی نحوی اور عقیدۂ اہل سنت کے خلاف سخت غلطیاں حوالے اکثر غلط واقعات جھوٹے استدلال، لغوعربی عبارات کے غلط ترجمے، غلط مسائل جو قرآن وحدیث کے سراسر خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی کتابوں سے تمام مسلمانوں کو بچائے۔ آمین

چشتیہ ٹرسٹ یو۔ کے۔ ایک ایسی مذہبی انجمن ہے جس کو سلسلہ چشتیہ کے متوسلین مخلصین کے علاوہ دیگر سلاسل روحانیہ کے بزرگوں اور مقتدر علماء کا تعاون حاصل ہے۔ اس کے قیام کا مقصد اولیائے کاملین کے مشن اور نصب العین کو زندہ رکھنا۔ اور اہل ایمان کو ان کی ممتاز حیاتہائے مقدسہ سے روشناس کرانا۔ موجودہ وقت میں ایک صورتحال وباء کی طرح پھیل گئی ہے۔ اہل ایمان جو اسلاف کی محبت کو اپنے ایمانوں کا آج تک جزو سمجھتے رہے وہ ہماری غلط ترجمانی کے باعث دلوں سے احترام کی دولت کھو رہے ہیں۔ آج وقت کی اشد ضرورت ہے کہ اہل اللہ نے قرآن وسنت کی روشنی میں مخلوقِ خدا کو جن طریقوں اور جن شفاف عملی زندگیوں سے راہ راست دکھایا انہیں اجاگر کیا جائے۔ بالخصوص یورپ میں اس کام کی سخت ضرورت ہے کیونکہ یہاں کی نئی پود تو باپ کو بھی انٹرویو کے بعد باپ تسلیم کرتی ہے۔ یہاں کا بچہ باپ سے کہہ دیتا ہے ابا جب تو خود مسجد میں نہیں جاتا تو مجھے کیوں بھیجتا ہے؟ اگر قرآن مجید کی واضح آیات مقدسہ کے مقابلہ میں بغیر کسی تاویل وتوجیہہ کے کہہ دیا جائے کہ اس میں سفیان ثوری کا یہ قول ہے فلاں بزرگ کی یہ رائے ہے فلاں کا یہ موقف ہے تو ایسے مفتیوں سے قرآن وسنت کا براہ راست مطالعہ کرنے والے نالاں کیوں نہ ہوں گے۔ دوسری طرف یہ پہلے درجے

کی خیانت ہے کہ کسی محدث یا بزرگ کا قول ایسے ادھورا پیش کیا جائے جو اسکی مراد قطعاً نہ ہو اور قطع و برید اور خود ساختہ مفہوم سے وہ قرآن و سنت سے واضح طور پر متصادم ہو جائے جس سے ہر ولی کامل اور علمائے ربانی کا دامن پاک ہے۔ افترائات کے لبادہ میں حقیقت چھپ نہیں سکتی۔ جوں جوں وقت گذر رہا ہے خوش اعتقادی بھی ساتھ ساتھ دم توڑ رہی ہے۔ اور نظام خانقاہی کی ساکھ غیر تربیت یافتہ جانشینوں کے باعث مسلسل ڈگمگوں کے نرغے میں ہے۔ جسے بچانا مصلب سنیوں کے فرائض میں سے ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ ہمارے ٹرسٹ کو مستند اور جید علماء کی سرپرستی حاصل ہے۔ ہمارے فضلاء نے کتاب مذکور کے مصنف کو ان کے موقف کے بعد کمزور پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی اور اصلاحی جذبہ کے ساتھ کچھ نکات کی وضاحت چاہی تو جواباً غیر مہذبانہ گمنام خطوط ملے۔ حالانکہ مقصود صرف اتنا تھا کہ علم کی روشنی میں مطمئن کریں یا رجوع کریں۔ بہر حال ہماری انجمن کا مقصود الجھنا نہیں اہلِ ایمان کے عقیدۂ حقہ کا تحفظ اور اصلاح ہے۔ اور یہ رسالہ اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ ادارہ معاونین علماء کا شکر گذار ہے۔

منجانب: چشتیہ ٹرسٹ یو۔ کے۔

حسب ونسب یا سلب وغصب

الاغلال البقیه فی اعناق اهل التقیه۔

رافضیوں کا اس صدی کا سب سے بڑا تقیہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کے چند شہروں اور سرزمین برطانیہ میں رافضیوں نے سنی بن کر برسوں تک سنیوں کو دھوکہ دیا اور انہیں پیچھے لگائے رکھا اور درپردہ رفض وتبرائیت کو پروان چڑھایا اور پھر علانیہ جی بھر کر پرچار کیا۔ اس طبقہ کی تازہ ترین تصنیف "حسب ونسب" کے مجموعہ خرافات اور اکاذیب کے پلندہ نے ان کا مصنوعی خول اتار دیا جس سے ان کا اصل مکروہ عقیدہ اور ان کے اصل فریبی چہرے سامنے آئے۔ اور متصلب علمائے اہل السنۃ والجماعت ان کی اس فریب کاری پر ششدر رہ گئے اور سنیت کے نام پر سنیت کا جنازہ نکالنے والوں کی جسارت اور ناپاک کوشش پر انگشت بدنداں ہو گئے۔

حسب ونسب، جس کے مصنف مولوی غلام رسول آف لندن ہیں، قرآن وحدیث کی مخالفت، امہات المومنین کی ہتک، بنات الرسول سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم سے بغض اور قرآن حکیم کی تحریفِ معنوی، بے ربط ڈانواں ڈول اور مذبذب و بیمار ذہن کی گمراہ کن عبارات پر مشتمل ایک کباڑ خانے کا نام ہے۔ یہاں تک کہ ابولہب کا احترام اور سورہ تبت یدا سے نفرت، (معاذ اللہ)

بدنصیبی یہ ہے کہ یہ شخص اپنے نام کے ساتھ "مفتی" بطور سابقہ خوب اہتمام سے لکھتا ہے اور خود کو سنی ظاہر کرتا ہے مگر آنے والی جوابی تحریر و تجزیہ سے قارئین کو علم ہو جائے گا کہ یہ شخص نہ تو مفتی ہے اور نہ سنی۔ بلکہ حقیقتاً یہ شخص علم میں بہت ہی غریب اور حد درجے کا سفید پوش ہے۔ نا معلوم اس سے یہ حرکت کس ظالم نے کرائی؟ چونکہ کتاب مذکور ایک شخص ملقب

بمفتی کی تحریر ہے اس کے پڑھنے سے سادہ کم علم لوگ دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ اس لئے سنیوں کو خبردار کرنے کی غرض سے یہ چند صفحات تحریر میں لائے گئے کہ یہ کتاب کسی سنی کی تحریر نہیں ہوسکتی بلکہ یہ "برانڈ" رافضیت کا چربہ ہے اور اس میں مندرجہ بعض عقاید کا اہل سنۃ و جماعت سے دور کا تعلق بھی نہیں اور یہ ایک ایسی تحریر ہے جو موت کے بعد منصف کی گردن پر......... موجبِ عذاب الٰہی جاری ہے۔ الّا یہ کہ وہ تائب ہو کر اس کی تحریراً تردید کرے۔ یہ شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضور نبی کریم ﷺ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ محبت ہے اور سیدہ فاطمہ کے سوا حضور کی باقی تین بیٹیاں سیدات نہیں نہ ان کی اولاد سید ہیں۔ شرم کرو تم نے دنیا میں کس کو خوش کیا اور آخرت میں کس کو رنجیدہ کیا۔ قیامت کے دن بناتِ رسول کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ اَللّٰھُمَّ اِھْدِھِمْ اِلٰی صِرَاطِکَ الْمُسْتَقِیْم۔ آمین ادارہ ۹۲۔۱۔۴

دستخط اراکین چشتیہ ٹرسٹ۔ حاجی محمد یونس وغیرہ

الجواب

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّاب

غلط عبارات حسب ونسب جلد اول اور ان کے مدلل ومختصر جوابات

اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَھُمْ وَضَلَّ عَنْھُمْ مَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ

(۱) صفحہ ۳۲ پر لکھا ہے کہ اگر سیدہ کا نکاح غیر سید لڑکے سے ہو تو اختلاطِ خون ہے اور یہ گناہ اور توہین اہل بیت ہے۔

جواب: یہ مصنف کا اپنا بناوٹی مسئلہ ہے ورنہ اگر سید لڑکا غیر سیدہ سے نکاح کرے تو بھی اختلاط خون ہے حالانکہ اس کو جائز لکھا ہے۔

(۲) صفحہ ۳۲ پر ہی ہے کہ امام سیوطی کے حوالے سے صرف اولادِ فاطمہ کو ہی نسبتِ رسولِ پاک ﷺ حاصل ہے دوسری صاحبزادیوں اور اولاد کو یہ نسبت حاصل نہیں۔

جواب: مصنف کی بے علمی یا خیانت ہے کہ امام سیوطی نے " اَوْلَادِ بِنَاتِہٖ" جمع کا لفظ فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ تمام بیٹیوں اور ان کی اولاد کو نسبتِ رسول پاک حاصل ہے اور ہر بیٹی کی اولاد سید ہے۔ مگر یہاں عربی عبارت صحیح لکھ کر بھی ترجمہ میں غلطی کی جارہی ہے۔

(۳) صفحہ ۳۱ پر لکھا ہے کہ امام شافعی نے اپنے اشعار میں فرمایا کہ اگر محبت اہل بیت کا نام رافضی شیعہ ہوتا ہے تو مجھ کو شیعہ رافضی ہی سمجھ لو۔

جواب: بالکل غلط اور جھوٹے شعر ہیں۔ امام شافعی نے اپنی کسی کتاب میں یہ شعر نہیں لکھے بلکہ آپ نے اپنی کتاب "مسالک اہل السنۃ" میں لکھا ہے کہ محبت اہل بیت اصلاً اہل السنّت کے پاس ہے۔ رافضی تو دشمن اور گستاخ اہلِ بیت ہیں بلکہ رافضی ہی قاتلینِ امام ہیں۔ دیکھیے: "خطبہ سیدہ زینب" مطبوعہ ایران۔ بنام عاشورہ چہ چیز است

(۴) صفحہ ۳۵ پر ہے کہ غیر کفو میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اور یہ بھی لکھا ہے کہ کفو کا معنیٰ ہے زوجین (خاوند بیوی) کا ہم مثل ہونا۔

جواب: اسی کتاب کے صفحہ ۳۵ پر ہے کہ کسی مصلحت کے تحت غیر کفو میں نکاح جائز ہوتا ہے۔ سچ کہا سعدی علیہ الرحمۃ نے کہ جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح ص ۱۷۷ پر لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا کوئی مثل نہیں۔ یعنی آپ کا کوئی کفو نہیں حالانکہ کفو کی یہ تعریف غلط ہے کیونکہ کفو ہم قوم کو کہتے ہیں نہ کہ ہم مثل کو۔ دیکھو خدیجہ کبریٰ، عائشہ صدیقہ وغیرہما نبی پاک کی ہم قوم ہیں اس لئے ہم کفو ہیں مگر ہم مثل نہیں، مصنف کو چاہیے کہ ابھی دینی علم کسی مدرسے میں پڑھے۔

(۵) صفحہ ۳۶ پر لکھا ہے کہ عجمی غیر کفو میں نکاح جائز ہے۔ کیونکہ عجمیوں کے نسب ضائع ہو چکے ہیں۔ ان کے نسب بھی ضائع اس لئے عجمیوں میں کفو کی قید نہیں ہے۔

جواب: بالکل غلط ہے سب قوموں کے نسب ضائع نہیں ہوئے بلکہ بے شمار قبیلوں اور قوموں کے شجرے نسبی بالکل محفوظ ہیں نیز پھر عجمی سیدہ کا نکاح غیر کفو میں جائز ہونا چاہیے کیونکہ وہ بھی عجمیوں میں شامل ہے۔

(۶) صفحہ ۳۹ پر لکھا ہے ہر عورت کا نکاح اس کا ولی ہی کر سکتا ہے۔

جواب: مگر صفحہ ۷۷ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ بالغہ عورت باکرہ یا ثیبہ کے نکاح میں ولی کا ہونا ضروری نہیں۔ یہ تضاد بیانی ہے۔

(۷) صفحہ ۴۵ اور ۴۶ پر ہے۔ فاروق اعظم نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کی میں نے دو چیزیں باقی رکھی ہیں ایک یہ کہ میں کسی مسلمان سے رشتہ کروں مجھے اس میں عار نہیں دوسری یہ کہ کسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کرلوں مجھے اس میں عار نہیں یہ آپ کا ذاتی ارادہ ہے، الخ

جواب: مصنف علم نحو اور عربی زبان سے بالکل ناواقف لگتا ہے، عربی عبارت لکھ کر ترجمہ غلط لکھا ہے، عربی عبارت یہ ہے "لَسْتُ اُبَالِیْ اَیَّ الْمُسْلِمِیْنَ اَنْكَحْتُ وَبِاَیِّهِنَّ اَنْكَحْتُ" صحیح ترجمہ یہ ہے کہ میں کچھ مضائقہ نہیں جانتا کہ کسی بھی مسلمان کا نکاح کسی بھی عورت سے کر دوں مصنف نے خیانت کرتے ہوئے یہ غلط بیانی کی دونوں جگہ "اَنْكَحْتُ" کا ترجمہ ایسا کیا جس سے پتہ لگتا ہے کہ فاروق اعظم اپنے رشتے اور نکاح کی بات کر رہے ہیں اور پھر صحابہ کرام کی بات کو ذاتی رائے وارادہ کہہ کر تردید کر دینا یہ ہی گستاخی صحابہ ہے، یہ رافضیت کی کھلی علامت ہے۔

(۸) صفحہ ۴۹ پر ہے کہ غیر کفو میں نکاح ناجائز ہونے کی وجہ انسان کی تذلیل وتوہین ہے ص ۸۳ پر ہے وجہ ضرر والی ہے ص ۴۷ پر ہے قرابت رسول ہے ص ۹۲ پر ہے ناجائز ہونے کی وجہ صرف غیر کفو ہونا ہے۔

جواب: مصنف کا دماغ گھوم گیا ہے۔ اس کو سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ کس کو وجہ حرمت بناؤں۔ یہی خود ساختہ دین بنانے اور حماقت وکم علمی کی نشانی ہے۔

(۹) صفحہ ۵۰ پر لکھا ہے "علی علیہ السلام" اسی طرح اور بھی چند صفحات پر پنجتن پاک کے ساتھ "علیہ السلام" لکھا ہے۔

جواب: یہ طریقہ غالی اور تبرائی شیعوں کا ہے۔ اہل السنہ علماء کرام "انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام" کے علاوہ کسی اور نام کے ساتھ "علیہ السلام" کہنے یا لکھنے کو ناجائز فرماتے ہیں درپردہ، ثابت ہو رہا ہے کہ مصنف سخت ترین شیعہ رافضی ہے۔

(۱۰) صفحہ ۵۳ پر لکھا ہے کہ "وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا" پ ۱۹ سورہ فرقان آیت ۵۴ یہ آیت نبی کریم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے نازل ہوئی کیونکہ صرف علی ہی کو نبی کریم ﷺ سے نسبی اور صہری (سسرالی) تعلق حاصل ہے۔

جواب: یہ بھی شیعوں اور رافضیوں والی بات ہے۔ کہ ہر بات کھینچ تان کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ علمی اور نحوی اعتبار سے بھی یہ قول جاہلانہ ہے۔ نہ کسی علم والے نے یہ بات لکھی ہے اگر مصنف میں ذرا سی علمی قابلیت ہوتی تو ایسی لغو بات نہ لکھی ہوتی۔ یہ آیت تو تمام نسلِ بشری کے لئے ہے، اگر یہ آیت صرف نبی کریم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ہوتی تو بشراً جنس واحد لفظ نہ ہوتا بلکہ تثنیہ اور بشرین ہوتا نیز جب نسب وصہر میں حضرت علی کی خصوصیت ہے تو پھر من الماء اور بشراً میں بھی مولیٰ علی خاص ہوئے اور وہی صرف پانی (نطفے) سے پیدا ہوئے نیز نسب اور صہر تو قیامت تک ہر کفو میں ہوگا۔ اور پھر بالکل یہی نسب اور صہر میں نبی کریم ﷺ سے تعلق عثمان غنی کو بھی حاصل ہے بلکہ چاروں خلفاء کو دو نے بیٹی دے کر، دو نے بیٹی لے کر یہ تعلق حاصل کیا۔

(۱۱) صفحہ ۶۲ پر ہے کہ ذریت یعنی نبی کریم ﷺ کی اولاد صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلب میں ہے ذریت کا ترجمہ ہے اولاد

جواب: بالکل غلط ذریت کے معنیٰ اولاد نہیں بلکہ نسل ہے اولاد صرف بیٹا بیٹی کو کہتے ہیں۔ اس میں پوتا پوتی نواسہ نواسی بالکل شامل نہیں نبی کریم ﷺ کی اولاد حضرت علی کی صلب میں نہیں بلکہ نبی پاک کے تین بیٹے چار بیٹیاں آپ کی صلب سے ہوئیں اور ان صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کی فضیلت اور درجہ حسنین کریمین سے زیادہ ہے۔ حدیث سے ثابت کیا جائے کہ ذریت کا معنیٰ اولاد ہے۔ ادھر ادھر منہ نہ مارو۔

(۱۲) صفحہ ۶۳ پر ہے مصنف نے ایک شیعہ کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، "اللہ تعالیٰ علی کے ساتھ مجھ سے بھی زیادہ محبت رکھتا ہے"

جواب: یہ سراسر جھوٹی اور من گھڑت عبارت ہے۔ مصنف نے تو یہ کفریہ عبارت چند لفظوں میں بنا کر لکھ ڈالی اور "مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ" کے مطابق اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا مگر یہ نہ سوچا کہ بات کہاں تک جا پہنچی قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام انبیاء کرام اور کل کائنات میں سب سے زیادہ اپنے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت فرماتا ہے اور اللہ کی محبت افضلیت کی نشانی ہے۔ اب اگر نبی کریم ﷺ سے بھی زیادہ محبت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

ہوئی تو پھر لازم آیا کہ حضرت علی کا درجہ اور فضیلت تمام کائنات تمام انبیاء علیہم السلام بلکہ خود نبی کریم ﷺ سے بھی زیادہ ہو اور نیز "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ" الخ والی حدیث کا انکار ہوگا۔ یہی کفریہ عقیدہ رافضی تبرائی شیعوں کا ہے۔ مصنف اور شیعوں میں کیا فرق رہا!

(۱۳) صفحہ ۶۳ پر ہی لکھا ہے کہ قیامت کے دن کسی کا نسب کام نہ دے گا بجز نبی کریم ﷺ کے نسب کے۔

جواب: یہ اللہ سے دیگر احادیث کے خلاف ہے احادیث میں ہے کہ عالم، حافظ، قاری، شہید، عابد زاہد اپنی کئی کئی پشتوں کو بخشوائیں گے بلکہ کچا بچہ بھی اپنے والدین کی شفاعت کرے گا۔ حدیث پاک سے مصنف نے غلط استدلال کیا ہے وہاں صرف انقطاع نسب کا ذکر ہے اور مصنف کا دماغ یہ فرق سمجھنے سے قاصر ہے۔

(۱۴) صفحہ ۶۴ پر ہے اگر سیدزادی کا نکاح غیر سید سے ہو تو سیدزادی اصل نسب سے کٹ جائے گی۔

جواب: غلط اور خود ساختہ مسئلہ ہے کسی کتاب اور کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں۔ سیدزادی تا قیامت سیدہ ہی رہے گی۔

(۱۵) صفحہ ۶۵ پر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعا مانگی یا اللہ یہ حضرت علی، فاطمہ، حسن و حسین میرے اہل بیت ہیں، اے اللہ ان سے رجس دور کردے اور انہیں پاکیزہ بنادے۔

جواب: سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا اسی مصنف نے اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۵ پر لکھا ہے کہ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ کی ہر صفت قدیمی ہے اس لئے معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو پاک کرنے کا ازل میں ارادہ فرمایا تھا لہٰذا یہ اہل بیت ازل میں ہی پاک ہو چکے ہیں۔ لیکن اب یہاں لکھا ہے کہ نبی کریم نے دعا مانگی کہ یا اللہ اب پاک کردے کیا نبی کریم ﷺ کو صفت الٰہی کے قدیم ہونے کا پتہ نہیں تھا؟ پھر یہ تحصیل حاصل کیوں مانگی جا رہی ہے تحصیل حاصل تو محال ہے۔ مصنف کو کتابیں لکھنے کا شوق ہے علم پڑھنے کا شوق نہیں۔

(۱۶) نیز مصنف صفحہ ۱۶۵ پر کہتا ہے کہ اہل بیت صرف یہی چار۔ حضرات علی، فاطمہ، حسن و حسین ہیں۔ تو پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی دعا میں کیوں کہا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں جبکہ قرآن پاک میں اہل بیت ہی کے پاک کرنے کا ذکر ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو یاد دہانی کرائی جا رہی ہے۔ کیا اس کے بھول جانے کا امکان ہے؟ معاذ اللہ! ثابت ہوا کہ مصنف کی سب باتیں لغو ہیں۔ اصل اسلامی ایمانی مسئلہ یہ ہے کہ حقیقی اہل بیت ازواج پاک ہیں ان چار کو تو اب داخل کیا جا رہا ہے۔ نیز صفتِ الٰہیہ دو قسم کی ہیں۔ (۱) صفت بالقوہ صرف یہ قدیمی ہے (۲) صفت بالفعل یہ صفت حادث ہے مگر مصنف ان علمی باتوں سے جاہل واجہل ہے۔

(۱۷) صفحہ ۶۸ پر لکھتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے بیٹے! حسنین کریمین کے باپ جیسا باپ اور نانے جیسا نانا تو لاتا کہ تجھ کو مقدم کروں۔

جواب: یہ بھی بالکل جھوٹا اور بناوٹی واقعہ ہے۔ مصنف کی رافضیانہ کذب بیانی ہے کسی تاریخ میں ایسا نہیں لکھا۔ نیز مسلکِ اہل السنّت میں فاروق اعظم کا درجہ اور فضیلت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ ہے۔ غرض کہ مصنف کا

سارا دین ہی ان جھوٹوں پر معلق ہے۔

(۱۸) صفحہ ۷۲ پر لکھتا ہے کہ حضور ﷺ کی اولاد (سیدوں) کا کفو صرف سید ہے ہاشمی، قریشی، عباسی، مطلبی بھی سیدوں کے کفو نہیں اور صفحہ ۹۴ پر لکھا ہے کہ غیر کفو میں نکاح حرام اور زنا ہے۔

جواب: تو پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کا نکاح غیر کفو میں کیوں کیا؟ بقول مصنف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نسبی سید نہیں تو پھر فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح مولیٰ علی (غیر کفو) سے کیوں کیا؟ کیا یہ سب نکاح نعوذ باللہ غلط تھے۔ نیز پھر حسنین کریمین نے اپنی بیٹیوں کے نکاح غیر کفو میں کیوں کئے؟ نیز حسن وحسین اور ان کی بیٹیوں کی اولاد مصنف کے نزدیک کیسی ہے؟ اور تا قیامت سادات کیسی اولاد ہے؟ مصنف صاحب اس کا علمی، تاریخی بحوالہ مدلل جواب دیں۔ خدا مصنف کو ہدایت دے اس نے تو سارے سادات کو ہی ناجائز کر دیا۔ کیا یہی محبت اہل بیت ہے؟ کسی نے سچ فرمایا بے وقوف دوست سے دانا دشمن اچھا ہے۔ یہی گستاخی اہل بیت ہے۔

(۱۹) صفحہ ۷۴ پر لکھا ہے کہ اگر لڑکی سیدہ ہے اور لڑکا غیر سید ہے تو نکاح ہی نہیں ہوگا کیونکہ غیر سید کسی سیدزادی کا کفو ہی نہیں ہے۔

جواب: یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ صرف سید ہونا کفو نہیں بلکہ نبی پاک کی قرابت داری ہونا کفو ہے۔ لہٰذا ہاشمی، قریشی، عباسی، مطلبی سب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ یہی مسئلہ تمام کتب فقہاء میں لکھا ہے۔ مصنف ان کتب سے جاہل ہے۔

(۲۰) صفحہ ۷۶۔۷۷ پر ہے کہ غیر کفو میں نکاح کرنے سے انسان اور ولی کی تذلیل وتوہین ہے۔ اس لئے نکاح حرام کیا گیا۔

جواب: یہ قانونِ شریعت تمام مسلمانوں کے لئے ہے نہ کہ فقط سیدوں کے لئے۔ نیز بامر مجبوری ہر خاندان (سید، غیر سید) غیر کفو میں نکاح کرسکتا ہے۔ قرآن وحدیث، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہے تمام کتب فقہ میں اس کے دلائل اور ثبوت موجود ہیں اور پھر جب کسی سخت مجبوری کے تحت والی وارث بھی راضی ہو تو تذلیل ولی اور توہین انسانیت کیوں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں رشتۂ ازواج اور خاوند بیوی کو رب تعالیٰ نے احسان ومودت ورحمت فرمایا ہے۔ رب تعالیٰ نے کسی بھی نکاح کو کہیں بھی ذلت اور توہین نہ فرمایا۔ مصنف کی یہ تمام کھینچا تانی فضولیات ولغو ہیں۔

(۲۱) صفحہ ۸۰ پر ہے کہ سید شہاب الدین بھی لکھتے ہیں کہ ہمارے سادات علوی حسنی حسینی کا یہ قدیم دستور رہا ہے اور اب بھی ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کے نکاح صحیح نسب میں کرتے ہیں۔

جواب: اس عبارت سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ طریقہ کوئی شرعی پابندی یا شرعی گرفت والا مسئلہ نہیں بلکہ ان کا اپنا رواجی دستور ہے ایسا رواج تو زمانوں سے ہر قوم قبیلے نے اپنایا ہوا ہے۔ خواہ اونچا خاندان ہو یا نیچا اور پھر جن سید اور غیر

سید لوگوں نے یہ رواج بنایا ہوا ہے وہ غیرت مند لوگ اپنے بیٹوں کا بھی نکاح باہر غیر کفو میں نہیں کرتے نہ ہونے دیتے ہیں۔ کفو کا یہ دستور بلکہ شرعی ضابطہ بھی لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لئے یکساں رکھا گیا ہے۔ مصنف کا یہ کتنا ظالمانہ مسئلہ ہے کہ لڑکا تو کھلا آزاد ہے جہاں چاہے کسی بھی نیچی غیر قوم سے نکاح کرتا پھرے بیوی بنا کر خاندان میں لائے مگر بیچاری لڑکی پر ظالمانہ پابندی کہ اگر سید اور کفو لڑکا نہ ملے یا لڑکی کو پسند نہ کرے تو لڑکی ساری عمر کنواری بیٹھی رہے۔ شریعت اسلامیہ ایسے ظلم کی پابندی نہیں لگاتی۔ یہ صرف مصنف کی کور نظری ہے یہ اندھا قانون حفاظت نسل نہیں بلکہ بیٹی کی بد دعائیں لینا ہیں اسی بے جا یک طرفہ ظلم کی وجہ سے اکثر لڑکیاں باغی ہو کر غیر کفو میں شادیاں کر لیتی ہیں اور احمق والی وارث سر پیٹتے رہ جاتے ہیں۔

(۲۲) صفحہ ۸۱ پر لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ حسب نسب والی لڑکیوں کی شادی صرف کفو میں کرنے کی ہی اجازت دوں۔

جواب: اسی عبارت کو اگر مصنف عقل سے سوچتا تو یہ اتنی لمبی غلط کتاب نہ لکھتا۔ فاروق اعظم کے اس قول کہ "میں چاہتا ہوں" اور یہ قول کہ "اجازت دوں" سے ثابت ہو رہا ہے کہ شریعت نے کوئی پابندی یا سختی نہ فرمائی بلکہ صرف بہتر یہ ہے کہ میں کفو سے باہر نکاح کی اجازت نہ دوں اگر یہ مسئلہ اور سختی قرآن کریم یا فرمانِ رسول سے ثابت ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اجازت کو اس میں شامل اور ذکر نہ فرماتے۔

(۲۳) صفحہ ۸۳ پر ہے غیر کفو میں نکاح حرام ہونے کی وجہ صرف ضرر (نقصان) ولی ہے۔

جواب: لہٰذا بات واضح ہوگئی کہ اگر نکاح غیر کفو میں ولی کا نقصان نہ ہوتا ہو تو نکاح جائز ہوا۔

(۲۴) صفحہ ۹۴ پر ہے کہ سیدہ کا غیر کفو میں نکاح نہیں بلکہ زنا ہے کیونکہ حسن بن زیاد نے اپنے ایک قول سے غیر کفو میں نکاح کو مطلقاً عدم جواز کا فتویٰ دیا۔

جواب: حسن بن زیاد کی روایت صرف سادات کے لئے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کی ہر قوم کے لئے ہے۔ لیکن مصنف کھینچ تان کر کے صرف سادات کی لڑکیوں پر یہ پابندی لگاتا ہے۔ یہ اس کا ظلم بھی ہے اور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیوں کے نکاح پر اور حسنین کریمین کے اپنے خاندانی عمل پر اعتراض بھی۔

(۲۵) صفحہ ۱۰۰ پر ہے کہ غیر کفو میں نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

جواب: لیکن اسی مصنف نے اسی کتاب کے صفحہ ۹۴ پر مطلقاً غیر کفو میں نکاح کو حرام و زنا لکھا ہے۔ ہر کم عقل انسان اسی طرح تضاد بیانیاں کرتا ہے۔

(۲۶) صفحہ ۱۳۴ پر ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت مولیٰ علی کا نکاح حضرت عمر سے نہیں ہوا۔ یہ من گھڑت روایت شیعوں کی ہے بلکہ حضرت علی نے اپنے بھتیجے عون بن جعفر سے منگنی کی تھی۔

جواب: حضرت ام کلثوم کا نکاح فاروق اعظم سے ثابت ہے صرف شیعہ اس کے منکر ہیں۔ رہا اس نکاح کی تاریخ

میں اختلاف ہونا اور مختلف اقوال ہونا تو صرف یہ بات حقیقت کے انکار کی وجہ نہیں ہو سکتی ایسی مخالفتیں اور مورخین کے مختلف اقوال تو اسلام کے بے شمار واقعات میں کیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی عمر شریف و تاریخ ولادت میں بھی مختلف اقوال ہیں نیز جس مقصد کے لئے مصنف نے انکار کرتے ہوئے اتنا لمبا تانا بانا بنا دیا وہ مقصد تو پھر بھی حاصل نہ ہوا کیونکہ جس طرح فاروق اعظم سے نکاح حرام تھا بقول مصنف اسی طرح جعفر کے بیٹے سے بھی نکاح حرام تھا کیونکہ نہ فاروق اعظم کفو نہ جعفر اور نہ ان کا بیٹا کفو، وہ بھی سید نہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں نکاح کرنے کا ارادہ کیوں کیا؟ منگنی کیوں کی؟ یہ ارادہ بھی حرام ہونا چاہیے۔

(۲۷) صفحہ ۱۴۱ پر لکھا ہے ضرورت کے تحت غیر کفو میں نکاح جائز ہے۔

جواب: اب آئے نا راہِ راست پر! بس بات صاف ہوگئی کہ جس ضرورت کے تحت اس وقت غیر کفو میں جائز تھا اب بھی اسی طرح ضرورت کے تحت جائز ہے۔ اب یہ کہنا غلط ہوگا کہ مطلقاً ہر حالت میں سیدزادی کا نکاح غیر سید سے حرام ہے۔ مصنف کو اپنی پہلی بات سے توبہ کرنی چاہیے۔

(۲۸) صفحہ ۱۴۳ پر ہے اعلیٰ حضرت کا فتویٰ غیر کفو کے نکاح کے بارے میں غیر مقبول ہے کیونکہ تفردات سے ہے یعنی انفرادی ہے۔

جواب: غلط ہے اعلیٰ حضرت نے کثیر دلائل کے ساتھ یہ مسئلہ لکھا ہے اور تمام فقہائے امت بھی ایسا ہی لکھتے ہیں اور پھر آپ کی تو ساری کتاب ہی تفردات سے بھری پڑی ہے کوئی سچا حوالہ نہیں۔ حوالے غلط، واقعات جھوٹے، استدلال کمزور یہ کتاب کیا ہے جھوٹوں کا پلندہ ہے۔

(۲۹) صفحہ ۱۵۹ پر ہے سادات کا ادب ضروری ہے۔

جواب: لیکن ادب کا طریقہ جداگانہ ہے اگر سیدزادہ شاگرد ہو اور نالائق ہو یا شریر یا بدمعاش، چور ڈاکو بن جائے تو شریعت اور ملکی قانون مکمل طور پر اس پر جاری کیئے جائیں گے۔ سرزنش۔ سزا حدود و تعزیر اور تمام اصلاحی تدابیر ضرور جاری کئے جائیں گے بے مہار نہ چھوڑا جائے گا۔ صرف سید ہونے کی وجہ سے آزاد اور آوارہ نہ چھوڑا جائے گا۔ ہر سزا میں ارادہ اصلاح کا ہوگا نہ کہ ذلت کا۔

(۳۰) صفحہ ۱۶۵ پر ہے "یُرِیْدُ اللّٰہُ" کا معنیٰ ہے کہ اہل بیت کی تطہیر ہو چکی ہے ازل قدیم میں ہی۔ اور اس آیت میں اللہ نے "تطہیرا" مصدر فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ اہل بیت تمام پاکیزگیوں کے مصدر اور منبع ہیں کہ جتنے پاک ہونے والے ہیں وہ سب اہل بیت ہی کی وجہ سے پاک ہوں گے۔

جواب: ان دونوں باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مصنف صرف بے علم اور نحو، صرف، منطق فلسفہ کے قواعد علمیہ سے ناواقف ہی نہیں، قرآن کریم کی دیگر آیات کا بھی علم نہیں رکھتے کیا اسی جہالت کا نام محبت اہل بیت ہے۔ معلوم نہیں کہاں سے کوئی گرا پڑا قلم ہاتھ آ گیا کہ ملاں صاحب اہلِ قلم بن بیٹھے۔ قرآن مجید پارہ چھ سورہ مائدہ کی آیت ۶ میں بھی رب

تعالیٰ نے تمام تاقیامت مسلمانوں کے لئے ارشاد فرمایا وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ یہاں بھی "يُرِيْدُ" صفت باری تعالیٰ ہے جو قدیم ہے تو پتا چلا کہ تمام مسلمان بھی ازل میں پاک ہو چکے ہیں نیز ص ۶۵ پر نبی کریم ﷺ کی دعا درج ہے۔ جس میں آپ عرض کر رہے ہیں کہ یہ اہل بیت ہیں انہیں پاک فرما دے۔ نیز نحوی قواعد میں جب جملہ کے اندر مصدر آ جائے تو وہ مفعول مطلق ہوتا ہے اور صرف تاکید کے لئے ہوتا ہے مصدر وضع بننے کے لئے نہیں۔

(۳۱) صفحہ ۱۶۵ پر لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں اہل بیت سے مراد حضرت علی فاطمہ حسن و حسین ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (از رد عقد الصادی)

جواب: بالکل غلط رد عقد الصادی والا کاذب، شیعہ اور قرآن کریم سے جاہل ہے۔ رب تعالیٰ نے صاف صاف فرمایا کہ "يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ" اور اس کے بعد پورے رکوع میں جمع مونث غائب کے صیغے مذکور ہوئے۔ اب کوئی بہت ہی بدعقل و بدنصیب ہوگا جو یہاں حضرت علی و فاطمہ و حسنین مراد لے۔ کیا یہ حضرات "نِسَاءَ النَّبِيِّ" کے مصداق ہو سکتے ہیں؟ (توبہ! نعوذ باللہ) قرآن مجید میں کہیں بھی اہل بیت سے یہ چار حضرات مراد نہیں اور مراد لینا بھی بدترین گستاخی ہے۔ اصل اہل بیت ازواج پاک ہی ہیں یہ چار حضرات تو حدیث چادر کی وجہ سے بالتبع شامل کئے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی پرورش میں تھے۔ مگر مصنف کی کم عقلی کا کیا کیا جائے کہ ہر لغو بات کو اپنا دین بناتے چلے جا رہے ہیں نیز مصنف کی کذب بیانی ہے کہ چادر کا واقعہ دو دفعہ ہوا بلکہ چادر میں لینے کا واقعہ ایک ہی دفعہ ہوا ہے۔

(۳۲) صفحہ ۱۷۱ پر لکھا ہے کہ بدعقیدہ سید بھی قابلِ تعظیم ہے۔

جواب: بالکل غلط۔ قرآن مجید کے سراسر خلاف ہے۔ بدعقیدہ انسان نسل سے کٹ جاتا ہے اور اہل ہی نہیں رہتا۔ اگر کوئی سید بدعقیدہ ہو گیا تو وہ سید ہی نہ رہا۔ کیونکہ بدعقیدگی کفر ہے اور کافر سید نہیں رہ سکتا۔ کافر کو سید کہنے اور سمجھنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ تعظیم صرف مومن کی ہوتی ہے۔ دیکھو نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بدعقیدہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ"

(۳۳) صفحہ ۱۳۹ پر ایک سوال ہے کہ اگر سیدزادی کا نکاح صرف سید سے ہی ہو سکتا ہے تو پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک صاحبزادی سیدہ زینب کا نکاح حضرت ابو العاص سے اور سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان سے کیوں کیا؟ یہ دونوں مرد سید نہیں تھے۔ حقیقتاً اس کا جواب مصنف کے پاس نہیں ہے اس لئے گھبرائے اور لرزتے سے لگ رہے ہیں مگر مثل مشہور ہے کہ "ملاں آں باشد کہ چپ نشود" بولنا ضروری ہے۔ خواہ عقل اور دین بھی جاتا رہے۔ روتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم تو صرف سادات کے نسب اور کفو کی بات کر رہے ہیں۔ (ہم کو دائیں بائیں سے مت چھیڑو ورنہ ہمارا پردہ اتر جائے گا) آگے کہتے ہیں کہ یہ تینوں صاحبزادیاں سید ہی نہیں۔ معاذ اللہ!

جواب: ہم پوچھتے ہیں کہ کیا نبی کریم ﷺ سید ہیں یا نہیں اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو سید کی اولاد بھی سید ہی ہو گی۔ مصنف نے خود ص ۵۸ پر یہ بات مانی ہے اس قانون سے چاروں صاحبزادیاں ۱۔ زینب ۲۔ رقیہ ۳۔ ام کلثوم ۴۔ فاطمہ

اور نبی کریم ﷺ کے تینوں صاحبزادے ۱۔ قاسم ۲۔ طیب و طاہر ۳۔ ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ علیہم اجمعین اصلی نسلی خود بخود سید ہوئے۔ کیونکہ کسی والد کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ میرا بیٹا میری قوم و نسل سے ہے۔ بیٹا اور بیٹی ہونا ہی ہم قومیت وہم نسلی ہے۔ جب یہ بات تسلیم ہے تو سوال برقرار ہے کہ نبی کریم نے اپنی تینوں نہیں بلکہ چاروں کا نکاح غیر کفو میں کیوں کیا؟ مصنف مذکور کے قانون سے تو حضرت علی بھی سید نہیں اور اگر مصنف یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ تو سید ہیں مگر آپ کی سب اولاد سید نہیں تو قاعدہ بنے گا کہ سید کی اولاد سید نہیں پھر حسنین کی اولاد بھی سید نہ ہوگی اور تا قیامت کوئی سید کہلانے کا حق دار نہیں رہے گا۔ لیکن اگر مصنف اپنی دیوانگی میں کہہ دے کہ نبی کریم سید نہیں جیسا کہ ان کا گستاخ قلم کئی جگہ اس طرح کی گستاخیاں کر چکا ہے تب ہم اس کفریہ عقیدہ والے سے پوچھیں گے کہ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کس طرح سید ہوئے؟ ہمیں یقین ہے کہ مصنف اور اس کے کسی بھی تائید یے کے پاس دنیا بھر میں تا قیامت اس کا جواب نہیں ہے۔ لہٰذا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔

(۳۴) صفحہ ۱۷۱ پر ایک واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک شخص مدینہ منورہ کے سادات حسینیہ سے ان کے اظہار رفض کے باعث کدورت رکھتا تھا نبی کریم ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ تو میری اولاد سے بغض رکھتا ہے کیا نافرمان بیٹا باپ کی طرف ہی منسوب نہیں رہتا؟ میں نے عرض کیا کہ منسوب رہتا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا یہ میرا ایک نافرمان بیٹا ہے۔ الخ

جواب: یہ واقعہ جھوٹا ہونے کے علاوہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اس میں سات کذب بیانیاں ہیں۔ ۱۔ پہلی یہ کہ یہ واقعہ کسی بھی کتاب میں نہیں ہے۔ ۲۔ یہ کہ کسی شیعہ نے اپنے تحفظ کے لئے گھڑ لیا ہے۔ اور اس مصنف نے اندھا بن کر مان لیا۔ ۳۔ ایسی جھوٹی خوابیں بنانے کا عام رواج بن گیا ہے۔ ۴۔ یہ کہ مدینہ منورہ میں کبھی بھی شیعہ نہیں رہے نہ حسنی نہ حسینی۔ یہ سب ایرانی پیداوار ہیں اگر کسی زمانے میں ہوں گے تو پوشیدہ رہتے ہوں گے۔ ۵۔ رافضی شیعہ صرف اہل السنت سے تعصب نہیں کرتے بلکہ قرآن مجید اور اللہ رسول کے ہی مخالف ہیں۔ قرآن مجید کو مخلوط اور علی رب کا نعرہ لگاتے اور نبی کریم ﷺ سے افضل مانتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام پر بھول کر غلط جگہ وحی لانے کا کفریہ اتہام لگاتے ہیں۔ ۶۔ یہ کہ اس واقعہ میں لفظی غلطیاں بھی ہیں کہ پہلے سادات حسینیہ جمع کا لفظ پھر آگے لکھا ہے کہ "یہ میرا ایک نافرمان بیٹا ہے یہاں واحد بولا گیا ہے۔ لفظ "یہ" اسم اشارہ قریبی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بیٹا خواب میں کہیں قریب ہی تھا اس طرح کی لفظی ہیرا پھیری شان نبوت کے خلاف ہے۔ ۷۔ رافضیوں کی نافرمانی بیٹے باپ کی مثال نہیں بلکہ نبی کی نافرمانی ہے۔ عام باپ کی نافرمانی عام بیٹا کرے اس کو تو باپ بیٹے کی مخالفت کہہ کر درگزر کر دیا جا سکتا ہے مگر یہاں باپ عام شخص نہیں بلکہ اللہ کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے ایسے باپ کی نافرمانی تو دین وایمان تباہ کر کے رکھ دیتی ہے ایسی نافرمانی تو خود والد بھی معاف نہیں کر سکتا اور ایسے باپ کی نافرمانی کرنے والا بیٹا باپ کی طرف منسوب نہیں رہتا۔ ایسا ہی ایک نافرمان بیٹا اولاد نوح علیہ السلام میں بھی تھا۔ قرآن مجید نے قیامت تک اس قسم کے نافرمان بد عقیدہ بیٹوں کے لئے ایک اٹل قانون بنا دیا کہ "اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِکَ" اے نبی! یہ بیٹا اب تمہارا اہل وآل نہ رہا۔

اب یہ بیٹا باپ کی طرف منسوب نہیں رہ سکتا۔ مصنف کی آنکھیں ان واضح آیتوں سے بھی بند ہی ہیں اور اپنی یہ کور چشمی کتاب لکھ کر بڑا شاداں و فرحاں نظر آتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب اول تا آخر ہر ہر سطر میں غلط لغو بے سروپا اور جھوٹوں کا پلندہ ہے۔ مصنف کو نہ علم نحو آتا ہے نہ علم صرف، نہ منطق، نہ فلسفہ کے قواعد نہ شرعی ضابطوں سے واقف نہ عام خاص سے واقف۔ قرآن مجید کی سمجھ تو پاس سے بھی نہیں گذری۔ ہر ہر مسئلہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ ہم چاہتے تھے کہ اپنی اس تحریر کے آخر میں مصنف کا محاسبہ اور گرفت کرتے ہوئے کچھ سوالات کے جوابات طلب کریں اور پھر اکابر علماء کے سامنے پیش کر کے اس کتاب اور مصنف کے بارے میں شرعی فتویٰ طلب کریں مگر کتاب کی بچگانہ عبارتیں عامیانہ باتیں قواعد علیہ کے خلاف کٹر ور دلیلیں دیکھ کر یہ ارادہ ترک کر دیا کہ جب کتاب ایسی اوٹ پٹانگ ہے کہ عام طالب علم بھی جس کی لغزشیں بھانپ لے اس کے محاسبے اور جواب طلبی میں وقت ہی ضائع کرنا ہے اور جواب بھلا دے بھی کیا سکتا ہے؟ سارا زور تو کتاب میں ہی ختم ہو گیا ہے۔ ایسے ایسے اہل قلم بھی قیامت کی نشانیاں ہیں۔ خدشہ صرف ان سنیوں کی طرف سے ہے جو ایسی نقصان دہ کتابوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں صرف ان سنیوں کا مسلک و ایمان بچانے کے لئے ہی یہ تحریر لکھی گئی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وما علینا الا البلاغ

نوٹ: کتاب ہذا میں ابھی اور بھی غلطیاں ہیں جن کو بوجہ طوالت ترک کر دیا ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو دوسری قسط میں شائع کر دی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ مصنف نے اپنے خود ساختہ کفو کے مسئلہ کو بچانے اور نبھانے کے لئے مندرجہ ذیل تقریباً دس گستاخیوں کا ارتکاب کیا اور ان کا ناجائز سہارا لیا۔

۱۔ نبی کریم ﷺ (معاذ اللہ) سید نہیں ہیں۔ ۲۔ اسی لئے ان کی پہلی تین صاحبزادیاں بھی سید نہیں ہیں۔ ۳۔ اللہ کے دربار میں مولا علی کی محبت یعنی درجہ وفضیلت نبی کریم ﷺ سے بھی زیادہ ہے۔ ۴۔ کفو کے علاوہ سیدہ کا نکاح حرام اور زنا ہے۔ ۵۔ سیدہ زینب رقیہ، ام کلثوم کا نکاح غیر کفو میں ہوا۔ ۶۔ مولا علی بھی اصلی نسلی سید نہیں ہیں۔ ۷۔ سادات اور سیدزادیوں کا کفو ہاشمی، قریشی، مطلبی، عباسی، علوی نہیں ہے۔ سید کا نکاح صرف سید سے جائز ہے وہی کفو ہے بس۔ ۸۔ سید صرف حسنین اور ان کی اولاد ہے۔ ۹۔ اہل بیت صرف چارتن علی فاطمہ حسن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ ۱۰۔ حسنین کے باپ (مولیٰ علی) جیسا کوئی صحابی نہیں یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درجہ وفضیلت صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی زیادہ ہے۔ یہ ہیں مصنفِ حسب ونسب کے چند رافضیانہ عقیدے۔ جن سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ ان عقیدوں کے باوجود مصنف پھر بھی خود کو سنیوں کے سامنے سنی ظاہر کر رہا ہے۔ یعنی عقیدہ رافضیوں کا پھر بھی سنی کا سنی۔ کھانا سنیوں کا اور گانا غیروں کا۔

اصل اسلامی شرعی اور فقہی مسئلہ

یہ تو تھے مصنف کے بغیر دلیل اور بغیر حوالہ باطل عقائد ونظریات جو اسلامی قرآنی نظریات کے بالکل خلاف ہیں۔ اسلام کے نظریات اور عقائد مندرجہ ذیل ہیں۔ ان کے حوالے اور دلائل علمائے اہل السنت سے پوچھے جا سکتے ہیں۔

ا۔ آقائے کائنات ﷺ اصل سید ومنبع سیادت ہیں۔

۲۔ اس لئے آپ کی سب صلبی اولاد چار صاحبزادے تین صاحبزادیاں حقیقی نسلی خود بخود سید ہیں۔ ۳۔ حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو زبانِ نبوت نے خصوصی طور پر سید بنایا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اگر یہ خصوصی فرمان جاری نہ ہوتا تو حسنین نسلی سید نہ ہوتے۔ آپ کا نسلی سید ہونا دو فرمانوں کی وجہ سے ہے۔

ا۔ نبی کریم ﷺ نے امام حسن کے بارے میں فرمایا "اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ"

۲۔ آپ نے حسنین کے بارے میں فرمایا یہ میری ذریت اور عترت ہیں۔ ذریت عترت اور اولاد میں چھ طرح کا فرق ہوتا ہے۔ ذریت اولاد نہیں ہوتی۔ حسنین کریمین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہیں اور نبی علیہم السلام کی ذریت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو سب کائنات سے زیادہ اپنے محبوب نبی کریم سے محبت ہے مولیٰ علی سے محبت فاروق اعظم اور عثمان غنی کے بعد ہے۔ کفو کے اندر نکاح کرنا ہر مرد اور عورت کے لئے ضروری اور مستحب ہے خواہ کسی قوم کا، فرد ہوتا کہ ہر قوم اور قبیلہ درست رہے اور پہچان باقی رہے اور حکمت الٰہیہ "لِتَعَارَفُوْا" باقی رہے۔ یہ حکم صرف سیدوں کے لئے نہیں اور صرف لڑکیوں کے لئے نہیں بلکہ ہر مسلمان عورت ومرد ہر ایک اس استحبابی پابندی میں شامل ہے۔ لیکن چونکہ عورت کوتاہ اندیش ہے اس لئے شریعت نے ولی وارث کی اجازت کی پابندی عائد کی ہے۔ بالغ عاقل لڑکے کے لئے نہیں۔ غیر کفو میں نکاح کرنا حرام یا زنا نہیں بلکہ مکروہ ہے یعنی شرعاً ناپسندیدہ ہے۔ اگر کوئی عورت یا غیر عاقل لڑکا غیر کفو میں نکاح کر لیتا ہے تو وہ نکاح عاقل بالغ ولی کی اجازت پر معلق اور موقوف رہے گا جب ولی اجازت دے دے تو وہی نکاح درست ہو جائے گا۔ دوبارہ نکاح نہ کرنا پڑے گا اگر اجازت نہ دے تو ولی وارث تنسیخ کا دعویٰ کر کے مفتیءِ اسلام یا عدالت سے فسخ کرا سکتا ہے۔ خاوند اگر طلاق نہ دے تو فسخ کے شرعی وعدالتی فیصلے سے نکاح ختم ہو جائے گا۔ عدت خلوت صحیحہ گذار کر لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کیا جا سکتا ہے۔ معلق وموقوف نکاح کے دوران صحبت کرنا زنا نہیں بلکہ وطی بالشبہ ہے اس میں اولاد حلالی اور پاک وجائز ہوتی ہے۔ یہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ سید ہو یا غیر سید...... سید حسنی وحسینی کا کفو ہاشمی، قریشی، مطلبی عباسی، علوی بھی ہیں۔ اور کسی بھی اونچے باعزت شریف نیک متقی عالم دین اہل عقل مرد بھی سیدزادی کا کفو ہو سکتا ہے۔ لیکن بدعقیدہ، گمراہ، کافر، دہریہ سید بھی سیدہ متقیہ کا کفو نہیں ہے.......... اہل بیت اطہار نبی کریم ﷺ حقیقی اور اصلی ازواج پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صرف ازواج کو اہل بیت فرمایا۔ ہاں البتہ گھریلو پرورش کی بنا پر نبی کریم ﷺ نے مولیٰ علی، فاطمہ زہرا، حسنین کریمین کو بھی اہل بیت میں شامل کرنے کی دعا اور بارگاہ رب العزۃ میں درخواست پیش کی جو قبول ہوئی........ حضرت سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم، سیدہ فاطمہ زہرا اور حسنین

کریمین کا نکاح، آپ کی صاجزادیوں کے نکاح سب کفو میں ہوئے اور جائز اور طاہر ہوئے۔ مصنف ''حسب ونسب'' کا یہاں گھبرانا و بگھارنا ان کی اپنی پہلے کم عقلی کی باتیں کر جانے کی وجہ سے ہے............ اگر اہل علم، اہل عقل نیک شریف والی وارث اپنی رضا و رغبت سے کسی خاندانی تنگی و مجبوری کے باعث اپنی حقیقی سگی بیٹی سیدہ کا نکاح کسی اچھے باعزت غیر کفو میں کر دے تو شرعاً نکاح درست و جائز ہے............ حضرات صحابہ میں سب سے زیادہ فضیلت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھر باقی صحابہ کرام ''رضوان اللہ علیہم''

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

بلا تاخیر توبہ کیجئے اگر سچے حقیقی اہل سنت ہو

قرآن وسنت کے احکام واضح ہیں۔ عقد در کفو اور عقد در غیر کفو میں حلت حرمت میں کوئی اشتباہ نہیں۔ جائز امور بھی واضح ہیں اور ناجائز بھی واضح۔ صدیوں کی بحث و تمحیص اور تنازی کے باوجود معاشرہ میں ایک قدرتی نظام رائج ہے۔ ہر قبیلہ کی عموماً یہی کوشش ہوتی ہے کہ رشتے برادری اور کفو میں ہی ہوتے رہیں اور اکثر اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے اور اسے ایک خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ اور کفو کے اندر رشتوں کی حکمت اور کامیابی ایک ایسی حقیقت ہے کہ کتابیں کھنگالنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور نہ ہی رشتوں کے لین دین میں امور کفو کا مطالعہ یا چھان بین کی جاتی ہے۔ بلکہ اکثریت کو فقہاء کے بیان کردہ امور کفو کا علم ہی نہیں ہوتا۔ سادات کے علمی گھرانے بھی فتاویٰ میں گنجائش کے باوجود رشتوں کے لین دین میں کفو کا خیال رکھتے ہیں رشتے باہر نہیں ۔ تم اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ۔ مگر مفتی مصنف صاحب! آپ نے سرکار دو جہاں ﷺ کی بنات ثلاثہ کو سیادت سے نکال کر کس کفو کی بنیاد رکھی اور آخرت کا کون سا ذخیرہ بنایا؟ سادات کی کفو سے علویوں، ہاشمیوں، عباسیوں اور قریشیوں کو نکالتے نکالتے تین سیدزادوں حضور اقدس کے گوشہائے جگر کو بھی نکال دیا۔ یہ تو وہابیوں کی نظیر ہے۔ غیر اللہ کے سوال سے روکتے روکتے اللہ کے حضور بھی مانگنے سے روک دیا۔ نماز جنازہ کے بعد اللہ سے کوئی دعا نہ کرو۔ نماز کے بعد کلمہ توحید افضل الذکر مت پڑھو۔ کہیں حماقت کے باعث آپ سے بھی تو دین رخصت نہیں ہو رہا ہے کہ اہل بیت کی تعریف کرتے کرتے اہل بیت کا انکار کر دیا۔ جو اصل بلا فصل سیدزادیاں ہیں کاش یہ کتاب کوئی سید یا سید کی کفو کا کوئی شخص لکھتا جو کم از کم خونِ رسول کے احترام کا خیال رکھتا اور ہم نسب ہونے کی غیرت کھاتا مگر کتاب اس نے لکھی جس کا فتویٰ ہے کہ جو سید نہیں ہے وہ سید کے مقابلے میں خسیس ہے۔ اور مفتی غلام اپنے فتویٰ کی روشنی میں خود اسی زمرہ کے فرد ہیں ان سے خیر کی کیا توقع؟ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کسی سید کہلانے والے کا بھی یہی نظریہ ہو کہ بنات ثلاثہ سیدات نہیں تو اس کی سیادت بھی مکمل طور پر مشکوک ہے۔ اور اس کے آباء میں یقیناً کوئی غیر سید بھی گذرا ہوگا۔ ایسے گمراہ کن نظریات و عقائد اور تحریروں کی سوائے گمراہوں کے کون تائید کر سکتا ہے۔ ملا صاحب! توبہ کر کے اہل بیت کی شان میں ایک اور کتاب اس سے پہلے پہلے لکھئے کہ فرشتہ آپ کو آپ کے ٹھکانے تک

پہنچادے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

حسب ونسب جلد سوم کی غلطیوں کا جواب الجواب

سوال نمبر ۱: جناب حضرت صاحب یہ ایک کتاب ابھی حال ہی چھپی ہے اس کا نام ہے حسب ونسب جلد سوم و چہارم اس کے ص ۲۱۱ پر ایک پمفلٹ کے اعتراضات میں چند اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ یہ پمفلٹ چشتیہ ٹرسٹ کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ مصنف نے اس کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے کسی ندیم سپارک ہل برمنگھم یو کے کو سائل بنا کر سوال قائم کیا ہے سائل لکھتا ہے کہ جناب مفتی صاحب ایک چند ورقی رسالہ بنام سلب ونصب پڑھا لکھنے والے نے اپنا نام ونسب ظاہر نہیں کیا۔ شاید اس کا اپنا نہ کوئی نام ہے اور نہ ہی نسب۔ اس نے آپ کی کتاب حسب ونسب پر چند لغو اور بے ہودہ قسم کے اعتراض کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص علمی دولت سے بے بہرہ ہے اور یہ اعتراض آپ کی خدمت میں ارسال ہیں امید ہے آپ ان کے تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔ العارض ندیم۔ برمنگھم۔ مصنف کتاب کا یہ وہ کھلا جھوٹ اور تقیہ بازی ہے جو اس خود ساختہ سوال کی سطر سطر سے ظاہر ہے وہ اس طرح ہے کہ یہ مصنف سوال قائم کرتا ہے کسی ندیم کے نام سے۔ حالانکہ چشتیہ ٹرسٹ کا وہ پمفلٹ میں نے خود اس مصنف کتاب کے ہاتھ میں پکڑایا تھا۔ پھر کئی بار کہا تھا کہ مجھ کو اس کے جوابات سمجھائیں مگر ہر بار مصنف صاحب ٹال گئے۔ اب دو سال بعد اپنی اس کتاب کی جلد سوم میں جواب دے رہے ہیں وہ بھی ہر اعتراض کا جواب نہیں صرف چند کا دیا ہے۔ فرمایا جائے کہ اس میں خود ساختگی کو کذب بیانی کہا جائے یا رافضی تقیہ بازی۔

جواب: اس سوال میں تین باتیں قابلِ گرفت ہیں پہلی یہ کہ مصنف کا نام نہ ہونے کی وجہ سے اتنا بڑا جذباتی گمان کہ شاید اس کا اپنا نہ کوئی نام ہے اور نہ کوئی نسب دنیا میں بہت سی مطبوعہ کتب ہیں جن پر نام نہیں لکھا ہوتا۔ پھر نسب تو خود مصنف کی کتب میں بھی اس کا نہیں لکھا تو کیا یہ کہنا مناسب ہے کہ اس مصنف کا کوئی نسب نہیں ہے۔ نیز علم الصرف کی ابتدائی کتاب میزان الصرف پر مصنف کا نام نہیں لکھا۔ آج تک کوئی نہیں جانتا کہ میزان الصرف کا مصنف کون ہے ایسے ہی علم النحو کی مشہور کتاب کافیہ۔ برسوں تک اس کے مصنف کا نام لوگ نہ جان سکے۔ اب چند برس پہلے کسی نے لکھا ہے کافیہ کا مصنف ابن حاجب ہیں۔ مصنف کے خود ساختہ سوال کی اس بدگمانی کا اس کے سوا کیا جواب ہوسکتا ہے کہ حال پاکاں را قیاس از خود مگیر۔ جذباتِ مخالفانہ میں بہہ کر اتنی جلدی کوئی فیصلہ مناسب نہیں۔ دوم یہ کہ سائل ان اعتراض کو لغو اور بے ہودہ کہتے ہوئے یہ اندازہ بھی لگا لیتا ہے کہ معترض علمی دولت سے بے بہرہ ہے۔ تو پھر اس سائل کو تسلی بخش جوابات کی ضرورت کیا تھی۔ اس دوغلے پن سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ خود یہ تحریر بنانے والا بے عقل ہے۔ سوم یہ کہ سائل کا نام۔ معاذ اللہ محمد ندیم رکھا ہے حالانکہ لفظ ندیم ندمٌ سے مشتق ہے اسم صفت مشبہ ہے ندامت سے اس کا ترجمہ ہے کسی جرم پر سخت شرمندہ ہونے والا۔ المنجد عربی میں اس کے سات معنیٰ بیان کئے گئے ہیں۔ نادم، ندیم، ندام، نادمون، ندم، ندامۃ، ندما، ان تمام لفظوں کا معنیٰ ہے خجل، خجالت، حزن، تاسف، تحسر، اسی طرح لغات المعجم ص ۱۷۸ پر

ہے کہ نادم، ندیم، ندمہ، ندم، مَا یُحْمَلُ عَلَی النَّدَامَۃِ وَالْمُخَالَۃِ بعض لغات نے لکھا ہے کہ ندامت بمعنی شرمندگی جرم پر، اور نادم بمعنی شرمندہ اور ندیم بمعنی مصاحب و ہمنشین مع الشرب والقمر یعنی ندیم کا معنیٰ ہے شرابیوں اور جواریوں کا ساتھی وہم نشین، یعنی بروں اور مجرمین کا ساتھی، قرآن مجید میں لفظ نادمین پانچ جگہ اور لفظ ندامت دو جگہ ارشاد ہوا، ان سب جگہ یہ لفظ کفار اور کفار کی حالت کے لئے ہی بولا گیا ہے، چنانچہ سورۃ مائدہ آیت نمبر ۳۱ نمبر (۲) سورۃ مائدہ آیت نمبر ۵۲ نمبر (۳) سورۃ المومنون آیت نمبر ۴۰ نمبر (۴) سورۃ الشعراء آیت نمبر ۵۲ نمبر (۵) سورۃ الحجرات آیت نمبر ۶ اور لفظ ندامۃ نمبر (۱) سورۃ یونس آیت نمبر ۵۴ نمبر (۲) سورۃ سبا آیت نمبر ۳۳۔ غرضکہ یہ لفظ ہر جگہ برے معنیٰ کے لئے ہی بولا گیا ہے۔ یہ مصنف مذکور عالم دین ہونے کا دعویدار ہے اور اس کو اس لفظی گستاخی کا بھی پتہ نہیں۔ معاذ اللہ لفظ محمد کے ساتھ ندیم لکھتے ہوئے اس کا قلم کیوں کانپا۔ عرب وعجم کے عوام وخواص میں کسی نے یہ نام نہیں رکھا۔ اب اس دور کے بعض جاہل پنجابیوں نے یہ منحوس لفظ کا نام رکھ لیا تو کم از کم مدعیان علم کو تو اس گستاخی سے بچنا بچانا چاہیے۔ اب اندازہ لگایا جائے کہ جب ایک سوال بنانے میں اتنی علمی کمزوریاں ہیں تو معترض کے جوابات کا کیا حشر ہوگا۔ مصنف مذکور نے چشتیہ ٹرسٹ کے اعتراضات کو تو گھر بیٹھے بستر پر لیٹے لیٹے لغو اور بے ہودہ کہہ دیا۔ اور معترض کے بے نام ونسب کی بد گمانی کے ساتھ علم سے بے بہرہ کر دیا مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ سب اعتراض نہایت عالمانہ اور مسلکِ اہلسنت کے بالکل مطابق ہیں۔ مصنف مذکور نے جو ان میں سے چند کا جواب دیا ہے وہ نہایت کمزور اور غلط ہے۔ بعض جگہ تو مصنف اپنی کم علمی میں وہ اعتراض سمجھ ہی نہ سکا اور لایعنی جواب جڑ دیا۔ اگر مصنف سنی ہوتا اور سنیت کی نگاہ سے ان اعتراضات کو دیکھتا اور تحقیق علمی میں کچھ عار محسوس نہ کرتا تو بجائے لغو کہنے کے اعترافِ غلطی کرتا۔ بہر حال سائل کے کہنے پر میں جواب الجواب غلطیوں کی نشان دہی کرتا ہوں۔ اس امید پر کہ شاید اصلاح ہو جائے یا اپنی غلطیوں کو درست ہی ثابت کر دیں اگرچہ اس کا مجھے یقین نہیں کیونکہ آج سے چند سال پیشتر جب میں نے مصنف مذکور کے فتاویٰ برطانیہ کی کثیر علمی غلطیاں نکالی تھیں اور تحریزاً برادرانہ محبت میں مخفی اطلاع دی تھی تب بھی بجائے اعتراف یا علمی جواب دینے کے مغلظات سے بھرپور جواب مجھے بھیجا تھا۔ اور جب میں نے جواب الجواب میں مزید علمی غلطیوں کے ساتھ سابقہ غلطیوں سے آگاہ کرتے ہوئے علمی جواب یا اعتراف کا مطالبہ کیا تو اس کا جواب آج تک وصول نہ ہوا، پھر اس کے بعد ان کی کتاب حسب ونسب دوم میں سیدزادی کے نکاح اور فاروق اعظم کے نکاح اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ بننے اور اہل بیت کو علیہ السلام کہنے کے ناجائز ہونے کا مسئلہ لکھ کر ان کو بھیجا اور جواب مانگا تو بھی آج تک ان مسائل ودلائل کا جواب بھی مجھے وصول نہ ہوا حالانکہ میری وہ تمام تحریریں ابھی تک ان کے پاس موجود ہیں واپس بھی نہ کیں۔ اس بنا پر اب بھی مجھے ان کی طرف سے جواب یا اعتراف کی یقینی امید نہیں مگر میں اتمام حجت کے لئے اب بھی یہی اصلاح چاہتے ہوئے جواب یا اعتراف کا منتظر رہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ سائل صاحب یہ تحریر مصنف مذکور تک ضرور پہنچائیں گے۔ لہٰذا آپ سائل مذکور مصنف مذکور کا ایک ایک جواب پڑھ کر مجھے سنائیں اور میری طرف سے جواب الجواب لکھتے جائیں پھر فوٹو

کاپی کرا کر اصل اپنے پاس اور ایک کاپی مجھے دیں اور ایک کاپی اس تمام تحریر کی من وعن ان کو دستی پہنچائیں۔ ہم اس تحریر کی اشاعت سے پہلے تقریباً چھ ماہ انتظار کے بعد اس کو شائع کریں گے۔ اس سے پہلے بغرض اصلاح مخفی رکھیں گے۔

سوال نمبر ۲: چشتیہ ٹرسٹ پمفلٹ کے ص ۴ پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ حسب ونسب نمبر ا کے ص ۳۲ پر لکھا ہے کہ اگر سیدہ کا نکاح غیر سید سے ہو تو اختلاطِ خون ہے۔ چشتیہ معترض جواباً اعتراض کرتا ہے کہ یہ اختلاطِ خون تو تب بھی ہے جب سید لڑکا غیر سید لڑکی سے کرے گا مگر اس نکاح کو جائز لکھا۔ مصنف نے جلد سوم میں اس کا بالکل جواب نہ دیا۔ نیز مصنف مذکور ان تمام اعتراضات کو غیر شائستہ زبان بھی لکھ رہا ہے۔ فرمایا جائے اس جوابی اعتراضات میں کیا غیر شائستہ زبان ہے۔

جواب: جاہل وکم علم لوگوں کا یہ عام اور مشہور طریقہ ہے کہ جس اعتراض کا جواب سمجھ وعقل میں نہ آئے بن نہ پڑے تو اس کو لغو و بے ہودہ اور غیر شائستہ کہہ دیا جان چھڑانے اور بچانے کا یہ بہت آسان طریقہ ہے۔

سوال نمبر ۳: اعتراض نمبر دو حسب ونسب جلد سوم کے ص ۲۱۲ پر لکھتا ہے۔ حضور کی تین بیٹیاں سیدہ زینب۔ سیدہ رقیہ۔ سیدہ ام کلثوم کی کوئی اولاد نہیں۔ لیکن اگلے ص ۲۱۳ پر لکھتا ہے حضور ﷺ کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں تمام صاحبزادے بچپن میں فوت ہو گئے اور حضرت زینب کا ایک لڑکا ہوا جس کا نام علی تھا وہ فوت ہو گیا اور ایک لڑکی امامہ تھی۔ اس کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا ان کے ہاں ایک لڑکا محمد اوسط پیدا ہوا یہ بھی فوت ہو گیا۔ حضرت رقیہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبد اللہ ہے یہ چھ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ مصنف کہتا ہے جب یہ فوت ہو گئے تو سید کیسے ہوئے۔ یہ ص ۲۱۲ پر انکارِ اولاد اور ص ۲۱۳ پر اقرار کرنا کیا یہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد والا مظاہرہ نہیں ہے۔ اس جواب کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔ جہالت کی کوئی انتہا ہوتی ہے معترض تو مجسمہ جہالت ہے (فرمایا جائے کیا یہ شریفانہ زبان ہے) نیز اس مصنف کی رفضیت کہ خاتون جنت کو سلام اللہ علیہا لکھتا ہے اور دوسرے صاحبزادے یا صاحبزادی مقدسہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عنہا تک لکھنے کے لئے قلم نہ پھوٹا۔ اور ص ۲۱۴ پر لکھتا ہے کہ لہٰذا سید صرف وہ ہوئے جو کہ خاتونِ جنت کے صاحبزادے یا آگے ان کی اولاد ہے۔ آگے مصنف علامہ سیوطی کی عبارت میں رافضیانہ توڑ موڑ کرتا ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں بلکہ یہ ہے وہ نہیں بلکہ وہ ہے جس طرح عام رافضیوں اور مرزائیوں کی عادت ہے۔

جواب: مصنف نے معترض کے اس مضبوط اعتراض کو سمجھا ہی نہیں ہے اور نہایت کمزور بے سمجھی کا اوٹ پٹانگ جواب دے مارا معترض کا کہنا یہ ہے کہ حضرت سیدہ زینب اور ان کا بیٹا علی زینبی اور ان کی بیٹی سیدہ امامہ اور حضرت سیدہ امامہ کا بیٹا محمد اوسط اور سیدہ رقیہ اور ان کا بیٹا حضرت عبد اللہ بن عثمان اور سیدہ ام کلثوم اور تین صاحبزادے یہ دس افراد اولادِ نبی سید ہیں یا نہیں۔ اور اگر ان کی نسل چلتی اور زندہ رہتی تو کیا سید ہوتی۔ کیا زندہ رہنا اور نسل چلنا سید ہونے کی نشانی ہے۔ مصنف کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت زینب رقیہ، ام کلثوم کی نسل نہ چلی۔ اور ان بنات النبی

کی اولاد زندہ رہ جاتی تو یہ تینوں جماعت سیدات ہوئیں نہ علی زین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ عبداللہ بن عثمان۔ نیز مصنف مذکور علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ کی عبارت میں اپنا ذہنی اختراع پیدا کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ علامہ سیوطی کی عبارت کا معنی یہ ہے کہ وہاں نسبتِ رسولی اولاد ونسلی ہونے کے لحاظ سے ہے نہ کہ بیٹا بیٹی ہونے کی وجہ سے۔ میں کہتا ہوں عجیب اعتقاد اختراعی وافترائی دکھو پھر ہے۔ ارے خدا کے بندے اولاد اور نسل ہی تو بیٹا بیٹی ہوتی ہے اور بیٹا بیٹی ہی تو نسل واولاد ہوتی ہے۔ مزید حماقت یہ کہ زندگی اور نسل چلنے کو سید ہونے کا اس مصنف مذکور نے معیار بنایا ہے۔ اس کے اس خود ساختہ معیار و نشان سے تو امام علی اصغر عباس علمدار، علی اکبر بھی سید نہ ہوئے بلکہ اگر تا دیر زندہ رہنا معیار سیادت ہو تو امام حسن بھی جلدی فوت ہو گئے اور امام حسین بھی پس بقولِ مصنف فوت ہوتے ہی ان کی سیادت ختم اور جب سیادت ختم نسبت رسولی بھی ختم مصنف کے واہیات استنباط ومعیار سے تو تا قیامت جس سید کی نسل نہ چلے یا فوت ہو جائے تو مرتے ہی سیادت ختم نسبتِ رسولی ختم۔ یہ تھا اس مصنف مذکور کا اختراعی وافترائی جواب مگر اہل سنت کا عقیدہ ومسلک یہ ہے کہ آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ خود سید اور آپ کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں اصلاً نسلاً خود بخود قانوناً سید ہیں یعنی اصلی سید۔ کیونکہ نسل نبوی صرف یہ سات افراد ہیں۔ اولاد ہی نسل ہوتی ہے عموماً بھی قانوناً بھی مگر اولاد کی اولاد مثلاً پوتا پوتی کو نسلی واولاد نہیں کہا جاتا۔ بلکہ نسلِ ذریت کہا جاتا ہے۔ اسی بنا پر فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے پوتے کو ولد خود نہیں کہہ سکتا اگر کہے یا لکھے گا تو حرام وگناہ ہوگا۔ مثلاً خالد کا بیٹا ہے عامر اور پوتا ہے زید۔ تو زید کو زید ولد خالد لکھنا اور کہنا حرام ہے۔ بلکہ زید بن عامر ہی کہا اور لکھا جائے گا۔ ایسے ہی جب عرف میں لفظ ابن کی اضافت ولدیت کے معنیٰ میں ہوگی تو بھی زید بن خالد کہنا حرام ہے۔ زید بن عامر ہی کہا اور لکھا جائے گا۔ اس لئے کہ ولد اور ابن بمعنیٰ ولد صرف اولاد کو ہی کہا جا سکتا ہے۔ اور اولاد صرف بیٹا بیٹی ہے نہ کہ پوتا پوتی۔ پوتا پوتی کو ذریت کہا جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جَعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ فِي صُلْبِهِ وَجَعَلَ ذُرِّيَّتِي فِي صُلْبِ هٰذَا۔ یعنی صُلْبِ عَلِي آقا ﷺ نے اَوْلَادِ كُلِّ نَبِيٍّ یا اَوْلَادِيْ نہ فرمایا۔ اس حدیث مقدس کی بنا پر فاطمہ زہرہ اور مولیٰ علی کی مشترکہ اولاد نبی کریم ﷺ کی صرف ذریت ہے نہ کہ اولاد حسن وحسین اور ان کی ہمشیرگان اولاد صرف فاطمہ زہرہ اور مولیٰ علی کی ہی ہیں۔ اس لئے حسن ولد محمد رسول اللہ ﷺ اور حسین ولد محمد رسول اللہ ﷺ یا حسن بن رسول اللہ ﷺ یا حسین بن محمد مصطفیٰ ﷺ کہنا ولکھنا حرام گناہ وگستاخی عظیم ہے۔ حسن بن علی وحسین بن علی ہی کہا جائے گا۔ حضرت امام حسین وحسین کا ذریت محمدی ہونا بھی قانونی وعمومی نہیں بلکہ اس حدیث مقدس کی وجہ سے ہوئی ورنہ اصل اولاد بیٹا بیٹی اور اصل ذریت پوتا پوتی ہوتے ہیں۔ نواسہ نواسی نہ اولاد نہ ذریت۔ یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصی اختیاری صفت ہے کہ آپ کے نواسے نواسیاں ہی آپ کی ذریت بنا دی گئیں۔ یہی حال بیٹی کی عمومی اولاد کا ہے کہ اگر کوئی نانا اپنے نواسے یا نواسی کو گود لے کر متبنیٰ بنا لے تب بھی نواسے نواسی کو ولدِ خود یا ابنِ خود اور بنتِ خود نہ کہہ سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے۔ خیال رہے کہ عرف عام میں لفظ ابن پانچ طرح مستعمل ہے۔ نمبر (۱) ولد کے معنیٰ میں

نمبر (۲) مربوب کے معنیٰ میں یعنی جو شخص کسی شخص کی پرورش میں ہو اور عمر میں چھوٹا ہو تو اس کو ابن کہا جا سکتا ہے نمبر (۳) شاگرد مرید خادم و غلام وغیرہ کو شفقتاً ابن کہنا جائز ہے نمبر (۴) ہر چھوٹے رشتے دار مثلاً بھانجہ، بھتیجا، یا ہر چھوٹے بچے کو ابن کہنا جائز، ابن بمعنیٰ ذریت جیسے بنی اسرائیل بنی آدمی وغیرہ، آقائے کائنات حضورِ اقدس ﷺ نے ایک موقعہ پر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے فرمایا کہ، اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ میرا یہ ابن سید ہے، وہاں مربوبیت و رشتے داری کا عرف عام استعمال ہی مراد ہے نہ کہ اولادیت یا ذریت اس طرح دن رات عام استعمال ہے غرضکہ نبی کریم آقائے کائنات حضورِ اقدس ﷺ کی اولاد صرف سات افراد ہیں۔ چار صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے۔ اور یہی اصل سید ہیں قانوناً بھی رواجاً بھی۔ اظہار کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ جیسے کہ پٹھان کا بیٹا خود بخود اصلی پٹھان ہے باپ کہے یا نہ کہے۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ ذکر فرمائیں یہ نہ فرمائیں سیدہ زینب اور سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمۃ الزہرہ اور سید ابراہیم، سید قاسم، سیب طیب عبد اللہ طاہر۔ بس یہ ہی اصلی قانونی نسلی اولادی سید ہیں یہاں تو اظہار اور بیان کی بھی ضرورت نہیں لیکن امام حسن و حسین اور ان کی بہنیں نبی کریم ﷺ کے خصوصی شان و اختیار سے سید بنائے گئے اگر وہ فرمانِ نبوی نہ ہوتا کہ جَعَلَ اللّٰہُ ذُرِّیَّتِیْ فِیْ صُلْبِ ھٰذَا تو یقیناً امام حسن و حسین ہرگز سید نہ ہوتے۔ یہی حکم شرعی اہل بیت میں ہے کہ اصل اہل بیت بحکم قرآنی صرف بیوی ہے بلاواسطہ۔ اور اولاد کا اہل بیت ہونا بالواسطہ اور دوسرے نمبر پر ہے۔ لیکن داماد کا اہل بیت ہونا یہ خصوصی اختیار سے بنانا ہے۔ یہ تیسرے نمبر پر ہے ایسے ہی ذریت کو اہل بیت کہنا خصوصی شان مختاری ہے۔ اگر کوئی مردود العقل شخص یہ بات نہیں مانتا تو یہ اس کی اہلیست ہے یہ سب قوانینِ شرعی عام مشہور و بدیہی آسان و مروج ہیں۔ مصنف مذکور صاحب نہ جانے کس جنگل میں پھر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ صحابہ سے آج تک کبھی کسی نے امام حسن و حسین کو حسن ابن محمد یا حسین ابن محمد نہ کہا نہ لکھا۔ ہمیشہ آج تک حسن ابن علی و حسین ابن علی ہی کہا و لکھا جاتا ہے۔ خود مصنف بھی یہ گستاخانہ جرات نہیں دکھا سکتا۔ نہ کوئی ثبوت دے سکتا ہے۔ اور باوجودیکہ ذُرِّیَّتِیْ فِیْ صُلْبِ ھٰذَا والا ارشاد موجود ہے پھر بھی کبھی کسی نے امام حسن و حسین کو پوتہ رسول نہ لکھا نہ کہا۔ نواسہ رسول ہی مروج و مشہور ہے اس لئے کہ امام حسن و حسین قانونی ذریت نہیں بلکہ اعزازی و اختیار خصوصی سے ذریت بنے اگر مصنف مذکور صاحب اب بھی اپنے متعصبانہ موقف پر قائم رہیں تو جواباً ہر چیز کا کتب احادیث مشہورہ سے ثبوت پیش کریں۔ خلاصہ مسلک اہلسنت یہ کہ مندرجہ سات افراد سے اصلی تا ابد نسبتِ رسولی قائم جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ بوجہ اولادیت و بیٹا بیٹی کے سیدات صاحبزادیوں کی اولاد نہ ذریتِ رسول نہ ساداتِ رسول ہاں البتہ رشتہ نواسیت سے نسبتِ رسولی ان سے بھی تا ابد قائم ہے اور امام حسن و حسین سے بوجہ ذریت نسبتِ رسولی اس طرح نسبت رسول پانچ قسم کی ہوئی نمبر (۱) نسبتِ رسولی اولادیت (۲) نسبتِ رسولی نواسیت (۳) نسبتِ رسولی ذریۃ اور (۴) ہر مومن سے نسبتِ رسولی حسبیت اور (۵) ہر داماد و سسر و ساس و زوجات سے نسبتِ رسولی صھریت۔ نسل چلنے کو بنیادِ اولادیت اور بیٹی بیٹا ہونے کی بنیاد بنانا تو بالکل احمقانہ قول ہے۔ جس کا موجد و بانی صرف یہی مصنف ہے یا اس کے سلف بولیں۔

سوال نمبر ۸۵ معترض چشتیہ نے مصنف پر اعتراض کیا کہ ذریت کا معنیٰ نسل ہے نہ کہ اولاد۔ مصنف نے لکھا ہے کہ ذریت بمعنیٰ اولاد ہے معترض کا مطالبہ ہے کہ حدیث پاک سے ثبوت دو کہ ذریت بمعنیٰ اولاد ہے۔ اگر ذریت اور اولاد ایک چیز ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس طرح ارشاد فرماتے جَعَلَ اَوْلَادِیْ فِیْ صُلْبِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔ مصنف اس اعتراض کا جواب جلد سوم کے ص ۲۱۵ پر دیتے ہیں مگر حدیث سے اولادی یا ذریت بمعنیٰ اولادی کا کوئی ثبوت نہیں صرف چند مصنفین کی کتب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ذریت بمعنیٰ اولاد ہے ان میں مشہور عربی کتب صواعق محرقہ اور جامع صغیر ہے باقی کتب کچھ کتب شیعہ ہیں کچھ غیر مشہور۔ مذکور مصنف لکھتا ہے کہ سب محدثین مترجمین مفسرین ذریت کا معنیٰ اولاد کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی جہاں کہیں قرآن مجید میں لفظِ ذریت آیا ہے اس کا ترجمہ اولاد کیا ہے۔ مزید لکھتا ہے کہ کتب عقائد میں ہے کہ حضرت قاسم، حضرت عبد اللہ حضرت ابراہیم سے امام حسن و حسین کا درجہ بڑا ہے اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ دوسری صاحبزادیوں سے افضل ہیں بلکہ آپ دنیا و آخرت میں تمام عورتوں سے افضل و برتر ہیں۔ مگر یہ مصنف اس جگہ اپنے ان عقیدوں پر کسی کتاب کا حوالہ یا احادیث سے ثبوت نہیں دیتا۔ صرف اتنا لکھا ہے جیسے کہ پہلے گذرا۔ حالانکہ اس نے اسی جلد نمبر ۳ کے ص ۱۶۱ پر یہ عقیدہ لکھا ہے مگر وہاں بھی معتبر حدیث یا مشہور حدیث پاک کا حوالہ نہ دیا صرف ایک روایت بیان کر کے اتنا لکھا ہے کہ اس سے ظاہر ہوا کہ فاطمہ زہرہ کا درجہ سب سے برتر و افضل ہے۔

جواب: معترض کا اعتراض بہت مضبوط اور مطالبہ بہت درست ہے۔ مصنف مذکور یا اس کی سلف و خلف برادری یا کوئی بھی شخص تا قیامت نہ صحیح جواب دے سکتا ہے نہ مطالبہ پورا کر سکتا ہے۔ مصنف کے جواب سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بچے کے ہاتھ میں قلم پکڑا دیا گیا ہے ایسے کمزور اور پھسپھسے جوابات سے تو وقت ضائع کرنا اور ورق کالے کرنے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ خیال رہے کہ تمام اہلِ لغت ذریۃ کا معنیٰ نسل و خاندان اور اولاد کا معنیٰ حقیقی بیٹا بیٹی جو والد کے نطفے اور والدہ کے پیٹ سے مولود ہو۔ کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ ذریۃ انتیس آیت میں اور لفظ ولد پینتیس اور لفظ اولاد تیئس آیات میں ارشاد ہوا ہے۔ مگر ہر جگہ ہی ذریۃ بمعنیٰ جدی پشتی نسل یعنی اولاد کی اولاد۔ اور ولد سے مراد حقیقی بیٹا اور اولاد کا معنیٰ حقیقی سگے بیٹے بیٹیاں ہیں کم سے کم علم رکھنے والا جب معمولی عقلی تفکر سے ان آیات کا مطالعہ کرے تو بخوبی اس لغوی فرق کو جان جاتا ہے اس لئے کہ لفظ ذریۃ ذرؤ سے مشتق ہے جس کا ترجمہ ہے بکھرنا۔ اور بکھرتی وہ چیز ہے جو کثیر ہو۔ اسی وجہ سے اولاد کی اولاد در اولاد کو ذریۃ کہا گیا کہ وہی کثرت میں ہوتی ہے اور ملکوں و علاقوں اور نسلوں خاندانوں میں بکھرتی ہے ایک دو بیٹا بیٹی کیا بکھرے گی اور اس کو لغتاً ذریت کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی لفظ اولاد جمع ہے ولد کی اور ولد مشتق ہے ولد سے جس کا لغوی ترجمہ ہے نطفہ اور رحم مادر سے مولود ہونا۔ جنم لینا۔ اسی بنا پر اصطلاحاً و رواجاً و شرعاً صرف پیٹ کی مولودہ اور نطفے کی جنمی کو ہی ولد اور اولاد کہا جا سکتا ہے نہ کہ پوتے پوتی کو۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی دادا کا بیٹا اس کے سگے بیٹے کی بیوی کے پیٹ سے جنم لے۔ ایسا تو کہنا بھی گالی

ہے۔ مصنف مذکور کا پتہ نہیں کیوں دماغ چل گیا ہے کہ اتنی سی آسان بات بھی سمجھ نہیں آ رہی۔ مصنف نے معترض کا جواب دیتے ہوئے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ذریت کا معنیٰ اولاد ہے دس کتابوں کا حوالہ دیا مگر سب کتب نے مصنف کی تکذیب کی کسی نے تصدیق نہ کی سب نے اسی حدیثِ مقدس کو نقل فرمایا کہ جَعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ فِي صُلْبِهِ وَجَعَلَ ذُرِّيَّتِي فِي صُلْبِ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔ نہ تو کسی کتاب نے ذریت کا معنیٰ اولاد کیا اور نہ کسی سند سے ذریۃ کی بجائے متن حدیث میں اَوْلَادِ كُلِّ نَبِيٍّ یَا اَوْلَادِي فِي صُلْبِ عَلِيٍّ لکھا۔ نہ کوئی اس طرح ان لفظوں کی روایت ثابت کر سکتا ہے نہ صواعق محرقہ نہ جامع صغیر نے نیز مصنف نے لکھا کہ اعلیٰ حضرت بریلوی ہر جگہ ذریت کا ترجمہ اولاد کرتے ہیں۔ یہ بھی مصنف کی کذب بیانی ہے اس لئے کہ اعلیٰ حضرت نے ذریت کا ترجمہ کبھی نسل کیا ہے اور کبھی بچے کیا ہے اور کبھی اولاد اور ذریت بمعنیٰ اولاد بھی اعلیٰ حضرت کے نزدیک ترجمہ نہیں بلکہ تفسیری مفہوم ہے۔ وہ بھی یہ سمجھانے کے لئے کہ لفظ اولاد اور لفظ ذریت میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر اولاد ذریت بلکہ ذریت کی چابی ہے مگر ہر ذریت اولاد نہیں۔ اعلیٰ حضرت کے اس تفسیری مفہومی ترجمہ سے بات بالکل ثابت ہوگئی کہ آقا ﷺ کی چار صاحبزادیاں تین صاحبزادے اولادِ حقیقی بھی ذریت بھی نسل بھی خاندان بھی اس لئے ان کو چار طرح نسبتِ رسول کی سعادت حاصل لیکن امام حسن و حسین کو صرف ایک سعادتِ ذریت رسول ہونے کی حاصل اسی ایک وجہ سے نسبتِ رسولی حاصل اس نسبت کی یہ خصوصی شان ہے کہ تا قیامت جاری۔ یہ شانِ حقیقی اولاد کو نہ ملی اور اولادِ بنات نہ اولادِ نبی نہ ذریت نبی نہ نسلِ نبی۔ وہاں صرف نواسیت سے نسبت رسولی ہے۔ بات صاف ہوگئی کہ امام حسن و حسین اولادِ نبی نہیں اولاد علی ہیں۔ مگر ذریۃ نبی ہیں۔ ذریۃ علی نہیں لہٰذا فاطمہ زہرہ بنتِ نبی قائم مقام ابن نبی اور امام حسن و حسین نواسۂ رسول قائم مقام پوتۂ رسول۔ اسی چار اور ایک کی نسبت رسولی کی بنا پر اولادِ نبی افضل ہوئی امام حسن و حسین سے ظاہر ہے کہ چار نسبتیں ایک نسبت سے زیادہ ہیں مگر مصنف اور اس کے سلف و خلف اکابر افضلیت اور فضیلتوں کی ایسی بندر بانٹ کر رہے ہیں گویا افضلیت و فضیلت ان کے گھر کی شیرینیاں ہیں یہاں تو مصنف اپنے گھریلو خود ساختہ عقائد سے بستر پر لیٹے لیٹے فضیلتوں کی بے ثبوتی بے دلیلی بے حوالہ بوچھاڑ کر رہا ہے اور اسی جلد نمبر ۳ کے ص ۴۶ پر لکھتا ہے کہ شریک حضرت علی کو حضرت عثمان پر فضیلت دیتا تھا گویا کہ فضیلتوں کا کوٹہ اور فضیلت دینے کا ٹھیکہ اسی شریک کے پاس ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، مگر اہل سنت نہ ان گھریلو رافضیانہ فضیلتی تقسیم کو مانتے ہیں نہ ان خود ساختہ گھریلو عقائد کو۔ مسلکِ اہلسنت نہایت صاف واضح اور مضبوط و مدلل ہے کہ فضیلت و افضلیت دینا صرف اللہ رسول کا کام ہے اللہ رسول کے سوا کوئی شخص بھی کسی کو فضیلت نہ دے سکتا ہے نہ چھین سکتا۔ آیت و احادیث سے جن کی فضیلت واضح ہے بس وہی افضل ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ بجز انبیاء کرام علیہم السلام کوئی بھی شخص اپنے والدین مسلمان سے افضل نہیں ہو سکتا اگرچہ صحابی ہو یا تابعی تبع تابع عالم یا غوث و قطب۔ افضلیت کے متعلق قرآن و حدیث سے جو دلائل حاصل ہوتے ہیں اس کی مختصر تفصیلی فہرست اس طرح ہے کہ عورتوں میں حضرت مریم پھر حضرت خدیجہ کبریٰ پھر

عائشہ صدیقہ پھر ازواج مطہرات پھر تین صاحبزادیاں پھر فاطمہ زہرہ پھر تین صاحبزادے۔ پھر امام حسن پھر امام حسین پھر اولاد و بنات فاطمہ پھر باقی کریمان کی اولاد پھر تا قیامت سادات اور مردوں میں تمام خلق سے افضل بعد الانبیاء صدیق اکبر پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر مولیٰ علی پھر باقی صحابہ پھر تابعی پھر تبع تابعی پھر سادات تا قیامت پھر اولیا پھر علماء ان کے دلائل کتب فقہ وعقائد میں لکھے ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مصنف مذکور اپنی اسی کتاب نمبر ۳ کے ص ۱۶۱ پر ذخائر عقبیٰ ایک گمنام کتاب کے ص ۴۲ کے حوالے سے ایک موضوع روایت نقل کر کے ذہنی اندازہ لگاتا ہے کہ فاطمہ زہرہ تمام صدیقوں سے افضل و برتر ہے مگر یہ روایت اس لئے بھی غلط ہے کہ اس روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے۔ اس طرح کہنا جائز نہیں کیونکہ سلام کہنا دعا ہے اور اللہ تعالیٰ دعا دینے سے پاک ہے حدیث پاک میں ایسا نہیں کہا جا سکتا ثابت ہوا کہ یہ روایت بناوٹی ہے۔

سوال نمبر ۵: معترض نے کہا کہ کفو کا کتب فقہ میں سب مسلمانوں کے لئے حکم ہے نہ کہ صرف عرب اور سادات کے لئے جواب میں مصنف نے تین باتیں کیں۔ نمبر (۱) کہ عجمیوں نے اپنا اپنا نسب ضائع کر دیا ہے اور یہ عجمیوں کے نسبی شجرے اصلی نہیں ہیں بلکہ بناوٹی ہیں اور عربوں کے صحیح ہیں۔ دوم یہ کہ ایک بلا حوالہ وثبوت روایت بیان کی لکھتا ہے کہ حضور نے خود ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے اچھے گروہ میں بنایا یعنی انسان پھر انسان کے دو فرقے کئے عرب اور عجم اور مجھے اچھے فرقے یعنی عرب میں بنایا (الخ)۔ نیز عجم نے اپنا نسب ضائع کر دیا۔ کے لئے مصنف نے چار حوالے پیش کئے نمبر (۱) شرح وقایہ جلد دوم ص نمبر ۲۶ اور نمبر (۲) زیلعی شرح کنز جلد دوم ص نمبر ۱۲۹ اور نمبر (۳) بحر الرائق جلد سوم ص نمبر ۱۴۰ (۴) طحطاوی ص ۴۲۔ سوم یہ کہ ہم کفو ہونا عجمیوں کے لئے نہیں ہے صرف عربوں کے لئے ہے کیونکہ عربوں کے نسب صحیح ہیں۔ معترض کا یہ اعتراض بھی درست ہے مگر مصنف مذکور کا جواب بہت کمزور ہے اور تینوں باتیں غلط ہیں۔ مصنف کا یہ کہنا کہ عجمیوں نے اپنے نسب ضائع کر دیئے اور جو نسبی شجرے ہیں وہ اصلی نہیں ہیں مصنف مذکور کی یہ بات اتنی احمقانہ ہے کہ ہر شخص اس کی تکذیب کرتا ہے۔ مصنف مذکور کا یہ کہنا کہ عجمیوں نے اپنے نسب ضائع کر دیئے قطعاً غلط اور احمقانہ بات ہے اور چار حوالے بھی غلط معلوم ہوتے ہیں کیونکہ میں نے شرح وقایہ میں یہ حوالہ نہ پایا۔ اگر درست بھی ہو تو یہ کتابوں کے مصنف اپنے گھروں میں بیٹھے بیٹھے ساری دنیا کے عجمیوں کے شجرات نسبی کو کس طرح جان سکتے ہیں اور مصنف کا ایسی لایعنی باتوں پر یقین کر لینا احمقانہ مطلب پرستی کے سوا اور کچھ نہیں شیعہ رافضیوں کی ایسی مطلب پرستی مشہور زمانہ ہے پٹھانوں کا شجرہ محفوظ ہے۔ بنی اسرائیل کا محفوظ ہے۔ شیخ برادری کے نسبی شجرے محفوظ ہیں۔ اسی طرح مغلوں کے شجرے محفوظ ہیں یوسف زئی پٹھانوں کا شجرہ حضرت بنیامین ابن یعقوب علیہ السلام تک خود میرے پاس موجود ہے کیونکہ میں خود یوسف زئی پٹھان وطناً گردیزی ہوں۔ اگر عجمی قوم اور قبائل کے نسبی شجرات محفوظ نہیں ہیں تو قومی قبائلی نام کس طرح زندہ رہ سکتا ہے اور کوئی شخص اپنے آپ کو مغل یا پٹھان یا شیخ یا راجہ یا اسرائیلی یا ٹوانہ یا جنجوعہ وغیرہ کس طرح کہہ سکتا ہے بلکہ عجمی سیدوں کے شجرے ضائع اور مشکوک ہیں۔ اس کی

دلیل یہ کہ عجم کا ہر سید گھرانہ اپنے خاندان و برادری کے علاوہ ہر دوسرے سید گھرانے کو جھوٹا سید کہتا پھر رہا ہے۔ بخاری ترمذی کو اور ترمذی بخاری کو عراقی سید، ایرانی سید کو اور ایرانی عراقی کو یعنی علی پوری سید مودی پوری سید کو جھوٹا سید سمجھتا ہے اور مودی پوری علی پوری کچھوچھوی سید مراد آبادی سید کو اور مراد آبادی کچھوچھوی سید کو بناوٹی سید کہتا پھر رہا ہے مگر کوئی بھی عجمی سید بجز چند افراد کے اپنے پر یہ بناوٹ کا الزام دور کرنے کی کوشش و ہمت نہیں کرتا۔ بخلاف دیگر عجمی قوم و قبائل کے کہ نہ ان میں یہ الزام تراشیاں ہیں نہ افراتفری جس سے ثابت ہوا کہ عجمی سیدوں کے شجرے محفوظ نہیں رہے اور مصنف کا اپنی زبان سے یہ کہنا کہ عجمی شجرے اصلی نہیں بناوٹی ہیں یہ کذب بیانی کے علاوہ نسلی گستاخی بھی ہے۔ مصنف کے پاس اصلی اور بناوٹی کے پرکھنے کی کونسی کسوٹی ہے۔ مصنف صرف اپنے شجرے کو بناوٹی کہہ سکتا ہے دوسروں کے شجرات کو نہیں کہہ سکتا۔ بستروں میں دبک کر ایسی باتیں لکھ ڈالنا درست نہیں ہیں۔ مصنف نے عرب کی فضیلت میں ایک بے حوالہ روایت کو حدیث کا درجہ دے کر بیان کیا ہے وہ روایت درایتاً غلط ہے قرآن مجید کی سورۃ حجرات آیت نمبر ۱۳ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ کے خلاف ہے نیز ایک مشہور حدیث ہے کہ اسلام میں گورے کو کالے پر، امیر کو غریب پر عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ مصنف کی پیش کردہ روایت اس حدیث مشہورہ کے خلاف ہے۔ مصنف کی پیش کردہ روایت میں مطلقاً ہر عرب کو ہر عجم پر فضیلت دی گئی ہے حالانکہ دیگر احادیثِ مشہورہ میں نجد کی برائی فرمائی گئی جبکہ نجد بھی عرب ہی ہے اور بعض عجمی علاقوں کی تعریف فرمائی مثلاً ہند سے ایمانی کی خوشبو اور فارس سے علم کے خزانوں کا ذکر ہے۔ اور ان احادیث کی روشنی میں شارحین فقہاء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید اترا ہے حجاز میں پڑھا گیا مصر میں اور سمجھا گیا عجم میں۔ بعض نے لکھا ہند میں مصنف کو چاہیے کہ ایسی جاہلانہ کاذبانہ باتوں سے توبہ کرے اپنی عاقبت خراب نہ کرے۔ اس جواب میں مصنف کی تیسری بات بھی غلط ہے لکھتا ہے کہ ہم کفو ہونا عجمیوں کے لئے نہیں ہے صرف عربوں کے لئے ہے کیونکہ صرف عربوں کے نسب صحیح ہیں مصنف کی یہ بات بھی قرآن مجید آیات اور احادیث پاک کے فرمودات اور فقہاء کے ارشادات کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث و فقہ سے ثابت ہے کہ ہر مسلمان عورت کے لئے کفو لازم ہے نمبر (۱) سورۃ نور کی ابتدائی آیات کفایت کا ہی حکمی وجوبی اشارہ فرما رہی ہیں نمبر (۲) ابن ماجہ شریف ص ۱۴۲ پر ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَيَّرُوْا لِنُطَفِكُمْ وَانْكِحُوْا الْاَكْفَاءَ وَانْكِحُوْا اِلَيْهِمْ۔ ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ فرمایا آقا ﷺ نے کہ اپنے نطفوں کو اچھا بناؤ اور نکاح کرو کفو میں اور نکاح کی پیشکش بھی ان کفو کی طرف ہی کرو۔ نمبر (۳) فتاویٰ عقود الدرایہ جلد دوم میں ص ۲۰۲ پر ہے اَلْكِفَاءَةُ لَازِمَةٌ لِكُلِّ امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ وَالْكِفَاءَةُ فِيْ سِتَّةِ اَشْيَاءَ فِي الدِّيْنِ وَالنَّسَبِ وَالْحِرْفَةِ وَالْحُرِيَّةِ وَالدِّيَانَتِ وَالْمَالِ عَرَبِيَّةً كَانَتْ اَوْ عَجَمِيَّةً۔ ترجمہ: ہر مسلمان عورت کے لئے کفو میں نکاح ہونا لازمی ہے عربیہ ہو یا عجمیہ ہو اور کفو میں چھ چیزوں کو برابر ہونا یا خاوند میں برتر ہونا ہے۔ اسلامی دین ہونا۔ خاندانی نسب میں۔ نمبر (۳) خاندانی کاروبار میں۔ نمبر (۴) آزاد

ہونے میں خلاصیت نہ ہو۔ نمبر (۵) خاندانی شرافت وقار میں۔ نمبر (۶) مال و دولت میں۔ نمبر ۴ فتاویٰ میں قاضی خان جلد اول ص ۳۳۵ پر ہے وَاِنْ لَمْ یَکُنْ کُفُوًا لَا یَجُوْزُ النِّکَاحُ اَصْلًا۔ ترجمہ: کسی مسلمان عورت کا بلا اجازت ولی غیر کفو میں نکاح جائز نہیں قطعاً نمبر ۵ فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۲۹۲ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ اِنَّ النِّکَاحَ لَا یَنْعَقِدُ بِغَیْرِ الْکَفَائَةِ۔ ترجمہ: امام اعظم سے مروی ہے کہ بغیر کفو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا نمبر ۶ فتاویٰ شامی جلد دوم ص ۳۲۰ پر ہے فَتُعْتَبَرُ فِی الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ دِیَانَةً اَیْ فَلَیْسَتْ فَاسِقٌ کُفُوَ الصَّالِحَةِ اَوْ فَاسِقَةِ بِنْتِ صَالِحٍ مُعْلِنًا کَانَ اَوْلًا۔ ترجمہ: عرب وعجم کی مسلمان عورتوں کے لئے کفو کی دیانت وتقویٰ معتبر مانا گیا ہے۔ لہٰذا فاسق مرد صالحہ عورت کا کفو نہیں بن سکتا ایسے ہی نیک متقی باپ کی غیر نیک بیٹی کا کفو بھی فاسق مرد نہیں ہو سکتا۔ مُعْلِنْ یعنی فاسق ظاہری ہو یا پوشیدہ۔ اسی فتاویٰ میں ہے تُعْتَبَرُ الْکَفَائَةُ لِلُزُوْمِ النِّکَاحِ عَلٰی ظَاهِرِ الرِّوَایَةِ۔ اور فتاویٰ درمختار میں ہے یُفْتٰی فِیْ غَیْرِ الْکُفُوِ بِعَدَمِ جَوَازِهٖ۔ ترجمہ: لزوم نکاح کے لئے کفو ہونا واجبی معتبر ہے ظاہر روایت کے فرمان سے دُرِّ مختار میں ہے۔ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ ہر مسلمان عورت کا غیر کفو میں نکاح نا جائز ہے۔ ایسے صاف اور واضح فرمودات کے ہوتے ہوئے مصنف کی لغو باتیں بیان کرنی قرآن وحدیث کی مخالفت کے علاوہ یہ ثابت کر رہی ہیں مصنف قرآن وحدیث سے بالکل ناواقف و بے تعلق ہے۔

سوال نمبر ۶: معترض نے مصنف پر اعتراض کیا کہ انبیاء کرام اور ملائکہ معصومین کے علاوہ کسی بھی شخص کے لئے علیہ السلام یا سلام اللہ کے الفاظ بولنے شرعاً نا جائز ہیں یہی مسلکِ اہلسنت ہے مگر مصنف یا تو خود شیعہ رافضی ہے یا شیعہ نواز ہے مصنف مذکور اپنی اسی کتاب جلد سوم کے ص ۲۱۷ پر جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ معترض غلط کہتا ہے۔ ائمہ اہلبیت اطہار کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام اہل سنت کا طریقہ ہے۔ شیعہ کا نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البر۔ علامہ نظام الدین شاشی حنفی۔ ابن حجر مکی۔ علامہ ابراہیم قندوزی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہم تمام لکھتے ہیں کہ اہل بیت کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھنا جائز ہے۔ معترض چونکہ ناصبی اور خارجی ہے اس لئے انکار کر رہا ہے۔ اس کا جواب کیا ہے نیز بتایا جائے کہ رافضی خارجی اور ناصبی وشیعہ کون لوگ ہیں۔

جواب: یہ جواب بھی مصنف کی کذبیات اور کم فہمی کا ثبوت ہے مصنف نے اس جواب میں تین جھوٹ بولے اولاً یہ کہ علیہ السلام لکھنا اہل سنت کا طریقہ ہے۔ دوم یہ کہ شیعہ کا نہیں۔ سوم یہ کہ علامہ فلاں فلاں اور محدث دہلوی وغیرہم نے علیہ السلام لکھنا جائز لکھا ہے۔ یہ تینوں باتیں قطعاً جھوٹ ہیں نہ یہ جواز اہل سنت سے ثابت نہ ان بزرگوں نے جائز لکھا چونکہ مصنف مذکور ان عبارتوں کو اپنی آنکھوں پر بندھی پٹی کے باعث سمجھ ہی نہ سکا اس لئے کبھی اوٹ پٹانگ اور کبھی توڑ موڑ کرتا ہے۔ آج سے کئی ماہ پیشتر ہم نے مصنف کے فتاویٰ کا مکمل تردیدی جواب کئی صفحات پر کثیر دلائل کے ساتھ لکھ کر مصنف کو دستی پہنچایا تھا اور جواب الجواب یا رجوع کا مطالبہ کیا تھا۔ مگر آج تک مصنف جواب الجواب نہ دے سکا۔ مختصراً یہ کہ جن پانچ بزرگوں کا یہ نام لیتا ہے ان میں سے کسی نے بھی علیہ السلام کے جواز کو بیان نہیں فرمایا بلکہ صاف صاف

لکھتے ہیں کہ غیر نبی پر سلام بھیجنا جائز ہے بشرطیکہ دعائیہ ہو۔ تحیۃ نہ ہو اور نہ ہی تفضیلیت کے طریقے پر ہو۔ مصنف یہاں توڑ موڑ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تحیہ اور تفضیلیت کی نیت سے نہ ہو۔ یعنی علیہ السلام ہو مگر تحیۃ و تفضیلیت کی نیت نہ کرو۔ یہ توڑ پھوڑ اور نیت کا شوشہ مصنف کی اپنی طرف سے ہے ہم نے اس کا بھی جواب دیا تھا کہ اسلام میں صرف نیت کوئی چیز نہیں بلکہ اسلام ہر عبادت میں عملی طریقے کی تعلیم اور عملی نمونے کا ہی حکم دیتا ہے۔ اس لئے کہ شریعت ظاہر پر ہے نہ کہ ما فی الضمیر پر نیت باطنی چیز ہے عمل ظاہری چیز اگر نیتوں پر ہی کفایت کرنا کافی ہوتا تو مصنف قسم کے لوگ عبادات کا حلیہ بگاڑ دیتے۔ اسی عملی طریقے کے مطابق ان مذکورہ بالا بزرگوں نے سلام بھیجنے کے چھ لفظ مقرر فرمائے۔ نمبر (۱) السلام علیکم نمبر (۲) سلام علیکم نمبر (۳) اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (۴) سلام علی فلاں نمبر (۵) سلام اللہ علی فلاں نمبر (۶) علیہ السلام ان لفظوں میں شرعاً حکماً فرق ہے۔ پہلے چار الفاظ سے سلام بھیجنا دو قسم کا ہے پہلا لفظ ہر مسلمان کے لئے ہر ملاقات میں جائز۔ دوسرا سلام ہر مسلمان کو بعد وفات تیسرا لفظ۔ ہر مسلم اور غیر مسلم کو بھی عمومی دعاء ہدایت کے ساتھ مثلاً اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی کے لفظوں سے غیر مسلم کو سلام جائز ہے۔ چوتھا لفظ مسلمان علماء اولیاء اور صحابہ و اہل بیت پر سلام بھیجنے کے لئے جیسے کہ علامہ نظام الدین شاشی حنفی نے اپنے خطبے میں لکھا۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَحْبَابِہٖ پانچواں اور چھٹا لفظ صرف حضراتِ معصومین کے لئے وقف ہے اور کائنات مخلوق میں معصوم صرف انبیاء کرام اور ملائکہ ہیں۔ کوئی اہل بیت کوئی صحابی عام ولی فقیر بچہ جوان بوڑھا معصوم نہیں ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ کہ سلام بھیجنے کے پہلے چار لفظ دعائیہ ہیں اور دوسرے دو لفظ۔ تحیۃ و تفضیلیہ والے خبریہ ہیں۔ پہلے چار کا ترجمہ ہے تم پر یا فلاں پر میری طرف سے سلام ہو۔ لیکن دوسرے دو لفظوں کا معنیٰ ہے کہ فلاں پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے۔ علیہ السلام کا بھی معنیٰ یہ ہے کہ اس پر سلامتی ہے۔ اور شرعی مسئلہ ہے کہ ہر شخص اپنا سلام تو کہہ سکتا ہے مگر کسی کا سلام بلا اس کی اجازت نہیں کہہ سکتا مثلاً بغیر زید کی اجازت میں نہیں کہہ سکتا کہ زید کی طرف سے تم کو سلام ہو یا ہے اگر بلا اجازت کہے گا تو کذب بیانی ہوگی۔ ایسے ہی سلام اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کی سلامتی علیہ السلام کا معنیٰ یہ ہے کہ اس پر سلامتی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تو ہم کو اجازت نہیں دی تو ہم اپنی طرف سے یہ جھوٹ کس طرح بول سکتے ہیں۔ ہاں البتہ معصومین کی معصومیت نے ہمیں بتایا کہ معصومین کی ہر چیز محفوظ اور سلامتی والی ہے۔ اور یہ حفاظت و سلامتی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اس لئے صرف معصومین کو سلام اللہ بھی کہہ سکتے ہیں علیہ السلام بھی۔ دیگر غیر معصومین کے لئے ایسا کہنا جائز نہیں بلکہ کذبِ بیانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اہلسنت ائمہ اہلبیت کے لئے علیہ السلام و سلام اللہ کہنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ مصنف نے کہا کہ شیعہ کا طریقہ نہیں ہے۔ یہ بھی مصنف کا جھوٹ ہے ہم نے حوالوں سے ثابت کر کے پہلے فتوے میں لکھا کہ یہ صرف شیعوں کا طریقہ ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ خارجی ناصبی رافضی۔ شیعہ کسے کہتے ہیں اس کا تفصیلی جواب تو بہت دراز ہے یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ خارجی ناصبی ایک نام ہے اور شیعہ و رافضی ایک نام ہے جو لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گستاخی کریں وہ شیعہ و رافضی ہیں اور جو لوگ یزید پلید بے دین ظالم و فاسق کی تعریف و ثنا

کریں مختاری یا اسی کا لیا۔

سوال نمبر ۷: معترض نے مصنف پر اعتراض کیا۔ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا (الخ) کی مصنف نے غلط تفسیر کی جواب میں مصنف بغیر کسی کتاب یا عبارت کے اپنی تائید میں تین بزرگوں کے نام لیتا ہے۔ نمبر (۱) علامہ قرطبی نمبر (۲) علامہ اسمٰعیل حقی نمبر (۳) امام ابن جریر لکھتا ہے انہوں نے بھی یہ لکھا ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہی اتری ہے۔

جواب: یہ بات بھی مصنف کی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اسی لئے نہ کتاب کا نام نہ عبارت کا نشان۔ کچھ بھی نہیں۔ نیز اگر ان مصنفین نے تائیداً یہ ہی لکھا ہے تب بھی غلط ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان بزرگوں نے کسی پاگل جاہل کا قول نقل کر کے تردید کی ہو گی مصنف نے سیاق وسباق سے آنکھیں بند کر کے اپنے لئے سہارا بنا لیا۔ حالانکہ یہ قول عقلاً نقلاً درایتاً روایتاً ہر طرح غلط ہے مقصد اور خواہ مخواہ کی کھینچا تانی ہے جو مصنف آیت تطہیر کے سیاق وسباق کو توڑ سکتا ہے وہ یہاں خوف خدا کب کرے گا۔ لہٰذا یہ ان بزرگوں پر اتہام ہے۔

سوال نمبر ۸: مصنف اپنی اسی کتاب جلد سوم کے ص ۲۱۸ پر معترض کے اس اعتراض کا جواب دیتا ہے کہ بقول معترض مصنف نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مجھ سے بھی زیادہ محبت ہے۔ اس کے جواب میں لکھتا ہے کہ ہم نے حسب ونسب میں کوئی مسئلہ ایسا نہیں لکھا جس کا حوالہ نہ ذکر کیا ہو۔ آگے لکھا ہے کہ علامہ احمد علی شبلی مصری اپنی کتاب السیدہ زینب میں لکھتے ہیں کہ وَاللّٰهِ لِلّٰهِ اَشَدُّ حُبًّا لَّهٗ مِنِّیْ۔ آگے لکھتے ہیں کہ صواعق محرقہ ص ۱۵۴ پر بھی یہ حدیث ہے اور اب بدحواسی کے عالم میں الٹ پھیر کر کے اس عربی عبارت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ بہر صورت حدیث کا یہ معنیٰ ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ جو میری محبت علی سے ہے اس میری محبت سے اللہ تعالیٰ کی محبت علی سے زیادہ ہے۔ وہ معنیٰ نہیں ہے جو معترض نے کم علمی سے سمجھا۔ مصنف مذکور کی وہ مطلبی بناوٹ جو اَب یہاں جلد سوم میں لکھی ہے وہ جلد اول میں نہیں ہے وہاں ص ۶۳ پر لکھتا ہے کہ خدا ان کے ساتھ مجھ سے بھی زیادہ محبت رکھتا ہے۔ از رشفۃ الصادی ص ۷۰ لیکن یہاں جلد سوم میں لکھتا ہے کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ مجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اس تضاد بیانی سے ظاہر ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد۔

جواب: مصنف مذکور نے اس جواب میں نہایت بدحواسی اور معذرت خواہانہ رویہ اپنایا اور محبت علی والی حدیث کا معنیٰ پیش کردہ عربی عبارت کے خلاف ہے کیونکہ اَشَدُّ حُبًّا لَّهٗ مِنِّیْ کا ترجمہ ہے۔ زیادہ شدید محبت ہے اس کے لئے مجھ سے مصنف نے جلد اول میں یہی ترجمہ کیا ہے۔ معترض نے اسی پر گرفت کی اور گرفت شرعاً درست ہے۔ مصنف کا اب جان بچاتے ہوئے پینترہ بدلنا اور کہنا کہ یہ معنیٰ نہیں بلکہ یہ معنیٰ ہے غلط ہے کیونکہ اگر روایت کا وہ معنیٰ ہوتا جو اَب مصنف بیان کر رہا ہے تو عربی الفاظ اس طرح ہوتے۔ وَاللّٰهِ لِلّٰهِ اَشَدُّ حُبًّا لَّهٗ مِنْ حُبِّیْ۔ کیا مصنف کو عربی کا اتنا بھی علم نہیں ہے۔ نیز صواعق محرقہ میں مجھے یہ روایت نہیں ملی نہ ص ۱۵۴ پر نہ سیاق وسباق میں اور کتاب سیدہ زینب کا مصنف شبلی

مصری مجہول انسان ہے نمعلوم شیعہ ہے یا غیر شیعہ۔ اور کتاب رشفۃ الصاوی کا مصنف تو غالی تبرائی شیعہ ہے مصنف مذکور کا ان کتابوں کے حوالے دینا خود مصنف کو مشکوک کر رہا ہے۔ نیز مصنف کا یہ کہنا کہ میں نے کوئی بات ایسی نہ لکھی جس کا حوالہ نہ دیا ہو۔ یہ ایسا ہی متکبرانہ جملہ ہے جیسا کہ ایک مناظرے کے دوران ایک مغرور شاہ نے کہا تھا کہ میں ہر بات کتاب کی زبان سے کرتا ہوں تو فوراً اس کو جواب دیا گیا تھا کہ آپ تو کتاب کی زبان بولتے ہیں مگر کتاب آپ کی زبان نہیں بولتی نہ آپ کی تائید کرتی ہے۔ اسی طرح مصنف کا حال ہے کہ کوئی کتاب کوئی حوالہ بھی مصنف کا ساتھ نہیں دیتا۔ ہر جاہل مغرور کا یہی طریقہ ہے کہ پہلے کفریات بک دیئے اور گرفت کی گئی تو کہنے لگے کہ یہ مطلب نہیں تھا وہ مطلب تھا میرا مافی الضمیر یہ نہیں تھا بلکہ یہ تھا۔ چرا کارے کند عاقل۔ کہ باز آید پشیمانی۔

سوال نمبر۹: مصنف مذکور اسی کتاب نمبر ۳ کے ص ۲۱۹ پر لکھتا ہے کہ معترض الا سببی و نسبی والی حدیث کو درست نہیں کہتا۔ اور اس کے مقابل عالم۔ حافظ قاری شہید کی شفاعت کا دعویدار ہے۔ آگے مصنف اس غلط انداز میں پیش کردہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ قیامت کے دن کسی کا بھی نسب نفع نہ دے گا۔ بجز نبی کریم ﷺ کے نسب کے بخلاف دوسرے لوگوں کے کہ ان کے نسب فائدہ نہیں دیں گے معترض کا قاری۔ حافظ شہید کے بارے میں کہنا کہ وہ بھی قیامت میں شفاعت کریں گے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے فضل اعمال کے لحاظ سے قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ اپنے نسب کے لحاظ سے شفاعت نہیں کریں گے اور نہ ہی ان کو نسب فائدہ دے گا۔ فرمایا جائے کیا یہ جواب درست ہے۔

جواب: بالکل کمزور اور غلط جواب ہے۔ معترض کا اعتراض بھی غلط انداز میں پیش کرتا ہے معترض کا اعتراض و موقف درست ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم حافظ قاری شہید وغیرہم نیک متقی مسلمان اپنے گناہگار اہل نسب کی شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت سے ان کے قربتداروں نسب والوں کو ان کے یہ نسب قیامت میں فائدہ دیں گے یہاں تک کہ کچا بچہ بھی اپنے والدین گنہگار کی شفاعت کرے گا جو قبول ہوگی۔ مشکوٰۃ شریف ص ۲۹۴ پر باب الشفاعت فصل دوم میں بروایت ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ فرمایا آقا ﷺ نے کہ میری امت میں سے کوئی شخص اپنے کنبے کو بخشوالے گا اور کوئی اپنے پورے قبیلے کو اور کوئی اپنے عصبات قرابت داروں کو کوئی صرف ایک شخص کی شفاعت کرے گا حتی کہ وہ سب رشتے دار جنت میں داخل ہوں جائیں گے۔ رواہ الترمذی۔ سوال یہ نہیں کہ وہ عالم قاری شہید کس سبب سے شفاعت کا حق پائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ کس کی شفاعت کریں گے اور اس عالم و قاری و حافظ و شہید کی شفاعۃ ان کے نسب کے کام آئی یا نہ آئی۔ اگر آئی تو نسب منقطع کب ہوا۔ اگر حافظ قاری شہید صرف فضل اعمال سے شفاعت کریں گے اور نسب کا دخل نہ ہو تو چاہئے کہ اغیار کی شفاعت کریں نہ کہ صرف اہل نسب کی نیز معترض اس حدیث اِلَّا حَسَبِیْ وَ سَبَبِیْ کا منکر نہیں۔ نہ روح المعانی کی عبارت ناصبیت اس پر طاری و جاری ہوتی ہے بلکہ معترض کو مصنف کی کم علمی واضح ہوگئی ہے بقول معترض مصنف کو اس حدیثِ مقدس کی سمجھ ہی نہ آئی اور بے سمجھی سے اپنے لفظوں میں

صرف نسبی نسبی کی رٹ لگا رہا ہے۔ اِلَّا سَبَبِیْ کے لفظوں پر غور ہی نہیں کرتا حالانکہ ہر روایت و ہر سند میں اِلَّا سَبَبِیْ کے لفظ پہلے ہیں نسبی کے بعد میں۔ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ بارگاہ نبوت میں سبب مقدم ہے نہ کہ نسب یعنی نسب نبوی تب کام آئے گا جب سبب نبوی پہلے قائم ہو۔ اگر سبب قائم نہیں رہا تو نبوی نسبت کام نہ دے گی اور منقطع ہو جائے گی۔ مصنف بیچارے کو پتہ ہی نہیں کہ سبب کیا چیز ہے۔ تَفَقُّہٌ فِی الدِّیْنِ ہوتا تو پتہ ہوتا۔ حدیث مقدس میں ارشاد ہے کُلُّ سَبَبٍ وَّ نَسَبٍ یَنْقَطِعُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا سَبَبِیْ وَ نَسَبِیْ۔ ترجمہ: قیامت میں ہر دین کا رشتہ اور نسب کا رشتہ ٹوٹ جائے گا مگر میرے دین اسلام کا رشتہ اور میرے نسب کا رشتہ نہ ٹوٹے گا۔ یعنی دنیا میں ہزاروں دین ہزاروں نسب ہیں۔ قیامت میں کوئی دین کسی دین والے کو کام نہ دے گا مگر میرا دین جو از آدم علیہ السلام تا قیامِ قیامت ہے دین والے مومنوں سے بروز قیامت منقطع نہ ہوگا۔ ایسے ہی غیر مسلموں کے نسب بھی منقطع مگر میرے مومن رشتے داروں کا نسب بھی منقطع نہ ہوگا۔ غرضیکہ مقصدِ حدیث پاک یہ بیان کرنا ہے کہ اگر کسی کا سببی یعنی دینی تعلق میرے ساتھ قائم ہے اور وہ میرا نسبی بھی ہے تو اس کو قیامت میں دوہرا فائدہ۔ دینی بھی، نسبی بھی اور اگر کسی کا میرے ساتھ صرف سببی تعلق ہے تو اس کو قیامت میں ایک فائدہ۔ لیکن اگر کسی کا میرے ساتھ سببی دینی تعلق قائم نہیں رہتا اور مرتے وقت صرف نسبی تعلق ہی سے مر گیا تو قیامت میں وہ تعلق منقطع ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی تمام روایت میں لفظ سببی پہلے ہے نسبی بعد میں اور ایسی کوئی بھی حدیث نہیں ہے جس میں اِلَّا سَبَبِیْ کا لفظ نہ ہو صرف نسبی ہو۔ خیال رہے کہ عربی میں حسب کا معنیٰ بھی دینی تعلق ہے اور سبب کا معنیٰ بھی۔ لیکن نسب کا معنیٰ نسلی تعلق اور صہری کا معنیٰ سسرالی تعلق۔ دنیوی تمام تعلق کی بقا کے لئے مرتے وقت سببی و دینی تعلق لازم ہے۔ مصنف مذکور کو سبب و حسب کا معنیٰ نہیں آتا اس لئے ایسی باتیں کرتا ہے۔

سوال نمبر ۱۰: ص ۲۲۱ پر لکھا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے بیٹے عبداللہ حسین کے نانا جیسا نانا باپ جیسا باپ لا۔ یہ روایت صحیح ہے اور معترض کا اعتراض و انکار غلط ہے۔ اور حوالے میں ریاض النضرۃ پیش کرتا ہے اور اس سے ثابت کرتا ہے کہ مولیٰ علی کا درجہ عمر فاروق سے زیادہ ہے۔

جواب: یہ حوالہ معتبر نہیں ریاض النضر کوئی معتبر کتاب نہیں نہ اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے مصنف نہ معلوم ایسی مجہول وغیر معروف کتابیں کہاں سے اٹھا کر لے آیا۔ مہر منیر بھی مستند نہیں نہ وہاں کسی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اور یہ روایت احادیث مشہورہ کی مخالفت کرتی ہے۔ فاروق اعظم کا مرتبہ آیات و روایات کی روشنی میں مولیٰ علی سے افضل و برتر ہے یہی مسلک اہلسنت ہے۔ مصنف کا مسلک مسلکِ اہلسنت کے خلاف ہے اور نیز یہ انکسارِ فاروقی ہو سکتا ہے نہ کہ افضلیت۔

سوال نمبر ۱۱: ص ۲۲۲ پر مصنف نے لکھا کہ سادات کا کفو صرف سادات ہیں دیگر ہاشمی قریشی سادات کے کفو نہیں ہیں۔ معترض نے جب گرفت کی تو بجز ادھر ادھر کے کوئی مقبول و معقول بات نہیں کی۔

جواب: مصنف کی تمام لایعنیاں صرف اس ایک بات سے ٹکڑے ہو جاتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی سیدات صاحبزادیوں کا قریشی ہاشمیوں سے نکاح کیوں کیا گیا۔ مولیٰ علی بھی سید نہیں تو یہ خاتونِ جنت کے کفوں کیوں بنائے

گئے۔ اس کا مصنف کے پاس تا قیامت کوئی مدلل با حوالہ جواب نہیں۔ مصنف کے ذہنی اندازے جس میں وہ ماہر ہے وہ احمقانہ ہوتے ہیں اس لئے وہ قابل قبول نہیں۔

سوال نمبر ۱۲: ص ۲۲۴ پر جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ نکاح کا معنیٰ رقیت اور غلامی ہے نکاح سے مرد مالک اور عورت اس کی کنیز ولونڈی۔ اس کے لئے اعلیٰ حضرت کا نام اور لفظ تمام فقہاء استعمال کرتا ہے۔ نہ عبارت کتاب کا نام نہ صفحہ نمبر۔ عجیب مجہول قسم کا انسان ہے مجہول باتیں ہی کرتا ہے۔

جواب: قطعاً غلط نہ کسی نے یہ کہا ہے نہ کوئی ایسی غلط بات کہہ سکتا ہے۔ یہ بات قرآن مجید کی صریحی آیات کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۸۷) اس آیت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں کا مرتبہ برابر ہے۔ حدیث وقرآن وفقہ سے ثبوت دیا جائے۔ نیز بیوی کو لونڈی سمجھنا ہندو ذہنیت ہے لیکن حدیث مقدس میں ہے۔ اَلرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِهٖ وَ هُوَ مَسْئُوْلٌ اَلْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَ هِيَ مَسْئُوْلَةٌ (باب. قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا از بخاری شریف کتاب النکاح) ترجمہ: خاوند اپنے اہل پر حاکم ہے۔ اور وہ پوچھا جائے گا۔ بیوی بھی اپنے خاوند کے گھر پر حاکم ہے اور وہ پوچھی جائے گی۔ کیا مصنف بھی ہندو ذہنیت رکھتا ہے اور کیا اس کو یہ آیت وحدیث نظر نہیں آئی یا اندھا قلم چلانے کا شوق ہے۔

سوال نمبر ۱۳: مصنف اسی جلد نمبر ۳ کے ص ۲۲۷ پر معترض کے اس اعتراض کا جواب دیتا ہے کہ فاروق اعظم کا نکاح ام کلثوم بنت مولیٰ علی سے ہوا۔ مصنف بھی اس کا منکر ہے اور مصنف کی تمام شیعہ برادری بھی اس کی منکر ہے اور اس کے انکار میں عجیب اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے۔

جواب: ہم نے ایک طویل فتوے میں تقریباً چھبیس حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ مولیٰ علی شیر خدا نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح فاروق اعظم سے کیا۔ یہ فتویٰ مصنف کو بھی بھیجا گیا اور اس کی مقامی ملکی برادری کو بھی مگر آج تک کوئی بھی اس فتوے کی کسی بات کا جواب نہ دے سکا بلکہ اس فتوے نے ان سب کی کمر توڑ دی ہے۔ معترض چشتیہ نے ان مصنف صاحب کی اس کفو کے مسئلے میں ایسی مضبوط گرفت کی ہے کہ بیچارے مصنف کو نہ بھاگنے کا راستہ مل رہا ہے نہ جواب کا یارہ نہ بات بنانے کا چارہ یہی وجہ ہے بوکھلا کر کٹکھنا بنا ہوا ہے۔ معترض تو اتنے مہذبانہ انداز میں مفتی صاحب مفتی صاحب کہہ کر اعتراض کر رہا ہے۔ باادب طریقے سے جس کا خود مصنف کو اپنی اس تحریر میں اعتراف ہے مگر جواب دیتے ہوئے مصنف نے ایسا کرخت غیر شائستہ لہجہ اختیار کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے کبھی معترض کو جاہل کاذب جھوٹا کہتا ہے کبھی ناصبی خارجی مکار کہتا ہے۔ مصنف مذکور کو تو یہ بھی پتہ نہیں کہ صراط مستقیم کیا ہے اور معترض کو ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب ہم مسلمان صراط مستقیم پر ہیں تو پھر ہر نماز میں ہم صراط مستقیم پر ہدایت ملنے کی دعا کیوں مانگتے ہیں کیا یہ تحصیل حاصل نہیں؟ جواب۔ اگر مصنف اس کو تحصیل حاصل سمجھتا ہے تو یہ بھی اس پر واجب ہے کہ اس دعا مانگنے کا جواز پیش کرے کیونکہ وہ بھی یہ دعا ہر نماز میں مانگتا ہے اور اگر اس کا جواب مصنف کو نہیں آتا تو ہم سے پوچھے۔ صحیح

جواب یہ ہے کہ صراط مستقیم کا معنی ہے قرب الٰہی۔ اور صراط پر چلنا فعل دراز ہے جس میں ہر قدم پر دعاء ہمت و توفیق کی ضرورت کیونکہ ہر اگلا قدم ابھی حاصل نہیں۔ اِهْدِنَا میں پچھلے قدم کی دعا نہیں بلکہ اگلے قدم کی دعا ہے۔ پچھلا قدم حاصل ہو چکا اس کی دعا منع و محال کیونکہ تحصیل حاصل اور اگلا قدم ابھی حاصل نہیں ہوا۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ میں بندہ اسکی ہی دعا مانگ رہا ہے لہٰذا تحصیل حاصل کی دعا نہیں ہے لیکن کسی کی تطہیر فعل دراز نہیں۔ لہٰذا جب ازل میں تطہیر ہوگئی تو اب دعا مانگنا تحصیل حاصل ہوا جو غلط بھی ہے محال بھی۔ نیز مصنف کا یہ کہنا بھی غلط و جہالت ہے کہ حضور پاک دعا میں تطہیر اہلبیت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ بیچارے کو خبر اور دعا کا فرق بھی معلوم نہیں۔ ارے مصنف صاحب کاش تم کچھ پڑھے لکھے ہوتے تو ایسی بہک نہ مارتے۔ خیال رہے کہ موجود کا اظہار ہوتا ہے اور اظہار کے لئے خبر ہوتی ہے۔ اگر ان چار کی تطہیر ازل میں ہو چکی تھی تو اظہار کے لئے زبان اقدس خبر دیتی نہ کہ دعا کیونکہ غیر موجود کے لئے دعا ہوتی ہے اور دعا سے اظہار نہیں ہوتا بلکہ طلب ہوتی ہے۔ اب پتہ لگایا اب بھی مجہول ہی رہے۔ ثابت ہو گیا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ المستقیم کی دعا۔ اور تطہیر چارتن کی دعا میں فرق ہے۔ دعاء تطہیر کو دعا اهدنا پر قیاس کرنا بھی جہالت ہے اور ص ۲۲۱ پر مصنف کا یہ کہنا کہ ازواج مطہرات کو حقیقی اہل بیت کہنا خارجیوں ناصبیوں کا عقیدہ ہے۔ مصنف کی یہ الزام تراشی قرآنِ مجید کی گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں حقیقی اہل بیت صرف ازواج مطہرات کو فرمایا۔ مگر مصنف اس کا منکر ہے تو گویا قرآن مجید کا منکر ہے اور اس قرآنی فرمان کو خارجی ناصبی عقیدہ بنا کر خارجیوں کو سچا و مطابق قرآن ثابت کرنا چاہتا ہے اور خود کو مخالفِ قرآن ثابت کر رہا ہے اس طرح خود ہی اپنی حماقت سے جال میں پھنس رہا ہے۔ قرآن مجید میں سواء ازواج مطہرات کے کسی کو بھی اہل بیت نہیں کہا گیا۔ اگر مصنف کہتا ہے کہ حقیقی اہل بیت ازواج مطہرات نہیں بلکہ پنجتن پاک یعنی علی، فاطمہ، حسن وحسین ہی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو مصنف کو چاہیے کہ قرآن مجید سے ثابت کرے منکر قرآن نہ بنے۔

سوال نمبر ۱۴: ص ۲۲۹ وص ۲۳۰ پر۔ معترض کا اعتراض لکھتا ہے کہ معترض نے اعتراض کیا ہے۔ تطہیراً مفعول مطلق ہے اور مفعول مطلق صرف تاکید کے لئے ہوتا ہے۔ مصنف لکھتا ہے کہ تطہیراً مصدر منبع ہے۔ یہ مصنف کی علم نحو سے نسیان یا ناواقفیت یا عدم رجحان ہے۔ ورنہ ایسی علمی نحوی غلطی نہ کرتا۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مصنف علامہ عبدالغفور نحوی محشی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ مصدر مفعول مطلق جب تاکید کے لئے ہو تو اس کا فائدہ کبھی دفع توہم سہو کے لئے ہوتا ہے اور کبھی دفع توہم مجاز کے لئے اور تطہیر کی تاکید دفع توہم مجاز کے لئے ہے یعنی مجازی تطہیر نہیں بلکہ حقیقی تطہیر ہے۔ اور حقیقی تطہیر یہ ہے کہ طاہر بھی ہوں۔ مطہر بھی۔ یعنی پاک بھی ہوں۔ پاک کرنے والے بھی ہوں لہٰذا منبع ومصدر ہوئے کیونکہ جو پاک کرنے والا ہو وہ پاکیزگی کا منبع ہوتا ہے۔ نیز مصنف اسی کتاب کی جلد نمبر ۳ ص ۲۳۱ پر معترض کا اعتراض اور اپنا جواب نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ معترض کہتا ہے کہ آیت تطہیر سے مراد صرف ازواج مطہرات ہیں نہ کہ مولیٰ علی، فاطمہ الزہرہ وامام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان کے لئے تطہیر کی دعا حدیث

چادر مقدس سے ثابت ہے اور آیت میں تطہیر کی دعا نہیں بلکہ خبر مستقبل ہے۔ بہر حال خبر ازلی کہنا اور تطہیر کو خبر ماضی ازلی ماننا غلط ہے مصنف اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اہل بیت میں پنجتن پاک اور ازواج مطہرات مراد ہیں لیکن آیت تطہیر کو سیاق وسباق سے کاٹ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آیت تطہیر پنجتن پاک کے بارے میں نازل ہوئی ہے چنانچہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں پندرہ روایتوں سے بیان کیا کہ آیت تطہیر میں اہل بیت سے مراد پنجتن ہیں۔ یعنی نبی کریم ﷺ (معاذ الله معاذ الله من هذا القول الكفرية) اور حضرت علی، فاطمۃ الزہرہ، امام حسن، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اسی طرح امام سیوطی نے درمنثور میں بیس روایات بحوالہ الشرف المؤبد ص ۹۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر نے سولہ روایات بیان کی ہیں از ص ۴۸۳ تا ص ۴۸۵ بد حواسی میں جلد کا نام نہیں لکھا۔ کل اکیاون روایتوں سے ثابت ہے کہ آیت تطہیر پنجتن یعنی آل عباء کے بارے میں اتری ہے اور ابن جریر نے ایک روایت درمنثور میں تین روایات۔ ابن کثیر میں دو روایتیں کل چھ روایتیں جن میں تین روایتیں عکرمہ سے مروی ہیں وہ روایتیں کہتی ہیں کہ آیت تطہیر میں ازواجِ پاک مراد ہیں۔ آگے یہ مصنف لکھتا ہے کہ یہ چھ روایتیں بھی مضبوط نہیں ہیں محل اعتراض ہیں۔ مصنف کہتا ہے کہ اس کثرتِ رواۃ وقلت رواۃ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عکرمہ کی منقولہ روایات مضبوط نہیں ہیں محل اعتراض ہیں یعنی کہ غلط ہیں۔ گویا کہ ان روایات کو غلط کہنا مصنف کا ذہنی اختراع وافتراع ہے لیکن مصنف نے ان اکیاون روایات کی نہ سند کا ذکر کیا نہ متن روایات کا نہ راوی کا نہ نسبت حدیث کا کہ یہ کس کا فرمان ہے کہ آیت تطہیر سے پنجتن پاک مراد ہیں نہ کہ ازواجِ مطہرات۔

جواب: مصنف مذکور نے مفعول مطلق کو منبع بنا کر اور علامہ عبد الغفور کا حوالہ پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ مصنف نحوی باریکیوں سے غافل ہے۔ خیال رہے کہ مفعول مطلق وہ مصدر ہے جو اصلاً صرف تاکید کے لئے ہی ہے۔ شرح جامی کافیہ وغیرہ کتب نحو میں لِلتَّاكِيدِ وَالنَّوْعِ وَالْعَدَدِ فرمانا یہ بتانے کے لئے ہے کہ تاکید کی تین قسمیں ہیں، نمبر(۱) تاکید وجود شی نمبر (۲) تاکید عددی نمبر (۳) تاکیدِ نوعی یہی وجہ ہے کہ علماء نحو نے مفعول مطلق کی مثال دیتے ہوئے فرمایا نَحْوُ جَلَسْتُ جُلُوْسًا وَجَلْسَةً وَجِلْسَةً۔ ترجمہ: مفعول مطلق کی مثال جیسے کے بیٹھا میں یقینی بیٹھنا۔ بیٹھا میں ایک قسم کا بیٹھنا۔ بیٹھا میں ایک بار بیٹھنا۔ عام طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے کہ مقصد مفعول مطلق صرف وجود شئی کی تاکید ہے خواہ وضاحتاً ہو یا عدداً یا نوعاً۔ عبد الغفور اور مصنف کے علاوہ کسی نے تَوَهُّم سہو یا تَوَهُّمِ مجاز کا ذکر نہ کیا۔ اور یہ بات قطعاً غلط ہے کیونکہ مفعول مطلق نہ سہو کو دفع کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ مجاز کو بلکہ سابقہ عامل فعل کی فعلیت کے وجود کو یقینی بنانے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ مجاز کو حقیقی ثابت کرنے کے لئے لہٰذا اگر فعل میں مجاز کا ذکر ہے تو مفعول مطلق مجاز کی تاکید کرے گا۔ اگر حقیقت کا ذکر ہے تو حقیقت کی تاکید کرے گا۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ اَكَلْتُ اَكْلًا شَجَرَةً۔ تو یہاں مجازی معنیٰ مراد ہیں اور اگلے مفعول مطلق نے مجاز کی ہی تاکید کی۔ یعنی اس کا کہنا کہ میں نے درخت کھا لیا۔ درخت کھانے کے مجازی معنیٰ ہی مراد ہوں گے یعنی اس کی قیمت کھا گیا یا غصب کر گیا۔ دن رات کہا جاتا ہے کہ فلاں بندہ میری زمین کھا

کیا گیا ادھر کیا گیا۔ ان تمام جگہ مجازی معنی ہی مراد ہیں اور ان میں مفعول مطلق مجازی معنیٰ کی ہی تاکید کرے گا۔ مجاز کو حقیقت نہ بنائے گا۔ اسی طرح آیت تطہیر میں بھی حقیقت مجاز کا وہم نہیں ہے بلکہ تطہیرا نے اس کثرت فعل کے وجود کی تاکید کر کے یقینی بنایا جس کا ذکر یطھرکم نے فرمایا۔ قانون نحوی کے مطابق جب کسی مصدر کو باب تفعیل میں لایا جائے تو کثرت فعل یا شدت فعل پیدا ہو جاتی ہے۔ اس قاعدے قانون سے آیت تطہیر اور اس کا ترجمہ اس طرح ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ ترجمہ: یہی ارادہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کہ دور کرے تم سے گندگی کو اے اہل بیت اور خوب پاک کر دے تم کو خوب پاک کرنا۔ مصنف کا حقیقت مجاز کی تقسیم کرنا اور پھر مفعول مطلق سے حقیقی طہارت مراد لے کر منبع بنانا۔ اور منبع کو مطہر قرار دینا یہ سب کچھ اس کی ذہنی اختراع و افتراء ہے۔ حدیث وقرآن میں تطہیر کی ایسی کوئی تقسیم مذکور نہیں اگر مصنف سچا ہے تو اپنی اس تقسیم کو حدیث وقرآن سے با معتبر حوالہ ثابت کرے انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک ثابت نہ کر سکے گا۔ نیز مصنف کا یہ کہنا کہ پنجتن پاک طاہر بھی ہیں اور مطہر بھی تو اگر مطہر سے تزکیہ روح قلب مراد لیتا ہے تو وہ صرف نبی کریم ﷺ ہی کر سکتے ہیں جیسا کہ وَيُزَكِّيْهِمْ کی آیت بتا رہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سوا کوئی بھی پاک نہیں کر سکتا نہ صحابہ نہ مولیٰ علی نہ حسن وحسین نہ اہل بیت اور اگر طہارت سے مراد ہدایت ہے تو تمام صحابہ کرام بھی ہدایت کے منبع ہیں بفرمانِ نبوی۔ اَلصَّحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ۔ اور اگلی سطور میں مصنف کا یہ کہنا کہ آیت تطہیر میں نبی کریم کو پاک کرنا شامل ہے (معاذ اللہ) یہ مصنف نے کفر بکا ہے اور وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ آیت تطہیر سے پہلے نبی کریم بھی پاک نہیں تھے معاذ اللہ۔ اہل سنت کے نزدیک ایسا کہنا بھی کفر ہے سمجھنا بھی کفر عقیدہ بنانا بھی کفر، خیال رہے کہ آقا ﷺ نہ آیت تطہیر میں شامل نہ چادر تطہیر کی دعا میں شامل جو شامل مانے وہ گمراہ وگستاخ کافر ہے۔ اگلی سطور میں مصنف نے جو لکھا ہے کہ آیت تطہیر کو سیاق و سباق سے کاٹ کر ابن جریر وغیرہ نے تقریباً اکیاون روایتوں سے ثابت کیا ہے کہ ازواج مراد نہیں ہیں بلکہ صرف پنجتن پاک وآل عبا مراد ہے یہ ایسا کہنا ولکھنا عقیدہ بنا۔ کفر یہ گمراہی ہے، چنانچہ علامہ نجم الدین یافعی اپنی کتاب عیون التعبیر فی اصول التفسیر میں ص ۱۱۱ پر فرماتے ہیں۔ اَلتَّفْسِیْرُ بِالرَّائِیِ عَلٰی سِتَّةِ اَقْسَامٍ وَكُلُّهُمْ حَرَامٌ لِاَنَّهَا تَحْرِيْفُ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالتَّحْرِيْفُ كُفْرٌ فَمِنْهَا خِلَافُ السِّبَاقِ وَالسِّيَاقِ وَمِنْهَا خِلَافُ الرِّوَايَةِ الْمَشْهُوْرَةِ وَمِنْهَا خِلَافُ الْاِجْمَاعِ وَ مِنْهَا خِلَافُ الدِّرَايَةِ وَمِنْهَا خِلَافُ الْحَقِيْقَةِ وَمِنْهَا خِلَافُ الْفِقْهِ۔ ترجمہ: تفسیر بالرائے چھ قسم کی ہے اور سب ہی حرام ہیں کیونکہ تفسیر بالرائے کلام اللہ کی تحریف ہے اور تحریفِ کلامِ الٰہی کفر ہے۔ تفسیر بالرائے کی ایک قسم آیات کے سیاق وسباق کی مخالفت کرنا اور نمبر (۲) اور ایک قسم یہ کہ حدیث مشہورہ کے خلاف تفسیر کرنا اور نمبر (۳) اور ایک قسم یہ کہ اجماع امت کے خلاف تفسیر کرنا نمبر (۴) اور ایک قسم یہ کہ درایت کے خلاف تفسیر کرنا نمبر (۵) اور ایک قسم یہ کہ واقعاتی حقیقت کے خلاف تفسیر کرنا نمبر (۶) اور ایک قسم یہ کہ فقہاء عظام کے فقہی ضابطوں کے خلاف تفسیر کرنا۔ اس دلیل سے واضح ہوا کہ آیت کے سیاق وسباق کو توڑ کر کوئی تفسیر اور معنیٰ بیان کرنا تحریف ہے اور کلام اللہ کی تحریف کفر ہے

تو کیا مصنف مذکور اپنی جہالت رفضیانہ سے ابن جریر امام سیوطی اور حافظ ابن کثیر کی تکفیر ثابت کرنا چاہتا ہے اور من گھڑی جھوٹی روایتوں کو مان کر اپنی بھی تکفیر کرنا چاہتا ہے۔ خدا جب دین لیتا ہے عقل بھی چھین لیتا ہے حقیقی تفسیر یہی ہے کہ آیت تطہیر میں صرف ازواج مطہرات مراد ہیں نہ کہ فاطمۃ الزہرہ یا مولیٰ علی یا امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کو شامل و داخل ماننا بھی کذب بیانی ہے چہ جائیکہ مستقل صرف ان چار کو ہی ماننا یہ مزید کفریہ جہالت ہے۔ ان چار مقدسات کی تطہیر دعاءِ چادر سے ہوئی اور تطہیر کا معنیٰ حفاظت من الکفر وضلالت ہے۔

سوال نمبر ۱۵: ص ۲۳۲ پر معترض کا اعتراض نقل کرتا ہے کہ معترض کہتا ہے بدعقیدہ سید قابل تعظیم نہیں ہے اس کا جواب لکھتے ہوئے مصنف مذکور شیخ محمد صبان مصری کی کتاب اسعاف الراغبین کے ص ۱۳۶ کے حوالے سے مدینہ منورہ کے ایک رافضی شیعہ کے متعلق ایک خواب کو دلیل ایمانی بناتے ہوئے لکھتا ہے کہ بدعقیدہ سید کی بھی تعظیم واجب ہے اور ص ۲۳۳ پر مہر منیر ص ۱۱ کے حوالے سے ثابت کرتا ہے کہ کافر سید بھی قابل تعظیم ہے آگے لکھتا ہے کہ چشتیہ ٹرسٹ والوں کا مہر منیر کتاب کے بارے میں کیا عقیدہ ہے۔

جواب: بدعقیدہ اور کافر کو کافر نہ سمجھنا بھی کفر ہے اور کافر دشمن الٰہی وَعَدُوُّ اللّٰہِ ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی تعظیم و توقیر کرنا بھی کفر ہے اگرچہ والدین کافر ہوں صرف کافر والدین کی خدمت گزاری ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کی اجازت ہے۔ توقیر وتعظیم ان کی بھی حرام ہے۔ اس مصنف مذکور نے یہ بات لکھ کر کہ بدعقیدہ اور کافر سید کی بھی ہر مسلمان پر تعظیم واجب ہے۔ چار گمراہیاں اور جہالتیں پھیلائیں پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی تکذیب کی جو سراسر کفر ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی دعا یقیناً قبول ہوتی ہے۔ اور چادرِ تطہیر میں نبی کریم ﷺ نے اہل بیت کی تطہیر کے لئے دعا مانگی جو یقیناً قبول ہوئی۔ دوم یہ کہ مصنف نے سید کو بدعقیدہ و کافر کہہ کر دعا نبوی پر بے اعتقادی کا شبہ کیا کیونکہ سید میں تب ہی کفر و بدعقیدگی کی پلیدی آ سکتی ہے جب یا تو اللہ تعالیٰ اپنا وعدۂ تطہیر پورا نہ فرمائے یا نبی کی دعا قبول نہ ہو۔ سوم یہ کہ مصنف نے سادات کو کافر و بدعقیدہ مانا حالانکہ مسلکِ اہل سنت یہ ہے کہ آیت تطہیر کی خبر یُرِیْدُ اللّٰہِ میں اور حدیث تطہیر کی دعاءِ تطہیر میں رجس کفر و بدعقیدگی دور کرنا ہی مراد ہے چنانچہ فتاویٰ بحر العلوم کتاب النکاح باب نمبر ۳ ص ۳۰۲ پر ہے وَ مَعْنَى التَّطْهِيرِ طَهَارَةٌ عَنِ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ وَمَفَادُهُ لَا يَكْفُرُ السَّادَاتُ نَسَبًا صَحِيحًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ ترجمہ: آیت تطہیر اور چادرِ تطہیر میں تطہیر سے مراد کفر شرک سے پاک کر دینا ہے۔ جس سے یہ فائدہ و مسلک حاصل ہوا کہ تا قیامت کوئی صحیح النسب سید کافر شرک یا بدعقیدہ ہو سکتا ہی نہیں۔ ورنہ اللہ رسول کی خبر و دعا پر حرف طعن آئے گا۔ بدعقیدہ سید دراصل بناوٹی سید ہے۔ چہارم یہ کہ مصنف مذکور نے یہ احمقانہ عقیدہ بنا کر اپنے خیال میں محبت اہل بیت وسادات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن درحقیقت یہ کھلی دشمنی ہے کہ پاکیزہ سادات کو کفر کی گندگی میں ملوث مان لیا۔ اس لئے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ بے وقوف دوست سے عقل مند دشمن بہتر ہے اور تعجب ہے اس کی ڈھٹائی پر کہ نہ گستاخی قرآن مجید کا خوف نہ اللہ کا ڈر نہ جہنم کا دھڑکا نہ شرم نبی اپنی کتاب جلد دوم میں لکھتا ہے

کہ ہمارے سلف صالحین نے ابولہب کافر کا احترام کرتے ہوئے تَبَّتْ یَدَا والی سورۃ پڑھنا چھوڑ دی تھی۔ اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ۔ وہ سلف صالحین تھے یا سلف شیاطین فاسقین جو ایک سخت ترین کافر کے احترام میں قرآن مجید کے کافر و گستاخ بن گئے اور مصنف اپنے مریدوں کو اپنا سلف صالحین لکھ کر خود بھی مرتد ہوا چاہیے کہ مرنے سے پہلے جلدی توبہ کر لے۔ مجھے بتا تو سہی ان کافری کیا ہے مگر حسب عادت کم عقلی کا اندازہ لگاؤ کہ کتاب مہر منیر ص ۱۱ کا حوالہ پیش کرتا ہے حالانکہ اسی کتاب مہر منیر کے اسی ص ۱۱ پر پیش کردہ تحریری عبارت سے دو سطر اوپر باحوالہ کتاب زرقانی اور کتاب مدارج النبوت صاف لکھیں ہیں اہل سنت کا وہی مسلک لکھا ہے جو ابھی مندرجہ بالا سطور میں فتاویٰ بحر العلوم کے حوالے سے ہم پیش کر چکے ہیں مگر مصنف نے اپنی ساری کتابوں میں اس کا کہیں ذکر تک نہیں کیا اور اس اگلی عبارت کو سینہ محبت و عقیدت سے لگاتا ہے جس کو مہر منیر والے نے ایسے ہی بلا ثبوت و حوالہ اپنے خیال یعنی اندازہ میں لکھ ڈالا۔ میں کہتا ہوں کو جو شخص بچے سادات میں بد عقیدگی اور کفر مانے وہ منکرِ قرآن و حدیث ہے۔ نیز مہرِ منیر ص ۱۲ پر صاف لکھا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا وَعَدَنِیْ رَبِّیْ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ مَنْ اَقَرَّ مِنْھُمْ بِالتَّوْحِیْدِ وَلِیْ بِالْبَلَاغِ اَنْ لَّا یُعَذِّبَھُمْ۔ ترجمہ: میرے رب نے میرے اہل بیت میں مجھ سے وعدہ فرمایا کہ جو سید بھی جب تک توحید و رسالت کو و تبلیغ و عقائد کو مانتا اقرار کرتا رہے گا یعنی اسی ایمان پر مرے گا اسے عذاب نہیں فرمائے گا۔ صاف ثابت ہوا کہ جو سید کافر یا بدعقیدہ ہو کر مرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور اس سے نسبتِ رسولی ختم ہو جائے گی۔ کیا مصنف مہرِ منیر کی اس باحوالہ بات کو نہیں مانتا۔ صرف اپنے مطلب کی باتیں ہی مانتا ہے۔ اسی کو مطلب پرستی کہتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۶: پھر آگے مصنف اسی جلد نمبر ۳ کے اسی ص ۲۳۶ پر لکھتا ہے کہ اور خود امام شافعی اپنے دیوانِ شافعی ص ۵۶ میں فرماتے ہیں۔

مصنف مذکور اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۳۵ پر چشتیہ ٹرسٹ کے معترض کا یہ اعتراض نقل کرتا ہے کہ یہ شعر جو امام شافعی کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ اِنْ کَانَ رِفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ۔ فَلْیَشْھَدِ الثَّقَلَانِ اِنِّیْ رَافِضٌ۔ اس کا ترجمہ مصنف لکھتا ہے۔ اگر آل محمد ﷺ سے محبت کرنا رفض ہے تو ثقلان گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔ معترض کہتا ہے کہ یہ شعر اور اس کی نسبت جھوٹ ہے یہ شعر امام شافعی کی کسی کتاب میں نہیں ہے مصنف اور صواعق محرقہ جھوٹے ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مصنف اس کا جواب اسی کتاب کے ص ۲۳۶ پر لکھتا ہے کہ چشتیہ ٹرسٹ کا معترض بہت جھوٹا مکار ہے کیونکہ امام شافعی کا یہ شعر کتاب نور الابصار ص ۲۰۰ پر اور کتاب السیدہ زینب ص ۲۱ پر اور کتاب صواعق محرقہ ص ۱۳۱ پر اور کتاب مہر منیر ص ۲۰ پر لکھا ہے۔ اور خود امام شافعی اپنے دیوان کے صفحہ ۵۶ پر فرماتے ہیں۔

قَالُوْا تَرَفَّضْتَ قُلْتُ کَلَّا ۔۔۔ مَا الرَّفْضُ دِیْنِیْ وَلَا اِعْتِقَادِیْ
لٰکِنْ تَوَلَّیْتُ غَیْرَ شَکٍّ ۔۔۔ خَیْرَ اِمَامٍ وَّ خَیْرَ ھَادِیْ
اِنْ کَانَ حُبُّ الْوَلِیِّ رِفْضًا ۔۔۔ فَاِنَّ رِفْضِیْ اِلَی خَیْرِ الْعِبَادِ

اور دیوانِ شافعی ص ۸۹ پر ہے۔

إِذَا نَحْنُ فَضَّلْنَا عَلِيًّا فَإِنَّنَا رَوَافِضُ بِالتَّفْضِيلِ عِنْدَ ذَوِى الْجَهْلِ

اور دیوانِ شافعی ص ۱۱۷ پر ہے۔

إِذَا فِي مَجْلِسٍ نَذْكُرُ عَلِيًّا وَسِبْطَيْهِ وَفَاطِمَةَ الزَّكِيَّةْ
يُقَالُ تُجَاوِزُ وَ يَا قَوْمِ هٰذَا فَهٰذَا مِنْ حَدِيثِ الرَّافِضِيَّةْ
بَرِئْتُ اِلَى الْمُهَيْمِنِ مِنْ اُنَاسٍ يَرَوْنَ الرَّفْضَ حُبَّ الْفَاطِمِيَّةْ

مصنف مذکور ص ۲۳۷ پر ان سات اشعار کا ترجمہ لکھتا ہے کہ خارجیوں نے مجھے کہا کہ تو بوجہ محبت اہل بیت رسول کے رافضی شیعہ ہو گیا۔ تو میں نے کہا کہ نہ میرا دین اور نہ میرا اعتقاد رفض ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ میں جو تمام سے بہترین ہادی و امام ہے اس سے محبت کرتا ہوں اگر ان کی محبت رفض ہے تو میں رافضی ہوں۔

جواب: چشتیہ معترض کا اعتراض مضبوط اور درست ہے مصنف کی آنکھوں پر تعصب اور جہالت و جلد بازی کی پٹی ہے اس لئے وہ اعتراض کو سمجھ ہی نہ سکا اور جو جواب دیا اس کی سطر سطر سے کذب و خیانت ٹپک رہی ہے۔ مصنف نے ترجمہ کرتے ہوئے خیانت کی ہے۔ معترض کا مطالبہ ہے کہ اوپر والا پہلا شعر امام شافعی کی کسی کتاب میں نہیں ہے صواعق محرقہ وغیرہ کا لکھ دینا کوئی نسبتِ صداقت کی دلیل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے ان اشعار کو لکھ کر امام شافعی کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا جس سے ثابت ہوا کہ نسبتِ شافعی جھوٹی ہے نیز اب مصنف کے اس جواب سے مزید ثابت ہو گیا کہ معترض کی گرفت والا پہلا شعر واقعی امام شافعی کا نہیں اور معترض سچا ہے مصنف جھوٹا ہے اور جھوٹی عبارتوں پر یقین رکھنے والا ہے کیونکہ باقی سات اشعار کو دیوانِ شافعی سے با حوالہ صفحات نقل کر رہا ہے اور یہ کہ دیوانِ شافعی مصنف کے پاس موجود ہے جس کو دیکھ کر پڑھ کر یہ سات اشعار نقل کر رہا ہے اگر یہ پہلا شعر بھی امام شافعی کا ہوتا تو یقیناً ان کے دیوان میں ہوتا اور اگر دیوان میں ہوتا تو مصنف اچھل کود کر سب سے پہلے صفحہ کے ساتھ دیوان کا حوالہ دیتا۔ مگر مصنف ایسا نہ کر سکا۔ دیگر سات اشعار تو دیوانِ شافعی کے حوالے سے لکھے مگر یہ شعر نہ لکھا۔ ثابت ہوا کہ یہ شعر دیوانِ شافعی میں کہیں کسی بھی صفحے پر نہیں۔ لہٰذا معترض کی گرفت صحیح اور اعتراض درست ہے۔ یہ صواعق محرقہ والا شعر لفظاً معناً بھی غلط بلکہ جہالت ہے۔ بخلاف دیوانِ شافعی کے سات اشعار کے وہ بالکل درست اور مسلک اہل سنت کے مطابق ہیں ان سات اشعار میں رافضی ہونے سے نفرت اور بیزاری ثابت کرتے ہوئے رافضیت کو محبت اہل بیت کے خلاف سمجھا گیا اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ رافضیت میں محبت اہل بیت بالکل موجود ہی نہیں اصل محبت تو شافعی اور اہل سنت کے پاس ہے مگر مصنف نے اشعار صحیح لکھ کر بھی ترجمہ کرنے میں خیانت اور بد دیانتی کی ہے اور یہ خیانت مصنف کی عادت ہے اپنی کتب میں بہت جگہ اس طرح ترجموں میں خیانت کرتا ہے مثلاً اپنی اسی جلد سوم کے ص ۱۶۴ پر صہری کا ترجمہ کرتا ہے [illegible] علی کو مراد لیتے ہوئے صرف شیعہ نوازی کی گئی ہے۔ حالانکہ صہری کا صحیح ترجمہ ہے

سسرالی رشتہ۔اس میں بیوی ساس سسر داماد سالہ سالی سب شامل ہو جاتے ہیں۔ان کو نکالنے کے لئے مصنف نے ترجمہ بدل کر خیانت کی ہے اور بحال ان اشعار مذکورہ میں مصنف نے دو جگہ خیانت کی پہلی خیانت دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے کا ترجمہ کرتے ہوئے وہاں پہ ہے۔ خَیْرُ اِمَامٍ وَ خَیْرُ هَادِیٍ۔ جس کا اصل ترجمہ ہے اچھا امام اور اچھا ہادی مگر مصنف ترجمہ کرتا ہے تمام سے بہترین ہادی و امام ہے۔ یہ ترجمہ امام شافعی کے شعر کا نہیں بلکہ تفضیلی روافض کے عقیدے باطلہ کی ترجمانی ہے مجھے اس خیانت پر تعجب نہیں۔اس لئے کہ جو مصنف کلام الٰہی میں خیانت وتحریف کرنے سے نہیں ڈرتا وہ شافعی اشعار میں کیا ڈرے گا۔ مصنف کی دوسری خیانت تیسرے شعر کے دوسرے مصرعہ کا ترجمہ کرتے ہوئے کی ہے۔ مصرعہ ہے فَاِنَّ رِفْضِیْ اِلیٰ خَیْرِ الْعِبَادِ۔ اصل اور صحیح لغوی ترجمہ یہ ہے پس بے شک میری ترکِ صحبت اور ہر ایک سے کنارہ کشی خیرِ عبادکی طرف ہے یعنی بندوں میں اچھے کی طرف۔ رفضؔ کا لغوی معنیٰ ترک صحبت وکنارہ کشی۔ وہی لفظ رفض سے امام شافعی کی مراد ہے مگر مصنف جان بوجھ کر ترجمہ میں خیانت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ اگر ان کی محبت رفض ہے تو میں رافضی ہوں۔ خیال رہے کہ لفظ رفض ہمیشہ اپنے لغوی معنیٰ میں مستعمل ہے مگر لفظ رافضی عرف عام کے اعتبار سے شیعہ فرقے کا نام رکھا گیا ہے لہٰذا رفضی کا ترجمہ رافضی کرنا غلط ہے۔ بہرکیف مصنف کی ہر بات ہی غلط ہے۔

میں نے ان کی کتب کو مختصر اور سرسری طور پڑھ کر تین چیزوں کا اندازہ لگایا ہے پہلی یہ کہ ان کے اکثر عقیدے ذہنی اندازوں۔ عقلی تخمینوں دماغی اختراع قلبی افتراء پر ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوا اس سے وہ ظاہر ہوا کی بنیادوں گھروندوں پر قائم ہے۔ دوم یہ کہ جہاں بات نہ بنے وہاں توڑ موڑ کی خیانت کرلی۔ سوم یہ کہ ہر بات ہر کتاب ہر حوالے میں مطلب پرستی پیش پیش ہے اگر مطلب کی بات ہے تو گمنام کتاب اور جاہل مصنف بھی علامہ زمان ہے لیکن اگر مطلب کی بات نہ ملے تو نہ آیت کی پرواہ نہ روایت کا احترام۔ نہ فقہ وفقہاء کا تقدس۔ آخر میں ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر اس تحریر کا جواب دینے کا شوق وہمت ہے تو لمبے چوڑے صفحات کالے کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف مندرجہ ذیل چھ چیزوں کا ثبوت قرآن وحدیث معتبر ومشہور کتب فقہ سے پیش کردے ورنہ رجوع کرے۔ ورنہ خاموشی بہتر۔ نمبر(۱) اولاد نبی فی صلب علی کو ثابت کیا جائے۔ نمبر(۲) حدیث سے ثابت کیا جائے کہ ذریت بمعنی اولاد ہے۔ صاف لفظوں میں نمبر(۳) صاف لفظوں میں ثابت کیا جائے کہ فاطمہ زہرہ تمام عورتوں سے افضل ہیں نمبر(۴) بیوی کا لونڈی ہو جانا قرآن وحدیث وفقہ کی مشہور صاف عبارات سے ثابت کیا جائے نمبر(۵) قرآن مجید سے ثابت کیا جائے کہ حقیقی اہل بیت مولیٰ علی، فاطمہ، حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ نمبر(۶) تطہیر کی حقیقی مجازی تقسیم اور تطہیر بمعنیٰ مطہر بنانا۔ قرآن وحدیث فقہ ولغت سے ثابت کیا جائے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابُ۔

کتبہ اقتدار احمد خان مقام رہائش۔لندن۔لیٹن۔۲۰۰۱۔۱۔۱۰

فتاوی العطایہ الاحمدیہ

مصنف مذکور نے جانتے بوجھتے دیوانِ شافعی کے اشعار کا غلط ترجمہ کیا محض اپنی شیعہ برادری کو خوش کرنے کے لئے مگر ہم

ان اشعار کا صحیح ترجمہ مندرہ ذیل سطور میں پیش کرتے ہیں۔
شعر نمبر (۱) قَالُوْا تَرَفَّضْتُ (الخ) ترجمہ: دشمنوں مخالفوں نے (محبت اہل بیت سے جل بھن کر) کہا کہ تو اے شافعی رافضی شیعہ ہو گیا ہے میں نے جواباً کہا خبردار ہرگز نہیں۔ نہ رافضیت (جیسی بری چیز) میرا دین ہے نہ میرا اعتقاد شعر نمبر (۲) لٰكِنْ تَوَلَّيْتُ (الخ) ترجمہ: لیکن بیشک یقیناً محبت قلبی کی ہے میں نے اچھے امام اور اچھے ہادی سے۔ شعر نمبر (۳) اِنْ كَانَ حُبُّ الْوَلِيِّ ترجمہ: اگر سردار اولیاء ولی کامل مولیٰ علی ولی اللہ سے محبت کرنا رفض ہے تو بیشک میرا رفض شیعیت نہیں نہ رافضیت ہے بلکہ خیر العباد شخصیت کی طرف جھکاؤ و کنارہ کشی ہے۔ یہ ترجمہ لفظ الٰی نے سمجھایا۔ شعر نمبر ۴ اِذَا نَحْنُ فَضَّلْنَا (الخ) ترجمہ: جب کبھی ہم نے فضیلت بیان کی اور ثنا خوانی کی مولیٰ علی کی تو بیشک اس محض فضیلت و ثنا خوانی بیان کرنے کی وجہ سے ہم اہل سنت رافضی تصور کیے گئے جاہلوں کے نزدیک۔ شعر نمبر (۵) اِذَا فِيْ مَجْلِسٍ (الخ) ترجمہ: جب بھی کسی محفل و اجتماع میں ہم مولیٰ علی اور امام حسن و حسین اور خاتون جنت فاطمۃ الزہرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ شعر نمبر (۶) يُقَالَ تَجَاوَزُوْا (الخ) ترجمہ: تو کہا جاتا ہے کہ اے اس قوم والو تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ پس یہ ثنا خوانی اور تذکرہ رافضیوں جیسی باتوں میں سے ہے۔ شعر نمبر (۷) بَرِئْتُ اِلَى الْمُهَيْمِنِ (الخ) ترجمہ: میں تو خبیث رافضیوں سے بیزار ہوں اور ایسے تمام بدعقیدہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ مہیمن کی طرف۔ یہ خارجی بدبخت دشمن مولیٰ علی اس اہل سنت والی محبت فاطمہ کو بھی رافضیت سمجھتے ہیں۔ یہ ہے صحیح ترجمہ۔ پورے عربی اشعار اسی مضمون میں ص ۳۷ پر ہیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفضیلی شیعہ روافض کی بدحواسی

تمام تفضیلی روافض کہتے ہیں کہ اہلبیت کو خصوصی طور پر علیہ السلام کہنا جائز ہے۔ علماء اہلسنت ان سے پوچھتے ہیں کہ اہلبیت کون ہیں اور اہلبیت سے کون لوگ مراد ہیں۔ اگر تمہارے نزدیک قرآنی اہلبیت مراد ہیں تو وہ ازواج مطہرات ہیں مگر تم کسی زوجہ پاک کو علیہا السلام نہیں کہتے۔ اور اگر حدیثی اہلبیت مراد ہیں تو وہ صرف چار حضرات ہیں۔ ۱۔ مولیٰ علی۔ ۲۔ فاطمۃ الزہراء۔ ۳۔ امام حسن۔ ۴۔ امام حسین مگر تم علی اکبر علی اصغر۔ امام زین العابدین۔ امام باقر امام جعفر صادق وغیرہ کو بھی علیہ السلام کہتے ہو حالانکہ یہ نہ قرآنی اہلبیت نہ حدیثی اور اگر تم اہلبیت سے تمام سادات مراد لیتے ہو تا قیامت تو پھر تم ہر سید کو علیہ السلام کیوں نہیں کہتے۔ یعنی محمود شاہ علیہ السلام۔ گلزار شاہ علیہ السلام وغیرہ کہا کرو۔ ہم نے یہ سوال کئی تفضیلی رافضی مولوی شیعوں سے کیا مگر سب بدحواس ہو کر لاجواب ہو گئے۔ کیونکہ لَابُرْهَانَ لَهٗ۔

کتبـــہ

فتویٰ پندرھواں

بانی ادارہ منہاج القرآن کے بارے میں چند سوالات اور ان کے شرعی مدلل جوابات

اسلامی شریعت میں فوٹو حرام ہے۔ جو جائز قرار دے وہ گمراہ ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ پاکستان کے ایک مشہور خطیب جو اپنے آپ کو سنی بریلوی قادری کہتے ہیں اور دنیا کے مختلف علاقوں میں اپنے ادارے منہاج القرآن کے نام سے جاری کئے ہیں۔ مگر ان کے بہت اقوال، اعمال، نظریات سنی مسلمانوں کے خلاف بلکہ مسلک احناف اور اہلسنت مسلمانوں کو نقصان دہ ہیں اور سخت پریشانی کا باعث ہیں۔ ۱۔ خطیب مذکور پروفیسر طاہر القادری خود تو پاکستان میں رہ کر اپنی عیدیں قربانی اور ماہ رمضان کی ابتداء و اختتام بالکل صحیح طریقہ اسلامی کے مطابق چاند دیکھ کر رویت ہلال کمیٹی پاکستان کے فیصلہ شرعیہ کے مطابق ادا کرتے ہیں۔ اس فیصلے کے خلاف نہ جانے کس کے خوف سے ذرا آواز نہیں نکالتے۔ مگر بیرون ملک اپنے اداروں اور اپنے ماننے والوں کو گمراہ کر کے ہر سال ایک دن یا کبھی دو دن پہلے عیدیں قربانیاں اور فرضی روزے رکھواتے ہیں۔ اس طرح بہت سے مسلمانوں کی عیدیں، قربانیاں اور فرضی روزے غلط ہو جاتے ہیں۔ اور یہ گمراہی و تخریب کاری صرف حصول چندہ کیلئے پھیلائی جاتی ہے تا کہ پہلے عید کرنے سے عوام کالانعام ان کی ادارہ مساجد میں کثرت سے جمع ہو جائیں اس غلط کاری میں ان کو نہ اللہ تعالیٰ کا خوف رہتا ہے نہ رسول اللہ ﷺ کا۔ دیگر مسلمان بھی ان کی اس بین الاقوامی تخریب کاری میں پھنس جاتے ہیں۔ اگر دیگر سنی مسجدوں والے مجبوراً ایسا کام نہ کریں تو ان مسجدوں کے عوام مقتدی بھی عید منانے کی خوشی میں اپنی مسجدیں چھوڑ کر ان کی مسجد میں جا کر نماز پڑھ لیتے ہیں اسی طرح رمضان کے مہینے میں ایک دو روزے چھوڑ کر عید منا لیتے ہیں۔ اس لئے سنی مسجدوں والے بھی مجبور ہو جاتے ہیں غلط عید منانے پر ہمارے پاس چونکہ شرعی فتویٰ یا کوئی اور دلیل نہیں ہوتی اس لئے ہم مسلمان عوام کو نہ صحیح انداز میں سنت اور شرعی طریقہ سمجھا سکتے ہیں اور نہ منہاج والوں کی غلط کاری ذہن نشین کرا سکتے ہیں۔ کئی برسوں سے پروفیسر کی یہ گمراہی ہم پر پھیلتی ہوئی مسلط ہے اور سنیت قادریت کی آڑ میں پھیلتی جاری ہے۔ ۲۔ پروفیسر طاہر القادری خود اپنی بھی اور اپنے اداروں میں مقرر کردہ اماموں کی بھی داڑھیاں چار انگلی لبی شرعی اسلامی حد سے کم رکھتے، رکھواتے ہیں اور یہ سب بقول فقہاء کرام فاسق معلن بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے بہت سے متقی مسلمانوں نے ان کے اماموں اور خود پروفیسر کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دی ہے۔ ہمیں اس کے متعلق بھی شرعی فتویٰ عطا فرمایا جائے تا کہ ہم ان اماموں اور پروفیسر کا محاسبہ کریں اور عوام مسلمانوں کو ان گمراہوں سے بچا سکیں۔
۳۔ طاہر القادری یہ بھی کہتے ہیں کہ عورتوں کو چہرے کا پردہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ صرف سر پر بالوں کا ڈھک لینا کافی ہے۔ لہٰذا عورتیں چہرہ کھول کر سرخی پاؤڈر لگا کر سر عام بازاروں میں پھر سکتی ہیں اور نامحرموں کو اپنا چہرہ دکھا سکتی ہیں۔

یہاں تک کہ ان کی محفلوں میں عورتیں بے پردہ ہی چہرہ کھلے آتی جاتی ہیں۔ اسی طرح اخباروں میں بھی بے پردہ عورتوں کے ساتھ ان کی علانیہ فوٹو تصویریں موجود ہیں۔ چنانچہ جنگ لندن بارہ فروری ۲۰۰۲ء انتیس ذیقعد ۱۴۲۲ھ بروز منگل صفحہ ۴۔ میں فوٹو موجود ہے جس میں بے پردہ عورتوں کے ساتھ ہیں۔ ان عورتوں کے تو بال بھی کھلے ہیں اور پروفیسر داد عیش دے رہے ہیں۔ ہمیں تو یہ شخص عیاش لگتے ہیں۔ ۴۔ خود کو اس دور کا بہت بڑا ولی اللہ سمجھتے ہیں اور ایسی جھوٹی خوابیں بناتے ہیں کہ حیرانی ہوتی ہے۔ خوابوں کی کیسٹیں شائع کرائی گئی ہیں ہم نے بھی سنی ہیں اور آپ کی خدمت میں بھی ارسال ہیں۔ نیز ۱۹۹۰۔۹۔۳۰ کے حوالے سے بمطابق ۹ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ نوائے وقت لاہور اور ماہنامہ تکبیر میں ایک خواب طاہر القادری صاحب نے شائع کرایا تھا کہ حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تم اگر پاکستان میں میرے میزبان بن جاؤ تو میں پاکستان کچھ دنوں کیلئے رک سکتا ہوں۔ اس خواب کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر طاہر القادری اپنے رسالے میں لکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے پاکستان میں مجھے اپنا مستقل میزبان مقرر کرلیا ہے پروفیسر مذکور ایسی خوابیں چھاپ کر اپنی فضیلت ظاہر کرنا چاہتے ہیں اسی خواب میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے کھانے پینے کا انتظام کرنے اور واپسی کے ٹکٹ کے انتظام کرنے کا بھی مطالبہ فرمایا۔ اس خواب اور طاہر القادری کے اخباری بیان پر علماء کرام نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ ان سب باتوں سے طاہر القادری کی تین گستاخیاں شان نبوت میں ظاہر ہوتی ہیں اولاً یہ کہ طاہر القادری سے مدد طلب کرنا۔ دوم ایک ادنیٰ ترین امتی طاہر القادری کے مقابلے میں نبی کریم ﷺ کی محتاجی ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ نبی کریم ﷺ کی گستاخی ہے اور توہین کرنے والوں کی جو سزا ہے طاہر القادری اسی سزا کا مستحق ہے۔ مورخہ اٹھائیس ستمبر ۱۹۸۷ء کے جنگ اخبار لاہور، کراچی میں یہ خبر چھپی ہے کہ طاہر القادری نے بے پردہ عورتوں میں بیٹھ کر خطاب کیا سوال یہ ہے کہ اس طرح بے پردہ چہرہ اور فیشن کھلے ہو کر عورتوں میں آنا خطاب کرنا، سوال جواب کرنا شرعاً جائز ہے اس سے پہلے کیا کسی اسلامی محفل میں اس طرح کا ثبوت ملتا ہے۔ مجالس نبویہ سے لے کر ماضی قریب کے اکابر علماء و مشائخ کی محافل تک اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا طاہر القادری کو اس طرح غیر شرعی محفلیں سجانا داد تحسین حاصل کرنا جائز ہے کیا کوئی نظام مصطفوی لانے کا دعویدار ایسی غیر شرعی حرکتیں کرنے والا نامحرموں کی محفلیں لگانے والا اپنے دعوئے نظام مصطفوی لانے میں مخلص ہوسکتا ہے؟ بلکہ ایسا گھناؤنا شخص تو اپنے قول و عمل سے دین کو خراب کر رہا ہے۔ جس سے نئی نسل میں شریعت کی مخالفت پیدا ہو رہی ہے گویا کہ ان کی ولایت کا دارومدار صرف خوابوں پر ہے۔ ظاہری کرامت تو درکنار عمل شرعی کردار بھی خلاف شریعت واضح ہے۔

۵۔ اسلام میں فوٹو بنانا، بنوانا حرام قطعی ہے مگر طاہر القادری فوٹو تصویر بنانے، بنوانے کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں بلکہ ان کے اداروں اور ان کے ماننے والوں کے گھروں اور عبادت خانوں میں پروفیسر کے بڑے بڑے فوٹو لگے ہوئے ہیں۔ انہی فوٹوؤں میں ان کی نمازیں ہو رہی ہیں (معاذ اللہ) غرضیکہ ہر گھر ہر ادارہ مندر اور بت خانہ بنا ہوا ہے۔ ۶۔ کسی باطل فرقے کو غلط نہیں کہتے۔ سب کو صحیح کہتے ہیں اور سب کے پیچھے نماز پڑھ لینے کو جائز کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں بلکہ خود بھی اور

ان کے حواری بھی بڑی خوش دلی سے باطل ولادین اماموں کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہتے ہیں۔ فرمایا جائے کہ جس شخص کے مندرجہ ذیل کردار ہوں کیا وہ مسلمانوں کا مذہبی لیڈر و راہنما بننے کا حق رکھتا ہے اور اس کے پیچھے کسی مسلمان کی نماز شرعاً جائز ہے۔ اگر پڑھ لی گئی ہو تو کیا ہو جائے گی یا دوبارہ دہرانی پڑے گی۔ ۱۔ وہ شرعی پردے کے خلاف ہے بے پردہ چہرہ کھلی عورتوں میں بیٹھنا پسند کرتا ہو۔ ۲۔ مسلمانوں کے روزے، عیدیں قربانیاں برباد کرتا ہو۔ ۳۔ فوٹو تصویر بنوانے و بنانے کو جائز قرار دیتا ہو۔ ۴۔ تارک سنت ہو داڑھی کترواتا ہو بلکہ جبراً اپنے معتقدین کی داڑھیاں چھوٹی کرنے کا حکم دیتا ہو۔ ۵۔ جھوٹی خوابیں بیان کرتا ہو۔ ۶۔ اس کی وجہ سے امت مسلمہ کو بجائے فائدے کے سخت ترین دینی نقصان ہو رہا ہو۔ جس کی وجہ سے گمراہی اور خلاف شریعت بے راہ روی پھیلتی جارہی ہو براہ کرم ایسے شخص کے بارے میں ہمیں مدلل محقق اور جلد از جلد فتویٰ و شرعی حتمی فیصلہ عطا فرمایا جائے ہم نے یہ استفتا۔ بریلی شریف ملتان، لاہور اور گجرات بھیجا ہے۔ جب بھی جہاں سے شرعی فتویٰ و فیصلہ حاصل ہوگا۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس کو لاکھوں کی تعداد میں چھاپ کر شائع کریں گے۔ بینوا توجروا۔

دستخط سائلین۔ صوفی حاجی محمد نواز قادری رضوی سٹوک ہوم سویڈن۔ ۲۔ غلام جیلانی سویڈن۔ ۳۔ امتیاز علی سویڈن۔ ۴۔ وسیم ہم۔ ۵۔ محمد ارشد کوپن ہیگن ڈنمارک، ۶۔ صاحبزادہ محبوب الٰہی ڈنمارک کوپن ہیگن۔ ۷۔ حاجی محمد عارف کوپن ہیگن ڈنمارک۔ ۸۔ حاجی احسان احمد، کوپن ہیگن ڈنمارک۔ ۹۔ سلیم محمود کوپن ہیگن ڈنمارک۔ ۱۰۔ حاجی عبدالمالک قادری نوشاہی پیرس فرانس۔ ۱۱۔ حاجی محمد اشرف قادری نعیمی بریلوی پیرس فرانس۔ ۱۲۔ محمد شفیق پیرس فرانس۔ ۱۳۔ قاضی محمد اسلام پیرس فرانس۔ ۱۴۔ آفتاب احمد سیالکوٹی پیرس فرانس۔ ۱۵۔ محمد امین پیرس فرانس۔ ۱۶۔ جو کچھ اوپر لکھا ہے اگر ایسے ہی ہے تو واقعی بہت غلط نظریات ہیں۔ دستخط بقلم شیخ غلام حسین۔ پیرس فرانس۔ ۱۷۔ رزاق محمد بریڈ فورڈ برطانیہ انگلینڈ۔ ۱۸۔ قربان حسین بریڈ فورڈ انگلینڈ برطانیہ۔ ۱۹۔ طارق محمود، بریڈ فورڈ انگلینڈ برطانیہ۔ ۲۰۔ ریاض احمد بریڈ فورڈ۔ انگلینڈ برطانیہ۔ (نوٹ) جو شخص ہر باطل فرقے کو صحیح سمجھے ان کے پیچھے نمازیں پڑھے۔ پھر خود کو سنی اور بریلوی بھی کہے۔ تو کیا ایسے شخص کو جھوٹا سنی سمجھا جائے یا سچی سنی۔

الجواب

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابُ

یہ استفتا میرے پاس دنیا کے پانچ مختلف ملکوں سے مختلف کم وبیش عبارتوں میں پہنچے۔ یعنی سویڈن، ڈنمارک، ناروے، فرانس، برطانیہ انگلینڈ سے جن پر متعدد حضرات کے بقلم خود دستخط ہیں جو تقریباً بیس عدد بنتے ہیں جیسا کہ مندرجہ سوال کی عبارت سے ظاہر ہے چونکہ ہر علاقہ کا سوال ایک ہی شخصیت کے بارے میں ہے۔ اس لئے ہم نے سب سوالات کو اپنی عبارت میں من وعن ایک جگہ جمع کر دیا بعد میں ہم کو آخری استفتا ۲۰۰۲۔۴۔۹ کو وصول ہوا۔ سائلین حضرات نے

مذکورہ فی السوال شخصیت کے بارے میں صرف فتویٰ ہی نہیں مانگا تھا بلکہ شرعی فیصلہ طلب کیا ہے اس بنا پر۔ مرسل الیہ عالم دین قاضی اسلام اور شرعی عدالت کے جج وجسٹس کی ذمہ داری پر ہوا اور وہ ادارہ شرعی عدالت واسلامی کورٹ کے درجے وذمے داری پر متصور ہوگا۔ سائلین مدعیان اور مذکورہ شخصیت مدعیٰ علیہ۔ اس وجہ سے عدالت اسلامی اور شرعی جج کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے میں نے بذریعہ تحریر مندرجہ ذیل عبارت کا خط لکھ کر مدعیٰ علیہ کو روانہ کیا تاکہ مدعیٰ علیہ کا موقف و دلائل معلوم ہوسکے۔

محترم عزیزم پروفیسر طاہر القادری صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

چند دن پیشتر متعدد علاقوں سے میرے پاس یہ چند استفتا آئے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں شرعی فتویٰ فیصلہ جاری کروں چونکہ اس میں آپ کو مدعیٰ علیہ بنایا گیا اس لئے اصول فتویٰ کے مطابق آپ کو اطلاع دینی اور آپ کا موقف ونظریہ سننا ضروری ہے اس لئے آپ کی سہولت کیلئے ان تمام استفتائات کا مضمون میں نے اپنے قلم سے اسی صفحہ پر مندرجہ بالا سطور میں یکجا کر دیا ہے اور مزید اصل مسودات کی فوٹوسٹیٹ بھی ساتھ ہی منسلک کر دیئے گئے ہیں تاکہ آپ کو ان کے مطالعے میں سہولت رہے لہٰذا آپ کو ایک ماہ کا وقت دیا جاتا ہے آپ کی بے پناہ مصروفیت کی بنا پر جس دن آپ کو یہ ملے اس سے ایک ماہ بعد تک آپ کی طرف سے آپ کا موقف معلوم ہونا چاہئے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے موقف اور نظریات کی روشنی میں اس کا شرعی فیصلہ جاری کیا جائے تاکہ عدالت شرعی کے دار الافتا سے کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ اور آپ کی دل شکنی بھی نہ ہو۔ مجھے امید ہے کہ آپ پہلی فرصت میں جواب سے نواز کر شرعی فتوے میں آسانی پیدا فرمائیں گے اور مجھے آپ کے دلائل و براہین جاننے میں آسانی کا شرف حاصل ہوگا۔ فقط والسلام مع الاکرام۔ مفتی دار الافتاء مدرسہ غوثیہ نعیمیہ اقتدار احمد خان قادری۔ ۲۰۰۱۔۱۰۔۲۹

میرے اس جواب طلبی خط کا جواب پروفیسر صاحب کی طرف سے۔ تقریباً ڈھائی ماہ بعد ۲۰۰۲۔۱۔۱۸ بروز جمعہ وصول ہوا جس میں انہوں نے مندرجہ ذیل چیزوں کی وضاحت اقراری فرمائی مگر کسی موقف کی کوئی دلیل پیش نہ کر سکے۔ ۱۔ میرا مسلک سنی بریلوی ہے۔ ۲۔ قادری صاحب اور ان کے ادارے متعین ائمہ اور زیر تعلیم طلبا کی داڑھیاں حد شرعی سے کم نہیں۔ جب چاہیں ناپ لیں۔ البتہ ہم قبضہ داڑھی کو سنت مؤکدہ مانتے ہیں اور بس ان کے اس اور بس کا مطلب ہم نے یہ لیا کہ ہم اس پر عامل نہ ہیں نہ ہونا چاہتے ہیں۔ ان کی اس تحریری بس کا یہ مطلب ہم نے اس لئے نکالا کہ ان کی داڑھیاں قبضہ یعنی چار انگل ظاہراً نظر نہیں آتیں بلکہ دو انگل سے بھی کم ہیں۔ نیز اپنی ان دو انگلی داڑھیوں کو حد شرعی کے مطابق کہنے کا مطلب یہ ہے ان کے نزدیک قبضہ چار انگلی داڑھی جس کو سنت موکدہ بھی مان رہے ہیں نہ حد شرعی ہے نہ واجب العمل ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک ان کا یہ ذاتی عمل تو حد شرعی ہوگیا کہ سنت موکدہ یعنی عمل نبوی حد شرعی نہیں ہے (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ)۔ مجھے بتا تو صحیح اور گمراہی کیا ہے۔ آگے اسی ضمن میں لکھا ہے کہ قادری صاحب اور ان کے متعین اماموں کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے مگر اس خود ساختہ جواز پر کوئی شرعی دلیل نہیں دی۔ ایسا دعویٰ بلا دلیل تو ہر باطل و

جال ان کا ان بھی کہنا اور کہہ سکتا ہے۔ ۳۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ چہرہ کسی کے نزدیک پردے میں شامل نہیں۔ قرآن، حدیث اور فقہ کی کسی کتاب میں اسے پردے میں کسی نے شامل کیا ہے تو بتا دیں چہرہ، دونوں ہاتھ دونوں پاؤں ستر میں شامل نہیں۔ آپ کی تحقیق اس سے مختلف ہو تو اس کا حوالہ بتائیں۔ کیا عجیب منطق ہے کہ خود کوئی حوالہ نہ لکھا الٹا ہم سے حوالہ مانگتے ہیں۔ پہلے ہمارا مطالبہ پورا کرو پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ ۴۔ ہم قادری پروفیسر رویت ہلال کے شرعی قاعدے کے مطابق ہی رمضان وعیدین وغیرہ کا تعین کرتے ہیں اس پر بھی کسی شرعی قاعدے کی وضاحت نہ کی گئی نہ معلوم لفظ شرعی سے کیا مراد ہے۔ داڑھی والی حد شرعی ذاتی یا اسلامی شرعی نہ ہی اپنے اس ایک ورقی خط میں خود اپنے ان روزوں عیدوں کا جواب دیا جو پاکستان میں رہ کر پاکستانی رویت ہلال کمیٹی کے فیصلوں کے مطابق اپنے شرعی قاعدے چھوڑ کر بلا چون و چرا عام مسلمانوں کی طرح اور بیرون ملک اپنے منہاجی عقیدت مندوں حکم یافتہ لوگوں کے خلاف منا لیتے ہیں۔ پاکستان میں وہ اپنا شرعی قاعدہ کیوں نہیں چلاتے۔ ۵۔ لکھتے ہیں کہ ہم سنی مسلمان ہیں۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ ایک سنی عالم تھے۔ اہلسنت کیلئے ان کی بیش خدمات کے پیش نظر ہر راسخ العقیدہ مسلمان ان سے عقیدت رکھتا ہے۔ اور بس سنی مسلمانوں کو بریلوی بریلوی کے نام سے شہرت دینا دراصل مخالفین کا وطیرہ ہے تا کہ وہ عرب و عجم کے ناواقف علما اور عوام کو یہ باور کرائیں کہ یہ کوئی نیا فرقہ ہے اس کا بانی فلاں تھا اور اس کی اتنی عمر ہے یہاں تو پروفیسر صاحب نے اعلیٰ حضرت مجدد اعظم مقتداء اہلسنت امام المسلمین کو صرف مولانا اور ایک سنی عالم کہہ کر ایک گلی محلے کی مسجد کے عام امام مسجد و مولوی سمجھے کا تاثر دیا ہے اس سے زیادہ تو مخالفین بھی اعلیٰ حضرت کا احترام کر لیتے ہیں۔ مگر پروفیسر صاحب اپنے نام کے ساتھ علامہ، محترم، ڈاکٹر، پروفیسر، قادری قائد جیسے ڈھیروں القاب لکھتے اور لکھواتے ہیں۔ اور لقب بریلوی کو مخالفین کا وطیرہ کہہ دینا اور پھر کوئی ثبوت یا حوالہ پیش نہ کرنا اہل علم و ذمہ دار حضرات کو ہرگز جائز نہیں ہے ایسی بے سروپا باتیں کرنا، غیر ذمے دار عوامی سطح کے لوگوں کا کام ہے عقلا کو زیب نہیں دیتا۔

نہ گفتہ ندارد کسے با تو کار ولیکن چوں گفتی دلیلش بیار

ایسی بے دلیل باتوں کا اگر دروازہ کھل گیا تو پھر کسی کی خیر نہیں۔ قادری علیحدہ فرقہ بن جائے گا جیلانی علیحدہ منہاجی علیحدہ اور چشتی نقشبندی۔ طاہری۔ سب نئے فرقے متصور ہوں گے اور ان کے منسوب الیہ ان فرقوں کے بانی لیکن یہی صاحب خود آگے لکھتے ہیں کہ ہاں اگر بریلویت سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس۔ رسول پاک ﷺ کو سرکار کی تمام نعوت وصفات کو مرکز دین و ایمان ماننا محبت و ادب رسالت مآب کا پرچار کرنا۔ گستاخی و گستاخوں کا قلع قمع کرنا تو الحمد للہ ہم سے بڑا کوئی بریلوی نہیں۔ کیوں صاحب یہ کیا تحریری دورنگی چال ہے کہ ادھر تو بریلوی لقب کو مخالفین کی شہرت سازی و بناوٹی وطیرہ کہا جا رہا ہے اور ادھر خود سب سے بڑے بریلوی بن رہے ہو اور اس فقرے کی ابتدا میں ہاں اگر بریلویت کی اگری مگری قید لگا کر پروفیسر صاحب نے عوام کی نظر میں بریلویت کو مشکوک کرنے کی ناپاک و ناجائز کوشش کی ہے۔ لفظ اگر شک کیلئے استعمال کیا جاتا ہے کیا پروفیسر صاحب بریلویت سے عقیدۃً مشکوک ہیں یا لفظ اگر کا استعمال نہیں

جانتے۔ ۶۔ پروفیسر صاحب نے جواز تصویر بھی دلیل نہ لکھی۔ صرف اتنا لکھ کر جان چھڑائی۔ فوٹو تصویر پر ہمارا موقف واضح ہے۔ ہم نے کبھی کسی سے کوئی بات چھپائی نہیں۔ اس سلسلے میں رسالہ تصویر کی شرعی حیثیت کا مطالعہ درست رہے گا۔ والسلام مع الاکرام۔

اس دوصفحی ایک ورقی خط کی درمیانی زیادہ سطور میں اپنی اور اپنے ادارے کی نمائشی خوبیوں کے پل باندھے گئے ہیں جن سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں۔ قابل اعتراض تو ان کے ذاتی عملی یہ مندرجہ بالا چند کردار و اقوال ہیں جس سے قوم بگڑ رہی ہے۔ کیا یہ مثل مشہور نہیں کہ ایک بھری بالٹی دودھ کو ایک قطرہ گندگی کا پلید کر دیتا ہے دودھ کی کثرت کو نہیں دیکھا جاتا۔ گندگی کے قطرے کی حرکت کو دیکھا جاتا ہے شریعت کے خلاف آپ کی ایک حرکت بھی آپ کی درسی و تصنیفی۔ عمل وجدہ سجودی قیامی صیامی اچھائیوں کو ایک منٹ میں اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ بنا سکتی ہے۔ یہ تھا جانب پروفیسر صاحب کا ایک خط ہمارے پہلے اطلاعی خط کے جواب میں پھر اس کے جواب الجواب میں ہم نے مورخہ ۲۰۔۱۔۲۰۰۲ کو ایک خط لکھا جس کا مختصر مضمون وخلاصہ حسب ذیل ہے میں نے قادری پروفیسر صاحب کو جو پہلا خط لکھا اس میں صرف سات باتوں میں پروفیسر صاحب کا موقف اور دلائل پوچھے تھے مگر پروفیسر صاحب کی طرف سے جو جوابی خط ہم کو ملا اس میں صرف تین باتوں میں اپنا موقف بیان کیا دلیل اس کی بھی کوئی نہیں۔ باقی چار باتوں میں نہ اپنا موقف بیان کر سکے نہ کوئی دلیل دے سکے نہ ہی سائلین معترضین کے لگائے ہوئے اعتراضات کا جواب دے سکے۔ میں نے دوسرے خط میں پھر وہی سات باتیں لکھ کر کہا زیادہ لمبی تفصیلی تحریر کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف مختصراً ان میں سے ہر بات کا اپنا موقف جواز یا عدم جواز اور موقف پر ایک ایک دلیل کم از کم تحریر فرمائیں اور ان کی ایک دوسطری تحریر پر نظر ثانی کیلئے توجہ دلائی وہ یہ کہ اگر بریلویت سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ وتسبیح وتقدیس اور نبی کریم ﷺ کی نعت خوانی کو مرکز ایمان ماننا ادب واحترام کا پرچار کرنا۔ گستاخی وگستاخوں کا قلع قمع کرنا تو الحمد للہ ہم سے بڑا کوئی بریلوی نہیں۔ آپ کی اس دوسطری عبارت میں غرور کی جھلک پائی جا رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کرنے میں نبی کریم ﷺ کی نعت خوانی وادب ومحبت میں از صحابہ تا ایں زماں ہم سے بڑا کوئی نہیں۔ یعنی کوئی بھی ایسی اور اتنی تقدیس کبریائی وغیرہ نہ کر سکا جتنی پروفیسر اور ان کے لواحقین کر رہے ہیں۔ کیا یہ مغروریت کی حد نہیں ہے؟ اور کیا اس کو درست کہا جا سکتا ہے؟ اس کے علاوہ آپ پروفیسر صاحب مندرجہ باتوں پر اپنا موقف بیان فرمائیں اور ہر موقف پر حدیث وقرآن وفقہ حنفی سے کم از کم ایک دلیل بھی تحریر فرمائیں۔ ۱۔ داڑھی کی شرعی حد کیا ہے۔ ۲۔ سنت مؤکدہ کا تارک فاسق ہے یا نہیں اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز۔ نیز فاسق معلن وغیر معلن میں کیا فرق ہے۔ ۳۔ آپ کا یہ انوکھا موقف ہے کہ عورت کا چہرہ عام پردے میں داخل نہیں اس کے دلائل لکھئے۔ ۴۔ فوٹو، تصویر کو آپ جائز مانتے ہیں لہٰذا اس جواز کے دلائل لکھئے۔ ۵۔ رویت ہلال غیر بصری کا شرعی قاعدہ مع دلائل تحریر فرمایئے۔ ۶۔ پروفیسر طاہر القادری صاحب کا باطل فرقوں کو غلط نہ سمجھنا۔ ان کے پیچھے نماز پڑھ لینا یہ سچ ہے یا

مخالفین کی الزام تراشی ہے۔ اس کی وضاحت یا دلائل و وجہ بیان فرمائی جائے۔ ۷۔ سائلین نے پروفیسر صاحب کی خوابوں کے متعلق بھی ذکر کیا ہے مگر ان کا شرعی فتویٰ سے کوئی تعلق نہیں یہ روحانی معاملہ ہے۔ اس لئے مجھے اس کی وضاحت طلبی کی ضرورت نہیں۔ البتہ بزرگان تصوف خوابوں کی تشہیر سے منع فرماتے ہیں۔ خاص کر زندگی میں۔ ہاں خواب دیکھنے والے بزرگ کی بعد وفات تذکرۂ رویا کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ ہے ہمارے دوسرے جواب الجواب کا خلاصہ۔ مگر آج تقریبا چار ماہ گزرنے کو ہیں ہمیں پروفیسر صاحب کی طرف سے کوئی بھی کسی قسم کا خط وصول نہیں ہوا۔ اس کو کیا سمجھا جائے مجہولیت یا مغروریت یا مصروفیت۔ بہرحال یہ بداخلاقی بھی ہے اور توہین عدالت اسلامی بھی۔ بہرکیف ہمارا فرض تھا فریق ثانی مدعا علیہ کو اطلاع دیں۔ وہ ہم نے پورا کیا نیز پروفیسر صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ میرے خلاف فتویٰ اور شرعی فیصلہ کرنے سے پہلے مجھے اطلاع کیوں نہ دی گئی سائلین کے سوالیہ استفتا کا جواب حسب ذیل ہے۔

۱۹-۴-۲۰۰۳

الجواب

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابُ

سوال نمبر ۱ کا جواب

داڑھی مقدس کی شرعی اسلامی حد اور حیثیت

داڑھی مقدس کے بارے میں پروفیسر طاہر القادری نے اپنے جواب الجواب میں یہ لکھ کر کہ قادری صاحب اور ان کے ادارے کے متعین ائمہ اور زیر تعلیم طلبا کی داڑھیاں حد شرعی سے کم نہیں جب چاہیں ناپ لیں البتہ ہم قبضہ داڑھی کو سنت مؤکدہ مانتے ہیں اور بس اس فقرے سے صاف ظاہر ہے کہ پروفیسر اور فرقہ منہاجیہ کے نزدیک قبضہ یعنی چار انگل داڑھی نہ حد شرعی ہے نہ قابل عمل صرف نبی کریم ﷺ کی سنت موکدہ ہے اور بس یعنی ہم منہاجیوں کیلئے قابل عمل نہیں معاذ اللہ معاذ اللہ۔ یہ فقرہ انتہائی متکبرانہ گستاخانہ اور گمراہانہ ہے میں نے تمام منہاجیوں کی داڑھیاں دیکھی ہیں ایک یا ڈیڑھ انگلی سے زیادہ نہیں اسی کو ہی یہ لوگ حد شرعی سمجھ رہے ہیں اور آقا کائنات ﷺ کی داڑھی مقدس کو یہ لوگ سنت مؤکدہ مانتے ہوئے بھی حد شرعی نہیں سمجھتے گویا کہ ان لوگوں کا دین اسلام قرآن اور حدیث وفقہ سے علیحدہ ہے۔ ہم نے اپنے اسی فتاویٰ العطایا کی جلد سوم میں داڑھی مبارک کے متعلق ایک مبسوط مضبوط مفصل با دلائل فتویٰ شائع کیا ہے جس میں بتایا ہے چار انگلی داڑھی ہی شرعی ہے کیونکہ سنت مؤکدہ ہے اور سنت موکدہ کا تارک فاسق معلن ہے اور نا قابل امامت لہٰذا فاسق معلن کو امام بنانا قطعاً ناجائز ہے۔ ان تمام دلائل کا مطالعہ فتاویٰ جلد سوم میں ملاحظہ فرمایئے۔ یہاں اتنا مزید سمجھ لو کہ جو شخص سنت موکدہ کا تارک ہو وہ لعنتی اور ملعون ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم جلد چہارم صفحہ ۹۰ پر ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرَ الْفَارِسی عَنْ يَعْقُوبِ بْنِ سِفْيَانَ عَنْ اِسْحَاقِ بْن مُحَمَّدَ الْقَرْوِیْ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ

بْنِ ابی الْمَوَالِی عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَوْہَبْ عَنْ اَبِی بَکْرٍ بْنَ مُحمد بن عَمْرُو بْنِ حَزَم عَنْ عُمْرَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنھَا قَالَتْ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سِتَّۃٌ لَعَنْتُھُمْ لَعَنَ ھُمُ اللّٰہُ وَکُلُّ نَبِیٍّ مُجَابٍ۔ اَلْمُکَذِّبُ بِقَدْرِ اللّٰہِ۔ وَالذَّائِدُ فِی کِتَابِ اللّٰہِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبْرُوْتِ لِیَذِلَّ مَا اَعَزَّاللّٰہُ وَیُعِزُّمَا اَذَاللّٰہُ۔ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحَرَمِ اللّٰہِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِیْ مَا حَرَمَ اللّٰہُ۔ وَالتَّارِکُ لِسُنَّتِیْ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الْبُخَارِیْ وَلَمْ یَخْرُجَاہُ۔ ترجمہ: روایت ہے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ نے کہ چھ قسم کے لوگ ہیں جن پر لعنت ہے۔ ا۔لعنت فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ہر نبی دعا مانگنے اور قبولیت کئے جانے والی دعا میں۔ تقدیر الٰہی کو جھٹلانے والے پر لعنت۔ ۲۔ کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والے پر لعنت۔ ۳۔اور جبر وظلم سے مسلط ہو کر حاکم بنے والے پر تاکہ عزت دے ان پر چیزوں کو جن کو رب تعالیٰ نے ذلیل وحرام کیا ہے اور ذلیل کرے ان چیزوں کو جن کو رب تعالیٰ نے عزت دی ہے اور معظم مکرم بابرکت بنایا ہے۔ ۴۔اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھے یا حرم کو حرم نہ سمجھے۔ ۵۔اور میری عترت میں سے وہ شخص جو حلال سمجھے اپنے لئے وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیں ہیں۔ ۶۔اور اس پر بھی لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی جو میری سنت کا تارک یعنی چھوڑنے والا ہے۔ یہ حدیث پاک بخاری کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ داڑھی کی سنت موکدہ کا تارک بھی لعنتی ہے اب فرقہ منہاجیہ والے سوچ لیں کہ وہ داڑھیاں حد شرعی یعنی چار انگل سے چھوٹی کرا کے ہر روز اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف سے کتنی لعنتیں لے رہے ہیں اور اپنے ماننے والے ائمہ طلبا اور عوام کو دلوا رہے ہیں۔ لہٰذا تمام مسلمان ان منہاجی فاسقین سے بچیں اور اپنی نمازوں عبادتوں روزوں قربانیوں کو بچائیں یہ سب فساق ہیں اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے یہ لوگ فاسق معلن ہیں نیز فاسق معلن اور غیر معلن میں فرق یہ ہے کہ جس کا گناہ اس کے جسم پر ہر وقت یا بحالت نماز ظاہر ظہور ونظر آتا ہو وہ فاسق معلن ہے یا جو علی الاعلان گناہ کرتا ہو جائز سمجھ کر یا ناجائز سمجھتے ہوئے نہ خوف خدا ہو نہ شرم نبی ہو وہ بھی فاسق معلن ہے۔ لیکن جو چھپ کر ڈر کر گناہ کو گناہ سمجھ کر گناہ کرتا ہو اور اس کے جسم پر ظاہراً گناہ کا کوئی نشان نہیں ہے وہ فاسق غیر معلن ہے۔اس کا حکم شرعاً نرم ہے۔

دوسرے سوال کا جواب

اسلامی پردے کا بیان

پردے کے متعلق یہ کہنا کہ عورتوں کے صرف بالوں کا پردہ فرض ہے چہرے کا نہیں کھلے چہرے بازاروں میں جاسکتی ہیں انتہائی احمقانہ جہالت ہے۔اس قول سے سراسر گمراہی اور بے حیائی پھیل رہی ہے نیز اس جہالت سے ثابت ہوا کہ ادارہ منہاج القرآن کے بانی ودیگر عملہ علم سے بے خبر عقل سے بے فہم تحقیق سے بے توفیق۔ نہ تفقہ فی الدین۔ نہ حق الیقین نہ فَاسْئَلُوْا اَھْلَ لذِّکْرِ پر عمل نہ اِنْکُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کی پرواہ بس قلم گھسیٹنے اور قلم ضلالت کے ذریعہ عوام کو جہنم میں کھینچنے کا

شرعی نقطہ نظر سے عورت کا صرف باطن کا پردہ فرض ہوتا تو اللہ تعالیٰ عورتوں کو پگڑی باندھنے یا ٹوپی وغیرہ پہننے کا حکم فرماتا نہ کہ لمبی چوڑی چادریں اوڑھنے کا۔ اگر ان لوگوں میں ذرہ بھر عقل یا علم ہوتا تو کبھی بھی خلاف اسلام وقرآن وحدیث اپنا یہ باطل عقیدہ نہ بناتے۔ انہی خلاف اسلام نظریات کی وجہ سے عوام میں یہ نئے فرقے باطلہ کے نام سے شہرت پا رہے ہیں کسی نے ان کو فرقہ وہابیہ کا نام دیا ہے اور کسی نے فرقہ منہاجیہ کا۔ اس قسم کے باطل نظریات دین مصطفوی کی خدمت و حمایت نہیں بلکہ دین حق و شریعت محمدی سے تصادم و مخالفت ہے۔ اللہ تعالیٰ سچی عقل و راہ ہدایت عطا فرمائے۔ قانون شریعت کے مطابق پردہ تین قسم کا ہے۔ حجاب صلوۃ یعنی پردہ نماز اعضاء جسمانی کو چھپانا یہ پردہ سر سے ایڑھیوں تک ہے۔ اس طرح کہ ہر عورت جب نماز پڑھنے لگے تو اپنے سر سے پاؤں کی ایڑھیوں تک مکمل طور پر بال کندھے پیٹھ، پیٹ سینہ شرمگاہ وغیرہ موٹے کپڑے سے ڈھک لے اس پردے میں چہرہ اور ہاتھ داخل نہیں۔ فقہاء کرام جہاں کہیں بھی پردے کا بیان کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اس میں چہرہ اور ہاتھ مراد اور شامل و داخل نہیں وہاں یہی حجاب نماز مراد ہے ان کم عقلوں نے اسی کو حجاب عوامی و بازاری سمجھ کر فحاشی و بے حیائی کو فروغ دیا۔ ایک بزرگ نے مجھے فرمایا کہ شاید منہاجی لوگ مشکوۃ شریف صفحہ ۳۷۷ پر منقول روایت سے اپنے اس باطل نظریے کی دلیل لیتے ہوں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِىْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ يَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْئَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَنْ يُّصْلَحَ اَنْ يُّرٰى مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى وَجْهِهٖ وَكَفَّيْهِ رواہُ اَبُوْدَاؤدَ۔ ترجمہ:۔ روایت ہے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ بیشک اسماء بنت ابی بکر صدیق داخل ہوئی حضور اقدس ﷺ کے سامنے حالانکہ اس پر باریک کپڑا تھا تو آپ نے اس سے منہ پھیر لیا اور فرمایا اے اسماء بیشک عورت جب حیض کی عمر کو پہنچ جائے نہیں درست ہے کہ دیکھا جائے اس کے بدن کچھ بھی مگر یہ اور یہ اور اشارہ فرمایا اپنے چہرے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کی طرف۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔ میں نے ان بزرگوں کی بات کا جواب اپنی تفسیر نعیمی پارہ اٹھارہ سورۃ نور صفحہ ۱۰۷ پر دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ روایت چند وجھوں سے ان کی دلیل نہیں بن سکتی اور اس سے استدلال نا سمجھی ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب مرات شرح مشکوۃ میں۔ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضُ کا ترجمہ فرمایا ہے کہ جب عورت قریب بلوغ پہنچ جائے۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضرت اسماء اس وقت مکمل بالغہ نہیں تھیں مگر یہ لوگ مطلقاً ہر عورت کا پردہ اتار رہے ہیں۔ جس کی تصاویر لوگوں کے پاس ہیں کہ جواں و بے پردہ چہرہ بلکہ آدھا سر بھی کھلا عورتوں میں۔ پروفیسر صاحب کھڑے ہاتھ ہلا ہلا کر داد تحسین دے رہے ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ مولیٰ تعالیٰ میرے ان بھائیوں کو ہدایت کاملہ اور فہم تامہ عطا فرمائے۔ دوسری وجہ یہ کہ اس روایت کی شرح میں علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ اپنی کتاب مرقات شرح جلد چہارم ۳۳۸ پر۔ وَلَعَلَّ هٰذَا كَانَ قَبْلَ الْحِجَابِ۔ ترجمہ۔ اور شاید یہ واقعہ روایت آیت حجاب کے نزول سے پہلے کا ہے یعنی حضرت اسما کی حاضری بارگاہ اور آقاء کائنات حضور ﷺ کا یہ حکم حجاب اور استثنا کا اشارہ فرمانا

اصلی اور مکمل حجاب اسلامی سے پہلے کا ہے۔ ورنہ آقا ﷺ کبھی بھی یہ استثنا نہ فرماتے۔ کیونکہ یہ استثنا بقول ملا علی قاری قرآن مجید کی صریحی آیت حجاب و دیگر احادیث مقدسات کے سراسر خلاف ہے۔ نزول حجاب کے بعد اس قسم کا استثنا ناممکن ہے۔ وجہ سوم یہ کہ یہ روایت خبر واحد پر ہے اور فقہاء علم اصول خبر واحد پر حدیث ہی نہیں مانتے اس لئے قیاس کے مخالف خبر واحد کو چھوڑ دیتے ہیں اور قیاس پر عمل کرتے ہیں نہ کہ خبر واحد پر جیسا کہ نبراس ۴۴۹ اور نور الانوار ۱۰۲ پر ہے اور یہ روایت ہر طرح قیاس کے خلاف ہی ہے کیونکہ عقلاً بھی چہرہ ہی اصل پردے کا مقام ہے اسلئے کہ اسی میں وہ حسن و جمال ہے جو مردی شہوت کا موجب ہے اور چہرے میں ہی تعارف ہے۔ چوتھی وجہ یہ کہ یہ روایت مجمل ہے کیونکہ اسمیں اِلَّا ھٰذا وَھٰذا ہے اور یہاں ھٰذا کے مشارالیہ میں بہت سے احتمال نکل سکتے ہیں جبکہ آقا ﷺ کا چہرہ مقدس بھی سننے والی حضرت اسماء سے پھرا ہوا ہے یعنی فَاَعْرَضَ عَنْھَا۔ راوی یہ سمجھتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ راوی کی یہ سمجھ غلط ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ چہرہ پاک اسماء سے اَعْرَضَ ہے تو یہ اشارہ کس کو دکھایا گیا حالانکہ کلام کی مخاطبہ اسماء ہیں دوم یہ کہ راوی صحابی نہیں بلکہ تابعی ہے اور یہ اشارہ نہ راوی نے خود دیکھا نہ عائشہ صدیقہ نے نہ حضرت اسماء نے اسکی وجہ یہ کہ راوی تابعی تو اسوقت دنیا میں ہی پیدا نہ ہوئے تھے۔ اور حضرت صدیقہ یا حضرت اسماء کو انہوں نے دیکھا ہی نہیں۔ چنانچہ ابو داؤد شریف جلد دوم کتاب اللباس ۵۶۷ پر یہی روایت مع سند اس طرح لکھی ہے۔ حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ کَعْبِ الْاَنْطَاکِیُّ وَ مُؤَمَّلُ بْنُ فَضْلِ الْحَرانِیُّ عَنِ الْوَلِیْدِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ بَشِیْرٍ عَنْ قَتَادَہ عَنْ خَالِدٍ قَالَ یَعْقُوْبُ ابْنَ دَرِیْکٍ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ عَلَیْھَا ثِیَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ یَا اَسْمَآءُ اِنَّ الْمَرْئَۃَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِیْضَ لَمْ یُصْلَحْ لَھَا اَنْ یُّرٰی مِنْھَا اِلَّا ھٰذَا وَ ھٰذَا وَ اَشَارَ اِلٰی وَجْھِہٖ وَ کَفَّیْہِ قَالَ اَبُوْدَ اوُدَ ھٰذَا مُرْسَلٌ خَالِدُ بْنُ دَرِیْکٍ لَمْ یَدْرِکْ عَائِشَۃَ۔ ترجمہ۔ حدیث بیان کی یعقوب بن کعب انطا کی اور مؤمل بن فضل حرانی نے ولید سے ولید نے سعید بن بشیر سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے خالد سے۔ فرمایا امام یعقوب نے کہ ابن دریک یعنی خالد بن دریک نے عائشہ صدیقہؓ سے روایت بیان کی کہ بیشک اسماء بنت ابوبکر صدیق حاضر ہوئی بارگاہ رسالت میں حالانکہ اس پر باریک کپڑے یعنی باریک لباس تھا۔ تو آقا ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا اے اسماء بیشک عورت جب حیض کی مدت کو پہنچ جائے تو اس کیلئے جائز نہیں کہ دیکھا جائے اس کے جسم سے مگر یہ اور یہ۔ اور اشارہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے اپنے چہرے اور اپنی ہتھیلیوں کی طرف۔ فرمایا امام ابو داؤد نے یہ روایت مرسل ہے۔ کیونکہ خالد بن دریک نے حضرت عائشہ صدیقہ کا زمانہ نہ پایا۔ اور نبی کریم ﷺ کے اشارے کو صدیقہ کے دیکھنے کا کوئی تذکرہ وثبوت نہیں اور حضرت اسماء بھی دیکھ نہ سکیں کیونکہ ان کی طرف سے منہ پھرا ہوا تھا۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ یہ روایت صرف ابو داؤد نے بیان فرمائی اور وہ بھی اس کو مرسل کہتے ہیں جیسے کہ ابھی اوپر ذکر ہوا۔ اور فقہاء کرام مرسل روایت سے دلیل نہیں پکڑتے بلکہ توقف کا حکم دیتے ہیں کہ ایسی روایت کو نہ مانو نہ انکار کرو نہ اس

سے یعنی قرآن پاک کسی کی حدیث پاک سے اسکی مطابقت تلاش کرو۔ اگر مطابق ہو تو مانو۔ مرسل وہ روایت ہے جو تابعی روایت کرے اور کہہ کر نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا یا کہ فلاں صحابی یا صحابیہ نے یہ بیان فرمایا حالانکہ اس تابعی نے نہ اس صحابی و صحابیہ سے ملاقات کی نہ ان کو دیکھا ہو یا نہ زندگی پائی ہو۔ یہ مندرجہ بالا روایت اسی دوسری قسم سے ہے۔ ایک مرسل روایت اس مضطرب ہے یعنی مراسیل ابو داؤد ۱۸ پر ہے۔ بابُ مَاجَآءَ فِی اللِّبَاسِ عَنْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْجَارِیَةَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ یُصْلَحْ اَنْ یُرٰی مِنْهَا اِلَّا وَجْهُهَا وَیَدَ هَا اِلَی الْمَفْصَلِ۔ ترجمہ روایت ہے حضرت قتادہ سے یعنی قتادہ بن دعامہ یکنیٰ ابا خطاب السدوسی تابعی الاعمٰی الحافظ سے (از اکمال ۳۰) کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ بیشک لونڈی جب حائضہ ہو جائے تو درست نہیں کہ دیکھا جائے اس کے جسم سے مگر اس کا چہرہ اور اس کا ہاتھ مفصل یعنی ہتھیلی کے جوڑ تک۔ اس حدیث پاک میں لونڈی تک کے پردے کا ذکر فرمایا گیا ہے نہ کہ آزاد معظم و مکرم عورت کے پردے کا لفظ جاریہ کا معنی ہے مملوکہ لونڈی۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ یہ روایت متنا مضطرب ہے کیونکہ اسکے الفاظ کہیں کچھ ہیں۔ کہیں کچھ۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ اِلَّا هٰذَا وَ هٰذَا وَاَشَارَ اِلٰی وَجْهِهٖ وَ كَفَّیْهِ لیکن روح البیان پارہ اٹھارہ صفحہ ۱۴۱ پر ہے۔ اِلَّا هٰذَا وَ اَشَارَ اِلٰی وَجْهِهٖ وَ كَفَّیْهِ۔ اور تفسیر مظہری پارہ اٹھارہ صفحہ ۴۹۳ پر ہے۔ اِلَّا وَجْهَهَا وَیَدَهَا وہاں اَعْرَضَ عَنْهَا بھی نہیں ہے۔ اسکے لفظی اختلافات ہونے کی وجہ سے یہ روایت مضطرب ہے اور مضطرب روایت بھی دلیل کے قابل نہیں ہوتی بلکہ قابل توقف ہے اس لئے کہ مشکوک و متروک ہے (از مقدمہ مشکوٰۃ ۳) اگر یہ روایت صحیح فرمان نبوی ہوتا تو اتنے اہم حکم میں اشارہ اور مجمل لفظ و اضطراب نہ ہوتا۔ نہ یہ خبر واحد ہوتی نہ مرسل۔ ظاہر ہوا کہ بناوٹی ہے۔ ساتویں وجہ یہ کہ یہ روایت درایۃً بھی درست نہیں کیونکہ بہت سی آیات حجاب اور دیگر مشہور احادیث کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث تو فرمائے کہ بوڑھی عورتیں بھی اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔ اور اصل زینت صرف چہرے میں ہے۔ (۱) جوان عورتوں میں قدرتی حسن کی۔ (۲) بناؤ سنگھار کی ہر عورت میں۔ اسی لئے چہرہ دیکھ کر ہی شہوت مردی ابھرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں چہرہ ڈھکنے کا ہی حکم ہے اسی پر زور ہے اور مردوں کو اسی چہرہ اجنبیات کے دیکھنے سے ممانعت اور نگاہیں پھیرنے کا حکم ہے۔ میں حیران ہوں کہ ان نوخیز پروفیسروں جاہل خطیبوں کی کیسی عقل ماری گئی ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی سچی سمجھ دینے والا ہے۔

اسلامی پردے کی دوسری قسم

حجاب محارم یعنی حجاب اندرونی ذی رحم محرم اہل خانہ مردوں سے پردہ۔ یعنی باپ بھائی وغیرہ گیارہ قسم کے ان افراد سے پردہ جنکا ذکر سورۃ نور آیت ۳۱ میں فرمایا گیا ہے۔ یہ پردہ نصف پنڈلی سے یعنی گھٹنوں سے کندھوں تک ہر عورت پر ہر گھر میں ہر وقت فرض ہے۔ سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے۔ اس پردے میں سر، چوٹی، چہرہ، ہاتھ، پیر داخل نہیں۔

اسلامی پردے کی تیسری قسم

حجاب غیر محارم سے پردہ یعنی پردہ بیرونی و بازاری۔ اصل پردہ یہی ہے۔ اسکی سخت تاکید اور پابندی فرض ہے۔ اسمیں ہر جوان عورت کا پورا جسم ٹخنوں سے سرتک مکمل غلاف سے ڈھکنا واجب ہے۔ اسطرح کہ ٹخنے، گھٹنے، ناف، پیٹ، پیٹھ، کمر، کولھوں، کندھے چہرہ، سر کے بال، لٹکتی چوٹی وغیرہ۔ ہاتھ، کلائی، بازو سب کچھ بڑی اور موٹی چادر یا سلے ہوئے غلاف برقعہ میں اچھی طریقے سے ہر جوان عورت جب گھر سے باہر، گلی، محلے، بازار میں جائے یا شہر سے باہر سفر کرے تو ملفوف ہو کر باپردہ نکلے۔ اس پردے کے قرآن وحدیث وفقہ میں مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

پردۂ چہرہ کی پہلی دلیل

سورہ احزاب آیت ۵۹ میں ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ۔ ترجمہ۔ اے نبی فرمادو اپنی بیویوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور تمام مسلمان عورتوں کو کہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیا کریں یہ وہ پردہ ہے جو قریب تر ہے پہچاننے میں تاکہ (نہ پہچان کی وجہ سے) راستہ چلتے ایذا نہ دی جائیں۔ یعنی اگر انکا چہرہ، لونڈی عورتوں کی طرح کھلا ہوگا تو انکو لونڈی یا آوارہ عورت سمجھ کر ذلت آمیز ہنسی مذاق سے ستایا جائیگا۔ اسلئے جلابیت (موٹی و بڑی) چادروں سے اپنا سر چہرہ وتمام بدن چھپا کر چلیں تاکہ یہ مکمل پردہ انکی پہچان کرا دے کہ یہ عورت لونڈی یا آوارہ نہیں بلکہ شریف زادی معظم مکرم خاتون ہے۔ خیال رہے کہ شریعت اسلام نے آزاد شریف عورت اور لونڈی غلام کے پردے یہ فرق کیا ہے کہ لونڈی عورت بازار جاتے ہوئے لباس کے ساتھ سر پر دوپٹہ بھی اوڑھے گی مگر چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھے گی جیسا کہ مراسیل ابوداؤد ۱۸ کی حدیث ابھی اوپر بیان کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں حدیث پاک میں جاریۃ فرمایا گیا نہ کہ مطلقًا اِمْرَئَۃ لغت و اصطلاع عرب میں لونڈی مملوکہ کو جاریہ کہتے ہیں اور غیر مملوکہ آزاد عورت کو اِمْرَئَۃ کہتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اَنْ یُّعْرَفْنَ کے لفظ نے آزاد شریف زادی اور لونڈی کے لباس حجابی میں فرق بیان فرمادیا۔

دلیل دوم

اس آیت پاک کی تفسیر میں تمام مفسرین متقدمین ومتاخرین فرماتے ہیں کہ۔ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ کا معنی ہے۔ یَقْنَعْنَ بِالْجَلْبَابِ حَتّٰى تُعْرَفَ الْاَمَۃُ مِنَ الْحُرَّۃِ۔ ترجمہ رب تعالیٰ نے عورتوں کو چادریں اپنے اوپر اوڑھنے کا جو حکم فرمایا ہے تو یُدْنِیْنَ کا معنی ہے چادروں سے اپنے اوپر نقاب ڈال لیں نہ کہ صرف سر ڈھکنا۔ اور نقاب چہرے پر ہی ڈالا جاتا ہے۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی تفسیر جامع البیان پارہ ۲۲ میں اسی آیت حجاب کی تفسیر کرتے ہوئے صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں۔ لَا تَتَشَبَّهْنَ بِالْاَمَاءِ فِیْ لِبَاسِهِنَّ اِذَا هُنَّ یَخْرُجْنَ مِنْ بُیُوْتِهِنَّ لِحَاجَتِهِنَّ فَكَشَفْنَ شُعُوْرَهُنَّ وَوُجُوْهَهُنَّ۔ ترجمہ۔ آزاد شریف زادی عورتیں نہ مشابہت بنائیں اپنے لباس میں مملوکہ لونڈیوں سے (اور

آج کل کی آوارہ عورتوں سے) جس وقت نکلے لگیں اپنے گھروں سے اپنی ضروریات کیلئے تو ڈھک لیا کریں اپنے بالوں کو اور اپنے چہروں کو۔ آگے محدثین کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ حَدَّثَنِیْ عَلِیٌّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ صَالِحٍ عَنْ مُعَاوِیَةَ عَنْ عَلِیٍّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلُهٗ تَعَالٰی یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ اَمَرَ اللّٰهُ نِسَآءَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا خَرَجْنَ مِنْ بُیُوْتِهِنَّ فِیْ حَاجَةٍ اَنْ یُّغَطِّیْنَ وُجُوْهَهُنَّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِنَّ بِالْجَلَابِیْبِ وَیُبْدِیْنَ عَیْنًا وَاحِدَةً۔ ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان۔ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ترجمہ: حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمان عورتوں کو جب وہ کسی بھی حاجت ضرورت کیلئے گھروں سے نکلیں تو ڈھک لیا کریں اپنے چہروں اپنے سروں کو اوپر سے موٹی چادروں کے ذریعے اور صرف ایک آنکھ ظاہرا کھلی رکھیں (راستہ دیکھنے کے لئے) اسی آیت کی تفسیر میں محدث ابن عون لکھتے ہیں۔ بِرِدَائِهٖ فَتَقَنَّعَ بِهٖ فَغَطّٰی اَنْفَهٗ وَ عَیْنَهُ الْیُسْرٰی وَ اَخْرَجَ عَیْنَهُ الْیُمْنٰی۔ ترجمہ انہوں نے اپنی چادر سے پردہ کرنے کا طریقہ بتایا تو اس سے نقاب اوڑھا اور پھر اپنی ناک اور بائیں آنکھ ڈھک لی اور دائیں آنکھ کھلی یعنی چادر سے باہر نکال رکھی۔ محدث ابن سیرین فرماتے ہیں میں نے امام فقیہ حضرت عبیدہ سے یُدْنِیْنَ کی تفسیر پوچھی۔ فَقَالَ بِثَوْبِهٖ فَغَطّٰی رَأْسَهٗ وَ وَجْهَهٗ وَ اَبْرَزَ ثَوْبَهٗ عَنْ اِحْدٰی عَیْنَیْهِ وَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ (الخ) قَالَ کَانَتِ الْحُرَّةُ تَلْبَسُ لِبَاسَ الْاَمَةِ فَاَمَرَ اللّٰهُ نِسَآءَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْ یُّدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ وَ اِدْنَاءُ الْجِلْبَابِ اَنْ تَقَنَّعَ وَ تَشُدَّ عَلٰی جَبِیْنِهَا۔ ترجمہ۔ حضرت عبید نے عملی طریقہ بیان فرمایا اپنے کپڑے سے تو ڈھک لیا اپنے سر کو اور اپنے چہرے کو اور ظاہر رکھی اپنے کپڑے سے اپنی دونوں آنکھوں میں سے ایک اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آیت حجاب کے نزول سے پہلے مسلمان عورت بھی لونڈی جیسا لباس پہنا کرتی تو حکم دیا اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو یہ کہ وہ اپنے اوپر موٹی اور بڑی چادریں اوڑھا کریں اور موٹی چادروں کا اوڑھنا یہ ہے کہ نقاب ڈالیں اور لٹکائیں اپنی پیشانیوں پر۔ یعنی برقعے اور گھونگھٹ کی شکل میں۔ عربی لغت میں جلباب بڑی اور موٹی کپڑے کی چادر کو کہتے ہیں۔

دلیل سوم

جس پردے کے جواز کا ذکر پروفیسر طاہر القادری کر رہے ہیں اور مسلمان عورتوں میں جس کا رواج ڈالنا چاہتے ہیں اس کو قرآن مجید کی سورۃ احزاب آیت ۳۳ میں تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی۔ ترجمہ۔ اور اپنے گھروں میں ہی زیادہ رہا کرو اور نہ بے پردہ چہرہ کھول کر پھرو پہلی جاہلیت کی بے پردگی کی مثل فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جاہلیت سے مراد زمانہ کفر ہے اس کے تین معنی کئے گئے ہیں۔ (۱) حضرت آدم یا حضرت نوحؑ سے حضرت عیسیٰ تک کا کفریہ زمانہ۔ زمانہ جاہلیت ہے (از تفسیر روح البیان اسی آیت کی تفسیر) (۲) حضرت آدم سے نبی کریم ﷺ تک یعنی نزول آیت حجاب اور ابتداء تبلیغ اسلام سے کفار کا ہر طریقہ و رواج جو حکم قرآنی کے خلاف ہو وہ طریقہ جاہلیت ہے۔ (۳) تا قیامت وہ ہر کفریہ طریقہ جاہلیت ہے۔ پہلے

زمانے کی کافر عورتیں بھی صرف دوپٹہ اوڑھے چہرے کھلے بازاروں گلیوں میں پھرتی تھی اور اب ہندوستان میں ہندو اور سکھ عورتیں بھی دوپٹہ اوڑھے کھلے منہ بے پردہ پھرتی ہیں یا پھر آوارہ عورتیں منہ کھلے نظر آتی ہے۔ ہندوستان میں گھونگھٹ اور برقع ہی مسلمان اور غیر مسلم عورتوں میں فرق وفصل کرنیوالا ہے گویا کہ کفر واسلام میں چہرے کا پردہ حد فاصل ہے۔ پروفیسر صاحب کے اس قسم کے نظریات گویا کفریہ رواجات کو فروغ دینا ہے۔ کاش یہ پروفیسر نہ ہوتے عالم دین ہوتے تو ایسی گمراہی نہ پھیلاتے۔

دلیل چہارم

علامہ ابوبکر جصاص اپنی کتاب احکام القرآن جلد سوم ۴۵۷ پر لکھتے ہیں۔ اَصلُ الْحِجَابِ تَغطُّی الْوَجْہِ۔ یعنی اصل پردہ چہرہ چھپانا ہے۔ تفسیر بیضاوی جلد چہارم ۱۶۸ پر ہے۔ وَ اِذْ اخرَجْنَ نِسَآءُ الْمُؤمِنَاتِ مِنْ بُیُوْتِہِنَّ فَغَطَّیْنَ وُجُوْھَھُنَّ۔ یعنی جب بھی مسلمان عورتیں اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے چہرے اچھی طرح چھپالیا کریں۔

دلیل پنجم

ابوداؤد شریف جلد دوم باب مایُؤمَرُبِہٖ مِنَ الْبَصَرِ۔ عَنْ جَرِیْرٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ عَنْ نَظْرِ الْفُجَائَۃِ فَقَالَ اَصْرِفْ بَصَرَکَ۔ ترجمہ۔ حضرت جریر نے فرمایا کہ میں نے آقا ﷺ سے پوچھا اچانک نگاہ کے بارے میں تو ارشاد مقدس فرمایا آقا ﷺ نے فوراً نگاہ پھیرلو ہٹالو۔ ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے نہ رہو۔ یہاں چہرے پر نگاہ پڑنا ہی مراد ہے نہ کہ بال یا لمبی چوٹی پر یہی وجہ ہے کہ چہرہ اجنبیہ دیکھنا ہی حرام ہے اور مسلمان عورتوں کو چہرہ کھولنا ہی حرام ہے اور چھپانا واجب ہے اگر کسی اجنبی مرد کی نگاہ کسی اجنبیہ عورت کے صرف سر اور بالوں یا لمبی چٹیا پر پڑی تو نہ پھرنا واجب نہ دیکھنا گناہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پردہ صرف اس کا ضروری ہے جس سے یا تعارف ہو یا شہوت پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جانور مذکر ومونث سے پردہ نہیں کیا جاتا کیونکہ اس کی کوئی چیز سے مردوں کو شہوت نہیں آتی۔ مگر جہلاء زمانہ ان باریکیوں کو نہیں سمجھتے نہ منشاء رحمانی وقرآنی کو سمجھیں اسی لئے انکا ہر قول وقلم ضلالت ہی پھیلا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے شر شیطانی سے بچائے۔ آمین۔

دلیل ششم

ابوداؤد جلد اول بابٌ فِی الْمُحْرِمَۃِ خَفِیُّ وَجْھِھَا صفحہ ۳۰۵ پر ہے۔ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ الرُّکْبَانُ یَمُرُّوْنَ بِنَاوَ نَحنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مَحرِّمَاتٌ فَاِذَا حَاذُوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جَلْبَابَھَا مِنْ رَأسِھَا عَلٰی وَجْھِھَا فَاِذَا اجَاوَزُوْنَا کَشَفْنَاھَا۔ روایت ہے حضرت صدیقہؓ سے انہوں نے فرمایا لوگ سواریوں پر بیٹھے ہمارے پاس سے گزرتے تھے حالانکہ ہم عورتیں (حج کے موقعہ پر) نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھیں احرام باندھی ہوئیں تو جب اجنبی مرد ہمارے قریب آتے تھے ہم میں سے ہر ایک عورت اپنی چادروں کو اپنے سر کی طرف سے اپنے چہرے کے

حالت احرام میں تھیں جب سوار ہمارے سامنے سے آگے نکل جاتے تب ہم اپنے چہرے کھول لیتے یعنی لٹکتی چادروں کو چہرے کے سامنے سے ہٹا لیتے۔ سدل کا معنی ہے کپڑا لٹکانا۔ محرمہ عورت چہرہ چھپانے کیلئے اپنے چہرے سے کچھ ہٹا کر اپنا کپڑا لٹکا سکتی ہے آج بھی یہ حکم ہے کیونکہ اجنبی حاجی سے پردہ فرض ہے اس پردے محرمہ کا طریقہ یہی ہے کہ کپڑا چہرے کے سامنے لٹکے مگر کچھ دور لٹکانا جائز ہے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ ہر مسلمان عورت پر ہر حال میں اجنبی مرد سے پردہ فرض ہے اور اصل پردہ چہرے کا ہے نہ کہ صرف بالوں کا۔

دلیل ہفتم

زمانہ صحابہ میں برقعے اور نقاب یعنی کا مسلمان عورتوں میں عام اسلامی رواج تھا اور نقاب یعنی برقعہ مشہور تھا۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد چہارم صفحہ ۱۹۱ پر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اعلان عام فرما دیا تھا کہ اَلْمُحْرِمَةُ لَا تَنْتَقِبُ وَلَاتَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ۔ دیگر روایت میں ہے وَنَهَى النِّسَاءَ فِيْ إِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَازَيْنِ وَالنِّقَابِ۔ یعنی خبردار کوئی احرام والی عورت بحالت احرام نہ نقاب کا برقعہ اوڑھے نہ دستانے پہنے۔ دوسری روایت میں ہے کہ منع فرما دیا نبی کریم ﷺ نے اپنے احراموں میں عورتوں کو دستانوں سے اور برقعوں سے ان احادیث سے دلالۃً ثابت ہوا کہ شروع زمانہ اسلام میں مسلمان عورتیں برقعے پہنا کرتی تھیں یہ رواج مبارک بحمد للہ تعالیٰ آج تک شرفا میں جاری ہے۔ اس روایت میں احرام پہنے عورت کو برقعہ و نقاب سے منع کیا گیا کیونکہ نقاب چہرے سے جڑ جاتا ہے مگر چونکہ اجنبی مرد سے چہرہ چھپانا پھر بھی بحالت احرام بھی فرض ہے اسلئے اسکا نعم البدل سدل جائز فرمایا گیا کیونکہ وہ چہرے سے دور ہٹا رہتا ہے۔ کپڑا سامنے لے کر یا دستی پنکھا یا کچھ اور۔

دلیل ہشتم

فتاوی درمختار مع شامی جلد اول صفحہ ۳۷۷ پر ہے۔ وَتُمْنَعُ الْمَرْئَةُ الشَّابَّةُ مِنْ كَشْفِ الْوَجْهِ بَيْنَ الرِّجَالِ لَالِأَنَّهٗ عَوْرَةٌ بَلْ لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ كَمَسِّهٖ وَ اِنْ اَمِنَ الشَّهْوَةَ لِاَنَّهٗ اَغْلَظُ۔ ترجمہ: اور منع کی جائے گی جوان عورت چہرہ کھولنے سے مردوں کے درمیان اس لئے نہیں کہ چہرہ شرمگاہ ہے بلکہ اس لئے کہ فتنے کا خوف ہے جیسے کہ مرد کا ہاتھ لگنا عورت کے چہرے کو اگرچہ مرد شہوت سے امن میں ہو۔ اسلئے کہ یہ چہرہ کھلنا زیادہ برا و غلیظ ہے۔ اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ نماز میں چہرہ کھولنا اور کھلا رکھنا اس لئے جائز ہے کہ چہرہ شرم گاہ نہیں ہے اگر شرم گاہ ہوتا تو بحالت نماز چھپانا واجب ہوتا دوم یہ کہ اجنبی مردوں کے سامنے اجنبیہ عورت کا چہرہ سخت ترین بدترین حرام ہے کیونکہ کسی مرد کو غیر عورت کا چہرہ دیکھ کر شہوت اگرچہ نہ آئے مگر فتنے کا سخت اندیشہ ہے۔ سوم یہ کہ اصل پردہ چہرے کا ہی ہے۔ اسلئے ہر مسلمان عورت کو سختی سے منع کیا جائیگا۔ غرض قرآن مجید، احادیث کثیر، محدثین، مفسرین، شارحین، علماء فقہ، علماء اصول فقہ سب کے نزدیک ہر مسلمان عورت پر چہرے کا پردہ فرض ہے۔ جو لوگ اس کو نہیں مانتے وہ بدترین گمراہ و جہنمی افراد

ہیں اسلام کے باغی اور مسلمانوں کے دشمن۔ منہاج القران والوں کو اس حرام قول وعقیدے وعمل وتحریر سے فوراً توبہ و رجوع کر کے سچا و صحیح مسلمان بنا چاہیے۔

تیسرے مسئلہ کا جواب

شریعت اسلام اور پہلی تمام شریعتوں میں تصویر سازی ہر قسم کی حرام کی گئی ہے۔

یعنی جان دار مخلوق کا مجسمہ اور کپڑے، کاغذ، دیوار پر انسانی حیوانی چہرہ بنانا قطعاً حرام ہے۔

خواہ قلم و برش سے مصوری ہو یا کسی مشین سے فوٹو گرافی ہو سب حرام ہے۔

موجودہ دور کے جاہل خطیب، گمراہ پیر اور دنیا پرست مذہبی لیڈر از قسم پروفیسر صاحبان دیگر بدعات سیۂ وضلالات سیۂ پھیلانے کی طرح فوٹو گرافی کی بت سازی کو بھی جائز کہتے ہیں خود بھی اس حرام گناہ کبیرہ کے مرتکب ہو رہے ہیں اور قوم مسلم کو بھی اس گمراہی سے جہنم میں دھکیل رہے ہیں۔ اب چند سالوں سے پروفیسر طاہر القادری صاحب نے فوٹو تصویر کو جائز قرار دے کر اسلام، قرآن، حدیث، فقہ اور اللہ رسول کی مخالفت کرتے ہوئے ان گمراہوں کا سہارا بننے کی ناکام کوشش کی ہے اور اِثْمِ وَعُدْوَان میں ان کا تعاون کر کے کوئی اچھی مثال قائم نہ کی۔ انہوں نے فوٹو گرافی وتصویر سازی کے جواز میں چار طرح قوم کو دھوکہ دیا۔ (۱) کبھی کہا کہ مجسمہ حیوانی حرام ہے تصویر حیوانی حرام نہیں اور جتنی بھی وعید شدید کی احادیث ہیں اس سے مجسمہ سازی مراد ہے نہ کہ کپڑے کاغذ پر تصویر بنانی۔ (۲) کبھی کہا کہ کیمرے وڈیو کی تصویر تصویر ہی نہیں بلکہ عکس ہے اور عکس بنانا جائز ہے۔ حالانکہ بے عقلوں کو معلوم نہیں کہ عکس بنایا نہیں جا سکتا بلکہ خود بخود بن جاتا ہے۔ (۳) کبھی تمثال کا معنی بت کر کے پہلی شریعتوں میں بت سازی تصویر کشی ومصوری کا جواز ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ تمثال کا معنی بت اور جاندار کی تصویر نہیں بلکہ نقشہ نویسی اور نقشہ ہے جو عام ہے ہر قسم نقش و نگار کو جاندار کے ہوں یا غیر جاندار کے۔ (۴) کبھی رقم ارقام مرقوم کے معنی جاندار کی تصویر کر کے دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ ہم نے حرمتہ تصویر پر ایک مفصل و مدلل فتوی اپنے اسی فتاوی کی جلد چہارم میں شائع کیا ہوا ہے۔ جس میں ان کی تمام دھوکہ دہیوں کی مکمل تردید کرتے ہوئے ہر بات کا جواب اور ہر دلیل کا توڑ اور اصل معنی بیان کر دیا ہے وہاں مطالعہ فرمائیے بہرحال ان تخریب کار لوگوں کو اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يُنْقَصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ۔ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ عَلَيْهِ وِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يُنْقَصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔ (از مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۳۴۱۔ عن جریر و ابن ماجہ صفحہ ۱۸ ...... عن منذر ابن جریر عن اَبِيهِ عبد الله۔ ترجمہ: آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جس نے مسلمانوں میں اچھا (مفید) کام ایجاد کیا یعنی رواج ڈالا تو جتنے لوگوں نے بھی اس کام کو کیا قیامت تک تو لکھا جائیگا اس موجد مروّج بندہ کیلئے بھی اس سب کے اعمال کا ثواب اور ان لوگوں کے ثواب سے بھی

کچھ کم نہ ہوگا۔ اور وہ بدبخت وخبیث انسان جس نے اپنی جہالت وشرارت وشیطانیت سے مسلمانوں میں کسی برے کام شیطانی عمل کا رواج ڈالا تو جس جس نے بھی تا قیامت اس کام کو کیا ان سب کا عذاب اس خبیث موجد و مروج کو بھی ملے گا۔ ایسا کرنے والوں کے عذاب میں سے بھی کچھ کمی نہ ہوگی۔ کیا منہاج والوں کو اس وعید شدید کا خوف نہیں۔ ہزاروں عورتوں کو بے پردہ کرکے خوف الٰہی سے دور شرم وحیا سے نفور بنا دیا اور ہزاروں مردوں کو تصویر اور بت سازی کی شیطانیت میں ملوث کرکے عادات مشرکانہ میں مبتلا کر دیا اور لاکھوں وہ گھر جن کو مساجد الٰہیہ کا نمونہ ہونا چاہیے تھا ان کو انہی منہاجیوں نے بت خانوں، مندروں، گرجوں، گردواروں کا نمونہ بنا دیا بلکہ اب تو یہ منہاجی ائمہ ولیڈران اتنے نڈر و دیدہ لیرو بے خوف ہو چکے ہیں کہ خاص اپنی مسجد وعبادت کی جگہ میں پروفیسر صاحب کی قدر آور تصویریں لگا رہے ہیں۔ انکے اداروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی مندر یا گرجا، گردوارہ ہے۔ کیا بروز قیامت پروفیسر اور لیڈران ادارہ ان تمام عذابوں کو برداشت کرنے کی ہمت رکھتے ہیں آج دنیا میں ہی سوچ لیں ابھی توبہ کا وقت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی میرے ان بھٹکے ہوئے بھائیوں کو ہدایت دینے والا ہے اگر انہوں نے اپنے ان نظریات سے سچی توبہ نہ کی تو بحکم آیت و فرمان روایت نہ نمازیں بچا سکیں گی نہ اعتکاف وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ...... بہرکیف ہر باطل قسم کی حیوانی انسانی تصویر بنانا حرام قطعی ہے اور منہاجیوں کا ان کو جائز کہنا اللہ رسول کے حرام کیے کو حلال کرنا ہے جو سراسر اسلام سے بغاوت اور شریعت سے غداری ہے۔ حرمت فوٹو تصویر کے مکمل دلائل ہمارے فتاوی العطایا جلد دوم اور جلد سوم میں بھی دیکھئے۔

سائلین کے چوتھے مسئلے کا جواب

قانون شریعت کے مطابق رویت ہلال صرف وہی معتبر ومقبول وحقیقی ہے جو انسانی آنکھ سے دیکھی جائے۔ انسانی آنکھ سے دیکھے بغیر ایک دن یا دو دن پہلے چاند کی پہلی تاریخ بنا لینا محض شیطانی خباثت ہے۔ اس شیطانیت کی موجد اس دور کی سعودی حکومت ہے۔ سعودی عرب پر اسوقت ابلیس کا مکمل تسلط ہے۔ یہی وہ نجدی و وہابی خارجی گروہ ہے جس کا آخری ٹولہ بفرمان حدیث مقدس دجال کے ساتھ ہوگا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے حج، روزے، عیدیں، قربانیاں برباد کرنے میں ابلیس سے مکمل تعاون کر رہے ہیں۔ ادارہ منہاج والے اور اس ادارے کے بانی اندھے بن کر سعودیوں کی اتباع کرتے ہوئے اس شیطانیت میں برابر کے شریک بنے ہوئے ہیں اور بلا دلیل ہر سال مسلمانوں کے روزے، عیدیں اور قربانیاں برباد اور ضائع کرا رہے ہیں۔ اللہ تعالی ان سب کے شر سے مسلمانوں کو بچائے۔ ان تمام غیر اسلام خرافات وشرارت کے باوجود پھر بھی یہ منہاجی سمجھتے ہیں کہ ہم مصطفوی ہیں۔ غالباً انہیں کیلئے کسی نے فرمایا ہے کہ

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی	جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

کیا شان ہے غیب دانی آقا ﷺ کی کہ آج سے پندرہ سو سال پہلے فرما دیا۔ اے مسلمانو۔ صُوْمُوْا الرُّوْيَتِه وَاَفْطِرُوْا الرُّوْيَتِه۔ آنکھوں سے چاند دیکھ کر فرضی روزے شروع کرو اور آنکھوں سے چاند دیکھ کر ہی عید الفطر مناؤ اور فرضی روزے بند کرو۔ یہ فرمان نبوی اسوقت جاری ہوا تھا جب ابھی آنکھوں سے دیکھنے کے علاوہ اور کسی طرح چاند کے

متعلق کچھ جان لینے کا تصور بھی نہ تھا نہ کسی طرف سے آجکل کی ایسی ابلیسی تخریب کاری کا کوئی اندیشہ تھا پھر یہ فرمان نبوت جاری ہونا یقیناً قریب قیامت پندرہویں صدی کے شیطان صفت لیڈروں کی جانب ہی اشارہ تھا چشم نور نبوت کو معلوم تھا کہ قریب قیامت ایسے لوگ پیدا ہونگے جو ہر بہانے سے عبادات الٰہیہ کو برباد کرینگے۔ ہم نے رویت ہلال کے شرعی ضابطوں سے متعلق مکمل و مدلل فتویٰ شائع کئے ہیں جن میں سے چند پہلی اور چوتھی جلد میں اور ایک اسی جلد پنجم میں ہے وہاں صحیح حل تلاش کیا جائے۔ بہرحال منہاج والوں کا یہ کردار و عمل بھی اسلام کے خلاف اور سراسر گمراہی اور باعث عذاب الیم ہے۔

سائلین کے پانچویں مسئلے کا جواب

پروفیسر طاہر القادری اور انکے ائمہ تمام باطل فرقوں کو اچھا سمجھتے ہیں اور برحق مانتے ہیں اسی لئے ہر باطل امام کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اگرچہ وہ باطل ان سے نفرت کرتے ہوئے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ آقاء کائنات حضورت اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں بہتر فرقہ ہوں گے سب جہنمی ہیں سواء ایک کے۔ چنانچہ۔ ابن ماجہ شریف صفحہ ۲۸۷ پر ہے۔ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ عَنْ وَلِيْدِ بِن مُسْلِمٍ عَنْ اَبِىْ عَمْرٍو عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِنَّ بَنِىْ اَسْرَائِيْلَ اِفْتَرَقَتْ عَلٰى اَحَدٍ وَّ سَبْعِيْنَ وَ اِنَّ اُمَّتِىْ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهَا فِى النَّارِ اِلَّا وَاحِدَه یہاں اسی صفحے پر پہلی حدیث مقدس بروایت عوف ابن مالک ہے۔ سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِىْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّ سَبْعِيْنَ فِرْقَةً فَوَاحِدَةٌ فِى الْجَنَّةِ وَثِنْتَانِ وَ سَبْعُوْنَ فِى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ هُمْ قَالَ هِىَ الْجَمَاعَةُ۔ ترجمہ روایت ہے حضرت انس ابن مالک اور حضرت عوف ابن مالک سے انہوں نے فرمایا کہ۔ فرمایا آقا ﷺ نے کہ بنی اسرائیل اکہتر ۷۱ فرقوں میں بٹ گئے تھے لیکن میری امت بہتر ۷۲ اور تہتر ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی تمام فرقے جہنمی ہونگے سوائے ایک کہ وہ جنتی ہوگا۔ پوچھا گیا وہ ایک جنتی فرقہ کونسا ہے فرمایا آقا ﷺ نے وہ اہلسنّت والجماعت ہے۔ اب اندازہ لگایئے کہ ان لوگوں کا کتنا بڑا ظلم عظیم ہے اپنی جانوں پر کہ چشمہ علم وحکمۃ کی زبان اقدس تو كُلُّهُمْ فِى النَّارِ۔ فرمائے مگر ان کی زبان جہالت کہے کہ كُلُّهُمْ عَلَى الْحَقِّ یعنی سب فرقے اچھے اور حق پر ہیں۔ گویا کہ کھلم کھلا نبی ﷺ کی بات کو توڑنا اور سراسر مخالفت نبوی کرنا ہے۔ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے منہاجیوں کی اس کفریہ حرکت کی تحقیق ہم نے خود ان سے خط وکتابت کے علاوہ دیگر ذرائع سے بھی حتی الامکان کر لی پھر یہ جواب لکھا ہے۔ مجھے سائلین کی طرف سے پروفیسر کی تحاریر اور وڈیو کیسٹیں بھی دکھائی گئیں جس سے ثابت وعیاں ہوا کہ ان لوگوں کا مسلک یہی ہے کہ ہر باطل فرقہ اچھا اور درست ہے۔ خود پروفیسر صاحب کی طرف سے معذرتی خطوط شائع کئے گئے جن میں علماء حق کی گرفت سے بچنے کیلئے توڑ موڑ کی گئی ہے۔

ساحلین کے پانچویں سوال کا جواب

ساحلین نے یہ بھی پوچھا ہے کہ پروفیسر صاحب مذکورہ کثرت سے جھوٹی خوابیں بناتے ہیں۔ ان کی زبانی بیان کردہ خوابوں کی آڈیو کیسٹیں بھی نقل کی گئیں۔ جن کو سن کر کے اندازہ ہوا کہ اس انداز کی خوابیں درست نہیں ہو سکتیں۔ اور نبی کریم ﷺ کو اس طرح سے خواب میں دیکھنا اور پھر پروفیسر صاحب کے دن رات گمراہانہ نظریات ظاہر کرنا، بے پردگی، قوالی، حرام کاموں کو جائز قرار دینا۔ ان سب باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ایسے غلط کار انسان کو ایسی زیارتیں نہیں ہو سکتیں۔ اور بفرمان حدیث مقدس جھوٹی خواب بیان کرنے کا بہت بڑا عذاب ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب التصویر فصل اول صفحہ ۳۸۶ پر ہے۔ وَعَنْهُ (اى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ) قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ۔ وَمَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ اَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِىْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَ كُلِّفَ اَنْ يَنْفُخَ فِيْهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ۔ ترجمہ۔ روایت ہے ان ہی عبد اللہ ابن عباسؓ سے انہوں نے فرمایا میں نے سنا آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ سے۔ آپ فرماتے ہیں جو شخص ایسی خواب بیان کرے جو اس نے نہ دیکھی ہو یعنی جھوٹی خواب بیان کرے تو عذاب سزا دیا جائے گا اس کام کا کہ دو جو کے دانوں کو گانٹھ لگائے اور وہ ہرگز نہ کر سکے گا کبھی بھی۔ اور وہ شخص جو چھپ کر لوگوں کی خفیہ باتیں سنتا ہو حالانکہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس شخص سے اسی حرکت کی بنا پر لوگ بھاگتے بچتے ہوں تو اسکے کانوں میں بروز قیامت پگھلا سلور ڈالا جائے گا۔ اور جو شخص جاندار مخلوق کی فوٹو تصویر بنائے وہ بھی عذاب دیا جائیگا اور اس کو یہ سزا دی جائیگی کہ اس اپنی بنی ہوئی تصویر میں جان یعنی روح ڈال اور وہ یہ کبھی بھی نہ ڈال سکے گا۔ اس حدیث مقدس میں کُلِّفَ سے مراد ابدی عذاب ہے چنانچہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد چہارم صفحہ ۴۸۷ پر ہے۔ وَهٰذَا التَّكْلِيْفُ مَعَ عَدَمِ قُدْرَتِهٖ مُبَالَغَةٌ فِىْ تَعْذِيْبِهٖ فَيُعَذَّبُ بِهٖ اَبَدًا۔ ترجمہ۔ اور یہ تکلیف دینا باوجود قادر نہ ہونے کے نہ ہو سکنے کے مبالغہ ہے اس جھوٹی خوابیں بنانے والے شخص کو عذاب دیئے جانے کا یعنی سخت عذاب لہٰذا وہ جھوٹا شخص اس جھوٹی خواب بنانے کی وجہ سے ہمیشہ عذاب دیا جائے گا۔ اس حدیث مندرجہ بالا میں حُلُمْ سے مراد ہے خوابیں۔ لَمْ يَرَهُ سے مراد ہے جھوٹی۔ اٰنُکَ کا معنی ہے رصاصِ اَبیض یعنی سفید رانگ و سلور اور اَنْ يَنْفُخَ سے ثابت ہوا کہ صَوَّرَ صُوْرَةً کا معنی ہے جاندار مخلوق یعنی انسان و حیوان کی تصویر و فوٹو بنانا۔ کیونکہ غیر جاندار میں روح نہیں ہوتی لہٰذا ان کی تصویر و فوٹو بنانا جائز ہے۔ جاندار کی حرام۔ مندرجہ بالا حدیث مقدس میں تین قسم کے شخصوں کے عذاب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ (۱) جھوٹی خوابیں بنا کر لوگوں کو سنانے پاگل بنانے بنانے والے کا عذاب ابدی۔ (۲) جاسوسی چغل خوری کرنے والے شخص کا عذاب۔ (۳) مصوروں کا عذاب دائمی کا ذکر۔ بعض شارحین عظام نے فرمایا کہ۔ مَنْ كَذَبَ عَلَىَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (مشکوٰۃ ۳۵) اس متواتر حدیث مقدس میں ہر قسم کا جھوٹا کذاب شخص مراد ہے یعنی جھوٹی روایت بنانے والا بھی اور جھوٹی خوابیں بنانے والا بھی کیونکہ

دونوں ہی نبی کریم ﷺ پر جھوٹ کا افتریٰ متعمدًا۔ یعنی جان بوجھ کر باندھتے ہیں۔ ایک نے قَالَ النَّبِیُّ۔ کہہ کر جھوٹ بولا اور دوسرے نے رَاَیْتُ النَّبِیَّ فِی الْمَنَامِ۔ کہہ کر جھوٹ بولا۔ دراصل جھوٹی خوابیں بنانے کا آغاز اس چودھویں صدی میں ہوا۔ سب سے پہلے جھوٹی خوابیں دیو بندی وہابی مولویوں نے سنائیں۔ جن میں خلیل انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی پیش پیش رہے۔ پھر مرزا غلام قادیانی نے خوب جھوٹی خوابیں بنائیں۔ اور اب یہ صاحب شروع ہو گئے ہیں وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ......

سولہواں فتویٰ

فرض جمعہ کی دونوں رکعتوں میں لمبی قرئت کرنا ہر امام جمعہ پر لازمی سنّتِ موکدہ ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ہماری جامعہ مسجد کے خطیب ایک نوجوان عالم دین ہیں۔ تقریر بہت شاندار کرتے ہیں لوگوں کی پسند کے مطابق۔ ہر جمعہ نماز سے پہلے ایک گھنٹہ اور کبھی سوا گھنٹہ پھر اسکے بعد دس منٹ عربی میں دو خطبے پھر نماز جمعہ کی دو رکعتیں۔ یہ نماز با جماعت تقریبا تین منٹ میں پوری کر کے سلام پھیر دیتے ہیں کئی بزرگ بوڑھوں نے ان پر اعتراض بھی کیا جن میں یہ سائل فقیر حقیر بھی ہے کہ نماز میں اتنی جلدی نہ کیا کریں۔ اکثر پہلی رکعت میں سورۃ کَافِرُوْنَ اور دوسری میں سورۃ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ۔ پڑھتے ہیں۔ کبھی کبھی پہلی رکعت میں سورۃ وَالْعَصْرِ اور دوسری میں سورۃ کوثر پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہیں ایسی نماز پڑھاتے ہیں گویا کوئی پیچھے لگا ہوا ہے یا نماز جمعہ نہیں بلکہ نماز خوف پڑھا رہے ہیں جب ان سے کہا گیا کہ نماز جمعہ کی دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھا کرو تو فرمانے لگے کہ سب خطیب ہی ایسا کرتے ہیں۔ ہم نے کہا واقعی موجودہ دور میں ہر نوجوان خطیب امام ایسا ہی کرتا ہے لیکن ہم نے شیخ الحدیث مولانا سردار احمد صاحب اور شیخ القرآن مولانا عبد الغفور ہزاروی اور مفتی امین الدین کامونکی والے، سید ابو البرکات حزب الاحناف لاہور حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسی بزرگ ہستیوں کے پیچھے جمعہ کئی بار پڑھا ہے وہ خطبہ جمعہ وارد و تقریر مختصر فرمایا کرتے تھے مگر نماز جمعہ خوب دراز فرمایا کرتے تھے انکی اس درازی قرات کا اتنا سرور آیا کرتا تھا کہ دل انوار سے معمور ہو جاتا تھا۔ وہ سرور نماز اب کہیں نظر نہیں آتا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ دہلی دروازہ لاہور میں حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے اتفاقاً وہ جمعہ کا دن تھا۔ قبلہ سید ابوالبرکات صاحبؒ کے اصرار پر حضرت حکیم الامت نے تقریر جمعہ و خطبہء جمعہ ادا فرما کر نماز جمعہ کی امامت فرمائی تقریبا پچیس منٹ پر نماز با جماعت ختم ہوئی ان کی سادھا سادھا تلاوت نماز میں اتنا سرور آیا کہ بہت سی صفوں میں ہچکیوں کی آواز سنائی دی گئی۔ خود میری بھی روتے روتے عجیب کیفیت تھی ایسے سرور ایمانی کی نمازیں اور نمازوں کا سرور اب کہیں نظر نہیں آتا۔ ہائے افسوس کہاں چلی گئیں وہ بزرگ اور عشق سے بھرپور ہستیاں اس پر ہمارے خطیب صاحب فرمانے لگے آپ اس بارے میں فتویٰ منگالیں جو حکم لکھا ہو گا میں اس پر عمل کروں گا۔ اس لئے یہ استفتاء حاضر خدمت

ہے جس میں شرعی قانون [illegible] فرمایا جائے کہ نماز جمعہ کی دو رکعتوں میں کتنی قرئت ضروری ہے۔ بَیِّنُوْ تُوْجَرُوْا۔
دستخط سائل۔ چوہدری [illegible] حسین چوک [illegible] لاہور ۲۰۰۳-۳-۲۲

الجواب

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابْ

قانون شریعت کے مطابق نماز جمعہ مثل نماز ظہر ہے اور نماز ظہر میں لمبی قرئت کرنا سنت موکدہ لازمہ ہے ایسے ہی نماز جمعہ کی دونوں فرض رکعتوں میں بھی لمبی قرت لازم ہے۔ مذکورہ خلیب امام و دیگر موجودہ نوجوان خطباو ائمہ حضرات کا چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر نماز جمعہ ختم کر دینا غلط ہے اور ترک سنت مؤکدہ کیوجہ سے گناہ کبیرہ ہے نماز اگرچہ ہوگئی مگر امام گناہگار ہوا۔ اگر بے علمی اور مسئلے کی ناواقفی کیوجہ سے ایسا کرتا ہے تو آئندہ اس گناہ کبیرہ سے بچنا چاہیے اور اگر جان بوجھ کر مسئلہ ماننے سے ضد کرتا ہے تو بحکم فرمان حدیث پاک لعنت کا مستحق اور فاسق معلن ہے۔ اور فاسق معلن کے پیچھے نماز پڑھنا نا جائز ہے۔ مستدرک حاکم جلد چہارم صفحہ ۹۰ پر ہے۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ ابْنِ جَعْفَرِ الْفَارِسِی عَنْ یَعْقُوبِ ابْنِ سُفْیَانَ عَنْ اِسْحَاقِ ابْنِ مُحَمَّدِ الْقَرْوِی۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِی الْمَوَالِی۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَوْھَبٍ۔ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ ابْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِوا بِنِ حَزْمٍ۔ عَنْ عُمْرَۃَ۔ عَنْ عَائِشَۃَ۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا۔ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ سِتَّۃٌ لَعَنْتُھُمْ۔ لَعَنَ ھُمُ اللّٰہُ وَ کُلُّ نَبِیٍّ مُجَابٍ۔ اَلْمُکَذِّبُ بِقَدرِ اللّٰہِ۔ وَالزَّائِدُ فِی کِتَابِ اللّٰہِ۔ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ لِیُذِلَّ مَا اَعَزَّ اللّٰہُ وَ یُعِزَّ مَا اَذَلَّ اللّٰہُ۔ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحَرَمِ اللّٰہِ۔ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِیْ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ۔ وَالتَّارِکُ لِسُنَّتِیْ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔ عَلٰی شَرْطِ الْبُخَارِیِّ۔

ترجمہ۔ روایت ہے ام المومنین والمومنات حضرت صدیقہؓ سے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ نے کہ چھ قسم کے لوگ وہ ہیں کہ ان پر لعنت ہے یعنی ان کے لئے لعنت ہے۔ ان پر لعنت فرمائی اللہ تعالیٰ نے بھی اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی اور انبیاء سب مقبول الدعا ہوتے ہیں۔ (۱) تقدیر الٰہی کو جھٹلانے والا۔ (۲) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا۔ (۳) اور وہ حاکم جو زبردستی قوم پر مسلط ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی معزز و محترم چیزوں کو ذلیل سمجھے یا ذلیل کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذلیل و حرام کردہ چیزوں کو عزت دے۔ (۴) اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھے اور حلال کرے۔ (۵) اور میری عترت میں سے وہ سید شخص جو حلال سمجھے ان چیزوں کو جن کو اللہ تعالیٰ نے (اس پر) حرام کر دی ہے۔ (۶) اور وہ شخص بھی لعنت کا مستحق ہے جو (عمداً) میری سنت (مؤکدہ) کا تارک یعنی چھوڑنے والا ہو۔ یہ آخری جملہ ہر قسم کے تارک سنت پر وارد ہے۔ خواہ لباس اور چہرے و بدن کی سنتوں کا تارک ہو یا عبادات کی سنتوں کا تارک ہو۔ اس حدیث مقدس میں تمام تارکین سنت کیلئے وعید ہے۔ جس میں سنت تلاوت بھی شامل ہیں۔ تلاوت قرآن مجید کی دو قسمیں ہیں۔

ایک تلاوت خارجی: یعنی نماز کے علاوہ اس کے لئے سنت صحابہ سے سات منزلیں مقرر فرمائی گئی ہیں ہر دن ایک منزل تلاوت فرمانا سنت صحابہ ہے اس طرح تلاوت خارجی سے سات دن میں پورا قرآن مجید ختم کرنا سنت صحابہ ہے۔ تقسیم منازل اس طرح ہے کہ **پہلی منزل** سورۃ فاتحہ سے سورۃ نساء کی آخری آیت تک۔ **دوسری منزل** سورۃ مائدہ سے سورۃ توبہ کی آخری آیت تک۔ **تیسری منزل** سورۃ یونس سے سورۃ نحل کی آخری آیت تک۔ **چوتھی منزل** سورۃ اسرٰی سے سورۃ فرقان کی آخری آیت تک۔ **پانچویں منزل** سورۃ شعراء سے سورۃ یٰسین شریف کی آخری آیت تک۔ **چھٹی منزل** سورۃ والصفت سے سورۃ حجرات کی آخری آیت تک **ساتویں منزل** سورۃ ق سے آخری سورۃ والناس کی آخری آیت تک۔

دوسری تلاوت داخلی: یعنی نماز کے اندر تلاوت۔ تلاوت داخلی کے اعتبار سے قرآنی سورتوں کی دو قسمیں فرمائی گئیں ہیں **پہلی قسم** مجموعات سورتیں یہ کل سنتالیس سورتیں ہیں از سورۃ بقرہ تا سورۃ فتح مگر فاتحہ ان میں شامل نہیں ہے مجموعات وہ دراز سورتیں ہیں جن میں ہر سورۃ کے اندر بہت سے مضامین اور واقعات ہوتے ہیں یہ سورتیں مکمل پوری روزانہ کی پانچوں نمازوں میں نہیں پڑھی جاتیں۔ بلکہ چند چند آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔

تلاوت داخلی کی دوسری قسم: مفصلات سورتیں۔ یہ کل چھیاسٹھ سورتیں ہیں اور از سورۃ حجرات تا آخری سورۃ والناس نمبر ۱۱۴۔ مفصلات کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) پہلی طوال مفصل (۲) اوساط مفصل (۳) قصار مفصل لفظ مفصلات جمع ہے مفصل کی اور مفصل بمعنی متفرق۔ مفصلات وہ چھوٹی سورتیں ہیں جن میں ہر سورۃ کا علیحدہ جداگانہ متفرق ایک ایک مضمون ہو۔ ان چھوٹی سورتوں میں قدرے دراز سورتوں کا نام طوال مفصل ہے۔ اور ان سے چھوٹی سورتیں اوساط مفصل ہیں اور ان سے چھوٹی سورتیں قصار مفصل ہیں۔ چھوٹی بڑی ہونے سے مراد آیتوں لفظوں وحرفوں کی کمی بیشی ہے۔ ان مفصلات کی ترتیبی تعداد میں دو قول ہیں۔ اکثر نے فرمایا کہ سورۃ حجرات سے سورۃ عبس تک طوال مفصل ہیں کل اکتیس سورتیں۔ سورۃ عبس ان میں شامل نہیں یعنی سورۃ نازعات طوال مفصل کی آخری سورۃ ہے۔ پھر سورۃ عبس سے سورۃ والضحٰی تک اوساط مفصل ہے کل تیرہ سورتیں سورۃ والضحٰی ان میں شامل نہیں یعنی اوساط مفصل کی آخری سورۃ واللیل ہے۔ پھر سورۃ والضحٰی سے آخری سورہ والناس تک کل بائیس سورتیں قصار مفصل ہیں اور سورۃ الناس قصار میں شامل ہے اس طرح مفصلات سورتیں کل چھیاسٹھ یعنی ۳۱۔ ۱۳ اور ۲۲ ہیں۔ لیکن دوسرا قول بعض نے فرمایا۔ سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک طوال مفصل ہے۔ بروج شامل نہیں کل چھتیس سورتیں اور سورۃ بروج سے سورۃ بینہ تک اوساط مفصل ہے بینہ ان میں شامل نہیں۔ کل تیرہ سورتیں اور سورۃ بینہ سے آخری سورۃ والناس تک قصار مفصل ہے والناس ان میں شامل ہے کل سترہ سورتیں۔ اس گنتی سے بھی مفصلات کی سورتیں چھیاسٹھ ہی بنتی ہیں۔ عینی شرح ہدایہ جلد اول میں یہ دونوں قول لکھے ہیں۔ چنانچہ امام بدر الدین عینی نے فرمایا۔ از حوالہ ہدایہ جلد اول صفحہ ۱۰۸ حاشیہ ۶ **قَوْلُهٗ بِاَوْسَاطِ الْمُفَصَّلِ** (الخ) طِوَالُ الْمُفَصَّلِ مِنْ سُوْرَةِ الْحُجُرَاتِ اِلٰی سُوْرَةِ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالْاَ وْسَاطِ الْمُفَصَّلِ مِنْهَا

اِلٰی سُوْرَۃِ لَمْ یَکُنْ وَالْقِصَارُ مِنْہَا اِلَی الْاٰخِرِ قَوْلُہٗ بِقِصَارِ الْمَفَصَّلِ قِیْلَ طِوَالُ الْمُفَصَّلِ مِنَ الْحُجُرٰتِ اِلٰی سُوْرَۃِ عَبَسَ وَ الْاَوْسَاطُ مِنْ کُوِّرَتْ اِلٰی وَالضُّحٰی وَالْقِصَارُ مِنْہُ اِلٰی آخِرِ الْمُصْحَفِ۔
ترجمہ۔ قول امام یہ ہے کہ طوال مفصل حجرات سے بروج تک اور اوساط مفصل بروج سے لَمْ یَکُنْ یعنی سورۃ بینہ تک اور قصار مفصل بینہ سے آخر تک۔ ترجمہ۔ مصنف کا فرمان قصار مفصل سے کہا گیا ہے کہ طوال مفصل حجرات سے سورۃ عبس تک اور اوساط سورۃ تکویر سے والضحیٰ تک اور قصار۔ والضحیٰ سے آخر تک۔ ان مفصلات کی وضاحت و تفصیل ہم نے اوپر بیان کر دی ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ شریعت اسلام کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی خوبی ہے کہ ہر عمل و قول کیلئے مسلمان کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے بہترین ضابطے مقرر فرما دیئے گئے ہیں۔ ان ضابطوں کی پابندی کو کہیں فرض کہیں واجب کہیں سنت موکدہ لازم کہیں سنت غیر موکدہ مستحبہ بنا دیا گیا ہے۔ جیسا ضروری ویسا ہی اس کا درجہ۔ ان مضبوط اعمال میں سے جماعت نماز اور نماز کی تلاوت ہے۔ یہاں بھی کسی امام یا نمازی کو اپنی جاہلانہ من مانی کرنیکی اجازت نہیں۔ تلاوت داخلی کا مجربہ ضابطہ فقہاء کرام بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ ہدایہ جلد اول ۱۰۷ پر ہے۔ وَیَقْرَءُ فِی الْحَضَرِ فِی الْفَجْرِ فِی الرَّکْعَتَیْنِ بِاَرْبَعِیْنَ اٰیَۃً اَوْ خَمْسِیْنَ اٰیَۃً سِوٰی فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَیُرْوٰی مِنْ اَرْبَعِیْنَ اِلٰی سِتِّیْنَ وَ مِنْ سِتِّیْنَ اِلٰی مِاۃٍ وَبِکُلِّ ذٰالِکَ وَرَدَ الْاَثَرُ وَوَجْہُ التَّوْفِیْقِ اَنَّہٗ یَقْرَءُ بِالرَّاغِبِیْنَ مِاۃً وَبِالْکُسَالٰی اَرْبَعِیْنَ وَبِالْاَوْسَاطِ مَابَیْنَ خَمْسِیْنَ اِلٰی سِتِّیْنَ وَ قِیْلَ یُنْظَرُ اِلٰی طُوْلِ اللَّیَالِیْ وَ قِصَرِھَا وَاِلٰی کَثْرَتِ الْاَشْغَالِ وَقِلَّتِھَا قَالَ وَفِی الظُّھْرِ مِثْلُ ذَالِکَ لِاِسْتِوَائِھِمَا فِیْ سِعَۃِ الْوَقْتِ (الخ) وَالْعَصْرُ وَالْعِشَاءُ سَوَآءٌ یَقْرَءُ فِیْھِمَا بِاَوْسَاطِ الْمُفَصَّلِ وَ فِی الْمَغْرِبِ دُوْنَ ذَالِکَ یَقْرَءُ فِیْھَا بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ۔ وَالْاَصْلُ فِیْہِ کِتَابُ عُمَرَ اِلٰی اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ اَنِ اقْرَءْ فِی الْفَجْرِ وَالظُّھْرِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ وَ فِی الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ بِاَوْسَاطِ الْمُفَصَّلِ وَ فِی الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ۔ ترجمہ۔ اور تلاوت کی جائے مقیمی حالات میں (جبکہ سب نمازی مقیمی ہوں اپنے علاقوں میں مسافر نہ ہوں) نماز فجر با جماعت کی دونوں رکعتوں کے اندر چالیس یا پچاس آیتیں سورۃ فاتحہ کے علاوہ اور یہ بھی روایت ہے کہ کبھی تلاوت نماز فجر چالیس سے ساٹھ آیتوں تک تلاوت کی جائے اور کبھی ساٹھ سے سو آیتوں تک اور ان تمام تعدادوں کا ذکر احادیث مبارکہ میں وارد ہے اور ان مختلف گنتیوں کی مطابقت اس طرح ہے کہ اگر نمازی مقتدی تلاوت سننے کا شوق رکھتے ہوں تو سو آیتوں تک تلاوت کر سکتا ہے اور کسلمند مقتدیوں میں چالیس آیتوں تک امام تلاوت کرے اور درمیانے قسم کے نمازیوں میں جو نہ شوقین ہوں نہ کسلمند ہوں وہاں پچاس سے ساٹھ آیتوں کے درمیان تلاوت کی جائے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ آیتوں کی یہ کمی زیادتی موسمی راتوں کی بڑی چھوٹی ہونے کی وجہ سے ہے یا نمازی لوگوں کی کثرت مشغولیت کام کاج اور قلت مشغولیت کی بناء پر ہے۔ فرمایا مصنف علیہ الرحمۃ نے کہ نماز ظہر با جماعت میں فجر کے برابر تلاوت کی جائے اس لئے کہ دونوں نمازوں کے وقتوں میں بہت گنجائش ہے اور نماز عصر و عشا تلاوت میں برابر ہیں ان دونوں کی دونوں رکعتوں میں تلاوت کی جائے اوساط مفصل کی سورتوں میں سے اور مغرب کی

نماز میں تلاوت عصر وعشاء سے کم یعنی مغرب کی تلاوت قصار مفصل کی سورتوں کی جائے اور ان قانون وضابطہ تلاوت کی دلیل فاروق اعظمؓ کا وہ حکم نامہ مکتوب خط ہے جو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف بھیجا تھا یہ کہ نماز فجر اور ظہر میں طوال مفصل سے قرأت کیا کرو اور نماز عصر وعشاء میں اوساط مفصل کی سورتوں میں اور نماز مغرب میں قصار مفصل کی سورتوں سے۔

تلاوت کے قانون کی دوسری دلیل: فقہ کی مشہور ومعتبر کتاب صغیری شرح منیہ باب الجمعہ ۲۸۱ پر ہے۔ یَقْرَاءُ فِیْهِمَا قَدْرَ مَایُقْرَءُ فِی الظُّهْرِ۔ ترجمہ اور تلاوت کی جائے جمعہ کی دونوں رکعتوں میں اسی کی مقدار جو تلاوت کی جاتی ہے نماز ظہر میں۔ یعنی فجر کی مثل ظہر ہے اور ظہر کی مثل جمعہ۔ لہٰذا تینوں نمازوں کی تلاوت ایک جتنی کہ کم از چالیس آیتیں اور زیادہ سے زیادہ سو آیتیں۔

دلیل سوم: فتاویٰ کبیری ۶۰۸ باب فِی قِرْئَةِ رَکْعَتَیِ الْجُمُعَةِ میں ہے۔ وَ فِی التُّحْفَةِ وَغَیْرِهَا یُقْرَءُ فِیْهِمَا اَیْ فِیْ رَکْعَتَیْنِ. قَدْرَ مَایُقْرَءُ بِاَنْ فِی الظُّهْرِ لِاَنَّهَا بَدَلٌ مِنْهَا اور اسی فتاویٰ کبیری کے صفحہ ۲۱۲ پر ہے وَیُکْرَهُ تَطْوِیْلُ تَزِیْدَ الْخُطْبَتَانِ عَلٰی سُوْرَةٍ مِّنْ طِوَالِ الْمُفَصَّلِ۔ ترجمہ۔ اور فتاویٰ تحفہ وغیرہ میں ہے کہ جمعہ کی دونوں رکعتوں میں تلاوت کی جائے اسی مقدار سے جتنی آیتیں نماز ظہر میں تلاوت کی جاتی ہیں (یعنی چالیس آیتوں سے سو آیتوں تک) اس لئے کہ نماز جمعہ نماز ظہر ہی کی جگہ اسکے بدلے میں ہے۔ غرض کہ فجر کے برابر ظہر ہے گنجائش وقت کی وجہ سے اور ظہر کے برابر نماز جمعہ ہے گنجائش وقت اور بدل ہونے کی وجہ سے کبیری ۶۱۲ کا ترجمہ۔ اور مکروہ (تحریمی) ہے جمعہ کی تقریر و دونوں خطبے لمبے کرنا طوال مفصل کی سورت سے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ دراز ہونی چاہیے خطبوں اور تقریر سے۔ بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ خطبات جمعہ ہی تقریر جمعہ ہے۔ آج بھی عرب میں خطبے ہی تقریر ہوتی ہے۔

قانون تلاوت کی دلیل چھارم: ترمذی شریف جلد اول۔ باب ماجاءَ فِی الْقِرئَةِ فِیْ صَلٰوةُ الْجُمُعَةِ. حَدَّثَنَا قُتَیْبَةَ وَ حَاتِمُ ابْنُ اسمٰعِیل وَ جَعْفَرُ ابْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ رافِعٍ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسلَّم قَالَ اِسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَاهُرَیْرَةَ عَلَی الْمَدِیْنَةِ فَخَرَجَ اِلٰی مَکَّةَ فَصَلّٰی بِنَا اَبُوْهُرَیْرَةَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَرَءَ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ وَ فِیْ سَجْدَةِ الثَّانِیَةِ (اَیْ رَکْعَةِ الثَّانِیَةِ) اِذَا جَآءَکَ الْمُنَافِقُوْنَ. قَالَ عُبَیْدُ اللّٰهِ فَاَدْرَکْتُ اَبَاهُرَیْرَةَ فَقُلْتُ لَهٗ تَقْرَءُ بِسُوْرَتَیْنِ کَانَ یَقْرَءُ هُمَا بِالْکُوْفَةِ فَقَالَ اَبُوْهُرَیْرَةَ اِنِّیْ سِمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسلَّم یَقْرَءُ بِهِمَا. قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی حَدِیْثُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَرُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ یَقْرَءُ فِیْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ. بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَهَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَه. ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت عبیداللہ بن ابی رافع سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب بنایا اور خود مکہ مکرمہ کی طرف نکل گئے۔ پھر بروز جمعہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہم کو نماز جمعہ پڑھائی تو انہوں نے پہلی رکعت میں سورۃ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۃ منافقون تلاوت فرمائی۔ حضرت عبیداللہ نے فرمایا کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے کہا کہ آپ نے آج نماز جمعہ میں دو سورتیں تلاوت فرمائی ہیں جو مولیٰ علی کوفے کی جامع مسجد میں بروز جمعہ نماز جمعہ میں تلاوت فرمایا کرتے تھے تب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بیشک میں نے آقا ﷺ سے بھی نماز جمعہ کی تلاوت میں یہی دونوں سورتیں (کبھی کبھی) سنی ہیں۔ فرمایا ابوعیسیٰ ترمذی نے یہ حدیث پاک حسن صحیح ہے اور یہ بھی روایت کی گئی ہے آقا ﷺ سے کہ آپ نماز جمعہ میں سورۃ اعلیٰ اور کبھی سورۃ غاشیہ بھی کبھی کبھی پڑھا کرتے تھے۔ سورۃ جمعہ و منافقون کی آیات گیارہ گیارہ اور سورۃ اعلیٰ کی آیات انیس اور غاشیہ کی آیات چھبیس ہیں۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ اگر کسی وقت کسی مشغولیت کی وجہ سے جانے کی جلدی ہو تو جمعہ کی رکعتوں میں گیارہ آیات تلاوت کر سکتا ہے مگر اس سے کم کا کوئی ثبوت نہیں ہے اس لئے گیارہ آیات سے کم تلاوت کرنا نماز جمعہ میں جائز نہیں ہے۔ یہی حدیث مقدس ابن ماجہ میں صفحہ ۷۸ پر ہے مگر وہاں ہے۔ كَانَ عَلِيٌّ يَقْرَءُ بِهِمَا بِالْكُوْفَةِ اور مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۲۸۷ پر ہے۔ كَانَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ يَقْرَءُ

قانون تلاوت کی دلیل پنجم: حدیث دوم۔ ابن ماجہ صفحہ ۷۸ باب مَاجَآ فِي الْقِرْئَةِ فِي الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَحَاتَمُ بْنُ اسْمٰعِيْلَ مَدَنِيٌّ وَ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ وَ مُحَمَّدُ بْنُ صَبَاحٍ وَ سُفْيَانُ وَ ضُمْرَةُ ابْنُ سَعِيْدٍ وَ عُبَيْدُاللّٰهِ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَتَبَ الضَّحَّاكُ ابْنُ قَيْسٍ اِلَى النُّعْمَانِ ابْنِ بَشِيْرٍ۔ اَخْبِرْنَا بِاَيِّ شَيْءٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مَعَ سُوْرَةِ الْجُمُعَةِ قَالَ۔ كَانَ يَقْرَءُ فِيْهَا هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَه۔ ترجمہ: روایت ہے عبداللہ بن عبداللہ سے انہوں نے فرمایا کہ ضحاک نے نعمان ابن بشیر کی طرف خط لکھا کہ ہمیں بتاؤ۔ آقا ﷺ بروز جمعہ نماز جمعہ میں سورۃ جمعہ کے ساتھ کس چیز کو یعنی مفصل کی کون سی سورت تلاوت فرماتے تھے۔ نعمان نے فرمایا کہ آپ اس میں سورۃ غاشیہ تلاوت فرماتے تھے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں مع بمعنی سواہ ہے یعنی سورۃ جمعہ کے علاوہ کون سی سورۃ نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت نعمان نے جواب دیا کہ پہلی رکعت میں کبھی کبھی غاشیہ تلاوت فرماتے تھے۔ حدیث سوم۔ ابن ماجہ صفحہ ۷۸۔ حَدَّثَنَا هِشَامُ ابْنُ عَمَّارٍ۔ وَوَلِيْدُ ابْنُ مُسْلِمٍ وَسَعِيْدُ ابْنُ سَنَانٍ عَنْ اَبِي الزَّاهِرِيَّه۔ عَنْ اَبِيْ عُتْبَةَ الْخَوْلَانِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَءُ فِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَه۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو عتبہ خولانی سے کہ بیشک آقا کائنات نبی کریم ﷺ کبھی سورۃ اعلیٰ کی تلاوت فرماتے نماز جمعہ میں اور کبھی سورۃ غاشیہ کی تلاوت فرماتے۔

قانون تلاوت کی دلیل ششم: مشکوٰۃ شریف کتاب الجمعه باب الخطبه والصلوٰة فصل اول صفحہ ۱۲۳ پر ہے۔ عَنْ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ

وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهٖ فَاَطِيْلُوا الصَّلٰوةَ وَاَقْصِرُ وَالْخُطْبَةَ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے انہوں نے فرمایا سنا میں نے آقا ﷺ سے آپ فرماتے تھے کہ بیشک خطیب شخص کی نماز کا لمبا وزیادہ ہونا اور اس کی تقریر کا چھوٹا ہونا اس شخص کے عالم وفقیہ ہونے کی نشانی ہے۔ لہٰذا اے خطیبو لمبا کیا کرو نماز کو اور کم کیا کرو تقریری خطبہ وخطاب کو۔ اس حدیث مقدس کی اقتضاء النص سے ثابت ہوا کہ جو خطیب امام تقریر اور خطبہ زیادہ کرے اور نماز چھوٹی کرے وہ عالم نہیں بلکہ جاہل ہے۔ اس حدیث مقدس کی شرح از مرقات صفحہ ۱۲۳ شرح مشکوٰۃ دوم اسی صفحہ ۱۲۳ کے حاشیے پر اس طرح ہے۔ حاشیہ ۷ لِاَنَّ الصَّلٰوةَ مَقْصُوْدَةٌ بِالذَّاتِ وَالْخُطْبَةُ تَوْطِيَةٌ فَتُصْرَفُ الْعِنَايَةُ اِلَى الْاَهَمِّ كَذَا قِيْلَ اَوْ لِاَنَّ حَالَ الْخُطْبَةِ تَوَجُّهُهٗ اِلَى الْخَلْقِ وَحَالَ الصَّلٰوةِ مَقْصَدُهُ الْخَالِقُ فَمِنْ فَقَاهَةِ قَلْبِهٖ اِطَالَةُ مِعْرَاجِ رَبِّهٖ۔ ترجمہ: نماز جمعہ کو لمبا کرنا اور تقریر وخطبہ جمعہ کو چھوٹا وتھوڑا کرنا اس لئے لازم اور ضروری ہے کہ اصل مقصود اول بالذات نماز ہے اور خطبہ وتقریر اس کے تابع اور پیچھے ہے اسی کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا اپنا زیادہ وقت اہم وضروری عبادت کی طرف لگانا بہت ضروری ہے۔ یہی بات سب بزرگوں کی طرف سے کہی گئی ہے۔ یا نماز جمعہ کو لمبا کرنا اس لئے اہم ولازم کہ حالت خطبہ وتقریر میں توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے اور حالت نماز میں بندے کا مقصد خالق تعالیٰ ہی ہے تقریر وخطبہ مخلوق سے باتیں کرنا ہے اور نماز میں اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض ومعروض کرنا ہے تو قلب مومن کی فقاہت اور لیاقت وسمجھداری عقلمندی اپنے رب تعالیٰ کی معراج کے وقت وحاضری بارگاہ کو طول دینا ہے۔ کتنے بدنصیب ہیں وہ خطیب وامام جو تقریر تو لمبی لمبی لفاظی سے کرتے ہیں جن میں اکثر خطبا کا مقصد محض سامعین کو خوش کرنا اور اپنی کامیابی کے نعرے لگوانا ہوتا ہے۔ فی زمانہ خلوص للٰہیت شاذ ونادر ہے مگر نماز کی جماعت اس طرح بھاگتے ہوئے مختصر کرتے ہیں گویا نماز سے پیچھا چھڑا رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) یا یہ لوگ نماز کو غیر اہم ومقصد ثانیہ سمجھتے ہیں۔

قانون تلاوت کی دلیل ہفتم: حدیث چہارم نسائی شریف جلد اول صفحہ ۲۱۵ باب القرئة فی صلاة الجمعه اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى الصَّنْعَانِيُّ عَنْ خَالِدِ بْنِ حَارِثٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُخَوَّلٍ عَنْ مُسْلِمِ الْبَطِيْنِ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْ صَلَاةِ الصُّبْحِ الٓمٓ۔ تَنْزِيْل۔ وَهَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ وَ فِيْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ بِسُوْرَةِ الْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِيْنَ۔ حدیث پنجم: عَنْ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِيْ صَلٰوةِ الْجُمُعَهِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ۔ ترجمہ حدیث چہارم: روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ بیشک نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں کبھی الم تنزیل یعنی سورۃ سجدہ تلاوت فرماتے تھے اور کبھی سورۃ دہر تلاوت فرماتے تھے اور نماز جمعہ میں سورۃ جمعہ ومنافقون تلاوت فرماتے تھے۔ پانچویں حدیث مقدس کا ترجمہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ کبھی کبھی نماز جمعہ میں سورۃ اعلیٰ اور کبھی سورۃ غاشیہ تلاوت فرماتے تھے۔

قانون تلاوت کی دلیل ہشتم: مسلم شریف کی شرح نووی جلد اول صفحہ ۲۸۸ پر اِسْتَخْلَفَ اَبَا هُرَيْرَةَ والی مدینہ [illegible] عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ [illegible] فِی الرَّکْعَۃِ الْاُوْلٰی مِنْ صَلٰوۃِ الْجُمُعَۃِ سُوْرَۃَ الْجُمُعَۃِ وَفِی الثَّانِیَۃِ الْمُنَافِقِیْنَ۔ فِیْہِ [illegible] مَذْهَبُنَا وَمَذْهَبُ الْآخَرِیْنَ۔ ترجمہ:۔راوی کا قول حدیث ابی ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) [illegible] پہلی رکعت جمعہ میں سورۃ جمعہ کو اور دوسری میں سورۃ منافقون کو اس حدیث میں [illegible] ان دونوں سورتوں کو پورا پورا پڑھنے کا ان دونوں رکعتوں میں اور یہی ہمارا (شافعی) مذہب [illegible] کا مذہب ہے۔ اس عبارت نووی شرح سے ثابت ہوا کہ طوال مفصل۔ اوساط مفصل [illegible] ہر نماز کی ہر دو پہلی رکعت میں پوری پوری مکمل پڑھنی سنت مستحب ہے۔ یہ [illegible] اگر کسی خاص مجبوری میں۔ ہاں البتہ سورۃ بقرہ سے سورۃ فتح تک کی مجموعات سورتوں میں سے ہر ایک کی [illegible] ان میں بھی طوال اور اوساط وقصار آیتوں کی تعداد برابر یا زیادہ باعتبار نمازوں کے تلاوت لازم ہے۔ مثلاً فجر، ظہر، جمعہ کی نمازوں میں سورۃ بقرہ سے بیس یا تیس آیتیں۔ عصر وعشاء میں اوساط برابر آیتیں اور مغرب میں قصار برابر [illegible] پڑھی جائیں۔ نیز ہم نے جو کہا ہے کہ آقاء کائنات ﷺ نے نمازوں میں کبھی یہ سورت اور کبھی یہ سورت تلاوت فرمائی اس لفظ کبھی کبھی کی دلیل شرح نووی کی تشریحی عبارت ہے۔ چنانچہ مسلم جلد اول صفحہ ۲۸۸ پر شرح نووی میں ہے۔ فَکَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ وَقْتٍ یَقْرَءُ فِی الْجُمُعَۃِ الْجُمُعَۃَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَ فِیْ وَقْتٍ سَبِّحْ وَهَلْ اَتَاکَ وَ فِیْ وَقْتٍ یَقْرَءُ فِی الْعِیْدِ قَافْ وَاقْتَرَبَتْ وَ فِیْ وَقْتٍ سَبِّحْ وَهَلْ اَتَاکَ۔ ترجمہ: پس تلاوت فرماتے تھے نبی کریم ﷺ کسی وقت نماز جمعہ میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون اور کسی وقت سورۃ اعلیٰ اور سورۃ غاشیہ اور کسی وقت نماز عید میں تلاوت فرماتے تھے۔ سورۃ ق اور سورۃ قمر اور کسی وقت تلاوت فرماتے ہیں سورۃ اعلیٰ اور سورۃ غاشیہ۔ اردو زبان میں فی وقت کا محاورتی ترجمہ ہے کبھی کبھی۔

قانون تلاوت کی دلیل نہم: صغیری شرح منیہ میں صفحہ ۲۸۱ پر ان ہی احادیث مبارکہ کی بنا پر یہ فرمان ہے۔ وَاِذَا قَرَءَ الْجُمُعَۃَ وَاِذَا جَاءَکَ الْمُنَافِقُوْنَ اَوْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ وَهَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ تَبَرُّکًا لِلْمَاثُوْرِ عَنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ حَسَنًا۔ لٰکِنْ یَتْرُکُہٗ اِحْیَانًا لِئَلَّا یَتَوَهَّمُ الْعَوَامُ وَجُوْبَہٗ۔ ترجمہ: اور جب کسی امام نے نماز جمعہ میں اس نیت سے سورۃ منافقون یا سورۃ اعلیٰ اور سورۃ غاشیہ تلاوت کی کہ یہ سورتیں کبھی کبھی آقاء کائنات ﷺ تلاوت فرمایا کرتے تھے اس امام نے بھی تبرکاً پڑھیں تو بہت اچھی بات ہے۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہ کرے بلکہ کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھا کرے طوال سے یا مجموعات سے طوال برابر تاکہ عوام مقتدی یہ وہم نہ کرلیں کہ شاید وہی سورتیں پڑھنا واجب ہیں جو نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے جن کا صراحتاً ذکر احادیث مبارکہ میں آتا ہے۔ (از حاشیہ صغیری ۶، صفحہ ۲۸۱) اس دلیل سے ثابت ہوا کہ ہر امام نماز فجر، ظہر، جمعہ میں مندرجہ بالا سورتوں کے علاوہ کبھی کبھی چالیس یا پچاس یا

ساٹھ یا سو آیتیں بھی فی رکعت تلاوت کیا کرے کیونکہ وہ بھی ماثورات منقولات یعنی احادیث وسنت سے ثابت ہے۔

قانون تلاوت کی دسویں دلیل: چھٹی حدیث مقدس نسائی شریف جلد اول، باب مَايُسْتَحَبُّ مِنْ تَقْصِيرِ الْخُطْبَةِ۔ یعنی تقریر خطبہ چھوٹا اور تھوڑا کرنے کا باب۔ صفحہ ۲۰۹۔ اَخْبَرَنَا محمد بن عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ غَزْوَانَ۔ عَنْ فَضْلِ بْنِ مُوْسٰى عَنْ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ يحيٰى بن مُقْبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ اَبِیْ اَوْفٰی يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ الذِّكْرَ وَيَقِلُّ اللَّغْوَ وَيُطِيْلُ الصَّلٰوةَ وَيُقْصِرَ الْخُطْبَةَ (الخ)۔ ترجمہ: روایت ہے یحییٰ بن مقبل سے انہوں نے فرمایا میں نے سنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے وہ فرماتے تھے کہ آقا ﷺ ذکر الٰہی بہت فرماتے تھے اور لغو یعنی بیکار بات بالکل نہ فرماتے تھے اور نمازیں لمبی فرماتے تھے اور تقریر چھوٹی و مختصر فرماتے۔ یہاں لفظ لغو کے معنی میں تین قول ہیں۔ (۱) لغو بمعنی بیکار تب يَقِلُّ کے معنی ہیں بالکل نہیں۔ (۲) لغو بمعنی مزاحیہ بات تب یقل کا معنی ہے بہت کم یعنی کبھی کبھی شاذ ونادر۔ (۳) لغو بمعنی دنیوی بات اور یقل کا معنی بہت کم۔ چنانچہ اس حدیث مقدس کی شرح میں نسائی شریف جلد اول کے صفحہ ۲۰۹ پر نہایہ کی عبارت حاشیہ ا اس طرح ہے۔ اَلْقِلَّةُ هَنَا بِمَعْنَى الْعَدَمِ لَقَوْلِهٖ تَعَالٰى۔ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ اَیْ لَا يَلْغُوْا اَصْلًا اَوْ يُرَادُ بِاللَّغْوِ اَلْهَزْلُ وَالدُّعَا بِهٖ اِنَّ ذَالِكَ كَانَ مِنْهُ قَلِيْلًا۔ ترجمہ: یہاں حدیث پاک میں قلت کا معنی ہے عدم یعنی بالکل نہ ہونا اس معنی کی دلیل وہ آیت ہے کہ فرمایا گیا۔ فَقَلِيْلًا مَّايُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی وہ کافر بالکل ایمان نہیں لاتے۔ اس قول میں حدیث پاک کا معنی ہے کہ آپ بالکل بھی لغو بات نہ کرتے تھے۔ یا لغو کا معنی ہے ہزل یعنی مزاح خوش طبعی یا دعابہ دنیوی کلام بات چیت۔ بیشک ایسا کلام آپ بہت کم فرماتے تھے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ تقریر و خطبہ کم کرو اور نماز دراز کیا کرو۔ یہ تمام ضابطے و قانون نماز باجماعت میں امام کیلئے ہیں۔

دیگر نمازوں کی قرئت کا بیان از احادیث مقدسات

ساتویں حدیث مقدس: نسائی شریف جلد اول صفحہ ۱۵۱ پر ہے۔ حَدَّثَنَا محمد ابْنَ بِشَارٍ مَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ ابْنِ عُمَيْرٍ۔ عَنْ شُعَيْبِ اَبِیْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ۔ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَءَ الرُّوْمَ (الخ)۔ ترجمہ: حضرت شعیب ابوروح سے روایت ہے وہ کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ سے کہ بیشک آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو سورۃ روم تلاوت فرمائی۔ خیال رہے کہ سورۃ روم کی چھپن آیتیں ہیں اور یہ سورت سورہ مجموعات میں سے ہے۔ **آٹھویں حدیث مقدس:** نسائی اول صفحہ ۱۵۲ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَءُ فِی صَلٰوةِ الْغَدَاةِ بِالسِّتِّيْنَ اِلَی الْمِاَةِ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے کہ بیشک آقا ﷺ فجر یک نماز میں ساٹھ آیتوں سے سو آیتوں تک تلاوت فرماتے تھے۔ یعنی کبھی کسی دن ساٹھ آیتیں اور کبھی کسی دن سو آیتیں۔ **نویں حدیث مقدس:** عَنْ اُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ ابْنِ

مُسْتَوِيَةٌ قَالَتْ وَمَا اَخَذْتُ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ اِلَّا مِنْ وَّرَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بِهَا فِي الصُّبْحِ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان سے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے پوری سورۃ ق و القرآن المجید (مقتدی ہونے کی حالت میں) حفظ کرلی۔ کیونکہ آقا ﷺ چند دن متواتر نماز فجر میں پڑھتے رہے اور ہم پیچھے سنتے سنتے یاد ہوگئی۔ خیال رہے کہ سورۃ قاف کی پینتالیس آیتیں ہیں اور سورۃ الطور کی انچاس ہیں۔ موضوع حدیث پاک: عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَآءَ اَحَدٍ اَشْبَهَ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فُلَانٍ. قَالَ سُلَيْمَانُ كَانَ يُطِيْلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْاُخْرَيَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَءُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَءُ فِي الْعِشَآءِ بِوَسَطِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَءُ فِي الصُّبْحِ بِطُوَلِ الْمُفَصَّلِ (از نسائی شریف جلد اول صفحہ ۱۵۴)۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ ابن یسار سے وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا حضرت ابوہریرہ نے میں نے نماز نہیں پڑھی کسی بھی ایسے شخص کے پیچھے جس کی نماز فلاں صحابی کے مقابل آقا ﷺ کی نمازوں کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتی ہو۔ راوی سلیمان نے فرمایا کہ وہ فلاں صحابی ظہر کی پہلی دو رکعتوں کو لمبا کرتے تھے۔ یعنی ان میں بہت زیادہ تلاوت فرماتے تھے اور ظہر کی دوسری دو رکعتوں کو چھوٹا کرتے تھے اور عصر کی نماز کو بھی چھوٹا کرتے تھے اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل کی سورتیں تلاوت کرتے تھے اور نماز عشا میں اوساط مفصل کی سورتیں پڑھتے تھے اور نماز فجر میں طوال مفصل کی سورتیں پڑھتے تھے اس حدیث مقدس سے چار باتیں ثابت ہوئیں۔ (۱) حضرت ابوہریرہ کا اشبہ صلوٰۃ فرمانا بتا رہا ہے کہ آقا ﷺ بھی اسی طرح نمازوں میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (۲) راوی کا كَانَ يُطِيْلُ فرمانا اس کا معنی ہے طوال مفصل کی سورتیں پڑھتے تھے اور یہی سنت مؤکدہ ہے۔ (۳) ثابت ہوا کہ نماز فجر اور ظہر میں بڑی سورتیں پڑھنی لازم ہیں جو امام چھوٹی سورتیں پڑھے گا وہ گناہ گار ہوگا اگرچہ نماز ہو جائے گی۔ اور یہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا ہے کہ نماز ظہر، فجر کی مثل ہے ایک وجہ سے اور نماز جمعہ ظہر کی مثل ہے دو وجہ سے۔ لہٰذا ان تینوں میں لمبی لمبی سورتیں پڑھنی اشد لازم ہیں۔ (۴) اس روایت میں تین بار يَقْرَءُ فرمایا گیا یہ تینوں فعل كَانَ يُطِيْلُ کے تحت ہو کر ماضی استمراری بن گئے۔ جس کا ترجمہ ہے ہمیشہ امام بن کر اسی طرح ظہر و فجر میں لمبی سورتیں عصر و عشاء میں اس سے چھوٹی سورتیں اور نماز مغرب میں اس سے چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے اور مندرجہ بالا احادیث مقدس سے ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ کبھی کبھی نماز فجر میں سو آیات کبھی ساٹھ کبھی چھپن کبھی پینتالیس آیتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے ہر امام پر لازم ہے کہ نماز فجر و ظہر و نماز جمعہ میں کبھی چالیس اور کبھی پچاس کبھی ساٹھ اور کبھی سو آیتیں تلاوت کیا کرے۔ عجیب غفلت پیدا ہوگئی ہے کہ مسلمانوں نے تلاوت چھوڑ دی ہے نہ گھروں میں عورتیں بچے تلاوت کرتے ہیں نہ مسجدوں میں مسلمان مرد نہ مقتدی نمازی خارج نماز تلاوت کرتے ہیں نہ امام داخل نماز۔ بس چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر نماز و قرآن سے جان چھڑاتے ہیں حالانکہ تلاوت قرآن مجید افضل عبادت ہے۔ افضل اعمال اور افضل ذکر ہے

چنانچہ جامع صغیر فی احادیث جلد اول صفحہ ۵۰ پر ہے۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. اَفْضَلُ الْعِبَادَۃِ قِرْئَۃُ الْقُرْآنِ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ فرمایا آقا ﷺ نے سب سے بہتر عبادت تلاوت قرآن مجید ہے۔ (بحوالہ مسند ابانہ) حدیث دوم۔ جامع صغیر جلد دوم صفحہ ۸۶ پر ہے۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ. قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِرْئَۃُ الْقُرْآنِ فِی الصَّلٰوۃِ اَفْضَلُ مِنْ قِرْئَۃِ الْقُرْاٰنِ فِیْ غَیْرِ الصَّلٰوۃِ وَقِرْئَۃُ الْقُرْآنِ فِی غَیْرِ الصَّلٰوۃِ اَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِیْحِ وَالتَّکْبِیْرِ وَالتَّسْبِیْحُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَۃِ وَالصَّدَقَۃُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ وَالصَّوْمُ جُنَّۃٌ مِنَ النَّارِ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ۔ فرمایا آقا ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت نماز میں بہت ہی بہتر ہے اس تلاوت سے جو تلاوت نماز کے باہر کی جائے۔ اور خارج نماز تلاوت افضل ہے تسبیح وتکبیر کے ورد وظیفے سے اور ذکر تسبیح افضل ہے صدقہ نفلی سے اور صدقہ نفلی افضل ہے نفلی روزے سے اور ہر روزہ ڈھال وآڑ ہے جہنم کی آگ سے۔ مگر آج کل کے خطیبوں اور اماموں کا نوجوان طبقہ اپنی جہالت بے عقلی کم علمی کی وجہ سے یہ بات نہیں سمجھتا چاہیئے تو یہ تھا کہ ہر مسلمان کے گھر بلکہ در ودیوار سے تلاوت قرآن کی صدائیں بلند ہوتیں مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کے گھروں سے ہنود و یہود ونصاریٰ کی مثل فحشیات ولغویات ولہویات کی آوازوں کے فلمی گانے گونج رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خطیبوں، اماموں اور عوام مسلمانوں کو سچی ہدایت نصیب ہو۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

کـــــتــــــبـــــــہ

فہرست جلد پنجم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	سوال: کیا سید زادی کا غیر سید مرد سے نکاح جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو شرائط کیا ہیں بالوضاحت مدلل جواب دیا جائے۔	۴، ۶
۲	جواب: دس شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔	۷
۳	اسلام میں کفو کی دو قسمیں ہیں ۱۔ سببی حسبی اور ۲۔ نسبی۔	۱۱
۴	اسلام نے عورت کا مقام بحیثیت بیوی بھی بہت بلند کیا ہے۔	〃
۵	مودتِ قربیٰ کا صحیح و سچا نقشہ وطریقہ۔	۱۲
۶	ایک تفضیلی شیعہ کی کفریہ گمراہی سورۃ تبت کی گستاخی۔	۱۴
۷	تفضیلی شیعہ حضرت امیر معاویہ رض کے بھی گستاخ ہیں۔	۱۵
۸	تفضیلی شیعوں کے چند غیر اسلامی عقیدے۔	۱۶
۹	سیدہ کے نکاح کے بارے میں تفضیلی شیعوں روافض کا ظالمانہ بے دلیل بناوٹی قانون۔	۱۷
۱۰	کفو کے بارے میں آئمہ ثلاثہ کا مسلک اور اُن کے دلائل۔	۱۸
۱۱	کفو کے بارے میں امام اعظم کا مسلک اور نقلی وعقلی دلائل اور دونوں قسم کے دلائل کا فرق۔	۲۰
۱۲	پہلی دلیل۔ قومیں اور ذاتیں رب تعالیٰ نے بنائیں ہیں۔ بندوں پر ان کی حفاظت لازم ہے۔	〃
۱۳	دوسری دلیل قانونِ شریعت نسبی کفو سے حسبی کفو درجوں بلند ہے	۲۱
۱۴	تیسری دلیل۔ عالم اور غیر عالم بحکم قرآنی برابر نہیں ہو سکتے لہٰذا غیر عالم افضل بھی نہیں ہو سکتا۔	۲۲
۱۵	حسب اقویٰ ہے نسب سے لہٰذا افضل و بلند بھی۔	
۱۶	دلیل چہارم۔ اگر سید مرتد ہو جائے تو اہلیت اور فاسق ہو جائے تو قومیت	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	ختم ہو جاتی ہے۔	
۱۷	دلیل پنجم۔ قیامت میں صرف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حسب و نسب قائم رہے گا، لہٰذا اے مسلمانو تم اپنا حسب اور اے سیدو تم اپنا حسب و نسب مرتے تک بچائے رکھنا۔	۲۳ ۲۴
۱۸	كُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ والی حدیث فرمانے کا منشاء و مقصد کیا ہے	؍؍
۱۹	دلیل ششم، فرمانِ نبوی کو حسبی کفو کا مرد مل جائے تو فوراً بیٹی بہن کے لیے قبول کر کے نکاح کر دو نسبت اور مال جمال کا انتظار نہ کرو۔	۲۵ ۲۶
۲۰	دلیل ہفتم۔ نسبی کفو نہ ملے تو صرف حسبی کفو میں بیٹی کا نکاح کرنے کے لیے کیا شرعی ضابطہ ہے۔	۲۷ ؍؍
۲۱	کس نکاح میں اذنِ ولی ضروری ہے کس میں نہیں، نیز شریعت میں صرف ولیِ اقرب کی رضا کافی ہے۔	۲۸
۲۲	آٹھویں دلیل: قریش کے دس قبیلوں کے پرانے اور نئے نام اور ہر قبیلہ آپس میں کفو نسبی ہیں	۲۸ ۲۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	کسی پر کسی کو فضیلت نہیں ہے۔	
۲۳	قُرَیْشٌ بَعْضُهُمْ اَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ یہ حدیث پاک سات وجہ سے صحیح اور مضبوط ہے۔ اس کو ضعیف کہنا جہالت ہے۔	۲۹ ۳۰
۲۴	نویں دلیل، نسبی کفو میں بھی حسبی کفو ہونے کی شرط ہے لہٰذا فاسق و کافر مرد نیک مسلمان خاندان کا کفو نہیں ہو سکتا۔	۳۱ ؍؍
۲۵	دسویں دلیل قبائلِ قریش میں نکاح کرنے کے لیے کسی پر کسی قبیلے کو کوئی فضیلت نہیں کفایت میں سب برابر ہیں۔	؍؍ ؍؍
۲۶	گیارھویں۔ بارھویں، تیرھویں دلیل	۳۲
۲۷	علامہ قاضی خان کی شانِ علمی اور علامہ برہان الدین صاحبِ ہدایہ کی شانِ علمی۔	؍؍
۲۸	چودھویں دلیل، حسبی، نسبی کفو کی پانچ صورتیں اور ان کا شرعی حکم	؍؍
۲۹	پندرھویں دلیل۔ فاسق مرد سید و وغیرہ۔ نیک عورت سیدہ وغیرہ کا کفو نہیں ہے۔ علوی کون ہیں	۳۵ ؍؍
۳۰	سولھویں دلیل۔ غیر سید اونچے خاندان کا عالم نیک مرد سیدہ کا	۳۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	[illegible] کی جنسیت [illegible] سے	۳۶
۳۱	[illegible] کی اولاد کو خصوصیت	"
۳۲	[illegible] قریش [illegible] نہیں بلکہ [illegible] کی بیوی [illegible] ہے۔	۳۷
۳۳	اٹھارھویں دلیل۔ ولی اقرب [illegible] کا بیان۔	" " ۳۸
۳۴	انیسویں دلیل۔ سوءِ اختیار والے والد اور دادا کا اختیار اور نکاح کرانے کا حق شرعی ختم ہو جاتا ہے۔	۳۸ ۳۹
۳۵	بیسویں دلیل۔ ولی اقرب کونسا نکاح کر سکتا ہے کون سا نہیں کر سکتا۔	" ۴۰
۳۶	سیدہ کا نکاح غیر سید سے جائز ہونے کے علمی دلائل، فی زمانہ نیک سنی سیدہ کے لیے نیک سنی سید مرد کا رشتہ ملنا مشکل ہو گیا ہے۔	۴۱ ۴۲
۳۷	فاروق اعظم کا سیدہ اُمِ کلثوم سے نکاح ہونے کے چھبیس[۲۶]	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	معتبر ثبوت۔	۴۲
۳۸	اگر سید لوگ صحیح العقیدہ۔ نیک سنی ہوں تو عام ملائکہ سے بھی افضل ہیں، حضرت حکیم الامت نعیمی بدایونی کا ایک فرمان۔	۵۴
۳۹	کفو کے بارے میں حنفی مسلک کا خلاصہ و ضابطہ۔	۵۵
۴۰	مفتیانِ گولڑہ شریف کے فتووں کا مکمل و مدلل تردیدی جواب	۵۶
۴۱	حضرتِ اعلیٰ پیر مہر علی شاہ صاحب کا فتویٰ مسلک حنفی کے مطابق ہے مگر شیعہ عقیدے کے خلاف ہے۔	۵۷
۴۲	علمِ اصولِ فتویٰ سے ناواقفی مفتی کی جہالت شمار ہوتی ہے۔	۵۹
۴۳	فقہاءِ کرام کے اصطلاحی الفاظ	۶۳
۴۴	مرجوح قول پر فتویٰ دینا جہالت ہے۔	
۴۵	مقلد شخص اپنے امام سے ہٹ کر فتویٰ دے تو وہ شرعی مجرم ہے اور فتویٰ باطل ہے۔	۶۴ ۶۵
۴۶	عالم و فقیہ کو بوجہ علمیت کفو نہ سمجھنا علم و فقہ کی توہین ہے۔	
	کیونکہ اُس شخص نے علمِ قرآن و حدیث	۶۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	اور نیکی و شرافت کو گھٹیا سمجھا لیے فتوے دینے والا مجرم شرعی اور فقہِ حنفی سے جاہل ہے۔	۷۰
۴۷	مفتیانِ گولڑہ کی ہیرہ پھیریاں اور قلابازیاں۔	۷۱
۴۸	سادات کے لیے مختلف اصطلاحی القاب باعتبارِ علاقہ۔	۷۲
۴۹	صدیقؓ و فاروقؓ کو تبرا کرنے والا صرف بدعتی نہیں بلکہ پکا کافر ہے،	〃
	اُس سے مناکحت صرف نامناسب ہی نہیں بلکہ حرام ہے	〃
	مفتیانِ گولڑہ کی تبرائی شیعوں کے لیے یہ نرم مزاجی خود ان کے شیعہ ہونے کا اشارہ ہے۔	۷۳
۵۰	آخری بات خلاصۂ مضمون	
۵۱	مودتِ قربیٰ کا صحیح اسلامی طریقہ	۷۴
۵۲	اِلاَّ نَسَبِیْ وَسَبَبِیْ والے ارشاد فرمانے کا منشاءِ نبوی۔	۷۵
۵۳	اس حدیث پاک اور آیت اِلاَّ الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی کا اصل اور صحیح منشا فاروقِ اعظم اور مولیٰ علیؓ نے سمجھا۔	۷۶
۵۴	قرآنِ مجید اور حدیث پاک کا مقصود اور منشا محض نسب پرستی	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	سکھانا نہیں بلکہ تاقیامت مسلمانوں کو معظم مکرم متقی اور سادات کا مربی و محافظ بنانا ہے۔	۷۶
۵۵	باوقار یا وفا خاوند بننا اور بحیثیت نظر اُستاد بننا بھی محبتِ سادات ہے۔	۷۷
۵۶	حضرت حکیم الامتؒ کا اپنے سادات تلامذہ کے ساتھ حسنِ سلوک کے چند اصولِ تعلیم	
۵۷	حضرت حکیم الامتؒ نے تاعمر سادات و پیرزادوں کو پڑھایا۔	۷۷
۵۸	کچھوچھہ شریف، ملاد آباد، چورہ شریف و بھکی شریف کے سید علما آپکے ہی شاگرد ہیں	
۵۹	حضرات سادات کو شاگردی میں لینے کا عملی نمونہ۔	۷۷
۶۰	سید شاگردوں کو مدرسے کا عمومی لنگر مت کھلاؤ۔	۷۸
۶۱	سادات شاگردوں کی اخلاقی پابندی لازم ہے اسلئے ان پر دورانِ تعلیم سختی جائز و ضروری ہے	۷۸
۶۲	تعظیم سادات کا حیران کن واقعہ	۷۸
۶۳	اصل مودتِ قربیٰ کیا ہے۔	
۶۴	شرعی فتویٰ	۷۹
۶۵	چھ سوالات کے جوابات	
۶۶	مدلل۔ از قرآن مجید اور	
۶۷	حدیث پاک و کتب فقہ سے	

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	دوسرا حقی علیہ السلام فرق کے لیے چار تحریک جاتے ایک پمفلٹ کا مکمل رد یہ ہی جواب	
۲	سائل نے استفتا میں غلط بے مصنف کی دیگر کتب کی غلطیوں پر بھی سوال کیا۔	۸۰
۳	غیر نبی کو علیہ السلام کہنا عقیدہ اسلام کے خلاف ہے اور اس کے جواز میں مصنف کے دلائل بے موقع اور غلط وکمزور ہیں	۸۲
۴	علیہ السّلام اور السّلام علیکم میں چند طرح شرعاً فرق ہے۔	۸۵
۵	غلط کتابوں سے حوالہ دے کر فتویٰ لکھنا عند الفقہا جہالت ہے۔	۸۶
۶	صلوٰۃ وسلام کی دو، دو قسمیں ہوکر چار قسمیں تین میں کوئی اختلاف نہیں صرف صلوٰۃ دعائیہ میں اختلاف ہے۔ اور اس میں چھ اختلافی اقوال ہیں۔	۸۷ ۸۸
۷	مکروہ تنزیہی بھی ناجائز ہوتا ہے مگر تحریمی سے کم شدّت والا ہے۔	//
۸	مکروہ تنزیہی کا ناجائز ہونا چار	
	درجہ کا ہے۔	
۹	صلوٰۃِ تعظیمی، صلوٰۃِ دعائیہ سلام تعظیمی، سلام دعائیہ سب کے الفاظ جُکے و صیغے مختلف ہیں صرف نیت پر مدار ومدار نہیں۔	۷۹
۱۰	معصوم صرف انبیاءِ کرام اور ملائکہ علیہمُ السّلام ہوتے ہیں۔	//
۱۱	شریعتِ اسلام نے کچھ الفاظ خاص لوگوں کے لیے مخصوص فرما دئے اُن کی فہرست۔	//
۱۲	تبلیغِ قرآنی، تعلیمِ نبوی وتعامُلِ صحابہ واہلِ بیت میں علیہ السّلام کہنا صرف انبیاء وملائکہ سے خاص ہے۔	۹۰
	عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ کا حکم فرمانے کی حکمت یہ تھی کہ آئندہ عقیدوں، کتابوں میں بہت اختلاف ہوں گے۔	۹۱
۱۳	ہر دعائیہ کلام وَصَلوٰۃ وسلام جملہ انشائیہ ہے اور تعظیمی صلوٰۃ وسلام جملہ خبریہ ہے۔	//
۱۴	اہلِ بیت کے لیے عَلَیْہِ السّلام کہنا شیعہ روافض کی ایجاد وعلامت ہے۔	۹۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵	پانچ چیزوں میں شیعہ روافض نے اہل بیت کو انبیاء علیہم السّلام کے مساوی کر کے کفر کمایا۔ اُن پانچ چیزوں کی فہرست۔	۹۳
۱۶	بلغتِ قرآنی آل کا معنیٰ اولاد نہیں بلکہ مطیع اور متبع ہے۔	"
۱۷	اصل اہل بیت بلغتِ قرآن ازواجِ انبیاء علیہم السّلام ہیں۔	"
۱۸	لفظِ کفو کا معنیٰ مثل نہیں بلکہ شریک رشتے دار قوم قبیلہ ہے۔	۹۴
۱۹	انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے مثل و مساوی کوئی بھی شخص کسی بھی چیز میں نہیں ہو سکتا۔	"
۲۰	مولیٰ علی و اہل بیت کو علیہ السّلام صرف شیعہ رافضی کہتے ہیں مسلکِ اہلِ سنت اور قرآن و حدیث کے قطعاً خلاف ہے۔	۹۵
۲۱	سیدنا عمر بن عبد العزیز نے ۹۹ھ میں شیعہ روافض کی اعتقادی اور خوارج کی انتقامی حرکت کو محراب و مسجد سے مٹا کر طریقۂ اہلِ سنت رائج فرمایا۔	۹۶
۲۲	سائل کے بھیجے ہوئے پمفلٹ کا صفحہ وار مکمل تردیدی جواب	۹۷
۲۳	جمہور صحابہ اور ائمۂ اربعہ کے قول و مسلک کی مخالفت شیطانی جہالت ہے۔	۹۸
۲۴	صلوٰۃِ دعائیہ عام مسلمانوں کے لیے فرمانا صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رب تعالیٰ کی طرف سے صَلِّ عَلَیْھِمْ، فرمانے کی وجہ سے خصوصی حکم ہے۔ باقی مسلمانوں کو صرف صَلُّوْا عَلَی النَّبِیِّ کا حکمِ ربانی ہے لہٰذا ہر مسلمان اِس حکم کی حد میں رہے۔ اپنی حد سے نہ نکلے	۱۰۰
۲۵	فتاویٰ شامی کی ایک عبارت مصنفِ محترم کو سمجھ نہیں آئی۔	۱۰۱
۲۶	اصطلاحِ فقہا میں جواز کے چار معنیٰ ہوتے ہیں۔	۱۰۲
۲۷	مختلف النبوت والے حضرات کی فہرستِ اسماء میں حضرت مریم کا نام شامل کرنا صاحبِ تفسیر روح البیان کی یا اپنی غلطی ہے یا بعد کی ملاوٹ ہے۔	"
۲۸	رب تعالیٰ نے خود ہی صلوٰۃ سے سلام کو منسلک فرمایا نہ کہ علامہ جوینی نے۔	۱۰۳
۲۹	سیدنا عمر بن عبد العزیز نے رافضی	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	نماز میں [illegible] کے لیے علمائے [illegible] کیا [illegible] [illegible] کر	۱۰۵
۳۰	نماز میں صلوٰۃ الی محمد پر [illegible] ذکر اہل بیت [illegible]	۱۰۶
۳۱	شیعہ روافض باطل فرقہ ہے اور باطل کی ہر عادت، عبادت بری ہوتی ہے کوئی بھی چیز اچھی نہیں ہوتی نہ نماز نہ اذان نہ کلمہ، لہٰذا ہر مشابہت باطل سے حرام ہے	۱۰۷
۳۲	کسی حدیث کو ضعیف کہنے کے لیے اصولِ حدیث کی دلیل ضروری ہے	۱۰۸
۳۳	آیتِ قرآنی سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاسِیْنَ میں شیعہ روافض کی تخریب کاری	//
۳۴	مصنف کا ثبوتوں کے انبار لگانے کا فضول دعویٰ اور وعدہ۔	۱۱۰
۳۵	مصنف صاحب کے اُنیس دلائل اور اُن کی کمزوری و غلط استدلالی	//
۳۶	صلوٰۃ کے لفظ سے غیر نبی کے لیے دعا کرنی بھی صحابہ و اہل بیت سے ثابت نہیں۔	
۳۷	ثبوتوں کے انبار لگانے کی ضرورت نہیں بلکہ فقط ایک ایک ثبوت قرآن مجید حدیثِ پاک عملِ صحابہ وا تابعین سے دکھانا کافی ہے آپ کی یہ ہی بڑی بہادری ہوگی۔	۱۱۱ / ۱۱۳
۳۸	سائل کے دیگر پانچ سوالوں کے جوابات، دوسرا سوال۔	//
۳۹	فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نکاح سیدہ بنتِ علی سے ثابت ہے، مصنف صاحب کے انکار کی تینوں وجہ کمزور اور غلط ہیں، تیسرا سوال	۱۱۴
۴۰	مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے علم کا پلہ سب صحابہ پر بھاری نہ تھا۔ بلکہ خلفاءِ ثلاثہ سے کم اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کے برابر تھا نہ کہ زیادہ۔	//
۴۱	خلافتِ راشدہ کی ترتیب افضلیت کی بنا پر ہوئی اور افضلیت کی ترتیب اللہ کی طرف سے کثرتِ علم کی بنا پر ہوتی ہے۔	۱۱۶
۴۲	حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ بھی بہت سے مشکل مسائل صحابہ سے پوچھا کرتے تھے خاص کر۔	//
۴۳	اپنے مشیر عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ سے۔	۱۱۷
۴۴	امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعض فیصلے مولیٰ علی کے بعض فیصلوں سے اچھے ہوتے تھے تو مولیٰ علی اپنے فیصلے چھوڑ کر	

نہیں جہلا ہیں ۲۰۹
گیارہواں فتویٰ: اولاد اور حمل میں غیر ذی روح بھی
زندہ و مردہ اور گھٹتا بڑھتا ہے۔ نطفہ علقہ مضغہ کا فرق ۲۱۰
مولیٰ علی کا ایک فرمان ۲۱۲
حیات کی چار قسمیں ۲۱۲
آدمیت اور انسانیت کا فرق۔ اولاد کون ہے۔ بیٹا،
بیٹی ہونا کیا ہے ۲۱۴
بارہواں فتویٰ: بینکاری سے جمع پونجی پر زکوٰۃ اور نفع کی
شریعت حیثیت ۲۱۵
اکاؤنٹ تین قسم کے ہوتے ہیں ۲۱۷
بینک کے سود سے بچنے کا طریقہ ۲۱۷
تیرہواں فتویٰ۔ درود شریف پڑھنے اور لکھنے کا فرق
اور ضابطہ ۲۱۷
دین اسلام کی خوبیاں ۲۱۸
سلام کرنے اور جواب سلام دینے کی تیس قسمیں ۲۱۹
مدینہ منورہ کو صرف مدینہ کہنا جاہلانہ گستاخی ہے ۲۱۹
درود شریف پڑھنے کے احکام مختلفہ ۲۲۱
مجموعی طرز بیانی کی تین اور انفرادی کی چھ قسمیں ۲۲۱
اضافت شخصی ہو تو نام اقدس کے ساتھ درود شریف
پڑھنا اور لکھنا منع ہے ۲۲۲
نقل مطابق اصل ہونا ضروری ہے ۲۲۳
چودہواں فتویٰ کتاب حسب و نسب علمی فکری غلطیاں
اور رافضانہ بدعقیدگی ۲۲۴
حسب و نسب یا سلب غضب۔ رافضیوں کا سب سے
بڑا تقیہ اور جھوٹ فریب ۲۲۵
ذریت عترت اور اولاد میں فرق ۲۲۸
فاروق اعظم کا مرتبہ مولیٰ علی سے زیادہ ہے ۲۲۹
اصل اہل بیت صرف ازواج پاک ہیں ۲۳۳
بدعقیدہ سید بھی ہو تو کافر ہے اس کی سیدومیت ختم ہو
جائے گی بدعقیدہ کو سید کہنا بھی گناہ ہے ۲۳۴
خلاصہ کلام ۲۳۵
اصل اسلامی شرعی اور فقہی عقائد و مسائل ۲۳۶
ذریت عترت اور اولاد میں چھ طرح فرق ہے ۲۳۶
اگر بچے سنی ہو تو بلا تاخیر توبہ کیجئے ۲۳۷
حسب و نسب جلد سوم کی غلطیوں کا جواب الجواب ۲۳۸
ندیم نام رکھنا گناہ ہے اور ساتھ میں نام محمد لگانا کفر یا
ضلالت ہے ۲۳۹
کفو میں نکاح کی پابندی سب مسلمانوں کیلئے ہے نہ
کہ صرف سادات کیلئے ۲۳۹
مشہور ہے کہ اکثر عجمی سیدوں نے اپنے نسب ضائع کر
دیئے نہ کہ عجمی غیر سادات نے ۲۴۶
اہل بیت کو علیہ السلام کہنا اور لکھنا صرف تبرائی اور
تفضیلی رافضی شیعوں کی نشانی ہے ۲۴۷
خارجی ناصبی اور شیعہ رافضی کا تعارف و پہچان ۲۴۸
الا سببی و نسبی والی حدیث مقدس میں لفظ سببی کے
مقدم ہونے کی وجہ ۲۵۰
بیوی کو لونڈی سمجھنا ہندو مذہب ہے اسلام نہیں ۲۵۲
جو شخص ازواج پاک کو اہلبیت نہ مانے وہ منکر قرآن
ہے ۲۵۳
مفعول مطلق ہمیشہ تاکید کیلئے ہی ہوتا ہے ۲۵۴
تفسیر بالرائے کی چھ قسمیں ہیں اور سب کفر ہیں ۲۵۵
بدعقیدہ سید نہ سید رہا نہ مسلمان اس کا احترام گناہ ۲۵۶
امام شافعی کی طرف انی رافض والا شعر منسوب کرنا
صواعق محرقہ اور مفتی مذکور کا جھوٹ ہے ۲۵۶

[illegible] ۲۷۹

[illegible] ۲۸۰

[illegible]

[illegible] ۲۸۱

[illegible]

[illegible] ۲۸۲

[illegible] ۲۸۳

[illegible] ۲۸۳

[illegible] ۲۸۴

[illegible] ۲۸۵

[illegible] ۲۸۵

[illegible] ۲۸۶

[illegible] ۲۸۷

[illegible] ۲[illegible]

[illegible] ۲[illegible]

[illegible] ۲[illegible]

[illegible] ۲۷۰

[illegible] ۲۷۰

[illegible] ۲۷۱

[illegible] ۲۷۲

[illegible] ۲۷۵

[illegible] ۲۷۶

[illegible] جنتی ایک جنتی ہے [illegible]

[illegible] جنتی ہے ۲۷۷

[illegible] والوں کو

عذاب جہنم ہے ۲۷۸

[illegible] رکعتوں میں بھی

تصنیفات صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

خلف الرشید حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قادری بدایونی

تفسیر نعیمی پارہ ۱۲ تا ۱۹	تفسیر القرآن
العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ	فقہ حنفی کا مدلل ترین فتاویٰ (۵ جلد)
خطبات نعیمیہ	جمعہ و عیدین و دیگر خطبات مع ضروری مسائل
نظریات اقبال	علامہ اقبال پر تنقید اور انکی فکری غلطیوں کی نشاندہی
درود تاج پر اعتراضات و جوابات	درود تاج پر نجدیوں کے اعتراضات کا مسکت جواب
راہ جنت بجواب راہ سنت	سرفراز خاں گکھڑوی کی کتاب "راہ سنت" منہ توڑ جواب
از بلا (اردو، انگریزی)	ردّ عیسائیت میں لاجواب کتاب (بطرز ناول)
المصادر العربیہ	۴۰۰۰ عربی مصادر کا خزانہ مع مشتقات و نحوی اصولوں کی وضاحت
تنقیدات اعلیٰ مطبوعات	مشہور اور مستند کتابوں میں چند ایسی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو کتابت کی غلطیوں، تصحیح کنندگان کی چشم پوشی، بعد کی ملاوٹ یا بعض جگہ خود مولف غلط فہمی کی وجہ سے انتہائی شدید قسم کی غلطیاں ہوگئیں ہیں جن کی وجہ سے عوام الناس سخت غلط فہمی یا گمراہی پھیلنے کا خدشہ ہے۔

تصنیفات حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی

تفسیر نعیمی
صرف قرآن کی معقول اور مستند تفسیر اردو زبان میں لکھی گئی سب سے مبسوط اور مفصل تفسیر، تمام اہم تفاسیر کے مضامین [illegible] آیات کی حیرت انگیز تفسیر سادہ اور سلیس زبان میں۔

مرآۃ شرح مشکوٰۃ
[illegible] احادیث کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہے حکیم الامت مفتی احمد یار خان [illegible] سادہ اور سلیس اردو زبان میں۔

جاء الحق
[illegible] سے استشہادات، شکوک و شبہات [illegible] عام فہم سلیس انداز تحریر۔

رسائل نعیمیہ
رسائل نعیمیہ میں حکیم الامت کے [illegible] مختصر رسائل اور چھوٹی کتب کو یکجا کر دیا گیا ہے تاکہ قارئین کو آسانی ہو۔ اس مجموعہ کے مطالعہ سے دینی اور اخلاقی موضوعات پر وافر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

مواعظ نعیمیہ
اس مجموعہ مواعظ میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ معرکۃ الآراء چند واعظ جمع کر دیے گئے ہیں جو آپ نے مختلف مجالس میں برجستہ ارشاد فرمائے تھے دین سے محبت کرنے والے ہر شخص کیلئے یہ انمول تحفہ ہے۔

شان حبیب الرحمٰن
[illegible] جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رب کریم نے اپنے محبوب بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو [illegible] قرآنی آیات سے نہایت ایمان افروز طریقہ سے واضح فرمایا ہے۔

علم القرآن
[illegible] قرآن پاک کی آیات کا ترجمہ کرتے وقت ایسی غلطیوں سے بچیں جن سے ان کا ترجمہ [illegible] عوام الناس کے علاوہ منتہیین کے لئے بھی ایک خزانہ بہائے بیش ہے۔

اسلامی زندگی
یہ مبارک رسالہ مردوں و عورتوں کی گھریلو زندگی سنوارنے والا مسلمانوں کو صحیح رسم سکھانے والا ہے اس کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے اشد ضروری ہے تاکہ وہ موجودہ معاشرے کی غلط رسومات سے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو محفوظ کر سکے۔

رحمت خدا بوسیلہ اولیاء اللہ
اللہ تعالیٰ کے مقبول بارگاہ بندے خواہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمانوں کا وسیلہ عظمیٰ ہیں اس رسالے میں تبدیلی کرنے والے وسیلہ اولیاء کے متعلق ناقابل تردید دلائل پیش کئے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے تمام شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ [illegible]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
اس رسالہ میں صحابہ کبار، اہل بیت اطہار کے درجات اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے صحیح مناقب و حالات نہایت تحقیق سے بیان کئے گئے ہیں اور ان کے متعلق علماء کرام کا نہایت مدلل فیصلہ بیان کیا گیا ہے۔ جسکے پڑھنے سے تمام شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں

سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
اس رسالہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو اختیارات کائنات میں حاصل ہیں ان کا بیان ہے اور معترضین کے اعتراضات کا مدلل اور دندان شکن جواب ہے جس کے مطالعہ سے شان رفیع کے بارے میں علم ہوتا ہے۔

علم المیراث
میراث ایک دقیق اور پیچیدہ فن ہے حضرت حکیم الامت نے اسے آسان اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس سے وکلاء قاضی حضرات کے علاوہ عوام الناس بھی بھرپور فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

سفرنامے
جلد اول اور جلد دوم، سفرنامہ حجاز کی مکمل روداد ہے جو بذریعہ بس قافلہ حج کے ساتھ کیا گیا تھا، راستے کے تمام علاقوں کے حالات و واقعات، صعوبیات اور مشکلات کا مختصر اور جامع تذکرہ اور نہایت ایمان افروز واقعات اور کیفیات کا بیان ہے۔

معلم تقریر
قبلہ مفتی صاحب کی فن خطابت پر ایک گراں قدر تصنیف ہے جس میں خطباء اور طلباء کی رہنمائی کی گئی ہے۔

تفسیر نور العرفان مع ترجمہ کنز الایمان
قرآن پاک پر عام فہم حواشی اختصار و جامعیت کا خوبصورت امتزاج عوام الناس کے لئے قرآن فہمی کا بہترین ذریعہ۔

نعیمی کتب خانہ گجرات

قدیمی کتب خانہ